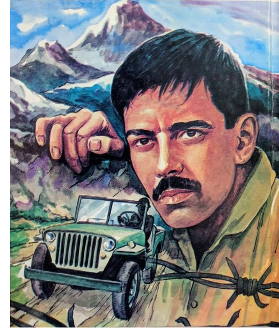
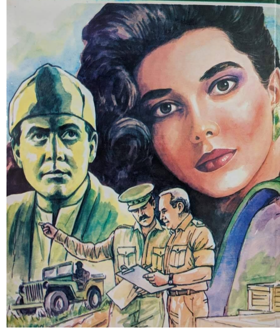
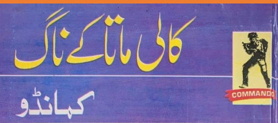
کمانڈو سیریز از اے حمید (ایڈمنز اردو بکس





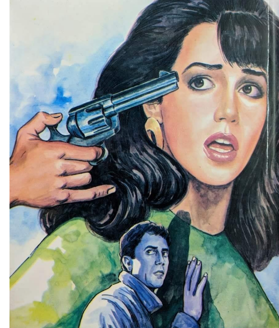




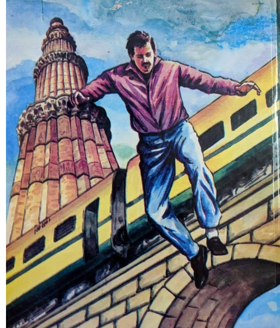






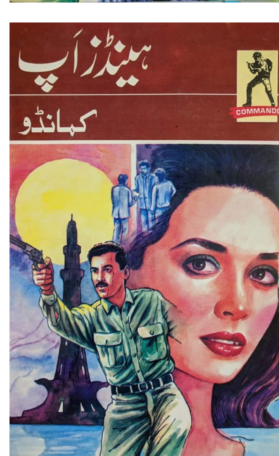


















کمانڈو

اے حمید

ٹارگٹ پٹھانکوٹ



کمانڈو

مجھے آدھی رات کے بعد پڑوسی ملک کی سرحد پار کرنا تھی

آسمان صبح سے ابر آلود تھا۔ پنجاب میں اس موسم میں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے۔ دوپہر کے بعد بوندا باندی شروع ہو گئی جو رات نو بجے تک جاری رہی۔ ٹیلی ویژن کی پیشن گوئی تھی کہ رات کو پھر بارش ہو گی۔ میرے خیال میں یہ بڑا ہی خراب موسم تھا۔ مگر میرے پر اسرار گائیڈ کے نزدیک سرحد پار کرنے کے لیے یہی موسم موزوں ترین تھا آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ میں غیر قانونی طریقے سے سرحد کیوں پار کر رہا تھا۔ میں زندگی کی اس خطرناک کہانی کو اسی لئے بیان کر رہا ہوں کہ آپ کو ایک ایک بات کھول کر بتا دوں۔ اور کسی بات کو چھپانے کی کوشش نہ کروں لیکن ایک بات میں شروع ہی سے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنا نام ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ جاسوسی ' فرار ' جان لیوا مصائب اور سنسنی خیز واقعات سے لبریز جرأت بہادری اور اپنے وطن پاکستان کے لئے جان تک قربان کر دینے کے جذبے کی اس سچی کہانی کو میں نے قسط وار اپنے پسندیدہ مصنف اے حمید کو سنانے کا فیصلہ کیا ہے' جو میرا نام صیغہ راز میں رکھ کر باقی واقعات کو لفظ بہ لفظ آپ تک پہنچاتے رہیں گے۔

مگر میرے نام کے بغیر کام نہیں چلے گا اس لئے میں اپنا ایک فرضی نام رکھ رہا ہوں اور یہ نام ہے عامر... قومی جذبہ سے سرشار میری اس سنسنی خیز کہانی کا آغاز ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اور سقوط ڈھاکہ سے کچھ پہلے ہوتا ہے۔ اس جنگ نے میرے دل میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ ہر وقت یہی دھن سوار رہتی کہ اپنے وطن عزیز کے لئے کوئی ایسا کام کروں کہ دشمن کو دوبارہ ہماری طرف میلی نگاہ سے دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔ میں نے فوج میں کمیشن حاصل کرنے کی کوشش کی مگر بعض ناگزیر گھریلو وجوہ کی بنا پر میں فوج میں کمیشن نہ لے سکا۔ آگے پڑھائی جاری رکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کالجوں کے غیر یقینی حالات سے دل اکتا گیا تھا۔

مجھے زبانیں سیکھنے کا شروع ہی سے شوق تھا۔ فارسی میں نے اپنے ایک خاص استاد سے پڑھی تھی۔ تھوڑی بہت عربی بھی ان سے سیکھ لی تھی۔ انگریزی کے علاوہ میں نے قدیم ہندوستان کی تاریخ کا بھی بھرپور مطالعہ کیا ہندی زبان بھی اپنے ایک بہاری دوست سے سیکھ لی تھی۔ گیتا اور قدیم ویدوں کے

کچھ اشعار کا ترجمہ پڑھ ڈالا۔ یہ میں محض اپنے شوق کی خاطر کر رہا تھا مگر آگے چل کر اس علم نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا بلکہ کئی مقامات پر میری جان بھی بچائی۔

میں نے کالج کے زمانے میں مجاہد فورس میں شامل ہو کر باقاعدہ تربیت حاصل کی تھی۔ تھوڑی بہت کمانڈو ٹریننگ بھی حاصل کر لی تھی دوسری جنگ عظیم میں ملٹری انٹیلی جینس کے حیرت انگیز کارنامے پڑھ پڑھ کر میرے دل میں امنگ پیدا ہو چکی تھی کہ موقع ملے تو میں بھی اپنے وطن کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دوں۔

۱۹۷۱ء کی جنگ سے پہلے بھارت نے اپنے گوریلے مشرقی پاکستان بھیج کر وہاں کے حالات کو مخدوش بنانا شروع کر دیا تھا۔ مغربی پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ بھی وہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کر رہا تھا۔ دشمن کے ناپاک عزائم دیکھ دیکھ کر میرا دل کڑھتا رہا مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا اگرچہ ہماری فوج کے جانباز پوری طرح چوکس تھے اور دشمن کے ہر حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے ہر لمحے تیار تھے لیکن میں بھی اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتا تھا۔ میرا رجحان فوجی سراغرسانی کی طرف تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے مشہور فوجی جاسوسوں کے کارنامے پڑھ پڑھ کر میں بہت طاق ہو گیا تھا۔ ہر وقت اسی ادھیڑ بُن میں رہتا کہ رضا کار کمانڈو کی حیثیت سے دشمن کے مورچوں کے عقب میں جا کر اسے ضرب کاری لگاؤں مگر یہ اتنا آسان کام نہیں تھا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ مجھے ایک غیر فوجی ہونے کی حیثیت سے معلوم نہیں تھا کہ دشمن نے اپنی سرحدوں کے عقب میں کس کس مقام پر فورس جمع کر رکھی ہے۔ دوسری مشکل بھارت کی سرحد کو پار کرنے کی تھی۔

میرے والد صاحب، اپنی جوانی کے زمانے میں پورے ہندوستان کی سیاحت کر چکے تھے۔ انہوں نے پشاور سے لے کر راس کماری تک اور اڑیسہ۔ کٹک سے لے کر بمبئی تک کئی بار سفر کیا تھا۔ وہ مجھے اپنے اس سفر کی دلچسپ کہانیاں سنایا کرتے تھے اور ان کے ان سفرناموں سے مجھے بھارت کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد میں بھی دو چار مرتبہ امرتسر، دِلّی، بمبئی اور کلکتہ کی سیر کر چکا تھا۔ میرے والد صاحب امرتسر کے رہنے والے تھے اور قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔ امرتسر، پٹھان کوٹ، چمبہ اور ہوشیار پور کے بارے میں انہوں نے مجھے بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ مجھے اپنے سفر کی دلچسپ کہانیاں سناتے اور میں ان معلومات کو اپنے لاشعور میں جمع کرتا جاتا تھا۔

۱۹۷۱ء کے ابتدائی ایام میں جب دشمن نے مشرقی پاکستان میں اپنے تخریب کاروں کے ذریعے انتشار کی مہم شروع کی اور مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیا تو میں نے دل ہی دل میں کسی مہم پر نکلنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ مجاہد فورس میں رہنے کی وجہ سے میری فوجی معلومات میں کافی اضافہ ہوا تھا اور ایک کیپٹن صاحب سے دوستی بھی ہو گئی تھی۔

میں نے باتوں ہی باتوں میں ان سے کرید کرید کر یہ معلوم کیا..... کہ دشمن نے پاکستانی سرحد سے دور پٹھان کوٹ کی چھاؤنی کے قریب پہاڑوں میں ایک ایسی توپ نصب کر رکھی ہے کہ جنگ کی صورت میں اس کے انتہائی تیز رفتار اور پانچ پانچ من بارود کے حامل گولے لاہور شہر میں آکر پھٹیں گے جو بے پناہ تباہی پھیلا سکتے ہیں۔

میں پہلے ہی قومی جذبے سے سرشار تھا۔ دشمن کے ان عزائم کی خبر ہوئی تو میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ اس توپ کو تباہ کر کے ہی دم لوں گا۔ اس وقت یہ فیصلہ بڑا بچکانہ لگتا تھا۔ بھلا ایک غیر فوجی جوان دشمن کی سرحد پار کر کے دشمن کی چھاؤنی میں پہنچ کر ایک ایسی جدید ترین اور بھاری بھرکم توپ کو کیسے تباہ کر سکتا ہے جس کی حفاظت کے لئے نہ جانے کیسے کیسے جان لیوا انتظامات لئے گئے ہوں گے۔ اس کے باوجود میں فیصلہ کر چکا تھا۔ میرا یہ فیصلہ میری ایک طویل اور خطرناک ترین مہم کا آغاز تھا جس میں قدم قدم پر مجھے موت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ بعد میں خود ہی پڑھ لیں گے۔

میں اپنے ذرائع سے جس قدر بھی معلومات حاصل کر سکتا تھا، حاصل کر لیں۔ امرتسر سے پٹھان کوٹ تک میں دو بار سفر کر چکا تھا۔ پھر بھی میں نے اس سفر کی تمام یادداشتوں کو اپنے ذہن میں ایک بار پھر تازہ کیا۔

سب سے بڑا مسئلہ پاک بھارت سرحد عبور کرنے اور مالی ضروریات کو پورا کرنے کا تھا۔ میں اس مسئلے کو حل کرنے کی دھن میں لگ گیا۔ اسی سلسلے میں میری ملاقات اسمگلروں کے ایک گروہ سے ہو گئی۔ ان دنوں اس گروہ کے آدھے آدمی مر چکے ہیں اور باقی جیل میں سزا بھگت رہے ہیں لیکن میں ان کا شکر گزار ہوں... اگر یہ لوگ میری مدد نہ کرتے تو میں اپنے عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہوتا اگرچہ میری مدد کرنے میں سراسر ان کے مفادات ملوث تھے۔ تاہم میں ان کے تعاون سے سرحد پار کر گیا اور میری پنہ مالی امداد بھی ہو گئی، میں اسمگلروں کے اس گروہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا کیونکہ اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی اسمگلروں کا یہ خطرناک گروہ سرحد پار اسمگلنگ میں بے حد سرگرم تھا اور ان کا شرقی پنجاب کے سکھوں سے باقاعدہ رابطہ تھا۔ اسی گروہ کا ایک خاص آدمی جو مسلمان تھا، امرتسر میں مقیم تھا، جو اسمگلنگ کے ناپاک کاروبار کی سرحد پار نگرانی کرتا تھا۔ اس کا نام آج تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ اسے گروہ کے لوگ کرونڈیا کے نام سے یاد کرتے تھے کرونڈیا پنجاب میں ایک سانپ ہوتا ہے جو بنجر زمینوں میں پایا جاتا ہے اور اس قدر زہریلا ہوتا ہے کہ آدمی کو ڈستے ہی وہ پرے ہٹ جاتا ہے تاکہ آدمی اس کے اوپر نہ گر پڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ڈستے ہی آدمی مر جاتا ہے۔ گوالمنڈی میں ... الف کے ایک بدمعاش سے میری واقفیت تھی یہ آدمی اس گروہ کو جانتا تھا۔ اس کی وساطت سے میری اسمگلروں کے گروہ کے لیڈر سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے اسے یہی بتایا کہ میرے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور میں اسمگلنگ کے ذریعے دولت کمانا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں نے خفیہ طور پر

میری خوب چھان پھٹک کی اور آخر مجھے اپنے گروہ میں شامل کر لیا لیکن ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر میں نے انہیں دھوکا دیا تو مجھے دنیا کے آخری حصے تک ڈھونڈ کر بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔

میرا مقصد تو صرف سرحد پار کرنا تھا۔ اسمگلنگ سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا پھر بھی مجھے اپنے مشن کے لئے بھارتی کرنسی کی ضرورت تھی۔ لیڈر نے پہلے پھیرے کے لئے ہیروئن کا ایک پلاسٹک میں لپٹا ہوا لفافہ میری کمر کے گرد باندھ دیا اور کہا یہ لفافہ تمہیں امرتسر میں کروندیا کو پہنچانا ہو گا۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ واپسی پر اس کے آدمی تمہیں پاکستان کی سرحد پار کرا دیں گے۔ یہاں آنے کے بعد تمہیں اس پھیرے کی اجرت دس ہزار روپے ادا کر دی جائے گی۔

میں نے لیڈر سے پوچھا کہ کیا مجھے ہندوستان میں کچھ روپے ادا نہیں کیئے جا سکتے کیونکہ میں وہاں سے اپنی پسند کی کچھ چیزیں لانا چاہتا ہوں۔

" تمہیں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ تم ہمارا پھیرا لگانے جاؤ گے ' میلہ دیکھنے نہیں۔ امرتسر کے بازاروں میں گھومنے پھرنے کی بھی کوشش نہ کرنا"۔ لیڈر نے کہا۔

میں خاموش ہو گیا لیکن دل میں 'ایک منصوبہ' میں نے اسی وقت تیار کر لیا تھا مجھے آدھی رات کو ایک خاص مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ہیروئن کی تھیلی میری کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ میں رکشے میں اپنے گھر سے واہگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ آسمان صبح ہی سے بادلوں میں گھرا ہوا تھا۔ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی سہ پہر کی ہلکی ہلکی بوندا باندی رات کو بجے تک جاری رہی۔ جس کی وجہ سے سردی میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ شالامار ٹاؤن سے دو فرلانگ دور بائیں جانب میں رکشے سے اتر گیا اور اندھیرے کھیتوں میں سے گزرتا ہوا ایک ویران سے کوارٹر میں آ گیا' یہاں دو آدمی انگیٹھی جلائے آگ تاپ رہے تھے۔ چارپائی پر لحاف پڑا تھا۔ میرا ان دونوں سے تعارف ہو چکا تھا۔ انہوں نے کیتلی سے چائے' پیالی میں ڈال کر مجھے دی۔ یہ بڑے خرانٹ قسم کے اسمگلر تھے اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے "باؤ! یہ کوٹ پتلون تبدیل کر لو"۔

میں چونک پڑا "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ایک اسمگلر ہنس کر بولا " نئے نئے بھرتی ہوئے ہو دو چار پھیرے لگاؤ گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا پچھلی کوٹھری میں جاؤ وہاں دھوتی' کھدر کی قمیص اور کمبل رکھا ہے' وہ جا کر پہن لو"۔

میں چپکے سے اٹھ کر پچھلی کوٹھری میں آ گیا جہاں طاق میں ایک موم بتی روشن تھی۔ دیوار کے ساتھ چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر نسواری رنگ کا ایک کمبل' مٹیالے رنگ کے کھدر کا ایک کرتہ اور کھدر کی دھوتی پڑی تھی۔ میں نے یہ دیہاتی لباس پہن لیا۔ بوٹ اتار کر دیہاتی وضع کی جوتی پہنی اور کمبل اوڑھ کر اسمگلروں کے پاس واپس آ گیا وہ میری طرف دیکھ کر مذاق کے انداز میں ہنسنے لگے "اب آئے ہو تم اصلی جون میں... بیٹھو یہاں ...!" میں خاموشی سے انگیٹھی کے پاس بیٹھ گیا اور چائے پینے لگا

ایک اسمگلر سگریٹ سلگا کر بولا "سودا کہاں ہے ؟"

"میری کمر کے گرد لپٹا ہوا ہے "۔ میں نے کہا۔

اسمگلر خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔ کوارٹر کے چھوٹے کمرے کی فضا بڑی بوجھل تھی۔ ایک اسمگلر نے دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر کوٹھری میں چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔ میں کانپ گیا۔ اس نے انگیٹھی کے پاس بیٹھتے ہوئے ریوالور میری طرف بڑھا کر کہا۔ "اسے اپنے پاس چھپا کر رکھنا... اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو اس میں سات گولیاں بھری ہوئی ہیں "۔

میں نے ریوالور لے کر تہمد کی ڈب میں لپیٹ کر رکھ لیا۔ انہوں نے مجھے سگریٹ پینے کو دیا۔ میں نے سگریٹ انگیٹھی میں دہکتے ہوئے کوئلے سے سلگایا اور خاموشی سے کش لگانے لگا۔ دوسرا اسمگلر میری طرف دیکھے بغیر بولا "تمہاری پتلون میں اگر نقدی ہے تو وہ یہیں پڑی رہے گی۔ واپسی پر تم اسی جگہ پر کپڑے بدلو گے۔ کروندیا کو تمہاری اطلاع کر دی گئی ہے۔ وہ گورو سرستلانی کے گاؤں کے باہر تمہیں مل جائے گا۔ وہ تم سے پوچھے گا' لالہ جی نندی پور کو یہی راستہ جاتا ہے ؟' تم جواب میں کہو گے۔ راج کرے گا خالصہ...! یہ تمہاری پہچان ہو گی۔ اسے اچھی طرح سے یاد کر لو تم نے گڑبڑ کر دی تو ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔ کروندیا پہلے ہی چار خون کر چکا ہے۔

میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ عجیب جرائم پیشہ لوگوں سے واسطہ پڑ گیا تھا... مگر میرا مقصد عظیم اور قومی نوعیت کا تھا اور میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان تک قربان کر دینے کا عزم لے کر گھر سے نکلا تھا پھر بھی میں ناتجربہ کار تھا۔ تقاضائے بشریت کے تحت کچھ کچھ دل میں خوف زدہ بھی تھا۔ میں نے کوڈ ورڈز کو اچھی طرح سے ذہن میں یاد کر لیا۔

"بھوک تو نہیں لگی ؟' ایک اسمگلر نے پوچھا۔

"جی نہیں ! میں کھانا کھا کر آیا ہوں "۔

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اوئے ! یہ 'جی نہیں' کیا ہوتا ہے ؟ آئندہ ہمیشہ میرے ساتھ توں تڑاک سے بات کرنا!"

دوسرا اسمگلر سگریٹ کو اپنی جوتی کے نیچے دباتے ہوئے بولا۔ "باؤ ہے... ابھی نیا ہے... سب کچھ سیکھ جائے گا۔"

بند کمرے میں دھیما سا بلب روشن تھا جس میں اسمگلروں کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ایک اسمگلر نے اپنی گرم قمیص کا کف پیچھے ہٹا کر وقت دیکھا... پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جس نے مجھے کہنی سے ٹھوکا مار کر کہا "کھڑے ہو جاؤ باؤ !"

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میرا کمبل اور قمیص اوپر اٹھا کر میری کمر کے گرد بندھی ہوئی ہیروئن کا

لفافہ چیک کیا۔" مال موجود ہے استاد "۔

تو پھر اسٹارٹ کرو گاڑی۔"

باہر برفیلی رات خاموش تھی' دور سڑک پر کھمبوں کے بلب سرد کہر میں دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ میرا ساتھی مجھے لے کر کھیتوں میں سے گزرتا ہوا ایک کچے کوٹھے کے باہر جا کر کھڑا ہوا اور آہستہ سے سیٹی بجائی۔ اندر سے کمبل میں منہ سر لپیٹے ایک آدمی نکلا میرا ساتھی آہستہ سے بولا" تازہ اخبار آ گیا ہے' آج کا؟"

" ہماری خبر چھپی ہے' استاد!" وہ آدمی بولا۔

" خبر ساتھ لایا ہوں۔"

میرے ساتھی نے جواب دیا اور پھر جدھر سے آیا تھا' خاموشی سے اسی طرف واپس چل دیا۔

نئے اسمگلر نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولا" میرے ساتھ آؤ' خاموشی سے ...!"

وہ رات کے اندھیرے میں' مجھے کوٹھے کے پیچھے لے گیا جہاں درختوں کے نیچے ایک بند جیپ کھڑی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تو میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جیپ اسٹارٹ ہوئی اور اندھیرے میں ہیڈلیمپس روشن کیئے بغیر کچے راستے پر ایک طرف دوڑنے لگی۔ میرا ساتھی خاموش تھا۔ ایک جگہ سے موڑ کاٹ کر جیپ تنگ راستے پر مڑ گئی۔ جس کی دونوں جانب قد آدم جھاڑیاں اندھیرے میں خاموش کھڑی تھیں۔ کئی چکر کاٹتی ہوئی جیپ اس تنگ راستے پر دیر تک چلتی رہی پھر ایک جگہ' ٹیلے کی اوٹ میں رک گئی۔

" میرے ساتھ آؤ۔" میرے ساتھی نے کہا اور مجھ سے دو قدم آگے آگے چلنے لگا۔ یہاں کھیت ختم ہو گئے تھے۔ ویران اور بنجر زمین تھی۔ جگہ جگہ کھائیاں اور گھاٹیاں تھیں۔ آسمان پر بادل جھکا ہوا تھا۔ بارش کی وجہ سے زمین گیلی تھی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے میری ٹانگیں ٹھٹھر رہی تھیں۔ ایک جگہ ایک نالہ آ گیا جس کے کناروں پر نرسل لہرا رہے تھے۔ نالے میں اترنے کے بعد میرے ساتھی نے کہا" کھانسی چھینک بند ... بیڑی سگریٹ بند بول چال بند ... آگے انڈیا کا باڈر ہے"۔

ہم نالے سے گزر گئے۔ آگے ڈھلان تھی ایک گہرا موت ایسا سناٹا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ اچانک ایک طرف روشنی ہوئی میرے ساتھی نے مجھے پیچھے نالے کی طرف کھینچ لیا۔ ہم جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ روشنی بائیں جانب سے آ رہی تھی قریب آئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک جیپ ہے۔ جیپ تیزی سے گزر گئی۔

" ہماری باڈر پولیس ... شی ... بولنا نہیں ... آؤ ...!" میرا ساتھی بڑبڑایا۔

جیپ کی عقبی سرخ بتی اب اندھیرے میں بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جھک گیا' میں بھی جھک گیا" بھاگو!"

ہم دونوں جتنی تیزی سے دوڑ سکتے تھے ' جھکے جھکے دوڑتے چلے گئے دور سے رائفل کا فائر سنائی دیا ہم نے ایک خالی میدان عبور کیا تو میرا ساتھی مجھے کھینچتا ہوا ایک درخت کے نیچے لے گیا اور ہم وہاں زمین پر بیٹھ گئے۔ اس نے سرگوشی میں کہا" ہم اس وقت انڈیا کی زمین پر ہیں"۔

وہ اندھیرے میں چاروں طرف دیکھتا رہا پھر میری کلائی پکڑ کر اٹھا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف چلنے لگا۔ ہم ایک نہر کے کنارے پہنچ گئے۔ نہر پار کر کے مجھے پہلی بار دور اندھیرے میں دو چار بتیاں جھلملاتی نظر آئیں۔ میرا ساتھی رک گیا۔" وہ سامنے گورو سرستلانی گاؤں کی روشنیاں ہیں۔ اسی گاؤں کے باہر تمہیں تمہارا ساتھی ملے گا۔ اب میری ڈیوٹی ختم' آگے تمہارا کام شروع ہوتا ہے"۔

یہ کہہ کر وہ اتنی تیزی سے اندھیرے میں غائب ہو گیا کہ میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ مجھے پہلی بار خطرناک تنہائی اور شدید سردی کا احساس ہوا۔ میں نے کمبل کو اپنے جسم اور منہ ' سر کے گرد اچھی طرح سے لپیٹا اور خدا کا نام لے کر گاؤں کی طرف چلنے لگا۔ بھرا ہوا ریوالور میری ڈب میں تھا۔ ہیروئن کی تھیلی میری کمر کے گرد بندھی تھی۔ یکایک مجھے باتوں کی آواز سنائی دی۔ دو آدمی پنجابی میں بات کر رہے تھے۔ میں کھیت کی دوسرے طرف ہو کر آگے بڑھا تو بائیں جانب دو سائے نظر آئے وہ آپس میں کھیتوں میں پانی لگانے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے زبان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سکھ ہیں۔ میں درختوں کے پیچھے سے ہو کر رات کے اندھیرے میں آگے نکل گیا اگر آپ لاہور سے بذریعہ ٹرین انڈیا گئے ہوں تو آپ کو یاد ہو گا کہ واہگہ سے آگے بھارت کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے پھر اٹاری کا ریلوے اسٹیشن آتا ہے ' جو کسی زمانے میں بڑے بڑے سکھ جاگیرداروں کا گڑھ تھا اور اسی بستی کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک سکھ جرنیل شام سنگھ اٹاری نے آباد کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد باڈر پر واقع ہونے کی وجہ سے اٹاری کی حویلیاں ویران ہو گئیں۔ سکھ اپنی زمینیں فروخت کر کے بڑے شہروں کی طرف چلے گئے۔ اٹاری سے آگے گورو سرستلانی کا چھوٹا سا گاؤں آتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بھی یہاں ریل بہت کم کھڑی ہوتی تھی۔ اس گاؤں کے آگے ریلوے اسٹیشن آتا ہے ... پھر چھ ہرٹہ اور اس کے بعد امرتسر کا شہر آ جاتا ہے۔

گورو سرستلانی ایک چھوٹا سا سکھوں کا گاؤں ہے جہاں کاشت کار ہی رہتے ہیں۔ گاؤں کے باہر بجلی کے کھمبے پر ایک بلب روشن تھا جس کی روشنی سرد رات کے کہر میں کپکپاتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں ترکاریوں کے کھیت میں سے گزر رہا تھا۔ اب میں یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے میں بھی کسان ہوں اور رات کو اپنے کھیتوں میں پانی لگانے آیا ہوں۔

گاؤں کے کچے مکان اندھیرے اور سردی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گاؤں کے کونے کے قریب اینٹوں کا ایک ویران بھٹہ تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اچانک ایک کمبل پوش سایہ نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ "لالہ جی! نندی پور کو یہی راستہ جاتا ہے؟"

میں سمجھ گیا کہ یہی کروندیا نام کا اسمگلر ہے ' جو میری پیشوائی کے لئے آیا ہے ۔ میں نے جواب میں کہا " راج کرے گا خالصہ !"

وہ آہستہ سے میرے قریب آگیا " چہرہ کراؤ "؟

میں نے کمبل منہ سے کھسکا دیا ۔

" میرے ساتھ آجاؤ " اس نے کہا ۔

گاؤں کے مکان نیند میں ڈوبے ہوئے لگتے تھے کچے راستے میں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گئی تھی ۔ ہم گاؤں سے نکل کر ایک سڑک پر درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے ۔ میرے نئے اسمگلر ساتھی کروندیا نے کہا " یہاں میرا نام پرشوتم داس ہے مجھے سب پرشو تو کہتے ہیں ۔ تمہارا نام کیا ہے "؟

" عامر....!" میں نے جواب دیا ۔

" رات کے پونے تین بج رہے ہیں ۔ اٹاری سے ایک بس چھ ہرٹہ کے کارخانوں کے لئے مزدوروں کو لے کر آنے والی ہے ۔ ہم اس میں بیٹھ کر چھ ہرٹہ جائیں گے ۔ تم کوئی بات نہ کرنا ۔ ان کی پنجابی لاہور والی پنجابی سے بہت مختلف ہے "۔

تھوڑی دیر میں ایک بس کی روشنیاں سڑک پر جھلکنے لگیں ۔ کروندیا سڑک کے بیچ میں کھڑے ہو کر زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا ۔ بس ہمارے قریب آکر رک گئی ۔ سکھ ڈرائیور نے بلند آواز میں کہا " اوئے ! کتھوں آ گئے او تم دو نو "؟

ہم جلدی سے بس میں سوار ہو گئے ۔ اندر نیم خوابیدہ سکھ اور ہندو مزدور بیٹھے اونگھ رہے تھے ۔ کروندیا نے ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر ڈرائیور سے کہا " مہاراج ! پٹھان کوٹ کچہری میں پیشی ہے ۔ امبرسر سے چار بجے والی بس پکڑنی ہے ' مہاراج !"

" بیٹھ جا اوئے طوطا راما "!

" اچھا مہاراج !"

کروندیا نے میرا بازو کھینچ لیا اور ہم دنوں بس کے فرش پر ہی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے ۔ بس امرتسر کی طرف چل پڑی ۔ قصبہ خاصا گزر گیا تو بائیں جانب کارخانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ ان میں روشنیاں ہو رہی تھیں پھر چھ ہرٹہ پہنچ کر بس کپڑے کے ایک بہت بڑے کارخانے کے گیٹ پر رک گئی ۔ مزدور نیند بھری آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے بس سے اترنے لگے ۔ ہم بھی بس سے اتر آئے ۔ سامنے ایک سکھ ' سائیکل رکشا کے پاس زمین پر کانڈوں کی آگ جلائے کمبل اوڑھے بیٹھا آگ تاپ رہا تھا ۔ کروندیا نے اس کے پاس جا کر کہا " سردار جی شہر چلو گے "؟

" دو روپے ہوں گے ' مہاراج "۔

ہم سائیکل رکشا میں کمبل لپیٹ کر بیٹھ گئے ۔ چھ ہرٹہ سے امرتسر جانے والی سڑک خاصی

چوڑی تھی اور دونوں جانب شیشم کے گنجان درخت کھڑے تھے۔ سڑک سنسان تھی ۔ سخت سردی میں درختوں کے نیچے دھند جمع ہو رہی تھی۔ کارخانوں کے ٹھٹھرے ہوئے مزدور سائیکلوں پر سوار قریب سے گزر جاتے تھے۔

امرتسر کا ریلوے اسٹیشن آ گیا۔ انجن کے شنٹ کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسٹیشن پر بتیاں جھلملا رہی تھیں۔ سردی کی وجہ سے اسٹیشن کا سامنے والا احاطہ ویران تھا۔ دوسری جانب پرنس اور اشوک ہوٹل کے باہر الاؤ روشن تھا اور ریلوے کے قلی آگ تاپ رہے تھے۔ سکھ سائیکل رکشا والے نے پھولی ہوئی سانس میں پوچھا" شریف پورے جاؤ گے کہ ہال بازار"؟

سامنے دو پل آ گئے تھے۔ بائیں جانب سیڑھیوں والا پل تھا جو ہال بازار کے گیٹ کی طرف جاتا تھا اور دوسرا کمپنی باغ کے پہلو سے ہو کر قیام پاکستان کے زمانے میں مسلمانوں کے مشہور گڑھ شریف پورے کی طرف جاتا تھا۔

"یہیں روک دو مہاراج... ہال گیٹ جائیں گے۔"

ہم سیڑھیوں والا پل عبور کر کے ریلوے لائن کی دوسری جانب ہال گیٹ کے پاس پہنچ گئے۔ شہر کی سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ کروندیا نے کہا" اگر کوئی پولیس والا آ گیا تو گونگے بن جانا۔ باقی میں سالوں کا مال کمر کے ساتھ بندھا ہے نا"؟

"ہاں...!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"چلتے رہو ویسے یہاں کے پولیس والے بھی میرے واقف ہیں اپنے لالچ کے لئے انہیں کھلاتا پلاتا رہتا ہوں۔ میرا یہاں ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے"۔

ہم ہال دروازے میں سے گزرے۔ دونوں طرف کی دکانیں بند تھیں۔ کچھ سکھ ہاتھوں میں ٹوکریاں لئے جاتے دکھائی دیئے تو کروندیا نے کہا" یہ لوگ میوہ منڈی جا رہے ہیں"۔

چوک بجلی گھر آ گیا۔ میں یہاں پہلے بھی آ چکا تھا۔ میں نے کروندیا کے پرشوتم ہوٹل کو بھی دیکھا تھا مگر مجھے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ یہ کسی مسلمان اسمگلر کا ہوٹل ہے، جو پرشوتم داس کے نام سے یہاں آباد ہے اور ایک روز میں بھی اسمگلر بن کر یہاں آؤں گا۔

چوک میں ایک سکھ سپاہی ہاتھ میں لاٹھی تھامے کھڑا تھا۔ اس نے کروندیا کو کہا" پرشوتو! اس وقت کہاں سے آ رہے ہو"؟

کروندیا نے جھٹ جواب دیا" مہاراج! اس گونگے بھانجے، طوطا رام کو گاؤں سے لانے گیا تھا۔ سویرے کچہری میں اس کی پیشی ہے رام رام... کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے"۔

سکھ سپاہی بولا" چائے بناؤ گے تو ایک پیالی میرے لئے بھی بنانا۔ گیٹ تک گشت لگا کر آ رہا ہوں

ست بچن مہاراج... ضرور آنا"۔

کرونڈیا نے میری گردن پر ہاتھ مار کر کہا" چلو اوئے طوطا رام دیا چترا... نہ جانے تیرے لئے ابھی کتنے کشٹ بھوگنے ہیں"؟

ہاتھ کچھ زیادہ ہی زور سے پڑ گیا تھا۔ میری گردن دکھنے لگی مگر میں چپ ہی رہا۔

سامنے ہی پرشوتم ہوٹل تھا' جو پہلے تین منزلہ مکان تھا جسے بعد میں ہوٹل بنا دیا گیا تھا۔ دو نوکر انگیٹھیوں میں آگ جلا رہے تھے بتی جل رہی تھی۔ کرونڈیا کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ جوڑ کر رام رام کہا اور پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ کرونڈیا نے انہیں چائے بنانے کے لئے کہہ دیا۔

" نہالا سپاہی بھی آ رہا ہے اسے چائے دے دینا اور ہاں رات کی کچوریاں بھی گرم کر کے دے دینا اس یم راج کو...!"

ایک ہندو نوکر نے کہا" لالہ جی! ہردیالہ رتن جو کا دونا دے گیا تھا!"۔

کرشن مہاراج کی مورتی پر لٹکا دو... اشنان کر کے لٹکانا۔"

ہوٹل کے پہلو سے ایک تنگ زینہ اوپر والی منزل پر جاتا تھا۔ یہاں دو کمرے تھے۔ ایک بازار کی طرف اور دوسرا اس کے پیچھے تھا۔ یہ دوسرا کمرہ چھوٹا تھا اور اس میں آدھے فرش کو ایک پلنگ نے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہاں داخل ہوتے ہی کرونڈیا نے دروازہ بند کر دیا اور بتی جلا کر بولا" مال نکالو"۔

میں نے کمر کے گرد بندھا ہوا رومال کھول دیا اور پلاسٹک کی تھیلی اسے دے دی۔ وہ تھیلی کھولنے لگا تو میں پلنگ پر گر گیا۔ نیند اور تھکان سے برا حال ہو رہا تھا۔ کرونڈیا نے چھوٹی انگلی کے ساتھ تھوڑی سی ہیروئن لگا کر چکھی اور تھوک کر بولا" مال کھرا ہے' اب تم سو جاؤ پرسوں رات تمہاری واپسی ہو گی"۔

میں نے اپنا ریوالور بھی کرونڈیا کے حوالے کر دیا اور لحاف میں گھس کر ایسا سویا کہ اگلے روز بارہ بجے کے قریب جاگا۔ کرونڈیا' ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ماتھے پر ہندوؤں کی طرح تلک لگا رکھا تھا۔ پاس ہی ایک طشتری میں لوبان سلگ رہا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار پر کرشن مہاراج کی تصویر شیشے میں جڑی ہوئی تھی جس پر رتن جو کے پھولوں کا ہار پڑا تھا مجھے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر وہ گدی سے اٹھا۔ اس کے آگے ایک کمرہ تھا کمرے میں آ کر اس نے مجھے ایک صندوق میں سے تنگ موری والا ہندووانہ پاجامہ' کھدر کا ایک کرتا اور نیا کمبل نکال کر دیا۔" یہ سامنے غسل خانہ ہے نہا کر اسی کمرے میں رہنا۔ ابھی باہر مت آنا"۔

میں نے غسل کیا کمرے میں آ کر پاجامہ کرتا پہنا اور کمبل لپیٹ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں کرونڈیا بھی واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹین کی ڈبیہ تھی۔ اس میں کیسری رنگ تھا۔ اس نے انگلی اس رنگ میں ڈبو کر میرے ماتھے پر تلک لگایا اور بولا" یہاں کسی سے بات مت کرنا میں نے سب کو یہی بتایا

ہے کہ تم میرے گونگے بھانجے ہو۔ سمجھ گئے... اور میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد آنا۔ کھانا مل جائے گا پھر تم اوپر کمرے میں جا کر سو جانا"۔

میں اس بک بک سے پیچھا چھڑا کر پٹھان کوٹ کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ میری منزل پٹھان کوٹ تھی لیکن میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ میں یہاں سے کچھ بھارتی کرنسی لے کر آگے جانا چاہتا تھا۔ یہ رقم مجھے کرونڈیا اسمگلر سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حاصل کرنا تھا۔ میں نے اس وقت کرونڈیا سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ چلا گیا۔

پندرہ منٹ بعد میں بھی کمرے سے نکل کر باہر ہوٹل کے سامنے والے کمرے میں آ گیا جہاں کچھ گاہک بیٹھے چپاتیوں کے ساتھ دال سبزی کھا رہے تھے۔ کانسی کی چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں دال اور سبزی پڑی تھی۔ بھوک سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ میں ایک خالی میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرونڈیا نے کاؤنٹر پر سے نوکر کو آواز دی "طوطا رام کو دال بھاجی دو' اوئے منڈو!"

دال سبزی اور دو چار چپاتیاں ایک تھالی میں میرے آگے رکھ دی گئیں۔ میں دو منٹ میں چپاتیاں چٹ کر گیا اور مزید منگوائیں وہ بھی کھا گیا۔ چھوٹی چھوٹی چپاتیاں تھیں۔ مزید منگوائیں تو کرونڈیا نے کاؤنٹر پر سے مجھے گھور کر دیکھا جس کا مطلب تھا کہ مسلمانوں کی طرح نہیں' ہندوؤں کی طرح کھاؤ۔ میں نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

کھانے کے بعد میں زینہ چڑھ کر اوپر والے کمرے میں چلا گیا۔ پلنگ پر لیٹا تو ایک بار پھر نیند نے حملہ کر دیا۔ شام تک سویا رہا۔ اٹھا تو چھ بج رہے تھے۔ بازار کی دکانوں میں بتیاں روشن تھیں۔

کرونڈیا ایک قیمتی دھسہ اوڑھے ہوٹل کے باہر کھڑا نوکروں سے سیڑھیاں دھلوا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اشارے سے قریب بلایا اور میرے کاندھے پر ہاتھ ڈال کر نوکروں سے بولا "میں طوطا رام کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہوں پیچھے خیال رکھنا"۔

وہ مجھے لے کر بازار میں سے گزرتا ہوا رام باغ کی طرف چلا۔ رام باغ سے کچھ فاصلہ پر پرانا گرجا گھر تھا جس کے عقب میں گندے نالے کے ساتھ ساتھ ایک کچا راستہ شریف پورے کی طرف جاتا تھا۔ سردیوں کی شام کا سرمئی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ہم اس راستے پر چلنے لگے۔ کرونڈیا کہنے لگا "پرسوں رات میں تمہیں لے کر چھ ہرٹہ جاؤں گا۔ وہاں سے ٹرین میں بیٹھ کر ہمیں گورو سرستلانی جانا ہو گا اور پھر تم کو سرحد پار کرا دوں گا۔ لیڈر کو جا کر کہنا کہ مال پہنچا دیا گیا ہے۔ رقم میں نے وصول کر لی ہے۔ اس میں سے آدھی رقم کا مال خرید کر اسمگل کروا دوں گا اور آدھی رقم کراچی والے سیٹھ کو پہنچ جائے گی اور وہاں سے وصول کر لی جائے"۔

میں نے کرونڈیا سے کہا کہ مجھے لیڈر' لاہور واپس پہنچ کر اس پھیرے کے دس ہزار روپے دے گا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آدھی رقم مجھے انڈیا میں ادا کر دی جائے تاکہ میں یہاں سے اپنی مرضی کی کچھ چیزیں

خرید کر ساتھ لے جا سکوں۔

کرونڈیا نے چونک کر میری طرف دیکھا یہاں سے کیا خرید و گے؟ یہاں خریدنے کو کیا ہے۔ الائچیاں ہی ہیں' وہ میں اگلے ہفتے یہاں سے اسمگل کروا رہا ہوں"۔

"میں اپنی بھابی اور بہن کے لئے دو چار قیمتی بنارسی ساڑھیاں خرید کر لے جانا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

کرونڈیا نے سرزنش کے انداز میں کہا" تم نئے نئے اس کام میں پڑے ہو یہ خیال دماغ سے نکال دو۔ کیا تم اپنے ساتھ ہمیں بھی پکڑوانا چاہتے ہو؟ خاموشی سے پرسوں رات واپس سرحد پار کر جاؤ اگلے پھیرے پر آؤ گے تو دیکھا جائے گا۔ چلو اب واپس ہوٹل چلتے ہیں مجھے بھوک لگ رہی ہے"۔

ہم واپس چل دیئے۔ میں اب تیزی سے ایک نئے منصوبے پر غور کرنے لگا تھا میں اپنا حق اس بدمعاش اسمگلر کے پاس چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ ویسے بھی مجھے روپوں کی قدم قدم پر ضرورت تھی اور اس وقت میری جیب میں واقعی ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ ہوٹل پہنچ کر ہم نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کیا تھا بس وہی دال سبزی اور چھوٹی چھوٹی چپاتیاں تھیں۔ اس پر پابندی یہ لگا دی گئی تھی کہ مسلمانوں کی طرح کھانا نہ کھاؤں ہندوؤں کی طرح کھاؤں اور بھوکا رہوں کھانے کے بعد میں نے کرونڈیا سے کہا کہ میں انڈین فلم دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا" باؤ! تم یہاں اسمگلنگ کا پھیرا لگانے آئے ہو اور یہ تمہارا پہلا پھیرا ہے' اناڑی ہو' ابھی کچے ہو۔ کسی کو شک ہو گیا تو اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو گے۔ جاؤ' اوپر جا کر خاموشی سے سو جاؤ"۔

میرا ٹارگٹ اب یہ کرونڈیا اسمگلر ہی تھا۔ میں محض رات کے بارہ بجانے کے لئے سینما جانا چاہتا تھا کیونکہ کرونڈیا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رات بارہ بجے ہوٹل بند کر دیتا ہے۔ سینما جانے کی اجازت نہ ملنے پر میں نے امرتسر شہر کی سیر کرنے کی اجازت چاہی مگر وہ مجھے اکیلا ہوٹل سے باہر قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ چپکے سے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

میں گردن تک لحاف اوڑھے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا کہ کرونڈیا ایک آدمی کو لے کر کمرے میں آیا۔ نو وارد نے بھی ہندووانہ لباس پہن رکھا تھا اور ماتھے پر تلک لگا تھا میں جاگ رہا تھا۔ کرونڈیا نے نو وارد کا چہرہ دکھاتے ہوئے کہا" شابو... یہ باؤ ہے' اسے پرسوں رات باڈر کراس کرانا ہو گا!"

شابو نے جھک کر مجھے غور سے دیکھا اور بولا" باؤ جی کبھی پہلے باڈر کراس کیا ہے"؟

کرونڈیا کہنے لگا" اوئے نہیں یار... یہ اس کا پہلا پھیرا ہے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سیکھ جائے گا' آؤ میرے ساتھ...!"

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ کمرے میں پرانی طرز کی سنگار

...ز پر ایک ٹائم پیس رکھا تھا۔ میں اس کی سیکنڈ کی سوئی کو آہستہ آہستہ حرکت کرتے دیکھتا رہا۔ میں بہت ...لہ سوچ رہا تھا۔ جب گھڑی نے دس بجائے تو میں پلنگ سے اٹھا اور کمبل اوڑھ کر نیچے آ گیا۔ کروندیا ...اؤنٹر پر بیٹھا رجسٹر پر حساب کتاب لکھ رہا تھا۔ دو تین گاہک بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں ایک سکھ ...اہی بھی تھا۔ میں ایک خالی میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ کروندیا نے مجھے گھور کر دیکھا پھر نوکر سے کہا "اوئے ...! الوطا رام کو چائے دو"۔

ہندو ملازم نے چائے کی پیالی میرے سامنے لا کر رکھ دی میں ایک خاص نگاہ سے کاؤنٹر کا جائزہ ...لے رہا تھا۔ میں ایک نہایت اہم موقعے کی تلاش میں تھا' جو مجھے نہیں مل رہا تھا مگر خوش قسمتی سے ...لہ سپاہی نے اٹھتے ہوئے کہا "پرشوتو! میرے ساتھ چل کر بنسی لعل کو کہو کہ سویرے معاملہ کر لے ...ہیں تو اس کی خیر نہیں"۔

کروندیا نے سکھ سپاہی کی طرف دیکھا اور بولا "مہاراج! وہ اعتباری آدمی ہے 'تم فکر نہ کرو"۔
"پرشوتو... میرے سامنے چل کر بات کرو"۔

کروندیا نے میری طرف دیکھ کر اشارے سے بلایا۔ میں چائے کی پیالی اٹھائے اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے چونکہ وہاں مجھے گونگا مشہور کر رکھا تھا اس لئے اشاروں سے سمجھایا کہ کچھ دیر کے لئے ...کاؤنٹر سنبھالو، مَیں ابھی آتا ہوں۔

میں کاؤنٹر کے پیچھے رکھی گدی دار اونچی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کروندیا سکھ سپاہی کے ساتھ چلا گیا۔ ...یں نے گہری نگاہ سے ارد گرد دیکھا۔ دو گاہک کونے والی میز پر بیٹھے چائے پیتے ہوئے باتوں میں مصروف تھے ہوٹل کا ایک ملازم کونے والے نلکے پر گرم پانی سے پیالے اور کانسی کی تھالیاں دھو رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کاؤنٹر کے نیچے والی دراز کھولی۔ اس میں ایک چاقو' پنسل، کاغذ اور ایک کاپی پڑی تھی۔ ...یں نے مزید نیچے والی دراز کھولی تو میرے جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس دراز میں پیچھے کی طرف نوٹوں کی ایک گڈی رکھی ہوئی تھی یہ سو سو کے بھارتی نوٹ تھے۔ میں کاؤنٹر پر کمبل ڈال کر جھک گیا۔ ہاتھ ڈال کر میں نے نوٹوں کی گڈی نکال لی اور اپنے کرتے کی جیب میں رکھ لی۔

اب میں وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ کروندیا کسی وقت بھی آ سکتا تھا۔ میں آہستہ سے اٹھا اور کاؤنٹر کے سامنے ٹہلنے لگا۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا اور سکون سے ٹہلتا ہوا ہوٹل کی ...یڑھی سے اتر کر بازار میں آ گیا۔ میں یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے میں سامنے والی دکان پر پان کھانے جا رہا ہوں۔

سردی کی وجہ سے بازار خالی تھا۔ پان والے ہندو کی دکان کھلی ہوئی تھی۔ دو تین گاہک کھڑے تھے۔ جدھر کروندیا گیا تھا' میں الٹے رخ رام باغ والے چوک کی طرف چل دیا۔ چند قدم آہستہ آہستہ چلنے کے بعد میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور رام باغ کے چوراہے میں پہنچ گیا۔ دائیں جانب رام باغ کا پولیس اسٹیشن تھا جس کے باہر ایک سکھ سپاہی رائفل تھامے پہرہ دے رہا تھا۔ میں خاموشی اور بے

نیازی سے گزر کر گرجا گھر کے گندے نالے پر پہنچ گیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میں گندے نالے کے پہلو سے ہو کر جی ٹی روڈ پر آ گیا۔ یہاں دکانیں بند تھیں۔ سڑک پر سے کبھی کبھی کوئی مسافر بس یا سائیکل رکشا گزر جاتا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ کسی بھی وقت کرونڈیا میری تلاش میں نکل کھڑا ہو گا اور وہ مجھے ہلاک کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

میں امرتسر شہر کے جغرافیے سے واقف تھا اور اس شہر میں دو بار آوارہ گردی کر چکا تھا۔ میں نے ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے کی بجائے جی ٹی روڈ پر چلنا شروع کر دیا۔ سڑک پر کافی فاصلے سے بتیاں روشن تھیں اور ٹھنڈ اور دھند کی وجہ سے ان کی روشنی زیادہ دور تک نہیں جا رہی تھی۔ رام تلائی والی باؤلی پیچھے رہ گئی۔ اب مجھے ایک بہت بڑا خطرہ درپیش تھا۔ رات کو گشت کرنے والے سپاہیوں کا کوئی بھی دستہ مجھے مل سکتا تھا۔ میری جیب میں سو سو کے بھارتی نوٹوں کی گڈی تھی۔ سپاہی مجھے پکڑ کر تھانے لے جا سکتے تھے یا پھر مجھے اس رقم سے محروم بھی کر سکتے تھے، جس کی مجھے اشد ضرورت تھی۔

میری بائیں جانب ایک میدان تھا۔ یہاں کبھی بساکھی کا میلہ لگا کرتا تھا' مجھے معلوم تھا کہ اس میدان کے آگے جا کر دلی کی طرف جاتی ریلوے لائن آ جاتی ہے۔ میدان میں گھاس کہر کی وجہ سے گیلی تھی۔ اندھیرا میرے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ یہ اندھیرا مجھے تحفظ دے رہا تھا۔ میں آگے بڑھتا گیا۔ ریلوے لائن آ گئی۔ میں پتھروں کی ڈھال پر چڑھ کر ریلوے لائن کی دوسری طرف اتر گیا۔ ذرا آگے جا کر ایک ریلوے لائن بٹالہ' ہوشیار پور کی طرف مڑ جاتی تھی۔ یہی ریلوے لائن تھی جو سیدھی پٹھان کوٹ جاتی تھی۔ میں پیدل پٹھانکوٹ نہیں جا سکتا تھا۔ تاہم سب سے پہلے قریبی ریلوے سٹیشن پہنچنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ پٹھان کوٹ کی طرف جاتے ہوئے سب سے پہلا ریلوے اسٹیشن بٹالہ آتا ہے۔ بٹالہ قیام پاکستان سے پہلے مسلمانوں کا بہت بڑا اور صنعتی قصبہ تھا۔ پاکستان بنا تو اس قصبے کے مسلمان یا تو شہید کر دیئے گئے اور یا اپنی جانیں بچا کر کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچ گئے۔ اب یہاں زیادہ تر سکھوں کی آبادی تھی اور وہ لوہے کا کام کرتے تھے۔ جب میں قیام پاکستان کے بعد ویزا لے کر دوسری بار امرتسر آیا تھا تو بٹالہ کی بھی سیر کی تھی۔ یہاں ایک مسجد میں میری ملاقات ایک کشمیری مولوی صاحب سے ہوئی تھی۔ جن کا نام احد جُو تھا۔ وہ بٹالہ میں' محنت مزدوری کرنے والے' سری نگر سے آئے ہوئے کشمیری مسلمان مزدوروں کو درس قرآن دیتے تھے۔ میں ان کے پاس جانے کا خیال لے کر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔

میں ریلوے لائن سے اتر کر چل رہا تھا۔ چلنے کی وجہ سے سردی کا احساس کم ہو گیا تھا۔ دھند میں پندرہ بیس قدموں کے فاصلے کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سرد رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں کچے مکان دھندلے دھندلے نظر آ جاتے تھے۔ ایک بیل گاڑی جس پر چارہ لدا ہوا تھا' ریلوے

لائن کے قریب کھیت کے کنارے کھڑی تھی ۔ مجھے دیکھ کر ایک کتا بھونکنے لگا۔ وہ بیل گاڑی کے نیچے سو رہا تھا کہ میری بو پا کر ہوشیار ہو گیا۔ میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ کتا کچھ دیر بھونکنے کے بعد واپس جا کر سو گیا۔

میری کلائی پر گھڑی بندھی تھی جس کی سوئیاں دھندلی دھندلی چمک رہی تھیں ۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے... کروندیا کو اب تک پتہ چل گیا ہو گا کہ میں اس کے روپے لے کر فرار ہو گیا ہوں۔ وہ ضرور میری تلاش میں ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی مجھے ریلوے اسٹیشن پر تلاش کر رہے ہوں ۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دل میں فیصلہ کر کے خاموش ہو کر بیٹھ گیا ہو کہ وہ اپنی رقم لاہور کے لیڈر سے میرے پھیرے کی اجرت سے وصول کر لے گا۔ بہرحال اتنا مجھے اطمینان تھا کہ وہ کم از کم بٹالہ جانے والی ریلوے لائن کی طرف نہیں آئے گا۔

مگر بٹالہ ابھی دور تھا۔ جوانی کا خون تھا۔ مجھے تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی اور میرا پیدل سفر جاری تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ وہ راستہ ہے جہاں سے قیام پاکستان یعنی اگست ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے پاکستان کی طرف روانہ ہوئے تھے ۔ ان پر جگہ جگہ حملے ہوئے ۔ عورتیں اغوا کر لی گئیں اور مردوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔ مجھے ویران رات کے سناٹے میں مسلمان عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں اور میں سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

میں چلتے چلتے تھک کر ایک جگہ ستانے بیٹھ گیا اور جیب سے گڈی نکال کر نوٹ گننے لگا۔ ساڑھے چار ہزار کی رقم تھی گویا میرے پھیرے کے دس ہزار میں سے ساڑھے پانچ ہزار کم تھے لیکن میرے لئے یہی رقم کافی تھی اور میں اس سے اپنے اہم مشن کے لئے بہت سے کام لے سکتا تھا۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد میں پھر چل پڑا۔ سوا گیارہ بج گئے تھے ۔ ڈیڑھ بجے رات میں پھر ایک جگہ سانس لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ میرے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔ میں نے سوچا مجھے ریوالور ساتھ لے آنا چاہیئے تھا۔ میں پھر چل پڑا۔ رات کے تین بجے دور سے بٹالہ کی اونچی دیوار اندھیرے میں ابھرتی نظر آنے لگی ۔ قصبے کے باہر ایک بتی بھی روشن تھی ۔ جب میں بٹالہ کے رنجیت سنگھ دروازے کے طرف بڑھا تو دو کتے بھونکتے ہوئے میری طرف بڑھے میں نے پتھر پھینک کر انہیں بھگا دیا۔ بٹالہ کے قصبے پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔ بازار سنسان تھے ۔ میں بٹالہ کی واحد مسجد کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں کئی ایک مسجدیں ہوا کرتی تھیں مگر قیام پاکستان کے بعد صرف ایک مسجد سری نگر کے کشمیری مولوی احد جو کے حصے میں آئی ۔ باقی مسجدوں پر ہندو اور سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ایک سکھ چوکیدار لٹھ زمین پر پٹختا اور آواز لگاتا ہوا میرے قریب سے گزرا تو بولا "کون ہو جوان "؟

میں نے کمبل اپنے سر پر اس طرح ڈال رکھا تھا کہ میرے ماتھے کا تلک نظر نہیں آتا تھا۔ پھر بھی میرا لباس ہندووانہ تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا" مندر دیوی بھدر کالی کی پوجا کرنے جا رہا ہوں، مہاراج

جی"۔

"لالہ اتنی رات کو کہاں جا رہے ہو؟"

"مہاراج ویدوں کا پاٹھ کرتا ہے۔ براہمن ہوں، کانسنتھ براہمن ہوں جی۔ منتروں کا جاپ بھی کرتا ہے" میں نے فوراً کہا۔

"جاؤ، جاؤ لالہ۔ دماغ نہ کھاؤ"۔ سکھ چوکیدار یہ کہہ کر لٹھ زمین پر مارتا آگے بڑھ گیا۔

میں تیزی سے بازار میں گھوم کر ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ گلی آگے جا کر اس بازار میں آ جاتی تھی جس کی نکڑ پر مسجد تھی۔ مسجد کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی۔ میری ٹانگیں تکان سے چور ہو رہی تھیں۔ نیند غائب تھی اور پاؤں دکھ رہے تھے۔ ایک جوتا بھی پھٹ گیا تھا۔ میں نے دو تین بار دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ غالباً مولوی صاحب حجرے میں لحاف اوڑھے گہری نیند سو رہے تھے۔ میں دستک بھی آہستہ آہستہ دے رہا تھا۔

میں دیوار سے مسجد کے صحن میں اتر گیا۔ صحن کا فرش برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ سامنے مسجد کے محرابی دو دروازے تھے جن پر نمدے پڑے ہوئے تھے۔ ایک جانب مولوی صاحب کا حجرہ تھا۔ حجرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ تیسری دستک پر اندر سے آواز آئی "کون ہے بھائی؟" میں نے کواڑ کی درز کے ساتھ منہ لگا کر کہا" السلامُ علیکم مولوی صاحب۔ دروازہ کھولیئے، مجھے ایک ضروری کام ہے"۔

"اس وقت کیا کام آن پڑا بھائی۔ کون ہو تم؟"

"میں مسلمان ہوں۔ دروازہ تو کھولیئے ... میں ٹھٹھر رہا ہوں"۔

حجرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک سفید ریش نورانی صورت والا سرخ و سفید امام مسجد کھڑا مجھے نیند میں ڈوبی آنکھوں سے تک رہا تھا۔ مولوی صاحب نے میرے کپڑوں اور ماتھے کے تلک سے اندازہ لگایا کہ میں ہندو ہوں کہنے لگے۔ "لالہ جی! آپ تو ہندو ہیں۔ آپ نے السلامُ علیکم بھی کہا۔ کیا بات ہے اور آپ اتنی رات گئے مسجد میں کیا لینے آئے ہیں؟"

"مولوی صاحب! میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں۔ اندر آنے کی اجازت دیں تو سب کچھ بتاؤں گا"۔

مولوی صاحب پیچھے ہٹ گئے۔" آ جاؤ" وہ حیرانی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے حجرے کا دروازہ بند کر لیا۔ تو میں نمدے پر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب کچھ پریشان سے تھے۔" بھائی تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اگر تم مسلمان ہو تو تم نے ہندوؤں جیسا حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟"

میں نے مولوی صاحب کو ایک فرضی کہانی سنا دی۔ یہ کہانی پہلے ہی تیار کر رکھی تھی۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ہندو والے بھیس میں غیر قانونی طور پر انڈیا کا بارڈر کراس کر کے آیا ہوں۔ میرے

والدین پاکستان میں دفن ہیں۔ وہ پٹھان کوٹ کے رہنے والے تھے۔ ہماری وہاں ایک حویلی تھی جس کی ایک کوٹھری میں انہوں نے بھارت سے ہجرت کرتے وقت زیوروں کی ایک گٹھری دفن کر دی تھی۔ وہ اکثر اس گٹھری کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد میں اکیلا رہ گیا اور مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جب بڑا ہوا تو خیال آیا کہ کیوں نہ پٹھان کوٹ جا کر اپنے باپ کی حویلی میں سے وہ زیورات نکال کر لے آؤں۔ اس خیال سے میں نے ویزا حاصل کرنے کوشش کی مگر ناکام رہا میں نے ایک اسمگلر سے سازباز کی اور اس نے مجھے باڈر کراس کرا دیا۔ میں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر پٹھان کوٹ جانے والی گاڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک سکھ سپاہی کو مجھ پر شبہ ہو گیا لیکن میں وہاں سے بھاگ اٹھا اور اب امرتسر سے پیدل ہی ان کے پاس آیا ہوں۔

مولوی صاحب مجھے شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بولے۔ "تمہیں میرا پتہ کس نے بتایا تھا؟"

"اس سے پہلے میں ایک بار امرتسر کا چکر لگا چکا ہوں۔ تب میں بٹالہ بھی آیا تھا اور میں نے یہ مسجد بھی دیکھی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ بٹالے میں صرف یہی ایک ایسی مسجد ہے جہاں ایک کشمیری مسلمان مولانا باجماعت نماز پڑھاتے ہیں۔"

"دیکھو بھائی اگر میں تمہاری کہانی سچ مان لوں تو بھی میں سوائے اس کے کوئی مدد نہیں کر سکتا کہ تمہیں رات اپنے حجرے میں رہنے کی اجازت دے دوں اور صبح رخصت کر دوں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ میں نے بھارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والے ایک پاکستانی کو پناہ دے رکھی ہے تو پولیس نہ صرف مجھے گرفتار کر لے گی بلکہ وہ اس مسجد پر بھی قبضہ کر لے گی اور یہاں جو پانچ وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے، مسلمان اس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے گزارش ہے کہ اب تم آرام کرو اور دن نکلتے ہی پٹھان کوٹ جانے والی ریل پر سوار ہو جاؤ اور خدا کے لئے کسی سے یہ ذکر نہ کرنا کہ میں نے تمہیں اپنے حجرے میں پناہ دی تھی۔"

میں خود بھی مولوی صاحب کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ بلکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کچھ دیر وہاں آرام کر کے آگے روانہ ہو جاؤں۔ مولوی صاحب کی گھبراہٹ بھی درست تھی۔ ایک پاکستانی جاسوس کو پناہ دینے کے جرم میں انہیں قید بھی ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے مجھ پر پاکستانی جاسوس ہونے کا لیبل بڑی آسانی سے چسپاں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، مولوی صاحب آپ جیسے فرماتے ہیں، میں ویسے ہی کروں گا"۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو، یہ کمبل لے لو۔"

حجرہ کافی گرم تھا میں کمبل اوڑھ کر وہیں نمدے پر لیٹ گیا۔

صبح دس بجے میری آنکھ کھلی۔ مولوی صاحب حجرے میں نہیں تھے حجرے کا دروازہ بند تھا۔

میں نے اٹھ کر اسے کھولنا چاہا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ ایک دم سے مجھے خیال آیا کہیں مولوی صاحب پولیس کو اطلاع دینے تو نہیں چلے گئے۔ میرا دل خوف سے بیٹھنے لگا فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا کہ اگر پولیس اندر داخل ہوئی تو پوری قوت سے بھاگ نکلوں گا۔ دروازہ کھلا اور مولوی صاحب اکیلے ہی اندر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ انہوں نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بولے۔" لو بھائی تمہارے لئے پوریاں لایا ہوں۔ پہلے تم منہ ہاتھ دھو لو۔ مگر یہ ماتھے کا تلک فوراً پونچھ ڈالو"۔

انہوں نے مجھے گرم پانی لا کر دیا۔ میں نے تلک پونچھ ڈالا۔ مولوی صاحب مجھے مسجد کے غسل خانے میں لے گئے۔" جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر واپس آ جاؤ۔ خبردار کسی سے بات مت کرنا۔"

مسجد خالی تھی۔ کنوئیں کے پاس غسل خانہ بنا ہوا تھا میں چند لمحوں کے بعد منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو ایک آدمی پہلے سے باہر کھڑا شاید غسل خانہ خالی ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا لباس کشمیری مزدوروں ایسا تھا۔ میری طرف دیکھ کر بولا۔" اجنبی لگتے ہو۔ سری نگر سے آئے ہو؟ کب آئے ہو بھائی؟

میں نے مختصر الفاظ میں کہا کہ آج ہی آیا ہوں اور سیدھا مولوی صاحب کے حجرے میں آ گیا۔

مولوی صاحب دروازے میں بیٹھے تھے۔ اندر آیا تو بولے۔" اسد جُو کیا کہہ رہا تھا تمہیں"؟

"پوچھ رہا تھا کہ سری نگر سے آئے ہو، کب آئے ہو؟ میں نے کہا کہ آج ہی آیا ہوں۔"

مولوی صاحب نے اطمینان کی سانس لی ... مگر ان کے چہرے پر اب بھی گھبراہٹ کے آثار تھے کہنے لگے۔" جلدی سے ناشتہ کر لو اور ... یہ ... یہ میں نے تمہارے لئے بیس روپے نکال کر رکھ دیئے ہیں اس میں تمہارا ریل کا کرایہ شامل ہے"۔

میں نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور ان کے بیس روپے یہ کہہ کر لوٹا دیئے کہ میرے پاس پیسے ہیں۔

جب میں جانے لگا تو مولوی صاحب نے مجھے گلے لگایا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔" بھائی! مجھے معاف کر دینا۔ تم ہمارے محبوب اسلامی ملک پاکستان سے آئے تھے۔ مگر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔ کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ میں بے بس ہوں"۔

میں مولوی صاحب کے خلوص اور محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا مجھے ان کی مجبوریوں کا احساس تھا۔ وہ ایک ایسے ملک میں نماز، روزہ اور درس قرآن کی مشعل روشن کیئے ہوئے تھے جہاں قدم قدم پر اسلام کے دشمن خنجر بدست تھے۔ میں نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا۔" مولوی صاحب! میرے حق میں دعا کیجئے کہ جو عزم لے کر پاکستان سے نکلا ہوں، اس میں کامیاب ہو جاؤں"۔

مولوی صاحب ایک لمحے کے لئے ساکت سے ہو کر مجھے دیکھتے رہے۔ شاید ان کی چھٹی حس نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں کوئی اہم مشن لے کر پٹھان کوٹ جا رہا ہوں ... مگر انہوں نے اپنے خدشات

چھپا لئے اور میرے حق میں دعا کرتے ہوئے کہا۔" اللہ جل شانہ تمہیں کامیاب کرے ' میرے بھائی
"۔

میں نے مولوی صاحب کو سلام کیا اور حجرے سے نکل کر مسجد کے صحن میں آ گیا۔ باہر آ کر جوتے پہنے اور کمبل لپیٹے ' بازار میں ایک طرف روانہ ہو گیا۔ دن روشن تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بازار میں دکانیں کھلی تھیں اور لوگ کاروبار میں مصروف تھے۔ اگرچہ میں سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ مگر چاروں طرف سے چوکس تھا کہ کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ ریلوے اسٹیشن پر کافی رونق تھی۔ باہر یکے کھڑے تھے۔ سواریاں اتر کر اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ پٹھان کوٹ جانے والی گاڑی بیس منٹ بعد آئے گی۔ میں نے سو روپے کا نوٹ پہلے ہی نکال کر الگ رکھ لیا تھا۔ کھڑکی پر قطار میں کھڑے ہو کر میں نے ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر آ کر دھوپ میں ' ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔ اگرچہ میرے ماتھے پر تلک نہیں لگا تھا لیکن لباس کی وضع قطع سے میں ہندو ہی لگتا تھا۔ موٹی سی توند والا ایک ہندو لالہ اپنے بال بچوں اور سازو سامان کے ساتھ بنچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی کا دم پھولا ہوا تھا اور وہ روتے بسورے بچوں کو مار مار کر چپ کرا رہی تھی۔ موٹے لالہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔" کیوں بھرا جی گڈی کتنی لیٹ ہے جی؟"

" ٹائم پر آ رہی ہے۔"

" اجی ٹائم پر تو نہ آئی کبھی... رام رام... بھلی لوک۔ بالکوں کو کیوں مارتی ہے؟"

گاڑی آ گئی۔ یہ پسنجر ٹرین تھی۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک ڈبے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ خدا خدا کر کے گاڑی چلی اور میں کھڑکی کی طرف منہ کر کے باہر سرسوں کے کھیتوں کی طرف تکنے لگا۔ ڈبے میں کافی رش تھا اور میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ ڈبے میں ایسا کوئی آدمی سوار نہیں جو مجھے شک کی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔

پٹھان کوٹ آ گیا۔ پلیٹ فارم پر گاڑی رکی تو مسافروں کا ہجوم باہر نکل پڑا۔ میں بھی اس ہجوم کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ اس دوران میں اپنے کرتے کی جیب میں رکھے ساڑھے چار ہزار روپے کے کرنسی نوٹوں سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ اسٹیشن سے نکل کر میں بازار میں جوتوں کی دکان پر پہنچا اور اپنے لئے ایک نیا جوڑا خرید لیا۔ اس کے بعد چھاؤنی بازار میں ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان سے دو پتلونیں ' ایک گرم جیکٹ ' موزے اور کچھ قمیصیں خرید کر لفافے میں رکھیں اور باہر نکل آیا۔ ایک... بریف کیس بھی خرید لیا اور ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں آ کر کپڑے بدلے۔ پتلون قمیص اور گرم جیکٹ پہنی اور شہر میں گھومنے لگا۔ پٹھان کوٹ کافی بڑا شہر بن چکا تھا۔ پہلے چھاؤنی میں تھی۔ مگر اب شہر سے تھوڑی دور ایک جگہ چھاؤنی بھی بن چکی تھی مگر میں اس طرف نہیں گیا۔ میں اصل میں کسی اعلیٰ درجے کے ہوٹل کی تلاش میں تھا۔ جہاں میں اپنے آپ کو بھارتی سی آئی ڈی

کے جاسوسوں کی نظروں سے زیادہ محفوظ رکھ سکتا تھا۔ ایک نسبتاً بہتر ہوٹل نظر آیا۔ اس چار منزلہ ہوٹل پر انگریزی کے بڑے بڑے حروف میں "کیلاش ہوٹل" لکھا ہوا تھا۔ میں اس ہوٹل میں منتقل ہو گیا۔

اب میرا دماغ اپنے مشن کے اگلے مرحلے پر غور کر رہا تھا۔ میرے سامنے پٹھان کوٹ کا شہر پھیلا ہوا تھا۔ بسوں اور موٹر گاڑیوں کے چلنے کی دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا اگلا پروگرام یہ تھا کہ کسی ایسے ہندو کو اپنا دوست بنایا جائے جو چھاؤنی میں کام کرتا ہو اور پھر اپنی شاہ خرچی اور تحائف کی مدد سے اس سے چھاؤنی والی بڑی توپ کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل کی جائیں۔ کسی ہندو دوست کی مدد کے بغیر میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور دوست بھی ایسا کہ جو چھاؤنی میں کام کرتا ہو۔

کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نیچے آ کر ڈائننگ روم میں بیٹھ گیا۔ ایک سفید کپڑوں والا آدمی کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے کھڑا تھا۔ اور ساڑھی پوش کاؤنٹر گرل سے مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔ اس سفید پوش کے بالوں میں ہلکی سی سفیدی جھلک رہی تھی۔ مجھے شکل ہی سے وہ بے حد چالاک اور زیرک آدمی لگا۔ ہو سکتا ہے یہ بھارتی انٹیلی جنیس کا آدمی ہو۔

میرا دل ایک لمحے کے لئے شدت سے دھڑکا اور پھر میں خاموشی سے اخبار کھول کر پڑھنے لگا۔ انگریزی کا اخبار تھا۔ میں فلموں کے اشتہار دیکھنے لگا۔ چھاؤنی کے کرشنا سینما میں انڈین فلم "مورتی" لگی ہوئی تھی۔ بیرے نے مینو رکھ دیا۔

کھانے کے بعد میں ڈائننگ روم سے نکل کر کاؤنٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے جان بوجھ کر رک گیا اور کاؤنٹر والی ساڑھی پوش لڑکی سے کہا "ایک فون کر سکتا ہوں؟"

"جی۔ کیوں نہیں۔ پلیز!"

انگریزی اخبار سے میں نے ایک فون نمبر یاد کر لیا تھا۔ یہ کسی فرنیچر کی دکان کا نمبر تھا۔ میں نے اس کا ایک ہندسہ بدل کر نمبر گھمائے۔ ریسیور کان کے ساتھ لگایا۔ دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے قدرے بلند آواز میں کہا "ہیلو۔ دیکھئے میں صبح آپ کی دکان پر آیا تھا۔ میرا نام راکیش شرما ہے۔ جی ہاں، جی ہاں۔ آپ نے پہچان لیا۔ میں نے صبح ڈائمنڈ کی ایک انگوٹھی پسند کی تھی۔ جی ہاں وہی جس کی قیمت آپ نے بیس ہزار روپے بتائی تھی۔ کیا کہا بک گئی۔ ویری سیڈ... خیر کوئی بات نہیں۔ آپ کے پاس میرا نئی دلی کا فون نمبر موجود ہے۔ اگر اسی قسم کی دوسری انگوٹھی آپ کے پاس آئے تو مجھے فون کر دیجئے گا... جی ہاں... دھن باد... نو پرابلم۔" میں نے ریسیور رکھ دیا۔

کاؤنٹر گرل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سر! آپ نے کافی نہیں پی۔ ہمارے ہوٹل کی کافی تو ڈلہوزی تک مشہور ہے"۔

میں سمجھ گیا تھا کہ میری فون پر گفتگو کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ "ضرور پیوں گا۔ مگر اس وقت میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

کاؤنٹر گرل سے نہ رہا گیا۔ تو بولی۔ "شما کیجئے گا، سر! پٹھان کوٹ میں اصلی ڈائمنڈ کی انگوٹھیاں بہت کم ملتی ہیں۔ آپ نے لالہ جوہری پرشاد جیولرز کو فون کیا تھا، نا"؟

"جی ہاں۔ لالہ جی کو ہی فون کیا تھا۔ مگر میں نے صبح جو انگوٹھی دیکھی تھی، اس کا ڈائمنڈ مجھے اصلی لگتا تھا۔"

"سر! بڑا گھپلا ہوتا ہے، اس بزنس میں بھی۔ آپ اتنی مہنگی انگوٹھی اپنی پتنی کے لئے خرید رہے ہیں۔ شما کیجئے گا مجھے ایسا پرشن کرنے کا ادھیکار تو نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ مگر میرا تو ابھی بیاہ بھی نہیں ہوا"۔

وہ بھی ہنس پڑی۔ "آئی ایم سوری۔"

"نو پرابلم۔ او کے۔ تھینک یو فار دی کال۔"

"اینی ٹائم سر..." کاؤنٹر گرل نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں ہوٹل کی لابی سے نکل کر باہر بازار میں آ گیا۔ میری جھوٹی کال سے اس لڑکی پر خاصا اثر پڑا تھا اور یہی میں چاہتا بھی تھا۔ اس ڈرامے سے میرا مقصد محض اتنا تھا کہ اس کاؤنٹر گرل سے کسی طرح یہ معلوم کروں کہ اس کے پاس جو سفید پوش شخص کھڑا تھا، وہ کون ہے۔ بازار میں ٹریفک کا رش تھا۔ میں باغ میں آ گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹہل کر آئندہ کا پروگرام بناتا رہا۔ باغ کے دروازے پر ایک پھول بیچنے والا بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے رجنی گندھا کے پھولوں کا ایک دستہ خرید کر کاغذ میں لپیٹا اور واپس ہوٹل کی طرف آ گیا۔ کاؤنٹر پر میں نے گلدستہ کاؤنٹر گرل کی طرف بڑھا کر کہا۔ "مجھے جس مہاشہ جی سے ملنا تھا وہ تو نہیں ملے مگر رجنی گندھا کے پھول مل گئے۔ انہیں سویکار کریں"۔

"مائی۔ مائی... یہ آپ میرے لئے لائے ہیں۔ ہاؤ سویٹ، تھینک یو، شرما جی۔ تھینک یو۔"

میں نے پھولوں کا دستہ لڑکی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے مجھے اپنا شبھ نام تو بتایا ہی نہیں، دیوی جی"۔

لڑکی شرما گئی اور بولی "اروشی... میرا نام اروشی بھنڈاری ہے"۔

"سندر نام ہے۔ آکاش کی اپسراؤں کے ایسے سندر نام ہوتے ہیں۔"

کاؤنٹر گرل اروشی اپنی تعریف پر بہت خوش ہوئی۔ میری جھوٹی امارت بھی اس پر کارگر ثابت ہوئی تھی۔ میں بے نیازی سے اوپر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں آ کر میں لیٹ گیا۔ میں غور کر رہا تھا کہ چھاؤنی میں فوجی تنصیبات اور خاص طور پر بھاری توپ کے بارے میں کس طرح معلومات حاصل کی جائیں۔ ایک ہی طریقہ میرے ذہن میں تھا کہ کسی طرح سے کسی ایسے آدمی سے

دوستی پیدا کی جائے جو چھاؤنی میں سویلین کلرک وغیرہ ہو۔ میں خود چھاؤنی کے علاقے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ مجاہد فورس میں میری ابتدائی کمانڈو ٹریننگ کا پہلا اصول تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ جس ٹارگٹ کو تباہ کرنا ہو۔ اس ٹارگٹ کے علاقے میں دن کے وقت کبھی نہ جاؤ۔ وہاں سے متعلقہ لوگوں کو اپنا چہرہ ہرگز مت دکھاؤ۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں تمہیں اسی شکل میں کسی شخص کا بھیس بدل کر وہاں جانا پڑ جائے۔ اگر وہاں تمہاری چہرہ شناسی ہو چکی ہو گی تو تم پہچان لئے جاؤ گے۔ چنانچہ میں نے ابھی تک پٹھان کوٹ چھاؤنی کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ میں پاکستانی جاسوس تھا اور چھاؤنی کے علاقے میں جگہ جگہ ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی پھر رہے تھے۔ جب سے مشرقی پاکستان میں بھارتی تخریب کاروں نے گڑبڑ شروع کی تھی۔ یہاں بھی ہنگامی قسم کی صورت حال تھی۔ ملٹری انٹیلی جینس کی نفری میں اضافہ ہو گیا تھا۔ چھاؤنی جانے والی سڑک پر مجھے کئی مشتبہ شکلیں نظر آئی تھی۔ میں جان بوجھ کر ادھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ پٹھان کوٹ شہر میں بھی چپے چپے پر فوجی جاسوس عام کپڑوں میں ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈوں اور درمیانے درجے کے ہوٹلوں کے گرد چکر لگاتے تھے۔ اسی لئے مجھے خطرہ تھا کہ جو سفید پوش مہاشہ کاؤنٹر گرل اروشی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ وہ ضرور ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی تھا۔ چونکہ مجھے پٹھان کوٹ میں رہ کر اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ اس لئے میں ہر طرح سے باخبر اور ملٹری انٹیلی جینس کی نظروں سے بچ کر رہنا چاہتا تھا۔ سفید پوش مہاشے جی کے بارے مجھے اروشی ہی کچھ بتا سکتی تھی اور اس سے میں نے اتنا کام نکالنے جتنی دوستی پیدا کر لی تھی۔

دفعتاً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ مجھے دو باتوں کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایک یہ کہ کہیں بھارتی انٹیلی جینس کا کوئی آدمی مجھے گرفتار کرنے نہ آ جائے اور دوسرا یہ کہ کہیں امرتسر کا اسمگلر کروندیا میری تلاش میں ادھر نہ آ نکلے۔ باہر سے ہوٹل کے ویٹر کی آواز آئی۔ "سر! میں ہوٹل بوائے ہوں۔ ہیٹر لایا ہوں"۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ ہوٹل بوائے اندر آیا تو اس کے ہاتھ میں بجلی کا ڈبل راڈ والا ہیٹر تھا۔"

سر، میڈم نے کہا ہے، آپ کے کمرے میں لگا دوں"۔

ہوٹل بوائے نے ہیٹر پلنگ کے قریب لگا دیا۔

ڈائننگ روم میں شام کے بعد میں نے کافی منگوائی تو کاؤنٹر گرل اروشی کو کافی پینے کی دعوت دی۔ وہ بخوشی میری میز پر آ گئی۔ میں نے اس کی قسم باتیں شروع کر دیں جن سے ظاہر ہو کہ میں کسی آئیڈیل لڑکی کی تلاش میں ہوں اور میں شادی کے بعد لندن میں جا کر اپنا دفتر کھولنا چاہتا ہوں۔

ہوشیاری سے باتیں کرتے ہوئے میں نے اروشی کے بالوں اور آنکھوں کی کچھ اس طرح تعریف کی اور کالی داس کی سنسکرت کی نظموں کے کچھ اس دل نشیں انداز میں حوالے دیئے کہ وہ میری گرویدہ ہو گئی۔ تب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مہاشہ جی کون تھے۔ جن سے وہ ہنس ہنس کر باتیں کر

رہی تھی۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر بتایا کہ اس مہاشے کا نام تلک راج ورما ہے اور وہ پٹھان کوٹ میں کانگریس کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ اروشی نے یہ بھی بتایا وہ اس کے ماما جی کے پرانے ملنے والے ہیں۔

میں مطمئن ہو گیا کہ وہ شخص انٹیلی جینس کا آدمی نہیں تھا۔ اب مجھے اروشی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور میں اپنے منصوبے کے بارے میں غور کرنے لگا تھا۔ اچانک اس لڑکی نے ایک ایسی بات کہی جس پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنے ماما جی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے بولی۔ "میرے ماما جی کا بڑا بیٹا کیول کرشن فوج میں میجر ہے۔ آج کل ڈلہوزی میں چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے۔ وہاں ایک عیسائی لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے۔ ہماری بھارتی سنسکرتی میں یہ بات بری سمجھی جاتی ہے 'نا'"؟ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" کیوں نہیں' یہ ہماری دھرم سنسکرتی کے بھی خلاف ہے!"

میرا ذہن تیزی سے ایک منصوبے پر غور کر رہا تھا۔ یہ بڑا خطرناک منصوبہ تھا مگر اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے اپنی مہم میں سو فیصد کامیابی کا یقین تھا۔ اروشی اپنے ماما جی کے گمراہ بیٹے میجر کیول کرشن کے خلاف باتیں کیئے جا رہی تھی۔ اس کی باتوں سے میں نے معلوم کیا کہ میجر کرشن جالندھر چھاؤنی میں تعینات تھا... پھر وہاں سے اس کی بدلی پٹھان کوٹ چھاؤنی میں کر دی گئی۔ اس نے بیماری کا بہانہ بنا کر دو ماہ کی چھٹی لے لی اور لکھ کر دے دیا کہ وہ چھٹیاں ڈلہوزی کے صحت افزا مقام پر گزارنے کے بعد پٹھان کوٹ چھاؤنی میں اپنی نئی ڈیوٹی سنبھال لے گا۔ وہ ابھی تک پٹھان کوٹ چھاؤنی نہیں گیا تھا۔

میں نے گفتگو کے دوران بڑے طریقے سے ڈلہوزی میں اس ہوٹل کا پتہ معلوم کر لیا۔ جس میں میجر کرشن ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ چھٹیاں گزار رہا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ میجر کرشن کی ابھی ایک ماہ کی چھٹی باقی ہے۔ میرے ذہن میں منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ ایک ایسا خطرناک منصوبہ تھا کہ جس میں ایک ایک قدم پر راز فاش ہونے اور میری موت کا امکان تھا لیکن میں نے یہ داؤ لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹے لیٹے میں نے اس منصوبے کی ساری کڑیاں ایک ایک کر کے مربوط کر لیں اور دوسرے روز ڈلہوزی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اروشی کو میں نے یہ کہا کہ مجھے ایک ضروری کاروباری کام کی وجہ سے امرتسر جانا پڑ گیا ہے۔ پرسوں تک واپس آ جاؤں گا۔ وہ بھارتی فلموں کی ہیروئن کی طرح اداس آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ خدا جانے وہ اپنے ذہن میں کیا منصوبہ ترتیب دے رہی تھی۔ مگر میرا منصوبہ کشاں کشاں ڈلہوزی کی طرف لئے جا رہا تھا۔ میں اس سے پہلے کبھی ڈلہوزی نہیں گیا

بس نے مجھے ڈلہوزی پہنچا دیا۔ ڈلہوزی کی پہاڑیوں پر برف گری ہوئی تھی۔ یہ صحت افزا مقام ویران سا تھا۔ یہ ماحول میرے منصوبے کی تکمیل کے لئے بے حد موزوں تھا۔ بس اڈے کے

پاس ہی ایک ہوٹل تھا۔ میں نے اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا اور چائے کا ایک کپ پینے کے بعد گرم کپڑے پہن کر بازار میں نکل آیا اور اس ہوٹل کا پتہ لگا لیا جہاں میجر کرشن مقیم تھا۔ ہوٹل سے بریف کیس اٹھایا اور میجر کرشن والے ہوٹل بل ویو' میں منتقل ہو گیا۔ کمرہ کرائے پر لے لیا۔ میجر کرشن کے کمرے کا نمبر پانچ تھا جبکہ مجھے گیارہ نمبر ملا تھا۔ دونوں کمرے دوسری منزل پر تھے ۔ ہوٹل اندر سے سارے کا سارا اسٹنڈرڈ ہیٹڈ تھا اور کافی حد تک جدید ساز و سامان سے مزین تھا۔

دوپہر دو بجے میں کھانے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا بعض اہم امور پر غور کر رہا تھا کیونکہ میرے منصوبے کی بعض کڑیاں ابھی تک نامکمل تھیں ۔ ان کی تکمیل کا تقاضا تھا کہ میں منصوبے کے گرداب میں کود جاؤں ۔ اس طرح وہ کڑیاں خود بخود آپس میں مل جاتیں

سہ پہر کی چائے پی کر میں دو تین بار میجر کرشن کے کمرے کے سامنے سے گزرا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ میں نیچے لابی میں چلا گیا اور صوفے پر بیٹھ کر ہندی کا اخبار پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوش پوش جوڑا سیڑھیاں اتر کر کاؤنٹر کی طرف آیا کاؤنٹر پر جو آدمی کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ گڈ ایوننگ میجر! آج شاید رات کو برف گرے گی "۔

میں نے گوشہ چشم سے اس جوڑے کا جائزہ لیا۔ لڑکی کا رنگ سانولا تھا۔ شکل و صورت ہی سے عیسائی لگتی تھی ۔ اس کا ساتھی میرے قد کاٹھ کا ایک خوش شکل جوان تھا ۔ اس نے مسکراتے ہوئے چابی کاؤنٹر مین کی طرف بڑھا دی اور بولا ۔" ہم سنو پوائنٹ تک چکر لگانے جاتے ہیں ۔ آج رات کھانے میں..."

کاؤنٹر مین نے ہنس کر کہا۔" میجر صاحب ڈونٹ وری ۔ ہم نے آپ کے سوپ کے لئے خاص طور پر پٹھان کوٹ سے ٹرکی میٹ منگوایا ہے ۔ انجوائے یور سیلف "۔

" تھینک یو۔"

یہ خوش شکل اور خوش پوش جوڑا ہوٹل سے چلا گیا تو میں بھی اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھا اور کاؤنٹر مین سے ایک فون کال کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ دلی سے میری ایک کال آنے والی ہے ۔ پھر میں نے تھوڑی ہی دیر بعد پتہ چلا لیا کہ یہ جو خوش شکل جوان ایک لڑکی کے ساتھ ابھی ابھی باہر گیا ہے ۔ اس کا نام میجر کرشن ہے اور اپنی عیسائی بیوی کے ساتھ ہنی مون منانے آیا ہوا ہے ۔ میجر کرشن نے یہاں جھوٹ بولا تھا اور عیسائی لڑکی کو اپنی بیوی ظاہر کیا تھا جبکہ مجھے ڈلہوزی والی اروشی نے بتایا تھا کہ میجر کرشن اپنی ایک دوست لڑکی کو لے کر ڈلہوزی دو ماہ کی چھٹیاں گزارنے آیا ہوا ہے۔

میں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوٹل کے بار روم میں جا کر مشروب کی ایک قیمتی بوتل خریدی اور اسے لفافے میں لپیٹ کر وہیں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ایک فیشن میگزین دیکھنے لگا۔

کھڑکی پر گرا ہوا سفید بھاری پردہ درمیان میں سے ہٹا ہوا تھا اور باہر کا پر فضا ماحول دکھائی دے رہا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی سڑک تھی جو ہوٹل کی لابی کے آگے سے گزر کر اور پہاڑی بنگلوں اور پارک کی طرف جاتی تھی۔ میں نے کافی منگوائی اور آہستہ آہستہ ایک ایک گھونٹ کر کے پینے لگا۔ نصف گھنٹے بعد مجھے دور سڑک پر پہاڑی بنگلوں کی طرف سے میجر کرشن اپنی دوست کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ میں اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں آہستہ سے اٹھا اور اوپر والی منزل کے برآمدے میں پہنچ گیا۔ میں سیدھا اپنے کمرے کی طرف گیا جو برآمدے کے کونے پر تھا۔ میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ موسم سرما کے باعث اکثر کمرے خالی پڑے تھے۔ برآمدہ بھی خالی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے عیسائی لڑکی اور ہندو میجر کے ہلکے ہلکے قہقہے سنے۔ میں دیوار سے الگ ہو کر آہستہ آہستہ ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ مشروب کی بوتل والا لفافہ میری بغل میں تھا۔ میجر کرشن اپنی دوست کے ساتھ برآمدے میں اپنے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے میں جان بوجھ کر اس سے ٹکرا گیا اور مشروب کی بوتل بغل سے چھوڑ دی۔ لفافہ برآمدے کے فرش پر گرا اور بوتل ٹوٹ گئی۔ "اوہ آئی ایم سوری"۔ میجر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے جھکا۔

میں نے لفافہ میں سے ٹوٹی ہوئی بوتل باہر نکالی۔ میں اسے دکھانا چاہتا تھا کہ مشروب کی بوتل بڑی قیمتی تھی۔ میں مسکرا کر کہا۔ "کوئی بات نہیں، نو پرابلم"۔

"ڈونٹ وری۔ میں ابھی مشروب کی نئی بوتل منگواتا ہوں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نیور مائینڈ سر، دراصل غلطی میری تھی"۔

"نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ آپ کو میری طرف سے نئی بوتل قبول کرنی ہو گی۔ پلیز! میرے ساتھ بار میں آیئے۔ روزی تم کمرے میں چلو۔"

میں بھی یہی چاہتا تھا۔ یہ میرے منصوبے کا حصہ تھا۔ میں میجر کے ساتھ نیچے بار روم میں آ گیا۔ اس نے مجھے مشروب کی نئی بوتل خرید کر دی تو میں نے وہی مشروب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ اسے میری طرف سے قبول کیجئے کیونکہ میں ڈرنک نہیں کرتا"۔

"ارے ..." میجر کرشن حیران ہو کر بولا۔ "تو پھر آپ یہ کس کے لئے لے جا رہے تھے"؟

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اپنے ایک دوست کو تحفہ دینے جا رہا تھا۔ میرا نام ڈاکٹر راما سورتی ہے"۔

"ارے ... آپ ڈاکٹر ہیں۔ میڈیسن کے ڈاکٹر؟"

"جی ہاں ... اور آپ؟"

ڈاکٹر! میں میجر کیول کرشن آرٹلری کا میجر ہوں۔"

"یہ میرے لئے ایک خوش آئند خبر تھی کہ یہ ہندو جوان آرٹلری یعنی توپ خانے کا میجر تھا۔ اس نے میرا آدھا سفر آسان کر دیا تھا۔ وہ مجھے زبردستی اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کی دوست روزی صوفے پر نیم دراز ایک رسالہ پڑھ رہی تھی۔" روزی ڈیئر! یہ ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر راما مورتی ایم بی بی ایس"۔

روزی نے مسکراتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میجر کرشن نے مشروب کی بوتل کھول لی اور گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولا۔" ڈاکٹر آپ اتنی سردی میں ڈلہوزی کیسے آ گئے؟ ہم تو ہنی مون منانے آئے ہیں۔ کیا آپ بھی؟" میری طرف دیکھ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"جی نہیں۔ میری ابھی شادی نہیں ہوئی۔"

"مائی ... مائی۔" روزی بولی۔" ڈاکٹر مجھے اجازت دو' میں تمہارے لئے ایک سندر اور شوشیل سی لڑکی تلاش کروں"۔

میں مسکرا کر رہ گیا۔

وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ کر مشروب پینے لگے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں امرتسر کا رہنے والا ہوں اور وہیں میڈیکل کالج میں پڑھا ہوں۔ آج کل پٹھان کوٹ میں پریکٹس کرتا ہوں۔ برف کے موسم میں ایک بار برف دیکھنے ڈلہوزی ضرور آتا ہوں۔

"وہ آپ کے فرینڈ کہاں رہتے ہیں جن کے لئے آپ یہ مشروب کی بوتل لے جا رہے تھے"۔ میجر نے پوچھا۔

میں یہ بات بھول ہی گیا تھا۔ ذرا سا ٹھٹکا پھر بولا" وہ ... وہ ملہوترا صاحب ہیں۔ کالج میں ہمارے پروفیسر تھے۔ انہیں ان چیزوں کا بہت شوق ہے۔ آج وہ پٹھان کوٹ جا رہے تھے۔ اس لئے میں ان کا پسندیدہ تحفہ لے کر جا رہا تھا لیکن خیر' فارگیٹ اٹ میجر۔ پروفیسر صاحب تو اس وقت پٹھان کوٹ پہنچ بھی چکے ہوں گے"۔

میجر اب ہلکے ہلکے سرور میں تھا۔ میں نے اسے محتاط انداز میں کریدنا شروع کر دیا۔ اس نے وہی کچھ بتایا جو میں پٹھان کوٹ میں اس کی رشتے دار لڑکی اروشی کی زبانی سن چکا تھا۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔" ڈاکٹر! کیا میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے میں کوئی ایسا میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتا ہوں کہ پٹھان کوٹ کا کلائی میٹ مجھے سوٹ نہیں کرتا"؟

میں نے مسکراتے ہوئے کہا" میجر صاحب۔ ایسا ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے آپ کو اپنی یونٹ کے کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ہو گا"۔

میجر کرشن نے ناپسندیدگی کے انداز میں سر جھٹک کر کہا" مائی فٹ! ہماری یونٹ کا کیپٹن ڈاکٹر بھی اس یم راج کرنل کا دوست ہے۔ او کے نو پرابلم"۔

میں نے بات کا رخ سیاست کی طرف موڑ دیا اور ہمسایہ ممالک میں ہتھیاروں کی بھرمار پر گفتگو کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف کچھ باتیں کہہ دیں۔ میجر کرشن نے بڑی نخوت سے گردن اکڑا کر کہا۔ ڈاکٹر موریتی! میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی کو بتانا مت۔ لاہور ہماری توپوں کی زد میں ہے۔ پٹھان کوٹ سے ایک گولا فائر ہو گا اور سیدھا... اوہ 'فارگیٹ اٹ۔ وہ بات کرتے کرتے روزی کی طرف متوجہ ہو گیا۔" سروس والوں کو فون کرو۔ ہمارے ٹرکی اسٹیک تیار ہو گئے یا نہیں "؟

میں نے اس دوران میں کمرے کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ روزی نے دو ایک بار دیوار گیر الماری کھولی تھی اور میں نے اندر میجر کی وردی دیکھ لی تھی۔ ایک ہک کے ساتھ پستول بھی لٹک رہا تھا۔ اس کا بیگ کیس میک اپ کرنے والا سنگار میز پر پڑا تھا ایک خاص بات کی وضاحت کے لئے میں نے بات کا رخ پٹھان کوٹ کی چھاؤنی اور میجر کرشن کی وہاں ٹرانسفر کی طرف موڑ دیا اور کہا۔ پٹھان کوٹ کی چھاؤنی کا حالی میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے اچھا نہیں ہے۔ آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا کہ وہاں نہیں گئے "۔

میجر بڑے موڈ میں تھا۔ بولا " ڈاکٹر! میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گا۔ جنرل تیواڑی سہنا میرے ڈیڈی کے دوست ہیں ان سے کہہ کر میں ٹرانسفر کینسل کروالوں گا۔ مصیبت یہ ہے کہ جنرل صاحب امریکہ گئے ہوئے ہیں۔ اگلے ماہ بھارت واپس آئیں گے۔ جب تک میں یہیں ڈلہوزی میں عیش کروں گا "۔ وہ روزی کی طرف دیکھنے لگا جو نیچے ہوٹل کی انتظامیہ کو فون کر رہی تھی۔

" تمہارے ٹرانسفر کے کاغذات تو پٹھان کوٹ چھاؤنی پہنچ چکے ہوں گے اور وہ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے "۔ میں نے کہا۔

وہ ہنسا اور بازو صوفے پر پھیلا کر بولا " ٹو ہیل وِدِ وِیم... کاغذ پہنچ گئے ہیں تو کیا ہوا جنرل تیواڑی امریکہ سے آیا تو واپس آ جائیں گے۔ جالندھر کینٹ... "

اس کا مطلب تھا کہ پٹھان کوٹ چھاؤنی والوں کو علم ہو چکا تھا کہ جالندھر چھاؤنی سے کرشن نام کا ایک میجر ٹرانسفر ہو کر وہاں آ رہا ہے مگر ابھی وہ دو ماہ کی چھٹی پر ہے۔ میں' میجر کے سرور میں ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا... اب میں نے گفتگو کا رخ بھارتی فلموں کی طرف موڑ دیا میجر نے ہاتھ اٹھا کر کہا" دھرمیندر میرا کزن ہے۔ بالکل نالائق لڑکا ہوتا تھا۔ اسکول سے بھاگ جایا کرتا تھا۔ ارے' اب تو اس کے بڑے ٹھاٹھ ہیں۔ مگر مجھے دیکھ کر بھیگی بلی بن جاتا ہے۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا۔

روزی فون کرنے کے بعد صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

" روزی ڈیئر! ٹرکی اسٹیک ؟ وٹ اباؤٹ ' مائی فیورٹ ڈش ...؟"

" ٹیک اٹ ایزی ڈیئر۔ اسٹیک تیار ہو رہے ہیں۔"

" ونڈر فل مائی ڈیئر!"

ہندو میجر نے ایک نعرہ لگا کر کہا اور ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا کمرہ لتا منگیشکر کی آواز سے گونج اٹھا۔

ہندو میجر اور عیسائی لڑکی میوزک کے ساتھ رقص کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے لئے انہوں نے مجھے بھی شامل کر لیا پھر ہندو میجر صوفے پر گر پڑا اور روزی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔
"ڈیئر! میری فیورٹ ڈش ابھی تک نہیں آئی۔ میرے ٹرکی اسٹیکس ... فوراً نیچے جاؤ، انہیں کہو کہ میں ان کا کورٹ مارشل کر دوں گا۔"

روزی بال جھٹک کر جانے لگی تو ہندو میجر نے پتلون کی پچھلی جیب سے چمڑے کا لمبوترا سا بٹوہ نکالا اور بولا "ٹھہرو ... یہ بار روم سے آئی دفعہ ...!"

روزی نے بات کاٹ کر کہا "رہنے دو' یہ تمہارا فوجی میس نہیں ہے میں لے آؤں گی"۔

میجر کرشن بٹوہ کھولتے کھولتے رک گیا۔ وہ ہنسا اور بٹوہ میز پر رکھتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے' آفیسر! ٹھیک ہے!"

روزی چلی گئی میجر نے اپنے گلاس میں مشروب انڈیلا اور انگلی کھڑی کر کے بولا "ایک منٹ میں آیا۔ سوری ... ڈاکٹر!"

وہ باتھ روم میں چلا گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کا بٹوہ میرے سامنے میز پر پڑا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھا کر اسے کھولا اس میں پاکٹ بک سائز کا چھوٹا سا ایک اور بٹوہ تھا۔ میں نے اسے کھولا تو وہ میجر کا ملٹری شناختی کارڈ تھا۔ ایک جانب میجر کی پاسپورٹ سائز کی فل وردی میں تصویر تھی جبکہ سامنے پلاسٹک کے ورق کے اندر کاغذ پر اس کا نام' عہدہ اور یونٹ کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ تھرڈ راجپوت ڈویژن کی آرٹلری کا میجر تھا۔

یہی وہ شناختی کارڈ تھا جس کے حصول کے لئے میں نے یہ سارا ڈرامہ کھیلا تھا۔ میں نے یہ شناختی کارڈ حاصل کرنے کے لئے بڑا لمبا پروگرام بنایا تھا اور مجھے میجر کی عدم موجودگی میں تلاشی لینے کے لئے آنا تھا مگر قدرت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے پھرتی سے شناختی کارڈ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور بٹوہ بند کر کے اسی طرح میز پر رکھ دیا اور صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا۔

میجر جھومتا ہوا باتھ روم سے باہر آ گیا۔ وہ میز سے گلاس اٹھا کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور ان لڑکیوں کی باتیں کرنے لگا جن سے اس کی دوستی رہ چکی تھی۔ اتنے میں روزی آ گئی۔ میجر چپ ہو گیا۔ بہت ہوشیار آدمی تھا۔ روزی کے ہاتھ میں مشروب کا لفافہ تھا۔ لفافہ اس نے سنگار میز پر رکھا اور بولی "تمہاری فیورٹ ڈش تیار ہے' ڈیئر"۔

"تھینک یو ... تھینک یو ڈیئر!" میجر نے بٹوہ میز سے اٹھا کر کھولتے ہوئے کہا "لیکن ڈیئر! میں تمہارا حساب چکا دینا چاہتا ہوں۔ آئی مین ... بزنس از بزنس ...!"۔

... پھر وہ کچھ چونک سا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیوں چونکا ہے۔ وہ بٹوے کی ساری جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اس نے بٹوے میں رکھے ہوئے نوٹ اور تہ کئے ہوئے کاغذ اور چابیاں نکال کر میز پر رکھ دیں اور بولا "کیا

میرا آئی ڈی کارڈ تمہارے پاس ہے "؟

روزی لفافہ کھولتے ہوئے بولی " میرے پاس تمہارے آئی ڈی کارڈ کا کیا کام ؟ کوٹ کی جیبوں میں دیکھو ' وہیں کہیں ہو گا "؟

میجر کا سرور کسی حد تک اتر گیا تھا۔ میں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا " آپ نے اسے کہاں رکھا تھا "؟

" اسی بٹوے میں ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے دوسری پتلون کی جیب میں ہو "... پھر اس نے اپنے سارے کپڑوں کی جیبیں دیکھ ڈالیں مگر کارڈ نہ ملا۔ مل بھی کیسے سکتا تھا۔ وہ تو اس وقت میری جیب میں پڑا تھا۔

" کہیں گر نہ گیا ہو "؟ میں نے ہمدردی سے کہا۔

" اوہ یس!" میجر کچھ سوچ کر بولا " ڈیئر! ہم نے سنو پوائنٹ پر دوڑ لگائی تھی۔ میرا خیال ہے ' وہیں گر گیا ہو گا۔ مجھے یاد آیا ' میرا بٹوہ وہاں جیب سے اچھل کر گرا تھا۔ اف مائی گاڈ... مجھے ابھی وہاں جا کر اسے تلاش کرنا ہو گا۔"

روزی نے جھنجلا کر کہا " اندھیرا ہو گیا ہے۔ اتنی سردی میں کہاں جاؤ گے ' نیا بنوا لینا "۔

میجر نے تلخ لہجے میں کہا " تم سمجھتی ہو کہ نیا کارڈ بنوانا کوئی آسان کام ہے ؟ مجھے اس کی باقاعدہ ہیڈ کوارٹرز اطلاع دینا ہو گی۔ مجھے جرمانہ ہو گا ایکس پلے نیشن فائل کرنی پڑے گی۔ میں ابھی جاتا ہوں "۔

روزی اور میں اسے روکتے ہی رہے مگر میجر لمبا کوٹ پہن کر ٹارچ سنبھالتا ہوا چلا گیا۔ جتنی دیر باہر رہا ' اس کی نقلی بیوی ' روزی مجھ سے میجر کی ضدی طبیعت کے خلاف باتیں کرتی رہی اس اثنا میں ' ی اسٹیکس بھی آ گئے۔ ساتھ ہی کھانا بھی لگا دیا گیا۔ نصف گھنٹے بعد میجر کرشن واپس آیا۔ وہ سخت نا امید تھا۔ کہنے لگا " مائی فٹ... نہیں ملا۔ صبح دیکھیں گے۔ نو پرابلم... گم ہو گیا ہے تو میں کیا کروں ؟ صبح اگر نہ ملا تو ہیڈ کوارٹر ٹیلی گرام کر دوں گا "۔

" یہ تو بہت بری بات ہو گئی ہے "۔ میں نے کہا۔

میجر نے مسکراتے ہوئے کوٹ اتار کر کہا " فارگیٹ اٹ ڈاکٹر! کوئی میرا آئی ڈی کارڈ لے کر کیا کرے گا۔ اس پر میری تصویر لگی ہے یونٹ کو انفارم کر دوں گا ' یہیں دوسرا کارڈ بن کر آ جائے گا "۔

" اب کھانا شروع کرو۔ ٹھنڈے ہو رہے ہیں ' تمہارے فیورٹ اسٹیکس "۔ روزی بولی۔

ونڈر فل... روزی ڈیئر! سردی میں ٹھٹھر رہا ہوں ' ایک گلاس گرم گرم... پلیز...!"

" تم باز نہیں آؤ گے نائی بوائے ؟"

روزی اٹھ کر سنگار میز کی طرف بڑھ گئی۔

رات بارہ بجے جب میں میجر کرشن کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو میری

جیب میں وہ قیمتی کنجی موجود تھی جس نے میرے لئے پٹھان کوٹ چھاؤنی کے سیکریٹ مورچوں کا دروازہ کھولنا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے بتی روشن کی۔ دروازے کو تالا لگایا اور میجر کا شناختی کارڈ نکال کر غور سے دیکھنے لگا۔ مجھے جس بات کا خدشہ تھا' وہ یہاں نہیں تھی۔ پاسپورٹ کی طرح شناختی کارڈ کی تصویر پر تصدیق کرنے والے فوجی افسر کے دستخط نہیں تھے بلکہ یہ دستخط تصویر کے نیچے یونٹ کی مہر کے اوپر کیئے گئے تھے۔ یہ دوسری فتح تھی۔ شناختی کارڈ پر میجر کے نام اور رینک کے ساتھ بائیں رخسار پر کان کے قریب ایک نسواری تل کے بارے میں بھی لکھا ہوا تھا مگر مجھے اس سلسلے میں فکر کرنے ضرورت نہیں تھی۔ جب فوجی افسر فل وردی میں ہو تو اس کے رخسار کا تل کوئی نہیں دیکھتا۔ میں نے شناختی کارڈ پلنگ کے گدے کے نیچے چھپا دیا اور کپڑے بدل کر لیٹ گیا۔ صبح میرے مشن کا دوسرا مرحلہ شروع ہونے والا تھا مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ذہن میں عجیب کھد بد سی ہونے لگی تھی۔ کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے ابھی دروازہ دھڑ سے کھلے گا اور میجر پستول تان کر داخل ہو گا اور مجھے گرج کر کہے گا " خبردار... اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ تم پاکستانی جاسوس ہو اور میرا آئی ڈی کارڈ چرا کر لائے ہو "۔

رات دو بجے کے قریب جا کر کہیں میری آنکھ لگی۔

صبح جاگا تو کھڑکی کے سفید پردوں میں سے دن کی روشنی چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھیں۔ میں نے گھڑی دیکھی' ساڑھے دس بجے تھے۔ میں جلدی سے باتھ روم گیا اور ابھی غسل کے بعد کپڑے ہی بدل رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دل دھک سے رہ گیا باہر میجر کرشن کھڑا تھا۔ " گڈ مارننگ ڈاکٹر! "۔

میری جان میں جان آئی' وہ کمرے میں آ گیا " ڈاکٹر! ہم آج دوپہر کے بعد کُلّو جا رہے ہیں ہمارے ساتھ چلو گے' ایک ہفتے کا ٹرپ ہے خوب سیر کریں گے تمہیں کُلّو کے سرخ سیب کھلائیں گے۔ روزی بھی تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے کہہ رہی ہے "۔

میں ان کے ساتھ بھلا کیسے جا سکتا تھا۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے واپس پٹھان کوٹ جانا ہے جہاں میرے مریض میرا انتظار کر رہے ہیں۔" اور ہاں میجر... اگر کبھی پٹھان کوٹ آؤ تو میرے ہاں ٹھہرنا' مجھے خوشی ہو گی "۔

میجر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا " اور نو... بھگوان مجھے پٹھان کوٹ نہ لے جائے' ڈاکٹر! مجھے وہاں کا پانی سوٹ نہیں کرتا۔ ہاں تمہارا جالندھر آنا ہو تو چھاؤنی میرے پاس ضرور آنا "۔ پھر اس نے مجھے اپنا ملاقاتی کارڈ دیا جس پر جالندھر چھاؤنی میں اس کے گھر کا پتہ اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے کارڈ رکھ لیا۔ اس نے جاتے ہوئے کہا " کیا لنچ ہمارے ساتھ نہیں کرو گے "؟

میں نے جواب میں کہا کہ مجھے ڈلہوزی میں کچھ ضروری شاپنگ کرنی ہے... اگر جلدی واپس آ گیا تو لنچ میں شامل ہو جاؤں گا۔ میرا انتظار نہ کیا جائے۔"

میجر نے قہقہہ لگا کر کہا" وہ تو ہم ضرور کریں گے' ڈاکٹر"۔

میں نے اپنے اطمینان کے لئے پوچھا کہ کیا اس کا شناختی کارڈ مل گیا""؟

" نہیں مل سکا ڈاکٹر... ویسے میں نے اپنی یونٹ کو انفارم کر دیا ہے۔ نو پرابلم... نیا بن جائے گا۔ ایکس پلے نیشن بھی بھجوا دیا ہے۔"

" جرمانہ بھی تو پڑ جائے گا' میجر!"

" او فارگیٹ اٹ ... او کے ڈاکٹر... کوشش کرنا کہ لنچ پر پہنچ جاؤ۔"

" آئی ول ٹرائی ' میجر!" میں نے ہاتھ جوڑ کر نسکار کیا تو میجر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے کھسکنے کی تیاری شروع کر دی مجھے پندرہ بیس منٹ لگ گئے جب میں بریف کیس اٹھائے سیڑھیوں کی طرف چلا تو سامنے سے مجھے میجر کرشن تیز قدموں سے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس نے دوری سے پکار کر کہا" ڈاکٹر! پلیز جلدی چلئے ' روزی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے "۔

وہ مجھے کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کی عیسائی دوست روزی بستر پر کمبل اوڑھے پڑی تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا... اور آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔ میں ڈاکٹر نہیں تھا مگر وہ لوگ مجھے ایم بی بی ایس ڈاکٹر سمجھتے تھے اور مجھے ظاہر بھی یہی کرنا تھا۔ میں نے روزی کی نبض دیکھی۔ نبض ٹھیک چل رہی تھی۔ میجر نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ بالکل بھلی چنگی تھی بس دس منٹ ہوئے کہ قے آنی شروع ہو گئی۔ میں نے روزی سے پوچھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ اس نے نقاہت سے کہا" جی متلا رہا ہے"۔

" سوری ' میرے پاس دوائیں نہیں ہیں" میں نے کہا" یہاں ڈلہوزی میں میرا ایک ڈاکٹر واقف ہے ' اس کو بھجوائے دیتا ہوں"

" ڈاکٹر کوئی نسخہ لکھ دو میں ابھی بازار سے منگوا لیتا ہوں۔" میجر نے کہا۔

میں کیا دوائی لکھتا... کیا نسخہ لکھتا مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا میں نے جلدی سے کہا" میجر! میں بازار کی دوائی دینا پسند نہیں کروں گا۔ جس ڈاکٹر کو میں بھجواؤں گا وہ خود ہی ٹریٹ منٹ دے گا۔

میجر نے مجھے ایک طرف لے جا کر پوچھا" معاملہ سیریس تو نہیں ہے' ڈاکٹر؟ میرا مطلب ہے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو میں اسے واپس بھجوا دیتا ہوں""؟

" گھبرانے کی کوئی بات نہیں ' معدہ خراب ہو گیا ہے۔ او کے! میں جا کر ڈاکٹر کو فورا بھجواتا ہوں "۔ یہ کہہ کر میں نیچے ہوٹل کی لابی میں آ گیا۔ میں نے چابی کاؤنٹر پر دی اور اپنا حساب بھی صاف نہیں کیا۔ اس میں خطرہ تھا۔ میں میجر کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ ہوٹل چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ہوٹل سے باہر آ کر

میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور بس اسٹینڈ پر آ گیا۔ سیزن میں یہاں کافی رش ہوتا ہوگا مگر سردیوں کے موسم کی وجہ سے بس اسٹینڈ تقریباً ویران پڑا تھا۔ ایک لمبی بس کونے میں چھپر کے نیچے کھڑی تھی جس میں سے کچھ سواریاں منہ سر لپیٹے باہر جھانک رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ یہی بس آدھ گھنٹے بعد پٹھان کوٹ جائے گی۔ میں نے یہ نصف گھنٹہ چائے کی ایک دکان میں گزار دیا۔ بس نے چلتے چلتے مزید پندرہ منٹ لے لئے۔ آخر بس روانہ ہو گئی۔ جتنی دیر بس ڈلہوزی کی سڑکوں سے گزرتی رہی ' میں پریشان ہی رہا۔ دس منٹ بعد بس ایک گہری وادی میں پہاڑ کی ڈھلان پر پٹھان کوٹ کی طرف دوڑ رہی تھی۔

پٹھان کوٹ پہنچ کر میں سیدھا ریلوے اسٹیشن گیا۔ پروگرام کے مطابق میں نے انبالہ چھاؤنی کے لئے فرسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ خرید لیا۔ سہ پہر تین بجے پٹھان کوٹ سے گاڑی امرتسر کی طرف روانہ ہو گئی۔ امرتسر پہنچا تو سورج ڈھل رہا تھا۔ یہاں سے رات نو بجے مجھے فرنٹیئر میل پکڑنا تھی۔ میں فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا اور وہیں میں نے کھانا بھی منگوا کر کھایا۔ ساڑھے آٹھ بجے رات فرنٹیئر میل کے ڈبے پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئے تو میں ڈبے میں جا کر بیٹھ گیا۔ تین چار سواریاں پہلے ہی سے بیٹھی تھیں۔ ان میں دو سکھ مسافر بھی تھے جو شکل اور لباس سے کاروباری آدمی لگتے تھے۔ گاڑی چلی تو ایک سکھ نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں۔ "سیکنڈ کلاس میں بھی بڑا رش ہوتا ہے ' مہاراج! میں تو ہمیشہ فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہوں۔ آپ کہاں جا رہے ہیں"؟

میں نے اسے بتایا کہ میں انبالہ جا رہا ہوں۔

وہاں کیا کام کرتے ہیں۔ آپ تو پنجابی لگتے ہیں؟"

میں نے کہا" ہاں ... میں جالندھر کا رہنے والا ہوں۔ کاروبار کے سلسلے میں امرتسر آیا تھا' اب انبالہ جا رہا ہوں۔ میں پلاسٹک گڈز کا کاروبار کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر میں نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں جیسے مجھے نیند آ رہی ہو۔ فرنٹیئر میل امرتسر سے نکل کر جالندھر کی طرف پوری رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔

گاڑی انبالہ پہنچی تو رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ اس بات کا مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ مجھے انبالہ کے ریلوے اسٹیشن پر آدھی رات کو نہیں پہنچنا چاہئے تھا۔ انبالہ چھاؤنی بھارت میں زبردست فوجی اہمیت کی حامل تھی اور ظاہر ہے کہ ریلوے اسٹیشنوں پر ملٹری انٹیلی جینس پولیس اور سی آئی ڈی کے آدمی ضرور موجود ہوں گے پہلے میں نے سوچا کہ ٹرین ہی میں بیٹھا رہوں اور آگے دلی کی طرف نکل جاؤں اور دوسرے دن انبالہ لوٹ آؤں ... پھر یہ سوچ کر ٹرین سے اتر آیا کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میجر کرشن کسی وقت بھی اپنا ارادہ بدل کر یا اپنے یونٹ کے آڈر پر پٹھان کوٹ چھاؤنی پہنچ سکتا تھا۔

انبالہ شہر کے ریلوے اسٹیشن کا پلیٹ فارم کافی کشادہ اور بارونق تھا۔ مسافر ٹرین سے اتر رہے

لے اور چڑھ بھی رہے تھے۔ اسی بھیڑ میں بریف کیس تھامے' میں فرسٹ کلاس کے خالی ویٹنگ روم میں آگیا۔ دیوار کے ساتھ پرانی طرز کا دیوان پڑا تھا' میں اس پر دراز ہو گیا۔ فرنٹیئر میل کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد روانہ ہو گئی۔ پلیٹ فارم پر آہستہ آہستہ شور کم ہو گیا پھر سناٹا چھا گیا۔ ویٹنگ روم کا دروازہ کھلا اور ریلوے کا ایک وردی پوش ٹکٹ چیکر اندر آیا اور بولا "شریمان جی! گاڑی تو نکل گئی"۔

میں نے آنکھیں بند کر رکھی تھی اور یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے سو رہا ہوں۔ اس کی آواز پر میں ہڑبڑا کر اٹھا اور بولا "کیا فرنٹیئر میل نکل گئی؟ اف بھگوان... اس نیند کا برا ہو"۔

ٹکٹ چیکر بولا "اب آپ کو صبح آٹھ بجے والی گاڑی ملے۔ کہاں جا رہے تھے' آپ"؟

"دلی جا رہا تھا!"

میں پھر یہ حقیقت بھول گیا تھا کہ میری جیب میں امرتسر سے انبالہ تک کا فرسٹ کلاس ٹکٹ ہے اور دلی جانے کے لئے میں نے انبالہ شہر سے فرسٹ کلاس کا کوئی ٹکٹ نہیں خریدا تھا مگر میں اپنے آپ کو شک کے امکانات سے بچانے کے لئے ناتجربہ کاری کی وجہ سے جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچ لیا کہ اگر ٹکٹ چیکر کو معلوم ہو گیا کہ میرے پاس دلی کا ٹکٹ نہیں ہے تو کہہ دوں گا کہ جس وقت میں ویٹنگ روم میں آکر لیٹا تھا اس وقت ٹکٹ گھر بند تھا۔ ٹکٹ چیکر ویٹنگ روم میں چلا گیا... کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو بولا "یہاں سردی بہت ہے' ہمارے آفس میں آجائیں۔ وہاں کوئلوں کی انگیٹھی جلا رکھی ہے"۔

"شکریہ! میں یہیں پڑا رہوں گا۔"

ٹکٹ چیکر چلا گیا تو میں اٹھ بیٹھا۔ دل نے کہا کہ یہاں سے نکل چلو۔ باقی رات اسٹیشن کے پاس کسی ہوٹل میں بسر کرو۔ ابھی ابھی گاڑی گئی ہے۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم مسافر ہو۔ اسی گاڑی سے آئے ہو۔ چنانچہ میں ویٹنگ روم سے باہر پلیٹ فارم پر آگیا۔ اب ایک مصیبت سامنے تھی۔ اگر وہی ٹکٹ چیکر گیٹ پر کھڑا ہو گا تو میرا پٹھان کوٹ سے انبالے تک کا ٹکٹ دیکھ کر ضرور چونکے گا مگر خوش قسمتی سے پلیٹ فارم کے گیٹ پر کوئی ٹکٹ چیکر موجود نہیں تھا۔ میں گیٹ سے نکل گیا۔

اسٹیشن کے سامنے کئی ایک عمارتیں تھیں جہاں آدھی رات کے بعد بھی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ ان میں ہوٹل بھی تھے ایک ہوٹل کے باہر اوشا ہوٹل کا نیون سائن لگا ہوا تھا۔ ہوٹل کے دکان والے نے کاؤنٹر پر ایک ہندو تلک لگائے' کمبل لپیٹے کرسی پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ شاید وہ ٹرین کے بچے مسافروں کے انتظار میں تھا۔ میں نے اطمینان کر لیا کہ اس کے آس پاس کوئی آدمی نہیں ہے۔ میں نے اسے اپنا نام کیدار ناتھ سہگل بتایا اور ایڈریس امرتسر کا لکھا اور کہا کہ میں امرتسر میں کھدر کے اسٹور کا ایجنٹ ہوں اور کاروبار کے سلسلے میں انبالہ آیا ہوں۔ جس آدمی کو مجھے اسٹیشن پر لینے کے

لئے آنا تھا' وہ نہیں آیا۔ اب رات گزار کر صبح اس کے گھر جاؤں گا۔ اتنی رات گئے اسے بے آرام نہیں کرنا چاہتا۔ یہ وضاحت میں نے اپنی طرف سے ضروری سمجھی مگر ہوٹل والے مہاشے کے چہرے سے ظاہر ہوا کہ اسے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس مجھ سے کمرے کا پیشگی کرایہ لے کر ہی مطمئن ہو چکا تھا۔ مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں پلنگ پر ایک میلا سا لحاف پڑا تھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور انہی کپڑوں میں 'لیٹ گیا۔ میں نے کھانا نہیں کھایا... بھوک تو لگ رہی تھی لیکن میں سو گیا...

صبح آٹھ بجے آنکھ کھلی غسل خانے میں جا کر سخت سردی میں تازہ پانی سے غسل کیا' شیو بنائی... پھر اوپر ہی ڈبل ناشتہ منگوا لیا۔ تاکہ دوپہر کو کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہو... پھر میں بریف کیس اٹھائے باہر آ گیا۔

اسٹیشن کے سامنے سڑک پر کافی رونق تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ میں نے ایک سائیکل رکشا لیا اور اسے انبالہ کینٹ جانے کو کہا۔ وہاں میں ایک خاص مقصد لے کر جا رہا تھا۔ بھارت کی ایک مشہور اور بہت بڑی چھاؤنی تھی اور یہاں مجھے آسانی سے بھارتی فوج کے افسروں کی فل وردی مل سکتی تھی۔ چھاؤنی کے بڑے بازار میں ایسی کئی دکانیں تھیں جہاں فوجی افسروں کے پھول 'بٹن' ٹوپیاں اور سلی سلائی وردیاں شوکیسوں میں نظر آ رہی تھیں۔ میں ایک نسبتاً بڑی دکان میں داخل ہو گیا۔ میں نے گردن اکڑا رکھی تھی اور ایک فوجی افسر کے سے انداز میں وردیوں اور چمکیلے فوجی نشانوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک دبلا پتلا ہندو لڑکا ہاتھ جوڑ کر نمسکار کر کے بولا "سر! کس رینک کی وردی چاہئے"؟

میں نے اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا اور بولا "میجر... میجر رینک کی وردی چاہئے۔ میں اپنے ملٹری ٹیلروں سے تنگ آ گیا ہوں۔ کمبخت سب نکمے ہیں۔ کبھی میرے سائز کا خیال نہیں رکھتے"۔

"مہاراج! ہماری دکان سو برس پرانی ہے۔ بھگوان کی کرپا سے آج تک کسی آفیسر نے شکایت نہیں کی۔ ادھر تشریف لائیں۔"

جب میں اس دکان سے نکلا تو بھارتی فوج کی تھرٹین راجپوت ڈویژن کے آرٹلری یونٹ کے میجر کی وردی میں تھا۔ میری جیب میں میجر کرشن کا ملٹری آئی ڈی کارڈ تھا مگر اس پر ابھی تک کرشن کی تصویر چسپاں تھی۔ اب میرا دوسرا مرحلہ اس آئی ڈی کارڈ پر اپنی تصویر چسپاں کرنا تھا۔ انبالہ چھاؤنی کے بازار بڑی بڑی دکانوں اور اسٹوروں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں میجر کی وردی میں تھا۔ خطرہ صرف یہی تھا کہ یہاں مجھے کوئی ملٹری پولیس کا آدمی چیک نہ کر لے میں ایک فوٹو گرافر کی دکان میں داخل ہو گیا۔ یہاں میں نے پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر اتروائی اتنی دیر دکان میں ہی بیٹھا اخبار پڑھتا اور گوشہ چشم سے باہر بازار میں بھی دیکھتا رہا جب تک کہ فوٹو گرافر نے تصویر تیار کر کے میرے حوالے نہیں کر دی۔

دکان سے نکل کر میں نے اسٹیشنری کی ایک دکان سے گوند کی شیشی خریدی اور ٹیکسی میں سوار ہو کر سیدھا ریلوے اسٹیشن آگیا مجھے اس ٹکٹ چیکر کا خیال آیا جس نے رات مجھ سے باتیں کی تھیں مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ میں نے پٹھان کوٹ تک فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لیا اور ویٹنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ باتھ روم خالی تھا۔ دو تین مسافر اپنا سامان رکھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے مجھے دیکھ کر انہوں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ باتھ روم میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ بریف کیس سنگار میز پر رکھا۔ جیب سے کرشن کا شناختی کارڈ نکال کر اس کی تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گٹر میں بہا دیا۔ اس کی جگہ اپنی تصویر گوند سے اچھی طرح چپکائی۔ شیشی بریف کیس میں رکھی اور آئی ڈی کارڈ پر ایک نگاہ ڈالی۔ میں بھارتی فوج کے میجر کی فل وردی میں خوب سج رہا تھا۔ نیچے میرا نام میجر کرشن لکھا تھا اور کمانڈنگ آفیسر کے دستخط بھی موجود تھے۔

اب میرا نام کیول کرشن تھا جس کے پٹھان کوٹ چھاؤنی میں ٹرانسفر کے آرڈر ہو چکے تھے مگر وہ میڈیکل گراؤنڈ پر چھٹی لے کر ڈلہوزی میں اپنی نقلی بیوی کے ساتھ اپنی صحت بحال کر رہا تھا۔ اب اسکی جگہ مجھے پٹھانکوٹ چھاؤنی جا کر چارج لینا تھا۔ خود کو موت کے منہ میں دھکا دینے والی بات تھی مگر میرے مشن کی تکمیل کے راستے میں تو جگہ جگہ موت منہ پھاڑے کھڑی تھی۔

میں باتھ روم سے نکل آیا اور ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر ہندی اخبار پڑھنے لگا۔ میں ہندی پڑھ لکھ سکتا تھا۔ اخبار کی خبروں سے معلوم ہوا کہ مشرقی پاکستان میں گڑبڑ اور حکومت کے خلاف مظاہروں میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے اور بھارتی افواج اور حکومت گہری تشویش کی نظر سے صورت حال کا جائزہ لے رہی ہیں۔ اتنے میں دلی سے امرتسر جانے والی گاڑی آگئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ میں بھی ویٹنگ روم سے نکل کر فرسٹ کلاس کے ڈبے میں داخل ہو گیا۔

ڈبے میں ایک ہندو فیملی بیٹھی ہوئی تھی۔ موٹی عورت اور اس کا کالا بھجنگ ادھیڑ عمر کا شوہر اور ایک بچی تھی۔ مجھے دیکھ کر لالہ جی نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا۔ میں نے جواب دیا اور کونے والی سیٹ پر بیٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ پلیٹ فارم پر رسالے ' اخبار ' کتابیں بیچنے والا آگیا۔ میں نے اس سے انگریزی کا ایک رسالہ خریدا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا مگر میں پلیٹ فارم کا بھی جائزہ لے رہا تھا۔ بند گیٹ کے پاس ملٹری پولیس کے دو آدمی چاق و چوبند کھڑے ' ہر آنے جانے والے کو گھور رہے تھے۔

خدا خدا کر کے گاڑی چلی تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ امرتسر سے مجھے پٹھان کوٹ کے لئے گاڑی بدلنا تھی۔ امرتسر میں ایک خطرہ بھیانک منہ کھولے میرا منتظر تھا اور وہ خطرہ اسمگلر کرونڈیا کا تھا اگر اتفاق سے وہ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر موجود ہوا تو مجھے پہچان لے گا اور اپنی گرفتاری کے خوف سے اگر مجھے پولیس کے حوالے نہ کرے تب بھی وہ مجھے بلیک میل کر کے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ ٹرین شور مچاتی، چھوٹے چھوٹے اسٹیشن چھوڑتی امرتسر کی طرف بھاگی چلی جارہی تھی۔ لالہ جی میری بڑی خدمت کر رہے تھے۔ کبھی مٹھائی پیش کرتے اور کبھی چائے ... جنگ کا خوف ان پر سوار تھا۔ بار بار معلوم کرتے کہ کہیں پاکستان حملہ تو نہیں کر دے گا۔ امرتسر کا اسٹیشن آیا تو ان سے جان چھوٹی۔ میں نے کھڑکی سے پلیٹ فارم پر نظر ڈالی پلیٹ فارم پر مسافروں کا رش تھا۔ میں اس بھیڑ میں فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں آ کر بیٹھ گیا اور رسالہ کھول کر بظاہر اس کے مطالعے میں محو ہو گیا۔ اس وقت پشیمانی کے ایک شدید احساس نے مجھے گھیر لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ پاکستان سے یہاں آ کر اور ایک ہندو میجر کا روپ دھار کر سخت غلطی کی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو بھیانک خطروں میں ڈال لیا ہے۔ کسی بھی وقت میرا بھانڈا پھوٹ سکتا ہے اور پھر بھارتی جیلوں کی اذیت کا ایک طویل اور جان لیوا سلسلہ ہو گا اور میں ہوں گا۔ میں مر بھی نہیں سکوں گا اور زندہ لوگوں میں بھی شمار نہیں ہو سکوں گا۔ ایک دم سے میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ دل نے کہا فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔ کسی ہوٹل میں جا کر وردی اتار پھینکو، عام سے کپڑے پہنو۔ کرونڈیا اسمگلر کے پاس جا کر معافی مانگو کوئی من گھڑت کہانی اسے سناؤ۔ باقی بچے ہوئے روپے اس کے حوالے کر دو اور اس کی مدد سے انڈیا کا باؤڈر کراس کر کے اپنے پیارے وطن پہنچ کر اطمینان کی " زندگی بسر کرو۔ یہ اتنا ذانت ور احساس تھا کہ میں رسالہ ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سیدھا باتھ روم میں گیا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ میں بھارتی فوج کا میجر تھا۔ اچانک خیال کی ایک موج اور اٹھی، جو پہلی موج سے زیادہ طاقت ور تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر مجھے یہاں سے بھاگنا ہی تھا تو یہاں کیوں آیا تھا۔ اتنی منصوبہ بندی کس لئے کی تھی؟ اتنے مصائب کیوں اٹھائے تھے؟ اتنے خطرے کیوں مول لئے تھے؟ میں نے اپنے ضمیر سے جو وعدے کیے تھے، کیا یہاں سے بھاگنے کے بعد

پاکستان میں وہ مجھے اطمینان سے زندہ رہنے دیں گے؟ نہیں ... میں جس مقدس مشن کو لے کر گھر سے نکلا ہوں، وہ مجھے ہر حال میں پورا کرنا ہو گا۔ اسی میں میرے کردار کی عظمت پوشیدہ ہے۔ اسی میں میری سرخروئی ہے۔ میں اپنے لاکھوں ہم وطن لوگوں کو ایک جدید ترین اور خطرناک ترین توپ کی تباہی سے بچانے کے لئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ مجھے محض اپنی جان کے لئے لاکھوں ہم وطنوں کی زندگیاں داؤ پر نہیں لگانا چاہیئے۔ یہ قومی وقار اور قومی جذبے کے منافی ہے اور پھر میں آدھا راستہ طے کر چکا ہوں اگر یہاں سے واپس بھاگ گیا تو اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔

اس خیال نے مجھے ایک بار پھر اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑا کر دیا اور میں ایک نیا عزم لے کر باتھ روم سے نکل کر ویٹنگ روم میں آگیا۔ باہر آتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے بھارتی ملٹری پولیس کے دو چاق و چوبند جوان کھڑے میرے طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ کیا۔ ایک صوبیدار نے میری طرف تیز آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "سر! آپ کی یونٹ کونسی ہے اور آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

میں نے اپنے آپ کو ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے سامنے ایک عظیم قومی مقصد تھا لیکن اس پُر خطر مشن میں مجھے اپنی حکومت یا فوج کی ذرا سی بھی مدد حاصل نہیں تھی اور میں رضاکارانہ طور پر اکیلا ہی اتنی بڑی مہم پر نکل آیا تھا۔

میں نے ایک فوجی افسر کی شان کے ساتھ چہرہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ ہاتھ کے اشارے سے ان کے سلیوٹ کا جواب دیا اور ان کے قریب پہنچ گیا "میں تیرھویں راجپوت آرٹلری رجمنٹ کا میجر لال کرشن ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے اک شان بے نیازی سے بٹوہ نکالا اور ملٹری کا شناختی کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اپنی کرسی پر آ کر اخبار پڑھنے لگا۔ دونوں جوان میرے قریب آئے میرا آئی ڈی کارڈ بڑے ادب سے مجھے واپس کیا اور دوبارہ سلیوٹ کر کے دروازے کی طرف مڑے تو میں نے آواز دی "جوان! ادھر آؤ"۔

وہ پلٹ کر میرے پاس آ کھڑے ہوئے۔ میں نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "میں پہلی جالندھر چھاؤنی سے ٹرانسفر ہو کر پٹھان کوٹ کینٹ جا رہا ہوں۔ کیا تم کبھی پٹھان کوٹ کینٹ گئے ہو

" سر! میں نے چار مہینے ادھر ڈیوٹی دی ہے۔ کیپٹن ورما ہمارے جی 'او' سی تھے مجھے جانگلی کہا کرتے تھے۔ سر! بڑی نمبر ون چھاؤنی ہے۔ سر! چائے لاؤں آپ کے لئے؟" ایک سپاہی بولا۔
"نو تھینک یو ... تم جا سکتے ہو!"

وہ ایک بار پھر سلیوٹ کر کے باہر نکل گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہاں میرا واسطہ کسی کیپٹن ورما سے پڑے گا۔ وہ سپاہی کو جانگلی کہتا تھا۔ گویا اکھڑ طبیعت کا رانگھڑ ہو گا۔ میرے لئے اتنی معلومات ہی

بست تھی۔ ایک قلی اندر آیا تو میں نے اس سے پٹھان کوٹ جانے والی ٹرین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ٹرین پلیٹ فارم نمبر چار پر لگے گی۔ ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ یہ نصف گھنٹہ میں نے ویٹنگ روم میں ہی گزار دیا۔ اچانک دروازہ کھلا اور ملٹری پولیس کا وہی جوان داخل ہوا' جو پٹھان کوٹ چھاؤنی میں دو ماہ کاٹ چکا تھا۔ سیلوٹ کر کے بولا "سر! ٹرین لگ گئی ہے۔ پلیٹ فارم نمبر چار پر...!"

میں اٹھا' باہر جانے لگا تو اس نے پوچھا "سر! آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"میرا سامان پہلے ہی پہنچ گیا ہے فکر نہ کرو۔"

"یس سر...!"

وہ مجھے اپنی رہنمائی میں پل پر سے گزار کر دوسری جانب پلیٹ فارم نمبر چار پر لے گیا۔ یہاں پٹھان کوٹ جانے والی پسنجر ٹرین کھڑی تھی۔ یہاں اس کا دوسرا فوجی ساتھی ایک ڈبے کے باہر اٹنشن کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈبہ پورے کا پورا خالی تھا۔ مسافر ڈبے سے باہر کھڑے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ دوسرے ملٹری پولیس کے جوان نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا "سر! آپ کے لئے پورا کمپارٹ خالی کرا دیا گیا ہے"۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے ان کا شکریہ ادا کیا اور ڈبے میں جا کر کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر میں نے جیب سے بٹوہ نکال کر کھولا۔ سو روپے کا ایک نوٹ اپنی مٹھی میں دبایا۔ دونوں جوان میری کاروائی کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ ملاتے ہوئے ایک جوان کے ہاتھ میں نوٹ تھما دیا۔ وہ خوش ہو کر بولا "تھینک یو سر!" وہ مجھے سیلوٹ کر کے دوسرے مسافروں کو وہاں سے ادھر ادھر ہٹاتے ہوئے چلے گئے۔

میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ فوجی ٹوپی اتار کر بال سنوارے گہری سبز رنگ کی گرم ٹائی کی ناٹ درست کی۔ وردی پر رومال پھیرا اور سر پر ٹوپی جما کر دھندلے آئینے میں چہرہ دیکھا پھر مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔

پسنجر ٹرین اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا۔ گارڈ نے سیٹی بجائی۔ انجن نے وسل دیا اور گاڑی پلیٹ فارم سے آگے کو کھسکی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ گاڑی شریف پورے والے پھاٹک سے آگے نکل کر بائیں جانب والے امرودوں کے باغوں کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ اس وقت تک دلی کلکتہ مین لائن بھی ساتھ تھی۔ آگے جا کر ٹرین مین لائن سے الگ ہو کر بائیں طرف بٹالہ' پٹھان کوٹ جانے والی لائن پر آ گئی۔ یہ وہی ریلوے لائن تھی جس پر میں نے آدھی رات کے بعد بٹالہ تک کا پیدل سفر کیا تھا۔ بٹالہ اسٹیشن آ گیا۔ گاڑی کچھ دیر کے لئے رکی اور پھر آگے روانہ ہو گئی۔ پسنجر ٹرین تھی۔ ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی جا رہی تھی۔

آخر شدید انتظار کے بعد پٹھان کوٹ اسٹیشن آ گیا۔

میں ریلوے اسٹیشن سے نکلا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔
"چھاؤنی چلو!" میں ٹیکسی ڈرائیور کو کہا۔
"اچھا صاحب!" اس نے جواب دیا۔

سکھ ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ٹیکسی پٹھان کوٹ کے بازاروں سے گزرتی ہوئی چھاؤنی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ ٹیکسی چھوٹی چھوٹی فیکریوں کے درمیان سے گزرتی چھاؤنی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

پٹھان کوٹ چھاؤنی کا علاقہ شروع ہو گیا۔ مجھے دور چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں گھری ہوئی فوجی بیرکس اور ایک طرف کھڑے فوجی ٹرک نظر آئے۔ بیرک کے درمیان ایک جگہ رجمنٹ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ دوپہر کے دو بجے تھے۔ سڑک کے درمیان ایک جگہ رکاوٹ لگی تھی اور دو سپاہی کاندھوں پر اسٹین گنیں لٹکائے کھڑے تھے ٹیکسی رک گئی۔ سکھ سپاہی ٹیکسی کے قریب آئے اور مجھے سیلوٹ کیا اور تیزی سے بانس اوپر اٹھا دیا۔ ٹیکسی آگے نکل گئی۔ میں غور سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا۔ رجمنٹ کے بیرک نما دفتر کے باہر ٹیکسی رک گئی۔ دو ہندو سپاہی دفتر کی سیڑھیوں کے آگے مستعد کھڑے تھے۔ ایک جانب دو فوجی جیپیں اور ایک ٹرک کھڑا تھا۔ میں نے ٹیکسی والے کو رخصت کیا اور بریف کیس اٹھائے دفتر کی طرف بڑھا دونوں فوجیوں نے مجھے سیلوٹ کیا اور اپنی جگہ پر اسی طرح اٹنشن کھڑے رہے۔

رجمنٹل آفس کا دروازہ بند تھا۔ میں بڑی شان اور اعتماد سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا برآمدے میں آیا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ باہر کیپٹن بل رام ورما کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی کیپٹن ورما ہے جس کا تذکرہ امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر ملٹری پولیس کے جوان نے کیا تھا۔
"لیس کم ان!" اندر سے آواز آئی۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹا سا کمرہ بجلی کے ہیٹر سے گرم ہو رہا تھا۔ میری وردی اور رینک دیکھتے ہی پختہ عمر کا گول مٹول ہندو کیپٹن ورما جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کھٹاک سے سیلوٹ کیا اور بولا "سر!"

دیوار پر مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو اور بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم کیپٹن ورما ہو.... آئی ایم شیور!"
"یس سر!"

کیپٹن ورما کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی "پلیز.... ٹیک اے سیٹ!"
میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ایٹ ایز کیپٹن"؟

وہ تھینک یو سر، کہتا ہوا بیٹھ گیا۔ اب وہ یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ میں کون ہوں اور

چھاؤنی میں کیا کرنے آیا ہوں۔ اس نے میرے کاندھے پر میجر کے عہدے کے پھول اور کراؤن کے نیچے آرٹلری کا مونوگرام پڑھ لیا تھا۔

"میں میجر کیول کرشن ہوں۔ تیرھویں راجپوت آرٹلری...!"

کیپٹن ورما اچھل کر کھڑا ہو گیا" سر! آپ کا تو ہم نے بہت انتظار کیا مگر آپ تو سک لیو پر تھے "

میں نے ہاتھ ناپتے ہوئے کہا" یس کیپٹن میں نے میڈیکل گراؤنڈ پر چھٹی لی تھی مگر تم جانتے ہو' ؟ آج کل بھارت ورش کے حالات کیسے ہیں۔ میں نے چھٹی کینسل کرا دی۔ اب میں بالکل فٹ ہوں!"

"ویری گڈ سر... موسٹ ویل کم!" پھر وہ میز کی دراز میں سے ایک فائل نکال کر دیکھنے لگا۔

"سر! آپ کے آئی ڈی کارڈ گم ہونے کی ہمیں رپورٹ ملی تھی۔"

میں ذرا ٹھٹکا... پھر فوراً ہی ہنس کر بولا" اوہ یس 'مگر گڈ لک ہوئی آئی ڈی کارڈ میرے بیڈ روم کے کلوزٹ سے مل گیا۔ یہ دیکھو"۔ میں نے بٹوے سے میجر کرشن والا کارڈ نکال کر کیپٹن ورما کی طرف بڑھایا جس پر میری تصویر چسپاں تھی۔

" تھینک گاڈ سر... مگر آپ نے رپورٹ نہیں کی!"

"ابھی ہماری رپورٹ لکھ لو اور جالندھر کینٹ ہماری رجمنٹ کو بھی انفارم کر دو۔"

"او کے سر... چلیں آپ کو کمرہ دکھا دوں۔ آپ نے لنچ کیا؟ آپ کا لگیج کہاں ہے؟"

میں نے بتایا کہ میرا سامان بعد میں آئے گا" میں زیادہ سامان ساتھ رکھا بھی نہیں کرتا' کیپٹن۔ یو نو... ہر وقت فال ان کی پوزیشن میں رہتا ہوں۔ ہاں لنچ میں نے ابھی نہیں کیا۔ آئی ایم ہنگری "۔

" سر! آپ نہا لیں۔ میں ابھی میس سے لنچ بھجواتا ہوں۔"

وہ مجھے دفتر کے عقب میں ایک لمبی بیرک کے کونے والے کمرے میں لے گیا۔ لکڑی کے فرش پر دری' ایک صوفہ اور پلنگ بچھا ہوا تھا۔ کھڑکی پیچھے ایک ویران کھائی کی طرف کھلتی تھی جس کے آگے ٹیلوں کا سلسلہ تھا جہاں چیڑ اور سفیدے کے درخت اگے ہوئے تھے۔ باتھ روم ساتھ ہی تھا۔" سر! اتنی اچھی جگہ نہیں... مگر سر... یو نو... یہ پٹھان کوٹ کینٹ ہے"۔ اس نے قہقہہ لگایا تو میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

جب وہ چلا گیا تو میں نے دروازہ بند کر لیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا عکس دیکھا۔ میں میجر کرشن نہیں تھا مگر اس وردی میں بالکل میجر لگ رہا تھا۔ مجھے سب سے پہلے اپنے لئے ایک ریوالور ایشو کروانا تھا... پھر توپ خانے کی تنصیبات کی اہم ترین فائل کا مطالعہ کر کے اس توپ کی پوزیشن معلوم کرنا تھا جس کا رخ لاہور کی طرف تھا اور جس کو تباہ کرنے کے لئے میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اور اب میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری نقلی حیثیت تسلیم کر لی گئی تھی اور میں اس

سے ہر ممکن فائدہ فوراً ہی اٹھا لینا چاہتا تھا۔

کیپٹن ورما اردلی کے ساتھ کھانا لے کر آگیا۔ کھانا کانسی کی تھالی میں ڈھکا ہوا تھا" سر بھوجن کیجئے"۔ کیپٹن ورما نے مسکراتے ہوئے کہا اور کھانا میز کے بیچ میں رکھ دیا۔

کیپٹن ورما رجمنٹ کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ میں بھی اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ وہ بے حد خوش ہوا۔

میں نے باتوں ہی باتوں میں اپنے لئے ریوالور ایشو کرانے کا ذکر کیا۔ نیا ریوالور ایشو کروانا کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔ یہی ہوا۔ کیپٹن ورما بولا" سر! آپ کو اپنا ریوالور ساتھ لے کر آنا چاہیئے تھا۔ بڑی کمپلی کیشنز ہوں گی... مگر ڈونٹ وری سر! آئی ول سی ٹو اِٹ!"

میں نے کیپٹن ورما کو یہ تاثر دیا کہ اپنا ریوالور جالندھر کینٹ کی رجمنٹ میں جمع کرا دیا تھا۔

" نو پرابلم سر... ہم رجمنٹل آفس کو لکھ دیں گے کہ میجر صاحب کو نیا ریوالور ایشو کیا جارہا ہے۔

یہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بارے میں اس قسم کی رپورٹ پیچھے جالندھر کینٹ کو دی جائے۔ میں نے کہا" اس کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ آفس روٹین کا لمبا چکر شروع ہو جائے گا"۔

" او کے سر... یو آر باس ہیئر... آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہو گا۔"

میں نے کھانا کھا کر باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ صاف کیئے... پھر کیپٹن ورما کے ساتھ آفس میں آ کر اپنی کرسی پر رجمنٹل ہیڈ کی حیثیت سے بیٹھ گیا۔ مجھے وہاں کی دفتری کارروائی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا لیکن مجاہد فورس کی ٹریننگ کے باعث مجھے ابتدائی معلومات ضرور حاصل تھیں۔

" سر! جالندھر کینٹ سے ابھی آپ کی کنفرمیشن رپورٹ ہمارے آفس کو نہیں ملی۔ آپ اپنے ساتھ ہی لے آتے تو اچھا تھا۔"

" میں ڈلہوزی میں چھٹیاں گزار رہا تھا لیکن بس مشرقی پاکستان کی سیاسی حالت دیکھ کر سیدھا یہاں آگیا۔ میں نے جالندھر کینٹ کو اطلاع کر دی تھی۔ وہاں سے کل پرسوں تک میرا جوائننگ اتھارٹی لیٹر آجائے گا۔"

کیپٹن ورما نے جیب سے سگریٹ نکال کر میری طرف بڑھایا اور بولا" یہ کوئی پرابلم نہیں ہے سر! آپ ہماری رجمنٹ کے اعلیٰ آفیسر ہیں۔ سگریٹ"؟

" شکریہ!"

میں نے ایک سگریٹ نکال لیا۔ کیپٹن ورما نے اٹھ کر لائیٹر سے میرا سگریٹ سلگایا۔ میں یونہی ایک فائل کھول کر دیکھنے لگا۔ کیپٹن ورما نے اسی وقت فون پر دوسرے جونیئر آفیسروں کو بتا دیا کہ میجر کرشن نے چارج سنبھال لیا ہے۔ اس کے بعد کچھ ہندو جونیئر افسر مجھے ملنے آگئے۔ نوجوان دبلے پتلے ہندو لیفٹیننٹ اور سیکنڈ لیفٹیننٹ تھے۔ دو سکھ کیپٹن بھی تھے۔ وہ مجھ سے مل کر بہت خوش

ہوئے اور میرے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ رات کو انہوں نے آفیسرز میس میں مجھے پر تکلف ڈنر دیا۔

کیپٹن ورما، سرور میں تھا۔ میں نے اس کی حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی معلومات حاصل کر لیں مجھے پتہ چلا کہ جس طاقت ور ترین توپ کی تلاش میں وہاں آیا تھا۔ اس کا نام یہاں پریا رکھا گیا تھا۔

ڈنر میں کچھ بھارتی فوجی افسروں کی بیویاں بھی قیمتی ساڑھیاں پہنے موجود تھیں کیپٹن ورما نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔

"سر! انڈین عورتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔ میں کسی جاپانی عورت سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔" کیپٹن ورما بولا۔

ڈنر پارٹی رات بارہ بجے تک جاری رہی... پھر میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ ابھی تک میرا مشن بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔ ان لوگوں پر میں نے اپنا اثر ڈال لیا تھا۔ صبح مجھے پریا نامی توپ کی پوزیشن معلوم کرنی تھی۔ میرے راز کے فاش ہو جانے کا قدم قدم پر خطرہ تھا۔ چنانچہ میں اپنے عمل کو تیز تر کرنا چاہتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ہر بات میرے اختیار میں نہیں تھی۔ توپ کے مورچے تک پہنچ کر اسے تباہ کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ اس میں بہت سی رکاوٹیں اور قباحتیں حائل تھی جو مجھے دور کرنا تھیں۔ یہ بھی اطمینان کی بات تھی کہ اصل میجر کرشن نے ڈیوٹی جوائن نہیں کی تھی اس لئے اس کے اصلی دستخطوں کا نمونہ رجمنٹل آفس میں نہیں پہنچا تھا۔ اس کی جگہ میں وہاں آ گیا تھا اور میں نے اپنے دستخط ایک سادہ کاغذ پر کر کے فائل کروا دیئے تھے۔ یہ نقلی کرشن کے دستخط تھے جنہیں میں نے اچھی طرح سے بنا لیا تھا۔ یہ انگریزی کے دستخط تھے۔ میں نے ہندی کے دستخطوں کی بھی مشق کر رکھی تھی کہ شاید کبھی کسی جگہ کرنے پڑ جائیں۔ میرے پاس اس وقت سات آٹھ سو روپے کے بھارتی کرنسی نوٹ ہی رہ گئے تھے... مگر اب مجھے روپوں کی پروا نہیں تھی۔

دوسرے دن یونٹ کا جھنڈا لہرانے کی رسم کے بعد میں آفس میں آ کر بیٹھ گیا اور مختلف فائلوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ ان میں سوائے سپلائی اینڈ بیلنس، انتظامی امور، محکمانہ کارروائیوں، اخراجات ایمونیشن اور راشن پانی کی تفصیل کے سوا کچھ نہیں تھا۔

دفعتاً ایک سکھ صوبیدار میجر نے کمرے میں داخل ہو کر سلیوٹ کیا اور کہا "سر! کوارٹر ماسٹر صوبیدار میجر بلوندر سنگھ حاضر ہے"۔

میں نے سر اٹھا کر پوچھا "ویل صوبیدار! کیا بات ہے"؟

"سر! گھی کا راشن صرف آج کا رہ گیا ہے۔ کل یونٹ کے جوانوں کو پوریاں نہیں ملیں گی۔"

"کیپٹن ورما کو رپورٹ کرو۔"

سکھ صوبیدار سلیوٹ کر کے چلا گیا۔ میں لوہے کی الماری کے پاس کھڑا ہو گیا اور اندر رکھی

فائلوں اور کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں بھی مجھے کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ اتنے میں لیفٹیننٹ کپور نے اندر آ کر سلیوٹ کیا اور بولا " سر! یونٹ کا معائنہ تیار ہے "۔

میں سمجھ گیا کہ مجھے صبح یونٹ کے جوانوں کا معائنہ کرنا ہو گا۔ میں نے کہا " کیپٹن ملہوترا سے کہو۔ وہ انسپکشن کر لے گا۔ میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں "۔

" او کے سر! " یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کیپٹن ورما آ گیا۔ سلیوٹ کرنے کے بعد بولا " سر! آپ کو کون سی فائل چاہیئے مجھے آرڈر کریں۔ آپ نئے نئے ہیں' پتہ نہیں چلے گا "۔

میں نے الماری بند کر دی اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ " یونہی دفتر کی فائلوں پر ایک نظر ڈال رہا تھا "۔ کیپٹن ورما بھی بیٹھ گیا۔ میں نے کہا " گھی کا راشن ختم ہو گیا ہے کیا؟ کوارٹر ماسٹر بلوندر سنگھ آیا تھا "۔

کیپٹن ورما نے کندھے اچکا دیئے۔ " جانگلی ہے سر' ایک دم' گھی کے تیرہ کنستر اسٹور میں پڑے تھے۔ سب ٹھیک ہے' سر...! " پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا " سر! آپ ویشنو ہیں۔ مگر... میرا مطلب ہے' آپ ویشنو دیو کی پوجا نہیں کرتے "؟

" وہ... کیپٹن... بات یہ ہے کہ اتنی فرصت ہی نہیں ملتی پوجا پاٹ کریں کہ یونٹ کو سنبھالیں؟ " میں نے کہا۔

" میں سمجھ گیا سر... میں بھی شواتری کو ہی پوجا پاٹ کرنے یہاں شہر کے مندر جاتا ہوں۔ "

اب میں نے ڈائریکٹ ایکشن لیتے ہوئے کہا " کیپٹن! میں اپنی پوزیشنوں کی انسپکشن کرنا چاہتا ہوں۔ تم جانتے ہو ہمارا ہمسایہ ملک اسلحہ جمع کر رہا ہے۔ ہمیں چوکس رہنا ہو گا "۔

" وہ تو جانگلی لوگ ہے' سر... اس بار ہم پاکستان کی ایسا مزا چکھائے گا کہ یاد کرے گا۔ "

" مگر ہماری توپوں کی رینج پاکستان کی رانی توپوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ سوائے ایک توپ چھپا کے...! " میں نے کیپٹن ورما کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا یہ پریا نام کی وہ بڑی توپ تھی جس کی مار لاہور تک تھی۔

کیپٹن ورما میز پر آہستہ سے ہاتھ مار کر بولا " سر! یہی تو وہ گن ہے' جو لاہور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ اتنی بڑی توپ ساؤتھ ایسٹ ایشیا میں کسی ملک کے پاس نہیں ہے "۔

" میں پریا توپ کی انسپکشن کروں گا۔ "

" آپ جی او سی ہیں سر! ابھی چلئے... آف کورس! "

" کم اون! " یہ کہہ کر میں کرسی سے اٹھا اور کیپٹن ورما کے ساتھ باہر آ گیا۔ ہم ایک فوجی جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ رجمنٹل سینٹر سے نکل کر ٹیلوں کی جانب روانہ ہو گئی۔ یہ میدانی علاقہ بھی تھا اور پہاڑی بھی۔ کہیں گھنے درختوں کے جھنڈ تھے اور کہیں پہاڑی تودے کھڑے تھے۔ ہماری جیپ ایک

پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ اوپر ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ یہاں چار گارڈ پہرہ دے رہے تھے۔ ہماری جیپ ایک طرف رک گئی۔ انہوں نے ہمیں سیلوٹ کیا کیپٹن ورما بولا "سر! وہ دیکھئے۔ وہ سامنے والی ٹیکری کے اندر پریا توپ کا مورچہ ہے"۔

"ویری گڈ! بھگوان ہماری رکھشا کرے گا۔" یہ کہہ کر میں کیپٹن ورما کے ساتھ ٹیکری کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں ٹیکری کے اندر ایک گول کمرہ سا بنا دیا گیا تھا جس کے وسط میں ایک بہت بڑی توپ نصب تھی۔ توپ کا آدھا دہانہ دیوار کے ایک سوراخ سے نکلا ہوا تھا۔ گن مین ایک طرف قطار میں کھڑے تھے۔ کیپٹن ورما مجھے توپ کے پاس لے گیا اور اس پر ہاتھ رکھ کر بولا "سر! یہ لاہور کی دشمن ہے۔ اس کا گولہ یہاں سے فائر ہو کر لاہور میں تباہی مچادے گا۔ دوسرا گولہ تھوڑا آگے اور تیسرا گولہ اس کے ذرا آگے ... یوں ہم ایک منٹ میں لاہور کو تباہ کر دیں گے اور ہمارے ایڈوانس ٹروپس لاہور میں داخل ہو جائیں گے۔ سر! لاہور ہی پاکستان ہے"۔

میں نے مسکرا کر کہا "ہاں ... ہم جانتے ہیں کہ لاہور ہی پاکستان ہے۔ پریا گن شیو بھگوان کی پرتیک ہے۔ اس بار ہم پاکستان کو تاریخی شکست دیں گے"۔

میں نے اوپر سے تو یہی کہا مگر دل میں نعوذ باللہ پڑھنے لگا۔ میں نے واقعی اتنی بڑی توپ کسی جنگی فلم میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ گن کا برچ میرے قد کے برابر تھا۔ برچ میں ہوا کے لئے سوراخ بنے تھے۔ برچ میں توپ کی جان ہوتی ہے اگر یہ خراب ہو جائے تو توپ فائر نہیں کر سکتی۔ میں توپ کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں واپسی کے لئے مڑا۔ جیپ میں بیٹھ کر ہم اپنے یونٹ کی طرف چل پڑے۔ اس پہاڑی راستے کی تفصیل میں نے اپنے ذہن میں بٹھالی تھی۔ یونٹ میں آکر میں نے ایم ٹی اور لنگر خانے کا معائنہ کیا اور پھر بیرکوں کے آگے، دھوپ میں ٹہلتے ہوئے کیپٹن ورما سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے جان بوجھ کر ہینڈ گرنیڈز کی ماڈرن تیکنیک کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔ مجاہد فورس کی ٹریننگ کے دوران مجھے معلوم ہوا تھا کہ آج کل یورپ اور دوسرے ملکوں میں نئی وضع کے دستی بم اور زبردست دھماکہ خیز پنسل بم تیار ہو رہے ہیں" جو کمانڈو پارٹیاں دشمن کے علاقے میں اپنے ساتھ لے جا کر اسلحہ خانوں میں کسی خفیہ جگہ لگا کر واپس آ جاتی ہیں۔

"کیپٹن! ایک بار میں میرٹھ چھاؤنی ایک میٹنگ میں گیا تھا تو مجھے معلوم ہوا تھا کہ ہماری انڈین آرمی کو بھی نئی قسم کے پنسل بم وغیرہ سپلائی کئے جائیں گے مگر وہ ابھی تک ہماری جالندھر کینٹ میں تو نہیں پہنچے تھے۔"

ہماری یونٹ میں تو پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے ان کا نام ہنومان چکر بم رکھا ہے"

میں نے خوش ہو کر کہا "ویری گڈ" "کیپٹن! ہمارا دشمن بڑا طاقتور ہے اور اسے جدید اسلحہ مل رہا ہے" ہمیں اس کے مقابلے کیلئے ہر طرح سے الرٹ اور ویل اکوپڈ رہنا ہو گا"

" دیٹس رائٹ سر..... وی آر ویل ایکوپٹیڈ"

گفتگو کے دوران میں نے معلوم کر لیا کہ ہنومان چکر نام کے پنسل بم یونٹ ایمونیشن روم میں پڑے ہیں۔ چنانچہ شام کو اکیلا ہی انسپکشن کرنے کے بہانے ایمونیشن روم کی طرف نکل گیا۔ میں میجر کرشن تھا۔ مجھے اسلحہ خانے میں داخل ہونے سے کون روک سکتا تھا۔ گارڈ نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ یہ ایک بہت بڑی بیرک تھی جس کے اوپر سوائے دفتر کے کچھ نہیں تھا مگر اسلحے کا ذخیرہ زمین کے اندر گہری سرنگ میں تھا۔ سرنگ کی دیواروں کی ساتھ ساتھ ایمونیشن کے بڑے بڑے کریٹ لگے ہوئے تھے۔ گارڈ کے دو سکھ سپاہی میرے پیچھے پیچھے چل رہے تھے میں ایک ایک کریٹ اٹھا کر دیکھتا اس پر لکھے ہوئے نمبر اور یونٹ کا نام پڑھتا اور اوکے کہتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔ آخر ایک جگہ مجھے میرے مطلب کی چیز مل گئی ایک لمبے کریٹ پر "پی بم" لکھا ہوا تھا نیچے ہندی میں ایمونیشن افسر نے ہنومان چکر لکھ دیا تھا۔ میں وہاں رک گیا اور گارڈ سے کہا کریٹ کھولا جائے

فوراً کریٹ کھول دیا گیا۔ اندر سیاہ رنگ کی دو دو انچ لمبی پنسلیں پڑی تھیں یہی پنسل بم تھے اور مجھے انہی میں سے ایک دو کی ضرورت تھی۔ میں ایک ماہر فوجی افسر کی طرح ان کا معائنہ کرنے لگا۔ دو انچ کا پنسل بم تھا مگر وزن اسکی لمبائی کے مقابلے میں زیادہ تھا اس کے اوپر سرے پر ایک چھوٹا سا گول ڈائل لگا ہوا تھا ساتھ ہی ایک ننھا سا سرخ بٹن تھا ڈائل میں ایک سے لیکر چار تک انگریزی میں ہندسے لکھے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ ٹائم لیپس کے لئے ہے میں نے گارڈ سے پوچھا " ان کے فیوز کہاں ہیں " گارڈ بولا " سر! فیوز نکال کر الگ رکھے ہیں!"

" اوکے ... چار ہنومان چکر ہمارے آفس میں حاضر کرو ہم انہیں چیک کرے گا فیوز الگ لانا!"

" ٹھیک ہے سر "

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسلحہ کے ڈمپ سے نکل کر واپس اپنے آفس کی طرف چل پڑا میں جانتا تھا کہ کیپٹن ورما کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اسلحہ ڈمپ کا معائنہ کیا تھا۔ چنانچہ میں نے آفس میں جاتے ہی اسے فون پر بلا لیا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی سکھ گارڈ مجھے چار پنسل بم اور ان کے فیوز لا کر دے گیا تھا۔ یہ میری میز پر پڑے تھے کیپٹن ورما نے اندر داخل ہو کر انہیں دیکھا تو بولا " سر! یہ آپ نے منگوائے ہیں "؟

" یس کیپٹن "! میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔ میں انہیں چیک کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جالندھر کینٹ میں ایک سیکرٹ ملٹری رپورٹ میں پڑھا تھا کہ اسی قسم کے ایسے بم بھی امپورٹ ہوئے ہیں جن میں ڈیفیکٹ ہے "۔

کیپٹن ورما ایک پنسل بم اٹھا کر دیکھنے لگا " یہ بات ہے تو ہمیں ہیڈ کوارٹر اسکی رپورٹ کرنی چاہیئے"

ابھی ضرورت نہیں " میں نے کہا " میں اس قسم کے اسلحہ کی ٹریننگ لے چکا ہوں۔ میں اسے صحیح

چیک کروں گا"

اور پھر میں نے کیپٹن ورما کے سامنے پنسل بم لوہے کی الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ اس نے دبی زبان میں کہا سر ایکارڈنگ ٹو ریگولیشنز یہ اسلحہ ہمیں اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے" میں نے مسکرا کر کہا کیپٹن میں اسکی ذمہ داری لیتا ہوں کیپٹن نے اٹھ کر سلیوٹ کیا اور بولا ویس رائٹ سر آپ ڈنر میس میں کریں گے یا...؟

"تم لوگوں کے ساتھ ڈنر کا لطف آتا ہے"

"تھینک یو سر! یہ کہہ کر وہ چلا گیا"

میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں اسے شک تو نہیں ہو گیا؟ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ میں اپنے عمل کو تیز کر دوں اور کیپٹن ورما کو زیادہ سے زیادہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھوں، اسی لئے میں نے رات میس میں افسروں کے ساتھ ڈنر کرنا منظور کر لیا تھا۔

رات کو کھانے پر میں نے کیپٹن ورما کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا مگر میں نے دیکھا وہ خاموش اور سنجیدہ تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہو ممکن ہے وہ میرے بارے میں سوچ رہا ہو کہ میں نے وہ خطرناک ہتھیار، جو صرف کمانڈوز کے کام آتا ہے اپنے آفس میں کیوں رکھا ہے؟ یہ خیال ذہن سے جھٹک کر میں اس رات شگفتہ موڈ میں ہندو اور سکھ افسروں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔

دوسرے روز میں آفس میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ تازہ ملٹری ڈاک آگئی۔ ایک خط پڑھ کر میرا رنگ اڑ گیا۔ یہ خط جالندھر چھاؤنی کے آفیسر کمانڈنگ کی طرف سے آیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ میجر کرشن ابھی تک طبی چھٹی پر ہے اس لئے وہ ایک اور آفیسر میجر چرن جیت سنگھ کو پوسٹ کر رہے ہیں جو ہفتے کی شام پٹھانکوٹ چھاؤنی کے رجمنٹل آفس پہنچ کر رپورٹ کرے گا۔ میں نے خط جیب میں رکھ لیا پھر میں اٹھ کر دفتر سے باہر آگیا۔ میں برامدے کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ مجھے باہر آتے دیکھ کر گارڈز ایک دم اٹنشن ہو گئے۔

میں واپس دفتر میں آگیا اور تیزی سے الماری کی طرف بڑھا تالا کھول کر چاروں پنسل بم نکالے۔ وہیں الماری کے پٹ کی اوٹ میں دو بموں کو فیوز لگائے اور سرخ بٹن آگے دبا کر چھوٹے ڈائل کی باریک سوئی کو تین کے ہندسے پر کر دیا۔ دونوں بم میں نے اپنے جیب میں رکھ لئے۔ باقی دو کو کاغذ میں لپیٹا۔ الماری کو تالا لگا دیا اور دفتر سے نکل کر ایمونیشن ڈمپ کی طرف چل دیا اسلحے کے زمین دوز ذخیرے میں اترنے لگا گارڈ میرے ساتھ ہو لیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں پنسل بم واپس رکھنے آیا ہوں۔ میں نے کریٹ کھلوایا اور جیب سے بم نکال کر اسے کھولنے لگا۔ میں گارڈ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے ہاتھ سے رومال نیچے گرا دیا اور اسے کہا "جوان رومال اٹھاؤ"

وہ رومال اٹھانے کے لئے جھکا تو میں نے دونوں بم کریٹ میں پڑے دوسرے بموں کے ساتھ

رکھ دیئے۔ سکھ گارڈ نے ادب سے رومال پیش کیا۔

"ویل جوان.... کریٹ بند کر دو میں نے اسلحہ چیک کر لیا ہے.... اوکے!" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر"

سکھ گارڈ نے کریٹ بند کر کے اس کے اوپر پتری چڑھا دی میں اس سے یونٹ کے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہوا اسلحے کے ذخیرے سے باہر آگیا۔ اس وقت میری جیب میں بڑے ہی طاقت ور دو پنسل بم پڑے تھے جن کو دو گھنٹے کے بعد پھٹ جانا تھا۔ میں اپنے آفس میں آکر بیٹھ گیا۔

اب میرے پاس وقت بہت کم تھا اور میں جتنی جلدی ہو سکے۔ بڑی توپ پریا کے مورچے میں پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن کیپٹن ورما کی موجودگی خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ میں اسے یونٹ سے باہر کسی کام پر بھیج دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً اسے فون کر کے بلایا اور کہا "کیپٹن! ہمیں گھی کی سپلائی کے بارے میں شکایتیں ملی ہیں میں چاہتا ہوں تم شہر جا کر گھی کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر سے خود ملو اور بات کرو"۔

"سر! فون پر بات کر لیتے ہیں"۔

"اوہ! تو کیپٹن تم ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ گھی کی کوالٹی میں بھی مجھے فرق لگا ہے' تم خود جاؤ

"اوکے سر!" کیپٹن ورما نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔ اسکے چہرے پر وہی پراسرار سنجیدگی تھی یہ میرے لیے خطرے کا بہت بڑا الارم تھا۔ کیپٹن ورما چلا گیا تو میں نے اٹھ کر دروازے پر گرے پردے کی اوٹ میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا کہیں یہ جی او سی جالندھر کینٹ کو فون نہ کر دے میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔

میری آنکھیں کیپٹن ورما پر لگی ہوئی تھیں.... جیپ میں بیٹھ کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور اسے درختوں کے نیچے سے نکال کر یونٹ کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ احاطے سے نکل کر شہر جانے والی سڑک پر روانہ ہو گیا تو میں واپس اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ نئے میجر جرن جیت سنگھ کے چارج لینے میں ابھی دو دن پڑے تھے اسکی مجھے فکر نہیں تھی پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں کیپٹن ورما شہر جا کر ملٹری پولیس کو فون نہ کر دے کہ اسے میجر کرشن پر شبہ ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ حالات قریب قریب ہنگامی ہی تھے ایک بار مجھ پر ملٹری پولیس نے ہاتھ ڈال دیا تو پھر نجات ناممکن تھی۔ وقت گزر رہا تھا میری جیب میں پڑے ہوئے دونوں پنسل بموں کے اندر لگی ہوئی ننھی سی گراری نے چلنا شروع کر دیا تھا اور پونے دو گھنٹے بعد ان بموں کو قیامت خیز دھماکے کے ساتھ پھٹ جانا تھا۔

کیپٹن ورما شہر جا چکا تھا۔ کم از کم مجھے تو یہی یقین تھا۔ اب اس قسم کے خدشات پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا میں اٹھنے ہی لگا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا گھنٹی بج رہی تھی میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی ہیلو.... کیپٹن ورما؟"

میرے منہ سے اپنے آپ نکل گیا "لیس......"

دوسری طرف سے بھاری آواز آئی "میں جالندھر کینٹ رجمنٹل سے کرنل بہادر راج مکر جی بول رہا ہوں"

"لیس سر!"

"کیپٹن تمہیں ہمارا خط مل گیا ہو گا۔ او کے .... میجر چرن جیت سنگھ کو سینٹر ڈے کو چارج لینا تھا لیکن ہم نے اسے کل ہی بھیج دیا ہے۔ وہ آج تمہارے پاس کسی وقت پہنچ جائے گا" او کے ؟

"او کے سر"

"ادھر یونٹ کا جوان سب ٹھیک ٹھاک ہے ؟"

"او کے سر" فون بند ہو گیا۔

میری تو جان ہوا ہو گئی۔ ایک مصیبت کو بڑی مشکل سے روانہ کیا تھا اور دوسری مصیبت شہر سے کسی وقت بھی چھاؤنی آنے والی تھی۔ میرا راز فاش ہونے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا تھا یا یوں کہہ لیجئے کہ موت اور میرے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اگر اصلی میجر چرن جیت سنگھ چارج لینے یہاں پہنچ گیا تو میرا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور میرے لئے یہاں سے فرار ہونا بھی ناممکن ہو جائے گا جب کہ ابھی میرا مشن بھی پورا نہیں ہوا تھا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ میری جیب میں پڑے پنسل بموں کے پھٹنے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ گیا تھا میں اپنے آفس سے نکل آیا اب اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ اپنے بیرک والے کمرے تک بھی جاتا میں درختوں میں کھڑی دوسری جیپ تک پہنچا اور تیزی سے پریا توپ کے مورچے کی طرف روانہ ہو گیا۔ فیکری تک پہنچتے پہنچتے مجھے سات آٹھ منٹ لگ گئے میری جیپ دیکھ کر وہاں کے گارڈ اٹنشن ہو گئے۔ میں نے جیپ سے اترتے ہی رعب دار آواز میں بولنا شروع کر دیا "تم لوگ ڈیوٹی سے ادھر ادھر کیوں ہوتا ہے۔ کیپٹن درما کو تمہاری شکایت ملی ہے۔ تم یہاں یونٹ میں ہے جانگلی لوگ! ادھر فلم دیکھنے نہیں آیا" یہ کہہ کر میں سیدھا توپ کے بنکر میں اتر گیا۔

گنرز اٹنشن ہو گئے میں نے ان پر رعب جھاڑنا شروع کر دیا اور انہیں حکم دیا "چلو..... باہر جا کر فال ان ہو جاؤ"

وہ ایک قطار میں باہر نکل گئے۔ اب میں اپنے شکار کے سامنے تنہا کھڑا تھا وقت کسی تیز رفتار پرندے کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ میں نے جیب سے پنسل بم نکالے اور انہیں توپ کے بریچ کے سوراخوں کے اندر آگے دھکیل دیا۔

مجھے ایسے لگا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو پھر میں تیزی سے باہر آ گیا۔ باہر چاروں گنرز اور چاروں گارڈ فال ان ہو کر اٹنشن کھڑے تھے۔ میں نے انہیں مزید ڈانٹنے کے بعد ڈیوٹی

ٹھیک سے دینے کی ہدایت کی اور پھر جیپ میں سوار ہو کر واپس چل پڑا۔ پنسل بم میں نے برج کے اندر اس طرح گرائے تھے ..... کہ ان بموں کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اب میرا پروگرام جیپ سمیت بھاگنے کا تھا بموں کے پھٹنے میں ایک گھنٹہ کچھ منٹ باقی تھے میری جیپ یونٹ کے گیٹ کے قریب پہنچ گئی۔ جیپ کو گیٹ میں لے جانے کی بجائے میں تیزی سے گزر گیا راستے میں مجھے کیپٹن ورما کے ملنے کا اندیشہ تھا اور ایسا ہی ہوا ابھی میں ایک فرلانگ بھی نہیں گیا تھا کہ سامنے سے کیپٹن ورما کی جیپ آتی دکھائی دی۔ میں اس سے بات کئے بغیر نکلنا نہیں چاہتا تھا ایسی صورت میں اسکا شک یقین میں بدل جاتا اور ساری ملٹری میرے تعاقب میں نکل کھڑی ہوتی۔ میں نے جیپ روک دی۔ کیپٹن ورما جیپ سے اتر آیا اور بولا " سر کمپلینٹ رجسٹر کرا دی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا مگر آپ کدھر جا رہے ہیں سر"

میں نے کندھے اچکا کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے آنکھ مار کر کہا" میں ایک پرائیوٹ کام جا رہا ہوں ابھی آ جاؤں گا۔"

جواباً کیپٹن ورما بالکل نہیں مسکرایا۔ اس کا چہرہ ویسے ہی سنجیدہ رہا کہنے لگا" اوکے سر"۔

میں ابھی واپس آ رہا ہوں کیپٹن۔ ڈونٹ وری" یہ کہہ کر میں جیپ لے کر آگے نکل گیا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ کیپٹن ورما اپنی جیپ کے پاس کھڑا میری جیپ کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی میں جو کام کرنے آیا تھا وہ کام میں کر چکا تھا۔ اب صرف مجھے ایک ہولناک دھماکے کا انتظار تھا۔ یہ قدرتی بات تھی کہ دھماکے کے بعد چھاؤنی کی سب سے بڑی توپ کے پرخچے اڑ جاتے اور وہاں افراتفری مچ جاتی کیپٹن ورما کو یقین ہو جاتا کہ میں ہی وہ ایجنٹ یا تخریب کار تھا جس نے توپ کو پنسل بم سے اڑا دیا اسی وقت پٹھان کوٹ اور امرتسر کی ملٹری پولیس کو خبردار کر دیا جاتا کہ ایک پاکستانی جاسوس میجر کی وردی میں مفرور ہے 'اسے گولی مار دی جائے یا گرفتار کر لیا جائے۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ بم پھٹنے میں پون گھنٹہ رہ گیا تھا۔ میری جیپ شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ میں سیدھا اسٹیشن پہنچا معلوم ہوا کہ دو گھنٹے سے پہلے کوئی گاڑی امرتسر نہیں جا رہی میں فوجی جیپ میں امرتسر تک سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا مجھے اپنی وردی بھی تبدیل کر کے عام کپڑے پہننے تھے۔ میرے پاس سوائے چند سو روپوں کے کچھ بھی نہیں تھا میں نے سوچا کہ کہیں سے سویلین کپڑے حاصل کئے جائیں میں شہر کے فیشن ایبل بازار میں پہنچ گیا۔ جیپ کھڑی کر کے میں ایک ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان میں گھس گیا ایک فوجی افسر کو دیکھ کر سیلزمین فوراً میری طرف لپکے میں اپنے حواس کو بڑی مشکل سے قابو کئے ہوئے تھا میں اپنے لئے گرم پتلون اور جیکٹ وغیرہ پسند کرنے لگا دکان میں دیوار پر کلاک لگا ہوا تھا بم کے دھماکے میں چالیس منٹ باقی رہ گئے تھے میں نے ایک چھوٹے سے کمرے میں جا کر وردی اتار دی اور نئے کپڑے پہن لئے گلے میں ایک مفلر بھی لپیٹ لیا۔ باہر آ کر میں نے دکاندار سے کہا" پلیز میری وردی پیک کر دیں" دراصل میں ایک خاص مشن پر ہوں آپ کو معلوم

ہے کہ آج کل حالات کیسے ہیں"

"جی ہاں مہاراج بھگوان آپ کی رکھشا کرے۔" دکان دار ہاتھ جوڑ کر بولا اس نے فوراً وردی پیک کرا دی۔ میں نے بل ادا کیا اور دکان سے باہر آیا جیپ بازار میں ایک طرف کھڑی تھی۔ اب ایک اور معیبت تھی سادہ کپڑوں میں اگر جیپ لے کر چلا تو ملٹری پولیس والے کسی بھی جگہ مجھے چیک کر سکتے تھے۔ میں نے سوچا اس بازار سے تو نکلو میں سوار ہو کر بازار سے نکل آیا بازاروں کے رش میں سے ریلوے اسٹیشن کے عقب میں ایک ویران جگہ پر پہنچ گیا یہ ایک کچی سڑک تھی آگے کہیں کہیں سرسوں کے پیلے کھیت دوپہر کی دھوپ سے چمک رہے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی صرف سات منٹ باقی رہ گئے تھے۔

میں جیپ سے اتر کر ایک اونچی جگہ سے چھاؤنی کی طرف دیکھنے لگا۔ یہاں سے چھاؤنی کافی فاصلے پر نشیب میں تھی ادھر درختوں کے جھنڈ تھے اور مجھے چھاؤنی کی بیرکس دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ لیکن میری آنکھیں اس سمت لگی ہوئی تھیں میں بار بار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہا تھا دوسرا گھنٹہ پورا ہو گیا تھا میری گھڑی کی سوئی اس مقام پر پہنچ گئی تھی جس کے حساب سے پنسل بموں کو پھٹ جانا چاہئے تھا۔ مگر چھاؤنی کی طرف خاموشی چھائی تھی میں پریشان ہو گیا۔ اگر بم نہ پھٹے تو میں ساری زندگی دوسری کوشش نہ کر سکوں گا۔ اسکے ساتھ ہی جس ٹیلے پر میں کھڑا تھا وہ یوں لرز گیا۔ جیسے زلزلہ آگیا ہو اسکے ساتھ ہی بے شمار پرندوں کو درختوں سے اڑ کر فضا میں بلند ہوتے دیکھا اسکے بعد ایک اور دھماکہ ہوا پہلا دھماکہ بڑی توپ میں دونوں طاقت ور ترین پنسل بموں کے پھٹنے کا تھا اور شاید دوسرا دھماکہ وہاں پر رکھے گولہ بارود کے پھٹنے سے پیدا ہوا تھا۔ چھاؤنی کی طرف سے اب سیاہ رنگ کا دھویں کا ایک بہت بڑا مرغولہ اٹھ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا میں نے فرط مسرت سے مٹھیاں بھینچ کر لہرائیں۔ مگر ساتھ ہی اس احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ میرا پاکستانی جاسوس ہونا ثابت ہو چکا ہے اور چھاؤنی کی فوج میری تلاش میں نکل چکی ہو گی۔ پٹھانکوٹ، امرتسر اور جالندھر شہر میں میرے بارے میں تاریں دے دی گئی ہوں گی۔ ان کے پاس میری تصویر نہیں تھی۔ مگر میرا حلیہ بتا دیا گیا ہو گا۔ میری تصویر میرے ملٹری آئی ڈی کارڈ پر لگی ہوئی تھی میں بھاگتا ہوا ٹیلے سے اتر کر جیپ کے پاس آیا لفافے میں سے وردی نکال کر اس میں سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جیپ کو وہیں چھوڑا اور سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں چلنے لگا میری جیب میں دو اڑھائی سو روپے تھے۔ اسکے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

میرا ارادہ تھا جس قدر جلدی ہو سکے ویران اور اجاڑ علاقوں سے گزرتا ہوا بٹالہ میں امام مسجد کے پاس پہنچ جاؤں یہ کوئی آسان کام نہ تھا فوج، پولیس اور سی آئی ڈی چوکس ہو چکی تھی میں اپنا حلیہ تبدیل نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ شیو نہ کروں... مگر بٹالے پہنچتے پہنچتے میری داڑھی کتنی بڑھ سکتی تھی

؟ میں سوچتا ہوا آگے بڑھتا رہا= دل میں یہی خیال تھا کہ بٹالہ پہنچ کر اگر امام صاحب نے مجھے اپنے پاس کچھ دنوں کے لئے پناہ دے دی تو وہاں سے بھیس بدل کر امرتسر جا کر کرونڈیا سے ملوں گا اور اسکی مدد سے انڈیا بارڈر کراس کر کے پاکستان نکل جاؤں گا میرا مشن ختم ہو چکا تھا جس عزم کو میں دل میں لیکر لاہور سے تنہا رضا کارانہ طور پر نکلا تھا- وہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اگرچہ میری زندگی ابھی تک موت کی سنگلاخ وادیوں میں گھری ہوئی تھی۔

میں خاموشی سے درختوں کے نیچے سے ہو کر چلا جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک ہندو کسان کمبل کی بکل مارے کھیت میں ہل چلا رہا تھا میں آگے بڑھتا گیا اصل میں مجھے دیہاتی لباس میں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر وہاں دیہاتی لباس مجھے کہاں مل سکتا تھا؟ کچھ فاصلے پر وہی کسان ہل چلاتا نظر آ رہا تھا جسکو میں نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ وہاں اردگرد مجھے کوئی گاؤں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی طرح ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کچھ ہٹ کر چلتا رہا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے تین کچے کوٹھے دیکھے۔ میں انکے قریب جاتے ہوئے خوف محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میں ایک مکان کے قریب سے گزرا تو مجھے ایک دیوار کے ساتھ ایک عورت روٹیاں پکاتی نظر آئی ۔ میرے قدم رک گئے میں نے قریب جا کر ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں کی طرح پرنام کیا اور کہا "" ماتا جی بھوک لگی ہے "

ادھیڑ عمر کی عورت نے بڑے پیار سے کہا "پتر! بھوک لگی ہے تو آ جا' روٹی کھا"

میں اس کے سامنے زمین پر بیٹھنے لگا تو اس نے پیچھے سے [illegible] چوکی نکال کر آگے رکھ کر دی "پتر اس چوکی پر بیٹھو" اس نے ہانڈی میں سے ساگ نکال کر روٹی پر ڈالا اور مجھے دے کر پوچھا "تم بابو لگتے ہو۔ کہاں سے آ رہے ہو

" ماتا جی! میں بٹالہ کے پٹواری سندر داس کا پتر ہوں اگلے گاؤں جا رہا ہوں پتا جی کا کام ہے" میں نے جواب دیا اور دو تین روٹیاں ہڑپ کر کے پانی پیا اور پرنام کرتا ہوا آگے روانہ ہو گیا۔

میں پگڈنڈیوں پر چل رہا تھا سامنے کیکر اور نیم کے درختوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ان درختوں کے پار ایک چھوٹی سی پکی سڑک ریلوے لائن کی طرف جاتی تھی۔ آگے ایک ریلوے پھاٹک تھا جس کے قریب ایک ٹرک کھڑا تھا میں نے چند قدم آگے جا کر دیکھا تو ٹرک پر گوبھی لدی ہوئی تھی اس کا سکھ ڈرائیور اور کلینر کھوکھے کے پاس کھڑے چائے پی رہے تھے۔ میں نے سوچا اگر یہ ٹرک بٹالہ جا رہا ہو تو مجھے اس میں سوار ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے میں ٹرک کے قریب آ گیا سکھ ڈرائیور کھوکھے والے سے باتیں کر رہا تھا میں نے کلینر سے پوچھا کہ یہ ٹرک کہاں جا رہا ہے سکھ ڈرائیور نے میری طرف دیکھ کر پوچھا "تم کہاں جاؤ گے مہاشہ جی؟"

" گاڑی نکل گئی ہے مجھے بٹالہ جانا ہے اگلی گاڑی شام کو جائے گی ساتھ لے چلو تو میں تمہیں کرایہ دے دوں گا" میں نے کہا سکھ نے ہنس کر کہا "کرائے کی کیا ضرورت ہے تم اوپر چڑھ کر بیٹھ سکتے ہو

تو بیٹھ جاؤ"

"دھن واد سردار جی" میں نے کہا اور لٹکی ہوئی رسی تھام کر ٹرک پر چڑھ گیا۔ گوبھی کے پھولوں میں جگہ بنائی اور گھٹنے سینے سے لگا کر بیٹھ گیا۔ سکھ ڈرائیور نے کھوکھے والے کہا "کرتارے!" اب چلتا ہوں واپسی شام کو ہو گی رام رام!"

ٹرک روانہ ہو گیا یہ ایک ذیلی سڑک تھی اور اسکی حالت بھی کافی خستہ تھی میں نے گوبھی کے پھولوں میں مزید جگہ بنائی اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ اب باہر سے مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ٹرک کافی رفتار سے جا رہا تھا۔ سڑک کے کنارے دو تین قصبے آ کر گزر گئے۔

بھارتی پنجاب کا میدانی علاقہ شروع ہو چکا تھا میں گوبھی کے پھولوں کے اوپر سے سر نکال کر دیکھ رہا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب شیشم کے درخت پیچھے کو بھاگتے جا رہے تھے۔ اس ذیلی سڑک پر اتنا خطرہ نہیں تھا لیکن بٹالہ میں داخل ہوتے وقت پولیس سے واسطہ پڑ سکتا تھا اسلئے سوچا بٹالہ آنے سے پہلے ہی کسی جگہ اتر جاؤں گا۔

سہ پہر کے وقت مجھے دور سے بٹالے قصبے کی بلند دیوار دکھائی دینے لگی مگر ٹرک بڑی تیز رفتاری سے جا رہا تھا میں اوپر سے ڈرائیور کو آواز بھی نہ دے سکتا تھا خدا پر بھروسہ کر کے وہیں دبکا بیٹھا رہا ٹرک بٹالہ کی سبزی منڈی کے گیٹ پر جا کر رک گیا میں نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر دیکھا سبزی منڈی مجھے کوئی سپاہی نظر نہ آیا سکھ آڑھتی اور مزدور ادھر ادھر اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے ٹرک سے چھلانگ لگا دی۔ سکھ ڈرائیور نے کہا "لالہ جی اوپر تکلیف تو نہیں ہوئی"

"نہیں سردار جی آپ کا دھن ولو"

سکھ ڈرائیور نے کلینر کو پکار کر کہا "رسہ کھول...... اوئے کاکا"

میں نے سر پر مفلر اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ میرا آدھا چہرہ اس میں چھپ گیا تھا میں بازار میں سے گزرتا ہوا اس گلی میں آ گیا جہاں مسجد تھی ایک کشمیری مسلمان مسجد سے نکل رہا تھا میں نے اس سے مولوی صاحب کے بارے پوچھا اس نے پہلے تو مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر پوچھا تمہیں مولوی صاحب سے کیا کام ہے لالہ جی؟"

مجھے ان سے ضروری کام ہے"

کشمیری مسلمان نے بتایا کہ مولوی صاحب صبح سے مالیر کوٹلہ گئے ہیں مشرقی پنجاب میں مالیر کوٹلہ ایک ایسی ریاست ہے جہاں ۱۹۴۷ء میں مسلم کش فسادات میں کافی حد تک امن اور امان رہا تھا وہ میں کئی ایک آس پاس کی ریاستوں کے مسلمان کھنچ وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ آج بھی بھارتی پنجاب کے مالیر کوٹلہ شہر میں پنجابی آباد ہیں اور انکی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے مناظر اکثر جالندھر ٹیلی ویژن پر دکھائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کے مالیر کوٹلہ چلے جانے کی خبر میرے لئے صدمے کا

باعث تھی مجھے اچانک شدید اور پر خطر تنہائی کا احساس ہوا۔ اب میں بٹالہ میں بالکل اکیلا تھا۔ وہاں کوئی ہوٹل نہیں تھا اور وہاں سے بذریعہ ریل یا بس امرتسر شہر جانا بھی خطرناک تھا ریلوے اسٹیشن یا بس سٹینڈ پر پکڑے جانے کا خدشہ تھا۔

مجھے پریشان دیکھ کر کشمیری مسلمان نے پوچھا' لالہ جی تم کہاں سے آئے ہو

میں نے اسکی طرف دیکھا اور کہا " میں بھی مالیر کوٹلہ سے آ رہا ہوں پنجابی ہندو ہوں مولوی صاحب کے لئے ایک ضروری پیغام لایا تھا۔ اب میرا یہاں کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔" تم میرے ڈیرے پر آ جاؤ رات گزار کر صبح واپس چلے جانا "

جی تو بہت چاہتا تھا مگر عقل روک رہی تھی اس لئے بہتر یہی تھا کہ اندھیرا ہونے کا انتظار کیا جائے پھر جو بٹالہ سے آخری بس یا ٹرک امرتسر کی طرف جا رہا ہو اس میں بیٹھ جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ رات کو چیکنگ سے بچ جاؤں میں نے اسی انداز میں عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کشمیری مسلمان سے کہا " آپ کا دھن واد میں ریلوے اسٹیشن جاتا ہوں ہو سکتا ہے کہ کوئی مال گاڑی امرتسر جاتی ہو۔ ڈرائیور سے کہہ کر اس میں بیٹھ جاؤں گا" یہ کہہ میں نے نمسکار کیا اور خاموشی سے چل دیا میں تیز تیز چلتا ہوا گلی سے نکل کر بازار میں آ گیا مجھے اپنے اوپر اس چوہے کا گمان ہو رہا تھا جو ایک بہت بڑے پنجرے میں جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہا ہو دن ڈھلنے لگا تھا۔ دھوپ پھیکی پڑ گئی تھی بٹالہ کے بازار بڑے کھلے اور پُر شور تھے زیادہ آبادی سکھوں کی تھی ہر طرف سکھ ہی سکھ نظر آ رہے تھے جہاں مجھے پولیس کا کوئی وردی پوش سپاہی دکھائی دیتا میں کنی کترا کر دوسری طرف نکل جاتا۔ ریلوے اسٹیشن جانے کے بجائے میں قصبے کے جنوب میں واقع ایک چائے کی دکان میں بیٹھ گیا یہ ایک سکھ کا ہوٹل تھا ہوٹل میں بہت سے لوگ سردی سے بچنے کے لئے بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں سکھ بھی تھے اور ہندو بھی تھے۔ میں نے گرم اونی مفلر سر پر لپیٹ رکھا تھا اور حُلیئے سے کوئی کلرک لگتا تھا یہ ایک غیر معروف سا علاقہ تھا یہاں پولیس کا سپاہی بھی کہیں نہیں تھا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے شام ہو گئی میں منتظر تھا کہ ذرا اندھیرا پھیلے تو وہاں سے نکلوں۔ ریڈیو پر ہندی میں خبریں نشر ہونے لگیں۔ ان خبروں سے معلوم ہوا کہ مشرقی پاکستان کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ اور بھارتی فوجوں کو اپنے ملک کی سلامتی کے لئے چوکس رہنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔ یہ میرے لئے بہت ہی مایوس کن خبر تھی کیونکہ اس طرح سے سرحدوں پر بھارتی فوج آ جائے گی۔ اور بارڈر کراس کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ میں خاموش بیٹھا چائے پیتا رہا۔ اب .... جلد از جلد ... سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو گیا تو میں ہوٹل سے باہر آ گیا اور بس اسٹینڈ کی طرف چلنے لگا بس اسٹینڈ پر کافی رش تھا ایک بس بھر چکی تھی مجھے بھی اسی بس میں جگہ مل گئی تھی۔ بس امرتسر کی جانب روانہ ہو گئی بس اسٹینڈ پر کوئی پولیس کا سپاہی نہیں تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ویر کا اور مجیٹھہ کے قصبے آئے اور گزر گئے تو دور سے امرتسر کی روشنیاں جھلملاتی نظر آنا شروع ہو گئیں ۔ بس امرتسر شہر کے رام باغ کے چوک والے بس اسٹینڈ پر جاکر کھڑی ہو گئی میں نے کھڑکی سے باہر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ رات ہو جانے اور سردی کی وجہ سے وہاں کوئی سپاہی موجود نہ تھا بس سے اتر کر میں رام باغ بازار کی طرف چل پڑا اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اب کرونڈیا اسمگلر سے سامنا ہونے والا تھا جس کا میں پانچ ہزار روپیہ چوری کر کے بھاگ گیا تھا۔ وہ مجھے پولیس کے حوالے نہیں کرے گا اور مجھ پر تشدد بھی نہیں کرے گا کیونکہ اس کا راز بھی میرے پاس محفوظ تھا۔

میں اسکے ہوٹل کے سامنے پہنچا وہ کاؤنٹر پر بیٹھا کچھ حساب لکھ رہا تھا مجھے دیکھا تو غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا میں نے گونگے کی اداکاری کرتے ہوئے یونہی اوں آں کی اور ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اسنے مجھے وہاں گونگا بھانجہ مشہور کیا ہوا تھا۔ میں اوپر والے کمرے میں جاکر پلنگ پر بیٹھا ہی تھا کہ وہ آگیا۔ بے حد غصے میں تھا آتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور میری گردن دبوچ کر بولا "چور کی اولاد میرے روپے چرا کر کہاں بھاگ گیا تھا؟"

میں نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا اور پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "تمہارے لیڈر کے پاس میرے پھیرے کے دس ہزار روپے موجود ہیں تم اپنے پانچ ہزار روپے اس سے وصول کر سکتے ہو میں تمہیں کاغذ پر لکھ کر دے دیتا ہوں۔"

وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گیا "مگر تمہیں روپے چرانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم کہاں فرار ہو گئے ؟ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ معلوم تو نہیں ہوا۔؟"

"نہیں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوا"

مگر تم کہاں بھاگ گئے تھے تمہیں یہاں سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی کیا تم اکیلے باڈر کراس کرنا چاہتے تھے؟

نہیں میں ایک ضروری کام سے دلی چلا گیا تھا بس اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا"

وہ غور سے میری طرف دیکھنے لگا "تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو؟"

میں اسے کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا وہ ایک اسمگلر تھا اور پاکستان کے خلاف غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھا اسکی جگہ کوئی دوسرا پاکستانی ہوتا تو شاید میں اسے سب کچھ بتا دیتا

"میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ایک ضروری کام سے دلی چلا گیا تھا اب واپس آگیا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر بولا "کم بخت تو نے میری روح فنا کر دی تھی۔ میں نے یہ دن کانٹوں پر گزارے ہیں۔ ہر وقت گرفتار ہونے کا دھڑکا لگا رہتا تھا ایک تو تم ناتجربہ کار ہو اوپر سے تمہارے پاس شناختی نشان تک نہیں اور سیدھے دلی کی طرف نکل گئے تمہیں معلوم نہیں تھا کہ

بھارت کے سیاسی حالات کیا ہیں؟ جگہ جگہ سی آئی ڈی پھر رہی ہے۔"

میں نے اسے بتایا کہ اب میں پاکستان جاتا ہوں مجھے بارڈر کراس کر دو۔

وہ بھڑک کر بولا "اب تو تیرا باپ بھی تجھے بارڈر کراس نہیں کرا سکتا باڈر پر فوج آگئی ہے ہمارا سارا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔"

مجھے کسی خفیہ راستے سے نکال دو۔ وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑا "سب خفیہ راستے بند ہیں گولی کھانی ہے تو باڈر پر چلے جاؤ اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ خاموشی سے گونگے بن کر یہیں بیٹھے رہو حالات نارمل ہو جائیں گے تو تمہیں پاکستان پہنچا دوں گا۔ ابھی کوئی بڑے سے بڑا اسمگلر بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا مجھے امید تھی کہ کرونڈیا مجھے باڈر کراس کرا دے گا لیکن اب جو اس نے بھی مایوسی کا اظہار کیا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے ایک پنجرے میں قید ہو گیا ہوں جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۔

"امرتسر میں یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہے کہ پاکستانی کمانڈوز مشرقی پنجاب میں داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے پٹھانکوٹ چھاؤنی میں کوئی بہت بڑا دھماکہ کیا ہے اور ہمیں بھی بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ تم بھی ہوٹل سے زیادہ دور مت جانا۔ بتاؤ کہ میرے پانچ ہزار میں سے کچھ بچا بھی ہے کہ نہیں؟"

میں نے کہا سو کے قریب روپے بچے ہیں "پانچ ہزار میں سے صرف ایک سو روپے بچے ہیں تم کہاں عیاشی کرتے پھرے؟ پھر وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا

"لیڈر نے کیا مصیبت میرے پاس بھیج دی ہے۔ اچھا مجھے کاغذ پر لکھ دو کہ تم نے اپنے پھیرے کے پانچ ہزار روپے وصول کر لئے ہیں۔"

"لکھ دوں گا" میں نے بے نیازی سے کہا میں گونگا بن کر زیادہ دن اس اسمگلر کے پاس نہیں رہ سکتا کسی وقت بھی میں بھول کر بول سکتا تھا۔ اور معاملہ خراب ہو سکتا تھا لیکن میرے لئے ابھی پاکستان کا دروازہ بند تھا مشن مکمل کرنے کے باوجود میں اپنے وطن نہیں جا سکتا تھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں دلی سے بذریعہ طیارہ یا بمبئی سے بذریعہ بحری جہاز پاکستان چلا جاؤں؟ میں نے پوچھا۔

وہ تلخ لہجے میں بولا "وہاں تمہارا کوئی ماما نہیں بیٹھا ہوا جو بغیر پاسپورٹ ویزے کے جانے دے گا خبردار ایسا خیال دل میں لائے تم اپنے ساتھ مجھے بھی مرواؤ گے بس اس کمرے میں پڑے رہو۔"

پاسپورٹ ویزے کے خیال سے اچانک مجھے بھارت میں پاکستانی سفارت خانے کا خیال آگیا۔

میں کسی طرح دلی پاکستانی سفارت خانے پہنچ کر اپنے ملک کے سفیر سے بات کروں اور اسے اپنی کارگزاری سنا دوں تو وہ ضرور میری مدد کرے گا اور مجھے پاکستان پہنچا دے گا۔ میرے دل میں امید کی ایک

کرن روشن ہو گئی میں نے امرتسر سے جاکر پاکستانی سفیر سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا میں نے کرونڈیا کو مطمئن کرنے کے لئے کہا "ٹھیک ہے تم جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گا جب تک حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے میں اس ہوٹل سے باہر نہیں جاؤں گا۔"

وہ چلا گیا اور میں وہاں سے فرار ہو کر دلی جانے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ رات کو کھانا کھا کر میں اسی کمرے میں پلنگ پر پڑ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاس صرف ستر اسی روپے ہیں۔ کیا ان روپوں سے کام چل جائے گا۔ ظاہر ہے 'کرونڈیا اب مجھے ایک پائی بھی نہیں دے گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ انہی روپوں سے کام چلاؤں گا دلی پہنچ کر ایک بار پاکستانی سفیر سے ملاقات ہو گئی تو پیسوں کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ وہاں میرا پاسپورٹ بھی بن جائے گا اور مجھے بذریعہ ہوائی جہاز واپس پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر پہلے میرے دل و دماغ پر مایوسیوں کے جو بادل چھائے تھے وہ چھٹ گئے اور میں سو گیا۔



دوسرے دن اخباروں میں پٹھانکوٹ چھاؤنی میں دھماکہ کی خبر ان سرخیوں کے ساتھ چھپی کہ پاکستانی کمانڈوز اور تخریب کار بھارت میں داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے پٹھانکوٹ چھاؤنی میں دھماکہ کیا۔ کسی بھی اخبار میں یہ خبر نہیں چھپی تھی کہ پٹھانکوٹ چھاؤنی کی سب سے قیمتی اور سب سے بڑی اور جدید توپ کے پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں۔

میں نیچے ہوٹل میں آ کر ناشتہ کرنے لگا وہاں ایک کھدر پوش اور کانگرسی ٹوپی والا ہندو لالہ پٹھانکوٹ چھاؤنی کے دھماکے پر تبصرہ کر رہا تھا اور بے حد غصے میں پاکستان کو برا بھلا کہہ رہا تھا دوسرے ہندو سکھ اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے کرونڈیا رات کو میرے کمرے میں پیالی میں تھوڑا سا زعفران بھگو کر اس تاکید کے ساتھ رکھ گیا تھا کہ صبح ماتھے پر تلک لگا کر نیچے آؤں۔ چنانچہ اس وقت میرے ماتھے پر ہندوؤں کی طرح زعفران کا آدھ انچ لمبا نشان موجود تھا میں خاموشی سے ناشتہ کرتے ہوئے ہندی اخبار میں ریل گاڑیوں کے اوقات پڑھ رہا تھا جنتا ایکسپریس امرتسر سے شام کے وقت روانہ ہوتی تھی یہ گاڑی دلی سے ہوتی ہوئی بمبئی جاتی تھی۔ میں نے اس گاڑی میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ناشتہ کر کے اوپر اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ دوپہر کا کھانا اوپر بھجوا دیا گیا میں کمرے میں ہی پڑا اپنے نئے سفر کے بارے میں سوچ اور بچار کرتا رہا

مجھے اپنا یہ سفر مشکل نظر نہیں آ رہا تھا میں ٹرین کے دوسرے مسافروں میں گم ہو کر اپنے آپ کو چھپا کر دلی پہنچنے میں کامیاب ہو سکتا تھا جنتا ایکسپریس امرتسر ریلوے اسٹیشن سے شام ساڑھے سات بجے چلتی تھی میں چھ بجے کے قریب کمرے سے نکل کر نیچے ہوٹل میں آ گیا اور کونے والی میز پر بیٹھ کر چائے پی دو کریم رول کھائے۔ میں اپنا پیٹ زیادہ سے زیادہ بھر لینا چاہتا تھا۔ کروندیا اس وقت کاؤنٹر پر نہیں تھا۔ یہ میرے لئے سنہرا موقع تھا میں چائے ختم کر کے اٹھا اور بڑی بے نیازی سے ٹہلتا ہوا ہوٹل کی سیڑھی اتر کر بازار میں آ گیا دو ایک منٹ بازار میں کھڑا جائزہ لیتا رہا کہ کروندیا کہیں آس پاس تو نہیں ہے بازار کی روشنیوں میں وہ کہیں دکھائی نہ دیا میں قدم قدم چلتا بجلی والے چوک سے گزر کر ہال بازار میں آ کرپان والے ہندو کی دکان پر کھڑا ہو گیا۔ ہندو پنجو اڑی نے ہنس کر کہا "کیوں گونگا رام۔ آج تو بڑے ہیرو بنے ہوئے ہو پتلون اور جیکٹ ماموں نے لیکر دی ہے "

میں نے گونگوں کی طرح ہاتھ ہلا کر غوں غاں کیا اور ہنستا ہوا بازار میں یوں آگے کی جانب چلنے لگا جیسے ٹہل رہا ہوں۔ چند قدم چلنے کے بعد پیچھے دیکھا۔ کروندیا اب بھی نظر نہ آیا گویا میدان صاف تھا میں نے اپنی رفتار تیز کر دی مسجد خیر الدین کے قریب ایک خالی رکشا آ گیا میں لپک کر اس میں بیٹھ گیا اور سکھ رکشا ڈرائیور سے کہا "اسٹیشن چلو"

ہال دروازے کے نیچے سے رکشا گزرا سامنے کمپنی باغ کو جانے والا بڑا پل آ گیا سکھ ڈرائیور پورا زور لگا کر پل کی چڑھائی چڑھنے لگا رکشا پل کے اوپر جا کر دوسری طرف ریلوے اسٹیشن کی طرف جاتی سڑک کی ڈھلان اترنے لگا۔ امرتسر اسٹیشن پر کافی رش تھا جنتا ایکسپریس کے جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ مسافر اپنا اپنا سامان لیے اندر جا رہے تھے میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا میں اسٹیشن سے چند قدم پیچھے اتر گیا۔ رکشے والے کو دو روپے دے کر.... ریلوے اسٹیشن کی عمارت کے بجائے سامنے والے ہوٹل کی طرف چل پڑا جب میں نے دیکھا رکشا ڈرائیور نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے تو ریلوے اسٹیشن کی طرف بڑھا۔

ٹکٹ والی کھڑکی پر رش تھا جنتا ایکسپریس میں کوئی فرسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس نہیں تھی میں نے قطار میں کھڑے ہو کر ٹکٹ لیا اور مفلر سے منہ چھپا کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔ جنتا ایکسپریس پلیٹ فارم پر لگ چکی تھی اور مسافر اس میں اپنا اپنا سامان رکھ رہے تھے۔ یہاں سپاہی اور سی آئی ڈی کے آدمی بھی تھے مگر میں بڑے اعتماد کے ساتھ ایک ڈبے کی طرف بڑھا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ اس میں داخل ہو گیا اور کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے منہ پر سے مفلر ہٹا لیا تھا تاکہ کسی کو خواہ مخواہ شک نہ ہو۔ اس طرح سے میرا چہرہ پہچانے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ میں نے منہ دوسری طرف کر لیا اور لائن پار پلیٹ فارم پر کھڑے ٹھیلوں کی طرف تکنے لگا۔ ایک ایک منٹ بڑی مشکل سے گزر رہا تھا گاڑی چلنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ ایک سپاہی ہماری ڈبے میں داخل ہو گیا میرا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

یا اللہ خیر یہ بلا اندر کیا لینے آئی ہے ؟ سپاہی نے ایک مسافر کو گردن سے پکڑ لیا اور بولا " قلی کے پیسے کیوں نہیں دیتے ' لالہ ؟"

باہر ایک سکھ قلی کھڑا شور مچا رہا تھا کہ لالہ جی نے پانچ روپے طے کیے تھے ۔ اب ایک پیسہ بھی نہیں دیتا لالہ جی نے ہاتھ جوڑ کر سپاہی سے کہا " مہاراج غصہ کیوں کرتے ہو یہ لیں پانچ روپے " میری گردن نہ دبائیں مہاراج " اس نے جیب سے رومال نکال کر کھولا اس میں سے پانچ روپے کا میلا کچیلا سا نوٹ سپاہی کو دیا تو اس نے گردن چھوڑ دی اور نوٹ قلی کی طرف پھینک کر کہا " یہ لو سردار جی اپنی مزدوری " اور ڈبے سے اتر گیا۔

میری جان میں جان آئی سکھ سپاہی چلا گیا تو ہندو لالہ اسکے خلاف زہر اگلنے لگا۔" مہاراج یہ سب قلیوں سے طے ہوتے ہیں اندھیر نگری ہے مہاراج کانگریس کو ہماری دھسا کی کوئی کھمبیر نہیں مہاراج !"

انجن نے سیٹی بجائی ... اور دوسری وسل دی تو پلیٹ فارم سے گاڑی کی سیٹی سنائی دی اور پھر ایک دھچکے کے ساتھ جنتا ایکسپریس پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی ۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور مفلر سر پر لپیٹ لیا اور ہاتھ گرم جیکٹ کی جیبوں میں ٹھونس کر کونے میں ٹیک لگا لی ۔ تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی امرتسر سے نکل کر جالندھر کی طرف اڑی جا رہی تھی ۔

ڈبے میں ہندو پٹھانکوٹ کے دھماکے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پاکستانی فوج سے خوف زدہ ہیں ۔

گاڑی جالندھر کے ریلوے اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تو میں نے اپنے آپ کو دوسرے ہندو سکھ مسافروں کی اوٹ میں چھپا لیا ۔ زیادہ رش کی وجہ سے کسی نے خاص طور پر میری طرف توجہ نہ دی۔ مگر جالندھر چھاؤنی کا ریلوے اسٹیشن میرے لیے خطرے کی جگہ تھی ۔ مجھے اس اسٹیشن سے ڈر لگ رہا تھا۔ جلدی ہی گاڑی چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچ گئی جتنی دیر گاڑی جالندھر چھاؤنی پر کھڑی رہی ' میں باتھ روم میں چھپا رہا گاڑی چلی تو باہر نکل کر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا میرے ساتھ ہندو مسافر بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں میں نے آنکھیں بند کر لیں جیسے میں سو رہا ہوں یا سونا چاہتا ہوں۔ ہندو مسافر بھی کچھ دیر بعد اونگھنے لگا۔

انبالہ چھاؤنی پر بھی میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اگرچہ میں ٹیک لگائے بظاہر سو رہا تھا لیکن تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھول کر پلیٹ فارم کو برابر تک رہا تھا ۔ جہاں پولیس اور ملٹری پولیس کے آدمی گزر رہے تھے ۔ انبالہ چھاؤنی بھی خیریت سے گزر گئی تو میرٹھ چھاؤنی کی تلوار سر پر لٹکنے لگی میرٹھ چھاؤنی بہت بڑی چھاؤنی ہے ۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ چھاؤنی کے ہر اسٹیشن پر ملٹری پولیس کی نفری کچھ زیادہ ہی تھی ۔ میرٹھ چھاؤنی سے پہلے میرٹھ سٹی پر گاڑی لیٹ ہو گئی ۔ آدھ گھنٹہ ٹھہر کر آگے

چلی میرٹھ چھاؤنی کا اسٹیشن آیا تو ایک سپاہی نے کھڑکی کے اندر جھانک کر دیکھا۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ گوشہ چشم سے دیکھا کہ سپاہی نے ڈبے میں ایک گہری نظر ڈال کر سب مسافروں کو دیکھا اور پھر سر نکال کر آگے چل دیا میں نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔

میرٹھ چھاؤنی سے گاڑی نکلی تو پندرہ بیس میل آگے جا کر رک گئی۔ خدا جانے یہاں لائن کی مرمت ہو رہی تھی یا کوئی اور بات تھی کہ گاڑی ایک گھنٹہ کھڑی رہی۔ اس کے بعد ایسی لیٹ ہونا شروع ہوئی کہ جب دلی پہنچی تو صبح ہو چکی تھی۔ دلی بہت بڑا ریلوے اسٹیشن تھا۔ میں پہلے ایک بار اس شہر میں ویزا لے کر آ چکا تھا، لال قلعہ اور چاندنی چوک کی سیر کر چکا تھا لیکن اب میں ایک ہندو کے بھیس میں ماتھے پر کیسر کا تلک لگائے ٹرین سے اتر رہا تھا اور بھارتی انٹیلی جینس میری تلاش میں تھی۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کی بھیڑ تھی۔ پلیٹ فارم کی دیوار کے ساتھ میں نے ملٹری پولیس والوں کو دیکھا کہ قطار باندھے کھڑے ایک ایک مسافر کو گھور رہے تھے۔ میں ہجوم میں گم ہو کر گیٹ کی طرف بڑھا گیٹ پر کافی رش تھا مجھے دھکے لگ رہے تھے۔ میں خوش تھا میں اسی طرح یہاں سے محفوظ ہو کر باہر نکل سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنا ٹکٹ گیٹ پر کھڑے چیکر کو دیا اور ہجوم کے ریلے کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

میں مفلر اتار کر دوبارہ اپنے سر پر لپیٹ رہا تھا کہ اچانک میری نظر بائیں جانب ایک آدمی پر پڑی۔ وہ اوپر دوسرے پلیٹ فارم کو جانے والی سیڑھیوں کے پاس کھڑا سگریٹ پیتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ چالیس پینتالیس کی عمر کا ہو گا۔ سر پر اونی ٹوپی تھی۔ جسم پر نسواری سویٹر اور پرانا سا کوٹ تھا۔ اور وہ پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک بار تو میں اپنی جگہ سے ہل گیا۔ مگر فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور انجان بن کر دوسرے مسافروں کے ساتھ اسٹیشن سے باہر اس جگہ پر آگیا جہاں سائیکل رکشا ٹیکسیاں اور تانگے کھڑے تھے۔ میں نے یونہی گھوم کر ایک نظر پیچھے ڈالی تو میرے ہوش اڑ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف چلا آ رہا تھا۔ یقیناً یہ آدمی ملٹری انٹیلی جینس کا تھا اور اسے مجھ پر شک ہو گیا تھا۔

میرے سامنے ایک ٹیکسی خالی تھی۔ میں اسی میں گھس گیا اور اسے کہا "چاندنی چوک چلو"

میں اس وقت پاکستانی سفارت خانے کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو باہر نکالا تو وہ پراسرار شخص ایک طرف کھڑا سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ میں نے ٹیکسی والے سے کہا کہ جلدی چلو۔ وہ ٹیکسی کو نکال کر سڑک پر لے آیا۔ پھر اس کا رخ چاندنی چوک کی طرف ہو گیا۔

میں دلی کی سڑکوں سے اتنا واقف نہیں تھا البتہ چاندنی چوک اور لال قلعے کو پہچان سکتا تھا ٹیکسی دلی کی بارونق سڑکوں پر سے لوگ گزر رہے تھے میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ

مسلمان ہے ۔ میں نے شیشے میں سے پیچھے نگاہ ڈالی کئی ایک گاڑیاں اور رکشائیں ۔ سڑک پر ہمارے پیچھے آ رہی تھیں ۔ میں کوئی اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ آدمی وہیں رہ گیا ہے یا میرا تعاقب کر رہا ہے ۔

جب ٹیکسی دو تین بازاروں میں سے گزر گئی تو میں نے ڈرائیور سے کہا " تمہیں معلوم ہے یہاں پاکستانی سفارت خانہ کہاں ہے "

" ہاں جی ۔ کیا آپ وہاں جائیں گے ۔"

" ہاں ۔ پاکستانی سفارت خانے چلو "

" پہلے ہی کہہ دیا ہوتا باؤ جی جب چکر کاٹ کر جانا پڑے گا ۔"

" کوئی بات نہیں میں تمہیں زیادہ پیسے دے دوں گا "

ٹیکسی ڈرائیور نے ایک چوراہے سے ٹیکسی گھمائی اور ایک تنگ بازار میں سے گزر کر کھلی سڑک پر آ گیا ۔ جسکی ایک جانب اونچی اونچی عمارتیں اور دوسری جانب ایک پارک تھا میں نے ایک بار پھر گردن گھما کر عقبی شیشے میں سے پیچھے دیکھا ۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی چلی آ رہی تھی اس کے اندر سواریاں بیٹھی مجھے نظر نہ آئیں ۔ کہیں وہ کم بخت میرا تعاقب تو نہیں کر رہا میں نے سوچا ۔ پھر یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ وہ ریلوے اسٹیشن پر ہی رہ گیا ہو گا ۔

ٹیکسی ایک فیشن ایبل علاقے میں پہنچ گئی یہاں بڑی خوبصورت کوٹھیاں تھیں ۔ سڑک کے دونوں جانب صاف ستھرے فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے ۔ ان فٹ پاتھوں کے اوپر گھنے درخت جنوری کی سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے ۔ بھارت میں تیار کی گئیں ایمبیسیڈر کاریں گزر رہی تھی ۔ میری ٹیکسی ایک عمارت کے گیٹ پر رک گئی ۔ اس خوبصورت بنگلہ نما عمارت کی ایک طرف اردو اور انگریزی میں سفارت خانۂ پاکستان لکھا تھا ۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر ایک نئی طاقت آ گئی ۔ مجھے یوں لگا جیسے میں پاکستان میں داخل ہو گیا ہوں ۔ گیٹ پر ایک بھارتی گورکھا سپاہی پہرہ دے رہا تھا میں نے اسے انگریزی میں کہا کہ میں پاکستانی سفیر کو ملنا چاہتا ہوں ۔ اس نے ایک دروازہ کی طرف اشارہ کیا ۔ یہاں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا ۔ یہ استقبالیہ تھا ۔ میں نے ایک بار پھر پیچھے گھوم کر دیکھا ۔ مجھے وہ پراسرار ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی کہیں نظر نہ آیا ۔ میں استقبالیہ آفس میں گھس گیا وہاں ایک لڑکی ہیٹر جلائے بیٹھی تھی ۔ اسکے لباس سے قطعی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان ۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا " فرمایئے "

میں نے اس سے کہا کہ پاکستانی کلچرل اتاشی سے ملنا چاہتا ہوں وہ مجھے نہیں جانتے لیکن میں انہیں جانتا ہوں اور ان کے نام ایک ضروری پیغام لایا ہوں ۔ لڑکی نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ میرے ماتھے پر لگا ہوا تلک مجھے ہندو ظاہر کر رہا تھا ۔ یہ زعفران کا تلک تھا میں نے ٹرین میں دلی کے قریب پہنچ کر اسے باتھ روم میں پانی سے صاف کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ مٹ نہیں سکا تھا ۔ لڑکی نے فون

پر کسی سے کچھ بات کی اور میری طرف دیکھتی رہی ۔ میں نے مسکرا کر کہا " میں اہساپر مودھر ماسیوا سمتی کا نمائندہ ہوں ۔ ہم دلی میں ایک سمارو گ کرنا چاہتے ہیں ۔ برنی صاحب کی پردھانگی میں ....."

لڑکی کو شاید میرے فنکشن کی سیاسی اہمیت کا احساس ہو گیا تھا اس نے ریسیور رکھ دیا اور مجھ سے میرا نام پوچھا ۔ میں نے اپنا نام دولت رام بتا دیا ۔ اس نے رجسٹر میں میرا نام درج کر کے میرے دستخط کرائے اور چپراسی سے کہا کہ مجھے برنی صاحب کے پاس لے جائے ۔

چپراسی وردی پوش تھا ۔ وہ مجھے ساتھ لے کر سفارت خانے کے عقبی جانب ایک برآمدے میں آ گیا ۔ یہاں ایک کمرے کے باہر کلچرل اتاشی برنی صاحب کا نام لکھا ہوا تھا ۔ میں کمرے میں داخل ہو گیا ۔ ایک شاندار میز کی دوسری جانب ایک نوجوان بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا ۔ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا " فرمایئے مہاشہ جی ! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ۔؟

میں کرسی پر بیٹھ گیا وہ میز پر رکھی ایک ڈائری کے ورق الٹنے لگا اور بولا " اس ہفتے میں مصروف ہوں ۔ یہ بتایئے ' آپ کا سمارو گ کب ہو رہا ہے ۔؟"

میں نے آہستہ سے کہا " میں ہندو نہیں ہوں بلکہ ایک پاکستانی ہوں "

کلچرل اتاشی کا ہاتھ وہیں رک گیا اس نے چونک کر میری طرف نگاہیں اٹھائیں اور بولا " پاکستانی. آپ کہاں سے آ رہے ہیں ؟" " یہاں ہماری باتیں کوئی اور تو نہیں سن رہا؟"

جی نہیں ... مگر بات کیا ہے ؟ اس نے سگریٹ شیشے کے ایک خوبصورت چمکیلے ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے پوچھا ۔

" میں سفیر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں ۔ آپ مجھے انکے پاس پہنچا دیں ۔"

اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی اور اسکی جگہ بیزاری کا تاثر آ گیا وہ روایتی سے سرد لہجے میں بولا " سفیر صاحب تو اسلام آباد ایک ضروری کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں مگر آپ کو کیا پرابلم ہے ۔ کیا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے ؟ یا پھر ویزا ختم ہو گیا ہے ؟"

" جی نہیں ... ان میں سے کوئی بات نہیں ہے ۔"

" تو پھر آپ کون ہیں اور پاکستان سے یہاں دلی کس طرح پہنچ گئے ہیں ؟"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اس پر اپنا راز ظاہر کرنا چاہئے یا نہیں ۔ میں نے پوچھا سفیر صاحب کے بعد یہاں ان کا کام کون صاحب کرتے ہیں ؟"

کلچرل اتاشی نے بیزار ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا " سب سے پہلے آپ مجھے اپنا پاکستانی پاسپورٹ دکھائیں ۔ اسکے بعد ہی آپ کے کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوں ۔"

" میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں ہے یہ سن کر وہ ایک بار پھر چونک پڑا " کیا

گم ہو گیا ہے ؟"

"نہیں میرے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں تھا۔"

"تو پھر... آپ بھارت کیسے آ گئے ؟"

"باڈر کراس کر کے" میں نے آہستہ سے کہا وہ اپنی کرسی سے اچھل پڑا تو..... تو آپ اسمگلر ہیں ؟"

معاف کیجئے گا میں اسمگلروں کو اپنے وطن کا دشمن سمجھتا ہوں بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔"

"میں اسمگلر نہیں ہوں بلکہ ایک رضا کار کمانڈو ہوں چھاکوٹ چھاؤنی میں جو دھماکہ ہوا تھا وہ میں نے ہی کیا تھا۔"

یہ سنا تھا کہ پاکستان کلچرل اتاشی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔" معاف کیجئے گا آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا آپ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے یا جھوٹ مگر دوبارہ اسے زبان پر نہ لائیں۔"

میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا" آپ ہماری مدد کے لئے یہاں ہیں کیا آپ میری مدد نہیں کریں گے ؟ میں نے پاکستان کی ایک دشمن توپ کو تباہ کر دیا ہے بھارتی انٹیلی جنیس میرے پیچھے ہے کیا آپ مجھے اپنی حفاظت میں پاکستان نہیں پہنچائیں گے ؟ کیا یہ آپ کا فرض نہیں ہے ؟"

کلچرل اتاشی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا مسٹر!" ہم یہاں دونوں ملکوں کے تعلقات کو خوش گوار بنانے کے لئے بیٹھے ہیں۔ ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو۔

میں نے غصے سے کہا" آپ بزدل ہیں۔ آپ اپنی ڈیوٹی سے غفلت برت رہے ہیں میری حفاظت کرنا اور مجھے حفاظت کے ساتھ پاکستان پہنچانا آپ کا قومی فرض ہے۔"

کلچرل اتاشی نے زور سے میز پر مکا مارا پھر اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے گہری سانس لے کر بولا" جناب" ہماری ڈیوٹی اور ہمارا قومی فرض کیا ہے ہم اسے بخوبی پہچانتے ہیں ٹھیک ہے پرسوں سفیر صاحب واپس آ جائیں گے۔ آپ پرسوں شام کو تشریف لائیں میں آپ کو ان سے ملوا دوں گا"

"لیکن باہر خطرہ ہے ملٹری انٹیلی جنیس میری تلاش میں ہے۔ مجھے تحفظ چاہئے۔"

برنی صاحب نے تلخی سے جواب دیا آپ نے جو کچھ کیا ہم سے پوچھ کر نہیں کیا" یہ کہہ کر اس نے غصے سے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور اٹھ کر ٹہلنے لگے پھر رک کر بولے" آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ کسی طرح مشرقی پاکستان کی طرف نکل جانے کی کوشش کریں لیکن یہ کام بھی آپکو خود کرنا ہو گا سفارت خانہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔"

میں نے ناامید ہو کر کہا " آپ مجھے یہاں سے کسی محفوظ مقام تک پہنچا دیں کیونکہ یقین ہے کہ ملٹری انٹیلی جنیس کا ایک آدمی ریلوے اسٹیشن سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے ۔"

" اس نے آپکو سفارت خانے میں داخل ہوتے تو نہیں دیکھا۔" برنی صاحب نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔

" میں نے جواب دیا میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

برنی صاحب نے اسی وقت کسی صاحب کو فون کیا اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولے " ہم آپ کو اپنی حفاظت میں یہاں سے نکال کر دلی سے آگے دوسرے اسٹیشن غازی آباد تک پہنچا دیں گے ۔ وہاں سے آپکو ہوڑہ ایکسپریس پکڑ کر کلکتہ پہنچنا ہو گا اور مغربی بنگال کی جانب سے ہلی کے مقام سے باڈر کراس کر کے مشرقی پاکستان میں داخل ہونا ہو گا ہم آپ کو راستے کا ایک مختصر نقشہ دے دیں گے صرف اسی طریقے سے ہی آپ پاکستان پہنچ سکتے ہیں ۔"

" مجھے سرد مہری کے اس سلوک سے مایوسی تو بہت ہوئی مگر میں مجبور تھا اور کسی نہ کسی طریقے سے پاکستان واپس پہنچنا چاہتا تھا .... میں نے ان سے کہا کہ بھارتی فوج نے پنجاب کے باڈر کا کنٹرول سنبھال لیا ہے کیونکہ مشرقی پاکستان میں بہت گڑ بڑ ہے مشرقی پاکستان کا باڈر کراس کرنا بہت مشکل ہے ۔

برنی صاحب ہاتھ جھٹک کر بولے آئی ایم سوری " مسٹر...... اس سے زیادہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اگر آپ تیار ہیں تو میرے ساتھ آیئے ۔"

ناچار میں انکے ساتھ چل پڑا وہ مجھے کمرشیل سیکرٹری کے پاس لے گئے مجھے باہر بٹھا کر وہ کچھ دیر کمرے میں سیکرٹری کے ساتھ باتیں کرتے رہے پھر باہر آکر بولے " سب کام ٹھیک ہو گیا ہے ہم آپ کو اخراجات کے لئے کچھ بھارتی کرنسی اور کچھ پاکستانی کرنسی بھی دے دیں گے ۔"

" اگر آپ مجھے ایک پستول ....."

" سوری ہم یہ کام نہیں کر سکتے ۔"

میں نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا بہت بھوک لگ رہی تھی میں نے ایک کمرے کے غسل خانے میں جا کر شیو بنائی غسل کیا پھر پیٹ بھر کر انڈوں کا ناشتہ کر لیا کہ مجھے شام تک بھوک نہیں لگ سکتی تھی یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ سفارت خانہ کسی قسم کی ذمے داری لینے کو تیار نہیں اور یہ لوگ جتنی جلد ہو سکے مجھے یہاں سے نکال کر باہر کرنا چاہتے ہیں .... میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے مشرقی پاکستان پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے میرے لیے اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

برنی صاحب نے مجھے دو سو روپے بھارتی اور دو سو روپے پاکستانی عنایت کر دیئے .. پھر مجھے ایک ایسی ویگن میں بٹھا دیا گیا جو سفارت خانے کے میلے کپڑے لے کر لانڈری جایا کرتی تھی یہ ویگن چاروں طرف سے بند تھی میں اس میں قید ہو کر بیٹھ گیا ... اور ویگن سفارت خانے کی عمارت سے نکل کر دلی کی

پر شور سڑکوں سے گزرتی غازی آباد کی طرف روانہ ہو گئی۔

غازی آباد دلی سے کلکتہ اور لکھنؤ کی طرف جاتے ہوئے پہلا ریلوے اسٹیشن پڑتا ہے اور یہاں ایکسپریس گاڑیاں بھی ٹھہرتی تھیں۔ دیر تک ویگن سڑکوں پر دوڑتی رہی پھر وہ ایک جگہ رک گئی ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول کر کہا۔ "صاحب غازی آباد ریلوے اسٹیشن آگیا ہے یہاں اتر جائیں۔"

میں ویگن سے اتر آیا غازی آباد ریلوے اسٹیشن کی عمارت میرے سامنے تھی۔ میں نے ماحول کا جائزہ لیا میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ پر اسرار آدمی یہاں تو موجود نہیں؟ وہ مجھے آس پاس کہیں نظر نہ آیا ویگن واپس دلی چلی گئی اور میں ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیا۔

مغربی بنگال سے مشرقی پاکستان کی سرحد عبور کرنے کے لئے کاغذ کے ٹکڑے پر بنا ہوا ایک نقشہ میری جیب میں موجود تھا۔

ریلوے اسٹیشن پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ مسافر خانے میں لوگ اپنے اپنے سامان کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اخبار پڑھ رہے تھے یا پھر کنٹین کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ ان میں کھدر کی ٹوپیوں والے بھی تھے اور ایسے مسافر بھی تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں جیسا لباس پہن رکھا تھا گیٹ کے قریب پولیس کے دو تین سپاہی ہاتھوں میں بید لئے چکر لگا رہے تھے میں مسافر خانے میں ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گیا ایک اچکن پوش بوڑھا میرے قریب ہی بیٹھا اردو کا اخبار پڑھ رہا تھا میں نے خالص ہندی میں اس سے پوچھا کہ کلکتہ جانے والی گاڑی کب آئے گی اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور بولا میاں! "تم ہوڑہ ایکسپریس کا پوچھ رہے ہو؟"۔

جی ہاں 'جی ہاں"

بڑے میاں کے انداز سے ظاہر ہوا کہ وہ مسلمان ہیں مجھے معلوم تھا کہ کلکتہ کے ایک اسٹیشن کا ہوڑہ اور دوسرے اسٹیشن کا نام سیالدہ ہے میں نے کلکتہ شہر دیکھا ہوا تھا..... بڑے میاں نے کہا "میاں ہوڑہ ایکسپریس دو بجے آئے گی۔ تم کلکتہ میں کیا کرتے ہو؟"

میں نے مفلر کو اپنے سر پر دوبارہ لپیٹتے ہوئے ہندی زبان ہی میں کہا کہ ایک مہاشہ جی کی کپڑے کی دکان پر ملازم ہوں.... دکان کا حساب کتاب کرتا ہوں بڑے میاں نے میرا نام پوچھا تو میں نے جو ہندو نام زبان پر آیا بتا دیا وہ خاموشی سے اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے

گیارہ بج رہے تھے ٹرین آنے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے میں یوں کھلی جگہ نہیں بیٹھنا چاہتا تھا وہاں ایسا مسافر خانہ بھی نہیں تھا جو چاروں طرف سے بند ہو ایسا ایک ریفریشمنٹ روم پلیٹ فارم کے اندر تھا۔ میں ٹہلتا ٹہلتا چاروں طرف گہری نظروں سے دیکھتا ہوا ٹکٹ والی کھڑکی پر پہنچ گیا کھڑکی کھلی تھی اندر ٹکٹ بابو لمبے چوڑے رجسٹر میں کچھ اندراج کر رہا تھا میں نے ہندی میں پوچھا کہ کلکتے کا ٹکٹ مل جائے گا اس نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے پھر پوچھا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ مل جائے گا؟

اس نے دیکھے بغیر کہا "ہوڑہ ایکسپریس میں سارے ڈبے سیکنڈ کلاس کے ہوتے ہیں۔ میں نے کرایہ پوچھنے کے بجائے سو سو کے دونوں بھارتی نوٹ اسکی طرف بڑھا دیئے اور کہا ایک ٹکٹ کلکتے کا دے دیجئے۔ اس نے دو سو روپوں میں سے دس دس کے تین نوٹ مجھے واپس کرتے ہوئے کہا" رات جنتا ایکسپریس سے کیوں نہیں چلے جاتے لالہ جی! اس سے آدھے پیسے بچ جائیں گے۔"

"جی مجھے جلد پہنچنا ہے وہاں مہاشہ جی تلک راج میرا انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ ٹکٹ بابو نے مجھے ٹکٹ دے دیا تو میں گیٹ کی طرف بڑھا اور چیکر کو ٹکٹ دکھا کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔ ایک کشادہ اور طویل پلیٹ فارم تھا جسکے ایک جانب دیوار پر ہندی کے کئی بورڈ لگے ہوئے تھے میں ریفریشمنٹ روم میں داخل ہو گیا اندر پرانی وضع کی چند ایک میز کرسیاں پڑی تھیں۔ پیتل کے گل دانوں میں دو تین روز کے باسی پھول سجے ہوئے تھے۔ میں ایک میز پر بیٹھ گیا اور چائے کا آرڈر دے دیا۔ وردی پوش بیرے نے مجھے بیزاری سے دیکھا اور چلا گیا میں نے اس خیال سے کچھ کیک پیسٹری بھی منگوالی کہ وہاں زیادہ دیر تک بیٹھ سکوں۔ پھر بھی ایک بجے تک ہی بیٹھ سکا کیونکہ وہاں کھانا کھانے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا میں بل ادا کر کے باہر پلیٹ فارم پر آ گیا۔

پلیٹ فارم پر کلکتہ جانے والے مسافروں کا سامان قلیوں نے ایک قطار میں لگا دیا تھا میں ریفریشمنٹ روم کے باہر ایک بنچ پر بیٹھ گیا ایک ریڑھی والے سے ہندی کا اخبار خریدا اور پڑھنے لگا۔ اخبار میں مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں نہایت تشویش ناک خبریں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ مشرقی پاکستان کا بارڈر کراس کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا میں اخبار پڑھ رہا تھا اور جھکی ہوئی نظروں سے ماحول کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر اب مسافروں کا رش بڑھنے لگا تھا یہ میرے لئے اچھی بات تھی پلیٹ فارم کے سامنے کی جانب ریلوے لائنوں کے پار ایک مندر کے کلس دھوپ میں چمک رہے تھے دور پلیٹ فارم کے کونے پر مجھے لمبے طرّوں والے دو ملٹری پولیس کے آدمی نظر آئے تو میرا دل شدت سے دھڑک اٹھا مگر ایم پی والے وہیں کھڑے تھے میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا کہ گاڑی جلد آ جائے.... مگر کم بخت گاڑی آدھ گھنٹہ لیٹ آئی۔

مسافروں میں ہلچل مچ گئی۔ میں بھی مسافروں کے ہجوم میں گھل مل گیا۔ ڈبے میں آتے ہی میں سیدھا باتھ روم میں چلا گیا میں نے دروازہ بند کر لیا۔ دو منٹ بعد ایک آدمی باہر سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے دروازہ کھول دیا یہ ایک توندیل لالہ تھا جس نے ہاتھ میں لوٹا تھام رکھا تھا۔ میرے باہر آتے ہی وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

انجن نے سیٹی بجائی گارڈ نے بھی سیٹی کا جواب سیٹی سے دیا پھر گاڑی آہستہ آہستہ کھسکنے لگی۔ گاڑی غازی آباد اسٹیشن کو پیچھے چھوڑتی ہوئی دریائے جمنا کے پل سے گزر رہی تھی۔ میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ موسم سرما کی وجہ سے دریا کا پاٹ اکثر جگہوں سے خشک تھا۔ دور لال قلعے کی

پرشکوہ عمارت نظر آ رہی تھی جس پر بھارت کا پرچم لہرا رہا تھا میرے دل کو جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا۔ یہ قلعہ مسلمانوں کے جاہ و جلال کی علامت تھا' جو اب قصہ پارینہ بن چکا تھا دلی کئی بار اجڑ کر آباد ہوئی تھی ... مگر ۱۹۴۷ء میں ایسی اجڑی کہ پھر آباد نہ ہو سکی جس دلی کو کبھی مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مرکز سمجھا جاتا تھا آج وہاں جگہ جگہ ہندی زبان میں بات ہوتی تھی اور دکانوں کے باہر اردو کا بورڈ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا جمنا گزر گئی لال قلعہ گزر گیا گاڑی کی رفتار پل پار کرنے کے بعد تیز ہو گئی تھی۔

سہارن پور آ گیا یہاں ٹرین کچھ دیر رکی پلیٹ فارم پر کافی رش تھا یہاں بھی میں باتھ روم میں گھس گیا اور گاڑی چلی تو باہر نکلا۔ اسکے بعد لکھنؤ کے اسٹیشن پر گاڑی زیادہ دیر رکی رہی لیکن میں زیادہ دیر باتھ روم میں نہ ٹھہر سکا ایک مسافر اندر آنا چاہتا تھا مجبوراً مجھے باہر نکلنا پڑا یہاں پولیس اور ملٹری کے دو تین سپاہی چل پھر رہے تھے۔ جتنی دیر ٹرین رکی رہی میرا دل دھڑکتا رہا۔ میں نے احتیاطاً وہ کاغذ جس پر مشرقی پاکستان کے باڈر کا چھوٹا سا نقشہ بنا ہوا تھا لپیٹ کر پاکستانی کرنسی کے سو سو کے دونوں نوٹوں کے ساتھ اپنے جوتوں میں چھپا کر رکھ لیا تھا۔ ٹرین لکھنؤ سے چلی تو میری جان میں جان آئی۔

ہوڑہ ایکسپریس اب اسٹیشن پر اسٹیشن چھوڑتی ہوئی اڑی چلی جا رہی تھی مغل سرائے کا اسٹیشن آ گیا۔ اسکا پلیٹ فارم کافی کشادہ تھا میں اپنی کونے والی نشست میں دبکا بیٹھا تھا آخر یہاں سے بھی ٹرین چل پڑی۔ آسنول سے بنگال کا رنگ شروع ہو گیا۔ اب جگہ جگہ ناریل کے جھنڈ نظر آنے لگے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جھونپڑیوں جیسے مکان تھے جن کے آگے چھوٹے چھوٹے تالاب بنے ہوئے تھے آسنول سے آگے نکلتے ہی شام کے سائے گہرے ہو گئے۔ اور پھر رات ہو گئی۔ ٹرین ساری رات اہم مقامات پر رکتی ہوئی چلتی رہی۔ سردی کی شدت میں کمی آ چکی تھی ہوڑہ ایکسپریس کلکتے کے دوسرے بڑے اسٹیشن ہوڑہ کے بہت بڑے پلیٹ فارم میں ایک گھن گرج کے ساتھ داخل ہوئی تو دن نکل چکا تھا مشرقی پاکستان کے ابتر سیاسی حالات کی وجہ سے یہاں ملٹری اور سی۔ آئی۔ ڈی کے لوگوں کا موجود ہونا قدرتی بات تھی میں انہیں پہچان تو نہیں سکتا تھا لیکن اس بات کے خیال سے پریشان تھا کہ کہیں وہ مجھے پہچان نہ لیں ایک بات بتانا بھول گیا کہ میں نے امرتسر سے چلتے وقت ہی اپنی مونچھیں مونڈنا چھوڑ دی تھیں اور اس وقت مونچھوں کے بال خاصے بڑھ گئے تھے میرے ماتھے پر زعفران کے تلک کا نشان بھی موجود تھا اگرچہ پہلے سے کچھ پھیکا پڑ گیا تھا میں قصداً چند مسافروں کے ساتھ ڈبے سے نکل آیا ... اور لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو کر پلیٹ فارم کی جانب بڑھنے لگا دو تین ایسے سفید پوش آدمیوں کو میں نے دیکھ لیا تھا جو ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہوئے تھے۔ اور مسافروں کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے ایک جگہ مغربی بنگال کا وردی پوش سپاہی ایک مسافر کی تلاشی لے رہا تھا۔ ایک آدمی جو شکل صورت سے انٹیلی جینس کا آدمی لگتا تھا سپاہی کے قریب کھڑا تلاشی کا عمل نہایت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا میں نے سر جھکا لیا .... اور مسافروں کے ساتھ چلتا سیڑھیوں والا پل

چڑھنے لگا۔ یہ سیڑھیاں دوسرے پلیٹ فارم پر جا کر ختم ہو جاتی تھیں۔ گیٹ پر ایک بنگالی ٹکٹ چیکر کھڑا تھا دوسرے مسافروں کے ساتھ میں بھی ٹکٹ میں تھما کر باہر نکل آیا۔ میں ایک طرف ہو کر مفلر گردن سے اتار کرتہ کرنے لگا کیونکہ کلکتے کا موسم زیادہ سرد نہیں تھا

اچانک ایک آدمی میرے قریب آکر بولا "کہاں سے آرہے ہو" میں اندر سے کانپ گیا مگر اوپر سے بڑے پر اعتماد انداز میں مفلر تہ کرتے ہوئے جواب دیا "دہلی سے آرہا ہوں مہاراج! اور کہاں سے آنا ہے! دلی میں کڑاکے کا پالا پڑ رہا ہے' جی .... رام رام!

اس شخص کا چہرہ سپاٹ تھا صرف اسکی کرنجی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی پتلون اور بش شرٹ میں ملبوس تھا عمر چالیس کے قریب ہو گی بالوں میں کہیں کہیں سفیدی جھلک رہی تھی۔ مجھ پر نظریں گاڑے وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں بار بار دبا لیتا تھا۔

" دلی میں کیا کرتے ہو اور یہاں کس سے ملنے آئے ہو۔" اس کا اردو بولنے کا لہجہ کرنال والوں کا تھا۔ میں نے اسی اعتماد کے ساتھ جواب دیا" مہاراج! دلی میں کھادی بھنڈار والوں کی دکان پر کام کرتا ہوں۔ یہاں کلکتے کے سوناگاچی بازار میں انکی دوسری دکان ہے وہاں بدلی ہوئی ہے۔"

" تمہارا سامان کہاں ہے؟" اس نے ایک خطرناک سوال کیا۔ میں نے سنبھل کر جواب دیا" سامان" مہاراج! ہم غریبوں کا کیا سامان ہو گا دکان پر سب کچھ مل جائے گا جی ہاں لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں' مہاراج'! وہ ذرا سا مسکرایا" تمہارا نام کیا ہے راجیش کمار... راجیش کمار جی.... میرے ساتھ تمہکو ذرا پولیس اسٹیشن تک چلنا ہو گا"

میری روح لرز اٹھی یہی وہ جملہ تھا جس کا مجھے اس وقت سے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ جب سے میں نے باڈر کراس کیا تھا.... مگر میں نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے چہرے پر ذرا سی گھبراہٹ ظاہر نہ ہونے دی کم از کم مجھے یہی یقین تھا میں نے ذرا تلخی سے کہا" کیوں مہاراج ہم تھانے کاہے کو جائیں۔ کیا ہم نے کوئی چوری کی ہے کسی کی جیب کاٹی ہے؟ چلئے آپ ہماری دکان پر چلئے۔"

اس پر میری بات کوئی اثر نہ ہوا تحکمانہ لہجے میں بولا... " راجیش جی سیدھی طرح میرے ساتھ تھانے چلیں آپ کو جو کچھ کہنا ہے وہیں چل کر کہیں" اس نے مجھے بازو سے پکڑ لیا پھر آہستہ سے بولا" اگر آپ نے بھاگنے کی کوشش کی تو اتنا ضرور یاد رکھیں کہ میرا جو ہاتھ پتلون کی جیب میں ہے اس میں ایک بھرا ہوا پستول بھی ہے۔"

میرا بدن خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا لیکن اوپر سے میں اسے یہی کہہ رہا تھا کہ چلو تھانے چلو... میں دکان پر فون کر کے مالک کو بلا لوں گا پھر آپ کو شرمندہ ہونا پڑے گا لیکن اندر سے میری جان ہوا ہو گئی تھی اور مجھے اپنے سامنے موت کا پھندا نظر آنے لگا۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر ایک بار تھانے پہنچ گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت کے منہ سے نہیں بچا سکے گی۔ تلاشی لینے پر میرے جوتے کے اندر سے مشرقی

پاکستان کا سرحدی نقشہ اور پاکستانی کرنسی برآمد ہو جائے گی... پھر طبی معائنے سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ میں ہندو کے بھیس میں مسلمان ہوں۔ گویا پاکستانی جاسوس ہوں۔ اس کے بعد ان کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہ ہو گا میں وہی کمانڈو ہوں جس نے پٹھانکوٹ چھاؤنی میں پریا توپ تباہ کی تھی میں نے تیزی سے فرار ہونے کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا۔

انٹیلی جینس کا آدمی، مضبوطی سے میرا بازو پکڑے مجھے کلکتہ ریلوے اسٹیشن سے باہر لے آیا اس نے ایک سائیکل رکشا والے کو اشارے سے بلایا اور مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا اس نے میرے بازو میں اپنا بازو ڈال رکھا تھا میں نے کہا "لالہ جی میرا قصور کیا ہے میں نے کیا اپرادھ کیا ہے جو آپ مجھے تھانے لے جا رہے ہیں؟"

انٹیلی جینس والا خاموش رہا۔ اس نے رکشا والے سے کہا "کولوٹولہ تھانے چلے گا"

بنگالی رکشہ والا سڑک پر ایک جانب روانہ ہو گیا سڑک پر کافی ٹریفک تھا دو منزلہ بسیں گزر رہیں تھیں بنگالی لوگ سائیکلوں گاڑیوں بسوں میں اور پیدل چلے جا رہے تھے۔ دونوں جانب اونچی اونچی فلیٹوں والی عمارتیں تھیں جن کے فلیٹوں کی گیلریوں میں کہیں کہیں رنگ برنگ ساڑھیاں سوکھنے کے لئے ڈال دی گئی تھیں میں رکشے سے چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا.... انٹیلی جینس والے نے میرے بازو کو اپنے شکنجے میں لے رکھا تھا اور اگر میں کسی طرح چھلانگ لگانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو وہ پیچھے سے مجھے گولی مار دیتا۔ میں بیچ بیچ میں اسے کہتا جاتا تھا کہ میں اپرادھی نہیں ہوں۔ تھانے کے بجائے مجھے سوناگاچی کے کھادی بھنڈار لے چلو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ کسی طرح مجھے پولیس اسٹیشن نہ لے جائے لیکن وہ ہر بار یہی جواب دیتا کہ کوئی بات نہیں تھانے چل کر سب کچھ بتا دینا تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔

اب میں نے مرنے مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا میری عافیت اسی فیصلے میں تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اگر میں نے اس وقت فرار کی کوئی راہ نہ نکالی تو چند روز میں یا تو مجھے گولی سے اڑا دیا جائے گا یا پھر باقی زندگی عقوبت خانوں میں سسک سسک کر ختم ہو جائے گی اور وہ زندگی موت سے بھی بدتر ہو گی۔

سائیکل رکشا، کشادہ چوک میں سے گزر کر ایک نسبتاً تنگ بازار میں داخل ہو گیا یہاں سڑک ہموار نہیں تھی اور دھچکے لگ رہے تھے انٹیلی جینس کے آدمی نے بنگلہ زبان میں شاید رکشا والے کو آرام سے چلنے کی ہدایت کی میں تیز نظروں سے اس علاقے کے مکانوں... فلیٹوں اور دکانوں کا جائزہ لے رہا تھا یہاں ہر چار پانچ عمارتوں کے بعد ایک تنگ گلی اندر کو چلی جاتی تھی۔ یہ پرانے خستہ حال فلیٹوں والی عمارتیں تھیں جہاں بچے ادھر ادھر سڑک پر کھیل رہے تھے۔ ایک جگہ سڑک کے گڑھے میں سے گزرتے ہوئے سائیکل رکشا کو زور کا دھچکا لگا اور اسکے ساتھ ہی انٹیلی جینس کے آدمی اور میرے دشمن کا بازو میرے بازو سے نکل گیا زندگی کے میدان میں چھلانگ لگانے کا یہی ایک موقع تھا اور

میں اس سائیکل رکشا سے کود گیا۔ سڑک پر گرتے ہی میں پوری طاقت سے جدھر منہ اٹھا دوڑتا چلا گیا میرے پیچھے پکڑو پکڑو کا شور مچ گیا یہ میرے دشمن کی پکار تھی مجھے ہر لمحے پیچھے سے ہونے والے فائر کا دھڑکا لگا ہوا تھا اچانک ایک سماعت شکن دھماکا ہوا اور میری سانس حلق میں رک کر پھندا سی بن گئی میں لڑکھڑا گیا اور میری آنکھیں دھندلا گئیں۔

یکایک سامنے ایک گلی آ گئی۔ جس کی دونوں جانب اونچے فلیٹ تھے۔ میں اپنے جسم کی پوری طاقت کے ساتھ دوڑنے لگا۔ ابھی تک مجھے اپنے جسم میں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا۔ گویا گولی مجھے نہیں لگی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ محض خوف زدہ کرنے کے لئے ہی چلائی گئی ہو۔ مجھے اپنے پیچھے انسانی قدموں کے دوڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ آگے جا کر گلی بائیں طرف گھوم گئی۔ میں تیزی سے دوڑتا ہوا اس طرف گھوم گیا تو دل دھک سے رہ گیا۔

آگے گلی بند تھی۔

مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں ہر قیمت پر اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔ ایک بلڈنگ کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ میں اسی میں گھس گیا۔ سامنے لکڑی کا کشادہ زینہ تھا۔ میں تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔ پہلی منزل پر بائیں جانب ایک کھڑکی تھی۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ نیچے ایک ٹرک کھڑا تھا جس پر بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور کھڑکی میں سے ٹرک پر چھلانگ لگا دی۔ بوریوں میں کوئی نرم چیز بھری ہوئی تھی۔ مجھے کودتے دیکھ کر دکان پر کچھ لوگ حیران ہو کر تکنے لگے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ ٹرک میں سے اچھل کر میں نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور دوسری گلی میں گھس گیا۔ میں بے تحاشہ دوڑتا جا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ پیچھے سے ابھی تک دوسرا فائر نہیں ہوا تھا۔ میرا فلر رکشے سے کودتے وقت سڑک پر ہی رہ گیا تھا۔

میں گھبراہٹ کے عالم میں ایک بلڈنگ میں گھس گیا۔ اندر جا کر محسوس ہوا کہ یہ جوتوں کی مارکیٹ ہے۔ آمنے سامنے چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔ کاروبار ہو رہا تھا لیکن لوگوں کا زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ مجھ پر اب بھی خوف طاری تھا۔ جو بھارتی انٹیلی جنس کا آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا اس کی گولی کسی وقت بھی میری پیٹھ میں پیوست ہو سکتی تھی۔ کچھ دکانداروں نے حیرت سے مجھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ بدقسمتی سے یہ مارکیٹ آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی دکان میں گھس جاؤں۔ چنانچہ میں آخری دکان میں گھس گیا۔ یہاں دراز قد آدمی جوتوں کے ڈبوں کو الماری میں لگا رہا تھا۔ میں اس کے قریب سے پھلانگ کر اندر کے دروازے کا پردہ اٹھا کر بھاگا تو اس کے ہاتھ

سے ڈبہ چھوٹ گیا۔

دکان میں گھستے ہی میری نظر غیر ارادی طور پر دیوار پر لگے خانہ کعبہ کے ایک قطعے پر پڑی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ دکان کسی مسلمان کی ہے۔ دکان کے پیچھے ایک تنگ کمرہ تھا جس میں چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ میرے پیچھے پیچھے دکان کا مالک بھی اندر آ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے تکنے لگا۔ "کون ہو تم؟"

میں نے ایک ہی سانس میں کہا۔" میں مسلمان ہوں۔ پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ مجھے پناہ چاہئے "۔

اس نے اوپر دو چھتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اس دو چھتی دیوار میں ایک کھتہ ہے اس میں جا کر چھپ جاؤ "۔

دو چھتی دیوار ایک مرد کی اونچائی پر تھی... میں اچھل کر اوپر چڑھ گیا۔ یہاں خالی ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک چوکور سوراخ نظر آیا۔ یہ وہی کھتہ تھا جس کی طرف دکاندار نے اشارہ کیا تھا۔ میں اس کھتے میں گھس گیا۔ یہاں میں بمشکل بیٹھ سکتا تھا۔ میں نے آگے جوتوں کے خالی ڈبے رکھ لئے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ بچ سکوں گا۔ کیونکہ انٹیلی جینس انسپکٹر نے مجھے مارکیٹ میں گھستے دیکھ لیا ہو گا۔ مارکیٹ آگے سے بند تھی۔ وہ ایک ایک دکان کی تلاشی لے گا اور میں پکڑا جاؤں گا۔ میں کھتے میں دبکا بیٹھا خدا سے دعائیں مانگنے لگا۔

دفعتاً دکان کے اندر سے آوازیں سنائی دیں۔ میں نے انٹیلی جینس انسپکٹر کی آواز پہچان لی۔ وہ دکاندار سے میرے ہی بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مسلمان دکاندار کی آواز آئی۔" اجی مہترجی تشریف لیئے۔ دھن بھاگ ہمارے آپ ہماری دکان پر آئے۔ اوّل تو یہاں کوئی آدمی نہیں آیا اور پھر یہاں کوئی ملک دشمن داخل ہو کر بھلا مجھ سے بچ سکتا ہے؟ ہم تو آپ ہی کی خدمت کے لئے یہاں بیٹھے ہیں

انٹیلی جینس انسپکٹر کی آواز آئی۔" وہ پاکستانی جاسوس ہے یہ اسی مارکیٹ میں گھسا ہے "۔

مسلمان دکان دار نے ایک بار پھر لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔" پاکستانی جاسوس ہے تو پھر ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ ہم تو پاکستان کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں مہترجی۔ پہلے ہندوستانی ہیں بعد میں کچھ اور ہیں۔ پاکستانی جاسوس اور میری دکان میں آ جائے۔ توبہ کیجئے۔ میرا خیال ہے' وہ ضرور سامنے والے غسل خانوں کی طرف سے نکل گیا ہو گیا۔ ادھر سے باہر کو راستہ جاتا ہے۔ آیئے میرے ساتھ ابھی ڈھونڈ لیتے ہیں' اس وطن دشمن کو..."

کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ میرا دل جو زور زور سے دھڑک رہا تھا' تھوڑا سا پرسکون ہوا۔ مگر موت کی تلوار ابھی تک میرے سر پر لٹک رہی تھی۔ کوئی پانچ منٹ بعد جو مجھے پانچ گھنٹوں سے بھی زیادہ لگے۔

دکان کے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی.... پھر دکاندار کی آواز آئی۔ وہ کسی خاتون گاہک سے باتیں کر رہا تھا۔ خاتون گاہک کے ساتھ بچہ تھا جس کے رونے کی آواز سنائی دی۔ دکاندار نے اپنے نوکر کو آواز دے کر بچے کے لئے رس گلے لانے کو کہا اور زنانہ سینڈلوں کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔ انسپکٹر کی بلا شاید ٹل گئی تھی۔ میری جان میں جان آگئی۔ عورت چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے گاہک آگئے۔ یہ سلسلہ ایک گھنٹے تک چلتا رہا۔ میں کھتے میں اکڑوں بیٹھے بیٹھے تھک گیا۔ میں نے دو چھتی کی طرف اپنی ٹانگیں پسار دیں۔ اس سے مجھے سکون ملا۔ دکاندار کی باتوں پر اعتبار کر کے بھارتی انٹیلی جنیس انسپکٹر کے اتنی جلدی چلے جانے سے اور کچھ اس مسلمان دکاندار کی گفتگو سے میں دو نتیجوں پر پہنچا۔ ایک تو یہ کہ یہ مسلمان دکاندار پاکستان کے جھنگ سیال کے علاقے کا رہنے والا ہے۔ دوسرے یہ شخص سی آئی ڈی والوں کا آدمی ہے۔ کلکتے میں جھنگ اور چکوال کے لوگ مدتوں سے آباد تھے اور یہاں خشک میوے اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ انڈین نیشنل تھے۔ بنگلہ زبان بھی روانی سے بولتے تھے۔ مگر ان کا لہجہ ابھی تک پنجابی ہی تھا۔

دوپہر کے وقت یہ آدمی دکان اندر سے بند کر کے کوٹھری میں آیا اور اس نے مجھے آواز دے کر نیچے بلایا۔ کوٹھری میں کمزور سا زرد بلب جل رہا تھا۔ میں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا۔ اس کی عمر چالیس کے قریب ہو گی۔ گھنگھریالے سیاہ بال تھے۔ جو کنپٹیوں پر سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ رنگ پنجابیوں جیسا صاف اور کھلتا ہوا تھا۔ قد لمبا اور شانے چوڑے تھے۔ وہ بنگالیوں ایسے سلک کے کرتے اور کھدر کے پاجامے میں ملبوس تھا۔ اس نے سب سے پہلے" مجھ سے پوچھا۔ "تم پنجابی ہو اور پاکستان سے آئے ہو"؟

میں نے سیدھے سادھے الفاظ میں کہا۔ "میرا نام منظور ہے۔ میں لاہور کا رہنے والا ہوں۔ میرا ایک دوست اکثر سرحد پار کر کے امرتسر میں انڈین فلمیں دیکھنے آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں بھی اس کے ساتھ بارڈر کراس کر کے امرتسر پہنچ گیا کہ واپسی پر بارڈر پولیس نے ہمیں دھر لیا۔ میرا دوست تو پکڑا گیا مگر میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ ہندو بن کر ماتھے پر تلک بھی لگا لیا کہ پہچانا نہ جاؤں۔ کلکتے اس لئے آیا تھا کہ یہاں سے بنگال کا بارڈر کراس کر کے مشرقی پاکستان چلا جاؤں۔ اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد کر دیں تو میں زندگی بھر احسان مند رہوں گا"۔

دکاندار کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ میری کہانی کو من گھڑت سمجھ رہا ہے۔ اس نے ٹفن کیریئر کھولا۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور بتایا کہ انٹیلی جنیس انسپکٹر کو اس نے بڑی مشکل سے ٹالا ہے۔ میں نے پھر شکریہ ادا کیا اور کہا۔ کہ خدا اسے اس کا اجر دے گا۔ اس نے تنک کر کہا "میں بھارتی باشندہ ہوں اور تمہیں بچا کر اپنے ملک سے غداری کی ہے۔ خدا مجھے اس کا اجر کیسے دے گا"؟۔

میں ایک پل کے لئے ساکت رہ گیا۔ اس نے میری پیالی میں تھوڑی سی بھنڈیاں ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میں پاکستان کو پسند نہیں کرتا۔ میرا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ پاکستان نہیں بننا چاہئے تھا۔ لیکن تمہارے اور میرے درمیان جو اسلام کا رشتہ ہے اس کی وجہ سے تمہاری مدد کرنے پر مجبور ہوں... اور پھر تم پنجابی بھی ہو۔ پنجابیوں نے سن سینتالیس میں بڑی قربانیاں دی ہیں"۔

وہ خاموشی سے روٹی کھاتا رہا۔ میں بھی چپ رہا لیکن ہر لقمہ زہر بن کر میرے حلق سے اتر رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے سگریٹ سلگا لیا اور بولا۔ "میں جانتا ہوں تم نے مجھے جھوٹی اور من گھڑت کہانی سنائی ہے۔ تمہیں پاکستان سے یہاں گڑبڑ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ بھارت کا وفادار شہری ہونے کے ناتے یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا لیکن میں تمہیں انڈین پولیس کے حوالے بھی نہیں کروں گا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ یہاں کسی قسم کی تخریبی کارروائی کیئے بغیر مشرقی پاکستان کی طرف نکل جاؤ گے تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں"۔

آخر سی آئی ڈی کا آدمی تھا۔ اس نے میرے بشرے اور باتوں سے ٹھیک اندازہ لگا لیا تھا مگر اسلام کے اٹوٹ رشتے نے میری جان بچالی تھی۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ویسا ہی کروں گا جیسا وہ کہہ رہا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ میں خود بھی وہاں سے مشرقی پاکستان فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ اگرچہ اس وقت مشرقی پاکستان کی سیاسی فضا بے حد خراب تھی لیکن وہ پاکستان تو تھا اور وہاں سے میں آسانی سے لاہور جا سکتا تھا۔ جھنگ سیال کے اس مسلمان دکاندار کا نام شیخ احمد بخش تھا۔ دوپہر کے وقت وہ نوکر کو دکان پر بٹھا کر گھر گیا اور واپسی پر اس کی ٹوکری میں ایک زنانہ برقعہ تھا۔ جب شام گہری ہو گئی تو اس نے مجھے برقعہ پہنایا اور کہا۔ "دکان سے نکل کر میرے پیچھے پیچھے چلے آنا"۔

میں نے برقعہ پہن لیا۔ میرے جوتے بھی اس نے بدلوا دیئے۔ میں نے سو سو روپے کے دو پاکستانی نوٹ اور مشرقی پاکستان کی سرحد کا چھوٹا سا نقشہ بڑی ہوشیاری سے باتھ روم میں جا کر پہلے ہی نکال لیا تھا۔ میں زنانہ سینڈل اور برقعہ پہن کر دکان سے نکل آیا۔ احمد بخش میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ بازار میں کافی رونق تھی۔ نقاب کی جالی سے میں نے نظر اپنے محسن پر لگا رکھی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دو تین بازار گھوم کر ایک چوراہا آیا تو اس نے ایک خالی رکشہ رکوا لیا۔ پھر سر کے ہلکے سے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ رکشہ ہم دونوں کو لے کر کئی بازاروں میں سے گزر تا لوئر چیت پور روڈ کی ایک پرانی مگر بہت بڑی بلڈنگ کے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ بلڈنگ کے اندر ایک کشادہ صحن تھا جہاں دیوار کے ساتھ پانی کے نل لگے تھے۔ اس کے نیچے باہر والی دکانوں کے دو نوکر برتن دھو رہے تھے۔ رکشے سے اتر کر ہم پہلو والی تنگ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں پہنچ گئے۔ شاید اس نے اپنی بیوی کو سب کچھ بتا رکھا تھا۔ اس نے مجھے برقعے میں دیکھ کر کسی قسم کی حیرت ظاہر نہیں کی۔ رات کے کھانے کے بعد احمد بخش مجھے وہاں سے نکال کر اس علاقے کی مسجد ناخدا کے قریب ایک

خالی فلیٹ میں لے گیا اور مجھے ہدایت کی کہ میں وہاں سے ہرگز باہر قدم رکھنے کی کوشش نہ کروں۔ یہاں دیوار کے ساتھ ایک جانب' جوتوں کے ڈبوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس نے الماری میں سے چادر نکال کر فرش پر بچھادی اور تکیہ بھی لگا دیا۔

" تم یہاں آرام کرو اور دروازہ اندر سے بند کرلینا۔ میں بھی باہر سے تالا لگا دوں گا۔ خبردار بتی روشن نہ کرنا۔ میں صبح آؤں گا۔"

میرے پاس پانی کی ایک بوتل اور سگریٹ کا ایک پیکٹ چھوڑ کر وہ چلا گیا۔

ساری رات مچھروں نے مجھے سونے نہ دیا۔ اندھیرے میں بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ کسی وقت تھوڑی دیر کو آنکھ لگتی تو مچھر کاٹ کر جگا دیتے۔ علی الصباح مسجد ناخدا سے اذان کی آواز آئی۔ پھر باہر سے کوئی تالا کھولنے لگا۔ میں چوکس ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور میرا محسن اندر آ گیا۔ وہ میرے لئے ناشتہ لایا تھا۔ اس نے بتایا کہ میرے نکلنے کا بندوبست کر دیا ہے۔

" آج رات دو بجے قمردین نامی ایک آدمی آئے گا۔ وہ میرا خاص آدمی ہے۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ تمہیں سرحد پار کرا دے گا۔"

میں خاموش رہا۔ شیخ احمد بخش نے جیب سے بٹوا نکالا۔ اس میں سے پاکستانی کرنسی کے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر مجھے دیئے اور کہا۔ " میں ایک معمولی دکاندار ہوں۔ اس سے زیادہ تمہاری مدد نہیں کر سکتا"۔ برتن ٹوکری میں رکھ کر جانے لگا تو کہا۔ " میں دوپہر کو کھانا لے کر آؤں گا"۔ میں اسے ممنونیت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ چلا گیا۔ دوپہر کو ایک بار پھر میرے لئے کھانا لے کر آیا۔ اس نے میرے فرار کے موضوع پر کوئی بات نہ کی۔ بس ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ رات کے کھانے کے بعد اس نے سیفٹی ریزر دیا اور کہا کہ شیو کرلینا۔ میری داڑھی کافی بڑھ آئی تھی... پھر مجھ سے بغل گیر ہوا اور رات کے دو بجے تیار رہنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے شیو بنایا غسل کیا۔ دوپہر کو اس نے مجھے بنگلہ کرتا اور پاجامے کا ایک جوڑا دیا تھا۔ میں نے وہ پہن لیا۔ مشرقی پاکستان کے نقشے کی اب مجھے ضرورت نہ تھی۔ ویسے بھی یہ مجھے جاسوسی کے الزام میں پکڑوا سکتا تھا۔ میں نے نقشے کو پھاڑ کر باتھ روم میں پھینک دیا۔ سات سو روپے کے پاکستانی کرنسی نوٹ تہ کر کے جیب میں رکھے اور سگریٹ سلگا کر رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ جب میری گھڑی کی سوئی نے ٹھیک رات کے دو بجائے' دروازے کے تالے میں چابی گھومی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے آہستہ سے پوچھا" کون ہے؟" دوسری طرف سے پرسکون بھاری آواز آئی " قمردین ہے۔"

دروازہ کھل کر بند ہو گیا۔ اندھیرے میں درمیانے قد اور دبلے پتلے بدن کا ایک آدمی اندر آ گیا۔ وہ بھی بنگالی لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ میرے قریب چٹائی پر بیٹھ گیا اور مجھ سے پنجابی میں بولا " تمہیں

بنگالی نہیں آتی"؟

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر تم دوسرے لوگوں کے لئے اس وقت تک گونگے ہو جب تک مشرقی پاکستان کی سرحد پار نہیں کر لیتے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے پوچھا کہ میرے پاس پاکستانی کرنسی کتنی ہے۔ میں نے جیب سے سو سو کے سات نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے سارے نوٹ اٹھائے۔ ان کو جوڑ کر موم بتی سی بنائی اور اپنے پاجامے کے نیفے میں ڈال لی... پھر جیب سے بھارتی کرنسی کے روپے روپے والے چار نوٹ مجھے دیئے اور کہا۔ "انہیں اپنے پاس رکھو۔ بھولنا نہیں کہ تم گونگے ہو"۔

اتنے میں نیچے کسی موٹر کے آہستہ سے رکنے کی آواز سنائی دی۔ قمر دین نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ فلیٹ سے نکل کر اس نے دروازے پر تالا لگایا اور ہم تنگ و تاریک سیڑھیاں اتر کر نیچے بازار نما گلی میں آ گئے۔ ایک پرانے ماڈل کی مورس گاڑی بجلی کے کھمبے سے ذرا آگے کھڑی تھی۔ اس کی پچھلی سیٹ کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ میں اور قمر دین پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ گاڑی کا انجن گرجا اور گاڑی ذکریا اسٹریٹ کے علاقے کی نیم تاریک سنسان گلیوں سے نکل کر لوئر چیت پور روڈ پر دوڑنے لگی۔ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ہم بھی چپ تھے۔ رات کے سناٹے میں گاڑی ویران سڑکوں پر تیزی سے اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی۔ اس زمانے میں بھی کلکتہ بہت وسیع اور دور دور تک پھیلا ہوا شہر تھا۔ ایک گھنٹے تک ہماری گاڑی شہر کی سڑکوں پر چلتی رہی۔ پھر مضافاتی علاقہ شروع ہو گیا۔ اب ہماری دونوں جانب کھیت تھے۔ ان میں ناریل کے درخت پچھلی رات کی ٹھنڈی ہواؤں میں آہستہ آہستہ لہرا رہے تھے۔ ہم ایک ایسی سڑک پر آ گئے جہاں کارخانوں کی چمنیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ آسمان پر ستارے اب پھیکے پڑنے لگے تھے۔ اس دوران میرے ساتھی نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ موٹر گاڑی کارخانوں کی چمنیاں پیچھے چھوڑ کر ویران علاقے میں آئی تو قمر دین نے سگریٹ سلگایا اور ڈرائیور سے پنجابی میں کہا۔ "میرا تھیلا ساتھ رکھ لیا تھا"۔

"ہاں جی"۔ ڈرائیور اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ڈرائیور کوئی غیر نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے کوئی بات کرنا مناسب خیال نہ کیا اور خاموش بیٹھا رہا۔ میری آنکھیں سلگ رہی تھیں مگر نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ پو پھٹنے لگی تو گاڑی ایک جنگل میں داخل ہو گئی۔ یہاں ہوا میں خنکی تھی۔ صبح ہوا تو ہلکا ہلکا اجالا پھیل چکا تھا۔ ہماری موٹر اب ایک کچی سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ بائیں جانب ٹیلی فون کے کھمبے دور تک چلے گئے تھے۔ ہم نے کئی چھوٹی چھوٹی ندیوں کے پل عبور کیئے۔ دن پوری طرح نکل آیا... اور دھوپ چاروں طرف پھیل گئی تو چھتری دار جھاڑیوں کے ایک ٹیلے کے

قریب سے نکل کر موڑ ایک جگہ رک گئی ۔ آگے بانس کے جھنڈ میں ایک چھوٹا سا راستہ گھنے جنگل کی طرف جا رہا تھا۔ قمر دین نے تھیلا اٹھایا اور ڈرائیور کو واپس بھیج دیا۔ ہم پیدل چلنے لگے اور جنگل میں کافی دور تک آ گئے ۔

یہاں چند ایک کھپریل کی جھونپڑیاں بھی نظر آئیں ۔ قمر دین مجھے ایک درخت کے نیچے کھڑا کر کے ایک جھونپڑی کے پاس گیا۔ اس نے کسی کو آواز دی ۔ اندر سے ایک دیہاتی بنگالی باہر آیا جس نے صرف ایک میلی سی دھوتی پہن رکھی تھی ۔ قمر دین اس سے بنگلہ میں باتیں کرنے لگا۔ پھر وہ اسے لے کر میرے پاس آیا ۔ بنگالی نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور ہمیں ایک خالی جھونپڑی میں لے گیا۔ یہاں ہم نے چاول مچھلی کھائی ۔ کالی کڑوی چائے پی ۔ قمر دین نے مجھے بتایا کہ یہ بنگالی مسلمان ہے اور ہمارا اپنا آدمی ہے ... مگر اسے یہی بتایا گیا ہے کہ تم گونگے ہو اور تمہیں سرحد پار کرانی ہے ۔ یہ آدمی آج رات تمہیں اپنے ساتھ سرحد پار کروانے لے جائے گا۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی ۔ میں نے اسے تمہاری رقم میں سے پانچ سو روپے دے دیئے ہیں ۔ باقی دو سو روپے تم اپنے پاس رکھو۔ قمر دین نے سو سو کے دو پاکستانی کرنسی نوٹ میرے حوالے کر دیئے ۔ ہم جھونپڑی میں لیٹ گئے ۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ شام تک سوتا رہا۔

جاگا تو قمر دین وہاں پر نہیں تھا۔ باہر شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ قمر دین ایک اور جھونپڑی میں سے نکل کر میری طرف آیا ۔ اس نے تھیلا مجھے دے کر کہا۔ " اس میں ترکاری ہے یہ تم بلی کے اسٹیشن ماسٹر کے سپرد کرو گے ۔ یہ تھیلا اور ترکاری ہماری نشانی ہے ۔ بلی کا اسٹیشن ماسٹر ہمارا اپنا آدمی ہے ۔ بلی مشرقی پاکستان کی سرحد پر ہے ۔ بلی کا اسٹیشن مشرقی پاکستان میں اور اسٹیشن ماسٹر نذرل کا کوارٹر بھارت یعنی مغربی بنگال کی سرحد میں ہے ۔ مشرقی پاکستان کی سرحد کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی ۔ یہ بنگالی تمہیں کسی نہ کسی طرح اپنی حفاظت میں اسٹیشن ماسٹر کے کوارٹر تک پہنچا دے گا ۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر تمہیں بارڈر کراس کرائے گا۔ اب میں جاتا ہوں"۔

میرا ساتھی قمر دین واپس کلکتے کی طرف چلا گیا۔

میرے بنگالی رہنما نے رات کو مجھے ... چاول اور مچھلی کا پتلا شوربہ دیا۔ اس کے بعد اس نے اشاروں سے مجھے سو جانے کے لئے کہا ۔ میں جھونپڑی میں بچھی چارپائی پر لیٹ گیا ۔ یہاں بہت موٹے موٹے مچھر تھے ۔ ان مچھروں نے کاٹ کاٹ کر برا حال کر دیا ۔ آدھی رات کے بعد بنگالی رہنما آ گیا ۔ اس نے ایک میلی کچیلی صدری بھی پہن رکھی تھی ۔ اشارے سے اس نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا ۔ ہم جھونپڑی سے نکل کر اندھیرے جنگل میں ایک طرف روانہ ہو گئے ۔ اس وقت مشرقی پاکستان یعنی بنگلہ دیش کی سیاسی صورت حال یہ تھی کہ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ بھاری اکثریت سے جیت چکی تھی ۔ مجیب اپنے ساتھ چھ نکاتی فارمولا لایا تھا ۔ اس دوران بنگالی مسلمانوں کے دلوں میں مغربی

پاکستان کے خلاف نفرت کے جذبات بھر دیئے گئے تھے اور وہاں انتخابات اسی نفرت کی بنا پر ہوئے۔ اب فاتح عوامی لیگ اقتدار کے ساتھ ساتھ مغربی پاکستان سے مکمل آزادی کا بھی مطالبہ کر رہی تھی۔ عوامی لیگ کی کامیابی کے ساتھ ہی بھارتی فوجیں مغربی بنگال کی سرحدوں پر پہنچ گئی تھیں اور پوری پانچ ڈویژن فوج نے مشرقی پاکستان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ نقل و حرکت بڑی خاموشی سے ہو رہی تھی اور بھارت کے عزائم صاف ظاہر تھے کہ وہ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ کی مدد سے بنگلہ دیش کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔

یہ رہنما مجھے بے حد دشوار گزار راستوں سے لے جا رہا تھا۔ وہ بھارتی بارڈر فورس کی چوکیوں سے بچ کر گزر رہا تھا۔ ہم نے کئی ندیاں اور نالے عبور کئے۔ کوئی دو بجے رات مجھے دور ایک ٹیلے کی آغوش میں کچھ دھندلی روشنیاں دکھائی دیں۔ چونکہ مجھے گونگا اور بہرہ بنا دیا گیا تھا اس لئے میرا بنگالی ساتھی مجھ سے اشاروں ہی میں بات کرتا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ مغربی بنگال کا سرحدی گاؤں 'بن گاؤں' تھا۔ یہاں سے ہلی کا سرحدی اسٹیشن چند میل کے فاصلے پر تھا جہاں بھارتی فوجوں کے ساتھ پاکستانی فوج کے جوانوں نے تاریخی جنگ لڑی اور شجاعت اور سرفروشی کی تاریخ میں سنہرا باب رقم کیا کہ خود بھارتی فوج کے جرنیلوں کو پاکستانی فوج کی بہادری اور جذبہ شہادت کا اعتراف کرنا پڑا۔

ہم بن گاؤں سے کافی دور رہ کر ایک گھاٹی میں سے گزر رہے تھے۔ یہاں چاروں طرف جنگلی جھاڑیاں اور بانس کے جھنڈ تھے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ میری گھڑی کی چمکدار سوئیاں چار بجا رہی تھیں کہ ایک ٹیلے کی ڈھلان پر دور ریلوے کا سگنل دکھائی دیا۔ اس کی بتی سرخ تھی۔ بنگالی رہنما مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک درے میں داخل ہو گیا۔ یہ درہ ایک تنگ و تاریک گھاٹی سے گزر کر ایک خشک نالے میں اتر گیا تھا۔ نالے سے باہر نکلے تو کچھ فاصلے پر ایک ڈھلوان چھت والے کوارٹر کا خاکہ اندھیرے میں ابھرتا دکھائی دیا۔ بنگالی رہنما نے مجھے اشارہ کر کے وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ وہ خود اونچی نیچی جنگلی گھاس میں چلتا ہوا کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ میں سانس روکے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آ کر مجھے بھی اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ جہاں میری ملاقات ہلی کے مسلمان مگر بھارتی بنگلہ اسٹیشن ماسٹر نذرل سے ہوئی۔ میں نے اسے تھیلا دیا تو اس نے ترکاری نکال کر غور سے اسے دیکھا اور پھر مجھے کوارٹر کی پچھلی کوٹھری میں جا کر آرام کرنے کا اشارہ کیا۔ کوٹھری میں لکڑی کا ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ میں اس پر لیٹ گیا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے لیکن اب تک سارا کام بڑے تسلی بخش انداز میں ہو رہا تھا۔ اس لئے میں قدرے مطمئن بھی تھا۔ میرے بنگالی رہنما نے مجھ سے سو روپے کا پاکستانی نوٹ لیا اور واپس چلا گیا۔ شاید یہ نوٹ اس نے ہلی کے اسٹیشن ماسٹر کو دینا تھا۔

منہ اندھیرے اسٹیشن ماسٹر نذرل نے مجھے چائے پلائی۔ ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا اور اشاروں میں بتانے لگا کہ مجھے اس کے ساتھ چلنا ہو گا۔

وہ مجھے کوارٹر کے پچھلے دروازے سے نکال کر کھیتوں اور ناریل کے جھنڈوں سے گزارتا ہوا ایک ریلوے لائن پر لے آیا جہاں ایک مال گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے ایک ڈبے کی طرف اشارہ کیا تو میں مال گاڑی کے ڈبے میں گھس گیا۔ اندر لکڑی کے بڑے بڑے ڈبے پڑے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر نے اشاروں میں بتایا کہ گاڑی مجھے ڈھاکہ پہنچا دے گی اور میں اس دوران باہر نکلنے کی کوشش نہ کروں۔ اسٹیشن ماسٹر نے مجھے پانی سے بھری ہوئی چھوٹی سی صراحی اور ایک خالی ناریل دیا جو ابلے ہوئے چاولوں سے لبریز تھا۔ وہ ڈبے کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں لکڑی کے ڈبوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ بند ڈبے کی درزوں سے صبح کی روشنی اندر آنے لگی۔ جنوری کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کا موسم خوشگوار تھا۔ دو گھنٹے بعد ڈبہ کھسکنا شروع ہوا اور اسے مال گاڑی کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ مال گاڑی بلی کے ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوئی تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

سارا دن گاڑی چلتی رہی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس نے کئی پل عبور کیے۔ میں نے ناریل میں بھرے ہوئے ابلے چاول نکال کر کھائے اور صراحی سے پانی پی لیا۔ دن کے دو بجے گاڑی کسی ریلوے اسٹیشن پر دیر تک رکی رہی۔ یہاں سے چلی تو اس کی رفتار خاصی تیز ہو گئی۔ دن گزر گیا' رات آ گئی۔ میں ڈبوں کے درمیان ٹانگیں پسار کر تھوڑی ورزش کر لیتا تاکہ بیٹھے بیٹھے ٹانگیں نہ اکڑ جائیں۔ رات کو پھر میں نے باقی ماندہ چاول کھائے اور ایک کھوکھے سے ٹیک لگا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ساری رات گاڑی چلتی رہی۔ بیچ بیچ میں میری آنکھ کھل جاتی اور میں گھڑی پر وقت دیکھ لیتا۔ رات کے تین بج رہے تھے کہ گاڑی کے پہیوں میں ایسی گڑگڑاہٹ شروع ہو گئی جس سے اندازہ ہوا کہ گاڑی کسی ریلوے اسٹیشن کے بہت بڑے یارڈ سے گزر رہی ہے شاید ڈھاکہ کا بڑا ریلوے اسٹیشن آ گیا تھا۔ میں نے ایک درز میں سے باہر دیکھا۔ مجھے روشنیاں پیچھے کی طرف بھاگتی دکھائی دیں۔ یہ مکانوں' کوٹھیوں اور کارخانوں کی روشنیاں تھیں۔ گاڑی کی رفتار کافی کم ہو گئی تھی۔

ریلوے یارڈ سے گزرتے ہوئے مال گاڑی نے نصف گھنٹہ لگا دیا۔ آخر ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ میں نے سوراخ میں سے ایک بار پھر باہر دیکھا۔ پلیٹ فارم کچھ فاصلے پر سامنے کی طرف تھا۔ بیچ میں دو ریلوے لائنیں تھیں۔ اب سب سے بڑا مسئلہ ڈبے سے باہر نکلنے کا تھا۔ ڈبہ باہر سے بند تھا۔ جب تک اسے کوئی باہر سے نہ کھولتا میں نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ شاید ریلوے کے ملازمین تھے اور بنگلہ بول رہے تھے۔ باہر ابھی اندھیرا تھا۔ کوئی شخص ڈبے کے پہیوں پر ہتھوڑے کی ضرب لگاتے گزر گیا۔ میں نے سوراخ کے ساتھ آنکھ چپکا دی۔ مجھے کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔ گاڑی رکنے سے ڈبے میں حبس ہو گیا تھا۔ مجھے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کچھ لوگ پیچھے سے مال گاڑی کے دروازے کھولتے چلے آ رہے ہوں۔ میں ڈبوں کے پیچھے چھپ گیا۔ میرے ڈبے کا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔ یہ ریلوے کے آدمی تھے۔ وہ تیز لہجے میں باتیں کرتے آگے بڑھ

گئے۔ یہ صرف مال گاڑی کے ڈبوں کے دروازے ہی کھول رہے تھے جو میرے لئے آزادی کا پیغام تھا۔

جب آوازیں دور چلی گئیں تو میں نے سر باہر نکال کر دیکھا۔ ریلوے ملازمین کی ایک ٹولی ہاتھ میں لالٹین پکڑے مجھ سے کافی فاصلے پر ایک ڈبے کا دروازہ کھول رہی تھی۔ میں نے موقع غنیمت جان کر ڈبے سے باہر چھلانگ لگا دی اور ریلوے لائن پر گر پڑا۔ جلدی سے خود کو سنبھالا اور دوڑ کر پلیٹ فارم پر چڑھ گیا۔ پلیٹ فارم سنسان تھا۔ میں ایک لمحہ بھی ضائع کیئے بغیر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون سا اسٹیشن ہے۔ میں بنگالی کرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔

چھوٹا سا پل عبور کر کے میں دوسرے پلیٹ فارم پر آگیا۔ یہاں کچھ بنگلہ مسافر مرد اور عورتیں اپنے اپنے سامان کی گٹھریوں کے پاس سو رہے تھے۔ کتابوں اور چائے کے اسٹال بھی تھے۔ ایک جگہ مجھے انگریزی میں کملا پور لکھا ہوا نظر آگیا تو میرے دل میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ڈھاکہ ریلوے اسٹیشن کا نام کملا پور ہی تھا۔ میں ڈھاکے پہنچ چکا تھا۔

میں سیکنڈ کلاس کی انتظار گاہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی مسافر اپنے سامان کے پاس سو رہے تھے۔ میں نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ میں پہلے سے کچھ کمزور ہو گیا تھا اور میرا رنگ بھی سانولا ہو رہا تھا۔ یہاں میں نے ایک بنگالی حجام سے شیو بنوائی۔ اسے سو کا نوٹ دیا تو وہ بولا کہ میرے پاس چھٹا نہیں ہے۔ ٹی اسٹال والے سے ایک روپیہ لے کر حجام کو دیا۔ ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ میں بنگلہ کے بجائے اردو میں بات کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ٹی اسٹال والا بنگالی مجھے مشتبہ بلکہ ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ مجیب الرحمان اور بھارتی حکومت کے کارندوں کی جانب سے مغربی پاکستان والوں کے خلاف چلائی ہوئی مہم کا اثر تھا لیکن ابھی حالات اتنے خراب نہیں ہوئے تھے۔ پلیٹ فارم پر میں نے مغربی پاکستان کے کچھ سپاہیوں کو بھی پہرہ دیتے ہوئے دیکھا۔ میں بھارت کی سرحد پار کر کے مشرقی پاکستان میں داخل ہونے پر بے حد خوش تھا۔ مجھے آزادی اور کشادگی کا ایک نیا احساس ہو رہا تھا۔ میں موت کے منہ سے نکل کر وطن پاک کی سرزمین پر پہنچ گیا تھا۔ میرے پاس سو روپے کے قریب پاکستانی کرنسی تھی۔ ڈھاکہ میرے لئے اپنا... مگر اجنبی شہر تھا۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کسی جگہ تھوڑا بہت کام کر کے ہوائی جہاز کا کرایہ جمع کروں اور ڈھاکہ سے لاہور چلا جاؤں لیکن حالات کیا رخ اختیار کرنے والے تھے اور قسمت میرے لئے کس قسم کے سنسنی خیز واقعات کا تانا بانا بن رہی تھی مجھے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔

میں نے سگریٹ کا ایک پیکٹ خریدا اور سگریٹ سلگا کر ایک خالی بنچ پر غور کرنے لگا کہ مجھے کس جگہ کام مل سکتا ہے۔ میں عادی سگریٹ نوش نہیں تھا۔ بس کبھی کبھی شوقیہ سگریٹ نوشی کر لیا کرتا تھا۔

دن کا اجالا پھیلا تو میں نے سوچا کہ شہر کا رخ کرنا چاہیئے۔ مشرقی پاکستان کے شہروں کے ناموں سے واقف تو تھا مگر یہاں پہلی بار آیا تھا۔ میرے پاس کسی شہر کا ٹکٹ نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ ٹکٹ چیکر،

پلیٹ فارم کے گیٹ پر آکر اپنی ڈیوٹی سنبھالتا' میں ریلوے اسٹیشن کی شاندار ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔

صبح ہو چکی تھی۔ مسافروں کی ریل پیل شروع ہو گئی تھی۔ سائیکل رکشے اور موٹر گاڑیاں مسافروں کو لا رہی تھیں۔ ساڑھی پوش بنگلہ اور بہاری خواتین اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھیں۔ میں نے ایک فوجی سپاہی کو دیکھا جو شکل و صورت سے ہی پنجابی لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اسے پنجابی میں بتایا کہ میں سلہٹ کی ایک ٹی کمپنی میں کام کرتا تھا۔ وہاں سے جواب مل گیا ہے اب کام کی تلاش میں ڈھاکہ آیا ہوں۔ "کیا آپ مجھے یہاں کوئی سستا سا ہوٹل بتا سکتے ہیں جہاں میں کچھ دن رہ سکوں"۔

یہ سپاہی بارھویں پنجاب رجمنٹ کا تھا۔ بڑی خوش اخلاقی سے بولا "یہاں کئی سستے ہوٹل ہیں لیکن آج کل یہاں کے لوگ مغربی پاکستان والوں اور خاص طور پر پنجابیوں کے خلاف ہیں۔ تم ایسا کرو کہ رکشے میں بیٹھ کر محمد پور چلے جاؤ۔ وہ پنجابیوں کا گڑھ ہے۔ وہاں تمہیں سستا ہوٹل بھی مل جائے گا اور ممکن ہے کہیں کام بھی مل جائے"۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور رکشے میں بیٹھ کر اسے محمد پور چلنے کو کہا۔ سائیکل رکشے والا بنگالی تھا۔ رکشہ ڈھاکہ شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتا ہوا ایک کشادہ سڑک پر پہنچا جس کے دونوں طرف بڑی بڑی بلڈنگیں تھیں۔ بیچ میں سبزے کی ایک روش تھی۔ ناریل اور پام کے درخت صبح کی خوشگوار ہوا میں آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ ڈھاکہ کافی خوب صورت اور بڑا شہر تھا۔ رکشہ بائیں طرف گھوم گورنمنٹ ہاؤس کے قریب سے گزرا۔ اس عمارت پر پاکستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ رکشہ ایک بہت بڑے گیٹ میں داخل ہو گیا اس گیٹ کی پیشانی پر اردو اور بنگلہ میں ایوب گیٹ لکھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے مجھے بازاروں میں کہیں کہیں اردو کے بورڈ بھی نظر آ رہے تھے۔ یہاں داخل ہونے کے بعد اردو کے بورڈ کافی تعداد میں نظر آئے۔ رکشہ والے نے بتایا کہ ہم محمد پور میں داخل ہو چکے ہیں۔

محمد پور میں ہی وہ دھان منڈی بھی تھی جہاں عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب الرحمان کا بنگلہ تھا۔ مگر اس علاقے میں مغربی پاکستان کے پنجابیوں کی اکثریت تھی۔ ایک جگہ میں نے خان ہوٹل کا بورڈ دیکھا تو رکشہ والے کو ادھر چلنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اس ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ کمرے کا دروازہ بند کر کے پلنگ پر گر پڑا اور ایسی گہری نیند سویا کہ دوپہر کے دو اڑھائی بجے جا کر کہیں آنکھ کھلی۔ میں ہاتھ منہ دھو کر نیچے آ گیا۔ ایک میز پر بیٹھ کر بھنڈی توری اور روٹی کھائی۔ چائے کا کپ منگوایا اور چائے پیتے ہوئے سوچنے لگا کہ مجھے یہاں کسی سے ملنا چاہیئے تاکہ مجھے کوئی لکھنے پڑھنے کا کام مل جائے اور میں لاہور جانے کا ایئر ٹکٹ حاصل کر سکوں۔

خان ہوٹل کا مالک ملک اللہ یار خان پور مغربی پاکستان کا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ میں نے اس

سے بات کی تو اس نے اوپر سے لے کر نیچے تک میرا جائزہ لیا اور رجسٹر پر کچھ لکھتے ہوئے بولا۔ "بھائی جی! یہاں تو پہلے ہی بڑی بیکاری ہے اور پنجابیوں کو تو یہاں کوئی نوکری نہیں دیتا۔" جب میں نے اسے اپنی مجبوری بتائی اور کہا کہ میں مغربی پاکستان جانے کے لئے کرائے کی رقم جمع کرنا چاہتا ہوں تو کہنے لگا۔ "بھائی جی! تم ایسا کرو کہ یہاں ایک کشمیری نادر بٹ صاحب قالینوں کا کاروبار کرتے ہیں ان سے جا کر ملو' شاید وہاں تمہیں کام مل جائے"۔

میں نادر بٹ کا ایڈریس لے کر محمد پور کے علاقے میں پیدل ہی ان کی دکان کی طرف چل پڑا۔ نادر بٹ کی دکان دو منزلہ کوٹھی نما عمارت میں تھی۔ دکان نچلی منزل پر تھی۔ اوپر ان کی بیوی اور بچے رہتے تھے۔ دکان کے باہر بٹ کارپٹ ہاؤس کا انگریزی میں لکھا ہوا بورڈ لگا ہوا تھا۔ دکان خوب صورت تھی اور قالینوں سے بھری ہوئی تھی۔ نادر بٹ کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی مگر گورا چٹا اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ وہ دکان کے اندر کاؤنٹر پر بیٹھ حساب کتاب میں معروف تھا کہ میں سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ان کا ملازم ایک غیر ملکی گاہک کو قالین کھول کھول کر دکھا رہا تھا۔ میں نے اپنی کہانی بیان کی کہ سلہٹ میں چائے کے ایک دفتر میں ملازم تھا۔ لاہور کا رہنے والا ہوں' اب بیکار ہوں اور کام چاہتا ہوں تاکہ کچھ رقم جوڑ کر واپس لاہور جا سکوں۔

بٹ صاحب مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر مجھ سے پوچھ گچھ کی۔ میرے لاہور والے گھر اور رشتے داروں کے بارے میں پوچھا۔ تعلیمی قابلیت معلوم کی۔ جب میں نے بتایا کہ میں بھی لاہور کی ایک کشمیری فیملی سے تعلق رکھتا ہوں تو انہوں نے مجھے اپنی دکان پر بحیثیت منشی ملازم رکھ لیا۔ تنخواہ اگرچہ بہت کم تھی لیکن مجھے ایک سہارے کی ضرورت تھی اور وہ مجھے مل گیا تھا۔ میری رہائش ہوٹل ہی میں رہی۔ دن کو بٹ صاحب کی دکان پر کام کرتا اور رات کو خان ہوٹل میں جا کر سو جاتا۔

شہر میں کشیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔ عوامی لیگ کے حامی لمبے چوڑے جلوس نکالتے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ یحییٰ حکومت' اسمبلی کا اجلاس طلب کرے۔ مغربی پاکستان میں بھٹو نے 'ادھر ہم ادھر تم' کا نعرہ لگا دیا تھا۔ فروری میں حالات زیادہ خراب ہو گئے۔ ڈھاکہ میں بنگالی اکثریت والے علاقوں سے پنجابی اور بہاری میرپور اور محمد پور کی بستیوں میں منتقل ہونے لگے۔ بنگالی جلوس کی شکل میں مغربی پاکستان کی حکومت کے خلاف نعرے لگاتے۔ محمد پور کی بستی سے گزرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمان کی دھان منڈی والی کوٹھی کی طرف جاتے۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ کوئی بہت بڑا طوفان سر اٹھانے والا ہے۔ بھاشانی گروپ بھی مغربی پاکستان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عوامی لیگ کے مظاہروں میں شریک ہو گیا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ ڈھاکہ سے چٹاگانگ جا کر بحری جہاز پکڑ لوں اور کراچی روانہ ہو جاؤں۔ میں نے اس مقصد کے لئے مزید رقم بچانی شروع کر دی لیکن بدقسمتی سے مارچ میں حالات نے تباہ کن

صورت اختیار کرلی۔ یکم مارچ کو یحییٰ خان نے اعلان کر دیا کہ اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا۔ اس وقت تک مکتی باہنی، طلباء اور بھارتی فوج کے سپاہیوں نے بنگالی شہریوں کے بھیس میں آبادیوں میں جگہ جگہ اپنے خفیہ اڈے اور مورچے قائم کر لئے تھے۔ یحییٰ حکومت کے اس اعلان کے بعد کہ اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا' ڈھاکہ شہر میں لوٹ مار اور آتش زنی کی وارداتیں شروع ہو گئیں۔ غیر بنگالیوں کے گھروں اور دکانوں کو لوٹ کر نذر آتش کیا جانے لگا۔ مشرقی پاکستان کے تقریباً ہر شہر میں غیر بنگالیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ محمد پور اور میرپور صرف اسی لئے ابھی تک بچے ہوئے تھے کہ یہاں آبادی کی اکثریت غیر بنگالی تھی۔ ۲ مارچ کو شہر میں کرفیو لگا دیا گیا۔ اس کے اگلے روز شیخ مجیب الرحمان نے عدم تعاون کی تحریک کا اعلان کر دیا۔ دو گھنٹے کے لئے کرفیو کھلا تو میں نے ایوب گیٹ کے پار بڑے بازار کی طرف جا کر دیکھا تو تمام غیر بنگالیوں کی دکانیں اور مکان نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ بنگالی بھوکے بھیڑیوں کی طرح غراتے پھر رہے تھے۔ غیر بنگالی بھاری تعداد میں ہجوم در ہجوم ایئر پورٹ کی طرف بھاگے جا رہے تھے پاک فوج نے ایئر پورٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بنگالی پولیس اور فوجی رجمنٹیں بغاوت کر کے اسلحہ لے کر مکتی باہنی کے ساتھ جا ملی تھیں۔

بٹ کارپٹ ہاؤس کا کاروبار بھی ٹھپ ہو گیا تھا... غیر ملکی گاہک بھی ادھر کا رخ کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ میرا لاہور واپس جانے کا پروگرام بھی کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ پھر بھی بٹ صاحب نے میرے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر ٹکٹوں کی بلیک ہو رہی تھی اور مسافروں کی ایک بھاری تعداد پہلے سے ہی ویٹنگ لسٹ پر تھی۔ بٹ صاحب نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ حالات جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ پھر تم اطمینان سے مغربی پاکستان چلے جانا۔ میں خود تمہیں ٹکٹ خرید کر دوں گا۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ غیر بنگالیوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ بنگالی طلباء نے جب دیکھا کہ مغربی پاکستان کے لوگ ایئر پورٹ کی طرف بھاگ رہے ہیں تو انہوں نے ایوب گیٹ کے سامنے والی بڑی سڑک پر باقاعدہ چوکی بنا لی اور ایئر پورٹ کی طرف جانے والوں کا سامان لوٹنے لگے۔ پہلے ہی روز پنجابیوں کو روکا گیا تو انہوں نے اپنا سامان چیک کروانے سے انکار کر دیا۔ ایک بنگالی نے چاقو سے ایک پنجابی کی آنکھیں نکال دیں۔ دوسرا بھاگا تو اسے ہجوم نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ راجشاہی' چٹاگانگ' بوگرا۔ رنگ پور' سلہٹ اور دوسرے اہم شہروں سے بھی اسی قسم کی بھیانک خبریں آ رہی تھیں۔ مجیب نے اعلان کر دیا کہ کوئی سرکاری ملازم کام پر نہ جائے۔

اسی دن سے مغربی پاکستان کی طرف جہازوں کی پرواز بھی بند ہو گئی۔ کرفیو پر کرفیو لگنے لگے ہم محمد پور میں بند ہو کر رہ گئے۔ کرفیو کھلتا تب بھی شہر کے کسی دوسرے علاقے میں جانے کی ہمت نہ پڑتی۔ ہر طرف لوٹ مار' آتش زنی' اغوا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ لاقانونیت کا یہ عالم تھا کہ مشتعل بنگالیوں نے مغربی پاکستان کے فوجیوں پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ جب کہ فوج ابھی تک

کمال ضبط و تحمل سے کام لے رہی تھی۔ دراصل فوج یحییٰ حکومت کی طرف دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ اس تباہی کا کوئی سیاسی حل نکالے... مگر یحییٰ اپنے ہی حال میں مگن حالات کی سنگینی سے بے خبر پڑا تھا کوئی مغربی پاکستانی بنک سے روپیہ نہیں نکال سکتا تھا۔ ان کا سرمایہ منجمد کر دیا گیا تھا۔ شیخ مجیب نے بنگلہ دیش کا پرچم لہرا کر، مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کر کے ایک علیحدہ بنگلہ ملک بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ چاروں طرف آگ ہی آگ بھڑک رہی تھی۔ نفرت کی آگ، بہیمیت کی آگ اور درندگی کی آگ... مجھے بار بار خیال آتا کہ میں یہاں آکر کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مشرقی پنجاب کی جانب سے سرحد پار کرنے کی کوشش کرتا۔ جب کہ میں ہزاروں میل دور وحشی درندوں کے درمیان ایک پنجرے میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔

محمد پور کے غیر بنگالی اپنی جانیں بچانے کے لئے رات کو پہرہ دیتے۔ یہاں بنگالیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے یہ اور میرپور کی بستی ابھی تک محفوظ تھی۔ ایک دن کرفیو کھلا تو میں بنگالی لباس پہن کر بٹ صاحب کو بتائے بغیر رکشے میں سوار ہوا اور ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ چونکہ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا اور لباس بنگالیوں ایسا تھا اس لئے چیک پوسٹ پر مجھے کسی نے نہ پوچھا لیکن بعد میں احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ کیونکہ میرا رنگ غیر بنگالی ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ ایئر پورٹ پہنچا تو ۱۹۴۷ء کے مہاجرین کی جو تصویریں اخباروں میں دیکھی تھیں وہ یاد آگئیں۔ پنجابی، بہاری اور پٹھان کنبے ہجوم کی شکل میں وہاں پڑے ہوئے تھے۔ اس سارے علاقے کو پاک فوج کے جوانوں نے اپنے قبضے میں لے کر یہاں مورچے بنا رکھے تھے جس کی وجہ سے ان کنبوں کی جانیں بچی ہوئی تھیں۔ یہاں سے ڈھاکہ چھاؤنی کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ سڑک پر ایک رکاوٹ کھڑی تھی۔ جو کار وغیرہ چھاؤنی میں داخل ہوتی، اس کی تلاشی لی جاتی اور اس کے بونٹ پر سے سیاہ جھنڈا اتروا لیا جاتا۔ یہاں مجھے پاک فوج کے ایک صوبیدار میجر سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس کی آنکھیں رنج و غم سے سرخ ہو رہی تھیں۔ کہنے لگا۔ "یحییٰ خان نے ہمارے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہو گا"۔ دفعتاً ایک سیاہ مورس وہاں آکر رکی۔ اس میں، ایک بزرگ کی آغوش میں ایک دبلی پتلی لڑکی نیم جان پڑی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسے مکتی باہنی والوں کے چنگل سے چھڑا کر لایا گیا ہے۔ صوبیدار میجر سر تھام کر ایک کھوکھے پر بیٹھ گیا۔ میں وہاں سے محمد پور کے لئے روانہ ہوا تو میں بھی رکشہ لیتے ہوئے گھبرا رہا تھا لیکن محمد پور پیدل جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اب تو فوج کو بھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں نے محمد پور سے نکل کر سخت حماقت کی ہو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ رکشہ والے بنگالی کھڑے تھے۔ میں نے محمد پور کا نام لینے کی بجائے ایک بنگالی رکشے والے سے کہا کہ دھان منڈی لے چلو۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور انہیں بنگالی زبان میں کچھ کہا۔ میرے دل نے کہا کہ اس رکشے میں نہ بیٹھو لیکن اس وقت تک رکشہ سڑک پر

دوڑنے لگا تھا۔

رکشہ چوک کے قریب پہنچا تو وہاں لوگ پیٹرول کی بوتلیں پھینک کر ایک مکان کو آگ لگا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی غیر بنگالی کا مکان تھا۔ رکشہ بان نے کہا " بابو ادھر گڑبڑ ہے دوسری سڑک پر سے چلے گا "۔ وہ رکشے کو موڑ کر ایک بغلی سڑک پر آ گیا۔ میں اسے بھلا کیسے منع کرتا؟ چوک میں بنگالی غنڈے آگ اور خون کا کھیل ' کھیل رہے تھے۔ اس طرف جانا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا۔ اگرچہ میرا لباس بنگالیوں ایسا تھا مگر شکل و صورت اور وضع قطع سے میں صاف پنجابی لگتا تھا۔ پھر مجھے بنگالی بھی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ میں نے رکشے والے کو کچھ بھی نہ کہا لیکن دل میں ڈر گیا کہ یہ رکشے والا بھی بنگالی ہے اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کوئی بات بھی کی تھی۔ کم بخت کہیں مکتی باہنی گروہ کے حوالے نہ کر دے۔ مرکشا دو تین ذیلی سڑکوں سے گزر کر ایک ایسی سڑک پر آ گیا جو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھی تھی۔ یہاں ایک طرف پانی کی بہت بڑی ٹینکی تھی۔ میں نے رکشہ والے سے پوچھا وہ کس طرف آ گیا ہے؟ اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا " بابو اادھر خطرہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں گھر پہنچا دے گا "۔

بنگالی نوجوانوں کی ایک ٹولی فٹ پاتھ پر لاٹھیاں اٹھائے کھڑی تھی۔ میرا رکشہ ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ میں رکشے میں سمٹ کر بیٹھا رہا۔ رکشہ ان سے تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ ایک دھماکہ ہوا اور رکشہ اچھل پڑا۔ میرے پیچھے بارود کا دھواں ہی دھواں پھیل گیا تھا۔ رکشہ ڈرائیور نے رکشے کو گرتے گرتے سنبھال لیا اور چیخ کر بولا " بابو۔ بم مارا ہے "۔ اور اس کے ساتھ اس نے رکشے کو سارا زور لگا کر چلانا شروع کر دیا۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے دشمن کے مورچوں میں گھس کر ان کی بڑی بڑی توپیں بموں سے اڑا دی تھیں مگر اتنی گھبراہٹ اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی۔ ایک عجیب صورت حال تھی۔ موت مجھ سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔

بنگالی رکشہ ڈرائیور رکشے کو طوفانی رفتار سے چلاتے ہوئے خدا جانے کدھر کدھر گھماتا ہوا کہاں کا کہاں جا نکلا تھا۔ اوپر سے شام ہو رہی تھی۔ مجھے فکر لاحق ہو گئی کہ خدا جانے زندہ محمد پور پہنچ بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں نے رکشہ والے سے کہا کہ وہ مجھے کہاں لے آیا ہے؟ ہم ایک ایسی چھوٹی سی نیم پختہ سڑک پر کھڑے تھے جس کے ایک جانب گندا نالہ تھا اور دوسری طرف پرانی وضع کے مکان بنے ہوئے تھے۔ یہ ساری بنگلہ آبادی تھی۔ رکشہ والے نے کہا " بابو میں مسلمان ہوں۔ جانتا ہوں تم بھی مسلمان ہو اور پنجابی ہو۔ تم قالین والوں کے ہاں کام کرتے ہو "۔

" میرے بدن میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔ خدا جانے یہ بنگالی رکشہ ڈرائیور گھیر کر مجھے کسی دشمن علاقے میں لے آیا ہے... لیکن اس کی باتوں سے مجھے کچھ حوصلہ ہو گیا تھا۔ اس نے رکشا آگے

بڑھا دیا۔ ہم گندے نالے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ آگے پل آگیا۔ ابھی ہمارا رکشا پل سے کچھ فاصلے پر تھا کہ پل پر دھماکہ ہوا۔ بنگالی رکشا والے نے رکشا روک لایا اور نیچے اتر آیا۔ پل پر میں نے آدمیوں کا ایک ہجوم دیکھا جو ایک عورت اور ایک آدمی کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دونوں کی گردنیں کاٹ کر لاشیں گندے نالے میں پھینک دیں۔ رکشا ڈرائیور نے تیزی سے رکشے کو پیچھے موڑا اور جلدی جلدی پاؤں مارتا ہوا اس کچی سڑک پر آگیا۔ جہاں پرانی طرز کے مکان تھے اور بنگالی بچے باہر کھیل رہے تھے۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا" بابو... یہ... یہ مکتی باہنی والے ہیں"۔

سائیکل رکشا نیم پختہ سڑک پر ہچکولے کھاتا تیزی سے مکانوں کی قطار کے پیچھے مڑ گیا۔ پھر ایک بوسیدہ بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ رکشا ڈرائیور نے مجھے اترنے کو کہا۔ میں اس کے... رحم و کرم پر تھا۔ اس کی بات ماننے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ مجھے مکتی باہنی والوں کا ساتھی لگنے لگا تھا۔ میں نے اس سے اردو میں صرف اتنا پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے آیا ہے؟

بنگالی رکشا ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ احاطے میں ایک تاریک زینہ اوپر جاتا تھا۔" بابو! ابھی باہر خطرہ ہے۔ اوپر آ جاؤ"۔

میرے لئے تو اوپر بھی خطرہ تھا لیکن دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ زینہ چڑھنے لگا۔ ایک دبلی سی سفید ساڑھی پوش عورت مجھے دیکھتے ہی ایک طرف ہٹ کر اپنے ہاتھ ساڑھی کے پلو سے پونچھنے لگی۔ وہ برتن دھو رہی تھی۔ بنگالی رکشا ڈرائیور نے اسے بنگلہ زبان میں جلدی جلدی کچھ کہا اور پھر مجھے کمرے میں لے جا کر تخت پر بٹھا دیا۔ وہ خود کھڑکی میں سے نیچے جھانکنے لگا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی اور ساڑھی پوش عور کو آواز دی۔ جو اس کی بیوی تھی۔ وہ میرے لئے چائے بنا کر لے آئی۔

" میر نام لال میاں ہے۔ یہ میری بیوی جولیخا (زلیخا) ہے اس وقت تمہارا باہر نکلنا خطرناک ہے۔ تم رات یہاں رہو۔ صبح صبح تمہیں محمد پور چھوڑ آؤں گا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس کا گھر بھی میرے لئے محفوظ نہیں ہے۔ مکتی باہنی والے یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ وہ بولا" ہم تمہیں چھپا دیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جاگ کر پہرہ دوں گا"۔

ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی تھی۔ میں اس وقت کو کوسنے لگا' جب گھر سے ایئرپورٹ کے لیے نکلا تھا۔ مجھے حالات کی سنگینی کا احساس تھا۔ تھوڑی دیر قبل میں اپنی آنکھوں سے ایک غیر بنگالی عورت اور مرد کو قتل ہوتے دیکھ چکا تھا۔ یہ قتل عام پورے مشرقی پاکستان میں جاری تھا۔

رات کے اندھیرے نے باہر نیم پختہ سڑک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کہیں کہیں کھمبے پر کوئی مدھم سی بتی جل رہی تھی۔ لال میاں نے مجھے دال بھات کھلایا۔ مجھے نادر بٹ صاحب کا خیال آنے لگا۔ وہ یقیناً میرے بارے میں پریشان ہوں گے اور جب رات کو ان کے پاس نہیں پہنچوں گا تو وہ

یہی سمجھیں گے کہ میرے ساتھ کوئی بھیانک حادثہ ہو گیا۔ لال میاں باہر دالان میں چولہے کے پاس بیٹھا' اپنی بیوی سے چائے بنوا رہا تھا کہ اچانک نیچے شور ہوا۔ لال میاں لپک کر میرے کمرے میں آیا۔ اس نے کھڑکی کھول کر نیچے دیکھا کسی نے نیچے سے آواز دی۔ لال میاں نے اوپر سے جواب دیا۔ باتیں بنگلہ زبان میں ہو رہی تھیں۔ جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی اور بولا " وہ محلے کے آدمی ہیں۔ وہ علاقے میں غیر بنگالیوں کو قتل کرنا اور ان کے مکان لوٹنے کے لئے مجھے ساتھ لے جانے آئے ہیں۔ تم گھبرانا نہیں' بابو میری جولیخا پہرہ دے گی۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ شاید وہ غنڈوں کو ہر ممکن جلدی اپنے مکان سے آگے لے جانا چاہتا تھا۔ میں کمرے میں خاموش بیٹھا رہا۔ زلیخا نے مجھے چائے لا کر دی اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں مجھے حوصلہ دیا اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا۔

مکان کے نیچے غنڈوں کا شور آگے نکل گیا تھا۔ پھر خاموشی گہری ہوتی گئی۔ ایک گھنٹے بعد کرفیو کا سائرن بج اٹھا۔ شہر میں کرفیو لگ گیا تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ کرفیو لگنے کے باوجود فوج گشت نہیں کرتی تھی۔ فوج کو تو شہر میں داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ پاک فوج صرف چھاؤنی کے علاقے تک ہی محدود تھی۔ چنانچہ کرفیو کے بعد غنڈہ عناصر مکتی باہنی کے ساتھ مل کر غیر بنگالیوں کے بچے کھچے گھروں پر دھاوا بول دیتے۔ مردوں کو وہیں قتل کر دیتے۔ عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے اور مکان لوٹ کر انہیں آگ لگا دیتے' یہ لاقانونیت اور بربریت کھلے بندوں ہو رہی تھی۔ یحییٰ حکومت حالات کے آگے بے بس تھی۔

لال میاں آدھی رات کو واپس آیا۔ میں جاگ رہا تھا۔ اس کی بیوی زلیخا بھی جاگ رہی تھی۔ لال میاں نے بتایا کہ مکتی باہنی والوں میں اکثریت بھارتی فوجیوں کی ہے جو مکتی باہنی کا بھیس بدل کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ مگر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بنگالی مسلمان بھی بھارتی پراپیگنڈے کے زہریلے اثر میں بہہ گئے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے "۔

ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ جب دور کسی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو لال میاں نے میرے کمرے میں آکر کہا " بابو منہ ہاتھ دھو لو۔ ہم ابھی چلیں گے "۔

میں نے غسل خانے میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور باہر آکر لال میاں سے کہا۔ " ابھی تو کرفیو لگا ہے "۔

" اذان ہوئی ہے۔ ابھی کرفیو کھل جائے گا "۔ لال میاں نے کہا۔

چند لمحوں کے بعد کرفیو کھلنے کا سائرن ہوا۔ لال میاں مجھے لے کر نیچے آگیا۔ بلڈنگ کے احاطے میں ایک طرف اس کی ... سائیکل رکشا کھڑی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ لال میاں نے احاطے سے باہر سڑک پر جا کر صورت حال کا جائزہ لیا۔ پھر لپک کر آیا اور بولا۔ " سڑک خالی ہے' بیٹھ جاؤ۔ ہم محمد

پور جائیں گے"۔

میں کلمہ شریف کا ورد کرتا ہوا رکشے میں بیٹھ گیا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں پچھلے پہر کے پھیکے اندھیرے میں سے گزرتا ہوا محمد پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے لئے یہ سارے راستے انجانے تھے۔ لال میاں رکشے کو کبھی تیز کر دیتا اور کبھی آہستہ آہستہ چلانے لگتا۔ کئی چھوٹی چھوٹی ویران گلیوں سے گزر کر جب وہ بڑی سڑک پر آیا تو میں نے اس سڑک کو پہچان لیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کوئی دکان ٹوٹی ہوئی دکھائی دیتی۔ جس کا سامان باہر بکھرا ہوا ہوتا۔ یہ سڑک آگے جا کر ایوب گیٹ کی طرف مڑ جاتی تھی۔ وہاں سے ہمیں محمد پور میں داخل ہونا تھا۔ جب رکشا موڑ سے گھوما تو ایک طرف سے دو آدمی سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں اور وہ پولیس کی وردی میں تھے۔ لال میاں نے انہیں دیکھتے ہی رکشے کی رفتار تیز کر دی۔ دونوں آدمی ہمارے رکشے کی طرف بھاگے۔ رکشا اور تیز ہو گیا۔ لال میاں گدی کے اوپر لیٹ گیا اور طوفانی انداز میں پیڈل چلانے لگا۔ پیچھے سے رکشے پر ایک لاٹھی زور سے لگی۔ میں نے سر نیچے کر لیا۔ رکشا طوفانی رفتار کے ساتھ ایوب گیٹ میں سے گزر کر محمد پور میں داخل ہو گیا۔ لال میاں نے رفتار کم نہ کی۔ میونسپل ہال کی ایک منزلہ عمارت کے پاس کچھ غیر بنگالی نماز کے لئے مسجد کی طرف جاتے نظر آئے۔ لال میاں نے پیڈل چلانا بند کر دیے۔ وہ بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا۔ دونوں بنگالی پولیس والے غائب ہو چکے تھے۔

لال میاں نے ایک مسجد کے آگے جا کر رکشا روک لیا اور اتر کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ میں بھی اتر کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب اس کی سانس درست ہوئی تو بولا۔ "مکتی باہنی والے تھے۔ میں انہیں پہچانتا ہوں۔ خدا نے تمہیں بچا لیا"۔

میں نے لال میاں کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے دبایا اور کہا کہ وہ ایک سچا مسلمان ہے اور میں اس کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔

"بابو۔ تمہیں کس مکان پر جانا ہے۔ چلو تمہیں چھوڑ آؤں"۔

میں نے کہا کہ میں اپنے علاقے میں ہوں۔ مگر تم ابھی مت جاؤ۔ وہ مکتی باہنی والے تمہیں پکڑ لیں گے۔

وہ مسکرایا "بابو، میں اب دھان منڈی کی طرف سے جاؤں گا"۔

میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اسے دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کھڑے ہو کر بولا "بابو سارے بنگالی ایسے نہیں ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ رکشے پر سوار ہوا اور میرے دیکھتے دیکھتے دھان منڈی کی طرف جاتی گلیوں میں... غائب ہو گیا۔

میرا دل مفلوک الحال، مگر سچے بنگالی مسلمان کی محبت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر مجھے ایک سے زیادہ مرتبہ موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔

نادر بٹ صاحب نے مجھے اپنے سامنے دیکھا تو یااللہ تیرا شکر ہے، کہہ کر مجھے گلے سے لگالیا۔" تم کہاں چلے گئے تھے؟ ہم تمہاری زندگی سے مایوس ہو چکے تھے"۔

میں نے انہیں مختصر الفاظ میں اپنی روداد سنائی اور واپس خان ہوٹل آگیا۔ میں اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹا ہی تھا کہ دھان منڈی کی طرف دھماکہ ہوا اور پھر پرندوں کا شور سنائی دینے لگا۔ لوگ مکانوں سے باہر نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ مکتی باہنی والوں نے اقبال اسکول پر بم مارا ہے۔ پھر دن نکل آیا اور میں نے سونے کی بجائے غسل کرکے کپڑے بدلے، ناشتہ کیا اور بٹ کارپٹ ہاؤس پہنچ گیا۔

حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ محمد پور بستی میں ہمارے قریب ہی چٹاگانگ سے ایک فیملی آئی، جن کی تین جوان لڑکیوں کو اغوا کرلیا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔ وہ بہاری لوگ تھے۔ ایک عرصے سے مشرقی پاکستان میں مقیم تھے۔ روانی سے بنگلہ بولتے تھے۔ مگر ان کا کہنا تھا کہ بنگالی ان کے لہجے سے پہچان جاتے ہیں کہ وہ بہاری ہیں۔ ان کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ مکتی باہنی والے چٹاگانگ کے گرلز ہوسٹل سے تمام لڑکیاں اغوا کرکے لے گئے ہیں۔ بربریت کے بھیانک سائے اب محمد پور کی طرف بھی بڑھ رہے تھے۔ میرپور بہاری بستی کی جانب سے بھی بڑی ہولناک خبریں آرہی تھیں۔ ان کا پانی بند کردیا گیا تھا۔ بٹ صاحب نے مجھے اپنی دکان پر بلوالیا تھا۔ میں رات کو ان کے شوروم میں سوتا۔ وہ اوپر والی منزل میں کھڑکیاں دروازے بند کرکے سوتے تھے۔

شوروم کے دروازے کے اندر کی جانب رات کو ایک الماری رکھ دی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ غیر بنگالی اکثر علاقہ تھا لیکن تباہی کے منحوس سائے اس پر بھی منڈلانے لگے تھے۔ ساری ساری رات مکتی باہنی والوں کے اشتعال انگیز نعروں کی آوازیں آتی رہتیں بموں کے دھماکے ہوتے رہتے۔ سب کی نیندیں اڑگئی تھیں۔ لوگ محمد پور کے علاقے سے باہر جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔

مارچ کے شروع میں محمد پور بستی کے کنارے والی آبادی پر حملے شروع ہوگئے اور لوگ جانیں بچا کر بستی کے اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ پاک فوج کو ابھی تک چھاؤنی سے باہر آنے کی اجازت نہیں تھی محمد پور کے اقبال اسکول پر مکتی باہنی نے قبضہ کرلیا تھا۔ یہاں قتل گاہ مہاجرین بنادی گئی۔ جہاں باہر سے غیر بنگالیوں کو پکڑ کر لایا جاتا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کردیا جاتا تھا۔ ساری بستی خوف و ہراس میں ڈوب گئی۔ نادر بٹ ہر وقت پستول لگائے رہتے۔ پندرہ مارچ کی رات کو ہمارے شوروم پر رائفل سے فائرنگ ہوئی، نادر بٹ صاحب کی ٹویوٹا گاڑی شوروم کے سامنے کھڑی رہتی تھی۔ ایک رات مکتی باہنی والے اسے گھسیٹ کر لے گئے۔ ٹیلی فون کا سلسلہ کئی روز سے منقطع تھا۔ اگر ٹیوب ویل بستی کے اندر نہ ہوتا تو پانی بھی بند ہوجاتا۔ بجلی کا سلسلہ دن رات میں کئی بار ٹوٹ جاتا تھا۔ دھان منڈی کی طرف بنگالیوں نے اپنے مکانوں پر بنگلہ دیش کے پرچم لہرادیئے تھے۔ رات رات بھر بنگلہ دیش کے نعروں کی آوازیں آتیں اور پھر بموں کے دھماکے شروع ہوجاتے۔ قتل، لوٹ مار، آتش

زنی اور بربریت کے واقعات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ آگ اب ہمارے علاقے تک پہنچ گئی تھی۔ دس مکان چھوڑ کر ایک بہاری وکیل کے مکان پر رات کو گولا پھٹا اور آگ لگ گئی۔

آخر پچیس مارچ کی رات آ گئی۔ میں نادر بٹ اور ان کے دو ملازم' جو وہیں سوتے تھے۔ ریڈیو کھولے خبریں سن رہے تھے کہ اچانک بجلی فیل ہو گئی۔ بند کھڑکی کی درزوں سے باہر دیکھا۔ سارا علاقہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہم اندھیرے میں ہی بیٹھے رہے۔ نادر بٹ اوپر اپنی فیملی کے پاس انہیں تسلی دینے چلے گئے۔ ٹھیک ایک بجے رات ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ نادر بٹ ہمارے پاس ہی اندھیرے میں بیٹھے تھے۔ ان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ " یہ توپ کا گولا ہے۔ شاید فوج حرکت میں آ گئی ہے۔" اس کے ساتھ ہی گولوں کے دھماکے شروع ہو گئے۔ " پھر نعرہ تکبیر اللہ اکبر اور پاکستان زندہ باد "۔ کی آوازیں سنائی دیں۔۔

ہمارے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ مشین گن کی فائرنگ ہونے لگی۔ ایک گھنٹے بعد پاک فوج کی گاڑیاں محمد پور کی بستی میں پہنچ گئیں۔ لوگ پاک فوج زندہ باد' پاکستان زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے گھروں سے نکل آئے۔ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا کہ مکانوں پر سے بنگلہ دیش کے پرچم اتار دیئے جائیں۔ شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

چھبیس مارچ کو سورج طلوع ہوا تو ہمیں محسوس ہوا کہ ہم ایک بار پھر پاکستان کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ گاڑیاں سڑکوں پر چلنے لگیں۔ شہر کی زندگی انتیس مارچ تک معمول پر آ گئی تھی۔ مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں اور خاص طور پر سرحدوں پر پاکستان کی سالمیت کو بچانے کی جنگ جاری تھی پل ٹوٹ رہے تھے۔ کارخانوں' دفتروں اور بینکوں سے شرپسند لوگ بھاگ گئے تھے۔ مغربی پاکستان سے فوج اور ٹیکنیکل اسٹاف کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ فوج کا تحفظ ملا تو ایئرپورٹ پر اٹھے ہوئے لوگ واپس اپنے گھروں میں آ گئے جو بنگالی اپنی دکانیں چھوڑ کر... بھاگ گئے تھے۔ ان کی دکانیں دوسرے لوگوں کو الاٹ ہونا شروع ہو گئیں تاکہ شہری زندگی کا کاروبار معمول پر آ جائے۔

پی آئی اے کی سروس بھی بحال ہو گئی۔ میں نے نادر بٹ سے درخواست کی کہ وہ مجھے ہوائی جہاز کا ٹکٹ لے دیں تاکہ میں کراچی واپس چلا جاؤں۔ انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ " برخوردار اب تمہیں اپنا ملک چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ حالات ٹھیک ہو گئے ہیں۔ یہ بھی اپنا ہی پاکستان ہے۔ شہر میں دکانیں خالی پڑی ہیں۔ فارم گیٹ کے پاس نوادرات کی ایک دکان ہندو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ میں تمہیں یہ دکان الاٹ کروا دیتا ہوں۔ تم یہاں اپنا کاروبار کیوں نہیں شروع کر دیتے؟ اس وقت بڑا سنہرا موقع ہے۔ لاکھوں میں کھیلنے لگو گے "۔

میں نے روپے پیسے کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا لیکن نہ جانے اس وقت یہ خیال کہاں سے میرے دماغ میں آ گیا کہ میں اگر نادر بٹ کے مشورے پر عمل کروں تو واقعی لاکھوں

روپے کما سکتا ہوں ۔ میں شہر میں چل پھر کر بھری ہوئی ایسی دکانیں دیکھ چکا تھا۔ جو لوگوں کو اونے پونے الاٹ ہو رہی تھیں ۔ نادر بٹ اثر رسوخ والے آدمی تھے ۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بڑی آسانی سے مجھے ہندو کی نوادرات کی دکان الاٹ کروا دیں گے ۔ حالات بھی بالکل معمول پر آگئے تھے ۔ کم از کم ڈھاکے میں تو ہر طرف امن و امان تھا اور مکمل پاکستانی فضا قائم تھی ۔ نادر بٹ نے مستقبل کی کچھ ایسی روشن جھلکیاں پیش کیں کہ میں نے سوچا' میں لاہور جا کر کہاں نوکری ڈھونڈتا پھروں گا جبکہ میں دیکھ رہا تھا کہ لاہور اور کراچی سے لوگ ڈھاکے آ کر دکانیں وغیرہ الاٹ کروا رہے تھے ۔ چنانچہ میں نے دولت کمانے کے لالچ میں آ کر اور اپنے سامنے دولت پیدا کرنے کا میدان صاف دیکھ کر حامی بھر لی ۔

نادر بٹ مجھے ایک فوجی افسر کے پاس لے گئے ۔ جس نے مجھے فارم گیٹ والے مفرور شرپسند پاکستان دشمن ہندو بنگالی کی دکان الاٹ کر دی ۔ کچھ رقم کا چیک معاوضے کے طور پر بٹ صاحب نے لکھ کر دے دیا ۔ وہ مجھے لے کر نوادرات کی دکان پر گئے ۔ ہمارے ساتھ چند فوجی افسر بھی تھے ۔ دکان کا قبضہ مجھے دے دیا گیا۔ دکان آدھی لوٹی جا چکی تھی ۔ پھر بھی اس میں کانسی کے قیمتی تھال' گلدان' قالین اور دوسرے نوادرات موجود تھے ۔ میں نے ایک بہاری لڑکا نوکر رکھ لیا اور کاروبار شروع کر دیا ۔ حالات چونکہ معمول پر آ چکے تھے ۔ اس لئے دکان چل نکلی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے میری آمدنی میں اضافہ ہو تا گیا۔ نوادرات کا سامان زیادہ تر مینامتی اور چٹاگانگ کے شہروں سے آتا تھا۔ مگر وہاں حالات بہت کشیدہ تھے اور ہماری فوج مکتی باہنی اور بھارتی کمانڈوز کے خلاف زبردست گوریلا جنگ لڑنے میں مصروف تھی ۔ اس وجہ سے ان شہروں سے نوادرات کا سلسلہ منقطع تھا۔ بٹ صاحب نے میری دکان میں قالین لا کر ڈال دیئے اور میں نے ان قالینوں کی تجارت شروع کر دی ۔ اس تجارت نے چند مہینوں میں ہی مجھے مالا مال کر دیا ۔ دولت کی ریل پیل ہو گئی ۔ میں نے ائر کنڈیشنڈ گاڑی رکھ لی ۔ ڈھاکے کے فیشن ایبل علاقے گلشن میں ایک چھوٹی سی پر فضا کوٹھی خرید لی ۔ بٹ صاحب کبھی کبھی مجھے نصیحت کرتے کہ میں روپیہ بے دریغ خرچ کرنے کی بجائے بچا کر رکھا کروں ۔ بٹ صاحب کا کاروبار مجھ سے دس قدم آگے تھا اور وہ لاکھوں میں کھیل رہے تھے ۔ مگر وہ بڑے کفایت شعار تھے اور انہوں نے اپنی ساری دولت کراچی کے ایک غیر ملکی بینک میں جمع کروا رکھی تھی ۔ میرا کون تھا ۔ جس کے لئے دولت بچا بچا کر رکھتا۔ چنانچہ مجھ پر ان کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا اور میں عیاشیوں میں پڑ گیا۔ میرے اندر کا جفاکش کمانڈو شیر پنجاب پھر گہری نیند سو گیا تھا۔

سرحدی علاقوں میں صورت حال بگڑتی جا رہی تھی ۔ ہم اس صورت حال سے بے خبر تھے ۔ کبھی کبھی اس قسم کی افواہیں ضرور سنتے کہ بھارتی فوج سادہ لباس میں مشرقی پاکستان کی سرحدوں میں گھس آئی ہے اور مکتی باہنی کے شانہ بشانہ لڑ رہی ہے ۔ ایک بار یہ افواہ بھی سنی کہ راجشاہی میں پاکستانی فوج کی ایک پوری کمپنی کو مکتی باہنی والوں نے شہید کر دیا ہے لیکن مغربی پاکستان سے باقاعدہ کمک پہنچ

رہی تھی۔ اس لئے ہم اپنی جگہ مطمئن تھے اور زندگی کا کاروبار معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔

اگست، ستمبر میں ڈھاکہ موسلا دھار بارشوں کی زد میں ہوتا ہے۔ میں نے اپنی گلشن والی کوٹھی میں زندگی کی ہر آسائش جمع کر رکھی تھی۔ کون سی ایسی نعمت تھی، جو میرے پاس نہیں تھی۔ شو روم پر میرا منیجر اور دوسرے نوکر بیٹھتے تھے۔ میرا زیادہ وقت اپنی کوٹھی کے ائر کنڈیشنڈ کمرے میں میوزک سنتے، پروجیکٹر پر غیر ملکی فلمیں دیکھتے اور اونچی سوسائٹی کی خواتین کی دعوتیں کرتے گزرتا تھا۔ میں جو کماتا اسے اڑا دیتا تھا۔ اکتوبر کا مہینہ آیا تو سرحدی شہروں سے تشویش انگیز خبریں آنے لگیں۔ مکتی باہنی کی تخریبی سرگرمیاں ایک بار پھر شروع ہو گئیں۔ اگرچہ ڈھاکہ میں امن و امان تھا۔ مگر دوسرے شہروں میں حالات بدتر ہو رہے تھے اور وہاں سے ایک بار پھر غیر بنگالیوں کی ہجرت شروع ہو گئی تھی۔

ایک رات بٹ صاحب میرے ہاں آئے۔ وہ کچھ پریشان تھے۔ انہوں نے بتایا کہ سیاست دانوں کی ناسمجھی اور خود غرضی کی وجہ سے ملکی حالات اچھے نہیں ہیں۔ فضا میں کوئی بہت بڑا خطرہ منڈلا رہا ہے اور سرحدوں پر ہماری فوج کسمپرسی کے عالم میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ میں بھی فکر مند ہوا اور فوراً تجویز پیش کی کہ ہمیں سارا کاروبار ٹھکانے لگا کر یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ بٹ صاحب ہنس پڑے۔ "دیکھا مال کتنا پیارا ہوتا ہے۔ برخوردار ابھی حالات اس مقام تک نہیں پہنچے اور پہنچیں گے بھی نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم صرف ایک کام کرو۔ جس کے لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ ادائیگیاں روک دو اور وصولیاں شروع کر دو۔ سارا روپیہ کسی غیر ملکی بینک میں جمع کرا دو"۔

میں نے بٹ صاحب کی تجویز پر عمل شروع کر دیا۔ دس پندرہ روز میں اندر اندر میں نے مارکیٹ میں جتنا سرمایہ پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سے تقریباً آدھا اکٹھا کر لیا۔ جب اسے اپنے بینک سے نکلوا کر ایک غیر ملکی بینک میں جمع کروانے کی کوشش کی تو میرے بینک کی بنگلہ شاخ نے روپیہ غیر ملکی بینک میں منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ میں بینک کے خلاف نوٹس بھجوانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ مغربی پاکستان کی سرحد پر بھارت نے حملہ کر دیا۔ مغربی پاکستان میں باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ ڈھاکہ میں پاکستان کے حق میں اور اس کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ مشرقی پاکستان کے محب وطن لوگوں کا خیال تھا کہ جنگ صرف مغربی پاکستان کے محاذ پر ہو رہی ہے۔ اس لئے مشرقی پاکستان کے محاذ پر بھارت کی کارروائیاں کمزور پڑ جائیں گی اور پاکستانی فوج .... سرحدوں کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ بھارت اب یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح پاکستان مشرقی محاذ پر بھی جنگ کا اعلان کر دے۔ آخر اس کی خواہش پوری ہو گئی اور مشرقی پاکستان نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ بھارت نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان فضائی راستہ منقطع کر دیا۔ ہماری فوج مشرقی پاکستان میں محصور ہو کر رہ گئی۔ پھر بھی ہمارے بہادر جوان ہر محاذ پر بھارتی یلغار کو روک رہے تھے اور اپنی جانوں کے نذرانے دے رہے تھے۔ ڈھاکہ پر تین دسمبر کو بھارتی بمباروں نے بم گرائے۔ ہمارے لڑاکا طیاروں نے سات بھارتی طیارے مار

گرائے اور ایک گھنٹے بعد کلکتے کے فوجی ہوائی اڈے پر کھڑے بھارتی طیاروں کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ ہمارے پاس بمبار اور لڑاکا طیاروں کی کمی تھی۔ اگر طیارہ مار گرایا جاتا تو اس کی جگہ لینے والا کوئی طیارہ نہیں تھا۔ میں نے ڈھاکے کے آسمان پر اپنے دو دو سیبر طیاروں کو بھارت کے آٹھ آٹھ طیاروں سے لڑتے اور انہیں گراتے دیکھا۔

مشرقی محاذوں کی حالت ناگفتہ بہ ہونی شروع ہو گئی۔ شرپسندوں نے دوبارہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ میں گلشن والی کوٹھی اپنے بنگالی نوکروں کے حوالے کر کے محمد پور میں بٹ صاحب کے مکان میں آ گیا تھا۔

بھارتی توپوں کی رینج کم ہو رہی تھی۔ ڈھاکہ ائرپورٹ اور چھاؤنی کے علاقوں پر بم اور راکٹ اولوں کی طرح برستے تھے۔ رات کے وقت انڈین ائرفورس کی بمباری شدید ہو جاتی تھی۔ دس دسمبر کو ڈھاکہ ائرپورٹ پر بھارتی طیاروں نے مسلسل بم باری کر کے اسے بالکل ناکارہ بنا دیا۔ اب ہماری فوج فضائیہ کی مدد کے بغیر لڑ رہی تھی۔ شرپسند بنگالی اور مکتی باہنی گروہ تخریبی کارروائیوں میں سرگرم تھے۔ تیل کے ذخیرے اور پل اڑائے جا رہے تھے۔ محاذ پر لڑتی فوج کی سپلائی لائن کاٹی جا رہی تھی۔ آگے دشمن تھا، پیچھے تخریب کار مکتی باہنی اور شرپسندوں کے تخریبی گروہ تھے۔ پھر بھی ہمارا جو بہادر سپاہی جس مقام پر تھا۔ وہاں ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔

گیارہ دسمبر کو بھارت نے ڈھاکہ سے تیس میل دور شمال میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے فوج اتار دی۔ چودہ دسمبر کو ڈھاکہ گورنمنٹ ہاؤس پر بم گرے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے علاقے میں یہ بات پھیل گئی کہ فوجی ہیڈ کوارٹرز اور دوسرے سرکاری دفتروں میں تمام فائلیں جلائی جا رہی ہیں۔ ہم ایک بار پھر محمد پور میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔ حالات بے حد نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ پندرہ اور سولہ دسمبر کی درمیانی رات کو کسی بھارتی طیارے نے ڈھاکہ پر بم گرا دیا۔ چاروں طرف ایک عجیب ہیجان خیز سا سکوت طاری تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی رات کو نہیں سوتا تھا۔ بٹ صاحب نے ایک عقل مندی کی تھی۔ فوجی آپریشن کے بعد جیسے ہی حالات کچھ بہتر ہوئے۔ انہوں نے اپنی فیملی کو... بلیک میں ٹکٹ خرید کر خاموشی سے جہاز میں کراچی روانہ کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ مشرقی پاکستان سے کراچی جانے والا شاید وہ آخری مسافر بردار جہاز تھا پندرہ اور سولہ کی رات بڑی پراسرار اور ڈراؤنی رات تھی۔ ایک ایسی خاموشی چاروں طرف چھائی تھی۔ جو کسی زبردست طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے سے وہ بات کہنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ جو ہم سب کے دلوں میں تھی۔ بٹ صاحب کے دونوں غیر بنگالی نوکر چپ چاپ کونے میں دبکے بیٹھے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ بجلی کئی روز سے غائب تھی اور ہم رات کو موم بتیاں جلا کر بند کمروں میں بیٹھے رہتے تھے۔

صبح صبح بی بی سی نے پہلی روح فرسا خبر یہ سنائی کہ مشرقی پاکستان میں ہماری فوج نے ہتھیار

ڈال دیئے ہیں۔ ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بٹ صاحب نے غصے میں کہا۔ بی بی سی جھوٹ بولتا ہے۔ اسلام آباد لگاؤ۔ مگر اسلام آباد نہیں آتا تھا۔ دلی لگایا تو وہاں سے بھی یہی اندوہناک خبر سنائی گئی۔ بہاری نوکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ بٹ صاحب نے انہیں ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ بنگلہ دیش ریڈیو نے بھی اپنے انگریزی کے بلیٹن میں سب سے پہلے یہی خبر نشر کی کہ مشرقی پاکستان میں فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور تمام محاذوں پر جنگ بند ہو گئی ہے۔ ہم سکتے میں رہ گئے۔ فوراً ہی ہیلی کاپٹروں کی ایک قطار گڑگڑاتی ہوئی اوپر سے گزر گئی۔ اس کے ساتھ ہی مکتی باہنی ڈھاکہ میں داخل ہو گئی۔ فائرنگ اور جئے بنگلہ کے نعرے گونجنے لگے۔ شر پسند بنگالیوں نے مکتی باہنی کے ساتھ مل کر قتل عام شروع کر دیا۔ غیر بنگالی آبادیوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بنگالی رجمنٹیں ... بھارتی فوج کے ساتھ بہاریوں کی بستی میرپور میں داخل ہونے لگیں تو ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ فوج نے شہر کی بجلی اور پانی کاٹ دیا۔ پھر بھارتی طیاروں نے بستی پر بم گرائے اور بھارتی فوجی اور مکتی باہنی والے میرپور میں داخل ہو گئے اور خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ غیر بنگالیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر باہر نکالا جاتا۔ پہلے ان کی آنکھیں سنگینوں سے پھوڑی جاتیں۔ پھر انہیں قتل کر دیا جاتا۔ صرف میرپور کے ایک نمبر سے چھ سیکشن تک تیس ہزار لڑکیاں اغوا کی گئیں۔ بوڑھوں اور جوان مردوں کو گولی مار دی گئی۔ بچوں اور بوڑھی عورتوں کو خطرناک جنگلوں میں بھوکا پیاسا مرنے یا درندوں کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

اس دوران میں ہماری محمد پور بستی بھی مکتی باہنی کی ... درندگیوں کی آماجگاہ بنی رہی۔ ابھی ہماری باری نہیں آئی تھی۔ ہم بستی سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ بٹ صاحب اور میں اپنے گورے رنگ اور قد کاٹھ کی وجہ سے فوراً پہچانے جا سکتے تھے کہ ہم بنگالی نہیں بلکہ پنجابی ہیں اور شہر کے گلی کوچوں میں پنجابیوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھیں نکالی جا رہی تھیں۔ اقبال اسکول کی قتل گاہ میں ایک پنجابی کو لانے کے سو روپے دیئے جاتے تھے۔ بٹ صاحب نے اپنے شو روم کے کونے میں فرش کے نیچے ایک چھوٹا سا تہہ خانہ بنوا رکھا تھا۔ جہاں وہ ... قالینوں کو پلاسٹک میں لپیٹ کر اسٹور کیا کرتے تھے۔

اس وقت مکان میں بٹ صاحب کے پاس کوئی دو لاکھ روپے کے قریب کرنسی نوٹ تھے۔ ایک پستول تھا۔ سو ڈیڑھ سو گولیاں تھیں۔ انہوں نے پستول اور گولیاں تو شو روم میں ایک جگہ قالینوں کے پیچھے چھپا دیں اور کرنسی نوٹ تھیلے میں ڈال کر تہہ خانے میں رکھ دیئے۔ شام کے وقت ہمارے آس پاس والے مکانوں میں بھی کہرام مچ گیا۔ عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں برین گنوں کی فائرنگ سنائی دینے لگی۔ مکتی باہنی والے غیر بنگالیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ بٹ صاحب گھبرا کر بولے۔ "ہمیں اوپر والی منزل میں چلے جانا چاہیئے"۔

میں نے کہا "ہمارے پاس پستول اور گولیاں موجود ہیں۔ ہم مورچہ بنا کر مقابلہ کریں گے"۔

میرے اندر کا کمانڈو گہری نیند سے آنکھیں ملتا ہوا بیدار ہو گیا تھا۔ بٹ صاحب نے میری اس

تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ ہماری سوڈیڑھ سو گولیاں مکتی باہنی کی برین گنوں اور اسلحے کے انباروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ بازار میں "جے بنگلہ" کے نعرے گونج رہے تھے۔ بٹ صاحب نے قالین کے نیچے سے بھرا ہوا پستول اور گولیاں نکالیں۔ شو روم کے دروازے کے آگے ایک بھاری میز رکھی اور اوپر والی منزل میں آکر کھڑکی کا پٹ تھوڑا سا کھول کر نیچے دیکھا۔ فوجی وردی اور شکاری ٹوپیوں والے مکتی باہنی کے آدمی ہمارے چوتھے مکان والے بہاری وکیل صاحب کو گھسیٹتے ہوئے سڑک پر لا رہے تھے۔ وکیل صاحب نیم جان ہو رہے تھے۔ اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کر رہے تھے۔ انہیں سڑک پر ڈال کر ایک مکتی باہنی والے نے برین گن کا برسٹ مار کر وکیل صاحب کو موت کی نیند سلا دیا۔

بٹ صاحب یہ منظر برداشت نہ کر سکے اور پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ مکتی باہنی والے وکیل صاحب اور ان کے ساتھ والے مکان میں سے نوجوان لڑکیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر ٹرک میں ڈال رہے تھے۔ ان کی چیخ و پکار سے آسمان لرز رہا تھا مگر قدرت کے قوانین خاموش تھے۔ بٹ صاحب نے مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ دہشت سے ان کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ "کھڑکی بند کر دو۔ کھڑکی بند کر دو۔ یہ لوگ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ پیچھے بھاگ چلتے ہیں"۔

کسی حد تک میرے حواس بھی پراگندہ ہو رہے تھے۔ چاروں طرف غیر بنگالیوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ مکتی باہنی والے کسی کو... معاف نہیں کر رہے تھے۔ محمد پور پر ان کا مکمل قبضہ تھا اور وہ کھلے بندوں غیر بنگالیوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔

بٹ صاحب تیزی سے سیڑھیاں اتر گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے لپکا۔ نچلی منزل میں شو روم کے پیچھے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ ساتھ والا مکان ایک بہاری کا تھا۔ وہ لوگ دس پندرہ روز پہلے بھاگ کر میرپور کی بہاری بستی میں چلے گئے تھے۔ مکان خالی تھا۔ بٹ صاحب بولے۔ ہم اس مکان میں جا کر چھپ جاتے ہیں۔ موت سامنے کھڑی ہو تو عقل ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ کم از کم ہم گناہ گاروں کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاں کوئی اعلیٰ مشن سامنے ہو تو موت کا خوف بھی عقل پر غالب نہیں آتا لیکن یہاں تو انسانوں کو جانوروں کی طرح کاٹا جا رہا تھا۔ کسی کو کسی کی کچھ خبر نہ تھی۔ اس وقت اگر کسی کو دیوار میں کوئی سوراخ نظر آتا تو وہ یہی چاہتا کہ اس میں گھس کر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا لے۔ بٹ صاحب پر بھی یہی حالت طاری تھی۔ میں نے کہا کہ مکتی باہنی والے اس مکان میں بھی آجائیں گے۔ وہ جھنجھلا کر بولے۔ "بکواس بند کرو"۔

انہوں نے پہلی بار مجھے اس طرح مخاطب کیا تھا۔

"دیوار پھاندو۔ اس طرف سے 'جہاں تپائی پڑی ہے۔" اچانک انہیں اپنے دو لاکھ روپوں کا خیال آگیا۔ گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "میں رقم کا تھیلا لے کر ابھی آتا ہوں۔ تم دوسرے مکان کے صحن میں کود جاؤ"۔ بٹ صاحب دالان میں سے بھاگ کر شو روم میں گھس گئے اور میں دوسرے خالی مکان

کے آنگن میں کود گیا۔ یہاں گھر کا ٹوٹا پھوٹا سامان اور چیتھڑے بکھرے ہوئے تھے۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر مکان کی دوسری منزل میں آیا اور بند کھڑکی کا تھوڑا سا پٹ کھول کر بٹ صاحب کے مکان کے صحن میں جھانکا۔ مکان میں شور بلند ہوا۔ فائرنگ کی آوازیں آئیں اور یوں لگا' جیسے شوروم کا دروازہ توڑ دیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی بٹ صاحب کو دیکھا کہ رقم کا تھیلا ہاتھ میں ہے اور شوروم کے عقبی دروازے سے صحن میں بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ابھی وہ اپنے مکان کے صحن میں قالین دھونے والے پانی کے حوض کے قریب ہی پہنچے تھے کہ عقب سے دو مکتی باہنی والے ہاتھوں میں برین گنیں لئے دار ہوئے اور انہوں نے بٹ صاحب پر فائر کھول دیا۔ میں نے کئی لوگوں کو گولیوں کی زد میں آتے اور بھول سے دشمن کے سپاہیوں کے پرخچے اڑتے بھی دیکھے ہیں لیکن بٹ صاحب کی موت کا منظر میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا۔ برین گن کی گولیاں ان کی کمر کو دو جگہوں سے ادھیڑتی ہوئی نکل گئیں۔ وہ منہ کے بل گرے اور تھیلا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ان کا سفید کرتہ اور پائجامہ خون سے سرخ ہو گیا۔ ایک پل کے لئے یوں محسوس ہوا' جیسے بٹ صاحب نے سر اٹھا کر اس مکان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں میں چھپا ہوا تھا مگر ان کا سر زمین سے بمشکل دو انچ اوپر اٹھنے کے بعد فرش کے ساتھ لگ کر بے جان ہو گیا۔ مکتی باہنی والوں کے دوسرے ساتھی بھی وہاں آ گئے اور تھیلے میں سے نوٹ نکال کر بنگلہ زبان میں کچھ بولتے ہوئے آپس میں بانٹنے لگے۔ میں نے آہستہ سے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔
بٹ صاحب کی موت سے مجھے گہرا صدمہ ہوا تھا۔

جس مکان میں' میں نے پناہ لی تھی۔ وہ بالکل خالی تھا۔ اس کا دروازہ دوسری طرف ایک چھوٹے سے بازار میں کھلتا تھا۔ ابھی اس طرف مکتی باہنی والے نہیں آئے تھے۔ غیر بنگالیوں نے اس مکان کو بھی لوٹا تھا۔ کمروں میں چیتھڑے اور شکستہ سامان بکھرا ہوا تھا۔ میں اس مکان میں زیادہ دیر چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ مکتی باہنی والے ضرور اس مکان پر بھی آئیں گے۔ ساتھ والا مکان بھی خالی پڑا تھا۔ میں نے بازار میں جھانک کر دیکھا۔ شام کے سرمئی اندھیرے میں بازار سنسان پڑا تھا۔ باہر نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد فائرنگ کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ جے بنگلہ کے نعرے بھی لگ رہے تھے۔ لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں آئیں۔ میں نے باہر جھانکا۔ بازار کے دھان منڈی والے موڑ پر کچھ بنگالی ایک مکان کو آگ لگا رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس مکان کو بھی نذر آتش کرنے والے تھے۔ جہاں میں نے پناہ لے رکھی تھی۔ میرے پاس صرف دس پندرہ منٹ تھے۔ اس دوران مجھے یہاں سے فرار ہونا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ کہاں جاؤں؟ فرار کے جتنے بھی راستے تھے۔ وہاں... مکتی باہنی والے اور شر پسند بنگالی ہاتھوں میں برین گنیں اور تلواریں لئے کھڑے تھے۔
میں نے زمین پر پڑا کپڑا اٹھا کر سر پر ڈالا اور مکان کے صدر دروازے سے نکل کر فارم گیٹ کی

جانب تیز تیز چلنے لگا۔ اس بازار کی ایک جانب درخت تھے۔ میں بائیں طرف والے خالی اور لٹے ہوئے مکانوں کے ساتھ لگ کر... چل رہا تھا
مجھے اپنے پیچھے شور سنائی دیا۔ آگ لگانے والے اب اس مکان پر آگ کے جلتے ہوئے ٹائر پھینک رہے تھے، جہاں تھوڑی دیر پہلے میں چھپا تھا۔ میں ایک بغلی گلی میں گھس گیا اور جو مکان سامنے آیا اس کے صحن میں کود گیا۔
برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر ایک بند دروازہ نظر آیا کسی طرف سے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ دروازے کے پیچھے سے کسی مرد کی آواز آئی "بابا ادھر ہم پارسی لوگ رہتا ہے۔ یہاں کوئی پنجابی بہاری لوگ نہیں ہے"؟ میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بوڑھے پارسی نے دروازہ کھول کر مجھے غور سے دیکھا۔ اس کے سر پر پارسیوں والی کالی ٹوپی تھی۔ اس کے پیچھے کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ "کون ہو تم بابا" تم کو بول دیا، نا کہ ہم پارسی لوگ ہے... ہم پنجابی نہیں ہے"۔
میں نے سر سے کپڑا اتار دیا اور بولا "میں پنجابی ہوں اور میرے پیچھے مکتی باہنی لگی ہے"۔
بوڑھے پارسی کی چھوٹی چھوٹی سفید مونچھیں تھیں۔ ایک لمحے کے لئے وہ کچھ ہچکچایا۔ پھر دروازے سے ہٹ گیا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اس کی بوڑھی بیوی کرسی پر بیٹھی تھی، مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ بوڑھے پارسی نے اسے اپنی زبان میں کچھ سمجھایا۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔ پارسی نے مجھے مکان کی پچھلی کوٹھری میں چھپا دیا اور کہنے لگا "تم ادھر پڑا رہو۔ زیادہ دیر رہو گے تو وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ رات کے اندھیرے میں کسی طرف بھاگ جانا"۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔
کوٹھری میں گھر کا پرانا سامان پڑا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ پارسی بوڑھا اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ اس کا حق تھا۔ سوال یہ تھا کہ میں رات کے اندھیرے میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا؟ چاروں طرف بے بسی اور بے کسی کی موت منتظر تھی۔ میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ بوڑھے پارسی نے مجھے چاول اور اچار لا کر دیا۔ میں نے تھوڑا بہت زہر مار کیا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی، اگر میں رات کو یہاں سے نکل گیا تو شہر میں مکتی باہنی کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ میں ان کے ہتھے چڑھ جاؤں گا۔
"بابا، تم کسی انڈین فوج کے آگے جا کر قیدی بن جاؤ... پھر تمہاری جان بچ جائے گی۔"
... لیکن انڈین فوج بھی مکتی باہنی کے ساتھ مل کر لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں مصروف تھے۔ میں نے اس کی بہت منت سماجت کی کہ کسی طرح وہ چند روز مجھے اس کوٹھری میں چھپا رہنے دے۔ مگر وہ اپنی بیوی سے ڈرتا تھا اور اس کی بیوی میری وجہ سے اپنی اور اپنے بوڑھے خاوند کی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ نہ مانا اور اسی بات پر مصر رہا کہ مجھے رات کے اندھیرے میں چلے جانا چاہیئے میں خاموش ہو گیا۔

یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں کسی طرح اپنی گلشن والی کوٹھی تک پہنچ جاؤں تو میرے بنگالی نوکر مجھے کسی جگہ پناہ دلوا سکتے ہیں اگرچہ اس وقت کسی بنگالی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس بربریت کے طوفان میں لال میاں ایسے بنگالی بھی تھے۔ جس نے اپنی جان پر کھیل کر میری جان بچائی تھی اور میرے نوکروں پر تو میرے کافی احسان تھے۔ میں نے ہر مشکل وقت میں ان کی مالی امداد کی تھی۔ میں نے گلشن والی کوٹھی میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جب رات کافی گہری ہو گئی تو بوڑھا پارسی میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں سبزی ترکاری کاٹنے والا چاقو تھا۔

" بابا لوگ تم یہ چاقو اپنے پاس رکھو۔ میں دیکھ آیا ہوں سڑک خالی پڑی ہے۔ تم کسی دوسرے مکان میں چلے جاؤ۔ اس نے کہا۔

میں نے چاقو لے کر جیب میں رکھ لیا اور اس کا شکریہ ادا کر کے اندھیرے صحن میں پہنچ گیا۔ سامنے چھوٹی سڑک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دھان منڈی کی طرف سے کسی وقت گولی چلنے کی آواز آ جاتی تھی۔ مکان سے نکل کر میں ایک طرف چلنے لگا۔ ہر طرف ویرانی اور ہو کا عالم تھا۔ کبھی کبھی برین گن کی فائرنگ کی آواز آ جاتی تھی، جو ماحول کو اور زیادہ بھیانک بنا دیتی تھی۔

گلشن شہر کے گنجان علاقے سے باہر تھا۔ یہاں سے ایک راستہ گندے نالے کے ساتھ ساتھ گلشن تک جاتا تھا۔ میں نے اس راستے کا انتخاب کیا اور چھوٹے چھوٹے ویران کوارٹروں کی بیچ والی گلی سے نکل کر نالے پر آ گیا۔ یہ نالہ آگے جا کر دریائے بوڑھی گنگا میں گرتا تھا۔ میں نالے میں اتر کر چلنے لگا۔ اس میں پانی نہیں تھا۔ کناروں پر پگڈنڈی جتنا راستہ بنا ہوا تھا۔ جو خشک تھا۔ میں اس پر چلتا رہا۔ نالے کے بائیں طرف این ٹائپ کوارٹروں کے پچھواڑے تھے۔ جو تاریکی اور موت ایسی خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں اس مقام پر پہنچ گیا، جہاں مجھے گندے نالے کو چھوڑ کر کوارٹروں کے ساتھ والی سڑک پر چڑھنا تھا۔

اوپر آ کر میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ سڑک سنسان تھی اور آگے کھیت شروع ہو جاتے تھے ... پھر ایک ماچس فیکٹری آتی تھی اور اس کے بعد گلشن کی کوٹھیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ میں نے خدا کا نام لیا اور سنسان سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ ماچس فیکٹری کے قریب پہنچا تو چھٹی حس نے میرے قدم روک دیئے۔ یوں محسوس ہوا، جیسے آس پاس کوئی موجود ہو۔ میں فیکٹری کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ یکایک قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ بھاری فوجی بوٹوں کی آواز تھی۔ میں نے چاقو کھول کر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ عیاش زندگی نے میرے اعصاب پر جو عارضی تہ جما رکھی تھی، وہ آناً فاناً اتر گئی اور پھر ایک بار موت سے کھیلنے والا کمانڈو بن گیا اور زمین پر لیٹ کر کہنیوں کے بل دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ بوٹوں کی آواز دیوار کی دوسری جانب سے آ رہی تھی۔ میں رینگتا رہا حتیٰ کہ دیوار ختم ہو گئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر ایک آدمی فیکٹری کے گیٹ

کے آگے ٹہل رہا تھا ... اندھیرے کے باوجود میں نے اس کی وردی اور کاندھے سے لٹکی ہوئی برین گن دیکھ لی ۔ یہ کوئی انڈین فوجی تھا یا پھر مکتی باہنی والا تھا میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا ۔

میرے سامنے پانچ قدم کے فاصلے پر جھاڑیاں تھیں ۔ میں نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر ان جھاڑیوں میں پھینک دیا ۔ پتھر کی آواز پر اس آدمی نے برین گن ہاتھوں میں پکڑ لی اور جھاڑیوں کی طرف دیکھ کر کہا "ہالٹ ..."

میں سمجھ گیا کہ وہ انڈین سپاہی ہے اور فیکٹری کے باہر پہرہ دے رہا ہے ۔ وہ آہستہ آہستہ جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگا ۔ برین گن کی نالی کا رخ جھاڑیوں کی طرف تھا ۔ اس وقت میں بھول گیا کہ کچھ دیر قبل میں کسی چوہے کی طرح اپنی جان بچاتا پھر رہا تھا ۔ میرے اندر ایک سرفروش اور جانباز مسلمان کمانڈو کی جرات ' دلیری اور بے جگری بیدار ہو چکی تھی ۔ خونخوار چیتے کی طرح سمٹ گیا اور میرا انگ انگ حملہ کرنے کے لئے پھڑکنے لگا ۔ مجھے کیسے حملہ کرنا ہے ؟ کس مقام پر اپنا چاقو والا ہاتھ مارنا ہے اور کس جگہ سے گردن کو اس طرح سے دبوچنا ہے کہ سپاہی نہ تو آواز نکال سکے اور نہ ہی برین گن کا ٹرائیگر دبا سکے ۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں محفوظ تھیں ۔

سپاہی جھاڑیوں کے پاس جا کر تھوڑا سا جھک گیا ۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کا مجھے انتظار تھا ۔ میں چیتے کی طرح اپنی جگہ سے لپکا اور دوسرے ہی لمحے اس کی گردن میرے بائیں بازو کی آہنی گرفت میں تھی اور دائیں ہاتھ والا چاقو اس کا نرخرہ کاٹ چکا تھا ۔ میرے ایک پاؤں نے برین گن کو جھٹکا دیا تھا ۔ جس کی وجہ سے وہ فائر نہ کر سکا ۔ منصوبے کے مطابق میں اس کی وردی کو خون میں لت پت ہونے سے بچانا چاہتا تھا ۔ چنانچہ میں نے نصف کٹی ہوئی گردن پر پاؤں رکھ دیا اور اس کی شرٹ کے بٹن کھول کر سینے سے پیچھے کر کے اتار لیا ۔ لاش گھسیٹ کر جھاڑیوں میں لے گیا ۔

تھوڑی دیر بعد میں جھاڑیوں سے نکلا تو انڈین فوج کے حوالدار کی وردی میں تھا ۔ سر پر چھوٹے چھجے والی سبز ٹوپی تھی ۔ کاندھے سے برین گن لٹکی ہوئی تھی ۔ پیروں میں سیاہ فوجی بوٹ تھے اور پتلون کی پچھلی جیب میں انڈین حوالدار کی پاس بک تھی ۔ میں نے اس کی لاش خون آلود چاقو سمیت جھاڑیوں میں ایک جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تلے دبا دی تھی ... پھر میں فیکٹری کے گیٹ کے سامنے ٹہلنے لگا ۔ میں نے سبز شرٹ کے گریبان میں ہاتھ لگایا تو میری انگلیوں کو خون لگ گیا ۔ فیکٹری کے گیٹ کی ایک جانب پانی کا چوبچہ تھا ۔ میں نے رومال بھگو کر شرٹ سے خون کے دھبے کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا ۔ مگر پھر بھی تھوڑا سا داغ رہ گیا ۔ بہرحال ' وہاں قتل عام ہو رہا تھا اور کسی فوجی کی وردی پر خون کا نشان کوئی عجیب بات نہیں تھی ۔

کچھ دیر میں وہیں ٹہلتا رہا ۔ جیسے پہرہ دے رہا ہوں ... پھر میں کھیتوں کی طرف چل پڑا ۔ ان کھیتوں کے پیچھے گلشن کی آبادی تھی ۔ انڈین فوجی کی وردی کی وجہ سے میں کسی حد تک بے خوفی سے

چل رہا تھا۔ لیکن دل میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر پول کھل گیا تو موت یقینی ہوگی اور پھر شاید بھاگ بھی نہ سکوں۔ کھیت ویران پڑے تھے۔ اندھیرے میں ایک جگہ پانی چمک رہا تھا۔ گلشن کی کوٹھیاں تاریک تھیں۔ صرف ان بنگلوں کے برآمدے روشن تھے۔ جہاں بنگالی خاندان آباد تھے۔ معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بجلی کی سپلائی بحال کر دی گئی ہے۔ میں بظاہر گشت کے سے انداز میں چل رہا تھا۔ مگر میرے اندر ساری گوریلا صلاحتیں بیدار تھیں۔

کھیتوں سے نکل کر میں گلشن کالونی کی سڑک پر آگیا... اسٹریٹ لیمپ روشن نہیں تھے۔ میں ایک کوٹھی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک اندر سے انڈین فوج کے چار سپاہی باہر آئے۔ انہوں نے لوٹے ہوئے سامان کے تھیلے اٹھا رکھے تھے مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹک سے گئے۔ ساتھ والی کوٹھی کے برآمدے کی روشنی آرہی تھی۔ میں ایک دم سے بھارتی رجمنٹ کا حوالدار بن گیا اور خالص ماجھے کے پنجابی لہجے میں بولا۔ " اوئے جانگلی' تم ادھر بھوپت ڈاکو بنا کیا کرتا پھرتا ہے۔ میں حوالدار... گھنشام تیواڑی ہوں۔ تم کس رجمنٹ سے ہے' اوئے"؟

وہ چاروں پندرھویں حصار رجمنٹ کے سپاہی تھے۔ ایک نائیک تھا۔ انہوں نے تھیلے زمین پر رکھے اور سیلوٹ مار کر اٹنشن کھڑے ہو گئے۔ میں نے زیادہ اداکاری کے جوہر دکھانے کی بجائے کہا" سامان اٹھا کر بھاگ جاؤ لیکن تمہارا صوبیدار میجر کدھر ہے' اوئے"؟

نائیک کوئیک مارچ کرتا' میرے قریب آیا اور بتایا... کہ صوبیدار میجر اپنے حصے کا سامان لے کر ابھی ابھی جیپ میں گیا ہے۔

میں نے مسکرا کر کہا" تم اتنا مال لوٹ کر کیا کرے گا' جانگلی کچھ ہمارے لئے بھی چھوڑے گا کہ نہیں"۔ صاحب ابھی پرلی طرف کچھ پنجابی لوگ کی کوٹھیاں باقی ہیں"۔

میں نے اسے ڈانٹ کر کہا" بک بک بند کر اوئے' جانگلی... اور دفع ہو جاؤ"۔

چاروں نے سیلوٹ مار کر تھیلے اٹھائے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور برین گن ہاتھ میں لئے اپنی کوٹھی کی طرف چل دیا۔ دور ہی سے نظر آگیا کہ میری کوٹھی کے برآمدے اور کمروں کی روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ قریب پہنچا تو گیٹ بھی کھلا ہوا ملا۔ گیراج میں میری ائر کنڈیشنڈ گاڑی نہیں تھی۔ برآمدے اور پورچ میں ٹوٹا پھوٹا بیکار سامان بکھرا ہوا تھا۔ دروازے چوپٹ کھلے تھے۔ میرے آس پاس بہاری لوگوں کی کوٹھیاں تھیں۔ جو لٹ لٹا کر ویران پڑی تھیں۔ خدا جانے مکینوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ اس کالونی میں کچھ غیر ملکی بھی رہتے تھے۔ جو گڑبڑ شروع ہوتے ہی نقل مکانی کر گئے تھے۔

میری کوٹھی کے تمام کمرے کھلے تھے۔ سارا سامان لوٹا جا چکا تھا۔ بڑی الماریاں' ڈبل بیڈ اور کچن میں سے آٹے' چاول کی بوریاں تک غائب تھیں۔ میں باتھ روم میں آگیا۔ باتھ روم کی الماری میں

شیو کا سامان اور لوشن خدا جانے کیسے بچ گیا تھا۔ میں نے شرٹ اتار کر قالین کے دھبے صاف کرنے والے لوشن سے خون کا دھبہ صاف کر لیا... پھر داڑھی مونچھ مونڈی اور اس تہ خانے میں اتر گیا۔ جہاں قالین کا اسٹاک رکھا جاتا تھا' وہاں ایک بھی قالین نہیں تھا۔ دیواری سیف ٹوٹا ہوا تھا اور تمام کاغذات' فائلیں اور جو تھوڑی بہت کرنسی تھی' اسے لوٹ لیا گیا تھا۔ اس کوٹھی میں' میں نے اپنی جوانی کے حسین ترین دن گزارے تھے۔ آج وہی کوٹھی ایک تباہ حال ویرانے کا عبرت انگیز منظر پیش کر رہی تھی۔ مجھے افسوس اس لئے نہیں ہو رہا تھا کہ یہیں سب کچھ کمایا تھا اور یہیں غرق ہو گیا تھا۔ نہ تو میں ساتھ کچھ لایا تھا اور نہ ہی مجھے کوئی شے ساتھ لے جانے کی خواہش تھی۔ میں نے کمایا ہی اڑانے کے لئے تھا۔ ہاں اب اپنی جان کی فکر ضرور لاحق ہو گئی تھی۔ میں تہ خانے سے بیڈ روم میں آیا اور ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟۔

میرے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو میں کسی طریقے سے سرحد پار کر کے نیپال کی طرف نکل جاؤں یا پھر خود کو انڈین فوج کے حوالے کردوں۔ فرار بڑا کٹھن کام تھا۔ ڈھاکہ سے نیپال کی سرحد ہزاروں میل دور تھی... پھر راستے میں قدم قدم پر خطرہ تھا۔ کہیں بھی پکڑا جا سکتا تھا۔ سارے ملک پر انڈین فوج اور مکتی باہنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ دوسرے منصوبے پر عمل کرتا تو بیس فی صد امید تھی کہ انڈین فوج مجھے اپنا قیدی بنا لے۔ سویلین ہونے کی وجہ سے وہ مجھے مکتی باہنی کے حوالے بھی کر سکتے تھے اور مکتی باہنی والے پنجابی' پٹھان اور کسی بہاری کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے۔ سرحد پار کر کے بھارت میں داخل ہونا ایک بار پھر اپنے آپ کو موت کے گرداب میں جھونکنے کے مترادف تھا۔

سوچ سوچ کر آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے' مجھے نیپال پہنچ جانا چاہیئے۔ وہاں ہمارا سفارت خانہ بھی تھا اور پاکستان کے ساتھ نیپال کے تعلقات بھی ٹھیک تھے۔ لیکن نیپال کی سرحد تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ مجھے صحیح راستے کا علم بھی نہیں تھا۔

میں اپنی پریشان کن سوچوں میں گم تھا کہ اچانک دو آدمیوں کے بولنے کی آواز آئی۔ میں ایک دم کرسی سے اٹھا برین گن ہاتھ میں پکڑی اور دبے پاؤں چلتا دروازے کی طرف بڑھا۔ آوازیں برآمدے سے آ رہی تھیں۔ اب ایک عورت کی آواز بھی آئی۔ وہ مری ہوئی آواز میں رحم کی بھیک مانگ رہی تھی میں دبے پاؤں ٹی وی لاؤنج سے گزر کر ایک دم سے برآمدے میں آگیا اور برین گن تان کر فوجی انداز میں بولا "کون ہے' جانگلی"۔

دو سکھ فوجی ایک ساڑھی پوش دبلی پتلی عورت کو کھینچتے ہوئے ایک کمرے میں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے سامنے وردی پوش فوجی کو دیکھ کر انہوں نے عورت کے بازو چھوڑ دیئے۔ عورت نیم بے ہوشی کے عالم میں برآمدے کے فرش پر ہی پڑی رہی۔ میں نے کڑک کر کہا "میں سترہویں جاٹ رجمنٹ کا حوالدار... گھنشام تیواڑی ہوں' تم کون ہو' اوئے جانگلی"؟

دونوں سلیوٹ مار کر اٹنشن ہو گئے۔

" جانگلی کی اولاد ادھر تم لوگ بدمعاشی کرتا ہے۔ ہم تمہارا کورٹ مارشل کرے گا۔ تم حصار رجمنٹ کا جانگلی ہے 'اوئے؟"

پہلے والے سپاہیوں سے مجھے اتنا پتہ چل گیا تھا کہ ادھر حصار رجمنٹ کے جوان تعینات ہیں۔

ایک سکھ سپاہی بولا " صاحب 'سب جوان ادھر یہی کرتا ہے۔ ہم کو معاف کر دو۔ آگے سے نہیں کرے گا"۔

میں بھی ان سے خلاصی چاہتا تھا۔ اس لئے گرج دار آواز میں کہا " اس کو یہیں چھوڑ کر ڈبل مارچ کر کے دفع ہو جاؤ' جانگلی' ہم اس کو اس کے گھر پہنچائے گا۔ تمہارا گھر کدھر ہے' بی بی؟"

ساڑھی پوش عورت گھٹنوں میں سر دیئے آہستہ آہستہ۔ سسکیاں بھر رہی تھی۔ دونوں سکھ فوجی سلیوٹ مار کر تیز تیز قدم اٹھاتے کوٹھی کے گیٹ سے نکل گئے۔ میں نے فرش پر بیٹھی عورت سے اس کا نام پوچھا تو وہ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے گڑگڑائی۔ خدا کے لئے مجھے گولی مار دو۔ مجھے گولی مار دو "۔

وہ صاف اردو بول رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر بندیا بھی نہیں تھی۔ کوئی مسلمان تھی اور شاید بہاری فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ میں نے تسلی دی اور کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ اسے اس کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ " میرا گھر اب کہاں ہے؟ میرا کوئی گھر نہیں رہا۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے گولی مار دو۔ میں مرنا چاہتی ہوں "۔ اس نے اٹھ کر میری برین گن پکڑنے کی کوشش کی تو میں نے اسے سختی سے پیچھے دھکیل دیا۔ " کیا کرتی ہو تم۔ ہوش میں آؤ "۔ میں اسے دھکیلتا ہوا۔ اندر' ٹی وی لاؤنج میں لے گیا۔ برآمدے میں ہماری آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔

وہ ننگے فرش پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں سر دے کر سسکیاں بھرنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ " تمہارا نام کیا ہے' بی بی؟ تمہارے گھر والے کہاں ہیں کیا تم گلشن کالونی میں رہتی تھیں؟"

عورت کے بال لمبے تھے اور اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس پر اپنا آپ ظاہر کر دوں یا نہ کروں۔ وہ ابھی تک مجھے انڈین فوجی سمجھ رہی تھی اور مجھ سے بے حد خائف تھی اور سمٹی بیٹھی تھی۔ اتنے میں باہر سے ایک بار پھر اونچی آوازیں آئیں۔ میں باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اچانک تین فوجی اندر داخل ہوئے ان میں سے دو تو وہی سکھ فوجی تھے۔ جن کے پنجے سے میں نے ابھی ابھی اس لڑکی کو چھڑایا تھا۔ تیسرا فوجی کوئی افسر تھا۔ اس کی ٹوپی کپتانوں والی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بید کا چھوٹا سا افسروں والا ڈنڈا تھا۔ دونوں سکھ فوجی برین گنیں تانے اس کے پہلو میں دائیں بائیں کھڑے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ ان سکھ فوجیوں نے اس افسر سے میری بات کی ہو گی اور یہ انڈین فوج کا کیپٹن میری چیکنگ کے لئے آیا ہے۔ میں نے اسے زور دار سلیوٹ کیا اور بولا "

حوالدار گھنشام رام جاٹ رجمنٹ سر"۔

میں کس ہلاکت خیز صورت حال سے دوچار تھا۔ اس لڑکی کا علم نہیں تھا۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس کی سسکیاں بند ہو گئی تھیں اور وہ سہمی ہوئی نظروں سے ہمیں تک رہی تھی۔

انڈین کیپٹن نے کہا "میں چودہ حصار رجمنٹ کا کیپٹن ... جگ دیش مہرہ ہوں ۔ کیا میں تمہارا شناختی کارڈ دیکھ سکتا ہوں' حوالدار گھنشام رام "۔ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا ۔۔

یہ زندگی اور موت کے درمیان کی ایک بڑی ہی نازک اور بڑی ہی مختصر ترین گھڑی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ شناختی کارڈ پر فوجی کی فوٹو لگی ہوتی ہے اور میرے پاس کوئی شناختی کارڈ نہیں تھا۔ میرا بھانڈا پھوٹنے ہی والا تھا۔

میں اپنا ہاتھ اس انداز میں جیب کی طرف لے گیا۔ جیسے میں اپنا شناختی کارڈ نکالنے والا ہوں۔ لیکن میرے ہاتھ کو خوب معلوم تھا کہ اسے ایک ہی سیکنڈ میں کیا فرض پورا کرنا ہے۔ یہ ایک تربیت یافتہ ہاتھ تھا۔ اس لئے میرے ہاتھ نے اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ ہاتھ کاندھے سے لٹکتی برین گن پر پڑا اور دوسرے ہی لمحے جیسے بجلی کوندنے لگی۔ میرے ہاتھ میں برین گن تھی اور اس میں سے شعلے اگلتی ' شرارے اڑاتی گولیاں نکل نکل کر سامنے کھڑے کیپٹن اور سکھ سپاہیوں کے جسموں سے پار ہو رہی تھیں۔ سکھ فوجیوں کو اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ اپنی برین گنوں کے ٹرائیگر ہی دبا سکتے۔ کمانڈو کبھی اتنی مہلت نہیں دیا کرتے۔ یہی ان کی ٹریننگ ہوتی ہے اور یہی ان کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ تینوں لڑکھڑا کر فرش پر اوندھے منہ گر پڑے۔ لڑکی خوف زدہ ہو کر باہر دوڑی تو میں نے چھلانگ لگا کر اسے پکڑا اور کھینچتا ہوا واپس لے آیا۔ اب اس کا باہر جانا میرے لئے بھی موت کا پیغام بن سکتا تھا۔

برین گن کے دھماکوں کی میں نے اس لئے پروا نہ کی کیونکہ ... فائرنگ کی آوازیں ڈھاکہ کی فضاؤں میں گونجتی ہی رہتی تھیں۔

لڑکی کا جسم دہشت سے کانپ رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی دبی دبی سسکیاں لے کر' خوف زدہ آنکھوں سے کبھی لاشوں کی طرف اور کبھی مجھے دیکھ رہی تھی برین گن ابھی تک میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ باہر سے بند کیا اور برآمدے کے ستون کے پیچھے چھپ کر سڑک کو تکنے لگا کوئی فوجی آتا دکھائی نہ دیا تو میں کوٹھی کے گیٹ سے سڑک پر نکل گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک گاڑی دیوار کے پاس کھڑی تھی۔ قریب گیا تو وہ ایک فوجی جیپ تھی۔ یقیناً انڈین فوج کا کیپٹن جیپ پر ادھر سے گزرا ہو گا کہ سکھ فوجیوں سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے اسے مغویہ لڑکی کے بارے میں بتایا اور غالباً یہ شکایت کی کہ ایک حوالدار نے اسے چھین لیا ہے۔ کیپٹن کو یقین ہو گا کہ ادھر کسی حوالدار کی ڈیوٹی نہیں ہے لہٰذا وہ ان کے ساتھ میری کوٹھی میں آ گیا۔

میں نے جیپ کا جائزہ لیا' پھر اسے اسٹارٹ کیا اور اپنی کوٹھی کے گیراج میں لا کر کھڑی کر دی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا برآمدے میں آیا۔ دروازہ کھول کر اندر گیا تو لڑکی غائب تھی۔ میں جلدی جلدی پورے گھر میں گھوم گیا لیکن لڑکی کہیں بھی نہ ملی۔ یہ میری اپنی کوٹھی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ اگر برآمدے والا دروازہ بند کر دیا جائے تو باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چھت پر جو آہنی دروازہ کھلتا تھا۔ اس کو میں بہت پہلے یہاں سے جاتی دفعہ تالا لگا گیا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ وہ اسی طرح لگا ہوا ہے۔ میں تہہ خانے میں آ گیا اور لڑکی کو آواز دی کہ وہ مجھ سے خوف زدہ نہ ہو۔ میں انڈین نہیں ہوں بلکہ مسلمان ہوں۔ میری آواز سن کر وہ تہہ خانے کے اندھیرے کونے سے باہر آ گئی۔ اس کے چہرے پر دہشت اور خوف کے ساتھ اب حیرت کے تاثرات بھی تھے۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ میں اسے اوپر والے کمرے میں لے آیا۔ وہ غم واندوہ کی تصویر بنی میرے سامنے فرش پر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے پاس ہی فرش پر بیٹھ گیا اور اسے سرسری طور پر اپنے حالات سے آگاہ کر دیا۔ البتہ یہ نہیں بتایا کہ درحقیقت میں کون ہوں۔.... جواباً لڑکی نے سسکیوں کے ساتھ اپنی داستان سنائی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ سنٹرل گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ افسر کی بیوی تھی۔ اس کی شادی کو صرف دو ماہ ہوئے تھے۔ اس کے خاوند کا تبادلہ کراچی سے ڈھاکہ ہوا تو وہ یہاں آ گئی اور گلشن کالونی کے ایک فلیٹ میں رہنے لگی۔ ڈھاکہ فال کے بعد اس کا خاوند اسے لے کر ساتھ والی کوٹھی میں ایک بنگالی کے ہاں آ گیا۔ اس انسان دوست بنگالی نے دونوں کو اپنی کوٹھی میں چھپا لیا... مگر نوکروں نے مکتی باہنی والوں کو اطلاع کر دی۔ وہ اس آدھمکے اور بنگالی آفیسر کو حکم دیا کہ جن غیر بنگالی جوڑے کو اس نے چھپا رکھا ہے' اسے باہر نکالے۔ بنگالی آفیسر نے مزاحمت کی تو مکتی باہنی والوں نے اسے زخمی کر کے تلاشی لی اور انہیں گھسیٹ کر باہر نکالا۔ اس کے خاوند کو وہیں شوٹ کر دیا گیا اور اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے کہ دو سکھ فوجی پہنچ گئے۔ انہوں نے اس لڑکی کو ان سے چھین لیا اور میری خالی کوٹھی میں لے آئے۔ میں اس لڑکی اور اس کے شوہر کا اصلی نام نہیں بتاؤں گا۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ اس لڑکی کا نام شہناز تھا۔ یہ لڑکی کراچی کے اعلیٰ

خاندان کی چشم و چراغ تھی اور اس نے انگریزی میں ایم اے کیا تھا۔ اس کے ماں باپ دلی سے ہجرت کر کے پاکستان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

شہناز کے حواس ابھی تک درست نہیں ہوئے تھے۔ وہ بار بار اپنے خاوند کو یاد کر رہی تھی۔ وہ کہتی " ان کی بے گورو کفن لاش مکتی باہنی والوں نے باہر سڑک پر پھینک دی تھی۔ خدا کے لئے مجھے میرے خاوند کے پاس لے چلو۔ میں اپنے دولہا کا آخری دیدار کرنا چاہتی ہوں"۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ میں اسے صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے حالات کی سنگینی کا احساس دلایا اور کہا کہ ڈھاکہ میں ہزاروں دولہا، دلہنوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور قتل کیا جا رہا ہے۔ سارے مشرقی پاکستان میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے لہٰذا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی طرح اپنی جان بچائی جائے۔

میں نے کچن سے پانی لا کر اسے پلایا۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی اور میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس بدقسمت لڑکی کو لے کر کہاں جاؤں اور میں اس کی کہاں تک حفاظت کر سکوں گا۔ میری اپنی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں تھا کہ ایک شریف لڑکی کی ذمے داری بھی مجھ پر آن پڑی تھی۔ میں اسے واپس اس کے ہمسائے بنگالی کنبے کے پاس بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ جس بنگالی افسر نے انہیں پناہ دی تھی۔ وہ خود زخمی ہو چکا تھا۔ اگر میں شہناز کو ان کے پاس لے بھی جاتا تو اس فیملی کے نوکر دوبارہ مکتی باہنی والوں کو خبر کر سکتے تھے۔ میں نے شہناز سے اس موضوع پر بات کی تو وہ سہم گئی " میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ وہ لوگ پھر آ جائیں گے۔ خدا کے لئے میرے خاوند کی لاش سڑک پر سے اٹھا لاؤ"۔ مشرقی پاکستان کی سڑکوں، گھاٹیوں، شاہراہوں اور گلی کوچوں میں... سینکڑوں ماؤں کے جگر گوشوں کی لاشیں بے گورو کفن پڑی تھیں۔ میں کس کس کی لاش اٹھا کر لاتا۔

شہناز کو کچن میں چھوڑ کر میں ٹی وی لاؤنج میں آگیا۔ تینوں لاشیں ویسے ہی اوندھی پڑی تھیں۔ میں اپنے ساتھ کچن میں سے موم بتی لیتا آیا تھا۔ میں نے موم بتی جلائی تو دیکھا کہ تینوں لاشوں پر بے شمار چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ خدا جانے اتنی ساری چیونٹیاں کہاں سے آگئی تھیں۔ لاشیں چیونٹیوں سے ڈھک گئی تھی۔ میں نے دونوں سکھ فوجیوں کی برین گنیں اور ہندو کیپٹن کا ریوالور اتارا اور کچن میں واپس آگیا۔ برین گن کا چیمبر تقریباً خالی ہو چکا تھا جبکہ دونوں سکھوں کی برین گنیں بھری ہوئی تھیں۔

شہناز دیوار کے ساتھ لگی، فرش پر خاموش بیٹھی، مجھے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جلتی ہوئی موم بتی کی روشنی میں اس کا چہرہ بے حد غمگین نظر آ رہا تھا۔ شہناز کا رنگ کھلتا ہوا تھا اور وہ ایک خوش شکل لڑکی تھی۔

میں نے موم بتی........ ایک طرف پیالی میں یوں رکھ دی کہ اس کی روشنی بازار والی

کھڑکی اور روشن دان پر نہ پڑے۔ صبح ہونے والی تھی۔ اگر انڈین فوج کی کوئی ٹولی گشت کرتی ادھر نکل آئی تو سپاہی کوٹھی میں کھڑی فوجی جیپ دیکھ کر اندر آ سکتے ہیں اور پھر ہمارا جو حشر ہو گا' وہ معلوم تھا۔ میرے دماغ میں طرح طرح کے منصوبے جنم لے رہے تھے۔ کبھی سوچتا کہ کسی بھکاری کا بھیس بدل کر شہناز کو بھی بھکارن بنا کر کسی قبرستان یا مسجد میں پناہ لے لوں۔ مگر ہم مکتی باہنی والوں کی تیز نظروں سے نہیں بچ سکتے تھے۔ بنگالی مسلمانوں کی اکثریت ہماری دشمن ہو رہی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ شہناز کو جیپ میں ساتھ لے کر نیپال کی طرف نکل جانے کی کوشش کروں۔ یہ بڑا لمبا اور کٹھن سفر تھا۔ قدم قدم پر موت پھندا لگائے ہوئے بیٹھی تھی۔ اگرچہ میں انڈین فوجی وردی میں تھا لیکن کسی بھی وقت میرا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ محمد پور اور میرپور کی بستیوں پر بھی مکتی باہنی اور انڈین فوج کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہاں قتل عام کا بازار گرم تھا۔ بہاری اور پنجابی عورتوں کو اغوا کیا جا رہا تھا۔ میں نے زندگی میں کبھی اپنے آپ کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

شہناز بھی سراسیمہ تھی۔ اس نے دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا کہ ہم کہاں جائیں گے؟ میں نے اٹھتے ہوئے کہا "پہلے تو ہمیں ان لاشوں کو ٹھکانے لگانا چاہیئے"۔

میرے بیڈ روم میں ایک تہہ خانہ اس مقصد کے لئے بڑی موزوں جگہ تھی۔ چنانچہ میں نے تینوں لاشوں کو گھسیٹ کر اس ... تہہ خانے میں پھینکا اور اوپر سے لکڑی کا تختہ جوڑ کر اس پر قالین کا ایک ٹکڑا بچھا دیا۔ میں نے شہناز سے کہا کہ جب تک ہمیں فرار کا کوئی راستہ نہیں ملتا اسی جگہ چھپے رہنا بہتر ہو گا۔

"مکتی باہنی والے یہاں بھی آ جائیں گے۔" اس نے کہا۔

"یہ کوٹھی لوٹی جا چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی مشکل ہی سے ادھر کا رخ کرے گا۔" یہ کہہ کر میں نے کچن کا جائزہ لیا۔ وہاں سوائے چائے کی پتی کے کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ نل میں پانی بھی تھوڑا تھوڑا آتا تھا۔ میں نے شہناز سے کہا کہ فوراً پانی اسٹاک کر لیا جائے۔ چائے کی دو کیتلیاں اور ایک پتیلی خدا جانے وہاں کیسے رہ گئی تھیں۔ شہناز نے پتیلی نل کے نیچے رکھ دی۔ اب سوال یہ تھا کہ شہناز کو کس جگہ چھپایا جائے۔ میں اپنی کوٹھی کی چھت پر پہنچ گیا۔ آسمان پر ستارے پھیکے پھیکے سے لگ رہے تھے اور شہر کی طرف کہیں کہیں آگ لگی ہوئی تھی۔ نعروں کی آوازیں بھی کبھی کبھی آ جاتی تھیں۔ پچھلی رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ میری نگاہ چھت پر ایک طرف بنی ہوئی پانی کی ٹینکی پر جم گئی۔ یہ ٹینکی کافی بڑی تھی اور میں نے خاص طور پر بنوائی تھی۔ میں نے ٹینکی کا ڈھکن ہٹا کر دیکھا۔ ٹینکی بالکل خالی تھی۔ شہناز کو یہاں چھپایا جا سکتا تھا۔ میں نیچے آ گیا اور شہناز سے کہا کہ صبح ہو گئی تو میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لینے شہر جاؤں گا جب تک میں واپس نہ آؤں وہ اوپر پانی کی ٹینکی میں چھپی رہے۔ شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب وہ جس طرح بھی ممکن تھا' اپنی جان بچانا چاہتی تھی۔

دن کی روشنی پھیل گئی تو میں نے شہناز کو اوپر لے جا کر ٹینکی میں اتار دیا اور تاکید کی کہ میرے واپس آنے تک باہر نکلنے کی غلطی نہ کرے۔ میں نے ٹینکی کا ڈھکن آدھا کھلا رکھا پھر میں تیزی سے نیچے آیا۔ جس فوجی کی میں نے وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے بٹوے میں دس پندرہ بھارتی کرنسی کے روپے روپے والے نوٹ بھی تھے۔ میں نے برین گن کاندھے سے لٹکائی۔ برآمدے میں آ کر کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور جیپ میں جا بیٹھا۔ پھر خدا کا نام لے کر سڑک پر نکل آیا۔ میں گلشن کی سنسان سڑکوں سے نکل کر چھاؤنی جانے والی بڑی سڑک پر آ گیا۔ کرفیو کو کھلے تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ دکانیں بند تھیں۔ اکثر دکانیں لوٹی ہوئی تھیں۔ اینٹ پتھر سڑک پر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ جلے ہوئے مکانوں سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے۔ چوراہے پر انڈین فوجیوں نے مجھے جیپ سے گزرتے دیکھ کر سیلوٹ کیا۔ میں نے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے جواب دیا۔ کچھ بنگالی جے بنگلہ کے نعرے لگاتے چوک میں سے گزر گئے۔ چھاؤنی ایک فرلانگ دور رہ گئی تو میں ... فارم گیٹ کی طرف گھوم گیا۔ چھاؤنی میں کثرت سے انڈین فوج موجود تھی۔ میں ادھر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہاں بازار میں بیکری کی ایک دکان کھلی تھی۔ میں جیپ روک کر دکان میں داخل ہوا تو بنگالی دکان دار نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا۔ میں نے دو بڑی ڈبل روٹیاں اور کچھ انڈے خرید کر لفافے میں رکھوائے اور پیسے دے کر باہر جیپ میں آ گیا۔ ایک بھارتی سپاہی میری جیپ کو غور سے دیکھ رہا تھا مجھے دیکھ کر وہ جلدی سے پرے ہٹ گیا اور سیلوٹ مار کا اٹنشن ہو گیا۔ میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "ادھر کیا دیکھتا تھا او' جانگلی۔ تم دشمن کے علاقے میں ہو' انبالہ چھاؤنی میں نہیں ہے"۔

انڈین سپاہی نے ایک بار پھر مجھے سیلیوٹ کیا اور کہا۔ "سب ٹھیک ہے' سر"۔

میں جیپ لے کر وہاں سے نکل آیا۔ وہ ایک کیپٹن کی جیپ تھی جبکہ میری وردی پر حوالدار رینک کے فیتے لگے تھے۔ کسی کو بھی شک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں زیادہ دیر کہیں بھی رکنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ اس وقت ڈھاکہ میں افراتفری کا سا عالم تھا۔ اور اس قسم کی ہزاروں انڈین فوجی جیپیں سڑکوں پر گھوم رہی تھیں۔ پھر بھی میں اپنی طرف سے کسی قسم کی بے احتیاطی نہیں برتنا چاہتا تھا۔ اب مجھے صرف اپنی ہی نہیں بلکہ ایک بے کس لڑکی کی جان بھی بچانی تھی۔

فارم گیٹ والی سڑک سے جیپ نکال کر میں گلشن کالونی کی طرف جا رہا تھا۔ جونہی ایک موڑ گھوما سامنے سڑک پر لوگوں کا چھوٹا سا ہجوم نظر آیا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ مکتی باہنی کے چار آدمی ایک گہرے سبز رنگ کی وردی والے نوجوان کو سنگینوں کی نوک پر سڑک کے کنارے درختوں کی طرف لے جا رہے تھے۔ بنگالی نعرے لگا رہے تھے۔ "پنجابی کو مارو"۔ میں نے بدقسمت نوجوان کو وردی سے پہچان لیا کہ وہ پاک فوج کا سپاہی ہے۔ میں اسے مکتی باہنی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترتے نہیں دیکھ سکتا

تھا۔ مکتی باہنی والے اس پاک فوج کے جوان کو سنگینوں سے چھلنی کرنے والے تھے کہ میں نے جیپ روک لی۔ پستول تان کر میں نے جیپ سے چھلانگ لگائی اور گرج کر کہا "اوئے تم جانگلی لوگ اس کو شوٹ نہیں کرے گا۔ یہ ہماری انڈین فوج کا قیدی ہے۔ اسے ہمارے حوالے کرو" مکتی باہنی والے اپنی آنکھوں سے مجھے تکنے لگے۔ میں نے ایک ہوائی فائر کیا اور ایک بار پھر زور سے گرجا "لوئے بھاگ جاؤ۔ نہیں تو ایک ایک کو بھون ڈالوں گا۔ یہ ہمارا قیدی ہے۔ اسے ہم شوٹ کرے گا"۔

مکتی باہنی والوں نے اپنے سامنے انڈین فوج کے حوالدار کو پستول تانے دیکھا تو بڑبڑاتے ہوئے دور ہٹ گئے۔ پاک فوج کا جوان ابھی تک زمین پر بیٹھا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا "جیپ میں بیٹھ جاؤ۔ تم ہمارا قیدی ہے... چلو... ڈبل مارچ جانگلی"۔ اس فوجی کے کاندھے پر رینک کا کوئی نشان نہیں تھا۔ فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے رینک کے فیتے نوچ ڈالے ہوں گے۔ شکست کے بعد فوجی ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ میں نے اس پر پستول تان لیا۔ "جلدی اٹھو... چلو... چلو بیٹھو جیپ میں"۔

وہ خاموشی سے میری جیپ کی اگلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ایک اور ہوائی فائر کیا۔ لوگوں کا مجمع ادھر ادھر ہو گیا۔ مکتی باہنی والے بھی مجھے کوستے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے نکل گیا۔

میں نے پاک فوج کے جوان سے کہا "اوئے یہ تو مجھے معلوم ہو گیا کہ تم کون ہو لیکن تمہاری رجمنٹ اور رینک کیا ہے؟ دیکھو مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ میں نے مکتی باہنی والوں سے تمہاری جان بچائی ہے۔ اب تم انڈین فوج کی قید میں ہو"۔

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ وہ گیارھویں پنجاب رجمنٹ کا لیفٹیننٹ ہے اور اس کا نام اقبال ہے۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا "تم جھوٹ بولتا ہے۔ تم لیفٹیننٹ نہیں۔ انٹیلی جینس کا کیپٹن ہے ہم تم سے پوچھ گچھ کرے گا"۔

وہ خوش شکل نوجوان سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر شکست کی ہزیمت تھی۔ میرے ڈانٹنے پر اس نے آہستہ سے کہا "ہاں، میں قیدی ہوں اور اب مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن جو کچھ میں کہا سچ کہا ہے اور میرا تعلق ... انٹیلی جینس سے نہیں بلکہ انجینئرنگ کور سے ہے"۔

میں نے سخت لہجے میں پوچھا "جب تمہاری رجمنٹ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، تو تم ادھر مکتی باہنی والوں کے ہتھے کیسے چڑھ گیا؟"

پاک فوج کے جوان نے بتایا کہ اس کی ڈیوٹی پوسٹ آفس پر تھی کہ ڈھاکہ فال ہو گیا اور غیر بنگالیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ وہ پوسٹ آفس کی عمارت میں چھپا رہا۔ اب موقع پا کر وہاں سے بھاگا تو مکتی باہنی والوں نے اسے پکڑ لیا "آپ نہ آتے تو یہ لوگ مجھے ہلاک کر چکے تھے"۔

"اب ہم بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تم نے ہمارے ہزاروں جوانوں کو مار ڈالا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ خاموش رہا۔ جیپ گلشن کالونی میں داخل ہو چکی تھی۔ میری کوٹھی کا گیٹ اسی طرح کھلا تھا اور کوٹھی کا لان ویران پڑا تھا۔ جیپ گیراج میں کھڑی کر کے میں نے پستول نکال لیا اور لیفٹیننٹ الطاف اکبر سے کہا۔ "چلو... اندر چلو... خبردار۔ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو شوٹ کر دوں گا۔"

میں اسے ٹی وی لاؤنج میں لے آیا۔ پاک فوج کا جوان یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ میں اسے شوٹ کرنے کے لئے اس ویران کوٹھی میں لایا ہوں۔ میں نے اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ پستول کا رخ اس کی جانب تھا۔ اس نے کہا "اگر تم نے مجھے شوٹ ہی کرنا تھا تو مکتی باہنی والوں سے کیوں بچایا تھا؟"

میں مسکرا دیا۔ پستول پیٹی کے ساتھ لگا دیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "وہ اس لئے کہ میں انڈین سپاہی نہیں... بلکہ پاکستانی مسلمان ہوں اور تمہارا خون ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

وہ ایک لمحے کے لئے جیسے سکتے میں رہ گیا... پھر اس نے میری وردی کی طرف اشارہ کیا اور کہا "یہ وردی، جیپ، یہ سب کچھ...؟"

میں نے اسے اپنے پاس فرش پر بٹھا لیا اور شروع سے آخر تک ساری کہانی سنا ڈالی۔ ڈھاکہ میں آنے سے پہلے... پٹھان کوٹ میں، میں نے کمانڈو کی حیثیت سے جو کارنامے دکھائے تھے۔ ان کا ذکر نہیں کیا۔ اسے یہی بتایا کہ میں ڈھاکے میں کاروبار کرتا تھا اور یہ کوٹھی میری ملکیت ہے۔

میں اوپر چھت پر گیا اور ٹینکی سے شہناز کو نکال کر نیچے لے آیا۔ وہ بے چاری خوف سے نیم جان ہو رہی تھی۔ میں نے نیچے آتے آتے اسے لیفٹیننٹ الطاف کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ اب ہم تین ہو گئے ہیں۔ کوئی نہ کوئی فرار کا راستہ نکال لیں گے۔ میں نے شہناز کو ڈبل روٹی اور انڈے دے کر کہا کہ وہ ناشتہ بنائے۔ الطاف اکبر نے کہا۔ "فوج کے رولز کے حساب سے کیپٹن ورما کی جیپ کا ہمارے گیراج میں زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں۔ کیپٹن ورما جب اپنی رجمنٹ میں نہ پہنچا تو اصولی طور پر اس کی اسی علاقے میں تلاش ہو گی۔ جہاں وہ ڈیوٹی پر تھا اور ہم اس وقت اسی علاقے میں ہیں میرے حساب سے تو آج شام تک ملٹری پولیس کے آدمی کیپٹن ورما کی تلاش میں یہاں آ جائیں گے۔ اس لئے ہمیں جتنی جلدی ہو سکے اس جیپ کو یہاں سے دور لے جا کر کسی گھاٹی یا تالاب میں لڑھکا دینا چاہیئے۔"

اس نوجوان لیفٹیننٹ کا اندازہ فوجی قوانین اور ضوابط کے اعتبار سے بالکل درست تھا لیکن میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ جیپ ہمیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دے سکتی ہے۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ جیپ ایک انڈین کیپٹن کی ہے جبکہ تم حوالدار کی وردی میں ہو۔ تمہاری

ہر جگہ چیکنگ ہو سکتی ہے اور کسی نہ کسی جگہ تم پکڑے بھی جا سکتے ہو ۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں پاک فوج کی وردی میں ہوں ۔ میں باہر نکلتے ہی گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ تیسری یہ کہ ایک عورت ہمارے ساتھ ہو گئی ۔ اسے ہم کہاں چھپائیں گے ؟"

" میرے بھائی ! اگر ہم ان باریکیوں پر غور کرتے رہے تو یہاں سے کبھی نہ نکل سکیں گے ۔ ہمیں جرأت سے کام لینا ہو گا ۔" میں نے کہا۔

" یہ میدان جنگ نہیں ہے ' جہاں ہم جرأت دکھا کر دشمن پر غالب آ سکیں گے ۔ ہم دشمن کے ملک میں ہیں اور ڈھاکہ فال ہو چکا ہے ۔ ہمیں جرأت کے ساتھ ساتھ عقل و فہم اور چالاکی اور عیاری سے بھی کام لینا ہو گا ۔ حالات کا تقاضا ہے کہ ہم جتنی جلدی ہو سکے ' اس جیپ سے چھٹکارا حاصل کریں ۔ اس کے بعد مجھے بھی کہیں سے بھارتی وردی حاصل کرنا ہو گی ۔ تاکہ پہلی ہی نظر میں پہچانا نہ جا سکوں ۔ اگر میں تمہارے ساتھ کرتے ' پاجامے کے ساتھ نکلتا ہوں تو مکتی باہنی والے مجھے پکڑ لیں گے اور شہناز کو کہاں تک بچا سکو گے ؟"

میں سوچ میں پڑ گیا۔

اتنے میں شہناز ناشتہ تیار کر کے لے آئی ۔ ہم نے خاموشی سے ناشتہ زہر مار کیا۔ صدمے کی وجہ سے شہناز کی بھوک مر چکی تھی ۔ مگر زندہ رہنے کے لئے اسے مجبور کر کے تھوڑا بہت کھلایا ۔ شہناز پڑھی لکھی عورت تھی ۔ فرار کے امکانات پر وہ بھی کسی وقت اپنی رائے کا اظہار کرتی ۔ بنگالی زبان ان دونوں میں سے میں زیادہ سمجھ لیتا تھا اور تھوڑی بہت بول بھی لیتا تھا لیکن اگر ہم روانی سے بھی بنگالی زبان بول لیتے تب بھی ہمارے کھلتے ہوئے رنگ اور قد کاٹھ ہمیں پکڑوا سکتے تھے ... مکتی باہنی والوں نے تو ایسے ایسے بہاریوں کو بھی قتل کر دیا تھا جن کے رنگ بنگالیوں جیسے تھے اور جو بڑی روانی سے بنگلہ بولتے تھے ۔ مقامی لوگ ان کے لہجے سے پہچان لیتے کہ وہ بنگالی نہیں ہیں ۔ اسی ادھیڑ بن میں دوپہر ہو گئی ۔

اچانک باہر کچھ شور سا سنائی دیا ۔ میں نے لیفٹیننٹ الطاف اور شہناز کو کچن میں جانے کا اشارہ کیا اور خود برین گن ہاتھ میں لے کر کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا تو میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

ایک سکھ فوجی گیٹ کے اندر آ کر گیراج میں کھڑی جیپ کو دیکھ رہا تھا۔ سڑک پر کچھ بنگالی لوٹا ہوا مال اٹھائے لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لہراتے ' شور مچاتے گزر رہے تھے ۔ میرے بوٹوں کی آواز سن کر سکھ فوجی میری طرف متوجہ ہوا ۔ میں نے دیکھا کہ اس کے کاندھے پر دو فیتے اور ایک کراؤن بنا ہوا تھا۔

وہ صوبیدار میجر تھا اور اس کا رینک مجھ سے بڑا تھا۔ میں نے زوردار سیلوٹ مارا۔ سکھ فوجی کے کاندھے پر برین گن لٹک رہی تھی ۔ اس نے جیپ کی طرف اشارہ کر کے کہا " اوئے جوان ۔ یہ جیپ یہاں رکھ کر تم اندر کیا کر رہے ہو ؟"

ایک سیکنڈ کے اندر اندر مجھے اس سکھ فوجی کے ساتھ جو سلوک کرنا تھا۔ وہ میں نے سوچ لیا اور ایک بار پھر سیلوٹ مار کر کہا "سر! اندر بہت مال ہے۔ ولایتی شراب ... دو عورتیں بھی ہیں۔ انہیں کہاں رکھنا ہے، سر! آڈر کریں۔ کیا ان عورتوں کو قید کر لیں یا شوٹ کر دیں؟"

میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔ ولایتی شراب اور عورتوں کے بارے میں سن کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولا "چلو ہمیں دکھاؤ"۔

میں یہی تو چاہتا تھا۔ فوراً دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا اندر کمرے میں داخل ہوا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں اسے برین گن کا برسٹ نہیں مارنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کی وردی خون آلود اور ناکارہ ہو جاتی جبکہ مجھے اس کی ضرورت تھی یہاں مجھے ایک خاص قسم کے کمانڈو ایکشن سے کام لینا تھا کہ جس سے ایک سیکنڈ میں دشمن کی گردن کا منکا توڑ دیا جاتا ہے۔ کمانڈو ٹریننگ کے استاد کہا کرتے تھے کہ اس ایکشن کو اگر پوری ٹائمنگ اور مہارت سے کیا جائے تو خود دشمن کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا ہے اور وہ مر چکا ہے۔ میں انڈین حوالدار کی وردی میں تھا۔ سکھ صوبیدار میجر کو ایک لمحے کے لئے بھی شک نہ ہوا۔ گیراج میں انڈین فوج کی جیپ کھڑی تھی۔ وہ طمینان سے ٹی وی لاؤنج میں آ کر بولا "کہاں ہے، مال او جوان؟"

میں اس کے قریب پہنچ گیا "سر، دوسرے کمرے میں ہے"۔

وہ میرے بیڈ روم کی طرف بڑھا جس کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ مجھے اسی دروازے کی دہلیز پر کمانڈو ایکشن کرنا تھا۔ یہ دہلیز اس سکھ فوجی کی زندگی کا آخری مقام تھا اور دہلیز پر موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ایک خاص پوزیشن میں کر لیا۔ میری رگ رگ میں بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ سکھ فوجی نے دہلیز کی طرف قدم بڑھایا۔ اسے دوسرا قدم رکھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ میں کسی طاقت ور چیتے جیسی تیزی سے اچھلا اور دوسرے ہی لمحے سکھ فوجی کی گردن میرے بازوؤں کے شکنجے میں ایک طرف لڑھکی ہوئی تھی۔ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے بازو جھول گئے۔ میں نے اسی چھوڑ دیا۔ وہ دھڑام سے منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔

کچن سے شہناز اور الطاف اکبر بھی آ گئے۔ شہناز سراسیمہ تھی۔ وہ قتل پر قتل دیکھ رہی تھی۔ لیفٹیننٹ الطاف نے تیزی سے آگے بڑھ کر سکھ فوجی کی لاش سیدھی کی اور میری طرف دیکھ کر بولا "تم نے کمانڈو ٹریننگ کہاں سے حاصل کی؟ کیا تم فوج میں رہ چکے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا "بالکل نہیں۔ یہ داؤ پیچ تو مجھے میرے ایک استاد نے سکھائے تھے۔ اب تم جلدی سے اس کی وردی اتار کر پہن لو"۔ یہ کہہ کر میں اور شہناز کچن میں چلے گئے۔ شہناز بے چاری تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں کہنے لگی "یہ ملک بہت بڑا ہے۔ ہم کہاں تک بھاگ سکیں گے؟؟"

" یہ ملک آج اگر بنگلہ دیش بن گیا ہے تو کل مشرقی پاکستان بھی تھا۔ یہاں ہمارے دشمن ہیں تو کہیں نہ کہیں ہمارے ہمدرد بھی ضرور ہوں گے۔ وہ ہماری مدد کریں گے "۔

لیفٹیننٹ کچن میں آ گیا۔ وہ صوبیدار میجر کی وردی میں تھا اور برین گن اس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔ وہ اس کی جیب سے نکلی ہوئی پاس بک اور دوسرے کاغذات پڑھ رہا تھا۔ اس صوبیدار میجر کا نام بارا سنگھ تھا اور وہ جاٹ رجمنٹ کا جوان تھا۔ اس کی پاس بک ہمیں اس کی لاش کے ساتھ ہی غائب کر دینی ہو گی۔

سکھ فوجی کی جیب سے کچھ بھارتی کرنسی نکلی۔ ایک گورمکھی میں لکھا ہوا خط بھی تھا۔ جس پر لدھیانہ کے کسی گاؤں کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ لدھیانہ انگریزی میں لکھا تھا۔ باقی سارا پتہ گورمکھی میں تھا۔ ہم نے سکھ فوجی کی لاش اس کا خط، اس کی پاس بک اور الطاف اکبر کی وردی کو بھی تختہ اٹھا کر بیڈ روم کے اس تہ خانے میں پھینک دیا۔ جہاں پہلے سے تین لاشیں اب بو دینے لگی تھیں۔ پاس بک کو اس لئے لاش کے ساتھ تہ خانے میں پھینک دیا کہ اس پر سکھ صوبیدار میجر کی تصویر لگی تھی۔ ہمارا پروگرام یہ بنا کہ شام کا اندھیرا ہوتے ہی جیپ لے کر نکل پڑیں اور شمال کی طرف کسی مقام سے بارڈر کراس کر کے نیپال میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔ یہ پروگرام بنانا بڑا آسان تھا لیکن ہمیں معلوم تھا کہ اس جان لیوا سفر پر قدم قدم پر موت منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ اب سب سے بڑا مسئلہ شہناز کا تھا۔ اسے ہم نے کے لئے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ہم ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ایک شریف پاکستانی خاتون کو مکتی باہنی والے اغوا کر کے لے جائیں۔ کافی سوچ اور بچار کے بعد آخر ہم نے آپس میں یہی طے کیا کہ شہناز کو مردانہ لباس پہنا کر سویلین بنگالی نوکر کے بھیس میں ساتھ رکھ لیا جائے۔ میں نے اسی وقت جیپ نکالی اور شہر کے ایک پرانے بازار میں آ گیا۔ جہاں سیکنڈ ہینڈ کپڑے وغیرہ ملتے تھے۔ بنگالی، انڈین جیپ دیکھ کر اکٹھے ہو گئے تھے اور جے بنگلہ کے نعرے لگانے لگے۔ میں نے دکاندار سے ایک کرتہ، کھلا پاجامہ اور ربر کے پرانے تین چار بوٹ خریدے کہ کوئی تو شہناز کے پورا آ جائے گا۔ میں نے دکاندار کو اپنی رجمنٹ ہیڈ کوارٹر کا جھوٹ موٹ ایڈریس لکھ کر دے دیا کہ بل وہاں بھیج دے۔ وہ بھلا انکار کیسے کر سکتا تھا۔

واپسی پر میں نے ایک سڑک پر وہ ٹرک جاتے دیکھے جن میں پاک فوج کے جوان جنگی قیدیوں کی حیثیت سے خاموش بیٹھے تھے اور لوگ ان کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر میں سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

کوٹھی میں واپس آ کر ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ چاقو کی مدد سے شہناز کے لمبے بال کاٹ ڈالے۔ اس کا جسم دبلا پتلا تھا۔ اسے مردانہ لباس پہنایا تو وہ بالکل سانولا بہاری لڑکا لگنے لگی۔ ایک جوتا اسے پورا آ گیا۔ احتیاطاً ایک چار خانہ دھوتی اس کے کاندھوں پر اوڑھا دی۔ جب شام کا اندھیرا ڈھاکہ شہر کے

بازاروں میں اتر آیا تو ہم نے جیپ میں پٹرول چیک کیا۔ ٹینکی کافی بھری ہوئی تھی۔ اگلی سیٹوں پر میں یعنی حوالدار گھنشام اور الطاف اکبر یعنی صوبیدار میجر دربارا سنگھ بیٹھ گئے۔ پچھلی سیٹ پر شہناز کو بٹھایا اور اسے ہدایت کردی کہ وہ گونگی بنی رہے اور کوئی بات نہ کرے۔۔ پھر ہم نے خدا کا نام لیا اور جیپ نکال کر ڈھاکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہماری جیپ ڈھاکہ کے بازاروں سے گزر رہی تھی۔ ہتھیار ڈالنے کے بعد بڑے الم انگیز مناظر دیکھنے میں آ رہے تھے۔ بنگالیوں کی اکثریت وقتی جذبات کے طوفان میں گھر چکی تھی۔ یہ لوگ ہندوستانی فوجیوں کے خیر مقدم میں نعرے لگا رہے تھے۔ ہم ایک بھارتی فوجی جیپ میں سوار تھے اور ہماری وردیاں بھی بھارتی فوج کی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر بنگالی خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ ہمیں بھی ہاتھ ہلا ہلا کر ان کے نعروں کا جواب دینا پڑتا۔ اگرچہ ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے تھے... میں حوالدار گھنشام داس اور میرا ساتھی الطاف اکبر صوبیدار میجر' دربارا سنگھ کی وردی میں اور پاکستانی سی۔ ایس۔ پی افسر کی بیوی شہناز مردانہ لباس میں ' ہمارے سویلین بنگالی ملازم کے بھیس میں تھی۔ میں جیپ چلا رہا تھا۔ الطاف اکبر میری ساتھ والی سیٹ پر اور شہناز پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ کوئی انڈین فوجی جیپ یا ٹرک ' ہمارے قریب سے گزرتا تو ہم ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا کر سلام کرتے۔ ہم کرمی ٹولہ کے علاقے سے گزرے تو ہمیں بنگالیوں نے گھیر لیا اور ہمیں پھولوں کے ہار پہنائے اور مٹھائی کے دو لفافے دیئے۔ وہ چیخ چیخ کر انڈین فوج اور بنگلہ دیش زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ شہناز پچھلی سیٹ پر دبکی بیٹھی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ بھی اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے۔

بڑی مشکل سے ہم نے جیپ کو بھیڑ میں سے نکالا اور کملا پور کی طرف سے ہوتے ہوئے چٹاگانگ کی طرف جانے والی بڑی سڑک پر آ گئے۔ ایک جگہ سڑک کے کنارے درختوں میں جیپ کھڑی کر کے ہم نے مٹھائی کھائی کیونکہ ہمیں بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے شہناز کو دبے لہجے میں تھوڑا سا ڈانٹا کہ اگر وہ بنگالیوں کو دیکھ کر اسی طرح گھبراتی رہی تو ہم پکڑے جائیں گے۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ وہ مجبور ہے۔ الطاف اکبر نے کہا۔ اگر وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھالے گی تو ہمیں مکتی باہنی کی گولیوں کا نشانہ بننے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ شہناز نے وعدہ کیا کہ وہ ہماری ہدایات پر عمل کرے گی۔

پہلے ہمارا منصوبہ نیپال کی سرحد پار کرنے کا تھا مگر کافی سوچ بچار کے بعد اب ہمارا ارادہ چٹاگانگ کے ہل ٹریکس پار کر کے برما کی طرف فرار ہونے کا تھا۔ کیونکہ نیپال کی سرحد کے اس طرف شائل انڈین کمانڈ نے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔ اگر ہمارے پاس جیپ نہ ہوتی تو ہم نرائن گنج کے مقام پر دریا پار کر کے آگے جنگل میں نکل جاتے لیکن ہم جیپ اور انڈین فوجی وردیوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر

جتنی دور ہو سکتا تھا' بذریعہ سڑک نکل جانا چاہتے تھے۔ ڈھاکہ سے چٹاگانگ تک بہت طویل سفر تھا۔ جیپ پر یہ سفر خطرناک بھی تھا۔ میں اس سڑک پر اپنی ائر کنڈیشنڈ کار میں رنگ پور تک سفر کر چکا تھا۔ یہ ایک رات اور ایک دن کا سفر تھا۔ راستے میں ہمیں پٹرول بھی لینا تھا۔ ہمارے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ کئی مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ جگہ جگہ انڈین اور بنگالی رجمنٹوں نے چیک پوسٹیں قائم کر رکھی ملیں۔ تفصیلی پوچھ گچھ اور کاغذات کی پڑتال کے وقت ہم پکڑے بھی جا سکتے تھے۔ میں انہی خیالات میں گم تھا اور جیپ سڑک پر تیز رفتاری سے بھاگی جا رہی تھی۔

شام کے سائے ہونے لگے تو ہمیں سامنے سڑک کے درمیان ایک انڈین فوج کا ٹرک کھڑا نظر آیا۔ اس کے آگے ایک بھارتی فوجی کھڑا بازو ہلا ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا... الطاف اکبر نے مشورہ دیا کہ جیپ نہ روکی جائے مگر میں نے دیکھ لیا تھا کہ ٹرک میں وائرلیس تھا جس کا ایریل باہر نکلا ہوا تھا۔ اگر ہم وہاں رکے بغیر بھاگ جاتے ہیں تو ٹرک میں بیٹھے بھارتی فوجیوں کو ہم پر شک ہو سکتا ہے اور وہ ہمارے بارے میں سگنل دے کر مشکلات پیدا کر سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے ٹرک کے ایک جانب جیپ روک لی۔ ایک سکھ سپاہی نے ہمارے قریب آ کر سیلوٹ کیا اور کہا۔ "سر! تیل ختم ہو گیا ہے"۔

میں نے دیکھا کہ فوجی ٹرک کی اگلی سیٹ پر ایک اور سکھ فوجی بیٹھا تھا۔ میں نے سکھ سپاہی سے کہا کہ ڈبہ لے کر جیپ کی ٹینکی میں سے تھوڑا سا تیل نکال لے۔ میں اس مصیبت سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ حالانکہ ہمیں خود پٹرول کی بہت ضرورت تھی۔ سکھ سپاہی نے سیلوٹ مارا۔ ٹرک کے پیچھے سے ایک ٹین کا ڈبہ اور ربڑ کی نلکی نکالی اور جیپ کی ٹینکی میں سے پٹرول نکالنے لگا۔ میں جیپ میں بیٹھا رہا۔ میری انگلی' اسٹین گن کے ٹرائیگر پر تھی۔ میں کسی بھی صورت حال کے لئے بالکل تیار تھا۔ لیفٹیننٹ الطاف خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ اتنے میں سامنے سے ایک انڈین فوجی جیپ تیزی سے آئی اور ہمارے پہلو میں رک گئی۔ میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ اس میں ایک انڈین میجر اور اس کے دو باڈی گارڈ سوار تھے۔ انڈین میجر کی مونچھیں نوکیلی تھیں اور کاندھے پر کراؤن چمک رہا تھا۔ اس نے کرخت آواز میں پوچھا "ادھر تم لوگ کیا کر رہے ہو؟"

دوسرے سکھ فوجی نے جلدی سے اتر کر سیلوٹ مارا اور بتایا کہ پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ انڈین میجر نے ہماری جیپ کی طرف دیکھا اور وہیں سے بولا۔ "کون سی رجمنٹ کے ہو؟"

یہاں مجھ سے ایک سخت غلطی ہو گئی تھی۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ضابطے کے مطابق ایک انڈین میجر کو سامنے د... فوراً اپنی جیپ سے اتر کر اسے سیلوٹ کرتے۔ یہی غلطی ہمیں لے کر بیٹھ سکتی تھی۔ میں تو... میں اس... کود کر' میجر کے قریب گیا اور سیلوٹ مار کر بولا۔ "سر! پندرہ حصار رجمنٹ"۔
...ے دو تین... یپ سے اتر آیا اور میرے قریب آ کر بولا "جوان! اپنی پاس بک دکھاؤ"۔
...بکی جہاں بنگالی... سویلین ہوتا تو گھبرا جاتا لیکن میں ایک ٹرینڈ کمانڈو تھا اور اس قسم کے موقعوں کے
...ت کے سوا بار...

لئے تو کمانڈوز کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی ہے ۔ اگرچہ میرے پاس حوالدار گھنشام داس کی پاس بک موجود تھی مگر میں نے اس پر لگی ہوئی گھنشام داس کی تصویر اتار کر پھاڑ دی تھی ۔ میں نے جلدی سے کہا " سر ! جیپ میں ہے "۔ یہ کہہ کر میں تیزی سے مڑا ' ڈبل مارچ کرتا اپنی جیپ تک آیا... لیفٹیننٹ الطاف کچھ گھبرایا ہوا تھا ۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی شہناز بھی سہمی ہوئی تھی ۔ میں یونہی جیپ کا ڈیش بورڈ کھولنے کے لئے جھکا اور دھیمی آواز میں الطاف سے کہا " ایکشن ... " اور اس کے ساتھ ہی میں نے پلٹ کر میجر پر اسٹین گن کی باڑ ماری ۔ وہ اچھل کر گرا ۔ میں نے فوراً ہی اس کے پیچھے 'جیپ میں کھڑے ہوئے دونوں فوجیوں کو بھی بھون ڈالا ۔ اس دوران میں الطاف نے بے حد مستعدی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اسٹین گن سے پٹرول بھرتے ہوئے سکھ اور ٹرک کے پاس کھڑے دوسرے سکھ فوجی کو گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا تھا ۔ سڑک پر پانچ فوجیوں کی لاشیں تڑپ رہی تھی ۔ میں نے الطاف سے کہا ۔ " لاشوں کو اٹھا کر جھاڑیوں کے پیچھے پھینک دیا جائے "۔

شہناز کا خوف سے برا حال ہو رہا تھا ۔ ہم نے جلدی جلدی پانچوں لاشیں سڑک سے گھسیٹ کر گھنی جھاڑیوں میں پھینک دیں پھر ٹرک اور جیپ کو دھکا لگا کر سڑک کے دوسری جانب درختوں کی طرف لڑھکا دیا ۔ فوجیوں 'ٹرک اور جیپ کی تلاشی لینے پر ہمیں انڈین کرنسی میں کوئی پانچ چھ سو روپے کی رقم ' دو بھرے ہوئے ریوالور اور اسٹین گن کا ایمونیشن ملا ۔ یہ ایمونیشن ہم نے اپنی جیپ میں رکھا اور تیزی سے آگے روانہ ہو گئے ۔ الطاف نے سانس درست کرتے ہوئے کہا ۔ " تم مجھے کمانڈو لگتے ہو . یہ ایک کمانڈو ایکشن ہی تھا "۔

میں نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ کالج کے زمانے میں کمانڈو ٹریننگ لی تھی ۔

جیپ سڑک پر ۔ سے کہیں نکل آئی تھی ۔ سڑک پر دونوں جانب بلند اور گھنے درخت تھے ۔ ان درختوں کے سائے ' شام کے بڑھتے پھیلتے جھٹپٹے میں گم ہو رہے تھے ۔ راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں آیا ۔ اب رات ہو گئی تھی ۔ وہاں ایک بنگالی ریستوران کے باہر کچھ بنگالی بیٹھے چائے پی رہے تھے ۔ میں نے جیپ ایک طرف کھڑی کر دی ۔ بنگالی دکان دار اور گاہکوں نے انڈین فوجیوں کو دیکھ کر جے بنگلہ کے نعرے بلند کیئے ۔ میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر ان کے نعروں کا جواب دیا اور کھانا طلب کیا ۔ وہاں سے ہمیں چاول اور ابلی ہوئی مچھلی مل گئی ۔ میں نے پیسے دینے چاہے مگر بنگالی دکان دار نے پیسے لینے سے انکار کر دیا ۔ ہم نے جیپ میں بیٹھ کر کھانا کھلیا ۔ ایک بنگالی ملازم پانی لے کر آیا جس نے گھور کر شہناز کو دیکھا... پھر بنگلہ زبان میں شہناز سے کوئی سوال کیا ۔ کیونکہ شہناز کا حلیہ کسی بنگالی لڑکے کا تھا ۔ شہناز نے آگے سے گونگوں کی طرح غوں غاں کی ۔ میں نے بنگالی لڑکے سے کہا کہ یہ بنگالی طرف کا ہے ۔ بنگالی ملازم ہنسنے لگا اور آگے سے وہ بھی گونگوں کی نقل اتارتے ہوئے غوں غاں کرنے لگا ۔ کھانا کھانے کے بعد ہم نے برتن بنگالی ملازم کے حوالے کیئے ' اسے دو روپے بخشش دی اور جیپ اسٹارٹ کر کے

وہاں سے آگے نکل گئے۔

جوں جوں رات گہری ہو رہی تھی' سفر دشوار ہونے لگا تھا۔ ایک تو سڑک پر روشنی نہیں تھی' دوسرے نیند کا غلبہ ہونے لگا تھا۔ شہناز پچھلی سیٹ پر سو گئی تھی الطاف بھی اونگھ رہا تھا۔ کبھی کبھی جیپ چلاتے ہوئے مجھے بھی اونگھ آ جاتی۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی اور جیپ بے قابو ہو کر کسی کھڈ میں گر سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی محفوظ مقام پر جیپ روک کر باقی رات آرام کیا جائے۔

ایک جگہ بڑی سڑک میں سے ایک چھوٹی کچی سڑک کھیتوں اور درختوں کی جانب نکلتی تھی۔ میں نے جیپ کو اس سڑک پر ڈال دیا۔ یہ اونچی نیچی کچی سڑک تھی اور چھکڑوں وغیرہ کے لئے بنائی گئی تھی۔ کچھ فاصلے پر سڑک سے ہٹ کر ایک جگہ روشنی دکھائی دی۔ الطاف نے اس طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کوئی گاؤں لگتا ہے۔ ہمیں اس طرف نہیں جانا چاہئے"۔ میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کچی سڑک سے جیپ کو اتارا اور ایک جگہ آم کے گھنے درخت کے نیچے کھڑی کر دی۔ زمین پر سانپ بچھو کا ڈر تھا' اس لئے جیپ میں ہی سونے کا فیصلہ کیا گیا۔ میں نے الطاف سے کہا کہ آدھی رات تک وہ سو جائے' میں پہرہ دیتا ہوں۔ اس کے بعد میں آرام کروں گا تو وہ پہرہ دے۔ چنانچہ الطاف جیپ کی اگلی دونوں سیٹوں پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔ میں اسٹین گن لئے پہرہ دینے لگا۔ بالتھوڑی ہی دیر بعد اس نوجوان پاکستانی لیفٹیننٹ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ میں سوچنے لگا۔ خدا لمجانے پنجاب میں مقیم اس نوجوان کے ماں باپ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے لئے کس خضوع و خشوع سے دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔ ایسے سینکڑوں نوجوان تھے جن کی زندگیوں ... کے لئے پاکستان میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں' کسی کو ان کے مستقبل' ان کی زندگیوں کے بارے میں علم نہیں تھا۔

آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ شہناز پچھلی سیٹ پر گہری نیند سو رہی تھی۔ بدقسمت دلہن' مشرقی پاکستان کے خونی انقلاب کے سیلاب میں اپنے شوہر کی موت کے بعد تنکے کی طرح بہہ رہی تھی۔ میں سوچنے لگا۔ اس کی وجہ سے ہم بھی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ مردانہ لباس میں تھی مگر یہ بڑا ناقابل اعتبار حلیہ تھا۔ وہ پہچانی جا سکتی تھی۔ ہم اسے اپنے سے الگ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں اسے اپنے ساتھ ہی برما کی سرحد پار کرانا چاہتا تھا۔

میں اس طرف دیکھنے لگا' جدھر روشنی ہو رہی تھی۔ یہ کسی لالٹین کی روشنی تھی۔ اندھیرے میں مجھے دو تین جھونپڑیوں کے دھبے سے نظر آ رہے تھے۔ یہ کوئی گاؤں نہیں تھا' دو تین جھونپڑیاں تھیں جہاں بنگالی کسان رہتے تھے۔ مجھے نیند آ رہی تھی مگر میں ڈیوٹی پر تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے سوا بارہ بج رہے تھے۔ ہم چاروں طرف سے دشمن کے گھیرے میں تھے۔ پاک فوج ہتھیار

ڈال چکی تھی۔ ظاہر ہے' وہ بھارتی فوجیوں کی قید میں تھی۔ مکتی باہنی نے انڈین فوج کے ساتھ مل کر ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ہم انڈین وردیوں میں ضرور تھے مگر ہمارا بھانڈا کسی بھی وقت پھوٹ سکتا تھا۔ آس پاس جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے نیند پر غلبہ پانے کے لئے میں چل پھر کر پہرہ دینے لگا۔ رات اگرچہ خنک تھی مگر حبس ہو گیا تھا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ الطاف کو گہری نیند سے جگاؤں مگر میرا آرام کرنا بھی ضروری تھا۔ میں نے دو بجے' اسے جگا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔ "اماں جی... اماں جی..." وہ خواب میں شاید اپنی ماں سے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے سامنے دیکھ کر' اس نے کلمہ شریف پڑھ کر منہ پر دونوں ہاتھ پھیرے اور بولا "خواب میں اماں جی میرے سر پر پیار کر رہی تھیں"۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر میں ان آنسوؤں کو پی گیا... الطاف اکبر میری جگہ پہرہ دینے لگا اور میں جیپ کی اگلی سیٹوں پر لیٹ گیا۔ فوراً ہی نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب الطاف میرے کاندھے کو آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "عامر بھائی! اٹھو' دن نکلنے والا ہے"۔

میں نے دیکھا' آسمان پر صبح کی زمردیں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شہناز ابھی تک بے سدھ پڑی تھی۔ میں نے الطاف سے کہا ہمیں ان جھونپڑی والوں سے ہاتھ منہ دھونے کے لئے پانی اور کچھ کھانے پینے کے لئے حاصل کرنا ہو گا۔ شہناز بھی جاگ گئی تھی۔ ہم نے اسے ساتھ لیا... اور جھونپڑیوں کی طرف چل دیئے۔ ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔ دو بنگالی کسان دھوتیاں باندھے' ایک جھونپڑی کے باہر بیٹھے' ناریل کا پانی پی رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی چگی داڑھی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ مسلمان لگتے ہیں لیکن' خبردار! انہیں اپنا راز نہ بتانا"۔

ایک دھوتی پوش دبلی پتلی ادھیڑ عمر کی عورت' جھونپڑی کے ایک جانب بیٹھی' چولہے میں آگ جلا رہی تھی... دو بھارتی فوجیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر بنگالی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ہمیں سلام کیا۔ ان دونوں میں ایک جوان اور ایک پکی عمر کا تھا۔ دونوں دبلے پتلے اور کمزور تھے۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔ "ہم بھارتی فوجی ہیں۔ ہمیں ہاتھ منہ دھونے کے لئے پانی اور کچھ کھانے کو چاہئے"۔

میرے لہجے کے تحکم سے وہ سہم گئے۔ ان میں جو بڑا تھا' اس نے اپنی بیوی کو جھریا کہہ کر آواز دی۔ یہ نام ہندوؤں کا تھا مگر بوڑھے بنگالی کی داڑھی بتا رہی تھی کہ وہ مسلمان ہے... پھر خیال آیا کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان اپنی بیویوں... اور لڑکیوں کے دو نام رکھتے ہیں۔ ایک مسلمانوں کا... اور دوسرا ہندوؤں والا نام۔ اس کی بیوی نے ہمارے لئے زمین پر چٹائی بچھا دی۔ میں نے منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی مانگا تو بوڑھے بنگالی نے ایک طرف درختوں میں اشارہ کر کے بتایا کہ ادھر ایک تالاب ہے... پہلے میں تالاب پر

گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ جس کی سیڑھیاں پانی میں اتر گئی تھیں۔ اس قسم کے تالاب مشرقی پاکستان کے دیہاتوں میں عام ہوتے تھے۔ میں نے ہاتھ' منہ دھویا پھر الطاف کو بھیج دیا۔ وہ واپس آیا تو شہناز کو تالاب پر جانے کا اشارہ کیا۔ شہناز خاموشی سے ادھر چل دی۔ اس کا لباس تو بنگالی لڑکوں جیسا تھا مگر چال عورتوں جیسی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ بوڑھا بنگالی اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

ہم نے ناشتہ کیا۔ بوڑھے بنگالی کی بیوی نے کالک لگی کیتلی میں ہمارے لئے چائے بنا دی۔ معلوم ہوا کہ میرا اندازہ درست تھا۔ یہ ایک مسلمان بنگالی کنبہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد جھونپڑی کے اندر سے ایک خوش شکل نوجوان بنگالی لڑکی نکل آئی۔ وہ ہمیں خوف زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ بوڑھے بنگالی نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ یہ اس کی بیٹی ہے۔ وہ ہمیں باتوں میں لگا کر ہماری توجہ اپنی بیٹی کی طرف سے ہٹانا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بھگوڑے پاکستانی فوجی تو یہاں نہیں ہیں؟ اس نے ایک گہری سانس بھر کر بتایا کہ ادھر جتنے پاکستانی فوجی تھے' سب کو انڈین فوج گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ میں نے جیب سے انڈین کرنسی کے بیس روپے نکال کر بوڑھے کو دیئے۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ وہ ابھی تک خوف زدہ تھا اور اس نے اپنی لڑکی کو اس دوران میں اشارہ کر کے دوسری جھونپڑی میں بھیج دیا تھا۔ کیونکہ مکتی باہنی اور انڈین فوجی بنگالی لڑکیوں کو بھی اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ میں نے زبردستی اسے بیس روپے دیئے اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلے ہی تھے کہ ایک طرف سے فوجی جیپ آتی دکھائی دی۔ میں نے الطاف کی طرف دیکھ کر اسے ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا اور شہناز سے کہا کہ وہ درختوں کے درمیان کھڑی اپنی جیپ میں جا کر بیٹھے۔ شہناز چلی گئی۔

جیپ ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ یہ کسی بنگلہ رجمنٹ کی جیپ تھی اور اس میں چار مکتی باہنی کے غنڈے سپاہی سوار تھے۔ انہوں نے رائفلیں تھام رکھی تھی۔ ان میں سے ایک جیپ ہی میں بیٹھا رہا۔ دوسرا جیپ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ دو مکتی باہنی والے ہماری طرف بڑھے۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ ان کی وردیاں مکتی باہنی کی تھیں اور آنکھوں سے وحشت اور درندگی ٹپک رہی تھی۔ انہوں نے ہمیں سیلوٹ کیا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا کہ وہ لوگ یہاں مرغیاں اور انڈے لینے آئے ہیں۔ میں نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور الطاف کو ساتھ لے کر واپس اپنی جیپ کی طرف چل دیا۔ ہمارے لئے ان لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں ہماری جیپ کھڑی تھی۔ میں جیپ اسٹارٹ کرنے ہی والا تھا کہ کسی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ ہم نے درختوں کے درمیان سے دیکھا' دو مکتی باہنی والے جھونپڑی میں سے اسی جوان لڑکی کو گھسیٹ کر اپنی جیپ کی طرف لے جا رہے تھے۔ دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ بنگالی بوڑھا اور اس کا بیٹا' ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ لڑکی کی ماں اپنی چھاتی پیٹ رہی تھی۔

میں اسٹین گن لئے اچھل کر جیپ سے اترا اور الطاف سے کہا۔ "مجھے کور دینا"... دو چار چھلانگوں میں درختوں کے جھنڈ سے نکل کر جھونپڑی سے چند قدموں کے فاصلے پر میں نے خود کو زمین پر گرا دیا اور ایک ہوائی برسٹ مار کر چلایا۔ "اس لڑکی کو چھوڑ دو"۔

مکتی باہنی والے رک گئے، جو جیپ کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے فوراً پوزیشن سنبھال لی۔ ان کا لیڈر انگریزی زبان میں چلایا۔ "تم انڈین سولجرز کی ہم نے مدد کی ہے۔ ہم نہ ہوتے تو تم لوگ پاکستانیوں سے ہتھیار نہیں ڈلوا سکتے تھے۔ اب ہمیں لوٹ مار کیوں نہیں کرنے دیتے۔ تم بھی تو لوٹ مار کر رہے ہو"۔

میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔ "سور کی اولاد! اس لڑکی کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو میں فائر کھول دوں گا"۔

انہوں نے لڑکی کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور میرے چیلنج کی پروا کیئے بغیر اسے اپنی جیپ کی طرف گھسیٹنے لگے۔ جو آدمی جیپ کے پاس پوزیشن سنبھالے ہوئے تھے انہوں نے مجھ پر فائرنگ شروع کر دی اس سے پہلے کہ میں فائر کرتا پیچھے الطاف اکبر تڑاتڑ گولیاں برسانے لگا وہ خالص فوجی تھا اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جا سکتا تھا اس کی اسٹین گن کے پہلے برسٹ نے ہی ان دونوں کو بھون ڈالا جو جیپ کے پاس پوزیشن سنبھالے ہوئے تھے دوسرے دونوں لڑکی کو چھوڑ کر زمین پر لیٹ گئے اب دونوں طرف سے فائرنگ ہونے لگی لڑکی بھاگ کر جھونپڑی میں چھپ گئی۔ گولیاں تڑاتڑ کرتی میرے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ میں کہنیوں کے بل رینگتا ہوا بائیں جانب ایک درخت کی اوٹ میں آ گیا۔ عقب سے میرا ساتھی برابر فائر کر رہا تھا۔ اسے یہ فائدہ حاصل تھا کہ وہ نشانے کی زد پر نہیں تھا۔ اس نے درخت کی ایک شاخ پر چڑھ کر نیچے زمین پر گولیاں برسائیں تو اس جگہ سے مٹی اڑی جہاں دونوں مکتی باہنی والے لیٹے ہوئے تھے۔ انہیں حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تو وہ رینگتے ہوئے اپنی جیپ کی طرف بڑھنے لگے۔ الطاف اکبر کی گولیاں، ان کے اردگرد برس رہی تھیں۔ جونہی ایک مکتی باہنی والا اٹھ کر جیپ کی اوٹ لینے کے لئے دوڑا، گولیاں اس کی کمر میں گھس گئیں۔ وہ چیخ مار کر گر گیا۔ میں نے دوسرے پر برسٹ مارا۔ چند سیکنڈ بعد اس کی لاش بھی زمین پر تڑپ رہی تھی۔ میں دوڑ کر لاشوں کے پاس گیا۔ الطاف بھی میرے قریب آ گیا۔ بنگالی بوڑھا اپنے بیٹے کے ساتھ جھونپڑی سے نکل آیا۔ وہ ہاتھ جوڑے ہمارا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

لیکن اس کے لہجے میں اب بھی رحم کی درخواست تھی۔ اسے اب بھی خطرہ تھا کہ ہم یعنی بھارتی فوجی کہیں اس کی لڑکی نہ لے جائیں۔ میں نے کچھ بنگلہ اور کچھ اردو میں بوڑھے سے کہا کہ وہ فکر نہ کرے، ہم دونوں مسلمان انڈین فوجی ہیں۔ اس پر بوڑھے بنگالی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور وہ میرے پاؤں پکڑ کر زار و قطار رونے لگا وہ بار بار اسلام اور مسلمانوں پر ٹوٹنے والے ظلم کا

تذکرہ کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو آواز دی اور زور زور سے کلمہ شریف پڑھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ہم نے اس سے زیادہ اسے کچھ نہ بتایا کہ ہم انڈین فوجی ہیں مگر مسلمان ہیں۔ اس بے چارے کو بھلا کیا معلوم کہ جو بھارتی ڈویژن ' مشرقی پاکستان پر حملہ آور ہوئے تھے ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ اس وقت ... ضروری بات یہ تھی کہ لاشوں اور جیپ کو وہاں سے ہٹا دیا جائے ... ہم نے چاروں لاشوں کو اٹھا کر ' ان کی جیپ میں پچھلی سیٹ پر ڈال کر ' اوپر گھاس پھونس ڈال کر انہیں چھپا دیا پھر زمین پر گرے ہوئے خون کے دھبوں کو بھی مٹا دیا۔

جس جیپ میں مکتی باہنی کی لاشیں پڑی تھیں ' اسے میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے الطاف اکبر ' شہناز کو لئے ' جیپ میں چلا آ رہا تھا۔ بڑی سڑک پر آنے کی بجائے ' میں جیپ کو درختوں میں سے نکال کر ایک اونچی جگہ پر لے گیا۔ جہاں نیچے گہری کھائی تھی۔ جیپ کو لاشوں سمیت کھائی میں لڑھکانے سے پہلے میرے دل میں خیال آیا کہ جیپ کی تلاشی لینی چاہئے۔ ہو سکتا ہے ' کوئی ایسی شے ہاتھ آ جائے جو فرار میں ہماری مدد کر سکے۔ الطاف اکبر اپنی جیپ پیچھے روک کر میرے پاس آ گیا۔

جیپ کے ڈیش بورڈ میں تالا لگا ہوا تھا۔ ہم نے پتھر مار کر تالا بلکہ ڈیش بورڈ ہی توڑ دیا۔ اندر کچھ کاغذات اور مشروب کا فلاسک پڑا تھا۔ اس فلاسک کے پیچھے ایک کالی جلد والی پاکٹ بک رکھی تھی۔ یہ پاکٹ بک ایسی تھی کہ اس کو بھی تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے پاکٹ بک جیب میں رکھ لی اور جیپ کو لاشوں سمیت کھڈ میں لڑھکا دیا۔ کھڈ میں گرتے ہی ایک دھماکا ہوا اور جیپ شعلوں کی لپیٹ میں آ کر جلنے لگی۔

ہائی وے پر ہماری انڈین فوجی جیپ فراٹے بھرتی ' چٹاگانگ کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں ہمیں کئی بھارتی ٹرک اور جیپیں ملیں لیکن کسی کو ہم پر شک نہ ہوا۔ دوپہر کو ہم نے سڑک کے کنارے ایک ریستوران سے کھانا لے کر کھایا اور آگے روانہ ہو گئے۔ الطاف اکبر کا خیال تھا کہ چٹاگانگ بندرگاہ ہے۔ وہاں انڈین فوجوں کی نقل و حرکت زیادہ ہو گی۔ اس لئے ہمیں شہر میں داخل ہونے کی بجائے کسی جنگل میں سے سرحد کی طرف بڑھنا چاہئے۔ میں اس مقفل پاکٹ بک کا بھی جائزہ لینا چاہتا تھا کہ اس میں آخر ایسی کون سی بات ہے کہ اسے تالا لگایا گیا ہے۔

ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڑے شہر کے مضافات شروع ہو گئے۔ ہم بیرونی علاقے سے گزر رہے تھے۔ یہاں کئی مکانوں کے جلے ہوئے ڈھانچے کھڑے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ غیر بنگالیوں کے مکانات تھے۔ جگہ جگہ بنگلہ دیشی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ انڈین فوج کے جوان ٹرکوں اور جیپوں میں گھوم رہے تھے۔ ہمارے قریب سے ایک بھاری بکتر بند گاڑی گزری جس میں کچھ سویلین قیدی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ الطاف نے کہا۔ "ہمیں اس شہر سے جتنی جلدی ہو سکے ' نکل جانا چاہئے"۔

میں نے جیپ اس سڑک پر ڈال دی جو شہر کے کنارے سے ہوتی ہوئی ہائی وے سے جا ملتی تھی۔ یہ رنگ پور شہر تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہاں بے شمار بنگالیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ میں اپنے کاروباری

دورے کے سلسلے میں کئی بار ' اس شہر میں آیا تھا۔ میں شہر میں نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ یہاں کے کاروباری حلقے مجھے جانتے تھے اور انڈین فوجی وردی میں بھی مجھے پہچان سکتے تھے۔

ہم ہائی وے سے دور ہی تھے کہ دیکھا' سڑک پر بھارتی فوج کا ایک کانوائے رکا ہوا ہے۔ جیپ کو ایک ذیلی سڑک کی ڈھلان پر ڈال دیا۔ یہاں نشیب میں ڈھلواں چھتوں والی کوٹھیاں اور مکان تھے جن پر بنگلہ دیشی پرچم لہرا رہے تھے... ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں جیپ کھڑی کر کے ہائی وے پر انڈین کانوائے کے گزر جانے کا انتظار کیا جا سکے۔

چھوٹی سڑک ' نشیب' میں ایک ٹیلے کے پیچھے سے گھوم کر چڑھائی کی طرف آ گئی۔ آدھے فرلانگ کی چڑھائی تھی۔ اوپر زمین ہموار ہو گئی۔ یہاں سے یہ سڑک کوئی دو فرلانگ آگے جا کر پھر سے ہائی وے کے ساتھ مل جاتی تھی۔ یہاں سے بھی بھارتی فوج کے ٹرک اور بکتر بند گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے جلی ہوئی کوٹھی کے عقب میں جیپ کھڑی کر دی۔ میری ہدایت پر الطاف اکبر شہناز کو کوٹھی کے کمرے میں چھوڑ آیا تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر سکیں۔ اب میں نے جیپ سے وہی مقفل پاکٹ بک نکالی تو الطاف بولا۔ " آخر اسے لاک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

" آج کل اس قسم کی پاکٹ بکیں عام ملتی ہیں۔ بس' فیشن سا بن گیا ہے۔ ممکن ہے' اس کے اندر سوائے حساب کتاب کے اور کچھ نہ ہو۔" یہ کہہ کر میں نے پاکٹ بک کا تالا توڑ ڈالا۔ اس کی ورق گردانی کی تو پتہ چلا کہ اکثر صفحات خالی پڑے تھے۔ بیچ کے کئی صفحات گوند لگا کر جوڑ دیئے گئے تھے انہیں چاقو سے کاٹا... تو درمیان کے دونوں صفحات پر انگریزی زبان میں یہ تحریر درج تھی۔

" ایسٹرن کمانڈ چٹاگانگ ' پندرھواں بکتر بند ڈویژن... آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کے کرنل گپتا سارتھی سے ملو۔ تمہارا خفیہ کوڈ "پام آئل نارومنی" ہے تم دونوں ایک دوسرے کی شکل سے ناواقف ہو یہ کوڈ تمہاری شناخت ہو گی۔ تمہیں ایسٹ پاکستان ڈھاکہ ہائی کمانڈ کی ملٹری انٹیلی جینس کے خفیہ کاغذات کی فائل حاصل کر کے کرنل گپتا کو پہنچانی ہے۔ آگے تمہارا مشن کرنل گپتا ہی تمہیں بتائے گا۔ کسی انڈین فوجی افسر کو بھی تمہاری سرگرمیوں کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ٹاپ سیکرٹ مشن ہے جس کے لئے تمہیں مکتی باہنی کے بھیس میں ڈھاکہ بھیجا جا رہا ہے۔ پاکستان آدھا ختم ہو گیا ہے۔ اس کے دوسرے بازو کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے اس مشن کی تکمیل بہت ضروری ہے... کرنل گپتا کو تمہارے بارے میں بتا دیا گیا ہے... وہاں تمہارا کوئی نام نہیں ہو گا۔ تم انڈین فوج کے ایک عام حوالدار ہو گے۔ کرنل گپتا' تمہیں جس نام سے پکارے گا' وہی تمہارا نام ہو گا... گڈ لک... پام آئل نارومنی!"

یہ بھارت کی ملٹری انٹیلی جینس کی کوئی ٹاپ سیکرٹ تباہ کن اسکیم تھی جس کی مدد سے بھارت' پاکستان کے مشرقی بازو کو کاٹنے کے بعد' اب مغربی پاکستان کو بھی ختم کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک

سیکنڈ کے اندر اندر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس ناپاک منصوبے کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور اسے مکمل طور پر تباہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ اس خفیہ منصوبے کا مجھے سراغ مل گیا تھا۔ یہ تائید ایزدی تھی اور میں نے پاکستان کی بقا پر اپنی جان تک قربان کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔۔

"یہ پاکستان کے خلاف بھارتی انٹیلی جینس کی کوئی گھناؤنی سازش لگتی ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم تو خود اس ملک میں اپنی جانیں بچاتے پھر رہے ہیں۔" الطاف نے کہا۔

میرے دل میں کیا تھا؟ میں نے کیا فیصلہ کیا تھا؟ اس سلسلے میں الطاف اکبر کو اس وقت میں نے کچھ نہ بتایا۔ بس، اس کی ہاں میں ہاں ملا دی اور پاکٹ بک بند کر کے جیب میں رکھ لی۔ میں نے کوڈ ورڈ یاد کر لیا۔ "پام آئل نارو منی"۔

اب میرا ہر حالت میں چٹاگانگ جانا ضروری تھا مگر میں نے اپنے عزائم سے الطاف اکبر کو آگاہ نہیں کیا۔ "شہناز ہمارے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے مگر ہم اسے کہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ کیا خیال ہے، اگر ہم اپنے آپ کو انڈین آرمی کے حوالے کر کے قیدی بن جائیں تو جنیوا کنونشن کی رو سے ہمارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا جائے گا اور یوں شہناز بھی محفوظ ہو جائے گی"۔ الطاف نے کہا۔

میں نے الطاف اکبر پر ایک خاموش نگاہ ڈالی۔ اس کی سوچ بڑی نارمل تھی۔ وہ اپنی، میری اور ایک بدقسمت مسلمان لڑکی کی جان بچانا چاہتا تھا لیکن وہ دو باتوں سے بے خبر تھا۔ پہلی بات یہ کہ جنگ میں جنیوا کنونشن جیسے معاہدوں کے پرزے اڑا دیئے جاتے ہیں اور دوسری یہ کہ میں ایک کمانڈو تھا جو اپنی جان، کسی حالت میں بھی اپنے وطن عزیز پاکستان سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہمیں چٹاگانگ پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میری ساری توجہ پاکستان کے خلاف بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کے ناپاک اور گھناؤنے مشن کی طرف تھی جس کے ذریعے وہ پاکستان کے بچے ہوئے ٹکڑے کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس مشن کو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی نیست و نابود کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

میں یہ جاننے کے لئے بے تاب تھا کہ وہ خفیہ مشن کیا ہے؟ اس کے لئے ضروری تھا کہ چٹاگانگ پہنچ کر پندرھویں ڈویژن کی آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کے کرنل گپتا سارتھی سے ملاقات کی جائے... مکتی باہنی والا تو جہنم واصل ہو چکا تھا۔ اب اس کی جگہ میں کوڈ کی مدد سے کرنل گپتا سے ملاقات کر کے، اس گھناؤنے مشن کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ بھارتی انٹیلی جینس کے اس آدمی کا رینک بھی حوالدار بتایا گیا تھا اور میں بھی انڈین فوج کے ایک حوالدار کی وردی میں ہی تھا۔ قدرت، پاکستان کو دشمنوں کے ناپاک منصوبوں سے بچانے کے لئے میری مدد کر رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ درختوں کے عقب میں دور چٹاگانگ ڈھاکہ ہائی وے صاف ہو گئی تھی۔

فوج کا کانوائے گزر گیا تھا۔ میں نے الطاف اکبر سے کہا کہ وہ ' شہناز کو لے آئے ۔ ہمیں اب یہاں سے نکل جانا چاہئے ۔ شہناز نے غسل کر لیا تھا اور وہ کچھ تازہ دم لگ رہی تھی ۔

ہم اناس کے باغ میں سے ہوتے ہوئے ... بڑی سڑک پر آ گئے ۔ یہاں سڑک کے کنارے ایسے فوجی مورچے دیکھے جو کچلے ہوئے تھے ۔ لگتا تھا ' ان کے اوپر سے ٹینک گزرے ہیں ۔ ایک جگہ دو لاشیں بھی دیکھیں جو جھاڑیوں کے پاس اوندھی پڑی تھیں ۔ انڈین کانوائے ہم سے کافی آگے تھا ۔ میں نے مصلحتاً جیپ کی رفتار کم ہی رکھی تھی ۔

مشرقی پاکستان میں ابھی بد نظمی اور افراتفری کا عالم تھا اگرچہ پاک فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن جنوبی اور مشرقی محاذوں پر پاک فوج کے غیور جوان ابھی تک جنگ جاری رکھے ہوئے تھے ۔ چنانچہ اس قسم کی فضا میں اکا دکا فوجی گاڑیوں کی چیکنگ کے لئے خصوصی پوسٹ کہیں بھی نہیں تھی اور ہم اس صورت حال کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے ۔ کسی بڑے شہر میں داخل ہوتے وقت معمولی سی چیکنگ کا سامنا کرنا پڑتا ' جو دو چار لفظوں اور سیلوٹ تک ہی محدود رہتی ۔ ڈھاکہ سے باہر حالات بہت مختلف تھے اور یہاں زیادہ تر بنگالی رجمنٹیں مصروف کار تھیں ۔ بھارتی فوجوں کا اجتماع ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں زیادہ تھا ۔

دوپہر کو ہم نے ایک قصبے کے باہر جیپ کھڑی کر کے کھانا کھایا اور دوبارہ سفر شروع کر دیا ۔ شاید تھکاوٹ ' پریشانی ... اور رت جگے کے باعث شہناز کو بخار ہو گیا تھا ۔ ایک بنگالی دکاندار سے ہم نے اسپرو خرید کر شہناز کو چائے کے ساتھ دو گولیاں کھلائیں ۔ میرا ذہن اب صرف بھارتی فوج کے پاکستان دشمن خفیہ منصوبے کے خلاف کام کر رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ شہناز اور الطاف اکبر کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا کر خود اپنا کمانڈو مشن شروع کر دوں ۔ دوسرا دن اور دوسری رات سفر کے آخر ہم چٹاگانگ پہنچ گئے ۔ شہناز کا بخار اور تیز ہو گیا تھا اور وہ پچھلی سیٹ پر پڑی تھی ۔ الطاف نے کہا کہ اسے کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہئے ۔ ڈاکٹر کو دکھانے کا مطلب تھا کہ ہمارا راز فاش ہو جاتا ۔ کم از کم ڈاکٹر کو یہ ضرور معلوم ہو جاتا کہ وہ لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے اگر ہم کسی بنگالی مسلمان ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے تب بھی ان حالات میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ شہناز کا جسم واقعی بخار میں پھنک رہا تھا ۔

چٹاگانگ شہر کی حالت بھی ڈھاکہ سے بہت بہتر نہیں تھی ۔ جگہ جگہ غیر بنگالیوں کی دکانیں اور مکان ٹوٹے پڑے تھے ۔ بازاروں میں بنگالی جلوس نکالے نعرے لگاتے پھرتے تھے ۔ یہاں انڈین فوج بھی کافی تعداد میں تھی اور بنگالی رجمنٹ کے جوان بھی مکتی باہنی گروپ کے ساتھ مل کر غیر بنگالیوں کے بچے کھچے مکانوں کو لوٹ رہے تھے ۔ چٹاگانگ میں رہنے والے تقریباً سبھی غیر بنگالیوں کو قتل کر دیا گیا تھا ۔ کچھ لوگ فرار ہو چکے تھے ۔ کسی غیر بنگالی مسلمان ڈاکٹر کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔

شہناز کی حالت بگڑتی جا رہی تھی ۔ اس نے بخار میں شدت کے باعث بڑبڑانا شروع کر دیا تھا ۔ وہ بار بار

اپنے شہید خاوند کو پکارتی تھی ۔ یہ بات ہمارے لئے بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی تھی ۔ میں جیپ کو شہر کے گنجان علاقے سے نکال کر احمد بازار میں سے ہوتا ہوا مضافات کی طرف لے گیا تاکہ مکتی باہنی اور انڈین فوجیوں کی نظروں سے دور رہا جا سکے ۔ راستے میں میری نظر انڈین فوج کی ایک ایمبولینس پر پڑی تھی جو احمد بازار کے کونے پر ایک عمارت کے سامنے کھڑی تھی ۔ میں نے شہناز کو ایک درخت کے نیچے الطاف اکبر کے پاس چھوڑا اور خود جیپ لے کر ایمبولینس کی طرف چلا ۔ یہ بھارت کی میڈیکل کور کی ایمبولینس تھی اور وہاں ایک گودام سے تین چار بھارتی فوجی دوائیوں کے بکس نکال کر گاڑی میں بھر رہے تھے ۔ میں جیپ کھڑی کر کے ان کے پاس گیا... تو سپاہیوں نے مجھے سیلوٹ کیا ۔ میں نے سیلوٹ کا جواب دیتے ہوئے کہا ۔ "اوجوانوں ! اوئے تمہارے پاس کوئی بخار شکار کی دوا ہے تو دے دو ۔ ہمارا ایک گرائیں بیمار ہو گیا اے !"

ان فوجیوں میں ایک حوالدار بھی تھا ۔ اس نے مسکرا کر کہا ۔ " سر! ہمارے پاس تو پیٹنٹ دوائیں ہیں ۔ آپ یونٹ ڈسپنسری کیوں نہیں چلے جاتے ۔ وہاں ڈاکٹر رمیش موجود ہوں گے "۔

میں نے کہا ۔ " اوئے اس کی کیا ضرورت ہے ؟ معمولی بخار ہے ۔ کوئی پیٹنٹ دوائی سپلائی کر دو " ۔ یہ چونکہ میڈیکل کور کے آدمی تھے ۔ اس لئے انہیں بخار ' نزلہ و زکام وغیرہ کی دوائیوں کا بخوبی علم تھا ۔ انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی ڈبیہ دی ۔ جس میں کچھ کیپسول تھے ۔ " سر! ابھی ایک کیپسول اپنے گرائیں کو دے دیں بھگوان کی دیا سے بخار فوراً اتر جائے گا "۔

میں نے جیپ میں بیٹھتے پوچھا "او ئے جوان ! ادھر آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کا ہیڈ کوارٹر کدھر ہے ' اوئے ؟"

بھارتی سپاہیوں نے قدرے حیرانی سے میری طرف دیکھا ۔ حوالدار بولا ۔ " سر! ہم سب آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کے جوان ہیں ۔ آپ کو معلوم نہیں سر کہ یہاں صرف آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ ہی ڈیپلائے ہے ۔ آپ کی رجمنٹ کون سی ہے سر؟"

میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا " ٹھیک جوان ۔ ہم تمہارا چیکنگ کر رہا تھا ۔ تم کو معلوم اے ادھر دشمن لوگ بھی ہماری وردی میں پھرتا ہے ۔ او کے جوان ' اپنا کام کرو "۔ میں جیپ اسٹارٹ کر کے تیز رفتاری سے آگے نکل گیا ۔ یہ ایک بلائے ناگہانی ہی تھی ۔ اس مرہٹہ رجمنٹ کا مطلب تھا کہ پناگانگ میں پندرھویں بکتر بند ڈویژن کی آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کام کر رہی تھی ۔ یہاں سے کرنل گپتا سارتھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کوئی دشوار کام نہیں تھا ۔ میں نے الطاف اکبر کو کچھ نہیں بتایا ۔ شہناز کو کیپسول کھلایا گیا ۔ اسے جیپ کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر اوپر کمبل ڈال دیا ۔ اس وقت ہمارا سب سے اہم مسئلہ کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی ' جہاں ہم رات بسر کر سکیں ۔ ہم کسی انڈین فوجی بیرک میں تو جا نہیں سکتے تھے ۔

" میرا خیال ہے۔ ہمیں یہاں سے کاکس بازار کی طرف نکل جانا چاہئے۔ وہاں سے ہم کسی طرح سرحد پار کر کے برما میں داخل ہو سکتے ہیں۔" الطاف نے کہا۔

... لیکن میرا پروگرام تبدیل ہو چکا تھا۔ پاکستان کے خلاف خطرناک ترین بھارتی منصوبے کا انکشاف ہونے کے بعد میں اس وقت تک وطن عزیز کی سرزمین پر قدم رکھنا چاہتا تھا جب تک اس ناپاک منصوبے کو خاک میں نہ ملا دیتا۔ لیکن اس سے پہلے... الطاف اکبر اور شہناز کو کسی محفوظ مقام تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ میں نے جواب میں کہا۔ "شہناز کو آرام کی ضرورت ہے۔ جب تک اس کا بخار نہیں اتر جاتا ہمیں کاکس بازار کا رخ نہیں کرنا چاہئے"۔ الطاف اکبر نے سوال کیا کہ ہم چٹاگانگ میں کہاں رہ سکتے ہیں؟ میرا خیال غیر بنگالیوں کی چھوڑی ہوئی کوٹھیوں کی طرف چلا گیا۔ چٹاگانگ کے مضافات میں ایک ٹیلے پر بریلی کے خان ممتاز حسین خان کی ایک کوٹھی ہوا کرتی تھی۔ اپنے کاروبار کے سلسلے میں میں چٹاگانگ جاتا تو ان کی کوٹھی پر ضرور جایا کرتا تھا۔ خان صاحب کا چٹاگانگ میں کاغذ کا کاروبار تھا اور وہ اپنے کنبے کے ساتھ بڑی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ میں نے الطاف کو جیپ میں بٹھایا اور اس کوٹھی کی طرف چل دیا۔

کوٹھی تباہی و بربادی کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ سارا سامان لوٹا جا چکا تھا۔ کمروں میں ٹوٹی پھوٹی چیزیں بکھری ہوئی تھیں لیکن بڑے بڑے پلنگ موجود تھے۔ ہم نے شہناز کو ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ کچن کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ گیس اور پانی تو ہے مگر کھانے پینے کی کوئی شے موجود نہیں ہے' میں نے الطاف اکبر کو شہناز کے پاس چھوڑا اور خود جیپ لے کر بڑے بازار میں آگیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ ایک پٹرول پمپ سے جیپ کی ٹینکی فل کروائی اور پٹرول والے کو یونٹی آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کی پرچی لکھ کر دے دی۔ اس کے بعد مارکیٹ سے چائے' دودھ' بسکٹ' ڈبل روٹی' چاول اور مرغی کا گوشت خریدا۔ کچن میں یہ سامان رکھ کر میں نے چائے بنائی۔ شہناز کا بخار کافی اتر چکا تھا۔ اسے چائے پلائی تو اس کی طبیعت قدرے بہتر ہو گئی۔ اسے صورت حال سے آگاہ کیا گیا اور بتایا کہ دو ایک روز اس کوٹھی میں قیام کرنے کے بعد ہم لوگ کاکس بازار روانہ ہو جائیں گے۔ شہناز کچن میں جا کر مرغی اور چاول تیار کرنے میں لگ گئی۔ میں اور الطاف اکبر آئندہ پروگرام کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ کئی روز بعد ہم نے پیٹ بھر کر گھر کے پکے ہوئے چاول اور مرغی کھائی تو طبیعت بشاش ہو گئی۔

شہناز کو ہم نے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود برآمدے کے بغلی کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں دو ایک ٹوٹی پھوٹی کرسیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے الطاف کو بتایا کہ یہاں ممتاز حسین خان صاحب عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ خدا جانے ان کا کیا انجام ہوا ہو گا۔ ہم نے کھڑکی کا پردہ تھوڑا سا ایک طرف کر دیا تھا یوں ہم باہر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ ہماری جیپ کوٹھی کے پورچ میں ایک طرف سائے میں کھڑی تھی اور باہر سے اس پر نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے ہم

بھی سو گئے ۔ چار بجے جاگے تو دیکھا کہ شہناز کچن میں چائے بنا رہی تھی ۔ اس کی طبیعت پوری طرح بحال ہو چکی تھی ۔ شام کو بازار جا کر اس کے لئے میں کپڑوں کا ایک اور مردانہ جوڑا اور چپل خرید لایا ۔ رات کو بھی اس نے کھانا پکایا ۔ ہم نے موم بتی جلا رکھی تھی ۔ رات نو بجے شہناز کو سلا دیا ۔ الطاف اکبر برآمدے والے کمرے میں سو گیا اور میں باہر برآمدے میں پہرہ دینے لگا ۔

میری گھڑی رات کے سوا گیارہ بجا رہی تھی ۔ میں برآمدے میں ستون کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھا تھا ۔ اسٹین گن میرے پاس ہی پڑی تھی کسی وقت نیند کا جھونکا سا آ جاتا مگر میں ہر بار نیند کے اس حملے کو پسپا کر دیتا ۔ اچانک میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی ۔ میں چوکس ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ ہی رہا تھا کہ کوئی بھاری شے میرے اوپر آ کر گری ۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا ایک آدمی نے میری گردن میں بازو کا شکنجہ ڈال دیا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو کی نوک میری کمر میں چبھنے لگی ۔ " تمہارے ساتھ اندر اور کون ہے ؟" لہجہ پنجابی فوجیوں جیسا تھا ۔

یہاں اگرچہ اندھیرا تھا ۔ مگر ستاروں کی دھیمی روشنی بھی تھی ۔ میں نے حملہ آور کا بازو دیکھا ۔ وہ میری طرح شوخ ہرے رنگ کی بھارتی فوجی وردی میں تھا ۔ میں نے کہا " میرے ساتھ اندر ایک فوجی جوان ہے ۔ مگر تم انڈین فوجی ہو ۔ ہم بھی انڈین فوجی ہیں "۔

اتنے میں دوسرے آدمی کے قدموں کی آواز سنائی دی ... وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا ۔ اس نے میری اسٹین گن اٹھالی اور میرے کمر سے لٹکا ہوا پستول بھی نکال لیا ۔ وہ ایک قد آور جوان تھا ۔ اس کی وردی بھی انڈین فوج کی تھی ۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ بھی ہماری طرح پاکستانی فوج کے جوان ہیں ۔ جو بھارتی فوج کی وردی میں ، اس جہنم سے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہیں ۔ ان کے قد کاٹھ اور بات کرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مغربی پاکستان کی پنجاب رجمنٹ کے جوان ہیں ۔ انہوں نے میرے ہاتھ پیچھے جکڑ دیئے اور کہا ۔ " اپنے ساتھی کے پاس چلو "۔

الطاف اکبر کمرے میں گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا ۔ یہ بھی اچھا ہوا کیونکہ اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو فائرنگ کر کے ان دونوں کو ہلاک کر ڈالتا ۔ الطاف کو انہوں نے ٹھوکر مار کر جگایا ۔ ایک جوان پستول تان کر اس کے سر پر کھڑا ہو گیا ۔ " یہاں اور بھارتی فوجی کہاں ہیں ؟" اس نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا ۔

الطاف نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ان دونوں فوجیوں کو اور پھر مجھے دیکھا کہ میرے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں ۔ میں نے ان میں سے ایک فوجی سے خالص پنجابی زبان میں کہا ۔ " ایک انڈین فوجی کی دوسرے انڈین فوجی پر حملہ کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ۔ اگر تم اپنے دل کا حال بتا دو تو ہم بھی ایک راز تم پر فاش کر دیں گے ۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم پاک فوج کے جوان ہو "۔

پرانی میز کے نیچے موم بتی روشن تھی ۔ دونوں فوجیوں نے ہمیں گھور کر دیکھا ۔ ان میں سے جو قد آور تھا ۔ وہ میرے قریب آ کر بولا ۔ " تم کون لوگ ہو ؟"

"ہم دونوں اس وقت تمہاری قید میں ہیں۔ اگر تم انڈین فوجی ہو تب بھی ہمارا راز' راز نہیں رہ سکتا۔ تم ہمیں اپنے ہیڈ کوارٹر لے جاؤ گے۔ جہاں یہ بات کھل جائے گی کہ ہم دونوں پاکستانی فوج کے آدمی ہیں۔ اب تم لوگوں کو چاہئے کہ حقیقت حال ہم پر واضح کر دو۔"

الطاف اکبر نے اپنا اور اپنی رجمنٹ کا نام بتا دیا۔ میں نے بھی اپنا نام اور ڈھاکہ میں اپنے کاروبار کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ ساتھ والے کمرے میں ایک پاکستانی سول آفیسر کی بیوی بھی موجود ہے۔ جو مردانہ لباس میں ہے اور جس کے شوہر کو مکتی باہنی والوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دیا تھا۔ پھر ہم نے باری باری کلمہ شریف پڑھا۔ اس پر انہوں نے باقاعدہ ہمارا میڈیکل چیک اپ کیا اور پھر ہمیں گلے لگا لیا۔ قد آور فوجی بولا "میرا نام سجاول خان ہے۔ یہ میرا ساتھی لانس نائیک کرم داد ہے۔ ہمارا تعلق پاک ائر فورس کے گراؤنڈ اسٹاف سے ہے۔ ہم نے دو انڈین فوجیوں کو ہلاک کر کے ان کی وردیاں پہن لی تھیں۔ ہمیں پتہ چلا تھا کہ یہاں ٹیلے کی دوسری جانب انڈین... ہیلی کاپٹر بریگیڈ کا بیس ہے۔ ہم ایک ہیلی کاپٹر اڑا کر یہاں سے برما کی طرف نکل جانا چاہتے تھے۔ یہ کوٹھی ٹیلے کے اوپر تھی۔ ہم یہاں سے ہیلی کاپٹر بیس کا جائزہ لینا چاہتے تھا کہ ہمیں پورچ میں بھارتی جیپ اور پھر تم سیڑھیوں میں بیٹھے نظر آئے"۔

انہوں نے ساتھ والے بیڈ روم میں جا کر شہناز کو سوتے ہوئے دیکھا۔ میرے بازو کھول دیئے گئے تھے۔ سجاول کے پاس دوربین بھی تھی۔ کوٹھی کی چھت پر لیٹ کر ہم نے باری باری دوربین سے دوسری طرف نشیبی میدان کی جانب دیکھا۔ وہاں دو فوجی ہیلی کاپٹر کھڑے تھے۔

" ان میں سے ایک ہیلی کاپٹر اڑا کر ہم سب یہاں سے کاکس بازار اور وہاں سے سرحد پار کر کے برما پہنچ سکتے ہیں۔" سجاول خان نے کہا۔

" میں ہیلی کاپٹر اڑانا نہیں جانتا لیکن تم لوگوں کے لئے ہیلی پیڈ تک راستہ صاف کر سکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

لانس نائیک کرم داد مسکرایا "گرائیں یہ کام کسی کمانڈو کا ہے۔ تم ایک کاروباری آدمی ہو۔ تم کو دشمن انڈین وردی میں بھی بھون کر رکھ دے گا"۔

میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

" ہم چاروں انڈین وردی میں ہیں۔ ہمیں ہیلی کاپٹر تک پہنچنے میں کون روک سکتا ہے؟" الطاف اکبر نے کہا۔

سجاول خان کہنے لگا۔ " تم بھی نیا نیا فوج میں لگتا ہے۔ جانگلی تم کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جب ہیلی کاپٹر موو ہوتا ہے تو کمپنی آفس سے اس کی موومنٹ کا آرڈر آتا ہے۔ پرمٹ کٹتا ہے۔ سگنل دیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم تو ہیلی کاپٹر کے پاس جائے گا تو ہم سے موومنٹ آرڈر مانگا

جائے گا اور پھر ہم گرفتار ہو جائے گا"۔

"فکر نہ کرو۔ یہ کام انشاء اللہ کل ہو جائے گا۔ چلو ابھی نیچے چل کر آرام کرتے ہیں"۔ میں نے کہا۔

صبح صبح سجاول خان اور کرم داد نے وضو کر کے نماز ادا کی ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ شہناز بیدار ہوئی تو کمرے میں کچن کے باہر دو انڈین فوجی دیکھ کر سکتے میں رہ گئی۔ ہم نے سجاول اور کرم داد کا تعارف کراتے ہوئے صورت حال بیان کی تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

"جوان، اس عورت کو مردانہ کپڑے نہ پہناؤ۔ یہ گناہ کی بات ہے۔ ہم مرد کس لئے ساتھ ہے۔ ہم اس کی حفاظت کرے گا۔" سجاول نے کہا۔

شہناز نے ہم سب کے لئے ناشتہ بنایا۔ جو ہم نے کچن کے فرش پر بیٹھ کر کھایا۔ چائے پی۔ میں نے سجاول خان سے اس کے فرار کی اسکیم کے بارے میں مزید باتیں شروع کر دیں۔ وہ ہیلی کاپٹر چلانے میں ماہر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایک بار میں تم لوگوں کو لے کر ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گیا اور ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو گیا تو پھر کوئی مائی کا لال اس کی ہوا تک کو نہیں چھو سکے گا۔ اس کی باتوں میں بھرپور اعتماد تھا۔ دوپہر کے وقت ہم نے ایک بار پھر ہیلی کاپٹر بیس کا معائنہ کیا۔ ہم چھت پر لیٹے ہوئے تھے اور باری باری دوربین لگا کر دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا بیس تھا۔ دن کے دس بجے ہیلی کاپٹر پرواز کر گئے۔ ہم نیچے کمرے میں آ گئے۔ سجاول خان اور کرم داد نے ہمیں ڈھاکہ ائرپورٹ سے اپنے فرار کی داستان سنائی۔ بڑی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان تھی۔ انہوں نے بھی اس بات کی تائید کی کہ ہلی کے محاذ پر ہمارے جوان ابھی تک دشمن کی راہ میں سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہیں۔

تیسرے پہر دونوں ہیلی کاپٹر واپس اپنے ہیلی پیڈ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہیلی پیڈ کے ماحول کا جائزہ لیا۔ یہاں سامنے ایک دو منزلہ عمارت تھی۔ جس کے آگے رجمنٹل کلر کا جھنڈا نصب تھا۔ دو انڈین سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ہیلی پیڈ کے آگے بھی پہرہ لگا تھا۔ عمارت کے باہر چار فوجی ٹرک ایک طرف کھڑے تھے۔ اندر دفتر میں فوجیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ میں نے ایک انڈین کیپٹن کو دفتر سے نکل کر ٹرک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے کاندھے پر تین اسٹار چمکتے نظر آ رہے تھے۔ شاید یہ انڈین کیپٹن چھٹی کر کے واپس جا رہا تھا۔ اس کا اردلی اس کے ساتھ تھا۔ میں چھت سے نیچے آ گیا۔ شہناز ہمارے لئے چائے بنا کر لے آئی ہم نے اسی رات ہیلی کاپٹر پر قبضہ کر کے اس کے ذریعے فرار کا منصوبہ تیار کر لیا۔ میں نے یہی بتایا کہ میں بھی ان کے ساتھ فرار ہو رہا ہوں۔ اصل بات کیا تھی؟ وہ میں نے ان پر ظاہر نہیں کی۔ مجھے اس بات کی تسلی اور خوشی تھی کہ الطاف اکبر اور شہناز کو پاک فوج کے دو جانباز مل گئے ہیں۔ جو انہیں اس جہنم سے نکال کر لے جائیں گے۔

سجاول خان اور کرم داد نے جو بھارتی وردیاں پہن رکھی تھی۔ وہ عام سپاہیوں کی وردیاں تھیں۔

صرف الطاف اکبر کی وردی بھارتی فوج کے صوبیدار میجر کی وردی تھی۔ یعنی ہم میں وہی ایک انڈین آفیسر تھا۔ خود میری وردی حوالدار کی تھی۔ رات کا کھانا کھا کر ہم نے اپنا اپنا ایمونیشن چیک کیا۔ سجاول خان ہماری پارٹی کا لیڈر بن گیا۔ ٹھیک ایک بجے رات ہمیں آپریشن شروع کرنا تھا کیونکہ ساڑھے بارہ بجے رات ہیلی کاپٹر پیڈ کی گارڈ تبدیل ہوتی تھی اور پہلی گارڈ ٹرک میں بیٹھ کر بیرک کی طرف چلی جاتی تھی۔ سجاول خان کو خطرہ تھا کہ شہناز کا سویلین لباس کوئی مشکل کھڑی نہ کر دے۔ اس نے شہناز کو خالص فوجی انداز میں کہا "کڑیئے... تم ہمارے پیچھے پیچھے رہنا۔ خبردار لوھر ادھر مت ہونا۔ کسی نے کوئی سوال کیا تو جواب مت دینا۔ ایک دم چپ رہنا۔ باقی ہم سنبھال لیں گے"۔

ہمارے پاس اسلحے کی شکل میں، چار اسٹین گنیں، چار پستول دو چاقو تھے۔ دستی بم ایک بھی نہیں تھا۔ اسی اسلحے اور اپنی انڈین فوجی وردی کی مدد سے ہیلی پیڈ پر جا کر ہیلی کاپٹر پر قبضہ کرنا اور اسے وہاں سے اڑا کر فرار ہونا تھا۔ سجاول خان نے میری ڈیوٹی یہ لگائی کہ میں کمپنی آفس جا کر وائرلیس سیٹ تباہ کر دوں تاکہ خطرے کا سگنل نہ دیا جا سکے۔ اس کمانڈو ایکشن کی جزیات پر بار بار غور کیا گیا اور کوٹھی کے کمرے میں ہی اس کی دو بار ریہرسل بھی کر لی گئی۔ رات کا کھانا ٹھیک آٹھ بجے کھا لیا گیا۔ شہناز، الطاف اکبر اور کرم دلو کو سلا دیا گیا۔ میں اور سجاول خان جاگتے رہے۔ سجاول خان نے مجھے بھی سو جانے کے لئے کہا "اوئے تم سویلین جوان ہو۔ یہ فوجی آپریشن ہے۔ سو جاؤ"۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ مجھے جاگنے کی... عادت ہے"۔

سجاول خان نے میرے کاندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ "اوئے معلوم ہوتا ہے تم کو کسی نے الو بھون کر کھلا دیا ہے"۔

رات کے ٹھیک ایک بجے میں لور سجاول خان کوٹھی کی چھت پر گئے۔ ہم نے دوربین کی مدد سے جائزہ لیا۔ ہیلی کاپٹر اپنی جگہ موجود تھے۔ عمارت کی چھت پر لگی ہوئی سرچ لائٹ ان پر پڑ رہی تھی۔ چار سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ یہ نئی گارڈ پارٹی تھی۔ کمپنی آفس کے باہر بھی ایک مسلح سپاہی موجود تھا۔ آفس میں روشنی ہو رہی تھی اندر وائرلیس آپریٹر بیٹھا تھا۔ جو ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹھیک ایک بج کر پندرہ منٹ پر سب کو جگا دیا گیا... سجاول خان نے خالص فوجی کمانڈر کے لہجے میں کہا "آپریشن شروع ہو گیا۔ کھنگ، کھانسی بند، کھسر پھسر بند، کوئی آواز نہیں نکالے گا۔ ہم آگے بڑھ کر بات کرے گا۔ شہناز بی بی تم کرم دلو کے ساتھ رہے گا اوکے، گھڑیاں چیک کرو۔ خبردار... کوئی گولی نہیں چلائے گا... جب تک میں آرڈر نہ دوں"۔ پھر میری طرف پلٹ کر بولا "تم سویلین جوان پکا کام کرے گا۔ کچا کام نہیں کرے گا۔ تم بلو نگڑا جیسا ہے۔ تمہیں فوجی آپریشن کا تجربہ نہیں ہے کیا تم وائرلیس آپریٹر کو قابو کرے گا۔ بولو سویلین جوان؟"

میں نے مسکرا کر کہا "ہم اسے قابو کرے گا۔"

"اوئے کبھی کبھی تو تم مجھے کمانڈو لگتا ہے۔"

اس نے ایک بار پھر ہم سب کا اسلحہ چیک کیا اور ہم کوٹھی سے نکل کر رات کی خاموشی اور اندھیرے میں ہیلی پیڈ کی طرف چل پڑے ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آئے تو سامنے کمپنی کا گیٹ آگیا۔ جو بند تھا اور جہاں ایک انڈین فوجی چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے اپنے کاندھے سے تھری ناٹ تھری کی رائفل لٹکا رکھی تھی۔ میں نے اپنی چال آہستہ کرلی اور سجاول خان کے بائیں طرف آگیا۔ انڈین فوجی دستے کو مارچ کر کے اپنی طرف آتے دیکھ کر گارڈ نے بلند آواز میں کہا۔ "پاس ورڈ بتاؤ"۔

اب ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس قسم کی فوجی تنصیبات اور فوجی اڈوں پر ہر رات کا ایک پاس ورڈ ہوتا ہے۔ جس کو بولے بغیر کوئی فوجی علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سجاول خان نے بڑی دلیری سے کام لیتے ہوئے کڑک دار آواز میں کہا۔ "اوئے جانگلی ہم کو پاس ورڈ مالوم۔ تم کو مالوم نہیں۔ اوئے صوبیدار میجر صاحب اپنی ... رجمنٹ کو وائرلیس سگنل دینا مانگتا ہے۔ ہٹ جاؤ آگے سے"۔

الطاف اکبر کی وردی صوبیدار میجر کی تھی۔ وہ سامنے آگیا۔ انڈین گارڈ سجاول خان کی کڑک دار آواز سے مرعوب ہو گیا تھا۔ اب جو اس نے ایک صوبیدار میجر کو سامنے دیکھا تو اس نے گیٹ کا بانس اوپر... اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ پھر اسے اپنے فرض کا خیال آگیا اور بولا۔ "سر! ہمیں آرڈر نہیں۔ جب تک پاس ورڈ نہیں بتائے گا ہم اندر داخل نہیں ہونے دے گا"۔ اس نے اب رائفل اپنے ہاتھ میں... تھام لی تھی۔

میری انگلی بھی اسٹین گن کے ٹرائیگر پر تھی۔ سجاول خان آگے بڑھا اور بولا۔ "اوئے جانگلی ہم تمہارا کورٹ مارشل کرا دے گا۔ ادھر بوتھا لاؤ۔ کان ادھر کرو۔ ہم تمہیں پاس ورڈ بتائے گا"۔

اس سے پہلے کہ انڈین گارڈ اپنا منہ قریب لاتا۔ سجاول خان نے کمال پھرتی سے لپک کر انڈین گارڈ کی گردن اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لی اور ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں اسے اندھیرے میں گھسیٹ لیا۔ "گو..." سجاول خان کی آواز آئی۔

میں نے گیٹ کا بانس اوپر اٹھایا۔ کمپنی آفس کا برآمدہ وہاں سے پچاس ساٹھ قدموں پر تھا اور وہاں پہرہ دیتے فوجی کو... اس کاروائی کی کوئی خبر نہ ہو سکی۔ ہم گیٹ میں داخل ہو گئے۔ سجاول نے گارڈ کو ہلاک کر دیا تھا اور اب ہمارے آگے آگے چل رہا تھا۔ "سویلین جوان! وائرلیس کو قابو کرنا ہے"۔ سجاول خان نے ایک بار پھر سرگوشی میں تاکید کی۔

ہم کمپنی آفس کے برآمدے میں آگئے۔ یہاں روشنی تھی۔ یہاں جو انڈین سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر سجاول خان کڑکا۔ "جانگلی ایک دم سے اٹنشن ہو جاؤ یہ تمہاری ماں کی... فیروز پور چھاؤنی نہیں ہے۔ ادھر تم دشمن کے ملک میں ہے۔ تمہارا کمانڈر کہاں ہے؟"

انڈین سپاہی نے انڈین وردی میں پورے دستے کو دیکھا اور سجاول کی کڑک نے اسے اٹنشن کر دیا۔ اس نے الطاف اکبر کو بھارتی فوج کا صوبیدار میجر اور مجھے حوالدار سمجھ کر سلیوٹ مارا اور کہا۔ "سر !.... کمانڈر صاحب جا چکا ہے"۔

سجاول خان نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "حوالدار کانشی رام اندر جا کر اپنی رجمنٹ کو وائرلیس دو کہ ہمارا آپریشن ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے لئے کیا آڈر ہے؟"

"او کے سر...!" میں زور سے سلیوٹ مار کر وائرلیس روم کی طرف لپکا۔ اندر سے ہماری آواز سن کر وائرلیس آپریٹر بھی اٹنشن ہو گیا تھا۔ وہ سمجھا کہ رات کو انسپکشن ٹیم آ گئی ہے۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو بے چارہ انڈین وائرلیس آپریٹر جو نائیک تھا' سر پر ٹوپی سنبھالتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور بولا "نائیک بوٹا ل ڈیوٹی پر حاضر ہے' جناب۔

کچھ طلب کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے کاغذات طلب کر رہا تھا.... الطاف اکبر یونہی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔ وہ جان بوجھ کر دیر لگا رہا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس کاغذات نہیں تھے ' اتنے میں سجاول خان نے بلند آواز میں کہا "سر! یہ ریکی مشن ہے ' ہمارے کاغذات..."

"شٹ اپ"۔ ہندو آفیسر نے گرج دار آواز میں سجاول کو خاموش کرا دیا۔ "تم بہت بک بک کرتے ہو۔ تم بھی اپنے کاغذ دکھاؤ۔ تم نے پاس ورڈ کیوں نہیں بتایا؟ بولو' آج کا پاس ورڈ کیا ہے؟" یہ کہہ کر ہندو آفیسر نے ریوالور نکال لیا۔

سجاول خان نے ایک زوردار سیلوٹ مار کر کہا "سر! ابھی بتاتا ہے' پاس ورڈ..." اور پھر اس نے اچھل کر ایک زوردار ٹھوکر ہندو آفیسر کے ہاتھ پر ماری۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ میں نے اشٹین گن کا ٹریگر دبا دیا۔ تڑ تڑ گولیوں کی پہلی بوچھاڑ میرے آگے چھ قدم پر برآمدے میں کھڑے ہندو سپاہی کی پیٹھ پر پڑی اور گولیاں اسے چھلنی کرتی آگے نکل گئیں۔ وہ منہ کے بل سڑھیوں پر گر پڑا۔ میں چھلانگ لگا کر کمرے میں سے باہر آ گیا۔ ہندو آفیسر چلایا "گارڈ! فائر...!"

ہیلی پیڈ پر پہرہ دیتے دونوں سپاہی رائفل سے فائر کرتے ہوئے اس طرف دوڑے مگر کرم داد کی اشٹین گن نے راستے میں ہی ان دونوں کو بھون ڈالا۔ اب وہاں ہمارے اندازے کے مطابق مزید کوئی فوجی نہیں تھا۔ سجاول خان چیخا "ہیلی کاپٹر کی طرف بھاگو۔ جلدی کرو' جانگلی لوگ"۔

کرم داد اور الطاف اکبر ہیلی پیڈ کی طرف دوڑے' جہاں اب کوئی گارڈ موجود نہیں تھا۔ سرچ لائٹ میں ہلکے سبز رنگ کا... ہیلی کاپٹر پر پھیلائے خاموش کھڑا تھا۔ میں سجاول خان کے پیچھے تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر پر چڑھ گیا۔ اس نے اس کا دوسرا دروازہ کھول کر سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ الطاف اکبر' شہناز اور کرم داد بھی سوار ہو گئے۔ میں ابھی تک اشٹین گن لئے نیچے کھڑا پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا کہ اگر کسی طرف سے کوئی بچا کھچا گارڈ نکل آئے تو اسے بھون ڈالوں۔ سجاول نے ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور منہ باہر نکال کر دہاڑا۔ "او! جانگلی تم وہاں کھڑا کس ماے کا انتظار کر رہا ہے۔ اوپر کیوں نہیں آتا؟"

میں نے نیچے سے آواز دی "میں' تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہا۔ مجھے یہاں ایک ضروری کام ہے۔ خدا کے حوالے' زندگی رہی تو پھر ملیں گے"۔

شہناز اور الطاف اکبر نے نیچے جھانک کر حیرانی اور تشویش سے مجھے دیکھا۔ "میرے دوست! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ خدا کے لئے اوپر آ جاؤ' تم زندہ نہیں بچو گے"۔

ہیلی کاپٹر کے پنکھے چلنے لگے تھے۔ جن کی وجہ سے زبردست شور اور تیز ہوا کے بگولے اٹھنے لگے تھے۔ میں منہ اوپر کر کے بولا۔ "لیفٹیننٹ الطاف اکبر! میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ میرے سامنے ایک اہم مشن ہے۔ خدا حافظ"۔ یہ کہہ کر میں دوڑ کر ہیلی کاپٹر سے دور ہو گیا۔ کچھ حیران اور پریشان چہرے ہیلی کاپٹر کی گول کھڑکیوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اشٹین گن کا پورا

برسٹ مار کر سامنے والی دیوار پر لگی سرچ لائٹ اڑا دی تو گھپ اندھیرا ہو گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو اڑتے ہوئے دشمن کا کوئی سپاہی دور سے بھی دیکھ سکے۔ ہیلی کاپٹر' ہیلی پیڈ سے بلند ہونے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ سجاول خان نے کیا کہا ہو گا۔ اس نے غصے میں کہا ہو گا۔ "یہ سویلین 'ایک دم جانگلی ہے۔ اس کی خاطر ہم اپنی پارٹی کے جوان قربان نہیں کر سکتا"۔ اور اس نے اسٹک کھینچ دی ہو گی۔ ہیلی کاپٹر ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہوا کے بگولے اڑاتا اندھیرے میں آسمان کی طرف بلند ہوتا چلا گیا۔ پھر اس نے ایک خاص بلندی پر پہنچ کر ایک طرف کو جھولا سا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے درختوں کے اوپر اندھیری رات میں غائب ہو گیا۔ سجاول خان واقعی ایک ماہر پائلٹ تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر کو نیچی پرواز کے ساتھ لے گیا تھا۔ تاکہ وہ دشمن کے راڈار کی زد میں آنے سے بچ سکے۔ راڈار میں دیکھا جانے سے وہ پکڑا جا سکتا تھا کیونکہ جس ہیلی پیڈ سے وہ اڑا تھا۔ صبح وہاں بھارتی فوجیوں کی ایک ہندو کیپٹن سمیت لاشیں ملنے والی تھیں۔

میں اندھیرے سے نکل کر اس جگہ آیا' جہاں ہندو سپاہیوں کے قریب ہندو آفیسر کی بھی لاش پڑی تھی۔ اس میں ابھی جان تھی۔ وہ واقعی کیپٹن تھا۔ وہ رینگ کر وائرلیس روم کی طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ریوالور کا رخ اس کے سر کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور ہندو آفیسر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔

اب وہاں میرا کوئی کام نہیں تھا' چنانچہ میں واپس خان صاحب کی ویران کوٹھی کی طرف بھاگا۔ میری جیپ پورچ میں کھڑی تھی... دوربین سجاول اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ میں نے کوٹھی کی چھت پر چڑھ کر صورت حال کا جائزہ لیا کہ فائرنگ کی آوازوں کا کوئی... رد عمل تو نہیں ہوا۔ یا آس پاس سے کوئی فورس تو نہیں آ گئی؟ ... مگر چاروں طرف سناٹا تھا۔ سرچ لائٹ اڑ جانے سے دوسرے ہیلی کاپٹر کا مجھے ایک دھندلا سا خاکہ ہی نظر آ رہا تھا مجھے اب وہاں سے دن نکلنے سے پہلے پہلے نکل جانا تھا کیونکہ صبح نئی گارڈ کے آتے ہی کہرام مچنے والا تھا اور انڈین ملٹری پولیس نے اردگرد کے سارے علاقے کو گھیرے میں لے لینا تھا۔ مجھے اس بات کا بے حد سکون تھا کہ میں نے شہناز کو ایک جانباز اور تجربہ کار پاک فوج کے جوان کے حوالے کیا ہے۔ جو اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ جان پر کھیل کر بھی دشمن کی سرحدوں سے نکال لے جائے گا۔ اب میں اپنے نئے مشن کی تکمیل کے لئے بالکل آزاد تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ جیپ سے ایمونیشن نکال کر اسٹین گن لوڈ کی۔ ریوالور میں نئی گولیاں ڈالیں... پھر شیو بنائی' غسل کیا' دانت صاف کیئے۔ دربارا سنگھ بھارتی حوالدار کی وردی صاف کر کے زیب تن کی۔ سر پر ٹوپی جمائی' کچن میں جا کر چائے کا ایک مگ بنایا اور بسکٹ کے ساتھ چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ اچانک مجھے شہناز یاد آ گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ اسی کچن میں موجود تھی اور ہم سب کے لئے چائے تیار کر رہی تھی۔ میری آنکھوں میں اس کی اداس اداس شکل

گھوم گئی۔ مجھے بہت خوشی تھی کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے اور وہ لوگ اسے پاکستان میں اس کے رشتے داروں کے پاس پہنچادیں گے۔ چائے پینے کے بعد میں نے موم بتی کی روشنی میں مکتی باہنی والے ہندو آفیسر کی ڈائری نکال کر بیچ میں سے خفیہ تحریر ایک بار پھر پڑھی اور میرا خون کھول اٹھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خالص سیاسی چال اور خطرناک سازشی منصوبے کی مدد سے دشمن نے بھائی کو بھائی کے خون کا پیاسا بنا کر مشرقی پاکستان کو کاٹ کر الگ کر دیا تھا اور اب اس خفیہ تحریر میں دوسرے منصوبے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ جس پر عمل پیرا ہو کر دشمن ایک اور گھناؤنی سازش سے مغربی پاکستان کو بھی ختم کرنے کا ناپاک عزم کیئے ہوئے تھا۔ میں نے نوٹ بک جیب میں رکھ لی اور میں ایک ولولے کے ساتھ پورچ میں آ کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ میرے وہاں سے فرار ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر جیپ اسٹارٹ کی اور اسے کوٹھی کے گیٹ سے نکال کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔ میرا ٹارگٹ آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کا کرنل گپتا سار تھی تھا... لیکن میں آدھا دن کسی محفوظ جگہ پر گزارنے کے بعد اس کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔

چٹاگانگ سے رانگامتی کی طرف ایک خوب صورت سڑک جاتی تھی۔ رانگامتی تک جانے کے لئے تو چٹاگانگ ہل ٹریکس کے گھنے جنگلوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا اور یہ کافی طویل سفر تھا لیکن چٹاگانگ شہر سے جہاں سے رانگامتی کو سڑک نکلتی ہے' وہ شہر کا... خوب صورت علاقہ ہے اور سطح مرتفع اور سبزہ وگل کے اعتبار سے ہمارے شہر ایبٹ آباد سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے لیکن چٹاگانگ کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ یہاں شہر کا سجدہ سے صاف ستھرا اور ذرا فیشن ایبل ایک علاقہ ہے۔ جہاں انگریزی ٹائپ کے... کچھ ریستوران اور کافی ہاؤس بھی ہوا کرتے تھے۔ میری جیپ کا رخ اسی علاقے کی طرف تھا۔ کسی حد تک کاسموپولیٹن علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں میں دن کا نصف حصہ محفوظ رہ کر گزار سکتا تھا۔ اس علاقے میں بھی آ کر دیکھا کہ کئی دکانیں ٹوٹی پڑی تھیں سڑکیں بھی یوں اکھڑی ہوئی تھیں کہ جیسے وہاں ٹینک چلتے پھرتے رہے ہوں۔ ایک بلند عمارت کی تیسری منزل میں گہرا شگاف اندھیرے میں منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ جیسے وہاں توپ کا گولہ لگا ہو۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ کہیں کہیں انڈین فوج کا کوئی سپاہی گشت کرتا مل جاتا اور انڈین جیپ کو دیکھ کر اٹنشن ہو جاتا۔ میں چٹاگانگ کی بندرگاہ اور پتنگا ائرپورٹ کے علاقے سے دانستہ کترا کر نکل گیا اور اس خوب صورت سڑک پر آ گیا۔ جو رنگامتی کی طرف جاتی تھی۔ یہ سڑک ساگوان کے درختوں سے گھری ہوئی تھی اور ادھر سے رات کے پچھلے پہر خوشبودار ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ فطرت اپنی سحر طرازیوں کے ساتھ ہمیشہ شگفتہ و جوان رہتی ہے۔ جنگ کے دھماکے ہوں یا امن کا سکون ہو۔ اس کا سورج بھی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور نسیم سحری کے عطر بیز جھونکے اسی رعنائی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے ہیں۔ ہمیں قدرت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

میں نے جیپ سڑک سے اتار کر درختوں کے پیچھے ایک جگہ کھڑی کر دی ۔ مجھے دن نکلنے کا انتظار تھا ۔ وقت رینگ رینگ کر گزرتا محسوس ہو رہا تھا ۔ میں بھارتی انٹیلی جینس کے پاکستان دشمن مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس خفیہ سازش کی نوعیت کیا ہے ؟ کیا یہ مغربی پاکستان میں صوبوں کی علیحدگی کے سلسلے میں کوئی ناپاک مہم ہو گی ؟ کیا بھارت کوئی ایسا خفیہ ہتھیار بنا رہا ہے جس کی مدد سے وہ پاکستان پر حملہ کر کے اسے ختم کر دینا چاہتا ہے ؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا لیکن ڈائری کی خفیہ تحریر بتا رہی تھی کہ یہ کوئی بہت ہی خطرناک قسم کی مہم ہے ۔ بھارتی حکومت اپنی ملٹری انٹیلی جینس کی مدد سے اس منصوبے پر عمل شروع کر چکی ہے ۔ ایک سوال بار بار میرے دماغ میں بیدار ہو رہا تھا کہ جب کرنل گپتا سارتھی مجھ سے ڈھاکہ ہائی کمانڈ کی خفیہ ملٹری فائل کے بارے میں استفسار کرے گا تو میں کیا جواب دوں گا ۔ مجھے مکتی باہنی والے اصلی جاسوس کی جیپ میں سے اس قسم کی کوئی فائل نہیں ملی تھی ۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ فائل لی تھی ۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ فائل اپنے ساتھ نہیں لایا تھا ، یا ہو سکتا ہے کہ وہ فائل حاصل کرنے کے لئے ڈھاکہ جا رہا ہو ۔ بہرحال ' میں نے ایک جواب ذہن میں تیار کر لیا ۔

دن کی روشنی ہوئی تو ... میں جیپ لے کر بڑے بازار میں آ گیا ۔ یہاں نکڑ پر ایک انگریزی طرز کا ہوٹل تھا ۔ میں نے اس ہوٹل میں یہ کہہ کر ایک بیڈ روم والا کمرہ کرائے پر لے لیا کہ میں ڈھاکہ سے یہاں ایک ضروری فوجی کانفرنس میں شرکت کے لئے آیا ہوں اور آزادی کے ساتھ ہوٹل میں رہنا چاہتا ہوں ۔ میرے پاس سامان وغیرہ کچھ نہیں تھا ۔ وہاں ایک اسٹور سے میں نے بریف کیس ضرور خرید کر ساتھ رکھ لیا تھا ۔ اس بریف کیس میں ' میں نے مکتی باہنی کے خفیہ آفیسر والی ڈائری اور کچھ سفید کاغذات اور قلم بھی رکھ لیا تھا ۔ دن کے نو بجے تک میں ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا ۔ وہیں میں نے ناشتہ کیا ۔ پھر جیپ لے کر بھارتی فوج کے ایسٹرن کمانڈ کی طرف روانہ ہو گیا ۔ یہ آفس ایک بہت بڑی عمارت میں تھا ۔ یہاں ایک لانس نائیک سے میں نے آٹھوی مرہٹہ رجمنٹ کے ہیڈ کوارٹر کا ایڈریس لیا اور اسے بتایا کہ میں کھلنا سیکٹر سے آ رہا ہوں ۔

آٹھویں مرہٹہ رجمنٹ کا کمانڈ آفس بندرگاہ کے عقب میں ایک پرانی وکٹوریہ طرز کی عمارت میں تھا ۔ میں نے گارڈ روم میں رپورٹ کی اور کہا کہ مجھے کرنل گپتا سارتھی سے ملنا ہے ۔ میں اس کے لئے ہائی کمانڈ کا ایک اہم پیغام لایا ہوں ۔ گارڈ آفیسر نے مجھ سے پوچھا کہ میرا نام کیا ہے ؟

"کیا کرنل سارتھی اپنے آفس میں ہیں ؟" میں نے پوچھا ۔

"وہ ابھی ابھی آفس آئے ہیں ۔ مگر وہ صبح کے وقت کسی سے نہیں ملا کرتے ۔"

"کرنل صاحب سے کہہ دیں کہ حوالدار نارو منی ڈھاکہ سے آیا ہے ۔" میں نے کہا ۔

گارڈ آفیسر نے فوراً فون پر نمبر ملایا اور کرنل سارتھی کو میرا نام بتا کر کہا کہ میں اسے ابھی ملنے کا

خواہش مند ہوں۔ دوسری طرف سے کرنل گپتا سارتھی نے نہ جانے کیا کہ کہ گارڈ آفیسر نے ایک دم سے کہا "او کے سر... او کے سر..." ریسیور رکھ کر گارڈ آفیسر فوراً اٹھا کھڑا ہوا اور بولا "سر، میرے ساتھ چلیں۔ کرنل صاحب نے آپ کو اسی وقت بلایا ہے"۔

میں زیر لب مسکراتا ہوا گارڈ آفیسر کے ساتھ کرنل سارتھی کے آفس کی طرف چل دیا۔ کرنل سارتھی اپنے فوجی طرز پر سجے ہوئے آفس میں سبز فائل کھولے بیٹھا اس پر کچھ لکھ رہا تھا۔ وہ سانولے رنگ کا چوڑے شانوں والا مرہٹہ تھا۔ جس کی عمر چالیس کے قریب ہو گی... آنکھوں پر سنہرے فریم والی عینک تھی اور وہ فل وردی میں تھا۔ میں نے اندر قدم رکھتے ہی سیلوٹ مارا اور کہا "حوالدار نارو منی حاضر ہے، سر!"

کرنل گپتا نے چہرہ اوپر اٹھائے بغیر گارڈ آفیسر سے واپس چلے جانے کو کہا اور دوبارہ فائل پر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ جب گارڈ آفیسر کمرے سے باہر چلا گیا تو کرنل گپتا نے فائل بند کر کے چشمہ اتار کر مجھے غور سے دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اٹھ کر کھڑکی کے آگے پردہ کھینچ دیا جیب سے کالے رنگ کا سگار نکال کر سلگایا اور میرے پیچھے کھڑے ہو کر بولا "تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" میں سمجھ گیا کہ کسی قسم کی بات شروع کرنے سے پہلے کرنل گپتا سارتھی اطمینان کر لینا چاہتا ہے۔ میں بھی پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس لئے بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ پر اعتماد جاسوسوں کی طرح کہا "میرا پورا نام پام آئل نارو منی ہے"

کرنل گپتا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے باوقار انداز میں واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ سگار کا کش لگایا۔ پھر دراز کھول کر اس کے اندر سے بالکل اسی قسم کی ایک ڈائری نکالی۔ جیسی ڈائری میرے پاس تھی اور جس کے اندر خفیہ انگریزی تحریر تھی۔ اس ڈائری کو بھی تالا لگا ہوا تھا۔ ڈائری کو اس نے میز پر اپنے سامنے رکھ لیا اور میری طرف دیکھ کر بولا "کیا تمہارے پاس ایسی ڈائری ہے؟"

میں نے بریف کیس میں سے ڈائری نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے ڈائری کے کئی کے صفحات کھول کر انگریزی کی خفیہ تحریر پڑھی اور اسے بند کر کے مجھے واپس دے دیا اور مجھ سے پہلی بار ہاتھ ملا کر وہ ذرا سا مسکرایا۔ "حوالدار نارو منی! تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ آج سے یہی تمہارا نام ہو گا"۔ اس نے گھنٹی بجا کر اردلی کو کافی لانے کے لئے کہا۔ اردلی چلا گیا تو کرنل خاموشی سے سگار پیتے ہوئے فائل پر کچھ لکھنے لگا۔ جب تک کافی آئی اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بڑا تجربہ کار اور گہرا آدمی تھا۔ میں بھی بے تابی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ کافی پیتے ہوئے وہ چٹاگانگ کے خوش گوار موسم کی باتیں کرتا رہا۔ اس نے مجھے بھی سگار پیش کیا، جسے میں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ سگار تر چناپلی کا تھا اور بے حد خوشبودار تھا۔ "میرا خیال ہے، ہمیں کچھ دیر کے لئے کھلی ہوا میں چل کر ٹہلنا چاہئے" کرنل نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں؟" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ہم آفس سے نکل کر پچھواڑے کے ویران باغ میں پہنچ گئے۔ یہاں سنہری دھوپ ناریل اور سنبل کے درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ ہمارے ارد گرد دور دور تک کوئی ذی روح نہیں تھا۔ کرنل گپتا نے درختوں اور پھولوں کی باتیں کرتے کرتے اچانک سوال کر دیا "ڈھاکہ میں پاکستانی ہائی کمانڈ سے ملٹری انٹیلی جینس کی فائل لائے ہو؟"

"پاکستانی کمانڈ کے تمام آفس سیل کر دیئے گئے ہیں اور وہاں جاٹ رجمنٹ کا قبضہ ہے۔ آپ سے یہی مشورہ کرنے آیا ہوں۔ ہماری جاٹ رجمنٹ کے کمانڈر نے پاکستانی ریکارڈ سیل کرنے میں بڑی تیزی دکھائی ہے۔ ویسے میں سیکرٹ آپریشن کے مطلوبہ فائل ریکارڈ روم سے چرا کر لا سکتا ہوں"۔

کرنل رک گیا۔ پھر سگار کا گہرا کش لگا کر دھواں آہستہ آہستہ چھوڑتے ہوئے بولا "ہماری فوج کو یقین نہیں تھا... کہ پاکستانی فوج ہتھیار ڈال دے گی۔ جاٹ رجمنٹ نے گھبراہٹ میں ایسا کیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں اپنے ذرائع سے وہ فائل منگوا لوں گا۔ تمہیں ایک دوسرے مشن پر جانا ہو گا۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو؟"

میں نے ایک عیار جاسوس کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا۔ "سوری کرنل گپتا! مجھے یہ بتانے کی اجازت نہیں..." میں کرنل پر زیادہ سے زیادہ اثر ڈالنا چاہتا تھا۔

کرنل گپتا زیر لب مسکرایا "ویری گڈ نارومنی! میری بات غور سے سنو۔ اس پام آئل نارومنی مشن پر ٹاپ سیکرٹ آفیسروں کا پورا ایک گروہ کام کر رہا ہے لیکن کوئی بھی ایک دوسرے کی شکل اور صورت اور عہدے سے واقف نہیں ہے۔ میرے علاوہ سب کے نمبر ہیں۔ مجھے تمہارا نام خود تجویز کرنے کی اس لئے اجازت تھی کہ تم اس خفیہ منصوبے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہو۔ میری خفیہ اطلاعات کے مطابق تمہیں اس لئے چنا گیا ہے کہ تم ایک انتہائی با اعتماد، جانباز اور تجربہ کار جاسوس ہو"۔

میں نے سگار کا کش لے کر کرنل کا شکریہ ادا کیا اور دل میں خدا کا شکر ادا کیا... کہ اس منصوبے میں کلیدی حیثیت کے باعث مجھے کام کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ کرنل گپتا کہہ رہا تھا۔ "تمہارا نام نارومنی ہی ہو گا۔ مگر تم کرنل کی وردی میں یہاں سے بھارت جاؤ گے۔ تم ساتویں ہریانہ رجمنٹ کے کرنل نارومنی ہو گے۔ تمہیں ایک خفیہ کوڈ نمبر دیا جائے گا۔ یہ خفیہ نمبر کھل جا سم سم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خفیہ نمبر میں کیا طلسم چھپا ہوا ہو گا۔ یہ تمہیں اپنے آپ معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت تم واپس اپنی قیام گاہ پر جاؤ اور چار بجے میرے بنگلے پر آ کر ملاقات کرنا۔ یہ میرے بنگلے کا... ایڈریس ہے"۔ کرنل نے بٹوے سے ایک سفید وزٹنگ کارڈ نکال کر مجھے دیا اور مصافحہ کیئے بغیر ہی اپنے آفس میں گھس گیا۔ میں باغ کی روش پر اکیلا کھڑا رہ گیا۔

میں جیپ میں سوار ہو کر واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ میں اس خفیہ مگر بے حد خطرناک مشن میں داخل ہو چکا تھا۔ اب ذرا سی بے احتیاطی نہ صرف میرا بھانڈا پھوڑ دیتی بلکہ پاکستان کے خلاف ناپاک عزائم رکھنے والی طاقتوں کو کھل کھیلنے کا موقع بھی مل سکتا تھا۔ اس وقت میرے علاوہ کسی محب وطن پاکستانی کو اس منصوبے کا علم نہیں تھا۔ چنانچہ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کا عزم کیئے ہوئے تھا۔

تیسرے پہر میں کرنل گپتا کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ یہ بنگلہ کسی غیر بنگالی تاجر کا تھا جس پر بھارتی فوج نے قبضہ کر رکھا تھا۔ کرنل اپنے بیڈ روم میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ نوکر مجھے اس کے پاس لے گیا۔ اس نے شام تک مجھے اپنے پاس رکھا۔ اس دوران میں نے بڑے محتاط انداز میں پام آئل نارومنی مشن کی تفصیلات کریدنے کی کوشش کی۔ مگر کرنل نے اس ضمن میں بات کرنے سے گریز کیا بلکہ مجھے تنبیہہ کی کہ بلا ضرورت سیکرٹ مشن کے بارے میں کوئی لفظ زبان پر نہ لاؤں۔ وہ میرے ساتھ تاش کھیلتا رہا۔ ہم نے شام کی چائے اکٹھے پی۔ جب رات ہو گئی تو کھانے کے بعد اس نے نوکر کو رخصت کر دیا اور مجھے الماری سے کرنل کی وردی نکال کر دی اور کہا "اسے پہن لو"۔ میرے کرنل رینک کے تمام ضروری کاغذات اس نے تیار کر رکھے تھے۔ شناختی کارڈ پر میری تصویر چسپاں نہیں کی گئی تھی۔ تصویر کی جگہ پر نمبر ۱۹ درج تھا۔ اس نمبر پر انگلی رکھتے ہوئے کرنل گپتا نے کہا "یہ وہ نمبر ہے جو تمہارے لئے طلسماتی کام کرے گا۔ اس وقت تم ساتویں ہریانہ رجمنٹ کے کرنل ہو۔ تم یہاں سے سیدھے چٹگا ائرپورٹ جاؤ گے۔ وہاں انڈین آرمی کا ایک جہاز تیار کھڑا ہو گا وہ تمہیں لے کر کلکتہ پہنچے گا۔ وہاں تمہیں دوسری فلائٹ ملے گی، جو دہلی پہنچا دے گی۔ دہلی ائرپورٹ پر ایک آدمی ملے گا۔ جس کا نمبر پندرہ پندرہ بیس ہو گا۔ تمہیں آگے کیا کرنا ہو گا؟ یہ تمہیں وہی پندرہ پندرہ بیس نمبر والا آدمی بتائے گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ یہ ایک کاغذ کا پرزہ ہے۔ اس کاغذ پر میری فریکوئنسی درج ہے۔ کوڈ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ضرورت کے وقت تم مجھ سے اس فریکوئنسی پر کوڈ زبان میں بات کر سکتے ہو"۔ اس نے کاغذ مجھے تھما دیا۔

کرنل کے بنگلے سے نکل کر میں اپنی جیپ میں چٹگا ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں انڈین آرمی کے کرنل کی وردی میں تھا۔ ائرپورٹ پر میں نے جیپ پارکنگ میں کھڑی کر دی۔ ایک بڑی بڑی مونچھوں والا بھارتی لانس نائیک ایک طرف سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ زوردار سلیوٹ مار کر بولا "سر! فلائٹ بالکل تیار ہے"۔

وہ میرے آگے آگے چل پڑا۔ ائرپورٹ پر بتیاں جگمگا رہی تھی۔ ہم پسنجر لاؤنج کے دروازے سے گزرے تو کسی نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ کوئی کاغذ طلب نہ کیا، بلکہ وہاں کھڑے ملٹری پولیس کے دو آدمیوں نے مجھے سلیوٹ کیا۔ ایک منی بس مجھے رن وے پر موجود خصوصی طیارے کے پاس لے گئی۔ یہاں مونچھوں والا لانس نائیک سلیوٹ کر کے واپس چلا گیا۔ یہ دو انجنوں والا جہاز تھا جس میں دس پندرہ فوجیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی لیکن جہاز خالی تھا۔ ایک دبلے پتلے بنگالی فوجی نے مجھے جہاز

کے فرسٹ کلاس میں بٹھا دیا اور سلیوٹ کر کے واپس چلا گیا۔

جہاز کا انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ فضا میں بلند ہو کر کلکتے کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ میں کرنل کا دیا ہوا کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔ اس پر کرنل گپتا کے وائرلیس سیٹ کی فریکوئنسی وغیرہ درج تھی۔ بنگالی نوجوان میرے پاس ... ٹھنڈے شربت کا ایک گلاس رکھ کر چلا گیا۔ میں نے کلکتے پہنچنے سے پہلے پہلے فریکوئنسی یاد کر کے کاغذ ضائع کر دیا۔

جہاز کلکتہ پہنچنے والا تھا۔ نیچے شہر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آج سے کچھ ہی عرصہ پہلے میں اس شہر میں اپنی جان بچانے کے لئے چھپتا پھر رہا تھا اور آج انڈین آرمی کے ایک کرنل کی حیثیت سے جا رہا ہوں۔ جہاز رن وے پر رکا تو ایک فوجی اسٹیشن ویگن قریب آ کر رک گئی۔ ایک دراز قامت فوجی نے مجھے سلیوٹ کیا... اور اسٹیشن ویگن کا دروازہ کھول دیا۔ مجھے یہاں سے دلی کے لئے دوسری فلائٹ پکڑنی تھی۔ میری فلائٹ نمبر 003 تھی۔ یہ انڈین ائرلائنز کا ایک بوئنگ طیارہ تھا۔ جس کے فرسٹ کلاس میں کرنل نارومنی کے نام سے میری سیٹ مخصوص تھی۔ دراز قد فوجی مجھے انڈین ائرلائنز کے طیارے میں سوار کروا کے واپس چلا گیا۔

انڈین ائرلائنز کا بوئنگ شور مچاتا ہوا کلکتے کے سیاہ آسمان کی طرف بلند ہوتا گیا۔ ایک خیال میرے ذہن کو بار بار پریشان کر رہا تھا کہ ممکن ہے کہیں نہ کہیں میرا راز فاش ہو جائے کرنل گپتا کا بھی یہی کہنا تھا کہ پاکستان کے خلاف اس خفیہ منصوبے پر جو گینگ عمل کر رہا تھا وہ ایک دوسرے کی شکل سے ناشناسا ہے۔ مگر کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی باس ایسا ضرور ہو گا۔ جو ہم سب سے واقف ہو گا۔ جس کے پاس ہماری تصویریں اور پورا ریکارڈ موجود ہو گا۔ اگر کبھی اس باس سے آمنا سامنا ہو گیا تو چشم زدن میں مجھے گولی سے اڑا دیا جائے گا اور میری موت کے بعد شاید ایسا کوئی انسان یہاں بھارت میں نہیں ہو گا۔ جو میرے وطن پاکستان کو اس ناپاک سازش سے آگاہ کر سکے۔ بہرحال، میں نے اپنے آپ کو ہر خطرناک صورت حال کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لیا۔ ایک اور خطرہ میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اگرچہ میں ہندی اور سنسکرت زبان اور ہندو دیومالا کے بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا اور ہندی بات بھی کر لیتا تھا لیکن معمولی سا میڈیکل چیک اپ مجھے ہندو کی بجائے مسلمان ثابت کر سکتا تھا۔ یہ میں ایک ایسی مجبوری تھی کہ جس کا میرے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

شہر اور ائرپورٹ کی نیلی پیلی روشنیاں ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ یہاں ایک صاحب جن کا نمبر... پندرہ پندرہ بیس تھا، مجھے لینے آ چکے ہوں گے۔ ہم ایک دوسرے کی شکل سے ناواقف تھے۔ میں بریف کیس ہاتھ میں لئے پسنجر لاؤنج کے گیٹ پر آیا تو سادہ لباس والے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے کہا "اس طرف تشریف لے آیئے"۔

میں نے سوچا کہ شاید یہی پندرہ پندرہ بیس نمبر والا آدمی ہے۔ گیٹ پر مجھے کسی نے نہیں روکا۔

وہ آدمی مجھے لاؤنج کے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا۔ اس نے قریب آ کر آہستہ سے کہا "کیا میں آپ کا آئی ڈی کارڈ دیکھ سکتا ہوں؟"

میں نے بٹوے سے وہ آئی ڈی کارڈ نکال کر اسے دکھایا جو کرنل گپتا نے مجھے دوسرے کاغذات کے ساتھ تیار کروا کے دیا تھا۔ اس پراسرار آدمی نے آئی ڈی کارڈ پر لکھا ہوا نمبر بی ۶۹ دیکھا تو فوراً کارڈ میرے حوالے کر دیا اور بولا "آپ کو دلی ایرپورٹ پر ملنے والے شخص کا نمبر کیا بتایا گیا تھا؟" میں نے پندرہ پندرہ بیس کہا تو وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "پلیز میرے ساتھ آیئے"۔

ہم عمارت سے باہر آئے تو ایک جانب گہرے رنگ کی ایمبیسڈر گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی مجھے لے کر رات کے سناٹے میں دلی کے سنسان بازاروں سے گزرتی نئی دلی کی جانب، لودھی روڈ کے ایک ویران سے بنگلے کے پورچ میں جا کر رک گئی۔ وہ پراسرار آدمی مجھے ایک کمرے میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ کمرے میں بستر لگا ہوا تھا۔ باتھ روم میں صاف ستھرا تولیا لٹک رہا تھا۔ کلوزٹ میں سلیپنگ سوٹ موجود تھا۔ پلنگ کے سرہانے تپائی پر ٹیلی فون تھا۔ میں بریف کیس رکھ کر پلنگ پر بیٹھا ہی تھا... کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف سے کسی کی بھنچی بھنچی سی آواز آئی۔ لگتا تھا کہ وہ منہ پر رومال رکھ کر بول رہا ہو۔ "جس پلنگ پر تم بیٹھے ہو اس کے نیچے، درمیان میں ایک خفیہ خانہ ہے۔ اس خفیہ خانے میں تمہارے لئے ایک خط رکھا ہے، اسے پڑھو اور اس پر عمل کرو"۔

میں نے پلنگ کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے نیچے لیٹ گیا۔ پلنگ کے نیچے کپڑا لگا تھا۔ درمیان میں ٹٹولنے پر لکڑی کے چوکھٹے اور اسپرنگوں کے درمیان ایک جگہ چوکور تختے سے میری انگلیاں ٹکرائیں۔ چاقو کی مدد سے میں نے کپڑا کاٹ ڈالا اور تختہ اکھاڑا تو اندر ایک خفیہ خانہ تھا۔ جس کی ایک جانب پلاسٹک کا لفافہ اسکاچ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ میں نے لفافہ نکال لیا۔ کمرے کی دیوار کی بریکٹ لائٹ روشن تھی میں نے ٹیبل لیمپ بھی جلا دیا اور لفافہ کھولا اندر سے ایک خط نکلا جس کی تحریر انگریزی زبان کے کر کے ٹائپ کی گئی تھی۔

"اس کمرے میں آنے کے بعد تم انڈین آرمی کے کرنل نہیں ہو۔ یہاں سے جنوبی ہند تک موّ ایک نیا سفر شروع ہو گا۔ کلوزٹ میں تمہارے سویلین کپڑے رکھے ہیں۔ تم کرنل کی وردی اتار کر اسی کلوزٹ میں رکھ دو گے۔ کلوزٹ کے نچلے خانے میں پلاسٹک کی بنی ہوئی کچھ چیزیں رکھی ہیں انہیں نمونے کے طور پر تم اپنے بریف کیس میں رکھ لو گے اور یہاں سے دلی کی ایک فرضی... پلاسٹک مصنوعات کی فرم کے سیلز ایجنٹ بن کر ترچناپلی تک سفر کرو گے۔ اسی کلوزٹ میں تمہیں دلی سے ترچناپلی تک کا... ایر ٹکٹ بھی ملے گا۔ ترچناپلی میں تم ایرپورٹ کے عقبی چلڈرن پارک کے چوتھے بینچ پر بیٹھ جاؤ گے اور بینچ کے قریب ہی بنے ہوئے ردی کاغذوں کے ڈسٹ بن میں چھپایا گیا ایک لفافہ نکالو گے۔ اس میں تمہارے لئے ہدایات ہوں گی۔ اپنا شناختی کارڈ ہر حالت میں اپنے پاس رکھنا۔ تم

کرنل نارومنی کے نام سے ہی پہچانے جاؤ گے۔ تمہارے لئے ہر مقام پر پروانہ راہ داری ہو گا۔ صبح سات بجے کی فلائٹ میں تمہاری سیٹ ریٹائرڈ کرنل منی کے نام سے بک ہے'پام آئل نارومنی مشن۔"

خط پڑھ کر میرے تجسس میں اضافہ ہو گیا۔ پاکستان دشمن مشن کی کارروائی ہر لمحے پراسرار ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے بھی اس ناپاک مشن کی 'عبرت ناک انجام تک پیروی کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ ابھی تک میرا اس خفیہ گروہ کے کسی اہم رکن سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا اور سارا کام خطوط میں لکھی ہوئی ہدایات کے ذریعے ہو رہا تھا۔ اب مجھے ترچنا پلی جانا تھا۔

ترچنا پلی جنوبی ہند کی تکون کے مشرقی ساحل پر واقع ایک صنعتی اور دیومالائی شہر ہے۔ جس کے مندر دنیا میں دور دور تک مشہور ہیں۔ میں نے پچھلے خط کی طرح اس خط کو بھی پھاڑ کر باتھ روم کے سنک میں بہا دیا۔ پھر کلوزٹ کا نچلا خانہ کھولا۔ اس میں ایک بکس رکھا تھا۔ بکس میں پلاسٹک کے چھوٹے' چھوٹے کھلونے' ہندی اور انگریزی کے حروف موجود تھے۔ ساتھ ہی اسٹاریکل پلاسٹک انٹرپرائز کے نام کا پیڈ بھی تھا۔ اس پیڈ کے بیچے دلی سے ترچنا پلی کا ائر ٹکٹ موجود تھا۔ میں نے پلاسٹ کے یہ نمونے نکال کر اپنے بریف کیس میں رکھ لئے۔ کلوزٹ کے دوسرے خانے میں دو چار بڑی قیمتی قمیصیں اور پتلونیں پڑی تھی۔ میں نے انہیں اسی طرح رہنے دیا۔ وردی بدل کر سلیپنگ سوٹ پہنا۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور چھ بجے کا الارم لگا کر گہری نیند سو گیا۔

صبح چھ بجے میں نے اٹھ کر غسل کیا۔ حیرانی کی بات تھی کہ بنگلہ پورے کا پورا خالی تھا کوئی نوکر بھی نہیں تھا' لیکن جب میں غسل کے بعد ڈرائنگ روم میں آیا تو وہاں میز پر میرا ناشتہ لگا ہوا تھا۔ چائے کی کیتلی گرم تھی۔ میں نے ناشتہ کیا۔ دس منٹ بعد بریف کیس ہاتھ میں لئے میں بنگلے سے نکلا تو پورچ میں وہی رات والی ایمبیسڈر گاڑی کھڑی تھی۔ اگلی سیٹ پر ایک باوردی سانولا سا ڈرائیور بیٹھا تھا۔ میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تو گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔

دلی شہر میں سردیوں کی اس صبح سڑکوں پر آمدورفت ابھی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ میں نے یونہی اس سے سوال کیا کہ وہ کہاں کام کرتا ہے۔ اس نے کہا "سر! میں پلاسٹک کی اسٹاریکل کمپنی کا ڈرائیور ہوں"۔

میں چپ ہو گیا۔ جس فرم کا وہ ڈرائیور تھا اس نام کی کوئی فرم دلی میں نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ڈرائیور بھی ہمارے گینگ کا ایک پرزہ تھا۔ اس کے بعد میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ گاڑی ائرپورٹ کے احاطے میں جا کر رک گئی۔ انڈین ائرلائنز کی بوئنگ ائربس میں میری سیٹ پہلے سے بک تھی۔ یہ سیٹ فرسٹ کلاس میں نہیں بلکہ اکانومی کلاس میں تھی۔ جس میں سیلز ایجنٹ عام طور پر سفر کرتے ہیں۔

جہاز ٹیک آف کرنے کے بعد جنوبی بھارت کی طرف محو پرواز تھا اور میں اپنی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا اخبار سامنے رکھے سوچ رہا تھا کہ جس مکتی باہنی والے آفیسر کو قتل کر کے میں نے اس کا روپ دھار رکھا ہے ' وہ اس پاکستان دشمن ملٹری انٹیلی جینس گروہ کا نہ صرف اہم آدمی تھا بلکہ اس منصوبے میں کلیدی حیثیت بھی رکھتا ہو گا۔ جب ہی مجھے تیزی سے ' ایک جگہ سے بذریعہ ائر فلائٹ دوسری جگہ پہنچایا جا رہا تھا۔ میری سیٹ کھڑکی کے پاس تھی۔ بائیں جانب ایک مدراسی بابو بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس نے کئی بار مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔ مگر میں نے ہر بار ہوں ہاں کر کے اسے ٹال دیا۔ دن کے گیارہ بجنے والے تھے کہ جہاز ترچناپلی کے ائرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔ میں بریف کیس تھامے ائرپورٹ سے باہر آ گیا۔

ترچناپلی میں شمالی ہند والی سردی نہیں تھی بلکہ موسم... خوش گوار تھا۔ پروگرام کے مطابق میں ائرپورٹ کے عقبی علاقے میں نکل گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا چلڈرن پارک تھا۔ جس میں پام اور ناریل کے جھنڈ کھڑے تھے۔ میں نے ایک ریڑھی والے سے... آئس کریم خریدی اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہ میں پارک میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ پارک کی گراؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ میری نگاہ سیمنٹ کے بینچوں پر تھی۔ ہر بینچ پر اس کا نمبر لگا ہوا تھا۔ سب سے پہلا جو بینچ مجھے نظر آیا' اس کا نمبر گیارہ تھا اور وہاں دو مدراسی آیائیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ بچے ان کے قریب ہی گھاس پر کھیل رہے تھے۔ میں خاموشی سے گزر گیا۔ نمبر چار بینچ خالی نہیں تھا۔ وہاں ایک بوڑھا مدراسی بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میں کچھ فاصلے پر ایک ناریل کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔ آئس کریم ختم ہو گئی تو میں بریف کیس سے انگریزی اخبار نکال کر پڑھنے لگا۔ میری نظریں بار بار بوڑھے مدراسی پر اٹھ جاتیں۔ کم بخت جم کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اٹھنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ بینچ کے قریب ہی ایک درخت کے ساتھ ڈسٹ بن بھی تھا۔ جس میں کاغذ کے ٹکڑے اور آئس کریم کے خالی ڈبے پڑے تھے۔ اسی ٹوکری کے نیچے وہ خط رکھا ہوا تھا' جسے حاصل کرنے کے لئے میں پارک میں آیا تھا لیکن بوڑھے مدراسی کی وجہ سے میں اسے نہیں نکال سکتا تھا۔ میری نظریں اخبار پر جمی ہوئی تھیں کہ ایک گیند میرے پاؤں سے ٹکرایا۔ میں نے دیکھا کہ چند قدموں کے فاصلے پر ایک بچہ گاڑی میں بیٹھا' تین چار برس کا بچہ تالی بجا رہا تھا اور اس کے پاس ہی ایک دراز قد سانولی سی ساڑھی پوش لڑکی کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے گیند اٹھالی۔ وہ لڑکی مسکراتی ہوئی میرے پاس آ کر اپنی زبان میں کچھ بولی۔ میں نے گیند اس کی طرف بڑھاتے ہوئے انگریزی میں کہا کہ میں اس کی زبان نہیں بول سکتا۔ جنوبی ہند میں انگریزی عام ہے۔ یہاں کا ہر آدمی انگریزی میں بات کر لیتا ہے اور میٹرک پاس لڑکے ' لڑکیاں تو بڑی اچھی انگریزی بول لیتی ہیں۔ اس لڑکی کی ساڑھی کا رنگ جامنی تھا۔ رنگ وہاں کی... عورتوں کی طرح سانولا تھا اور سیاہ بالوں میں سفید پھولوں کا جوڑا لگا رکھا تھا۔ اس نے گیند لے کر انگریزی

میں میرا شکریہ ادا کیا اور مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اس کی مسکراہٹ میں گہری اور پر اسرار سی دلکشی تھی۔ میں اس کے دلکش سراپا سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ وہ گاڑی کو دھکیلتی آگے چل دی۔ درختوں کے جھنڈ میں جاتے ہوئے اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی پر اسرار مسکراہٹ تھی۔

خدا خدا کر کے مدراسی بوڑھا بینچ پر سے اٹھا۔ اخبار لپیٹ کر اپنی صدری کی جیب میں ٹھونسا اور لاٹھی ٹیکتا ہوا... پارک کے دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر میں بینچ نمبر چار پر جا کر بیٹھ گیا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ کوئی میری طرف متوجہ نہیں تو میں ردی کی ٹوکری کو ٹٹولنے لگا۔ پلاسٹک کا ایک لفافہ موجود تھا۔ میں نے اندر سے نیلا لفافہ نکال کر جیب میں رکھا اور وہاں سے اٹھ کر ائرپورٹ کے لاؤنج میں آ گیا۔ یہاں ایک مردانہ ٹائیلٹ میں جا کر میں نے خط کھول کر دیکھا' جو انگریزی ٹائپ شدہ تھا۔

"ترچناپلی کے کول پٹہ چوک میں کرشنا ہوٹل ہے۔ اس میں راجہ رام تیواڑی کے نام سے کمرہ کرائے پر لے لو' وہاں ہمارا آدمی آ کر تمہیں لے جائے گا۔ رات دس بجے کے بعد اپنے کمرے میں ہی رہنا۔ اس آدمی کے شناختی کارڈ پر بھی تصویر کی جگہ بی ۲۹ لکھا ہو گا۔"

میں نے خط پھاڑ کر پانی میں بہا دیا۔ ٹائیلٹ سے نکل کر ائرپورٹ کے سامنے والے اسٹینڈ سے ٹیکسی لی اور اسے ... کول پٹہ چوک کرشنا ہوٹل چلنے کو کہا۔ ترچناپلی بڑا صاف ستھرا اور ماڈرن شہر ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں ہیں اور ایک بازار میں ٹرام بھی چلتی ہے۔ تقریباً ہر سڑک کے دونوں جانب... پام کے درخت نظر آتے ہیں' کول پٹہ چوک دیکھ کر مجھے کلکتے کا... ڈلہوزی اسکوائر یاد آ گیا۔ ماڈرن علاقہ تھا۔ بیچ میں گول دائرہ بنا تھا جس میں سبزہ اور پھول' دن کی سنہری دھوپ میں مسکرا رہے تھے۔

کرشنا ہوٹل' ہمارے لاہور کے انٹرنیشنل ہوٹل کی طرز کا تھا۔ کاؤنٹر پر ایک خوش شکل ساڑھی پوش لڑکی بندیا لگائے جوڑے میں ترناری کے سرخ پھول سجائے مسکرا رہی تھی۔ اس نے مجھے چابی تھما کر مسکراتے ہوئے کہا "کمرہ نمبر ۱۲۔ اے سر"۔

میں لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ میرا کمرہ تیسری منزل پر تھا۔ سنگل بیڈ روم کا صاف ستھرا کمرہ تھا۔ باتھ روم اٹیچ تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوا۔ فون کر کے کمرے میں ہی کھانا منگوایا۔ سالن میں قیامت کی مرچیں تھی۔ جنوبی بھارت میں سرخ مرچیں اس طرح کھائی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم یہاں لہسن کی چٹنی کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد میں کچھ دیر آرام کرنے کے خیال سے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو دن ڈھل چکا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے ہی میں کافی منگوا کر پی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے انگریزی زبان میں پوچھا "آپ کے پاس پلاسٹک کے سامان کے نمونے ہوں گے؟ ہم اپنی دکان کے لئے آپ کی کمپنی کا کچھ مال خریدنا... چاہتے ہیں"۔

میں سمجھ گیا کہ یہ اسی خفیہ گینگ کا کوئی آدمی ہے۔ میں نے کہا "جی ہاں... میرے پاس نمونے موجود ہیں"۔

دوسری طرف سے آواز آئی "میں دس بجے... رات آؤں گا"۔

فون بند کر دیا گیا۔

کمرے میں دن بھر پڑے رہنے سے بھی لوگ شک کر سکتے تھے۔ چنانچہ کمرہ لاک کر کے ہوٹل سے باہر آ گیا اور ایک کشادہ بازار کے فٹ پاتھ پر ٹہلنے لگا۔ شام ہو گئی تھی۔ فلیٹوں میں بتیاں جل اٹھیں۔ ساڑھی پوش عورتیں اور دھوتی پوش دبلے پتلے مرد ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ایک سینما گھر کے باہر ہیما مالنی کی بہت بڑی تصویر لگی تھی۔ فلم کا نام تامل اور ہندی میں "کاریکا" لکھا تھا۔ بائیں جانب ایک مارکیٹ تھی۔ جس کی... دکانیں جگمگا رہی تھی۔ ایک ریستوران کے باہر زرد کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ جنوبی ہند میں زرد کیلوں کے گچھے ریستورانوں کے باہر لٹکانے کا رواج عام ہے۔ لوگ تامل، تیلگو اور کنتری زبان میں باتیں کر رہے تھے، جو میری سمجھ سے باہر تھی۔ اچانک ہی میں نے کاسمیٹک کی ایک دکان سے اسی سانولی لڑکی کو نکلتے دیکھا، جسے میں نے صبح چلڈرن پارک میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کی پٹی سرخ تھی۔ ماتھے پر سرخ بندیا اور جوڑے میں سفید پھولوں کا گجرا تھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھا تو ذرا سا مسکرائی۔ میرے ہونٹوں پر بھی اپنے آپ مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی میرے قریب سے گزر گئی۔ اس کے لباس سے خواب انگیز خوشبو آئی۔ یہ جنوبی ہند کے مندروں میں رقص کرنے والی قدیم دیوداسیوں کی خوشبو تھی۔

میرا خیال تھا کہ مارکیٹ کا گیٹ مڑتے ہوئے وہ پلٹ کر میری طرف ضرور دیکھے گی۔ مگر وہ چلی گئی اور مجھے مارکیٹ ویران ویران سی لگنے لگی۔ میں مارکیٹ کی راہ داریوں میں ٹہلتا رہا... پھر واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔ آٹھ بجے رات میں نے کمرے میں کھانا منگوا کر کھایا اور پلنگ پر لیٹ کر شام کا انگریزی اخبار پڑھنے لگا۔ جگہ جگہ خبروں میں ڈھاکہ فال پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ میں نے اخبار ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ٹھیک دس بجے رات دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک کھدر پوش ادھیڑ عمر کا آدمی ہاتھ میں بریف کیس اٹھائے کھڑا تھا۔ پہلی نظر میں مجھے وہ کوئی کانگریسی لیڈر لگا۔ اس نے مسکرا کر مجھ سے انگریزی میں کہا "مسٹر راجہ رام تیواڑی آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور بریف کیس کھولتے ہوئے بولا "ہمیں اپنی دکان کے لئے آپ کی فرم کی مصنوعات کی ضرورت ہے"۔

میں نے اپنے بریف کیس میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھایا تو وہ مسکرایا اور اس نے بھی اپنا شناختی کارڈ میرے سامنے کر دیا۔ جس پر بی ۷۹ کے ہندسے لکھے ہوئے تھے "مسٹر تیواڑی"۔ اس

نے شناختی کارڈ بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا " آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا "۔

مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ ہوٹل سے باہر آ گیا۔ باہر اس کی چھوٹی سی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ مجھے لے کر ایک سنسان سڑک پر روانہ ہو گیا۔ وہ خاموش تھا۔ پاکستان دشمن منصوبے کا... سراغ لگانے کی مہم مجھے گہرائیوں میں اتارے چلے جا رہی تھی اور ابھی تک میں معاملے کی تہ تک بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ ترچناپلی کے مضافات میں سے گزرنے والی سڑک پر موت کا سا سناٹا تھا۔ کار فراٹے بھرتی اڑی جا رہی تھی۔ ایک جگہ گاڑی روک کر وہ بولا۔ " یہاں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی۔ یہ بہت... ضروری ہے "۔

اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی گئی۔ اب کار آگے روانہ ہوئی تو کسی چوک میں پہنچ کر اس نے گول دائرے میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پھر ایک سمت کو روانہ ہو گی۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ میں آسانی سے راستہ تلاش نہ کر سکوں۔ اب مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کار کس سمت جا رہی ہے۔ پھر مجھے ایسا لگا، جیسے کار کسی سرنگ میں داخل ہو گئی ہے انجن کی آواز گونجنے لگی تھی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس سرنگ میں کوئی پانچ منٹ چلنے کے بعد گاڑی ایک جگہ گھوم کر رک گئی۔ پھر وہ شخص میرا ہاتھ تھام کر ایک جگہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہاں ایک دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ میرے ساتھی نے کہا۔ " اب پٹی کی ضرورت نہیں "۔

میں نے پٹی ہٹا کر دیکھا کہ میرے گائیڈ ایجنٹ نے چہرے پر ایک ایسا سیاہ نقاب پہن رکھا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ باقی سارا چہرہ اس سیاہ نقاب میں چھپ گیا تھا۔ ایک ایسا ہی نقاب اس نے میرے چہرے پر بھی ڈال دیا۔ ہم ایک تنگ راہ داری میں چلنے کے بعد ایک گول کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں وسط میں ایک میز تھی۔ دیوار کے ساتھ چار کرسیاں رکھی تھی۔ ایک گول کرسی میز کے پیچھے بھی تھی۔ میرا ساتھی، مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ دیوار میں چھت کے قریب ایک چوکھٹا لگا ہوا تھا۔ جس میں سے تازہ اور ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ معاً دروازہ کھلا اور ایک بھاری بھر کم آدمی داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ اس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی... مگر کاندھے پر عہدے کا نشان نہیں تھا۔ اس کا چہرہ بھی نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ سر کے بال سفید ہو رہے تھے۔ وہ میز کے پیچھے والی گول کرسی پر بیٹھ گیا بریف کیس کھول کر ایک فائل نکالی اور دیوار پر لگی... مرکری لائٹ میں اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ پھر میری طرف دیکھے بغیر انگریزی زبان میں بولا " کرنل نارو منی! میرے پاس تمہارا فل ریکارڈ موجود ہے "۔

میری تو جان ہوا ہو گئی۔

" تمہیں اس اہم ترین مشن کے لئے خاص طور پر اس لئے چنا گیا ہے کہ تم انڈین آرمی میں رہ کر چار سال کی کمانڈو ٹریننگ حاصل کر چکے ہو۔ تمہیں مکتی باہنی کے بھیس میں ڈھاکہ بھیجا گیا۔ جہاں

تمہارا ریکارڈ بڑا شاندار رہا۔ تم نے مشرقی پاکستان میں مسلمان بنگالیوں کے دل میں مسلمان پنجابیوں کے خلاف جس کامیابی سے نفرت کے بیج بوئے اور تخریبی تحریک چلائی ۔ وہ بھی اس مشن کے لئے تمہارے انتخاب کی وجہ بنی ہے کہ اب تمہیں اسی قسم کا مگر اس سے بھی زیادہ اہم اور نازک مشن سونپا جا رہا ہے۔ تم اس سلسلے میں کلیدی رول ادا کرنے والے ہو۔ تم جالندھر کے ہندو ہوتے ہوئے بھی ہندی اور سنسکرت کے علاوہ اردو ' فارسی اور اسلامی علوم میں بھی مہارت رکھتے ہو۔ یہ بات بھی تمہارے حق میں جاتی ہے ۔ تمہارا اصلی نام سوائے میرے اور ہمارے انٹیلی جینس باس کے اور کسی کو معلوم نہیں لیکن ہم تمہیں کرنل نارو منی کے نام سے ہی یاد کیا کریں گے تم اس وقت جس زیر زمین مقام پر موجود ہو ' اسے تم پاکستان پر آخری اور کاری ضرب لگانے والا کارخانہ کہہ سکتے ہو۔ یہاں جوہری توانائی حاصل کر لینے کے بعد حکومت کی زیر سرپرستی ہائیڈروجن بم پر ابتدائی ریسرچ ہو رہی ہے لیکن اس وقت یہاں بھارت کے لائق ترین سائنس دانوں کی نگرانی میں ہم ایسی انقلاب انگیز گولیاں تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ۔ جو کسی انسان کو کھلا دی جائیں تو اس کے خیالات ' اس کے دلی عقائد کے بالکل الٹ ہو جاتے ہیں ۔ اس گولی کا اثر خصوصیت کے ساتھ انسان کے تحت الشعور میں رہنے والے سیاسی نظریات پر ہوتا ہے ۔ اس خطرناک دوا کا تجربہ ہم مشرقی پاکستان میں کر چکے ہیں ۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ مشرقی پاکستان میں مسلمان بنگالی لیڈر بھی نظریہ پاکستان کے دشمن بن گئے تھے ۔ یہ ہماری انہی گولیوں کا اثر تھا لیکن ہمارے پاس اس کی مقدار بہت کم ہے ۔ اسی لئے ہم نے ان گولیوں کو بڑے بڑے لیڈروں پر ہی استعمال کیا ہے ۔ ہمارے جاسوس مغربی پاکستان میں موجود ہیں ۔ مغربی پاکستان میں جتنے لیڈر مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس اسلامی مملکت کی مخالفت کر رہے ہیں اور اسے توڑ دینا چاہتے ہیں ' انہیں ہمارے جاسوس یہ گولیاں کھلا چکے ہیں ۔ ان گولیوں کی تیاری پر کثیر سرمایہ اور طویل عرصہ لگتا ہے ۔ چنانچہ ہم اسے کہیں کہیں استعمال کرتے ہیں اور اس وقت ہمارا ٹارگٹ یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں وسیع پیمانے پر صوبوں کے درمیان منافرت پھیلائی جائے ۔ خاص طور پر سندھ ' صوبہ سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کو پاکستان کے خلاف زیادہ سے زیادہ بھڑکایا جائے ۔"

فوجی ایجنٹ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لوگ پاکستان کو ختم کرنے کے لئے ... اتنی خطرناک ترین اور گھناؤنی سازش میں مصروف ہیں ۔ فوجی ایجنٹ سگار سلگا کر کرسی سے اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا ۔ میں خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا ۔ وہ اپنی کرسی کے پاس آ کر رک گیا اور میری طرف دیکھ کر بولا " تمہیں ہر قسم کی سہولت دی جائے گی ۔ پوری پوری بریفنگ کر دی جائے گی ۔ تمہیں پاکستان میں موجود اس بھارتی ایجنٹ کا خفیہ ایڈریس بھی دے دیا جائے گا ۔ جس سے تمہاری ملاقات ضروری سمجھی جائے گی "۔

میں نے ذرا کھانس کر اپنی زبان کھولی " سر! ہم پاکستان کے برسر اقتدار لوگوں کو یہ گولیاں کیوں

نہیں کھلا دیتے ؟"

نقاب پوش فوجی ایجنٹ ایک پل کے لئے مجھے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا ۔ "مجھے تم سے اس قسم کے سوال کی توقع نہیں تھی ۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ پاکستان کے کسی اعلیٰ سرکاری افسر کو گولی کھلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ ہماری بیش قیمت گولی ضائع ہو جائے گی ۔ گولی کھانے کے بعد جب اس کے سیاسی نظریات الٹے ہو جائیں گے اور وہ اپنے ملک کے خلاف باتیں کرنے لگے گا یا کوئی کارروائی کرے گا تو اسے فوراً اس عہدے سے ہٹا کر نظر بند کر دیا جائے گا ۔ اس کے برعکس حزب مخالف کے سیاسی لیڈروں پر یہ نسخہ کامیاب رہے گا ۔ کیونکہ جب حزب مخالف کا کوئی لیڈر حکومت یا ملک کے خلاف کوئی بات کرتا ہے تو لوگ اس کی باتوں پر دھیان دیتے ہیں ۔ حکومت جب انہیں جیل میں ڈالتی ہے تو لوگ اس کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتے ہیں ۔ ملک میں شورشیں ہوتی ہیں ۔ حکومت کے خلاف ایک فضا بننے لگی ہے اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے ۔ ہم تمہیں چند گولیاں ساتھ لے جانے کے لئے ضرور دیں گے ۔ جو تم پاکستان کے کچھ ایسے سیاسی لیڈروں کو کھلا دو گے ۔ جن پر پہلی گولی کا اثر کچھ کچھ زائل ہو رہا ہے اور وہ کسی وقت پاکستان کے حق میں بیان دینے لگتے ہیں ۔ بہرحال ، تمہیں ابھی کچھ دیر ترچناپلی ہی میں رکنا پڑے گا کیونکہ ان کایا پلٹ بیش قیمت گولیوں کی تیسری کھیپ تیار کرنے میں ہمیں وقت لگے گا "۔

میں نے اب کوئی سوال نہ کیا ۔ مجھ پر اچانک پاکستان کے خلاف ایک ایسے محیرالعقول اور سریع الاثر لیکن ناپاک منصوبے کا انکشاف ہوا تھا کہ میں گنگ سا ہو کر رہ گیا تھا ۔ فوجی ایجنٹ بیٹھ گیا ۔ اس نے فائل بند کر کے بریف کیس میں رکھی ... سگار ایش ٹرے میں مسل ڈالا اور بولا "تم کرشنا ہوٹل میں راجہ رام تیواڑی کے نام سے ہی رہو گے لیکن دن میں کسی وقت مارکیٹ میں جا کر اپنی جعلی پلاسٹک مصنوعات کی فرم کے لئے آرڈر لینے کی بھی کوشش کیا کرو گے تاکہ کسی کو تم پر شک نہ ہو کیونکہ یہاں آئی اے کے ایجنٹ بھی ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں ... تمہارے خرچے کے لئے رقم تمہیں کل رات تمہارے کمرے میں پہنچا دی جائے گی "۔ اس نے میز پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "کرنل نارومنی ! ہم نے ... اس نئی حیرت انگیز سائنسی ایجاد یعنی کایا پلٹ گولیوں کا نام وی ٹو رکھا ہے جیسا کہ تم جانتے ہو گے ۔ وی ٹو دوسری جنگ عظیم میں جرمنوں کا وہ راکٹ تھا جس نے لندن شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی ۔ ہم اس ہتھیار کی مدد سے وہی سلوک پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں "۔

میں نے یونہی کہہ دیا " سر ! کیا اس گولی کا کوئی توڑ بھی ہم نے دریافت کیا ہے یا نہیں ؟"

وہ پتھر کے بت کی طرح مجھے تکنے لگا ۔ نقاب کے پیچھے اس کی نسواری آنکھیں لومڑی کی آنکھوں کی مانند چمک رہی تھیں ، کہنے لگا "ہاں ... اس کا ایک توڑ بھی ہے لیکن تمہیں اس توڑ سے کوئی

دلچسپی نہیں ہونی چاہئے ۔ گڈ لک پام آئل نارو منی!" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھا۔ بریف کیس ہاتھ میں لیا اور کمرے سے نکل گیا۔

مجھ پر حیرت اور اندیشوں نے یلغار کر دی ۔ اس ملک میں میرے وطن عزیز کے خلاف جس قسم کا رونگٹے کھڑے کر دینے والا تخریبی منصوبہ بنایا جا چکا تھا۔ اس کا مجھے گمان تک نہیں تھا۔ مجھے اس منصوبے کا علم ہو جانے کی تعبیر یہی تھی کہ مشیت پاکستان کے حق میں تھی اور وہ اسے ہمیشہ قائم و دائم اور پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی تھی ۔ میرے اندر پاکستان کو اس گھناؤنی سازش سے بچانے کا جذبہ سہ چند ہو گیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر موقع ملا تو یہ کایا پلٹ گولیاں بھارت کے کسی لیڈر کو بھی کھلانے کی کوشش کروں گا۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ یہ گولیاں قلیل تعداد میں تیار ہو رہی ہیں اور مجھے ... کم از کم تعداد میں یہ انقلابی گولیاں دی جائیں گی ۔ مجھے اس انکشاف پر کوئی حیرت نہ ہوئی کہ پاکستان میں دشمن ایجنٹ اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ یہ تو ہر ملک میں ہوتا ہے لیکن خوشی مجھے اس بات کی ہوئی کہ پاکستان میں بھارتی ایجنٹ کی حیثیت سے داخل ہوتے وقت مجھے پاکستان میں موجود کسی ایک ایجنٹ کا پتہ دے دیا جائے گا۔ اسے گرفتار کرنے کے بعد پاکستانی حکام اس کے دوسرے ساتھیوں کا کھوج بھی لگا لیں گے ۔ اس کایا پلٹ گولی کا نام وی۔ ٹو اس بھالو نما انٹیلی جینس آفیسر نے خوب رکھا تھا' لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میں اس وی۔ ٹو کا رخ اس کے اپنے ملک بھارت کی طرف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دفعتاً مجھے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پلٹ کے دیکھا تو میرا نقاب پوش گائیڈ کھڑا تھا "مسٹر راجہ رام تیواڑی تمہاری واپسی کا وقت ہو گیا"۔

میں خاموشی سے اٹھا اور راہ داری میں سے گزرتا اس کمرے میں واپس آ گیا۔ جہاں مجھے نقاب پہنایا گیا تھا۔ یہاں میرا نقاب اتار کر میری آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی گئی اور ہم زیر زمین راہ داریوں میں سے گزرتے سرنگ میں اس جگہ آ گئے' جہاں میرے گائیڈ کی کار کھڑی تھی ۔ کار روانہ ہو گئی ۔

کچھ دیر بعد کار رک گئی اور جب میری آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی تو میں اسی سڑک کے کنارے موجود تھا' جہاں پہلی بار پٹی باندھی گئی تھی ۔ میں نے درختوں کو دیکھ کر کوئی نشانی یاد رکھنے کی کوشش کی مگر رات کے اندھیرے میں مجھے دقت پیش آ رہی تھی ۔ پھر سارے درخت ناریل کے تھے اور ایک جیسے ہی تھے ۔ سڑک کچی تھی اور پھر یہاں میری آنکھوں پر سے پٹی کھولنے سے پہلے کار کو چھ سات بار گھمایا بھی گیا تھا۔ یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ میں سڑک پر کس طرف سے آیا تھا۔ کار تیزی سے میرے ہوٹل کی طرف اڑی جا رہی تھی ۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے کپڑے بدلے اور لیٹ کر... سوچنے لگا کہ بھارت ایٹم بم کے بعد اب ہائیڈروجن بم بھی بنا رہا ہے اور یہ ساری تیاریاں پاکستان کو ختم کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں ۔ مجھے

بھارت کے اس جوہری اور قاتل منصوبے کو بھی ناکام بنانا تھا۔ یہ میرا ایک الگ کمانڈو مشن تھا۔ جس پر میں پہلی فرصت میں عمل پیرا ہونا چاہتا تھا لیکن فی الحال مجھے وی۔ ٹو سے نمٹنا تھا اور بھارتی ملٹری انٹیلی جنیس کی مدد سے پاکستان میں تخریب کاری میں مصروف بھارتی ایجنٹوں کو اس طریقے سے گرفتار کروانا تھا کہ مجھ پر ذرا سا بھی الزام نہ آسکے اور ساری کارروائی محض ایک اتفاق ہی لگے۔

اگلے روز فوجی ایجنٹ کی فرمائش کے مطابق میں بریف کیس میں پلاسٹک کی مصنوعات ڈال کر مارکیٹ کی طرف نکل گیا۔ ایک دکان دار سے آرڈر بھی لے لیا۔ پھر ایک ریستوران میں بیٹھ کر کافی پیتے ہوئے ترچناپلی کے لوگوں کو آتے جاتے دیکھنے لگا۔ میں اس زیر زمین فیکٹری کو دھماکے سے اڑا دینا چاہتا تھا۔ جہاں وی۔ ٹو نام کی نظریات پلٹ گولیاں تیار ہوتی تھی لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ فیکٹری کس مقام پر ہے اور وہاں تک کون سا راستہ جاتا ہے۔ دوپہر کا کھانا میں نے باہر ہی کھایا۔ اس کے بعد ایک سینما گھر میں تامل فلم دیکھنے گھس گیا۔ بہت بور فلم تھی۔ زبان بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھی لیکن رقص بڑے کلاسیکل تھے۔ شام کو ہوٹل واپس آکر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ رات دیر تک جاگتا رہا تھا۔ اس لئے جلد ہی نیند آگئی۔ اٹھا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ کھانا حسبِ معمول کمرے ہی میں منگوا کر کھایا۔ کافی کی چسکیاں لے رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر وہی کھدر پوش گائیڈ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میری طرف لفافہ بڑھا کر بولا۔ "آپ کی ڈاک ہے"۔

لفافہ دے کر وہ واپس چلا گیا۔ اس لفافے میں انڈین کرنسی کے پانچ ہزار روپے تھے۔ کچھ رقم میرے پاس پہلے بھی موجود تھی۔ میں نے سارے نوٹ اپنے بٹوے میں رکھ لئے۔ گیارہ بجے رات تک ایک انگریزی ناول پڑھتا رہا، جو میں نے مارکیٹ سے خریدا تھا۔ پھر سو گیا۔

صبح اٹھا تو دن کافی نکل آیا تھا۔ کھڑکی میں سے دھوپ اندر آرہی تھی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور ناشتہ کمرے میں ہی منگوا لیا۔ جب میں بریف کیس ہاتھ میں لئے ہوٹل سے باہر آیا تو دس بج رہے تھے۔ میں نے ٹیکسی لی... اور ترچناپلی کے علاقے کی ایک شاندار مارکیٹ میں پہنچ گیا۔ یہاں بھی چل پھر کر ایک دو دکانداروں سے اپنی نقلی فرم کے لئے کچھ آرڈر لئے اور پھر ایک ریستوران میں بیٹھ کر کافی پینے لگا۔ ترچناپلی کے ریستوران اور ان کی فضا مجھے بہت پسند آئی تھی۔ ان ریستورانوں میں عود اور اگربتیوں کی خوشبو ہر وقت رچی بسی رہتی... یہاں سفید سنگی میزوں پر کیلے کے پتے بچھا کر کھانا دیا جاتا تھا۔ اسپیکر پر دھیمی آواز میں تامل فلموں کے ریکارڈ بجتے رہتے۔ دن کے گیارہ بجے موسم کچھ گرم ہو گیا۔ سڑک پر ناریل اور تاڑ کے دبلے پتلے، چھریرے درختوں کی ٹہنیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ فٹ پاتھ پر پیدل چلتے چلتے میں شہر کے نسبتاً غیر آباد علاقے کی طرف نکل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک آدمی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ اس آدمی کو میں نے پہلی بار ریستوران میں داخل ہونے سے پہلے دیکھا تھا... وہ فٹ پاتھ پر بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا تھا۔ اس طرف نگاہ اٹھی

تو وہ مجھے اپنی طرف گھورتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ توند تھوڑی سی نکلی ہوئی تھی۔ رنگ ذرا صاف تھا اور لگ رہا تھا کہ یہ آدمی پنجاب کا رہنے والا ہے۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا لیکن جب ریستوران سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا تو دیکھا

کہ وہ آدمی کچھ فاصلے سے میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں بھارت کے پنجاب میں بڑی تباہ کن تخریبی کاروائی کر کے بھاگا ہوا تھا۔ ایک بار پکڑا بھی گیا لیکن فرار ہو گیا تھا۔ یوں بھارتی انٹیلی جینس کے دو تین آدمی میری شکل سے واقف ضرور ہو گئے تھے مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے بھارتی پنجاب یا دلی سے کوئی بھارتی سی آئی ڈی کا آدمی میری تلاش میں ترچناپلی آگیا ہو!

میں محتاط ہو گیا۔ اگرچہ میرے پاس شناختی کارڈ پر بی ۶۹ کا ایک ایسا طلسمی نمبر لکھا تھا۔ جو مجھے بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کا خاص آدمی ثابت کرتے ہوئے مجھے بچا سکتا تھا لیکن میڈیکل چیک اپ ایک سیکنڈ میں مجھے مسلمان ثابت کر سکتا تھا۔ میں بظاہر بڑی بے نیازی سے چل رہا تھا لیکن حقیقت میں بے حد محتاط تھا۔ مجھے بائیں جانب ایک مندر نظر آیا۔ یہ ایک پرانا مندر تھا۔ جس کی سیڑھیوں پر ایک پجاری تخت پر بیٹھا مالا کا جاپ کر رہا تھا۔ عورتیں اور مرد پوجا کرنے جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ مندر میں داخل ہو گیا۔

جنوبی ہند کے مندر... بڑے پراسرار، گھٹے گھٹے... اور تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ وشنو بھگوان کی مورتی کے آگے ساگریوں میں دیئے جل جل رہے تھے۔ گھنٹیاں بج رہی تھی۔ پجاری ویدوں کے منتر پڑھ رہا تھا۔ میں بھی ایک جگہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ جو آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ مندر میں ضرور آئے گا۔ مگر وہ اندر نہیں آیا۔ میں نے پندرہ منٹ انتظار کیا۔ پھر جب باہر نکلنے لگا تو اچانک اسی لڑکی پر نظر پڑی، جسے میں نے پہلی بار چلڈرن پارک میں اور اس کے بعد مارکیٹ میں دیکھا تھا اور جو میری طرف دیکھ کر مسکرائی تھی۔ یہ لڑکی ماتھے پر تلک لگائے بال کاندھوں پر کھلے چھوڑے ہاتھ میں پوجا کے پھول لئے وشنو بھگوان کی پوجا کرنے مندر کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو ذرا ٹھٹک سی گئی۔ پھر خاموشی سے میرے قریب سے گزر کر مورتی کے استھان کے پاس کھڑی ہو گئی اور دیئے کی جوت جگا کر پوجا کرنے لگی۔

میں نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور جلدی سے واپس آ کر مورتی کے سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ لڑکی پوجا کرنے کے بعد واپس جانے لگی تو میں سوچے سمجھے... منصوبے کے تحت دیوار سے ہٹ کر اس کی طرف بڑھا اور ایسی اداکاری کی، جیسے کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا ہوں۔

لڑکی نے بے چین سا ہو کر میری طرف دیکھا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے مسکرا کر انگریزی میں کہا "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا، شکریہ"۔

اس نے انگریزی میں پوچھا کہ مجھے چوٹ تو نہیں آئی یہی جملہ میں اس کے منہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔ میں نے نہایت چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے موسم اور ترچنا پلی شہر کی لڑکیوں کے حسن کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ زیر لب مسکراتی رہی۔

سیڑھیاں اتر کر وہ ایک طرف درختوں کے بیچ والی... پگڈنڈی پر چل پڑی۔ میں نے اپنی عقاب ایسی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ میرا دل ذرا سا دھڑک اٹھا۔ وہ کم بخت اجنبی ایک درخت کے پاس کھڑا تھا اور مجھے مندر سے نکلتے دیکھ کر میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا۔ اب یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ... وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے اس اسے کسی نہ کسی وجہ سے مجھ پر شک ہوگیا ہے۔ میں مزید انہماک سے لڑکی سے باتیں کرنے لگا۔ لڑکی میری گرم جوشی پر حیران اور کچھ پریشان بھی ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا نام راجہ رام تیواڑی ہے لور پنجاب میں پلاسٹک کی ایک فرم کا ایجنٹ ہوں۔ لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ایک طرف گھوم گئی۔ آگے سڑک تھی۔ جہاں ایک چھوٹی گاڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ لڑکی نے رک کر میری طرف دیکھا اور انگریزی میں کہا "میرا نام مالینی آئر ہے"۔

میں نے اسے اپنے ہوٹل کرشنا کا نام بتایا ہی تھا کہ لڑکی تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف مڑ گئی۔ جہاں ایک دبلا پتلا کالا... ڈرائیور پہلے سے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی اور میں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے الوداع کرنے لگا۔ گردن کھجانے کے بہانے پیچھے دیکھا تو سی آئی ڈی کا آدمی کچھ فاصلے پر کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ میں سڑک پر جانے کی بجائے درختوں کے بیچ سے ہو کر ایک طرف چلنے لگا۔ میں اس علاقے سے بالکل واقف نہیں تھا۔ وہ آدمی برابر میرا تعاقب کر رہا تھا۔ خیال آیا کہ کیوں نہ اس کو اپنا طلسمی نمبر بتا دوں لیکن پھر کچھ سوچ کر میں نے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ بائیں جانب کسی اسکول کی دیوار درختوں کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ دیوار قد آدم تھی۔ مگر میرے لئے اسے پھاندنا مشکل نہیں تھا۔ دیوار کے قریب جا کر میں نے اچھل کر دیوار کی منڈیر پکڑی اور دوسری طرف کود گیا۔ پیچھے تیز تیز قدموں کی آواز آنے لگی۔

یہ آواز اسی بھارتی، سی آئی ڈی والے کے قدموں کی تھی۔ ظاہر ہے، وہ مجھے دیوار پھاندتے دیکھ کر میرے پیچھے بھاگا تھا۔ میں اسکول کی دیوار کی دوسری طرف گرا۔ یہ اسکول کے نوکروں کے کوارٹروں کا پچھواڑا تھا اور یہاں دنیا جہان کا جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا۔ ایک کتا مجھے دیکھ کر بھونکا۔ دو چار مرغیاں کڑکڑاتی ہوئیں ادھر ادھر بھاگ گئیں۔ کسی کوارٹر میں سے آدمی کی آواز آئی اور کتا خاموش ہوگیا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ کوارٹروں سے نکل کر ترکاریوں کی ایک چھوٹی سی کھیتی کو روندتا ہوا میں اسکول کے برآمدے میں سے ہو کر ایک کمرے میں گھس گیا جہاں ایک کالی کلوٹی استانی بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے شور مچا دیا میں کمرے کے دوسرے دروازے سے بھاگ کر جنوبی

برآمدے میں آ گیا۔ میرا بریف کیس مجھے پریشان کر رہا تھا مجھے اپنے پیچھے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ انڈین سی آئی ڈی کا آدمی میرے پیچھے بھاگتا چلا آ رہا تھا۔

میں اسکول کے عقبی گیٹ کی طرف دوڑا میری نظر ایک سائیکل پر پڑی' جو گیٹ کی دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ لپک کر میں سائیکل پر سوار ہوا اور بے تحاشا پاؤں مارتا اسکول کے احاطے سے سڑک پر نکل کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔

دیکھتے دیکھتے میں دو تین بازاروں میں سے گزر گیا۔ بریف کیس بائیں ہاتھ میں تھامنے کی وجہ سے سائیکل کا ہینڈل غیر متوازن ہو جاتا تھا۔ پھر بھی میں اسے اڑائے لئے جا رہا تھا۔ میں ان بازاروں سے ناواقف تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ اب مجھے سائیکل چھوڑ دینا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ تعاقب کرنے والا کسی رکشا یا ٹیکسی پر میرا پیچھا کرنے لگا ہو۔ ایک جگہ سڑک بائیں جانب گھومی تو میں نے ایک ٹیکسی دیکھی جس میں سے سواریاں اتر چکی تھیں اور ایک آدمی ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر رہا تھا۔ میں تیزی سے ٹیکسی کی طرف گیا۔ سائیکل ایک چھکڑے کے ساتھ لگائی اور جلدی سے دروازہ کھول کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا" ریلوے اسٹیشن چلو" میں نے انگریزی میں کہا ٹیکسی ڈرائیور پیسے بٹوے میں رکھ رہا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا" جلدی چلو' ریلوے اسٹیشن"۔

نوٹ دیکھ کر ڈرائیور کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو انڈین جاسوس کہیں نظر نہ آیا۔ میں اسے جل دینے میں کامیاب ہو گیا تھا پھر میں نے سر نیچے کر لیا اور ٹیکسی والے کو تیز چلنے کی ہدایت کی ٹیکسی بڑی سڑک پر آ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ میں نے پہلی بار اطمینان کا سانس لیا۔

دن کا وقت تھا۔ ترچناپلی کے ریلوے اسٹیشن پر کافی رونق تھی۔ ٹیکسی پارکنگ میں جا کھڑی ہوئی۔ میں تیزی سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی لابی میں آ گیا اور سیدھا ایک ٹائلٹ میں گھس گیا۔ سب سے پہلے میں نے بریف کیس ہاتھ سے رکھ کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ میرے بال بکھرے ہوئے تھے۔ منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔ بالوں میں کنگھی کی اور ٹائلٹ سے باہر آ کر جائزہ لیا۔ وہ آدمی مجھے کہیں دکھائی نہ دیا پھر بھی میں نے پلیٹ فارم کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم نمبر ایک پر آ کر ٹی اسٹال کی اوٹ میں دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔

پلیٹ فارم پر مسافروں کا کافی رش تھا۔ شاید کوئی گاڑی آ رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد میں اٹھا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ یہاں سے میں نے ٹیکسی لی اور اسے کرشنا ہوٹل چلنے کو کہا اور سر نیچے کر کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ خدا جانے کہاں کہاں سے گھماتا ہوا ڈرائیور مجھے کرشنا ہوٹل لے گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر نیچے سڑک پر دیکھا' کوئی

مشکوک آدمی دکھائی نہ دیا۔ میں پلنگ پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا کہ ممکن ہے، مجھے ترچناپلی شہر میں ابھی ایک مہینہ مزید ٹھہرنا پڑے۔ سارا سارا دن ہوٹل میں پڑے رہنے سے میں ہوٹل والوں کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ ان دنوں ڈھاکہ فال کے بعد سارے ہندوستان میں یہ افواہیں عام تھیں کہ مشرقی پاکستان سے کئی پاکستانی جاسوس ہندوستان میں داخل ہو گئے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں اس شہر کو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ "پام آئیل نارومنی" مشن کے ایجنٹ مجھے کسی وقت بھی طلب کر سکتے تھے۔ میں نے وقتی طور پر ان پریشان کن خیالات کو ذہن سے نکال دیا اور کھانا کمرے میں بھجوانے کے لیے سروس والوں کو فون کر دیا... اور خود اخبار پڑھنے لگا۔

بیس ایک منٹ بعد دروازے کی گھنٹی بجی تو میں چونک پڑا۔ اٹھ کر چابی کے سوراخ میں سے باہر دیکھا۔ ہوٹل کا بیرا کھانے کا طشت لئے کھڑا تھا۔ میں نے آہستہ سے دروازے کا ایک پٹ کھول دیا۔ بیرا کمرے میں آ کر کھانا لگانے لگا۔ یہاں ہوٹل کے ملازموں کو یہی پتہ تھا کہ میرا نام راجہ رام تیواڑی ہے۔ میں جالندھر کا رہنے والا ہوں اور اپنی فرم کے لئے آرڈر بک کروانے ترچناپلی آیا ہوں۔ چنانچہ یہ سب لوگ مجھ سے انگریزی یا ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں بات کرتے تھے بیرے نے مجھے بتایا کہ نصف گھنٹے قبل میرا فون آیا تھا۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ میں نے پوچھا کس کا فون تھا؟ بیرے نے کہا کہ کوئی عورت بول رہی تھی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یقیناً سانولی سی خوش شکل لڑکی مالینی آئر ہو گی جس کو میں نے مندر سے واپس جاتے ہوئے کرشنا ہوٹل کا نام بتایا تھا۔ بیرا چلا گیا تو میں مالینی آئر کے بارے میں سوچنے لگا، کہیں یہ لڑکی بھی دشمن کی ایجنٹ نہ ہو مجھے اس سے دور رہنا ہو گا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں اس قسم کے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ بیرا خالی برتن واپس لے جانے لگا تو میں اسے یہ کہتے کہتے رک گیا کہ اگر میرا کوئی فون آئے تو کہہ دینا کہ میں کمرے میں نہیں ہوں کیونکہ خود میرے گروہ کے آدمیوں کا فون بھی آ سکتا تھا۔

میں دروازہ اندر سے بند کر کے لیٹ گیا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ایک لڑکی کی آواز آئی اس نے انگریزی میں پوچھا "مسٹر تیواڑی بول رہے ہیں؟"

یہ مالینی آئر کے سوا اور کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی تھی۔ ترچناپلی شہر میں یہی ایک لڑکی مجھے جانتی تھی میں نے آہستہ سے کہا "میں تیواڑی بول رہا ہوں"۔

"میں نے پہلے بھی فون کیا تھا، تم نہیں تھے۔ سنو! میں کندرم مارکیٹ میں شاپنگ کے لئے جا رہی ہوں۔ وہی مارکیٹ جہاں تم نے مجھے ایک دکان سے نکلتے دیکھا تھا، اسی دکان کے سامنے ایک ریستوران ہے، میں وہاں موجود ہوں گی۔ کیا تم آؤ گے؟"

میں نے جان بوجھ کر سوال کیا۔ کون بول رہی ہے؟

لڑکی کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی "تم نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا؟ میں مالینی بول رہی ہوں' مالینی آئر"۔

میں نے ٹیلی فون کرنے اور کافی کی دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے معذرت کی اور کہا "میں آج شام تک بے حد مصروف ہوں' کہیں نہیں جا سکتا پھر کسی روز ملوں گا"۔ یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا لیکن گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ مالینی میرے ایک دم فون بند کر دینے سے سخت ناراض تھی "تم نے میری توہین کی ہے' اب میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی"۔ اور اس بار اس نے فون بند کر دیا۔

چلو یہ بھی اچھا ہوا جان چھوٹی۔ میں نے سوچا لیکن یہ خیال اب دل کو پریشان کرنے لگا کہ اگر یہ لڑکی ایجنٹ ہے تو اسے میرے ہوٹل اور کمرے کا پتہ چل گیا ہے' وہ مجھے پکڑوا سکتی ہے پھر خیال آیا کہ آخر میں بھی اس وقت انڈین ملٹری انٹیلی جینس کے ایک بہت بڑے سرگروہ کا آدمی ہوں اور میرے شناختی کارڈ پر ٹاپ سیکرٹ B.69 کا نمبر لکھا ہے۔ یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن وہی میڈیکل چیک اپ والی بات بار بار مجھے پریشان کر دیتی تھی کیونکہ انڈین ملٹری انٹیلی جینس نے جس آدمی کو پاکستان دشمن مشن کے لئے چنا تھا اور جس کو میں نے قتل کر کے یہ بھیس بدلا تھا' وہ بھی ایک پنجابی ہندو تھا۔ ان حقائق کے پیش نظر ضروری تھا کہ میں یہ ہوٹل تبدیل کر دوں۔ اب سوال یہ تھا کہ اپنے گینگ کے آدمیوں کو اطلاع دیئے بغیر میں ہوٹل نہیں بدل سکتا تھا اور ان میں سے ابھی تک نہ تو کسی کا فون آیا تھا اور نہ ہی وہ کھدر پوش ایجنٹ ملنے آیا تھا۔

آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مجھے اسی ہوٹل میں رہنا ہو گا۔ میرے پاس کوئی پستول یا خنجر بھی نہیں تھا۔ سوچا رات کو بازار میں جا کر اور کچھ نہیں تو ایک چاقو ہی خرید لیا جائے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد ٹیکسی لے کر ایک مارکیٹ میں چلا گیا اور چاقو خرید کر واپس ہوٹل میں آ گیا۔

دوسرے دن میں نے ہوٹل والوں کو یہ تاثر دیا کہ مجھے بخار ہے اور سارا دن اپنے کمرے میں پڑا رہا۔ پاکستان دشمن گینگ کی جانب سے نہ تو کوئی فون آیا اور نہ ہی ان کا کوئی جاسوس مجھ سے ملاقات کرنے آیا۔ سارا دن کمرے میں پڑا پہلو بدلتا' اخبار پڑھتا اور ریڈیو سنتا رہا۔ رات بھی اسی طرح پہلو بدلتے گزر گئی۔

اگلے روز دوپہر کے بعد سخت بور ہو گیا۔ جی چاہتا کہ شہر کی سیر کو نکلوں مگر حفاظتی تدابیر کا تقاضا یہی تھا کہ اندر کمرے میں بند رہوں۔ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا' اس کے پیچھے ایک کشادہ پارک کے کنارے ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر میں ایک سینما بھی تھا۔ یہاں گریگوری پیک کی ایک انگریزی فلم چل رہی تھی۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد دل چاہا کہ کیوں نہ فلم کا آخری شو دیکھا جائے۔ سینما گھر زیادہ دور بھی نہیں تھا چنانچہ میں پونے دس بجے کمرہ بند کر کے سینما گھر کی طرف چل پڑا۔ میں ویران اور

کم روشن راستے سے ہوتا ہوا سینما گھر کی عمارت میں پہنچ گیا۔ فلم شروع ہو چکی تھی۔ میں نے ٹکٹ لیا اور ہال میں آکر بیٹھ گیا۔ پردہ سیمیں پر گھوڑے دوڑ رہے تھے اور کاؤ بوائے ٹھائیں ٹھائیں گولیاں چلا رہے تھے۔ اتنی تفریح میرے لئے کافی تھی۔ میں فلم دیکھنے میں مگن ہو گیا۔ ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے انٹرول ہوا میں کینٹین پر کافی پینے کے لئے آگیا۔ یہ میری غلطی تھی۔ مجھے سینما ہال میں ہی رہنا چاہیئے تھا۔ جنوبی ہند میں چائے کم اور کافی زیادہ پی جاتی ہے۔ کینٹین پر کچھ دوسرے لوگ بھی کافی وغیرہ پی رہے تھے۔ کینٹین کے پہلو میں ایک کاؤنٹر سا بنا ہوا تھا جس کے اوپر تامل اور انگریزی میں "مسلم بریانی اینڈ کافی شاپ" لکھا تھا۔ ایک لڑکا وہاں کھڑا گاہکوں کے لئے کافی بنا رہا تھا۔ جنوبی ہند کے مسلمان بریانی بہت اچھی پکاتے ہیں اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہاں ریلوے اسٹیشن پر بھی بریانی کے پارسل ملتے ہیں... یہ لوگ کیلے کے پتوں میں پیک کر کے مسافروں کو دیتے ہیں، جنہیں وہ پارسل کہتے ہیں۔ مسلم کافی شاپ کو دیکھ کر میں بے اختیار کاؤنٹر کے پاس چلا گیا اور کافی کا آرڈر دیا اور کاؤنٹر پر کہنی ٹکا کر ایک طرف گھوم کر دیکھا تو میرے جسم میں خون جیسے جم سا گیا۔

وہی کمبخت سیکرٹ سروس کا آدمی کونے میں کھڑا کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں نے جلدی سے رخ موڑ لیا اور کافی کی پیالی تھام کر چسکیاں لینے لگا... لیکن اب کافی میرے لئے زہر ہو گئی تھی۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور پنجابی زبان میں آہستہ سے کہا "مسلماناں دی کافی بڑی چنگی ہندی اے"۔

پنجابی میں جملہ ادا کر کے اس نے مجھے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرے دل کی گہرائی تک پہنچ گیا ہے اور میرا راز اس پر فاش ہو چکا ہے۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ بھارتی پنجاب پولیس یا فوج کا آدمی تھا۔ میں نے اپنے حواس کو قطعاً منتشر نہ ہونے دیا۔ اس وقت میری کمانڈو ٹریننگ میرے کام آ رہی تھی جس نے میرے احساسات کو فولادی بنا دیا تھا۔ میں نے بھی پنجابی میں مسکرا کر جواب دیا "ہاں جی! ہمیں امرتسر میں اس قسم کی کافی نہیں ملتی"۔

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ اس کی چمکیلی نگاہیں میرے دل میں اتری جا رہی تھیں۔ میرا کاندھا دبا کر بولا۔ "پاکستان میں بھی ایسی کافی نہیں ملتی ہو گی"!

میں بالکل انجان بن گیا اور کہا "میں صرف ایک بار ہی پاکستان گیا ہوں جی... مجھے معلوم نہیں"۔

اس نے دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالا اور پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں تھام لیا "مسٹر! تم بازی ہار چکے ہو۔ میں تمہاری تلاش میں صبح سے گھوم رہا تھا۔ باہر میری جیپ کھڑی ہے چپکے سے میرے آگے آگے چل کر اس میں بیٹھ جاؤ۔ باقی باتیں پولیس اسٹیشن پر ہوں گی۔ خبردار! بھاگنے کی کوشش کی تو

میرے پستول کی گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی توڑ چکی ہوگی"۔

میں نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا" آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں، امرتسر کا رہنے والا ہندو ہوں۔ پلاسٹک مصنوعات کی کمپنی کا ایجنٹ ہوں اور یہاں اپنے مال کے لئے آرڈر بک کرنے آیا ہوں۔ یہ دیکھو میرا شناختی کارڈ"۔ میں نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

اس نے کارڈ پر B/69 لکھا ہوا دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹک سا گیا۔ مگر اس کمبخت کو میرے مسلمان اور پاکستانی جاسوس ہونے کا یقین ہو چکا تھا۔ فوراً ہی پستول کی نالی تھوڑی سی اور آگے کر کے بولا۔" اس کا مطلب ہے کہ تم نے اپنا جال بہت دور تک پھیلا رکھا ہے۔ اب تو تمہاری گرفتاری ضروری ہو گئی ہے۔ تم ہماری سیکرٹ سروس کو بھی الو بنا رہے ہو۔ چلو تھانے۔ تمہارے مسلمان ہونے کا تو جاتے ہی پول کھل جائے گا"۔

ہم ساری گفتگو پنجابی زبان میں کر رہے تھے۔ پستول کا رخ اس نے یوں میری طرف کر رکھا تھا کہ کوئی دوسرا اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے پستول سے مجھے آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ میں خاموشی سے اس کی ہدایت پر عمل کروں۔ سینما گھر سے نکل کر میں کوئی کمانڈو ایکشن کر سکتا تھا۔ بد قسمتی سے اس وقت میرے پاس چاقو بھی نہیں تھا۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو وہ میرے بالکل ساتھ لگ کر چلنے لگا۔ جیپ تک پہنچنے سے پہلے پہلے کچھ کر گزرنا چاہیے تھا۔ انٹرول ختم ہونے کی گھنٹی بجی اور لوگ سینما ہال کے دروازوں کا رخ کرنے لگے۔

میں خاموشی سے سڑک کراس کرنے لگا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہم جیپ کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے مجھے آگے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ اپنے بائیں ہاتھ میں تھام کر اس نے پستول کی نالی میری پسلیوں کے ساتھ لگا دی اور دائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال کر جیپ اسٹارٹ کر دی۔ رات کے ساڑھے دس کا عمل ہو گا۔ ترچناپلی شہر کی سڑکیں ٹریفک سے خالی تھیں۔ اسے جیپ چلانے، گھمانے اور اسٹیرنگ کنٹرول کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ ڈائیل کی سوئی بتا رہی تھی کہ جیپ پینتیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے۔

شاید پولیس اسٹیشن قریب آ رہا تھا۔ جیپ کی رفتار ہلکی ہو گئی۔ میں خود کو بالکل بے بس محسوس کر رہا تھا لیکن اسی وقت قدرت نے مجھے ایک سنہرا موقع مہیا کر دیا۔ ایک ٹرک بغلی سڑک سے نکل کر اچانک سامنے آ گیا۔ اس نے ایک دم بریک لگائے اور اس کا بایاں ہاتھ جس میں پستول تھا قدرتی طور پر اسٹیرنگ کی طرف اٹھا۔ میں نے دائیں ہاتھ کی شدید ضرب اس کی کلائی پر لگائی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ میں نے پستول پر ہاتھ ڈالا تو اس نے بایاں ہاتھ میری گردن پر مارا۔ دوسری طرف ٹرک طوفانی انداز میں ہمارے پہلو سے نکل گیا۔ جیپ کا توازن بگڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحے پستول میرے

ہاتھ میں تھا اور اس کی نال ایجنٹ کی گردن سے لگی تھی "جیپ کو واپس موڑو"۔ میں نے حکم دیا۔
اس نے جیپ خاموشی سے موڑ لی مگر بہت جلد سڑک کے کنارے لے جا کر روک دی اور بولا "تم پولیس کی زد سے نہیں بچ سکو گے۔ میرے ساتھی جو سینما میں میرے ساتھ کھڑے تھے میرے خفیہ اشارے پر تھانے خبر کر چکے ہیں اور وہ لوگ تمہیں گرفتار کر لیں گے اس لئے بہتر ہے کہ خود کو میرے حوالے کر دو"۔

میں نے جواب دینے کی بجائے ٹرائیگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ گولی اس کی گردن پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ خون ابل پڑا اور وہ اسٹیرنگ پر جھک گیا۔ میں نے اسے جیپ سے نیچے گرایا اور جیپ اسٹارٹ کر کے اسے طوفانی رفتار سے چلاتا ہوا سینما گھر کے عقب میں کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر لا کر درختوں کے نیچے اندھیرے میں کھڑی کر دی۔ پستول جیب میں رکھا اور جیپ سے کود گیا۔

میں فٹ پاتھ پر درختوں کے نیچے 'اندھیرے میں تیز تیز چلا جا رہا تھا۔ ہوٹل کی لابی سنسان پڑی تھی۔ میں نے اپنے لباس کا جائزہ لیا میری قمیض پر کالر کے قریب تھوڑا سا خون لگا ہوا تھا۔ میں گردن کھجانے کے بہانے کالر کو ہتھیلی سے ڈھانپے ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے قمیض اتار کر قینچی سے کالر کاٹ ڈالا پھر اسے پرزے پرزے کر کے فلش میں بہا دیا۔ پستول کو کھول کر دیکھا۔ اس میں ابھی گولیاں موجود تھیں۔ میں نے اسے پلنگ کے گدے کے نیچے چھپا دیا اور بتی بجھا کر کھڑکی سے پردہ ہٹا کر نیچے دیکھا۔ ہوٹل کا فرنٹ پورشن خالی تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ صبح اس انڈین آفیسر کی لاش اور جیپ مل جائے گی پولیس اس سارے علاقے کی تلاشی کے لئے نکل کھڑی ہو گی۔ اس صورت میں مجھے پستول اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیئے۔

میں اٹھ بیٹھا۔ اس ہوٹل کے پچھواڑے ایک باغ تھا' جو رات کے وقت اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ میں نے پستول کو رومال میں لپیٹا اور باغ میں لے جا کر ایک جگہ دفن کر دیا تو میرے ذہن سے ایک بوجھ سا اتر گیا۔ رات کے ایک بجے کے قریب مجھے نیند آ گئی۔

صبح آنکھ کھلی تو کافی دن نکل آیا تھا۔ نہا دھو کر میں نیچے ناشتہ کرنے آ گیا۔ بریک فاسٹ روم میں ایک غیر ملکی سیاح جوڑا بھی ناشتہ کر رہا تھا۔ میں نے اخبار دیکھا۔ اس میں کسی سی آئی ڈی آفیسر کے قتل کی خبر نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے ریڈیو کھولا انگریزی نیوز بلیٹن شروع ہو گیا۔ میں غور سے سننے لگا۔ یہ مقامی خبریں تھیں۔ نیوز کاسٹر بتا رہا تھا کہ سنتھیا روڈ پر گزشتہ رات انڈین پولیس کے ایک سینئر آفیسر کو قتل کر دیا گیا۔ پولیس سرگرمی سے قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ خیال ہے کہ یہ واردات کسی غیر ملکی جاسوس نے کی ہے۔

میں نے ریڈیو بند کر دیا۔ دوپہر کو پولیس کے دو انسپکٹر ہوٹل میں بھی آ گئے مگر تھوڑی دیر ہوٹل کے منیجر سے بات کر کے واپس چلے گئے۔ ہوٹل کے منیجر نے اپنے ہوٹل کو بدنامی سے بچانے کے لئے

پولیس کو رشوت دے دی تھی یہ بات میرے حق میں اچھی ثابت ہوئی' میں پوچھ گچھ سے محفوظ رہا۔ میں شام تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ اب ایک نئی پریشانی بار بار میرے دل میں سر اٹھا رہی تھی۔ جس آفیسر کو میں نے ہلاک کیا تھا۔ اس نے سینما کی لابی میں کھڑے اپنے ساتھیوں کو خفیہ اشارے سے میرے بارے میں بتایا تھا۔ گویا انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور میری' یعنی قاتل کی شناخت ہو چکی تھی اور اگر ان سے آمنا سامنا ہو گیا تو وہ مجھے فوراً پہچان لیں گے۔

میں دو دن تک ہوٹل میں بند رہا۔ دوسرے روز' دوپہر کے بعد ترچنا کی پلی خوبصورت سانولی دوشیزہ مالینی آئر کا پھر فون آ گیا۔ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور خاموش رہا۔ وہ ہیلو ہیلو کرتی رہی۔ مالینی آئر بار بار مجھے پکار رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے فون بند کر دیا۔

شام کی ہلکی ہلکی سیاہی شہر کی کشادہ سڑکوں پر اتر رہی تھی کہ میں ٹہلنے کے لئے سڑک پر آ گیا... دو دن کمرے میں بند رہ کر میں تنگ آ گیا تھا۔ کمبخت نقاب پوش ایجنٹ کی جانب سے بھی کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی تھی۔ کم از کم ان کی طرف سے کوئی اشارہ مل جاتا تو مجھے اس دشمن شہر سے نجات مل جاتی۔ مشن "پام آئیل نارومنی" کے محاذ پر تو جیسے موت کا سناٹا طاری تھا۔ ان کی طرف سے آدمی تو درکنار کوئی فون بھی نہیں آیا تھا۔

میں نے سینما والے شاپنگ سینٹر کی طرف جانے کی بجائے' بڑی مارکیٹ کا رخ کیا۔ میں فٹ پاتھ پر کوٹھیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ کھلی ہوا نے مجھے ایک نئی تازگی کا احساس دیا تھا۔ کھمبوں کی مرکری لائیٹس جاگ اٹھی تھیں۔ سڑک پر گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ فٹ پاتھ پر بھی لوگوں کی آمدورفت جاری تھی لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے میں کوٹھیوں کے درمیان' ایک ذیلی سڑک پر چل دیا۔ معاً مجھے احساس ہوا' جیسے میرا پیچھا کیا جا رہا ہو۔ جب میں بڑی سڑک پر آیا تھا تو میں نے سرمئی دھندلکے میں ایک انسانی جسم کو کونے والی کوٹھی کی دیوار کے ساتھ لگے دیکھا تھا' جس نے میرے پیچھے چلنا شروع کر دیا تھا۔ ایک بس اسٹاپ پر میں رک گیا کہ ہو سکتا ہے' یہ میرا وہم ہو... لیکن مجھے بس اسٹاپ پر رکتے دیکھ کر وہ بھی فٹ پاتھ پر رک گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر بس آ گئی تو اس میں بیٹھ

کر نکل جاؤں گا۔ ابھی میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ ایک چھوٹی ایمبیسڈر گاڑی میرے قریب آکر رک گئی۔ میں نے دیکھا کہ ترچناپلی کی سانولی دوشیزہ مالینی آئر اگلی سیٹ پر بیٹھی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ "مسٹر تیواڑی! چلو میں تمہیں ڈراپ کیئے دیتی ہوں"۔

اس وقت یہ تامل دوشیزہ فرشتہ رحمت بن کر آگئی تھی میں فوراً اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ جب گاڑی اس آدمی کے قریب سے گزری تو اس نے گھور کر مجھے دیکھا... میں نے مالینی کو رفتار تیز کرنے کے لئے کہا تو وہ مسکرا کر بولی "اتنی جلدی کیا ہے؟ آج کہاں جارہے ہو؟ تم نے میرے فون کا جواب کیوں نہیں دیا؟ ریسیور اٹھا کر چپ کیوں رہے تھے"؟

وہ انگریزی زبان میں مجھ سے سوال پر سوال کیئے جارہی تھی اور میں سامنے لگے آئینے میں پیچھے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاریکی چھاچکی تھی۔ مجھے وہ آدمی دکھائی نہ دیا۔ ہمارے پیچھے کوئی ٹیکسی یا رکشا بھی نہیں آرہا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے مالینی سے معذرت چاہی اور کہا کہ میں نے اس کی آواز نہیں پہچانی تھی۔

"مگر میں نے تو فون پر تمہیں اپنا نام بھی بتایا تھا۔"

"مالینی! میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔ ایک فرم کا نوکر ہوں۔ میں کسی جذباتی معاملے میں نہیں پھنسنا چاہتا۔ اس لئے فون بند کردیا۔"

مالینی آئر خاموش رہی۔ اس نے پوچھا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ یونہی سیر کے لئے نکلا تھا... وہ جلدی سے بولی "پھر میرے ساتھ گھر چلو۔ میں، تمہیں اپنا البم دکھاؤں گی، کافی بنا کر پلاؤں گی"۔ میں اس وقت کسی گمنام مقام پر کچھ دیر چھپ کر وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اس لئے حامی بھرلی۔ وہ بڑی خوش ہوئی اور اس نے ایک چوک میں گاڑی اپنے مکان کی طرف موڑ دی۔ میں نے آئینے میں دیکھا۔ ہمارے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ تعاقب کرنے والا غالباً وہیں رہ گیا تھا۔

مالینی آئر کی چھوٹی سی کوٹھی چاروں طرف سے ناریل اور کیلے کے درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ گول پتھروں کی ایک چھوٹی سی روش زمین سے تین فٹ بلند کوٹھی کے چوبی برآمدے تک جاتی تھی۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ اس کی سجاوٹ بے حد سادہ تھی۔ ایک طرف کونے میں تان پورہ رکھا تھا۔ طاق میں وشنو بھگوان کی مورتی کے سامنے دیا روشن تھا۔ یہ لوگ ویشنو تھے۔ اس نے ڈیک کا بٹن دبا دیا۔ اسپیکروں میں سے دھیمی مگر گونج دار آواز میں ستار کی دھن ابھرنے لگی۔ میں نے مالینی سے پوچھا کہ کیا وہ اس گھر میں اکیلی رہتی ہے۔

وہ مسکرا کر بولی "نہیں، میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہتی ہوں۔ میری ممی کا انتقال ہوچکا ہے"۔

میں نے پوچھا "وہ بچہ کس کا تھا، جس کو پرام میں بٹھا کر تم اس روز باغ کی سیر کرارہی تھیں"۔

اس نے کچھ شرماتے ہوئے کہا "وہ میری بڑی دیدی کا بچہ تھا۔ وہ رامیشورم سے مجھے ملنے آئی

تھی ۔ دو روز ہوئے واپس چلی گئی ۔ ٹھہرو ' میں تمہیں ڈیڈی سے ملاتی ہوں ۔" وہ پردہ اٹھا کر دوسری طرف چلی گئی ۔

میں سر صوفے سے ٹکا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ فضا میں لوبان کی مہک رچی ہوئی تھی ۔ ڈیک سے ستار کی آواز منتشر ہو رہی تھی ۔ معاً سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا ... اور مالینی آئر کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا دبلا پتلا سانولا سا' انتہائی تیز آنکھوں اور ذہین نقوش والا ہندو نمودار ہوا۔ وہ جنوبی ہند کے ویشنو ہندوؤں والے سفید دھوتی کرتے میں ملبوس تھا۔ مالینی نے ڈیک ... بند کرتے ہوئے انگریزی میں مجھ سے اپنے باپ کا تعارف کرایا اور میرے بارے میں بھی اپنے باپ کو بتایا۔ اس نے باپ کا نام... کرشنن آئر تھا وہ مجھ سے ہاتھ ملائے بغیر مسکراتا ہوا میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ مالینی بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی ۔ اس کے باپ نے مالینی کی طرف دیکھ کر کہا " بیٹی ! مسٹر تیواڑی کے لئے کافی بنواؤ گی ؟"

مالینی اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی ۔ اب اس کے باپ نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ مجھ سے سوال پر سوال کرنے لگا۔ میری گوت کیا ہے کس تیواڑی خاندان کا ہوں' میری کتنی بہنیں ہیں ؟ اب تک شادی کیوں نہیں کی ؟ ماں باپ کہاں رہتے ہیں ؟ وغیرہ وغیرہ صاف ظاہر تھا کہ مالینی آئر نے اپنے باپ سے کھل کر کہہ دیا ہے کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اس کا باپ مجھ سے اس سلسلے میں ضروری پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ شاید اسی لئے مالینی مجھے بار بار اپنے گھر بلا رہی تھی۔ میں نے آئر کو اپنی نقلی ذات اور گوت کے بارے میں ہندو ذات پات کے مطابق جواب دیئے ۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا تعلق پنجاب کے ایک اعلیٰ ہندو گھرانے سے ہے ۔ مالینی کا باپ بے حد خوش ہوا۔ میں نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لئے مالینی کے باپ سے پوچھا کہ وہ کون سا بزنس کرتے ہیں ۔ آئر اپنے گنجے سر کو کھجاتے ہوئے بولا " میں بزنس مین نہیں ' پولیس مین ہوں "۔

اگر مجھے نازک سے نازک حالات میں اپنے جذبات اور حواس پر قابو پانے کی ٹریننگ نہ ملی ہوتی تو یقیناً چونک کر اچھل پڑتا۔ مگر میں اپنی جگہ پر جم کر بیٹھا رہا اور چہرے کی مصنوعی مسکراہٹ بھی قائم رکھی ۔ مالینی کا باپ مسٹر آئر پولیس میں ایس پی تھا اور ابھی سروس میں ہی تھا۔

مالینی آ گئی ۔ اس کے پیچھے ایک مدراسی نوکر تھا' جس نے کافی کی ٹرے اٹھا رکھی تھی ۔ مالینی کی ساڑھی سے اب ایک نئے پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی ۔ نوکر کافی رکھ کر چلا گیا تو مالینی کافی بنانے لگی۔ میں اب وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اگرچہ مالینی کا پرکشش چہرہ اور جادوگر خوشبو مجھے جکڑے ہوئے تھی لیکن میرا ایک پولیس آفیسر کے سامنے بیٹھے رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن کافی کی ایک پیالی پیئے بغیر وہاں سے جانا غیر شائستہ بات تھی ۔

مالینی نے کافی کی پیالی میری طرف بڑھائی ۔ اس کی شربتی آنکھوں میں دل آویز مسکراہٹ تھی ۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کافی پینے لگا۔ اس کا ڈیڈی اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی

طرف دیکھ کر بولا "بیٹی! پراویشنگ خبروں کا وقت ہو گیا ہے ذرا ٹی وی کھول دینا"۔
مالینی نے ٹی وی آن کر دیا۔ اس کے ڈیڈی نے میری طرف معذرت آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔
"سوری مسٹر تیواڑی! ایک پولیس آفیسر کے ناتے 'مجھے اپنے فرائض سے ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے۔ دراصل دو روز پہلے ' پنجاب سے آئے ہوئے ہماری سینٹرل انٹیلی جنیس ڈیپارٹمنٹ کے ایک سینئر آفیسر کا خون ہو گیا تھا۔ تم نے اخبار میں پڑھا ہو گا۔ وہ ہماری درخواست پر ترچناپلی میں ایک خاص مہم پر آیا تھا"۔

مالینی نے کافی کے کپ میں چمچہ ہلاتے ہوئے پوچھا۔ "ڈیڈی! اس کا قاتل ابھی تک گرفتار کیوں نہیں ہوا؟ آپ کی پولیس کی تو دور دور تک شہرت ہے کہ قاتل دوسرے روز ہی پکڑ لیا جاتا ہے"۔
مسٹر آئر کی نظریں ٹی وی پر جمی ہوئی تھی 'جہاں صابن کا اشتہار دکھایا جا رہا تھا۔ وہ مسکرا کر بولا "بیٹی! قاتل کل تک ضرور پکڑا جائے گا۔ ہمیں تو یہ کوئی غیر ملکی.. جاسوس لگتا ہے 'جس کو ہمارا آفیسر گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے جا رہا تھا۔ مگر راستے ہی میں اسے قتل کر کے پھینک دیا گیا"۔
میں اپنی جگہ پر کسی بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ آپ تو سمجھ گئے ہوں گے کہ میری یہ حالت کیوں اور کس وجہ سے تھی؟
آئر جس قاتل کی تلاش میں تھا' وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ ٹی وی پر ایک چینی آنکھوں اور موٹے ہونٹوں والی لڑکی تامل زبان میں خبریں پڑھ رہی تھی۔ تین منٹ کی خبریں تھی۔ ختم ہوئیں تو وہ سر کھجا کر بولا "ٹی وی بند کر دو بیٹی! ابھی تک مفرور قاتل کا کچھ پتہ نہیں چلا"۔ وہ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے مجھ سے باتیں کرنے لگا۔
میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پولیس نے میری گرفتاری کے لئے کہاں کہاں جال پھیلا رکھا ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ چنانچہ پہلے تو میں نے یہ کہہ کر کہ ترچناپلی پولیس کی تعریف کی کہ صاحب اس پولیس کی تو پنجاب میں بھی دھوم ہے۔ پھر پوچھا کہ پولیس کن کن مقامات پر قاتل کو تلاش کر رہی ہے؟

مالینی کا باپ ایک ذمے دار پولیس آفیسر تھا۔ اس نے مجھے صرف اتنا ہی بتایا کہ پولیس نے قاتل کی کھوج میں سینما والے شاپنگ سینٹر کے ارد گرد خصوصی ٹیم چھوڑ رکھی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر سوال کیا کہ پولیس تو قاتل کی شکل سے واقف ہی نہیں ہے' پھر وہ اسے کیسے گرفتار کرے گی؟
آئر زیر لب مسکرایا اور کافی کی پیالی میز پر رکھ دی۔ سفید بے داغ رومال سے اپنے ہونٹ پونچھے اور بولا۔ "ہماری بڑی گڈ لک ہوئی ہے کہ جب ہمارا آفیسر قاتل کو سینما کی لابی میں سے گرفتار کر کے باہر لے جا رہا تھا تو اس کے ساتھیوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور ہمارے آفیسر نے خفیہ اشارے میں انہیں پولیس کو خبردار کرنے کے لئے بھی کہا تھا لیکن بدقسمتی سے مقتول آفیسر کے ساتھی عام شہری تھے۔ وہ

بروقت پولیس کو فون پر اطلاع نہ کر سکے۔ ورنہ قاتل اسی سڑک پر گرفتار ہو جاتا۔ جہاں اس نے ہمارے آفیسر کو گولی ماری تھی"۔

مالتی بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اب میں بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتا تو مالتی کوئی نہ کوئی سوال کر دیتی۔ کم بخت کو شاید جاسوسی ناول پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے اپنے ڈیڈی سے پوچھا" ڈیڈی! آپ کی پولیس نے یہ کیسے نتیجہ نکالا کہ قاتل غیر ملکی جاسوس ہے"؟

" ہمیں یقین ہے' بیٹی کہ قاتل ایک پاکستانی جاسوس تھا۔ اگرچہ مقتول آفیسر اس مشن پر ترچناپلی نہیں آیا تھا لیکن اس کی تجربہ کار نظروں نے سینما میں اس جاسوس کو پہچان لیا اور پھر اسے پستول دکھا کر اپنے آگے لگا لیا لیکن وہ جاسوس کوئی زبردست کمانڈو ہے' جو ہمارے دلیر اور تجربہ کار سیکرٹ آفیسر کو قتل کر کے فرار ہو گیا۔ بہرحال' کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک ہم اسے پکڑ لیں گے۔ ترچناپلی سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پولیس کے دستے تعینات ہیں قاتل کا حلیہ انہیں بتا دیا گیا ہے وہ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکتا"۔

حلیئے کے لفظ پر تو جسے ایک پل کے لئے میری دھڑکن ہی بند ہو گئی۔ اگر اس شخص کو میرا حلیہ معلوم تھا تو اسے مجھ پر شک کیوں نہیں ہو رہا تھا؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈرائنگ روم میں مدھم روشنی تھی؟ یا یہ کہ مالتی کے پولیس آفیسر باپ کی نظر کمزور تھی؟ یا یہ کہ وہ اپنے ہونے والے داماد کے بارے میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی جاسوس بھی ہو سکتا ہے؟ بہرحال' ابھی تک اس نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ اب تو مجھے وہاں ایک ایک پل' پورے سال کا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کافی کے دو گھونٹ لئے اور پیالی میز پر رکھ کر اجازت چاہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

مسٹر آئر نے تامل زبان میں فون پر کسی سے بات چیت شروع کر دی' مجھے صرف ایک خطرہ تھا کہ اگر واقعی کوئی خفیہ پولیس کا آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا تو اس نے ضرور محکمے کو فون کر دیا ہو گا کہ قاتل فلاں سڑک کے بس اسٹاپ سے کسی لڑکی کی گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا ہے اور اگر اس وقت محکمے کا کوئی آفیسر یہی بات مالتی کے باپ کو فون پر بتا رہا ہے تو وہ جب فون بند کر کے مالتی کو یہی بات بتائے گا تو اسے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ بس اسٹاپ سے تو اس نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا۔ انتہائی اعصاب شکن گھڑی تھی۔

مالتی کے باپ نے بات ختم کر کے ریسیور رکھ دیا۔ مالتی نے اپنے باپ سے انگریزی میں کہا" ڈیڈی! آپ اس پلاٹ کو بیچ دیں۔ بینک سے مزید قرضہ لے کر مکان بنایا تو اس کی قسطیں نہیں اتار سکیں گے"۔

میں نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ یہ ہم سب کی خوش قسمتی تھی کہ فون پر مالتی کا باپ کسی سے اپنے نئے پلاٹ پر مکان بنانے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی شخص میرا

تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ یہ محض میرا خیال تھا۔

میں نے اجازت چاہی تو مالنی کے باپ نے پوچھا "بیٹا تم واپس کب جا رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ابھی کچھ روز ترچناپلی میں ہی رکنا پڑے گا"۔

"ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دے دو ہم' تمہارے پتا جی کو خط لکھنا چاہتے ہیں۔"

بوڑھا بہت سنجیدہ تھا۔ مالنی اٹھ کر ڈیک کے پاس چلی گئی تھی۔ میں نے مالنی کے باپ کا ہاتھ تھام کر پُر اعتماد لہجے میں کہا "آپ فکر نہ کریں۔ پتا جی آج کل دار جلنگ گئے ہوئے ہیں۔ جونہی وہ واپس آگئے' میں آپ کو خود آکر ایڈریس دے جاؤں گا"۔

وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جیتے رہو۔ بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ اب آتے رہنا' یہاں۔ یہ بھی تمہارے پتا جی کا گھر ہے"۔

خدا بچائے ایسے پتا جی سے' جس نے میری گرفتاری کے لئے شہر بھر میں پولیس اور خفیہ پولیس کے آدمیوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ مالنی میرے ساتھ کوٹھی کے گیٹ تک آئی۔ "میں' تمہیں ہوٹل تک چھوڑ آتی ہوں؟"

لیکن اب میں یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ پولیس اور سی آئی ڈی کے آدمی مالنی کو ضرور جانتے ہوں گے۔ اگر انہوں نے مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیا تو میرا گرفتار ہو جانا یقینی تھا۔ چنانچہ میں نے بہانہ بنایا کہ میں پیدل چلنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا کہ میں کچھ دنوں کے لئے مدراس جا رہا ہوں تاکہ وہ نہ تو میرے ہوٹل آئے اور نہ ہی مجھے فون کرے۔ میں اب اس سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ میرے لئے اب کرشنا ہوٹل میں رہنا بھی شدید خطرے کا باعث تھا لیکن "مشن پام آئل نارومنی" والوں نے مجھے اس ہوٹل کا پابند کر دیا تھا۔ ان کی طرف سے کوئی کال بھی نہیں آئی تھی کہ میں انہیں اطلاع کر کے کسی دوسرے ہوٹل میں چلا جاتا۔ میں اسی ہوٹل میں قیام کرنے پر مجبور تھا۔ میں مالنی کو نمسکار کہہ کر چل دیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا۔ کوٹھیوں کی قطار دور تک سنسان تھی۔ کوئی شخص میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ یہ ویران سی سڑک تھی۔ کچھ فاصلے سے ڈھلانی چھتوں والی کوٹھیاں بنی تھیں۔ جن میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ کوئی کوٹھی ایسی نہیں تھی' جس کے احاطے میں ناریل کے درخت نہ جھوم رہے ہوں۔ یہاں سے گزر کر میں بڑی سڑک پر آیا تو وہاں خاصی چہل پہل تھی۔ دونوں جانب عمارتوں میں دکانیں اور اسٹور کھلے تھے۔ ساڑھی پوش ہندو عورتیں تلک لگائے گھوم پھر رہی تھیں۔ مجھے مالنی کے ماتھے پر لگا ہوا سرخ تلک یاد آگیا۔ یہ تلک اس کی سانولی پیشانی پر رات کے وقت شعلے کی ساکت لو کی طرح لگ رہا تھا۔ یہ ویشنو تلک تھا۔ جنوبی ہند کی ویشنو ہندو عورتیں گول بندیا نہیں بلکہ شعلے کی طرز کا سرخ تلک لگاتی ہیں۔

جوں جوں ہوٹل قریب آ رہا تھا' میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ میری رفتار بھی آہستہ ہو گئی تھی۔ ہوٹل سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ایک بس اسٹاپ تھا۔ میں اس کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہوٹل کے باہر خاموشی تھی۔ کسی وقت کوئی گاڑی آ کر دم بھر کو رکتی اور سواری اتار کر واپس چلی جاتی۔ دو چار ساڑھی پوش تامل عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ ہوٹل کی طرف جاتی ہوئی وہاں سے گزریں تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے ان کے اور اپنے درمیان اتنا فاصلہ رکھا کہ وہ سمجھیں' میں ان کے ساتھ نہیں ہوں' اور دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ یہ عورتیں تیلگو زبان میں باتیں کرتی ہوٹل میں کسی سے ملنے جا رہی تھیں۔ ہوٹل کے دروازے سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں نے مزید دو دن کمرے میں بند پڑے رہنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

اگلے روز دوپہر کے بعد کمرے کی گھنٹی بجی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے وہی دھوتی پوش سانولا دبلا پتلا خفیہ مشن کا آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ کاندھے سے چھتری لٹک رہی تھی۔ اس نے نمسکار کہا اور مزید کوئی بات کیئے بغیر جیب سے ایک نیلا لفافہ نکال کر میرے حوالے کیا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ میں نے دروازہ بند کر کے لفافہ چاک کیا۔ اندر سے ایک زرد کاغذ نکلا' جس پر انگریزی میں چند حروف ٹائپ کیئے ہوئے تھے۔

"کرنل نارو منی! آج شام پانچ بجے گرین پارک کے گیٹ پر پہنچ جانا۔ پام آئل نارو منی۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس ہوٹل سے تو نجات ملنے والی تھی۔ اس خط سے ظاہر تھا کہ مجھے اسی نقاب پوش فوجی کے پاس انڈر گراؤنڈ لے جایا جائے گا۔

ٹھیک پانچ بجے میں ٹیکسی لے کر گرین پارک کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ گیٹ سے کچھ دور سیاہ رنگ کی ایک فوجی جیپ کھڑی تھی۔ مجھے گیٹ پر کھڑے دیکھ کر جیپ رینگتی ہوئی میرے پاس آ کر رک گئی۔ اس کو وہی سانولا دھوتی پوش آدمی چلا رہا تھا۔ میں جیپ میں بیٹھ گیا۔

جیپ تھوڑی دیر بعد پوری رفتار سے شہر کی کشادہ سڑکوں پر اڑی جا رہی تھی۔ آخر جیپ اس مقام پر پہنچ گئی۔ جہاں پام کے درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سڑک نکلتی تھی۔ پہلے کی طرح یہاں میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ کچھ دور جا کر جیپ نے چند چکر لگائے' پھر ایک طرف روانہ ہو گئی۔ جیپ ایک زیر زمین سرنگ میں داخل ہوتی محسوس ہوئی۔ جیپ رک گئی تو میری آنکھوں سے پٹی اتار کر سیاہ نقاب پہنا دیا گیا۔ اب ہم پیدل ہی نیم روشن انڈر گراؤنڈ راہ داری میں چل رہے تھے۔ ہم ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ میرا گائیڈ' مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ وہی چھوٹا سا کمرہ تھا' جس کے وسط میں ایک بیضوی میز بچھی ہوئی تھی۔ دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں۔ میں کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور وہی بھاری بھرکم فوجی وردی والا آدمی اندر آ گیا۔ اس کا چہرہ اسی طرح نقاب میں ڈھکا ہوا تھا۔ میں احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ بریف کیس تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے بریف کیس سے ایک چپٹا سا چوبی بکس نکالا۔ اسے میز پر رکھا اور تیز چمکیلی نظریں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے آہستہ سے انگریزی زبان میں بولا۔ "کرنل نارومنی! ہمارا مشن چونکہ بہت ایمر جنسی کا ہے۔ اس لئے ہم نے لیبارٹری میں دن رات کام کر کے V-2 کی اتنی گولیاں تیار کروائی ہیں۔ جو پاکستان میں تمہارے اس مشن کے لئے ناگزیر ہیں"۔ اس نے بکس کا ڈھکنا اٹھایا۔ اس میں سے ماچس جتنی بڑی ایک ڈبیا نکالی "اس میں پانچ V-2 گولیاں ہیں۔ یہ گولیاں تمہیں، جن لیڈروں کو کھلانی ہوں گی، ان کے نام نوٹ کر لو"۔

اس نے مجھے پاکستان کی کچھ اہم سیاسی شخصیتوں کے نام بتائے۔ جو میں نے نوٹ کر لئے پھر V-2 گولیوں والی ڈبیا میرے حوالے کر دی "ان گولیوں کا کوئی رنگ اور ذائقہ نہیں ہے۔ تم آسانی سے کسی بھی مشروب میں گھول کر انہیں پلا سکتے ہو۔ کوڈ بک اور خاص قسم کا ٹرانسمیٹر تمہیں دلی میں ہمارا آدمی دے گا۔ میں، تمہیں اب ایک بے حد اہم ہتھیار دے رہا ہوں، جو نہ صرف مشکل وقت میں تمہاری حفاظت کرے گا بلکہ دشمن کو اس طریقے سے ہلاک کرے گا کہ دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی لاش کا پوسٹ مارٹم کر کے یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ اس شخص کو زہر سے مارا گیا ہے"۔ اس نے نیلے رنگ کے کاغذ میں لپٹا ہوا سگریٹ کے سائز کا ایک نسواری سگار نکال کر دیا اور بولا "بظاہر یہ ایک معمولی سگار ہے۔ مگر اس کا پچھلا نصف حصہ سائنائیڈ سے بھرا ہوا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے مہلک زہر ہے۔ اس سگار کے وسط میں ایک پن پوائنٹ ہے۔ بوقت ضرورت، تم اس سگار کو اپنے منہ میں دبا کر چاہے سلگاؤ، چاہے ہاتھ میں رہنے دو لیکن اس کا رخ دشمن کے کسی بھی حصے کی طرف کر دو... اور پھر وسط میں تھوڑا سا دباؤ ڈال دو۔ سگار سے ایک نظر نہ آنے والی پھوار نکل کر دشمن کے جسم سے ٹکرائے گی.. اس کے جسم پر فالج گریگا اور وہ وہیں مر جائے گا۔ اس میں جو سیال بھرا ہوا ہے، وہ ایک سو آدمیوں کو مارنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد تمہیں دوسرا سگار دے دیا جائے گا"

میں نے وہ سگار بھی V-2 کا یا پلٹ گولیوں کی چپٹی ڈبیا کے ساتھ ہی جیب میں رکھ لیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے کب دلی روانہ ہونا ہے، تاکہ مجھے وہاں سے پاکستان اسمگل کیا جا سکے۔ تو وہ بولا "جو آدمی تمہیں دلی ہیڈ کوارٹر تک پہنچانے کا چارج لے گا۔ وہ کھٹمنڈو سے دس روز بعد ترچنا پلی پہنچے گا"۔

میں نے کہا کہ مجھے کرشنا ہوٹل تبدیل کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس ہوٹل کے بستروں اور صوفوں میں کھٹمل بہت ہیں ... لیکن اس نے بریف کیس بند کرتے ہوئے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "تمہیں ہوٹل بدلنے کی اجازت نہیں۔ بس مزید دس روز گزارا کرو"۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی دھوتی پوش مدراسی ایجنٹ اندر آیا اور مجھے اشارے سے اپنے ساتھ چلنے کے

لئے کہا۔ اس نے مجھے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد واپس پہنچا دیا۔

کرشنا ہوٹل کی مصیبت ویسی کی ویسی میرے سر پر کھڑی تھی۔ مجبور تھا' کیا کر سکتا تھا؟ میں نے اسی ہوٹل کا رخ کیا۔

ایک دن اور ایک رات میں ہوٹل ہی میں پڑا رہا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ٹھنڈی ہواؤں میں ناریل کے درخت جھومنے لگے۔ موسم بے حد خوش گوار ہو گیا۔ جنوبی ہند کی بارش میں ایک خاص قسم کی رومانوی سحر انگیزی تھی۔ ہوا میں ناریل' رجنی گندھا اور سیتا کلی کے پھولوں کی دھیمی دھیمی مہک رچی ہوئی تھی۔ خیالات پلٹ V-2 گولیوں والا پیکٹ' اپنی نوٹ بک کے ساتھ میں نے کمرے کی ایک خفیہ جگہ میں چھپا دیا تھا۔ البتہ زہریلا سگار جیب میں ہی رکھا تھا۔ مجھے یہاں بھی کسی وقت اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ موسم نے مجھے بے اختیار کر دیا۔ جی چاہا کہ کسی باغ میں جا کر چہل قدمی کروں۔ اڑتالیس گھنٹوں سے کمرے میں بند تھا۔ میں نے چھتری اٹھائی۔ کمرہ لاک کیا اور ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ میں نے چھتری اس طرح تھام رکھی تھی کہ کسی کو میرا چہرہ نظر نہ آسکے۔ سڑک پر ایک خالی ٹیکسی گزری تو میں نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا... اور ڈرائیور سے اروشی ٹمپل کی طرف چلنے کو کہا۔ یہ درگا دیوی کی ایک اوتار اروشی دیوی کا مندر تھا اور شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر جھیل کے کنارے واقع تھا۔ مجھے اروشی دیوی کے مندر سے کوئی سروکار نہیں تھا لہٰذا میں جھیل کے کنارے' باغ کے گیٹ پر اتر گیا۔ بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی۔ میں چھتری تان کر باغ میں داخل ہونے ہی لگا تھا کہ ایک گاڑی میرے بالکل قریب آ کر رک گئی اور پھر مالینی آئر کی آواز آئی۔ ''مسٹر تیواڑی! آپ رامیشورم سے کب واپس آئے؟ آؤ مندر میں پھول چڑھا آؤں۔ پھر اکٹھے جھیل کی سیر کریں گے''۔

میں نے ارد گرد ایک گہری نگاہ ڈالی۔ بوندا باندی میں کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے ایک دو' بار انکار بھی کیا مگر مالینی نے زبردستی گاڑی میں بٹھا لیا ''ارے! آپ اروشی دیوی کو پھول نہیں چڑھائیں گے؟ پنجاب کے ہندو تو ہر سال یہاں درشن کرنے آتے ہیں''۔ وہ گاڑی کو ایک طرف سے گھما کر مندر کے احاطے میں لے گئی۔

اروشی دیوی کا مندر چھوٹے سے ٹیلے پر بنا ہوا تھا۔ اوپر پتھر کی سیڑھیاں جاتی تھیں۔ تامل اور مدراسی عورتیں ساگری میں دیپ اور عود و لوبان رکھے پوجا کے لئے اوپر جا رہی تھیں۔ سیڑھیوں کے شروع میں ہی پھولوں کی دکان تھی۔ میں نے بھی مالینی کے ساتھ کچھ پھول خریدے اور ہم سیڑھیاں چڑھ کر مندر میں پہنچ گئے۔ اروشی دیوی کا بت ایک دیوار میں نصب تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ایک کٹا ہوا انسانی سر تھا۔ اروشی دیوی ایک شیر پر سوار دکھائی گئی تھی۔

مالینی نے پھول ' دیوی کے چرنوں میں رکھے ۔ موٹی توند والے مہنت سے پرشاد لیا۔ اسے دس روپے کا نوٹ دیا ۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب واپس آنے لگے تو مالینی نے کہا۔ " دیکھو! میرے ساتھ اس کوٹھری تک چلو ۔ وہاں ایک بڑا جٹا دھاری جوتشی رہتا ہے ۔ میں 'اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کروں گی "۔ مالینی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی ۔ وہ جوتشی سے شاید میرے ساتھ اپنی شادی کی بابت کچھ پوچھنا چاہتی تھی ۔ میں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور اس کے ساتھ جوتشی کی کوٹھری میں آگیا۔

کوٹھری میں دن کے وقت بھی بلب جل رہا تھا۔ ہرن کی چھال پر ایک سرخ آنکھوں ' پھولے ہوئے پیٹ اور لمبے بالوں والا کالا کلوٹا جوتشی بیٹھا مالا جپ رہا تھا۔ اس کے پاس ہی کرمنڈل اور کھڑاؤں پڑی تھیں ۔ مالینی اور میں نے جوتشی بابا کو پرنام کیا۔ مالینی نے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر جوتشی کے قدموں میں رکھ دیا اور تامل زبان میں کچھ کہا۔ جوتشی نے اپنے پھول دار تھیلے میں سے ہاتھی دانت کی چوکور ڈبیاں اور ایک سلیٹ نکال کر سامنے رکھ لی... پھر مالینی سے دو چار باتیں کیں۔ اس کے بعد جوتشی سلیٹ پر مالینی کا زائچہ بنانے لگا ۔ زائچہ بنانے کے بعد اس نے مالینی سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ تامل زبان میں باتیں کر رہے تھے ۔ ایک دو ' بار جوتشی نے میری جانب بھی اشارہ کیا اور مالینی میری طرف دیکھ کر شرما گئی ۔ اس کے بعد مالینی نے مجھ سے انگریزی میں کہا " یہ تمہار بھی زائچہ بنا رہا ہے ۔ جانتے ہو یہ ہمارے بیاہ کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے ؟ اگر تم چاہو تو یہ بیاہ ہو سکتا ہے ۔ تمہارا کیا خیال ہے 'تیواڑی ؟"

" میرا وہی خیال ہے ' جو تمہارا ہے ۔" میں نے ہنس کر کہا۔

مالینی بے حد خوش ہوئی اور تامل میں جوتشی سے کچھ کہا۔ جوتشی سلیٹ پر میرا زائچہ بناتے ہوئے ذرا سا مسکرا دیا ۔ زائچہ بنانے سے پہلے اس نے مجھ سے انگریزی میں میری تاریخ پیدائش پوچھی تھی ۔ میرے منہ سے درست تاریخ پیدائش نکل گئی ' حالانکہ میں اسے غلط بھی بتا سکتا تھا۔ پھر سوچا کہ زائچہ بنا کر یہ کیا کرے گا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جنوبی ہند کے یہ سادھو جوتشی جب کسی کا زائچہ بناتے ہیں تو اس آدمی کا ماضی ' حال اور مستقبل زائچے پر بے نقاب ہو جاتا ہے ۔ جوتشی سلیٹ پر میرے زائچے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار اس نے تھیلے میں سے جوتش کی کوئی کتاب بھی نکال کر دیکھی پھر وہ مالینی کو تامل زبان میں کچھ بتانے لگا۔ اس کی باتیں سن کر مالینی کا چہرہ اتر گیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں میرے زائچے نے میرے مسلمان ہونے کا راز تو نہیں کھول دیا ؟ میں ایک دم چوکس ہو گیا۔ میرا ہاتھ اپنے آپ جیب میں زہریلے سگار پر پہنچ گیا۔ میں نے استفسار کیا تو جوتشی ایک گہری سانس لے کر بولا " مسٹر! مجھے تمہارے زائچے میں مالینی کے ساتھ شادی نظر نہیں آتی ۔ تمہاری جنم کنڈلی تمہیں ' مالینی سے ہزاروں ورن کی دوری پر دکھا رہی ہے "۔

میری جان میں جان آئی ۔ گویا جوتشی کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ نہیں چلا تھا۔ میں نے جیب

سے ہاتھ نکال لیا اور مالینی سے کہا "میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ آؤ جھیل کی سیر کرتے ہیں"۔

مالینی خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ باہر آگئی۔ وہ بہت اداس تھی۔ اس پر جوتشی کی باتوں نے گہرا اثر کیا تھا۔ مجھے مالینی کو تسلی دینے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا دل رکھنے کے لئے بولتا رہا۔ مگر اس پر شدید مایوسی طاری تھی۔

"جوتشی نے کہا ہے کہ ہمارا بیاہ کبھی نہیں ہو سکتا' تیواڑی! اگر ایسا ہوا تو میں خودکشی کرلوں گی۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا "تم ایک ماڈرن لڑکی ہو کر بھی اس قسم کی دقیانوسی باتوں پر یقین رکھتی ہو۔ ہٹاؤ' ان باتوں کو میں' تم سے اور صرف تم ہی سے شادی کروں گا"۔

کچھ دیر ہم جھیل کے کنارے والے باغ میں گھومتے رہے۔ مالینی کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ رہے تھے۔ میں اب اس مصیبت سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے گاڑی میں بٹھا کر اس کے گھر کی طرف روانہ کیا اور خود ایک فرم کے منیجر سے ملنے کا بہانہ بنا کر دوسری طرف چل دیا۔

بوندا باندی رک گئی تھی۔ موسم خوش گوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشبودار ہوا چل رہی تھی۔ فٹ پاتھ پر ناریل بک رہے تھے۔ مندر کے عقب میں آکر میں نے ٹیکسی لی اور واپس اپنے ہوٹل آگیا۔ ہوٹل میں داخل ہوتے وقت میں بار بار اس طرح منہ کھول کھول کر جمائیاں لے رہا تھا کہ کوئی میری اصل شکل نہ پہچان سکے۔

اگلے روز ایک بڑی بدقسمتی کی بات ہو گئی۔ میں نے جو کچھ کیا' میں وہ کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنے مشن کی خاطر مجھے ایسا کرنا ہی پڑا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میرے دل میں یہ خیال آگیا کہ مجھے مالینی کے گھر اس کی مزاج پرسی کو جانا چاہیئے۔ ورنہ حالات میرے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ شام پانچ بجے نہ جانے کیوں میری آنکھوں کے سامنے مالینی کا اداس چہرہ گھومنے لگا۔ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مالینی کے گھر جا کر کافی پی جائے۔ اس کا حال چال بھی پوچھ لوں گا۔ چنانچہ میں نے ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی لی اور مالینی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کل کی بارش کے باعث موسم اس روز بھی خوش گوار تھا۔

مالینی گھر پر نہیں تھی۔ وہ نوکر کے ساتھ کسی ڈاکٹر کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ کوٹھی میں صرف اس کا ڈیڈی ہی موجود تھا۔ جب اس نے میرے لئے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا... تو مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ایک پل کے لئے وہیں ساکت سا ہو گیا۔ میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ یہ ایک عجیب سی تبدیلی میں نے دیکھی تھی۔ پھر مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے صوفے تک لے گیا۔ خلاف معمول اس نے شام کے وقت بھی وردی پہن رکھی تھی اور لگتا تھا کہ وہ کہیں جا رہا ہے... پستول اس کی پیٹی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔

"اگر آپ کہیں جا رہے ہیں تو میں پھر آ جاؤں گا... میں مالینی سے ملنے چلا آیا تھا۔" میں نے کہا۔

آئزر ذرا سا مسکرایا اور بولا "ارے مسٹر تیواڑی! تم بیٹھو' ناں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تم خود آ گئے۔ میں' تمہاری طرف جانے والا تھا"۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ اس سے پہلے کہ میں' اس سے پوچھتا کہ وہ میری طرف کس خوشی میں جا رہا تھا۔ وہ خود ہی بولا "دراصل مالنی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اطلاع کر دوں تاکہ تم سے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔ پہلے سوچا فون کر دوں پھر خیال آیا کہ اسی بہانے تمہارا ہوٹل بھی دیکھ... وں گا"۔

صاف لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ جس ہوٹل میں میرا قیام تھا۔ ظاہر ہے' وہ اس نے کئی بار دیکھا ہو گا۔ میں چوکس ہو گیا اور میرا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔

"بیٹے! میری ایک ہی بیٹی ہے۔ میں' اسے ہمیشہ سکھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ کل کہیں اسے کسی جوتشی نے بتایا کہ اس کی شادی تمہارے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ بس اسی وقت سے وہ بیمار پڑ گئی ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولا۔

میرا ذہنی تناؤ کچھ کم ہونے لگا۔ شاید وہ بات نہیں تھی' جو میں سمجھے بیٹھا تھا۔ آئزر کو مجھ پر شک نہیں ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ جیب سے نکال لیا اور انہیں یقین دلانے لگا کہ میں مالنی ہی سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اسے ہمیشہ سکھی رکھوں گا۔ مالنی کے ڈیڈی نے خوش ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا اور میری طرف احسان مند نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ایک اعلیٰ ہندو خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ مجھے تم سے یہی امید تھی"..... پھر ایک دم موضوع بدل کر صوفے سے اٹھا اور دیوار کے ساتھ لگی چھوٹی میز کی دراز سے ایک فائل نکال کر لے آیا "کل میں پرانی فائلیں دیکھ رہا تھا تو اس میں سے مالنی کی بچپن کی ایک تصویر مل گئی۔ ذرا دیکھو' وہ اس تصویر میں کتنی معصوم لگ رہی ہے"۔ اس نے فائل میرے ہاتھوں میں تھما دی اور خود صوفے پر بیٹھ گیا۔

میں نے فائل کھولی تو اندر دو کاغذوں کے درمیان ایک چوکور کاغذ پر پنسل سے اسکیچ بنا ہوا تھا۔ میرا دل ایک دم جیسے ڈوب سا گیا۔ یہ اسکیچ اگرچہ نامکمل تھا۔ مگر وہ میری شکل تھی "تم نے اگر اسے پہچانا نہیں تو میں بتا دوں' یہ تمہارا اسکیچ ہے اور تم ہی وہ پاکستانی جاسوس قاتل ہو' جس کی ہمیں تلاش تھی"۔

میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ میں نے نظریں اٹھا کر مالنی کے ڈیڈی کی طرف دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ جس کا رخ میرے سینے کی جانب تھا۔ بازی الٹ گئی تھی۔ میرا راز فاش ہو چکا تھا۔ میں نے فائل بند کر کے گھٹنوں پر رکھ لی اور گہرا سانس لے کر سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔ مسٹر آئزر کا چہرہ انتہائی سنجیدہ اور پتھر کی مانند سخت ہو گیا تھا۔

"مجھے اسی روز تم پر شک ہو گیا تھا لیکن یہ بات میرے گمان میں نہیں آ سکتی تھی کہ میرا ہونے والا داماد پاکستانی قاتل جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔ آج میں اپنے مقتول آفیسر کی فائل دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس

حلیئے کا خیال آگیا۔ میں نے فوراً کاغذ لے کر اسکیچ بنانا شروع کر دیا اور جب اسکیچ تیار ہوا تو قاتل کی تصویر میرے سامنے تھی اور وہ تم تھے۔ تم زیر حراست ہو لیکن تمہیں فوج کے حوالے کرنے سے پہلے میں، تم سے صرف ایک بات پوچھوں گا کہ تمہارا مسلمان نام کیا ہے؟ اور بھارت میں تمہارے دوسرے ساتھی کہاں کہاں کام کر رہے ہیں؟"

مجھے اس کی بک بک سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر میری قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا تو میں، اس کی قسمت کا بھی فیصلہ... کر چکا تھا۔ میں صرف اتنی بات معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں اس کے علاوہ تو کسی کو علم نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے بظاہر ہتھیار پھینکتے ہوئے کہا" سر! میں آپ کو اس تفتیش پر مبارک باد دینا چاہتا ہوں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ اکیلے آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ خیر! کوئی بات نہیں، آپ اکیلے ہی اگر کریڈٹ لینا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"۔

اس کا ہاتھ پستول کے ٹرائیگر پر تھا۔ نال کا رخ سیدھا میرے سینے کے درمیان تھا۔ کہنے لگا" مسٹر! میں ایک تجربہ کار پولیس آفیسر ہوں۔ میں نے آج تک جتنے کیس حل کیئے ہیں، اکیلے ہی کیئے ہیں۔ یہ کارنامہ بھی مجھ اکیلے کا ہے لیکن میں ابھی اپنے ہیڈ کوارٹر فون کرنے والا ہوں تاکہ پولیس کی گارڈ آکر تمہیں گرفتار کر کے لے جائے"۔



ایک بہت بڑا بوجھ میرے سر سے اتر گیا۔ سوائے اس کے ابھی تک کسی کو میرے بارے میں علم نہیں تھا۔ میں اپنا کام مالینی کے واپس آنے سے پہلے پہلے ختم کر لینا چاہتا تھا۔ خود میری زندگی بھی داؤ پر لگی ہوئی تھی ۔ موت میرے سامنے بیٹھی مجھے غضب ناک نظروں سے گھور رہی تھی ۔ صرف جیب میں ہاتھ ڈال کر زہریلا سگار نکالنا تھا" اب میرا کچھ چھپانا بیکار ہے۔ آپ جیت گئے میرا نام کمال دین ہے۔ میں لاہور کا رہنے والا ہوں اور پاکستان سے ایک خاص مشن پر یہاں بھیجا گیا تھا"۔

" وہ مشن کیا ہے ؟" اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

میں نے اپنے ماتھے پر بے قراری سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔" اگر آپ اجازت دیں تو میں سگار کے دو تین کش لگالوں پھر میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا"۔

آبر نے اثبات میں سرہلا کر مجھے اجازت دے دی ۔ میں نے فائل گھٹنوں سے ہٹا کر صوفے پر رکھ دی اور بائیں جیب میں ہاتھ ڈال کر سگار نکال لیا۔ اس نے پستول ذرا اوپر اٹھا کر کہا" مجھے دکھاؤ یہ سگار "۔ میں نے سگار اس کو دے دیا لیکن اس انداز سے پکڑایا کہ اس کا سیدھا رخ اس کی جانب رہا تاکہ اگر بے خیالی میں اس کا ہاتھ سگار کے خفیہ بٹن پر پڑ جائے تو زہریلی پھوار نکل کر اسی کے منہ پر پڑے ۔ اس نے سگار بائیں ہاتھ میں لے کر سونگھا۔ گھما پھرا کر غور سے دیکھا۔ پھر اسے اپنے قریب تپائی پر رکھ لیا اور بولا " میں ، تمہیں سگار پینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے 'اس میں زہر ہو اور تم خودکشی کر لو

ایک لمحے کے لئے مجھے اپنے آپ پر اس بے بس الہ دین کا گمان ہوا ' جس کا طلسمی چراغ اس سے چھین لیا گیا ہو ۔ میرے ذہن میں اندھیرا سا چھا گیا۔ بازی میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی ۔ مالینی اور اس کا نوکر کسی وقت بھی آ سکتے تھے ۔

" اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔ میں فون کر کے اسکواڈ طلب کر رہا ہوں "۔ یہ کہہ کر وہ جیسے ہی صوفے سے اٹھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے ذرا سا پیچھے ہو کر دونوں پاؤں جوڑ کر ایک بھرپور ٹھوکر اس کے ہاتھ پر ماری ۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے شیر کی طرح جست لگائی اور ترچناپلی کے بوڑھے

ایس پی کی گردن اپنے بائیں بازو کے شکنجے میں جکڑ کر اسے پوری طاقت سے ایک جھٹکا دیا۔ یوں لگا، جیسے اس کی گردن الگ ہو گئی ہو۔ میں نے آہستہ سے اپنا بازو کھول دیا۔ گردن الگ نہیں ہوئی تھی، لیکن قدرے لمبی ہو کر لٹک گئی تھی۔ منکے کی ہڈی یقیناً کئی جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی۔ وہ لاش بن کر صوفے پر گر پڑا۔ میں نے اپنا قیمتی سگار اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ پھر فائل میں سے اپنا اسکیچ نوچ کر اس کا گولہ بنایا اور دوسری جیب میں ٹھونس لیا۔ رومال نکال کر صوفے پر جہاں میں بیٹھا تھا اور تپائی پر سے، جہاں سے میں نے سگار اٹھایا تھا اور فائل پر سے اپنی انگلیوں کے نشان رگڑ کر صاف کیئے اور دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اچھل پڑا۔

دروازہ اندر سے مقفل تھا اس لئے میں کوٹھی کے کچن کی طرف دوڑا کچن کی کھڑکی کی جو پیچھے کھلتی تھی۔ اس پر سلاخیں لگی تھی۔ دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا تھا۔ میں اس کوٹھی کے کمروں سے واقف نہیں تھا۔ میں بیڈ روم میں گیا۔ اس کی کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ کیا مجھے مالینی اور اس کے نوکر کو بھی قتل کرنا پڑے گا؟ لیکن اس سے پہلے میں وہاں سے فرار ہونے کی پوری کوشش کرنا چاہتا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بار بار بج رہی تھی۔ اب مجھے مالینی کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ تامل زبان میں اپنے باپ کو آوازیں دے رہی تھی۔ میں بیڈ روم سے نکل کر تیسرے کمرے کی طرف بڑھا تو مجھے پیچھے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ میں نے رومال ہاتھ میں لے کر اسے کھولا۔ آگے ایک اور جالی دار دروازہ تھا۔ اسے کھولا تو سامنے کوٹھی کا عقبی باغیچہ تھا۔ ایک ہی منٹ بعد میں کوٹھیوں کے بیچ والی چھوٹی سی کچی سڑک پر تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔ یہ کوٹھیوں کے پچھواڑے تھے اور یہاں جگہ جگہ کوڑا کرکٹ کے ڈرم پڑے تھے۔ میں ناریل کے درختوں کے ایک ذخیرے میں سے ہوتا ہوا بڑی سڑک پر کافی دور جا کر نکلا۔ پھر پیدل ہی اپنے ہوٹل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ایک چوراہا عبور کرنے کے بعد ٹیکسی مل گئی اور شروع رات کے اندھیرے میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اگر مالینی مجھے فون کرے تو میں اپنے کمرے میں ہی موجود ملوں۔ میں نے کمرے میں آ کر منہ ہاتھ دھویا اور جیب سے مالینی کے آنجہانی باپ کا بنایا ہوا اسکیچ نکال کر اسے پرزے پرزے کیا اور سنک میں بہا دیا۔ مجھے مالینی کی کال کا انتظار تھا اور یہ بھی احساس تھا کہ باپ کی لاش دیکھ کر تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اسے فون کرنے کا ہوش کہاں ہو گا۔

ایک گھنٹے بعد مالینی کا فون آ گیا۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا کہ کسی نے اس کے ڈیڈی کا خون کر دیا ہے۔ مجھے جس طرح کی اداکاری کرنا چاہیئے تھی، میں نے کی اور پھر فوراً ٹیکسی پکڑ کر اس کی کوٹھی جا پہنچا۔ وہاں پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ چونکہ میرے پہچان لئے جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے میں اسی ٹیکسی میں واپس آ گیا اور اپنے کمرے سے

آواز بدل کر مالینی کو فون کیا کہ میں وکٹوریہ کلینک سے ڈاکٹر رتناگر بول رہا ہوں۔ مسٹر راجہ رام تیواڑی کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ان کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی۔ ان سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ مگر انہوں نے ہمیں آپ کا فون نمبر دے کر تاکید کی کہ آپ کو اطلاع دے دیں۔ مالینی نے پریشانی سے پوچھا۔ اب وہ کہاں ہیں؟ میں نے اسی آواز میں کہا۔ ان کی کسی فرم کا ایک مینیجر آ کر انہیں اپنی کوٹھی لے گیا ہے' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

دو روز بعد میں نے اپنے سر پر پٹی باندھی اور صبح صبح مالینی کی کوٹھی پہنچ گیا۔ مالینی مجھے دیکھتے ہی فرط غم سے رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں نہیں تھمتی تھیں۔ میں اسے حوصلہ دے رہا تھا اور اس کے باپ کے قتل پر انتہائی تعجب اور غم کا اظہار کر رہا تھا۔ جب اس کی حالت ذرا سنبھلی تو اس نے میرے حادثے کے بارے میں تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے تو تمہارا غم بھی لگ گیا تھا۔ اب تم کیسے ہو؟ حادثہ کہاں ہوا تھا؟ اب تم ٹھیک ہو' ناں؟"

میں نے اسے تسلی دی۔

اس وقت مالینی کی رشتے دار ہندو عورتیں وشنو بھگوان کی مورتی کے آگے بیٹھی آرتی اتار رہی تھیں۔ مالینی نے بتایا کہ باپ کے بعد' اب دنیا میں اس کا کوئی نہیں رہا۔ صرف ایک بڑی بہن ہے میں اکیلی کیسے زندہ رہوں گی۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں بہت جلد اس کو اپنے پاس لے آؤں گا۔ میں نے اسے تھوڑا سا کریدا اور پوچھا کہ پولیس کا اس کے باپ کے قتل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

وہ ساڑھی کے پلو سے آنسو پونچھ کر بولی "پولیس کے... اے ایس پی بھٹناگر انچارج ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ اسی پاکستانی جاسوس کا کام ہے' جو اس سے پہلے سی آئی ڈی کے آفیسر کو ہلاک کر چکا ہے کیونکہ میرے ڈیڈی اس پاکستانی جاسوس کی گرفتاری کے سلسلے میں انتہائی سرگرمی دکھا رہے تھے"۔

"کاش! مجھے وہ راکھشش مل جائے۔ میں اس کا خون پی جاؤں۔" میں نے کہا۔ پھر میرے پوچھنے پر کہ پولیس کو قاتل کے خلاف کوئی سراغ ملا ہے؟ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اب کچھ لوگوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے سر میں درد کا بہانہ کیا اور اگلے روز ملنے کا وعدہ کر کے اٹھا تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کوٹھی کے برآمدے میں آ کر کہنے لگی "تم بھی' مجھے چھوڑ کر تو نہیں چلے جاؤ گے؟"

میں اسے اطمینان دلا کر واپس آ گیا۔

ترچناپلی سے دلی کی جانب کوچ کرنے میں اب صرف دو روز باقی رہ گئے تھے۔ میں ایک ایک دن گن رہا تھا۔ مالینی تنہائی کے شدید احساس میں مبتلا تھی۔ صبح و شام اس کے فون آتے۔ کسی وقت وہ خود گاڑی لے کر میرے ہوٹل پہنچ جاتی۔ اس کا یوں میرے ہاں آنا میرے لئے کوئی مصیبت کھڑی کر سکتا تھا... لیکن میں اسے روک بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں شام کو بھی اکثر ہوٹل سے غائب رہنے لگا۔

ایک روز، شام ہونے سے کچھ پہلے، میں ترچناپلی کے ریلوے اسٹیشن کی طرف نکل گیا۔ ترچناپلی کا ریلوے اسٹیشن ہمارے لاہور اسٹیشن جتنا ہی ہے۔ چھ پلیٹ فارم ہیں، جن کو پلوں کے ذریعے ملایا گیا ہے۔ میں پلیٹ فارم نمبر پانچ پر ٹہل رہا تھا۔ مدراس کی طرف سے کوئی ایکسپریس ٹرین آنے والی تھی۔ پلیٹ فارم پر کافی رونق تھی۔ میں سگریٹ سلگا کر ایک خالی بینچ پر بیٹھ گیا اور مسافروں کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک درمیانے قد والا دھوتی کرتہ پوش آدمی میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بیڑی پی رہا تھا اور پان چبائے جا رہا تھا۔ اس نے انگریزی میں مجھ سے پوچھا "گاڑی لیٹ تو نہیں ہے؟"

"شاید مجھے معلوم نہیں۔" میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھا تو جسم میں خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ وہ منحوس میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جو ہینماگھر کی لابی میں اس بھارتی جاسوس کے پاس کھڑا باتیں کر رہا تھا، جس نے مجھے گرفتار کیا تھا اور جس کو میں قتل کر چکا تھا۔

میں نے سگریٹ پھینک کر پاؤں تلے مسلا اور اٹھ کر... پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف چلنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ میں ریلوے ٹی اسٹال کے کاؤنٹر پر رک گیا اور کافی کے لئے کہا۔ پھر نظریں چرا کر دیکھا۔ وہ کچھ فاصلے پر ایک ملٹری پولیس والے سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار میری طرف اشارہ بھی کیا۔

میں صورت حال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا۔ میں نے کافی کا پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "مسٹر! تم گرفتار ہو چکے ہو"۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ملٹری پولیس کے سپاہی کا ایک ہاتھ میرے کاندھے پر اور دوسرا ہاتھ اپنی کمر کے ساتھ بندھے ہوئے پستول پر تھا۔ وہی منحوس کالا آدمی، پاس کھڑا اپنی زبان میں ملٹری پولیس والے کو خدا جانے کیا کہہ رہا تھا۔

"یہ شخص جھوٹ بولتا ہے، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے؟" یہ کہہ کر میں ایک طرف چلنے ہی والا تھا کہ فوجی نے پستول نکال لیا۔ میرے قدم وہیں رک گئے۔ فوجی نے سیٹی بجائی۔ دوسرے پلیٹ فارم سے اس کے دو ساتھی اور بھی آ گئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور ریلوے اسٹیشن سے باہر لے آئے۔ لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ وہ مجھے اور میرے مخبر کو ملٹری جیپ میں بٹھا کر وہاں سے چل پڑے۔ میں نے راستے میں ملٹری پولیس والے سے کہا کہ میں ملٹری انٹیلی جنیس کے ایک سیکرٹ مشن پر ہوں مجھے چھوڑ دیا جائے مگر اس نے مجھے سختی سے خاموش رہنے کو کہا۔

ریلوے اسٹیشن سے تھوڑی دور فوج کا رجمنٹل آفس تھا۔ مجھے وہاں ایک کیپٹن کے سامنے پیش کیا گیا تو میں نے اسے انگریزی میں کہا "میری پتلون کی پچھلی جیب میں ایک بٹوہ ہے، جس میں میرا

شناختی کارڈ ہے۔ اسے ایک نظر دیکھو۔ تمہیں میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔
میرا مخبر دفتر کے باہر کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ ابھی تک پیچھے بندھے ہوئے تھے اور میرے دائیں بائیں دونوں فوجی جوان کھڑے تھے۔ کیپٹن نے ' جو ایک نوجوان مدراسی تھا۔ میری پتلون کی پچھلی جیب میں بڑی رعونت اور شان بے نیازی سے ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور اس میں سے شناختی کارڈ کھول کر دیکھا... اس وقت مجھے کرنل سارتھی کے ان الفاظ کا زندہ نمونہ نظر آیا کہ یہ کارڈ ایک طلسم ہے اور کھل جا سم سم کا درجہ رکھتا ہے۔ جونہی کیپٹن نے میرے شناختی کارڈ پر ملٹری سیکرٹ سروس کی خاص مہر کے ساتھ ۶۹۔ بی لکھا ہوا دیکھا' ایک دم سے اٹنشن ہو گیا۔ اس نے پہلا کام یہ کہ کہ ملٹری پولیس کے دونوں جوانوں کو ٹھڈے مارے اور چیخ کر اپنی زبان میں کوئی حکم دیا۔ فوراً میرے ہاتھ کھول دیئے گئے۔
مدراسی کیپٹن نے میرے سامنے آ کر ایک زوردار سلیوٹ مارا اور ادب سے میرا شناختی کارڈ اور بٹوہ مجھے پیش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا" سر! انہیں معاف کر دیں۔ ان کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔" یہ کہہ کر وہ مجھے لے کر دفتر سے باہر آ گیا۔ باہر وہی کالا کلوٹا دھوتی پوش مخبر کھڑا تھا' جس نے مجھے گرفتار کروایا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ مدراسی کیپٹن نے باہر نکلتے ہی اس مخبر کی طرف اشارہ کر کے چلا کر کچھ کہا۔ فوجی جوان اس کی طرف لپکے اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ وہ چیختا رہا چلاتا رہا' اپنی زبان میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے پاکستانی بھی نکل جاتا تھا۔ وہ یہی کہہ رہا ہو گا... کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں۔ مگر خدا جانے ان ۶۹۔ بی کے حروف میں کیا طلسم تھا کہ مدراسی کیپٹن کی آنکھوں پر جیسے پردہ سا پڑ گیا تھا۔ اس نے کالے مخبر کو خود دو چار لاتیں رسید کیں اور ملٹری پولیس سے کہا کہ اسے لے جا کر کوارٹر گارڈ میں بند کر دیا جائے۔
اب وہ میری آؤ بھگت کرنے لگا۔ اس نے ٹھنڈا مشروب منگوایا اور پھر بڑی لجاجت سے بولا" سر! یہ میری غلطی نہیں تھی۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہیڈ کوارٹر میں میری شکایت نہیں کریں گے"۔
معلوم ہوا کہ اس ۶۹۔ بی نمبر کا تعلق ملٹری انٹیلی جینس کے اعلیٰ ترین ڈیپارٹمنٹ سے تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے اشارے پر بڑے سے بڑے سرکاری آفیسر کو گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ میں نے مدراسی کیپٹن کو یقین دلایا کہ میں اس کے خلاف شکایت نہیں کروں گا بلکہ اس کی فرض شناسی کی تعریف کروں گا۔ وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے اپنی جیپ نکالی اور مجھے ہوٹل تک چھوڑنے آیا۔ وہاں وہ جیپ سے اترا۔ ایک بار پھر مجھے ایک زبردست سلیوٹ مارا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ شناختی کارڈ کے خفیہ نمبر نے نہایت نازک وقت میں میری مدد کی تھی۔
رات میں جلدی سو گیا۔ صبح اٹھا۔ نقاب پوش انڈین جاسوس سے دوسری ملاقات کے بعد نو دن پورے ہو گئے تھے۔ یہ دسواں دن تھا۔ آج مجھے دلی جانے کے لئے تیار رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ مجھے کسی وقت بھی لینے کے لئے کوئی آ سکتا تھا۔ میں نے شیو کی۔ دھوتی کرتے کی بجائے بش شرٹ اور

پتلون پہنی بریف کیس میں ضروری چیزیں رکھیں۔ البتہ V-2... کی گولیاں اور زہریلا سگار جیب میں ہی رہنے دیا۔ ہوٹل والوں کا بل ادا کر کے بیروں کو بھی ٹپ دے دی۔ دوپہر کا کھانا کمرے میں کھایا۔ پھر کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ مجھ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے آواز آئی "کرنل نارومنی...؟"

میں نے اپنا خفیہ کوڈ بتایا مجھے فون پر ہدایت کی گئی کہ ٹیکسی لے کر ائر پورٹ پہنچوں اور گیٹ نمبر تین پر انتظار کروں۔ فون بند کر دیا گیا۔ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ اپنی تمام چیزوں کو آخری بار چیک کیا اور بریف کیس اٹھا کر ہوٹل کے دروازے پر آ گیا۔ ایک ٹیکسی روک کر میں نے ڈرائیور کو ائر پورٹ چلنے کے لئے کہا اور دل میں خدا کا شکر ادا کر کے ترچناپلی کو الوداع کہہ رہا تھا۔

ائر پورٹ پر کافی رونق تھی۔ دلی جانے والی انڈین ائر لائینز کی فلائٹ تیار تھی۔ میں ہدایت کے مطابق گیٹ نمبر ۳ کے قریب ایک طرف الیکٹرک واٹر کولر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ کے بعد وہی کالا کلوٹا دھوتی پوش ایجنٹ ہاتھ میں تھیلا لئے میری طرف بڑھا وہ حسبِ عادت مسکرا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔" موسم خوش گوار ہے، کرنل منی"۔

میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے تھیلے میں سے خاکی رنگ کا ایک لفافہ نکال کر مجھے دیا اور کہنے لگا۔" اس میں دلی تک کا ٹکٹ ہے، تمہارا سیٹ نمبر پندرہ اے ہے۔ تمہاری بغل والی سیٹ پر ایک نیلے کوٹ اور سفید مفلر والا ایک مسافر بیٹھا ہو گا۔ جس کے ماتھے پر زخم کا نشان ہو گا۔ اس سے کوڈ دریافت کرنا۔ وہ ہمارا آدمی ہے اور تمہیں دلی تک پہنچا کر واپس آ جائے گا"۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔

میں نے لفافے میں سے ٹکٹ نکال کر گیٹ پر دکھایا اور ہوائی جہاز کی طرف بڑھا۔ جہاز پر سیڑھی لگی تھی اور نیچے سامان بھرا جا رہا تھا۔ جہاز کے اندر کافی مسافر بیٹھے تھے۔ ائر ہوسٹس مجھے لے کر میری سیٹ کی طرف بڑھی۔ میری ساتھ والی سیٹ پر ایک پختہ عمر کا دبلا پتلا آدمی بیٹھا انگریزی کا رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے گلے میں سفید مفلر اور کوٹ کا رنگ نیلا تھا۔ جب میں اپنی سیٹ پر بیٹھنے لگا تو اس نے رسالے کے کنارے سے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی۔ میں سیٹ پر بیٹھ کر سامنے سے رسالہ نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر میں نے آہستہ سے کوڈ دہرایا۔ اس آدمی نے بھی کوڈ دہرایا۔ اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جہاز آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھ رہا تھا۔

دلی تک اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بس خاموش بیٹھا رسالہ پڑھتا رہا۔ میں نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا۔ جہاز دلی کے ائر پورٹ پر اتر رہا تھا تو اس نے میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا "تمہیں میرے پیچھے آنا ہو گا"۔

جہاز رن وے پر اتر چکا تھا۔ دلی میں موسم ٹھنڈا تھا۔ مجھے بُش شرٹ میں سردی محسوس ہونے

لگی تھی۔ میرا پراسرار گائیڈ ائرپورٹ لاؤنج میں میرے آگے آگے چل رہا تھا۔۔۔ باہر ایک جانب کونے میں نسواری رنگ کی ایمبیسیڈر گاڑی کھڑی تھی' جس میں ڈرائیور بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ میرے گائیڈ کو دیکھ کر ڈرائیور نے سگریٹ پھینک دیا۔ باہر نکل کر دروازہ کھولا۔ ہم خاموشی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

دھوپ ڈھل رہی تھی۔ دلی کے شہر کے مضافات میں آبادی بہت پھیلی ہوئی تھی۔ چوراہوں میں کہیں مہاتما گاندھی اور کہیں پنڈت نہرو اور کہیں ولبھ بھائی پٹیل کے مجسمے لگے ہوئے تھے۔ مندروں کے سنہرے کلس ڈوبتے سورج کی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ کہیں کہیں کسی مسجد کا مینار بھی دکھائی دے جاتا تھا۔ میں دلی شہر پہلے بھی آ چکا تھا لیکن اس کے نقشے سے زیادہ واقفیت نہیں تھی۔ میرا گائیڈ حسبِ معمول خاموش تھا۔ وہ جیب سے پاکٹ سائز کی۔۔۔ ہندی کتاب نکال کر پڑھ رہا تھا۔ نئی دلی کے بڑے ریلوے پل کو عبور کرنے کے بعد گاڑی کا رخ پرانی دلی کی طرف ہو گیا۔

خدا جانے کون کون سی سڑک سے ہوتی ہوئی گاڑی علی پور روڈ پر پہنچی تو میں نے قدسیہ گارڈن کے پرانے مغلیئی دروازے کو پہچان لیا۔ پہلے اس دروازے پر جنگلی گلاب کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اب گیٹ کے چوکور سرخ زینوں والے ستونوں سے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر دیا گیا تھا اور باہر ایک طرف کھوکھے میں کھڑا ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ گاڑی آگے جا کر لکھنؤ روڈ کی طرف بڑھ گئی اور کچھ دیر بعد ٹھنڈے خاموش برآمدے والی بوسیدہ سی کوٹھی کے پورچ میں جا کر رک گئی۔ یہاں گائیڈ نے پہلی بار زبان کھولی اور میری طرف ایک لفافہ بڑھا کر کہا " اس میں کوٹھی کی چابی اور تمہارے نام۔۔۔ ہدایات موجود ہیں "۔

ڈرائیور نے باہر نکل کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے بات کرنی چاہی تو پراسرار گائیڈ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموشی سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے بریف کیس اٹھایا اور گاڑی سے اتر آیا۔ گاڑی آؤٹ گیٹ سے باہر نکل گئی۔ کوٹھی کافی پرانی تھی اور لگتا تھا کہ ایک مدت سے اس کی صفائی نہیں ہوئی۔ تیز ہواؤں نے درختوں کے پتے برآمدے میں بھی پھیلا رکھے تھے۔ برآمدے میں کوٹھی کا اونچا دروازہ تھا' جس پر تالا لگا تھا۔ میں نے لفافہ کھولا۔ اس میں چابی اور مزید ایک سربمہر لفافہ پڑا تھا۔ تالا کھول کا اندر داخل ہو گیا۔ ایک نیم روشن ٹھنڈی راہ داری تھی میں نے دیوار پر لگا بجلی کا بٹن دبایا اور چھت سے لٹکتی بتی روشن ہو گئی۔

چند قدم چلنے پر بائیں جانب کمرے کا دروازہ آ گیا۔ اسے کھولا تو دیکھا کہ کمرہ صاف ستھرا ہے۔ پلنگ' کرسی میز' الماری سب کچھ موجود ہے۔ فرش پرانے قالین سے ڈھکا ہوا ہے۔ باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی پر پردہ گرا ہوا ہے۔۔۔ کارنس پر ایک سیاہ ہرن کا مجسمہ پڑا ہے۔ تپائی پر ایک ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ میں نے بریف کیس پلنگ پر رکھا۔۔۔ الماری کھولی۔ اس میں سلیپنگ سوٹ اور کھدر کے کرتے

پاجامے کے چار جوڑے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹانے کی بجائے ٹیبل لیمپ جلایا اور لفافہ میں سے انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا خط نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"۷۹۔بی ... کچن میں لوہے کا چھوٹا سا سیف رکھا ہے۔ اس کی چابی نیلے رنگ کی تام چینی کی کیتلی میں پڑی ہے۔ سیف میں تمہیں کچھ روپے ملیں گے' جو تمہاری ضرورت کے لئے ہیں۔ تم اپنی اہم اشیاء سیف میں مقفل کر کے رکھ سکتے ہو۔ تمہیں کچھ دن یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ تم شہر میں آجا سکتے ہو۔ رات کو نو بجے کے بعد تمہیں ہر حال میں اپنی قیام گاہ پر واپس آنا ہو گا۔ میں فون پر تم سے رات چھ بجے کے بعد کسی بھی وقت بات کر سکتا ہوں' میرا کوڈ نمبر۷۹۔بی ہے۔ اگلی ہدایت کا انتظار کرو ...۷۹۔ یوں پام آئل نارومنی۔"

کچن' کمرے کے باہر راہ داری کے آخر میں واقع تھا۔ کونے میں لوہے کا چھوٹے سائز کا سیف تھا۔ کیتلی سے چابی نکال کر اسے کھولا تو اندر ایک لفافے میں دو ہزار روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔ میں نے V۔2 کی گولیوں والا پیکٹ اس میں رکھ کر سیف بند کر دیا۔ زہریلا سگار میں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے کچن کا جائزہ لیا۔ خورد و نوش کا سامان موجود تھا۔ میں نے کافی بنائی اور کپ لے کر کمرے میں آ گیا۔ ٹیبل لیمپ بجھا کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر باہر دیکھا۔ شام کی آمد آمد تھی۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ اب مجھے خیال آیا کہ ان لوگوں نے میرے سردی کے کپڑوں کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ مجھے فوری طور پر گرم کوٹ پتلون کی ضرورت تھی۔ کافی پینے کے بعد میں نے سیف کی چابی جیب میں ڈالی۔ کوٹھی کو تالا لگایا اور کچھ روپے ساتھ رکھ کر لکھنؤ روڈ سے ہوتا ہوا علی پور روڈ پر پہنچ گیا۔ میں نے چاندنی چوک میں آ کر ریڈی میڈ گارمنٹس کی دکان سے ایک گرم کوٹ اور پتلون خریدی اور رات کا کھانا کھا کر واپس اسی ویران کوٹھی میں آ گیا۔ کم بخت ایسا سیکرٹ مشن تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ دیر دیر بعد کہیں ایک ایجنٹ ملتا' جو کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ اشد ضرورت کے وقت ایک آدھ جملہ بولتا اور دوسرے کے حوالے کر کے رخصت ہو جاتا تھا۔

اس رات میرے نئے باس ۷۹۔بی کا کوئی فون نہ آیا۔ لیکن میں پوری طرح سو بھی نہ سکا۔ ہر دس منٹ بعد غیر شعوری طور پر آنکھ کھل جاتی کہ کہیں ٹیلی فون کی گھنٹی تو نہیں بج رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح دیر تک سوتا رہا۔ دس بجے آنکھ کھلی۔ نہایا' شیو بنائی' ناشتہ کیا۔ پھر کوٹھی کے عقبی ویران باغ میں کرسی نکال کر سنہری دھوپ میں بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگا تو بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ کوٹھی کو تالا لگایا اور ٹیکسی لے کر جامع مسجد کے مسلم علاقے میں آ گیا۔ یہاں کھانا کھا کر میں فوراً ہی واپس چل دیا۔ اسی رات نو بجے کے بعد میرے دلی کے باس کا فون آ گیا۔ اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں اپنی داڑھی مونچھ بڑھانی شروع کر دوں اور اس کا کٹ ایسا بنواؤں' جیسے کہ ابوالکلام آزاد کی داڑھی مونچھیں تھیں۔ یہ بات میرے حق میں جاتی تھی کیونکہ میں بھارت کے شمالی علاقے

میں مشتبہ آدمی تھا اور پٹھان کوٹ میں فوجی تنصیبات تباہ کر کے بھاگا ہوا تھا۔ میں نے شیو بنانی ترک کر دی۔ ہفتے کے بعد میری چھوٹی چھوٹی خشخشی سی داڑھی بڑھ آئی۔ میں نے چوک فتح پوری کے ایک حجام سے ابوالکلام آزاد کٹ بنوا لیا۔

مجھے دلی کی اس ویران کوٹھی میں رہتے ہوئے گیارہ روز ہو گئے تو ایک بار پھر ۹۷۔بی نے مجھے فون کیا اور کہا کہ ایک جیپ مجھے لینے آ رہی ہے' تیار رہوں۔ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ میں V-2 کی گولیاں اور زہریلا سگار بھی اپنے ساتھ لے لوں۔ فون بند ہو گیا تو میں سوچنے لگا کہ کہیں مجھ سے مشن کا چارج واپس تو نہیں لیا جا رہا؟ دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ دس منٹ بعد باہر سے جیپ رکنے کی آوارز آئی۔

میں کوٹھی کا دروازہ مقفل کر کے سرد رات میں باہر نکل آیا۔ ایک بند جیپ گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔ اس کا ڈرائیور فوجی وردی میں تھا۔ اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور ایک بند لفافہ جیب سے نکال کر تھما دیا۔ میں نے لفافہ چاک کیا تو اندر ایک چھوٹا سا کاغذ تھا' جس پر صرف "۹۷۔بی" لکھا ہوا تھا۔ یہ میرے دلی کے نئے باس کا شناختی نمبر تھا۔ میں جیپ میں سوار ہو گیا۔ جیپ علی پور روڈ سے گزرتی ہوئی نئی دلی کی طرف چل پڑی۔ کافی لمبا راستہ تھا۔ مگر باغوں اور پارکوں میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ سڑک کی دونوں جانب کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ جیپ نئی دلی کے رہائشی علاقے کی ایک کوٹھی کے پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ بریف کیس میرے پاس تھا۔ میں نے حسب ہدایت V-2 کی گولیوں کا پیکٹ اور زہریلا سگار ساتھ لے لیا تھا۔

کوٹھی کے صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ کمرہ کوٹھی کے وسط میں تھا مجھے ایک فوجی اس کمرے میں لے گیا۔ میرے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا تو پہلی بار یہاں میرا دل زور سے دھڑکا۔ سامنے دیوار پر پاکستان کا بہت بڑا نقشہ آویزاں تھا۔ ایک سکھ باوردی میجر چھڑی میز پر رکھے کرسی پر بیٹھا میری طرف گھور رہا تھا۔ "کرنل نارو منی"۔ یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے قریب آیا مجھ سے ہاتھ ملا کر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے مجھ سے پنجابی میں بات شروع کی۔ اس کا لہجہ پاکستان کے ضلع جھنگ کے لوگوں جیسا تھا۔ "ہیڈ کوارٹر نے تمہیں اس خطرناک مگر نہایت اہم مشن کے لئے اس لئے چنا ہے کہ امرتسر کے ہندو ہونے کے باوجود تم مسلمانوں کے رسم اور رواج اور ان کے مذہب کے بارے میں کافی سے زیادہ معلومات رکھتے ہو۔ تم بڑی آسانی سے مسلمان بن کر پاکستان میں جاسوسی کر سکتے ہو اور ہمارے اہم ترین مشن کو کامیاب بنا سکتے ہو۔ تم دو بار پاکستان جا چکے ہو۔ یہ اچھی بات ہے۔ ویسے پاکستان میں ہمارے جاسوس موجود ہیں۔ جو تمہاری مدد کریں گے۔ جانے سے پہلے تمہیں ایک ایجنٹ کے بارے میں تفصیل فراہم کر دی جائے گی۔ اب اس نقشے کو غور سے دیکھو"۔

اس نے چھڑی ہاتھ میں پکڑ لی اور دیوار کے ساتھ لگے پاکستان کے بہت بڑے نقشے پر مجھے لاہور'

ملتان ' سکھر اور کوئٹہ شہروں کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ پاکستان کے یہ وہ نازک پوائنٹ تھے ' جہاں جا کر مجھے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کرنا تھا۔ اس کے بعد سکھ میجر نے جو انڈین ملٹری انٹیلی جنس کا کوئی بہت بڑا افسر تھا ' نقشے پر صوبہ سرحد میں ایک خاص جگہ چھڑی کی نوک رکھی اور کہنے لگا "تمہیں اس مقام پر بھی جانا ہو گا۔ یہ پاکستان کا بڑا حساس علاقہ ہے اور آئندہ کچھ عرصے میں یہاں بے حد اہم واقعات ظاہر ہونے والے ہیں۔ تمہیں ' ہمیں یہاں سے سیاسی اور فوجی حالات کے پوری پوری رپورٹ دینی ہو گی "۔

سکھ میجر مجھے علاقے دکھا رہا تھا۔ وہ میرے اپنے وطن عزیز کے علاقے تھے اور میرے دیکھے بھالے پھر بھی میں اس طرح اداکاری کر رہا تھا ' جیسے ان علاقوں کے بارے میں پہلی بار معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ چھڑی میز پر ٹکا کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور میری خشخشی داڑھی کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا " تمہاری داڑھی مسلمانوں کی طرح بنتی جا رہی ہے۔ بہرحال ' تمہیں پاکستان میں اسمگل کیا جائے تو تم شکل و صورت سے پورے مسلمان نظر آؤ۔ تم مسلمانوں کا قرآن تو پڑھ لیتے ہو گے؟"

"کیوں نہیں۔ میں نے مالیر کوٹلہ کے ایک مولوی سے قرآن پڑھا تھا۔"

"بہت خوب! چنگی گل اے۔" سکھ میجر بولا۔

"مجھے کب اور کس طریقے سے پاکستان اسمگل کیا جائے گا؟"

سکھ میجر نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولا " اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب جانا ہو گا ' ہمارا آدمی تمہیں آ کر لے جائے گا۔ اس عرصے میں تمہیں دیا گیا زہریلا سگار اور V-2 گولیاں ہم اپنے پاس رکھیں گے "۔

میں نے بریف کیس کھول کر اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے گولیوں کا پیکٹ اور سگار نکال کر سیاہ رنگ کے ایک ڈبے میں بند کر کے اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا اور کھڑے ہو کر بولا " اب تم جا سکتے ہو

میں نے فوجی انداز میں سلام کیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ جہاں میرا گائیڈ برین گن لٹکائے اٹن شن کھڑا تھا۔ اس نے جیپ تک میری رہنمائی کی۔ میں جیپ میں بیٹھ گیا۔ جیپ چلنے ہی والی تھی کہ میرے گائیڈ نے بلند آواز میں ڈرائیور سے کہا " ہالٹ جوان... میجر صاحب نے کہا ہے کہ ایک سواری کو راستے میں اتارنا ہے۔ یہ ارجنٹ ہے "۔

میں جیپ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ سامنے سے ترپال اٹھی ہوئی تھی۔ کوٹھی کے کونے والے کمرے کے برآمدے میں ایک بلب روشن تھا۔ میں نے سوچا کسی فوجی یا سکھ میجر کے کسی ملازم کو شہر میں ڈراپ کرنا ہو گا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک سویلین لباس میں ملبوس سکھ اپنے ساتھ ایک لڑکی کو لئے باہر آ گیا۔ میں نے پھر بھی کوئی خیال نہ کیا۔ یہ لڑکی سکھ میجر کے نوکر کی بیٹی یا بیوی ہو سکتی تھی۔

میں خاموش بیٹھا اپنے مشن کے بارے میں سوچتا رہا۔

سکھ اس لڑکی کو لے کر جیپ میں میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ لڑکی کا رنگ گورا مگر چہرہ اترا ہوا تھا۔ گیٹ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے اور اس نے پنجابی لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے اب بھی اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ ہو سکتا ہے' یہ لڑکی اس سویلین سکھ ملازم کی بیوی ہو اور بیمار ہو لیکن لڑکی کے چہرے پر مجھے ایک عجیب سی پریشانی' وحشت اور گھبراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ سہمی ہوئی تھی' جیسے دشمنوں کی زنغے میں ہو... جیپ چل پڑی۔

لڑکی نے سکھ سے کمزور سی آواز میں پوچھا۔ "اب تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" لڑکی کا لہجہ پنجابی تھا... مگر وہ اردو بول رہی تھی۔

سویلین سکھ نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر لڑکی کی طرف منہ کر کے بولا "چپ کر کے بیٹھی رہو۔ تمہیں تمہارے گھر لے جا رہا ہوں"۔

سکھ کے لہجے میں سختی تھی۔ لڑکی کسی اچھے گھرانے کی لگتی تھی۔ اس کا پنجابی لہجہ نہ تو دو آبے کا تھا اور نہ ہی ہوشیار پوری تھا اور نہ ہی لدھیانے جالندھر کا تھا۔ اس نے پاکستان کے پنجابی لہجے میں بات کی تھی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ڈھاکہ فال کے بعد مکتی باہنی والوں نے مشرقی پاکستان سے کئی عورتوں کو اغوا کر کے کلکتے یا دلی لا کر فروخت کر دیا تھا۔ کہیں یہ لڑکی ان بدنصیب لڑکیوں میں سے ایک تو نہیں ہے؟ میں لڑکی سے براہ راست کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لیکن میرا دل یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ یہ لڑکی کون ہے؟

لڑکی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے دوپٹے سے آنسو پونچھے اور ہچکیاں لیتی آواز میں جیسے اس کے منہ سے خود بخود یہ دعا نکل گئی "میرے اللہ! مینوں اپنا کولوں بچا لے"۔

سکھ نے لڑکی کو گردن سے دبوچ کر نیچے کر دیا اور بولا۔ "ہن بولی تے گردن لا دواں گا"۔

بات صاف ہو گئی تھی۔ اس لڑکی کو مشرقی پاکستان سے اغوا کیا گیا تھا۔ میرا خون کھول اٹھا لیکن خود پر جبر کر کے بیٹھا رہا۔

جیپ مٹھائی والے پل سے چند فرلانگ پیچھے دلی کے بازار حسن والے علاقے میں داخل ہو کر ایک بازار کے کونے پر رک گئی۔

سکھ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرخت لہجے میں کہا "چلو تمہارا گھر آ گیا ہے"۔

لڑکی جیپ سے نہیں اتر رہی تھی۔ سکھ اسے گھسیٹ کر جیپ سے نیچے لے گیا اور ڈرائیور کی سیٹ کی طرف منہ کر کے بولا۔ "ٹھیک اے جاؤ" میں نے بازار کے اس مقام کو غور سے دیکھا۔ یہاں

بجلی کے دو کھمبوں پر مرکری لائٹ روشن تھی اور خاندانی منصوبہ بندی کا ایک ہندی بورڈ لگا تھا۔ بازار سے ہارمونیم اور گانے کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیپ آگے روانہ ہو گئی۔ اب میں ایک ایک دکان اور ہر عمارت کو نشانی بنا کر ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔

مٹھائی والے پل سے گزر کر جیپ نے علی پور روڈ کی طرف رخ کر لیا۔ جیپ مجھے میری کوٹھی میں اتار کر واپس چلی گئی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ میں نے کپڑے تبدیل کیئے اور لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔

اب میرے پاس زہریلا سگار نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ صبح بازار میں جا کر اس بد نصیب لڑکی کا سراغ تو لگایا جائے' اس کے بعد ہی آگے سوچیں گے۔ پھر میں سو گیا۔

کہتے ہیں دانشمند دن کے وقت ہی کوٹھے پر جاتا ہے۔ میں دانشمندوں میں سے تو نہیں ہوں لیکن لڑکی کا کھوج لگانے کے لئے مجھے دن کے وقت ہی بازار میں جانا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کو جاگنے والی یہ کٹھ پتلیاں دن میں دیر تک سوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ میں سہ پہر کے وقت اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ میری جیب میں سگرٹوں کا ایک پیکٹ' دو ہزار روپے کے نوٹ اور ایک رومال تھا۔ دیکھنے میں یہ ایک عام سا ریشمی رومال تھا مگر اس میں ایک گرہ پڑی تھی۔ یہ پھانسی کی گرہ تھی۔ یہ بھی کمانڈو کا ایک خطرناک ترین ہتھیار ہوتا ہے۔ کبھی بھارت کے ٹھگ ریشمی رومال سے اپنے شکار کو پلک جھپکنے میں ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ کمانڈوز کو بھی اس رومال کی خاص ٹریننگ دی جاتی ہے تاکہ اگر اس کے پاس کوئی بھی ہتھیار نہ ہو تو وہ صرف رومال سے اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار سکے۔

میں بازار کے اس کونے پر پہنچ گیا جہاں جیپ نے اس لڑکی کو اتارا تھا۔ بجلی کے کھمبوں پر' پریوار سمبندی یعنی خاندانی منصوبہ بندی کا بورڈ اسی طرح لگا تھا۔ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور بازار میں داخل ہو گیا۔ بازار سنسان تھا۔ کئی دکانیں بند تھیں۔ پنواڑیوں اور چائے والوں کی دکانیں البتہ کھلی تھیں۔ جھروکے بھی بند تھے۔ چلمنیں گری ہوئی تھیں کہیں سے گانے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ دو عورتیں میرے قریب سے گزر گئیں۔ بازار کافی بڑا تھا۔ خدا جانے وہ سکھ اس لڑکی کو لے کر کس مکان میں گیا تھا۔ مجھے یہی کھوج لگانا تھا میں ایک چائے والے کی دکان میں جا کر بیٹھ گیا اور.... چائے کا آرڈر دیا۔ میرا ٹارگٹ اس ہوٹل میں کام کرنے والا وہ لڑکا تھا۔ جو چائے وغیرہ لے جاتا تھا۔ ان لڑکوں کو سب خبر ہوتی ہے۔ لیکن مجھے جس نوکر نے چائے کا کپ لا کر دیا اس نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ وہ صرف دکان پر ہی گاہکوں کو نمٹاتا ہے۔ میں نے جیب سے دو روپے نکال کر اسے ٹپ دی تو وہ بے حد خوش ہوا اور بڑی رازداری سے میری طرف جھک کر بولا "حضور!... آپ کو کہیں پنابائی کی تلاش تو نہیں؟ وہ فرخ آباد گئی ہوئی ہے۔ اگلے مہینے آئے گی۔ کئی لوگ اس کا پوچھ گئے ہیں

میں نے سوچا اس سے ہی کچھ مذاکرات ... ہو جانے چاہئیں۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا

"میں پنجاب سے آیا ہوں۔ آگے کلکتہ جا رہا ہوں۔ چنڈی گڑھ میں تین کوٹھے چلاتا ہوں۔ کلکتے میں مشرقی پاکستان سے اغوا کی ہوئی عورتیں لائی گئیں ہیں۔ اس لئے وہاں جا رہا ہوں لیکن بھٹک پڑی کہ یہاں بھی ایسی عورتیں موجود ہیں لیکن میں کسی سے واقف نہیں ہوں"۔ میں نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے جلدی سے نوٹ لے کر صدری کی جیب میں رکھا اور جھک کر بولا "حضور یہاں صرف ایک لڑکی آئی ہے بنگال سے!... پنجابن ہے رکمنی بائی کے پاس ہے آپ کہیں تو میں کسی سے بات کروں؟"

میں نے رکمنی بائی کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اس سے کہا کہ میں خود ہی اس سے بات کروں گا۔ اور چائے کے کپ سے آخری گھونٹ پی کر باہر آ گیا۔

رکمنی بائی نائیکہ تھی اور اس کا مکان بازار کے کونے پر واقع تھا۔ دو منزلہ مکان تھا۔ گیلریوں کے اندر کھڑکیوں پر چلمنیں گری ہوئی تھیں۔ ایک تنگ زینہ اوپر جاتا تھا۔ میں تیزی سے آگے نکل گیا اور سیدھا چاندنی چوک میں آ گیا۔ یہاں میں نے مختلف دکانوں پر سے اپنے مطلب کی کئی چیزیں خریدیں، منکوں کی مالائیں کڑے، کانوں میں ڈالنے والے مندرے، لوہے کی ایک چھڑی جو آگے سے مڑی ہوئی تھی، ان کے علاوہ میں نے گیروے رنگ کا کھدر بھی خریدا۔ میں سادھو کے بھیس میں رکمنی بائی کے ہاں جانا چاہتا تھا۔

کوٹھی میں آکر میں نے یہ سارا سامان الماری میں رکھ دیا۔ سادھو سنتوں کے بارے میں میری معلومات کافی وسیع تھیں۔ میں ان کے ہر طبقے اور دھرم کے مختلف مکتبہ ہائے خیال سے واقف تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بھارت کے صوبہ اترپردیش میں وشنو اور شو مہاراج کی پوجا کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جب کہ جنوبی ہند میں مہاویر کے پیروکاروں کی اکثریت ہے، مہاراشٹر میں امبا دیوی کی پوجا کرنے والے زیادہ ہیں اور شمالی ہماچل پردیش میں ماتا شیراں والی کی پوجا کی جاتی ہے۔ چنانچہ میں شوجی مہاراج کے چیلے کے روپ میں رکمنی بائی کے ہاں جانا چاہتا تھا۔

میں نے رات کی بجائے دن کے وقت وہاں جانے کو ترجیح دی۔ کیونکہ اس وقت رکمنی بائی کو فرصت ہو گی اور وہ مجھے زیادہ وقت دے سکے گی۔ میں نے نقلی داڑھی اور بالوں کی وگ لگانے کا خطرہ مول نہیں لیا کیونکہ میری اپنی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ اگرچہ وہ فرنچ کٹ تھی لیکن میں اسے اپنی چرب زبانی سے نبھاہ سکتا تھا اور پھر ماڈرن سادھو لمبی لمبی داڑھیوں سے گریز کرتے ہیں بلکہ اکثر داڑھیاں منڈوا بھی دیتے ہیں۔

رات نو بجے کے بعد میں نے سکھ میجر کی فون کال کا انتظار شروع کر دیا۔ وہ بلائے ناگہانی کی طرح کسی بھی وقت نازل ہو سکتا تھا۔ گیارہ بجے رات تک سوتے جاگتے کی حالت میں رہا، پھر نیند آ گئی۔ اگلے

روز میں نے دوپہر کا کھانا علی پور روڈ کے ایک ریستوران میں کھایا۔ کوٹھی پر واپس آ کر حلیہ بدلنا شروع کیا۔ گیروے رنگ کے کھدر کی دھوتی باندھ کر باقی کا پلو بدھ بھکشوؤں کی طرح باقی جسم کے اوپر کر لیا۔ بالوں میں تھوڑی تھوڑی سی راکھ ڈالی۔ گلے میں منکوں کے ہار پہنے کانوں میں مندراں اور کلائیوں میں کڑے پہن لئے۔ آنکھوں میں گہرا سرمہ لگایا۔ ہلدی گھول کر شوجی کے بھگتوں کے انداز میں ماتھے پر تین لکیریں بنائیں۔ دھوتی میں خطرناک گانٹھ والا ریشمی رومال اڑس لیا اور ہاتھ میں لوہے کی چھڑی پکڑ کر آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ میں سر سے پاؤں تک سادھو بن چکا تھا۔

کوٹھی کا دروازہ مقفل کر کے چابی دھوتی کے ڈھب میں رکھی اور خدا کا نام لے کر علی پور روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوٹھیوں میں سے نکلتی ایک دو عورتوں نے مجھے دیکھ کر سر جھکا کر نمسکار کیا اور ادب سے پرے ہٹ گئیں میں "کلیان ہو'۔ کلیان ہو پیتری " کا نعرہ لگاتا آگے بڑھ گیا۔

علی پور روڈ پر چوراہے میں خالی ٹیکسی کھڑی تھی۔ ڈرائیور شکل سے ہی لالہ لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر بایاں ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہا" بالک! شوجی کے چیلے کو مٹھائی والے پل پر پہنچا دے تجھے کلش سے موکش پراپت ہو گا"۔ ساتھ ہی میں نے اولکھ نرنجن کا نعرہ لگایا۔

ہندو ٹیکسی ڈرائیور نے فوراً مجھے اپنی ٹیکسی میں بٹھایا اور مٹھائی والے پل کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اس نے مجھے کئی بار اپنی گھریلو پریشانیوں کا حال سنایا اور پرارتھنا کی درخواست کی میں اسے تسلی دیتا رہا۔ منزل پر پہنچ کر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور بازار میں داخل ہو گیا۔ اس بازار میں سادھو سنت اور نقلی قلندر قسم کے لوگ اکثر آتے رہتے تھے جو ضعیف الاعتقاد عورتوں کی جہالت کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے اور پیٹ پوجا کرنے کے علاوہ ان سے دکھشنا بھی بٹورتے تھے۔ چنانچہ میری طرف کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

میں سیدھا رکمنی بائی کے مکان کے نیچے جا کھڑا ہوا اور لوہے کی چھڑی والا ہاتھ اوپر اٹھا کر سنت تلسی داس کا ایک دوھا بلند آواز میں پڑھا۔

کچھ لوگ میرے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ میں نے دوسری بار دوہا پڑھا۔ مگر اوپر سے کسی نے کھڑکی کھول کر نیچے نہ دیکھا۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے زمین پر زور سے لوہے کی چھڑی ماری اور چلا کر کہا" رکمنی بائی شوجی کا چیلا "گورو اولکھ نرنجن گورکھ ناتھ کا دلارا' تیری ڈوبتی نیا کو پار لگانے آیا ہے کیا تو اپنے گھر کے دوار نہیں کھولے گی ؟"

تھوڑی ہی دیر میں کھٹاک سے کھڑکی کھلی۔ اوپر سے ایک ادھیڑ عمر کی گلابی ساڑھی اور خضاب لگے بالوں والی بدصورت سی عورت نے جھانک کر دیکھا اور وہیں سے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "گورو دیو! کواڑ کھلے ہیں۔ پدھاریئے!"

میں شاہانہ جلال کے ساتھ قدم بڑھاتا زینہ چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر معلوم ہوا کہ رکمنی بائی تخت پر

قالین کا ٹکڑا بچھائے سو رہی تھی ۔ زمین پر چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف اگالدان اور منہ ہاتھ دھونے والی سلفچی رکھی ہوئی تھی ۔ پاندان تخت کے پائے کے ساتھ پڑا تھا۔ دیوار پر ہیما مالینی اور ریکھا کی قد آدم تصویریں لگی تھیں ۔ چھت سے ایک فانوس لٹک رہا تھا۔ ایک سوکھا مریل قسم کا طبلچی دیوار کی طرف منہ کیئے فرش پر سو رہا تھا۔ رکمنی نے بڑے ادب سے مجھے تخت پر بٹھایا ۔ اپنے نوکر کی طرف غصیلی نگاہوں سے دیکھ کر کہا کہ اس موذی کو جگاؤ۔ نوکر نے طبلچی کو ٹھوکر مار کر جگا دیا۔ وہ بے چارا ہڑ بڑا کر اٹھا اور میری صورت دیکھ کر ہاتھ جوڑتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے سادھو مہاتماؤں کی طرح ہاتھ بلند کر کے کہا " رکمنی بائی غور سے یہ شبد سن !

جہاں باج باسا کرے پنچھی رہے نہ کوئے

پریم بھاؤ پر کاشیا سب کچھ گیا بگوئے "

میں نے ہندی ' سنسکرت اور پراکرتی کے ایسے ایسے لفظ نکال کر بولے کہ رکمنی بائی پر زبردست رعب بیٹھ گیا۔ اس نے میرے لئے دودھ ' پھل اور چائے منگوائی ۔ میں نے ان سب چیزوں کو ہاتھ لگا کر کہا " اسے میری طرف سے دان کر دینا "۔

میں نے اس عیار نائکہ کو بہت جلد اپنے دام میں جکڑ لیا۔ اب میں اپنے مطلب کی طرف آنا چاہتا تھا یعنی یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جس پاکستانی لڑکی کے کھوج میں ' میں وہاں آیا تھا وہ کہاں ہے رکمنی کا ہاتھ دیکھ کر اسے کہا کہ وہ قسمت کی دھنی ہے ۔ اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ آ گیا ہے مگر اس کے اور خزانے کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہے جس کو گرانا اس کے بس میں نہیں ہے ۔

نائکہ نے فوراً میرے پاؤں پر سر رکھ دیا اور بولی " مہاراج ! آپ کو دل کا حال معلوم ہو گیا۔ اب آپ سے کیا چھپا سکتی ہوں ۔

میں سمجھ گیا وہ کس ... کی بات کر رہی تھی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہندی ' سنسکرت ملی اردو زبان میں نائکہ کو سمجھایا کہ یہ لڑکی اس کے لئے لکشمی ثابت ہو گی ۔ وہ اس کے لئے زر و جواہر کے ڈھیر لگا دے گی ۔ بڑے بڑے نواب جاگیردار اور کارخانہ دار اس کا گانا سننے آیا کریں گے مگر ساتھ ہی میں نے اس امر کا بھی اعلان کر دیا کہ اس وقت لڑکی کے سر پر سنیچر سوار ہے اور اس کا اثر زائل کرنے کے لئے مجھے ایک خاص عمل کرنا پڑے گا' وہ دولت کی ریل پیل کا سن کر خوشی سے نہال ہو گئی تو میں نے اسے سورج ڈھلے اپنے آشرم میں لانے کا حکم دیا۔ پہلے تو کچھ ہچکچائی لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ اگر شو جی کی مورتی کے اسے پھیرے نہ دیئے گئے اور رگ وید کے منتروں کا جاپ نہ ہوا تو یہ لکشمی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی' تو وہ تیار ہو گئی ۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا آشرم قطب صاحب کی لاٹھ کے پیچھے شمشان بھومی میں ہے۔ یہ جگہ میں نے پہلے سے دیکھ رکھی تھی ۔ میں رام نام کا جاپ کرتا پُر جلال انداز میں زینے کی طرف بڑھ گیا۔

جب میں نے محسوس کیا کہ اس بازار سے کافی دور نکل آیا ہوں۔ اور میرے پیچھے کوئی نہیں لگا ہے تو میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اس پر سوار ہو کر چاندنی چوک کا رخ کیا۔ یہاں ایک دکان پر دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں بکتی تھیں۔ میں نے شوجی مہاراج کی ایک چھوٹی مورتی اور ایک پیتل کی سامگری، تھوڑا سا عود و لوبان خریدا اور اپنی کوٹھی میں آ کر شام ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

مجھے خوب معلوم تھا کہ بڑھیا لڑکی کو لے کر اکیلی نہیں آئے گی۔ اس کے ساتھ اس کا کوئی پالتو غنڈہ بھی ہو گا۔ لہٰذا میں نے خطرناک ریشمی رومال اپنے پاس رکھنا مناسب خیال کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ شام ڈھلے شمشان بھومی میں خون بہے اور انسانی چیخ بھی بلند ہو۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی میں قطب صاحب کی لاٹھ کے عقب والے ویران شمشان میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک اندھیری کوٹھری خالی پڑی تھی۔ میں نے اس کا فرش صاف کیا اور بیچ میں ایک پتھر رکھ کر، اس پر شوجی مہاراج کی کالی مورتی ٹکا دی۔ سامنے سامگری رکھ دی اور اس کے پیچھے زمین پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

سامنے املی اور نیم کے درختوں میں سے قطب صاحب کی لاٹھ نظر آ رہی تھی جس پر سورج کی دھوپ اوپر جاتے ہوئے ماند پڑنے لگی تھی۔ دور پارک کی طرف سے بچوں کے کھیلنے کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ سورج غروب ہو گیا۔ شمشان بھومی میں اندھیرا اتر آیا مگر ابھی شام اور رات کے درمیان والی پھیکی پھیکی روشنی باقی تھی۔ میری آنکھیں کٹیا کے کھلے دروازے میں سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ دفعتاً خشک پتوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ شمشان کے غربی چبوترے کے پیچھے سے کچھ انسانی سائے ابھرے ان کا رخ میری کٹیا کی طرف تھا کیونکہ کٹیا میں سامگری میں جلتے چراغوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے ہری اوم کا جاپ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں چار انسانی سائے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ ان میں نائیکہ، مغویہ لڑکی اور دو غنڈے تھے، جن میں سے ایک پہلوان ٹائپ آدمی تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ نائیکہ نے جھک کر پرنام کیا اور کوٹھری میں داخل ہو کر بولی "مہاراج داسی حاضر ہو گئی ہے"۔ اس نے لڑکی کو کھینچ کر آگے کرتے ہوئے کہا" مہاراج کے قدم چھوؤ"۔

لڑکی گہرے رنگ کی سادہ سی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑے، ذرا سا سر جھکا کر مجھے سلام کیا۔ لڑکی ڈری ڈری تھی۔ کچھ شمشان بھومی کا ماحول بھی ڈراؤنا تھا۔ وہ خاموشی سے میرے سامنے زمین پر ساڑھی سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں نے گوشہ چشم سے دیکھا کہ دونوں غنڈے دروازے کے دونوں جانب مستعد کھڑے گویا پہرہ دے رہے تھے۔ بڑھیا نے پہلوان سے تھیلا لیا۔ اس میں سے کچھ فروٹ نکال کر میرے آگے رکھ دیئے۔ "مہاراج یہ قبول کریں"۔ میں نے پھل کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ آنکھیں بند کر کے ایک نعرہ لگایا اور پھر آنکھیں کھول دیں اور بڑھیا سے کہا" بالکا! اس کنیا

کو یہاں چھوڑ کر باہر چلی جا۔ جب ہم آواز دیں' اندر آ کر اسے لے جانا۔ جا... باہر شمشان بھومی میں' ہماری کٹیا سے دس قدم کی دوری پر جا کر بیٹھ جا"۔

وہ ہاتھ جوڑ کر اٹھی اور کٹیا سے نکل گئی۔ میں نے چلا کر آواز دی "اپنے راکھششوں کو بھی ساتھ لیتی جا۔ دروازہ بند کر دے۔ خبردار دروازے کے قریب آئی تو بھسم ہو جائے گی"۔ نائیکہ نے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اٹھ کر درز میں سے دیکھا۔ وہ دونوں غنڈوں کے ساتھ دس قدم ناپتی آگے املی کے درختوں کی طرف جا رہی تھی۔ پھر وہ شام کے اندھیرے میں درختوں کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ سکھ غنڈہ قدرے بے چین سا ہو رہا تھا۔ وہ بار بار میری کٹیا کی طرف اشارہ کرتا تو بڑھیا اسے ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا دیتی۔

جلتے چراغوں کی کپکپاتی ہوئی لو لڑکی کے چہرے کے سہمے ہوئے تاثرات کو اور نمایاں کر رہی تھی۔ جب میں واپس اپنے استھان پر آ کر بیٹھا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر انتہائی ملتجیانہ لہجے میں آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا "مہاراج جی۔ مجھے کچھ نہ کہیں۔ اللہ سے ڈریں۔ میں بُری نہیں ہوں"۔

میں نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا "میں جانتا ہوں تمہیں اغوا کر کے لایا گیا۔ اس بڑھیا نے تمہیں خریدا ہے۔ یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے"۔ یہ جملے میں نے پنجابی زبان میں کہے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "تم میری بہن ہو اور یہ کہ میں بھی مسلمان ہوں اور یہ حلیہ میں نے صرف تمہیں بچانے کے لئے بنایا ہے۔ میں ہندو سادھو نہیں ہوں"۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے تکنے لگی۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام کلثوم ہے۔ چٹاگانگ میں اس کے باپ کا چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ جب ڈھاکہ فال ہوا تو اسی رات چٹاگانگ میں مکتی باہنی کے فوجی گھس آئے اور انہوں نے غیر بنگالیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس کے باپ اور اس کی ماں اور ایک چھوٹے بھائی کو اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا اور اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں اغوا کر کے لے گئے۔ اس کی پوری داستان الم سننے کے لئے وقت نہیں تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا "فکر نہ کرو بہن۔ میں تمہیں پاکستان پہنچا دوں گا"۔

وہ میرا منہ تکنے لگی۔ اس کے چہرے پر اعتبار اور بے اعتباری کی کیفیت تھی۔ میں نے کہا "لیکن تمہیں جس طرح میں کہوں اسی طرح کرنا ہو گا۔ جب میں اس عورت کو اندر بلاؤں تو تم خوشی خوشی اسے گلے لگانا اور کہنا کہ تم اس کے ساتھ بہت خوش ہو۔ یہ ظاہر کرنا کہ میرے منتروں کا تم پر اثر ہو گیا ہے اور اب تم اس عورت کا ہر حکم مانو گی"۔

وہ پریشان ہو کر بولی "لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی"۔

"کیا تمہیں اپنے بھائی پر اعتبار نہیں ہے؟ یہ میرا منصوبہ ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں بہت جلد وہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔" پھر میں نے اونچی آواز میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔

میں نے رکمنی بائی کو آواز دے کر اندر بلا لیا۔ کلثوم اگرچہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی مگر بڑھیا کی تیز نگاہوں نے اس کے چہرے پر ایک خوشگوار تبدیلی بھانپ لی۔ میں نے اسے خوش خبری دی "اس پر لکشمی دیوی مہربان ہو گئی ہے۔ اس سندری کو اپنے گھر لے جاؤ اور اسے گانا اور ناچنا سکھاؤں۔ یہ اب تمہارے کہنے پر عمل کرے گی"۔

بڑھیا نے میرے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ایک سو ایک روپیہ مجھے نذر پیش کی اور التجا کی کہ میں اس کے ہاں آکر درشن دیتا رہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ درشن تو تجھے ایسے دوں گا کہ ساری زندگی یاد کرے گی۔ وہ اپنے غنڈوں کے ساتھ کلثوم کو لے کر واپس چلی گئی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بھی اپنا بوریا بستر سمیٹا اور رات کے اندھیرے میں اپنی کوٹھی میں آگیا۔ سادھوؤں کا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہن لئے۔

ساڑھے آٹھ بجے ایک ریستوران میں کھانا کھا کر نو بجے واپس آگیا۔ انٹیلی جینس کے سکھ میجر کا کسی وقت بھی فون آسکتا تھا اور وہ مجھے پاکستان کا بارڈر کراس کرنے کا حکم دے سکتا تھا۔ ایک ذمے داری مجھ پر کلثوم کی بھی پڑ گئی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ انڈین ملٹری انٹیلی جینس مجھے اپنی کسی سفارتی گاڑی میں پاکستان اسمگل کرے گی۔ مجھے پاکستان میں متعین بھارتی سفارت خانے کا کوئی ملازم ظاہر کر کے بھارتی حکام آسانی سے مجھے پاکستان پہنچا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں تو کلثوم کو اپنے ساتھ بالکل ہی نہیں لے جا سکتا تھا۔ کلثوم کے مسئلے میں الجھ کر میں الجھن میں پھنس گیا تھا۔ اسے غنڈوں اور بردہ فروشوں کے پاس تنہا چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا اور اسے اپنے ساتھ پاکستان لے جانے کی کوئی صورت بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے کلثوم کو گناہ آلود ماحول سے نکالا جائے۔ آگے کیا کرنا ہو گا۔ بعد میں سوچ لیں گے۔

بستر پر لیٹا رات ایک بجے تک میں سوچتا رہا۔ میرا ٹارگٹ رکمنی بائی کا مکان تھا اور ایک آدھی رات کے بعد کرنا تھا۔ جبکہ وہ ایک ایسا گھر تھا جہاں راتیں جاگتی ہیں۔ مجھے معلوم تھا آدھی رات کے بعد رقص کی محفل عروج پر ہو گی اور رکمنی روپے بٹورنے میں مصروف ہو گی۔

میں اگلی رات بارہ بجے کے بعد سادھو کے بھیس میں رکمنی بائی کے کوٹھے پر جا پہنچا۔ محفل جمی ہوئی تھی۔ ماحول روشنیوں اور پھولوں کی خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ بڑھیا مجھے دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اسے آشیرباد دی۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھی۔ کہنے لگی "آپ تشریف رکھیں میں گانا بند کرائے دیتی ہوں"۔

مگر میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ یہ بات تو میرے منصوبے کے بالکل ہی خلاف تھی۔ میں نے فوراً کہا "نہیں نہیں بالکا۔ ہم دوسرے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں"۔ میں اشلوک پڑھتا

دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رقص کی محفل دوبارہ شروع ہو گئی۔ دوسرے کمرے میں سکھ غنڈہ پلنگ پر بیٹھا کوئی مشروب پی رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی عقیدت سے ہاتھ باندھ کر جھولنے لگا۔ مہاراج آپ کے منتروں نے تو لڑکی کی کایا ہی پلٹ دی"۔

میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا" بچہ! ہمارا منتر کبھی خالی نہیں گیا۔ اگر تو چاہتا ہے تو ہم تیرے لئے بھی چمتکار دکھا سکتے ہیں"۔

اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔" مہاراج! کسی طریقے سے چمپا کا دل نرم کر دیں۔ وہ تو میری طرف دیکھتی بھی نہیں"۔ میں نے وعدہ کیا کہ چمپا کا دل موم کرنے کا جاپ ضرور کروں گا۔ پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کہا" بچہ! سندری کہاں ہے؟ ذرا اسے ہمارے سامنے لاؤ۔ ہم اس پر منتر پڑھ کر پھونکیں گے"۔

" مہاراج! وہ دوسرے کمرے میں سو رہی ہے۔ ابھی جا کر اسے جگاتا ہوں۔" وہ بھاگا بھاگا دوسرے کمرے میں گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کلثوم کو لے کر آ گیا۔ کلثوم نیند سے اٹھی تھی اور آنکھیں مل رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پوری طرح سے ہوشیار ہو گئی۔ سمجھ گئی کہ اب فرار کا وقت آن پہنچا ہے۔

میں نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا اور اشلوک پڑھ کر پھونکیں مارنے لگا۔ میں نے سکھ غنڈے سے کہا کہ جا کر بائی جی کو بلا لاؤ۔ وہ چلا گیا تو میں نے کلثوم سے کہا" میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔ جیسا میں کہوں ویسے ہی کرنا"۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اتنے میں رکمنی سر پر پلو سنبھالتے آ گئی۔ میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔

" مہاراج! سندری نے آپ کی آشیرباد سے گانا سیکھنا شروع کر دیا ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا" لکشمی دیوی نے تیرے گھر نواس کیا ہے۔ تیرے دن پھرنے والے ہیں لیکن ایک بات کا کھٹکا ہے"۔

رکمنی نے تشویش سے پوچھا" وہ کیا ہے مہاراج؟"

"مجھے گیان دھیان سے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے کسی دشمن نے اس مکان میں کسی جگہ تانبے کے راکھشش کی مورتی دبا رکھی ہے جو تیرے لئے بپتا لائے گی۔"

اس نے میرے پاؤں تھام کر کہا" مہاراج مجھے بچا لو"۔

" ہم دیکھیں گے کہ راکھشش کی مورتی کہاں دبی ہوئی ہے۔" میں نے اٹھ کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ رکمنی اور سکھ غنڈہ میرے ساتھ تھے۔ وہ مجھے پچھلے کمرے میں لے گئی۔ یہاں

دو پلنگ لگے تھے اور میلے کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ محفل رقص و سرور والا کمرہ صاف ستھرا اور سجا سجایا تھا لیکن مکان کے باقی کمرے انتہائی گندے تھے اور چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ میں نے یہ ڈھونگ اس لئے رچایا تھا کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مکان کے عقب سے کوئی راستہ نیچے جاتا ہے یا نہیں۔ آخر مجھے ایک جگہ ایک تنگ و تاریک زینہ دکھائی دیا۔ میں نے بڑھیا سے پوچھا کہ یہ زینہ کدھر جاتا ہے؟ اس نے کہا" مہاراج یہ پچھلی گلی میں نکلتا ہے"۔

مجھے اسی زینے کی تلاش تھی۔ میں واپس اس کمرے میں آگیا جہاں کلثوم صوفے پر چپ چاپ بیٹھی تھی۔ میں نے رکمنی کو رقص کے کمرے میں واپس بھیج دیا۔ اب سکھ غنڈہ باقی رہ گیا تھا۔

میں نے کلثوم کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے اور اپنے لبادے سے ریشمی رومال نکال کر مٹھی میں دبا لیا۔ میری نگاہیں غنڈے پر جمی ہوئی تھی۔ وہ ایسی حالت میں تھا کہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ میں آہستہ سے اٹھا اور منتروں کا جاپ کرتے ہوئے کمرے کی دیوار کو انگلی سے ٹھونک بجا کر دیکھنے لگا۔ یکایک اس نے گلاس اٹھانے کے لئے گردن پھیری تو میرے رگ و پے میں بجلیاں کوند گئیں۔ ریشمی رومال میرے دائیں ہاتھ میں کھل گیا۔ اس کے بعد یہی رومال بجلی کے کوندے کی طرف فضا میں لہرایا اور دوسرے لمحے اس کا پھندا غنڈے کی گردن میں پڑ گیا تھا اور اس کے منکے کی ہڈی کو توڑ چکا تھا۔ وہ پلنگ پر اوندھا ہو گیا۔ میں نے کلثوم کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور مکان کے عقبی زینے کی طرف بھاگا۔ زینے میں اندھیرا تھا۔ کلثوم میرے پیچھے پیچھے تھی۔ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر جونہی میں نے عقبی گلی والا دروازہ کھولا تو سامنے رکمنی بائی کا پہلوان غنڈہ گلی میں سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔

میں حیران تھا کہ یہ غنڈہ پہلوان کہاں سے آگیا؟ آخر اس کو کب مجھ پر شک ہوا کہ میں لڑکی کو نکال لے جانا چاہتا ہوں؟ مجھے اس کا کچھ علم نہیں تھا۔ وہ دیسی ساخت کا پستول تانے تین قدم کے فاصلے پر کھڑا، مجھے غضب ناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کلثوم میرے پیچھے تھی۔ میں نے ایک سیکنڈ میں دیکھ لیا کہ یہ عقبی گلی سنسان اور خالی ہے۔ صرف ایک کھمبا تھا جس پر بلب جل رہا تھا۔ پہلوان غنڈے نے اپنے طور پر مہم سر کرلی تھی اور مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا سامنا پاکستان کے ایک سرفروش کمانڈو سے ہے۔

میری فلائنگ کک کی قاتل ضرب غنڈے کی ٹھوڑی کے نیچے حلق کی ہڈی پر پڑی۔ وہ پچھاڑ کھا کر پیچھے کو گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے پستول اٹھا لیا۔ غنڈہ گلی کے فرش پر چت پڑا تھا۔ اس کے حلق کی ہڈی ٹوٹ کر نرخرے میں گھس چکی تھی۔ کلثوم میرے اس ایکشن پر ہکا بکا سی کھڑی تھی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور گلی میں بھاگا۔ یہ گلی آگے جا کر دائیں طرف گھوم گئی۔

آگے بازار آ گیا۔ بازار میں پان والوں کی سجی سجائی دکانیں کھلی تھیں۔ ریکارڈنگ ہو رہی تھی اور تماش بین ادھر ادھر اینٹھتے پھر رہے تھے۔ بازار میں ایک سادھو کا کسی نوجوان لڑکی کو ساتھ لے کر چلنا شکوک و شبہات پیدا کر سکتا تھا۔ میں نے کلثوم سے کہا کہ وہ میرے آگے آگے مٹھائی والے پل کی طرف چلے۔ اسے مٹھائی والے پل کا علم نہیں تھا۔ اس نے کچھ تعجب سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے کہا "آگے چلو، تیز تیز ... وقت ضائع مت کرو"۔ میرے لہجے میں سختی تھی۔

کلثوم نے ہلکے نسواری رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی مگر اس کا گورا رنگ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ پھر وہ تیز قدموں سے چل رہی تھی۔ لیکن میں نے راستے میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ ایک آوارہ مزاج آدمی آوازے کستے ہوئے کلثوم کے پیچھے تیز تیز چلنے لگا۔ اس نے مجھے سادھو سمجھ کر بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔

"حضور، کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ہمارے غریب خانے پر چلیے"۔

کلثوم نے اس کی بات سن کر بے بسی سے میری طرف دیکھا تو میں نے اس آدمی سے کہا "یہاں سے بھاگ جا..."

خدا جانے اس پر میرے اس جملے کا کیا اثر ہوا کہ وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کلثوم چل دی اور میں بھی آگے بڑھ گیا۔

ابھی مٹھائی والا پل دور تھا کہ ہمیں ٹیکسی مل گئی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ میں کلثوم کو ساتھ لئے، علی پور روڈ کے میڈن ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اتر گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ٹیکسی والا میری کوٹھی کو دیکھے یہاں سے ہم پیدل چل پڑے۔ سڑک سنسان تھی۔ پھر بھی گشتی پولیس کی پوچھ گچھ سے بچنے کے لئے میں کوٹھیوں کے درمیان سے گزرنے والے کچے راستوں پر چلتا ہوا اپنی لکھنؤ روڈ والی آسیبی کوٹھی میں پہنچ گیا۔

میرے مشن کا پہلا مرحلہ مکمل تھا۔ میں نے کلثوم کو بستر پر سونے کے لئے کہا اور خود دوسرے کمرے میں زمین پر دری بچھائی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ کوٹھی کے دروازے میں نے اندر سے مقفل کر دیئے تھے۔ سخت تھکان ہو رہی تھی۔ لیٹتے ہی میٹھی نیند آ گئی۔

صبح آنکھ کھلی تو دن کافی نکلا ہوا تھا۔ کلثوم ابھی تک سو رہی تھی۔ بے چاری کو نہ جانے کتنی راتوں سے سکون کی نیند نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ تیار کیا۔ چائے کی پیالی لے کر کمرے میں کھلی کھڑکی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں اب سادھو کے بھیس میں نہیں تھا۔ چائے پینے کے بعد کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ ایک اخبار والا سائیکل پر شور مچاتا ہوا گزرا۔ میں نے اسے روک کر اردو کا ایک اخبار "الجمعہ" خریدا۔ اس کے پہلے صفحے پر شہ سرخیوں سے یہ سنسنی خیز خبر لگی تھی کہ ایک نامعلوم سادھو دو آدمیوں کو قتل کر کے رکمنی بائی کی ایک لڑکی کو بھگا لے گیا ہے۔

رکمنی بائی یا مرنے والوں کی تصویریں نہیں چھپی تھیں مگر تفصیل موجود تھی۔
بازار کے دو پنواڑیوں کے بیان بھی تھے۔ انہوں نے آدھی رات کو ایک سادھو کو رکمنی کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ رکمنی نے اپنے بیان میں صرف اتنا کہا تھا کہ ایک سادھو اس کے پاس آشیرباد دینے کبھی کبھار آیا کرتا تھا مگر رات وہ اس کے دو آدمیوں کو قتل کر کے اس کی ایک لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ مغویہ ایک خریدی ہوئی مشرقی پاکستان کی لڑکی تھی۔
میں اخبار لپیٹ کر کوٹھی میں آ گیا۔ کلثوم جاگ گئی تھی۔ میں نے اسے اخبار پڑھنے کو دیا۔ اپنے بارے میں چھپی ہوئی خبر پڑھ کر وہ گھبرا گئی "اب کیا ہو گا؟ کہیں ہمیں پولیس نہ پکڑ لے"۔
میں نے اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھ دیا اور کہا "ان باتوں کو بھول جاؤ۔ میں نے ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑا جس کی مدد سے پولیس یہاں تک پہنچے۔ اٹھو ناشتہ کر لو۔ اور ہاں۔ تم نے میرا نام تو پوچھا ہی نہیں۔ بہر حال تم مجھے بشارت کہہ سکتی ہو"۔
جس طرح میں نے آپ کو اپنا اصلی نام نہیں بتایا اسی طرح میں نے کلثوم کو بھی اپنا اصلی نام نہیں بتایا۔ بے چاری ڈری ہوئی تھی، مگر رکمنی بائی سے نجات حاصل کر لینے پر وہ خوش اور مطمئن بھی تھی۔ اس کے رشتے دار فیصل آباد میں رہتے تھی۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں مشرقی پاکستان سے بھاگ کر آیا ہوں۔ لاہور کا رہنے والا ہوں۔ ڈھاکہ میں کاروبار کرتا تھا جو تباہ ہو گیا۔ دلی میں کچھ رقم بھلے زمانے میں جمع کروا رکھی تھی۔ اسی پر گزارہ کر رہا ہوں۔ یہاں اپنے ایک کاروباری دوست کا انتظار کر رہا ہوں۔ جو مشرقی پاکستان میں ہے۔ دو تین مہینے اس کی راہ دیکھوں گا، اگر نہ آیا تو پاکستان کا باڈر کراس کر جاؤں گا۔
کلثوم نے مجھے پہچان لیا تھا۔ کہنے لگی "تم سکھ میجر کی کوٹھی میں کیا کرنے گئے تھے، اس رات میں نے اسے اسمگلنگ کی ایک من گھڑت کہانی سنا دی۔ کلثوم واجبی سی پڑھی لکھی لڑکی تھی اور اسے دنیا داری کی زیادہ باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس نے میری باتوں پر یقین کر لیا اور بولی "میں پاکستان کیسے جاؤں گی۔ بھارتی پولیس مجھے پکڑ لے گی، اور تم نے دو آدمیوں کا خون کیا ہے۔ تمہیں یہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے، اگر تم پکڑے گئے تو مجھ پر بھی مصیبت ٹوٹ پڑے گی"۔
میں نے اسے تسلی دی "اب میں سادھو کے بھیس میں نہیں ہوں۔ مجھے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ فکر مت کرو۔ میں تمہیں کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچا دوں گا۔ اگر اس دوران مجھے اطلاع مل گئی کہ میرا ڈھاکے والا دوست نہیں آیا تو میں بھی تمہارے ساتھ ہی باڈر کراس کر جاؤں گا، لیکن ابھی احتیاط سے کام لینا۔ اس کوٹھی سے قدم باہر نہ نکالنا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو مجھے پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکے گا"۔
وہ سمجھ دار تھی اور اسے صورت حال کی نزاکت کا پوری طرح احساس تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ

کوٹھی سے باہر قدم بھی نہیں رکھے گی۔ بازار سے میں اپنے لئے ایک گدا اور تکیہ خرید لایا اور دوسرے کمرے میں بستر لگا دیا۔ اپنا بیڈ روم کلثوم کو دے دیا۔ ٹیلی فون میں اپنے کمرے میں لے آیا۔ کچن میں کھانے پینے کا سامان ڈال دیا۔ میں نے کلثوم کو خاص طور پر تاکید کر دی کہ اگر کبھی میری عدم موجودگی میں کوئی صاحب مجھے ملنے آئے اور اس کے بارے میں پوچھے کہ وہ کون ہے تو وہ یہی بتائے کہ وہ نوکرانی ہے اور صاحب کے لئے کھانا پکاتی ہے اور گھر کی صفائی ستھرائی کرتی ہے' اس کے علاوہ کوئی بات نہ کہے۔

پھر بھی مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کہیں کوئی ایسا آدمی آ گیا جس کا تعلق رکمنی بائی نائیکہ سے ہو تو وہ کلثوم کو پہچان لے گا اور پولیس لے آئے گا لیکن اس کا میرے پاس سوائے اس کے کوئی علاج نہیں تھا کہ میں خود کوٹھی سے بہت کم نکلوں اور باہر جاؤں بھی تو اس وقت جب کسی کے آنے کا امکان نہ ہو۔ چنانچہ میں اندھیرا ہو جانے کے بعد کوٹھی سے باہر جاتا اور جلدی واپس آ جاتا۔ تین روز گزر گئے تھے۔ "پام آئل مشن" کے انڈین انٹیلی جینس سربراہ کا کوئی خفیہ فون نہیں آیا تھا۔ خدا جانے یہ لوگ مجھے کب پاکستان بھجوا رہے تھے۔ کلثوم کے بارے میں میری سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی کہ اسے کس طرح باڈر کراس کروایا جائے۔

کلثوم کو میں نے دو تین ساڑھیاں خرید کر دی تھیں۔ اس نے گھر کا سارا کام سنبھال لیا تھا۔ وہ کھانا پکاتی' کمروں کی صفائی کرتی اور فرصت کے وقت ریڈیو سنتی اور رسالے پڑھتی رہتی۔ میرے پاس ٹیلی وژن نہیں تھا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ کوٹھی کے بارے میں اردگرد کے لوگوں کو یہ تاثر ہرگز نہ دوں کہ کوٹھی آباد ہے۔ چنانچہ رات کے وقت ہم مدھم بلب جلاتے اور کھڑکیوں پر پردے پڑے رہتے تھے۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر کسی وقت اچانک مجھے باڈر کراس کرنے کا حکم مل گیا تو کلثوم کا کیا بنے گا؟ اسے کس کے پاس چھوڑ کر جاؤں گا؟ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ایک رات اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ کئی روز بعد فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ کا فون ہے۔ میں نے ریسیور اٹھا کر آہستہ سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے میرا کوڈ پوچھا گیا۔ میں نے کوڈ بتایا اور بولنے والے سے اس کا کوڈ پوچھا۔ اس نے بھی کوڈ بتا دیا اور کہا "کرنل منی! کل صبح تم امرتسر کے لئے روانہ ہو جاؤ گے اور بذریعہ ریل سفر کرو گے۔ پرسوں دن کے نو بجے امرتسر کے قلعے میں تم ملٹری انٹیلی جینس کے کرنل گورمیت سنگھ سے ملاقات کرنے جاؤ گے۔ آگے وہ تمہارے مشن کا انچارج ہو گا"۔

اس کے فوراً بعد فون بند کر دیا گیا۔ میں اس پراسرار آدمی سے یہ بھی نہ پوچھ سکا کہ مجھے میرا زہریلا سگار' وی ٹو گولیاں اور ریڈیو ٹرانسمیٹر وغیرہ کون مہیا کرے گا۔ میں نے اسی وقت کلثوم کے کمرے میں جا کر اسے بتایا کہ ہم صبح کی گاڑی سے امرتسر جا رہے ہیں۔۔

"کیا باڈر کراس کرنے کا بندوبست ہو گیا؟" وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی
میں نے بتایا کہ میرا دوست ڈھاکہ سے نہیں آ رہا اس لئے مجھے خود ہی یہاں سے نکل جانا ہو گا۔ کلثوم نے پوچھا کہ کیا امرتسر میں میرا کوئی ایسا شخص واقف ہے جو باڈر کراس کروانے میں ہماری مدد کر سکے؟ میں نے کہا" میرے پاس بھارتی کرنسی میں دو تین ہزار روپے ہیں۔ یہ ہمارے کام آ سکتے ہیں اس کے علاوہ امرتسر میں میرا ایک ہندو اسمگلر دوست بھی ہے۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔ بہرحال، تم ہندو عورت بن کر میرے ساتھ سفر کرو گی، تمہیں اپنے بالوں کا سٹائل بھی بدلنا ہو گا تاکہ اسٹیشن پر تمہیں کوئی پہچان نہ سکے"۔

میں منہ اندھیرے ہی اٹھ بیٹھا۔ گاڑی پانچ بج کر پندرہ منٹ پر روانہ ہوتی تھی۔ کلثوم اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے اپنے بالوں کو دوسرے اسٹائل سے تیار کیا۔ ماتھے پر بندیا لگائی۔ وہ سادہ سی ساڑھی میں تھی۔ ہم نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور صبح کے دھندلکے میں کوٹھی سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئے۔ بریف کیس میرے پاس تھا۔ اس میں انڈین کرنسی میں کافی روپے تھے۔ میں نے پتلون اور گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔ کلثوم کے شانوں پر کشمیری شال پڑی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ پاکستان کا باڈر کراس کرنے تک اس کا نام کملاوتی اور میرا نام راجہ رام تیواڑی ہو گا۔
دلی ریلوے اسٹیشن پر امرتسر جانے والی ایکسپریس ٹرین تیار کھڑی تھی۔ ہمیں فرسٹ کلاس میں جگہ مل گئی۔ ڈبے میں ایک بوڑھا سکھ اپنی جوان بہو اور اس کے بچے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ بال کھولے ان میں کنگھی کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر بولا۔" کہاں جاؤ گے گورمکھو؟"
میں نے پنجابی میں کہا" امرتسر جا رہے ہیں۔ میرا نام راجہ رام تیواڑی ہے اور یہ میری بہن کملاوتی ہے"۔

میرا خیال تھا کہ سکھ بوڑھا میرا پیچھا چھوڑ دے گا لیکن امرتسر تک وہ میرا سر کھاتا رہا۔ اس کی بہو کملاوتی یعنی کلثوم سے باتیں کرتی رہی۔ مجھے دھڑکا لگا رہا کہ کہیں کلثوم سے کوئی ایسی بھول چوک نہ ہو جائے، جس سے بھانڈا پھوٹ جائے مگر کلثوم نے بڑی عقلمندی اور سمجھداری کا ثبوت دیا۔
خدا خدا کر کے ٹرین امرتسر پہنچی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ امرتسر شہر میرا دیکھا بھالا تھا۔ صرف ایک ڈر تھا کہ کہیں اچانک اپنے پاکستانی اسمگلر دوست کرونڈیئے سے ملاقات نہ ہو جائے لیکن میری فرنچ کٹ داڑھی مونچھیں تھیں اور کوٹ پتلون میں تھا۔ ہم سکھ اور اس کی بہو سے جان چھڑا کر جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر آ گئے۔ رکشا پکڑا اور امرتسر کی سول لائنز کے ایک مہنگے اور انگلش اسٹائل ہوٹل میں آ گئے۔ یہاں مجبوراً مجھے کملاوتی کو اپنی بیوی ظاہر کرنا پڑا۔ ہم نے ایک سنگل بیڈ کرائے پر لے لیا۔ میں نے اپنا پتہ دلی کا لکھوایا اور یہ بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی، دربار صاحب اور امرتسر کے مشہور درگیانہ مندر کی زیارت کرنے دلی سے آئے ہیں

شام ہونے تک ہم اپنے کمرے میں رہے۔ جب سڑکوں پر مرکری لائٹیں روشن ہو گئیں تو ہم نے کھانا کھایا اور کمپنی باغ میں ٹہلنے نکل کھڑے ہوئے۔ کمپنی باغ امرتسر کی سلولائنز کے پیچھے ہی تھا۔ کلثوم بار بار پوچھ رہی تھی کہ میں نے باڈر کراس کرنے کا کیا انتظام کیا ہے اور میں امرتسر میں اپنے اسمگلر دوست سے کب ملوں گا۔ میں نے بتایا کہ کل صبح اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہ سارا بندوبست کر دے گا۔ رات کو کلثوم بیڈ روم میں اور میں ڈرائنگ روم کے صوفے پر سویا۔ صبح نو بجے مجھے امرتسر کے قلعے میں ملٹری انٹیلی جنیس کے کسی کرنل گورمیت سنگھ سے ملنا تھا۔ رات گئے تک سوچتا رہا کہ جانے یہ کرنل سکھ کون ہو گا اور اگر اس نے کل ہی مجھے باڈر کراس کرنے کے لئے کہا تو کلثوم کا کیا بنے گا؟ اس کو کس کے حوالے کر کے جاؤں گا؟ یہ مسئلہ میرے لئے کافی پریشان کن تھا۔

صبح ہوئی۔ ناشتہ کیا۔ کلثوم کو میں نے تاکید کی کہ وہ کمرے سے باہر نہ نکلے۔ دروازہ اندر سے بند رکھے اور خود بریف کیس اٹھا کر ہوٹل سے باہر آ گیا۔ پونے نو بجے تھے۔ میں صحیح وقت پر کرنل گورمیت سنگھ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ جس وقت میں ہال گیٹ اور ہاتھی گیٹ کے آگے سے ہوتا ہوا امرتسر کے قلعے کے دروازے پر جا کر ٹیکسی سے اترا تو ٹھیک نو بج رہے تھے۔ امرتسر کا قلعہ لاہور کے شاہی قلعے کی طرح کا ہے۔ اس سے اگرچہ کافی چھوٹا ہے مگر دروازہ اسی کی طرز کا بلند اور دیو قامت ہے۔ جس کے نیچے آنے جانے کے لئے ایک چھوٹا دروازہ بنا ہوا ہے۔ یہاں انڈین فوج کے دو سکھ فوجی اٹنشن کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر انہوں نے وہیں سے مجھے رک جانے کے لئے آواز دی۔ میں نے جب بتایا کہ میں کرنل نارومنی ہوں اور مجھے کرنل گورمیت سنگھ سے ملنا ہے تو دونوں فوجیوں نے مجھے سلیوٹ کیا۔ ایک فوجی نے دروازہ کھول کر مجھے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔

قلعے کے اندر ایک ڈیوڑھی تھی جس کے آگے بغیر چھت کے کھلا راستہ تھا۔ یہاں دونوں جانب کوٹھریاں تھیں جن پر تالے لگے ہوئے تھے۔ آگے کشادہ جگہ تھی، جہاں اینٹوں کے چبوترے پر پرانے زمانے کی ایک توپ نصب تھی۔ سامنے والے برآمدے میں سیڑھیاں، قلعے کے تہہ خانے میں اترتی تھیں۔ یہاں پہنچ کر فوجی نے سلیوٹ کر کے کہا "سر! کرنل صاحب کا کمرہ نیچے ہے"۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

زینے میں ایک مدھم بلب روشن تھا۔ میں تہہ خانے میں اتر گیا۔ ایک چھوٹی سی راہداری آ گئی جس میں ایک جگہ کمرے کے باہر چق پڑی تھی۔ باہر تختی پر گورمکھی میں کچھ لکھا تھا، جسے میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ظاہر ہے کرنل گورمیت کا نام ہی لکھا ہو گا۔ میں نے چق اٹھائی اور نیم وا دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کسی کی بھاری رعب دار آواز آئی "کرنل نارمنی؟ اندر آ جاؤ"۔

میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ بھاری بھرکم میز کے پیچھے کرسی پر ایک پختہ عمر کا سکھ باوردی کرنل

آنکھوں پر چشمہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی داڑھی جالی میں لپٹی اوپر کو کھنچی ہوئی تھی۔ وہ میری طرف گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی نظریں اپنے جسم میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ سے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور چشمہ اتار کر رومال سے شیشے صاف کرنے لگا۔ کمرے میں دیوار کے ساتھ صرف ایک بلب روشن تھا۔ ایک پراسرار سی بوجھل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنی سانس کی آواز سن رہا تھا۔ کرنل گورمیت سنگھ نے دراز میں سے ایک فائل نکال کر کھولی اور اسے پڑھنے لگا۔ پانچ منٹ گزر گئے، پھر اس نے فائل بند کر کے میز کی دراز میں رکھ کر تالا لگا دیا اور میری طرف جھک کر انگریزی میں بولا "کرنل منی! تمہاری فائل میں لکھا ہے کہ تم امرتسر کے رہنے والے ہو اور ایک اعلیٰ ہندو فیملی سے تعلق رکھتے ہو۔ مجھے امید ہے کہ امرتسر آنے کے بعد جیسا کہ تمہیں ہدایت کی گئی تھی۔ تم یہاں اپنی فیملی سے ملنے نہیں گئے ہو گے؟"

میں نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا کہ میں امرتسر میں اپنے ماتا پتا جی سے ملنے نہیں گیا اور کل سے شہر کے باہر ایک ہوٹل میں مقیم ہوں۔

کرنل گورمیت سنگھ لفافے کھولنے والی چمکیلی چھری سے میز کی سطح کو کریدنے لگا پھر چھری رکھ کر بولا "گڈ! مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی کہ تم ایک انتہائی اہم مشن پر دشمن ملک میں جا رہے ہو۔ تمہارا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ اگرچہ تمہاری عمر زیادہ نہیں مگر ملٹری انٹیلی جینس میں اس وقت تم سب سے زیادہ تجربہ کار، قابل لائق اور موزوں ایجنٹ ہو۔ تم ہندو ہو لیکن مسلمانوں کے کلچر اور ان کے مذہب سے پوری واقفیت رکھتے ہو۔ کرنل گپتا اور ترچناپلی کے میجر راماناتھن نے تمہیں وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو تمہیں پاکستان جا کر کرنا ہو گا"

وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور کونے کی آہنی الماری کو چابی لگا کر کھولا۔ اس میں سے ایک بریف کیس نکالا اور اسے رکھ کر بیٹھ گیا۔ بریف کیس میں سے وی ٹو کی گولیوں کا پیکٹ اور زہریلا سگار نکالا۔ اس کے بعد ایک سگریٹ لائٹر جیسی چھوٹی ڈبیہ میری طرف بڑھا دی "وی۔ ٹو گولیوں اور سگار کے بارے میں تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ یہ سگریٹ لائٹر ایک انتہائی طاقتور شارٹ ویو ریڈیو ٹرانسمیٹر ہے۔ کرنل گپتا نے تمہیں ہماری ویولینتھ اور فریکوئنسی بتا دی تھی جو تمہیں یاد ہو گی"۔

یہ فریکوئنسی مجھے یاد تھی۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کرنل گورمیت نے بریف کیس سے سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی پاکٹ بک نکال کر مجھے دی اور کہا۔ "یہ تمہاری کوڈ بک ہے۔ اس میں وہ کوڈ درج ہے جس کی مدد سے تم ٹرانسمیٹر پر مجھے یا کرنل گپتا کو ایمرجنسی پیغام دے سکتے ہو۔ میرا کوڈ ورڈ "پام آئل نارومنی" ہی ہو گا۔ ان چیزوں کو چھپانا تمہارا کام ہے۔ یاد رکھو، اگر تم پکڑے گئے تو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور لاتعلق ہو جائیں گے۔ تمہیں بھی پکڑے جانے کی صورت میں زبان بند رکھنی ہو گی۔ ورنہ پاکستان میں مقیم ہمارے ایجنٹ تمہیں موت کی نیند سلا دیں گے"۔

"میں جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اب میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ مجھے باڈر کس طریقے سے کراس کرایا جائے گا۔

"تمہارے پاس بی ۹۹ کا جو ٹاپ سیکرٹ شناختی کارڈ ہے اسے میرے حوالے کردو۔"

میں نے جیب سے اپنا خصوصی شناختی کارڈ نکال کر اسے دے دیا۔ اس نے کارڈ بریف کیس میں رکھا اور وہاں سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر میرے آگے کردیا "اس کاغذ پر پاکستان کے ان... آدمیوں کے نام لکھے ہیں' جن کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد تم انہیں وی۔ ٹو گولیاں کسی بھی مشروب میں گھول کر پلا دو گے"۔

میں نے کاغذ لے کر پڑھا' تو پاکستان کے چار اہم سیاست دانوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ کرنل گورمیت بولا۔

"یہ لوگ کچھ عرصہ پہلے تک ملک کو توڑنے اور اپنے اپنے صوبوں کی خود مختاری اور پاکستان سے علیحدگی کی باتیں کرتے تھے لیکن اب ان کو دی گئی وی۔ ٹو گولیوں کا اثر زائل ہونے لگا ہے اور یہ ملکی استحکام کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ تمہیں ایک مجذوب کی شکل میں ان لوگوں سے تعلق پیدا کر کے 'انہیں یہ گولیاں دوبارہ کھلانی ہوں گی۔ یہ چار سیاست دان ہیں جبکہ تمہیں وی۔ ٹو کی پانچ گولیاں دی جارہی ہیں۔ اگر ایک آدھ گولی کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو تم دوسری گولی استعمال کرسکو۔ پاکستان میں ہمارے سفارت خانے کے کسی آدمی سے ہرگز رابطہ پیدا نہ کرنا۔ ان کا کوئی نہ کوئی آدمی تمہیں ضرورت کے وقت خود مل لیا کرے گا۔ پاکستان میں ہمارے کچھ ایجنٹ کام کررہے ہیں۔ تمہیں صرف ایک ایجنٹ جگدیش چند کھنہ سے ملوایا جائے گا۔ وہ پاکستان میں ہمارا ماسٹر اسپائی ہے۔ وہ اس وقت فیصل آباد میں مقیم ہے' اور پچھلے دس برس سے وہاں ایک بازار میں' ماسٹر فیروز دین کے نام سے گھڑی ساز کی دکان کررہا ہے۔ اس نے مشہور کررکھا ہے کہ گوجرانوالہ میں بس کے ایک حادثے میں اس کے بیوی بچے ہلاک ہوگئے تھے۔ وہ اکیلا اپنی دکان کے پیچھے ایک کمرے میں رہتا ہے۔ تم اس سے رابطہ قائم کرو گے۔ تمہارا نام پاکستان میں داخل ہوتے ہی پیر الٰہی بخش ہوگا اور تم ہاتھ دیکھ کر لوگوں کو جھوٹ سچ قسمت کا حال بتایا کرو گے۔ جگدیش چند کھنہ تمہیں سیاست دانوں کے حلقے میں پہنچنے کے گر بتا دے گا۔ تمہیں لاہور شہر کی ایک مارکیٹ میں کتابوں کی ایک دکان کھلوادی جائے گی۔ لاہور تمہارا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔ یہاں سے تم ہمارے ماسٹر اسپائی جگدیش چند کھنہ عرف ماسٹر فیروز دین کی رہنمائی میں متعلقہ سیاست دانوں سے رابطہ پیدا کرو گے' اگر کبھی تمہارا راز فاش ہو جائے تو تم زہریلے سگار' ریڈیو ٹرانسمیٹر اور کوڈ بک کو ضائع کرکے فوراً روپوش ہو جانا۔"

میں کرنل گورمیت سنگھ کی ایک ایک بات اپنے ذہن میں نقش کررہا تھا۔ پھر میں نے کرنل گورمیت سے سوال کرہی دیا کہ مجھے باڈر کب اور کس طریقے سے کراس کرایا جائے گا۔

سکھ کرنل نے چشمہ اتار کر خاکی رومال سے صاف کیا اور بولا "ہمارے آدمی خفیہ طور پر پاکستان کا باڈر کراس کرائیں گے۔ اتوار کی رات بارہ بجے اٹاری ریلوے اسٹیشن کے پاس جی ٹی روڈ پر پہنچ جانا۔ ہمارا آدمی تمہارے پاس آکر کوڈ "پام آئل نارومنی" بولے گا' وہی تمہیں باڈر کراس کرائے گا۔ تمہیں ایک پاکستانی لباس تمہارے ہوٹل میں' ہفتے کو پہنچا دیا جائے گا"۔

اس کے بعد کرنل گورمیت سنگھ نے مجھ سے میرے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لے لیا۔ فیصل آباد کے انڈین ماسٹر ایجنٹ کا ایڈریس بتایا اور کہا کہ میں زبانی یاد کرلوں۔ پھر اپنی خاص نوٹ بک نکال کر کھولی اور کہا "ایک نمبر نوٹ کرلو۔ یہ نمبر ہے او۔ کے ۵۔ اس نمبر کی اہمیت سے امرتسر شہر کے سبھی پولیس اسٹیشنوں' ملٹری پولیس کے ہیڈ کوارٹروں اور اسلام آباد میں متعین بھارتی سفیر کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔ تمہیں ابھی امرتسر میں دو دن مزید رکنا ہوگا۔ ان دو دنوں میں تمہیں اس شہر میں کسی قسم کی بھی مشکل درپیش ہو تو میرے پاس آنے کی بجائے کسی پولیس اسٹیشن یا پولیس والے کو یہ نمبر بتا دینا تمہاری مشکل اسی وقت حل کر دی جائے گی۔ پاکستان میں تم اگر ایسی صورت حال میں پھنس جاؤ کہ بھارتی سفارت خانے کے خاص آدمی کو تم سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو تم بھی اسے او۔ کے۔۵ نمبر بتا کر اپنی شناخت کراؤ گے۔ یہ تمہارا شناختی نمبر ہوگا۔ ہر جگہ "مشن پام آئل نارومنی" کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

میں نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ زہریلا سگار' ڈی۔ ٹو گولیاں' ریڈیو ٹرانسسٹر اور کوڈ بک اپنے بریف کیس میں رکھی اور خاموشی سے باہر آگیا۔ اس وقت مجھے خود پر ایک ایسی مشین کا گمان ہوا جس میں چابی بھر دی گئی ہو اور جو اپنا کام شروع کرنے کے لئے بالکل تیار ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ کلثوم کو اپنے ساتھ کیسے لے جا سکوں گا؟

ہوٹل پہنچا تو دن کے گیارہ بجنے والے تھے۔ کرنل گورمیت سنگھ نے کافی وقت لے لیا تھا۔ کلثوم کمرے میں بیٹھی بے تابی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے اسمگلر دوست سے بات کر آیا ہوں اور ہم اتوار کی رات کو باڈر کراس کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ وہ خوش بھی اور فکر مند بھی ہو گئی۔ غیر قانونی طریقے سے باڈر کراس کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ ہم غیر قانونی طریقے سے باڈر کراس کریں گے۔

ہفتے کی شام کو مجھے کپڑوں کا ایک پیکٹ ملا جس میں پاکستانی کرنسی کے ایک ہزار روپے بھی تھے۔ کلثوم نے پوچھا کہ یہ چیزیں کس نے بھیجی ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ میرے اسمگلر دوست نے بھیجی ہیں تاکہ باڈر کراس کرنے سے پہلے میں پاکستانی وضع قطع اختیار کرلوں۔ وہ بولی "میں تو ساڑھی میں ہندو لگوں گی"۔

اس طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اسی رات میں نے امرتسر کے ہال بازار سے کلثوم کے

کرتے اور شلوار کے لئے کپڑا خریدا اور کلثوم کو ساتھ لے جا کر ایک درزی کو سلنے کے لئے دے دیا۔ ایک گرم چادر بھی خریدی۔ میں نے کلثوم کو پاکستانی کرنسی میں پانچ سو روپے بھی دے دیئے کہ وہ اپنے پاس رکھے۔

اتوار کی رات کو ہمیں امرتسر سے روانہ ہو جانا تھا۔ میں نے کھدر کی ایک ایسی صدری بنوا کر بنیان کی جگہ پہن لی تھی۔ جس میں وی۔ ڈوگولیوں کا پیکٹ 'ریڈیو ٹرانسمیٹر والا سگریٹ لائٹر' کوڈ بک اور زہریلا سگار چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ صدری کی ایک جیب میں پاکستانی کرنسی نوٹ بھی تھے۔ پتلون کی عقبی جیب میں میرا بٹوہ تھا جس میں بھارتی کرنسی تھی۔ اتوار کی صبح میں کلثوم کو ساتھ لے کر درزی کی دکان پر گیا تو وہاں ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی۔ رکنی "؟" کا ایک آدمی کلثوم کی تلاش میں گھومتا پھر رہا تھا۔ اس نے بازار میں سے گزرتے ہوئے کلثوم کو دیکھ کر پہچان لیا۔ کلثوم کو کلائی سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچتے ہوئے چلایا۔ "لوگو یہ عورت قاتل ہے۔ دلی میں دو قتل کر کے بھاگی ہے"۔

لوگ جمع ہو گئے اور کلثوم نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے غنڈے کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا۔ میں اتفاق سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ ویسے وہ مجھ سے قد کاٹھ اور طاقت میں بھی دگنا تھا۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ یہ عورت کملاوتی ہے اور میری بیوی ہے یہ قاتلہ نہیں ہے۔ لیکن غنڈہ چیخ چیخ کر قسمیں کھا رہا تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہی عورت ہے جس نے دلی میں دو آدمیوں کا خون کیا ہے۔ کچھ لوگ غنڈے کی طرف ہو گئے' کچھ میری طرف ہو گئے۔ لیکن میرے لئے کلثوم کو وہاں سے نکالنا مشکل ہو گیا۔ اتنے میں وہاں پولیس کے دو سپاہی بھی آ گئے۔

غنڈے نے جب انہیں بتایا کہ یہ عورت قاتلہ ہے اور اس نے دلی میں دو خون کئے ہیں تو سکھ پولیس والوں نے کلثوم کو پکڑ لیا۔ میں نے اعتراض کیا تو انہوں نے مجھے بھی جکڑ لیا۔ "تھانے چل کے بات کرنا"۔ ایک نے کہا۔

سپاہی ہمیں تھانے کی طرف لے کر چل دیئے۔ غنڈہ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ لوگ بھی ہمارے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ یہ وہی کوتوالی کا تھانہ تھا جہاں ایک بار عرصہ گزرا' میں پہلے بھی آ چکا تھا مگر اب میری فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ مجھے آسانی سے' کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ تھانے دار سکھ تھا۔ اس نے جب غنڈے کا بیان سنا تو کلثوم کو اور مجھے حوالات میں بند کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ اسی رات بارہ بجے' مجھے باڈر کراس کرنا تھا۔ میں سکھ کرنل گورمیت سنگھ کا حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا لیکن ایک دم سے مجھے کرنل گورمیت کے بتائے ہوئے امرت دھارا قسم کے نمبر او کے۔ ۵ کا خیال آ گیا۔ سپاہی مجھے اور کلثوم کو پکڑ کر حوالات کی طرف لے جانے لگے تو میں نے سکھ تھانیدار سے کہا کہ میں آپ سے علیحدگی میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔

سکھ تھانیدار نے غصیلی آنکھوں سے میری طرف دیکھا "لالہ جی! میں رشوت لینے والا

تھانیدار نہیں ہوں۔ واہگورو کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔ لے جاؤ اوئے انہیں۔ بند کر دو' حوالات میں"۔

" صرف میری ایک بات سن لیں نہیں تو ہو سکتا ہے بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔ یہ رشوت کی بات نہیں ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

اس پر سکھ تھانیدار بادل نخواستہ اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے پاس آکر بولا " بتاؤ اوئے کیا کہنا چاہتے ہو' تم؟"

میں نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر جب او کے۔ ۵ کا نمبر بولا تو اس پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ وہ اپنی جگہ یک لخت ہل کر رہ گیا۔ زمین پر زور سے پاؤں مار کر مجھے سیلیوٹ کیا۔ اسے سیلیوٹ کرتے دیکھ کر سپاہیوں کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ تھانیدار نے فوراً ہماری رہائی کا حکم دے دیا۔ دلی والا غنڈہ کرسی پر بیٹھا ہکا بکا کبھی میرا اور کبھی تھانیدار کا منہ تک رہا تھا۔ سکھ تھانیدار نے چلا کر کہا

" اس غنڈے کو پکڑ کر بند کر دو اوئے۔ یہ لوگوں پر جھوٹے مقدمے بنواتا ہے"۔

اس غنڈے کا تھانے میں کیا حشر ہوا' مجھے معلوم نہیں۔ کیونکہ میں اور کلثوم تھانے سے نکل کر ایک رکشے میں بیٹھے اور ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ کلثوم بے حد حیران تھی کہ میں نے تھانیدار کے کان میں ایسا کون سا طلسم پھونک دیا تھا کہ اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ اصل میں یہ سارے پولیس والے میرے اسمگلر دوست سے بھاری رشوتیں وصول کرتے ہیں۔ میں نے اس کا نام لے لیا تھا۔

جوں جوں دن گزر رہا تھا' کلثوم کا مسئلہ زیادہ گمبھیر ہو کر سامنے آرہا تھا۔ میں کسی اسمگلر کی مدد سے پاکستان کا باڈر کراس نہیں کرنے والا تھا۔ مجھے پاکستان میں ایک انتہائی اہم مشن پر بھیجا جا رہا تھا۔ مجھے انڈین ملٹری انٹیلی جنیس خود اپنے تحفظ میں باڈر کراس کروا رہا تھا۔ متعلقہ انڈین افسر کلثوم کے بارے میں ضرور پوچھیں گے اور اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

رات نو بجے ہم نے کھانا کھایا۔ کلثوم نے ساڑھی کی بجائے شلوار قمیص پہن لی تھی اور اپنا جسم سرمئی رنگ کی گرم چادر میں لپیٹ لیا تھا۔ رات کے سوا گیارہ بجے میں نے کلثوم کو ساتھ لیا۔ ایک ٹیکسی والے کو میں نے پہلے ہی کہہ رکھا تھا۔ وہ ہوٹل کے باہر میرے انتظار میں تھا۔ اٹاری' امرتسر سے پندرہ میل دور ہے اور کسی زمانے میں سکھ جاگیرداروں کا بہت بڑا قصبہ تھا۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ قصبہ باڈر پر آگیا' جس کی وجہ سے اس کی پہلے والی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ ٹیکسی جی ٹی روڈ پر اٹاری کی طرف رواں دواں تھی۔ اندھیرے میں سڑک کی دونوں جانب شیشم کے اونچے گھنے درخت خاموش کھڑے تھے۔ رات کافی سرد تھی۔ میں نے بھی وہی لباس پہن رکھا تھا جو کرنل نے میرے لئے بھجوایا تھا ٹیکسی والا سکھ تھا اور ہمارے شلوار قمیص والے لباس سے اس نے یہی اندازہ

لگایا تھا کہ ہم پاکستانی ہیں اور پاکستان جارہے ہیں مگر اس کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آدھی رات کو ہمارے باڈر کراس کرنے پر کچھ حیران سا ہے۔ میں نے اس کی حیرانی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ٹیکسی چھ ہرٹہ خاصہ اور گورو سرستانی کے ریلوے اسٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اب اٹاری کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ریلوے اسٹیشن ابھی تھوڑی دور تھا کہ میں نے ٹیکسی رکوالی۔ کرایہ ادا کیا اور ٹیکسی والے کو رخصت کر دیا۔ ہم شیشم کے درختوں کے نیچے اندھیرے میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے کلثوم سے کہا" میں آگے جا رہا ہوں۔ تمہیں جس طرح کہا ہے ویسے ہی کرنا"۔

کلثوم نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ بارہ بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ میرے پاس اب بریف کیس نہیں تھا۔ تمام آلات جاسوسی قمیص کے نیچے پہنی ہوئی صدری کی جیبوں میں تھے ہاتھ میں صرف رومال میں لپٹی ٹوپی تھی۔ میں کلثوم کو درختوں کے نیچے چھوڑ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف بڑھ گیا۔

ریلوے اسٹیشن چھوٹا سا تھا۔ رات کے وقت بالکل ویران پڑا تھا۔ محراب دار گیٹ کے وسط میں ایک بلب روشن تھا۔ میں کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بنے ہوئے اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ کوئی پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ جی ٹی روڈ پر درختوں میں کسی جگہ ایک جیپ رکنے کی آواز سنائی دی۔ اندھیرے کی وجہ سے مجھے جیپ نظر نہیں آرہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ جس شخص کو آنا تھا' وہ آگیا ہے۔ سڑک پر ایک کبڑا آدمی لاٹھی ٹیکتا آہستہ آہستہ چلتا میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے جسم پر چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ وضع قطع سے وہ کوئی بھکاری لگتا تھا۔ میرے قریب آکر اس نے لاٹھی ذرا سی اٹھا کر کہا" جو بولے سو نہال۔ ست سری اکال"۔ میں خاموش رہا۔ اس نے ہتھیلی پھیلا کر کہا" تھوڑا سا پام آئل دے دو۔ سر میں بڑی خشکی ہو گئی ہے مہاشہ جی!"

یہ وہی آدمی تھا جس کا مجھے انتظار تھا۔ اس نے" پام آئل" کا کوڈ بول دیا تھا۔ اب مجھے اسے کوڈ بتانا تھا۔ میں نے کہا" بابا! میرے پاس پام آئل تھا مگر نارومنی لے گیا۔ معاف کر دینا"۔

اس نے سڑک پر آہستہ سے لاٹھی مار کر کہا" اب اپنا نمبر بھی بتا دو مہاشے"۔

میں نے او کے ۔ ۵ دہرایا تو وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کبڑا نہیں تھا۔ لاٹھی درختوں کی طرف کر کے بولا" ہماری جیپ وہاں کھڑی ہے۔ میرے ساتھ چلو"۔

میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جیپ سڑک سے ذرا دور کچے راستے پر کھڑی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ کلثوم اس جگہ نہیں تھی' جہاں میں اسے چھوڑ گیا تھا۔ جیپ چھت والی تھی اور اس کے پیچھے بھی ترپال پڑی ہوئی تھی۔ جاسوس خود اسے ڈرائیو کر کے لایا تھا۔ جیپ کے پاس پہنچ کر جاسوس بولا" پیچھے بیٹھ جاؤ۔ ترپال گرائے رکھنا"۔

میں ترپال اٹھا کر جیپ میں داخل ہوا تو میری ہدایت کے مطابق کلثوم سیٹوں کے درمیان دبک

کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیپ آگے روانہ ہو گئی۔ یہ میں نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔ میں نے یہ تصور کر لیا تھا کہ مجھے جو کوئی بھی لینے آئے گا' جیپ یا گاڑی میں آئے گا اور یقیناً وہ اکیلا ہی ہو گا۔ کلثوم کو میں نے ہدایت کی تھی کہ جونہی کوئی گاڑی ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو اور اس میں سے کوئی مشکوک قسم کا آدمی نکلے تو وہ جلدی سے گاڑی میں چھپ کر بیٹھ جائے۔ میں نے ایک "رسک" لیا تھا جس میں کامیاب ہو گیا۔

ہماری جیپ کچھ دیر جی ٹی روڈ پر دوڑتی رہی پھر بائیں جانب کھیتوں کے درمیان کچی سڑک پر مڑ گئی اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ باہر کوئی فوجی بات کر رہا تھا۔ جیپ والے انڈین جاسوس نے کوئی خفیہ کوڈ لفظ بولا۔ سیلوٹ کی آواز آئی اور جیپ آگے روانہ ہو گئی۔ یہ کوئی فوجی چیک پوسٹ تھی۔ اس کا مطلب تھا باڈر کا ایریا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے کلثوم کے کاندھے کو ذرا سا دبایا اور سرگوشی کی "جیپ کے رکتے ہی اتر کر اندھیرے میں چھپ جانا"۔

اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیپ ہلکے ہلکے جھٹکے کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ جیپ کچے راستے کی بجائے کسی ہل چلائے ہوئے کھیت میں سے گزر رہی ہے' پھر ایک جگہ رک گئی میں نے جیپ کے رکنے سے پہلے ہی پچھلی طرف گری ہوئی ترپال اٹھا دی تھی۔ جیپ ابھی پورے طور پر رکی نہیں تھی کہ کلثوم نے باہر چھلانگ لگا دی۔ میں نے ترپال دوبارہ گرا دی۔ جیپ کے رکتے ہی میرا گائیڈ اگلی سیٹ سے اتر کر پیچھے آیا اور ترپال اٹھا کر بولا "آ جاؤ"۔... پھر ترپال کا کونہ اوپر اٹھا کر تعجب سے بولا "میں نے اس کا بکسوا بند کیا تھا۔ یہ کس نے کھول دیا؟"

میں نے جیپ سے باہر نکلتے ہوئے کہا "میں نے کھولا تھا۔ آخر مجھے باہر بھی تو نکلنا تھا"۔

اس نے آہستہ سے یوں سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو کہ تمہیں یہ حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ وہ ایک کھیت کے کنارے چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ظاہر ہے میرے پیچھے پیچھے مناسب فاصلے پر کلثوم بھی چلی آ رہی تھی۔ وہ اندھیرے میں تھی اور دو ایک بار گردن موڑ کر دیکھنے پر بھی مجھے دکھائی نہ دی۔ پگڈنڈی پر اگی ہوئی شبنمی گھاس سے میری شلوار کے پائینچے بھیگ گئے تھے۔ آگے جا کر کھیت ختم ہو گئے اور بنجر علاقہ شروع ہو گیا۔ باڈر ایریا تھا۔ میں اس قسم کے سرحدی علاقے سے خوب مانوس تھا۔ اگرچہ وہ علاقہ نہیں تھا جہاں سے کبھی میں کرونڈیئے اسمگلر کے ہمراہ باڈر کراس کیا کرتا تھا لیکن یہ اس سے ملحقہ علاقہ ہی تھا۔ اس وقت مجھے ایک ہی تشویش تھی کہ کہیں کلثوم ہمارا سراغ نہ کھو دے۔

کھلی جگہ پر سردی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ میرا ساتھی آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ وہ کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ میرے لئے بھی اس کی خاموشی ہی مفید تھی مجھے معلوم تھا کہ وہ خود باڈر کراس نہیں کرائے گا بلکہ کسی ایسے اسمگلر کے حوالے کرے گا جو بھارتی باڈر پولیس کے ساتھ ملے ہوتے ہیں اور

ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ میں اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر اندھیرے میں ایک کوٹھری نظر آئی۔ میرے گائیڈ نے مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے اندھیرے میں مڑ کر دیکھا۔ ایک انسانی سیاہ تاریکی میں سرکنڈوں کے پاس کھڑا تھا۔ یہ کلثوم تھی۔ وہ صورت حال کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ کر عمل کر رہی تھی۔ مجھے رکتا اور میرے گائیڈ کو کوٹھری کی طرف جاتے دیکھ کر وہ بھی رک گئی تھی۔ کوئی پانچ منٹ بعد جاسوس واپس آگیا۔ کہنے لگا "سامنے والی کوٹھری میں دو سکھ بیٹھے ہیں، انہیں تمہارے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ وہ تمہیں اپنی حفاظت میں باڈر کراس کرا کر پاکستان پہنچا دیں گے"۔ یہ کہہ کر وہ میرے جواب کا انتظار کیئے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

میں سرکنڈوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ مجھے کلثوم کا انتظار تھا اور اسے ساتھ لے کر اسمگلروں کی کوٹھری میں جانا چاہتا تھا۔ کلثوم میرے گائیڈ کو واپس جاتے دیکھ کر میرے قریب آگئی۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ میرے ساتھ رہے اور تھوڑی دیر کے لئے میری بیوی جوگندر بن جائے۔ یہ بات میری اسکیم میں شامل تھی مجھے معلوم تھا کہ بھارتی پنجاب میں سکھ عورتیں بھی شلوار قمیص پہنتی ہیں مجھے اسمگلروں کے لالچی مزاج کا بھی تجربہ تھا۔ چنانچہ میں نے ایک ہزار روپے کے نوٹ اپنے پاس رکھ لئے تھے۔

کلثوم نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "آپ جس طرح کہیں گے، ویسے ہی کروں گی"۔

میں نے اسے ہدایت کی کہ وہ زیادہ بات نہ کرے۔ خاموش رہے بات میں کروں گا۔ کلثوم کا معاملہ میں بھارتی انٹیلی جینس والوں کے سامنے پیش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا، جبکہ اسمگلروں کو روپے کا لالچ دے کر راضی کر سکتا تھا۔ خطرہ اس میں بھی تھا لیکن اس خطرے سے میں نمٹ سکتا تھا۔ میں کلثوم کو ساتھ لے کر کوٹھری کی طرف بڑھ گیا۔

یہ ایک کچا سا کوٹھا تھا جس کا دروازہ نیم وا تھا۔ اندر لیمپ کی روشنی پھیلی تھی۔ میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دے کر کہا "میں کرنل منی ہوں"۔ میرا فوجی گائیڈ اندر بیٹھے اسمگلروں کو میرے بارے میں یہی نام بتا کر گیا تھا۔

اندر سے آواز آئی "آجاؤ جوان"۔

میں کلثوم کو لے کر کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ باہر ٹھنڈ تھی مگر کوٹھری کا ماحول نیم گرم تھا۔ فضا میں دیسی دارو کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ دو موٹے تازے سکھ آمنے سامنے چارپائیوں پر کھیس اوڑھے بیٹھے تھے۔ درمیان میں کھوکھے پر تانبے کے گلاس پڑے تھے۔ ایک لیمپ جل رہا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ کلثوم کو دیکھا تو اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ ایک پہلوان قسم کے سکھ نے اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے پنجابی میں کہا "کرنل صاحب! ایہوں دی سمگل کرنا اے؟"

"یہ میری بیوی جوگندر کور ہے۔ دو دن ہوئے جالندھر سے ہمارے سکھ بھائیوں کا ایک جتھہ پاکستان ننکانہ صاحب کی یاترا کے لئے گیا تھا۔ میری بیوی جوگندر کور کا نام بھی اس جتھے میں شامل تھا مگر عین وقت پر یہ پیچھے رہ گئی اور ریلوے اسٹیشن پر نہ پہنچ سکی۔ اب یہ اسی دن سے امرتسر میں بیٹھی رو رہی تھی کہ مجھے ننکانہ صاحب لے چلو' چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ اسے لاہور سے ننکانہ صاحب والی گاڑی میں بٹھادوں گا' یہ خود ہی جتھے کے ساتھ واپس امرتسر آ جائے گی"۔

میں نے اتنی تیزی سے یہ من گھڑت کہانی سنائی کہ سکھ میرا منہ تکتے رہ گئے۔ دوسرا سکھ بولا" لیکن کرنل صاحب! ہمیں تو صرف آپ کو باڈر کراس کروانے کے لئے کہا گیا ہے۔ آپ کی بیوی کو نہیں"۔

میں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا" مجھے معلوم ہے مگر میں آپ کی خدمت کر دوں گا"۔ میں نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر سکھ کے آگے رکھ دیئے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر پہلوان سکھ بولا" یہ روپے کم ہیں۔ ہمیں دوگنا خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

"تم مجھے کوئی سودا دے دو۔ میں پاکستان جا کر تمہارے کسی آدمی کو پہنچا دوں گا۔ تمہاری رقم وہاں محفوظ ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

میں خوب جانتا تھا کہ یہ اسمگلر ایسا ہی کام کرتے ہیں۔ اگر خود پھیرا نہ لگائیں تو مال کسی آنے جانے کے ہاتھ بھیج دیتے ہیں اور پھر کسی روز خود جا کر رقم وصول کر لیتے ہیں۔ یوں وہ باڈر کراس کرنے کے خطرے سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ یہ بات پہلوان سکھ کی عقل میں آ گئی۔ اس نے مونچھیں مروڑ کر کہا" ٹھیک ہے جوان۔ ہمارا مال لے جا کر ریلوے اسٹیشن کے پاس برکت ہوٹل والے کو دے دینا"۔ اس نے اٹھ کر الماری میں سے پلاسٹک کا ایک تھیلا نکالا جس میں کپڑے کی دو تھیلیاں بند تھیں۔ "ان میں کستوری اور زعفران ہے"۔ پھر اس نے مجھے برکت ہوٹل والے کا پتہ بتا دیا۔ کلثوم چادر میں منہ سر ڈھانپے خاموشی سے میرے ساتھ چارپائی پر بیٹھی تھی۔ میں نے پلاسٹک کا تھیلا اپنے پاس رکھ لیا اور انہیں یقین دلایا کہ ان کی امانت بحفاظت پہنچا دی جائے گی۔

یہ اسمگلر ویسے بھی کسی حد تک مجھ سے دبے ہوئے تھے۔ کیونکہ میں انٹیلی جنیس کا آدمی تھا اور فوج کا خفیہ محکمہ مجھے ان کی وساطت سے خود پاکستان اسمگل کروا رہا تھا۔ ایک سکھ تو وہیں بیٹھا رہا۔ دوسرا پہلوان ٹائپ کا سکھ میرے وہاں پہنچنے کے کوئی نصف گھنٹے بعد اٹھا اور مجھے اور کلثوم کو ساتھ لے کر باڈر پار کروانے چل پڑا۔

ہمارے چاروں طرف ہو کا سا عالم طاری تھا۔ راستے میں کہیں کھیت آ جاتے اور کہیں ویرانہ شروع ہو جاتا۔ اس علاقے سے میں نے پہلے کبھی باڈر کراس نہیں کیا تھا۔ پہلوان سکھ آگے آگے چل

رہا تھا ایک جگہ وہ میری طرف دیکھ کر بولا "کرنل صاحب تم اتنی چھوٹی عمر میں کرنل کیسے بن گئے؟ پھر تم نے مسلمانوں والی شکل بنا رکھی ہے "۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود ہی چلتے چلتے تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا "معاف کرنا مہاراج ۔ یہ تمہارا سرکاری معاملہ ہے "۔

میں پھر بھی خاموش رہا۔

ہم ایک خشک نالے میں سے گزر کر اوپر آئے تو سامنے درختوں میں دو چار ابھری ہوئی ڈھیریاں سی دکھائی دیں۔ اسمگلر سکھ رک گیا اور ڈھیریوں کی طرف اشارہ کر کے بولا ۔ "یہ اپنی فوج کے مورچے ہیں یہ لوگ مجھے جانتے ہیں۔ انہیں تمہاری اطلاع مل چکی ہے۔ میں جا کر ان سے بات کرتا ہوں۔ کیونکہ آگے پاکستان کا باڈر ہے "۔ وہ جھک کر چلتا ہوا ایک مورچے کی طرف بڑھ گیا۔

کلثوم میرے قریب کھڑی ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا جسم کانپ رہا ہے ۔ یہ سردی کی وجہ سے نہیں بلکہ موت کے خوف کی وجہ سے تھا۔ کلثوم نے مجھ سے پوچھا کہ اس اسمگلر نے یہ کیوں کہا تھا' یہ ایک سرکاری معاملہ ہے؟ میں نے کلثوم کو اپنے بارے میں نہ حقیقت بتائی تھی اور نہ ہی بتانا چاہتا تھا۔ سکھ اسمگلر کی حماقت کے باعث اس پر کسی حد تک بات کھل گئی تھی۔ میں نے فوراً یہ کہہ کر اس کا ذہن صاف کر دیا کہ یہ اسمگلر انڈین فوجیوں اور انڈین ملٹری انٹیلی جینس سے بھی ملے ہوتے ہیں۔ میں نے انڈین انٹیلی جینس والوں کو بھی رشوت دے کر رکھی ہے۔ کلثوم خاموش ہو گئی۔ چند لمحے بعد پہلوان سکھ اسمگلر جھکا جھکا واپس آیا اور بولا "مورچے کے بائیں جانب پندرہ فٹ کے فاصلے پر جا کر زمین پر بیٹھ جانا۔ بس۔ باقی کام وہاں کا حوالدار 'گنگا پرشاد خود کرے گا"۔ یہ کہہ کر وہ سکھ اسمگلر واپس چلا گیا۔

میں نے کلثوم کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا مورچے سے ذرا ہٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ یہاں زمین پر سخت گھاس اگی ہوئی تھی جو شبنم میں گیلے کانٹوں کی طرح لگ رہی تھی۔ اسمگلر کی ہدایت کے مطابق میں 'کلثوم کے ساتھ بھارتی مورچے سے کوئی پندرہ فٹ دور ہو کر بیٹھ گیا۔ چاروں طرف موت کا سا سناٹا تھا۔ مورچے کی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ دور کسی جیپ کے گزرنے کی آواز سنائی دی۔ یہ پاکستان یا انڈیا کی گشتی پارٹی تھی جو رات کے وقت سرحد کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی۔ جب یہ آواز دور جا کر غائب ہو گئی تو مجھے مورچے میں سے ایک انسانی سایہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ حوالدار گنگا پرشاد تھا۔ اس نے کھلتے ہوئے سبز رنگ کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے کاندھے سے رائفل لٹک رہی تھی۔ قریب آ کر وہ بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ اندھیرے میں اس کی پیازی آنکھیں کسی خونخوار بلے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ "کرنل صاحب۔ راستہ صاف ہے۔ پٹرول پارٹی دور نکل چکی ہے۔ سامنے جو آدھے فرلانگ کا میدان ہے اسے بھاگ کر

پار کر جاؤ آگے پاکستان شروع ہو جائے گا۔ ایک اونچا ٹیلہ آئے گا اس کے ساتھ خشک دریا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ تمہیں بریکے روڈ ...."

وہ بات کرتے کرتے اچانک رک گیا۔ اس نے گردن ایک طرف کر کے میرے پیچھے گٹھری بنی بیٹھی کلثوم کی طرف دیکھ کر پوچھا" یہ کون ہے؟"

میرا خیال تھا کہ سکھ اسمگلر نے کلثوم کے بارے میں اسے بتایا ہو گا' مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ جب میں نے حوالدار گنگا پرشاد کو بتایا کہ یہ میری بیوی جوگندر کور ہے اور ننکانہ صاحب والے جتھے سے رہ گئی ہے۔ یہ جتھے کے ساتھ اپنے آپ واپس آجائے گی۔ حوالدار کی گردن تن گئی "ہمیں دو آدمیوں کو نہیں ایک آدمی کو باؤر کراس کرانے کا آرڈر ملا ہے۔ ہمیں صوبیدار صاحب کو رپورٹ کرنی پڑے گی"۔

صوبیدار کو رپورٹ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میرا راز طشت از بام ہو جائے گا۔ سارے کیئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور میں الگ گرفتار ہو جاتا۔ میں نے تھیلا رکھ کر دبی زبان میں حوالدار سے کہا کہ اس میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا تو وہ بولا" ہمیں صوبیدار صاحب کو رپورٹ کرنی پڑے گی۔ ہم رپورٹ کرنے جاتا ہے' تم ادھر ہی ٹھہرے گا"۔

وہ ہریانے کا جانگلی تھا۔ فوراً اپنے صوبیدار کو رپورٹ کرنے کے لئے مڑا۔ مورچہ وہاں سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر تھا مگر ہماری طرف مورچے کی پشت تھی اور وہاں گہری خاموشی اور اندھیرا تھا۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ جونہی حوالدار گھوما' میں اپنی جگہ سے بغیر آواز کے اچھلا اور دوسرے ہی لمحے حوالدار زمین پر گرا ہوا تھا اور اس کی گردن میرے آہنی شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ صرف ایک بار خرخر کی آواز آئی۔ اس نے میری گرفت سے نکلنے کے لئے اپنے جسم کو پوری طاقت سے اچھالا لیکن اس کی گردن میری گرفت سے نہ نکل سکی۔ دوسرے ہی لمحے وہ بے جان ہو چکا تھا۔ کلثوم تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں نے حوالدار کی لاش پیچھے گھسیٹ لی اور کلثوم کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

حوالدار کی رائفل میرے کاندھے سے لٹک رہی تھی اور میں اسے جھک کر اندھیرے میں گھسیٹتا نصف فرلانگ کا باؤر ایریا کراس کر رہا تھا۔ کلثوم میرے پیچھے تیز تیز دوڑ رہی تھی۔ میں جتنی تیزی سے چل سکتا تھا لاش لے کر وہاں سے نکل گیا۔ دوسری جانب سفید رنگ کی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ پاکستانی باؤر کی لکیر تھی۔ ہم پاکستان کا باؤر کراس کر گئے۔

سامنے ٹیلا آگیا تھا۔ اس کے پہلو میں دریا تھا جس کا پاٹ خشک تھا یہ راوی تھا۔ میں حوالدار کی لاش گھسیٹتے ہوئے تھک گیا تھا۔ یہاں کہیں نہ کہیں پاکستانی مورچے بھی ہو سکتے تھے۔ مگر مجھے ایسی جگہ سے سرحد پار کرائی گئی تھی جو پاکستانی باؤر فورس کے دو مورچوں کے درمیان واقع تھی۔ دریا میں' ٹیلے کے سائے میں' کنارے کنارے سرکنڈے اگے ہوئے تھے۔ لاش کو کافی آگے نلے جا کر میں

ریت پر لیٹ گیا۔ کلثوم بھی میرے پاس ہی سمٹ کر بیٹھ گئی اور بولی "یہ آپ نے کیا کیا؟ اس لاش کو کہاں لے جائیں گے"۔

میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر حوالدار کی رائفل سے سرکنڈوں کے قریب ہی دریا کی گیلی اور نرم ریتلی زمین کھود کر ایک گڑھا بنایا اور لاش اس میں ڈال کر ریت سے گڑھا پُر کر دیا۔ میں حوالدار کی لاش کو بھارتی باڈر کے ایریا میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اس کی کمپنی کے آدمیوں کو اس کی لاش مل جاتی اور مورچے میں سب اسی نتیجے پر پہنچتے کہ اسے میں نے ہلاک کیا ہے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہوتی۔ چنانچہ میں نے لاش کو پاکستانی علاقے میں دفن کر دیا۔ جب دریا میں پانی آئے گا تو لاش بہہ کر آگے نکل جائے گی، اگر جنگلی درندوں نے لاش کو باہر بھی کھینچ لیا تو بھی پاکستانی باڈر فورس والے یہی سمجھیں گے کہ یہ انڈین حوالدار غیر قانونی طور پر پاکستانی سرحد میں داخل ہو گیا تھا کہ کسی وجہ سے مارا گیا۔

میں نے کلثوم کو ساتھ لیا اور دریا کے اونچے کنارے کی اوٹ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی۔ آسمان کے مشرقی کناروں پر نیلی روشنی کا غبار ابھرنا شروع ہو گیا تھا۔ گویا رات ڈھل رہی تھی اور پو پھٹنے والی تھی۔ میرے ایک ہاتھ میں زعفران اور کستوری والا تھیلا تھا۔ اپنی قراقلی ٹوپی میں نے بغل میں دبا رکھی تھی۔ جب ہم کافی آگے جاکر دریا کے خشک پاٹ سے نکل کر کنارے کے سرکنڈوں میں پہنچے تو میں نے ٹوپی پہن لی۔ اب ہم پاکستان کی سرزمین میں تھے۔ میں نے کلثوم کو بھی تسلی دی کہ ہم اپنے وطن عزیز میں پہنچ چکے ہیں 'مگر وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی اور اس سے بات نہیں ہو رہی تھی'۔ ہندو حوالدار کے کہنے کے مطابق آگے جو کچی سڑک شروع ہوئی تھی' وہ لاہور چھاؤنی کی طرف جاتی تھی۔ ایک جانب سے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میں نے کلثوم کو سرکنڈوں کی اوٹ میں کھینچ لیا۔ ایک فوجی ٹرک گرد کے بادل اڑاتا ہمارے قریب سے گزر گیا۔

دفعتاً دور کسی گاؤں کی مسجد سے صبح کی اذان بلند ہوئی۔ میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کلثوم قبلہ رو ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔ میں نے اسے اٹھانا چاہا تو وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اسے اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے 'جن کی لاشیں بنگلہ دیش کے کسی نالے میں پھینک دی گئی تھیں۔

ہندو حوالدار نے ٹھیک کہا تھا۔ کچھ دور مغرب کی طرف چلنے کے بعد ہم کچی سڑک پر نکل آئے۔ میں نے اس سڑک کو پہچان لیا۔ دونوں جانب شیشم کے درخت تھے۔ دو منزلہ بس ہمارے قریب سے ہو کر باڈر والے آخری اسٹاپ کی طرف چلی گئی۔ ایک چھکڑا لاہور کی طرف جا رہا تھا جس پر گو بھی لدی ہوئی تھی۔ کلثوم نے کہا کہ وہ تھک گئی ہے۔ وہ ایک جگہ درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ میں دو منزلہ بس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن بس کے آنے سے پہلے سڑک پر دن کی دھندلی روشنی میں ایک خالی چھکڑا آ گیا۔ میں نے اسے روک لیا۔ وہ ریلوے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا' میں نے اسے بیس

روپے دیئے اور کلثوم کے ساتھ چھکڑے میں بیٹھ گیا۔ میں نے چھکڑے والے سے سقوط ڈھاکہ کے بارے میں بات کی تو وہ پھٹ پڑا "ہمیں تو لیڈروں نے مروا دیا' ورنہ ہماری فوج بہادری سے لڑی ہے"۔

سقوط ڈھاکہ کا زخم تازہ تازہ تھا۔ چھکڑے والے پاکستانی کے دل کا درد سارے پاکستان کے دل کا درد تھا۔ اس محنت کش کی آواز ساری قوم کی آواز اور ساری قوم کا رد عمل تھا۔ جوں جوں چھکڑا شہر کی فضاؤں میں داخل ہو رہا تھا اور دن نکل رہا تھا' رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ لاہور کی فضا مجھے بجھی بجھی سی اور اداس لگی اس کی وجہ ظاہر تھی۔

چھکڑا لاہور ریلوے اسٹیشن کے علامہ اقبال روڈ والے ایک اڈے پر رک گیا۔ یہاں پہلے سے ہی بہت سے خالی چھکڑے کھڑے تھے۔ میں نے کلثوم کو سہارا دے کر اتارا۔ ایک لمبی مدت کے بعد میں اپنے شہر لاہور آیا تھا۔ میرا حلیہ یہ تھا کہ میری فرنچ کٹ داڑھی تھی تو سر پر جناح کیپ اور پاؤں میں پشاوری چپل تھی۔ شلوار قمیص پر میل خورے رنگ کی چادر لی ہوئی تھی۔ میں شکل و صورت سے ایک مدبر قسم کا اسکول ٹیچر لگ رہا تھا۔ میں نے آپ کو اپنے ماں باپ کے بارے میں پہلے بھی نہیں بتایا تھا اور اب بھی نہیں بتاؤں گا۔ میں اس بات کا تذکرہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں اپنی موت کی مہم سے واپس لاہور آ کر اپنے گھر والوں سے ملا یا نہیں۔ تاہم لاہور کی فضا میں مجھے ایک طرح کی اپنائیت اور سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ کلثوم کے چہرے سے بھی اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ میں اسے اس کے ماں باپ کے گھر فیصل آباد لے جانا چاہتا تھا کہ اس نے کہا "یہاں لاہور کے دھن پورے میں میری ایک خالہ کا گھر ہے۔ مجھے وہاں پہنچا دو"۔

کلثوم کی خالہ کا گھر دھن پورے کی ایک تنگ گلی میں تھا۔ کلثوم کو دیکھ کر پہلے تو اس کی خالہ سکتے میں رہ گئی۔ پھر چیخ مار کر اسے گلے لگا لیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ ڈھاکہ میں سب لوگ شہید ہو گئے ہیں تو گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔ میں اس چیخ و پکار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے کھسک آیا۔ بہرحال اتنا ضرور بتا دینا چاہوں گا کہ وہاں سے میں اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں کو اپنے بارے میں کیا بتایا' دوستوں کے آگے کیا کہانی بیان کی' فرنچ کٹ داڑھی مونچھ کا کیا جواز پیش کیا؟ یہ نہیں بتاؤں گا۔ میں صرف دو دن اپنے گھر والوں کے پاس رہا اور پھر ایک رات کراچی جانے کا بہانہ کر کے انٹرنیشنل ہوٹل میں اٹھ آیا۔ ایک غم بری طرح کھائے جا رہا تھا۔ مجھے انڈین جاسوس کے بھیس میں' لاہور میں کتابوں کی ایک دکان کھلوا کر دی جانے والی تھی اور لاہور میں میرے والدین اور دوست احباب بھی تھے۔ یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ میں لاہور میں کوئی کاروبار کروں اور میرے جان پہچان والے مجھے ملنے نہ آئیں۔ وہ ضرور مجھ سے ملنے آئیں گے اور جو بھارتی جاسوس میری نگرانی پر مامور ہو گا اسے علم ہو جائے گا کہ میں اصل میں کون ہوں۔ میں کرنل گورمیت سنگھ سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ مجھے لاہور میں رہنا پسند نہیں۔ کیونکہ میری پسند ناپسند کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ اب لاہور پہنچ کر میں اس انتظار میں تھا کہ

جاسوس مجھ سے ملے اور میں اس سے یہ بہانہ کروں کہ لاہور کا پانی مجھے موافق نہیں اس لئے مجھے پنڈی میں دکان کھلوا دی جائے ۔

میرے پاس بڑی خطرناک اہمیت کی اشیاء تھیں ۔ میں نے کوڈ بک ٹرانسمیٹر اور دی ۔ ٹو گولیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر بنیان کے نیچے اپنی کمر کے گرد باندھ رکھی تھیں ۔ لیکن رات کو ہوٹل کے کمرے میں لیٹے لیٹے مجھے خیال آیا کہ کم از کم زہریلا سگار ضرور اپنی جیب میں نکال کر رکھ لینا چاہیئے ۔ کسی وقت بھی کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پاکستان میں اور خاص طور پر لاہور میں بھارت کے کتنے جاسوس ہیں اور کون کون میری نگرانی کر رہا ہے ۔ اگر انہیں کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میں حقیقت میں لاہور کا باشندہ ہوں اور پاکستانی مسلمان ہوں تو وہ مجھے ہلاک کرنے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کریں گے ۔ چنانچہ میں نے ایک سگار نکال کر جیب میں رکھ لیا ۔ مجھے یہ سوچ کر ہنسی آئی کہ میں پاکستان میں بھارتی جاسوس کی حیثیت سے داخل ہوا ہوں ۔ بظاہر میں بڑا خطرناک اور اہم ترین بھارتی جاسوس تھا لیکن حقیقت میں مجھے پاکستانی انٹیلی جنیس کے سربراہ یا اس ادارے کے کسی ذمے دار رکن سے خفیہ طور پر مل کر پاکستان میں مصروف عمل بھاری جاسوس کے بارے میں معلومات فراہم کرنا تھی تاکہ پاکستان دشمن عناصر کا قلع قمع ہو سکے ۔

پاکستان میں بھارت کے کئی جاسوس کام کر رہے تھے لیکن مجھے انڈین انٹیلی جنیس کی طرف سے بھارت کے ماسٹر اسپائی جگدیش سے ملنے کی ہدایت کی گئی تھی جو گزشتہ دس سال سے فیصل آباد میں ماسٹر فیروز دین کے نام سے گھڑی سازی کی دکان چلا رہا تھا ۔ اس کی گرفتاری کے بعد پولیس اس سے دوسرے بھارتی جاسوسوں کی نشان دہی کروا سکتی تھی ۔ مگر میں اس جاسوس کو اس قسم کے حالات پیدا کر کے پکڑوانا چاہتا تھا کہ انڈین انٹیلی جنیس کو مجھ پر ذرا سا بھی شک نہ ہو ۔ بلکہ میں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ میں بھی پکڑا جاؤں اور بعد میں پاکستانی پولیس کے تعاون سے فرار ہو جاؤں ۔ یہ کام پیچیدہ اور غور طلب تھا علاوہ ازیں مجھے پاکستان میں ایسے عناصر سے بھی متعلقہ محکمے کو خبردار کرنا تھا ' جنہیں بھارتی حکومت اپنے جاسوسوں کے ذریعے ملک دشمن لٹریچر اور روپیہ پیسہ فراہم کر رہی تھی ۔ یقیناً یہ وہ ہندو عناصر تھے جو سندھ میں پاکستانی بن کر کاروبار کر رہے تھے ۔ جن چار سیاستدانوں کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ پہلے پاکستان سے علیحدگی کی تحریک میں پیش پیش تھے لیکن اب پاکستان کا استحکام اور یکجہتی کی باتیں کرنے لگے تھے اور جنہیں مجھے دی ۔ ٹو گولیاں کھلانی تھیں ان کے بارے میں میں طے کر چکا تھا کہ ان کے قریب ضرور پہنچوں گا مگر انہیں خیالات الٹ دینے والی گولیاں نہیں کھلاؤں گا ۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا ۔ اگر انڈین انٹیلی جنیس نے مجھ سے پوچھا کہ پاکستانی سیاستدان پاکستان سے علیحدگی کی بات کیوں نہیں کر رہے ہے تو کہہ دوں گا کہ میں نے چاروں کو گولیاں کھلا دی ہیں ہو سکتا ہے دی ۔ ٹو گولیوں میں کوئی اثر نہ رہا ہو ۔

یہ میرے خیالات اور عزائم تھے۔ آگے جو کچھ ہونے والا تھا۔ جس قسم کے واقعات پیش آنے والے تھے' ان سے بے خبر تھا اور میں ان سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ کیونکہ یہ میرے ملک پاکستان کی سالمیت کا سوال تھا اور اس کے لئے میں اپنی جان ہی قربان نہیں کر سکتا تھا بلکہ دوسروں کی جانیں بھی لے سکتا تھا۔

ہوٹل انٹرنیشنل میں مجھے تیسرا روز تھا کہ میں دوپہر کا کھانا کھا کر سگریٹ خریدنے نیچے لابی میں آیا۔ سگریٹ کا ایک پیکٹ خریدا۔ ایک سگریٹ سلگایا اور مال روڈ پر نکل آیا۔ گلابی جاڑے کا موسم تھا۔ بڑی خوشگوار فضا تھی۔ آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ میں سگریٹ کا لطف اٹھاتا' نہر کے پل پر سے اتر کر کنارے کنارے باغبان پورہ کی جانب چل دیا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی بھارتی جاسوس میری نگرانی کر رہا ہے۔ چنانچہ بہت جلد اس ذات شریف سے ملاقات ہو گئی۔ ابھی میاں میر صاحب والا نہر کا پل کافی دور تھا کہ بائیں جانب کے درختوں میں سے ایک مجذوب سا دبلا پتلا آدمی نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ اس کے گلے میں رنگ برنگ منکوں کی مالائیں تھیں۔ داڑھی لمبی تھی۔ وہ میرے پہلو میں آہستہ آہستہ دھمال ڈالتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس نے رقص کرتے ہوئے میری طرف گردن جھکا کر "پام آئل" کہا تو میں رک گیا اور آہستہ سے بولا "مشن پام آئل ناردمنی"۔

میرے ہونٹوں سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ مجذوب نے رقص کرتے ہوئے میرے گرد ایک چکر لگایا اور بولا "بیٹا یہاں بیٹھ جاؤ۔ تم بڑے خوش قسمت ہو۔ ہم تمہارا ہاتھ دیکھیں گے"۔

ایک کار ہمارے قریب سے گزر گئی۔ تین آدمی جو مالی لگتے تھے بھارتی جاسوس کو مجذوب سمجھ کر ہمارے قریب آ کر رک گئے = بھارتی جاسوس نے مجذوبوں کی طرح اینٹ اٹھالی اور یا ہو حق کا نعرہ لگا کر کہا "بھاگ جاؤ' نہیں تو جلا ڈالوں گا"۔

وہ تینوں بھاگ گئے تو بھارتی جاسوس مجھے لیکر نہر کے کنارے گھاس پر مور پنکھ کے پودے کے پاس بیٹھ گیا اور میرا ہاتھ دیکھتے ہوئے بولا۔ "کرنل منی! نئے حکم کے مطابق تمہیں کل دن کے دس بجے راولپنڈی پہنچ کر رپورٹ کرنی ہوگی۔ راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں تمہیں چائے کے ایک اسٹال پر ایک آدمی چائے پیتا ملے گا۔ اس کے گلے میں سرخ رومال بندھا ہوگا۔ تمہیں اگلا پروگرام وہی بتائے گا"۔ اتنا کہہ کر وہ یا ہو یا حق کا نعرہ لگاتا ہوا اٹھا اور دھمال ڈالتا سڑک سے اتر کر درختوں کی طرف چلا گیا۔

میں واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔ اگلے روز دس بجے مجھے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر موجود ہونا تھا۔ میں رات کی بس پکڑ کر بھی صبح راولپنڈی پہنچ سکتا تھا۔ اس نئے آرڈر سے مجھے یک گونہ اطمینان ہوا کہ میرا دائرہ کار لاہور کی بجائے راولپنڈی متعین کیا جا رہا ہے جہاں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ وقت ضائع کرنے کی بجائے میں نے بریف کیس اٹھایا۔ ہوٹل کا بل ادا کیا اور سیدھا ریلوے اسٹیشن پر آ گیا۔ یہاں

سے ایک ویگن پکڑی اور راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کے ساڑھے نو بجے راولپنڈی پہنچ کر صدر کے ایک ہوٹل میں ایک کمرہ لیا۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا اور سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ لاہور کے مقابلے میں راولپنڈی کا موسم فروری کے آخر میں بھی سرد تھا۔ ناشتہ کر کے میں اخبار لے کر کمرے کے باہر دھوپ میں کرسی پر بیٹھ گیا اور دس بجے کا انتظار کرنے لگا۔ ہوٹل سے ریلوے اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ ٹھیک پونے دس بجے میں نے ہوٹل سے نکل کر تانگہ لیا اور اسٹیشن پر تھرڈ کلاس ویٹنگ روم کے باہر جا کر اتر گیا۔ ویٹنگ روم میں کچھ مسافر ایک دوسرے سے بیزار بیزار بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر طویل انتظار کی بوریت تھی۔ میری نظریں ٹی اسٹال کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں دوسرے مسافر کھڑے چائے پی رہے تھے مگر ان میں ایسا کوئی نہیں تھا جس کی گردن میں لال رومال پڑا ہو۔

میں نے سگریٹ سلگایا اور ایک بینچ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ ابھی دن کے دس بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔ ٹھیک دس بجے میں نے ایک پختہ عمر کے بھاری بھرکم آدمی کو دیکھا کہ شلوار قمیص پر گرم چادر اوڑھے ہوئے ہے۔ ہاتھ میں تھیلا ہے۔ ویٹنگ روم کے تانگہ اسٹینڈ والے دروازے سے گزر کر ٹی اسٹال پر آیا اور چائے کا آرڈر دیا۔ میں نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔

چند لمحے وہ اسٹال والے کی طرف منہ کر کے خاموش کھڑا رہا... پھر اس نے آہستہ سے گردن گھما کر ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے مسافروں کا جائزہ لیا۔ یہ وہی بھارتی جاسوس تھا جس سے ملنے کے لئے مجھے ہدایت کی گئی تھی۔ یقیناً اسے بھی میرا حلیہ بتا دیا گیا تھا۔ ایک پل کے لئے اس کی نگاہیں مجھ پر رکیں پھر اس نے منہ پھیر لیا اور کپ ہونٹوں کے قریب لے جا کر اطمینان سے چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

وہ مجھے ہندو معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے خدوخال پوٹھوہار کے مسلمانوں جیسے نہیں تھے۔ رنگ سانولا تھا اور سر کے کھچڑی بالوں میں سفیدی جھلک رہی تھی وہ مجھے ہریانے کا ہندو لگ رہا تھا۔

ٹی اسٹال پر دوسرے گاہک بھی کھڑے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ لوگ کم ہوں تو جا کر اسے اپنی شناخت بتا دوں اور اس کی شناخت طلب کروں۔ وہ بھی شاید اسی انتظار میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کن انکھیوں سے مجھے دیکھ لیتا تھا۔ میرے بینچ کے دوسرے کونے پر ایک ریلوے قلی بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ریل کی سیٹی سنائی دی۔ قلی اٹھ کر گیٹ کی طرف دوڑا بینچ میرے سوا خالی تھا۔

بھارتی جاسوس ٹی اسٹال سے ہٹ کر فرش پر بیٹھے مسافروں کی ٹولیوں کا چکر کاٹ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا میرے قریب آیا اور بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی۔ ایک سگریٹ سلگایا اور میری طرف ذرا سا جھک کر بولا۔ "مولوی صاحب کیا ٹائم ہوا ہے؟"

میری فرنچ داڑھی مونچھ کی وجہ سے اس نے مجھے مولوی صاحب کہہ کر پکارا تھا۔ میں نے کلائی پر وقت دیکھ کر بتایا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا... پھر اس نے ذرا سا قریب کھسکتے ہوئے پوچھا کہ حویلیاں جانے والی گاڑی کب روانہ ہو گی؟ میں نے کہا ''مجھے معلوم نہیں''۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں، مولوی صاحب؟'' اس نے سوال کیا۔

''پشاور جاؤں گا۔'' میں نے جواب میں کہا۔ نہ تو میں اس سے شناختی کوڈ پوچھ رہا تھا اور نہ ہی اس نے اس ضمن میں کوئی قدم بڑھایا تھا۔ پانچ سات منٹ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے پوچھا کہ میں کون سا تیل سر میں ڈالتا ہوں؟ میں نے آہستہ سے کہا ''پام آئل''۔

وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے تھیلے میں سے اخبار نکال کر کھولا اور اس پر نظریں جما دیں۔ ''تمہارا مشن کون سا ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔

''کرنل نارو۔'' میں نے آگے کا لفظ نہیں بولا اور اس کی شناخت کے لئے اس کی طرف دیکھا۔ تو وہ بولا ''کرنل نارومنی...''

بات کھل کر سامنے آ گئی تھی ہم دونوں ایک دوسرے کو شناخت کر چکے تھے۔ اس کی آنکھیں ابھی تک اخبار پر تھیں۔ وہ مجھے دھیمی آواز میں اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر اٹھا اور ویٹنگ روم کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

پنڈی ریلوے اسٹیشن کی عمارت سے نکل کر وہ دائیں جانب درختوں میں گھری ہوئی ویران سی سڑک پر چل پڑا۔ میں کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ آگے ایک گراؤنڈ آ گیا۔ سڑک کے ساتھ گارڈینیا کی باڑ تھی۔ اس کے پیچھے ایک پتھر کی بینچ تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ یہ جگہ سنسان تھی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اس نے اپنے تھیلے میں سے پرانے اخبار کا ایک ٹکڑا نکال کر مجھے دکھایا۔ اس پر پاکستان کے ایک ایسے سیاست دان کی تصویر چھپی ہوئی تھی جو ہر حکومت کے خلاف بیان دینے کا عادی تھا۔ میں اس کی صورت اور نام سے واقف تھا۔ میں یہاں اس کا اصلی نام نہیں لکھوں گا۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ اس کا نام قطب دین ہے۔ میرے ساتھی نے مجھ سے اس سیاست دان کا تعارف کرواتے ہوئے اس کا اصلی نام بتایا اور کہا کہ اس سیاست دان کو ہم خرید نہیں سکے لیکن ہم کچھ عرصہ قبل اسے اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعے دی۔ ٹو گولی کھلانے میں کامیاب ہو گئے تھے جس کے بعد اس نے حکومت کے خلاف زبردست بیان دینے شروع کر دیئے یہ سیاست دان ملک کی سلامتی کا خواہاں ہے اور اپنے صوبے کو الگ نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال ہم اس بات سے ہی مطمئن تھے کہ یہ حکومت کے خلاف بیان دیتا ہے، لیکن کچھ دنوں سے اس نے ایک بار پھر حکومت کے حق میں بیان دینے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ سیاست دان ایک ایسے صوبے سے تعلق رکھتا ہے جہاں کے حالات بڑے نازک ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ صوبہ الگ ہو کر بھارت میں شامل ہونے کا اعلان کر دے۔ یہ

سیاست دان آج کل اسلام آباد آیا ہوا ہے۔ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ ایک عالم دین کی شکل میں اس سیاست دان کا قرب حاصل کرو کیونکہ یہ سیاست دان بہت دین دار آدمی ہے اور پیری فقیری کے چکروں میں بہت جلد پھنس جاتا ہے۔ اسی لئے اس مشن کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے' کیونکہ جن چار سیاست دانوں کو ہم اینی وی۔ ٹوگولیوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں وہ سب کے سب توہمات کا شکار ہیں اور تم انہیں آسانی سے اپنے قابو میں کر سکتے ہو۔

میں خاموش بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ "اس تصویر کو غور سے دیکھ لو۔" اس نے کہا۔

میں نے اخبار کا ٹکڑا اس سے لیا۔ اسے بظاہر غور سے دیکھا اور پھر واپس کر دیا۔ اس نے اخبار کے ٹکڑے کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ پھر تھیلے میں سے ایک نوٹ بک نکالی۔ اس میں پاسپورٹ سائز کی ایک تصویر نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ یہ کٹے ہوئے بالوں والی ایک حسین لڑکی کی رنگین تصویر تھی۔ تصویر میرے ہاتھ میں دے کر وہ بولا "یہ ہماری سیکرٹ سروس کی لڑکی ہے اس کا اصلی نام سندھیا ہے لیکن یہ شبانہ کے نام سے اسلام آباد میں ہمارے لئے کام کر رہی ہے۔ یہ امرتسر کے ایک ہندو گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خالصہ کالج امرتسر میں بی ایس سی کر رہی تھی کہ ہم نے اسے اپنے خفیہ اسٹاف میں شامل کر لیا۔ کیونکہ یہ نہ صرف انگریزی روانی سے بول لیتی ہے بلکہ مسلمانوں کے رسم و رواج سے بھی واقف ہے۔ اس کے ہندو ماتا پتا مر چکے ہیں۔ یہ امرتسر میں اپنی خالہ کے پاس رہتی تھی۔ ہم نے اسے دو سال کی ٹریننگ دی اور اسمگل کروا کر ایک ماڈل گرل کی حیثیت سے اسلام آباد پہنچا دیا۔ اپنے حسن کی وجہ سے یہ اونچے طبقے میں بے حد مقبول ہے اور ہمیں بڑے قیمتی سرکاری اور سیاسی راز لا کر دیتی ہے۔ تم اس سے بھی ملو گے۔ لیکن سب سے پہلے تمہیں اس سیاست دان والی مہم کو سر کرنا ہے۔"

شبانہ عرف سندھیا واقعی حسین تھی۔ اس کے حسن جہاں سوز سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ آدمی زبردست کردار کا مالک ہو۔

"تم اپنے آپ کو یہاں چاہے جس طریقے سے بھی متعارف کراؤ لیکن تمہیں اسلام آباد کے کسی بہترین ہوٹل میں رہائش اختیار کرنی ہو گی۔ اس کے لئے تمہیں رقم باقاعدہ ملتی رہے گی۔ میں تمہیں بار بار نہیں مل سکتا۔ تم اپنے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک سو باسٹھ اعشاریہ دو پر مجھے کال کر سکتے ہو۔ اگر کوئی مشورہ لینا ہو تو تم شبانہ سے مل کر بات کر سکتے ہو۔ اسے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ تمہاری ایک تصویر بھی اسے بھیج دی گئی ہے"۔ اس نے کہا اور شبانہ کی اس کوٹھی کا نمبر بتایا جہاں وہ ایک ادھیڑ عمر کی مسلمان نوکرانی کے ساتھ تنہا رہ رہی تھی۔ میں نے ایڈریس اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔ میرے ساتھی نے بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی پھر تھیلے میں سے ایک لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا "اس میں پانچ ہزار روپے ہیں ابھی ان سے کام چلاؤ۔ ضرورت

پڑنے پر تمہیں مزید روپے مہیا کیئے جائیں گے۔ تمہارا مشن بہت جلد مکمل ہو جانا چاہیئے۔ انڈین گورنمنٹ اس وقت کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے جب یہ سیاست دان یہاں کی حکومت کے خلاف دوبارہ بیان دینا شروع کر دے۔ اس مشن کی کامیابی کے بعد تمہیں دوسرے تین سیاست دانوں کی کایا پلٹنے کا کام سونپا جائے گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ میرے جانے کے پندرہ منٹ بعد یہاں سے اٹھنا۔"

وہ اٹھا اور گراؤنڈ سے نکل گیا۔

میں قطب دین کے بارے میں سوچنے لگا۔ جو آج کل اپنے صوبے کی علیحدگی کی بات نہیں کرتا تھا اور اس کے باعث بھارتی حکومت کو تشویش تھی۔ کیونکہ صوبہ سندھ کا یہ لیڈر قطب دین بنیادی طور پر ایک محب وطن انسان تھا اور ملکی حالات کے پیش نظر پاکستان کی سالمیت کے حق میں بیان دے رہا تھا اور اسے بھارتی حکومت ابھی تک خرید نہیں سکی تھی۔ ورنہ یہ مورچہ انڈین سیکرٹ سروس نے کب کا فتح کر لیا ہوتا۔ مجھے اسی مورچے کو کسی دوسرے انداز میں سر کرنے کے لئے یہاں لایا گیا تھا۔

پندرہ منٹ بعد میں گراؤنڈ سے نکل کر اپنے صدر والے ہوٹل میں آ گیا۔ مجھے اس ہوٹل کو چھوڑ کر اسلام آباد کے کسی جدید ہوٹل میں جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ پیسہ بھارتی حکومت کا خرچ ہو رہا تھا۔ میں نے ٹیکسی پکڑی اور اسلام آباد کے ایک شاندار ہوٹل میں جا کر ایک کمرہ لے لیا اور وہاں اپنا نام سید پیر شرافت علی لکھوایا۔ ایک بات عیاں تھی کہ میں وی۔ ٹو گولیاں اپنے ملک کے کسی سیاست دان کو کھلانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن میں یہ بھی چاہتا تھا کہ یہ چاروں سیاست دان کم از کم حکومت کے خلاف بیان بازی شروع کر دیں تاکہ انڈین حکومت کو یہ یقین ہو جائے کہ ان کا جاسوس کرنل منی یعنی میں اپنے فرائض بڑی خوبی سے ادا کر رہا ہوں۔ یہ بڑا کٹھن اور پیچیدہ کام تھا لیکن میں نے اس کے لئے ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

اسلام آباد میں بھی بھارتی جاسوس میری نگرانی کر رہے تھے۔ ظاہر ہے، وہ میری ایک ایک حرکت کی رپورٹ تیار کر کے انڈین سفارت خانے کے ذریعے یا براہ راست ریڈیو سگنل کی مدد سے اپنی حکومت کو بھجوا رہے تھے۔ چنانچہ میں ان کے شکوک و شبہات سے بچنے کے لئے انہی کی بتائی ہوئی حکمت عملی پر چلنا چاہتا تھا۔ میں نے ہوٹل میں کمرہ لیتے ہی اخبار میں ایک اشتہار دے دیا کہ پنجاب کے سید پیر شرافت علی صاحب اسلام آباد میں قیام پذیر ہیں، اور دعا و وظائف کے وسیلے سے دکھی انسانیت کی خدمت کا عزم رکھتے ہیں۔ حاجت مند حضرات صبح نو بجے سے دس بجے تک انہیں ہوٹل میں مل سکتے ہیں۔ کسی سے کوئی نذرانہ یا فیس نہیں لی جائے گی۔

اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ میرے کمرے کے باہر لوگوں کی قطار لگ گئی۔ میں نے بھی نقلی پیر کا

باقاعدہ ڈھونگ رچا دیا۔ کوئی آکر اپنی کاروباری تباہی کا رونا روتا۔ کوئی اپنی کہنہ بیماری کا ذکر کرتا۔ کسی کو یہ وہم تھا کہ اس پر آسیب ہے۔ میں دل میں پانچ بار خدا کا نام لے کر بڑی نیک نیتی سے انہیں دم کر کے رخصت کر دیتا۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ میری کارگزاری سے نگران بھارتی جاسوس کو اطمینان ہو گیا ہو گا تو میں نے حزب اختلاف لیڈر قطب دین سے رابطہ پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ سیاسی لیڈر اسلام آباد میں اپنے ایک جاگیر دار دوست کے عالی شان بنگلے میں مقیم تھا۔ اس دوران اسلام آباد میں اخباروں کے ذریعے میری بطور ایک روحانی عامل کے پبلسٹی ہو چکی تھی۔ میں نے قطب دین کے سیکرٹری کو فون کیا تو اس نے فوراً مجھے اپنے لیڈر سے ملوا دیا۔ قطب دین مجھ سے فون پر بات کر کے بے حد خوش ہوا۔ اگرچہ یہ لیڈر بڑا زبردست تھا مگر آدمی بے حد ضعیف الاعتقاد تھا۔ پیروں فقیروں کا قدر دان تھا۔ اس نے مجھے رات کے کھانے کی دعوت دے دی۔

سات بجے شام قطب دین کی ایک شاندار کار مجھے لینے کے لئے ہوٹل پہنچ گئی۔ میں نے اپنا حلیہ بالکل سجادہ نشینوں ایسا بنا رکھا تھا اور میرا لباس اعلیٰ ترین خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ قطب دین اپنے جاگیردار معمر دوست کے ہمراہ بنگلے کے دروازے پر ہار لئے موجود تھا۔ مجھے جدید ترین ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا۔ نوکر چاکر میرے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ میں کبھی کسی دینی مسئلے پر تھوڑا سا اظہار خیال کرتا اور کبھی آنکھیں بند کر کے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتا۔ کھانا بڑا پر تکلف تھا۔ رات گیارہ بجے میں واپس ہوٹل جانے کے لئے اٹھا تو قطب دین اور اس کے جاگیردار دوست نے اصرار کیا کہ میں انہی کے ہاں قیام کروں میں خود بھی یہی چاہتا تھا۔ چنانچہ معمولی سے انکار کے بعد رضامند ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ میری اس کارگزاری پر بھارتی سیکرٹ سروس بہت خوش ہوئی ہو گی۔ اب وہ لوگ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں قطب دین کو کب وہ ٹوگولی کھلاتا ہوں اور وہ کب حکومت کے خلاف بیان بازی شروع کرتا ہے۔

یہ بڑا ہی پیچیدہ مسئلہ تھا' اگر میرے مشن میں بھارت واپس جا کر ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا شامل نہ ہوتا تو میں پاکستان میں داخل ہوتے ہی بھارتی جاسوس کو گرفتار کروا دیتا اور اپنا آپ ظاہر کر دیتا لیکن مجھے ابھی اپنے مشن کو کامیاب بنا کر واپس جانا تھا تاکہ انڈین سیکرٹ سرس کی نظروں میں میری پوزیشن مضبوط ہو جائے اور میں بھارت میں پاکستان دشمن سرگرمیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کچل سکوں۔ میری کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ تھا کہ جن پاکستانی سیاسی لیڈروں کو میں وہ ٹوگولیاں کھلانے آیا تھا' وہ یہ گولیاں کھائے بغیر ہی حکومت کے خلاف بیانات دے دیں۔ میرے کہنے پر یہ لوگ پاکستانی حکومت کے خلاف بیان نہیں دے سکتے تھے اور جب تک یہ اس قسم کے دو چار بیان نہیں دیتے بھارتی سیکرٹ سروس کو میری کارکردگی کا یقین نہیں آ سکتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ کیوں نہ میں

قطب دین کو دی۔ تو گولی کھلا دوں، پھر سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ گولی واقعی اثر انگیز ہو اور وہ سیاسی لیڈر حکومت کے خلاف بیان بازی کی باقاعدہ مہم شروع کر دے۔ جو میں نہیں چاہتا تھا۔ میں تو صرف اتنا چاہتا تھا کہ قطب دین اس قسم کے ایک یا دو بیان دے دے جن میں حکومت کی کسی پالیسی پر نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اچانک ایک تدبیر میرے ذہن میں آ گئی۔ ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے قطب دین مجھ سے بے حد متاثر ہے۔ میں اپنے اس روحانی اثر کا فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ یہ تدبیر مجھے پسند آ گئی۔ چنانچہ ایک روز دوپہر کے کھانے پر جب کمرے میں قطب دین اور اس کا جاگیردار دوست بھی موجود تھا، میں نے اچانک آنکھیں بند کر لیں۔ قطب دین اور اس کا دوست باتیں کرتے کرتے ایک دم چپ ہو گئے۔ میں نے بلند آواز میں کچھ دعائیں پڑھنی شروع کر دیں۔ دو تین منٹ تک میں ان دعاؤں کا ورد کرتا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میرے مریدوں پر کافی اثر ہو چکا ہے تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ قطب دین اور اس کا دوست ادب سے دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ قطب دین کے سر پر رکھ دیا اور آواز میں جلال پیدا کر کے بولا "قطب دین! تجھ پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ تیرے عروج کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے"۔

سیاسی لیڈر کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ میں نے بازو فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کشف ہوا ہے کہ تو اس ملک میں اعلیٰ ترین منصب حاصل کر لے گا لیکن اس کے لئے تجھے میری ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔ کیا تو ایسا کرنے پر تیار ہے؟"

قطب دین نے بڑے ادب سے کہا۔ "شاہ جی! آپ جیسا حکم کریں گے میں ویسے ہی کروں گا۔

میں نے مزید جلال میں آتے ہوئے کہا "تو سنو! آج کے بعد تمہیں ہفتے میں ایک بار حکومت کی کسی پالیسی پر نکتہ چینی ضرور کرنی ہو گی۔ یہ نکتہ چینی ایک خاص تعمیری حد کے اندر ہو گی"۔

"حضور! حزب اختلاف کا لیڈر ہونے کی حیثیت سے میرے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے، اگر آپ حکم کریں تو حکومت نے جو نئے ٹیکس لگائے ہیں ان کے خلاف میں کل ہی ایک معتدل بیان جاری کر دوں۔" اس نے جواب دیا۔

"ہاں..." میں نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "میری طرف سے اجازت ہے۔ کم از کم تین ماہ تک تمہیں اس قسم کی نکتہ چینی ہفتے میں ایک بار ضرور کرنی ہو گی"۔

"ایسا ہی ہو گا حضور!... لیکن کیا تین ماہ کے بعد..."

میں نے گرج دار آواز میں اس کی بات کاٹ کر کہا "اس کے بعد تمہیں اپنے آپ معلوم ہو جائے گا کہ خدا تمہیں کس عروج پر پہنچاتا ہے۔ میں تمہارے لئے خاص طور پر دعا بھی کروں گا"۔

قطب دین نے عقیدت سے میرے ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگائے۔

"شاہ جی! کچھ میرے حق میں بھی ارشاد فرمائیے۔ میری دو کروڑ کی جائیداد کے مقدمے کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ یہ فیصلہ میرے حق میں ہو جائے۔" جاگیردار بولا۔

میں نے اس معمر جاگیردار کے کاندھے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا "اللہ کی طرف سے جو ہو گا' مناسب ہو گا"۔۔

اگلے روز قطب دین نے میری ہدایت کے مطابق حکومت کی نئے ٹیکسوں کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ایک بیان جاری کر دیا۔ بیان اخباروں میں چھپ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ بیان پاکستان میں موجود بھارتی جاسوسوں نے بھی پڑھ لیا ہو گا اور سفارت خانے کی طرف سے انڈین حکومت کو آگاہ کر دیا ہو گا۔ گویا کرنل گورمیت سنگھ اور کرنل گپتا کو یقین ہو گیا ہو گا کہ میں نے اس کے بتائے ہوئے چار لیڈروں میں سے ایک کو وی۔ ٹو گولی کھلا دی ہے۔ جبکہ تمام گولیاں میرے پاس اسی طرح محفوظ تھیں۔

دو روز بعد میں تنہا رہنے کا بہانہ کر کے لیڈر کے بنگلے سے اٹھ آیا۔ اپنی مہم کی پہلی کامیابی کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے میں نے رات نو بجے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی۔ بیڈ روم میں جا کر ریڈیو ٹرانسمیٹر نکالا کوڈ بک کھول کر سامنے رکھی اور ٹرانسمیٹر آن کر کے دلی میں انڈین ملٹری سیکرٹ سروس کے چیف کرنل گپتا کی فریکوئینسی ملا کر سگنل دیا۔ دوسری طرف سے فوراً کوڈ میں مشن کا نام دہرایا گیا۔ میں نے اپنا کوڈ بتایا اور پھر خفیہ الفاظ میں پیغام دیا کہ میں نے پہلے سیاسی لیڈر کو وی۔ ٹو گولی کھلا دی ہے۔ دوسری طرف سے کرنل گپتا نے بھی کوڈ الفاظ میں کہا" سیاسی لیڈر کا بیان ہم نے پڑھ لیا ہے۔ پہلی کامیابی پر مبارک باد... اب اپنے دوسرے ٹارگٹ کی طرف توجہ دو اور اتنی سی بات کے لئے دوبارہ رابطہ قائم نہ کرنا۔ تم اسلام آباد میں ہو تمہارے سگنل پکڑے جا سکتے ہیں"۔

میں مطمئن ہو گیا۔ مجھے دوبارہ سگنل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے کوڈ بک اور ریڈیو ٹرانسمیٹر پلنگ کے پاس تانبے کے گملے میں چھپا کر رکھ دیا۔ شام کو قطب دین میرے ہوٹل آ گئے اور بہت اصرار کر کے کھانے پر ساتھ لے گئے۔ مجھے اب ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس انہیں یہی تاکید کر کے واپس آ گیا کہ ہر ہفتے اسی قسم کا ایک بیان ضرور دے دیا کریں۔ رات دس بجے مجھے ان کی شاندار گاڑی ہوٹل واپس چھوڑ گئی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو فرش پر ایک زرد لفافہ پڑا ہوا تھا۔ اس میں میرے لئے ٹائپ کیا ہوا پیغام تھا۔

"پہلی کامیابی مبارک ... تھرڈ کلاس ویٹنگ روم"۔ میرے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ مبارک باد کا یہ پیغام اس ہندو جاسوس کی جانب سے ہے جو اسلام آباد میں متعین ہے اور مجھے پنڈی ریلوے اسٹیشن کے تھرڈ کلاس ویٹنگ روم میں ملا تھا۔

میں اسلام آباد سے اپنے دوسرے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ماڈل گرل اور بھارتی جاسوسہ سندھیا عرف شبانہ سے ملاقات کر کے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنی پاکستان دشمن

سرگرمیوں کا جال کہاں پھیلا رکھا ہے اور کن سرکاری ذرائع سے وہ پاکستان کے بارے میں قیمتی راز حاصل کر کے بھارت پہنچا رہی ہے۔

شام کو میں ٹیکسی لے کر اس کی کوٹھی پہنچ گیا جو ایک پر فضا مقام پر واقع تھی۔ ایک جانب بھیڑے کے درختوں تلے سرخ ٹویوٹا کار کھڑی تھی۔ کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک کمرے میں سے انگریزی میوزک کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ کوٹھی کے گیٹ پر کوٹھی کا نمبر لکھا تھا۔ شبانہ کے نام کی تختی نہیں تھی۔ میں نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ آمنے سامنے خوبصورت کوٹھیوں والی یہ چھوٹی سی پختہ سڑک شام کے ٹھنڈے اندھیرے میں سنسان تھی۔ دوسری بار بٹن دبانے پر سامنے کچھ فاصلے پر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور ایک ملازم لڑکا گیٹ کی طرف دوڑا۔ میرا حلیہ دیکھ کر کچھ مرعوب سا ہو کر بولا "کس سے ملنا ہے' مولوی جی؟"

میں نے کہا "بی بی جی سے کہو مولانا صاحب آئے ہیں"۔

"آپ کا نام کیا ہے' مولوی جی؟"

"تم جا کر کہہ دو مولانا صاحب آئے ہیں بس!"

لڑکا دوڑ کر کوٹھی میں چلا گیا۔ ایک منٹ بعد ڈرائنگ روم میں سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت برآمد ہوئی۔ یہ شبانہ کی نوکرانی تھی جس کے بارے میں مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ یہ مسلمان نوکرانی شبانہ کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے پوٹھوہاری لہجے میں کہا "بی بی جی نے آپ کو اندر بلایا ہے"۔

میں نے دل میں کہا۔ تمہاری بی بی جی کی تو ایسی درگت بناؤں گا کہ ساری عمر یاد کرے گی۔ میں نے درویشوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا دی اور نوکرانی کے پیچھے چل دیا۔ مجھے سائڈ روم میں بٹھا دیا گیا جو بڑے سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ دنیا جہان کے نوادرات وہاں جمع تھے۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا' آنکھیں بند کر لیں اور تسبیح شروع کر دی البتہ نیم وا آنکھوں سے دوسرے کمرے کے دروازے کے پردے کو بھی دیکھتا رہا۔ دفعتاً پردہ ہٹا اور میرے سامنے سرخ و سپید رنگ اور چمکیلی آنکھوں والی ایک حسین و جمیل دوشیزہ ریشمی شلوار قمیص میں ملبوس آ کھڑی ہوئی۔ اس کے کاندھے پر ایک پھولدار قیمتی شال تھی۔ کٹے ہوئے بال جنہیں کسی کیمیکل سے سنہرا کیا گیا تھا' اس کے کاندھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ میری درویشوں ایسی صورت دیکھ کر اس نے ادب سے سلام کیا اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے پوچھتی' میں کون ہوں' میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ میں سید پیر شراف علی ہوں اور ایک روحانی معالج ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس پر کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا۔ تاہم بظاہر وہ بہت خوش ہوئی اور بولی "میں نے آپ کے بارے میں اخباروں میں پڑھا ہے۔ زہے نصیب کہ آپ غریب خانے پر تشریف لائے"۔

میں نے تصدیق کے خیال سے پوچھ لیا کہ کیا وہی شبانہ ہے؟ وہ مسکرائی۔ اس کے دانت

موتیوں کی طرح چمکنے لگے "جی ہاں۔ اس ناچیز ہی کو شبانہ کہتے ہیں۔ مگر حضور میں تو ماڈلنگ کا غیر شرعی کام کرتی ہوں، آپ نے مجھ گناہگار کے ہاں قدم رنجا فرمانے کی کیسے زحمت گوارہ کی ؟"

میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن کیا مجال ہے کہ وہ میری آنکھوں کی تیزی سے ذرا بھی متاثر ہوئی ہو۔ میں دل ہی دل میں اس کے اعصاب اور خود اعتمادی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس نے مجھے ابھی تک پہچانا نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے میری جو تصویر دکھائی گئی تھی۔ اس میں میرے لمبے لمبے بال نہیں تھے اور داڑھی بھی چھوٹی تھی۔ اب میں نے داڑھی کچھ بڑھالی تھی اور سر کے بال بھی کچھ لمبے ہو گئے تھے... پھر میں درویشوں کے بھیس میں تھا۔

میں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے کہا" سندھیا! تم نے مجھے پہچانا نہیں ؟"

وہ صوفے پر اچھل سی پڑی اور میری طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگی، پھر اس کے ہونٹوں سے اپنے آپ نکل گیا" کرنل منی ؟"

"ہاں..." میں نے جواب دیا۔

وہ جلدی سے اٹھی۔ اس نے بیک سائڈ کا دروازہ بند کر دیا اور میرے پاس آکر بولی" بھگوان کے لئے یہ لفظ پھر کبھی نہ بولنا کرنل منی! مجھے پہلے ہی کچھ شک ہوا تھا۔ مگر تمہاری جو تصویر مجھے دکھائی گئی تھی وہ تو..."

"اس وقت میرے بال لمبے نہیں تھے اور میری داڑھی بھی بڑھ گئی ہے۔" میں نے اسے اپنا کوڈ بتایا اور احتیاط کے طور پر اس کا کوڈ بھی دریافت کر لیا۔

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اور اس نے مجھے بتایا کہ اندر اس کے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میں نے مسکرا کر پوچھا" کیا سرکاری مہمان ہیں ؟"

وہ مسکرائی "اور بھلا کون ہو سکتے ہیں 'مہاشہ جی"... پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اسلام آباد کس مشن پر آیا ہوں... اور اس کے پاس آنے کا مقصد کیا ہے۔ میں نے ویٹنگ روم والے بھارتی جاسوس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا" مجھے تم سے ملنے کی ہدایت کی گئی تھی اور میرا مشن ایسا ہے کہ تمہیں اس کے بارے میں ابھی نہیں بتا سکتا"۔

وہ خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ جب میں نے اس کے سرکاری مہمانوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس کی آنکھیں سکڑ گئیں "۔ اس کی کیا ضرورت ہے شریمان جی ؟"

میں نے کہا" ہو سکتا ہے، مجھے ان لوگوں سے بھی واسطہ پڑ جائے"۔

شبانہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کے دوستوں سے ملوں، لیکن وہ جانتی تھی کہ میں ایک ایسا بھارتی جاسوس ہوں جو کسی بے حد اہم مشن پر پاکستان آیا ہوں اور میرا براہ راست تعلق پاکستان میں مقیم بھارت کے ماسٹر اسپائی جگدیش سے ہے۔ چنانچہ وہ انکار نہ کر سکی اور مجھے ٹی وی لاؤنج میں لے

گئی۔

ٹی وی لاؤنج میں روشنی بڑی مدھم اور رومان انگیز تھی۔ فضا میں اعلیٰ پرفیوم اور مشروب کی ملی جلی خوشبو بھی بسی ہوئی تھی۔ دو آدمی جنہوں نے گرم سوٹ پہن رکھے تھے۔ صوفے پر بیٹھے مشروب سے جی بہلا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے جلدی سے گلاس میز کے نیچے رکھ دیئے۔ شبانہ نے میرا تعارف کرایا۔ سرکاری افسر بھی مجھے جانتے تھے۔ انہوں نے اخبار میں میری روحانی مصروفیات کے اشتہار اور خبریں پڑھ رکھی تھیں۔ دونوں مجھے دیکھ کر گھبرا گئے۔ شبانہ نے بڑی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ "شاہ جی بڑے آزاد خیال درویش ہیں۔ یہ ایسی باتوں کو ناپسند نہیں کرتے۔ آپ بے فکر رہیں۔ ان کا آنا برکت کا باعث ہے"۔

یہ سن کر ان کی جان میں جان آئی۔ میں نے بھی ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے حافظ شیرازی اور عمر خیام کے ایسے شعر سنا ڈالے جن میں ساغر دینا کا تذکرہ تھا۔ نیتجتہً وہ خوب کھل گئے اور گلاس دوبارہ میز پر رکھ لئے۔ وہ مرکزی حکومت کے افسر تھے اور ایسی کلیدی جگہوں پر فائز تھے جہاں سے بھارت کو بڑی قیمتی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ میں نے ان دونوں کی شکلیں اور نام ذہن میں نقش کر لئے۔ ان میں سے ایک افسر گنجا اور موٹی توند والا تھا اور وہ خوب بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔ اس کا نام ... نام کو چھوڑیں، آپ اسے بیگ صاحب کہہ لیں (یہاں میں محب وطن بیگ صاحب سے معذرت چاہوں گا) یہ گنجا مسٹر بیگ مرکزی حکومت میں ایک ایسی پوسٹ پر تھا کہ اگر وہ بقول سندھیا کے واقعی اسے حکومت کے راز بہم پہنچا رہا تھا تو وہ پاکستان کو زبردست خطرے میں ڈال رہا تھا۔ میں نے اپنی باتوں سے گنجے افسر کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ میں نے اس سے اس کا فون نمبر اور دفتر کا پتہ بھی لے لیا۔ دوسرے افسر کو آپ ملک صاحب کہہ لیں۔ کچھ دیر بعد میں نے اٹھتے ہوئے کہا "اچھا شبانہ بی بی! مجھے اجازت دو۔ ہمارے وظیفے کا وقت ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ پھر ملوں گا۔ خدا حافظ!"

دونوں افسروں نے اٹھ کر باری باری میرے ہاتھ چومے۔ شبانہ میرے ساتھ کوٹھی کے دروازے تک آئی اور پوچھا "کرنل منی! تم اسلام آباد میں کب تک ہو؟"

میں نے کہا "بہت جلد میں اپنے دوسرے ٹارگٹ پر حملہ کرنے کے لئے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ نمسکار!"

شبانہ نے دائیں بائیں دیکھا اور دبی زبان میں کہا "نمسکار"۔

میں کوٹھی سے چلا آیا۔ مجھے کسی وقت بھی اسلام آباد سے کوچ کرنے اور فیصل آباد پہنچ کر ماسٹر اسپائی جگدیش یعنی ماسٹر فیروز دین گھڑی ساز سے ملنے کے آرڈر مل سکتے تھے۔ چنانچہ میں جلد سے جلد اپنی اسکیم پر عمل شروع کر دینا چاہتا تھا۔ میری اسکیم یہ تھی کہ اسلام آباد میں سی آئی ڈی کے چیف سے ملوں اور ان کو سب کچھ بتا دوں پھر نہایت ہوشمندانہ حکمت عملی سے ان لوگوں کو گرفتار کیئے

بغیر ان کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ایک ایک کر کے حراست میں لے لیا جائے۔ ان بھارتی جاسوسوں میں سے کسی ایک کو بڑی چالاکی سے پکڑ لیا جائے خواہ اس کے ساتھ مجھے بھی کیوں نہ اپنی گرفتاری پیش کرنی پڑے۔

میری نگرانی ہو رہی تھی۔ میں جہاں بھی جاتا تھا مجھے نگاہ میں رکھا جاتا تھا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی ایسے طریقے سے چھپ کر ہوٹل سے نکلا جائے کہ بھارتی جاسوس مجھے نہ دیکھ سکے۔ چھپ کر ہوٹل سے نکلنے کے طریقوں پر غور کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ہوٹل والوں کی لانڈری ہر روز شام کو جاتی ہے جس کو لے جانے کے لئے ایک بند گاڑی ہوٹل کے تہہ خانے میں اتر جاتی ہے۔ تہہ خانے کے اندر ہی گاڑی میں ہوٹل کے کمروں کی میلی چادریں اور تولیے وغیرہ بھر دیئے جاتے ہیں، جنہیں لے کر گاڑی واپس چلی جاتی ہے۔ میں نے وقت دیکھا۔ شام کے چار بجے تھے۔ گاڑی کے آنے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے لہٰذا میں نے ریسیور اٹھا کر سی آئی ڈی کے چیف کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی، پھر کسی خاتون نے ریسیور اٹھا لیا "ہیلو!"

میں نے چھوٹتے ہی کہا "بیٹی میں روحانی عامل پیر سید شرافت علی بول رہا ہوں۔ مجھے چودھری صاحب سے بات کرنی ہے"۔

"جی شاہ جی۔ میں انہیں فون دیتی ہوں۔"

چند لمحے توقف کے بعد ایک بھاری آواز آئی "السلام علیکم شاہ صاحب۔ اس گناہ گار کو کیسے یاد فرمایا۔ کہیئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"چودھری صاحب! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آج شام کا وقت دے سکیں تو بڑی نوازش ہو گی!۔"

"جب چاہیں تشریف لے آئیں شاہ صاحب۔ میں آج شام گھر پر ہی ہوں۔"

"تو پھر میں سات بجے شام پہنچ جاؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا اور کمرہ لاک کر کے لابی میں گیا۔ لاؤنج میں بیٹھ کر ٹھنڈا مشروب پینے لگا۔

ٹھیک چھ بجے لانڈری کی وین ہوٹل کی بغلی سڑک سے گزرتی نظر آئی۔ میں ہوٹل کے تہہ خانے کی طرف چل پڑا۔ لانڈری کی وین تہہ خانے کے ڈھلانی راستے سے اتر کر اندر جا کھڑی ہوئی۔ ملازم اس میں میلی چادریں وغیرہ بھرنے لگے۔ میں قریب گیا تو میرے درویشوں ایسے حلیئے کے باعث ملازموں اور وین کے ڈرائیور نے مجھے بڑی عقیدت سے سلام کر کے مصافحہ کیا۔ میں نے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور جب وین واپس جانے لگی تو عقبی حصے میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا "بیٹا! مجھے نہر والے پل پر اتار دینا"۔

"بہت بہتر شاہ جی! مگر آپ میرے پاس اگلی سیٹ پر آجائیں۔"

میں نے کہا "میں پیچھے ہی ٹھیک ہوں ' بیٹا۔ یہاں ذرا گرمائش ہے۔ باہر ٹھنڈی ہوا لگ جائے گی۔ مجھے زکام ہو رہا ہے "۔ یہ کہہ کر میں میلی چادروں کے ڈھیر پر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب نہ میں باہر دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی باہر کا کوئی شخص مجھے دیکھ سکتا تھا۔ ویگن تہ خانے سے نکل کر مال روڈ پر روانہ ہو گئی ہو پانچ سات منٹ کے بعد ڈرائیور نے عقبی حصے کی کھڑکی میں سے منہ نکال کر کہا۔

"شاہ جی! نہر والا پل آگیا ہے۔"

ویگن پل کی دوسری جانب پہنچ کر رک گئی۔ میں نیچے اتر آیا۔ ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور تیزی سے سڑک کی ڈھلان اتر کر درختوں میں سے ہوتا آگے بڑھ گیا۔ کافی آگے جا کر میں میاں میر کالونی میں نکل آیا۔ ایک چوراہے سے رکشا لیا اور اسے چیف کی کوٹھی کی طرف چلنے کو کہا۔ یہ علاقہ شہر سے باہر کافی فاصلے پر تھا۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے شام کے ساڑھے چھ بج گئے۔

چیف چودھری صاحب بڑی خندہ پیشانی اور عقیدت مندی کے جذبات سے ملے اور مجھے مہمان خانے میں بٹھا کر پوچھا کہ میں کیا پیوں گا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے شربت ختم کیا تو چودھری صاحب نے پوچھا کہ میں ان سے کون سی خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے اپنے پتے چودھری صاحب کے آگے الٹ دیئے۔ اپنی ساری کہانی شروع سے آخر تک انہیں سنا دی پھر بھارتی کوڈ بک ریڈیو ٹرانسمیٹر اور وی۔ ٹو گولیاں بھی دکھا دیں۔ انہیں بتایا کہ کس طرح میں نے قطب دین کو وی۔ ٹو گولی نہیں کھلائی بلکہ اپنا روحانی اثر ڈال کر اسے قائل کیا کہ وہ ہر ہفتے حکومت کی کسی نہ کسی پالیسی پر نکتہ چینی کرتا رہے تاکہ بھارتی انٹیلی جینس میری کارگزاری سے مطمئن رہے۔ میں نے شبانہ کا بھی پول کھول دیا۔ چودھری صاحب گہری خاموشی اور توجہ سے میری کہانی سنتے رہے۔ جب میں نے اپنی بات ختم کی تو انہوں نے کوڈ بک ' وی۔ ٹو گولیوں کا پیکٹ اور ریڈیو ٹرانسمیٹر اپنے قبضے میں لیتے ہوئے جیب سے پستول نکال کر اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے کہا۔ "شاہ جی! میں آپ کو پاکستان کے خلاف جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں"۔

مجھ پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ چودھری صاحب نے اپنے نوکر کو آواز دے کر بلایا اور اسے حکم دیا کہ تھانے فون کر کے پولیس کو طلب کرے۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

میں سکتے میں آگیا۔ ایک لمحے کے لئے آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ پاکستان سیکرٹ سروس کا چیف میرے سامنے پستول ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ کھیل کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ میں اسے اعتماد میں لے کر ملک دشمن عناصر کو گرفتار کروانا چاہتا تھا' لیکن الٹا مجھے ہی جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا۔

گویا ایک کال کوٹھری میرا مقدر بننے والی تھی جہاں میں اذیتیں سہتے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرجاؤں گا۔ ایسی عبرتناک موت میری منزل نہیں تھی۔ میں کمانڈو تھا۔۔ دشمن کی جان سے کھیلتے ہوئے اپنی جان بچالے جانے والا ایک سرفروش۔۔ مصیبت یہ تھی کہ میرے سامنے میرے اپنے ہی وطن کا ایک ذمے دار آفیسر تھا' جو نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں قید میں ڈال دیا جاؤں۔

ابھی پولیس نہیں آئی تھی۔ میں نے چودھری صاحب کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی اور اسے فیصل آباد والی کلثوم کا بھی حوالہ دیا کہ وہ اس کو بلا کر میرے بارے میں تصدیق کر سکتے ہیں کہ میں بھارتی جاسوس نہیں ہوں۔ لیکن چودھری صاحب پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے پستول کا رخ بدستور میری ہی طرف رہا۔ تب میں نے کمانڈو ایکشن کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چودھری صاحب میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے اور میرے درمیان صرف ایک گول چھوٹی میز تھی جس پر شیشے کی ایش ٹرے موجود تھی۔ ان کی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ مجھے صرف اتنی مہلت چاہئے تھی کہ چودھری کی توجہ کسی طریقے سے ایک سیکنڈ کے لئے دوسری طرف ہو جائے۔ یہ موقع قدرت نے مجھے فوراً مہیا کر دیا۔ اچانک ہی دروازے کا پردہ ہٹا اور چودھری صاحب کی چار سالہ بچی دوڑتی ہوئی آئی اور "ڈیڈی! ٹی وی پر فریگل راک لگا ہے" کہتی ہوئی چودھری صاحب کی طرف لپکی۔ چودھری صاحب کی توجہ میری طرف سے ہٹ گئی۔ انہوں نے بیٹی کی طرف ناگواری سے دیکھا۔ بس مجھے اتنی ہی مہلت درکار تھی۔ میری بائیں ٹانگ نے حرکت کی اور گول میز کے نیچے پوری طاقت سے ٹکرائی۔ میز اچھل کر چودھری صاحب سے ٹکرائی۔ انہوں نے فائر کر دیا۔ گولی میز کے تختے کو توڑتی ہوئی میرے قریب سے نکل گئی لیکن اس دوران میں میں چودھری صاحب کی ٹانگوں کو پکڑ کر انہیں صوفے کی دوسری طرف گرا چکا تھا۔ پستول ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر پڑا۔ ان کی بچی چیختی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ میں نے لپک کر پستول اٹھا لیا اس کا چیمبر گولیوں سے بھرا ہوا تھا میں نے پستول کی نال چودھری صاحب کی گردن کے ساتھ لگا دی اور انہیں فرش سے اٹھا دیا۔ ان کی بیگم اور نوکر گھبرائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ بیوی نے اپنے خاوند کو پستول کی زد پر دیکھا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ میں نے انہیں بھی دیوار کے ساتھ ایک طرف کھڑا کر دیا پولیس کسی بھی وقت آسکتی تھی میں نے چودھری سمیت سب کا منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑا کر دیا پھر میز کی دراز میں سے اپنی جاسوسی کی چیزیں یعنی ریڈیو ٹرانسمیٹر دی ٹو گولیوں کا پیکٹ اور کوڈ بک اپنے قبضے میں کی اور کھڑکی سے باہر باغ میں چھلانگ لگا دی۔

شام گہری ہو چکی تھی۔ درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا تھا۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں کوٹھی کی پچھلی دیوار پھلانگ گیا۔ یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہوٹل واپس جانے کی بجائے' میں اسلام آباد

کی مین مارکیٹ کی طرف چل پڑا۔
چودھری صاحب نے اعتبار نہ کر کے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تھوڑی سی بھی تاخیر ہو اور چودھری صاحب اسلام آباد میں شبانہ بٹ اور فیصل آباد میں بھارتی جاسوس جگدیش چند عرف ماسٹر فیروز دین کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیں۔ ان کی گرفتاری سے سارا کھیل بگڑ سکتا تھا مارکیٹ میں جاتے ہی میں نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے چودھری صاحب کو فون کر دیا۔ دوسری طرف سے چودھری نے ہی ریسور اٹھایا۔ جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ مارے حیرت کے اپنی جگہ سے اچھل پڑے ہیں میں نے کہا " چودھری صاحب! میں آپ کی گرفت سے آزاد ہو چکا ہوں اور آپ کی ساری پولیس مل کر بھی مجھے دوبارہ گرفتار نہیں کر سکتی لیکن میں خود آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ آپ اپنی کوٹھی پر موجود رہیں۔ آپ کا پستول بھی میرے ساتھ ہوگا" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔
میں نے مارکیٹ سے نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور سیدھا چودھری صاحب کی کوٹھی پہنچ گیا۔ ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا۔ کوٹھی کا گیٹ بظاہر سنسان تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ چودھری صاحب کی سیکورٹی کے آدمی آس پاس چھپے ہوئے ہیں مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔ میں یہ سب کچھ اپنے وطن پاک کی سالمیت اور استحکام کی خاطر کر رہا تھا اور چودھری صاحب کو اس امر کی یقین دہانی کے لئے ہی فرار ہونے کے بعد ان کی کوٹھی پر آ گیا تھا کہ انہیں میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے جونہی میں خالی برآمدے میں داخل ہوا پیچھے سے تین آدمیوں نے مجھے دبوچ لیا۔ ایک طرف سے چودھری صاحب نمودار ہوئے انھوں نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ مجھے ان کے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔ ڈرائنگ روم میں لے جا کر میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے چودھری صاحب نے میری جیب سے پستول نکال لیا اور سیکورٹی کے آدمیوں کو باہر بھیج دیا۔
" چودھری صاحب! کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ میں نے جو کچھ آپ کے سامنے بیان کیا تھا وہ سچ ہے؟
چودھری صاحب پر میری باتوں کا اور میری واپسی کا اثر ہو چکا تھا انھوں نے پستول میز پر رکھا اور اٹھ کر میرے بازو رسیوں سے آزاد کر دیئے۔ واپس صوفے پر بیٹھے اور کہا۔ " اب میں چاہوں گا کہ جس جاسوس عورت شبانہ اور فیصل آباد کے جگدیش چند کی نشان دہی کی ہے انھیں فوراً گرفتار کرلوں جگدیش چند کا ایڈریس بتاؤ۔"
میں نے اپنی کلائی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا" چودھری صاحب یہی وہ نکتہ ہے جہاں میں آپ سے متفق نہیں ہوں جگدیش چند بھارت کا ماسٹر اسپائی ہے شبانہ یعنی سندھیا نے بھی اسلام آباد میں جال

پھیلا رکھا ہے ایک جاسوس تو مجھے ریلوے اسٹیشن پر بھی ملا تھا ۔ ہم شبانہ اور جگدیش چند کو بڑی آسانی سے گرفتار بھی کر سکتے ہیں لیکن اگر انھوں نے آپ کی اذیتیں برداشت کر لیں اور کچھ نہ بتایا یا خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم اس ریکٹ کے دوسرے جاسوسوں کو ساری زندگی نہ پکڑ سکیں گے ۔ آپ صرف میرے بتائے ہوئے ملک دشمن عناصر کو گرفتار کرتے جائیں ۔ اس وقت میں بھارتی انٹیلی جینس کے ایک اہم ترین جاسوس کی حیثیت سے یہاں کام کر رہا ہوں ۔ مجھے اس گروہ کا اعتماد حاصل ہے ۔ چنانچہ میرے لئے ان کے ایک ایک آدمی کا کھوج لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے ۔"

چوہدری صاحب کو میری باتوں کا یقین آگیا تھا میں نے ان کی طرف جھک کر کہا۔" اب آپ کو ایک کام کرنا ہے میری گرفتاری اور فرار کی خبر عام نہ ہونے پائے کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں ؟

" تم فکر نہ کرو ۔ یہ بات باہر نہیں نکلے گی تمھارا اگلا پروگرام کیا ہے ؟"

میں نے اطمینان سے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا دی ۔ شبانہ کے پاس مرکزی حکومت کے ایک نہایت اہم محکمے کے دو افسر آتے ہیں مجھے شبانہ نے بتایا ہے کہ وہ ان سے اہم ملکی راز حاصل کرتی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں افسروں کو کسی بہانے فوراً برخاست کر کے گرفتار کر لیا جائے تاکہ وہ آئندہ دشمن کو کوئی اطلاع نہ پہنچا سکیں ۔

میں نے چودھری صاحب کو دونوں افسروں کے حلیئے اور ان کے محکمے کے بارے میں بتایا تو وہ دانتوں تلے انگلی داب کر رہ گئے کہنے لگے ۔" یقین نہیں آتا کہ ایسے ذمے دار افسر بھی ملک کے خلاف جاسوسی کر سکتے ہیں ۔"

" یہ ذمے دار افسر نہیں ہیں ۔ ذمے دار افسر ایسا کبھی نہیں کیا کرتے ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اب میں جاتا ہوں میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ میں اپنا شناختی نام درویش بتایا کروں گا۔ آپ کے لئے یہی میرا کوڈ ہوگا"

چودھری صاحب نے اپنی جیب میں سے ایک چھوٹی سی پاکٹ بک نکالی اور کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر اپنا ایک انتہائی خفیہ فون نمبر لکھ کر دیا اور کہا۔" یہ میرا خاص نمبر ہے ۔ تم مجھے جہاں سے بھی اس نمبر پر فون کروگے ' تمھارا پیغام فوری طور پر مجھے پہنچا دیا جائے گا۔"

میں چودھری صاحب کی کوٹھی سے نکلا تو میرا دل ایک بہت بڑے بوجھ سے آزاد ہو چکا تھا ۔ ایک خطرناک ترین مسئلہ حل ہو گیا تھا اور اب میں پاکستان میں ملک دشمن عناصر کی بیخ کنی کے لئے آزاد ہو گیا تھا ۔

دوسرے روز ناشتہ کرنے کے بعد میں قصداً شبانہ کی کوٹھی جا پہنچا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میری نگرانی ہو رہی ہے یہ میرا وہم ہے ۔ شبانہ ابھی اپنی خواب گاہ میں سو رہی تھی اس کی ادھیڑ عمر ملازمہ

نے مجھے اپنی مالکن کا پیر سمجھ کر بڑے احترام سے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ میں نے ملازمہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی اور تسبیح کرنے لگا۔ وہ میرے لئے چائے بنا کر لے آئی اور پھر میرے قدموں میں بیٹھ کر اپنے بیٹے کے بارے میں کہنے لگی کہ وہ جب سے دبئی گیا ہے' اس نے کوئی پیسہ نہیں بھیجا۔ اپنی ماں کو بھلا دیا ہے۔ کوئی ایسا عمل پڑھیں کہ وہ میرے پاس واپس آجائے میں نے اسے کہا کہ وہ صبح نماز کے بعد سورہ فاتح گیارہ بار پڑھ کر خدا سے اپنے بچے کے بارے میں دعا کیا کرے۔

ایک گھنٹے بعد شبانہ آگئی اس کے خوبصورت بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے سرخ ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک سی گئی پھر اس نے نوکرانی کو مارکیٹ بھیج دیا اور دروازہ بند کر کے بولی۔ "کرنل منی! تم رات چودھری صاحب کی کوٹھی پر کیا کرنے گئے تھے؟"

اس کا مطلب تھا کہ میری نگرانی ہو رہی تھی۔ میں نے تسبیح کلائی پر لپیٹتے ہوئے کہا۔ "مائی ڈیئر۔ تمہیں شاید ابھی تک اس حقیقت کا احساس نہیں ہوا کہ مجھے انڈین سیکرٹ سروس نے کتنے اہم مشن پر یہاں بھیجا ہے۔ یہ بات میرے مشن میں شامل ہے کہ میں اس ملک کی سیکرٹ سروس کے چیف پر اپنا روحانی اثر ڈالوں اور مفید معلومات حاصل کروں بھگوان کی دیا سے میں اس میں کامیاب ہوا ہوں۔ چودھری صاحب بھی میرے مرید بن گئے ہیں۔"

"پھر کوئی خاص بات بھی معلوم ہوئی؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ میں نے اس کے پاس آنے والے سرکاری افسروں کی گرفتاری کی پیش بندی کرتے ہوئے کہا۔ "پہلی ملاقات میں اس قسم کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن باتوں ہی باتوں میں مجھے ہلکا سا سراغ ملا ہے کہ حکومت کو اپنے بعض ملازمین پر شبہ ہے اور ان کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اس لئے تمہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے"

شبانہ خاموشی سے اپنے لئے چائے بنانے لگی' پھر پیالی اپنی نازک انگلیوں میں تھام کر بولی۔" کرنل منی! میں پچھلے کئی سالوں سے بھارت ماتا کی سیوا کر رہی ہوں میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ شاید انڈیا میں میرے بارے میں تمہیں پوری بریفنگ نہیں کی گئی"

اسے شاید میری بات پسند نہیں آئی تھی میں نے وہاں سے چلے آنے میں ہی مصلحت سمجھی۔ میں چلنے لگا تو وہ سگریٹ سلگا کر ہلکا سا کش لگاتے ہوئے میرے قریب آئی اور ایک ادائے خاص سے سگریٹ کا دھواں میری طرف پھینکتے ہوئے بولی۔" تمہارے لئے ایک خفیہ پیغام ہے"

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔" کالی داس نے رات ۱۰ بجے فون کیا تھا۔ فوراً فیصل آباد جا کر جگدیش چند سے ملو۔"

میں سمجھ گیا کہ کالی داس اس انڈین جاسوس کا نام ہو گا جو مجھے راولپنڈی اسٹیشن کے تھرڈ کلاس ویٹنگ روم میں ملا تھا۔ میں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔" او کے سسٹر! نمسکار"" نمسکار" شبانہ نے جواب میں بڑی معنی خیز لیکن میٹھی آواز میں کہا۔ دروازے کے قریب جا کر میں نے پلٹ کر دیکھا تو

وہ مجھے ترچھی نظروں سے تک رہی تھی سگریٹ اس کے ہونٹوں میں سلگ رہا تھا۔ "کرنل منی! کھانا میرے ساتھ نہیں کھاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔

میرے قدم وہیں جم گئے۔ ایک بار تو جی چاہا کہ اس کی یہ حسین دعوت قبول کر لوں لیکن پھر میں نے خود پر قابو پالیا اور نفی میں سر ہلا کر آگے بڑھنے لگا "کرنل منی! تم ایک چیز بھولے جا رہے ہو۔" میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفید لفافہ تھا۔ اس نے لفافہ میری طرف بڑھا دیا "اسے کمرے میں جا کر کھولنا۔"

ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے لفافہ کھولا۔ اس میں زرد کاغذ تہ کیا ہوا رکھا تھا اس کاغذ پر فیصل آباد کے جگدیش چند عرف ماسٹر فیروز دین کی گھڑیوں کی دکان کا ایڈریس ٹائپ کیا ہوا تھا۔ مجھے صبح فیصل آباد کے لئے روانہ ہونا تھا۔

میں نے رات ہی کو ہوٹل کا سارا حساب چکا کر بریف کیس تیار کر لیا۔ پلنگ کے گدے کے نیچے سے زہریلا سگار نکال کر اپنے چغے کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔۔۔ پھر منہ اندھیرے ہی فیصل آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

فیصل آباد میرے لئے اجنبی شہر نہیں تھا۔ میں اس کے تمام گلی کوچوں اور بازاروں سے واقف تھا۔ میں سیدھا مطلوبہ بازار میں پہنچ کر ماسٹر فیروز دین کی دکان کے سامنے جا کھڑا ہوا یہ ایک چھوٹی سی دکان تھی پچاس پچپن سال کا ایک منحنی سا آدمی آنکھ پر محدب عدسہ چڑھائے ایک گھڑی کی مرمت کر رہا تھا۔ سر کے چوٹے چھوٹے بال مہندی رنگے تھے میں نے اپنی کلائی گھڑی اتاری اور دکان میں داخل ہو گیا۔ میرے سلام کے جواب میں اس نے وعلیکم اسلام کہا اور آنکھ سے خول اتار کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں کرنجی تھیں، اور ان میں بلا کی تیز چمک تھی یہ ہندو آٹھ دس برس سے پاکستان کے اس صنعتی شہر میں بیٹھا، بھارت کے لئے جاسوسی کر رہا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی۔ میں نے گھڑی اس کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی "کبھی کبھی چلتے چلتے رک جاتی ہے۔ ذرا دیکھئے اس میں کیا خرابی ہے۔"

ماسٹر فیروز دین نے گھڑی کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔ "یہ تو آٹومیٹک ہے، مولوی صاحب۔ اسے باندھے رکھا کریں کھول کر رکھ دیں گے تو یہ بند ہو جائے گی"

دکان کی دیواروں پر اسلامی کیلنڈر اور اللہ کے مختلف ناموں کے قطعے لگے تھے شیشے کی ایک الماری میں پرانی گھڑیاں لٹک رہی تھیں۔ دکان کے پیچھے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس پر نسواری رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک فیشن ایبل عورت دکان میں داخل ہوئی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا، پھر دراز سے ایک لیڈیز ریسٹ واچ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "بیگم صاحب یہ تو میں نے کل ہی ٹھیک کر دی تھی۔"

خاتون نے گھڑی اپنے پرس میں رکھتے ہوئے اجرت پوچھی تو اس نے نہایت خوش خلقی سے

کہا۔" بیگم صاحبہ ! اس میں کوئی خاص خرابی نہیں تھی ۔ میں کوئی اجرت نہیں لوں گا۔ آپ کی اپنی دکان ہے ۔"

" نہیں نہیں ماسٹر جی ۔ آپ نے محنت کی ہے یہ کہہ کر خاتون نے پرس میں سے پچاس کا نوٹ نکال کر سامنے رکھ دیا اور واپس چلی گئی گھڑی ساز نے نوٹ اٹھا کر کاؤنٹر کی دراز میں رکھ لیا اور میری طرف بے زاری سے دیکھ کر بولا مولوی صاحب ! آپ کی گھڑی بالکل ٹھیک ہے بس اسے سوتے وقت بھی باندھے رکھا کریں۔

میں نے گھڑی اٹھا کر جیب میں رکھی اور کہا۔ کاغذ کا ٹکڑا مل جائے گا؟ میں آپ کو اپنا ایڈریس لکھ کر دینا چاہتا ہوں "اس کی کیا ضرورت ہے مولوی جی ؟"

" شاید کبھی آپ کو میری ضرورت پڑ جائے "

اس نے انتہائی بے دلی سے کاغذ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگا میں نے جیب سے پنسل نکالی اور کاغذ پر ہندی میں لکھا۔" مشن پام آئل کرنل نارو منی ۔" کاغذ کا ٹکڑا میں نے اس کے سامنے کر دیا۔ اسے پڑھتے ہی گھڑی ساز کی آنکھوں سے لگا ہوا خول جیسے اپنے آپ نیچے گر پڑا۔ ایک پل کے لئے وہ اپنی جگہ پر ساکت سا ہو گیا۔ اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ہاتھ میں پکڑی ہوئی گھڑی اس نے دراز میں ڈالی اور دوسری دراز سے ایک نیلے ڈائل والی گھڑی نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔" یہ گھڑی دیکھئے آپ کو سستے داموں دے دوں گا۔ ویسے میرے پاس آپ کے لائق ایک نایاب گھڑی بھی ہے آیئے آپ کو دکھاتا ہوں ۔"

وہ دکان کی پچھلی کوٹھری میں چلا گیا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا دروازہ بند کرتے ہی اس نے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چارپائی پر میلا کچیلا بستر لگا ہوا تھا کونے میں تپائی پر چائے کی کیتلی اور پیالے پڑے تھے ایک روشن دان میں سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی ۔ اس کوٹھری میں ایک تنگ و تاریک غسل خانہ بھی تھا گھڑی ساز غسل خانے میں چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک میلا سا ٹکڑا تھا کاغذ میری طرف بڑھا کر وہ بھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کاغذ کے ٹکڑے پر صرف ایک گول دائرہ بنا ہوا تھا جس میں تین لکیریں ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھیں ۔" تمہارا پنجاب کا مشن مکمل ہو گیا ہے قطب دین نے حکومت کے خلاف جو بیان دیا ہے وہ میں نے پڑھ لیا ہے ۔ اب تم کراچی جاؤ۔ کراچی میں اس وقت سندھ اور بلوچستان کے دو ایسے لیڈر موجود ہیں جو تمہارا ٹارگٹ ہیں ۔ یہ لوگ پہلے تو حکومت کے خلاف تھے مگر کچھ عرصے سے یہ ہمنوا بن گئے ہیں ' ان سے ملو اور انھیں دی ٹو گولیاں کھلاؤ ۔ اس کے بعد تمہیں اپنے چوتھے ٹارگٹ کے لئے پشاور جانا ہو گا۔ کراچی میں تمہیں کلفٹن سے دو میل دور سمندر کے کنارے ایک جھونپڑی میں ایک مجذوب فقیر ملے گا اسے یہ کاغذ دکھا دینا۔ وہ تمہیں گائیڈ کرے گا۔ اب فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔" جگدیش چند نے جلدی جلدی کہا۔

میں خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے باہر آگیا۔

میں ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھا کر لاریوں کے اڈے پر پہنچا وہاں سے ایک ایکسپریس فلائنگ کوچ مل گئی جس نے ملتان پہنچا دیا ملتان سے شام کی فلائٹ سے میں کراچی کی طرف پرواز کر گیا۔

کراچی پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ اس وقت کلفٹن والے جاسوس مجذوب سے ملنا مناسب نہیں تھا' اس لئے ایک ہوٹل میں کمرہ لے لیا۔ غسل کیا رات کا کھانا کھایا اور سو گیا۔ صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ مارکیٹ میں جاکر شلوار قمیص کا نیا سوٹ خریدا کیونکہ جو سوٹ میں نے پہن رکھا تھا وہ میلا ہو گیا تھا کراچی میں سردی بالکل نہیں تھی میں نے ایک سندھی ٹوپی خرید کر سر پر پہن لی۔ گرم چادر کمرے میں ہی رہنے دی اپنا جاسوسی کا سامان صدری میں چھپایا اور ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں کلفٹن کی طرف روانہ ہو گیا۔ موسم صاف تھا فضا میں ہلکی ہلکی گرمی تھی مگر خوش گوار ہوا چل رہی تھی کلفٹن سے ایک نئی سڑک سمندر کے ساتھ ساتھ آگے بنے ہوئے نئے فلیٹوں کی طرف جاتی ہے۔ اس سڑک پر کوئی ڈیڑھ میل چلنے کے بعد میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور تسبیح ہاتھ میں لئے خراماں خراماں سمندر کے کنارے چل پڑا۔ آدھا میل چلا ہوں گا کہ داہنی جانب جہاں فلیٹوں کا سلسلہ ختم ہوتا تھا' وہاں ایک جگہ ریت کے چھوٹے سے ٹیلے کی اوٹ میں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ باہر کچھ مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ سمجھ گیا کہ مطلوبہ آدمی اسی جھونپڑی میں مقیم ہے اور اس نے یہاں نقلی پیری مریدی کا پاکھنڈ رچا رکھا ہے۔ میرا اپنا حلیہ بھی درویشوں جیسا ہی تھا مجھے دیکھ کر مرد اور عورتیں ادب سے اٹھ کھڑی ہوئیں دو آدمیوں نے تو آگے بڑھ کر میرے پاؤں بھی چھوئے میں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم باباجی سے ملنے بڑی دور سے آئے ہیں کیا بابا جھونپڑی میں موجود ہیں؟"

ایک دم اندر سے آواز آئی "جدھر سے آئے ہو ادھر ہی واپس چلے جاؤ ہم اس وقت کسی سے نہیں مل سکتے۔"

میں نے دل میں کہا کہ تیرا باپ بھی ملے گا۔ ذرا ٹھہر تو سہی تیری پیری مریدی ایسی نکالوں گا کہ ساری زندگی جیل میں پڑا سڑتا رہے گا میں نے تسبیح والا ہاتھ اپنی ڈاڑھی پر پھیر کر کہا۔ "باباجی! ہم فیصل آباد سے چل کر تمہارے پاس آئے ہیں"

اندر سے وہی کرخت مگر پر جلال آواز بلند ہوئی۔ "بھاگ جاؤ فیصل آباد نہیں تو یہیں راکھ کر دوں گا" مجھے بڑا غصہ آیا میں نے کہا "میں آپ کی خدمت میں فیصل آباد والے آپ کے مرید ماسٹر جی کا ایک خاص پیغام لایا ہوں۔"

اس بار جھونپڑی میں سناٹا چھا گیا جھونپڑی کے آگے ایک بوری لٹکی ہوئی تھی فوراً ہی اسے ایک طرف ہٹا کر ایک شخص میرے سامنے آگیا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور میلی کچیلی لمبی ڈاڑھی پیٹ کو چھو رہی تھی اس نے ایک لمبا کرتا پہن رکھا تھا آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ہاتھ میں

ڈنڈا تھا جس پر چیتل کے کوکے جڑے ہوئے تھے۔ اس کی لال لال آنکھیں مجھ پر گڑ گئیں۔ وہاں بیٹھے مرد اور عورتیں ڈر کر دور ہٹ گئیں مجذوب بولا "میرے مرید کا پیغام دکھاؤ" کم بخت کو معلوم تھا کہ ماسٹر فیروز دین نے مجھے گول دائرہ بنا کر دیا ہوگا میں نے جیب سے کاغذ کا تہہ کیا ہوا ٹکڑا نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا اس نے کھول کر گول دائرہ اور اس کے اندر کاٹتی ہوئی لکیروں کو دیکھا تو اسے فوراً پرزے پرزے کر دیا، اور نعرہ لگا کر بولا۔" تم ہمارے پیارے مرید کے بھائی ہو۔ آجاؤ۔ اندر آجاؤ بچہ۔"۔

میں جھونپڑی میں داخل ہو گیا مجذوب نے گالیاں دیتے ہوئے وہاں بیٹھے تمام لوگوں کو بھگا دیا جھونپڑی میں ٹوٹی ہوئی چارپائی کے پاس مٹی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ میں چٹائی پر بیٹھ گیا تو وہ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اپنی اصلی آواز میں کہنے لگا" اپنی شناخت کے لئے مشن کا نام بتاؤ"

میں نے مشن کا خفیہ نام بتایا تو وہ مطمئن ہو گیا۔

تمہارے آنے کی اطلاع مجھے پہلے سے مل گئی تھی میں تمہارے انتظار میں تھا جو دو لیڈر تمہارے ٹارگٹ پر ہیں، ان پر میرا اثر ہے۔ وہ ہر جمعرات کو یہاں حاضری دینے آتے ہیں پرسوں جمعرات ہے شام کو میرے پاس آجانا میں تمہیں اپنا مرشد کہہ کر ان سے ملواؤں گا آگے تم سنبھال لینا۔ اب تم چلے جاؤ"

میں واپس ہوٹل آگیا۔ دو دن تک کراچی شہر کی سیر کرتا رہا ہوٹل میں میں نے اپنا نام حاجی عبداللہ گیلانی لکھوایا اور انہیں بتایا کہ میں لاہور میں چینی پیالوں کی دکان کرتا ہوں۔

جمعرات کی شام کو میں ساحلی جھونپڑی میں پہنچ گیا وہاں میں نے اپنا ٹارگٹ دیکھا ۔۔۔ سندھ اور بلوچستان کے دونوں لیڈر، سفید لباس میں مجذوب کے سامنے چٹائی پر ادب سے بیٹھے تھے مجھے دیکھتے ہی مجذوب اٹھ کھڑا ہوا، لپک کر میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔" حضور! آج میں اپنی خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے ۔۔۔ میرا نصیب کہ آپ تشریف لائے۔" یہ کہہ کر اس نے مجھے بے حد عقیدت سے چارپائی پر بٹھایا دونوں لیڈر بھی عقیدت سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مجذوب نے ان سے یہ کہہ کر میرا تعارف کرایا کہ میں اس کا مرشد سید شاہ ہوں اور پنجاب سے ملاقات کے لئے آیا ہوں لیڈروں پر میرا مزید اثر ڈالنے کے لئے اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" حضور سید صاحب! حضور کی زیارت میں نے رات خواب میں ہی کر لی تھی۔ میں نے آپ کو ملتان کے اوپر اڑتے ہوئے دیکھا تھا۔"

میں نے جھوٹ کو مزید وزن دار بناتے ہوئے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور جلالی انداز میں کہا۔ ہم ملتان میں بزرگان دین کے مزاروں پر حاضری دینے کے لئے اترے تھے ۔ وہاں ہمیں اصفہان کا ایک جن مل گیا وہ بھی وہاں زیارت کے لیے آیا ہوا تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ اصفہان لے گیا۔ آج کا سارا دن ہم نے اصفہان میں گزارا۔ ابھی ابھی ہمارا دوست جن ہمیں یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔"

مجذوب سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرتا ہوا' سر کو جھٹکا دے کر میرے قدموں سے لپٹ گیا دونوں لیڈر میری طرف گہری عقیدت سے تک رہے تھے' انھوں نے بھی باری باری میرے گھٹنوں کو چھوا۔

کچھ دیر بعد جب میں وہاں سے جانے کے لئے اٹھا تو دونوں لیڈر میرے مرید بن چکے تھے دوسرے روز میں ان کے ہاں باری باری پہنچا کراچی کے حسین ترین علاقے کے بنگلوں میں ان کا قیام تھا ہر بنگلے میں میری زبردست آؤ بھگت ہوئی طرح طرح کے مسائل مجھ سے بیان کئے گئے جن کے حل کے لئے میں نے کئی تعویذ لکھ کر دیئے۔ ان لیڈروں نے مجھ سے اپنے سیاسی اقتدار کے بارے میں بھی بات کی میں فوراً مراقبے میں چلا گیا۔ مراقبہ ختم کرنے کے بعد میں نے انہیں ہدایت کی کہ ان کا عروج اسی نکتے میں پوشیدہ ہے کہ وہ ملک کی مخالفت نہ کریں' البتہ بعض پالیسیوں کے بارے میں نوک جھونک جاری رکھیں ایسا کرنے سے انھیں وہ عروج حاصل ہو جائے گا جس کے وہ متمنی ہیں چنانچہ ابھی میں کراچی میں ہی تھا کہ ان دونوں لیڈروں کے بیان اخبارات میں آگئے جن میں انھوں نے کسی پالیسی کے بارے میں نکتہ چینی کی تھی۔۔

میرا مقصد حل ہو گیا میں نے ایک رات ریڈیو ٹرانسمیٹر پر کوڈ میں امرتسر کے کرنل گورمیت سنگھ کو پیغام دیا کہ میں مزید دو لیڈروں کو وی ٹو گولیاں کھلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں حالانکہ ان کے حصے کی گولیاں میرے پاس موجود تھیں کرنل گورمیت سنگھ نے مجھے مبارک باد دی اور بتایا کہ ان لیڈروں کے بیانات اس کے پاس پہنچ چکے ہیں اسی طرح میں نے اپنے حصے کے چوتھے لیڈر کو بھی رام کر لیا یوں مجھے بھارتی انٹیلی جینس کا اعتماد حاصل ہو گیا۔ اب میں پاکستان میں ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف بھارتی جاسوسوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے آزاد تھا۔

سب سے پہلے میں نے کلفٹن کی جھونپڑی میں مقیم جاسوس کو کریدنے کی کوشش کی مگر اسے سوائے جگدیش چند کے 'کسی اور جاسوس کا علم نہیں تھا۔

میں فیصل آباد واپس آگیا۔

جگدیش چند عرف ماسٹر فیروز دین میری کارروائی سے مطمئن تھا

میں تین روز فیصل آباد کے ایک ہوٹل میں مقیم رہا دن میں ایک بار جگدیش چند سے ضرور ملاقات ہوتی۔ باتوں ہی باتوں میں ایک روز میں نے اسے بتایا کہ پاکستانی سی آئی ڈی ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے اور ممکن ہے ہم کسی وقت گرفتار کر لئے جائیں جگدیش چند نے کسی تشویش کا اظہار نہ کیا بلکہ کہنے لگا کہ پولیس کو ہمارے پاس سے کوئی ثبوت نہیں مل سکے گا میں نے کہا ہم نہ سہی لیکن اس علاقے میں ہمارے جو دوسرے ساتھی کام کر رہے ہیں' ہو سکتا ہے وہ پکڑے جائیں اس طرح وہ ہمارے لئے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔۔

جگدیش چند نے گھمنڈ میں آکر کہا کہ اس علاقے میں سوائے اس کے دوسرا کوئی جاسوس نہیں ہے اس نے بتایا کہ ہم کسی ایک ملک میں زیادہ جاسوس جمع کرنے کے خلاف ہیں۔ اس وقت لاہور میں ہمارا ایک جاسوس اور اسلام آباد میں دو سیکرٹ اسپائی کام کر رہے ہیں۔ کراچی ایسے بڑے شہر میں ہم نے ایک ہی جاسوس کو رکھا ہوا ہے۔ اس ہندو ماسٹر اسپائی نے مجھے وہ تمام معلومات فراہم کر دی تھیں جن کی مجھے تلاش تھی۔ میں اسلام آباد روانہ ہو گیا۔ جان بوجھ کر میں نے ایسی بس میں سفر کیا جو آدھی رات کو اسلام آباد پہنچتی تھی۔ اس وقت کسی بھارتی جاسوس کا میری نگرانی کرنا مشکل بات تھی۔ میں سیدھا ایک پولیس چوکی پہنچا۔ یہ پولیس چوکی غیر معروف سی تھی۔ احتیاط کے تقاضوں کے ملحوظ رکھتے ہوئے میں خود چودھری صاحب کی کوٹھی پر نہیں جانا چاہتا تھا۔

پولیس چوکی میں ایک حوالدار کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا دو سپاہی بینچ پر لیٹے سو رہے تھے میں نے حوالدار کے کاندھے کو ذرا سا ہلا کر جگایا تو وہ بڑبڑا کر بولا۔ کون ہے اوے؟"

"جناب کیا میں ایک فون کر سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

حوالدار کو تو جیسے میں نے گولی مار دی تھی پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گیا اس نے میری درویشوں ایسی شکل کی بھی کوئی پروا نہیں کی "مولوی صاحب! آدھی رات کو آپ کہاں فون کرنے آگئے ہیں۔ آپ ہیں کون؟ مجھے تو آپ کوئی فراڈ لگتے ہیں کیوں نہ میں آپ کو حوالات میں بند کر دوں۔ کہاں فون کرنا ہے آپ کو"

میں نے چودھری صاحب کا نام لیا تو وہ ایک دم سے اٹنشن ہو گیا اور فون آہستہ سے آگے کر دیا۔ میں نے وہ خفیہ نمبر گھمایا جو مجھے چودھری صاحب نے دیا تھا۔ دوسری طرف سے کسی آدمی کی بھاری آواز آئی۔ "کوڈ نمبر پلیز؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "درویش"

کلک کلک کی دوبار آواز پیدا ہوئی اور چوہدری صاحب کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی میں نے انھیں بتایا کہ ایک اہم ترین مسئلے کے سلسلے میں انھیں میرے پاس آنا ہو گا۔ انہوں نے صرف اتنا پوچھا کہ میں کہاں سے فون کر رہا ہوں میں نے پولیس چوکی کا نام بتا دیا۔ "میں آرہا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

چوکی حوالدار تو اب میری آؤ بھگت میں لگ گیا اس نے بینچ پر سوئے ہوئے دونوں سپاہیوں کو اٹھا کر اٹنشن کر دیا جب میں نے اسے بتایا کہ چودھری صاحب آرہے ہیں تو وہ بے چارا میرے آگے پیچھے پھرنے لگا اور مولوی صاحب مولوی صاحب کہتے کہتے " اس کی زبان سوکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ایک گہرے رنگ کی ٹویوٹا کار پولیس چوکی کے احاطے میں آکر رکی چودھری صاحب نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ ہم لیاقت باغ کی طرف ایک سنسان مقام پر رک گئے۔

چودھری صاحب ہمہ تن سوال بنے دیکھنے لگے۔ میں نے انھیں ساری روداد سنا کر کہا کہ انھیں کلفٹن کراچی کے مجذوب، فیصل آباد کے گھڑی ساز اور اسلام آباد کی شبانہ کو صبح ہونے سے پہلے پہلے گرفتار کر لینا چاہئے اور ان کی گرفتاری کو راز میں رکھا جائے۔ اسلام آباد کے خشخشی بالوں والے بھارتی جاسوس اور لاہور کے بھارتی جاسوس کو اس کے بعد پکڑوا لیا جائے گا۔

چودھری صاحب نے مجھ سے فیصل آباد اور کراچی والے جاسوس کا ایڈریس اور حلیہ معلوم کیا اور کہا "یہ لوگ ابھی تھوڑی دیر میں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ ان کے گروہ کے باقی لوگ کہاں ہیں؟"

میں نے بتایا کہ اس وقت صرف یہی لوگ مصروف عمل ہیں۔ اسلام آباد اور لاہور والے مجھ سے رابطہ قائم کریں گے تو ان کی گرفتاری بھی عمل میں آجائے گی۔

چودھری صاحب کہنے لگے "تم اگر باہر رہے تو بھارتی انٹیلی جینس کو تم پر شک ہو سکتا ہے کہ تم ڈبل جاسوس ہو اور یہ گرفتاری تمھاری مخبری پر عمل میں آئی ہے"

"باقی دو جاسوس پکڑ لئے گئے تو مجھے بھی گرفتار کر لیجئے گا اور اخباروں میں یہ خبر دی جائے گی کہ فیصل آباد میں مقیم ایک بھارتی جاسوس پکڑا گیا ہے جس کی نشان دہی پر پولیس ملک میں غیر ملکی جاسوسوں کے پورے گروہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس کے بعد میں جیل سے فرار ہو جاؤں گا اور سرحد عبور کر کے بھارت چلا جاؤں گا تاکہ اپنے اگلے اور اہم ترین مشن کی تکمیل کر سکوں" میں نے کہا۔

شبانہ کی کوٹھی کا چودھری صاحب کو علم تھا انھوں نے مجھے تو ایک ہوٹل میں پہنچایا اور خود شی پولیس کے ایک خاص دستے کے ساتھ شبانہ کی کوٹھی پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا۔ اس دوران وہ فیصل آباد اور کراچی کے جاسوسوں کی گرفتاری کا بندوبست کر چکے تھے نتیجتہً صبح ہونے تک سندھیا، جگدیش اور کلفٹن کراچی کا ساحلی مجذوب گرفتار ہو کر کال کوٹھریوں میں بند ہو چکے تھے۔ میری ہدایت کے مطابق ان تینوں کو ایک دوسرے کی گرفتاری سے بے خبر رکھا گیا تھا۔

دوسرے روز میں نے قصداً چودھری صاحب کی کوٹھی یا دفتر کا رخ نہیں کیا ابھی تک یہ خبر پریس میں نہیں دی گئی تھی۔ مجھے اب اسلام آباد والے جاسوس کی تلاش تھی۔ اس سے رابطہ قائم کرنے کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا میں نے ریلوے اسٹیشن، لیاقت باغ اور ائرپورٹ کے کئی چکر لگائے مگر اس سے ملاقات نہ ہوئی ابھی مجھے لاہور والے جاسوس کو بھی پکڑوانا تھا جو مجذوب بن کر رہ رہا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ لاہور والے جاسوس نے بتایا تھا کہ میں ایک خاص فریکوئنسی پر اس سے گفتگو کر سکتا تھا میں فوراً اپنے ہوٹل کے کمرے میں آیا اور ریڈیو ٹرانسمیٹر کھول کر لاہور والے بھارتی جاسوس کو سگنل دیا اور اس سے کہا کہ مجھے اسلام آباد کی فضا میں خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے سندھیا اور جگدیش شاید روپوش ہیں۔ اسلام آباد میں متعین کالی داس کا بھی کچھ علم نہیں میں اسے

خطرے سے خبردار کرنا چاہتا ہوں مجھے بتایا جائے کہ اس سے کس جگہ رابطہ قائم کروں۔ دوسری طرف سے ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد مجھے کالی داس کا ٹھکانہ بتا دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ میں فوراً لاہور پہنچ کر اس سے شاہی قلعے کی عقبی دیوار والی درگاہ پر ملاقات کروں۔

ٹرانسمیٹر بند کر کے میں ہوٹل سے نکل آیا۔ لاہور والے جاسوس نے کالی داس کا جو ٹھکانہ بتایا تھا وہ راجہ بازار کا ایک ہوٹل تھا۔ ہوٹل میں جانے سے پہلے میں نے چودھری صاحب کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کر دیا پھر میں راجہ بازار کے ہوٹل میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ کونے والی میز پر بیٹھا' چائے پی رہا تھا اس کے سامنے اخبار کھلا ہوا تھا جس پر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اس کا تھیلا پاس ہی میز پر پڑا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

وہ مجھے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا میری طرف نگاہیں اٹھائے بغیر آہستہ سے بولا "سندھیا سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا"

میں نے کہا "وہ روپوش ہو گئی ہے پاکستان سیکورٹی اپنا گھیرا تنگ کر رہی ہے۔"

"تم فوراً باڈر کراس کر جاؤ تمھارا مشن مکمل ہو گیا ہے میں بھی روپوش ہو رہا ہوں۔"

میری بے نظریں نظریں بار بار ہوٹل کے دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ ایک چائے خانہ تھا جہاں کچھ گاہک بیٹھے چائے پی رہے تھے کالی داس جس جگہ بیٹھا تھا وہاں بائیں جانب ایک کوٹھری کا دروازہ تھا اس کوٹھری میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا عقب میں ایک کھڑکی تھی جو دکان کے عقبی محلے میں کھلتی تھی کالی داس جاسوس شاید کچھ سوچ کر ہی وہاں بیٹھا تھا

وقت تیزی سے گزر رہا تھا کالی داس روپوش ہونے والا تھا لیکن چودھری صاحب ابھی تک نہیں آئے تھے میں کالی داس کو باتوں میں لگائے ہوئے تھا اس نے اخبار تہ کر کے تھیلے میں ڈالا اور بولا "لاہور میں نمبر تیرہ سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم یہاں سے نکل جاؤ" یہ کہہ کر وہ اٹھا ہی تھا کہ ایک دم سے گھبرا کر بولا "پولیس ۔۔۔" اس کے ساتھ ہی اس نے تھیلا اٹھا کر کھڑکی سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔۔

چودھری صاحب پولیس کی ٹیم لے کر پہنچ گئے تھے۔

میں بھی کالی داس کے پیچھے کھڑکی سے کود گیا۔

پولیس ہمارے پیچھے دوڑی۔ دوسری جانب ایک تنگ گلی تھی میں نے کالی داس کو گلی کا موڑ گھومتے دیکھا میں اس کے پیچھے بھاگا اور گردن گھما کر دیکھا پولیس کے تین جوان دوڑے چلے آ رہے تھے لیکن وہ فاصلے پر تھے صاف ظاہر تھا کہ اگر میں کالی داس پر قابو نہ پا سکا تو وہ پولیس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

گلی ختم ہوئی تو سامنے کوارٹروں کی ایک قطار آئی جس کے آگے ایک کھڈ تھی کالی داس بے

تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک جست لگائی اور کھڈ پار کر گیا اس کے پیچھے میں نے بھی چھلانگ لگا دی۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر دی کیونکہ کچھ فاصلے پر ریلوے لائن تھی اور ایک مال گاڑی شور مچاتی چلی آ رہی تھی میں نے اندازہ لگالیا کہ اگر اب میں اسے پکڑنے میں ناکام رہا تو وہ لائن پار کر جائے گا پھر ہمارے درمیان مال گاڑی کے ڈبے حائل ہو جائیں گے میں مزید تیزی سے بھاگنے لگا عین اس وقت جب وہ ریلوے لائن کے قریب پہنچ چکا تھا' میں ایک ہائی جمپ لگا کر اس کے اوپر جا گرا اور اسے دبوچ لیا مال گاڑی گزرتی چلی گئی۔ کالی داس چھٹی چھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ یہ شاید اس کی زندگی کی سب سے بڑی حیرانی تھی جسے وہ اپنا ساتھی سمجھ رہا تھا' وہ اس کا دشمن ثابت ہوا تھا اس نے زور لگا کر گرفت سے نکلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اس کے ہونٹوں سے صرف یہی الفاظ نکل سکے " یہ تم ۔۔۔ تم ہی تھے ۔۔۔" اتنے میں پولیس پہنچ گئی اور اسے گرفتار کر کے آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی چودھری صاحب بھی پہنچ گئے اور بولے "اگر تم ہمت نہ کرتے تو یہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تھا"

پاکستان میں جتنے بھی جاسوس میرے علم کے مطابق مصروف عمل تھے' سب پکڑے جا چکے تھے صرف لاہور والا آدمی باقی تھا' اور اب مجھے اس کا بھی بندوبست کرنا تھا۔

چودھری صاحب نے لاہور میں سی آئی ڈی کے ایک اہم رکن کو میرے بارے میں اعتماد میں لے کر ہدایت کی کہ میری ہر طرح سے مدد کی جائے میں اسی روز شام کی فلائٹ سے لاہور روانہ ہو گیا سات بجے شام لاہور پہنچا۔ وہاں سے سیدھا سی آئی ڈی کے اہم رکن کے بنگلے پر گیا۔ یہ صاحب درمیانی عمر کے بڑے چست اور کسرتی جسم والے ملک صاحب تھے۔ انھوں نے ایک تیز نگاہ سے میرے صوفیانہ حلیئے کا جائزہ لیا اور مجھے ایک تنہا کمرے میں لے گئے کچھ دیر مجھ سے باتیں کرتے رہے' پھر پولیس ہیڈ کوارٹر فون کیا جب میں ملک صاحب کے بنگلے سے نکل کر رکشے میں سوار ہوا تو پولیس کی ایک پارٹی جیپ میں پیچھے چلی آ رہی تھی۔

رات کا پہلا پہر تھا بہار کا موسم تھا قلعے کے پہلو سے ہو کر گزرنے والی سڑک پر کافی رونق تھی بسیں ٹرک رکشے اور موٹریں آ جا رہی تھیں مینار پاکستان کے پاس لوگ ٹولیوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے میں جس حلیئے میں تھا اس میں مجھے میرا کوئی قریبی عزیز بھی نہیں پہچان سکتا تھا میں نے رکشا درگاہ سے کافی پیچھے رکوا لیا تسبیح میرے ہاتھ میں تھی شانوں پر زرد رومال تھا اور میں درویشانہ شان کے ساتھ تسبیح پھیرتا' درگاہ کی طرف چل دیا۔ درگاہ پر بجلی کے بلب روشن تھے' لیکن قبر کے سرہانے کچھ مٹی کے چراغ بھی جل رہے تھے دو عورتیں ایک طرف سر جھکائے خاموش' گویا مراقبے میں بیٹھی تھیں پیچھے جھونپڑی تھی جس کے دروازے پر ایک مجاور چارپائی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اس کے سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے گلے میں رنگ برنگ منکوں والی مالائیں تھیں میں

قبر کے قریب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے لگا اور ماحول کا جائزہ لیتا رہا مجھے وہ مجذوب کہیں نظر نہیں آ رہا تھا میں اس کی شکل سے اچھی طرح واقف تھا فاتحہ پڑھنے کے بعد میں مزار سے ہٹ گیا اور ایک چبوترے پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ تسبیح پھیرنے لگا میں جس شخص کی تلاش میں وہاں آیا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا جو دو عورتیں مراقبے میں بیٹھی تھیں' ان میں سے ایک اٹھ کر میری طرف بڑھی اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کا جسم بھاری تھا میرا ماتھا ٹھنکا قریب آ کر اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا اور بولی "پیر بھائی' مرشد سائیں سے ملنے آئے ہو؟"

میں اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا وہ میرے سامنے زمین پر بیٹھ گئی' پھر مجذوب عورتوں کی طرح سر ہلانے لگی میں خاموش بیٹھا تسبیح پھیرتا رہا میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں تھوڑی دیر دائیں بائیں سر ہلانے کے بعد اس نے ہو حق کا نعرہ لگایا اور جیب سے ایک پوٹلی نکال کر کھولی۔ اس میں ایک بالوشاہی تھی وہ بالوشاہی میری طرف بڑھا کر بولی "یہ مرشد سائیں نے تمہارے لئے بھیجی ہے' پیر بھائی۔"

میں نے بالوشاہی لے لی۔

وہ میری طرف جھک کر بولی "پیر! بھائی فوج میں تم کیپٹن ہو یا میجر؟"

مجھے شک ہوا کہ ہو نہ ہو اس کو بھارتی جاسوس نے ہی یہاں بھیجا ہے اس کا مطلب تھا کہ یہ عورت بھی جاسوسی کر رہی تھی میں نے آہستہ سے جواب دیا "کرنل ہوں تم کون ہو؟" وہ مسکرائی اور کہنے لگی "نمبر تیرہ نے تمہیں بلایا ہے۔۔۔ میرے ساتھ آؤ۔"

میں اٹھ کھڑا ہوا چادر پوش عورت میرے آگے آگے چلنے لگی درگاہ سے نکل کر جب ہم ایک سڑک پر آئے تو میں نے ذرا سی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ پولیس کے دو آدمی سادہ لباس میں کچھ فاصلے پر ہمارے پیچھے آ رہے تھے میں مطمئن ہو کر عورت کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ بازار حسن کی ایک گلی میں داخل ہو گئی پھر ایک مکان کے سامنے رک کر آواز دی "پیر مرشد سائیں! حاضر ہو جاؤں؟ پیر بھائی میرے ساتھ ہے"

اندر سے کسی نے بڑے جلالی لہجے میں جواب دیا۔" آ جاؤ بہن جیونی آ جاؤ۔"

عورت اندر داخل ہوئی میں اس کے ساتھ تھا سامنے دالان میں تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر وہی مجذوب بڑی شان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا دو عورتیں اس کے کاندھے دبا رہی تھیں بھارتی جاسوس نے میری طرف دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا ساتھ ہی ہوا میں بازو لہرا کر بولا "چلے جاؤ سب چلے جاؤ۔ ہمیں اپنے پیر بھائی سے راز و نیاز کی باتیں کرنی ہیں"

جو عورتیں کندھے دبا رہی تھیں اور دوسری کوٹھری میں چلی گئیں جو عورت مجھے لے کر آئی تھی وہ باہر نکلنے لگی تو میں نے عرض کی "مرشد سائیں! جیونی کو یہیں رہنے دیں ہماری باتوں سے اسے

بھی فائدہ پہنچے گا"

چلی جاؤ یہاں سے نکل جاؤ" وہ غرایا تو عورت جلدی سے باہر نکل گئی۔

مجذوب اب اپنی اصلی حالت میں آگیا کہنے لگا "کیا سب لوگ روپوش ہو گئے ہیں ؟ کہیں یہ لوگ پکڑے تو نہیں گئے ؟ جگدیش نے ابھی تک رابطہ قائم نہیں کیا۔"

وہ بولے جا رہا تھا لیکن میری ساری توجہ اس عورت کی طرف لگی تھی جو میرے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی میں نے یونہی اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے ٹٹولا اور کہا "میں ایک ضروری کاغذ بھول آیا ہوں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

مجذوب میرا منہ تکنے لگا "کون سا کاغذ بھول آئے ہو ؟" میں جواب دینے کی بجائے تیزی سے باہر نکل گیا عورت اتنی دیر میں غائب ہو چکی تھیں البتہ سی آئی ڈی کے دونوں آدمی کچھ فاصلے پر اندھیرے میں کھڑے تھے میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا کہ ابھی ابھی جو چادر پوش عورت باہر نکلی تھی، اسے فوراً پکڑ لو یہ کہہ کر میں بھاگ کر واپس مکان میں آگیا اور پھر یہ دیکھ کر میرے پاؤں تلے کی زمین کھسک گئی کہ مجذوب تخت پر موجود نہیں تھا۔

میں نے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا تو وہ بالکل خالی تھی میں سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر چھت پر آگیا یہاں بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اس کا دروازہ بند تھا میں نے ٹکر مار کر دروازہ کھول دیا وہ کونے میں بیٹھا ٹرانسمیٹر کی مدد سے سگنل دینے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اس پر چھلانگ لگا دی وہ دوسری طرف لڑھک گیا اور پھرتی سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔

گولی سنسناتی ہوئی میرے کان کے قریب سے ہو کر سامنے دیوار میں پیوست ہو گئی میں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے پستول گرا دیا اس نے انتہائی غصے میں مجھے غدار کہا پستول، میں نے اٹھا لیا تھا۔ گولی کی آواز سن کر سی آئی ڈی کے دونوں آدمی اور چند سپاہی چھت پر آگئے بھارتی جاسوس اور اس کا ریڈیو ٹرانسمیٹر قبضے میں لے لیا گیا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "تم بھی مارے جاؤ گے میں نے سگنل دے دیا ہے وہ لوگ تمہارے گھر والوں کو پکڑ کر قلعے میں لے جائیں گے اور سب کو مار ڈالیں گے۔"

پولیس پارٹی اسے ہتھکڑی لگا کر باہر لے آئی میں نے سی آئی ڈی والوں سے چادر والی عورت کے بارے میں پوچھا انھوں نے گلی کے باہر سڑک پر کھڑی جیپ کی طرف اشارہ کیا عورت وہاں پولیس کی حراست میں سر جھکائے بیٹھی تھی پولیس ان دونوں کو قلعے میں لے گئی۔ میں نے رکشا پکڑا اور سیدھا ملک صاحب کے بنگلے پہنچ گیا انھیں مشن کی کامیابی کی اطلاع کی اور اسلام آباد چودھری صاحب کو فون کر کے ان سے لاہور آنے کی درخواست کی انھوں نے کہا کہ وہ صبح کی فلائیٹ سے پہنچ جائیں گے۔

اب مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اگر اس بدبخت جاسوس نے واقعی میرے بارے میں پیچھے کوئی سگنل دے دیا ہے تو مجھے بھارت پہنچتے ہی گرفتار کر کے شوٹ کر دیا جائے گا اور میرا اصل مشن

دھورا رہ جائے گا حقائق معلوم کرنے کا میرے پاس ایک ہی ذریعہ تھا کہ میں اس پر دی ٹو گولی آزماؤں میں یہ تجربہ چودھری صاحب کی موجودگی میں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ملک صاحب کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا رات بے چینی سے پہلو بدلتے گزر گئی صبح اسلام آباد فون کیا تو چودھری صاحب نے بتایا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے روانہ ہو رہے ہیں ملک صاحب گرفتار شدہ جاسوسوں سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے قلعے کی طرف چل دیئے میں ان کے بنگلے پر ہی چودھری صاحب کا انتظار کرنے لگا وہ سوا نو بجے بنگلے پر پہنچ گئے تو میں نے تمام واقعات ان کے گوش گزار کر دیئے انھوں نے میرے منصوبے سے اتفاق کیا دس بجے ہم قلعے کے تہہ خانے میں پہنچ گئے دی ٹو گولیاں میرے پاس تھیں جاسوس کو جس کوٹھری میں بند کیا گیا تھا اس میں ایک خفیہ سوراخ تھا جس میں اس کی نقل و حرکت آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ میں اس سوراخ کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور دی ٹو گولی پانی میں گھول کر گلاس اپنے پاس ہی میز پر رکھ لیا چودھری صاحب پستول ہاتھ میں لئے اکیلے کوٹھری میں داخل ہو گئے میں نے دیکھا کہ بھارتی جاسوس نے ان پر ایک نفرت انگیز نگاہ ڈالی اور چلا کر کہا" تم لوگ مجھ سے کوئی راز نہیں اگلوا سکتے چاہے میرے جسم کے ٹکڑے کردو۔ تمھارا آدھا پاکستان ہم نے کاٹ کر الگ پھینک دیا ہے بہت جلد تمہیں باقی بچے ہوئے پاکستان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

چودھری صاحب نے پستول جیب میں رکھ لیا اور بڑی نرمی سے گفتگو شروع کر دی، مگر وہ شخص برابر کفر بکے جا رہا تھا اور پاکستان کے خلاف چیخ چیخ کر بول رہا تھا چودھری صاحب نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا اس کے بعد دوسرا تھپڑ مارا۔۔۔ پھر لاتیں ٹھوکریں مارنے لگے یہاں تک کہ جاسوس نیم جان ہو کر فرش پر گر پڑا چودھری صاحب نے دروازے میں کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا سپاہی لپک کر میری طرف آیا میں نے دی ٹو گولی والے پانی کا گلاس اسے تھما دیا۔ ان گولیوں کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا۔ اس کی پہلی بات سچ ثابت ہوئی تھی یعنی پانی میں گولی پوری طرح حل ہو گئی تھی اور پانی کا رنگ معمولی سا بھی نہیں بدلا تھا۔

میں نے دیوار کے سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا دی۔ ٹو گولی والا گلاس چودھری صاحب کے ہاتھ میں تھا جاسوس کا برا حال ہو رہا تھا چودھری صاحب نے تحکمانہ انداز میں کہا "پانی پیو"۔

وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں پانی پی گیا۔

چودھری صاحب سپاہیوں کو لے کر کوٹھری سے باہر نکل آئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب وہ بھی میرے پاس دیوار کے سوراخ کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ ہماری آنکھیں بڑی بے تابی سے کوٹھری میں دیکھ رہی تھیں۔

جاسوس نے اپنا ایک بازو اٹھا کر سینے پر رکھا گردن دائیں بائیں ہلائی۔۔۔ پھر آہستہ سے اٹھ بیٹھا

اس کی ایک آنکھیں سوجی ہوئی تھی۔ کوٹھری میں چاروں طرف دیکھ کر وہ بلند آواز میں بولا "تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں بند کر رکھا ہے؟ تم کو دھوکہ ہوا ہے۔"

وی ٹوگولی کا اثر ہو چکا تھا میں نے چودھری صاحب کو اشارہ کیا اور ہم کوٹھری میں داخل ہو گئے جاسوس میری طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا "کرنل منی! تم ڈبل ایجنٹ ہو، لیکن میں نہیں ہوں تم بھارت کے بھی غدار ہو اور پاکستان کے بھی غدار ہو میں بھارت کا غدار ضرور ہوں میں نے پاکستان کے بارے میں بھارت کو ہمیشہ غلط رپورٹ دی ہے" تب اس نے چودھری صاحب کی طرف دیکھا اور کہا" آپ مجھے ٹارچر کیوں کر رہے ہیں؟ کرنل منی کو کیوں نہیں پکڑتے؟ یہ بھارت کا ایجنٹ ہے اسے ٹارچر کیوں نہیں کرتے؟ میں تو پاکستان کے حق میں ہوں" چودھری صاحب اس کی دلجوئی کرنے لگے انھوں نے میرے بارے میں بتایا کہ میں ڈبل ایجنٹ نہیں بلکہ پاکستان کا وفادار ہوں ۔۔۔ پھر اسے دوسرے کمرے میں لے جا کر جوس پلایا گیا اور پلنگ پر آرام کرنے کے لئے کہا گیا وہ بار بار میرے خلاف بول رہا تھا۔

میں نے اس موقع پر کہا" اچھا اگر میں ڈبل ایجنٹ ہوں اور تم بھارتی انٹیلی جینس کو میرے بارے میں سگنل دے چکے ہو تو پھر میں بھارت نہیں جاؤں گا۔"

وہ سر کو آہستہ جھٹک کر بولا " کاش! میں سگنل دینے میں کامیاب ہو جاتا لیکن تم اچانک ہی کوٹھری میں گھس آئے تھے اور میں بھارتی انٹیلی جینس کو اطلاع دے کر تمھارا بھانڈا نہ پھوڑ سکا۔"

یہ جان کر مجھے بے حد خوشی اور اطمینان ہوا کہ اس نے میرے بارے میں کوئی اطلاع نہیں بھیجی تھی۔ دی۔ ٹوگولی اپنا کام کر رہی تھی تجربہ کامیاب ثابت ہوا تھا ہم نے کوٹھری کا دروازہ بند کر دیا اور جاسوس کے لئے ناشتہ بھجوانے کی تاکید کر دی چودھری صاحب اس کایا پلٹ پر بہت حیران تھے۔ کہنے لگے "یہ وی ٹوگولیاں تو طلسمی اثر رکھتی ہیں اس سے تم بڑا کام لے سکتے ہو مثلاً تم بھارت جا کر ایک گولی کسی طرح وہاں کے وزیر اعظم کو کھلا دو تو وہ پاکستان کے حق میں ہو جائے گا میں نے کہا یہ میں بھارت جا کر سوچوں گا پھر میں نے ہائیڈروجن بم والے پلانٹ کے سلسلے میں بتایا تو چودھری صاحب سکتے میں رہ گئے۔

مجھے پاکستان میں بھارتی سفارت خانے والوں سے ملنے کے لئے منع کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ میں ادھر کا رخ بھی نہ کروں میں نے لاہور کے ایک عالیشان ہوٹل میں کمرہ لے لیا میں ریڈیو ٹرانسمیٹر ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا کہ شاید کسی وقت سفارت خانہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے کیونکہ انھیں پتہ چل گیا ہو گا کہ ان کے ایجنٹ روپوش ہو چکے ہیں۔

ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا مجھے کوئی سگنل موصول نہ ہوا۔ اب میں نے بھارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ایک صبح میں نے امرتسر میں متعین ملٹری انٹیلی جینس چیف کرنل گورمیت سنگھ کو سگنل دیا اسے پاکستان میں بھارتی ایجنٹوں کے روپوش ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اس نے مجھے ہدایت کی

کہ میں ماسٹر اسپائی کا سراغ لگانے کی کوشش کروں، اگر وہ لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں تو واپس چلا آؤں۔

دو روز بعد میں نے گورمیت سنگھ کو سگنل دیا کہ میری تفتیش کے مطابق ماسٹر اسپائی گرفتار ہو چکا ہے اور پاکستانی سی آئی ڈی بڑی شدت سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے کرنل گورمیت سنگھ نے فوراً جواب دیا "کرنل منی! ہمارا مشن مکمل ہو چکا ہے فوراً واپس آجاؤ" اس کے ساتھ ہی کرنل نے یہ بھی طے کر لیا کہ مجھے کسی مقام سے کس پاس ورڈ کے ساتھ بھارتی سرحد پر پہنچنا ہوگا وقت رات کے تین بجے کا دیا گیا۔

میں نے چوہدری صاحب سے ملاقات کر کے انہیں اس نئی صورتحال سے آگاہ کیا بھارت میں جا کر براہ راست ریڈیو ٹرانسمیٹر پر چوہدری صاحب سے رابطہ قائم کرنا میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا وہ بھارت میں، پاکستانی سفارتخانہ کو ملوث نہیں کرنا چاہتے تھے آخر یہ طے پایا کہ میں بھارت میں جہاں کہیں بھی رہوں گا، چوہدری صاحب کو کسی نہ کسی طرح فرضی نام سے خط لکھ کر بتا دیا کروں گا اور اگر انہیں کوئی ضروری پیغام مجھے پہنچانا ہوا تو وہ اپنے کسی خاص ایجنٹ کو میرے پاس بھیج دیا کریں گے میں نے اپنا ایک فرضی نام ان کی ڈائری پر نوٹ کرا دیا۔

آخر وہ رات آگئی جب مجھے سرحد پار کر کے بھارت میں داخل ہونا تھا۔ رات کے ٹھیک سوا دو بجے مجھے پاکستانی انٹیلی جینس والوں نے اپنی سرحد عبور کرادی۔ میں ایک خاص مقام سے آگے بڑھ گیا اور اپنے کپڑوں پر مٹی وغیرہ لگا کر ایسا حلیہ بنا لیا۔ گویا بڑی مشکل سے پاکستانی سرحد پار کر کے آ رہا ہوں۔ یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ نہ تو مجھے پاکستانی باڈر کی طرف سے گولی چلنے کا امکان تھا۔ میرے بارے میں وہاں ایک خاص مقام پر پہلے سے اطلاع کر دی گئی تھی۔ مجھے اگر تشویش تھی تو صرف یہ تھی کہ کہیں مجھے جال میں تو نہیں پھنسایا جا رہا؟ مجھے مجرم ثابت کرنے کے لئے میرے کپڑے اتروا کر ایک سیکنڈ کا معائنہ ہی کافی تھا۔ میرا مسلمان ثابت ہو جانا بھارتی انٹیلی جینس کے لئے دھماکے سے کم نہ ہوتا دل میں یہی تشویش اور ذہن میں یہی کھٹک لئے، میں اندھیری رات میں مخصوص بھارتی چوکی کے قریب پہنچ گیا۔ مجھ پر ایک دم سے سرچ لائٹ پھینکی گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر واہے گرو جی کا خالصہ واہے گورو جی کی فتح کا ہلکا سا نعرہ لگایا۔ یہی میرا پاس ورڈ تھا۔

مورچے سے ایک سکھ فوجی نکل کر میری طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی۔ میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارا کیا۔ میں اس کے مورچے میں چلا گیا۔ یہاں سے مجھے ایک جیپ میں امرتسر روانہ کر دیا گیا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ لیکن ابھی خطرہ پوری طرح سے نہیں ٹلا تھا۔ امرتسر میں کرنل گورمیت سنگھ پر انتظار کر رہا تھا وہ میرے لئے بلائے ناگہانی ثابت ہو سکتا تھا۔

جیپ میں میرے ساتھ ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک سادہ لباس والا آدمی بھی تھا جب کہ جیپ

ایک فوجی چلا رہا تھا۔

امرتسر ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے ویشنو ہوٹل میں میرے لئے کمرہ بک تھا۔ میرا لباس وہی شلوار قمیص تھا چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ ہوٹل والا مجھے مسلمان سمجھا مگر فوجی جیپ سے اترتے دیکھ کر خاموش رہا۔ سادہ لباس والا ہوٹل میں آکر مجھ سے کہنے لگا "صبح دس بجے تمہیں لینے آؤں گا۔ تیار رہنا۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔۔

میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور دل میں طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے لے کر پلنگ پر چت لیٹ کر سگریٹ پینے لگا۔ سوچتے سوچتے آخر مجھے نیند آگئی۔ صبح آنکھ کھلی تو نو بج رہے تھے۔ جلدی سے اٹھ کر غسل کیا۔ ناشتہ منگوایا۔ پورے دس بجے ہوٹل کے سامنے فوجی جیپ آکر رک گئی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ رات والا آدمی جیپ سے اتر کر ہوٹل کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہماری جیپ امرتسر کے قلعے کی طرف جا رہی تھی۔ بریف کیس میرے ساتھ تھا۔ اس میں ریڈیو ٹرانسمیٹر اور کوڈ بک تھی میں نے زہریلا سگار بھی شلوار کی خاص جیب میں رکھ لیا تھا وی ٹو گولیوں کا پیکٹ البتہ ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے بارے میں اطلاع دے چکا تھا کہ پاکستانی سیاست دانوں کو کھلا چکا ہوں۔ ان گولیوں کا پیکٹ میں نے ریلوے اسٹیشن والے ہوٹل کے کمرے کے باہر برآمدے کے ایک گملے میں چھپا دیا تھا۔

جوں جوں جیپ قلعے کے قریب ہوتی جا رہی تھی' میرے دل میں اندیشے بڑھتے جا رہے تھے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا کہ انڈین انٹیلی جینس میں میرا ریکارڈ بے داغ ہے اور جس مکتی باہنی جاسوس کو ہلاک کر کے میں نے اس کا بھیس بدلا ہے وہ انڈین سیکرٹ سروس کی گڈ بکس میں ہے۔ اسی کشمکش میں جیپ قلعے کے بڑے گیٹ میں داخل ہو گئی اور جب ہماری جیپ کرنل گورمیت سنگھ کے زیر زمین آفس کو جانے والے راستے کے دروازے پر آکر رکی تو میرے اندر کافی حوصلہ اور اعتماد پیدا ہو چکا تھا۔

کرنل اپنے اسی پرانے آفس میں میرا انتظار کر رہا تھا میں کمرے میں داخل ہوا تو اس نے بڑی خندہ پیشانی سے ہاتھ ملایا میرے اندیشے کسی حد تک دور ہو گئے۔ اس نے مشن کی کامیابی پر مجھے مبارکباد دی اور کہا "کرنل منی مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ اگر ہمارے ایجنٹ پاکستان میں کہیں روپوش ہو گئے ہیں تو انہوں نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ ماسٹر اسپائی کے پاس تو ہائی پاور ریڈیو ٹرانسمیٹر ہر وقت موجود رہتا ہے"

"ہو سکتا ہے' پاکستانی پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا ہو۔ سی آئی ڈی کے آدمی میرے پیچھے بھی لگے ہوئے تھے میں نے بڑے خطرناک حالات میں پاکستان کا باڈر کراس کیا ہے" میں نے جواب دیا۔

تجربہ کار سکھ کرنل کی چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی

ہوئی پنسل میز پر رکھ دی اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا "کرنل منی! ہمارے ایجنٹ بڑے تجربہ کار ہیں اور کئی سال سے پاکستان میں کام کر رہے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دم وہ سارے کے سارے کیسے پکڑے گئے۔ کہیں کسی نے مخبری تو نہیں کی؟" یہ کہہ کر وہ مجھے گہری نظروں سے تکنے لگا۔

ایک لمحے کے لئے میرے حلق میں تلخ ذائقے کی ایک لکیر سی پھیل گئی۔ میں سمجھ گیا کہ پانسہ پلٹ رہا ہے لیکن میں نے چہرے سے ذرا سی بھی پریشانی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ میرے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ میرا بریف کیس میز کے نیچے پڑا تھا۔ میں نے تسبیح کو لپیٹتے ہوئے کہا "مخبری کون کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ ضرور ڈبل ایجنٹ ہے۔ مگر اس قسم کا آدمی کم از کم ہمارے گروپ میں کوئی نہیں ہے

گورمیت سنگھ کا بالوں میں چھپا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ میری بات نہیں سن رہا بلکہ کچھ سوچ رہا ہے حالانکہ میری طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے تھا۔ اچانک اس نے سوال کیا "کرنل منی تم امرتسر کے کس محلے میں پیدا ہوئے تھے؟"

اس سوال نے مجھے چوکنا کر دیا۔ اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ میرا راز فاش ہو چکا ہے۔ پھر بھی میں نے اپنے حواس قائم رکھے اپنے اسمگلر دوست کے ہاں قیام کے دنوں میں میں امرتسر کے گلی محلوں سے واقف ہو چکا تھا۔ میں نے کہا "میرا جنم نہان سنگھ کی گلی پاندیاں میں ہوا تھا"

وہ میرے ماتا پتا کے بارے میں پوچھنے لگا میں اسے بتاتا چلا گیا اور راہ فرار اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ میرے پاس زہریلا سگار موجود تھا مگر میں اسے سلگا نہیں سکتا تھا کیونکہ اس سگار کی ہلاکت خیزی کرنل کے علم میں تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور کرنل کی بیلٹ میں لگا ہوا ریوالور مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اپنا بھرم رکھنے کی خاطر ایک بار ہلکا سا احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں کر رہا ہے جب کہ اس کے پاس دلی سے میری فائل پہنچ چکی ہے جس میں میرا پورا ڈیٹا درج ہے وہ مکاری سے مسکرایا اور کہنے لگا "کرنل منی تمہاری فائل میں تمہارے بارے میں سب کچھ لکھا ہوا ہے مگر ایک بات کا اندراج نہیں ہے"

میں اس کا منہ تکنے لگا۔

وہ کرسی سے اٹھا اور بولا "میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ!"

بجلی کی چمک بن کر یہ خیال میرے ذہن میں کوند گیا کہ وہ میرے جسمانی معائنے کے لئے مجھے دوسرے کمرے میں لے جا رہا ہے۔ میں نے آخری بار احتجاج کیا کہ میں بھارت کی سینٹرل انٹیلی جینس کا ذمے دار آفیسر ہوں۔ وہ مجھے یوں ڈکٹیٹ نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے کمرے کے عقبی دروازے کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا "کرنل منی اس کمرے میں جا کر تمہیں اپنا جسمانی معائنہ

کرانا ہوگا۔"

میں نے مزید ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "آخر یہ کیا مذاق ہے؟ میں ہیڈ کوارٹر سے شکایت کروں گا۔"

وہ میری طرف جھک کر بولا "مولوی صاحب ۔۔۔ یہ سب کچھ میں ہیڈ کواٹر کے حکم ہی سے کر رہا ہوں۔ سائیڈ روم میں تشریف لائیے"

اب میرے لئے کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور سائیڈ روم میں گھس گیا میری زندگی اور موت کے درمیان چند ساعتیں باقی رہ گئی تھیں دوسرے کمرے میں آتے ہی میں نے ایک خونخوار اور بے خوف کمانڈو کی آنکھ سے جائزہ لیا کرنل کسی دوسرے آفیسر کو فون کرنے لگا کمرہ چھوٹا سا تھا کمرے میں لوہے کی الماری کھڑی تھی وہاں فضا نیم روشن تھی۔ مجھے کرنل کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کے آفس سے سائیڈ روم میں تین قدم کا فاصلہ تھا۔ میری یا گورمیت سنگھ کی موت میں بھی صرف تین ہی قدم کا فاصلہ تھا۔۔۔ دو قدم۔۔۔ ایک قدم۔۔۔ پھر میری موت کمرے میں داخل ہونے ہی والی تھی لیکن موت کی آغوش سے اپنی زندگی چھیننے کے لئے میں اس پر آخری اور بھرپور حملہ کرنا چاہتا تھا۔

سائیڈ روم کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ وہاں صرف نیلے رنگ کا ایک پردہ لٹک رہا تھا۔ میں پردے کے پہلو میں دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ اس وقت میری رگ رگ میں بجلیاں کوند رہی تھیں اندیشے، وسوسے، سوچ بچار سب کچھ کوندتی بجلیوں کے اس طوفان میں بہہ گیا تھا بس اتنا یاد تھا کہ میں بجلی ہوں اور مجھے ایک شخص پر موت بن کر گرنا ہے۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا۔ موت کا آپریشن کب شروع ہوا؟ آج بھی جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو تفصیل یاد نہیں آتی۔ نیلے پردے کے پیچھے سے میں نے وردی پوش سکھ کرنل کو سائیڈ روم میں داخل ہوتے دیکھا جس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ یہ پستول مجھے اس وقت نظر آیا جب اس فوجی افسر کی گردن ٹوٹ چکی تھی اور وہ میرے بازو کے آہنی شکنجے میں جھول گیا تھا میں نے کرنل کو ریوالور کے ساتھ فرش پر لٹایا تو اس کی ہرے رنگ کی پگڑی ایک طرف ٹیڑھی ہو گئی اس کے ہاتھ میں جو ریوالور تھا اس کو لاک لگا ہوا تھا میں نے اسکی کسی شے کو ہاتھ نہیں لگایا اور سائیڈ روم سے نکل کر اس کے آفس میں آگیا۔ آفس خالی تھا میں نے اپنے کاندھوں پر پڑے ہوئے رومال کو درست کیا بریف کیس اٹھایا جیب سے تسبیح نکال کر ہاتھ میں تھام لی اور حق اٹھا کر باہر نکل آیا۔

گورمیت سنگھ کی موت سے زیادہ خطرناک مرحلہ اب اس قلعے سے باہر نکلنے کا تھا قدموں کی ذرا سی لغزش اور زبان کی ہلکی سی لڑکھڑاہٹ مجھے موت کے جہنم میں دھکیلنے کے لئے کافی تھی۔ دروازے پر ایک سکھ حوالدار بیلٹ سے ہلکی اشٹین گن لٹکائے اٹینشن کھڑا تھا۔ اس نے مجھے آفس میں داخل

ہوتے دیکھا تھا چنانچہ جب میں باہر نکلا تو اس نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کرنل نے دس پندرہ سیکنڈ کے لئے کسی کو فون کیا تھا اور انگریزی میں آہستہ سے کچھ کہا تھا جس میں کچھ اس کی آواز ہلکی ہونے اور کچھ اپنے ذہنی خلفشار اور جذباتی ہیجان کے باعث نہیں سن سکا تھا۔ ممکن ہے' اس نے میرے بارے میں قلعے کے کسی آفیسر کو بتا دیا ہو اور وہ اس کے آفس کی طرف چلا آرہا ہو۔

میں سیڑھیاں چڑھنے لگا میں ہر طرح سے نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی تھا۔ تہ خانے سے نکلا تو سیڑھیوں کے باہر بھی پہرہ تھا۔ یہ سپاہی بھی مجھے نیچے جاتے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے بھی مجھ سے کوئی بات نہ کی جوں جوں قلعے کی ڈیوڑھی قریب آرہی تھی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ لگتا کہ ابھی پیچھے سے اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا جائے گا اور گولیاں میرا سینہ چھلنی کرتی ہوئی نکل جائیں گی۔

قلعے کی بلند و بالا قدیم چھت والی ڈیوڑھی آگئی اور دروازے تک بیس قدم کا فاصلہ تھا لیکن یہ فاصلہ مجھے میلوں لمبا لگ رہا تھا دو چاق و چوبند سپاہی ڈبل مارچ کرتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئے قلعے کا بڑا دروازہ کھلا تھا۔ دونوں جانب گورکھے فوجی اسٹین گن لئے پہرے پر کھڑے تھے ایک سکھ فوجی دروازے کے پاس اندر کی جانب ایک کرسی پر بیٹھا ہاتھ میں مگ لئے چائے پی رہا تھا۔ خدا جانے کیوں اس کی عقابی نگاہیں مجھے اپنے اوپر گڑھی ہوئی محسوس ہونے لگیں قریب سے گزرتے ہوئے' میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس نے مجھے ہاتھ سے رکنے کا اشارا کیا۔ میرا جسم سن ہو گیا۔ لیکن میں بدستور مسکراتا رہا۔ وہ میرے قریب آکر پنجابی میں بولا "مولبی صاحب مالیر کوٹلے میں ڈیوٹی لگی ہے؟" میں نے بھی پنجابی میں جواب دیا۔ "ہاں سردار جی! ڈیوٹی لگی ہے؟ "ڈیوٹی جو کرنی ہے' چاہے جہاں لگ جائے۔" خدا جانے اس نے مجھے کیا سمجھ کر یہ جملہ کہا تھا مجھے تو بس اتنا معلوم تھا کہ مالیر کوٹلہ پنجاب کی مغربی سرحد پر ایک ایسی ریاست ہے جہاں ۴۷ء کے فسادات کے دوران ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا تھا اور جہاں پنجابی مسلمان آج بھی چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

" مولوی صاحب ، ہمیں معلوم ہے آپ کی وہاں کیا ڈیوٹی لگی ہے ، ایسا کرنا کہ جب رپورٹ کرنے واپس آؤ تو مالیر کوٹلے سے میرے لئے دیسی گھی کا ایک کنستر لیتے آنا۔ رقم کی فکر مت کرنا اس نے کہا۔

میری جان پر بنی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے حامی بھرلی اور ست سری اکال کہہ کر قلعے کے گیٹ کی طرف بڑھا پہرے پر کھڑے مسلح گورکھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی میں نے غیر ارادی طور پر گیٹ سے نکلتے ہوئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا قلعے کی ڈیوڑھی دور تک خالی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کرنل گورمیت کے سائیڈ روم میں ابھی تک کوئی نہیں گیا تھا۔

قلعے سے نکلتے ہی میں درختوں میں گھری ہوئی پکی سڑک پر تیز تیز چلنے لگا۔ جہاں سڑک گھومتی تھی ، وہاں بڑے بڑے پتھروں پر سفیدی کی گئی تھی اور فوجی ٹریفک کے اشاروں کے سرخ نشان بنے تھے۔ مجھے پیچھے سے کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی گاڑی تیز تیز آرہی تھی۔ سڑک پر کھڑے شیشم کے پرانے درخت مجھے گھومتے دکھائی دیئے۔ ایک فوجی جیپ کو زور سے بریک لگے اور وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی جیپ کی کھڑکی سے ایک سفید پوش آدمی نے سر باہر نکال کر میری طرف دیکھا اور کہا" مولوی صاحب چلو تمہیں راستے میں ڈراپ کردوں میں بھی اسٹیشن جارہا ہوں"

یہ وہی آدمی تھا جو مجھے ہوٹل سے کرنل کے حکم پر قلعے میں لایا تھا۔ میں لپک کر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیپ آگے بڑھا دی۔ اس کے بعد نہ تو حسب سابق اس نے کوئی بات کی اور نہ ہی میں اس سے ہمکلام ہوا۔ میں نے جیپ کے ڈیش بورڈ کا جائزہ لیا۔ اس میں وائرلیس نہیں تھا۔ میں قدرے مطمئن ہو گیا۔

ہوٹل کے سامنے اس نے جیپ کھڑی کر دی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل کے دروازے کی طرف چل دیا تو وہ جیپ آگے بڑھا گیا۔

میں نے کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لی اور کمرے میں آگیا۔ جب میں نے دیکھا کہ سامنے

برآمدے میں کوئی نہیں ہے تو میں کمرے سے نکلا۔ سامنے والے گملے کو ایک طرف ہٹا کر اس کے نیچے سے وی۔ ٹی کی چار گولیوں والا پیکٹ اٹھا کر جیب میں رکھا اور کمرے میں گھس گیا۔ میرے لئے بریف کیس کوڈ بک اور ریڈیو ٹرانسمیٹر اب بیکار چیزیں تھیں۔ میں نے صرف وی ٹی گولیاں اور زہریلا سگار اپنی شلوار کی جیب میں رکھ لیا۔ بریف کیس سے انڈین کرنسی کے دو ہزار روپے نکالے اور رومال میں لپیٹ کر اپنی کمر کے گرد باندھ لئے کمرے کو تالا لگایا اور کاؤنٹر پر آکر چابی کاؤنٹر والے کے حوالے کر دی۔ میری عقابی نظروں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ ابھی تک بھونچال نہیں آیا تھا۔ صورتحال نارمل ہی تھی۔

ہوٹل سے نکلتے ہی میں سیڑھیوں والے ریلوے پل کی طرف جانے کی بجائے اس عقبی سڑک پر آگیا جو کمپنی باغ کی طرف جاتی تھی۔ میں ان تمام سڑکوں سے شناسا تھا۔ سب سے پہلے میں اپنی ڈاڑھی مونچھ صفا چٹ کروا کر اپنا حلیہ بدلنا چاہتا تھا۔ اب مجھے شدت سے کسی سواری کی تلاش تھی۔ ابھی تک کوئی خالی رکشا تک میرے قریب سے نہیں گزرا تھا۔ میں کمپنی باغ کے گیٹ کے قریب پہنچ گیا تھا یہاں کافی رونق تھی اور خالی رکشے بھی کھڑے تھے۔ میں نے ایک سکھ رکشا والے کو اشارے سے بلایا۔ اس میں بیٹھا اور اسے چالیس کھوہ کی طرف چلنے کو کہا چالیس کھوہ جی ٹی روڈ پر رام تلائی کے سامنے والی ریلوے لائن کے پار واقع تھے۔ یہ زمین میں چالیس کنوئیں کھود کر اندر بڑے بڑے ٹیوب ویل لگائے گئے تھے جو آس پاس کے علاقے کو پانی سپلائی کرتے تھے۔

ریلوے پھاٹک پر میں نے رکشا چھوڑ دیا اور پیدل ہی لائن پار کر کے کچی سڑک پر چل دیا۔ میں گاؤں مقبول آباد کی طرف جا رہا تھا۔ یہ گاؤں ریلوے پھاٹک سے میرے اندازے کے مطابق کوئی چھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ سامنے سے دو سکھ بھینس لئے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے میری مسلمانوں ایسی شکل صورت کو غور سے دیکھا اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے گزر گئے۔ مجھے اپنے اس حُلیئے سے نجات حاصل کرنے کی اہمیت کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ کیونکہ عام طور پر امرتسر میں ایسے حُلیئے کے مسلمان نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک یکہ پیچھے سے چلا آ رہا تھا۔ اسے روکا۔ سکھ لڑکے سے کہا۔ " سردار پترا! میں مالیر کوٹلے کا صوفی ہوں۔ مقبول آباد میں اپنے ایک سکھ سیوادار سے ملنے جا رہا ہوں۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

بیٹھ جاؤ بابا جی۔ میں آگے مکیاں تنگال جا رہا ہوں تمہیں مقبول آباد چھڈ دوں گا۔" لڑکے نے کہا۔ مقبول آباد اس زمانے میں زیادہ بڑا گاؤں نہیں تھا کبھی یہاں مسلمان ہوا کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد فیصل آباد اور حافظ آباد کے سکھ آکر یہاں آباد ہو گئے اس گاؤں میں ہندو ساہو کار بھی رہتے تھے میں گاؤں کے باہر ہی یکے سے اتر گیا۔ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک سکھ بوڑھے نے قریب آکر مجھے ست سری اکال کہا اور پوچھا کہ کیا میں امرتسر کی مسجد ' جان محمد کا مولوی ہوں؟

امرتسر کی صرف یہی ایک مسجد تھی جہاں تقسیم کے بعد سرینگر سے مسلمان کشمیری آکر رہنے لگے تھے۔ یہ پانچ وقت اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ میں نے کہا" ہاں سردار جی!! اگلے گاؤں میرا کشمیری گرائیں صوبٹ رہتا ہے۔ اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔" ایک ہندو بنیا بھی میرے پاس آ کھڑا ہوا میں نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت سمجھی۔ بڑی مصیبت تھی کہ میں جگہ جگہ راستے میں گواہ چھوڑتا چلا جا رہا تھا۔

ایک چھوٹی سی نہر گاؤں کے ساتھ ساتھ آگے جاتی تھی۔ میں نہر کے کنارے ہو لیا۔ اب میں اسی امید پر آگے چل رہا تھا کہ جہاں کہیں گاؤں کے باہر کوئی حجام نظر آگیا وہیں بالوں کا صفایا کرالوں گا۔ مشکل یہ تھی کہ یہ سارے گاؤں سکھوں کے تھے اور سکھوں کے گاؤں میں حجام نہیں ہوتے چلتے چلتے میں کچے مکانوں والے ایک گاؤں کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ پیپل کے ایک درخت کے نیچے دری پر ایک حجام بیٹھا کسی ہندو کی ڈاڑھی مونڈ رہا تھا۔ میں کچھ فاصلے پر درختوں کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ جب وہ ہندو بڈھا چلا گیا۔ تو میں حجام کے پاس آگیا۔

یہ بھی کوئی ہندو ہی تھا درخت میں کیل ٹھونک کر اس نے چھوٹا سا آئینہ لگا رکھا تھا۔ لکڑی کے دستے والا ایک استرا اور قینچی وغیرہ پاس ہی پڑی تھیں۔ ڈاڑھی مونڈ کر وہ حقہ پی رہا تھا۔ میں نے اسے جاتے ہی دس روپے کا نوٹ دیا اور کہا" لالہ جی اس بکھیڑے کو صاف ہی کر دو اور جیب سے مزید دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب میں اٹھا تو نہ صرف میری ڈاڑھی مونچھیں صفاچٹ تھیں بلکہ میرے سر کے بال بھی صاف تھے۔ میں نے حجام سے کہا کہ میں دیر کا گاؤں جا رہا ہوں۔ وہاں میرا مالیر کوٹلے کا ایک بھائی آڑھت کرتا ہے۔ وہ میری ڈاڑھی کے بڑا خلاف ہے۔ سوچا آج ڈاڑھی مونچھ منڈوا کر ہی اس سے ملا جائے۔ نائی بیس روپے لے کر بے حد خوش تھا۔ میں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اگر میرے پیچھے پیچھے پولیس یہاں پہنچ جاتی ہے تو وہ گمراہ ہو جائے کیونکہ میں نے وہیں سے واپس جانے اور مانا والا ریلوے اسٹیشن سے کوئی ایسی پسنجر ٹرین پکڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا، جو دلی جا رہی ہو۔

میں، مین ریلوے لائین پر پہنچ گیا۔ مانا والا اسٹیشن ابھی دور تھا۔ پھر میں ریلوے لائن سے ہٹ کر کھیتوں کھیت چلا جا رہا تھا کہ ایک جگہ مجھے چھوٹا سا مندر دکھائی دیا۔ مندر کے ساتھ ہی ایک کوٹھری بھی تھی میں اس مندر کی طرف چل دیا۔ ایک کھیت میں پانی کھڑا تھا۔ میں نے کھیت میں سے کیچڑ لے کر اپنے کپڑوں پر اس طرح سے مل لیا کر معلوم ہو، جیسے میں پھسل کر کھیت میں گر پڑا تھا۔ مندر کیا تھا بس ایک چبوترے پر چھت ڈال کر زرد جھنڈا لگا دیا گیا تھا۔ نیچے کرشن مہاراج کی مورتی رکھ دی تھی۔

کوٹھری کے اندر سے ایک موٹی توند والا پجاری اپنی بودی کو گرہ دیتا باہر آیا۔

"رام رام۔ کیا ہوا جی مہاراج؟ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

میں نے کشمیری ہندوؤں ایسا لہجہ بنا کر کہا کہ میں سرینگر کا ہندو برہمن ہوں' اپنے ایک مسلمان کشمیری دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ راستے میں پھسل کر کھیت میں گر پڑا۔

" رام رام مہاراج برہمن ہو کر مسلمان سے ملنے جا رہے ہیں۔ بیٹھو بیٹھو' تمہارے کپڑے دھوئے دیتا ہوں۔ "

میں نے کہا " مہاراج! میں پہلے ہی یہ مسلمانوں والے کپڑے نہیں پہننا چاہتا تھا لیکن اپنے مسلمان دوست کے کہنے پر پریم کے ناتے آپس میں کپڑے بدلوا لئے مجھے تو تم دھوتی کرتہ لا دو۔ بڑی کرپا ہو گی میرے پاس بس پچاس روپے ہی ہیں۔ اس وقت وہی آپ کو ارپن کر دوں گا۔ "۔

" چھی چھی مہاراج! کیوں ہماری بندیا کرتے ہیں۔ برہمن ہو۔ ہم بھی برہمن پوت ہیں۔ تم ادھر تالاب پر جا کر نہا لو۔ میں تمہارے لئے دھوتی کرتہ لاتا ہوں "

پجاری میرے لئے گیروے رنگ کے کھدر کا ایک لمبا کرتہ اور اسی کپڑے کی ایک دھوتی نکال کر لے آیا۔ میں نے کپڑے لئے اور بڑ کے درختوں کے پیچھے تالاب پر جا کر کپڑے تبدیل کر لئے اور اپنی شلوار قمیض ایک جگہ جھاڑیوں میں پھینک دی۔ پھر مندر کے موٹے پجاری کو آ کر پچاس روپے کا نوٹ دیا اور پرنام کر کے کہا " مہاراج رام نام کا تلک اپنے پوتر ہاتھوں سے لگا دو "

پجاری " ہرے رام ہرے رام " کرتا چبوترے کی طرف بڑھ گیا۔ میں اس کی کوٹھری کے باہر تخت پر بیٹھ گیا۔ پجاری آرتی پوجا کی تھالی میں سے گلال میں انگلی ڈبو کر لایا اور میرے ماتھے پر تلک لگا دیا۔ پھر بولا " مہاراج بھوجن پانی کر لو " میں اس کے بھوجن پانی کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ لہٰذا ہاتھ باندھ کر معذرت کی اور پرنام کر کے آگے روانہ ہو گیا۔

مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن میں کسی جگہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ خدا خدا کر کے مانا والا ریلوے اسٹیشن آیا۔ میرے گیروے رنگ کے کرتے اور دھوتی کی وجہ سے ایک ہندو بوڑھے نے قریب سے گزرتے ہوئے پرنام کیا۔ سکھ مجھے کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ اسٹیشن سے باہر مٹی کے ایک چبوترے پر ایک سکھ' ٹھنڈے پکوڑے اور دال قلچے بیچ رہا تھا۔ کچھ ہندو سکھ مسافر اس کے پاس چبوترے پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ میں نے جاتے ہی " جے رام جی کی بابا لوک " کہا اور بیٹھ گیا۔ " بابا لوک' سادھو کو بھوجن کرا دو "

چھابڑی والے سکھ نے میری طرف دیکھے بغیر ایک گاہک کو پکوڑوں والا دونا پکڑاتے ہوئے کہا " بھوجن مفت نہیں ہے بابا لوک "

میں نے سکھ کو اشیرباد دے کہ کہا " ہم وہ سادھو لوگ نہیں جو مفت کا بھوجن کرتے ہیں۔ یہ لو تم پانچ روپے پہلے لے لو سردار جی۔ "

نوٹ دیکھ کر سردار جی خاموش ہو گئے۔ جلدی سے مجھے دو دال قلچے اور دونے میں پکوڑے

ڈال کر دے دیئے۔ چھوٹے چھوٹے قلچے تھے۔ میں دو تین نوالوں میں چٹ کر گیا۔ دو قلچے مزید لئے، تین کے گلاس میں پانی پیا اور ہندو سکھوں کے رواج کے مطابق اسے وہیں زمین پر ڈال دیا۔ پھر پوچھا۔ "یہ جالندھر جانے والی گاڑی کب آئے گی، بابا لوک؟"

معلوم ہوا کہ گاڑیاں تو دو آئیں گی مگر وہ یہاں نہیں رکیں گی۔ پسنجر ٹرین پانچ بجے آ رہی تھی۔ میں وہاں اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

مانا والے سے یکے، میں بیٹھ کر اگلے گاؤں آگیا۔ یہاں سے ایک چھکڑے میں کرتار پور جا پہنچا۔ کرتارپور ذرا بڑا قصبہ تھا۔ یہاں مجھے ایک لاری مل گئی جو جالندھر جا رہی تھی۔

جالندھر پہنچ کر میں ایک سڑک پر کوٹھیوں کے درمیان چلنے لگا۔ آگے جا کر یوکلپٹس کے سایہ دار درخت تلے ایک چبوترہ نظر آیا۔ میں وہاں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ جنوبی ہند تک طویل سفر کیسے طے ہو گا۔ پنجاب سے دلی تک میرے لئے قدم قدم پر خطرہ تھا۔ ہو سکتا ہے، اگلے روز کے اخباروں میں میری تصویر چھپ جائے اور میرے لئے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اگر ملٹری انٹیلی جینس نے میری ڈاڑھی والی فوٹو کے ساتھ بغیر ڈاڑھی کا خاکہ بھی چھاپ دیا تو فوراً پہچان لیا جاؤں گا۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی حل نہیں تھا کہ زیادہ سے زیادہ اپنا حلیہ بدلنے اور شہری آبادی سے دور رہنے کی کوشش کروں۔

میرا مشن جنوبی بھارت میں منڈاپم کیمپ نامی شہر کے مضافات میں واقع ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کرنا یا ہائیڈروجن بم کا بلیو پرنٹ یا فارمولا اڑا کر اسے ضائع کر دینا تھا مجھے ایٹمی ری ایکٹر اور ہائیڈروجن بم کی پروسیسنگ کے بارے میں معلومات نہیں تھیں بس صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وہاں ہائیڈروجن بم کی ابتدائی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ یہ خفیہ رپورٹ مجھے ترچناپلی کے پراسرار سیاہ فام چیف کی زبانی معلوم ہوئی تھی لیکن اس وقت میں اس مصیبت سے دوچار تھا کہ میرا راز فاش ہو چکا تھا۔ میں سکھ کرنل کا خون کر کے امرتسر سے فرار ہوا تھا اور پولیس کے علاوہ بھارتی انٹیلی جینس بھی میرے تعاقب میں تھی۔

دن ڈھلنے لگا تھا۔ مجھے یہ فکر بھی تھی کہ رات کہاں بسر ہو گی۔ کسی ہوٹل میں رات بسر کرنا اپنے آپ کو دشمن کے پیٹ میں داخل کرنے کے برابر تھا۔ پولیس تو ہوٹلوں ریلوے اسٹیشن اور بس کے اڈوں کے باہر میری تاک میں ہو گی۔ میں جس جگہ پر بیٹھا تھا، وہاں بھی محفوظ نہیں تھا۔ میں وہاں سے اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک سفید ساڑھی والی درمیانی عمر کی عورت اپنی طرف آتی دکھائی دی میں وہیں بیٹھا رہا۔ عورت کے ہاتھ میں کانسی کی تھالی تھی جس میں رتن جو کے پھول اور مندر سے لیا ہوا پرساد تھا۔ وہ

کسی مندر سے آ رہی تھی ۔ میرا خیال تھا کہ وہ آگے نکل جائے گی لیکن خلاف توقع میرے پاس آ کر اس نے جھک کر میرے پاؤں کو چھوا اور وہی ہاتھ اپنے ماتھے پر لگا کر بولی " مہاراج! میری سہائتا کریں میں نے شیو بھگوان کے مندر میں ارداس کی تھی کہ گھر جاتے ہوئے مجھے راستے میں گیانی دھیانی سادھو جی مل گئے تو میری اکلوتی بیٹی کا بخار اتر جائے گا ۔ بھگوان شیو نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے ۔ میرے ساتھ گھر چل کر بچی کے سر پر ہاتھ پھیریں ۔ میں بیوہ ہوں میرا نام شیلا کماری ہے "

۔ وہ میرے گیروے کپڑے ' ماتھے کا تلک اور چبوترے پر آلتی پالتی مارے دیکھ کر میرے پاس آئی تھی ۔ میں سوچ میں پڑ گیا ۔ شام ہونے والی تھی ۔ مجھے رات گزارنے کے لئے کوئی محفوظ ٹھکانہ چاہئے تھا ۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس عورت کے گھر میں رات بسر کروں اور پھر منہ اندھیرے یہاں سے نکل جاؤں ۔ میں نے بیوہ عورت شیلا کماری کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا " کنیا! تیری بچی اچھی ہو جائے گی بھگوان تیری مدد کریں گے چل مجھے اپنے گھر لے چل ۔ "

میں سوچ رہا تھا کہ یہ ایک بیوہ عورت ہے اکلوتی بیٹی کے ساتھ رہتی ہوگی ۔ یا زیادہ سے زیادہ اس کی ساس وہاں ہوگی ۔ یہ اور ماحول میرے لئے محفوظ ہوگا ۔ بیوہ شیلا کماری کا گھر ایک چھوٹا سا کوارٹر تھا اور گلی کے کونے پر تھا ۔ صحن میں تلسی کا پودا لگا تھا ۔ ڈرائنگ روم سلیقے سے سجا ہوا تھا ۔ دیوار پر اس کے آنجہانی پتی کی تصویر لگی تھی جس پر گیندے کے پھولوں کا ہار پڑا تھا ۔ سائیڈ روم میں پلنگ پر ایک دبلی پتلی اٹھارہ انیس برس کی لڑکی ' چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھی ۔ اس کا رنگ زرد تھا ۔ تپائی پر دوائیں پڑی تھیں ۔ میں نے لڑکی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا ۔ اسے بخار تھا " اس کا نام بملا کماری ہے باپ کی موت کے بعد اس نے پڑھائی چھوڑ دی اور ایک دفتر میں ٹائپسٹ ہے ۔ لیکن گزشتہ بیس روز سے اس کا بخار نہیں اتر رہا ۔ بہت علاج کرایا کیرتن بھی کرایا ۔ مگر کوئی فرق نہیں پڑا ۔ " میں نے شیلا کو تسلی دی اور کہا کنیا پریشان نہ ہو شیو بھگوان تیری بچی کو اچھا کر دیں گے ' ہم اسے ایک گھونٹ پانی شاستروں کے پوتر خفیہ اشلوک پڑھ کر ہر چار گھنٹے بعد دیں گے ۔ تیری پتری کا بخار ٹوٹ جائے گا "

شیلا تو میرے قدموں پر گر پڑی ۔ چار چار گھنٹوں کی بات میں نے اس لئے کی تھی کہ مجھے اس خاموش گھر میں رات بسر کرنے کا موقع مل جائے ۔ میں نے دل ہی دل میں سورہ اخلاص پڑھ کر پانی پر دم کیا اور بملا کو پلا دیا پھر اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا ۔ شیلا نے ہاتھ باندھ کر درخواست کی کہ میں رات اس کے گھر میں بسر کروں اور ہر چار گھنٹے بعد اپنے ہاتھ سے بملا کو پانی پلاؤں ۔ اس نے ایک چھوٹے سے کمرے میں بستر لگا دیا ۔ شیلا کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیٹی بملا کے ساتھ اس مکان میں تنہا رہتی ہے ۔ اس کا ایک بیٹا بمبئی کے ایک کارخانے میں کیمیکل انجینئر ہے ۔ وہی گھر کا خرچہ چلاتا ہے ۔

میں نہا دھو کر بستر پر بیٹھ گیا ۔ کھڑکی سے باہر باغ میں شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا ۔ شیلا میرے لئے کانسی کی تھالی میں بھوجن لے آئی اور پانی کا گلاس ہاتھ میں تھام کر میرے سامنے چوکی پر بیٹھ گئی ۔

بھوجن کھانے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں آکر صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ جالندھر سے سات بجے کی خبریں نشر ہوئیں۔ میں نے ایک ایک خبر غور سے سنی۔ میرے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

رات کے گیارہ بجے میں بملا کو دوسری بار دم کیا ہوا پانی پلانے گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا بخار اتر چکا تھا۔ شیلا تو میرے قدموں میں بچھی جا رہی تھی بہر حال میں نے ایک بار پھر بملا کو دم کیا ہوا پانی پلا دیا اور اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر لیٹ گیا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ کہیں سے جھینگر کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ موسم کسی حد تک خنک ہو گیا تھا۔ بہار کا موسم تھا اور باغ سے پھولوں کی خوشبو آرہی تھی۔ اچانک میرے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں گویا میں ہنگامی حالات میں وہاں سے باہر نہیں کود سکتا تھا۔

میں بتی بجھا کر لیٹ گیا۔ مجھے نیند آرہی تھی کہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ دروازے کا پٹ آہستہ سے کھلا کھلی کھڑکی سے ستاروں بھری رات کی دھیمی روشنی اندر آرہی تھی میں نے شیلا کو دیکھا کہ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگائی اور میرے پلنگ کی طرف بڑھی۔ میں پلنگ پر اسی طرح بیٹھا رہا" شیلا کماری! تم آدھی رات کو آئی ہو۔ کیا بات ہے؟ "

" مہاراج! آپ نے میری بچی کی جان بچائی ہے۔ میں آپ کی سیوا کرنے آئی ہوں"

" جاؤ جا کر آرام کرو۔ ہمیں رام نام کا جاپ کرنا ہے"

شیلا نے میرے قدموں میں سر رکھ دیا میں نے اسے اٹھایا اور کہا۔" ہماری آگیا کا پالن کرو شیلا کماری ہم تمہارے لئے بھگوان سے ارداس کریں گے جاؤ جا کر سو جاؤ۔" شیلا نے میرے پاؤں چھوئے اور پرنام کر کے کمرے سے چلی گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس کڑی آزمائش میں ڈگمگانے نہیں دیا تھا۔ میں نے اندر سے کنڈی لگائی اور بستر پر پڑ گیا۔ چل چل کر تھکا ہوا تھا۔ بہت جلد نیند کی آغوش میں کھو گیا۔

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ باغ والی کھڑکی میں سے دھوپ اندر آرہی تھی کمرے میں گھڑی نہیں تھی۔ دھوپ بتا رہی تھی کہ دن کافی نکل آیا ہے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ صبح کا اخبار آگیا ہوگا۔ میں نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ منجن سے دانت صاف کئے اور دروازہ کھول کر باہر آگیا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا تو دل دھک سے رہ گیا سامنے صوفے پر ایک فوجی جوان بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے اخبار ایک طرف رکھا اور ہاتھ جوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا" مہاراج! آپ کی بڑی کرپا ہے کہ آپ نے میری پیاری بھانجی بملا کو اچھا کر دیا"

اتنے میں شیلا چائے کی ٹرے لئے اندر آگئی۔ اس نے مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ میرے پاؤں

چھو کر بتایا کہ یہ اس کا چھوٹا بھائی کیپٹن رام دیال ہے۔ رام دیال میرے بیٹھتے ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا " مہاراج میں کانوائے کے ساتھ امرتسر جا رہا تھا۔ یہاں اپنی بھانجی کا حال معلوم کرنے رک گیا بہن جی نے بتایا کہ آپ کے دو اوارو اور ارداس سے ببلا کا بخار ٹوٹ گیا ہے "

میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر اس کے پرنام کا جواب دیا اور مسکرا کر کہا " یہ تو بھگوان شیو کی اچھیا تھی۔ اسی نے ہمیں یہاں بھیجا تھا۔ شیو شنکر۔ "

میں منتر کا جاپ کرنے لگا۔ لیکن میری نظریں چوری چوری میز پر پڑے ہندی کے اخبار کو دیکھ رہی تھیں۔ مجھے وہاں اپنی کوئی تصویر نظر نہیں آرہی تھی۔ شیلا نے چائے کے ساتھ کچوریاں بنائی تھیں۔ میں نے ببلا کا حال چال پوچھا۔ تو شیلا نے میری طرف شرمیلی نگاہوں سے دیکھا اور سر کو ساڑھی کے پلو سے ڈھانپ کر بولی۔ " مہاراج کی کرپا سے اب وہ بالکل ٹھیک ہے چل کر اسے اشیرباد دیں گے مہاراج! "

" اوش جائیں گے کنیا۔ یہ کرپا بھگوان نے کی ہے " میں نے کچوری منہ میں ڈالی اور چائے کی پیالی اٹھا کر چسکیاں لینے لگا۔ شیلا کا بھائی کیپٹن رام دیال 'کپ ہاتھ میں پکڑے' دوسرے ہاتھ سے اخبار کھولے پڑھ رہا تھا' میں نے محسوس کیا کہ کیپٹن رام دیال کی آنکھیں اخبار کے ایک کونے پر جم گئی ہیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے منہ پھیر لیا لیکن کن انکھیوں سے برابر اس کا جائزہ لیتا رہا اس نے کپ میز پر رکھ دیا۔ اخبار کو پھر ایک بار غور سے دیکھا میرا ہاتھ اپنے آپ کرتے کے پلو کے نیچے زہریلے سگار پر چلا گیا کیپٹن رام دیال کی بیلٹ کے ساتھ پستول لٹک رہا تھا۔ یقیناً اخبار میں میری بغیر ڈاڑھی والی تصویر کا خاکہ چھپا تھا اور کیپٹن رام دیال مجھے پہچان گیا تھا اس نے اخبار تہہ کر کے میز پر رکھا اور بڑی عقیدت اور لجاجت سے بولا۔ " مہاراج دھن بھاگ ہمارے کہ آپ نے ہماری بہن کی کنیا میں نواس کیا۔ ویسے آپ کا آنا کدھر سے ہوا ہے۔ آپ مجھے پنجاب ہریانہ کے لگتے ہیں۔

اب ذرا سی بھی شک کی گنجائش نہیں رہی تھیں کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے میں سگار مٹھی میں دبا چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے سوال کا جواب دیتا' اس نے میری انگلیوں میں سیاہ رنگ کا چھوٹا سگار دیکھ کر کہا " مہاراج آپ سگار بھی پیتے ہیں۔ "

میں نے فضا میں انگلی اٹھا کر کہا " شیو شنکر بھگوان کی آرادھنا کرتے سمے ہم سوم رس کو نہیں پیتے صرف یہ تمباکو کا سوٹا لگاتے ہیں اس سے ہماری بھگوان شیو سے تار بندھ جاتی ہے۔ " اس کے ساتھ ہی میں نے شیلا کے سر پر ہاتھ رکھ اور کہا " شیو بھگوان کی سیوک کو ماچس نہیں لا کر دو گی

شیلا جلدی سے اٹھکر کچن کی طرف گئی کیپٹن رام دیال کی تیز اور گہری نظریں میرے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں " مہاراج! آپ ہریانہ سے آئے ہیں نا؟ آپ ایسے گیانی اور جتی ستی مہاپرش ہریانہ میں ہی ہوتے ہیں۔ "

میں نے کہا "ہاں بچہ! چندی گڑھ میں ہمارے گورودیو سوامی رام سہائے جی کا مٹھ ہے ہم متھرا نگری کی یاترا کرنے جا رہے ہیں۔"

"مہاراج آپ کبھی لاہور بھی گئے ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "بچہ ہم لاہور کبھی نہیں گئے۔ پرنتو وہاں راوی کنارے بھگوان وشنو کے مندر میں جاکر کیرتن کرنے کی بڑی اچھیا ہے۔"

کیپٹن رام دیال نے بڑی معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "مہاراج اب تو آپ شاید لاہور نہیں جا سکیں گے"

شیلا ماچس لے کر آگئی میری جان میں جان آئی اس وقت مجھے ماچس ہی بچا سکتی تھی۔ میں نے ماچس ہاتھ میں پکڑلی۔ ابھی میں سگار نہیں سلگانا چاہتا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اس ہندو نوجوان کو ہلاک کیئے بغیر اگر میں اس جگہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں تو بہتر ہوگا لیکن کیپٹن رام دیال کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس نے مجھے گھیرے میں لے لیا ہے۔ میں نے پوچھا "کیوں بچہ کیا لاہور جانا ہم سادھو لوگوں کے لئے منع ہے؟"

اس نے اپنی بہن شیلا کی طرف دیکھ کر کہا۔؟ "دیدی تم جاکر بملا کے پاس بیٹھو میں گروجی کو لے کر وہیں آتا ہوں۔"

ماچس پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔ اپنے چہرے کے تاثرات کو میں نے پوری طرح قابو میں رکھا تھا شیلا ساڑھی سنبھالتی کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی کیپٹن رام دیال نے اخبار کھول کر میرے آگے رکھ دیا۔ "مہاراج! اس تصویر کو پہچانتے ہیں 'آپ؟"

انڈین انٹیلی جینس نے میری شکل سے ملتا خاکہ بنا کر اخبار میں چھپوایا تھا جس کا سر بھی منڈا ہوا تھا اور داڑھی مونچھ بھی غائب تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ گورمیت سنگھ کو قتل کرنے کے بعد قلعے سے فرار ہو کر میں پہلا کام یہی کروں گا میرے سامنے اخبار میں میری اسی حلیئے کی تصویر چھپی تھی جس حلیئے میں میں کیپٹن رام دیال کے سامنے بیٹھا تھا۔ میں تصویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران میں ہندو کیپٹن نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ اس سے کھیل رہا تھا۔ بولا۔ "مہاراج! تصویر کے ساتھ ایک خبر بھی چھپی ہے خبر ہندی میں ہے۔ آپ کو ہندی ضرور آتی ہوگی۔ پھر بھی میں آپ کو بتا دیتا ہوں اس میں خبر یہ ہے کہ یہ شخص خطرناک پاکستانی جاسوس ہے اور ایک سکھ فوجی افسر کو قتل کر کے امرتسر قلعے سے فرار ہوا ہے۔"

کسی قسم کی بہانہ تراشی اور عذر پیشی کی گنجائش نہیں رہی تھی کیپٹن رام دیال نے اخبار ایک طرف ہٹا کر سیدھا حکم دے دیا۔ "تمہیں میرے ساتھ امرتسر قلعے میں چلنا ہوگا۔"

میں نے اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے اور کیپٹن سے کہا" میرا راز فاش

ہو چکا ہے میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن مجھے اتنی اجازت دے دو کہ جس کمرے میں میں رات کو سویا تھا وہاں سے اپنا نظر کا چشمہ لے لوں " اگر شیلا وہاں موجود ہوتی تو میں اس بہانے سے کیپٹن کو دوسرے کمرے میں نہیں لے جا سکتا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میں اپنے ساتھ نظر کا چشمہ نہیں لایا تھا میرے اعتراف پر کیپٹن رام دیال کے چہرے پر فتح مندی کی چمک سی آ گئی ۔ اس نے پستول اپنے ہاتھ میں میری طرف گھما کر کہا " میں تمہارے ساتھ چلوں گا ۔ "

یہی تو میں بھی چاہتا تھا ۔ میں اٹھ کر عقبی کمرے کی طرف بڑھا میں نے اٹھتے ہی یہ کام کیا کہ سگار سلگا کر ماچس وہیں میز پر پھینک دی کیپٹن رام دیال نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا سگار کی تمہید میں اسی لئے پہلے باندھ چکا تھا ۔ وہ ریوالور ہاتھ میں لئے میرے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا اور ادھ کھلے دروازے کے قریب ہی ریوالور، کا رخ میری طرف کر کے کھڑا ہو گیا ۔ کاش وہ مجھے ڈرائنگ روم ہی سے فرار ہونے کا موقع دے دیتا مجھے اس کی جوانی پر ترس آنے لگا لیکن اب مجھے اپنی زندگی اور اپنے عظیم قومی مقصد کا خیال ستا رہا تھا میں نے جھک کر پلنگ کا گدا ایک طرف سے اٹھایا پھر کیپٹن رام دیال کی طرف دیکھ کر کہا ۔ " ذرا یہ سگار پکڑ لیں "

اس نے وہیں سے حکم دیا ۔ " اسے اپنے ہاتھ میں ہی رکھو ۔ " اس طرح گویا اس نے خود ہی اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ۔ سگار کا اگلا حصہ گرم تھا اور اس کے اندر چھپی ہوئی ننھی ٹیوب میں سائنائیڈ کا مہلک ترین محلول باہر اچھلنے کو بیتاب تھا میں نے کیپٹن کی طرف سگار والا ہاتھ بڑھا کر کہا " لالہ جی ' لے لو سگار ڈرنے کی کوئی بات نہیں " میں ' اتنے عرصے میں سگار کو درمیان سے دبا چکا تھا ۔

سگار سے ربر کی نظر نہ آنے والی ' ایک باریک سی پچکاری ' برق رفتار سے نکل کر کیپٹن رام دیال کی گردن پر پڑی ۔ وہ مجھ سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا لیکن اب وہ کھڑا نہیں تھا میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا ۔ ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا ۔ زہر نے اس کے جسم سے لگتے ہی اس کا خون منجمد کر دیا تھا اور اسے ٹرائیگر دبانے کی مہلت نہیں مل سکی تھی میں جلدی سے باہر آ گیا اور دروازہ بند کر دیا ۔ میں باہر نکل رہا تھا کہ شیلا ' بملا کے کمرے کی طرف سے آتی دکھائی دی ۔ میرے قدم رک گئے اس نے بڑے ادب اور عقیدت سے کہا ۔ " مہاراج ! بچی کو دیکھ لیں اسے آشیرباد نہیں دیں گے ' مہاراج ؟ "

" کیوں نہیں کیوں نہیں اوش آشیرباد دیں گے " میں اسے لے کر بملا کے کمرے کی طرف بڑھا تو شیلا نے خالی صوفے پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھا کہ بابو کہاں گیا ہے ؟ میں نے شیلا کے کاندھے پر جان بوجھ کر ہاتھ رکھ دیا اور کہا " تمہارا بھائی بڑا دھرماتما ہے سادھو سنتوں کی سیوا اپنا دھرم سمجھتا ہے ۔ میرے لئے بازار سے مٹھائی لینے چلا گیا میں نے بہت روکا پر نتو وہ مانا ہی نہیں ۔ آؤ پتری کو دیکھتے ہیں ۔ "

بچی پلنگ پر بیٹھی دودھ پی رہی تھی گلاس رکھ کر اس نے ہاتھ جوڑے اور پرنام کیا میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرباد دی پھر شیلا کو باہر لا کر کہا "کنیا! ہم تم سے بہت پرسن ہوئے ہیں ہم جس کنیا میں رات سوئے تھے وہاں ہم نے اپنی مالا بھگوان شیوجی کے نام کا جاپ کر کے رکھ دی ہے دوپہر تک کمرے کے اندر کوئی نہ جائے۔ بھگوان نے چاہا تو اس گھر میں شانتی ہی شانتی ہوگی۔ اچھا اب ہم ٹہلنے جاتے ہیں۔ بھیا جی آئے تو انہیں باغ میں بھیج دینا۔" یہ کہہ کر میں باغیچے میں آگیا مجھے معلوم تھا کہ کیپٹن فوجی جیپ یا ٹرک میں وہاں آیا ہوگا۔ مکان کے سامنے، درختوں تلے ایک فوجی جیپ کھڑی تھی۔ اس کا فوجی ڈرائیور سگریٹ سلگائے اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا "پربھو دین دیال ہے تمہاری رکھشا کرے گا۔"

فوجی نے ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا۔ فٹ پاتھ تک میں نہایت پرسکون قدم اٹھاتا ہوا آیا جونہی شیلا کا مکان اور فوجی جیپ نظروں سے اوجھل ہوئی میں نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ میرے سامنے کوئی واضح منزل نہیں تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جاؤں؟ میرے لئے اب ہر جگہ شیلا کماری کا گھر تھا۔ کیونکہ اخبار میں میری جو تصویر چھپی تھی وہ مجھے کسی بھی جگہ گرفتار کروا سکتی تھی۔ میں نے غیر شعوری طور پر اجاڑ اور بے آباد علاقے کا رخ کر لیا۔

جالندھر، پاکستان بننے سے پہلے زیادہ بڑا شہر نہیں ہوگا لیکن اب تو وہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ تاہم میں کہاں تک لوگوں سے اپنا چہرہ چھپا کر رکھ سکتا تھا۔ میں ایک بار پھر اپنے اس حلیئے سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن جتنی جلدی میں نے ڈاڑھی مونچھیں اور سر کے بال منڈائے تھے، اتنی جلدی انہیں پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ گویا مجھے پلاسٹک سرجری کی ضرورت تھی جو ہندوستان میں میرے لئے ایک ناممکن سی بات تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جس قدر جلدی ہو سکے، اتر پردیش اور مدھیہ پردیش وغیرہ سے نکل کر کسی دور دراز صوبے میں چلے جانا چاہئے اور پھر وہاں بیٹھ کر جنوبی ہند کے صوبے کیرالہ میں داخل ہو کر ایٹمی پلانٹ پر حملے کا منصوبہ بنانا چاہئے۔

خیالات میں گم، میں ماڈل ٹاؤن کی بستی سے کافی دور نکل گیا۔ گنے کے کھیت شروع ہو گئے۔ سکھ کسان کھیتوں میں کہیں ٹریکٹر چلا رہے تھے تو کہیں کٹائی ہو رہی تھی۔ آگے پھر شہر کی انسانی آبادیوں کے مکان شروع ہو گئے۔

ایک نالہ آیا تو میں اسکے کنارے کنارے چلتا اسکے پل پر سے گزر گیا۔ دوسری طرف دو، ایک کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ ٹیوب ویل چل رہا تھا اور ایک سکھ نہا رہا تھا۔ تین عورتیں نیلم کپڑے دھو رہی تھیں۔ میں دور ہی سے گزر گیا مشرق میں آم کے درختوں میں ایک چھوٹے سفید گنبد پر سبز رنگ کا جھنڈا لہراتا نظر آیا یہ کسی مسلمان بزرگ کی درگاہ تھی۔ دل اس درگاہ کی طرف کھنچنے لگا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ مزار کے اوپر ہندی اور اردو میں ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر مزار ...

آسودہ خاک بزرگ کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک گنبد کے اندر قبر تھی جس پر سبز غلاف چڑھا ہوا تھا۔ ایک طرف اکھاڑہ تھا قریب ہی ایک کوٹھری تھی۔ ایک سکھ مزار پر ماتھا ٹیک کر الٹے پیروں مزار کے چبوترے سے واپس آ رہا تھا۔ کوئی متولی یا مجاور نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

یہ ایک نسبتاً بے آباد اور سنسان علاقہ تھا اور میں کسی کونے میں بیٹھ کر دن گزار سکتا تھا اور اندھیرا پھیل جانے پر وہاں سے کسی بھی طرف نکل کر جا سکتا تھا۔ درگاہ کے پیچھے امرود کا ایک ویران سا باغ تھا۔ خوشگوار موسم کی دھوپ شاخوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ میں تھک گیا تھا۔ اس لئے امرود کے ایک پیڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ دن اسی جگہ گزاروں۔۔ اور اندھیرا ہوتے ہی جی ٹی روڈ پر پہنچ جاؤں پھر کسی ٹرک ڈرائیور کے ساتھ لدھیانہ یا انبالہ کی طرف نکل چلوں میں نے کمر کا رومال کھول کر چند نوٹ اپنے کرتے کی جیب میں رکھ لئے۔ اب جیب میں زہریلا سگار پہلے سے موجود تھا یہ میرا خاموش ترین پستول تھا۔ جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔

"رام رام مہاراج جی۔" ایک آواز سنائی دی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ادھیڑ عمر کا ایک لحیم شحیم آدمی ہاتھ میں عصا لئے دھوتی کرتے میں ملبوس، سر پر لکھنوٴ فیشن کی دوپلی ٹوپی رکھے کھڑا تھا۔ میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر رام رام کیا۔ "مسافر ہو مہاراج؟ تمہیں پہلے تو یہاں کبھی نہیں دیکھا" وہ میرے قریب آ گیا۔

میں نے مسکرا کر خوش اخلاقی سے کہا۔ "ہاں مہاراج مسافر ہوں چندی گڑھ سے آ رہا ہوں دتی بھیروں جی کے مندر کی یاترا کرنے جا رہا ہوں"

"مہاراج پیدل ہی یاترا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔ اس کا لہجہ انبالے والوں جیسا تھا۔

میں نے کہا "ہاں جی! ہم سال میں ایک بار بھیروں جی کی یاترا کو پیدل ہی جاتے ہیں تم اس قبر کے پجاری ہو بابا لوگ"

وہ میرے سامنے بیٹھ گیا "مہاراج ہم پجاری نہیں، اس درگاہ کے متولی ہیں ہمارا نام بابا اشرف قادری ہے تمہارے لئے کھانے کو مٹھائی لاؤں مہاراج؟ مسلمان کے ہاتھ کا کھا لیتے ہو؟ میں نے اپنے بغیر بالوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "مہاراج ہم رام دھاری ہیں ہمارے لئے ہندو، مسلمان ایک سمان ہیں یہ بتاؤ کہ یہاں اخبار نہیں آتا شہر سے یہاں کی خبریں پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔"

متولی بولا "مہاراج! اخبار تو میں نہیں منگواتا کبھی کبھی انبالے سے ایک اردو اخبار آ جاتا ہے"

میں مطمئن ہو گیا کہ اس شخص نے ابھی تک اخبار میں میری تصویر نہیں دیکھی اب میں نے اطمینان سے باتیں شروع کر دیں اس نے وہیں سے کسی لڑکے کو آواز دے کر کوٹھری سے مٹھائی کا دونا منگوا کر درمیان رکھ دیا اور ہم مٹھائی بھی کھاتے گئے۔

میں نے سوچا کہ کیوں نہ کسی طریقے سے اس مجاور سے لے کر سبز رنگ کے کپڑے پہنے

جائیں کم از کم اس جوگیوں والے لباس سے تو چھٹکارا ملے گا جسے شیلا کماری بھی دیکھ چکی تھی اور اب تک اس نے ملٹری پولیس کو روتے ہوئے بتا دیا ہو گا کہ اس کے بھائی رام دیال کو جس سادھو نے قتل کیا ہے اس نے گیروے کپڑے پہن رکھے تھے میں نے دین اسلام، خاص طور پر صوفیا کرام کے مسلک اور ان کی محبت بھرے پیغام کی باتیں شروع کر دیں میں نے کہا کہ مجھے مسلمان صوفیا کے پریم بھرے مسلک سے بڑی عقیدت ہے اور کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ مسلمان درویشوں کا سبز لباس پہن کران کے مزاروں پر بھی چلہ کشی کروں۔

اشرف خوش ہو کر بولا "مہاراج! یہ کون سی مشکل بات ہے درگاہ پر سکھ اور ہندو ہر جمعرات کو سبز چادروں کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ آپ کہیں تو ابھی ایک جوڑا آپ کے لئے لے آتا ہوں"

"اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں" میں نے کہا "بابا لوگ ابھی لادو میں اسے پہن کر باباجی کی درگاہ پر تپسیا کروں گا۔ ہاں سر پر باندھنے کو ایک سبز پٹکا بھی لانا"

اس نے وہیں سے ایک بار پھر لڑکے کو آواز دی اور ایک پٹکا اور دو چادریں منگوا دیں۔ میں نے درختوں کے پیچھے ہو کر لباس تبدیل کر لیا۔ اشرف مجھے اس لباس میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ "مہاراج! آپ آدھے سے زیادہ مسلمان ہو گئے ہیں، بس ماتھے پر تلک ہی باقی رہ گیا ہے"

میں نے کہا "باباجی ایک روز یہ بھی اتر جائے گا" متولی اس بات پر بہت جذباتی ہو رہا تھا کہ ایک ہندو سادھو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والا ہے میں نے متولی کا ہاتھ تھام لیا اور رازدارانہ انداز میں کہا "بھائی اشرف! صوفی بزرگوں کا لباس پہن کر میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ بات یہ ہے کہ میں چنڈی گڑھ کے ایک ہندو بریگیڈیئر کا اکیلا بیٹا ہوں میرا نام پرکاش چند ہے میں ایک لڑکی شکنتلا کی محبت میں سادھو ہو گیا ہوں اور گھر سے نکل پڑا ہوں میرے باپ نے میری تلاش میں فوجی بھیج رکھے ہیں جو ہو سکتا ہے، مجھے ڈھونڈتے یہاں بھی پہنچ جائیں۔ اب میں واپس نہیں جانا چاہتا جس وقت سے میں نے یہ سبز چولا پہنا ہے دل اسلام کے نور سے روشن ہو رہا ہے ہو سکتا ہے میں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤں۔" اس لئے مجھے درگاہ میں کوئی ایسی جگہ بتا دو جہاں بیٹھ کر میں خدا کی عبادت کر سکوں۔"

اشرف بہت خوش ہوا اور کہنے لگا "مہاراج فکر ہی نہ کریں درگاہ کے پیچھے میں نے ایک تہہ خانہ بنوا رکھا ہے آپ وہاں جا کر عبادت کریں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی"

"اگر میرے باپ کے بھیجے ہوئے فوجی یہاں آئے تو انھیں کہہ دینا کہ میں یہاں نہیں آیا اور یہ میرے کپڑے بھی کہیں غائب کر دینا۔"

اشرف اٹھ کھڑا ہوا پھر عصا زمین پر مار کر بولا "ارے مہاراج! کیوں پریشان ہوتے ہو، ساری چھاؤنی کی فوج آجائے تو تمھاری ہوا بھی نہ لگنے دوں"

میں نے جیب سے پانچ سو روپے نکال کر اس کی مٹھی میں تھماتے ہوئے کہا "مہاراج! یہ میری

طرف سے نذر ہی سمجھنا" نوٹ دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں مگر اوپر سے وہ انکار کرنے لگا میں نے نوٹ اس کے کرتے کی جیب میں ڈال دیئے اور وہ مجھے درگاہ کے اندر مزار کے عقب میں بنے ہوئے ایک تہہ خانے میں لے گیا یہاں ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ پانی کی صراحی اور پیالہ بھی موجود تھا۔

متولی نے ایک چھوٹی سی لالٹین جلا دی تہ خانے میں کسی پوشیدہ جگہ سے تازہ ہوا آ رہی تھی خدا جانے اس شخص نے تہ خانہ کس مقصد کے لئے بنوا رکھا تھا۔

مہاراج! تم آرام سے عبادت کرو' خدا تمہیں ضرور سیدھا راستہ دکھا دے گا اچھا میں جاتا ہوں دوپہر کا کھانا یہیں پہنچا دوں کہ تم باہر آکر کھاؤ گے؟

میں نے جواب میں کہا کہ کھانا میں باہر آکر کھاؤں گا وہ چلا گیا تو میں تخت پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دن کی روشنی میں چھپنے کو ایک جگہ مل گئی۔

دوپہر کو تہ خانے سے باہر نکل کر متولی کے ساتھ درگاہ میں کھانا کھایا اس نے بتایا کہ ابھی تک میری تلاش میں کوئی فوجی نہیں آیا کھانا کھا کر میں دوبارہ تہ خانے میں چلا گیا اور تخت پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

مجھے سوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ درگاہ کے باہر ملٹری ٹرک کی گڑگڑاہٹ اور پھر اس کے بریک لگنے کی آواز سنائی دی اور میری آنکھ کھل گئی۔ اور فوجی بوٹوں کی بھاری آوازیں آنے لگیں پھر آدمیوں کے بولنے کی آوازیں آئیں مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں احتیاطاً میں تخت سے اٹھ کر تہ خانے کے دروازے کے پہلو میں' دیوار سے لگ کر تیار کھڑا ہو گیا کہ اگر کوئی فوجی اندر آیا تو کم از کم ایک دو کو تو مار کر ہی مروں گا۔

میرے کان اوپر لگے رہے فوجی بوٹوں کی آواز درگاہ کے اندر تک آ گئی فوجی میری کھوج میں شاید درگاہ کے برآمدے تک آ گئے تھے۔۔ پھر قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ ٹرک کا دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز آئی پھر انجن گرجا اور اس کا شور آہستہ آہستہ دور ہو کر ختم ہو گیا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا دل میں متولی کا بھی ممنون ہوا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد تہ خانے کی سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی پھر دروازے پر کسی نے مخصوص دستک دی میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ میرے سامنے متولی اشرف کھڑا تھا۔ وہ تخت پر آکر بیٹھ گیا میں نے بے تابی سے پوچھا "وہ چلے گئے" اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا "تم نے اپنے بارے میں آتے ہی مجھے کیوں نہ بتا دیا"

میں نے انجان بن کر پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے میں اسے کیا بتاتا؟

متولی نے اپنے لمبے کرتے سے تہ کیا ہوا ہندی اخبار نکال کر کھولا اور وہ صفحہ میرے آگے رکھ دیا جہاں میری تصویر اور خبر چھپی تھی۔ اب اس سے کچھ چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ کہنے لگا "ایک ہندو کرنل اور دو سکھ میجر تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے تمہاری فوٹو والا اخبار دکھایا اور کہا کہ یہ پاکستانی

جاسوس ہے' یہ ادھر تو نہیں آیا میں نے تمہاری فوٹو دیکھی تو سن ہو کر رہ گیا ہندو کرنل جالندھر کا تھا اور مجھے جانتا تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ پاکستانی جاسوس ابھی تک تو ادھر نہیں آیا۔ اگر آیا تو خود اسے پکڑ کر تھانے لے آؤں گا پھر بھی انہوں نے میری کوٹھری' امرود کے باغ اور درگاہ کے اندر تک تلاشی لے ڈالی انھوں نے مجھے پانچ ہزار کے انعام کا لالچ بھی دیا۔ تم نے مجھے پہلے بتادیا ہوتا تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ چھپا دیتا مجھے خطرہ تھا کہ کہیں وہ تہ خانے کا رخ نہ کرلیں"

میں نے کر میں ہاتھ ڈال کر زہریلا سگار اپنی مٹھی میں تھام لیا میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا متولی اشرف ایک بھارتی مسلمان تھا اس کی وفاداریاں بھارت کے ساتھ بھی ہو سکتی تھیں لیکن اس نے مجھے گرفتار نہیں کروایا تھا اس اعتبار سے میں اس پر کسی حد تک بھروسہ کر سکتا تھا اب اپنی شخصیت اس سے چھپانا بے سود تھا۔ پھر بھی میں نے اپنے بارے میں اسے ایک دوسری کہانی گھڑ کر سنا دی کہانی یہ تھی کہ میں پاکستانی مسلمان ضرور ہوں لیکن جاسوس نہیں ہوں اپنے ایک دوست کی باتوں اور لالچ میں آکر کچھ غیر ملکی گھڑیاں اسمگل کرنے کی غرض سے بارڈر کراس کیا تھا کہ پکڑا گیا مجھ پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام لگا کر امرتسر قلعے میں لے جا کر ایک سکھ فوجی نے بے حد اذیت دی -- لیکن میں نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھ فوجی کو ہلاک کر دیا اور قلعے سے فرار ہو کر بٹالے چلا گیا وہاں سر منڈوا کر جوگی کا بھیس بدلا اور اب چھپتا پھر رہا ہوں۔

"میرے بچے! اگر تم پاکستانی جاسوس ہوتے تو بھی میں تمہیں ضرور پناہ دیتا پاکستان اسلام کا قلعہ ہے ہمیں پاکستان اور اسلام سے والہانہ محبت ہے۔ اسلام اور پاکستان کے لئے ہم اپنی جان بھی قربان کرسکتے ہیں"

زہریلے سگار پر میری گرفت نرم پڑ گئی میں نے جیب سے ہاتھ نکال لیا" اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے" میں نے کہا" تم رات کے اندھیرے میں نکلے تب بھی پکڑے جاؤ گے۔ فوجی ارد گرد کے علاقے میں پھیل گئے ہیں وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچان لیں گے۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"یہ رات تو یہیں گزارو میں کچھ سوچتا ہوں میں تمہارے پاس بار بار بھی نہیں آسکتا ہو سکتا ہے ملٹری کا کوئی سادہ لباس والا درگاہ کے قریب رہ کر میری نگرانی کر رہا ہو"

رات کو وہ آیا تو مجھے دو روٹیاں اور تھوڑا سا اچار دے کر فوراً ہی واپس چلا گیا میں نے روٹی کھا کر پانی پیا اور تخت پر لیٹ گیا اب متولی نے باہر سے دروازے پر تالا بھی ڈال دیا تھا میں نے لالٹین بجھا دی اور سونے کی کوشش میں آنکھیں بند کرلیں لیکن نیند نہیں آرہی تھی طرح طرح کے خیال ستا رہے تھے۔

اچانک اوپر سے بھگتی گیت گانے کی آواز آنے لگی

"اوّل اللہ نور اُپایا ' قدرت دے سب بندے "

رات کی گہری خاموشی میں یہ آواز بڑی پر سوز لگ رہی تھی شاید کوئی عقیدت مند درگاہ کے سامنے بیٹھا گا رہا تھا یہ سی آئی ڈی کا آدمی بھی ہو سکتا تھا میں اٹھ بیٹھا کچھ دیر بعد آواز آنا بند ہو گئی۔۔ اور سناٹا چھا گیا کسی وقت دور سڑک سے کسی ٹرک یا لاری کے گزرنے کی مدھم سی آواز بھی آجاتی۔ میں دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ شروع شروع میں تو نیند نہ آئی پھر میری پلکیں اپنے آپ بوجھل ہونے لگیں لیکن عین اسی وقت تہ خانے کی تاریکی میں سبز روشنی کا دھیما سا غبار پھیلنے لگا میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ روشنی کا رنگ ہلکا سبز تھا اور وہ تہ خانے کے ایک کونے سے پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی میں اٹھ کر اس کونے کو ٹٹولنے ہی والا تھا کہ مجھے وہاں ایک سفید پوش انسانی ہیولا سا دکھائی دینے لگا میں اپنی جگہ ساکت رہ گیا مجھے اپنا آپ پتھر کی طرح بھاری لگنے لگا۔ اس کے سفید براق لباس سے سبز روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں عجیب بات تھی کہ مجھے خوف کی بجائے سکون محسوس ہونے لگا میرا جسم ہلکا پھلکا ہو گیا لیکن مجھ میں بولنے کی سکت نہیں تھی میری کانوں تک دھیمی مگر صاف سرگوشی پہنچنے لگی " اسلام کی خدمت کے لئے اسلام کے قلعے پاکستان کی خدمت کے لئے تم نے جان کی بازی لگا رکھی ہے خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے ' تم اس وقت مصائب کے بھنور میں پھنس چکے ہو سوائے اللہ کی ذات کے کوئی اور تمہیں اس مشکل سے نہیں نکال سکتا میں خدا کے حکم سے تمہاری مدد کے لئے ظاہر ہوا ہوں جب میں چلا جاؤں گا تو تمھیں اپنے گلے میں زنجیر سے بندھا ہوا تانبے کا ایک تکونا نقش ملے گا دشمن تمہارے سامنے ہو تو کلمہ طیبہ پڑھ کر اس نقش پر نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے دشمن کی طرف دیکھنا۔۔ پھر تم اپنے دل میں اس دشمن کو جو حکم دو گے وہ وہی کرے گا اور جب تک وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے رہے گا وہ تمہارا مطیع رہے گا یاد رکھو تم اس نقش کو چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کام میں لاسکو گے ' اس سے زیادہ ہم کائنات کے عوامل میں دخل نہیں دے سکتے۔۔ اور اس نقش کی حفاظت کرنا"

مقدس سفید پوش ہیولا غائب ہو گیا تو سبز نورانی روشنی کا غبار بھی سمٹ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اپنے گلے کی طرف بڑھے میں یہ دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا کہ میری گردن میں ایک زنجیر کے ساتھ بندھا تانبے کا تکونا نقش لٹک رہا تھا میں نے لالٹین جلا کر غور سے دیکھا اس پر سوائے چند آڑھی ترچھی گہری لکیروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا میرا دل خدا کی محبت سے لبریز ہو گیا میں سجدے میں گر گیا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی اللہ اللہ ! میں اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کروں ' کم ہے۔

خدا جانے میں کب تک سجدے میں پڑا روتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہا پھر وہیں کسی وقت مجھے نیند آگئی آنکھ اس وقت کھلی جب متولی شانے سے ہلا کر مجھے جگا رہا تھا وہ میرے لئے چائے اور ڈبل

روٹی لایا تھا وہ کہنے لگا رات ایک سکھ درگاہ کے باہر بیٹھ کر بھگتی گیت گا تا رہا، ہو سکتا ہے' وہ انڈین سی آئی ڈی کا آدمی ہو مگر اب وہ کہیں نظر نہیں آرہا تم ابھی یہیں رہو۔"

وہ خاموش ہو گیا میں اپنے ساتھ اسے کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا میں نے اسے رات کے واقعے کے بارے میں کچھ نہ بتایا اپنے گلے کا نقش میں نے سبز چادر کے اندر چھپا رکھا تھا "میں آج یہاں سے جانا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"لیکن تم کہاں جاؤ گے ؟ دشمن نے جگہ جگہ جال بچھا رکھا ہے۔ اخبار میں آج بھی تمہاری تصویر چھپی ہے۔ تمہاری گرفتاری کیلئے پانچ ہزار روپے کے انعام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔"

"اللہ مالک ہے" میں نے سانس بھر کر کہا۔

وہ چائے کی پیالی تخت پر رکھتے ہوئے رومال سے ہونٹ پونچھ کر بولا "اگر تم کسی طرح چھپتے چھپاتے سرہند شریف پہنچ جاؤ تو وہاں مجدد صاحب کی درگاہ پر میرا بھائی غیاث متولی ہے۔ اس کو جا کر میرا نام بتانا وہ تمہیں اپنے پاس چھپا لے گا"

میرا مشن چھپے رہنا نہیں تھا مجھے میدان عمل میں کود پڑنا تھا میں نے اس کا دوبارہ شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ میرے لئے بازار سے ایک نیا جوڑا لا دے اور پرکاش چند کے نام سے کسی بھی میل ٹرین کے فرسٹ کلاس میں جالندھر سے دلی تک ایک سیٹ ریزرو کروا دے وہ رضامند ہو گیا میں نے کچھ رقم اسے دے دی۔

دوپہر کو وہ واپس آیا تو کھدر کے تھیلے میں میرا سامان لے آیا تھا پھر اس نے جیب سے ایک ٹکٹ نکال کر مجھے دیا اور بولا یہ فرنٹیئر میل کا ٹکٹ ہے گاڑی رات کے سوا نو بجے جالندھر پہنچتی ہے۔

"فکر نہ کرو میں خود ہی ریلوے اسٹیشن پہنچ جاؤں گا" میں نے کہا اور لباس تبدیل کر لیا۔

رات پونے نو بجے اس نے ایک سائیکل رکشا لا کر درگاہ کے پچھواڑے کھڑا کر دیا اور مجھے تہ خانے سے نکالا وہ مجھ سے گلے ملا تو رندھی ہوئی آواز میں بولا "بیٹا میں تمہاری اس سے زیادہ خدمت کرنا چاہتا تھا مگر ہم مسلمان یہاں مجبور ہیں۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر دلی شکریہ ادا کیا اور رکشے میں بیٹھ گیا متولی نے رکشے والے سکھ سے کہا "سردار جی! لالہ جی کو ٹیشن پر پہنچادو کانگریس کے بڑے مشہور لیڈر ہیں"۔

رکشا شروع رات کی تاریکی میں جالندھر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑا پندرہ بیس منٹ بعد دور سے ریلوے اسٹیشن کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

ریلوے اسٹیشن پہنچا تو وہاں کافی رونق تھی لیکن ملٹری پولیس کا کوئی آدمی نہیں تھا گیٹ پر سکھ ٹکٹ چیکر کھڑا ٹکٹ دیکھ رہا تھا میں نے ٹکٹ دکھایا تو اس نے ٹک مارک کر کے ٹکٹ میرے حوالے کیا اور بولا "مہاراج گاڑی بیس منٹ لیٹ ہو گئی ہے" کوئی بات نہیں سردار جی! آپ کا دھنواد یہ

کہہ کر میں پلیٹ فارم پر آگیا اور ویٹنگ روم کی طرف بڑھا ویٹنگ روم کے باہر ملٹری پولیس کے دو سپاہی کھڑے باتیں کر رہے تھے میں سکون سے ان کے قریب سے گزر کر ویٹنگ روم میں داخل ہو گیا۔ اور پھر کونے والی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور میز سے انگریزی کا اخبار اٹھا کر اپنے چہرے کے آگے کر لیا۔ اسی صفحے پر میری تصویر چھپی تھی اور پانچ ہزار روپے کے انعام کا اعلان بھی تھا۔

کم بخت گاڑی کو بھی آج لیٹ ہونا تھا خدا خدا کر کے ساڑھے نو بجے باہر پلیٹ فارم پر قلیوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگیں مسافر سامان اٹھا کر باہر نکلنا شروع ہو گئے۔ میں بھی پلیٹ فارم پر نکل آیا۔ ٹرین آگئی۔

فرسٹ کلاس کے تیسرے کمپارٹمنٹ کے باہر میرے نام کی چٹ لگی ہوئی تھیں یہ دو سیٹوں والا کوپے تھا دوسری سیٹ خوش قسمتی سے خالی تھی میں ڈبے میں گھس کر سیدھا باتھ روم میں چلا گیا اور منہ ہاتھ دھونا شروع کر دیا پندرہ منٹ بعد گاڑی نے وسل دیا تو میں باتھ روم سے نکل کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا گارڈ نے سیٹی بجائی اور گاڑی چل دی میں کھڑکی کے شیشے میں سے جالندھر شہر کی کوٹھیوں اور مکانوں کی روشنیوں کو تیزی سے پیچھے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

گاڑی لدھیانے کے اسٹیشن پر رکی تو ڈبے میں ایک موٹا تازہ لالہ ہانپتا ہوا داخل ہوا قلی اس کا سامان رکھنے لگا لالہ نے دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا۔ اس نے لڑ جھگڑ کر قلی کو رخصت کیا اور رام رام کرتا اپنی سیٹ پر براجمان ہو گیا" مہاراج! آپ کہاں جا رہے ہیں میں تو دلی جا رہا ہوں یہ قلی تو لوٹتے ہیں مسافروں کو۔۔" بہت جلد مجھے احساس ہو گیا کہ اس ہندو لالے نے اخبار میں میری تصویر نہیں دیکھی وہ دلی میں کپڑے کا کاروبار کرتا تھا دیر تک بولتا رہا پھر سیٹ پر دراز ہو گیا تھوڑی دیر بعد اسکے خراٹے گونج رہے تھے۔ ٹرین اسٹیشن پر اسٹیشن چھوڑتی بھاگی چلی جا رہی تھی انبالہ گزر گیا میرٹھ چھاؤنی پر میں چوکنا ہو گیا ہندو لالے نے کھڑکی کھول کر باہر کسی چھابڑی والے کو آواز دی اور اس سے کچوریاں لے کر کھانے لگا بڑے کرب آمیز انتظار کے بعد گاڑی میرٹھ چھاؤنی سے روانہ ہوئی۔

دلی کے قریب قریب پہنچنے لگی موٹا لالہ ابھی تک خراٹے لے رہا تھا دلی آیا تو دن کافی نکل آیا تھا ایک بار پھر میں بھارت کے دارالحکومت میں داخل ہو رہا تھا جہاں سے میں جان بچا کر بڑی مشکل سے بھاگا تھا ٹرین پلیٹ فارم پر رکی تو میں مسافروں کے ہجوم میں گھس گیا اور گیٹ کی طرف بڑھنے لگا، جہاں لوگوں کا کافی رش تھا گیٹ سے نکل کر لابی میں سے گزر رہا تھا کہ میری نگاہ ستون کے پاس کھڑے قمیص پتلون والے ایک دبلے پتلے آدمی پر پڑی، جو شکل سے ہی سی آئی ڈی کا آدمی لگتا تھا میں سکون سے

چلا گیا ابھی میں لابی کی سیڑھی سے دور ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "مہاشہ جی کہاں سے آ رہے ہو؟"

میں نے مڑ کر دیکھا وہی آدمی تھا میں نے بڑی خندہ پیشانی سے اسے پرنام کرتے ہوئے کہا میرٹھ سے آ رہا ہوں مہاراج! وہاں کانگریس کمیٹی کی میٹنگ تھی۔

وہ زیر لب مسکرا رہا تھا بولا "مہاراج! ذرا میرے ساتھ چلیں وہ سامنے والے کمرے میں یاسا کی کانگریس کمیٹی کے لیڈر صاحب نے آپ کو بلایا ہے"

میں نے سامنے والے کمرے کی طرف دیکھا وہاں ایک سکھ فوجی کھڑا ہماری طرف دیکھا رہا تھا ایک پل کے لئے میرے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی سکھ فوجی اونچا لمبا جوان تھا، وہ ہماری طرف بڑھا سی آئی ڈی والے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "سردار جی! میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں' یہ مہاشہ جی وہی ہے جس کی آپ کو تلاش ہے اسے اندر لے چلیں"

میں ان دونوں کے درمیان بے بس سا ہو کر رہ گیا اس سے پہلے کہ میں کوئی ایکشن کرتا وہ مجھے دھکیل کر کمرے میں لے گئے سکھ فوجی نے میز کی دراز سے اخبار نکالا تو میری جان ہوا ہو گئی وہ کبھی اخبار میں چھپی ہو تصویر اور کبھی میری طرف دیکھتا اچانک وہ کرسی سے اٹھا اس نے پستول نکال کر میری طرف تان لیا اور گرج دار آواز میں بولا "بہہ جاوئے ایتھے"

"سردار جی میرا انعام نہ بھول جانا سی آئی ڈی والا کہنے لگا تم باہر جاؤ اوئے" سکھ فوجی نے اسے جھڑک کر کمرے سے نکال دیا پھر میری طرف گھورتے ہوئے ریسیور اٹھایا اور کوئی نمبر ملانے لگا گلے میں پڑے ہوئے مقدس نقش کو آزمانے کا وقت آ گیا تھا کیوں کہ میں جیب سے زہریلا سگار نکال کر نہیں سلگا سکتا تھا وقت بہت کم تھا اگر اس نے فون پر کمپنی کمانڈر کو اطلاع کر دی تو فوج کا پورا دستہ یہاں آ جائے گا میں نے بزرگ کی ہدایت کے مطابق دل ہی دل میں کلمہ طیبہ پڑھ کر نقش پر ایک نگاہ ڈالی۔۔ پھر سکھ فوجی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کانگریسی لیڈر ہوں۔ تم مجھے جانتے ہو۔ مجھے اپنی حفاظت میں یہاں سے نکالو"۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے پستول والے سکھ فوجی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ فقرے دل میں دہرا دیئے اور نقش کے اثر کا انتظار کرنے لگا۔۔

اچانک سکھ فوجی کے چہرے پر تاسف اور ملال کا تاثر ابھرا۔ اس نے پستول میز پر رکھ دیا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر بولا "مہاشہ جی مجھے شما کر دیں۔ میرے آدمی سے غلطی ہو گئی۔ بھلا آپ کو کون نہیں جانتا۔ دراصل آپ کی شکل اس پاکستانی جاسوس سے بہت ملتی جلتی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ آیئے۔ میری گاڑی آپ کو چھوڑ آتی ہے"۔

میں اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے رہا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر فوجی آفس سے باہر آ گیا۔ وہ بڑے ادب اور احترام کے ساتھ میرے ہمراہ چل رہا تھا۔ ہندو سی آئی ڈی والے نے جب یہ منظر دیکھا تو حیرت سے ہمارا منہ تکنے آگے بڑھا ہی تھا کہ سکھ فوجی نے کہا" بندہ بندہ دیکھ لیا کرو" ایک طرف فوجی جیپ کھڑی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ " مہاشہ جی آپ کہاں جائیں گے "۔

میں نے خواجہ نظام الدین کا نام لے دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہاں سے نئی دلی کا ریلوے اسٹیشن دور نہیں ہے اور ویسے بھی یہ مسلمانوں کی بستی تھی اور وہاں مجھے کچھ دیر کے لئے پناہ مل سکتی تھی۔ سکھ فوجی نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ خواجہ نظام الدین ... کی بستی میں چھوڑ آئے۔

سکھ فوجی نے بڑے احترام سے مصافحہ کیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل میں اسے مخاطب کر کے کہا" میرے جاتے ہی بھول جاؤ گے کہ تم کسی کانگرسی لیڈر یا مشکوک آدمی سے ملے تھے "۔ یہ کہہ کر میں جیپ میں سوار ہو گیا۔ جیپ روانہ ہو گئی۔ جب سکھ فوجی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے ہندو ڈرائیور سے کہا کہ تیز تیز چلے۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ یہاں میرا کوئی جاننے والا بھی نہیں تھا۔ ایک اعتبار سے یہ بات میرے حق میں ہی جاتی تھی۔ یہ بات واضح تھی کہ سکھ فوجی تو میرے نقش کے اثر کی وجہ سے میرے بارے میں سب کچھ بھول جائے گا' لیکن ہندو سی آئی ڈی والا مجھے فوجی جیپ میں جاتے دیکھ چکا تھا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ سکھ فوجی نے رشوت لے کر مجھے چھوڑ دیا ہے' لہٰذا مجھے گرفتار کروانے کی سر توڑ کوشش کرے گا۔ اس طرح ایک تو اس کی ترقی ہو گی اور پانچ ہزار روپے انعام بھی ملے گا۔ ظاہر جب فوجی جیپ مجھے چھوڑ کر واپس جائے گی تو وہ ڈرائیور سے ضرور پوچھے گا کہ مجھے کہاں چھوڑ کر آیا ہے اور پھر وہ ملٹری پولیس کو لے کر وہاں پہنچ جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مجھے فوجی جیپ میں جاتا دیکھ کر اس نے ریلوے اسٹیشن سے کسی قریبی فوجی دفتر میں فون کر دیا ہو' اور سپاہی میری تلاش میں نکل چکے ہوں۔

صورت حال خاصی نازک تھی۔ جیپ بستی نظام الدین میں داخل ہوئی تو میں ڈرائیور کو غلط راہ پر ڈالنے کے خیال سے ایک ہوٹل کے سامنے اتر گیا۔ اسے یہ تاثر دیا کہ میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ جیپ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو میں نے ایک رکشا لیا اور اسے درگاہ حضرت نظام الدین کی طرف چلنے کے لئے کہا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ میرا کانگرسی لباس تھا۔ جس سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ پیسے میرے پاس تھے۔ رکشا ایک شاپنگ سینٹر کے قریب سے گزرا تو میں وہاں اتر گیا۔ بہت بڑا شاپنگ سینٹر تھا جس میں ہر قسم کی دکانیں اور اسٹور موجود تھے۔ ایک اسٹور ریڈی میڈ کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں شیشے کی ایک الماری میں لٹکا ہوا سمر سوٹ دیکھ رہا تھا کہ مجھے

محسوس ہوا ایک شخص کاؤنٹر کے پاس کھڑا مجھے گھور رہا ہے۔ ایسی حالت میں میرا یہاں کانگریسی لباس اتار کر سمر سوٹ پہن کر نکلنا، مشکوک بنا سکتا تھا۔ چنانچہ میں کچھ خریدے بغیر ہی اسٹور سے نکل آیا، پھر دوسرا رکشا لیا اور درگاہ کی طرف چل دیا۔

راستے میں ایک ملٹری پولیس کی جیپ قریب سے گزر گئی۔ میں نے رکشے والے کو ایک بازار میں مڑنے کو کہا اور تھوڑی دور جا کر اتر گیا۔ ساتھ ساتھ بنی ہوئی کوارٹر نما چھوٹی کوٹھیوں والا علاقہ تھا۔ ادھر ادھر چھوٹی سڑکیں ایک دوسرے کو کاٹتی گزر رہی تھیں۔ میں ایک مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ بورڈ پر ڈاکٹر نورالحسن زیدی (ہومیو) لکھا دیکھا، میں نے گھنٹی بجا دی۔

دروازہ ایک پختہ عمر کے دبلے پتلے اچکن پوش بزرگ نے کھولا۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک کانگریسی لباس والے لیڈر نما نوجوان کو دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کہا اور دریافت کیا کہ مجھے کس سے ملنا ہے؟

"ڈاکٹر نورالحسن زیدی صاحب آپ ہی کا نام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ تشریف لائیے۔"

وہ مجھے کوئی مریض سمجھ کر اندر لے گئے، اور ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ فرش پر گھسا پٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ پرانی وضع کے صوفے تھے۔ دیوار پر کربلائے معلی کے قطعے آویزاں تھے۔ زیدی صاحب میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔ "مریضوں کو میں عام طور پر صبح نو بجے کے بعد دکان پر ہی دیکھتا ہوں، لیکن آپ تشریف لے آئے ہیں تو فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"زیدی صاحب! میں اس وقت ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں۔"

"فرمائیے۔ کیا عارضہ لاحق ہے؟"

میں نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔ "زیدی صاحب میرا نام سجاد رضوی ہے۔ میں مشرقی پاکستان سے جان بچا کر یہاں آ گیا ہوں۔ وہاں میرا ایکسپورٹ، امپورٹ کا چھوٹا سا کاروبار تھا میں سیالکوٹ پاکستان کا رہنے والا ہوں ڈھاکہ فال ہوا تو وہاں قتل عام شروع ہو گیا میں ڈھاکہ سے چٹاگانگ کی طرف فرار ہو گیا۔ کئی ماہ بھیس بدل کر جنگلوں میں پھرتا رہا پھر ایک اسمگلر کی مدد سے بھارت کی سرحد پار کر کے کلکتے آ گیا۔ یہاں بھارتی پولیس میرے پیچھے لگ گئی۔ میں ان کے چنگل سے فرار ہو کر دلی آ گیا۔ یہاں ڈاکٹر زیدی صاحب کو میری گفتگو نے پریشان کر دیا۔ جلدی سے بولے، بھائی صاحب میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہاں کے مسلمانوں کو پولیس پہلے ہی شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہاں اپنے بال بچوں کے ساتھ .... عزت کی روٹی کھا رہا ہوں۔ میں کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بارے میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

" زیدی صاحب آپ میرے لئے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ مجھے اپنی کوئی پرانی اچکن اور قمیص پاجامہ ہی دے دیں میں اس کانگریسی لباس سے چھٹکارا چاہتا ہوں

زیدی صاحب دوسرے کمرے میں گئے اور تھوڑے دیر بعد ایک نسواری رنگ کی پرانی اچکن اور کرتا پاجامہ لئے واپس آ گئے " اس غسل خانے میں جا کر کپڑے تبدیل کر لیجئے

میں نے غسل خانے میں جا کر لباس تبدیل کیا اپنی خاص چیزیں یعنی دی۔ ٹو گولیوں کا پیکٹ اور بھارتی کرنسی رومال میں لپیٹ کر اسی طرح اپنی کمر کے گرد باندھی زہریلا سگار اچکن کی جیب میں ڈالا اور باہر آ گیا کانگریسی کپڑے میں نے لپیٹ رکھے تھے انہوں نے کہا " انہیں ساتھ ہی لے جائیں تو مہربانی ہو گی اور ہاں برائے خدا کسی سے میرا ذکر نہ کیجئے گا

انہوں نے کانگریسی کپڑے ایک لفافے میں ڈال کر میرے حوالے کیئے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور مکان سے نکل آیا۔ یہاں سے میں نے ایک بار پھر رکشا پکڑا اور سیدھا درگاہ حضرت نظام الدین پہنچ گیا۔ راستے میں ایک ویران مقام پر میں نے چلتے رکشے سے لفافہ جھاڑیوں میں پھینک دیا

درگاہ پر بڑی رونق تھی اندر سے قوالی کی آواز آ رہی تھی زائرین اور عقیدت مندوں کا ہجوم تھا میں نے باہر سے چند ہار خریدے اور درگاہ شریف پر جا کر چڑھائے پھر چاروں طرف گہری نگاہ ڈالتا ہوا عقبی دروازے سے قبرستان میں آ گیا یہاں حضرت امیر خسرو کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ ماحول کا گہری نظر سے ایک بار پھر جائزہ لیا۔ ایک آدمی مرزا غالب کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے میری طرف گھور کر دیکھا۔ میں ڈیوڑھی میں سے گزر کر واپس درگاہ میں آ گیا۔ اس آدمی پر مجھے شبہ ہوا کہ وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔ یہاں قوالی ہو رہی تھی۔ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک طرف دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں قبرستان والے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے تو میرے پیچھے ضرور آئے گا۔

دس منٹ گزر گئے وہ شخص نہ آیا تو میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں سوچنے لگا میرا ٹارگٹ جنوبی ہند کا سب سے بڑا شہر مدراس تھا جہاں سے مجھے بھارتی ایٹمی پلانٹ کو اڑانے کے لئے منڈ ایم کیمپ نامی شہر جانا تھا۔ کافی لمبا سفر تھا دوپہر ہو چکی تھی بھوک لگ رہی تھی درگاہ شریف پر لنگر جاری تھا وہاں سے میں نے نمکین چاول کھائے اور غور کرنے لگا کہ یہاں سے نئی دلی پہنچ کر ٹرین پکڑوں یا...

نظام الدین اسٹیشن پر چلا جاؤں خطرہ تو دونوں جگہوں پر تھا مدراس ایکسپریس مجھے دلی ریلوے اسٹیشن ہی سے مل سکتی تھی اور دلی کا ریلوے اسٹیشن مجھے ایک ایسا مگرمچھ لگ رہا تھا جو منہ پھاڑے مجھے نگلنے کے

لئے تیار ہو آخر میں نے فیصلہ کیا کہ نظام الدین ریلوے اسٹیشن سے بمبئی کا رخ کیا جائے بمبئی سے پونا پہنچوں اور پھر مدراس کی طرف نکل جاؤں وہ بالکل مختلف صوبہ ہے وہاں میں نسبتاً محفوظ ہوں گا روپے میرے پاس کافی تھے

وہیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے میں نے معلوم کر لیا کہ بمبئی جانے والی ایکسپریس ٹرین شام کو سات بجے حضرت نظام الدین ریلوے اسٹیشن پہنچتی ہے اور پانچ منٹ رکنے کے بعد روانہ ہو جاتی ہے۔ باقی وقت میں نے وہیں قوالیاں سنتے گزار دیا۔ چھ بجے لنگر سے تھوڑے نمکین چاول کھائے ٹھنڈا پانی پیا اور پونے سات بجے درگا شریف سے نکل کر ایک رکشے میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا ریلوے اسٹیشن پر زیادہ رش نہیں تھا میں نے بمبئی تک فرسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ خریدا اور ایک کنٹین کی اوٹ میں 'بنچ پر بیٹھ گیا اب مسافروں کی ریل پیل شروع ہو گئی تھی۔ ٹھیک سات بجے دلی کی طرف سے ٹرین آگئی یہ پنجاب میل تھی ٹرین میں کافی رش تھا میں فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا یہاں پہلے ہی سے تین مسافر اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے ان کا سامان فرش پر رکھا تھا نشستوں پر بستر لگے ہوئے تھے ان میں ایک سکھ تھا اور دو ہندو تھے ہندوؤں نے تلک لگا رکھے تھے میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مسافروں نے میری طرف ایک نظر دیکھا اور پھر آپس میں باتیں کرنے لگے میں نے اپنی تسلی کے لئے کھڑکی سے باہر دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہی آدمی جس نے درگاہ کے قبرستان میں غالب کی قبر پر فاتحہ پڑھتے ہوئے مجھے گھورا تھا پلیٹ فارم پر سامنے کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا گارڈ نے سیٹی بجائی تو گاڑی کو دھچکا لگا وہ شخص اب بھی میری طرف دیکھ رہا تھا میں نے سر نیچے کر لیا ٹرین پلیٹ فارم سے نکل چکی تھی میں نے سوچا اگر یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے تو میرے ساتھ ٹرین پر سوار کیوں نہیں ہوا ہو سکتا ہے اس نے یہیں سے اگلے اسٹیشن پر خبر کر دی ہو کہ میں فلاں کمپارٹمنٹ میں سوار ہوں اس خیال نے مجھے پریشان کر دیا سکھ مسافر مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ پھر بولا "بھائی صاحب میں پوچھ رہا ہوں کہ کہاں جاؤ گے

"بھوپال میرے منہ سے نکل گیا۔

ٹرین نے اسٹیشن سے نکلتے ہی رفتار پکڑ لی تھی فرید آباد کا اسٹیشن آیا اور گزر گیا ٹرین اپنی اگلی منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی آگے متھرا شہر تھا شام کا جھٹپٹا رات کے اندھیرے میں گھل مل گیا تھا کہ پنجاب میل متھرا کے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوئی میں نے کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا تو پلیٹ فارم کی روشنیوں میں ملٹری پولیس کے اونچے طروں والے سپاہی نظر آئے میں ڈبے کے اس دروازے پر کھڑا ہو گیا جو ریلوے لائن کی طرف کھلتا تھا ٹرین ابھی رکی نہیں تھی کہ میں نیچے اتر گیا ڈبے آگے گزرتے چلے گئے تھرڈ کلاس والے ڈبے ٹرین کی سب سے پچھلی بوگی میں تھے میں نے اندھیرے

کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اچکن کی جیب سے زہریلا سگار اور ٹکٹ نکال کر کرتے کی جیب میں ڈالا اور اچکن دوسری طرف ریلوے لائنوں میں پھینک دی جونہی تھرڈ کلاس کا ڈبہ میرے قریب سے گزرا میں اس کے دروازے سے لٹک گیا۔

ٹرین کچھ آگے جا کر رک گئی

تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بہت رش تھا میں ایک مسافر کے سامان کی آڑ لے کر بیٹھ گیا کئی مسافر اندر گھس رہے تھے سامان کھڑکیوں سے اندر پھینک رہے تھے میں نے دیکھا کہ دروازے کے آگے لوگوں کا سامان پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ بند تھا کھڑکی سے ابھی تک کوئی ملٹری پولیس والا اندر جھانکتا نظر نہیں آیا تھا خدا خدا کر کے انجن نے وسل دی اور ٹرین آگے کو کھسکی میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

پنجاب میل فراٹے بھرتی رات کی تاریکی کو چیرتی آگرہ کی طرف دوڑی چلی جا رہی تھی ڈیڑھ گھنٹے بعد راجہ کی منڈی اسٹیشن گزر گیا اگلا سٹیشن آگرہ کینٹ تھا ٹرین رک گئی مسافروں کا یہاں بھی رش تھا ایک مسافر کھڑکی میں سے کود کر اندر آیا اور بولا "ارے یہاں آج پولیس کیوں آئی ہوئی ہے کوئی ڈاکو پکڑے گی کیا؟"

میں نے اپنا آپ مزید نیچے کر لیا میرے پاس ایک بڑے میاں کاندھے پر رومال ڈالے بیٹھے تھے میں نے ان سے کہا" میرے سر میں درد ہو رہا ہے کیا آپ کا رومال تھوڑی دیر کے لئے اپنے سر پر باندھ سکتا ہوں۔ سر کو ہوا بہت لگ رہی ہے

انہوں نے فوراً مجھے اپنا پھولدار رومال دے دیا۔ میں نے اسے اپنے سر پر اس طرح باندھ لیا کہ میری شکل دور سے نہیں پہچانی جا سکتی تھی ٹرین کا اسٹاپ دس منٹ کا تھا اسے پندرہ منٹ گزر گئے۔ پولیس ڈبوں میں مجھے تلاش کر رہی تھی۔ اس کا ثبوت مجھے ایک سپاہی کو دیکھ کر مل گیا جو ہمارے ڈبے کو کھلوانے کے لئے کہہ رہا تھا مسافر سامان ادھر ادھر ہٹانے لگے لیٹرین میرے قریب ہی تھی میں اس کے اندر گھس گیا اندر سے کنڈی لگا لی اب میری قسمت تھی پکڑا بھی جا سکتا تھا اور نہیں بھی پکڑا جا سکتا تھا جب مجھے لیٹرین میں گھسے پانچ منٹ ہو گئے تو کسی نے باہر سے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارا" دروازہ کھولو بھیا جی

حملہ کرنے کی تیاری کر کے میں نے دروازہ کھول دیا میرے سامنے سپاہی کی بجائے ایک مسافر کھڑا تھا میں منہ لپیٹے سر جھکائے باہر نکل کر سامان کی اوٹ میں بیٹھ گیا معلوم ہوا کہ سپاہی اندر نہیں آیا تھا وہیں کھڑکی میں سے اپنا فرض پورا کر کے چلا گیا تھا

ٹرین آگرہ کینٹ سے روانہ ہوئی تو ایک بار پھر میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب توقع نہیں تھی کہ کسی اگلے اسٹیشن پر پولیس مجھے تلاش کرنے آئے اگلا بڑا اسٹیشن گوالیار تھا رات ایک

بجے تک ٹرین چھوٹے چھوٹے ریلوے اسٹیشن پیچھے چھوڑتی اپنے سفر پر رواں دواں رہی ۔ ایک بجے گوالیار آ گیا پلیٹ فارم پر کافی رش تھا کچھ مسافر اتر گئے کچھ ڈبے میں سوار ہو گئے میں نے کھڑکی سے پلیٹ فارم پر نگاہ ڈالی کہیں ملٹری پولیس کا کوئی سپاہی دکھائی نہ دیا

گوالیار سے ٹرین چلی تو اس نے رکنے کا نام ہی نہ لیا کئی چھوٹے اسٹیشن گزرتے چلے گئے پو پھٹنے والی تھی کہ پنجاب میل جھانسی کے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو گئی میں ٹرین سے باہر آنے لگا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جن بزرگ کا میں نے رومال اپنے سر پر باندھ رکھا تھا انہیں جھانسی اترنا تھا۔ میں نے رومال واپس کرنا چاہا تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا "بیٹا تمہارے سر میں درد ہے اسے اپنے پاس ہی رکھو

میں نے بڑے میاں کا شکریہ ادا کیا ٹرین روانہ ہو گئی اور جب بھوپال آیا تو دن کافی نکل چکا تھا یہاں میں نے دوسرے مسافروں کے ساتھ آب خورے میں چائے پی اور بند مکھن کھایا پھر دن بھر ٹرین چلتی رہی سارے راستے مجھے کسی نے نہ پوچھا جلگاؤں کے بعد نند گاؤں بھی گزر گیا آدھی رات کے بعد اسٹیشن ناسک روڈ آیا یہاں میں نے پلیٹ فارم پر نکل کر تھوڑا بہت کھایا۔ دیولالی پہنچے تو صبح کاذب کی جھلکیاں نمودار ہونا شروع ہو گئیں اگت پوری کے اسٹیشن پر بجلی کا انجن لگا دیا گیا کیونکہ دلی سے یہاں تک اسٹیم انجن ہمیں لایا تھا یہاں سے بمبئی کا رنگ روپ نظر آنا شروع ہو گیا تھا اور ٹرین کی رفتار کافی تیز ہو گئی تھی کلیان کا ریلوے اسٹیشن آیا تو بمبئی شروع ہو گیا کلیان کے بعد پنجاب میل دادر کے لوکل اسٹیشن پر رکی اور پھر شور مچاتی دھڑ دھڑاتی ہوئی بمبئی سینٹرل کے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو گئی

پلیٹ فارم پر اترنے کی بجائے میں دوسری طرف ریلوے لائن پر اتر گیا اور یارڈ کی دوسری پٹریوں سے گزرتا ہوا دوسرے پلیٹ فارم پر چڑھ گیا پلیٹ فارم کی گھڑی دن کے آٹھ بجا رہی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور لگتا تھا کہ بوندا باندی ہو چکی ہے۔ میں ایک جگہ دوسرے مسافروں کے ساتھ بنچ کے کنارے پر بیٹھ کر ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں ملٹری پولیس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ میں نے اسٹال پر چائے پی اور بک سٹال سے ٹائم ٹیبل خریدا انگریزی اخبار پر نگاہ ڈالی۔ وہاں نہ تو کہیں میری خبر تھی اور نہ ہی کوئی تصویر چھپی تھی ۔ میں دوسرے مسافروں کے ریلے میں شامل ہو کر سیڑھیوں والے پل کی طرف بڑھا۔ پل عبور کر کے بڑے پلیٹ فارم پر آیا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ مختلف قسم کے لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان میں کوئی ہوٹل والا تھا کوئی ٹیکسی والا اور کوئی وکٹوریہ یعنی بگھی والا تھا۔ میں ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ وکٹوریہ میں بیٹھ کر بھنڈی بازار کے بغدادی ہوٹل میں آ گیا معمولی قسم کا کمرہ تھا۔ ایک بیڈ اور پرانی سنگھار میز کونے میں رکھی تھی۔ چائے منگوائی اور پھر ٹائم ٹیبل کھول کر بمبئی سے مدراس جانے والی ٹرینوں کا جائزہ لینے لگا۔

ایک ہی ٹرین میرے لئے موزوں تھی جو رات کے دس بجے بمبئی سے روانہ ہو کر اگلی رات کے پچھلے پہر مدراس پہنچتی تھی۔ بہت طویل سفر تھا۔ میرے پاس بھارتی کرنسی میں صرف ایک ہزار روپے رہ گئے تھے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا ویسے ہی میرے لئے خطرناک تھا۔ تھرڈ کلاس میں آدمی دوسرے مسافروں میں گم ہو جاتا ہے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں سو گیا۔ شام کو آنکھ کھلی تو بھنڈی بازار میں آ کر پہلا کام یہ کیا کہ نئے کپڑے خریدے پھر اسٹیشن پہنچ گیا۔ مدراس ایکسپریس میں فرسٹ کلاس وغیرہ میں بکنگ ہو رہی تھی مگر تھرڈ کلاس کی ٹکٹ کے بارے میں بابو نے بتایا کہ وہ ٹرین چلنے سے کچھ دیر پہلے ہی ملے گی۔ اس نے بتایا کہ ٹرین رات کے نو بجے روانہ ہوتی ہے۔ ٹائم ٹیبل میں وقت غلط چھپ گیا تھا یا کسی اور وجہ سے ٹرین کی روانگی کا وقت تبدیل کر دیا گیا تھا۔ میں واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا میرا پروگرام یہ تھا کہ ساڑھے آٹھ بجے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ ساڑھے سات بجے ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی میں نے کھانا کمرے میں ہی منگوا لیا۔ میں کھانا کھانے لگا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ ابھی میں نے کھانا ختم ہی کیا تھا کہ دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک شخص اندر آ گیا اور بولا "السلام علیکم"

قدرتی طور پر میرے منہ سے وعلیکم السلام نکل گیا'۔ اب جو اس کی صورت دیکھی تو دل دھک سے رہ گیا میں اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے اور جسے میں نے مرزا غالب کے مزار پر اور پھر متھرا کے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کہا" معاف کرنا بھائی جی۔ میں نے آپکو پہچانا نہیں"

وہ میرے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گیا اس کی توند پتلون کی پیٹی سے او باہر کو نکلی ہوئی تھی ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا" چندی گڑھ کے کانگرسی لیڈر رام پرکاش سے مسلمان بننے میں آپ کو کوئی زیادہ دیر نہیں لگی۔

بات صاف ہو گئی تھی وہ دلی سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اس نے اپنا آئی کارڈ نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا" میرا نام کیول کرشن ہے۔ میں دلی... سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں اور آپ کو اپنے ساتھ لے جانے آیا ہوں۔ بھاگنے کی کوشش فضول ہو گی کیونکہ باہر پولیس موجود ہے"

میرے پاس وقت اتنا نہیں تھا کہ میں مقدس نقش کو آزماتا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر جیسے ہی اٹھانے کی کوشش کی میں نے مسکراتے ہوئے کہا" مہاشہ جی! اب جبکہ بات ختم ہو گئی ہے۔ میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ مجھے اتنی اجازت تو دے دیں کے تمباکو کے دو کش ہی لگالوں" یہ کہتے ہوئے میں دوسرے ہاتھ زہریلا سگار جیب سے نکال چکا تھا۔

اس بدبخت نے کمال کر دکھایا۔ جھپٹ کر سگار میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ میں اس کی طرف

دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ سگار کی طرف دیکھتا ہوا بولا "یہ تم بجھا ہوا سگار کیوں پیتے ہو؟ زہریلا سگار میں کئی بار بجھا چکا تھا۔ میں نے کہا بجھے ہوئے سگار میں زیادہ نشہ ہوتا ہے۔"

اس گدھے نے دیکھتے دیکھتے سگار فرش پر پھینک کر اسے پاؤں سے مسل دیا اور افسوس کہ میں اپنے انتہائی قیمتی سگار کو نہ بچا سکا۔ یہ کام پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ اور جو کچھ میں نے کیا وہ بھی پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ اس کے جبڑے کے لئے میری ایک ہی فلائنگ کک مہلک ثابت ہوئی۔ وہ پلٹ کر گرا۔ اس کی کھوپڑی کا پچھلا حصہ سنگار میز کے کنارے سے ٹکرایا۔ میں اچھل کر دونوں پیروں سے اس کے حلقوم پر گرا تو اس کی گردن ڈھلک گئی... اور کھوپڑی کے پچھلے حصے سے خون ابل ابل کر بہنے لگا تھا۔

میں نے اپنے قیمتی سگار کو آخری بار دیکھا۔ وہ ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور میرے لئے بالکل بے کار تھا۔ یہ بہت بڑا نقصان تھا لیکن اب مجھے وہاں سے ہر حالت میں بھاگ جانا تھا۔ میں ہوٹل کی سیڑھی چڑھ کر چھت پر پہنچ گیا۔ میں نے منڈیر کی اوٹ سے نیچے دیکھا واقعی نیچے پولیس کی ایک جیپ کھڑی تھی ایک تھانیدار جیپ کے قریب بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کا پستول بیلٹ میں لگا ہوا تھا چھت سے ایک سیوریج پائپ دوسری بلڈنگ تک جاتا تھا میں اس پائپ کے سہارے دوسری عمارت کی چھت پر اتر گیا یہ ایک دومنزلہ عمارت تھی اندھیرا بڑھ رہا تھا بلڈنگ کے فلیٹوں میں روشنیاں ہو رہی تھی لیکن جہاں میں تھا وہاں روشنی نہیں تھی میں نے دوسری طرف سے نیچے جھانکا نیچے گلی تو تھی مگر بجلی کے تار بھی پھیلے ہوئے تھے گلی میں چھلانگ لگانا موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا ہلکی پھلکی پھوار پڑنے لگی گلی پندرہ فٹ چوڑی تھی اسے چھلانگ لگا کر بھی پار نہیں کر سکتا تھا جنوب کی طرف نیچے دوسرے مکان کی چھت ڈھلانی تھی اس چھت سے جہاں میں موجود تھا ڈھلانی چھت کوئی بارہ تیرہ فٹ نیچے ہو گی میں نے پاؤں دوسری طرف لٹکا دیئے اور پھر ہاتھ چھوڑ کر ڈھلوان پر چھلانگ لگا دی اور گرتے ہی نیچے کھسکنے لگا تھوڑا سا کھسکنے کے بعد میں رک گیا اور خود کو چھپکلی کی طرح چھت سے چپٹا لیا دفعتاً نیچے سے کسی نے آواز دی ارے دھنیا دیکھ تو اوپر کیا گرا ہے رے

میں آہستہ آہستہ کیکڑے کی طرح رینگ کر چھت کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا یہاں نیچے دوسری منزل کا برآمدہ تھا برآمدے میں ایک کرسی خالی پڑی تھی فلیٹ غریبانہ تھے اندر سے کسی بچے کے رونے اور ماں کے جھڑکنے کی آوازیں آ رہی تھیں میں برآمدے میں کود گیا آواز سن کر اندر سے ایک مراٹھی عورت ساڑھی سنبھالتی ہوئی نکلی "اوئی ماں ٹھگ وہ چیخ پڑی

سیڑھیوں کا دروازہ میرے سامنے تھا میں جتنی تیزی سے سیڑھیاں اتر سکتا تھا اتر کر نیچے گلی میں پہنچ گیا سامنے ایرانی ہوٹل میں لوگ کھانا کھا رہے تھے ریکارڈنگ ہو رہی تھی گلی ہلکی پھوار میں بھیگ رہی تھی کسی نے بھی میری طرف نہیں دیکھا اس زینے سے فلیٹوں کے لوگ اترتے چڑھتے

رہتے تھے

چند قدم تیز تیز اٹھانے کے بعد میں لپک کر گلی کی دوسری سمت ہولیا یہ گلی بھی آگے اسی بازار میں نکل آئی جہاں پولیس کی گاڑی بغدادی ہوٹل کے باہر کھڑی تھی میں نے دور سے دیکھا کہ ہوٹل کے باہر جلتے بلب کی روشنی میں پولیس کی گاڑی میں صرف ڈرائیور ہی بیٹھا تھا اس کا مطلب تھا کہ باقی سپاہی انسپکٹر کی قیادت میں اوپر جا چکے تھے

میں الٹے پاؤں بھنڈی بازار سے محمد علی روڈ کی طرف چلنے لگا یہاں بازار میں ٹریفک کا رش تھا میرین ڈرائیو وغیرہ کا علاقہ ہوتا تو پولیس کی جیپ میرا پیچھا کر کے مجھے پکڑ سکتی تھی لیکن یہاں جیپ اتنی بھی تیزی سے میرے پیچھے نہیں آ سکتی تھی جتنی تیزی سے میں چلا جا رہا تھا محمد علی روڈ ابھی دور تھی کہ قریب ہی بس اسٹاپ پر ایک بس آ کر رکی جس کی پیشانی پر لیمنگٹن روڈ لکھا تھا جو اصحاب بمبئی میں رہ چکے ہیں انہیں معلوم ہو گا بمبئی سینٹرل کا ریلوے اسٹیشن لیمنگٹن روڈ پر واقع ہے میں لپک کر بس میں سوار ہو گیا

بس اپنی معمول کی رفتار سے چل رہی تھی بھنڈی بازار کے علاقے سے نکل کر میں ایک بس اسٹاپ پر اتر گیا یہاں سے ٹیکسی پکڑی اور ڈرائیور سے کہا کلیان چلو ڈرائیور نے گھوم کر میری طرف دیکھا۔ "کلیاں بہت دور ہے بابو! اپن ادھر کو نہیں جائے گا"

میں نے جیب سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے اس نے مسکرا کر نوٹ جیب میں ٹھونسے اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی

کلیان بمبئی سے ساٹھ میل دور ہے میرا پروگرام تھا کہ بمبئی سینٹرل سے چلی ہوئی مدراس ایکسپریس کو میں کلیان اسٹیشن پر جا کر پکڑوں گا میں بمبئی سینٹرل اور دادر ریلوے اسٹیشن سے بچنا چاہتا تھا میں نے ڈرائیور سے وقت پوچھا

رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے نصف گھنٹے بعد سینٹرل اسٹیشن سے مدراس ایکسپریس روانہ ہونے والی تھی اسے دادر ٹھہرنا تھا جو بمبئی سے نو میل دور تھا اور اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد کلیان پہنچنا تھا میں نے ڈرائیور سے کہا کہ ٹیکسی تیز چلائے مجھے کلیان ریلوے اسٹیشن پر ایک آدمی کو مدراس ایکسپریس پر الوداع کہنا ہے

میرے پاس ڈیڑھ گھنٹہ تھا ٹیکسی کو ساٹھ میل کا فاصلہ ایک نہیں تو ڈیڑھ گھنٹے میں طے کر لینا چاہیئے جبکہ سڑک پر رش بھی نہیں تھا ڈرائیور نے شہر سے نکلتے ہی ٹیکسی بمبئی سے پونا جانے والے ہائی وے پر ڈال دی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی ڈرائیور گاڑی زیادہ تیز نہیں چلا رہا تھا میں نے دو ایک بار اسے تیز چلانے کو کہا تو بولا "بابو سڑک پر پھسلن ہے گاڑی الٹ جائے گی

کم بخت بارش کو بھی آج رات ہی برسنا تھا کھمبوں کی روشنیاں پیچھے چلی جا رہی تھیں ٹیکسی

ویران سڑک پر کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی ٹیکسی ڈرائیور ایک پھاٹک سے گزرا تو بولا بابو ابھی مدراس میل نہیں چلا ہم اس کو کلیان پر پکڑ لے گا

ابھی یہ جملہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ ایک دھماکہ ہوا میں پچھلی سیٹ پر اوپر کو اچھلا ڈرائیور نے ایک دم سے بریک لگائی گاڑی نے چکر کھایا اور سڑک سے اتر کر کچے میں رک گئی "مارا گیا بابو سالا ٹائر برسٹ ہو گیا

میں نے اپنا سر تھام لیا" تمہارے پاس سٹپنی ہے ؟" میں نے بے اختیار پوچھا

"سٹپنی کے بغیر ہم کبھی نہیں چلا بابو" یہ کہہ کر ڈرائیور گاڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے مجھے بھی باہر آنے کو کہا پھرڈگی سے فالتو ٹائر اور جیک نکالا اور اپنا کام شروع کر دیا بارش کی پھوار اسی طرح پڑ رہی تھی میں درخت کے نیچے جا کر اندھیرے میں بیٹھ گیا ڈرائیور گجرات کاٹھیاوار دبلا پتلا مگر بڑا تیز و طرار نوجوان تھا ٹائر بدلنے میں پون گھنٹہ لگ گیا رات کے سوا نو بج گئے مدراس ایکسپریس بمبئی سینٹرل سے چل پڑی تھی اور دادر پہنچنے والی تھی، جبکہ ہم دادر سے کوئی پندرہ میل آگے ہی پہنچ چکے تھے

"میں تمہیں ایک سو روپے انعام دوں گا گاڑی جتنی تیز چلا سکتے ہو چلاؤ میں نے کہا

"بابو تم فکر کیوں کرتا ہے پھوکٹ میں، ارے بابا، ہم کو مدراس ایکسپریس پکڑ کر دکھا دے گا" یہ کہہ کر اس نے انجن اسٹارٹ کر دیا اس نے واقعی کمال کر دیا اب اتنی تیز گاڑی چلائی مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں گیلی سڑک پر گاڑی الٹ نہ جائے وہ ستر میل سے زیادہ رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا راستے میں چھوٹے چھوٹے کئی قصبے آئے یہاں وہ گاڑی کی رفتار ہلکی کر دیتا قصبے سے نکلتے ہی پھر اسپیڈ پکڑ لیتا دور سے کلیان ریلوے اسٹیشن کی بتیاں نظر آئیں تو ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا "آ گیا کلیان سالا" میں نے سر گھما کر پیچھے دیکھا تو دور مدراس ایکسپریس کے انجن کی روشنی بھی نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔

"مدراس ایکسپریس بھی آن پہنچا ہے" یہ کہہ کر ڈرائیور نے اسپیڈ اور تیز کر دی پندرہ منٹ بعد میں کلیان ریلوے اسٹیشن پر ٹیکسی سے اتر رہا تھا ڈرائیور کو ایک سو روپے انعام دے کر میں اسٹیشن کے گیٹ کی طرف بھاگا کیونکہ مدراس ایکسپریس کلیان کے آؤٹر سگنل میں داخل ہو چکی تھی اس اسٹیشن پر ایکسپریس ٹرین دو تین منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتی تھی میں نے دیکھا کہ ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر رش ہے میں نے آگے بڑھ کر ٹکٹ لینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اتنے میں ٹرین زمین ہلاتی اور شور مچاتی ہوئی پلیٹ فارم میں داخل ہو گئی۔

میں نے گیٹ پر کھڑے ٹکٹ چیکر سے کہا کہ میرے پاس ٹکٹ خریدنے کا وقت نہیں ہے میں فرسٹ کلاس کا مسافر ہوں راستے میں گارڈ سے ٹکٹ بنوا لوں گا فرسٹ کلاس کا نام سن کر ٹکٹ چیکر نے مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی ٹرین پلیٹ فارم پر رک چکی تھی میں پچھلی بوگی کی طرف

دوڑا ٹرین میں بہت رش تھا میں تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں کسی نہ کسی طرح گھس گیا جتنی دیر ٹرین یہاں کھڑی رہی میں نے کھڑکی میں سے سر باہر نہ نکالا ٹرین چلی تو میں نے مسافروں کا جائزہ لیا مسافروں میں عورتیں بھی تھیں یہ لوگ مراٹھی اور گجراتی زبان میں تیز تیز باتیں کر رہے تھے میں ان زبانوں سے ناواقف تھا البتہ گجراتی کا کوئی کوئی لفظ میری سمجھ میں آ جاتا تھا

مدراس ایکسپریس کلیان سے نکلتے ہی برق رفتار بن گئی اگلا بڑا شہر پونا تھا۔ جو کلیان سے تقریباً ایک سو اڑتیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا پونا سے پہلے لونا والا کے اسٹیشن پر گاڑی تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر پونا پر رکی تو میں نے اپنے آپ کو ہجوم میں چھپالیا یہ بہت بڑا جنکشن تھا یہاں مدراس ایکسپریس نے کوئی پندرہ منٹ لگائے گاڑی یہاں سے چلی تو میں نے کسی حد تک سکھ کا سانس لیا اب بڑا شہر شوار پور تھا جو بہت دور تھا۔

شوار پور بھی خیریت سے گزر گیا اب ٹرین آندھیرا پردیش سے گزر رہی تھی گلبرگہ صبح کے وقت آیا مجھے کسی جگہ بھی پولیس کی نقل و حرکت نظر نہ آئی میں خطرے کی پہلی لائن سے نکل چکا تھا رانچور پہنچ کر میں نے کھانا کھایا یہ چاول کی روٹی تھی جسے یہاں کے لوگ چلا کہتے ہیں اب چائے کی بجائے ریلوے اسٹیشنوں پر کافی زیادہ ملنے لگی تھی سارا دن ٹرین کا سفر جاری رہا کئی شہر آئے اور گزر گئے پھر شام ہو گئی رات کے نو بجے کہیں ٹرین مدراس سینٹرل کے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوئی اب میں اپنے آپ کو کافی محفوظ سمجھ رہا تھا یہاں دو صوبوں کے مابین رابطہ کی زبان انگریزی ہے انگریزی کا معیار یہاں سے بہت بلند ہے ریلوے قلی تک انگریزی زبان میں اپنا مفہوم سمجھا لیتے ہیں

مجھے مدراس سے آگے منڈاپم کیمپ نامی شہر جانا تھا جہاں زیر زمین ایٹمی پلانٹ کام کر رہا تھا میرے سامنے بہت بڑا مشن تھا میں اکیلا اور اجنبی تھا میں ان لوگوں کی زبان سے بھی ناواقف تھا بظاہر میرا مشن ایک ناممکن مشن تھا اس ملک نے اپنے ایٹمی پلانٹ کے مرکز کو دشمن جاسوسوں کے لئے کھلا نہیں چھوڑ رکھا ہو گا قدم قدم پر حفاظتی انتظام کیئے گئے ہوں گے میرے پاس تو اب زہریلا سگار بھی نہیں تھا میں صرف خدا کے سہارے اور اپنے عزم کے بل پر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن اب آگے جانے سے پہلے مجھے کچھ منصوبہ بندی کی ضرورت تھی اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ کچھ روز مدراس میں قیام کیا جائے میرے پاس بھارتی کرنسی بھی ختم ہونے والی تھی بمشکل پانچ چھ سو روپے باقی رہ گئے تھے مجھے روپوں کا بھی بندوبست کرنا تھا مجھے اسٹیشن پر ہی پتہ چلا کہ شہر میں بڑے ڈاک خانے کے پیچھے کسی مسلمان حاجی صاحب کی سرائے ہے جہاں مجھے واجبی کرائے پر کمرہ مل سکتا ہے۔

میں ٹیکسی لے کر اس سرائے میں پہنچ گیا یہ دو منزلہ بلڈنگ تھی ایک داڑھی والے حاجی صاحب کرسی لگائے بیٹھے تھے میں نے سلام کیا اور انہیں بتایا کہ میں مالیر کوٹلہ کا پنجابی مسلمان ہوں اور میرا نام عمر حیات ہے اسپورٹس گڈز کا دھندا کرتا ہوں اور مدراس میں اپنے مال کا آرڈر بک کرنے آیا

ہوں حاجی صاحب نے مجھے دس روپے روز پر ایک چھوٹا سا نیم شکستہ کمرہ دے دیا جہاں کوئی پلنگ نہیں تھا میں نے زمین پر ہی بستر لگا لیا ترچناپلی جو کبھی میرا ہیڈ کوارٹر رہ چکا تھا یہاں سے بہت دور تھا اس لئے میں ... اطمینان سے یہاں تک گیا میرا ارادہ ہفتے بھر سے زیادہ ٹھہرنے کا نہیں تھا اس دوران میں مجھے باقاعدہ کوئی منصوبہ بنا کر اپنے مشن پر روانہ ہونا تھا کافی سوچ و بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے اللہ کا نام لے کر اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو جانا چاہیئے ٹارگٹ پر پہنچ کر صورتحال کا جائزہ لیا جائے اور اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جائے

میرے پاس تھوڑی سی رقم رہ گئی تھی سب سے پہلے مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔ میں نے مدراس کی اجناس منڈی میں ایک مسلمان موپلے کی آڑھت کی دکان پر نوکری کر لی۔ دو ماہ یہاں نوکری کرنے کے بعد میں نے اتنے پیسے جمع کر لئے کہ منڈاپم کیمپ تک سفر کر سکتا تھا اور وہاں کچھ روز تک اپنا خرچ بھی چلا سکتا تھا چنانچہ ایک روز میں کسی کو بتائے بغیر مدراس شہر کے دوسرے بڑے اسٹیشن اگمور سے کنیا کماری ایکسپریس میں سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ بھی ایک طویل سفر تھا مجھے بھارت کی نچلی تکون تک پہنچنا تھا راستے میں میرے لئے خطرناک زون ترچناپلی کا اسٹیشن بھی آتا تھا یہ اسٹیشن کہیں آدھی رات کو جا کر آیا میں ڈبے میں ہی چھپ کر بیٹھا رہا ترچناپلی کے بعد رامیشوریم اور مدورائی ایسے بڑے شہر بھی گزر گئے دوسرے دن ٹرین کوڈے کنال روڈ کے اسٹیشن پر رک گئی یہاں انجن تبدیل کیا گیا اور دھنش کوڈی کی جانب ٹرین کا سفر دوبارہ شروع ہو گیا دھنش کوڈی بھارت کی جنوبی تکون کا سب سے آخری ریلوے اسٹیشن ہے اس سے آگے سری لنکا اور بھارت کا درمیانی سمندر آ جاتا ہے منڈاپم کیمپ اس سے بہت پیچھے تھا ٹرین تیسرے پہر منڈاپم کیمپ پہنچی تو میں ٹرین سے اتر گیا یہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا لیکن ایٹمی پلانٹ کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی تھی اور دو تین نئی کالونیاں آباد ہو گئی تھیں اس عرصے میں مجھے تامل زبان میں تھوڑی بہت شدبد ہو گئی تھی میں شہر میں آ گیا پرانی طرز کے فلیٹوں والی عمارتوں کے علاوہ ایک منزلہ ڈھلانی چھتوں والے مکان بھی تھے سڑک کے کنارے ناریل کے درخت ہوا میں جھوم رہے تھے یہاں صرف سائیکل رکشا چلتے تھے پولیس کے سپاہیوں کی نیلی وردیاں مدراس پولیس ایسی تھیں کسی سپاہی نے میری طرف توجہ نہ دی میں نے ایک مدراسی ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا کافی پی اور شہر میں آوارہ گردی کرنے لگا۔

سورج غروب ہو رہا تھا سنہری روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی تامل عورتیں سیاہ سرخ ساڑھیوں میں ملبوس چلی جا رہی تھیں اچانک ایک بازار سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ایک سفید مائیکرو ویگن پر پڑی اس پر نیلے انگریزی حروف میں منڈاپم اٹامک لکھا ہوا تھا میں ٹھٹک کر رہ گیا یہ ویگن ایک اسٹور نما دکان کے سامنے کھڑی تھی جس کی پیشانی پر انگریزی میں جگرگہ لانڈری سروس

گورنمنٹ کنٹریکٹرز تحریر تھا سفید ویگن سے میلی چادروں وغیرہ کے گٹھر باہر نکالے جا رہے تھے جب ویگن چلی گئی تو میں دکان میں داخل ہو گیا دکان کا اچکن پوش ادھیڑ عمر کا مالک کاؤنٹر پر بیٹھا سگار پی رہا تھا ایک ملازم کاؤنٹر پر کھڑا رجسٹر میں اندراج کر رہا تھا مالک کے سانولے ماتھے پر محراب کا نشان تھا دکان میں مکہ اور مدینہ شریف کے قطعے بھی لگے تھے میں نے لانڈری کے مالک کے پاس جا کر بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا اور کہا" حضور میں مسلمان ہوں میرا نام عمر حیات ہے آپ کی امداد کا طلب گار ہوں۔

لانڈری کے مالک نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا" تم کون ہو شکل سے تم مدراس یا آندھرا پردیش کے نہیں لگتے کہاں سے آئے ہو؟"

میں نے انتہائی درد ناک لہجے میں اسے جو کہانی سنائی وہ یہ تھی کہ میں بھارتی پنجاب کی مسلمان ریاست مالیر کوٹلہ کا رہنے والا ہوں میرے والدین مر چکے ہیں میرے باپ نے میرے نام کافی جائداد چھوڑی مگر میرا چچا اس جائداد کی خاطر میرا دشمن ہو گیا اور کرائے کے قاتل میرے پیچھے لگا دیئے میں جان بچا کر دلی بھاگا قاتل وہاں بھی پہنچ گئے میں نے وہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی اور اس شہر میں آ گیا ہوں کہ وہ اتنی دور نہیں آ سکیں گے لانڈری کا مالک بڑی توجہ سے میری کہانی سنتا رہا" قبلہ میں شریف اور صاحب جائداد ہوں الحمد اللہ مسلمان ہوں آپ سے بس اتنی گذارش ہے کہ مجھے اپنی لانڈری میں کوئی چھوٹا موٹا کام دے دیجئے تاکہ رزق حلال کما کر اپنا پیٹ بھر سکوں اس سے زیادہ مجھے کسی شے کی خواہش نہیں ہے آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں کسی صاحب ایمان کے ہاں نوکری کرنا چاہتا ہوں۔

لانڈری کے مالک نے قدرے توقف کے بعد کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے سے حیدر آبادی اردو میں پوچھا کہ بندو کو ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں لڑکے نے رجسٹر دیکھ کر کہا آج اسے ساتواں روز ہے۔

میں نے بڑی دل سوزی سے کہا حضور میں کسی کی روزی پر لات نہیں مارنا چاہتا۔

لانڈری کے مالک نے سگریٹ کا گل راکھدان میں جھاڑتے ہوئے کہا بندو آ گیا تو اسے کسی دوسرے کام پر لگا دیں گے۔ بہرحال تم آج سے کام شروع کر سکتے ہو۔ لیکن ایک بات یاد رکھو اگر دکان کی کوئی چیز ادھر ادھر ہوئی تو یہاں کی پولیس میری خادم ہے تم اس شہر سے باہر نہ نکل سکو گے۔

میں نے کہا قبلہ خاندانی آدمی ہوں ایسی حرکت میں نے زندگی میں کبھی نہیں کی۔

گلبرگہ لانڈری کے مالک کو سب واجی صاحب کہہ کر پکارتے تھے وہ حیدر آباد دکن کا رہنے والا تھا اور کئی سال سے یہاں لانڈری چلا رہا تھا اس نے مجھے اپنی لانڈری پر ملازم رکھ لیا رہنے کے لئے لانڈری کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ بھی دے دیا جہاں لکڑی کے فرش پر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی میرا کام دھلائی کے لئے آئے ہوئے کپڑوں پر ایک خاص قسم کا نشان لگانا تھا واجی صاحب نے جب یہ دیکھا

کہ میں اچھی خاصی انگریزی جانتا ہوں تو انہوں نے مجھے حساب کتاب پر لگا دیا مجھے وہاں کام کرتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا میں نے چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھ لی تھیں اپنے حلیئے کو زیادہ سے زیادہ چھپانے کی غرض سے میں اپنے سر پر ہر وقت کشتی نما حیدر آبادی ٹوپی پہنے رکھتا تھا میرا لباس بھی حیدر آبادی شرفا ایسا ہی تھا اچکن اور آڑا پاجامہ اس دوران میں نے اٹامک ری ایکٹر سے آنے والی ویگن کا پورا شیڈول نوٹ کر لیا تھا۔ یہ ویگن مہینے میں دو بار ایک خاص تاریخ کو میلے کپڑے جن میں زیادہ تر چادریں ڈاکٹروں والے لمبے سفید کوٹ اور ماسک ہوتے لے کر آتی اور دھلے ہوئے کپڑے لے کر واپس چلی جاتی اس ویگن کا ڈرائیور ایک بوڑھا تامل ہندو تھا۔ جو سفید گول ٹوپی اور سفید لمبا کوٹ پہنتا تھا میں نے واجبی صاحب کو اپنے حسن اخلاق سے گرویدہ بنا لیا تھا میں ان کے ساتھ شام کی ایک نماز بھی پڑھتا تھا اس لئے ایک بار میرے گلے میں پڑے ہوئے مقدس نقش کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ یہ تعویذ میری والدہ نے مرنے سے دو روز قبل مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ اسے گلے سے کبھی نہ اتارنا یہ تمہاری خوش نصیبی کی علامت ہے واجبی صاحب بولے بجا فرمایا میاں عمر حیات۔ والدہ کی دعائیں ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتی ہیں

اٹامک ری ایکٹر کے بارے میں واجبی صاحب کی معلومات واجبی سی تھیں یہ ری ایکٹر شہر سے تیس کلو میٹر دور ایک ویران مقام پر واقع تھا جہاں اجازت کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا تھا واجبی صاحب کو بس اسی قدر معلوم تھا کہ اس ایٹمی مرکز میں بجلی سپلائی کرنے کا کوئی بہت بڑا جنریٹر تیار ہو رہا ہے جس کی مدد سے بھارت کے سارے کارخانے دن رات کام کر سکیں گے ایٹمی ری ایکٹر والوں نے اپنے ملازموں کو بھی یہی تاثر دے رکھا تھا اس اعتبار سے اٹامک سینٹر میں صرف چند سائنس دان ہی ایسے ہوں گے جن کو اصل بات کا علم ہو گا یعنی یہ کہ اس جگہ ہائیڈروجن بم کے تجربے کے لئے ابتدائی کام ہو رہا ہے مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ڈاکٹر اور سائنس دان وہاں کام کرتے ہیں ان کی رہائشی کوٹھیاں وہیں بنی ہوئی ہیں اور وہ وہیں رہتے ہیں ویسے وہ جب چاہیں شہر آ جا سکتے ہی لیکن بقول واجبی صاحب ان کو بہت کم شہر میں دیکھا جاتا ہے میں نے ایک حوصلہ افزا بات یہ بھی نوٹ کی کہ مہینے میں ایک بار ہماری لانڈری کا ایک شخص ویگن میں بیٹھ کر کسی ضروری دفتری کارروائی کے لئے اٹامک سینٹر جاتا تھا کبھی کبھی واجبی صاحب خود بھی چلے جاتے اس کے لئے ان دونوں کو خاص اجازت نامے ملے ہوئے تھے جو انہیں وہاں جاتے ہوئے اپنی گردن میں لٹکانے پڑتے تھے ایک بار ایسا ہوا کہ واجبی صاحب کو بخار تھا اس روز لانڈری کے آدمی کو رسیدوں پر دستخط کرانے اٹامک سینٹر جانا تھا دوسرا آدمی اتفاق سے چھٹی پر تھا اٹامک سینٹر کی گاڑی جانے کے لئے تیار تھی میں نے واجبی صاحب سے کہا آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں میں چلا جاتا ہوں

"میاں برخوردار تم میری جگہ وہاں نہیں جا سکتے تمہارے لئے ایک الگ اجازت نامہ بنوانا

پڑے گا

چنانچہ اگلے ماہ میرا اجازت نامہ بھی بنوا دیا گیا یہ نیلے رنگ کا ایک آئی ڈی کارڈ تھا جس پر میری تصویر چسپاں تھی اور اٹامک سینٹر کے چیف سکیورٹی آفیسر کے دستخط اور مہر لگی تھی میرے مشن کا پہلا مرحلہ کامیاب ہو گیا اسی مہینے جب آخری تاریخوں کو اٹامک سینٹر کی ویگن دھلائی لینے آئی تو واجی صاحب آرام کرسی پر سکون سے بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے بولے آج تم چلے جاؤ میاں مگر خیال رہے ادھر ادھر جھانکنے یا بغیر اجازت کسی طرف جانے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔

" خاطر جمع رکھیئے قبلہ مجھے تو اپنے کام سے غرض ہے یہ کہہ کر میں ویگن میں بیٹھ گیا اور اٹامک ری ایکٹر کی طرف روانہ ہو گیا آئی ڈی کارڈ میں نے اپنے گلے میں لٹکا لیا تھا جو میری اچکن کے باہر سینے پر جھول رہا تھا۔

پہلے تو ویگن ناریل کے درختوں میں گھری ہوئی ایک سڑک پر چلتی رہی دس پندرہ کلو میٹر آگے نکلنے کے بعد ریتیلا علاقہ شروع ہو گیا سمندر یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا سڑک پختہ تھی اور راستے میں ہمیں کوئی گاڑی آتی جاتی نہ ملی دور سے مجھے ایلومینیم کا ایک بلبلہ سا دکھائی دیا یہ اٹامک ری ایکٹر کا مخصوص گنبد تھا یہ سفید رنگ کی ایک دو منزلہ عمارت کے اوپر بنا ہوا تھا اس کے ارد گرد بہت سے دفاتر تھے اٹامک سینٹر کی خاص عمارتوں کے گرد خار دار تاروں کی اونچی باڑ تھی اس کے باہر وسیع علاقے میں ڈائرے کی شکل میں کتنی ہی اک منزلہ کوٹھیاں تھیں اس سارے کے سارے کمپلیکس کو ایک اور کوئی تیس فٹ اونچی خار دار باڑ کی دیوار نے گھیرے میں لے رکھا تھا کمپلیکس کے باہر فوج کی چوکی تھی مین گیٹ بند تھا اس کے باہر دو گورکھا فوجی اسٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے ہماری ویگن گیٹ پر رک گئی ایک گورکھا سپاہی ڈرائیور کے پاس آیا ڈرائیور کا آئی ڈی کارڈ دیکھ کر گورکھے فوجی نے میرا کارڈ بھی دیکھا پھر میری شکل غور سے دیکھی اور دوسرے سپاہی کو اشارہ کر کے کیبن میں جا کر فون پر نمبر ملایا تو گیٹ اپنے آپ کھلنا شروع ہو گیا ویگن کمپلیکس میں داخل ہو گئی میں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیا اس کمپلیکس کا کوئی بلاک ایسا نہیں تھا جس کے باہر کوئی گورکھا سپاہی اسٹین گن لئے پہرے پر نہ کھڑا ہو کچھ سفید لمبے کوٹ والے سائنس دانوں کو میں نے ایک بلاک سے نکل کر دوسرے بلاک کی طرف جاتے دیکھا

ہماری ویگن اٹامک کمپلیکس کے اکاؤنٹس آفس کے سامنے جا کر رک گئی چیف اکاؤنٹس آفیسر ایک کالا کلوٹا دبلا پتلا تامل تھا اس کے بالوں میں سفیدی کی جھلک تھی وہ ماتھے پر تلک لگائے میز پر بیٹھا کام کر رہا تھا مجھے دیکھ کر ڈرائیور سے تامل زبان میں کچھ پوچھا ڈرائیور نے بھی تامل زبان میں کوئی جواب دیا اکاؤنٹس آفیسر نے ذرا سا سر ہلایا میرا آئی ڈی کارڈ دیکھا اپنے دستخط اور دفتر کی مہر دیکھ اور انگریزی میں بولا " تم لانڈری والے کا نیا آدمی ہے

"یس سر"

اکاؤنٹس آفیسر کی میز پر اس کے نام کی تختی پڑی تھی سوامی کرشنن چٹی لکھا تھا چٹی وہاں کی بڑی عام گوت یا ذات ہے مدراس اور کیرالہ میں آپ کو چٹی ذات کے بہت لوگ ملیں گے میں نے احتیاطاً زیادہ گفتگو نہ کی۔ مسٹر چٹی نے ایک رجسٹر میرے آگے کر دیا میں نے اس پر ایک جگہ دستخط کر دیئے اس نے ایک خاص رجسٹر دراز میں سے نکال کر کھولا میرے دستخط کا ایک نمونہ پہلے سے وہاں موجود تھا مسٹر چٹی نے میرے دستخطوں کا موازنہ کیا اور چیک نکال کر مجھے دے دیا میں نے شکریہ ادا کیا اور دفتر سے باہر آگیا۔ باہر ویگن میرے انتظار میں تھی اس میں بیٹھا اور واپس شہر آگیا چیک واجبی صاحب کے حوالے کیا تو وہ بولے "میاں برخوردار اب تم ہی جا کر چیک لے آیا کرو۔

یہ میرے مشن کی دوسری کامیابی تھی۔

مئی کا مہینہ شروع ہوتے ہی سخت گرمی پڑنے لگی جون کے اختتام پر زبردست بارشیں شروع ہو گئیں اس دوران ہر بار میں ہی چیک وصول کرنے جاتا رہا میں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اکاؤنٹس آفیسر مسٹر چٹی سے اچھی خاصی بے تکلفی پیدا کر لی ایک بار میں اس کے گھر اس کی بیوی کے لئے سلک کی ساڑھی کا تحفہ بھی لے کر گیا مسٹر چٹی شہر کی ایک پرانی بلڈنگ کے فلیٹ میں اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ رہتا تھا قلیل تنخواہ میں گزارا مشکل سے ہوتا تھا سلک کی ساڑھی دیکھ کر اس کی کالی کلوٹی بیوی کی باچھیں کھل گئیں مسٹر چٹی پہلے تو اتنا قیمتی تحفہ قبول کرنے سے انکار کرتے رہے پھر جب میں نے کہا کہ میں یہ تحفہ اپنی بڑی بہن یعنی مسز چٹی کے لئے لایا ہوں تو وہ انکار نہ کر سکے اسی روز سے میں نے ان کی بیوی کو بہن کہنا شروع کر دیا اب میں ہفتے میں ایک آدھ چکر ان کے فلیٹ کا ضرور لگاتا کبھی ان کی بیوی کے لئے چوڑیاں بندے وغیرہ لے جاتا میری ان حرکتوں کا لانڈری کے مالک واجبی صاحب کو بس واجبی سا ہی علم تھا اب میں نے اپنے منصوبے کے تیسرے مرحلے پر کام کرنا شروع کر دیا مسٹر چٹی پر اپنے مسلمان ہونے کا اثر کم کرنے کے لئے میں نے حیدر آبادی لباس ترک کر کے پتلون قمیص پہننا شروع کر دی تھی جو کہ جنوبی ہند کے ہندو اور مسلمان نوجوانوں کا عام پہناوا ہے ایک روز میں مٹھائی کا ڈبہ اور مسز چٹی کے لئے ایک خوبصورت چپل لے کر شام کو ان کے فلیٹ پر گیا تو مسٹر چٹی بے حد خوش ہوئے ان کی بیوی نے فوراً کافی بنانا شروع کر دی اب میں تامل زبان میں تھوڑی بہت گفتگو کر لیتا تھا اپنی تامل زبان کو رواں کرنے کے لئے میں اکثر وہاں اسی زبان میں بات کرتا تھا کافی آئی تو میں نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بڑے افسردہ لہجے میں مسٹر چٹی کو بتایا کہ لانڈری میں واجبی صاحب میرا بڑا خیال رکھتے ہیں مگر وہاں مجھے جو تنخواہ ملتی ہے اس سے میرا گزارا نہیں ہوتا مالیر کوٹلہ میں میری ایک بیوہ بہن ہے جس کے چار بچے ہیں ان کی گزر اوقات بھی میرے اوپر ہے کیونکہ چچا نے ہماری جائداد میں سے اسے کچھ نہیں دیا میں نے کچھ ایسی اداکاری کی کہ مسٹر چٹی متاثر ہو

گئے کہنے لگے میں تمہاری نوکری کا کسی دوسری جگہ بندوبست کرتا ہوں جب میں نے انہیں بتایا کہ میں بی ایس سی ہوں تو وہ اچھل پڑے

"یہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا میں تمہیں اپنے اٹامک کمپلیکس میں ہی نوکری دلوا سکتا ہوں تم ایسا کرو۔۔ایسا کرو کہ۔۔ انہوں نے اسی وقت اپنی بیوی کو کہا کہ الماری میں سے کاغذ قلم لاؤ انہوں نے مجھ سے انگریزی میں درخواست لکھوائی ایک ہفتے بعد میں ان کے ہاں گیا تو یہ خوش خبری سنی کہ دو چار دنوں میں میرا کام بن جائے گا اٹامک کمپلیکس میں نوکری حاصل کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تھا بڑی زبردست تحقیقات ہوئی تھی لیکن مسٹر چٹی نے ڈائریکٹر اٹامک سینٹر کے سامنے حاضر ہو کر کہا کہ وہ مجھے جانتے ہیں اور میری پوری ذمے داری لیتے ہیں مسٹر چٹی کی وہاں بہت عزت تھی اور بے حد اثر و رسوخ تھا مجھے اٹامک کمپلیکس میں اسسٹنٹ بوائے کی نوکری مل گئی میری ڈیوٹی اٹامک ریسرچ بلاک کے تہہ خانے کے ایک ایسے آفس میں لگی جہاں ریسرچ کے نتائج کا اہم ڈیٹا زیروکس کر کے بھابھا اٹامک سینٹر کو تجزیے کے لئے بھیجا تھا مجھے کمپلیکس کے اندر ہی ایک کوارٹر بھی مل گیا جہاں میں دفتر ہی کے ایک ملازم مسٹر راما راؤ کے ساتھ رہنے لگا

واجی صاحب کو جب معلوم ہوا کہ میں اٹامک کمپلیکس میں ملازم ہو گیا ہوں تو بے حد خوش ہوئے میری ترقی پر انہوں نے میرے حق میں مزید دعا کی میں نے یہاں اپنے منصوبے کے مطابق انتہائی دیانت داری خاموشی اور ذمے داری سے کام شروع کر دیا میں وقت پر آفس جاتا وقت پر واپس آتا جی لگا کر کام کرتا کسی سے فالتو بات نہ کرتا ہر ایک کو ادب سے جھک کر سلام کرتا ریسرچ بلاک کے لوگ میری عزت کرنے لگے اس بلاک کے ڈائریکٹر نے میری دیانت داری اور احساس ذمے داری سے متاثر ہو کر مجھے ترقی دے کر سیکرٹ بلاک کے ایک اہم آفس میں منتقل کر دیا یہاں بھی میں بڑی جانفشانی سے کام کرنے لگا یہ دفتر بھی زیر زمین تھا

بہت جلد مجھے علم ہو گیا کہ جس کمرے میں میں کام کرتا ہوں اس کے ساتھ والے کمرے میں فولاد کی چار الماریاں ہیں جن میں ہائیڈروجن بلاسٹ کے سلسلے میں ایک اہم ترین بلیو پرنٹ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا گیا ہے اور یہ الماریاں ایک خاص نمبر ملانے سے کھلتی ہیں اس بلیو پرنٹ کی مدد سے یورینیم افزودہ کر کے ہائیڈروجن بلاسٹ کے لئے تیار کیا جا رہا تھا میں نے اس بلیو پرنٹ کو ضائع کرنے کا فیصلہ کر لیا اس سیکرٹ روم میں ایک مدراسی ڈاکٹر کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی جس کو چاروں الماریوں کے سیکرٹ نمبر یاد تھے بغیر اس کی اجازت کے کسی کو اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی اس مدراسی ڈاکٹر کی مدد کے لئے وہاں اس کا ایک اسسٹنٹ موجود رہتا تھا

اس اسسٹنٹ کا نام سمراتھن تھا میں نے اس پر اپنی چشم کرم ڈالی لنچ کے وقت کیفے ٹیریا میں میں نے اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا اس سے دوستی شروع کر دی اس سے فلمی اداکاروں کی باتیں

کرتا ایک اسے قمیص کا تحفہ بھی دے دیا سرا تھن میرا دوست بن گیا اب ہم کیفے ٹیریا میں اکٹھے بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھاتے تھے

ایک روز میں صبح اپنے کوارٹر سے آفس آیا تو وی ٹو کی ایک گولی میری جیب میں تھی لنچ بریک ہوا تو میں کیفے ٹیریا میں آ گیا سرا تھن میرا انتظار کر رہا تھا اس نے اپنا ڈبہ اور میں نے اپنا ڈبہ کھولا وہ چاول اور سبزی لایا تھا میں بھی چاول لایا تھا میرا کوارٹر کا ساتھی راما راؤ بہت اچھا پکا لیتا تھا میں اسے پیسے دے دیتا اور ہم مل کر کھانا کھاتے تھے سرا تھن اور میں تامل میں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے کولر چند قدم کے فاصلے پر دیوار کے اندر لگا ہوا تھا کھانا کھاتے کھاتے میں خالی گلاس لے کر اٹھا اور کولر میں سے ٹھنڈا پانی لے آیا اس دوران میں نے اس میں وی ٹو کی بے رنگ اور تیزی سے حل ہو جانے والی بے ذائقہ گولی ڈال دی تھی میں نے گلاس میز پر رکھ دیا سرا تھن کی عادت تھی کہ ہمیشہ کھانا کھانے کے بعد پانی پیتا تھا کھانا ختم ہوا تو اس نے وی ٹو کی گولی والا حل شدہ گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ پی گیا میں نے اطمینان کی سانس لی اور نتیجے کا انتظار کرنے لگا نتیجہ کیفے ٹیریا میں نہ نکلا سرا تھن اپنے کمرے میں اور میں اپنے کمرے میں آ گیا بمشکل کوئی پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ سرا تھن کے سیکرٹ روم میں سے شور کی آواز آئی اس کا باس مدراسی ڈاکٹر گھبرایا ہوا باہر نکلا اور بولا "سرا تھن کا دماغ خراب ہو گیا ہے اسے سنبھالو۔ ہم سب کمرے کی طرف لپکے سرا تھن سیکرٹ روم سے باہر آ گیا وہ بلند آواز میں انڈین کانگریس حکومت کے خلاف تقریر کر رہا تھا اسی وقت اسے قابو میں کر لیا گیا سکیورٹی والے اسے باہر لے گئے دفتر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ سرا تھن کو اچانک کیا ہو گیا کسی نے کہا کہ "وہ شروع ہی سے کانگریس حکومت کے خلاف تھا کوئی بولا " ارے گرمی اس کے دماغ کو چڑھ گئی ہے بہرحال سرا تھن کو اسپتال پہنچا دیا گیا اور سیکرٹ روم سے اس کا کام ختم کر دیا گیا اب اس کی جگہ پر کرنے کا سوال اٹھا تو میں نے مسٹر چنی کی خدمات حاصل کیں ان کی سفارش پر میرا ریکارڈ دیکھا گیا میرا ریکارڈ بے حد قابل اعتماد تھا مجھ سے کبھی کوئی بھول چوک نہیں ہوئی تھی مجھے سرا تھن کی جگہ سیکرٹ روم میں تعینات کر دیا گیا اب میں نے اپنی خوش اخلاقی میٹھی باتوں اور تحفے کی مدد سے مدراسی ڈاکٹر گوپالن پر بھی اپنی نرم دلی اخلاق اور شرافت کا سکہ جما دیا ہفتے میں ایک دو بار ایسا ہوتا تھا کہ اٹامک ری ایکٹر بلاک سے کوئی نہ کوئی انڈین سائنس دان آتا مدراسی ڈاکٹر اس کے لئے خفیہ نمبر ملا کر باری باری چاروں فولادی الماریاں کھولتا انڈین سائنس دان الماری میں رکھے بلیو پرنٹ کے چاروں حصوں کو دیکھ کر اپنی نوٹ بک پر کچھ لکھتا اور چلا جاتا میں نے دیکھا کہ سیکرٹ بلیو پرنٹ کی چاروں الماریوں کے نمبر مدراسی ڈاکٹر کو پوری طرح یاد نہیں ہیں وہ ہر بار جیب سے چابی نکال کر اپنی دراز کھولتا اس کے اندر رکھی کسی کاپی سے نمبر پڑھ کر الماریاں کھولتا جاتا اب میں نے اپنی اگلی اسکیم پر غور کرنا شروع کر دیا میں یہ خفیہ نمبر حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اپنے گلے میں پڑے مقدس نقش کو آزمانے کے بارے میں سوچا کہ کیوں نہ مدراسی ڈاکٹر کے دل پر مقدس نقش کا اثر ڈال کر اس سے خفیہ نمبر حاصل کر لوں اور پھر اسی مقدس نقش کے اثر سے حکم دوں کہ وہ سب کچھ بھول جائے لیکن اس میں بہت بڑا خطرہ تھا اگر کسی وجہ سے مدراسی ڈاکٹر پر مقدس نقش کا اثر نہ ہوا اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ مجھے الماریوں کے خفیہ نمبر بتاؤ تو میں مارا گیا اس کے بعد میرا بچاؤ مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

میں دو تین روز تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔

ایک روز میں کیفے ٹیریا میں اکیلا بیٹھا کافی پی رہا تھا کہ اچانک ایک اسکیم میرے ذہن میں آگئی میں خوشی سے جھوم اٹھا میں نے کیمسٹری پڑھ رکھی تھی میں نے ایک ایسا بے ذائقہ محلول سفوف تیار کیا جس کے چند قطرے پینے سے انسان نصف گھنٹے کے لئے بے ہوش ہو سکتا ہے اس کا تجربہ میں نے اپنے کوارٹر میں ایک بلی پر کیا میں نے دودھ میں اس محلول کو چھوٹی سی شیشی میں ڈال کر بند کیا اس پر سے انگلیوں کے نشان مٹائے اور روئی میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ کر دفتر آگیا چار بجے میں اور مدراسی ڈاکٹر گوپالن کافی پیا کرتے تھے وہیں کمرے میں الیکٹرک کافی پاٹ رکھا تھا ساتھ ہی دو مگ بھی پڑے رہتے تھے اس روز میں نے جان بوجھ کر ڈاکٹر گوپالن سے کہا کہ گورو جی آج آپ اپنے ہاتھ سے کافی بنائیں۔

ڈاکٹر گوپالن مسکراتا ہوا اٹھا اور کونے والی میز کے پاس کھڑے ہو کر کافی بنانے لگا میں دونوں مگ صاف کر کے ٹرے میں رکھ کر اس کے پاس لے گیا میں نے ڈاکٹر گوپالن کے مگ میں شیشی سے چند قطرے ڈال دیئے پھر شوگر پاٹ کھول کر پوچھا" ڈاکٹر گورو جی چینی تو آپ وہی آدھا چمچہ پئیں گے نا

ڈاکٹر گوپالن نے اثبات میں سر ہلایا اور کافی تیار کر کے پہلے میرے مگ میں پھر اپنے مگ میں ڈالی اور ہم اپنی میز پر آ کر بیٹھ گئے اور کافی پیتے ہوئے باتیں شروع کر دیں شام ساڑھے چھ بجے ہم سیکرٹ روم کو لاک کرتے تھے ابھی دو گھنٹے باقی تھے باتیں کرتے کرتے ڈاکٹر نے اونگھنا شروع کر دیا اور پھر بے ہوش ہو گیا اس کے مگ میں ابھی کافی پڑی تھی میں نے رومال سے اس کے مگ پر لگے ہوئے اپنی انگلیوں کے نشان صاف کر دیئے اس کی جیب سے چابی نکال کر دراز کھولی کاپی میں سے الماریوں کے خفیہ نمبروں کی مدد سے باری باری چاروں الماریاں کھول کر ہائیڈروجن بلاسٹ کے بلیو پرنٹ نکال کر میز پر رکھے الماریوں کو اسی طرح بند کر کے نمبروں کی مدد سے تالے لگائے ایک بار پھر رومال سے الماریوں پر اپنی انگلیوں کے نشان پونچھے اپنے کافی کے مگ میں بے ہوشی کے محلول کے چند قطرے ڈالے بلیو پرنٹ کو باتھ روم میں لے جا کر آگ لگا کر بیت الخلا کے سنک میں ڈال دیا بلیو پرنٹ کے چاروں حصے دیکھتے ہی دیکھتے جل کر راکھ ہو گئے پھر میں نے سنک کی ہتھی نیچے کر دی پانی کا ایک پر شور ریلا آیا اور بلیو پرنٹ کی راکھ اور بچے کھچے ٹکڑوں کو بہا کر لے گیا باتھ روم میں ایئر کنڈیشنر کا بلور لگا ہوا تھا دھواں تیزی

سے باہر نکل گیا اپنی انگلیوں کے نشان صاف کر کے میں نے رومال کی مدد سے میز کی دراز بند کر کے چابی بے ہوش ڈاکٹر گوپالن کی جیب میں رکھ دی اس سارے کام میں کل سات منٹ صرف ہوئے تھے اب میں نے اپنے مگ میں سے کافی کے دو تین گھونٹ پیئے اور اپنے بے ہوش ہونے کا انتظار کرنے لگا ڈیڑھ منٹ بعد میرا سر بوجھل ہونے لگا آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو دفتر کا عملہ اور سیکیورٹی گارڈز ہمیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے نظر آئے ا
چیف سیکیورٹی آفیسر ڈائریکٹر ریسرچ اور ڈائریکٹر جنرل چاروں فولادی الماریاں کھولے تلاشی لے رہے تھے مدراسی ڈاکٹر گوپالن بھی ہوش میں آچکا تھا ہمارے بیانات لیئے گئے ڈاکٹر گوپالن نے کہا کہ کافی پیتے ہی اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا میں نے بھی اپنے بیان میں یہی کہا مگوں میں بچی ہوئی کافی کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں بے ہوشی کی دوا ملائی گئی تھی الماریوں میں سے بلیو پرنٹ کے چاروں حصے غائب تھے ہم دونوں کو ہیلتھ یونٹ میں پہنچا دیا گیا فوراً ایک بورڈ نے تحقیقات شروع کر دی نتیجہ وہ نکلا جس کے لئے میں نے یہ سارا منصوبہ تیار کیا تھا تحقیقاتی آفیسر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ دشمن کا کوئی ایجنٹ اٹامک کمپلیکس میں موجود ہے جس نے موقع دیکھ کر مسٹر عمر حیات یعنی مجھے اور ڈاکٹر گوپالن کو دوا پلا کر بے ہوش کر دیا اور انتہائی قیمتی بلیو پرنٹس نکال کر فرار ہو گیا۔

اس تحقیقاتی رپورٹ کے بعد کمپلیکس میں حفاظتی انتظامت انتہائی سخت کر دیے گئے۔ جگہ جگہ سیکیورٹی گارڈز متعین ہو گئے۔ اور کمپلیکس میں محکمے نے اپنے ایجنٹ چھوڑ دیے تاکہ اس جاسوس کا سراغ لگایا جا سکے جس نے بلیو پرنٹس چرا لئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں نے منڈایم اٹامک ری ایکٹر کو پاکستان کے خلاف تیار کئے جانے والے ہائیڈروجن بم سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن بہت جلد معلوم ہو گیا کہ میرا خیال غلط ہے۔ کیونکہ اسی بلیو پرنٹ کی دو نقلیں بھابھا اٹامک سینٹر مہاراشٹر میں موجود ہیں اور انکی چار کاپیاں بہت جلد منڈایم اٹامک کمپلیکس میں پہنچنے والی ہیں۔ اب میں نے اس کمپلیکس ہی کو دھماکے سے اڑانے کا فیصلہ کر لیا۔

انتظامیہ نے مجھے اور ڈاکٹر گوپالن کو سیکرٹ روم سے تبدیل کر دیا۔ میری خدمات ایڈ منسٹریشن والوں کے حوالے کر دی گئیں۔ اس دوران مجھ سے کافی پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ مگر میں نے وہی بیان دیا کہ جو ڈاکٹر گوپالن دے چکا تھا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ بس کافی کے چند گھونٹ پیتے ہی ہم بے ہوش ہو گئے

اس واقعے کو پانچواں دن جا رہا تھا کہ۔ میں اپنے آفس میں کام میں مصروف تھا سہ پہر کے پانچ بج رہے تھے ہمیں چھ بجے چھٹی ہوتی تھی کہ چپڑاسی نے آکر کہا کہ مجھے ڈائریکٹر ریسرچ بلاک نے اپنے آفس میں بلایا ہے میں سمجھا کوئی دفتری کام ہو گا شاید میری ڈیوٹی ایک بار پھر سیکرٹ روم میں لگائی جا رہی ہے۔ احتیاط کے طور پر میں نے اپنی قمیص کا اوپر والا بٹن کھول دیا۔ جس کے بعد مجھے گلے میں پڑا ہوا

مقدس نقش نظر آنے لگا۔ میں نہایت سکون سے ڈائریکٹر کے کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک شناسا آدمی کو دیکھ کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہ ترچناپلی کی ملٹری انٹیلی جینس کا وہی آدمی تھا جو مجھے انڈر گراونڈ لیبارٹری میں اپنے چیف سے ملوانے لے جایا کرتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اسکے منہ سے بے اختیار تامل زبان میں نکلا "تم...؟

میرا قدرتی رد عمل وہی تھا جو میں نے کیا۔ دل میں کلمہ طیبہ پڑھ کر میں نے سینے پر لٹکتے مقدس نقش پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل میں دہرایا۔ "تم مجھے جانتے ہو میں ترچناپلی میں تمہارا دوست تھا"

ڈائریکٹر نے ایجنٹ کی طرف دیکھ کر پوچھا" آپ اسے جانتے ہیں کیا"؟

ایجنٹ کے دل کی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ وہ مقدس نقش کے زیر اثر تھا وہ خالی خالی سی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے لڑکھڑاتی زبان میں بولا" ہاں .... میں اسے جانتا ہوں یہ ترچناپلی میں میرا دوست تھا" میں ابھی تک ترچناپلی کے ایجنٹ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا میں نے ایک بار پھر اسے مخاطب کر کے دل میں دہرایا۔ اس کے بعد تم مجھے بھول جاؤ گے۔ ڈائریکٹر نے میری طرف اشارہ کر کے کہا تم جا سکتے ہو۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا یہ ایک نئی مصیبت آگئی تھی اگرچہ وقتی طور پر میں نے اس سے چھٹکارا پالیا تھا لیکن اس سے کسی وقت بھی دوبارہ سامنا ہو سکتا تھا۔ اب میں کہاں کہاں مقدس نقش کو استعمال کروں گا۔ وہ کہیں نہ کہیں مجھے پہچان لے گا اور بھانڈا پھوٹ جائے گا دفتر بند ہونے میں ابھی پون گھنٹہ باقی تھا میں نے اپنے ساتھ کلرک سے بات کی تو اس نے بتایا کہ ترچناپلی سے ملٹری انٹیلی جینس کا آفیسر یہاں خصوصی تحقیقات کے لئے آیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کمپلیکس میں ہی کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور ابھی ایک ہفتے تک یہاں رہ کر تفتیش کرے گا۔ میں کمپلیکس کے ری ایکٹر بلاک کو بھک سے اڑانے کا پلان بنا رہا تھا اور اسکے لئے کچھ کیمیکلز حاصل کر کے انتہائی طاقت ور بم بلاسٹ کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ترچناپلی کی یہ بلا آن نازل ہوئی تھی۔ اسے ایک ہفتہ تک یہاں قیام کرنا تھا ظاہر ہے کہ وہ روز کمپلیکس میں آئے گا میں اس سے کہاں تک چھپ سکوں گا۔ ایک بار تو وہ مقدس نقش کی وجہ سے مجھے بھلا بیٹھا تھا لیکن اگر دوبارہ اس کا آمنا سامنا ہو گیا تو وہ مجھے فوراً پہچان لے گا ہو سکتا ہے کہ مجھے اتنی مہلت ہی نہ ملے کہ میں مقدس نقش کا عمل کر سکوں۔

یہ صورت حال میرے لیے بے حد تشویش ناک تھی آخر میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ اس نئی مصیبت سے جتنی جلد ہو سکے۔ چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے میرے پاس کوئی پستول نہیں تھا ایک نہایت خفیہ اور نہایت کار آمد ہتھیار زہریلا سگار تھا لیکن وہ بھی نہیں رہا تھا اسی فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ چھ بج گئے۔ دفتر کے صدر دروازے سے نکلنے کی بجائے میں عقبی دروازے سے گزر کر اپنے کوارٹر کی

طرف چلنے لگا۔

کوارٹر میں میرا ساتھی سمراتھن پہلے پہنچ چکا تھا اور چولہے پر کیتلی رکھے کافی کے لئے پانی گرم کر رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا" تمہیں ڈائریکٹر نے بلایا تھا سنا ہے ترچنا پلی سے ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی آیا ہوا ہے۔

میں نے کہا کہ ہاں اس نے مجھ سے چند سوال کئے تھے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا یار سمراتھن یہ ملٹری انٹیلی جینس والا کون سی کوٹھی میں ٹھہرا ہوا ہے یہاں؟

سمراتھن نے کیتلی میں کافی ڈالتے ہوئے کندھے اچکا کر کہا" کچھ معلوم نہیں مگر تم کیوں پوچھتے ہو ویسے ہی پوچھ رہا تھا اچھا آج کیا پکا رہے ہو؟ میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا میری آنکھیں سامنے کمرے کی کھلی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں جس میں باہر سے ناریل کے درخت کا تنا نظر آ رہا تھا لیکن اصل میں میرا ذہن ترچنا پلی کے ایجنٹ کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرا روم میٹ سمراتھن پیالوں میں کافی انڈیلتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ آج تو میں بینگن بناؤں گا اتنے میں کوارٹر کا دروازہ کھلا اور میرے سامنے ترچنا پلی کا ایجنٹ کھڑا تھا. کرنل منی! ہم تمہاری تلاش میں تھے باہر نکل آؤ تمہارا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔

مجھ پر جیسے بجلی گر گئی۔ ترچنا پلی کے ایجنٹ نے باہر کھڑے سیکورٹی والوں کو اشارے سے اندر بلایا اس کے بعد ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں میں اپنی جگہ سے اچھلا اور لمبی ڈائیو لگا کر کھڑکی سے باہر ناریل کے درخت کے پاس ریت پر جا گرا میرے پیچھے کوارٹر میں شور مچ گیا۔ پستول کے فائر کی آواز بھی گونجی میں ایک طرف بھاگنے لگا۔ میری دائیں جانب کوارٹروں کی قطار تھی سامنے رتیلا میدان اور اسکے پیچھے اونچی خاردار باڑ تھی۔ اس باڑ کو میں پھلانگ نہیں سکتا تھا۔ وہ لوگ میرے پیچھے بھاگے آ رہے تھے۔ پستول کے دو فائر ہوئے۔ گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ کسی نے تامل زبان میں چلا کر کہا رک جاؤ۔ نہیں تو مارے جاؤ گے۔

میں نے محسوس کیا کہ میں پھنس گیا ہوں۔ کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ سامنے خاردار باڑ آ گئی میں رک گیا۔ سیکورٹی گارڈ نے مجھے پستول دکھا کر ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا چھٹی کا وقت تھا۔ کمپلیکس کے ملازم گھروں کو جاتے جاتے رک گئے۔ خاصا ہجوم ہو گیا تھا۔ بہت جلد شور مچ گیا کہ پاکستانی جاسوس پکڑا گیا ہے سیکورٹی گارڈ نے ہاتھ پیچھے باندھ کر مجھے جیپ میں بٹھایا اور پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ترچنا پلی کا ایجنٹ میرے ساتھ تھا۔ تھانے میں سب سے پہلے میری تلاشی لی گئی۔ میری جیب سے وہی۔ ٹوکی بچی ہوئی دو گولیاں نکلیں جنہیں میں ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا تھا۔ انہیں ترچنا پلی کے ایجنٹ نے فوراً پہچان لیا اور مجھے گھورتے ہوئے بولا" تو کرنل منی صاحب آپ نے ہمیں یہاں بھی دھوکہ دیا۔

خیر کوئی بات نہیں۔ سب حساب چکا دیا جائے گا"۔ سپاہی میرے گلے کا نقش اتارنے لگا تو میں نے تامل زبان میں گڑ گڑا کر کہا کہ یہ میری ماں کی آخری نشانی ہے۔ ترچناپلی کے ایجنٹ نے اٹھ کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ میں نے کہا۔ "یہ محض ایک تعویذ ہے۔ میری ماں نے میرے گلے میں ڈالا تھا"۔

ایجنٹ ہنس کر بولا۔ "اگر اس میں کوئی اثر ہوتا تو تم آج گرفتار نہ ہوتے۔ یہ تعویذ بھی تمہاری حفاظت نہیں کر سکا"۔ ... اس نے سپاہی سے کہا کہ اس تعویذ کو رہنے دیا جائے۔ سپاہی نے تعویذ دوبارہ میرے گلے میں ڈال دیا۔ ایجنٹ نے ترچناپلی ملٹری ہیڈ کوارٹرز میں 'چیف ایجنٹ کو فون کر کے اجازت حاصل کر لی کہ وہ مجھے' پولیس کی نگرانی میں 'ترچناپلی ہیڈ کوارٹر لے آئے تاکہ مجھ سے مزید پوچھ گچھ کی جا سکے۔

مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ باہر دو مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ رات کے آٹھ بجے مجھے ہتھکڑی لگا کر جیپ میں بٹھایا گیا۔ ترچناپلی کا ایجنٹ' پولیس انچارج اور دو سپاہی بھی ساتھ ہو گئے اور جیپ منڈاپم ریلوے اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ دونوں سپاہی رائفلیں کاندھوں پر لٹکائے ہوئے میرے سر پر سوار تھے۔ ایک سپاہی کی بیلٹ سے میری ہتھکڑی کی زنجیر بندھی تھی۔ پولیس انچارج اسٹیشن ماسٹر سے ٹرین کی آمد کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ ترچناپلی ایجنٹ کسی کو ٹیلی فون کر رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد دھنش کوڈی کی طرف ترچناپلی جانے والی گاڑی آ گئی۔ مجھے سب سے پچھلے گارڈ کے ڈبے میں بٹھایا گیا۔ دونوں سپاہی' پولیس انچارج اور ترچناپلی ایجنٹ بھی اسی ڈبے میں میرے آس پاس اور سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ ترچناپلی کا ایجنٹ کہنے لگا۔ "یہ شخص پاکستان کا بڑا ہی خطرناک جاسوس ہے۔ اس نے ہمارے کتنے ہی آدمیوں اور ملٹری افسروں کو قتل کیا ہے۔ پنجاب اور اتر پردیش میں تو اس کی گرفتاری کے لئے انعام بھی مقرر ہوا ہے۔ اب یہ ہم سے بچ کر نہیں جا سکتا"۔

میں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے فرار کے طریقوں پر غور کر رہا تھا۔ ٹرین چلی تو میں نے سوچا کہ مقدس نقش میرے گلے میں ہے مگر میں اس سے خاطر خواہ کام نہیں لے سکتا۔ بیک وقت چار آدمیوں کو میں اس سے متاثر کر کے فرار نہیں ہو سکتا۔ نقش اس وقت میرے لئے بے کار ہو چکا تھا۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے فرار کے ایک پہلو پر غور شروع کر دیا۔ گارڈ' کونے میں اپنے لکڑی کے صندوق پر بیٹھا رجسٹر پر کچھ اندراج کر رہا تھا۔ ٹرین رات کے ابتدائی اندھیرے میں شمال کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جس جگہ پر میں بیٹھا ہوں' وہاں میرے قریب ہی کھڑکی تھی۔ جس کا شیشہ چڑھا ہوا تھا' میری توجہ کا مرکز اب صرف میری ہتھکڑی تھی۔

میرے صرف ایک ہاتھ میں آہنی کڑی لگی تھی۔ دوسرا ہاتھ خالی تھا۔ میں اپنے خالی ہاتھ کو کھجانے کے بعد آہستہ سے آہنی کڑی والے ہاتھ کے پاس لے گیا اور کھجانے لگا۔ میں نے لوہے کی

ہتھکڑی کے کڑے کو ذرا سا زور لگا کر آگے کو دبایا تو کڑا میری کلائی پر ہتھیلی کے پاس آکر رک گیا۔ میں نے خالی ہاتھ پیچھے کر لیا اور سر کھڑکی کے شیشے سے لگا کر یوں آنکھیں بند کر لیں گویا نیند آ رہی ہو۔ ٹرین بھاگی جا رہی تھی۔ ترچناپلی کا اسٹیشن پہنچنے کے قریب آتا تھا۔ میرے پاس ساری رات پڑی تھی۔ ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی تو پولیس انچارج نے چاول منگوا لئے۔ تھوڑے سے مجھے بھی کھانے کو دیئے۔ ٹرین آگے روانہ ہو گئی۔ اگلا اسٹاپ کافی دور تھا۔ ٹرین ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ چلی جا رہی تھی ایک خاص سرتال سے اس کے پہیوں کا شور بلند ہو رہا تھا۔ گارڈ اپنے صندوق پر ٹیک لگائے بیٹھا اونگھنے لگا تھا۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد پولیس انچارج بھی اونگھنے لگا اس کا سر آہستہ آہستہ چھاتی سے لگ جاتا۔ وہ چونک کر سر کو اٹھاتا۔ مجھے دیکھتا اور پھر اونگھنا شروع کر دیتا۔ اسے دیکھ کر پولیس کے دونوں سپاہی بھی اونگھنے لگے۔ ترچناپلی ایجنٹ نے پہلے ہی سر دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ یہ میرے لئے ایک سنہرا موقع تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ پیٹ کے ساتھ لگا لئے اور سیٹ پر اکڑوں بیٹھ کر سر کھڑکی سے لگائے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، لیکن میں دائیں ہاتھ کی مدد سے بائیں ہاتھ کو آہنی کڑی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد میرے بایاں ہاتھ کی ہتھیلی کا ابھار چکیلا ہو گیا اور ہتھکڑی کا کڑا تھوڑا سا آگے کو کھسک گیا۔ میں نے پورا زور لگاتے ہوئے کوشش جاری رکھی۔ ٹرین کی بریک لگی اور اس کی رفتار آہستہ ہونا شروع ہو گئی۔ پولیس انچارج نے آنکھیں کھول کر پہلے مجھے دیکھا... پھر پولیس کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ وہ کیوں سو رہے تھے۔ ٹرین ویرانے کے آؤٹر سگنل کے قریب کھڑی تھی۔ انجن بار بار وسل دے رہا تھا۔ میں نے اپنا جکڑا ہوا ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنا بایاں بازو کھجلایا۔ میں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ہتھکڑی ابھی تک لگی ہوئی ہے۔

ترچناپلی ایجنٹ سیٹ پر مزید کھسک گیا تھا اور گہری نیند سو رہا تھا۔ ٹرین آگے کھسکنے لگی۔ ایک اسٹیشن آ گیا۔ تھوڑی دیر ٹرین یہاں رکی رہی۔ پولیس انچارج نے کھڑکی میں سے سر نکال کر دیکھا۔ گارڈ پہلے ہی باہر جا چکا تھا۔

دس منٹ بعد ٹرین روانہ ہو گئی۔ پولیس انچارج نے گارڈ سے تامل زبان میں پوچھا کہ گاڑی ترچناپلی رائٹ ٹائم پر پہنچ جائے گی؟ گارڈ نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا "دس منٹ اس جگہ لیٹ ہو گئی ہے' لیکن میرا خیال ہے' ڈرائیور لیٹ نکال لے گا۔ ہم صبح چار بجے تک ترچناپلی پہنچ جائیں گے"۔ گارڈ نے بتایا کہ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔

پولیس انچارج نے پوچھا "اب کس اسٹیشن پر گاڑی رکے گی؟"

"اب جولر پٹہ جنکشن آئے گا مگر یہ ابھی کافی دور ہے ٹرین بارہ بجے رات وہاں پہنچے گی۔ پہلے تو گوداوری دریا آئے گا۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میرا ٹارگٹ گوداوری دریا ہونا چاہیئے۔ اگر میں دریا کے علاوہ کسی

جگہ ' خشکی پر کھڑکی میں سے کودتا تو میری ہڈی پسلی ایک ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ یہاں ٹرین کے دونوں جانب ریت ہی ریت تھی۔ ٹرین نے رفتار پکڑی تو پولیس انچارج پر نیند نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس کے بعد سپاہی بھی اونگھنے لگے۔ میں نے ہتھکڑی میں سے ہاتھ نکالنے کی جدوجہد تیز کر دی۔ لوہے کا کڑا میری ہتھیلی کے ابھار کی ہڈی پر جا کر رک جاتا تھا۔ میں زور لگا لگا کر کڑے کو ہڈی سے آگے لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہتھکڑی والا بایاں ہاتھ سانپ کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کی سر توڑ کوشش اور ہتھیلی کی ہڈی والے ابھار کو زخمی کر لینے کے بعد اچانک میرا ہاتھ ... کڑی سے نکل آیا۔ میں نے پولیس انچارج ' سپاہیوں اور ترچناپلی ایجنٹ کا جائزہ لیا۔ سب لوگ اونگھتے اونگھتے گردنیں ڈھلکائے سو رہے تھے۔ کمپارٹمنٹ میں سامنے والی کھڑکی کھلی تھی۔ تازہ ہوا برابر اندر آ رہی تھی۔ میں نے انتہائی احتیاط اور آہستگی کے ساتھ اپنی کھڑکی کے شیشے کو نیچے کھسکانا شروع کر دیا۔ اس کھڑکی سے ہوا داخل ہو کر آہستہ آہستہ دوسری جانب واقع کھلی کھڑکی سے آتی ہوا میں گھل مل گئی ' اگر میں ایک دم سے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیتا تو ہوا کے ناگہانی شور سے ان لوگوں کی آنکھ کھل سکتی تھی۔ ہوا کا رخ کچھ ایسا تھا کہ کھڑکی سے ٹکرا کر پیچھے کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا آپ کھلی کھڑکی کے آگے کر دیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اب مجھے دریا کا انتظار تھا۔ اتنا مجھے یاد تھا کہ مدراس سے منڈاپم کی طرف آتے ہوئی راستے میں جو بھی دریا آیا ' اس کا پل اوپر سے کھلا تھا۔ چونکہ یہ دریا زیادہ چوڑے نہیں تھے ' اس لئے ان پر کھلے پل ڈالے گئے تھے۔ یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ ورنہ میں آہنی جنگلوں سے ڈھکے ہوئے پل پر سے کبھی نہیں کود سکتا تھا۔

میں نے دل میں خدا سے دعا مانگی کہ میری مدد کرے۔ میں نے ہتھکڑی سے اپنا ہاتھ نکال رکھا تھا۔ دس منٹ بعد دریا آ گیا اور ٹرین ایک خاص آواز کے ساتھ دریا کے پل سے گزرنے لگی۔ میں اسی انتظار میں تھا۔ میں نے گردن نکال کر نیچے دیکھا۔ اندھیرے میں دریا کا چوڑا پاٹ دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ میں خدا کا نام لے کر اٹھا اور کھڑکی سے باہر کود گیا۔ چونکہ یہ ٹرین کا آخری ڈبہ تھا اس لئے ہوا کا شدید دباؤ پیچھے سے آگے انجن کی طرف تھا۔ کھڑکی سے گرتے ہی دائیں جانب سے ہوا کا شدید تھپیڑا میرے جسم سے ٹکرایا اور اس نے مجھے آگے اچھال دیا۔

میں پل سے تھوڑے ہی فاصلے پر دریا میں جا گرا اور ٹھنڈے پانی میں نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا...

پھر میں ہاتھ پاؤں مارتا ہوا دریا کی سطح پر آ گیا۔ میں پل کی دوسری طرف آ چکا تھا۔ میں نے پل کی طرف دیکھا۔ ٹرین کے آخری ڈبے کے پیچھے لگی ہوئی سرخ بتی کی روشنی مجھے ایسے لگی جیسے ایک جگہ ٹھہر گئی ہو۔ میرے چھلانگ لگاتے ہی یقیناً محافظ بیدار ہو گئے ہوں گے اور انہوں نے ٹرین کی زنجیر کھینچ دی ہو گی۔ مگر دریا کی لہریں مجھے تیزی سے آگے ہی آگے بہائے لئے جا رہی تھیں۔ میں نے بہاؤ کے ساتھ تیرنا شروع کر دیا۔ رات کے سناٹے میں پستول کے دو دھماکے سنائی دیئے ' لیکن میں ان لوگوں کی پہنچ

سے باہر نکل چکا تھا۔

اب رات کا اندھیرا تھا۔ دریا کی سیلابی لہریں تھیں اور میں تھا۔ موت کے منہ سے بچ نکلنے پر میرے اندر ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ دریا میں تیرنا میرے لیئے کوئی نئی بات نہیں تھی' اور پھر سیلابی دریا کی لہریں مجھے تیرنے میں بے حد مدد دے رہی تھی۔ میں دریا کی لہروں پر سیدھا اور بے حس ہو کر لیٹ گیا اور سانس کھینچ کر پھیپھڑے پھلا لئے اور آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔ اسے ہم مردہ پیرا کی کہا کرتے تھے۔ یعنی پانی کی لہروں پر مردے کی طرح تیرنا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ دریا آگے کدھر جاتا ہے اور کہاں سے گزرتا ہے۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ جنوبی علاقہ ہے اور سمندر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے' صبح ہونے تک میں سمندر کے دہانے پر پہنچ جاؤں۔ مجھے اس مقام سے پہلے پہلے دریا سے نکل جانا چاہیئے تھا۔ دریا کی ہیجانی لہروں کی رفتار کافی تیز تھی۔ ان اٹھتی بیٹھتی۔ ڈولتی لہروں کے سینے پر کسی لاش کی طرح تیرتے ہوئے میری آنکھیں آسمان پر چمکتے ستاروں کو تک رہی تھیں۔ اس طرح تیرنے سے مجھے سکون مل رہا تھا۔ میں نے آنکھیں گھما کر کناروں کی طرف دیکھا۔ میں دریا کے وسط میں تھا اور کناروں کی گہری لکیر تاریکی میں کافی دور نظر آ رہی تھی۔ میں نے کنارے پر جانے کی کوشش نہیں کی۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ستاروں نے ڈھلنا شروع کر دیا۔ مجھے دریا کی لہروں پر بہتے ہوئے دو اڑھائی گھنٹے گزر گئے تھے... پھر مشرق میں صبح کاذب کی پھیکی پھیکی روشنی کی جھلک اٹھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دریا کا پاٹ بھی چوڑا ہونے لگا ہے۔ دریا سے نکلنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے دریا میں ایک ڈبکی لگائی اور اپنا رخ مشرق کی طرف کر کے کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ میں بالکل تازہ دم تھا۔ صرف ٹھنڈے پانی سے میرے اعضا سرد ہو گئے تھے۔ تیز تیز بانہیں چلانے سے میرا خون گرم ہو گیا۔ دریا کا کنارا' اندھیرے میں ایک لمبی لکیر کی طرح تھا جو میری طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔ کنارے کی لکیر موٹی اور چوڑی ہونے لگی تھی۔ موجوں کا بہاؤ اب بھی تیز تھا۔ میرا رخ بار بار دریا کے وسط کی طرف ہو جاتا تھا۔

صبح کے اجالے میں مجھے دریا کنارے ناریل کے سیاہ خاکے نظر آنے لگے۔ میں جانفشانی سے تیرتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک میرے ہاتھ بانس کے ایک چھپر پر پڑے۔ یہ کسی جھونپڑی کی چھت کا حصہ تھا' جو سیلاب میں کہیں پیچھے سے بہتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے اپنا آدھا جسم اس پر گرا دیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو چپو کی طرح چلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں دریا کے کنارے جا لگا۔

یہاں زمین دلدلی تھی۔ سب سے یادہ خطرہ سانپوں کا تھا۔ میں دلدلی کنارے سے نکل کر اوپر سوکھی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں ناریل کے جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔

میں خشک زمین پر بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ میں تھک کر چور ہو گیا تھا' لیکن جان بچ جانے پر خداوند کریم کا شکر ادا کر رہا تھا۔ سورج نکلنے سے پہلے کی کافوری روشنی میں' میں نے نگاہ دوڑا کر

اردگرد دیکھا۔ یہ ایک غیر آباد اور ویران علاقہ تھا۔ میں اٹھ کر دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ چلتے چلتے صبح ہو گئی۔ سورج نکل آیا۔ آگے مجھے کچھ فاصلے پر دریا کے کنارے ماہی گیروں کی کشتیاں بندھی ہوئی نظر آئیں۔ یہاں درختوں کے نیچے کچھ جھونپڑیاں بھی تھی۔ میں کنارے سے اتر کر اس رخ پر چلنے لگا کہ ان جھونپڑوں سے کچھ فاصلے سے ہو کر گزر جاؤں۔ یہاں زمین کہیں ریتلی تھی اور کہیں سوکھی... جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں ماہی گیروں کی جھونپڑیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا کافی آگے نکل گیا۔ آگے پھر تاڑ اور ناریل کے درخت شروع ہو گئے۔ میرے گیلے کپڑے اب سوکھ گئے تھے۔ چلنے سے جوتوں میں ریت بھر گئی تھی۔ ایک جگہ میں نے سیاہ ناگ دیکھا۔ وہ پھن اٹھائے ایک ڈھیری کے پاس پھنکاریں مار رہا تھا۔ میں چپکے سے آگے نکل گیا۔ کوئی کچا راستہ بھی نہیں تھا۔ درختوں کا ایک جھنڈ ختم ہوتا تھا تو دوسرا جھنڈ شروع ہو جاتا تھا۔ دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ میں نے جیکٹ اتار کر کاندھے پر رکھ لی۔ میری کوشش تھی کہ اس علاقے سے جتنی بھی دور نکل سکوں، نکل جاؤں۔ آخر میں تھک گیا اور ایک جگہ چھالیہ کے درخت سے ٹیک لگا کر سستانے لگا۔ مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جہاں میں بیٹھا تھا، وہاں ناریل کا کوئی درخت نہیں تھا۔ میں جنوب مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ جنوبی علاقہ نوے فی صد بنجر اور غیر آباد تھا۔ کچھ دیر سستانے کے بعد میں پھر چل دیا۔ میں اب ایک نیا منصوبہ بنا چکا تھا۔

منصوبہ یہ تھا کہ میں بھارت کے جنوبی ساحل کی آخری بندرگاہ دھنش کوڈی سے کسی طرح اسٹیمر میں سوار ہو کر سری لنکا کی طرف نکل جاؤں۔ شمالی ہند کی طرف جانا موت کے چنگل میں پھنسنے کے برابر تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ جس مشن کو لے کر میں اتنی مصیبتیں جھیلتا یہاں تک پہنچا تھا، وہ مشن ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ میں نے جان کی بازی لگا کر اٹامک سینٹر کے بلیو پرنٹ جلا کر راکھ کر دیئے تھے، مگر یہ آپریشن یوں رائیگاں ہو گیا تھا کہ اس بلیو پرنٹ کی نقلیں بھابھا اٹامک سینٹر میں موجود تھیں۔ میں اپنے دوسرے آپریشن یعنی منڈاپم اٹامک ری ایکٹر کو کیمیاوی بم سے اڑانے کے جتن کر رہا تھا تر چناپلی ایجنٹ کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اب مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ سری لنکا جا کر وہاں دہشت پسندوں سے مدد حاصل کروں۔ ان دنوں لنکا میں تامل آباد کاروں اور مقامی باشندوں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی اور بموں کے دھماکے ہو رہے تھے۔ ویسے بھی سری لنکا زیادہ قریب تھا۔ اگر میں دہشت پسندوں کی مدد حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہیں سے کراچی روانہ ہو جاؤں گا۔

دھوپ کی تپش میں اضافہ ہو تا گیا۔ جیکٹ میرے لئے ایک بوجھ بن گئی تھی۔ میں نے اسے ایک جگہ ریت میں گڑھا کھود کر دبا دیا۔ پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ ایک جگہ ناریل کے درخت تھے۔ دو ناریل پڑے مل گئے۔ انہیں توڑ کر پانی پایا اور ان کا گودا کھایا تو جان میں جان آئی۔ میں آگے روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے بعد مجھے ترکاریوں کے کچھ کھیت اور ان کے پیچھے گاؤں کی جھونپڑیاں نظر آئیں۔ میں

کھیتوں سے ہٹ کر گاؤں سے آگے نکل گیا۔ تیسرے پہر بھوک سے میری انتڑیاں سکڑنا شروع ہو گئیں۔ اب کہیں ناریل کے درخت بھی نہیں تھے۔ چھالیہ اور تاڑ کے درخت ہی تھے۔ گاؤں سے کچھ آگے دیہاتی لوگوں کی ایک ٹولی دیکھی۔ وہ لوگ وشنو دیوی کا پتلا اٹھائے ناچتے گاتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان سے کچھ فاصلہ رکھ کر چلنے لگا۔ ٹولی ایک چھوٹے سے مندر میں پہنچ کر رک گئی۔ انہوں نے ایک بڑا پتیلا کھول کر آپس میں چاول بانٹے اور بیٹھ کر کھانے لگے۔ میں راستہ بدل کر دوسری طرف ہوا تو ایک بوڑھے نے مجھے تامل زبان میں آواز دے کر بلایا اور کہا کہ "وشنو دیوی کے مندر کے پاس سے بغیر کھائے پیئے نہیں جا سکتا۔ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ بھوجن کر لو"۔

میں نے دیکھا کہ سوائے اس بوڑھے تامل کے جس نے اپنے بالوں کا جوڑا سر کا پیچھے باندھ رکھا تھا اور کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کیلے کے ایک پتے پر چاول ڈال دیئے۔ ان چاولوں میں کوئی سبزی ملی ہوئی تھی۔ میں چاول کھانے لگا۔ بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں سے آیا ہوں، کہاں جا رہا ہوں۔

ہم تامل زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اسے کہا کہ سرکار یہاں پانی کے پمپ لگانا چاہتی ہے، اس کا سروے کرنے آیا تھا کہ راستہ بھول گیا۔ بوڑھے تامل نے میرا نام پوچھا۔ میں نے اپنا نام سامرتھ شاستری بتایا۔ اس نے کہا "تم ہمارے گاؤں میں چل کر آرام کرو۔ صبح تمہیں پیچھے کنڈا ایم شہر میں پہنچا دیں گے"۔

میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے سارے علاقے کا حدود اربع معلوم کر لیا۔ پتہ چلا کہ میں جنوب میں کافی دور نکل آیا ہوں اور دریائے گوداوری نے خود ایک نیم دائرے کی شکل میں چکر کاٹ کر مجھے جنوب میں بھارت کے نقشے کی تکون کے قریب پہنچا دیا ہے۔ وہاں سے دھنش کوڈی ستر کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔

بوڑھے تامل نے مجھے رات اپنے گاؤں میں ٹھہرایا۔ میرے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ اس نے مجھے دھوتی کرتا دیا۔ جو میں نے تامل لوگوں کے اسٹائل میں پہن لیا۔ رات بھر میں چوکس رہا۔ جھونپڑیوں کے آگے چارپائیاں اور چٹائیاں بچھی تھی۔ جن پر لوگ سو رہے تھے۔ پچھلے پہر جا کر کہیں آنکھ لگی اور سورج نکلتے ہی اٹھ بیٹھا۔ پھر نہا دھو کر تازہ دم ہوا تو بوڑھے تامل نے ناشتہ دیا اور پھر ایک آدمی کے ساتھ شہر کی طرف روانہ کر دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے اپنے راہ نما کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔ مجھے راستے کا علم ہو گیا ہے۔ دیہاتی میری نگاہوں سے اوجھل ہوا میں کھیتوں کا چکر کاٹ کر دھنش کوڈی کی بندرگاہ یا قصبے کی طرف یعنی بھارت کی تکون کی طرف چل پڑا۔

میری جیب میں ساٹھ کے قریب روپے تھے۔ یہی میری پونجی تھی۔ میرے سامنے تقریباً ستر

کلو میٹر کی مسافت تھی۔ جو بظاہر لگتا تھا کہ مجھے پیدل ہی طے کرنا ہو گی۔ کیونکہ یہ علاقہ ریلوے لائن سے بہت ہٹ کر تھا۔ اب کہیں کہیں جھونپڑیاں نظر آ جاتی تھی۔ دو گھنٹے تک چلنے کے بعد میں نے ایک جھونپڑی میں دیکھا کہ چھوٹا سا چائے خانہ بنا ہوا ہے۔ یہاں بیٹھ کر دو کیلے کھائے۔ پانی پیا' کافی کا کٹورا پیا اور تامل چائے والے سے پوچھا کہ تم لوگ دھنش کوڈی کیسے جاتے ہو؟

"آگے چوپال ہے' وہاں سے بیل گاڑیاں جاتی ہیں۔ کبھی جانا ہو تو وہیں سے بیل گاڑی پکڑ لیتے ہیں۔"

چائے خانے سے نکل کر' میں چوپال کی طرف چل پڑا۔ یہ چوپال' چھوٹا سے گاؤں کے باہر بیل گاڑیوں کا ایک اڈا تھا۔ مسافر یہاں سے دھنش کوڈی تک آتے جاتے تھے۔ میں بھی پانچ روپے کرایہ ادا کر کے دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک بیل گاڑی میں سوار ہو گیا اور بیل گاڑی ایک کچے راستے پر روانہ ہو گئی۔

شام تک بیل گاڑی دھنش کوڈی پہنچ گئی اور اپنے اڈے پر جا کر رک گئی۔ دھنش کوڈی ایک بڑا قصبہ تھا۔ کچھ فاصلے پر بندرگاہ میں کھڑے ہوئے ایک بحری جہاز کی روشنیاں اندھیرے میں ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ترچناپلی ملٹری انٹیلی جینس نے یہاں میرے بارے میں رپورٹ کر دی ہو گی تو یہاں کی پولیس اور سیکورٹی گارڈ چوکنا ہو چکے ہوں گے' اس لئے آبادی کی طرف جانے میں خطرہ تھا۔

بیل گاڑیوں کے اڈے کے پہلو میں ایک کچی سڑک کسی طرف جا رہی تھی۔ میں بلا ارادہ اس سڑک پر چل پڑا۔ میری شیو بے تحاشا بڑھ آئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ راستے میں اگر کہیں کسی حجام کی دکان نظر آئی تو سب سے پہلے شیو بنواؤں گا۔ یہ کچی سڑک آگے جا کر دھنش کوڈی قصبے کے بڑے بازار سے جا ملی تھی۔ بازار کے سرے ہی پر ماتری بھنڈار نامی اک اوسط درجے کا ہوٹل تھا۔ میں نے دس روپے ادا کر کے' اس ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ کمرے میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں پہلے ہی ایک مسافر قیام پذیر ہے۔ ہوٹل کے ملازم نے بتایا کہ اس ہوٹل کے ہر کمرے میں دو دو مسافر سوتے ہیں۔

وہ مسافر مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ وہ بیوپاری ہے اور چینی کی کچھ بوریاں' جہاز پر چڑھانے آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ ہر روز شام کو دھنش کوڈی سے ایک بڑا اسٹیمر' سری لنکا جایا کرتا تھا مگر حالات خراب ہونے کی وجہ سے یہ اسٹیمر سروس بند ہو گئی ہے۔

"تو تم اپنا مال کیسے لے جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"اسمگل کروں گا۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

میں نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا "کیا تم مجھے بھی سری لنکا اسمگل کرا دو گے۔ میں بیکار

ہو ' یہاں کوئی کام نہیں ملتا۔ سوچتا ہوں ' کولمبو جا کر قسمت آزماؤں"۔

"لیکن اس کے لئے تو پیسے لگتے ہیں۔ کم از کم ایک ہزار روپیہ۔ اس سے کم پر وہ تیار نہیں ہو گا۔ میں نے خود اسے چھ بوریوں کا ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔"

" میرے پاس تو صرف پچیس تیس روپے ہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

دکھ بھنجن جی..." اس نے طنزیہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ "پھر یہیں کسی مندر میں بیٹھ کر رام رام کرو۔ شرادھ تو مل ہی جایا کرے گا"۔

یہاں آکر یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا' اب ایک ہزار روپے کہاں سے لاؤں؟ کہیں نوکری کر کے رقم جمع کرنے بیٹھتا تو کم از کم پانچ چھ مہینے تو ضرور لگ جاتے جبکہ مجھے یہاں ہر پل اپنے پکڑ لئے جانے کا خطرہ تھا۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ انہی خیالوں میں ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

میرے ساتھ والا بیوپاری صبح منہ اندھیرے ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ میں ہوٹل کے عقبی حصے میں لگی ہوئی ٹونٹیوں پر جا کر نہایا اور ہوٹل کی دکان سے ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے دوران بھی میں سوچتا رہا۔ مجھے منڈاپم کیمپ اور ترچناپلی ریلوے اسٹیشنوں کے درمیان کسی مقام سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے ' اس علاقے میں میرے فرار کی اطلاع ابھی نہ پہنچی ہو۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ' میں کسی حجام کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ میں ڈھلانی چھت کے ایک بوسیدہ سے مکان کے برآمدے میں مجھے حجام کی ایک دکان نظر آگئی۔ میں نے شیو بنوائی اور وہاں سے نکل کر بندرگاہ کی مخالف سمت میں چلنے لگا۔ میرے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ بس اس خیال سے چل پڑا تھا کہ بندرگاہ کے سکیورٹی گارڈز سے جس قدر دور رہا جائے ' اچھا ہے۔

وہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی تھی جو ناریل کے جھنڈوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہی تھی۔ میں نے نیلی اور کالی وردی والے پولیس کے تین سپاہی دیکھے جو ایک آدمی کو گھسیٹے ہوئے ' کسی جھونپڑی سے باہر لا رہے تھے۔ میں جلدی سے ایک قریبی جھنڈ میں چھپ گیا۔ سپاہی ' اس آدمی کو لئے ہوئے دھنش کوڈی کی آبادی کی طرف چلے گئے ... اور میں جھنڈ سے نکل کر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اسی راستے پر سفر کر رہا ہوں جس راستے سے بیل گاڑی میں سوار ہو کر آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے دھنش کوڈی سے آتی ہوئی ایک بیل گاڑی مل گئی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ بیل گاڑی میں کچھ مرد اور عورتیں پہلے سے سوار تھیں۔ ان کی آپس کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا کہ پچھلے گاؤں میں پولیس ایک ایسے قیدی کی تلاش میں آئی تھی جو منڈاپم جیل سے فرار ہو کر ادھر آگیا ہے ... اور یہ فرار ہونے والا قیدی میرے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ مجھے فکر

ہوئی۔ یہاں کی پولیس کو میرے بارے میں اطلاع مل چکی تھی اور میں کسی وقت بھی پکڑا جا سکتا تھا۔

دوپہر کو بیل گاڑی ایک گاؤں میں پہنچی۔ وہاں کھانا وغیرہ کھایا گیا۔ اس دوران میں دو تین آدمیوں نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش بھی کی لیکن میں بیل گاڑی کے ڈنڈوں سے ٹیک لگائے بیٹھا، اونگھنے کا تاثر دیتا رہا۔ کھانے کے بعد بیل گاڑی کا سفر پھر شروع ہو گیا... میں نے اندازہ لگایا کہ بیل گاڑی اس راستے پر نہیں جا رہی جس راستے سے میں دھنش کوڈی پہنچا تھا۔ غالباً گاؤں سے نکلنے کے بعد اس نے راستہ تبدیل کر لیا تھا۔ اب اس کا رخ کیرالہ کے مغرب کی جانب تھا اور یہ بات میرے حق میں تھی، میں خود بھی منڈاپم کیمپ کی سمت میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ جہاں دشمن میری تاک میں تھے۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پر کالی گھٹائیں چھا گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ بیل گاڑی کی بانس کی چھت پر ترپال ڈال دی گئی اور گاڑی بان نے گاڑی ایک گھنے درخت کے نیچے روک دی۔ آدھے گھنٹے بعد بارش کا زور ٹوٹا تو ہم پھر آگے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد جو گاؤں آیا، وہاں تمام مسافر اتر کر چل پڑے اور گاڑی بان نے بیل کھول دیئے۔ میں بھی ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں کسی کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں اس گاؤں میں اجنبی ہوں۔

خدا جانے، میں کب تک یونہی بے مقصد چلتا رہا۔ بارش کی وجہ سے زمین گیلی تھی، کہیں کہیں پانی بھی کھڑا ہوا تھا لیکن کیچڑ زیادہ نہیں تھی کیونکہ زمین ریتلی تھی۔ آگے چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں تھیں جن پر اکا دکا درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ میں ایک ٹیکری پر پہنچا تو سامنے ہی نیچے چند جھونپڑیاں نظر آئیں۔ ان جھونپڑیوں سے ذرا دور چند لوگ لکڑیاں جمع کر کے ایک چتا تیار کر رہے تھے۔ اس چھوٹے سے گاؤں میں غالباً کوئی مر گیا تھا جسے جلانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔

ٹیلے کے دائیں جانب، درختوں کی اوٹ میں ایک کھنڈر نظر آ رہا تھا۔ میں چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ سوچا، تھوڑی دیر اس کھنڈر میں بیٹھ کر ستا لوں اور کچھ آئندہ کے بارے میں سوچوں۔ میں، چتا تیار کرنے والے تامل لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا کھنڈر میں پہنچ گیا اور ایک گری ہوئی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہاں سے مجھے چتا کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

میں غور کرنے لگا کہ آئندہ مجھے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ تو طے تھا کہ اس طرح سفر کرتے ہوئے میں پاکستان ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پاکستان کا بارڈر وہاں سے بہت دور تھا اور راستے میں بے شمار خوفناک جنگلات، سربہ فلک پہاڑ اور شوریدہ سر دریا حائل تھے جنہیں مجھ جیسا تنہا اور بے سرو سامان شخص عبور کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شہری ذرائع استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہاں قدم قدم پر انڈین انٹیلی جینس اور پولیس، میرے استقبال کے لئے موجود تھی کیونکہ اب میں صرف جاسوس ہی نہیں بلکہ کئی بڑے سرکاری افسروں کا قاتل بھی بن گیا تھا اور پنجاب ... اور یو۔ پی میں میری گرفتاری پر انعام بھی مقرر تھا۔

میں کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا اور سر جھٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک دہشت زدہ سی نسوانی چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور چتا کی طرف دیکھا۔ چتا تیار ہو چکی تھی اور اس کے قریب سادھو قسم کا ایک نیم عریاں شخص بیٹھا' تامل زبان میں کچھ اشلوک پڑھ رہا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر چند لوگ' مردے کی ارتھی اٹھائے کھڑے تھے۔ لڑکی بری طرح مچل رہی تھی' ان سے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی... پھر ارتھی زمین پر رکھ کر مردے کو چتا پر لٹا دیا گیا اور دونوں مرد' لڑکی کو چتا کی طرف گھسیٹنے لگے۔ اچانک میرے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ کہیں یہ لوگ لڑکی کو بھی مردے کے ساتھ جلانا نہیں چاہتے...

اسی وقت دہشت زدہ تامل لڑکی کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ "بھگوان وشنو! میں ستی نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے بچا لو"۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ لڑکی مرنے والے کی بیوی تھی اور گاؤں والے اسے شوہر کی لاش کے ساتھ جلانا چاہتے تھے۔ یہ انتہائی انسانیت سوز اور بہیمانہ رسم' ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں ابھی تک رائج تھی۔

اپنی جان بچانے کے لئے وہ بیوہ لڑکی جس طرح جدوجہد اور فریاد کر رہی تھی' وہ میری برداشت سے باہر تھا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس بدنصیب لڑکی کو ستی کی رسم کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔ میں نے وہاں موجود لوگوں کا جائزہ لیا۔ سادھو سمیت وہ آٹھ آدمی تھے۔ مگر سب کے سب دبلے پتلے اور کمزور' جیسا کہ وہاں کے لوگ ہوتے ہیں... پھر بھی میں تنہا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جبکہ میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔

خشک لکڑیوں پر گھی یا تیل ڈال کر چتا کو آگ لگا دی گئی اور سنگ دل گاؤں والے' لڑکی کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف دھکیلنے لگے... میرے اندر جیسے بجلی سی کڑکی اور میں اچھل کر چتا کی طرف دوڑ پڑا۔

مجھے اپنی طرف بھاگتے آتا دیکھ کر' وہ لوگ ایک پل کے لئے رک گئے۔ میں نے سب سے پہلے ان دونوں پر حملہ کیا جو لڑکی کو چتا کی طرف گھسیٹ رہے تھے۔ میں نہ صرف ان سے طاقتور تھا بلکہ ایک تربیت یافتہ لڑاکا بھی تھا۔ میں نے ایک تامل پر چھلانگ لگائی اور دائیں کہنی مار کر' اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی اور دوسرے کو گردن سے دبوچ لیا۔ اسی اثنا دو آدمی مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ میں نے ایک کے پیٹ میں لات رسید کی اور دوسرے کو سر سے بلند کر کے ان تین آدمیوں پر پھینک دیا جو ایک ساتھ میری طرف جھپٹ رہے تھے وہ چاروں آپس میں الجھ کر گر پڑے۔ میں دوڑ کر چتا کے چبوترے پر چڑھ گیا۔ اشلوک پڑھنے والا سادھو خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے جلتی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور ان پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ پہلے ہی میری طاقت کے مظاہرے سے خوف زدہ تھے' اب جو میں

جلتی ہوئی لکڑی لے کر' ان کی طرف بڑھا تو وہ بھی مڑ کر گاؤں کی طرف دوڑ پڑے۔ میں نے لکڑی پھینک دی۔

اس عرصے کے دوران میں وہ بیوہ تامل لڑکی' سکڑی' سمٹی ایک طرف کھڑی رہی تھی۔ میں نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑا اور اسے ایک طرف گھسیٹتے ہوئے تامل زبان میں کہا۔ "جلدی سے بھاگ چلو۔ کہیں وہ لوگ واپس نہ آ جائیں"۔

وہ تو پہلے ہی تیار تھی۔ ہم دونوں نے ٹیکری کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ ٹیکری کے دوسری طرف پہنچنے کے بعد لڑکی رک گئی اور میرا ہاتھ کھینچ کر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہاں... اس طرف چلو"۔

میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر دوڑنے لگا۔ لڑکی میرے آگے آگے دوڑ رہی تھی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ انیس بیس سال کی تھی۔ اس کا رنگ وہاں کے باشندوں کی طرح بالکل سیاہ تھا اور آنکھیں کسی ناگن کی آنکھوں کی طرح شربتی تھیں۔ ستی کرنے سے پہلے اس کے ماتھے پر کیسر لگایا گیا تھا۔ اس نے کالے رنگ کی ایک سستی سی ساڑھی باندھ رکھی تھی جس کا بارڈر سرخ تھا۔ میں نے دوڑنے کے دوران ہی اس کا مکمل جائزہ لے لیا تھا۔ لڑکی مجھے ایک خاص سمت میں لئے جا رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد ہمیں اپنے عقب میں ہلکا ہلکا شور سنائی دینے لگا۔ تامل لڑکی نے گھبرا کر پیچھے دیکھا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں نے دوڑتے دوڑتے تامل زبان میں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے؟

وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی "آگے کوناپلم ہے"۔
تامل زبان میں کوناپلم' ان قدیم گپھاؤں اور کھنڈروں کو کہا جاتا ہے جہاں پرانے راجاؤں کے زمانے میں وش کنیاؤں کو رکھا جاتا تھا اور دیوداسی قسم کی ان حسین لڑکیوں کی پرورش سانپ کے زہر پر کی جاتی تھی۔ تامل ناڈو میں ایسی گپھائیں اب بھی کہیں موجود ہیں لیکن وش کنیاؤں کو پالنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ تامل لڑکی' ان گپھاؤں کی طرف کیوں جا رہی ہے جبکہ ہمارے دشمن' ہمیں وہاں آسانی سے گھیر کر پکڑ سکتے تھے۔ سامنے ہی درختوں کے درمیان ایک کوناپلم نظر آ رہی تھی۔ تامل لڑکی میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرف لپکی۔ ہمارے پیچھے' دیہاتیوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ لڑکی مجھے لئے ہوئے کوناپلم کی ایک تاریک کھوہ میں داخل ہو گئی۔ یہ کھوہ کبھی اس گپھا کا دروازہ رہا ہو گا لیکن اب اس کی دہلیز زمین میں دھنس چکی تھی اور دروازے کی جگہ ایک محرابی سوراخ باقی رہ گیا تھا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ لڑکی میرا ہاتھ تھامے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔
میں نے محسوس کیا کہ راستہ ہموار ہے لیکن نیچے کی طرف جا رہا ہے کیونکہ دوڑتے ہوئے مجھے ڈھلان

سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی سانسیں درست کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تم نے کیا بے وقوفی کی۔ وہ لوگ ہمیں یہاں پکڑ لیں گے“۔

وہ ہانپتے ہوئے بولی ”چلے آؤ۔ وہ کوتا پلم میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ان گپھاؤں کے راز صرف ہمارے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں“۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد لڑکی کی رفتار کم ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب وہ گن گن کر قدم اٹھا رہی ہے۔ دیہاتی گپھا کے دہانے پر پہنچ گئے تھے اور چیخ چیخ کر ہمیں باہر آنے کا حکم دے رہے تھے لیکن اندر کوئی نہیں آ رہا تھا تب تال لڑکی نے بتایا ”ان گپھاؤں کے خفیہ راستے صرف ہمارے ناگ دیوتا کی پوجا کرنے والے خاندان ہی کو معلوم ہیں۔ اگر کوئی دوسرا ان گپھاؤں میں داخل ہو جائے تو بھٹک جائے گا اور تمام زندگی باہر نہیں نکل سکے گا“۔

گاؤں کے لوگ، دہانے ہی پر کھڑے دھمکیاں دے رہے تھے کہ باہر نکل آؤ ورنہ گپھا میں آگ لگا کر دھواں بھر دیا جائے گا۔ تال لڑکی برابر گن گن کر قدم اٹھا رہی تھی اور میں اس کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رک گئی اور مڑ کر غار کی دیوار کی جانب تین قدم چلی۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ایک تو اس کا سیاہ رنگ اوپر سے سیاہ ساڑھی۔ اس کا پورا وجود تاریکی کا ایک حصہ بن گیا تھا لیکن اس کی ناگن کی طرح چمکتی آنکھیں مجھے نظر آ رہی تھیں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ”یہاں کہیں خفیہ راستہ موجود ہے“۔ اس اندھیرے میں اس کی سرگوشی بھی مجھے ناگن کی پھنکار کی طرح سنائی دی۔

اچانک مجھے دھوئیں کی بو محسوس ہوئی۔ انہوں نے غار کے دہانے پر آگ جلا دی تھی اور غار میں دھواں بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ تال لڑکی نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور جھک کر کچھ ٹٹولنے لگی... پھر چند لمحے بعد وہ بولی۔ ”یہاں زور لگاؤ۔ یہ پتھر اٹھاؤ۔ اس کے نیچے خفیہ راستہ ہے“۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک پتھر پر رکھ دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ٹٹول کر پتھر پر اپنی گرفت مضبوط کی اور زور لگانے لگا۔ غار میں دھواں بھرتا جا رہا تھا اور وہ کھانسنے لگی تھی۔ میں نے پورا زور صرف کر کے پتھر کو باہر کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے تازہ ہوا کا احساس ہوا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ ”اس کے آس پاس جتنے پتھر ہیں، سب باہر نکال لو، جلدی کرو“۔

میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد دو چار بڑے بڑے پتھر ہٹا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر میرا ہاتھ پکڑا اور پتھروں کے نکلنے سے پیدا ہونے والے خلا میں اتر گئی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ میرے پیر سنگی سیڑھیوں سے ٹکرائے تھے۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد ہم آگے بڑھنے لگے۔ یہ بھی ایک غار تھا اور یہاں ہوا میں تازگی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہم تاریکی میں تیز تیز چلتے رہے۔ اس سرنگ میں کئی موڑ تھے۔ ایک موڑ پر گھومتے ہی ہلکی ہلکی روشنی کا احساس ہوا۔ اور جب دوسرا موڑ گھومے تو اس

روشنی نے ملگجے سے اجالے کی صورت اختیار کرلی۔ تال لڑکی اب مجھے صاف نظر آنے لگی تھی۔ یہ روشنی سرنگ کی چھت میں بنے ہوئے ایک سوراخ سے آرہی تھی... پھر ایسے کئی روشن سوراخ آئے اور گزر گئے۔ اس اندھیرے اور اجالے کے درمیان ہمارا سفر جاری رہا۔ لڑکی بے تکان چلی جارہی تھی اور میں اس کے پیچھے پیچھے خود کو گھسیٹ رہا تھا۔

یہ سفر اختتام کو پہنچا۔ ایک جگہ سرنگ ختم ہو گئی تھی اور وہاں سے چند زینے اوپر بنے ہوئے سوراخ تک جارہے تھے۔ ہم زینے طے کرکے سوراخ سے باہر آگئے۔ میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ وہ کھنڈر تھا جو کسی زمانے میں مندر رہا ہو گا۔ ہم اس مندر کا چبوترہ عبور کرکے باہر آگئے۔ تازہ ہوا میں پہنچ کر میں نے گہری گہری سانسیں لیں۔ دن کی روشنی ماند پڑتی جارہی تھی۔ وہاں دور دور تک اونچے نیچے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔

تال لڑکی ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کرنے لگی پھر پہلی بار وہ بغور میرا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "تمہارا لہجہ اور رنگ بتاتا ہے کہ تم تال نہیں ہو... مگر مرد ہو تم نے مردوں ہی کی مانند اپنی جان پر کھیل کر ایک بے بس لڑکی کی جان بچائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں واپس اپنے پتی کے گاؤں میں نہیں جاسکتی اور میرے ماتا، پتا کا گھر یہاں سے بہت دور ہے کیا تم اتنی کرپا اور کردو گے کہ مجھے میرے ماتا، پتا کے گھر پہنچادو؟"

اب سوائے حامی بھرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ویسے بھی میں نے اللہ کی مدد سے جس لڑکی کی جان بچائی تھی، اسے ان ویرانوں میں بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"میرا نام سدھارنگی ہے۔" وہ مجھے اپنی طرف دیکھتے پاکر بولی۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تم شمال کے کس علاقے کے رہنے والے ہو؟"

"میرا نام رگھونندن ہے۔" میں نے جواب دیا "اور میں ہریانے کا رہنے والا ہوں۔ ادھر نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ تمہاری چیخوں نے متوجہ کرلیا"۔

اس نے اٹھ کر میرے ہاتھ چوم لئے اور نہایت عقیدت سے بولی۔ "رگھو! تم میرے لئے دیوتا سمان ہو۔ میں تال ہوں میرے ماتا، پتا بھی یہیں کے رہنے والے تھے لیکن جب میں بہت چھوٹی تھی تو کہتے ہیں، دھنش کوڈی میں سخت کال پڑا تھا۔ بہت سے لوگ سوکھے سے مرگئے۔ میرے ماتا، پتا یہاں سے نقل مکانی کرکے، سوراشٹر میں، دریا کے کنارے آباد ہو گئے اور ماہی گیری کرنے لگے۔ دو مہینے قبل میرے پتا نے میری شادی یہاں کے ایک بوڑھے مچھیرے سے کردی۔ کل میرا بڈھا پتی مر گیا تو گاؤں والوں نے میرے پتا کو اطلاع دیئے بغیر مجھے ستی کرنے کی تیاریاں شروع کردیں... اگر تم نہ پہنچ گئے ہوتے تو اس وقت تک میں جل کر راکھ ہو چکی ہوتی"۔

میں اکیلا تو اب تک ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرتا آرہا تھا لیکن اب اس لڑکی کی وجہ سے

سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اتنا طویل سفر یہ کیسے طے کر سکے گی۔ مجھے متذبذب دیکھ کر وہ بولی۔

"یہاں سے تیس کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے۔ وہاں سے ہمیں ریل گاڑی مل جائے گی۔ ہم اس میں بیٹھ کر تامل ناڈو سے نکل جائیں گے۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ سوراشٹر پرانت کہاں ہے؟"

سوراشٹر پرانت سے تو میں اچھی طرح واقف تھا لیکن اس نے جو ریل گاڑی والی بات کہی تھی' وہ میرے لئے ناقابل قبول تھی۔ ریل کا سفر میری گرفتاری کا باعث بن سکتا تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر' اس سے کہا۔ "سدھا! میں ہریانے میں ایک بینک میں ملازم تھا... وہاں میرے ایک دشمن نے مجھ پر غبن کا جھوٹا مقدمہ بنا دیا۔ میں وہاں سے بھاگ کر' تامل ناڈو میں آ کر بس گیا۔ وہیں میں نے تامل زبان سیکھی وہاں سے جی بھرا تو دھنش کوڈی آ گیا تھا کہ یہاں کوئی کام مل جائے گا لیکن اب تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر میں ریلوے اسٹیشن کی طرف گیا تو پولیس مجھے غبن کے مقدمے میں گرفتار کر لے گی۔ اس لئے میں تمہارے ساتھ جنگل جنگل تو سوراشٹر تک سفر کر سکتا ہوں لیکن ریل گاڑی میں سفر نہیں کروں گا"۔

"اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" سدھا رنگنی مسکرا کر بولی... "تم نے مجھے چتا کی آگ سے بچایا ہے۔ تم میرے رکھوالے ہو اور تم ہی مجھے میرے ماتا' پتا تک پہنچاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ جنگلوں... اور پہاڑوں میں پیدل سفر کروں گی"۔

میں نے کہا۔ "ہیوہ لڑکی تو کسی غیر مرد کے قریب بھی نہیں پھٹکتی' تم اتنے دنوں تک میرے ساتھ تنہا سفر کس طرح کرو گی؟"

"میں ان باتوں کو نہیں مانتی۔" وہ تیزی سے بولی "اچھا ہوا' وہ بیمار بڈھا مر گیا۔ اب میں آزاد ہوں"۔

ایسی منہ پھٹ اور باغی لڑکی میں' پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اگر یہ بات کوئی ماڈرن اور آزاد خیال لڑکی کہتی تو مجھے حیرت نہ ہوتی لیکن وہ تو ایک مذہبی قسم کی غیر مہذب اور ان پڑھ لڑکی تھی اور پھر بھلا ایک مچھیرے کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔

سورج تیزی سے مغرب کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ ہم اٹھ کھڑے ہوئے اور اونچے نیچے ٹیلے پار کر کے ایک چھدرے سے جنگل میں داخل ہو گئے۔ سدھا رنگنی کا بچپن اسی علاقے میں گزرا تھا اور وہ اس علاقے سے کافی حد تک واقف تھی۔ لہٰذا اس وقت بھی وہی میری راہنمائی کر رہی تھی۔ ہم جنگل میں ایک چھوٹی سی بل کھاتی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ ایک طرف درختوں کے درمیان کچھ جھونپڑیاں نظر آئیں تو سدھا رک گئی اور بولی۔

"رگھو! تم یہاں ٹھہرو۔ میں اس گاؤں میں جا کر کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔ ننگے پاؤں چلتے چلتے

میرے پیر دکھنے لگے ہیں۔ اپنے لئے جوتی بھی لے آؤں گی۔"

میں وہیں رک گیا اور سدھا پگڈنڈی سے اتر کر گاؤں کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو اس کے پیروں میں ربڑ کے پرانے بوٹ تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں پانی سے بھری ہوئی مٹی کی ایک لٹیا تھی اور دوسرے ہاتھ میں کیلے کے پتوں کا ایک بنڈل تھا جس میں مچھلی کا چورا ملے' موٹے ابلے ہوئے چاول تھے۔ اس نے کیلے کے پتے کھول کر پھیلا دیئے اور ہم چاول کھانے لگے۔ کھانے کے دوران اس نے کہا " میں نے گاؤں میں جا کر بتایا تھا کہ میرا پتی گاؤں کے باہر بیٹھا ہے۔ وہ بیمار ہے۔ ہم اگلے گاؤں جا رہے تھے... سخت بھوک لگی۔ یہ گاؤں دیکھا تو رک گئے "۔

میں سدھا کی اس بے باکی پر دنگ رہ گیا۔ اس نے بیوہ ہو کر کتنے اطمینان سے ایک غیر مرد کو اپنا شوہر کہہ دیا تھا۔ بہرحال ہم نے خوب سیر ہو کر چاول کھائے' پانی پیا اور آگے چل پڑے۔ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اتنا لمبا اور دشوار گزار سفر کیسے طے ہو گا۔ جس راستے پر ہم جا رہے تھے' اس کے آس پاس گھنی جھاڑیوں' ناریل اور تاڑ کے درختوں کی بھرمار تھی۔ کافی دور جانے کے بعد ہمیں ایک جھونپڑا نظر آیا تو سدھا اس کی طرف اشارہ کر کے بولی "رگھو! ہم رات یہاں گزاریں گے... صبح کو آگے روانہ ہوں گے "۔

" ہم کس طرف جا رہے ہیں ؟" میں نے سوال کیا۔

" اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے..." وہ بولی۔ " تو تین چار دنوں بعد تامل ناڈو سے نکل کر کیرالہ میں داخل ہو جائیں گے "۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ اداسی سے بولی " رگھو! مجھے لگتا ہے کہ ہم اتنا لمبا سفر طے نہیں کر سکیں گے۔ کیرالہ اور آندھرا پردیش کے جنگل خونخوار درندوں اور زہریلے حشرات الارض سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان سے ہمارا بچ نکلنا محال ہے "۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مجھے خود ان جنگلوں کو عبور کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ آندھرا پردیش تک کسی میٹر گیج ریلوے لائن سے کوئی ٹرین پکڑ کر سفر کیا جائے۔ کیونکہ یہ قدرے محفوظ تھا۔ میں نے یہ بات سدھا کو بتائی تو وہ خوش ہو کر بولی۔

" اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دو چار روز ہی ان جنگلوں میں سفر کرنا پڑے گا۔"

" ہاں' کیرالہ میں اگر کوئی چھوٹی لائن والی گاڑی مل گئی تو ہم اپنا باقی سفر اس کے ذریعے طے کریں گے۔"

ہم اس ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کے قریب پہنچ گئے۔ اس کی چھت کی کھپریل دو جگہوں سے اڑ چکی تھی۔ جھونپڑے کے کچے فرش پر ایک جگہ خشک گھاس کا چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا تھا اور ایک

کونے میں مٹی کا ٹوٹا ہوا گھڑا پڑا تھا۔ سدھا جھونپڑے کے دروازے کے سامنے ہی ساڑھی سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا "میں جنگل سے کچھ ناریل اٹھا لاتا ہوں تاکہ رات کو بھوک پیاس کا علاج ہو سکے"۔

میں سدھا کو جھونپڑی کے دروازے پر چھوڑ کر ناریل کے درختوں کی طرف چلا گیا۔ کافی آگے جا کر، ایک درخت کے نیچے مجھے کچھ ناریل گرے ہوئے ملے۔ میں نے چار ناریل اٹھائے اور واپس جھونپڑے کی طرف چل پڑا۔

جھونپڑے کے دروازے پر پہنچا تو میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالا ناگ، سدھا رنگنی کے سامنے پھن اٹھائے کھڑا جھوم رہا ہے اور سدھا رنگنی اس کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھی، اپنی شربتی آنکھوں سے اسے گھور رہی ہے۔ میں نے ناگ کو ہلاک کرنے کی غرض سے ناریل سر سے بلند کیا ہی تھا کہ سدھا کی دھیمی اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

"رگھو! یہ دیوتا ہے، اسے کچھ نہ کہنا۔"

میرا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ وہ مجھے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ وہ لوگ سانپوں کی پوجا کرتے ہیں... پھر سدھا تامل زبان میں کچھ اشلوک پڑھنے لگی۔ ناگ پر اشلوکوں کا اثر ہوا اور وہ آہستہ آہستہ سدھا کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے قریب پہنچ کر ناگ نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور اس کے بازو پر آ گیا سدھا نے اسے پکڑ کر اپنی گود میں رکھ لیا اور ناگ اس کی گود میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

سدھا نے اشلوکوں کا ورد ختم کر کے ناگ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لئے اس کی ہتھیلی پر اپنا سر رگڑنے لگا۔ سدھا نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

"رگھو! قریب آ جاؤ۔ یہ ناگ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسے دودھ پلاتی رہی ہوں۔"

میں ڈرتے ڈرتے قریب گیا تو سانپ نے گردن گھما کر میری جانب دیکھا۔ سدھا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تامل زبان میں کہا۔ "یہ میرے پتی دیو ہیں۔ اب ان کی رکھشا بھی تیرا فرض ہے"۔ یہ کہہ کر، اس نے سانپ کو گردن سے پکڑا اور اس کا منہ میری دھوتی کے پلو سے مس کر کے اسے دوبارا گود میں بٹھا لیا۔ "رگھو! اس نے تمہارے جسم کی بو سونگھ لی ہے۔ اب تم دنیا میں جہاں کہیں بھی جاؤ گے، یہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہارے دشمن کو ختم کرے گا"۔

میں دنیائے حیرت میں گم تھا۔ اس وقت تو سدھا رنگنی بھی مجھے کوئی ناگن ہی معلوم ہو رہی تھی۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ جس قدر جلد ہو سکا، سدھا رنگنی کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا کر، اس سے اور اس کے ناگ بیٹے سے نجات حاصل کر لوں گا۔ میرے کہنے پر سدھا نے اپنے ناگ بیٹے کو جھونپڑے میں پڑے ہوئے ٹوٹے گھڑے میں بٹھا دیا۔ میں نے سدھا سے کہا۔

وقت تو جھونپڑے میں کیسے کاٹیں گے۔ ماچس بھی نہیں کہ آگ ہی روشن کر لیتے۔ کیا خبر رات کوئی بھیڑیا ادھر نکل آئے۔"

"میرا بیٹا ہماری حفاظت کرے گا۔" سدھا فخر سے بولی۔ "اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی جنگلی جانور ادھر دھاوا نہیں کرے گا۔ پھر بھی اگر تم کہتے ہو تو میں جھونپڑے کے باہر الاؤ جلوانے کو تیار ہوں۔ تم جھاڑ جھنکار جمع کرو۔"

میں نے جھونپڑے کے آگے خشک پتے، گھاس اور ٹہنیاں جمع کر دیں۔ سدھا نے اپنے ہونٹوں سے صاحب کی پھنکار سے ملتی جلتی آواز نکالی۔ میں نے دیکھا کہ صاحب جو بیٹھا ہوا تھا گھڑے سے نکل کر سدھا کی گود میں آ بیٹھا۔ سدھا نے اپنی کلائی پر لپیٹ کر کہا "لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس لے چلو۔" میں نے صاحب کا منہ لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف کر کے اس کے سر پر انگلی پھیری۔ صاحب نے ایک زوردار پھنکار ماری۔ میں نے اس کی پھنکار میں شرارے سے جھڑتے دیکھے۔ ایک دم سوکھے پتوں اور گھاس میں آگ لگ گئی۔ سدھا صاحب کو اپنے سینے سے لگا کر بولی۔ "دیکھا! یہ ہے میرا بیٹا کتنے کام کا ہے۔" وہ صاحب کو واپس گھڑے میں رکھ آئی۔

الاؤ روشن ہو گیا اور آس پاس ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ ہم نے دو دو لقمے کھائے اور پانی پیا۔ تھوڑی دیر بعد سدھا اٹھ کر جھونپڑی میں چلی گئی اور صاحب کے گھڑے کے قریب ہی گھاس پر لیٹ گئی۔ میں کچھ دیر الاؤ کے پاس بیٹھا رہا پھر مجھے بھی نیند نے آ گھیرا تو میں بھی جھونپڑی میں جا کر دروازے کے قریب ہی ایک طرف لیٹ گیا۔

نہ جانے صبح کس کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو دروازے میں دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ انھوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ سدھا بھی جاگ اٹھی تھی اور بیٹھی انھیں گھور رہی تھی۔ میں ان ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے کے لئے اٹھنے ہی والا تھا کہ سدھا نے آہستہ سے کہا۔ "تم بیٹھے رہو۔ میرا بیٹا انھیں سنبھال لے گا۔"

"یہ لڑکی ہمارے حوالے کر دو۔" ان میں سے ایک ڈاکو غرایا۔ "ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

اسی وقت میں نے سدھا کے ناگ بیٹے کو دیکھا جو ان دونوں بدمعاشوں کے عقب میں پچھلی کھڑکی سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سدھا کی نگاہیں بھی اسی جانب تھیں۔ میں نے بھی اس بچے کو دیکھ لیا تھا۔

کشمیر کے سرفروش

کمانڈو



آسان تھا اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے پہچان لئے جانے کا خطرہ بھی
میں نے جیب سے پیسے نکال کر گنے' کل ساٹھ روپے رہ گئے
شہر تک پہنچنے کے لئے کافی نہیں تھے۔ بغیر ٹکٹ سفر کرنے میں اس بات کا ڈر تھا
بگڑ جائے گا۔ میں سوچنے لگا کہ ریل کے کرائے اور دوسرے کھانے پینے کے اخراجات
کہاں سے آئیں گے۔ کیونکہ سوراشٹر کے شہر بڑودہ تک ریل کا کم از کم چار روز کا سفر تھا اور خدا جانے'
ہمیں کہاں کہاں سے ریل بدلنی تھی۔ سدھا رنگنی کے ماں باپ کا گاؤں' دریائے چمبل کے کنارے
کہیں واقع تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ کبھی کبھی وہ اپنے پتا کے ساتھ بیل گاڑی میں بیٹھ کر' کھرپا نام کے ایک
چھوٹے سے دیہاتی اسٹیشن پر جاتی تھی' جہاں سے وہ ریل گاڑی میں ایک رات اور ایک دن کے بعد
بڑودہ پہنچتے تھے۔

یہ سب باتیں میرے ذہن میں تھیں اور اس وقت مجھے سب سے زیادہ یہ بات پریشان کر رہی
تھی کہ اتنے لمبے سفر کے لئے کرائے کی رقم کہاں سے آئے گی۔ آخر میں نے سوچا کہ سدھا سے کہوں
گا کہ وہ' سری رنگم ریلوے اسٹیشن کے آس پاس گاؤں میں اگر کوئی ناگ کی پوجا کرنے والا قبیلہ آباد ہو تو
وہاں سے کچھ رقم نذرانے کے طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اسی وقت مجھے سدھا کے ہنسنے کی آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ میرے پیچھے کھڑی
اپنے گیلے بال نچوڑ رہی تھی۔ غالباً وہ نہا کر آئی تھی۔ "رگھو...." وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "دریا کا پانی بہت
ٹھنڈا ہے۔ جاؤ تم بھی نہا آؤ۔"

میں جلدی سے اٹھا اور دریا کی طرف بڑھ گیا۔ اب شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ دریا کا پانی بہت
ٹھنڈا تھا۔ میں نے خوب اچھی طرح غسل کیا نہانے سے تھکن کافی حد تک دور ہو گئی تھی۔

واپس آ کر دیکھا تو سدھا رنگنی کسی درخت کے چوڑے پتے چٹان پر بچھائے' ان پر دو
روٹیاں اور مچھلی کا اچار رکھے بیٹھی' میرا انتظار کر رہی تھی ہم نے چاول کی روٹی اچار کے ساتھ کھائی اور
ناریل توڑ کر ان کا پانی پیا.... پھر سدھا رنگنی چبوترے کو صاف کرتے ہوئے بولی "رگھو! تم بھی یہیں سو
گے۔"

"نہیں' سدھا!" میں نے جلدی سے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تمہارے سانپ
بیٹے سے خوف آتا ہے۔"

سدھا نے فوراً اپنی ساڑھی سے سانپ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ "یہ دیکھو تمہیں کچھ
نہیں کہے گا۔"

سانپ نے ہلکی سی پھنکار ماری اور میں جلدی سے چبوترے کے دوسری طرف کود گیا۔ سدھا
رنگنی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔ میں نے ایک درخت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں اس

درخت پر سو جاؤں گا۔"

اس درخت کی شاخیں کم بلندی سے شروع ہو گئی تھیں۔ سدھا نے مجھے بہت مجبور کیا کہ میں چبوترے ہی پر سوؤں لیکن میں نے [illegible] کے ساتھ کہا۔ "نہیں، میں درخت پر سوؤں گا" بس کہہ دیا۔"

سدھا رگی خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چبوترے پر [illegible] ہوئی بولی۔ "دیکھو اگر مجھے [illegible] سی لگے تو میں کچھ نہیں کہوں گی۔ تم میرے پتی ہو اور پتی دیوتا سمان ہوتا ہے۔ اچھا، جہاں تمہاری مرضی ہے، سو جاؤ۔ میں اپنے سانپ بیٹے کو اپنے پاس چھوڑ دوں گی۔ یہ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔"
میں نے درخت کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "جگنوں کے لئے اسے میرے پاس نہ بھیج دینا۔ میں اپنی رکھشا خود کر سکتا ہوں۔"

سدھا رگی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں درخت پر چڑھ گیا۔ ایک جگہ کافی موٹا دو شاخہ تھا۔ میں اس پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا اور ایک سہارا سی شاخ سے ٹیک لگا لی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میری [illegible] کے آس پاس ناگ [illegible] جا کر [illegible] کے لئے [illegible] کی [illegible] نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے مقدس تعویذ کا خیال کیا۔ میں اس کی مدد سے کسی بھی [illegible] کی دشمن پر جا کر اسے [illegible] تم [illegible] حوالے کر دے [illegible] مقدس [illegible] بزرگ نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اگر میں نے مقدس [illegible] سے [illegible] کا کوئی کام لیا تو اس کا [illegible] جائے گا اور مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا [illegible] لے دے کر صرف سدھا رگی ہی [illegible] جا سکتی تھی۔

میں نے شاخوں کے بیچ سے آسمان کی طرف دیکھا۔ تارے نکل آئے تھے۔ [illegible] میں نے دائیں جانب چبوترے پر [illegible] مجھے سدھا رگی کا ایک دھندلا سا سایہ [illegible]۔ تھوڑی دیر تک میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر مجھے بھی نیند آ گئی۔

[illegible] مچھروں نے سخت تنگ کیا اور میں [illegible] سوتا جاگتا رہا۔ کوئی رات کے پچھلے پہر جنگل کی [illegible] آوازیں بھی [illegible] سے سنائی دیتی رہی مگر شیر اس طرف نہیں آیا۔ [illegible] تھی۔

[illegible] پرندوں کی چہچہاہٹ نے مجھے جگا دیا۔ میری نظر چبوترے کی طرف گئی۔ [illegible] نہیں تھی۔ میں درخت سے اترا ہی تھا کہ سدھا رگی آ گئی۔
"کہو [illegible] تمہیں کسی بھوت پریت نے تنگ تو نہیں کیا؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
میں نے [illegible] طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "مچھروں نے رات بھر سونے نہیں دیا۔"

"تم نے دیکھا' رات کو باگھ جنگل میں بولتا رہا لیکن میرے بیٹے کی وجہ سے ہمارے نزدیک نہیں آیا۔"

میں نے دریا پر جا کر غسل کیا۔ رات کی بچی ہوئی روٹی' مچھلی کے اچار کے ساتھ کھائی' ناریل کا پانی پیا.... پھر کچھ دیر ہم وہیں بیٹھے' باتیں کرتے رہے۔

میرے استفسار پر سدھا رنگنی نے بتایا کہ سری رنگم اسٹیشن کے اس پاس سانپ کے پجاریوں کا کوئی قبیلہ آباد نہیں ہے۔ میں نے اسے سفر کے اخراجات کے بارے میں اپنی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی پھر سر اٹھا کر بولی۔

"میں ہر اسٹیشن پر سانپ کا تماشہ دکھا کر پیسے جمع کر لیا کروں گی۔"

"اس طرح تو تمہارے ماتا پتا تک پہنچنے میں دو سال لگ جائیں گے۔ جانتی ہو' تمہارا گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے۔"

ہم بغیر ٹکٹ ریل میں بیٹھ جائیں گے۔ کسی ٹکٹ بابو نے تنگ کیا تو میں اپنے بیٹے کو اس پر چھوڑ دوں گی۔

میں جھلا کر بولا "سدھا! اب اٹھو اور چلو۔ دن کافی چڑھ آیا ہے۔ ابھی ہمیں پورا جنگل پار کرنا ہے۔"

سدھا رنگنی نے منہ پھلا لیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی۔ بچی ہوئی روٹی اور اچار کا تھیلا اٹھایا اور میرے ساتھ اس پگڈنڈی پر چل پڑی جو گھنے جنگل میں چلی گئی تھی۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی دن کی روشنی کافی کم ہو گئی۔ اونچے گھنے اور گنجان درختوں کا اس قدر پھیلاؤ تھا کہ دھوپ اوپر ہی کہیں گھنی شاخوں میں الجھ کر رہ جاتی تھی۔ یہ جنگل بڑا خطرناک تھا۔ ہمیں جگہ جگہ جنگلی جانوروں کے قدموں سے کچلی ہوئی گھاس ملی۔ میں اس جنگل سے گزرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا لیکن ریلوے لائن تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا' دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔

جنگل میں' لوگوں کے چلنے سے ایک پگڈنڈی سی بن گئی تھی۔ ہم اسی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کو ہم ایک جگہ' درختوں کے نیچے آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ وہاں قریب ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ہم نے ہاتھ منہ دھویا اور بچی ہوئی روٹی کھالی۔ اب ہمارے پاس کھانے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ خیال تھا کہ سری رنگم پہنچ کر کچھ بندوبست کر ہی لیں گے۔

سدھا رنگنی نے اپنے سانپ بیٹے کو ساڑھی سے نکال کر' گردن میں ڈال لیا تھا۔ اچانک مجھے اس کی پھنکار سنائی دی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ سانپ جب تک سدھا رنگنی کے پاس ہوتا تھا تو بالکل خاموش رہتا تھا۔ میں نے دیکھا سانپ سدھا رنگنی کی گردن سے لپٹا' پھن اٹھائے' ایک جانب دیکھ کر پھنکارے جا رہا تھا اور سدھا رنگنی' اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ غصے میں کیوں ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے سانپ کو گردن سے نکال کر، آہستہ سے زمین پر چھوڑ دیا اور بولی۔ "بڑی عجیب بات ہے، رگھو! میرے ساتھ، میرے بیٹے کے پیچھے پیچھے آؤ"۔

میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ سانپ اپنا چوڑا پھن اٹھائے، غصے سے پھنکارتا، پگڈنڈی پر بل کھاتا چلا جا رہا تھا۔ سدھا رنگی، اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور میں اس کے پیچھے تھا۔ "کیا بات ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔ "یہ تمہارا سانپ بیٹا کہاں جا رہا ہے؟"

سدھا نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کو کہا.... سانپ ٹیلے کی ڈھلان اتر رہا تھا۔ آگے ایک دوسرا ٹیلا آ گیا۔ سانپ اس ٹیلے کے پاس پہنچ کر ایک جگہ رک گیا۔ وہ ایک ہی جگہ ٹیلے کی دیوار کے آگے چکر لگانے لگا۔ اس کی پھنکار میں شدت پیدا ہو گئی۔

سدھا رنگی، اس کے قریب چلی گئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ سدھا نے جھک کر ٹیلے کی دیوار کو دیکھا پھر میرے پاس آ گئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "رگھو! تمہیں ریل کا بھاڑا چاہیئے تھا، نا؟"

"ہاں، مگر ریل کے بھاڑے کا یہاں کیا ذکر؟"

سدھا نے ٹیلے کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس دیوار کو دیکھ رہے ہو، جہاں میرا بیٹا گول چکر میں گھوم رہا ہے؟"۔

میں نے کہا۔ "ہاں میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بات کیا ہے؟"

"اس دیوار کے نیچے کسی راجہ کا خزانہ دفن ہے۔ اس خزانے کی رکھوالی ایک سبز زہریلا سانپ کر رہا ہے۔ میرے بیٹے کو اس کی بو آ گئی ہے۔ یہ کالا سانپ خزانے کے سانپ کا دشمن ہوتا ہے۔ اب یہ جب تک اسے ہلاک نہیں کر دے گا یا خود ہلاک نہیں ہو جائے گا، یہاں سے آگے نہیں بڑھے گا۔"

میں سکتے میں آ گیا پھر اپنے حواس مجتمع کر کے بولا "لیکن، سدھا! تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ اس دیوار کے نیچے خزانہ موجود ہے؟"

سدھا رنگی مسکرائی۔ "رگھو! ہم ناگ کی پوجا کرتے ہیں۔ ہمیں سانپوں کی ایک ایک عادت کا پتہ ہوتا ہے۔ تم اس دیوار کو کھودو۔ اندر خزانہ ضرور موجود ہے۔"

"مم.... مگر اس خزانے پر تو سانپ بیٹھا ہے۔"

"ہم اس سانپ کو بڑی آسانی سے ہلاک کر دیں گے.... پھر خزانہ ہمارا ہو گا۔ ہم اپنے گاؤں میں عالیشان دار محل بنوائیں گے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

ہم دونوں نے اپنے خنجر نکال لئے اور دیوار کی طرف بڑھے.... کالا سانپ ابھی تک دیوار کے سامنے بڑے غصیلے انداز میں چکر لگاتے ہوئے پھنکار رہا تھا۔ ہم نے ٹیلے کی دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ ایک جگہ سے واقعی کھوکھلی آواز آئی۔

ہم خنجروں کی مدد سے اس جگہ کے پتھر اور مٹی اکھاڑنے لگے۔ بہت جلد وہاں ایک سوراخ بن گیا۔

سوراخ میں سے دن کی روشنی اندر گئی تو وہاں سے پھنکار کی ایسی آواز آئی جیسے کسی نے آسمان کی طرف ہوائی چھوڑ دی ہو..... میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھنکار کی آواز سن کر کالا سانپ سوراخ کی طرف لپکا لیکن سدھا رنگنی نے اسے راستے ہی میں دبوچ کر اٹھا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "نہیں، میرے بیٹے! تم اندر نہیں جاؤ گے۔ تمہارے دشمن کا مقابلہ ہم کریں گے۔ ہم اسے ہلاک کر دیں گے۔"

سانپ، سدھا کی کلائی سے لپٹا غضبناک انداز میں پھنکار رہا تھا، بل کھا رہا تھا اور نیچے اترنے کے لئے مچل رہا تھا۔ سدھا نے اسے اپنی ساڑھی کے پلو میں باندھ کر، کندھے سے لٹکا لیا اور خنجر، ہاتھ میں تول کر بولی۔ "رگھو! تم یہیں ٹھہرو، میں خزانے کے سانپ کو مارتی ہوں۔ فکر مت کرو۔ اس کا زہر مجھ پر اثر نہیں کر سکے گا۔"

میں حیرت میں ڈوبا سدھا رنگنی کو تک رہا تھا۔ وہ اس وقت مجھے جنوبی ہند کی کوئی جادوگرنی لگ رہی تھی۔ وہ مجھے حیرت زدہ چھوڑ کر ٹیلے کی دیوار کی طرف بڑھی، جہاں سوراخ سے پھنکارنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے سدھا رنگنی سے کہا۔ "بھگوان کے لئے واپس آ جاؤ۔ ہمیں خزانے کی ضرورت نہیں"۔

سدھا نے وہیں سے جواب دیا "رگھو! اب مجھے آواز نہ دینا۔ اگر تمہیں ڈر لگ رہا ہے تو چلے جاؤ۔ میں اپنے بیٹے کے لئے اس سانپ کو ہلاک کرنے جا رہی ہوں"۔

اس نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر فوراً نکال لیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سبز رنگ کا ایک سانپ اپنا پھن پھیلائے، پھنکارتا ہوا سوراخ کے دہانے پر نمودار ہوا۔ وہ اس قدر غیض و غضب کے عالم میں تھا کہ ڈسنے کے لئے بار بار پھن اٹھا رہا تھا۔ سدھا رنگنی ایک ہاتھ میں خنجر تولتی، دوسرا ہاتھ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔ اس کے کندھے پر، ساڑھی میں بندھا ہوا سانپ بری طرح مچل رہا تھا۔ سدھا رنگنی نے اپنی کیسری آنکھیں، سانپ کی آنکھوں میں ڈال رکھی تھی۔

وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ تیسرے قدم پر وہ سانپ کے قریب پہنچ گئی پھر اس نے ایک دم سے سانپ کی گردن پر ہاتھ مارا۔ سانپ نے اس کی کلائی پر ڈس لیا لیکن اس دوران میں سدھا رنگنی سانپ کو گردن سے دبوچ کر، سوراخ سے باہر کھینچ لائی تھی۔ سانپ پانچ چھ فٹ سے بھی لمبا تھا۔ میں نے گھبرا کر کہا۔ "سدھا! تمہیں سانپ نے ڈس لیا ہے۔"

سدھا رنگنی نے خنجر سے سانپ کی گردن کاٹ دی اور سانپ کا کٹا ہوا سر نیچے پھینک دیا.... پھر تیزی سے ساڑھی کا پلو کھول کر اپنے سانپ بیٹے کو نکال لیا۔ اس کا سانپ بیٹا سبز سانپ کی سربریدہ لاش پر ٹوٹ پڑا۔

میں نے سدھا کی کلائی پکڑ لی۔ جہاں سانپ نے ڈسا تھا' وہاں سیاہ خون کے دو قطرے' کالے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے .... سدھا ان قطروں کو غور سے دیکھ رہی تھی .... پھر اس کا سیاہ جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے اسے تھامنا چاہا تو اس نے ڈانٹ کر کہا۔ "رگھو! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میرا خون' سانپ کے زہر کا توڑ کر رہا ہے"۔

میں اپنی جگہ ساکت ہو کر' اس کی کلائی پر خون کے چمکتے قطروں کو دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے .... پھر دونوں قطرے مل کر ایک قطرہ بن گئے اور قطرہ پھولنے لگا۔ سدھا رنگنی کے جسم نے اب لرزنا بند کر دیا تھا مگر اس کی کیسری آنکھوں سے جیسے گرم گرم شعاعیں نکل رہی تھیں .... چند لمحوں بعد اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "بس' اب سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ میری کلائی پر موجود خون کا یہ قطرہ' پتھر بن کر گرنے ہی والا ہے"۔

کالے خون کا قطرہ' اب ایک چھوٹے بیر کے سائز کا ہو گیا تھا پھر اچانک وہ لڑھک کر نیچے گر پڑا۔ سدھا رنگنی نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولی۔ "رگھو! خزانے کا سانپ' دنیا کا سب سے زہریلا سانپ ہوتا ہے۔ اپنے بیٹے کی وجہ سے میرے خون میں ایسا تریاق پیدا ہو گیا ہے کہ مجھ پر کسی سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہو سکتا"۔

"کیا اب میں تمہیں ہاتھ لگا سکتا ہوں' سدھا؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"بھگوان کی دیا ہے' رگھو! تم کو بھی اپنی پتنی سے پریم ہوا۔ اب تم مجھے ہاتھ لگا سکتے ہو۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"

میں نے بے اختیار سدھا رنگنی کو ہاتھ لگا لیا۔ اس کے سانپ بیٹے نے خزانے کے سانپ کا سر منہ میں ڈال رکھا تھا اور اسے نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سدھا بولی "چلو خزانہ نکالتے ہیں لیکن نہیں' تم اسی جگہ ٹھہرو"۔ پھر اچانک اسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ نیچے بیٹھ کر گھاس ٹٹولنے لگی اور پھر گھاس میں سے کچھ نکال کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر اسے ہتھیلی پر رکھ کر میرے آگے کر دیا۔ وہ اس کے سیاہ خون کا پھولا ہوا قطرہ تھا جو اب پتھر بن چکا تھا۔ وہ بولی "رگھو! یہ میرے خون کا قطرہ نہیں بلکہ اب سانپ کا ایک بہت ہی قیمتی منکا ہے۔ یہ تم اپنے پاس رکھ لو۔ کسی کو کیسا ہی زہریلا سانپ کیوں نہ کاٹ لے' یہ منکا سانپ کے دانتوں کے نشان پر رکھ دینا' یہ سارا زہر چوس کر پھول جائے گا.... پھر جب یہ اپنے آپ نیچے گر پڑے تو اسے اٹھا کر نچوڑ لینا' یہ پھر پتھر بن جائے گا' رگھو' میرے راجہ! یہ میری محبت کا ایک انمول تحفہ ہے"۔

میں نے سانپ کا منکا لے کر سدھا کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے چہرے پر ایسی روشنی سی جھلک اٹھی جو میں نے اس سے پہلے اس کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی۔ ہم تیزی سے دیوار کے سوراخ کی طرف بڑھے اور اپنے اپنے خنجروں کی مدد سے دیوار کھودنے لگے۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد ہم نے اس سوراخ کو اتنا بڑا کر لیا کہ جھک کر اس میں داخل ہو سکتے تھے۔ وہ کوئی غار نہیں بلکہ ایک کھوہ تھی، جس میں سامنے والی دیوار کے چھوٹے سے محراب میں لکڑی کی ایک چھوٹی سی صندوقچی رکھی تھی۔ ہم یہ صندوقچی نکال کر باہر لے آئے۔ صندوقچی کی لکڑی بالکل سیاہ پڑ چکی تھی اور اس کا ڈھکنا میخوں سے ٹھکا ہوا تھا۔

"اس میں کیا خزانہ ہو گا، سدھا!" میں نے کہا۔ "یہ تو بالشت بھر کی صندوقچی ہے"۔

سدھا کے چہرے پر بھی مایوسی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے صندوقچی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم ہی اسے توڑو"۔

میں نے صندوقچی کی ایک درز میں خنجر کی نوک ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر اس میں کوئی معمولی شے ہوتی تو اسے یہاں دبانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر یہ خزانے کا سانپ اس کی حفاظت کیوں کرتا؟"

"اچھا، اسے کھول کر تو دیکھو۔" سدھا بولی۔

میں نے صندوقچی کا ڈھکنا توڑ دیا۔ اس میں ایک چرمی تھیلی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے تھیلی کو کھولا تو اس میں سے کوئی گول سی چیز، سبز رنگ کے کمخواب کے رومال میں لپٹی ہوئی نکلی۔ میں نے رومال کو کھولا تو ہماری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ میرے ہاتھ میں قندھاری انار سے بھی زیادہ گہرے سرخ رنگ کا ایک چمکدار، شفاف اور بے داغ لعل رکھا ہوا تھا۔ اس کا سائز ایک چھوٹی ناشپاتی جتنا تھا۔

سدھا رنگنی نے اپنے سانپ بیٹے کو گلے میں ڈالا اور خوشی سے اچھل کر بولی۔ "رگھو! یہ تو بڑا قیمتی لعل ہے۔ اسے بیچ کر ہم ایک شاندار محل خرید سکتے ہیں۔ لاؤ، مجھے دکھاؤ"۔

میں نے لعل اسے دے دیا اور وہ اسے الٹ پلٹ کر غور سے دیکھنے لگی۔ میں نے بھی اس کا بغور جائزہ لیا۔ اس لعل میں نہ تو کوئی سوراخ تھا اور نہ کسی جگہ کوئی نشان یا داغ تھا... لعل بہت قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے بزرگوں سے سنا اور پڑھا تھا کہ اس قسم کے لعل اکثر منحوس ہوتے ہیں۔ جس کے پاس ایسا لعل ہو، وہ اس کی نحوست کی زد میں آ جاتا ہے۔ کوہ نور ہیرے کی مثال میرے سامنے تھی۔ شاذونادر ہی یہ قیمتی پتھر کسی کو راس آتے ہیں۔

"سدھا! بہتر یہی ہے کہ ہم اس لعل کو اسی کھوہ میں واپس پھینک دیں۔" میں نے خدشے کے تحت کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو، رگھو؟" سدھا حیرت سے بولی۔ "کبھی کوئی گھر آئی لکشمی کو بھی دھتکارتا ہے؟ میں یہ لعل بیچ کر محل بنواؤں گی۔ وہاں اپنے ماتا پتا کو تخت پر بٹھاؤں گی۔ تم میرے راجہ ہو گے اور میں تمہاری رانی"۔

سدھا رنگنی نے لعل کو اسی رومال میں لپیٹ کر اپنی ساڑھی میں چھپا لیا۔ نہ جانے کیوں، میرے

دل کہہ رہا تھا کہ یہ لعل سدھا کو راس نہیں آئے گا... اور اس پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ ایک ضدی لڑکی تھی۔ وہ ایک بار جو فیصلہ کر لیتی تھی' اس پر اڑ جاتی تھی۔ قیمتی لعل' اس نے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور ہم ایک بار پھر جنگل میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ تیسرے پہر جنگل ختم ہو گیا۔

اب ہمارے سامنے ایک میدان تھا جہاں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور خود رو جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھی۔ اسی راستے میں ایک خشک نالا آیا۔ اس نالے سے گزر کر ہم دوسری طرف پہنچے تو ریل کی پٹڑی نظر آ گئی۔ ہم پٹڑی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے سدھا رنگنی' قیمتی لعل پا کر بے حد خوش تھی۔

" رگھو! تمہارے خیال میں اس کے کتنے روپے مل جائیں گے۔ ایک محل کتنے روپوں میں بن جاتا ہے۔ میں اپنے گاؤں میں دریا کے کنارے محل بنواؤں گی۔ میرے ماتا پتا بہت خوش ہوں گے۔ رگھو! ہم بڑی غریبی میں دن گزارتے ہیں۔"

میں نے اسے بتایا کہ یہ لعل' بڑودہ کا کوئی کروڑ پتی جوہری ہی خرید سکتا ہے۔ ہمیں یہ لعل لے کر بڑودہ جانا ہو گا۔

وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثر سے مجھے دیکھنے لگی۔ "کیا ہمیں اس لعل کے ایک لاکھ روپے مل جائیں گے؟"

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر' ایک بار پھر اسے سمجھایا "سدھا! مجھے تم سے ہمدردی ہے' میں نے نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے' تم پر کوئی آفت آئے۔ اس لئے میرا کہا مانو اور اس لعل کو یہیں کہیں پھینک دو"۔

سدھا نے کندھا جھٹک دیا اور اپنی کیسری آنکھیں سکیڑ کر بولی۔ "رگھو! تم میرے دشمن کب سے ہو گئے؟ کیا تم مجھے رانی بنتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے؟ کیا تم مجھ سے جلنے لگے ہو؟"

میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکی اپنی ضد سے باز نہیں آئے گی پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے' یہ لعل' سدھا کو راس آ جائے۔

تھوڑی دیر بعد ہم' سری رنگم کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ وہ ایک چھوٹا سا دیہاتی اسٹیشن تھا۔ پلیٹ فارم ویران پڑا تھا۔ صرف اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کے آگے پڑی بنچ پر' ایک بوڑھا اپنی بڑھیا کے ساتھ بیٹھا' بیڑی پی رہا تھا۔

سدھا نے پلیٹ فارم کے نلکے پر جا کر ہاتھ منہ دھویا' پانی پیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ہم مشورہ کرنے لگے کہ ریل کے کرائے کا کیا بنے گا... میرے پاس جو پیسے تھے' ان سے ہم زیادہ سے زیادہ' ریل میں' دو تین سو میل تک سفر کر سکتے تھے۔

میں نے جا کر ٹکٹ بابو سے معلومات حاصل کیں۔ معلوم ہوا کہ سری رنگم سے ایک گاڑی

ہمیں آدھونی جنکشن پہنچا دے گی ۔ وہاں سے ہمیں بنگلور ایکسپریس ملے گی جو اڑتالیس گھنٹوں میں بنگلور پہنچے گی ۔ بنگلور سے آگے پھر بڑودہ تک کا سفر درپیش تھا ۔ میں نے یہ سب کچھ سدھا کو بتادیا ۔ میں نے پیسے نکال کر حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ہم تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ خرید کر 'کیرالہ پرانت کے آدھونی جنکشن تک پہنچ سکتے تھے ۔

سدھا رنگنی نے کہا۔ "آدھونی تک چلتے ہیں ... پھر دیکھیں گے کہ کیا' کیا جائے"۔

میں' سدھا رنگنی سے باتیں کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پلیٹ فارم کا جائزہ بھی لے رہا تھا کہ کوئی ہماری طرف متوجہ تو نہیں ۔ جب تک جنگلوں میں سفر کرتا رہا تھا' مجھے فکر نہیں تھی کہ کوئی مجھے دیکھ کر پہچان لے گا لیکن آبادی میں پہنچتے ہی چوکنا ہو گیا تھا ۔

میں نے آدھونی تک ریل کے دو ٹکٹ خرید لئے ۔ اس کے بعد میرے پاس پندرہ روپے بچ گئے ۔ معلوم ہوا کہ گاڑی شام کو آئے گی ۔ ہم وہیں پلیٹ فارم پر بیٹھے رہے ۔ شام ہوئی تو میں اسٹیشن سے باہر جا کر چاول اور اچار لے آیا جو ہم نے مل کر کھایا ۔

میرے سامنے گاڑی کا ایک طویل سفر تھا ۔ مجھے کرناٹک اور سوراشٹر کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں سے گزرنا تھا' وہاں خطرہ تھا کہ میں پہچان نہ لیا جاؤں ... لیکن دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا ۔ میری منزل راجستھان کی سرحد تھی' وہاں تک پہنچنے کے لئے کرناٹک اور سوراشٹر کے صوبوں سے لازمی طور پر گزرنا تھا ۔ جو بات مجھے سب سے زیادہ پریشان کر رہی تھی' وہ یہ تھی کہ آدھونی پر اترنے کے بعد بنگلور جانے کے لئے ٹکٹ کہاں سے خریدیں گے ۔

دور سے ریل کے انجن کی سیٹی سنائی دی ۔ میں نے ریل کی پٹڑی کی طرف نگاہ دوڑائی ۔ دور ریل کے انجن کی روشنی آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی ۔

وہ مختصر سی بوگیوں والی ایک پسنجر ٹرین تھی ۔ اس کا انجن چھک چھک کرتا پلیٹ فارم پر آ کر رک گیا ۔ تھوڑے سے مسافر تھے ۔ ٹرین میں کافی جگہ تھی ۔ ہم ایک ڈبے میں سوار ہو گئے ۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد ٹرین روانہ ہو گئی ۔ ٹرین ساری رات چلتی رہی ۔ دوسرے روز صبح آدھونی جنکشن پر پہنچ گئی ۔

وہ ایک نسبتاً بڑا اسٹیشن تھا ۔ ہم اسٹیشن سے باہر آ گئے ۔ اور ایک جھونپڑی سے چاول خرید کر کھائے ... پھر اسٹیشن کی عمارت سے ذرا دور' ناریل کے درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ آگے سفر کا کرایہ کہاں سے آئے گا ۔

سدھا کہنے لگی ۔ "میں اپنے سانپ بیٹے کا تماشہ دکھا کر پیسے جمع کر لوں گی"۔

یہ آئیڈیا تو اچھا تھا لیکن اس میں زیادہ رقم جمع ہونے کی توقع نہیں تھی ۔ بنگلور تک ہمیں ریلوے کرائے اور سفری اخراجات ملا کر کل ڈیڑھ سو روپوں کی ضرورت تھی ۔ سدھا رنگنی بھی سوچ

میں پڑ گئی۔ کیونکہ سانپ کا تماشہ دکھا کر اتنی رقم جمع نہیں ہو سکتی تھی... پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولی " چلو، قصبے میں چلتے ہیں۔ وہاں ضرور کوئی ناگ مندر ہو گا۔ میں وہاں اپنے سانپ کی پوجا کروا کے، اتنی رقم جمع کر ہی لوں گی "۔

یہ ایک بڑا قصبہ تھا۔ میں نے اسٹیشن پر اور اسٹیشن سے باہر پولیس والے دیکھے تھے۔ چنانچہ میں سدھا کے ساتھ قصبے میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے پاؤں میں درد کا بہانہ بناتے ہوئے کہا۔ " تم اکیلی ہی چلی جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا "۔

سدھا رنگنی نے ناراضگی سے مجھے دیکھا اور قصبے کی طرف چل پڑی۔ اس کے جانے کے بعد، میں درختوں کے پیچھے اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھ گیا کہ اسٹیشن کی طرف سے آنے والے کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ بنگلور ایکسپریس، رائے پور شہر کی جانب سے وہاں دن کے سوا بجے پہنچتی تھی۔

سدھا رنگنی کو گئے جب ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تو مجھے تشویش ہوئی، کہیں وہ کسی مشکل میں نہ پھنس گئی ہو۔ کہیں کسی نے اس کے پاس لعل دیکھ کر اسے اغوا نہ کر لیا ہو... میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ پونے دو گھنٹے بعد سدھا رنگنی مجھے ریلوے پھاٹک کی طرف سے آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں کیلے کے پتوں میں لپٹی ہوئی کوئی چیز تھی۔ میرے قریب پہنچ کر پتوں کا پیکٹ، میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی " لو، رگھو... میرے پتی دیو، جلیبیاں کھاؤ "۔

" روپوں کا کچھ بنا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

" کیسے نہ بنتا... ناگ مندر میں جا کر، سدھا رنگنی خالی ہاتھ واپس نہیں آ سکتی۔ یہ دیکھو، پورے دو سو بیس روپے ہیں "۔ اس نے ساڑھی کے پلو سے سارے نوٹ نکال کر میرے حوالے کر دیئے۔

" تم نے تو کمال کر دیا، سدھا!"

وہ بولی " اگر میں کچھ دیر اور ٹھہرتی تو اس سے بھی زیادہ پیسے جمع ہو جاتے... لیکن ہمیں تو بڑودہ جا کر لعل فروخت کرنا ہے۔ اب یہ پیسے میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے "۔

ہم اسی وقت، ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ میں نے بنگلور سٹی کے لئے تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ لئے اور پلیٹ فارم پر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

بنگلور ایکسپریس لیٹ تھی۔ بہر حال دو بجے وہ ہمیں لے کر روانہ ہو گئی۔ وہ دن گزر گیا، دوسرا دن نکل آیا... پھر وہ بھی گزر گیا اور رات آ گئی۔ اسٹیشن پر اسٹیشن اور شہروں پر شہر گزرتے گئے۔ وہ رات بھی ریل گاڑی میں بیت گئی۔ خدا خدا کر کے بنگلور سٹی کا اسٹیشن آیا۔ وہ بہت بڑا ریلوے اسٹیشن تھا۔ میں یہاں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ میں سدھا کے ساتھ، تھرڈ کلاس ویٹنگ روم میں جا کر، مسافروں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہیں ہم نے کھانا کھایا۔ سدھا رنگنی بڑی خوش تھی کہنے لگی... میں بنگلور سے ساڑھیاں خریدوں گی "۔

قیمتی لعل، ابھی تک اس کے پاس تھا۔ میری نظریں، پولیس یا سی۔ آئی۔ ڈی والوں کو تلاش کر رہی تھی۔ وہاں کوئی پولیس والا تو نہیں تھا لیکن سی۔ آئی۔ ڈی والا کہیں بھی، کسی بھی لباس میں موجود ہو سکتا تھا۔ میری تجربہ کار نگاہیں اپنے اطراف کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ ابھی تک مجھے کسی طرف سے خطرے کی بو محسوس نہیں ہوئی تھی۔۔

بنگلور سے ہم پھر گاڑی میں سوار ہو گئے اور بلور، اورنگ آباد، کولہاپور اور سورت سے ہوتے ہوئے گجرات کاٹھیاواڑ کے دوسرے بڑے شہر بڑودہ پہنچ گئے۔ وہ بھی ایک بڑا ریلوے اسٹیشن تھا۔ شہر بھی بہت بڑا تھا، یہی ہماری منزل تھی۔ میرے پاس اب صرف پندرہ بیس روپے باقی رہ گئے تھے۔ بڑودہ اسٹیشن پر مجھے ملٹری پولیس کے سپاہی بھی دکھائی دیئے۔ میں زیادہ محتاط ہو گیا۔ سدھا رنگنی میرے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "رگھو! آخر ہم یہاں پہنچ ہی گئے۔ چلو، شہر چل کر کسی جوہری سے ملتے ہیں۔ رگھو! ہمیں کتنے روپے مل جائیں گے؟ ایک جوڑا ساڑھی کا تو میں یہاں سے ضرور خریدوں گی"۔

ہم پلیٹ فارم کے تھرڈ کلاس والے گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں بڑی چوکسی کے ساتھ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ گیٹ پر ٹکٹ کلکٹر کھڑا، باہر جانے والوں سے ٹکٹ لے رہا تھا... لعل کی نحوست کا وقت آ گیا تھا۔

میں آگے آگے تھا، ٹکٹ میرے ہاتھ میں تھا۔ سدھا رنگنی، میرے پیچھے پیچھے تھی۔ میں ٹکٹ دے کر گیٹ سے نکل آیا تو سدھا نے ٹکٹ کلکٹر کی طرف اپنا ٹکٹ بڑھایا۔ اچانک ایسا ہوا کہ سدھا رنگنی کا چہیتا بیٹا کالا سانپ، اس کی ساڑھی سے نکل کر، ایک بھیانک پھنکار کے ساتھ، ٹکٹ کلکٹر پر حملہ آور ہوا۔ سدھا رنگنی نے چیخ کر اسے روکنا چاہا مگر اس دوران میں سانپ اس کے ہاتھ پر ڈس چکا تھا۔ سانپ شاید یہ سمجھا تھا کہ ٹکٹ کلکٹر، اس کی ماں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر چکرا گیا... مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے سانپ پر وار کیا۔ سانپ اچھل کر، سدھا کی گردن سے نیچے گر گیا۔ وہاں شور مچ گیا۔ لوگ سانپ کو مارنے دوڑے۔ سانپ، اسٹیشن کے ہال کی طرف بھاگا۔ سدھا رنگنی چیختی چلاتی، اپنے سانپ بیٹے کے پیچھے بھاگی۔ ٹکٹ کلکٹر وہیں گر گیا تھا۔ مجھے خیال ہی نہ رہا کہ سانپ کا منکا میری جیب میں ہے۔ میں بھی گھبراہٹ میں سدھا کے پیچھے لپکا... اور پولیس کے تین سپاہی ہمارے پیچھے دوڑے۔

اس سانپ کا زہر اس قدر مہلک اور سریع تھا کہ ٹکٹ کلکٹر کا جسم سبز ہو کر سیاہ پڑنے لگا۔ میں سدھا رنگنی کو پکار رہا تھا اور وہ اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے اسے آوازیں دے رہی تھی... سانپ نے اپنے پیچھے اتنے ہجوم کو دیکھا تو گھبرا کر لوہے کے گارڈر پر چڑھا اور اور چھت کی آہنی کڑیوں میں جا کر غائب ہو گیا۔

ہمارے پیچھے شور مچ گیا۔ "ٹکٹ بابو مر گیا... ٹکٹ بابو سانپ کے کاٹے سے مر گیا۔ اچانک

مجھے اپنے سانپ کے منکے کا خیال آیا... لیکن وقت گزر چکا تھا۔ پولیس نے سدھا رنگنی کو پکڑ لیا اور اسے گھسیٹ کر پیچھے، ٹکٹ چیکر کی لاش کے پاس لئے آئے۔ سدھا رنگنی سہمی ہوئی تھی۔ اس نے ٹکٹ چیکر کی لاش دیکھی تو روتے ہوئے بولی "اسے میں نے نہیں مارا، میں بے گناہ ہوں"۔

پولیس کے ایک سپاہی نے سدھا رنگنی کے ہتھکڑی ڈال دی اور بولا۔ "یہ تمہارے سانپ سے مرا ہے۔ اس کا فیصلہ عدالت میں ہو گا"۔

سدھا رنگنی نے چیخ کر مجھے پکارا "رگھو... پتی دیو! تم کہاں ہو؟ مجھے بچاؤ"۔

میں لوگوں کے ہجوم میں دو آدمیوں کے کندھوں کے اوپر سے سدھا رنگنی کو پولیس کی حراست میں دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہو گیا تھا میں بھونچکا ہو کر رہ گیا تھا۔ جب سدھا نے مجھے آواز دی تو میں نے دیکھا، اس کی کیسری آنکھیں خوف زدہ تھیں اور وہ متوحش نظروں سے مجھے ہجوم میں تلاش کر رہی تھی۔ میں اس کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ وہیں جم کر رہ گیا۔ انڈین ملٹری پولیس کے دو وردی پوش سپاہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہجوم کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اب اگر میں قدم آگے بڑھاتا تو وہ موت کی طرف میرا قدم ہوتا... سدھا رنگنی نے خود ٹکٹ چیکر کو نہیں مارا تھا، اس کے سانپ نے اسے ہلاک کیا تھا۔ سدھا رنگنی کو تھوڑی سی قید ہو سکتی تھی لیکن اگر میں ملٹری پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا تو میری موت یقینی تھی۔

میں نے وہیں اپنا سر نیچے کر لیا اور ہجوم سے نکل کر تیز تیز قدموں سے اسٹیشن کی لابی سے باہر آ گیا۔ یہاں رکشے ٹیکسیاں اور گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہر کوئی ٹکٹ چیکر کی موت کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا... لوگ جائے واردات کی طرف لپک رہے تھے۔

سدھا رنگنی کو اکیلا چھوڑ دینے پر میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا، لیکن میں مجبور تھا۔ میں بار بار یہ کہہ کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ سدھا رنگنی نے خون نہیں کیا۔ اسے صرف دو تین سال قید ہو گی پھر وہ رہا کر دی جائے گی لیکن میرا ضمیر مجھے برابر کچوکے لگا رہا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تھانے میں تلاشی لیتے وقت سدھا کے لباس سے لعل برآمد ہو جائے گا اور پولیس اسے اپنی تحویل میں لے لے گی۔ ہو سکتا ہے، پولیس والے ہی اسے خردبرد کر لیں یا وہ حکومت کے خزانے میں پہنچ جائے۔

بہرحال، اب مجھے اپنی فکر تھی۔ کیونکہ سادھا رنگنی پولیس کو یہ بیان ضرور دیتی کہ اس کا ایک ساتھی بھی ہے، جس کا نام رگھو ہے اور اس کا حلیہ اس طرح کا ہے۔ اگر ایک بار میں تھانے پہنچ گیا تو میرا پاکستانی جاسوس ہونے کا راز طشت ازبام ہو جائے گا۔ پولیس کے پاس میرا ریکارڈ اور تصویر موجود تھی۔

میں نے اسٹیشن کی عمارت سے نکل کر اپنے عقب میں دیکھا، ہجوم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ شاید سدھا کو تھانے لے جایا جا رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سدھا سے معافی مانگتے ہوئے اسے الوداع کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا، کشادہ بازار کے فٹ پاتھ پر لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گیا۔

بڑودہ شہر میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ میری جیب میں اس وقت صرف آٹھ روپے تھے' گلے میں مقدس نقش تھا اور دوسری جیب میں' سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر وہ قیمتی لعل منحوس ثابت ہوا۔ اس نے ایک طرف ہم دونوں کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا اور دوسری طرف سدھا رنگنی کو اقدام قتل کے جرم میں تھانے پہنچا دیا تھا۔ مجھے سدھا کے چہیتے سانپ بیٹے پر بھی غصہ آ رہا تھا۔۔ سدھا رنگنی کے ساتھ اپنے ایکٹ کے اس دردناک انجام پر مجھے بہت افسوس تھا... مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ زندگی کے اسٹیج پر ہر اداکار اپنا اپنا رول کر رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ میری جان بچانے کے لئے سدھا اپنی زندگی قربان کر ڈالتی لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اسے آپ میری خود غرضی سمجھ لیں' مجھے اپنی جان سدھا رنگنی سے زیادہ پیاری تھی یا یہ سمجھ لیں کہ میں اپنی زندگی کو اپنے ملک و قوم کی امانت سمجھ رہا تھا۔

فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے جب میں کافی دور نکل گیا تو آگے ایک کشادہ چوک آ گیا۔ دن کا پہلا پہر تھا۔ سڑکوں پر کافی ٹریفک تھی۔ دکانیں ہر قسم کی چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔ کپڑے کی دکانیں بہت تھی' کہیں کہیں شاپنگ سینٹر بھی تھے۔

میں نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا لیکن میرے لباس کی حالت بہت خستہ تھی۔ میں نے بنگلور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کرتہ دھویا تھا لیکن اب وہ دشوار گزار جنگلوں کے سفر کے بعد جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ میرے سب سے بڑے دو مسئلے تھے۔ ایک یہ کہ کہیں سے کچھ رقم حاصل کی جائے' دوسرا یہ کہ لباس تبدیل کیا جائے لیکن سب سے پہلے میں اس شہر کو خیرباد کہنا چاہتا تھا۔

کولہاپور کے ریلوے اسٹیشن پر میں نے نقشے کا جو چارٹ دیکھا تھا' اس کے حساب سے مجھے بڑودہ سے آگے احمد آباد جانا تھا... وہاں سے راجستھان میں داخل ہو کر' اودھے پور پہنچنا تھا۔ اودھے پور سے آگے ریگستان تھا پھر پاکستان کا بارڈر شروع ہو جاتا تھا۔ مجھے اسی ریگستان سے بھارت کا بارڈر کراس کر کے' پاکستان میں داخل ہونا تھا... یہ کوئی اتنا آسان کام نہ تھا... مگر مجھے یہ کام ہر قیمت پر کرنا تھا۔

بڑودہ سے احمد آباد اور احمد آباد سے اودھے پور تک ریل جاتی تھی۔ اس کے بعد صحرا کا سفر شروع ہو جاتا تھا۔ بڑودہ سے احمد آباد تک ریل میں سفر کرنا خطرناک تھا۔ کم از کم مجھے یہی شبہ تھا کہ پولیس کو میرے بارے میں پتہ نہ چل گیا ہو۔ حالانکہ اس کا امکان' سدھا کے بیان کے بعد بہت ہی کم تھا... پھر بھی میں اپنے آپ کو بدترین حالات کے مقابلے کے لئے ہر گھڑی تیار رکھنا چاہتا تھا۔

دو باتیں میرے ساتھ بہت اچھی ہوئی تھیں۔ پہلی بات یہ کہ پہاڑوں اور جنگلوں کے مصیبت سے پُر سفر نے میرے گورے رنگ کو کافی سنولا دیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے تامل زبان پر کافی عبور حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں اپنے آپ کو بڑی آسانی سے تامل ثابت کر سکتا تھا۔ انہی خیالات میں غلطاں' چوک کراس کر کے دوسری سڑک پر نکل آیا۔ یہاں ایک اسٹاپ پر بس کھڑی تھی۔ اس کا رخ

اسٹیشن کی مخالف سمت میں تھا۔ میں بغیر کچھ سوچے سمجھے بس میں سوار ہو گیا کہ اور کچھ نہیں تو ریلوے اسٹیشن ہی سے دور نکل جاؤں گا۔

بس مسافروں سے بھری ہوئی تھی اور لوگ بہت باتیں کر رہے تھے۔ عورتیں بھی مردوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں... پھر بس شور مچاتی ایک طرف روانہ ہو گئی۔

میں نے بس میں داخل ہوتے ہی اس کی دیوار پر لگے 'روٹ کے چارٹ پر نگاہ ڈالی تو وہاں آخری اسٹاپ کے نقطے پر انگریزی میں ٹاور لکھا تھا۔ چنانچہ میں نے ٹاور کا ٹکٹ لے لیا' جو دو روپے کا تھا۔ ٹاور پہنچ کر کہاں جاؤں گا' یہ مجھے معلوم نہ تھا۔

ٹاور پہنچ کر' میں بس سے اتر گیا۔ مجھے بھوک ستانے لگی تھی۔ بازار میں ایک جگہ لمبی سی دکان کے باہر کچھ پرانی کاریں اور ایک ٹریکٹر کھڑا تھا۔ دو تین مستری وہاں کام کر رہے تھے۔ دکان کے اوپر گجرات اور ہندی میں گجراتی کیسر بھا گیراج 'لکھا تھا۔ میں سیدھا گیراج کے مالک کے پاس چلا گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا موٹے پیٹ والا زرد رو گجراتی تھا جو کاؤنٹر کے پیچھے اونچی گدی پر بیٹھا کسی کو فون کر رہا تھا اور درمیان میں نظریں اٹھا کر' میری طرف بھی دیکھ لیتا تھا... پھر فون بند کر کے مجھ سے مخاطب ہوا " تے کون چھے رے ؟ کیا چاہیئے' بولو ؟"

میں نے قریب جا کر کہا " سیٹھ جی! میں تامل ناڈو کا رہنے والا ہوں۔ یتیم ہوں' کوئی سنگی ساتھی نہیں۔ چاکری کی تلاش ہے' کوئی کام مل جائے تو بڑی سیوا کروں گا"۔

سیٹھ نے ترچھی نظر سے مجھے دیکھا اور نفرت سے ہاتھ جھٹک کر بولا۔ " ابے' چلو آگے' لڑکے! یہ کوئی دھرم شالا نہیں ہے"۔

اب میں نے مقدس نقش سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے کلمہ شریف پڑھ کر ایک نگاہ اپنے گلے میں لٹکے ہوئے نقش پر ڈالی پھر سیٹھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل میں کہا۔ تم مجھے ملازم رکھو 'فوراً'۔ جب میں نے اس سے نظریں ہٹائیں تو سیٹھ کی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ اس کا لہجہ ہی بدل گیا تھا۔ سر پر رکھی ہندوانہ ٹوپی اتار کر اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ " ارے' تو گھر پر کام کرے گا' بول ؟"

" ہاں سیٹھ صاحب! کیوں نہیں کروں گا۔"

سیٹھ نے اپنے کسی نوکر کو آواز دی اور کہا " دھنیا! اب اسے حویلی پر لے جا۔ سیٹھانی جی سے کہنا' اسے کھیت پر لگا دے۔ ارے جا' میرا منہ کیا تک رہا ہے"۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا " ارے' تیرا نام کیا ہے ؟"

" راتھن..." میں نے جلدی سے کہا۔ اس وقت یہی نام میرے ذہن میں آیا تھا۔

" ٹھیک ہے... جا' دھنیا! اسے لے جا۔"

دھنیا نے مجھے ایک پرانی پھٹیچر سی جیپ میں بٹھایا اور سیٹھ کی حویلی کی طرف چل دیا۔
سیٹھ کی حویلی شہر کے مضافات میں کھیتوں کے درمیان واقع تھی۔ موٹی زرد رو سیٹھانی نے میری طرف ناک چڑھا کر دیکھا۔
"'ابے' دھنیا! پہلے کیا نوکروں کی کمی تھی جو اسے لے آیا۔ چل اسے کھیت پر لگا دے۔"
کھیت میں پہلے ہی سے دو آدمی کام کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگا۔ جب بھوک نے بے حال کر دیا تو میں نے ایک مزدور سے پوچھا۔ "بھوجن کب ملے گا؟"
ایک مزدور ہنس کر بولا۔ "ابے بھوجن یہاں ناہیں ملے ہے"۔
دوپہر بھی گزر گئی پھر تیسرا پہر ہو گیا۔ میں نے کچھ نہیں کھایا تھا... وہاں پڑے گھڑے سے میں مٹی کے پیالے میں پانی پینے بیٹھا ہی تھا کہ حویلی کی طرف سے سیٹھانی کے چیخنے چلانے کی آواز آئی۔ "سانپ... سانپ نے کاٹ لیا... ارے' دوڑو... سانپ نے کاٹ لیا"۔
دوسرے مزدوروں کے ساتھ میں بھی حویلی کی طرف بھاگا... سیٹھانی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا سولہ سترہ سال کا لڑکا کسی کام سے حویلی کے پچھلے حصے میں' کوٹھری میں گیا تھا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا۔ وہ لڑکا تخت پر لیٹا رو رو کر کہہ رہا تھا " ماتاجی! مجھے بچالو' ماتاجی! مجھے بچالو"۔
سانپ کے زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا اور اس پر غنودگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔
میں نے جلدی سے سدھا رنگنی کا دیا ہوا سیاہ منکا نکالا... اور پوچھا۔ "سانپ نے کہاں کاٹا ہے؟" بین کرتی' روتی پیٹتی ماں نے اپنے لخت جگر کی پنڈلی سے پاجامہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہاں ڈسا ہے" لڑکے کی پنڈلی پر' سانپ کے دانتوں کے دو ننھے ننھے نشان اوپر نیچے بنے ہوئے تھے۔ میں نے منکا' سانپ کے دانتوں کے نشان پر رکھ دیا اور دل میں دعا مانگنے لگا۔ یا اللہ! اس منکے میں اثر ڈالنا۔ مجھ سے ماں کا رونا نہیں دیکھا جاتا'۔
دونوں مزدور' گھر کے نوکر اور لڑکے کی ماں' آنسوں بھری نگاہوں سے منکے کو تکنے لگی۔ ماں تو برابر روئے جا رہی تھی وہ نوکروں سے بار بار کہتی۔ "ارے جاؤ' اس کے پتا کو بلا لاؤ"۔
میری نگاہ' منکے پر جمی ہوئی تھی... پھر یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ منکا آہستہ آہستہ پھول رہا تھا۔ سانپ کا منکا زہر چوس رہا تھا... دیکھتے ہی دیکھتے منکا آلو بخارے جتنا ہو گیا۔ جبکہ اس کا اصلی حجم' بیر جتنا تھا۔ چند لمحوں بعد منکا' زخم سے نیچے گر گیا۔ میں نے جلدی سے منکا اٹھا کر نچوڑا تو اس میں سے سیاہ زہر ٹپکنے لگا۔ لڑکے نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے اسی وقت ٹاٹ کا ایک ٹکڑا منگوا کر فرش پر گرے ہوئے زہر کو اچھی طرح صاف کیا اور اس ٹاٹ کے ٹکڑے کو زمین میں دبا دینے کی ہدایت کی۔ جسم سے زہر کا اثر زائل ہو جانے سے لڑکے کو ہوش آ گیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔
کچھ نہ پوچھیں' اس کی ماتا کا کیا حال تھا۔ وہ مجھے بار بار سینے سے لگاتی اور میرا ماتھا چوم کر کہتی۔ "

تم بھگوان کے اوتار ہو۔ تم نے میرے بچے کی جان بچائی ہے۔ تمہیں بھگوان نے یہاں بھیجا ہے"۔

میں نے کہا۔ "ماتا جی! مجھے بھوک لگ رہی ہے"۔

اسی وقت میرے آگے بھوجن کے دو تھال لگا دیئے گئے... جو کچوریوں، مٹھائیوں اور پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ میں تمام کچوریاں اور مٹھائی چٹ کر گیا۔ اتنے میں سیٹھ بھی دھوتی سنبھالتا وہاں پہنچ گیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ میں نے اس کے بیٹے کو سانپ کے زہر سے بچالیا ہے تو وہ اپنے بیٹے سے لپٹ گیا پھر مجھے گلے لگا کر بولا "راتھن! تم نے میرے بچے کی جان بچائی... تم بھگوان کے اوتار ہو"۔

اسی وقت مجھے غسل کرایا گیا۔ نیا کرتہ پاجامہ پہنایا گیا، بازار سے میرے ناپ کا نیا جوتا منگوا کر پہنایا گیا، گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور مجھے ایک سفید بچھونے پر بٹھا دیا گیا۔ اس دوران میں نوکر، اسٹور روم سے سانپ کو نکال کر ہلاک کر چکے تھے۔ سیٹھ نے کہا "برجو کی ماتا! یہ وہی سانپ ہے جس نے آج صبح اسٹیشن پر ٹکٹ بابو کو ڈسا تھا... کوئی ناگنی عورت، اس سانپ کو لے کر شہر میں اتری تھی"۔

"ہے، بھگوان! تیری کرپا سے میرے بچے کی جان بچ گئی۔"

میں یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ وہ سانپ، سدھا کا سانپ بیٹا نہیں تھا۔ اگر وہی سانپ ہوتا تو سب سے پہلے میرے پاس آتا۔ کیونکہ جنگل میں سدھا نے اسے میرے جسم کی بو سنگھائی تھی اور سانپ ایک بار اگر کسی آدمی کے جسم کی بو سونگھ لے تو اسے کبھی فراموش نہیں کرتا۔ دوسرے، اگر یہ وہی سانپ ہوتا تو شاید میرا منکا بھی سیٹھ کے لڑکے کی جان نہیں بچا سکتا تھا۔ میرا خیال سدھا رنگنی کے سانپ بیٹے کی طرف نکل گیا۔ خدا جانے وہ کہاں ہوگا۔ سب سے پہلے وہ اس کے پاس پہنچے گا۔ سدھا رنگنی کا خیال آتے ہی میں اداس ہو گیا... پھر میرے خیالات کا سلسلہ سیٹھ کی آواز نے توڑ دیا۔

وہ پوچھ رہا تھا۔ "راتھن بیٹا! تم نے سانپ کا یہ منکا کہاں سے لیا؟ یہ ضرور تمہیں کسی مہارشی نے دیا ہوگا"۔

"ہاں سیٹھ جی!" میں نے کہا۔ "یہ منکا ایک مہارشی کی مقدس نشانی ہے۔ میں اسے اپنے سے کبھی جدا نہیں کرتا"۔

سیٹھانی اپنے بیٹے کو موسمیوں کا رس پلا رہی تھی۔ رس کا ایک گلاس مجھے بھی دیا گیا۔ رات کو میرا بستر، حویلی کے آنگن میں لگایا گیا اور اوپر مچھردانی بھی تان دی گئی۔ رات کو کھانے میں تر تراتے ہوئے پراٹھے اور بینگن کا بھرتہ ملا۔ ایک مدت کے بعد ایسی خوراک ملی تھی۔ ڈٹ کر پیٹ بھرا اور پھر ایسا سویا کہ ہوش ہی نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو آنگن میں دھوپ بھری ہوئی تھی۔ نوکر آگے پیچھے پھرنے لگے۔ سب سے پہلے میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سدھا رنگنی کے منکے کو دیکھا' وہ موجود تھا۔ سیٹھانی' آنگن والے تلسی کے پیڑ کو پانی دے رہی تھی پھر اس نے چڑیوں کے لئے چاول بکھیرے۔ مجھے مسہری سے باہر آتے دیکھ کر میری بلائیں لیں۔ میں نے عمدہ خوشبودار صابن سے غسل کیا' کپڑے پہنے اور گھر کے مکھن کے ساتھ پراٹھا کھایا اور دودھ کا تازہ گلاس چڑھایا۔ سیٹھ منہ میں مسواک لئے' اخبار پڑھتا ہوا' آنگن میں داخل ہوا۔ "لو' سیٹھانی! دیکھو' کل والی ناگنی عورت کی تصویر چھپی ہے"۔

میں آنگن والے ہینڈ پمپ کے پاس بیٹھا کلی کر رہا تھا۔ وہیں ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گیا... پھر تولیئے سے ہاتھ پونچھ کر' سیٹھ کے پاس آگیا۔ سیٹھ نے مجھے اخبار دیتے ہوئے کہا "دیکھو' راتھن بیٹے! یہ وہی ناگنی عورت ہے جس کے سانپ نے کل ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ بابو کو ڈس لیا تھا... رام' رام! اس عورت کی شکل دیکھو' بالکل ناگن جیسی ہے"۔

اخبار گجراتی زبان کا تھا۔ پہلے ہی صفحے پر سدھا رنگنی کی تصویر تھی جو حوالات کی سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میرے دل پر جیسے ایک تیر سا لگا۔ سیٹھانی بھی آگئی۔ سیٹھ مسواک کرتے ہوئے بولا۔ "ارے' برجو کی ماں! اس ناگن کے قبضے سے ایک لعل بھی برآمد ہوا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ لعل' سانپ کے بل میں ہوتا ہے"۔

اَب میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ اخبار میں کہیں میرا ذکر تو نہیں۔ میں گجراتی زبان نہیں پڑھ سکتا تھا۔ میں نے سیٹھ سے پوچھا "کیا یہ ناگنی اکیلی تھی؟"۔

"ارے نہیں' بیٹا! اس کا ایک سپیرا ساتھی بھی ہمراہ تھا' وہ فرار ہو گیا۔ اس کا نام رگھو تھا میں نے آہستہ سے اپنا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے پوچھا۔ "رگھو کے بارے میں کیا لکھا ہے؟"

"بس اتنا ہی لکھا ہے کہ وہ بھاگ گیا... اور پولیس اس کی تلاش میں ہے۔" پھر وہ مسواک پھینک کر نلکے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "راتھن بیٹا! تم یہاں آرام کرنا' دکان پر آنے کی ضرورت نہیں"۔

سیٹھ کا بیٹا برجو ابھی تک سو رہا تھا۔ شام کو دو ڈاکٹر آئے... اسے انجکشن لگایا اور دوا دی۔ ایک ڈاکٹر نے مجھ سے منکا دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے اسے منکا دکھایا۔ تھوڑی دیر تک دونوں ڈاکٹر' اسے گھما پھرا کر دیکھتے رہے۔ ایک ڈاکٹر نے دوسرے سے انگریزی میں کہا۔ "یہ کوئی فراڈ ہے' سیٹھ کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ حقیقت میں سانپ زہریلا نہیں تھا"۔

پھر وہ دونوں مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ مجھے ان پر غصہ تو بہت آیا مگر مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

گجراتی اخبار کی اس خبر نے مجھے کافی پریشان کر دیا تھا کہ سدھا حوالات میں بند ہے اور پولیس اس کے ساتھی کو شہر میں تلاش کر رہی ہے۔ سیٹھ جیپ میں بیٹھ کر اپنی دکان پر چلا گیا تو میں نے ایک گجراتی نوکر سے اخبار کی خبر دوبارہ پڑھوا کر سنی۔

سدھا رنگمی کا ایک جرم تو یہ تھا کہ اس نے ٹکٹ کلکٹر پر سانپ پھینک کر اسے ہلاک کروایا اور دوسرا جرم یہ تھا کہ اس سے ایک بیش قیمت لعل برآمد ہوا تھا جو وہ کرناٹک کے سرکاری عجائب گھر سے چرا کر لا رہی تھی۔ یہ صریحاً ناانصافی تھی مگر میں سدھا رنگمی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے خود اپنی فکر پڑ گئی تھی۔ سدھا رنگمی سے پولیس نے میرا پورا حلیہ معلوم کر لیا تھا اور یہ سارا حلیہ اخبار میں درج تھا۔ وہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ حویلی کے لوگوں کی آنکھوں پر میرے احسانات کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں میں نے غسل خانے میں جا کر شیو بناتے وقت اپنی مونچھوں کو کتر کر بہت چھوٹا کر لیا تھا جو کافی بڑھ گئی تھی۔

اب میں یہاں سے نو دو گیارہ ہو جانا چاہتا تھا۔ اتنی معلومات میں نے نوکر سے حاصل کر لی تھی کہ بڑودہ سے احمد آباد کو بسیں بھی جاتی ہیں، مال لے کر ٹرک بھی جاتے ہیں اور مال بردار ٹرک رات کو چلتے ہیں جو اگلے روز دوپہر کو احمد آباد پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے لئے مجھے رقم کی ضرورت تھی۔ سیٹھانی سے رقم وصول کرنا کوئی زیادہ دقت طلب کام نہیں تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد، میں نے ڈرامہ شروع کر دیا... پہلے اداس ہوا پھر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ سیٹھانی میرے سامنے بیٹھی، مجھے پنکھا جھل رہی تھی۔ وہ بے چاری نیک عورت پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ ترچناپلی میں میری ماں سخت بیمار ہے۔ میں اس کے علاج کے لئے پیسہ کمانے آیا تھا۔ خبر نہیں، وہ زندہ بھی ہو گی یا نہیں۔

سیٹھانی نے کہا۔ "بیٹا راتھن! تم کیوں روتے ہو؟ میں تمہاری ماتاجی کو روپے بھیج دیتی ہوں۔ وہ اپنا علاج کروالیں گی"۔

میں نے آنسو پونچھ کر کہا "ماتاجی وہاں اکیلی ہیں۔ ان کے پاس کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ مجھے پیسے دے دیں تو میں انہیں دے کر آ جاؤں گا"۔

سیٹھانی نے پنکھا ہاتھ سے رکھ دیا اور ساڑھی کے پلو سے چابیوں کا گچھا کھولتے ہوئے بولیں "کتنے پیسے چاہیں تمہیں، بیٹا راتھن؟"

میں نے بڑودہ سے احمد آباد پھر احمد آباد سے اودھے پور... اور وہاں سے آگے پاکستان تک اپنے اخراجات کا موٹا موٹا حساب ذہن میں لگایا اور کہا۔ "بس، سیٹھانی جی! آپ... آپ مجھے ایک ہزار روپے دے دیں۔ میں واپس آکر آپ کی ایک ایک پائی چکا دوں گا"۔

"ارے بیٹا! اس کی ضرورت نہیں۔ تم بھی تو میرے برجو ہو... میں ابھی لاتی ہوں۔"

نیک دل سیٹھانی سو سو روپے کے دس نوٹ رومال میں لپیٹ کر لے آئی اور مجھے دے کر کہا۔

"بیٹا راتھن! مجھے یہ واپس نہیں چاہیں۔ تم واپس آ جانا۔ تم ہی میرے گھر کی لکشمی ہو"۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا کہ بھگوان نے چاہا تو جلد واپس آ جاؤں گا... پھر میں وہاں سے نکلا تو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس مضافاتی بستی میں ترکاریوں کے کھیتوں میں سے جو سڑک شہر کی طرف جاتی تھی، اس پر ہوتا ہوا، ایک بس اسٹاپ پر آگیا۔ یہاں لوگوں سے پوچھتا پچھاتا، اس اڈے پر پہنچا جہاں سے بسیں احمد آباد کو جاتی تھیں۔ جس طرح ہندوستان کے ہر شہر میں لاریوں کے اڈوں پر رش ہوتا ہے، یہاں بھی تھا۔

پہلے خیال آیا کہ رات کو کوئی مال بردار ٹرک پکڑوں پھر سوچا کہ اتنی احتیاط کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔ خدا پر بھروسہ کر کے احمد آباد شہر کا ایک ٹکٹ خریدا اور بس میں سوار ہو گیا... بس، مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ اس بس کو دوسرے روز صبح احمد آباد پہنچنا تھا۔

بس بڑودہ کے مضافات سے نکل کر ہرے بھرے کھیتوں، آم، پپیتوں کے باغوں اور ندی نالوں کو عبور کرتی، اپنی منزل کی طرف بڑھی چلی جارہی تھی۔ میں نے مسافروں کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ مجھے بس میں کوئی بھی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میری تجربہ کار کمانڈو نگاہیں مجھے یہی بتا رہی تھیں۔ بس کے اگلے حصے میں کچھ عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ دو گھنٹے بعد بس ایک قصبے میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہری اور پھر چل پڑی۔

یونہی شام ہو گئی۔ بس امریلی تلیا کے شہر میں ایک گھنٹہ رکی رہی۔ یہاں مسافروں نے کھانا کھایا، میں بھی ایک دکان نما ہوٹل میں گھس گیا اور کونے والی میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا... بس یہاں سے روانہ ہو کر نو بجے کسی گمنام سے قصبے میں سڑک کے کنارے رک گئی، یہاں چائے پی گئی۔ غرض اسی طرح رکتے چلتے، آرام کرتے رات گزر گئی۔ دوسرے دن کا سورج نکل رہا تھا کہ بس احمد آباد شہر میں داخل ہو گئی۔

میں ایک غیر معروف سے ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ یہاں ایک دکان سے ڈائری خریدی جس میں راجستھان کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ آگے راجستھان کا علاقہ شروع ہونے والا تھا اور میری منزل اودھے پور تھی، جہاں سے مجھے صحرائی علاقہ عبور کر کے، پاکستان کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔ میں نے ایک کاغذ پر اس سارے علاقے کا چھوٹا سا نقشہ بنا لیا اور خاص خاص جگہوں پر نشان لگا لئے اور انہیں ذہن میں بٹھا لیا۔

اودھے پور کے اوپر جودھ پور کا مشہور شہر تھا۔ یہ دونوں شہر تھر کے وسیع و عریض صحرا میں واقع تھے اور پاکستان کی سرحد سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اودھے پور، پاکستانی سرحد سے زیادہ قریب تھا۔ میں نے یہی سوچ رکھا تھا کہ اودھے پور پہنچ کر کچھ ایسی چیزیں خرید لوں گا جو مجھے صحرائی سفر میں کام آ سکتی

نہیں۔

دوپہر کا کھانا کھا کر میں شہر کے ایک گنجان تجارتی مرکز میں نکل آیا۔ علاقہ لاہور کا ڈبی بازار سے ت ملتا جلتا تھا۔ میں اب اپنے کرتے پاجامے سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک دکان سے میل خورے رنگ کی جینز، اسی کلر کی ایک جیکٹ اور جوگنگ شوز لیدے۔ احمد آباد سے یہ چیزیں زیادہ بہتر ملتی تھیں۔ باقی چیزوں کی خرید، میں نے اودھے پور پر اٹھا رکھی۔ ہاں، ایک خنجر چھوٹی سی نوٹ بک اور سگریٹ لائٹر بھی خرید کر جیب میں رکھ لئے۔ یہ سب راستے ں کام آنے والی چیزیں تھیں۔

ہوٹل کے کمرے میں، میں نے رات کو کرتہ پاجامہ اتار کر جیکٹ اور تنگ پتلون پہن لی۔ دھارنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا.. چھوٹی نوٹ بک، لائٹر اور باقی بچے ہوئے کرنسی نوٹ اور خنجر وغیرہ اچھی طرح سنبھال کر رکھ لئے۔ میں صبح ہی صبح یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اودھے پور جانے والی لاری، ساڑھے چار بجے صبح چلتی تھی۔ پرانے کپڑوں کی گٹھری سی بنا کر، میں نے ساتھ رکھ لی۔

رات، میں اچھی طرح نہیں سو سکا۔ منہ اندھیرے دور کسی مسجد سے اذان کی آواز اور ایک ندر سے گھنٹیوں اور آرتی پوجا کے بھجن گانے کی آوازیں بلند ہوئیں تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ باتھ روم ں جا کر غسل کیا... اور پرانے کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر چپکے سے ہوٹل کے عقبی دروازے سے باہر نکل آیا۔

بازار سنسان پڑے تھے۔ رکشا مل گیا جس نے مجھے لاری کے اڈے پر پہنچا دیا۔ لاری اڈے پر زیادہ رش نہیں تھا... ٹکٹ لے کر، میں بھی بس میں بیٹھ کر یونہی اونگھنے لگا مگر گوشہ چشم سے ماحول کا برابر جائزہ لے رہا تھا۔

بس، سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہو گئی۔ جب سورج نکلا تو بس ایک ایسی سڑک سے گزر رہی تھی جس کے دونوں جانب کبھی کھیت آ جاتے اور کبھی ریتیلا میدان شروع ہو جاتا۔ تھر کا صحرائی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ آگے چل کر پنجاب کی طرح کے کچے کچے مکان دکھائی دینے لگے۔ یہاں ناریل کی بجائے کھجوروں کے درختوں کی بہتات تھی۔ دور کبھی کوئی اونٹ بھی نظر آ جاتا تھا... یہ راجستھان کی لینڈ اسکیپ تھی۔

اودھے پور کا شہر راجپوتوں کی عظمت رفتہ کی مخصوص یادگار تھا۔ ڈھلتے سورج کی ترچھی نیم طلائی کرنیں، دور اونچے ٹیلوں پر بنے ہوئے پرانے قلعوں اور قدیم محلات کی برجیوں کو چمکا رہی تھیں۔ کلمچھوں والی مونچھوں اور اوپر کو چڑھی ہوئی گھنی داڑھیوں والے راجپوت، بوڑھے کاندھوں پر رنگین چادریں ڈالے سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ سڑکوں پر موٹر کاریں، سائیکل اور رکشے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں لاری اڈے کے مسافر خانے میں ایک بنچ پر خاموش بیٹھا، اپنے اگلے اور آخری

مشن کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا۔ یہ مشن ' بھارت کا بارڈر کراس کر کے ' پاکستان میں داخل ہونا تھا۔ میں اس راستے سے ناواقف تھا لیکن میرا کمانڈو عزم اور ارادہ میرا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ اپنے لباس میں کوئی شکاری لگ رہا تھا۔ تھر کے صحرا میں اکثر شکاری ' ہرن کا شکار کرتے ہیں۔

یہ بارڈر کا شہر تھا ' یقیناً یہاں سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی موجود تھے ' وہ کسی بھی لباس میں ہو سکتے تھے۔ میں بڑا چوکس تھا۔ اگرچہ میرا لباس لوگوں کو خواہ مخواہ میری طرف متوجہ کرتا تھا لیکن مجھے ایک فائدہ بھی حاصل تھا۔ میں تامل زبان بول کر اپنے آپ کو تامل ناڈو یا کرناٹک کا شکاری ثابت کر سکتا تھا۔ کوئی غیر ملکی جاسوس کتنا ہی چالاک اور لائق کیوں نہ ہو ' وہ تامل زبان مشکل ہی سے بول سکتا تھا۔ یہ عام معمول کے خلاف بات تھی۔

شام ہو رہی تھی۔ میں آدھی رات کے بعد ' پاکستان کے بارڈر کی طرف روانہ ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں ایک رکشے میں بیٹھ کر شہر آ گیا۔ شہر ' جدید اور قدیم ' دونوں تہذیبوں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی علاقے کے کونے پر جہاں ویران صحرائی میدان شروع ہو جاتا تھا ' میں نے راجہ رام ہوٹل میں کمرہ لے لیا۔ میں نے ہوٹل والے سے تامل زبان میں بھی بات کی ' یہ ظاہر کرنے کے لئے میں کرناٹک کا رہنے والا خالص ہندوستانی ہوں ' پھر اسے ہندی میں بتایا کہ میں اپنی شکاری پارٹی کا انتظار کر رہا ہوں جو بیکانیر سے آ رہی ہے۔

میں نے وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور پھر اپنے کمرے میں جا کر ' نوٹ بک سے نقشہ نکال کر دیکھنے لگا۔ کمرے کی کھڑکی ... سے سڑک نظر آ رہی تھی۔ وہاں سے کچھ فوجی ٹرک گزرتے دیکھے تو سوچنے لگا کہ بارڈر کے ساتھ ساتھ یہاں بھارتی فوجی چوکیاں بہت ہوں گی لیکن صحرا میں بارڈر کراس کرنے کے مواقع بھی بہت مل جاتے ہیں۔ نقشے پر صحرا دکھایا گیا تھا۔ باقی کسی گاؤں وغیرہ کا نام نہیں لکھا تھا۔ یہ عام سا نصابی نقشہ تھا جس کو میں نے بڑی نوٹ بک سے اپنی چھوٹی نوٹ بک پر نقل کر لیا تھا۔ پاکستان سیکرٹ سروس کے چیف چودھری صاحب نے مجھے جو اپنا خاص خفیہ کوڈ نمبر بتایا تھا ' وہ مجھے زبانی یاد تھا۔ انہوں نے میرا خفیہ نام درویش ' رکھا تھا جس کے بارے میں سوائے چودھری صاحب کے اور میرے تیسرے شخص کو خبر نہیں تھی۔

ابھی سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا۔ میں نے نوٹ بک جیب میں رکھ لی اور سگریٹ سلگا کر آہستہ آہستہ کش لیتا ہوا نیم دراز ہو گیا۔

اچانک ہوٹل کے نیچے لوگوں کا شور سا سنائی دیا۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا اور اطمینان سے سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کا لڑکا ' میرے لئے چائے کی پیالی لئے اندر داخل ہوا۔ اس وقت مجھے چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر چائے کی پیالی تھامی اور لڑکے کو ایک روپیہ ٹپ دیتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں رے ' یہ نیچے شور کیسا ہے

"صاحب! ایک پاکستانی جاسوس پکڑا گیا ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

میرے ہاتھ سے چائے کی پیالی گرتے گرتے بچی۔ ایک بار تو واقعی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے ۔ پلنگ کو زور سے ہلا دیا ہو۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا اور چائے کا گھونٹ تے ہوئے پوچھا۔ "کہاں سے پکڑا ہے؟"

"صاحب! بارڈر کراس کر کے آیا ہے۔ پولیس کے سپاہی اسے نیچے پانی پلا رہے ہیں۔ لوگوں ا اسے بڑا مارا ہے۔"

لڑکا سلام کر کے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میرے اندر کرنٹ سا لگا۔ میں نے جلدی سے پیالی ا نک ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کر نیچے آ گیا اور ہوٹل کے دروازے کی اوٹ میں کسی حد تک چھپ کر ڑا ہو گیا۔ ہوٹل کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس میں پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ لوگ ایک دوسرے ا اوپر گرے جا رہے تھے۔ راجستھان پولیس کے دو سپاہی، ایک لمبے قد کے دبلے پتلے نوجوان کو پانی پلا رہے تھے۔ ان کے قریب ہی سفید کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی ہاتھ میں ڈنڈا لئے کھڑا تھا۔ اں ظاہر تھا کہ وہ راجستھان سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی ہے۔

میں پاکستانی جاسوس کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور ایک لہ نیلی ہو رہی تھی۔ سپاہیوں نے اس کی گردن میں کپڑا ڈال رکھا تھا۔ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ ان اور اہل پاکستان سے محبت کا جذبہ پوری شدت سے ابھر آیا۔ محبت کے اس جذبے میں، میں یہ ی فراموش کر بیٹھا کہ میں خود ایک پاکستانی جاسوس ہوں۔ میں ہوٹل کے دروازے سے نکل کر ہجوم ں پہنچ گیا اور پولیس کے سپاہیوں سے کہا "براہ کرم، آپ اس جاسوس کو زدو کوب نہ کریں بلکہ اسے الات میں لے جا کر بند کر دیں تاکہ اس سے کوئی بیان بھی لیا جا سکے"۔ اس طرح میں اس پاکستانی ان کو لوگوں کی مار پیٹ سے بچانا چاہتا تھا۔

سی۔ آئی۔ ڈی والے نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کون ہیں، صاحب؟"

میں نے ایک دو الفاظ تامل کے بولے تاکہ اسے، میرے ہندوستانی ہونے کا یقین ہو جائے اور ہندی میں کہا "میں کرناٹک کا چیف ایکسائز انسپکٹر ہوں اور یہاں شکار کھیلنے کی غرض سے آیا ہوں۔ لوگوں کو دھنباد دیتا ہوں کہ تم نے ایک پاکستانی جاسوس کو پکڑا مگر اسے زندہ رکھو تاکہ پولیس آفسر اس ۔ ضروری معلومات حاصل کر سکیں"۔

سی۔ آئی۔ ڈی والا اور پولیس کے دونوں سپاہی میری اس بات سے متاثر ہو گئے۔ اب جو میں پاکستانی جاسوس کی طرف نگاہ اٹھائی تو وہ پانی کے نل کے پاس کھڑا مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ ے لئے یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ جن لوگوں یعنی پولیس والوں سے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ مجھے پہچان نہ لیں، وہ تو اپنے کام لگے ہوئے تھے لیکن یہ پاکستانی جاسوس مجھے گھور رہا تھا جیسے اس نے

مجھے پہچان لیا ہو۔ میں سمجھا کہ چونکہ میں نے پولیس کی زدوکوب سے بچانے کے لئے بات کی ہے' اس لئے وہ میرا ممنون ہو رہا ہے۔

میں نے نگاہیں دوسری طرف کر لیں۔ سپاہیوں نے اس نوجوان کی گردن میں پڑے ہوئے کپڑے کو کھینچ کر' اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ لوگ جے ہند' کے نعرے لگاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے میں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ گردن موڑے میری طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نعرہ لگایا۔ "درویش' درویش... اوہ خدا... مجھے بچالو"۔

اس کے منہ سے درویش کا لفظ سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ اس نے دانستہ طور پر یہ لفظ کہا تھا۔ یہ میرا خفیہ شناختی لفظ تھا' جو پاکستانی سیکرٹ سروس کے چیف نے خاص طور پر مجھے دیا تھا۔ سوائے میرے اور ان کے' یہ لفظ اس حوالے سے کسی اور کی زبان پر نہیں آ سکتا تھا۔ اگر اس پاکستانی جاسوس نے یہ لفظ میرے لئے بولا ہے تو یقیناً اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ اسے خاص طور پر میرے لئے بارڈر کراس کروا کے یہاں بھیجا گیا ہے۔ اسے میری تصویر دکھا دی گئی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے۔ تو کیا یہ میرے لئے کوئی خاص پیغام لایا ہے؟"

سپاہی' پاکستانی جاسوس کو گھسیٹتے ہوئے دور لے گئے تھے۔ مجھے اس کی بلند آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ "درویش' درویش... اے خدا! مجھے بچاؤ"۔

میرا سارا پروگرام اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اگر میں ایک رات پہلے ہی بارڈر کراس کر جاتا تو شاید اس پاکستانی جاسوس سے کبھی ملاقات نہ ہوتی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ یہ شخص میرے لئے کوئی خاص پیغام لایا ہے اور اسے ہدایت کی گئی ہو گی کہ مجھے جنوبی ہند میں تلاش کرے اور وہ پیغام پہنچائے۔ فی الحال' بارڈر کراس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے سامنے اب اس پاکستانی جاسوس سے ملاقات کرنے اور پھر اسے پولیس کی حراست سے فرار کرانے کا پروگرام تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی اور کچھ فاصلہ رکھ کر ہجوم کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

میں سڑک پر یوں ادھر ادھر نظریں ڈالتا گزر رہا تھا جیسے کوئی سیاح شہر کی عمارتوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا ہو۔ حقیقت میں میری نظریں ہجوم پر لگی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ' زیادہ آبادی والا علاقہ نہیں تھا اودھے پور اتنا بڑا شہر بھی نہیں تھا جیسے راجستھان کے دوسرے شہر مثلاً جے پور' جودھ پور' اجمیر شریف اور بیکانیر وغیرہ تھے۔ ویسے بھی یہ اس اونچے ٹیلوں اور ریتیلے میدان میں پھیلے ہوئے شہر کا مغربی کنارہ تھا۔ تھانہ قریب ہی تھا۔ وہاں پہنچ کر ہجوم منتشر ہو گیا۔ میں نے دور سے تھانے کی عمارت کو بغور دیکھا اور اپنے ہوٹل واپس آ گیا۔

اب میرا لائحہ عمل بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔

کہاں میں رات کو بارڈر کراس کرنے کی تفصیلات تیار کر رہا تھا اور کہاں اب اس فکر میں غلطاں

تھا کہ اس پاکستانی جاسوس کو وہاں سے کیسے نکالا جائے۔ اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ پاکستانی جاسوس سے کیسے ملاقات کی جائے۔ پولیس والوں سے میں اپنا تعارف بطور ایکسائز انسپکٹر کرا چکا تھا۔ اگرچہ اس طرح کھلے بندوں' تھانے جانے میں کچھ خطرات تھے لیکن یہ ایک غیر معروف سا علاقہ تھا اور تھانہ بھی چھوٹا سا تھا۔ یہاں میں یہ خطرہ مول لے سکتا تھا۔

اوپر سے شام ہو رہی تھی۔ صحرائی علاقہ ہونے کی وجہ سے سورج کی نارنجی روشنی ابھی سیاہی میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ سمندر اور صحراؤں میں غروب ہوتے سورج کی روشنی بڑی دیر تک رہتی ہے۔

مجھے شام کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار تھا۔ میں دن کی روشنی میں تھانے نہیں جانا چاہتا تھا۔ ایک بات پر مجھے بڑی حیرانی تھی کہ وہ نوجوان بارڈر پر پکڑا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ 'انڈین بارڈر فورس کا کوئی سپاہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بارڈر سے آگے کسی راجستھانی گاؤں میں سی۔ آئی۔ ڈی والے نے پکڑا ہو۔ کیونکہ بارڈر کے دیہات میں سی۔ آئی۔ ڈی والے اکثر پھرتے رہتے ہیں اور جونئی صورت دکھائی دے' اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

جب شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا اور بازاروں اور مکانوں میں بتیاں روشن ہو گئیں تو میں نے بازار سے مٹھائی کا ڈبہ خریدا اور سیدھا تھانے پہنچ گیا۔ نیچی چھت والے تھانے کی پرانی میز کے پیچھے تھانے دار بیٹھا' اندراج کر رہا تھا۔ ایک سپاہی سامنے دالان والی حوالات کے باہر رائفل لئے پہرہ دے رہا تھا۔ دو سپاہی تھانے دار کے سامنے بیٹھے تھے۔ یہ وہی سپاہی تھے جو پاکستانی جاسوس کے ساتھ تھے۔

میں نے جاتے ہی ہاتھ جوڑ کر تھانے دار کو نمسکار کیا اور مٹھائی کا ڈبہ' اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " مہاشے جی! میں پاکستانی جاسوس کو پکڑنے پر آپ کو دھنیاد دیتا ہوں اور اسی خوشی میں یہ مٹھائی لایا ہوں۔ مہاراج! آپ نے تو کمال کر دکھایا۔ یہ کمینے پاکستانی جاسوس تو ہمارے بھارت ورش کے سب سے بڑے دشمن ہیں"۔

تھانے دار کی راجپوتوں جیسی مونچھیں تھیں۔ اس نے عینک اتار کر مجھے دیکھا۔ سپاہی مجھے پہچان کر بولا۔ "ٹھاکر! یہ کرناٹک کے ایک انسپکٹر ہیں"۔

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میرا نام راتھن چندرن ہے۔ میں وجے واڑہ میں آج کل ایکسائز انسپکٹر ہوں... یہاں اپنی پارٹی کے ساتھ ہرن کا شکار کھیلنے آیا ہوں۔ میری پارٹی' ایک دو روز میں جے پور سے یہاں پہنچنے والی ہے۔ یہ مٹھائی سویکار کیجئے"۔

تھانے دار نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور مٹھائی کا ڈبہ اپنے آگے کر لیا۔ وہ میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے حوالات کی طرف اشارہ کر کے کہا " یہ بڑا خطرناک جاسوس لگتا ہے' اس کی کڑی حفاظت کریں' کہیں فرار نہ ہو جائے"۔

حوالات کے اندر ایک مدھم بلب روشن تھا۔ میں نے صاف دیکھ لیا تھا کہ وہ پاکستانی جاسوس میری آمد سے باخبر ہو چکا ہے۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

تھانے دار بولا۔ "چندرن جی! یہ اودھے پور کا غربی تھانہ ہے۔ یہاں حوالات کے اندر سے چڑیا بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ آپ شانت رہیں۔ پرسوں بارڈر فورس کا کیپٹن آ کر اسے جے پور لے جائے گا"۔

یہ معلومات بھی میرے لئے بڑی اہم تھیں کہ پرسوں پاکستانی جاسوس کو یہاں سے جے پور بھیج دیا جائے گا۔ میں نے جیب سے قیمتی سگریٹ نکال کر تھانے دار کو پیش کیا۔ سپاہیوں کو بھی سگریٹ پیش کیے... اور اسے سلگاتے ہوئے بولا۔ "میں نے جے واڑہ کے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ان دنوں ہماری زمین پر دشمن ملک کے جاسوسوں کی سرگرمیاں بہت تیز ہو گئی ہیں۔ آپ نے اس جاسوس کو پکڑ کر بھارت ماتا کا سمان بڑھایا ہے"۔

تھانے دار سگریٹ کا کش لگا کر بولا۔ "مہاراج! ہماری سی۔ آئی۔ ڈی' بارڈر کے گاؤں میں موجود ہے۔ یہ تو ہمارے آدمی کو جل دے کر نکل جاتا مگر اس کی تلاشی لی گئی تو جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ برآمد ہوا جس پر تین ہندسوں کا ایک نمبر لکھا تھا"۔

تھانے دار نے دراز میں سے ایک کتاب نکالی اور اس میں سے کاغذ کا وہ پرزہ نکال کر مجھے دکھایا۔ اسے پڑھتے ہی میرے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ تین انگریزی ہندسوں والا یہ نمبر وہی خفیہ کوڈ نمبر تھا جو پاکستان سیکرٹ سروس کے چیف نے مجھے یہ کہہ کر بتایا تھا کہ یہ میرا خاص اور انتہائی خفیہ نمبر ہے۔ اس نے مجھے یہ نمبر یاد کر لینے کو کہا تھا' اپنے پاس لکھ کر رکھنے کو منع کیا تھا۔ یہ پاکستانی جاسوس ابھی اناڑی تھا۔ اس نے اس نمبر کو لکھ کر رکھنے کی اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی تھی۔۔

اب اس میں تو کوئی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کہ یہ پاکستانی جاسوس تھا اور چودھری صاحب کی جانب سے میرے لئے کوئی خاص پیغام لایا تھا۔ میں نے کاغذ کا پرزہ تھانے دار کے حوالے کرتے ہوئے کہا "ٹھاکر جی! یہ ضرور اس کا کوئی خاص نمبر ہو گا۔ اس سے اگلوائیں کہ اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟ اور یہ ہماری پوتر دھرتی پر کیا کرنے آیا تھا

تھانے دار نے کاغذ کا پرزہ 'کتاب میں رکھ کر' کتاب میز کی دراز میں ڈال دی اور میرے لئے چائے کا آرڈر دیا۔ میرا مقصد حل ہو چکا تھا۔ ویسے بھی میں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے مسکرا کر تھانے دار سے ہاتھ ملایا۔ "ٹھاکر جی! چائے آپ پر ادھار رہی۔ آپ میرے ہاں آ کر چائے پیجئے' نا"۔

تھانے دار بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ اودھے پور میں کتنے دن ہیں' مہاراج؟"

"پرسوں میری پارٹی آ جائے گی... پھر آگے شکار کو نکل چلیں گے۔ آپ دشینو تو نہیں ہیں!

"جی نہیں، میں وشینو نہیں ہوں، راجپوت آریہ سماجی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، آپ کو شکار کا ماس کھلائیں گے۔"

ایک بات کے بارے میں، میں بھارت میں ہمیشہ محتاط رہا تھا کہ میں نے گوشت کو ہمیشہ ماس کہا تھا۔ کیونکہ بھارت کا کوئی ہندو گوشت کو گوشت نہیں کہتا، وہ اسے ماس کہتا ہے اور اب تو اتنی دیر بھارت کے کٹر ہندوانہ صوبے میں رہتے ہوئے مجھے بھی گوشت کو ماس کہنے کی عادت پڑ گئی تھی۔

میں نے تھانے دار کا نام پوچھا۔

"جی میرا نام ٹھاکر سیدیو شرما ہے۔"

"بڑا شبھ نام ہے، ٹھاکر جی! نمسکار۔"

تھانے دار کے کمرے سے نکلتے ہوئے میں نے معنی خیز انداز میں پاکستانی جاسوس پر نگاہ ڈالی۔ وہ خود بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی کہ فکر مت کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گا۔ اگرچہ ابھی تک خود مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ میں اسے یہاں سے کیسے نکال سکوں گا... لیکن میرے اندر چھپا ہوا کمانڈو، پوری دلیری اور اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ بیدار ہو چکا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ میں اپنے ساتھی کو حوالات سے نکال لے جاؤں گا۔ لیکن کہاں لے جاؤں گا، یہ الگ پریشان کر دینے والا سوال تھا۔

اس وقت میں اپنے آپ کو پاکستانی جاسوس نہیں بلکہ ایک جانباز اور اپنے وطن اور اہل وطن کی خاطر، جان پر کھیل جانے والا کمانڈو سمجھ رہا تھا۔ میرے اندر اس احساس کے ساتھ ہی زبردست اعتماد اور تیور پیدا ہو گیا تھا۔ یہ وہ اعلیٰ ترین جذبہ تھا جو مایوسی اور شکستگی کے نام سے قطعاً ناآشنا تھا۔

ہوٹل میں پہنچ کر میں نے رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرے پاس صرف کل کا دن اور کل کی رات تھی۔ پرسوں راجستھان بارڈر فورس کے کیپٹن نے تھانے آ کر میرے پاکستانی ساتھی کو اپنے ساتھ جے پور لے جانا تھا۔ اگر وہ ایک بار جے پور پہنچ گیا تو پھر شاید میں بھی اسے بھارتی قید سے اور اس قید میں رہ کر عبرتناک موت سے نہ بچا سکوں گا۔

میرے سامنے دو راستے تھے۔ یا تو میں مقدس نقش سے کام لیتے ہوئے تھانے دار کو حکم دوں کہ وہ پاکستانی جاسوس کو میرے حوالے کر دے تاکہ میں خود اسے جے پور لے جاؤں... یا مقدس نقش سے مدد لئے بغیر کسی دوسری اسکیم پر عمل کروں۔ دراصل ایسے نازک وقت پر تھانے دار پر کسی وجہ سے نقش کا اثر نہ ہو اور الٹا میں بھی دھر لیا جاؤں۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں، پاکستانی جاسوس کو تھانے سے نکالنے کے لئے کسی دوسری اسکیم پر عمل کروں گا۔ ہاں، اگر اس اسکیم پر عمل درآمد کے دوران ضرورت پڑ گئی تو مقدس نقش سے کام لے لوں گا۔

اب میں نے دوسری اسکیم پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اس اسکیم کے بھی دو پہلو تھے۔ یا تو میں

تھانے میں جاتے ہی تینوں سپاہیوں اور تھانے دار کو ہلاک کر دوں یا کسی صورت انہیں بے ہوش کر کے اپنے پاکستانی ساتھی کو آزاد کرا لوں۔ تھانے میں جا کر تین چار سپاہیوں اور تھانے دار کو ہلاک کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا... جبکہ وہ سب مسلح تھے اور میرے پاس سوائے خنجر کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ بے ہوش کرنے والا خیال مجھے بہتر لگا۔ بشرطیکہ بے ہوش کرنے والی دوائی مل جائے۔ میرے پاس وقت بھی کم تھا اور شہر سے بھی ناواقف تھا... کس سے بے ہوشی کی دوا حاصل کروں گا

میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ دو تین سگریٹیں... پھونک ڈالیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اچانک خیال آیا کہ بے ہوشی کی دوا کی جگہ کوئی مہلک زہر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا اور نئی سگریٹ سلگا کر زہر کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس وقت مجھے اپنا زہریلا سگار بہت یاد آیا۔ وہ میرے پاس ہوتا تو یہ سارا مشن محض پانچ منٹ کی بات تھی لیکن میرے پاس نہ تو زہریلا سگار تھا اور نہ ہی دی۔ ٹی کی گولیاں تھیں کہ میں اس تھانے کے عملے کا ذہن ہی تبدیل کر سکتا۔

میں مجھے ڈی۔ڈی۔ٹی اور کیمیکل کھاد کی شکل میں زہر مل سکتا تھا مگر یہ سب کڑوے زہر تھے اور پہلے گھونٹ یا پہلے نوالے پر ہی اُلٹا مجھے پکڑوا سکتے تھے۔ کوئی ایسا زہر ہونا

ایک کرن میرے ذہن میں چمک اٹھی۔ تھانے کے تینوں سپاہی اور خود تھانے دار بھی سگریٹ پیتا تھا۔ اگر مجھے کوئی ایسا زہر مل جائے جس کو سرنج کے ذریعے سگریٹ کے تمباکو میں بھر دوں تو پہلا کش ہی سپاہی اور تھانے دار کو ہمیشہ کی نیند سلا دے گا۔

میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ایسا زہر کہاں سے مل سکتا تھا؟ ظاہر ہے 'شہر میں کیمسٹ شاپ ضرور ہو گی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی اس نوع کا مہلک زہر ہوا بھی تو مجھے نہیں دیں گے۔ اس قسم کا زہر عام آدمی کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس کا حل یہی تھا کہ کوئی انتہائی قابل اعتبار بہانہ بناؤں اور ساتھ ہی رشوت سے کام لوں۔ میرے پاس سات سو روپے اب بھی موجود تھے۔ میں نے کسی قابل اعتبار بہانے پر سوچ بچار شروع کر دی۔ رات کو سونے سے پہلے یہ بہانہ بھی میرے دماغ میں آ گیا... پھر مجھے نیند آ گئی۔ رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھل گئی جو بہانہ یا کہانی 'سونے سے قبل سوچی تھی 'اس کی نوک پلک سنواری پھر غسل کیا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو نیچے آ کر ناشتہ کیا اور اپنے کمرے میں آ کر 'دن کے نو بجنے کا انتظار کرنے لگا۔ کیونکہ دکانیں نو بجے کھلتی تھیں۔

پورے سوا نو بجے میں شہر کے نسبتاً جدید علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں ایک کیمسٹ کی دکان کا بورڈ پر نظر پڑی تو اندر جا کر نمسکار کیا۔ دکان دار نوجوان لڑکا تھا جس نے قمیص پتلون پہن رکھی تھی۔ وہ ایک گاہک کو دواؤں کے پیکٹ 'لفافے میں ڈال کر دے رہا تھا۔ دکان میں بہت زیادہ مال بھرا ہوا

تھا۔ جب گاہک چلا گیا تو نوجوان دکان دار نے میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ "جی ٹھاکر صاحب! کیا چاہیئے آپ کو؟"

میں نے چہرہ پہلے ہی بڑا اداس بنا رکھا تھا۔ ایک سرد آہ بھری اور اس کے کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیک دیں اور سر جھکا لیا۔ دکان دار نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا "ٹھاکر! طبیعت خراب ہے' آپ کی؟"
میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "بھائی جی! کیا بتاؤں؟ عجیب دُبدا میں پھنس گیا ہوں۔ آپ میری سہایتا کر سکتے ہیں"۔

رقت انگیز تمہید سے میں اس نوجوان کیمسٹ پر جب اچھی طرح اثر ڈال چکا تو اسے جو کہانی سنائی' وہ یہ تھی کہ میں جودھ پور کا بینک میں مینجر ہوں۔ میری بیوی کو عجیب بیماری ہو گئی ہے۔ ہر ہفتے آدھی رات کو ایک کالا ناگ آتا ہے اور میری بیوی کی ٹانگ کو سونگھ کر چلا جاتا ہے۔ میں اسے مارنے لگتا ہوں تو وہ نہ جانے کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کدھر سے آتا ہے اور کدھر غائب ہو جاتا ہے۔ اب ماندریوں اور پنڈتوں نے مجھے یہ کہہ کر سانپ کو مارنے سے روک دیا ہے کہ وہ ناگ دیوتا ہے' اسے مارو گے تو تمہاری بیوی بھی مرجائے گی۔ میں آپ کی طرح پڑھا لکھا ماڈرن زمانہ کا آدمی ہوں' ان باتوں پر میرا وشواش نہیں ہے۔ میری پتنی ایک ہی مہینے میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک خاص قسم کا سانپ ہوتا ہے جو اگر اتفاق سے کسی عورت کا جسم سونگھ لے تو اسے دوبارہ سونگھنے ضرور آتا ہے اور اس کی سانسوں کے اثر سے وہ عورت کمزور ہوتے ہوتے ایک دن مرجاتی ہے۔ آپ میری مدد کیجئے۔ مجھے کوئی ایسی تیز دوائی دے دیجئے جسے میں اپنی بیوی کی پنڈلی پر لگا دوں اور سانپ اسے سونگھنے سے مرجائے۔

اپنی من گھڑت کہانی' میں نے کچھ ایسے درد بھرے لہجے میں سنائی کہ نوجوان ہندو کیمسٹ بہت متاثر ہوا۔ میں نے آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو لاتے ہوئے کہا۔

"بھائی جی! آپ بھی پڑھے لکھے اور وگیانک نوجوان ہیں میری پتنی کی جان بچا لیں۔ نہیں تو اس کی مرتیو ہو جائے گی اور میرے بچے اناتھ ہو جائیں گے۔"

ہندو کیمسٹ سوچ میں پڑ گیا... پھر اس نے الماری میں بھری ہوئی مختلف دوائیوں پر نظر ڈالی اور کچھ سوچ کر بولا "میرے پاس ایسی کوئی میڈیسن یا آرسنیک نہیں ہے۔ پرنتو' آپ ذرا ٹھہریں۔ میں ایک دکان سے آپ کے مطلب کی ایک شے منگوائے دیتا ہوں"۔

اس نے میرے سامنے کسی دکان دار کو فون کیا اور کسی آرسنیک کا نام لیا پھر فون بند کر کے بولا۔
"میرے دوست کی دکان قریب ہی ہے' وہ آرسنیک دوائیاں فروخت کرتا ہے۔ وہ جو دوائی بھیج رہا ہے' اس سے سانپ اوش مرجائے گا لیکن آپ کی پتنی کی جان بچ جائے گی"۔

.... پھر وہ ہندوؤں کی جہالت اور پنڈتوں کی احمقانہ رسوم کے خلاف بولنے لگا۔ اتنے میں ایک

آدمی نے اسے ایک چھوٹی سی شیشی لا کر دی۔ نوجوان کیمسٹ نے شیشی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اس میں تھوڑا سا سفوف ہے۔ اسے آپ اپنی دھرم پتنی کی ٹانگ پر تھوڑا سا تیل لگا کر مل دیں۔ بھگوان نے چاہا تو سانپ اس کا صرف ایک سانس ہی کھینچنے کے بعد تڑپ تڑپ کر مرجائے گا۔ ہاں' بھابو جی کی ٹانگ پر پہلے تھوڑا سا سرسوں کا تیل لگانا نہ بھولیں کیونکہ یہ زہر کہیں ان کی پنڈلی میں نہ اتر جائے"۔

مجھے رشوت دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ' دراس کے شکریہ ادا کرنے لگا۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "نہیں' ٹھاکر جی! اس کی ضرورت نہیں۔ یہ تو پُن کی بات ہے اور میں نے آرسنیک مفت ہی منگوایا ہے"۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کہا اور زہر کی شیشی جیب میں ڈال کر چلا۔ میں بڑا خوش تھا۔ میرا ایک مرحلہ' ایک مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ ابھی کئی مسئلے میرے سامنے تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اگر میں اپنے پاکستانی ساتھی کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو اسے کہاں لے جاؤں گا۔ بارڈر کی طرف لے جا نہیں سکتا تھا اور شہر کے پیچ و خم سے بھی ناواقف تھا۔ لے دے کے یہی ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ اسے لے کر احمد آباد کی طرف نکل جاؤں اور صحرائی جنگل میں کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاؤں۔ اس سے سیکرٹ سروس کا پیغام پوچھوں اور پھر ہم دونوں پنجاب یا جموں کی طرف سے انڈیا کا بارڈر کراس کر کے' پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔

ایک دوسری کیمسٹ شاپ سے میں نے ایک سرنج اور اعلیٰ ترین بھارتی سگریٹوں کا ایک پیکٹ خریدا۔ ہوٹل کے کمرے میں آ کر' ڈبیہ میں سے اوپر والے پانچ سگریٹیں نکال کر سامنے رکھ لیں۔ شیشی کا ڈھکن کھول کر دیکھا' شیشی میں زرد رنگ کا سفوف تھا... اسے بھی میں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر الٹ لیا۔

سرنج کی سوئی سے ایک سگریٹ کے اگلے حصے کے تمباکو میں چھوٹا سا مگر گہرا سوراخ کیا۔ اس میں سوئی کی مدد سے ہی زہریلا سفوف اٹھا کر' اس میں اچھی طرح بھرا اور ماچس کی تیلی سے تمباکو کی سطح کو اس طرح برابر کر دیا کہ دیکھنے سے معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس میں انتہائی مہلک زہریلا سفوف بھر دیا گیا ہے۔ یونہی میں نے وہ سفوف چاروں سگریٹوں میں ڈال کر' ان کی سطح ہموار کر دی۔ پھر پانچوں سگریٹوں کو ڈبیہ میں ڈال کر پیکٹ بند کر کے جیب میں رکھا۔ سرنج کی سوئی کو تو میں نے توڑ دیا لیکن زہریلا سفوف دوبارہ شیشی میں ڈال کر' شیشی جیکٹ کی جیب میں رکھ لی۔

[illegible] آ گیا۔ یہاں کچھ ٹیکسیاں بھی موجود تھیں۔

میں نے [illegible] ڈرائیور شکل ہی سے بڑا احمق سا لگتا تھا۔ ویسے بھی وہ

دبلا پتلا سا تھا۔ میں اس کے پاس گیا' جا کر ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا "بھائی جی! میری پتنی کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ اسپتال جانے سے ڈرتی ہے تو بھائی جی! میں نے سوچا ہے کہ جب درد کا دورہ شروع ہو تو اسے ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے جاؤں' اس وقت وہ بے حال ہو گی' انکار نہ کر سکے گی"۔

ڈرائیور' بیڑی کا کش لگا کر بولا۔ "ٹھاکر! تم اسپتال والوں کی گاڑی کیوں نہیں منگوا لیتے؟"

میں نے فوراً کہا۔ "بھائی جی! کوئی پتہ نہیں کہ کب درد شروع ہو جائے۔ میرے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔ آپ مجھے اپنے گھر کا پتہ دے دیں۔ اگر آج رات ضرورت پڑی تو آپ کو خبر کر دوں گا۔ یہ لیجئے' ایک سو روپے رکھ لیجئے۔ باقی دو سو' اس وقت ادا کر دوں گا"۔

ڈرائیور سو روپے لے کر بڑا خوش ہوا اور بولا "یہ گاڑی میری تو نہیں ہے' ٹھاکر! پرنتو' گھبراؤ نہیں' میں آج رات گاڑی اپنے پاس رکھ لوں گا۔ تم مجھے اپنا گھر کیوں نہیں دکھا دیتے؟ میں رات کو وہاں پہنچ جاؤں گا"۔

"بھائی جی! کوئی پتہ نہیں' کب دورہ پڑ جائے۔ آپ یونہی میرے گھر کے آگے بیٹھے رہیں گے۔ میں خود ہی آپ کے گھر جا کر اطلاع دے دوں گا۔ ویسے سامنے والے بازار میں میرا گھر ہے"۔

ٹیکسی ڈرائیور پر میرے سو روپے نے بڑا اثر کیا تھا۔ پھر میرے ان دو سو روپوں کا بھی پیش از وقت کافی اثر ہو چکا تھا۔ ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ٹھاکر! وہ جو مندر ہے' اس کے پیچھے والی گلی میں میرا مکان ہے۔ چلو' آپ کو دکھائے دیتا ہوں"۔ اس نے بیڑی پھینکی اور مجھے ٹیکسی میں بٹھا کر مندر کی طرف چلا۔ اس کا مکان' مندر کی عقبی گلی کا پہلا مکان تھا۔ "بس جی' یہاں آ کر دروازہ کھٹکھٹا دیں۔ میں دروازے کے پاس ہی چارپائی پر سوتا ہوں"۔

میں وہاں سے پیدل ہی دوسری طرف سے ہو کر اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ چوک میں آ کر حلوائی کی دکان سے مٹھائی کا ایک ڈبہ خریدا اور ہوٹل میں سنبھال کر رکھ لیا۔ اب مجھے رات ہونے کا انتظار تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے گھر کا راستہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔

یہ سارا تانا بانا اس بنیاد پر بُنا جا رہا تھا کہ میں تھانے میں اپنا مشن پورا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

رات کا کھانا کھا کر' میں پیکٹ سے سگریٹ نکال کر پینے لگا تو فوراً ہی خیال آ گیا اور میں نے جلدی سے پیکٹ جیب میں ڈال لیا۔ نیچے بازار میں آ کر صرف ایک سگریٹ خریدی اور اسے سلگا کر ہوٹل میں آ گیا۔ ہوٹل کے کمرے میں ٹیلی وژن پر راجستھانی پروگرام آ رہا تھا... یہ پروگرام جے پور سے آ رہا تھا۔

نو بجے میں نے اوپر اپنے کمرے میں آ کر اپنی تمام چیزیں چیک کیں۔ سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا' گلے کا مقدس نقش' زہر کی شیشی' سگریٹوں کا پیکٹ' خنجر' لائٹر' کرنسی نوٹ سب کچھ میرے پاس موجود تھا۔ باتھ روم میں گھس کر میں نے اچھی طرح غسل کیا' کپڑے تبدیل کیے۔ اپنی ساری چیزوں کو ایک [illegible] پھر چیک کیا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ نیچے جا کر وقت دیکھا' وہاں

تھوڑے سے سینکس کھائے اور چائے پی۔ تھوڑی سی مچھلی ایک پیکٹ میں بند ہوائی تھیں ... دیوار پر لگے کلاک کی سوئیاں رات کے دس بجا رہی تھیں۔ میں اوپر کمرے میں آ گیا۔ میرا کمانڈو مشن شروع ہونے میں تھوڑی دیر باقی رہ گئی تھی۔

رات کو سوا گیارہ بجے ' ہوٹل والے نیچے کی دکان بند کر دیتے تھے۔ جب مجھے نیچے دکان اور ہوٹل کا دفتر بند کرنے کی آواز آئی تو میں اٹھ بیٹھا۔ باتھ روم میں جا کر ' چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔ باہر آ کر ہر شے کو ایک بار پھر چیک کیا اور کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ہوٹل والا دکان بند کر کے اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

میرا کمانڈو مشن شروع ہو گیا۔

میں مچھلی اور مٹھائی کا ڈبہ اٹھائے سیڑھیاں اتر کر بازار میں آ گیا۔ وہاں سے پیدل ہی تھانے کی طرف چل دیا۔ کمانڈو مشن کے احساس نے میرے اندر ایک ناقابل شکست ولولہ بیدار کر دیا تھا۔ میں اس وقت اپنی راہ میں حائل پہاڑ سے بھی ٹکرا کر اسے ریزہ ریزہ کر سکتا تھا۔

دور سے پولیس چوکی کے باہر ' ایک کمزور سا بلب جلتا دکھائی دیا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر لی۔ تھانے کے دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ یہ اچھی بات تھی۔ شہر کی سڑکیں ویران اور خاموش تھیں۔ کوئی مکانوں کی بتیاں گل ہو چکی تھی۔ میں اطمینان سے چلتا ' تھانے میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چوکی انچارج ٹھاکر سیدیو شرما کی جگہ کوئی دوسرا ادھیڑ عمر تھانے دار بیٹھا ' رجسٹر پر جھکا اونگھ رہا ہے۔ وہی دو سپاہی اس وقت بھی موجود تھے۔ حوالات کے دروازے پر بھی ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ حوالات میں دھیمی روشنی والا بلب روشن تھا۔ میرا ساتھی پاکستانی جاسوس اونگھ رہا تھا۔ وہ مجھے بیمار سا لگ رہا تھا۔

میں نے جاتے ہی چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "ارے ' ٹھاکر سیدیو جی کہاں چلے گئے؟ معلوم ہوتا ہے ' آج ان کی ڈیوٹی نہیں۔ میرا نام راتھن ہے ' ٹھاکر جی! شرما میرے دوست ہیں "۔

میں نے نئے انچارج کو نمسکار کرتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے مٹھائی کا ڈبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور سپاہی سے کہا۔'

" مہاراج! صبح فون پر میں نے ٹھاکر جی سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے بچوں کے لئے مٹھائی لاؤں گا۔ ہوا یہ کہ میں سینما دیکھنے چلا گیا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک خیال آیا کہ میں نے تو شرما جی سے مٹھائی لانے کا وعدہ کیا تھا... بس فوراً سینما ہال سے اٹھا اور مٹھائی لے کر سیدھا یہاں آ گیا۔"

سپاہی مسکرانے لگے۔ ایک سپاہی نے نئے تھانے دار سے میرا تعارف کرایا۔

میں نے کہا " ٹھاکر جی! دراصل یہ مٹھائی میں اس خوشی میں لایا ہوں کہ آپ نے ایک پاکستانی جاسوس پکڑا ہے۔ لیجئے ' آپ بھی مٹھائی کھائیے "۔

میں ڈبہ کھولنے لگا تو نیا تھانے دار بولا۔ "نہ مہاراج! یہ شرما جی کے بچوں کے لئے ہے۔ ہم پھر کھالیں گے، آپ سے"۔

میں نے مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ پیارے! وہ وقت کبھی نہیں آئے گا، میں نے جلدی سے کہا۔ چلیئے، آپ کے لئے میں صبح مٹھائی لے آؤں گا۔ جی، ہم تو پولیس کرمچاریوں کے اس ہیں۔ ایکسائز میں رہتے ہوئے پولیس سے بڑی دوستی ہو گئی ہے۔ کبھی آیئے نا، ہمارے پرانت میں بھی؟"

اس دوران میں، اپنی جیب سے ان کی موت کا سامان نکال چکا تھا۔ میں نے سگریٹ کی ڈبیہ کھولتے ہوئے کہا۔ "تو پھر لیجئے سگریٹ ہی پی لیجئے، مہاراج!"

اعلیٰ قسم کے سگریٹوں کا پیکٹ دیکھ کر، تھانے دار نے اپنی سگریٹ فوراً پھینک دی۔ میں نے ٹر کر، ڈبیہ میں سے زہریلی سگریٹیں آگے کر کے ایک ایک سگریٹ، تھانے دار اور دونوں سپاہیوں کو پیش کی۔ جب میں مڑا تو دیکھا، تھانے دار نے ماچس جلا لی تھی اور اپنی سگریٹ سلگانے کے بعد، دوسرے سپاہیوں کی سگریٹیں سلگا رہا تھا۔ اس نے اپنی سگریٹ سلگاتے ہوئے شاید بہت ہی ہلکا کش لیا تھا یا سگریٹ کا دھواں اپنے حلق میں نہیں لے گیا تھا۔ معاملہ خطرناک تھا۔ میں دوبارہ حوالات کے سپاہی کی طرف مڑا اور جلدی سے لائٹر جلا کر، اس کے منہ کے آگے کر دیا۔

حوالات والے سپاہی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پورا کش کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی سگریٹ اس کے ہونٹوں سے نکل گئی۔ وہ بغیر آواز نکالے، اپنے گلے کو مسلنے لگا اور یوں بار بار منہ کھولنے اور بند کرنے لگا جیسے اسے سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی ہو۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ تھانے دار اور دونوں سپاہی مردہ پڑے تھے۔ زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ تھانے دار کا سر میز پر جھکا ہوا تھا اور دونوں سپاہیوں کی گردنیں بھی ایک طرف کو ڈھلک گئی تھیں... پھر دھڑام کی آواز کے ساتھ حوالات کا سپاہی بھی فرش پر گر گیا۔ کس قدر خطرناک زہر تھا کہ اس نے دو سیکنڈ کے اندر اندر چار سپاہیوں کو موت کی وادی میں دھکیل دیا تھا۔

اب میرے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اس دوران میں میرا پاکستانی ساتھی اٹھ کر سلاخوں کے پاس آگیا تھا۔ اس نے خشک سی گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "چابی، سپاہی کی پیٹی میں موجود ہے"۔

میں نے مردہ سپاہی کی پیٹی میں سے چابی نکالی اور حوالات کا تالا کھولتے ہوئے، تھانے کے نیم وا دروازے کی طرف دیکھا... دروازہ خالی تھا۔ میں نے پاکستانی جاسوس سے کہا۔ "چلو، جلدی سے باہر نکل "۔

میں لپک کر تھانے دار کی میز کی طرف گیا اور وہاں سے مچھلی اور مٹھائی کے پیکٹ اٹھا لئے پھر دروازے میں رک کر باہر دیکھا۔ بازار اسی طرح سنسان پڑا تھا۔ میں، پاکستانی جاسوس کو اپنے پیچھے آنے

کا اشارہ کر کے تھانے سے نکل آیا۔

وہ پاکستانی جاسوس میرا ہم عمر ہی تھا مگر جسامت میں مجھ سے ذرا کم تھا۔ تھانے کی مار اور لوگوں کے زدوکوب کرنے کی وجہ سے وہ بیمار سا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھ پر نیلا داغ ابھی تک موجود تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی خاموش رہو۔" میں نے کہا۔

مگر وہ پھر بولا۔ "میں نے تمہیں فوراً پہچان لیا تھا کہ تم ہی درویش ہو۔ میں تمہاری ہی تلاش میں یہاں آیا تھا"۔

میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "تم خاموش نہیں رہ سکتے... احمق کہیں کے"۔

وہ چپ ہو گیا۔ مجھے ایک خطرہ تھا کہ راستے میں کہیں راؤنڈ لگاتا کوئی سپاہی نہ مل جائے... لیکن اب میں نے اسے بھی راستے سے ہٹا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اب میں جاسوس کی بجائے ایک خونخوار کمانڈو بن چکا تھا۔

چوک میں حلوائی کی دکان اب تک کھلی ہوئی تھی۔ میں بازار کے دوسری طرف نکل آیا۔ وہاں سامنے میرا ہوٹل تھا جو بند پڑا تھا پھر بھی میں اس سے کچھ فاصلے سے ہو کر گزرا۔ لاریوں کا اڈا بھی سنسان پڑا تھا۔ ایک جانب وہ مندر تھا جس کے عقب میں ٹیکسی ڈرائیور کا گھر تھا۔

مندر کی عقبی گلی میں پہنچتے ہی ڈرائیور کے مکان کے باہر ٹیکسی کھڑی نظر آگئی جس کا رخ سڑک ہی کی جانب تھا۔ میرے دل میں خیال آیا' جب ٹیکسی یہاں موجود ہے تو ڈرائیور کو جگانے کی کیا ضرورت ہے کہیں وہ بے چارا خواہ مخواہ ہمارے ہاتھوں نہ مارا جائے۔ میں نے اپنے ساتھی سے سرگوشی میں کہا۔ "ہمیں یہ ٹیکسی لے کر جانی ہے۔ خاموشی سے میرے پیچھے آؤ"۔

میں نے قریب جا کر دیکھا' ٹیکسی کے دروازے مقفل تھے اور شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ پرانی ٹیکسی تھی۔ میں نے جیب سے خنجر نکال کر' کھڑکی کے شیشے کا ربڑ اکھاڑا اور شیشہ نیچے کر دیا... پھر اندر ہاتھ ڈال کر دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں جلدی سے ٹیکسی میں گھس گئے۔ اب ایک دوسری مشکل پیش آئی 'گاڑی کا انجن کیسے اسٹارٹ کریں؟ میں نے اپنے ساتھی کے کان میں کہا۔ نیچے اتر کر اسے دھکا لگاؤ"۔

اس نے پورا زور لگا کر دھکا لگایا تو گاڑی آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگی۔ میں اسے سڑک پر لے آیا۔ اب میں نے اس سے کہا کہ بونٹ اٹھا کر انجن اسٹارٹ کرو۔

اس نے ایسا ہی کیا۔ میں نے ریس دی تو انجن ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اسٹارٹ ہو گیا۔

اگر ٹیکسی کا ڈرائیور بیدار ہو بھی جاتا تو ہمیں نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میں نے ٹیکسی کو گیئر سے نکال کر پہلا گیئر لگایا... اور ایکسیلیٹر دبا دیا۔ میرا ساتھی لپک کر میرے پاس آ بیٹھا تھا گاڑی نے دھواں چھوڑا

اور ویران سڑک پر دوڑنے لگی۔

میں اس سڑک سے شناسا تھا۔ یہی وہ سڑک تھی جس سے ہو کر' میں احمد آباد سے اودھے پور کے لاریوں کے اڈے میں داخل ہوا تھا گاڑی اگرچہ پرانی تھی لیکن اس کا انجن بڑی ٹھیک ٹھاک حالت میں تھا۔ میں نے گاڑی کو ستر کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار پر چھوڑ دیا تھا۔ میرے ساتھی نے کہا۔

" ہم اس سڑک پر محفوظ نہیں ہیں۔ اگر ٹیکسی والے کی آنکھ نہ بھی کھلی ہو تو تھانے میں جو ہم تین سپاہیوں اور تھانے دار کا خون کر آئے ہیں' وہ چھپا نہیں رہ سکتا۔ ہو سکتا ہے' پولیس کی کوئی جیپ ہمارے تعاقب میں اسی سڑک پر چل پڑے۔ اس کے علاوہ اگلے شہر کی پولیس چوکی کو ہمارے بارے میں خبردار کیا جاسکتا ہے اور ہم آگے پکڑے جاسکتے ہیں"۔

جن خدشات کا اظہار میرا ساتھی کر رہا تھا' ان پر میری بھی نظر تھی... میں نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا " تمہارا نام کیا ہے؟"

" امجد... اور میرا کوڈ نام..." وہ ایک دم خاموش ہو گیا پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ " تم نے مجھے اپنا کوڈ نمبر نہیں بتایا۔ اگرچہ تمہاری شکل اس تصویر جیسی ہے جو مجھے' اسلام آباد میں چودھری صاحب نے دکھائی تھی لیکن انہوں نے تمہیں جو نمبر دیا تھا' وہ معلوم کرنا ضروری ہے"۔

میں نے اپنا تین ہندسوں والا نمبر اسے بتا دیا۔ وہ مطمئن ہو کر بولا۔ " میرا کوڈ نام شہید' ہے۔ میں نے کہا۔ " اب بتاؤ کہ چودھری صاحب نے کیا پیغام دے کر تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم پولیس کے نرغے میں پھنس کر ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں اور پھر نہ جانے کب ملیں... مل بھی سکیں یا نہیں"۔

امجد نے مجھے وہ پیغام دینا شروع کیا جو پاکستان سیکرٹ سروس کے چیف نے اسے مجھ تک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔

" دشمن ہمسایہ ملک نے ہمارے ملک کے انتہائی قابل اور نیوکلیائی سائنس میں حرف آخر سائنس دان ڈاکٹر آفریدی اور اس کی نوجوان لڑکی مس نورین کو اغوا کر لیا ہے۔ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر آفریدی کے پاس ایک قیمتی فارمولا ہے جو اس کی برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ دشمن ملک اپنے ایٹمی منصوبے کو مکمل کرنے اور پاکستان کے خلاف ایٹمی ہتھیار بنانے کے لئے ڈاکٹر آفریدی کے ایٹمی فارمولے سے کام لینا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر آفریدی کی بیٹی کو اس لئے اغوا کیا گیا ہے تاکہ ڈاکٹر اپنی بچی کی زندگی کی خاطر' دشمن کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائے"۔

" میرے لئے کیا حکم دیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

" تمہیں یہ ڈیوٹی سونپی گئی ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے' ڈاکٹر آفریدی اور اس کی بیٹی مس نورین کو دشمن کی قید سے نکال کر' بمبئی شہر میں مقیم' ایک پاکستانی ایجنٹ کے پاس پہنچا دو۔"

میں نے کہا۔ "دشمن ملک کے جاسوس ہمارے سائنس دان اور اس کی بیٹی کو اغوا کر کے لے گئے اور آپ لوگ منہ دیکھتے رہ گئے؟"

"یہ سب کچھ ایک ایسی گہری سازش کے تحت ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ بہرحال یہ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ڈاکٹر اور اس کی بیٹی کو دشمن کی قید سے نکال کر، پاکستانی ایجنٹ کے پاس بمبئی پہنچانے کا ہے۔ کیونکہ باور کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر آفریدی سے کام نکالنے کے بعد دشمن اسے، اس کی بیٹی سمیت ہلاک کر ڈالیں گے۔"

سامنے سے کسی ٹرک کی روشنیاں نظر آئیں۔ میں نے ٹیکسی کی رفتار کم کر کے، اسے ایک طرف کر لیا۔ ٹرک گزر گیا تو میں نے امجد سے پوچھا۔ "کیا کچھ خبر ہے کہ ڈاکٹر آفریدی کو کس شہر میں اور کس جگہ لے جا کر قید میں رکھا گیا ہے؟"

"ہاں..." امجد بولا۔ "ہماری انٹیلی جینس ہمیں صرف اتنا ہی بتا سکی ہے کہ احمد آباد اور بڑودہ کے درمیان دھارا وار کا ایک گھنا اور خطرناک جنگل ہے۔ اس جنگل میں دشمن نے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں نیچے خفیہ لیبارٹری قائم کر رکھی ہے۔ ڈاکٹر آفریدی اور اس کی بیٹی، اسی زیر زمین لیبارٹری میں قید ہیں۔ وہ لیبارٹری کوئی ایٹمی سینٹر نہیں ہے اور نہ ہی وہاں کوئی ایٹمی ری ایکٹر لگا ہوا ہے لیکن ایٹمی پروسیس کے سلسلے میں ابتدائی کام وہیں ہوتا ہے۔ ہماری انٹیلی جینس کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

ہماری ٹیکسی ویران سڑک پر، ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے امجد سے بمبئی میں مقیم پاکستانی ایجنٹ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا۔

"اس کی عمر، پچاس برس، قد درمیانہ، رنگ سانولا اور بالوں میں سفیدی ہے۔ اصلی نام عبدالرحمٰن ہے، سیالکوٹ کا رہنے والا ہے۔ پندرہ سال سے بمبئی میں حکیم سلیمان شاہ کے نام سے چرنی روڈ پر مطب کر رہا ہے۔ اس نے شادی نہیں کی۔ اس نے عوام کی بھلائی کے لئے دکان ہی کے ایک حصے میں چھوٹی سی اخبار لائبریری بنا رکھی ہے۔ اسی دکان کے پیچھے اس کا مکان ہے، جہاں وہ رہتا ہے۔ اس کا خفیہ کوڈ نام 'نیلا مروارید' ہے۔ کیا تمہیں یہ سب کچھ یاد رہے گا؟"

"یہ سب کچھ میرے ذہن کے کمپیوٹر میں محفوظ ہو چکا ہے۔" میں نے کہا پھر اس سے بڑا اہم سوال کیا کہ اس کا مصرف اب کیا رہ گیا ہے، اور وہ کیا چاہتا ہے؟

"مجھے تو صرف پیغام پہنچانا تھا، جو پہنچا دیا۔ اب آگے تمہارا مشن شروع ہو گا۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ مجھے عقبی آئینے میں پیچھے سے آتی ہوئی گاڑی کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

امجد بے چینی سے بولا۔ "سوال یہ ہے کہ اب ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ اب تک تو سپاہیوں کے قتل اور میرے فرار کا علم' سب کو ہو چکا ہو گا اور ممکن ہے' پولیس نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا ہو"۔

میں نے آہستہ سے کہا "میرا خیال ہے' تعاقب شروع ہو چکا ہے"۔

"کیا...؟" امجد نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

پچھلی گاڑی کی روشنیاں کافی قریب آ گئی تھیں۔'

"اگر یہ پولیس کی گاڑی ہے تو ہمارے پاس تو کوئی اسلحہ بھی نہیں ہے۔ گاڑی کو ادھر ویرانے کی طرف موڑ لو۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "امجد! تم خاموش رہو اور میں جو کچھ کروں' مجھے کرنے دو"۔

میں نے ٹیکسی' سڑک سے اتار کر' ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی... اور امجد سے کہا۔ "فوراً بونٹ اٹھا کر ایسا ظاہر کرنا شروع کر دو جیسے انجن میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہو"۔

پچھلی گاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ امجد نے ایسا ہی کیا۔ میں ٹیکسی سے نکلا اور جھک کر چلتا ہوا' گاڑی سے دس قدم پیچھے... سڑک کے کنارے' ریت کے ایک ڈھیر کے پیچھے چھپ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ پولیس کی گاڑی ہے لیکن میرا اندازہ غلط نکلا ۔ وہ ایک فوجی جیپ تھی جس میں دو فوجی سوار تھے۔ جیپ میرے قریب سے گزر کر ٹیکسی کے قریب رک گئی۔ جیپ میں بیٹھے ہی بیٹھے ایک فوجی نے بلند آواز میں پوچھا۔ "کیا بات ہے' جوان؟ اگر پٹرول ختم ہو گیا ہے تو ہم سے لے لو"۔

میرے ذہن سے آدھا بوجھ اتر گیا۔ ان فوجیوں کو ہمارے بارے میں کچھ علم نہ تھا ورنہ وہ یوں اطمینان سے ہرگز نہ بیٹھے رہتے' اب میرے ذہن میں ایک نئی اسکیم آئی۔ دوسری جانب سے امجد نے ہندی میں جواب دیا۔ "مہاراج! اس کا فیول پمپ کام نہیں کر رہا ہے۔ اجاڑ جنگل ہے۔ سواری اتار کر گاؤں جا رہا تھا۔ بس جی' پھنس کر رہ گیا ہوں"۔

"ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ایک فوجی افسر جیپ سے اتر کر ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ جیپ پر چھت نہیں تھی' دوسرا فوجی ڈرائیونگ سیٹ ہی پر بیٹھا رہا۔ مجھے اس کا دھندلا سا خاکہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بالکل اٹنشن بیٹھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ساتھی کوئی افسر ہے۔ اتنے میں امجد کی آواز سنائی دی۔۔

"مہاراج! گاڑی کے انجن میں اب دم نہیں رہا۔ آپ کلیش میں پڑیں۔ میں خود ہی مرمت کر لوں گا"۔

میں اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مجھے ان میں سے ایک فوجی کی وردی' پستول اور جیپ کی ضرورت تھی کیونکہ ٹیکسی ہمارے جرم کا سب سے بڑا ثبوت تھی اور ہم کسی وقت

بھی پکڑے جا سکتے تھے۔

میں ٹیلے کے عقب سے نکل کر جیپ کی طرف رینگنے لگا۔ خطرہ صرف یہ تھا کہ کہیں پیچھے سے کوئی گاڑی نہ آ جائے لیکن سڑک بالکل تاریک تھی۔ جیپ سے چند فٹ دور میں نے اپنا خنجر نکال لیا... اور اٹھ کھڑا ہوا۔ فوجی' جیپ میں اسی طرح اکڑا بیٹھا تھا اور اس سے چند قدم دور' اس کا افسر ٹیکسی کے انجن پر جھکا' اسے چیک کر رہا تھا... میں ایک ہی جست میں فوجی کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکل سکی کیونکہ اس کی گردن میرے بائیں بازو کے شکنجے میں تھی۔ میں نے قصداً خنجر استعمال نہیں کیا تھا۔ اس طرح اس کی وردی خون میں لتھڑ جاتی۔ میرے بازو کا ایک ہی جھٹکا' اس کی گردن کا منکا توڑنے کے لئے کافی تھا... پھر میں نے اسے اس طرح آگے کی طرف جھکا دیا۔ جیسے وہ اسٹیئرنگ پر سر رکھے سو رہا ہو۔ میں جیپ کے عقب سے رینگتا ہوا ٹیکسی کے بائیں پہلو کی طرف آ گیا۔ اسی وقت فوجی افسر رومال سے ہاتھ صرف کرتا ہوا اپنی جیپ کی طرف بڑھا اور بولا "او' تم پھر سو گئے پرس رام؟" جیپ کے پاس جا کر' اس نے اپنے ڈرائیور کو جھنجوڑا تو وہ سیٹ پر لڑھک گیا۔ افسر نے فوراً پستول نکال لیا۔ وہ ہماری طرف گھوما ہی تھا کہ میرے ہاتھ سے خنجر زن کی آواز سے نکلا اور اس افسر کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ اس نے گولی چلا دی۔ رات کی دھندلی روشنی میں' میں نے دیکھا۔ اس کا ایک ہاتھ گردن پر تھا اور وہ خنجر نکالنے کی کوشش میں چکر کھا رہا تھا۔ اس نے چکراتے اور لڑکھڑاتے ہوئے ایک فائر اور کر دیا۔ ہم دونوں ٹیکسی کے پیچھے چھپے یہ خونی منظر دیکھ رہے تھے۔

اس نے اپنی گردن سے خنجر نکال لیا اور لڑکھڑاتا ہوا ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ میں نے امجد سے کہا۔ "درخت کے پیچھے ہو جاؤ"۔ وہ بھاگ کر درختوں کے عقب میں چلا گیا۔ فوجی افسر نے ایک فائر اور کیا لیکن اب پستول پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ وہ ٹیکسی کے قریب آ کر گر پڑا۔ میں اپنی جگہ دبکا رہا۔ کیونکہ پستول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ مرا بھی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں' امجد کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے جیپ کی طرف بڑھا۔ فوجی ڈرائیور کی لاش کو ایک طرف دھکیل کر میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا...... پھر جیپ اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کی طرف لے گیا۔ اور جیپ' فوجی افسر کے اوپر سے گزار دی۔ کسی قسم کی کوئی چیخ نہیں سنائی دی اور نہ ہی گولی چلی۔ تھوڑی دور جا کر میں نے جیپ روک دی اور میں اور امجد جیپ سے اتر کر' سڑک کے کنارے' زمین پر لیٹ گئے۔ ہماری آنکھیں' اندھیرے میں سڑک پر پڑے مردہ آمیز پر جمی ہوئی تھیں۔

شدید زخمی حالت میں پڑے ہوئے انڈین فوجی کا جسم بے حس و حرکت تھا۔

سڑک پر جوں کی چال سے رینگتا' میں اس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مجھے دور سڑک پر اودھے پور سے آتی کسی گاڑی کی روشنی نظر آئی۔ یہ ایک اور خطرے کا نشان تھا۔ میں نے جھپٹا مار کر پستول پر قبضہ کیا۔ فوجی ختم ہو چکا تھا۔ میرا خنجر کچھ فاصلے پر سڑک پر گرا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر لاش کی وردی سے پونچھا اور امجد کو آواز دی۔ "کوئی گاڑی آ رہی ہے۔ ابھی روشنی نظر آ رہی ہے اور اس کے آنے سے پہلے پہلے اسے ٹھکانے لگانا ہے۔"

ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ سڑک پر سے خون میں لت پت بھارتی فوجی افسر کی لاش گھسیٹ کر درختوں کے پیچھے ریت پر ڈال دی۔ اس کے بعد جیپ کو اسٹارٹ کر کے درختوں کے پیچھے لے گئے۔ پھر کچھ راستے پر سے ریت اٹھا کر اس جگہ ڈالی جہاں سڑک پر انڈین فوجی کا خون جما ہوا تھا۔ اودھے پور سے آنے والی گاڑی کی روشنی آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ یہ کوئی ویگن..... ٹرک یا پولیس گاڑی بھی ہو سکتی ہے۔ ہم نے ٹیکسی کو بھی درختوں کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ میں نے پستول کا چیمبر کھول کر اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ اس میں ابھی چار گولیاں موجود تھیں۔ ہم بھاگ کر فوجی جیپ کے پاس آ گئے۔ دوسرے فوجی کی لاش گھسیٹ کر نیچے جھاڑیوں میں ڈالی تو دیکھا کہ اس کی بیلٹ کے ساتھ بھی پستول لگا تھا۔ میں نے وہ پستول نکال کر امجد کو تھما دیا۔ "درختوں کے پیچھے مورچہ لگا کر بیٹھ جاؤ۔ اگر یہ پولیس کی گاڑی ہوئی تو دو چار کو مار کر مریں گے۔"

ایک درخت کے پیچھے امجد اور دوسرے درخت کے پیچھے میں مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی کی روشنیاں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ یہ روشنیاں ہمارے لئے موت کا پیامبر بھی ہو سکتی تھیں اگر اس میں پولیس ہوئی تو ہم زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان درختوں کے پیچھے رات کی گھمبیر تاریکی میں دور تک پھیلا ہوا میدان تھا۔ یہاں ہم اسلحہ ختم ہونے کے بعد مسلح پولیس کی رائفلوں سے کہاں تک اپنی جان بچا سکتے تھے۔

بہرحال، میں نے اپنی موت کو قبول کر لیا تھا اور یہی سوچ رکھا تھا کہ ایک بھی گولی بے کار نہیں جانے دوں گا۔ تین گولیوں سے تین راجستھانی پولیس والوں کو ضرور ٹھنڈا کر دوں گا۔ سڑک پر روشنی سی چھا گئی اور ایک ٹرانسپورٹ ٹرک بڑی تیزی سے آگے نکل گیا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پولیس کی گاڑی اب کسی بھی وقت ہمارے تعاقب میں نکل سکتی تھی۔ میں نے امجد سے کہا۔" ہمارے پاس اب صرف ایک ہی فوجی کی لاش ایسی ہے جس کی وردی خون سے محفوظ ہے۔ اگر تم پہننا چاہو تو اسے پہن سکتے ہو۔"

امجد کہنے لگا" میرے لئے یہ فوجی وردی مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ کیونکہ مجھے یہاں سے پنجاب جا کر انڈیا کا بارڈر کراس کرنا ہے۔ تمہارا مشن ابھی نامکمل ہے۔ کم از کم اس طرح پہلی نظر میں تم پولیس والوں کی نگاہ میں نہیں آؤ گے۔"

" میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے جھاڑیوں میں پڑی فوجی ڈرائیور کی لاش کو سیدھا کیا اور اس کی وردی اتار کر خود پہن لی۔ ستاروں کی پھیکی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ اس فوجی کا رینک صوبے دار میجر کا تھا اور یہ ساتویں راجستھان بٹالین کا فوجی تھا۔ اس کا نام جنسی رام تھا۔ اس کی پے بک اور دوسرے کاغذات میں نے وہیں پھاڑ کر پھینک دیئے کیونکہ ان پر اس کی تصویر تھی۔ اس کی بیلٹ پستول کے ساتھ اپنی کمر میں لگا لی۔ اس کے بعد دوسرے فوجی افسر کی لاش کی تلاشی لی۔ اس کی جیب میں کچھ رقم اور پے بک تھی۔ ہم نے انہیں ویسے ہی رہنے دیا۔ جیپ میں آکر ڈیش بورڈ کھول کر دیکھا۔ اس میں اودھر ادھر کی بے کار چیزیں پڑی تھیں۔ ایک پستول امجد نے اپنے پاس رکھ لیا۔ ہم جیپ میں سوار ہو گئے۔ میں اسٹیئرنگ پر بیٹھا تھا اور جیپ اسٹارٹ کرتے ہی اسے طوفانی رفتاری سے دوڑا دیا۔

راجستھان کا صحرائی علاقہ پیچھے رہ گیا اور سوراشٹر کا جنگلی علاقہ شروع ہو گیا۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی مگر دور تک خالی پڑی تھی۔ ہم آپس میں کوئی بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ میرا ساتھی جاسوس احمد آباد سے پنجاب کی طرف نکل جائے گا اور میں اپنے ایک نئے مگر خطرناک مشن پر روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ خطرناک اور اہم ترین قومی مشن، پاکستان کے بزرگ اور انمول سائنسدان ڈاکٹر آفریدی اور اس کی نوجوان بیٹی نورین کو دشمن کی قید سے رہا کروا کر بمبئی شہر میں اپنے ایجنٹ حکیم سلیمان شاہ کے گھر پہنچانا تھا۔

سورج طلوع ہو گیا۔ احمد آباد قریب آ رہا تھا۔ ادھر ادھر سے اب کچھ گاڑیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ہمیں سامنے سے آتا ایک ملٹری ٹرک اور ایک فوجی جیپ بھی ملی۔ میں نے ان کے ڈرائیوروں کو ہلکا سا سلام بھی کیا۔ راستے میں کسی جگہ ہمیں نہ روکا گیا۔ نہ ہی کہیں چیکنگ ہوئی۔
جب دن کافی نکل آیا تو گجرات کاٹھیاوار کے جنگل ختم ہو کر کھیت شروع ہو گئے تھے۔ شہر کے

مرکزی علاقے کی طرف جانے کی بجائے جیپ میں ایک پل پر سے گزارتا ہوا احمد آباد ریلوے اسٹیشن کی دوسری طرف لے آیا...... میں نے جیپ ایک جگہ سڑک کے کنارے درختوں کے پیچھے کھڑی کر دی.... سڑک کی دوسری طرف چائے کی چھوٹی سی دکان تھی۔ کچھ لوگ باہر بیٹھے ناشتہ وغیرہ کر رہے تھے۔ جیپ کو لاک کر کے ہم اس دکان میں آکر بیٹھ گئے۔ میرے پاس مچھلی کا پیکٹ موجود تھا۔ ہم نے ڈبل روٹی کے ساتھ یہ مچھلی کھائی اور چائے منگوالی۔

چائے والا میرے فوجی ہونے کی وجہ سے بہت خدمت کر رہا تھا۔ لڑکا بار بار آکر ہم سے پوچھتا صاحب اور کیا لاؤں؟ میرے پاس چھ سات سو روپے کے قریب بھارتی کرنسی تھی۔ میں نے چار سو روپے امجد کو دے دیئے۔ باقی اپنے پاس رکھ لئے۔ امجد کو پنجاب سے انڈیا کا بارڈر کراس کرنا تھا اور پنجاب تک یہ طویل سفر تھا۔

میں نے اسے تاکید کی کہ سب سے پہلے شہر کی کسی مارکیٹ میں جاکر اپنے لئے کرتا پاجامہ اور گجراتی طرز کا کوٹ اور چپل خرید کر پہنے۔ امجد اگرچہ بعض معاملوں میں میرے نزدیک اناڑی جاسوس تھا لیکن اس کے باوجود اس کی ہوشیاری اور مہارت سے میں انکار نہیں کروں گا۔

" یہاں سے ہمارے راستے الگ ہوتے ہیں۔ تمہیں احمد آباد کے ریلوے اسٹیشن سے پنجاب کی طرف سفر شروع کرنا ہے۔ سفر تھرڈ کلاس میں کرنا۔ باقی تم خود سمجھ دار ہو اور تمام ضروری امور سے واقف بھی۔ میں یہاں سے اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤں گا۔ چیف سے کہنا کہ میں ڈاکٹر آفریدی اور اسکی بیٹی کو ہر حالت میں برآمد کر کے بمبئی پہنچاؤں گا خواہ اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے۔ ایک اور بات چودہری صاحب سے کہہ دینا کہ اگر مجھے کوئی ایسی ہی مصیبت پڑ گئی تو میں دلی میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا اس لئے وہ اپنے سفارت خانے والوں کو میرے بارے میں پیشگی اطلاع کر دیں۔"

امجد نے چائے کا آخری گھونٹ چڑھا کر پیالی میز پر رکھی اور بولا۔" میں تمہارا یہ پیغام چیف تک پہنچاؤں گا۔ میرا خیال ہے یہ پستول میں اپنے پاس ہی رکھوں... اس میں پانچ گولیاں ہیں۔ کیا خیال ہے۔

میں نے اسکی طرف دیکھا اور پوچھا۔" تمہارا کیا خیال ہے؟ میرا مطلب ہے ایک پاکستانی ایجنٹ ہونے کے ناطے تمہیں یہ پستول اپنے پاس رکھنا چاہیئے یا نہیں؟"

امجد نے فورا جواب دیا۔" نہیں۔"

" تو پھر اسے موقع دیکھ کر کہیں پھینک دینا۔ اچھا' اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے۔"

وہ جیپ میں آکر میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور چلاتا ریلوے اسٹیشن کے پہلو میں آگیا۔" اب یہاں سے ہماری راہیں جدا ہوتی ہیں۔"

امجد نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔" دوست! خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

"میں نے مسکرا کر کہا۔" آمین!"

میں نے جیپ کو گھمایا اور بڑودہ کی طرف جانے والی سڑک کا رخ کیا۔ یہ جیپ اب میرے لئے خطرے کا سگنل تھی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری تھا۔ میرا ٹارگٹ احمد آباد اور بڑودہ کے درمیانی جنگل تھے۔ کبھی یہ جنگل گجرات کے درندہ صفت بھوپت ڈاکو کا مسکن تھا۔ اب بھی یہ سوراشٹر کے ڈاکوؤں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جن کی غارت گری کی خبریں اکثر گجرات کے اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں۔ ان ہی جنگلات میں کسی جگہ دھارلوار کا وہ جنگل تھا جس کے کسی پرانے کھنڈر کے زیر زمین تہ خانے میں پاکستان کے نامور سائنس دان ڈاکٹر آفریدی اور اسکی بیٹی نورین کو قید رکھا گیا تھا اور یہی پرانا کھنڈر نما قلعہ میرا ٹارگٹ تھا۔

میری جیپ شہر کی عالی شان عمارتوں والے علاقے سے نکل کر ایک مضافاتی سڑک پر آگئی تو میں نے اسے ایک چھوٹے سے پل کے نیچے کھڑا کر دیا۔ اب میں نے اپنی ان چیزوں کا جائزہ لیا۔ سانپ کا سیاہ منکا' زہریلے سفوف کی چھوٹی سی شیشی' ایک خنجر' گلے میں پڑا مقدس نقش۔ مقدس نقش تو میرے جسم کا حصہ بن چکا تھا۔ خنجر کو میں نے قمیص کے اندر چھپا لیا۔ سانپ کے منکے کو بش شرٹ کی جیب میں رکھ لیا کہ اگر ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی تو میں اسے بڑی آسانی سے نکال کر اپنے منہ میں رکھ سکتا تھا۔ اب زہر کے سفوف کی شیشی باقی رہ گئی تھی۔

میں جیپ کو پل کے نیچے سے نکال کر دوبارہ سڑک پر آگے بڑھا۔ ایک میل کے بعد درختوں کے نیچے چائے کی دوکان پر جیپ کو روکا اور دکان دار سے اعلیٰ سگریٹوں کا ایک پیکٹ خریدا۔ لائٹر میری جیب میں تھا۔ میں جیپ پر بیٹھا اور بڑی تیز رفتاری سے سڑک پر کافی دور نکل گیا۔ اب سڑک کے دونوں جانب مضافاتی کوٹھیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

ایک سنسان جگہ پر میں نے جیپ کو کچے میں ایک طرف ٹھہرایا اور سگریٹوں میں زہریلے سفوف کی آمیزش کرنے لگا۔ ڈبیا میں دس سگریٹ تھے۔ ان سگریٹوں کے فلٹر نہیں تھے۔ میں نے نشانی کے طور پر اوپر والے پانچ سگریٹوں پر پنسل سے چھوٹا سا نشان بنا دیا۔ ڈبیا بند کر کے جیب میں رکھی۔ دوسرا کام یہ کیا کہ کاندھے پر بنے رینک کا پھول اور دوسری سرخ لائنوں کو اکھاڑ کر پھینک ڈالا۔ کیونکہ یہ وردی ایک ایسے صوبے دار میجر کی تھی جس کی لاش پیچھے کہیں سڑک کے کنارے اپنے افسر کی لاش کے پاس پڑی تھی۔ پھر سر پر موجود ٹوپی تھی اور اس کی کلغی بھی میں نے اتار کر پھینک دی۔ اب فوجی وردی شکاری لباس میں بدل گئی تھی۔ پستول بھی میرے لئے خطرناک تھا۔ میں نے اسے بیلٹ سے اتار کر جیپ کے ڈیش بورڈ میں رکھ دیا۔ اب پوزیشن یہ تھی کہ میری قمیص کے اندر خنجر چھپا ہوا تھا۔ جیب میں سانپ کا منکا اور کچھ نوٹ تھے۔ ان کے ساتھ ہی زہریلے سگریٹوں کی ڈبیا اور لائیٹر تھا۔ اس کے سوا میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں جیپ کو نکال کر ایک بار پھر آگے بڑھا۔

ایک جگہ سڑک کنارے سنگ میل پر ہندی اور گجراتی میں بڑودہ ایک سو بہتر میل لکھا تھا۔ میں نے جیپ کی رفتار تیز کر دی۔ تقریباً بیس میل سفر کرنے کے بعد جنگلی علاقہ آ گیا۔ مگر سڑک کی دونوں جانب کوئی نہ کوئی قصبہ یا گاؤں بھی آ جاتا۔ گھنے جنگل اس سڑک سے کافی ہٹ کر اندر کی جانب تھے۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ بڑودہ اور احمد آباد کے درمیان پہنچ کر جیپ کو کسی گہری کھڈ یا کھائی میں گرا دوں گا اور پھر وہاں سے گھنے درختوں میں اتر جاؤں گا۔

راستے میں ایک چھوٹا سا قصبہ آیا تو میں نے سڑک کنارے بنے ہوئے ایک وشینو ڈھابے سے سبزی اور چاول کھائے۔ چائے پی اور دوبارہ بڑودہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک جگہ بڑودہ سو میل کا پتھر لگا دیکھا تو ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ مگر یہاں سے جنگل کا سپاٹ علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ سڑک سے ہٹ کر درختوں کے جھنڈ تھے مگر کھائیاں اور گھاٹیاں ندارد!

بالکل نادانستہ طور پر آگے کسی چھوٹے شہر کے مضافات شروع ہو گئے۔ ایک طرف سے ریلوے لائن بھی نمودار ہو گئی۔ دور کارخانے کی دو تین چمنیاں بھی دکھائی دیں۔ سوچا اس چھوٹے شہر میں کسی جگہ جیپ سے نجات حاصل کر کے جنگل کی طرف پیدل چل دوں گا۔ اس سڑک سے گزر کر دائیں جانب بڑی سڑک پر آیا تو میرا دل اچھل کر میرے حلق کے قریب آ گیا۔

کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر گجرات پولیس کے دو ٹرک کھڑے تھے۔ بیس پچیس مسلح سپاہی بھی موجود تھے۔ ایک پولیس آفیسر ایک کار کی تلاشی لے رہا تھا۔ دوسرا سپاہی پولیس آفیسر کے مالک کے کاغذات چیک کر رہا تھا۔ میری پوزیشن ایسی تھی کہ میں جیپ کو واپس لوٹا کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ پولیس والوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور جیپ ایک طرف کھڑی کرنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ مشکل میں پھنس گیا ہوں لیکن میں نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے اور جیپ کو سڑک سے اتار کر نیچے اتار دیا۔ اتنے میں دونوں پولیس آفیسر کار والے کو فارغ کر کے میری طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نوجوان اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا اور اسکی توند نکلی ہوئی تھی۔ پستول دونوں کی بیلٹوں سے لٹک رہے تھے۔ میرے قریب آ کر انہوں نے مجھے سیلوٹ کیا۔ میں نے سیلوٹ کا جواب دیا اور انگریزی میں پوچھا۔ "آفیسر یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ادھیڑ عمر کا پولیس آفیسر میری طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ نوجوان پولیس آفیسر معذرت طلب لہجے میں بولا۔ "سر! ادھر کل رات ڈاکہ پڑا ہے۔ ڈاکو دو آدمیوں کو قتل کر کے زیورات لوٹ کر بھاگ گئے ہیں سر! نارمل روٹین کی چیکنگ ہے۔"

دوسرا گھاگ پولیس آفیسر بھی قریب آ کر ذرا سا مسکرا کر بولا۔ "سر! یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔ پلیز اپنے کاغذات دکھا دیجئے۔ آپ کو زیادہ دیر نہیں روکیں گے۔"

میں نے جیب میں یونہی ہاتھ ڈالا۔ پھر جیپ کے ڈیش بورڈ کو کھول کر دیکھا۔ اندر پستول کمبخت اسی طرح پڑا تھا۔ پھر میں نے معذرت کے انداز میں کہا۔ "کاغذات جلدی میں بٹالین آفس

میں ہی بھول آیا ہوں۔ دراصل ایک ضروری فوجی مشن پر بڑودہ جا رہا ہوں۔"
نوجوان پولیس آفیسر مجھ سے مرعوب تھا مسکرا کر بولا۔"کوئی بات نہیں سر! آپ جا سکتے ہیں۔"
لیکن دوسرا ادھیڑ عمر پولیس آفیسر میرے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا کہنے لگا۔"سر! آپ کا رینک کیا ہے۔ آپ کے کاندھوں پر کوئی پھول نہیں۔ کوئی فیتہ نہیں آپ کی کیپ کی کلغی بھی غائب ہے۔"
میں نے بڑے رازدارانہ انداز میں اس کے قریب آ کر کہا۔ میں ایک سیکرٹ مشن پر جا رہا ہوں۔ مجھے اپنا رینک چھپانے کے لئے کہا گیا ہے۔"
مگر یہ پولیس آفیسر شاید فوج میں لانس نائیک وغیرہ رہ چکا تھا۔ بولا"سر! ایسا تو ایمرجنسی میں ہوتا ہے اور گجرات میں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے آفیسر لوگ ہمیشہ اپنے رینک' کاغذات اور پے بک کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ میں آپ کی پے بک دیکھ سکتا ہوں؟"
میں یونہی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ صورت حال خاصی مشتبہ ہو گئی تھی۔ دوسرے مسلح پولیس والے بھی میری جیپ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا"کہہ جو دیا' میرا سیکرٹ مشن ہے۔ مجھے پے بک بھی ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔"
تجربہ کار پولیس آفیسر بولا۔"سوری سر! آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔"
ایک بار تو میں اپنی جگہ سے ہل گیا۔ یہ پولیس آفیسر تو مجھے کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دے گا۔ میرا وہاں کمانڈو ایکشن کرنا بھی بے کار تھا۔ میرے اردگرد کوئی پندرہ برس پولیس والے رائفلیں اٹھائے کھڑے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر ادھیڑ عمر پولیس آفیسر کو سیکرٹ مشن کے نام پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ مگر جوں جوں میرا استدلال بڑھ رہا تھا اس کا شبہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اب میں نے رعب دار آواز میں کہا۔" میں لیفٹیننٹ کمار گریجہ ہوں۔ تم میرے بٹالین ہیڈ کوارٹر فون کر کے معلوم کر سکتے ہو۔"
گھاگ پولیس آفیسر بولا۔" سر! تھانے پہنچ کر فون بھی کر لیں گے۔ آئی ایم سوری۔ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔"
اس نے دو سپاہیوں سے کہا۔" رام سنگھ' مکھن لال! صاحب کے ساتھ جیپ میں بیٹھو اور تھانے چلو۔"

میں پندرہ رائفلوں کی زد میں تھا۔ اچانک مجھے اپنے گلے میں پڑے مقدس نقش کا خیال آ گیا میں اس نقش کی مدد سے یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ یہ نقش میری بش شرٹ کے اندر چھپ گیا تھا۔ جونہی میں نے بش شرٹ کے اوپر والے بٹن کھولنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گھاگ پولیس آفیسر نے فوراً پستول تان لیا اور بولا۔"کوئی گڑبڑ نہیں چلے گی۔ کیا ہے تمہاری قمیص کے اندر؟

اس سے پہلے کہ میں بٹن کھول کر مقدس نقش پر نگاہ ڈال کر اس پولیس آفیسر کو کوئی حکم دیتا۔ اس کائیاں پولیس آفیسر نے ایک ہی جھٹکے سے میری بش شرٹ کے اوپر والے دو تین بٹن توڑ دیئے اور میرے گلے میں پڑے ہوئے نقش کو جھپٹ کر کھینچ لیا۔ نقش کا دھاگہ ٹوٹ گیا۔ نقش اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ "یہ ضرور کوئی ریڈیو ٹرانسمیٹر ہے۔"

وہ اب خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم دشمن کے ایجنٹ ہو۔"

اب ساتھی نوجوان پولیس آفیسر بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ تجربہ کار پولیس آفیسر نے مقدس نقش اپنے رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔ یہ میرے لئے بہت بڑا نقصان تھا۔ گھاگ پولیس آفیسر گرجا۔ "اس کی تلاشی لو۔"

میں نے ایک بار پھر اس پر رعب ڈالنا چاہا مگر اس کے پستول کا رخ میری طرف ہی رہا۔ میری جیب سے کرنسی نوٹ، قمیص کے اندر سے خنجر اور زہریلے سگرٹوں کا پیکٹ اور لائیٹر نکال کر قبضے میں لے لیا گیا۔ خنجر دیکھ کر پولیس آفیسر کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور بولا۔ "یہ خنجر کہاں سے آ گیا بابو؟ تم ہی وہ ڈکیت ہو، جس کی ہمیں کھوج تھی۔"

اس نے فوراً مجھے پولیس گارڈ کے ساتھ اپنی بند گاڑی میں بٹھایا اور دوسرے پولیس آفیسر کو آڈر دیا۔ "تم ادھر ہی ٹھہرو۔ اس ڈکیت کا ساتھی بھی آتا ہو گا۔ اس کو بھی اریسٹ کر لینا۔"

میں پولیس کے نرغے میں تھا۔ کمانڈو بے بس ہو گیا تھا۔ شیر کو پنجرے میں بند کر دیا گیا تھا میرے ہاتھ ابھی نہیں باندھے گئے تھے۔ میرا مقدس نقش پولیس آفیسر کی جیب میں تھا۔ سانپ کا منکا وہ میری جیب سے نہیں نکال سکے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اب میں اس کا نام بھول گیا ہوں۔ تھانہ بھی مختصر تھا۔ میں رائفل بردار پولیس کی حراست میں تھانے کے کمرے میں کھڑا تھا۔ اگر میں ایک دو مار بھی دیتا تب بھی وہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ رائفل کی ایک ہی گولی مجھے ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی تھی۔ پولیس آفیسر کی نگاہیں مجھ پر جمی تھیں۔ وہ فون کا ریسیور اٹھا کر بولا۔ "بابو! ذرا اپنے بٹالین آفس کا نمبر تو بتاؤ۔"

میں نے ابھی ہتھیار نہیں پھینکے تھے اور اسے یہی یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں ایک ایسے فوجی مشن پر ہوں کہ کچھ نہیں بتا سکتا۔

اس نے ریسیور کھٹاک سے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "جب تک نمبر نہیں بتاؤ گے تم کو حوالات میں رہنا ہو گا۔" "بھاری داس! اس کو بند کر دو۔"

حوالات اسی کمرے میں تھی۔ آہنی سلاخوں والی بوسیدہ سی کوٹھری تھی۔ دو سپاہی مجھے دھکیلتے ہوئے حوالات میں لے گئے۔ باہر سے دروازہ لاک کر دیا گیا۔ پولیس آفیسر نے اپنے طور پر کسی فوجی دفتر

میں فون کیا اور پوچھا کہ یہاں کوئی لیفٹیننٹ کمار گریجہ بھی ہے۔ دوسری طرف سے کوئی اس کا فوجی دوست بول رہا تھا جس سے وہ بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

مجھے پسینہ آگیا۔ ایک بار فوج کو میرے بارے میں علم ہو گیا تو میرے سارے اگلے پچھلے جرائم کا پردہ اٹھ جائے گا اور اذیتوں کے ایک کربناک دور کے بعد مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ دوسری طرف فوجی افسر نے یہی کہا ہو گا کہ اس نام کا کوئی لیفٹیننٹ ان کی کمپنی میں نہیں ہے۔ وہ قہقہہ لگا کر بولا۔" ورما جی! پھر ہم نے ایک بہت بڑے ڈاکو کو پکڑ لیا ہے' جس نے کل بھی دو خون کیے ہیں..... رام رام۔"

مجھے یک گونہ تسلی ہوئی کہ معاملہ پولیس تک محدود ہے۔ فوج تک بات نہیں پہنچی۔ ورنہ دوسری طرف سے فوجی افسر ضرور کہتا کہ ہم لوگ آ رہے ہیں۔ پولیس آفیسر نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ میں ایک ڈاکو ہوں۔

اب میری ساری توجہ امید کی آخری کرن کی طرف پلٹ گئی۔ امید کا آخری سرا زہریلے سگریٹوں والا پیکٹ تھا' جو پولیس کی تحویل میں چلا گیا تھا۔ حیرانی کی بات تھی' اعلیٰ سگریٹوں کے باوجود ابھی تک پولیس آفیسر نے اس میں سے ایک سگریٹ بھی نہیں پیا تھا۔ میں حوالات میں آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے کہا —— " آفیسر! تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے، میں ڈاکو نہیں ہوں۔ انڈین فوج کا افسر ہوں اور سیکرٹ مشن پر ہوں۔ کہیں بعد میں تمہیں مجھ سے معافیاں نہ مانگنی پڑیں۔"

گھاگ پولیس آفیسر نے ڈائل پر کوئی نمبر گھماتے ہوئے کہا۔ " بھوپت جی! یہ تو اب بڑودہ پولیس آفیسر کے ایس پی صاحب ہی فیصلہ کریں گے کہ تم اصل میں کون ہو اور کس سیکرٹ مشن پر جا رہا ہو؟"

اس نے میرے دیکھتے ہی دیکھتے بڑودہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایس پی کو فون پر میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ پھر لیس سر' لیس سر کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر بولا۔" ایس پی صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں بھوپت جی!"

اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ " وہ تو کہتے ہیں کہ تم پاکستانی جاسوس ہو ' کیوں بھوپت جی! کیا خیال ہے ؟ تمہارا میڈیکل چیک اپ نہ کر لیا جائے۔ ایس پی صاحب نے بھی مجھے یہ حکم دیا ہے۔"

اب تو میں بالکل ناامید ہو گیا۔ بات ختم ہو رہی تھی میں تباہی کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے خود کو ہندو ظاہر کیا تھا۔ ایک منٹ کے بعد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میں ہندو نہیں مسلمان ہوں اور یہ بات حتمی طور پر مجھے پاکستانی جاسوس ثابت کر دے گی۔

میں نے گردن جھٹک کر بے نیازی سے کہا۔" میڈیکل چیک اپ بھی کر کے دیکھ لو۔ اچھا مجھے ذرا ایک سگریٹ تو پلا دو مہاشہ جی! میری ڈبیا میں سے۔"

میری ڈبیا میرے خنجر کے ساتھ میز پر پڑی تھی۔ پولیس آفیسر جیب سے میرے مقدس تعویذ کو نکال کر اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس سے سگنل کہاں کرتے ہو؟"
میں نے جلدی سے کہا۔ "میرے پاس لاؤ میں بتاتا ہوں۔"
اس نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور مقدس تعویذ دراز میں بند کر دیا۔ "یہ تو اب بڑودہ کے ایس پی صاحب ہی کو بتانا اور وہاں جا کر بہادر سنگھ! اسکا ذرا میڈیکل چیک اپ تو کرو۔ معلوم کرو یہ ہندو ہے کہ مسلمان؟"

بہادر سنگھ سلاخوں کے پاس آ گیا۔ "کپڑے اتارو" اس نے حکم دیا۔ دوسرا سپاہی رائفل اٹھائے قریب ہی کھڑا تھا۔ میں مجبور و بے بس تھا۔ خود کو اتنا مجبور بے بس پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔
بہادر سنگھ نے گھبراہٹ میں چلا کر کہا۔ "سر! یہ تو مسلمان ہے۔"
پولیس آفیسر اپنی سیٹ سے اچھل پڑا۔ "پیچھے ہٹ جاؤ۔ یہ پاکستانی جاسوس ہے۔ خبردار کوئی سلاخوں کے پاس نہ جائے۔"

پھر وہ اٹھ کر سلاخوں سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور مجھے گالی دے کر بولا۔ "ہمیں تو دو روز پہلے ہی انفارمیشن مل چکی ہے کہ راجستھان سے پاکستانی جاسوس داخل ہوئے ہیں۔ ہمیں تمہاری بھی تلاش تھی۔ اب کہاں گیا لیفٹیننٹ کمار گریجہ؟"
اس نے زور سے سلاخوں پر اپنا بید مارا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ میں بازی ہار چکا تھا۔ اب میں دل میں خدا سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ مجھے محض ایک عام پاکستان جاسوس ہی تصور کیا جائے کہیں میرا ترچنا پلی کے کرنل نارو منی کا راز طشت از بام نہ ہو جائے۔ اس کے باوجود ادودھے پور میں چار پولیس والوں اور سڑک پر دو فوجیوں کے قتل کے الزام سے میرا بچ نکلنا محال نظر آتا تھا۔
میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ ایک نظر میں نے میز پر رکھے ہوئے زہریلے سگریٹوں کے پیکٹ پر ڈالی اور پولیس آفیسر سے کہا۔
"اب میں پکڑا گیا ہوں تو پلیز، مجھے ایک سگریٹ ہی پی لینے دو۔ تمہاری مہربانی ہو گی۔"
پولیس آفیسر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دو قدم چل کر حوالات کی سلاخوں کے پاس آ گیا۔ دائیں جانب کھڑے رائفل بردار سپاہی کو پرے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ سپاہی وہاں سے ہٹ گیا۔
پولیس آفیسر کے چہرے سے کرختگی غائب ہو گئی۔ اس نے رازدارانہ انداز میں آہستہ سے کہا۔ "اگر تم مجھے بتا دو کہ بھارت میں تمہارے ساتھی جاسوس کہاں کہاں ہیں تو میں تمہیں سگریٹ بھی پلا دوں گا۔ کھانا بھی کھلاؤں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری سزا بھی کم کرواؤں گا۔"
میں نے بھی اسی رازدارانہ انداز میں جواب دیا۔ "پہلے میرے ساتھ ایک ایک سگریٹ پیو۔"
وہ بولا۔ "میں سگریٹ نہیں پیتا اس چوکی میں کوئی بھی سگریٹ نہیں پیتا۔ تمہارے لئے

چائے منگواتا ہوں۔"

اس نے اسی وقت ایک سپاہی کو حکم دیا کہ میرے لئے چائے اور بسکٹ لائے جائیں۔ میرا منصوبہ شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام ہو گیا تھا۔ وہاں کوئی بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ اب میرا ٹارگٹ میرا مقدس نقش تھا۔ میں نے پولیس آفیسر سے کہا کہ اگر وہ مجھے میرا تعویذ دے دے تو میں اس سے پورا پورا تعاون کروں گا۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔" ایس پی بڑودہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم سے جو کچھ برآمد ہوا ہے وہ ہرگز تمہیں واپس نہ دیا جائے وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی شے میں زہر ہو اور تم خودکشی کر لو۔"

میں نے اسے بہت مجبور کیا ہر قسم کا لالچ دیا مگر وہ مجھے میرا مقدس نقش واپس کرنے پر راضی نہ ہوا۔ بلکہ میرے بے حد اصرار پر اسے شک پڑ گیا کہ ضرور اس مقدس نقش میں کوئی خطرناک بات ہے وہ بولا" یہ تعویذ میں تمہیں نہیں دے سکتا ویسے اگر تم مجھے اپنے ساتھی جاسوسوں کے بارے میں بتا دو تو میں تمہیں بڑودہ پولیس کے ٹارچر سے بچا لوں گا۔ نہیں تو وہاں کے ٹارچر سے بھوپت ڈاکو کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔"

اب میرے لئے اس سے بات کرنا بیکار تھا...... میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں میرا کوئی ساتھی نہیں ہے تم سب جہنم میں جاؤ۔ پولیس آفیسر نے سلاخوں پر ایک بار پھر زور سے بید مارا اور چلایا۔" خبردار۔ اسے پینے کو پانی تک نہ دیا جائے۔"

اس نے میرے سامنے میز پر چائے رکھ کر پی اور بسکٹ کھائے۔ پھر اس نے گتے کا ایک ڈبہ نکال کر اس میں میرا خنجر، کرنسی نوٹ، پستول اور مقدس نقش ڈالا۔ سگریٹوں کا پیکٹ رکھنے لگا تو کچھ سوچ کر بولا۔" یہ سالا پیکٹ کا کیا کام؟"

اور اس نے میری آنکھوں کے سامنے سگریٹوں کا پیکٹ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ایک طرح سے یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ کم از کم وہ ثبوت ختم ہو گیا تھا جو مجھے اودھے پور...... کے تھانے دار اور تین سپاہیوں کا قاتل ثابت کر سکتا تھا۔ وہ یہی زہریلے سگریٹ پی کر ہلاک ہوئے تھے لیکن مجھ سے ایک میرا ایک کارآمد ہتھیار بھی چھن گیا تھا۔ پولیس آفیسر نے ڈبے کو بند کر کے اس پر ٹیپ لگائی اور سپاہی سے کہا۔" اسے الماری میں لاک کر دو۔"

سپاہی نے ڈبہ دیوار والی الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا۔

یوں تو مجھے حوالات میں بند ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ اب نوجوان پولیس آفیسر اور باقی کے سپاہی بھی آ گئے۔ یہ سپاہی علاقے کے دوسرے تھانے سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے آتے ہی پولیس آفیسر نے مجھے بڑودہ لے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے اس نے بڑودہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایس پی صاحب کو فون پر اطلاع کی کہ میں پاکستانی جاسوس کو لے کے ساتھ چل رہا ہوں۔

اس کے بعد مسلح گارڈ تیار کی گئی۔ مجھے ہتھکڑی لگا کر حوالات سے باہر نکالا گیا۔ جب سے میں نے رضاکارانہ طور پر کمانڈو مشن شروع کیا تھا مجھے پہلی بار ہتھکڑی لگی تھی۔

مجھے ایک ایسی گاڑی میں مسلح گارڈ پولیس کے نرغے میں بٹھایا گیا جو قیدیوں کی گاڑی تھی اور جس کی بند چار دیواری میں صرف اوپر چھوٹے چھوٹے ہوا دان اور روشن دان بنے ہوئے تھے۔ بڑودہ وہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ دوپہر کے تین بجے مجھے لے کر چلا گیا۔ کچھ معلوم نہیں بند گاڑی کہاں کہاں سے گزری۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے باہر دوسری گاڑیوں، ٹرکوں اور لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ہم بڑودہ شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ بڑودہ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر گارڈ نے مجھے لاری سے اتارا۔ وہاں کے سپاہیوں نے میری جامہ تلاشی لی۔ پولیس آفیسر میرے ساتھ تھا۔ وہ ہتھکڑی سمیت مجھے بڑودہ پولیس کے ایس پی کے دفتر میں لے گیا۔ گنجے سر اور پتھر جیسے سیاہ چہرے والا یہ مرہٹہ پولیس ایس پی شکل ہی سے سنگ دل اور بے رحم لگتا تھا۔ مجھ پر ایک قہر آلود نگاہ ڈال کر کرسی سے اٹھا۔ بید اس کے ہاتھ میں تھا۔ میرے قریب آ کر بید سے میری ٹھوڑی اوپر کی اور کہا۔ "یہاں تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر چھوٹے چھوٹے نوکیلے دانت نکال کر ریاکارانہ انداز میں مسکرایا اور بید میرے حلق میں تھوڑا سا دبا کر بولا۔ "تمہارا تو باپ بھی بتا دے گا اپنے آپ۔ لے جاؤ اسے کوٹھری میں بند کر دو۔"

.... یہ اسی ہیڈ کوارٹر کے نیچے تہ خانے میں پانچ فٹ چوڑی اور کوئی چار فٹ لمبی کال کوٹھری تھی۔ اس میں صرف لوہے کا ایک دروازہ تھا۔ دیوار میں کہیں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ لوہے کے دروازے پر ایک چھوٹا سا طاق تھا۔ جس کا پٹ باہر کو کھلتا تھا۔ اس طاق میں سلاخیں لگی تھیں۔ سپاہی مجھے اس کال کوٹھری میں دھکیل کر دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ فرش پر کچھ نہیں بچھا تھا۔ یہاں حبس ہو رہا تھا۔ میں نے بیٹھتے ہی سب سے پہلے کام یہ کیا کہ جیب سے سدھارنگی کا دیا ہوا سانپ کا منکا نکال کر دیکھا۔ اتفاق سے یہ منکا پولیس کی دست برد سے بچ گیا تھا۔

سدھارنگی بے حد یاد آئی۔ میں اسی شہر میں اسے پولیس کی حراست میں دیکھ کر اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ تھوڑے ہی دنوں بعد اس شہر کی کال کوٹھری میں ایک بے بس و مجبور قیدی کی طرح پڑا تھا۔ خدا جانے سدھارنگی کہاں ہو گی۔ اس کا کیس بڑودہ میں چلا گیا ہو گا۔ شاید ابھی مقدمہ چل رہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے سزا ہو گئی ہو، یا رہا کر دی گئی ہو۔

میں نے منکے کو چوم لیا۔ پھر اسے جیب میں رکھا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرے جرائم کی زنجیر کی تمام کڑیاں ایک ایک کر کے کھلنے والی تھیں۔ اس کا آخری سرا ترچنا پلی کے پاکستانی جاسوس کرنل منی سے جا کر ملنے والا تھا۔ مجھ سے سرزد ہوئے کتنے ہی قتل ثابت ہونے والے تھے۔ پھانسی میرے مقدر میں لکھی تھی۔ مجھے مرنے سے خوف نہیں آ رہا تھا۔ جب یہاں

کے عقوبت خانوں میں دی جانے والی اذیتوں کا خیال آتا تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔
ایک بات طے تھی کہ میں کسی حالت میں بھی بمبئی میں رہائش پذیر پاکستانی ایجنٹ حکیم سلیمان شاہ کا نام زبان پر نہیں لاؤں گا۔ میں خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے خدا مجھے توفیق عطا کر میں دشمن کی عقوبت ہمت و صبر سے برداشت کر جاؤں اور اپنے پاک وطن کے ساتھ غداری کا مرتکب نہ ہوں۔ خدا جانے اس کال کوٹھری میں پڑے پڑے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ حبس اور فضا کی رطوبت کی وجہ سے میرا جسم اکڑنے لگا۔

دروازے کا طاق کھلا۔ کسی نے اخبار میں لپٹا ایک پیکٹ اندر پھینک دیا۔ اس میں ایک سوکھی روٹی تھی۔ میں نے وہی زہر مار کر کھائی۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی مگر وہاں پانی کہیں نہیں تھا۔ خاموشی سے صبر کر کے بیٹھا رہا۔

شاید آدھی رات تھی کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ دو سیاہ فام آدمی مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ کوٹھری کے باہر چھت پر کمزور بلب جل رہا تھا۔ انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی۔ میرے بازو پیچھے رسی سے جکڑے اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ میں ایک بار زینہ چڑھا ایک بار سیڑھیاں اترا۔ سپاٹ فرش پر کچھ دور چلا۔ یہاں مجھے زنجیروں کی جھنکار سنائی دی مجھے پکڑ کر ایک بار پھر سیڑھیوں سے اتار گیا۔

پھر میری آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی۔ یہ ایک کمرہ تھا جس کے وسط میں سیمنٹ کا تھڑا تھا۔ یہاں ایک کرسی رکھی تھی۔ اس کے پیچھے بجلی کے تار لٹک رہے تھے۔ مجھے اس کرسی پر بٹھا کر میرے بازو اور پنڈلیاں جکڑ دی گئیں۔ دونوں سیاہ فام آدمی پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور وہی جلاد مرہٹہ ایس پی ہاتھ میں بید لئے اندر داخل ہوا۔ اس نے اشارہ کیا میرے سر کے اوپر دو سو پاور کا بلب جل اٹھا۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ مرہٹے ایس پی نے میرے قریب آ کر کہا۔ "تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ تم ایک خطرناک پاکستانی جاسوس ہی نہیں بلکہ کئی انڈین پولیس اور فوج کے افسروں کے قاتل بھی ہو۔ تم پھانسی کے پھندے بچ نہیں سکو گے لیکن اگر تم مجھے یہاں بھارت میں اپنے ساتھی جاسوسوں کے ایڈریس بتا دو تو میں تمہیں پھانسی کے تختے سے بچا لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ تمہیں دو چار سال قید ہو جائے گی، اب بولو۔ کیا اپنے ساتھیوں کے نام اور ایڈریس بتاؤ گے؟"
میں نے پر عزم لہجے میں کہا "ایس پی صاحب! میں پاکستان جاسوس نہیں ہوں۔ تامل ناڈو کا رہنے والا مسلمان ہوں۔ شکار کے شوق میں راجستھان میں آیا تھا کہ دھر لیا گیا۔"
"اور جس فوجی جیپ پر تم جا رہے تھے وہ کس کی تھی؟" مرہٹے جلاد نے پوچھا۔
میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے یونہی کہہ دیا "وہ جیپ مجھے راستے میں کھڑی ملی تھی۔ میں اسے لے کر چل دیا۔"

مرہٹے ایس پی نے چبوترے پر پاؤں ٹکا دیئے اور میری طرف جھک کر بولا ۔" دیکھو ہمارے پاس ترچناپلی اور دلی سے تمہارے فائل کی فوٹو سٹیٹ کاپی آ گئی ہے ۔ تمہاری کوئی بات ہم سے چھپی نہیں ہوئی ' بہتر یہی ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کے نام اور ایڈریس بتا دو ورنہ یقین کرو کہ تم یہاں کی اذیت برداشت نہ کر سکو گے ۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بولتا گیا۔ میں نے چپ سادھ لی۔ اس نے اشارہ کیا میرے سامنے ایک سیاہ فام آدمی نے دیوار میں لگا بجلی کا بٹن دبا دیا۔ مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا اور بجلی کی لہر سے میرا سارا جسم جھنجھنا اٹھا۔ کرنٹ ختم ہو جاتا اور پھر میرے جسم کو جھنجھنا کر رکھ دیتا۔ میرے جسم سے جیسے جان نکل گئی ۔ مجھے اپنے جسم کے کسی عضو کا احساس نہ رہا۔ تیسرے جھٹکے میں میری گردن کرسی کی پشت سے ٹکرائی اور میں بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو اسی جگہ کرسی پر جکڑا ہوا تھا۔ مرہٹے ایس پی نے دوبارہ اشارہ کیا۔ ایک بار پھر مجھے بجلی کا شدید جھٹکا لگا۔ اب میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی ۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا۔

یہ اذیت ساری رات جاری رہی وہ ہر بار مجھ سے بھارت میں مقیم میرے ساتھیوں کے ایڈریس پوچھتا ۔ میں نفی میں سر ہلا دیتا ۔ آخر مجھ میں سر ہلانے کی سکت نہ رہی اور ایسا بے ہوش ہوا کہ جب ہوش آیا تو میں وہاں سے اٹھا کر ایک دوسرے کمرے میں لایا جا چکا تھا۔ پلنگ پر بھی مجھے چمڑے کے تسموں سے کس دیا گیا تھا۔ کوئی میرے حلق میں پانی ٹپکا رہا تھا۔ پانی اس وقت میرے لئے آب حیات تھا۔ میری آنکھیں پوری کھلی تھیں اور میں پانی نگل رہا تھا۔

چھت سے بلب لٹک رہا تھا ۔ ایک آدمی پیتل کے لوٹے سے میرے کھلے منہ میں پانی کی باریک دھار ڈال رہا تھا۔ دوسرا آدمی پاس کھڑا تھا۔ اس دوسرے آدمی کے ہاتھ میں بجلی کا تار تھا جس کے دونوں سرے آگے سے ننگے تھے ۔ اس نے اشارہ کیا۔ پانی کی دھار رک گئی ۔ میں نے ڈھیلے تھما کر دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔ میری آنکھیں زخموں کی مانند دکھ رہی تھیں ۔ اس دوسرے آدمی نے میرے قریب آ کر کہا۔ "بابو! بول دے تیرے ساتھ کون کون ہے ۔ یہ دیکھ ایک ہزار پاور بجلی کا تار ہے۔ تو زندہ نہیں بچے گا اس بار ۔ بول ' تیرے ساتھی لوگ کہاں ہیں ؟ کس شہر میں ہیں ؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا ۔ میرے ہونٹ سوجے ہوئے تھے ۔ حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی ۔ اس آدمی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی ۔ وہ پلنگ کی پائنتی کی طرف آیا اور تار میرے ننگے پاؤں سے لگا دیا۔

میرے منہ میں ایک ایسی بھیانک چیخ نکلی کہ مجھے خود اس چیخ سے خوف آ گیا۔ یہ کسی ایسے جانور کی آخری چیخ تھی جس کو کند چھری سے پوری طاقت کے ساتھ ذبح کیا جا رہا ہو۔ میرے سارے جسم کو گویا آگ لگ گئی ۔ میرا دل جیسے جھلس گیا۔ مجھے اپنی کھوپڑی میں کوئی چیز پکتی ہوئی محسوس ہوئی ۔ میرا

سارا جسم لرزنے لگا۔

میں دوبارہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

ایک بار پھر ہوش آیا تو میں اسی پلنگ پر پڑا تھا۔ مگر میرا جسم جکڑا ہوا نہیں تھا۔ صرف پاؤں زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ تین نئے پولیس آفیسر میرے دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ایک ڈاکٹر مجھے کوئی انجکشن دے چکا تھا۔ ایک پولیس آفیسر نے جو ناٹے قد، چوڑے شانوں اور سانولی رنگت والا تھا کہا۔ "میرا نام ٹھاکر وجے چند ہے میں انسپکٹر پولیس ہوں مگر تمہارا دوست ہوں۔ میں اذیت دینے کے سخت خلاف ہوں۔ اسی لئے میں خود یہاں ڈاکٹر کو لے کر آیا ہوں۔ یہ میرے دو اسسٹنٹ ہیں۔ تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ اب تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

پھر اس نے اشارہ کیا۔ ایک آدمی ٹرے میں کھانا لے کر اندر آگیا۔ مجھے اٹھا کر پلنگ پر بٹھایا گیا۔ میری گردن اکڑی ہوئی تھی۔ بھوک اور پیاس سے انتڑیاں سوکھ کر پیٹ میں کانٹوں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے پانی پیا۔ کانسی کی کٹوریوں میں دال، بھاجی چاول اور کچوریاں تھیں۔ میں نے ساری چیزیں کھالیں۔ دماغ نے کہا یہ بھی تیرے دشمن ہیں جو ایک نئے روپ میں آئے ہیں کھانا کھالو۔ پھر نہ جانے کب تک بھوکا پیاسا رہنا پڑے۔

جب میں خوب سیر ہو کر کھا چکا تو مجھے میٹھی کھیر دی گئی۔ اتنی اعلیٰ غذا کھانے کے بعد مجھ پر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ انسپکٹر ٹھاکر مجھ سے آہستہ آہستہ پوچھنے لگا۔ "دوست تمہارا اصلی نام ہمیں معلوم ہے۔ بس اب یہاں اپنے دوستوں کے نام بتادو۔ ہم تمہیں خود پاکستان کا بارڈر کراس کرا دیں گے۔"

میں نے کہا "میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں۔ میرا یہاں کوئی ساتھی نہیں ہے۔"

مجھے نیند آرہی تھی۔ ذرا جھپکی لگتی تو انسپکٹر ٹھاکر مجھے بید کا ٹھوکا دے کر اٹھا دیتا۔ شاید دنیا میں اس سے بڑی اذیت کوئی نہیں ہے کہ آپ نے مرغن کھانا کھایا ہو۔ آپ پر نیند کا غلبہ ہو اور کوئی آپ کو سونے نہ دے۔ میرے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ میری آنکھیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔ گردن اپنے آپ ہی ڈھلک جاتی۔ انسپکٹر کے بید کی ضربیں اب شدید ہوتی گئیں۔ وہ میرے سوتے ہی گردن پر زور سے بید مارتا میں بلبلا کر جاگ پڑتا اور نیند کے غلبے سے گردن ایک طرف ڈھلک جاتی۔ خدا جانے کب تک یہ اذیت ناک سلسلہ جاری رہا...... پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

میری گرفتاری بڑودہ پولیس نے کی تھی۔ کیس بھی اسی جگہ درج ہوا تھا اس لئے پولیس حکام مجھ سے اعتراف کروانے کے بعد یہیں سے میرا چالان تیار کر کے اتر پردیش پرانت کو بھیجنا چاہتے تھے وہ میرے اعتراف کا کریڈٹ خود حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ایک ہفتے تک...... طرح طرح کی اذیتیں آزمائی گئیں۔ مجھے برقی رو کے جھٹکے دیئے گئے۔ ٹھنڈے پانی کے ٹب میں ڈبکیاں دی گئیں۔ ساری ساری

رات جگایا گیا۔ میرے پاؤں کے تلوؤں پر بید کی شدید ضربیں لگائی گئیں۔ میں نے خدا کی دی ہوئی طاقت کے ساتھ یہ ساری عقوبتیں صبر سے برداشت کرلیں لیکن بمبئی میں مقیم پاکستان ایجنٹ کا نام نہ بتایا۔ میں نے یہ اعتراف بھی نہ کیا کہ میں پاکستان جاسوس ہوں یہی کہتا رہا کہ میرا جاسوسی سے کوئی تعلق نہیں۔



ایک ہفتے کی شدید اذیتوں کے بعد مجھے بڑودہ جیل کی ایک کچی کوٹھری میں ڈال دیا گیا۔ سارا دن کوٹھری کے فرش پر پڑا رہتا۔ دن میں ایک دو بار دو روٹیاں اچار کے ساتھ میری کوٹھری میں پھینک دی جاتیں۔ ایک بھنگی پانی کی بالٹی لے کر آتا اور سلاخوں کے باہر کھڑے ہو کر مجھے پانی پلا جاتا۔ وہ مجھ سے کوئی بات نہ کرتا۔ میرا سارا جسم درد کر رہا تھا...... اذیتوں کا دوسرا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ میری کوٹھری کے باہر چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ اس برآمدے کا دروازہ بھی سلاخوں والا تھا۔ ایک نمبردار یہاں رائفل اٹھائے چل پھر کر پہرہ دیتا۔ وہ کئی بار مجھے مشورہ دے چکا تھا کہ میں پاکستانی جاسوس ہونے کا اعتراف کرلوں اور ورنہ یہیں گل سڑ کر ختم ہو جاؤں گا۔

ایک ہفتہ کوٹھری میں پڑے رہنے سے میری کھوئی ہوئی طاقت کسی حد تک واپس آگئی تھی۔ اب میں وہاں سے فرار ہونے کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔ میری کوٹھری کے سلاخ دار دروازے پر باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ برآمدے کے آگے بھی دروازہ تھا۔ اس پر تالا تو نہیں پڑا تھا مگر عام طور پر رائفل بردار نمبردار اسی جگہ اسٹول پر بیٹھتا تھا۔ ایک دن اسی نمبردار نے بتایا کہ بہت جلد مجھے احمد آباد جیل میں منتقل کر دیا جائے گا۔ "وہاں لوہے کا ایک انسانی خول ہے۔ تمہیں اس میں بند کر دیا جائے گا۔ اس کے اندر لوہے کے کانٹے بنے ہیں۔ یہ کانٹے ایک ایک انچ تمہارے جسم کے اندر گھس جائیں گے۔ بڑے بڑے ڈاکو اس انسانی ڈھانچے کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔"

میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ مرنا قبول کرلوں گا لیکن بمبئی والے حکیم صاحب کا نام

زبان پر نہیں لاؤں گا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ ان لوگوں نے میرے مقدس نقش کا کیا کیا؟ ضرور وہ اسی ڈبے میں سربند ہو گا اور میرے چالان کے ساتھ احمد آباد یا دلی جائے گا۔ اب مجھے اپنے زہریلے سگریٹوں کے ضائع ہو جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔

میرے خاکی کپڑے گندے ہو گئے تھے۔ ایک دن میں نے پہرے دار کی منت سماجت کر کے اپنے کپڑے بھنگی کو دے کر دھلوائے میری داڑھی بڑھ آئی تھی۔ مونچھوں نے بھی ہونٹوں پر چھجا سا بنا دیا تھا۔ میرے پاس اگر کوئی شے ابھی تک محفوظ تھی تو وہ سدھا ر نگینی کا دیا ہوا تحفہ سانپ کا منکا تھا۔ اس منکے کو میں نے اپنے دل کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ یہ میری دوست کی نشانی تھی۔ خدا جانے میری دوست سدھار نگنی کہاں ہو گی؟

میری کوٹھری کی چابی نمبردار کی بیلٹ کے ساتھ لٹکی رہتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دوپہر سے شام تک وہاں پہرو دیتا تھا۔ اس دوران وہ زیادہ تر برآمدے میں بیٹھا بیڑی پیتا رہتا۔ دوپہر کو بھنگی پانی لے کر آتا تو وہ میرے قریب آجاتا تاکہ میں بھنگی سے کوئی بات نہ کر سکوں۔ یہاں سے فرار بڑا مشکل نظر آتا تھا۔ مگر چھ سات دنوں کے آرام نے میرے جسم کی قوت مزاحمت کو بڑی حد تک بحال کر دیا تھا اور میرا کمانڈو جذبہ آہستہ آہستہ بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

بڑودہ جیل کی کال کوٹھری میں آئے ہوئے مجھے شاید آٹھواں دن تھا کہ رات کے وقت ایک مخصوص قسم کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میں کوٹھری کے فرش پر لیٹا تھا۔ برآمدے کے بلب کی دھیمی دھیمی روشنی کوٹھری میں آرہی تھی۔ رات کا دوسرا پہر تھا۔ مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ دماغ بڑی تیزی سے مسلسل فرار کی ترکیبیں سوچ رہا تھا کہ ایک مخصوص قسم کی آواز سنائی دی۔

میں اٹھ بیٹھا۔ میں ہمہ تن گوش تھا جیل کے احاطے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے گردن آگے کر کے سلاخوں میں سے جھانک کر دیکھا۔

نمبردار برآمدے کے دروازے پر اسٹول پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے شاید سو رہا تھا۔ یہ رات کی ڈیوٹی والا دوسرا نمبردار پہریدار تھا۔ میں نے گردن پیچھے کر لی۔ آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس بار یہ قریب سے سنائی دی۔ اور مَیں نے آواز کو پہچان لیا تھا۔ سانپ کی پھنکار کی آواز تھی اور یہ سانپ میری دوست سدھار نگنی کے سانپ کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ مَیں نے ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ سانپ میری کوٹھری میں نہیں تھا۔

میں نے چھت کو دیکھا۔ سانپ چھت پر بھی نہیں تھا۔ میں آہستہ سے رینگ کر کوٹھری کی سلاخوں کے پاس آگیا۔ سانپ کی ہلکی سی پھنکار ایک بار پھر بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی کونے کی سلاخوں میں سے ایک سانپ نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا میرے قریب آکر کنڈلی مار بیٹھ گیا۔ برآمدے کے بلب کی روشنی میں دیکھا تو یہ سدھار نگنی کا کالا سانپ ہی تھا۔ میں اسے

پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ سدھار نگنی نے ایک بار اسے میرے جسم کی بو سونگھائی تھی۔ وہ میری بو پر ہی وہاں آیا تھا

پھر بھی میں دل میں خوف زدہ تھا۔ سانپ کنڈلی مارے جھوم رہا تھا۔ اس نے اپنا پھن نہیں کھولا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی جیب سے سانپ کا منکا نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا کہ اگر یہ مجھے ڈس بھی لے تو میں منکے سے اپنے جسم سے اس کا زہر خارج کر سکوں۔ سانپ اب میری طرف نہیں بڑھ رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا دروازے کی سلاخوں تک گیا اور پھر واپس آگیا اور میری طرف منہ اٹھا کر تکنے لگا۔ دوسری بار پھر رینگتا ہوا سلاخوں تک گیا اور پھر واپس آکر مجھے دیکھنے لگا سانپ نے چار مرتبہ یہی عمل دہرایا تو اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سدھار نگنی کا ہی سانپ بیٹا ہے اور مجھے باہر چلنے کے لئے کہہ رہا ہے۔

میں اٹھ گیا۔ ایک ہاتھ میں منکا لئے میں نے دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے حملہ کرنے کی بجائے اپنی گردن فرش کے ساتھ لگا دی میں نے اس کے جسم پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا سانپ تیزی سے سلاخوں تک گیا اور واپس آکر مجھے تکنے لگا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اسے کمر سے پکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ اس نے نہ تو پھنکار ماری اور نہ اپنا پھن کھولا۔ بلکہ بڑی نرمی سے میری کلائی کے گرد لپٹ گیا۔ اس کی گردن ابھی تک دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"کیا سدھار نگنی بھی اسی جیل میں ہے؟ کیا یہ اس کے پاس سے ہو کر میری طرف آیا ہے

میرے ذہن میں سدھار نگنی کے بارے میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے یقیناً وہ اسی جیل میں قید ہے۔ وہ بڑودہ میں پکڑی گئی تھی۔ اسے یہیں سزا ہوئی ہو گی۔ مگر کیا یہ سانپ اس کے پاس رہتا ہے؟ ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ یہاں کے عملے کے لوگ اس سانپ کو زندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے سانپ باہر کسی جگہ جنگل میں رہتا ہو اور رات کو سدھار نگنی سے ملنے آجاتا ہو برآمدے میں نمبردار کے بھاری بوٹوں کی آواز بلند ہوئی۔ وہ معمولی کے مطابق چکر لگانے لگا تھا۔ قدموں کی چاپ کی آواز سنتے ہی سانپ میری کلائی سے اتر کر سلاخوں میں سے ہوتا باہر نکل گیا۔ سانپ جس تیزی سے باہر لپکا تھا اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ یہ سانپ نمبردار کو ڈسنے جا رہا ہے۔ میں جلدی سے سلاخوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر نمبردار کو سانپ کے ڈسنے سے مرنا ہی ہے تو وہ سلاخوں کے پاس گرے تاکہ میں اس کی بیلٹ سے کوٹھری کے تالے کی چابی نکال سکوں۔

مجھے سلاخوں کے پاس دیکھ کر نمبردار میرے قریب آکر کرخت آواز میں بولا! کیوں بے! ادھر تم کیوں کھڑا ہے؟ پیچھے جاکر سو جا۔" مجھے برآمدے میں سانپ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نمبردار کو باتوں میں لگائے رکھنا چاہتا تھا تاکہ جب تک سانپ میرے قیاس کے مطابق اسے ڈس نہ لے۔ یہ اسی جگہ کھڑا رہے۔ میں نے کہا۔ "ٹھاکر مجھے پیاس لگی ہے۔"

"ابے تو میں کیا کروں؟ کل تو احمد آباد کی بڑی جیل میں چلا جائے گا۔ وہاں تجھے سوڈا واٹر ملے گا۔

اور نمبردار قہقہہ لگا کر ہنسا لیکن اچانک اس نے اپنی گردن پر زور سے ہاتھ مارا اور پھر چکرا گیا۔ کالا سانپ اس کی گردن پر ڈس چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پکڑ لی۔ اس کے حلقوم سے دھیمی دھیمی خر خر کی آوازیں نکلنے لگیں۔ پھر وہ دھڑام سے اس طرح گرا کہ اس کا سر سلاخوں سے ٹکرا گیا۔

سانپ کے زہر نے بڑی تیزی سے اپنا کام ختم کر ڈالا تھا۔ نمبردار پتھر کی طرح بے حس پڑا تھا۔ کالا سانپ سلاخوں میں سے ہو کر میرے پاس واپس آگیا۔ وہ بار بار سلاخوں کی طرف جاتا تھا۔ میرے لئے فرار کا یہ بہترین لمحہ تھا۔ میں نے نمبردار کی لاش کے سر کو پیچھے ہٹا کر اس کی قمیص کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا پھر سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکالا اور نمبردار کی بیلٹ میں لگا چابیوں کا گول چھلا اتار لیا۔ اس چھلے میں لمبی لمبی تین چابیاں تھیں۔ ایک چابی میری کوٹھری کے تالے کو لگ گئی۔

میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ سانپ میرے آگے آگے چلنے لگا۔ نمبردار کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ میں نے اس کی رائفل تو وہیں رہنے دی مگر اس کی رائفل سے سنگین اتار کر ہاتھ میں تھام لی۔ فائر کی آواز جیل کے عملے کو ہوشیار کر سکتی تھی لیکن سنگین سے میں اپنے راستے کی رکاوٹ دور کر سکتا تھا۔

میں برآمدے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ باہر جیل کے احاطے میں اندھیرا چھایا تھا۔ سامنے والی دیوار کی کوٹھریوں میں کہیں کہیں باہر کی جانب مدھم روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ ایک پہرے دار آواز لگاتا اس دیوار کے قریب سے گزر گیا۔ دیوار کے اوپر بائیں جانب آہنی تاروں کے پاس ایک بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی زیادہ باہر کی طرف پڑ رہی تھی۔

پہرے دار کی آواز پر میں پیچھے کی طرف ہٹ گیا جب وہ دور چلا گیا تو میں دیوار کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں ذرا اندھیرا تھا۔ میرا ارادہ یہاں سے دیوار پھاندنے کا تھا لیکن سانپ میرے ساتھ نہیں جا رہا تھا۔ وہ مجھے دوسری طرف چلنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ وہ کونے والی ایک کوٹھری کی طرف تیزی سے رینگ کر جاتا اور پھر میرے پاس واپس آجاتا میں نے سوچا ہو سکتا ہے سدھا رنگنی یہاں قید ہو۔ سدھا کی یاد سے میرا دل بھر آیا۔ اگر وہ اس کوٹھری میں بند ہے تو میرا فرض ہے کہ میں اسے بھی اپنے ساتھ لے چلوں۔

میں سانپ کے پیچھے پیچھے جھک کر چلنے لگا۔ کوٹھری کے کونے پر بلب لگا تھا۔ اس کی پچھلی دیوار اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی سانپ ادھر کو ہی گیا تھا۔ دور سے پہرے دار کی آواز آئی۔ وہ چکر لگاتا ہوا واپس آرہا تھا میں ایک دم زمین پر لیٹ گیا پہرے دار آواز لگاتا آگے نکل گیا۔

میں اٹھا اور پنجوں کے بل دوڑ کر کوٹھری کے عقب میں آگیا یہاں کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔ کھڑکی پہلو والی دیوار میں تھی۔ سانپ بھی ادھر ہی کو گیا تھا۔ یہاں پہلی بار مجھے کسی لڑکی کی سسکتی آواز سنائی دی میں دبے پاؤں چل کر کھڑکی کے پاس آیا کھڑکی پر سلاخیں اور جالی چڑھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ

تھی کہ سانپ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کالا سانپ دیوار کے ساتھ کھڑکی کے اوپر چمٹا جالی میں سے اندر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جالی میں سے دھیمی دھیمی روشنی باہر آرہی تھی میں نے آہستہ سے اپنا چہرہ جالی کے کونے سے لگا کر کوٹھری میں نگاہ ڈالی۔ اندر کا منظر دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔

کوٹھری کے کونے میں اسٹول پر موم جل رہی تھی سدھار نگنی کو میں بھلا کیسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ وہ چار پائی کے ساتھ بندھی پڑی تھی دو کالے کلوٹے آدمی اس کے سامنے فرش پر بیٹھے دارو پی رہے تھے۔ سدھار نگنی بار بار اپنی گردن ادھر ادھر مار رہی تھی اور سسکیاں بھر رہی تھی۔ یہ منظر میرا خون کھولا دینے کے لئے کافی تھا۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا کوٹھری کے دروازے کی طرف آیا۔ سانپ بھی میرے ساتھ تھا۔ کوٹھری کا دروازہ ایک ہی پٹ کا تھا اور لوہے کا تھا۔ وہاں سے اندر جانے کے لئے سانپ کو راستہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ دروازے سے لپٹ لپٹ جاتا تھا۔

میں نے سنگین کے دستے سے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور لپک کر پیچھے اندھیرے میں ہو گیا۔ "کون ہے؟ ارے ڈیو نمبردار کیوں پریشان کرتا ہے۔ کیا بات ہے؟" میں نے کوئی جواب نہ دیا سانپ دروازے پر چڑھ گیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر دروازے پر سنگین سے دستک دی۔ اندر سے مرد کی گالی دینے کی آواز آئی اس کے ساتھ [redacted] مرد نے کہا۔ "ارے ڈیو یہاں سانپ تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو اسے مار ڈال پھرتا تو کیوں آیا ہے۔؟

میں نے آواز بدل کر کہا۔ "سانپ نہیں ہے ٹھاکر دروازہ کھولو۔" دروازہ ذرا سا چرایا پھر تھوڑا سا کھل گیا سدھار نگنی کے سانپ کے لئے تھوڑا سا شگاف ہی کافی تھا۔ وہ جھپٹ کر اندر چلا گیا۔ اندر شور مچ گیا۔ میں دروازے کو دھکیل کر اندر گھس گیا۔ یہ شور جلد ہی ختم ہو گیا۔ ایک آدمی کو سانپ نے ہلاک کر ڈالا اور دوسرے کے سینے میں میری سنگین گھس گئی لیکن میں نے سنگین اس کے سینے میں گھونپنے سے پہلے چھلانگ لگا کر اس کے منہ کو اپنے ہاتھ سے دبا دیا تھا۔ تاکہ وہ چیخ نہ مار سکے۔

میں نے موم بتی کی روشنی میں دیکھا کہ سانپ سدھار نگنی کے لباس میں غائب ہو رہا تھا۔ سدھار نگنی نے مجھے دیکھا تو بے اختیار روتے ہوئے بولی "رگھو میرے رگھو"

میں نے تیزی سے اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول ڈالیں اور پھونک مار کر موم بتی بجھا دی پھر دروازے کی درز میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ شور کی آواز سن کر پہرے دار تیز تیز قدموں سے کوٹھری کی طرف آرہا تھا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پہرے دار نے باہر کھڑے ہو کر آہستہ سے آواز دی "رمیش جی میں ڈیو بھائی بول رہا ہوں۔ کیا بات ہوئی ہے؟"

میں نے دروازے کو تھوڑا سا کھول کر کہا "ڈیو بھائی اندر آجاؤ"

پہرے دار ایک پل کے لئے ٹھٹکا پھر جونہی اس نے کوٹھری میں گردن ڈالی میں نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر جھٹکا دیا اور اندر کھینچ لیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا

میں اسے ٹھکانے لگا چکا تھا سدھا چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پہرے دار کی رائفل اٹھالی اور دونوں آدمیوں کی لاشوں پر نفرت سے تھوک دیا۔۔ پھر اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "میرا بیٹا مجھے واپس مل گیا رگھو۔ یہاں تم کیسے آگئے؟

میں نے کہا۔ "یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے یہاں سے بھاگو۔" سدھا رنگنی نے کوٹھری سے نکل کر ایک طرف اشارا کیا" رگھو ادھر عورتوں کا وارڈ ہے"

میں نے سرگوشی میں کہا" جھکی جھکی میرے پیچھے آؤ سامنے اندھیرا ہے دیوار کے پاس"

جیل کا یہ احاطہ آدھی رات کے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جو پہرے دار یہاں چل پھر کر آواز لگا کر پہرہ دیتا تھا۔ اس کی لاش کوٹھری میں پڑی تھی۔ ہم نے جھکے جھکے بھاگ کر احاطہ عبور کیا اور سامنے دیوار کے پاس اندھیرے میں آگئے۔ یہ جیل کی دیوار تھی اور جیساکہ جیل کی دیواریں کچی رکھی جاتی ہیں یہ دیوار بھی کچی تھی۔ میں نے سنگین ماری تو دیوار کی مٹی گر پڑی۔ "سدھا! ہم یہاں نیدور لگائیں گے۔ میں اس کے ساتھ اب تامل زبان میں بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں تمھاری مدد کروں گی۔ یہ جگہ نرگ سمان ہے۔ میں یہاں مرنا نہیں چاہتی"

میں نے دیوار کی مٹی اکھیڑنی شروع کر دی۔ مٹی بھربھری تھی سنگین بھی نوک دار اور تیز تھی۔ دیکھتے دیکھتے وہاں شگاف پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سدھا نے سنگین پکڑ لی اور دیوار کے شگاف کو کشادہ کرنے لگی = میں نے دو منٹ بعد اس سے سنگین لے لی اور خود دیوار کھودنے لگا۔

اچانک ایک طرف سرچ لائٹ کی روشنی ہوئی = ہم جلدی سے زمین کے ساتھ چپک گئے۔ روشنی کا دائرہ جیل کے دروازے پر طور پر بنے ہوئے مچان پر لگی سرچ لائٹ سے پھینکا جا رہا تھا۔ یہ دائرہ دیوار کے اوپر خار دار تاروں پر آہستہ آہستہ ہوتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ ہم زمین پر سانس روکے ہوئے پڑے تھے۔ سرچ لائٹ کی روشنی کا دائرہ اب نیچے اترنے لگا تھا۔ یہ بات بڑی خطرناک تھی۔ اس روشنی میں ہمیں دیکھا جا سکتا تھا۔ میں سدھا کو کھینچ کر دیوار سے دور لے گیا سدھا کی پرانی ساڑھی میں سے سانپ کی دھیمی سی پھنکار کی آواز آئی۔ سدھا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی۔ "میرے بیٹے! کوئی بات نہیں شانتی! شانتی"

میری آنکھیں دیوار پر اوپر نیچے ہوتی سرچ لائٹ پر جمی تھیں میرا دل دھڑک رہا تھا۔ اگر یہ روشنی دیوار کے شگاف پر آئی تو ابھی جیل کے خطرے کے الارم چیخ اٹھیں گے اور پھر ہمارا یہاں سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ دیوار کا شگاف تو ہمیں رات کے اندھیرے میں بھی نظر آرہا تھا لیکن قسمت ہم پر مہربان تھی۔ سرچ لائٹ کا دائرہ شگاف سے اوپر ہی سے گزر گیا۔

میں نے سدھا کا بازو ذرا سا دبایا۔ آؤ

دس منٹ کی سرتوڑ کوشش کے بعد میں نے دیوار میں چھوٹا سا سوراخ کر لیا۔ پھر اس سوراخ

کو اتنا کشادہ کیا کہ ہم اس میں سے رینگ کر باہر جا سکتے تھے۔ پہلے میں نے شگاف میں سے سر نکال کر باہر دیکھا۔ باہر ایک کھائی تھی جس کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک تپلی سی پگڈنڈی جاری تھی۔ میں باہر نکل آیا۔ پھر سدھا رنگنی کو سہارا دے کر باہر کھینچ لیا۔

کھائی میں پانی بھرا ہوا تھا اور جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے ہم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ سدھا رنگنی پر بھی میری طرح جلد ہی نقاہت طاری ہو گئی۔ وہ اتنی مدت جیل کے فاقوں اور اذیتوں کا نتیجہ تھی۔ ہم نے دوڑنا بند کر دیا اور تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ ہم اس علاقے سے قطعاً واقف نہ تھے۔ رات گہری خاموش اور سنسان تھی کھائی کے پار کھیتوں سے دور کچھ بلند عمارتوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں ہم جیل کی بلند دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر چل رہے تھے۔ سانپ سدھا رنگنی کا بیٹا سانپ اب اس کی گردن سے لپٹ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سدھا نے اسے نیچے کر دیا۔

اس کا سانس پھول رہا تھا مگر وہ میرے ساتھ تیز تیز چلی جا رہی تھی۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ہم چار آدمیوں کو قتل کر کے جیل سے بھاگ رہے تھے۔ آگے جیل کی دیوار پر بڑا سا بلب روشنی دے رہا تھا۔ ہم رک گئے۔ ہم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف، پھر دیوار کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہم بھاگ کر روشنی کے حصے کو عبور کر گئے۔

خطرہ تھا کہ اگر ہم اس طرح جیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے چلے گئے تو جیل کے بڑے پھاٹک پر جا نکلیں گے میں نے اندھیرے میں دیکھا کچھ فاصلے پر ایک پلیا سی دکھائی دی۔ ہم نے لپک کر اس پلیا پر سے کھائی عبور کی اور سامنے والے کھیتوں میں جا گھسے۔ یہ جوار کے کھیت تھے اور کافی اونچی فصل اگی تھی۔ ہم نے اپنا رخ اس سمت کر لیا تھا جدھر کسی عمارت یا اونچی بلڈنگ کی بتیاں نہیں تھیں اور دور تک اندھیرا چھایا تھا۔

اس وقت ہمیں جس چیز نے زیادہ پریشان کر رکھا تھا وہ یہ تھی کہ ہم ابھی جیل سے زیادہ دور نہیں گئے تھے اور وہاں کسی بھی وقت ہمارے فرار کا علم ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پولیس پارٹیاں ہماری تلاش میں نکل کھڑی ہوتیں اور ہم گرفتار ہو سکتے تھے۔ ہمیں تیزی سے اس علاقے سے بہت دور نکل جانا تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اندھیرے کی چادر ہماری رکھوالی کر رہی تھی۔ ہمارے سانس پھول رہے تھے۔ مگر رک کر سانس لینے کی فرصت نہ تھی۔ کچھ فاصلے پر سڑک کے کھمبوں کی روشنیاں نظر آئیں۔ ہم اس سے ہٹ کر دوسری سمت چلنے لگے۔ کچھ دور چلے ہوں گے کہ ایک چھوٹی سی مضافاتی بستی آگئی یہاں کوارٹر نما کوٹھیاں بنی تھیں جن کے درمیان سڑکیں تھیں۔ یہاں کھمبوں پر لگے بلب جل رہے تھے ہم اس بستی کے کنارے سے ہو کر نکلنے لگے تو کچھ فاصلے پر ایک کوٹھی نما کوارٹر یا کوارٹر نما

کوٹھی کے باہر ایک چھوٹی کار کھڑی نظر آئی میں رک گیا" سدھا! ہم اس کار کو اسٹارٹ کر لیں تو یہاں سے جلدی نکل جانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں"

کار پر ترپال پڑی تھی۔ میں نے ترپال کو ہٹا دیا۔ سنگین کی مدد سے شیشے کو نیچے گرایا۔ دروازے کو آہستہ سے کھول کر میں نے اسٹیئرنگ کو گھمایا۔ اسٹیئرنگ لاک نہیں تھا۔ میں نے جھک کر سیلف کے تاروں کو ڈائریکٹ کیا۔ انجن سے گڑگڑاہٹ کی آواز نکلی اور وہ اسٹارٹ ہو گیا۔ خدا جانے کوٹھی میں اس کا نوکر یا مالک وغیرہ جاگا تھا یا نہیں بہر حال میں نے ایکسیلیٹر دبایا اور تیزی سے گاڑی کو لے کر آگے نکل گیا۔

یہ گاڑی اس وقت قدرت کی طرف سے بے بہا عطیہ تھا بستی کی چھوٹی سڑک پر سے ہم تیزی سے گزر گئے۔ آگے وہی کھمبوں کی روشنیوں والی بڑی سڑک آ گئی۔ اس سڑک پر چڑھے بغیر کوئی چارہ نہ تھا میں نے سڑک پر گاڑی کا رخ شہر سے باہر کی طرف موڑ دیا۔ شہر کی روشنیاں ہمارے پیچھے تھیں۔ سڑک تقریباً خالی تھی۔ کبھی کبھی کوئی ٹرک کراس کر جاتا تھا۔ سدھا نے پوچھا۔" رگھو ہم کدھر کو جا رہے ہیں۔ آگے کوئی شہر ہوا تو ہم پکڑے جائیں گے؟

میری آنکھیں سڑک کے اردگرد کے علاقے کا جائزہ لے رہی تھیں۔۔ اندھیرے میں کہیں کہیں درختوں کے اونچے اونچے جھنڈ نظر آ رہے تھے خدا جانے اس طرف کوئی سڑک جاتی تھی یا نہیں؟ اور اگر جاتی بھی ہو تو کیا معلوم آگے وہ کسی دوسری بستی میں داخل ہو جائے اور ہم پر کوئی دوسری مصیبت آن پڑے میں نے سدھا سے کہا کہ ہم شہر سے دور کسی جنگل میں جا کر چھپ جائیں گے۔ میں یہاں سے جنگل کو جانے والی سڑک دیکھ رہا ہوں۔

سدھا رنگنی نے کہا۔" رگھو پیارے میرے ماں باپ کے گھر چلو۔ ہمارے گاؤں کو بڑودہ سے آگے ایک کھریا اسٹیشن ہے وہاں سے راستہ جاتا ہے"

میں سدھا رنگنی کے ماں باپ کے دریا والے گاؤں کو بھول ہی گیا تھا۔ اس کا گاؤں میرے لئے کچھ دیر کے لئے اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ میں کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنی کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنے آپ کو ڈاکٹر آفریدی کے مشن کے لئے تیار کر سکوں۔ میں نے سدھا سے پوچھا" کھریا اسٹیشن سے تمہارا گاؤں کتنی دور ہے"؟

اس نے کچھ سوچ کر بتایا" رگھو! میں کبھی کبھی گاؤں سے باہر جایا کرتی تھی۔ معلوم نہیں۔ پر اتنا معلوم ہے کہ کھریا اسٹیشن سے بیل گاڑی جنگل میں ایک رات ایک دن چلتی رہتی ہے۔ پھر دریا آ جاتا ہے۔ ــــــــــ اس دریا کے کنارے میرے ماتا پتا اور دوسرے مچھیروں کی جھونپڑ بستی ہے۔"

میں اتنی ہی دور جنگل میں نکل جانا چاہتا تھا۔ اب میری ساری توجہ کھریا ریلوے اسٹیشن کی

طرف ہو گئی ۔ سوال یہ تھا کہ کھریا ریلوے اسٹیشن کے بارے میں کس سے دریافت کیا جائے ؟ یہ کام ضروری بھی بہت تھا ۔ ہمارے لباس اس قدر بوسیدہ ہو رہے تھے کہ لگتا تھا کوئلہ کی کسی کان سے نکل کر آرہے ہوں ۔ میری خاکی وردی اب نسواری ہو گئی تھی ۔ حلیہ بھی چوروں جیسا تھا ۔ داڑھی بڑھی ہوئی اور بال الجھے ہوئے تھے ۔ کپڑوں پر مٹی لگی تھی ۔ کار سڑک پر بھاگی جارہی تھی ۔ ٹنکی میں پیٹرول بھی بہت تھا ۔

اچانک بائیں جانب ریل گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی ۔ دیکھا تو دور کھیتوں کے پار ریل گاڑی آگے کو دوڑی جارہی تھی ۔ اندھیرے میں اس کے ڈبوں کی روشنیاں بڑی پیاری لگ رہی تھیں ۔ اس کا مطلب تھا کہ آگے کوئی ریلوے اسٹیشن تھا ۔ انجن بار بار سیٹی بجارہا تھا ۔ سدھا رنگنی ریل گاڑی کو دیکھنے لگی ۔ پھر گاڑی درختوں کے پیچھے غائب ہو گئی ۔

"سدھا ! آگے اسٹیشن ہے ۔ یہ کون سا اسٹیشن ہو گا ؟"

"مجھے نہیں معلوم رگھو ! اتر کر معلوم کرلیں گے ۔"

میں نے جلدی سے کہا ۔ "خبردار ۔ تم گاڑی سے مت اترنا میں خود ہی معلوم کرلوں گا ۔"

سدھا رنگنی نے پہلی بار اپنی سحر انگیز کیسری آنکھیں میرے چہرے پر جماتے ہوئے کہا "میرے رگھو ! تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے ۔ تم نے بتایا ہی نہیں کہ تم جیل خانے میں کیسے آگئے ۔ تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے ؟ میں تم سے ناراض ہوں ۔"

میں نے کہا ۔ "تمھیں کیا معلوم مجھ پر کیا بیتی ۔ پولیس نے مجھے بھی احمد آباد کی جیل میں ڈال دیا ۔ تمہارے اس سانپ بیٹے کی وجہ سے میں نے بھی بڑی مصیبت کاٹی ہے "

سدھا رنگنی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی ۔ "یہ میرا بیٹا ہے ۔ اس کی خاطر تو میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں " ۔۔ پھر چمک کر کہنے لگی ۔ "رگھو پُرشوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے مجھے ان سے نفرت ہو گئی ہے ۔ میں دنیا کے کسی پُرش کو زندہ نہیں چھوڑوں گی ۔"

اس کی آنکھوں سے کسی خون خوار درندے کی طرح چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں ۔ میں نے کار کو سڑک کی سائیڈ پر کرلیا ۔ سامنے سے ایک ٹرک تیز روشنی ڈالتا چلا آرہا تھا ۔ ٹرک گزرا تو آگے دائیں جانب ریلوے کے سگنل کی سبز اور سرخ بتیاں نظر آئیں ۔ یہ کوئی مضافاتی ریلوے اسٹیشن تھا ۔

"اسٹیشن آگیا سدھا ۔ بھگوان کرے یہ کھریا اسٹیشن ہو ۔" میں نے ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر کار روکی جس گاڑی کو ہم نے راستے میں دیکھا تھا وہ پلیٹ فارم پر کھڑی تھی ۔ کچھ مسافر اسٹیشن کے گیٹ کی طرف دوڑے جا رہے تھے ۔ سدھا کو کار میں بیٹھنے کی تاکید کرتے ہوئے میں نکل کر اسٹیشن کی طرف آگیا ۔ یہاں ایک فقیر کو درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا ۔ وہ رات کی اس آخری گاڑی کے مسافروں سے دان وصول کرنے وہاں بیٹھا تھا میں نے قریب جا کر مسکرانے کی کوشش کرتے

ہوئے کہا" تمے بھائی چھے۔ ایو کھریا ٹیشن چھے۔"

مجھے تھوڑی گجراتی زبان بھی آ گئی تھی۔ فقیر نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ کھریا ناہیں چھے۔"

اب میں نے ہندی زبان میں پوچھا کہ کھریا اسٹیشن کتنی دور ہے۔ اس فقیر کی زبانی پتہ چلا کہ کھریا ریلوے اسٹیشن اگلا اسٹیشن ہے۔ میں تیزی سے واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔

"کھریا اسٹیشن آگے آئے گا سدھا۔"

کھریا کا ریلوے اسٹیشن وہاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کا علم مجھے سڑک پر لکھے ایک سنگ میل سے ہوا جس پر میری گاڑی کی روشنی پڑی تھی۔ میں نے کار کی رفتار کافی تیز کر دی۔ دور سے کھریا اسٹیشن کی سگنل کی سرخ بتیاں دکھائی دیں۔ میں نے سدھا سے کہا" اس وقت یہاں سے کوئی بیل گاڑی بھی مل گئی تو ہم بھاڑا کہاں سے دیں گے۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے"

سدھا بولی۔" تم اتنی جلدی گھبرا کیوں جاتے ہو چلو تو سہی میں دھارلوار اپنے پتا کے پاس جا کر بھاڑا دے دوں گی۔"

کھریا کا چھوٹا سا دیہاتی ریلوے اسٹیشن آگیا۔ اس وقت ریلوے اسٹیشن کی گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی نیند ہماری آنکھوں سے غائب تھی۔ یہی فکر لگا تھا کہ جیل پولیس کی گارڈ واقفیں بندوقیں اٹھائے ابھی پہنچنے ہی والی ہو گی۔ میں نے کار ایک طرف کھڑی کر دی۔ چونکہ یہاں رات کو آخری ٹرین رکتی تھی اس لئے دو ایک بیل گاڑی والے ضرور موجود رہتے تھے۔

یہاں میں کسی گاڑی بان کو گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا میں نے سدھارنگنی سے کہا" سدھا! ہمیں یہاں سے جنگل میں کچھ دور پیدل چلنا ہوگا۔ گاڑی بان نے ہمیں دیکھ لیا تو گواہ بن جائیں گے۔ گاڑی بھی یہیں ہوگی۔ پولیس آئی تو گاڑی بان اسے بتا دے گا کہ یہیں دھارادار گاؤں چھوڑا ہے۔

سدھارنگنی بھی سوچ میں پڑ گئی = اس نکتے پر ہم نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ جیل کی صعوبتیں اٹھا اٹھا کر ہماری ذہنی حالت کیسی ہوگئی تھی۔ سدھا نے بتایا کہ وہ جنگل کے راستے سے واقف ہے۔ میں گاڑی نکال کر آگے لے گیا جب کھریا اسٹیشن ذرا پیچھے رہ گیا تو میں نے سدھا سے پوچھا۔" اب یہاں سے کون سا راستہ جنگل کی طرف جاتا ہے۔"

سدھارنگنی نے اندھیرے میں سڑک کی دائیں جانب یعنی مغرب کی طرف کے درختوں کو غور سے دیکھا۔ پھر ادھر اشارا کر کے بولی۔" ان جنگلوں کے پیچھے دریا ہے جس کے کنارے دھارادار کے مچھیروں کا گاؤں ہے۔ وہیں میرے ماتا پتا رہتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔" کیا آگے بھی کہیں سے کوئی راستہ اس جنگل کو اترتا ہے؟"

سدھا بولی۔ "راستہ تو جاتا ہو گا رگھو۔ پرنتو وہاں تمہاری یہ پھٹ پٹی نہیں جانے کی۔ یہ تو جنگل کے راستے ہیں۔ ہمیں تو پیدل ہی جانا ہو گا۔"

میں سوچنے لگا کہ اگر بیل گاڑی پر یہ راستہ ایک رات ایک دن میں طے ہوتا ہے تو پیدل تو ضرور چار دن لگ جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ جنگل تھے بھی بڑے خطرناک، جنگلی درندوں، قسم قسم کے زہریلے حشرات الارض سے بھرے ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے پہلے بھی کئی جنگلوں میں سفر کیا تھا لیکن اس سفر میں یقیناً جان کا خطرہ تھا۔ ہمارے پاس ہتھیار کے طور پر صرف ایک سنگین ہی تھی۔ باقی سدھارنگنی کا چیتا سانپ بیٹا تھا جس کے بارے میں یہ خاص بات تھی کہ اس کی بو پا کر درندہ ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ مگر خود اس سانپ پر کوئی حادثہ گزر سکتا تھا۔ بہر حال، شہر کی طرف بھی ہمیں موت ہی موت دکھائی دے رہی تھی۔ اس لئے اس جنگل میں داخل ہونا لازمی تھا۔۔

آگے ایک دریا آ گیا۔ میں نے سوچا کہ پل کی دوسری جانب جا کر گاڑی دریا برد کر دیں گے اور خود جنگل میں داخل ہو جائیں گے۔ گاڑی پل پر سے گزر کر دوسری طرف آئی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ پل کی ایک جانب کھمبے کی روشنی میں نیچے ایک پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ دو پولیس والے سڑک کے بیچ کھڑے مجھے گاڑی روکنے کا اشارا کر رہے تھے۔

سدھارنگنی نے گھبرا کر کہا "رگھو! یہ مجھے پکڑ لیں گے۔" میں نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ ہماری گرفتاری یقینی تھی گاڑی کو تیزی سے گھمایا تو سپاہی ایک طرف ہٹ گئے۔ میں نے سارا حساب کتاب کر لیا تھا کہ مجھے کہاں سے گاڑی کدھر کو گھمانی ہے اور پھر اسے نکال کر کدھر کو لے جانا ہے۔ کیونکہ میں ایک سپاہی کے ہاتھ میں پستول دیکھ چکا تھا۔ دونوں سپاہی اپنی گاڑی کی طرف بھاگے۔ میں نے گاڑی ان کے پیچھے ڈال دی رفتار چالیس کلومیٹر سے اوپر تھی سدھارنگنی نے چیخ مار کر اپنا سر نیچے کر لیا سپاہی ششدر رہ گئے تھے۔ انھوں نے چھلانگ لگائی اور سڑک کی سائڈ پر جا گرے۔ مگر میں نے تو انہیں کچلنے کا فیصلہ کر رکھا تھا میں جانتا تھا کہ اگر میں رکے بغیر وہاں سے نکل گیا تو وہ اپنی جیپ میں تعاقب شروع کر دیں گے اور پھر ان کے پاس اسلحہ بھی تھا۔ وہ ہم میں سے کسی ایک کو ہلاک بھی کر سکتے تھے۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ہماری ہی گرفتاری کے لئے وہاں کھڑے ہوں۔

میں نے گاڑی ان کے اوپر چڑھا دی۔ ٹائر دو تین بار اوپر کو اچھلے اور گاڑی جھٹکے کھاتی آگے سڑک پر آ گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا کھمبے کی روشنی میں ایک سپاہی سڑک پر دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسرا سپاہی سڑک کے کنارے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میں نے تیزی سے گاڑی واپس موڑی اور پوری رفتار سے چلاتے ہوئے سپاہی کو پیچھے سے ٹکر مار دی۔ میرا اپنا سر بھی اسٹیرنگ سے ٹکرا گیا۔ ماتھے سے خون بہنے لگا۔ سپاہی اچھل کر دور پل کے جنگلے سے ٹکرایا اور سڑک پر آن گرا۔

میری گاڑی نے بھی چلنے سے انکار کر دیا۔ اس کے ریڈی ایٹر سے شوں شوں کی آوازیں اور

دھواں اٹھنے لگا۔

"سدھا! جلدی سے باہر نکل کر پولیس جیپ کی طرف آؤ۔" سدھا رتنگنی کا سانپ بھی اس کی گردن میں آ گیا تھا اور منہ اٹھائے حیرت سے ادھر ادھر تک رہا تھا۔ میں نے سنگین اٹھائی اور سدھا کو لے کر پولیس کی جیپ میں گھس گیا۔ دروازہ زور سے بند کیا جیپ اسٹارٹ کر کے اسے بھگانا شروع کر دیا۔

سدھا رتنگنی نے اپنی ساڑھی کا پلو پھاڑ کر میرے ماتھے پر پٹی باندھی۔ میری آنکھیں سڑک پر دور تک گھور رہی تھیں۔ سڑک سنسان تھی۔ پل پیچھے رہ گیا تھا میں نے سدھا سے کہا۔ "ہمیں کہاں سے جنگل میں اترنا ہے سدھا؟"

اس نے پیار سے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "درد تو نہیں ہو رہا رگھو! میرے سوامی۔"

میں نے جھنجلا کر کہا۔ "اری یہ بتاؤ کہ جنگل میں کہاں سے داخل ہوں؟"

سدھا نے سامنے اور پھر دائیں جانب دیکھا اور بولی "بس رگھو! وہ جو کھمبا ہے وہاں سے ایک کچا راستہ جنگل کو جاتا ہے۔" میں نے جیپ کو ایک طرف روک دیا۔ اب اس کی تلاشی لی۔ اس جیپ سے ہمیں ایک ٹارچ، دو رائفلیں، گولیوں کا ایک ڈبا اور ایک ٹفن کیریئر ملا۔ یہ ساری چیزیں ہم نے اٹھالیں جیپ کو وہیں چھوڑا اور سڑک سے اتر کر رات کے اندھیرے میں کچی سڑک پر سے دوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئے۔ سدھا رتنگنی اس جنگل سے واقف تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس جنگل میں کئی بار سفر کر چکی تھی۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ مگر جنگل میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ گجرات کی پولیس کے خوف سے ہم پچھلے پہر کے چار بجے تک چلتے رہے۔ آخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ درختوں کی گھنی شاخوں کے اوپر آسمان سے پو پھٹ رہی تھی۔ سدھا رتنگنی نے میرے سر کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ "رگھو درد تو نہیں ہو تا رے"

اس نے پٹی اتار دی جو خون میں تربتر تھی۔ ہائے رام۔ رگھو تیرے تو بڑا خون بہہ رہا ہے رے "

اس نے ساڑھی کا ایک اور پلو پھاڑا اور میرے ماتھے کا خون صاف کر کے پٹی باندھ دی۔ اس کے کپڑوں سے پہلی بار مجھے ناریل کی مہک آئی۔ میں نے ٹفن کیریئر کو کھول کر غور سے دیکھا۔ اس میں پراٹھے اچار اور بھاجی تھی۔ ایک لفافے میں تھوڑا سا گڑ بھی تھا۔ سدھا رتنگنی خوش ہو کر بولی "گڑ میرا بیٹا کھائے گا۔ اسے گڑ بہت پسند ہے"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "سدھا! بھگوان کے لئے اپنے اس ناگ سپوت کو مجھ سے پرے رکھو۔ کئی دنوں کے بعد پراٹھا کھانے کو نصیب ہوا ہے۔ یہ لو تم بھی کھاؤ"

سدھا رتنگنی تنک کر بولی۔ "رگھو! خبردار جو میرے بچے کو کچھ کہا" پھر اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سانپ کے بچے کو گردن میں سے اتارا اور لفافے میں سے گڑ نکال کر اس کے منہ میں

ڈالنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خود بھی کھا رہی تھی۔ تھوڑا تھوڑا سانپ کے منہ میں ڈالتی اور باقی اپنے منہ میں ڈال لیتی۔ میں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ یہ کمبخت عورت بہت جلد ناگن بننے والی تھی۔ کاش اس کے ساتھ یہ کالے منہ والا سانپ نہ ہوتا پھر شاید میں اس سے محبت کرنے لگتا۔ محبت اب بھی مجھے اس کیسری رنگ کی آنکھوں والی سیاہ فام لڑکی سے ہو گئی تھی مگر میں اس کے قریب جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔

میں نے پراٹھا اس کی طرف بڑھایا۔ "اری یہ بھی کھاؤ تمہیں بھوک نہیں لگی کیا؟"

"کیوں نہیں۔ کھاتی ہوں۔ پہلے اپنے بچے کو تو کھلا لوں" وہ مسکرا کر اپنے سانپ بیٹے کے منہ میں گڑ ڈالتی ہوئی بولی۔

"کھانا کھاؤ۔ ابھی بڑا لمبا سفر باقی ہے۔" سدھار تنگی پراٹھا کھانے لگی۔ "ایک بات بتاؤ سدھا! جیل میں جو وارڈن تھیں اٹھا کر کوٹھری میں لے گئے تھے انہوں نے۔۔"

سدھار تنگی تے تڑپ کر سانپ کا منہ میری طرف کر دیا۔ "رگھو تم بے غیرت ہو۔ تم میرے پتی دیو نہیں ہو۔ تم مجھے پولیس والوں کے پاس چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

نوالہ میرے ہاتھ ہی میں رہ گیا سانپ اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ "ارے۔۔ ۔۔ وہ۔۔ پولیس نے مجھے بھی پکڑ لیا تھا۔ میں کہاں بھاگا تھا۔" میں نے جھوٹ بولا۔ سدھا نے سانپ کا منہ پیچھے کر لیا اور تلخی سے بولی۔

"تم جھوٹ کہتے ہو رگھو! تم میرے سوامی نہ ہوتے تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتی۔"

پھر وہ سر جھکا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ میں نے نوالہ وہیں رکھ دیا اور سدھار تنگی کو دلاسا دینے لگا۔ اس نے میرا ہاتھ پیچھے جھٹک دیا اور گردن تان کر بولی۔ "جیل کے ان دونوں مردوں نے میری ہتیا کی"

اس نے جھپٹ کر رائفل اٹھائی اور میری طرف گردن گھما کر کیسری آنکھوں سے تکنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے معلوم ہو رہے تھے۔ "رگھو! مجھے رائفل چلانا سکھا دو گے۔ میں دنیا کے تمام مردوں کو ہلاک کر دینا چاہتی ہوں"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟ ضرور سکھا دوں گا۔ تم کھانا کھاؤ نا۔" اس کے ہاتھ رائفل پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ اس نے ایک گہرا سانس بھر کر جو ایک پھنکار سے ملتا جلتا تھا رائفل نیچے رکھ دی آہستہ آہستہ روٹی کھانے لگی۔ میں اس موضوع پر اب اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے کہا۔ "کہیں سے پانی تلاش کر کے لاتا ہوں۔" ٹفن کیریئر کا خالی ڈبہ لے کر گاؤں کی طرف نکل گیا۔ اس عورت میں ایک خونخوار قسم کی ناگن بیدار ہو رہی تھی لیکن وہ بچی تھی۔ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اور غریب عورت اپنی بے عزتی کبھی نہیں بھلا سکتی اس کے پاس عزت

ہی تو ایک دولت ہوتی ہے۔ میں پانی لے کر آیا تو وہ حسب معمول آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اور اس کے سیاہ فام چہرے پر ماما کا نور برس رہا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اسے پانی پینے کو دیا۔ پھر مجھے اچانک خزانے کے لعل کا خیال آگیا۔ "سدھا اس لعل کا کیا ہوا؟"

سدھا نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر بولی۔ "وہ تو سالے پولیس والے مجھ سے لے گئے۔ سرکار کو دے دیا ہوگا۔ یا خود کھا گئے ہوں گے لفنگے کہیں کے"۔۔ پھر آہ بھر کر کہنے لگی نہ تو راجہ بنا نہ میں رانی۔ راج محل کا سپنا بھی پورا نہ ہوا رگھو تم دیکھ لینا میں ان حوالداروں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی جنھوں نے مجھے پکڑ کر بندی خانے میں ڈال دیا تھا۔"

دھارلوار گاؤں کے دریا تک اس جنگل کا سفر بڑا دشوار گزار اور صعوبتوں سے پُر تھا۔ ہمارے پاس ایک سنگین، دو رائفلیں اور گولیوں کا ایک ڈبہ اور ایک ٹارچ تھی۔ کھانا ہم نے کچھ بچا لیا تھا، جو زیادہ سے زیادہ ایک دن مزید چل سکتا تھا۔ میں اس جنگل میں پولیس کی دست برد سے محفوظ تھا۔ یہ جنگل اتنے گھنے، پیچیدہ اور خونخوار درندوں سے بھرے تھے کہ یہاں پولیس تو کیا فوج کا گزر بھی مشکل تھا۔ میں نے اب یہی سوچ رکھا تھا کہ سدھار نگی کے گاؤں پہنچ کر وہاں سے دریا کے ذریعے سورت کی بندر گاہ جاؤں گا اور وہاں سے بھارت کی مغربی گھاٹ کے سمندر میں ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتا بمبئی کی بندر گاہ کے۔۔ علاقے میں کسی جگہ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ اب تو بڑودہ بلکہ گجرات کاٹھیاواڑ کی پولیس میری تلاش میں تھی۔ اور میں ان ہی کے صوبے میں سفر کر رہا تھا۔ گجرات پولیس اور سی آئی ڈی کے پاس میرا فوٹو بھی تھا اور میری انگلیوں کے نشان بھی تھے بمبئی پہنچ کر بھی مجھے بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا اور بھیس بدل کر شہر میں داخل ہونا ہوگا۔

مجھے مقدس نقش کے کھو جانے کا افسوس تھا۔ اس ابتلا میں یہ نقش میرے لئے بڑا اکسیر اور کار آمد شے تھا۔ میں دل ہی دل میں ان بزرگ کی روح سے شرمسار بھی تھا۔ جنھوں نے مجھے یہ مقدس نقش مرحمت فرمایا تھا۔ سوچتا کہ شاید ان بزرگ کی روح سے دوبارہ ملاقات ہو جائے لیکن ابھی تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہم جنگل میں دن بھر سفر کرتے رہے۔ کسی جگہ آرام کرنے کو بھی بیٹھ جاتے۔ کہیں کوئی جنگلی لوگوں کی بنائی ہوئی پگڈنڈی مل جاتی۔ کہیں ہمیں خود جنگل میں سے راستہ بنانا پڑتا۔ میری داڑھی مونچھ بڑھ آئی تھی۔ میں خود شکل سے جنگلی لگنے لگا تھا۔ بڑودہ پولیس کے سپاہیوں کا کھانا ہم نے دو دن چلایا۔ ٹفن کیریئر کا صرف ایک ڈبہ پانی پینے کے لئے رکھ لیا باقی پھینک دیا۔ پہلی رات ہم نے ایک چٹان کی کھوہ میں بسر کی۔

دونوں رائفلیں میں نے اٹھا رکھی تھیں۔ سنگین کو میں نے ایک رائفل پر چڑھا لیا تھا۔ سدھار نگی نے اصرار کر کے ایک رائفل اپنے کاندھے پر اٹھا لی۔ راستے میں اس نے مجھ سے سیکھ کر ایک دو فائر بھی کیے۔ مگر اس کا نشانہ بے حد کچا تھا۔ میں زیادہ گولیاں بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

خدا جانے اب یہ سدھار نگنی کے بیٹے سانپ کی مخصوص بو کا اثر تھا کہ درندے دور دور سے گرجتے ' دہاڑتے اور شور مچاتے تھے۔ مگر ہمارے پاس کوئی نہ آتا تھا۔

اگلی رات ہم نے جنگلی پھل پھول اور ناریل وغیرہ کھا کر گزارا کیا۔ مجھے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں ہم راستے سے نہ بھٹک گئے ہوں اور چلتے چلتے واپس بڑودہ کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں مگر سدھار نگنی کو یقین تھا کہ ہم صحیح سمت میں سفر کر رہے ہیں۔ آخر اس طرح سفر کرتے کرتے تیسرے روز کا سورج طلوع ہوا تو جنگل ختم ہو گیا۔ دور سامنے دریا کا پاٹ نظر آ رہا تھا سدھار نگنی نے خوش ہو کر ناچتے ہوئے کہا "رگھو! میرا گھر آ گیا۔ وہ دیکھو دریا۔ اس کے کنارے میرے ماتا پتا رہتے ہیں۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔" ہم تھک کر چور ہو چکے تھے۔ جنگل سے نکل کر دریا کنارے جب اس مقام پر پہنچے جہاں دھارلوار مچھیروں کا گاؤں ہونا چاہئے تھا تو دیکھا کہ وہاں ٹوٹی پھوٹی جلی ہوئی جھونپڑیوں کے لوہ جلے کھپریل بکھرے ہوئے تھے۔ سدھار نگنی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ حیرت کی تصویر بنی ان جھونپڑیوں کی تباہی کا منظر دیکھنے لگی۔ "رگھو! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ وہاں ایک بھی جھونپڑی سلامت نہیں تھی۔ کئی جگہوں پر زمین کی کھدائی ہو چکی تھی۔ میں نے کہا۔ "سدھا! لگتا ہے ادھر آگ لگ گئی ہو گی۔"

سدھار نگنی نے اونچی آواز میں اپنے ماتا پتا اور دوسرے رشتے داروں کا نام لے لے کر انہیں پکارنا شروع کیا۔ دریا کنارے صرف دو کشتیاں صحیح حالت میں پڑی تھیں۔ باقی کشتیاں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ کچھ آدھی دریا میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سدھا کی پکار پر کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ دریا کا یہ کنارا دور تک ویران تھا۔ ایک طرف کنارے سے تھوڑا ہٹ کر ایک اونچا ٹیلہ تھا جس پر تاڑ اور ناریل کے درختوں کا جھنڈ نظر آ رہا تھا۔

سدھار نگنی بے حد پریشان اور مضطرب تھی۔ اس کے ماں باپ کا کچھ پتہ نہ تھا۔ جھونپڑیوں کی راکھ اور لوہ جلے کھپریل ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد۔ سدھار نگنی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے ماتا پتا کہاں چلے گئے رگھو!"

میں نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی مگر وہاں تباہی کا منظر سامنے بکھرا تھا۔ اسے کیسے حوصلہ ہوتا۔ وہ اونچے ٹیلے کی طرف دوڑ کر گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا کہ کہیں یہ وحشی لڑکی خودکشی نہ کر لے۔ سدھا نے ٹیلے کے نیچے کھڑی ہو کر کسی کا نام لے کر زور سے آواز دی۔ تیسری آواز پر ٹیلے کے اوپر جھاڑیوں کے پیچھے ایک سیاہ فام ' سفید بالوں والے بڈھے مچھیرے نے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں باہر نکلی ہوئی تھیں سدھا نے چیخ کر کہا "ریوادادا! میں سدھا ہوں یہ سب کیا ہے۔ میرے ماتا پتا کہاں ہیں گاؤں کے سب لوگ کہاں ہیں؟"

بوڑھا مچھیرا جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس نے اپنے دونوں سوکھے سے بازو پھیلا دیئے

اور بولا "سدھا بیٹی! ہم برباد ہو گئے۔
ہم تیزی سے ٹیلے پر پہنچے۔ یہاں جھاڑیوں کے پیچھے بوڑھے مچھیرے نے ناریل کی شاخوں کو جوڑ کر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ باہر پتھروں کے چولہے پر دھواں کھاتی کیتلی رکھی تھی۔ اس نے سدھا رنگنی کو اپنے ہڈیوں کے ڈھانچہ سینے سے لگالیا اور دونوں دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے دیکھا کہ سدھا رنگنی کا سانپ اس کی ساڑھی میں کمر کے پیچھے سے سر نکالے ادھر ادھر حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

یہ بوڑھا مچھیرا سدھا کا رشتہ دار تھا۔ اس نے تباہی کی جو داستان سنائی وہ یہ تھی کہ وہاں دریا کنارے شہر سے ایک جاگیردار پٹیل نے آکر ڈیرہ جمالیا ہے۔ دریا کنارے کی ساری زمین اور اس سے ملحق آدھا جنگل اس کی ملکیت ہے۔ وہ دریا کنارے جنگل کی لکڑی کی کٹائی اور لکڑی کے سلیپر بنانے کا ایک کارخانہ لگانا چاہتا ہے۔ ایک روز وہ اپنے غنڈوں کے ساتھ آیا اور مچھیروں کو جھونپڑیوں سے نکال باہر کر کے ان کی جھونپڑیوں کو مسمار کرنے لگا۔ مچھیروں نے مزاحمت کی تو اس کے غنڈوں نے بندوقیں چلانی شروع کر دیں۔ انھوں نے گاؤں کے سب آدمیوں اور بچوں کو ہلاک کر ڈالا۔ بڈھے مچھیرے نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بتایا "پٹیل کے غنڈوں نے دریا کی طرف بھاگتے بچوں اور عورتوں پر بھی گولیاں چلا کر مار ڈالا پھر جھونپڑیوں کو آگ لگا دی۔ پٹیل ایک جگہ کھڑا سگار پیتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور اپنے غنڈوں کو شہ دیتا رہا"
سدھا رنگنی کا چہرہ غم سے نڈھال تھا۔ اس نے روتے ہوئے پوچھا کہ گاؤں والوں کی لاشیں کہاں گئیں۔ بڈھے مچھیرے نے بتایا کہ پٹیل کے حکم پر ساری لاشوں کو جلا کر ان کی راکھ ہڈیاں سمیت دریا میں بہا دی گئی کہ کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔
"میں کسی طرح بچتا بچاتا اس ٹیلے پر آکر چھپ گیا۔ میری بچی! میں نے اپنے بچوں اپنی بچیوں کو پٹیل کے غنڈوں کی گولیوں سے تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھا۔ پر میں بڈھا ہوں۔ کچھ نہ کر سکا"
بڈھا مچھیرا آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زار وقطار رونے لگا۔ سدھا رنگنی نے سر جھکا رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس غم میں میں بھی برابر کا شریک تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ایسا بھیانک ظلم کیا گیا تھا جس کی مثال ملنی مشکل تھی۔ گجرات کاٹھیاواڑ کے پٹیلوں کے بارے میں میں نے سن رکھا تھا کہ وہ پولیس کی سرپرستی میں من مانی کرتے اور اپنے مزارع پر ظلم ڈھاتے ہیں اور یہ جگہ تو شہر سے کوسوں دور ایک جنگل میں تھی۔ یہاں اسے پوچھنے والا کون تھا۔ المناک حادثے کی اطلاع ہم پولیس کو بھی نہیں کر سکتے تھے شہر جا کر۔ پولیس کو اطلاع کرنے جاتے تو خود پکڑے جاتے میں سدھا رنگنی کو دلاسا دینے کی ناکام سی کوشش کرتا رہا۔
ہم جھونپڑی کے آگے زمین پر بیٹھے تھے۔ بڈھے مچھیرے نے دھوتی کے میلے پلو سے آنسو

پونچھ کر کہا۔ بیٹی سدھا بھگوان کی یہی اچھیا تھی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ غریب لوگ ہیں۔

پھر اس نے سدھا سے پوچھا کہ اس کا خاوند ساتھ کیوں نہیں آیا۔ میری طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ پرش کون ہے سدھا رنگنی نے بڈھے مچھیرے کو بتایا کہ اس کے خاوند کا دھیانت ہو گیا ہے۔ خاوند کے بھائی بندا سے مردے کے ساتھ اسے چتا پر جلانے لگے تھے کہ اس تامل نوجوان رگھو نے اس کی جان بچائی۔ اب وہ اپنے ماتا پتا کے گھر آئی تھی کہ آگے یہ تباہی دیکھی۔

سدھا کا سانپ بیٹا اس کی ساڑھی سے نکل کر اس کے بازو سے اترنے لگا تو بڈھے مچھیرے نے کسی قدر چونک کر سانپ کے بارے میں پوچھا" یہ تمہارے ساتھ ہے بیٹی؟"

یہ میرا بیٹا ہے دادا۔

اتنا کہہ کر سدھا رنگنی نے سانپ کو گردن سے پکڑ کر اس کا منہ اٹھا کر اپنی طرف کیا اور رندھی ہوئی مگر غصیلی آواز میں بولی۔" ناگ میرے ماتا پتا کا بدلہ لوگے؟ بولو۔ جواب دو۔ بدلہ لوگے اپنی ماں پر کیے گئے ظلم کا؟"

"بڈھے مچھیرے نے ہاتھ باندھ کر کہا" سدھا بیٹی! ایسا کبھی سوچنا بھی نہیں، چٹیل کے غنڈوں کے پاس بندوقیں ہیں

سدھا رنگنی نے رائفل اٹھا کر اسکا دستہ زمین پر مارتے ہوئے غصے میں کہا۔"ہمارے پاس بھی بندوق ہے دادا۔۔ ہم اپنے ماتا پتا بھائی بندوں، کُٹم قبیلے کے خون کا بدلہ لوں گی۔۔۔ ضرور بدلہ لوں گی" سدھا رنگنی کے نتھنوں سے ایک بار پھر پھنکاریں نکلنے لگیں بڈھا مچھیرا جھونپڑے میں گیا اور ناریل کی ٹوکری میں رکھی ہوئی کچی مچھلی لے آیا" تم کو بھوک لگی ہو گی۔ یہ بھون کر کھالو۔ بس منہ اندھیرے دریا پر جا کر کچھ مچھلیاں پکڑ لاتا ہوں اور سارا دن یہیں دبکا بیٹھا رہتا ہوں۔ چٹیل کے آدمی دوپہر کو یہاں کا چکر لگانے آتے ہیں" سدھا رنگنی نے سر اٹھا کر اس زمین کی طرف دیکھا جہاں اس کے ماتا پتا کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ اس وقت مجھے ایسے لگا جیسے سدھا رنگنی نے اپنا پھن کھول رکھا ہو۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔" رگھو! مجھے بندوق چلانی آ گئی ہے نا؟"

ہاں سدھا! پر تجھے بندوق چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں جو تیرے ساتھ ہوں۔"

میری اس بات پر سدھا رنگنی نے کوئی جواب نہ دیا اپنی جگہ سے اٹھی جھونپڑی کے دروازے پر پڑے مٹی کے گھڑے میں سے پانی ناریل کے کٹورے میں ڈال کر پیا۔ پھر مجھے پینے کو دیا اور آگ جلا کر خاموشی سے مچھلی بھوننے لگی۔ مٹی کے ایک مٹکے میں جوار کا آٹا پڑا تھا بڈھے نے پتھر کو رگڑ کر آگ جلائی۔ سدھا نے مچھلی بنائی۔ روٹی پکائی۔ وہ خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر ایک سنگین سکوت تھا میں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے وہ چٹیل اور اس کے غنڈوں سے اپنے لوگوں کے خون کا انتقام لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

ہم نے مل کر تھوڑی بہت روٹی ' مچھلی کھائی ۔ میں سخت تھک گیا تھا۔ میں وہیں گھاس پر لیٹ گیا۔ سدھارتنگی اپنے سانپ کو دودھ پلانے لگی ۔" بڈھا مچھیرا جھونپڑی میں جا کر پڑ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب سدھارتنگی کا کیا بنے گا؟ ظاہر ہے میں اسے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا یہی ہو سکتا تھا کہ میں اسے بڈھے مچھیرے کے حوالے کر کے خودکشتی میں بیٹھ کر جنوب کی طرف نکل جاؤں ۔ کیونکہ جنوب کی جانب بمبئی کی بندر گاہ تھی ۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی کہ کچھ آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی ۔

میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ سدھارتنگی بھی جھاڑیوں کے اوپر سے ٹیلے کے دوسری جانب دیکھنے لگی ۔ میں اس کے قریب آگیا اتنے میں جھونپڑی سے بڈھا مچھیرا بھی نکل آیا۔ وہ بھی جھاڑیوں کے پاس بیٹھ کر نیچے تکنے لگا۔

نیچے ٹیلے کے قریب سے تین آدمی گزر رہے تھے ۔ ان کے کاندھوں سے بندوقیں لٹکی تھیں ۔ وہ ایک جگہ کھدی ہوئی زمین میں رک گئے ۔ ایک آدمی نے جیب سے فیتہ نکالا اور ذرا پرے جا کر زمین کی پیمائش کرنے لگا ۔ ان کی باتوں کی آوازیں ہم تک پہنچ رہی تھیں ۔ وہ گجراتی زبان میں بات کر رہے تھے جس کو میں ابھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتا تھا ۔

بڈھے مچھیرے نے کپکپاتی آواز میں کہا ۔ ”یہ پٹیل کے غنڈے ہیں ۔ انھوں نے ہی ہماری جھونپڑیوں کو آگ لگائی تھی ۔ میرے بچوں پر گولیاں چلائی تھیں “

بڈھے کی آواز بھر آئی ۔ مجھے تیز پھنکار سنائی دی ۔ میں اسے سانپ کی پھنکار سمجھا مگر یہ سدھا رنگنی کی پھنکار تھی ۔ غصیلی انتقام انگیز اور وحشی پھنکار ۔

سدھا نے رائفل پر ہاتھ رکھا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور تامل زبان میں کہا ۔ ”پیچھے ان کے اور ساتھی بھی ہوں گے ۔ گولی کی آواز سن کر وہ بھی آ جائیں گے “

سدھا رنگنی نے میرا ہاتھ جھٹک کر غصیلی سرگوشی میں کہا ۔ ”میرے ماتا' پتا کا خون کیا ہے انھوں نے تیرے ماتا پتا کا نہیں ۔ میرے سگے مارے ہیں انھوں نے تم چپکے بیٹھے رہو “

میں نے سدھا کو غلط مشورہ نہیں دیا تھا ۔ اس جنگل میں رائفل کا دھماکا دور دور تک سنا جا سکتا تھا ۔ ظاہر ہے غنڈوں کی طرف سے بھی ہم پر فائرنگ ہو گی ۔ ہم ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ دو غنڈوں کو مار سکتے تھے ۔ وہ بھی اگر سدھا کا نشانہ لگا ۔ فائرنگ کی آواز سن کر پٹیل کے ڈیرے سے دوسرے غنڈوں کا پہنچنا یقینی تھا اور خدا جانے ان کے پاس کتنا اسلحہ ہو ۔ مگر سدھا رنگنی پر انتقام کا بھوت سوار تھا ۔ وہ ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی ۔ بڈھے مچھیرے نے بھی سدھا کو گولی چلانے سے روکا ۔ مگر سدھا رنگنی فائر داغ چکی تھی ۔

تھری ناٹ تھری کی رائفل کے دھماکے سے سارا جنگل گونج اٹھا ۔ درختوں پر سے پرندے پھڑپھڑاتے شور مچاتے اڑ گئے ۔ سدھا رنگنی کا نشانہ چوک گیا تھا ۔ تینوں غنڈے گھبرا کر ایک طرف

دوڑے۔ اس کے ساتھ ہی تھری ناٹ تھری کا ایک اور دھماکا ہوا اور ایک غنڈہ دوڑتے دوڑتے اچھلا اور قلابازی کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ یہ میری رائفل کا دھماکا تھا۔ دونوں غنڈے کھدی ہوئی مٹی کی ڈھیریوں کے پیچھے لیٹ گئے۔ وہاں کوئی درخت نہیں تھا۔ جنگل کچھ فاصلے پر شروع ہوتا تھا۔ غنڈوں نے بھی ٹیلے کی طرف گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ میں نے سدھا کو پیچھے کھینچ لیا اور بڈھے کو بھی زمین پر لیٹ جانے کو کہا پھر اپنی رائفل سے پیچھے ایک ڈھیری کا نشانہ باندھ کر فائر کیا تو چیخ کی آواز بلند ہوئی اور ایک اور غنڈہ واصل جہنم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تیسرا غنڈہ اٹھ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ یہ میرے لئے بڑا آسان نشانہ تھا۔

میری رائفل سے تیسری گولی نکلی۔ دھماکے سے جنگل ایک بار پھر گونج اٹھا اور تیسرا غنڈہ بھی اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلا اور زمین پر گر گیا۔ تھری ناٹ تھری کی گولیوں نے اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ سدھا رنگنی میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "رگھو۔ میرے رگھوتم نے میرے ماتا پتا کی آتما کو شانت کر دیا۔ مجھے شانت کر دیا۔"

بڈھا گھبرا کر جھونپڑی کی طرف دوڑا اور بولا۔ "اب یہاں سے نکل چلو پٹیل کے غنڈے آتے ہی ہوں گے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ جھونپڑے سے اپنا تھیلا گلے میں ڈال کر نیچے کو دوڑنے ہی والا تھا کہ میں نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور تامل زبان میں کہا۔ "خبردار جھونپڑی میں جا کر بیٹھو۔ ہم مقابلہ کریں گے۔"

سدھا رنگنی بھی بوڑھے کو ڈانٹ کر جھونپڑی میں لے گئی اور اسے سختی سے ہدایت کی کہ وہ جھونپڑی میں لیٹا رہے اور باہر نہ نکلے میں نے سدھا کو تیزی سے رائفل کو ری لوڈ کرنا بتایا اور کہا بھگوان کے لئے نشانے کی سیدھ میں نالی رکھو۔ ہمارے پاس گولیاں کم ہیں ٹیلے کے اوپر جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ کچھ پتھر پڑے تھے۔ میں نے انہیں اٹھا کر جنگل اور دریا کے کنارے کے رخ جلدی جلدی لگایا اور ایک چھوٹا سا نامکمل مورچہ بنا دیا۔ ہمارے ایک طرف دریا تھا۔ ہم نے رائفلوں کے چیمبر گولیوں سے بھرنے شروع کر دیئے اور سیفٹی کیچ کھینچ لئے ہماری نگاہیں دریا کنارے اس طرف لگی تھیں جدھر سے غنڈوں کو چل کر آتے دیکھا تھا۔ دن کا پہلا پہر تھا۔ دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی ہمیں دور دریا کنارے کے ناریل کے درختوں کے ٹیڑھے میڑھے تنے نظر آ رہے تھے پھر اچانک ہوائی فائر ہوا جنگل کے باقی ماندہ پرندے بھی شاخوں پر سے اڑ گئے۔۔

"سدھا! ہوشیار۔ غنڈے آ رہے ہیں"

یہ فائر غنڈوں کی طرف سے کیا گیا تھا۔ وہ جنگل میں فائرنگ کے دھماکے سن کر پٹیل کے ڈیرے سے مسلح ہو کر اپنے ساتھیوں کی خبر لینے نکل آئے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے۔ ان کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے چار کے پاس بندوقیں تھیں اور تین آدمیوں کے ہاتھوں میں

چھرے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے ٹیلے کی طرف ہی آرہے تھے۔ وہ اونچی آواز میں چلا رہے تھے۔ ارے رام دیت ' ارے ڈینو! کہاں مرگئے تم؟" انہیں نہیں معلوم تھا کہ جن کو وہ آوازیں دے رہے ہیں وہ واقعی جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ سیدھار نگنی میرے کندھے سے کندھا ملائے بیٹھی تھی۔ اس کا سانس پھنکاریں بن کر نکل رہا تھا۔ اس کا سانپ گردن میں پڑا تھا اور وہ الگ پھنکار رہا تھا۔ میں نے سدھا سے کہا۔ "جب تک میں گولی نہ چلاؤں 'تم مت چلانا۔ ایک آدمی کو اپنی بندوق کی نال کی سیدھ میں لینا اور گھوڑا دبا دینا"

سدھار نگنی نے پھنکار ایسی سانس نکال کر ایک ایک لفظ کو چباتے ہوئے کہا۔ "بچے گا نہیں۔ ۔ ۔ بچے گا نہیں۔"

مجھے اس کی طرف سے خطرہ ہی تھا کہ جانے کب اور کس وقت گولی داغ دے۔ میں چاہتا تھا کہ غنڈے اور زیادہ قریب آجائیں اور کم از کم تین بندوق والے غنڈے ضرور میری رینج میں ہوں۔ غنڈوں نے جب دیکھا کہ ان کے ساتھ کوئی جواب نہیں دے رہے تو وہ بکھر گئے اور جھک کر ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔ اب وہ بڑے محتاط ہو گئے تھے۔ صرف اشاروں سے ایک دوسرے کو آگے بڑھنے کا کہہ رہے تھے۔

میں نے ایک بار پھر سدھار نگنی کو تاکید کی کہ وہ مجھ سے پہلے گولی نہ چلائے۔ غنڈوں کا رخ اب ٹیلوں سے کچھ ہٹ کر اس زمین کی طرف ہو گیا تھا جہاں مٹی کھدی ہوئی تھی یہ بات ان کے علم میں تھی کہ ان کے ساتھی زمین کی پیمائش کرنے آئے تھے۔ اچانک ایک آدمی نے چلا کر کہا۔"ڈینو کی لاش پڑی ہے رے" انہوں نے الگ الگ رہ کر آگے بڑھنے کی جو اسکیم بنائی تھی 'وہ اس آواز کے سنتے ہی چوپٹ ہو گئی۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش کی طرف دوڑے اور غیر ارادی طور پر ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔

بس یہی وہ لمحہ تھا جس کا مجھے انتظار تھا۔ میں نے رائفل سے نشانہ باندھا اور گھوڑا دبا دیا۔ دھائیں کی آواز سے جنگل لرز گیا۔ ساتھ ہی بھیانک چیخ کے ساتھ ایک غنڈا گر گیا۔ میری گولی ایک بدمعاش کے پہلو کو چیرتی ہوئی دوسرے پہلو سے گزر گئی تھی دوسرا دھماکا ہوا۔ یہ سدھار نگنی کے فائر کا دھماکا تھا۔ مگر اس کا فائر خالی گیا۔ میں نے اوپر تلے تین فائر جھونک دیئے مگر اب غنڈے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ وہ خوف زدہ گیدڑوں کی طرح بھاگ کر ادھر ادھر چھپ گئے۔ ایک جگہ کٹے ہوئے درختوں کے تنے پڑے تھے۔ وہ ان کی اوٹ میں لیٹ کر ہمارے ٹیلے کی طرف فائر کرنے لگے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا فائر ٹیلے کی طرف سے ان پر آرہا ہے میرے لئے اب مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ ٹارگٹ درختوں کے تنوں کے پیچھے تھا۔ میں نے سدھا کا ہاتھ روک دیا۔ "ابھی فائر نہ کرنا ہمارے پاس گولیاں کم ہیں۔"

سدھار نگنی رک گئی۔ میں غنڈوں کی کمر سے لٹکتی کارتوسوں کی پیٹیاں دیکھ چکا تھا۔ سدھار نگنی کے جذبات بے قابو ہو رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے روکے رکھا۔ دوسری

طرف سے دو چار فائر ہوئے۔ کارتوسوں کے چھرے ہمارے اوپر ناریل کے درختوں کی شاخوں کو چیرتے' تڑتڑاتے نکل گئے۔ میں نے فائر روک دیا تھا۔ کچھ ساعتوں کے بعد غنڈوں کی طرف سے بھی گولیاں چلنا بند ہو گئیں۔ میرا خیال تھا کہ پٹیل کے ڈیرے کی جانب سے گولیوں کی آواز سن کر شاید مزید بدمعاشوں کی کمک آجائے گی مگر ایسا نہیں ہوا محسوس ہوا کہ پٹیل کے پاس غنڈوں کی اتنی ہی نفری تھی۔ یا پھر اگر پیچھے دو چار غنڈے تھے تو انہیں پٹیل نے اپنی حفاظت کے لئے رکھ لیا تھا۔

چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی فائرنگ کے دھماکوں سے زیادہ اعصاب شکن تھی۔ سدھا رنگنی سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بار بار رائفل کو آگے کرتی۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر اس سے التجا کی کہ وہ گولی نہ چلائے۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور اپنی گردن سے اپنے سانپ بیٹے کو اتار کر اس کا منہ اپنے ہونٹوں کے پاس لے گئی اور اسے کہا "ناگ جا' اپنی ماں کے دشمنوں کو ڈس کر آ۔

میں نے جلدی سے کہا۔ سدھا! ان کے پاس بندوقیں ہیں۔ وہ تیرے سانپ کو مار ڈالیں گے۔

مگر اس دوران سدھا رنگنی کا سانپ اس کے ہاتھ سے نکل کر پھنکارتا ہوا بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ٹیلے کی نشیبی جھاڑیوں میں گم ہو چکا تھا۔ سدھا گردن اٹھا کر بولی۔ "میرا بیٹا میری طرح زہریلا بھی ہے اور چالاک بھی۔ وہ اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہے۔"

سانپ کو جھاڑیوں میں داخل ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہمارے پیچھے آہٹ سی ہوئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو بوڑھا مچھیرا جھونپڑی سے نکل آیا تھا اور چیخ چیخ کر بازو ہلاتے ہوئے بول رہا تھا۔ "گولی مارو۔۔۔ گولی مارو۔۔۔ میرے بچے مر گئے۔ مجھے بھی گولی مارو" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سدھا چلائی۔ دیوادا دکٹیا میں جاؤ۔"

دھائیں کی آواز گونجی اور بوڑھے مچھیرے کا سینہ خون سے رنگین ہو گیا وہ غنڈوں کی رینج میں تھا۔ بوڑھا مچھیرا آگے کو گر پڑا۔ میں نے دھڑا دھڑ دو فائر کئے۔ مگر غنڈے کٹے ہوئے تنوں کی اوٹ میں تھے۔ سدھا نے لپک کر بڈھے کو اٹھایا۔ بڈھے کے سینے سے رہا سہا خون ابل رہا تھا۔ اس کی گردن ڈھلک چکی تھی۔ سدھا رنگنی نے اسے وہیں ڈال دیا۔ بڈھا مر چکا تھا۔ وہ غضب ناک ہو کر میرے پاس آئی اور آتے ہی اس نے اندھا دھند دو گولیاں چلا دیں۔ میں نے رائفل سدھا کے ہاتھ سے چھین لی۔ باؤلی ہو گئی ہو کیوں گولیاں ضائع کرتی ہو۔ اس بڈھے نے خود اپنی موت کو آواز دی تھی۔

سدھا بے دم سی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اس کی رائفل کے چیمبر کو لوڈ کرنے لگا۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "رگھو تم بھی میرے دشمن ہو۔ تم مجھے خونیوں کو مارنے کیوں نہیں دیتے؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بھری ہوئی رائفل اپنے قریب رکھ لی اور مورچے کے پتھروں میں سے دشمن کے مورچے کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک وہیں دبکے بیٹھے تھے۔ سدھا نے

ایک طرف زور سے تھوک دیا اور بولی۔ "کوئی بات نہیں رگھو۔ نہیں تو نہ سہی۔ میرا بیٹا ناگ میرا بدلا لے گا۔"

میری نگاہیں ان کٹے ہوئے درختوں کے گرے پڑے تنوں پر لگی تھیں جن کے پیچھے باقی غنڈوں نے مورچہ بنایا ہوا تھا۔ اتنے میں ادھر اچانک غیر معمولی سی حرکت ہوئی۔ ایک آدمی اچھل کر پرے گرا۔ ساتھ ہی چیخ بلند ہوئی سانپ۔۔۔ سانپ"

دھائیں۔ ایک فائر ہوا۔ سدھار نگی چلائی۔ "میرا بیٹا نہیں مر سکتا۔ وہ بچ کر میرے پاس آجائے گا۔ اس نے ایک دشمن کو ڈس لیا ہے"

اور سدھار نگی دیوانوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔" خاموش۔۔۔ کیوں شور مچا رہی ہو؟

سدھا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ چپ ہو کر مجھے جلتی ہوئی کیسری آنکھوں سے تکنے لگی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جو میں کہتا ہوں اسے غور سے سنو۔ میں دشمنوں کے پیچھے جا رہا ہوں۔ تم میرے جانے کے بعد تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو فائر کرنا۔ تاکہ غنڈوں کو یہی خیال رہے کہ ٹیلے کا مورچہ خالی نہیں ہے۔

سدھار نگی کے چہرے پر اچانک ایک نرمی سی آگئی اس نے میرا ہاتھ اپنے کھردرے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "رگھو تم نہ جاؤ۔ میرا سانپ میرا بیٹا انہیں ختم کر دے گا۔"

ایک پھنکار کے ساتھ اس کا کالا سانپ نشیبی جھاڑیوں سے نکل کر اس کے پاس تیزی سے رینگتا ہوا آگیا۔ سدھار نگی نے سانپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے پوت ہو۔ دھن ہو۔ دھن ہو۔

میں نے رائفل سدھا کے ہاتھ میں دے کر ایک بار پھر سمجھایا کہ میرے جانے کے پانچ منٹ بعد وہ ایک فائر کرے۔ اس کے پانچ منٹ بعد پھر دوسرا فائر جھونک دے۔ یہ کہتا میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ٹیلے کی دریا والی سائیڈ کی طرف پھسل گیا۔

اب میں سر سے پاؤں تک کمانڈو بن گیا تھا اور ایک پاکستانی کمانڈو کے آگے ان بزدل خونی غنڈوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ٹیلے سے اترتے ہی میں نے دریا کے کنارے کنارے شمال مشرق کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ میں کہنیوں کے بل رینگ رہا تھا۔ بھری ہوئی رائفل اور گولیوں کا پاؤچ میری پشت پر تھا۔ بڑی محنت اور دشواری سے رینگتے رینگتے میں نے نصف دائرے کا ایک چکر لگایا اور جنگل والی درختوں کی قطاروں کی طرف بڑھا۔ ٹھیک اس وقت ٹیلے کے مورچے پر سے سدھار نگی نے فائر کر دیا۔ کٹے ہوئے درختوں کے پیچھے سے غنڈوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ سے مجھے دشمنوں کی صحیح پوزیشن معلوم ہو گئی۔

سدھار نگی تو ایک فائر کر کے خاموش ہو گئی مگر نیچے سے بندوقوں کے دھماکے جاری رہے۔

میں اس شور میں زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر مٹی کی ایک ڈھیر کے عقب میں آگیا۔

یہاں سے مجھے کٹے ہوئے درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے غنڈے نظر آنے لگے۔ یہ کل چار تھے اور چاروں نے بندوقیں سنبھال رکھی تھیں۔ میں انہیں نشانے پر لے رہا تھا کہ سدھا نے دوسرا فائر بھی کر دیا۔ غنڈے بڑی مستعدی سے فائرنگ کا جواب دے رہے تھے۔ بیچ بیچ میں وہ ایک دوسرے کو آواز بھی دیتے تھے۔ ان کے قریب ہی اس آدمی کی لاش پڑی تھی جسے سدھا کے سانپ نے ڈسا تھا۔

اب انتظار کرنے یا دشمن کو مزید وقت دینے کا موقع نہیں تھا۔ ٹارگٹ بڑا کلیئر تھا' اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل رہا تھا میں نے رائفل کی نالی مٹی کی ڈھیری کے اوپر رکھی۔ ایک غنڈے کو اپنی زد میں لیا' شست باندھی اور فائر کر دیا۔ گولی اس کے جسم کے پرخچے اڑاتی درخت کے تنے میں گھس گئی۔ اس کے بعد کمانڈو ایسی پھرتی سے دوسرا اور پھر تیسرا فائر کر دیا ایک لمحے کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا غنڈے بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چوتھا بندوق وہیں پھینک کر بھاگا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ اٹھ کر بھاگنے لگا تھا۔ اگر وہ چھلانگ لگا کر درختوں کے تنوں کی دوسری جانب ہو جاتا تو میں اسے ہلاک نہیں کر سکتا تھا لیکن جب وقت آن پہنچتا ہے تو ظالم کی عقل ماری جاتی ہے۔ یہ اس قاتل گروہ کا آدمی تھا جس نے معصوم اور بے گناہ غریب مچھیروں کے بچوں کو بھی اپنی گولیوں کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا تھا۔

مشکل سے دو چار قدم دوڑا ہو گا کہ میری رائفل سے نکلی ہوئی چوتھی گولی اس کی پیٹھ میں گھس کر اس کے پیٹ کو پرزے پرزے کرتی ہوئی آگے سے نکل گئی۔ وہ چیخ کی آواز کے ساتھ منہ کے بل گرا اور پھر نہ اٹھا۔ میں کچھ دیر وہیں لیٹا رہا۔ جب چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو دوڑ کر لاشوں کے پاس گیا۔ ان کی چاروں بندوقیں اور کارتوسوں کی پیٹیاں اٹھائیں اور دوڑتا ہوا ٹیلے کے عقب میں آگیا۔

سدھا رنگی مجھے دیکھتے ہی میری طرف دوڑی۔ اس کی گردن سے لپٹا ہوا سانپ بھی شاید خوشی سے پھنکار رہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے سدھا کو لے کر ناریل کے درختوں والے مورچے کے پیچھے جا کر چھپ گیا میں نے بندوقیں اور کارتوسوں کی پیٹیاں وہیں ایک طرف رکھ دیں اور سدھا سے کہا۔ "میرا خیال ہے غنڈوں کے ساتھی باقی نہیں رہے۔ نہیں تو وہ ضرور آتے۔"

سدھا رنگی مال غنیمت کی بندوقوں کو اٹھا کر دیکھنے لگی۔ میں نے سدھا سے کہا "اس لاش کو جھونپڑی میں لے جا کر ڈال دو" سدھا رنگی نے دریا کے شمالی ساحل کے ناریلوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ان غنڈوں کا سرغنہ وہ چٹیل ابھی زندہ ہو گا۔ دادا نے کہا تھا کہ وہ اپنے ڈیرے پر ہوتا ہے۔ چلو رگھو! پہلے جا کر اس کا کام تمام کریں"

مجھے خود چٹیل اور اس کے محافظ غنڈوں کی طرف سے تشویش لگی تھی۔ اتنی فائرنگ ہوئی تھی اور چٹیل کی طرف سے کوئی اپنے ساتھیوں کی خبر لینے نہیں آیا تھا۔ یا تو وہاں کوئی شخص موجود نہیں تھا یا وہاں بچے ہوئے غنڈے مورچے بنا کر اپنی اور اپنے سرغنہ چٹیل کی حفاظت کر رہے تھے۔ یہ بھی ہو

سکتا تھا کہ وہ فرار ہو گئے ہوں۔ اگر وہ فرار ہو گئے تو ہو سکتا ہے وہ پولیس کی نفری لے کر وہاں پہنچ جائیں۔

میں نے سدھا سے پوچھا۔ "یہاں سے دریا کے کنارے کنارے چلتے جائیں تو اگلا بڑا شہر یا قصبہ کتنی دور ہو گا؟ سدھا نے بتایا کہ ایک بڑا قصبہ وہاں دریا کنارے ایک دن کی مسافت پر تھا۔ پولیس کا آنا ہماری موت تھی اور ابھی یہاں ایسی کوئی کشتی بھی ہم نے نہیں دیکھی تھی جو درست حالت میں ہو اور جس پر ہم بیٹھ کر پہلے دریا اور پھر سمندر میں سفر کر سکیں۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ مرنے والے بڈھے مچھیرے نے کہا تھا کہ پٹیل وہاں خود اپنے غنڈوں کو ساتھ لے کر ان کی جھونپڑیوں کو آگ لگانے آیا تھا اس سے ثابت ہوتا تھا کہ پٹیل اپنے ڈیرے پر موجود ہو گا۔ اب مجھے یہ فکر تھی کہ کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔ میں اس کے فرار سے پہلے وہاں پہنچ کر اسے بھی کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔

میں نے رائفل کا چیمبر بھرا۔ دوسری بھری ہوئی رائفل سدھا کو دی اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ سدھا۔ ہم پٹیل کے ڈیرے پر چلیں گے۔"

میں دوڑتا ہوا ٹیلے سے اترنے لگا۔ سدھا رنگنی بھی میرے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ہموار زمین پر آ کر ہم جھونپڑیوں کے بکھرے ہوئے سامان میں سے گزرتے دریا سے ہٹ کر جنگل کی سمت بھاگنے لگے۔ ہم نے تیزی سے بھاگ کر یہ کھلا میدان عبور کیا اور گھنے درختوں کے نیچے آ گئے۔ یہاں ہم نے سانس درست کیا۔ میں نے گولیوں کا پاؤچ کھول کر دیکھا۔ اس میں ابھی پندرہ بیس گولیاں موجود تھیں۔ سدھا رنگنی کا سانپ اب اس کی کلائی سے لپٹا ہوا تھا اور کمبخت خوشی سے جھوم رہا تھا۔

سدھا نے مجھے اندازاً وہ جگہ دور سے اشارا کر کے بتائی جہاں پٹیل کا ڈیرہ ہو سکتا تھا۔ ہم نے درختوں کے پیچھے سے ہوتے تیز تیز قدموں سے اس ڈیرے کی طرف چل پڑے۔ جنگل میں درختوں کی گھنی چھاؤں تھی۔ باہر دریا کے کنارے دھوپ چمک رہی تھی۔ یہاں درخت اتنے قریب قریب نہیں اُگے ہوئے تھے۔ مگر ان درختوں کے تنے اتنے بڑے تھے کہ بڑے بڑے ستونوں کا اونچی چھت والا ایوان سا بن گیا تھا۔ ان میں سے مجھے دور دریا کے کنارے ایک چھوٹی سی موٹر کشتی کھڑی نظر آئی۔ یہاں آدمیوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ سدھا کی آنکھیں انتقام کی آگ میں ایک بار پھر چنگاریاں چھوڑنے لگیں۔ "رگھو پٹیل کے آدمی یہاں موجود ہیں۔"

میں نے دو آدمیوں کو کاندھوں پر بکس اٹھائے درختوں میں سے نکل کر کشتی کی طرف دوڑ کر جاتے دیکھا۔ یہ لوگ یہاں سے بھاگ رہے تھے۔ میں نے سدھا رنگنی سے کہا۔ "تم یہاں درخت کے پیچھے چھپ کر میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد فائر کر دینا۔" اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر میں جھاڑیوں اور گرے پڑے درختوں کو پھلانگ کر جنگل کا چھوٹا سا چکر کاٹ کر دوسری طرف نکل آیا۔ یہاں سے مجھے موٹر کشتی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس پر ایک بکس لادا جا چکا تھا اور تین آدمی دوسرا بکس لا رہے تھے۔ میں اس کشتی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جھک کر کشتی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا

کہ سدھا کے فائر سے جنگل گونج اٹھا۔ کشتی میں بکس لادنے والے آدمی بکس وہیں چھوڑ کر درختوں کی طرف بھاگے۔

میں نے تین چار چھلانگیں لگائیں اور موٹر کشتی میں کود کر پوزیشن سنبھال لی اور پے در پے بھاگتے ہوئے آدمیوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ دو آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ایک بھاگ کر درختوں میں بنی ہوئی ایک جھونپڑی میں گھس گیا۔ اس جھونپڑی کے باہر دھواں اٹھ رہا تھا۔ جھونپڑی کی دوسری جانب بھی بندوق کا فائر ہونے لگا۔ اس کا مطلب تھا کہ جھونپڑی میں پٹیل اور اس کے غنڈے موجود تھے۔ میں نے گردن گھما کر موٹر کشتی کا جائزہ لیا۔ یہ ایک میڈیم سائز کی موٹر لانچ تھی۔ اسٹیئرنگ شیشے کی اسکرین کے پیچھے تھا۔ میں نے تیزی سے زینہ اتر کر نیچے جا کر دیکھا۔ کشتی خالی پڑی تھی۔ میں اوپر آگیا۔ کشتی کا رسہ یا لنگر زمین میں گڑی ہوئی میخ کے ساتھ بندھا تھا۔ سدھا کی رائفل کے دو مزید فائر میں نے سنے۔ ویسے وہ خطرے میں بھی تھی۔ جھونپڑی میں سے نکل کر یہ غنڈے اسے گھیرے میں لے سکتے تھے

میں نے کشتی میں سے ساحل پر چھلانگ لگائی اور جھونپڑی کی دیوار سے کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے آگیا۔ پھر رینگتا ہوا جھونپڑی کے سامنے والے دروازے کی طرف گھوما۔ غنڈے ادھر ہی سے فائرنگ کر رہے تھے میں نے درخت کے پیچھے سے ذرا سا سر باہر نکال کر دیکھا کہ جھونپڑی کے عقب میں چار آدمی ایک مورچہ بنائے بیٹھے تھے۔ بندوقوں کی نالیاں انہوں نے لکڑی کے بڑے بڑے بکسوں کے سوراخوں میں سے باہر نکالی ہوئی تھیں اور قریب ہی کارتوسوں کی چھ سات بیلٹیں پڑی تھیں۔ جھونپڑی کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اس کے اندر سے اچانک بھاری بھرکم مگر گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "ابے نمک حرامو۔ تم میں سے دو آدمی مجھے لے کر موٹر بوٹ پر پہنچاؤ۔"

چار میں سے ایک آدمی اٹھا اور بندوق کاندھے پر رکھ کر بولا۔ "پٹیل بابو! ادھر سے فائر آرہا ہے چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

یہ آدمی براہ راست میری رائفل کی زد میں آچکا تھا۔ میں نے لبلبی دبا دی۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ یہ آدمی اپنی جگہ سے تین فٹ اوپر اچھل کر دھڑام سے ٹیڑھا میڑھا ہو کر نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فائرنگ شروع کر دی اور باقی کے تین آدمیوں کو بھی وہیں ڈھیر کر دیا۔ میرے خیال میں اب میدان صاف ہونا چاہئے تھا۔

جھونپڑی میں پٹیل کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ خوف کے مارے باہر نہیں نکل رہا تھا۔ میں اچھل کر درختوں میں سے باہر آیا اور جھونپڑی کی طرف رینگنے لگا۔ کسی جانب سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ درختوں کے سارے پرندے ڈر کر اڑ گئے تھے۔

جھونپڑی کا دروازہ اسی طرح نیم وا تھا۔ میں نے رائفل کا رخ دروازے کی طرف کر کے بلا

آواز میں ہندی میں کہا " اندر جو کوئی بھی ہے ہاتھ اٹھا کر باہر آجائے۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ جلدی کرو۔ نہیں تو میں فائر کردوں گا۔"

جھونپڑی میں سے پٹیل کی وہی بھاری بھرکم آواز آئی۔ اس بار آواز شدت سے کانپ رہی تھی۔ " مجھے جان سے نہیں ،مارو گے نا۔۔۔ مجھے جان سے نا مارنا۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ دے دوں گا۔"

یہ پٹیل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ سدھا رنگنی مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے میری آواز سن لی تھی۔ محاذ بھی خاموش تھا۔ وہ جنگلی گھاس میں سے تیزی سے گزرتی میرے پیچھے آکر زمین پر اوندھی لیٹ گئی۔ مجھے یہ سیاہ فام لڑکی بھی اب کمانڈو لگنے لگی تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں دوبارہ جھونپڑی کے ادھ کھلے دروازے پر گاڑ دیں۔ اب سدھا کی رائفل کا رخ بھی دروازے کی طرف تھا۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ " پٹیل باہر نکل آؤ۔ مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

چند سیکنڈ بعد دروازہ چرچرانے کی آواز آئی۔ پھر ایک پھولی ہوئی توند والا ٹھگنا سا زرد رو گنجا آدمی دونوں ہاتھ سر پر رکھے تھرتھراتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے سلک کا انتہائی بیش قیمت دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں گجراتی چپل تھی۔ موت کے خوف سے واقعی اس پر لرزہ طاری تھا۔ میں نے زمین پر لیٹے لیٹے اس سے پوچھا کہ اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں۔

اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔" سب مارے گئے ٹھاکر۔ سب مارے گئے۔ سارا کیا دھرا انہی کا تھا میں نے کچھ نہیں کیا میری سونے کی انگوٹھی لے لو۔ میرے ساتھ چلو۔ تمہیں ایک لاکھ روپیہ جہاں کہو گے پہنچا دوں گا۔ بکس میں پانچ ہزار روپے ہیں۔ وہ بھی تم لے لو ٹھاکر۔ تم لے لو۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہی ایک زقند بھری لات مار کر جھونپڑی کا دروازہ دھڑاک سے کھول دیا اور رائفل تان کر چلایا " کوئی ہے تو وہیں کھڑا رہے "

مین جھونپڑی میں گھس گیا۔ جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ ایک جانب چارپائی پر شاندار بستر لگا تھا۔ میں باہر نکل آیا۔

پٹیل کو سدھا رنگنی نے اپنی رائفل کی زد میں لے رکھا تھا۔ پٹیل اسی طرح اپنے ہاتھ سر پر رکھے کھڑا تھا میں نے سدھا رنگنی کو اشارے سے بلا لیا۔ ہم دونوں کی شکلیں دیکھ کر پٹیل کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ سدھا رنگنی کے سیاہ فام چہرے ، کیسری آنکھوں اور کلائی سے لپٹے سانپ کو دیکھ کر تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ میری اپنی شکل بھی کسی خون پی جانے والے درندہ صفت ڈاکو سے کم نہ تھی۔ میں نے پٹیل کا ایک ہاتھ نیچے گرا دیا۔ " ہاتھ نیچے کر لو پٹیل۔ تم سدھا کے شکار ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"۔

پٹیل نے سدھا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ " ناگ دیوی جی! مجھے معاف کردو۔ میں نے کوئی

گناہ نہیں کیا۔"

سدھار تگنی نے رائفل کاندھے سے لٹکا رکھی تھی۔ اس نے اپنی کلائی سے لپٹے سانپ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پھنکار نما آواز میں پوچھا "مچھیروں کی جھونپڑیوں کو کس نے آگ لگائی؟ میرے ماتا پتا میرے بھائی بہنوں اور بچوں پر کس نے گولیاں چلائیں؟"

چٹیل نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ دیوی میا! یہ سب کچھ ان غنڈوں نے کیا تھا۔ میں نے تو انہیں منع کیا تھا۔

سدھار تگنی نے غضب ناک ہو کر کلائی والا سانپ چٹیل کے چہرے کے قریب کر دیا۔ "نردیئی! ان غنڈوں کو یہاں کون لایا تھا؟ بول۔۔۔۔ بول۔۔۔!"

سدھا نے سانپ کو مزید قریب کر دیا چٹیل کی آنکھیں دہشت کے مارے ابل پڑیں اور پھر وہ بے ہوش ہو کر چکرایا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے سدھا سے کہا۔ "اس کا کام تمام کرو اور واپس اپنے ٹیلے پر چلو۔"

سدھار تگنی نے بے ہوش چٹیل کے گنجے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "میں تو اس سے پیار کروں گی رگھو۔ تم مجھ سے پیار نہیں کرتے نا۔ اب میں اس گنجے چٹیل سے پیار کروں گی۔ یہ لو تم میرے بیٹے کو پکڑو۔"

اس نے کلائی والا سانپ اتار کر میری طرف پھینکا۔ سانپ ہوا میں اچھل کر میرے بازو کے ساتھ آکر چمٹ گیا۔ مجھے پسینہ تو ضرور آگیا مگر سانپ نے مجھے کچھ نہ کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ وحشی تامل لڑکی چٹیل کے ساتھ کس قسم کا پیار کرنا چاہتی ہے میرے دیکھتے دیکھتے سدھار تگنی نے اپنا منہ چٹیل کے گال پر رکھ دیا پھر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میں اپنی جگہ پر ساکت کھڑا اسے تک رہا تھا۔ جب وہ پیچھے ہٹی تو چٹیل کے گال سے سیاہ رنگ کا خون بہہ رہا تھا۔ سدھار تگنی' اس ناگن وحشی لڑکی نے چٹیل کے گال کو کاٹ کر اپنے دانتوں کا زہر اس کے خون میں شامل کر دیا تھا۔ سدھا نے چٹیل کے پیٹ پر لات مار کر کہا۔ "اس راکھشش کو اسی طرح مارنا چاہتی تھی۔"

لات مارنے سے چٹیل کو ہوش آگیا۔ اس نے گردن اٹھا کر اپنے جسم کو دیکھا کہ گولی تو نہیں لگی۔ اس کے گال سے خون کے سیاہ قطرے اس کی بے داغ قمیص پر گرے تو اس نے اپنے گال کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ "یہ زہر ہے راکھشش۔ یہ میرے انتقام کا زہر ہے۔"

چٹیل کا موٹا بھدا جسم آہستہ آہستہ لرزنے لگا۔ اپنی گردن کو مسلنے لگا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکلی جو ایک خرخراہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے ہاتھ زمین پر گر پڑے ناک سے سیاہ خون جاری ہو گیا۔ جسم کی لرزش رک گئی اور گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ اب اس کے کان سے بھی سیاہ خون بہہ رہا تھا۔

سدھا رنگنی نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا رائفل اٹھا کر پٹیل کے پیٹ کو نشانہ بنایا اور دھائیں سے فائر کر دیا۔ پٹیل کا جسم ذرا سا اچھلا اور توند ہلکے سے دھماکے سے پھٹ گئی اور انتڑیاں باہر کو ابل آئیں۔

میں نے سدھا رنگنی کا بازو تھاما اور اسے گھسیٹتا ہوا دوسری طرف لے گیا۔ سدھا رنگنی پر دہشت سوار تھی۔ شاید وہ پٹیل کی لاش کو کچا چبا جانا چاہتی تھی۔ وہ میرے بازوؤں سے نکل نکل جاتی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا اور جھونپڑی کے دوسری طرف لے جا کر ایک مٹکے سے پانی پلایا۔ وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے ماتا پتا کو یاد کر کے دیر تک روتی رہی۔ میں اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے دلاسا دیتا رہا۔

جب اس کی طبیعت کو قدرے سکون آیا تو ہم موٹر کشتی میں آ گئے۔ اس کی تلاشی لی۔ بکس کو کھول کر دیکھا۔ اس بکس میں سوائے اوٹ پٹانگ چیزوں ۔۔ اور مزدوروں کے بہی کھاتوں کے اور کچھ نہ تھا۔ ایک بکس باہر ساحل پر گرا پڑا تھا۔ اسے کھولا تو اس میں سے صاف ستھری دھوتیاں، کرتے اور چارنئی چپلیں برآمد ہوئیں۔ ایک رومال میں دو ہزار روپے کے کرنسی نوٹ لپٹے ہوئے تھے۔ ہم نے یہ چیزیں ایک گٹھری میں ڈال کر موٹر کشتی میں رکھ دیں۔ اب واپس جھونپڑی کی تلاشی لینے آئے۔

دیکھا کہ پٹیل کی لاش گل سڑ گئی تھیں اور اس پر کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے۔ سخت بدبو آ رہی تھی ہم نے جھونپڑی میں جا کر تلاشی لی۔ یہاں دیوار کے ساتھ آٹے چاول کی بوریاں، گھی کے کنستر وغیرہ پڑے تھے۔ ایک بڑی قیمتی رائفل اور گولیوں کا بیلٹ دیوار سے ٹنگا تھا۔ یہ شاید پٹیل کی اپنی رائفل تھی۔ کم بخت اس قدر بزدل تھا کہ اس سے کوئی کام نہ لے سکا۔

ہم نے کپڑوں کی گٹھری بھی وہیں پلنگ کے بستر پر پھینک دی۔ لاش کی بدبو اندر تک آ رہی تھی۔ ہم نے باہر آ کر ادھر ادھر سے خشک ٹہنیاں، پتے اور سوکھے درختوں کے گرے پڑے کندھے اور کونے میں جمع لکڑیاں لے کر پٹیل کی لاش پر پھینکیں۔ پھر دوسرے آدمیوں کی لاشوں کو بھی گھسیٹ کر وہیں ڈھیر کیا کچھ اور لکڑیاں اور درختوں کے کندے لڑھکا کر لاشوں پر ڈالے اور آگ لگا دی۔

سدھا! ان لاشوں کو جلنے دو۔ چلو ہم واپس ٹیلے پر چلتے ہیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔

واپس ٹیلے پر آئے تو بڈھے مچھیرے کی لاش بھی بدبو دینے لگی۔ سدھا کے کہنے پر ہم نے بوڑھے کی لاش کو دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔ جھونپڑی کے باہر بیٹھ کر ہم نے دن کا بچا ہوا کھانا یعنی دال اور جوار کے آٹے کی روٹی کھائی۔ پانی پیا۔ میں درختوں والے مورچے کے ساتھ ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ سدھا جھونپڑی کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ مجھے فوراً نیند آ گئی۔

وہ رات ہم نے ٹیلے والی جھونپڑی میں ہی بسر کی۔

دوسرے دن ہم پٹیل کے ڈیرے پر آئے تو دیکھا کہ لاشیں جل کر سیاہ ہو چکی ہیں۔ ہم اپنی

رائفلیں اور دوسری چار بندوقیں بھی اٹھا کر اس جھونپڑی میں لے آئے۔ یہاں چیتل کا شیو کا سامان تیل کنگھی اور خوشبودار تیل اور تولیہ بھی تھا۔ ایک ٹرنک میں اس کے کپڑے بھی پڑے تھے۔ میں نے سب سے پہلے سیفٹی ریزر سے شیو بنائی۔ اپنی مونچھیں قینچی سے کتریں۔ پھر دریا پر جاکر صابن مل مل کر غسل کیا۔ اپنے خاکی گندے، پھٹے پرانے کپڑے اتار کر سفید دھوتی اور سفید کرتا پہنا۔ پاؤں میں چیتل کی نئی چپل ڈالی۔ اتنے میں سدھا رنگنی بھی نہا دھو کر آگئی۔ اس نے بالوں میں تیل ڈال کر انہیں دھویا تھا۔ مجھے دیکھ کر دیکھتی ہی رہ گئی۔ رگھو! تم تو بڑے سندر ہو۔"

میں نے کہا سدھا تم بھی تو بڑی سندر ہو جنگل کی دیوی لگ رہی ہو۔"

وہ بالوں میں چیتل کی کنگھی پھیر رہی تھی۔ نہانے دھونے سے اس کا رنگ نکھر گیا تھا۔ اس نے بھی سفید دھوتی اور کرتا پہن لیا تھا۔ کرتے کے لمبے بازو اس نے قینچی سے کہنیوں کے قریب سے کاٹ دیئے تھے۔ نیچے سے کرتے کا گھیرا بھی کمر تک کاٹ کر الگ کر دیا تھا۔ یہ کرتا ایک ریشمی شلوکا سا بن گیا تھا۔ سدھا نے بالوں کا جوڑا بنا کر جنگل سے اس میں گل مہر کا سرخ پھول توڑ کر لگا لیا۔ اس کا رنگ نکھر کر زیادہ آبنوسی ہو گیا تھا۔ وہ کالے جنگلوں کی کالی دیوی لگ رہی تھی۔

اس نے آگ جلا کر کیتلی میں چاول پکائے۔ میں دو جنگلی مرغ مار کر لے آیا۔ اس روز ہم نے ایک مدت کے بعد عمدہ قسم کی غذا کھائی اور سو گئے دوپہر کے بعد کہیں میری آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ سدھا رنگنی وہاں نہیں ہے۔ چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہر شے اپنی جگہ پر تھی۔ سدھا کی رائفل بھی جھونپڑی کے باہر دیوار سے لگی تھی۔ میری تسلی ہو گئی۔ اتنے میں سدھا جنگل کی طرف سے آتی دکھائی دی۔ قریب آکر بولی۔

"میرے راجہ پتی دیو رگھو! ہم اب یہیں رہیں گے۔ دیکھو یہاں سب کچھ ہے۔ جنگلی بیر میں تمہارے لئے لاتی ہوں اس سارے جنگل کو جانتی ہوں"

اس نے جھولی میرے آگے الٹ دی۔ سبز موٹے موٹے بیر بڑے میٹھے تھے۔ ہم بیر کھانے لگے۔ سدھا رنگنی کہنے لگی۔ "یہاں کھیل کود کر میں نے اپنا بچپن گزارا ہے رگھو تم میرے ساتھ یہاں رہو گے نا؟"

"کیوں نہیں ضرور رہوں گا لیکن تم بھول گئی ہو کہ ہم بارہ تیرہ آدمیوں کا خون کر چکے ہیں بہت جلدی چیتل کے رشتے دار اس کی تلاش میں یہاں آئیں گے۔ ہو سکتا ہے ان کے ساتھ پولیس بھی ہو۔ میرے ساتھ تم بھی پکڑی جاؤ گی۔"

سدھا رنگنی ایک دم چپ ہو گئی۔ پھر اپنی رائفل تھام کر بولی۔ "رگھو ہم ان کا مقابلہ کریں گے مجھے اب نشانہ لگانا بھی آ گیا ہے۔ یہاں کارتوس بھی بہت ہیں۔"

میں نے کہا۔ "کہاں تک مقابلہ کریں گے۔ بمبئی کی ساری پولیس یہاں آ کر ہمیں گھیر۔

میں لے لے گی سدھا۔"

"پھر ہم کہاں جائیں گے رگھو پیارے سدھا رنگنی کا چہرہ اداس ہو گیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بھی سوچ لیں گے۔ ابھی یہ بیر کھاؤ"

سدھا رنگنی سے زیادہ مجھے یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اس لڑکی کو لے کر کہاں جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس لڑکی سے تھوڑی تھوڑی محبت ہو گئی تھی۔۔۔ اس کا سوائے میرے اس دنیا میں دوسرا کوئی نہیں تھا۔ اپنے سسرال وہ واپس جا نہیں سکتی تھی۔ وہ لوگ اسے ضرور مار ڈالتے۔ یہاں وہ اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں اپنے ساتھ اسے کیسے لے جا سکتا تھا؟ میرا مشن بے حد اہم تھا۔ مجھے ڈاکٹر آفریدی کو بھارتی قید سے چھڑا کر بمبئی پہنچانا تھا۔ جس جنگل میں ڈاکٹر آفریدی قید تھا میرے اندازے کے مطابق یہاں سے وہ دریا کے اوپر کی جانب پچاس، ساٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ میں اس مشن میں سدھا رنگنی کو ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ مجھے لے جانا بھی نہیں چاہئے تھا۔ آخر وہ ایک بھارتی لڑکی تھی اور میں پاکستانی مسلمان جاسوس تھا۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں مسلمان ہوں اور پاکستانی ایجنٹ ہوں تو اس کے اندر بھارت ماتا کا پیار بیدار ہو سکتا تھا اور وہ مجھے گرفتار بھی کروا سکتی تھی۔ کم از کم مجھے اسی طرح سوچنا چاہئے تھا۔ اس جنگل میں پٹیل کے ڈیرے پر بھی زیادہ دن نہیں رہ سکتے تھے۔ کچھ دن گزرنے پر جب قصبے میں پٹیل کے گھر بار والوں کو اس کی کوئی خبر نہ ملی تو عین ممکن ہے کہ اس کے بیٹے پولیس کی گارڈ لے کر یہاں پہنچ جائیں۔ میرا ذہن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ سدھا رنگنی کو میں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔ آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

پٹیل کے ڈیرے پر ہمیں پانچواں دن جا رہا تھا۔ ابھی تک اس کے گھر والوں کی طرف سے کوئی بھی اس کی تلاش میں نہیں آیا تھا ایک روز سدھا رنگنی دن چڑھے جنگل سے ناریل اور بیر اکٹھے کرنے چلی تو میں نے جھونپڑی والے ٹیلے پر جا کر دریا کی مغربی سمت کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی پولیس پارٹی اسٹیمر میں نہیں آ رہی۔ ٹیلہ چونکہ اونچا تھا۔ وہاں سے دریا کا کنارہ شمال کی سمت دور تک دکھائی دیتا تھا۔

سدھا رنگنی اپنے بیٹے سانپ کو کلائی میں لپیٹے جنگل کی طرف اور میں ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ ٹیلہ پر بڈھے کی جھونپڑی کے کھپریل ایک طرف جھک گئے تھے۔ میں نے دریا پر دور تک نظر ڈالی دریا کی سطح دن کی روشنی میں دور تک خالی تھی۔ پولیس کا کوئی اسٹیمر اپنی طرف آتا نظر نہ آیا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ پٹیل ایک سرمایہ دار آدمی تھا۔ اس کا پیچھے باقاعدہ رابطہ تھا اور اس کے رشتے دار ملل بند کسی بھی روز یہاں پہنچ سکتے تھے۔

ٹیلے پر بڑی خوشگوار ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں ناریل کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ صبح کے آٹھ نو بجے ہوں گے سدھا رنگنی نے مجھے جوار کی روٹی چٹنی کے ساتھ کھلائی تھی۔ مجھ پر

غنودگی طاری ہونے لگی ۔ جی چاہا کہ کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر لیں میری رائفل بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پٹیل کی رائفل اور گولیوں کی پیٹی میری گود میں پڑی تھی ۔ مجھے نیند آ گئی ۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک سوتا رہا۔

کسی چیونٹی نے میری گردن پر کاٹا تو میری آنکھ کھل گئی ۔ مشرق کی طرف سے بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر بڑھتے چلے آ رہے تھے ۔ میں نے جمائی لی اور چیونٹی کو انگلیوں سے مسلتا ہوا اٹھا اور ٹیلے سے اترنے لگا۔ اترنے سے پہلے میں نے ایک بار پھر دریا کے شمال کی جانب نگاہ ڈالی۔ کسی اسٹیمر یا کشتی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔

کھدی ہوئی زمین پر پٹیل کے غنڈوں کی لاشیں گلنے سڑنے لگی تھیں اور دو چار گدھ خدا جانے کہاں سے آ کر لاشوں کو بھنبھوڑ رہے تھے ۔ میں رائفل کاندھے سے لٹکائے مزے مزے سے ٹہلتا پٹیل کے ڈیرے کی طرف جا رہا تھا۔ بادل آہستہ آہستہ آسمان پر چھا رہے تھے ۔ سورج ان کے پیچھے چھپ گیا تھا اور دریا پر چھاؤں آ گئی تھی ۔ میں نے سوچا کہ سدھا رتنی جنگل سے ناریل اکٹھے کر کے لے آئی ہو گی اسے کہوں گا کہ آج ناریل کے دودھ والی چائے بنائے۔ اس قسم کی چائے میں نے ایک بار مدراس میں پی تھی ۔

جنگل کے کنارے درختوں میں سے ہوتا ہوا میں ڈیرے پر آ گیا۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ ڈیرے کی دیوار کے پاس ایک کچی منڈیر ڈھے گئی تھی ۔ جب میں ٹیلے کی طرف گیا تھا تو یہ منڈیر بالکل سالم تھی ۔ میں نے سوچا شاید کوئی گیدڑ ڈر کر گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے اس کچی منڈیر سے ٹکرا گیا ہو ۔ منڈیر زمین سے بمشکل دو فٹ بلند تھی اور ڈیرے کے احاطے کے اردگرد بنی ہوئی تھی ۔

اچانک مجھے زمین پر منڈیر کی گری ہوئی مٹی پر گھوڑے کے سموں کے گہرے نشان نظر آئے۔ مجھے جیسے بجلی کا کرنٹ سا لگا۔ اور میں چھلانگ لگا کر منڈیر کو پھاند گیا۔ رائفل میں نے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لی ۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ یہاں بھی گھوڑوں کے سموں کے نشان تھے ۔ میں رائفل چھپائے لپک کر جھونپڑی میں گھس گیا جھونپڑی خالی تھی مگر اس عالم میں تھی کہ وہاں سوائے خالی پلنگ کے اور کچھ نہیں تھا۔ نہ ریشمی بستر اور نہ کپڑوں کا بکس ' نہ گھی کے کنستر اور نہ آٹے چاول کی بوریاں۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ سمجھ گیا کہ یہ ڈاکوؤں کا کارنامہ ہے مگر اب مجھے سدھا رتنی کی فکر تھی ۔

وہ جنگل میں گئی تھی ۔ گھاس پر کچھ دور تک گھوڑوں کے سموں کے نشان چلے گئے تھے ۔ آگے سموں کے نشان تو نہیں تھے مگر جھاڑیاں گھوڑوں کے سموں تلے کچلی ہوئی تھیں ۔ میں بڑھتا چلا گیا۔ میں درختوں کی آڑ لیتا قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے سدھا کو آواز دی ۔ کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری بار زیادہ زور سے ۔ اکارا جنگل میں سناٹا ہی چھایا رہا۔ میری کنپٹیاں تک دھڑکنے لگی تھیں ۔ اب

محسوس ہوا کہ مجھے سدھارنگنی سے کتنا پیار ہو گیا تھا۔ میں اس کے لئے جان تک قربان کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔

ایک جگہ جنگل میں ناریلوں کے درختوں کا جھنڈ تھا اور بیری کے جنگلی درخت بھی تھے۔ سدھارنگنی اس جگہ ناریل اور بیر لینے آتی تھی۔ یہاں گھاس اس طرح کھدی ہوئی تھی جیسے گھوڑے ادھر ادھر ناچتے رہے ہوں۔ زمین پر گل مہر کا سرخ پھول پڑا تھا۔ یہ پھول سدھارنگی اپنے جوڑے میں لگاتی تھی میں نے پھول اٹھایا تو وہ کچلا ہوا تھا۔ میں پھول اٹھا ہی رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسی شے پر پڑی کے میرا اوپر کا سانس اوپر ہی رہ گیا۔

یہ سدھارنگنی کے سانپ بیٹے کی کٹی ہوئی لاش تھی۔ اسے تلوار یا خنجر سے تین ٹکڑوں میں کاٹ دیا گیا تھا۔ اس کے کٹے ہوئے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں میں نے سدھارنگنی کے کالے سانپ بیٹے کو پہچان لیا تھا۔ سدھا کا کا سانپ بیٹا ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سدھارنگنی کو ڈاکو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ سانپ نے حملہ کیا ہو گا اور کسی ڈاکو نے تلوار کا وار کر کے اس کے ٹکڑے کر ڈالے۔

جنگل آگے جا کر گھنا ہو گیا تھا اور گھوڑے کے سموں کے نشان بھی غائب ہو گئے تھے۔ میں ڈاکوؤں کی تلاش میں دور تک نکل گیا تھا کہ اچانک مجھے دور سے کسی موٹر اسٹیمر کے بھونپو کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ میرے قدم وہیں رک گئے۔

دریا میں دور سے کوئی اسٹیمر چلا آرہا تھا۔ اس اسٹیمر پر پٹیل کے رشتے دار اور بیٹے سوار ہوں گے اور وہ پولیس کو بھی ساتھ لے کر آرہے ہوں گے۔ اگر پولیس ساتھ نہ بھی ہو تب بھی ان کی نفری زیادہ ہو گی۔ وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی پوری تیاری کر کے آرہے ہوں گے اور میں اکیلا زیادہ دیر تک ان سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا تھا۔ اب میں سدھارنگنی کو تو بھول گیا اور مجھے اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔

میں جتنی تیز درختوں میں بھاگ سکتا تھا جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ دریا کے کنارے جا کر شمال کی طرف نگاہ ڈالی تو دور ایک اسٹیمر یا موٹر لانچ چلی آرہی تھی۔ ابھی وہ کافی دور تھی۔ میں نے جھونپڑی میں آکر چپل اتار کر اپنے پرانے جوگنگ بوٹ پہنے جسم کے گرد چادر لپیٹی۔ میری ساری بندوقیں اور تھری ناٹ تھری کی دونوں رائفلیں، کارتوس اور گولیاں وغیرہ ڈاکو اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ صرف وہی رائفل اور گولیاں بچی تھیں جو میرے پاس تھیں یہاں سبزی اور پھل کاٹنے والی ایک چھری بھی تھی۔ میں نے اسے اپنی دھوتی میں اڑس لیا اور سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا اپنی جیب میں رکھ لیا۔

میں ایک بار پھر دریا کی طرف آگیا۔ اسٹیمر اب قریب آگیا تھا اور اس کے اوپر لہرانے والا گجرات پولیس کا نیلا اور گیروے رنگ کا جھنڈا ہوا میں پھڑ پھڑاتا صاف نظر آرہا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر چیل کی دریا کے کنارے موٹر کشتی میں گیا۔ زینہ اتر کر مٹی کے تیل کا کنستر لے کر اس تیل کو انجن کے پاس الٹ دیا پھر کپڑے کے ایک ٹکڑے کو آگ لگا کر پھینکا اور باہر نکال کر جھونپڑی کی طرف دوڑ پڑا۔ موٹر کشتی کے انجن نے آگ پکڑ لی۔ اس میں سے پہلے دھواں اور پھر آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

میں نے اپنی سمت کا تعین شمال مغرب کی طرف کر لیا تھا کیونکہ اسی رخ پر بڑودہ اور احمد آباد کے وسطی جنگل میں وہ پرانا قلعہ نما کھنڈر تھا جس کے زیر زمین لیبارٹری میں میرے ساتھی ایجنٹ امجد کے مطابق پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر آفریدی اور اس کی نوجوان لڑکی نورین قید تھی۔

ناریل کے جھنڈ میں سدھا رنگنی کے سانپ بیٹے کی لاش اب چیونٹیوں سے پوری طرح ڈھک گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر مجھے پیچھے دریا کی طرف سے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ یہ چیل کی موٹر کشتی کے پھٹنے کا دھماکہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی موٹر لانچ کے بھونپور کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ پولیس پارٹی دریا کے کنارے پہنچ چکی تھی۔ میں نے زیادہ تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب ہر دوسرے قدم پر درخت میرا راستہ روکتے تھے لیکن پیچھے میری اور میرے مستقبل کی موت میرے تعاقب میں تھی اور آگے ایک اہم ترین مشن میرے انتظار میں تھا۔ میں بھاگتا چلا گیا۔

جنگل اس قدر گھنا تھا کہ میں تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔

خودرو جھاڑیاں ' درختوں کی لٹکتی ٹہنیاں اور گھٹنوں تک گھاس قدم قدم پر مزاحمت کر رہی تھی ... پھر بھی میں ان رکاوٹوں کو عبور کرتا جتنی تیز بھاگ سکتا تھا بھاگا جا رہا تھا۔ گجرات پولیس کی لانچوں کے بھونپوؤں کی آوازیں میرا پیچھا کر رہی تھیں۔ پٹیل کی جس موٹر لانچ کو میں نے آگ لگائی تھی اس کے دھماکے بند ہو گئے تھے۔ عین ممکن تھا کہ پٹیل کے اڈے پر لاشوں کو دیکھ کر پولیس میری تلاش میں جنگل میں نکل کھڑی ہو۔ مگر یہ جنگل اس قدر گھنا اور دشوار گزار تھا کہ اگر میں اس کے وسط کی جانب مزید آگے نکل جاتا... تو پھر پولیس تو کیا بھارتی فوج کے جوان بھی میرا کھوج نہیں لگا سکتے تھے۔

چنانچہ میں نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی۔ ان جنگلوں کے نشیب و فراز سے واقفیت اور کچھ میرا تجربہ زیادہ تر جوانی کا تازہ ولولہ پرور خون اور قومی جذبہ میری ہمت بڑھا رہا تھا۔ پٹیل کے ڈیرے سے اٹھائی ہوئی قیمتی رائفل 'گولیوں کی پیٹی کے ساتھ ہی میرے کندھے سے لگی تھی۔ میرا لباس پٹیل ہی کے صندوق میں سے نکالا ہوا دھوتی کرتہ تھا۔ اوپر میں نے چادر لپیٹ رکھی تھی۔ دھوتی میں پھل کاٹنے والی چھری اڑس رکھی تھی۔ جیب میں ماچس کی ڈبیا بھی تھی۔ پاؤں میں جوگنگ شوز تھے۔ روپیہ پیسہ میرے پاس نہیں تھا۔

سوراشٹر میں سردی بہت کم پڑتی ہے۔ چنانچہ موسم سرما میں بھی ان جنگلوں میں گرمی اور حبس کی کیفیت تھی میں نے چادر اتار کر ایک جگہ جھاڑیوں میں اچھی طرح سے چھپا دی۔ جب میں جنگل میں داخل ہوا تھا تو سورج دریا کی سمت غروب ہو چکا تھا اور جنگل میں شام کا اندھیرا بڑی تیزی سے اترنے لگا تھا۔ یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ دوسری طرف مجھے شیر اور چیتے اور سانپ ' بچھو کا ڈر بھی تھا۔ سانپ کے زہر پر قابو پانے کے لئے تو میرے پاس اس کا تریاق یعنی میری ہمدم میری دوست اور اب میری محبوبہ... سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا موجود تھا لیکن شیر' چیتے اور ہاتھی کے براہ راست اور اچانک حملے سے بچاؤ مشکل تھا۔

ابھی میں پولیس پارٹی سے اتنا قریب تھا کہ کسی درخت پر بیٹھ کر رات بسر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بس اللہ کے نام کا ورد کرتا' دل میں اپنی زندگی کی دعائیں مانگتا' درختوں اور جھاڑیوں سے الجھتا اندھیرے میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سمت کا تعین میں نے خاص اندازے سے کیا تھا۔ اس جنگل میں' میں پہلے بھی سدھا رنگنی کے ساتھ سفر کر چکا تھا۔ میری منزل بمبئی شہر تھی۔ جو اس وقت مجھے ہزاروں میل کے فاصلے پر محسوس ہوتا تھا۔ مجھے سوراشٹر کی سرحد کو پار کر کے مہاراشٹر کے پرانت میں داخل ہونا تھا۔

عقب میں پولیس پارٹی کی لانچوں کے بھونپوؤں کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔ پیچھے ایک فائر کی آواز سے جنگل گونج اٹھا اور درختوں کے پرندے پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔ یہ تھری ناٹ تھری کی رائفل کا

فائر تھا۔ شاید پولیس میرے تعاقب میں چل پڑی تھی۔ یا ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ یہ فائر مجھے دہشت زدہ کرنے کے لئے داغا گیا ہو۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ گجرات پولیس کے سوکھے ساکھے سپاہیوں میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ رات کے اندھیرے میں اتنے خطرناک جنگل کا رخ کریں۔

تاہم میں ذرا سی بھی غفلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں کسی جگہ رکے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا اور میں بھی تھک گیا تو ایک جگہ گھاس میں چھپے ہوئے پتھروں کے پاس بیٹھ کر ستانے لگا۔ جب سانس کچھ ٹھیک ہوا تو اللہ کا نام لے کر پھر چل پڑا۔ یہ ہمت طلب دشوار گزار سفر رات گئے تک جاری رہا۔ اب میں اتنا تھک چکا تھا کہ ایک قدم چلنے کی سکت نہ تھی۔ پیاس بھی لگ رہی تھی۔ کوئی ندی نالہ ابھی تک مجھے نہیں ملا تھا۔ میں ایک جگہ بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ لباس بھی کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ رائفل اور گولیوں کی پیٹی اپنے سامنے زمین پر ڈال دی اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ عین اس وقت جنگل کسی شیر کی دہاڑ سے گونج اٹھا میں نے چونک کر اندھیرے میں جدھر سے آواز آئی تھی ادھر غور سے دیکھا۔ تاریکی میں بھوتوں کی طرح استادہ دیو قامت درختوں کے ہیولوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شیر کی دہاڑ قریب سے بلند ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی آدم خور شیر ہو اور اسے میری بُو آ گئی ہو۔ میں نے رائفل اٹھا کر کاندھے پر ڈالی اور ایک درخت پر چڑھ کر اس کے دو شاخے پر بیٹھ گیا۔ یہ دو شاخہ جو زمین سے کافی بلند تھا' میرے لئے یہ ایک مچان کا کام دے رہا تھا۔ میں نے ایک موٹی سی ٹہنی سے ٹیک لگا لی۔

مچھروں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ یہ ایک نئی مصیبت تھی... بہرحال' مجھے اس مصیبت کا مقابلہ کرنا تھا۔ میں نے دھوتی اتار کر اس میں اپنا سارا جسم لپیٹ لیا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ خدا جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی اور میں اسی حالت میں درخت کی ٹہنی سے ٹیک لگائے سو گیا۔

چڑیوں کی چہکار سے میری آنکھ کھل گئی۔ درختوں میں اور درختوں کے نیچے دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک پل کے لئے دم سادھے وہیں بیٹھا ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ سوائے چڑیوں کی چہکار اور پرندوں کی بولیوں کے وہاں دوسری کوئی آواز نہیں تھی۔ درخت سے اتر کر میں نے دھوتی باندھی۔ چھری کو کرتے کی جیب میں رکھا۔ رائفل کے چیمبر کو چیک کیا۔ چیمبر میگزین سے بھرا ہوا تھا۔ پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ پتھروں میں پانی کا چھوٹا سا جھرنا نظر آیا۔ اس جھرنے میں سے شفاف پانی بہہ کر ایک تلیا میں جمع ہو رہا تھا۔ جی بھر کر پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اندازے سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔

یہ سارے کا سارا علاقہ سطح مرتفع کا تھا۔ ناہموار پتھریلی زمین کو جنگلی دیودار اور سال کے درختوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ خدا خدا کر کے گھنا جنگل ختم ہوا۔ سامنے دھوپ کی روشنی میں پھیلا ہوا

اونچا نیچا گھاس کا میدان تھا۔ جس کے آخر میں ایک جگہ درختوں کی چھاؤں میں کچھ جھونپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ان جھونپڑیوں میں ایک جگہ دھواں اٹھ رہا تھا۔

پاس ہی کچھ کھیت بھی نظر آئے۔ میرا لباس سوراشٹر کے آدمیوں ایسا تھا لیکن میں ان لوگوں کی زبان روانی سے نہیں بول سکتا تھا۔ تاہم ایک حوصلہ تھا کہ رائفل میرے پاس ہے۔ میں جھونپڑیوں کی طرف چل پڑا۔ یہ سیدھے سادے نیم جنگلی دیہاتی تھے۔ میں نے یہ فرضی کہانی سنائی کہ شکاری ہوں، اپنی پارٹی سے جنگل میں بچھڑ گیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے مکئی کی روٹی اور دودھ پیش کیا۔ تازہ دودھ اور مکئی کی روٹی نے میرے جسم کی کھوئی ہوئی توانائی بحال کر دی۔

ان کی زبان جنگلی گجراتی زبان تھی۔ جس میں مہاراشٹر پرانت کی بولی بھی شامل تھی۔ انہوں نے کچھ بول کر کچھ اشاروں میں مجھے بتایا کہ مہاراشٹر کی سرحد ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر ہے۔ میں نے ایک دن اور ایک رات وہاں آرام کیا۔ بھری ہوئی رائفل کو میں نے اپنے سے الگ نہیں کیا تھا۔ اگلے روز میں تازہ دم تھا۔ یہاں سوئی، دھاگے سے میں نے اپنے کپڑوں کی تھوڑی بہت مرمت بھی کر لی تھی۔ ان کی عورتیں جو چاندی کے زیورات سے لدی پھندی تھیں میری طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔ ان لوگوں کی مہمان نوازی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ جب چلنے لگا تو انہوں نے مکئی کی چار میٹھی روٹیاں... باندھ کر ساتھ کر دیں۔ میں نے ہندوؤں کی طرح انہیں ہاتھ جوڑ کر دھنواد کہا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں نے ایک دن اور ایک رات کا یہ پُر خطر جنگلی سفر کیسے طے کیا؟ کیسے سوراشٹر پرانت کی سیما پار کر کے مہاراشٹر کی سرحد میں داخل ہوا اور پھر کن جان جوکھوں سے منزلوں پر منزلیں طے کرتا۔ مہاراشٹر کے ایک چھوٹے سے دیہاتی ریلوے اسٹیشن پر پہنچا؟ یہ ایک الگ کہانی ہے اور مہم جوئی کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان ہے۔ اگر میری ٹریننگ اور جفاکشی ساتھ نہ دیتی تو میرا ان آدم خور جنگلوں سے زندہ نکل آنا محال تھا۔

جس وقت میں ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو میری داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ لباس تار تار تھا۔ مچھروں کے کاٹنے کی وجہ سے چہرہ سوجا ہوا تھا لیکن رائفل اور گولیاں اب بھی میرے پاس تھیں۔ میں سیدھا اس چھوٹے ریلوے اسٹیشن ماسٹر سے جا کر ملا اور اسے یہ کہانی گھڑ کر سنائی کہ میں آندھرا پردیش کا رہنے والا ہوں اور اپنی شکار پارٹی سے بچھڑ کر جنگل میں بھٹک گیا ہوں۔ میں تامل زبان میں بات کر رہا تھا۔ میرا رنگ بھی سانولا ہو گیا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر ناٹے قد کا ادھیڑ عمر کا مرہٹہ تھا۔ میں تامل زبان بڑی روانی سے بول رہا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر کو میری داستان پر لازمی طور پر یقین کرنا ہی پڑا۔ وہ مجھے اپنے چھوٹے سے کوارٹر میں لے گیا۔ یہاں اس کی پتنی موجود تھی۔ مجھے ہینڈ پمپ کے نیچے نہانے کو کہا گیا۔ نئے کپڑے پہننے کو دیئے گئے کھانا کھلایا گیا۔ کئی دنوں کے بعد چائے پینے کو ملی۔ اسٹیشن ماسٹر نے مجھے بتایا کہ یہ مہاراشٹر کا ناناپلی ریلوے اسٹیشن ہے۔ میں نے اسے کہا کہ بمبئی میں میرے بڑے بھائی کرشنم اچاری جی رہتے

ہیں، میں ان کے پاس جاؤں گا۔ آپ مجھے کسی طرح بمبئی شہر پہنچا دیجئے ۔ آپ کی بڑی کرپا ہو گی۔

میں نے نہانے کے بعد ان پر اثر ڈالنے کے لئے پوجا پاٹ بھی کی تھی اور تامل زبان میں رامائن کے کچھ اشلوک بھی اونچی آواز میں پڑھے تھے۔ ماتھے پر کیرالہ کے اچاریوں کی طرح وشنو دیوتا کا تلک بھی لگا لیا تھا۔ یہ اسٹیشن ماسٹر ویسے ہی بڑا نیک دل تھا۔ اس پر مستزاد میری دھارمک سبھا سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ وہ مجھے ناما پلی سے بمبئی تک کا ایک ریلوے پاس بنا دے گا۔

" تم یہ پاس راستے میں ٹکٹ چیک کرنے والوں کو دکھاتے جانا تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

میں نے اس مرہٹے اسٹیشن ماسٹر کے پاس تین روز قیام کیا۔ اور پھر سے تازہ دم ہو گیا... ایک رات کو مجھے ٹرین میں سوار کرا دیا گیا۔ میں نے اسٹیشن ماسٹر کا ہاتھ جوڑ کر شکریہ ادا کیا اسے دھنواد کہا اور ٹرین مجھے لے کر بمبئی کی طرف روانہ ہو گئی ۔

یہ بھی کافی لمبا سفر تھا۔ راستے میں کئی مقامات پر ٹرین بدلنی پڑی۔ رائفل اور گولیوں کی بیلٹ اب بھی میرے پاس تھی ۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ ابھی ایک اہم ترین اور خطرناک مشن میرے سامنے ہے ۔ یعنی بمبئی میں اپنے خفیہ ایجنٹ حکیم سلیمان شاہ سے ملنے کے بعد مجھے بڑودہ اور احمد آباد کے درمیانی جنگلات میں واقع پرانے قلعے کے کھنڈرات سے اغوا شدہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی جواں سال بیٹی نورین کو برآمد کر کے پاکستان پہنچانا ہے اور اس مہم میں مجھے اس رائفل کی اشد ضرورت تھی ۔ چنانچہ میں رائفل کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ٹرین میں مرہٹے مسافر مجھ سے رائفل کے بارے میں سوال کرتے تو میں تامل اور گجراتی ملی ہندی میں انہیں یہی جواب دیتا کہ میں شکاری ہوں ۔ وہ بڑے حیران ہوتے کیونکہ ایک دھرم چاری اور وشنو کا پجاری 'شکار کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن میں انہیں یہ کہہ کر چپ کرا دیتا کہ میں برہمو سماج کا اچاری ہوں جو گوشت بھی کھاتے ہیں اور مرغی بھی مارتے ہیں ۔

بہرحال، خدا خدا کر کے میرا یہ اذیت ناک سفر ختم ہوا اور ایک روز جبکہ دن ابھی نکلا ہی تھا کہ ٹرین بھارت کے سب سے خوبصورت عروس البلاد بمبئی شہر کے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوئی ۔ اس شہر میں، میں پہلے بھی آوارہ گردی کر چکا تھا۔ میرے لئے یہ کوئی نیا شہر نہیں تھا۔ نیک دل مرہٹے اسٹیشن ماسٹر نے مجھے کچھ پیسے بھی دیئے تھے ۔ جن میں سے میرے پاس صرف تین روپے ہی باقی بچے تھے ۔ ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل کر میں نے ایک وکٹوریہ والے سے چرنی روڈ جانے کو کہا۔ اس نے کہا۔ " اچاریہ جی پانچ روپلی لوں گا "۔

میں بمبئی کے بوری بندر ریلوے اسٹیشن پر اترا تھا اور یہاں سے چرنی روڈ کافی دور تھا۔ پانچ روپے کرایہ زیادہ نہیں تھا لیکن میرے پاس صرف تین روپے تھے ۔ میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ وکٹوریہ والے کو یہ پتا چلے کہ میں چرنی روڈ پر حکیم سلیمان شاہ کے مطب پر گیا ہوں۔ میں نے کہا

کہ مجھے چرنی روڈ سے پیچھے اتار دینا۔ تین روپے دوں گا۔ وہ راضی ہوگیا۔ راستے میں مجھ سے پوچھنے لگا۔
"اچاریہ جی! تو جیون ہتیا نہیں کرتے پھر آپ یہ بندوق کس لئے اٹھائے پھر رہے ہیں؟"
میں نے کہا کہ یہ بندوق میرے ایک بھائی بند کی ہے، اسے دینے جا رہا ہوں۔ بمبئی کا موسم بہت خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بمبئی کی عالی شان سر بفلک عمارتوں میں دن کی روشنی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ سڑکوں پر لوگوں کا ہجوم چل پھر رہا تھا۔ وکٹوریہ پی تلی رفتار سے چل رہی تھی۔ مجھے سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔
وکٹوریہ ٹک ٹک کرتی سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ یہ چرچ روڈ تھی۔ یہاں سے دو سڑکیں گزرنے کے بعد چرنی روڈ آ جاتا تھا۔ چرچ روڈ کے کونے پر پہنچ کر میں نے وکٹوریہ والے سے کہا۔ "بس بھیا مجھے یہیں اتار دو۔ میرے تین روپے یہاں ختم ہو گئے"۔
وکٹوریہ والا جس نے ترکی ٹوپی پہن رکھی تھی اوپر گدی پر بیٹھے بیٹھے مسکرا کر بولا۔ "سوامی جی! کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو چرنی روڈ پر ہی پہنچائے دیتا ہوں"۔
لیکن میں احتیاط کے طور پر چرنی روڈ کے ناکے پر اتر گیا۔ میں کشادہ سڑک کے دونوں طرف چائے کے ہوٹل اور دکانوں کے بورڈ پڑھتا آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا۔
آدھی سڑک طے کرنے کے بعد مجھے فٹ پاتھ پر ایک جگہ سلیمانیہ دواخانہ کا چھوٹا سا اردو میں لکھا ہوا بورڈ نظر آیا۔ یہی میری منزل تھی۔ دواخانے کی ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی۔ ایک جانب کمرے میں گول میز پر اخبارات رکھے تھے۔ کچھ لوگ اخبار پڑھ رہے تھے۔ یہ حکیم صاحب کی لائبریری تھی۔ آگے سامنے دواخانے کا دروازہ تھا۔ میں دواخانے میں داخل ہوگیا۔ ایک نو عمر لڑکا فرشی نشست کے پاس بیٹھا دوائیوں کی پڑیا باندھ رہا تھا۔ حکیم صاحب کی نشست پر ایک پرانی وضع کی صندوقچی رکھی تھی۔ حکیم صاحب خود موجود نہیں تھے۔
میں وہیں نشست کے قریب دری پر بیٹھ گیا اور لڑکے سے کہا۔ "بچہ جا کر شاہ جی سے کہو سوامی جی بڑی دور سے علاج کرانے آئے ہیں"۔ لڑکا بڑی بے نیازی سے بولا۔ "شاہ جی دس بجے سے پہلے باہر نہیں آتے"۔ میں نے اپنے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔ "بچہ میرے پیٹ میں بڑا درد ہے۔ جا کر حکیم جی کو بلا۔ درد سے مرا جاتا ہوں"۔
میں نے اداکاری شروع کر دی۔ لڑکا میری اداکاری سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوگیا۔ جلدی سے اٹھ کر دکان کے عقبی حصے میں غائب ہوگیا۔ میں نے دواخانے کا جائزہ لیا۔ معمولی سا دواخانہ تھا۔ لکڑی کے خانوں میں قسم قسم کے لیبلوں والی دوائیوں کے ڈبے اور بوتلیں رکھی تھی۔ دیوار پر گاندھی اور پنڈت نہرو کی تصویریں بھی لگی تھیں۔
لڑکے نے واپس آکر کہا۔ "شاہ جی آرہے ہیں"۔ اور وہ دوبارہ پڑیا باندھنے میں مصروف ہوگیا۔

میں نے درد کی اداکاری ذرا کم کر دی۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے نے میری رائفل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "کیا آپ شکاری ہیں؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں بچہ! میں شکاری نہیں ہوں۔ یہ تو کسی کی امانت ہے۔ میں تو چیونٹی بھی نہیں مار سکتا۔ جینی ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد ایک دبلے جسم والا ادھیڑ عمر کا سانولا سا آدمی کرتے پاجامے میں ملبوس ہاتھ میں تسبیح لئے داخل ہوا۔ اس کا سر درمیان سے گنجا تھا اور کنپٹیوں پر سفیدی آچکی تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے میرے آنے پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ حکیم جی صندوقچی کے پیچھے بیٹھ گئے اور ناگواری سے بولے۔ "سوامی جی! میں دس بجے دکان پر آتا ہوں۔ باہر بورڈ پر لکھا ہے۔ گجراتی میں بھی اور ہندی، اردو میں بھی۔ کہئے آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

میں نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "شاہ جی! شما کر دیں۔ میں پردیسی ہوں۔ پیٹ میں بڑا درد تھا اس لئے آپ کو تکلیف دی"۔

حکیم جی نے میری طرف دیکھے بغیر ہی ایک بوتل میں سے کوئی معجون نکال کر کاغذ پر ڈالی اور میری طرف بڑھا کر بولے۔ "اسے چاٹ لیں۔ ابھی درد جاتا رہے گا"۔

میں نے معجون والا کاغذ ہاتھ میں لے کر اسے غور سے دیکھا اور کہا۔ "مہاراج! گاؤں میں وید جی نے کہا تھا کہ اگر نیلے رنگ کا مروارید مل جائے تو درد پھر کبھی نہیں اٹھے گا"۔

نیلے مروارید کا سننا تھا کہ حکیم جی ایک پل کے لئے جہاں بیٹھے تھے وہیں پتھر کی طرح ساکت سے ہو گئے لیکن انہوں نے میری طرف اب بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ جو لڑکا پڑیاں باندھ رہا تھا اسے کہا۔ "عبدل! جا چائے والے سے دو چائے لے آ"۔

لڑکا وہیں کام چھوڑ کر دواخانے سے نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد بھی حکیم جی نے کسی تجسس کا اظہار نہ کیا۔ صندوقچی کا ڈھکنا اٹھا کر اس میں سے کچھ تلاش کرتے ہوئے بولے۔ "سوامی جی! جس رنگ کے مروارید کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ تو کہیں نہیں ملتا"۔

میں نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "مجھے تو یہی بتایا گیا تھا کہ آپ کے پاس نیلا مروارید موجود ہے"۔

حکیم جی نے صندوقچی کا ڈھکن بند کر دیا۔ نشست پر سے ایک کاغذ اور پنسل اٹھا کر میری طرف بڑھایا اور "جس نے آپ کو یہ کہا تھا۔ اس کا نمبر لکھ دیں یہاں"۔

میں نے اپنا وہ خاص کوڈ نمبر کاغذ پر لکھ دیا جو پاکستانی چیف نے مجھے دیا تھا اور جس کی خبر حکیم سلیمان شاہ کو بھی کر دی گئی تھی۔ کاغذ پر نمبر پڑھتے ہی حکیم جی نے کاغذ کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر کے

اگلدان میں پھینک دیا اور اٹھتے ہوئے بولے۔ "میرے ساتھ آؤ"۔

وہ مجھے دوا خانے کے پیچھے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئے جہاں دیوار کے ساتھ مدھم سا بلب جل رہا تھا اور ایک پلنگ پر میلا سا بچھونا بچھا تھا۔ میز پر ٹائم پیس 'اخبار' ایک رسالہ' معجون کی شیشی چمچ اور گلاس پڑا تھا۔ ایک پرانی سی کرسی پلنگ کی پائنتی کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔

حکیم جی نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود پلنگ پر بیٹھ گئے اور بولے۔ "اس کا نام کیا تھا جس نے تمہیں میرے پاس نیلا مروارید لینے کے لئے بھیجا ہے"۔

"امجد!" میں نے آہستہ سے کہا۔

یہ حکیم جی کا آخری امتحان تھا۔ اس کے بعد وہ مطمئن سے نظر آنے لگے۔ مجھے رائفل اور گولیوں کی پیٹی کونے میں رکھنے کو کہا۔ اتنے میں لڑکا چائے کے دو کپ لے آیا۔ اس کے آنے کی آہٹ پاتے ہی حکیم جی نے میری نبض پکڑلی تھی۔ لڑکا چائے کے کپ رکھ کر چلا گیا۔ حکیم جی نے میری کلائی چھوڑ دی اور کہا۔ "چائے پیو"۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ حکیم جی چائے کا گھونٹ پی کر بولے۔ "مجھے تمہارا انتظار تھا"۔

"میں نے انہیں بتایا کہ میں سوراشٹر اور مہاراشٹر کے پُر خطر طویل وشوار گزار جنگلوں کا سفر کر کے ان کے پاس پہنچا ہوں۔ انہوں نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ چائے کا پیالہ تپائی پر رکھ کر اٹھے۔ دروازہ کھول کر باہر گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے۔ دروازہ بند کیا۔ پلنگ پر بیٹھ گئے۔ چائے کا کپ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھرا اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "حالات نے نئی شکل اختیار کر لی ہے

میں سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولے۔ "دو روز ہوئے پاکستان سے چیف نے تمہارے لئے ایک نیا آرڈر بھیجا ہے۔ تمہیں کشمیر جانا ہو گا"۔

میں نے کہا۔ "لیکن مجھے تو ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو نکال کر پاکستان پہنچانا ہے"۔

حکیم جی نے چائے کا کپ تپائی پر رکھ دیا۔ بند دروازے کی درز سے باہر جھانکا پھر میری طرف منہ کر کے بولے۔ "ڈاکٹر فریدی والا مشن کسی دوسرے ایجنٹ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ کشمیر مشن بہت ارجنٹ اور ہنگامی مشن ہے۔ تم چونکہ کمانڈو ہو اور پہلے بھی پٹھان کوٹ میں ایک کامیاب آپریشن سرانجام دے چکے ہو اس لئے تمہیں خاص طور پر اس مشن پر بھیجا جا رہا ہے"۔

"کیا یہ کوئی ملٹری مشن ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں' یہ بڑا ہی سیکرٹ' اہم اور ارجنٹ فوجی مشن ہے۔ میں تمہیں اس کی ساری تفصیلات بتا دوں گا۔ پہلے تمہیں میرے اس بچھونے پر آرام کرنا ہو گا۔ تم سو جاؤ۔ اب تم اپنے آپ میری کوٹھری سے باہر مت آنا"۔

یہ کہہ کر حکیم جی دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ نرم بچھونا ملا تو لیٹتے ہی نیند آگئی۔ دوپہر کے ایک

بجے حکیم جی نے آ کر مجھے جگایا۔ وہ میرے لئے کھانا تیار کر کے لائے تھے۔ بکرے کا گوشت اور روٹیاں تھیں۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ حکیم جی نے مطلب کی کوئی بات نہ کی اور مجھے دوبارہ سلا دیا۔ اب آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ حکیم جی خود میرے لئے چائے لے آئے۔ اب بھی انہوں نے میرے سیکرٹ فوجی مشن کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ چائے پر وہ مجھ سے میری پرانی مہم کی تفصیلات سنتے رہے۔ جب رات ہو گئی تو انہوں نے میرے ساتھ کھانا کھایا اور کہا۔ "میں دوا خانے میں سوؤں گا۔ تم اسی پلنگ پر آرام کرو۔ میں صبح کی نماز کے وقت آؤں گا"۔

حکیم جی پھر چلے گئے۔ بتی انہوں نے جاتے ہوئے گل کر دی تھی۔ میں کچھ دیر اپنے نئے فوجی مشن کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتا رہا ضرور کوئی بہت اہم مشن ہو گا۔ کشمیر میں دشمن کے کسی بریگیڈ' ہیڈ کوارٹر یا کسی اہم فوجی مورچے کو اڑانا ہو گا۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔

جب مجھے ہلا کر جگایا گیا تو باہر کسی مسجد سے اذان ہو رہی تھی۔ حکیم جی تسبیح لئے میرے پاس کھڑے تھے۔ "اٹھو بیٹا! فجر کی نماز پڑھ لو۔ اذان ہو رہی ہے"۔

میں نے وضو کیا اور تھوڑی دیر بعد ان کے ساتھ ہی دوا خانے میں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حکیم جی مجھے اپنے کمرے میں لے آئے۔ دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ مجھے اس نے پلنگ پر بٹھا دیا اور خود ایک تھیلا لے کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ دیوار کی بتی گل کر دی گئی تھی۔ اس کی جگہ موم بتی روشن تھی۔ حکیم جی نے موم بتی کی روشنی میں تھیلے میں سے جموں کشمیر کا ایک کاپی سائز کا نقشہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ یہ نقشہ ہاتھ سے بنایا گیا تھا اور تین جگہوں پر سرخ نشان لگے تھے۔

حکیم جی نے ایک سرخ نشان پر انگلی رکھی اور کہا۔ "تمہیں اس جگہ پہنچنا ہے۔ آگے جن دو جگہوں پر سرخ نشان بنے ہیں وہ تمہارے ٹارگٹ ہیں لیکن ان جگہوں تک وہ کمانڈو جوان تمہاری رہنمائی کریں گے جو تمہیں پہلے والے سرخ نشان کی جگہ پر ملیں گے"۔

پہلے والے سرخ نشان کی جگہ کا نام جموں شہر تھا جو کشمیر جاتے ہوئے بھارت کی ایک زبردست چھاؤنی تھی۔ حکیم جی نے مختصر مگر بڑے جامع الفاظ میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر مجھے جو تفصیل بتائی وہ محض اتنی تھی کہ مجھے شیراں والی ماتا کے بھگت کے بھیس میں بمبئی سے فوراً جموں و کشمیر شہر پہنچ کر باغ جوگیاں والے کے دروازے پر ایک جھونپڑی میں سنت ماتا داس سے ملنا ہو گا۔

"سنت ماتا ہمارا اپنا آدمی ہے۔ وہ تمہیں نقشے والے دوسرے سرخ نشان تک لے جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہو گا وہ تمہارا مشن ہو گا اور اس مشن کے بارے میں' تمہیں دوسرے سرخ نشان پر ملنے والے دو کمانڈو بتائیں گے۔ مجھے صرف اتنا آرڈر ملا ہے کہ تمہیں یہاں سے جموں و کشمیر شہر کے باغ جوگیاں والے تک پہنچانے میں تمہاری مدد کروں۔"

میں نے پوچھا کہ کیا ہمیں اس مشن میں کسی فوجی قلعے بندی کو ہٹ کرنا ہو گا؟۔

اس کے جواب میں حکیم جی نے نقشہ واپس تھیلے میں ڈال کر تھیلے کو تپائی کے نیچے ایک خفیہ جگہ میں چھپا دیا اور بولے۔ "میں کچھ نہیں جانتا۔ ساری تفصیل تمہیں وہ دونوں کمانڈو بتائیں گے جو دوسرے سرخ نشان والی جگہ تمہیں ملیں گے۔ نقشے پر جو تیسرا سرخ نشان تم نے دیکھا ہے وہ تمہارا ٹارگٹ ہے۔ اب تم تیاری شروع کر دو۔ تم اس وقت جنوبی ہند کے ایک اچاری کے بھیس میں ہو۔ تمہیں یہ حلیہ بدل کر جموں کی دیوی ماتا شیراں والی کے بھگت کا بھیس اختیار کرنا ہو گا۔ تم امرتسر کی پنجابی بولو گے اور یہ ظاہر کرو گے کہ تم امرتسر سے ماتا شیراں والی کے درشن پر آئے تھے اور اب درشن کرنے کے بعد جموں کے باغ جوگیاں والے میں اپنے دھرم بھائی سنت ماتا داس کے پاس ٹھہرے ہوئے ہو"۔

اسی روز میں نے بڑھی ہوئی داڑھی مونچھیں صاف کر دیں۔ میرا سر بھی مونڈھ دیا گیا۔ ماتھے پر سے سفید تلک کی لکیریں مٹا کر ماتا شیراں والی کا چندرا یعنی کیسر کی تین متوازی لکیریں ڈال دی گئیں۔ گلے میں ریٹھوں کی مالا ڈال دی گئی۔ جوگیا رنگ کی دھوتی اور اسی رنگ کا لمبا چوغہ پہن لیا۔ حکیم جی کہیں سے میرے لئے ایک لوہے کی چھڑی لے آئے جس کے سرے پر ترشول بنا ہوا تھا۔ یہ سارا میک اپ حکیم جی کے بند کمرے میں ہی کیا گیا۔

حکیم جی نے میری رائفل اور گولیوں کی بیلٹ صندوق میں رکھ دی اور کہا۔ "کشمیر کے مشن کی تکمیل کے بعد اگر تم زندہ بچے تو سیدھے میرے پاس یہاں آ جانا۔ یہ رائفل تمہاری امانت اسی صندوق میں رہے گی۔ اس کے بعد تمہیں یہ بتایا جائے گا کہ تمہارا اگلا مشن کیا ہے۔ اس دوران میں اگر ہمارا آدمی پاکستانی سائنس دان اور اس کی بیٹی کو دشمن کے چنگل سے چھڑوانے میں کامیاب نہ ہوا تو پھر تمہیں اس مشن پر جانا ہو گا۔ اب تم سو جاؤ۔ بمبئی سینٹرل کے اسٹیشن سے پنجاب کو جانے والی گاڑی رات کے ساڑھے آٹھ بجے چھوٹتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ تمہیں اکیلے ہی یہاں سے ریلوے اسٹیشن اور پھر اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو جانا ہو گا۔ اب تم آرام کرو۔ ہو سکتا ہے تم جس مشن پر جا رہے ہو وہاں تمہیں کئی راتیں سونا نصیب نہ ہو"۔

شام کے ساڑھے سات بجے جب چرنی روڈ پر بتیاں روشن ہو گئیں ' حکیم جی نے اپنے کمرے میں ہی آ کر مجھے پانچ سو روپے دیئے اور کہا۔ "اب تم خاموشی سے نکل جاؤ۔ یہ یاد رکھنا کہ شیراں والی ماتا کے بھگت ' جے ہو ماتا کی۔ شیراں والی ماتا کی ' کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ اچھا ' خدا حافظ۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ میری اور کروڑوں پاکستانیوں کی خاموش دعائیں تمہارے ساتھ ہیں"۔ حکیم جی دروازہ کھول کر نکل گئے۔

میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ میں تامل ناڈو کے اچاریہ جی سے پنجاب کے پہاڑی علاقے کا سادھو بن گیا تھا۔ پانچ سو روپے کے نوٹ اور سدھار تگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا میں نے رومال میں لپیٹ کر اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ میرے پاؤں میں اوپر سے موٹی بند چپل تھی۔ مجھے کسی قسم

کا ہتھیار رکھنے سے حکیم جی نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر خدا کے حضور اپنی اور اپنے پیارے وطن پاکستان کی سلامتی کی دعا مانگی اور کوٹھری سے نکل آیا۔ دوا خانے میں بتی جل رہی تھی۔ حکیم جی نے آنکھ اٹھائے بغیر ہاتھ کے اشارے سے خدا حافظ کا جواب دیا۔ میں دوا خانے کی ڈیوڑھی سے گزر کر چرنی روڈ پر آ گیا۔ اب مجھے ٹیکسی کی ضرورت تھی۔ وکٹوریہ بہت دیر لگا دیتی۔ یہ ۱۹۷۱ء کے بعد کا بمبئی تھا۔ ماڈرن اور ہر قسم کی جدید سہولتوں سے لیس۔ مجھے چرنی روڈ پر ہی ایک ٹیکسی مل گئی۔

سنگنٹن روڈ پر واقع بمبئی سینٹرل کا ریلوے اسٹیشن جگمگا رہا تھا۔ مسافروں کی ریل پیل لگی تھی۔ اسٹیشن کے باہر گول فوارے کے آس پاس موٹر کاریں، وگینیں اسکوٹر اور وکٹوریہ بگھیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے کمر بند میں سے سو روپے کا نوٹ نکال لیا تھا۔ ٹیکسی والے کے پاس ریز گاری نہیں تھی۔ بمبئی سے امرتسر کا ٹکٹ لے کر میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کیا اور خود پلیٹ فارم پر آ گیا۔

ٹرین پنجاب میل تیار کھڑی تھی۔ تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں مجھے بھی جگہ مل گئی۔ بھارت کے لوگ ویسے بھی بہت ضعیف الاعتقاد ہیں اور سادھو سنتوں کو کرنی والا سمجھ کر ان کی بڑی سیوا خدمت کرتے ہیں۔ ڈبے میں رش تھا مگر مسافروں نے ادھر ادھر ہٹ کر میرے لئے جگہ بنا دی۔ یہ بڑا لمبا سفر تھا۔ ایک گھنٹے بعد کلیان کا اسٹیشن آیا تو مجھے پوریاں 'کچوریاں' 'لڈو' برفی پیش کی گئی۔ امرتسر تک مسافر اترتے چڑھتے رہے لیکن میری خدمت جاری رہی۔ مجھے پلے سے ایک پائی بھی خرچ نہ کرنی پڑی۔

امرتسر پنجاب میل کا ٹرمینس تھا۔ یہاں پنجاب میل کا سفر ختم ہو گیا۔ مجھے یہاں سے براستہ پٹھان کوٹ جموں کے لئے گاڑی پکڑنی تھی۔ میں نے ریلوے ویٹنگ روم میں ہی غسل کیا۔ یہاں ایک بار پھر شیو بنوائی، سر منڈوایا اور رات ویٹنگ روم کے اندر ہی گزاری۔ پنجاب میں موسم سرما شروع ہو گیا تھا۔ میرے پاس گرم کمبل نہیں تھا۔ سوچا جموں پہنچ کر خرید لوں گا۔ جموں توی ایکسپریس اگلے روز صبح سوا سات بجے امرتسر سے روانہ ہوتی تھی۔ ویٹنگ روم میں ٹھنڈ تھی۔ رات بھی مجھے سردی لگتی رہی۔

صبح صبح میں نہا دھو کر پلیٹ فارم پر آیا اور ایک بینچ پر سادھوؤں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور مالا کا جاپ کرنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں "جے ماتا شیراں والی" کا نعرہ لگا دیتا۔ کچھ لوگ میرے سامنے پلیٹ فارم پر آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت صبح کے چھ بجے تھے۔ میری خدمت سیوا شروع ہو گئی۔ کوئی چائے لا رہا ہے کوئی پوری حلوہ لا رہا ہے۔ ساڑھے چھ بجے جموں توی ایکسپریس پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ میں سنسکرت اور تامل کے اشلوک کچھ ایسے انداز میں پڑھ رہا تھا کہ لوگ میرے گرویدہ ہو گئے تھے۔ گاڑی ٹھیک سوا سات بجے جموں کی طرف روانہ ہو گئی۔

امرتسر کا محلہ شریف پورہ گزر گیا جو تقسیم سے پہلے مسلمانوں کا قلعہ تھا لیکن اب یہاں ہندو سکھ آباد تھے لیکن اس کا نام ابھی تک شریف پورہ ہی تھا۔ مجھے بے ساختہ اسمگلر کرونڈیے کا خیال آگیا۔ یقیناً وہ آج بھی ہال بازار والے اپنے ہوٹل کی گدی پر بیٹھا حساب کتاب کر رہا ہو گا اور اس کے ساتھی اسمگلنگ میں مصروف ہوں گے۔ مجھے وہ تمام شب و روز یاد آگئے جو کبھی میں نے یہاں بسر کئے تھے۔

ٹرین پٹھان کوٹ پہنچی تو ڈبے سے باہر نہ نکلا۔ اس شہر کی چھاؤنی میں، میں نے ایک پورے فوجی بریگیڈ کو تباہ کر دیا تھا۔ خطرہ تھا کہ کہیں مجھے پہچان نہ لیا جائے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں ٹرین میں ہی بیٹھا رہا۔ یہاں سردی زیادہ ہو گئی تھی۔ یہاں سے گاڑی چلی تو دو ایک چھوٹے اسٹیشنوں پر رکنے کے بعد جموں پہنچ گئی۔ راستے میں مجھے ایک جگہ ریلوے لائن کے قریب سڑک پر فوجی کانوائے بھی گزرتا نظر آیا تھا۔ جموں، کشمیر کا دروازہ تھا۔ یہاں بہت بڑی چھاؤنی تھی اور حفاظتی انتظامات اور چیکنگ بڑی سخت تھی۔ بھارت کے لوگوں کو بھی کشمیر جانے کے لئے یہاں خصوصی پرمٹ دکھانے پڑتے تھے۔ جگہ جگہ سی آئی ڈی کے آدمی پھر رہے تھے۔ یہ سب کچھ مجھے بتا دیا گیا تھا۔

میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ پلیٹ فارم پر اتر آیا۔ میں نے یہاں جے ماتا شیراں والی کا نعرہ لگانے سے پرہیز ہی کیا۔ میں خواہ مخواہ سی آئی ڈی والوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز نہیں کرانا چاہتا تھا۔

پہاڑی مقام ہونے کی وجہ سے یہاں کافی ٹھنڈ تھی۔ مجھے سردی لگنے لگی۔ میں جموں شہر میں پہلی بار داخل ہو رہا تھا شہر کے پرانے طرز کے بازار میں کافی رش تھا۔ میں پرانے کپڑوں کی ایک دکان میں گھس گیا۔ ایک کمبل خریدنا چاہتا تھا۔ دکاندار نے مجھے ماتا کا بھگت دیکھ کر کمبل کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے بھی اصرار نہ کیا۔ اسی دکان میں ایک سوکھا سا لمبا تڑنگا آدمی لمبی گرم صدری پہنے بیٹھا سگریٹ پیتے ہوئے میری طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ مگر میں نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اور جے ماتا شیراں والی کا نعرہ لگاتے ہوئے دکان سے باہر نکل آیا۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ باغ جوگیاں والا کس طرف ہے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی، دن روشن تھا۔

میں ایک ہاتھ میں ترشول والی چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں منکوں کی مالا لئے بازار میں سے گزر رہا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ تھی۔ ان میں سائیکل رکشے اور تانگے بھی گھسے ہوئے تھے۔ ایک آدمی سے میں نے جوگیاں والے باغ کا راستہ پوچھا اور ادھر کو چل پڑا۔ لاریوں کے اڈے پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں سڑک پار کر کے دوسری طرف آیا تو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ "مہاراج!"

میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہی سوکھا ساکھا صدری والا مشتبہ آدمی میری طرف بڑھ رہا تھا۔ "کیا بات ہے بچہ؟" میں نے مہارشیوں کے انداز میں کہا۔

وہ آدمی جو یقیناً سی آئی ڈی کا آدمی تھا میرے قریب آگیا۔ بڑی نرم زبان میں بولا۔ "مہاراج!

آپ ماتاجی کے درشنوں کو جا رہے ہیں ؟"

اس کی آواز میں نرمی اور لجاجت تھی مگر کم بخت کی چمکیلی آنکھیں بڑی گہری اور تیز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں ۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے مجھ پر شک ہے کہ میں دشمن کا جاسوس ہوں ۔ میں پوری طرح اپنے حواس میں رہا ۔ ان تجربوں سے میں کئی بار گزر چکا تھا لیکن چونکہ میرے ماضی کی تباہ کاریوں کا مرکز پٹھان کوٹ قریب ہی تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں اس نے مجھے پہچان نہ لیا ہو ۔ ایسی صورتحال میں میرے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں ۔ پھر بھی میں اسے خاطر میں نہ لایا اور ترشول کا رخ آسمان کی طرف کر کے بولا ۔ "بچہ یہ تو بھگوان کی لیلا ہے جس کا پرکاش ماتاجی کے پوتر استھان میں ہے ۔ ہم تو بھگوان کے درشن کرنے آئے ہیں" ۔ یہ بات میں نے امرتسری پنجابی لہجے میں کی تھی ۔

"مہاراج ! آپ کہاں سے آئے ہیں

"امرتسر سے بچہ ۔ ہم درگیانہ مندر میں رام نام کا جاپ کرتے ہیں ۔ سری کرشن کے بھگتوں کی سیوا کرتے ہیں ۔ کیا تمہیں کوئی ارداس کرنی ہے ماتا کے آگے ؟"

"ہاں جی ۔" وہ بولا ۔ "میری پتنی بیمار ہے ۔ اس کے لئے پرارتھنا کرنا ماتاجی کے قدموں میں ۔"

"تیری پتنی اچھی ہو جائے گی بچہ ! جا' ہم نے کہہ دیا ۔ جے ماتا شیراں والی کی ۔" یہ کہہ کر میں آگے بڑھ گیا ۔

اب میں نے اپنا رخ بدل لیا تھا ۔ میں ابھی باغ جوگیاں والا میں اپنے پاکستانی ساتھی کی جھونپڑی میں نہیں جانا چاہتا تھا ۔ میں سڑک پر چلتا چلا گیا ۔ میری دائیں جانب جوگیاں والا باغ تھا ۔ میں آگے جا کر باغ میں داخل ہو گیا اور ایک درخت تلے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا ۔ میں نے کن آنکھیوں سے اردگرد کا جائزہ لیا ۔ مجھے وہ سی آئی ڈی کا آدمی کہیں دکھائی نہ دیا ۔ دو ہندو عورتیں جنھوں نے سفید اور نیلی ساڑھیاں پہن رکھی تھی ' میرے سامنے آ کر ہاتھ باندھ کر ادب سے بیٹھ گئیں ۔ میں ان سے باتیں کرنے لگا مگر میری تیز نگاہیں اب بھی باغ میں سی آئی ڈی کے آدمی کو تلاش کر رہی تھیں ۔

دوپہر ہو گئی تھی ۔ کچھ اور عورتیں میرے پاس آ گئیں ۔ کوئی گھر سے میرے لئے کھیر لے آئی کوئی کچوریاں اور دودھ لے آئی ۔ کسی نے دہی کا پیالہ اور سفید چاول پیش کیئے ۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی ۔ میں نے چاول اور کچوریاں کھا لیں ۔ تھوڑی سی کھیر بھی چکھی ۔ عورتیں اپنی اپنی پریشانیاں اور مصیبتیں بیان کرنے لگیں ۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ ماتا شیراں والی ان کے کشٹ دور کر دے گی ۔ مجھے جموں پہنچتے ہی جوگیاں والے باغ میں مقیم اپنے ایجنٹ سادھو ماتا داس سے رابطہ پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی ۔ اس کمبخت سی آئی ڈی والے نے میرا راستہ کھوٹا کر دیا تھا ۔ بہرحال میں چوکس بیٹھا تھا ۔ تیسرے پہر میں نے اپنے عقیدت مندوں کو وہاں سے بھگا دیا ۔ پھر وہاں سے اٹھا

اور باغ کے بڑے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ اپنے ایجنٹ کی جھونپڑی مجھے دور ہی سے نظر آ گئی جو سفیدے کے درختوں کی چھاؤں میں بنی ہوئی تھی۔

جھونپڑی کے باہر دو عورتیں اور دو مرد بیٹھے تھے۔ سادھو ماتا داس مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بظاہر اس جھونپڑی کے قریب سے آگے نکلتے ہوئے رک کر جھونپڑی کی طرف دیکھا اور ترشول اٹھا کر ماتا شیراں والی کا نعرہ لگایا۔ میرا خیال تھا کہ اپنا ایجنٹ جھونپڑی میں ہو گا۔ میرا نعرہ سن کر باہر آ جائے گا۔ مگر جھونپڑی سے کوئی سادھو برآمد نہ ہوا۔ میں جھونپڑی کے آگے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ ایک آدمی جھونپڑی کے ساتھ لگا کونڈی ڈنڈے سے بھنگ گھوٹ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد سبز بھنگ میں پانی کا چھینٹا دے دیتا تھا۔

میں مالا پھیرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جھونپڑی کے اندر ایک تمتمائے ہوئے سرخ و سپید چہرے اور سیاہ کالی لٹوں والا سادھو برآمد ہوا۔ اس کے عقیدت مند مرد اور عورتیں ادب سے جھک گئیں۔ سادھو نے میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور بولا۔ "مہاراج! تم کون ہو؟"

میں نے ترشول اوپر اٹھا کر کہا۔ "ماتا شیراں والی کے درشنوں کو کٹڑہ جا رہے ہیں سوچا تمہارے بھی درشن کرتے چلیں۔ مہاراج بھی تو ابھیاسی رشی منی ہیں"۔

ابھی تک اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ اپنا ایجنٹ یہی شخص ہے یا نہیں؟ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سرخ و سپید مضبوط جسم والا سادھو جھونپڑی کے آگے بچھی ہوئی ہرن کی کھال پر بیٹھ گیا۔ ایک عورت جلدی سے اٹھ کر اس کے چرنوں میں بیٹھ گئی اور اس کے پاؤں دابنے لگی۔ انہوں نے سادھو کی سیوا شروع کر دی۔

اس دوران میں چاروں طرف ایک تیز نگاہ ڈال چکا تھا۔ وہ سی آئی ڈی والا آدمی مجھے نہ باغ میں اور نہ ہی بازار کی جانب کسی جگہ دکھائی دیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ سی آئی ڈی کا آدمی نہ ہو لیکن میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ بہرحال وہ اس جگہ موجود نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔

اب میں چاہتا تھا کہ اس سادھو کے بارے میں معلوم کروں کہ کیا واقعی یہی اپنا ایجنٹ ہے؟ مگر اس کے عقیدت مند ٹس سے مس نہیں ہو رہے تھے۔ میں اس سے چند قدم کے فاصلے پر گھاس پر بیٹھا مالا پھیر رہا تھا۔ میں نے ذرا سا کھانس کر کہا۔ "مہاراج! سنا ہے اوپر پہاڑوں پر پوّن پُتّر کا استھان بھی ہے"۔

سادھو نے بے نیازی سے کہا۔ "ہاں مہاراج"۔

اس کا چیلا بھنگ پیالے میں ڈال کر لے آیا۔ پیالہ اس نے سادھو کے سامنے گھاس پر رکھ دیا اور خود ہاتھ باندھ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ میں نے دوسرا فیلر پھینکا۔ "مہاراج! سنا ہے اوپر کوئی جھیل ہے جس میں نیلا مروارید پایا جاتا ہے"۔

اس سوال کا جواب نہ آیا۔ میں نے سادھو کی طرف نگاہ کی وہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھا تھا۔ پھر اچانک اس نے ”جے ماتا“ جے ماتا کا نعرہ لگایا اور اپنے قریب بیٹھی عورتوں اور مردوں کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے بولا۔ ”چلو‘ جاؤ۔ اب چلے جاؤ تم لوگ۔ ہماری سمادھی کا سمے ہو گیا ہے“۔

عقیدت مند عورتیں اور مرد سادھو کو ماتھا ٹیک کر اٹھے اور ہاتھ جوڑتے چلے گئے۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ ”نیلا مروارید“ زبردست خفیہ کوڈ تھا جس کو یہ سادھو سمجھ گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہی وہ ایجنٹ تھا جس سے مجھے رابطہ پیدا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

سادھو نے ابھی تک مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے چیلے کی طرف دیکھا اور کڑک کر کہا۔ ”تم کیوں بیٹھے ہو بالک رام! کیا تم نے نہیں سنا کہ ہماری سمادھی کا وقت ہو گیا ہے۔ جاؤ ہمیں اکیلا چھوڑ دو“۔

اس کا چیلا بھی ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے ہوئے وہاں سے چل دیا۔ جب مکمل طور پر تخلیہ ہوا تو سادھو نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”میں ایک نمبر کے آدھے ہندسے بولوں گا‘ تم اس کے اگلے ہندسے پورے کرو گے“۔

پھر اس نے اس خفیہ کوڈ نمبر کے ہندسے بولے جو چیف نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے اس کے اگلے ہندسے بول دیئے۔ مجھے تو یہ خفیہ کوڈ نمبر زبانی یاد تھا۔ جب سادھو نے بھی اس امر کی تصدیق کر لی کہ میں ہی وہ کمانڈو ہوں جس کے بارے میں اسے اطلاع کی گئی تھی تو وہ اٹھ کر جھونپڑی میں چلا گیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد جھونپڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ”اندر آ جاؤ“۔

میں آہستہ سے اٹھا اور قدم قدم‘ مالا پھیرتا جھک کر جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ سادھو اندر چٹائی پر بیٹھا تھا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے خالص لاہوری پنجابی میں سوال کیا۔ ”اب بمبئی والے کا کوڈ نام بتاؤ؟“

”نیلا مروارید... چرنی روڈ۔“

”ٹھیک ہے۔ اب میری بات غور سے سنو۔ اس باغ کے پیچھے ایک پہاڑی نالہ ہے۔ آج رات دو بجے اس نالے کے چھوٹے پل کے نیچے پہنچ جانا۔ اب جلدی سے واپس چلے جاؤ... اور سنو۔ یہ وقت جموں شہر سے باہر کسی اجاڑ جگہ چھپ کر گزارنا۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے زیادہ مت آنا۔ اب جاؤ۔“

میں جھونپڑی سے نکل آیا۔ باہر آ کر ایک بار پھر باغ میں نظر دوڑائی۔ وہ سی آئی ڈی والا آدمی مجھے اب بھی نظر نہ آیا۔ میں خاموشی سے ترشول والی چھڑی ٹیکتا اور ہاتھ میں مالا پھیرتا باغ کے مشرق کی طرف چل دیا۔ میں سب سے پہلے اس پہاڑی نالے کے چھوٹے پل کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا جہاں

سادھو ماتا داس نے مجھے رات کے دو بجے آنے کو کہا تھا۔

یہ باغ جس میں سے میں گزر رہا تھا کوئی پرانا باغ تھا۔ روشوں کے گرد سرو کے لمبے قد کے درخت اگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں بارہ دریاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ چیڑ اور سفیدے کے درخت ٹھنڈی دھوپ میں روشن نظر آ رہے تھے۔ ایک پارک میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ میں آگے سے ہو کر جھونپڑی کے عقب میں آیا تو دیکھا کہ پتھر کی ایک نیم قد آدم دیوار تھی جس کی دوسری جانب ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ نالے کی ڈھلانوں پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ نالے کا پاٹ بہت چھوٹا تھا اور شفاف پانی پتھروں سے ٹکرا کر بہہ رہا تھا۔ پیچھے ایک چھوٹا سا پتھریلا پل بنا ہوا تھا۔

میں نے اس نقشے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور وہاں سے پلٹ کر باغ کی دوسری جانب نکل گیا۔ اب مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کس علاقے میں ہوں اور جس سڑک پر میں چلا جا رہا ہوں یہ مجھے کہاں پہنچائے گی۔ باغ سے کچھ دور جا کر سڑک کشادہ ہو گئی۔ لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ سائیکل رکشا اور کاریں بھی گزر رہی تھی۔ میری بائیں جانب ایک گراؤنڈ کے اوپر نیچے پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا تھا۔ ان پہاڑوں کی ڈھلانوں پر کہیں کہیں مکانوں کی چھتیں دھوپ میں چمک رہی تھی۔

بازار میں ٹریفک ایک دم ادھر ادھر ہٹ گئی۔ میں نے سوچا کہ شاید کسی وزیر کی گاڑی آ رہی ہو گی۔ میں بھی گراؤنڈ کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ملٹری کانوائے گزرنے لگا۔ بھاری فوجی ٹرک تھے جو ترپال سے بند کر دیئے گئے تھے۔ فوجی ٹرکوں کی اگلی سیٹوں پر مجھے سکھ فوجیوں کی شکلیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ یہ کوئی پندرہ' سولہ ٹرکوں پر مشتمل کانوائے تھا۔

کانوائے گزر گیا تو سڑک پر پھر معمول کے مطابق ٹریفک شروع ہو گئی۔

میں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں میں آدھی رات تک کا وقت چھپ کر گزار سکوں اور لوگوں کی نظروں میں نہ آؤں۔ گراؤنڈ ختم ہوا تو آگے ڈھلوان زمین آ گئی۔ اس کے آگے ایک بڑے نالے کا پل تھا۔ میں پل پر سے گزرنے لگا۔ کافی بڑا اور طویل پل تھا۔ پل کے دوسرے کنارے پر ذرا ڈھلان پر ماتا شیراں والی کا ایک مندر تھا جس کے کلس پر زرد رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا میں نے کمبل شانوں پر ڈال رکھا تھا جس کی وجہ سے میں ٹھنڈی پہاڑی ہوا سے محفوظ تھا۔ جموں میں واقعی سردی تھی لیکن آسمان بالکل صاف تھا۔ سورج مغرب کی پہاڑیوں کی جانب جھک گیا تھا۔ دائیں طرف چمبہ اور کانگڑہ کی بعض برف پوش چوٹیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ اندھیرا ہونے تک اس مندر میں ہی وقت گزارا جائے۔ چنانچہ پل کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر میں ڈھلان اتر کر ماتا شیراں والی کے مندر کے احاطے میں آ کر جے ماتا شیراں والی کا نعرہ لگا کر ایک طرف گھنے درخت کے نیچے بنی ہوئی سادھی کے پاس بیٹھ گیا۔ یہاں ہندو پجاریوں نے جگہ جگہ پوری' کچوریاں اور لڈو کے دونے رکھے ہوئے تھے جنہیں بندر چٹ کر

رہے تھے۔ ان بندروں کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ ہنومان کے حوالے سے ہندو بندروں کا بے حد احترام کرتے ہیں بلکہ ان کی پوجا کرتے ہیں۔

یہاں بیٹھنے کے بعد میں نے احتیاطاً ایک بار پھر چاروں طرف ماحول کا گہری نگاہ سے جائزہ لیا۔ میرا خیال ابھی تک اسی سی آئی ڈی والے کی طرف لگا ہوا تھا۔ مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ مندر میں ماتا کے پجاری ڈھولک پر بھجن گا رہے تھے پجاری ماتھا ٹیک کر باہر نکل رہے تھے۔ کچھ مرد اور عورتیں پھول اور مٹھائی لئے مندر میں داخل ہو رہی تھیں۔ سورج آہستہ آہستہ پہاڑوں کے پیچھے چھپ رہا تھا اور دن کی روشنی کم ہو رہی تھی۔ پہاڑوں کے نشیب میں تو ٹھنڈی چھاؤں کافی گہری ہو گئی تھی۔ میں بظاہر گیان دھیان میں لگا تھا۔ ہاتھ تھامی مالا کے منکے پھیر رہا تھا لیکن میری آنکھیں نیم وا تھیں اور مندر سے آنے والوں اور مندر میں جانے والوں پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

ابھی میری نظر مندر کے دروازے پر ہی لگی تھی کہ میں ایک دم سے چوکس ہو گیا۔ کمبخت وہی سی آئی ڈی والا آدمی مندر سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گیندے کے پھولوں کا چھوٹا سا ہار تھا۔ باہر آ کر اس نے پلٹ کر ہاتھ جوڑ کر دیوی کو پرنام کیا اور پھر چھوٹی سی سڑک پر اس طرف چلا گیا جہاں دو چار سائیکل رکشا کھڑے تھے۔ میری نیم آنکھیں برابر اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ابھی تک اس نے میری طرف نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ میں عجیب کش مکش میں تھا۔ یہ کم بخت میرا پیچھا کرتا یہاں آیا ہے یا ویسے ہی مندر میں ماتھا ٹیکنے آ گیا ہے۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس آدمی نے گردن موڑ کر اس درخت کی طرف دیکھا جس کے نیچے میں سادھی لگائے بیٹھا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ مگر اس نے اپنی طرف سے ایسا ظاہر کیا جیسے یوں ہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی ہو۔ پھر وہ ایک سائیکل رکشا پر بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا لیکن مجھے وسوسے میں چھوڑ گیا۔ اب مجھے یہاں سے اٹھ کر کسی دوسری جگہ چلے جانا چاہیے تھا۔

چنانچہ کچھ دیر بعد میں نے جے ماتا شیراں والی کا دھیما سا نعرہ لگایا اور ترشول تھام کر مندر کی پچھلی طرف سے ہو کر ایک پگڈنڈی پر چل پڑا۔ یہ پگڈنڈی آگے بل کھاتی چلی گئی تھی۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ پگڈنڈی کہاں جا رہی ہے۔ اس کا موڑ گھوما تو سامنے نشیب میں ایک چھوٹی سی وادی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں ہرے بھرے درختوں میں ڈوگرہ گاؤں تھا۔ مکانوں کی چھتیں زیادہ ترٹین کی تھیں۔ میں نے ایک ڈوگرہ عورت کو مکان کے باہر گائے کا دودھ دوہتے دیکھا۔ شام ہو رہی تھی۔ سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کچھ مکانوں سے اوپلوں کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے اس دھوئیں کو یوں پہچانا کہ فضا میں اوپلوں کی بو رچی ہوئی تھی۔

اس ڈوگرہ گاؤں کے پیچھے چیڑ کے بہت سے درخت تھے جو ڈھلان میں دور تک چلے گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ ان درختوں میں کسی جگہ یونہی آسن جما کر بیٹھ جاتا ہوں۔ لوگوں کی نگاہوں سے بھی بچا

رہوں گا اور وقت بھی گزر جائے گا۔ میں گاؤں کے پہلو سے گزر کر نشیب کے درختوں میں آ گیا۔
یہاں نسبتاً خاموشی اور سناٹا تھا۔ اونچے ستونوں ایسے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھ گیا کہ ایک طرف سے مجھے گاؤں اور دوسری طرف درختوں کی ڈھلان برابر دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے کمبل اچھی طرح سے اپنے شانوں پر کر لیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور ساری وادی پر شام کا نیم سیاہ اندھیرا اتر آیا تھا۔ گاؤں کے مکانوں میں لالٹینیں روشن ہو گئی تھیں۔ دور پہاڑ کے نشیب میں بھی مکانوں کی بتیاں جھلملانے لگی تھی۔ مجھے رات کے دو بجے تک بیٹھنا تھا۔ میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ٹریننگ کی وجہ سے میں آدھی رات تک ایک ٹانگ پر بھی گزارہ کر سکتا تھا۔ مجھے اگر اندیشہ تھا تو کمبخت اس منحوس سی آئی ڈی والے کی طرف سے تھا کہ کہیں وہ پولیس لے کر وہاں نہ آ جائے اور سارا مشن ادھورا نہ رہ جائے۔

میں لحہ لحہ گہرے اندھیرے میں چاروں طرف آنکھیں کھولے دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے گاؤں کی طرف سے ایک سایہ سا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں ایک دم سے ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ اگر یہ وہی سی آئی ڈی والا ہے تو اس کی موت اسے میری طرف کھینچے لئے آ رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کا کام تمام کر کے لاش وہیں جھاڑیوں میں ڈال دوں گا لیکن میرے کانوں سے جھانجروں کی مترنم آواز ٹکرائی۔ یہ چاندی کی جھانجروں کی آواز تھی جو پنجاب اور جموں کی دیہاتی عورتیں اپنے پاؤں میں پہنا کرتی تھیں۔ سایہ ذرا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ ایک ڈوگرہ عورت ہے جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی بلٹوئی ہے اور اس کے اوپر رومال میں لپیٹ کر کچھ رکھا ہوا ہے۔ ابھی اندھیرا اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ مجھے تاریکی میں کچھ دکھائی نہ دیتا۔

میں نے جلدی سے آسن جما لیا مگر میری آنکھیں کھلی تھیں۔ عورت کا سایہ قریب آ گیا۔ یہ ڈوگرہ عورت تھی جس نے سوسی کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے پاؤں میں چاندی کی جھانجھریں تھیں جو موسیقی پیدا کر رہیں تھی۔ جھانجھروں کی موسیقی رک گئی۔ عورت آہستہ سے زمین پر بیٹھ گئی۔ بلٹوئی گھاس پر رکھی۔ ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور ڈوگرہ زبان میں کہا۔ "مہاراج! یہ میں آپ کے بھوجن کے لئے لائی ہوں۔ سویکار کریں"۔

بھوک مجھے بہت لگ رہی تھی۔ پھر بھی میں بے حد محتاط تھا۔ یہ سی آئی ڈی والے کی کوئی سازش بھی ہو سکتی تھی۔ میں نے سادھو سنتوں کی طرح کہا۔ "یہ کیا ہے بالک؟"

ڈوگرہ عورت نے بلٹوئی کے اوپر سے چنگیر ہٹا کر کہا۔ "مہاراج! یہ میں اپنی گائے کا دودھ دھو کر آپ کے لئے لائی ہوں اور یہ مکئی کی روٹی اور اچار ہے"۔

میری بھوک چمک اٹھی مگر یہ میری موت کا سامان بھی ہو سکتا تھا ممکن ہے یہ عورت بھی دشمن کی ایجنٹ ہو اور ان اشیاء میں کوئی زہریلی شے ملا کر لے آئی ہو۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بالکہ!

ہم تیری شردھا سے پرسن ہوئے ہیں ۔ پرنتو ہمیں ویشنو ماتا کا آدیس ہے کہ کوئی شے کسی کو کھلائے بغیر مت کھاؤ ۔ پہلے تم اس میں سے دودھ پیئو اور روٹی کھاؤ ۔ پھر ہم بھوجن کریں گے "۔

ڈوگرہ عورت ہاتھ باندھ کر بولی ۔ " مہاراج ! جیسی آپ کی اچھیا "۔

یہ کہہ کر ڈوگرہ عورت نے میرے سامنے بلٹوئی کے ساتھ اپنا ہاتھ چلو بنا کر لگایا ۔ پھر بلٹوئی کو اپنے گھٹنے پر رکھا ۔ چلو کے ساتھ منہ لگایا اور غٹاغٹ دو چار گھونٹ دودھ پی گئی ۔ بلٹوئی رکھ کر اس نے گرم چادر سے منہ صاف کیا اور میرے کہنے پر مکئی کی روٹی کے بھی دو نوالے توڑ کر کھا لئے ۔ میں نے چند لمحے انتظار کیا ۔ میں دودھ اور مکئی کی روٹی کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا ۔ میں اس سے ویشنو ماتا کے چمتکاروں کی باتیں کرتا رہا ۔ جب مجھے تسلی ہو گئی کہ دودھ اور روٹی میں کسی زہریلی شے کی ملاوٹ نہیں ہوئی تو میں نے مکئی کی روٹی اچار کے ساتھ کھانی شروع کر دی ۔ دیکھتے دیکھتے میں مکئی کی ساری روٹی کھا گیا اور دودھ کی آدھی سے زیادہ بلٹوئی خالی کر دی ۔ ڈوگرہ عورت نے گھٹنے پکڑ لئے اور کہا ۔ " مہاراج ! مجھ پر کرپا کریں ۔ مجھے بچہ دے دیں ۔ نہیں تو میرا شوہر مجھے گھر سے نکال دے گا ۔ وہ مجھے بہت مارتا ہے مہاراج ۔ مجھے بچہ دے دیں "۔

یہ جوان ڈوگرہ عورت کچھ اس طرح میرے قدموں میں بچھی جا رہی تھی کہ مجھے ایسے لگا جیسے وہ واقعی مجھ سے اپنا بچہ چاہتی ہے ۔ میں نے آواز میں جلال پیدا کرتے ہوئے کہا ۔ " بالکا ! پیچھے ہٹ کر بیٹھ جا ۔ میں ماتا شیراں والی کے آگے تمہاری ارداس کروں گا ۔ ویشنو ماں تیری گود ضرور ہری کرے گی ۔ اب تو جا... اور سن ! کسی کو بتانا مت کہ تو مجھے یہاں ملی تھی ۔ ورنہ تیرے ہاں بچہ نہیں ہو گا

ڈوگرہ عورت تو میرے آگے سجدے میں گر پڑی ۔ " مہاراج ! میں کسی کو نہیں بتاؤں گی ۔ مہاراج ! مجھے بچہ دے دیں ۔ میری جند جان آپ پر قربان "۔

" اچھا.... اب تو چلی جا "

ڈوگرہ عورت نے بلٹوئی اور چنگیر اٹھائی ۔ کچھ قدم وہ ہاتھ جوڑے الٹے قدم پیچھے چلتی گئی پھر پرنام کر کے اپنے گاؤں کی طرف چل دی ۔ اب اندھیرا اتنا ہو گیا تھا کہ تھوڑی دور جانے کے بعد ہی اندھیرے نے اسے اپنے اندر گم کر لیا ۔

گائے کے تازہ دودھ اور پہاڑی مکئی کی روٹی نے میرے جسم میں نئی توانائی بھر دی ۔ میں کمبل اوڑھ کر درخت کے پیچھے سٹ کر بیٹھ گیا ۔ اب خالص دودھ اور پہاڑی مکئی نے اپنا رنگ دکھلایا اور مجھے نیند آنے لگی ۔

نیند کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ میرا سر بار بار کندھوں پر ڈھلک جاتا اور میں اسے بار بار اوپر اٹھاتا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتا ۔ میری آنکھیں جلنے لگی تھیں ۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا ۔ میں نے درختوں میں دوڑ لگانی شروع کر دی ۔ کچھ دیر بعد پھر نیند نے حملہ کر دیا ۔ پہلے سوچا

کہ کہیں دودھ میں خواب آور گولیاں تو نہیں ملادی گئی تھیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ نیند کا غلبہ تھا اور نیند خالص دودھ اور مکئی کی روٹی کی وجہ سے آرہی تھی۔ چنانچہ کچھ دیر نیند کے خلاف جنگ آزمائی کرنے کے بعد میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گیا اور نیند کو زیر کر لیا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔

ابھی رات کے سوا دس ہی بجے تھے۔ یہ گھڑی جو میری کلائی پر بندھی تھی، مجھے باغ جوگیاں والے سادھو اور ایجنٹ، ماتا داس نے دی تھی اور دیتے وقت اپنی گھڑی کے ساتھ اس کا وقت ملا لیا تھا۔ رات کے دو بجنے میں ابھی بہت وقت باقی تھا۔ میں حیران تھا کہ وہ سی آئی ڈی کا آدمی ابھی تک میرے تعاقب میں وہاں کیوں نہیں آیا؟ کوئی چاہے کچھ کہے مگر میرے تجربے نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ بھارتی انٹیلی جینس کا آدمی ہے اور میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ بڑا محتاط تھا۔ کسی خاص گھڑی کا انتظار کر رہا تھا جب مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لے۔ آخر یہ اس کا علاقہ تھا۔ میں اس کے ملک میں تھا۔ وہ مجھے جب اور جہاں چاہے گرفتار کروا سکتا تھا۔

میں نے اپنی پوزیشن تبدیل کر لی اور ان اونچے نیچے درختوں سے نکل کر میں پہاڑی نالے کی طرف چل دیا۔ یہ نالہ میری نظر میں تھا اور میں اس کی سمت سے بخوبی واقف تھا۔ نشیبی پتھروں میں سے نکلتا میں اندھیری رات میں پہاڑی نالے کی طرف چلنے لگا۔ آسمان کی چمک کی وجہ سے رات کی تاریکی میں دھیمی دھندلی سی روشنی گھل مل گئی تھی۔ میں نے درختوں کا ایک جھنڈ عبور کیا اور نیچے پہاڑی نالہ تھا۔ یہی وہ نالہ تھا جس کے آگے وہ پل تھا جس کے نیچے مجھے دو بجے رات اپنے ایجنٹ سادھو سے ملاقات کرنی تھی۔

یہ چھوٹا پل مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نشیب میں اترتا ہوا نالے کے قریب آگیا۔ اندھیرے میں نالے کا شفاف پانی کسی دھندلے آئینے کی طرح نظر آرہا تھا۔ پانی کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ میں نے ایک جگہ پتھروں کے درمیان جگہ بنائی اور کمبل اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ شبنم گر رہی تھی جس کا میرے منڈے ہوئے سر پر اثر ہو رہا تھا۔ میں نے کمبل اپنے سر کے اوپر کر لیا۔۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ مگر کمانڈو ٹریننگ کے دوران ہمیں اس کی خاص طور پر مشق کرائی گئی تھی۔ ہمارا فوجی انسٹرکٹر ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر ہمیں کسی درخت کے ساتھ جکڑ دیتا اور ہم ساری رات اس درخت کے ساتھ جکڑے رہتے۔ اف...! آج بھی کمانڈو ٹریننگ کے وہ دن یاد آتے ہیں تو کانوں میں سے شاں شاں کی آواز نکلنے لگتی ہے۔ ہمیں گھوڑوں کی طرح دوڑنا، اونٹوں کی طرح بغیر کچھ کھائے پیئے میلوں چلنا اور لومڑی جیسی مکاری سے اپنا راستہ بنانا اور سانپ، مینڈک اور خاردار جھاڑیاں کھانا سکھایا گیا۔ ہمیں اذیتیں دی گئیں کہ اگر کبھی دشمن کے ہتھے چڑھ جائیں تو ان کی لاتوں سے گھبرا کر راز فاش نہ کر دیں۔ ہمیں بندر سے بھی زیادہ پھرتیلا بنایا گیا۔ ہمیں ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگانے کی مشق کرائی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم میں دشمن پر عقاب کی طرح

جھپٹنے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے فنا کر ڈالنے کی تربیت بھی دی گئی ۔ ہمیں سوکھے پتوں پر چیتے کی طرح چلنے کی ایسی ٹریننگ دی گئی کہ ہمارے قدم سوکھے پتوں پر پڑیں مگر آواز بالکل پیدا نہ ہو ۔ ہمیں بے ہتھیار لڑائی کی مشقیں کرائی گئیں اور انسانی جسم کی تمام تر نازک رگوں' ہڈیوں اور اعضاء سے سرجن ڈاکٹروں کی طرح آگاہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ ہمیں دشمن پر کہاں کاری ضرب لگانی ہے ۔

میں کمبل میں اکڑوں بیٹھا تھا ۔ میرے چاروں طرف اندھیرا تھا ۔ اگرچہ اس اندھیرے کی میری آنکھیں اب عادی ہو گئی تھیں اور سانپ کی آنکھوں کی طرح میں اندھیرے میں ہر شے دیکھ رہا تھا ۔ نالے کا پانی رل ترل رل ترل کی مترنم موسیقی پیدا کرتا میرے سامنے سے گزر رہا تھا ۔ شبنمی فضا میں طرح طرح کی جڑی بوٹیوں اور گھاس پتوں کی بو رچی ہوئی تھی ۔

یونہی رات کے بارہ بج گئے۔ میں نے وقت کاٹنے کے لئے نالے پر جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ پانی اس قدر ٹھنڈا تھا کہ ہاتھ ڈالتے ہی میری قلفی جم گئی۔ چہرے پر صرف ایک چھینٹا مار سکا۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ نیند کا رہا سہا احساس بھی ختم ہو گیا۔ خدا خدا کر کے جسم کے گرد کمبل لپیٹے' ترشول والی لوہے کی لاٹھی ہاتھ میں اٹھائے اس نالے کے چھوٹے پل کی طرف بڑھا۔

نالے کے اس چھوٹے پل کے اوپر ایک ریڑھے کا ہیولا یوں کھڑا تھا کہ اس کے دونوں لکڑی کے بازو آسمان کی طرف اٹھے تھے۔ میں نالے کے کنارے چلتا پل کے نیچے آ گیا۔ یہاں اندھیرا گھرا تھا۔ مجھے سیٹی کی دھیمی آواز سنائی دی۔ میں ہوشیار ہو گیا۔ اندھیرے میں میری آنکھیں چمکنے لگیں۔

اچانک کسی نے پیچھے سے میری گردن پر پستول کی ٹھنڈی نال لگا دی۔ "اپنا کوڈ بتاؤ"۔

میں سمجھ گیا کہ یہ اپنا ایجنٹ ہے لیکن میرے پاکستانی ایجنٹ ہونے کی تصدیق چاہتا ہے۔ میرا وہی ایک کوڈ نمبر تھا جو مجھے پاکستانی چیف نے دیا تھا۔ میں نے اپنا نمبر دہرا دیا۔ پستول کی نالی میری گردن سے ہٹ گئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ باغ جوگیاں والا سادھو اندھیرے میں میرے پیچھے کھڑا تھا۔ "تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ایک آدمی پر مجھے شک ہے۔ وہ میرے پیچھے لگا ہے مگر اس نے اس وقت مجھے نہیں دیکھا۔

ایجنٹ سادھو نے مجھے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر جھنجوڑا۔ "تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی اور جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میں اپنی جگہ سے ہل گیا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو وہ میرے ہاتھوں سے مارا گیا ہوتا۔ میں نے کہا۔ "تم نے مجھے موقع ہی نہیں دیا کہ میں تمہیں بتاؤں"۔

اس نے میرا گریبان چھوڑ دیا۔ اپنے گرم لبادے کے اندر سے ایک پستول نکال کر میرے ہاتھ میں تھمایا اور بولا۔ "یہ بھرا ہوا ہے میرے پیچھے پیچھے آؤ"۔

وہ مجھے لے کر نالے پر سے گزر گیا۔ ہم دوسری طرف کی ڈھلان چڑھنے لگے۔ اوپر ایک سڑک تھی جس کے کنارے کہیں کہیں کھمبوں پر مدھم بلب روشن تھے۔ ہم ایک لکڑی کے کھوکھے کے پاس جا نکلے تھے جو بند تھا اور سامنے لکڑی کا ایک خالی بینچ رکھا تھا۔ ہم خاموشی سے سڑک کے کنارے کنارے مغرب کی سمت جا رہے تھے۔ میرا ساتھی خاموش تھا۔ میں بھی کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ یہ کوئی بڑا ہی اہم اور خطرناک فوجی مشن تھا اور کمانڈو ہونے کی حیثیت سے مجھے معلوم تھا کہ اشد ضرورت کے سوا زبان سے ایک لفظ نہیں نکالنا ہو گا۔

میرا گائیڈ ایجنٹ ایک جگہ سڑک کے نیچے اتر گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی پگڈنڈی دور کھیتوں میں جا رہی تھی۔ اندھیرے میں کھیتوں کی اونچی فصل ایک دیوار کی طرح نظر آ رہی تھی۔ ان کھیتوں کے بازو میں چند ایک مکان گھپ اندھیرے میں خاموش کھڑے تھے۔ ہم ان کھیتوں میں سے بھی گزر گئے۔ اب ایک ناہموار سا میدان آ گیا۔ میدان کو عبور کیا تو جموں کی مشہور ندی توی دکھائی دی۔ یہ ندی ڈھلانی کناروں کے بیچ میں بہہ رہی تھی۔ دور اسی ندی پر بنا ہوا شہر جموں کا بڑا پل تھا جس کی بتیاں جھلملا رہی تھی۔

میرا ساتھی ندی پر پہنچ کر رک گیا۔ اندھیرے میں اس نے بائیں جانب دیکھا اور پھر مجھے لے کر اس طرف چلا گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گھاٹ تھا۔ چھوٹی بڑی چھ سات کشتیاں کنارے پر کھڑی تھیں۔ اس نے اشارے سے مجھے پیچھے آنے کو کہا اور پھر ہم ذرا الگ کھڑی ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو گئے۔ میرے ساتھی ایجنٹ سوار ہونے سے پہلے ہی کشتی کی رسی کھول دی تھی۔ ہم نے اس کشتی میں توی ندی پار کی اور دوسرے کنارے پر آ گئے۔ یہاں سے ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا۔ مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ ہمارا ٹارگٹ کہاں ہے اور جن دو کمانڈوز کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا وہ کہاں ملیں گے۔

جموں شہر کی روشنیاں اب پیچھے رہ گئی تھیں۔ میرے ساتھی ایجنٹ نے تو جیسے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ ہم پو پھٹنے تک پہاڑی علاقے میں چلتے رہے۔ جب آسمان پر صبح کاذب کا نیلا اجالا پھیلنے لگا تو میرا ساتھی ایک جگہ رک گیا۔ یہ سارے کا سارا پہاڑی علاقہ تھا۔ ایک طرف جموں چمبہ اور کلو کی پہاڑیوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا اور دوسری جانب کشمیر کے سر بفلک پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں صبح کاذب کی مدھم روشنی میں جھلکنے لگی تھیں۔

"ہمیں اس پہاڑ کے دامن میں پہنچنا تھا۔" میرے ساتھی ایجنٹ نے کشمیر کی پہاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہاں پہنچنا بہت دشوار تھا۔ اس نے کہا۔ "آگے پہاڑی راستہ بہت خطرناک ہے۔ سڑک کچی ہے مگر ہم کھڈوں اور گھاٹیوں میں سفر کریں گے۔ تم تھک تو نہیں گئے لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ تم ایک نوجوان تجربہ کار کمانڈو ہو اور اس سے پہلے بھی پٹھان کوٹ

میں بڑا زبردست معرکہ مار چکے ہو۔ آؤ چلیں۔ میں چاہتا ہوں سورج نکلنے سے پہلے ہم اس جگہ سے نکل جائیں "۔

جب سورج طلوع ہوا تو وادی میں چاروں طرف اجالا پھیل گیا۔ اس وقت ہم درختوں کے ایک طویل سلسلے سے گزر رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن چلتے رہنے کی وجہ سے مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی بلکہ پسینہ آرہا تھا۔ ایک جگہ سرسبز جھاڑیوں کے درمیان شفاف چشمہ بہہ رہا تھا۔ ہم نے منہ ہاتھ دھویا۔ مکئی کی روٹی' اچار کے ساتھ کھائی جو میرا ساتھی اپنے جھولے میں ڈال کر ساتھ لایا تھا۔

اب دن خوب نکل آیا تھا۔ درختوں میں سے دھوپ چھن چھن کر آرہی تھی۔ میرا ساتھی سادھو ماتاداس' اب بھی خاموش تھا۔ میں بھی مصلحتاً اس سے زیادہ بات چیت نہیں کر رہا تھا۔ اس نے اپنے سادھوؤں ایسے جھولے سے کاغذ کے ٹکڑے پر بنا ہوا نقشہ نکالا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر نقشہ پھاڑ کر چشمے کے پانی میں بہا دیا۔ اٹھ کر جنگل میں ایک پہاڑی ڈھلان کی طرف دیکھا اور مجھے اشارے سے پیچھے آنے کو کہا۔ میں چابی دیئے کھلونے کی طرح اس کے پیچھے چل پڑا۔

ہم نشیب سے اتر کر ایک وادی میں آگئے۔ یہ غیر آباد وادی تھی جہاں چھوٹے درختوں اور جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔ دوپہر تک ہم اس وادی میں چلتے رہے۔ دوپہر کے دو بجے ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی ندی کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی سی روٹی کھائی۔ ندی کا ٹھنڈا پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ایک گہری کھڈ عبور کر کے چھوٹی چھوٹی پہاڑی ٹیکریوں کے غیر ہموار میدان میں آ گئے تھے۔ ان ٹیکریوں کے پیچھے اونچے اونچے پہاڑوں کا سلسلہ تھا جن کی چوٹیوں پر کہیں کہیں سفید برف دھوپ میں چمک رہی تھی۔ چند ایک ٹیکریوں کو پار کرنے کے بعد ایک ٹیکری کے عقب میں بڑی سی چٹان کھڑی تھی۔ میرے ساتھی ایجنٹ نے چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری پہلی منزل ہے۔"

چٹان جہاں سے شروع ہوتی تھی وہاں اتنا اونچا جنگلی گھاس تھا کہ اس میں ہاتھی بھی چھپ جائے تو کسی کو پتا نہیں چل سکتا تھا۔ ہم اس ہاتھی چھوواں گھاس میں داخل ہو گئے۔ یہاں چٹان میں ایک غار کا شگاف نظر آیا جس کے منہ پر اوپر سے لٹکنے والی بیلوں نے جھالریں سی ڈال رکھی تھیں۔ غار کا دہانہ تنگ تھا مگر اندر سے کافی کھلا غار تھا۔ ہم یہاں بیٹھ گئے۔ میں نے اپنا کمبل اتار کر پاس رکھ لیا۔ میرے ساتھی سادھو ایجنٹ نے کہا۔ "تم آرام کر سکتے ہو۔ تمہارے ساتھی کمانڈو اسی جگہ پہنچنے والے ہیں۔ یہاں میرا مشن ختم ہوتا ہے۔ میں تمہیں دیگر ساتھیوں کے سپرد کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ آگے تم جانو تمہارا کام "۔

میں نے دبی زبان میں پوچھا کہ ہمارا مشن کیا ہے؟ میرے ایجنٹ ساتھی نے سر نفی میں ہلایا۔ "یہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس آپریشن کی تفصیل تمہیں کمانڈو ہی بتا سکیں گے۔ اب خاموشی سے آرام کرو۔ تمہیں آگے شاید سونا نصیب نہیں ہوگا"۔

میں کمبل کا سرہانہ بنا کر لیٹ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد میں سو گیا۔ کوئی مجھے آہستہ سے جھنجوڑ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ میرا ساتھی ایجنٹ کہہ رہا تھا۔ "تمہارے ساتھی کمانڈوز آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں نیچے کھائی کے نرسلوں میں چلتے دیکھا ہے"۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرا ساتھی ایجنٹ غار سے باہر چلا گیا مگر میں غار کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ غار میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ دو اجنبی بھی تھے۔ انہوں نے وادی کشمیر کے کرونوں ایسا لباس پہن رکھا تھا اور کاندھوں سے گٹھریاں لٹک رہی تھیں۔ یہ گٹھے ہوئے جسموں والے جوان تھے جن کے چہرے تانبے کی طرح چمک رہے تھے اور آنکھوں میں چیتے کی آنکھوں ایسی چمک لہرا رہی تھی۔ غار میں آتے ہی وہ مجھے غور سے دیکھنے لگے۔

میرے ساتھی ایجنٹ نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "یہ نمبر سات ہے۔ آپ کا ساتھی کمانڈو۔ میں اسے جموں سے یہاں لایا ہوں۔ اب میں جا رہا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ سادھو ایجنٹ خاموشی سے غار سے باہر نکل گیا۔ دونوں نو وارد جوان اپنی اپنی گٹھریاں زمین پر رکھ کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے غار کا جائزہ لیا۔ پھر غار کے منہ پر جا کر باہر گھاس میں ادھر ادھر دیکھا۔ واپس آ کر اس نے اپنی تیز چمکیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور پوچھا۔ "تمہارے پاس کون سا ہتھیار ہے؟"

میں نے پستول نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ دوسرا کمانڈو پستول اٹھا کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"تم پہلے بھی ملٹری آپریشن پر گئے تھے نمبر سات؟"

"ہاں، پٹھان کوٹ مشن تھا۔"

پہلے والا کمانڈو بولا۔ "تمہارے بارے میں ہمیں یہی بتایا گیا ہے مگر تم تو ابھی نوجوان ہو۔ کون سی کمانڈو رجمنٹ میں تھے؟"

میں نے اپنا مزید تھوڑا سا تعارف کرایا۔ یہ دونوں تربیت یافتہ کمانڈو تھے اور ان کا تعلق باقاعدہ ایک کمانڈو رجمنٹ سے تھا۔ اس سے زیادہ میں ان جانباز کمانڈروں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے دشمن پر کاری ضرب لگانے اور اپنی جانیں قربان کرنے دشمن کے علاقے میں گھس آئے تھے۔ انہوں نے ایک نقشہ نکال کر زمین پر پھیلا دیا اور مجھے اس خطرناک فوجی مشن کے بارے میں تفصیلات بتائیں.... یہ مشن ایک بہت بڑے اور نازک فوجی اہمیت

کے پل کو تباہ کرنے کا مشن تھا۔ یہ پل کشمیر کی وادی میں ایک ایسے نازک مقام پر واقع تھا جہاں وہ دو پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ملاتا تھا۔ پل ایک تیز رفتار پہاڑی نالے پر بنا ہوا تھا اور اس سے ٹینک بڑی آسانی سے گزر سکتے تھے۔

پل کے دونوں جانب بھارتی فوج کی ایک ڈویژن منقسم تھی۔ آدھی ڈویژن دوسری طرف چھاؤنی ڈالے ہوئے تھی۔ دونوں ڈویژنوں اور جموں و کشمیر کی وادیوں کے درمیان فوجی نقل و عمل کا یہی ایک واحد ذریعہ تھا جو سردیوں میں بھی کام آسکتا ہے۔ جبکہ دوسری سڑک برف باری کی وجہ سے بند ہو جاتی تھی۔

کشمیر میں دشمن کے جتنے بھی پل تھے ان میں سے اس پل کی بڑی اہمیت تھی۔ اس پل کو کمانڈو آپریشن کے ذریعے اڑانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ پہاڑی علاقوں میں پلوں کو بمباری کے ذریعے تباہ کرنا جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ آس پاس پہاڑیوں کی وجہ سے ایک تو ہوائی جہاز زیادہ نیچے نہیں جا سکتے' دوسرے بلندی سے یہ پہاڑی پل اتنا چھوٹا ٹارگٹ نظر آتے ہیں کہ ان پر گرائے جانے والے بم اکثر نشان سے ادھر ادھر ہٹ کر گرتے ہیں۔ دوسری مشکل یہ ہوتی ہے کہ دشمن نے اس قسم کے نازک اہمیت کے حامل پلوں کے اردگرد طیارہ شکن گنیں لگائی ہوتی ہیں۔ جہاز اگر نیچے آتا ہے تو بڑی آسانی سے دشمن کی زد میں آکر ہٹ ہو جاتا ہے۔ دشمن کی طیارہ شکن گنیں بڑی آسانی سے اسے نشانہ بنالیتی ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے اہم پلوں... کو اکثر کمانڈو آپریشن کے ذریعے ہی اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمانڈو آپریشن میں چند ایک کمانڈو جوانوں کی شہادت کا ہی اندیشہ ہوتا ہے لیکن آپریشن اگر صحیح اور کامیاب اصولوں پر عمل پذیر ہو اور دشمن بیدار نہ ہو جائے تو پل کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ دشمن کے پیٹ میں گھس کر اس کے کسی زبردست فوجی اہمیت والے پل کو تباہ کرنا آسان کام نہیں ہوتا کیونکہ دشمن وہاں ہر وقت چوکس ہوتا ہے۔

میرے دونوں ساتھی عمر میں مجھ سے بڑے اور انتہائی تجربہ کار اور ماہر کمانڈوز تھے۔ وہ مجھے کوئی اہمیت نہ دیتے اگر انہیں میرے پٹھان کوٹ والے کامیاب کمانڈو آپریشن کے بارے میں تفصیلات کا علم نہ ہوتا۔ انہیں میرے پورے ریکارڈ سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ مجھ سے اس طرح بات کرتے جس طرح ایک ماہر کمانڈو دوسرے جانباز کمانڈو سے بات کرتا ہے۔

ہمارا کوئی نام نہیں تھا۔ ہمارے صرف نمبر تھے۔ میرا نمبر سات تھا میرے ساتھی کمانڈوز کے بالترتیب آٹھ اور نو نمبر تھے۔ ہم ایک دوسرے کے نمبر پکار کر بات کرتے تھے۔ انہوں نے وہ گٹھریاں کھول دیں جو اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان میں تین اسٹین گنیں تھیں۔ ایک لائٹ مشین گن تھی تین چاقو اور کچھ ہینڈ گرنیڈ تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ پلاسٹک کے جیبی سائز کے چار سلنڈر بھی تھے۔ کمانڈو نمبر آٹھ نے مجھے بتایا کہ چاروں انتہائی طاقتور اور دھماکہ خیز بم ہیں اور یہی وہ سلنڈر بم تھے جن کی مدد سے

ہمیں دشمن کے پل کو اڑانا تھا۔ ایک تھیلے میں بھنے ہوئے چنے، گڑ اور تین چھوٹے سے سگریٹ لائیٹر تھے۔ ابھی ایک پہر دن باقی تھا۔ ہم نقشہ نکال کر پل کی پوزیشن کو اچھی طرح ذہن نشین کرتے رہے جب شام ہوئی تو دشمن کے اس فوجی علاقے میں موجود پل کی ایک ایک تفصیل ہمیں ذہن نشین ہو چکی تھی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ جس علاقے میں ہم جا رہے ہیں وہاں بھارتی فوج نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں اور چپے چپے پر بھارتی جاسوس ملیں گے۔ یہ کشمیری بھی ہو سکتے ہیں جنہیں بھارتی فوج نے روپے پیسے کے لالچ یا ان کے کنبے کو ختم کر دیئے جانے کی دھمکی کی وجہ سے خرید رکھا ہو۔ ہمیں ان سے خبردار رہنا ہو گا۔

پل وہاں سے ایک رات اور ایک دن کی پیدل مسافت پر تھا۔ وہ اپنے ساتھ میرے لئے کشمیری دیہاتی لباس بھی لائے تھے میرا ہندو سادھوؤں ایسا لباس اتروا کر کشمیری کسانوں کا لباس پہنا دیا گیا۔ میرے ماتھے پر لگی تلک کی تین لکیروں کو بھی مٹا دیا گیا۔ شام جب گہری ہو گئی تو ہم نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ ہمارے پاس جو اسلحہ تھا اسے گٹھری سے نکال کر ہم نے اپنی اپنی کمر کے گرد لمبے کرتوں کے اندر باندھ لیا۔ چنے اور گڑ والا تھیلا نمبر نو نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا روانگی سے پہلے ہم نے تھوڑے بہت چنے کھا کر تھرماس میں سے دو دو گھونٹ پانی پیا۔ گھڑیاں ملائیں۔ میرے دونوں کمانڈو ساتھی کشمیری زبان بڑی روانی سے بول لیتے تھے۔ ویسے وہ پنجابی تھے لیکن میں کشمیری زبان سے ناواقف تھا۔ چنانچہ مجھے ہدایت کر دی گئی کہ اگر وادی کشمیر کا کوئی شخص یا کوئی بھارتی فوجی مجھ سے بات کرے تو میں گونگا بن جاؤں۔ مخاطب کو اشاروں سے بتانے کی کوشش کروں کہ میں کشمیری کسان ہوں اور اپنی بہن کے گاؤں جا رہا ہوں۔ اگر دوسرا شخص قائل نہ ہو اور میری تلاشی لینے کی کوشش کرے تو اسے فوراً ہلاک کر ڈالوں۔

اندھیرا جب چاروں طرف پہاڑوں اور ٹیکریوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تو ہم غار کے سامنے اگے ہوئے اونچے گھاس سے باہر نکلے، ہم ایک دوسرے کے درمیان چند قدم کا فاصلہ ڈال کر چل رہے تھے۔ راستے اور سمت کا تعین کر لیا گیا تھا۔ ہماری رفتار معمول کے مطابق تھی۔ نہ زیادہ نہ آہستہ۔ جنگلی جھاڑ جھنکاڑ سے بھری ہوئی اس وادی سے گزر کر ہم ایک ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگے۔ آسمان پر ستارے بھی ہمیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

ہمارا سفر یونہی وادیوں، گھاٹیوں، غیر ہموار پہاڑی میدانوں اور ٹیلے، ٹیکریوں میں جاری رہا۔ جس وقت ہم ایک جگہ ستانے کے لئے بیٹھے تو ہم نے گھڑیوں پر وقت دیکھا۔ رات کے سوا بارہ بج رہے تھے۔ کچھ دیر ستانے کے بعد ہم پھر اپنے سفر پر چل پڑے۔

پہاڑوں میں صبح کی پہلی روشنی پھیلی تو ہم ایک ایسی پُرفضا جگہ پر پہنچ چکے تھے جہاں چاروں طرف ہرے بھرے درخت تھے اور ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ارد گرد دور دور تک کسی آبادی کا نشان نہیں

تھا۔ میرے دونوں ساتھی اس سارے علاقے کے چپے چپے سے واقف تھے۔

چشمے پر پہنچ کر ہم گھاس پر سیدھے لیٹ گئے... کچھ دیر آرام کر کے ہم نے چشمے کے پانی سے غسل کیا۔ جھولے میں سے چنے کھا کر ناشتہ کیا اور سنہری دھوپ میں بیٹھ کر دوسری طرف پھیلی ہوئی حسین وادی کی طرف دیکھنے لگے۔

نمبر آٹھ نے وادی کی جانب اشارہ کیا۔ "اس وادی کی دوسری جانب ہمارا ٹارگٹ ہے۔ وہ سامنے والا پہاڑ کشمیر کا سب سے مشہور پہاڑ میران شاہ' ہے۔ اس کے مغربی دامن میں وہ پل ہے جس کو ہم اڑانے جا رہے ہیں"۔

چشمے کے پُر فضا مقام پر ہمیں سارا دن گزار کر رات کو اپنے سفر پر روانہ ہونا تھا۔ ہم نے باری باری سو کر اپنی نیند پوری کی۔

نمبر نو کہیں قریب ہی سے جنگلی ناشپاتیاں توڑ لایا۔ یہ ہری ہری چھوٹی اور بڑی میٹھی ناشپاتیاں تھیں۔ ہم نے بڑے مزے سے کھائیں۔ اسلحے کو چیک کر کے دھوپ لگائی گئی۔ پل کے نقشے کا ایک بار پھر بغور مطالعہ کیا گیا۔

کمانڈو نمبر آٹھ کہنے لگا۔ "پل کی دونوں جانب فوج کی پکٹیں اور پوسٹیں ہیں۔ پل کے مشرقی کنارے کے اوپر جو ٹیلا ہے اس پر بڑی فوجی پوسٹ ہے جہاں ہیوی مشین گن لگی ہے۔ دو ہوٹر توپیں بھی ہیں جن کا رخ قدرتی طور پر پل کی بجائے پیچھے پل کی طرف آتی سڑک کی جانب ہو گا۔ ہمیں اس چیک پوسٹ کو پہلے اڑانا ہو گا"۔

نمبر نو اپنی خشخشی داڑھی کھجاتے ہوئے بولا۔ "یہ کام میں کروں گا۔ تم پل کے نیچے ڈائنامائٹ لگاؤ گے اور نمبر سات تم... تم ڈائنامائٹ سلنڈر لگانے میں نمبر آٹھ کی مدد کرو گے"۔

سورج پہاڑوں کے پیچھے اترا تو وادی میں ایک دم اندھیرے کا غبار سا پھیل گیا۔ روانگی سے پہلے ہم نے ایک بار پھر گھڑیاں ملائیں اور اللہ کا نام لے کر نیچے وادی میں اترنا شروع کر دیا۔ جب ہم وادی تک پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ دور ایک گاؤں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک ہیلی کاپٹر گڑگڑاتا ہوا آسمان پر ابھر آیا۔ ہم فوراً گھاس میں لیٹ گئے۔ ہیلی کاپٹر کی سرخ اور نیلی بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ وہ شور ہمارے سروں پر سے گزر گیا۔

"یہ ریکی ہیلی کاپٹر تھا۔ بھارتی فوج یہاں ہر وقت چوکنا رہتی ہے۔ وہ پاکستانی کمانڈوز کی روشنانہ سرگرمیوں سے خائف ہے۔"

جب ہیلی کاپٹر دور پہاڑ کی بلندی پر چلا گیا تو ہم اٹھے اور آگے روانہ ہو گئے۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ اب انڈین آرمی کا علاقہ شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی ان کی ملٹری پوسٹیں کافی دور تھیں۔ رات سفر کرتے گزر گئی۔ ہم وادی عبور کر کے اپنے ٹارگٹ والے پہاڑ کی جانب سے ہٹ کر

ایک ایسے درے میں آ گئے تھے جس کی دونوں جانب پہاڑیوں کی دیواریں ایستادہ تھیں اور درمیان میں ایک پہاڑی ندی بہہ رہی تھی۔ میرے ساتھی یہاں پر واقع ایک خفیہ جگہ سے واقف تھے۔ وہاں ہمیں دن بھر آرام کرنا تھا۔

چنانچہ اس خفیہ پہاڑی جگہ پر ہم نے سارا دن آرام کیا اور شام ہوتے ہی ہم نے غسل کر کے چنے اور گڑ کھایا۔ اسلحے کو چیک کیا اور جب سورج مغربی پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوا تو ہم اپنے ٹارگٹ کی طرف چل پڑے۔ نصف شب کے بعد ہم درے سے نکل کر ایک چھوٹی سی وادی میں آ گئے۔ ستاروں کی دھندلی روشنی میں وادی کے درختوں کے خاکے ابھرے ہوئے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں ایک جگہ کچھ روشنیاں ہو رہی تھیں۔ کمانڈو نمبر آٹھ نے بتایا کہ یہ بھارتی فوج کی سب سے خطرناک چھاؤنی ہے اور وہ پل بھی اسی پہاڑ کے دامن میں ہے جو ہمارا ٹارگٹ ہے۔

ہم یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اچانک پہاڑ کے دامن میں ایک روشنی کا راؤنڈ کا فائر ہوا اور ساری وادی روشن ہو گئی۔ ہم جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔

"بھارتی فوجی رات کو اکثر یہاں روشنی کے راؤنڈ کا فائر کرتے ہیں تاکہ اگر کوئی پاکستانی کمانڈو پل کی طرف آ رہا ہو تو اسے گولیوں کی زد میں لے لیا جائے"۔

روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ پھر وہ بجھ گیا۔ اور ساری وادی ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گئی۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم وادی کا پورا چکر کاٹ کر اس کے شمال مغربی کونے میں آ گئے۔ یہاں سے ہمیں سامنے پہاڑ کے دامن میں بھارتی فوج کے ڈویژن ہیڈ کوارٹر کی بتیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ یہی ہمارا ٹارگٹ تھا۔

آسمان کے مشرقی افق پر صبح کی کافوری روشنی نمودار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس وقت تک کمانڈو نمبر نو ہمیں گائیڈ کرتا آیا تھا۔ ہم سیب کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے۔ باغ کے اختتام پر ایک کوٹھری دکھائی دی۔ کمانڈو نمبر نو نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔

وہ دبے پاؤں کوٹھری کے دروازے تک گیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر بند کواڑ پر خاص انداز میں دستک دی۔ پانچ سیکنڈ کا وقفہ ڈال کر میرے ساتھی کمانڈو نے پھر اسی انداز میں دستک دی۔ اس بار کسی نے دروازہ کھول دیا۔ ہم باغ میں سیب کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ کوٹھری کے اندر جلتی لالٹین کی لو دھیمی کر دی گئی تھی۔ اندھیرے میں ایک آدمی دروازے میں نمودار ہوا۔ اسنے ہمارے ساتھی کمانڈو سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور اسے اندر لے جانے لگا تو ہمارے ساتھی نے باغ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آدمی ٹھٹک گیا اور ہمارے ساتھی سے کوئی بات کی۔ ہمارا ساتھی لپک کر ہماری طرف آیا۔

"آجاؤ غفارا مل گیا ہے"۔

غفارا ایک پکی عمر کا کشمیری کاشت کار تھا جو کشمیر میں ہماری کمانڈو پارٹیوں کی امداد اور ٹارگٹ

تک رہنمائی کرتا تھا۔ کوٹھری کی گرم فضا میں مٹی کے تیل کی بو رچی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں زمین پر کوئی لحاف اوڑھے سو رہا تھا۔ غفارے نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ کمانڈو نمبر نو اور نمبر آٹھ نے غفارے سے میرا تعارف کرایا اور بتایا کہ میں نے تن تنہا کئی معرکے مارے ہیں۔ غفارے نے مجھ سے ایک بار پھر گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور کشمیری زبان میں کچھ کہا۔ میرے کمانڈو ساتھی نے بتایا کہ میں کشمیری زبان نہیں سمجھتا۔ غفارا مسکرایا اور اس نے اردو زبان میں میری حب الوطنی اور بہادری کی تعریف کی۔ جو شخص لحاف اوڑھے پڑا تھا' غفارا نے اس کے منہ پر سے لحاف ہٹا کر کہا۔ "نازو بیٹی! اٹھو' مہمانوں کے لئے چائے بناؤ"۔

لالٹین کی بتی ابھی تک دھیمی تھی۔ مگر کوٹھری میں زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔ ایک سفید رنگ کی صحت مند چہرے والی کشمیری نوجوان لڑکی کو بال سمیٹے لحاف میں سے نکلتے دیکھا۔ اس نے کشمیری دیہاتی لڑکیوں کی طرح کا سیاہ فرن پہن رکھا تھا۔ وہ کوٹھری کا عقبی دروازہ کھول کر دوسری طرف شاید باورچی خانے میں چلی گئی۔

غفارا میرے ساتھی کمانڈوز کو بتانے لگا کہ بھارتی فوج نے حفاظتی انتظامات پہلے سے بہت سخت کر دیئے ہیں۔ "اب ہر پل کی دونوں جانب فوج نے چیک پوسٹیں اور پوسٹیں قائم کر رکھی ہیں۔ اوپر پہاڑیوں پر بھی انڈین آرمی کے بنکر بنے ہیں۔ انہیں ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے تو وہ روشنی راؤنڈ کا فائر کر کے مشین گنوں کی اندھا دھند فائرنگ شروع کر دیتے ہیں۔ ان پلوں کے اردگرد بعض خفیہ جگہوں پر بارودی سرنگیں بچھا دی گئی ہیں' جن کا ہمیں علم نہیں ہے"۔

اب یہ کشمیری جانباز غفارہ اس مشن میں ہمارا گائیڈ تھا۔ اتنے میں اس کی بیٹی نازو ہمارے لئے پیالیوں میں سبز چائے بنا کر لے آئی۔ کمانڈو نمبر آٹھ نے جیب سے نقشہ نکالا اور دھیمی لالٹین کی روشنی میں اسے غفارے کو دکھایا۔

غفارے نے نقشے کو غور سے دیکھا اور ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔ "یہاں پورا انڈین بریگیڈ پڑا ہے۔ اس جگہ سے تھوڑی دور ایک ٹیکری پر ہیلی پیڈ ہے جہاں دو ہیلی کاپٹر ہر وقت تیار رہتے ہیں"۔

ہم خاموشی سے سبز چائے پینے لگے۔ بڑی خالص چائے تھی اور اس میں ہلکی ہلکی تازہ خوشبو تھی۔ غفارے کی بیٹی نازو لحاف گھٹنوں تک اوڑھے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ گائیڈ غفارا بتا رہا تھا۔ "انڈین فوج کے جاسوس سارے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ذرا سے شک پر وہ ہمارے آدمیوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دیتے ہیں۔ وہ مشکوک آدمیوں کی لڑکیوں اور بہنوں کو بھی لے جاتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن ان پر ضرور خدا کا قہر ٹوٹے گا"۔

گائیڈ غفارا اس سے پہلے بھی کمانڈو پارٹیوں کو وہاں سے گزار چکا تھا۔ وہ رضا کارانہ طور پر یہ کام کرتا تھا۔ اس لئے کہ وہ پکا مسلمان تھا اور دوسرے کشمیری مسلمانوں کی طرح اس بات پر ایمان رکھتا تھا

کہ بھارتی فوجوں نے ان کے صوبے پر زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ پاکستان سے والہانہ محبت کرتا تھا۔ ہمیں اپنی جھونپڑی میں پناہ دے کر وہ اپنے اور اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے زبردست خطرہ مول لے رہا تھا مگر اس کا سینہ جوش ایمانی سے پُر تھا اور وہ اسلام اور پاکستان کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار تھا۔ میں غفارے کے جذبے سے بے حد متاثر ہوا۔

غفارے کی زبانی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بھارتی فوج کی ریکی پارٹیاں یعنی گشتی دستے رات کے وقت گھومتے رہتے ہیں۔ گائیڈ غفارا بولا۔ "ایک مہینہ ہوا میں نے یہاں سے دو کمانڈو پارٹیوں کو گزارا تھا۔ ان میں سے صرف ایک جوان واپس آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے سارے ساتھی شہید ہو گئے ہیں"۔ یہ کہہ کر غفارا خاموش ہو گیا۔

ہم نے اپنی کمر کے گرد بندھا ہوا سارا اسلحہ اتار کر لحاف کے نیچے چھپا دیا تھا۔ غفارے کی بیٹی نازو اٹھ کر جھونپڑی سے باہر چلی گئی۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تو ہمیں باہر صبح کی ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ غفارے نے ہمارا سارا اسلحہ اٹھا کر باورچی خانے میں چولہے کے پیچھے ایک خفیہ تہ خانے میں چھپا دیا۔ ہم نے باورچی خانے کے کمرے میں ہی بیٹھ کر منہ ہاتھ دھوئے' وضو کیا' نماز پڑھ کر خدا کے حضور اپنے مشن کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگیں۔ نازو نے ہمارے لئے پراٹھے تیار کر لئے تھے۔ ہم نے مکھن کے ساتھ پراٹھے کھائے اور چائے پی۔ باہر دن نکل آیا تھا۔

ہم کوٹھری کے اندر ہی بیٹھے اپنے آپریشن کی تفصیلات طے کر رہے تھے۔ گائیڈ غفارا تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا تو کمانڈو نمبر نو نے کہا۔ "آپریشن اتنا آسان نہیں ہے۔ ہمیں مرنا تو ہے ہی لیکن پل کو ضرور اڑانا ہو گا"۔

کمانڈو نمبر آٹھ بولا۔ "اس سے پہلے مجھے ریکی پر جانا ہو گا تاکہ پتہ چل سکے کہ انڈین فوج کی پوزیشن کیا ہے۔ تم لوگ اس جھونپڑی میں ہی رہو گے"۔

کمانڈو نمبر نو نے نمبر آٹھ کی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہ کیا جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور گائیڈ غفارا اندر داخل ہوا۔ کوٹھری میں ابھی تک دھیمی بتی والی لالٹین جل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ آتے ہی کہا۔ "دو ڈوگرہ سپاہی ادھر آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں نیچے نالہ پار کرتے دیکھا ہے۔ ان کا رخ اس کوٹھری ہی کی طرف ہے"۔

ہم ایک دم ہوشیار ہو گئے۔ لالٹین کو پھونک مار کر بجھا دیا گیا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے لپک کر بند دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا۔ واپس آ کر کمانڈو نمبر نو نے کہا۔ "کیا تم ہمیں کسی محفوظ جگہ پر چھپا سکتے ہو؟"

گائیڈ غفارا بولا۔ "باغ کے کونے میں ... میں نے اس مقصد کے لئے ایک خفیہ جگہ بنا رکھی ہے۔ فوراً میرے ساتھ ادھر آ جاؤ"۔

ہم کوٹھڑی میں سے نکل کر قدرے جھکے جھکے سیب کے باغ میں سے گزر کر کونے میں پہنچے جہاں خشک جھاڑ جھنکاڑ اور جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ اس ڈھیر کے پیچھے ایک ٹوٹی ہوئی دیوار تھی۔ دیوار میں ایک جگہ غفارے نے خشک پتوں کے ڈھیر کو پیچھے ہٹایا۔ نیچے ایک تختہ تھا جو ایک گڑھے کے ڈھکنے کی طرح زمین پر لگا تھا۔ اس نے تختے کو اٹھا دیا۔ نیچے رسی کی ایک سیڑھی لٹک رہی تھی۔ "یہاں باری باری اتر جاؤ۔ لگتا ہے تمہارے بارے میں کسی نے مخبری کر دی ہے۔ جب تک میں نہ آؤں، تم اسی جگہ چھپے رہنا۔ جلدی کرو"۔

ہم تینوں نیچے تہ خانے میں چھپ گئے۔ تہ خانہ کیا تھا بس چھوٹا سا تاریک گڑھا تھا جس میں ہم ٹانگیں سمیٹ کر ہی بیٹھ سکتے تھے۔ غفارے نے تختہ اوپر کر دیا۔ گڑھے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ایک طرف سے تختے میں سوراخ تھا جس میں سے ہلکی ہلکی روشنی اور تازہ ہوا آ رہی تھی۔ غفارا اوپر پتے بکھیر رہا تھا۔ مگر سوراخ پر اس نے پتے نہ ڈالے۔ ہمیں اس کے دور جاتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

ہم اندھیرے گڑھے میں دم سادھے بیٹھے تھے۔ اندھیرے میں ہمیں ایک دوسرے کی آنکھیں ہی چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ باہر باغ میں بالکل خاموشی تھی۔ کبھی کبھار پرندے کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ ہم سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ کمانڈو نمبر نو نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے یہ مخبری اس ہندو سی آئی ڈی والے نے کی ہو جو جموں میں میرے پیچھے لگا تھا۔ اس بات کا امکان ہو سکتا تھا۔

ہمارے کان فوجی بوٹوں کی آواز پر لگے تھے مگر ابھی تک اس قسم کی کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ غفارے کی کوٹھری ہم سے زیادہ دور نہیں تھی۔ گڑھے میں گرمی کی وجہ سے ہمیں پسینہ آنے لگا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے دس منٹ گزر گئے۔ باہر بھینس کے دوڑنے اور غفارے کی بیٹی نازو کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ کشمیری زبان میں بھینس کو رکنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔

آدھ گھنٹے بعد ہمیں اوپر زمین پر کسی کے قدموں کی چاپ اپنی طرف آتی سنائی دی۔ ہم چوکس ہو گئے۔ کمانڈو نمبر نو نے اپنا چاقو کرتے کے اندر سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اوپر سے کوئی پتے ہٹا رہا تھا۔ پھر کسی نے لکڑی کا ڈھکن اٹھا دیا۔ گڑھے میں روشنی اور تازہ ہوا کے ساتھ ہی غفارے کی آواز آئی۔ "سب ٹھیک ہے۔ ادھر کوئی انڈین فوجی نہیں آیا۔ باہر نکل آؤ"۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس مین ہول میں اکڑوں بیٹھے بیٹھے ایک بار تو واقعی نانی یاد آ گئی تھی۔ گڑھے سے نکل کر ہم درختوں کے نیچے سے ہوتے واپس کوٹھری میں آ گئے۔ غفارے کی بیٹی نازو کوٹھری کے برابر چھوٹے سے آنگن میں بھینس کے آگے چارہ ڈال رہی تھی۔ وہ ہماری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

دوپہر کو غفارے نے ہمیں پالک اور چاول کھلائے۔ شام تک ہم نے آرام کیا۔ غفارا چلا گیا تھا۔

کمانڈو نمبر نو ریکی کی اسکیم تیار کرتا رہا۔ رات ہو گئی تھی' جب غفارا آیا۔ وہ اپنی بیٹی کو نیچے گاؤں میں اپنی بہن کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔ اس نے آکر بتایا کہ ایک نیا ملٹری کانوائے شام کو پہنچا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھی کمانڈو نمبر نو کو مشورہ دیا کہ وہ آج رات ریکی پر نہ جائیں۔ مگر ہمارا ساتھی نہ مانا اور کہنے لگا۔ "ملٹری کانوائے تو آتے ہی رہتے ہیں۔ ہمیں اپنے آپریشن کو لیٹ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں آج رات ہی پٹرول پر جاؤں گا۔ یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں ریکی پارٹیوں کے ساتھ اکثر کشمیر میں آتا جاتا رہا ہوں"۔

جب رات گہری ہو گئی تو کمانڈو نمبر نو نے اپنے دیہاتی لباس کے اوپر کمبل کی بکل ماری' اپنا واحد ہتھیار بڑا کمانی دار چاقو کرتے کے اندر چھپایا اور بولا۔ "اگر میں واپس نہ آیا تو کمانڈو نمبر آٹھ میری جگہ جائے گا۔ پیشگی سراغ رسانی کے بغیر پل اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ زندہ رہا تو اس دنیا میں' شہید ہو گیا تو دوسری دنیا میں ملاقات ہو گی۔ رب راکھا جوانو!"

ہماری آنکھوں میں پُر جوش آنسو لہرانے لگے۔ ہمارا ساتھی کوٹھری سے باہر نکل کر باغ کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ غفارا یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ صبح ہمارے لئے چائے لے کر آئے گا۔ میں اور کمانڈو نمبر آٹھ کوٹھری میں اکیلے رہ گئے تھے۔ ہم نے اس وقت باری باری آرام کرنے کا فیصلہ کیا اور میں کمبل میں گھس کر سو گیا۔ دو گھنٹے بعد میرے ساتھی نے مجھے جگا دیا۔ اب وہ سو گیا اور میں کوٹھری کے دروازے کے باہر چھپ کر پہرہ دینے لگا۔

اس وقت رات کے اڑھائی بج رہے تھے۔ خنکی کافی بڑھ گئی تھی۔ کشمیر کے نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ دور پل والے پہاڑ کے نشیب میں گہرا اندھیرا چھایا تھا۔ صرف چوٹی پر کہیں کہیں مدھم سے بلب جل رہے تھے۔ سیب کے درخت اندھیرے میں تاریک لبادے اوڑھے چپ چاپ کھڑے تھے۔ میرے پاس بھی صرف ایک چاقو ہی تھا۔ اچانک پہاڑ کی طرف سے ایک روشنی راؤنڈ کا فائر ہوا اور وادی کا ایک حصہ روشن ہو گیا۔ روشنی راؤنڈ کے فائر ہوتے ہی مشین گن کی تڑاتڑ سنائی دینے لگی۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ کہیں ہمارا ساتھی شہید نہ ہو گیا ہو۔ یہ خیال میرے دل میں بار بار آنے لگا۔ روشنی راؤنڈ آہستہ آہستہ نیچے آتے آتے بجھ گیا۔ پہاڑی نشیب ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔ ہیوی مشین گن کی فائرنگ کی آواز بھی رک گئی۔ میرا ساتھی کمانڈو نمبر آٹھ بھی کوٹھری سے باہر نکل آیا۔ "یہ مشین گن کی فائرنگ تھی۔ دشمن نے کہیں نمبر نو کو لوکیٹ نہ کر لیا ہو"۔

"خدا اس کی حفاظت کرے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

ہم دونوں چوکس ہو کر وہیں اندھیرے میں بیٹھ گئے اور سیب کے باغ میں اس راستے کو دیکھنے لگے جو نیچے وادی کی طرف جاتا تھا اسی طرح ایک گھنٹہ گزر گیا۔ ہمارے ساتھی کو اب تک واپس آ جانا

چاہیئے تھا لیکن اس کا ہیولا اندھیرے میں کوٹھری کی طرف بڑھتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ پو پھٹنے لگی۔ آسمان پر صبح کا نور پھیل گیا۔ جو کمانڈو ریکی پر جاتے ہیں وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہر حالت میں واپس آ جاتے ہیں۔ سیب کے باغ کے درخت اور ان کے بیچوں بیچ جاتا راستہ صاف نظر آنے لگا تھا ہمارے کمانڈو ساتھی نمبر نو کا دور دور تک کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ میرا ساتھی کہنے لگا۔ "کہیں وہ شہید ہی نہ ہو گیا ہو؟ ہو سکتا ہے پکڑا گیا ہو... وہ بہادر کمانڈو ہے۔ مر جائے گا دشمن کو معلومات نہیں دے گا"۔

میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ پہاڑی علاقے میں کہیں بھٹک گیا ہو؟"

میرا ساتھی بولا۔ "وہ اس تمام علاقے کو جانتا ہے۔ وہ بھٹک نہیں سکتا اور اسے ہر حالت میں صبح ہونے سے پہلے یہاں واپس آ جانا چاہیئے تھا لیکن وہ نہیں آیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہے یا.. وہ پھر شہید ہو گیا ہے"۔

ہم کوٹھری میں جا کر بیٹھ گئے۔ غفارا چائے کی کیتلی اور باقر خانیاں لئے اندر داخل ہوا۔ اس نے جب سنا کہ ہمارا ساتھی کمانڈو ابھی تک واپس نہیں آیا تو وہ چائے کی کیتلی زمین پر رکھ کر بولا۔ "رات فائرنگ کی آواز آئی تھی۔ یا اللہ! اپنا فضل کرنا"۔

غفارا ایک تجربہ کار گائیڈ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ریکی پر گیا ہوا کمانڈو اگر صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس نہ آئے تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ غفارے نے جب اس اندیشے کا اظہار کیا کہ اگر وہ بھارتی فوج کے ہاتھ لگ گیا ہے تو کہیں انڈین انٹروگیشن کی اذیت سے گھبرا کر سب کچھ نہ بتا دے' تو میرے ساتھی کمانڈو نمبر آٹھ نے کہا۔ "وہ شیر کا بچہ 'پاک فوج کا کمانڈو ہے۔ مر جائے گا لیکن زبان نہیں کھولے گا۔ میں آج رات اس کی تلاش میں جاؤں گا"۔

غفارے نے پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا ٹارگٹ کیوں نہیں مارتے؟ اگر تمہارے ساتھی کو انڈین فوج نے پکڑ لیا ہے تو تم اسے نہیں چھڑا سکو گے۔ ہو سکتا ہے تم بھی پکڑے جاؤ اور تمہارا مشن ادھورا ہی رہ جائے"۔

اس کشمیری گائیڈ نے بڑی عقل مندی کی بات کی تھی۔ اگر وہاں پاک کمانڈو رجمنٹ کا کوئی افسر ہوتا تو وہ بھی ہمیں یہی مشورہ دیتا۔ میں نے غفارے کی تائید کی اور کہا۔ "ہمیں پہلے ٹارگٹ پر حملہ کرنا چاہیئے۔ جو ہمارا سب سے بڑا مشن ہے"۔

غفارا کہنے لگا۔ "تم لوگ دشمن کے علاقے میں ہو۔ یہ تمہارا اپنا علاقہ نہیں ہے۔ یہاں قدم قدم پر تمہارے لئے جان کا خطرہ ہے۔ تم یہاں زیادہ دیر تک نہیں رک سکتے۔ اس لئے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے ساتھی کو بھول جاؤ اور اپنے مشن کو سامنے رکھو"۔

ہم خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ ہم آج رات ٹارگٹ پر حملہ کریں

گے۔ گائیڈ نے اس خدشے کا بھی ذکر کیا کہ اگر کمانڈو نمبر نو پکڑ لیا گیا ہے تو یہاں انڈین فوج کی سرگرمیاں تیز ہو جائیں گی۔ بھارتی فوج گاؤں گاؤں تلاشی لینے نکل کھڑی ہو گی۔ "اس اعتبار سے بھی تم لوگ زیادہ دیر تک اس جگہ نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہارے پکڑے جانے کا خطرہ رہے گا"۔

ہم نے دن کا بیشتر حصہ باغ میں چھپ کر گزارا۔ ہمارا ساتھی کمانڈو ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ یا تو وہ پکڑا گیا ہے یا پھر شہید ہو گیا ہے۔ تیسری صورت کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ بھارتی فوج کے سپاہی پاک کمانڈوز کی تلاش میں کسی بھی وقت وہاں آ سکتے تھے۔ ہماری وجہ سے ہمارے گائیڈ پر بھی آفت نازل ہو سکتی تھی۔ بھارتی سپاہی اسے ہلاک کر کے اس کی بیٹی کو اغوا کر کے لے جا سکتے تھے۔'

چنانچہ ہم اپنے مشن پر روانہ ہونے کے لئے رات کے اندھیرے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے تھے۔ خدا خدا کر کے دن غروب ہوا اور شام کا اندھیرا ہر سو پھیل گیا۔ ہم نے غفارے کی کوٹھری میں چھپے ہوئے آپریشن کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ہم نے چاقو' پستول' لائٹ مشین گن اور ڈائنامائٹ کے چھوٹے سلنڈر اپنی کمرے کے گرد باندھ لئے۔ تین سلنڈر میرے پاس تھے اور تین سلنڈر میرے ساتھی کی کمانڈو کے پاس تھے۔ ہم نے نسواری رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ہمارے رنگ سانولے تھے اس لئے چہرے پر کالک ملنے کی ضرورت نہیں تھی۔

غفارے نے بھی کالی چادر اوڑھ کر اس میں اپنا منہ اور سر چھپا لیا تھا۔ ہم تینوں نے اپنی اپنی گھڑیاں ملا لیں۔ تین' تین ہینڈ گرنیڈ ہماری جیبوں میں پستول کے ساتھ پڑے تھے۔ جب رات آدھی گزر گئی تو میرے ساتھی کمانڈو نے کہا۔

"کھانسی اور بات چیت بالکل بند۔ اب ہمیں کیڑے مکوڑوں کی طرح آگے بڑھنا ہو گا۔ وہ جب زمین پر چلتا ہے تو اس کی بھی آواز پیدا ہوتی ہے مگر ہماری آواز بھی نہیں آنی چاہیئے"۔

غفارے نے ٹارگٹ تک ہماری رہنمائی کرنی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اشاروں میں بات کروں گا۔ اشد ضرورت کے وقت صرف ہلکی سی سرگوشی کروں گا۔ جواب میں تم بالکل نہیں بولو گے صرف اپنا سر ہلاؤ گے۔ ہم دشمن کے پیٹ میں جا رہے ہیں۔ دشمن کو احمق مت سمجھنا۔ اس نے ہمیں پکڑنے کے لئے جگہ جگہ پھندے لگا رکھے ہیں۔ دشمن بہت چالاک' ہوشیار اور ہمارا جانی دشمن ہے۔ آؤ... اب اللہ کا نام لے کر چلتے ہیں"۔

ہم کوٹھری سے آگے پیچھے ہو کر نکلے اور رات کے اندھیرے اور گہری خاموشی میں سیب کے سنسان باغ میں سے گزرتے ہوئے شمال مغرب کی طرف ڈھلان پر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی اترنے لگے۔ ہمارا گائیڈ آگے آگے تھا۔ اس کے پیچھے کمانڈو نمبر آٹھ اور اس کے پیچھے میں تھا۔ ہم اس طرح قدم اٹھاتے چل رہے تھے کہ ہمارے جوتوں کی ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ غفارا ہمیں

ڈھلان سے اتار کر ایک گھاٹی میں لے گیا جہاں چھوٹے چھوٹے بے شمار پتھر بکھرے پڑے تھے۔ ان پتھروں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم ایک خشک پہاڑی نالے میں اتر گئے۔ ہم تھوڑا تھوڑا فاصلہ ڈالے ایک قطار میں چل رہے تھے ایک جگہ نالے کے اوپر پتھر کا کٹاؤ تھا۔ اس کٹاؤ میں سے پانی رس رس کر نیچے گر رہا تھا۔ ہم پتھر کے کناروں کو پکڑ کے اس کٹاؤ میں آ گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا غار تھا۔ ہم غار کی دیوار میں اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کے سہارے آگے بڑھتے چلے گئے۔

یہ پہاڑی کے اندر ہی بہنے والا کوئی غار نما نالہ تھا۔ اس کے دو تین موڑ مڑ کر باہر نکلے تو سامنے ایک اونچا سا کھیت نظر آیا۔ اندھیرے میں کھیت کی فصل کے ٹانڈے ہوا میں ہل رہے تھے۔ غفارا آہستہ سے بیٹھ گیا۔ ہم بھی وہیں فصل کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ گائیڈ غفارے نے بہت ہی دھیمی سانس ایسی سرگوشی میں کہا۔ " تم یہیں بیٹھو میں آگے دیکھ کر آتا ہوں "۔

وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ہمیں وہاں اندھیری رات کے سناٹے میں [redacted] بیٹھے جب دس منٹ گزر گئے تو مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ غفارا ڈبل گیم تو نہیں کھیل رہا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ دشمن سے ملا ہوا ہے اور ہمیں پکڑوانے والا ہے ؟ جب میں نے سرگوشی میں اپنے ساتھی کمانڈو سے اس خدشے کا اظہار کیا تو اس نے سرگوشی ہی میں جواب دیا۔ " ہمیں اس کے بارے میں پوری طرح یقین دلایا گیا ہے کہ وہ ہمارا آدمی ہے۔ وہ پہلے بھی ہمارے ساتھیوں کو گائیڈ کر چکا ہے "۔

میں نے کہا۔ " آخر انسان ہے۔ دشمن کے ملک کا باشندہ ہے۔ ہو سکتا ہے لالچ میں آکر ڈبل گیم کھیل رہا ہو "۔

ہم اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ آگے آ گئے۔ ہم نے اپنے لمبے چاقو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ فصل کی دوسری جانب کچھ درخت تھے۔ جس کے پیچھے پہاڑی نشیب میں بتیاں جھلملا رہی تھیں۔ یہ انڈین فوج کی چھاؤنی کی بتیاں ہی ہو سکتی تھی۔

اتنے میں ہمیں سرسراہٹ کی بڑی کمزور سی آواز سنائی دی۔ ہم ایک دم سے اوندھے لیٹ گئے اور چاقو اپنے آپ ہمارے ہاتھوں میں سیدھے ہو گئے۔ میں نے اندھیرے میں غفارے کو پہچان لیا۔

وہ اکیلا ہی تھا۔ وہ ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا اور سرگوشی میں بولا۔ " تم اپنی جگہ سے کیوں ادھر ادھر ہٹے ہو ؟ اس طرح تم اپنے ساتھ مجھے بھی مرواؤ گے۔

پھر اس نے بتایا کہ آگے ایک ٹیکری کے موڑ پر اوپر چار بھارتی سپاہی پہرہ دے رہے ہیں اور ہمیں اندھیرے میں ان کے نیچے سے ہو کر گزرنا ہو گا۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ " خبردار ! ذرا سی بھی آہٹ پیدا نہ ہو۔ معمولی سی بھی آواز نہ آئے۔ نہیں تو روشنی راؤنڈ کے فائر کے ساتھ ہی مشین گن کا فائر ہمیں ہمیشہ کی نیند سلا دے گا "۔

ہم خاموشی سے آگے سرکنے لگے۔ ہم جھک کر چل رہے تھے چاقو ابھی تک ہمارے ہاتھوں

میں ہی تھے ۔ درختوں سے نکلے تو آگے وہ چھوٹی سی ٹیکری آگئی جس پر انڈین فوج کی پوسٹ تھی ۔ اندھیرے میں یہ جگہ ذرا سی ابھری ہوئی تھی ۔ یہ انڈین پوسٹ کے بنکر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمیں اس پوسٹ کے نیچے سے ہو کر گزرنا تھا۔

غفارے نے ہمیں لیٹ کر رینگنے کا اشارہ کیا۔ ہم تینوں زمین پر لیٹ گئے اور سانپ کی طرح آگے رینگنے لگے ۔ ٹیکری کی پوسٹ زیادہ دور نہیں تھی ۔ ہم جھاڑیوں سے بچ کر آگے بڑھ رہے تھے کیونکہ جھاڑیوں کے ساتھ رگڑ سے آواز پیدا ہو سکتی تھی ۔ مجھے یہ بھی فکر لگی تھی کہ اگر یہ بھارتی فوجی چوکی ہے تو اس کے دو تین آدمی ضرور نیچے گشت پر ہوں گے ۔ میں نے چاقو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اب جو ہو' سو ہو ۔ ہم دشمن کی داڑھی کے عین نیچے پہنچ گئے تھے ۔ ہم کسی شدید زخمی سانپ سے بھی کم رفتار سے رینگ رہے تھے ۔ غفارا بھی ایک ماہر کمانڈو کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ نہ جانے یہ بے غرض کشمیری مجاہد کتنی بار ہمارے آدمیوں کو لے کر اس پل صراط پر سے گزرا تھا۔

جب ہم انڈین پوسٹ کے عین نیچے پہنچے تو ہمیں ان کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں ۔ یہ ڈوگرہ سپاہی نہیں تھے ۔ خالص ماجھے کے پنجابی سکھ لگتے تھے ۔ اچانک ایک انڈین سنتری نے گالی دے کر اپنے ساتھی سے کہا۔ "اوئے سرجن سنگھ! تو دارو ساتھ نہیں لایا؟"

ہم اندھیرے میں زمین کے ساتھ چپک گئے ۔ ہم نے اپنے سانس روک رکھے تھے ۔ اوپر بھارتی سکھ سنتری آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے ۔ جب ان کی آواز ذرا دور ہو کر رک گئی تو ہم نے آگے سرکنا شروع کر دیا۔ یہاں اونچی نیچی جگہ تھی ۔ بائیں طرف ایک گہری کھائی تھی ۔ ذرا سی بھی بے احتیاطی سے ہم اس کھائی میں گر سکتے تھے ۔

ہمیں اس بات پر بڑی حیرانی تھی کہ ابھی تک کوئی روشنی راؤنڈ کا فائر نہیں ہوا تھا۔ ورنہ آدھی رات کے بعد اکثر روشنی راؤنڈ کے فائر ہوتے رہتے تھی ۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ہم سے کوئی ایک ہزار گز دور ٹھک کی آواز کے ساتھ ایک روشنی راؤنڈ کا فائر ہوا۔ ہم نے اپنے سر نیچے کر کے گھاس میں چھپا لئے ۔ میں نے تھوڑا سا سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ سامنے کچھ فاصلے پر مجھے ایک پہاڑی کے دامن میں کچھ بھارتی فوجی کھڑے نظر آئے ۔ اس کے ساتھ ہی پہاڑی کی طرف سے سفید روشنی چمکی اور پھر گڑگڑاہٹ کی آواز وادی میں گونج گئی ۔ یہ مارٹر توپ کا فائر تھا۔ روشنی راؤنڈ بجھ گیا تھا۔ ایک کے بعد مارٹر کا دوسرا فائر ہوا' پھر تیسرا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی ۔ ہمارے اوپر والی پوسٹ پر بھی بھارتی سنتریوں میں جیسے ہلچل سی مچ گئی تھی ۔ ایک دم سے اس پوسٹ کی ہیوی مشین گن نے بھی تڑاتڑ گولیاں برسانی شروع کر دیں ۔ کچھ راؤنڈ فائر ہونے کے بعد یہ مشین گن بھی خاموش ہو گئی ۔

ہم اس طرح زمین کے ساتھ چپکے پڑے تھے' جیسے لاشیں ہوں ۔ ہم میں سے کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ پھر میرے آگے پڑے ہوئے کمانڈو ساتھی نے اپنے پاؤں سے میرے سر کو

آہستہ سے دبایا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا۔ وہ آگے سرک رہا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے رینگنے لگا۔ ہم کافی دور تک اسی طرح جھاڑیوں میں رینگتے چلے گئے۔ آگے تھوڑی سی ہموار جگہ آگئی۔ ہمارا گائیڈ غفارا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا۔ ہم نے گردنیں آگے کر کے نیچے دیکھا۔

نیچے کچھ فاصلے پر وہ پل نظر آ رہا تھا جو ہمارا ٹارگٹ تھا۔ یہ اس کا جنوبی حصہ تھا۔ جہاں سے پل شروع ہوتا تھا وہاں بجلی کے دو، تین بلب کھمبوں پر روشن تھے۔ قریب ہی دو فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ پل کے دروازے پر دو بھارتی سنتری پہرہ دے رہے تھے اور اوپر ایک پوسٹ بنی ہوئی تھی۔

ہمارے گائیڈ نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ وہ پل ہے جس کو تمہیں اڑانا ہے۔ یہاں میرا کام ختم ہوتا ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو"۔

یہ کہہ کر ہمارے جواب کا انتظار کیئے بغیر غفارا رینگتا ہوا دوسری طرف اندھیرے میں گم ہو گیا۔ غفارے کا کام واقعی یہاں آ کر ختم ہو گیا تھا۔ اس نے ہمیں ٹارگٹ پر پہنچا دیا تھا۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا' ہمیں کرنا تھا۔ میرا ساتھی غور سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیمی سرگوشی میں بولا۔ "ہمیں پیچھے سے ہو کر پل کے نالے میں اترنا ہو گا۔ لگتا ہے نالے میں پانی خشک ہو گیا ہے"۔

میں بھی پل کو دیکھ رہا تھا۔ پل کافی بڑا تھا اور دوسرے سرے پر جو پوسٹ تھی اس کی روشنیاں دھندلی سی نظر آ رہی تھیں۔ ہمیں اس پل کو دونوں طرف سے اڑانا تھا۔ میرے ساتھی کمانڈو نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور کہا ابھی دن نکلنے میں کافی وقت ہے۔ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے پل کے نالے میں پہنچ جانا چاہیئے۔ اس طرف سے آؤ"۔

وہاں سے نیچے اترنے کے بعد ہم نے رینگنے کی بجائے جھک کر چلنا شروع کر دیا۔ یہ ڈھلان تھی جو نیچے ایک بل کھاتی سڑک پر سے گزر کر آگے نالے کے نشیب میں اتر گئی تھی۔ بل کھاتی چھوٹی سی سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔ ہم بڑی پھرتی اور ہوشیاری سے نیچے اتر رہے تھے۔ کیونکہ ہم پوسٹ سے دور نکل آئے تھے لیکن میرے دل میں گشت کرتے بھارتی سنتریوں کا خطرہ برابر سر اٹھا رہا تھا۔ مگر وہاں اتنا موقع نہیں تھا کہ میں اپنے ساتھی کمانڈو سے اس خطرے کا اظہار کرتا وہ مجھ سے چھ سات قدم آگے تیز تیز چلا جا رہا تھا۔

ہمارے ارد گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ ہم کمانڈوز کی طرح جھاڑیوں سے ٹکرائے بغیر گزرتے جا رہے تھے۔ اچانک ایک بار پھر روشنی راؤنڈ کا فائر ہوا۔ یہ روشنی راؤنڈ ہمارے عقب میں ٹیلے کی ڈھلان کی دوسری جانب سے فائر ہوا تھا۔ ہم جہاں تھے وہیں دھپ سے زمین پر گر پڑے اور سر جھاڑیوں کی اوٹ میں کر لئے۔ کچھ دیر فضا روشن رہنے کے بعد تاریک ہو گئی۔ اس دفعہ نہ تو ہیوی مشین گن کا فائر ہوا اور نہ مارٹر گن فائر ہوئی تھی۔

جب ہر طرف ایک بار پھر سناٹا چھا گیا تو ہم آگے چل پڑے۔ اب نیچے چھوٹی سی پہاڑی سڑک

آ گئی ۔ ہمیں اس سڑک کو پار کر کے اس کی دوسری جانب نشیب میں جانا تھا ۔ سڑک پر کوئی سنتری وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن یہاں کوئی خفیہ پوسٹ بھی ہو سکتی تھی ۔ میرے ساتھی نے سرگوشی کی ۔ "ممکن ہے دشمن نے یہاں کوئی پوسٹ بنائی ہوئی ہو لیکن بجلی کے دو کھمبوں کے درمیان یہی ایک جگہ ہے جہاں سے ہمیں سڑک پار کرنی ہے ۔ ہم زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتے ۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا ۔ اللہ کا نام لے کر میرے پیچھے آؤ" ۔

ہم بیٹھ کر اترائی اترنے لگے ۔ جب ہم عین سڑک کے قریب پہنچے تو میرے پاؤں سے لگ کر ایک چھوٹا سا پتھر نیچے سڑک پر لڑھک گیا ۔ رات کے سناٹے میں اس کی کافی آواز پیدا ہوئی ۔ ہم وہیں جم کر بیٹھ گئے ۔ اس قسم کی بے احتیاطی ہماری موت کا سبب بن سکتی تھی ۔ اچانک ایک جانب سے سڑک پر دو بھارتی سنتری نمودار ہوئے ۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور وہ بڑی احتیاط سے اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے پتھر ڈھلان پر سے لڑھک کر نیچے گرا تھا ۔ میرا ساتھی کمانڈو مجھ سے چار قدم بائیں جانب تھا ۔ اس نے مجھے اشارہ کیا اور خود جھاڑی کے پیچھے لیٹ گیا ۔ میں بھی جہاں تھا وہیں دبک گیا مگر میں لیٹا نہیں ۔ بلکہ جھاڑیوں کی اوٹ سے دونوں سنتریوں کو اپنی طرف آتا دیکھتا رہا ۔ سڑک پر ہلکی ہلکی روشنی تھی ۔

مجھ سے بمشکل چھ سات قدم پر وہ سڑک پر رک گئے ۔ ایک سنتری نے دوسرے کو اشارہ کیا کہ وہ سڑک کی اگلی جانب جا کر دیکھے ۔ پہلا سنتری اسی جگہ کھڑا رہا اور دوسرا سنتری اسی طرح دوڑ کر آگے آیا ۔ جیسے سپاہی میدان جنگ میں ایک سپاہی ایک مورچے سے دوسرے مورچے کی طرف جاتے ہیں ۔ چاقو پر میرے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی ۔ مجھے ان ہزاروں کشمیری مجاہدوں کا خیال آ گیا جنہیں ان ڈوگرہ سپاہیوں نے بے دردی سے شہید کر دیا تھا ۔ وہ سینکڑوں کشمیری خواتین یاد آ گئیں جنہیں یہ درندے اغوا کر کے لے گئے تھے اور جن کا آج تک کچھ پتا نہیں چل سکا تھا ۔ جو ڈوگرہ سپاہی سڑک پر کھڑا ہو کر جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اس سے میرا فاصلہ چھ یا سات قدم سے زیادہ نہیں تھا ۔ اس کی اسٹین گن کا رخ ان جھاڑیوں کی طرف تھا جو میرے دائیں جانب تھیں ۔ وہ آگے کو جھکا ہوا چل رہا تھا ۔ میں سانس روکے گھٹنوں کے بل چھپا تھا ۔ مجھے اپنے ساتھی کمانڈو کی فکر نہیں تھی ۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ اس کی طرف جو ڈوگرہ سنتری گیا ہے وہ اس سے نمٹ لے گا ۔ میرے جسم کے انگ انگ میں جیسے بجلی دوڑ گئی ہو ۔ میں اس خطرے سے نمٹنے کے لئے ہمہ تن چوکس تھا ۔

ڈوگرہ سنتری چڑھائی چڑھ کر مجھ سے دو قدم آگے والی جھاڑی پر لپکا ۔ اس نے اندھیرے میں جھاڑیوں کو زور سے بھاری فوجی بوٹ سے ٹھوکر ماری ۔ وہ میری رینج میں تھا ۔ یہی وہ لمحہ تھا اور اس لمحے کو ہاتھ سے کھو دینا کسی بھی کمانڈو کے لئے موت کا باعث ہو سکتا ہے ۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کا بھی توقف نہ کیا ۔ شاید کوئی بھوکا مکار چیتا بھی اتنی چالاکی اور تیزی سے اپنے شکار پر نہیں جھپٹا

جتنی تیزی سے میں نے اچھل کر ڈوگرے سپاہی کو پیچھے سے دبوچا۔ میرے دونوں ہاتھ بیک وقت عمل میں آ گئے۔ دائیں بازو نے ڈوگے سپاہی کی گردن کو اوپر کی جانب جھٹکا دیا اور بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو نے اس کے حلق کو کاٹ ڈالا۔ ان دونوں ایکشن میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

میں نے ڈوگرہ سنتری کے خون سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لئے اسے منہ کے بل جھاڑیوں میں گرا کر دوسرا وار پیٹھ پر عین دل کے اوپر کر دیا۔ ساتھ ہی اس کی اسٹین گن ایک طرف کھینچ لی۔ یہ سب کچھ اتنی خاموشی اور پلک جھپکنے میں ہو گیا کہ مجھے یقین ہے کہ خود مرنے والے ڈوگرہ سنتری کو بھی احساس نہ ہوا ہو گا کہ اس پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔

چند قدم کے فاصلے پر سے ایک سایہ ابھرا۔ میں نے اپنا رخ بدل لیا اور چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی لیکن یہ میرا ساتھی کمانڈو تھا۔ وہ جھکا ہوا میرے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا۔ ”میں نے دوسرے کو ختم کر دیا ہے۔ اب جلدی سے سڑک پار کرو“۔

وہ وہیں سے نشیب کی طرف لڑھک گیا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے اپنے آپ کو گرا دیا۔ ہم سڑک کے کنارے پتھروں کے درمیان جا کر رک گئے۔ پھر جسم کو جھکائے بھاگ کر ہم نے سڑک پار کر لی اور اپنے آپ کو ایک بار پھر سڑک کی دوسری جانب ڈھلان پر لڑھکا دیا۔ اور چہرے پر بہت سی خراشیں آ گئیں تھیں۔ ہمارے نیچے دور پل والے بڑے نالے کی تہہ تھی۔ اوپر والی سڑک سے ایک فوجی ٹرک شور مچاتا گزر گیا۔ اس کی روشنی جھاڑیوں پر پڑ رہی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو چھپا لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم بڑے خشک نالے میں اتر کر اس کے کنارے کی کوئی تین فٹ اونچی پتھریلی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ سردیوں کا موسم ہونے کی وجہ سے نالے میں پانی نہیں تھا۔ نالے میں ریت اور چھوٹے چھوٹے بے شمار سنگ ریزے بکھرے ہوئے تھے۔ ہم ان سے بچ کر چل رہے تھے۔

اب ہم نے جھاڑیوں کی شاخیں توڑ کر اپنے کرتوں اور گردنوں کے پیچھے اس طرح اڑس لی تھیں کہ اگر ہم بیٹھ جائیں تو جھاڑیاں معلوم ہوں جوں جوں پل قریب آ رہا تھا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ جہاں سے پل شروع ہوتا تھا وہاں جو کھمبا لگا تھا اس کے بلب کی روشنی پل کی تہ میں پڑ رہی تھی لیکن تین فٹ اونچی دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے کی ایک چوڑی پٹی دور تک چلی گئی تھی۔ ہم اس تاریک پٹی میں سانپ کی طرح رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ جب پل ہم سے کوئی ساٹھ ستر قدموں کے فاصلے پر رہ گیا تو میرا ساتھی کمانڈو رک گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بھی رکنے کو کہا پھر اس نے اندھیرے میں ایک جگہ لائٹ مشین گن لگائی۔ دو ہینڈ گرنیڈ مجھے دیئے۔ ڈائنا مائٹ کے چھ چھوٹے سلنڈر کرتے کی سامنے والی بڑی جیب میں ڈالے اور میرے کان پر اپنے ہونٹ رکھ کر آہستہ سے سرگوشی کی۔ ”مجھے کور دینا۔ میں پل کے اس گیٹ کے نیچے ڈائنا مائٹ لگانے

جارہا ہوں۔ خبردار! جب تک اوپر سے فائرنگ نہ ہو' تم فائر مت کھولنا"۔

یہ کہہ کر اس نے پل کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ میں لائٹ مشین گن کے ساتھ پتھریلی دیوار کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا اور مشین گن کے اوپر ایک بڑی شاخ توڑ کر رکھ دی تھی۔ اچانک ایک روشنی راؤنڈ کا فائر ہوا۔ میں نے سر مشین گن کے نیچے کر لیا۔ مجھے زمین کے پتھر اور خشک گھاس صاف نظر آنے لگی۔ راؤنڈ کی روشنی نیچے آ رہی تھی۔ میں نے سانس روک لیا تھا۔ یقیناً میرے ساتھی کمانڈو نے بھی ایسا ہی کیا ہو گا۔ اس بار بھی روشنی راؤنڈ کے ساتھ ہیوی مشین گن اور مارٹر کا فائر نہ ہوا۔ شاید روٹین کے مطابق روشنی راؤنڈ کا فائر ہوا تھا۔

روشنی راؤنڈ زمین کے قریب آ کر بجھ گیا اور ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا۔ میں نے آہستہ سے سر اٹھا کر اندھیرے میں آنکھیں پوری طرح کھول کر دیکھا۔ دور اوپر پل کے گیٹ پر سے ایک سنتری ڈبل مارچ کرتا پل کی دوسری جانب چلا جا رہا تھا۔

میری انگلی مشین گن کے ٹرائیگر پر تھی۔ یہ سر دھڑ کی بازی تھی۔ اس وقت پاکستان کے شہروں میں لوگ بڑے سکون سے گہری نیند سو رہے تھے۔ شہریوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وطن کے دو بیٹے موت سے آنکھ مچولی کھیلتے دشمن کی شہ رگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم زندگی کے حصار کو توڑ کر بہت آگے نکل چکے تھے۔ مجھے اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک شہید ہوں اور جنت سے نیچے اتر کر اس مشن میں سرگرم عمل ہوں۔ ستاروں کی دھندلی دھندلی سی روشنی میں پل والی پہاڑی کی ڈھلان پر انڈین آرمی کے ایک مورچے کی چھت دکھائی دے رہی تھی۔

اچانک پہاڑ کے پیچھے سفید سی روشنی ہوئی۔ پھر گڑگڑاہٹ کی آواز آئی۔ یہ بادلوں کی گرج تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کو کالے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا۔ ستارے غائب ہو گئے۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ بارش میں دور پل کی دھندلی روشنی میں مجھے پہرے پر کھڑے سپاہی ایک چھپر کے نیچے جاتے نظر آئے۔ مجھے اپنے ساتھی کمانڈو کی کچھ خبر نہیں تھی۔ لیکن اتنا مجھے یقین تھا کہ وہ برق رفتار مشین کی طرح اپنا کام کر رہا ہو گا۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میں نے اندھیرے میں اپنی کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ابھی دن نکلنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ میں بہت جلد اپنا آپریشن ختم کر کے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ مجھے ہر آن یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ ابھی پل کے اوپر سے میرے ساتھی کمانڈو پر فائرنگ شروع ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں مجھے اپنے ساتھی کو کور دینا تھا۔ ہمارا پروگرام ہی یہی تھا کہ مرنے سے پہلے پل کے نیچے ڈائنامائٹ لگا کر اسے اڑا دیا جائے خواہ ہم میں سے کوئی زندہ نہ بچے۔ ڈائنامائٹ سلنڈروں کے ساتھ ایک ٹائم بم بھی لگایا جانا تھا لیکن اچانک حملے کی صورت میں بارود پر پستول سے فائر کر کے پل کو اپنے ساتھ ہی دھماکے سے اڑا دینا بھی ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔ پل پر اب کوئی سنتری نظر نہیں آ رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ مگر مجھے یوں لگا جیسے پندرہ گھنٹے گزر گئے ہوں۔ مجھے بارش میں ایک جھاڑی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ میں نے مشین گن کا رخ اس کی طرف کر دیا لیکن وہ میرا ساتھی تھا۔ وہ کیچڑ میں لت پت تھا۔ میرے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی میں بولا۔ " میں نے ڈائنامائٹ لگا دیا ہے۔ اب پل کے دوسرے گیٹ کی طرف جاتا ہوں "۔

اتنا کہہ کر وہ نالے کے نشیب میں لڑھک گیا۔ نالے میں اب بارش کا پانی آ گیا تھا۔ اندھیرے اور بارش میں میرا ساتھی اب مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈائنامائٹ کے پھٹنے میں آدھے گھنٹے کا وقفہ ڈالا گیا تھا۔ یہ بات ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ بیس منٹ کے اندر اندر میرے ساتھی کو پل کے دوسرے گیٹ کے نیچے۔ دیوار کے پتھروں میں ڈائنامائٹ کے چھ سلنڈر لگا کر واپس آنا تھا۔

اب ایک ایک منٹ ایک ایک گھنٹے کا ہو گیا تھا۔ میں پاک فوج کے اس جانباز کمانڈو کی جرأت اور دلیری پر انگشت بدنداں تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ زندہ ہے اور پیچھے پاکستان میں اس کی ماں، بہن، بیوی یا بچے بھی ہیں جو اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس وقت اس سرفروش کمانڈو کی ماں، بہن، بیوی اور بچے اس کا وطن عزیز پاکستان ہی تھا۔

پانچ منٹ گزر گئے پھر مزید پانچ منٹ گزر گئے۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی۔ پہاڑوں کی بارش بڑی موسلادھار ہوتی ہے۔ اوپر پہاڑیوں سے بارش کے پانی کے ریلے بہہ بہہ کر نالے میں گرنے لگے تھے اور ان کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ دور پل کے دوسرے سرے پر جو دو تین بتیاں روشن تھیں، وہ بارش کی دھند میں مدھم ہو رہی تھیں۔ میری آنکھیں بارش کی جھالروں کو چیرتی ہوئی پل کے دوسرے گیٹ پر لگی تھیں جو مجھ سے کافی دور تھا۔ میرے ساتھی کو گئے پورے پندرہ منٹ گزر گئے ہوں گے کہ ایک دم سے یکے بعد دیگرے دو روشنی راؤنڈ کے فائر ہو گئے۔ ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ ساتھ ہی مشین گن، لائٹ مشین گن اور رائفل کے فائروں کے دھماکے گونجنے لگے۔ سپاہیوں کی ایک دوسرے کو آوازیں دینے کا بھی شور اٹھا۔ پل کے پہرے والے گیٹ سے ایک جیپ تیزی سے دوسرے گیٹ کی طرف دوڑی۔ پل کے دوسرے گیٹ پر زبردست فائرنگ ہو رہی تھی اور ٹریسر بلٹ کی روشن لکیریں ایک دوسری کو کاٹتی گزر رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ میرے ساتھی کو دیکھ لیا گیا ہے۔ وہ مجھ سے اتنی دور تھا کہ میں اسے اپنی لائٹ مشین گن کا کور نہیں دے سکتا تھا۔ کھیل بگڑ گیا تھا۔ روشنی راؤنڈ بار بار فائر ہو رہے تھے۔

اچانک پل کے دوسرے گیٹ کی جانب روشنی کا ایک جوالا مکھی سا پھوٹ پڑا اور اس قدر زور دار دھماکہ ہوا کہ زمین نے مجھے لائٹ مشین گن سمیت اوپر اچھال دیا۔ میں جھاڑیوں کو پکڑ کر سنبھلا۔ پل کے دوسرے گیٹ پر ہلکے ہلکے دھماکے ہو رہے تھے اور چیخ و پکار مچ گئی تھی۔ چھوٹا بڑا فائر جاری تھا۔

روشنی راؤنڈ ہوا تو میں نے اس کی روشنی میں دیکھا کہ پل دوسرے گیٹ کی جانب سے آدھا نیچے بیٹھ گیا تھا۔ میرے ساتھی نے ہنگامی صورت حال کے پیش نظر ڈائنامائٹ کے سلنڈروں کو خود ہی بھک سے اڑا دیا تھا اور یہ یقینی بات تھی کہ پل کے ساتھ وہ خود بھی اڑ گیا ہو گا۔

پل کے میرے والے گیٹ کی پوسٹ میں سے ہیوی مشین گن کی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی آس پاس کی ڈھلانوں پر سے مارٹر توپ کے گولے آنے لگے۔ دھماکوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ روشنی راؤنڈ اس پل کے میرے والے گیٹ سے فائر ہو رہے تھے۔

انڈین فوجیوں کو پتا چل گیا تھا کہ پاکستانی کمانڈوز نے ہی پل کو ہٹ کیا ہے اور وہ آس پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔ میرا وہاں ٹھہرنا خواہ مخواہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونکنے والی بات تھی۔ میں نے اپنے آپ کو پہاڑی نالے میں گرا دیا۔ جو نالہ تھوڑی دیر پہلے تک خشک تھا اب اس میں بارش کا پانی نہایت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ پہاڑی نالے اگرچہ گہرے نہیں ہوتے لیکن ان میں جب پانی آتا ہے تو پانی کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ پاؤں نہیں ٹکتے۔ نالے کا تیز رفتار پانی مجھے پل کی الٹی جانب بہائے لئے جا رہا تھا۔ پانی کا رخ ایسا تھا کہ میں پل کے نیچے جانے کی بجائے پل سے دور ہو رہا تھا۔ یہ بات میرے لئے سود مند تھی۔ چند ہی لمحوں کے بعد میں پل سے کافی دور نکل چکا تھا۔ پاٹ کافی تنگ تھا۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ میرا جسم سن ہو رہا تھا۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ فائرنگ اور مارٹر کے دھماکوں کی آوازیں کافی پیچھے رہ گئی تھیں۔ ابھی میں نالے سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا کیونکہ یہ سارا علاقہ فوج کی عملداری میں تھا۔ اگرچہ نالے کا یخ پانی مجھے برف کی طرح سن کر رہا تھا مگر میں تیز رفتار لہروں میں بہا چلا جا رہا تھا۔ غیر شعوری طور پر میرے کان ایک اور دھماکے کی آواز کو سننے کے منتظر تھے۔ یہ دھماکا ان ڈائنامائٹ کے طاقت ور سلنڈروں کا ہونا تھا جنہیں میرا ساتھی کمانڈو پل کے پہلے گیٹ کے نیچے پتھروں میں لگا کر آیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو کمبل میں گٹھڑی کی طرح لپیٹ رکھا تھا اور پانی گیند کی طرح آگے ہی آگے بہا کر لے جا رہا تھا۔

اچانک آسمان پر اتنی تیز روشنی پھیلی کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک سیکنڈ بعد ساری وادی ایک بھیانک دھماکے سے لرز گئی۔ میں نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ پل کے پہلے گیٹ پر سے آگ اور دھوئیں کے بادل بلند ہو رہے تھے۔ میرے ساتھی کا لگایا ہوا پہلا بارود پھٹ گیا تھا اور اس نے پل کے ادھر والے حصے کو بھی اڑا دیا تھا۔ اس دھماکے کے بعد ہیوی اور لائٹ مشین گن کی فائرنگ اور مارٹر توپوں کے دھماکوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

اگرچہ میں برف کا گولہ بن چکا تھا لیکن میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کو پہاڑی نالے کے تیز رفتار ٹھنڈے یخ پانی کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ فائرنگ کی آوازوں میں اب بادل کی گرج بھی شامل ہو گئی تھی۔

بارش رک گئی مگر بادل ابھی تک گرج رہے تھے ... پھر بادلوں کی گرج بھی بند ہو گئی۔ میں پہاڑی نالے سے باہر نکل آیا۔ دور تباہ شدہ پل سے اب بھی اکا دکا فائر کی آواز آجاتی تھی۔ میں سر سے پاؤں تک ٹھنڈے پانی میں شرابور تھا۔ میں نے گیلا کمبل اتار کر نالے میں پھینک دیا اور نالے کی تیز رفتار لہریں اسے بہا کر لے گئیں۔ میرا جسم ٹھنڈ سے سن ہو رہا تھا۔ میں نے ورزش شروع کر دی اور جب میرے جسم کی کھوئی ہوئی حرارت کسی حد تک بحال ہو گئی تو میں نے کرتہ اتار کر نچوڑا اور اسے دوبارہ پہن لیا۔ اس وقت میرے پاس سوائے چاقو' دو ہینڈ گرنیڈوں' گیلے کرنسی نوٹوں اور میری پرانی دوست سدھا رنگنی کے دیئے ہوئے سانپ کے منکے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ چاقو میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور باقی چیزیں جیب میں ڈال کر ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ یہاں بھی گشت کرتے بھارتی سنتریوں کا خطرہ تھا لیکن پیچھے اتنی تباہی مچی ہوئی تھی کہ میرے اندازے کے مطابق گشت پارٹی بھی پل کی طرف چلی گئی تھی۔ بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ہر طرف تاریکی چھا رہی تھی۔ میں ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ میں کشمیر کی ان پہاڑی وادیوں سے ناواقف تھا اور اکیلا کسی بھی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔ میرے لئے اس وقت غفارا کی کوٹھری اور اس کے باغ کا خفیہ تہ خانہ ہی سب سے بڑی پناہ گاہ تھی۔ میں اندازے سے اس ٹیلے کی طرف چل پڑا' جس کے عقب میں میرے خیال میں غفارا کا سیب کا باغ تھا۔

میری رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ چڑھائی ہونے کی وجہ سے میں آہستہ چل رہا تھا۔ ٹیلے کے اوپر پہنچ کر مغرب کی طرف نگاہ ڈالی۔ میرے سامنے نیچے ایک پیالے کی طرح بنی ہوئی چھوٹی سی تلہٹی تھی۔ اس کے آگے ایک بڑی ٹیکری تھی اور اسی ٹیکری کے پار غفارا کا باغ ہونا چاہیئے تھا۔

اندھیری رات میں بھی مجھے دور ٹیکری چڑھ کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا۔ یقیناً یہ وہ درخت تھے جو غفارا کے سیب کے باغ کے آگے جا کر ہموار میدان کے کنارے پر آتے تھے اور جہاں سے ہم نے نشیب میں پل کی طرف اپنا سفر شروع کیا تھا۔

پتھروں' چٹانوں' جھاڑیوں اور لمبی گھاس سے گزرتا میں نیچے تلہٹی میں آ گیا۔ یہاں کوئی باقاعدہ پگڈنڈی نہ ہونے کے باعث جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر بکھرے پڑے تھے اور جھاڑیاں رات کے اندھیرے میں بھوتوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ اگرچہ بارش بہت ہوئی تھی مگر یہاں زمین ریتلی اور سنگ ریزوں سے بھری ہوئی تھی جس کی وجہ سے کیچڑ نہیں تھا۔ رات کافی سرد تھی مگر مجھے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی کیونکہ چلتے رہنے سے میرا جسم گرم ہو گیا تھا اور کپڑے بھی سوکھنا شروع ہو گئے تھے۔ اندازے سے میں نے اس تلہٹی سے نکل کر سامنے والے ٹیلے پر چڑھنا شروع کر دیا۔

ٹیلے کی چوٹی تک پہنچتے پہنچتے میرا دم پھول گیا۔ بڑی دشوار گزار چڑھائی تھی۔ لگتا تھا کہ ادھر سے کبھی کوئی انسان یا مویشی نیچے نہیں اترا۔ ٹیلے پر جا کر میں نے اندھیرے میں آنکھیں پوری طرح سے کھولیں اور بائیں جانب دیکھا۔ درختوں کا وہ چھوٹا سا جھنڈ مجھ سے کوئی دو سو قدموں کے فاصلے پر تھا۔

یا خدا! یہی ہمارے گائیڈ کے باغ والے درخت ہوں۔

میں دل میں دعائیں مانگتا ان درختوں کی طرف بڑھا۔ جب میں ان درختوں میں آیا تو دل کو اطمینان سا ہوا کیونکہ درختوں کی دوسری جانب اندھیرے میں غفارا کے سیب کے باغ کے درختوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ یہ جگہ ویسے بھی ہموار تھی۔ میں سیب کے باغ میں سے گزرتے ہوئے چوکس ہو گیا کیونکہ یہاں میرے لئے خطرہ بھی ہو سکتا تھا۔ ایک درخت کے پیچھے کچھ دیر رک کر ماحول کا اچھی طرح سے جائزہ لیا اور ہمہ تن گوش ہو کر رات کے سناٹے کو غور سے سنا۔ درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں پر سے بارش کے رکے ہوئے پانی کے ٹپکنے کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔

میں اپنے گائیڈ کی جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ غفارا اپنی بیٹی نازو کو لے کر ایک روز پہلے ہی نیچے گاؤں میں اپنی بہن کے گھر جا چکا تھا اور کوٹھری میں کوئی نہیں ہو گا۔ چنانچہ جب میں کوٹھری کے قریب آیا تو اس پر تالا لگا ہوا تھا۔ برابر والا آنگن بھی خالی تھا۔ کونے میں چھپر کے نیچے پرالی کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں اس ڈھیر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہاں ہلکی ہلکی گرمائش کا احساس ہوا۔ اگرچہ مجھے سونا نہیں چاہیئے تھا مگر تکان کے باعث نیند کا زبردست غلبہ تھا۔ میں نے پرالی کے ڈھیر کے نیچے کی طرف جا کر ڈھیر میں ایک سوراخ سا بنایا اور اس میں گھس کر لیٹ گیا۔ پرالی گرم تھی۔ میرا جسم تھکن سے چور تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد' میں گہری نیند میں کھو گیا۔

آنکھ کھلی تو چھپر کے نیچے دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جلدی سے پرالی کے ڈھیر سے باہر نکلا تو آنگن میں دھوپ ہی دھوپ تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی' صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ کوٹھری کی دیوار کی اوٹ میں آ کر میں نے باغ کا جائزہ لیا۔ باغ ویران پڑا تھا۔ دھوپ درختوں کی دھلی دھلائی شاخوں پر چمک رہی تھی۔ مجھے شاخوں پر لگے ہوئے کچے پکے سیب دکھائی دیئے۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہاں میرے سوائے کوئی دوسرا انسان نہیں ہے تو میں نے ایک درخت سے دو تین پکے ہوئے لال سیب توڑے اور وہیں درخت کی اوٹ میں بیٹھ کر کھانے لگا۔ اچانک دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ میں لپک کر سب سے آخری درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ آواز غفارا کی کوٹھری کی جانب سے آ رہی تھی۔

آواز قریب آئی تو میں نے غفارا کو ایک آدمی کے ساتھ باتیں کرتا سیب کے درختوں کی جانب آتا ہوا دیکھا۔ وہ ایک جگہ درختوں کے درمیان رک گئے۔ اس کے ساتھ جو آدمی تھا اس نے کشمیری فرن پہن رکھی تھی اور سر پر گرم ٹوپ اور کاندھے پر کشمیری چادر تھی۔ وہ کشمیری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ شاید سیب کی پکی ہوئی فصل کا سودا ہو رہا تھا۔ غفارا نے اسے درخت پر سے ایک سیب بھی اتار کر دیا۔ اجنبی کشمیری نے مسکرا کر غفارا کو کچھ کہا اور سیب جیب میں ڈال کر اس کے ساتھ واپس

چل پڑا۔ باغ کے کنارے پر، کوٹھری سے چند قدموں کے فاصلے پر نیچے گاؤں کو پگڈنڈی جاتی تھی۔ وہاں جا کر دونوں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر وہ آدمی غفارا سے ہاتھ ملا کر نیچے اتر گیا اور غفارا واپس کوٹھری کے پاس آیا اور تالا کھول کر کوٹھری میں داخل ہو گیا۔

میں درخت کے پیچھے سے نکلا اور کوٹھری کے دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے غفارا کو سلام کیا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کا پہلا جملہ یہ تھا۔

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

اس نے مجھے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

"پل تباہ ہو گیا ہے۔ سنا ہے کتنے ہی بھارتی فوجی مارے گئے ہیں۔ تمام دیہات کو فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ گھر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ بھارتی کئی لوگوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں اور ان کے جاسوس جگہ جگہ پھر رہے ہیں۔"

جب میں نے غفارا کو اپنے آپریشن کی پوری رپورٹ دی تو اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"بھارتی فوج ہمارے گاؤں میں بھی آنے ہی والی ہے۔ تمہارا اس وقت یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں تم پکڑے جاؤ گے۔ اس لئے تمہیں تہ خانے میں چھپ جانا چاہیئے۔ میں موقع ملتے ہی تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ جلدی کرو۔ ڈوگرہ سپاہی یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ انہوں نے پچھلے دو دیہات میں آگ لگا دی ہے۔"

میں کوٹھری سے نکل کر غفارا کے ساتھ باغ میں اس جگہ آ گیا جہاں رات بھر کی شدید بارش کے بعد بھیگے ہوئے سوکھے پتوں اور شاخوں کا ڈھیر تھا۔ غفارا نے جھاڑ جھنکاڑ کو ایک طرف سے ہٹا کر لکڑی کا تختہ پرے ہٹایا اور میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم نے کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ میں نیچے جا کر حالات دیکھتا ہوں۔ تمہارے لئے کھانے کو بھی لاؤں گا۔ تم یہاں سے کسی حالت میں بھی باہر مت نکلنا۔ جب تک میں نہ آؤں۔ سمجھے؟"

"ہاں۔" یہ ایک لفظ کہہ کر میں گڑھے میں اتر گیا۔ غفارا نے لکڑی کا تختہ اوپر کر دیا اور جھاڑ جھنکاڑ اس طریقے سے اوپر رکھا کہ تختے کے ننھے سوراخ میں سے تازہ ہوا اندر آتی رہے۔ وہ چلا گیا۔ اس گڑھے میں مجھے باہر کی ٹھنڈ سے ضرور نجات مل گئی تھی لیکن بے حد حبس تھا اور لگتا تھا کہ میں زندہ در گور ہو گیا ہوں۔ گڑھے میں مچھر بھی کہیں سے آ گئے تھے۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ مجھے وہاں کتنی دیر تک قید رہنا ہو گا۔ بہرحال یہ اس سے بہتر تھا کہ میں ڈوگرہ فوج کی قید میں چلا جاؤں اور وہ مجھے بھیانک اذیتیں دے دے کر ہلاک کر ڈالیں۔ اذیتوں سے میرا دھیان اپنے ساتھی کمانڈو نمبر نو کی طرف چلا گیا۔ اگر وہ بھارتی فوج کی قید میں ہے تو نہ جانے دشمن اسے کس کس طرح سے اذیتیں دے رہا ہو گا۔ میں

دل میں دعا مانگنے لگا کہ خدا کرے وہ شہید ہو گیا ہو۔ جس طرح ہمارے تیسرے ساتھی کمانڈو نمبر آٹھ نے دشمن کے پل کو اڑا کر شہادت کا رتبہ پالیا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے کمانڈو نمبر ۹ کی خشخشی داڑھی اور تانبے ایسا چمکیلا چہرہ، گہری تیز آنکھیں اور گٹھا ہوا جسم گھومنے لگا۔ میرے دل نے کہا کہ وہ بھی یقیناً شہید ہو چکا ہو گا کیونکہ کسی کمانڈو کا دشمن فوج کے ہتھے چڑھنے سے بہتر ہوتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے۔

تاریک تہ خانے میں بیٹھا میں دیر تک انہیں خیالات میں گم رہا۔ باہر سناٹا چھایا تھا۔ کسی کسی وقت پرندے کے بولنے کی آواز آجاتی۔ کچھ دیر بعد دو فائر ہوئے۔ یہ پستول کے فائر کی آواز تھی اور میرے اندازے کے مطابق نیچے گاؤں کی طرف سے آئی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ اب کچھ آوازیں اوپر کی طرف آرہی تھیں۔ میں نے جیب سے دستی بم نکال کر اپنی مٹھی میں تھام لیا۔ یہ بم مجھے نہیں بچا سکتا تھا لیکن مرنے سے پہلے میں دو ایک کو ضرور مارنا چاہتا تھا۔

آوازیں جیسے باغ کے شروع میں کوٹھری کے پاس آکر رک گئیں۔ پھر کسی فوجی نے چلا کر باغ کی تلاشی لینے کا آرڈر دیا۔ اس کا لہجہ ڈوگرہ سنتری کا سا تھا۔ اوپر زمین پر کئی فوجیوں کے بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دی اور میں گڑھے کی دیوار کے ساتھ سمٹ کر بیٹھ گیا۔ دستی بم میں نے اس طرح ہاتھ میں تیار کر رکھا تھا کہ اگر اوپر سے ڈوگرہ سپاہی نے لکڑی کا تختہ الگ کیا تو میں ہینڈ گرنیڈ کا پن کھینچ کر باہر پھینک دوں گا۔ اس کے بعد چاہے مجھے گڑھے میں ہی گولیوں سے بھون دیا جائے۔

کچھ فوجی بوٹوں کی آواز میرے تہ خانے کے اوپر والے جھاڑ جھنکاڑ کے پاس آکر رک گئی پھر جیسے پتوں اور شاخوں کو سنگین سے ادھر ادھر ہٹا کر دیکھا جانے لگا۔ میں نے دم سادھ لیا۔ میری دو انگلیاں پن نکالنے کے لئے دستی بم کے اوپر آگئیں۔

"اوئے جانگلی ادھر کیا کوڑا کرکٹ دیکھتا پھرتا ہے۔ ادھر چھپر کے نیچے جا کر دیکھو۔" کسی فوجی نے دور سے آواز دی۔ اس کے ساتھ ہی فوجی بوٹوں کی آواز دور چلی گئی۔ میں بچ گیا تھا پھر مجھے اپنے غفارا کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی فوجی سے کہہ رہا تھا۔

"ادھر کوئی پاکستانی کمانڈو آتا تو ہم خود آپ کو اطلاع کر دیتا۔ ہم تو سر ہر وقت چوکس رہتا ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ ہم، تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ہم پوری طرح چیک کرے گا۔"

یہ کسی ڈوگرہ کمپنی کمانڈر کی آواز ہی ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر تک فوجیوں کے بوٹوں کی دھمک اور ان کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر یہ ساری آوازیں مجھ سے دور ہوتی ہوئی غائب ہو گئیں۔ خطرے کے ٹل جانے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ہینڈ گرنیڈ کو دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

باہر ایک بار پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ دور... وادی میں کسی چیل کے چلانے کی آواز بار بار آرہی تھی پھر یہ آواز بھی تحلیل ہو گئی۔ گڑھے میں بیٹھے بیٹھے میں تنگ آگیا تھا۔ سوچا باہر تازہ ہوا میں نکل آؤں

لیکن غفارا کی ہدایت یاد آ گئی کہ جب تک میں نہ آؤں ہرگز باہر مت نکلنا۔

میں اندھیرے گڑھا نما تہ خانے میں ہی دبکا رہا۔ میرے سر کے اوپر لکڑی کے تختے میں جو سوراخ تھا اس پر کچھ شاخیں آ گئی تھیں جس کے باعث گڑھے میں ہوا تو داخل ہو رہی تھی مگر روشنی کم آ رہی تھی پھر یہ روشنی بھی دھندلی ہونے لگی۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھی۔ اندھیرے میں اس کی سوئیاں چمک رہی تھی۔ دن کے بارہ بجنے والے تھے پھر ایک اور پھر دن کے دو بج گئے۔ اڑھائی بجے کے قریب مجھے انسانی قدموں کی آواز اپنی طرف آتی سنائی دی۔ میں ایک بار پھر ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ آواز فوجی بوٹوں کی نہیں تھی لیکن غفارا کی بجائے یہ کوئی بھارتی مخبر بھی ہو سکتا تھا جو میرا سراغ لگانے وہاں آیا ہو۔ میں نے چاقو نکال لیا اور قدموں کی آواز میرے تہ خانے کے پاس آ کر رک گئی۔

اب غفارا کی آواز آئی۔ "یہ میں ہوں' غفارا۔ گھبراؤ نہیں"۔

اس کے بعد پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ غفارا اوپر ادھر ادھر چل پھر رہا تھا۔ مجھے زمین پر ٹوکرے کے گھسیٹنے کی آواز بھی سنائی دی پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی سیب کے درختوں کی جھاڑیوں کو کھینچ رہا ہو۔ میں غفارا کو آواز دینے ہی لگا تھا کہ اوپر کوئی جھاڑ جھنکاڑ ہٹانے لگا پھر تختہ اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی گڑھے میں دن کی روشنی اور تازہ ہوا کا جھونکا آیا۔ مجھے اوپر غفارے کا سر نظر آیا۔ اس نے سر پر گرم فلر لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "معاملہ بڑا گڑبڑ ہے۔ میں تمہیں ابھی باہر نہیں نکال سکتا"۔

اس نے اوپر سے ایک پوٹلی پھینکی۔ "اس میں روٹی ہے اور یہ تمہاری پانی کی بوتل ہے۔ جب تک میں نہ آؤں ہرگز' ہرگز باہر مت نکلنا"۔

اس نے تختہ ایک بار پھر بند کر دیا۔ گڑھے میں اندھیرا چھا گیا۔ میں اب غفارا کے رحم و کرم پر تھا۔ اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا ہر حکم ماننے پر مجبور تھا کیونکہ میری بھلائی بھی اسی میں تھی۔ بھارتی فوج نے پل تباہ ہونے کے بعد سے اردگرد طوفان مچا رکھا ہو گا۔ جگہ جگہ تلاشی لی جا رہی ہو گی۔ مشکوک لوگوں کو گرفتار کیا جا رہا ہو گا۔ خدا جانے وہ کیا کیا ظلم ڈھا رہے ہوں گے۔ میں نے پوٹلی میں سے مکئی کی روٹی نکال کر کھائی۔ ساتھ شلجم کا اچار تھا۔ پانی کا فلاسک ہمارا ہی تھا جو میرے ساتھی کمانڈو نمبر ۸ اور کمانڈو نمبر ۹ اپنے ساتھ لائے تھے۔

میں وہیں گڑھے میں پاؤں تھوڑے سے کھول کر پڑا رہا۔ سارا دن اسی گڑھے میں گزر گیا۔ جب شام کا اندھیرا پھیل گیا اور تختے کے سوراخ میں سے آنے والی روشنی غائب ہو گئی تو کسی نے پتوں کی شاخوں کو پرے ہٹایا پھر تختہ اوپر اٹھ گیا۔ میں نے چاقو نکال لیا۔ "میں ہوں غفارا۔ باہر آ جاؤ"۔

دن بھر تاریک سرد گڑھے میں پڑے رہنے سے میرا جسم درد کرنے لگا تھا۔ میں جلدی سے باہر تازہ ہوا میں نکل آیا۔ میرا خیال تھا کہ باہر شام ہو گی مگر باہر آ کر دیکھا تو رات کا اندھیرا چھایا تھا تازہ ہوا میں

سانس لینے سے میری جان میں جان آئی۔ غفارا تیز تیز قدموں سے چلتا باغ کے اندھیرے میں سے گزرتا کوٹھری میں گھس گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے کوٹھری کا دروازہ بند کر دیا۔ جیب سے ایک موم بتی نکال کر جلائی اور اسے زمین پر ایک جگہ لگاتے ہوئے بولا۔ "حالات بڑے خراب ہو رہے ہیں۔ پل کے دونوں حصے مکمل طور پر تباہ ہو گئے ہیں۔ بھارتی فوج کی دو مزید بٹالین جموں سے آ گئی ہیں۔ وہ ہمارے گاؤں کے دس آدمیوں کو شبہے میں پکڑ کر لے گئے ہیں۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" میں نے کہا۔

غفارا نے سر پر سے مفلر اتار کر سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دوبارہ باندھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم لوگوں کی تلاش میں بھارتی سنتری یہاں بھی آئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ تمہارا سراغ نہیں لگا سکے۔ کچھ میں نے بھی ان فوجیوں کے ساتھ بنا کر رکھی ہے۔ انہیں ہر سیزن میں اپنے باغ کے سیب، مکئی اور مکھن دیتا رہتا ہوں لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ انہیں مجھ پر بھی شک ہو گیا ہے۔ اس لئے اب تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں"۔

میں نے کہا۔ "تم میری تھوڑی سی رہنمائی کرو۔ میں واپس چلا جاتا ہوں"۔

غفارا میرے لئے روٹی اور پانی لایا تھا۔ میں روٹی کھانے لگا۔ غفارا نے کہا۔ "ایک اور خبر کا پتا چلا ہے"۔

"وہ کیا؟" میں نے پانی کا گھونٹ پی کر پوچھا۔

غفارا بولا۔ "میرے ایک خاص مخبر نے اطلاع دی ہے کہ کمانڈو نمبر ۹ جو تمہارے ساتھ گیا تھا شہید نہیں ہوا"۔

نوالہ میرے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ "تو کیا میرا ساتھی کمانڈو زندہ ہے"۔

"ہاں۔ کمانڈو نمبر ۹ زندہ ہے۔ اسے بھارتی فوج نے گرفتار کر لیا ہے اور پیچھے جموں چھاؤنی بھیج دیا ہے"۔

میری آنکھوں کے سامنے چمکیلی آنکھوں اور خشخشی داڑھی والے جیالے پاکستانی سرفروش کمانڈو کی شکل گھوم گئی۔ نہ جانے بھارتی اسے کیا کیا اذیتیں نہیں دیں گے۔ کیسی کیسی جسمانی عقوبت نہیں پہنچائیں گے۔ کیا میں اس کی مدد کر سکتا ہوں؟ ہاں! مجھے اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ میں نے غفارا سے کہا۔ "کیا تمہاری اطلاع سچی ہے؟"

"اس سے پہلے میرے مخبر کی دی ہوئی کوئی اطلاع جھوٹی نہیں نکلی۔ میرا یہ مخبر اوپر بٹالین کے میس میں خانساماں ہے۔ اس نے اپنے کانوں سے ایک ڈوگرہ افسر کو کمانڈو نمبر ۹ کے بارے میں بات کرتے سنا ہے"۔

میں خاموشی سے روٹی کھانے لگا۔ غفارا اس دوران دو بار اٹھ کر باہر جائزہ لینے گیا۔ میں روٹی کھا

چکا تو اس نے کہا۔ "میرے بیٹے تم اپنا مشن مکمل کر چکے ہو۔ ویسے بھی اب تمہیں یہاں نہیں رکنا چاہیئے۔ بھارتی فوج کے آدمی چپے چپے پر شکاری کتوں کی طرح تمہاری بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ انہیں دو سپاہیوں کی لاشیں بھی مل گئی ہیں، جنہیں تم لوگوں نے سڑک کے اوپر جھاڑیوں میں ہلاک کیا تھا۔ ان کو یقین ہے کہ پاکستانی کمانڈو کا ایک ساتھی اسی جگہ کہیں چھپا ہوا ہے۔ سارے راستے انہوں نے بلاک کر دیئے ہیں پھر بھی میں تمہیں یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکال دوں گا"۔

میں سوچ رہا تھا کہ ایک بار پھر اپنی تامل زبان کی مہارت، سنسکرت کے علم اور ہندو دیو مالا سے گہری واقفیت اور دیدوں کے اشلوکوں کے آزمانے کا وقت آ گیا تھا۔ یہ وہ کام تھا جو کوئی دوسرا کمانڈو نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے غفارا سے پوچھا۔ "غفارا۔ کیا تم مجھے یہاں کچھ چیزیں لا کر دے سکتے ہو؟"

"کون سی چیزیں؟" غفارا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

میں نے جب اسے بتایا کہ مجھے گیروے رنگ کی کھدر کی ایک لمبی چادر، منکوں کی دو مالائیں، ایک ترشول، ایک ٹائر سول کی اوپر سے ڈھکی ہوئی موٹی چپل اور تھوڑا سا پانی میں گھلا ہوا کیسر چاہیئے تو وہ حیرانی سے میری صورت تکنے لگا۔

"تم ان چیزوں کو لے کر کیا کرو گے

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم یہ چیزیں مجھے مہیا کر سکتے ہو۔ میں تمہیں کچھ روپے دوں گا۔"

غفارا بولا۔ "گیروا کھدر تو جتنا چاہو گے مل جائے گا۔ سادھوؤں والی مالائیں ساتھ والے قصبے کے بازار میں ہی مل سکیں گی کیونکہ وہاں ایک مشہور مندر ہے اور اسی بازار میں مالائیں بکتی ہیں۔ باقی ترشول میں نے اس بازار میں بھی کہیں نہیں دیکھی۔ کیسر تو ہمارے گھر میں ہی ہے۔ چپل کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ لیکن کیا تم سادھو بنو گے؟"

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں سادھو بن کر یہاں سے نکلوں گا لیکن غفارا تمہیں میری خاطر میرے ساتھی کمانڈو کی خاطر ایک اور کام کرنا ہو گا اور وہ کام یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے مجھے اپنے مخبر کے ذریعے صرف اتنا پتا کر کے بتا دو کہ میرا ساتھی کمانڈو نمبر ۹ جموں چھاؤنی میں کس رجمنٹ کی قید میں ہے۔ میں نے اپنے ساتھی کمانڈو کو بھارتی فوج کی قید سے چھڑانے کا فیصلہ کر لیا ہے"

غفارا کچھ دیر کے لئے چپ ہو گیا۔ وہ گہری سوچ میں تھا پھر سر اٹھا کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب روشن چمک تھی۔ "میرے بچے! پاک فوج کے کمانڈوؤں کو میرا سلام! تم لوگ سچے مجاہد ہو۔ اسلام کے شیر ہو۔ میں تمہیں ضرور پتا کر کے دوں گا کہ ہمارا جانباز مجاہد، جموں چھاؤنی کی کس رجمنٹ میں قید ہے"۔

غفارا نے میرا ماتھا چوم لیا۔ میں نے غفارا کو پانچ سو روپے نکال کر دیئے۔ وہ انہیں نہیں لے رہا تھا لیکن میں نے کہا کہ یہ میں اپنی چیزیں خریدنے کے لئے تمہیں دے رہا ہوں۔ اس نے میرے بہت مجبور کرنے پر صرف دو سو روپے لے لئے اور اگلے روز صبح آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ ایک بار پھر اس نے مجھے تاکید کہ میں کوٹھری کے باہر نہ نکلوں اور موم بتی بھی روشن نہ کروں۔ میں نے اس کے جاتے ہی موم بتی بجھا دی۔ غفارا نے کوٹھری کے باہر تالا لگایا اور اس کے قدموں کی آواز دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی۔

سرد اندھیرے اور سیلن زدہ گڑھے سے نکل کر اس کوٹھری کی نیم گرم فضا میں آنے سے مجھے بڑا سکون ملا تھا۔ میں لحاف اوڑھ کر اپنے اگلے مشن کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ مشن اپنے ساتھی کمانڈو نمبر ۹ کو دشمن کی قید سے نکالنے کا تھا۔ یہ کوئی سہل کام نہیں تھا۔ جموں بھارتی فوج کی بہت بڑی چھاؤنی تھی اور کشمیر کے سنگین حالات کے پیش نظر یہاں چیکنگ اور حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ عام آدمی فوجی چھاؤنی کے علاقے کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ میں اس ضعیف الاعتقاد اور ہزاروں دیوی دیوتاؤں 'اوتاروں' رشیوں اور طرح طرح کے توہمات پر یقین رکھنے والی قوم کو ان کے توہمات ہی سے شکست دینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے میرے پاس کافی مواد تھا۔

میں اپنے ذہن میں ایک باقاعدہ لائحہ عمل تیار کرنے کے بعد سو گیا اور ایسے گھوڑے بیچ کر سویا کہ آنکھ کھلی تو غفارا میرے پاس بیٹھا مجھے جگا رہا تھا۔ مجھے پتا ہی نہ چل سکا کہ اس نے کب کوٹھری کا دروازہ کھولا اور کب اندر آیا۔ "تمہاری نیند اتنی گہری نہیں ہونی چاہیئے دوست"۔ غفارا نے مسکرا کر کہا۔ وہ میرے لئے کیتلی میں چائے اور خالص مکھن میں پکی ہوئی مکئی کی میٹھی روٹی لایا تھا۔ جو میں نے بڑے مزے سے کھائی۔ وہ کہنے لگا۔ "تمہاری چیزیں خریدنے میں آج ہی ساتھ والے قصبے میں جا رہا ہوں۔ شام تک واپس آ جاؤں گا۔ اب دن کا وقت ہے۔ اس لئے تمہیں اس کوٹھری کی بجائے واپس زمین دوز تہ خانے میں جا کر چھپنا ہو گا۔ یہاں دن میں کسی بھی وقت بھارتی گشتی پارٹی آ سکتی ہے"۔

اگرچہ گڑھے کا نام سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن اس کے سوائے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ غفارا میرے لئے دوپہر کے واسطے بھی روٹی اور فلاس میں پانی بھر کر لے آیا تھا۔ ناشتہ کرانے کے بعد اس نے باہر جا کر باغ کے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر مجھے کوٹھری سے نکال کر ایک بار پھر اسی سرد تاریک گڑھے میں بند کر دیا۔ اس... بار وہ مجھے اپنے باغ کے کچھ سیب بھی توڑ کر دے گیا۔

یوں سمجھ لیں کہ بڑی مشکل سے میں نے اس گڑھے میں دن گزارا۔ شام کے وقت غفارا واپس آ گیا۔ جب وہ مجھے گڑھے سے نکال کر کوٹھری میں لایا تو میں نے موم بتی کی روشنی میں وہاں ایک گٹھری پڑی دیکھی۔

"اس میں تمہاری چیزیں ہیں۔ ترشول مجھے نہیں مل سکی"۔

اس نے گٹھڑی کھولی - اس میں گیروے رنگ کے دیہات میں بنے ہوئے موٹے کھدر کا لمبا کرتا اور بڑی چادر ' کالے منکوں کی چار مالائیں اور ایک موٹی سی کشمیری چپل تھی - اس نے مجھے تیس روپے واپس کیئے - میں نے جیب سے سو سو کے مزید چار نوٹ نکال کر اس کے پاؤں میں رکھ دیئے اور کہا۔

" میں جس بھیس میں یہاں سے نکلوں گا اس کے لئے مجھے روپوں کی ضرورت نہیں ہے - میں جہاں جاؤں گا روپے پیدا کر لوں گا - یہ حقیری رقم میں تمہیں نہیں بلکہ اپنی بہن نازو کے جوڑے کے لئے دے رہا ہوں - انکار نہ کرنا "۔

غفارا چپ ہو گیا۔ ترشول کے لئے میں نے مزید اصرار نہ کیا۔ اب میرے پاس انڈین کرنسی کے دس دس روپے کے سات نوٹ ' سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا ' ایک چاقو اور ہینڈ گرنیڈ تھے - میں نے سوائے سانپ کے منکے اور ستر روپوں کے باقی سب کچھ غفارا کو دے دیا کہ وہ اسے کسی گڑھے میں دفن کر دے - ایک پڑیا میں ڈال کر وہ میرے لئے زعفران یعنی کیسر بھی لایا تھا۔
غفارا نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے مخبر کو تاکید کر دی ہے کہ وہ جیسے بھی ہو سکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کمانڈو نمبر ۹ کو جموں چھاؤنی میں کس مقام پر کس رجمنٹ کی تحویل میں دیا گیا ہے - جب تک مجھے یہ معلومات حاصل نہیں ہو جاتیں میں وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ غفارا مجھے تہ خانے میں بند کر کے چلا گیا۔ اب ایسا ہوتا کہ دن کو مجھے غفارا گڑھے میں بند کر دیتا اور رات کو نکال کر کوٹھری میں سلا کر چلا جاتا۔ اس کے مخبر کو ابھی تک میرے ساتھی کمانڈو کا کچھ سراغ نہیں مل سکا تھا۔
چوتھے روز ' رات کو غفارا مجھے گڑھے سے نکالنے آیا تو اس نے مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ میرے کمانڈو ساتھی کا کچھ سراغ مل گیا ہے - " میرے مخبر کو صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ کمانڈو نمبر ۹ کو جموں چھاؤنی کے انڈین ائر فورس ہیڈ کوارٹر کے دفتر میں رکھا گیا ہے اور کوئی ونگ کمانڈ بھٹناگر ہے جو اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہے "۔

غفارا کے مخبر کو اس ونگ کمانڈر کا نام معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن میرے لئے اتنی معلومات ہی کافی تھیں - میں نے غفارا کو بتایا کہ میں وشنو دیوی یعنی جموں کی ماتا شیراں والی کے بھگت کے بھیس میں وہاں سے نکلوں گا۔ غفارا کہنے لگا۔ " اس حالت میں تو میں تمہارے ساتھ دو قدم بھی نہیں چل سکوں گا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ شک ہو گا کہ میں ایک سادھو کے ساتھ کہاں جا رہا ہوں اور ہمارے گاؤں میں بھارتی فوج کے جاسوس ہوشیار ہو جائیں گے "۔

میں نے کہا۔ " تمہیں میرے ساتھ جانے کی اب ضرورت نہیں ہو گئی۔ سب کچھ میں خود سنبھال لوں گا۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہاں لاریوں کا وہ اڈہ کہاں ہے جہاں سے جموں توی کو لاری جاتی ہے "۔

غفارا کہنے لگا کہ یہاں سے اتر کر نیچے ہمارا گاؤں ہے۔ گاؤں کے عقب میں ایک پگڈنڈی آگے قصبے میں لوکیش کو جاتی ہے۔ اس قصبے سے ایک پہاڑی راستہ آگے ایک بڑے قصبے نگر پوری تک جاتا ہے نگر پوری میں لاریوں کا اڈہ ہے جہاں سے گلمرگ، ٹن مرگ اور جموں توی کو لاریاں اور بسیں جاتی ہیں۔

میں نے سارا نقشہ ذہن میں اچھی طرح بٹھالیا۔ "غفارا بھائی! میں آج منہ اندھیرے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس سارے علاقے میں بھارتی جاسوس کہاں کہاں ہو سکتے ہیں "؟

غفارا بولا۔ "یہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم یوں سمجھ لو کہ وہ تمہیں ہر جگہ، کہیں بھی مل سکتے ہیں۔ تمہیں دیکھ سکتے ہیں اور تمہارا پیچھا بھی کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر لاریوں کے اڈوں پر تو وہ پاکستانی کمانڈو کی تلاش میں مکھیوں کی طرح بھنبھناتے پھرتے ہیں "۔

میں نے کہا۔ "مولا کریم میرا رکھوالا ہے۔ مجھے ہر حالت میں اپنے اس مشن کو کامیاب کرنا ہے اور اپنے ساتھی کو اگر وہ شہید نہیں ہو گیا تو دشمن کی قید سے نکال کر پاکستان کی سرحد پار کروانی ہے "۔

غفارا میرے لئے دعا اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "لیکن رات تم گڑھے میں ہی گزارو گے۔ اس کوٹھری میں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ آج مجھے خطرہ سا لگ رہا ہے "۔

"میرا مشن میرے سامنے واضح ہو گیا ہے غفارا۔ اب میں گڑھا تو کیا قبر کے اندر بھی رات گزار سکتا ہوں۔ تم ایسا کرنا کہ صبح ذرا جلدی آ جانا۔" میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں پو پھٹتے ہی آ جاؤں گا۔"

غفارا اس رات مجھے گڑھے میں اتار کر واپس چلا گیا۔ ساری رات مچھر مجھے کاٹتے رہے اور میں اپنے مشن کی تفصیلات پر غور و فکر کرتا رہا۔ اس غور و فکر میں نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو پو پھٹ رہی تھی اور غفارا اوپر سے تختہ ہٹائے مجھے آہستہ آہستہ آوازیں دے رہا تھا۔

میں گڑھے سے نکل آیا۔ کوٹھری میں پہنچ کر میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ آج غفارا میرے لئے کھجریلا اور سبز چائے لایا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ چائے پی پھر میں نے اسے پیالی میں زعفران گھولنے کو کہا اور خود کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ میں نے گیروے رنگ کی چادر دھوتی کی طرح پہن کر اوپر سے لمبا کرتا زیب تن کیا۔ گلے میں منکوں کی مالائیں ڈالیں۔ ایک مالا ہاتھ میں پکڑلی۔ پیالی میں گھلے ہوئے زعفران میں انگلی ڈبو کر اپنے ماتھے پر چندر یعنی وشنو دیوی کے تلک کی تین لکیریں ڈالیں اور پاؤں میں چپل پہن لی اور جیب میں سانپ کا منکا اور ستر روپے سنبھال کر رکھ لئے۔ اس کے علاوہ میرے پاس جو کچھ بھی تھا وہ میرے دماغ میں محفوظ تھا۔ میں نے غفارا کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تمہارا

سلوک اور میزبانی میں کبھی نہیں بھولوں گا"۔

غفارا کی آواز بھی جذباتی ہو گئی تھی۔ کہنے لگا۔ "میرے بچے! یہ تو میں نے اپنا دینی فرض ادا کیا ہے۔ ہم تو اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کشمیر کی ہر عمارت ہر چھاؤنی پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہو گا"۔

"انشاء اللہ!" میں نے غفارا کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

غفارا مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ شدت سے اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ جب وہ مجھ سے آخری بار ہاتھ ملانے لگا تو میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا تھا۔

"میرے بچے! خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میں تمہارے لئے پانچوں وقت کی نماز پڑھ کر دعا کروں گا۔ پاکستان جا کر وہاں بھائیوں سے کہنا کہ کشمیر جاگ رہا ہے۔"

وہ ایک بار پھر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ کوٹھری میں رہا اور میں اللہ کا نام لے کر باہر نکل گیا۔

دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ میں ڈھلان اترا تو غفارا کے چھوٹے سے گاؤں کی چھتیں نظر آنے لگیں۔ کئی چھتوں پر سرخ سرخ مرچیں سکھانے کو ڈال دی گئی تھیں۔ آس پاس وادی میں سکوت چھایا تھا۔ میں غفارا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے گاؤں میں داخل ہوئے بغیر اسی کے عقب سے ہو کر نکل گیا۔

ایک پگڈنڈی، پہاڑی ڈھلان پر نیچے جا رہی تھی۔ کہیں کہیں چیڑ اور چنار کے درخت اگے ہوئے تھے۔ میں بڑے اعتماد کے ساتھ قدم بڑھاتا جا رہا تھا۔ ماتھے پر تلک لگا تھا۔ ہاتھ میں وشنو ماتا کی مالا تھی۔ میری شیو بڑھ آئی تھی۔ سوچا تھا کہ بڑے قصبے نگر پوری میں جا کر داڑھی مونچھ اور سر منڈواؤں گا۔ بظاہر میں وشنو ماتا کا بھگت کے بھیس میں تھا لیکن اندر سے میں پوری طرح چوکنا تھا اور تیز گہری نظروں سے اردگرد کے ماحول کا پوری طرح جائزہ لیتا جا رہا تھا۔

میں دل میں یہ فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ میرا انداز جارحانہ ہو گا۔ عاجزانہ نہیں ہو گا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا میرے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہے میں پڑے، میں اپنے جلالی طرز کلام سے اس کی ضعیف الاعتقادی پر بھرپور حملہ کر دوں گا۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ ہندو لوگ جلالی سادھوؤں سے بہت گھبراتے ہیں اور ان کے شراپ (بد دعا) سے تو ان کی جان نکلتی ہے۔ میرا صرف ڈاکٹری معائنہ ہی مجھے مسلمان ثابت کر سکتا تھا۔ مگر میں نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ وقت ہی نہیں آنے دوں گا۔ مجھے اس حقیقت کا بھی علم تھا کہ جنوبی ہند خاص طور پر تامل ناڈو میں وشنو بھگوان کے پجاریوں کی تعداد لاکھوں سے بھی تجاوز کرتی ہے اور وہاں سے لوگ وشنو بھگت، شیراں والی وشنو ماتا دیوی کے درشنوں کو اکثر جموں آتے رہتے ہیں۔

پہاڑی پگڈنڈی نے مجھے اس چھوٹی سی کچی سڑک پر پہنچا دیا جو چھوٹے قصبے کے بیچ میں سے

گزرتی تھی ۔ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی دیہاتی دکانیں تھیں ۔ میں آن بان سے گردن اٹھائے بازار میں سے گزر گیا۔ لوگوں نے میری طرف کوئی خاص توجہ نہ دی کیونکہ وشنو دیوی کے بھگت کشمیر میں اکثر پھرتے رہتے تھے ۔ آگے نگر پوری کا بڑا قصبہ تھا۔ یہ قصبہ کافی پھیلا ہوا تھا۔ پہاڑی ڈھلانوں پر اوپر نیچے کتنے ہی مکان بنے ہوئے تھے ۔ سیڑھیوں کی طرح کے بے شمار کھیت تھے جن میں چری اور مکئی کی فصل کھڑی تھی ۔ بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ دو مسجدوں کے گنبد اور ایک مندر کا کلس دھوپ میں چمک رہا تھا۔

حجام کی دکان کو دیکھ کر میں اندر داخل ہو گیا۔ ایک کشمیری مسلمان گاہک کی شیو بنا رہا تھا۔ اس نے مجھے ہندو سادھو سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے گاہک کی شیو بناتا رہا۔ دکان میں لگی مکہ اور مدینہ کی تصویروں کی دیکھ کر صاف پتہ چل گیا کہ یہ حجام مسلمان ہے ۔ میں نے بھی ماتا شیراں والی کا جے کارا بلانے کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ نرمی سے کہا۔ ”بابا! ہم گلمرگ کی پہاڑیوں میں پندرہ راتریوں کی تپسیا کر کے آ رہے ہیں ۔ ہمارا منہ سر مونڈ دو گے ؟“

کشمیری حجام نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں دیوار کے ساتھ لگی پرانی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں سری نگر کا ایک دو روز پہلے کا ایک اردو اخبار پڑا تھا۔ میں اسے اٹھا کر پڑھنے لگا۔ باہر کے صفحے پر ہی ایک تین کالمی خبر چھپی تھی جس میں لکھا تھا کہ چھاؤنی کے پل کو تباہ کرنے والے تخریب کاروں کی تلاش سرگرمی سے جاری ہے ۔ اس اخبار نے پاکستانی کمانڈو کی جگہ تخریب کار لکھا تھا۔ شاید یہ کسی مسلمان کشمیری کا اخبار تھا۔ گاہک شیو بنوا کر چلا گیا تو دکاندار نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں جان بوجھ کر اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی چپ تھا۔ میرا منہ سر مونڈنے کے بعد اس نے دو روپے طلب کیئے ۔ میں نے اسے پانچ روپے دے کر کہا۔ ” یہ لو بابا۔ وشنو بھگت تم سے خوش ہوئے ہیں “۔ مسلمان حجام نے تین روپے میری طرف پھینک کر کہا۔ ” مجھے صرف اپنی مزدوری چاہیئے“

میں دل میں بہت خوش ہوا کہ کشمیر کے بیٹوں کی خودداری اور ضمیر زندہ ہے ۔ میں نے مسکرا کر تین روپے اٹھا لیئے اور دکان سے نکل کر لاریوں کے اڈے کی طرف آ گیا۔ دور ہی سے لاریوں اور بسوں کے ہارن کی آوازیں مجھے اپنی طرف بلا رہی تھیں ۔

بازار میں اڈے کے پاس مجھے ایک ہندو کی دکان نظر آئی ۔ یہاں کپڑا، صابن تیل اور تھیلے وغیرہ بکتے تھے ۔ کچھ تھیلے باہر بھی لٹک رہے تھے ۔ میں ایک کپڑے کا تھیلا خریدنا چاہتا تھا۔ ہندو دکان دار کے ماتھے پر بھی چندرا یعنی وشنو دیوی کا تلک لگا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ہاتھ باندھ لیئے ۔

” پدھاریئے مہاراج ! کیا سیوا کروں آپ کی ؟“

میں نے اس پر ایک جلالی نظر ڈالی اور گھور کے پھولدار تھیلے کی طرف اشارہ کر کے رعب دار آواز میں کہا۔ ” اسے اتار دو لالہ ۔ وشنو ماتا کے لئے اس میں سیتا پھل لے جائیں گے “۔

ہندو ڈوگرے نے جھٹ تھیلا اتار کر مجھے پیش کر دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔ "کوئی اور حکم مہاراج؟"

تھیلا کاندھے سے لٹکا کر میں نے جے ماتا شیراں والی کا نعرہ لگایا اور آگے چل دیا۔ لاریوں کے اڈے پر زیادہ رش نہیں تھا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہونے کے باعث پہاڑوں پر آنے والے مسافروں کا سلسلہ رک گیا تھا اور جو گرمیوں میں آئے تھے وہ جا چکے تھے۔ ایک بس گلمرگ جانے کو تیار کھڑی تھی۔ میں نے ٹکٹ والے بابو سے پوچھا جموں توی کو بس کب جائے گی۔ اس نے ٹین کے ایک چھپر تلے کھڑی ایک پرانی بس کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں چھ سات مسافر پہلے ہی بیٹھے تھے۔

میں جموں شہر کا ایک ٹکٹ خریدنے لگا تو ٹکٹ بابو نے کہا۔ "مہاراج آپ ایسے ہی بیٹھ جائیں، آپ سے ٹکٹ لے کر کیا کریں گے؟"

میں بغیر ٹکٹ سفر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہنس کر کہا۔ "ماتا وشنوں کا بھگت ہوں۔ مجھے وشنو پیسے دے دیا کرتی ہے"۔

بس میں آکر بیٹھا تو کسی مسافر نے میری طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔ ماتا وشنو کے بھگت اس علاقے میں پھرا ہی کرتے تھے میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میری طرف کوئی توجہ نہ دے... بس کی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ہاتھ میں مالا کو پھیرتے ہوئے میں نے گہری نگاہ باہر ڈالی۔ لاری اڈے پر چائے کے ہوٹل کے باہر لکڑی کے بینچوں پر کچھ مسافر بیٹھے بھوجن کر رہے تھے اور ایک کشمیری زمین پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ دو پولیس کے سپاہی آہستہ آہستہ چلتے اڈے کے سامنے والی دکانوں کی طرف جا رہے تھے۔ میری آنکھیں کسی سی آئی ڈی والے کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہاں کوئی سی آئی ڈی والا نظر نہ آیا۔ بس میں کچھ اور مسافر سوار ہو گئے۔ ان میں دو چار ڈوگرہ عورتیں بھی تھیں۔ میں چپ چاپ بیٹھا مالا جاپ کر رہا تھا۔ سکھ ڈرائیور اپنی پگڑی ٹھیک کرتا اگلی سیٹ پر آکر بیٹھتا ہوا کلینر سے چلنے کا پوچھا۔ اتنے میں اچانک ایک طرف سے تین بھارتی ملٹری پولیس کے آدمی نکل آئے۔ میرے دل کی دھڑکن ذرا سی تیز ہوئی لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ان بھارتی فوجیوں میں دو سکھ اور ایک ڈوگرہ ہندو تھا۔ ڈوگرہ ہندو پیچھے کھڑا رہا اور دونوں سکھ فوجی بس میں آگئے اور ایک ایک مسافر سے پوچھ گچھ کرنے لگے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ میری باری آئی تو سکھ فوجی مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "مہاراج کدھر سے آئے ہو؟"

میں نے مالا والا ہاتھ اوپر اٹھا کا پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر شیوراتری کے ٹیلے پر تپسیا کر کے آ رہے ہیں بچہ اور توی میں آٹھویں گورو بادشاہ کے گردوارے جا کر اشنان کریں گے"۔

جموں میں میں نے اس گردوارے کا نام سن رکھا تھا۔ سکھ نے آٹھویں گورو بادشاہ کا نام سنا تو دوسرے مسافروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اس سکھ فوجی کو وہیں مارا تھا جہاں وہ مر سکتا تھا۔ اس

کے بعد اس نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ جب دونوں فوجی بس سے اتر گئے تو بس چل پڑی اور میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ جموں پہنچنے کے بعد مجھے ایک آدمی سے بہرحال بچ کر رہنا تھا اور وہ تھا سی آئی ڈی والا۔ وہ دبلا پتلا ہندو جس نے باغ جوگیاں والے تک میرا پیچھا کیا تھا اور شاید اسی نے آگے پاک کمانڈو پارٹی کی آمد کی مخبری بھی کی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اب میں اسے نظر آ گیا تو وہ مجھے گرفتار کروا دے گا۔ میرا حلیہ بھی وہی تھا جس حلیے میں جموں سے آگے اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہوا تھا اور اب اس خطرناک آدمی کو اگلی دنیا میں پہنچانے کے علاوہ دوسرا کوئی علاج میرے پاس نہ تھا۔

بس پہاڑی چڑھائی چڑھتے ہوئے سست رفتاری سے چل رہی تھی۔ بس نے ایک گھنٹے میں ایک بہت بڑے پہاڑ کا چکر کاٹا اور ایک جگہ رک گئی۔ یہاں مسافروں نے اتر کر چائے وغیرہ پی۔ جن کو چکر آ رہے تھے وہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئے اور کلینر بس میں ٹھنڈا پانی ڈالنے لگا لیکن میں بس میں ہی بیٹھا رہا۔

آدھ گھنٹے بعد بس دوبارا اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

رات کے آٹھ بجے ہماری بس جموں شہر میں داخل ہوئی۔ لاری اڈے پر کافی رونق تھی کیونکہ کچھ دیر بعد یہاں سے ایک بس پٹھان کوٹ کو جانے والی تھی اور مسافر جمع ہو رہے تھے۔

میرا ٹارگٹ باغ جوگیاں والا کا ایجنٹ سادھو ماتا داس تھا۔ جموں شہر کی سڑکوں سے تھوڑی بہت واقفیت ہو چکی تھی۔ لیکن اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے خدشہ تھا کہ میں کہیں بھٹک نہ جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایک سائیکل رکشہ لے لیا اور اسے باغ جوگیاں والے کی طرف چلنے کو کہا۔

باغ سے تھوڑی دور میں رکشے سے اتر گیا۔ جھونپڑی میں لیمپ کی دھیمی روشنی ماتا داس کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے جھونپڑی کے باہر کھڑے ہو کر " جے ماتا شیراں والی کی " کا بلند نعرہ لگایا تو جھونپڑی کے دروازے پر پڑا ٹاٹ ایک طرف سے اٹھ گیا۔ اور ماتا داس کمبل اوڑھے باہر نکل کر مجھے پہچانتے ہوئے بولا۔

" اندر آ جاؤ۔"

اندر داخل ہو کر ماتا داس مجھے لال لال آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دوبارہ بولا۔ " تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں ؟"

" میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

تمہارے مشن کی کامیابی کی مجھے رپورٹ مل گئی تھی۔ اب تم یہاں میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ تمہارے اس طرح کھلے بندوں بے مقصد آنے سے میرا مشن خطرے میں پڑ سکتا ہے "۔

" ہمارا ایک کمانڈو شہید ہو گیا اور کمانڈو نمبر ۹ دشمن کی قید میں یہاں ائرفورس کی تحویل میں ہے اور میں اسے یہاں سے نکال کر پاکستان کی سرحد پار کروانا چاہتا ہوں۔"

ماتاداس ایجنٹ نے کسی قدر ناراضگی سے کہا۔ "یہ تمہارے مشن میں شامل نہیں ہے"۔

میں نے فوراً کہا۔ "یہ میں رضاکارانہ طور پر کرنا چاہتا ہوں۔ کمانڈو نمبر ۹ ہمارا ساتھی اور پاک وطن کا سرفروش مجاہد ہے۔ دشمن اسے اذیتیں دے دے کر ہلاک کر ڈالے گا اور اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے"۔

ایجنٹ ماتاداس بولا۔ "تم اگر اسے اپنا فرض سمجھتے ہو تو اپنے طور پر اس کی مدد کرتے پھرو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں کسی خطرے میں پڑ کر اپنے مشن کو برباد نہیں کر سکتا"۔

میں چپ ہو گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہر ایجنٹ کے پاس ایک خاص مشن ہوتا ہے۔ اسے ایک خاص فرض سونپا جاتا ہے جس کو اسے ہر صورت میں بلکہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی نبھانا پڑتا ہے۔ وہ اس مشن سے ادھر ادھر بھی نہیں ہٹتا۔ کمانڈو جب بدقسمتی سے دشمن کی قید میں چلا جاتا ہے تو یہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے۔ دوسرا کمانڈو اسے بچانے کے لئے خاص طور پر دشمن کے علاقے میں اپنی جان اور اپنے مشن کے آپریشن کو خطرے میں نہیں ڈالا کرتا لیکن میں اپنے ساتھی کمانڈو کو بھارتی قید سے نکالنے کا عہد کر چکا تھا۔

میں نے ماتاداس سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اس ضمن میں تم سے کوئی مدد طلب نہیں کروں گا اور تمہیں اس میں ملوث بھی نہیں کروں گا لیکن تمہیں اس سلسلے میں میری مدد کرنی ہو گی"۔

"وہ کیا ہے؟" ماتاداس نے پوچھا۔

میں نے اسے بتایا۔ "میں اپنے طور پر جموں میں کسی دوسری جگہ جا کر رہنا شروع کر دوں گا لیکن جس سی آئی ڈی والے ہندو ڈوگرے نے پہلے بھی میرا پیچھا کیا تھا اس سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے پہچان لے گا اور مجھے گرفتار کرا دے گا۔ میں اس سی آئی ڈی والے سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔

ماناداس خاموشی سے کچھ سوچنے لگا... پھر بولا۔ "میں نے بھی اسے تمہارے پیچھے پیچھے یہاں آتے ایک بار دیکھا تھا۔ مجھ پر وہ اس لئے ہاتھ نہیں ڈال سکا کہ میں نے یہاں کے بڑے بڑے فوجی افسروں کی ضعیف العقیدہ ہندو عورتوں کو اپنے دام میں پھنسا رکھا ہے"۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اب اگر وہ یہاں آئے تو تم اسے ختم کر دو"۔

ماناداس ایجنٹ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ میرے مشن میں شامل نہیں۔ یہ کام تمہیں خود کرنا پڑے گا اور پھر وہ بھی یہاں سے کہیں دور جا کر۔ ہاں تم یہاں رہ کر اس کا انتظار کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ دو ایک روز میں ادھر کا چکر لگائے۔ کبھی کبھی وہ میرے ڈیرے پر ماتھا ٹیکنے آ جاتا ہے۔ شاید جموں سی آئی ڈی نے اسے میری نگرانی پر لگا رکھا ہے"۔

یہ تجویز مجھے پسند آ گئی۔ ماناداس بولا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ تم دن بھر میرے جھونپڑے کے اندر ہی رہو گے۔ صرف رات کے اندھیرے میں ایک بار باہر نکل سکو گے"۔

"میں تو قید ہو کر رہ جاؤں گا"

اس پر ماناداس نے جھنجلا کر کہا۔ "کمانڈو ہو گے تو ہوا کرو۔ میں بھی اپنے وطن پاک کے ایک اہم مشن پر عرصہ پانچ برس سے یہاں دھونی رمائے بیٹھا ہوں۔ میں تمہاری خاطر اپنے وطن کے مفادات کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا اگر تمہیں میری شرط منظور نہیں ہے تو یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی میرے جھونپڑے کا رخ نہ کرنا"۔

میں سمجھ گیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مجھے اپنا رضاکارانہ مشن بھی عزیز تھا۔ میں اپنے کمانڈو ساتھی کی ہر حالت میں مدد کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی شرط منظور کر لی۔ رات میں نے وہیں جھونپڑے میں بسر کی۔ دن کو بھی وہیں پڑا رہا۔ یہ تو میرے قید کا دن تھا۔ ماناداس خود جھونپڑے کے سامنے آسن جما کر بیٹھ گیا۔ کسی کو جھونپڑے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اپنے چیلے کو اس نے جنگل میں کوئی خاص قسم کی جڑی بوٹی لانے کو بھیج دیا تھا۔ دن گزر گیا۔ رات ہوئی تو اس نے جھونپڑے

میں آ کر مجھے بتایا کہ سی آئی ڈی والا نہیں آیا تھا۔ میں نے مایوس ہو کر سر جھکا لیا۔ اندھیرے میں تھوڑی دیر کو ٹہلنے میں جھونپڑے سے نکل کر باغ کے درختوں میں گیا اور پھر واپس جھونپڑے میں آ گیا۔

تیسرے روز مجھے دوپہر کے وقت باہر سادھو ماتا داس کی کسی سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

" مورکھ۔ جاؤ شام کو ٹھ آ کر ہم سے منگل سوتر لے جانا۔ نوکری میں تجھے ترقی مل جائے گی "۔

سورج غروب ہوا تو ماتا داس نے مجھے جھونپڑے میں آ کر بتایا۔ " ہوشیار ہو جاؤ۔ سی آئی ڈی والا شام کو آنے والا ہے۔ وہ مجھ سے منگل سوتر بنوانا چاہتا ہے۔ اس کی نوکری کا کوئی چکر ہے۔ وہ منگلیک ہے اس لئے منگل سوتر کے پیچھے پڑا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ جائے گا۔ تم باہر آ کر ایک طرف ہٹ کر بیٹھ جاؤ۔ جب وہ آئے تو اٹھ کر چلے جانا۔ وہ لازماً تمہارے پیچھے جائے گا۔ باغ کے پیچھے گندے نالے کے نشیب کے پاس ایک اندھا ویران کنواں ہے۔ آگے تم سمجھ گئے ہو گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ خبردار لاش باغ میں یا گندے نالے میں مت پھینکنا۔ نہیں تو مجھ پر مصیبت نازل ہو جائے گی۔ اب باہر آ جاؤ "۔

میں بڑا خوش ہوا اور جھونپڑے سے نکل کر اس رخ سے آلتی پالتی مار کر بیٹھا کہ باغ کا گیٹ مجھے صاف دکھائی دے۔ دن کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ سورج نے کشمیر کی پہاڑیوں کے پیچھے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ شام کا اندھیرا اپنے پر پھیلا رہا تھا... سادھو ماتا داس مجھ سے چار قدم کے فاصلے پر جھونپڑی کے بالکل سامنے آسن جمائے بیٹھا تھا۔ اس کا کرمنڈل قریب ہی پڑا تھا۔

باغ کے گیٹ میں ایک دبلا پتلا آدمی داخل ہوا۔ وہ جھونپڑے کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے اسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ وہی ڈوگرہ ہندو سی آئی ڈی تھا۔ ابھی اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔ میں نے اپنا چہرہ سیدھا کر لیا۔ اس کے ہاتھوں میں جو اور گیندے کے پھول تھے۔ قریب پہنچ کر جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

اب اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ کشمیر کے پل کی تباہی کا یقیناً اسے بھی علم تھا اور میں اس کا سب سے بڑا شکار تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا میں اٹھا اور سادھو ماتا داس کے چرن چھو کر کہا۔

" میں جاتا ہوں مہاراج۔ میری ارداس بھولیئے گا نہیں "۔

یہ کہہ کر میں باغ کے عقب میں واقع اندھے کنویں کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سی آئی ڈی والا میرا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ سردی اور شام کا اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے باغ میں ویرانی سی چھا رہی تھی۔ کہیں کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں گندے نالے کی طرف سے ہو کر اندھے کنویں کے پیچھے آ گیا اور کنویں کی منڈیر کے پاس اگی ہوئی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں سی آئی ڈی والا بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ بڑی بے چینی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے

مجھے تلاش کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مزید آگے آجائے اور پھر حسب خواہش اس سی آئی ڈی والے نے چند قدم اٹھائے اور جھک کر اندھے کنویں میں دیکھنے لگا۔۔

میں جھاڑیوں میں سے نکل کر اس کی طرف لپکا۔ مجھے حملہ آور ہوتے دیکھتے ہی وہ سنبھل کر پیچھے ہٹا اور جیب سے سیٹی نکال کر زور سے بجا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ قابو میں تھا اور ایک سیکنڈ کے بعد اس کی گردن لٹک رہی تھی۔ میں نے اس کی لاش کو اندھے کنویں میں پھینک دیا اور خود باغ کے عقبی گیٹ کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔

سیٹی کی آواز پر اس نے اپنے دو ساتھی پولیس والوں کو بلایا تھا۔ جو باغ میں آس پاس ہی منڈلاتے رہا کرتے تھے۔

میں نے پولیس والوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنی چال آہستہ کر لی۔ پولیس والے میرے قریب سے گزر گئے۔ میں عقبی گیٹ میں سے نکل کر باہر سڑک پر آگیا اور بڑے سکون سے فٹ پاتھ پر پیدل چلنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ آگے کچھ دور جانے کے بعد بائیں جانب نشیب میں ایک مندر آتا ہے مگر میں وہاں نہیں جانا چاہتا تھا' چاہتا تھا کہ جموں چھاؤنی کے کسی مندر میں جا کر اپنا ٹھکانہ نہ بناؤں کیونکہ چھاؤنی میں ہی انڈین ائرفورس کا فوجی ائرپورٹ اور ان کے دفاتر تھے اور اسی ائرپورٹ کے علاقے میں کسی جگہ میرے ساتھی کمانڈو نمبر ۹ کو قید میں رکھا گیا تھا۔

اب میں بے فکر اور بے خطر تھا۔ جو شخص میرے مشن کو تہس نہس کر سکتا تھا اور مجھے گرفتار کروا کر ہمیشہ کے لئے بھارتی عقوبت خانوں کی اذیتوں کے حوالے کر سکتا تھا اس سے میں نے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ انڈین ائرفورس کا ہوائی اڈہ کس طرف ہے۔ یہ خطرہ میں مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ کسی سائیکل رکشے میں بیٹھوں اور اسے کہوں کہ ائرفورس ہیڈ کوائریا ائرفورس کے ائرپورٹ کی طرف چلو۔

مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ بازاروں میں روشنیاں ہو گئی تھیں۔ اسی بازار میں آگے جا کر مجھے ایک ڈھابہ دکھائی دیا۔ ڈھابہ وہ ہوٹل ہوتا ہے جہاں صرف سبزی خور ہی کھانا کھاتے ہیں۔

میں جے ماتا وشنو کا نعرہ لگاتا ڈھابے میں داخل ہو کر ایک خالی بینچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ ڈھابے کے مالک نے میری آمد پر پسندیدگی کا کوئی اظہار نہ کیا۔ اسے معلوم تھا کہ مجھے مفت میں کھانا کھلانا پڑے گا لیکن میں نے بینچ پر بیٹھے بیٹھے جلالی آواز میں کہا۔ "مہاشہ جی! ہم تامل ناڈو کے وشنو بھگت ہیں۔ بھوجن کریں گے اور بھوجن کے دام بھی ادا کریں گے"۔

ڈھابے کا مالک یقیناً اندر سے بہت خوش ہوا ہو گا۔ وہیں گدی پر ہی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! ہم تو بھگتوں کے سیوک ہیں"۔

میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور بظاہر مالا کا جاپ کرتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب مجھے کس

طرف کا رخ کرنا چاہیئے۔ رات میں کسی ہوٹل میں نہیں بسر کرنا چاہتا تھا اور اب میرے لئے کسی مندر کے اور کوئی مناسب جگہ نہیں تھی۔ میں ڈھابے کے مالک سے بھی کسی مندر کے بارے میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا کیونکہ یہ خواہ مخواہ اسے گواہ بنانے والی بات تھی۔

میں نے کھانے کے پیسے ادا کیئے اور بازار میں آگیا۔

میں یونہی ایک طرف منہ اٹھا کر چلنے لگا۔ سوچا کہیں نہ کہیں جو کوئی مندر مل جائے گا اسی پر ڈیرا جما لوں گا۔ آگے جا کر مجھے کچھ فاصلے پر ایک درخت میں جھنڈا لگا ہوا دکھائی دیا جس کے اوپر بجلی کا بلب جل رہا تھا اور یہ جھنڈا ماتا وشنو دیوی کا تھا۔

قریب پہنچ کر دیکھا تو یہ کافی بڑا مندر تھا۔ مندر سے بھجن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گھنگرو، چمٹا اور ڈھولک بج رہی تھی۔ میں نے بازو بلند کر کے "جے ماتا کی" کا نعرہ لگایا اور مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر کی اندرونی دیوار میں شیراں والی ماتا کی مورتی ابھری ہوئی تھی اور سامنے ایک ٹولی بیٹھی بھجن گا رہی تھی۔

میں ماتا کی مورتی کو پرنام کرتے ہوئے چبوترے کے ایک ستون کے پیچھے بیٹھ گیا۔ پجاری مرد اور عورتیں مندر میں آ جا رہی تھیں۔ بھجن کی ٹولی خوب زور لگا کر بھجن گا رہی تھی۔ میں نے اپنے لئے کمبل نہیں خریدا تھا۔ مجھے سردی لگ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چبوترے کے بائیں جانب ایک درخت کے نیچے ایک سادھی پر چھوٹی سی بارہ دری بنی تھی۔ میں اٹھ کر اس سادھی کے پاس گیا۔ سادھی کے پاس ہی مٹی سے لپا ہوا ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ میں نے ادھر ادھر سے خشک پتے اور گری پڑی سوکھی لکڑیاں جمع کیں اور اس کا الاؤ جلا کر بیٹھ گیا۔ آگ نے میرے جسم کو گرمی پہنچائی تو میں نے جے ماتا شیراں والی کا نعرہ لگایا اور آسن جما لیا لیکن میں نے آنکھیں کھول رکھی تھیں۔

الاؤ جلتا دیکھ کر مندر سے نکلنے والی ایک عورت میری طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں کانسی کی تھالی تھی۔ جس میں پھول اور پھل تھے۔ اس نے میرے سامنے بیٹھ کر ماتھا ٹیکا اور میرے چرنوں میں کچھ پھل رکھ کر ہاتھ باندھ کر نمسکار کیا اور واپس چلی گئی۔ اب ایسا ہوا کہ جو کوئی مندر سے نکلتا میری طرف آتا۔ ماتھا ٹیکتا۔ کوئی چرن چھوتا۔ میں ہاتھ اٹھا کر انہیں آشیرواد دیتا اور وہ میرے چرنوں میں پھل پھول رکھ کر چلا جاتا۔ تھوڑی دیر میں میرے آگے کافی پھل، پھول جمع ہو گئے۔ ایک پجاری کہیں سے لکڑی کا بہت بڑا کندہ اٹھا لایا اور اسے الاؤ میں رکھ دیا۔

اب مجھے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں کبھی کبھی بلند آواز میں سنسکرت کے اشلوک پڑھنے لگتا تھا جس کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہو رہا تھا۔ کچھ شردھالو میرے الاؤ کے پاس ہی جم کر بیٹھ گئے تھے۔ رات آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی میرے عقیدت مندوں کو جب زیادہ سردی لگی تو وہ مجھے پرنام کر کے ایک ایک کر کے چلے گئے۔ مندر سے بھی اب بھجن کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اکا دکا

پجاری مندر میں داخل ہو کر ماتھا ٹیکتا اور واپس چلا جاتا۔ کچھ دیر بعد ان کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ مندر پر گہری خاموشی چھا گئی۔ صرف سڑک پر سے ٹریفک کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا الاؤ جل رہا تھا۔ میں الاؤ کے پاس رات نہیں بسر کرنا چاہتا تھا۔ مندر سے ملحق کوٹھریاں موجود تھیں۔ مندر کے مہنت کی اجازت اور اس کی مرضی سے میں کسی ایک کوٹھری میں ڈیرا جما سکتا تھا۔ میں مہنت کی طرف جانے ہی والا تھا کہ وہ مجھے مندر سے نکل کر چبوترے کے پاس آتا دکھائی دیا۔ وہ بھی میرے الاؤ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو اس کے چیلوں نے اطلاع دی تھی کہ ایک بھگت باہر الاؤ جلا کر بیٹھا ہے اور لوگوں سے پھل، پھول اور شردھا وصول کر رہا ہے۔ یہ ایسی ہی بات تھی کہ جس طرح کوئی کراچی کی الفنسٹن اسٹریٹ میں کسی کپڑے کی دکان کے باہر اپنی کپڑے کی دکان لگا لے۔

وہ چبوترے کی سیڑھیاں اتر کر میری طرف آیا۔ وہ دھوتی کرتے میں تھا۔ کاندھوں پر کمبل پڑا تھا۔ الاؤ کی روشنی میں اس کے ماتھے کے چندرا تلک کی لکیریں چمک رہی تھیں اور پیٹ کا گنبد باہر کو نکلا ہوا تھا۔ میں اس سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن دب کر تعلقات پیدا کرنے میں بھی بہتری نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ مہنت کچھ کہے میں نے بازو اٹھا کر ماتا شیرا والی کا جے کارہ لگایا اور اکٹھے سنسکرت کے تین چار اشلوک پڑھ ڈالے اور کہا۔ "مہاراج ہم تامل ناڈو کے وشنو بھگت ہیں۔ اوپر کٹڑہ میں ماتا کے درشنوں کو آئے تھے۔ اب شہر کے ہر وشنو مندر میں ماتا کے چرنوں میں بیٹھ کر مہینہ، مہینہ بھر بھگتی کریں گے"۔

مہنت کو میرا یہ پروگرام بھلا کیوں پسند آنے لگا تھا جب کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ میرے آگے پھلوں اور پھولوں کا ڈھیر لگا ہے۔ ظاہر ہے میں نے نقدی بھی وصول کی ہو گی۔ حالانکہ ابھی تک کسی پجاری نے کوئی پیسہ نہیں چڑھایا تھا۔

مہنت ناک چڑھا کر بولا۔ "مہاراج شوق سے بھگتی کریں ماتا کی پرنتو اس کے لئے بڑے مندر کے پروہت سے اجازت لینی ہو گی"۔

میں جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور مجھ سے سودا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔ "مہاراج! ہم وشنو ماتا کے بھگت ہیں۔ ہمیں سنسار کے موہ مایا سے کوئی غرض نہیں۔ یہ پچاس روپیہ اور پھل پھول ہمیں شردھالو ارپن کر گئے ہیں۔ یہ آپ رکھ لیں۔ آگے سے بھی جو پھل پھول اور نقدی ہمیں وصول ہو گی ہم آپ کی جھولی میں ڈال دیا کریں گے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس پر آپ کا ادھیکار ہے"۔

مہنت پچاس روپے کا نوٹ لے کر بے حد خوش ہوا اور میرے پاس بیٹھ کر ہاتھ جوڑتا ہوا بولا۔ "مہاراج آپ تو بڑی کرنی والے بھگت لگتے ہیں کہ شردھالو آپ کو اتنا کچھ دے گئے۔ آپ جتنے روز جی چاہے یہاں ماتا جی کی بھگتی کریں۔ میں بڑے پروہت سے خود ہی نمٹ لوں گا۔ آپ نسچنت

رہیں "۔

پچاس روپے کا نوٹ اس لالچی مہنت کو سیدھی راہ پر لے آیا تھا۔ اس نے مجھے ایک چھوٹی سی کوٹھری بھی الاٹ کرنے کے ساتھ دو کمبل بھی لا کر دے دیئے مجھے اور کیا چاہیے تھا رات گیارہ بجے کے بعد کوٹھری میں آ کر لیٹ گیا۔

صبح منہ اندھیرے مندر میں بھجن کیرتن کی تیز آوازوں نے جگا دیا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور سادھی کے چبوترے کے آگے الاؤ روشن کر دیا۔ مہنت نے اپنے چیلے کے ہاتھ میرے لئے چائے کا گلاس اور بند مکھن بھیج دیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں الاؤ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ صبح صبح کافی لوگ پوجا پاٹ کرنے آئے۔ جو کوئی آتا مجھے بھی ماتھا ٹیک کر پھل' پھول اور پیسے ارپن کرتا۔ میں نے دیکھا کہ مندر میں آنے والوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔

مجھے ان عورتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ویسے بھی یہ عورتیں نچلے طبقے کی عورتیں لگتی تھیں۔ میرا اصل ٹارگٹ انڈین ائر فورس کا علاقہ تھا جہاں ونگ کمانڈر بھٹناگر رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہو لیکن ابھی تک میں نے کسی سے نہیں پوچھا تھا کہ ائر فورس کا اڈہ اور ان کے عملے کا رہائشی علاقہ کس طرف ہے۔ دوسرے روز رات کو مہنت میرے پاس آیا تو میں نے پھل' پھول اور ریزگاری کی شکل میں وصول کیا ہوا سارا نذرانہ اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں نے مہنت سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ہر بار حرف مطلب زبان پر آتے آتے رہ جاتا۔ دل نہیں مانتا تھا کہ اس مہنت سے انڈین ائر فورس بیس کے بارے میں پوچھوں۔ آخر میں نے یہی طے کیا کہ صبح شہر کی گشت پر نکلوں گا اور ائر فورس کے رہائشی علاقے کے بارے میں خود ہی سراغ لگانے کی کوشش کروں گا۔

دوسرے روز میں نے مہنت سے کرمنڈل لیا اور اسے کہا کہ یہ ہمارے بھگتوں کی ریت ہے کہ ہفتے میں دو بار وشنو ماتا کی دکھشنا لینے لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہیں۔ مہنت نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

" جیسی مہاراج کی اچھیا۔"

میں نے بھیک مانگنے والا کرمنڈل ہاتھ میں لیا اور شہر کے بازاروں کی طرف چل پڑا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بازاروں میں لوگ اپنے اپنے کام پر آ جا رہے تھے۔ ٹریفک کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ میں گنجان بازاروں سے نکل کر نسبتاً کھلی آبادی میں آیا تو ایک سائیکل رکشے والے کو روک کر کہا۔ " بچہ ہمارا ایک شردھالو ہوائی جہاز چلانے والی فوج میں ہے۔ کہتا تھا کہ جہاں فوج کے جہاز اترتے ہیں وہاں میرا گھر ہے پرنتو' ہم کو مالوم نہیں۔ کیا تم ہمیں وہاں لے جاؤ گے بچہ؟ ہم تمہیں دو روپے دیں گے کرایہ۔ ہم وشنو ماتا کے بھگت ہیں مفت سواری نہیں کرتے "۔

سائیکل رکشا والا ہاتھ باندھ کر بولا " مہاراج! میں تو سیوک ہوں۔ چلیئے آپ کو ائر فورس

کالونی لے چلتا ہوں ۔ آپ کا داس وہیں رہتا ہو گا "۔

میں نے مزید تسلی کی خاطر سوال کیا۔ " پرنتو فوج والوں کے جہاز وہیں اترتے ہیں ناں ؟"

" ہاں مہاراج وہ ائر فورس والوں کا اڈہ ہے ۔ ان کے بنگلے بھی وہیں ہیں ۔"

" چل بچہ ! بھگوان تیری رکھشا کرے گا۔"

سائیکل رکشا مجھے لے کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ بہت جلد وہ شہر کی آبادی سے نکل کر پہاڑیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ایک میدانی علاقے کی طرف چل پڑا۔ یہ ایک کشادہ پکی سڑک تھی۔ راستے میں ہمیں ائر فورس کی گاڑیاں آتی جاتی ملیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں اپنے ٹارگٹ کی طرف ہی جا رہا ہوں ۔ یہ سڑک غالبا ائر فورس کے ہوائی اڈے کی طرف جا رہی تھی کیونکہ آگے مجھے اونچے اونچے وائرلیس کے کھمبوں پر پھیلا ہوا تاروں کا جال نظر آنے لگا تھا۔ اس پکی سڑک پر کوئی دو تین فرلانگ چلنے کے بعد بائیں جانب چھوٹے چھوٹے خوشنما مگر ایک جیسے بنگلوں کی قطاریں دکھائی دیں ۔ سائیکل رکشا ان بنگلوں کی طرف مڑ گیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہی ائر فورس کالونی ہے اور ہوائی فوج کے افسران بنگلوں میں ہی رہتے ہیں ۔

" ہری اوم ! بچہ یہاں رک جا۔ ہم اپنے داس کے گھر تک پیدل جائیں گے "۔ میں نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر رکشے والے کو دے دیا۔ وہ بہت مسرور ہوا اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتا واپس چلا گیا۔

میں نے بنگلوں کی قطار کو غور سے دیکھا ۔ ان میں کہیں کہیں سفیدے کے درخت سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے ۔ میں نے کرمنڈل والا ہاتھ بھیک لینے کے انداز میں اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی مالا کے منکوں کو پھیرتے ہوئے ائر فورس کے بنگلوں کی طرف چل پڑا۔ یہ چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے اور ہر بنگلے کے سامنے چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ گیٹ پر بنگلے میں رہنے والے کا نام اور رینک لکھا تھا۔ بنگلے آمنے سامنے بنے تھے ۔ بیچ میں چھوٹی سی سڑک تھی ۔ میں نے ایک سادھو کی طرح یہاں گھوم پھر کر جے ماتا وشنو کی آوازیں لگانی شروع کر دیں ۔ کچھ بنگلوں میں سے بوڑھی یا ادھیڑ عمر عورتوں نے نکل کر میرے کرمنڈل میں سوکھے چاول اور پیسے ڈالے ۔ میں نے ایک ایک بنگلے کی نیم پلیٹ پڑھ لی ۔ یہ نیم پلیٹیں ہندی میں بھی لکھی تھی اور انگریزی میں بھی ۔ ان میں کہیں کسی ونگ کمانڈر بھٹناگر کے نام کی تختی نہیں تھی ۔ مجھے سخت مایوسی ہوئی ۔

میں اس بلاک سے نکل آیا۔ ذرا فاصلے پر ایک پارک تھا جہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے ۔ اس پارک کے عقب میں بھی ایک اسی قسم کے بنگلوں والی کالونی نظر آ رہی تھی ۔ میں اس کالونی میں آ گیا۔ بنگلوں کی قطاروں کے بیچ والی سڑک پکی تھی ۔ یہاں سے گزرتے ہوئے میں کن انکھیوں سے نام کی تختیاں پڑھتا جا رہا تھا۔ یہ سب انڈین ائر فورس کے آفیسروں کے بنگلے تھے ۔ قطار کے آخر میں ایک

بنگلے کی تختی پڑھ کر میں رک گیا۔ اس تختی پر ونگ کمانڈر کے۔ کے بھٹناگر لکھا تھا۔

میں وہاں سے مڑ گیا۔ واپس تین بنگلے چھوڑ کر ایک بنگلے کے باہر جے ماتا وشنو دیوی کا جے کارہ بلایا۔ ہمارے ہاں تو اگر کوئی فقیر آتا ہے تو ہم اسے معاف کرو بابا کہہ کر آگے کا راستہ دکھا دیتے ہیں مگر ہندو لوگ ایسا نہیں کرتے۔ ان کے دروازے پر کوئی سادھو سنت آجائے تو وہ اسے کچھ نہ کچھ دان ضرور کرتے ہیں۔ سادھو سنت کو خالی ہاتھ رخصت کرنا ان کے ہاں بہت بڑی بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔ جس بنگلے کے باہر کھڑے ہو کر میں نے وشنو ماتا کی آواز لگائی تھی، وہ کسی اسکواڈرن لیڈر دیا شنکر کا بنگلہ تھا۔ اس وقت دن کے نو بج رہے تھے۔ سب مرد اپنی اپنی ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں صرف عورتیں ہی تھیں۔ میری آواز پر ایک درمیانی عمر کی ہندو عورت ساڑھی سنبھالتی ہاتھ میں چاولوں سے بھرا کٹورا لئے باہر آئی۔ اس کے ماتھے پر سرخ بندیا لگی تھی۔ میں گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔

بے چاری نے بڑی عقیدت کے ساتھ میرے کرمنڈل میں سوکھے چاول ڈالے۔ فوجی افسروں کو کیا پرابلم ہو سکتے تھے؟ اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ عہدے میں ترقی ان لوگوں کا ایک مشترکہ مسئلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہندو عورت کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر کہا۔

"بیٹی تیرے پتی نے جو ترقی کی عرضی دی ہے جلد منظور ہو گی چنتا نہ کرو۔"

اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ ہندو عورت نے جھک کر میرے چرن چھو لیئے۔ "مہاراج آپ انتریامی ہیں۔ میرے پتی نے کل ہی ترقی کی عرضی دی ہے۔ وشنو ماتا کے مندر میں چھتر چڑھاؤں گی مہاراج۔ میرے لئے پرارتھنا کریں۔ میں آپ کی بڑی سیوا کروں گی"۔

میں نے سنسکرت کا ایک اشلوک پڑھ کر کہا۔ "چنتا نہ کرو... بھگوان تیری سہائیتا کریں گے۔ تیرے پتی کا کام ہو جائے گا"۔

ہندو عورت پڑھی لکھی لگ رہی تھی لیکن وہ تو میرے قدموں میں بچھی جاتی تھی۔ مجھے اندر لے جانے پر اصرار کرنے لگی۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ میرا مقصد اس کو باہر بلوانے سے کچھ اور تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے خاص مقصد کے تحت تیر چلایا۔ "بچہ لگتا ہے یہ جو آگے بھٹناگر صاحب رہتے ہیں، ان کی پتنی کے سارے دلدر دور ہو گئے ہیں۔ سارے کشٹ کٹ گئے ہیں۔ جب ہی اس نے ہمیں دکھشنا نہیں دی"۔

ہندو عورت سہم سی گئی۔ "مہاراج! کیا ساوتری نے دکھشنا نہیں دی آپ کو؟ اس بے چاری نے آپ کی آواز نہیں سنی ہو گی۔ مہاراج وہ بے چاری تو بڑے کشٹ بھوگ رہی ہے۔ اس کے پیٹ میں رسولی ہے۔ دو آپریشن کرا چکی ہے۔ جوان بیٹا تین سال سے ولایت میں ہے۔ کوئی خط نہیں آیا اس کا۔ وہ تو اپنے دوار سے کسی بھگت کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتی"۔

اس بھولی بھالی ہندو عورت نے مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ میں نے جے کارا لگا کر کہا۔ "وشنو

دیوی تجھے سرل رکھے پتری پھر درشن دیں گے "۔
وہ بے چاری میرے چرن چھوتی رہ گئی اور میں آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور جا کر واپس پلٹا اور کے۔ کے بھٹناگر کے بنگلے کے آگے جا کر آواز لگائی۔ " جے ہو ماتا شیراں والی کی جے ہو۔ بچہ ماتا کے بھگتوں کو دکھشنا دو "۔

مجھے یقین تھا کہ یہی اس ونگ کمانڈر بھٹناگر کا بنگلہ ہے جس کی تحویل میں میرا ساتھی ہے۔ کیونکہ اس ساری کالونی میں مجھے دوسرے کسی ونگ کمانڈر بھٹناگر کے نام کی نیم پلیٹ نظر نہیں آئی تھی۔

بنگلے کے برآمدے میں ایک دبلی پتلی نازک اندام فیشن زدہ گوری سی قیمتی ساڑھی میں ملبوس ہندو عورت نمودار ہوئی۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان ہو گی۔ پلاسٹک کے چھوٹے سے ٹرے میں وہ میرے لئے سرخ سیب لائی تھی۔ سیب میرے کرمنڈل میں ڈال کر وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔
" مہاراج! بھوجن لاؤں ؟"

میں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ " دیوی! تو بڑے کشٹ بھوگ رہی ہے "۔
وہ سہمی ہوئی پلکیں جھپکا کر میری طرف تکنے لگی۔ میں نے کرمنڈل میں سے سب سے چھوٹا سیب اٹھاتے ہوئے اس کی طرف کیا اور کہا۔

" اتنی بڑی رسولی دیکھ رہے ہیں ہم تیرے پیٹ میں۔ دوبار نکل چکی ہے پھر پیدا ہو رہی ہے۔ پرنتو تو نراش نہ ہو۔ تیری رسولی بھی بھسم ہو جائے گی اور تیرے پتر کا ساگر پار سے خط بھی آ جائے گا۔
وہ اپنے متعلق اتنی ساری باتیں سن کر میرے قدموں پر گر پڑی اور آنسو اس کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔

" آپ بھگوان کے اوتار ہیں مہاراج۔ آپ دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ مجھ دکھیاری پر کرپا کریں۔ "

میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔ " ساوتری! تو پریشان کیوں ہوتی ہے۔ ہم تمہاری سہائیتا کریں گے۔ ہم وشنو ماتا کے بھگت ہیں۔ وشنو ماتا ہماری ارداس کبھی نہیں رد کرے گی "۔

وہ مجھے بنگلے میں لے جانے پر شدید اصرار کر رہی تھی۔ میں اس کے شوق کو مزید بھڑکانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔ " دیوی! اس وقت ہم تیرے نواس میں نہیں جائیں گے۔ پر ہم شام کو ضرور آئیں گے اور تیرے لئے وشنو ماتا کے بھجن کا کیرتن کریں گے "۔ یہ کہہ کر میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

اس علاقے سے باہر نکلتے ہی میں نے رکشا پکڑا اور واپس اپنے مندر کی کوٹھری میں آ گیا۔ دوپہر

کو بھوجن کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور شام ہوتے ہی میں ونگ کمانڈر ' کے کے بھٹناگر کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ائرفورس کالونی سے کچھ ہی فاصلے پر میں نے رکشا چھوڑ دیا۔ سورج مغربی پہاڑیوں کی طرف کافی جھک گیا تھا اور کالونی کے بنگلوں پر پھیلی دھوپ کا رنگ سنہری ہو رہا تھا۔

میں نے ونگ کمانڈر کے کے بھٹناگر کے بنگلے کے باہر کھڑے کھڑے ... ماتا شیراں والی کا جے کارا بلایا تو اندر سے مسز بھٹناگر ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کے ساتھ اس کی جوان بیٹی بھی تھی' جس نے جینز پہن رکھی تھی اور سر کے بال کٹے ہوئے تھے۔ جسم پر نیلے رنگ کی ہلکی سی جرسی تھی۔ وہ مجھے اندر ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ مسز بھٹناگر کی جوان بیٹی کا نام بندھنی تھا۔ وہ میری طرف کچھ زیادہ ملتفت نہیں تھی۔ ماڈرن خیالات کی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اس قسم کے توہمات پر شاید یقین نہیں رکھتی تھی۔

ڈرائنگ روم چھوٹا سا تھا مگر سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ مجھے بڑے احترام سے صوفے پر بٹھایا گیا۔ میں خاموشی سے مالا پھیرنے لگا۔ ساوتری میرے قدموں کے پاس قالین پر بیٹھ گئی۔ اس کی بیٹی بندھنی سامنے والے صوفے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ مسز بھٹناگر یعنی ساوتری نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"منڈو سے کہو بھگت جی کے لئے مٹھائی لائے"۔

بندھنی نے ذرا سا ناک چڑھایا اور پردہ اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اتنے میں دوسرے دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک چالیس پینتالیس سال کا تیز ذہین نسواری آنکھوں والا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے کانگریسی کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پر تلک تھا۔ کاندھے پر کشمیری شال تھی۔ رنگ سانولا اور شانے چوڑے تھے۔ سر گنجا اور کنپٹیوں پر موجود بالوں میں سفیدی آ رہی تھی۔ ساوتری اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "بھٹناگر جی! یہی وہ بھگت ہیں جن کے بارے میں' میں نے آپ کو بتایا تھا"۔

یہ ونگ کمانڈر بھٹناگر تھا۔ اگرچہ وہ مذہبی آدمی تھا۔ یہ بات اس کے تلک سے ظاہر تھی اور وشنو ماتا کا داس بھی تھا مگر آخر انگریزی تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ ونگ کمانڈر تھا۔ اس نے کچھ زیادہ عقیدت کا اظہار نہ کیا۔ بس یونہی سرسری طور پر ہاتھ کے اشارے سے اس کے نمسکار کا جواب دیا اور بولا "بیٹے! تمہارے گھر پر منگل اور سنیچر کا اثر ہو گیا ہے۔ شنی کا سایہ گہرا ہے۔ ہم تپسیا کریں گے۔ تیرے گھر سے شنی اور منگل کا سایہ دور ہو جائے گا اور تیرے پرشوتم کا ساگر پار سے بھی خط آ جائے گا"۔

اپنے بیٹے کا سن کر بھٹناگر سنجیدہ ہو گیا۔ آخر باپ تھا ایک جوان بیٹے کا۔ کہنے لگا۔ "مہاراج تو جا میں شنی منگل کو تو نہیں مانتا۔ پر آپ بھلے لوگ ہیں۔ بھگت ہیں۔ بھگوان سے ہمارے لئے پرا۔ کریں"۔
۔ میں

میں نے دیکھا کہ اس کی بیوی ساوتری اشاروں سے اسے منع کر رہی تھی کہ وہ زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالے جس سے میری دل آزاری ہو۔ نوکر مٹھائی کا تھال لے کر آ گیا۔ ساوتری نے خ

کر مٹھائی میرے آگے رکھی۔ میں نے برفی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر ساوتری کے خاوند ونگ کمانڈر بھٹناگر کی طرف بڑھایا۔ "بچہ اسے کھا جا۔ بھگوان بھلا کرے گا"۔

وہ کچھ ہچکچایا مگر اپنی بیوی کے اشارے پر برفی لے کر کھانے لگا۔ دوسرا ٹکڑا میں نے اس کی بیٹی بندھنی کو دیا۔ اس نے دور ہی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "نہیں نہیں مہاراج دھنواد۔ میں میٹھا نہیں کھاتی"

ساوتری نے اسے بھی ڈانٹا تو اس نے بھی برفی کا ٹکڑا لے لیا مگر کھایا نہیں۔ اسے لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی، جہاں جا کر ظاہر ہے اس نے پھینک دیا ہو گا۔

ونگ کمانڈر بھٹناگر بھی کچھ بیزار سا ہو کر اٹھا اور بولا... "ساوتری! میں ذرا سیر کرنے جا رہا ہوں

وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ میں اور ساوتری اکیلے رہ گئے۔ مجھے ونگ کمانڈر بھٹناگر پر اثر ڈالنے کی اشد ضرورت تھی۔ ساوتری کا میرے قدموں میں بچھ بچھ جانے سے کوئی فائدہ... نہیں تھا۔ بات ونگ کمانڈر کو قائل کرنے کی تھی مگر سب سے پہلے میں اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ کیا یہ وہی ونگ کمانڈر بھٹناگر ہے جس نے میرے ساتھی کمانڈو کو قید میں ڈال رکھا ہے۔ اس سلسلے میں اس کی بیوی ساوتری مجھے کسی حد تک معلومات بہم پہنچا سکتی تھی۔

ساوتری میرے قریب قالین پر بیٹھی تھی۔ میں نے مالا کا جاپ کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے اپنا... اداس مگر بے حد دلکش نرم و نازک چہرہ اٹھا کر میری طرف بڑی عاجزی سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "ساوتری! تم دیوی ہو۔ وشنو ماتا تم سے بہت خوش ہے۔ بہت پرسن ہے۔ پر تیرے پتی دیو سے کوئی ایسا پاپ ہو گیا ہے کہ جس سے شنی اور منگل دیوتا اس گھر سے ناراض ہو گئے ہیں"۔

ساوتری نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مہاراج! میرے پتی دیو تو بڑے مہان پرش ہیں۔ روز اٹھ کر بھگوان کی مورتی کے آگے ماتھا ٹیکتے ہیں۔ دان بھی کرتے ہیں۔ اپنے کرمچاریوں سے بھی اچھا سلوک کرتے ہیں"۔

میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ "ساوتری! تیرے پتی دیو کا متھا دیکھ کر مجھے گیان ہوا ہے کہ وہ اپنے دفتر میں کسی پرش پر ظلم کر رہا ہے جس کا پاپ تم پر پڑ رہا ہے"۔

ساوتری میرے چہرے پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ میں نے اس کی سوچوں مزید آسان بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرا گیان مجھے بتا رہا ہے کہ تیرا پتی کسی قیدی پر ظلم چنر رہا ہے"۔

ساوتری فوراً بولی۔ "مہاراج آپ سچ مچ دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ میرے پتی دیو کل دفتر سے گھر آئے تو ان کی وردی پر خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے پڑے تھے۔ میں نے پوچھا تو انہوں نے ایک پاکستانی جاسوس سے پوچھ گچھ کرتے ہوئے انہوں نے اس کے ماتھے پر زور سے بید مارا تو

خون کے چھینٹے وردی پر پڑ گئے۔ پرنتو مہاراج! یہ تو ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے"۔

میں نے ساوتری کے سر پر ایک بار پھر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پتری! چاہے ڈیوٹی ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ شخص کوئی دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ پر بھگوان کے سامنے سب انسان برابر ہیں۔ تیرے پتی نے ایک جیو آتما پر ظلم کیا ہے۔ اس لئے منگل اور شنی تم سے ناراض ہیں"۔

ساوتری نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔ "مہاراج انہیں منع کر دوں گی"۔

میں نے فوراً ساوتری کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "اگر تم نے یہ بات اپنے پتی دیو کو بتا دی تو یاد رکھ منگل اور شنی تیرے گھر کو تباہ کر دیں گے۔ تیرے بچے پرشوتم کو یمراج مار ڈالے گا اور تیری رسولی تیرے پیٹ میں پھٹ جائے گی۔ خبردار! جو باتیں میں نے تم سے کی ہیں ان کا ذکر ہرگز کسی سے نہ کرنا۔ ہاں۔ میں منگل اور شنی کو اپنی پرارتھنا اور تپسیا سے خود ہی راضی کر لوں گا۔ میرے ہاتھ کو پکڑ کر وعدہ کرو کہ تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گی"۔

ساوتری نے میرا ہاتھ تھام کر کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے کہا۔ "مہاراج میں پرتگیا کرتی ہوں کہ یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی"۔

"شاباش۔" میں نے ساوتری کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "بچی! یہ دیوی دیوتاؤں کے معاملے ہیں۔ یہ ان کے راز ہیں۔ ہم نے یہ بھید کھول دیئے تو ہم برباد کر دیئے جائیں گے۔ ہم پر ان کا شراپ نازل ہو گا۔"

ساوتری نے میرے پاؤں پکڑ کر کہا۔ "مہاراج میرے گھر کو بربادی سے بچالیں۔ میرا پرشوتم واپس گھر آ جائے۔ میری بیماری دور ہو جائے"۔

میں نے مٹھائی کا ٹکڑا اس حسین اور دلکش ہندو عورت کے منہ میں ڈال کر کہا۔ "منہ میٹھا کرو۔ بھگوان تیری ارداس سویکار کر لیں گے"۔ یہ سن کر ساوتری کے چہرے پر اطمینان سا ابھر آیا۔

دوسرے کمرے کا پردہ ہٹا اور اس کی بیٹی بندھنی اندر آتے ہی بولی۔ "ممی اب کتنی دیر اور لگاؤ گی۔ وہ لوگ چائے پر ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ پرمیلا کا دو بار فون بھی آ چکا ہے"۔

ساوتری نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بندھنی تم منڈو کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی"۔

میں صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "نہیں نہیں دیوی جی! تم اپنی سپتری کے ساتھ جاؤ۔ ہم تو جا رہے ہیں"۔

ساوتری مجھے نہیں جانے دے رہی تھی لیکن اب میرا وہاں فی الحال کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے ایک روز بعد شام کو پھر آنے کا وعدہ کیا اور کہا۔ "... پرسوں شام کو آ کر میں وشنو ماتا کی مورتی کے آگے کیرتن کروں گا پھر سب کشٹ دور ہو جائیں گے۔ سب کشٹ دور ہو جائیں گے

میں ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ ساوتری بے چاری میرے پیچھے پیچھے دوڑتی گیٹ تک آئی۔ میں نے آہستہ سے مگر بڑی جلالی آواز میں کہا۔ "ساوتری! جو باتیں ہمارے درمیان ہوئی ہیں کسی دوسرے کو نہ بتانا"۔

ساوتری ہاتھ باندھ کر بولی "کبھی نہیں بتاؤں گی مہاراج"۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "بگلی! میں تیرے گھر کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ تو بڑی بھولی بھالی سندری ہے۔ اچھا، پرسوں آکر تیرے بیٹے اور تیری بیماری کے لئے کیرتن کروں گا"۔ میں نے جے ماتا وشنو کا نعرہ لگایا اور آگے چل دیا۔

مندر پہنچا تو اندر سے بھجن گانے اور چمٹے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے استھان پر میرے عقیدت مندوں نے الاؤ روشن کر رکھا تھا۔ مجھے آتا دیکھ کر یہ لوگ ادب سے ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ رات گیارہ بجے یہ سب لوگ چلے گئے۔ مہنت نے آکر مجھ سے نذرانے وصول کیئے اور بڑا خوش خوش واپس اپنی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔

مہنت کا چیلا میرے لئے کوٹھری میں کھانا رکھ گیا تھا۔ میں نے کھانا کھایا اور پھر تخت پر کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ ونگ کمانڈر بھٹناگر کو کیسے اپنے اثر میں لایا جا سکتا ہے۔ ویسے مجھے اس بات سے بے حد اطمینان ہوا تھا کہ یہی وہ ونگ کمانڈر تھا جس کے قبضے میں میرا ساتھی تھا۔ میں پریشان بھی تھا کہ وقت گزر رہا ہے اور یہ بھٹناگر ونگ کمانڈر میرے ساتھی کو طرح طرح کی اذیتیں دے رہا ہے۔ اس سے ایک بات صاف ظاہر تھی کہ میرے ساتھی نے ابھی تک ان لوگوں کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اپنے ساتھی کو یہاں سے فرار کروانے کے لئے بے حد ضروری تھا کہ ونگ کمانڈر بھٹناگر پر اپنا اثر جمایا جائے اور اسے زیر بار احسان کیا جائے۔

اچانک مجھے سدھارنگی کا دیا ہوا سانپ کا منکا یاد آگیا۔ ایک خیال کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔ اس خیال نے مجھے پوری ایک اسکیم مہیا کر دی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے کروٹیں بدل کر رات گزاری۔ جب دن نکلا اور مندر کی گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگیں تو میں کوٹھری سے باہر نکل آیا۔ نہانے دھونے کے بعد میں مندر کی طرف گیا۔ چند منٹ بھجن منڈلی میں بیٹھ کر کیرتن سننے کی رسم پوری کی اور واپس اپنے سادھی والے استھان پر آیا تو عقیدت مندوں نے وہاں آگ کا الاؤ روشن کر رکھا تھا۔

میں ہری اوم ہری اوم کا جاپ کرتا اپنے استھان پر بیٹھ گیا۔ ہونٹوں پر ویدوں کے اشلوک تھے لیکن دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ میرے سامنے الاؤ کے گرد جو چند ایک عقیدت مند بیٹھے تھے۔ ان میں بہاری لال نام کا ایک کمہار بھی تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بلایا تو وہ لپک کر میرے چرنوں میں آ کر بیٹھ گیا۔

میں نے بڑی بڑی جلالی آنکھیں نکال کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھاری لال ماتا وشنو نے مجھے سپنے میں آ کر حکم دیا ہے کہ تم اس کے لئے ایک چھوٹا سانپ پکڑ لاؤ۔ تمہارا کلیان ہو جائے گا

بھاری کمہار نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ " مہاراج وشنو ماتا کی جے ہو۔ پرنتو۔ سانپ کسی مانڈری سے اگر لے آؤں تو ٹھیک رہے گا؟"

" ہاں ہاں۔ تم کسی مانڈری سے سانپ لے آؤ۔ میں وشنو ماتا کو راضی کر لوں گا۔ پرنتو سانپ چھوٹا ہو اور زیادہ زہریلا نہ ہو۔"

" ست بچن مہاراج۔" بھاری خوش ہو کر بولا۔ " میرا ایک مانڈری واقف کار ہے۔ میں ابھی جا کر اس سے سانپ لے آتا ہوں"۔

میں نے اسے تاکید کی۔ " اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا ورنہ سب کچھ بھسم ہو جائے گا"۔

" ہرگز نہیں کروں گا مہاراج۔" بھاری کانوں پر ہاتھ لگاتا ہوا بولا۔

میں نے کہا۔ " سانپ چھوٹا ہو اور اس کا زہر نکالا ہوا بھی نہ ہو اور سنو۔ اسے چھوٹی سی ڈبیا میں بند کر کے لانا... جاؤ۔ تمہارا کلیان ہو گا"۔

بھاری لال اٹھ کر چلا گیا اور میں نے پھر قدرے بلند آواز میں اشلوکوں کا جاپ شروع کر دیا۔ عقیدت مند مرد اور عورتیں مندر میں ماتھا ٹیکنے کے بعد میرے استھان پر آ کر چرن چھو کر پھل پھول اور روپے بطور نذر رکھتی جا رہی تھیں۔ کرنسی نوٹ کے نذرانوں میں سے آدھی رقم رات کو مہنت لے لیتا تھا اور آدھی ... میں اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ میرے پاس دو چار دنوں میں ہی تین ساڑھے تین سو روپے جمع ہو گئے تھے جو میں نے سنبھال کر رکھ لئے تھے۔

کوئی ایک گھنٹے بعد بھاری لال واپس آ گیا۔ اس نے میرے چرن چھوتے ہوئے ٹین کی ایک چوکور ڈبی جس کے ڈھکن پر سوراخ تھے میرے پاؤں کے قریب رکھ دی اور آہستہ سے کہا۔ " مہاراج! سانپ ڈبی میں بند ہے۔ جیسا آپ نے کہا تھا ویسا ہی سانپ لایا ہوں"۔

میں نے بھاری لال کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ " تیرا کلیان ہو گا بچہ۔" بھاری لال سر جھکائے الٹے قدموں اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

باقی کا وہ دن اور دوسرا دن میں نے بڑی مشکل سے کاٹا۔ میں وعدے کے مطابق ہی ونگ کمانڈر بھٹناگر ... بنگلے پر جانا چاہتا تھا۔ دوسرے دن شام کو میں نے سدھار تگنی کا سانپ کا منکا نکال کر دیکھا۔ س وقت میرا دل اس سیاہ فام اور جامنی رنگ کے ہونٹوں والی پھنکارتی تامل دوشیزہ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ میں نے سانپ کو ڈبی میں سے نکال کر نہیں دیکھا تھا۔ ڈبی کا سائز چھوٹی صابن دانی جتنا تھا۔ ڈبی کو یں نے اپنے جھولے کی بجائے سانپ کے منکے کے ساتھ اپنے کھدر کے لمبے کرتے کی جیب میں رکھ لیا اور شام ہونے سے ذرا پہلے ائرفورس کالونی کی طرف چل پڑا۔

ونگ کمانڈر بھٹناگر کے بنگلے پر پہلے روز کی طرح میرا انتظار ہو رہا تھا مگر پہلے ہی روز کی طرح آج بھی وہاں جس ہستی کو میرا شدت سے انتظار تھا وہ ونگ کمانڈر کی پتنی ساوتری بھٹناگر ہی تھی۔ بھٹناگر صاحب آج بھی گھر پر نہیں تھے۔ ان کی بیٹی بندھنی بھی کہیں ساتھ والے بنگلے پر گئی ہوئی تھی۔ بے چاری مسز بھٹناگر پھول مٹھائیوں کا تھال رکھے میری راہ دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا۔ میرے چرن چھوئے۔ میں نے اسے آشیرواد دی۔ وہ مجھے اندر لے گئی۔ ڈرائنگ روم کی گول میز پر تھال میں مٹھائیاں اور پھل رکھے تھے۔ وہاں نہ اس کا خاوند تھا نہ بیٹی بندھنی تھی۔ صرف نوکر ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

آج ڈرائنگ روم کی کارنس پر کانسی کی تھالی میں لوبان بھی سلگ رہا تھا۔ رتن جو کے پھولوں کا ہار بھی تھا۔ مجھے ہر حالت میں اس نیک دل عورت کے خاوند اور اس کی بیٹی کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ چلو اتنی دیر کیرتن ہی کرتے ہیں۔ میں نے ساوتری سے پوچھا کہ اس کے ہاں وشنو ماتا کی مورتی کہاں ہے۔ وہ مجھے بڑے ادب سے ساتھ والے کمرے میں لے گئی۔ یہاں ایک چھوٹی سی کالی گول میز پر پیتل کی تھالی میں وشنو ماتا کی مورتی کے آگے لوبان جل رہا تھا۔ گیندے کے پھول بھی پڑے تھے۔ میں مورتی کے سامنے آسن جما کر بیٹھ گیا اور میں نے قدیم ویدوں میں سے وہ اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے جو مجھے یاد تھے۔ میں برہمن پجاریوں کی طرح ایک خاص طرز میں اشلوک پڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر اشلوک پڑھنے کے بعد میں نے تھالی میں سے گیندے کا ایک پھول اٹھا کر ساوتری کو دیا جو میرے قریب ہی دوزانو ہو کر بیٹھی تھی اس نے ہاتھ جوڑ رکھے تھے = پھول کو اس نے چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ میں نے کہا۔ "دیوی! ماتا وشنو بھگوان کرشن کی بھگتی ہے اس میں تجھے بھگوان کی بھگتی اور پریم کا جو روپ نظر آ رہا ہے وہی تیری سہائتا کرے گا اور تیرے دکھوں کو دور کر دے گا۔ تیری بیماری بھی کٹ جائے گی اور تیرے گھر پر سے منگل شنی کا سایہ بھی دور ہو جائے گا۔ منگل سنیچر کو دان کرنا مت بھولنا۔ بھگوان تجھ پر کرپا کرے گا"۔

میں مزید کچھ دیر وہاں سے بیٹھا منہ ہی منہ میں اشلوک پڑھتا رہا۔ میرے کان باہر گھنٹی پر لگے تھے کہ کب اس عورت کا خاوند اور بیٹی گھر میں داخل ہوتی ہے۔ مجھے پون گھنٹہ لگ گیا۔ میں ڈرائنگ روم میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی مٹھائی کھائی۔ ساوتری خود میرے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ میں چائے پی رہا تھا کہ اس کا خاوند ونگ کمانڈر بھٹناگر کمرے میں داخل ہوا اس نے رسمی طور پر مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے جھک کر ساوتری سے پوچھا کہ اس نے کل والی بات کا ذکر اپنے پتی سے تو نہیں کیا؟

اس نے کانوں پر ہاتھ لگائے اور بولی۔ "ہرگز نہیں مہاراج۔ میں اپنا گھر برباد نہیں کر سکتی۔ میں مرتے دم تک آپ کی اچھیا کا پالن کروں گی"۔

"شاباش بچی۔" میں نے ساوتری کے سر پر ہاتھ ... رکھ کر آشیرواد دی۔
دروازے کی گھنٹی اس بار بھی نہ بجی اور ساوتری کی بیٹی بندھنی اچھلتی کودتی داخل ہوئی۔ آج سرخ رنگ کی جینز میں وہ بہت خوبصورت اور شوخ دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ناک سکیڑ کر کہا۔ "ممی یہ آپ نے کیا سلگا رکھا ہے۔ کمرے کی ہوا خراب ہو رہی ہے"۔

ڈرائنگ روم کے ساتھ ہی باتھ روم منسلک تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں بندھنی یا اس کے ڈیڈی کو سانپ سے کیسے کٹواؤں گا لیکن میرا مسئلہ ساوتری کی شوخ و شنگ بیٹی بندھنی نے خود ہی حل کر دیا۔ وہ باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ ڈرائنگ روم میں مسز بھٹناگر اور میرے سوا تیسرا کوئی نہیں تھا۔ میں نے ساوتری سے کہا۔ "دیوی! جلدی سے ایک چائے کی پیالی اپنے ہاتھ سے بنا کر لے آؤ"۔

ساوتری تو ستی ساوتری تھی۔ فوراً چائے بنانے کچن کی طرف چل دی۔ ڈرائنگ روم خالی تھا۔ میدان خالی تھا۔ میں نے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی جیب سے سانپ کی ڈبیہ نکالی۔ اٹھ کر باتھ روم کے دروازے کے پاس گیا۔ دروازے کے نیچے ایک درز سی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ڈبی کا ڈھکنا کھولا اور سانپ کو ایک جھٹکے سے باتھ روم کے دروازے کی درز کی طرف الٹ دیا۔
ایک ہلکی سی پھنکار کے ساتھ بالشت بھر کا سانپ جلیبی کی طرح بل کھاتا باتھ روم کے دروازے کے نیچے سے ہو کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میں لپک کر واپس اپنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اور ڈبی جیب میں رکھ لی۔ اب میں ساوتری کی بیٹی بندھنی کی چیخ کا انتظار کر رہا تھا اور یہ چیخ فوراً ہی بلند ہو گئی۔ صرف ایک چیخ نہیں تھی بلکہ چیخوں کی مسلسل آوازیں آنے لگیں۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ کچن سے بندھنی کی ماتا اور دوسرے کمرے سے اس کے ڈیڈی بھاگتے ہوئے آ گئے۔ باتھ روم کا دروازہ توڑ دیا گیا۔ بندھنی باتھ روم کے فرش پر پڑی چیخ رہی تھی۔ "سانپ ممی۔ سانپ"۔
میں نے کہا۔ "سانپ کہیں سے آ گیا ہے۔ اسے مار ڈالو۔ گھبراؤ نہیں۔ بچی کو باہر لے آؤ۔ یہاں لے آؤ"۔

نوکر بھی آ گیا۔ بندھنی کو باتھ روم سے نکال کر صوفے پر ڈال دیا گیا۔ نوکر لاٹھی لئے سانپ کو ڈرتے ڈرتے تلاش کرنے لگا۔ بندھنی پر نیم غشی کی حالت طاری تھی۔ اس کی ماتا رو رہی تھی۔ باپ بے حد پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگا۔ میں نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں شانت رہو۔ شانت رہو۔ ہم بچی کے جسم سے سانپ کا زہر باہر کھینچ لیں گے"۔
سانپ نے بندھنی کی پنڈلی پر جہاں ڈسا تھا وہاں نیلے رنگ کا نشان پڑ گیا تھا اور خون کا قطرہ باہر نکلا ہوا تھا۔ میں نے فوراً جیب سے سدھیا رنگی کا دیا ہوا سانپ کا منکا نکال کر اسے دو تین بار جھٹکا اور بندھنی

کی پنڈلی پر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں رکھ دیا۔ منکا تو سانپ کے کاٹنے کی جگہ پر لگتے ہی جیسے جم گیا۔ اس نے اپنا عمل یعنی سانپ کا زہر چوسنا شروع کر دیا۔۔

ساوتری رو رہی تھی اور ہاتھ باندھے بھگوان سے اپنی بچی کے لئے پرارتھنا کر رہی تھی۔ اس کے خاوند ونگ کمانڈر کو سانپ کے منکے پر کوئی اعتبار نہیں تھا۔ چنانچہ وہ ڈاکٹر کو فون کر رہا تھا کہ بچی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے فوراً ایمبولینس لے کر آ جائیں مگر اس دوران سانپ کا منکا اپنا کام کر چکا تھا۔ اس نے بندھنی کے جسم سے سانپ کا سارا زہر چوس لیا تھا اور وہ پھول گیا تھا پھر وہ اپنے آپ بندھنی کی پنڈلی پر سے نیچے گر پڑا۔ میں نے اسے اٹھالیا اور باتھ روم میں جاکر اچھی طرح سے نچوڑ کر سارا زہر پانی میں بہادیا۔ منکے کو صاف کیا اور واپس آ کر لڑکی کی ماتا ساوتری سے کہا۔ "دیوی جی! تمہاری بچی کو بھگوان نے بچالیا ہے۔ اب اس کے جسم میں سانپ کا زہر بالکل نہیں رہا"۔

بندھنی بھی ہوش میں آ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا کہ اسے لیموں ملا کر نمکین پانی پلایا جائے۔ نوکر فوراً پانی میں نمک اور لیموں نچوڑ کر لے آیا۔ بندھنی کو دو چار گھونٹ پلائے گئے اور تھوڑی دیر میں وہ پوری طرح چاق و چوبند ہو گئی۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر تو میرا گرویدہ ہو گیا۔ اتنے میں نوکر نے باتھ روم میں سانپ کو کچل ڈالا تھا۔ وہ سانپ کی چھوٹی سی کچلی ہوئی لاش کو ایک گتے پر رکھ کر لے آیا۔

"بڑا زہریلا سانپ تھا صاحب جی۔"

بندھنی آنکھیں بند کر کے اپنی ماتا سے لپٹ گئی۔ اس کی ماتا نے اسے سینے سے لگالیا اور کہا۔ " مہاراج یہاں نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ ہے بھگوان تیری دیا ہے کہ تو نے آج مہاراج کو ہمارے گھر بھیج دیا

ونگ کمانڈر بھٹناگر بھی میری خوشامد کرنے لگا۔ اتنے میں ڈاکٹر ایمبولینس لے کر آ گیا۔ یہ کوئی سکھ ڈاکٹر تھا۔ اس کو جب پتہ چلا کہ ایک سادھو جی نے ایک منکے سے سانپ کا سارا زہر لڑکی کے جسم سے نکال دیا ہے تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے بندھنی کی نبض دیکھی۔ بندھنی بالکل بھلی چنگی تھی۔ پنڈلی پر سانپ کے کاٹنے کا زخم بھی دیکھا۔ زخم ٹھیک ہو رہا تھا۔ نیلا نشان بھی غائب ہو رہا تھا۔ سکھ ڈاکٹر نے کہا۔ "بچی کو اسپتال لے جا کر اس کا ٹریٹ منٹ کرنا ہو گا۔ یہ بہت ضروری ہے"۔

ساوتری نے کہا۔ "لیکن بندھنی کے جسم میں زہر تو ہے ہی نہیں"۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی۔" سکھ ڈاکٹر بولا "لیکن ہمیں پورا چیک اپ کرنا ہو گی اور اگر سانپ کا زہر خون سے خارج بھی کر دیا گیا ہے تب بھی ہمیں بچی کا ٹریٹ منٹ کرنا ہو گا"۔

بندھنی کہنے لگی۔ "انکل میں تو بالکل ٹھیک ہوں درد بھی نہیں ہو رہا"۔

"پھر بھی بیٹی۔ تم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اسپتال چلی چلو۔" بندھنی کے باپ نے کہا۔

بندھنی کندھے اچکا کر بولی۔ "او کے ڈیڈی"۔

ونگ کمانڈر خود اپنی بچی کو ایمبولینس میں ساتھ لے کر... ائرفورس کے اسپتال کی طرف روانہ ہوگیا۔ ساوتری تو میرے آگے پیچھے جا رہی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی کہ اگر میں وہاں نہ ہوتا تو اس کی بچی کو کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ میں نے ساوتری سے اگلے روز شام کو آنے کا کہا اور اس کے اصرار کے باوجود وہاں نہ رکا اور ماتا شیراں والی کا جے کارا بلاتا بنگلے سے نکل کر اپنے مندر کی طرف روانہ ہوگیا۔

اب میرا نشانہ مسز بھٹناگر نہیں بلکہ ونگ کمانڈر بھٹناگر تھا۔ دوسرے روز شام کو میں ان لوگوں کے بنگلے پر گیا تو ونگ کمانڈر بھٹناگر بھی میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی بیٹی بندھنی بھی چہک رہی تھی۔ وہ بھی میری زبردست معتقد ہو چکی تھی مگر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میری ساری توجہ اب ونگ کمانڈر کی طرف مرکوز ہو گئی۔ میں نے اسے کہا کہ اس کی ترقی کے کاغذات جلد منظور ہو کر واپس آ جائیں گے۔

اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قدرت نے میری دعا قبول کی تھی یا ونگ کمانڈر صاحب کی ترقی کا وقت آن پہنچا تھا۔ وہ جیسی ترقی چاہتے تھے وہ ہو گئی اور ایک مزید خوش قسمتی یہ ہوئی کہ ولایت سے ان کے بیٹے پرشوتم کا خط بھی آ گیا۔ اب تو اس گھر میں میرا زبردست رعب بیٹھ گیا۔ سب ہی میرے عقیدت مند ہو گئے۔ میری اجازت کے بغیر کوئی گھر سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا۔ ساوتری بڑی خوش تھی۔ میں بھی دن کا زیادہ حصہ وہیں گزارتا۔

ایک روز ونگ کمانڈر بھٹناگر میرے قریب بڑے ادب سے بیٹھا تھا کہ میں نے اسے کہا۔ "تو نادان ہے۔ کرم کانڈ کے چکر میں پھنسا ہے۔ تیرے ہاتھ سے پرش کے ماتھے سے لہو نکلا۔ جانتا ہوں وہ پرش ہمارا دشمن ہے۔ پرنتو پھر بھی وہ جیو آتما ہے۔ بھگوان تجھ سے ناراض تھے۔ پر میں نے تیری سفارش کی اور تیرے گھر کے پاپ کٹ گئے"۔

ونگ کمانڈر کہنے لگا۔ "مگر سوامی جی! جس پرش کو میں نے مارا تھا وہ ہمارے دیش کا دشمن ہے"۔

میں نے بڑے جلالی انداز میں کہا۔ "تم ہمیں کیا بتاتے ہو بالک ہم انتریامی ہیں ہم سب جانتے ہیں کہ وہ دشمن کا جاسوس ہے"۔

ونگ کمانڈر پر میرا پہلے ہی بہت اثر تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "سوامی جی! آپ تو دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ جب دشمن کا کوئی جاسوس پکڑا جاتا ہے تو اس سے پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ اس کو مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتائے کہ وہ کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

میں نے فوراً کہا۔ "مگر اس جاسوس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ بولو نہیں بتایا نا؟؟"

"جی نہیں سوامی جی۔" ونگ کمانڈر نے دبی زبان میں اعتراف کیا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور کچھ اشلوک پڑھے۔ پھر آنکھیں کھول کر پوچھا۔ "کیا تو چاہتا

ہے کہ وہ تمہیں پاکستان کے سارے راز بتا دے ؟ کیا اس طرح سے دفتر میں تیری نیک نامی ہو گی ؟"
ونگ کمانڈر بڑے پر جوش انداز میں کہنے لگا۔ "ہاں سوامی جی میری مزید ترقی ہو جائے گی کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ یہ دشمن کا جاسوس اپنی زبان کھول دے۔ اسے ہم نے بڑا مارا پیٹا ہے۔ ہر طرح کی اذیت دی ہے۔ پر وہ بالکل نہیں بولا۔ یہ پاکستانی کمانڈو ہے سوامی جی! انہوں نے کشمیر میں ہمارے پل اُڑا
میں نے جلدی سے ہاتھ بلند کر کے کہا۔ "مجھے تمہاری ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں صرف تمہاری پتنی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ تمہاری پتنی نے ہماری بڑی سیوا کی ہے۔ ہم اسے سکھی دیکھنا چاہتے ہیں"۔
اس کے بعد میں قصداً خاموش ہو گیا۔ ونگ کمانڈر بولا۔ "مہاراج! یہ پاکستانی جاسوس کس طرح اپنے راز بتائے گا؟"
میں نے بظاہر عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "سوچیں گے۔ اس وقت ہمارا سر نہ کھاؤ۔ تمہارے جاسوس ادھر پکڑے جاتے ہیں۔ ادھر کے جاسوس ادھر پکڑے جاتے ہیں ہمیں کیا۔ ہم تو وشنو ماتا کے بھگت ہیں"۔
ونگ کمانڈر خاموش ہو گیا۔ ساوتری آ گئی۔ اس نے میرے لئے کھانا لگوا دیا۔
میں کھانا کھا کر چلنے لگا تو ونگ کمانڈر خود مجھے اپنی گاڑی میں چھوڑنے مندر تک آیا۔ دوسرے روز پھر اس نے گاڑی بھیج دی۔ اس روز بھی میں نے اپنے کمانڈو ساتھی کے بارے میں از خود کوئی بات نہ کی۔ ونگ کمانڈر نے اپنی پتنی کے ذریعے مجھ سے کہلوایا کہ وہ کون سی ترکیب ہے جس پر عمل کرنے سے پاکستانی جاسوس اپنے ملک کے خفیہ راز بتا دے گا۔ میں نے ساوتری کو بھی ڈانٹ دیا کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔
جب مجھے یقین ہو گیا کہ میری بظاہر عدم دلچسپی کا رنگ کمانڈر پر بھرپور اثر ہو چکا ہے تو میں نے اسے ساتھ لیا اور دھوپ میں باہر باغ میں آ کر بیٹھ گیا اور کہا۔ "ہمیں وشنو ماتا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تمہاری مدد کریں اور تجھے وہ ترکیب بتا دیں جس کے ذریعے پاکستانی جاسوس اپنے ملک کے خفیہ راز اگل دے گا"۔
ونگ کمانڈر بھٹناگر نے ہاتھ باندھ لئے اور بڑے اشتیاق سے بولا۔ "میں آپ کا ساری عمر سیوک رہوں گا مہاراج!"
میں تھوڑی دیر یونہی آنکھیں بند کیے بیٹھا مالا پھیرتا رہا پھر آنکھیں کھول کر "اوم ہری اوم" کا نعرہ لگاتے ہوئے ونگ کمانڈر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر تم چاہتے ہو کہ میں اس پاکستانی جاسوس سے اس کے سارے راز اگلواؤں تو تمہیں اسے یہاں اسی بنگلے میں لانا ہو گا"۔
ونگ کمانڈر بھٹناگر کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ "گرو جی! یہ

میرے اختیار میں نہیں ہے۔ پاکستانی جاسوس کو میں کمانڈ ایریا سے باہر نہیں لا سکتا"۔

میں سمجھ گیا کہ وہ میرے ساتھی کو بنگلے میں نہیں لائے گا۔ میری ایک اسکیم فیل ہو گئی تھی۔ میں چند سیکنڈ خاموش رہا پھر بولا۔ "میں تو یہ سب کچھ تیری بھلائی کے لئے کر رہا ہوں بچہ۔ ورنہ مجھے ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ایسا کرو کہ تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں وہیں اس پر منتر پڑھ کر اپنے اب میں کر کے خفیہ راز اگلوا لوں گا اگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے تو پھر تم جانو' تمہارا کام' اوم ہری اوم"۔

ونگ کمانڈر کچھ سوچ کر بولا۔ "اس کی میں کوشش کروں گا"۔

مسز بھٹناگر تھالی میں مٹھائی لے کر باہر باغ میں آ گئی۔ اس نے بڑے ادب سے مٹھائی پیش کی۔ میں نے ایک لڈو اٹھا لیا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے یہ سوچنے میں لگا تھا کہ اگر میں اپنے ساتھی کے پاس پہنچ بھی گیا تو اسے وہاں سے کیسے نکالوں گا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ خود میں بھی پھنس جاؤں۔ میرا بھانڈا بھی پھوٹ جائے؟ کئی قسم کے شکوک اور اندیشے ذہن میں سر اٹھا رہے تھے۔ ونگ کمانڈر نے اس کے بعد مجھ سے جاسوس کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ میں نے اس ذکر کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ میں واپس چلنے کے لئے اٹھا تو مسز بھٹناگر نے میرے چرن چھوئے۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر مجھے گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ اس نے ڈرائیور سے کہا کہ گرو جی کو مندر چھوڑ آئے پھر میری طرف دیکھ کر ہاتھ جوڑے۔

"مہاراج! کل آپ پدھاریئے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کی پاکستانی جاسوس سے ملاقات کرا سکوں۔ یہ مشکل ضرور ہے۔ پرنتو اس میں میری نیک نامی کا معاملہ بھی ہے"۔

میں نے کمانڈر کو آشیرواد دیتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔ "بچہ! یہ تم جانو مجھے کسی سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔ ہم وشنو ماتا کے بھگت ہیں اور بھگتی میں ہی ہماری مکتی اور نروان ہے"۔

مندر میں آ کر میں رات کو بھی اور دوسرے دن بھی یہی سوچتا رہا کہ اگر ونگ کمانڈر مجھے میرے ساتھی کے پاس لے بھی گیا تو میں اسے ایک ایسے علاقے سے کیسے باہر نکالوں گا جہاں قدم قدم پر ائرفورس کے سنتریوں کا پہرہ لگا ہو گا۔ اس کے لئے باقاعدہ ایک پلان بنانے کی ضرورت تھی میں نے سوچا کہ سادھو ماتا داس سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا چاہیئے۔ دوپہر کے بعد میں مندر سے اٹھ کر ماتا داس سے ملاقات کرنے کی غرض سے باغ جوگیاں والے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں پیدل چلا جا رہا تھا۔ اب مجھے اس شہر کی سڑکوں سے بخوبی واقفیت ہو گئی تھی۔ میں ایک بازار سے نکل کر دوسرے بازار میں داخل ہو رہا تھا کہ محسوس ہوا کہ میرا پیچھا کیا جا رہا ہے یہ ایک لمبی داڑھی والا سکھ تھا جس نے تنگ موری والا پاجامہ اور گرم واسکٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے کاندھے سے ایک تھیلا لٹکا تھا۔ اس سکھ کو میں نے مندر سے نکلتے وقت بھی دیکھا تھا لیکن میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ اب اسے کچھ فاصلے پر اپنے

پیچھے پیچھے آتے اور اپنے ساتھ ہی ایک بازار سے نکل کر دوسرے بازار میں داخل ہوتے دیکھا تو میں چوکس ہو گیا۔ یہ شخص میرا تعاقب کر رہا تھا۔ یقیناً انڈین انٹیلی جینس کا آدمی تھا۔ میں محتاط ہو گیا

اس وقت تک میں باغ جوگیاں والے کے گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس گم ہو گئے کہ سادھو کی جھونپڑی مسمار ہو گئی تھی اور سپاہی وہاں کھڑے اپنی نگرانی میں سادھو کی ایک ایک شے کی تلاشی لے رہے تھے۔ ماتا داس یا تو گرفتار کر لیا گیا تھا یا فرار ہو چکا تھا۔ میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور آگے نکل گیا۔

باغ میں لوگ چل پھر رہے تھے۔ باغ کے دوسرے گیٹ سے باہر نکلتے وقت میں نے بڑی چالاکی سے پیچھے نگاہ ڈالی تو وہ سکھ کچھ فاصلے پر میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں زیادہ محتاط ہو کر چلنے لگا۔ چوک میں ایک سائیکل رکشا لیا اور اسے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلنے کو کہا۔ دو تین بازاروں سے رکشا گزرا ہو گا کہ میں نے ایک جگہ بس کھڑی دیکھی۔ میں نے رکشے والے کو اندر بیٹھے بیٹھے پانچ روپے دیئے۔ رکشا رکوایا اور تیزی سے بس میں سوار ہو گیا۔

بس ایک طرف روانہ ہو گئی۔ یہ شہر کی بس تھی۔ اگلے سٹاپ پر بس رکی تو میں اتر آیا۔ یہاں سے پھر ایک سائیکل رکشا لیا اور واپس اپنے مندر آ گیا۔ یہاں پہنچ کر الاؤ کے گرد بیٹھ گیا۔ میرے عقیدت مند ویسے ہی بیٹھے تھے۔ میری تیز نگاہیں سکھ کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔

لیکن مجھے بے چینی سی لگ رہی تھی اگر سادھو ماتا داس پکڑا گیا ہے تو پھر میں بھی گرفتار ہو سکتا ہوں۔ مجھے اپنے آپریشن پر تیزی سے عمل شروع کر دینا چاہیے۔ ابھی تھوڑا دن باقی تھا کہ میں اٹھا اور ہری اوم کا جاپ کرتا سڑک پر آ گیا مجھے وہ سکھ اب بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ اچھی بات تھی۔ میں نے رکشا پکڑا اور اسے ائرفورس کالونی کی طرف چلنے کو کہا۔

ونگ کمانڈر کے کے بھٹناگر کے بنگلے پر خاموشی طاری تھی۔ میں نے جے ماتا دشنو کا نعرہ لگایا تو مسز بھٹناگر اور اس کی بیٹی بندھنی لپک کر میرے سواگت کو باہر آ گئیں۔ مجھے بڑے احترام سے اندر لے جایا گیا۔ ونگ کمانڈر ابھی نہیں آیا تھا۔ میرے پاس سوائے سانپ کے منکے اور چند نقد روپوں کے اور کچھ نہیں تھا مگر دل میں یہ جذبہ بلند تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر اسے کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکالنا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد ونگ کمانڈر بھٹناگر بھی آ گیا۔ مجھے بڑی شردھا سے اس نے پرنام کر کے میرے چرن چھوئے۔ وہ ائرفورس کے ونگ کمانڈر کی وردی میں تھا۔ کمر میں پستول لگا تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو کسی بہانے دوسرے کمرے میں بھیجا اور میرے قریب آ کر بولا۔ "گرو جی! میں نے اس بات کی اجازت لے لی ہے کہ آپ آج شام جاسوس سے ملاقات کر سکتے ہیں"۔

میں دل میں بہت خوش ہوا لیکن اوپر سے بڑی بے نیازی سے بولا۔ "اس سے تمہیں ہی لابھ ہو گا بیٹا۔ مجھے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں تمہاری پتنی کے لئے یہ کام کروں گا۔ کیونکہ اس نے

ہماری بڑی سیوا کی ہے"۔

دنگ کمانڈر نے وردی نہیں اتاری تھی۔ کہنے لگا... "مہاراج! آپ ابھی میرے ساتھ چلیں لیکن میری ارداس ہے کہ صرف پانچ منٹ ہی آپ کے پاس ہوں گے۔ کیا آپ ان پانچ منٹوں میں جاسوس کو راز بتانے پر آمادہ کر سکیں گے؟"

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور مالا والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "پرنتو پریاس کریں گے۔ کوشش کریں گے۔ آگے تمہارے لیکھ ہیں۔ تم پر ابھی تک منگل شنی سوار ہے بچہ"۔

دنگ کمانڈر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر رک کر بولا۔ "مہاراج! بھگوان کے لئے پوری کوشش کریں کہ یہ جاسوس اپنے راز بتا دے۔ مجھے بڑا فائدہ ہو گا مہاراج"۔

"بھگوان کرپا کرے گا۔ ہم تمہارے لئے چلنے کو تیار ہیں۔"

دنگ کمانڈر نے اپنی پتنی سے یہ کہا کہ ایک دوست میرے درشن کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ بیمار ہے اور خود نہیں آ سکتا۔ اس لئے گورو جی کو تکلیف دے کر وہاں لے جا رہا ہوں۔ چلنے کو تو میں دنگ کمانڈر کے ساتھ چل پڑا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کروں گا کیا؟ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اور میں بڑی خطرناک جگہ پر جا رہا تھا جہاں اگر میرا راز فاش ہو گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے وہاں سے نہیں نکال سکے گی۔

دنگ کمانڈر بھٹناگر خود جیپ چلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مہاراج! میں نے یہ کہہ کر اجازت لی ہے کہ آپ جاسوس سے اپنے منتروں کے ذریعے راز معلوم کر لیں گے لیکن میں نے صرف ایک ہی افسر کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ محکمے کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔ آپ بھی خاموش رہیئے گا"۔

میں نے کہا۔ "بچہ! ہم کیوں کسی سے کچھ کہنے لگے۔ ہمیں تمہاری پتنی اور تمہارے پریوار کی بھلائی چاہیئے"۔

جیپ انڈین ائرفورس کے ممنوعہ علاقے میں داخل ہوئی تو مجھ پر ایک خوف سا سوار ہو گیا۔ میں بالکل تنہا دشمنوں کے اسلحہ سے لیس اڈے میں داخل ہو رہا تھا۔ کہیں میں غلطی تو نہیں کر بیٹھا؟ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنے اعتماد کو بحال کیا اور ہری اوم کا جاپ کرتے دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔

جیپ ائرفورس کے ٹیکنیکل ایریا میں داخل ہو کر خاردار باڑھ والے آہنی جنگلے کے دروازے پر رک گئی۔ ایک سکھ سنتری نے سیلوٹ مارا۔ دنگ کمانڈر نے رسمی طور پر اپنا آئی ڈی کارڈ دکھایا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔ میں اس وقت انڈین ائرفورس بیس کے کمانڈ ایریا میں تھا۔ دائیں بائیں پھولدار پلاٹوں کے عقب میں ائرفورس کے دفاتر تھے جن کے آگے کہیں قطار میں جیپیں اور کہیں ائرفورس کے ٹرک کھڑے تھے۔ آفس بند ہو چکے تھے۔ شام کا پھیکا پھیکا اندھیرا اترنے لگا تھا۔

ہماری جیپ کوارٹر گارڈ کے آگے سے گزر کر اس کے عقب میں ایک بارک کے جا کر رک گئی۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر نے بڑے ادب سے مجھے جیپ میں ہی بیٹھنے کو کہا اور خود بارک میں داخل ہو گیا۔ یہ کوئی آفس نہیں تھا۔ یہاں ائرفورس کے جوان بھی مقیم نہیں تھے۔ کیونکہ اندر سے کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ایک بار دل نے کہا۔ جیپ لے کر یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ شاید یہ میری چھٹی حس تھی۔ جس نے مجھے آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن میں نے کوئی خیال نہ کیا کیونکہ میں اس قسم کے خطروں سے پہلے بھی گزر چکا تھا اور پھر میرا دل اپنے ساتھی کمانڈو سے ملنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ یہی سوچ رکھا تھا کہ اس سے مل کر اسے تسلی ہی دوں گا اور کہوں گا کہ وہ فکر نہ کرے۔ میں اس کے فرار کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔

ونگ کمانڈر بارک میں سے باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک نیلی وردی والا سنتری بھی تھا۔ سنتری نے فوراً آگے بڑھ کر میرے لئے جیپ کا دروازہ کھولا۔ میں ہری اوم ہری اوم کرتا جیپ سے باہر نکل کر ونگ کمانڈر کے ساتھ ایک بارک میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک خالی بارک تھی۔ چھت پر بیچ میں ایک بلب جل رہا تھا۔ آگے ایک دفتر کا کمرا آ گیا جس میں دو چار کرسیاں اور ایک گرد آلود میز پڑی تھی۔ ونگ کمانڈر نے سنتری کو باہر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس نے خود جلدی سے رومال نکال کر کرسی پر پڑی گرد صاف کی اور بڑی عاجزی سے کہا۔ "مہاراج آپ یہاں وشرام کریں۔ میں ابھی آکر آپ کو ساتھ لئے چلتا ہوں

وہ دفتر کا دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ ایک بار پھر میرے دل نے کہا۔ یہاں سے بھاگ چلو۔ میں نے اس احمقانہ خیال کو پیچھے ہٹا دیا اور دفتر کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک ویران سا کمرا تھا۔ لگتا تھا کہ کسی استعمال میں نہیں لایا گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تھوڑی سی تیز ہو رہی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ونگ کمانڈر کوئی پانچ منٹ کے بعد آ گیا اور ادب سے بولا۔ " چلیئے مہاراج!"

دفتر کی دوسری طرف ایک زینہ نیچے جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ نیچے کوئی تہ خانہ ہے۔ زینے کے آگے ایک لوہے کا دروازہ تھا جہاں دو سنتری ہلکی اشٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ ونگ کمانڈر کو دیکھتے ہی انہوں نے سیلوٹ کرتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر نے بڑے نرم الفاظ میں مجھے کہا۔ "مہاراج" آپ کے پاس سے زیادہ نہیں ہے۔ کوشش کریں کہ یہ جاسوس...

میں نے ونگ کمانڈر کی بات کاٹ کر کہا۔ " چنتا نہ کرو بچہ۔ رام بھلی کرے گا"۔

میں تہ خانے والی کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ ونگ کمانڈر میرے ساتھ تھا۔ کمرہ تنگ تھا۔ چھت سے رسی کے ساتھ ایک دھیما بلب لٹک رہا تھا۔ فرش پر گندا کمبل بچھا تھا جس پر ایک انسان اس حالت میں پڑا تھا کہ اس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں دے رکھا تھا اور اس کا لباس چیتھڑے بن چکا تھا۔ سر کے بال جھاڑ بنے تھے۔ میں بھلا اسے کیسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ یہ میرا ساتھی کمانڈو نمبر ۹ تھا۔

میں نے ونگ کمانڈر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بچہ! اب تم جاؤ۔ پانچ منٹ بعد آ جانا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

میں کمانڈو ساتھی کے سامنے کمبل پر بیٹھ گیا اور اونچی آواز میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ ونگ کمانڈر دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میرے ساتھی نے ابھی تک اپنا سر اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے کان کے پاس خون کی لکیر جمی ہوئی تھی۔ جب میں اور وہ کمرے میں اکیلے رہ گئے تو میں نے اپنا ہاتھ کمانڈو نمبر۹ کے کاندھے پر رکھ دیا۔ اس نے سر اٹھایا۔ یہ میرا ساتھی کمانڈو نمبر۹ تھا مگر اس کی داڑھی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی اور اذیتیں اور عقوبتیں سہہ سہہ کر اس کا چہرہ مردے کے چہرے ایسا ہو رہا تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ ہو سکتا ہے یہاں خفیہ طور پر ہماری گفتگو سننے کے لئے مائیکروفون لگا دیئے گئے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کسی سوراخ سے خفیہ طور پر ہمیں دیکھا جا رہا ہو۔ چنانچہ میں بے حد محتاط تھا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا بچہ۔"

یہ ویسے بھی ذو معنی جملہ تھا۔ میرے ساتھی کمانڈو نے بھی مجھے پہچان لیا لیکن میں نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ خبردار زبان سے کچھ نہ بولنا۔ خاموش رہو۔ میں نے آنکھوں کے ڈیلے دائیں بائیں گھما کر اشارہ کیا کہ ہو سکتا ہے ہماری گفتگو سنی جا رہی ہو... پھر اونچی آواز میں کہا۔ "بچہ! تو کیوں اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے۔ کیوں نہیں بتا دیتا کہ تیرے ساتھی کہاں ہیں اور تیرے دل میں کون سے راز ہیں

میرے ساتھی کمانڈو نے بھی موقع کی نزاکت کے پیش نظر اداکاری کرتے ہوئے کمزور مگر پُر اعتماد آواز میں کہا۔ "مر جاؤں گا۔ زبان نہیں کھولوں گا"۔

میں اشلوک پڑھنے لگا۔ اشلوک پڑھتے پڑھتے میں نے سرگوشی میں کہا۔ "میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے جتن کر رہا ہوں گھبرانا نہیں"۔

پھر ساتھ ہی بلند آواز میں کہا۔ "بچہ! تھوڑی دیر بعد تو سو جائے گا۔ پھر میں تم سے جو پوچھوں گا تم سچ سچ بتا دو گے"۔

میں اونچی آواز میں اشلوک پڑھے جا رہا تھا۔ میرا ساتھی کمانڈو خاموش نظروں سے مجھے تک رہا تھا۔ مجھے اپنے قریب اور ونگ کمانڈر کے اعتماد میں دیکھ کر اسے کافی حوصلہ ہوا تھا اس اطمینان کا تاثر اس کے چہرے پر بھی تھا۔ میں نے اشلوکوں کا جاپ تیز کر دیا اور پھر بیچ میں ایک پل کے لئے خاموش ہوا اور نہایت دھیمی آواز میں اپنے ساتھی کمانڈو کے کان کے قریب منہ لے جا کر یوں ظاہر کرتے ہوئے کہ جیسے میں کسی منتر کا عمل کر رہا ہوں۔ کہا۔ "اب تمہیں یہ لوگ ٹارچر نہیں کریں گے۔ میں کل یا پرسوں پھر آؤں گا کوئی پلان بنا کر"۔

مجھے اپنے پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے منہ پیچھے ہٹا لیا اور بلند آواز

میں کہا۔ "اب سچ سچ بتا تجھے کس نے بھیجا ہے اور تیرے ساتھی کہاں ہیں؟"

پیچھے سے ونگ کمانڈر بھٹناگر کی آواز آئی۔ "مہاراج! اب آپ تکلیف نہ کریں۔ ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ اس کے ساتھی جموں میں کہاں کہاں ہیں"۔

میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ میرا جسم برف کی طرح ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا۔ میرے پیچھے ونگ کمانڈر بھٹناگر کے دائیں بائیں دو سنتری مجھ پر اسٹین گن تانے کھڑے تھے۔ ونگ کمانڈر کے ہاتھ میں سفید نائیلون کی رسی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ میرا بھانڈا پھوٹ گیا ہے پھر بھی میں نے بڑی ڈھٹائی اور اعتماد سے گرج کر کہا۔ "کیا بات ہے بچہ؟"

ونگ کمانڈر نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے اسٹین گن خود تھام لی اور رسی اسے دے کر کہا۔ "اس نمبر دو پاکستانی جاسوس کی مشکیں کس دو"۔

میں نے پھر ایک ہلّہ بولا اور کہا۔ "مورکھ! تو بھول رہا ہے۔ تجھے کسی نے غلط اطلاع کر دی ہے۔ میں وشنو ماتا کا بھگت ہوں"۔

ونگ کمانڈر بھٹناگر نے میرے دائیں گال پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ میں چکرا کر ایک طرف گر پڑا۔ "تیرا پاکھنڈ ختم ہو گیا ہے تیرے ساتھی باغ جوگیاں والے پاکستانی جاسوس نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ باقی ہم تجھ سے پوچھ لیں گے۔ ہمیں پوچھنا آتا ہے"۔

اس عرصے میں میرے بازو رسی سے پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ میرا ساتھی کمانڈو نمبر ۹ بھی ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر نے اسٹین گن کی نالی میری گردن سے لگا دی۔ "باہر چلو بھگت جی۔ تجھے وشنو ماتا کے درشن کرواتے ہیں"۔

میں یوں زینہ چڑھنے لگا کہ رسی کا سرا ایک سنتری نے پکڑ رکھا تھا اور دو اسٹین گنوں کا رخ میری طرف تھا۔ بارک کے گرد آلود دفتر میں آیا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہاں وہی انڈین انٹیلی جینس کا سکھ بیٹھا تھا جس نے دن بھر میرا تعاقب کیا تھا اب سارا معاملہ میرے سامنے کھل گیا۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر نے اس سکھ سی آئی ڈی والے سے کہا۔

"سردار جی! تم اب جاؤ۔ آگے ہم خود سنبھال لیں گے۔"

میں گرد آلود میز کے پاس کھڑا تھا۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر کرسی پر اسٹین گن کا رخ میری طرف کیئے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک سنتری سے کہا۔ "اس کا ڈاکٹری معائنہ کرو۔ یہ پاکستانی مسلمان ہے"۔

دو سیکنڈ کے اندر اندر میرے ڈاکٹری معائنے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ میں مسلمان ہوں ہندو بھگت نہیں ہوں۔ میں نے سر جھکا لیا۔ ونگ کمانڈر کرسی سے اٹھ کر میرے قریب آیا اور مجھے گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑتا ہوا بولا۔

"بڑا پاکھنڈ رچایا تھا تو نے ... پر تجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ جموں چھاؤنی ہے اور میں کے کے بھٹناگر ہوں۔ مجھ سے آج تک دشمن کا کوئی ایجنٹ بچ کر نہیں جا سکا۔ اب میں تم سے وہ باتیں اگلواؤں گا جو تم اپنے ساتھی سے پوچھنے کا ڈھونگ رچا رہے تھے۔"

اس نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ میرے ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ میں پیچھے دیوار سے ٹکرا کر ایک طرف گر پڑا۔ یہ لوگ مجھے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور کوارٹر گارڈ کے نیچے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں ڈال دیا۔ ساری رات میں کوٹھری میں پڑا رہا۔ میری کلائی کی گھڑی سنتری اتار کر لے گیا تھا۔ میرا لباس سادھوؤں کا تھا۔ میری سرسری سی تلاشی لی گئی اور خدا کا شکر ہے کہ سانپ کا منکا' سدھارتھی کی نشانی میرے پاس محفوظ رہی۔

وقت کا مجھے کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ کوٹھری میں گھپ اندھیرا تھا۔ وقت ایک اذیت بخش احساس کے ساتھ رینگتا رہا۔ نہ جانے کتنے گھنٹے گزر گئے تھے کہ دروازہ کھلا۔ زینے میں دن ... کی روشنی دکھائی دی۔ دو مسلح سکھ سنتری دروازے کی دوسری طرف کھڑے تھے۔ ایک سویلین کپڑوں میں ملبوس دبلا پتلا آدمی اندر آیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس نے آتے ہی کوٹھری کی بتی روشن کر دی۔ بڑی اپنائیت سے میرے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا ٹفن کیریئر تھا۔ اس نے ڈبہ کھولا اور بڑی راز داری سے بولا۔ "میں بھی مسلمان ہوں۔ ویسے تو یہاں جموں ائرفورس کے گراؤنڈ اسٹاف میں ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہو کر پاکستان میں شامل ہو جائے گا۔ میرا نام غلام میراں ہے۔ لو چائے پیو"۔

اس نے چھوٹے سے کپ میں چائے ڈالی۔ ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میرے منہ میں ڈال دیا۔ میں خاموشی سے ٹوسٹ کھانے لگا۔ وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرا ہمدرد ہے اور اس کی اپنی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور اسے جان بوجھ کر میرے پاس بھیجا گیا ہے لیکن مجھے ٹوسٹ اور چائے کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ آگے میں اذیت کے ایک طویل سلسلے سے گزرنے والا تھا۔ اس ٹارچر کے لئے میں اپنے جسم کو پہلے ہی تیار کر رہا تھا۔ کیونکہ میں ان کے ٹارچر سے اب بچ نہیں سکتا تھا۔

غلام میراں برابر باتیں کیئے جا رہا تھا۔ وہ لاہور' سیالکوٹ اور کراچی کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے چار ٹوسٹ کھا لئے تھے اور چائے کا دوسرا کپ پی رہا تھا۔ میں نے غلام میراں کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں۔ مسلمان ضرور ہوں مگر میں جنوبی ہند کا رہنے والا ہوں"۔

غلام میراں بولا۔ "جنوبی ہند کے تھے تو پھر تم اس پاکستانی جاسوس سے ملاقات کرنے کیوں آئے تھے؟"

میں نے کہا۔ "اس لئے کہ ونگ کمانڈر چاہتا تھا کہ میں پاکستانی جاسوس سے راز اگلواؤں"۔
غلام میراں ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہندو ڈوگرہ بن گیا۔ اس نے الٹے ہاتھ سے میرے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ کپ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے گر پڑا۔
"تم سیدھی طرح نہیں مانو گے۔" کہتا ہوا دو چار ٹھڈے میرے پیٹ پر مار کر باہر نکل گیا۔
دروازہ بند کر دیا گیا۔ بتی جلتی رہ گئی تھی۔ مجھے دیواروں پر سیاہ دھبے نظر آئے۔ ٹھڈوں سے میرے پیٹ میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر میں سکڑا، سمٹا بیٹھا رہا پھر ذرا افاقہ ہوا تو اٹھ کر دیوار کے کالے دھبوں کو دیکھا۔ یہ مجھے انسانی خون کے چھینٹے لگے۔ میری کمر میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔
اس ہندو ڈوگرے کے جانے کے کوئی بیس پچیس منٹ بعد چار سنتری کھٹاک کھٹاک کرتے کوٹھری میں آ گئے۔ ان میں سے دو سنتریوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ دو خالی ہاتھ تھے۔ انہوں نے آتے ہی میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور مجھے زینے پر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ میری آنکھوں پر بندھی پٹی کے اندر سرخ سی روشنی پھیل گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ باہر دن کی روشنی ہے۔ مجھے کچھ دیر چلا کر لے جایا گیا پھر اٹھا کر کسی ٹرک میں ڈال دیا۔ سیٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی ٹرک ہے۔ پھر ٹرک کے پیچھے ترپال گرانے کی آواز آئی اور ٹرک اسٹارٹ ہو کر کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔

میں دو سنتریوں کے بیچ میں بیٹھا تھا جن کے کاندھے میرے کاندھوں سے ملے ہوئے تھے۔ پٹی آنکھوں پر اس قدر کس کر باندھی گئی تھی کہ میرا سر درد کرنے لگا تھا لیکن میرے ہاتھ بھی پیچھے بندھے تھے۔ ہاتھ کھلے بھی ہوتے تو میں اپنی آنکھوں کی پٹی کو ڈھیلا نہیں کر سکتا تھا۔ ٹرک ایک سیدھی سڑک پر دوڑا جا رہا تھا۔ اس نے ابھی تک کوئی موڑ نہیں مڑا تھا۔ مجھے ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔ یہ بات ظاہر تھی کہ مجھے کسی بہت بڑے عقوبت خانے کی طرف لے جایا جا رہا تھا، جہاں مجھے ناقابل برداشت اذیتیں دی جائیں گی اور مجھ سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ جموں میں میرے دوسرے ساتھی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد مجھ سے پاکستانی فوج کی اہم تنصیبات کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ میں اس بھیانک اذیت کے لئے ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا۔

ٹرک اب اس طرح موڑ کاٹ رہا تھا جیسے پہاڑی سڑک پر جا رہا ہو۔ کبھی چڑھائی آ جاتی اور کبھی اترائی۔ ایک بار اترائی پر ٹرک دیر تک چلتا رہا پھر ایک طرف کو گھوما اور رک گیا...... دو آدمیوں نے مجھے اٹھا کر ٹرک سے باہر نکالا اور زمین پر کھڑا کر دیا۔ میری آنکھوں پر سے پٹی اتار دی گئی۔ میری آنکھیں پہلے تو چکا چوند ہو گئیں۔ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر ایک طرف لے جایا جا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ پہاڑیوں کے درمیان ایک لمبی بارک تھی، جس کی ڈھلانی چھت پتھر کی سلیٹوں سے بنی

تھی ۔ بارک کے لمبے برآمدے میں دو خالی چارپائیاں بچھی تھیں ۔

مجھے ان چارپائیوں کے پاس فرش پر بٹھادیا گیا۔ اردگرد ویرانی اور گہرا سناٹا تھا۔ کسی پرندے کے بولنے کی بھی آواز نہیں آرہی تھی ۔ دو آدمی وہیں کھڑے رہے ۔ دو سنتری ایک طرف سے ڈبل مارچ کرتے آئے اور مجھے ڈنڈا ڈولی کر کے اٹھا کر ایک کمرے میں لا کر ڈال دیا۔ دونوں کے کندھوں سے اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں ۔ چھوٹے سے کمرے میں سوائے ایک مٹی کے مٹکے کے اور کچھ نہیں تھا۔

دروازہ کھلا اور ونگ کمانڈر بھٹناگر اندر آگیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک آدمی کرسی اور ٹیپ ریکارڈر اٹھائے ہوئے تھا۔ کرسی پر ونگ 'کمانڈر بیٹھ گیا۔ ٹیپ ریکارڈر فرش پر رکھ دیا گیا۔ مائیک اس نے میری طرف کر کے کہا۔

"گدھے کی اولاد۔ اپنے آپ سب کچھ بتا دو گے تو بچ جاؤ گے ۔ بولو۔ تم نے کس کے ساتھ بارڈر کراس کیا تھا۔ جموں کشمیر میں تمہارے ساتھی کہاں کہاں ہیں ۔ تمہارے ساتھی پل تباہ کرنے کے بعد کہاں چھپے ہوئے ہیں "۔

میں نے کہا۔ "جو کچھ آپ مجھے سمجھ رہے ہیں ۔ میں وہ نہیں ہوں ۔ سچ یہ ہے کہ میں لاہور کا غنڈہ تھا۔ لاہور میں غنڈوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو میں بارڈر کراس کر کے ادھر آگیا"۔

بھٹناگر مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "لیکن تم تو سادھو کا بھیس بدل کر میرے گھر آئے اور تم نے اپنے ساتھی کمانڈو سے ملنے پر اصرار کیا تھا"۔

میں نے کہا۔ "جناب میں آپ پر اثر ڈالنا چاہتا تھا تاکہ یہاں آرام سے سادھو بن کر زندگی بسر کر سکوں "۔

اتنا کہنا تھا کہ مجھ پر ٹھڈوں اور گھونسوں کی بارش شروع ہو گئی ۔ ان سب نے مل کر مجھے اتنا مارا کہ درد سے میری چیخیں نکل گئیں اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو ایک سنتری پیالے میں پانی پلا رہا تھا۔ ونگ کمانڈر بھٹناگر نے آستینیں چڑھا رکھی تھیں وہ غضبناک لہجے میں بولا ۔ "تم زیادہ دیر تک سچائی کو نہیں چھپا سکو گے ۔ ابھی تمہیں پوچھ گچھ کے کئی سینٹروں کی سیر کرائی جائے گی ۔ تمہیں ایسی ایسی اذیتیں دی جائیں گی کہ تمہاری روح بھی کانپ اٹھے گی ۔ بہتر ہے کہ یہیں اپنا بیان ریکارڈ کرا کر اپنی جان بچا لو۔

میں سب جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ میں نے سارے راز بتا بھی دیئے تو میرا ریکارڈ دلی' ترچناپلی اور پٹھان کوٹ سے منگوا لیا جائے گا۔ اور جب ساری حقیقت سامنے آئے گی تو یہ مجھے شوٹ کر دیں گے ۔ چنانچہ میں اپنے پہلے والے بیان پر قائم رہا میری پھر ٹھکائی شروع ہو گئی ۔ وہ بڑی بے دردی سے مجھے ٹھڈے اور مکے مار رہے تھے ۔ میں کوئی کمزور مرد نہیں تھا۔ میرے اندر کافی قوت تھی ۔ جسم بھی گٹھا ہوا اور فولاد کی طرح مضبوط تھا لیکن وہ کچھ اس طریقے سے مجھے مار رہے تھے کہ میری ہڈی

ٹوٹنے لگی اور میں پھر بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو کمرے میں اکیلا فرش پر پڑا تھا۔ انگ انگ دکھ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے مٹکے میں سے تھوڑا سا پانی نکال کر پیا اور ننگے ٹھنڈے فرش پر سیدھا لیٹ گیا۔ دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ کبھی اپنے ساتھی کمانڈو نمبر۹ کا خیال آتا کہ اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔ کبھی یہ سوچتا کہ اب میرا کیا انجام ہو گا۔ یہاں سے فرار مجھے ایک ناممکن بات نظر آ رہی تھی لیکن میں نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس وقت میرا سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کم بختوں نے بہت بری طرح سے مجھے پیٹا تھا۔ یہ کوئی اذیت نہیں تھی۔ میں خوب جانتا تھا کہ ابھی مجھے آلات عقوبت کے ذریعے اذیت دی جائے گی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ جانے کیوں مجھے اس وقت سیاہ فام سدھا رنگنی کا خیال آنے لگا۔ بزرگ کے مقدس نقش کا بھی خیال آیا۔ یہ سارے ذرائع' سارے رابطے مجھ سے ٹوٹ چکے تھے اور میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔۔

نہ جانے دن کا کیا بجا ہو گا کہ ایک سنتری دروازہ کھولکر اندر آیا اور میرے پاس ایک ٹین کا ڈبہ رکھ کر واپس چلا گیا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا' ٹین کے ڈبے میں دو سوکھی روٹیاں ٹھونسی ہوئی تھیں۔ بھوک لگ رہی تھی۔ مجبوراً سوکھی روٹیاں کھائیں۔ پانی پیا اور جگہ جگہ سے دکھتے بدن کو سہلاتا لیٹ گیا۔ رات کو پھر پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب میں اپنے سابقہ بیان پر ہی قائم رہا تو ونگ کمانڈر بھٹناگر کے اشارے پر دو سنتریوں نے میرے گلے میں کپڑا ڈالا اور اسے کسنا شروع کر دیا۔ میری آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ سانس اکڑ گیا۔ نظر کے آگے تارے ناچنے لگے۔ میں بہانہ بنا کر بے ہوش ہو گیا کہ کم بخت اس جان لیوا اذیت سے کچھ دیر کے لئے تو نجات ملے گی۔ انہوں نے مجھے بے ہوش پا کر ایک بار پھر لاتوں ٹھڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔ میری چیخیں نکل رہی تھیں۔ بھٹناگر مجھے گالیاں دیتے ہوئے بار بار کہہ رہا تھا۔ "کب تک نہیں بکو گے؟"

دو دن اور دو راتیں میرے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہا۔ میں ادھ موا ہو گیا تھا۔ جسم درد سے پھٹا جا رہا تھا بڑی مشکل سے اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا تھا۔ تیسرے روز مجھے کچھ کھانے کو نہ دیا گیا۔ صرف پانی پی کر گزارا کرتا رہا۔ چوتھے روز مجھے دو سوکھی روٹیاں کھانے کو ملیں اور پانچویں روز میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے وہاں سے نکالا گیا۔ میرے اندازے کے مطابق مجھے ایک بند ٹرک میں بٹھا دیا گیا اور ٹرک کسی نامعلوم سمت ... روانہ ہو گیا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد میری آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی۔ اب میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی تھی۔ دو سنتری میرے دائیں بائیں اور ایک سنتری ٹرک میں میرے سامنے بیٹھا تھا۔ ان میں ایک سکھ تھا۔ یہ انڈین ائرفورس کی وردی میں تھے۔ تھوڑی دیر تک چلتے رہنے کے بعد ایک جگہ رکا۔ مجھے ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے اور چائے دی گئی۔ کچھ دیر رکنے کے بعد ٹرک پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

ٹرک ترپال سے ڈھکا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سوراخوں میں دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ٹرک اب پہاڑی راستوں سے نکل کر میدانی علاقے میں آ گیا تھا اور درمیانی رفتار سے چل رہا تھا سورج غروب ہو رہا تھا کہ ٹرک ایک جگہ گھوم کر رک گیا۔ سنتری ترپال اٹھا کر باہر کود گئے۔ باہر جاتے ہی انہوں نے اسٹین گنیں تان لیں۔ مجھے ٹرک سے باہر نکالا گیا۔ میں ایک ریلوے اسٹیشن کے سامنے کھڑا تھا۔ بھلا اس ریلوے اسٹیشن کو میں کیسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ اس شہر سے میری کمانڈو زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ یہ امرتسر کا ریلوے اسٹیشن تھا۔

لوگ ایک سادھو کو ہتھکڑی میں دیکھ کر جمع ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں تو میرے خلاف نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ سنتری مجھے بڑی مشکل سے لوگوں کے درمیان سے نکال کر ریلوے اسٹیشن کے اندر لے گئے۔ مجھے ویٹنگ روم میں مسلح سنتری کی حفاظت میں فرش پر بٹھا دیا گیا۔ ویٹنگ روم کی گھڑی رات کے آٹھ بجا رہی تھی کہ مجھے باہر نکالا گیا۔ پلیٹ فارم پر جنتا ایکسپریس کھڑی تھی لوگ ایک بار پھر میرے گرد جمع ہو گئے۔ سنتریوں نے مجھے ایک فوجی ڈبے میں بٹھایا اور ڈبے کے دونوں دروازوں پر مسلح گارڈ کھڑے ہو گئے۔ آٹھ چالیس پر جنتا ایکسپریس امرتسر سے روانہ ہوئی۔ سیڑھیوں والا پل گزر گیا کمپنی باغ والا پل بھی گزر گیا۔ شریف پورے کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ بھی پیچھے رہ گئیں۔ ٹرین نے رفتار پکڑ لی تھی۔ ساڑھے نو بجے ٹرین جالندھر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو مجھے باہر نکال لیا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے جالندھر کے ملٹری انٹروگیشن سینٹر لے جایا جا رہا ہے۔

امرتسر کے بعد یہی پنجاب کا سب سے خطرناک اور خوفناک انٹروگیشن سینٹر تھا۔ جس کا نام سن کر بڑے بڑے جاسوسوں کی روح کانپ جاتی تھی۔ اسٹیشن کے باہر میرے سواگت کے لئے چاروں طرف سے بند فوجی جیپ تیار کھڑی تھی۔ جالندھر شہر کے بازاروں سے گزرتی جیپ جالندھر ملٹری انٹروگیشن سینٹر کے دروازے پر جا کر رک گئی۔ یہ دروازہ کسی جیل خانے سے کم نہیں تھا۔ مسلح گارڈ کا پہرہ تھا۔ ڈیوڑھی میں ایک دفتر تھا جہاں میرے بارے میں ضروری اندراج وغیرہ کیا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی۔ دو سفید پوش انٹیلی جینس والے مجھے ہتھکڑی سمیت ایک طرف لے کر چلے۔ کئی ایک برآمدوں کی بھول بھلیوں میں سے گزار کر یہ لوگ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جہاں انہوں نے میری آنکھوں کی پٹی کھول دی۔

چھت کے ساتھ ڈورے لٹک رہے تھے اور دیوار کے ساتھ لوہے کا ایک اسٹریچر نما شکنجہ پڑا تھا۔ مجھے دی جانے والی اذیتوں کا المناک باب شروع ہونے والا تھا۔

جالندھر انٹروگیشن میں مجھے جو اذیتیں دی گئیں انہیں یاد کرکے آج بھی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ میرے جسم کو آہنی شکنجے میں پھنسا کر کسا گیا سارا سارا دن مجھے چھت سے الٹا لٹکائے رکھا گیا۔ میرے جسم میں پانی داخل کر کے پیٹ کو نوبت کی طرح بجاتے تو میری چیخیں نکل جاتیں۔ نازک حصوں کو جلتے سگرٹوں سے داغا گیا۔ میں بے ہوش ہو جاتا تو میرے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جاتا۔ ہوش میں آتا تو تشدد کا بہیمانہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا۔

میری حالت اتنی نازک ہو گئی کہ میں موت کی دعائیں مانگنے لگا لیکن ان تمام اذیتوں کے باوجود میں نے انہیں وہ معلومات نہ دیں جو وہ مجھ سے حاصل کرنا چاہتے تھے یعنی یہ کہ میرے ساتھی بھارت میں کہاں کہاں پر ہیں۔ ان کا خفیہ کوڈ کیا؟ میں نے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ میں رضاکارانہ طور پر اکیلا ہی جاسوسی کرنے بھارت آیا تھا اور میرا یہاں کوئی ساتھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو انہوں نے مجھے جموں میں رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ان پر کھل گئی تھی کہ میں ہندو سادھو نہیں ہوں بلکہ مسلمان ہوں۔ ان کے سامنے میں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتا تھا' بس اتنا اعتراف ضروری تھا کہ میں رضاکار جاسوس ہوں اور اپنے طور پر بھارت آیا تھا۔

جب وہ لوگ مجھ سے اپنی بات نہ منوا سکے اور انہیں میرے پچھلے ریکارڈ کا بھی کچھ علم نہ ہو سکا تو مجھے انٹروگیشن سینٹر کے عقوبت خانے سے نکال کر سینٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ ایک مہینہ مجھے پھانسی کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند رکھا گیا پھر جرائم پیشہ قیدیوں کے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ میں پاکستانی جاسوس مشہور تھا' اس لئے جیل کے ہندو اور سکھ قیدی مجھ سے برا سلوک کرتے۔ آتے جاتے مجھے گالیاں دی جاتیں۔ میں لوہے کی سلاخوں والی بیرک کے کونے میں چپ چاپ بیٹھا دور جیل کی اونچی دیوار کو دیکھتا رہتا اس دیوار کے دونوں کونوں پر اونچی مچانیں بنی تھیں' جہاں سپاہی ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔'

اذیتیں برداشت کرتے کرتے میں کمزور ہو گیا تھا۔ مجھے یہی بتایا گیا کہ میرا چالان ہی عدالت

میں پیش کر دیا جائے گا مگر وہ وقت نہ آنا تھا نہ آیا۔ سینٹرل جیل میں آنے سے اتنا ضرور فائدہ ہوا کہ مجھے اذیت اور تشدد سے نجات مل گئی تھی۔ دوسرے یہاں پتلی دال اور جلی ہوئی روٹیاں ہی سہی لیکن دو وقت کھانے کو مل جاتا تھا۔ میری کھوئی ہوئی طاقت بحال ہونا شروع ہو گئی۔ یوں ہی تین مہینے گزر گئے۔

اس دوران میں، میں نے وہاں سے فرار کی کئی ترکیبیں سوچیں... مگر ان پر عمل نہ کر سکا۔ ایک تو میں اکیلا تھا۔ اس کے علاوہ مجھ پر ہر وقت کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ رات کو بیرک کے باہر بھی مسلح پہرے دار گشت کرتے رہتے تھے۔ مجھے محسوس ہوتا کہ جیل کے اندر بھی پہریداروں کی نگاہیں میری مسلسل نگرانی کر رہی ہیں۔ ———— جیل کا سپرنٹنڈنٹ ایک ہندو ٹیک رام شرما تھا۔ جو ظاہر ہے سنگدل انسان تھا اور قیدیوں کو اپنے دفتر میں بلا کر خود بید سے پیٹتا تھا۔ گالی ہر وقت اس کی زبان پر رہتی تھی۔ میرے ساتھ اس کا سلوک اتنا برا نہیں تھا۔ گالی گلوچ کر لیتا مگر اس نے مجھ پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے اوپر سے ہدایت ملی ہے کہ میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ شاید حکام بالا کو ابھی تک یقین تھا کہ اگر باہر میرا کوئی جاسوس ساتھی ہے تو وہ کسی نہ کسی روپ میں مجھ سے ملاقات کرنے ضرور آئے گا۔

ہفتے میں ایک روز جب ملاقات کا وقت آتا تو مجھے بیرک سے نکال دیا جاتا اور پہرے دار جان بوجھ کر ادھر ادھر ہو جاتے۔ میں ان کی اس چال کو بخوبی سمجھ رہا تھا لیکن اول تو وہاں میرا کوئی ساتھی جاسوس ہی نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو وہ کبھی مجھ سے ملاقات کرنے نہ آتا۔ تاہم میں ملاقاتوں کے وقت جیل کے صحن میں چل پھر کر قیدیوں سے ملاقات کرنے والوں کا مشاہدہ کرتا۔ اب میں نے وہاں سے فرار ہونے کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اگرچہ کوئی واضح ترکیب میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔

جیل میں میری ایک سکھ قیدی سے سلام دعا ہو گئی تھی، جو ڈاکے اور قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ اس کا نام گھمن سنگھ تھا۔ اونچا لمبا، ذات کا جٹ تھا۔ داڑھی کو اوپر کھینچ کر رومال سے باندھے رکھتا۔ آنکھیں خونیوں ایسی تھیں مگر دل کا صاف اور بے لوث تھا۔ کھری بات منہ پر کہہ دیتا سپرنٹنڈنٹ جیل بھی اس سے ڈرتا تھا اور اس کو کبھی گالی وغیرہ نہیں دی تھی۔ گھمن سنگھ سے سارے قیدی خائف رہتے تھے اور اس کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔ وہاں مشہور تھا کہ گھمن ڈکیت نے بارہ خون کیئے ہیں۔

گھمن سنگھ ڈکیت سے میری دوستی کی ابتدا ایک اتفاقی حادثے سے ہوئی۔ وہ نابھہ جیل سے جالندھر کی سینٹرل جیل میں لایا گیا تھا۔ اسے یہاں آئے ابھی ایک مہینہ ہی ہوا ہو گا کہ ساری جیل میں اس کی بدمعاشی کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس کی ملاقات کو بڑے بڑے پگڑوں اور ریشمی لاچوں والے امیر سکھ آتے اور اسے ہر روز باہر سے کھانا بھی پہنچ جاتا تھا اور جب کبھی اسے شراب مل جاتی تو نشے میں

بدمست ہو کر وہ بڑا ادھم مچاتا۔ گھمن سنگھ ڈکیت نے ایک روز شراب کے نشے میں سپرنٹنڈنٹ جیل شرما کو گالی دے کر کہہ دیا کہ اگر اس نے اس کے خلاف شکایت کی تو وہ جیل میں رہ کر بھی اس کے سارے خاندان کو قتل کروا دے گا۔ شرما ڈر گیا... اور گھمن سنگھ ڈکیت کے سامنے آنے سے ہمیشہ گریز کرتا۔

ایک دن بارش کے بعد موسم کھلا تو گھمن سنگھ ڈکیت بیرک سے نکل کر پیپل کے درخت تلے اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ وہ قیدی اس کی پنڈلیاں دبانے لگے۔ گھمن سنگھ ڈکیت اپنی داڑھی کو بٹ کر رومال میں باندھ کر اوپر چڑھا رہا تھا کہ اچانک ادھر سے میرا گزر ہوا۔ گھمن سنگھ ڈکیت کی پشت میری طرف تھی۔ میں نے دیکھا کہ پیپل کے تنے میں سے ایک کالا... سانپ نکل کر گھمن سنگھ کی طرف بڑھ رہا ہے' جو دو مشقتی گھمن سنگھ کی مٹھی چاپی کر رہے تھے۔ ان کی نظر بھی سانپ پر نہ پڑی۔

میں بے اختیار چلایا۔ "گھمن سیاں سانپ"۔

گھمن سنگھ اپنی جگہ سے اچھلا... مگر اتنے عرصے میں سانپ اسے ڈس چکا تھا۔ پہلے تو سنگھ کو پتا ہی نہ چلا مشقتی بھاگ گئے۔ سانپ نے گھمن سنگھ کی ران پر ڈسا تھا۔ وہ تہمد اٹھا کر اپنی ران کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اوئے ڈنگ مار گیا اے؟"۔

سانپ کا زہر اپنا اثر دکھانے لگا تھا۔ گھمن سنگھ کو چکر آگیا' وہ بیٹھ گیا اور جہاں سانپ نے کاٹا تھا' اس جگہ اپنی پگڑی اتار کر باندھنے کی کوشش کرنے لگا میں لپک کر اس کے پاس آگیا۔ میری تامل سیاہ فام محبوبہ سادھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا اس وقت بھی میرے پاس ہی تھا۔ میں نے اسے چیتھڑے میں لپیٹ کر اپنے بازو کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ برے سے برے حالات میں بھی میں نے اس منکے کو اپنے سے جدا نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں میں ہر کسی کو میں نے یہی بتایا تھا کہ یہ کالا پتھر میری والدہ کی نشانی ہے' جو اس نے مرتے وقت مجھے دی تھی اور کہا تھا کہ اسے اپنے سے کبھی جدا نہ کرنا۔ خدا جانے کیوں یہ سن کر کسی نے مجھ سے اس منکے کے بارے میں پھر کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میں نے انٹروگیشن سینٹر میں جان لیوا تشدد برداشت کیا' اس وقت بھی یہ منکا میرے پاس ہی رہا۔

میں نے گھمن سنگھ کو لیٹ جانے کا کہا اور بازو پر بندھا چیتھڑا کھول کر منکا نکال کر گھمن سنگھ کی ران پر اس جگہ رکھ دیا' جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ وہاں شور مچ گیا' قیدی جمع ہو گئے۔ سپاہی اور پہرے دار بھی آگئے۔ میں نے یہ کہہ کر کسی کو قریب نہ آنے دیا کہ میں سلیمانی منکے پر دم پڑھ کر سانپ کا زہر زائل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

سدھا رنگنی کے سانپ کا منکا انتہائی سریع الاثر تھا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے سانپ کا سارا زہر چوس لیا۔ گھمن سنگھ کو بیرک میں لے جا کر لٹا دیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل اور وارڈن بھی وہاں آگئے۔

گھمن سنگھ کا بیان اور میرے علاوہ مشقتی قیدیوں کی بھی شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ گھمن سنگھ کو گرم دودھ پلایا گیا۔ شام تک وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

اس واقعے نے گھمن سنگھ کو میرا گرویدہ بنا دیا۔ آدمی بہادر اور دل کا کھرا تھا۔ ایک روز کہنے لگا۔ "کرم دین تم نوجوان ہو اگر تم سچ مچ پاکستانی جاسوس ہو تو مجھے بتا دو' میرا باہر بڑا اثر و رسوخ ہے' میں تمہیں یہاں سے نکلوا دوں گا"۔

میں نے اپنا نام کرم دین بتایا ہوا تھا۔ میں اپنا راز کبھی اس پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے بھی یہی من گھڑت کہانی سنائی کہ میں پاکستانی ضرور ہوں مگر بھارت کی سیر کرنے اور بھارتی فلمیں دیکھنے کے لالچ میں سرحد پار کر کے یہاں آگیا۔ تامل ناڈو تک گھومتا پھرا۔ جموں میں پولیس کو مجھ پر شک ہوا تو سادھو کا بھیس بدل لیا۔ کشمیر کی سیر کرنے کا ارادہ تھا کہ پولیس نے پکڑ لیا۔

گھمن سنگھ مجھے اپنی لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ مسکرایا اور بولا۔ "آدمی تم بڑے پکے ہو"۔

پھر میرے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "کرم دین کچھ بھی ہو۔ اسیں تمارے یار ہیں۔ تم نے ہماری جان بچائی ہے' اسیں بھی تمارے کام ضرور آئیں گے"۔

گھمن سنگھ کو باہر سے جو کھانا آتا وہ مجھے اس میں ضرور شریک کرتا مگر میں اس سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں بڑا محتاط تھا۔ اپنے طور پر میں وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور کرتا رہتا تھا۔

ایک دن میں اپنی بیرک والی کوٹھری کے باہر بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا کہ جیل کا اسسٹنٹ وارڈن دو حوالداروں کے ساتھ ایک بدحال قیدی کو گھسیٹتے ہوئے لایا اور میرے ساتھ والی کوٹھری میں اسے دھکا دے کر گالی دی اور کہا۔ "یہاں سے اب تیرے پاکستان کا صدر بھی تجھے نہیں نکال سکے گا"۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے۔ پاکستان کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے ساتھ والی کوٹھری میں جا کر دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کا مگر مضبوط ڈیل ڈول والا آدمی جس کی خشخشی داڑھی تھی اور جس نے شلوار قمیص پر گرم سوئٹر پہن رکھا تھا۔ فرش پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ اٹھایا تو اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا اور ماتھے پر نیل کے نشان تھا۔ اسے بہت مارا پیٹا گیا تھا۔ میں نے کہا۔ "تم کون ہو؟"

اس آدمی نے رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور گلوگیر آواز میں کہا۔ "ان کافروں سے مجھے بچا لو۔ انہوں نے مجھے بڑا مارا ہے"۔

"تمہارا جرم کیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

وہ بولا۔ "یہ میں' تمہیں نہیں بتا سکتا۔ میری کوٹھری سے چلے جاؤ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو

میں چپکے سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ میرا ذہن ابھی تک سوچ رہا تھا کہ وارڈن نے یہ کیوں کہا تھا کہ یہاں سے تجھے پاکستان کا صدر بھی باہر نہیں نکال سکتا۔ کہیں یہ پاکستانی جاسوس تو نہیں ہے؟ میں اٹھ کر دوبارہ کوٹھری کی طرف جانے ہی والا تھا کہ گمن سنگھ ادھر سے گزرا۔

"کرم دین! یہ نیا رنگروٹ کہاں سے آیا ہے؟"

میں نے انجان بن کر کہا۔ "مجھے معلوم نہیں' وارڈن اسے یہاں پھینک گیا ہے"۔

رات کو بڑی سردی تھی۔ برفانی ہوا چل رہی تھی۔ میں پرانے کمبلوں میں لپٹا اپنی کوٹھری کے کونے میں دبکا پڑا تھا کہ مجھے ساتھ والی کوٹھری سے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ یہ نئے قیدی کی آواز تھی۔ اچانک وہ کلمہ شریف کا ورد کرنے لگا جیسے اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہو۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں اٹھ کر دبے پاؤں اس کی کوٹھری میں داخل ہوا۔ وہ گندے کمبلوں کے ڈھیر میں پڑا کراہتے ہوئے بار بار کلمہ پڑھ رہا تھا۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا۔ "بھائی کیا تکلیف ہے' تمہیں' تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں

اس قیدی نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے' مجھے مرنے دو۔ میں اسلام اور اپنے پیارے پاکستان کے نام پر جان دے رہا ہوں مجھے شہید ہو جانے دو"۔

پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہو گیا تھا لیکن اس کا سانس چل رہا تھا۔ میں نے بیرک میں گشت کرتے حوالدار کو جا کر صورت حال بتائی تو اس نے مجھے گالی دے کر کہا۔ "تم چاچے لگتے ہو' اس کے؟ وہ بھی تمہاری طرح پاکستانی جاسوس ہے۔ مرتا ہے تو مرنے دو' چلو اپنی کوٹھری میں ... اب باہر نکلے تو شوٹ کر دوں گا"۔

میں واپس اپنی کوٹھری میں آ کر لیٹ گیا۔ دوسرے روز صبح کافی دن چڑھے جیل کے وارڈن نے میرے ساتھ والے پاکستانی جاسوس کی کوٹھڑی میں جا کر اسے کوئی دوائی پلائی اور اسے گالیاں دیتا واپس آ گیا۔

سارا دن نیا قیدی باہر نہ نکلا۔ شام کو ڈاکٹر بھی اس کا معائنہ کر کے چلا گیا۔ رات کے وقت نئے قیدی کو اٹھا کر جیل کی ڈسپنسری میں لے جایا گیا' جہاں وہ ساری رات پڑا رہا۔ دو دنوں کے بعد میں نے اسے جیل کی ڈسپنسری کے باہر زمین پر دھوپ میں اکڑوں بیٹھے دیکھا۔ وہ بہت بیمار لگ رہا تھا۔ پاکستانی ہونے کے ناطے ... مجھے قدرتی طور پر اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ میں نے قریب جا کر اس کی خیریت دریافت کی تو اس نے غصیلی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے غرا کر کہا۔

"تم میرا پیچھا چھوڑو گے یا نہیں' دفع ہو جاؤ۔ تم وارڈن کے پٹھو ہو' تم مجھ سے کوئی معلومات حاصل نہیں کر سکتے"۔

اور اس نے مجھے بہت گندی گالی دے دی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں پی گیا۔ اس نے مجھے وارڈن کا پٹھو کہہ کر میری توہین کی تھی' شاید اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ میں بھی مسلمان ہوں اور مجھ پر بھی

پاکستان کے جاسوس ہونے کا الزام ہے۔ میں نے جب اسے بتایا کہ میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں اور مجھ پر بھی پاکستانی جاسوس ہونے الزام ہے اس پر اس نئے قیدی نے گھور کر مجھے دیکھا اور بولا۔

"تم بکواس کرتے ہو۔ تم اگر مسلمان بھی ہو تو وارڈن کے پٹھو ہو۔ تم بھارتی حکومت کے نوکر ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا' جاؤ اپنا کام کرو۔"

اس وقت میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس سے مزید بات چیت نہیں کرنی چاہیئے۔ میں وہاں سے چلا آیا لیکن میرے دل میں اس مسلمان قیدی کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ خاص طور پر جب کہ اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام تھا اگرچہ یہ نیا مسلمان قیدی مجھے اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا لیکن میں نے حوصلہ نہ ہا۔ گھمن سنگھ کو باہر سے مالٹے آتے۔ وہ مجھے کھانے کو دیتا تو میں دو مالٹے چھپا کر رکھ لیتا اور نئے مسلمان قیدی کو جا کر دے دیتا۔ آہستہ آہستہ چند روز کے بعد اس نے مجھ سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اس نے مجھے بتایا۔

"میرا نام رمضان ہے۔ میرا گھر پاکستان کے شہر سکھر میں ہے۔ میں پولیس کا کھوجی تھا پھر پاکستان بارڈ فورس نے اسمگلروں کو پکڑنے کے لئے میری خدمات حاصل کر لیں۔ کچھ دن ان کے لئے کام کرتا رہا۔ اب انہوں نے مجھے جاسوسی کی ٹریننگ دینی شروع کر دی اور ایک روز مجھے ایک دوسرے پاکستانی جاسوس کے ساتھ باڈر کراس کروا کر بھارت بھیج دیا۔ لیکن میری بدقسمتی کہ میں جالندھر ریلوے اسٹیشن پر پکڑ لیا گیا"۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم بھی پاکستانی جاسوس ہو؟ تم نے کس طرف سے بارڈر کراس کیا تھا؟ کیا تمہارا تعلق بھی پاکستان بارڈر فورس سے ہے"؟

میں نے اپنے بارے میں اسے بتانا مناسب نہ سمجھا۔ بس اتنا ہی کہا۔ "میں پاکستانی ضرور ہوں مگر جاسوس نہیں ہوں۔ میں تو انڈین فلمیں دیکھنے کے شوق میں بارڈر کراس کر کے یہاں آگیا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا"۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" رمضان نے پوچھا۔

"کرم دین! میں گوجرانوالہ کا رہنے والا ہوں اور میرے باپ کا خراد کا کارخانہ ہے' جہاں میں خراد کا کام کرتا تھا۔"

رمضان مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ "تم لوگوں نے پاکستان کا نام بدنام کر رکھا ہے۔ انڈین فلموں کو شوق سے دیکھتے ہو۔ ہیما مالینی اور راجیش کھنہ کو اپنے ہیرو بنائے پھرتے ہو' تمہیں شرم آنی چاہیئے' جاؤ یہاں سے میں تم جیسے وطن کے غداروں سے بات نہیں کرنا چاہتا"۔

مجھے رمضان کی وطن دوستی کے جذبے نے بے حد متاثر کیا تھا۔ میں اپنی صفائی میں کچھ کہنے

ہی والا تھا کہ رمضان نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولا ۔ ”مگر تم پاکستانی ہو کر جھوٹ بولتے ہو ۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا مگر تم جھوٹ بول رہے ہو ۔ میں جانتا ہوں، تم پاکستانی جاسوس ہو ۔ مجھے یہاں کسی نے بتایا تھا کہ تم جموں توی میں پکڑے گئے تھے ۔ میرا ساتھی بھی جموں گیا تھا ۔ اس کا ٹارگٹ بھی جموں کا ایک پل تھا ۔ مجھے اس کے انجام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ۔ کیا تم نے اسے دیکھا تھا“ ۔

میں کشمکش میں پڑ گیا ۔ اس شخص کے پاکستانی جاسوس ہونے کا یقین تھا مگر میں اپنے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا ۔ میں نے اس سے اس کے ساتھی کے نام کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا ۔ ”اصلی نام تم جانتے ہو کہ ہم کبھی نہیں بتایا کرتے ۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بھی اپنا غلط نام بتایا ہے ۔ میرا اصلی نام بھی رمضان نہیں ہے لیکن ایک پاکستانی مسلمان بھائی ہونے کے ناطے میں ' تمہیں اپنے ساتھی کے بارے میں ضرور بتاؤں گا کہ وہ ایک سادھو کے بھیس میں تھا ۔ اس نے جموں شہر کے کسی باغ کے دروازے پر اپنی کٹیا بنا رکھی تھی“ ۔

میں کچھ چونکا مگر اس تحیر کو میں نے اپنے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا ۔ یہ شخص اس سادھو کے بارے میں کہہ رہا تھا' جس نے واقعی جموں شہر کے کمپنی باغ کے دروازے کے پاس اپنی جھونپڑی بنا رکھی تھی اور جہاں میں بھی جایا کرتا تھا ۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ رمضان واقعی پاکستانی جاسوس تھا ۔ مجھے جموں والے سادھو کے بارے میں علم تھا کہ وہ وہاں سے فرار ہو گیا تھا اور زندہ تھا لیکن اس کے باوجود میں نے اپنا راز کھولنا مناسب خیال نہ کیا اور کہا ۔ ”اگر تم کہتے ہو کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں تو ٹھیک ہے ۔ بے شک کہو ... لیکن یقین کرو کہ میں تمہارے کسی سادھو ساتھی سے نہیں ملا اور جموں کے باغ میں بھی کبھی نہیں گیا تھا“ ۔

رمضان نے سر جھکا لیا پھر چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا ... ”کرم دین! تمہارا جو کوئی بھی نام ہے' میں اگر فرار ہو کر پاکستان پہنچ گیا تو اپنے محکمے میں تمہاری سفارش کروں گا ۔ تم بہت پختہ' تجربہ کار اور قابل اعتبار جاسوس ہو کیونکہ تم نے ابھی تک مجھے اپنی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جب کہ میں نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے ' اچھا اب تم یہاں سے چلے جاؤ“ ۔

آدمی بد مزاج بھی تھا ۔ میں خاموشی سے وہاں سے چل دیا ۔ اس واقعے کے دو روز بعد دوپہر کے وقت وہ میری بیرک کے قریب آ کر رک گیا پھر اشارے سے کیکر کے درخت کے پاس جانے کو کہا ۔ میں اٹھ کر ادھر کو چل پڑا ۔ سوچا شاید یہ مجھے کوئی راز کی بات بتانے والا ہے ۔ رمضان جاسوس تھوڑی دیر کیکر کے آس پاس منڈلاتا رہا پھر میرے قریب آ کر اس نے کیکر کی ایک شاخ توڑی اور بولا ۔ ”اس کی مسواک بڑی اچھی ہوتی ہے ۔ وہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا پھر آہستہ سے کہنے لگا ۔ ”کرم دین مجھے جاپ کے لئے یہ لوگ کل بڑے اسپتال لے جا رہے ہیں ۔ میں نے ہر قیمت پر راستے میں فرار ہونے کا منصوبہ بنا لیا ہے ۔ تمہیں اگر باہر اپنے کسی ساتھی کو پیغام دینا ہے تو دے دو' میں پہنچا دوں گا“ ۔

مجھے باہر کسی کو کوئی پیغام نہیں دینا تھا۔ میں نے کہا۔ " رمضان! باہر میرا کوئی ساتھی نہیں ہے مگر تم جلدی میں کوئی قدم مت اٹھانا۔ یہ لوگ ایک سیکنڈ میں گولی مار دیں گے، تمہیں "۔

وہ میرے پاس بیٹھ کر یونہی مسواک کرتے ہوئے کہنے لگا۔ " کرم دین احمق نہ بنو۔ میں تمہارا بھائی ہوں، تم بھی پاکستانی ہو، میں بھی پاکستانی ہوں۔ ہم دونوں کے سامنے ایک ہی مشن ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے ساتھی باہر ضرور ہوں گے۔ میں، تمہارا پیغام ان تک بڑی حفاظت سے پہنچادوں گا۔ باقی تم میری فکر نہ کرو۔ میں فرار ہونے میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ دو بار پہلے بھی راجستھان کی جیل سے فرار ہو چکا ہوں "۔

میں سوچنے لگا کہ اسے اپنے بارے میں بتا دینا چاہیےاور بمبئی والے حکیم صاحب کو جو پاکستان کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنی قید کے بارے میں پیغام پہنچا دینا چاہیے۔ میں اسے بتانے ہی والا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک حوالدار گشت کرتا ہماری طرف آیا۔ رمضان بولا۔ " شام کے بعد تم سے بات کروں گا "۔

وہ چلا گیا۔

دوپہر کے بعد ملاقات آئی تو گھمن سنگھ بڑا خوش خوش ملاقاتی وارڈ کی طرف بڑھا۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے بولا۔ " کرم دین! اج سالا دارو آرہا ہے، ملاقات میں، تم کو بھی پلاؤں گا "۔ اور وہ اپنی مونچھوں کو ہتھیلی سے بٹھاتے ہوئے آگے نکل گیا۔

میں اپنی بیرک میں جاکر کمبل لوڑھ کر کونے والی سلاخوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے فرار کے بارے میں غور کرنے لگا۔ کمبخت اس جیل میں حفاظتی انتظامات اس قدر سخت تھے کہ وہاں سے فرار ابھی تک مجھے ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ میں اسی ادھیڑبن لگا رہا۔ دوپہر ڈھل گئی۔ سورج غروب ہونے لگا تو میں نے گھمن سنگھ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ مجھے کچھ سنجیدہ لگا۔ میں نے یونہی پوچھ لیا۔ " سردار جی! لگتا ہے آپ کا دارو نہیں آیا "۔

گھمن سنگھ نے میرے پاس آکر کمبل کو ایک طرف ہٹایا تو میں نے دیکھا کہ اس کے تہد میں دارو کی ایک بوتل آدھی باہر نکلی ہوئی تھی۔ " کرم دین! ہماری بوتل کبھی نہیں رک سکتی مگر تجھے ایک بڑی گرما گرم خبر سنانے آیا ہوں "۔

میں گھمن سنگھ کو تکنے لگا۔ "کیا میری رہائی کے آرڈر آ گئے ہیں؟"

گھمن سنگھ میرے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ مونچھوں کو انگلی سے مروڑتے ہوئے ٹکٹکی باندھے مجھے تک رہا تھا۔ " کرم دین! تو نے میری جان بچائی ہے، تجھے یار کہا ہے، تجھ سے دغا نہیں کر سکتا۔ مرد ہوں، سنگھ شیر ہوں، بھارت ماتا کو پیچھے چھوڑ کر تیری یاری نبھا رہا ہوں "۔

میں حیران تھا کہ یہ شخص مجھے ایسی کون سی بات بتانے والا ہے۔ گھمن سنگھ کے چہرے پر اس

وقت مردانہ جلال تھا۔ اس نے کمبل ہٹا کر اپنی تہمد میں اڑسی ہوئی دارو کی بوتل نکال کر دو گھونٹ پیئے۔ دارو کو اسی جگہ چھپا دیا اور مونچھوں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "پترجی! یہ جو رمضان یہاں نیا قیدی آیا ہے' یہ جیل والوں کا اپنا آدمی ہے۔ یہ تم سے تمہارے ساتھیوں کا راز معلوم کرنے آیا ہے۔ اس سے خبردار رہنا"۔

یہ کہہ کر گھمن سنگھ اٹھا اور جھومتا جھامتا' ماہیا گاتا اپنی بیرک کی طرف چل دیا۔

میں تو جیسے سکتے میں آگیا۔ میں نے اس پہلو پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ نیا قیدی بھارتی جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔ جیلوں میں عام طور پر یہ گر استعمال کیا جاتا ہے کہ اپنی طرف سے آدمی بھیج کر دوسرے جاسوس کے راز معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میں نے دل ہی دل میں شیر مرد گھمن سنگھ کو سلام کیا۔ اس نے اپنے وطن کے مفادات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مجھے ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس وقت اگر گھمن سنگھ مجھے رمضان کے بارے میں خبردار نہ کرتا تو میں اس روز اسے یقیناً بمبئی والے پاکستانی جاسوس کے بارے میں سب کچھ بتا دیتا اور اسے فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔

اب میں اپنی جگہ پر چوکنا ہو گیا اور میرا ذہن اس لائن پر سوچنے لگا کہ میں بھارتی جاسوس رمضان کو یہاں سے فرار ہونے کے سلسلے میں کس طرح استعمال کر سکتا ہوں؟ اس رات جیل کے گندے کمبل میں لیٹے لیٹے میں نے باقاعدہ ایک منصوبہ تیار کر لیا۔

دن نکلا تو میں باہر والی چکی کے پاس بیٹھا مسواک کر رہا تھا... کہ گھمن سنگھ ادھر آگیا۔ میرے پاس آکر رازداری سے بولا۔ "پتر کرم دین یار تم مجھے سانپ کا منکا دے دو تو میں' تمہیں جیل سے باہر دو ہزار روپے دلوا سکتا ہوں"۔

ایسا سیدھا اور صاف دل کا آدمی تھا کہ وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس نے مجھے کس قدر خطرناک بات رات کو بتائی تھی۔ اس ضمن میں وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "سردار جی! یہ منکا میری ماں کی نشانی ہے۔ میں اسے کسی کو نہیں دے سکتا۔ مجھے شما کر دیں"۔

گھمن سنگھ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔ "اوئے کوئی گل نہیں پترجی! تماری ماں ہماری ماں ہے"۔

وہ جاتے جاتے پلٹ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "کرم دین! اگر کبھی تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع ملے تو میرے گاؤں ضرور آنا وہاں تمہیں اندرا گاندھی کی ساری پولیس بھی مل کر تلاش نہیں کر سکتی۔ میں' تمہیں بارڈر کراس کرا دوں گا"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مسکراتا رہا۔ گھمن سنگھ کو ابھی رات کی چڑھی ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔

" قادیاں سے تین کوس پر ہرچوال گاؤں ہے۔ ہرچوال کے آگے سری گوبند کا ریلوے اسٹیشن ہے۔ بس ہرچوال اور سری گوبند کے درمیان گنگا پور ہے' یہی میرا گاؤں ہے' ضرور آنا تجھے ماجھے کا خالص اپنے گھر کا دارو پلاؤں گا"۔

میں نے گھمن سنگھ سے کہا۔ " سردار جی! رمضان کے بارے میں آپ نے مجھے تو بتا دیا ہے کسی اور کو نہ بتائیں"۔

گھمن سنگھ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ میرے بازو کو زور سے پکڑ کر بولا۔ " کرم دین! تم پنجابی ہو کر ایسی بات کر رہے ہو؟ میں پنجابی شیر مرد ہوں۔ آگے پھر کبھی ایسی بات نہ کرنا"۔ گھمن سنگھ لہراتا ہوا اپنی بیرک کی طرف چلا گیا۔

گھمن سنگھ نے مجھے دو تین روز بعد بتایا کہ اس نے سپرنٹنڈنٹ جیل کے دفتر میں رمضان جاسوس کو سپرنٹنڈنٹ سے خاص احکامات وصول کرتے سنا تھا۔ رمضان کو قطعی علم نہیں تھا کہ مجھ پر اس کا راز فاش ہو چکا ہے۔ وہ بظاہر موقع پا کر میری کوٹھری میں آیا اور ایک بار پھر اس نے کہا کہ اس کے فرار کا منصوبہ مکمل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اگر اپنے کسی ساتھی کو باہر پیغام دینا ہو تو میں اسے بتا دوں۔

میں نے اپنے بنائے ہوئے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ میں نے رمضان سے کہا۔ " تم اگر واقعی مجھے اپنا پاکستانی مسلمان بھائی سمجھتے ہو اور تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے تو پھر مجھے بھی اپنے ساتھ اس جیل سے کیوں نہیں نکال لے جاتے؟"

اس پر رمضان نے جواب دیا۔ " جس شخص نے مجھے یہاں سے نکالنے کا ذمہ لیا ہے' وہ صرف ایک آدمی کو ہی فرار کروا سکتا ہے۔ ہاں میں باہر جا کر تمہارے لئے کوشش کروں گا' اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے کسی معتبر ساتھی کا پتہ بتا دو تاکہ میں اس سے بھی مدد لے سکوں کیونکہ ابھی مجھے بھارت کا بارڈر کراس نہیں کرنا ہے بلکہ بھارت میں رہ کر جاسوسی کرنی ہے"

میں اب اسے بھلا کیسے اپنے بمبئی والے حکیم صاحب کا پتا بتا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔" رمضان چچا! یقین کرو بھارت میں اگر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی پاکستانی جاسوس کام کر بھی رہا ہے تو مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ مجھے ان لوگوں سے قصداً بے خبر رکھا گیا ہے"۔

رمضان بولا۔ " مگر تم جموں کے کمپنی باغ والے پاکستانی سادھو سے جا کر ملتے رہے ہو۔ مجھے راجوڑی میں اپنے ایک پاکستانی ساتھی سے اس کا علم ہو گیا تھا"۔

یہ پولیس کی رپورٹ تھی۔ رمضان کو میرے اور جموں والے جاسوس کے بارے میں ذاتی طور پر کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے میری رپورٹ اور ہسٹری شیٹ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ یہ روزنامچہ اس خفیہ آدمی نے تیار کیا تھا' جو جموں میں میرا تعاقب کیا کرتا تھا۔ میں نے کہا۔ " میں کسی جموں والے سادھو کو نہیں جانتا۔۔" پھر جان بوجھ کر قدرے خاموش رہا اور رمضان کی طرف دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

" مجھے یقین ہے کہ تم میرے پاکستانی بھائی ہو اور وطن عزیز کے لئے یہاں کام کر رہے ہو' اس لئے میں تمہاری مدد کروں گا"۔

رمضان کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ راز داری سے میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور بظاہر دائیں بائیں ایک تشویش انگیز نگاہ ڈالی۔ " میرے بھائی کرم دین! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ دیکھو' تا تم اگر مجھے اپنے کسی ساتھی کا پتہ بتا دو گے تو میں مشکل حالات میں اس سے مدد لے سکوں گا' یہ تمہارا قومی فرض بھی ہے"۔

میں دل میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ " اچھا تو پھر غور سے سنو! میرے پاس ایک خفیہ کوڈ بک ہے' جس پر ان تمام پاکستانی ایجنٹوں کے نام اور ایڈریس درج ہیں' جو بھارت کے مختلف صوبوں میں کام کر رہے ہیں۔

رمضان کی تو آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اس خوشی کو نہ دبا سکا اور بولا۔ " کرم دین! مجھے تم وہ خفیہ کوڈ بک ایک نظر دکھا دو۔ اپنے پاکستانی ساتھیوں میں سے مجھے دو ایک کے ہی پتے چاہئیں' تاکہ بوقت ضرورت میں ان سے امداد حاصل کر سکوں"۔

میں نے کہا۔ " لیکن یہ کوڈ بک میرے پاس نہیں ہے۔ گرفتاری سے ایک ہفتہ پہلے میں نے اسے ایک جگہ چھپا کر رکھ دیا تھا کیونکہ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ بھارتی سی۔ آئی۔ ڈی میرے پیچھے لگی ہے اور وہ مجھے بہت جلد گرفتار کر لے گی"۔

" کہاں چھپا رکھی ہے؟ تم مجھے بتا دو' میں وہاں سے جا کر نکال لوں گا۔" رمضان نے بے تاب ہو کر کہا۔

میں نے کہا۔ " جس جگہ میں نے کوڈ بک کو دفن کیا ہوا ہے' وہ جگہ سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں اور میں خود ہی وہاں سے جا کر نکال سکتا ہوں' اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھی اپنے ساتھ یہاں سے بھگا کر لے چلو پھر میں' تمہیں اس جگہ لے جاؤں گا' جہاں میں نے خفیہ کوڈ بک چھپائی ہوئی ہے۔ اس کے بعد تمہیں سب پاک ایجنٹوں کے نام اور پتے معلوم ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے پھر ہم دونوں ہی کسی ماسٹر اسپائی کے پاس جا کر چھپ جائیں"۔

خفیہ کوڈ بک یعنی غیر ملکی جاسوسوں کی پوری لسٹ اور پتے ایک بہت بڑا لالچ تھا' جس میں رمضان آ گیا۔ اگر وہ یہ کارنامہ سرانجام دے دیتا ہے تو بھارتی خفیہ محکمہ اسے بہت بڑا عہدہ عطا کر دے گا۔ اس کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ کہنے لگا۔ " ٹھیک ہے' آج رات تم تیار رہنا... پروگرام کے مطابق میرا آدمی پولیس انسپکٹر کی وردی میں یہاں آئے گا۔ تم میرے ساتھ نکل چلنا۔ باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا

" ٹھیک ہے' میں رات کو تمہیں تیار ملوں گا۔"

رمضان اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے لئے فرار ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ

بھارتی سی آئی ڈی کا خاص آدمی ہے اور جیل کے دروازے آدھی رات کو اس پر کھول دیئے جائیں گے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ جس وقت وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جھوٹے فرار کا ڈھونگ رچائے رات کے اندھیرے میں جیل سے بھاگے گا تو خفیہ پولیس کے مسلح آدمی ہمارا پیچھا شروع کر دیں گے اور رمضان انہیں خفیہ اشارے بھی دے گا۔ شام کو وہ ادھر ادھر سے منڈلاتا ایک بار پھر میرے پاس آیا اور باتوں ہی باتوں میں اس نے مجھ سے پوچھا کہ خفیہ کوڈ بک کس جگہ چھپائی گئی ہے؟ مگر میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ میں جیل سے نکل کر ہی بتاؤں گا۔ یہ میرا اصول ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم جاسوسوں کی بعض اصولی مجبوریاں ہوتی ہیں۔

وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ فرار ہونے کا موقع خود جیل کے حکام دے رہے تھے اور میں باہر نکلتے ہی... مسلح آدمیوں کی نگاہ میں ہوں گا۔ ان کے خیال میں' میں ان کی نگاہوں اور گولیوں سے بچ کر کہیں فرار نہیں ہو سکتا تھا' اس لئے وہ مطمئن تھے۔ میں نے لچھمن سنگھ کو اپنے فرار کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔

یہ اوائل دسمبر کی رات تھی۔ جالندھر کے آسمان پر ستارے کھلے تھے اور میں اپنی بیرک میں کمبلوں میں لپٹا پڑا تھا۔ بیرک کے باہر دو حوالدار باری باری گشت لگا رہے تھے۔ دور جیل کے بڑے دروازے پر نصب بلب روشن تھا اور صحن بالکل خالی پڑا تھا۔ اگرچہ یہ فرار ایک ڈھونگ تھا پھر بھی مجھے متاثر کرنے کے لئے اس کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا تھا تاکہ مجھے شک نہ ہو۔ رمضان کی کوٹھری میں اندھیرا تھا۔ جب جیل کی گھنٹی نے آدھی رات کا گجر بجایا تو میں کمبل میں سے منہ نکال کر بڑے دروازے کی طرف تکنے لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ گشت کرنے والے حوالدار زیادہ وقفے سے گشت کرنے لگے تھے۔ جیل کے دروازے کے اوپر لگا ہوا بلب اسی طرح روشن تھا پھر اچانک گیٹ کھلا اور ایک جیپ تیزی سے داخل ہو کر ایک طرف رک گئی۔ جیپ میں سے ایک آدمی پولیس انسپکٹر کی وردی میں اترا۔ اس کے ساتھ جیل کے دو سپاہی بھی تھے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ رمضان کا نقلی ڈرامہ شروع ہو گیا تھا۔

پولیس انسپکٹر سیدھا' رمضان کی کوٹھری کے پاس آ گیا۔ اس نے اچانک جیب سے ایک خنجر نکالا اور جیل کے سپاہیوں پر اتنی تیزی سے حملہ کیا کہ وہ بظاہر اپنے آپ کو نہ بچا سکے اور شدید زخمی ہو کر کراہتے ہوئے نیچے گر پڑے۔ اتنے میں گشت کرنے والا ایک حوالدار وہاں آ گیا۔

پولیس انسپکٹر نے اچھل کر اسے ایک فلائنگ کک لگائی اور حوالدار کے ہاتھ سے بندوق نیچے گر پڑی۔ پولیس انسپکٹر نے اس پر بھی خنجر سے وار کر دیا۔ یہ سارے کے سارے وار نقلی تھے۔ کوئی زخمی نہیں ہوا تھا بلکہ ... ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ان سپاہیوں نے خود پر بناوٹی بے ہوشی طاری کر لی تھی۔

رمضان کی کوٹھری کھول دی گئی۔ پولیس انسپکٹر نے رمضان کو باہر نکال کر کہا۔ "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ اسے چھوڑ دو۔ تم ہی بھاگ چلو معاملہ گڑبڑ نہ ہو جائے"۔

یہ بھی ایک باقاعدہ چال تھی۔ یہ جملہ جان بوجھ کر مجھے سنایا گیا تھا۔ رمضان نے کہا۔ "نہیں نہیں بھائی! کرم دین کو ضرور ساتھ لے جانا ہے۔ وہ میرا اسمگلر ساتھی ہے۔ تمہیں بارڈر پر مزید ایک لاکھ روپے دلوا دوں گا"۔

پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "تو پھر جلدی کرو۔ میں پہلے ہی تین آدمیوں کا خون کر چکا ہوں"۔

رمضان نے میری بیرک میں آ کر آہستہ سے مجھے بلایا۔ "کرم دین چلو' جلدی کرو"۔

میں نے کمبل اپنے جسم کے گرد لپیٹا اور اٹھ کر اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے جیپ میں سوار ہو گیا۔ پولیس انسپکٹر تیزی سے جیپ نکال کر جیل کے دروازے سے باہر آ گیا۔ جیل کے دروازے پر بھی ایک سپاہی بے ہوش پڑا تھا۔ پولیس انسپکٹر نے کہا۔ "اسے میں نے سب سے پہلے بے ہوش کیا تھا"۔

ہماری جیپ رات کے اندھیرے میں جالندھر سینٹرل جیل سے نکل کر شہر کی ایک ویران سڑک پر بھاگنے لگی۔ ہم جالندھر ریلوے اسٹیشن سے بھی آگے نکل گئے۔ اب ایک ایسی کچی سڑک پر جیپ دوڑتی جا رہی تھی' جو امرتسر جانے والی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔

رمضان اور میں جیپ کی پچھلی سیٹ پر کمبل لپیٹے بیٹھے تھے۔ اس نے میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔ "یہ آدمی پولیس انسپکٹر نہیں بلکہ سرحد کے ایک مشہور اسمگلر کا ساتھی ہے۔ اس اسمگلر سے ہمارا رابطہ ہے۔ جاسوسی کے ساتھ ساتھ میں اس کے لئے اسمگلنگ بھی کرتا ہوں۔ میں نے اسے پیغام بھجوایا تھا چنانچہ اس نے اپنے اس خاص ساتھی کو میری رہائی کے لئے یہاں بھیجا"۔

میں جانتا تھا کہ رمضان جھوٹ بول رہا ہے اور یہ پولیس انسپکٹر سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔ میں نے پوچھا۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں' کیا ہم امرتسر بارڈر کی طرف جا رہے ہیں؟" میں اپنے ذہن میں اب ان لوگوں کے چنگل سے فرار ہونے کی اسکیم تیار کر رہا تھا کیونکہ اصل فرار اب میرا ہونے والا تھا۔

رمضان نے کہا۔ "اگر تم مجھے بتا دو کہ وہ مقام کہاں ہے' جہاں تم نے خفیہ کوڈ بک چھپائی ہوئی ہے تو میں اسے وہاں جانے کو کہوں گا اور پھر اسے یہاں سے چلتا کروں گا اور ہم خود ہی کسی نہ کسی طرح امرتسر پہنچ جائیں گے۔ ویسے اس وقت یہ امرتسر کی طرف ہی جا رہا ہے"۔

میں بھی امرتسر ہی جانا چاہتا تھا کیونکہ میں اس شہر کی گلیوں سے واقف ہو گیا تھا اور وہاں اپنے آپ کو کچھ دیر کے لئے با آسانی پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں رمضان سے کہا۔ "میں نے کوڈ بک امرتسر کے کمپنی باغ میں ایک جگہ چھپائی ہوئی ہے۔ اس سے کہو کہ یہ ہمیں امرتسر کے

کمپنی باغ والی نہر کے پاس اتار دے"۔

"ٹھیک ہے۔" رمضان بولا۔ اس نے پولیس انسپکٹر سے کہا۔ "چمن جی! ہمیں کمپنی باغ کی نہر پر اتار دیں"۔

پولیس انسپکٹر نے موٹی سی گالی دے کر کہا۔ "کہیں مجھے نہ پھنسا دینا۔ کمپنی باغ میں آج کل رات کو پولیس گشت کرتی رہتی ہے"۔

یہ بھی اس نے جھوٹ بولا تھا اور فرار کے ڈھونگ کو حقیقت کا رنگ دینے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ رمضان نے اسے منت سماجت کے انداز میں کہا۔ "چمن جی! میں ڈیرے پر آکر تمہیں بھی خوش کر دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ اسمگلر لوگ وعدے کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ تم ہمیں امرتسر کے کمپنی باغ والی نہر کے پاس اتار دینا"۔

پولیس انسپکٹر نے جھنجلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، تمہاری سیٹ کے نیچے سویلین کپڑوں کی گٹھڑی رکھی ہے، اپنے جیل کے کپڑے اتار کر انہیں پہن لو"۔

ہم نے سیٹ کے نیچے سے گٹھڑی نکال کر جیل کی وردی اتار کر میل خورے رنگ کا کرتا اور دھوتیاں پہن لیں۔ بھورے رنگ کا ایک ایک کمبل بھی ہمیں مل گیا۔ جالندھر سے امرتسر تک چالیس میل کا فاصلہ جیپ نے بڑی جلدی طے کر لیا۔

جیپ امرتسر کے مضافات میں سے گزرتی ہوئی شریف پورے کی آبادی میں آ گئی۔ یہاں سے میں نے پولیس انسپکٹر سے کہا کہ جیپ کو دائیں جانب والے ریلوے پھاٹک کے پار لے جا کر ایک طرف کھڑی کر دے۔

پولیس انسپکٹر نے ایک بار پھر موٹی سی گالی دی اور جیپ دائیں طرف موڑ دی۔ میرے اشارے پر جیپ نہر کے پل کی دوسری جانب شہتوت کے ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی گئی۔

پولیس انسپکٹر نے روشنیاں گل کر دیں اور جلدی سے نیچے اتر کر بولا۔ "اب فوراً میری جیپ خالی کر دو، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں پولیس گشت کرتی ہوئی ادھر نہ آ جائے۔ میں نقلی تھانیدار ہوں، دھر لیا جاؤں گا، چلو جلدی کرو"۔

یہ سب ایک ڈرامے کے مکالمے تھے۔

رمضان نے میرے ساتھ جیپ سے باہر چھلانگ لگا دی اور پولیس انسپکٹر سے کہا۔ "کالو کو میرا سلام کہنا، آج سردی ہے"۔

میں فوراً سمجھ گیا کہ رمضان نے خفیہ کوڈ میں انسپکٹر کو شاید یہی ہدایت کی تھی کہ وہ میری نگرانی کرتا رہے۔ پولیس انسپکٹر بھی بڑی ماہرانہ اداکاری کر رہا تھا۔ بولا۔ "نس جاؤ اوئے۔ کس مصیبت میں ڈال دیا ہے، مجھے تم نے، میں جا رہا ہوں، تم جانو، تمہارا کام...!"

اور اس نے جیپ اسٹارٹ کی۔ اسے گھما کر موڑا اور تیزی سے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔
ہم نے کمبلوں کی بکل مار رکھی تھی۔ سردی بہت زیادہ تھی۔ رمضان میرے ساتھ لگ کر چل رہا تھا۔ اس کی جیب میں یقیناً پستول وغیرہ موجود تھا۔ ایسا بھی ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کے پاس اسلحہ نہ ہو۔ میں بھی چوکس تھا۔ میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ میرے بالکل ساتھ لگ کر چل رہا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ مجھ سے نصف قدم پیچھے رہے۔ اس نے کہا۔ "وہ جگہ کہاں ہے، کرم دین! ہمیں صبح ہونے سے پہلے پہلے خفیہ کوڈ بک نکال کر یہاں سے بھاگ جانا چاہیئے۔ چمن نے بتایا تھا کہ یہاں رات کو پولیس کی گشت رہتی ہے"۔

وہ جگہ کہیں بھی نہیں تھی جہاں میں نے کوئی خفیہ کوڈ بک دفن کی ہوئی ہو۔ اب میں اس سے بھاگنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ مجھے اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ میرے اردگرد نہ صرف وہ پولیس انسپکٹر بلکہ پولیس کی دوسری نفری بھی موجود ہے اور ہمارا پیچھا کر رہی ہے کہ اگر میں فرار ہونے کی کوشش کروں گا تو مجھے دبوچ لیا جائے گا یا پھر زخمی کر دیا جائے گا۔

ہم کمپنی باغ کی خشک، چھوٹی نہر کے کنارے پر چلے جا رہے تھے۔ اس نہر کے دونوں جانب آم کے گھنے درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بائیں جانب کمپنی باغ کی گراؤنڈز پھیلی ہیں اور دائیں جانب مجیٹھ گاؤں کو جانے والی سڑک ہے۔ باغ میں اندھیرا تھا اور نہر کا کنارا ڈھلانی تھا۔ میرے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ اندھیرے میں مناسب موقع پا کر کسی طرف کو چھلانگ لگا دوں اور پھر اندھیرے اور درختوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی باغ میں غائب ہو جاؤں۔

میں ایک جگہ رک گیا۔ "رمضان! یہاں وہ درخت ہے، جس کے تنے میں، میں نے کوڈ بک چھپائی تھی"۔

رمضان نے کہا۔ "تو چلو اسے کھود کر نکالتے ہیں"۔

ہم آم کے درخت کے نیچے آگئے۔ میں جان بوجھ کر اسے اس درخت کے پاس لایا تھا کیونکہ یہاں ایک باؤلی تھی، جس کی دوسری طرف ناشپاتی کا ایک باغ تھا اور اس باغ کے دوسرے کنارے پر ایک کلب تھا، جہاں لوگ شام کو ٹینس وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ ناشپاتیوں کے درخت ساتھ ساتھ اگے ہوئے تھے اور ان کے درمیان گہرا اندھیرا پھیلا تھا۔

میں نے رمضان سے کہا۔ "ہم کوئی زمین کھودنے والی شے ساتھ نہیں لائے ایسا کرو کہ میں جہاں اشارہ کروں تم وہاں سے زمین کھود ڈالو"۔

رمضان اب مجھے کسی قسم کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا... بولا "کرم دین! تم نے کوڈ بک چھپائی ہے۔ بہتر ہے کہ تم ہی زمین کھودو۔ میں ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہوں کہ کوئی سپاہی ادھر نہ آنکلے"۔

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، تو پھر تم میرا کمبل سنبھالو"۔

اب میرے اندر کا کمانڈو پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ میں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کمبل اتار کر اس طرح رمضان کے اوپر ڈالا کہ اس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں آ گئی۔ یہ حربہ انتہائی خطرناک اور مہلک تھا اور رمضان جیسا عام بھارتی جاسوس میرے اس جان لیوا حملے کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس کی گردن کی ہڈی توڑنے میں مجھے صرف ایک سیکنڈ کا وقفہ لگا اور اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ میں نے اسے زمین پر گرا دیا اور اس کی تلاشی لی۔ اس کی جیب میں ایک چھوٹا ریوالور تھا۔ میں نے ریوالور سنبھالا اور اپنے آپ کو نہر کی ڈھلان پر واقع باؤلی کی دوسری جانب لڑھکا دیا۔ میں جھاڑیوں میں سے گیند کی طرح لڑھکتا ہوا ناشپاتی کے باغ میں گھاس پر جا گرا۔ ابھی میں اٹھنے ہی لگا تھا کہ جہاں میں رمضان کو مار گرایا تھا' وہاں دوسری جانب سے ٹارچ کی روشنی پڑی... پھر کچھ آدمیوں کے قدم دوڑتے ہوئے نہر کی منڈیر کی طرف بڑھے۔ میں نے درخت کے پیچھے سے دیکھا تو اندھیرے میں نہر کی منڈیر پر کچھ آدمیوں کے سائے حرکت کر رہے تھے۔

... پھر کسی نے چلا کر کہا۔ "اسے پکڑو' وہ یہیں کہیں ہو گا"۔ ساتھ ہی فضا میں پستول کے فائر کی آواز گونج اٹھی۔ ٹارچ کی روشنی درختوں پر گری اور میں نے درختوں میں اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔ ٹارچ کی روشنی نے مجھے اپنی زد میں لے لیا۔ "وہ جا رہا ہے "گولی ٹانگوں... میں مارنا"۔

"دھائیں" سے ایک فائر ہوا۔ گولی میرے بالکل قریب درخت کے تنے سے ٹکرائی مجھے راستے کا علم تھا' اس لئے میں اندھا دھند بھاگتا ہوا ناشپاتی کے درختوں سے نکل کر کلب کی 'انگریزوں کے زمانے کی بنائی ہوئی عمارت کی باڑھ پھلانگ گیا۔ اب میں ٹینس کورٹ میں تھا۔ کلب کی دیوار میں کونے پر ایک زرد بلب جل رہا تھا۔ بھاگتے ہوئے قدم میرے قریب آ رہے تھے اور ٹارچ کی روشنی میری تلاش میں میرے پیچھے پیچھے تھی۔ میں ٹینس کورٹ کی باڑھ کے ساتھ ساتھ بھاگتا چلا گیا پھر اسے ایک جگہ سے اندازے کے مطابق پھلانگا اور دوسری طرف ایک پرانے حوض کے پاس آ گیا' جہاں اندھیرے میں سرو کے درختوں کی قطار کھڑی تھی... یہاں ایک چھوٹا سا سواء' نہر میں سے نکالا گیا تھا تاکہ باغ کو پانی دیا جا سکے۔ میرے پیچھے دو فائر ہوئے۔

سوئے کی منڈیر اونچی تھی۔ میں چھلانگ لگا کر منڈیر کی دوسری جانب جا گرا اور ٹھنڈی کھوئی والے درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگا۔ اندھیرا اور راستوں کا علم میری مدد کر رہا تھا... مگر پولیس میرے پیچھے آ رہی تھی۔ مجھے ان کے قدموں کی اور ان کے چلانے کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ فائر بھی ہو جاتا تھا۔ کمپنی باغ کی ٹھنڈی کھوئی' جن لوگوں نے دیکھی ہے انہیں معلوم ہو گا کہ اس کے عقب میں عیسائیوں کے کوارٹروں کے قریب سے ایک کچا راستہ نکلتا ہے' جو آگے جا کر بجیبٹھ جانے والی چھوٹی سڑک سے جا ملتا ہے۔

... اندھا دھند بھاگتے ہوئے اچانک میری نظر ایک کوارٹر کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی سائیکل

پر پڑی ۔ میں اسے چلانے لگا تو پچھلا پہیہ جام ہو گیا۔ اسکے پچھلے پہیئے میں تالا لگا تھا۔ میں نے اسے وہیں پھینکا اور آگے کو دوڑ پڑا۔ اسی دوران کسی کوارٹر میں بندھا کتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ سپاہیوں نے اب شور مچا دیا تھا۔ پکڑو پکڑو کی آوازیں میرے چاروں طرف سے آنے لگی تھیں۔ اب میں تھک گیا تھا اور دل میں خیال آنے لگا کہ پکڑ لیا جاؤں گا۔ اسی خیال سے میرے اندر جیسے ایک نئی طاقت عود کر آئی۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مجیٹھہ روڈ والا موڑ سامنے تھا۔ یہاں سڑک' نالے کے ایک پل پر سے ذرا سا گھوم کر آگے جاتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ٹرک شور مچاتا قدرے کم رفتار کے ساتھ پل کا موڑ گھوم رہا تھا۔ میں ایک طرف چھپ گیا۔ پیچھے سے ایک اور فائر ہوا۔ ٹرک میرے قریب سے گزرا تو میں نے اس کے پچھلے حصے کو پکڑ کر اندر چھلانگ لگا دی' میں بند گوبھی کے ڈھیر پر جا گرا۔ ٹرک نے سیدھا ہوتے ہی رفتار پکڑ لی۔ ٹرک اوپر سے کھلا تھا۔ عقب میں ایک تختہ لگا تھا۔ میں نے تختے میں سے گردن نکال کر پیچھے دیکھا تو مجھے پل پر بلب کی روشنی میں کچھ سپاہی سڑک پر دوڑتے نظر آئے مگر میں ان کی پہنچ سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

میں بند گوبھی کے ڈھیر میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا اور اتنی سردی میں مجھے پسینہ آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سرد ہوا کی وجہ سے مجھے ٹھنڈ لگنے لگی تو میں بند گوبھی کے ڈھیر میں مزید سکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ ٹرک سبزی لے کر شاید بٹالہ یا کسی دوسرے شہر کی طرف جا رہا تھا کیونکہ وہاں کی پولیس کو وائرلیس پر میرے فرار کی خبر تھوڑی دیر بعد پہنچنے والی تھی۔ چنانچہ میں نے راستے میں ہی کسی محفوظ جگہ اترنے کا فیصلہ کر لیا۔

مگر ٹرک کی رفتار کافی تیز تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ٹرک آدھا گھنٹہ چلا ہو گا کہ اس کی رفتار مدھم ہونے لگی۔ کوئی قصبہ آ رہا تھا... میں نے بند گوبھی کے ڈھیر پر چڑھ کر ٹرک کی دیوار سے باہر جھانک کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر کسی قصبے کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ یہ روشنیاں زیادہ نہیں تھیں مگر لگتا تھا کہ کوئی اہم قصبہ ہے۔ میں نے سوچا کہ مجھے اسی جگہ اترنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ٹرک قصبے کے ایک سنسان بازار میں گھوما تو اس کی رفتار بہت مدھم ہو گئی۔ میں ٹرک میں سے باہر کود گیا۔ میں سڑک پر گر پڑا لیکن زخمی ہونے سے بچ گیا۔ اٹھا اور لپک کر سڑک کے کنارے بند دکانوں کے اندھیرے میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ ٹرک کی سرخ روشنی بازار کے آخری کنارے پر پہنچ کر ایک طرف گھوم گئی۔

میں نے اندھیرے میں سنسان بازار کا جائزہ لیا۔ اس کی دکانیں پختہ تھیں۔ یہ ویر کا یا کوئی دوسرا قصبہ نہیں لگتا تھا۔ مکانوں کے چھجے باہر کو جھکے ہوئے تھے۔ ریوالور میری جیب میں محفوظ پڑا تھا۔ میں صرف میل خورے رنگ کے کھدر کے موٹے کرتے اور تہمد میں تھا۔ پاؤں میں ربر کے جوتے تھے۔ کمبل میں نے کمپنی باغ میں ہی پھینک دیا تھا۔

ایک چوکیدار، لٹھ زمین پر مارتا ہوا "جاگتے رہو" کی رٹ لگاتا گزر گیا۔ جب وہ دور چلا گیا تو میں اٹھا اور بازار کے شروع کی دکانوں کی جانب چلا، باہر نکلا تو اچانک سامنے ایک مسجد نظر آ گئی۔ میں ایک طرف اندھیرے میں کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ یہاں مسجد کہاں سے آ گئی۔ مسجد آباد لگتی تھی کیونکہ اس کے بند دروازے پر بلب جل رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس قصبے میں مسلمان بھی رہتے ہیں۔ اچانک میرے ذہن میں قادیاں کا نام گونج گیا۔ کہیں یہ قادیاں کا گاؤں تو نہیں ہے؟ قادیاں مشرقی پنجاب میں مرزائی مسلمانوں کا گڑھ ہے۔ یہاں کے مرزائی مسلمان شروع ہی سے بڑے خوش حال تھے اور ۱۹۴۷ء میں یہاں کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کو بھارتی حکومت کا باقاعدہ تحفظ حاصل رہا۔ اس کی جو کوئی بھی سیاسی وجہ تھی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنی برادری کے لوگوں کی بے حد مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ میں سڑک پار کر کے مسجد کے دروازے پر آ گیا۔

مسجد کے دروازے کے اوپر پتھر کی سفید سل پر سیاہ حروف میں "جامع مسجد قادیاں" لکھا تھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مسجد کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی۔ میرا دل خوف سے دھڑک رہا تھا کہ نہ جانے اب میرے ساتھ کیا سلوک ہو؟ مسجد کا امام مجھے گرفتار بھی کروا سکتا تھا۔ امام مسجد پولیس کا آدمی بھی ہو سکتا تھا اگر پولیس کا آدمی نہ بھی ہو، تب بھی وہ مجھے پناہ دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے ایک بار تو دل میں آیا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن مجھے مسجد کے صحن میں سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

کوئی مسجد کے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ پھر آواز آئی۔ "کیوں بھئی کون ہے؟"

میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "مولوی صاحب! احمدی مسلمان ہوں' پردیسی ہوں' بٹالے کی بس نکل گئی ہے' سردی میں ٹھٹھر رہا ہوں"۔

مسجد کا دروازہ کھل گیا۔ دروازے پر لگے بلب کی روشنی میں ایک سرخ و سپید نورانی چہرے والے بوڑھے مولوی صاحب کھڑے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ رہے تھے۔ ان کی داڑھی سفید اور چہرہ بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے سر پر گرم ٹوپی اور کاندھوں پر شال اوڑھ رکھی تھی۔ "اندر آجاؤ بیٹا"۔

ان کا حجرہ گرم تھا۔ تانبے کے حمام کے اوپر دیوار پر ایک بلب روشن تھا۔ کونے میں چائے دانی' پیالیاں اور پانی کی ایک بالٹی رکھی تھی۔ ایک گیس کا چھوٹا سا چولہا بھی تھا چولہے کے پاس ہی گیس کا چھوٹا سلنڈر پڑا تھا۔ مولوی صاحب کا بستر زمین پر دیوار کے ساتھ لگا تھا انہوں نے مجھے اپنا کمبل اوڑھنے کو دیا اور کہا۔ "یہاں سو جاؤ' تم بٹالے میں کیا کرتے ہو' بیٹا؟"

میں نے کہا۔ "حضرت جی! بس وہاں محنت مزدوری کرتا ہوں۔ پہلے مالیر کوٹلہ میں سبزی کی دکان کی تھی۔ گزارا بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ بٹالے آکر چائے کا ایک کھوکھا بنا لیا۔ وہیں رہ کر اپنے بوڑھے والدین کا پیٹ پالتا ہوں"۔

مولوی صاحب اپنے لحاف میں دبک کر میری شکل پر نظریں جمائے ہوئے کہنے لگے "تم گھر سے کوئی سوئیٹر یا کمبل لے کر نہیں چلے تھے اتنی سردی میں ایک تہمد اور کرتے میں ہی نکل آئے"۔

میں نے کمبل کو جسم کے گرد کرتے ہوئے کہا۔ "حضرت جی! کیا عرض کروں' کمبل تھا لیکن میں اسے ریلوے اسٹیشن کے بینچ پر رکھ کر باتھ روم میں گیا۔ واپس آیا تو کسی نے کمبل اڑا لیا تھا۔ کیا کروں حضرت جی! ایسے لوگ بھی ہمارے بھارت میں ہوتے ہیں"۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "تمہارے سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھ آئے ہیں' تم حجامت نہیں کراتے؟"

میں نے یونہی کہہ دیا۔ "بس جی ٹائم ہی نہیں ملتا۔ انشاءاللہ بٹالے جا کر بال کٹواؤں گا"۔

"چائے پیو گے؟" مولوی صاحب نے پوچھا۔

اگرچہ مجھے چائے کی بے حد طلب ہو رہی تھی لیکن میں' مولوی صاحب کو اپنے بارے میں زیادہ سوالات کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ "جی نہیں شکریہ' مجھے نیند آرہی ہے"۔

"اچھا پھر سو جاؤ' اذان ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے اگر نماز پڑھنا چاہو تو آجانا' نہیں تو سوتے رہنا۔ صبح کون سی بس پکڑو گے؟"

"جی پہلی بس پکڑوں گا' جو اذان کے بعد جاتی ہے۔"

مولوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے اپنا چہرہ لحاف کے اندر کر لیا۔ میں نے بھی کمبل اوپر کر لیا۔ سخت تھکا ہوا تھا' اس لئے حجرے کی گرم فضا میں مجھے بہت جلد نیند آگئی۔

آنکھ کھلی تو میں نے کمبل ہٹا کر دیکھا۔ حجرے کا بلب بجھا ہوا تھا۔ دروازہ بند تھا اور اس کی درزوں میں سے دھوپ کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ دن کافی نکل آیا ہے مجھے باہر کسی آدمی کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دروازے کے سوراخ میں سے باہر جھانکا تو میرا دل اچھل کر حلق کے پاس آ گیا۔ باہر صحن میں بچھی ہوئی صف پر مولوی صاحب کے پاس پولیس کا ایک تھانے دار بیٹھا تھا۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے۔ "آپ چاہیں تو بے شک میرے حجرے کی تلاشی لے لیں، یہاں اگر آپ کا قیدی آیا ہوتا تو میں آپ کو ضرور بتا دیتا"۔

میرا حلق خشک ہو گیا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مولوی صاحب نے مجھے بچا لیا تھا۔ میرا دل مولوی صاحب کے لئے تعظیم کے جذبات سے لبریز ہو گیا مگر مصیبت ابھی ٹلی نہیں تھی۔ تھانیدار مسجد میں ہی تھا اگر وہ تلاشی لینے کے لئے حجرے میں آ گیا تو میرا پکڑے جانا یقینی تھا۔ تھانے دار کہہ رہا تھا۔

"ہمیں آپ کی زبان پر اعتبار ہے، مولوی صاحب!" تھانیدار اٹھ کر کھڑا ہوا۔ مولوی صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مولوی صاحب سے مصافحہ کیا اور بولا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق وہ اسی علاقے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس کا حلیہ میں آپ کو بتا دیا ہے۔ وہ ہمارے ایک آدمی کو قتل بھی کر آیا ہے اگر وہ ادھر آئے تو برائے مہربانی ہمیں ضرور اطلاع کر دیجئے گا۔ پاکستانی جاسوس بھی ہے، اسے گرفتار کروانا آپ کا راشٹری فرض بھی ہے۔"

مولوی صاحب نے پر سکون لہجے میں کہا۔ "بھلّہ جی آپ فکر نہ کریں، آپ کا مجرم یہاں آیا تو میں اپنا راشٹری فرض ضرور ادا کروں گا"۔

تھانیدار نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور مسجد کے صحن سے اتر کر بوٹ پہنے پھر تسمے باندھ کر اٹھا اور مسجد کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مولوی صاحب، صف پر بیٹھ کر کسی پرانی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ وہ جان بوجھ کر ابھی حجرے میں نہیں آ رہے تھے۔ میں کچھ دیر دروازے سے لگا ان کو دیکھتا رہا۔ دھوپ میں ان کا چہرہ منور تھا اور قدیم انسان دوست صوفی بزرگوں کی یاد دلا رہا تھا۔

... پھر میں زمین پر لگے اپنے بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے بھوک بھی بہت لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر گزری ہو گی کہ دروازہ آہستہ سے کھلا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ مولوی صاحب حجرے میں داخل ہو رہے تھے۔ انہوں نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ مجھ سے کوئی بات کیئے بغیر وہ کونے میں گئے۔ الماری کھول کر اس میں رکھا دہی کا پیالہ اور دو روٹیاں نکال کر میرے سامنے رکھیں اور کہا۔ "یہ کھا لو بیٹا، تمہیں بھوک لگی ہو گی"۔

میں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر چوم لیا۔ شدت جذبات سے میرے آنسو امڈ پڑے۔ میں نے کہا۔ "تھانیدار سے آپ کی جو باتیں ہوئی ہیں، وہ میں نے سن لی ہیں۔ میں... میں آپ کا احسان

زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا"۔

مولوی صاحب کا چہرہ جذبات سے عاری لگتا تھا۔ انہوں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہاں سے باہر مت نکلنا' وہ سامنے والا دروازہ غسل خانے کا ہے"۔

مولوی صاحب حجرے سے نکل گئے۔ انہوں نے باہر تالا لگا دیا مجھے تالا لگانے کی آواز بھی آئی۔

سخت بھوک لگی تھی۔ میں بیٹھے دہی کے ساتھ دونوں روٹیاں کھا گیا پھر غسل خانے میں جا کر اچھی طرح سے نہایا۔ کپڑے بدلے اور کمبل اوڑھ کر بستر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

میری منزل ایک بار پھر بمبئی شہر تھی۔

مجھے حکیم صاحب سے مل کر پاکستانی ڈاکٹر آفریدی اور اس کی بیٹی نورین کا سراغ لگانے گجرات کاٹھیاواڑ کے جنگلوں میں جانا تھا جہاں انہیں اغوا کر کے کسی خفیہ ایٹمی مرکز میں رکھا گیا تھا۔ یہی میرا سب سے اہم ترین مشن تھا۔ میرے پاس نہ تو مناسب کپڑے تھے اور نہ بمبئی تک کا کرایہ تھا۔

سوچتے سوچتے مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں ایک بار پھر سو گیا۔

آنکھ کھلی تو حجرے کے بند دروازے سے دھوپ کی جو دو کرنیں لکیروں کی شکل میں اندر آ رہی تھیں' اب غائب ہو چکی تھیں۔ دن کافی گزر گیا تھا۔ مولوی صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے بند دروازے کے سوراخوں میں سے باہر دیکھا۔ دھوپ ڈھلنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان کی آواز بلند ہوئی اور نمازی' نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آنا شروع ہو گئے۔

میں بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ نماز کے بعد مولوی صاحب آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھا ہوا ڈبہ تھا۔ انہوں نے ڈبہ کھول کر سامنے رکھ دیا۔ اندر ایک قلفی میں گھر کی پکی ہوئی چھ روٹیاں اور دال تھی۔

حجرے کے دروازے کو انہوں نے اندر سے کنڈی لگا دی تھی۔ "کھانا کھالو بیٹا' میں بیچ میں آیا تھا مگر تم سو رہے تھے"۔

کھانا کھاتے ہوئے میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ انہوں نے میری خاطر بہت بڑی اخلاقی قربانی دی ہے وہ تھوڑا سے مسکرائے۔ "بیٹا! جب تم پہلی بار یہاں آئے تھے تو مجھے علم ہو گیا تھا کہ تم محض پردیسی نہیں ہو اور یہ کہ تم احمدی بھی نہیں ہو... لیکن تم مسلمان بھائی ہو اور پاکستان کے لئے' ایک اسلامی ملک کے مفادات کے لئے کام کر رہے ہو۔ اس لئے میں نے مسجد میں بیٹھ کر تھانے دار سے جھوٹ بولا۔ خدا مجھے معاف کر دے گا کیونکہ میں نے یہ سب کچھ ایک مسلمان بھائی کی جان بچانے کے لئے کیا ہے"۔

میرا دل جذبات سے بھر آیا۔ کھانے کے بعد مولوی صاحب فرمانے لگے۔ "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم کہاں جاؤ گے کیونکہ تمہارا زیادہ دیر یہاں رہنا خطرناک ہو گا"۔

میں نے کہا۔ "حضرت جی! اب آپ سے میرا کوئی راز نہیں۔ میں یہاں سے بمبئی شہر جانا چاہتا ہوں اور مجھے کپڑے بھی بدلنے ہیں اور میرے پاس بمبئی تک کا کرایہ بھی نہیں ہے"۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "دونوں باتوں کا بندوبست ہو جائے گا لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہندو تھانیدار اگرچہ بظاہر مجھ سے مطمئن ہو کر چلا گیا ہے مگر اس کا ایک آدمی مسجد کے سامنے کسی جگہ چھپ کر یا بھیس بدل کر ضرور پہرہ دے رہا ہے۔ تم کسی بھی لباس میں یہاں سے نکلو گے' وہ تمہیں پہچان لے گا' اس لئے کہ انہیں تمہارا حلیہ بتا دیا گیا ہے ویسے بھی تمہارا چہرہ یہاں اجنبی چہرہ ہے"۔

میں نے کہا۔ "تو پھر آپ کا کیا مشورہ ہے؟ کیا میں رات کے اندھیرے میں پچھلے دروازے سے نہیں نکل سکتا؟"

مولوی صاحب فرمانے لگے۔ "اس مسجد کا پچھلا دروازہ کوئی نہیں ہے۔ تمہیں مسجد کے سامنے والے دروازے سے ہی نکلنا ہو گا۔ تم ابھی یہیں بیٹھو۔ سب سے پہلے تو میں' تمہارے لئے کچھ کپڑے لاتا ہوں"۔

مولوی صاحب حجرے کو باہر سے تالا لگا کر چلے گئے۔ شام کی نماز کے بعد تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ اس میں کالر والی نیلی قمیص' ایک پرانی سی پتلون اور ایک فل جرسی تھی۔ میں نے ان کی ہدایت پر یہ کپڑے پہن لئے۔ میرے پرانے کپڑے مولوی صاحب نے تھیلے میں ٹھونسے اور انہیں غسل خانے کی دو چھتی پر جا کر چھپا دیا پھر انہوں نے ایک چھوٹی تھیلی میں سے ستر روپے نکال کر دیئے۔ "ان پیسوں کی مدد سے تم بڑی آسانی سے بمبئی پہنچ جاؤ گے"۔

میں نے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو انہوں نے مجھے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور بولے۔ "اب سوال تمہارے یہاں سے نکلنے کا ہے"۔ وہ بستر پر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے پھر اپنا پر نور چہرہ اٹھا کر کہا۔ "آج کی رات تم یہیں آرام کرو' کل کچھ سوچیں گے"۔

وہ رات بھی گزر گئی۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے بعد انہوں نے حجرے میں آ کر بتایا کہ تھانیدار کے جانے کے بعد سے ایک نیا فقیر مسجد کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ گیا ہے۔ "یقیناً یہ پولیس کا آدمی ہے... اور تمہاری ٹوہ میں ہے۔ ہم اسے یہاں سے ہٹا نہیں سکتے' اس طرح پولیس تو ضرور شک میں پڑ جائے گی"۔

میں کچھ پریشان ہو گیا۔ ایسا لگا کہ میرا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہاں کوئی ایسی گڑبڑ ہو کہ جس سے نیک دل مولوی صاحب پر آنچ آئے۔ میرے ریوالور میں بارہ گولیاں بھری ہوئی تھیں اور وہ ویسے کا ویسا میری جیب میں پڑا تھا۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ میں اگر رات کے اندھیرے میں مسجد کی چھت پر سے دوسری طرف کود جاؤں تو ہو سکتا ہے' سامنے بیٹھے سی آئی ڈی کے فقیر کی مجھ پر نظر نہ پڑے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ پولیس والے اتنے احمق نہیں

ہوتے۔ انہوں نے ضرور مسجد کی دوسری طرف بھی اپنا کوئی آدمی لگا رکھا ہو گا۔ ایک دم سے مولوی صاحب کو کوئی خیال سوجھا۔ انہوں نے میری طرف پلٹ کر کہا۔ "یاد آیا۔ ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔ کل مسجد میں ایک چھوٹا سا جلسہ ہو رہا ہے شام کو... کافی لوگ اس میں شامل ہونے کے لئے آئیں گے۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگیں تو ان کی بھیڑ میں شامل ہو کر تم بھی یہاں سے فرار ہو سکتے ہو۔ کیا تم ایسا کر لو گے؟"

میں وہاں خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ جتنی جلدی ہو سکے، وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے حامی بھر لی۔ مولوی صاحب نے دوسرے روز مجھے آ کر بتایا کہ جلسے میں شریک ہونے کے لئے لوگ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ مالیر کوٹلہ سے اور امرتسر اور دلی سے بھی لوگ پہنچ گئے ہیں۔ "تمہاری گاڑی امرتسر سے رات آٹھ بج کر چالیس منٹ پر بمبئی کی طرف روانہ ہو گی۔ قادیاں سے تم شام کی آخری ٹرین پکڑ کر امرتسر چلے جانا"۔

یہی بات طے پا گئی۔ دوپہر کے بعد مسجد میں کافی مہمان پہنچ گئے تھے۔ مولوی صاحب نے مجھے زرد رومال دیا، جس کو میں نے سر پر اس طرح سے باندھ لیا کہ میرا آدھا چہرہ چھپ گیا۔ تیسرے پہر جلسہ شروع ہوا اور شام کو ختم ہوا۔ منصوبے کے مطابق میں شام کے وقت جلسہ ختم ہونے سے تھوڑی دیر پہلے حجرے سے نکل کر دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر تقریریں سننے لگا۔ جلسہ ختم ہوا، لوگ باہر کو نکلے تو میں نے آخری بار مولوی صاحب کو دیکھا، جو میز پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں جاتے ہوئے ان سے نہ ملوں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی مسجد سے نکل کر باہر بازار میں آ گیا۔ غیر شعوری طور پر میری نگاہ اس فقیر پر پڑی، جو مسجد کے عین سامنے سڑک کے کنارے فقیروں ایسا لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں مسجد سے نکلتے لوگوں کو گھور رہی تھیں۔ شاید اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا تھا کیونکہ میرے باہر نکلنے کے دوسرے ہی لمحے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ میں نے اسے اٹھتے دیکھا تو حماقت کی کہ میں دوڑ پڑا۔

اس نے مجھے پیچھے سے آواز دی۔ "پکڑو پکڑو، چور ہے... چور ہے"۔

لوگ پلٹ پلٹ کر مجھے تکنے لگے۔ یہ بڑی خطرناک چال تھی۔ کوئی بھی مجھے پکڑ سکتا تھا۔ رات کی آمد آمد تھی۔ دیا، بتی روشن ہو گئے تھے۔ سردی کی وجہ سے بازار میں اتنی ٹریفک نہیں تھی پھر بھی لوگ آ جا رہے تھے۔ میں بگٹٹ بھاگتا ایک گلی میں گھس گیا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ گلی آگے جا کر کہیں بند تو نہیں ہو جاتی۔

گلی ویران تھی۔ گلی کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ گلی آگے سے واقعی بند تھی۔ سامنے ایک مکان تھا، جس کی سیڑھیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا تو میں دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ سیڑھیاں مکان کی اوپر والی چھت پر جاتی تھیں۔ درمیانی منزل

کے دروازے سے مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم اوئے؟"

میں نے مکان کی چھت پر پہنچ کر دوسری طرف دیکھا۔ دوسری طرف کھیت تھے یہ دو منزلہ مکان تھا اور ایک بیری کا درخت چھت کی دیوار کے ساتھ اوپر تک آیا ہوا تھا۔ میں نے ایک شاخ کو پکڑا اور جھولتا ہوا نیچے کھیت میں جا گرا۔ اٹھا اور سامنے کی طرف دوڑنے لگا۔ بس میں دوڑتا ہی چلا گیا۔ میدان عبور کیا۔ ایک ریلوے پل کے نیچے سے گزرا۔ ایک کھال کو پھلانگا۔ اندھیرے میں میرے سر کا رومال نہ جانے کہاں گر گیا تھا۔

ایک کچے مکان کے پیچھے میں نے ایک سائیکل پڑی دیکھی۔ اسے تالا نہیں لگا تھا۔ میں اس پر سوار ہو کر زور زور سے پیڈل چلانے لگا۔ میں سامنے مشرق کی طرف جاتی ایک کچی سڑک پر رواں دواں تھا۔ اس سڑک پر کوئی روشنی نہیں تھی۔ رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں یہ کچی سڑک ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ دائیں بائیں سبزیوں اور کماد کے کھیت پھیلے تھے۔ میں تیزی سے سائیکل اڑائے چلا جا رہا تھا۔

میں ایک بار پھر پولیس کے نرغے میں آ چکا تھا۔ ایک بار پھر مجھے کسی جگہ پناہ لینے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ مجھے یہ احساس بھی پریشان کر رہا تھا کہ پیچھے مولوی صاحب کو ضرور پکڑ لیا جائے گا کیونکہ میں ان کی مسجد سے نکل کر فرار ہوا تھا' جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ مولوی صاحب نے مجھے ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنی مسجد میں پناہ دے رکھی تھی۔

سوال یہ تھا کہ اب مجھے کہاں پناہ ملے گی؟

اچانک مجھے سینٹرل جیل والے گھمن سنگھ ڈکیت کا خیال آ گیا اس کا گاؤں قادیاں سے تین میل دور سری گوبند پور کے پاس ہی تھا اور مجھے یاد آیا کہ اس نے اپنے گاؤں کا نام ہرچوال بتایا تھا' جو ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی تھا مگر مشکل یہ تھی کہ گھمن سنگھ خود جیل میں تھا۔ ہو سکتا ہے' اس کے بھائی بند گرفتار کروا دیں... لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھمن سنگھ کی بیوی میری مدد کرے۔ گھمن سنگھ کے بیان کے مطابق اس نے ملاقات کے دوران اپنے گھر والوں کو میرے بارے میں بتایا تھا کہ میں نے سانپ کے زہر سے اس کی جان بچائی تھی۔ ممکن ہے جب میں یہ ظاہر کروں کہ میرا نام کرم دین ہے اور میں اس کی بیوی مجھے اپنی حویلی میں پناہ دے دے۔

کیونکہ اس کے سوا مجھے اپنی جان بچانے کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ امرتسر شہر' میں جا نہیں سکتا تھا۔ وہاں کئی لوگ مجھے پہچانتے تھے اور گرفتار ہو جانے کا خطرہ تھا۔ میں باقاعدہ بھیس بدل کر منصوبہ بنا کر امرتسر ریلوے اسٹیشن سے بمبئی جانے والی گاڑی پکڑنا چاہتا تھا اور اس وقت ضرورت ارد گرد پھیلی ہوئی پولیس سے بچنے کی تھی' جس نے یقیناً اس سارے علاقے میں مجھے تلاش کرتے ہوئے دائرہ تنگ کرنا شروع کر دیا ہو گا۔

راستے میں سڑک کے کنارے کھیتوں میں آگ روشن کیئے بیٹھا ایک کسان آگ تاپ رہا تھا۔ میں نے ہندی زبان میں اس سے ہرچوال گاؤں کا راستہ پوچھا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

" ادھر سری گوبند پور کا اسٹیشن ہے۔ اس سے تین کوس آگے جاؤ گے تو ہرچوال گاؤں آ جائے گا۔ تمہیں وہاں کس کے پاس جانا ہے؟"

میں نے کہا۔ " پٹواری سے ملنے جا رہا ہوں' زمین کا جھگڑا ہے "۔

میں سائیکل چلاتا آگے نکل گیا۔ کچی سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی۔ میری سائیکل اچھل رہی تھی۔ دور مجھے ہرچوال کے ریلوے اسٹیشن کے سگنل کی لال بتی نظر آئی۔ میں نے سائیکل کی رفتار تیز کر دی۔ اچانک ایک پٹاخہ سا چلا۔ میری سائیکل اچھلی' میں نے بریک لگا دی۔ اترا تو پتا چلا کہ اگلا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ میں نے سائیکل کو گھسیٹ کر کماد کے کھیت میں چھپا دیا اور کچے راستے پر جتنی دور تک سائیکل کے پہیئے کے نشان مٹا سکتا تھا' مٹا دیئے۔

میں پیدل ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ مجھے اپنے پیچھے جیپ کی آواز سنائی دی۔ رات کے سناٹے میں یہ آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ جیپ کی اگلی بتیاں نہیں جل رہی تھیں۔

یقیناً یہ پولیس کی جیپ تھی اور مجھے بے خبری میں پکڑنے کے لیے انھوں نے اس کی روشنیاں گل کر رکھی تھیں۔ میں یہ آواز سنتے ہی سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں دوڑ گیا۔ کماد کے کھیت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ فصل قد آدم سے بھی اونچی اونچی تھی۔

میں چھ سات کھیت چھوڑ کر ایک کھیت کی فصل کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ میری نظریں دور کچی سڑک پر تھیں۔ ایک جیپ شور مچاتی سڑک پر سے گزر گئی۔ پولیس کے سوا یہ کوئی دوسری جیپ نہیں ہو سکتی تھی۔ اندھیرے میں مجھے اس میں بیٹھے سپاہی نظر نہیں آئے تھے۔ جیپ ہرچوال اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ اب میرا اس طرف جانا اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے میں نے کھیتوں کھیت چلنا شروع کر دیا۔ اب ریلوے اسٹیشن میری دائیں جانب دور رہ گیا تھا اور میں بہت آگے نکل گیا تھا۔

ایک جگہ کھیتوں میں گھنے درخت کے نیچے ٹیوب ویل کی کوٹھری دیکھی' جہاں حوض میں پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی... میں ٹیوب ویل کے پائپ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور منہ دھو کر پانی کے چند گھونٹ ہی پیئے تھے کہ اچانک دھادھم میرے پیچھے کچھ آدمی دوڑے اور اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا وہ بٹے کٹے آدمیوں نے میرے بازو پیچھے سے جکڑ لئے۔ ایک نے میرے سینے پر رائفل کی نال رکھ دی۔ چوتھا آدمی ٹیوب ویل کی کوٹھری کے پیچھے سے نکل کر میری طرف لپکا۔

"کون ہو اوئے تو... ؟"

یہ چاروں سکھ تھے۔ انہوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ صرف ان کی چمکیلی آنکھیں ہی اندھیرے میں نظر آرہی تھیں۔ اس آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اس کی تلاشی لو لکھا سنگھ!"

ایک سیکنڈ کے اندر اندر میری جیب سے ریوالور برآمد ہو گیا۔ لکھا سنگھ نے ریوالوار دیکھ کر غصے میں کہا۔ "اچھر سنگھا پولیس کا آدمی ہماری مخبری کرنے آیا ہے"۔

اچھر سنگھ نے ریوالور کو اندھیرے میں آنکھوں کے پاس لے جا کر غور سے دیکھا پھر میری طرف پلٹ کر بولا۔ "لکھا سنگھ! اسے ڈیرے پر لے جا کر بند کر دو۔ ہمیں ٹھیک خبر ملی تھی کہ پولیس ہرچوال اسٹیشن کی طرف گئی ہے۔ یہ ٹاؤٹ ہے' میں واپس آکر اس سے نمٹتا ہوں"۔

اس نے مجھے موٹی سی گالی دی اور اس کے ساتھیوں نے میرے بازو رسی سے باندھے اور میرے منہ میں رومال ٹھونس کر مجھے ٹیوب ویل کے پیچھے کھڑی ایک گھوڑی پر ڈالا اور کھیتوں میں ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

یہ تین آدمی تھے' جو مجھے گھوڑی پر ڈال کر اپنے ڈیرے کی طرف لے جا رہے تھے۔ شکل و صورت اور باتوں کے انداز سے یہ ڈاکو لگتے تھے۔ ان کا ڈیرہ وہاں سے دور ایک میل کے فاصلے پر اینٹوں کے ایک ویران بھٹے میں بنا ہوا تھا' جس کے ٹوٹے پھوٹے سوراخ نما دروازے پر بھی ایک ڈاکو پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے بھٹے کے اندر ایک کوٹھری میں ڈال کر باہر سے تالا لگا دیا گیا۔

میں پولیس سے تو بچ گیا تھا مگر ان ڈاکوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ کاش گھمن سنگھ ڈکیت جیل سے باہر ہوتا۔ یہ اس کا اپنا علاقہ ہے' وہ مجھے یہاں سے نکال سکتا تھا مگر وہ خود قید میں پڑا تھا اور یہ ڈاکو نہ جانے کہاں کے تھے اور کس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے ریوالور نکل جانے کا بہت افسوس تھا لیکن ایک بات کا اطمینان تھا کہ انہوں نے میری جیب میں سدھا رنگنی کے سانپ کا منکا نہیں دیکھا تھا۔

میں ساری رات بند کوٹھری میں اس طرح پڑا رہا کہ میری مشکیں بری طرح کسی ہوئی تھیں۔ میں ذرا سا بھی ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ بس چارپائی پر اوندھے منہ پڑا رہا۔ شاید پو پھٹ رہی تھی کہ ایک آدمی اندر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا لوٹا تھا۔ لوٹا میرے پاس رکھ کر اس نے میرے ہاتھ کی رسی کھولی اور پرے ہٹ کر بندوق کی نالی کا رخ میرے سینے کی طرف کر کے بولا۔

"اس پانی کو پی لینا اوئے... تے باہر کی طرف منہ کیا تو بھون کر رکھ دیں گے"۔

وہ باہر نکل گیا اور کوٹھری پر باہر سے تالا لگا دیا اور میں کلائیوں کو سہلاتا ہوا اٹھ کر لوٹے کے پاس گیا۔ پانی پیا اور واپس چارپائی پر آکر سمٹ سمٹا کر بیٹھ گیا۔ سردی سے میرے دانت بج رہے تھے... ساری رات میں نے سخت سردی میں گزار دی۔ صبح اسی بھٹے کی ایک کوٹھری میں اچھر سنگھ کے سامنے لے جایا گیا' جو غالباً اس ٹولی کا سردار تھا۔ وہ چارپائی پر بڑے ٹھاٹ سے نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں میرا

ریوالور تھا۔ اچھر سنگھ نے میری طرف قہرآلود نظروں سے دیکھا اور اپنے ساتھی کو کڑک کر کہا۔ "اوئے اس پولیس کے ٹاؤٹ کی تلاشی لو۔ اس کے پاس اور بھی بہت کچھ ہو گا"۔

اس سکھ نے میری جیبوں کی تلاشی لی تو ایک جیب میں سے سدھا رنگنی کا سانپ کا منکا نکل آیا۔ "یہ کوئی کالا موتی ہے"۔

"ادھر لاؤ۔" اچھر سنگھ، سانپ کے منکے کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھنے لگا۔ "یہ کیا ہے اوئے؟"

میں نے کہا۔ "یہ سانپ کا منکا ہے"۔

"سانپ کا منکا؟" اچھر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟"۔

میں نے بے نیازی سے کہا۔ "مجھے ایک سادھو نے دیا تھا... لیکن میں پولیس کا ٹاؤٹ نہیں ہوں بلکہ خود پولیس سے بھاگا ہوں"۔

میں نے اس خیال سے کہ شاید یہ اچھر سنگھ، گھمن سنگھ ڈکیت کا دوست ہو، اسے صاف صاف بتا دیا کہ میں جیل توڑ کر بھاگا ہوں اور گھمن سنگھ کا دوست ہوں، اس پر اچھر سنگھ ذرا چونکا۔ "تم گھمن سنگھ کے دوست ہو تم تو مسلمان ہو، تمہارا نام کیا ہے؟"

"کرم دین!" میں نے جواب دیا۔

میرا نام سن کر اچھر سنگھ اپنی جگہ سے اچھل سا پڑا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن دو سکھوں نے مجھ پر پستول تان رکھے تھے، انہیں اشارہ کر کے پرے ہٹا دیا پھر چارپائی سے اٹھ کر میرے قریب آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اگر تم کرم دین ہو تو تم نے میرے بڑے بھائی گھمن سنگھ پر کیا احسان کیا تھا؟ کیا تم بتا سکتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں نے گھمن سنگھ پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ اس کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ میں نے اس منکے سے اس کی جان بچائی تھی اور میرا انسانی فرض تھا"۔

اس پر اچھر سنگھ نے مجھے گلے لگا لیا۔ "کرم دین! تم نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم کرم دین ہو۔ گھمن سنگھ نے تمہارے اس احسان کے بارے میں ہم سب کو بتایا اور کہا تھا کہ اگر کبھی کرم دین سے ملاقات ہو جائے تو اسے بھی اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر اس کی مدد کرنا"۔

حالات یکسر پلٹ گئے، جو لوگ میرے خون کے پیاسے تھے، وہ اللہ کے کرم سے میری آؤ بھگت کرنے لگے۔ اچھر سنگھ نے میرا ریوالور مجھے واپس کر دیا۔ مجھے کھانے کو خالص مکھن، پراٹھے اور دودھ دیا گیا۔

اچھر سنگھ کے حکم سے میرے لئے پانی گرم کر دیا گیا۔ میں نے مزے سے غسل کیا۔ مجھے پہننے کے لئے نئے کپڑے دیئے گئے اور پھر میرے لئے کوٹھری میں بستر لگا دیا گیا۔ اچھر سنگھ بولا۔ "کرم

دین! تم اب کچھ دیر سو جاؤ۔ ساری رات کے جاگے ہو' پھر بات کریں گے"۔

میں جانتا تھا کہ یہ بہادر لوگ میرے ساتھ فریب نہیں کریں گے۔ اس لئے میں بے فکر ہو کر لحاف میں گھس کر سو گیا۔ دوپہر کے بعد اٹھا تو میرے لئے مرغ بھونے جا رہے تھے۔ میں نے اور اچھر سنگھ نے مل کر کھانا کھایا پھر اس نے کہا۔

"رات ہم ساتھ والے گاؤں کے ایک سنگ دل ہندو ساہوکار کے گھر ڈاکہ ڈالنے گئے تھے۔ ہمیں اطلاع ملی کہ پولیس کی جیب ہرچوال اسٹیشن کی طرف گئی ہے"۔

میں نے کہا۔ "وہ میرے پیچھے آئی تھی"۔

اچھر سنگھ ہنسنے لگا اور پولیس کو ایک زبردست قسم کی گالی دے کر بولا۔ "ان کا باپ بھی ادھر نہیں آ سکتا۔ گھمن سنگھ اور اچھر سنگھ سے ساری پولیس ڈرتی ہے' جبھی تو میں حیران تھا کہ یہ پولیس والے ادھر کیوں آ گئے' آج ...!"

لسی کا پورا کٹورا خالی کرنے کے بعد اچھر سنگھ مجھ سے اپنے بڑے بھائی گھمن سنگھ کی باتیں کرنے لگا۔ "ہم اسے جیل توڑ کر نکال سکتے ہیں مگر پولیس اس کی دشمن ہے اور خطرہ ہے کہ وہ فوج سے مدد لے کر گھمن سنگھ کے باہر آتے ہی اسے ہلاک کر دے گی اور مشہور کر دے گی کہ گھمن سنگھ پولیس مقابلے میں ہلاک ہو گیا' اسی لئے ہم ابھی اسے جیل سے نہیں نکال رہے لیکن تم نے میرے بھائی کی جان بچا کر ہمیں خرید لیا ہے کرم دین! اب بتاؤ کہ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "اصل میں میرا کام اسمگلنگ ہے' جاسوسی نہیں ہے"۔

اچھر سنگھ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کرم دین! تم کو ہم نے اپنا بھائی کہہ دیا ہے' اب چاہے تم جاسوس ہو' خونی ہو' شریف ہو' بدمعاش ہو' جو کچھ بھی ہو یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے ہم پر تمہاری مدد کرنا فرض ہے' بولو میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

میں نے اچھر سنگھ کو بتایا کہ پولیس میرے پیچھے لگی ہے مگر میں یہاں سے کسی طرح بمبئی جانا چاہتا ہوں' جہاں ایک پرانے دوست سے مجھے اسمگلنگ کی ایک رقم وصول کرنی ہے پھر وہاں سے میں راجستھانی کی سرحد پار کر کے اپنے ملک واپس جاؤں گا۔

اچھر سنگھ بولا۔ "یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے میں تمہارے ساتھ ایک آدمی روانہ کر دوں گا' جو تمہیں دلی تک چھوڑ آئے گا... اگر آگے تم اکیلے نہیں جا سکو گے تو وہ تمہارے ساتھ بمبئی تک جا سکتا ہے"۔

میں نے کہا۔ "نہیں نہیں! اچھر سنگھ! بمبئی تک جانے کی ضرورت نہیں اگر تم مجھے جالندھر سے نکال دو تو میں دلی بھی اکیلا پہنچ سکتا ہوں"۔

اچھر سنگھ بولا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ پنجاب میں تمہارے پکڑے جانے کا خطرہ ہو سکتا

اس لئے میرا آدمی تمہارے ساتھ ہو گا جو ہر خطرے سے تمہاری حفاظت کر سکے گا لیکن تمہیں سکھ بننا پڑے گا"۔

اچھر سنگھ میرے بڑھے ہوئے سر اور داڑھی کے بالوں کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "یار تم آدھے سکھ تو اب بھی ہو' بس سر کے بالوں کو پیچھے سے اوپر لا کر جوڑا باندھنا پڑے گا"۔

سر اور داڑھی کے بال جیل میں ہی بڑھ گئے تھے اور مجھے حجامت کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اچھر سنگھ نے خود میرے بالوں کو سر کے اوپر جوڑے کی شکل میں باندھا۔ جوڑا چھوٹا تھا لیکن اچھر سنگھ نے اس کو رومال سے باندھ کر میرے سر پر سکھوں کی طرز کی نسواری رنگ کی پگڑی باندھ دی میری داڑھی اور مونچھوں میں کنگھی کر کے انہیں بھی اوپر پگڑی کے اندر چڑھا دیا گیا۔ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو ایک سانولے رنگ کا سکھ نوجوان مجھے گھور رہا تھا۔ میں حلیے کے اعتبار سے پورا سکھ بن گیا تھا۔ اچھر سنگھ بولا۔ "اب تمہارا نام دلی تک ہرنام سنگھ ہے۔ پولیس والوں کی ایسی کی تیسی۔ ان کا نگڑ دادا' بھی تمہیں نہیں پہچان سکے گا۔ میرا آدمی شیر سنگھ تمہارے ساتھ ہو گا۔ تم دونوں دلی گوردوارہ جنم استھان کی یاترا کرنے جا رہے ہو۔ کوئی اگر کچھ پوچھے تو تم گونگے بن جانا' باقی ساری بات شیر سنگھ کرے گا' میں اسے سب سمجھا دوں گا"۔

مجھے گرم جیکٹ اور پتلون پہننے کو دی گئی۔ میرے ربڑ کے جوتے بھی چمڑے کے جوتوں سے تبدیل کر دیئے گئے۔ ریوالور اور سانپ کا منکا میں نے جیکٹ کی اندرونی جیبوں میں رکھ لئے۔ اچھر سنگھ نے شیر سنگھ سے مجھے ملایا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا تنومند سکھ تھا۔ اچھر سنگھ نے مجھے دو سو روپے الگ دیئے اور اچھر سنگھ نے شیر سنگھ کو دلی تک کا دو آمیوں کا کرایہ الگ دیا۔ دوپہر کے بعد اچھر سنگھ نے مجھے گلے لگا کر رخصت کیا... اور بولا۔ "کرم دین! تم ہمارے بھائی ہو' جب کبھی کسی قسم کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور یاد کرنا"۔

اچھر سنگھ کے خلوص نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں شیر سنگھ کے ساتھ کھیتوں کھیت امرتسر کو جاتی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا وہاں پہلے سے ہی ایک بند جیپ تیار کھڑی تھی۔ جیپ کا ڈرائیور ایک بوڑھا سکھ تھا۔ جیپ نے ہمیں امرتسر کے مضافات میں کھیتوں میں کھڑی ایک حویلی میں پہنچا دیا۔ یہاں ہمارے لئے پہلے سے بستر لگے تھے۔ ہم نے کھانا کھایا اور بستروں میں بیٹھ گئے۔ شیر سنگھ بمبئی ایکسپریس میں دو نشستیں بک کروا کر آ گیا۔ یہ فرسٹ کلاس کی سیٹیں تھیں کیونکہ فرسٹ کلاس کے مسافروں سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت بہت کم ہوتی ہے۔ شیر سنگھ کا اپنا ٹکٹ دلی تک تھا۔

ہم جیپ میں بیٹھ کر سوا آٹھ بجے ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ میں پورا سکھ لگ رہا تھا۔ مجھے پولیس بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ ایک ہاتھ میں کڑا تھا۔ چمڑے کا ایک تھیلا میرے پاس تھا' جس میں ایک تولیہ' کنگھی اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ رکھا ہوا تھا۔

ہم اپنے ڈبے میں جا کر بیٹھ گئے۔ پلیٹ فارم پر دو تین سکھ سپاہی چل پھر رہے تھے۔ ایک سپاہی کاؤنٹر پر جلتی انگیٹھی پر ہاتھ سینک رہا تھا۔ سردی کافی تھی۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں دو ہندو بھی سفر کر رہے تھے۔ ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہو گئی۔

جالندھر کا ریلوے اسٹیشن قریب آیا تو شیر سنگھ نے مجھے اشارہ کیا اور میں اوپر برتھ پر جا کر لیٹ گیا۔ جالندھر ریلوے اسٹیشن پر ٹرین تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر بھی ایک تھانیدار اندر آ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھانیدار نے ہندوؤں کو دیکھا پھر شیر سنگھ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "سردار جی کہاں جا رہے ہیں؟"

شیر سنگھ نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رعب دار آواز میں کہا۔ "گوردوارہ استھان کے درشنوں کو جا رہے ہیں۔ کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

تھانیدار خفیف سا ہو کر بولا۔ "نہیں سردار جی! ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے، شوق سے جائیں، یہ اوپر آپ کا ساتھی ہے؟"

شیر سنگھ نے اوپر دیکھے بغیر کہا۔ "میرا بھانجا ہے ہرنام سنگھ... مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا بات ہے، اپنی پیٹی کی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ شریف لوگوں کو پریشان کرنے کی سزا نہ مل جائے کہیں تمہیں"۔

تھانیدار ست سری اکال کہہ کر معذرت کرتے ہوئے ڈبے سے باہر نکل گیا۔ شیر سنگھ آخر سکھ تھا۔ معاملے کی نزاکت کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا یہ لہجہ ہمیں پریشانی میں مبتلا کر سکتا تھا۔ میں خاموشی سے برتھ پر لیٹا رہا۔ گاڑی جالندھر اسٹیشن سے روانہ ہوئی تو ہندو مسافر شیر سنگھ کی خوشامد کرنے لگے، ایک ہندو بولا۔ "سردار جی! آپ نے خوب خبر لی تھانیدار کی۔ یہ بڑے بدتمیز ہوتے ہیں جی۔ شریف اور بدمعاش میں فرق ہی نہیں کرتے، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں"۔

شیر سنگھ نے بڑے اکھڑ لہجے میں گالی دے کر کہا۔ "میں تو ان کے...!"

اب میں دل میں دعا کرنے لگا کہ جلد دلی شہر آئے اور میں شیر سنگھ کو رخصت کروں۔ یہ سیدھا سادا پتھر کے زمانے کا مخلص آدمی کہیں مجھے کسی مشکل میں نہ پھنسا دے۔ میں میرٹھ چھاؤنی تک اوپر برتھ پر ہی لیٹا رہا۔ نیند مجھے بالکل نہیں آ رہی تھی۔ میرٹھ چھاؤنی پر بھی دو پولیس کے آدمی اندر آ گئے۔ خدا کا شکر رہا کہ وہ کوئی پوچھ گچھ کیئے بغیر ہی چلے گئے۔

میرٹھ چھاؤنی پر ہی پو پھٹ گئی تھی۔ میرٹھ چھاؤنی کی مجھے زیادہ فکر تھی۔ یہاں سے ٹرین چلی تو میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو گاڑی کی رفتار بہت ہی دھیمی ہو گئی تھی اور شیر سنگھ مجھے ہلا کر جگا رہا تھا۔

"اٹھو ہرنام سیاں، آ گئی ان کی ماں کی دلی۔"

میں نے برتھ سے جھانک کر نیچے دیکھا، ڈبہ خالی تھا۔ ہندو مسافر جا چکے تھے۔

شیر سنگھ نے مجھے آہستہ سے کہا۔ "یہاں سے میں چاندنی چوک کی اک دھرم شالہ میں چلا جاؤں گا۔ اب تم سے جدا ہو رہا ہوں' آگے تمہیں واہگورو کے حوالے کرتا ہوں۔ میرے پاس پچاس روپے بچے ہیں اگر ضرورت ہے تو لے لو"۔

میں نے کہا۔ "تمہارا شکریہ سردار جی! اچھر سنگھ نے مجھے دو سو روپے الگ دے دیئے تھے۔ واہگورو تمہاری رکھشا کرے"۔

"اچھا بھائی! اب تم جانو تمہارا کام... ست سری اکال"۔ یہ کہہ کر شیر سنگھ ڈبے سے باہر نکل گیا۔

گاڑی پلیٹ فارم پر رک چکی تھی۔ میں نے اپنے تھیلے کو سیٹ پر رکھا اور صابن اور ٹوتھ پیسٹ لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میں زیادہ سے زیادہ دیر تک باتھ روم میں رہا۔ منہ دھو کر داڑھی کے بالوں میں ہلکی ہلکی کنگھی کی۔ کم بخت گاڑی ابھی تک دلی اسٹیشن پر ہی کھڑی تھی۔

باتھ روم سے نکلا تو ڈبے میں ایک ہندو فیملی براجمان تھی۔ ایک ہندو لالہ تھا۔ اس کی بھاری بھرکم بیوی اور ایک نوجوان لڑکی تھی' جس نے زرد رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ ماتھے پر تلک لگا تھا۔ وہ سامان کو قرینے سے لگا رہی تھی۔ ہندو لالہ بار بار بستر بچھانے کی ہدایت کر رہا تھا انہوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ میں احتیاطاً برتھ پر چڑھ کر لیٹ گیا۔

دن نکل آیا تھا۔ بمبئی ایکسپریس ابھی تک پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں ترچھی نگاہ سے ڈبے کے دروازے کو دیکھ لیتا تھا' جو بند تھا۔ پلیٹ فارم کی طرف سے لوگوں کی آوازیں آ رہی تھی۔ خدا خدا کر کے گارڈ کی سیٹی کی آواز آئی۔ تیسری سیٹی پر انجن نے بھی وسل دیا اور پھر ٹرین آہستہ آہستہ آگے کو کھسکنا شروع ہو گئی۔

نئی دلی کے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو ایک ہندو بیرا اندر داخل ہوا اور ناشتے کا پوچھنے لگا۔ میں نے بھی ناشتے کا آرڈر دے دیا۔

تیسرے اسٹیشن حضرت نظام الدین پر بیرا میرے لئے ناشتہ لے آیا۔ ہندو فیملی شاید گھر سے ناشتہ کر کے آئی تھی۔ انہوں نے صرف چائے منگوائی۔ گاڑی وہاں سے چلی تو میں برتھ پر ہی بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔ ہندو لالے کی بیوی نے ڈبے میں سے تھوڑی سی مٹھائی نکال کر پلیٹ میں رکھی اور لڑکی سے کہا۔ "لیلا بیٹی! بھائی صاحب کو بھی یہ مٹھائی دو"۔

میں نے کہا۔ "دھنواد ماتا جی! میں مٹھائی نہیں کھاتا صبح صبح!"

ہندو لالے نے مسکرا کر کہا۔ "کھا لو بیٹا' ٹل والوں کی خالص مٹھائی ہے"۔

دلی کے چاندنی چوک میں ٹل والوں کی ایک پرانی دکان ہے' جہاں کانسی کے ٹل لٹکے رہتے ہیں۔ اس حلوائی کی مٹھائی سارے شہر میں مشہور ہے کہتے کہ ان لوگوں کے دادا پڑدادا شاہی قلعے میں مٹھائی سپلائی کیا کرتے تھے۔ میں نے لیلا کے ہاتھ سے پلیٹ تھام لی اور کہا۔ "تھینک یو"۔

لیلا شرما کر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی اور کوئی فلمی رسالہ پڑھنے لگی۔ میں کسی بھی مسافر سے زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ہندو لالے نے پوچھا۔ "سردار جی کہاں جا رہے ہیں؟"

"بمبئی!" میں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

ہندو لالہ بڑا خوش ہوا۔ "تب تو خوب ساتھ رہے گا۔ ہم بھی بمبئی جا رہے ہیں۔ لیلا وہاں ڈاکٹری میں پڑھتی ہے' نا! میرا بھی بھنڈی بازار میں کپڑے کا کاروبار ہے۔ تم بمبئی کس کے پاس جا رہے ہو' بیٹا؟"

یہ سوال جواب تو ہونے ہی تھے' کیا کرتا۔ بس اتنا ہی کہا۔ "میرے بڑے بھائی شیر سنگھ کا وہاں گیراج ہے۔ میں اس کے ساتھ گیراج میں کام سیکھتا ہوں"۔

اس پر ہندو لالے نے کوئی زیادہ دلچسپی کا اظہار نہ کیا اور اپنی بیوی سے باتیں کرنے لگ گیا لیکن میں نے محسوس کیا کہ ان کی لڑکی لیلا نے رسالہ پڑھتے ہوئے دو ایک بار مجھ پر ترچھی نظر ڈالی تھی۔ یہ بھی ایک قدرتی بات تھی۔ میں خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔ ناشتہ کرنے کے بعد ٹرے برتھ پر ہی ایک طرف رکھ دی اور برتھ پر نیم دراز ہو کر اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔

ٹرین اگلے اسٹیشن فرید آباد جا کر رکی تو بیرا چائے کا سامان اور پیسے لے کر چلا گیا۔ جاتے جاتے کہہ گیا کہ کھانا متھرا اسٹیشن پر لاؤں گا۔ متھرا کا شہر دلی سے ایک سو پینتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ہندو فیملی نے کھانے کا ڈبہ نکال کر مجھے بھی دعوت دی مگر میں نے بڑی شائستگی سے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ بیرا میرے لئے کھانا لے آیا تھا۔

متھرا اسٹیشن پر گاڑی تھوڑی دیر کے لئے رکی تھی۔ یہاں سے ٹرین روانہ ہوئی تو اسٹیشن پر اسٹیشن چھوڑتی چلی گئی۔ آگرہ شہر آیا اور گزر گیا۔ دھول پور بھی گزر گیا' گوالیار ٹرین دس پندرہ منٹ تک رکی رہی۔ میں اب برتھ سے اتر کر کھڑکی کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں کافی حد تک خطرے کی پہنچ سے باہر نکل آیا تھا۔ یہاں سے گاڑی روانہ ہوئی۔ اب اس کا اگلا پڑاؤ ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر جھانسی کا مشہور شہر تھا۔ موسم یہاں کافی حد تک خوشگوار ہو گیا تھا۔ پنجاب کی سخت سردی پیچھے رہ گئی تھی اور صرف فضا میں خنکی ہی تھی۔

ٹرین ایک دریا پر سے گزری تو لیلا میری ساتھ والی خالی سیٹ کی کھڑکی میں آ کر باہر دریا کا نظارہ کرنے لگی۔ اس کے سیاہ بالوں کی لٹ ہوا میں اڑ رہی تھی۔ میرے جذبات میں ہلچل پیدا ہوئی تو میں نے اپنے خیالات کا رخ بدل دیا کیونکہ اس قسم کے جذبات کا پیدا ہونا ایک کمانڈو کے مشن کے منافی ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک قدرتی بات ہوتی ہے مگر کمانڈو اس قسم کے جذبات سے ہمیشہ اپنے آپ کا بچاؤ کرتا ہے۔

میرا منہ بھی کھڑکی سے باہر تھا۔ ایک بار ہم دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو لیلا مسکرائی۔ میں نے اپنا چہرہ اندر کر لیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ ہندو لالے کی بیوی پوری سیٹ پر پڑی خراٹے لے رہی تھی۔ شام کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ ہندو لالہ بھی اپنے بستر پر نیم دراز تھا۔

جھانسی پہنچ کر ٹرین رکی تو شام کا کھانا آگیا۔ اب ہندو لالے نے پوچھا۔ "بیٹا تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟"

"ہرنام سنگھ میرا نام ہے مہاراج!"

"بڑا اچھا نام ہے 'مذہبی سکھ تو نہیں ہو' نا؟"

میں نے یونہی کہہ دیا۔ "جی نہیں 'میں تو اکالی سکھ ہوں"۔

لالہ ہنس کر بولا۔ "بمبئی میں میرے کئی اکالی سکھ دوست ہیں تم بھنڈی بازار میری دکان پر آنا' تمہیں ملاؤں گا۔ بھنڈی بازار میں آکر کسی سے سودیشی بھنڈار والے لالہ کرم چند کا نام پوچھ لینا"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جھانسی کے بعد للت پور آیا تو رات ہو گئی تھی۔ میں برتھ پر جا کر لیٹ گیا۔ ٹرین پوری رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔ کئی چھوٹے چھوٹے اسٹیشن گزرتے چلے جا رہے تھے۔ ٹرین کا اگلا پڑاؤ بھوپال تھا۔ بھوپال' ٹرین صبح کے وقت پہنچتی تھی۔

جب رات کافی گہری ہو گئی تو میں برتھ سے اتر کر باتھ روم میں گیا۔ باتھ روم سے نکلا تو دیکھا کہ ہندو فیملی ساری کی ساری سو رہی تھی۔ ڈبے کی بتی بھی انہوں نے مدھم کر رکھی تھی۔ لیلا اپنی برتھ پر چادر اوڑھے پڑی سو رہی تھی میں خاموشی سے اپنے برتھ پر چڑھ کر لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد مجھے باتھ روم کھلنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول کر ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔ لیلا باتھ روم میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد باتھ روم کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ میں نے آنکھیں بند ہی رکھی۔ اچانک مجھے اپنے بازو پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ڈبے کی دھیمی روشنی میں مجھے لیلا کا پر اسرار

مسکراتا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے میرے ہاتھ میں ایک چٹ تھما دی اور اپنی سیٹ پر جا کر لیٹ گئی۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا' اس کے ماتا پتا بے خبر سو رہے تھے۔ بھارت میں بڑی آزادی ہے۔ لڑکی اگر کسی کو پسند کرتی ہے تو اس سے بے دھڑک بات کر لیتی ہے۔ شاید لیلا کو میں پسند آ گیا تھا اور اس نے مجھے پریم پتر لکھ کر میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ میں نے چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے پڑا رہا۔

ابھی بھوپال نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈبے کے شیشوں میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آنے لگی پھر بھوپال کا بہت بڑا ریلوے اسٹیشن قریب آ گیا۔ ہندو فیملی باری باری غسل خانے میں گئی۔ سب سے آخر میں میں گیا۔ ٹرین کی رفتار ہلکی ہو رہی تھی۔ بھوپال قریب تھا۔ میں نے کاغذ کا ٹکڑا جیب سے نکال کر دیکھا۔ اس نے ہندی میں لکھا تھا " مجھے اس نمبر پر بمبئی پہنچ کر فون کرنا"۔ نیچے اس کا فون نمبر لکھا تھا۔ میں نے کاغذ کا ٹکڑا پتلون کی پچھلی جیب میں ٹھونس لیا۔ غسل خانے سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو ٹرین بھوپال کے عالی شان ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو چکی تھی۔ میری نظر لیلا پر پڑی گئی۔ اس نے مسکرا کر منہ دوسری طرف کر لیا پھر اس نے مجھے چائے' تھرماس میں سے نکال کر دی اور کہا۔

" آپ گھر کی چائے پئیں۔"

ہندو لالے کی بیوی بولی۔ " یہ لیلا نے خود بنائی ہے' بیٹا"۔

یونہی سفر طے ہوتا رہا۔ سارا دن ٹرین بمبئی کی طرف رواں دواں رہی۔ ہوشنگ آباد آیا۔ اٹارسی کا اسٹیشن آیا۔ کھنڈوہ پہنچے تو دن بیت چکا تھا۔ رات کے پہلے پہر ٹرین برہان پور پہنچ گئی پھر رات آ گئی۔ راتوں رات بھوساول' جلگاؤں' چالیس گاؤں اور نند گاؤں کے شہر بھی گزر گئے۔ آدھی رات کے بعد جا کر کہیں ناسک روڈ کا سٹیشن آیا اس کے بعد دیو لالی اور پھر جب گاڑی اگت پوری کے اسٹیشن پر رکی تو دن نکل آیا تھا۔ یہاں سے ٹرین کو بجلی کا انجن لگا دیا گیا۔ اب بمبئی یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

دو گھنٹے بعد بمبئی شہر کا پہلا مضافاتی ریلوے اسٹیشن کلیان آ گیا۔ کلیان سے بمبئی کا بوری بندر ریلوے اسٹیشن پچاس کلو میٹر رہ جاتا ہے۔ اس دوران میں ہندو فیملی سے میری کافی دوستی ہو گئی تھی۔ لیلا سے باتیں بھی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے اپنے میڈیکل کالج اور اپنی سہیلیوں کے نام بھی بتا دیئے تھے۔ کلیان کے بعد یوں تو کئی لوکل اسٹیشن آئے مگر ٹرین صرف دادر پر جا کر رکی۔ یہاں سے چلی تو بمبئی کے دوسرے سب سے بڑے ریلوے اسٹیشن بوری بندر کے کشادہ پلیٹ فارم میں داخل ہو گئی۔

اب میں ہندو فیملی اور لیلا کو بھول کر بڑی چوکس نظروں سے پلیٹ فارم کا جائزہ لے رہا تھا۔

ایک ہجوم تھا' خلق خدا کا دریا تھا' جو بہہ رہا تھا۔ یہاں کون کسی کو دیکھتا تھا۔ میں بھی تھیلا اٹھائے بھیڑ میں گم ہو گیا۔ فرسٹ کلاس کے گیٹ پر زیادہ رش نہیں تھا لیکن وہاں ملٹری پولیس کے دو جوانوں کو دیکھ کر میں نے تھرڈ کلاس کے گیٹ کی طرف رخ کیا۔ یہاں بھیڑ کے ریلے کے ساتھ میں بھی باہر نکل گیا۔

سامنے سڑک کے کنارے ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ میں ایک ٹیکسی میں جا گھسا اور اسے اوپیرا ہاؤس چلنے کے لئے کہا۔ بمبئی شہر میرے لئے نیا نہیں تھا' پہلے بھی اس شہر کی آوارہ گردی کر چکا تھا' اوپیرا ہاؤس کے چوک پر اتر کر میں پیدل ہی چرنی روڈ کی طرف چلنے لگا۔ شہر میں ٹریفک کا شور مچا تھا' لوگوں کا ہجوم چل پھر رہا تھا۔

چرنی روڈ میں داخل ہونے کے بعد میں محتاط ہو گیا۔ دور سے میں نے اپنے جاسوس بلکہ ماسٹر اسپائی حکیم سلیمان شاہ کے مطب کو دیکھا۔ اس کا بورڈ دکان کے باہر ویسے ہی لگا تھا اور ایک ایمبیسڈر گاڑی باہر کھڑی تھی۔ شاید حکیم صاحب کا کوئی امیر مریض آیا ہوا تھا۔ میں ایک ریستوان میں جا کر بیٹھ گیا۔ چائے کا کپ منگوا کر پینے لگا۔

بمبئی کی ٹریفک پولیس کا ایک دبلا پتلا سپاہی ڈنڈا لٹکائے ریستوران میں داخل ہوا اور کاؤنٹر کے ایرانی مالک کی طرف دیکھ کر بولا۔ "دادا ایک گرما گرم چائے کا کپ پلاؤ' سالا بھاگ گیا... مگر کہاں جائے گا۔ پکڑوں نہ تو گھانسی رام نام نہیں"۔

میں خاموشی سے بیٹھا رہا۔ سپاہی میرے سامنے والے میز پر بیٹھ گیا۔ ٹوپی اتار کر اس نے میز پر رکھ دی پھر اچانک اٹھ کر میرے پاس آیا۔ میرا دل ایک بار تو زور سے دھڑک اٹھا۔ سپاہی نے بڑے ادب سے کہا۔ "سردار جی! یہ لون کی شیشی لے لوں؟ چائے میں نمک ملا کر پیتا ہوں"۔

میری جان میں جان آئی۔ میں نے کہا۔ "لے لو جی"۔

سپاہی نے نمک دانی اٹھائی اور تھینک یو سردار جی کہہ کر اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اٹھ کر کاؤنٹر پر چائے کے پیسے ادا کیئے اور باہر سڑک پر آکر حکیم صاحب کی دکان کی طرف دیکھا' گاڑی ابھی تک دکان کے باہر کھڑی تھی۔ اب میں زیادہ دیر سڑک پر نہیں رک سکتا تھا۔ میں نے خدا کا نام لیا اور حکیم سلیمان شاہ کے مطب کی طرف چلنے لگا۔ میں اس کے مطب کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر بیٹھک میں گیا تو دیکھا کہ ہمارا ماسٹر اسپائی حکیم سلیمان شاہ سفید براق لباس پہنے اپنی صندوقچی کے پیچھے غالیچے پر بیٹھا ایک ہندو عورت سے باتیں کر رہا تھا' جو اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا تو حکیم صاحب نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کہا۔ "بیٹھو سردار جی' ابھی دیکھتا ہوں"۔

اس کے لہجے سے میں اندازہ نہ لگا سکا کہ حکیم صاحب نے مجھے پہچانا ہے یا نہیں کیونکہ اس کا انداز بالکل کاروباری اور روزمرہ کا تھا۔ میں بیٹھک میں فرش پر چپکے سے بیٹھ گیا۔ ہندو عورت کو حکیم

صاحب نے معجون کی شیشی اور کچھ پڑیاں دے کر کہا۔ "بہن جی! دوائی باقاعدگی سے کھائیں۔ بھگوان اچھا کر دے گا۔ پرسوں آ کر پھر دکھا جایئے گا"۔

ہندو عورت نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بیٹھک سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد حکیم صاحب نے میری طرف دیکھے بغیر اپنے رجسٹر پر کچھ لکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ "تمہارے پیچھے تو کوئی نہیں لگا ہوا، نا؟"

میں سمجھ گیا کہ حکیم صاحب نے مجھے ایک سکھ کے روپ میں بھی پہچان لیا ہے۔ آخر وہ ماسٹر اسپائی تھا' تجربہ کار جاسوس تھا۔ میں نے کہا۔ "میرے پیچھے کوئی نہیں تھا"۔

حکیم صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر مطب کی ڈیوڑھی میں آ گئے سامنے طاق میں رکھے ہوئے لوٹے میں سے پانی لے کر دو ایک بار کلی کی اور رومال سے منہ پونچھتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولے۔ "سامنے والی کوٹھری میں چلے چلو"۔

میں جلدی سے اٹھ کر حکیم صاحب کی کوٹھری میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد حکیم صاحب بھی کوٹھری میں آ گئے۔ دروازہ بند کر کے بولے۔ "تم نے بہت دیر کر دی۔ ان لوگوں نے ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کو کسی ایسی جگہ چھپا دیا ہے' جس کا ہم ابھی تک سراغ نہیں لگا سکے"۔

میں نے حکیم صاحب کو بتایا کہ میرے ساتھ کیا گزری' کیسے جموں میں میرا ساتھی شہید ہو گیا لیکن ہم نے ٹارگٹ اڑا دیا تھا۔

حکیم صاحب نے کہا۔ "اس کا مجھے پتہ چل گیا تھا لیکن تم نے یہاں آتے آتے بہت دیر کر دی ہے"۔

میں نے کہا۔ "ان لوگوں نے ہمارے سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو اغوا کر کے بڑودہ احمد آباد کے درمیان جنگل کے پرانے کھنڈر میں زیر زمین لیبارٹری میں رکھا ہوا تھا۔ اب وہاں سے اسے کسی دوسری جگہ کیوں لے گئے ہیں؟"

حکیم سلیمان شاہ نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا پھر دروازہ بند کر کے بولا۔ "بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کو مخبری ہوئی تھی کہ پاکستانی کمانڈو' ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو واپس نکالنے بھارت کی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ مجھے میرے ایک خاص آدمی نے اطلاع دی تھی"۔

میں نے کہا۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے کیونکہ میرا اصلی مشن تو ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو یہاں سے نکال کر پاکستان پہنچانا ہے"۔

حکیم صاحب بولے۔ "میں جانتا ہوں"۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے۔ "میں نے اپنے ایک خاص ایجنٹ کو ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کا سراغ لگانے بھیجا ہوا ہے۔ شاید وہ کل شام تک واپس آ کر مجھے کوئی اطلاع دے۔ یہ اچھا

ہے کہ تم ایک سکھ کے بھیس میں ہو تم آج کی رات کسی گوردوارے میں گزارنا' خبردار کسی ہوٹل میں نہ ٹھہرنا۔ کل شام کو میرے پاس آنا میں تمہارا انتظار کروں گا' اب تم جاؤ"۔

یہ کہہ کر حکیم صاحب کوٹھری سے نکل کر اپنی بیٹھک میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی میں بھی کوٹھری سے نکل آیا۔ میں نے انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ڈیوڑھی سے ہوتا ہوا بازار میں آگیا۔ بمبئی شہر میں سکھوں کے کئی گوردوارے ہیں۔ ایک بڑا گوردوارہ پیلا ہاؤس کے پاس بھی ہے' جس کے ساتھ ایک سرائے بھی ہے۔ میں ٹرام میں بیٹھ کر پیلا ہاؤس والے گوردوارے میں آگیا۔ یہاں گرنتھ پاٹھ ہو رہا تھا۔ سکھ ماتھا ٹیکنے چلے آرہے تھے۔ میں نے بھی اندر جا کر ماتھا ٹیکا۔ پرشاد لیا اور سرائے میں آکر ایک اکالی سکھ کو دیکھا کہ نیلی پگڑی پہنے سبز کرسی لگائے رجسٹر سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ میں نے جا کر ست سری اکال کیا اور بتایا کہ میں دلی سے آیا ہوں۔ اتنے پیسے نہیں ہیں کہ کسی ہوٹل میں ٹھہروں۔

اکالی سکھ نے بے نیازی سے کہا۔ "پچاس روپے لگیں گے سردار جی! دو راتیں رہ سکو گے۔ دھرم شالہ میں جگہ نہیں ہے"۔ میں نے اسی وقت جیب سے پچاس روپے نکال کر اکالی سکھ سیوادار کے حوالے کر دیئے اس نے مجھے ایک دوسرے بوڑھے سیوادار کے حوالے کر دیا' جو مجھے سرائے کی ایک ٹوٹی پھوٹی شکستہ کوٹھری میں لے آیا۔

"تمہارے پاس بسترا نہیں ہے سنتگو ؟"

"نہیں مہاراج!"

سیوادار بولا۔ "واہگورو کی کرپا ہو تم پر... گھر سے بھاگ کر آئے ہو' یہاں...؟"

میں نے کہا۔ "نہیں سردار جی! اپنے بھائی کو تلاش کرنے آیا تھا' وہ نہیں ملا۔ دو روز اور اسے دیکھوں گا' نہ ملا تو چلا جاؤں گا"۔

سیوادار کہنے لگا۔ "دس روپے مجھے دو گے تو بسترا لا دوں گا"۔

میں نے اسے بھی دس روپے دے دیئے' وہ میرے لئے ایک دری' سرہانہ اور چادر لے آیا۔

"اسے فرش پر بچھا کر سو جانا۔ سنڈاس ساتھ ہی ہے"۔

بمبئی میں باتھ روم کو لوگ سنڈاس کہتے ہیں۔ میں نے وہیں لنگر میں کھانا کھایا۔ لنگر کے کھانے کے انہوں نے مجھ سے دو روپے وصول کر لئے۔ دوپہر کو کوٹھری میں پڑ کر سو رہا۔ شام کو منہ ہاتھ دھو کر دھرم شالہ سے باہر نکل کر ٹہلتا ٹہلتا پارسی کے بت کے علاقے کی طرف آگیا۔ یہاں مجھے ایک جگہ فٹ پاتھ پر پبلک ٹیلی فون کا بوتھ نظر آیا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ لیلا کو فون کیا جائے' یہ ایک جذباتی سی خواہش تھی۔ میں نے سکہ ڈال کر نمبر گھمایا تو دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"ہیلو...!"

میں نے آگے سے کوئی بات نہ کی اور فوراً ریسیور رکھ کو فون بند کر دیا۔ ایک دم خیال آیا کہ میں

یہاں رومان لڑانے نہیں آیا۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی جذباتی خواہشات پر قابو پانا بھی کمانڈو کی تربیت میں شامل ہوتا ہے۔ میں ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر سامنے میٹرو سینما والے فٹ پاتھ پر آ گیا۔ یہاں بڑی فیشن ایبل دکانیں تھی۔ دو ایک اسنیک بار بھی تھے۔ ایک اسنیک بار کے قریب سے گزرا تو پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"ہائے ہرنام!"

میرے قدم اپنے آپ رک گئے۔ یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ میں نے دیکھا کہ میری ٹرین والی ساتھی لیلا سنیک بار سے نکل کر میری طرف مسکراتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ اس نے تنگ جین اور بغیر آستینیوں کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔

"ہرنام کتنا اچھا ہوا تم مل گئے، آؤ میں، تمہیں اپنی سہیلیوں سے ملاؤں۔ تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟"

اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی جواب دیتا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے مجھے بازو سے پکڑ کر اسنیک بار میں لے گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا اور چمکیلے فرنیچر والا سنیک بار تھا۔ لیلا کی سہیلیاں بھی ماڈرن لباس میں تھیں اور کوئی مشروب پی رہی تھیں۔ لیلا نے مسکرا کر کہا۔ "مائی فرینڈز... یہ میرے دوست... ہرنام سنگھ ہیں۔ پنجاب سے آئے ہیں بمبئی... بڑے اسمارٹ ہیں... از انٹ؟"

لڑکیوں نے ہیلو، ہیلو کہہ کر مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ گولیوں سے بھرا ہوا ریوالور اس وقت بھی میری جیکٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔ میں وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا لیکن لیلا نے زبردستی میرے لئے آئس کریم منگوائی پھر ایک ایک کر کے ہیلو ہیلو کرتی ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ خدا جانے! شاید وہ لیلا کو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گپ شپ کا موقع دینا چاہتی تھیں۔ لیلا اس ماڈرن لباس میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ بازو سے بازو ملا کر بیٹھ گئی اور بولی۔ "کیا تم مجھ سے دوستی نہیں کرنا چاہتے ہو ہرنام؟"

میں نے ذرا پیچھے کھسکتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہیں، کیوں نہیں؟"

"پھر تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔ "ابھی آج ہی تو میں آیا ہوں، بس گیراج میں بھائی صاحب کے پاس گیا۔ کھانا کھایا اور ذرا سیر کو نکلا تھا کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ سوچا تھا شام کو تمہیں فون کروں گا"۔

لیلا نے بل منگوایا اور پرس کھول کر نوٹ نکالتے ہوئے بولی "اچھا ہوا تم مل گئے۔ میٹرو میں بڑی اچھی میوزیکل فلم لگی ہے، چلو اس کا پریمیئر شو دیکھتے ہیں"۔

"نہیں نہیں لیلا، مجھے ایک ضروری کام...!"

لیلا کی بے تکلفی سے مجھے خوف آنے لگا تھا کہ خواہ مخواہ کسی مشکل میں نہ پھنس جاؤں لیکن وہ میرے پیچھے ہی پڑ گئی تھی' جہاں تک میں نے اندازہ لگایا' بس وہ میرے ساتھ تھوڑا اچھا وقت گزارنا چاہتی تھی۔ پھر میں نے بھی سوچا کہ چلو اس طرح سینما ہال میں کم از کم تین گھنٹے تو گزر جائیں گے۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ لیلا نے باکس کے دو ٹکٹ لئے اور ہم ٹو سیٹر باکس میں آکر بیٹھ گئے۔ فلم شروع ہوئی تو لیلا نے پیار محبت کی باتیں شروع کر دیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میری جیکٹ کی اندرونی جیب میں' جو ریوالور تھا' میں نہیں چاہتا تھا کہ لیلا کا ہاتھ اس تک پہنچے مگر بمبئی شہر کے سینماؤں کے باکس اس معاملے میں کافی بے باک ثابت ہو رہے تھے پھر بھی میں نے اپنے ریوالور کے راز کو منکشف ہونے سے بچا لیا۔ فلم ختم ہوئی ہم باہر نکلے تو شام ہو رہی تھی۔ سینما کی بلڈنگ اور فٹ پاتھ پر نیون سائنز کی روشنیاں بکھری ہوئی تھی۔

لیلا میرے بالکل ساتھ لگی چل رہی تھی۔ ہم کسی خالی ٹیکسی کے انتظار میں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے تھے کہ دو آدمی جو شکل و صورت سے ہی بدمعاش لگتے تھے' قریب آکر لیلا کو ہوس آلود نظروں سے تکنے لگے' میں خاموش رہا۔ اتنے میں ایک غنڈے نے آوازہ کسا۔ لیلا نے اسے جھاڑ پلائی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فحش گالی دی۔ میں نے لپک کر غنڈے کی گردن پر ہاتھ مارا وہ تو گر پڑا ... لیکن اس کے ساتھی نے چاقو نکال لیا اور مجھ پر حملہ آور ہوا۔

اب میں ریوالور نکالنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے جیکٹ میں سے ریوالور نکالا ہی تھا کہ فرش پر گرا ہوا غنڈہ بھی چاقو نکال کر میری طرف لپکا۔ میں نے فائر کر دیا' گولی دوسرے غنڈہ کی چھاتی میں جا کر لگی۔ خون کا فوارہ ابل پڑا' وہ گرا اور دوسرا غنڈہ بھاگ گیا۔ لیلا چیخ مار کر سینما ہال کی طرف دوڑی۔

میں اکیلا رہ گیا۔ لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑے تو میں نے ہوا میں دو فائر کیئے۔ لوگ پیچھے کو گرے' میں ایک طرف اٹھ کر دوڑا۔ لوگ میرے پیچھے شور مچاتے بھاگے آ رہے تھے۔ میں سڑک پار کر کے دوسری طرف آیا تو یہاں بھی لوگ مجھے پکڑنے کے لئے میری طرف لپکے۔ میں نے یہاں ایک اور فائر کر دیا۔ وہاں ایک افراتفری مچ گئی۔ ٹریفک رک گئی۔ سپاہی سیٹیاں بجانے لگے۔ میں نے ایک ٹیکسی کھڑی دیکھی۔ پستول دکھا کر ڈرائیور کو باہر نکالا اور خود اسے اسٹارٹ کر کے ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا۔

میں تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا گیٹ وے آف انڈیا کی طرف نکل گیا۔ وہاں سے لیمنگسٹن روڈ پر آ گیا۔ یہاں ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی اور چپکے سے نکل کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ دو تین بازار گھوم کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور اسے پیلا ہاؤس کی طرف چلنے کو کہا۔ پیلا ہاؤس سے ایک چوک پیچھے ہی میں ٹیکسی چھوڑ دی اور یہاں سے دو تین گنجان بازاروں میں سے گزرتا ہوا چرنی روڈ پر نکل آیا۔

شروع رات کی ہلکی روشنیوں اور اندھیروں میں چلتا ہوا میں حکیم صاحب کے مطب میں آیا تو دیکھا کہ وہ اکیلے بیٹھے ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہے تھے ۔ میرے چہرے ہی سے انہوں نے میرے اندر کی گھبراہٹ کو بھانپ لیا ۔ مجھے کوٹھری میں جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے پیچھے پیچھے اندر آ گئے ۔

"تم اپنے ساتھ مجھے بھی مرواؤ گے ۔ تمہیں کل شام آنے کو کہا تھا ۔"

انہوں نے مجھے کسی قدر ڈانٹتے ہوئے کہا ۔ میں نے انہیں صورتحال بتائی تو اپنی غصیلی آواز کو دباتے ہوئے بولے ۔ "تم آوارہ لڑکیوں کے پیچھے ہمارے مشن کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو ۔ مجھے ہیڈ کوارٹر تمہاری شکایت کرنی ہو گی "۔

میں نے کہا ۔ " مجھ سے بڑی بھیانک غلطی ہو گئی ہے لیکن یہ سب کچھ ایک اتفاق سے ہوا ہے "۔

حکیم صاحب بولے ۔ " مجھے افسوس ہے ' یہ بات تمہارے ریکارڈ میں آ جائے گی ۔ بہرحال میں ' تمہیں قینچی اور سیفٹی ریزر لائے دیتا ہوں اور جتنی جلدی ہو سکے اپنا سکھوں والا حلیہ بدل ڈالو "۔

وہ دروازہ بند کر کے چلے گئے ۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے مجھے قینچی اور شیونگ کا سامان لا کر دیا ۔ میں غسل خانے میں گھس گیا ۔ جلدی جلدی پگڑی اتار کر سر کے بال کاٹے داڑھی مونڈھی اور پھر سے کلین شیو نوجوان بن گیا ۔ حکیم صاحب نے میرے کپڑے خود قینچی سے ریزہ ریزہ کر دیئے ۔ مجھے پہننے کو نئی پتلون اور پرانی جیکٹ دی اور کہا ۔ " اب تمہیں کل تک اسی کوٹھری میں بند رہنا ہو گا ۔ کل شام کو میرا ایجنٹ آ کر جو اطلاع دے گا' اس کے مطابق اگلا پروگرام تیار ہو گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے

ساری رات اور کل کا سارا دن میں کوٹھری میں بند رہا ۔ دوسرے دن کے اخباروں میں میٹرو سینما کے باہر شہر کے ایک غنڈے کے قتل کی خبر چوکھٹے میں چھپی تھی ۔ خبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ فائرنگ کے بعد قاتل اور اس کی ساتھی عورت دونوں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں ۔ لیلا کے فرار کا پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی ۔ اس میں اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں تھا اگر پکڑی جاتی تو ان کے خاندان پر ایک نئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ۔

دوسرا دن بھی گزر گیا ۔ شام کو حکیم صاحب کا خاص ایجنٹ اطلاعات لے کر آ گیا ۔

رات کو مطب بند کرنے کے بعد حکیم صاحب میرے پاس کوٹھری میں آ گئے ۔ وہ میرے لئے کھانا بھی لائے تھے ۔ میں کھانا کھانے لگا ۔ انہوں نے کہا ۔ " پوری طرح سے ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کی نشاندھی نہیں ہو سکی ۔ اپنا ایجنٹ صرف اتنی خبر لایا ہے کہ بھارتی ملٹری انٹیلی جینس نے ان دونوں کو احمد آباد سے اسی میل دور ایک قصبے رکھیل پور سے ڈیڑھ کوس دور ایک پرانے قلعے میں رکھا ہوا ہے ' جہاں پونا رجمنٹ کی ایک کمپنی پہرہ دے رہی ہے ' منہ اندھیرے ہمارا ایجنٹ پولیس

انسپکٹر کی وردی میں جیپ لے کر آئے گا، تمہیں اس کے ساتھ سورت شہر تک جانا ہو گا' جو یہاں سے ڈھائی سو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ سورت میں وہ تمہیں، ہمارے ایک اور آدمی کے حوالے کرے گا۔ وہ تمہیں اپنی نگرانی میں احمد آباد اور پھر دہاں سے قصبہ رکھیل پور تک پہنچائے گا۔ رکھیل پور میں تمہیں کیا کرنا ہو گا۔ یہ وہ آدمی تمہیں سب کچھ سمجھائے گا۔ ایک بات یاد رکھنا' تمہارا مشن ایک اہم ترین قومی مشن ہے اگر اب تم نے کوئی ایسی غلطی کی تو تم زندہ بچ کر واپس پاکستان نہیں جا سکو گے۔ اپنا ریوالور مجھے دے دو اور اب تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

کھانا کھانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا۔ آدھی رات کے بعد جا کر کہیں آنکھ لگی۔ منہ اندھیرے مجھے حکیم صاحب نے جگا دیا۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار روپے دیتے ہوئے کہا۔ "انہیں اپنے پاس رکھنا۔ اب تمہارا نام احمد بھائی ہے۔ تم بھڑائچ کے رہنے والے ہو اور بچپن ہی میں تمہارے ماں باپ مر گئے تھے۔ تمہارا کوئی بہن بھائی نہیں' تم رکھیل پور میں نوکری کی تلاش میں آئے ہو۔ یہ منصوبہ تمہارے لئے' اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم گجراتی زبان روانی سے بول لیتے ہو۔ رکھیل پور میں رہ کر تمہیں جو کچھ کرنا ہو گا' وہ ہمارا سورت شہر والا ایجنٹ تمہیں سمجھائے گا۔ اب تیار ہو جاؤ' جیپ آنے والی ہے"۔

حکیم صاحب مجھے ڈیوڑھی میں لے آئے۔ یہاں پولیس انسپکٹر کی وردی میں دبلا پتلا آدمی کھڑا تھا۔ حکیم صاحب نے مجھے اس سے ملایا اور کہا۔ "انسپکٹر صاحب آپ کا شکریہ! بس اس یتیم بچے کو سورت پہنچا دیں۔ وہاں کوئی کام دام کرے گا۔ یہاں تو بیکار پھرتا ہے"۔

انسپکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "آپ فکر نہ کریں حکیم صاحب! میں ادھر ہی جا رہا ہوں"۔

انسپکٹر نے مجھے جیپ میں پیچھے بیٹھنے کو کہا اور جیپ روانہ ہو گئی۔ جیپ ساری رات سڑک پر چلتی رہی۔ راستے میں صرف ایک جگہ رک کر ہم نے ایک چائے خانے میں چائے کا ایک ایک کپ پیا۔ ایک جگہ پولیس نے چیکنگ کے لئے روکا تو پولیس انسپکٹر کو دیکھ کر سپاہی سلیوٹ مار کر الگ ہٹ گئے۔

صبح جیپ ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچی' جس کا اب نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ہم نے ناشتہ کیا۔ پولیس انسپکٹر کی ہر جگہ آؤ بھگت ہوتی رہی۔ کسی... کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ شخص ہمارا خفیہ ایجنٹ ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اس شخص نے راستے میں بھی مجھ سے مشن کے بارے میں ایک بات تک نہ کی تھی بس ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

دوپہر سے کچھ پہلے ہم سوراشٹر کے دوسرے بڑے شہر سورت پہنچ گئے' جو ایک پرانی بندرگاہ بھی تھی۔ بہت بڑا اور بارونق شہر تھا۔ پولیس انسپکٹر مجھے شہر سے باہر مضافات میں بنے ہوئے ایک کوارٹر میں لے گیا۔ یہاں دو تین پرانی کھٹارا کاریں باہر کھڑی تھیں۔ کوارٹر کے صحن میں ایک مضبوط

جسم کا آدمی قمیص اور میلی سی پتلون پہنے ایک انجن کی مرمت کر رہا تھا۔ پولیس انسپکٹر کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور اپنے شاگرد سے کہا کہ جا کر بازار سے کھانے کو مچھلی وغیرہ لے آئے۔ جب لڑکا چلا گیا تو پولیس انسپکٹر نے اسے کہا۔ "دادا! حکیم صاحب نے اسے بھیجا ہے۔ باقی تم کو سب کچھ معلوم ہی ہے

وہ آدمی، جس کا نام دادا تھا یا اس کا لقب تھا بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ اس کا نام احمد بھائی ہے، نا؟"

"ہاں ... اب تم جانو تمہارا کام ...!"

ہم چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ شاگرد مچھلی اور روٹیاں لے کر آ گیا ہم نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد پولیس انسپکٹر جیپ میں بیٹھ کر واپس روانہ ہو گیا۔

دادا بولا۔ "احمد بھائی رات کی گاڑی سے احمد آباد چلیں گے تم بے شک اندر جا کر آرام کرو"۔

میں نے کوئی سوال نہ کیا کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ کس کو کیا کرنا ہے، میں شام تک سوتا رہا۔

رات کا کھانا میں نے دادا کے ساتھ مل کر کھایا پھر اس نے چائے بنا کر مجھے دی اور خود بھی ایک پیالی لے کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اس وقت وہاں سوائے ہم دونوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

دادا کہنے لگا۔ "میں، تمہیں رکھیل پور لے جا کر فیروز بھائی سے ملاؤں گا۔ وہ میرا چچا ہے اور رکھیل پور میں اس کی اپنی چھوٹی سی زمینداری ہے۔ وہ میرے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ میں اس کا بھتیجا ہوں اور سورت شہر میں موٹر مکینک ہوں اور اکیلا رہتا ہوں۔ تم بھی اس سے ہرگز اپنے مشن کے بارے میں کبھی کوئی بات نہ کرنا"۔

میں نے کہا۔ "مجھے وہاں کیا کرنا ہو گا؟"

دادا بولا۔ "وہی اب بتانے لگا ہوں۔ میرا چچا فیروز بھائی، تمہیں رکھیل پور قصبے کے پوسٹ آفس میں کسی قسم کی چھوٹی موٹی نوکری دلوا دے گا۔ تمہیں وہاں رہنے کو ایک کوٹھری بھی میرے چچا کی حویلی میں مل جائے گی۔ قصبے کا وہی ایک ڈاک خانہ ہے۔ وہاں سے ہفتے میں دو بار اسی پرانے قلعے کو ڈاک جاتی ہے، جہاں ہماری اطلاع کے مطابق پونا رجنٹ کی کمپنی مقیم ہے اور جس نے ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو وہاں چھپا رکھا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس ہرکارے کی نوکری ہی تمہیں ملے، اس سے آگے تمہیں خود سراغ رسانی کر کے ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کا پتہ چلانا اور پھر انہیں وہاں سے نکال کر یہاں میرے کوارٹر میں لے آنا ہے یہ کام اب تمہاری مہارت، وطن دوستی، بہادری اور دانش مندی پر مشتمل ہے۔ وہاں جا کر کیا صورت حال ہو، مجھے اس کا علم نہیں۔ بہرحال تمہیں ہر صورت حال میں انتہائی ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا اور چاہے، تمہیں وہاں درجن بھر خون بھی کرنے پڑیں تمہیں ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کو وہاں سے نکال لانا ہے۔ وہ پاکستان کا ورثہ اور سرمایہ ہے"۔

ہم رات کو گاڑی سے احمد آباد روانہ ہو گئے۔

سورت سے احمد آباد کا فاصلہ دو تین سو کلو میٹر ہے۔ ٹرین بھی ایکسپریس تھی۔ اس نے ہمیں

دوسرے دن کوئی نو بجے صبح احمد آباد پہنچا دیا۔ ہم نے اسٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ہم وہاں گجراتی زبان ہی بول رہے تھے۔ یہاں سے ہم ایک کھٹارا بس میں سوار ہو کر قصبہ رکھیل پور کی طرف چل پڑے۔ اسی میل کا یہ فاصلہ بس نے راستے میں کئی جگہ آرام کرنے کے بعد چار گھنٹوں میں طے کیا۔

رکھیل پور ہری بھری کھیتیوں ' اونچی نیچی سرسبز پہاڑیوں اور گھاس کے میدانوں اور گھنے درختوں میں گھرا ہوا ایک قصبہ تھا۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ تھی کہ یہاں گنا اور کپاس کی فصل بہت ہوتی تھی۔ میں اپنے راہنما کے ساتھ اس کے ادھیڑ عمر چچا فیروز بھائی کی حویلی میں داخل ہوا تو ہماری بہت آؤ بھگت ہوئی۔ فوراً مرغیاں ذبح کر دی گئیں اور گھر میں پراٹھے پکنے لگے۔ بڑے مزے سے کھانا کھایا۔ دادا نے اپنے چچا فیروز بھائی کو میرے بارے میں وہی کچھ بتایا جو اس نے مجھے بتایا تھا۔ فیروز بھائی اپنی خشخشی داڑھی کھجاتے ہوئے بولا۔ "ارے اس لونڈے کو سورت میں کوئی کام نہیں ملا

دادا بولا۔ "چچا یہ گاؤں میں کام کرنا چاہتا ہے لڑکا بڑا شریف اور محنتی ہے۔ دس جماعت پڑھا ہوا بھی ہے۔ ڈاک خانے میں لگا دو۔ اس کو پہلے اس کام کا تجربہ بھی ہے۔ بھڑائچ میں یہ ڈاک بابو رہ چکا ہے

فیروز بھائی نے کہا۔ "اچھا کشن داس سے بات کروں گا"۔

کشن داس اس قصبے کے پوسٹ آفس میں پوسٹ ماسٹر تھا۔ نہایت شریف اور مرنجان مرنج آدمی تھا۔ فیروز چچا سے اس کی بڑی دوستی تھی... دوسرے روز فیروز چچا مجھے اس کے پاس لے کر گیا۔ کشن داس پوسٹ ماسٹر نے چائے منگوائی۔ فیروز چچا نے میری بات کی تو اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا۔ "فیروز بھائی تمہارا کہا میں نہیں ٹال سکتا۔ اس وقت میرے آفس میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں کا اسٹاف ہی کتنا ہے لیکن تم آئے ہو تو میں اسے پیکر رکھ لیتا ہوں مگر یہ شہر تو نہیں بھاگ جائے گا

یہ ساری باتیں گجراتی زبان میں ہو رہی تھیں۔ میں نے فوراً بڑے ادب سے کہا۔ "بابو جی! میں تو بس آپ کے چرنوں میں ہی رہوں گا"۔

کشن داس پوسٹ ماسٹر ہنس کر بولا۔ "بابا رہنا تم فیروز بھائی کے چرنوں میں...!"

فیروز چچا بولا۔ کیوں نہیں کشن داس! یہ میری حویلی میں رہے گا' میں اس کا ذمہ لیتا ہوں"۔

مجھے اس چھوٹے سے پوسٹ آفس میں پیکر کی نوکری مل گئی۔

پوسٹ آفس کی چھت ڈھلانی تھی۔ سامنے ایک برآمدہ تھا۔ جس میں ایک بینچ بچھا تھا۔ دفتر میں دو کمرے تھے۔ ایک میں اسٹور تھا اور دوسرے بڑے کمرے میں پوسٹ ماسٹر کشن داس' دو کلرک' ایک منشی اور ایک پیکر بیٹھتے تھے۔ لفافوں' پوسٹ کارڈوں اور پارسلوں پر کھٹا کھٹ مہریں لگائی جا رہی تھیں۔ چھت خستہ حال تھی۔ فرنیچر پرانا ہو چکا تھا۔ بارش نے برآمدے کے فرش کی کئی اینٹیں اکھاڑ

رکھی تھیں۔

ہمارا ایجنٹ واوا چلا گیا۔ مجھے فیروز چچا نے اپنی پرانی حویلی کے پچھواڑے صحن میں ایک کوٹھری دے دی۔ وہاں میرے لئے بستر لگا دیا گیا۔ فیروز چچا نے کہا۔ "احمد بھائی! نوکرانی تمہارے لئے کھانا پکا دیا کرے گی۔ تم تنخواہ میں سے اسے راشن خرید کر دے دیا کرنا۔ ابھی جب تک تنخواہ نہیں ملتی، تمہارا کھانا ہمارے ہاں سے آجایا کرے گا"۔

میں نے پوسٹ آفس جانا شروع کر دیا۔ میرے چارج لینے کے تیسرے ہی روز ایک ڈاکیا پرانے قلعے والی رجمنٹ کی ڈاک کا تھیلا لے کر سائیکل پر چل دیا۔ معلوم ہوا کہ واقعی پرانے قلعے میں ہفتے میں دو بار ڈاک جاتی تھی۔ میں خاموشی سے اپنا کام کرتا اور چھٹی کے وقت اپنی کوٹھری میں آکر پڑا رہتا۔ حویلی سے نوکر روٹیاں اور ساگ وغیرہ لے کر آجاتا۔ میں نے اپنے حسن سلوک اور شرافت سے دفتر کے سارے آدمیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ میرے پاس ایک ہزار روپے موجود تھے، جو میں نے کوٹھری میں اپنے سرہانے کے اندر چھپا کر رکھ لئے تھے۔ اپنی ایمانداری کا سکہ بٹھانے کے لئے میں نے ایک روز دس روپے کا نوٹ خود ہی پوسٹ آفس کے برآمدے میں ایک طرف بینچ کے نیچے گرا دیا پھر خود ہی اسے اٹھا کر پوسٹ ماسٹر کشن داس کے پاس لے گیا۔

"بابو جی! یہ دس روپے کا نوٹ مجھے بینچ کے پاس پڑا ملا ہے، جس کا ہو اس کو دے دیجئے گا"۔

پوسٹ ماسٹر میری دیانت داری سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے مجھے شاباش دی اور سارے اسٹاف کے سامنے میری ایمانداری کی تعریف کی۔ جو ڈاکیا ہفتے میں دو بار رجمنٹ کی کمپنی کی طرف ڈاک لے کر جاتا تھا، اس کا نام لاکھن ڈیسائی تھا بے چارہ کمزور سا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہو گئی تھی۔ قصبے کے ہی بوسیدہ مکان میں بال بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ چھوٹا سا ایک کھیت بھی تھا، جہاں تھوڑی بہت ترکاری اور اناج پیدا ہو جاتا تھا۔

میں نے اس ڈاکیے سے دوستی کر لی۔ میں اس کی بڑی خدمت کرتا۔ ایک روز اس کے گھر بچوں کے لئے مٹھائی لے کر چلا گیا۔ ڈاکیے کی ادھیڑ عمر بیوی بہت خوش ہوئی۔ لاکھن ڈیسائی بھی مجھ سے بڑی محبت کرنے لگا۔ میں آدھی چھٹی کے وقت اس کے پاس برآمدے میں بیٹھ جاتا۔ ہم دونوں بیڑیاں سلگا کر چائے بنا کر پیتے اور باتیں کیا کرتے۔ ایک روز باتوں ہی باتوں میں، میں نے اسے کہا۔ "لاکھن بابو! یہ کمبخت فوج والوں کو کیا پڑی تھی کہ اس جنگل میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ تمہیں ہفتے میں دو بار سائیکل چلاتے وہاں جانا پڑتا ہے"۔

لاکھن ڈیسائی نے بیڑی کا کش لگا کر کہا۔ "احمد بھائی! ان فوج والوں کی کچھ نہ پوچھو، یہ تو جہاں چاہیں مورچہ لگا لیں"۔

میں نے کہا۔ "بابو! ویسے وہاں توپیں لگی ہیں کیا؟"

وہ بولا۔ "ارے توپیں کہاں لگی ہیں ' بس ایک دفتر سا بنا ہوا ہے جہاں باہر سپاہی پہرہ دیتا ہے۔ ایک کپتان صاحب دفتر میں سارا دن بیٹھے سگریٹ پیتے رہتے ہیں ۔ ڈاک لے کر جاتا ہوں تو کبھی کبھی مجھے بھی سگریٹ پلا دیتے ہیں "۔

میں نے کہا۔ "مگر لاکھن بابو وہاں تو فیروز چچا کہہ رہے تھے کہ کوئی پرانا قلعہ ہے ' جہاں بھوت بھی رہتے ہیں "۔

لاکھن ڈیسائی ہنس پڑا۔ اس کے زرد دانت نظر آنے لگے۔ "ارے احمد بھائی قلعے میں بھوت ہوتے تو فوجی کیسے وہاں رہتے بابو! بھوتوں سے تو فوجی بھی پناہ مانگتے ہوں گے۔ بھوتوں پر گولی تھوڑی اثر کرتی ہے "۔

میں نے کہا۔ "لاکھن بابو! کسی روز مجھے اپنے ساتھ لے چلو ' میں بھی بھوتوں کا قلعہ دیکھوں گا

لاکھن ڈیسائی بولا۔ "کسی روز لے چلوں گا مگر تمہیں اپنی سائیکل لے کر چلنا ہو گا۔ بھائی میں ' تمہیں بٹھا کر سائیکل نہیں چلا سکتا۔۔ مگر ڈیوٹی کے وقت تم کیسے جاؤ گے ؟"

میں نے جھٹ سے کہا۔ "اچھا ایسا کرتے ہیں کہ کسی روز اتوار کو پرانا قلعہ دیکھنے چلیں گے۔ وہاں ہمیں کوئی پکڑ تو نہیں لے گا؟"

لاکھن ڈاکیے نے گردن اٹھا کر کہا۔ "ارے کپتان صاحب تو میری بہت عزت کرتے ہیں۔ خود سگریٹ پیش کرتے ہیں۔ تم چل کر دیکھ لینا"۔

میں نے رازداری سے کہا۔ "لاکھن بابو! دفتر میں کسی کو خبر نہ ہو۔ کشن داس جی کو پتہ چل گیا تو خواہ مخواہ ناراض ہوں گے کہ احمد بھائی تم کیوں گئے تھے۔ میں تو صرف بھوت پریت کا قلعہ دیکھنے جا رہا ہوں "۔

لاکھن بولا۔ "ارے تم فکر نہ کرو۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس اتوار کو تم صبح میرے گھر آ جانا ' چلے چلیں گے "۔

اتوار کو چھٹی کا دن تھا۔ میں نے قصبے کے حلوائی کی دکان سے سیر بھر مٹھائی ٹوکری میں رکھوائی اور ڈاکیے لاکھن ڈیسائی کے گھر پہنچ گیا۔ کیونکہ میرا مشن لیٹ ہو رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ مجھے ڈاکیے کی نوکری شاید ابھی چھ سات سال تک نہ مل سکے۔ لاکھن ڈیسائی اور اس کے بچے مٹھائی دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ میں نے بچوں کو ایک ایک روپیہ بھی دیا۔ اس ڈاکیے نے دیر سے بیاہ کیا تھا۔ بچے ابھی چھوٹے ہی تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہم جنگلی پگڈنڈی پر سائیکل چلاتے فوجی قلعے کی طرف جا رہے تھے۔ سائیکل میں خود چلا رہا تھا۔ لاکھن کو میں نے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ جنگل ہرا بھرا تھا۔ یہاں سرسبز کھیت بھی تھے '

جہاں املی اور سال کے درخت سایہ کیئے ہوئے تھے ۔ تاڑ کے درخت بھی بہت تھے ۔ لاکھن ڈیسائی کہہ رہا تھا کہ یہاں کبھی جنگل سے شیر' چیتے آ جایا کرتے تھے ۔ کبھی کبھی ڈاکوؤں کا گزر بھی ہوتا تھا لیکن جب سے پرانے قلعے میں فوجیوں نے آ کر ڈیرا جمایا ہے ۔ یہ دونوں مصیبتیں ختم ہو گئی ہیں ۔ "کوئی کہتا ہے' یہاں تیل نکلنے والا ہے' اس لئے فوج نے چھاؤنی ڈالی ہے کوئی کہتا ہے' قلعے میں خطرناک قیدی رکھے جاتے ہیں' جن پر فوجی پہرہ لگا ہے ۔ کبھی کبھی یہاں شہر سے بڑے فوجی افسر بھی آتے ہیں"۔

میں سب کچھ سن رہا تھا اور ذہن میں الجھے ہوئے تاروں کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا اگر ایسی بات تھی تو وہاں کسی سویلین کو جانے کی اجازت نہیں ہو گی ۔ خیر لاکھن ڈاکیے کو تو انڈین فوجی جانتے تھے ۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے پوچھ گچھ کریں لیکن لاکھن ڈاکیا سنبھال لے گا ۔ میں انہی سوچوں میں گم جنگلی راستے پر سائیکل چلائے جا رہا تھا ۔

دور سے تاڑ کے درختوں میں سے ابھری ہوئی مجھے قلعے کی پرانی دیوار دکھائی دی ۔ لاکھن بولا ۔ "وہ سامنے قلعہ ہے ۔ سائیکل بائیں جانب والی پگڈنڈی پر ڈال دو"۔

قلعے کے دروازے پر ایک ڈھلانی چھت والا کمرہ بنا تھا' جس کے آگے برآمدے میں دو فوجی اسٹین گن تھامے پہرہ دے رہے تھے سامنے ایک گول دائرے میں پھولوں کے گملے سجے تھے' جن کے درمیان پونا رجمنٹ کا جھنڈا لہرا رہا تھا ۔ لاکھن نے کہا ۔ "یہاں سائیکل سے اترنا ہے"۔

ہمیں دیکھتے ہی فوجیوں نے ہالٹ کہہ کر ہمیں روک دیا ۔ لاکھن ڈیسائی نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بولا ۔ "مہاراج میں ہوں لاکھن ڈاکیا... آج اتوار ہے' وردی میں نہیں ہوں ۔ یہ میرا ساتھی احمد بھائی پیکر ہے ۔ ہم جنگل میں تاڑی کے مٹکے لگانے آئے تھے' سوچا آپ کو نمسکار کرتا چلوں"۔

میں نے لاکھن ڈیسائی کو چلنے سے پہلے سمجھا دیا تھا کہ وہ فوجیوں کو یہ ہرگز نہ کہے کہ میں قلعہ دکھانے آیا ہوں کیونکہ اس طرح فوجی لوگ شک کرتے ہیں ۔ لاکھن نے تاڑی کے مٹکے لگانے کا بہانہ بنایا ۔ فوجی گارڈز نے لاکھن کو پہچان لیا تھا ۔ دونوں حوالدار رینک کے تھے اور قرمزی رنگ کی بیرٹ ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے' جن پر رجمنٹل نشان لگے ہوئے تھے ۔ ایک فوجی نے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھا اور لاکھن سے پوچھا ۔ "اس کو ہم نے پہلے یہاں نہیں دیکھا؟"

میں عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر مسکرانے لگا جیسے مجھے کچھ پتہ ہی نہیں ہے ۔

لاکھن ڈاکیا بولا ۔ "مہاراج! یہ ڈاک خانے میں نیا نیا بھرتی ہوا ہے ۔ فیروز بھائی کا بھتیجا ہے ۔ اس کو تاڑی کا بہت شوق ہے' مہاراج"۔

میں نے مسکینی صورت بنا رکھی تھی ۔ ہاتھ جوڑ کر کہا ۔ "ہاں مہاراج! یہاں کے درختوں کی تاڑی بڑی مزے دار ہوتی ہے"۔

اتنے میں دوسرے فوجی نے برآمدے سے آواز دی ۔ "اس کو یہاں لاؤ کشن لال"۔

مجھے کچھ تشویش ہوئی لیکن میں ایک تجربہ کار کمانڈو جاسوس تھا۔ اپنے حواس کو پوری طرح برقرار رکھا اور برآمدے میں جاکر دوسرے حوالدار کو نمسکار کیا اور کہا۔ " مہاراج! میں احمد بھائی ہوں۔ ڈاک خانے کا سیوک ہوں اپنے انڈین فوجی سورماؤں کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا... بھگوان کی کرپا ہے کہ آپ کے درشن ہو گئے "۔

میں گجراتی میں ہی بات کر رہا تھا جبکہ وہ دونوں حوالدار مرہٹہ تھے مگر گجراتی بول اور سمجھ لیتے تھے ۔ لاکھن ڈیسائی بھی سائیکل کھڑی کر کے قریب آگیا۔ ہم برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئے تھے۔ دوسرا حوالدار مجھے ابھی تک گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا

صاف لگ رہا تھا کہ یہ معمولی حوالدار نہیں ہیں بلکہ ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی ہیں، جو نظروں سے ہی دشمن کو پہچان لیتے ہیں ۔ میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ ایسی اداکاری کر رہا تھا کہ بھارتی حوالدار کو مخمصے میں ڈال دیا۔ اتوار کی وجہ سے کوارٹر گارڈ کا دفتر بند تھا۔

لاکھن ڈیسائی کہنے لگا۔ " مہاراج! اس بار آتے ہوئے آپ کے لئے گھر کا گھی لاؤں گا۔ حکم کریں تو مرغیاں بھی کاٹ کر لے آؤں؟"

حوالدر کشن لال مسکرایا۔" لاکھن بابو! مرغیاں لانی ہوں تو اتوار کو لایا کرو"۔

میں نے اس دوران تھوڑا سا جائزہ لے لیا تھا۔ یہ آفس قلعے کے دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ قلعے کے دروازے پر خاردار باڑھ والا لوہے کا جنگلہ لگا تھا۔ وہاں بھی ایک انڈین فوجی پہرہ دے رہا تھا۔ بائیں جانب درختوں میں کچھ کوارٹر بنے تھے ۔ یقیناً یہاں آفس میں کام کرنے والے فوجی رہتے ہوں گے ۔ ادھر سے بھینس کے بولنے کی مسلسل آواز آ رہی تھی ۔ دوسرا مرہٹہ حوالدار بولا۔ "لاکھن تم جاؤ' اپنے دوست کو ہمارے پاس چھوڑ دو' ہم اسے کل بھیج دیں گے"۔

یہ سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

لاکھن ڈیسائی ڈاکیا بھی پریشانی کی حالت میں ہاتھ جوڑ کر بولا" مہاراج! شما کریں' یہ تو اپنا آدمی ہے۔

مرہٹہ حوالدار نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا" تم جاؤ! ہم کل اسے واپس بھیج دیں گے۔"

میں بظاہر احمقوں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا سب کا منہ تک رہا تھا لیکن اندر سے فکر مند تھا تاہم ملٹری انٹیلی جینس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ چاہے کتنا تشدد کر لیں' مجھے بے نقاب نہ کر سکیں گے ۔ اور پھر میں تو اب بھارتی سی ۔ آئی ۔ ڈی کی اذیتیں سہہ سہہ کر پختہ ہو گیا تھا۔ میرا ساتھی لاکھن ڈاکیا' مرہٹہ حوالدار کے حکم سے سائیکل لے کر چل دیا۔ اب دونوں مرہٹہ حوالدار میری طرف متوجہ ہوئے ۔ ان میں سے ایک کا نام تو کشن لال تھا اور دوسرے کا نام کھمباٹے تھا۔ کھمباٹے نے

حوالدار کشن لال کو حکم دیا کہ مجھے اندر لے جاکر بند کر دیا جائے اور چھوٹی مونچھوں والا حوالدار کشن لال مجھے قلعے کے دروازے کے جنگلے میں سے گزار کر اندر لے گیا۔ میں دزدیدہ نظروں سے ہر شے کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔ یہ ڈیوڑھی چھوٹی سی تھی اور اس کے آگے کشادہ دالان تھا' جہاں دائیں بائیں دو ایک کمرے تھے۔ ان ہی میں ایک چھوٹی سی حوالات بھی بنی تھی' جس میں سلاخوں والا ایک دروازہ لگا تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات کیے بغیر مجھے اس حوالات میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔

جب حوالدار کشن لال چلا گیا تو میں سوچنے لگا کہ ان فوجیوں کو مجھ پر شک ہے کہ میں کوئی غیر ملکی ایجنٹ ہوں اور اب وہ مجھ سے پوچھ گچھ کریں گے۔ ہو سکتا ہے' یہ پوچھ گچھ رات کے وقت ہو کیونکہ چھٹی کی وجہ سے فوجی گارڈ کا انچارج مرہٹہ کیپٹن وہاں موجود نہ تھا میرے پاس کوئی ایسی نشانی یا علامت نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے وہ میرا جاسوس ہونا ثابت کر سکتے میں نے اپنے آپ کو گجراتی مسلمان ظاہر کیا تھا اور میں مسلمان ہی تھا میڈیکل معائنے سے بھی میں مسلمان ہی ثابت ہوتا ہاں اگر میں یہاں ایک ہندو گجراتی نوجوان کی حیثیت سے آتا تو میں پھنس سکتا تھا دوسرے میں ہندی اور تامل بھی روانی سے بول سکتا تھا۔ اور یہ خوبی مجھے ہندوستانی ثابت کرنے میں میری مددگار ثابت ہو سکتی تھی میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ حوالدار کشن لال میرے لئے تام چینی کے مگ میں چائے لے کر آگیا اور بولا۔

" یہ لو چائے پیو! کیپٹن سنگھ ابھی آرہے ہیں پھر تم سے دو دو باتیں ہوں گی۔"

میں چائے کا مگ تھامتے ہوئے۔۔ عاجزی سے بولا " سنتری جی مجھے کیوں حوالات میں ڈالا ہے میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔"

حوالدار کشن لال خاموشی سے چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ پھر آیا اور مجھے حوالات سے نکال کر کوارٹر گارڈ کے آفس میں لے گیا۔ اب دفتر کھلا تھا اور اندر میز کے پیچھے ایک گہرے سانولے رنگ کا جوان فوجی کپتان کی وردی میں میز پر ٹانگیں رکھے بیٹھا چائے پی رہا تھا یہی کیپٹن سنگھ تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی' جس کو آہستہ آہستہ وہ اپنی پنڈلی پر مار رہا تھا حوالدار نے سیلوٹ مار کر کہا۔

" سر یہ ہے وہ جوان!"

کیپٹن سنگھ نے بید کے اشارے سے حوالدار کو باہر جانے کا اشارہ کیا حوالدار سیلوٹ مار کر دفتر سے نکل گیا میں ہاتھ باندھے خاموشی سے کھڑا تھا اور چہرے پر بڑی احمقانہ مسکراہٹ طاری کر رکھی تھی کیپٹن سنگھ نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا میں نے ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا کیپٹن سنگھ مجھے اپنی چھوٹی چھوٹی پیازی آنکھوں سے مسلسل تک رہا تھا میں نے نظریں جھکا لیں۔

کیپٹن چائے کا مگ میز پر رکھتے ہوئے کرسی پر سے اٹھا اور ٹہلتا ہوا عقبی کھڑکی' کی سلاخوں کے

پاس جا کر باہر دیکھنے لگا پھر پلٹ کر میرے قریب آیا میز کے کونے پر بیٹھا اور میری طرف جھک کر گجراتی میں بولا۔ "تم کہاں سے آئے ہو یہاں؟"

میں نے بھی بڑی رواں گجراتی میں اسے بتایا کہ میں بڑا ائچ کا رہنے والا ہوں ماں باپ کے مرنے کے بعد میں رشتے داروں کے برے سلوک سے تنگ آکر یہاں آگیا اور فیروز بھائی کی مہربانی سے ڈاک خانے میں نوکری مل گئی ہے۔

"تم مسلمان ہو کیپٹن سنگھ نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں جی!"

مرہٹہ کیپٹن میز پر سے ہٹ کر دوبارہ اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا چائے کا مگ اٹھا کر ہاتھ میں تھام لیا۔ "تمہارا نام احمد بھائی ہی ہے نا؟"

"ہاں جی! احمد بھائی میرا نام ہے" میں نے بھول پن سے کہا میں اس انتظار میں تھا کہ وہ کب اپنی کرسی پر سے چیتے کی طرح مجھ پر جھپٹتا ہے اور مجھ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کرتا ہے کہ اس نے بڑی رازداری سے میری طرف اپنا چہرہ جھکاتے ہوئے کہا۔

"احمد بھائی! تم یہاں نئے نئے آئے ہو ہمیں تم جیسے ہی نوجوان کی تلاش تھی ہم اس قصبے کے کسی آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتے اگر تم ہمارا ایک کام کر دو تو ہم تمہیں انعام دیں گے اور سرٹیفکیٹ بھی ۔ ۔!

میں سمجھا کہ وہ میرے ساتھ کوئی چال چل رہا ہے میں نے ہاتھ باندھ کر کہا "صاحب جی! میں بے قصور ہوں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے کیپٹن سنگھ مسکرایا کہنے لگا ہم کو سب معلوم ہے کہ تم بے قصور ہو پر ہم نے تمہیں یہاں کوارٹر گارڈ میں بند کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ بات یہ ہے کہ کچھ عرصے سے ہمارے سپلائی ڈپو اور کوارٹروں میں بہت چوریاں ہو رہی ہیں۔ ہم نے گاؤں کے کچھ لوگوں کو بند کر کے مارا پیٹا بھی ہے مگر وہ ہمیں کچھ نہیں بتاتے ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ جنگل سے ڈاکو آکر چوریاں کرتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اس گاؤں کے لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ یہ سارے گاؤں والے چور ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ہمارے پاس اتنی نفری نہیں ہے کہ ہم گاؤں کے ایک ایک مکان کی تلاشی لیں یا وہاں پہرہ لگائیں تم اس گاؤں میں نئے نئے ہو ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم خفیہ طور پر گاؤں میں رہ کر اس بات کا پتا چلا کر ہمیں بتاؤ کہ اصل چور کون کون لوگ ہیں تمہارا نام ہم کسی کو نہیں بتائیں گے اگر تم نے ہمیں چور پکڑوا دیئے تو ہم تمہیں ایک ہزار روپے انعام بھی دیں گے اور سرٹیفکیٹ بھی دیں گے۔ بولو کیا تم تیار ہو؟ یہ بھارت ماتا کی خدمت بھی ہوگی"

میری جان میں جان آئی۔ یہاں معاملہ دوسرا تھا میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا پھر بھی میں نے اپنے چہرے پر اطمینان یا مسرت کی کسی قسم کی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ الٹا یہ ظاہر کیا جیسے

میں پریشان ہوا ہوں میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" صاحب جی میں پردیسی ہوں ' سوائے فیروز بھائی زمیندار اور ڈاک خانے کے دو ایک آدمیوں کے اور کسی کو نہیں جانتا میں کیسے معلوم کروں گا کہ چوریاں کون کرتا ہے ؟"

کیپٹن سنگھ نے میرے لئے مزید چائے کا کپ منگوانے کا حکم دیا اور بولا" یہی بات تو تمہارے اور ہمارے حق میں جاتی ہے تم پر کوئی شک نہیں کرے گا اصل بات یہ ہے کہ تم فیروز بھائی کے ہاں رہتے ہو اور ہمیں اسی پر شک ہے کہ وہ اپنے آدمیوں سے یہاں ڈاکے ڈلواتا ہے تم بڑی آسانی کے ساتھ اصل بات کا سراغ لگا سکتے ہو تمہیں ہم نے اس لئے چنا ہے کہ تم یہاں باہر سے آئے ہو اور ہم یہاں کے کسی بھی باشندے پر بھروسہ نہیں کر سکتے "

قدرت نے مجھے اس پرانے قلعے میں آنے جانے اور بھارتی فوجیوں کی نقل و حرکت کے مشاہدے کا ایک سنہری موقع فراہم کر دیا تھا۔ پھر بھی میں نے عاجزی سے کہا۔" صاحب جی! اگر یہاں کے لوگ چور ڈاکو ہیں تو جی! پھر تو وہ بڑے ظالم ہوں گے اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں نے مخبری کی ہے تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے اس پر کیپٹن سنگھ نے مجھے زور دے کر کہا" احمد بھائی! تم بے فکر رہو ہم تمہاری جان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں تم پر آنچ تک نہ آئے گی بس ایک بار تم ہمیں اصل چوروں کا پتا بتا دو اس کے بعد تم الگ ہو جانا پھر ہم جانیں ہمارا کام ہم تمہارا نام ہی کسی کو نہیں بتائیں گے پھر تمہیں کس بات کا ڈر ہے ؟

اتنے میں چائے آگئی میں نے گجرات کے عام رواج کی طرح پلیٹ میں کپ کی آدھی چائے انڈیل لی اور پلیٹ منہ سے لگا کر پینے لگا کیپٹن سنگھ نے میرے کاندھے کو اٹھ کر آہستہ سے تھپ تھپایا اور کہا" بس ٹھیک ہے ' یہ کام دیش کی خدمت کا بھی ہے ہمارا بہت نقصان ہو رہا ہے تمہیں یہاں آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ سامنے نیم کا ایک پیڑ دیکھ رہے ہو؟ کیپٹن سنگھ نے کھڑکی ' کی سلاخوں کے باہر نیم کے ایک گھنے پیڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" اس پیڑ کے پیچھے میرا کوارٹر ہے باہر میرا نام لکھا ہے۔ آنگن میں ایک گائے بھی بندھی ہے جب بھی تمہیں مجھ سے ملنا ہو ' صبح صبح یا شام کو جب اندھیرا چھا جائے تو میرے کوارٹر پر آجانا تمہیں وہاں گارڈ نہیں روکے گا میں اسے تمہارا نام بتا دوں گا۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا" صاحب جی بھارتی سینا کی سیوا کے لئے یہ کام کروں گا مگر میرا نام نہ آئے غریب آدمی ہوں اور پھر پردیسی بھی ہوں ' مفت میں مارا جاؤں گا۔"

کیپٹن سنگھ نے میرے کاندھے کو دباتے ہوئے کہا" تم ' ہمارے بھائی ہو ' بے فکر ہو کر کام کرو ' تمہارا کوئی بال تک بیکا نہ کر سکے گا۔ اچھا اب تم جاؤ تمہارا ڈاکیا ساتھی تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ کیپٹن صاحب نے معمولی پوچھ گچھ کے لئے روکا تھا ویسے بھی یہاں کوئی اجنبی آتا ہے تو ہم اس سے پوچھ گچھ

ضرور کرتے ہیں‘ اب تم جا سکتے ہو"

میں نے کیپٹن سنگھ کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور سر جھکائے بڑی مسمسی صورت بنائے کمپنی کمانڈر کے آفس سے نکل کر پیدل ہی قصبے کی طرف چل پڑا راستے میں خیال آیا کہ کہیں مجھے کسی خطرناک جال میں تو نہیں الجھایا جا رہا ہے کہیں انہیں میرے بارے میں پتا تو نہیں چل گیا اور یہ مجھے کہیں رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوئی چال تو نہیں ہے؟ دل میں ہر طرح کے خیال آ رہے تھے پھر سوچا کہ اگر انہیں مجھ پر ذرا سا بھی شک ہوتا تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتے فوجی لوگ ہیں پکڑ کر بند کر دیتے اور مار مار کر میرا بھرکس نکال دیتے یا مجھے گرفتار کر کے پیچھے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا جاتا بہر حال میں بے حد محتاط ہو گیا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ ہر طرف سے چوکس رہوں گا اور اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہونے دوں گا کہ انہیں مجھ پر کسی قسم کا شک پڑے۔۔ نگران کی ایک ایک حرکت سے باخبر رہوں گا۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر قصبے کے لوگوں میں چور بھی ہیں اور بقول کیپٹن سنگھ کے اگر میرا محسن اور ہمارے ایجنٹ کا چچا فیروز بھائی ہی ساری چوریاں کرواتا ہے تو میں اسے کیسے گرفتار کراؤں گا؟

لیکن اپنے اہم مشن کی خاطر اگر مجھے فیروز بھائی کو دریا میں دھکا بھی دینا پڑتا تو میں بلا جھجک اسے دھکا دے دیتا۔ بہر حال مجھے بظاہر ایک انتہائی قیمتی موقع ملا تھا اور ایک طرح سے میرا آدھا راستہ طے ہو گیا تھا اب مجھے اپنی طرف سے بے حد احتیاط کی ضرورت تھی۔

یہی کچھ سوچتا ہوا میں اپنے قصبے میں پہنچ گیا اور سیدھا لاکھن ڈیسائی ڈاکیئے کے گھر گیا۔ وہ بے چارہ پریشان بیٹھا تھا مجھے خطرہ تھا کہ کہیں لاکھن نے زمیندار فیروز بھائی کو نہ بتا دیا ہو کہ مجھے فوجیوں نے وہیں روک لیا ہے کیونکہ اگر واقعی فیروز بھائی ہی چوریاں کرواتا تھا تو اسے مجھ پر شک پڑ سکتا تھا کہ کہیں کمانڈر آفس کے فوجیوں نے مجھے اس کے خلاف مخبری کرنے پر تو راضی نہیں کر لیا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور پھر لاکھن ڈیسائی بولا۔

"بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ تم آ گئے میں نے تو ڈر کے مارے فیروز بھائی کو ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا تم ان کے آدمی ہو کہیں وہ مجھے مارنا نہ شروع کر دیتے کہ میں تمہیں وہاں لے کر ہی کیوں گیا تھا... مگر وہاں کیا ہوا؟ حوالدار تو کہہ رہا تھا کہ تمہیں کل چھوڑیں گے؟"

میں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "لاکھن دادا! دیکھو نا یہ فوج کا معاملہ ہے‘ انہیں ہوشیار رہنا ہی پڑتا ہے۔ میں نیا نیا یہاں آیا ہوں‘ وہاں گیا تو انہوں نے پوچھ گچھ کے لئے روک لیا کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں‘ کیا کرتا ہوں‘ بس کیپٹن صاحب نے یہی کچھ مجھ سے پوچھا اور پھر بھارت ماتا کی رکھشا کے لئے تو ہمیں دشمن سے چوکس رہنا ہی ہوگا‘ نا؟"

لاکھن ڈاکیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا "بھگوان کے لئے اب ادھر کا رخ نہ کرنا میں تو بھلے سے بچ گیا نہیں تو مجھے بھی پکڑ لیتے تو میں کیا کرتا بھیا؟"

تھوڑی دیر لاکھن ڈیسائی کے پاس بیٹھ کر واپس حویلی والی اپنی کوٹھری میں آگیا۔ زمیندار فیروز بھائی ذرا دور ایک کھیت میں اپنے سامنے نوکر سے ترکاری کٹوا رہا تھا۔ میں جان بوجھ کر ادھر نہیں گیا تھا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا بزرگ اور کافی حد تک خوش حال زمیندار بھی چوروں کا سرغنہ ہو گا ہو سکتا تھا کہ فوج والوں کو غلط اطلاع ملی ہو مگر اب انہیں فیروز بھائی پر شک پڑ گیا اور ان کا شک دور کرنا میرے لئے بہت ضروری تھا مجھے اس سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں تھی کہ چور کون ہے اور چوروں کا سرغنہ کون ہے۔

مجھے تو ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کا کھوج لگا کر انہیں بھارتی فوج کی قید سے نکالنا اور احمد آباد پہنچانا تھا لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اتنی جلدی کمانڈ آفس کے کیپٹن سنگھ کو چوروں کے بارے میں معلومات مہیا کروں کہ وہ مجھے فارغ کر دیں، جب تک مجھے ڈاکٹر فریدی کا سراغ نہیں مل جاتا اور میں انہیں وہاں سے نکال نہیں لیتا میں وہاں اپنی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ میں چوروں کے سراغ کے سلسلے کو اپنی مرضی اور اپنے پروگرام کے مطابق لٹکائے رکھوں اب میں نے اپنے پروگرام پر غور کرنا شروع کر دیا۔

مرہٹہ کیپٹن سنگھ سے ملے دو روز بیت گئے تھے میں نے تیسرے روز شام کو وہاں جانے کا منصوبہ بنا لیا اس روز میں ڈاک خانے میں بیٹھا اپنا کام کر رہا تھا کہ باہر برآمدے میں بکھرے ہوئے سفید بالوں والے خستہ حال شخص کو دیکھا جس کے کاندھے پر پھٹی ہوئی چادر تھی۔ وہ کھڑکی کی سلاخوں کے پاس آکر بولا

بابو جی میری بیٹی سکینہ کا کوئی خط آیا ہے؟

کھڑکی کے پاس بیٹھے کلرک جیون رام نے سخت بیزاری سے اس کی طرف دیکھا پھر پوسٹ ماسٹر کشن داس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔۔ بابو جی یہ دیوانہ پھر آگیا ہے کیا جواب دوں اسے؟

پوسٹ ماسٹر نے اپنی عینک ناک پر درست کرتے ہوئے کہا "کہہ دو خط نہیں آیا"

کلرک نے اجنبی بوڑھے کو کہہ دیا کہ اس کی بیٹی کا خط نہیں آیا وہ خستہ حال شخص ناامیدی کے عالم میں تکتا رہا پھر سر جھکا کر پیچھے ہٹا۔ ایک لمحہ برآمدے میں چاروں طرف دیکھا اور آہ بھر کر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گاؤں کے پرانے کنوئیں کی طرف چل دیا لاکھن ڈیسائی ڈاک بانٹنے گیا ہوا تھا میں نے کلرک سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا؟ اس نے نفرت سے منہ بنا کر کہا۔

"ارے پاگل ہے" دس سال سے اپنی بیٹی کے خط کا انتظار کر رہا ہے وہ نہ جانے کہاں چلی گئی ہے اب تک تو مرکھپ بھی گئی ہو گی۔

نیک دل پوسٹ ماسٹر نے کہا "جیون بابو ایسا نہ کہو ہو سکتا ہے، وہ زندہ ہو"

کلرک بولا "ارے بابو جی! زندہ ہوتی تو اب تک خود نہ آگئی ہوتی، اس خستہ حال شخص کا نام

کریم تھا وہ قصبے میں کوچوان تھا اس کی ایک ہی اولاد بیٹی سکینہ تھی، جس سے اس کو بڑی محبت تھی سکینہ کی ماں فوت ہو چکی تھی۔ کریم کو اپنی بیٹی سے بڑی محبت تھی۔ وہ اس کی ضرورت کا خیال رکھتا تھا اور سکینہ بھی باپ پر جان چھڑکتی تھی دس برس پہلے کی بات ہے کہ سکینہ کی شادی ہو گئی شہر سے چار آدمی برات لے کر آئے اور سکینہ کو بیاہ کر لے گئے۔ سکینہ ایسی شہر گئی کہ پھر لوٹ کر نہ تو خود آئی اور نہ اپنے باپ کو کوئی خط ہی لکھا۔ خدا جانے وہاں اس پر کیا گزری کہ جیسے بالکل غائب ہی ہو گئی۔ کریم کی حالت اپنی بیٹی کی جدائی میں خراب ہونا شروع ہو گئی وہ ہر روز ڈاک خانے میں آکر برآمدے میں بیٹھ جاتا اور بار بار پوچھتا کہ اس کی بیٹی کا خط تو نہیں آیا۔

شروع شروع میں ڈاک خانے والے اس سے دلجوئی کرتے رہے پھر انہوں نے اس کی پروا کرنی چھوڑ دی۔ اس کے بعد کریم کا مذاق اڑانا شروع کر دیا پھر اسے دھتکارا جانے لگا کہ کیا اپنی بیٹی کے خط کا انتظار کر رہے ہو۔ وہ مر گئی ہے، بے چارہ مصیبت کا مارا باپ دو برس تک شہر کی خاک چھانتا رہا۔ اسے اپنی بیٹی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ وہ رکھیل پور واپس آگیا۔ لوگ اسے دیوانہ سمجھنے لگے بچے اس کے پیچھے ٹھٹھا کرتے وہ ایک بار پھر اپنی بیٹی کو ڈھونڈنے شہر چلا گیا وہاں چار پانچ برس تک اپنی بیٹی کی تلاش میں دربدر پھرتے رہنے کے بعد اب پھر واپس قصبے میں آگیا تھا اور ڈاک کلرک نے اسے جھاڑ دیا تھا۔

مجھے بدنصیب باپ کریم بھائی سے بڑی ہمدردی ہو گئی مگر میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چلا گیا میں دن بھر ڈاک خانے میں ڈیوٹی دینے کے بعد اپنی کوٹھری میں آگیا شام کو مجھے کیپٹن سنگھ کے ہاں جا کر ایک من گھڑت رپورٹ دینی تھی۔

جب سورج غروب ہو گیا اور قصبے کے کھیتوں پر اندھیرے کی سرمئی راکھ سی گرنے لگی تو میں کوٹھری سے نکل کر پرانے قلعے کی طرف چل پڑا کیپٹن سنگھ کے کوارٹر پر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا کوارٹر اچھا خاصا تھا اندر صحن میں باغ کی ایک کیاری لگی تھی برآمدے میں بلب جل رہا تھا چھوٹے سے گیٹ پر ایک انڈین سپاہی پہرہ دے رہا تھا میں نے اسے اپنا نام بتایا تو وہ مجھے اندر لے گیا۔

مرہٹہ کیپٹن سنگھ نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے ایک چھوٹے سے سجے سجائے کمرے میں بٹھایا اور میرے لئے چائے منگوائی پھر بولا "کہو دوست کیا خبر لائے ہو؟"

میں نے کہا "صاحب جی! آپ کا اندازہ درست تھا فیروز بھائی کے پاس کل رات ایک آدمی آیا دونوں دیر تک کھسر پھسر کرتے رہے یہ آدمی اپنے ساتھ ایک گٹھری بھی لایا تھا جو فیروز بھائی نے رکھ لی تھی"

"اس میں کیا تھا؟" کیپٹن سنگھ نے پوچھا۔

میں نے کہا "یہ میں پتا نہیں چلا سکا لیکن میں نے ان کی باتیں چھپ کر سن لی تھیں۔

"وہ کیا باتیں کر رہے تھے

میں نے جواب دیا "میں دروازے کے ساتھ لگ کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ صاف آواز نہیں آرہی تھی بس اتنا ہی سن سکا کہ وہ سپلائی ڈپو سے اس بار چینی کی بوریاں اٹھانے کا پروگرام بنا رہے تھے" کیپٹن سنگھ کی بھویں تن گئیں "تو گویا فیروز بھائی چوروں کا سردار ہے اور اب وہ ہمارے ڈپو سے چینی کی بوریاں چرانے آرہے ہیں میں سالوں کو شوٹ کردوں گا تم ایسا کرو' اس آدمی پر نظر رکھو وہ گاؤں میں کہاں ہے اب ---؟

میں نے کہا" وہ تو صبح صبح چلا گیا تھا۔ شاید دو ایک روز میں پھر آئے۔ کیپٹن سنگھ غصے میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بار بار ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر رہا تھا پھر میری طرف دیکھ کر بولا" تم نے بڑی اچھی خبر دی ہے ہمیں ... تھینک یو ... تم اب جاؤ ہم اس بار چوروں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے انہوں نے سمجھ کیا رکھا ہے"

میں نمسکار کر کے چلا آیا میں نے یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق کیا تھا مجھے معلوم تھا کہ کیپٹن کو میری طرف سے کسی ثبوت کی ضرورت ہے اور وہ بھرپور ایکشن لے گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا دوسرے روز میں ابھی ڈاک خانے نہیں گیا تھا کہ پونا رجمنٹ کی جیپ حویلی کے باہر آکر کھڑی ہوئی۔ اس میں سے چار فوجی جوان رائفلیں تانے نکلے اور حویلی میں گھس گئے ۔ انہوں نے فیروز بھائی کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور جیپ میں بٹھا کر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے غائب ہو گئے حویلی میں عورتیں اور بچے دم بخود ہو کر رہ گئے۔

میں بھی ان کی حیرانی اور پریشانی میں شامل ہو گیا پھر ڈاک خانے چلا آیا چار بجے واپس حویلی میں گیا تو فیروز بھائی آگیا تھا مگر اس کی بری حالت تھی۔ کمانڈر آفس میں اسے بری طرح مارا پیٹا گیا تھا وہ بستر پر پڑا کراہ رہا تھا اور قصبے کا وید اس کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ اس نے روتے ہوئے مجھے بتایا کہ خدا جانے میرے کس دشمن نے فوجیوں کو خبر دی ہے کہ میں ان کے ہاں چوریاں کرواتا ہو۔ دیکھو انہوں نے مار مار کر میری کیا حالت بنا دی ہے میں نے بظاہر انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا دل میں دکھ بھی ہوا لیکن یہ میرے مشن کا ایک حصہ تھا میں مجبور تھا۔

چنانچہ اپنی اسکیم کے دوسرے مرحلے پر عمل کرتے ہوئے میں ایک روز بعد کیپٹن سنگھ کے کوارٹر میں جا پہنچا میں نے اپنی حالت سے یہ ظاہر کیا کہ میں بے حد پریشان اور گھبرایا ہوا ہوں کیپٹن سنگھ نے پوچھا "کیا بات ہوئی' تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو جوان ؟"

میں نے بڑی مشکل سے آنسو نکال کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "مہاراج مجھے بچالیں۔ اب میں واپس قصبے میں نہیں جاسکتا فیروز بھائی کو کسی نے بتا دیا ہے کہ میں نے مخبری کی تھی۔ اس کے آدمی مجھے قتل کرنے آئے تھے اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہوں"

کیپٹن سنگھ نے فیروز بھائی کو موٹی گالی دے کر کہا" ہم نے اس کی ٹھکائی کر دی تھی' میں تو اسے

شوٹ کرنے والا تھا"

میں نے کیپٹن سنگھ کے پاؤں پکڑ لئے " صاحب! مجھے اس سے بچالیں سارا گاؤں اب میرا دشمن ہو گیا ہے۔ میں نے بھارتی سینا اور بھارت ماتا کی خدمت کے لئے ایسا کیا تھا۔ اب وہ مجھے جان سے مارنے کو پھر رہے ہیں"

کیپٹن نے غصیلی آواز میں کہا" تمہارا کوئی بال بیکا بھی نہیں کر سکتا جوان!"

میں نے ہاتھ جوڑ دیئے " حضور! مجھ پر رحم کریں' مجھے اپنی خدمت کے لئے یہیں رکھ لیں سوائے آپ کے اب میرا کوئی نہیں ہے میں تو اپنی نوکری سے بھی گیا۔"

کیپٹن سنگھ کچھ سوچنے لگا پھر میری طرف دیکھ کر بولا" احمد بھائی! تم نے ہمارے لئے بڑا کام کیا ہے ہم تمہیں مصیبت میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے تم نے ہمیں ان چوروں کا نشان بتادیا ہے جن کی ہم ایک مدت سے تلاش میں تھے اچھا تم ایسا کرو میں تمہیں اپنی رجمنٹ میں کام دلا دوں گا تم آج کی رات یہیں باہر برآمدے میں سو جانا کل تمہیں دفتر میں لے چلوں گا

یہی میرا مقصد تھا برآمدے میں ایک کیمپ کارٹ ڈال کر مجھے کمبل دے دیا گیا رات کو کھانا بھی مجھے وہیں ملا میں نے رات برآمدے میں گزار دی صبح کیپٹن سنگھ مجھے اپنے ساتھ رجمنٹل آفس میں لے گیا۔ یہاں مجھے چھوٹے موٹے کام کرنے پر لگا دیا گیا۔ مجھے ایک بھارتی فوجی کی ہرے رنگ کی پتلون اور اسی کلر کی قمیص اور بوٹ دے دیئے گئے دوپہر کے بعد میں نے کیپٹن سنگھ سے درخواست کی کہ حویلی میں میرے کچھ پیسے پڑے رہ گئے ہیں میں وہ لانا چاہتا ہوں کیپٹن سنگھ نے ایک جیپ میں میرے ساتھ چار فوجی کر دیئے میں نے جیپ قصبے کے باہر ہی ایک جگہ رکوائی اور خود حویلی کی طرف گیا۔

راستے میں اتفاق سے لاکھن ڈاکیا مل گیا کہنے لگا کہ تم کہاں صبح سے غائب ہو' دفتر بھی نہیں آئے۔

میں نے کہا" لاکھن بابو! مجھے نوکری مل گئی ہے' وہاں بڑے مزے میں ہوں' مفت راشن ملتا ہے"

اسے حیران چھوڑ کر میں حویلی میں آیا تو فیروز بھائی ابھی تک صاحب فراش تھا میں اپنی کوٹھری میں گیا اور اپنے سرہانے میں سے نو سو روپے اور سدھار تگنی کا سانپ کا منکا نکال کر جیب میں رکھا اور قصبے سے نکل کر جیپ میں سوار ہو کر واپس کمانڈ آفس میں آگیا کیپٹن سنگھ نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا۔

"تمہیں کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟"

"میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا" مہاراج! بھارتی فوج کے ہوتے ہوئے کسی کی جرأت ہے کہ مجھ پر ہاتھ اٹھائے ویسے صاحب جی! وہ لوگ اب مجھ سے بڑی چکنی چپڑی باتیں کر رہے تھے۔ ہر کوئی کہتا تھا کہ تم گاؤں سے کیوں چلے گئے واپس آجاؤ میں نے کہا بھگوان تم سے بچائے اب تو میں اپنی بھارتی سینا

کی ہی خدمت کروں گا۔"

کیپٹن سنگھ اپنی باریک مونچھوں پر انگلی پھیر کر بولا میں نے اپنے جوانوں کو آرڈر کر دیا تھا کہ ہمارے آدمی کو کسی نے کچھ کہا تو گولی چلا دینا۔

میں نے کیپٹن سنگھ کا جھک کر شکریہ ادا کیا اور اپنے کام میں لگ گیا مجھے رہنے کے لئے فوجیوں کی بیرک کے عقب میں ایک جھونپڑا مل گیا میں دن بھر وہاں کام کرتا کھانا فوجیوں کے لنگر میں کھاتا اور رات کو اپنی جھونپڑی میں بچھی کیمپ کارٹ پر آکر سو جاتا۔

میں نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ اس پرانے قلعے میں پونا رجمنٹ کی اس کمپنی کے کوئی سو کے قریب مرہٹہ سپاہی تعینات تھے، جن کا کمانڈر مرہٹہ کیپٹن سنگھ تھا۔ میرا کام آفس میں ادھر ادھر کی چیزیں وغیرہ لا کر دینا اور کمروں کی جھاڑ پونچھ بھی تھا میں سر جھکائے اپنے کام میں لگا رہتا لیکن اندر سے میری آنکھیں پوری کھلی تھیں اور میں ایک ایک بات کا بھرپور جائزہ لے رہا تھا۔

تین روز بعد لاکھن ڈیسائی قصبے کے پوسٹ آفس سے ڈاک لے کر آیا تو اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "احمد بھائی! تم تو بڑے مزے میں لگتے ہو یہاں، چہرے پر رونق آگئی ہے تمہارے۔"

میں نے کہا "بس دادا! بڑے مزے میں ہوں"

کیپٹن سنگھ نے لاکھن ڈیسائی کو مجھ سے مسکرا کر باتیں کرتے دیکھا تو قریب آکر بولا تم جنگلی لوگ اس شریف جوان کے دشمن ہو اوپر سے تم بڑے ہنس ہنس کر ملتے ہو گاؤں والوں کو کہہ دینا کہ ادھر کسی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو گولی مار دوں گا۔

لاکھن ڈیسائی بے چارہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ ہاتھ باندھ کر بولا "مہاراج! میں نے تو کچھ نہیں کہا؟"

میں چپکے سے ایک طرف کو چل دیا میں کیپٹن سنگھ کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ گاؤں والے اوپر سے مجھ سے ہنس کر ملتے ہیں۔ کیونکہ میں بھارتی سورماؤں کی پناہ میں آگیا ہوں لیکن اندر سے یہ میری جان کے دشمن ہیں۔

پرانے قلعے کے پونا رجمنٹل آفس میں کام کرتے مجھے دو ہفتے گزر گئے اس دوران میں مجھے اس بات کا ہلکا سا نشان بھی نہ مل سکا کہ اس قلعے میں پاکستانی سائنس دان اور اس کی بیٹی قید میں رکھے ہوئے ہیں۔ فوجی زیادہ تر مرہٹی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ کوئی کوئی گجراتی زبان بھی بول لیتا تھا میں مرہٹی زبان کے الفاظ میں کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا لیکن ان کی زبان سے میں نے ابھی تک کسی پاکستانی قیدی سائنس دان کا ذکر نہیں سنا تھا دو ایک بار مجھے خاردار گیٹ میں سے گزر کر پرانے قلعے کے اندر جانے کا بھی موقع ملا لیکن وہاں وہی لمبی ڈیوڑھی میں آمنے سامنے دو چار کمرے بنے تھے۔ ایک خالی حوالات

تھی۔ بالکل سیدھ میں لکڑی کا ایک دروازہ تھا جو ہمیشہ بند رہتا تھا کمپنی کے مرہٹہ فوجی جوان صبح کو ڈرل کرتے پھر قلعے کے اردگرد اپنی اپنی پوسٹوں پر جا کر پہرے پر کھڑے ہو جاتے۔

مجھے یقین تھا کہ یہاں ضرور کوئی خاص بات ہے، ورنہ اس جنگل میں فوج کی تعیناتی کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی دوسرے ہمارے ایجنٹ کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی ڈاکٹر فریدی اور اس کی بچی یقیناً اسی کمانڈ پوسٹ کے قلعے کے تہ خانے میں کہیں قید تھے۔ اب مجھے شہر سے آنے والے ان فوجی افسروں کا انتظار تھا جو بقول ڈاکیا لاکھن ڈیسائی کے وہ کبھی کبھی یہاں آیا کرتے تھے۔ اس اثنا میں مجھے کیپٹن سنگھ کی زبانی پتا چلا کہ اس نے فیروز بھائی کو سپلائی ڈپو کی چیزیں چرانے کے الزام میں گرفتار کروا کر ہیڈکوارٹر بجھوا دیا ہے، مجھے افسوس ضرور ہوا لیکن اپنے مشن کے سامنے مجھے اپنی جان بھی بے حقیقت معلوم ہوتی تھی۔

ایک روز اس پرانے قلعے والی ملٹری پوسٹ پر مجھے کچھ غیر معمولی سرگرمی نظر آئی حوالدار کشن لال نے مجھے حکم دیا کہ کمرے اچھی طرح سے جھاڑ پونچھ کروں دفتر کے سامنے والے پھولوں کے پلاٹ میں سے گھاس کاٹ دی گئی سپاہیوں نے اپنی بوٹ پٹی چمکالی میں خاموشی سے یہ ساری تیاریاں دیکھتا رہا اور سمجھ گیا کہ کوئی فوجی افسر آرہا ہے دوپہر کے بعد ایک فوجی جیپ کمانڈ پوسٹ کے آفس کے سامنے آکر رکی۔

میں بیرک کی دیوار کے پاس اٹینشن کھڑا تھا کیپٹن سنگھ بھی فل وردی میں تھا۔ اس کے پیچھے چار سپاہی چاق وچوبند کھڑے تھے کیپٹن سنگھ نے آگے بڑھ کر جیپ کا دروازہ کھولا جیپ میں سے گنجے سر والا گہرے سانولے رنگ کا ایک گول مٹول سا آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا وہ سویلین کپڑوں میں تھا اس کے ساتھ دو فوجی بھی اترے کیپٹن سنگھ اور دوسرے سپاہیوں نے انہیں سلیوٹ کیا سانولا گول مٹول آدمی بریف کیس تھامے قلعے کے خاردار جنگلے کی طرف چلا۔ دونوں فوجی اور کیپٹن سنگھ بھی اس کے ساتھ تھے یہ سب قلعے کے دروازے میں سے گزر کر ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے تو خاردار جنگلہ بند کر دیا گیا۔

میں نے کمانڈ آفس کے برآمدے میں بچھے بینچ کو کپڑے سے جھاڑتے ہوئے پہرے پر کھڑے حوالدار کشن لال سے پوچھا "مہاراج! کوئی بڑا صاحب آیا ہے؟"

کشن لال بولا "ابے تجھے اس سے کیا چل اپنا کام کر"

میں کلن لپیٹ کر وہاں سے ہٹ گیا اور برآمدے کے باہر رکھے پھولوں کے گملوں کی ترتیب ٹھیک کرنے لگا پھر بالٹی لے کر نل پر چلا گیا اور اسے دھو کر اس میں پانی بھرنے لگا میرا ذہن ان تین آدمیوں کے بارے میں بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا، جو ابھی ابھی اس کمانڈ پوسٹ پر آئے تھے جن میں سے ایک سویلین اور دو فوجی تھے۔ یہ بات یقینی تھی ... کہ یہ وہی لوگ ہیں جو بقول لاکھن ڈیسائی کے

کبھی کبھی شہر سے یہاں آیا کرتے تھے یہ لوگ جس اعتماد اور پراسرار انداز میں وہاں آئے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ محض ایک معمولی فوجی پوسٹ نہیں ہے اور یہاں کوئی بڑی اہم بات ہو رہی ہے مجھے یقین ہو گیا کہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی اسی جگہ کسی تہ خانے میں بند ہے اور یہ سویلین بھارتی سائنس دان تھا' جو اپنے فوجیوں کے ساتھ ڈاکٹر فریدی سے اپنے زیر تکمیل فارمولے کے بارے میں مزید پوچھ گچھ کرنے آیا ہے

پانی سے بھری ہوئی بالٹی' میں نے آگ بجھانے والی دوسری بالٹیوں کے پاس جا کر رکھ دی اور خود لنگر خانے والی بیرک کی طرف نکل گیا میں برآمدے کے کونے میں لکڑی کی سیڑھی پر بیٹھ کر بیڑی پینے لگا میرے قریب ہی ایک بوڑھا گھاس کاٹ رہا تھا۔ اسے سب ڈھیبر کہہ کر پکارتے تھے اور یہ وہاں اکثر گھاس وغیرہ کاٹنے آیا کرتا تھا میں نے اسے جیب سے بیڑی نکال کر دی وہ بڑا خوش ہوا۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں نے اس سے کہا" چوکی پر کوئی فوجی افسر آجائے تو لنگر میں مرغیاں کاٹی جاتی ہیں۔ آج ہمیں بھی مرغی کا شوربہ کھانے کو ملے گا۔

بوڑھا بیڑی کا کش لگا کر بولا" ارے بھیا جی! یہ تو آتے جاتے رہتے ہیں' اس بار دیر سے آئے ہیں۔"

میں نے پوچھا" ڈھیبر دلوا! یہ کون لوگ ہیں۔ ان میں سے تو ایک سویلین ہے پر اسے بھی سب نے سلیوٹ مارا۔"

بوڑھا کہنے لگا" رام جانے کون ہے سنا ہے شہر سے یہ لوگ آتے ہیں"

وہ گھاس کاٹنے میں مصروف ہو گیا کوئی تین گھنٹے بعد نووارد مہمان قلعے کے خاردار جنگلے سے باہر آئے کیپٹن سنگھ ان کے ہمراہ تھا سویلین' بریف کیس والا ان سب کے آگے آگے تھا دونوں فوجی افسر بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے وہ سب کیپٹن سنگھ کے کشادہ کوارٹر کی طرف چل دیئے۔

سہ پہر چار بجے میں اپنی ڈیوٹی سے آف ہو کر اپنے جھونپڑے کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے کیپٹن سنگھ کے کوارٹر کے باہر دو سنتری پہرے پر نظر آئے میں اپنے تام چینی کے فوجی مگ میں لنگر سے چائے بھروا کر لایا تھا میں جھونپڑی کے آگے اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھ کر چائے پینے لگا وہاں سے کیپٹن سنگھ کے کوارٹر کا گیٹ مجھے صاف نظر آرہا تھا۔ کوارٹر پر گہری خاموشی چھائی تھی آج کیپٹن سنگھ کے کوارٹر میں گائے نظر نہیں آرہی تھی اسے نکال کر کسی دوسری جگہ پہنچا دیا گیا تھا۔ سورج درختوں کے پیچھے ڈوبنے لگا دھوپ ماند پڑ گئی میں اپنی جھونپڑی میں آکر کیمپ کارٹ پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ مجھے قلعے کے راز کو حل کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا رات کا کھانا میں فوجی لنگر میں جا کر کھاتا تھا جہاں میں دیکھ آیا تھا کہ ڈانگری مرغیوں کو کاٹ رہے تھے میں کچھ دیر بعد اٹھ کر لنگر خانے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ

کیپٹن سنگھ کے مالی نے آکر کہا۔

"چل احمد بھائی! تجھے کپتان صاحب بلا رہے ہیں۔"

میں کیپٹن سنگھ کے کوارٹر کی طرف آگیا فوجی گارڈ مجھے جانتے تھے انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا کوارٹر کے برآمدے میں بتیاں روشن تھیں کیپٹن سنگھ کا اردلی ڈکشٹ ہاتھوں میں پھلوں سے بھرا ہوا ٹوکرا تھامے آگیا اور کہنے گیا۔

چل بے اسے اٹھا کر کچن میں چل تو کہاں چھپا ہوا تھا اب تک؟ میں نے جلدی سے پھلوں کا ٹوکرا کاندھے پر اٹھا لیا اور اردلی کے ساتھ کوارٹر کے عقب والے کچن میں آگیا یہاں کھانے کی دیگچیاں لنگر خانے سے تیار ہو کر آچکی تھیں کھانا تھالیوں میں لگایا جانے لگا میں پیتل کے طشت میں نارنگیاں، کیلے اور اناس سجانے لگا۔

اردلی نے میری طرف دیکھا اور کہا چل بے یہ چاولوں کی بڑی ڈش ڈائننگ ٹیبل پر نے جا کر رکھ دے۔

چاول رنگدار تھے اور ان میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ کیپٹن سنگھ کا ڈائننگ روم مجھے معلوم تھا میں اندر داخل ہوا تو مجھے سگار کی خوشبو آئی دیکھا کہ کھانے کی میز پر پھول گل دان میں سجے ہیں اور سامنے صوفوں پر کیپٹن سنگھ، دونوں اجنبی فوجی اور سانولا گول مٹول سویلین بیٹھے ہیں سویلین سگار پی رہا تھا وہ آپس میں مرہٹی زبان میں باتیں کر رہے تھے میں چاولوں کا طشت کھانے کی میز پر رکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا میں نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ جب میں کمرے میں داخل ہوا تھا تو یہ لوگ باتیں کرتے کرتے رک گئے تھے جب میں دروازے کی طرف بڑھا تو انہوں نے پھر باتیں شروع کر دی تھیں مرہٹی زبان سے کچھ کچھ واقف ہونے کی وجہ سے میں ان کی گفتگو کے آخری الفاظ بالکل نہ سمجھ سکا تھا... لیکن میرے کان میں ایک لفظ ضرور پڑ گیا تھا جس کا مطلب تھا "بیہوش لڑکی..."

کچن میں مجھے دوسرے کاموں پر لگا دیا گیا میرا ذہن بے ہوش لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بار بار اسی نتیجے پر پہنچتا کہ یہ لوگ قلعے کے تہ خانے میں ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی سے پوچھ گچھ کر کے آئے ہیں اور ان کے تشدد کی وجہ سے ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین بے ہوش ہو گئی ہے۔

جوں جوں صورت حال نازک ہو رہی تھی میرا یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ میں ابھی تک کچھ نہیں کر سکا میں تو ابھی تک قلعے کے اندر جانے میں بھی کامیاب نہیں ہوا تھا مہمانوں کو کھانا وغیرہ کھلانے کے بعد میں اپنی جھونپڑی میں آکر کیمپ کارٹ پر کمبل اوڑھے پڑ گیا ذہن میں کوئی ایسی ترکیب نہیں آرہی تھی کہ جس پر عمل کرنے سے میں قلعے کے اندر جا سکوں اسی سوچ بچار میں نیند آگئی اور میں سو گیا۔

دوسرے دن صبح صبح کوارٹر گارڈ کے فوجی بگل کی تیز آواز نے مجھے جگا دیا کمانڈ آفس والے

چھوٹے سے گراؤنڈ میں فوجی ڈرل کر رہے تھے میں حسب معمول منہ ہاتھ دھو کر آفس میں آکر معمول کے کاموں میں لگ گیا میں نے دیکھا کہ کیپٹن سنگھ ابھی تک نہیں آیا تھا کوئی دس بجے وہ اپنی جیپ لے کر نمودار ہوا جیپ وہ اکیلا چلا رہا تھا۔

میں نے سیلوٹ مارا تو وہ مسکرا کر بولا "اے احمد! تم نے بھی مرغی کھائی رات کو کہ نہیں ؟

میں ہاتھ باندھ کر بولا "صاحب جی بڑے مزے کی مرغی پکی تھی۔"

وہ مسکراتا ہوا اپنے دفتر میں داخل ہو گیا تھوڑی ہی دیر بعد پتا چل گیا کہ کل والے مہمان رخصت ہو چکے ہیں کمانڈ پوسٹ میں پھر زندگی اپنے معمول پر آگئی اس دوران میں میں نے چل پھر کر ساری فوجی پوسٹوں کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ کمانڈ آفس کے حدود میں جو کچا راستہ داخل ہوتا تھا۔ وہاں لکڑی کا ایک لمبا ڈنڈا ہر وقت گرا رہتا یہاں ایک سنتری متعین تھا' جو فوجی جیپ کے آنے پر ڈنڈے کو اٹھا دیتا تھا باہر بائیں اور دائیں جانب درختوں کے نیچے بنکر کھود کر فوجیوں نے دو مورچے بنا رکھے تھے۔ ان کی چھت گھاس پھونس اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی بنکر کے سوراخوں میں سے مشین گنوں کی نالیاں تھوڑی تھوڑی باہر نکلی ہوئی تھیں یہاں بنکر کے اندر ہر وقت مشین گن مین موجود رہتے تھے۔

ان دو مورچوں کے علاوہ ایک پوسٹ دس قدم کے فاصلے پر اوپر ایک چھوٹی سی ٹیکری پر بنی ہوئی تھی یہاں بھی بنکر میں مشین گن نصب تھی ان تین مورچوں کے سوا وہاں اور کوئی مورچہ نہیں تھا۔ اس چوکی پر دو ٹرک تھے اور تین جیپیں تھیں' جو ہر وقت تیار رہتی تھیں ایک ٹرک ہفتے میں دوبار شہر سے مختلف قسم کی سپلائی لے کر آیا کرتا تھا۔

- انڈین فوجیوں کی سوڈیڑھ سو کی نفری تھی مگر اردگرد کے علاقے کی سخت نگرانی کی جاتی تھی اور وہاں کوئی چڑی بھی پر نہیں مار سکتی تھی باہر سے سوائے لاکھن ڈاکیئے اور گھوی ططبیبر کے میں نے کسی سویلین کو اندر آتے نہیں دیکھا تھا۔

ایمونیشن روم کے باہر بھی ہر وقت پہرہ لگا رہتا تھا کیپٹن سنگھ کی شب و روز خدمت کرتے میں نے اس پر اپنا اعتماد جما لیا تھا۔ وہ مجھے بڑا بے ضرر' بھولا بھالا اور محنتی نوجوان سمجھتا تھا۔

ایک روز سہ پہر کے وقت میں برآمدے میں بیٹھا کیپٹن سنگھ کے کالے فوجی ۔۔ بوٹوں کو پی سے چمکا رہا تھا کہ جمعدار لاکھانی کیپٹن سنگھ کے دفتر کی چق اٹھا کر اندر داخل ہوا میں دفتر کے دروازے کے بالکل قریب ہی بیٹھا تھا مجھے جمعدار لاکھانی کے سیلوٹ مارنے کی آواز آئی پھر اس نے کیپٹن سنگھ سے گجراتی زبان میں کہا اردلی ڈکشٹ کو بخار ہو گیا ہے آرڈر کریں۔'

میں اپنے کام لگا رہا کیپٹن سنگھ کی جھنجلاہٹ بھری آواز سنائی دی " جانگلی ہر ہفتے بیمار پڑ جاتا ہے پھر چند سیکنڈ خاموشی چھائی رہی میں نے کوئی خیال نہ کیا اتنے میں جمعدار لاکھانی کی پھر آواز آئی۔

"سر میرے لئے کیا آرڈر ہے ؟"

اب کیپٹن سنگھ بولا "دیکھو' باہر احمد بھائی بیٹھا ہوگا ۔۔ اسے اندر بلاؤ"

میرے کان کھڑے ہوگئے جمعدار لاکھانی فوراً جھٹ اٹھا کر باہر آیا اور میری طرف دیکھ کر بولا" احمدو اندر چلو کیپٹن صاحب بلا رہے ہیں" میں بوٹ پٹی وہیں چھوڑ کر دفتر میں گیا' جا کر سلیوٹ کیا کیپٹن سنگھ نے مجھے دیکھا اور کہا "احمدو! ہمارے اردلی نے سک رپورٹ کی ہے' تم جمعدار کے ساتھ جا کر نیچے اسپرے کرو"

"ٹھیک ہے سر!" میں نے ادب سے ایڑی جوڑ کر کہا۔ کیپٹن سنگھ نے میز کی دراز میں چابی لگا کر ایک لمبی سی تانبے کی چابی نکال کر جمعدار کو دی اور کہا "اسے اپنے ساتھ رکھنا اور چابی مجھے آفس میں آکر دے جانا۔"

"ٹھیک ہے صاب!"

جمعدار لاکھانی نے سلیوٹ مار کر چابی لی اور میرے ساتھ آفس سے باہر آگیا آفس کے پیچھے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری تھی یہاں سے جمعدار لاکھانی نے دو اسپرے گنیں اٹھائیں ۔ ایک اپنے کاندھے پر لٹکائی ....۔ اور دوسری میرے کاندھے پر لٹکا دی "چلو جوان میرے ساتھ"

ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھے کہاں لیئے جا رہا ہے صرف اتنا ہی علم تھا کہ کسی کمرے میں یا بیرک میں مچھروں سے بچاؤ کا اسپرے کرنا ہے کیونکہ یہاں رات کو مچھر بہت ہوتے تھے مگر بیرک میں جانے کی بجائے وہ مجھے قلعے کی عقبی دیوار کی جانب لے گیا یہاں اینٹوں اور جھاڑ جھنکاڑ کے پیچھے پرانی دیوار میں ایک دروازہ بنا ہوا تھا پہلی نگاہ میں مجھے کسی گیراج کا دروازہ معلوم ہوا میں نے سوچا کہ اس گیراج میں اسپرے کرنا ہوگا دروازہ لوہے کا تھا اور اس کا سائز گیراج کے دروازے جتنا ہی تھا جمعدار لاکھانی نے دروازے پر لگا ہوا تالا کھولا اور اندر داخل ہوگیا میں 'اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اندر اندھیرا تھا جمعدار نے اندر جاتے ہی دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بولا "میرے پیچھے چلے آؤ جوان"

اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر دی ٹارچ کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ گیراج بالکل خالی تھا' صرف کونے میں مجھے دو پرانے ٹائر دیوار کے ساتھ لگے نظر آئے جمعدار نے ٹارچ کی روشنی کونے میں ڈالی اور اس طرف بڑھا ۔ اب جو میں قریب گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک تنگ زینہ نیچے اترتا تھا میرے کان کھڑے ہوگئے میں خاموشی سے جمعدار کے پیچھے زینہ اترنے لگا چھ سات زینے اترنے کے بعد ہم ایک تنگ سی راہ داری میں آگئے یہاں اس نے ٹارچ بند کر کے جیب میں رکھ لی کیونکہ راہ داری کی چھت کے ساتھ ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا جمعدار لاکھانی نے کہا "چلو اسپرے شروع کرو تم اس سائیڈ میں کرو' جمعدار راہداری کی ایک طرف اور میں دوسری طرف اسپرے کرنے لگے ہم اسپرے کرتے کرتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے چند قدم چلنے کے بعد ایک باتھ روم کا چھوٹا سا عقبی

دروازہ آگیا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں سے باتھ روم میں رکھی ہوئی بالٹی وغیرہ باہر نکالی جاتی ہے۔ ہم نے اسپرے پمپ کا منہ اندر ڈال کر باری باری اسپرے پھینکی آگے راہ داری بائیں جانب گھوم گئی۔ یہاں بھی چھت کے ساتھ ایک بلب جل رہا تھا میرا دل کسی ہونے والے انکشاف کے خیال سے دھڑک رہا تھا۔ آگے گئے تو ایک زینہ اوپر کو جا رہا تھا یہاں دو سنتری اسٹین گنیں کمر سے لٹکائے ٹہل رہے تھے انہوں نے گجراتی زبان میں جمعدار لاکھانی سے فضول سا مذاق کیا ایک نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اردلی کہاں مر گیا آج' یہ کسے لے آئے ہو؟

جمعدار بولا "یہ کیپٹن صاحب کا اردلی ہے۔"

ایک سنتری نے ہنس کر کہا "تو پھر یار اس کو یہاں لگا دو ہم تو اس غار میں ڈیوٹی دیتے ہوئے تنگ آگئے ہیں"

جمعدار لاکھانی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اب میں ایک ایک شے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسپرے کرتے کرتے آگے بھی بڑھ رہا تھا۔ اوپر جانے والے زینے سے کوئی چار قدموں کے فاصلے پر ایک کوٹھری کا دروازہ بند تھا۔ دروازے کے اوپر ایک سلاخوں والا طاقچہ تھا اس کے اندر سے مدھم سی روشنی باہر نکل رہی تھی میں قصداً مگر بظاہر انجانے پن سے اس دروازے کی طرف اسپرے کرتا ہوا بڑھا تو جمعدار لاکھانی کی آواز آئی۔

"ادھر کدھر جاتے ہو جوان! واپس آجاؤ' ادھر مت جاؤ؟ اس پر وہاں کھڑے ایک سنتری نے ہنس کر کہا "اودھر کوٹھری میں بڈھا ہی بیٹھا ہے کوئی میم نہیں ہے جانے دو اسے"

مگر جمعدار لاکھانی نے مجھے آگے نہ جانے دیا اور وہیں سے مجھے لے کر واپس ہو گیا جس چشمہ حیواں تک پہنچنے کے لئے میں ابھی تک ترکیبیں ہی سوچ رہا تھا وہاں مجھے خود مرہٹہ کمپنی کمانڈر کیپٹن سنگھ نے پہنچا دیا تھا۔

راہ داری میں کوٹھری کے قریب اور اوپر جاتے زینے کے دروازے پر پہرہ دیتے سنتری کی گفتگو سے دو باتیں ثابت ہو رہی تھیں پہلی یہ کہ اس کوٹھری میں ہی پاکستانی ڈاکٹر فریدی قید تھا' جو میری اطلاع کے مطابق ادھیڑ عمر تھا اور دوسری بات یہ کہ اس کی بیٹی نورین یہاں پر موجود نہیں تھی ورنہ سنتری مذاق ہی مذاق میں اس لڑکی کا ذکر بھی ضرور کرتا اس نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ یہاں صرف ایک بڈھا ہی ہے کوئی دوسری میم نہیں ہے۔

واپسی پر میں نے راہ داری کا سارا نقشہ ذہن میں بٹھا لیا۔ گیراج والا زینہ چڑھتے ہوئے جمعدار نے ایک بار پھر ٹارچ روشن کر دی ہم گیراج میں آگئے گیراج کی کنڈی کھول کر باہر نکلے جمعدار لاکھانی نے گیراج کے آہنی دروازے کو بند کر کے تالا لگایا اور ہم دونوں ڈسپنسری میں آگئے یہاں اسپرے گنیں ڈسپنسر کے حوالے کیں اور کیپٹن سنگھ کے دفتر کی طرف بڑھے۔

میں تو برآمدے میں ہی بیٹھ گیا اور کیپٹن صاحب کے بوٹوں کو کپڑا مار کر چمکانے لگا جمعدار لاکھانی نے اندر جا کر چابی کیپٹن سنگھ کے حوالے کی اور چلا گیا اس کے جاتے ہی کیپٹن سنگھ نے مجھے آواز دی میں نے جلدی سے بوٹ نیچے رکھے اور چق اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا سلیوٹ مارا کیپٹن سنگھ میز کی دراز میں چابی رکھنے کے بعد دراز کا تالا بند کر رہا تھا۔ تالا بند کر کے اس نے اس کی چابی اپنی جیب میں ڈالی اور کرسی آگے گھسیٹتے ہوئے بولا" جوان میں نے تمہیں جمعدار کے ساتھ اس لئے بھیجا تھا کہ ہمیں 'تم پر بھروسہ ہے تم نے ہمیں سپلائی کی چوری کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات دی تھیں' فیروز بھائی نے مان لیا ہے کہ وہ ہی ہمارے ڈپو میں چوریاں کرواتا تھا کسی سے ذکر مت کرنا کہ تم قلعے کے نیچے گئے تھے۔ اوکے!"

میں نے سلیوٹ مار کر کہا" صاحب جی میں آپ کا اور بھارتی سینا کا سیوک ہوں بھارتی سینا کے لئے تو میں اپنی جان بھی ارپن کر سکتا ہوں"

شاباش کیپٹن سنگھ نے مسکرا کر کہا اب تم جاؤ اور میرے بوٹ پالش ہو گئے ہوں تو اسے کوارٹر میں لے جا کر رکھ دو

اوکے سر! میں نے مودبانہ کہا۔

اور پھر میں سلام کر کے دفتر سے باہر نکل آیا میں نے برآمدے میں رکھے بوٹ اٹھائے اور کیپٹن سنگھ کے کوارٹر کی طرف چل دیا ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا تھا مگر اس سے بھی بڑا مرحلہ اب میرے سامنے تھا ٹارگٹ کو میں نے دیکھ لیا تھا اب مجھے اس ٹارگٹ پر حملہ کر کے ڈاکٹر فریدی کو وہاں سے نکال لے جانا تھا یہ کوئی آسان کام نہیں تھا یہ سانپ کے منہ سے موتی نکالنے سے بھی مشکل تھا لیکن مجھے ہر حالت میں اس کام کو پورا کرنا تھا یہی میرا سب سے بڑا مشن تھا اب سوال یہ تھا کہ اگر نورین یعنی ڈاکٹر فریدی کی بیٹی قلعے میں نہیں ہے تو پھر اسے کس جگہ رکھا گیا ہے کیونکہ اسے فرار کروا کر محفوظ جگہ پر پہنچانا بھی میرا فرض تھا۔

رات گئے تک میرا ذہن مختلف قسم کی خطرناک ترکیبیں سوچتا رہا صبح اٹھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ قلعے کے نیچے کوٹھری میں جو بوڑھا بند ہے وہی پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی ہے اس کے بعد یہ سراغ لگانے کی کوشش کی جائے کہ اس کی بیٹی بھی یہیں کہیں قید ہے یا کسی دوسری جگہ پر اسے رکھا گیا ہے۔

میں اس سنتری کی شکل پہچانتا تھا' جو مجھے راہ داری میں ملا تھا اور جس نے جمعدار لاکھانی کو مذاق کرتے ہوئے کہا۔" جانے دو اسے کوٹھری میں بڈھا ہی ہے کوئی میم نہیں ہے" یہ بات مجھے وہ سنتری ہی بتا سکتا تھا کہ یہ بوڑھا کون ہے؟

قلعے کے باہر کمانڈ پوسٹ پر فوجی جوان آٹھ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دیتے تھے لیکن قلعے کے نیچے

اندھیری راہ داری میں سنتریوں کی ڈیوٹی ظاہر ہے چار پانچ گھنٹوں کے بعد بدل جاتی ہو گی میں اب اس سنتری کی تلاش میں رہنے لگا میں کسی نہ کسی بہانے اس چھوٹے سے گراؤنڈ میں پہنچ جاتا جہاں صبح کے وقت فوجی پی ٹی کرتے تھے کہ شاید وہاں مجھے وہ راہ داری والا سنتری نظر آجائے۔

آخر ایک روز میں نے اسے دیکھ لیا یہ دبلا پتلا گجراتی جوان تھا وہ پی ٹی کے لباس میں تھا پھر میں نے اسے دوسرے جوانوں کے ساتھ لنگر خانے کی طرف جاتے دیکھا تو میں بھی دوسری طرف سے چائے کا مگ لئے لنگر خانے میں آگیا۔

میرا مطلوبہ سنتری اپنے دوسرے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہوئے پوریاں کھا رہا تھا یہ خوش مزاج فوجی تھا میں نے جان بوجھ کر اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنا چائے کا مگ گرا دیا

وہ سنتری ہنس کر بولا " ارے جوان! بڑے نازک ہو مگ بھی نہیں پکڑ سکتے' رائفل کیسے پکڑو گے؟

... پھر میری طرف غور سے دیکھ کر بولا " ارے، تم تو اسپرے مین ہو کیا رینک ہے تمہارا؟"

میں نے کہا " سر میں تو کیپٹن سنگھ صاحب کا اردلی ہوں ... خاص اردلی ...!"

ارے باپ رے باپ! اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر تو تمہیں سلیوٹ مارنا چاہئے' مجھے۔"

باقی جوان بھی ہنس پڑے میں نے مگ میں چائے بھروائی کیلے کے پتے پر دو پوریاں اور بھاجی رکھوائی اور اسی سنتری کے پاس بینچ پر آکر بیٹھ گیا اور ناشتا کرنے لگا وہ مجھے کہنی مار کر بولا " یار اردلی بوائے! کیپٹن صاحب سے کہہ کر میرا راشن بڑھا دو بھگوان کی قسم ہوں تو دبلا پتلا مگر بھوک بڑی لگتی ہے اور وہ خود ہی کھل کھلا کر ہنس پڑا اس وقت میں اس کے مذاق میں شامل ہو گیا پھر اسے سلام کر کے واپس چلا آیا۔

میں نے بہت جلد پتا کر لیا کہ وہ لانس نائیک ہے اور اس کا نام بھگوا ٹھاکر ہے وہ مرہٹہ تھا مگر دونوں زبانیں یعنی گجراتی بھی روانی سے بول لیتا تھا اس کی ڈیوٹی دوپہر ایک بجے سے شروع ہو کر شام پانچ بجے ختم ہوتی تھی اور وہ بیرک میں آکر چائے پیتا تھا۔

ایک دن میں نے قلعے کے عقبی باغ سے تازہ اناس توڑا اور شام کو ساڑھے پانچ بجے لانس نائیک بھگوا ٹھاکر کے پاس بیرک میں آگیا وہ اپنی کھاٹ پر بیٹھا مرہٹی اخبار پڑھ رہا تھا چائے کا مگ اسٹول پر پڑا تھا میں نے جاتے ہی اناس اسے دیا اور کہا " ٹھاکر جی! یہ آپ کی بھینٹ ہے جنگل گیا تھا ایک اناس اپنے لئے لایا' ایک آپ کے لئے لے آیا ہوں "

لانس نائیک ٹھاکر بڑا خوش ہوا اخبار ایک طرف رکھ کر چارپائی پر ایک طرف ہو گیا اور بولا ارے واہ جوان تم نے تو کمال کر دیا ہے اناس تو مجھے بہت پسند ہیں چائے منگواؤں تمہارے لئے

میں اسے بیرک سے اٹھا کر باہر لے جانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں کچھ فاصلے پر دوسرے فوجی بھی بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے میں نے کہا " ٹھاکر جی! اس بیرک میں تو گرمی ہے' چلیں باہر لنگر خانے

والے باغیچے میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں"
وہ بڑی خوشی سے میرے ساتھ ہو لیا۔ لنگر سے ہم نے چائے لی اور اپنے اپنے مگ لے کر باغیچے میں گھاس پر جا کر بیٹھ گئے شام بڑی سہانی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جنگل کی طرف سے آرہی تھی اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں سروس میں نہیں ہوں تو یہاں کیسے آگیا؟ میں نے اسے بتایا کہ میں بھارتی سینا کی خدمت کرنا چاہتا تھا کیپٹن صاحب سے درخواست کی کہ مجھے نوکر رکھ لیں بس انھوں نے مہربانی کی اور میں آپ لوگوں کی سیوا کرتا ہوں میرا آگے پیچھے کوئی نہیں بھٹرانج میں پیدا ہوا ماں باپ پرلوک سدھار گئے اکیلا ہوں ۔ آپ لوگوں کو دعا دیتا ہوں۔
اس نے کہا" یار تم خوش نصیب ہو کہ تمہارا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اب مجھے دیکھو! گھروالی ہے ماتا پتا ہیں، دو بچے ہیں، اس تنخواہ میں بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے اوپر سے ایسی ڈیوٹی ملی ہے کہ چھ گھنٹے زمین کے نیچے کھڑا رہتا ہوں"
اس نے نشانہ مجھے خود ہی مہیا کر دیا تھا میں نے اس نشانے پر تیر چلاتے ہوئے کہا" ٹھاکر جی! کیپٹن صاحب مجھ پر بڑے مہربان ہیں آپ کہیں تو میں ان سے بات کروں کہ آپ کی ڈیوٹی بدل دیں! لانس نائیک ٹھاکر نے میرا بازو پکڑ لیا" ارے یار بھگوان تیرا بھلا کرے کپتان صاحب سے میری سفارش کرو دو"

میں نے لانس نائیک سے وعدہ کیا کہ میں کیپٹن سنگھ سے اس کی ضرور سفارش کروں گا میں خاموشی سے چائے پینے لگا پھر میں نے ایک خاص مقصد کے تحت کہا" ٹھاکر جی! آپ کب تک یہاں اس طرح جیون بسر کریں گے؟"
لانس نائیک آہ بھر کر بولا" ارے یار تم سویلین ہو تمہیں فوجی زندگی کا پتا نہیں، ہمیں یہ سب کچھ بھگتنا پڑتا ہے"
میں نے ہنس کر کہا" ہاں ٹھاکر جی! آپ نے اس روز بھی جب میں نیچے اسپرے کرنے آیا تھا تو مذاق میں جمعدار لاکھانی سے کہا تھا کہ یہاں کوئی میم نہیں ہے"
وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا" ارے جوان! میم کیا یہاں تو کسی کالی کلوٹی بھنگن کو بھی آنے کی اجازت نہیں ہے"
میں نے فوراً کہا ٹھاکر جی، نیچے جو بڈھا قید ہے وہ ضرور ہماری بھارت ماتا کا دشمن ہوگا میں تو اتنا ہوں کہ بھارت ماتا کے دشمن کو فوراً مار ڈالنا چاہیے۔
لانس نائیک کہنے لگا" ارے جوان! وہ بڈھا ہے تو بھارت ماتا کا دشمن ... پرنتو اس سے ہمیں ایک کام لینا ہے بس اسی لئے اس سالے کی حفاظت کر رہے ہیں"
پھر میری طرف جھک کر بولا" مگر یار آج سے چار ماہ پہلے یہاں اس کی بیٹی بھی تھی بڑی

خوبصورت تھی اس کو دیکھ کر ہی ذرا مزا لے لیا کرتے تھے اب کم بخت وہ بھی مندر والے کیمپ میں بھیج دی گئی ہے کیا کریں یار! بھگوان کو ہمارا سنیاسی رہنا ہی پسند ہے' چائے اور منگواؤں ؟"

اس نے مجھے بہت بڑی اطلاع دے دی تھی اس کے لئے میں اس کا جس قدر بھی شکریہ ادا کرتا کم تھا مگر میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا تھا میں نے پلٹ کر کہا "مندر والا کیمپ رکھیل پور والا کیمپ ہی ہے نا؟"

وہ سگریٹ سلگا کر بولا "ارے نہیں یار رکھیل پور میں کیمپ کہاں سے آگیا یہ تو نیچے کیر کے جنگل میں جو تالاب کے کنارے ٹوٹا پھوٹا مندر ہے وہاں ہے یہ کیمپ ... کیمپ بھی کیا ہے بس ایک ملٹری پوسٹ ہے"

میں نے کہا "ٹھاکر جی چائے لاؤں اور ... ؟"

ارے یار تم یہاں بیٹھو میں لڑکے کو آواز دیتا ہوں" اس نے لڑکے کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور میری طرف جھک کر بولا جوان پکا وعدہ ہے ناکہ کیپٹن صاحب سے میری ڈیوٹی تبدیل کرنے کی بات کرو گے ؟

میں نے کہا "ٹھاکر جی! میں پکا وعدہ کرتا ہوں اب وہ مان جائیں تو ہے ؟"

وہ بولا "ضرور مان جائیں گے تم کہہ دینا کہ لانس نائیک راہ داری کی سردی سے بیمار رہنے لگا ہے یار ہم یہ شکایت نہیں کر سکتے تم کہو گے تو تو شاید کیپٹن صاحب کے دل میں خیال آجائے"

"میں ضرور بات کروں گا ٹھاکر جی! آپ تو میرے دوست بن گئے ہیں اب ...!میں نے ہنس کر کہا لانس نائیک ٹھاکر نے مجھ سے زور سے ہاتھ ملایا اور مجھے سگریٹ نکال کر دیا میں کبھی کبھی ہی سگریٹ پیتا ہوں میں نے سگریٹ سلگا لیا اتنے میں لڑکا ٹین کے جگ میں چائے لے آیا ہم نے اپنے اپنے مگ بھروائے اور چائے پینے لگے۔

رات کو اپنی کیمپ کارٹ پر بیٹھ کر میں سوچ میں پڑ گیا میرا کام دوگنا مشکل ہو گیا تھا ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کو الگ الگ رکھا گیا تھا نہ جانے ایسا ان لوگوں نے کس مقصد کے تحت کیا تھا بہر حال میرا مشن زیادہ الجھ گیا تھا میں ان دونوں کو بیک وقت نہیں نکال سکتا تھا اگر پہلے ایک کو نکالتا ہوں تو دوسرے کو نکالنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا بہر حال میں نے یہی طے کیا کہ پہلے کیر کے جنگل والے تالاب کے کیمپ کا مشاہدہ کیا جانا چاہئے کہ اس کا حدود اربعہ کیا ہے

اتوار کے روز میں نے کیپٹن سنگھ سے درخواست کی کہ صاحب میں آج جنگل میں ہرنی مار کر لاؤں گا مجھے بندوق دیں' میں ہرنی کے شکار کا بڑا ماہر ہوں بہڑائچ کے جنگل میں میں نے کئی بار ہرنوں کا شکار کیا ہے کیپٹن سنگھ بولا۔

ارے احمق! تم بندوق چلا لو گے ؟ کیر کے جنگل میں ہرن ہی نہیں شیر بھی ہوتے ہیں۔

میں نے کہا "صاحب جی میں جنگل کے کنارے پر ہی رہوں گا زیادہ دور نہیں جاؤنگا"

کیپٹن سنگھ سے میں نے کچھ اس طرح التماس کیا کہ وہ راضی ہو گیا اس نے مجھے بارہ بور کی ایک بندوق دی اور کہا۔ "شام تک واپس آجانا اور خبردار جنگل میں زیادہ دور تک نہیں جانا" پھر کچھ سوچ کر بولا "وہاں ہماری ایک پوسٹ ہے اگر کوئی جوان گشت کرتا مل گیا اور اس نے تمہیں پکڑ لیا تو اسے میرا یہ کارڈ دکھا دینا"

کیپٹن سنگھ نے مجھے اپنے بٹوے سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر دیا میں نے شکریہ ادا کر کے سلیوٹ مارا اور تھوڑا راشن پانی تھیلے میں لے کر کمانڈ پوسٹ کی حدود سے نکل کر گیر کے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

انڈین رجمنٹ کی تالاب والی پوسٹ گیر کے جنگل میں زیادہ آگے جا کر نہیں تھی یہ میں نے معلوم کر لیا تھا کہ جنگل اپنی کمانڈ پوسٹ سے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فرلانگ پرے سے شروع ہو جاتا تھا۔

گیر کے جنگل سوراشٹر کے بڑے مشہور اور قیمتی جنگل ہیں سنا گیا تھا کہ وہاں چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں اور ساتھ ساتھ اتنی بڑی کھائیاں ہیں کہ ان میں سینکڑوں ہاتھی سما جائیں۔

بندوق میرے کاندھے پر تھی اور تھیلا دوسرے کاندھے سے لٹکا ہوا تھا میں نے فوجی بوٹ پہن رکھے تھے سدھار تگنی کا سانپ کا منکا میں نے احتیاط سے جیب میں رکھ لیا تھا میرا مقصد ہرنی کا شکار نہیں تھا بلکہ جان بوجھ کر پرانے مندر کے تالاب والی پوسٹ کی طرف جانا تھا تاکہ وہاں پر موجود فوجی جوان مجھے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیں اور میں انہیں کیپٹن سنگھ کا کارڈ دکھا کر ان کا اعتماد حاصل کر کے وہاں کا جائزہ لے سکوں

گیر کا جنگل بہت گھنا تھا اور اس کے وسط میں شیر، چیتے اور ہاتھی دندناتے پھرتے تھے لیکن مجھے جنگل کے کنارے پر ہی رہنا تھا کیونکہ لانس نائیک ٹھاکر نے بتایا تھا کہ پوسٹ جنگل کے شروع میں ہی ہے۔ اونچے نیچے سرسبز میدان سے نکلا تو سامنے جنگل کے گھنے درختوں کی ایک قطار نصف دائرے کی شکل میں شمالاً جنوباً چلی گئی تھی یہاں سے گیر کا جنگل شروع ہوتا تھا۔

میں نے خدا کا نام لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا میدان میں دھوپ کی وجہ سے کافی گرمی تھی لیکن جنگل میں درختوں کے نیچے ٹھنڈک تھی میں اندازے سے ایک طرف درختوں کے سائے تلے چلنے لگا میں نے جنگل میں ایک فائر جھونک دیا۔ اس خیال سے کہ اس کی آواز پر پوسٹ کے فوجی چوکس ہو جائیں گے اور فائر کی آواز پر میری طرف ضرور آئیں گے۔

جنگل میں کہیں تو گھنے درخت تھے اور کہیں یہ چھدرے ہو جاتے تھے اور اونچی اونچی ہاتھی چھپواں گھاس کے ٹاپو آجاتے تھے میں فائر کرنے کے بعد ایک گھاس کے ٹاپو میں سے نکلا تو اچانک پیچھے سے کسی نے مجھے آکر پکڑ لیا۔

"کون ہو تم؟" اس نے پوچھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا دو انڈین آرمی کے جوان تھے جنہوں نے کمانڈوز کی وردیاں پہن رکھی تھیں میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا "مہاراج! ہرن کا شکار کرنے آیا ہوں کمانڈ پوسٹ سے"

"کون سی کمانڈ پوسٹ سے؟ تم کون ہو؟ تمہارا رینک کیا ہے؟" میں نے کہا "مہاراج کمپنی کمانڈر کیپٹن سنگھ جی کا اردلی ہوں یہ لیجئے ان کا کارڈ"

اور میں نے جیب سے کیپٹن سنگھ کا کارڈ نکال کر انہیں دکھایا تو انہوں نے کارڈ دیکھ کر مجھے واپس کر دیا اور کہا "صوبیدار میجر صاحب کے پاس چلو"

یہی میرا منشا تھا وہ مجھے اونچی گھاس کے کنارے کنارے چلاتے ایک پرانے مندر کے پیچھے لے آئے یہاں زمین کے اندر ایک بنکر بنا ہوا تھا باہر ایک سنتری اسٹین گن لئے پہرہ دے رہا تھا بنکر میں ایک مرہٹہ صوبیدار میجر میز پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا فیلڈ ٹیلی فون اس کے پاس ہی پڑا تھا اس نے میری طرف غور سے دیکھا "یہ کون ہے؟"

سنتری نے کہا "سر یہ کہتا ہے کہ میں کیپٹن سنگھ صاحب کا اردلی ہوں جنگل میں ہرنوں کا شکار کرنے آیا ہوں اس کے پاس کیپٹن صاحب کا کارڈ بھی ہے۔"

"ہاں صاحب جی!" اور میں نے کارڈ نکال کر صوبیدار میجر کے سامنے رکھ دیا مجھے ہرن کے شکار کا شوق ہے سر! آج تو اتوار کی چھٹی تھی کیپٹن صاحب کی اجازت سے ان کی بندوق لے کر جنگل میں نکل آیا انہوں نے مجھے اپنا کارڈ بھی دے دیا کہ آپ کا کوئی سپاہی مجھے اجنبی سمجھ کر نہ پکڑ لے"

صوبے دار میجر نے مجھے کونے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا میں کونے میں بیٹھ گیا میری بندوق انہوں نے پہلے ہی مجھ سے لے لی تھی... صوبے دار میجر نے فیلڈ ٹیلی فون کو گھما کر کسی سے کہا کہ مجھے کیمپ نمبرون کے کمپنی کمانڈر صاحب سے ملا دو تھوڑی ہی دیر بعد کیپٹن سنگھ سے اس کا رابطہ ہو گیا وہ صوبہ دار میجر نے مجھ سے میرا نام پوچھ کر کیپٹن سنگھ کو میرے حلیئے سمیت بتایا پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی اور یس سر' یس سر کہہ کر ریسیور رکھ دیا پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"کیپٹن صاحب نے مجھے تمہارے بارے میں بتا دیا ہے مگر تمہیں جنگل میں نہیں آنا چاہئے تھا یہاں آج کل ایک آدم خور شیر آیا ہوا ہے پھر اس نے اپنے سنتری سے کہا "نائک جاؤ اسے چائے پانی وغیرہ پلاؤ"

میں نے سلام کیا اور نائیک کے ساتھ بنکر سے باہر آ گیا میری بندوق بھی مجھے واپس کر دی گئی نائیک مجھے بنکر سے نکال کر ذرا نیچے بنی ہوئی فوجی کنٹین پر لے گیا یہاں دو چار فوجی بیٹھے تھے نائیک نے مجھے مٹی کے آبخورے میں چائے لا کر دی اور خود بھی میرے قریب ہی چائے کا آبخورا لے کر بیٹھ گیا بولا۔

"تو تم شکاری ہو؟" کبھی شیر کا شکار بھی کیا ہے؟ یہاں آدم خور شیر آ گیا ہے اسے مارو گے

میں نے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا "نہیں نہیں مہاراج! میں اتنا بڑا شکاری نہیں ہوں میں تو بس بٹیروں ہی کا شکار کرتا ہوں" دوسرے فوجی ہنس پڑے اور انہوں نے کسی ایسی مرہٹی زبان میں مجھ پر فقرہ چست کیا' جو میری سمجھ سے باہر تھا نائیک بولا "ارے یہ تو گجراتی رانا ہے' اسے مرہٹی نہیں آتی کیا رانا؟"

میں نے ہونقوں کی طرح مسکرا کر کہا "ہاں جی میں تو گجراتی ہوں گجراتی اور ہندی ہی جانتا ہوں "

ساتھ ہی ساتھ میری تیز نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ کنٹین سے تھوڑی دور نشیب میں دیوار کے درختوں کے نیچے ایک ڈھلانی چھت والا چھوٹا سا کمرا بنا تھا' جس کے سامنے دو سنتری اسٹین گنیں اٹھائے کھڑے بیڑی پی رہے تھے صاف لگ رہا تھا کہ اس کمرے کو بنے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں ممکن تھا کہ ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین اسی کوارٹر گارڈ میں بند ہو اس کوارٹر گارڈ کے پیچھے درختوں کے تنوں میں دن کی روشنی میں پرانے تالاب کی سطح چمکتی نظر آرہی تھی یقیناً نورین کمرے میں بند تھی۔

میں خاموشی سے چائے پیتا رہا اور نائیک میری بندوق کو الٹ پلٹ کر دیکھنے میں لگا رہا "کیپٹن صاحب نے بندوق بڑی عمدہ رکھی ہوئی ہے رانا ؟"

"یس سر! ہمارے کیپٹن سنگھ صاحب بہت عمدہ آدمی ہیں "

میں نے دانت نکالتے ہوئے کہا دوپہر کا کھانا ان فوجیوں نے مجھے وہیں اپنے ساتھ کھلایا انہوں نے میری اس لئے بھی آؤ بھگت کی کہ میں ان کے کمانڈنگ آفیسر کا خاص اردلی تھا میں ان میں گھل مل کر باتیں کرنے لگا ایک فوجی سے جب میں نے بڑی بے نیازی سے پوچھا کہ وہ چھوٹا کمرا صوبیدار میجر صاحب کا کوارٹر ہے ؟ تو اس نے ہنس کر کہا "راناجی! کوارٹر گارڈ ہے ایک پاکستانی جاسوس عورت وہاں قید ہے "

میں نے کہا "تو اسے شوٹ کیوں نہیں کر دیتے ؟ وہ تو بھارت ماتا کی دشمن ہے "

انڈین فوجی بولا " ہمیں کیا معلوم یہ اوپر والے افسر جانیں میں نے بات کا موضوع بدل دیا اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ اس کوارٹر گارڈ میں ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین ہی بند ہے شام ہونے سے پہلے پہلے میں کمانڈ آفس میں واپس آگیا راستے میں میں نے دو چار جنگلی مرغیوں کا شکار کر لیا تاکہ کیپٹن سنگھ کو پیش کر سکوں۔

میرا مشن بڑا پیچیدہ ہو گیا تھا میں ایک ہی وقت میں ایسے دو آدمیوں کو وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا' جو الگ الگ جگہوں پر قید تھے ۔ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ کیا کروں ؟ کیا نہ کروں ' دن نکل آیا ضروریات سے فارغ ہو کر دفتر گیا تو کیپٹن سنگھ ابھی نہیں آیا تھا۔ برآمدے میں ایک فوجی اسٹول پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

میں اس کے قریب سے گزرا تو وہ بولا کیوں احمد بھائی کل شیر کا شکار کیا پھر ...؟ سنا ہے گیر کے جنگل میں آدم خور شیر آیا ہے ؟" میں نے بے دلی سے جواب دیا ٹھاکر میں تو جنگلی مرغیاں مار کر لایا تھا دو چار۔

اس نے طنزاً کہا " ارے تم سے تو یہ عورت اچھی ہے کہ جنگل میں دندناتی پھر رہی ہے اور آدمیوں کو دانتوں کی طرح بھون رہی ہے "

"کون عورت ؟" میں نے پوچھا۔

سنتری نے اخبار میری طرف بڑھادیا گجراتی پڑھ لیتے ہو تو یہ خبر پڑھو گیر کے جنگلوں میں ڈاکو رنگنی نے تہلکہ مچار کھا ہے اور کئی جاگیرداروں کا خون کر چکی ہے۔

رنگنی کا نام سنتے ہی میرے جسم کو جیسے بجلی کا جھٹکا سا لگا میں نے اخبار پر اپنی نظریں جمادیں اخبار پر ایک بڑی سرخی کے ساتھ یہ خبر لگی تھی ... کہ ایک ڈاکو عورت جس کو لوگ رنگنی ڈاکو کے نام سے یاد کرتے ہیں ان دنوں گیر کے جنگلوں میں اپنے گروہ کے ساتھ چھپی ہوئی ہے خبر سے معلوم ہوا کہ سوراشٹر کے دیہاتی علاقے میں اس نے کئی جاگیرداروں اور ساہو کاروں کا خون کر دیا ہے اور پولیس کی پارٹیاں اس کی تلاش میں ہیں۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ سدھار نگنی کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہو سکتی تھی وہ منتقم مزاج عورت تھی قید کے دوران پولیس نے ضرور اس پر تشدد کیا ہوگا' جس کے رد عمل میں وہ ڈاکو ہی بن سکتی تھی اب میرا دل سدھار نگنی سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا میرا ذہن کسی اور انداز سے سوچنے لگا پاکستانی ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی کے فرار کے سلسلے میں' میں سدھار نگنی سے مدد حاصل کر سکتا تھا سدھار نگنی کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم تھا لیکن چونکہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی' اس لئے اس نے میرے تمام عیب گوارا کر لئے تھے۔

میں نے اخبار سنتری کو واپس کیا اور نل پر جا کر آگ بجھانے والی بالٹیوں میں تازہ پانی بھرنے لگا میرا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور میرے لئے اب لازمی ہو گیا تھا کہ میں یہاں سے کسی طرح گیر کے جنگل میں جا کر سدھار نگنی سے ملنے کی کوشش کروں اس کا طریق کار یہی تھا کہ میں اپنے طور پر جنگل میں نکل جاؤں اور سدھار نگنی سے ملنے کے بعد دوسرے یا تیسرے دن واپس آؤں تو کیپٹن سنگھ سے یہ بہانہ بنادوں کہ میں جنگل میں راستہ بھول گیا تھا۔

کیپٹن سنگھ کی بندوق میں نے اسے واپس کر دی تھی اگر شکار کے لئے بندوق لینے بیٹھتا ہوں تو مجھے اگلی اتوار یعنی چھٹی کے دن کا انتظار کرنا پڑتا اور اتنا وقت میرے پاس نہیں تھا ہو سکتا تھا کہ ہفتہ بھر کے بعد سدھار نگنی اس علاقے سے چلی جائے کیونکہ پولیس اس کا پیچھا کر رہی تھی اگرچہ گیر کے جنگل اتنے گھنے اور ہولناک تھے کہ وہاں اگر کوئی سال بھر بھی چھپا رہے تو پولیس کے سپاہی اس کا کھوج نہیں لگا سکتے تھے پھر بھی میں ہفتے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن میں نے صبح صبح پتلون اور فوجی بوٹ پہنے سدھار نگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا اور ایک چاقو جیب میں رکھا ایک تھیلے میں ڈبل روٹی ڈالی اور کمانڈ آفس کے پیچھے والی جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا گھاس کے میدان کی طرف چل پڑا۔

ابھی دن پوری طرح نہیں نکلا تھا میرا رخ گیر کے جنگل کی طرف تھا سورج کے نکلنے تک میں نے گھاس کے میدان کو عبور کر لیا اور بے آباد مندر کے تالاب والے فوجی کیمپ نمبر دو سے دامن بچاتا

ہوا گیر کے جنگل میں داخل ہو گیا بلند درختوں کے چھتناروں میں سے دھوپ کی ترچھی کرنیں چھن چھن کر نیچے آرہی تھیں اور درختوں میں چڑیوں کی چہکاریں گونج رہی تھیں میرے لئے یہ جنگل اجنبی تھا مگر دل میں اپنے مشن کی لگن تھی۔ اس لگن نے مجھے بے خوف بنا دیا تھا... ویسے بھی ایک تربیت یافتہ کمانڈو کی حیثیت سے میرا بے خوف اور سخت جان ہونا ایک قدرتی بات تھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ سدھار تنگی کا گروہ جنگل میں کس جگہ چھپا ہوا ہے لیکن میں چلا جا رہا تھا۔

اپنے مشن کی اہمیت اور سدھار تنگی سے ملنے کا اشتیاق مجھے آگے ہی آگے لئے جا رہا تھا مجھے اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ اس جنگل میں ایک آدم خور شیر نے بھی تباہی مچا رکھی ہے میں بڑا محتاط ہو کر چل رہا تھا مجھے معلوم تھا کہ جب تک درختوں پر پرندے بول رہے ہے اور ادھر ادھر سے بندروں وغیرہ کے بولنے کی آواز آرہی ہے میں کم از کم شیر سے محفوظ ہوں کیونکہ شیر کی موجودگی سب سے پہلے ان پرندوں اور بندروں وغیرہ کے منہ پر مہر خاموشی ثبت کر دیتی ہے شروع شروع میں جنگل چھدرا چھدرا تھا پھر وہ گھنا ہو گیا درختوں کے تنے ساتھ ساتھ اگے تھے اور بیچ میں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں میں اب کمانڈو بن کر اس جنگل میں سے گزر رہا تھا ایک دو جگہ پر میں نے زہریلے سانپ بھی دیکھے' جو میرے فوجی بوٹوں کی دھمک سے گھاس میں سے نکل کر رینگتے ہوئے جھاڑیوں کی طرف چلے گئے میرے پاس سدھار تنگی کا منکا تھا' اس لئے مجھے سانپ کے ڈسنے کی زیادہ فکر نہیں تھی ہاں آدم خور شیر کا خوف دل میں ضرور تھا لیکن ابھی تک درختوں پر پرندے بول رہے تھے اور ادھر ادھر سے بندر کے خوں خوں کرنے کی آواز بھی آجاتی تھی۔

خدا خدا کر کے جنگل کا گھنا پن ختم ہوا اور میں ایک ویران میدان میں نکل آیا۔ یہاں چھوٹی چھوٹی کھائیاں اور گڑھے تھے' جن میں سبز اور خشک جھاڑیاں سر نکالے کھڑی تھیں۔ ایک ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں والا پرانا تالاب راستے میں آیا میں وہاں دم لینے کو رک گیا منہ ہاتھ دھویا۔ تھوڑی سی ڈبل روٹی نکال کر کھائی تالاب کا پانی ہتھیلی سے ادھر ادھر ہٹا کر تھوڑا سا پیا اور اٹھ کر پھر چل پڑا۔

اب مجھے یہ بھی خیال آنے لگا کہ کہیں سچ مچ میں جنگل میں راستہ نہ بھول جاؤں۔ ان جنگلوں کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح پھیلا تھا خدا جانے میں کہاں اور کس جگہ کسی جنگلی درندے کا شکار ہو جاؤں۔ ایک چاقو میری کیا حفاظت کر سکتا تھا بھلا؟ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور سفر جاری رکھا۔ گڑھوں والا ویران میدان ختم ہوا تو سامنے اونچی اونچی پہاڑیوں کی ترائی نظر آئی میں ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اس ترائی میں داخل ہونا چاہئے یا نہیں کیونکہ یہ ترائی دور ہی سے انتہائی گھنی اور شمالاً جنوباً حد نظر تک پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

دل نے کہا اٹھو اور ہمت نہ ہارو تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گے میں نے خدا کا نام لے کر پھر چلنا شروع کر دیا سہ پہر کے قریب ترائی کی اونچی نیچی زمین شروع ہو گئی یہاں جگہ جگہ اونچی

جھاڑیاں اور زنگ آلود بڑے بڑے چٹانی پتھر پڑے تھے۔ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی درختوں میں سے گزر رہی تھی۔ یہ اس بات کی نشاندہی تھی کہ آگے کوئی آبادی ہے۔ کوئی گاؤں وغیرہ ہوگا میں نے پگڈنڈی پر چلنا شروع کیا تو کچھ فاصلے پر بائیں جانب ترکاریوں کے کھیتوں کے پیچھے ایک کنوئیں کی چرخی اور پاس ہی چند ایک جھونپڑہ نما مکان دکھائی دیئے ایک آدمی جس نے صرف دھوتی، لنگوٹ کی طرح لپیٹ رکھی تھی۔ کھیت میں کام کر رہا تھا۔

میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور گجراتی زبان میں پوچھا "تم محکمہ جنگلات کے آدمی ہو؟"

میں نے کہا "ہاں راستہ بھول گیا ہوں، بڑی بھوک لگی ہے، یہ کون سا گاؤں ہے؟"

وہ مجھے اپنے جھونپڑے کے باہر لے آیا یہاں اس کی بیوی بچے بھی تھے بیوی رسی بٹ رہی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی لمبا گھونگھٹ نکال لیا میرا میزبان مٹی کے برتن میں بکری کا دودھ اور ایک روٹی لے آیا میں نے کہا میرے پاس ڈبل روٹی ہے، وہ خوش ہو کر بولا۔

" راناجی! یہ ولایتی روٹی ہمیں دے دیں یہ تو ہم شوق سے کھائیں گے تمہارے لئے میں دو روٹیاں پکوائے دیتا ہوں

میں نے ڈبل روٹی اسے دے دی دودھ کے ساتھ روٹی... کھاتے ہوئے سب سے پہلے تو میں نے اس سے پوچھا کہ آدم خور شیر تو ادھر نہیں ہے؟" میزبان نے کہا۔

" راناجی! کچھ روز پہلے ادھر آیا تھا ہم لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر درختوں پر چڑھ گئے تھے لیکن اب کھوجیوں نے خبر دی ہے کہ وہ مہاراشٹر کی طرف نکل گیا ہے

اب میں نے اس سے رنگی ڈاکو کے بارے میں پوچھا وہ ناریل پی رہا تھا دھواں ناک سے نکالتے ہوئے سر ایک طرف جھکا کر بولا " راناجی! ہم تو غریب لوگ ہیں، ڈاکو ادھر آ کر کیا کریں گے۔ ڈاکو تو اوپر اتر پردیش میں سنا ہے ہوا کرتے ہیں"

... پھر اس نے ترائی کے گھن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ادھر ترائی کے جنگل میں وہاں اگر کوئی ڈاکوؤں کا گروہ چھپا ہوا ہو تو کچھ نہیں کہہ سکتا پر راناجی ڈاکو تو دیہاتی آبادیوں میں ہوتے ہیں، جہاں بڑے بڑے رانا اور پٹیل رہتے ہیں ادھر ڈاکوؤں کو جنگلی جانوروں میں آ کر کیا لینا ہے"

اس کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ترائی میں داخل ہونے کی بجائے اگر اس کے کنارے کنارے چلتے چلے جائیں تو آگے گیر کی مشہور ندی آتی ہے ندی آگے جا کر ایک جھیل میں گرتی ہے وہاں چانوڑ نام کا ایک گاؤں ہے، جہاں ایک جاگیردار پٹیل کی حویلی ہے میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ سدھار تگنی اس پٹیل کا صفایا کرنے آئی ہو اب شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا میں ترائی کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا میں نے اپنے میزبان سے کہا۔ " ٹھاکر رات ہونے والی ہے اب چلا تو جاؤں گا

گاؤں تک پہنچتے پہنچتے رات گہری ہو جائے گی ترائی کے جنگلوں سے ڈر لگتا ہے اگر تم اجازت دو تو رات یہیں بسر کر کے صبح روانہ ہو جاؤں "

اس نے مجھے خوشی سے اجازت دے دی گرمیوں کا موسم تھا رات کو اس نے ایک جھلنگا سی کھاٹ جھونپڑی کے پچھواڑے کھیت کنارے ڈال دی میں وہیں پڑ گیا۔ اس نے میرے پاس ہی دھونی بھی لگا دی تاکہ مچھروں کی یلغار سے بچ سکوں جب تک دھونی لگی رہی مچھروں نے ادھر کا رخ نہ کیا جونہی آگ مچھروں نے مجھے تنہا دیکھ کر حملہ کر دیا خدا ہی جانتا ہے کہ کیسے رات کاٹی بس ساری رات مچھروں سے جنگ کرتا رہا

دوسرے دن منہ ہاتھ دھو کر دودھ اور روٹی کھائی اور اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد چانوڑ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا میری منزل ترائی کے جنگل کے کنارے کی پٹی تھی میں یہاں سے گزرتا ہوا چانوڑ گاؤں تک جانا چاہتا تھا اگر اس ایڈونچر میں سدھارتھی سے ملاقات نہ ہو سکی تو میں نے چانوڑ گاؤں کے پٹیل کی مدد سے اپنے کمانڈ آفس میں واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ ان خطرناک جنگلوں میں زیادہ دیر تک گھومنا خطرناک بات تھی۔

دھوپ نکل آئی تھی میں ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا چلنے سے مجھے پسینہ آ گیا دھوپ میں تیزی تھی فضا میں بھی حبس تھا راستے میں کوئی سایہ دار درخت بھی نہیں تھا کوئی گھنٹہ بھر چلتے رہنے کے بعد ترائی کے سرسبز جنگل کی ہری بھری گنجان پٹی شروع ہو گئی یہاں داخل ہوتے ہی میں ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا ٹھنڈے سائے نے بڑا سکون دیا میں نے آنکھیں بند کر لیں تھکا ہوا تھا غنودگی سی طاری ہونے لگی' سوچا کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے میں ابھی نیند کی وادی میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی نے میرے پاؤں پر زور سے ٹھوکر ماری۔ "کون ہے بے تو؟ اٹھ؟"

میں نے آنکھیں کھول دی دیکھا کہ ایک اونچا لمبا آدمی' جس نے منہ پر اپنی پگڑی کا پلو اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ صرف اس کی سرخ آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں بندوق کی نالی کا رخ میری طرف کئے کھڑا مجھے گھور رہا ہے میں جلدی سے اٹھ بیٹھا میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا کہ یہ کوئی ڈاکو ہے اور اگر ڈاکو ہے تو یقیناً سدھارتھی کا ساتھی ہی ہو گا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور معذرت کے لہجے میں کہا" رانا گنج کا مسافر ہوں' جنگل کا راستہ بھول گیا ہوں یہاں گھڑی پل آرام کرنے کو لیٹ گیا تھا۔"

اس خونخوار آدمی نے مجھے ایک اور ٹھوکر ماری اور کہا" آگے چلو' میں اس کے حکم کی تعمیل میں آگے آگے چل پڑا وہ بندوق تانے میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ہم ترائی کے کنارے کو چھوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئے ایسا گھنا جنگل میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا پہ... کھلے کھلے تھے آگے جا کر راستہ ملنا دشوار ہو گیا جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں میں راستہ... مجھے... رہا تھا پیچھے سے ڈاکو میری پشت سے بندوق کی نال لگا کر کہتا۔

"چلتے چلو"

میں جھاڑیوں کی شاخیں ادھر ادھر ہٹاتا چلا چلا گیا جھاڑیاں ختم ہوئیں تو ذرا راستہ دکھائی دیا یہ جنگلی راستہ تھا درختوں اور گڑھوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف کو چلا جا رہا تھا اوپر درختوں کے چھتنارے اتنے گنجان تھے کہ دھوپ نیچے تک نہیں پہنچ رہی تھی میں دل میں بس ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے اپنے جس سردار کے پاس یہ مجھے لے جا رہا ہے وہ سدھار گئی ہی ہو اگر کوئی دوسرا ڈاکو نکل آیا تو میری خیر نہیں۔

اس نے مجھے ایک جگہ رکنے کا حکم دیا میں رک گیا ڈاکو نے آواز دی "اوے او جھگوا... نکل کے دیکھو پولیس کا جاسوس پکڑا ہے میں نے" درختوں میں ایک جانب سے دو ڈاکو ہاتھوں میں بندوقیں لئے باہر نکل آئے ان کا حلیہ بھی وہی تھا جو پہلے ڈاکو کا تھا یہ بھی کچھ ہٹے کٹے تھے وہ میرے قریب آکر مجھے گھورنے لگے ایک ڈاکو نے بندوق کی نالی میرے ماتھے سے لگا دی دوسرا بولا۔

"جھگوا! اڑا دے سالے کو' یہ جاسوسی کرنے آیا تھا۔"

جو ڈاکو مجھے پکڑ کر لایا تھا' اس نے ایسا کرنے سے منع کیا۔۔ "نہیں جھگوا! ہم اسے سردار کے پاس لے جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی مفید معلومات مل جائیں"

یہ گفتگو اردو یا ہندی میں نہیں بلکہ گجراتی زبان میں ہو رہی تھی جب اس نے اپنے سردار کو مذکر کہا تو میری روح لرز اٹھی تھی کمبخت ان کا سردار تو کوئی مرد ہے سدھار گئی ہوتی تو وہ سردارنی کہتا میں نے دل میں کلمہ شریف کا ورد شروع کر دیا کیونکہ اب میری موت یقینی تھی میں اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ کیوں خواہ مخواہ ادھر کا رخ کیا۔

اب وہ ڈاکو بھی ہمارے ساتھ ہو گئے

جنگل کے درمیان ایک جگہ پرانا کنواں تھا اس کے پیچھے ایک پہاڑی دیوار میں غار کا دہانہ نظر آرہا تھا یہاں میں نے ڈاکوؤں کو دیکھا کہ درختوں کے نیچے لمبی تان کر سو رہے تھے اور کچھ ڈاکو پہرہ دے رہے تھے غار کے دہانے پر بھی ایک ڈاکو بندوق لئے پتھر پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا کچھ فاصلے پر گھوڑے چارہ کھا رہے تھے جھگوا نے یہاں پہنچتے ہی میرے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھ دیئے اور کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھنے کا حکم دیا میں نے ایسا ہی کیا کم بخت کہیں یہ مجھے کنوئیں میں تو نہیں پھینکنے لگے میں نے سوچ لیا کہ اگر کوئی ڈاکو اس نیت سے میرے پاس آیا تو میں فلائنگ کک سے اس کی خبر لوں گا' اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

مجھے دیکھ کر دو تین اور ڈاکو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے' آپس میں فحش مذاق کرتے میرے قریب آگئے جب انہیں جھگوا نے بتایا کہ میں پولیس کا جاسوس ہوں تو انہوں نے مجھے گالیاں دیں اور پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے جھگوا ڈاکو نے غار کے دہانے پر جا کر آواز دی۔

"سردار! پولیس کا آدمی پکڑا ہے' کیا حکم ہے؟""

میں بے تابی سے جواب کا انتظار کرنے لگا میرا دل کہہ رہا تھا کہ اندر سے کسی عورت کی آواز آئے گی مگر کوئی آواز نہ آئی۔ اس کی جگہ ایک لمبی لمبی مونچھوں والا ڈاکو بندوق کاندھے پر ڈالے نکل آیا میری امید کی آخری کرن بھی بجھ گئی یہ سدھا رتھی کا نہیں بلکہ کسی دوسرے ڈاکو کا گروہ تھا میں نے ناامید ہو کر گردن ایک طرف جھکا لی

نو وارد ڈاکو نے چیخ کر کہا "گدھے کی اولاد! اگر یہ پولیس کا آدمی ہے تو منہ کیا تک رہے ہو اس کا۔ تھری ناٹ تھری کی گولیاں تمہیں کس لئے دی ہیں؟"

بھگوا ڈاکو نے تھری ناٹ تھری کی رائفل کو اٹھایا اور نالی کا رخ میری طرف کر دیا میری آنکھوں میں ایک بجلی سی کوند گئی میں بے بس ہو گیا تھا شاید یہ میری زندگی کی آخری روشنی تھی میں اچھل کر ایک چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ غار سے آواز آئی۔ "سردار کہتا ہے' اس سے پہلے پوچھ گچھ کریں گے" بھگوا گولی چلاتے چلاتے رک گیا غار سے آنے والے ڈاکو نے بتایا کہ سردار خود آ رہا ہے' میرے جینے کی کچھ امید پیدا ہو گئی تھی۔ پوچھ گچھ کے دوران میں اپنی صفائی پیش کر سکتا تھا اور سردار کو یقین دلا سکتا تھا کہ میں ڈاکو نہیں ہوں بلکہ میں اسے سدھا رتھی کا حوالہ دے کر اپنی حمایت میں بھی کر سکتا تھا۔

سب ڈاکو! ادھر ادھر ہٹ گئے میرے ہاتھ بندھے تھے میں کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا تھا بھگوا ڈاکو تھوڑے فاصلے پر رائفل پکڑے کھڑا تھا سب کی آنکھیں غار کے دہانے پر لگی تھی میں بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا کہ دیکھئے غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اتنے ایک خاکی پتلون اور خاکی جیکٹ والا درمیانے قد کا ڈاکو جس کے منہ اور سر پر کپڑا بندھا تھا' نمودار ہوا۔

اس کی سرخ آنکھیں یاقوت کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کی کلائی میں ایک کالا سانپ لپٹا تھا میرا دل خوشی سے اچھل کر میرے حلق میں آگیا یہ سدھا رتھی تھی میری ہمدم' میری محبوبہ! اس نے مجھے پہچان لیا تھا پہلے تو وہ مجھے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی پھر اس نے اپنے سر پر بندھا ہوا نیلا رومال اتارا پھینکا۔ اس کے سیاہ بال اس کے شانوں پر بکھر گئے اس نے دونوں بازو پھیلا دیئے اور چلا کر کہا۔ "رگھو"

اور اپنے گروہ کے سارے ڈاکوؤں کو ہکا بکا کرتی وہ لپک کر میرے پاس آئی اور مجھ سے لپٹ گئی اس نے مجھے کنوئیں کی منڈیر سے نیچے اتارا اور بھگوا کی طرف دیکھ کر غصیلی آواز میں بولی تم سب گدھے کی اولاد ہو اگر یہ مر جاتا تو میں تم سب پر اس جنگل کے سانپ چھوڑ کر ہلاک کر دیتی جانتے نہیں ہو' یہ کون ہے؟ یہ میرا پتی دیو رگھو ہے... رگھو' جو شیر سے زیادہ بہادر اور ہاتھی سے زیادہ طاقت ور ہے۔" پھر میرے گلے میں بازو ڈال کر مجھے غار میں لے گئی "رگھو! تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے پر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں میں جیل توڑ کر بھاگ نکلی تھی میں تو تم سے اب بھی اسی طرح پیار کرتی ہوں تم نے چتا کے شعلوں سے میری اس وقت جان بچائی تھی' جب میں ایک کمزور لڑکی تھی۔"

میں نے کہا " اور اب تم ایک خونخوار ڈاکو بن چکی ہو "
وہ قہقہہ لگا کر بولی " اور مجھ سے مہاراشٹر اور سوراشٹر کا بچہ بچہ کانپتا ہے ۔ "
سدھا کی کلائی کا سانپ میرے سینے کے بالکل قریب تھا میں نے کہا " بھگوان کے لئے اسے دور ہی رکھو "
ہنستے ہوئے اس نے اپنا بازو میری گردن سے نکال لیا غار میں فرش پر گھاس پھونس بچھا تھا ایک طرف دو چار کنستر ' رائفلیں اور بھری ہوئی تین بوریاں رکھی تھیں کونے میں مٹی کے تیل کی لالٹین تھی لکڑی کے دو بکس گھاس پر پڑے تھے سدھا نے مجھے اپنے ساتھ گھاس پر بٹھالیا اور بولی ۔
" تم یہاں کیسے پہنچ گئے ؟ " تم اتنے دن کہاں رہے کیا اپنے ملک واپس چلے گئے تھے ؟ "
سدھا رنگی پہلے سے زیادہ وحشی اور بے باک ہو گئی تھی ... اور تھری ناٹ تھری کی رائفل اس کے قدموں میں پڑی تھی دو خنجر اس کی کمر کے ساتھ بندھے تھے چہرہ زیادہ سیاہ اور آنکھیں زیادہ سرخ ہو گئی تھیں ۔ ہونٹ کھردرے کھردرے سے ہو گئے تھے اس نے بھگوا کو آواز دے کر میرے لئے تاڑی منگوائی پھر میں نے اسے شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری روداد سنا ڈالی ' وہ کبھی حیران ہو کر اور کبھی بڑی محبت بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی کلائی والا سانپ اس کی جیکٹ پر رینگتا ہوا گریبان کی طرف جا رہا تھا میں نے سانپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا " سدھا ! تمہارا پہلا سانپ تو مر گیا تھا یہ سانپ دوسرا ہے کیا ؟ "
سدھا کی آنکھیں چمکنے لگیں اس نے اپنی موٹی جیکٹ پر رینگتے ہوئے سانپ کو انگلی سے چھو کر کہا " یہ میرا دوسرا بیٹا ہے ' اس کا نام ساہو ہے ۔ "
سدھا رنگی نے سانپ کو اپنی جیکٹ سے اتار کر اپنی گود میں ڈال لیا اور پھر اس نے مجھے اپنا قصہ سنایا کہ وہ سدھا رنگی سے رنگی ڈاکو کیسے بنی بڑودہ اور احمد آباد جیل میں ایک آدمی کو سانپ سے مار ڈالنے کے الزام میں پولیس نے اس پر بے حد تشدد کیا اس کے خون سے سانپ کا اثر زائل ہو چکا تھا کیونکہ اس کا سانپ بیٹا مر چکا تھا اور اس کا دودھ کسی سانپ نے نہیں پیا تھا۔ سدھا رنگی پولیس کے آگے بے بس تھی اس پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے سدھا کا کوئی والی وارث تو تھا نہیں کہ پیروی کرتا جس نے جیسا چاہا اس سے سلوک روا رکھا۔
اس کی آنکھوں میں اچانک ایک بجلی سی کوند گئی بولی " بڑودہ جیل کا جیلر وہ پہلا راکشش تھا جس نے میری عزت لوٹی میں ابھی تک اس سے اس گھناؤنے فعل کا بدلہ نہیں لے سکی لیکن میرے دل میں انتقام کا شعلہ روشن ہے میں بہت جلد خود بڑودہ جا کر اس جیلر سے انتقام لوں گی ۔
... پھر ایک روز میں نے ایک حوالدار کو خود اپنی مرضی سے رشوت دے کر اپنے فرار پر راضی کر لیا اور یوں ایک رات جیل سے بھاگ نکلی رگھو ! میری پتی دیو ! اس کے بعد مجھ پر قیامت کے دن اور

قیامت کی راتیں گزریں ۔ میں نے تمہیں جگہ جگہ تلاش کیا... لیکن تم کہیں نہ ملے تمہارا خیال اس بدحالی اور مفلوک الحالی میں بھی میرے دل میں میرے ساتھ ساتھ رہا پھر بہت جلدی میں نے جنگل سے ایک سانپ پکڑ کر اسے اپنا بیٹا بنالیا اور یوں میں گھما کر دریا کے پار والے جنگل کے ایک دیہات میں ناگ دیوی بن کر بیٹھ گئی لوگوں نے سانپ کو میرے سینے سے لپٹا دیکھ کر میری پوجا شروع کر دی مگر میں ناگ دیوی بن کر اپنی عزت کے دشمنوں سے بدلہ نہیں لے سکتی تھی اس کے لئے میرے ذہن میں ڈاکو بن جانے کا خیال پرورش پانے لگا جس جنگل میں چھپی ہوئی تھی وہاں کچھ ایسے آدمیوں سے میری ملاقات ہو گئی' جو یا تو قتل کر کے بھاگے تھے یا جیل توڑ کر اس جنگل میں پناہ گزین ہو گئے تھے ۔ یہ لوگ میرے پجاری بن گئے میں نے انہیں اپنے ساتھ ملا کر ایک گروہ بنایا اور خود ان کی سردار بن گئی میں نے انہیں کہہ دیا کہ مجھے سردارنی نہیں بلکہ سردار کہہ کر پکارا جائے کیونکہ میں اصل میں ایک سانپ ہوں' جو انسان بن کر عورت کی شکل میں ظاہر ہو گیا ہے یہ ضعیف الاعتقاد لوگ تھے مجھ پر جان نچھاور کرنے لگے اب میں نے چن چن کر ان لوگوں سے بدلے لینے شروع کر دیئے جنہوں نے قید کے زمانے میں مجھ پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے تھے میں نے ان میں سے کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا میں نے بڑودہ کے جیلر ڈیسائی کو بھی تلاش کیا مگر وہ چھٹی لے کر مدراس کی طرف نکل گیا تھا مجھے مرد کی ذات سے نفرت ہو گئی تھی میں نے کئی ایسے مردوں کو خون میں نہلا دیا' جو عورتوں پر ظلم کرتے تھے رائفل میرے ہاتھ میں آتی تو میری انگلیاں تھرکنے لگتیں اور میں دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دیتی ۔"

سدھا رنجی تاڑی سے بھری ہوئی تین کٹوریاں خالی کر چکی تھی وہ کبھی قہقہہ لگاتی کبھی اپنے دشمنوں کو یاد کر کے اس کی آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگتیں کبھی میرے گلے میں بازو ڈال کر کہتی " رگھو! تم مجھے اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟ تم مجھے دھوکا دے گئے تھے ۔"

مجھے اس ڈاکو عورت سے خوف آنے لگا تھا۔ اب وہ قاتل بھی تھی کئی انسانوں کی قاتل... لیکن اس میں کسی قسم کے شک کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی کہ وہ مجھ سے وحشیوں کی طرح کا پیار کرتی تھی ۔ اس کے پیار میں والہانہ پن' وحشت اور دہشت تھی میں نے کہا " سدھا میں خود جیل میں تھا' کیا کرتا بڑودہ ریلوے اسٹیشن سے تمہیں چھوڑ کر بھاگا تو احمد آباد میں پکڑ لیا گیا کئی ماہ جیل میں پڑا سڑتا رہا پھر فرار ہو کر بھاگا تو کشمیر کی طرف نکل گیا میں مجبور ہو گیا تھا سدھا! سدھا رنجی مسکرائی ۔ اس کے ناریل کی طرح سفید دانت اب بھی بڑے خوبصورت اور موتیوں جیسے تھے آنکھیں جو پہلے کیسری رنگ کی ہوا کرتی تھیں' اب انسانوں کا خون بہانے سے سرخ ہو گئی تھیں ۔

میرا ہاتھ اپنے کھردرے ہاتھوں میں تھام کر بولی " رگھو! تم میرے پتی دیو ہو میں دل سے تمہیں اپنا پتی مان چکی ہوں تم سب جانتے ہو کہ کس طرح ان لوگوں نے میرے ماں باپ کو مارا میرے سانپ بیٹے کو مارا اب میں ڈاکو رنجی ہوں مگر تمہارے لئے وہی سدھا رنجی ہوں جس کو تم نے چتا کی آگ سے

بچایا تھا تم مجھ سے چاہے جیسا بھی سلوک کرو میں ہمیشہ تم سے محبت ہی کروں گی... مگر رگھو... وہ چپ ہو گئی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی دل گداز چمک آگئی آواز میں سانپ کی سسکار پیدا ہو گئی کہنے لگی "مگر رگھو! اب سانپ ساہو میرا بیٹا ہے میرے خون میں اس کا زہر رل چکا ہے' مجھے افسوس ہے کہ اب تم میرے ساتھ تعلقات قائم نہیں کر سکتے کیونکہ تم میرے زہر سے ہلاک ہو جاؤ گے اور میں بھلا ایسا کبھی گوارا کر سکتی ہوں میں تو کبھی وقت آیا تو دیکھ لینا کہ تم پر اپنی جان قربان کردوں گی میں نے سدھارتگنی کا ہاتھ چوم لیا وہ اس وقت مجھے خلوص کا پیکر اور محبت کی دیوی لگ رہی تھی۔ سدھارتگنی اور میں اس وقت تامل زبان میں باتیں کر رہے تھے سانپ کلائی کے گرد لپیٹتے ہوئے بولی۔ "رگھو! میں تم پر بھی جان دیتی ہوں لیکن یہ مرا بیٹا ساہو بھی مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے میں اس کے بغیر اور یہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

بھگوا ڈاکو ہمارے لئے تاڑی کا مٹکا لے کر اندر آیا تو سدھا نے اسے گجراتی میں گالی دے کر کہا" لے جاؤ اس ماں کے مٹکے کو' میرا چی دیو آیا ہے' اس کے لئے ہرن کا گوشت پکاؤ جاؤ" بھگوا چپکے سے سلام کر کے واپس چلا گیا سدھا نے مسکرا کر کہا" یہ لوگ مجھے اپنا سردار ہی نہیں بلکہ کالی دیوی کا اوتار بھی سمجھتے ہیں میں نے انہیں یقین دلا دیا ہے کہ اس دھرتی کے سارے سانپ میرے بیٹے ہیں' جو مجھ سے دغا کرے گا' میں اس پر سانپ چھوڑ دوں گی میرا سانپ' وہ جہاں کہیں بھی ہو گا اسے ڈس کر ہلاک کر دے گا' اس لئے یہ سارے کے سارے خونی قاتل ڈاکو میرے پجاری ہیں اور میرے ایک اشارے پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں"

سدھارتگنی کا واقعی گروہ کے ڈاکوؤں پر بالکل ایسا ہی اثر تھا جس طرح کسی کرامت والے جوگی کا اپنے پجاریوں پر ہوتا ہے یہ بڑے جابر' خونی اور جرائم پیشہ لوگ تھے مگر سدھارتگنی کے آگے بھیگی بلی بن کر چلتے پھرتے تھے میری بہت خاطر مدارت کی گئی وہ رات میں نے سدھارتگنی کے پاس بسر کی سدھارتگنی نے مجھے بتایا کہ گھاگرا کے علاقے میں پولیس نے اس کے گرد اپنا حصار تنگ کرنا شروع کر دیا تھا' اس لئے وہ اپنے گروہ کے ساتھ فرار ہو کر ترائی کے اس جنگل میں آگئی ہے میں نے سدھا کو بتایا کہ اخبار میں خبر چھپ چکی ہے کہ وہ گیر کے جنگل میں کہیں چھپی بیٹھی ہے۔

سدھارتگنی بے اختیار ہنس پڑی" پولیس والوں کی تو میں جانی دشمن ہوں میں ان کے ہاتھ میں آنے والی شیرنی نہیں ہوں وہ مجھے گیر کے جنگل میں ڈھونڈتے پھریں میں کل اس ترائی سے بھی نکل جاؤں گی اب تم بھی میرے ساتھ رہو گے نا رگھو؟ دیکھو اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا رگھو' تم میرے چی دیو ہو۔

اب میں نے اسے پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کے بارے میں بتایا کہ وہ میرے قریبی عزیز ہیں اور پاکستان کے رہنے والے ہیں انڈین انٹیلی جینس دونوں باپ بیٹی کو اغوا کر کے یہاں لے آئی ہے ڈاکٹر فریدی رکھیل پور قصبے والی انڈین پوسٹ اور اس کی بیٹی گیر کے جنگل کے

کنارے پرانے مندر والی انڈین پوسٹ کی تحویل میں ہے اور میں ان دونوں کو انڈین آرمی کی قید سے نکال کر واپس پاکستان پہنچانا چاہتا ہوں... اور اس سلسلے میں مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہے۔

سدھارنگی ڈاکو کے سیاہ ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ میرے ہاتھ کو چوم کر بولی "رگھو! تم میرے پتی دیو ہو' تم جو کچھ بھی ہو میں نے تمہیں من سے قبول کیا ہے اب تمہاری سیوا میرا دھرم ہے میرا پریم بھی مجھے یہی کہتا ہے کہ میں تمہاری خاطر اپنی جان بھی قربان کر دوں میں تمہاری ضرور مدد کروں گی لیکن رکھیل پور والی فوجی چوکی پر فوجی کی نفری زیادہ ہے وہاں مشین گنوں کے مورچے بھی لگے ہیں گیر والی چوکی کے بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں۔"

میں نے اسے بتایا کہ گیر کے جنگل والی چوکی پر صرف پندرہ بیس فوجی ہی تعینات ہیں اور صرف ایک مورچہ اور ایک فیلڈ آفس بنکر ہے۔ سدھارنگی نے کہا "رکھیل پور والی چوکی کے بارے میں اگر تمہارا اطلاع درست ہے تو اس کی بیٹی کو یہاں سے نکالا جا سکتا ہے" میں نے کہا "بیٹی کو ہم نکال کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے باپ کی نگرانی کڑی کر دی جائے گی اور اس کا فرار مشکل ہو جائے گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم نورین کو پہلے نکالنے کی کوشش کریں کیونکہ وہ ایک عورت ہے وہ زیادہ تشدد برداشت نہیں کر سکے گی"

سدھارنگی کی آنکھیں چمکنے لگیں وہ سانپ کی سسکار کی آواز میں پھنکاری "میں کسی عورت پر مرد کا ظلم برداشت نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے ساتھ اپنے آدمی لے کر چلنے کو تیار ہوں۔"

یہ ایک جوا تھا مگر میں داؤ لگا دینا چاہتا تھا کیونکہ میں اکیلا اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ نورین کو نکال کر کسی محفوظ جگہ پر لے جا سکوں اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ اگر ہم نورین کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو دونوں طرف بہت لوگ مریں گے نورین کی زندگی کو بھی خطرہ تھا اس کے علاوہ نورین کے فرار کے بعد ڈاکٹر فریدی کو بھی رکھیل پور سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا مگر میں بیک وقت دو محاذوں پر نہیں لڑ سکتا تھا یہی سوچ کر میں نے نورین کو پہلے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا نورین ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی اور ایک مدت سے انڈین انٹیلی جینس کے قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کر رہی تھی۔

سدھارنگی نے دوسرے روز بھگوا ڈاکو کو بلا کر ضروری ہدایات دیں اور جب سارے ڈاکو ناشتا وغیرہ کر چکے تو گھوڑوں پر زینیں کس دی گئیں ڈاکوؤں نے اپنی بندوقوں کی نالیاں صاف کر کے ان کے چیمبر بھرے میگزین کے بکس گھوڑوں پر لادے اور دو ٹکڑیوں میں بٹ کر گیر کے جنگل کے مشرقی کنارے کی طرف روانہ ہو گئے انہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں کس جگہ جا کر مل جانا ہے اور ہمارا انتظار کرنا ہے۔

سدھارنگی نے مجھے ساتھ لیا اور ہم غار والی کمین گاہ سے روانہ ہو گئے سدھارنگی نے ایک بڑی پٹاری بھی ساتھ رکھ لی تھی' جس میں جنگل کے زہریلے سانپ بند تھے رائفل اس کے کاندھے

پر لگی تھی اور میگزین کی پیٹی کمر کے ساتھ بندھی تھی اس نے نیلے رنگ کا ڈاٹھا باندھ رکھا تھا اور صرف اس کی ناک اور آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں اب اس نے ناک میں کوکا ڈالنا ترک کر رکھا تھا۔

ترائی کے گھنے جنگل سے نکل کر ہم اونچی نیچی چھوٹی ٹیکریوں والے میدان میں آگئے ہم نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر سدھا رگھی ' نورین کو نکالنے میں کامیاب ہو گئی تو وہ اسے لے کر ترائی کے جنگل والے غار میں چھپ جائے گی اور میرا انتظار کرے گی کیونکہ مجھے حملہ شروع ہونے کے بعد واپس رکھیل پور کی طرف بھاگ جانا تھا تاکہ مجھے کوئی فوجی دیکھ نہ لے اور میں رکھیل پور کمانڈ آفس میں جا کر کیپٹن سنگھ کے سامنے پیش ہو سکوں اور مجھ پر شک نہ کیا جائے میرے سامنے ڈاکٹر فریدی والا مشن بھی تھا۔

ٹیکریوں والے میدان سے نکل کر ہم کیر کے جنگل کے سامنے آگئے یہاں ہم سے سدھا رگھی کے دوسرے ڈاکو ساتھی بھی آن ملے۔ ان ڈاکوؤں کی نفری سوا سو کے قریب تھی سب کے پاس بندوقیں ' رائفلیں اور اسلحہ میگزین موجود تھا ہم کیر کے جنگل میں گھس گئے اس جنگل میں سفر کرتے کرتے دن ڈوب گیا اور جب ہم جنگل کے مشرقی کنارے پر پہنچے تو سامنے گھاس کا میدان تھا اور اس کے پیچھے مندر کے پرانے تالاب والی فوجی چوکی تھی۔

میں نے سدھا کو اس فوجی چوکی کے درختوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہاں نورین ایک کمرے میں قید ہے سدھا رگھی نے کہا "اس وقت شام ہو رہی ہے ' ہم حملہ پچھلے پہر کریں گے... لیکن پہلے تمہیں مجھے چل کر یہ جگہ دکھانی ہو گی۔"

ڈاکوؤں نے جنگل کے کنارے جھاڑیوں میں بکھر کر ڈیرا لگا لیا کسی نے لالٹین یا آگ نہ جلائی روٹیاں وہ غار والی کمین گاہ سے ہی پکا کر ساتھ لائے تھے جب اندھیرا گہرا ہو گیا تو سدھا رگھی نے مجھے ساتھ لیا اور پرانے مندر والی فوجی چوکی ' کی طرف چل پڑی ہم پیدل چل رہے تھے ہم نے اپنے جسموں پر سیاہ چتی چادریں لپیٹ رکھی تھیں۔ سدھا کا بیٹا سانپ سا ہو اس کی کلائی سے لپٹا تھا ایک ریوالور اس نے اپنی پیٹی میں اڑس لیا تھا میں نستا تھا اونچی اونچی گھاس کے میدان آسمان پر کھلے اولین رات کے ستاروں کی روشنی میں نیالے نیالے لگ رہے تھے ایک کھائی عبور کرنے کے بعد میں سدھا رگھی کو ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے لے آیا۔

یہاں سے مندر والی چوکی زیادہ دور نہیں تھی بنکر اور لنگر خانے کے باہر کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں درختوں کے نیچے جو نیا کمرا بنا تھا اور جس میں نورین قید تھی ' اس کی عقبی دیوار ہماری طرف تھی عقبی دیوار کے کونے پر بھی ایک بلب جل رہا تھا میں نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا " سدھا وہ سامنے والی بتی بنکر کی ہے ' جہاں صوبے دار میجر بیٹھا ہے اس کے باہر دائیں جانب مشین گن کا مورچہ ہے سامنے والی بتی لنگر خانے کی ہے سب سے پیچھے اور ہمارے قریب جو دیوار پر بلب جل رہا ہے ' اس جگہ

میری رشتے دار نورین قید ہے "

سدھار تھی کی سانپ جیسی آنکھیں اندھیرے میں بھی بڑے احتیاط سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں اس نے پوچھا ۔ " اس کمرے کے باہر کتنے سپاہی پہرہ دیتے ہیں ؟ "

میں نے اسے بتایا کہ کمرے کا دروازہ دوسری جانب ہے اور دروازے کے باہر دو سنتری ڈیوٹی پر ہوتے ہیں "

اس کے علاوہ تو کہیں مشین گن نہیں لگی ؟ "

میں نے کہا " میرے مشاہدے کے مطابق تو کسی دوسری جگہ مشین گن پوسٹ نہیں ہے "

سدھا مسکرادی " اور اگر دوسری مشین گن نکلی تو وہ میرے سارے آدمیوں کو بھون کر رکھ دے گی مگر رگھو! تم میرے سوامی ہو میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں ۔ "

وہ مجھے واپس لے آئی گھاس کے میدان میں سے گزرتے ہوئے اس نے بتایا کہ وہ ایک گولی چلائے بغیر اس چوکی کو فتح کرنا چاہتی ہے میں اس کا منہ تکنے لگا وہ بولی " رگھو! یہ جگہ رکھیل پور والی بڑی فوجی چوکی سے زیادہ دور نہیں ہے ۔ یہاں گولیاں چلیں تو وہاں تک ان دھماکوں کی آواز ضرور پہنچے گی اور صوبے دار میجر بھی پیچھے اطلاع کر دے گا کہ چوکی پر حملہ ہوا ہے وہاں سے بھاری کمک پہنچ جائے گی اور ہمارا مشن ناکام ہو جائے گا ۔ "

سدھار تھی ایک انتہائی تجربہ کار جرنیل کی طرح باتیں کر رہی تھی میں نے اس نکتے پر غور ہی نہیں کیا تھا میں نے پوچھا " پھر تم اپنا گروہ ساتھ کیوں لے آئی ہو ؟ "

سدھا بولی " میرا خیال تھا کہ یہ چوکی رکھیل پور کمانڈ پوسٹ سے زیادہ دور ہوگی لیکن ایسا نہیں ہے ہمارے نہ پہنچنے حملہ کرنے سے تمہاری نورین کو نکالتے نکالتے رکھیل پور سے فوج کے دستے یہاں پہنچ جائیں گے میں اسی مقصد کے لئے اپنے وفادار سانپوں کی پٹاری ساتھ لائی ہوں سدھار تھی نے مجھے اپنا سارا منصوبہ سمجھایا ۔

کیر کے جنگل میں داخل ہوتے ہوتے رات گہری ہو گئی تھی ڈاکو اندھیرے میں درختوں کے درمیان پڑے تھے کسی جگہ موم بتی کی روشنی بھی نہیں ہو رہی تھی بھگوا ڈاکو اندھیرے سے نکل کر آگیا سدھار تھی نے سے ہاتھ کے اشارے سے واپس اپنے پہرے پر جانے کو کہا اور اپنے گھوڑے پر بندھی سانپوں کی پٹاری لے کر میرے پاس بیٹھ گئی اس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں سے ایک رومال نکال کر اسے میرے بازو پر رگڑا اور پھر سانپوں کی پٹاری کا ڈھکنا اٹھا کر اسے اندر ڈال دیا اندھیرے میں مجھے سانپوں کی پھنکار کی آوازیں سنائی دیں سدھار تھی نے رومال باہر نکالا اور پٹاری بند کر کے بولی ۔

اب ان سانپوں نے تمہارے جسم کی بو لے لی ہے اس رومال میں میرے جسم کی بو بھی شامل ہے اب یہ سانپ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے انہیں میرے گروہ کے سارے آدمیوں کی بو کا بھی

احساس ہے ' یہ آدم خور سانپ ہیں سانپ آدمی کو اس وقت تک نہیں ڈستا جب تک کہ آدمی اس پر حملہ نہ کرے لیکن ان سانپوں کو میں نے خاص تربیت دے رکھی ہے ۔ یہ انسان کے دشمن ہیں اور اس کی بو پر لپکتے ہیں اور اسے ڈس کر ہلاک نہ کر دیں ' جب تک چین نہیں لیتے انہیں سوائے میرے آدمیوں اور اب تمہارے ' ہر انسان کے خون کی پیاس رہتی ہے ' جو کام میرے ساتھیوں کی رائفلوں نے کرنا تھا ' اب وہ کام یہ میرے وفادار سانپ ساتھی کریں گے اب تم میرے ساتھ آؤ

مجھے سدھا کے اس سانپوں والی اسکیم پر کوئی زیادہ بھروسہ نہیں تھا لیکن میں اس کے آگے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا علاوہ ازیں میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا ۔

اس بار جب ہم رات کے اندھیرے میں اونچی

اونچی ہاتھی چھوان گھاس والا میدان عبور کر رہے تھے تو ہمارے ساتھ سانپوں کی پٹاری بھی تھیں جس میں انتہائی مہلک بارہ آدم خور سانپ تھے ۔ میدان میں چلتے چلتے آخر ہم اسی جگہ پہنچ گئے جہاں بیٹھ کر میں نے سدھا کو انڈین آرمی کی چوکی اور نورین کے کوارٹر کا مشاہدہ کرایا تھا ۔

آرمی پوسٹ کی بتیاں اسی طرح روشن تھیں ۔ کسی سنتری کی آواز رات کے سکوت میں ابھری ۔ وہ اپنے کسی ساتھی کو پکار رہا تھا ۔ سدھا نے سانپوں کی پٹاری گھاس پر رکھ دی ۔ وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی ۔ اس نے سانپوں کی پٹاری کو کھولا تو بارہ کے بارہ سانپ پھنکارنے لگے ۔ شاید انہیں کچھ فاصلے پر پوسٹ کے پندرہ سولہ فوجیوں کے خون کی بو آ رہی تھی ۔

سدھا بولی ۔ " میرے سانپوں نے فوجیوں کی بو پالی ہے ۔ اب یہ انہیں ڈسنے کو بے تاب ہیں ۔ اس نے سانپ کی پٹاری ہاتھوں میں اٹھالی ۔ اس کا رخ فوجی پوسٹ کی طرف کیا اور انہیں اندھیرے میں گھاس پر الٹ دیا ۔ سانپ گھاس میں غائب ہو گئے سدھا نے کہا " اب یہ سانپ انسانوں کی بو پر سیدھے ان فوجیوں کے پاس پہنچ جائیں گے جو پوسٹ پر موجود ہیں ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ مارے بھی جائیں ... لیکن یہ کسی انسان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ یہ انسان کا خون پینے میں بڑے وحشی ہیں ۔ یہ چاہے خود مر جائیں لیکن فوجیوں کو ڈس کر ان کے خون کے چند قطرے پینے میں ضرور کامیاب ہوں گے ۔ "

میں نے قدرے پریشان ہو کر کہا " پھر تو یہ نورین کو بھی ڈس لیں گے "

سدھا بولی " نورین کے کمرے کا دروازہ رات کو بند ہو گا ۔ یہ باہر والے فوجیوں کو ہی ڈس سکیں گے بند کمرے میں داخل نہیں ہوں گے سدھا کے پاس اس کی تھری ناٹ تھری کی رائفل موجود تھی ۔ نورین کو ڈسنے کے احتمال کا خیال اسے بھی نہیں آیا تھا جواز تو اس کے پاس موجود تھا مگر وہ پریشان سی ہو گئی بولی " بھگوان نہ کرے کہ تمہاری نورین کے کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا ایسا نہیں ہونا چاہئے اچھا تم اس جگہ

گھاس میں چھپے رہنا میں ابھی آتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ میں سدھا رنگی کو روکوں۔ وہ ایک چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر میری نظروں سے غائب ہو چکی تھی میں اندھیری رات میں کچھ فاصلے پر لگے اس بلب کو تک رہا تھا' جو نورین کے کوارٹر کی دیوار کے عقب میں جل رہا تھا۔ سدھا رنگی اسی طرف گئی تھی مجھے معلوم تھا کہ چونکہ گرمیوں کا موسم ہے اس لئے جن فوجیوں کی ڈیوٹی نہیں ہو گی وہ اور صوبے دار میجر بیرک کے باہر ہی کیمپ کاٹوں پر سو رہے ہوں گے خدا نہ کرے کہ نورین کے کوارٹر کے دروازے میں سلاخیں لگی ہوں... پھر تو یہ آدم خور سانپ سلاخوں میں سے اندر چلے جائیں گے۔

میں دل ہی دل میں نورین کی زندگی کے لئے خدا سے دعائیں' مانگنے لگا میں ہمہ تن گوش تھا۔ ایک مرگ آلود سناٹا چاروں طرف طاری تھا۔ کسی وقت دور جنگل کی جانب سے کسی عجیب سے جانور کے بولنے کی آواز آجاتی تھی خدا جانے تھوڑی دیر بعد فوجی چوکی کی طرف کیا ہونے والا تھا سانپ سوئے ہوئے فوجیوں کو ڈس کر پہرے پر کھڑے سنتریوں کی طرف بڑھے اور انہوں نے روشنی میں سانپوں کو دیکھ لیا تو وہ گولی چلا دیں گے کہیں سدھا رنگی نے جوابی فائر کیا تو وہاں شور مچ جائے گا اور نورین کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

کوئی واضح تصویر میرے سامنے نہیں آرہی تھی بہر حال کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا مجھے اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی سانپوں اور سدھا رنگی کو گئے دس بارہ منٹ گزر چکے تھے پھر اچانک چوکی' کی طرف سے ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی اس کے ساتھ ہی فائر کا دھماکا ہوا۔ اس کے جواب میں تین فائر ہوئے اور پھر سناٹا طاری ہو گیا۔

یہ سناٹا گولیوں کے دھماکوں سے زیادہ وحشت ناک تھا نہ جانے وہاں کیا ہو چکا تھا میں ادھر جا بھی نہیں سکتا تھا اگر کوئی فوجی وہاں مجھے دیکھ لیتا ہے تو میں واپس کیپٹن سنگھ کے پاس نہیں جا سکتا۔ میں اپنی جگہ دبکا بیٹھا رہا۔ سانپوں کی خالی پٹاری میرے پاس ہی پڑی تھی پوسٹ کی جانب سے مشین گن چلنے کی آواز نہیں آئی تھی اور دوبارہ رائفل کا فائر بھی نہیں ہوا تھا' جس کا مطلب یہی تھا کہ سانپوں نے اپنا کام کر دیا تھا میرا دل اس خوف سے لرز رہا تھا کہ کہیں سانپوں نے نورین کو بھی نہ ڈس لیا ہو۔

پھنکاروں کی آواز آئی میں پیچھے ہٹ گیا ستاروں کی پھیکی روشنی میں مجھے کچھ سانپ تیزی سے گھاس پر رینگتے نظر آئے وہ پٹاری میں گھس گئے سانپ اپنا مشن پورا کر کے واپس آرہے تھے میری آنکھیں نورین کے کوارٹر کی طرف لگی تھیں عقبی دیوار والا بلب اسی طرح روشن تھا وہاں ایک مہیب سناٹا چھایا تھا پھر مجھے دو انسانی سائے بھاگتے ہوئے اپنی طرف آتے نظر آئے میرا دل دھڑک اٹھا میں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا سائے قریب آئے تو میں نے سدھا کو پہچان لیا' اس کے ساتھ بھی ایک دبلی پتلی لڑکی تھی' جو جھکی جھکی بھاگ رہی تھی میری جان میں جان آئی یہ یقیناً نورین ہی تھی سدھا

میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔

رگھو! یہ لو تمہاری امانت میرے سوامی!

دوسری لڑکی بھی گھاس پر بیٹھ گئی میں نے اس سے اردو میں سوال کیا" تم نورین ہو؟"

"ہاں "لڑکی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

سدھا نے منہ سے ایک باریک سیٹی کی آواز نکالی پھر بولی دو سانپ مرگئے ہیں

نورین کا رنگ زردی مائل تھا چہرے کے نقش اندھیرے میں دھندلے دکھائی دے رہے تھے

اس نے ساڑھی جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی سر کے بال شانوں پر ربن سے بندھے تھے وہ ابھی تک پریشان سی لگ رہی تھی۔

"تم لوگ کون ہو؟ اس نے پوچھا۔"

میں نے اردو میں کہا" تمہارے دوست ہیں فکر نہ کرو"

"میرے ڈیڈی کہاں ہیں؟" اس نے خشک آواز میں پوچھا" وہ بھی آجائیں گے "میں نے اسے تسلی دی۔

سدھا بولی" اب باقی سانپ نہیں آئیں گے چلو رگھو یہاں سے نکل چلنا چاہئے کوئی فوجی وہاں زندہ نہیں ہے

سدھا نے سانپوں کی پٹاری اٹھائی اور آگے آگے چل دی نورین کو میں نے ایک بار پھر حوصلہ دیا اور اپنے ساتھ لے کر چلنے لگا وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی دشمنوں کی قید سے نکل آنے پر اس پر خوف اور خوشی کے ملے جلے جذبات کا اثر تھا میں نے اس کی ٹھنڈی کلائی پکڑ رکھی تھی اور اسے لئے جنگل کے کنارے کی طرف تیز تیز چل رہا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے نحیف لہجے میں پوچھا۔

"نورین" ہم تمہارے دوست ہیں گھبراؤ نہیں "

جنگل میں داخل ہوتے ہی بھگوا ڈاکو اور دوسرے ڈاکوؤں نے ہمارا خیر مقدم کیا سدھا نے بھگوا سے کہا" بھگوا! گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ ہم واپس اپنے ٹھکانے پر جائیں گے ایک گھوڑی اس لڑکی کے لئے لاؤ جلدی کرو"

تھوڑی دیر بعد میں نورین، سدھا رگھی اور اس کے گروہ کے ڈاکو، گھوڑوں پر سوار گیر کے گھنے جنگل میں سے گزر رہے تھے ہم سب خاموش تھے کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا صرف گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بلند ہو رہی تھی جنگل سے نکلے تو رات کے اندھیرے میں اونچی نیچی ٹیکریوں والا میدان سامنے پھیلا ہوا تھا یہ میدان بھی عبور کر گئے اب سامنے ترائی کے جنگلوں کا گھنا سلسلہ شروع ہو رہا تھا جب ہم لوگ ترائی کے جنگل والی کمین گاہ میں واپس پہنچے تو رات کا پچھلا پہر ہو چکا تھا ڈاکو

گھوڑوں کو لے کر درختوں میں چلے گئے میں اور سدھارتھی نورین کو لے کر غار میں آ گئے سدھا نے بھگوا سے کہا کہ لڑکی کے لئے بکری کا دودھ گرم کر کے لاؤ۔
گرم دودھ پینے کے بعد نورین نے غار میں چاروں طرف دیکھ کر کہا تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو؟

سدھارتھی نے موم بتی روشن کر دی اس کی کلائی سے لپٹا ہوا سانپ دیکھ کر نورین سہم کر پیچھے ہٹ گئی "یہ سانپ مجھے ڈس نہ لے؟"
سدھارتھی نے قہقہہ لگایا اور ہندی میں کہا "تم ہماری مہمان ہو تمہیں یہ سانپ کچھ نہیں کہے گا۔"

۔۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر تامل زبان میں کہنے لگی رگھو میرے سوامی! اگر تم نے اس لڑکی سے شادی کی تو میں آگ جلا کر اس میں کود جاؤں گی"
اس اچانک بات پر میں سنبھل کر بولا "سدھا! تم کیسی باتیں کر رہی ہو یہ میری بہن ہے۔"
موم بتی کی روشنی میں سدھارتھی کے چہرے پر اطمینان کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی تھی
اس نے اپنا بازو میرے کاندھے پر رکھ کر کہا "رگھو! تم میرے پتی دیو ہو میں تمہاری ستی ساوتری ہوں تم نے میرے دل سے بہت بڑے شک کو دور کر دیا ہے اب یہ بتاؤ کہ تم رکھیل پور جا کر میرے پاس کب آؤ گے اور اس لڑکی کو ہمیں کہاں پہنچانا ہو گا؟"
میں نے سدھا سے کہا "سب سے پہلے تو مجھے اس لڑکی کو یہ بتانا ہے کہ ہم کون ہیں اور اسے یہاں کیوں لائے ہیں اور یہاں سے اسے کہاں لے کر جائیں گے؟"
سدھارتھی نے اپنی رائفل کو پرے کھسکایا اور بولی "ہاں میری جان بتادو اسے"
اب میں نے اردو زبان میں نورین کو بتایا کہ میں کون ہوں اور کس مشن پر وہاں آیا ہوں سدھارتھی کا بھی میں نے مختصر تعارف کروایا "نورین! تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہارے فرار کے بعد وہاں جو حالات پیدا ہوں گے انہیں ہم سنبھال لیں گے میں صبح صبح رکھیل پور جاؤں گا جہاں تمہارے ڈیڈی کو حراست میں رکھا ہوا ہے میں اب انہیں نکالنے کی کوشش کروں گا تم اس وقت تک سدھا کے پاس رہو گی سدھا بڑی گریٹ عورت ہے' یہ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گی گھبرانا بالکل نہیں جب تمہارے ڈیڈی بھی تم سے آن ملیں گے تو پھر میں تمہیں انڈیا کا بارڈر کراس کروا کر پاکستان پہنچا دوں گا۔"

نورین کا خوف کافی حد تک دور ہو گیا تھا اس نے مجھے بتایا کہ ان کے ساتھ انڈین انٹیلی جینس والوں نے بہت تشدد کیا "لیکن جس فارمولے کی جزئیات وہ ہم سے معلوم کرنا چاہتے تھے میں نے اور ڈیڈی نے ابھی تک نہیں بتائیں ہم نے انہیں یہی کہا کہ اس فارمولے کے بارے میں ہمیں کچھ

معلوم نہیں ہے وہ اپنے انٹی پروبینگ کے فارمولوں کے بارے میں ہم سے ضرور مدد لیتے رہے تھے اب وہ ہمیں مزید تشدد اور پوچھ گچھ کے لئے راجستھان کے کسی خطرناک قلعے میں بھیجنے والے تھے۔"

میں نورین کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا اتنے میں مجھے خرانوں کی ہلکی ہلکی آواز آئی میں نے دیکھا کہ سدھار تھی دیوار سے ٹیک لگائے سو گئی تھی اس کا سانپ بیٹا اس کی کلائی سے اتر کر دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

" یہ عورت کوئی ڈاکو ہے یا سپیرن ؟ اس کے سانپوں نے وہ کام دکھایا ' جو فوج کی پوری کمپنی نہیں کر سکتی تھی ایک سانپ میرے کوارٹر کی طرف بھی آ رہا تھا کہ یہ عورت کسی طرف سے نکل آئی اور اس نے اس پر فائر کر کے اسے مار ڈالا پھر اوپر سے فوجیوں نے گولیاں چلائیں مگر ان سانپوں نے ڈس کر ان کا کام بھی تمام کر دیا میں نے کہا " یہ سدھار تھی ہے میری بہت پرانی دوست ہے کبھی پاکستان میں ملاقات ہوئی تو تمہیں اپنی پوری داستان سناؤں گا۔۔ یہ داستان طلسم ہوش ربا سے کم نہیں ہے نورین۔

نورین فکر مند ہو کر بولی " مجھے اب ڈیڈی کی طرف سے پریشانی ہے ' میرے فرار کے بعد ان پر بڑی سختی کی جائے گی۔"

میں نے کہا " ان پر سختی کر کے بھارتی انٹیلی جینس کو کچھ نہیں ملے گا ہاں تمہاری تلاش میں وہ زمین ' آسمان ضرور ایک کر دیں گے بہر حال اب تم آرام کرو صبح میں تمہارے جاگنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤ گا سدھا تمہیں بڑی حفاظت سے رکھے گی میں بہت جلد تم سے آن ملوں گا تمہارے ڈیڈی کو میں یہ پیغام ضرور پہنچانے کی کوشش کروں گا کہ تم خیریت سے ہو اور ہاں سدھار تھی بڑی اچھی عورت ہے یہ دیکھنے میں وحشی لگتی ہے دل کی بڑی اچھی ہے"

میں سدھار تھی سے پہلے ہی اٹھ بیٹھا میں درختوں میں ایک جگہ سویا تھا سدھا اور نورین غار میں سوئی تھیں سدھار تھی نے اٹھتے ہی ڈاکوؤں کو کوچ کا حکم دیا ڈاکو چلنے کی تیاریوں میں معروف ہو گئے میں بھی چلنے کو تیار تھا سدھار تھی میرے پاس آئی وہ ندی میں یا کسی تالاب میں نہا کر آ رہی تھی اس کے سیاہ بال کھلے تھے اور کان کے اوپر سرخ پھول لگا تھا بازو بھی کھلے تھے اور سانپ بیٹا کلائی سے لپٹا تھا وہ مجھے بڑی ادا سے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گئی اور تامل زبان میں بولی۔

" رکھو اب مجھ سے الگ نہ ہونا جلدی میرے پاس آ جانا میں آنکھیں بچھائے تمہارا انتظار کروں گی میرا پروگرام یہ ہے کہ میں اپنے گروہ کو لے کر گیر کے جنگل سے بہت دور نکل جاؤں گی کیونکہ پہلے تو پولیس میرے پیچھے تھی اب فوج بھی میرا تعاقب کرے گی اگر انہیں شک پڑ گیا تو بہر حال تمہیں اپنا ٹھکانہ بتائے دیتی ہوں گیر کے جنگل کے جنوب میں دریائے گھار نک بہتا ہے اس دریا کے پار سات کوس کے فاصلے پر امرلی کا چوکا دھابے شروع ہوتا ہے یہ تین کوس لمبا ویران علاقہ ہے آگے نرولا کی

چٹانوں کی وادی ہے اس وادی میں دن کے وقت بھی ڈر کے مارے کوئی نہیں جاتا کیونکہ یہ وادی زہریلے سانپوں سے اٹی پڑی ہے اس وادی میں پچھم کی جانب ایک پہاڑی ہے' جس پر بڑی بڑی چٹانیں سر اٹھائے کھڑی ہیں میرا ٹھکانہ اس پہاڑی کے دامن میں ہو گا تم جب اس پہاڑی کے دامن میں پہنچوں گے تو میرے آدمی خود تم کو مل جائیں گے اور ہاں سانپوں کی وادی سے مت گھبرانا تمہیں اس علاقے میں کوئی سانپ نہیں کاٹے گا"

میں نے سدھا رنگنی کو اس کا دیا ہوا منکا دکھایا تو خوش ہو کر اس نے مجھے اپنے ساتھ لگایا اور بولی

" تم نے میری نشانی ابھی تک اپنے پاس رکھی ہے رکھو "؟

... پھر اس کی آنکھیں اداس ہو کر ایک طرف جم گئیں " رکھو! مجھے اپنا پہلا سانپ بیٹا بہت یاد آتا ہے' جس کو اس دنیا والوں نے پاؤں سے کچل ڈالا "

اس کے حلق سے سسکار کی آواز نکلی اور بولی میں اپنے بیٹے کا انتقام مرتے دم تک لیتی رہوں گی

میں سدھا رنگنی سے رخصت ہو کر ترائی کے جنگل میں ندی کی طرف چلنے لگا یہ ندی آگے چانوڑ گاؤں کے قریب سے خم کھا کر گزرتی تھی میں چاہتا تھا کہ چانوڑ گاؤں والوں کی مدد سے اپنی کمانڈ پوسٹ پہنچوں تاکہ کیپٹن سنگھ اور دوسرے فوجیوں کو شک نہ ہو کہ نورین کے اغوا میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے چانوڑ گاؤں وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

میں سورج نکلتے ہی اس گاؤں میں پہنچ گیا یہ ایک اچھا خاصا گاؤں تھا میں پوچھتا ہوا پٹیل کے گھر پہنچ گیا اسے بتایا کہ میں رکھیل پور کی فوجی پوسٹ کے کیپٹن سنگھ کا اردلی ہوں جنگل میں شکار کھیلنے نکلا تھا راستہ بھول گیا ہوں' مجھے وہاں پہنچا دو تو تمہیں انعام دلاؤں گا۔

پٹیل خود بھی کسی فوجی افسر کو خوش کرنا چاہتا تھا اور مجھے جلدی ہی معلوم ہو گیا کہ وہاں سے رکھیل پور والی فوجی پوسٹ دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اس نے مجھے روٹی اور چائے دی پھر گھوڑی پر بٹھا کر ایک آدمی ساتھ کر دیا میں دس ساڑھے دس بجے اپنی کمانڈ پوسٹ پر پہنچ گیا کیپٹن سنگھ اپنے آفس کے باہر ٹہل رہا تھا اس کے انداز میں بے چینی تھی' یہ بے چینی کیوں تھی؟ میں اسے بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا۔

جب میں نے اسے سلیوٹ مار کر بتایا کہ میں کس طرح دو روز تک جنگل میں راستہ بھول کر بھٹکتا پھرتا رہا اور چانوڑ کے پٹیل نے اپنے آدمی کو ساتھ کیا تو یہاں پہنچا تو اس نے مجھے دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اور غصے میں گرجا " بک بک بند کرو میں پہلے ہی پریشان ہوں' دفع ہو جاؤ یہاں سے "

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے مجھ پر ذرا سا بھی شک نہیں ہوا تھا میں ہاتھ باندھ کر سلام کرتا ہوا لنگر خانے کی طرف چلا گیا پٹیل کا آدمی گھوڑی لے کر چلا گیا میں نے نل پر منہ ہاتھ دھویا اور لنگر

خانے میں جاکر ڈانگری سے کہا "کیا ہوا ٹھاکر! آج کیپٹن صاحب کا مزاج کیوں گرم ہے؟ ڈانگری بولا" ارے جانگلی تم کو نہیں معلوم! ادھر کیمپ نمبر دو کے سارے جوان مر گئے اور کوئی قیدی بھاگ گیا ہے لو پوری کھاؤ... تمہیں اس سے کیا؟"

میں لکڑی کے بینچ پر چائے کا کٹورا سامنے رکھ کر کیلے کے پتے پر رکھی پوریاں کھانے لگا میری آنکھیں بڑی ہوشیاری سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں فوجی جوان ادھر سے ادھر تیز تیز چلتے نظر آرہے تھے ہر کوئی گھبراہٹ میں تھا۔

ایک جیپ تیزی سے پوسٹ سے باہر کو دوڑی میں یہ ٹوہ لگانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر فریدی ابھی تک قلعے کے نیچے ہی ہے کہ اسے کسی دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے۔

اتنے میں وہ سنتری آگیا جس نے مجھے تہ خانے کی ڈیوٹی بدلوانے کے لئے کیپٹن صاحب سے سفارش کرنے کو کہا تھا یہ شخص مجھے اصل بات بتا سکتا تھا میں نے اسے چائے پینے کی دعوت دی تو وہ بولا " ارے احمد و تو کہاں چلا گیا تھا؟"

میں نے کہا "ٹھاکر کیا بتاؤ صبح صبح جنگل کی طرف گیا کہ دو چار تیتر مار کر لاؤں کا ایسا راستہ بھولا کہ اگر جانوروں کے چیل کا آدمی میری مدد کو نہ پہنچتا تو آدم خور شیر مجھے ہڑپ کر گیا تھا"

وہ بھی چائے کا مگ لے کر میرے پاس ہی آکر بیٹھ گیا میں نے جان بوجھ کر موضوع کو چھیڑ دیا اور کہا "کیپٹن صاحب کا مزاج ابھی گرم ہے کل ان سے تمہاری سفارش کروں گا۔"

سنتری نے تشویش کی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "کیا تمہیں ابھی تک پتا نہیں چلا کہ کیمپ نمبر دو کے جوان سانپ کے ڈسنے سے مر گئے ہیں' ایک کو گولی بھی لگی ہے ارے وہاں سے قیدی میم کو دشمن کے آدمیوں نے اغوا کر لیا ہے اور بھائی اب نیچے تہ خانے میں کوئی نہیں ہے ڈیوٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا "کیا وہ بڈھا قیدی وہاں نہیں ہے؟"

" ارے اسے تو ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہیڈ کوارٹر کی گارڈ آکر لے گئی ہے اچھا ہوا یار ہماری جان بھی چھوٹی تہ خانے کی سیلن میں ڈیوٹی دیتے دیتے میری ٹانگوں میں درد رہنے لگا تھا۔"

مجھے اسی رد عمل کی توقع تھی نورین کے فرار کے بعد ڈاکٹر فریدی کا وہاں سے نکال لیا جانا ایک قدرتی بات تھی سوال یہ تھا کہ اگر اسے ہیڈ کوارٹر کی گارڈ اپنے ساتھ لے گئی ہے تو کیا اسے ہیڈ کوارٹر کے لاک اپ میں رکھا جائے گا؟ ہیڈ کوارٹر احمد آباد کے مضافات میں تھا بہر حال اب میرا بھی وہاں سے فرار ہونے کا وقت آگیا تھا میں نے تیاری شروع کر دی دوسرے ہی روز کیپٹن سنگھ کو وہاں سے بدل دیا گیا اور اس کی جگہ ایک بنگالی کیپٹن مسٹر گپتا آگیا فل وردی میں وہ اپنی جیپ سے باہر نکلا سنہری فریم والی عینک کے پیچھے سے اس کی آنکھیں مردہ نظر آرہی تھیں ان آنکھوں میں مجھے انتادرجے کی سنگدلی چھپی

ہوئی دکھائی دی اس نے ایک گہری نظر سے اردگرد کا جائزہ لیا جوان اٹین شن کھڑے تھے میں بھی ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا تھا وہ آہستہ سے اپنے سر کو ہلاتا کمانڈ آفس میں داخل ہو گیا۔ میرا ٹارگٹ اب سوراشٹر ہی میں دریائے گھارنگ کے پار امرلی کا چوکلاڑھا بہ تھا جس سے آگے نرولا کی وادی میں پچھم کی جانب پہاڑی کے دامن میں سدھار تنگی ڈاکو کی کمین گاہ تھی اور جہاں میرے مشن کی ایک اہم ترین شخصیت نورین بحفاظت موجود تھی میں دوپہر کے کھانے تک آفس کے اردگرد مختلف کاموں میں مصروف رہا میں نے اب یہاں سے بہت جلد نکل جانے کا پروگرام بنا لیا تھا کیونکہ یہاں اب میرے لئے خطرہ ہی خطرہ تھا نیا کپتان آیا تھا' جو کسی بھی وقت مجھے بلا کر پوچھ گچھ کر سکتا تھا کیونکہ میں ان سارے فوجیوں میں غیر فوجی اور باہر کا آدمی تھا۔

یہاں سے نکلنے سے پہلے امرلی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری تھا کیونکہ میں نے امرلی کا نام تو بہت سن رکھا تھا مگر میں اس طرف کبھی گیا نہیں تھا دوپہر کا کھانا کھانے میں لنگر میں گیا تو وہاں پھر اپنے تہ خانے والے سنتری سے ملاقات ہو گئی نہ جانے کیوں میں نے اس کے سامنے امرلی کا نام لینا مناسب نہ سمجھا یہ میری ایک کمانڈو جاسوس کی دور اندیشی تھی' جس نے مجھے عین وقت پر روک دیا کیونکہ اگر میں یہاں سے رفو چکر ہو جاتا ہوں اور کیپٹن گپتا کو کسی طرح علم ہو جاتا ہے کہ پاکستانی لڑکی نورین کے فرار اور انڈین فوجیوں کی ہلاکت کی سازش میں میرا بھی ہاتھ ہے تو سنتری اسے بتا دے گا کہ میں اس سے امرلی کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور ظاہر ہے پھر فوج کے لئے وہاں منٹوں میں پہنچ جانا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

میں نے یہ کام لاکھن ڈاکئے سے لینے کا فیصلہ کیا چنانچہ اپنی ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد میں نے سائیکل پکڑی اور رکھیل پور قصبے کی طرف چل پڑا لاکھن اپنے مکان کے صحن میں چارپائی پر بیٹھا روٹی کھا رہا تھا مجھے دیکھ کر بڑا خوش ہوا میں نے کہا "آج تم سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا تھا بابو!"

لاکھن بولا "آؤ بیٹھو روٹی کھاؤ"

روٹی ہم نے مل کر کھائی اس کے بعد بیڑیاں سلگا کر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے باتوں باتوں میں میں نے اس سے امراوتی کے شہر کا ذکر کیا کہ وہاں میرے ایک رشتے میں خالو کا پتا چلا ہے جی چاہتا ہے کبھی ادھر کا بھی چکر لگاؤں۔

لاکھن بولا "ارے تو چھٹی لیکر چلے کیوں نہیں جاتے اپنے رشتے داروں سے ملتے رہنا چاہئے رشتے دار آخر اپنے ہوتے ہیں میں نے کہا "دادا یہ امراوتی یہاں سے کتنی دور ہو گا؟ وہ بولا "تمہیں احمد آباد سے ٹرین پکڑنی پڑے گی تم ڈھانڈ کے ریلوے اسٹیشن پر اتر جانا وہاں سے تمہیں بس مل جائے گی آگے بولاریا کا قصبہ آتا ہے یہاں سے ایک راستہ تو امرلی کو جاتا ہے اور دوسرا امراوتی کو.... صبح کو چلو گے تو شام کو وہاں پہنچ جاؤ گے" میں نے سارا نقشہ ذہن میں بٹھا لیا وہ بولا "امراوتی شہر جتنا قصبہ ہو گیا ہے

ریلوے لائن بن رہی ہے ادھر... اگلے سال تیار ہو جائے گی ریلوے اسٹیشن بھی بن رہا ہے پھر راستہ چھوٹا ہو جائے گا ڈھانڈ سے سیدھی ریل جایا کرے گی۔

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "اچھا دادا اب میں چلتا ہوں 'شام ہو رہی ہے"

فیروز بھائی کے بارے میں اس نے صرف اتنا بتایا کہ وہ ابھی تک پولیس والوں کی حراست میں ہیں میں چپکے سے اجازت لے کر وہاں سے سائیکل پر سوار ہو کر نکل آیا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے میں واپس کمانڈ پوسٹ پر پہنچ گیا میں نے جھونپڑے میں جا کر روپوں کا جائزہ لیا میرے پاس پانچ سو روپے تھے یہ روپے میرے سفر کے اخراجات سے بہت زیادہ تھے میرا پروگرام یہ تھا کہ میں صبح منہ اندھیرے یہاں سے چل دوں گا رکھیل پور سے بس پکڑوں گا' جو مجھے احمد آباد پہنچا دے گی اور پھر احمد آباد میں اپنے بکینک ایجنٹ سے ملے بغیر ڈھانڈ کی طرف نکل جاؤں گا اپنے ایجنٹ سے مل کر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی آخر مجھے نورین کو لے کر واپس اسی کے پاس ہی آنا تھا میرے منصوبے میں یہ بھی شامل تھا کہ کیپٹن گپتا سے یہ کہہ کر ایک دن کی چھٹی لے لوں گا کہ رکھیل پور اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کے لئے جا رہا ہوں تاکہ میرے اچانک غائب ہو جانے سے اسے شک نہ پڑے

رات کا کھانا کھانے میں لنگر میں آگیا کچھ نئے چہرے نظر آ رہے تھے معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر پہلے احمد آباد سے کچھ نئے فوجی آئے ہیں جن کا تعلق انٹیلی جینس سے ہے میں محتاط ہو گیا میرا سنتری دوست اور حوالدار کشن لال بھی میرے قریب ہی بینچ پر بیٹھے بھوجن وغیرہ کر رہے تھے مگر میں نے ان سے کوئی بات نہ کی میرا نہ خانے والا سنتری دوست اپنی بالٹی اٹھا کر میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔

" دادا کیا سوچ رہے ہو؟ آج کسی سے بات ہی نہیں کرتے میں نے ہنس کر کہا "ایسی بات نہیں ہے دادا! اصل بات یہ ہے کہ قصبے میں میرا ایک بڑا پیارا دوست بیمار ہے' اس کے بارے میں پریشان ہوں سوچتا ہوں کل کپتان صاحب سے چھٹی لے کر اس کی خبر لے آؤں۔"

"کیوں نہیں' چلے جانا" سنتری نے بے نیازی سے کہا لنگر سے اٹھ کر میں کیپٹن گپتا کے کوارٹر کی طرف چلا کہ صبح کی چھٹی کے لئے کہوں پھر سوچا کہ ایک درخواست لکھ کر تہ خانے والے سنتری کو دے دیتا ہوں میں تنے کیپٹن کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا میں نے کاپی کا ورق پھاڑ کر اس پر گجراتی زبان میں چھٹی کی درخواست لکھنی شروع کر دی میں نے ابھی دو تین سطریں ہی لکھی تھی ایک فوجی لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے پر آکر رک گیا اور کرخت آواز میں بولا

"چلو تمہیں کیپٹن صاحب نے بلایا ہے"

ایک بار تو میرا دل ڈوب سا گیا مجھے کیپٹن گپتا کی سرد' ٹھنڈی بے درد آنکھیں یاد آگئیں مگر بھاگ نہیں سکتا تھا کاپی بند کر کے اٹھا اور سنتری کے ساتھ کیپٹن گپتا کے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔

کیپٹن ‘گپتا اپنے کمرے میں صوفے پر سلیپنگ گاؤن پہنے بیٹھا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے حوالدار مجھے لے کر کمرے میں آیا تو کیپٹن گپتا نے اسے اشارے سے باہر جانے کو کہا حوالدار سلیوٹ کر کے چلا گیا اس بنگالی کیپٹن کے چہرے پر کچھ ایسے مشکوک قسم کے تاثرات تھے کہ میرا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا ہے بہر حال میں نے اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا اور سلام کر کے ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

کیپٹن گپتا نے ایک پل کے لئے اپنی چھوٹی چھوٹی سرد آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اس کی نگاہوں کی بے جان ٹھنڈک مجھے اپنے جسم کے رگ و پے میں اترتی محسوس ہوئی تو میں نے مسکین صورت بنا کر کہا ” سر آپ نے مجھے یاد کیا ہے ؟“ بنگالی کیپٹن بدستور مجھے گھورتا رہا پھر اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں ایک ادنٰی ملازم کی طرح صوفے کے کونے پر سمٹ کر بیٹھ گیا اب کیپٹن گپتا ہندی میں بولا۔

” تم گجراتی مسلمان ہو ؟“

میں نے کہا ” جی ہاں صاحب جی ! سورت میں پیدا ہوا تھا۔ میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے اور میں ۔ ۔ !

کیپٹن گپتا نے میری بات کاٹ دی ” تم شہر کو چھوڑ کر اس قصبے رکھیل پور میں نوکری کی تلاش میں کیوں آئے تھے ؟“۔

میں بے حد محتاط ہو گیا کیونکہ اس بنگالی کیپٹن کو مجھ پر کچھ شک پڑ چکا تھا میں نے عاجزانہ لہجے میں کہا ” صاحب جی ! شہر میں کوئی کام نہ ملا تو ادھر آ گیا کہ قصبے میں چھوٹا موٹا کام بھی مل گیا تو روکھی سوکھی کھا کر گزارا ہو جائے گا “

کیپٹن گپتا کے دونوں ہاتھ سلیپنگ گاؤن کی جیبوں میں تھے اور وہ اپنے دائیں ہاتھ کو جیب کے اندر گھما رہا تھا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا ” تم ڈاک خانے میں پیکر تھے پھر یہاں پونا رجمنٹ کی کمانڈ پوسٹ میں کیا سوچ کر آئے تھے ؟“

یہ بڑا خطرناک سوال تھا لیکن میں بھی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی طور پر پوری طرح تیار ہو چکا تھا میں نے ہاتھ باندھ کر کہا ” صاحب جی پہلے والے کپتان سنگھ صاحب کو میں نے سپلائی ڈپو کی چوری پکڑوائی تھی انہوں نے خوش ہو کر مجھے اپنا خاص سویلین اردلی بنا لیا اب آپ کی خدمت پر لگا ہوں۔“

کیپٹن گپتا نے اپنا دایاں ہاتھ جیب میں سے نکالا تو مجھے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا پستول چمکتا نظر آیا ” تم زیر حراست ہو ‘ وہ صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا اس نے چلا کر حوالدار کو آواز دی حوالدار ٹھکا ٹھک فوجی بوٹ بجاتا اندر گھس آیا کیپٹن گپتا نے اسے حکم دیا ” اسے کوارٹر گارڈ میں لے جا کر بند

کردو یہ دشمن کا جاسوس ہے"
ایک بار تو میرے پاؤں تلے کی زمین مل گئی پھر میں نے اپنے حواس کو مجتمع کیا اور ہاتھ باندھ کر کہا" صاحب جی میں جاسوس کہاں ہوں جی میں تو بھارتی سینا کا سیوک ہوں جی ۔۔!
کیپٹن گپتا نے آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے میرے منہ پر الٹا طمانچہ مارا اور غرا کر بولا" یہ تمہیں بہت جلد بتادیا جائے گا کہ تم کون ہو' لے جاؤ اسے حوالدار"
ایک بار تو میرا خون کھول اٹھا مگر معاملہ اس قدر نازک صورت اختیار کر چکا تھا کہ میرے پاس سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔
حوالدار نے اپنی رائفل کی نالی میری گردن سے لگادی اور رعب دار آواز میں حکم دیا" آگے چلو

باہر رات گہری ہو رہی تھی اور آس پاس اندھیرا چھایا تھا مگر چند قدموں کے فاصلے پر کمانڈ پوسٹ کے آفس بیرک اور ڈسپنسری کے باہر بلب روشن تھے اور گارڈ پہرے پر تھے حوالدار نے باہر نکلتے ہی فوجی جوانوں کو آواز دی ایک دم سے تین فوجی بیرک میں سے نکل کر ہماری طرف لپکے" یہ دشمن کا ایجنٹ ہے' اسے کوارٹر گارڈ میں بند کرنا ہے"
ان فوجیوں نے مجھے دبوچ لیا اور گھسیٹتے ہوئے کوارٹر گارڈ میں لے گئے اور اندر بند کر کے سلاخوں والے دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا اور دو فوجی وہاں اسٹین گنیں اٹھائے پہرے پر کھڑے ہو گئے تھوڑے سے وقت میں سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا کہاں میں پوچھٹے کی لاری سے احمد آباد فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور کہاں اب فوجی کوارٹر گارڈ میں ایک دشمن جاسوس کی حیثیت سے بند تھا' یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی سویلین جیل سے فرار ہوا جاسکتا تھا لیکن فوجی کوارٹر گارڈ سے بھاگنا بظاہر ناممکن تھا مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ اگر کسی وجہ سے میری پرانی ہسٹری کھل گئی تو مجھے فوراً شوٹ کر دیا جائے گا۔
میں کوارٹر گارڈ کے فرش پر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اس وقت میرا ذہن بہت پریشان تھا میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ کیوں نہ شام ہوتے ہی وہاں سے نکل گیا اب پچھتانے سے کچھ حاصل نہیں تھا اگرچہ مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین بھارتی فوج کے چنگل سے نکل چکی ہے اور یہاں سے دور نرولا کی پہاڑیوں میں میری محسن میری محبوبہ اور بقول اس کے میری پتنی سدھا رنگی ڈاکو کی حفاظت میں ہے' اس کے باوجود ابھی ڈاکٹر فریدی ان لوگوں کی قید ہی میں تھا اور جیسا کہ مجھے پتہ چلا تھا کہ اسے احمد آباد کے فوجی ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا گیا تھا علاوہ ازیں مجھ پر ملٹری پوچھ گچھ کی ناقابل برداشت اذیتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ نازل ہونے والا تھا میں ایک تجربہ کار اور محب الوطن کمانڈو تھا مگر اس بات کا خدشہ میرے احساسات سے چمٹا ہوا تھا کہ کہیں انٹروگیشن کے دوران

کسی ٹرینکو لائیزر یا بیہوشی کی دوا کے زیر اثر میرے منہ سے نورین کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی بات نہ نکل جائے

ان تمام حالات کے پیش نظر میرا فوج کی قید سے فرار بے حد ضروری ہو گیا تھا لیکن انڈین ملٹری کی قید سے کسی دشمن کے جاسوس کا فرار ہو جانا کوئی آسان بات نہیں تھی بہر حال میرے ذہن نے فرار کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اگرچہ مجھے کوئی ایسی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

ایک بات کا مجھے یقین تھا کہ کیپٹن گپتا صرف آج کی رات مجھے کوارٹر گارڈ میں رکھے گا اور صبح ہوتے ہی فوجی گارڈ کی حفاظت میں شاید ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ کر دے لیکن دوسرے دن معلوم ہوا کہ ایک پاکستانی جاسوس سے قیمتی راز اگلوانے کا کریڈٹ وہ خود لینا چاہتا تھا چنانچہ دوسرے روز اس کے حکم سے مجھے رکھیل پور والی کمانڈ پوسٹ کے تہ خانے میں اس کوٹھری میں بند کر دیا گیا' جہاں اس سے پہلے پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین کو رکھا گیا تھا۔

اب کیپٹن گپتا نے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا۔

پہلے دو روز تو مجھے مارا پیٹا گیا اور میں نے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں سوراشٹر کا رہنے والا غریب نوجوان ہوں مگر کیپٹن گپتا کے حکم سے دو فوجی مجھے چھت سے الٹا لٹکا کر گھونسوں سے میری پٹائی کرتے رہے رات کو مجھے چھت کے رسے سے اتار کر فرش پر لٹا دیا گیا اور ایک مرہٹہ فوجی نے میری گردن پر اپنا بھاری بوٹ رکھ کر دبانا شروع کر دیا اور دوسرا فوجی میرے جسم کے نازک حصوں پر جلتا ہوا سگریٹ لگانے لگا میری چیخیں نکل گئیں بنگالی کیپٹن نے میری پسلیوں میں زور سے ٹھوکر ماری اور کہا۔

"پاکستانی مفرور لڑکی کہاں ہے ؟ اب بھی بتا دو تو میں تمہاری معافی کا ذمہ لیتا ہوں تمہیں ہم خود پاکستان کا بارڈر کراس کرا دیں گے" میں نے کراہتے ہوئے کہا "صاحب جی میں بے قصور ہوں میں تو آپ کا سیوک ہوں جاسوس نہیں ہوں صاحب جی!

یہ سنتے ہی ایک بار پھر مجھ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی گئی ساری رات نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا دوسرے روز مجھے اذیت کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا تیسرے دن پھر بنگالی کیپٹن میرے سر پر موجود تھا یونہی دو ہفتے گزر گئے میرے جسم کو دھنک کر رکھ دیا گیا ایک آنکھ سوج گئی تھی دن میں ایک بار مجھے کھانے کو ایک سوکھی روٹی اور پانی کی طرح پتلی دال دی جاتی تھی میں نے انتہائی اذیت سہہ کر بھی اپنی زبان نہ کھولی۔

تیسرا ہفتہ جا رہا تھا دو روز سے میرے پاس سوائے دال روٹی دینے والے کے اور کوئی نہ آیا شاید بنگالی کیپٹن مجھ سے راز اگلوانے کے لئے کوئی نیا ستم ایجاد کرنے کی فکر میں تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔

مجھے کچھ احساس نہیں تھا کہ کوٹھڑی میں دن کب طلوع ہوتا ہے اور رات کب چھا جاتی ہے

ایک دھیما بلب مسلسل کوٹھری کے باہر جلتا رہتا تھا اور جو دو سپاہی باہر پہرہ دیتے تھے ان میں سے میرا کوئی جاننے والا نہیں تھا یہ سپاہی ویسے بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے تھے ایک روز میں کونے میں لگا اکڑوں بیٹھا اپنی سوجی ہوئی ایک آنکھ پر اپنے کرتے کے دامن سے گرم سانس کی ٹکور کر رہا تھا کہ راہداری میں فوجی بوٹوں کی آواز گونجی۔

دو مرہٹہ سپاہی تالا کھول کر میری کوٹھری میں داخل ہوئے ایک فوجی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور دروازے کی طرف دھکیل کر کہا "باہر چلو"

دل میں خیال آیا کہ میرا آخری وقت آگیا ہے میں نے کلمہ شریف کا ورد شروع کر دیا مجھے تہ خانے سے نکال کر کھلی ہوا میں لایا گیا تو دیکھا کہ آسمان پر کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور سامنے ایک فوجی اسٹیشن ویگن کھڑی تھی جس کے پاس تین فوجی رائفلیں تھامے اٹین شن کھڑے تھے میں سمجھ گیا کہ مجھے یہاں سے کسی دوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے کیپٹن گپتا اپنے آفس سے نکلا تو اس کے ساتھ ایک نوجوان فوجی بھی تھا کیپٹن نے اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذ تھمائے اور اسے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہا' جو میں دور ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا مجھے دونوں مرہٹہ فوجی اپنے گھیرے میں لئے کھڑے تھے نوجوان فوجی نے کیپٹن کو سلیوٹ کیا۔۔ اور میری طرف بڑھا۔

یہ ایک خوش شکل سانولی رنگت والا لیفٹیننٹ تھا جس کی ٹوپی پر مرہٹہ رائفلز کا نشان لگا تھا اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا سپاہیوں نے میرے بازو پشت پر باندھے اور مجھے اسٹیشن ویگن میں دھکیل کر عقبی دروازہ بند کر دیا دوسرے دروازے سے یہ دونوں مرہٹہ سپاہی بھی اندر آکر میرے سامنے بیٹھ گئے ان کے چہرے پتھر کی طرح سخت اور خاموش تھے۔

دوسرے لمحے اسٹیشن ویگن اسٹارٹ ہو کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی میں کچھ دیر تو سر جھکائے بیٹھا رہا پھر میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسٹیشن ویگن کے اندر کے ماحول کا جائزہ لیا دونوں فوجی میرے سامنے والی سیٹ پر اس طرح بیٹھے تھے کہ رائفلیں ان کے ہاتھوں میں تھیں اور ان کے بٹ اسٹیشن ویگن کے فرش سے لگے تھے۔

ویگن کے دونوں پہلوؤں پر ایک ایک روشن دان قسم کی کھڑکی بنی تھی' جن میں سے باہر درخت پیچھے بھاگتے نظر آرہے تھے عقبی دروازہ بند تھا اس کے اوپر دو گول سوراخ تھے ان میں سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی اس قسم کے دو روشن دان میرے پیچھے والی سائیڈ میں بھی تھے میں محض عادت سے مجبور ہو کر یہ سب کچھ دیکھنے لگا تھا' ورنہ اس ویگن سے فرار کا تصور بھی میں اپنے ذہن میں نہیں لاسکتا تھا ایک تو ویگن بند تھی پھر میرے دونوں ہاتھ میری پیٹھ پر بندھے تھے اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ دو چاق و چوبند مرہٹہ فوجی میرے سامنے رائفلیں لئے بیٹھے تھے۔

میں نے یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ اب یہ مجھ پر کیا ظلم کریں گے جو ہو گا دیکھا جائے گا مجھے موت

منظور ہے مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہیں اگلوں گا فوجی ویگن کچے راستے سے نکل کر اب پکی سڑک پر آگئی تھی اس کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا اور یہ سڑک احمد آباد شہر کی طرف جاتی تھی ہو سکتا ہے ' مجھے احمد آباد شہر کے کسی فوجی انٹروگیشن سینٹر میں منتقل کیا جا رہا ہو میں سوچ رہا تھا اور فوجی ویگن چھوٹے چھوٹے قصبوں کو پیچھے چھوڑتی بھاگی جا رہی تھی ۔۔ پھر ایسا ہوا کہ ویگن کی چھت پر بارش کی بوندوں کے گرنے کی آواز آنے لگی بارش شروع ہو گئی تھی میں نے سر جھکا لیا اور تصور ہی تصور میں لاہور شہر کی بارش کو دیکھا کہ شالامار باغ کے بلند و بالا گنجان درختوں پر شیشے کی کرنوں کی طرح گر رہی ہے اور فضا گلاب اور موتیے کی خوشبو سے مہک اٹھی ہے خدا جانے اب مجھے اپنے پیارے وطن پاکستان کی زیارت ۔۔ نصیب بھی ہو گی کہ نہیں ایک اعتبار سے میں کافی حد تک مایوس ہو گیا تھا کیونکہ جس انداز میں میری نگرانی کی جا رہی تھی ' یہاں سے فرار مجھے ایک ناممکن بات نظر آتی تھی شاید یہ اس کرب انگیز اذیت کا اثر تھا ' جو مجھے چودہ پندرہ روز مسلسل دی گئی تھی ۔

میری آنکھ ابھی تک درد کر رہی تھی راستے میں ہی بارش رک گئی فوجی ویگن ایک خاص رفتار پر چلی جا رہی تھی ۔

بارش دوبارہ نہیں ہوئی تھی آسمان پر کسی جیٹ ہوائی جہاز کے ٹیک آف کرنے کے بعد کی گونج سنائی دی اس کا مطلب تھا کہ ہوائی اڈہ کہیں قریب ہی تھا مگر ابھی تک باہر سے کسی موٹر کار یا رکشے کی آواز نہیں آئی تھی جس سے میں یہ نتیجہ نکال سکتا کہ ہم شہر کے مضافات میں آگئے ہیں باہر ابھی تک درخت ہی پیچھے کو بھاگتے نظر آ رہے تھے ' جو اب شام کے سرمئی دھندلکے میں دھندلے ہونے لگے تھے ۔

سڑک پر اترائی چڑھائی شروع ہو گئی تھی میں سمجھ گیا کہ ہم احمد آباد کے مضافات میں پہنچنے والے ہیں یہ اترائی چڑھائی احمد آباد شہر کے جنوب میں کوئی بیس پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھی یہاں سے میں دو بار گزرا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ یہاں کئی گہرے کھڈ اور کھائیاں ہیں مگر یہ ساری معلومات میرے لئے بیکار تھی کیونکہ میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکتا تھا کیونکہ دو رائفلیں میرے عین سامنے تھیں جن کے چیمبر میں بھری ہوئی لمبی گولیاں میرے جسم کے پرخچے اڑا سکتی تھیں ۔

اب تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ دیکھیں احمد آباد کے ہیڈ کوارٹر میں مجھ پر کسی نوعیت کے ستم توڑے جاتے ہیں اسٹیشن ویگن ایک موڑ کاٹ کر سیدھی ہوئی تو میرے پیٹ میں جیسے کسی نے خنجر چبھو دیا ہو اصل میں مجھے دیر سے پیشاب کی حاجت محسوس ہو رہی تھی مگر میں نے اس لئے فوجیوں سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے اب جو میرے پیٹ میں ٹیس اٹھی تو میں نے بڑی عاجزی سے انہیں کہا بھگوان کے لئے مجھے پیشاب کروا دیں ۔ پہلے تو انہوں نے کوئی دھیان نہ دیا ' جب میں گڑگڑایا تو ایک فوجی نے ڈرائیور کی سائیڈ پر ہاتھ سے ٹھک ٹھک کی تو ویگن کی رفتار ہلکی ہو گئی ۔

"کیا بات ہے ؟" مرہٹی زبان میں اسے کہا کہ قیدی کا پیشاب نکلا جا رہا ہے مجھے یقین تھا کہ دوسری طرف سے یہی جواب ملے گا کہ اسے کہو کہ ویگن میں ہی کر دے لیکن میری توقع کے خلاف ویگن سڑک کے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ واقعی میرا برا حال ہو رہا تھا اگلی سیٹ سے کوئی چھلانگ لگا کر باہر اترا پھر ویگن کا عقبی دروازہ کھل گیا" اسے لے آؤ ادھر!"

دونوں فوجی مجھے ویگن سے باہر لے آئے دونوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا دوسرے فوجی نے اپنی گن مجھ پر تان رکھی تھی ویگن کے بونٹ کے پاس نوجوان مرہٹہ لیفٹیننٹ کھڑا تھا اس نے کہا اسے یہیں جھاڑی میں کھڑا کر دو"

انہوں نے میرے بازو نہیں کھولے تھے میں نے کہا صاحب۔۔۔ "صاحب جی میں پتلون ۔

لیفٹیننٹ نے مجھے گھور کر کہا "بکواس بند کرو چلو فارغ ہو جاؤ یہاں"

اس نے ایک فوجی کو اشارہ کیا' جس نے میرے ہاتھ کھول دیئے اس دوران میں میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شام کے دھندلکے میں جہاں میں جھاڑیوں کے پاس کھڑا تھا وہاں دور نیچے کوئی دریا بہہ رہا تھا یہ دریا اس جگہ مٹی کے اونچے ٹیلوں کی آغوش میں سے ہو کر ایک چکر کھا کر بائیں جانب گھوم گیا تھا دور نیچے دریا کے کنارے تک جھاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔

اب تک میرے ذہن میں فرار کا خیال بھی نہیں آیا تھا لیکن اچانک دور نیچے دریا کو بہتے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک بجلی سی چمک گئی یوں محسوس ہوا جیسے قدرت نے مجھے فرار کا موقع دینے کے لئے ویگن کو یہاں رکوایا ہے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میں نے خود کو دریا میں گرانے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ انتہائی خطرناک فیصلہ تھا پہلی بات تو یہ تھی کہ میرے پیچھے چار رائفلیں ایک ٹامی گن مجھ پر تنی ہوئی تھی پھر لیفٹیننٹ کی پیٹی کے ساتھ بھی پستول لٹک رہا تھا گویا ایک پورا فوجی مورچہ میرے پیچھے تھا اگر میں نیچے لڑھکتا ہوں تو مجھ پر سینکڑوں گولیوں کی بوچھاڑیں پڑنے لگیں گی مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ میں نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا مجھے یوں لگا جیسے یہ میری زندگی کا آخری موقع ہے اگر اب میں نے جرأت سے کام نہ لیا تو پھر دشمن کی قید سے میری لاش ہی باہر نکلے گی۔

بمشکل پندرہ سیکنڈ گزرے ہوں گے پیچھے سے مرہٹہ فوجی چلایا "چلو بس کرو"۔

میں نے ایک پل کے لئے گردن گھما کر دیکھا میرے دونوں مرہٹہ گارڈ مجھے بازو سے پکڑنے کے لئے میری طرف بڑھ رہے تھے یہی وقت تھا یہی میری زندگی کی فیصلہ کن گھڑی تھی پھر کیا ہوا؟ آج بھی اس لمحے کو یاد کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے کسی نے پیچھے سے دھکا دے دیا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں بجلی کی تڑپ کے ساتھ نیچے کو جھکا اور پھر اچھل کر اپنے آپ کو ڈھلان پر

گرادیا۔

ڈھلان بہت سیدھی اور کٹی پھٹی تھی میں گیند کی طرح اچھلا اور اچھل کر بائیں جانب ایک جھاڑی پر گرا ظاہر ہے اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی جھاڑی میں گر کر اچھلا تو میرا زاویہ بدل گیا تھا اور میں سیدھ سے ایک دم دائیں جانب ستر ڈگری کا زاویہ بناتا دوسری جھاڑی میں جا گرا گولیاں میرے اوپر سے اور دائیں بائیں سنسناتی گزر رہی تھیں سڑک پر سے فوجیوں کا شور بھی بلند ہو رہا تھا مگر میں نے جو کچھ کرنا تھا کر چکا تھا احمد آباد کے فوجی انٹروگیشن سینٹر میں بھی میرے لئے موت کے سوا کچھ نہیں تھا اگر فرار ہوتے ہوئے مر جاتا ہوں تو کم از کم مزید بھیانک اذیتیں سہنے سے تو بچ جاؤں گا۔

دریا کی ڈھلان نے مجھے صرف دو بار ہی اچھالا تھا تیسری بار اچھلا تو میں گڑدم کی آواز کے ساتھ دریا میں تھا یہ بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آسکی کہ میں اوپر سے تڑتڑاتی گولیوں کی زد سے کیسے بچ گیا میں تو یہی کہوں گا کہ قدرت کو میری جان بچانا منظور تھا میں دریا میں نیچے گہرائی تک چلا گیا میں نے سانس روک لیا تھا گولیاں ابھی تک پانی میں گر رہی تھیں میں اب پوری طرح ہوشیار ہو چکا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو میری زندگی منظور ہے' اس یقین نے میرے اندر ایک زبردست طاقت بیدار کر دی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو پانی کے اندر ہی اندر ایک جھٹکے سے سیدھا کر لیا اور پانی کے اندر ہی تیرنا شروع کر دیا میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں دریا میں پانی کے اندر ہی اندر جتنی دور تک نکل سکوں نکل جاؤں۔

میں دیر تک سانس روکے پانی کے اندر ہی اندر تیزی سے آگے نکلتا چلا گیا' اس طرح تیرنے میں دریا کا بہاؤ بھی میری مدد کر رہا تھا مجھے معلوم تھا کہ آگے دریا گھوم کر ٹیلے کی اوٹ میں چلا جاتا ہے۔

اب میرے سانس نے جواب دے دیا میرے پھیپھڑوں میں بھری ہوا بھی مجھے اوپر کی طرف لانے لگی تھی میں نے جھٹکا دے کر اپنے آپ کو سیدھا کیا اور پھر میرا سر پانی کی سطح سے باہر نکل آیا۔ مجھے جو پہلی چیز نظر آئی وہ دور اوپر دریا کے پل کی ایک طرف جلتی روشنیاں تھیں خدا جانے یہ کس چیز کی روشنی تھی گولیوں کے دھماکوں سے شام کی فضا ابھی تک گونج رہی تھی دریا ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا اور میں بھی اس کے ساتھ ہی دریا کے پل سے اوجھل ہو گیا۔

مجھے دور اوپر فوجی اسٹیشن ویگن کے اسٹارٹ ہو کر تیزی سے چلنے کی آواز سنائی دی گولیوں کی آواز بند ہو گئی تھی مرہٹہ فوجی شاید اوپر سے ہو کر دریا کے آگے آنے والے تھے پانی کا بہاؤ یہاں کافی تیز تھا اور مجھے آگے بہنے کے لئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑ رہی تھی سب سے زیادہ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ اب رات کا اندھیرا بھی ارد گرد کے ٹیلوں اور جھاڑیوں پر چھا چکا تھا۔

میں اندھیرے میں تھا۔ آسمان پر بادل چھائے تھے ' جس کی وجہ سے رات جلدی آ گئی تھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ دریا آگے جا کر راستہ بدل کر کسی جنگل کا رخ کرتا ہے یا شہر کے پہلو سے ہو کر گزرتا ہے کیونکہ قرائن سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آگے احمد آباد کا شہر زیادہ دور نہیں ہے۔

میری دونوں جانب دریا کے ستواں ڈھلانی کنارے کافی بلندی پر تھے اور اندھیرے میں اوپر کناروں پر مجھے جھاڑیوں کے بڑے بڑے دھبے سے دکھائی دے رہے تھے میں اس خطرناک ترین علاقے سے جتنی جلدی ہو سکے گزر جانا چاہتا تھا جسمانی اذیت سہنے کی وجہ سے مجھے تیرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی اور میری رفتار بھی زیادہ نہیں تھی تاہم اندھیرا میری مدد کر رہا تھا میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد بھی شروع کر دیا تھا۔

دریا یہاں زیادہ گہرا نہیں تھا مگر پانی کا بہاؤ خاصا تیز تھا جس سے مجھے کافی مدد مل رہی تھی اچانک مجھے اوپر کناروں کی طرف سے فوجی ویگن کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنائی دی پھر یہ آواز رک گئی ۔۔۔ اور گولیوں کے دھماکے شروع ہو گئے شاید فوجی اوپر جھاڑیوں میں کھڑے فائرنگ کر رہے تھے مگر گولیاں مجھ سے کافی فاصلے پر گر رہی تھیں میں آہستہ آہستہ تیرتا ہوا اسی کنارے کی طرف آ گیا جس کنارے کے اوپر سے فائرنگ ہو رہی تھی اس طرح میں فائر کے کور میں آ گیا۔

اگر دن کی روشنی ہوتی تو میں مرہٹہ رجمنٹ کے فوجیوں کو ضرور نظر آ جاتا اور پھر میری کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی لیکن اندھیرے میں وہ لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے ان کے پاس کوئی سرچ لائٹ تو تھی نہیں کہ اس کی مدد سے مجھے دیکھ سکتے دریا ٹیلوں کی آغوش سے نکل آیا تھا اور اس کا پاٹ چوڑا ہونے لگا تھا پاٹ کے چوڑا ہو جانے سے کنارے دور ہٹنے لگے میں اب تیرتے تیرتے تھک چکا تھا اور پھر میں گولیوں کی زد سے کسی حد تک محفوظ ہو گیا تھا چنانچہ میں نے اپنے آپ کو دریا کی اندھیری سطح پر بالکل سیدھا لٹا دیا اور سانس کو ایک دم سے پھیپھڑوں میں بھر لیا اب میں ایک تختے کی طرح دریا کے بہاؤ کی جانب بڑھنے لگا میں نے آہستہ آہستہ سانس چھوڑا اور پھر سانس بھر لیا۔

یوں چند لمحوں میں میں ایک لاش کی طرح دریا کی سطح پر تیرنے لگا میرا جسم بالکل ساکت تھا اور لہریں اپنے تیز بہاؤ میں مجھے آگے لئے جا رہی تھیں دریا کے کنارے اب مجھ سے کافی دور ہو گئے تھے گولیوں کی آواز رک گئی تھی جس جگہ میں لہروں پر سیدھا لیٹا تھا شاید وہاں تہہ میں اونچے نیچے پتھر کے ٹیلے تھے کیونکہ یہاں پر ایک تو پانی کا بہاؤ تیز تھا دوسرے لہریں اوپر نیچے ہو کر بہہ رہی تھیں جس کے باعث میری رفتار تیز ہو گئی تھی۔

دریا کی لہریں شاں شاں کی آواز پیدا کرتی میرے کانوں کے قریب سے ہو کر پیچھے کو جا رہی تھیں آیت الکرسی کا ورد جاری تھا یہ دریا سمندر کو جاتا تھا یا آگے جا کر کسی دوسرے دریا میں مل جاتا تھا؟ مجھے کچھ علم نہیں تھا مجھے تب اس بات کی خوشی تھی کہ میں انڈین ملٹری کی دی جانے والی اذیتوں

سے بچ گیا تھا اگرچہ میں ابھی تک دشمن کے خطرناک ترین علاقے میں تھا۔

میرے کانوں میں ایک مانوس سی آواز آئی پہلے تو میں سمجھا کہ شاید یہ آگے موجوں کے کسی بہت بڑے بھنور کی صدائے آب ہے لیکن بہت جلد یہ راز کھل گیا اور اس معمے کے حل ہوتے ہی میرے دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کر دیا مجھے اپنی بائیں جانب آسمان کی تاریکی میں دور بلندی پر ایک ہیلی کاپٹر کی نیلی اور سرخ روشنیاں نظر آئیں۔

یقیناً یہ فوجی ہیلی کاپٹر تھا' جو میری تلاش میں اڑایا گیا تھا مجھے معلوم تھا کہ ابھی اس میں سے سرچ لائٹ کی روشنی نکل کر دریا پر پڑے گی اور اگر میں انہیں نظر آگیا تو مجھ پر اوپر سے مشین گن کا فائر کھول دیا جائے گا میں نے لیٹے ہی لیٹے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو کنارے کی طرف دھکیلنا شروع کیا دریا کی لہروں نے آہستہ آہستہ میرا رخ کنارے کی طرف کر دیا۔

اتنے میں وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا ہیلی کاپٹر سے روشنی کا ایک دائرہ نکل کر دریا کی سطح پر پڑا اور دریا کا وہ علاقہ روشن ہو گیا ہیلی کاپٹر ایک دائرے کی شکل میں دریا کے اوپر چکر لگانے لگا اب وہ نیچے آگیا تھا روشنی کا دائرہ نیم قوس کی شکل میں میری طرف آ رہا تھا میں چوکس ہو گیا یہ دائرہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر تھا کہ میں نے دریا میں ڈبکی لگا دی۔

جب میں نے دوبارا پانی سے باہر سر نکالا تو ہیلی کاپٹر آسمان پر دور جا چکا تھا اور اب ایک چکر لگا کر دوبارہ میری طرف بڑھ رہا تھا جب اس کی روشنی قریب آئی تو میں نے ایک بار پھر غوطہ لگایا۔ مجھے پانی کے اندر ہی گولیوں کے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں یہ ہیلی کاپٹر کی ہیوی مشین گن کی فائرنگ تھی میں نے دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگی کہ اللہ میاں میری زندگی تیرے سپرد ہے' تو ہی مجھے ان دشمنوں سے بچا سکتا ہے۔

دوسری بار سانس کی مدت پوری ہو جانے کے بعد میں نے سر پانی سے باہر نکالا تو میرے قریب ہی گولیوں کی بوچھاڑ پڑی لیکن میں روشنی کے دائرے میں نہیں تھا یہی میری سب سے بڑی خوش قسمتی تھی مگر روشنی کے دائرے کی قوس مجھ سے چند گز ہی دور تھی میں نے سانس کھینچ کر ایک بار پھر ڈبکی لگا دی دریا کے اندر ہی اندر میں اپنے ہاتھ پاؤں کو تیزی سے چلانے لگا تاکہ جتنی جلدی آگے نکل سکوں' نکل جاؤں میں نے اپنا رخ دریا کے کنارے کی طرف کر رکھا تھا۔

اب جو میں نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا تو مجھے ساحل کے درختوں کی سیاہ دیوار نظر آئی یہ سیاہ دیوار مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی تاہم میں اس طرف جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا کیونکہ ہو سکتا تھا' وہاں دشمن موجود ہو اگرچہ اس طرف سے ابھی تک ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ میرا جسم تھکن سے چور ہونے لگا ہے اور میں زیادہ دور تک مردہ تاری بھی نہ لگا سکوں گا کیونکہ مردہ تاری میں بھی سانس کا ایک خاص رفتار پر رکھنا پڑتا ہے اور میرا سانس پہلے

ہی پھولا ہوا تھافوجی ہیلی کاپٹر ابھی تک دریا کے پاٹ کے درمیان عین اوپر اسی طرح چکر لگا رہا تھا اور اس کی سرچ مجھے دریا کے وسط میں ہی تلاش کر رہی تھی ۔۔۔ پھر ہیلی کاپٹر نے ایک غوطہ سا لگایا اور دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چلا گیا وہ دریا کی سطح کے کافی قریب آکر مجھے تلاش کر رہا تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دور جانے کے بعد ہیلی کاپٹر نے اپنا رخ اس کنارے کی طرف کر لیا جدھر میں تیر رہا تھا مصیبت اب مجھ پر بھی نازل ہونے والی تھی ہیلی کاپٹر نیم دائرے میں گھوم کر شور مچاتا' گڑگڑاتا میرے قریب آگیا روشنی کا دائرہ اس کے ساتھ ساتھ دریا پر چل رہا تھا میں نے غوطہ لگا دیا مجھے پانی کے اندر ہیلی کاپٹر کی زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دی وہ میرے اوپر سے ہو کر گزر گیا تھا جب یہ آواز ذرا دور چلی گئی تو میں نے سرپانی سے باہر نکال کر سانس چھوڑا اور پھر فوراً ہی سانس بھرلیا۔

ہیلی کاپٹر دوسرے کنارے کی طرف گھوم کر جا رہا تھا کمبخت ابھی تک اس کے واپس جانے کے آثار نہیں تھے اور میں بار بار پانی میں غوطہ لگانے اور سرباہر نکالنے کا زیادہ دیر تک خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا دریا کے اپنے والے کنارے کے بارے میں مجھے تسلی ہو چکی تھی کہ ادھر کوئی سپاہی نہیں ہے کیونکہ ایک تو یہ کنارہ گھنے جنگل میں تھا دوسرے اس طرف سے ابھی تک ایک بھی فائر نہیں کیا گیا تھا۔

میں اپنے آپ کو کنارے کی طرف دھکیلنے لگا میں کنارے کی دریائی جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپا کر کچھ دیر کے لئے سانس لینا چاہتا تھا میری مہارت نے مجھے چند لمحوں میں دریا کے کنارے پر پہنچا دیا یہ دلدلی کنارہ تھا اور یہاں جب میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو میرے دونوں پاؤں دلدل میں دھنس گئے' یہ ایک نئی مصیبت کا سامنا تھا

دلدل کا شکار ہونے سے بچنے کی ترکیب مجھے دوران ٹریننگ بتاتے ہوئے انسٹرکٹر نے بتایا تھا کہ اگر کبھی دلدل میں گر پڑو تو بھول کر بھی چلنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ دلدل میں گرتے ہی پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ بجائے ایک پاؤں دلدل سے باہر نکالنے کی کوشش کے اپنے اوپر والے دھڑ کو بھی دلدل کے اوپر گرا دینا اور پھر بازوؤں کو دلدل پر اس طرح چلانا شروع کرنا جیسے تم پانی میں تیر رہے ہو یوں تمہارے پاؤں اپنے آپ دلدل سے باہر نکل آئیں گے اور تم بے شک جونک کی چال سے ہی سہی مگر دلدل کے اوپر آگے کی جانب کھسکنے لگو گے۔

ٹریننگ کی حد تک تو یہ نسخہ بڑا اچھا تھا مگر اس وقت عملی پوزیشن کی بات دوسری تھی پھر بھی چونکہ دلدل مجھے نیچے کھینچ رہی تھی' اس لئے میں نے فوراً اپنے آپ کو بالکل سینے کے رخ دلدل پر گرا دیا اور اپنے کاندھوں کو یوں آگے کی جانب آہستہ آہستہ دھکیلنے لگا جس طرح کوئی مچھلی کیچڑ میں تیرنے کی کوشش کرتی ہو اس سے بس یہی ایک فائدہ ہوا کہ میں دلدل میں اترنے سے بچ گیا اب میں بالکل کسی گیلی لکڑی کی طرح دلدل پر پڑا تھا۔

اب میرے اردگرد گہرا سناٹا اور تاریکی تھی اس سناٹے میں دریا کی بہتی لہروں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ صاف سنائی دے رہی تھی' جو دلدل میں ایک طرح کے خوف کو جنم دے رہی تھی دریا کے پاٹ پر بھی اندھیرا چھا گیا تھا آسمان ابھی تک بادلوں میں ڈھکا تھا اور کہیں کوئی ستارہ نہیں چمک رہا تھا میں نے اپنا ایک گال دلدل کی لجلجی سطح پر رکھ دیا تھا اور بڑی آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا تاکہ میرے جسم پر ہوا کا دباؤ نہ پڑے کیونکہ یہ دباؤ مجھے دلدل میں نیچے لے جا سکتا تھا۔

لیکن میں زیادہ دیر تک اس حالت میں نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ جب بھی میں پھیپھڑوں میں سانس بھرتا۔۔ جسم معمولی سے جھٹکے کے ساتھ دلدل میں تھوڑا سا اتر جاتا تھا میں نے گڑگڑا کر خدا کے حضور دعا مانگی کہ اے قادر مطلق اگر مجھے دشمن کی گولیوں سے بچا لیا ہے تو اب اس دلدل کی تاریک موت سے بھی بچا لے میں اس وقت دلدل پر اوندھے منہ لیٹا تھا میرے جوتوں کے آدھے پنجے اور منہ کا ایک گال سوجی ہوئی آنکھ تک دلدل میں ڈوبا ہوا تھا میں نے سوجی ہوئی آنکھ بند کر رکھی تھی۔

اچانک مجھے اپنے جسم پر پانی کی بوندوں کے گرنے کا احساس ہوا ٹپ ٹپاپ۔۔۔ یہ بارش کی بوندیں تھیں میری بائیں جانب کی آنکھ کھلی تھی میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے سانس لے رہا تھا مجھے آسمان پر ہلکی سی چمک نظر آئی یہ بجلی کی چمک تھی تھوڑی ہی دیر میں بادلوں میں معمولی سی گرج پیدا ہوئی اس کے بعد بارش شروع ہو گئی کسی وقت دریا کی کوئی لہر میرے پاؤں کے جوتوں کو چھو کر آگے نکل جاتی تھی۔

اب جو بجلی چمکی تو اس نے کنارے کے درختوں اور جھاڑیوں میں چکاچوند پیدا کر دی اس کے چند سیکنڈ کے بعد زبردست کڑاکا ہوا اور بارش ایک دم تیز ہو گئی یہ ایک طرح سے میرے لئے باران رحمت تھی کیونکہ بہت جلد میرے اردگرد دلدل میں پانی آ گیا اور اب دریا کی لہروں نے مجھے دلدل سے اتنا آزاد کر دیا کہ میں سانپ کی طرح رینگ کر آگے کھسک سکتا تھا میرے نیچے پانی تھا میں نے سانپ کی طرح آگے کھسکنا شروع کر دیا۔

آگے دریائی سرکنڈے آ گئے۔ ان سرکنڈوں میں آگے کھسکنا نسبتاً آسان تھا یوں تھکا دینے والی جان لیوا جدوجہد کے بعد آخر میں کنارے کی جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا' جو آدھی دریا میں ڈوبی ہوئی تھیں مگر یہاں دریا کا پانی نہیں تھا۔ اوپر کنارے سے بارش کا پانی نیچے آبشار کی طرح گر رہا تھا۔

میں ان جھاڑیوں میں لوٹ پوٹ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا یہ اتنا بڑا معرکہ تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے میں زندگی میں پہلی بار کھڑا ہونے کا حسرت آگیں تجربہ کر رہا ہوں دلدل کی موت سے بچ نکلنے کے بعد ایک بار پھر مجھ پر انڈین ملٹری کا خوف طاری ہو گیا گرتی بارش اور رات کی تاریکی میں بھاگ کر درختوں کے نیچے آ گیا میں نے اپنے آپ کو ایک درخت کے پاس اونچی گھاس میں گرا دیا جسم اس قدر تھک گیا تھا کہ بند بند درد کرنے لگا تھا۔

اس بات کا قوی امکان تھا کہ مرہٹہ رجمنٹ کے جوان، کھوجی کتے لے کر میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک میں کوئی عام قیدی نہیں ایک پاکستانی جاسوس تھا اور وہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑنے والے نہیں تھے یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ میں دریا کے اس کنارے پر نہیں نکلا تھا جدھر سے میں نے دریا میں چھلانگ لگائی تھی۔

اب جو تھوڑا سا اطمینان ملا تو پتا چلا کہ ڈھلان پر لڑھکنے کی وجہ سے میرا جسم جگہ جگہ سے چھل گیا تھا اور کپڑے پھٹ چکے تھے۔ بڑی مصیبت کے سامنے چھوٹی مصیبت دب جاتی ہے مجھے رگڑ سے لگنے والی ضربات اور آنکھ کی سوجن کی زیادہ پروا نہیں تھی اس وقت مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مرہٹہ رجمنٹ کے فوجی میری تلاش میں دریا کے اس ساحل پر بھی عنقریب پھیل جائیں گے اور پھر کھوجی کتوں کی مدد سے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیں گے میرے پکڑے جانے کا امکان زیادہ تھا میں اگر کسی گنجان شہر کی آبادی میں فرار ہوتا تو وہاں میرا سراغ لگانا دشوار تھا لیکن میں ان فوجیوں کی آنکھوں کے سامنے دریا میں کودا تھا اور میں نے یہی کوشش کی ہوگی کہ جلد سے جلد کنارے پر نکل آؤں فوجی آپریشن کا حلقہ بہت وسیع ہوتا ہے اور انہیں دشمن کو جنگلوں میں تلاش کرنے کی خصوصی ٹریننگ دی گئی ہوتی ہے یہ سارے امکانات اور خدشے مجھے پریشان بھی کر رہے تھے اور دل ہی دل میں ان کا توڑ بھی سوچ رہا تھا بارش اسی طرح موسلادھار ہو رہی تھی گھنے درخت کے نیچے بیٹھے ہونے کی وجہ سے میں بارش کی براہ راست زد سے بچا ہوا تھا مگر شاخوں میں سے بارش کی بوندیں مسلسل مجھ پر ٹپک رہی تھیں۔

یہاں میرے لئے زیادہ دیر بیٹھے رہنا خطرناک تھا کچھ دیر بعد بارش کی شدت میں فرق آگیا۔ میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں لیکن اندھیرا ابھی گھپ تھا تاہم درختوں اور جھاڑیوں کے دھندلے سرمئی خاکے نظر آرہے تھے دریا کا کنارہ دور آگے جا کر اندھیرے میں گم ہو گیا تھا دوسرے کنارے پر دور ایک اونچے ٹیلے پر اندھیرے میں روشنی کا ایک ستارہ سا جھلملا رہا تھا۔

میں اٹھا اور دریا کے کنارے سے ہٹ کر شمال مغرب کی طرف درختوں میں چلنے لگا یہ جنگل نہیں تھا کیونکہ یہاں ناریل اور تاڑ کے درخت زیادہ تھے اور ان کی ترتیب سے حساب لگ رہا تھا کہ یہ ان درختوں کا ذخیرہ ہے جو خود لگائے گئے ہیں۔ ایک جگہ اندھیرے میں ان درختوں کے درمیان پتلی سی پگڈنڈی بھی نظر آئی میں اس پگڈنڈی سے ہٹ کر چلنے لگا۔

یہاں مجھے کسی جنگلی درندے کا ڈر نہیں تھا۔ یہ ناریل اور تاڑ کے ایک طرح کے باغ تھے میں اس ذخیرے سے گزر گیا آگے ٹیلوں کی چھوٹی چھوٹی ڈھلانیں آگئیں یہاں جھاڑیاں ڈھلانوں پر اوپر تک چلی گئی تھیں اور کہیں کہیں ان پر چھپر ڈال کر انہیں ڈھانپ دیا گیا تھا میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ

چائے کے باغات کا سلسلہ تھا اس کا مطلب تھا کہ میں آبادی سے زیادہ دور نہیں تھا اور یہاں فوجی بڑی آسانی سے اپنی جیپوں میں پہنچ سکتے تھے۔

میں چائے کے ایک ڈھلانی ٹیلے کی اوٹ سے نکلا تو کچھ فاصلے پر ایک کھمبے پر بلب جل رہا تھا ذبارش میں اس کی زرد دھیمی روشنی جھلملا رہی تھی۔

میں رک گیا کیونکہ کھمبے کے پاس ہی ایک کوارٹر بنا ہوا تھا جس کی چھت گھاس پھوس کی تھی کوارٹر کے آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا میں راستہ بدل کر دوسری طرف نکل گیا سب سے پہلے مجھے لباس تبدیل کرنا چاہئے تھا بھیس بدلنے کے بارے میں تو میں ابھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میں نے اندھیرے میں ایک بہت بڑے پتھر کے ٹکڑے کو دیکھا جس کے پہلو میں ایک گائے چھپر کے نیچے بیٹھی تھی پتھر ایک چھوٹی سی چٹان کی طرح کا تھا میں جھک کر چلتا ہوا اس چھوٹی چٹان کے عقب میں آگیا گائے زمین پر بیٹھی جگالی کر رہی تھی اور سامنے والے کوارٹر پر اندھیرا چھایا تھا۔

ٹیلوں کے اوپر شاید کوئی ریسٹ ہاؤس تھا کیونکہ وہاں کسی برآمدے کی روشنی مجھے اپنی طرف سے بھی نظر آرہی تھی اگرچہ بلب میری آنکھوں سے اوجھل تھا میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس جگہ سے مجھے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے نکل جانا چاہئے میں چائے کے باغات والے علاقے سے دور ہو کر چلنے لگا بارش اب تقریباً تھم گئی تھی ہلکی ہلکی پھوار کا احساس ہو رہا تھا میری سوجی ہوئی آنکھ درد کر رہی تھی اور اس میں سے پانی مسلسل بہہ رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک کھیت آگیا یہ آبادی کی نشانی تھی شاید کوئی گاؤں قریب تھا گاؤں کے نام سے مجھے وحشت ہونے لگی گاؤں میں میں پکڑا جا سکتا ہوں میں کھیت سے ہٹ کر چلتے ہوئے تھوڑی دور گیا تو ایک چھوٹا سا تالاب اندھیرے میں دھندلا سا دکھائی دیا تالاب کے کنارے ایک طرف سیڑھیوں والا گھاٹ بنا تھا گھاٹ کے دونوں جانب بارہ دری تھی۔

تالاب سے ذرا آگے نکلا تو تاڑ کے اونچے درختوں کے نیچے ایک چراغ جلتا دیکھ کر میں وہیں ٹھٹک گیا ادھر سے اگر بتی کی مہک بھی آرہی تھی میں چکر کاٹ کر وہاں آیا تو دیکھا کہ یہ ایک چھوٹا سا قبرستان تھا ایک قبر کے سرہانے چھوٹے سے طاق میں مٹی کا دیا ٹمٹما رہا تھا خدا جانے یہ کس خوش نصیب انسان کی قبر تھی کہ اس تاریک رات میں بھی وہاں ایک چراغ جل رہا تھا قبر کے سرہانے اگر بتی بھی سلگ رہی تھی قبر پر چھوٹی سی چھت پڑی تھی۔

میں اس قبر کے پہلو میں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اگر آگے آبادی شروع ہو جاتی ہے تو مجھے اس طرف جانا چاہئے کہ نہیں جنگل میں بھی چھپ نہیں سکتا تھا وہاں اگر فوجی کھوجی کتے لے کر آگئے تو میری گرفتاری یقینی تھی میرے لئے شہر کی آبادی میں ہی جا کر گم ہو جانا بہتر تھا۔۔۔ لیکن میرا حلیہ ایسا تھا کہ ہر کسی کو مجھ پر شک پڑ سکتا تھا میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ مجھے قرآن شریف پڑھنے کی آواز

سنائی دی میں جلدی سے اٹھ کر مٹی کی ایک اونچی قبر کی اوٹ میں ہو گیا اور بارش کی گرتی پھوار اور اندھیرے میں جس طرف سے آواز آرہی تھی ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگا۔

قرآن شریف پڑھنے کی آواز کسی مرد کی تھی اور یہ آواز آہستہ آہستہ چراغ والی قبر کی طرف آرہی تھی پھر مجھے اندھیرے میں ایک انسان کا ہیولا ابھرتا نظر آیا اس آدمی کے سر پر پگڑی تھی وہ چراغ والی قبر کے پہلو میں کھڑے ہو کر قرآن شریف کی آیات پڑھ رہا تھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر خاموشی سے دعا مانگی اور قبر کے پاؤں کی جانب سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

شاید جس کی قبر تھی یہ کوئی اس کا بھائی یا باپ ہو گا مگر اسے اس اندھیری بارش والی رات میں یہاں آکر فاتحہ خوانی کرنے کی کیا ضرورت تھی شاید یہ شخص مرنے والے سے بہت محبت کرتا ہو میں اپنی جگہ پر سانس روکے بیٹھا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے میری موجودگی کا علم ہو کچھ دیر اسی طرح سرنگوں بیٹھے رہنے کے بعد وہ آدمی اٹھا اور جدھر سے آیا تھا' اسی طرف چلا گیا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب میں اطمینان سے سانس لے سکتا تھا بارش کی وجہ سے مٹی کی شکستہ قبریں گیلی ہو رہی تھی اور جگہ جگہ کیچڑ تھا میں نے سوچا کہ اس قبرستان سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا کر چھپ جانا چاہئے کم از کم یہ اندھیری رات تو کٹے دن کو دیکھا جائے گا کیا کرتا کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں اٹھ کر قبرستان کے پہلو والی جھاڑیوں کی طرف چلنے ہی لگا تھا کہ مجھے ایک اور انسانی سایہ قبرستان میں داخل ہوتا نظر آیا میں وہیں بیٹھ گیا کمبخت یہ آج قبرستان میں لوگ کہاں سے آنے شروع ہو گئے میں بڑی قبر کی اوٹ میں پھر ویسے ہی چھپ کر بیٹھ گیا اور آنے والے سائے پر نظریں گاڑ دیں۔

سائے کی چال سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی عورت ہے میں اب اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتا تھا سایہ ذرا قریب آیا تو واقعی یہ ایک عورت تھی' جس نے ساڑی پہن رکھی تھی اس نے ہاتھ میں ایک بالٹی تھام رکھی تھی اس کے بال کھلے تھے پہلے تو وہ مجھے کوئی چڑیل معلوم ہوئی وہ ایک قبر کے پاس آکر رک گئی اس نے بالٹی قبر کے سرہانے کی جانب رکھ دی اور گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا میں بڑی قبر کی اوٹ میں تھا وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

یا اللہ! یہ کون بلا ہے؟ یہاں قبر پر کیا کرنے آئی ہے میری آنکھیں اس عورت پر جمی ہوئی تھیں اور میں بہت آہستگی کے ساتھ سانس لے رہا تھا عورت نے ایک ایسی حرکت کی' جس کا مجھے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا مطلب یہ کہ وہ عورت بچے کی قبر پر اشنان کرنے آئی تھی۔

۔۔۔ اور پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ عورت کوئی چڑیل نہیں ہے بلکہ کوئی توہم پرست عورت ہے اور جادو ٹونے کی غرض سے ایسا کر رہی ہے اس سے پہلے میں لاہور شہر میں اس قسم کی ایک

دلچسپ واقعہ کی خبر اخباروں میں پڑھ چکا تھا اندھیرے میں عورت کا ایک ہیولا سا ہی نظر آرہا تھا وہ بار بار سر پر ڈونگے سے پانی ڈالتے ہوئے کچھ بولتی بھی جا رہی تھی مگر گنگناہٹ کے انداز میں میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا صرف اس کی باریک گنگناہٹ ہی سنائی دے رہی تھی۔ چونکہ میں لاہور میں ہونے والے اسی قسم کے واقعہ خبر پڑھ چکا تھا' اس لئے میرے دل میں اچانک خیال پیدا ہوا کہ اس عورت سے کام لیا جا سکتا ہے میں سمجھ گیا کہ یہ مسلمان عورت نہیں اور اولاد کے لئے یہ ٹونا کر رہی ہے۔

میں ایک دم قبر کی اوٹ سے نکلا اور دو چار لمبے لمبے قدم اٹھا کر اچانک اس عورت کے سامنے آگیا عورت پہلے تو گھبرا کر سٹ گئی پھر اس نے اپنے حلق سے ایک خرخراہٹ کی آواز نکالی۔ اپنے ہاتھوں کے پنجے ہوا میں پھیلائے اور مجھ پر ایسے جھپٹی جیسے کوئی چڑیل ہو میں نے اس کی گردن کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور کہا" میں نے تمہارا ٹونا بھنگ کر دیا ہے کیونکہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اب جب تک تو میری ایک خواہش پوری نہیں کرے گی تیرے ہاں اولاد کبھی نہیں ہو گی میں جانتا ہوں تو اولاد کے لئے اس بچے کی قبر پر اشنان کر رہی ہے"

یہ بات میں نے اسی لاہور والے قلعے کی خبر میں پڑھی تھی' جو بڑی تفصیل سے اخبار میں چھپا تھا اسی واقعہ کے حوالے سے مجھے پتا چلا تھا کہ بعض ایسی توہم پرست ہندو عورتیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی ایک ہفتے کے مرے ہوئے کسی بچے کی قبر پر جا کر آدھی رات کو اشنان کرتی ہیں اور اگر اس وقت کوئی مسلمان مرد انہیں دیکھ لے یا پکڑ لے تو پھر ان کا عمل صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ وہ اس مسلمان مرد کی کسی بھی ایک خواہش کو پورا کر دیں ہندو عورت نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور گجراتی میں بولی۔

"تو نے میری سنسکاری بھنگ کر دی اب مجھے ٹونا پورا کر لینے دے بول تو مجھ سے کیا چاہتا ہے تو جو کہے گا میں اسے پورا کروں گی۔"

میرا وار کارگر ثابت ہوا تھا میں نے بھی گجراتی میں کہا" بائی پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تیرے گھر میں کون کون ہے؟"

وہ بولی" تو مجھ سے یہ کیا پوچھ رہا ہے جلدی بول میں تیرے کس کام آسکتی ہوں اپنی خواہش پوری کر اور مجھے اپنا ٹونا شروع کرنے دے۔"

وہ میرا حلیہ دیکھ کر پہلے ہی کچھ پریشان تھی اب میں نے رعب دار آواز میں کہا" تو جانتی ہے کہ ں نے تجھ سے اپنی خواہش کو پورا نہ کیا تو ساری زندگی بھی اگر قبروں پر آکر اشنان کرتی رہے تو تیرے ہا بچہ نہ ہو گا۔"

عورت نے کسی قدر روتے ہوئے کہا" اسی لئے تو پوچھ رہی ہوں کہ تو کیا چاہتا ہے؟؟"

میں نے کہا" سن پہلی بات یہ ہے کہ کسی کو یہ نہ بتانا کہ تو نے مجھے دیکھا ہے دوسری بات یہ ہے

کہ مجھے اپنے گھر میں یا گھر کے کسی کونے میں اس طرح چھپا دے کہ مجھے کوئی نہ دیکھے پھر میں تمہیں اپنی اصلی خواہش بتاؤں گا"

ہندو عورت گڑبڑا گئی اس نے مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی تو میں نے اس کی گردن دبوچ لی اور ذرا دبایا تو اس کی آنکھیں باہر نکل آئی میں نے اسے چھوڑ دیا اور کہا "کیا تو اولاد نہیں چاہتی ؟"

چل پھر جیسا میں کہتا ہوں' ویسا کر ۔ ۔ ۔ بتا تیرے گھر میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں چھپ سکوں ؟"

ہندو عورت بولی " میرے ساتھ چلو"

اس نے کوئی اشلوک پڑھ کر تین بار بالٹی میں سے چلو بھر پانی نکال کر باہر قبر پر پھینکا اور بالٹی اٹھا کر میرے آگے آگے چل دی میں اس کے پیچھے چلنے لگا ہم قبروں میں سے گزرے تو وہ بائیں طرف مڑ گئی یہاں اندھیری نشیب میں ایک پگڈنڈی دور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف جا رہی تھی ہندو عورت تیز تیز چل رہی تھی۔

درختوں کے تاریک جھنڈ کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی اور پلٹ کر بولی "میرا پتی شہر گیا ہوا ہے پر میری ساس اور سسر گھر میں ہی ہیں اب آواز مت نکالنا' چپکے سے میرے پیچھے پیچھے چلا آ ۔ ۔ ۔"

یہ بات اس نے سرگوشی میں کہی تھی میں نے اثبات میں سر ہلا دیا درختوں کے جھنڈ میں گھرا اندھیرا تھا' اس اندھیرے میں مجھے دور چار جھونپڑی نما مکانوں کے خاکے دکھائی دیئے وہ مجھے ایک طرف الگ بنی ہوئی جھونپڑی میں لے گئی۔

اندر گھاس پھوس اور اوپلوں کی بو پھیلی تھی اس نے جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا یہاں ایک طرف اپلوں کا ڈھیر تھا اور دوسری جانب چارے کی اونچی ڈھیری لگی تھی۔

اس ہندو عورت نے بالٹی دروازے کے پاس ہی رکھ دی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپلوں کے ڈھیر کے پیچھے ایک جگہ لے گئی اور مجھے کاندھوں سے پکڑ کر نیچے بٹھا دیا اور خود بھی میرے بالکل سامنے ہو کر بیٹھ گئی اور سرگوشی میں بولی "میں جانتی ہوں تو کیا چاہتا ہے میں تجھے اسی لئے جھونپڑے میں لے آئی ہوں میرا وقت نکلا جا رہا ہے دیر نہ کر"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا " میں تیرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کروں گا بس اب میری خواہش سن میں یہاں دو دن بند رہنا چاہتا ہوں تو مجھے نئے کپڑے لا کر دے گی اور دو دن مجھے یہاں کھانا پانی دے گی اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا لیکن اگر ان دو دنوں میں تو نے میرے بارے میں کسی سے بات کی تو میں اپنی خواہش کو ادھورا ہی چھوڑ دوں گا اور تو خود جانتی ہے کہ پھر تیرے ہاں کبھی بچہ پیدا نہیں ہوگا اور تو ٹونا بھی نہ کر سکے گی۔" ہندو عورت کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اس نے گردن ایک طرف ڈھلکا لی اور ساڑھی کے پلو سے اپنے ماتھے پر آئے ہوئے گیلے بالوں کے پانی کو پونچھتے ہوئے روکھی

آواز میں بولی " تو کیا میرا سینچر بھنگ ہو جائے گا؟"
میں نے کہا " ہاں تو میری خواہش پوری کرنے کے بعد اگلے سینچر کی رات کو دوبارہ قبر پر جا کر اپنا ٹونا کر سکے گی "
اس نے عاجزی سے میرے سامنے ایک بار پھر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا " تو کیسا مرد ہے رے ' یہ کیا خواہش بتا رہا ہے تو میرے پاس دو دن رہ کر کیا کرے گا؟"
میں نے کہا " اگر اولاد چاہتی ہے تو جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کر ۔۔۔ نہیں تو ساری زندگی کوکھ جلی رہے گی "
ہندو عورت نے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا " بھگوان کے لئے ایسا شراپ نہ دینا مجھے میں تیرے حکم کی سیوکہ ہوں تو جو کہے گا وہی کروں گی اور کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تو اس جھونپڑی میں چھپا ہوا ہے ۔۔۔ پھر وہ دروازے کی طرف دیکھ کر بولی " پر تو بھی دن کے وقت باہر مت نکلنا میں دن میں ادھر کسی کو نہیں آنے دوں گی ادھر ویسے بھی کوئی نہیں آتا یہاں گئے بچھیا کے لئے چارا اور چولھے چوکے کے لئے اوپلے لینے بھی میں ہی آتی ہوں اچھا اب تو یہاں لیٹ جا ' میں جاؤں "
اندھیرے میں اس کی سیاہ آنکھیں ایک دم سے گرم ہو کر جیسے چمکنے لگیں میں نے کہا " ہاں جا ! صبح میرے لئے دھوتی کرتا لے کر آجانا؟"
اس نے پہلی بار میری سوجی ہوئی آنکھ پر انگلی لگاتے ہوئے کہا " تیری آنکھ کیوں سوجی ہوئی ہے کیا کہیں گر گئے تھے ' تیرے کپڑے بھی خراب ہیں ' تو کہاں سے آرہا ہے؟"
میں نے لہجے میں کرختگی پیدا کرتے ہوئے کہا " اگر پھر یہ سوال کیا تو میں اپنی خواہش پوری کئے بغیر یہاں سے چلا جاؤں گا " توہم پرست ہندو عورت نے میرے پاؤں پکڑ لئے " بھگوان کے لئے ایسا نہ کرنا میں جاتی ہوں سویرے تیرے لئے دودھ لے کر آؤں گی "
میں نے اس سے پوچھا " تیرا نام کیا ہے؟"
اس کا نام سولکھی تھا میں نے اسے اپنا نام نہیں بتایا ۔۔۔ وہ جھونپڑے کا دروازہ بند کر کے چلی گئی دریا کی تیز و تند موجوں میں بھیگے ہوئے پریشان حال چوہے کی طرح دیر تک تیرنے اور پھر پیدل چلنے کے بعد میرا تھکا ہوا جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا رہی سہی کسر بارش نے پوری کر دی تھی جھونپڑی کی نیم گرم فضا نے میرے اعصاب کو بے حد سکون دیا دوسری طرف میں کافی حد تک محفوظ ہو گیا تھا ان تمام محسوسات نے مل جل کر مجھ پر غنودگی طاری کر دی اور میں وہیں اوپلوں کے درمیان تھوڑی سی خالی جگہ میں سمٹ سمٹا کر لیٹ گیا اور فوراً ہی مجھے نیند آگئی ۔
آنکھ کھلی تو جھونپڑی کے دروازے کی درزوں میں سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی باہر کسی

بولنے کی آواز بھی آرہی تھی کوئی آدمی کسی کو آواز دیتا جھونپڑے کے قریب سے گزرا تو اسی عورت کی آواز آئی۔

"بابو! میں بچھیا کو چارا ڈال دوں گی تو فکر نہ کر!

ایک مرغ بار بار بانگ دے رہا تھا مرغیوں کے بولنے کی آواز بھی کسی وقت آجاتی تھی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ جوتے اتار کر جراب میں سے اپنی محبوبہ سدھار تھی کا سانپ کا منکا نکال کر پتلون کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا میرے پاس' جو روپے تھے وہ بنگالی کیپٹن کے سپاہیوں نے نکال لئے تھے منکا اس لئے بچ گیا کہ میں نے اسے جوتے میں چھپا لیا تھا میرے جوتے فوجی تھے اب میں انہیں کسی جگہ غرق کر دینا چاہتا تھا۔

میری آنکھ کی سوجن کسی قدر کم ہو گئی تھی اور اب درد میں بھی افاقہ تھا تھوڑی دیر گزری ہو گی کہ جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور فوراً ہی بند کر دیا گیا سولکھی میرے لئے دودھ لے کر آئی تھی دودھ گرم تھا اور کانسی کی گڑوی میں تھا ساتھ ہی وہ کانسی کا چھوٹا گلاس بھی لائی تھی جھونپڑی کی درزوں سے' جو دن کی روشنی اندر آرہی تھی اس کی چمک میں میں نے پہلی بار سولکھی یعنی رات والی ہندو عورت کو غور سے دیکھا وہ چالیس پینتالیس برس کی عوت تھی جس کا رنگ کھلتا ہوا تھا ناک تھوڑی سی اوپر کو اٹھی تھی اور آنکھیں غلافی تھیں چہرے پر جفاکش زندگی اور خاوند کے جور و ستم کے اثرات نمایاں تھے اس نے میلی سی پرانی ساڑھی پہن رکھی تھی گردن پر بال جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں تھیں۔ وہ مسکرا رہی تھی ماتھے پر سرخ بندیا آگ کے انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔ اس نے گلاس میں دودھ ڈالتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا "تم نے مجھے پہچان لیا ہے' نا؟ میں سولکھی ہوں کوئی دوسری عورت نہیں ہوں؟"

میں نے کہا" میں نے تمہارے جسم کی خاص خوشبو سے تمہیں پہچانا ہے۔

جیسے ایک دم اس کی آنکھیں اور رخسار کے کنارے گرم ہو گئے اور بولی "میرا پتی تو بڑا گھامڑ ہے وہ تو بس تاڑی پی کر مجھے پیٹنا ہی جانتا ہے۔"

دودھ بڑا خالص اور شیریں تھا مجھے بھوک بھی بہت لگی تھی میں نے ساری گڑوی خالی کر دی" تمہارے لئے ابھی مکئی کی روٹی پکا کر لاؤں گی' کھائے گا نا؟"

۔۔۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر عاجزی سے بولی "دیکھ تو مسلمان مرد ہے' مجھ سے دغا نہ کرنا جاتے ہوئے کہہ کر جانا کہ تو نے اپنی خواہش پوری کر لی تب میں سنیچر کی رات کو پھر سے قبر پر جا کر ٹونا کروں گی اور میرے ہاں بچہ ہو گا۔"

اس نے شرما کر سر جھکا لیا میں نے کہا" تو میرے لئے کپڑے نہیں لائی؟"

اس نے دانتوں تلے انگلی داب لی اور حیرت سے کہا" ارے دیا میں تو بھول ہی گئی"

---- پھر میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا اور لجاجت سے بولی "یہ تیری خواہش ہے' نا کہ میں تیرے لئے کپڑے لاؤں "

"ہاں" میں نے آہستہ سے کہا اور دو دن مجھے کھانا پانی دیتی رہو پھر میں' تمہیں یہ کہہ کر چلا جاؤں گا کہ جا میں نے اپنی خواہش پوری کر لی "

وہ بڑی خوش ہوئی بولی "میں ابھی تیرے لئے کرتا دھوتی لاتی ہوں تو میرے مرد کے کپڑے پہن لے گا؟ پر تو تو بڑا جوان ہے میرا پتی تو دبلا پتلا سا ہے 'اچھا میں ابھی لاتی ہوں تیرے لئے دھوتی کرتا ---

جب وہ میرے لئے کپڑے لے کر آئی تو اس نے ایک ہاتھ میں کوئی شے رومال میں لپیٹ کر پکڑ رکھی تھی جس کو وہ ہتھیلی میں ادھر ادھر گھما رہی تھی "یہ لے کپڑے اور یہ دیکھ میں تیرے لئے چھوٹی اینٹ گرم کر کے لائی ہوں' اس سے تیری آنکھ کی ٹکور کروں گی سوجن جاتی رہے گی۔"

میں نے رومال میں لپٹی گرم اینٹ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خود ٹکور کرنے لگا وہ ایک کھدر کا گھر میں دھلا ہوا کُرتا --- اور ایک دھوتی لائی تھی میں ٹکور کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا وہ بھی مجھے تک رہی تھی پھر جلدی سے اپنی ساڑی میں ہاتھ ڈال کر ایک تھیلی نکالی اور بولی "اس میں چونا تمباکو ہے' کھاؤ گے ۔؟"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا وہ بولی "میرا مرد تو ہر وقت یہی کھاتا ہے تم بیڑی پیو گے لاؤں ؟"

میں نے پھر نفی میں سر ہلا دیا پھر اس نے پوچھا "تم نے میرے بارے میں کسی سے ذکر تو نہیں کیا سولکھی ؟"

اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "کیا میں نہیں چاہوں گی کہ میری کوکھ ہری ہو پھر میں کسی سے کیوں تمہارا ذکر کرنے لگی اچھا اب میں جاتی ہوں' ساس کے سر میں تیل ڈالنا ہے' دوپہر کو روٹی لے کر آؤں گی۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تو رک گئی اور پلٹ کر بولی "اگر تجھے ---تو جھونپڑی کے پیچھے ---"

اور پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر دروازے کی طرف چلی گئی۔

جھونپڑی کا دروازہ بند ہو گیا میں نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص اور میلی جیکٹ 'گیلی پتلون اتار کر کرتا اور دھوتی پہن لی سوراشٹر کے ہندوؤں کے انداز میں دھوتی پہن لی سوراشٹر کے ہندوؤں کے انداز میں دھوتی باندھنے کا مجھے تجربہ تھا اس زمانے میں تو گجرات کاٹھیاواڑ کے مسلمان بھی اسی انداز میں دھوتی باندھتے تھے

دوپہر تک گرم اینٹ کی ٹکور کرنے سے میری آنکھ کی سوجن کافی کم ہو گئی دوپہر کو سولکھی بھرے لئے چنگیر میں روٹیاں اور اچار لے کر آئی تو مجھے دھوتی کرتے میں دیکھ کر بولی۔

"تم تو پورے میرے مرد بن گئے ہو میرے مرد کے کپڑے جو پہنے ہیں پر تو میرے مرد سے بہت جوان ہے لے میں تیرے لئے جوار کی روٹی اور اچار لائی ہوں "

دو بڑی روٹیاں تھیں مجھے ایسی بھوک لگی تھی کہ دونوں چٹ کر گیا ہندو عورت میری طرف معنی خیز نگاہوں سے تک رہی تھی میں اس طرف زیادہ دھیان نہیں دے رہا تھا مجھے اپنی فکر پڑی تھی' اپنے بارے میں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا' چونکہ وہ اپنی توہم پرستی کی وجہ سے میرے قبضے میں تھی اور مجھے معلوم تھا کہ وہ میری مرضی کے بغیر کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گی کہ جس سے مجھے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ میں نے اس سے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ احمد آباد وہاں سے پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور یہ جگہ اس کے دور دراز کے مضافات میں واقع جانے کے بیانات تھے وہاں سے سابرمتی کا مشہور گاؤں پندرہ کلومیٹر شمال مشرق کی جانب تھا' جہاں مہاتما گاندھی کا آشرم ہوا کرتا تھا۔

دوسری رات بھی میں نے اسی جھونپڑی میں گزاری یہ ہندو عورت اس بات پر بڑی حیران تھی کہ میں جھونپڑی سے باہر کیوں نہیں نکلتا مگر اپنی توہم پرستی کی وجہ وہ مجھ سے یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کر رہی تھی کیونکہ میں نے اسے منع کر رکھا تھا کہ میرے بارے میں کوئی سوال نہ کرے دوسرے روز شام کو اس کا خاوند شہر سے واپس آگیا تھا ہندو عورت۔۔۔ رات کو اوپلے لینے کے بہانے جھونپڑی میں آئی تو اس نے دو روٹیاں رومال میں لپیٹ کر اپنے پیٹ کے ساتھ باندھ رکھی تھیں روٹیاں نمکین تھیں اور اس کے بیچ میں اچار رکھا تھا پانی کی ایک گڑوی پہلے ہی میرے پاس رکھی رہتی تھی۔ اندھیرے میں وہ اوپلے نکال کر ٹوکرے میں ڈالتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

میرا مرد شہر سے آگیا ہے اس کے لہجے میں نفرت اور بیزاری کا عنصر غالب تھا اوپلے ڈال کر وہ میرے پاس اندھیرے میں آکر بیٹھ گئی میں روٹی کھا رہا تھا کہنے لگی "تم یہاں کیوں نہیں رہ جاتے؟"

میں نے کہا "یہاں رہ کر کیا کروں گا؟"

وہ گہرا سانس لے کر بولی "سچ کہتے ہو' تم یہاں رہ کر کیا کرو گے"۔۔۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی "تم کل چلے جاؤ گے کیا؟" میں نے کہا "ہاں! دو دن رہنے کو کہا تھا آج دو دن پورے ہو گئے ہیں"

وہ بولی "تم نے اپنی خواہش پوری کر لی ہے نا؟ اب میں قبر پر تونا شروع کر سکتی ہوں نا؟"

"کیوں نہیں کل جانے سے پہلے ہی تمہیں کہہ کر جاؤں گا کہ میں نے تم سے اپنی خواہش پوری کر لی ہے"

میرے اتنا کہنے پر وہ خوش بھی ہوئی اور اس نے اداسی سے سر بھی جھکا لیا میں نے اس سے ایک چپل کی فرمائش کی کہ کہیں سے مجھے لا دے اس نے کہا "میرے مرد کی ایک چپل پڑی ہے وہ میں صبح صبح تمہیں لا دوں گی اچھا اب میں جاتی ہوں' میرا مرد تاڑی پی رہا ہے ابھی شور مچانا شروع کر دے گا اس کے لئے' ابھی روٹی پکانی ہے وہ اوپلوں کی ٹوکری سر پر اٹھائے جھونپڑی سے نکل گئی۔"

کالی ماتا کے ناگ



کمانڈو

۶

میری آنکھ کی سوجن ٹھیک ہو گئی تھی اور دو روز وہاں دودھ پینے اور باقاعدہ چکی کا آٹا کھانے سے میری کھوئی ہوئی طاقت بھی کافی حد تک بحال ہو گئی تھی رات کو میں سوچتا رہا کہ صبح یہاں سے نکل کر کدھر جاؤں گا ظاہر ہے میری منزل احمد آباد شہر ہی تھا' جہاں ہمارا موٹر مکینک ایجنٹ موجود تھا مگر اس تک پہنچنے میں بے شمار خطرات حائل تھے فوج اور پولیس جگہ جگہ میری تلاش میں پھر رہی ہو گی اگرچہ میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا تھا پھر بھی میں شکل سے بڑی آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا لیکن اس جھونپڑے میں بھی زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا یہی سوچتے سوچتے مجھے نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو کسی کے ہاتھ کی انگلیاں میرے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں ناریل کے تیل کی خوشبو میرے نتھنوں میں گھس رہی تھی میں نے پو پھٹنے کے مدھم اندھیرے میں ایک عورت کے چہرے کو دیکھا یہ وہی ہندو عورت سو لکھی تھی۔

میں جلدی سے اٹھ بیٹھا وہ پیچھے ہٹ گئی میں نے اس سے چپل کے بارے میں پوچھا تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "تم نے کبھی کوئی ہدسری بات نہیں کی ۔ آ ۔ ہے تم کیسے مرد ہو لائی ہوں تمہارے لئے چپل یہ رکھی ہے"

میں نے چپل پہن کر دیکھی وہ مجھے چھوٹی تھی' وہ میرے لئے دودھ اور روٹی لائی تھی اس نے اپنی ساڑھی کے پلو کو کھولا اور اس میں سے پانچ روپے کا تہ کیا ہوا نوٹ نکال کر مجھے دیا اور بولی "یہ میں نے اپنے مرد کی واسکٹ سے تمہارے لئے نکالا تھا' تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی"

وہ چپ ہو گئی میں دودھ کے ساتھ روٹی کھانے لگا میں نے پانچ روپے لے کر جیب میں رکھ لئے میں نے اسے کہا "اب تم جاؤ کیونکہ تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے نکل جاؤں گا میرے جانے کے بعد کسی سے میرا ذکر نہ کرنا' نہیں تو تیرے بچہ نہیں ہو گا"

اس نے سہم کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا "کسی سے کچھ نہیں کہوں گی تو مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتا میں کوئی ایسی ویسی ناری نہیں ہوں اب کہہ دے تاکہ تو نے مجھ سے اپنی خواہش پوری کر لی ہے۔"

میں نے دوبار اس جملے کو دہرایا وہ بڑی خوش ہو گئی میں نے کہا "اب تو چلی جا۔"
وہ جاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی جب میں نے اسے دوسری بار ڈانٹ کر کہا تو وہ جیسے بادل نخواستہ ساڑھی سنبھالتی اٹھی اور مجھ پر ایک نگاہ ناپسندیدہ ڈال کر جھونپڑی سے نکل گئی۔
اس کے جاتے ہی میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا جھونپڑی کے دروازے کو ذرا سا کھول کر باہر دیکھا پو پھٹ رہی تھی مشرقی افق کے جانب سے آسمان پر دھندلی نیلی روشنی کا غبار سا آگے بڑھ رہا تھا۔
درختوں اور جھاڑیوں میں رات کے آخری سائے اپنے دامن کو سمیٹ رہے تھے۔

میں نے دروازہ آہستہ سے کھولا اور اللہ کا نام لے کر باہر نکل کر اس چھوٹی سی پگڈنڈی پر چل پڑا جو جھونپڑیوں والے درختوں کے جھنڈ سے کچی سڑک کی طرف جا رہی تھی میں نے ہندو عورت سو لکھی سے راستے کی ایک ایک تفصیل معلوم کر لی تھی کچی سڑک چائے کے باغات کے پیچھے سے ہو کر اس بڑی سڑک کی طرف نکل جاتی تھی' جو نانوتی کھار نامی قصبے کے پہلو سے ہوتی ہوئی احمد آباد جاتی تھی۔

میں منہ اندھیرے کے دھندلکے میں چائے کے باغات کے پیچھے سے ہو کر نانوتی کھار جانے والی سڑک کے بغل میں آ گیا سڑک پر چڑھنے میں خطرہ تھا وہاں سے کبھی کبھی کوئی ٹرک گزر جاتا تھا یہ بڑی سڑک تھی اور احمد آباد کو جاتی تھی میں اس سڑک کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلے پر رہ کر کھیتوں میں چلنے لگا۔

نانوتی کھار کے قصبے تک پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی۔
کھیتوں میں کسان کام کرتے نظر آنے لگے میں نے ہندوؤں کی طرح سفید دھوتی باندھ رکھی تھی کرتا بھی سفید تھا' پاؤں میں چپل تھی مگر شکل وہی تھی اور پہچانا جا سکتا تھا۔ ڈاڑھی کے بال بڑھ آئے تھے میں چاہتا تھا کہ گاؤں کا کوئی نائی مل جائے اور میں اپنا سر منڈا ڈالوں تاکہ حلیئے میں کچھ تو فرق پڑے۔

میرے پاس ہندو عورت کا دیا ہوا پانچ روپے کا نوٹ موجود تھا میری دائیں جانب بڑی سڑک کے پار نانوتی کھار کا قصبہ طلوع ہوئے آفتاب کی روشنی میں صاف نظر آنے لگا تھا اس کے دو مندروں کے کلس دھوپ میں چمک رہے تھے میں قصبے میں داخل ہونے سے گریز کر رہا تھا مگر سر منڈوانا بھی ضروری تھا۔

میں کھیتوں کھیت ہوتا قصبے کے عقب میں آ گیا یہاں ایک تالاب کے پاس چھپر کے نیچے مجھے ایک بوڑھا حجام مل گیا وہ دکان کے آگے پانی چھڑک رہا تھا کانسی کی گڑوی اس کے ہاتھ میں تھی چھپر کے نیچے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی کے سامنے دیوار پر چوکور آئینہ لٹک رہا تھا میں نے قریب جا کر پرنام کیا تو اس نے مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا وہ کوئی اشلوک پڑھ رہا تھا یہ اشلوک سنسکرت کے نہیں تھے پانی

چھڑکانے کے بعد اس نے سورج کی طرف ہاتھ جوڑ کر نسکار کیا اور پھر میری طرف متوجہ ہوا بولا "ٹھاکر ڈاڑھی بنوانی ہے ؟"

میں نے کہا "ہاں مہاراج! سر بھی منڈوانا ہے۔"

دس منٹ کے بعد جب میں بڑی سڑک سے ہٹ کر کماد کے کھیت کی منڈیر سے گزر رہا تھا تو میرا سر منڈا ہوا تھا داڑھی مونچھیں بھی صاف تھیں اب میرے حلیے میں کافی فرق آگیا تھا میرے پاس سیندور نہیں تھا میں نے کھیت کی خشک مٹی سے اپنے ماتھے پر جینیوں کی طرح تین لکیریں بنالیں تاکہ جینی ہندو لگوں اور خدا کے بھروسے سڑک کی طرف اپنا رخ موڑ لیا۔

نائی کو ایک روپیہ دینے کے بعد میرے پاس چار روپے بچے تھے سڑک پر تھوڑی دیر کے بعد کوئی ٹرک یا لاری گزر جاتی تھی میرا رخ شمال کی طرف تھا ایک جگہ سنگ میل دیکھا اس پر گجراتی میں احمد آباد چوبیں کلو میٹر لکھا تھا سڑک کی بائیں جانب کچھ دور ایک بس اسٹاپ پر چند دیہاتی مرد اور عورتیں کھڑی تھیں میں بھی ان کے پیچھے جاکر کھڑا ہو گیا تھوڑی دیر بعد ایک بس آگئی بس کے ماتھے پر بھی گجراتی میں احمد آباد لکھا تھا۔

میرا دل دھڑکنے لگا کہیں بس میں ملٹری پولیس یا خفیہ پولیس کا کوئی آدمی نہ بیٹھا ہو بس بھری ہوئی تھی میں بھی دیہاتی مرد عورتوں کے ساتھ بس میں گھس گیا مجھے دروازے کے قریب کھڑے ہونے کو جگہ مل گئی بس آگے روانہ ہو گئی میں نے مسافروں کی گردنوں کے درمیان جھانک کر جائزہ لیا مجھے بظاہر سبھی مسافر دیہاتی قسم کے لوگ لگے ان میں کچھ بابو قسم کے آدمی بھی تھے' جو شہر اپنی نوکریوں پر جا رہے تھے۔

بس کا اگلا اسٹاپ کافی دور تھا شاید آٹھ دس میل کے بعد یہ اسٹاپ آیا بس یہاں کھڑی ہو گئی یہاں بھی مسافروں کا رش تھا ان مسافروں میں ایک وردی پوش ٹکٹ چیکر بھی تھا اس نے بلند آواز میں چلا کر بس کے ڈرائیور کو گجراتی زبان میں کہا۔

"پانڈے جی! اگلے اسٹاپ پر چیکنگ ہو رہی ہے ملٹری پولیس بھی ہے زیادہ سواریاں مت اٹھانا چالان ہو جائے گا"

میرا دل زور سے دھڑک اٹھا بس ابھی چلی نہیں تھی چل بھی رہی ہوتی تو میں ملٹری پولیس کا نام سنتے ہی اس میں سے چھلانگ لگا دیتا میں چپکے سے بس سے اتر پڑا ڈرائیور' کنڈیکٹر کو ڈانٹ رہا تھا کہ زیادہ سواریاں مت بٹھاؤ میں کان لپیٹ کر دائیں جانب سڑک سے اتر گیا اور کھیتوں میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں دل میں اس ٹکٹ چیکر کا شکریہ ادا کر رہا تھا جس نے مجھے ایک بہت بڑی آفت سے بچا لیا تھا اگر وہ ڈرائیور کو ملٹری پولیس کی چیکنگ سے بروقت

خبردار نہ کرتا تو میرا پکڑا جانا یقینی بات تھی کھیتوں میں چلتے چلتے میں دور نکل آیا اب خشک سوکھی گھاس والا اونچا نیچا میدان آگیا' جو آگے جا کر ایک ٹیلے کی شکل میں کچھ اونچا ہو رہا تھا اور دور تاڑ کے درختوں کی قطار کھڑی تھی۔

میں درختوں کے نیچے سے گزر کر میں دوسری طرف کی ہلکی ڈھلان اترنے لگا آگے ایک تالاب تھا وہاں دو عورتیں کپڑے دھو رہی تھی۔ ایک عورت باریک ساڑی پہنے تالاب میں ڈبکیاں لگا رہی تھی میں ذرا فاصلے پر سے ہو کر وہاں سے نکل گیا ویران بنجر زمین تھی۔ راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں بھی آیا میں لوگوں سے بچتا ہوا گاؤں سے بھی گزر گیا۔

کچھ دور چلا ہوں گا کہ ایک کچی سڑک ملی' جو آگے جا کر شاید احمد آباد والی بڑی سڑک سے جا کر مل جاتی تھی اچانک دور سے گرد اڑاتی ایک گاڑی چلی آرہی تھی میں ایک جھاڑی کے پاس بیٹھ گیا گاڑی قریب سے گزری تو میرے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی یہ ملٹری پولیس کی گاڑی تھی۔

جب تک وہ گاڑی دور سڑک پر مجھے نظر آتی رہی میں جھاڑی کی اوٹ میں ہی بیٹھا رہا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اٹھا اور کچی سڑک پار کر کے دوسری طرف چلنے لگا اب میری رفتار تیز تھی ملٹری پولیس یقیناً میری کھوج میں ادھر پھر رہی تھی میں چوکنا ہو گیا تھا اپنے دل سے خوف کو نکال کر اب میں سوچ رہا تھا مجھے کیا کرنا چاہیے لگتا تھا کہ یہ سارا علاقہ ملٹری پولیس کی زد میں تھا۔

ایک فیصلہ تو میں نے اسی وقت کر لیا کہ مجھے احمد آباد شہر کا رخ نہیں کرنا ہو گا واپس جانا بھی مناسب نہیں تھا میں اندھا دھند چلا جا رہا تھا کچھ دیر بعد سبزیوں کے کھیت شروع ہو گئے پھر دور درختوں کے نیچے کوارٹر نما مکانوں کی لمبی لمبی ڈھلانی چھتیں نظر آنے لگیں۔

قریب پہنچا تو دیکھا کہ یہاں ایک کوارٹر کے سامنے کانگریس کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور چند دیہاتی قسم کے سفید پوش آدمی کھیتوں میں ترکاریاں توڑ کر ٹوکریوں میں رکھ رہے تھے میں نے دوسرے کھیت کی جانب اپنا راستہ بدل لیا آخر میں کہاں تک یوں شتر بے مہار کی طرح جاتا مجھے کسی نہ کسی جگہ ایک محفوظ ٹھکانے کی ضرورت تھی میرے لئے کوئی جینی مندر ہی سب سے بہتر پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔ مگر یہاں کوئی مندر دکھائی نہیں دے رہا تھا ان ڈھلانی چھتوں والے کوارٹروں کے عقب میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کوارٹر دیکھے جن کے آگے خالی قطعوں میں پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

ایک نالے کی پلیا پر سے گزرنے لگا تو سامنے سے ایک گاندھی کیپ پہنے ایک بوڑھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے میری طرف آرہا تھا میں پلیا سے اتر کر ایک طرف رک گیا بوڑھا قریب آیا تو میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور گجراتی میں پوچھا "مہاراج! میرا نام منگل پانڈے ہے' گاؤں نانوتی کھار سے آیا ہوں یہاں کے مکھیا سے ملنا چاہتا ہوں بوڑھے نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ بناتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا "بابو یہاں مکھیا تو کوئی نہیں رہتا یہ تو گاندھی جی کا آشرم ہے ہاں اس سے آگے سات کوس پر

ایک گاؤں ہے"

تو یہ سابرمتی تھا میں نے بوڑھے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا" ٹھیک ہے مہاراج! میں آشرم کے درشن کر کے دوسرے گاؤں میں جا کر دیکھتا ہوں"

بوڑھا چلا گیا میں چھوٹا سا پلاٹ عبور کر کے آشرم کے کواٹروں کے سامنے آ گیا کانگریس کا جھنڈا ایک بہت بڑی جھونپڑی کے سامنے گول دائرے میں نصب تھا' جہاں گملوں میں گیندے کے پھول دھوپ میں مسکرا رہے تھے۔ یہ جھونپڑی ان معنوں میں تھی کہ اس کی ڈھلانی چھت گھاس پھوس کی تھی مگر دیواریں پختہ تھیں اور ان پر سفیدی ہوئی تھی آگے برآمدہ تھا برآمدے میں دو عورتیں اور دو مرد چٹائی پر بیٹھے چرخہ کات رہے تھے عورتوں نے سفید ساڑیاں اور مردوں نے کانگریسی دھوتی کرتا پہن رکھا تھا سروں پر گاندھی ٹوپیاں تھیں چونکہ میں بھی سفید دھوتی کرتے میں تھا اور ماتھے پر جینی تلک کی تین لکیریں بھی تھیں اس لئے میری طرف کسی نے مشکوک نظروں سے نہ دیکھا میں انہی میں سے ایک نوجوان لگ رہا تھا۔

ذرا پرے آم کے درختوں کے پاس کچھ کانگریسی نوجوان ہاتھوں میں بالٹیاں تھامے گلاب کی کیاریوں میں پانی دے رہے تھے ان کے پاس جا کر میں نے پرنام کیا اور گجراتی میں کہا کہ میں دھاراوائی گاؤں کے گاندھی جی آشرم کا والنٹیئر ہوں گاندھی جی کے آشرم کے درشنوں کو آیا ہوں مجھے کوئی کام بتائیں باقی کانگریسی نوجوان اپنے کام میں لگے رہے انہوں نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا صرف ایک نوجوان میری طرف متوجہ ہوا بولا۔

"بابو! گاندھی بھگت ہو کہ پوچھتے ہو کام بتاؤ آشرم میں جا کر جھاڑو دے دو۔"

میں پرنام کر کے آشرم کی طرف آ گیا آشرم وہی ہو سکتا تھا' جس کے سامنے کانگریس کا جھنڈا لہرا رہا تھا برآمدے میں عورتیں اور مرد چپ چاپ بیٹھے چرخہ کاتتے جا رہے تھے آشرم کا دروازہ کھلا تھا باہر ایک پتلی سی خوشنما جھاڑو دیوار کے ساتھ لگی تھی میں نے اسے اٹھایا اور آشرم میں داخل ہو گیا اندر سامنے ہی دیوار پر مہاتما گاندھی کی قد آدم تصویر لگی تھی نیچے گدیلے پر چاندنی بچھی تھی اور دو سفید گاؤ تکیے رکھے تھے سامنے ساگری میں لوبان اور عود سلگ رہا تھا کانسی کے ایک گلدان میں گیندے کے پھول سجے ہوئے تھے مسند پر بائیں جانب ایک چرخہ پڑا تھا غالباً یہی وہ چرخہ تھا' جس پر گاندھی جی سوت کاتا کرتے تھے میں لکڑی کے چمکیلے فرش پر یونہی ادھر ادھر جھاڑو چلانے لگا فرش پہلے ہی سے بہت صاف ستھرا تھا جھاڑو دینے کے بعد میں نے اسے برآمدے میں اپنی جگہ پر رکھ دیا اور برآمدے میں ایک طرف ہو کر جینی جوگیوں کی طرح چار زانو ہو کر بیٹھ گیا گویا میں گیان دھیان میں محو ہو گیا تھا لیکن میری ہوشیار اور تیز نظریں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اتنے میں گاندھی بھگتوں کی ایک کھدر پوش ٹولی ڈھولک اور کھڑتالیں لے کر وہاں پہنچ گئی ان

میں عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں آشرم میں جا کر انہوں نے گاندھی جی کا من پسند بھجن گانا شروع کر دیا یہ بھجن میں نے آل انڈیا ریڈیو سے کئی بار سنا تھا برآمدے میں جو مرد اور عورتیں سوت کات رہی تھیں ' وہ بھی اندر چلی گئیں ' دوسرے کوارٹروں سے بھی کچھ کانگریسی کھدر پوش بھجن کی آواز سن کر وہاں آ گئے ان کے ساتھ میں بھی اندر جا کر بھجن گانے والی منڈلی میں شامل ہو گیا میں بھی ہاتھ باندھ اور سر ہلا ہلا کر سب کے ساتھ بھجن گانے لگا کسی نے میری طرف دھیان نہیں دیا تھا عورتیں ' مرد ایک دوسرے کے ساتھ لگے اکٹھے ہی بیٹھے تھے میں بھجن کے الفاظ دہراتے ہوئے دوسرے لوگوں کی طرح دائیں بائیں ہل رہا تھا میری دائیں جانب ایک سفید ساڑی والی لڑکی بیٹھی تھی۔

میں نے بھجن گاتے گاتے کن انکھیوں سے لڑکی کا جائزہ لیا۔ یہ ایک دبلی پتلی لڑکی تھی بالوں کی مانگ درمیان سے نکلی ہوئی تھی ساڑی کے پلو سے آدھا سر ڈھکا ہوا تھا پلو کے اندر گردن پر جوڑے میں لگے رتنا گری کے سفید پھول نظر آرہے تھے ناک ستواں تھی رنگ زردی مائل سانولا تھا کانوں میں نیلے بندے پہنے ہوئے تھے ۔۔۔۔ اور ہونٹوں پہ کوئی لپ اسٹک نہیں لگی تھی وہ ہاتھ جوڑے بڑی عقیدت سے اپنی باریک آواز میں بھجن کے الفاظ دہرا رہی تھی شکل صورت سے صاف عیاں تھا کہ یہ گجراتی لڑکی ہے میں نے اس کی طرف سے دھیان ہٹا لیا۔

بھجن ختم ہوا تو ایک موٹی عورت ساڑی کا پلو سنبھالتی بھگتوں میں شرادھ تقسیم کرنے لگی یہ سفید میٹھے مکھانے تھے ساتھ میں گلاب کے سرخ پھولوں کی پتیاں بھی شامل تھیں میں نے بھی جھولی میں اپنے حصے کا شرادھ لے لیا میرے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کو موٹی عورت نے شرادھ کے مکھانے دیتے ہوئے کہا۔

" اری شوبھا! تجھے تو بخار تھا اب کیسی ہو ؟"

لڑکی نے ذرا سا مسکرا کر کہا " اب اچھی ہوں موسی!"

موٹی عوت اس کے ہاتھوں میں شرادھ کے مکھانے ڈالنے لگی تو دو چار مکھانے گر پڑے میں نے مکھانے اٹھا کر لڑکی کے ہاتھ میں رکھے تو اس نے پہلی بار میری طرف دیکھا اور بولی " دھنواد ۔۔۔۔ شریمان جی!"

میں نے پرنام کر دیا۔

بھجن منڈلی سے لوگ اٹھ کر باہر جانے لگے میں بھی آشرم سے نکل کر باہر برآمدے میں آکر ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا میں نے دبلی پتلی لڑکی شوبھا کو دیکھا کہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ آشرم کے کوارٹروں کے بیچ میں جو راستہ جاتا تھا ' اس طرف چلی جا رہی تھی۔

وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو میں ایک بار پھر اپنے خیالات میں ڈوب گیا میرا احمد آباد پہنچنا بہت ضروری تھا وہاں سے مجھے سدھار نگی ڈاکو کی طرف کوچ کرنا تھا تاکہ نورین کو بحفاظت اپنے ساتھ لا کر

اسے احمد آباد والے اپنے ایجنٹ کے حوالے کر کے کم از کم ایک فرض سے تو سبکدوش ہو جاؤں۔ ایک بات کا مجھے شدت سے احساس تھا کہ اس سارے علاقے میں ملٹری اور سویلین پولیس کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں اور میری تلاش میں ہیں اور میں یونہی منہ اٹھا کر احمد آباد کی طرف روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔

سابرمتی کے آشرم میں مجھے ایک طرح سے ٹھکانہ مل گیا تھا یہاں دن کو دال چپاتی کھانے کو مل جاتی اور رات کو باہر سے آئے ہوئے گاندھی بھگت اور کانگرسی مہمان ایک لمبے ورانڈے میں چٹائیوں پر کمبل اوڑھ کر سو جاتے مجھے آشرم میں آئے چار روز ہو گئے تھے کہ ایک روز دن کے دس بجے کے قریب وہاں کچھ شور سا مچ گیا میں چھوٹی باغیچی میں کچھ کانگرسی ورکروں کے پاس بیٹھا گیتا کا پاٹھ سن رہا تھا کہ سابرمتی کے قصبے والے کوارٹروں کی طرف سے ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا وہ گھبرایا ہوا تھا اس نے آتے ہی اپنے چاچا سے کہا "بابو جی! شوبھا کے پتا کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے یہ شوبھا وہی دبلی پتلی لڑکی تھی، جو بھجن منڈلی میں اس روز میرے پاس بیٹھی تھی ورکروں میں افراتفری سی مچ گئی کسی نے کہا اسے اسپتال لے چلو، کسی نے کہا کسی ماندری کو بلاؤ کوئی آشرم کی ڈسپنسری کی طرف دوڑا میں نے آگے بڑھ کر لڑکے سے کہا "مجھے شوبھا کے گھر لے چلو۔"

وہ میرے آگے آگے دوڑنے لگا میں بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا قصبے کی طرف چلا سابرمتی کا قصبہ محض سابرمتی کے گاندھی آشرم کی وجہ سے آباد ہو گیا تھا یہ اتنا بڑا قصبہ نہیں تھا لیکن وہاں جتنے بھی مکان تھے، وہ سب کے سب جدید وضع کے بنے ہوئے تھے ہر کوارٹر کے آگے باغیچہ تھا جس میں کیلے اور شریفے کے درخت بھی اگے ہوئے تھے۔

شوبھا کے گھر کے باہر بھی لوگ پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے میری جیب میں سدھار تنگی کے سانپ بیٹے کا منکا موجود تھا میں کوارٹر کے باغیچے میں سے گزر کر برآمدے میں آیا تو شوبھا کو گھبرائی ہوئی حالت میں دیکھا کہ ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔

شوبھا کا ادھیڑ عمر باپ کمرے میں پلنگ پر اس حال میں پڑا تھا کہ عورتوں اور رشتے داروں نے اسے گھیر رکھا تھا اور ایک وید اس کی ٹانگ پر رسی باندھ رہا تھا معلوم ہوا کہ سانپ نے اس کی ران پر ڈسا تھا ران سے لے کر پنڈلی تک تین جگہوں پر پہلے ہی سے رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔

شوبھا کے باپ پر غنودگی طاری تھی اور وید کوئی بھی نہیں کہہ رہا تھا کہ اسے سونے نہ دے جو کہ بہت ضروری بات ہوتی ہے مجھے آتے دیکھ کر وید اور عورتوں نے تعجب سے دیکھا میں نے کہا میں بابو جی کا علاج کروں گا میرے پاس سانپ کے زہر کا توڑ ہے۔"

سب ذرا پرے پرے ہٹ گئے میں نے دیکھا شوبھا کے باپ کی ٹانگ کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا میں

نے جیب سے سیاہ منکا نکال کر ران پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں منکے کو آہستہ سے رکھ دیا ہر
آنکھیں کھولے اس منکے کو تک رہا تھا منکے نے سانپ کے زہر کو چوسنا شروع کر دیا تھا وہ آہستہ آہستہ
پھولنے لگا اسے پھولتا دیکھ کر ہر ایک کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی دید نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا
بولا۔

ان منکوں سے کچھ نہیں ہوتا بائی جی یہ تو مانداریوں کے ڈھکوسلے ہوتے ہیں۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا میری آنکھیں سدھار تگی کے منکے پر لگی تھی وہ برابر پھولتا جا رہا تھا
جب وہ پھول کر بڑے آلوچے جتنا ہو گیا تو اپنے آپ سانپ کے کاٹے کے زخم سے نیچے گر پڑا میں نے
اسے اٹھایا اور اسے دبا کر اس کے اندر بھرا ہوا سانپ کا زہر فرش پر جھاڑ دیا۔

اب شوبھا بھی وہاں آگئی تھی اور عجیب احسان مند نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی جسم سے
زہر باہر نکل گیا تو شوبھا کے باپ نے آنکھیں کھول دیں اسی وقت میں نے گرم دودھ لانے کو کہا۔

شوبھا جلدی سے گرم دودھ سے بھرا ہوا پیالہ لے آئی وہ خود اپنے باپ کو سہارا دے کر گرم
دودھ پلانے لگی پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر شوبھا کا باپ اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے اس کی ٹانگ کی رسیاں
پہلے ہی کھلوا دی تھیں اب ران کی نیلاہٹ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔

ہر کوئی میرے گن گانے لگا عورتوں نے تو مجھے مہاتما یوگی کہنا شروع کر دیا میں نے یہی کہا کہ یہ
میرے گرو جی کا دیا ہوا منکا ہے' جو ہمالیہ کی ایک گپھا میں رہتے ہیں۔

شوبھا کا باپ تو میری تعریف کرتے نہیں تھک رہا تھا معلوم ہوا کہ شوبھا کی ماتا فوت ہو چکی ہے
اس کی ایک چھوٹی بہن اور چھوٹا بھائی ہی تھا میں اجازت لے کر جانے لگا تو شوبھا کے باپ نے کہا" شوبھا
بیٹی! پانڈے جی کو بھوجن کھلائے بغیر مت جانے دینا" میں نے بہت انکار کیا مگر شوبھا مجھے کچن میں لے
گئی جہاں اس نے فرش پر چٹائی بچھا کر میرے سامنے بھوجن پروس دیا کانسی کی تھالی میں تین کانسی ہی کی
پیالیوں رکھی تھیں ایک میں آلو کی بھجیا دوسری میں بینگن کا بھرتا اور تیسری میں دہی تھا۔ ساتھ چاول
اور تین پھلکے اور پانی بھی رکھا تھا میں کھانا کھانے لگا۔

شوبھا مجھ سے باتیں کرنے لگی اس نے میرے بارے میں مزید پوچھا کہ میں آشرم میں کب
تک ٹھہروں گا اور پیچھے کیا کیا کرتا تھا بھلا میں اسے کب بتانے والا تھا لڑکی ویسے مجھے پسند تھی میں جھوٹ
نہیں بولوں گا لیکن معاملہ اتنا ہی تھا کہ جیسے کوئی مفرور قیدی جیل توڑ کر بھاگے اور تھوڑی دیر کے لئے
کسی محفوظ جگہ پر پہنچ کر دم لینے کو رکے اور وہاں کھلے ہوئے موتیے کے کسی پھول کو سونگھ کر خوش ہو
جائے اور پھر آگے بھاگنا شروع کر دے۔

میں نے شوبھا کو بس اتنا ہی بتایا کہ میں بڑودہ کا ہوں اور بی۔ اے کرنے کے بعد گاندھی بھگت
بن گیا اور اب آشرم کی یاترا کے لئے آیا ہوں شوبھا ایف۔ اے کرنے کے بعد گھر میں بیٹھی تھی ا

اگلے برس اسکا بیاہ ہونے والا تھا۔

میں کھانا کھانے کے بعد اٹھا تو شوبھا دروازے تک آئی اور بولی " پانڈے جی! پھر بھی ضرور پدھاریئے گا آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے، آپ میرے لئے دیوتا سمان ہیں، آپ نے میرے پتا جی کو نیا جیون دیا ہے "

میں واپس آشرم میں آیا میرے منکے کے چرچے جگہ جگہ ہو رہے تھے ہر کوئی مجھ سے منکا دیکھنے کی فرمائش کرنے لگا میں نے سب کو منکا دکھایا سب ہی میرے گرویدہ ہو گئے تھے اب میرے لئے وہاں سے چلے جانا ضروری ہو گیا تھا کیونکہ میں لوگوں کی نظروں میں آچکا تھا میں نے شام کا اندھیرا ہوتے ہی آشرم سے چلے جانے کا پروگرام بنا لیا لیکن قدرت ایک اور ہی پروگرام پہلے سے ترتیب دے چکی تھی۔

دوپہر کے بعد میں آشرم سے نکل کر کونے والے کوارٹر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک ورکر نے جس کا نام ساٹھے تھا مجھے پرنام کیا اور کہا " یوگی مہاراج ہمیں بھی کہیں سے سانپ کا منکا لادیں "
میں مسکرا کر آگے چل دیا میرا ارادہ شوبھا کے گھر جا کر اپنی جانب سے اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی آخری بار چائے پینے کا تھا ابھی میں شوبھا کے گھر کی طرف جاتی پگڈنڈی پر قدم ہی رکھا ہو گا کہ پیچھے سے جیپ کی آواز آئی میں نے گھوم کر دیکھا تو میرا دل زور سے دھڑک اٹھا یہ ایک فوجی جیپ تھی اس میں سے تین فوجی باہر نکلے میں تیز تیز قدموں سے شوبھا کے گھر کی طرف چلنے لگا شوبھا کے کوارٹر والی گلی میں داخل ہوتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک فوجی دور کھڑا کانگریسی ورکر ساٹھے سے بات کر رہا تھا وہ اسے کوئی اخبار دکھا رہا تھا شاید اخبار میں میری فوٹو چھپی ہوئی تھی۔
میں بھاگ نہیں سکتا تھا بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا میں جلدی سے ایک کوارٹر کی دیوار کے پیچھے ہو گیا اور سر تھوڑا سا باہر نکال کر آشرم کی طرف دیکھا بدبخت کانگریسی ورکر قصبے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ فوجی نے اپنے جوانوں کو پکارا اور وہ سب جیپ لے کر قصبے کی طرف بڑھے۔

میرے پاس کوئی وقت نہیں تھا ایک طرح سے میں گرفتار ہو چکا تھا بھاگتا ہوں تو پیچھے سے آتی ہوئی ایک گولی مجھے ہمیشہ کی نیند سلانے کے لئے کافی تھی آخر میں نے فیصلہ کیا کہ جارحیت کے ساتھ مقابلہ اور پھر یا تو فتح یا آبرومندانہ موت ۔۔۔!

میں لپک کر شوبھا کے گھر میں داخل ہو گیا شوبھا اپنے باپ کے لئے ٹرے میں چائے کی پیالی رکھے لے جا رہی تھی مجھے دیکھ کر خوش ہو کر بولی۔
"پانڈے جی! آپ پدھاریئے"

میں اپنے جذباتی ہیجان کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرایا اور بولا "بس چائے پینے آگیا ہوں شوبھا دیوی!"

لیکن میں بار بار باہر والے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا میری گھبراہٹ کا شوبھا کو بھی کچھ احساس ہو گیا تھا وہ کچھ بوکھلا سی گئی تھی اور پھر بولی۔

"اندر آجائیں پتاجی اندر ہی ہیں میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔"

اتنے میں فوجی جیپ ایک دم گلی میں داخل ہوئی اور شوبھا کے کوارٹر کے گیٹ کے آگے آکر رک گئی اگلی سیٹ پر وہی کانگریسی ورکرساتھ بیٹھا تھا فوجی چھلانگیں لگا کر باہر کودے تو میں نے کوارٹر کی راہداری کا دروازہ بند کر دیا اب شوبھا گھبرا گئی میں نے اسے کہا "اندر چلی جاؤ۔"

میرا لہجہ انتہائی غصیلا تھا شوبھا ششدر تھی گھبرا کر اندر کو بھاگی اتنے میں فوجی بوٹوں کی دھم دھم کرتی آوازیں دروازے کی طرف بڑھیں میں نے دروازے کی کنڈی اندر سے کھول دی اور خود دروازے کے پٹ کے ساتھ لگ کر دم سادھے کھڑا ہو گیا۔

شوبھا اپنے پتا جی کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے سہمی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی میں اب منگل پانڈے نہیں تھا بلکہ ایک سرفروش کمانڈو تھا جس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن جو ایک بھوکے آدم خور شیر کی طرح دشمن پر جھپٹنے کو بے تاب تھا۔

انڈین فوجی جوان نے دروازے پر زور سے لات ماری دروازے کا دوسرا پٹ دھڑاک سے کھل گیا وہ اسٹین گن تانے اندر داخل ہوا ہی تھا کہ میں نے پوری طاقت سے اپنے پاؤں کا ٹھڈا اتنی عجلت میں اس کی ناف کے نیچے مارا کہ وہ آواز نکالے بغیر منہ کے بل راہداری میں گر پڑا میں نے لپک کر اس کی اسٹین گن قبضے میں کر لی بھارتی فوجی فرش پر صفر کا ہندسہ بناتے ہوئے دہرا پڑا تھا وہ بے ہوش ہو چکا تھا اگر اس کی چیخ نکلتی تو باہر والے فوجی فوراً اس کی مدد کو آجاتے مگر یہ سب کچھ۔۔۔خاموشی اور شاید دو سیکنڈ کے اندر ہو گیا باہر والے تینوں فوجی کوارٹر کے دروازے کے سامنے اسٹین گنوں کا رخ مکان کی طرف کئے چاق و چوبند کھڑے تھے تیسرے سیکنڈ میں میں نے ایک دم سے دروازے میں آکر باہر انڈین فوجیوں پر فائرنگ کھول دی۔

اگرچہ وہ پوری طرح ہوشیار تھے مگر انہیں اس اچانک حملے کی ہرگز توقع نہیں تھی گولیوں کی بوچھار سیدھی ان پر جا کر پڑی فاصلہ زیادہ نہیں تھا تینوں فوجی وہیں ڈھیر ہو گئے آس پاس کے کوارٹروں میں شور سا اٹھا لوگوں نے کھڑکیاں دھڑاک دھڑاک بند کر دیں۔

میں دو تین چھلانگیں لگا کر جیپ میں گھس گیا اور اسے اسٹارٹ کر کے اتنی زور سے پیچھے گھمایا کہ ٹائروں کی چیخیں نکل گئی۔ اسٹین گن میں نے ساتھ والی سیٹ پر پھینک دی تھی اور جیپ کو ایک مشاق ڈرائیور کی طرح تیز رفتاری سے چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں سے اچھالتا کچی سڑک کی طرف بڑھا آشرم کے سامنے سے زناٹے کے ساتھ گزرا تو برآمدے میں کچھ گاندھی بھگت منہ کھولے کھڑے قصبہ سابرمتی کے مکانوں کی طرف دیکھ رہے تھے کیونکہ فائرنگ کی آواز ادھر ہی سے آئی تھی

انہوں نے مجھے جیپ بھگا کر لے جاتے دیکھا تو آنکھیں پھاڑے دیکھتے ہی رہ گئے۔

مگر اب مجھے ان کی پروا نہیں تھی مجھے اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل جانے کی فکر تھی یہ تلخ حقیقت بھی میرے پیش نظر تھی کہ میں فوجی جیپ میں زیادہ دور تک نہیں جا سکوں گا ایک کانگریسی کھدر پوش کو فوجی جیپ چلاتے دیکھ کر راستے میں کوئی بھی ملٹری پولیس کی جیپ میرے پیچھے لگ سکتی تھی اور وہ وائرلیس پر آگے چیک پوسٹ کو خبردار بھی کر سکتی تھی۔

یہ بڑی غنیمت ہوئی تھی کہ میں نے چاروں فوجیوں کو ڈھیر کر دیا تھا اگر ان میں سے ایک بھی زندہ رہتا تو وہ میرے فرار کی اطلاع آگے دے سکتا تھا یوں مجھے کم از کم پندرہ بیس منٹ کا وقفہ مل گیا تھا اتنے مختصر وقت میں میں زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔

میری جیپ بہت جلد احمد آباد جانے والی سڑک پر آئی ۔۔۔ پکی سڑک پر آتے ہی جیپ کی رفتار میں نے تیز کر دی چند کوس تک سڑک بالکل سیدھی چلی گئی سامنے سے آتے مجھے کچھ ٹرک اور ایک دو سرکاری بسیں ملیں فوجی گاڑی ابھی تک کوئی نہیں ملی تھی سڑک آگے جا کر بائیں جانب گھوم گئی یہاں سڑک کے دونوں جانب درخت تھے دائیں بائیں دور کہیں کہیں کارخانوں کی لمبی چمنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ میں احمد آباد شہر کے مضافات میں پہنچ گیا تھا۔

اب میرے لئے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ تھا مجھے فوجی جیپ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا کیونکہ یہ مجھے آگے کسی جگہ بھی پکڑوا سکتی تھی میں نے جیپ کو کچے پر اتار دیا یہاں سے ایک راستہ درختوں میں سے ہوتا دائیں جانب دور کسی کارخانے کی طرف جاتا تھا جیپ کی رفتار آہستہ ہو گئی تھی۔ ادھر ادھر کھیتوں کی بجائے سوکھی گھاس کا ویران میدان تھا جہاں گڑھے اور کھڈے تھے میں جیپ کو ایک گڑھے کے کنارے پر لے آیا میں جلدی سے جیپ سے اترا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر اسے زور لگا کر گڑھے میں دھکیل دیا جیپ نے ایک قلابازی کھائی اور گڑھے میں گرتے ہی الٹ گئی اس کے پہیے ابھی تک گھوم رہے تھے۔۔

میں تھوڑا سا جھک کر کارخانے کی چمنی کی طرف بھاگنے لگا کچھ دور جھکے جھکے بھاگنے کے بعد میں ایک نالے کی منڈیر پر سے اتر کر سیدھا ہو گیا میری دونوں جانب نالے کی اوپر کو اٹھتی ہوئی دیواریں تھیں اس نالے کے عین وسط میں کارخانے کے کیمیائی پانی کی چھوٹی سی نالی بہہ رہی تھی ۔۔

میں نے اب پوری رفتار سے بھاگنا شروع کر دیا نالہ بائیں طرف کو گھوما تو سامنے کارخانے کی دیوار آ گئی جس کے اندر لگے ایک سیمنٹ کی کشادہ پائپ میں سے گندا پانی نالے میں گر رہا تھا۔

اب میں نے دوڑنا بند کر دیا اور ایک طرف پاؤں کے بل بیٹھ کر اپنے سانس کو درست کرنے لگا دو تین منٹ تک میں وہیں دبکا بیٹھا رہا جب میرا سانس نارمل ہوا تو چڑھائی چڑھ کر نالے سے باہر نکل آیا سامنے نگاہ ڈالی تو ایک چھوٹی سی گراؤنڈ کے پار کوارٹروں کی دو قطاریں چلی گئی تھیں بائیں طرف کچھ

فاصلے پر کارخانے کا بڑا گیٹ تھا جس کے باہر دو ٹرک ایک جانب کھڑے تھے مزدور ان میں بڑی بڑی گانٹھیں لاد رہے تھے۔

میں کوارٹروں کے درمیان سے گزرنے لگا میرے کھدر کے کانگریسی لباس سے کسی کو ہرگز شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ میں مفرور غیر ملکی جاسوس ہوں لیکن سابرمتی آشرم والے میرے حلیے سے خوب واقف تھے شوبھا اور اس کا پتاجی بھی ملٹری پولیس کو میرا حلیہ بتا سکتے تھے اس پس منظر میں میرا حلیہ میرا دشمن تھا اس کے باوجود ابھی تھوڑا سا وقت میرے پاس باقی تھا ابھی ملٹری پولیس والے سابرمتی آشرم نہیں پہنچے ہوں گے مگر اس بات کا امکان بھی تھا کہ آشرم والے اور قصبے کے لوگوں نے اپنے فوجیوں کو ہلاکت کے بارے میں پولیس کو فون پر اطلاع کر دی ہو اور شہری پولیس بھی میری تلاش میں نکل کھڑی ہو سویلین پولیس نے ملٹری پولیس کو خبر کر دی ہو اور یوں بھارتی فوجی پولیس کی گاڑیاں چند ثانیوں میں گردش میں آنے والی ہوں۔

میرا ٹارگٹ اب احمد آباد کے مضافات میں پرانے تالاب کے کنارے والا اپنے ایجنٹ کا کوارٹر تھا' جہاں میں کسی نہ کسی طرح پہنچنا چاہتا تھا احمد آباد میرا دیکھا بھالا شہر تھا اور میں اپنے ایجنٹ کے کوارٹر کو جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا دور احمد آباد شہر کے باہر کی بلند عمارتیں مجھے دوپہر کی دھوپ میں صاف نظر آنے لگی تھیں۔

مجھے ایک ٹرک کارخانے کے دروازے سے نکل کر اپنی طرف آتا نظر آیا میں کوارٹروں کی درمیان والی گلی سے اب باہر چھوٹی کچی سڑک پر آگیا تھا ٹرک قریب آیا تو میں نے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا ٹرک ڈرائیور نے ایک کھدر پوش گاندھی بھگت کو دیکھ کر ٹرک کھڑا کر دیا اور گجراتی میں کہا۔

"مہاشہ جی' میں رانی واڑہ جا رہا ہوں۔"

رانی واڑہ ایک صنعتی قصبہ تھا' جو احمد آباد کے جنوب مشرق کی جانب اس علاقے میں واقع تھا' جہاں سے میرے ایجنٹ کا کوارٹر زیادہ دور نہیں تھا میں نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے بڑی میٹھی اور لجاجت بھری زبان میں کہا "مہاراج! مجھے بھی رانی واڑہ ہی جانا ہے۔"

ڈرائیور نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "پیچھے چڑھ کر ٹرک میں بیٹھ جائیں۔"

میں ٹرک کے پیچھے بڑی بڑی گانٹھوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا ٹرک چل پڑا یہ بڑی خوش آئند بات تھی کہ ٹرک کا رخ احمد آباد والی شاہراہ کی جانب نہیں تھا وہاں میرے لئے بے پناہ خطرات تھے میں سمجھتا ہوں کہ قدرت کی طرف سے ہو رہا تھا۔

ٹرک بائیں جانب ایک کچے راستے پر پڑ گیا یہ ٹرک کارخانے سے مال لاد کر رانی واڑہ کی طرف جا رہا تھا اس طرف میرے لئے خطرہ کم تھا پھر بھی میں پوری طرح چوکس ہو کر بیٹھا تھا اور باہر نگاہ رکھے

ہوئے تھا کہ پیچھے سے کوئی فوجی یا پولیس کی جیپ تو میرے تعاقب میں نہیں آ رہی۔

ٹرک کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ سڑک خراب تھی ٹرک کو رانی واڑہ کے صنعتی قصبے میں پہنچنے میں بیس پچیس منٹ لگ گئے اس وقت تک ظاہر ہے پولیس اور فوج کے سپاہی میری تلاش میں آس پاس کے علاقے میں پھیل چکے تھے رانی واڑہ ایک بڑا قصبہ تھا اور یہاں سے شہر چونکہ زیادہ دور نہیں تھا' اس لئے اس قصبے میں شہر کی ساری علامتیں موجود تھیں یہاں ٹیلی فون کے کھمبے بھی نظر آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں کی پولیس چوکی کو بھی میرے بارے میں خبردار کر دیا گیا ہو گا ٹرک کے رکتے ہی میں فوراً باہر کودا اور ٹرک ڈرائیور کا شکریہ ادا کئے بغیر میں نے اپنے ایجنٹ کے کوارٹر کی طرف تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔

میں آبادی سے دور رہ کر چل رہا تھا آخر مجھے اس پرانے تالاب کی گھاٹ پر بنی ہوئی بارہ دری نظر آئی جس کے قریب ہی ہمارے ایجنٹ دادا بھائی کا چھوٹا سا گیراج اور کوارٹر تھا دن کا وقت تھا اس وقت ایجنٹ کے گیراج میں دوسرے لوگ بھی موجود ہو سکتے تھے اور میں چاہتا تھا کہ ان کی نظریں بچا کر اپنے ایجنٹ سے ملاقات کروں۔

اپنے ایجنٹ کا کوارٹر اب بالکل سامنے تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں محفوظ حالت میں وہاں تک پہنچ گیا ہوں میں نے پیپل کے ایک درخت کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنے ایجنٹ کے کوارٹر والے گیراج کو دیکھا مجھے اپنا ایجنٹ دکھائی نہ دیا باہر ایک پرانی موٹر کے پاس ایک لڑکا بیٹھا کار کے دروازے کو زمین پر رکھے ریتی سے رگڑ رہا تھا۔

میں وہاں زیادہ دیر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا تھا پیچھے سے ہو کر چلتا ہوا کوارٹر کے عقب میں آ گیا کوارٹر کے پچھلی کھڑکی کھلی تھی ۔۔۔ اور اس کی سلاخوں کے پاس اندر کی جانب ایک گول ڈبہ رکھا تھا میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا اور پھر ایک طرف جھانک کر اندر دیکھا مجھے اپنے ایجنٹ کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ وہ دیوار کی الماری کا پٹ کھولے اس میں سے کچھ نکال رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے اپنے کوڈ کا خفیہ جملہ دہرایا اپنے ایجنٹ کو جیسے ایک جھٹکا سا لگا اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا اس آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ یہ چمک میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اس نے مجھے کانگریسی لباس میں بھی پہچان لیا تھا۔

وہ سلاخوں کے پاس آ کر آہستہ سے بولا "کھڑکی کے نیچے بیٹھے رہو یہاں سے ہلنا مت۔"

وہ کھڑکی بند کر کے چلا گیا میں کھڑکی کے نیچے دیوار کے ساتھ لگ کر اکڑوں بیٹھ گیا مجھے اپنے ایجنٹ کی آواز سنائی دی وہ اپنے ملازم لڑکے کو کسی کام سے بھیج رہا تھا میں چپ گم صم بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہاں اپنے ایجنٹ کے پاس کوئی زیادہ محفوظ نہیں رہوں گا پولیس اور فوج کے جوان یہاں بھی میری کھوج میں آ سکتے ہیں اور یوں میں اپنے ایجنٹ کے لئے بھی مشکل پیدا کر سکتا ہوں۔

اتنے میں میرے اوپر کھڑکی کے پٹ کھلنے کی آواز آئی پھر میرے اوپر ایک گیروے رنگ کی چادر گری ایجنٹ نے آہستہ سے کہا اسے اچھی طرح سے اوڑھ کر کوارٹر میں آجاؤ۔"

شاید یہ اس لئے تھا کہ کوئی مجھے میرے کانگریسی لباس میں کوارٹر میں داخل ہوتے نہ دیکھے میں نے اپنے جسم پر چادر لپیٹی اور دیوار کے ساتھ چلتا ہوا گیراج کے سامنے سے نکل کر کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ جونہی میں کوارٹر کے کمرے میں داخل ہوا ایجنٹ دادا بھائی نے دروازہ اندر سے بند کر کے کنڈی لگادی اور بولا۔" وہ لوگ کہاں ہیں۔"

اس کا مطلب پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی اور اس کی بیٹی نورین سے تھا جن کو فرار کروا کر مجھے اپنے اس ایجنٹ کے پاس لانا تھا میں نے مختصر الفاظ میں مگر تمام اہم جزئیات کے ساتھ جب اسے اپنی پوری کہانی سنائی تو وہ ایک دم سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔ وہ دروازہ بند کر گیا تھا میں لکڑی کے تخت پر ہی بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا تھا۔ اس تھیلے میں موٹر کے انجن مرمت کرنے کے چند ایک اوزار اور پرانے چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔

مجھ سے کوئی بات کئے بغیر کونے والی الماری کھول کر اس نے ایک پرانی پتلون اور قمیص نکال کر میری طرف پھینکی اور بولا " اسے فوراً پہن لو۔"

میں کپڑے بدلنے لگا اس نے میرے ماتھے پر سے تلک کی تینوں لکیریں مٹادیں اور کونے میں پڑے ایک ڈبے میں سے تھوڑی سی کالک ہتھیلی پر رکھی اور میرے چہرے، گردن اور ہاتھوں پر جگہ جگہ مل دی اب میں گاندھی بھگت کانگریسی ورکر کی بجائے ایک موٹر مکینک بن چکا تھا یہ سارا کام دو چار منٹ میں ہو گیا تھا اس نے میرے کپڑوں کو ایک لفافے میں ڈالا اور بولا " تم یہیں ٹھہرو، میں انہیں باہر آگ لگا کر آتا ہوں۔"

میرا حلیہ واقعی ایک موٹر مکینک کا بن گیا تھا میرے پاؤں میں اب چپل کی جگہ اپنے ایجنٹ کے پرانے بوٹ تھے سدھار نگنی کا منکا میں اپنی جیب رکھنا نہیں بھولا تھا۔

وہ اندر آیا اور بولا " اوزاروں کے تھیلے کو کاندھے سے لٹکالو اور یہاں سے نکل کر کوارٹر کے پیچھے' جو املی کا پیڑ ہے وہاں میرا انتظار کرو۔"

میں نے ایسا ہی کیا اور کوارٹر کے عقب میں املی کے ایک گنجان درخت کے نیچے آکر بیٹھ گیا مجھے یہاں سے کوارٹر کا صحن نظر نہیں آرہا تھا صحن سے نکلتے وقت میں نے کونے میں پانی کے پمپ کے پاس ایک طرف ٹین کے ڈبے میں سے دھواں نکلتے دیکھا تھا یہ میرے کانگریسی کپڑے جل رہے تھے۔

مجھے دور سے سائیکل پر ایک نوعمر لڑکا کوارٹر کی طرف آتا نظر آیا یہ اپنے ایجنٹ کا وہی کاریگر لڑکا تھا' جس کو اس نے کسی کام سے بھیجا تھا میں اس رخ پر بیٹھا تھا کہ لڑکے کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی چند

لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ کوارٹر کے آگے سے ایجنٹ داوا بھائی سائیکل تھامے میری طرف آیا۔

اس نے مجھے سائیکل کے آگے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مجھے سائیکل پر بٹھا کر اس نے سائیکل شہر جانے والی سڑک پر ڈال دی اس سڑک پر کہیں کہیں کھوکھوں کی دکانیں بنی تھی سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی میں نے آہستہ سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اس نے گہری آواز میں کہا "پھر یہ سوال مت کرنا!"

میں چپکا رہا وہ سائیکل زیادہ تیز نہیں چلا رہا تھا اس کا انداز بالکل نارمل تھا جیسے وہ مجھے ساتھ لے کر کسی کے گیراج میں پڑی خراب موٹر کی مرمت کرنے جا رہا ہو اوزاروں کے تھیلے کو میں نے آگے ہینڈل پر ڈال لیا تھا وہ مجھے شہر کے ایک علاقے سے گزار کر احمد آباد شہر کی گنجان آبادی میں لے آیا یہاں بازار تنگ تھے آمنے سامنے دکانیں تھیں سامان سے بھری ہوئی دکانوں پر خرید فروخت ہو رہی تھی زیادہ تر کپڑوں کی دکانیں تھیں کہیں کہیں جوتوں کے اسٹور بھی تھے اب ہم سائیکل سے اتر کر چل رہے تھے لوگ آجا رہے تھے میں اس گنجان آبادی میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا ہم آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے مجھے اب اس بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ کسی خاص جگہ پر مجھے کچھ وقت کے لئے چھپانا چاہتا ہے۔

دوپہر ڈھل چکی تھی دکانوں کے اندر کہیں کہیں بلب روشن ہو گئے تھے ہم موڑ گھوم کر ایک بازار میں داخل ہوئے تو مجھے کچھ تبدیلی کا احساس ہوا یہاں جگہ جگہ دکانوں کے اوپر اور بجلی کے کھمبوں پر بھارتی فلموں کے گجراتی اور ہندی سائن بورڈ لگے تھے پان سگریٹ کی دکانوں کے آئینے چمک رہے تھے اور ٹیپ ریکارڈروں پر کہیں کہیں سے لتا منگیشکر کے گانوں کی آواز آ رہی تھی۔

میں نے اوپر نگاہ اٹھائی تو اوپر کھڑکی میں ایک عورت بال کھولے کنگھی کر رہی تھی آگے ایک عورت کھڑکی میں جھکی نیچے گجراتی زبان میں کسی کو آواز دے رہی تھی "لڑکے کو کہو کہ قوام والے چار پان بھجوا دے۔"

ایک مکان کے چوبارے سے سارنگی کی آواز آئی تو مسئلہ حل ہو گیا یہ بازار حسن یعنی ریڈ لائٹ ایریا تھا میں واقعی اس علاقے میں پہلی بار آ رہا تھا۔

اپنا ایجنٹ ایک گلی میں گھس گیا یہاں مکانوں کے عقبی دروازے تھے جن کی سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں ہر عقبی دروازے کے آگے پتھر کا چبوترہ بنا تھا ایجنٹ نے ایک چبوترے کے پیچھے سائیکل کھڑی کر دی اور مجھے سائیکل کے پاس کھڑے رہنے کی تاکید کر کے وہ مکان کی سیڑھیاں چڑھنے لگا یہاں ایک مکان میں سے گھنگروؤں کی ہلکی جھنکار کے ساتھ کسی عورت کے گانے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

یہ مجھے کس بازار میں لے آیا ہے؟ میں نے سوچا مگر وہ ایک ذمے دار کہنہ مشق ایجنٹ تھا اس کا نیٹ ورک کہاں تک پھیلا ہوا تھا اس کا مجھے قطعی علم نہیں تھا بہر حال اس وقت مجھے کسی جائے پناہ کی

اشد ضرورت تھی کیونکہ شہر میں میری تلاش میں جگہ جگہ پولیس اور فوج کے سپاہی گھوم رہے ہوں گے۔

ایک دبلا سا خشخشی بالوں والا ادھیڑ عمر گجراتی سامنے والے کوٹھے کی عقبی سیڑھیاں اتر کر گلی میں آیا اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور پان کی سرخی ہونٹوں سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور لپک کر بولا

"بائی جی نے دھکے دے کر نکال دیا ہے کوئی بات نہیں میں تاڑی پینے جارہاہوں ابھی آکر اس کی خبرلیتا ہوں۔"

اسے ہچکی لگی تھی وہ جھومتا جھامتا گلی میں سے گزر گیا مجھے اپنے ایجنٹ کے سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی میرے پاس آکر اس نے کہا "اوپر آجاؤ۔"

میں ڈیوڑھی سے گزر کر نیم روشن سیڑھیوں کے پاس پہنچا تو ایجنٹ نے مڑ کر آہستہ سے کہا" یہ اپنی ہی عورت ہے وہ تمہیں کچھ دن یہاں چھپائے رکھے گی اس کے بعد سوچیں گے کہ تمہیں سدھار تھگی کے پاس کیسے پہنچایا جائے ؟"

ہم اوپر ایک نیم روشن چھوٹے سے کوٹھری نما کمرے میں آگئے یہاں ایک پلنگ 'ایک جالی دار الماری 'ٹرنک اور پرانے کپڑے بکھرے پڑے تھے میں نے ایک چھوٹے قد کی سانولی 'بھاری جسم والی ساڑی پوش عورت کو دیکھا جس کے بالوں میں بہت زیادہ خضاب لگا تھا اس نے گلے میں سونے کا ہار پہنا ہوا تھا کلائیوں میں بھی سونے کے موٹے کڑے تھے وہ پلنگ پر پاؤں نیچے کئے بیٹھی تھی لگتا تھا کہ وہ ابھی ابھی دوسرے کمرے سے یہاں آئی ہے اپنے ایجنٹ نے میری طرف دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور دروازے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگا۔

لکشمی بائی شاید نائیکہ تھی اس کی شکل ہی بتا رہی تھی دوسرے کمرے سے ہارمونیم کی آواز بلند ہوئی اور کوئی عورت تھاتھئی تھاتھئی کی گنتی کرنے لگی اس کی دبی دبی آواز آرہی تھی آواز نوجوان لڑکی کی معلوم ہوتی تھی لکشمی بائی پلنگ کی پٹی سے اٹھی اور دروازے کی طرف جاتے ہوئے گجراتی میں بولی۔

"یہاں تمہارا نام سمجھو ہوگا میں تمہارے لئے کپڑے لے کر آتی ہوں کوٹھری کے باہر غسل خانہ ہے 'تم منہ دھو کر کالک صاف کرلو۔"

وہ میرے قریب سے گزری تو مجھے چنبیلی کے عطر کی بوجھل خوشبو آئی وہ چلی گئی کوٹھری سے باہر ایک غسل خانہ تھا میں نے صابن سے اچھی طرح منہ دھویا چہرے اور گردن پر لگی کالک کو صاف کیا اور واپس کوٹھری میں آکر پلنگ پر بیٹھ گیا سوچنے لگا کہ یہ عورت ہمارے نیٹ ورک کی عورت ہی ہو سکتی ہے اس کے بارے میں صرف ہمارا ایجنٹ دادا بھائی ہی جانتا تھا یہ اس کے رابطوں کی ایک کڑی تھی '

جس کا راز اسے مجبوراً مجھ پر کھولنا پڑا تھا' ورنہ ایجنٹ کسی دوسرے ایجنٹ کو اپنے پھیلائے ہوئے جال کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتاتے۔

لکشمی بائی نے مجھے پہننے کو دھوتی کرتا اور ربر کی ایک چپل دی سر پر باندھنے کے لئے زرد رنگ کی ایک پگڑی بھی دی وہ کوئی بات کیئے بغیر چلی گئی میں نے دوسرا لباس پہن لیا پگڑی بھی گجرات کے دیہاتی لڑکوں کی طرح باندھی لکشمی بائی نے میرا پورا حلیہ بدل ڈالا تھا اب ایک نظر میں میں نہیں پہچانا جا سکتا تھا وہ مجھے اس کوٹھری سے نکال کر اس منزل کی ایک شہ نشین میں لے گئی جس کی چھت کھڑے ہونے سے میرے سر کو چھو رہی تھی۔ یہاں کونے میں ایک تخت پر دری بچھی تھی ایک پرانا گاؤ تکیہ لگا تھا دیوار پر ایک بہت ہی دھیما بلب جل رہا تھا بند شہ نشین میں آم کے اچار کی بو پھیلی تھی میرا اس جگہ دم گھٹنے لگا تھا لکشمی بائی شہ نشین کے دروازے میں کھڑی تھی آہستہ سے بولی "باہر کا غسل خانہ تم دیکھ چکے ہو' بغیر ضرورت باہر مت نکلنا' تمہیں دونوں وقت کھانا میں خود آ کر دے جایا کروں گی۔"

باہر نکل کر اس نے شہ نشین کا دروازہ بند کر دیا مجھے دروازے پر تالا لگانے کی آواز سنائی دی گویا میں شہ نشین میں بند کر دیا گیا اب میں نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ تخت کے اوپر چھت کے پاس ایک چھوٹا سا چوکور سوراخ تھا جس سے باہر کی تازہ ہوا اندر آ رہی تھی یہ سوراخ یقیناً گلی میں کھلتا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مجھے اسی قسم کی پناہ گاہ کی ضرورت تھی' اس لئے کہ باہر میرے لئے سوائے موت کے اور کچھ نہیں تھا میں نہ صرف ایک غیر ملکی جاسوس تھا بلکہ کچھ دیر پہلے میں نے انڈین فوج کے چار جوانوں کو اسٹین گن سے بھون ڈالا تھا یہ کوئی معمولی جرم نہیں تھا لیکن اس بند شہ نشین کی تین دیواریں اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں ایک دیوار جس کے ساتھ میرا تخت لگا تھا لکڑی کے بستوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔

اس دیوار کی دوسری جانب سے ہارمونیم اور ناچ کے بول ۔۔۔ کی دھیمی آواز برابر آ رہی تھی پھر یہ آواز بند ہو گئی اب کسی وقت کسی عورت یا مرد کے کسی کو لانے کی آواز آ جاتی میں گاؤ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا کچھ دیر کے بعد آم کے اچار کی بو کا میں عادی ہو گیا تھا رات کو ساتھ والے کمرے میں سے ناچ گانے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور ساتھ ہی تماش بینوں کے واہ واہ ۔۔۔ اور عاشقانہ داد کے گجراتی جملے بھی گھنگروؤں کی جھنکار اور طبلے کی تھاپ میں بلند ہو رہے تھے۔

میں نے لکڑی کی دیوار کے ایک بستے سے کان لگا دیئے پھر کوئی ایسی جھری تلاش کرنے لگا جس میں سے میں بھی ناچ گانا دیکھ سکوں جھری تو نہ ملی مگر ٹٹولنے سے لکڑی کا تختہ ایک جگہ سے کھسک گیا میں نے ذرا زور لگایا تو تختے کا چوکھٹا ایک طرف تھوڑا سا ہٹ گیا اب کیا دیکھتا ہوں کہ چاندنی بچھی ہے گاؤ تکیے لگے ہیں تماش بین بیٹھے جھوم رہے ہیں اور سولہ سنگار کیئے ایک لڑکی رقص کرتے ہوئے گانا رہا ہیں اور نرت بھاؤ کر رہی ہے نائیکہ لکشمی بائی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تماش بینوں کے

اچھالے ہوئے نوٹ اٹھا اٹھا کر پان دان میں ڈالے جا رہی ہے۔

لکڑی کی جس دیوار میں سے میں جھانک رہا تھا' وہ تھوڑے سے ہٹے ہوئے پردے کے عقب میں تھی اور میں کسی کو نظر نہیں آسکتا تھا احتیاط کے طور پر میں نے چوکھٹے کو زیادہ نہیں کھسکایا تھا اور شہ نشین کی بتی بھی بجھادی تھی رات گئے تک یہ محفل رقص و سرور جاری رہی پھر میں چوکھٹے کو بند کر کے سو گیا دوسرا دن بھی گزر گیا لکشمی بائی صبح دوپہر شام خود میرے لئے چائے اور کھانا لے کر آتی تھی وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی ہاں یا نہ صرف اشاروں میں کہتی مجھے وہاں خود ساختہ قید میں پڑے چوتھی رات تھی کوٹھے کی بیٹھک میں حسب معمول ناچ گانا ہو رہا تھا میں لکڑی کے بستے کو ایک طرف ذرا سا کھسکائے مجرے سے لطف اندوز ہو رہا تھا آج کوئی بڑی مالدار آسامی آئی ہوئی تھی یہ ایک موٹی توند والا کوئی عیاش جاگیردار پٹیل تھا اس کے خوشامدی بھی اس کے آس پاس بیٹھے بڑھ چڑھ کر داد دے رہے تھے لکشمی بائی اس موٹی توند والے گجراتی جاگیردار کی بے حد دلجوئی کر رہی تھی بار بار اسے پان لگا کہ دیتی اور دونوں ہاتھوں سے بلائیں لیتی لڑکی بھی رقص کرتے ہوئے آج کچھ زیادہ ہی نخرے کر رہی تھی اور پٹیل نوٹ پر نوٹ لٹائے جا رہا تھا نوٹوں کی گڈی اس نے اپنے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔

اتنے میں دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا جاگیردار کے ماتھے پر بل پڑ گیا لکشمی بائی نے ناپسندیدگی سے دروازے کی طرف دیکھا پھر اپنے نوکر نما غنڈے کو اشارہ کیا اس نے درواہ کھول کر بڑی دھونس سے کہا

"کون ہے بے؟ جانتے نہیں پٹیل صاحب آئے ہوئے ہیں آج عام لوگوں کے لئے گانا نہیں ہوگا۔"

دروازہ دھڑاک سے کھول کر ایک اونچا لمبا' گٹھی ہوئی گردن والا آدمی اندر آگیا اس کے ہاتھ میں تھری ناٹ تھری کی رائفل تھی سر پر کالی پگڑی اس طرح باندھ رکھی تھی کہ ایک ایک پول اس کی ٹھوڑی کو لپٹتا ہوا کانوں کے اوپر پگڑی تک چلا گیا تھا مجھے یہ شکل شناسا محسوس ہوئی گانا رک گیا لکشمی بائی نے کہا۔

"آج عام گانا بند ہے بھائی' تم کل آنا"

نوارد تھری ناٹ تھری کی رائفل اپنی گود میں رکھ کر ٹے جاگیردار پٹیل کے بالکل سامنے بیٹھ گیا اور اکھڑ لہجے میں بولا "بائی اگر پٹیل کے پاس مال ہے تو ہمارے پاس بھی مال ہے ہم بھی گانا سنیں گے۔

میں اپنی جگہ پر اچھل سا پڑا میں نے اس اجنبی کو پہچان لیا تھا یہ میری محبوبہ سدھار نگی ڈاکو کا نائب خاص بھگوا ڈاکو تھا۔ یہ یہاں کیسے آگیا؟ یہ ایک سنگدل خونی ڈاکو تھا مجھے محسوس ہوا کہ اگر لکشمی بائی یا اس کے غنڈوں نے کوئی ایسی ویسی بات کی تو ان کی خیر نہیں بھگوا ڈاکو کا ایک ہاتھ رائفل پر تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے واسکٹ کی جیب میں سے نوٹوں کی بڑی گڈی نکال کر سامنے رکھ لی تھی،

بائی گانا شروع کرو۔"

بھگوا ڈاکو کی سرخ خونی آنکھوں سے وہاں لوگ کچھ کچھ خائف ضرور ہوئے تھے مگر موٹے پٹیل کو شاید اپنے حواریوں پر کچھ زیادہ ہی مان تھا اس نے لکشمی بائی کی طرف دیکھ کر کہا "لکشمی بائی! ہم نے تمہیں روپے اس لئے دیئے تھے کہ ہم اکیلے گانا سنیں گے ہم حالی موالیوں کے ساتھ گانا سننے کے عادی نہیں ہیں۔"

بھگوا نے تھری ناٹ تھری کی رائفل سیدھی کرلی لکشمی بائی نے ہاتھ باندھ دیئے اور بولی "رانا جی مجھے معاف کردیں بائی آپ کو بھی گانا سنائے گی۔"

لڑکی تو پہلے ہی سہمی ہوئی تھی لکشمی بائی کا اشارہ پا کر اس نے رقص شروع ہی کیا تھا کہ مالدار پٹیل نے اسے روک دیا اور بھگوا ڈاکو کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "لکشمی بائی ہم لچے لفنگوں کے ساتھ گانا نہیں سنیں گے۔"

موٹے پٹیل کی موت آگئی تھی اب اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا بھگوا ڈاکو سدھار نگنی ڈاکو کا پالا تھا وہ اپنی بے عزتی برداشت کرے یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا بھگوا ڈاکو کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تھری ناٹ تھری اٹھائی اور دھائیں سے فائر کر دیا گولی سیدھی موٹے پٹیل کی چھاتی میں جا کر لگی اور دل کو چیر کر پار ہوگئی وہاں کہرام مچ گیا ایک سیکنڈ میں بساط الٹ چکی تھی بھگوا ڈاکو کھڑا ہو گیا اور باہر بھاگنے کا راستہ دیکھنے لگا میں نے لکڑی کے بستے کو ایک طرف دھکیل کر اسے آواز دی۔

"بھگوا! یہاں آجاؤ میں رگھو ہوں" بھگوا ڈاکو نے اپنی لال لال آنکھیں میری طرف اٹھائیں۔"

میں لکڑی کی دیوار کے چوکھٹے سے باہر نکل آیا پہلے تو بھگوا ڈاکو نے مجھے بالکل نہ پہچانا۔۔اور رائفل مجھ پر تان لی جب میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بھگوا! میں سدھار نگنی کا چیّ رگھو ہوں۔"

پھر اس نے مجھے پہچان لیا اور جلدی سے رائفل کاندھے پر ڈال کر میری طرف بڑھا اور بولا "ٹھاکر رگھو! یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی خفیہ راستہ ہے؟"

پٹیل کی لاش نے سفید چاندنی کو سرخ کر دیا تھا طبلے ہارمونیم الٹے پڑے تھے اور بازار کی جانب سے لوگوں کا شور بلند ہو رہا تھا مکان کے دوسرے کمروں سے بھی گھبرائی ہوئی آوازیں آرہی تھیں لکشمی بائی بار بار چلا رہی تھی "خون ہوگیا، پولیس کو بلاؤ۔۔۔ پولیس کو بلاؤ۔"

بھگوا ڈاکو نے سیڑھیوں کا دروازہ اوپر سے بند کر دیا تھا میں خود نہیں جانتا تھا کہ وہاں سے فرار ہونے کا خفیہ راستہ بھی ہے کہ نہیں بھگوا پریشان تھا وہ کبھی کھڑکی کی طرف جاتا تو کبھی میری طرف آتا۔

۔"ٹھاکر تم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی آواز آئی تو بھگوا ڈاکو نے دروازہ کھول کر اوپر سے دھائیں دھائیں فائرنگ شروع کر دی، جس کے جواب میں سیڑھیوں سے انسانی چیخ بلند ہوئی بھگوا ڈاکو نے

سیڑھیوں میں چھلانگ لگا دی اور میں لپک کر کھڑکی میں آ گیا اور چق ذرا سی اٹھا کر نیچے دیکھا چوبارے کے بازار والے دروازے کے سامنے ایک جیپ کھڑی تھی بھگوا ڈاکو فائرنگ کرتا ہوا اچھل کر جیپ میں سوار ہوا اور جیپ اسٹارٹ کر کے پیچھے کو گھمائی اور دیکھتے ہی دیکھتے سنسان بازار میں سے غائب ہو گیا۔

بھگوا ڈاکو کے فرار ہو جانے کی مجھے خوشی ہوئی اب میں تیزی سے اپنی شہ نشیں کی طرف پلٹا چنبیل کی لاش اسی طرح ایک طرف کو دہری ہو کر پڑی تھی چاندنی پر پھیلا ہوا خون چاندنی ہی میں جذب ہو گیا تھا میں بھاگ کر دیوار کے چوکھٹے میں گھس گیا شہ نشین میں آتے ہی میں نے چوکھٹے کو برابر کر دیا صرف چھوٹی سی جھری رہنے دی جس میں سے مجھے قتل گاہ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

جہاں تھوڑی دیر پہلے گھنگروؤں کی جھنکار، طبلے کی تھاپ اور مدھر سنگیت میں مجرے کی تانیں اڑ رہی تھیں اب وہاں ایک لاش پڑی درس عبرت دے رہی تھی۔

اتنے میں کھٹاک کھٹاک سیڑھیاں چڑھ کر پولیس کے چار سپاہی اوپر آ گئے لکشمی بائی اور اس کے تین ملازم بھی ساتھ تھے تھانے دار نے سپاہیوں کو اشارہ کیا سپاہیوں نے لاش کو اپنے گھیرے میں لے لیا لکشمی بائی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور نوکر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ کمرا روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا تھانے دار نے جھک کر لاش کے قریب چاندنی کے فرش کو دیکھا آدھی چاندنی خون میں ڈوبی ہوئی تھی باقی سفید تھی میں چوکھٹے کی جھری میں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا تھانے دار نے سفید جگہ پر خون آلود پاؤں کے نشان دیکھ کر کہا "بائی قاتل اس طرف گیا ہے۔"

اب مجھے اپنی غلطی بلکہ بے احتیاطی کا احساس ہوا جب میں بازار والی کھڑکی سے پلٹ کر اپنی شہ نشین والی لکڑی کی دیوار کی طرف آیا تھا تو انجانے میں میرا ایک پاؤں چنبیل کی لاش کے خون پر پڑ گیا تھا اور یہ نشان خالی سفید چاندنی پر میرے پاؤں کے نشان بناتا دیوار تک آیا تھا۔

میں نے بڑی تیزی مگر بے حد احتیاط سے چوکھٹے کی درز بند کر دی دوسری طرف سے تھانے دار کی آواز آئی۔

"اس دیوار کے پیچھے کیا ہے، بائی؟ ضرور کوئی کوٹھری ہی ہو گی کہیں یہ گلی والی دیوار تو نہیں ہے؟"

لکشمی بائی کی آواز آئی "ادھر تو کاٹھ کباڑ ہے رانا جی! قاتل تو بازار سے فرار ہوا ہے سب نے اسے دیکھا ہے۔"

تھانے دار بولا "لگتا ہے ادھر کوئی اس کا ساتھی چھپا ہوا ہے یہ پاؤں کے خونیں نشان یہاں تک آئے ہیں۔"

اس نے شاید اپنے ہاتھ میں پکڑے بید سے دیوار پر ٹھک ٹھک کی میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھانے دار کی آواز آئی۔

"دیوار میں تختے لگے ہیں، انہیں پیچھے ہٹاؤ۔"

سپاہیوں نے دیوار کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دی وہ کوئی دم میں شہ نشین میں آنے والے تھے اب بھلا میں کیسے وہاں ٹھہر سکتا تھا میں دروازے کی طرف دوڑا مگر ہائے ری قسمت ۔۔
لکشمی بائی نے دروازے کو باہر سے تالا لگا رکھا تھا دروازہ بڑی مضبوط لکڑی کا تھا اور میں اگر اسے توڑنے کی کوشش بھی کرتا تو شور سن کر پولیس ادھر آجاتی میں اپنے آپ ہی پولیس کی حراست میں آگیا تھا۔

اسی دوران پولیس دیوار کے ایک چوبی تختے کو پیچھے ہٹا چکی تھی مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا جلدی سے تخت کے نیچے گھس گیا شہ نشین کے اندھیرے میں ٹارچ کی روشنی پڑی۔
لکشمی بائی تھانے دار سے کہہ رہی تھی "راناجی! ادھر تو کچھ بھی نہیں ہے گھر کا پرانا سامان پڑا ہے قاتل کو باہر جا کر ڈھونڈیں۔" تھانے دار نے رعب سے کہا" اس کی جیپ کے پیچھے ہمارے آدمی روانہ ہو چکے ہیں ہم قاتل کے ساتھی کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں جو ضرور اس شہ نشین میں چھپا ہوا ہے گھبیریا! اندر جا کر دیکھو گھبراؤ نہیں میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"
اس وقت مجھے اپنے آپ پر اس بے بس چوہے کا گمان ہو رہا تھا جو پنجرے میں بند ہوا اور پنجرے کے دروازے میں سے گھر کے مالک کا ہاتھ میری طرف بڑھ رہا ہو ایک سپاہی کود کر شہ نشین میں آگیا اس نے ٹارچ کی روشنی میں سوئچ تلاش کر کے بجلی کا بلب روشن کر دیا تھانے دار کی آواز آئی "تخت کے نیچے دیکھو۔"

میرا کوئی ایکشن میرے کام نہیں آسکتا تھا۔ سپاہی نے تخت کو الٹ دیا۔ نیچے میں پڑا تھا۔
تھانے دار نے نعرہ لگایا" خبردار! اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی چلادوں گا"
باقی سپاہی بھی شہ نشین میں کود کر آگئے انھوں نے فوراً مجھے ہتھکڑی ڈال دی مجھے دیوار کے چوکھٹے میں سے کھینچ کر لاش والے کمرے میں لایا گیا لکشمی بائی اور اس کے ملازم پرے پرے ہٹ گئے تھانے دار بڑا خوش تھا اس نے لکشمی بائی کی دیکھ کر فاتحانہ انداز میں کہا" بائی پولیس قاتلوں کا سراغ لگانا جانتی ہے یہ قاتل کا ساتھی ہے کیا تم نے اسے پہلے بھی کبھی دیکھا ہے؟"
لکشمی بائی نے مجھے عجیب ذو معنی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو تمہیں کس نے کہا تھا کہ دیوار کا تختہ ہٹا کر باہر نکلو پولیس پہلے ہی میرے پاؤں پر لگا خون کا نشان دیکھ چکی تھی لکشمی بائی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا" نہیں راناجی میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"
تھانے دار نے دوسرا بڑا اہم سوال کیا" کیا یہ بھی قاتل کے ساتھ کوٹھے پر آیا تھا؟"
لکشمی بائی نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا اور بولی" میں نے اسے قاتل کے ساتھ آتے نہیں دیکھا۔"

تھانے دار نے ہنس کر کہا" مگر یہ قاتل کے ساتھ ہی آیا تھا تم نے اسے دیکھا نہیں تو کیا ہوا تم تو

اپنے روز کے دھندے میں لگی ہوئی تھیں۔"

تھانے دار نے دو سپاہیوں کو حکم دیا "اسے نیچے لے جاؤ۔"

میں ہتھکڑی پہنے بازار میں آیا تو وہاں ایک بھیڑ لگی تھی بازار کی روشنی میں مجھے آتا دیکھ کر لوگوں نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا وہ بھی مجھے قاتل کا ساتھی سمجھ رہے تھے پولیس کی جیپ سامنے کھڑی تھی۔ یہاں بھی چار پولیس کے سپاہی بندوقیں لئے موجود تھے مجھے سخت نگرانی میں جیپ میں بٹھا دیا گیا تھوڑی دیر میں تھانے دار بھی سپاہیوں کے ساتھ نیچے اتر آیا۔

اس نے ایک سپاہی سے کہا وہ وہیں ٹھہرے کیونکہ لاش کو لے جانے کے لئے ایمبولینس آنے والی ہے تھانے دار اور تمام سپاہی جیپ میں سوار ہو گئے اور جیپ ہجوم کو چیرتی ہوئی علاقے کے تھانے کی طرف چل پڑی۔۔

میں دل ہی دل میں بھگوا ڈاکو کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ کم بخت مجھے پھنسا کر خود رفو چکر ہو گیا ہے غلطی میری بھی تھی مجھے شہ نشین سے باہر نہیں آنا چاہئے تھا لیکن سدھار نگنی کے ساتھی کو مصیبت میں دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا تھا۔

بہر حال اب مصائب کا دروازہ ایک بار پھر کھل گیا تھا بازار حسن کا قتل تو شاید مجھ پر ثابت نہ ہو سکے مگر سابرمتی آشرم میں چار فوجی جوانوں کے قتل کے الزام سے مجھے اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ شاید دوسرے ہی روز مجھے ملٹری پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور پھر پھانسی کا پھندا میرے سامنے تھا۔

میں یہی کچھ سوچ رہا تھا اور جیپ احمد آباد کے گنجان بازاروں سے نکل کر ایک نسبتاً کھلی سڑک پر آگئی یہاں دو رویہ کھمبوں پر مرکری روشنیاں جگمگا رہی تھیں بائیں جانب کچھ فاصلے پر ایک محرابی گیٹ کے اوپر سرخ گجراتی حروف روشن تھے "الثریا پولیس اسٹیشن" اس علاقے کا نام الثریا تھا اور یہ اس علاقے کا پولیس اسٹیشن اور میری موت کا سامان تھا جیپ میں بیٹھے بیٹھے میں نے اپنی ہتھکڑی کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا یہ لوہے کی کافی بھاری ہتھکڑی تھی اور میں اس میں سے ہزار کوشش کے باوجود اپنی کلائیاں باہر نہیں نکال سکتا تھا۔

تھانے پہنچ کر میری تلاشی لی گئی پولیس کو میرے کپڑوں میں سے سوائے سدھار نگنی کے سانپ کے منکے کے اور کچھ نہ ملا میں نے تھانے دار سے گجراتی میں درخواست کی کہ یہ میری ماتا جی کا دیا ہوا دھرمی منکا ہے اسے میرے پاس ہی رہنے دیں مگر اکھڑ تھانے دار نے اسے کاغذ میں لپیٹ کر میز کی دراز میں رکھ لیا اور مجھے گالی دے کر کہا "اب بتاؤ کہ تمہارا قاتل ساتھی کون تھا اور کہاں گیا ہے تمہارا ٹھکانہ کہاں پر ہے؟"

میں لکشمی بائی کو بیچ سے نکال دینا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح ایجنٹ کے بھی پکڑے جانے کا خدشہ تھا میں نے کہا "راناجی میں تو ویسے ہی کوٹھے پر گانا سننے آگیا تھا جب وہاں گولی چلی تو بھاگ کر شہ

نشین میں چھپ گیا تھا میں کسی قاتل کو نہیں جانتا "

تھانے دار نے اٹھ کر مجھے دو تین تھپڑ رسید کر دیئے میرا خون کھول اٹھا مگر میں مسلح پولیس کے نرغے میں تھا کچھ نہیں کر سکتا تھا بس صبر کے گھونٹ پی کر خاموش رہا تھانے دار نے میرا پرچا کاٹا اور مجھے حوالات میں بند کر دیا میں نے یہاں اپنا نام فیروز بھائی لکھوایا اور بتایا کہ میں بڑودہ سے محنت مزدوری کرنے احمد آباد آیا تھا کہ بازار حسن کی طرف نکل آیا تھانے دار مجھے صبح بڑے پولیس ہیڈ کوارٹر میں پیش کرنا چاہتا تھا

مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا حوالات میں میرے سوا دوسرا کوئی حوالاتی نہیں تھا اور میں کونے میں بیٹھ کر اس سوچ میں ڈوب گیا کہ یہاں سے فرار ہونے کا کون سا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ میرے پاس صرف رات کا حصہ ہی تھا اگلے روز میرا پول کھلنے والا تھا میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اس وقت تھانے کی گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی تھانے میں تھانے دار کے علاوہ چار سپاہیوں کی ڈیوٹی تھی ایک سنتری پولیس اسٹیشن کے دروازے پر اور دوسرا سنتری حوالات کے باہر بندوق اٹھائے پہرہ دے رہا تھا چار سپاہی تھانے کے اندر موجود تھے تھانے دار کرسی پر بیٹھا میز پر رکھے رجسٹر میں ضروری اندراج کر رہا تھا اس نے ٹیلی فون پر کسی بڑے افسر کو خبر کر دی تھی کہ قاتل کی تلاش میں پولیس کا دستہ روانہ کر دیا گیا ہے اور اس کا ایک ساتھی حوالات میں بند ہے ۔

ضروری اندراج سے فارغ ہو کر تھانے دار نے ایک سپاہی کو چائے لانے کو کہا اور خود حوالات کے سلاخ دار دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور بید کی چھڑی کو آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ پر بجاتے ہوئے بولا " فیروز بھائی ! اگر تم سچ سچ بتا دو کہ تمہارا ساتھی کہاں چھپا ہو گا تو میں تمہیں سرکار سے کہہ کر معافی دلا دوں گا "

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا " مہاراج ! میں قاتل کو نہیں جانتا میں تو غلطی سے کوٹھے پر آگیا تھا "

اس نے غصے میں مجھے ایک بار پھر گالی دی میں اپنے اندر اٹھتے ہوئے ہیجان کو دباتے ہوئے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا میں گالی کا بدلہ نہیں لے سکتا تھا اگرچہ مجھے ہتھکڑی نہیں لگی تھی لیکن میں حوالات کی موٹی موٹی سلاخوں کے پیچھے بند تھا۔

تھانے دار چائے پی کر اپنے ساتھ ایک سپاہی لے کر تھانے سے نکل گیا ۔۔۔ اور میں نے یونہی باہر پہرہ دینے والے سنتری سے باتیں کرنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے جھڑک کر خاموش کرا دیا امید کی ایک ہی ٹمٹماتی ہوئی کرن باقی تھی کہ صبح جب یہ مجھے ہیڈ کوارٹر لے کر چلیں تو اس وقت اپنی تمام تر صلاحیتوں سے کام لے کر فرار ہونے کی کوشش کی جائے اگرچہ بظاہر یہ کام ناممکن نظر آتا تھا تاہم مجھے اپنی مہارت اور دلیری پر پورا بھروسہ تھا یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ تھا میں نے فیصلہ کر لیا کہ چاہے پولیس کی گولیوں سے زخمی ہو جاؤں مگر صبح حوالات کا دروازہ کھلنے پر فرار ہونے کی طوفانی

کوشش کروں گا۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی نیند میری آنکھوں سے غائب تھی۔ پھر بھی میں دیوار کے ساتھ سر لگائے آنکھیں بند کیے سونے کی کوشش کر رہا تھا ایک بار میں نے آنکھیں کھول کر سامنے تھانے کے دفتر کی دیوار کو دیکھا دیوار پر لگے گول پرانے کلاک میں رات کے سوا بارہ بجے تھے باہر سڑک پر خاموشی تھی کبھی کبھی کوئی گاڑی ہلکے سے شور کے ساتھ گزر جاتی تھی ۔۔۔ پھر رات کا ایک بج گیا پھر دو بج گئے تھانے دار اڑھائی بجے رات واپس تھانے میں آیا اس نے حوالات کے پاس آکر مجھے جھک کر غور سے دیکھا میں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں وہ مطمئن ہو کر دفتر میں جا کر میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا اور سپاہی سامنے دیوار کے ساتھ لگے بنچ پر بیٹھ گئے۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھانے دار چھت سے لگے بلب کی روشنی میں رجسٹر کھولے اس میں کچھ لکھ رہا تھا ایک بار اس نے کسی جگہ فون بھی کیا باہر اب گہرا سناٹا چھایا تھا احمد آباد شہر کا یہ علاقہ نیند کی آغوش میں تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آجاتی تھی بنچ پر بیٹھے سپاہیوں میں سے دو سپاہی اونگھنے لگے تھے مگر حوالات کا سنتری اسی طرح پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی تھانے دار نے چہرہ اٹھایا اور سپاہی سے کہا" دیکھو کہیں ایس پی صاحب تو راؤنڈ پر نہیں آگئے؟"

اور اس نے اپنے سر پر ٹوپی رکھ لی دوسرے سپاہی بھی اٹھ کر اٹین شن ہو گئے ایک سپاہی باہر کو دوڑا میں اسی طرح دیوار کے ساتھ سر لگائے بیٹھا رہا مجھ پر اب نیند کا غلبہ شروع ہو گیا تھا مجھے کسی ایس پی وغیرہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ظاہر ہے صبح ہونے پر ہی مجھے یہاں سے لے جایا جانا تھا اور اس وقت میں نے فرار ہونے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

اچانک خاموش فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی میں چونک پڑا اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے ایک گولی تھانے کے آفس والے کلاک کے نیچے دیوار میں آکر لگی تھانے دار اچھل کر دوسری طرف کو دوڑا اور اس نے پیٹی سے پستول نکال لیا حوالات کے باہر کھڑا سنتری بھی گھبرا کر تھانے کے اندر کی طرف بھاگا۔

۔۔۔ اور پھر فائرنگ کرتے باہر سے چار آدمی چھلانگیں لگاتے آفس میں کودے اور اس سے پہلے کہ تھانے دار کوئی فائر کرتا، انھوں نے اسے دبوچ لیا دوسرے سپاہی تھر تھر کانپنے لگے ۔ یہ لوگ رائفلوں سے مسلح تھے انہوں نے تھانے میں آتے ہی بے دھڑک فائرنگ شروع کر دی تھی اور ایک سپاہی کو بنچ کے پاس ہی ڈھیر کر دیا تھا۔ ان کے چہرے سیاہ رومالوں میں چھپے ہوئے تھے ۔

میں حیرت سے باہر تک رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں کہ اتنے میں میں نے بھگوا ڈاکو کو چھلانگ لگا کر تھانے میں داخل ہوتے دیکھا وہ سیدھا حوالات کی طرف آیا سنتری نے بندوق پھینک کر ہاتھ جوڑ

لیے " راناجی! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ' مجھے معاف کر دیں جی "!

" اسے کھولو " بھگوا نے گرج کر کہا۔"

سنتری نے پیٹی کے ساتھ بندھی چابی لگا کر حوالات کا قفل کھول دیا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے بھگوا ڈاکو نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا بولا میں تمہیں ان ملیچھوں کے پاس چھوڑ جاتا تو اپنے سردار کو کیا منہ دکھاتا ٹھاکر؟"

تھانے دار کا رنگ اڑا ہوا تھا میں نے جلدی سے اس کی میز کی دراز کھول کر سدھار تگنی کے نلے والا کاغذ نکالا اور منکے کو اپنی جیب میں رکھ لیا بھگوا ڈاکو کے ہاتھ میں تھری ناٹ تھری کی رائفل تھی اس نے دیکھتے دیکھتے نالی کا رخ تھانے دار کی طرف کیا ایک دھماکے کے ساتھ گولی چلی اور تھانے دار اپنی جگہ سے ذرا سا اچھل کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

بھگوا ڈاکو پر خون سوار تھا اس نے میری آنکھوں کے سامنے باقی تین سپاہیوں کو بھی ہلاک کر دیا اور مجھے لے کر باہر کی طرف دوڑا رات کے سناٹے میں گونجتی فائرنگ کی آواز سے اردگرد مکانوں کی کھڑکیوں میں کہیں کہیں روشنی ہو گئی تھی۔

بھگوا ڈاکو کی جیپ باہر کھڑی تھی اس کے ساتھی ڈاکو ابھی تک ہوائی فائرنگ کر کے آس پاس کے علاقے میں خوف و ہراس کی فضا قائم رکھے ہوئے تھے بھگوا نے مجھے اپنے پہلو میں جیپ میں بٹھایا اور انجن اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا دی باقی ڈاکو بھی پچھلے حصے میں سوار ہو چکے تھے جیپ رات کے سناٹے میں سنسان بازاروں میں ہوا سے باتیں کرنے لگی دیکھتے ہی دیکھتے بھگوا ڈاکو شہر کی آبادی سے باہر نکل آیا ایسا لگتا تھا کہ وہ ان تمام راستوں سے واقف ہے جیپ نے ایک ندی کا پل عبور کیا بھگوا ڈاکو نے اسے بڑی سڑک سے اتار کر کچی سڑک پر ڈال دیا' جو کھیتوں کے بیچ میں سے گزر رہی تھی وہاں اندھیرا تھا۔

کچے راستے سے نکل کر جیپ دوبارہ ایک پکی سڑک پر چڑھ گئی جیپ کے دھچکوں میں تھوڑی کمی آ گئی تھی بھگوا ڈاکو خاموش تھا۔۔۔ لیکن اس کی عقابی نگاہیں سامنے سڑک پر لگی ہوئی تھیں' جو تاروں کی روشنی میں دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی۔

بھگوا ڈاکو نے پیچھے دیکھے بغیر اپنے ایک ساتھی سے چلا کر پوچھا" ماؤجی! وشرام ڈیرے پر ہی ہو گا "؟!

ماؤجی نے بھی چلا کر جواب دیا" ہاں بھگوا! وشرام ڈیرے پر ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔"

اب بھگوا ڈاکو نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں وہ اونچی آواز میں بول رہا تھا۔

" ٹھاکر جی! مجھے پتا تھا تم بائی کے کوٹھے پر ہی ہو گے پٹیل کو ٹھکانے لگانے کے بعد شہر سے باہر آیا تو میں نے ماؤجی کو سادھو کے بھیس میں بائی جی کے کوٹھے پر بھیجا اس نے مجھے آ کر بتایا کہ پولیس تمہیں

پکڑ کر لے گئی ہے ٹھاکر اب بتاؤ میں تمہیں چھوڑ کر ناگ ماتا سدھاجی کے پاس کیسے جا سکتا تھا؟ وہ ہماری سردار ہی نہیں ہماری ناگ ماتا بھی ہے اور تم ہماری ناگ ماتا کے سوامی ہو میں تو جان کی بازی لگا کر بھی تمہیں نکال لے جاتا ٹھاکر"

۔۔۔ پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا" میں نے تھانے میں کوئی ثبوت نہیں چھوڑا حوالات والا سنتری اپنے بچوں کا واسطہ نہ دیتا تو اسے بھی ڈھیر کر دیتا۔"

میں نے کہا" سدھار تگنی کیسی ہے ؟ اور ہماری مہمان لڑکی کس حال میں ہے ؟"

بھگوا ڈاکو بولا" ناگ ماتا جی! بڑی ٹھیک ٹھاک ہیں تمہیں روز یاد کرتی ہیں اور وہ دوسری کمزور سی لڑکی بھی ٹھیک ہے پر ٹھاکر تم ادھر کیسے نکل آئے تھے ؟

میں نے یونہی اسے ایک فرضی کہانی سنادی اور اس سے سوال کر دیا کہ وہ سدھار تگنی کو چھوڑ کر ادھر اپنے آدمیوں کے ساتھ کیا لینے آیا تھا؟

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا بولا" ٹھاکر جی! مجھے گانا سننے کا بہت شوق ہے ناگن ماتا یعنی ہمارے سردار نے ادھر ڈھانڈ میں ایک پاپی ٹھیکیدار کو ٹھکانے لگانے ہمیں بھیجا تھا اسے ٹھکانے لگا کر واپس جانے لگا تو سوچا کہ احمد آباد قریب ہے کیوں نہ کوٹھے پر گانا سنا جائے اس کے بعد جو کچھ ہوا تمہیں سب معلوم ہی ہے ٹھاکر!"

اندھیرے میں دو تین گاؤں گزر گئے ایک گاؤں سے کچھ کتے جیپ کے پیچھے بھونکتے ہوئے دوڑے بھگوا نے ماؤ سے چلا کر کہا" ابے دیکھتا کیا ہے سالے ؟"

ماؤ جی نے کتوں پر دو تین فائر جھونک دیئے اور کتوں کی آوازیں ڈوب گئیں جیپ اب پھر کچے میں دوڑ رہی تھی گاؤں اب بہت پیچھے رہ گئے اور ہم اونچے نیچے میدانوں میں آگئے بائیں جانب تاروں بھرے روشن آسمان کے پس منظر میں پہاڑیوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا جیپ اب کسی باقاعدہ راستے پر نہیں چل رہی تھی صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم دو اونچی ٹیکریوں کے بیچ سے گزر کر بائیں جانب ایک جگہ رک گئے۔

بھگوا ڈاکو چھلانگ لگا کر جیپ سے اتر پڑا پو پھٹ رہی تھی آسمان نیلا ہو گیا تھا اور ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی تھی دوسرے ڈاکو بھی اتر آئے بھگوا ڈاکو نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور دوسری اونچی ٹیکری کے عقبی دامن میں ایک جگہ جھاڑیوں کے اندھیرے میں چلنے لگا۔

" یہاں ہمارے ایک پرانے ساتھی کا ڈیرا ہے ' تم اسے ملوگے تو خوش ہوگے سالا عاشق مزاج ہے پر یار کی خاطر جان بھی قربان کر سکتا ہے ناگ ماتا کا پجاری ہے وشرام اس کا نام ہے کھاروا میں جتنے بھی ڈاکو ٹھگ ہیں سب اس کے یار ہیں۔"

ہم ایک جگہ آکر رک گئے یہاں ٹیکری میں کھدی ہوئی سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں یہ چھ سات

سیڑھیاں تھیں اوپر جاکر پھر وہی جھاڑیوں کے جنڈ تھے اچانک جھاڑیوں میں سے دو ڈاکو نما انسان باہر نکل آئے "ٹھاکر بھگوا۔ وادا تمہیں بہت یاد کر رہا تھا ۔۔۔ چلو!"

دادا یہ اپنے سردار دشرام کو کہتے تھے ٹیکری کے اوپر بلند جھاڑیوں اور خود رو ببول کے درختوں کے درمیان ایک جگہ کچا مکان بنا تھا' جس پر گھاس پھونس کی ڈھلانی چھت پڑی تھی۔ ہمارے رہ نما ڈاکو نے مکان کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا "دادا! ٹھاکر بھگوا آیا ہے۔"

جواب میں اندر سے ایک مرد کی پاٹ دار آواز آئی "بھگوا رے! سالے اتنی دیر کردی آجا اندر ۔۔۔ رکھیا رانی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

اور پھر ایک مرد اور ایک عورت کا قہقہہ بلند ہوا بھگوا ڈاکو نے اسے ایک گالی دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا میں بھی اس کے ساتھ تھا اندر ایک کمزور سی لالٹین جل رہی تھی اس کی لو نیچی رکھی گئی تھی دو چارپائیاں آمنے سامنے بچھی تھیں ایک چارپائی پر بھگوا ڈاکو کا پرانا دوست دشرام ڈاکو اپنی دوست رکھیا رانی کے ساتھ بیٹھا تھا اس عورت کے ناک کا ننھا سا سرخ نگینہ چمک رہا تھا۔

"ابے یہ کون ہے بے؟"

بھگوا ڈاکو بڑے احترام سے بولا "دشرام یہ رگھو جی ہیں ۔۔۔ ٹھاکر رگھو' ہماری ناگ ماتا کے سوامی"

دشرام جلدی سے چارپائی سے اترا اور میرے پاؤں چھو کر بولا "دھنواد ہو ٹھاکر جی! آپ کے درشن کر کے خوشی ہوئی۔"

۔۔۔ پھر رکھیا رانی کی طرف اشارہ کر کے کسی قدر لہک کر بولا "اس کا کچھ خیال نہ کرنا ٹھاکر جی! یہ تو میری ۔۔۔ رکھیا رانی ہے اسے عین بیاہ کے روز ایک دن کے لئے اغوا کر کے لایا تھا اب ۔۔ اب یہ جاتی ہی نہیں مجھے چھوڑ کر ۔۔۔!"

دشرام ڈاکو بڑے مزے کا آدمی تھا اسی وقت دوسری چارپائی پر میرے لئے نئی چادر بچھوا دی اور کہا "ٹھاکر تم یہاں آرام کرو پھر وہ بھگوا اور رکھیا کو ساتھ لے کر باہر چلا گیا۔

چارپائی پر لیٹتے ہی میں نیند کی دنیا میں گم ہو گیا صبح اس وقت آنکھ کھلی جب ایک کتا زور زور سے بھونک رہا تھا میں آنکھیں ملتا اٹھ کر دروازے سے نکل کر باہر آیا تو دن کافی چڑھ آیا تھا چاروں طرف دھوپ پھیلی تھی ٹیکری پر ببول کے پیڑوں تلے دشرام بھگوا اور دوسرے تین ڈاکو کھیس بچھائے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان کے پاس ہی دو مٹکے پڑے تھے چولہے میں آگ جل رہی تھی اور رکھیا رانی روٹیاں پکا رہی تھی مجھے باہر نکلتے دیکھ کر دشرام ڈاکو احتراماً اٹھ کر میری طرف آیا۔

"ٹھاکر جی آرام سے تو نہیں سوئے ہوں گے؟"

میں نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے مجھے تو بڑی اچھی نیند آئی دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے

تھے وشرام ڈاکو نے رکھیا رانی سے کہا ۔۔۔ کہ روٹیاں جلدی پکائے دوسری ہنڈیا پر مرغی پک رہی تھی ہم نے وہی ٹیکری کے ببولوں کے نیچے کھیس پر بیٹھ کر روٹیاں بھنی ہوئی مرغی کے سالن کے ساتھ کھائیں اتنا لذیذ کھانا میں نے بہت کم کھایا تھا کھانے کے دوران میں معلوم ہوا کہ جس جیپ پر سوار ہو کر ہم وہاں تک آئے تھے وہ وشرام ڈاکو ہی کی تھی یہاں ٹیکری سے تھوڑی دور بھگوا ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے بھی بندھے تھے ڈھانڈ کا گاؤں ہمارے بائیں طرف بیس کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

وشرام ڈاکو نے اپنی جیپ جنگل میں اپنی کسی کمین گاہ میں پہنچادی تھی پروگرام یہ بنا کہ بھگوا ڈاکو اور میں اپنے ڈاکو ساتھیوں کو لے کر شام ہونے سے پہلے یہاں سے امریلی کی طرف روانہ ہو جائیں گے دریائے گھارنگ پار کر کے چوکاڈھابہ کے تین کوس لمبے جنگل کو عبور کر کے ہمیں پچھم کی جانب والی سیاہ دھاری دار چٹانوں کی نرولا وادی میں پہنچ کر سدھار نگی سے جاملنا تھا۔

یہاں وشرام ڈاکو اپنے درجن بھر ساتھی ڈاکوؤں کے ساتھ ایک عرصے سے مقیم تھا شاید اس کا گزارہ اس ٹیکس یا معاوضے پر تھا جو وہ ادھر پناہ لینے والے ڈاکوؤں سے وصول کرتا تھا دوپہر کے کھانے کے بعد وشرام تو رکھیا کے ساتھ کوٹھری میں چلا گیا اور میں بھگوا ڈاکو ماؤجی اور دوسرے ساتھی وہیں پڑ کر سو گئے۔

مرغن کھانے کے بعد جو ببول کی ٹھنڈی چھاؤں میں لیٹے تو نیند کی پریوں نے ہماری آنکھوں پر اپنے ریشمی ہاتھ رکھ دیئے جب سو کر اٹھے تو دھوپ ڈھلنے لگی تھی بھگوا ڈاکو رام رام کرتا درختوں کی طرف چلا گیا ہمارے ساتھی ڈاکو بھی اٹھ گئے تھے اور اپنی اپنی بندوقوں کو صاف کر رہے تھے وشرام ابھی تک کوٹھری میں ہی سو رہا تھا۔

بھگوا درختوں کی طرف سے واپس آیا تو بولا " ٹھاکر ہمیں اب نکل چلنا چاہئے رات کو چوکاڈھابہ کے جنگل میں بسرام کریں گے ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ ایک طرف سے وشرام کا ایک ڈاکو ساتھی ہانپتا ہوا آیا اور بولا رانا جی ہمارے آدمی نے خبر دی ہے کہ امریلی پولیس کی دولاریاں ادھر کو آرہی ہیں۔"

وہ گھبرایا ہوا تھا اسی وقت وشرام بھی کوٹھری سے باہر نکل آیا " ابے کس نے خبر دی ہے ؟"

" رانا جی ! بنسی خبر لایا ہے ' نیچے کھڑا ہے۔"

وشرام ڈاکو نے قہقہہ لگا کر کہا " ابے آنے دو سالی پولیس کو ۔۔۔ ایک ایک کا بھیجا نکال کر رکھ دوں گا۔"

۔۔۔ پھر اس نے بنسی مخبر کو اوپر ٹیکری پر بلا کر ساری تفصیل پوچھی میں اور بھگوا ڈاکو تو کچھ پریشان ہو گئے معلوم ہوا کہ پولیس کی بھاری نفری دولاریوں میں بیٹھ کر آرہی ہے ان کے پاس

بندوقیں بھی ہیں بھگوا ڈاکو نے وشرام سے کہا "وشرام! یہ پولیس ہمارے پیچھے لگی ہے جان پڑتا ہے جیپ کے ٹائروں کے نشان انہیں مل گئے ہیں۔"

وشرام نے بھگوا کے سینے پر اپنی رائفل کے بٹ کا ہلکا سا ٹہوکا دے کر کہا "ابے بھگوا ڈرتا کیوں ہے جب تک وشرام زندہ ہے، تجھے کوئی ہاتھ تو لگا کر دیکھے۔"

معاملہ وشرام کے زندہ رہنے یا نہ رہنے کا نہیں تھا، میرے خیال میں ۔۔ یہ ڈاکو لوگ بڑی آسانی سے پولیس کے گھیرے میں آسکتے تھے پولیس کے سپاہی باقاعدہ ٹرینڈ ہوتے ہیں اور وہ امرلی سے اتنی دور آئے تھے تو ظاہر ہے کہ اسلحے کا پورا ذخیرہ لے کر آئے ہوں گے ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ٹیکری کے نیچے کچھ دور درختوں کے جھنڈ میں سے فائر کا دھماکا ہوا بھگوا اور وشرام نے چونک کر ادھر دیکھا "ابے میرے سالے آگئے رے بھگوا رام!"

وشرام ڈاکو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے ہی ٹیکری پر مورچے سنبھال لئے تھے اس نے کمین گاہ کی طرف ایک آدمی کو یہ کہہ کر دوڑا رکھا تھا کہ پولیس آئے تو پیچھے سے ان پر فائرنگ کھول دی جائے لیکن یہ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ پولیس ان ڈاکوؤں کو پہلے ہی دبوچ چکی تھی۔

ہم بھی رائفلیں سنبھال کر مورچوں میں بیٹھ گئے اتنے میں لاریوں کی گھرر گھرر سنائی دینے لگی ۔۔ یہ لاریاں ٹیکری کے نیچے چاروں طرف گنجان درختوں میں پولیس کے سپاہیوں کو پھیلا رہی تھیں پولیس کے ساتھ کوئی ریٹائرڈ فوجی افسر تھا جو فوجی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے رہا تھا اگرچہ ہمیں بلندی پر ہونے کی وجہ سے برتری حاصل تھی مگر میں نے دیکھ لیا کہ وشرام کے پاس جو اسلحہ ہے وہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا اوپر سے وشرام ڈاکو ایک جذباتی آدمی تھا اس نے بغیر سوچے سمجھے فائرنگ کر کے گولیاں ختم کرنا شروع کر دی تھیں۔

پولیس کی طرف سے اب کوئی فائر نہیں ہو رہا تھا بگوا ڈاکو نے وشرام کو فائرنگ سے روک دیا "وشرام اسلحہ ضائع مت کرو" وشرام قہقہہ لگا کر بولا "ابے میرے سالے آئے ہیں ان کا سواگت نہ کروں۔"

وشرام نے فائر بند کر دیا چاروں طرف گہری خاموشی چھاگئی اس خاموشی میں لاؤڈ اسپیکر پر پولیس انسپکٹر کی آواز بلند ہوئی وشرام تمہارے پاس دو قاتلوں نے پناہ لے رکھی ہے انہیں ہمارے حوالے کر دو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ہم تمہیں پانچ منٹ کی مہلت دیتے ہیں میں پولیس انسپکٹر کانتی لال بول رہا ہوں تم میری بات پر بھروسہ کر سکتے ہو۔"

میں نے بھگوا کی طرف اور اس نے میری طرف دیکھا پولیس کو ان کے مخبروں نے بالکل صحیح خبر دی تھی قرین قیاس یہی تھا کہ یہ مخبر ہماری جیپ کے ٹائروں کے کھوج لگاتے ہوئے وشرام کی ٹیکری تک پہنچے تھے وشرام نے پولیس انسپکٹر کے اعلان کو سنا تو ایک طرف تھوک کر اسے بلند آواز میں گالی

دی اور دھائیں دھائیں فائرنگ کرنے لگا پولیس نے بھی فائر کھول دیا۔

جنگل گولیوں کے دھماکے سے گونجنے لگا مصیبت یہ تھی کہ ٹیکری کے نیچے چاروں طرف گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا جس کی وجہ سے ہم پولیس کے سپاہیوں کی پیش قدمی دیکھ نہیں سکتے تھے ٹیکری پر چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی اور گولیاں ہمارے سروں کے اوپر ببول کے درختوں کی شاخوں کو توڑتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

وشرام نے گالی دے کر کہا " میرے آدمی کدھر مر گئے ہیں وہ پیچھے سے کب فائر کریں گے؟

رکھیا نے گولیوں سے بھرا ہوا بڑا ڈبہ ہمارے پاس لاکر رکھ دیا تھا یہ عورت بھی مجھے کسی ڈاکو کی لڑکی لگ رہی تھی فائرنگ سے ذرا نہیں گھبرائی تھی پولیس کا فائر اب ٹیکری کے قریب سے آرہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ پولیس آگے بڑھ آئی ہے۔

میں نے بھگوا کے کان کے قریب منہ لے جاکر کہا " بھگوا ہم زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکیں گے پولیس کی نفری بھی زیادہ ہے اور اس کے پاس اسلحہ بھی بہت ہے۔"

بھگوا بھی شاید یہی سوچ رہا تھا آہستہ سے بولا " پھر تمہارا کیا ارادہ ہے ٹھاکر؟"

" میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

وشرام دھڑا دھڑ گولیاں چلا رہا تھا اور رکھیا اسے ایک بندوق خالی ہونے پر دوسری بندوق لوڈ کر کے دے دیتی ان کے دوسرے ساتھی بھی ٹیکری کے چاروں جانب مورچوں میں بیٹھے ہوئے جھاڑیوں میں گولیاں برسا رہے تھے لیکن ابھی تک ہم ایک سپاہی کو بھی ڈھیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے پھر اچانک پولیس کی طرف سے فائرنگ رک گئی۔

وشرام نے بھی فائرنگ بند کر دی بھگوا پتھر کی آڑ سے نکل اس کے قریب رینگ کر گیا اور بولا " وشرام!! ہماری وجہ سے تم اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالتے ہو بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے فرار ہو جاتے ہیں۔

وشرام کو غصہ آگیا " ابے بھگوا! تو مجھے یار مار سمجھتا ہے جب تک میں زندہ ہوں، تجھ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

جب بھگوا نے اسے ساری بات سمجھائی تو وہ بندوق کو پیچھے کھینچ کر بولا " پر بھگوا ناگ ماتا کیا کہے گی کہ میں تمہاری حفاظت بھی نہ کر سکا۔"

بھگوا ڈاکو نے کہا " یہ بات نہیں ہے وشرام اس وقت ہمیں عقل سے کام لینا چاہئے اور عقل یہی کہتی ہے کہ میں اپنے آدمی لے کر یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل جاؤ تم یہ بتاؤ کہ میں کس طرف سے نکل سکتا ہوں؟"

فائرنگ بند تھی صاف لگ رہا تھا کہ پولیس اس دوران میں ٹیکری کے مزید قریب بڑھ آئی ہو گی وشرام کچھ سوچ کر بولا " میرا آدمی تمہیں یہاں سے نکال لے جائے گا مگر بھگوا! بعد میں تم مجھے طعنہ تو

نہیں دو گے ؟

بھگوا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور بولا تم ایک بہادر دوست ہو دشرام مجھے تم پر ہمیشہ فخر رہے گا

پولیس نے فائرنگ شروع کر دی تھی اور دھائیں دھائیں کی آواز سے جنگل کی فضا ایک بار پھر گونج اٹھی اب گولیاں ہمارے مورچوں کے پتھروں سے ٹکرا کر چنگاریاں اڑا رہی تھیں کچھ گولیاں پیچھے سے بھی آنے لگی تھیں دشرام نے چلا کر پولیس کو گالی دی میرے سالے پیچھے سے بھی آ رہے ہیں۔"

دشرام نے آواز دی مانچھریا! میرے یار کو یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔"

ایک ڈاکو اپنے مورچے سے رینگتا ہوا ہماری طرف آیا دشرام نے لیٹے لیٹے بھگوا کو گلے لگایا میرا ہاتھ چوما اور کہنے لگا" ٹھاکر مجھے شما کر دینا"

وہ رینگتا ہوا دشرام کی کوٹھری کی طرف بڑھا ہم بھی اس کے پیچھے رینگنے لگے دن ڈھل چکا تھا اور مشرق کی طرف سے شام کے سائے جنگلوں اور پہاڑیوں کے دامن میں پھیلنا شروع ہو گئے تھے کوٹھری کے عقب میں ایک جگہ گڑھا بنا ہوا تھا یہ بالکل ایک تنور کی مانند تھا دشرام نے اس تنور میں ٹیکری کو کھود کر ایک سرنگ بنا رکھی تھی' یہ ٹیکری کے دامن میں آگے جا کر گنجان درختوں میں نکل گئی تھی۔

خطرہ یہ تھا کہ کہیں یہاں پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے ہمارے پاس بندوقیں موجود تھیں تاہم پولیس کے گھیرے میں ہونے کی وجہ سے نقصان پہنچنے یا گرفتار ہو جانے کا احتمال تھا یہ سرنگ کسی گٹر کی طرح تھی جس میں سے ہم رینگ کر گزر رہے تھے مانچھریا پہلے باہر نکل گیا اور اس نے ہمیں سرنگ میں ہی چھپے رہنے کا اشارہ کیا۔

وہ جھاڑیوں میں غائب ہو گیا تھوڑی دیر بعد جھکا ہوا آیا اور ہاتھ سے باہر آنے کو کہا ہم رینگتے ہوئے سرنگ سے باہر نکل آئے یہاں درختوں کی شاخیں نیچے تک لٹک رہی تھیں اور شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا وقت سے پہلے چھا رہا تھا ہم بڑی احتیاط سے جھک کر چل رہے تھے کہ شاخوں کے ٹوٹنے کی آواز پیدا نہ ہو کوئی سو قدم چلنے کے بعد ڈھلان آ گئی یہاں درخت نہیں تھے مانچھریا لیٹ گیا نیچے اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔

" دادا! وہ نیم کے پیڑ ہیں اور ہماری گھوڑیاں وہاں بندھی ہیں اگر تم کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں ؟"

بھگوا ڈاکو نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں کہا۔۔۔

" مانچھریا! تم جاؤ' ہم نکل جائیں گے۔"

"مانچسریا وہیں سے واپس پلٹ گیا۔

بھگوا ڈاکو نے مجھے لیٹ کر نیم کے درختوں کی طرف چلنے کا اشارہ کیا یہ نسبتاً کھلی جگہ تھی مگر نشیبی میدان ہیں سوکھی گھاس اتنی اونچی ضرور تھی کہ ہم اس میں چھپ جاتے ساٹھ ستر قدم کا یہ فاصلہ ہم نے رینگ رینگ کر قریباً آدھ گھنٹے میں طے کیا جب نیم کے درختوں کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔حیرانی کی بات یہ تھی کہ پولیس نے ان گھوڑوں یا گھوڑیوں پر قبضہ نہیں کیا تھا حالانکہ وشرام کے وہ آدمی، جو یہاں پر تعینات تھے پکڑے جا چکے تھے۔ ہمارے چار ڈاکو ساتھی بھی ہمارے پیچھے پیچھے رینگتے چلے آرہے تھے۔

جونہی ہم گھوڑوں کے پاس پہنچے ایک طرف تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں بھگوا نے چلا کر کہا "گھوڑوں پر سوار ہو کر امرلی کی طرف نکل چلو اپنی اپنی جان بچاؤ۔"

ہمارے چاروں ساتھی اچھل کر گھوڑوں پر بیٹھے اور ایک طرف کو بھاگے دو ڈاکوؤں کو گولیاں لگیں اور وہ چیخ مار کر گر پڑے بھگوا ڈاکو غضبناک ہو کر کھڑا ہو گیا اور دھڑا دھڑ دائیں بائیں فائر کرنے لگا" ٹھاکر گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

فائرنگ کرتے ہوئے میں نے ایک سپاہی کو دیکھا، جو درختوں کی آڑ لیتا ہوا بھگوا ڈاکو کے پیچھے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا وہ میری زد میں تھا میں نے اس کا نشانہ لے کر فائر کیا تو وہ اچھل کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ ایک سپاہی بھگوا ڈاکو کے سامنے آگیا اسے بھگوا نے ڈھیر کر دیا۔

۔۔۔ پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو گئے گھوڑے فائرنگ کی آواز سے پریشان ہو رہے تھے، ایڑ لگائی تو گھوڑے، درختوں کے نیچے ایک طرف کو دوڑ پڑے بھگوا اور میں گھوڑوں سے چمٹے ہوئے تھے ہمارے پیچھے اب بھی فائرنگ ہو رہی تھی مگر گھوڑے بے تحاشا دوڑ رہے تھے اور وہ بہت جلد ہمیں نشیبی میدان سے نکال کر مشرق کی جانب ٹیکروں کے عقب میں لے گئے اب ہم فائرنگ کی زد میں تو نہیں تھے مگر پولیس ہمارا تعاقب کر سکتی تھی۔

بھگوا ڈاکو بلند آواز میں بولا "ٹھاکر! میرے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑاتے چلو۔"

گھوڑے ڈاکوؤں کے تھے اور شاید انہیں سدھایا گیا تھا۔ اپنے آپ جھاڑیوں اور درختوں سے بچ کر ہوا سے باتیں کرتے اڑے چلے جا رہے تھے بہت جلد وشرام کا ڈیرا بہت پیچھے رہ گیا اب رات کی تاریکی نے پہاڑیوں اور میدانوں کو اپنی اندھیری چادر میں لپیٹ لیا تھا ہمارے دو ساتھی پولیس مقابلے میں مارے گئے تھے صرف دو ڈاکو جان بچا سکے تھے۔

ایک جگہ ہم نے گھوڑوں سے اتر کر تھوڑا آرام کیا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے رات کے پچھلے پہر دور پہاڑیوں کے درمیان بجلی کی روشنیاں جھلملاتی نظر آئیں تو بھگوا نے ادھر اشارہ کر کے کہا" یہ بورالا کا قصبہ ہے ٹھاکر۔"

آگے گھارنگ کا دریا آگیا یہاں ایک گھاٹ پر کافی بڑی کشتی موجود تھی شاید یہ مال بردار کشتی تھی کشتی میں ایک آدمی کھیس اوڑھے سو رہا تھا بھگوا ڈاکو نے اس کے پاؤں پر ٹھوکر مار کر کہا "اٹھ بے ۔۔۔" چوکیدار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور بولا "کون ہے تو؟"

بھگوا ڈاکو نے بندوق کی نالی اس کے سر کے ساتھ لگا کر کہا "تمہارا باپ ہوں بچو داس! اب پولیس کو ہمارے بارے میں بتایا تو یاد رکھ واپس آکر تجھے اسی کشتی میں ٹھنڈا کروں گا"

چوکیدار ہاتھ باندھے کھڑا تھا کہنے لگا "رانا جی! زبان نہیں کھولوں گا کبھی، بھگوان آپ کا بھلا کرے۔"

دریا پار پہنچ کر ہم نے ایک جگہ پو پھٹنے تک آرام کیا منہ اندھیرے ایک بار پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چل پڑے یہاں سے سات کوس کے فاصلے پر چوکاڈھایہ کا جنگل شروع ہو گیا۔ اس جنگل سے نکل کر نرولا کی چٹانی وادی میں آگے اب دھوپ نکل آئی تھی بھگوا ڈاکو بولا۔

"یہ زہریلے سانپوں کی وادی ہے مگر سانپ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے ناگ ماتا کے بیٹے سانپ ساہو نے ہمیں ایک بار سونگھ رکھا ہے اور ہمارے جسموں سے نکلنے والی خاص بو ان سانپوں کو ہم سے دور رکھے گی۔"

سنگلاخ چٹانوں میں انتہائی دشوار گزار راستہ ہونے کے باعث ہمارے گھوڑے قدم قدم چل رہے تھے چٹانوں سے نکلتے ہی دور پچھم کی طرف دھاری دار چٹانی پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آیا، جو نرولا کی پہاڑیاں تھیں اور انہی پہاڑیوں کے دامن میں سدھا رنگی ڈاکو کی خفیہ کمین گاہ تھی اور یہ کمین گاہ ایک پہاڑی غار میں بنی ہوئی تھی اس وادی میں داخل ہوتے ہی دو ڈاکو پوشیدہ مورچوں سے نکل کر ہمارے ساتھ ہو لیے۔

سدھا رنگی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اس کی کلائی میں اس کا بیٹا سانپ بھی میری طرف پھن اٹھائے تک رہا تھا میں سدھا کے قریب ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔ "رگھو! تم نے بال کیوں منڈوا ڈالے تمہارے بال تو مجھے بہت پسند تھے؟"

جب میں نے اسے اپنی ساری بپتا سنائی تو وہ غصے میں کھول اٹھی "جس جس نے تجھ پر ظلم کیا ہے میں ان سے تیرا انتقام لوں گی۔"

اس کی شربتی آنکھیں غصے میں سرخ ہو رہی تھیں اس نے بھگوا ڈاکو سے خوش ہو کر کہا "تم سے بہت خوش ہوں بھگوا۔"

بھگوا ہاتھ جوڑ کر بولا "ناگ ماتا یہ تو میرا کرتوے تھا، جس کا پالن کیا"

نورین بھی وہاں آگئی وہ پہلے سے کچھ دبلی ہو گئی تھی اور جنگلی زندگی کی کٹھنائیوں نے اس کا رنگ سانولا کر دیا تھا اب ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ نورین کو احمد آباد لے جا کر اپنے خفیہ ایجنٹ

کے حوالے کرنا تھا اور یہ بڑا کٹھن کام تھا اگر میں ساتھ جاتا ہوں تو میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا ساتھ نہیں جاتا تو نورین اپنے ایجنٹ کے پاس نہیں پہنچ سکتی تھی ۔

رات سدھا رنگنی ڈاکو میرے ساتھ بیٹھی دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتی رہی آخر یہ طے پایا کہ وہ ہمارے ساتھ جائے گی میں سوچ میں پڑ گیا سدھا رنگنی میرا بازو پکڑ کر بولی "تو کیا سوچتا ہے رگھو! کیا میں تیری پتنی نہیں ہوں؟ پھر میں ' تجھے موت کے منہ میں اکیلا نہیں جانے دوں گی میں تیرے ساتھ جاؤں گی اور تجھے ہر آفت سے بچاؤں گی"

تین دن تک میں نے وہاں آرام کیا اس دوران میں میں نے شیو نہیں بنائی تھی جس کے نتیجے میں میری کچھ کچھ مونچھیں ' داڑھی بڑھ آئی تھی اور سر پر بھی چھوٹے چھوٹے بال نکل آئے تھے لیکن میں پہچانا جا سکتا تھا سدھا رنگنی نے کہا "ہم بھیس بدل کر جائیں گے ۔"

سوراشٹر میں راجستھان کا ایک قبیلہ آباد ہے جس کا نام مانڈ ہے اس قبیلے کے لوگ خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں اور سانپ پکڑنے میں اس قبیلے کے لوگ اپنا ثانی نہیں رکھتے ۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ زہریلے سانپ پر ایسا منتر پڑھتے ہیں کہ سانپ مدہوش ہو جاتا ہے اور یہ اسے آسانی سے پکڑ لیتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سانپ اس قبیلے والوں کا من بھاتا کھاجا ہے اس قبیلے کی عورتیں گاؤں ' قصبوں میں جا کر سانپ کا تماشا دکھاتی ہیں اور لوگوں سے پیسے وصول کر کے اپنی روزی کماتی ہیں کسی گھر سے اگر انہیں خیرات نہ ملے تو وہ دھمکی دیتی ہیں کہ میرے سانپ نے تیرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے 'اب یہ رات کو تیرے گھر آ کر تجھے ڈس لے گا اور لوگ ڈر کر جو وہ مانگتی ہیں انہیں پیش کر دیتے ہیں اس قبیلے کی عورتوں اور مردوں کو ماندری بھی کہا جاتا ہے ' جو مانڈ رائی کا بگڑا ہوا نام ہے

سدھا رنگنی نے فیصلہ کیا کہ ہم ماندری بن کر احمد آباد داخل ہوں گے اس بھیس میں ہمیں پولیس نہیں پہچان سکے گی نورین کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا پہلے تو وہ جھجکی مگر پھر راضی ہو گئی کیونکہ اس کے سامنے بھی دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا البتہ وہ اپنے باپ کے بارے میں ابھی تک پریشان تھی کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ابھی تک اس کا کھوج نہیں لگا سکا تھا بہر حال نورین کو اپنے خفیہ ایجنٹ کے پاس بحفاظت پہنچانے کے بعد میرا اگلا مشن اس کے باپ کا سراغ لگانا ہی تھا میں نے اسے بہت تسلی دی مگر اپنے باپ کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے ۔

بھگوا ڈاکو بھی ہمارے ساتھ جانے پر بضد تھا لیکن سدھا نے اسے ڈانٹ کر کہا "بھگوا مجھے کیا نازک ہرنی سمجھتا ہے رے؟ میں شیرنی ہوں ' آدم خور شیرنی ' جس نے ہاتھ لگایا اسے وہیں چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی اور پھر میرا بیٹا ساہو میرے ساتھ ہے" اس نے اپنے زہریلے سانپ کا منہ چوم کر کہا۔

وہیں نرولا پہاڑی کی کمین گاہ میں بیٹھ کر ہم نے اپنا بھیس بدلا سدھا رنگنی پہلے ہی سپیرن لگتی تھی اس نے مانڈ عورتوں کی طرح گیروے رنگ کی ساڑی باندھی اس طرح کی ایک ساڑی نورین کو بھی

پہنا دی گئی بالوں کو کھینچ کر سر کے اوپر جوڑا بنا کر باندھا' گلے میں رنگ برنگے منکوں کے ہار ڈالے ایک پٹاری میں کچھ سانپ رکھ لئے گئے ان میں دو چار بے حد مہلک قسم کے زہریلے سانپ بھی تھے سدھار تگنی نے اپنا بیٹا سانپ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا اپنی ساڑی میں ہی اس نے ایک چھوٹا پستول بھی چھپا کر رکھ لیا مجھے بھی گیروے رنگ کی دھوتی اور لمبا کرتہ پہنا دیا گیا سر پر میں نے راجستھانی مانڈ لوگوں کی طرح کی چوکھٹے دار پگڑی باندھ لی نورین کے چہرے پر روٹیاں پکانے والے توے کی کالی سیاہی ذرا ہلکی کر کے مل دی گئی۔ جس سے وہ بالکل نہیں پہچانی جاتی تھی۔

ہم نے اپنے کاندھوں پر جھولے ڈال لئے ایک بین سدھار تگنی نے اور ایک میں نے تھام لی یوں ایک روز ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور خدا کا نام لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے بھگوا ڈاکو پیچھے رہا ہمارے ساتھ دو ڈاکو آئے جن کا کام ہمیں دریائے گھارنگ تک پہنچا کر واپس نرولا کی کمین گاہ میں بھگوا ڈاکو کے پاس ۔۔۔ چلے جانا تھا۔

ایک دن پورا ہم نے سفر میں گزارا شام کو ہم چوکاڑھایہ کا جنگل عبور کر کے دریائے گھارنگ کے کنارے جا پہنچے یہاں سے ہمارے محافظ ڈاکو واپس چلے گئے۔

رات ہم نے دریا کے کنارے ویران گھاٹ پر بسر کی اس وقت کوئی کشتی دریا پار نہیں جا رہی تھی دن نکلا تو دریا کے دوسرے کنارے سے ایک کشتی آتی دکھائی دی ہم نے کچھ روپے اپنی پاس رکھ لئے تھے کشتی میں کچھ کسان اور مچھیرے سوار تھے گھاٹ پر آ کر کشتی خالی ہو گئی لوگ ہمیں دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

یہاں سے ہمیں امرلی کے قصبے تک جانا تھا' جو پیدل چار گھنٹے کا راستہ تھا لیکن ہمیں یہاں ایک بیل گاڑی والا مل گیا' جو امرلی جا رہا تھا پہلے تو وہ ہمیں بٹھانے پر تیار نہ ہوا جب سدھا نے اسے اپنی لال لال آنکھیں دکھا کر کہا "میرے سانپوں نے تیرے جسم کی بو پالی ہے' اگر تو نے ہمیں گاڑی پر نہ بٹھایا تو یاد رکھ تو جہاں بھی ہو گا' میرے سانپ وہاں پہنچ جائیں گے"

گاڑی بان ڈر گیا اس نے ہمیں گاڑی میں بٹھا لیا نورین گجراتی زبان نہیں جانتی تھی' اس لئے ہم نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ خود کو گونگی ظاہر کرے سہ پہر کے قریب ہم امرلی کے بڑے قصبے میں پہنچ گئے لیکن ہم قصبے میں جانے کی بجائے باہر ہی رہ کر قصبے سے بورالا کی طرف پیدل روانہ ہو پڑے گاڑی بان نے ہمیں بیل گاڑی میں ہی اچار کے ساتھ روٹیاں کھلا دی تھیں' شام کو ہم قصبہ بورالا میں داخل ہو گئے یہ وہی قصبہ تھا جس کی روشنیاں رات کو بھگوا ڈاکو کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے ہوئے مجھے دور سے دکھائی دی تھیں بورالا سے ڈھانڈ تک ہمیں لاری میں سفر کرنا تھا ۔۔۔ پھر ڈھانڈ سے ٹرین پکڑ کر ہم احمد آباد پہنچ سکتے تھے لیکن ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ہم ڈھانڈ سے ایک اسٹیشن پہلے اتر جائیں گے اور وہاں سے پیدل احمد آباد کی طرف چلیں گے۔

بورالا قصبے کے باہر ہم ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے بیٹھ گئے سدھارتگنی بولی "تم لوگ یہاں بیٹھو! میں قصبے میں جا کر کچھ کھانے کو لاتی ہوں اس کے بعد دیکھیں گے کہ ڈھانڈ کے لئے لاری کہاں سے ملے گی"

سدھا چلی گئی تو نورین نے گردن اٹھا کر کہا "بھائی! کیا میں کبھی اپنے ڈیڈی کے پاس پہنچ سکوں گی؟"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نورین بہن! تم اس وقت نارمل حالات میں نہیں ہو ہم ایک خطرناک مشن پر چلے جا رہے ہیں اور مقصد تمہیں پاکستان حفاظت سے واپس پہنچانا ہے اس کے بعد تمہارے ڈیڈی کو یہاں سے نکال کر تمہارے پاس پہنچانا ہے خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنی ڈیڈی سے مل لوگی۔"

نورین کا چہرہ شام کے اندھیرے میں بے حد تھکا تھکا اور اداس لگ رہا تھا اس کا چہرہ گردن بازو اور ہاتھ کلائی تک ہلکے ہلکے سیاہ تھے وہ مجھے کوئی خانہ بدوش دوشیزہ لگ رہی تھی بے چاری نے کالج کے زمانے میں کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ ایک دن اسے اس عالم میں سوراشٹر کے جنگلوں میں سفر کرنا پڑے گا کہ سپیرن کا حلیہ بنا ہو گا اور جھولا بغل میں ہو گا۔

سدھارتگنی آگئی اس نے کاغذ میں چھ سات روٹیاں لپیٹ رکھی تھیں ان میں گرم گرم آلو کی بھجیا بھی تھی، ہمیں دیتے ہوئے غرا کر بولی "ڈھابے والا مجھ سے پیسے مانگ رہا تھا میں نے پٹاری میں سے سانپ نکالا تو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔" اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی ہم نے وہیں بیٹھے بیٹھے روٹی کھائی ندی کا پانی پیا اور قصبے میں لاریوں کے اڈے پر آگئے یہ ایک چھوٹا سا دیہاتی اڈہ تھا ڈھانڈ جانے والے کچھ مسافر پہلے سے بیٹھے تھے ہم بھی ایک سائبان کے نیچے بیٹھ گئے میں نے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ رات کے نو بجے آخری لاری ڈھانڈ کے لئے روانہ ہو گی ہمیں ماندری سپیرے سمجھ کر کوئی ہمارے پاس نہ آیا لوگ ماندریوں سے دور رہنا پسند کرتے تھے اور یہ بات ہمارے لئے بڑی اچھی تھی یہاں پہلی بار میں نے ایک سپاہی کو دیکھا جو چھڑی بغل میں لئے چائے کی دکان کے باہر کھڑا چائے پی رہا تھا۔

میں قدرتی طور پر سمٹ کر سدھا کے پیچھے ہو گیا سدھارتگنی نے مردانہ انداز میں کہا "رگھو! اس سے کیوں ڈرتا ہے رے؟ میں تیرے ساتھ نہیں ہوں کیا؟"

میں نے اس کا بازو کھینچ کر آہستہ سے کہا "سدھا! بھگوان کے لئے آہستہ بولو اب ہمیں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے ہماری ذرا سی بھول چوک سارا کھیل خراب کر سکتی ہے۔"

سدھارتگنی مسکرا دی "اچھا رے کچھ نہیں بولتی۔"

نو بجے والی لاری رات دس بجے جا کر کہیں ڈھانڈ کی طرف روانہ ہوئی کوئی دو بجے رات اس نے ہمیں ڈھانڈ پہنچا دیا یہاں سے ریل گاڑی احمد آباد کو جاتی تھی ہم لاریوں کے اڈے میں ہی بیٹھے

رہے باقی رات ہم نے وہیں گزار دی صبح ہوئی تو ہم نے سرکاری نلکے پر جا کر منہ ہاتھ دھوئے وہیں ایک دکان سے مٹی کے آبخورے میں چائے اور بند لے کر ناشتا کیا ہمیں پسنجر ٹرین پر سفر کرنا تھا تاکہ احمد آباد سے دور ایک اسٹیشن پہلے ہی اتر جائیں پسنجر ٹرین کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ پونے بارہ بجے آئے گی۔ وہیں لاریوں کے اڈے پر ہی دن کے گیارہ بجائے ۔۔ پھر خانہ بدوش سپیروں کے حلیئے میں ریلوے اسٹیشن پر آگئے سدھا رنگی خود جا کر ٹکٹ بابو سے احمد آباد کے تین ٹکٹ لے آئی کیونکہ ہمیں اس اسٹیشن کا نام معلوم نہیں تھا جہاں ہمیں اترنا تھا ہم خالی خالی پلیٹ فارم پر آکر بیٹھ گئے میری چست ۔۔ اور بیدار آنکھیں چاروں طرف کا باقاعدہ جائزہ لے رہی تھیں۔

یہاں کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا کم بخت گاڑی لیٹ تھی تقریبا ساڑھے بارہ بجے مسافروں سے لدی پھندی آئی ہم بھی تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں گھس کر فرش پر بیٹھ گئے پہلے تو ہمیں وہاں جگہ نہ ملی کوئی بھی پرے نہیں کھسک رہا تھا سدھا رنگی نے پٹاری سے پھنکارتا ہوا ایک سانپ نکالا تو ایک دم سے لوگ پرے پرے ہٹ گئے اور ہمیں بیٹھنے کو جگہ مل گئی۔

ٹرین ہر اسٹیشن پر رک رہی تھی دن ڈھل رہا تھا کہ دور سے کارخانوں کی بڑی بڑی چمنیاں نظر آنے لگیں میں نے سدھا کو اشارہ کیا کہ ہمیں اگلے اسٹیشن پر اترنا ہو گا اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا گاڑی جس اگلے اسٹیشن پر جا کر ٹھہری اس کا نام بھروانا روڈ تھا یہ احمد آباد سے امراوتی کی طرف جاتے ہوئے دوسرا اسٹیشن تھا گویا ہم اس وقت احمد آباد شہر سے کوئی دس پندرہ میل کے فاصلے پر تھے۔

ہم بھروانا روڈ اسٹیشن پر ریل سے اتر پڑے یہاں ایک قریبی بڑے شہر کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے دو چار بجے سجائے تانگے کھڑے تھے ایک طرف کچھ رکشے بھی موجود تھے دور بس اسٹاپ پر ایک اونٹی قسم کی بس مسافر اٹھا رہی تھی چائے سگریٹ کی دکانوں کی جانب دو سپاہی بھی نظر پڑے میں سدھا رنگی اور نورین کو لے کر پیپل کے ایک درخت کے نیچے آگیا۔

یہاں مٹی کا ایک شکستہ چبوترہ تھا جس کے پاس پانی کا دستی پمپ لگا تھا ہم یہاں بیٹھ گئے سدھا رنگی کہنے لگی "رگھو! اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارا وہ آدمی کس طرف رہتا ہے، جس کے پاس یہ امانت رکھانی ہے؟" میں نے اردگرد ایک نگاہ ڈالی اور کہا "یہاں سے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا ذرا سا اندھیرا ہو جائے تو ہم یہاں سے شہر کے جنوبی حصے کی طرف چلیں گے وہاں پہنچ کر میں راستہ پہچان لوں گا پھر نہیں پہلے جا کر میرے خاص آدمی کا پتا کرنا ہو گا کیونکہ اس کے کوارٹر میں میں نہیں جا سکتا۔"

نورین نے گہرا سانس بھرا اور ہمیں اداس نظروں سے تکنے لگی وہ شروع ہی سے خاموش تھی سدھا رنگی بولی "تم کو میں جانے بھی نہیں دوں گی میرے بہادر سورما جی! تم چار فوجیوں کا خون کر آئے ہو پولیس تو تمہاری تلاش میں ہو گی ویسے رگھو! تم نے چار آدمیوں کا خون کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔"

میں نے ایک بار پھر سدھارنگنی کو ہدایت کی کہ وہ ایسی باتیں زبان سے نہ نکالے "تم کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ ہم خطرناک علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔"

سدھارنگنی ہنسنے لگی اس نے اپنی کمر کے گرد لپٹا اپنا بیٹا سانپ ساہو نکال لیا اور نورین نے ایک جھرجھری سی لے کر اپنا منہ دوسری طرف کر لیا میں نے اسے آہستہ سے انگریزی میں کہا "ہمارا ایجنٹ اپنا آدمی ہے اس کے پاس تم بالکل محفوظ ہو گی۔ گھبرانا بالکل نہیں وہ تمہیں انتہائی حفاظت سے بارڈر کراس کرادے گا۔"

نورین نے بھی انگریزی میں کہا "میرے ڈیڈی کا کیا ہو گا؟"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "ڈیڈی کی تم فکر مت کرو نورین! ہم انشاءاللہ انہیں بھی بہت جلد تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔"

جب سورج شہر کی طرف نیچے چلا گیا تو میں نے سدھارنگنی اور نورین کو ساتھ لیا اور شہر کی طرف چل پڑا میں نے اپنی بھاری بھرکم پگڑی بلکہ پگڑ کو اپنے ماتھے پر کافی نیچے کر رکھا تھا تاکہ آسانی سے پہچانا نہ جاسکوں میں سدھا اور نورین کے پیچھے پیچھے تھا اور انہیں اندازے سے گائیڈ کر رہا تھا۔

ہم سڑک چھوڑ کر چل رہے تھے ایک جگہ سے میں نے ریلوے لائن پار کی اور لوہے کے سکریپ سے بھرے ہوئے میدان میں سے گزر کر شہر کے مضافات کے جنوب کی طرف رخ کر لیا میں ٹھیک راستے پر جا رہا تھا کیونکہ مجھے دور سے اس کارخانے کی چمنی دکھائی دینے لگی تھی جو ہمارے ایجنٹ کے کوارٹر سے زیادہ دور نہیں تھی۔

یہاں تک پہنچتے پہنچتے شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا آس پاس کارخانوں کے کوارٹروں، دور شہر کی اونچی عمارتوں اور سڑک پر بجلیاں روشن ہو گئیں ہم چمنی والے کارخانے سے ہٹ کر گزرتے ہوئے پرانے تالاب کے گھاٹ پر پہنچ گئے یہاں میں رک گیا سدھا اور نورین بھی رک گئیں اب میں نے سدھا کو دور سے اپنے ایجنٹ کا کوارٹر دکھایا، جس کے سامنے کوئی بیس گز کے فاصلے پر کھمبے پر ایک بلب روشن تھا "سدھا! اس کھمبے کے پاس جو کونے والا اکیلا کوارٹر تمہیں نظر آرہا ہے، وہاں ہمارا ایجنٹ داوا بھائی رہتا ہے نورین کو میرے پاس ہی رہنے دو پہلے تم جا کر معلوم کرو کہ وہاں کون کون ہے اس کے بعد میں خود وہاں نورین کو لے کر جاؤں گا۔"

میں نے سدھارنگنی کو اپنے ایجنٹ کا پورا حلیہ بتا دیا وہ کوارٹر کی طرف چلی گئی تھوڑی دیر بعد واپس آئی اور بتایا کہ جس آدمی کا حلیہ میں نے اسے بتایا تھا وہ کوارٹر کے گیراج میں اکیلا ہی بیٹھا موٹر کی مرمت کر رہا ہے اب میں نے نورین اور سدھا کو ساتھ لیا اور کوارٹر کی طرف چلا۔

اپنا ایجنٹ کوارٹر میں اکیلا ہی تھا دو شیرین عورتوں اور ایک سپیرے مرد کو دیکھ کر وہ ذرا سا چونکا
سدھا رنگنی کو وہ پہلے بھی ادھر آتا دیکھ چکا تھا ایجنٹ تھا، اسے تو شک ہونا ہی تھا۔ اس نے اپنی جیب میں
ہاتھ ڈال لیا شاید پستول نکالنے لگا تھا کہ میں نے اپنا کوڈ دہرایا۔ بات یہ تھی کہ وہاں روشنی زیادہ نہیں تھی
خفیہ کوڈ سن کر اس نے جلدی سے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا اور ہم لپک کر اندر داخل ہو گئے۔
اس نے دروازہ بند کر دیا اور گہری سانس لے کر بولا "تم ان لوگوں کو کیوں ساتھ لے آئے؟ یہ کون عورتیں ہیں؟"

سدھا رنگنی نے تڑپ کر کہا "میں اس کی پتنی ہوں، سدھا رنگنی تم مجھے نہیں جانتے؟"
میں نے سدھا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر نورین کی طرف اشارہ کر کے بولا "دادا! یہ نورین ہے۔"

ایجنٹ نے نورین پر ایک گہری نگاہ ڈالی کمرے میں ایک کمزور سا بلب روشن تھا سلاخوں والی کھڑکی بند تھی وہ اب سدھا کو تک رہا تھا پھر مجھے باہر کوارٹر کی دیوار کے پیچھے اندھیرے میں لے گیا" دوسری عورت کو تم یہاں کیوں لائے ہو؟" تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"
میں نے اسے بتایا کہ دوسری عورت کے بغیر ہم نورین کو انڈین فوج کی قید سے نہیں نکال سکتے تھے میں نے مختصراً اسے ساری بات بتا دی۔

وہ بولا "پولیس نے لکشمی بائی کو بھی پکڑ لیا تھا مجھے خطرہ تھا کہ وہ راز نہ اگل دے مگر بڑی بہادر عورت نکلی پولیس کو اس نے ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔۔۔ ایک حسین رشوت دینے کے بعد پولیس نے اسے چھوڑ دیا میں چار روز یہاں سے غائب رہا ہوں حالات اب بھی نارمل نہیں ہیں پولیس تمہاری تلاش میں ہے اسے اصل قاتل بھی اب تک نہیں ملا۔"
میں نے بتایا کہ بھگوا ہماری کمین گاہ میں ہے اور وہ سدھا کا جو کہ خود ڈاکو ہے وفادار ساتھی ہے
میں نے پولیس مقابلے کا حال بھی بتایا اس نے کہا کہ وہ اخبار میں یہ خبر پڑھ چکا ہے۔
"اب تم ایسا کرو جتنی جلدی ہو سکے اپنی رنگنی ڈاکو کو لے کر یہاں سے واپس چلے جاؤ نورین کو

میں آج رات ہی سورت جا کر اپنے دوسرے ایجنٹ کے حوالے کر دوں گا جو اسے راجستھان سے بارڈر کراس کروا کر پاکستان پہنچا دے گا اس کے باپ ڈاکٹر فریدی کے بارے میں میرے آدمی نے صرف اتنا بتایا ہے کہ اسے فوج چاند پور چھاؤنی میں لے گئی ہے۔"

"یہ چاند پور چھاؤنی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

دادا بھائی بولا "تم جدھر سے آئے ہو ادھر راستے میں امریلی قصبہ آیا ہو گا وہاں سے دریا گھارنگ کو پار کرنے کی بجائے اگر تم دریا کے ساتھ ساتھ پچھم کی طرف چلو تو پانچ کوس چلنے کے بعد دریا کا ایک پل آتا ہے چاند پور چھاؤنی اس پل کے اس طرف ایک جنگل کو صاف کر کے بنائی گئی ہے وہاں پر پہلے صرف فوجیوں کے کوارٹر اور کوٹھیاں تھیں مگر اب کچھ سویلین دکاندار قسم کے لوگ بھی آباد ہو گئے ہیں یہ چھاؤنی نئی نئی ہے۔"

میں نے پوچھا "تمہیں یقین ہے کہ ڈاکٹر فریدی کو وہیں رکھا گیا ہے؟ میرے ایجنٹ نے اندھیرے میں اپنی چمکیلی آنکھیں مجھ پر جمادیں "ہمارے آدمیوں کی رپورٹ کبھی غلط نہیں ہوتی اب تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارا رہنا ہم سب کے لئے مشکل پیدا کر سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر ایجنٹ گیراج کی طرف مڑ گیا۔

میں کوارٹر میں آگیا سدھارنگی تڑپ کر بولی "رگھو! تیرا دوست کیسا ہے رے' اس نے ابھی تک ہمیں کھانے کو بھی نہیں پوچھا۔"

میں نے نورین کو انگریزی میں ساری بات بتا دی۔۔۔ اور سدھارنگی کو لے کر باہر نکل آیا اپنا ایجنٹ وہاں نہیں تھا وہ سدھارنگی یعنی ایک اجنبی عورت کی وجہ سے ادھر ادھر ہو گیا تھا سدھارنگی تامل زبان میں ایجنٹ کو کوس رہی تھی میں اسے تالاب کی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا۔

ہمارے سامنے اب واپسی کا سفر تھا رات ہم نے اسی اسٹیشن پر بسر کی جس پر ٹرین سے اترے تھے سدھارنگی کو میں نے سارے حالات بیان کر دیئے وہ بولی "رگھو! تم اکیلے اس بوڑھے آدمی کو فوج کی قید سے نہیں نکال سکو گے میں تمہاری مدد کروں گی' تمہاری پتنی ہوں' میرا دھرم بھی مجھے یہی کہتا ہے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا بات اس نے ٹھیک کہی تھی میں پہلے ہی پولیس اور فوج کو جاسوسی اور قتل کے [illegible] تھا سدھارنگی سپیرن کے بھیس میں میرے لئے راستہ ہموار کر سکتی تھی میں نے اسے [illegible] کا فیصلہ کر لیا سدھارنگی بڑی خوش ہوئی رات اسٹیشن کے باہر پیپل کے درخت تلے گزار دی صبح [illegible] وہاں سے لاری پکڑ کر بورالا قصبے میں آئے یہاں سے پیدل ہی امریلی کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں رات ہو گئی ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا وہاں ایک مندر کے آنگن میں رات گزاری صبح منہ اندھیرے اٹھ کر دریائے گھارنگ کی طرف چل پڑے۔

مجھے اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میرا آدھا مشن مکمل ہو گیا تھا اور نورین محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی اب میں اپنے بقیہ آدھے مشن کی تکمیل کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے جا رہا تھا۔۔ دریائے گھارنگ پر پہنچ کر ہم نے اس کے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا چند کوس چلنے کے بعد دور ہمیں پل دکھائی دینے لگا قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ کشتیوں سے بنایا گیا پل تھا اور اس کی بائیں جانب اسی کنارے پر ذرا نشیب میں چھوٹے چھوٹے کوارٹر نما مکان بنے ہوئے تھے ان میں دو منزلہ عمارتیں بھی تھیں دور سے مجھے کچھ فوجی ٹرک ایک گراؤنڈ میں داخل ہوتے نظر آئے میں نے سدھا سے کہا۔

"سدھا یہی وہ چھاؤنی ہے جہاں ڈاکٹر فریدی کو کسی خفیہ مقام پر قید رکھا گیا ہے"

سدھا رنگنی اپنی لال لال آنکھوں سے ان عمارتوں اور مکانوں کو گھورنے لگی اس کا سانپ بیٹھا ہوا اس کی کلائی میں لپٹا ہوا تھا جیسا کہ اپنے ایجنٹ نے مجھے بتایا تھا اس چاند پور نامی چھوٹی سی فوجی چھاؤنی میں ایک جانب نئی آبادی بھی نظر آرہی تھی یہ فوجی دفاتر میں کام کرنے والوں اور دکانداروں کے کوارٹرز تھے۔

جس میدان میں فوجی ٹرک داخل ہوئے تھے اس کی ایک جانب ڈھلانی چھت والی دو منزلہ عمارت تھی، جس کی دوسری منزل کے برآمدے میں مجھے پہرے پر کھڑے دو فوجی دکھائی دیئے ضرور اسی عمارت میں کسی جگہ ہمارا ٹارگٹ تھا۔

یہاں بڑی دور اندیشی اور ایک خاص حکمت عملی کے تحت اپنے منصوبے پر کام کرنے کی ضرورت تھی ہمیں سب سے پہلے یہ پتا چلانا تھا کہ اس چھاؤنی میں کوئی خفیہ تہ خانہ یا جیل کی کوٹھڑی کہاں ہے؟ اس کے بعد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا وہاں پر ڈاکٹر فریدی موجود ہے بعد ازاں ڈاکٹر فریدی کو وہاں سے نکالنے کا مرحلہ تھا، جو ایک دشوار کام تھا سدھا رنگنی اس ضمن میں میری مدد کر سکتی تھی ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ سدھا رنگنی بھی ایک مفرور ڈاکو تھی اور میں بھی ایک مفرور، قاتل اور غیر ملکی جاسوس تھا پولیس دن رات ہم دونوں کی کھوج میں تھی سدھا رنگنی کو تو پولیس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا مگر میری تصویر سویلین اور ملٹری پولیس کے ریکارڈ میں موجود تھی اگرچہ میرا حلیہ کافی بدلا ہوا تھا پھر بھی قریب سے میں پہچانا جا سکتا تھا۔

سدھا رنگنی بولی "رگھو! اگر تمہیں اپنے آدمی کو یہاں سے نکالنا ہے تو پھر ہمیں اس بستی کے باہر کسی خفیہ جگہ پر ڈیرا جمانا ہوگا۔"

بات اس نے میرے دل کی کہی تھی ہمیں چاند پور چھاؤنی سے باہر رہ کر پہلے اپنی جگہ بنانی تھی پھر وہاں سے اپنے منصوبے کا آغاز کرنا تھا۔

سورج مشرقی پہاڑیوں سے اوپر آگیا تھا اور اس کی سنہری کرنیں چھاؤنی کے مکانوں کی چھتوں کو روشن کر رہی تھیں ہمارے پاس سانپوں کی ایک پٹاری ایک جھولا اور ایک ایک سپیروں والی بین تھی۔۔

۔اور سدھار تگنی کے پاس ایک بھرا ہوا پستول بھی تھا' جو اس نے اپنے گیروے رنگ کی دھوتی نما ساڑی میں چھپا رکھا تھا بستی کے قریب ہی ببول کے بہت سے درخت اگے ہوئے تھے یہ ویران علاقہ تھا مٹی کا ایک بہت بڑا تودہ تھا' جس پر جھاڑیاں اگی تھیں یہاں ایک طرف سے لوگ مٹی کھود کر لے گئے تھے ' جس کی وجہ سے وہاں ایک چھوٹا سا کھوہ نما غار سا بن گیا تھا ہم نے اسی کھوہ میں اپنا ٹھکانا بنالیا ادھر ادھر سے گھاس پھونس اکٹھا کر کے اندر زمین پر بچھا دیا سدھار تگنی بستی کے بازار سے ایک ایلومینیم کی دیگچی ' مٹی کے دو چار پیالے مٹی کی گاگر اور ایک لوٹا خرید لائی اس نے واپس آکر بتایا کہ بستی کا صرف ایک ہی چھوٹا سا بازار ہے جہاں آٹا' دال' چاول ' مٹی کا تیل اور برتنوں کی چند ایک دکانیں ہیں وہ کوارٹروں کی طرف نہیں گئی تھی وہ تھوڑے سے چاول بھی لیتی آئی تھی۔ '

بیری کے جنگلی درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی ندی بہتی تھی یہاں سے وہ پانی کی گاگر بھر کر لے آئی اس نے دال چاول کی کھچڑی پکائی جو ہم نے مل کر کھائی پھر سدھا کھوہ میں ایک طرف آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی یہ اس کے سانپ بیٹے ساہو کے دودھ کا وقت تھا۔

میں اپنے خیالوں میں گم تھا ابھی تک میرے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ نہیں آیا تھا' جس پر میں عمل شروع کرتا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا سانپ کو دودھ پلانے کے بعد سدھار تگنی میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی " میرے سوامی تم میرے ہوتے ہوئے کیوں پریشان ہو رہے ہو تم اپنی پریشانی مجھے دے دو میں تمہارے آدمی کا کھوج لگا کر چھوڑوں گی میں فوجیوں کی بیرک کے پاس جا کر سانپوں کا تماشا دکھانے کے بہانے ان سے تعلقات پیدا کرلوں گی اور ۔۔۔!

میں نے سدھار تگنی کی طرف دیکھا وہ چپ ہو گئی پھر لال لال آنکھوں سے مجھے گھورتی ہوئی بولی " رگھو! تم بھی مجھ پر شک کرتے ہو ؟ ارے اس سنسار میں تمہارے سوا مجھے کوئی ہاتھ تو لگا کر دیکھے ' اسے کچا نہ چبا جاؤں تو سدھار تگنی نام نہیں " پھر جیسے اسے اچانک کچھ یاد آگیا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں اور آواز سانپ کی پھنکار کی طرح ہو گئی " ہاں بڑودہ کے جیلر سے ابھی مجھے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا ہے "

اس نے میرا چہرہ اپنی کھردری ہتھیلیوں میں لے لیا اور میری آنکھوں میں اپنی لال لال گرم آنکھیں ڈال کر بولی " مجھے معاف کر دینا رگھو! اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے مجھے رسیوں سے باندھ دیا تھا میں بے بس ہو گئی تھی اس طرح تو تم بھی بے بس ہو جاتے ۔۔ لیکن میرے سینے پر بڑودہ کے جیلر کا ایک گہرا داغ ہے میں ایک بار اپنے آدمیوں کے ساتھ اس کے مکان پر بدلہ لینے گئی تھی مگر وہ وہاں پر موجود نہیں تھا رگھو! میں اپنے بیٹے سانپ ساہو کی سوگند کھا کر تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں بڑودہ کے جیلر سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گی "

میں نے اسے دوسری باتوں میں لگا کر موضوع بدل دیا وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی ویسے بھی مجھے

بڑودہ کے جیلر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں تو اس وقت اس فکر میں گم تھا کہ ڈاکٹر فریدی کا سراغ کیسے لگایا جائے اور سدھا رنگی اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتی ہے؟ میں خود چھاؤنی کا رخ کرنے سے گریز کر رہا تھا میرے شناخت کئے جانے کا خطرہ تھا میں صرف اشد ضرورت کے تحت ہی ایسا کر سکتا تھا بالآخر میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ سدھا رنگی کو ہی بھیجوں کہ چھاؤنی کے علاقے میں جا کر وہاں کا حدود اربعہ معلوم کرے۔

وہ دوپہر کو گئی مگر اس کی معلومات سے میں کوئی خاص اندازہ نہ لگا سکا کہ چھاؤنی میں کون سا دفتر کہاں ہے اور کون سا فوجی افسر کس جگہ رہتا ہے' جو میرے مشن میں میرے کوئی کام آسکتا ہے؟ ایک روز جب دن کی روشنی کم ہوئی تو میں خود سپیروں کا جھولا بغل میں لٹکا کر بین ہاتھ میں لئے خود ہی چاند پور بستی کی طرف چل پڑا یہ کوارٹروں کی چار پانچ گلیوں والی بستی تھی' جہاں کچھ دکانیں بھی تھیں چھاؤنی کی عمارتوں کی طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی وہاں سڑک پر رکاوٹ کھڑی کر کے ایک چیکنگ پوسٹ بنا دی گئی تھی میں اسے دور ہی سے دیکھ کر واپس آگیا دوسرے دن میں اور سدھا اکٹھے بستی میں گئے دو ایک جگہوں پر ہم نے سانپ کا تماشا بھی دکھایا کوارٹروں میں سے بچے نکل کر جمع ہو جاتے میں نے دیکھا کہ یہ کوارٹر نان کمشنڈ آفیسرز کے تھے کمشنڈ آفیسر شاید چھاؤنی کی حدود کے اندر رہتے تھے۔

ہم تماشا دکھا کر کوارٹروں کی قطار کے قریب سے گزر رہے تھے کہ میری نظر ایک کوارٹر کے باہر لگی نیم پلیٹ پر پڑی' جس پر گجراتی زبان میں لانس نائیک وشنو نند ریکر کے آگے بریکٹ میں "انٹیلی جینس" کا لفظ لکھا تھا میرے اندر جیسے کوئی چیز جاگ پڑی میں نے سدھا کو وہ کوارٹر دکھاتے ہوئے آہستہ سے تامل زبان میں کہا "اس کوارٹر کو یاد رکھنا۔"

اس نے پلٹ کر کوارٹر پر نگاہ ڈالی اور خاموش ہو گئی ۔۔۔ جب ہم بستی سے نکل کر اپنی کھوہ کی طرف جا رہے تھے تو اس نے مجھ سے اس کوارٹر کے بارے میں پوچھا میں نے اسے بتایا کہ وہاں وشنو نند ریکر نام کا ایک ایسا فوجی رہتا ہے' جس کا تعلق ملٹری انٹیلی جینس سے ہے اور اس آدمی سے ہمیں ڈاکٹر فریدی کے بارے میں بڑی اہم معلومات مل سکتی ہیں سدھا رنگی نے اپنے بیٹے سانپ کو اپنی گردن سے اتار کر اپنی کلائی پر لپیٹتے ہوئے کہا "کیا ہمیں اسے اغوا کرنا ہو گا؟"

میں نے اسے سمجھایا کہ ہمیں اس کے ساتھ ایسے مراسم استوار کرنا ہوں گے کہ اسے ہمارا اعتماد حاصل ہو جائے وہ جذباتی اعتبار سے ہمارے قبضے میں آجائے اور ہم اس سے باتوں ہی باتوں میں ڈاکٹر فریدی کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر سکیں جس کا مجھے یقین تھا کہ اسے ضرور علم ہو گا میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آگیا میں نے سدھا سے پوچھا "سدھا تمہارے پاس کوئی ایسا سانپ ہے جو اس فوجی کے گھر کے کسی فرد کو رات کے وقت جا کر سونگھ آیا کرے کیونکہ میں نے سن رکھا ہے

کہ اگر کسی کو سانپ سونگھ جائے تو وہ مرتا تو نہیں لیکن بے حد بیمار ہو جاتا ہے اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں ؟" سدھا بولی " ایسا تو کوئی خاص سانپ میرے پاس نہیں ہے لیکن میں کسی بھی سانپ سے ایسا کام لے سکتی ہوں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ میرا سانپ اس خاص آدمی کے بدن کی خوشبو سے واقف ہو اس کے لئے سانپ کو اس آدمی کے جسم کا کوئی کپڑا سنگھانا پڑے گا۔""

اپنی کھوہ تک پہنچتے پہنچتے میرے دماغ میں ایک پوری اسکیم تیار ہو چکی تھی میں نے یہ ساری اسکیم سدھا رنگنی کو سمجھادی۔

اپنی اس نئی اسکیم پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہم اگلے روز دوپہر کے وقت اپنی کھوہ سے نکل کر چاند پور کے کوارٹروں میں آگئے مجھے معلوم تھا کہ اس وقت لوگ کام کاج پر گئے ہوتے ہیں اور گھر میں صرف عورتیں اور بچے ہی ہوتے ہیں میں لانس نائیک نندریکر کے کسی بچے کو نشانہ بنانا چاہتا کیونکہ بچے کے ساتھ باپ کے شدید جذبات وابستہ ہوتے ہیں۔

ہم نے عین لانس نائیک نندریکر کے کوارٹر کے سامنے جاکر سانپ کا تماشا دکھانا شروع کر دیا میں جھولا زمین پر رکھ کر بیٹھ گیا اور بین بجانے لگا سدھا رنگنی نے سانپوں کی پٹاری سامنے رکھی دی اور گجراتی زبان میں سانپوں کی تعریف میں ان کا ایک مخصوص گیت گانے لگی وہ خود سوراشٹر کی رہنے والی تھی اور بچپن میں اس نے مانڈ قبیلے کی سپیرن عورتوں کے یہ گیت سن رکھے تھے ادھر سے چھوٹے بڑے بچے کوارٹروں سے نکل کر جمع ہو گئے 'مگر ابھی تک لانس نائیک کے کوارٹر سے کوئی بچہ نہیں نکلا تھا میں نے سوچا کہ اگر یہاں کوئی بچہ نہ ہوا تو پھر یہ کام اس گھر کی کسی عورت سے لیا جائے گا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے نندریکر کے کوارٹر سے کوئی چھ سات برس کی عمر کا ایک کلا کلوٹا بچہ بھاگتا ہوا باہر نکلا اس نے نیکر اور پرانا کرتا پہن رکھا تھا۔

میں نے سدھا کو اشارے سے وہ بچہ دکھایا سدھا نے اس کے قریب جاکر اسے پیار کیا اور گجراتی زبان میں بہت جلد معلوم کر لیا کہ وہ اسی گھر میں رہتا ہے اور اس کا باپ چھاؤنی کام پر گیا ہوا ہے سدھا رنگنی سانپوں کا تماشا دکھانے لگی اب کچھ بڑی بوڑھیاں بھی کوارٹروں سے نکل کر اپنے دروازوں میں کھڑی ہو گئیں۔

اس بچے کا نام سدھا نے معلوم کیا 'نندو تھا نندو کے کوارٹر سے کوئی عورت باہر نہیں آئی تھی سدھا رنگنی نے ایک خاص سانپ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ایک چکر لگا کر کوارٹروں کے باہر کھڑی عورتوں سے خیرات میں کچھ دینے کی اپیل کی۔

اس دوران میں میری نگاہوں سدھا رنگنی پر جمی ہوئی تھیں وہ بڑی ہوشیاری سے لانس نائیک نندریکر کے بیٹے نندو کے قریب سے گزری اور میں نے دیکھا کہ اس نے بڑی تیزی سے سانپ کا منہ بچے کی قمیص سے چھوا دیا تھا بچہ ڈر کر کوارٹر کی طرف بھاگ گیا لیکن سدھا اپنا کام کر چکی تھی عورتوں

نے ہمیں سوکھے چاول اور آٹا دیا جسے ہم نے جھولوں میں ڈالا اور سانپوں کی پٹاری اٹھا کر وہاں سے چلے آئے۔

کوارٹروں سے نکلتے ہی سدھا نے مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ اس کے سانپ نے اس لڑکی کی قمیص کو سونگھ لائی ہے۔

"بھگوان کرے کہ یہ اسی آدمی کا بچہ ہو" وہ بولی۔

میں نے کہا" بچہ اسی کوارٹر سے نکلا تھا وہ یقیناً لانس نائیک کا ہی بیٹا ہوگا۔"

اپنی کیمن گاہ میں واپس آکر سدھا رنگنی نے اس سانپ کو باہر نکالا جس نے بچے کی قمیص سونگھی تھی سانپ کا رنگ سبزی مائل سیاہ تھا اور یہ بالشت بھر کا سانپ تھا سدھا رنگنی بولی" رگھو! میں اسے آدھی رات کو تمہارے دشمن کے کوارٹر کی طرف بھیجوں گی' جب گھر کے سب لوگ سو رہے ہوں گے یہ بڑی خاموشی سے سیدھا بچے کے پاس جائے گا اور اس کی ٹانگ سونگھ کر واپس آجائے گا سانپ کے سانس کے اثر سے بچہ بیمار پڑے گا پھر اس کا جسم سوکھنا شروع ہو جائے گا اور مسلسل پندرہ روز سانپ کے سونگھنے کے بعد وہ مر جائے گا۔"

میں نے کہا" ہمیں اس بچے کو ہلاک نہیں کرنا سدھا میں اس سے پہلے اپنا مقصد پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

رات کو ہم کھوہ میں دیا جلا کر جاگتے رہے آدھی رات کے بعد سدھا رنگنی نے اس خاص بالشت بھر کے سیاہ سانپ کو پٹاری میں سے نکالا اس پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکے اور اسے چھوڑ دیا سانپ اندھیرے میں غائب ہو گیا مجھے ایک پل کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا ہے' جو ہو سکتا ہے نشانے پر نہ لگے جب میں نے اپنے اس شک کا اظہار کیا تو سدھا ہنس کر بولی" رگھو! تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے اتنی مدت ہو گئی ہے پھر بھی تم میرے سانپوں کی طاقت سے واقف نہیں ہو یہ سانپ سیدھا اس بچے نندو کے پاس ہی جائے گا وہ جہاں کہیں بھی سو رہا ہوگا' یہ اس کے قریب جا کر صرف اسے سونگھ کر واپس آجائے گا اسے کاٹے گا ہرگز نہیں۔"

میں دل ہی دل میں اس معصوم بچے کی زندگی کی دعا کرنے لگا کیونکہ مجھے اس بچے کی زندگی بھی عزیز تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے ہم اب اپنے سانپ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے سدھا رنگنی چٹائی پر لیٹ گئی دیئے کی دھیمی روشنی میں اس کی آنکھیں کسی وقت یاقوت کی طرح چمکنے لگتی تھیں اس نے اپنے سانپ بیٹے کو سینے سے لگا رکھا تھا بڑی حسرت سے آہ بھر کر بولی" رگھو! میرے بیٹے نے مجھے تم سے جدا کر رکھا ہے یہ بھی کیسی اولاد ہے میری۔"

اس کی آواز ایسی تھی جیسے خشک پتوں پر سانپ چل رہا ہو۔ یونہی باتیں کرتے ایک گھنٹہ گزر گیا جب میرے اندازے کے مطابق دو گھنٹے گزر گئے تو مجھے تشویش ہوئی۔

سدھا مسکرائی "میرا سانپ آرہا ہے' مجھے اس کی خوشبو آگئی ہے" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے چراغ کی روشنی میں کھوہ میں آنے والے راستے کو دیکھا میری نگاہیں بھی اسی طرف جمی تھیں مجھے تو وہ بالشت بھر کا سیاہ سانپ نظر نہ آسکا لیکن سدھار تگنی نے پیار سے چمکارتے ہوئے اسے زمین پر سے اپنی ہتھیلی پر اٹھالیا اور اسے چوم کر بولی تمہیں راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی رے؟ تمہیں کوئی مارنے کو تو نہیں دوڑا؟"

سانپ سے باتیں کرتے ہوئے اس نے اسے چاروں طرف سے دیکھا میں نے جھلا کر کہا" اس سے پوچھو کہ لڑکے کو سونگھ کر بھی آیا ہے کہ نہیں؟"

سدھا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا رگھو تم میرے بچوں کو نہیں سمجھ سکے میرے پتی دیو ضرور ہو پر میری اولاد سے ناواقف ہو مجھے اپنے سانپ کے منہ سے اس بچے کے جسم کی بو آرہی ہے یہ اپنا کام کر آیا ہے کل پھر یہ اسے سونگھنے جائے گا۔"

میں نے بے تابی سے پوچھا" یہ کب تک اسے سونگھے گا؟ سدھا بولی" صرف چار روز سونگھنے کے بعد بچہ بیمار پڑ جائے گا چھٹے روز اس کا جسم سوکھنے لگے گا۔"

اس کا مطلب تھا کہ مجھے کم از کم سات دن تک وہیں کھوہ میں ہی بیٹھے رہنا تھا سدھار تگنی ایسی ڈاکو عورت کے پاس اتنے روز اکیلے رہنا میرے لئے یوں بھی مشکل نہیں تھا کہ میں اس کا عادی ہو چکا تھا چنانچہ میں نے یہ دن گزار دیئے اس عرصے میں میں نے قصداً سدھار تگنی کو بھی بستی کی طرف نہ جانے دیا۔

آٹھویں روز میں نے اسے کوارٹروں کی طرف بھیجا میں خود اس کے ساتھ نہ گیا اپنی اسکیم کے مطابق سدھار تگنی کو اکیلی ہی جانا تھا وہ دن میں اس وقت گئی جب سب مرد گھر پر ہی ہوتے ہیں کوئی دو گھنٹوں کے بعد وہ واپس آئی تو اس کا چہرہ خوشی چمک رہا تھا ہمارا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا پہلی کامیابی یہ ہوئی تھی کہ نندو اسی لانس نائیک نندریکر کا ہی لڑکا تھا اور اکلوتا بیٹا تھا دوسری کامیابی یہ ہوئی تھی کہ سانپ کے سونگھنے کی وجہ سے بچہ ضرورت سے زیادہ ہی بیمار ہو گیا تھا ان کے گھر میں سوگ پڑا تھا لانس نائیک فوج کے سب سے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھی اپنے بچے کو لے کر گیا تھا مگر اس کے علاج سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا اب بستی کے وید کا علاج کرایا جا رہا تھا سدھار تگنی بھی دوسری عورتوں کے ساتھ لانس نائیک کے گھر میں جا گھسی اور بچے کی ماں کو ایک طرف بلا کر کہا اسے یوں لگتا ہے کہ بچے کو سنکھ سانپ نے ڈس لیا ہے جس کے ڈسنے سے آدمی مرتا نہیں مگر پندرہ بیس دنوں کے اندر اندر سوکھ کر مر جاتا ہے۔

بچے کی ماں تو رونے لگی اس کے باپ کو پتا چلا تو اس نے سادھار تگنی کو ڈانٹ کر گھر سے باہر نکال دیا۔

وہ مجھ سے کہنے لگی " رگھو! اس کالے مراٹھے نے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا تو میرا خون کھول اٹھا بھگوان کی قسم! اگر تمہارا خیال نہ ہوتا تو میں اسے وہیں ڈھیر کر دیتی ۔"

میں نے کہا اب کیا ہوگا " کہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ مر جائے اور ہمیں بھی کچھ حاصل نہ ہو ۔"

وہ بولی " ارے تم گھبراتے کیوں ہو؟ میرے سوامی! صرف چار روز اور ٹھہرو اب میں جاؤں گی تو وہ میرے چرن چھوئیں گے " مصیبت کے وہ چار دن بھی کسی نہ کسی طرح بسر کیئے ۔۔۔ پانچوں روز سدھار نگنی بین ہاتھ میں لئے ایک بار پھر اکیلی ہی بستی کی طرف چل پڑی اس روز وہ دوپہر کے بعد واپس آئی آتے ہی بولی " رگھو! آج اس کمینے مراٹھے نے میری بڑی خاطر داری کی مجھے کڑھی چاول کا بھوجن بھی کرایا اب تو وہ میرا چیلا بن گیا ہے بھیگی بلی بن کر میرے قدموں میں بیٹھا رہا ۔"

میں بڑا خوش ہوا سدھا نے بتایا کہ لڑکے کی حالت اس کی اسکیم کے مطابق کافی خراب ہو چکی تھی وہ پہچانا نہیں جاتا تھا اس نے لانس نایک کے گھر میں جا کر اس کی ماں سے بچے کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ ضد سے کام لے کر بچے کی جان گنوا بیٹھیں گے بچے کو سنکھ سانپ نے ڈسا ہے اور دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کر سکتا پھر جب سدھار نگنی نے لڑکے کی ٹانگ پر سے کپڑا ہٹا کر وہ جگہ دکھائی جہاں سانپ سونگھا کرتا تھا تو سب نے دیکھا کہ بچے کی پنڈلی ایک جگہ سے نیلی پڑ چکی تھی یہ سدھا کے اپنے سانپ کے سانس کا اثر تھا تب تو سب کو یقین ہو گیا بچے کا باپ بھی سدھار نگنی کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر گڑگڑایا کہ کسی طرح میرے بچے کو بچالو ۔

اب سدھا نے اسکیم کے مطابق اسے کہا کہ سنکھ سانپ کے کاٹے کا علاج اس کے گرو کے پاس ہی ہے جو بستی سے دور ایک کھوہ میں رہتا ہے مگر اس سے ملنا بہت مشکل ہے وہ کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا ۔

گھر والے پریشان ہو کر سدھار نگنی کی منت سماجت کرنے لگے ماں نے رو کر اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگی لانس نایک نے سدھار نگنی کے پاؤں پر سر رکھ دیا سدھار نگنی نے کہا کہ میں گرو کو کسی طرح راضی کرنے کی کوشش کروں گی ۔

سدھا نے میرا بازو پکڑ کر دبایا اور بولی " رگھو! اب تم میرے گرو بھی ہو کل میں انہیں ۔۔۔ تمہارے پاس لے کر آؤں گی تم ذرا نخرے دکھانا مجھے تو تم بڑے نخرے دکھایا کرتے تھے شروع شروع میں ۔۔۔!

اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی پھر اس نے مجھے بتایا کہ جب بچے کا باپ میرے پاس آئے تو میں ۔۔۔ سانپ کے منکے کو پانی میں ڈال کر وہ پانی اسے دے دوں بچہ وہ پانی دو روز پیئے گا تو اس کے جسم کی طاقت واپس آنے لگے گی اب اس نے سانپ کو بھی روک دیا تھا ۔

دوسرے دن وہ مجھے پورا گرو بنا کر کھوہ میں بٹھا گئی۔ میں نے سر پر پگڑ ۔۔ باندھ کر اپنے جسم پر گیروی چادر لپیٹ لی تھی ماتھے پر مٹی سے تین لکیریں بنالی تھیں مٹی کے کٹورے میں تھوڑا سا کڑوا تیل ڈال کر اس میں ایک کالا پتھر رکھ دیا تھا مٹی کا دیا میری دائیں جانب اینٹوں پر روشن تھا سدھار نگنی کے سانپ کا منکا میری جیب میں تھا سدھار نگنی جانے سے پہلے کھوہ میں لوبان بھی سلگا گئی تھی جس سے میرے ناک میں دم آرہا تھا اس کے جانے کے بعد میں کھوہ سے نکل کر کھلی ہوا میں آکر بیٹھ گیا۔

اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی سدھار نگنی کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آئی میں نے نشیب میں اسے دور سے دیکھ لیا اس کے ساتھ سفید دھوتی کرتے میں ملبوس ایک آدمی بھی چلا آرہا تھا میں جلدی سے کھوہ میں گھس گیا اور آسن جما کر بیٹھ گیا یہ لانس نائیک نندریکر ہی ہو سکتا تھا۔

میں جوگیوں کی طرح چار زانو سمادھی لگائے بیٹھا تھا میری آنکھیں نیم وا تھیں میں نے دیکھا کہ لانس نائیک نندریکر کو سدھا نے کھوہ کے باہر ہی روک دیا ہے۔ وہ خود ہاتھ جوڑ کر کھوہ کے اندر جھک کر بولی "گرو مہاراج! اگر آپ کی اجازت ہو تو بچے کے دکھی باپ کو حاضر کروں؟"

میں نے آواز میں رشی منی کا دبدبہ پیدا کرتے ہوئے کہا "یہ اب آیا ہے ہمارے پاس؟ پہلے کہاں تھا اس کے بچے نندو کو سنکھ سانپ اپنے پاس بلا رہا ہے ہم سنکھ ناگ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔"

لانس نائیک دو زانو ہو کر گڑگڑایا "مہاراج! میرے بچے کی جان بچالیں، چاہے میری جان لے لیں۔"

میں نے گرج دار آواز میں کہا "ہم یم دوت نہیں ہیں، جو تیری جان لیں جا ہم تیرے بچے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

اب پروگرام کے مطابق سدھا نے التجا کی "گرو مہاراج میں نے نندریکر جی کے بچے کو اپنا بچہ مان لیا ہے، اس پر کرپا کریں، یہ نادان ہے، وید ڈاکٹروں کے چکر میں پھنسا رہا۔"

میں نے ہاتھ اوپر اٹھا کر انہیں شانت رہنے کا اشارہ کیا میں کچھ دیر خاموش رہا پھر نندریکر اور سدھا کو اندر بلا لیا لانس نائیک نندریکر میرے سامنے دو زانو ہو کر ادب سے بیٹھ گیا اس نے ہاتھ باندھ رکھے تھے، سر جھکا ہوا تھا میں نے کہا "ہماری چیلی نے تمہارے بچے کو اپنا بچہ کہا ہے، ہم اس کی بات کا پالن کریں گے ہم تمہیں ایک کٹورے میں آکاش کے دیوتا سنکھ ناگ کے منکے والا پانی دیں گے یہ پانی جا کر اپنے بچے کو پلا دینا تیرے بچے کا مرض واپس چلا جائے گا مگر اس کے بعد تجھے ایک دوسرا علاج کرنا ہوگا، نہیں تو سنکھ ناگ کا زہر دوبارہ تیرے بچے کے جسم میں جاگ پڑے گا اور اسے ہلاک کر دے گا۔"

لانس نائیک نے اپنا ماتھا میرے پاؤں کے آگے رکھ دیا اور روتے ہوئے بولا "گرو مہاراج آپ جیسا کہیں گے میں ویسے ہی کروں گا آپ میرے لئے دیوتا سمان ہیں کسی طرح میرے بچے کی جان بچالیں وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔"

میں نے اسکیم کے تحت ایک آبخورے میں سدھار نگنی کے سانپ کا منکا ڈال کر باہر نکال لیا اور کہا " یہ پانی ابھی جا کر اپنے بچے کو پلا دے تیرا بچہ بھلا چنگا ہو جائے گا پرنتو تجھے پرسوں پھر میرے پاس آنا ہوگا۔"

لانس نائیک نے میرے پاؤں کو چوم لیا آبخورہ اٹھایا سدھار نگنی اسے اشارہ کر کے اپنے ساتھ باہر لے گئی ۔۔ جب اس نے لانس نائیک کو وہاں سے رخصت کر دیا تو کھوہ میں آکر بولی " رگھو! تم تو پورے جٹا دھاری جوگی بن گئے۔

اور ایسا ہی ہوا دو دن بعد وعدے کے مطابق جب لانس نائیک نندریکر میرے پاس آیا تو وہ بڑا خوش تھا سدھا نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ گروجی کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے اور اس بات کو راز میں ہی رکھے چنانچہ وہ اکیلا آیا تھا اس نے پھول اور مٹھائی کی ٹوکری اٹھا رکھی تھی اس کا بچہ سندو واقعی صحت مند ہو گیا تھا اس نے میرے پاؤں پر سر رکھ دیا اور بولا " مہاراج ! آپ کا پوتر جل پینے سے میرا بیٹا اچھا ہو گیا ہے اب وہ چلنے پھرنے لگا ہے۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے کہا " یہ سب بھگوان کی کرپا سے ہوا ہے مگر تمہارے بچے پر ابھی موت کا سایہ موجود ہے۔"

اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے اور گڑگڑا کر بولا " گرو مہاراج! کسی طرح میرے بچے کو یم دوت کے سائے سے بچا لیں میں آپ کی سارا جیون سیوا کروں گا۔"

میں نے کہا " اس کے لئے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا؟

حکم کریں مہاراج! میں اپنے بیٹے کے لئے اپنی جان تک کا بلیدان دے سکتا ہوں۔"

میں نے کہا " تمہاری جان کے بلیدان کی ضرورت نہیں۔"

۔۔۔ پھر میں نے اسے بتایا کہ اگرچہ اس کا بیٹا صحت مند ہو گیا ہے لیکن سنکھ ناگ کا زہر ابھی تک اس کے بچے کے جسم میں موجود ہے اور وہ صرف ایک ہی صورت میں ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے " مگر یہ بڑا کٹھن کام ہے ' شاید تم یہ کام نہ کر سکو۔"

نندریکر نے ہاتھ باندھ رکھے تھے بولا " گروجی آپ حکم کریں میں اپنے بچے کے لئے نرگ میں بھی چلا جاؤں گا۔"

سدھار نگنی دو زانو خاموش بیٹھی تھی میں نے جب نندریکر کو دیکھا کہ پوری طرح میری گرفت میں ہے تو کہا " مجھے ایک ایسے شخص کے سر کے سات بال چاہئے ' جو بھارت ورش کے کسی دشمن ملک کا باشندہ ہو یہاں تمہیں بھارت ورش کا غیر ملکی باشندہ نہیں مل سکے گا تمہیں اس کے لئے بھارت ورش کے کسی دشمن ملک کا سفر کرنا ہوگا کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

لانس نائیک بولا " میں تیار ہوں مہاراج پرنتو ہمارا دشمن نیپال ' برما نہیں ہے ایک ہی ہمارا

ہمسایہ ملک پاکستان ہے جو ہمارا دشمن ہے میں آج ہی چھٹی کے لئے درخواست دائر کر دیتا ہوں۔"

میں نے کہا" اس میں دو باتیں بہت ضروری ہیں ایک تو تمہیں اس ساری کاروائی کو راز میں رکھنا ہوگا تمہیں یہ بات اپنی پتنی کو بھی نہیں بتانی ہو گی' ورنہ سارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تمہارے بچے کو پھر کوئی موت کے منہ سے نہ بچا سکے گا دوسری بات یہ ہے کہ یہ کام جلدی ہو جانا چاہئے اگر دیر ہو گئی تو سنکھ ناگ کا زہر دوبارہ تمہارے بیٹے کے جسم میں پھیلنا شروع ہو جائے گا اور اس بار میرا منکا بھی اس کو ختم نہیں کر سکے گا۔"

لانس نائیک فکر مند ہو گیا بولا" مہاراج! کتنی مہلت مل سکتی ہے؟ کیونکہ مجھے نئی دلی جا کر پاکستان کا ویزا بھی لینا ہو گا' اس میں دس پندرہ دن تو ضرور لگ جائیں گے۔"

میں نے اس کے لئے مزید مشکلات پیدا کرتے ہوئے کہا اور ہو سکتا ہے تمہیں پاکستان جانے کی اجازت نہ مل سکے پھر تم کیا کرو گے؟ نہیں نہیں سندریکر! یہ کام تم سے نہیں ہو گا اپنے بچے کو بھگوان کے سپرد کردو۔"

لانس نائیک سندریکر پریشان ہو گیا اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا میں اس کے چہرے کی پریشان تحریر صاف طور پر پڑھ رہا تھا اب میں نے ترکش میں سے اپنا آخری تیر نکال کر پھینکا میں نے کہا " سندریکر ایک خاص بات ابھی ابھی مجھے آکاش کے دیوتا نے بتائی ہے آکاش کے دیوتا کا کہنا ہے کہ یہاں کسی جگہ ایک بھارت ورش کا دشمن پاکستانی موجود ہے کیا تم اس کا کھوج لگا سکتے ہو؟ اگر تم اسے ڈھونڈ سکو تو تمہارے بچے کی جان بچ سکتی ہے۔"

لانس نائیک کے چہرے پر ایک دم سے اطمینان کی لہر دوڑ گئی میں سمجھ گیا تھا کہ اس کے دل میں کسی پاکستانی کا خیال آیا ہے۔ اس نے کہا" گرو جی! دیوتاؤں کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوتی انہوں نے آپ کو ٹھیک کہا ہے۔"

میں نے آہستہ سے پوچھا" تو کیا تم اس دشمن ملک کے آدمی کو جانتے ہو جو یہاں موجود ہے؟"

لانس نائیک نے پہلے سدھارتگنی کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھ کر بولا" گرو جی! میں اکیلے میں ہی یہ بات آپ کو بتا سکتا ہوں۔"

میں نے سدھارتگنی کو باہر جانے کا اشارہ کیا جب وہ چلی گئی تو لانس نائیک نے کہا" گرو جی ان دنوں ہماری چھاؤنی میں ایک پاکستانی بوڑھا جاسوس قید ہے اگر آپ حکم کریں تو میں اس کے سر کے بال توڑ کر لا سکتا ہوں۔"

" کیا تم ایسا کر سکو گے سندریکر؟ میں نے پوچھا۔"

وہ بولا" گرو جی! آپ میرے لئے دیوتا سمان ہیں پرنتو آپ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں یہ میری

نوکری کا معاملہ ہے بات یہ ہے کہ میرا تعلق انڈین ملٹری انٹیلی جینس سے ہے اور ہمارے پاس جو پاکستانی جاسوس قید ہے اس کی نگرانی پر میرا ایک دوست مقرر ہے میں اس سے کہہ کر پاکستانی دشمن کے سر کے سات بال بڑی آسانی سے لا سکتا ہوں "

اب میں اصل بات کی طرف آیا میں نے آنکھیں بند کر لیں چند لمحوں کے بعد آنکھیں کھول کر کہا " لیکن ایک اور الجھن باقی ہے نندریکر کے ہونٹوں سے جیسے اپنے آپ نکل گیا " کیا مہاراج ؟ میں نے اسے بتایا کہ دشمن جاسوس کے بالوں پر منتر پڑھنے سے پہلے میرے لئے اس کو ایک نظر دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ منتروں کا اثر نہیں ہو گا۔"

اب لانس نائیک سوچ میں پڑ گیا بولا " مہاراج ! یہ دشمن جاسوس ایسی جگہ قید میں رکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی باہر کا آدمی نہیں جا سکتا۔"

نندریکر یہ سب کچھ میں تمہارے بچے کی جان بچانے کے لئے کر رہا ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں اس دشمن جاسوس کو دیکھنے کی اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو تم جا سکتے ہو میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے ' مجھے بھگوان کی پوجا کرنی ہے اب ۔

لانس نائیک نے ایک بار پھر میرے پاؤں پکڑ لئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا " بھگوان کے لئے میرے بچے پر رحم کریں گرو جی ! میں کوئی طریقہ نکالتا ہوں کوئی ایسی ترکیب سوچتا ہوں کہ آپ اس پاکستانی جاسوس کو ایک نظر دیکھا سکیں ۔"

پھر اس نے کہا میں کل پاکستانی جاسوس کے سر کے سات بال لے کر حاضر ہوں گا اس کے بعد کوئی ایسا طریقہ بھی سوچوں گا کہ آپ اسے دیکھ سکیں وہ ماتھا ٹیک کر کل آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

دوسرے دن وہ دوپہر کے بعد آیا تو ایک کاغذ میں اس نے پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی کے سر کے سات بال لپیٹ رکھے تھے یہ سفید بال تھے میں نے جب باتوں میں اس سے پاکستانی جاسوس کا حلیہ پوچھا تو وہ ڈاکٹر فریدی کا حلیہ ہی تھا بالوں کو لے کر میں نے مٹی کی ہنڈیا میں رکھ لیا اور اس سے کہا کہ اب میرا پاکستانی جاسوس کو ایک نظر دیکھنا ضروری ہے کیا تم نے کوئی ایسا بندوبست کیا ہے ۔؟

لانس نائیک نے آج بھی سدھا رنگی کو باہر بھجوا دیا تھا بڑی رازداری سے بولا " گرو جی ! مجھے معلوم ہے کہ پرسوں شام چھ بجے اس پاکستانی جاسوس کو پونا لے جایا جا رہا ہے وہ ایک فوجی بند گاڑی میں ہو گا لیکن اگر آپ راستے میں کسی اونچی جگہ پر بیٹھ جائیں تو اسے سامنے کی جانب سے ایک نظر دیکھا جا سکتا ہے گرو جی ۔ ۔ ۔ بھگوان کے لئے انکار نہ کرنا کیونکہ اس کے بعد یہ دشمن جاسوس ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا یہ میرے بچے کی زندگی کی آخری امید ہے گرو دیو " مجھے نراش نہ کیجئے گا۔"

اگر یہ اس کے بچے کی زندگی کا آخری چانس تھا تو میرے لئے بھی یہ آخری موقع ہی تھا اس کے بعد شاید ڈاکٹر فریدی میرے ہاتھ سے بھی نکل جاتا میرے کان کھڑے ہو گئے میں نے نندریکر کے

سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا" میرے بچے اگرچہ میرے لئے یہ بڑا مشکل کام ہے کہ میں راستے میں تمہاری فوجی گاڑی کے انتظار میں بیٹھا رہوں کیونکہ میں ہر وقت اپنے بھگوان کی پوجا میں مگن رہتا ہوں لیکن میں تمہارے بیٹے کے لئے یہ کام بھی کرلوں گا اب تم مجھے بتاؤ کہ اس پاکستانی جاسوس کی گاڑی کہاں سے گزرے گی ؟"

لانس نائیک نے مجھے جو روٹ بتایا وہ چاند پور چھاؤنی کے عقب میں ایک نشیبی میدان سے ہو کر گزرتا تھا لانس نائیک نے مجھ سے عاجزی سے التجا کی کہ میں اس کے ساتھ چل کر وہ راستہ دیکھ لوں میں خود بھی یہی چاہتا تھا چنانچہ میں نے شام کو چلنے کی حامی بھرلی لانس نائیک نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر کہا" مہاراج! اس کا ذکر کسی سے نہ کریں نہیں تو میرا کورٹ مارشل ہو جائے گا کیونکہ اس پاکستانی جاسوس کی بے حد نگرانی ہوتی ہے لگتا ہے اس سے کوئی بڑا اہم کام لیا جا رہا ہے ۔"

اس کا اشارہ سدھارتگنی کی طرف تھا میں نے اسے تسلی دی کہ اس کا راز میرے سینے میں ہی رہے گا وہ شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا میں نے سدھا کو ساری بات بتا دی ۔

وہ بولی" رگھو ہم نہتے ہیں ہمارے پاس سوائے ایک پستول کے اور کوئی اسلحہ نہیں ہے ہم فوج کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے ؟"

یہی بات مجھے بھی پریشان کر رہی تھی ظاہر ہے پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر فریدی جس فوجی گاڑی میں لے جایا جا رہا تھا اس کی حفاظت کے لئے فوجی گارڈ کا دستہ بھی ہو گا ہم بغیر اسلحے کے مسلح فوجی گارڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتے وقت بھی بہت تھوڑا تھا ہم سدھارتگنی کے ساتھی ڈاکوؤں کو بھی وہاں اپنی مدد کے لئے نہیں بلوا سکتے تھے اور اگر بلوا بھی لیتے تو عام بندوقوں یا رائفلوں والے ڈاکو باقاعدہ فوج کی اسٹین گنوں اور مشین گنوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ۔

یہاں کسی زبردست حکمت عملی سے کام لینے کی ضرورت تھی ڈاکٹر فریدی کے گزرنے میں ابھی دو دن باقی تھی سدھارتگنی نے مشورہ دیا کہ پہلے چل کر علاقے کا جائزہ لیا جانا چاہئے طے یہ پایا کہ شام کو جب میں لانس نائیک نندریکر کے ساتھ موقع محل دیکھنے جاؤں گا تو وہ بھی میرے جانے کے کچھ دیر بعد میرے پیچھے پیچھے چل پڑے شام ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی کہ لانس نائیک نندریکر پہنچ گیا میں اپنی کھوہ سے نکل کر اس کے ساتھ روانہ ہوا وہ مجھے ایک ویران راستے سے چھاؤنی کے عقب میں ایک بلند جگہ پر لے آیا یہاں نیچے ایک کچی سڑک گزرتی تھی، جس پر کہیں کہیں ناریل کے درخت اگے ہوئے تھے اس نے کہا" مہاراج! پاکستانی دشمن کی گاڑی یہاں سے گزرے گی اس جگہ بیٹھ کر آپ اسے گاڑی کے سامنے کے شیشوں میں سے ایک نظر دیکھ سکیں گے کیونکہ جس جیپ میں اسے لے جایا جا رہا ہے، وہ میری اطلاع کے مطابق اوپر سے تو بند ہے مگر سامنے کی جانب سے پردہ ہٹا ہوا ہو گا اور وہاں اسٹین گن لگی ہو گی"

میں نے بڑے اطمینان سے ذرا سا کرید کر مزید پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک جیپ کے پیچھے ایک دوسری کھلی جیپ میں گارڈ ہوں گے میں نے اردگرد کا جائزہ لیا اور بے زاری سے کہا "سندر یکر میرا اس بک بک میں پڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا پرنتو تمہارے بیٹے کی زندگی کے لئے یہ سارا کشٹ بھوگوں گا۔

لانس نائیک ہاتھ باندھ کر بولا "آپ کی بڑی کرپا ہے مہاراج! میں ساری زندگی آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیوں گا اچھا اب میں جاتا ہوں کیونکہ میرا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

میں نے کہا "میں بھی واپس جاتا ہوں مجھے یہاں کھڑے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں بہرحال میں تمہاری خاطر پرسوں شام یہاں آکر پاکستانی جاسوس کی شکل دیکھنے کی کوشش کروں گا۔"

لانس نائیک ایک بار میری خوشامد کرنے لگا پھر وہ دوسری طرف سے ہو کر چاند پور چھاؤنی کے کوارٹروں کی طرف چلا گیا میں واپس دوسری طرف چلنے لگا ایک جگہ ببول کے درخت اگے تھے یہاں مجھے سدھار تنگی مل گئی اس وقت ہم واپس آگئے۔

دوسرے دن صبح صبح اپنی کھوہ سے نکلے اور سانپوں کا تماشا دکھانے کے بہانے ایک بار پھر اس چھوٹی سی کچی سڑک پر آگئے، جہاں سے دوسرے دن شام کو ہمارے پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر فریدی کو گزرنا تھا سورج ابھی ابھی نکل رہا تھا ہم اردگرد کی ـ ـ ـ ـ جھاڑیوں میں کبھی کبھی یوں جھک کر دیکھتے جیسے جنگلی سانپوں کو تلاش کر رہے ہوں ہم اس کچی سڑک پر چلنے لگے آگے جا کر یہ سڑک ذرا بلندی پر جا کر تاڑ کے درختوں میں ایک طرف گھوم گئی تھی یہ جگہ چھاؤنی کی بیرکوں سے بہت قریب تھی اگر ہم یہاں کسی قسم کا کوئی آپریشن کرتے بھی تو گارڈز کو چھاؤنی سے کمک پہنچ سکتی تھی ہمیں جو کچھ بھی کرنا تھا چھاؤنی سے کافی فاصلے پر جا کر کرنا تھا۔ چنانچہ ہم چلتے چلتے سڑک کا موڑ گھوم گئے۔

آگے جا کر سڑک چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے بیچ میں سے ہو کر گزرتی تھی ان ٹیلوں پر کہیں اکلو کا درخت اگے ہوئے تھے اور کسی ٹیلے پر محض جھاڑیاں اور خشک گھاس ہی اگی تھی ان ٹیلوں میں ہمیں ایک جگہ چھوٹی سی ذیلی کچی سڑک دکھائی دی جو بائیں جانب جنوب کی طرف سے ہوتی ہوئی اس ٹیلے کی طرف چلی گئی تھی جہاں ہمارا کھوہ بنا ہوا تھا۔

اصولی طور پر ہمیں یہاں حملہ کرنا چاہئے تھا لیکن ابھی تک ہماری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ ہم حملہ کس برتے پر کریں۔

ہم شام کے سرمئی اندھیرے میں اس مقام پر ٹیلے کے نیچے سڑک کے کنارے بیٹھ گئے، یہاں سے ذیلی کچی سڑک نکلتی تھی۔ سدھار تنگی کہنے لگی "میرے رگھو! ہمارے پاس اسلحہ کہیں سے نہیں آسکتا ہمیں اپنے زہریلے سانپوں سے ہی کام لینا ہوگا۔"

یہ مشورہ وہ پہلے بھی دے چکی تھی لیکن مجھے اس مشورے میں کوئی جان نظر نہیں آتی تھی مسلح فوجی گارڈ کے سامنے سانپ کیا کر سکتے تھے اور پھر یہ مسئلہ بھی تھا کہ یہ سانپ مسلح گارڈ کی جیپ میں

کیسے پہنچیں گے؟ علاوہ ازیں اس گاڑی کو ہم کیسے روک سکیں گے جس میں ڈاکٹر فریدی سوار ہو گا؟ ہم دیر تک وہاں بیٹھے بحث کرتے رہے۔

یہ شاید آخری چانس تھا ڈاکٹر فریدی کا پھر ہمارے ہاتھ آنا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ پونا کے فوجی ہیڈ کوارٹر کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہاں سے کسی جاسوس کا فرار ہونا ایسی ہی بات تھی جیسے مگرمچھ کا شکار اس کے پیٹ سے نکل کر فرار ہو جائے چنانچہ میں نے سردھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا اور سدھارنگی سے کہا کہ میں اس کے مشورے پر ہی عمل کروں گا سدھارنگی نے بڑی محبت بھری خطرناک نظروں سے میری طرف دیکھا اور اپنے سانپ بیٹے کا منہ چوم کر بولی "رگھو میرے سانپ اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن جن آدمیوں پر میں انہیں پھینکوں گی انہیں وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے کہا سدھا اگر ہم سانپ نشانے پر پھینکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ہماری خیر نہیں اس کے علاوہ اگر ہم ایک گاڑی پر سانپ پھینکنے میں کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو دوسری گاڑی کا کیا بنے گا' جو اوپر سے بند ہو گی؟ اصل گاڑی تو وہی ہو گی جس میں ہمیں قبضہ کرنا ہے۔"

سدھارنگی کہنے لگی "پرسوں شام میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی کہ ہمیں کیا کچھ کرنا ہو گا۔"

وہ مجھے کیا بتا سکتی تھی مجھے خود معلوم تھا کہ یہ اندھیرے میں دشمن پر تیر چلانے کا معاملہ ہے اگر تیر اتفاق سے نشانے پر لگ گیا تو پو بارہ نہیں تو ہم دونوں کی ہلاکت یقینی ہے۔

رات کو ہم واپس اپنی کھوہ میں آ گئے دوسرے دن ہم پلاننگ کرتے رہے پلاننگ کیا کرنی تھی بس سدھارنگی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی ڈاکے مارنے میں اس نے ضرور مہارت حاصل کر لی تھی مگر اس قسم کے کمانڈو آپریشن کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا میں اس کی باتیں کم سنتا رہا اور اپنی پلاننگ پر غور کرتا رہا بہرحال مجھے اس کے سانپوں پر ہی بھروسہ کرنا تھا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا تیسرے روز دوپہر کے بعد ہم نے سانپوں کی دو پٹاریاں اٹھائیں اور خدا کا نام لے کر جائے واردات کی طرف روانہ ہو گئے ایک ایک پٹاری میں چھ چھ زہریلے سانپ تھے میں نے پستول اپنے پاس رکھ لیا تھا ہمارا لباس وہی سپیروں جیسا تھا میں نے پگڑی کی جگہ سر پر رومال باندھ رکھا تھا اب میری داڑھی مونچھیں بھی بے طرح بڑھ آئی تھیں ہم ایک چکر لگا کر اس جگہ پر آ گئے جہاں سے کچی سڑک بائیں طرف گھومتی تھی۔ اس سے بھی آگے جا کر ہم ایک ٹیلے کے نیچے آ کر رک گئے یہ سڑک ویران ویران تھی شاید یہ فوجی استعمال کے لئے بنائی گئی تھی دور سے ہمیں گرد کے بادل میں ایک ٹرک آتا دکھائی دیا ہم ٹیلے کی اوٹ میں چھپ گئے۔

ٹرک فوجی تھا جو چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا ٹرک چلا گیا تو ہم اٹھ کر ٹیلے کے اوپر آ گئے یہ جگہ آپریشن اٹیک کے لئے بڑی موزوں تھی آپریشن کا طریق کار یہ بنایا گیا کہ میں آگے والے ٹیلے پر پستول لئے چھپا ہوں گا مجھ سے پیچھے دو ٹیلے چھوڑ کر سدھارنگی سانپوں کی ایک پٹاری لے کر چھپی ہو گی

سانپوں کی ایک پٹاری میرے پاس ہوگی۔

جب فوجی گاڑی پاکستانی ڈاکٹر فریدی کو لے کر آئے گی تو سدھار تنگی بند گاڑی کو چھوڑ کر گارڈ کی کھلی جیپ میں سانپ پھینکے گی اس دوران میں اگلی بند گاڑی میرے ٹیلے تک پہنچ جائے گی۔ میں۔۔۔ سامنے سے جیپ کے شیشے پر گولی چلاؤں گا اور پھر جب گاڑی رک جائے گی اور سپاہی چھلانگیں لگا کر باہر نکلیں گے تو ان پر سانپ پھینک کر پستول سے فائرنگ شروع کر دوں گا' اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔۔

یہ ایک انتہائی کمزور پلان تھا' جس میں سب سے زیادہ بہادری اور جانبازی مجھے ہی دکھانی تھی نوے فی صد یہی توقع تھی کہ نہ پستول میرے کام آئے گا اور نہ سانپ میری مدد کر سکیں گے اگرچہ یہ سدھار تنگی کے آدم خور سانپ تھے اور انسان کی بو پر لپکتے تھے لیکن اس میں یہ خدشہ تھا۔۔ کوئی سانپ جیپ میں گھس کر ہمارے اصل ٹارگٹ یعنی ڈاکٹر فریدی کو نہ ڈس لے کسی وقت میرے دل میں خیال آتا مجھے سانپ نہیں پھینکنے چاہئیں اس میں ڈاکٹر فریدی کی بھی جان جانے کا خطرہ تھا۔

میں نے سدھار تنگی کو آخری بار ہدایت دی اور اسے ایک ٹیلے پر گھاس میں بٹھا کر اپنے ٹیلے پر آکر اونچی گھاس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا وقت گزرتا چلا گیا آہستہ آہستہ سورج مغرب کی طرف۔۔ درختوں کے نیچے اتر گیا اور ٹیلے کے نیچے جو ڈھلان تھی' وہاں اندھیرا سا چھانے لگا یہ ڈھلان کافی گہری تھی اور اس کے نیچے ایک نالہ بہہ رہا تھا سورج غروب ہو گیا تو اس خیال سے میرا دل دھڑک اٹھا کہ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کر رہا ہوں گویا میں موت کے منہ میں اپنے ساتھ سدھار تنگی کو بھی لے آیا تھا۔۔ لیکن اب فیصلہ واپس لینے کا وقت نہیں تھا کیونکہ مجھے چھاؤنی کی جانب سے سڑک کے درختوں والے موڑ پر دو فوجی گاڑیاں اپنی طرف آتی دکھائی دے رہی تھیں۔

آگے آگے ایک بند جیپ تھی اور اس کے پیچھے ایک کھلی جیپ چلی آرہی تھی جیپ کی رفتار کافی تیز تھی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں نے زور سے سیٹی بجا کر سدھار تنگی کو حملے کا سگنل دیا۔

مجھے وہ نظر نہیں آرہی تھی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں تھی دونوں فوجی گاڑیاں ٹیلوں کے قریب آرہی تھیں میں نے ٹیلے پر بیٹھے بیٹھے گھاس کی اوٹ سے دیکھا کہ دونوں گاڑیوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا اس وقت مجھے اس امر کا شدت سے احساس ہوا کہ ہم خود کشی کے مشن پر آئے ہوئے ہیں یہ واقعی خود کشی کا مشن ہی تھا اب مجھے اگلی جیپ کے شیشوں کے اوپر سے مشین گن کی نالی صاف نظر آرہی تھی پچھلی کھلی جیپ میں بھی ایک مشین گن لگی تھی اس جیپ میں چھ فوجی بیٹھے تھے جنہوں نے قرمزی رنگ کی مرہٹہ رجمنٹ کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔

سدھار تنگی مجھ سے دو ٹیلے چھوڑ کر بیٹھی تھی یہ مٹی کے چھوٹے تودہ نما ٹیلے تھے اور ان کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا اگلی جیپ کے شیشوں کے پیچھے مجھے ایک سویلین بوڑھے کا جھکا ہوا سر نظر آیا'

جس کا رنگ فوجیوں کے مقابلے میں گورا تھا یہی پاکستانی ڈاکٹر فریدی تھا۔

اگلی گاڑی میرے ٹیلے کے قریب آچکی تھی اس دوران میں پچھلی کھلی جیپ اس ٹیلے کے نیچے سے گزرنے لگی جس پر سدھار تگنی چھپی ہوئی تھی بجلی کی چمک کی طرح سدھار تگنی کو میں نے دیکھا کہ وہ جھاڑیوں میں سے اٹھی اس کے ہاتھ میں سانپ لہرا رہے تھے اس نے سانپ پچھلی کھلی جیپ میں گرا دیئے کچھ سانپ جیپ میں ضرور گرے تھے کیونکہ وہاں فوجیوں میں افراتفری مچ گئی اور جیپ ایک طرف کو گھوم کر رک گئی اور سپاہی اچھلنے لگے۔

اس اثنا میں میں نے اگلی بند جیپ کے شیشے پر سے ڈرائیور کو نشانہ بنا کر پستول کا فائر کر دیا تھا مجھے امید تھی ۔۔۔ کہ میرا فائر جیپ کے شیشے پر لگے گا لیکن ایسا ہوا کہ نشانہ شیشے پر تو نہ لگا لیکن جیپ کا پہلو سامنے آیا تو گولی اس کے ڈرائیور کی گردن پر جا کر لگی اور جیپ اچانک ٹیلے کی طرف گھوم کر اوپر کو چڑھی اور پھر تیزی سے الٹی طرف پیچھے کو لڑھکی وہاں شور مچ گیا جیپ میں سے صرف ایک سپاہی باہر چھلانگ لگا سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بند جیپ ڈھلان پر قلابازیاں کھاتی دور نیچے نالے میں ایک دھماکے کے ساتھ گری اور گرتے ہی اسے آگ لگ گئی۔

پچھلی جیپ میں سے جو فوجی جان بچا کر باہر کودے تھے انہوں نے اسٹین گن کی اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی دو سپاہی بھاگ کر ٹیلے پر چڑھ گئے کیونکہ انہوں نے سدھار تگنی کو ٹیلے سے دوسری طرف بھاگتے دیکھ لیا تھا بند گاڑی میں سے جس سپاہی نے چھلانگ لگائی تھی وہ دوڑ کر پچھلی جیپ کی طرف بھاگا گولیوں کی تڑاتڑ اور سپاہیوں کا شور ہی شور تھا مجھے ابھی تک کسی نے نہیں دیکھا تھا میں ٹیلے کی گھاس میں دم سادھے لیٹا' سدھار تگنی کے ٹیلے کی طرف دیکھ رہا تھا کبھی نالے میں جلتی بند گاڑی پر حسرت کی نگاہ ڈالتا اس میں سے اب کوئی زندہ نہیں بچا تھا جیپ نالے میں دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

اچانک میری نظر سدھار تگنی پر پڑی جس کو دو مرہٹہ سپاہی گھسیٹتے ہوئے اپنی جیپ کی طرف لئے جا رہے تھے میں ٹیلے کے اندھیرے نے مجھے بہت جلدی اپنی چادر میں چھپا لیا میں اب وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا میں نے خشک اونچی گھاس میں جھک کر دیکھا میں بازی ہار چکا تھا ڈاکٹر فریدی جیپ کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہو گیا تھا سدھار تگنی مرہٹہ فوجیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی مجھے اب اپنی جان بچانے کی فکر تھی بھاگتے بھاگتے میں نے مڑ کر چھاؤنی والی کچی سڑک پر نگاہ دوڑائی چھاؤنی کی طرف سے فوجی ٹرکوں کی روشنیاں آگے بڑھ رہی تھی یہ چھاؤنی کی فوجی گاڑیاں تھی' جو فائرنگ کی آواز سن کر یا وائرلیس پر کمانڈو ایکشن کی اطلاع ملنے کے بعد موقع واردات کی طرف دوڑی چلی آرہی تھیں۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر دی میرا رخ لانس نائیک نندر یکر کے کوارٹر کی طرف تھا کیونکہ رات کی رات مجھے وہیں پناہ مل سکتی تھی صرف وہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں میرے بارے میں کسی کو کچھ

نہیں بتایا جا سکتا تھا۔

وہاں سے کوارٹر زیادہ دور نہیں تھے دور سے کوارٹروں کی روشنیاں مجھے صاف نظر آرہی تھیں کھیتوں کے اندھیرے میں سے نکل کر میں اس گلی میں آگیا' جہاں لانس نائیک نندریکر کا کوارٹر تھا اپنا پستول میں نے وہیں ٹیلے کے پاس پھینک دیا تھا اور سانپوں کی پٹاری کو جیپ کے گرنے کے بعد ڈھلان کی طرف اچھال دیا تھا۔

میں نے دروازے کی گھنٹی بجائی تھوڑی دیر میں نندریکر کے بیٹے نندو نے دروازہ کھولا میں نے اسے گود میں اٹھا کر پیار کیا اتنے میں اس کی ماں بھی آگئی ایک گیروے کپڑوں والے سپیرے کو دیکھ کر وہ کچھ گھبرائی میں نے مسکرا کر کہا" نندریکر جی کو کہو کہ گرو دیو آئے ہیں۔"

عورت فوراً سمجھ گئی کہ میں کون ہوں ہاتھ باندھ کر نمسکار کیا اور میرے چرن چھو کر بولی" پدھاریئے مہاراج وہ اندر ہی ہیں" اتنے میں نندریکر بھی دھوتی کے پلو سے ہاتھ پونچھتا ہوا آگیا وہ روٹی کھا رہا تھا مجھے دیکھ کر جھکا' چرن چھوئے اور ہاتھ جوڑ کر بولا" مہاراج باہر کیوں کھڑے ہیں یہ آپ ہی کا گھر ہے۔"

میں اس کے بچے نندو کو پیار کرتا اندر کمرے میں آکر بیٹھ گیا" تمہارے بچے کو بھگوان نے نیا جیون دیا ہے نندریکر تمہیں کالی دیوی کے مندر میں چکر چڑھانا چاہیئے۔"

اس نے بتایا کہ یہ فرض اس نے اسی روز ادا کر دیا تھا' جس روز میرے بھیجے ہوئے پانی کو پی کر اس کا بیٹا بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا دونوں خوشی سے نہال ۔۔۔ ہو رہے تھے نندریکر کی بیوی میرے لئے کھانا لینے رسوئی میں چلی گئی میں نے نندو کو گود سے اتارا تو وہ بھی اپنی ماں کی طرف دوڑ گیا نندریکر نے بڑے ادب سے پوچھا" مہاراج! آپ نے دشمن کو دیکھ لیا کیا؟"

میں نے راز داری سے آگے کو جھک کر کہا" دیکھ تو میں نے اسے لیا ہے پر نندریکر بیٹا وہاں تو گولیاں چلنے لگی تھیں لگتا ہے اس بھارت ماتا کے دشمن کو چھڑا کر لے جانے والے وہاں آگئے تھے ایک جیپ نالے میں جا گری' اس کو آگ لگ گئی میں تو وہاں سے نکل کر سیدھا تمہارے پاس آگیا ہوں کہ تمہیں خبر کردوں۔"

لانس نائیک سوچ میں پڑ گیا پھر بولا" ضرور اس پاکستانی جاسوس کے ساتھی وہاں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے آپ کو تو کسی نے نہیں دیکھا نا؟"

میں نے ہری لوم کہہ کر کہا" بیٹا ہم سادھو سنتوں کو کون دیکھتا ہے میں ٹیلے پر بیٹھا تھا کہ وہاں سے اپنے دشمن کو دیکھ سکوں میں اپنے منتر پڑھنے میں لگا تھا کہ ایک طرف ٹیلے سے گولیاں چلیں اور پھر وہاں افراتفری مچ گئی اور جیپ ڈھلان کے نالے میں لڑھک گئی۔"

لانس نائیک پر بیٹے کی محبت کا غلبہ تھا اس کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میں نے دشمن یعنی

ڈاکٹر فریدی کو دیکھ لیا تھا اور اس کی شکل دیکھ کر منتروں کے جاپ میں کامیاب ہو گیا تھا کہنے لگا مہاراج فوج اس جاسوس کے ساتھیوں کو ضرور پکڑ لے گی لیکن آپ نے بھارت ماتا کے دشمن کو دیکھ لیا ہے مجھے یقین ہے کہ اسے جلتی جیپ میں سے نکال لیا گیا ہو گا میں کل ہی آپ کو اس کے بال لادوں گا اور آپ میرے بچے کے لئے تیار کر دیجئے گا۔"

میں نے اسے بتایا کہ جونہی وہ دشمن جاسوس کے بال لایا تو میں منتر پڑھ کر اسے بال واپس کر دوں گا تاکہ وہ اپنے بچے کے گلے میں تعویز بنا کر ڈال دے بھگوان کی کرپا سے اس کے بچے میں سے سنکھ ناگ کا زہر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زائل ہو جائے گا وہ بڑا خوش ہوا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ جیپ کے حادثے سے کچھ پریشان بھی تھا اتنے میں اس کی بیوی تھالی میں کھانا پروس کر لے آئی اس نے بڑے ادب سے میرے سامنے تھالی رکھ دی اور دو زانو ہو کر بیٹھ گئی میں بہت سوچ سمجھ کر وہاں آیا تھا اگر میں ماپئی کھوہ میں واپس چلا جاتا تو وہاں سے فوجی مجھے یونہی پوچھ گچھ کے لئے پکڑ کر لے جاتے یہاں لانس نائیک سندریکر میرے لئے بڑی اچھی ڈھال ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ میں اسے جیسے کہتا وہ ویسے ہی کرتا یہ اس کے بچے کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا میں نے اس کی بیوی کو دوسرے گلاس میں پانی لانے کے لئے بھیج دیا اور خود سندریکر سے کہا "تم نے اس بارے میں کسی کو بتایا تو نہیں ؟"

سندریکر بولا مہاراج میں نے کسی سے آپ کا ذکر نہیں کیا صرف سندو کی ماں کو بتایا تھا کہ ایک گرو جی ہیں ' ان کے پانی سے ہمارے بچے کو نیا جیون ملا ہے ۔"

وہ جلدی سے بولا " مہاراج میں اب زبان نہیں کھولوں گا آپ میری غلطی معاف کریں ۔"

میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے کے باہر ایک گاڑی آکر رکی پھر کسی فوجی کی تیز آواز آئی وہ فوجی لانس نائیک کو بلا رہا تھا سندریکر نے میری طرف دیکھ کر دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف تیز تیز قدموں سے چل پڑا۔

مجھے لانس نائیک سندریکر کی آواز آ رہی تھی ۔

وہ کوارٹر کے باہر گلی میں کھڑا مرہٹہ فوجیوں سے باتیں کر رہا تھا ۔ ان کی آوازوں میں ہنگامی صورت حال کا اثر نمایاں تھا ۔ اس ہنگامی صورت حال سے میں بخوبی واقف تھا ' لیکن مجھے یقین تھا کہ لانس نائیک سندریکر کسی صورت میں بھی میرا ان سے ذکر نہیں کرے گا اس لئے کہ سندریکر کے اکلوتے بچے کی زندگی کا مسئلہ تھا جو میری دوائی سے موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔

مجھے جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی پھر جیپ زناٹے کی آواز کے ساتھ آگے بڑھ گئی ۔

لانس نائیک اندر آیا تو کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا کہیں اسے مجھ پر شک تو نہیں ہو گیا؟ مجھ پر اسے شک ہو بھی جاتا تو اپنے بچے کی زندگی کی خاطر وہ میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر راضی نہیں ہو سکتا تھا۔ اولاد کے لئے تو آدمی اپنی جان بھی قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے ۔

وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے مردہ سی آواز میں مجھے بتایا کہ بند جیپ کے الٹ کر نالے میں رنے اور اس میں آگ لگنے کی وجہ سے پاکستانی ڈاکٹر سمیت تین فوجی جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ گارڈز الی جیپ کے دو سپاہی سانپوں کے ڈسنے سے مر گئے ہیں۔ سندر ریکر سب سے زیادہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر فریدی کی موت کے باعث پریشان تھا۔ میں نے فوراً اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹا تم فکر مت کرو۔ اگر ہم پاکستانی دشمن کے سر کے بال حاصل نہیں کر سکے تو کیا ہوا۔ میں تمہارے بچے کے بدن سے سنکھ ناگ کا زہر زائل کرنے کے لئے شیش ناگ کا عمل کروں گا۔"

لانس نائیک نے بے تابی سے پوچھا۔ "گرو جی! کیا شیش ناگ کے عمل سے میرے نندو کے جسم سے سنکھ ناگ کا زہر ختم ہو جائے گا؟"

میں نے کہا۔ "شیش ناگ کا عمل تو سب سے بڑا عمل ہے بیٹے۔ اگرچہ اس کے لئے ایک ہفتہ مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر چپ کا برت رکھنا پڑے گا لیکن اس کے بعد تمہارے سارے خاندان میں پھر کبھی سنکھ ناگ کسی کو نہ سونگھ سکے گا۔"

لانس نائیک خوش ہو گیا۔ "تو مہاراج! کب شروع کریں گے آپ اپنا عمل؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں کل ہی پہاڑیوں میں نکل جاؤں گا۔ اپنے بچے کی زندگی کے بارے میں جب وہ مطمئن ہو گیا تو کہنے لگا۔ "پاکستانی قیدی کے ساتھی کہیں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے ساتھ ایک سپیرن قسم کی عورت بھی تھی۔ جس کو فوج نے گرفتار کر لیا ہے۔ اس عورت نے ہمارے جوانوں پر زہریلے سانپ پھینکے تھے۔"

میں خاموشی اور بظاہر حیرانی سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔ معاملہ نازک صورت اختیار کر چکا تھا۔ صبح لانس نائیک کو چھاؤنی جانا تھا۔ اس کا تعلق انٹیلی جینس سے تھا۔ وہ یقیناً سدھا رنگنی کو دیکھ لے گا اور پھر میرا پول بھی کھل جائے گا' مگر میں نے لانس نائیک کے گھر سے منہ اندھیرے فرار ہو جانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ سندر ریکر کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فوج نے سارے چاند پور کو گھیرے میں لے لیا ہے اور گھر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ یہ بات انتہائی خطرناک تھی لیکن میں محفوظ تھا کیونکہ نس نائیک صرف اپنے بچے کی وجہ سے کسی فوجی کو اندر آنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

تاہم یہ سارا تحفظ رات ہی رات کے لئے تھا۔ صبح ہونے سے پہلے مجھے ہر حالت میں لانس نائیک کے کوارٹر سے فرار ہو جانا تھا۔ کیونکہ صبح دن نکلنے پر لانس نائیک پر میری اصل حیثیت کے آشکار ہو جانے کا قوی احتمال تھا اور پھر کوئی پتہ نہیں تھا کہ لانس نائیک پر بھارت ماتا کی محبت غالب آ جائے اور وہ مجھے گرفتار کروا دے۔

اب میرا دماغ اس امر پر غور کر رہا تھا کہ اگر چاند پور کو فوج نے گھیرے میں لے رکھا ہے تو میں کس طرف سے اور کس طریقے سے نکلوں گا؟ سدھا رنگنی کے بارے میں بھی تشویش تھی۔ ایک

بات کا اگرچہ مجھے یقین تھا کہ وہ میرا نام کبھی نہیں لے گی ۔ تاہم ملٹری انٹیلی جینس اس پر جس گھناؤنے قسم کا تشدد کرے گی اس کی بھی مجھے پریشانی تھی ۔

کھانے کے بعد، میں نے لانس نائیک اور اس کی پتنی کو سامنے بٹھا لیا اور انہیں ویدوں اور شاستروں کے اشلوک سنانے لگا ۔ چونکہ وہ مرہٹہ تھا اس لئے میں اس سے مرہٹی زبان میں ہی گفتگو کر رہا تھا ۔ میں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ رات زیادہ ہو گئی ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں وہیں کوارٹر کے کسی کونے میں پڑ رہوں ۔

اس پر لانس نائیک نندریکر نے ہاتھ جوڑ کر کہا ۔ "گرو مہاراج! ہمارے دھن بھاگ کہ آپ ہمارے گھر میں وشرام کریں میں ابھی بستر لگوائے دیتا ہوں ۔"

میں اس کے بچے کو گودی میں بٹھائے پیار کرتا رہا ۔ میرے خیالات جس تذبذب کے بھنور میں چکر لگا رہے تھے اس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ سدھا رنگی کو فوج نے ایک سپیرن کے لباس میں گرفتار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ صبح فوج کے گھیرے سے کوئی سپیرا بچ کر نہیں نکل سکتا تھا چونکہ میں خود ایک سپیرے کے لباس میں تھا اس لئے پکڑے جانے کا زبردست خطرہ تھا ۔ میں پہلے بھی فوج اور پولیس کو مطلوب تھا ۔ مجھے اگر فوجی پوچھ گچھ کے لئے بھی چھاؤنی لے جاتے تو میرا بھانڈا پھوٹ جانا یقینی تھا ۔ چنانچہ جس امر کی مجھے شدت سے ضرورت تھی وہ یہ تھا کہ میں اپنا لباس تبدیل کروں ۔

لانس نائیک نندریکر سے میں اس ضمن میں کسی قسم کی مدد نہیں لے سکتا تھا ۔ انہی پریشان خیالوں میں غرق تھا لیکن اوپر سے نندریکر کے بچے سے مسکرا مسکرا کر باتیں بھی کر رہا تھا کہ لانس نائیک نندریکر کی بیوی نے آ کر بتایا کہ میرا بستر لگا دیا گیا ہے نندریکر مجھے بڑی تعظیم کے ساتھ دوسرے چھوٹے سے تنگ کمرے میں لے گیا ۔ معلوم ہوا کہ اس کمرے میں نندریکر اور اس کی بیوی سوتے تھے ۔ کیونکہ اندر جاتے ہی میں نے دیوار میں لگی بریکٹ پر نندریکر کی بیوی کے کپڑے اور نندریکر کی فوجی وردی ٹنگی ہوئی دیکھی ۔

نندریکر کی وردی دیکھتے ہی میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح چمکا کہ اگر میں لانس نائیک کی وردی پہن کر رات کے پچھلے پہر یہاں سے فرار ہو جاؤں تو مجھے فوج کے گھیرے سے نکلنے میں بڑی آسانی ہو گی ۔

پلنگ پر بستر بچھا تھا ۔ پاس ہی تپائی پر پانی کی گڑوی اور شیشے کا گلاس رکھا تھا ۔ میں نے بستر پر بیٹھتے ہوئے نندریکر سے کہا کہ میرے لئے دودھ کا ایک کٹورا لے آئے ۔ وہ جلدی سے دودھ لینے چلا گیا ۔ اب میں نے کمرے کا جائزہ لیا ۔ اس کمرے میں ایک ہی کھڑکی تھی مگر اس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں ۔ میں اس کھڑکی سے نہیں نکل سکتا تھا ۔ لامحالہ مجھے کوارٹر کے سامنے والے دروازے سے ہی باہر نکلنا تھا ۔

نندریکر دودھ کا کٹورا لے کر آ گیا۔ میں نے دودھ پیا۔ اسے دعا دی اور یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ مجھے صبح کو جگانے کوئی نہ آئے۔ میں خود ہی جاگوں گا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے دروازے کو بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ سلاخوں والی کھڑکی کھلی تھی۔ میں نے سلاخوں میں سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ ادھر کوارٹر کا چھوٹا سا عقبی صحن تھا، جہاں ایک جانب لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ دو چار کیلے کے چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ عقبی صحن میں کوئی نہ تھا۔

میں دیوار والی بریکٹ کے پاس گیا اور نندریکر کی وردی کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس کا پستول پیٹی کے ساتھ نہیں تھا۔ یہ ہلکے سبز رنگ کی وردی تھی۔ ٹوپی کا رنگ مرہٹہ رجمنٹ کے فوجیوں کی ٹوپی کی طرح قرمزی تھا اور اس پر چمک دار رجمنٹل نشان لگا تھا۔ نیچے دیوار کے ساتھ نندریکر کے سیاہ فوجی بوٹ رکھے تھے۔

میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ عقبی کھلی کھڑکی میں سے مجھے دور کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ کوارٹروں کی دوسری گلی میں شاید فوجی پاکستانی کمانڈوز کو ڈھونڈنے کی کوشش میں کوارٹروں کی تلاشی لے رہے تھے۔

جتنی دیر تک یہ فوجی اس گلی میں رہے اور ان کی آوازیں آتی رہیں میں چوکس رہا، پھر یہ آوازیں دور چلی گئیں اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں سو جانے کا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ کیا خبر آنکھ اس وقت کھلے جب دن نکل آیا ہو، پھر میں اپنے فرار کے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتا تھا، اس لئے یہی فیصلہ کیا کہ رات آنکھوں میں ہی کاٹوں گا۔ چنانچہ میں نے بتی گل کی اور پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

لکڑی کی الماری کے اوپر ایک ٹائم پیس تھا جس کے حروف اور سوئیاں اندھیرے میں چمکنے لگی تھیں۔ مجھے وقت کا برابر علم ہو رہا تھا۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ سدھارنگنی کے سانپ کا منکا دھوتی سے نکال کر دھوتی کا پلو ایک طرف سے پھاڑا اور منکے کو اس میں لپیٹ کر اپنے بازو پر تعویز کی طرح باندھ لیا۔

میری داڑھی اور مونچھوں کے بال کانٹوں کی طرح اگ آئے تھے۔ سر پر بھی بالوں کی ایک تہہ نمودار ہو چکی تھی۔ میں نے لمبے کرتے کے پلو سے اپنے ماتھے پر بنی ہوئی مٹی کے تلک کی تینوں لکیریں مٹا ڈالیں۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی اب کوارٹروں کے اس پاس خاموشی چھائی تھی۔ دور سے کسی کتے کے بھونکنے کی ہلکی ہلکی آواز کسی وقت آ جاتی تھی۔

نیند حملہ کر رہی تھی اور مجھے اس کے خلاف شدید جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔ میں نے گڑوی میں سے پانی لے کر منہ پر چھینٹے مارے۔ نیند کسی حد تک غائب ہو گئی۔ میں لانس نائیک نندریکر کے

کوارٹر کے ماحول سے خوب واقف تھا۔ جس کمرے میں مجھے سلایا گیا تھا۔ اس کے باہر ایک تنگ سی راہ داری تھی، جو کوارٹر کے دروازے کی طرف جاتی تھی۔ دروازے کے باہر کوارٹر کے سامنے والا صحن تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر کوارٹر کا چھوٹا سا لکڑی کا گیٹ بنا ہوا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اگر میرے نکلنے پر کوئی جاگ بھی پڑا تو میں یہی کہوں گا کہ بند کمرے میں جی گھبرا رہا ہے ذرا باہر کھلی فضا میں جا رہا ہوں۔

خدا خدا کر کے رات کے بارہ بجے۔ میں پلنگ کی پشت سے سر لگائے نیم دراز تھا۔ سلاخوں والی کھڑکی میں سے ٹھنڈی اور خوش گوار ہوا اندر آ رہی تھی۔ میں لاکھ کمانڈو سہی لیکن کچھ بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ میں اونگھنے لگا۔ ہر بار میرا سر نیچے جھک جاتا میں فوراً اسے اوپر اٹھا لیتا۔ اسی کشمکش میں آنکھ لگ گئی۔

گھبرا کر سر کو جھٹک کر اٹھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ ابھی باہر رات کا اندھیرا تھا۔ الماری کے اوپر رکھی گھڑی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ رات کے تین بجے کا عمل تھا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ جسے میں آنکھ جھپکنا کہہ رہا تھا اس کا دورانیہ پونے تین گھنٹے کا تھا۔ نیند میں وقت کتنی آسانی سے گزر جاتا ہے۔ میں نے ایک بار پھر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اپنے مشن کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک اعتبار سے میرا مشن ختم ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر فریدی ہلاک ہو گیا تھا، اس کی بیٹی نورین محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکی تھی اور اب تک مجھے یقین تھا کہ وہ پاکستان پہنچ چکی ہو گی۔ ڈاکٹر فریدی کی موت کا مجھے افسوس ضرور تھا لیکن اس قسم کے آپریشن میں ایسے حادثے اکثر ہو جاتے ہیں۔ یہ زندگی اور موت کا کھیل ہوتا ہے کبھی کبھی تو ہمیں ایسی خفیہ ہدایت بھی دی جاتی ہے کہ فلاں پاکستانی قیدی کو موت کی نیند سلا دیا جائے یہ اس حالت میں ہوتا ہے جب اس کا فرار ناممکن ہو اور اس کے پاس وطن عزیز کی قیمتی معلومات بھی ہوں۔

ڈاکٹر فریدی کی موت کمانڈو آپریشن کے دوران ہونے والی حادثاتی موت تھی۔ ان کی موت کا زیادہ افسوس انڈین ملٹری انٹیلی جینس کو ہونا چاہیئے تھا کیوں کہ ڈاکٹر فریدی ان کے لئے ایک قیمتی سائنس داں تھا۔ مجھے ایک طرح سے اطمینان تھا کہ اب دشمن ہمارے سائنس داں سے مزید بیش قیمت سائنسی معلومات حاصل نہ کر سکے گا۔

ڈاکٹر فریدی کی موت نے میرے مشن کو اختتام پر پہنچا دیا تھا۔ البتہ دل کے کسی گوشے میں سدھا رنگنی کا خیال ضرور تھا جس نے میری خاطر اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ اسے دشمن کے چنگل میں چھوڑ جانا اخلاقی اعتبار سے مناسب نہیں تھا لیکن اس وقت میرے سامنے صرف اپنے فرار کا مشن ہی تھا۔ گھڑی کی سوئی نپے تلے انداز میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی۔ میں پوری طرح بیدار تھا۔

میں نے اٹھ کر لکڑی کی بوسیدہ الماری کھول کر تلاشی لی اس میں پرانے کپڑے ٹھنسے ہوئے تھے۔ نچلے دراز میں پرانے بوسیدہ زنانہ جوتے رکھے تھے۔ ایک دراز میں دھاگے کی گوٹ، سوئی کا پتا اور

قینچی پڑی تھی ۔ میرے مطلب کی یہاں کوئی شے نہیں تھی ۔ میں کسی چاقو وغیرہ کی کھوج میں تھا۔ میں نے الماری بند کر دی پھر سلاخوں والی کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے تاکہ باہر سے کسی کے اندر جھانکنے کا امکان نہ رہے ۔ جب گھڑی نے چار بجائے تو میں بستر سے اٹھ بیٹھا اور لانس نائیک نندریکر کی وردی دیوار سے اتار کر پلنگ پر رکھ لی پھر بیپیروں کا لباس اتر کر نندریکر کی فوجی وردی پہننی شروع کر دی۔ وردی میرے سائز کی نہیں تھی پھر بھی میں نے کسی نہ کسی طرح اسے پہن لیا ۔ سر پر ٹوپی بھی جمالی ۔ سب سے آخر میں' میں نے کالے رنگ کے فوجی بوٹ پہنے اور بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتا دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھولا ۔ اندھیری راہ داری میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا ۔ میں بے حد دبے پاؤں چل رہا تھا۔ کچن کے نلکے سے پانی گرنے کی آوازیں آنے لگیں ۔ میں وہیں راہ داری میں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

پانی کسی بالٹی میں گر رہا تھا ۔ ہندو لوگ صبح صبح اٹھ بیٹھتے ہیں ۔ میں بیٹھے بیٹھے کوارٹر کے دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔ کیونکہ اب ذرا سی بھی تاخیر مجھے پکڑوا سکتی تھی ۔ دروازے کے پاس آکر میں کھڑا ہو گیا۔ چٹخنی کو نیچے کیا تو آواز پیدا ہوئی ۔ میں وہیں جم سا گیا۔ پانی کی آواز اسی طرح آرہی تھی ۔ اب کسی عورت کے گیتا کے اشلوک پڑھنے کی دبی دبی آواز بھی آنے لگی ۔ یہ نندریکر کی بیوی کی آواز ہی ہو سکتی تھی ۔ چٹخنی کی آواز گیتا کے پاٹھ کی آواز میں دب گئی تھی ۔ میں نے چٹخنی کو بڑی احتیاط سے نیچے کھسکایا پھر دروازے کے ایک پٹ کو اندر کی طرف کھینچا اور دروازے نے کوئی آواز پیدا نہ کی ۔ باہر... اندھیرا تھا' پھر دور گلی کے ایک کھمبے پر لگے بلب کی مدھم روشنی میں مجھے بند گیٹ کا دھندلا خاکہ نظر آیا۔ گیٹ تک کا فاصلہ چند قدموں کا تھا مگر یہ راستہ بے حد خطرناک بھی تھا۔ کیونکہ کچن کی کھڑکی میں سے روشنی آرہی تھی ۔ نندریکر کی پتنی کے اشلوکوں کی آواز اب برآمدے والے کمرے کی طرف سے آنے لگی تھی ۔

میں جما جما کر پاؤں رکھتا ہوا گیٹ تک پہنچ گیا اس کا ہک اوپر اٹھا کر دوسری طرف ڈالا اور گیٹ کھول کر کوارٹروں کے درمیان سے گزرنے والی گلی میں آگیا ۔

دور تک گلی سنسان تھی اور درمیان میں اندھیرا تھا۔ کونے پر بجلی کا کھمبا نصب تھا جس پر بلب جل رہا تھا ۔ میں کوارٹروں کی چھوٹی باغیچے والی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا گلی کے کونے میں آکر بائیں جانب گھوم گیا ۔ ایک بات کا مجھے شدت سے احساس تھا کہ میرے پاس اسٹین گن نہیں تھی' جس کا میرے پاس اس وقت ہونا بہت ضروری تھا جب کہ فوج کوارٹروں کی اس بستی کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے ۔

میں نے اپنا رخ کوارٹروں کے پیچھے والے میدان کی طرف کر لیا ۔ اندھیرے میں دو ایک کھیت سنسان پڑے تھے ۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا ۔ جوں ہی میں کھیت میں سے نکل کر ایک درخت

کے پاس پہنچا' ایک فوجی جوان نکل کر میرے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی لیکن چونکہ میں بھی وردی میں تھا اس لئے قدرتی طور پر اس کی گن کا رخ زمین کی طرف تھا۔ اس نے مرہٹی زبان میں مجھ سے کہا کہ میرا اسلحہ کہاں ہے ؟

یہ سوال تحکمانہ انداز میں نہیں بلکہ استفسارانہ انداز میں کیا گیا تھا۔ میں بھی پوری طرح سے ہوشیار تھا۔ کسی قسم کی گھبراہٹ کے بغیر میں نے اسے عام سا بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ میری اسٹین گن حوالدار کے پاس ہے۔ میں ذرا فارغ ہونے گیا تھا۔ میں نے ساتھ ہی انگلی سے اشارہ بھی کیا۔

اس نے تعجب سے کہا۔ "ارے حوالدار تو ادھر ہی ہے جدھر سے تم آئے ہو۔ کون ہو تم ؟"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی اسٹین گن کا رخ میری طرف کرتا میں جنگلی بلے کی طرح اچھلا میرے پاؤں کے ٹھڈ نے اس کی اسٹین گن اندھیرے میں دور گرا دی تھی اور اس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں تھی۔ یہ شکنجہ ایک ٹرینڈ کمانڈو کا تھا اور وہ بے چارہ ایک عام مرہٹہ سپاہی تھا جو سوائے قواعد کرنے کے اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے لئے میرے بازو کے شکنجے کا ایک ہی جھٹکا کافی تھا۔ وہ میرے بازوؤں میں ہی راہی ملک عدم ہو گیا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسٹین گن اٹھالی۔ لاش ابھی گرم تھی۔ میں نے اسے وہیں پڑا رہنے دیا اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا گھاس کا میدان پار کر گیا۔ آسمان پر ستارے پھیکے پڑ رہے تھے اور مشرقی افق پر پچھلے پہر کی نیلاہٹ ابھرنے لگی تھی۔ میں نے اپنا رخ دریائے گھارنگ کی طرف کر لیا جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دریا کی طرف سے ٹھنڈی مرطوب ہوا آ رہی تھی۔

میں صبح ہونے سے پہلے پہلے اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ دریا کے پاس پہنچا تو جیپ کے انجن کی آواز سنائی دی میں لپک کر دریا کنارے کی جھاڑیوں کی طرف گیا تو مجھ پر جیپ کی روشنی پڑی۔ میں جانتا تھا کہ جیپ میں جو لوگ بھی بیٹھے ہیں انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ یوں ظاہر کیا جیسے میں زمین پر سے کوئی چیز اٹھا رہا ہوں۔ جیپ میرے قریب آ کر رک گئی۔

"ادھر آؤ جوان۔" کسی نے بلند آواز میں مجھے پکارا۔

میں جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا جیپ کے پاس گیا اور سلیوٹ مار کر اٹین شن کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ جیپ میں چار فوجی بیٹھے تھے۔ اگلی سیٹ پر یقیناً کیپٹن یا لیفٹیننٹ رینک کے دو آفیسر تھے۔ یہ بھی مرہٹہ رجمنٹ کے آدمی تھے۔ جس افسر نے مجھے آواز دے کر بلایا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم ادھر ہی ٹھہرو جوان۔ باقی نفری کہاں ہے ؟"

میں نے بھی مرہٹی زبان میں جواب دیا۔ "سر ساری نفری علاقے میں پھیلی ہے۔"

وہ بولا۔ "ٹھیک ہے۔ تم ادھر ہی رہو۔ پیچھے کرنل صاحب کی گاڑی آ رہی ہے۔ خبردار ادھر ادھر مت جانا۔"

"او کے سر!" میں نے کھٹاک سے سیلوٹ مارا۔

جیپ کا انجن چل رہا تھا وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ تو پیچھے کرنل کی گاڑی آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میری تلاش میں یہ لوگ چپے چپے پر موجود تھے۔ جیپ اندھیرے میں میری آنکھوں سے اوجھل ہوئی تو میں جھاڑیوں کی اوٹ لیتا دریا کے کنارے سے ہٹ کر آگے بڑھنے لگا اب ہلکی ہلکی اتنی روشنی ہو گئی تھی کہ میں جھاڑیوں کے پیچھے جاتا دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ دور سے کسی گاڑی کی روشنی دکھائی دی' پھر جیپ کے انجن کی آواز آنے لگی۔ یہ ضرور وہی کرنل تھا۔ مرہٹہ رجمنٹ کا کرنل جو چاند پور چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ ساری سرگرمیاں پاکستانی ڈاکٹر فریدی کے کانوائے پر پاک کمانڈوز کے حملے کی تحقیقات کے سلسلے میں ہی ہو سکتی تھیں۔ اس دوران لانس نائیک پر بھی میرے راز کے طشت ازبام ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ وہ انٹیلی جینس کا آدمی تھا۔ اپنی وردی کی جگہ میرا گیروا لباس پڑا دیکھ کر اسے یہ سمجھنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگے گا کہ اس نے پاکستانی کمانڈو کو پناہ دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ دن کی روشنی میں اس مرہٹہ فوجی کی لاش بھی مل جائے گی۔ جس کو میں نے ابھی ابھی اگلے جہان پہنچا کر ادھر کا رخ کیا تھا۔ اس لئے میری بقا اسی میں تھی کہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے اس علاقے سے اتنی دور چلا جاؤں کہ یہ لوگ میری ہوا کو بھی نہ پہنچ سکیں لیکن مرہٹہ کرنل کی جیپ میری ہی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔ میں دریا کو چھوڑ کر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ وہ آگے نکل گئی۔ میں درخت کی اوٹ سے نکل کر تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ کم بخت یہاں گھنے درخت بالکل نہیں تھے اور میں دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر کسی طرف سے اچانک کوئی فوجی یا فوجی گاڑی آ جائے تو میں چھپ نہیں سکتا تھا۔ میں جس راستے سے واقف تھا' وہ دریائے گھارنگ کے ساتھ ساتھ چلتا آگے امرلی کے پرانے قصبے کی طرف نکل جاتا تھا۔ میں امرلی سے دور رہ کر کسی جگہ سے دریا پار کر کے دوسری طرف کے پہاڑی علاقے سے گزرتا ہوا احمد آباد اپنے ایجنٹ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس وقت اسی جگہ مجھے پناہ مل سکتی تھی اور اپنا ایجنٹ ہی مجھے سرحد پار کرا کر پاکستان میں داخل کروا سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ نورین کو راجستھان میں کسی دوسرے ایجنٹ کے حوالے کر کے واپس آ چکا ہو گا۔

اچانک مجھے اپنے پیچھے اسٹین گن کے برسٹ کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں بیٹھ گیا اور پلٹ کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ دن کی روشنی میں ہر شے واضح نظر آ رہی تھی۔ اسٹین گن کے فائر کی آواز دور سے آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا راز فاش ہو چکا ہے اور اب مرہٹے فوجی شکاری کتوں کی طرح میرے پیچھے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر آگے دوڑنا شروع کر دیا۔

پیچھے ایک اور دھماکہ ہوا۔ یہ دستی بم کا دھماکہ تھا۔ میں نے ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی' پھر لپک کر جھاڑیوں کو پکڑتا گڑھے کی دوسری جانب نکل کر سامنے درختوں کی جانب بھاگا۔ رک رک کر

فائرنگ کی آواز آرہی تھی جو بتدریج آگے بڑھ رہی تھی۔

درختوں کے نیچے مجھے ایک پرانے گرجا کی چھوٹی سی عمارت نظر آئی۔ اس ویران گرجا کی دیواریں بارش اور دھوپ سے سیاہ پڑ چکی تھیں۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ میں گرجا کے عقب میں آ گیا۔ فائر کی آواز گرجا کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔ میرے لئے اب بھاگنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

گرجا کا عقبی دروازہ بند تھا۔ میں نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ تڑاتڑ اسٹین گن کا برسٹ فضا میں گونجا میں دروازے کو بے تحاشہ پیٹنے لگا۔ دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے ایک بوڑھا پادری کھڑا مجھے شفقت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے گلے میں صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ یہ ہندوستانی پادری تھا اور اس کا رنگ مرہٹوں کے مقابلے میں زیادہ کھلتا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ گجرات کاٹھیا واڑ کا رہنے والا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور کہا۔ "فادر میں کرسچیئن ہوں۔ میرے پیچھے فوج لگی ہے۔ مجھے پناہ دیجئے"۔

فائرنگ کی آواز پادری نے بھی سن لی تھی۔ انہوں نے سر کے اشارے سے مجھے اندر آنے کو کہا اور ایک طرف ہٹ گئے۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک فوجی گاڑی کی آواز سنائی دی جو شاید گرجا کے سامنے درختوں میں آکر رک گئی تھی۔ پادری نے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "نیچے اتر چلو بیٹا۔"

میں زینہ اتر کر ایک اندھیری کوٹھری میں آگیا۔ پادری نے سوئچ آن کر کے بتی جلا دی۔ کمزور بلب کی دھیمی روشنی میں مجھے وہاں ایک قبر دکھائی دی جس کے سرہانے صلیب لگی تھی۔ پادری نے قبر کے پہلو میں جھک کر ایک تختہ ہٹا دیا اور مجھے اس کے اندر گھسنے کو کہا۔ اوپر گرجا کا سامنے والا دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔

میں قبر کے اندر گھس گیا۔ اندر ایک تابوت تھا۔ تابوت کے ساتھ اتنی جگہ موجود تھی کہ میں وہاں جھک کر اپنی جگہ بیٹھ سکتا تھا۔ پادری نے تختہ اپنی جگہ پر واپس لگا دیا۔ میں زندہ درگور ہو گیا تھا عجیب سی ناخوش گوار مرطوب بو میرے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ میں اندھیری قبر میں تابوت کے پہلو میں اپنے آپ کو سمیٹ کر دم سادھے بیٹھا۔ اوپر فرش پر بھاری بوٹوں کی آواز گونجنے لگی، پھر کسی نے مرہٹی زبان میں کہا۔ "فادر یہاں کوئی پاکستانی کمانڈو تو نہیں آیا؟"

میں نے اپنا سانس روک لیا۔ اگر فادر نے سچ بول دیا تو میں مارا جاؤں گا۔ مجھے فادر کی آواز آئی۔ نہیں میرے بیٹو! یہاں سوائے میرے دوسرا کوئی نہیں ہے"۔

مرہٹہ فوجی کی آواز آئی۔ "سوری فادر! ہمیں چرچ کی تلاشی لینی ہو گی"۔

فوجیوں کے قدم ادھر ادھر دوڑنے لگے، پھر کسی نے تہ خانے کے دروازے کے پاس آکر کہا۔

"یہ دروازہ کہاں کھلتا ہے؟"

پادری نے کہا۔ "تہ خانے میں ہمارے بڑے پادری صاحب کی قبر ہے۔"

فوجی کرخت لہجے میں بولا۔ "ہم تہ خانے کی بھی تلاشی لیں گے۔"

دروازہ دھڑاک سے کھل گیا اور کھٹاکھٹ دو چار فوجی سیڑھیاں اتر کر تہ خانے میں آ گئے۔ انہوں نے بتی جلا دی۔ میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا اور چیونٹی کی طرح سانس لینے لگا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے دل کی دھڑکن کی آواز فوجیوں تک نہ پہنچ جائے۔ فوجیوں کے قدم قبر کے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ اتنے میں پادری نے نرم آواز میں کہا۔ "میرے پیارے بچو! یہاں سوائے ہمارے مرحوم پادری صاحب کے تابوت کے اور کچھ نہیں ہے۔"

فوجی کی کرخت آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ "فادر! ہم دیکھ رہے ہیں۔ تم خاموش رہو۔"

پھر فوجیوں کے قدموں کی آواز سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں نے گھٹنوں میں سے اپنا سر اوپر اٹھا لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک بہت بڑی بلا ٹل گئی تھی خواہ وقتی طور پر سہی پادری کی انسان دوستی کی اس نایاب مثال نے مجھے ان کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ میں حیران تھا کہ ایک نیک دل پادری نے صرف میری جان بچانے کے لئے مجھے پناہ دے دی تھی حالانکہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور فوج میرے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے اور پھر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں پاکستان کا جاسوس ہوں تب بھی انہوں نے صرف میری زندگی بچانے کے لئے جھوٹ بول کر مجھے گولیوں کا نشانہ بننے سے بچا لیا۔

میرا دل پادری کے لئے محبت اور عقیدت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ پھر میں نے جیپ کے اسٹارٹ ہو کر گرجا کا احاطے سے دور چلے جانے کی آواز سنی مرہٹہ رجمنٹ کے فوجی چلے گئے تھے۔ میں اپنی جگہ پر اسی طرح سمٹا بیٹھا تھا' پھر مجھے تہ خانے کا دروازہ کھلنے اور سیڑھیوں پر کسی کے پرسکون قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ پادری ہی ہو سکتے تھے۔ کسی نے قبر کے پہلو کا تختہ ایک طرف ہٹا دیا۔ "باہر آ جاؤ میرے بیٹے۔ وہ چلے گئے ہیں"۔

پادری کی آواز میں وہی شفقت اور محبت تھی۔ مجھے یہ محبت کائنات کے ستاروں سے لے کر دھرتی کے پاتال کے ذروں تک پھیلتی محسوس ہوئی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ اوپر اپنی کوٹھری میں لے گئے۔ میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں اپنی وضاحت میں کیا بیان دوں؟ کیا موقف' اختیار کروں؟ ظاہر ہے میں انہیں اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے انہیں یہ بتانا چاہا کہ میں انڈین فوج کا بھگوڑا ہوں تو انہوں نے اپنی پرسکون آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پیار سے کہا۔ "میرے بیٹے! کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے پناہ مانگی تھی اور یہاں جو بھی آتا ہے وہ یسوع مسیح کی پناہ میں آ جاتا ہے۔ تم یہاں سکون سے بیٹھو۔ میں تمہارے لئے کافی بنا کر لاتا ہوں"۔

نیک دل پادری نے نیم گرم پانی سے خود میرا منہ ہاتھ دھلایا مجھے کافی کے ساتھ کھانے کو ایک انڈہ اور ٹوسٹ دیئے ان کے اس انسانیت افروز سلوک کے باوجود میرے دل میں ابھی تک ان کی جانب سے ہلکا سا خوف موجود تھا کہ کہیں وہ مجھے انڈین فوج کے حوالے نہ کر دیں۔ حالانکہ اگر انہیں ایسا کرنا ہوتا تو مرہٹہ رجمنٹ کے سپاہی گرجا سے خالی ہاتھ نہ جاتے لیکن عشق است و ہزار بدگمانی' والا معاملہ تھا۔ میں نے ایک بار پھر وضاحت کرنے کی کوشش کی تو پادری صاحب مسکرائے۔ کافی کا پیالہ ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ آرام دہ کرسی پر نیم دراز مجھے تک رہے تھے۔

" میرے بیٹے! میں جانتا ہوں کہ تم کرسچیئن نہیں ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم کوئی بہت بڑا جرم کر کے فوج سے بھاگے ہو' لیکن تم جس فضا میں اس وقت موجود ہو وہاں سوائے محبت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

میں پادری کی فراست یا ان کے وجدان پر دنگ رہ گیا۔ دل ہی دل میں اس خیال پر مطمئن ہوا کہ انہیں میرے پاکستانی جاسوس ہونے کا علم نہیں ہوا تھا' یا کم از کم میں یہی سمجھ رہا تھا اگرچہ مجھے یقین تھا کہ پادری کو میرے جاسوس ہونے کا علم ہو بھی جاتا تو وہ مجھے فوج یا پولیس کے حوالے نہ کرتے پھر بھی میں اپنے اس راز کو اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے ان کے حسن سلوک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

" فادر! میں شرمندہ ہوں کہ میں نے اپنے مذہب کے بارے میں جھوٹ بولا' لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ میرے مسلمان ہونے کے باوجود بھی میرے ساتھ اس قدر محبت کا سلوک کریں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ رجمنٹ میں میرا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ بات اتنی بڑھی کہ میں نے اس پر گولی چلا دی اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔"

پادری بڑی ہی پاکیزہ چمکیلی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی کا ایک ہلکا سا گھونٹ لے لیتے تھے۔ میرا وضاحتی بیان سننے کے بعد انہوں نے کپ تپائی پر رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ " میرے بچے! اب تم کیا چاہتے ہو؟" جب تک تم اس چرچ کے اندر ہو تمہاری مدد کرنا میرا فرض ہے باہر کی فضا میں ہو سکتا ہے تم مجھے بے بس پاؤ"۔

میں وہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا تھا۔ میں فوجی چھاؤنی کے بہت ہی قریب تھا اور کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں احمد آباد جانا چاہتا ہوں ' جہاں میری ایک بہن رہتی ہے۔ میں اس کی مدد سے راجستھان کی طرف نکل جاؤں گا۔ " لیکن فادر! میں فوجی وردی میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ اس طرح بڑی آسانی سے پکڑ لیا جاؤں گا کیا آپ مجھے فالتو کپڑے دے سکتے ہیں تاکہ میں بھیس بدل کر نکلوں۔"

پادری کہنے لگے۔ " تمہیں کپڑے مل جائیں گے کیا تم ابھی یہاں سے جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں فادر۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اس وقت باہر خطرہ ہے۔ فوجی مجھے پہچان لیں گے۔ میں رات کے اندھیرے میں نکلنا چاہتا ہوں"۔

پادری چلے گئے تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک پرانا تھیلا تھا انہوں نے تھیلے میں سے مجھے پادریوں والا لباس نکال کر دیا۔ میں نے فوجی وردی اتار کر وہ لباس پہن لیا انہوں نے پاؤں میں پہننے کے لئے چمڑے کی ایک چپل بھی دی میں پادریوں والے... چغے میں ہو بہو پادری بن گیا تھا زنجیر والی" لکڑی کی ایک صلیب بھی انہوں نے میرے گلے میں پہنا دی۔ میرے سر پر پادریوں والی بیٹھی ہوئی سیاہ ٹوپی جمی ہوئی تھی۔ دوپہر کو پادری نے میرے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی' پھر انہوں نے مجھے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ پادری پر مجھے بھروسہ بھی تھا۔ میں کوٹھری میں جاکر سو گیا اور ایسا سویا کہ اٹھا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔

میں نے غسل کیا۔ پادری کی نوکرانی گرجا کے کونے والے کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ پادری نے اسے قصداً میرے سامنے نہیں آنے دیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی کھانا کھا لیا۔ پادری نے مجھے پچاس روپے دیتے ہوئے کہا۔ "ان پیسوں کی تمہیں راستے میں ضرورت ہو گی"۔

میں نے پادری کے پاؤں چھو لئے۔ انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا اور بولے۔ "بیٹا مجھ سے اگر کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دینا"۔

میں نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔ انہوں نے میرے سینے پر صلیب کا نشان بنایا پھر ایک ایسی بات کہہ دی کہ میرا جسم اپنی جگہ پر ایک بار تو جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ کہنے لگے۔

"میرے بیٹے! پاکستان پہنچنے کے بعد میرا ایک کام ضرور کرنا وہاں تمہیں کسی بھی مذہب کی کوئی عبادت گاہ نظر آئے تو میری طرف سے اس کی تعظیم ضرور کرنا۔ میری روح کو خوشی ہو گی"۔

میں ان کا منہ تک رہا تھا اور میرے ماتھے پر جیسے ندامت کے موتی چمکنے لگے تھے۔ میں نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ انہوں نے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں پر رکھے اور شفقت سے کہا۔

"جاؤ۔ تمہیں خداوند کے حوالے کیا۔"

میں بے اختیار جھکا اور ان کے قدموں کو چھو لیا۔ انہوں نے مجھے اٹھا کر گلے لگایا اور میں گرجا کے عقبی دروازے سے نکل کر رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں گرجا کے پیچھے والے کٹھل کے درختوں کی طرف رواں ہو گیا۔ میں گرجا کے احاطے سے نکلنے لگا تو اچانک ایک عورت سامنے آ گئی۔ اس نے مرہٹہ عورتوں کی طرح ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ ناک میں بڑا سا لونگ تھا اور بالوں کو کھینچ کر پیچھے جوڑا بنایا گیا تھا۔ مرہٹی میں بولی۔ "تم فادر کے مہمان تھے نا میرا کھانا پسند آیا؟"

میں پادری کے بھیس میں تھا۔ مجھے مجبوراً مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کرنا پڑا اور اور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر میں نے پلٹ کر دیکھا تو مرہٹہ عورت وہیں گرجا کی دیوار کے پاس کھڑی میری طرف

دیکھ رہی تھی۔ یہ پادری کی مرہٹن نوکرانی تھی۔ مجھے شک ہوا کہ کہیں اسے فوج نے جاسوسی کے لئے نہ بھیجا ہو اور وہ ابھی جا کر انہیں میرے بارے میں بتا دے گی۔ دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس عورت کو بھی اگلی دنیا میں پہنچا دیا جائے' مگر وہ پادری کی نوکرانی تھی اور یہ بات میرے ضمیر نے گوارا نہ کی کہ میں ان کی نوکرانی کو ہلاک کروں۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ مجھے وہاں سے مزید تیزی کے ساتھ نکل جانا چاہیئے۔

اس وقت رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا اور دور پیچھے چاند پور چھاؤنی کے کوارٹروں اور دو منزلہ فوجی عمارت میں روشن بتیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے لمبے لمبے ڈگ بھرنے شروع کر دیئے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرا خدشہ غلط ہو اور اس نوکرانی کو میرے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو۔

بہرحال میں جتنی تیز چل سکتا تھا چلتا ہوا چاند پور چھاؤنی کی بستی کے نشیب کو عبور کر کے اندھیرے میں دوسری جانب کچے راستے پر آ گیا۔ میرا پادریوں والا نسواری رنگ کا لمبا چغہ میرے ٹخنوں کو چھو رہا تھا۔ میں بالکل پادری ہی لگتا تھا۔ اس کے باوجود میں ابھی تک خطرے میں گھرا ہوا تھا۔

کچی سڑک دور تک چلی گئی تھی جس کے آخر میں بڑی سڑک کے کھمبوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ کچھ تذبذب اور کچھ گھبراہٹ میں' میں نے یہ کچا راستہ طے کیا اور سڑک پر آ گیا۔

میں اس سڑک کو پہچانتا تھا۔ یہ سڑک بورالا قصبے کو جاتی تھی جو امرلی جانے والی چھوٹی سڑک کے دوراہے پر تھا۔ بورالا سے مجھے لاری میں سوار ہو کر ڈھانڈ کے ریلوے اسٹیشن تک اور پھر وہاں سے ریل گاڑی پکڑ کر احمد آباد کی طرف روانہ ہونا تھا۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ راستے میں کسی وقت بھی' کسی بھی جگہ پر مجھ سے پوچھ گچھ ہو سکتی تھی۔ اگرچہ رات کا وقت تھا اور میں پادری کے بھیس میں تھا پھر بھی انڈین ملٹری انٹیلی جینس کی شکاری نگاہوں سے بچ کر نکل جانا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

لیکن مجھے ہر حالت میں احمد آباد اپنے ایجنٹ کے پاس پہنچنا تھا۔ میں بڑی سڑک کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی گاڑی کی روشنی مجھ پر پڑی۔ میں سڑک سے اتر کر جھاڑیوں کی طرف ہو گیا۔ گاڑی مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر آگے جا کر رک گئی۔ میرا دل دھڑکنے لگا' لیکن یہ دیکھ کر کسی قدر تسلی ہوئی کہ یہ گاڑی فوجی نہیں تھی۔ بلکہ بھارت میں بنی ہوئی پرانے ماڈل کی ایمبیسیڈر کار تھی۔ کار کا دروازہ کھلا اور اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"فادر! آپ کو کہاں جانا ہے؟ تشریف لایئے۔"

یہ شخص مجھے پادری سمجھ کر لفٹ دے رہا تھا۔ میں آہستہ قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کے پاس آیا اور جھک کر بولا۔ "بیٹا! تم کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے دیکھا کہ گاڑی میں صرف ایک ہی آدمی سوار تھا۔ یہ کھدر پوش بھاری جسم کا آدمی تھا۔ سر پر کانگرسی کیپ رکھی تھی۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "فادر میں ڈھانڈ جا رہا ہوں۔ آپ کو

ڈھانڈ تک لفٹ دے سکتا ہوں"۔

میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ کار آگے کو چل پڑی۔ اس کھدر پوش نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں چاند پور اپنے پادری بھائی سے ملنے آیا تھا۔ اب واپس ڈھانڈ جا رہا ہوں۔ کھدر پوش ڈھانڈ کانگریس کمیٹی کا صدر اور وہاں کا زمین دار تھا۔ آدمی بااخلاق تھا۔ اس نے تھرمس میں سے کافی نکال کر کپ میں ڈالی اور مجھے پیش کی۔ میں خاموشی سے کافی پینے لگا۔

میری آنکھیں گاڑی کی دائیں جانب باہر لگے شیشے کو دیکھ رہی تھیں کہ پیچھے سے کوئی فوجی گاڑی تو میرے تعاقب میں نہیں آ رہی؟ پیچھے سے دو ایک ٹرک ہمیں اوورٹیک کرتے ہوئے گزر گئے۔ کھدر پوش کانگریسی بولا۔ "فادر! میں گاڑی چلاتے ہوئے کبھی جوش میں نہیں آتا۔ جس کو گزرنا ہو اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔ خواہ مخواہ اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

میں نے اس کے اس جذبے کی تعریف کی۔ تاہم وہ سڑک کو جہاں خالی پاتا گاڑی کی رفتار تیز کر دیتا۔ دور سے بورالا قصبے کی بتیاں نظر آئیں۔ قصبے کے قریب پہنچے تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سڑک پر رکاوٹ کھڑی تھی اور دو ملٹری پولیس والے گاڑیوں کی چیکنگ کر رہے تھے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں گاڑی سے چھلانگ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ گاڑی رکاوٹ کے قریب پہنچ چکی تھی۔

کھدر پوش کانگریسی کہنے لگا۔ "یہ خواہ مخواہ لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ پیچھے بھی فوجیوں نے میری گاڑی کو چیک کیا تھا۔ بھلا ایسا کون سا طوفان آ گیا ہے۔"

اس نے گاڑی سڑک کے کنارے ایک طرف کھڑی کر دی۔ میں نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے اپنے حواس پوری طرح مجتمع کر لئے تھے اور چہرے پر پادریوں ایسی شفقت بھری مسکراہٹ طاری کر لی تھی۔ دو ملٹری پولیس کے جوان ہماری گاڑی کی طرف بڑھے۔ انہوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر مجھے دیکھا تو میں نے پادریوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر انہیں دعا دی۔ اب وہ کھدر پوش کانگریسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے لائسنس لے کر ٹارچ کی روشنی میں غور سے دیکھا، پھر اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "نکل چلو آگے"۔

ساتھ ہی ایک فوجی نے سڑک پر رکاوٹ کے پاس کھڑی فوجی پولیس کے جوانوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے سڑک پر سے رکاوٹ ایک طرف کھسکا دی۔ ہماری گاڑی آگے نکل گئی۔ میں نے گہرا سانس بھر کر خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ یہ بلا ٹل گئی تھی۔ میرا کانگریسی ساتھی ان فوجیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا پھر بولا۔ "فادر! آج بات کیا ہے؟ میرا خیال ہے ضرور دشمن کا کوئی جاسوس ادھر گھس آیا ہے لیکن جاسوس کو ادھر آنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں تو پہلے ہی مٹی کا تیل نہیں ملتا۔"

وہ باتیں کیئے جا رہا تھا۔ میں 'ہوں' 'ہاں' میں کسی وقت جواب دے دیتا تھا۔ پادری کے لباس

نے مجھے بچا لیا تھا۔ نہیں تو میری باقاعدہ چیکنگ ہوتی۔ مجھ سے پوچھ گچھ بھی کی جاتی۔ ہو سکتا ہے انہیں مجھ پر شک پڑ جاتا۔ بہرحال خطرے کا ایک محاذ پیچھے رہ گیا تھا۔ اب میں آگے کی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ ابھی مجھے کئی مورچوں کے سامنے سے گزرنے کا خطرہ مول لینا تھا۔ قصبہ 'بورالا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے جب ہم ڈھانڈ پہنچے۔ میرا میزبان بولا۔ "فادر! آپ اتنی رات گئے کہاں جائیں گے میرے ساتھ میری حویلی میں چلیئے۔ رات وہیں آرام کریں"۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ " میرے بچے! ڈھانڈ میں میری بڑی بہن کا گھر ہے۔ میں اپنی بہن کے گھر پر ہی ٹھہرا ہوا ہوں۔ تمہاری میزبانی کا بہت بہت شکریہ۔ خداوند تمہیں اپنی پناہ میں رکھے"۔

میں نے صلیب کا نشان بنا کر اسے دعا دی اور قصبے کی ایک اندھیری گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ گلی میرے لئے بالکل اجنبی تھی۔ ایک مکان کی اوٹ میں چھپ کر میں نے پیچھے دیکھا۔ میرے کھدر پوش میزبان کی گاڑی قصبے کی دوسری جانب چلی جا رہی تھی جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں اندھیری گلی میں سے نکل کر خاموشی سے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ اس علاقے سے میں کئی بار گزرا تھا۔ اب مجھے سارے راستے زبانی یاد ہو گئے تھے۔ میں اندھیرے میں بھی راستہ تلاش کر سکتا تھا۔

ریلوے اسٹیشن ویران تھا۔ برآمدے میں کچھ مسافر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ کچھ خراٹے لے رہے تھے۔ بکنگ آفس بند تھا۔ گیٹ پر بھی کوئی ٹکٹ بابو نہیں تھا۔

مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ احمد آباد جانے والی گاڑی امراوتی سے کس وقت یہاں پہنچتی ہے۔ ایک مسافر سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ احمد آباد والی پسنجر ٹرین رات کے سوا بارہ بجے آئے گی۔ خوش قسمتی سے کافی وقت گزر چکا تھا اور ٹرین کے آنے میں اگر وہ صحیح ٹائم پر آ گئی تو صرف پون گھنٹہ باقی تھا۔

میں ایک بنچ کے کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور یوں دونوں ہاتھ جوڑ کر ہونٹوں کے ساتھ لگا لئے جیسے عبادت کر رہا ہوں۔ میری آنکھیں بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اڈے پر صرف ایک تانگہ کھڑا تھا۔ رکشا وغیرہ کوئی نہ تھا۔ پیپل کے درخت کے پاس جو چائے کی دکان تھی دو ایک گاہک ٹوٹی پھوٹی کرسیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے اور تیز تیز باتیں کر رہے تھے۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ اندازے سے میں کچھ دیر بعد اٹھا اور اسٹیشن کے برآمدے میں آ کر گھڑی دیکھی ابھی ٹرین آنے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ میں بنچ پر آ کر بیٹھ گیا بڑے تذبذب اور ہیجان کے ساتھ وقت گزر رہا تھا۔

کم بخت ٹرین آج پھر لیٹ تھی۔ رات پونے ایک بجے اس کے انجن کی آواز دور سے سنائی دی تو میری جان میں جان آئی۔ میں ایک ڈبے میں سوار ہو کر لیٹرین کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا کہ اگر

کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو لیٹرین میں گھس جاؤں گا۔ ٹکٹ میں نے پہلے ہی خرید کر جیب میں رکھ لیا تھا۔ خدا خدا کر کے انجن نے سیٹی دی اور ٹرین پلیٹ فارم پر کھسکنے لگی۔

اس ٹرین کو منہ اندھیرے احمد آباد پہنچ جانا چاہیئے تھا، لیکن کم بخت راستے میں پھر لیٹ ہو گئی۔ ایک ویران اسٹیشن پر ایسی رکی کہ چلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ شاید آگے ریلوے لائن کی مرمت ہو رہی تھی اور ڈیوٹی پر موجود گینگ مین سو گیا تھا اسٹیشن سے ایک آدمی اس طرف بھاگا۔ وہاں جا کر گینگ مین کو جگایا۔ اس نے سبز بتی کا اشارہ دیا تو ٹرین جوں کی چال رینگنے لگی۔

جس وقت احمد آباد آیا تو صبح ہو چکی تھی۔

یہ بات میرے حق میں سود مند نہیں تھی۔ احمد آباد بہت بڑا اسٹیشن تھا۔ یہاں اگر میرے چھپنے کے امکانات بھی تھے تو پہچانے جانے کا احتمال بھی تھا۔ کیوں کہ پلیٹ فارم پر سویلین پولیس کے ساتھ ساتھ ملٹری پولیس کے جوان بھی گیٹ کے پاس کھڑے گھور گھور کر مسافروں کو تک رہے تھے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے لا محالہ تھرڈ کلاس والے گیٹ میں سے ہی گزرنا تھا۔ اب خیال آیا کہ مجھے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا چاہیئے تھا۔ میں رش کے بیچ میں گھس گیا اور مسافروں کے ریلے کے ساتھ خود بخود گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ میں ملٹری پولیس کے جوانوں کی تیز نگاہوں کی زد میں ہوں تو میں نے اپنے چہرے پر بڑی عاجزانہ سی مسکراہٹ طاری کی اور ایک نیک دل پادری کی طرح دایاں ہاتھ اوپر اٹھا کہ مسافروں کو صبر کرنے کی تلقین کرنے لگا۔

جب میں گیٹ سے نکل کر اسٹیشن کی لابی میں آیا تو ملٹری پولیس کا ایک فوجی میری جانب آ کر بولا۔ "فادر! آپ کو سارجنٹ بلا رہے ہیں۔"

میرے پاؤں تلے ایک بار تو زمین جیسے کھسک گئی۔ مجھے اپنی حماقت کا شدت سے احساس ہوا کہ میں نے احمد آباد اسٹیشن پر آنے کا خطرہ کیوں مول لیا۔ مجھے حسب سابق ایک اسٹیشن پیچھے اتر جانا چاہیئے تھا۔ میں نے مسکرا کر فوجی جوان کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ مجھے لے کر درجہ اول کے گیٹ پر آ گیا یہاں ایک تیز چمکیلی آنکھوں والا نوجوان مرہٹہ کیپٹن لوہے کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میری تعظیم میں وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے ادب سے انگریزی میں بولا۔ "فادر! آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

میں نے جان بوجھ کر انگریزی بولنے سے احتراز کیا اور مرہٹی میں کہا۔ "میں انگریزی زیادہ نہیں جانتا بیٹے۔ کیا تم مرہٹی جانتے ہو؟"

میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ مرہٹہ ہی تھا۔ اگر آپ کو کبھی ان علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ زرد رنگت والے پیارے پیارے گجراتی لوگوں کے درمیان تانبے والی رنگت والے مرہٹے صاف طور پر پہچانے جا سکتے ہیں۔ مرہٹہ عورتوں کے جسم بھی گجراتی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ تنومند اور گٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ویسے بھی مرہٹہ عورتوں کے ساڑھی باندھنے

کا انداز گجرات کاٹھیاواڑ کی عورتوں کے ساڑھی باندھنے سے بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔

میں نے اس مرتبہ فوجی کو بڑے پرسکون لہجے میں بتایا کہ میں امریلی سے آ رہا ہوں۔ وہاں میرا چھوٹا بھائی گرجا کا پادری ہے اس سے ملنے گیا تھا۔ اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس بدبخت کو مجھ پر شک تو نہیں ہو گیا۔ بظاہر مجھ پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی لیکن فوراً ہی مجھے وہ وجہ نظر آ گئی کیپٹن نے میری طرف بدستور گھورتے ہوئے کہا۔ "لیکن فادر! آپ تو ڈھانڈ ریلوے اسٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوئے تھے؟"

میں اندر ہی اندر چونک گیا۔ اوپر سے پر سکون رہا۔ کمبخت کے آدمی ڈھانڈ تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ ڈھانڈ تک مجھے ایک شریف کانگریسی لیڈر نے اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی"۔

شاید اس نوجوان کیپٹن نے میرے دل کے اندر چھپی ہوئی گھبراہٹ کو بھانپ لیا تھا۔ کہنے لگا۔

"فادر کرسی پر تشریف رکھیں"۔

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "شکریہ میرے بیٹے! لیکن مجھے جلدی اپنے چرچ پہنچنا ہے"۔

مرہٹے کیپٹن نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "فادر آپ کون سے چرچ کے پادری ہیں؟"

احمد آباد شہر کے صرف ایک ہی چوک میں، میں نے گرجا گھر کی عمارت دو تین بار دیکھی تھی اس چوک کا نام بھی مجھے یاد تھا۔ میں نے یونہی اس چوک والے گرجا کا نام لے دیا۔ مرہٹہ کیپٹن بولا" فادر معاف کیجیئے گا۔ مگر ہمیں آپ کے ساتھ اس چرچ میں جا کر پتہ کرنا ہو گا کہ آپ وہاں کب سے سروس کر رہے ہیں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے نا؟"

اب میں نے پوچھ ہی لیا کہ آخر یہ تفتیش کس سلسلے میں کی جا رہی ہے؟ مرہٹے کیپٹن نے کہا۔ "سوری فادر! یہ بات ہم آپ کو نہیں بتا سکتے، لیکن آپ ہماری جیپ میں بیٹھ کر ہمارے ساتھ چرچ جائیں گے۔ تشریف لائیے"۔

میں بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اثبات میں سر جھکا دیا۔ فوجی جیپ اسٹیشن کے باہر ایک طرف کھڑی تھی۔ مجھے ملٹری پولیس کے دو تنومند جوانوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ مرہٹہ کیپٹن آگے آگے چل رہا تھا۔ جیپ کے ڈرائیور نے اتر کر سلیوٹ کیا۔ مرہٹہ کیپٹن خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دوسرے فوجی جیپ کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب جیپ چلی تو میں نے اتنا دبی زبان میں ضرور کہا کہ بھارت میں اقلیتوں کے ساتھ ایسا سلوک اس سے پہلے شاید کبھی روا نہیں رکھا گیا۔

اس پر مرہٹے کیپٹن نے بڑے ادب سے معذرت چاہی اور کہا۔ ”مگر فادر! یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے۔ ہم آپ کو بتا نہیں سکتے لیکن اس وقت ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ سوری فادر۔ ہمیں اپنی تفتیش پوری کرنی ہو گی“۔

ان کی نیشنل سکیورٹی کو جو معاملہ درپیش تھا وہ خود میں ہی تھا‘ لیکن اس وقت میں جس مشکل میں آہستہ آہستہ پھنستا چلا جا رہا تھا‘ اس سے بھی بخوبی واقف تھا۔ یہ بالکل ایسی بات تھی جیسے میرے سامنے بہت بڑی خونخوار وہیل مچھلی کا پہاڑ ایسا منہ کھلا تھا اور حالات کے بپھرے سمندر کی لہریں مجھے دھیرے دھیرے اس کی طرف دھکیلے لئے جا رہی تھیں۔ ایک بار میں اس خوفناک وہیل مچھلی کے منہ میں چلا گیا تھا پھر وہاں سے نکلنا میرے لئے ناممکن تھا۔

فوجی جیپ کسی فوجی دفتر کی طرف چلی جا رہی تھی۔ احمد آباد کے بازاروں میں دکانیں ابھی ابھی کھلی تھیں۔ چائے کی دکانوں پر لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔ ایک دکان پر ریڈیو کھلا تھا۔ جس میں سے کسی عورت کے گجراتی بھجن گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں اگر چھلانگ لگا دیتا تو میرا مقدر سیسے کی گولیاں تھیں۔ جیپ کو بریک لگتی اور مجھ پر گولیوں کی بوچھاڑ پڑتی۔

جیپ شہر کے گنجان بازار سے نکل کر ایک کشادہ سڑک پر آ گئی فٹ پاتھ پر درختوں کے سائے تھے۔ لوگ سائیکلوں اور رکشاؤں میں بیٹھے اپنے اپنے کام پر جا رہے تھے۔ ایک بلند عمارت کے فلیٹ کی کھڑکی میں سے ایک عورت ہاتھ باہر نکال کر چادر کو جھاڑ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کی خوش قسمتی اور آزادی پر مجھے رشک آنے لگا۔ جیپ سڑک کا موڑ گھوم گئی۔ میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس قسم کی صورت حال سے میں پہلے بھی دوچار ہو چکا تھا۔ ہر بار میں نے گاڑی میں سے چھلانگ ہی لگائی تھی۔ اس بار بھی میں اسی لائن پر سوچ رہا تھا کہ چونک سا پڑا۔

گاڑی جس چوک میں پہنچ چکی تھی میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ گرجا اسی چوک میں تھا۔ جہاں مجھے لے جایا جا رہا تھا اور جس کے متعلق میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں وہاں پادری کی حیثیت سے متعین ہوں۔

اب میرے پاس چھلانگ لگانے کا بھی وقت نہیں تھا‘ کیونکہ میرے سوچتے سوچتے جیپ چرچ کے احاطے میں جا کر رک گئی تھی۔ جیپ کے رکتے ہی چاروں فوجی جوان باہر کود پڑے انہوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ ان کے پاس اسٹین گنیں نہیں تھیں مگر ان کے ہاتھ اپنی پیٹیوں پر تھے جن میں پستول لٹک رہے تھے۔

ایک کپتان چرچ کے محرابی دروازے کی طرف بڑھا‘ جو بند تھا۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اندر سے ایک سفید بالوں والے پادری دروازہ کھول کر نمودار ہوئے۔ فوجیوں کو دیکھ کر کچھ تعجب کا اظہار کیا‘ پھر میری طرف دیکھا۔ مرہٹہ کیپٹن ان کو میرے پاس لے آیا اور میری جانب

اشارہ کر کے بولا ۔ " فادر ! ان پادری صاحب کو آپ جانتے ہیں ؟ یہ کہتے ہیں کہ یہ اس چرچ کے پادری ہیں "۔

میں خالی خالی نظروں سے سفید بالوں والے پادری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کا رنگ گہرا سانولا تھا اور وہ اینگلو انڈین لگتے تھے ۔ انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ بناتے ہوئے میری طرف غور سے دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھے ۔ " ارے فادر ایڈورڈ! گڈ مارننگ ۔ میں تو آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا' مگر یہ کیا؟ آپ تو فوج لے کر یہاں آئے ہیں ؟" پھر مرہٹہ کیپٹن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ۔ " کیپٹن صاحب ! آپ فادر ایڈورڈ کو نہیں جانتے ؟ یہ ہمارے اس چرچ کے لاٹ پادری ہیں ۔ میں گوا سے یہاں ملنے آیا تو پتہ چلا کہ یہ باہر گئے ہوئے ہیں "۔

میں تو حالات کی اس کایا پلٹ اور اس دوسرے پادری کے عظیم کردار پر دنگ ہو کر رہ گیا۔ خواہ انہوں نے اپنے ایک دینی بھائی کو ہی کسی مشکل سے بچانے کے لئے یہ اداکاری کی تھی لیکن میں ان کے اس عظیم الشان احسان کو آج بھی یاد کرتا ہوں تو میرا سر ادب سے ان کے خیالی تصور کے سامنے جھک جاتا ہے ۔

مرہٹہ کیپٹن بہت حد تک مطمئن ہو گیا تھا ' لیکن اس کے چہرے پر شک وشبھے کی ایک ہلکی سی لکیر اب بھی ' میں واضح طور پر دیکھ رہا تھا ۔ میں آگے بڑھ کر ان پادری صاحب سے بغل گیر ہو گیا اور یونہی گرمجوشی اور تپاک سے باتیں کرنے لگا ۔

پادری صاحب نے میرے بازو میں اپنا بازو ڈال رکھا تھا اور کیپٹن سے کہہ رہے تھے ۔ " آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آپ ہمارے فادر ایڈورڈ کو خود یہاں کیوں لائے ہیں ؟"

مرہٹہ کیپٹن پہلی بار ذرا سا مسکرا کر بولا ۔ " سوری فادر !"

اس نے واپس پلٹ کر اپنے جوانوں کو جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ سارے فوجی جیپ میں سوار ہو گئے اور جیپ گرجا گھر کے گیٹ سے باہر نکل گئی ۔

نئے پادری مجھے ساتھ لے کر چرچ کے ہال کمرے میں داخل ہو گئے ۔ وہ چپ تھے ۔ یہ ایک کشادہ ہال تھا جس میں لکڑی کی کرسیاں ترتیب سے لگی تھیں بیچ میں ایک راہ داری سیدھی سامنے آلٹر کو جاتی تھی جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت مریم کی شبیہیں بنی تھیں اور آلٹر پر موم بتیاں روشن تھیں ۔ پادری صاحب نے اپنا تعارف یوں کروایا ۔ " میرا نام کارلوس ہے ۔ میں گوا کا رہنے والا ہوں ۔ تمہیں انڈین ملٹری پولیس کے نرغے میں دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم کسی بھاری مشکل میں ہو ۔ میں نے اس وقت تمہیں اس مشکل سے نجات دلانے کا فیصلہ کر لیا تھا ۔ چنانچہ جب انڈین کیپٹن نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے وہ کچھ بتا دیا جو تم نے بھی سن لیا ہے ۔ اب یہ بتاؤ برادر کہ تم فوج کی زد [illegible] آگئے کہیں تم نے کسی فوجی کے گھر میں چوری تو نہیں کی ؟"

یہ پادری پہلے پادری سے بھی زیادہ بھولے بھالے تھے ۔ میں نے ان کا ہاتھ تھاما ' جھک کر چوما اور آنکھوں میں مصنوعی آنسو لاتے ہوئے کہا ۔ " فادر کارلوس ! مجھے معاف کر دینا ۔ خداوند بھی مجھے معاف کرے ۔ میں پادری نہیں ہوں بلکہ ایک عادی مجرم ہوں میں ایک فوجی افسر کے گھر چوری کر کے بھاگا ہوں پولیس میرے پیچھے لگ گئی ۔ میں ایک پادری صاحب کے مکان میں جا گھسا جو بند پڑا تھا ۔ وہاں میں نے اپنا حلیہ پادریوں ایسا بنایا اور مکان کی پچھلی کھڑکی سے نکل کر بھاگا تو گلی کی نکڑ پر پہنچتے ہی ملٹری پولیس نے مجھے پکڑ لیا ۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اس گرجا گھر کا پادری ہوں ۔ چنانچہ وہ مجھے تحقیقات کے لئے یہاں لے آئے پھر جو ہوا وہ آپ کو معلوم ہی ہے "۔

میں نے اپنا چہرہ نیک دل بھولے بھالے پادری کے سینے پر رکھ دیا اور روتے ہوئے کہا۔ " فادر ! میں نے اپنا اعتراف کر لیا ہے اب مجھے تم بھی معاف کر دو ۔ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے "۔

بھولے پادری نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا ۔ " بیٹا ! تم نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تو تم پاک ہو گئے ۔ خداوند نے بھی تمہیں معاف کر دیا ... اور میں نے تو تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا جب تمہیں ملٹری پولیس گرجا لے کر آئی تھی "۔

اس نے یسوع مسیح اور حضرت بی بی مریم کی مقدس شبیہوں کے سامنے جھک کر سینے پر صلیب کا نشان بنایا ۔ میں نے بھی اپنا سر جھکا دیا ۔ دل میں بس یہی ایک جملہ دہرایا کہ آپ دلوں کا حال جانتے ہیں ۔ میں گناہ گار ہوں ۔ مجھے معاف کر دیجیئے گا اس لائق نہیں کہ آپ کے حضور پیش ہو سکوں ۔ لیکن آپ کی محبت بے پایاں ہے ۔

پادری مجھے اپنے کوارٹر میں لے گئے ان کا ملازم ناشتہ تیار کر رہا تھا پادری کارلوس نے میرے ساتھ میز پر بیٹھ کر ناشتہ کیا اور مجھے نیک بننے کی تلقین کرتے رہے ۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں آئندہ ہرگز چوری نہیں کروں گا اور نیک بن کر زندگی بسر کروں گا ۔ پادری کارلوس بہت خوش ہوئے ۔ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے ۔ " تمہارا نام کیا ہے میرے بچے ؟ "

میں نے اپنا نام بسنت بتایا ۔ وہ کہنے لگے ۔ " بسنت ! اگر تمہارا کہیں ٹھکانہ نہیں تو تم میرے ہاں رہ سکتے ہو ۔ یہاں چرچ میں تھوڑا بہت کام کر دیا کرنا ۔ اگر کبھی چوری کرنے کا تمہارے دل میں خیال آیا بھی تو چرچ کی فضا تمہیں اس گناہ سے بچائے رکھے گی "۔

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا ۔ میں تو شاید وہاں چند گھنٹوں کا مہمان تھا ۔ میں نے فوراً ہاں کر دی ۔ پادری کارلوس نے خوشی کا اظہار کیا اور مجھے بتایا کہ اس کوارٹر کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے وہ تم استعمال کر لینا ۔

" اب تم یہ پادری کا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہن لو تو اچھا ہے ۔ کیا خیال ہے ؟ "
میں نے ہنس کر کہا ۔ " فادر ! میرے پاس دوسرے کپڑے نہیں "۔

انہوں نے اپنے نوکر کو آواز دی اور کہا۔ "فرنینڈس! بھائی ہمارے دوست کے لئے دھوتی کرتا لانا۔ دھلا ہوا ہو"۔

"یس فادر!" کہہ کر نوکر اپنے کوارٹر کی طرف چلا گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ میرے لئے سفید دھوتی اور کرتہ لے آیا۔ میں نے پادریوں والا لباس اتار کر گجراتیوں والا دھوتی کرتہ پہن لیا۔ پادری کارلوس نے مجھے موم بتیوں والے دو شمع دان دے کر کہا کہ میں برآمدہ میں بیٹھ کر ان میں جمی ہوئی موم صاف کروں۔ میں شمعدان لے کر برآمدے میں بیٹھ گیا۔ قدرت نے مجھے دوسری بار موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ اس کے لئے میں مشیت ایزدی کے بعد پادری کارلوس کا دل ہی دل میں بے حد شکر گزار تھا' لیکن مرہٹے کیپٹن کے چہرے پر میں نے جو شک و شبے کی لکیر دیکھی تھی۔ وہ مجھے اس وقت بھی کچھ کچھ پریشان کر رہی تھی۔

میں نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی طرح چرچ سے اپنے ایجنٹ کے کوارٹر کی طرف ہی چلا جاؤں تو میرے لئے بہتر ہو گا۔ وہ ایک تجربہ کار جاسوس تھا۔ وہ مجھے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے گا۔ میں چرچ سے چل نکلنے کے لئے بے تاب سا ہو گیا نہ جانے کیوں میں وہاں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہا تھا۔ چرچ سے نکلنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بس شمع دان ایک طرف رکھ کر چرچ کے گیٹ سے باہر نکل جانا تھا' اور میں نے ایسا ہی کیا۔

پادری کارلوس ابھی اپنے کوارٹر میں ہی تھے کہ میں نے شمع دان ایک طرف کمروں کے ستون کے ساتھ رکھے اور برآمدے کی سیڑھی اتر کر گرجا کے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

جس چوک میں یہ گرجا واقع تھا' اس کی تین جانب تو رہائشی فلیٹ تھے اور ایک جانب یعنی سامنے کی طرف ایک کھلا پارخ تھا۔ اس پارک میں بچے کھیل رہے تھے۔ یہاں تاڑ اور کٹھل کے بے شمار درخت تھے۔ نیم اور املی کے درخت بھی دور سے نظر آ رہے تھے جنگلوں میں رہنے کے باعث مجھے تمام درختوں کی پہچان ہو گئی تھی۔

یہاں سے مجھے شہر کے جنوب مشرقی حصے کی طرف جانا تھا جہاں ایک کارخانے کے تالاب کے پاس اپنے ایجنٹ دادا بھائی کا گیراج نما کوارٹر تھا۔ اس راستے سے میں دو تین بار پہلے بھی گزر چکا تھا۔ میرے پاس پہلے والے ایک دل پادری کے دیئے ہوئے روپوں میں صرف چھ روپے باقی رہ گئے تھے۔ ان پیسوں میں کوئی رکشا لے کر اپنے ایجنٹ کے پاس پہنچ سکتا تھا۔

گرجا سے باہر آتے ہی' میں بائیں طرف فٹ پاتھ پر ہو گیا لوگ آ جا رہے تھے۔ چوک میں سے موٹر گاڑیاں وکٹوریہ اور رکشا گزر رہے تھے۔ ٹریفک کا ہلکا ہلکا شور تھا۔ میں کسی خالی رکشے کو دیکھ رہا تھا ایک رکشے نے فٹ پاتھ کے پاس ایک اسٹور کے سامنے سواریوں کو اتارا تو میں اس کی طرف تیز تیز چلا۔ خالی ہو گیا تھا۔ میں رکشے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک ملٹری پولیس والا میرے

سامنے آ گیا۔ "پادری صاحب کدھر کا ارادہ ہے؟ اب آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا"۔

ایک سیکنڈ کے اندر اندر میں نے اسے پہچان لیا یہ فوجی جوان مرہٹہ کپتان کے ساتھ مجھے گرجا میں لایا تھا۔ اسے مرہٹہ کیپٹن نے میری نگرانی کے لئے کے باہر متعین کر رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ پیٹی میں لگے پستول کے دستے پر تھا۔

دوسرے سیکنڈ میں میری سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں اتنے زور سے لگی کہ وہ دہرا ہو کر پیچھے کو گرا۔ رکشا ڈرائیور حیران پریشان ہو کر بھاگنے لگا تو میں نے اسے لات مار کر دوسری طرف گرا دیا اور رکشے میں چھلانگ لگا دی۔ رکشا اسٹارٹ کیا تو پیچھے سے پستول کا فائر ہوا۔ میں رکشے کو ایک جھٹکے کے ساتھ وہاں سے نکال کر چوک کی طرف لے گیا۔ پیچھے مزید فائر ہوئے۔ چوک میں شور مچ گیا۔ آگے ٹریفک کی بتی لال ہو گئی تھی، مگر میں نے کوئی پروانہ کی اور دو موٹر گاڑیوں کے بیچ میں سے رکشا کو طوفان میل کی طرح چلاتا نکل گیا۔ میرا رخ اب اس سڑک کی طرف تھا جو کونے والے کشادہ پارک کے ساتھ دور تک چلی گئی تھی۔ سامنے سے بس آ رہی تھی۔ میں نے رکشے کو ایک طرف کر لیا اور اندھا دھند بڑھتا چلا گیا۔ پھر تیزی سے ایک طرف گھوما تو سامنے چھوٹا سا پل آ گیا۔ میں رکشے کو تقریباً فل اسپیڈ پر چلا رہا تھا۔ پل کے پار جاتے ہی میں ایک نئی بستی میں داخل ہو گیا۔ یہاں نئے بنگلے بنے ہوئے تھے۔ میں اس بستی کی گلیوں میں رکشے کو دائیں بائیں گھماتا ہوا بستی کے عقب کی طرف نکل گیا میں سامنے لگے شیشے میں سے پیچھے کا برابر جائزہ لے رہا تھا۔ میرے پیچھے کوئی ٹیکسی یا رکشا میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔

نئی بستی کے پیچھے مجھے دور ایک کارخانے کی طرف مزدور جاتے دکھائی دیئے۔ میں رکشے کو کارخانے کی ایک طرف لے گیا۔ جھاڑیوں کے پیچھے رکشے کو ایک گڑھے کے کنارے کھڑا کر کے خود باہر نکلا اور اکا دکا بنے کوارٹروں کی دیواروں کی آڑ لیتا کارخانے کے گیٹ کے پاس آ گیا۔ مزدور اندر داخل ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی کارخانے کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ یہ کپڑے کا کارخانہ تھا۔ احاطے میں ایک جانب دو ٹرک کھڑے تھے جن پر کپڑوں کی بڑی بڑی گانٹھیں لادی جا رہی تھیں۔ کارخانے کے بڑے دفتر کی پیشانی پر شوانا تھ کلاتھ مل گجراتی زبان میں لکھا تھا۔

میں یونہی دفتر کے برآمدے میں چلا گیا۔ آفس کے باہر چپڑاسی اسٹول پر بیٹھا تھا۔ میں نے اسے نمسکار کیا اور کہا کہ میں بیکار ہوں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔ چپڑاسی نے بڑی بیزاری سے مجھے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ "بھائی میں تامل ناڈو کا رہنے والا ہوں... پردیسی ہوں۔ رات اسٹیشن پر گزاری ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا"۔

چپڑاسی رکھائی سے بولا۔ "ارے بھائی جی ہم نے نوکری دلانے کا کوئی ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ تامل ناڈو کے ہو تو میں کیا کروں؟ جاؤ یہاں نوکری نہیں ہے"۔

اتنے میں چق کے پیچھے سے آواز آئی۔ "ہر بھجن لال۔ اس آدمی کو اندر بھیج دو"

چپڑاسی فوراً اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا صاحب!" پھر چق اٹھا دی۔ میں دفتر میں داخل ہو گیا۔ مجھے نوکری وغیرہ کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بس آنے پیچھے لگی ملٹری پولیس سے چھپنا چاہتا تھا دفتر محفوظ سا تھا مگر بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ دیوار پر مہاتما گاندھی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ بڑی میز کے پیچھے کرسی پر ایک کالے رنگ کا گھونگریالے بالوں والا معمر آدمی ٹھنڈے سوٹ میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ فضا میں سگار کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سنہری فریم والے چشمے کے پیچھے سے مجھے غور سے دیکھا اور پوچھا۔ "تم تامل ناڈو کے رہنے والے ہو؟"

میں سمجھ گیا کہ اس نے میرے ساتھ یہ رعایت محض اس لئے کی ہے کہ یہ شخص بھی ضرور تامل ناڈو کا رہنے والا ہے۔ میں نے نمسکار کرتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں صاحب۔ میں مجورائی کا ہوں' ماتا پتا نہیں ہیں۔ کوئی بھائی بند بھی نہیں رہا۔ کل سے شہر میں بے کار بھوکا۔ پیاسا پھر رہا ہوں۔ نوکری مل جائے تو آپ کی بڑی دیا ہو گی"۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کرشن۔" میں بڑے ادب سے کہا۔

اس نے مجھے کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر چپڑاسی کو بلا کر میرے لئے چائے اور بسکٹ لانے کو کہا۔ چپڑاسی میری طرف گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب اس ادھیڑ عمر شخص نے کہا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے میں خود تامل ناڈو کا رہنے والا ہوں مگر میں رامیشورم کا ہوں۔ کوئی بات نہیں میں تمہیں اپنے کارخانے میں ملازم رکھ لیتا ہوں۔ تم کتنا پڑھے لکھے ہو؟"

جنوبی بھارت میں تعلیم بہت عام ہے اور ہر اسکول انگلش میڈیم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو نوے فیصد جنوبی ہند کے لوگ ایسے ملیں گے جو بڑی روانی سے انگریزی بول لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں صرف میٹرک تک پڑھا ہوں۔ وہ سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے تم آج سے کارخانے میں کام شروع کر دو۔ ابھی تمہاری تنخواہ پانچ سو روپے ہو گی پھر تمہاری ترقی کر دوں گا"۔

اتنے میں چپڑاسی چائے اور بسکٹ لے آیا تھا۔ میں چوری چوری چق میں سے باہر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا' کیونکہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا رکشا میرے دشمنوں کو مجھ تک آنے میں مدد دے سکتا تھا اس آدمی نے فون پر سنہا سے میرے بارے میں بات کی اور پھر تامل زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کرشن! جاؤ سنہا صاحب سے جا کر مل لو۔ میرے کمرے سے تیسرا کمرہ اس کا ہے"۔

میں پرنام کر کے دفتر سے باہر آ گیا۔ مسٹر سنہا کے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جدھر میں نے رکشا کھڑا کیا تھا اس طرف سے ملٹری پولیس کے دو جوان کارخانے کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ میں الٹے قدم واپس ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چپڑاسی کے قریب سے گزرتا برآمدے کی دوسری جانب نکل

گیا۔ یہاں گانٹھوں سے لدا ہوا ٹرک روانہ ہونے کے لئے پیچھے کی طرف کھسک رہا تھا۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ لپک کر ڈرائیور کے پاس گیا اور بڑے اعتماد سے کہا۔ "مجھے سنہا صاحب نے ساتھ جانے کو کہا ہے"۔

مسٹر سنہا کا نام میں نے سن رکھا تھا۔ ضرور یہ مل یا کارخانے کا کوئی افسر ہی تھا کہ جس کا نام سن کر ڈرائیور نے مجھے اشارے سے پیچھے بیٹھنے کو کہا میں بھاگ کر ٹرک کی پچھلی طرف گیا اور اچھل کر اس میں سوار ہو گیا اور بڑی بڑی گانٹھوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا تھوڑی ہی دیر بعد ٹرک کارخانے کے احاطے سے نکل کر کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر میں ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو میرا گرفتار ہو جانا یقینی تھا۔ ایک بڑی سڑک پر آنے کے بعد ٹرک کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ شہر کے جنوب مغربی حصے کی طرف جا رہا تھا شاید اسے شہر سے باہر کسی گودام میں جانا تھا۔ بہرحال میں ٹرک کے پیچھے دبکا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ٹرک کی رفتار دھیمی ہو تو باہر چھلانگ لگا دوں۔

ٹرک ایک ندی کے پل کے قریب تھا اس کی رفتار مدھم ہو گئی میں نے سر نکال کر دائیں بائیں دیکھا۔ کھیتوں میں کہیں کہیں مکان بنے ہوئے تھے ٹرک پل پر سے گزر گیا۔ اس کی رفتار پھر تیز ہو گئی۔ میں پیچھے کو سمٹ گیا۔ ٹرک شہر کی گنجان آبادی سے باہر نکل آیا تھا۔ میری خوش قسمتی سے آگے ریل کا پھاٹک بند تھا۔ جونہی ٹرک ایک بس کے پیچھے رکا، میں باہر کود گیا۔ لوگوں کی نظروں کو دھوکا دینے کے لئے میں یوں اطمینان سے سڑک کی ڈھلان اترنے لگا جیسے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔

نشیب میں کھیت تھے۔ دو چار کھیتوں میں اونچی فصل کھڑی تھی میں فصل کی اوٹ میں آتے ہی لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔ اندازے سے میں نے اپنا رخ جنوب مشرق کی طرف کر لیا تھا کیونکہ اسی رخ پر اپنے ایجنٹ کی کمیں گاہ یعنی گیراج تھا۔ اس علاقے سے میں پہلی بار گزر رہا تھا۔ کھیت ختم ہوئے تو گوالوں کی بستی آ گئی، جہاں گائیں ادھر ادھر بندھی ہوئی تھیں اور گوالے اپنے کام کاج میں لگے تھے۔

میں خاموشی سے دو ایک کو نمسکار کرتا ہوا وہاں سے بھی گزر گیا۔ ریلوے لائن بلندی پر تھی۔ میں نے اسے پار کرنے کی بجائے اس کے متوازی ذرا نشیب میں رہ کر ہی چلنا زیادہ مناسب سمجھا۔ راستے میں دو ایک پھاٹک بھی آئے۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں راستہ بھول گیا ہوں، کیونکہ مجھے ابھی تک اس کارخانے کی چمنی دکھائی نہیں دی تھی جو اپنے ایجنٹ کے گیراج کے قریب واقع تھا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور چلتا... چلا گیا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میں ٹھیک سمت چل رہا ہوں۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ چلنے سے مجھے گرمی لگ رہی تھی اور پسینہ بھی بہنے لگا تھا۔

ایک جگہ میں ریلوے لائن پر چڑھا تو دور درختوں کے عقب میں کسی کارخانے کی اوپر کو اٹھی ہوئی چمنی نظر آئی۔ میرے دل نے کہا کہ یہی وہ کارخانہ ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ میں نے ریلوے

لائن پار کی اور دوسری سمت چل پڑا۔ میرے پیچھے ایک مسافر گاڑی ریلوے لائن پر سے شور مچاتی گزر گئی۔

یہاں اردگرد گندے جوہڑ تھے جہاں اسکریپ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ آخر میں درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتا ہوا کارخانے کے قریب آیا تو میرا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ میری بائیں طرف پرانی بارہ دری والا تالاب تھا اور کچھ فاصلے پر اپنے ایجنٹ کا کوارٹر صاف نظر آ رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے تالاب کی بارہ دری کے پاس آ کر رک گیا پھر کوارٹر کی طرف غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے کوارٹر کے سامنے گیراج کا جتنا حصہ مجھے نظر آ رہا تھا وہ ویران تھا کوئی پرانی گاڑی بھی وہاں کھڑی نہیں تھی۔ میرا دل یہ سوچ کر پریشان سا ہوا کہ کہیں ایجنٹ پکڑا تو نہیں گیا؟ مجھے بارہ دری کے پیچھے پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس عرصے میں نہ تو وہاں کوئی آیا اور نہ کوئی کوارٹر میں سے باہر ہی نکلا۔ اپنے ایجنٹ کا کاریگر لڑکا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب میں نے خود جا کر حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔

میں بارہ دری سے ہٹ کر کوارٹر کی عقبی دیوار کی طرف چلنے لگا۔ میں یوں چل رہا تھا جیسے کوارٹر کی طرف نہیں جا رہا بلکہ اس کے قریب سے گزرنے والا ہوں۔ کوارٹر کے پیچھے پہنچ کر دیکھا کہ کوارٹر کی پچھلی کھڑکی بند تھی۔ میں آگے سے ہو کر کوارٹر کے سامنے آ گیا۔

واقعی گیراج خالی اور ویران پڑا تھا۔ برآمدے میں کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔ ذرا قریب گیا تو دیکھا دروازے پر تالا لگا تھا گیراج کے کونے میں جو نلکا لگا تھا' میں وہاں بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔ میں غور کر رہا تھا کہ اپنا ایجنٹ کہاں ہے؟ کیا وہ کسی کام سے شہر گیا ہوا ہے یا اسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟ اگر وہ گرفتار ہو گیا ہے تو خفیہ پولیس کے آدمی ضرور اس کوارٹر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔

میں زیادہ محتاط ہو گیا۔ بڑی توجہ سے پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے لگا' پھر زور زور سے غرارے کرنے لگا' جیسے مجھے اردگرد کی فضا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر اٹھا۔ دھوتی کے پلو سے منہ خشک کیا اور نظر بھر کر ایک بار پھر کوارٹر کے دروازے پر لگے تالے کو دیکھا۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ معمولی سا تالا تھا میں نے تالاب والی بارہ دری کی طرف قدم اٹھایا ہی تھا کہ مجھے پیچھے سے سائیکل کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔

پلٹ کر دیکھا تو اپنا ایجنٹ سائیکل پر سوار آگے اوزاروں کا تھیلا لٹکائے چلا آ رہا تھا۔ اسے بخیرو خوبی دیکھ کر جان میں جان آئی۔ نلکے کو دوبارہ کھول دیا اور منہ نل سے لگا کر پینا شروع کر دیا۔ اپنا ایجنٹ سائیکل پر سے اتر آیا اور میرے قریب سے گزرتے ہوئے بڑی رازداری سے بولا۔ "درختوں میں چلے جاؤ۔ آدھ گھنٹے بعد آنا"۔

میں یونہی زور زور سے کھانستا ہوا تالاب کی طرف چل پڑا۔

تالاب کی ایک جانب نیم کے دو چار درخت اگے تھے۔ میں ان کی ٹھنڈی چھاؤں میں گھاس

پر لیٹ گیا۔ میں اس رخ پر لیٹا تھا کہ میری آنکھیں کوارٹر کے احاطے کو صاف طور پر دیکھ رہی تھیں' دلوا بھائی تالا کھول کر کمرے میں گیا۔ واپس باہر آیا تو ہاتھ میں ایک کنستر پکڑا ہوا تھا۔ کنستر ایک طرف رکھ کر وہ واپس کمرے میں گیا اور اندر سے ایک چارپائی نکال کر صحن میں لا کر بچھا دی' پھر وہ کسی گاڑی کا مڈ گارڈ اٹھا لایا اور اسے ریتی سے رگڑنا شروع کر دیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے مجھے آدھ گھنٹہ بعد آنے کا سگنل کیوں دیا ہے؟ اس نے چارپائی بھی کمرے سے نکال کر بچھا دی تھی۔ ضرور کوئی مہمان آ رہا تھا میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کچی سڑک پر مجھے دور سے ایک موٹر سائیکل آتا نظر آیا۔ میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ موٹر سائیکل پر پولیس کا ایک سپاہی بیٹھا تھا۔ میں نے اس پر نظریں گاڑ دیں۔ یہ کم بخت یہاں کیوں آ رہا ہے؟ اگر مجھے اپنے ایجنٹ نے درختوں میں جانے کا اشارہ کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے معلوم ہے کہ وہاں پولیس کا ایک سپاہی آ رہا ہے' گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھی۔

سپاہی موٹر سائیکل لے کر گیراج کے احاطے میں آ گیا۔ اپنے ایجنٹ نے اٹھ کر اسے سلام کیا۔ موٹر سائیکل سپاہی نے ایک طرف کھڑی کر دی۔ ایجنٹ اسے جھک کر ادھر ادھر سے دیکھنے لگا' پھر مسکرا کر سپاہی سے کوئی بات کی اور چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا سپاہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اپنے ایجنٹ نے موٹر سائیکل کے انجن میں سے کوئی پرزہ نکال کر اسے میلے چیتھڑے سے پونچھا اور پھونک مار کر غور سے دیکھا' پھر سپاہی سے باتیں کرنے لگ گیا۔ وہ بار بار موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ سپاہی نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی' پھر چارپائی سے اٹھا اور اپنے ایجنٹ سے کچھ باتیں کرنے کے بعد پیدل ہی واپس چلا گیا۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا ٹل گئی۔ اپنا ایجنٹ اسی طرح زمین پر بیٹھ کر گاڑی کے مڈ گارڈ پر ریتی چلانے لگا۔ ریتی کے گھسنے کی آواز برابر مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ سپاہی سڑک پر کافی دور جا چکا تھا' مگر اپنا ایجنٹ دلوا بھائی اسی طرح سر نیہوڑائے کام میں مگن رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سڑک کی طرف دیکھا۔ کچی سڑک بالکل خالی تھی۔ تب اس نے ان درختوں پر ایک نظر ڈالی جہاں میں لیٹا ہوا تھا۔ یہ اشارہ تھا کہ میں اب اس کے پاس آ جاؤں۔ میں آہستہ سے اٹھا اور اپنا رخ کوارٹر کی طرف کر لیا۔ کوارٹر کے احاطے میں پہنچ کر میں نے اپنے ایجنٹ سے کوئی بات نہ کی اور پانی کے نلکے کو کھول کر ہاتھ دھونے شروع کر دیئے۔

ایجنٹ نے مڈ گارڈ پر ریتی گھستے ہوئے کہا۔ "اندر چلے جاؤ"۔

میں دھوتی کے پلو سے ہاتھ صاف کرتا کوارٹر کے اندر چلا گیا اندر چارپائی نہیں تھی۔ کونے والے تخت پر مستریوں کے اوزار پڑے تھے میں تخت کے کونے پر بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد دادا بھائی ادھ کھلے دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر دیکھتے ہوئے وہ مجھ سے ہم کلام ہوا۔ "تمہاری اس ڈاکو کی

لڑکی نے مجھے سخت مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے"۔

میں چونک پڑا۔ ڈاکو کی لڑکی سے دادا بھائی کی مراد یقیناً سدھا رنگنی ہی ہو سکتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ بولے جا رہا تھا۔ "تمہیں اس کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات تمہارے ریکارڈ میں درج ہو جائے گی کہ تم نے دشمن کے ملک میں ایک عورت پر بھروسہ کر کے اسے اپنے آپریشن میں شریک کیا"۔

میں نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔ "کیا کیا سدھا رنگنی بھاگ نکلی ہے؟"

ایجنٹ نے غصیلی آواز میں مجھے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔ "اس... عورت کی وجہ سے ہم اپنے ایک قیمتی اور لائق سائنس داں سے محروم ہو گئے ہیں وہ تمہاری لیڈر نہیں تھی، پھر تم نے اس کے پیچھے لگ کر سانپوں کی پٹاری جیپ پر کیوں پھینکی؟ کیا کبھی اس طرح بھی کمانڈو آپریشن ہوئے ہیں؟"

میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایجنٹ ایک بار پھر غصے سے بولا۔ "یہ ڈاکو عورت بھی ہمارے راز میں شریک ہو گئی ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ وہ بھارت کی رہنے والی ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہمارے خلاف مخبری کر سکتی ہے"۔

ایجنٹ اصولی طور پر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ سدھا رنگنی کے کردار سے واقف نہیں تھا۔ جب میں نے اس سے دوبارہ سوال کیا کہ سدھا رنگنی فوج کی حراست سے بھاگ آئی ہے تو اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔ "کیا تم اس سے عشق کر رہے ہو؟ تم اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبو گے، لیکن یاد رکھو اگر ایسا وقت آ گیا تو میں تمہیں پہچاننے سے صاف انکار کر دوں گا خواہ میرے سامنے تمہیں پھانسی ہی کیوں نہ دی جا رہی ہو"۔

یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کر کے باہر احاطے میں چلا گیا۔

اس کی باتوں کا میں نے برا نہ مانا کیوں کہ اپنی جگہ پر وہ سچا تھا۔ لیکن اسے اس حقیقت کی خبر نہیں تھی کہ سدھا رنگنی جان دے دے گی لیکن میرے خلاف مخبری نہیں کرے گی۔ میں اپنے دلی جذبات کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے سدھا رنگنی کے بچ نکلنے کی بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس لمحے شاید پہلی بار مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میں واقعی سدھا رنگنی سے محبت کرنے لگا ہوں۔

میرا جذبہ محبت جیسے یک لخت بیدار ہو گیا تھا اور میرے ضمیر کو کچوکے لگا رہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے سدھا رنگنی کو مرہٹہ فوجیوں کے قبضے سے چھڑانے کی کوشش کیوں نہ کی؟ میری آنکھوں میں اس کی کیسری آنکھوں والی وحشی شکل گھومنے لگی۔ میرا دل اس سے ملنے کو بے تاب ہو گیا۔ اس کالی سانپ کی پھنکار ایسی خشک پر اسرار آواز میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی مجھے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ میں سدھا رنگنی کی بہادری پر دنگ رہ گیا۔ مرہٹہ فوجیوں کی قید سے نکل کر اس نے شجاعت

کا بے مثال کارنامہ انجام دیا تھا۔

مجھے اپنے ایجنٹ سے بھی ہمدردی تھی۔ مجھے اس کی مجبوریوں کا بھی احساس تھا، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ سدھا رنگنی میرے اس مشن میں میری کس قدر مددگار ثابت ہوئی ہے۔ اس کی مدد کے بغیر شاید میں ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین کو بھی دشمن کے حصار سے نکال کر اس کے پاس نہ پہنچا سکتا تھا۔ ابھی تک اپنے ایجنٹ نے مجھے نورین کے بحفاظت پاکستان پہنچنے کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ باہر احاطے سے غائب ہو گیا تھا۔

میں نے دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا وہ احاطے میں نہیں تھا۔ یہ بھی ویسے کمال کا آدمی تھا۔ دشمن کے منہ میں بیٹھ کر ہماری حفاظت بھی کر رہا تھا اور اپنا فرض نبھا رہا تھا۔ اس نے سدھا رنگنی کو ضرور کسی اور مقام پر رکھا ہو گا۔ اس کی سائیکل احاطے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وہ پیدل کہاں چلا گیا تھا؟ میں دیوار کے ساتھ لگا ابھی تک باہر جھانک رہا تھا۔ باہر ویرانی کا عالم تھا۔ دادا بھائی کا مڈگارڈ اور ریتی چارپائی کے پاس زمین پر پڑے تھے۔ لگتا تھا کہ وہ کہیں کسی شے کا بندوبست کرنے گیا ہے۔

میں واپس تخت پر آکر بیٹھ گیا۔ میرے خیالات سدھا رنگنی کے گرد گھوم رہے تھے۔ وہ کس طرح فرار ہوئی ہو گی؟ اس وقت کہاں ہو گی؟ کہیں وہ واپس اپنے ڈیرے پر تو نہیں چلی گئی ہو گی؟ اگر ایسی بات ہوئی تو میں اس سے ایک بار ملنے ضرور جاؤں گا۔ میں اس سے ملے بغیر بھارت کا بارڈر کراس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں یونہی خیالات میں گم رہا اور وقت گزرتا چلا گیا۔ مجھے کسی موٹر کے انجن کی آواز دور سے آتی سنائی دی۔ آواز آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر باہر دیکھا۔ کچے راستے پر گرد اڑاتی ایک پرانی چھٹیچر ایمبیسیڈر گاڑی کوارٹر کی طرف بڑھ رہی تھی پھر وہ گیراج کے احاطے میں آکر کھڑی ہو گئی۔

اس میں اپنا ایجنٹ ہی سوار تھا۔ باہر نکل کر اس نے گاڑی کا بونٹ کھول کر جھک کر انجن کو دیکھا۔ کونے سے کنستر اٹھایا۔ نلکے پر جا کر پانی بھرا اور ریڈی ایٹر میں ڈالنے لگا۔ پانی ڈالنے کے بعد اس نے بونٹ بند کیا کنستر دیوار کے ساتھ رکھ کر رومال سے ہاتھ پونچھے آستین سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ ماچس کی تیلی نلکے کی طرف پھینکتے ہوئے چاروں طرف ایک عقابی نظر ڈالی اور بند دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے بولا۔ ”تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ پچھلی سیٹ پر“۔

میں آہستہ سے دروازہ کھول کر گاڑی کی طرف بڑھا اور خاموشی سے پچھلی سیٹ پر اس طرح آگے کو کھسک کر بیٹھ گیا کہ پیچھے سے میرا سر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ اگلی سیٹ پر آگیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے گھما کر کچی سڑک پر ڈال دیا۔ اس نے میری طرف چہرہ گھمائے بغیر کہا۔ ”اسی طرح بیٹھے رہنا“۔

پرانی گاڑی شور ضرور مچا رہی تھی مگر چلتی خوب تھی۔ کچے راستے سے نکلتے ہی گاڑی بائیں جانب کو گھوم گئی۔ وہ گھاس کے میدان میں سے گزر رہی تھی جو ناہموار تھا اور جہاں کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ گاڑی اچھل رہی تھی۔ ناہموار میدان ختم ہوا تو وہ سڑک آگئی جو ریلوے لائن کے پہلو سے گزرتی تھی۔ موٹر کی رفتار تیز ہو گئی دادا بھائی اگلی سیٹ پر بالکل بت کی طرح بیٹھا تھا۔ میں نے ذرا سر اٹھا کر سامنے والے شیشے پر نگاہ ڈالی تو مجھے اس کی سکڑی ہوئی تیز آنکھیں نظر آئیں اس نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ میں ویسے ہی بیٹھا رہوں۔

گاڑی سڑک پر درختوں، بجلی کے کھمبوں اور ڈھلانی چھتوں والے مکانوں کو پیچھے چھوڑتی بھاگی چلی جا رہی تھی۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک اسی ناہموار سڑک پر سفر کرنے کے بعد غیر ہموار میدانی علاقہ شروع ہو گیا۔ ایک جگہ کسی ندی کا چھوٹا سا پل آیا۔ یہاں سے ایک نسبتاً چھوٹی سڑک بائیں طرف گھوم کر نکلتی تھی۔ اپنے ایجنٹ نے گاڑی اس چھوٹی سڑک پر ڈال دی۔ وہ خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ راستے میں اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

اب چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے نشیب و فراز شروع ہو گئے۔ ٹیلوں پر کہیں تو خشک گھاس ہی گھاس اگی ہوئی تھی، کہیں ببول کے خاردار درخت کھڑے تھے۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ گاڑی میں ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ یہ غیر آباد علاقہ تھا۔ ایک جگہ پہاڑی نالے کا پانی سڑک کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ گاڑی چھینٹے اڑاتی اس پر سے گزر گئی۔ گاڑی اس نشیب و فراز سے نکلی تو دور مجھے کسی گھنے جنگل کا کنارا دکھائی دیا۔ خدا جانے یہ کون سا جنگل تھا، لیکن میں جنگل کی فضاؤں سے خوب واقف تھا۔

جنگل کے ایک کونے سے پتلی سی سڑک اندر چلی جاتی تھی۔ اپنے ایجنٹ نے گاڑی کو جنگل کی اس سڑک پر ڈال دیا۔ یہاں درختوں کے ٹھنڈے سائے تھے اور طرح طرح کی گھاس پتوں کی تر و تازہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ پتلی سی سڑک جنگل میں دائیں بائیں گھومتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں بانس کے بے پناہ درخت تھے۔ ان درختوں سے جنگلی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ مجھے درخت کی ٹہنی پر بیٹھا مور دکھائی دیا۔ پرندے اپنی میٹھی بولیاں بول رہے تھے۔ مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ اچانک ایجنٹ دادا بھائی نے گاڑی دائیں طرف گھما کر بانس کے ایک گھنے درخت کے پیچھے لے جا کر کھڑی کر دی۔

اس نے انجن بند کر دیا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ پیچھے کی طرف جا کر ڈگی کھولی۔ اس میں سے ایک تھیلا باہر نکالا اور مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے پیچھے پیچھے آؤں۔ یہاں کوئی پگڈنڈی نہیں تھی۔ لمبی اونچی گھاس تھی اور جنگلی جھاڑیاں تھیں جو جگہ جگہ سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ہم ان کے بیچ میں سے راستہ بنانے لگے۔ ڈھلان شروع ہوئی تو ایک تیز رفتار پہاڑی نالہ نظر پڑا جس کا پانی پتھروں سے ٹکرا کر اچھل رہا تھا۔ اس نالے میں سے ہم جوتوں سمیت گزر گئے۔

دوسری طرف کی ڈھلان چڑھنے کے بعد آگے پھر ایک گھاٹی آگئی۔ یہاں پہلی بار ہمارے ایجنٹ نے رک کر منہ سے ایک پرندے کی عجیب سے آواز نکالی' پھر ہمہ تن گوش ہو گیا۔ دوسری بار آواز نکالی تو فضا میں اس قسم کی ایک اور آواز سنائی دی۔ ایجنٹ نے آہستہ سے کہا۔ "چلے آؤ"۔

ہم گھاٹی میں اتر گئے۔ آگے چوڑے چوڑے پتوں والی اتنی گھنی جھاڑیاں اور بانس کے درختوں کے جھنڈ تھے کہ راستہ ملنا مشکل ہو رہا تھا مگر دادا بھائی ایک خاص زاویئے سے اس میں داخل ہو گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

سامنے ایک غار منہ پھاڑے کھڑا تھا۔

غار کے دہانے کی جھاڑیوں میں سے ایک آدمی جس نے صرف لنگوٹ پہن رکھا تھا باہر نکل آیا' اس کے ہاتھ میں صرف نیزہ تھا۔ وہ کوئی جنگلی قبیلے کا آدمی لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے ایجنٹ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے ایجنٹ نے کسی عجیب د غریب زبان میں اس سے کوئی بات کی اور پھر مجھے لے کر غار میں آگیا۔

غار کے اندر جا کر پتھروں کے قدرتی ستونوں کے عقب میں ایک جگہ تیل کا چراغ روشن تھا۔ ستونوں کے پاس پہنچتے ہی مجھے سانپ کی پھنکار کی آواز آئی اور کسی نے مجھے پیچھے سے تھام لیا۔ "رگھو! میرے پتی دیو!"۔

چراغ کی دھیمی روشنی میں سدھا رنگنی کی کیسری آنکھیں مجھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں والہانہ پیار کا جذبہ جھلک رہا تھا۔ اس کا سانپ بیٹا ساہو اس کی گردن سے لپٹا ہوا تھا۔

آج پہلی بار میرے دل میں اس کی محبت کا جذبہ بھڑک اٹھا تھا' لیکن اس کا سانپ مجھے اس سے دور رکھے ہوئے تھا۔ سدھا رنگنی مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ اس نے تامل زبان میں کہا کہ وہ صرف مجھ سے ملنے کی خواہش میں اس غار میں بیٹھی تھی۔

ایجنٹ نے مجھے پنجابی زبان میں کہا۔ "اس ڈاکو لڑکی نے میرے لئے بہت بڑی مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ یہ چار فوجیوں کو موت کی نیند سلا کر چاند پور چھاؤنی سے فرار ہوئی ہے۔ کاش یہ میرے پاس نہ آتی' لیکن اسے میرے کوارٹر کا راستہ معلوم تھا۔ یہ تم سے ملنے کو بہت بے تاب تھی۔ اس جنگلی عورت نے مجھے دھمکی بھی دی کہ اگر میں نے اسے تم سے نہ ملایا تو یہ میرا بھانڈا پھوڑ دے گی اس عورت سے جتنی جلدی ہو سکے نجات حاصل کرو نہیں تو میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے سے معذرت چاہوں گا"۔

میں نے اپنے ایجنٹ کو تسلی دینے کی کوشش کی اور کہا کہ سدھا رنگنی ایک جذباتی عورت ہے اور مجھے چونکہ اپنا خاوند سمجھ بیٹھی ہے اس لئے پتی ورتا استری ہونے کے ناطے ایسا کرتی ہے۔

ایجنٹ نے کہا۔ "میں کل شام کو صرف تمہاری خاطر یہاں آؤں گا کل تک تم اس ڈاکو کی لڑکی کو یہاں سے چلتا کرو تاکہ تم میرے ساتھ واپس چلو اور میں تمہیں انڈیا کا بارڈر کراس کروا کر اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو سکوں"۔ اس نے تھیلا میری طرف بڑھا کر کہا۔ "اس میں تم لوگوں کے کھانے کے لئے روٹیاں اور مچھلی ہے۔ جو کل کے لئے کافی ہوں گی"۔

یہ کہہ کر ایجنٹ دادا بھائی خاموشی سے غار کے دہانے کی طرف چلا گیا۔

سدھا رنگنی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی اپنے سانپ کو پیار کر رہی تھی۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا تو وہ بولی۔ "رگھو! یہ تم پنجابی زبان میں باتیں کر رہے تھے؟ میں کچھ کچھ اس زبان کو سمجھنے لگی ہوں ارے تم مجھ سے الگ ہونا چاہتے ہو تو بے شک چلے جاؤ"۔

جانے سے پہلے اپنا ایجنٹ مجھے خبردار کر گیا تھا کہ یہ جنگل اگرچہ بظاہر شہر سے کافی دور واقع ہے مگر فوج ہماری تلاش میں یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں غار سے باہر جنگل میں بہت سوچ سمجھ کر نکلنا چاہیئے۔ سدھا رنگنی نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ میں نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ "رگھو! میں تمہیں اپنا پتی دیو مان چکی ہوں۔ تم جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گی، لیکن اتنا بتائے دیتی ہوں کہ تمہارے بعد، میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ رگھو دیو! تمہارے بغیر میں کس لئے زندہ رہوں گی رے؟"

میں نے کرتے کے پلو سے سدھا رنگنی کے آنسو پونچھے اور شاید پہلی بار محبت بھرے لہجے میں کہا کہ میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا اس نے میرے بازو تھام لئے اور بولی۔

"رگھو! تم سچ کہتے ہو نا؟ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے نا؟" پھر ذرا سا مسکرائی اور شرارت آمیز نظروں سے تکتی ہوئی کہنے لگی۔ "رگھو! تم مجھے چھوڑ کر چلے بھی جاتے تو میرا بیٹا سانپ تمہیں واپس آنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ تمہارے جسم کی خوشبو پہچانتا ہے"۔

وہ ہنسنے لگی۔ مجھے اس کے سانپ کی کوئی پروا نہیں تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے سدھا رنگنی کے پاس رہتے ہوئے اب بہت اچھا لگتا تھا۔ میں نے سدھا سے پوچھا کہ وہ چھاؤنی سے فرار کیسے ہوئی؟ اس نے اپنے سانپ بیٹے کا سر چوم لیا اور بولی۔ "جب تک میرا بیٹا ساہو میرا دودھ پیتا ہے۔ جو مرد میرے قریب آ جائے مر جائے گا۔ یہی ان چار مرہٹہ فوجیوں کے ساتھ ہوا جنھوں نے مجھے قید میں ڈال رکھا تھا وہ رات کو مجھے قید سے نکال کر ایک ویران بیرک میں لے گئے... اور انہوں نے بھی وہی غلطی کی جو ان کی موت کا باعث بنی، پھر میں ان کی زہر بھری لاشوں کو وہیں ویران بیرک میں چھوڑ کر جنگل میں نکل بھاگی اور راتوں رات تمہارے دوست کے کوارٹر میں پہنچ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ تم پہلے سے وہاں پر موجود ہو گے، مگر تم وہاں پر نہیں تھے۔ تمہارا دوست مجھے دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ پھر وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔

"میں نے تمہارے دوست کو دھمکایا بھی تھا کہ اگر اس نے مجھے تم سے نہ ملایا تو میں اس کا بھانڈا پھوڑ دوں گی پھر وہ مجھے یہاں لے آیا۔"

میں خاموشی سے سدھا کی باتیں سن رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ محض جذبات میں آکر مجھے سدھا کے ساتھ رہنے کا فیصلہ نہیں کرنا ہوگا۔ جذبات کا کیا ہے۔ یہ تو سمندر کی موجوں کی طرح آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔

سدھا رنگنی میرے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ میں نے تھیلے میں سے روٹی نکال کر سامنے رکھ دی۔ ہم نے مچھلی کے ساتھ روٹی کھائی۔ جنگلی پہریدار نے ہمیں کٹورے میں باہر سے پانی لا کر دیا۔ سدھا رنگنی بے انتہا گرویدگی کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ اس کی گرویدگی میرے قدموں میں مزید زنجیریں ڈال رہی تھی۔

روٹی کھانے کے بعد اس نے کہا۔ "رگھو! اب ہمارا یہاں کیا کام ہمیں یہاں سے واپس اپنے اڈے پر نرولا کی پہاڑیوں میں چلے جانا چاہیئے۔ ہمارے پاس گھوڑے نہیں ہیں لیکن میں سارے جنگلی راستوں سے واقف ہوں۔ میں تمہیں ایک ہی رات میں واپس اپنے ٹھکانے پر لے جاؤں گی۔"

میں کشمکش میں پڑ گیا۔ ایک طرف سدھا رنگنی تھی۔ اس کے ساتھ میری والہانہ شیفتگی تھی اور دوسری طرف اپنا وطن پاکستان تھا جہاں میں مکمل تحفظ اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سدھا سے کہا کہ ہم کل چلیں گے۔ پہلے علاقے کا جائزہ لے لیں کہ دشمن کے مخبر یا سپاہی ادھر ادھر تو نہیں چھپے ہوئے۔

سدھا نے پھنکار کر کہا۔ "وہ ہمیں روک کر تو دیکھیں۔ رگھو! تم نے پہلے کبھی اس قسم کی بزدلی کی باتیں نہیں کیں رے۔"

میں نے کہا۔ "سدھا! ہمارے پیچھے انڈین ملٹری لگی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر ہی... اٹھانا چاہیئے"۔

سدھا رنگنی اٹھ کر کونے میں چلی گئی اور اپنے بیٹے کو دودھ پلانے لگی۔ سانپ کو دودھ پلاتے دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے سدھا رنگنی انسان نہیں سانپ ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میرے لئے یہی بہتر ہے کہ بارڈر کراس کر کے پاکستان چلا جاؤں واقعی اس قسم کی محبتوں میں ننانوے فیصد جذبات اور ایک فیصد عقل کا عمل دخل ہوتا ہے۔

رات ہم نے غار ہی میں گزاری۔ زمین پر سوکھی گھاس کا بستر لگا تھا۔ کچھ دیر سدھا رنگنی میرے قریب بیٹھی مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ سانپ کی سسکار میں تبدیل ہوتی گئی پھر وہ اچانک مجھ سے تھوڑا پرے ہٹی اور بولی۔ "رگھو! میرا بیٹا تیرے میرے بیچ آ گیا ہے"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور دیوار کی طرف پہلو بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھ کھلی تو غار کے دہانے کی جانب سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ سدھا رنگنی وہاں نہیں تھی۔

میں اٹھ کر باہر آیا تو جنگلی پہرے دار نے اپنی زبان میں کچھ کہا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ سدھا رنگنی اس طرف جنگل میں گئی ہے۔ میں گھاٹی کے نشیب میں آیا تو سدھا رنگنی امروٹی کی گھنی جھاڑیوں کے درمیان والے چھوٹے سے تالاب میں نہا رہی تھی۔

میں وہاں سے ہٹ آیا۔ میں نے بھی ایک جگہ جھاڑیوں میں بہتے پانی کی چھوٹی سی دھار کی مدد سے منہ ہاتھ دھویا اور ایک درخت کے پیچھے بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دن کافی نکل آیا تھا۔ جنگل پرندوں کی چہکار سے گونج رہا تھا۔ ٹھنڈی مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ اتنے میں سدھا رنگنی آتی دکھائی دی۔ وہ اپنے سیاہ لمبے بالوں کو نچوڑتی چلی آ رہی تھی۔ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بالوں کو جھٹک کر بولی۔ "میں نے تمہیں آج بڑے غور سے دیکھا رگھو۔ تم گہری نیند سو رہے تھے"۔ اور پھر بڑا عجیب سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ میں اٹھا اور اسے ساتھ لئے غار کی طرف چل پڑا، کیونکہ جنگل میں دن کی روشنی میں رہنا خطرناک تھا۔ غار میں آ کر ہم نے رات کی بچی ہوئی روٹی اور مچھلی کھائی اور سدھا رنگنی نے اپنے سانپ بیٹے ساہو کی فیڈنگ شروع کر دی۔ میں نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ سدھا تنک کر بولی۔ "رگھو! کیا تم مجھے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے؟ ارے! تم میرے پتی دیو ہو۔ یہ اگر میرا بیٹا ہے تو تمہارا بیٹا بھی تو ہے"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کر غار کے باہر آ کر ایک مٹی کے تودے کے پیچھے کھڑے ہو کر جنگل کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ شام کو جب اپنا ایجنٹ مجھے لینے آئے گا... تو میں سدھا رنگنی کو بتائے بغیر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ وہ بعد میں خود ہی واپس اپنے ڈاکوؤں کے پاس چلی جائے گی۔

دوپہر کو ہمارے دونوں جنگلی پہرے دار جنگل سے کچھ پھل توڑ کر لے آئے۔ یہ دو کٹھل اور کچھ شریفے تھے۔ یہ دونوں جنگلی اپنے ایجنٹ کے آدمی تھے۔ میں حیران تھا کہ اس شخص کی پہنچ کتنی دور دور تک ہے۔ بلاشبہ وہ لائق اور تجربے کار ایجنٹ تھا۔

دوپہر کے بعد سدھا رنگنی میرے پیچھے پڑ گئی کہ ہم وہاں اب کس لئے پڑے ہیں۔ ہمیں اپنی کمیں گاہ کی طرف چل دینا چاہیئے۔ میں ادھر ادھر کے بہانے بنا رہا تھا۔ مجھے شام کا انتظار تھا۔ میں اکیلا وہاں سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں غار کے اندر سدھا رنگنی کے پاس بیٹھا اسے باتوں میں لگائے ہوئے تھا۔ ایک پتھر پر دیا جل رہا تھا۔ میں ہلکی ہلکی غنودگی کے عالم میں تھا۔ سدھا رنگنی کی آواز مجھے دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

اچانک غار میں کسی کے دوڑنے کی آواز آئی۔ میں نے غیر شعوری طور پر سدھا رنگنی کو کھینچ کر

ایک ستون کے پیچھے کرلیا۔ ہمارا جنگلی پہریدار سامنے آگیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے باہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے نیزے کا بندوق کی طرح فضا میں نشانہ لیا، پھر وہ گھبراہٹ کے عالم میں باہر کی طرف بھاگ گیا۔

میں اور سدھا جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "سدھا! معلوم ہوتا ہے اس نے جنگل میں کسی فوجی کو دیکھا ہے"۔

سدھا رنگنی غصیلی آواز میں بولی۔ "رگھو! میں نہ کہتی تھی کہ یہاں سے بھاگ چلو"۔
میں باہر کی طرف دوڑا۔ سدھا میرے پیچھے پیچھے دوڑی۔ غار کے باہر اب کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ جنگل کی فضا ایک دم رائفل کے فائر کے دھماکے سے گونج اٹھی۔ پرندے شور مچاتے درختوں پر سے اڑ گئے۔ یہ تھری ناٹ تھری کا فائر تھا۔ فوج کے سپاہی ہماری کھوج میں وہاں تک پہنچ گئے تھے۔ میں ایک دم نیچے ہو کر بیٹھ گیا۔ سدھا رنگنی بھی وہیں بیٹھ گئی۔ اب اسٹین گن کا ایک برسٹ... ہوا۔ میں نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ فائر جنگل کی اس طرف سے آرہا تھا جدھر سے اپنا ایجنٹ مجھے گاڑی میں بٹھا کر لایا تھا۔ سدھا نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "رگھو! میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گی۔ مجھے جنگل کے تمام خفیہ راستے معلوم ہیں"۔

اسٹین گن کے فائر کی آواز اب غار کے قریب پہنچ رہی تھی۔ میرے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں سدھا رنگنی کے ساتھ ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ وہ گھاٹی کے نشیب میں آگئی۔ سوکھے نالے کے پتھروں کو پھلانگتے ہم جنوب کی طرف بھاگنے لگے۔ سدھا آگے آگے تھی۔ اسٹین گن کے ساتھ ساتھ اب تھری ناٹ تھری کے دھماکے بھی بار بار ہو رہے تھے۔ کچھ دور بھاگنے کے بعد سدھا نالے سے نکل کر بلندی پر جھاڑیوں میں سے ہوتی ہوئی دوسری طرف ایک غیر ہموار درختوں سے گھرے ہوئے میدان میں آگئی۔ اس میدان میں سوکھی ہوئی زرد گھاس اگی تھی وہ ہمارے کاندھوں تک آرہی تھی۔ ہم اونچی گھاس میں جھک کر تیز تیز دوڑے جارہے تھے۔ میدان پار کرنے کے بعد گھنا جنگل آگیا ہم تھک گئے تھے سدھا رنگنی نے کہا۔ "رگھو! ابھی رکنا نہیں سوامی! آگے دریا آئے گا اور اسے پار کرنے کے بعد بے شک آرام کر لینا"۔

پہاڑی راستے بہت جلد تھکا دیتے ہیں۔ ہم پھر بھی آگے بڑھ رہے تھے۔ سدھا رنگنی اس علاقے کے چپے چپے سے واقف معلوم ہوتی تھی۔ ملٹری کا فائر اب ہمارے کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اکا دکا فائر اب بھی ہو رہا تھا۔ شاید ابھی تک فوج ہمارے غار تک نہیں پہنچے تھے۔ ایسی صورت میں فائر یقیناً تیز کر دیا جاتا، محض ہمیں ڈرانے کے لئے۔

سدھا رنگنی خدا جانے کن دشوار گزار راستوں سے مجھے لئے جارہی تھی۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد سامنے ایک دریا کا پاٹ آگیا۔ یہ زیادہ بڑا پاٹ نہیں تھا مگر پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ سدھا رنگنی نے مجھے

اشارہ کیا اور دریا میں اتر گئی۔ میں نے بھی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ سدھا کا سانپ اس کے ساتھ ساتھ پانی کی لہروں پر تیر رہا تھا۔ ہمارا رخ دوسرے کنارے کی جانب تھا۔ پانی کی لہریں ہمیں اپنے ساتھ بہانے کی کوشش کر رہی تھیں اور ہم ان کے بہاؤ کو ناکام بناتے ہوئے سامنے کی طرف تیرتے چلے جا رہے تھے۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ ہم دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ سدھا نے دور سامنے نظر آنے والے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رگھو! ہم وہاں تھوڑی دیر کے لئے آرام کر سکتے ہیں۔"

یہ ٹیلہ بھی کم از کم ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا جو ہم نے بھاگ کر طے کیا ٹیلے کی مٹی سرخ تھی اور جگہ جگہ بارش کے پانی کے بہنے کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ ہم بے دم سے ہو کر زمین پر لیٹ گئے۔ ہمارا سانس زور زور سے چل رہا تھا۔ دو تین منٹ تک ہم میں سے کسی نے کوئی بات نہ کی، پھر دریا پار ہمارے غار کی طرف دھڑادھڑ فائرنگ شروع ہو گئی۔ ہم چوکس ہو کر اٹھ بیٹھے۔ صاف ظاہر تھا کہ ہماری تلاش میں آئے ہوئے فوجی ہماری غار تک پہنچ گئے تھے۔

سدھا رنگنی نے میرا ہاتھ تھاما اور بولی۔ "اٹھو رگھو۔ بھاگو"۔

ہم نے ایک بار پھر درختوں کے نیچے بھاگنا شروع کر دیا۔ یونہی بھاگتے، گرتے پڑتے کہیں دم بھر کے لئے سانس لینے کو رکتے ایک چھوٹی سی پہاڑی کی ڈھلان اتر کر ایک ایسی وادی میں آ گئے۔ جہاں بڑی بڑی سیاہ چٹانیں عمودی اور ٹیڑھی میڑھی کھڑی تھیں اور ان کے درمیان کہیں کہیں جنگلی تاڑ کے درخت خاموش سر اٹھائے کھڑے تھے۔ سدھا نے ان چٹانوں کے پیچھے دور سے نظر آتے درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہم دشمن سے محفوظ ہو جائیں گے لیکن دشمن وہیں چٹانوں میں چھپا ہوا تھا یہ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا۔

جونہی ہم ایک سبز زنگاری چٹان کی اوٹ سے باہر آئے پیچھے سے ہم پر ایک فائر ہوا۔ یہ ہمارے لئے بالکل اچانک سی بات تھی۔ میں وہیں زمین پر لیٹ گیا مگر سدھا رنگنی آگے کو بھاگی۔ دوسرا فائر گونجا یہ رائفل کا فائر تھا اور اس بار سامنے سے آیا تھا۔ تڑاق کے ساتھ گولی سدھا رنگنی کے سر کے اوپر سے نکل کر چٹان سے ٹکرائی اور وہاں سے چنگاریاں اڑیں میں نے چلا کر سدھا کو لیٹ جانے کو کہا۔

اس اثناء میں ... ایک فوجی جس نے کمانڈو کی وردی پہن رکھی تھی اور ہلمٹ میں جھاڑیاں اڑسی ہوئی تھیں۔ سدھا کی طرف پوزیشن بناتا ہوا بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک سپاہی میرے عقب میں بھی ہے۔ سدھا رنگنی نے گلے میں سے سانپ نکال کر سپاہی کی طرف پھینکا اور خود ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے فوجی کو افراتفری میں اچھلتے دیکھا۔ سانپ نے شاید اسے ڈس لیا تھا لیکن سانپ ڈسنے کے بعد اس کی زد میں آ گیا تھا اور فوجی اسے اپنے بھاری بوٹوں سے کوٹ رہا تھا۔

سدھا رنگنی نے یہ منظر دیکھ کر ایک دلدوز وحشیانہ چیخ ماری اور گڑھے میں سے نکل کر انڈین فوجی پر جنگلی شیرنی کی طرح کود پڑی۔ وہ اسے ساتھ لے کر زمین پر گر پڑی۔ میرے پیچھے سے جس فوجی

نے فائر کیا تھا وہ بھی چھلانگ لگا کر جھاڑیوں کی اوٹ لیتا اپنے ساتھی کی مدد کو دوڑا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں گھاس میں ابھی تک چھپا ہوا ہوں۔ جونہی وہ میرے قریب سے گزرا میں نے اچھل کر اس کے پیٹ میں زور سے لات ماری۔ وہ منہ کے بل گرا۔ میں اس کے اوپر جا گرا اور اس کی گردن کو بازو میں دبوچ کر زور سے ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔

میں نے اس کی رائفل اٹھائی اور سدھا رنگنی کی طرف دوڑا وہاں جا کر جو منظر دیکھا اسے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا۔ انڈین فوجی کی سیاہ ہوتی لاش گھاس پر اوندھی پڑی تھی۔ سدھا اس کی رائفل کے بٹ سے اس کی کھوپڑی پر پے در پے ضربیں لگا رہی تھی۔ وہ جیسے نیم دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ اسے تامل میں گالیاں دے رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔ "یہاں سے بھاگو۔ اگر یہ دو سپاہی یہاں تک آ گئے ہیں تو ان کے ساتھی بھی اردگرد موجود ہوں گے"۔

سدھا رنگنی کے چہرے پر دحشت برس رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جیسے آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ اس نے زمین پر سے اپنے سانپ ساہو کی کچلی ہوئی لاش اٹھا کر مجھے دکھائی اور غضب ناک آواز میں کہا۔ "اس نے میرے بیٹے کو مار ڈالا ہے رگھو۔ اس نے ہمارے بچے کا خون کر دیا ہے۔ میں اس کی لاش کو کھا جاؤں گی"۔

میں نے بڑی مشکل سے سدھا رنگنی کو وہاں سے ہٹایا۔ دوسرے فوجی کی رائفل بھی اٹھائی اور سدھا کو دھکیلتا ہوا دوسری طرف لے گیا۔ وہ روئے جا رہی تھی اور اپنے بیٹے سانپ کے قاتل کی طرف واپس پلٹنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ کچلا ہوا سانپ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں اسے کسی نہ کسی طرح دھکیلتا سامنے والے درختوں کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہی وہ درخت تھے جن کی طرف سدھا رنگنی نے اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہم وہاں پہنچ کر کسی حد تک محفوظ ہو جائیں گے۔ ابھی تک ہم پر مزید فائر نہ ہوا تھا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ ادھر صرف دو انڈین فوجی ہی گشت کر رہے تھے۔

سدھا رنگنی اپنے سانپ کی لاش کو بار بار سینے سے لگاتی اور روتی جاتی تھی۔ میں نے اسے جھنجوڑ کر کہا۔ "سدھا کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں تمہارا پتی ہوں بھگوان تمہیں دوسرا بچہ بھی دے دے گا"۔

سدھا اچانک چپ ہو گئی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور حسرت بھری آواز میں بولی۔ "میرے پتی دیو! بھگوان مجھے بچہ دے گا؟ ہاں مجھے بچہ ضرور دے گا"۔

اور وہ میرے بازو سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بڑی ہی جدوجہد کے بعد اسے تھوڑا بہت حوصلہ دیا اور وہ اپنے سانپ کی لاش اپنے سینے میں چھپائے میرے ساتھ اپنی کمین گاہ کی طرف چلنے لگی۔

جب وہ مجھے لے کر نرولا کی دھاری دار پہاڑیوں میں واقع اپنی کمین گاہ میں پہنچی تو شام ہو گئی تھی ۔ بھگوا نے ہمارا خیر مقدم کیا ۔ دوسرے ساتھی ڈاکو بھی وہاں جمع ہو گئے ۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی سردار ناگن ماتا کا سانپ بیٹا ہلاک کر دیا گیا ہے تو ان پر بھی جیسے مردنی سی چھا گئی ۔

سدھا رنگنی نے سانپ کی کچلی ہوئی لاش کے لئے چھوٹی سی چتا بنائی ۔ لاش کو چتا پر رکھا ۔ خود ہی تامل زبان کے کچھ اشلوک پڑھے اور پھر چتا کو آگ دکھادی ۔ چتا کی آگ میں سانپ کی لاش جلنے لگی ۔ سدھا ہاتھوں میں منہ چھپائے بلک بلک کر رونے لگی ۔ میں اسے غار کے اندر لے گیا ۔

اس نے روتے روتے غضب ناک آواز میں کہا ۔ " رگھو ! تمہارے بھائیوں نے یہ میرے دوسرے بیٹے کو قتل کیا ہے ۔ میں مردوں کی نسل ختم کر دوں گی " ۔

میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے کہا ۔ " سدھا میری پیاری سدھا ! اس میں دوسرے مردوں کا کیا قصور بھلا ؟ اور پھر میں نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں جیتا جاگتا انسانی بچہ مل جائے گا " ۔

سدھا سسکیاں بھرتے میرے ساتھ لگ گئی ۔

میں مشکل در مشکل میں پھنس گیا تھا ۔ کہاں میں پہلے والے غار سے اپنے ایجنٹ کے ساتھ فرار ہو جانے کا سوچ رہا تھا اور کہاں اب سدھا رنگنی ڈاکو کی کمین گاہ میں اس کے رحم کرم پر پڑا تھا ۔ رحم و کرم پر ان معنوں میں کہ میں اس علاقے کے جنگلوں سے پوری طرح واقف نہ تھا اور ان جنگلوں میں بھٹکنے کا مطلب حسرت ناک موت کے سوا اور کچھ نہیں تھا ' علاوہ ازیں اسے یقین بھی دلا چکا تھا کہ میں اب اس سے الگ نہیں ہوں گا ۔ اگرچہ یہ میں اس سے فراڈ کر رہا تھا ۔ میرا مقصد وہاں سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر اپنے ایجنٹ کے پاس پہنچنا تھا لیکن میں ایجنٹ سے بہت دور نکل آیا تھا ۔ شاید اب وہ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا تھا ۔ میں نے دل میں پروگرام بنایا کہ سدھا رنگنی کو بڑودہ جیل کے جیلر سے انتقام لینے پر اکسایا جائے ۔ یوں اس کی رہنمائی میں ان دشوار گزار خطرناک جنگلوں کو پار کروں اور پھر احمد آباد اپنے ایجنٹ کے پاس جانے کے جتن کروں ۔

سدھا رنگنی اس وقت سخت انتقامی حالت میں تھی ۔ اسے عام بے ضرر مرد زہر لگنے لگے تھے اور اپنے دشمن مرد کو تو وہ کچا چبانے پر بھی تیار تھی ۔ چنانچہ جب میں نے اسے اداس لہجے میں کہا ۔ " سدھا ! جب کبھی یہ خیال آتا ہے کہ جن ظالم مردوں نے تمہاری یعنی میری عزت لوٹی ہے وہ ابھی تک زندہ ہیں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے ۔ جی چاہتا ہے ابھی جا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دوں " ۔

اس پر سدھا کا چہرہ آگ بھبوکا ہو گیا ۔ انڈین فوجیوں کی چھینی ہوئی رائفلیں اس کے قریب ہی پڑی تھیں ۔ اس نے ایک رائفل اٹھا کر اپنے سینے سے لگالی اور غرائی ۔ " رگھو ! یہ کام تم نہیں میں کروں گی ۔ میں پہلے ہی اپنی عزت کے ڈاکوؤں کو قتل کرنے کی سوگند کھا چکی ہوں ۔ تم نے مجھے میری سوگند یاد دلا دی ۔ ہاں ۔ میں کل ہی اپنے انتقامی خونی سفر پر روانہ ہو جاؤں گی " ۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ آخر تمہاری عزت میری عزت ہے۔ تم میری پتنی ہو۔"

"کیوں نہیں رگھو۔ کیوں نہیں۔ ہاں تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

پھر سدھا رنگنی نے اٹھ کر اسی وقت اعلان کر دیا کہ وہ دوسرے روز ایک خونی مہم پر روانہ ہو رہی ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے ساتھ صرف چار ساتھی جائیں گے۔ ان چار ساتھیوں میں ایک میں یعنی اس کا پتی رگھو تھا۔ دوسرا بھگوا اور دوسرے اس کے دو نڈر اور جانثار ساتھی بھی تھے۔

میں بڑا خوش ہوا کہ میرا وار کارگر ثابت ہوا تھا۔ میں نے سدھا کو سب سے پہلے احمد آباد چلنے کی ترغیب دی۔ کیونکہ ایک بار اس نے مجھے بتایا تھا کہ احمد آباد کے ایک پولیس افسر نے بھی اس کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ سدھا بولی احمد آباد کے تھانے دار کی بھی گردن اڑاؤں گی، مگر پہلے مجھے بڑودہ جیل کے جیلر کانٹیکر سے اپنی بے عزتی کا بدلہ چکانا ہے"۔

دوسرے روز ہم چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑودہ کی طرف روانہ ہو گئے بڑودہ وہاں سے بہت دور تھا، مگر سدھا رنگنی اور اس کا ڈاکو شاگرد خاص بھگوا ہماری رہنمائی کے لئے کافی تھے۔ ہم ایک دوسرے راستے سے واپس جا رہے تھے۔ تین روز تک ہم جنگلوں اور پہاڑیوں میں سفر کرتے رہے۔ دن کو سفر جاری رکھتے اور رات کو کسی جگہ ٹھکانہ بنا کر سو جاتے۔ سدھا رنگنی نے اپنی پٹاری میں سے ایک ایسا سیاہ بالشت بھر کا سانپ نکال کر اپنی کلائی میں لپیٹ لیا تھا جس کے چھوٹے چھوٹے آگے سے مڑے ہوئے دانت منہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ شاید سدھا رنگنی کو سانپ کا نشہ ہو گیا تھا۔ وہ اب سانپ کو دودھ پلائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ مجھے تو ایسا لگتا تھا کہ وہ اب سانپ سے خود کو ڈسواتی بھی ہے۔ اگرچہ سدھا رنگنی نے میرے سامنے اس کا کبھی ذکر نہیں کیا تھا، لیکن اس کی آنکھیں اب ہر وقت نشے میں ڈوبی ہوئی رہنے لگی تھیں۔ ہم نے کئی بار دریا عبور کیئے۔ جنگل کی کئی بستیوں کے قریب سے گزرے۔ میرے لئے یہ بالکل ہی نیا علاقہ تھا۔ میں اس طرف پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ ہم مہاراشٹر کی سرحدوں کو چھوڑ کر بڑودہ کی جانب چلے آئے تھے جب بڑودہ کو جانے والی سڑک کچھ دور رہ گئی تو سدھا رنگنی گھوڑے سے اتر پڑی۔ ہم بھی نیچے اتر آئے۔

سدھا نے بھگوا ڈاکو کو پاس بلا کر کچھ مشورہ کیا۔ بھگوا نے جھک کر سدھا کی تعظیم کی اور چاروں گھوڑوں کی باگیں تھام کر انہیں پیدل چلاتا دور ایک گاؤں کی طرف چل دیا۔ سدھا رنگنی میرے پاس آ گئی۔ دوسرے دو ڈاکو ذرا پرے درخت کی چھاؤں میں بیٹھے بیڑیاں پی رہے تھے۔ میں نے سدھا رنگنی سے پوچھا کہ اس نے بھگوا کو کہاں بھیجا ہے۔

سدھا نے کہا۔ "رگھو! میری جان! ہم اپنے دشمن کے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ آگے ہمیں لاری میں سفر کرنا ہو گا۔ گھوڑے یہاں کام نہیں دیتے اور پھر ہمیں بھیس بھی تو بدلنا ہو گا۔ میرے

لئے تو یہاں پولیس نے نقد انعام کا اعلان کر رکھا ہے"۔

میں چپ ہو گیا۔ بھیس بدلنے میں میرا بھی فائدہ تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ بڑودہ سے سدھا رنگنی کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور اس کے دشمن سے انتقام لینے کے بعد سدھا کو چپکے سے چھوڑ کر بڑودہ سے احمد آباد کی طرف نکل جاؤں گا۔

تھوڑی دیر بعد بھگوا ڈاکو واپس آ گیا۔ اس نے سدھا رنگنی سے کہا۔ "ناگن ماتا! پجاری دلیش پانڈے جی آپ کے سواگت کے لئے بے تاب ہیں"۔

سدھا رنگنی نے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "رگھو! تم پجاری دلیش پانڈے سے مل کر خوش ہو گے وہ ہمارا پرانا ساتھی ہے"۔

ہم بھگوا ڈاکو کے ساتھ گاؤں کی طرف چل پڑے۔ پجاری دلیش پانڈے ایک توندیل مہنت تھا جو ایک وشنو مندر کا پجاری تھا۔ مندر کے پیچھے کچھ کوٹھریاں خالی پڑی تھیں۔ پجاری سدھا کے آگے بچھا جا رہا تھا۔ سدھا رنگنی نے بھگوا کو اشارہ کیا۔ بھگوا نے تھیلی میں سے کچھ روپے نکال پجاری کو دیئے۔ پجاری کی باچھیں کھل گئیں کوٹھریوں میں چارپائیاں بچھا دی گئیں۔ ہمارے لئے پجاری پوریاں اور مٹھائی لے آیا۔ منہ ہاتھ دھو کر ہم نے بھوجن کیا۔ میں اور سدھا ایک کوٹھری میں تھے۔ ایک رات یہاں آرام سے کاٹی۔ اگلے روز پجاری دلیش پانڈے' سدھا رنگنی کے اشارے پر ہمارے لئے کچھ پرانے مگر دھلے دھلائے کپڑے لایا۔ وہ عام دیہاتیوں کے کپڑے تھے سدھا رنگنی کے لئے چھاپے دار نسواری اور سرخ رنگ کی ساڑھی تھی جو سوراشٹر کی دیہاتی عورتیں پہنا کرتی ہیں۔ ہمارے لئے کرتے دھوتیاں اور پگڑیاں تھیں۔

ہم نے کوٹھری ہی میں ناشتہ کیا اور دیہاتی بھیس بدل کر پیدل ہی بڑودہ جانے والی پکی سڑک کی طرف چل دیئے سدھا رنگنی نے ایک بھرا ہوا چھوٹا پستول ضرور اپنے کپڑوں میں چھپا لیا تھا جو اس نے اپنے ڈاکوں کے دوران ایک پٹیل کے گھر سے لوٹا تھا۔ بھگوا اور دوسرے ڈاکوؤں نے کاندھوں پر چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں لٹکا رکھی تھیں۔ میں اور سدھا میاں بیوی کی حیثیت سے آگے آگے چل رہے تھے۔ سدھا نے ہم میں ساٹھ ساٹھ روپے تقسیم کر دیئے تھے تاکہ ضرورت کے وقت ہمارے کام آ سکیں۔

سڑک سے ہم نے لاری پکڑی اور بڑودہ شہر پہنچ گئے۔ سدھا کے چہرے پر نفرت کی لکیریں ابھر آئیں۔ شہر کی اونچی عمارتوں اور کشادہ سڑکوں پر بھاگتی ٹریفک کو دیکھ کر وہ آہستہ سے بولی۔ "رگھو! اس شہر میں مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے میں ایک ایک سے گن گن کر بدلہ لوں گی"۔

پروگرام کے مطابق ہم نے بڑودہ ریلوے اسٹیشن کے تھرڈ کلاس مسافر خانے میں ایک قلی کو رشوت دے کر ڈیرہ جما لیا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم شہر کی سیر کو آئے ہیں۔ ہوٹل میں ٹھہرنے کے لئے اتنے پیسے نہیں ہیں۔ سدھا رنگنی نے سارا پروگرام پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا۔ اسے اپنے دشمن جیلر

کانٹیکر کی کوٹھی کا پتہ معلوم تھا۔ جو جیل کے پچھواڑے ایک خوب صورت باغیچے میں واقع تھی۔
سدھا نے بھگوا ڈاکو کو شہر کی طرف روانہ کیا کہ وہ جا کر یہ معلوم کرے کہ جیلر کانٹیکر اسی شہر میں ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے؟ ایک گھنٹے بعد بھگوا نے آ کر سدھا رنگی کو خوش خبری دی کہ اس کا دشمن اپنے دفتر میں ہی موجود ہے۔ سدھا رنگی کی آنکھوں میں سرخ چمک بھڑک اٹھی۔

" رگھو۔" وہ پھنکاری۔ " آج رات ' میں اپنے دشمن کو نرک میں پہنچا دوں گی۔ تم میرے ساتھ رہنا۔ اس نے تمہاری عزت پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے اس کا خون پیوں گی اور اس کی لاش کو تڑپتا دیکھوں گی "۔

میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اب میرا ارادہ اس کے ساتھ اس خونی مہم پر جانے کا نہیں تھا لیکن میں مجبور تھا سدھا رنگی کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ یہی سوچا کہ گولی نہیں چلاؤں گا۔ سدھا اپنا بدلہ لے لے۔ میں رات کے اس معرکے ' کے بعد منہ اندھیرے ریلوے اسٹیشن سے ٹرین پکڑ کر احمد آباد کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

رات کو مسافر خانے میں کافی رونق تھی۔ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ رات کے گیارہ بج گئے مگر ریلوے اسٹیشن پر وہی گہما گہمی تھی بہت بڑے شہر کا ریلوے اسٹیشن تھا جب اسٹیشن کی گھڑی نے رات کا ایک بجایا تو سدھا رنگی نے آنکھ سے اشارہ کیا۔

وہ اٹھی اور مسافر خانے کے بڑے گیٹ کی طرف چل دی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ بھگوا ڈاکو بھی تھوڑا فاصلہ دے کر ہمارے پیچھے پیچھے آ گیا۔ شہر کے بازار سنسان تھے۔ ہم نے ایک رکشا لیا اور اسے بڑودہ کی سینٹرل جیل سے ایک چوک پہلے چھوڑ دیا۔ سدھا رنگی اس وقت ایک خون خوار ڈاکو لگ رہی تھی ہم فٹ پاتھ پر ایک درخت کے نیچے اندھیرے میں آ کر چھپ گئے۔۔

سدھا رنگی نے سنسان سڑک کا ایک جائزہ لیا اور سرگوشی میں بولی۔" جیل کی کوٹھی کے باہر پہرہ لگا رہتا ہے۔ رگھو! تم اسے قابو کر لو گے؟"

یہ ایک چیلنج تھا ' جسے مجھے قبول کرنا ہی پڑا۔ سدھا مسکرائی اس کی مسکراہٹ میں بڑی خونخواری تھی۔ وہ ہمیں لے کر درختوں کے اندھیرے میں آگے بڑھی۔ سڑک کے پار اس نے اشارے سے ہمیں جیلر کی کوٹھی دکھائی وہاں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہم نے بھاگ کر سڑک پار کی ہم جیلر کی کوٹھی کے باغیچے والی چھوٹی سی دیوار کے پاس آ گئے تھے میں نے دیکھا کہ کوٹھی کے گیٹ کی جانب ایک پہرے دار اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سدھا نے میرے کان کے پاس منہ لا کر سرگوشی کی۔" اسے بیٹھا رہنے دو۔ ہم پیچھے سے جائیں گے وہ راکھشش جہاں سوتا ہے ' مجھے معلوم ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

سدھا نے اپنے زہریلے سانپ کو ہتھیلی میں پکڑ رکھا تھا۔ وہ کیا کرنے والی تھی۔ مجھے معلوم تھا۔

ایک جگہ سے ہم نے دیوار پھاندی اور باغیچے کی جھاڑیوں میں جھک کر آگے بڑھنے لگے۔ باغیچے کے عقب میں ایک کھڑکی میں سے بہت ہی دھیمی روشنی آ رہی تھی۔ کھڑکی کا ایک پٹ تازہ ہوا کے لئے کھلا رکھا گیا تھا۔ باغیچے میں گھپ اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی کے پاس نیچے گھاس پر زرد سی روشنی کا غبار پڑ رہا تھا۔ سدھا نے آہستہ سے کہا۔ "یہ وہ کمرہ ہے"۔

ہم کھڑکی کے نیچے آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے آہستہ سے سر اٹھا کر کھڑکی کے کھلے پٹ میں سے اندر دیکھا۔ کھڑکی پر لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اندر دیوار کے ساتھ زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ ایک بڑا سا پلنگ بچھا تھا۔ جس پر کوئی آدمی سو رہا تھا۔ چادر اس کے جسم سے پھسل کر آدھی نیچے لٹک رہی تھی۔ اب سدھا سر اٹھائے اسے تکنے لگی۔ میرے کان میں اس کی غصیلی پھنکار سنائی دی۔ "رگھو! یہی میری عزت کا ڈاکو ہے"۔

یہ بڑودہ جیل کا جیلر تھا۔ اس کے پلنگ کے سرہانے کے پاس تپائی پر ٹیلی فون رکھا تھا۔ سدھا رنگنی نے اپنے سانپ کو آہستہ سے چوما۔ وہ اسے سلاخوں میں سے اندر ڈالنے ہی والی تھی کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بجی۔ جیلر جاگ گیا۔ سدھا رنگنی نے سانپ کو سلاخوں میں سے اندر پھینک دیا۔ ایسا کرنے سے اس کا ہاتھ کھڑکی کے پٹ سے ٹکرایا اور آواز پیدا ہوئی۔ جیلر "ہیلو ہیلو" کہہ رہا تھا اور آواز سن کر بولا۔ "کون ہے"۔

پھر وہ سانپ سانپ پکارتا پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا۔ سدھا رنگنی نے تامل زبان میں اسے بھیانک گالی دی اور پستول سے یکے بعد دیگرے تین فائر کر دیئے فائر کے دھماکوں نے چوکیدار کو خبردار کر دیا۔ وہ کوٹھی کی طرف بھاگا۔ دو گولیاں جیلر کو لگ چکی تھیں اور وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے فرش پر جھکتا چلا جا رہا تھا۔

میں نے سدھا کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ "بھاگو سدھا"۔

مگر سدھا پر بھوت سوار تھا۔ اس نے ایک اور فائر کر دیا۔ یہ گولی جیلر کے کاندھے پر لگی تھی۔ وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ ہم باغیچے کی دیوار کی طرف دوڑے۔ سدھا رنگنی چھلانگ لگا کر دیوار کود گئی۔ میں نے چھلانگ لگائی تو فٹ پاتھ پر کچھ ایسے زاویئے سے گرا کہ میرے ٹخنے میں موچ آ گئی۔ اٹھ کر بھاگا' پھر گر پڑا۔ ٹخنے میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں سدھا رنگنی سڑک پار کر کے اندھیرے میں بھگوا ڈاکو کی طرف چلی گئی تھی۔ میں لنگڑا کر سڑک پار کر رہا تھا کہ اچانک مجھ پر دو جانب سے ٹارچ کی روشنی پڑی اور پھر دھڑ دھڑ کرتے جیل کے چار پہرے دار مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے ایک ہوائی فائر بھی کیا ان کے پاس بندوقیں تھیں۔ میں اپنے ٹخنے کے ہاتھوں بے بس ہو چکا تھا۔ ہر طرف شور مچ گیا۔

بنگلے کی ساری بتیاں جل اٹھیں وہ پہرے دار تھے یا جیل کے سپاہی' مجھے کچھ معلوم نہیں۔ انہوں نے مجھے قابو کر لیا۔ جس طرف سدھا رنگنی بھاگی تھی۔ اس طرف سے پستول کا ایک فائر آیا شاید

یہ سدھا نے مجھے چھڑانے کے لئے کیا تھا۔ لیکن میں دشمنوں کے چنگل میں پوری طرح سے پھنس چکا تھا۔ ایک آدمی نے سڑک کے پار بندوق کا فائر جھونک دیا۔

وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے کوٹھی کے اندر لے گئے ۔ اس کے بعد ان لوگوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا۔ اس کا میں کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ میں مختصراً عرض کروں گا کہ جیلر شدید زخمی ہوا تھا۔ میں پہلے ہی مشکوک ' مفرور اور پولیس اور فوج کو مطلوب تھا۔ رات کو تو مجھے جیل کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو مجھے شناخت کر لیا گیا۔ فوراً ٹیلی فون کھڑکائے گئے۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر ایک سنگلاخ چہرے والا مرہٹہ فوجی افسر وہاں پہنچ گیا۔ میرا سارا ریکارڈ اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے میرے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔ وہ مجھے بند جیپ میں بٹھا کر بڑودہ کے فوجی ائرپورٹ پر لے گیا۔ یہاں ایک چھ سیٹر ہرے رنگ کا فوجی ہوائی جہاز رن وے کی ایک جانب کھڑا تھا۔ مجھے اٹھا کر جہاز میں ڈال دیا گیا۔ میرے ٹخنے میں ابھی تک درد ہو رہا تھا اور میں پاؤں سیدھا نہیں کر سکتا تھا۔

میں یہی سمجھا کہ یہ لوگ مجھے احمد آباد کے فوجی ہیڈ کوارٹر لئے جا رہے ہیں۔ مرہٹہ فوجی افسر پستول ہاتھ میں لئے میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کاک پٹ میں دو فوجی پائلٹ پہلے سے براجمان تھے۔ جہاز کے انجن اسٹارٹ ہوئے۔ پنکھے گردش کرنے لگے۔ جہاز نے رن وے پر رینگنا شروع کر دیا ' پھر اس نے اسپیڈ پکڑ لی اور اڑان بھر گیا۔

میں جہاز کی کھڑکی والی سیٹ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مرہٹہ فوجی افسر میرے ساتھ والی سیٹ پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کا رخ میری جانب تھا اور پستول کی نالی میرا بازو چھو رہی تھی۔ میں نے اسے کہا۔ " یہاں سے میں کہاں بھاگا جا رہا ہوں ؟ آپ پستول نیچے کر لیں "۔

یہ جملہ میں نے مرہٹی زبان میں کہا تھا۔ وہ مسکرایا مجھ پر ایک قہر بھری نگاہ ڈال کر بولا۔ " اب تمہیں فرار ہونے کی حاجت بالکل نہیں رہے گی "۔

میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ جہاز زمین سے کافی بلندی پر آ گیا تھا اور شہر کے اوپر سے ہوتا ہوا شمال مغرب کی طرف چلا جا رہا تھا ' پھر اس نے سیٹ کے نیچے سے نائیلون کی ایک رسی نکالی اور مجھے سیٹ کے ساتھ باندھ دیا۔ میں خاموش رہا اور کر بھی کیا سکتا تھا کبھی سدھا کا خیال آتا ' کبھی اپنی حماقت پر افسوس کرتا کہ میں کیوں سدھا رنگی کے ساتھ اس احمقانہ مہم پر چلا آیا۔ بہتر تھا کہ اسے چھوڑ کر احمد آباد کی طرف فرار ہو جاتا ' مگر قسمت میں جو لکھا ہو وہ تو ہو کر رہتا ہے ۔۔

انڈین ایئر فورس کا یہ چھ سیٹر طیارہ اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ مجھے باندھ کر مرہٹہ فوجی افسر کاک پٹ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا پائلٹ اور معاون پائلٹ سے کچھ گفتگو کر رہا تھا جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار کھڑکی کے شیشے میں سے نیچے دیکھ رہے تھے۔ نیچے ویران علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ شہر

ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے ۔ میں تو یہی سوچ بیٹھا تھا کہ یہ لوگ مجھے بڑودہ سے احمد آباد لئے جا رہے ہیں ۔ جب ایک گھنٹے تک ہوائی جہاز پرواز کرتا رہا اور نیچے کسی شہر کے آثار دکھائی نہ دیئے تو مجھے کچھ تشویش ہوئی کہ یہ لوگ مجھے لے کر کہاں جا رہے ہیں ؟ میں نے شیشے میں سے نیچے دیکھا۔

نیچے صحرا شروع ہو گیا تھا۔ یقیناً یہ راجستھان کا صحرا تھا۔ ہوائی جہاز نے صحرا کے اوپر ایک چکر لگایا۔ فوجی افسر اور پائلٹ میں کھسر پھسر زیادہ تیز ہو گئی ۔ پائلٹ نے انگوٹھے سے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ مرہٹہ فوجی ایک دم سے سیٹ پر سے اٹھ کر میرے پاس آگیا اس نے میری رسی کھول دی اور پستول کی نالی میرے کان سے لگا دی۔

یا اللہ خیر! یہ لوگ کیا کرنے والے ہیں ؟

معاون پائلٹ بھی اپنی سیٹ چھوڑ کر ہمارے پاس آگیا' پھر اس نے پائلٹ کے ساتھ والی دیوار میں لگی ہوئی ایک ہک کو اوپر اٹھایا اور جہاز میں تیز ہوا کا بگولہ گھس آیا جہاز کی دیوار ایک جگہ سے تھوڑی سی اوپر اٹھ گئی تھی ۔ یہ کوئی خفیہ دروازہ تھا مرہٹے فوجی نے پستول کی نالی کو میری کنپٹی پر دباتے ہوئے چلا کر حکم دیا۔ "باہر کود جاؤ"۔

میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

موت منہ پھاڑے میرے سامنے کھڑی تھی۔

ہوائی جہاز کی تقریباً نصف اوپر کو اٹھی ہوائی دیوار میں سے نیچے چھوٹے چھوٹے صحرائی ٹیلے اور جنگلی جھاڑیوں کے نسواری دھبے مجھے نگلنے کو تیار تھے۔ مرہٹے فوجی افسر کا پستول میری کنپٹی سے لگا تھا۔ وہ مجھے نیچے دھکا بھی دے سکتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ میں خود باہر چھلانگ لگا دوں۔ یہ بڑی اذیت ناک موت تھی۔ ہوائی جہاز کافی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں باہر کود گیا یا زمین پر دھکا دیا گیا تو زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی تیز ہوا کے تھپیڑے میری کھال اڑا دیں گے۔

ایک سیکنڈ کے اندر اندر میرے بچپن کے سینکڑوں واقعات میری آنکھوں میں گھوم گئے۔ اب صرف خدا کی ذات ہی مجھے موت کے منہ سے بچا سکتی تھی۔ پھر جہاز کے انجن میں سے ایک بھیانک چیخ کی آواز نکلی اور جہاز نے ایک جھکولا کھایا۔ میں اور فوجی افسر پیچھے سیٹوں پر گر پڑے۔ کاک پٹ میں پائلٹ کی گھبرائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ فوجی افسر ہڑبڑا کر اس کی طرف لپکا۔ میں نے دیکھا کہ جہاز کے ایک حصے کو آگ لگ چکی ہے۔ ہوائی جہاز ایک طرف کو جھک گیا تھا اور تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا۔

دونوں پائلٹ جہاز کو کنٹرول کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ میں میں سیٹوں کے درمیان سہا بیٹھا خدا سے اپنی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے انجن سے بھی دلخراش آوازوں کے ساتھ گاڑھا سیاہ دھواں نکلنے لگا۔

فوجی افسر اور پائلٹ چلا چلا کر ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ ہوائی جہاز زمین کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر سیدھا ہوا اور گلائیڈر کی طرح ایک طرف کو جھکا جھکا پھسلتا چلا گیا۔

میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا۔ پھر مجھے ایک جھٹکا لگا جیسے کسی نے مجھے زور سے ہوا میں اچھال دیا ہو۔ میری آنکھیں بند تھیں اور میں نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا پھر میں ریت کے ایک ٹیلے پر گھنی جھاڑیوں میں گر پڑا۔

یہ سب کچھ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں ہو گیا تھا۔ میں نے گھبراہٹ میں آنکھیں

کھول کر سب سے پہلے اپنے جسم کو دیکھا۔ میں زندہ تھا۔ میرے ہاتھ 'پاؤں' سر اور جسم کے باقی اعضاء سلامت تھے۔ کسی جگہ سے خون تک نہیں نکلا تھا۔ میرے کپڑے ضرور پھٹ گئے تھے اور بائیں جانب بازو اور ٹانگ پر خراشیں آئی تھیں۔ خداوند کریم نے مجھے ہوائی جہاز کے کریش ہوتے ہی پھول کی طرح اٹھا کر باہر جھاڑیوں میں رکھ دیا تھا۔

میں جھاڑیوں سے باہر نکل آیا۔ ریت کے ٹیلے کے قریب ہی ہوائی جہاز کا ملبہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ اس کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے اور دونوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سیاہ دھوئیں کے بادلوں میں سرخ شعلے اوپر کو لپک رہے تھے۔ مجھے وہاں جہاز کا کوئی آدمی زخمی حالت میں پڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید تینوں بھارتی فوجی بھی جہاز کے ملبے کے ساتھ ہی جل رہے تھے۔

جلتے ہوئے جہاز کی تپش ناقابل برداشت تھی۔ میں کچھ فاصلے پر صحرائی ریت کے ایک ٹیلے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کا جائزہ لیا۔ یہ قدرت کا بہت بڑا معجزہ تھا کہ میں بچ گیا تھا۔ مجھے کوئی چوٹ تک نہیں آئی تھی۔ صرف میرا ٹخنہ چلنے میں درد کر رہا تھا اور یہ چوٹ پہلے کی لگی ہوئی تھی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز جل گیا۔ اب اس کے ڈھانچے میں سے صرف دھواں ہی اٹھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب آ گیا۔ تین آدمیوں کے جلے ہوئے ڈھانچے جلے ہوئے ملبے میں دبے پڑے تھے۔ جو لوگ مجھے جہاز سے گرا کر ہلاک کرنے آئے تھے۔ وہ خود جہاز کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ میں نے اپنا سر خدا کے حضور جھکا دیا اور اس کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے بے پناہ کرم سے مجھے موت کے منہ سے جانے سے بچا لیا۔

میں نے ریت کے ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ایک بے کراں صحرا پھیلا ہوا تھا۔ اس صحرا میں کہیں کہیں ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے سے بنے ہوئے تھے جن کی ڈھلانوں پر جھاڑیاں اگی تھیں۔ ریت کے ذرے چمک رہے تھے۔ فضا میں گرمی تھی، مگر یہ گرمی ناخوشگوار نہیں تھی۔ اتنا مجھے اندازہ تھا کہ یہ راجستھان کی سرحد کا صحرائی علاقہ ہے لیکن اس بات کا تعین کرنا بہت ضروری تھا کہ میں اگر بھارت کی سرحد کے اندر ہی ہوں تو پاکستانی بارڈر وہاں سے کتنی دور ہے ابھی تک مجھے بھارتی سکیورٹی فورس کی کوئی جیپ یا اونٹ وغیرہ نظر نہیں آیا تھا۔

میں نے پاؤں سیدھا کر کے اپنے ٹخنے کو دیکھا۔ وہ سوج گیا تھا۔ ہلکا ہلکا درد مسلسل ہو رہا تھا۔ میں لنگڑا کر چلتا ہوا ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ سب سے بڑا مسئلہ میرے سامنے پانی کا تھا۔ کچھ کھائے بغیر میں دو تین دن نکال سکتا تھا لیکن پانی کے بغیر ایک دن بھی گزارنا مشکل تھا۔ ابھی دن کا پہلا پہر تھا۔ بہت جلد جب سورج سر پر آ جائے گا تو صحرا کی گرمی اور تپش ناقابل برداشت ہو جائے گی۔

تاہم ایک کمانڈو کی حیثیت سے میرا عزم جواں تھا اور میں نے صحرا میں پیش آنے والے

مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا عہد کر رکھا تھا جہاز کے جلے ہوئے ڈھانچے میں سے دھوئیں کی آخری لکیریں اوپر کو بلند ہو رہی تھیں۔ میرے دل کو یقین تھا کہ جس خدائے بزرگ و برتر نے مجھے جہاز کے اتنے بڑے حادثے سے بچا لیا ہے وہ صحرا میں بھی میری حفاظت فرمائے گا اور میں انشااللہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہو جاؤں گا۔

خطرہ صرف بھارت کی صحرائی سکیورٹی فورس کا تھا کہ کہیں ان کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔ صحرا میں مجھے دور سے دیکھا جا سکتا تھا اور یہاں کوئی جنگل بھی نہیں تھا کہ جہاں میں روپوش ہو سکتا سورج کے زاویئے سے میں نے صحرا میں اپنے سفر کا ایک خاص رخ متعین کر لیا تھا۔ میرے حساب سے اسی رخ پر آگے میرے وطن پاک کی سرزمین شروع ہو جاتی تھی۔ سورج آہستہ آہستہ آسمان کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں جہاں بیٹھا تھا وہاں ٹیلے کا سایہ تھا۔ جوں جوں سورج بلند ہو تا گیا سایہ غائب ہونے لگا۔

میں اللہ کا نام لے کر اٹھا اور شمال مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ریت نرم تھی۔ ٹخنہ بھی درد کر رہا تھا۔ چند قدم ہی چلا تھا کہ ٹخنے کا درد بڑھ گیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ میں دھوپ میں تھا۔ میرے سامنے حد نگاہ تک ریت کا غیر ہموار سمندر پھیلا ہوا تھا۔ ریت کی چمک سے اب آنکھیں دکھنے لگی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں؟ میرے پاس اگر کوئی چیز تھی تو وہ سدھا رنگنی کا دیا ہوا سانپ کا منکا ہی تھا۔ جو میرے بازو کے ساتھ رومال میں لپٹا بندھا ہوا تھا۔ دھوپ اب تیز ہو گئی تھی۔ میں اٹھ کر لنگڑاتے ہوئے واپس اسی ٹیلے کی اوٹ میں آکر بیٹھ گیا جہاں سے چلا تھا۔ ٹیلے کا سایہ بالکل نہیں تھا۔ جب دھوپ کی تپش ناقابل برداشت ہونے لگی تو میں نے ٹیلے کے پہلو سے ریت کھود کر ایک کھوہ سا بنایا اور اسی میں گھس کر بیٹھ گیا۔ یہ جگہ ٹھنڈی تھی قدرے سکون ملا۔

میں نے اپنی دھوتی کا کنارا پھاڑ کر اس کی پٹی بنائی اور اپنے ٹخنے پر خوب کس کر باندھ دی۔ درد میں کسی حد تک افاقہ ہو گیا۔ رات کو انڈین فوجیوں نے مجھے پتلی دال اور ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی تھی۔ اب مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی اور پیاس بھی، مگر میرے آس پاس سوائے تپتی ہوئی گرم ریت کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ریت کے ٹیلے پر یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے کب تک بیٹھا رہوں گا۔ مجھے ہمت کر کے چلنا چاہیے۔ شاید آگے کوئی صحرائی گاؤں مل جائے۔ دھوپ اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ چلنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اس کے باوجود میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد کھوہ سے نکل آیا اور ایک بار پھر میں نے خاص رخ پر چلنا شروع کر دیا۔ میں آہستہ آہستہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ میرے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے جس سے چلنے میں دقت ہو رہی تھی، پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور ریت کے ٹیلے سے کافی دور نکل آیا۔ پسینہ بہہ رہا تھا اور بخارات بن کر بھی اڑ رہا تھا۔ صحرائی دھوپ نے میرے جسم کا پانی خشک کرنا

شروع کر دیا تھا۔ یہ صحرائی موت کا پہلا عمل تھا۔ دوپہر کے بعد میری حالت غیر ہونا شروع ہو گئی۔ میں دھوپ میں جھلستے ہوئے صحرا میں بہت آگے نکل آیا تھا مگر چاروں طرف صحرائی یکسانیت کے باوجود مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں جہاں سے چلا تھا ابھی تک وہیں پر ہوں۔

تیز دھوپ نے میرے جسم کا پانی خشک کر دیا تھا۔ پیاس نے میرے جسم میں سوکھے کانٹے بچھا دیئے تھے۔ ہونٹ خشک ہو کر پتھر ہو رہے تھے۔ ٹخنے کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ میرے بائیں جانب ریت کا ایک اونچا ابھار سا تھا۔ میں غیر شعوری طور پر اس طرف چل دیا۔ میں اب رینگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ریت کے ابھار کے اوپر آیا تو دوسری طرف میں نے نشیب میں ایک شتر سوار کو دیکھا کہ راجستھانی ٹائپ کی بڑی سی پگڑی باندھے، اونٹ پر سوار ہے اور اونٹ آہستہ آہستہ مشرق کی طرف چلا جا رہا ہے۔

یہ منظر میرے لئے جنت سے کم نہیں تھا۔ اس بات سے بے نیاز ہو چکا تھا کہ کہیں یہ بھارتی بارڈر فورس کا مخبر نہ ہو۔ میں نے اپنے جسم کی بچی کھچی طاقت جمع کر کے اسے پکارا۔ میری آواز ایسی تھی جیسے کوئی کمزور اور نحیف جانور نزع کے عالم میں آخری بار چلایا ہو۔

شتر سوار نے میری آواز سن لی تھی۔ اس نے اونٹ کو روک کر میری طرف گردن گھما کر دیکھا۔ میں نے زور زور سے ہاتھ ہلایا۔ وہ اونٹ سے اترا اور میری طرف بڑھا۔ یہ ایک کولی ذات کا ہندو تھا۔ اس نے مجھے اپنے اونٹ پر بٹھایا اور اپنے گاؤں لے گیا جو وہاں سے دس پندرہ منٹ کے سفر پر تھا۔ اس نے مجھے پینے کے لئے دودھ دیا۔ اس کے بیوی بچے بھی میرے گرد جمع ہو گئے۔ گاؤں میں چند ایک کچے مکان بنے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو ہندو برہمن بتایا جو اپنے بڑے بھائی کے ساتھ صحرا میں شکار پر آیا تھا کہ اپنے بھائی سے بچھڑ کر صحرا میں راستہ بھول گیا۔

ان کولی ہندوؤں نے میری بڑی خدمت کی۔ میرے ٹخنے پر تیل کی مالش کی گئی۔ میں دو دن سے ان کے پاس تھا۔ اس دوران ان سے سب کچھ معلوم کر لیا۔

میں پاکستانی سرحد سے پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے آگے بلہار نامی ایک گاؤں تھا جو بھارتی سرحد کا آخری گاؤں تھا۔ یہ کولی ذات کے ہندو انڈین بارڈر فورس کے جوانوں کے لئے ہفتے میں دو بار گھی اور دودھ لے کر جاتے تھے اور وہاں سے اناج لے کر واپس آتے تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر میری کھوئی ہوئی صحت واپس آ گئی۔ ٹخنے کی سوجن بھی اتر گئی۔ اب میں نے انڈین بارڈر کراس کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ میں ان کولی ذات کے ہندوؤں میں گھل مل گیا تھا اور ان کے ہی کپڑے پہن لئے تھے۔ میں نے اپنے محسن سے کہا کہ مجھے وہ بلہار گاؤں اپنے ساتھ لے چلے۔ میں وہاں سے کسی فوجی گاڑی میں سوار ہو کر شہر پہنچ جاؤں گا۔

وہ ہندو کولی جب گھی اور دودھ کے کنستر اونٹوں پر لاد کر بلہار بارڈر پوسٹ کی طرف روانہ ہوئے

تو میں بھی ان کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار تھا۔ ہم پو پھٹنے سے پہلے روانہ ہوئے تھے دن چڑھا تو دور بلہار کا چھوٹا سا گاؤں دکھائی دیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ انڈین بارڈر فورس کی دو چوکیاں گاؤں کے مغرب میں بنی ہوئی ہیں اور شمال کی طرف صحرائی خشک درختوں کا ایک چھوٹا سا جنگل ہے جو پاکستانی سرحد پر ختم ہوتا ہے۔ میرا اس جنگل میں داخل ہونے کا پروگرام تھا۔

گاؤں پہنچ کر میرے ساتھی ہندو کولی تو اپنے کام میں لگ گئے اور میں ایک مکان کے چھپر تلے بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ کر ماحول کا گہری نظر سے جائزہ لینے لگا۔ شمال کی جانب ویران صحرا پھیلا تھا۔ مجھے دور درختوں کی ایک لکیر سی نظر آ رہی تھی۔ یہی وہ جنگل تھا جس کا دوسرا کنارا پاکستانی سرحد کے ساتھ جا لگتا تھا۔

میرے ساتھی اگلے روز واپس جانے والے تھے۔ دن میں انہوں نے بارڈر فورس کی چوکیوں میں جا کر دودھ اور گھی وغیرہ دے دیا۔ شام کو صحرا میں ٹھنڈک ہو گئی تو وہ ایک جگہ الاؤ جلا کر بیٹھ گئے اور ناریل پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔

رات کو سب کھانا کھا کر چھپر کے نیچے سو گئے۔ صحرا میں رات بڑی جلدی پڑ جاتی ہے، اور سردی بھی ہو جاتی ہے۔ سیدھی سادی زندگی بسر کرنے والے یہ صحرائی لوگ تھے۔ لیٹتے ہی خراٹے لینے لگے میں جاگ رہا تھا۔ آدھی رات کرنی میرے لئے مشکل ہو گئی۔ خدا خدا کر کے جب رات کافی گہری ہو گئی تو میں چارپائی پر سے چادر ہٹا کر اٹھا۔ چادر اپنے جسم پر لپیٹی اور اللہ کے بھروسے رات کے سناٹے میں اس طرف چل پڑا جدھر بھارتی صحرا کا آخری خشک اور ویران جنگل تھا۔

صحرائی رات خنک اور خاموش تھی۔ ریت کے ٹیلوں کی اوٹ سے ہو کر گہرے کھڈوں سے گزرتا ہوا میں آخر جنگل میں پہنچ گیا۔ خدا جانے یہ کس قسم کے درخت تھے کہ بھوتوں کی طرح شاخیں پھیلائے کھڑے تھے۔ کسی شاخ پر کوئی پتا تک نہیں تھا۔ اب میں بے حد محتاط ہو کر چل رہا تھا ذرا سی آہٹ پر فوراً کسی درخت کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ جاتا۔ یہ سارا علاقہ انڈین بارڈر فورس کی عملداری میں تھا۔ جنگل میں کافی دور تک چلتے رہنے کے بعد مجھے کسی گاڑی کی روشنی اور انجن کی آواز آئی۔ میں بھاگ کر ایک درخت کے پیچھے گڑھے میں اتر گیا اور اس کی ڈھلان پر لیٹ کر تھوڑا سا سر باہر نکال کر دیکھنے لگا۔

درختوں کے نیچے ایک راستہ سا بن گیا تھا۔ اس راستے کے آخری کنارے پر مجھے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ میں نے سر نیچے کر لیا۔ گاڑی تیزی سے چلی آ رہی تھی۔ جب وہ کچھ فاصلے پر سے گزر گئی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ بارڈر فورس کی گاڑی ہی ہو سکتی تھی۔ اس کی چھت پر سرخ بتی جل رہی تھی۔ جب گاڑی دور چلی گئی تو میں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔

خدا خدا کر کے جنگل کے ٹیڑھے ڈراؤنے خشک درختوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ میں آخری

درخت کے پاس آ کر ریت پر لیٹ گیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے' جن کی ہلکی روشنی میں صحرا دور تک پھیلا نظر آ رہا تھا۔ اگر کوئی ہندوؤں کی اطلاع بچی تھی تو یہاں سے آگے پاکستان کا علاقہ شروع ہوتا تھا لیکن مجھے یقین نہیں تھا۔ میں اٹھا اور جھک کر چلنے لگا۔ ایک جگہ مجھے ریت میں اینٹوں کی ایک چھوٹی سی ڈھیری ابھری ہوئی نظر آئی۔ یہ بارڈر کا نشان ہی ہو سکتا تھا۔ میں آگے نکل گیا اور... جھکے جھکے بھاگنا شروع کر دیا۔ اپنے اندازے کے مطابق میں غیر جانبدار پٹی سے گزر رہا تھا۔

ریت میں مجھ سے پوری طرح بھاگا نہیں جا رہا تھا۔ آگے جا کر ریت سخت پتھر کی طرح ہو گئی۔ میں تیز دوڑنے لگا۔ اچانک میرے پیچھے یا آگے فائر ہوا۔ یہ رائفل کا فائر تھا۔ میں ریت پر لیٹ گیا اور آگے کو جتنی تیز رینگ سکتا تھا رینگنے لگا۔ ایک اور فائر۔ یہ فائر میرے سامنے سے آیا تھا' یا خدا! کیا انڈین بارڈر ابھی آگے ہے؟

آگے ایک ریت کا گڑھا سا آ گیا۔ میں نے اس میں چھلانگ لگا دی۔ اب مشین گن کا برسٹ میرے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ کسی نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا' پھر ٹارچ کی روشنی ہوئی اور میں نے اپنا سانس روک لیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک اونٹ گڑھے کے کنارے پر آ کر رک گیا اور اس پر سوار کسی فوجی نے حکم دیا... "ہتھیار پھینک کر باہر آ جاؤ"۔ یہ جملہ سندھی زبان میں بولا گیا تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا' کیونکہ یہ پاکستانی سندھ کی زبان تھی۔ میں نے چلا کر پوچھا۔

"کیا میں پاکستانی سرزمین پر ہوں؟"

فوجی نے اکھڑ لہجے میں کہا۔ "بکواس بند کرو اور باہر نکل آؤ"۔

میں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے اور گڑھے سے نکل آیا۔ اب میں نے دیکھا کہ پیچھے بھی ایک اونٹ کھڑا تھا۔ دونوں اونٹوں پر دو فوجی سوار تھے۔ رات کے اندھیرے میں مجھے ان کی وردیوں کا صحیح رنگ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا کہ کیا میں پاکستان کی سرزمین پر ہوں' جس کا مجھے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ پچھلے اونٹ والا فوجی اونٹ کو بٹھا کر نیچے اتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ اس نے نال کا رخ میری طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اونٹ پر بیٹھو"۔

وہ رسی سے میرے ہاتھ پیچھے باندھنے لگا تو میں نے اس کی پاکستانی وردی کو پہچان لیا۔ میں خاموشی سے اونٹ پر بیٹھ گیا۔ مجھے ایک بارڈر پوسٹ پر پہنچا دیا گیا۔ جہاں پاکستانی جھنڈا لہراتا دیکھ کر میرے جسم میں جیسے نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ یہ پکا پاکستانی علاقہ تھا۔ مجھے ہندو اسمگلر سمجھ کر پوچھ گچھ شروع ہوئی تو میں نے پاکستانی بارڈر فورس کے کیپٹن پر اپنی شناخت ظاہر کر دی۔ اسے پہلے تو یقین نہ آیا' لیکن جب میں نے اسے اپنا خاص خفیہ کوڈ ورڈ بتایا تو وہ کچھ ٹھٹکا اس نے فوراً ملٹری انٹیلی جینس کے کسی ذمے دار افسر سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ چند لمحوں کے بعد' میں ایک جیپ میں باوقار انداز میں سوار تھا اور جیپ میرپور متھیلو کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ اگرچہ پاکستان کی مقدس فضاؤں میں آتے ہی

میرا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا تھا۔ تاہم دل سدھا رتنگی کی اداس یاد سے بوجھل بھی تھا۔

دو روز بعد، میں اپنے دارالحکومت میں انٹیلی جینس کے چیف کے سامنے اس کے شاندار آفس میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ میں نے اپنی فل رپورٹ لکھ کر دے دی تھی۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر فریدی کی بیٹی نورین پاکستان بحفاظت پہنچا دی گئی تھی۔ ڈاکٹر فریدی کی موت کی بھی تصدیق ہو گئی تھی۔ بہرحال، میرے مشن کو کامیاب قرار دے دیا گیا تھا۔

لیکن اب ایک نیا اور پہلے سے بھی زیادہ خطرناک مشن میرے سامنے تھا۔

میرا نیا خطرناک مشن کیا تھا؟ اس کی تفصیل تو آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گی بلکہ آپ خود ہی پڑھ لیں گے۔ چیف نے نئے مشن کے بارے میں ابتدائی معلومات مہیا کرتے ہوئے ایک خفیہ ٹیپ مہربند لفافے سے نکال کر ٹیپ رکارڈر پر چڑھایا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "اسے غور سے سنو"

پھر اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبایا۔ اسپیکر سے ایسی گونج دار آواز آئی، جیسے جیٹ طیارے زناٹے کے ساتھ گزر گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے انگریزی میں کہا۔ "او گاڈ! یہ تو اسرائیل کے لڑاکا جیٹ طیارے ہیں۔"

"سر! میں قاہرہ ائرپورٹ کو سگنل دیتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی قاہرہ ائرپورٹ کو سگنل دینے کی آوازیں آئیں۔ سگنل یہ دیا گیا کہ ہمیں اسرائیلی جیٹ طیاروں نے اپنے نرغے میں لے لیا ہے، پھر کچھ شور سا بلند ہوا۔ گڑگڑاہٹ کی آواز کے بعد پھر وہی آواز بلند ہوئی۔

"سر! ہمیں بیروت کی طرف رخ نہیں کرنا چاہیئے۔"

فوراً ہی ایک نئی آواز ابھری۔ "ہم نے تمہارے جہاز کو ہائی جیک کر لیا ہے۔ تم ہمارے رحم و کرم پر ہو، اگر تم نے ہمارے اشاروں پر عمل نہ کیا تو تمہارے مسافر بردار جہاز کو راکٹ مار کر گرا لیا جائے گا اور جہاز کے عملے اور مسافروں کی موت کی ذمے داری تم لوگوں پر عائد ہو گی۔"

اب جہاز کے اسی پائلٹ کی آواز بلند ہوئی۔ "تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

اسرائیلی جیٹ فائٹر کے پائلٹ نے انگریزی میں کہا۔ "اپنے جہاز کا رخ اسرائیل کی طرف موڑ دو"۔

پائلٹ کی آواز آئی۔ "او کے، ہم انسانی جانوں کے تحفظ کے لئے تمہارے حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں، لیکن یہ فضائی قزاقی اسرائیل کو مہنگی پڑے گی"۔

"شٹ اپ۔"

اس کے بعد ٹیپ خالی تھی۔

چیف نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ اخروٹ کی لکڑی کے ڈبے میں سے ایک سگار نکال کر سلگایا۔

دو تین ہلکے ہلکے کش لئے اور میری طرف دیکھے بغیر بولا۔ "یہ آوازیں جو تم نے ابھی ابھی سنیں، یہ ہمیں مصر کے سفارت خانے کی طرف سے موصول شدہ ٹیپ کی آوازیں تھیں، جو قاہرہ ائرپورٹ پر ریکارڈ کی گئی تھیں۔ اب میں تمہیں پوری تفصیل سے ساری بات بیان کرتا ہوں"۔

کمرے میں چیف اور میں دونوں اکیلے تھے۔ قصہ یوں ہوا تھا کہ مصری ائرلائنز کا ایک مسافر بردار جیٹ طیارہ ستر مسافروں کو لے کر قاہرہ سے بیروت کی طرف روانہ ہوا۔ اس طیارے کے مسافروں میں ایک پاکستانی سفارت کار کی بیٹی سونیا بھی سفر کر رہی تھی، جس کی منزل بیروت تھی، جہاں اس کا باپ جو پاکستانی سفارت خانے میں ایک انتہائی حساس عہدے پر فائز تھا، اپنی بیٹی کے خیر مقدم کے لئے پہلے سے موجود تھا لیکن اس جہاز کو راستے میں ہی اسرائیل کے تین لڑاکا جیٹ طیاروں نے اچانک فضا میں نمودار ہو کر... اغوا کر لیا اور تل ابیب چلنے کا حکم دیا۔ میزائلوں سے لیس جیٹ لڑاکا طیاروں کے آگے ایک مسافر بردار طیارے کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ مصری ہوا بازوں کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر انہوں نے حکم نہ مانا تو ان کے طیارے کو فضا میں ہی میزائل مار کر تباہ کر دیا جائے گا۔ مصری ہوا بازوں نے مسافروں کو صورت حال سے باخبر کیا اور جہاز کا رخ اسرائیل کی طرف پھیر دیا۔ ظاہر ہے مسافروں میں افراتفری مچ گئی ہو گی۔ پاکستانی سفارت کار کی بیٹی سونیا بھی پریشان ہوئی ہو گی۔ سونیا کے بارے میں چیف نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ لاہور میں پیدا ہوئی۔ وہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ پنجابی اور اردو اس کی اپنی زبانیں ہیں، مگر وہ عربی اور انگریزی بھی روانی سے بول لیتی ہے کیونکہ وہ ایک عرصے سے اپنے باپ کے ساتھ بیروت میں رہ رہی تھی۔

مصری مسافر بردار جہاز تل ابیب کے ائرپورٹ پر اترا تو اسے رن وے کے ایک خاص علاقے میں رکنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز کو اسرائیلی فوجی گاڑیوں نے گھیرے میں لے لیا۔ تمام مسافروں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھی گئیں، پھر انہیں ایک خاص مقام پر پہنچا کر قید کر دیا گیا۔ فوراً بعد ہی اسرائیلی انٹیلی جینس کے یہودی کرنل گایان نے بیروت میں مقیم مصری سفیر سے رابطہ قائم کیا اور اسے بتایا کہ ہم نے مصر کے مسافر بردار جہاز کو ہائی جیک کر لیا ہے، جو اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔ اگر آپ اپنے ستر مسافروں اور عملے کے مصری ارکان کی جانیں بچانا چاہتے ہیں تو اسرائیل کے دس کمانڈوز جو قاہرہ کی جیل میں سڑ رہے ہیں انہیں فوراً رہا کر کے بیروت کے اسرائیلی علاقے میں پہنچانے کا بندوبست کریں، اگر آپ کو ہماری یہ شرط منظور نہ ہوئی تو ہم ستر کے ستر مسافروں کو جہاز کے عملے سمیت ہلاک کر دیں گے اور ان کی لاشیں بیروت کے مسلمان علاقے میں پھینک دی جائیں گی۔ ہم آپ کو ایک دن کی مہلت دے رہے ہیں۔ مصری حکومت پریشان ہو گئی۔ وہ اسرائیل سے جنگ شروع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ انہیں اپنے مسافروں کی جانیں بھی عزیز تھیں کیونکہ ان کی ہلاکت مصری حکومت کی سخت بدنامی کا باعث بنتی۔ مصری کابینہ کا خفیہ اجلاس بھی طلب کیا گیا، مگر

نتیجہ وہی نکلا کہ مصر نے اسرائیل کی شرط تسلیم کر لی۔ راتوں رات دس اسرائیلی کمانڈوز کو بیروت کے اسرائیلی علاقے میں ایک خاص مقام پر پہنچا دیا گیا۔ اس کے پانچ منٹ بعد مصری ائر لائنز کا مسافر بردار طیارہ اپنے مسافروں کو لے کر واپس قاہرہ کی طرف پرواز کر رہا تھا' مگر اس میں اب ستر مسافر نہیں تھے بلکہ ایک مسافر کم تھا اور یہ مسافر بیروت میں پاکستانی سفارت کار کی بیٹی سونیا تھی' جسے اسرائیلی انٹیلی جینس کے یہودی کرنل گایان نے تل ابیب کے ائرپورٹ پر ہی جہاز سے اتار لیا تھا۔ اسرائیل نے اس پاکستانی لڑکی کو ایک خاص مقصد کے لئے اغوا کیا تھا۔ پاکستان نے مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں ہمیشہ عربوں کے موقف کی حمایت کی ہے۔ چنانچہ اسرائیل ایک پاکستانی سفارت کار کی بیٹی کو اغوا کر کے پاکستان کے خلاف کوئی تخریبی مہم چلانا چاہتا ہے۔

چیف نے سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا اور بولا۔ "مصری حکومت کے علاوہ ہماری حکومت نے بھی اپنے بیروت کے سفیر کی وساطت سے اسرائیل سے اس فضائی قزاقی کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے اور اس سے پاکستانی سفارت کار کی صاحب زادی کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے مگر ہمارے لئے سب سے بڑی مشکل یہ آن پڑی ہے کہ اسرائیلی حکومت صاف مکر گئی ہے۔ اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ اس نے کسی پاکستانی لڑکی کو جہاز سے اتار کر اپنی قید میں ڈال رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم نے سارے مسافر مصری حکومت کے حوالے کر دیئے ہیں۔ بات اگر یہاں پر بھی ختم ہو جاتی تو ہمارے لئے زیادہ تشویش کا باعث نہ ہوتی لیکن مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو کر انتہائی نازک سیاسی صورت حال میں بدل چکا ہے۔ یہ ایک ایسا ٹاپ سیکرٹ ہے کہ تمہیں بھی اس کے بارے میں کچھ بتانے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ اگر ہم بہت جلد پاکستانی لڑکی سونیا کو اسرائیلیوں کی قید سے فرار کروانے میں کامیاب نہ ہوئے تو ہمارا ملک ایک زبردست سیاسی بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایک طرح سے پاکستانی لڑکی سونیا کے نام پر ہمارے سیاسی اور بین الاقوامی وقار کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اس پیچیدہ مگر نہایت اہم مشن کے لئے چنا ہے۔ تمہیں ہر قسم کی سہولت حاصل ہو گی۔ تنظیم آزادی فلسطین کے علاوہ شام' اردن اور مصر کی سیکرٹ سروسز کو بھی تمہارے بارے میں تمام کوائف سے آگاہ کرتے ہوئے تمہارا خفیہ کوڈ بھی انہیں بتا دیا گیا ہے تاکہ اگر ضرورت پڑے تو تم ان کی امداد حاصل کر سکو۔

یہ مشن تمہیں اس لئے بھی سونپا گیا ہے کہ تم عربی' انگریزی کے علاوہ عبرانی زبان بھی روانی سے بول لیتے ہو۔ اس لئے اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اپنے مشن کی ابتدا کس طرح سے کرو گے؟ ہم ہر اعتبار سے تمہاری مدد کریں گے"۔

سیکرٹ چیف کا سگار ایش ٹرے میں پڑا پڑا بجھ گیا تھا۔ ہم تقریباً دو گھنٹے سے کمرے میں تنہا بیٹھے تھے۔ اس دوران میں نہ تو کسی کا فون آیا تھا اور نہ ہی کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا کافی بھی ٹھنڈی ہو

گئی تھی۔ میں نے چیف سے کہا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے ایک بار پھر وطن عزیز کی خدمت کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ اپنے وطن کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے چیف ذرا سا مسکرایا اور کہنے لگا۔

"ہم صرف پاکستانی خاتون سونیا کو یہاں زندہ سلامت دیکھنا چاہتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم ہی وہ واحد نوجوان کمانڈو ہو' جو اس آزمائش پر پورا اتر سکتا ہے"۔

میں نے بڑی سنجیدگی اور متانت سے چیف کی زبانی اس مسئلے کی ایک ایک تفصیل غور سے سنی' پھر یہ کہہ کر چلا آیا کہ میں دوسرے دن صبح حاضر ہو کر اپنے طریق کار کے بارے میں بتاؤں گا۔

میں دارالحکومت کے ایک ماڈرن ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کافی رات گئے تک میں اس معاملے پر غور و فکر کرتا رہا۔ آخر میں نے ایک لائحہ عمل تیار کر لیا۔ میں اگلے دن چیف کے کمرے میں صبح وقت پر پہنچ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے ایک یہودی بینکرز کی حیثیت سے اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں داخل ہونا ہو گا۔ چیف نے اس طریق کار میں مضمر شدید خطرات کی طرف اشارہ کیا لیکن میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا کہ میں اپنے مشن کی بہتر منصوبہ بندی کر رہا ہوں۔ میری ہر ممکن کوشش ہو گی کہ میں بھی زندہ رہوں اور سونیا بھی وطن عزیز پہنچ جائے۔

مجھے ایک ہفتہ دارالحکومت میں ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصے میں میرا اسرائیلی پاسپورٹ تیار کیا گیا۔ جس پر میرا نام ڈیوڈ آرون لکھا گیا۔ اس پر فرانس' جرمنی' انڈیا اور یورپ کے دیگر صنعتی ملکوں کے ویزے لگائے گئے۔ میری حیثیت اس یہودی خاندان کے ایک فرد کی تھی' جو سینکڑوں برسوں سے اسکندریہ میں آباد تھا لیکن مصر کے ساتھ اسرائیلیوں کی جنگ کے بعد وہاں سے نقل وطن کر کے اب حیفہ میں اپنا کاروبار کر رہا تھا۔ میرے ماں باپ بچپن میں ہی مر چکے تھے اور میں کنوارہ تھا۔ میری صرف ایک ہی بہن تھی' جو عرب اسرائیل جنگ میں مصریوں کے ہاتھوں پکڑی گئی اور پھر ان کی قید میں ہی ہلاک کر دی گئی۔ میرا اسرائیلی شناختی کارڈ بھی تیار کیا گیا۔ اسرائیل کے بارے میں ہر قسم کی معلومات پر مشتمل ایک کتاب اور شہروں کے نقشے' ائرپورٹ کا محل وقوع اور بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے بارے میں کتابچے دیئے گئے۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ مجھے ایک بار پھر وہی چار عدد زہریلے سگار بھی دیئے گئے' جنہیں میں جنوبی انڈیا کے مشن میں اس سے پہلے استعمال کر چکا تھا۔ پستول یا ریوالور کی مجھے ضرورت نہیں تھی... اسلام آباد میں ہی میں ایک مضافاتی ریسٹ ہاؤس میں چلا گیا۔ یہاں میں نے پورا ایک ہفتہ اسرائیل کے بارے میں تمام لٹریچر اور دیگر ضروری معلومات اور کوائف کا مطالعہ کیا۔ پاکستانی خاتون یعنی سونیا کی مختلف تصاویر کو بار بار بڑے غور سے دیکھا اور اس کا نقش ذہن میں بٹھا لیا۔ اپنے وطن میں کچھ مدت بے فکری سے... اور خوش و خرم رہ کر گزارنے کے بعد میری صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی تھی اور رنگ بھی سرخ و سفید ہو گیا تھا۔

قصہ مختصر آخر وہ دن بھی آ گیا۔ جب میں کراچی سے قاہرہ جانے والے ایک جہاز میں سوار ہو کر وطن عزیز کی فضاؤں سے نامعلوم خطرات کی دنیاؤں کی جانب پرواز کر گیا۔ مجھے بیروت کے ہوائی اڈے تک اپنے پاکستانی پاسپورٹ پر ہی سفر کرنا تھا۔ مصری کی حکومت بھی اس مشن میں براہ راست وابستہ تھی لیکن س مشن کی چھوٹی سی چھوٹی جزئیات کو بھی پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ قاہرہ کے ائرپورٹ پر مصری انٹیلی جینس کا ایک آدمی میرے خیر مقدم کو موجود تھا۔ اس کی چہار رخی تصاویر مجھے دکھادی گئی تھیں۔ علاوہ بریں ایک خفیہ کوڈ بھی مجھے بتا دیا گیا تھا۔ سفارت خانے کے سفارتی تھیلے کے ذریعے میری تصاویر بھی وہاں تک پہنچ چکی تھیں۔

قاہرہ ائرپورٹ پر میں نے اس خاص شخص کو ٹیکسی ڈرائیور کے بھیس میں اپنی ٹیکسی کے پاس اپنے انتظار میں موجود پایا۔ اس کا یہی حلیہ مجھے بتایا گیا تھا۔ میں بریف کیس ہاتھ میں لئے۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس سگریٹ ہولڈر منہ میں دبائے خالص کاروباری آدمیوں کے انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کی ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنی ٹوپی ذرا سی پیچھے کھسکاتے ہوئے سگریٹ پاؤں تلے مسلا اور آگے بڑھ کر عربی میں آہستہ سے بولا۔ " فرعون کو کہاں چھوڑ آئے حبیبی؟"

میں نے ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ " ابوالہول کے پاس "۔

یہی ہمارے کوڈ کے الفاظ تھے۔ ٹیکسی پر شکوہ مساجد اور الف لیلیٰ کے پراسرار چھتے ہوئے بازاروں اور عظیم الشان اسکائی اسکریپروں والے شہر قاہرہ کی جانب روانہ ہو گئی۔ مصری انٹیلی جینس کے اس آدمی نے راستے میں مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ دور سے کسی عالی شان مسجد کے مینار غروب ہوتے سورج کی سنہری دھوپ میں چمکتے نظر آ رہے تھے۔ ٹیکسی قاہرہ کے فائیو اسٹار ہوٹل کے پورچ میں جا کر رک گئی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ڈرائیور نے سامنے لگے شیشے میں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ " تھرڈ فلور روم نمبر3L کمرہ کھلا ملے گا"۔

میں ٹیکسی سے نکل کر ہوٹل کی لابی میں آ کر لفٹ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میں نے بٹن دبا دیا تھا۔ میں بڑے سکون کے ساتھ بریف کیس لئے کھڑا ہولڈر میں لگے تنے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اتنے میں لفٹ آ گئی۔ اس میں سوار ہوا اور تیسرے فلور پر اتر گیا۔ کمرہ نمبر3L وہاں سے قریب ہی تھا۔ میں نے آہستہ سے اسے کھولا تو تالا نہیں لگا تھا۔ دروازہ کھل گیا۔

سنگل بیڈ روم تھا اور بڑی خوب صورتی سے آراستہ تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں پہلے سے ہی کوئی مقیم ہے۔ ظاہر ہے' وہ اپنا ہی آدمی ہو گا' یعنی مصری سیکرٹ سروس کا آدمی ہو گا۔ میں لیونگ روم کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ بریف کیس ابھی تک میری گود میں ہی تھا کہ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ چشم دراز قد دبلی پتلی مصری لڑکی سلیپنگ گاؤن پہنے تولیے کو سر پر لپیٹتی ہوئی باہر نکلی اور مسکرا کر بولی۔

" موسیو! بریف کیس تپائی پر رکھ دیں۔ قاہرہ پسند آیا؟"

میں کچھ بوکھلا سا گیا۔ مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ یہاں ایک خوب صورت لڑکی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ اس نے بھی وہی جملہ دہرایا' جو ٹیکسی ڈرائیور نے کہا تھا۔

"موسیو! فرعون کو ساتھ نہیں لائے؟"

وہ اصولاً میرے بارے میں تسلی کر لینا چاہتی تھی۔ میں نے ہولڈر میں سے سگریٹ نکال کر ایش ٹرے میں دباتے ہوئے کہا۔ "میں اسے ابوالہول کے پاس چھوڑ آیا ہوں"۔

اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ ساتھ والے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "معاف کیجئے گا' میں ذرا کپڑے بدل آؤں"۔

وہ ساتھ والے کمرے میں گھس گئی۔ میں قالین پر پاؤں پھیلا کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ کمرے کی فضا میں کسی بڑے ہی الف لیلوی پرفیوم کی ہلکی ہلکی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ مجھے فراعنہ مصر کے عہد کے قدیم مندروں کا پراسرار ماحول یاد آگیا۔ ساتھ والے کمرے سے اس حسین لڑکی کے گنگنانے کی نقرئی آواز آرہی تھی۔ وہ کسی انگریزی گانے کی دھن گنگنا رہی تھی۔

وہ کمرے سے برآمد ہوئی تو اس نے جیکٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ اس کے بال پہلے ہی نوجوان فوجیوں کی طرح ترشے ہوئے ہوئے تھے۔ جو اب خاکی رنگ کی کمانڈو کیپ میں چھپ گئے تھے۔ وہ پہلی نظر میں مجھے ایک خوش شکل مصری لڑکا لگی۔ وہ میرے قریب آکر بیٹھ گئی' پھر اس نے جینز کی پچھلی جیب میں سے ایک تہہ کیا ہوا نقشہ نکالا اور اسے میز پر پھیلا دیا' پھر ایک جگہ انگلی رکھ کر بولی۔ "ہم اس جگہ اتریں گے۔ یہ صحرائے سینا کا وہ علاقہ ہے' جس پر ابھی تک اسرائیلیوں نے اپنی کچھ بستیاں آباد کر رکھی ہیں"۔

پھر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں ایک سنگلاخ قسم کی ٹھنڈک اور بے حسی تھی کہنے لگی۔ "میرا نام سعدیہ ہے' تمہارا نام مجھے معلوم ہے... مگر اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں جاتے ہی تم ڈیوڈ آرون کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ تب میرا نام نادیہ ہوگا"۔

اس لمحے مجھ پر یہ خوب صورت مگر تشویش انگیز انکشاف ہوا کہ یہ حسین لڑکی بھی میرے ساتھ اسرائیل جائے گی۔ اس نے نقشہ تہہ کر کے میز کی دراز میں رکھا اور دراز کو تالا لگا دیا۔ رات میں نے اسی ہوٹل میں بسر کی۔ منہ اندھیرے سعدیہ نے مجھے جگا دیا۔ میں نے جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر چائے کا ایک کپ پیا۔ نیچے ایک ٹیکسی ہمیں ائرپورٹ لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

ائرپورٹ پر بھی ایک خفیہ آدمی ہماری راہنمائی کر رہا تھا۔ یہاں سے ہم نے بیروت جانے والی فلائٹ پکڑی۔ بیروت کے ہوائی اڈے پر تنظیم آزادی فلسطین کے دو گارڈ عام کپڑوں میں ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ہم ایک ویگن میں بیٹھ گئے۔ یہ ویگن ہمیں شہر سے باہر مضافات میں

کسی پرانی یک منزلہ عمارت میں لے گئی۔ یہاں ہم نے ناشتہ کیا۔ اس مکان میں پہلی بار میری ملاقات اس پاکستانی سفارت کار سے ہوئی' جس کی بیٹی سونیا کو اسرائیلی حکومت نے اپنی قید میں رکھا ہوا تھا۔ اس سفارت کار کے ساتھ فلسطینی تنظیم کا ایک اعلیٰ عہدے دار بھی موجود تھا۔ مجھے سونیا کی تصاویر دکھائی گئیں' اس کی آواز' لہجے اور بات کرنے کے انداز سے روشناس کرایا گیا۔ سعدیہ کونے والی کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔ یہاں مجھ سے میرا پاکستانی پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات لے لئے گئے۔ میرا اسرائیلی پاسپورٹ' زہریلے سگار' اسرائیلی شناختی کارڈ اور ٹریولر چیک بک میرے پاس موجود تھی۔ مجھے کچھ اسرائیلی کرنسی میں دو ہزار ڈالر بھی دیئے گئے۔ فلسطینی سیکرٹ سروس کے اعلیٰ عہدے دار نے مجھے عربی میں کہا کہ سعدیہ تل ابیب میں تمہارے مفادات کی حفاظت کرے گی۔ یروشلم میں اس کا ایک چھوٹا سا فوڈ اسٹور بھی ہے۔ اس کے باوجود تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اسرائیلی انٹیلی جینس کا جال وہاں گھر گھر تک پھیلا ہے۔ باقی وہاں پہنچنے تک سعدیہ تمہیں بریف کرتی رہے گی۔ اب تمہیں اسی کمرے میں رہنا ہوگا۔ آدھی رات کو ہمارے آدمی تم دونوں کو آ کر لے جائیں گے۔

جب یہ لوگ چلے گئے تو سعدیہ نے جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگایا۔ اس سے پہلے کہ میں سگریٹ کے بارے میں کوئی سوال کرتا۔ اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا کہ تل ابیب اور یروشلم میں مجھے سگریٹ پینا پڑتا ہے۔ اسی فیصد یہودی عورتیں سگریٹ اور شراب کا بے دریغ استعمال کرتی ہیں' پھر وہ مجھے بتانے لگی کہ یروشلم میں اردن اور شامی النسل عرب مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد آباد ہے' مگر تل ابیب میں ایسے اکادکا مسلمان عرب ہی رہتے ہیں' جن کے پاس اسرائیل کے مکمل شہری حقوق موجود ہیں۔ جب میں نے تل ابیب میں اپنی رہائش کے بارے میں چھوٹا سا سوال کیا تو وہ بولی۔'

"تل ابیب میں تمہاری نوادرات کی ایک چھوٹی سی دکان پہلے سے موجود ہے' جسے ہماری ایک ایجنٹ سولی چلاتی ہے۔ تم اس کے پارٹنر بن کر جا رہے ہو' جو ایک عرصے سے یورپ میں کاروبار کے سلسلے میں مقیم تھا"۔

اس کے بعد سعدیہ نے مجھے ایک ایک تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ سولی کی تصویر بھی دکھائی۔ یہ چالیس برس کی گول مٹول سی مصری عورت تھی لیکن تل ابیب میں کئی سال سے ایک بیوہ یہودی عورت کی حیثیت سے کاروبار کر رہی تھی۔ دوپہر کا کھانا ہم نے وہیں کھایا' کھانا کیا تھا' بس اسٹیک اور کچھ برگر تھے رات ہوئی تو سعدیہ نے لیمپ شیڈ کے نیچے موم بتی روشن کر دی۔ ہمیں بجلی کا کوئی بھی بلب روشن کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ رات کو بھی وہی دن کے بچے ہوئے برگر وغیرہ کھائے۔ سعدیہ کافی بنا کر لے آئی۔ ہمیں رات بارہ بجے تک جاگنا تھا۔ ہم کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھ گئے اور کافی پینے لگے باہر سیڈار کے گھنے درختوں اور پہاڑیوں پر ستاروں کا ہلکا ہلکا نور پھیلا ہوا تھا۔ بہار کا موسم تھا' خنکی گوارا تھی۔ سعدیہ نے سرشام ہی اپنا لباس تبدیل کر لیا تھا۔ اس نے اسرائیلی یہودی لڑکیوں کا لباس یعنی گھٹنوں

تک کا گاؤن اور بغیر آستینوں کا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اس کے گلے میں سنہری زنجیر میں چھ کونوں والا ستارہ چمک رہا تھا۔ یہ اسرائیلی جھنڈے کا نشان تھا۔ کافی پیتے ہوئے ہم عبرانی میں ہی باتیں کرتے رہے سعدیہ بڑی روانی سے عبرانی بول لیتی تھی۔ اس زبان کو میں نے بھی اپنی مہمات شروع ہونے سے پہلے ایک پادری صاحب سے سیکھا تھا اور میں کافی آسانی سے اس زبان میں اپنا مافی الضمیر ادا کر لیتا تھا۔ سعدیہ نے مجھے اس کے لہجے کے خاص رموز سے بھی آگاہ کیا۔ جب رات کے ٹھیک بارہ بجے تو ہمیں پہاڑی راستے کی جانب سے موٹر کے انجن کی آواز سنائی دی۔ سعدیہ نے سگریٹ بجھا کر کھڑکی کے شیشے میں سے باہر دیکھا' پھر پلٹ کر بولی۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں' جلدی سے نکل کر گیراج کی طرف آ جاؤ۔"

ہم کمرے کے عقبی دروازے سے گزر کر مکان کے پیچھے گیراج کے بند دروازے کے پاس آ کر اندھیرے میں کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں اوپر سے ڈھکی ہوئی ایک جیپ مکان کے پیچھے سے گھوم کر گیراج کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کی بتیاں روشن نہیں تھیں۔ ہم لپک کر اس کی طرف بڑھے' جیپ کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ ہم اس میں گھس کر بیٹھ گئے۔ بریف کیس' میں نے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ جیپ کا عقبی پردہ گرا کر اس کے ہک لگا دیئے گئے اور پھر جیپ کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئی۔

ایک گھنٹے تک جیپ پہاڑی راستوں پر سفر کرتی رہی۔ اس کے بعد ایسے لگا' جیسے کھڈوں اور گڑھوں میں سے گزر رہی تھی۔ ہم دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ اندر اندھیرا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ کے عقب میں ترپال کا پردہ لگا تھا۔ مجھے ڈرائیور نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس طرح مزید ایک گھنٹہ گزر گیا' پھر جیپ ایک گول چکر کاٹ کر کسی جگہ رک گئی۔ عقبی دروازے کا پردہ اوپر اچھال دیا گیا۔ سعدیہ نے میرا ہاتھ دبا کر آہستہ سے کہا۔ "باہر آ جاؤ"۔

ہم جیپ میں سے باہر کود گئے۔ ہمارے پاؤں تلے ریت تھی۔ میں نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ اندھیرے میں سوائے اونچی نیچی زمین کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ جیپ کی اگلی سیٹ کی طرف سے ایک فلسطینی مجاہد اتر کر ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔ اس نے فلسطینی مجاہدوں کا لباس پہن رکھا تھا۔

ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں ہم اپنے گائیڈ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے دو تین ریتلی ویران ٹیکریاں پار کرنے کے بعد' میں نے دور اونچی چھت والی ایک بیرک سی دیکھی' جو اندھیرے میں ایک چھوٹے ٹیلے کی طرح نظر آ رہی تھی قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک اونچی چھت والا پرانا ہینگر ہے۔ اس میں چار سیٹوں والا ایک فوجی جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کا رخ ایک پرانے رن وے کی طرف تھا' جس کی ریتلی پٹی ستاروں کی پھیکی روشنی میں ویران میدان میں دور تک چلی گئی تھی۔ اس رن وے میں کہیں کہیں جنگلی جھاڑیاں بھی سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

ہم جہاز میں سوار ہو گئے۔ فلسطینی مجاہد ہوا باز کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے سعدیہ کو قریب بلا کر ہدایات دیں اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ جہاز کو پہلے ہی سے فلائٹ کے لئے ہر طرح سے لیس کر دیا گیا تھا۔ جہاز آہستہ آہستہ پرانے رن وے پر چلنے لگا۔ پھر اس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد جہاز ٹیک آف کر گیا۔ اس نے فضا میں بلند ہوتے ہی ایک چکر لگایا پھر ایک طرف سیدھا ہو کر آہستہ آہستہ بلند ہوتا چلا گیا۔

سعدیہ نے سیٹوں کے عقب سے دو بنڈل کھینچ کر باہر نکالے اور مجھے پیراشوٹ باندھنے کے لئے کہا۔ پانچ منٹ کے اندر اندر ہم نے پیراشوٹ اپنی اپنی کمر سے باندھ لئے تھے۔ نیچے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جہاز کے اندر کی تمام بتیاں گل کر دی گئی تھیں۔ صرف ہمیں پائلٹ کی سیٹ کے سامنے والے ڈائلوں کی سرخ اور سبز روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ جہاز انجنوں کی گونج میں اپنی منزل کی طرف محو پرواز تھا۔ سعدیہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی تھی۔ ایک دو بار اس نے اپنی کلائی پر لگی گھڑی کو دیکھا تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ جہاز فضا میں ایک جگہ چکر لگا رہا ہے۔ سعدیہ نے گول شیشے میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ پھر بولی۔ "ہم ٹارگٹ پر پہنچ گئے ہیں"۔

میں نے نیچے جھانکا تو دور نیچے اندھیرے میں ایک جگہ ٹارچ کی روشنی جلتی بجھتی دکھائی دی۔ پائلٹ کی آواز جہاز کے اسپیکر پر بلند ہوئی۔ "ریڈی فار ڈراپ"۔

سعدیہ نے میرا بازو دبایا اور اٹھ کر جہاز کے عقب میں آ گئی۔ یہاں جہاز کا ایک چھوٹا دروازہ تھا جس کے اوپر لوہے کا ایک تار لگا تھا۔ ہم نے اپنے اپنے پیراشوٹوں کے ہک اس تار میں پھنسا دیئے، پھر ہمارا فلسطینی پائلٹ اٹھ کر سیٹوں کے اوپر سے ہوتا ہمارے پاس آ گیا۔ اس نے ہمارے پیراشوٹوں کے ہک چیک کیئے اور آگے بڑھ کر دروازے کی ہینڈل گھمائی۔ جہاز کا دروازہ ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زبردست تھپیڑا جہاز میں گھس آیا۔ جہاز ایک طرف کو ڈول سا گیا۔ سعدیہ میرے آگے کھڑی تھی۔ پائلٹ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر چیخ کر کہا۔ "گو"۔

اور سعدیہ نے تاریک فضا میں چھلانگ لگا دی۔ میں جلدی سے آگے ہو گیا۔ پائلٹ نے اب میرے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "گو"۔

اور میں بھی اندھیری رات میں کود گیا۔ تاریک فضا میں گرتے ہی میں بھاری پتھر کی طرح لڑھکتا چلا گیا۔ پھر ایک دم سے مجھے جھٹکا لگا اور میں ہوا میں جھولنے لگا۔ میرا پیراشوٹ کھل گیا تھا۔ میں نے نیچے دیکھا۔ میری بائیں جانب کچھ فاصلے پر سعدیہ کا کھلا ہوا پیراشوٹ بھی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ نیچے گہری تاریکی چھائی تھی۔ اب وہ ٹارچ کی روشنی بھی بجھ گئی تھی۔

پیراشوٹ ہمیں ایک خاص رفتار سے زمین کی طرف لئے جا رہا تھا۔ تیز ہوا میرے چہرے سے رگڑتی ہوئی گزر رہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے نیچے تک رہا تھا۔ مجھے جیسے بہت بڑا کالا دھبہ اپنی

طرف آتا نظر آیا۔ پھر میرے پاؤں ریت میں دھنس گئے اور میں قلابازی کھا گیا۔ میں نے ہدایات کے مطابق جلدی سے اٹھ کر پیراشوٹ کی پیٹیوں کو اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا اور وہیں ریت پر بیٹھ گیا۔ میرے چاروں طرف ہولناک سناٹا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس سناٹے میں مجھے ایک انسانی سایہ اپنی طرف آتا نظر آیا۔ یہ سعدیہ تھی۔ وہ تیزی سے میرے قریب آکر بیٹھ گئی... اور سرگوشی میں بولی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا' تو وہ اندھیرے میں گھور گھور کر ایک طرف تکنے لگی۔ انہیں اب تک آ جانا چاہئے تھا"۔

وہ اپنے آدمیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ جدھر وہ دیکھ رہی تھی اچانک ادھر ٹارچ ایک بار روشن ہو کر بجھ گئی۔

"وہ آگئے ہیں۔" سعدیہ بڑبڑائی اس کے ساتھ اس نے جیب سے چھوٹا سا پستول نکال لیا اور مجھے زمین پر اوندھے منہ لیٹنے کا کہہ کر خود بھی اوندھے منہ لیٹ گئی۔ اندھیرے میں دو انسانی سائے ابھرے۔ ساتھ ہی کسی مرد کی آواز آئی۔ "ابوالہول"۔

سعدیہ نے جواب دیا۔ "نمبر تھری"۔

"او کے۔" دونوں سائے ہمارے قریب آگئے۔ سعدیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی اٹھ گیا۔ میں نے اندھیرے میں صرف اتنا ہی دیکھا کہ وہ دونوں بھی فلسطینی گوریلوں کی وردیوں میں ملبوس تھے اور ان کے کاندھوں سے اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور اندھیرے میں جدھر سے آئے تھے ادھر تیز تیز چلنے لگے۔

یہ ریتلا علاقہ تھا۔ ایک جگہ اندھیرے میں جیپ کھڑی تھی۔ ایک فلسطینی کمانڈو پہلے ہی ہمارے پیراشوٹ اٹھا کر وہاں لے آیا تھا۔ ہم جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ نے اندھیری رات میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ خدا جانے کن کن ریتلی گھاٹیوں میں سے گزرنے کے بعد جیپ ایک ٹیلے کے پہلو میں پہنچ کر رک گئی۔ فلسطینی کمانڈو نے باہر نکل کر سعدیہ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "آگے تمہارا سفر شروع ہوتا ہے"۔

اس نے میرے ساتھ بھی ہاتھ ملایا اور بغل گیر ہو کر عربوں کی طرح مجھ سے معانقہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا جیپ میں جا کر بیٹھ گیا۔ جیپ ایک طرف کو گھوم کر واپس چلی گئی۔ میں نے سعدیہ سے پوچھا کہ کیا ہم اسرائیل کی سرزمین میں داخل ہو گئے ہیں؟

سعدیہ دور اندھیرے میں ابھرے ہوئے کھجوروں کے ایک جھنڈ کو دیکھتی ہوئی بولی۔ "نہیں' میرے ساتھ آؤ"۔

میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ہم ایک صحرائی گھاٹی میں سے گزر رہے تھے۔ اس نے مجھے

دھیمی آواز میں بتایا کہ پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ اب ہم پہلے یروشلم جائیں گے۔ وہاں سے تم تل ابیب کی طرف روانہ ہو گے۔ اس کی وجہ سعدیہ نے تل ابیب کو جانے والے سرحدی علاقوں میں یہودی فوجیوں کی غیر معمولی نقل و حرکت بتائی۔ سعدیہ ان تمام راستوں سے واقف تھی۔ جب ہم نے کھجور کا جھنڈ پار کیا تو سامنے ستاروں کی روشنی میں ایک دریا نظر آیا جو کہیں کہیں سے خشک تھا۔ وہاں پانی نہیں چمک رہا تھا۔ سعدیہ نے بتایا کہ اس دریا کے پار مسلمانوں کے یروشلم کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے دریا میں میں جہاں خشک ٹاپو بنے ہوئے تھے۔ وہاں سے ہم نے دریا پار کر لیا۔ دریا کا پاٹ ویسے بھی بہت چھوٹا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر کھجوروں کا باغ تھا جس کی مٹی کی دیوار قد آدم تھی۔ ہم اس دیوار کی اوٹ سے ہو کر آگے نکل گئے۔ آگے مٹی اور ریت کے بڑے بڑے تودے کھڑے تھے۔ جب ہم ان تودوں کی دوسری طرف آئے تو کچھ فاصلے پر کسی شہر کی جھلملاتی روشنیاں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سعدیہ نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"یہ یروشلم کا مسلم علاقہ ہے۔ یہاں ہمارے ایک فلسطینی مجاہد کو ہماری اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ ہمارے انتظار میں ہو گا لیکن آگے اسرائیلی نائٹ گارڈ سے ڈبھیڑ ہو سکتی ہے اس لئے خبردار اب آواز مت نکالنا"۔

وہ بھی چپ ہو گئی۔ یہاں کہیں کہیں کھیت تھے جن میں اونچی فصل اگی ہوئی تھی۔ کھجور کے درخت تاریک رات میں خاموش کھڑے تھے۔ سعدیہ اس راستے کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھی۔ وہ مجھے لے کر ایک خشک نالے میں اتر گئی۔ یہ نالہ آگے سے گھومتا ہوا پرانے یروشلم کی فصیل کے قریب جا نکلتا تھا۔ سعدیہ فصیل سے کچھ دور پیچھے ہی نالے کے پیچھے سے نکل آئی۔ آگے کچی مٹی کے آدوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں سے لوگ مٹی کھود کھود کر لے گئے تھے۔ ابھی دن نکلنے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ ایک نظر مجھے دور یروشلم شہر کی بتیوں کو دیکھ کر ایسے لگا۔ جیسے یہ شہر کسی پہاڑ پر آباد ہے۔ کہیں سے عمارتیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور کہیں نشیب میں بکھری ہوئی تھیں۔ شہر کی جانب بھی سناٹا تھا۔ پرانی فصیل شہر کی جانب سے شاید ایک ٹرک آ رہا تھا۔ اس کی روشنیاں بہت تیز تھیں۔

سعدیہ نے مجھے بازو سے پکڑ کر ایک آدے کے پیچھے کر لیا۔ ٹرک کچھ فاصلے پر سے گزر گیا۔ یہ فوجی ٹرک تھا۔ سعدیہ نے قدرے تشویش کے ساتھ اس خیال کا اظہار کیا کہ تل ابیب کی طرح یہاں بھی یہودی فوج کی نقل و حرکت غیر معمولی لگتی ہے چنانچہ ہمارا اس وقت شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں۔

سعدیہ مٹی کے آدوں کو ایک طرف چھوڑ کر شہر کے جنوبی مضافات کی طرف آ گئی۔ یہاں ایک بہت بڑا باغ تھا جہاں کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ تھے۔ سعدیہ اس باغ کے حدود اربعہ سے بخوبی

واقف تھی۔ ہم ایک پرانے کنوئیں کے پاس جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ نیند نے حملہ کر دیا مگر ہم اس کے خلاف لڑتے رہے اور یوں آسمان پر صبح کاذب کی اولین کافوری جھلکیاں نمودار ہونا شروع ہو گئیں۔ صبح کی نورانی روشنی میں یروشلم واقعی بائیبل کا شہر لگ رہا تھا۔ ایک طرف شہر کی ماڈرن عمارتیں تھیں تو دوسری جانب پرانی قلعہ نما شاہ نشینوں کی بارہ دریاں نظر آ رہی تھیں۔ دور مسجد اقصیٰ کا پُرنور نیلا گنبد بہت بڑے نیلگوں چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ سعدیہ نے مجھے ساتھ لیا اور شہر کے قدیم دروازے کی طرف چلی۔ اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں پورے اعتماد اور... بے نیازی سے چلوں اور یہ بھی کہا کہ اب عبرانی میں بات کروں۔

یروشلم شہر کا قدیم دروازہ ہمارے لاہور کے دہلی دروازے سے بے حد مشابہت رکھتا تھا۔ وہی اونچی محراب اور چھتی ہوئی ٹھنڈی ڈیوڑھی۔ دو اسرائیلی فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ ایک ماڈرن ٹرک شہر کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ ہم بظاہر بے خطر ہو کر دروازے میں سے گزرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں کی آبادی کی اکثریت مسلمان عربوں پر مشتمل تھی۔ سڑکیں پختہ بھی تھیں اور اکھڑی ہوئی بھی۔ ایک ٹرک گزرا جس پر دودھ کے بڑے بڑے کنستر لدے ہوئے تھے۔ ہم ایک گلی میں آ گئے۔ اس گلی کا فرش پکی اینٹیں جوڑ کر بنایا گیا تھا مکانوں کی حالت خستہ تھی۔ کسی زمانے کا شاہ عالمی کا علاقہ یاد آ گیا۔ مکانوں کی وضع پرانی حویلیوں ایسی تھی۔ ہر مکان کی ایک ڈیوڑھی تھی۔

سعدیہ نے ایک پرانی سی حویلی کا دروازہ ذرا سا دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ سورج ابھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا۔ شاید اسی وجہ سے گلیاں ویران ویران تھیں لیکن سعدیہ نے مجھے بعد میں بتایا اور خود مجھے بھی تجربہ ہوا کہ ویرانی کا یہ عالم صرف مسلم علاقے میں ہی تھا۔ اسرائیلی علاقے میں اس وقت لوگ بیدار ہو کر اپنے اپنے کام پر جا رہے ہوتے ہیں اور عورتیں مکانوں کی صفائی میں لگی ہوتی ہیں۔
جس مکان میں ہم داخل ہوئے وہ ایک فلسطینی کمانڈو کا مکان تھا جو پرانے یروشلم میں کپڑے کے بیوپاری کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ پکی عمر کا شامی عرب تھا۔ سعدیہ نے اس سے میرا تعارف کروایا تو مجھ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دوسری منزل میں دالان کے پہلو میں دو کمرے تھے ہمارے لئے پہلے سے وہاں بستر لگے تھے۔ ہم بستروں پر گرتے ہی گہری نیند سو گئے۔

دوپہر کو فلسطینی کمانڈو نے آ کر مجھے جگایا۔ میں نے شیو بنایا، غسل کیا، دوسرا سوٹ پہنا اور بیٹھک میں آ گیا۔ سعدیہ پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ ہم نے مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم یروشلم کے بڑے بازار میں آ گئے۔ اب شہر بیدار ہو چکا تھا۔ میں نے دکانوں کے باہر عربی اور عبرانی میں سائن بورڈ لگے دیکھے۔ اگرچہ اس علاقے میں زیادہ تعداد مسلمان عربوں کی تھی لیکن یہودی بھی پرانی وضع کا لباس پہنے آ جا رہے تھے۔ یہاں سے ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اسرائیلی اکثریت کے علاقے میں

آ گئے۔ یہاں سعدیہ کا چھوٹا سا فوڈ اسٹور تھا۔ اس کا نام لیوی فوڈ اسٹور' تھا۔
اسٹور کے اوپر سعدیہ کا دو بیڈ روم والا فلیٹ تھا جہاں وہ رہائش پذیر تھی۔ شام کو وہ کسی آرٹ سینٹر میں بیلے ڈانس کی تربیت دینے بھی جاتی تھی۔ دو دن تک میں نے سعدیہ کے فلیٹ میں قیام کیا اور تل ابیب کے بارے میں مزید معلومات کا بغور مطالعہ کیا۔ اس دوران میں سعدیہ نے تل ابیب میں مقیم اپنی ایجنٹ سولی سے فون پر بات کر کے میری آمد کی خبر کر دی تھی۔ اب آگے مجھے تنہا سفر... کرنا تھا۔
میں نے ایک کاروباری آدمی کی طرح ہوائی جہاز سے ہی سفر کرنا مناسب سمجھا۔ یروشلم سے تل ابیب تک میں نے اسرائیل ائرلائنز کے طیارے میں سفر کیا۔ تل ابیب کے ائرپورٹ کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک جدید ترین بین الاقوامی ائرپورٹ تھا۔ سولی کی نوادرات کی دکان ڈاؤن ٹاؤن یعنی شہر کے وسطی علاقے میں تھی۔ تل ابیب ایک ماڈرن وضع کا شہر تھا۔ ہائی رائیز بلڈنگیں بھی تھیں اور دفاتر پر مشتمل بڑی بڑی عمارتیں بھی۔ میں ٹیکسی میں بیٹھا تھا جو تل ابیب کے مصروف ترین بازاروں میں سے گزر رہی تھی۔ دو تین جگہوں پر یہودیوں کی عبادت گاہیں بھی دیکھیں جن کے محرابی دروازوں کے اوپر چھ کونوں والا بڑا سا ستارا بنا ہوا تھا۔
سولی کا جو پتہ مجھے دیا گیا تھا وہاں میں ٹیکسی سے اتر پڑا۔ اس کی نوادرات کی دکان کی پیشانی پر عبرانی الفاظ میں "سولی" ہی لکھا تھا۔ شوکیسوں میں گلدان' عرق دان' چینی کی بڑی بڑی رکابیاں اور پرانی وضع کے موٹے موٹے منکوں والی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ میں دکان کا شیشے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دکان بے حد صاف ستھری اور چمکیلی تھی۔ باہر کی فضا کی نسبت اندر کی فضا میں خنکی تھی جس میں کسی پرفیوم کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔
سولی نے مجھے دکان میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ایک بھاری جسم والی گول مٹول گوری چٹی خاتون مسکراتی اور عبرانی زبان میں خوش آمدید ڈیوڈ آرون' کے الفاظ دہراتی میری جانب بانہیں پھیلائے بڑھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہی سولی ہے۔ یعنی وہ عورت جو اسرائیلیوں کے قلب میں فلسطینی مجاہدین کے مفادات کی حفاظت کر رہی تھی۔ دکان میں کچھ یہودی گاہک موجود تھے جن کو سولی کی دو سیلز گرلز نوادرات دکھا رہی تھیں۔ انہوں نے بھی ایک بار گردنیں گھما کر دیکھا کہ سولی اتنی گرمجوشی سے کس کا خیر مقدم کر رہی ہے۔۔
سولی میرا ہاتھ پکڑے زور زور سے مصافحہ کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی سیلز گرلز کی طرف دیکھا اور بازو اٹھا کر عبرانی میں کہا۔ "لڑکیو! تم نے ڈیوڈ آرون کو نہیں... پہچانا؟ ارے انہی کے ساتھ تو میں نے اپنا کاروبار شروع کیا تھا۔ ایک عرصے کے بعد لندن چھوڑ کر میرے پاس آئے ہیں۔ اب یہ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں گے۔"
پھر اس نے قہقہہ لگا کر میری پیٹھ پر زور سے ہاتھ مارا۔ "ڈیوڈ! تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو

گئے ہو۔"

وہ مجھے کشاں کشاں اپنے آفس میں لے گئی جو دکان کے اندر ہی ایک طرف بنا ہوا تھا۔ اس نے شیشوں کے پردے چھوڑ دیئے اور انٹر کام پر کسی کو کافی لانے کے لئے کہا۔ اب وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی، جیسے مجھے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ اس نے کوئی بات کہے بغیر میز کی دراز سے ایک نقرئی چھلا نکالا جس میں دو بڑی اور ایک چھوٹی چابی لگی تھی۔ چھلے کے ساتھ پلاسٹک کا ایک چھ کونوں والا اسٹار لٹک رہا تھا جس پر ۳۰۱ کا نمبر لکھا تھا۔

"گوریان کیولر اپارٹمنٹس میں یہ تمہارے فلیٹ کا نمبر اور چابی ہے۔ سارے معاملات طے کر لئے گئے ہیں۔ تم وہاں ڈیوڈ آرون یعنی سولمی کے چیف پارٹنر کی حیثیت سے رہائش اختیار کرو گے۔ میں شام کو تمہارے پاس آؤں گی"۔

ایک دبلی پتلی کلین گرل ٹرے میں کافی کے دو کپ رکھ کر لے آئی۔ سولمی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"ڈیوڈ، تم تل ابیب کی کافی پی کر لندن کی کافی بھول جاؤ گے"۔ لڑکی چلی گئی تو سولمی نے ایک دم سے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "خبردار، یہاں کسی لڑکی سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ یہاں کچھ معلوم نہیں کہ کس بھیس میں کہاں سیکرٹ سروس کا ایجنٹ کام کر رہا ہے۔ فون پر مجھ سے انتہائی اشد ضرورت کے وقت بات کرنا۔ اب تم چلے جاؤ۔"

سولمی نے ایک کارڈ پر مجھے گوریان اپارٹمنٹس کا پورا ایڈریس لکھ کر دیا۔ " اسے جیب میں رکھ لو۔ ٹیکسی ڈرائیور سے گوریان انٹرسیکشن جانے کے لئے کہنا۔ یہ ایک چراہا ہو گا۔ یہاں پہنچتے ہی تمہیں دائیں جانب ایک بارہ منزلہ ہائی رائز عمارت نظر آئے گی۔ یہی گوریان کیولر اپارٹمنٹس ہے"۔

سولمی نے کافی کے دو گھونٹ بھرے سگریٹ سلگایا اور میرے کاندھے پر بڑی بے تکلفی سے ہاتھ مار کر بلند آواز میں بولی۔ "ڈیوڈ! آج رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گے"۔

وہ مجھے چھوڑنے اپنی دکان کے دروازے تک آئی، پھر انتہائی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔ میں فٹ پاتھ پر ایک طرف چلنے لگا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ فضا میں گرمی تھی مگر چھتے ہوئے فٹ پاتھوں کی چھاؤں میں ٹھنڈک سی تھی۔ دکانیں جدید اور قدیم دونوں وضع کی تھیں۔ نئے نئے ماڈل کی کاریں سڑک پر سے گزر رہی تھیں۔ اسرائیلی لڑکیاں مغربی وضع کے لباس اور جینز اور ٹی شرٹوں میں ملبوس تیز تیز قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھیں۔ ان کے سنہری بال چلتے میں اچھل رہے تھے۔ کئی دکانوں کے باہر آرام دہ کرسیوں پر میں نے بوڑھے یہودیوں کو دیکھا کہ پرانی وضع کی ٹوپیاں اور جبے پہنے تسبیح کا ورد کرتے ہوئے اونگھ رہے تھے۔

وڈیو اور آڈیو کیسٹ کی دکانوں میں امریکی گانوں کی تیز آوازیں لے تال کے ساتھ گونج رہی تھیں۔ کہیں کہیں پولیس کے کانسٹیبل بھی نظر پڑے۔ چوک میں مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ میں

نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہی اسے گوریان انٹرسیکشن چلنے کو کہا۔ یہ بات میں نے امریکہ میں بھی دیکھی تھی۔ وہاں بھی چوک کو کسی ایسی سڑک کے نام سے انٹرسیکشن کے طور پر بولا جاتا تھا کہ جو اس چوک کو کاٹ کر گزر رہی ہو۔

تل ابیب کے بازار یورپ کے بازاروں کی یاد دلا رہے تھے۔ لوگ صحت مند اور خوش شکل تھے۔ ان کی شکلوں سے خوشحالی ٹپک رہی تھی۔ عورتیں اور مرد یورپی لباس میں تھے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے چست جینز پہن رکھی تھیں۔ کچھ لڑکیاں مجھے نیکروں میں بھی نظر آئیں۔ گوریان انٹرسیکشن وہاں سے دور نہیں تھا۔

گوریان اپارٹمنٹس کی بارہ منزلہ عمارت ستارے کی طرح تکونی بنی ہوئی تھی۔ لابی کے آگے پارکنگ کی جگہ میں جدید ماڈل کی لمبی لمبی کاریں کھڑی تھی۔ میں ایلی ویٹر کے ذریعے تیسری منزل پر آگیا۔ میرا اپارٹمنٹ اس منزل کے کوریڈور کے شروع ہی میں تھا۔ یہ سنگل بیڈ روم کا فلیٹ تھا جس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ فریج کھانے پینے کی جنک فوڈ سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے بیڈروم کی کلوزٹ میں اپنا بریف کیس رکھ دیا۔ کافی کا ایک مگ بنایا اور صوفے پر بیٹھ کر سامنے دیوار پر لگی گھوڑے کی ایک روغنی تصویر کو تکنے لگا۔ اصل میں میرا ذہن اپنے پلان کے بارے میں بعض الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اسرائیلی... دارالحکومت میں تو پہنچ گیا تھا لیکن ابھی تک مجھے اپنے ٹارگٹ یعنی سونیا کا کچھ اتا پتہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے تل ابیب میں کس جگہ رکھا گیا ہے۔ ایک بات بالکل واضح تھی کہ پاکستانی لڑکی سونیا یہودی حکومت کے بعض سیاسی اور دور رس مفادات کے پیش نظر ایک قیمتی سرمایہ تھی اور اسے ایسی جگہ رکھا گیا ہو گا۔ جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ مجھے اسی جگہ پہنچنا تھا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ میں ریسیور اٹھاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ یہاں میرے آتے ہی یہ کس کا فون ہو سکتا ہے؟ میں ابھی ابھی اپنی خفیہ ایجنٹ سولی کے پاس سے اٹھ کر آ رہا تھا۔ اگر کوئی ضروری بات ہوتی تو وہ مجھے بتا دیتی۔ اس کا فون نہیں ہو سکتا پھر مجھے سعدیہ کا خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس نے یروشلم سے مجھے فون کیا ہو۔ لیکن اتنا مجھے معلوم تھا کہ خفیہ ایجنٹ دشمن کے پیٹ میں بیٹھ کر یوں ایک دوسرے سے فون پر بات نہیں کیا کرتے۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے کہ میرے لئے کوئی ضروری پیغام ہو' میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ میرے ہیلو کہنے پر دوسری طرف سے کوئی نہ بولا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کسی نے ریسیور اٹھا رکھا ہے۔ مجھے ایک انسان کے باقاعدہ سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔ میں بھی چپ ہو گیا مگر فون بند نہ کیا۔ لائن بالکل صاف تھی۔ کوئی اسی شہر سے فون کر رہا تھا' مگر یہ کون تھا جو فون کی گھنٹی دینے کے بعد چپ ہو گیا تھا؟ اگر وہ میری موجودگی کی تصدیق چاہتا تھا تو اسے میری

جانب سے ہیلو کی آواز سنتے ہی فون بند کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا بھی نہیں تھا۔ اس پراسرار شخص نے فون بند نہیں کیا تھا۔ اس کے سانس لینے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہو کر اس کی آواز سن رہا تھا۔ پھر دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی۔

دو سیکنڈ توقف کے بعد میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ مجھے تشویش ہوئی کہ معاملہ کہیں گڑبڑ تو نہیں ہو گیا؟ کہیں اسرائیلی سیکرٹ سروس کو میری آمد کا علم تو نہیں ہو گیا۔ میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ سوچا سولی سے فون پر بات کروں، مگر اب میرا فون کرنا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ یقیناً میرا فون ٹیپ ہو رہا تھا سولی نے شام کو میرے فلیٹ میں آنے کو کہا تھا مگر میں شام تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ پراسرار کال نے مجھے شک و شبے میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں بیڈ روم میں گیا۔ کلوزٹ کھول کر بریف کیس میں سے تمام ضروری چیزیں نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھیں اور فلیٹ کو تالا لگا کر ٹیکسی پکڑ کر سیدھا سولی کی نوادرات کی دکان پر جا پہنچا۔

مجھے اتنی جلدی دکان میں دیکھ کر سولی کو تعجب ہوا، لیکن فوراً مسکرانے لگی اور میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنے آفس میں لے گئی۔ آفس میں آتے ہی وہ شدید برہمی کے ساتھ بولی کہ مجھے یوں تھوڑی دیر کے بعد واپس نہیں آنا چاہئے تھا۔ میں نے معذرت کر کے اسے پراسرار فون کال کے بارے میں بتایا تو اس کا گول چہرہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے سگریٹ سلگا کر ایک گہرا کش لیا اور آفس کے دروازے کی طرف گھورتی ہوئی کہنے لگی۔

"تم اپنے فلیٹ پر جاؤ۔ جب تک میں اشارہ نہ دوں میری شاپ پر ہرگز مت آنا"۔

وہ ہلکے ہلکے نقرئی ہنسی ہنستی مجھے بازو سے تھامے آفس سے باہر نکلی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دکان میں سیلز گرلز اور دو گاہک موجود تھے۔ دکان کے دروازے کے پاس آ کر اس نے سرگوشی کی۔

"شام کو تمہیں میرا خفیہ پیغام مل جائے گا"۔

میں دکان سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ اب مجھے خواہ مخواہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں کسی کی نگاہوں میں ہوں۔ میرا گمان غلط نہیں تھا۔ کیونکہ جب میں اپنے فلیٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں ہر شے الٹ پلٹ تھی۔ کسی نے میری عدم موجودگی میں فلیٹ میں گھس کر ایک ایک شے کی تلاشی لی تھی۔ میرے بریف کیس میں سے میری جعلی کاروباری فائلیں، ٹی شرٹیں، ٹائیاں، پرفیوم کی شیشی اور دوسری چیزیں باہر بکھری پڑی تھیں۔ بستر کا گدیلا بھی الٹ دیا گیا تھا۔ فریج کی بھی ایک ایک شیشی کو نکال کر دیکھا گیا تھا۔ مشروب کی دونوں بڑی بوتلوں کو توڑ کر مشروب سنک میں بہا دیا گیا تھا۔

میں نے تذبذب اور تفکر کے عالم میں ساری چیزوں کو پھر سے ترتیب سے لگایا اور قالین پر قدموں کے نشان دیکھنے کی کوشش کی، مگر قالین پر جوتوں کے نشان کہاں سے آ سکتے تھے۔ جبکہ قل

ابیب کی کسی سڑک کسی فٹ پاتھ پر گرد کا ذرہ تک نہیں تھا' پھر کارپٹ اور کچن کو جاتے RUNNER دونوں کا رنگ نسواری تھا۔ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ یہ کام یہاں کی سیکرٹ سروس کا ہے۔ میری موجودگی کا علم ہو چکا ہے اور میرا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ اب کسی بھی لمحے مجھے گولی کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ اگر دشمن نے ابھی تک ایسا نہیں کیا تھا تو اس میں بھی ان کی کوئی بھاری مصلحت تھی۔ شاید اسے کسی خاص وقت کا انتظار تھا۔ شاید وہ میرے ساتھ منسلک پورے سرکل کو پکڑنا چاہتے تھے۔ میرے فلیٹ کی عقبی کھڑکیاں مین روڈ کی طرف کھلتی تھیں۔ میں نے اس پر پردے کھینچ دیئے تھے۔ کبھی کبھی میں تھوڑا سا پردہ ہٹا کر سڑک اور پارکنگ پلیس میں کھڑی کاروں کو ایک نظر دیکھ لیتا۔ مجھے وہاں کوئی شخص مشتبہ حالت میں کھڑا دکھائی نہیں دیا تھا۔

دوپہر کے بعد مجھے بھوک لگی تو میں نے فریج میں سے ایک برگر نکال کر کھایا اور کوک کا ڈبہ لے کر صوفے پر بیٹھ کر پینے لگا۔ پھر میں نے اٹھ کر ایک بار پھر بڑے غور سے دونوں کمروں کی ایک ایک چیز' ایک ایک کونے کا جائزہ لیا۔ جو شخص تلاشی لینے آیا تھا اس نے اپنا وہاں کوئی معمولی سا نشان بھی نہیں چھوڑا تھا۔

میں صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا اور حالات نے جو نیا رخ اختیار کیا تھا اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسی طرح سوچتے سوچتے سورج بلند عمارتوں کے پیچھے غروب ہو گیا میں نے اٹھ کر پردے کو ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ عمارتوں اور سڑک پر بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ میں نے بھی اپنے کمرے کی ایک بتی روشن کر دی اور صوفے پر بیٹھ کر ایک پرانے عبرانی فیشن میگزین کے ورق الٹنے لگا۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازے کے سوراخ میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ میں پیچھے ہٹا تو دیکھا کہ دروازے کے نیچے سے کسی نے ایک لفافہ اندر کھسکا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے لفافہ اٹھا لیا۔ بیڈ روم میں جا کر اسے کھولا تو اس میں ایک سفید کاغذ پر کچھ لکھا تھا۔ میں نے انہیں ڈی کوڈ کیا تو یہ تحریر سامنے آئی۔

"ٹھیک نو بجے رات بلڈنگ کے سامان لانے لے جانے والے دروازے سے نکل کر عقبی سوئمنگ پول کی پچھلی سڑک پر تمہیں ایک سیاہ کار کھڑی ملے گی۔ اس میں بیٹھ جانا۔"

کاغذ کے نیچے سولی کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسی وقت کاغذ کو پرزے پرزے کر کے اسے کموڈ میں بہا دیا۔ گھڑی دیکھی اس وقت شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ جلدی سے کلوزٹ میں سے بریف کیس نکالا اور ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ دشمن سامنے ہو تو انسان اپنا بچاؤ کر سکتا ہے' لیکن یہاں دشمن گھات میں تھا۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ اس کی خفیہ آنکھ دیوار کے کس سوراخ میں سے اس وقت بھی مجھے دیکھ رہی ہو۔ میں اٹھ کر کچن میں آ گیا۔ گیس آن کر کے کیتلی میں پانی گرم کیا۔ کافی کا مگ بنایا اور ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا اور کافی پینے لگا۔ وقت

بڑی سست رفتاری سے گزرا محسوس ہو رہا تھا۔

سولی کے پیغام کا مقصد مجھے وہاں سے خفیہ طور پر کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ہی ہو سکتا تھا۔
میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں اپنی جگہ سے ہل سا گیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ فون کو تکنے لگا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ کافی کا مگ میز پر رکھا اور یہ سوچ کر ریسیور اٹھالیا کہ کہیں سولی کا ہی فون نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایمرجنسی کی حالت تھی۔ میں نے ریسیور کان کے ساتھ لگالیا۔ اس بار میں نے جان بوجھ کر ہیلو نہیں کہا تھا۔ دوسری طرف سے کسی نے ہیلو کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ادھر وہی پراسرار خاموشی چھائی تھی۔ صرف ٹیلی فون کرنے والے یا کرنے والی کے سانس لینے کی آواز اس خاموشی میں مخل ہو رہی تھی۔ یہ اسی پراسرار شخص کا فون تھا۔ سانس کی آواز بڑی نارمل تھی۔ یہ آواز مجھے جان بوجھ کر سنائی جا رہی تھی۔ اس سے میں یہی اندازہ لگا سکا کہ یہ کسی درمیانے صحت مند جسم والے جوان آدمی کا سانس ہے۔ اس بار پہلی مرتبہ مجھے کسی کار کے گزرنے کی آواز بھی سنائی دی۔ یہ آواز دور سے آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے کسی سنسان شاہراہ پر لگے ٹیلی فون بوتھ سے فون کیا جا رہا ہے جس کا شیشے کا دروازہ بند ہے۔ کار کے گزرنے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

یہ فون عین اس وقت آیا تھا جبکہ میں اپارٹمنٹ سے خفیہ طور پر فرار ہونے والا تھا۔ مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ یقیناً انہیں میرے بھاگنے کا علم ہو چکا ہے اور ہو سکتا ہے مجھے مارنے کی کوشش کی جائے یا میرا پیچھا کیا جائے۔ ایسی صورت میں میرا وہاں سے فرار ہو کر دوسری جگہ جا کر چھپنا بے کار جاتا، لیکن میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ دل میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ اجنبی ملک کا اجنبی شہر تھا۔ اپنے ایجنٹ کی راہنمائی کے بغیر اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا اور اب تو میرا پیچھا بھی کیا جا رہا تھا۔ خاموشی سے صوفے پر بیٹھا وقت گزارتا رہا۔ جب میری گھڑی نے رات کے نو بجائے تو میں دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھا۔ احتیاطاً میں نے زہریلا سگار کوٹ کی اندرونی جیب سے نکال کر باہر والی جیب میں رکھ لیا جہاں پہلے ہی سے میرا چھوٹا سگریٹ لائٹر موجود تھا۔ بریف کیس اٹھایا اور دروازے کی گول ہتھی کو آہستہ سے گھمایا۔ کاریڈور میں ایک نگاہ ڈالی۔ فلیٹوں کے دروازوں کے درمیان دور تک جاتی نیم روشن کاریڈور سنسان تھی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور ہدایت کے مطابق اس لفٹ کی طرف بڑھا جہاں سے لوگ اپنا سامان لاتے لے جاتے تھے۔ یہ ذرا کشادہ لفٹ تھی۔ بٹن دبایا۔ نیچے سے گھڑ گھڑ کی آواز کے ساتھ لفٹ تیسری منزل پر آئی دروازہ اپنے آپ کھلا۔ لفٹ خالی تھی۔ میں تیزی سے قدم بڑھا کر اندر داخل ہو گیا۔ مقررہ وقفے کے بعد دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ میں نے لابی کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی۔

میں سوچ رہا تھا کہ خدا کرے کہ لابی کا لگیج والا پورشن خالی ہو، اور ایسا ہی ہوا۔ لفٹ کا دروازہ

دوبارہ کھلا تو میں نے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہاں فرش پر قالین نہیں بچھا تھا۔ لابی کا یہ عقبی دروازہ کشادہ تھا اور پریشر سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ باہر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ سوئمنگ پول جس باغیچے میں تھا اس کے چھوٹے سے گیٹ پر ایک بلب روشن تھا۔

میں اپنے آپ کو سمیٹے فلیٹ کو آگے سے پیچھے کھسکائے سوئمنگ پول کے پچھلے دروازے کی طرف چلا۔ میں جھاڑیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ آگے گھاس کے قطعے کی چھوٹی سی چڑھائی تھی۔ مجھے اوپر ذیلی سڑک پر ایک چھوٹی سیاہ کار کھڑی دکھائی دی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا کار کے پاس آیا تو اندر بیٹھے ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ میں کار میں گھس گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی کار کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ سڑک پر ایک طرف کو چل پڑی۔ اس کی رفتار تیز سے تیز ہونے لگی۔ سڑک سے ہٹ کر جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کاٹیج نما مکان بنے تھے جن میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ جو شخص کار چلا رہا تھا اس نے گول سی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جسم جیکٹ میں چھپا تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں پچھلی سیٹ میں قدرے دھنس کر اس طرح بیٹھا تھا کہ پیچھے سے میرا سر دکھائی نہ دے۔ کار مختلف سڑکوں سے گزرتی ایک ہائی وے پر آ گئی۔ یہاں گاڑیاں تیز رفتاری سے آ جا رہی تھیں۔ ہائی وے پر کچھ دیر تک چلنے کے بعد میرے ڈرائیور نے اسے بائیں جانب دوسری لین پر اتار دیا' پھر آخری لین پر آ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بائیں طرف مڑنے والا ہے اور پھر دو تین میل آگے جا کر کار بائیں جانب مڑ گئی۔

میں نے سر گھما کر شیشے میں سے پیچھے دیکھا کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں نہیں آ رہی تھی۔ مجھے قدرے اطمینان ہوا کار اس وقت اونچے اونچے درختوں کے درمیاں ایک ویران سڑک پر دوڑے جا رہی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی کی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ گاڑی ایک نشیب میں کچے راستے میں کنکریاں اڑاتی دوڑی جا رہی تھی کہ اچانک ڈرائیور نے بریک لگا دی۔ میں اچھل کر اگلی سیٹ کی پشت سے جا ٹکرایا۔ ڈرائیور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اتر کر بھاگو"۔

یہ کہتے ہی دروازہ کھول کر ڈرائیور باہر نکلا ہی تھا کہ تڑاتے کی آواز کے ساتھ درختوں میں سے ایک گولی آ کر ڈرائیور کو لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے دوسری سائڈ کا دروازہ کھول کر اپنے آپ کو باہر گرا دیا۔ پھر اندھیرے میں اٹھ کر درختوں کی طرف بھاگا۔

عین اسی وقت میرا جسم ٹارچ کی روشنیوں میں نہا گیا اور چار آدمی درختوں کے پیچھے سے چھلانگیں لگا کر میرے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے اس طرح دبوچ لیا کہ میں کوئی بھی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ دو اسٹین گنیں میری گردن سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی نے فوراً نائیلون کی رسی سے میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔ اب تک ان میں سے کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ان کا لباس جیکٹ جینز پر مشتمل تھا۔ سر ننگے تھے۔ وہ مجھے کھینچتے ہوئے نیچے

کچی سڑک پر لے آئے۔ کار کی دوسری طرف دروازے کے آگے میرے ڈرائیور کی لاش اوندھی پڑی تھی۔ اب میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے سڑک پر درخت ڈال کر راستہ بند کر دیا تھا۔

میں نے ہمت کر کے عبرانی زبان میں احتجاج کیا کہ میں ایک شریف شہری ہوں میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ دو آدمی اسٹین گنیں لئے آگے آگے اور دو اسٹین گنوں والے میرے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ میرے بائیں جانب والے آدمی نے الٹے ہاتھ کا ایک زوردار طمانچہ میرے گال پر جڑ دیا۔ میں بوکھلا گیا۔ خون کھول اٹھا، مگر میں اس طمانچے کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ طمانچے کی آواز پر آگے والوں نے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہ کی۔ اس میں سے ایک نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ ہم سڑک سے ہٹ کر درختوں میں چل رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ضرور ہمارا تعاقب کیا جا رہا تھا اور جب ہماری گاڑی ہائی وے چھوڑ کر بائیں جانب کے جنگل کی سڑک پر اتری تھی تو تعاقب کرنے والوں نے وائرلیس پر آگے چھپے ہوئے ان چار آدمیوں کو خبر کر دی ہوگی جنہوں نے سڑک پر درخت کا تنا لڑھکا کر راستہ بند کر دیا اور یوں ہم ان کے نرغے میں پھنس گئے۔ میرا بریف کیس ایک آدمی نے اٹھا رکھا تھا۔ یہ لوگ جنگل میں درختوں کے درمیان بنے ہوئے لکڑی کے ایک بوسیدہ اور ویران مکان میں لے آئے۔

یہاں لکڑی کے خالی فرش کے درمیان میں لوہے کی تین کرسیاں پڑی تھیں۔ مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر میرے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ میں ایک تجربہ کار کمانڈو ہوں تو شاید وہ ایسا نہ کرتے۔ لیکن میرا کمانڈو تجربہ بھی وہاں میرے کام نہیں آ سکتا تھا کیونکہ دو آدمی مجھ پر اسٹین گنیں تانے مجھ سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ چھت کے ساتھ ایک تار سے لٹکا ہوا دھیمی طاقت کا بلب پہلے ہی سے جل رہا تھا۔ یہاں میرے بریف کیس کی تلاشی لی گئی۔ ایک زہریلا سگار میرے کوٹ کی باہر والی جیب میں تھا اور باقی تین سگار بریف کیس میں تھے۔ انہوں نے بریف کیس کو فرش پر الٹ دیا تھا اور ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ سگار دیکھ کر ایک نے اسے سونگھا۔ دوسرے نے عبرانی زبان میں کہا۔ "اپنا کام کرو"۔

اس نے سگار فرش پر پھینک دیئے اور خالی بریف کیس کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "اس میں کچھ نہیں ہے"۔

بریف کیس میں میری کاروباری فائل کے کاغذات کو بھی انہوں نے غور سے پڑھا، مگر وہ سارے کے سارے کاروباری خطوط تھے، جنہیں بڑی مہارت سے تیار کیا گیا تھا کہ بالکل اصلی لگتے تھے میرا اسرائیلی پاسپورٹ میری جیب میں تھا۔ اسے بھی تلاشی کے دوران نکال کر دیکھا گیا ان میں سے ایک آدمی کی چھوٹی چھوٹی ... مونچھیں تھیں۔ وہ اسٹین گن کاندھے پر رکھے گردن ٹیڑھی کر کے مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ باقی تینوں اس سے آرڈر لیتے تھے۔ میری جیب والا سگار بھی

باہر نکال کر دیکھا گیا اور اسے بھی فرش پر پھینک دیا گیا۔ میں نے سگاروں کی طرف بالکل توجہ نہ دی کہ کہیں انہیں کوئی شک نہ پڑ جائے۔ شکل و صورت سے یہ دہشت گرد لگتے تھے۔ میں نے اپنے چہرے پر بڑی معصومیت طاری کر رکھی تھی۔ جیسے میرے ساتھ سراسر زیادتی ہو رہی ہو۔ میں نے چھوٹی چھوٹی مونچھوں والے کی طرف دیکھ کر وضاحتی انداز میں کہا کہ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا تعلق کسی جرائم پیشہ گروہ سے نہیں ہے۔ اس پر اس آدمی نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر اسٹین گن کا رخ میری طرف کر دیا اور غیض و غضب سے لرزتی ہوئی آواز میں عربی میں کہا۔ "کاش میں تمہیں اسی وقت شوٹ کر سکتا، لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ تم کون ہو، ہمیں اس کی اچھی طرح خبر ہے"۔

پھر اس نے اپنا پاؤں میری کرسی کے بازو پر رکھ دیا اور میری طرف جھک گیا اور عبرانی میں بولا۔ "میں جانتا ہوں تم عربی کے علاوہ عبرانی بھی روانی سے بول لیتے ہو۔ تمہارا انتخاب بھی اسی لئے کیا گیا ہے، مگر جن لوگوں نے تمہیں موت کے منہ میں بھیجا ہے وہ یہ بھول گئے تھے کہ اسرائیلی انٹیلی جینس کا جال مصر سے لے کر عراق، شام اور اردن تک پھیلا ہوا ہے۔ میں تمہیں ایک بڑا ہی مفید مشورہ دوں گا۔ ابھی ہمارے افسر تم سے پوچھ گچھ کرنے یہاں آ رہے ہیں، اگر تم صاف صاف ان لوگوں کے نام بتادو جو اسرائیل میں ہمارے خلاف خفیہ تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مصر کی سرحد اپنی حفاظت میں پار کرا دی جائے گی"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنا سر جھکا لیا۔ اس نے اسٹین گن کی نال سے میری ٹھوڑی اوپر کر کے کہا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

میں نے آہستہ سے عبرانی زبان میں ہی جواب دیا کہ میں کسی ملک کا جاسوس نہیں ہوں بلکہ اسرائیل کا ایک شریف شہری ہوں اور میرا نام ڈیوڈ آرون ہے اور میں... ایک اور زناٹے دار تھپڑ میرے گال پر پڑا اور میں جوابی حملہ کرتے کرتے رک گیا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ میں نے اس وقت انتہائی ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ میرے ہاتھ کھلے تھے۔ میں کم از کم اس چھوٹی مونچھوں والے یہودی دہشت گرد کو ضرور ہلاک کر سکتا تھا لیکن اس کے بعد میری موت بھی یقینی تھی۔ چنانچہ میں ایک بار پھر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

مونچھوں والے یہودی نے اپنے ساتھیوں کو لیا اور گیراج نما کمرے کے بڑے دروازے میں جا کر ان سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ میں ان کی گفتگو سمجھ نہ سکا۔ فوراً ہی مجھے رسی کی مدد سے کرسی کے ساتھ جکڑ دیا گیا۔ تین آدمی چلے گئے۔ ان میں سے ایک ادھ کھلے دروازے میں بیٹھ کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد باہر سناٹا ہو گیا۔ یہ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے آدمی تھے۔ انہیں کسی نہ کسی طرح میرے بارے میں مخبری کر دی گئی تھی۔ میں ان کی گرفت میں آ گیا تھا اور

تھوڑی دیر بعد ان کے اعلیٰ افسر مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آنے والے تھے۔ ظاہر تھا کہ اگر میں کچھ بتاتا۔ یا نہیں بتاتا تو بھی' یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میری موت یقینی تھی۔ یہی ایک موقع تھا کہ میں اگر ہوشیاری سے کام لوں تو یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنے پہرے دار اسرائیلی دہشت گرد کی طرف دیکھا۔ ادھ کھلے دروازے کے باہر رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسرائیلی دہشت گرد اپنی اسٹین گن گود میں رکھے دروازے سے ٹیک لگائے بیٹھا بڑے مزے سے سگریٹ پی رہا تھا۔ موت لحہ بہ لحہ میرے قریب آ رہی تھی۔ میں نے ایکشن شروع کر دیا اور دہشت گرد کی طرف مخاطب ہو کر عبرانی میں کہا۔ " میرے دوست! میں تو مر رہا ہوں۔ کیونکہ میرا راز کھل گیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی امید نہیں رہی۔ میری ایک ہی اکلوتی بیٹی ہے۔ میرے بعد اس کا کوئی سہارا نہیں ہو گا"۔

دہشت گرد نے باہر تھوکتے ہوئے غصے میں کہا۔ " خاموش بیٹھے رہو"۔

اب میں نے ترپ کا پتا پھینکا۔ میں نے منت کرتے ہوئے کہا۔" میرے بھائی اگر تم میرے مرنے کے بعد میرے دو لاکھ امریکی ڈالروں میں سے ایک لاکھ ڈالر کسی طرح میری بیٹی کو پہنچا دو تو میں باقی ایک لاکھ ڈالر خوشی سے تمہیں دے دوں گا"۔

امریکی ڈالروں کا نام سن کر دہشت گرد نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

میں نے فوراً ہی کہا۔ " ہاں میرے بھائی! یقین کرو۔ میں غلط بیانی نہیں کر رہا۔ میرے مرنے کے بعد جب تم خود میری بتائی ہوئی خفیہ جگہ پر جا کر بریف کیس کو زمین سے کھود نکالو گے تو تمہیں اس میں رکھے ہوئے یہ دو لاکھ ڈالر ہر سو سو ڈالر کے امریکی نوٹوں کی شکل میں ملیں گے۔ میں تو مر چکا ہوں گا۔ میں تم سے جھوٹ بول کر کیا کر لوں گا"۔

اس نے سگریٹ باہر پھینکا اور اسٹین گن ہاتھ میں لئے میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسی عاجزانہ لہجے میں اس کی منت کی کہ تمہیں توریت کی قسم ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ دو لاکھ ڈالروں میں سے ایک لاکھ میری بیٹی کو پہنچا دو گے' پھر میں اداکاری کرتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اپنی فرضی بیٹی کو یاد کر کے دو تین سسکیاں بھریں۔ دہشت گرد نے مجھے گالی دے کر کہا۔

"یہ بکواس بند کرو۔ بتاؤ ڈالر تم نے کس جگہ پر رکھے ہیں؟"

میں نے کہا۔ " وعدہ کرتے ہو کہ میری بیٹی کو ایک لاکھ ڈالر ضرور دے دو گے؟"

جواب دینے کی بجائے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے تک گیا۔ جھانک کر ادھر ادھر دیکھا' پھر تیزی سے میرے پاس آیا اور بولا۔ " اب میں وعدہ کرتا ہوں' لیکن پہلے مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں تم نے ڈالر چھپا رکھے ہیں"۔

میں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا۔ " مجھے کاغذ پنسل کہیں سے لا دو۔ میں تمہیں کاغذ پر

اس جگہ کا نقشہ بنائے دیتا ہوں جہاں دو لاکھ ڈالر چٹان کے نیچے دفن ہیں "۔

اس نے میرا سیدھا ہاتھ رسی سے نکال دیا اور جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک میرے سامنے رکھ دی ۔ اس کے ساتھ ایک ننھی سی پنسل بھی لٹک رہی تھی ۔ میں نے نوٹ بک کو کھولا اور دہشت گرد کی طرف دیکھا ۔

" میرے بھائی ! میں نے شام سے کوئی سگار نہیں پیا ۔ مجھے سگار کا نشہ ہے ۔ وہ سامنے فرش پر میرے سگار پڑے ہیں ۔ ان میں سے ایک سگار پینے کی اجازت دو تاکہ میں تازہ دماغ ہو کر تمہیں نقشہ بنا کر دے سکوں ۔"

دہشت گرد کو بھلا اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو جانتا ہی نہیں تھا کہ جس سگار کو وہ محض ایک بے ضرر سگار سمجھ رہا ہے حقیقت میں وہ اس کی موت کا پروانہ ہے۔ اسے اس طرف سے اطمینان تھا کہ میں بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میری موت یقینی ہے اور ہو سکتا ہے کہ میں واقعی مرنے سے پہلے اپنی جمع پونجی اپنی بیٹی کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔

اس کو غصہ میری اس حرکت پر آ رہا تھا کہ میں دیر کر رہا تھا۔ اس نے فرش سے سگار اٹھا کر میرے منہ میں ٹھونس دیا اور جیب سے ماچس نکال کر بولا۔ "ایک بات کا خیال رکھنا، اگر تم نے کسی دوسرے افسر سے اس بات کا ذکر کیا تو کسی کو تمہاری بات پر یقین نہیں آئے گا اور تمہارا بنایا ہوا یہ نقشہ' میں تھوڑی دیر بعد ہی ضائع کر دوں گا، لیکن اس کے بعد' میں تمہاری بیٹی کو ایک سینٹ بھی نہیں دوں گا بلکہ تمہاری بیٹی کو اغوا کر کے بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دوں گا"۔

سگار میرے منہ میں تھا۔ اس دہشت گرد کی موت کا سگنل ڈاؤن ہو چکا تھا۔ میں نے بس اتنا ہی کہا کہ میں کسی دوسرے سے اس کا ذکر کر کے اپنی بیٹی کی زندگی تباہ نہیں کر سکتا۔ دہشت گرد نے ماچس جلا کر میرا سگار سلگا دیا۔ وہ مجھ سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ میرے سگار کی زہریلی پھوار کی براہ راست زد میں نہیں تھا۔ میں نے جلدی جلدی سگار کے تین کش لئے چوتھے کش کے بعد سگار کے اندر کیپسول میں بھرا ہوا زہر حرکت میں آنے والا تھا۔ میں نے دہشت گرد سے کہا۔ "میرے قریب آ جاؤ تاکہ میں نقشہ بناتے ہوئے تمہیں سمجھاتا بھی جاؤں"۔

ڈالروں کے لالچ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ میری طرف سے اسے ویسے اطمینان بھی تھا۔ کیونکہ میں ایک تو سوائے ایک بازو کے سارے کا سارا رسیوں سے بندھا ہوا تھا دوسرے نہتا بھی تھا اور تیسرے اسٹین گن اس کے پاس موجود تھی۔ وہ میرے قریب ہو گیا۔ اب اس کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ پنجوں کے بل میری کرسی کے پہلو میں بیٹھا تھا اور اس کا چہرہ نوٹ بک پر تھا جو میں نے اپنے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جھلا کر کہا "یہ سگار اب مجھے پکڑاؤ اور نقشہ بناؤ نوٹ بک پر" میں بھلا سگار اسے دے سکتا تھا۔ اس کی سماجت کرتے ہوئے کہا۔ "بس ایک کش لگا لوں"۔

میں نے چوتھا کش لگایا۔ منہ سے دھواں نکالتے ہوئے سگار کا رخ دہشت گرد کے چہرے کی طرف کیا اور بولا۔ "اب تم سگار لے سکتے ہو"۔

اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں نے سگار کو درمیان سے دبا دیا۔ سگار کے اندر تمباکو کے پتوں میں لپٹے ہوئے سائی نائیڈ کے زہریلے محلول کے کیپسول پر دباؤ پڑا تو سگار میں سے نظر نہ آنے والی مہلک پھوار نکل کر دہشت گرد کے چہرے پر پڑی۔ زہریلے سگار کے بارے میں آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں کہ یہ K.G.B. کی خاص ایجاد تھی اور میرے پاس سیکرٹ سروس کے ذرائع سے پہنچے تھے۔ ان میں اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی مہارت سے ایک کیپسول بند ہوتا تھا۔ اس کیپسول میں سائی نائیڈ زہر کا محلول بھرا ہوتا، جو دنیا کا تیز ترین، مہلک ترین اور انتہائی سریع الاثر زہر ہے۔ سگار کی ہلکی سی آنچ لگنے کے بعد جب اسے درمیان سے دبایا جاتا تو اس میں سے زہریلی پھوار نکل کر سامنے کھڑے آدمی پر پڑتی۔ اس زہر کو اس طریقے سے بلینڈ کیا گیا تھا کہ کپڑوں میں سے جسم کے مساموں میں گھس کر انسان کے جسم کو مفلوج کر دیتا۔ انسان سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مرجاتا اور سب سے انوکھی بات یہ تھی کہ دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی پوسٹ مارٹم کے بعد سوائے اس کے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا تھا کہ موت حرکت قلب بند ہونے سے واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ جب میرے ہاتھ میں پکڑے سگار میں سے سائی نائیڈ زہر کی پھوار اسرائیلی دہشت گرد کے چہرے پر پڑی تو وہ پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے دوسری طرف جھول کر گر گیا۔

وہ مرچکا تھا۔

میں نے جلتے ہوئے سگار کی مدد سے دوسرے بازو کی رسی کو جلا ڈالا، پھر سگار کو کرسی کے ہتھے سے رگڑ کر بجھایا۔ اسے جیب میں ڈالا اور ٹانگوں کی رسیاں کھول ڈالیں۔ اب میں آزاد تھا۔ تیزی سے اٹھ کر فرش پر بکھرے ہوئے باقی تین سگار اور لائیٹر اٹھایا۔ کاروباری کاغذات کی فائل کو دوسرے کپڑوں کے ساتھ رکھ کر لائیٹر سے آگ لگائی اور دہشت گرد کی جیب کی تلاشی لی۔ بٹوے میں پچاس اسرائیلی ڈالر تھے۔ میں نے انہیں اپنی جیب میں رکھ لیا۔ میری فائل کے کاغذات اور کپڑے وغیرہ جلنے لگے تھے۔ میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ دہشت گرد کی اسٹین گن اپنے ساتھ لے جاتا۔ میں چھلانگ لگا کر اس بوسیدہ گیراج نما مکان سے باہر نکلا اور درختوں کے اندھیرے میں اس طرف دوڑنے لگا جدھر سے یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لائے تھے۔ درختوں میں اندھیرا تھا۔ میں ڈھلان کے گڑھوں کو پھلانگتا آن کی آن میں اس سڑک پر پہنچ گیا جہاں سیاہ گاڑی کے پاس میرے ڈرائیور کی لاش ویسی کی ویسی پڑی تھی۔ میں نے واپس ہائی وے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

ایک عجیب قسم کی بے بسی اور اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا۔ بھاگا بھی جا رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ یہ شہر نہ صرف یہ کہ میرا دشمن تھا۔ بلکہ میرے لئے اجنبی بھی تھا۔ سولی کے

پاس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نہ جانے وہ کس حالت میں ہو گی۔ عین ممکن تھا کہ اسرائیلی پولیس اسے بھی گرفتار کر کے لے جا چکی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے دکان کے اندر ہی ہلاک کر دیا گیا ہو۔ بہرحال میں وہاں نہیں جا سکتا تھا۔

اس شہر میں میرا کوئی مددگار نہیں تھا۔ کوئی دوست نہیں تھا۔ جنگل کی اس ویران سڑک سے نکل کر ہائی وے کے قریب آیا تو ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا کہ ذرا دم لے لوں۔ اگرچہ سعدیہ نے مجھے فون نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن یہ ایمرجنسی تھی۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ہائی وے پر کوئی ٹیلی فون بوتھ ڈھونڈ کر اسے یروشلم فون کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے پاس میرا پاسپورٹ اور اسرائیلی شناختی کارڈ بھی موجود تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اگر کبھی اسرائیل میں کسی ہائی وے کے بوتھ سے ٹرنک کال کرنی پڑ جائے تو اس کا طریق کار کیا ہے۔ میں زیادہ دیر اس علاقے میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں اٹھ کر ہائی وے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جس طرف سے میں آیا تھا' ادھر سے کسی کسی وقت کوئی گاڑی یا بڑا ٹرک آ جاتا تھا۔ میں انگوٹھے سے آگے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے لفٹ کی ضرورت ہے۔ کئی گاڑیاں مجھے ناامید کرتی گزر گئیں۔ آخر ایک ویگن سڑک سے اتر کر رک گئی۔ میں دوڑ کر آگے گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک بوڑھا بیٹھا تھا۔ اس نے سر باہر نکال کر عبرانی میں کہا۔ " اوپر آ جاؤ "۔

میں شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے ساتھ والی سیٹ پر رکھے پلاسٹک کے لفافوں کو ایک طرف ہٹا کر بیٹھ گیا۔ ویگن ایک بار پھر ہائی وے پر چڑھی اور پوری رفتار سے چل پڑی۔ بوڑھے نے پوچھا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ میں اسے کیا بتاتا۔ میں تو وہاں سے دور' بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے جواب میں اسے بتایا کہ میری گاڑی کا ساتھ والی روڈ پر بریک ڈاؤن ہو گیا ہے اور میں آگے کسی ٹاؤن میں جا کر رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔ بوڑھے نے تعجب سے کہا۔

" کیا تم اس شہر میں نئے ہو؟"

" ہاں' میں یروشلم میں بزنس کرتا ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ " تیس کلو میٹر کے بعد برج ٹاؤن کا قصبہ آتا ہے۔ وہاں تمہیں کسی ہوٹل میں رات گزارنے کو بستر مل جائے گا"۔ پھر رازداری سے کہنے لگا۔ " ہوشیار رہنا۔ یہ ہوٹل والے مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں "۔

اور کھی کھی کر کے خود ہی ہنسنے لگا۔ ہائی وے بالکل صاف تھی۔ ویگن اسی میل کی رفتار سے بھاگی جا رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مجھے دور ہائی وے کی ایک جانب برج ٹاؤن قصبے کی جلتی ہوئی بتیاں نظر آنے لگیں۔

بوڑھے نے برج ٹاؤن کے موڑ پر ویگن روک دی' میں شکریہ ادا کر کے ویگن سے اتر گیا۔

اب ہائی وے بوتھ سے سعدیہ کو ٹیلی فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اسے کسی ہوٹل سے فون کر سکتا تھا۔ یہ تل ابیب کے ماڈرن شہر کا جدید ترین قصبہ تھا۔ خوشنما عمارتیں' جگہ جگہ روشنیوں میں جھلملاتی کھڑی تھیں۔ گیس اسٹیشن بھی بقعۂ نور بنا ہوا تھا... ہائی وے سے تھوڑی ہی دور انگریزی کے بڑے بڑے حروف میں ہوٹل لکھا تھا۔ یہ حروف روشن تھے۔ رات کے پونے بارہ بج رہے تھے۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر ایک نوجوان یہودی موجود تھا۔ بیں ڈالر ادا کرنے پر مجھے ایک چھوٹا سا کمرہ مل گیا' جس میں صرف ایک بستر لگا تھا۔ باتھ روم ایک کونے میں تھا۔ میں نے اسے کہا کہ میں یروشلم ایک ضروری فون کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کاؤنٹر کے کونے میں رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا اور سعدیہ کے گھر کا نمبر ملایا' جو مجھے زبانی یاد تھا۔ کچھ دیر گھنٹی بجتی رہی' پھر سعدیہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ میں نے اپنا خفیہ نام بتایا اور مرموز زبان میں اسے ساری صورت حال بیان کر دی۔ اگر کوئی دوسرا میری گفتگو سنتا تو اسے یہی معلوم ہوتا کہ میں کسی لڑکی کو ہائی وے پر اپنی گاڑی کے بریک ڈاؤن ہونے کی تفصیل بتا رہا ہوں' لیکن اس کے اندر ایک خفیہ کوڈ کے الفاظ چھپے ہوئے تھے' جن کو سعدیہ سمجھ رہی تھی۔ وہ بھی مجھ سے اسی مرموز زبان میں بات کر رہی تھی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ یہ پریشانی اس کی آواز سے نہیں بلکہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں نے انتہائی ناتجربہ کاری اور حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے سولی کی دکان پر دوسری بار نہیں جانا چاہئے تھا۔ میں نے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہو گا تو سعدیہ نے مجھے ہدایت کی کہ میں تل ابیب کی سولومن اسٹریٹ میں میوزک میوزیم نامی دکان پر جا کر اس کے مالک سولومن سے ملاقات کروں۔ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں یروشلم میں اس کے فوڈ اسٹور کا ہرگز رخ نہ کروں۔

سعدیہ نے ایک ذمے دار سیکرٹ اسپائی ہونے کا ثبوت دیا تھا کہ اس نے مجھے یروشلم کی طرف جانے سے بھی روکا اور مجھے متبادل پناہ گاہ بھی بتا دی' مگر میرے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے عیار سپاہی میرے پیچھے لگے تھے اور آدھی رات کے وقت میں سولومن اسٹریٹ کہاں تلاش کرتا پھروں؟ ہوٹل کے کاؤنٹر بوائے سے بھی میں سولومن اسٹریٹ کا پتہ نہیں پوچھ سکتا تھا۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہاں فون کے نیچے ڈائریکٹری رکھی تھی۔ میں اس کے ورق الٹنے لگا۔ شروع میں ہی مجھے شہر کا ایک رنگین نقشہ مل گیا۔ یہ نقشہ اس قدر پیچیدہ تھا اور اس میں اتنی گنجان لکیریں کھینچی گئی تھیں کہ میں اس میں سے سولومن اسٹریٹ کی نشاندہی نہ کر سکا۔ میں نے بتی گل کر دی اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ ہوٹل کے سامنے والی بڑی سڑک سنسان تھی' جہاں سے یہ سڑک ہائی وے سے ملتی تھی' وہاں گیس لائٹ روشن تھی۔ ہوٹل کے آگے بھی مرکری بلبوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کسی کاغذ پر لکھنے کی بجائے میوزک میوزیم' سولومن اسٹریٹ اور میوزک میوزیم کے مالک سولومن کے نام کو بار بار دہرا کر ازبر کر لیا تھا۔

مجھے اس بات کی بے چینی تھی کہ میں ایک اسرائیلی ایجنٹ کا خون کر آیا ہوں اور سیکرٹ سروس کے اعلیٰ افسران مجھ سے پوچھ گچھ کے لئے ہائی وے کے بغلی جنگل والے گیراج میں پہنچ گئے ہوں گے اور جب انہوں نے میری بجائے وہاں اپنے ساتھی کی لاش دیکھی ہو گی تو سارے شہر کی سیکرٹ اور سول پولیس کو میرا حلیہ بتا کر خبردار کر دیا ہو گا۔ میں واردات کے مقام سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ ہوٹل کے آدمی نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ پولیس یا سیکرٹ سروس کے آدمیوں کو میرا حلیہ بتا سکتا تھا۔ میں ایک طرح سے اپنے ہی جال میں پھنس گیا تھا۔

مجھے یہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ میرا ذہن بار بار مجھے یہی کہہ رہا تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے کمرے سے نکل کر کوریڈور میں دبے پاؤں چلتا ہوا ہوٹل کی چھوٹی سی لابی کے ستون کے پیچھے آ کر رک گیا۔ ہوٹل بوائے کاؤنٹر کے پیچھے کرسی پر اونگھ رہا تھا۔ یہ موقع بڑا غنیمت تھا۔ میں نے دبے پاؤں لابی عبور کی... اور دوسرے لمحے ہوٹل کے سامنے والی چھوٹی سڑک کے فٹ پاتھ پر تیز تیز قدموں سے ہائی وے کی طرف چلا جا رہا تھا۔

ہائی وے پر گاڑیوں کا ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں سڑک کے کنارے' ذرا ہٹ کر شمال کی طرف چلنے لگا۔ دور اونچی عمارتوں کی روشنیاں آدھی رات کی تاریکی میں ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ اس دوران میں صرف دو بڑی ویگنیں سڑک پر سے گزری تھیں۔ میں لفٹ لیتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ مجھے کسی خالی ٹیکسی کی تلاش تھی۔ کبھی خیال آتا کہ میں نے ہائی وے پر آ کر حماقت کی ہے۔ مجھے جنگل کی طرف نکل جانا چاہیئے تھا۔ ہائی وے کے آس پاس درخت نہیں تھے۔ مجھے دور سے دیکھا جا سکتا تھا اور پھر ہائی وے پر دن کے وقت بھی کوئی پیدل نہیں چلتا تھا۔ مجھ پر شک ہو سکتا تھا۔ ہائی وے بھی کم بخت شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی۔ کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ میں نے شاید زندگی میں پہلی بار گھبراہٹ میں باہر نکلنے کا فیصلہ کیا تھا اور بہت جلد اس کا بھیانک نتیجہ میرے سامنے آ گیا۔

عقب سے دو گاڑیاں تیز رفتاری سے آتے ہوئے آگے نکل گئیں۔ یہ فوجی اسٹیشن ویگنیں تھیں۔ میں تیزی سے سڑک کی ڈھلان میں بیٹھ گیا۔ کم بخت چھپنے کے لئے وہاں کوئی جھاڑی بھی نہیں تھا' لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ تھوڑی ہی دور جا کر دونوں گاڑیوں کی بریکیں چیخ اٹھیں۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ گاڑیاں بیک ہوئیں اور آن کی آن میں وہ میرے سر پر کھڑی تھیں اور میرا جسم ان کی ہیڈ لائٹس کی روشنیوں میں تھا۔ کھٹاک کھٹاک ان میں سے اسرائیلی فوجی اسٹین گنیں لئے چھلانگیں لگا کر اترے اور انہوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "میری گاڑی خراب ہو گئی تھی"۔

یہودی کیپٹن نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا۔ فوراً ہی پیچھے سے ایک جینز اور جیکٹ میں ملبوس آدمی لپک کر میرے پاس آیا اور مجھے گردن سے کھینچ کر چلایا۔ "یہی وہ فلسطینی ایجنٹ ہے"۔

میں نے بھی اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی مونچھوں والا یہ وہی دہشت گرد تھا' جس نے مجھے اغوا کر کے جنگل والے گیراج میں بند کیا تھا۔

میری بدقسمتی کا آغاز ہو چکا تھا۔ فوراً ہی مجھے ہتھکڑی ڈال دی گئی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے یہودی کیپٹن نے میری تلاشی لی۔ میری جیب سے سگار نکال کر انہیں سونگھا' پھر انہیں زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسل ڈالا۔ یہ میرا بہت بڑا نقصان تھا۔ میرے بچاؤ کی آخری امید بھی بجھا دی گئی۔ میں اب ان زہریلے سگاروں سے کوئی کام نہیں لے سکتا تھا۔ میں مکمل طور پر اسرائیلی فوجیوں کے رحم و کرم پر تھا۔ مجھ پر صرف فلسطینی ایجنٹ ہونے کا ہی نہیں بلکہ ان کی سیکرٹ سروس کے ایک آدمی کو ہلاک کر دینے کا بھی الزام تھا' جو ظاہر ہے ثابت ہو چکا تھا۔

مجھے گاڑی میں ڈال کر یہ لوگ تیزی سے ہائی وے پر پیچھے کی جانب روانہ ہو گئے۔ چار سپاہیوں کی اسٹین گنوں کی نالوں کا رخ میری طرف تھا اور میں سر جھکائے اپنی قسمت پر افسوس کر رہا تھا۔ مجھے میری حماقت کی سزا مل گئی تھی۔ اگر میں ہوٹل سے نکل کر ہائی وے کی طرف آنے کی بجائے جنگل کی طرف نکل جاتا تو ہو سکتا تھا بچ جاتا' لیکن اب اس بارے میں سوچنا بیکار تھا۔ اسرائیلی اذیت کیمپوں کے بارے میں' میں نے جو رونگٹے کھڑے کر دینے والی باتیں سن رکھی تھیں' اب میں ان میں سے خود گزرنے والا تھا۔ ایک بات کا میں نے اسی لمحے عہد کر لیا تھا کہ خواہ مخواہ مجھ پر اذیتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑیں میں مرنا گوارا کر لوں گا لیکن اپنے سیکرٹ مشن کے بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالوں گا۔ میں نے موت کا خوف دل سے نکال دیا تھا۔ مجھے مشن کے آغاز میں مصری انٹیلی جینس والوں نے زہر کے بے حد ننھے سے دو کیپسول دینے کی پیشکش کی تھی' جن کو میرے دانتوں میں اس طرح جڑ دیا جاتا کہ میں پکڑے جانے کی صورت میں شدید اذیت سے بچنے کے لئے انہیں دانتوں میں دبا کر خودکشی کر سکتا تھا' لیکن میں نے یہ کہہ کر زہریلے کیپسول لینے سے انکار کر دیا تھا کہ خودکشی... اسلام میں حرام ہے اور میں حرام موت مرنے سے تشدد کی موت کو پسند کروں گا۔

ان فوجیوں نے تلاشی کے دوران میرا پاسپورٹ' اسرائیلی ڈالر اور سگریٹ لائٹر بھی اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ ان چیزوں کے سوا میرے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔ راتوں رات مجھے تل ابیب کے جنوبی علاقے میں واقع ایک قلعہ نما عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ یہ کوئی فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس کے محرابی دروازے پر دو اسرائیلی سپاہی پہرہ دے رہے تھے' مجھے ایک پرانی لفٹ کے ذریعے اس قلعہ نما عمارت کی شاید آخری منزل پر لے جایا گیا۔ چاروں فوجی میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ مجھے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا' جس کے بھاری بھرکم آہنی دروازے میں ایک سلاخ دار چھوٹا سا لگا تھا۔ میری ہتھکڑی کھول دی گئی تھی۔ اندر بند کرنے سے پہلے میرے جسم کا طبی معائنہ کیا گیا کہ کہیں میں نے کوئی زہریلا کیپسول تو نہیں چھپا رکھا۔ میرے دانتوں کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھا گیا۔ میرے بازو پر سدھار نگی کا

دیا ہوا سانپ کا منکا تعویذ کی شکل میں ابھی تک بندھا ہوا تھا۔ یہودی کیپٹن اسے غور سے دیکھنے لگا تو میں نے درخواست کی کہ یہ منکا میری والدہ نے دم کر کے مجھے دیا ہے۔ یہ میری والدہ کی نشانی ہے' اسے مجھ سے جدا نہ کیا جائے۔ جانے یہودی کیپٹن کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے منکا میرے بازو پر پھر سے لپیٹ دیا۔

تنگ و تاریک کوٹھری کا فرش ننگا تھا۔ کونے میں دو کمبل بچھے تھے۔ میں ان پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں اپنے آپ کو آنے والی عقوبتوں کے لئے ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا موقف اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے مجھ سے میرے ساتھیوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے لیکن ایسا ہونا ناممکن تھا۔ اسرائیلی سیکرٹ سروس کوئی بچوں کا ادارہ نہیں تھا۔ اسے تو سی آئی اے سے بھی اولیت حاصل تھی اور یہ بات مشہور تھی کہ جن خفیہ ایجنٹوں کا سراغ لگانے میں سی آئی اے ناکام رہی انہیں اسرائیلی سیکرٹ ایجنسی نے ڈھونڈ نکالا۔ دوسری جنگ عظیم کے مشہور جرمن جرنیل آئشیمن کی مثال سامنے تھی۔ اسے ارجنٹائن سے اسرائیلی ایجنٹوں نے ہی گرفتار کیا تھا۔ جب کہ وہ کئی برسوں سے لاپتہ تھا اور امریکی سی آئی اے بھی اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئی تھی۔

وہ جو کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی نیند نے بے وفائی نہ کی اور میں اونگھنے لگا' پھر میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو کوٹھری میں دن کی ہلکی ہلکی روشنی آرہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کوٹھری کی دیوار میں چھت کے قریب ایک چوکور روشن دان بنا ہوا تھا۔ دن کی روشنی اسی روشن دان سے آرہی تھی۔ اس روشن دان میں تین موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

دروازہ کھلا دو مسلح سپاہی اندر آگئے۔ ان کے پیچھے ایک ملازم تھا' جس کے ہاتھوں میں کاغذ کا ایک چھوٹا گلاس اور کاغذ میں لپٹا پیکٹ تھا۔ یہ کافی اور ڈبل روٹی کے چار سلائیس تھے۔ وہ لوگ دروازہ لاک کر کے چلے گئے۔ میں نے صبر شکر کر کے ناشتہ کیا۔ پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گا کہ دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ اس بار چار فوجی گنیں تھامے اندر آئے' مجھے ہتھکڑی لگائی اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ یہ لوگ مجھے ایک نیم روشن راہ داری سے گزار کر ایک ایسے کمرے میں لے گئے' جہاں اسٹریچر پڑا تھا۔ نسواری رنگ کی ٹرالی پر ایک ٹرے میں آلات جراحی رکھے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میری روح کانپ اٹھی۔

یہ میرے جسم کو ناقابل برداشت اذیت پہنچانے کا سامان تھا۔ دیوار کے ساتھ شیشے کی بڑی الماری لگی ہوئی تھی' جس میں دوائیوں کی بوتلیں اور دوسرا میڈیکل کا سامان رکھا تھا۔ کونے میں منہ ہاتھ دھونے والا سنک لگا تھا۔ اسٹریچر کے اردگرد تین اونچے اسٹول بھی تھے۔ اسٹریچر کے عین اوپر چھت کے ساتھ ایک بہت بڑا گلوب لگا تھا' جس میں کئی بلب لگے تھے۔ گویا یہ ایک طرح کا آپریشن روم یا انتہائی جدید وضع کا عقوبت خانہ تھا۔

مجھے اسٹریچر پر بٹھا کر چاروں فوجی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد مونچھوں اور کرنجی آنکھوں والا ایک یہودی فوجی افسر داخل ہوا' جس کے کاندھے پر میجر کا کراؤن لگا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی تھا' جس نے سفید لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ سپاہیوں نے یہودی میجر کو سلیوٹ کیا۔ میجر نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔ اس کی کرنجی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر وہ نپے تلے قدم اٹھاتا اسٹریچر کے پاس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا بید تھا' جس سے وہ اپنے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی آہستہ آہستہ بجا رہا تھا۔ اس نے پاؤں کی مدد سے اسٹول کو میرے اسٹریچر کے قریب کھسکایا اور اس پر بیٹھ گیا۔ میری ہتھکڑی نہیں کھولی گئی تھی۔ میں اسٹریچر پر اس طرح بیٹھا تھا کہ میرے پاؤں نیچے لٹک رہے تھے۔ یہودی میجر نے بید میری ٹھوڑی سے لگا کر اسے ذرا سا اونچا کیا اور عربی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تمہارے فلسطینی ایجنٹ ہونے کا ہمارے پاس مکمل اور ناقابل تردید ثبوت موجود ہے۔ ہمیں تم سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم فلسطینی جاسوس ہو کہ نہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا' صرف تمہارے تعاون کا خواہش مند ہوں۔ اس میں تمہاری بھی بھلائی ہے۔ تم جوان ہو تمہارا سارا مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ تم دوسرے لوگوں کی خاطر خود کشی کیوں کرو؟ آزادی کا راستہ اب بھی تمہارے لئے کھلا ہے۔ ہم تمہیں خود صحرائے سینا کی مصری سرحد میں پہنچا دیں گے' لیکن اس سے پہلے تمہیں ہمارے ساتھ تھوڑا سا تعاون کرنا ہو گا"۔

میں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ میں خوب جانتا تھا کہ وہ مجھ سے کس قسم کے تعاون کا طلب گار ہے۔ میرے لئے یہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا' پھر بھی مجھے انتہائی عیاری اور دور اندیشی سے کام لینا تھا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کسی بھی ملک یا آزادی فلسطین کی تنظیم کا جاسوس نہیں ہوں۔ میں اسرائیلی ہوں' مگر مصر میں پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ وہاں اسکندریہ میں مر گئے اور میں لندن جا کر آباد ہو گیا۔ اب ایک عرصے کے بعد لندن سے اپنے وطن واپس آیا تھا کہ مجھے گرفتار کر لیا گیا'

یہودی میجر کے باریک ہونٹوں پر انتہائی کٹیلی اور طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جیب سے چمڑے کا سگریٹ کیس نکالا اور مجھے سگریٹ پیش کیا۔ مجھ سے ایک اور حماقت ہو گئی کہ میں نے کہہ دیا کہ میں سگریٹ نہیں پیتا۔ "پھر تم نے سگار اپنی جیب میں کس لئے رکھے ہوئے تھے؟ میرا خیال ہے' تم صرف سگار پیتے ہو"۔

میں نے جلدی سے کہہ دیا۔ "ہاں' میں سگار پیتا ہوں۔ سگریٹ مجھے پسند نہیں ہیں"۔

میجر نے پاس ہی کھڑے یہودی ڈاکٹر کی طرف دیکھا' یہودی ڈاکٹر نے الماری کھولی۔ اس میں سے پلاسٹک کا ایک پیکٹ نکال کر میجر کو دے دیا۔

"کیا تم اسے پہچانتے ہو؟" پیکٹ میں نسواری رنگ کا برادہ سا بھرا ہوا تھا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میجر نے پیکٹ کو مزید میری آنکھوں کے قریب لاتے ہوئے طنز کے ساتھ کہا۔ "تم اپنے سگاروں کو بھی نہیں پہچان رہے ؟"

ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میجر نے پیکٹ بند کر کے ڈاکٹر کو دیا اور گہری سنجیدہ آواز میں آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ "یہ تمہارے ان سگاروں کا چورا ہے، جنہیں تلاشی کے بعد ہمارے سکیورٹی کے آدمیوں نے ہائی وے کے کنارے پھینک کر پاؤں سے مسل دیا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ ہمیں وہاں اسی طرح پڑے ہوئے مل گئے تھے۔ ان سگاروں کی کیمیکل رپورٹ یہ ہے کہ ان میں سائی نائیڈ زہر بھرا ہوا تھا۔ ان سگاروں کی تحقیقات کی رپورٹ بھی ہمیں مل گئی ہے۔ یہ مہلک ترین ہتھیار ہے۔ اس سگار کی مدد سے تم نے ہمارے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے۔ یہ سگار کسی انتہائی اعلیٰ مہارت رکھنے والے جاسوس کو ہی دیئے جاتے ہیں"۔

وہ سگریٹ کا کش لگانے کے لئے رک گیا۔ نتھنوں سے آہستہ آہستہ دھواں نکالتے ہوئے اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ پھر سے جاری کیا۔ "تمہاری فل رپورٹ بھی میرے پاس موجود ہے۔ تم اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتے کہ تم فلسطینی جاسوس ہو اور تمہیں جس مشن پر یہاں بھیجا گیا ہے، اس کا بھی ہمیں علم ہے۔ اب تمہارے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وہ، ہم سے تعاون کا ہے۔ ہم تمہیں نہ صرف آزاد کر دیں گے بلکہ اتنی دولت دیں گے کہ تم اگر چاہو تو یورپ کے کسی ملک میں جا کر باقی ساری زندگی آرام و آسائش میں بسر کر سکتے ہو۔ ہم تمہیں جس ملک میں تم کہو وہاں تک پہنچانے کا بھی ذمہ لیتے ہیں۔ اس کے لئے تمہیں صرف ہمارے ایک مختصر سے سوال کا جواب دینا ہو گا۔ تمہاری ساتھی سولی کو ہم گرفتار کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے ہمارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی خودکشی کر لی"۔

مجھے یہودی میجر کی زبانی پتہ چلا کہ سولی نے خودکشی کی تھی۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ اسرائیلی انٹیلی جینس، سولی کو ہلاک کرنے کی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ کسی بھی اسپائی کو یونہی گولی سے نہیں اڑا دیا جاتا۔ اصل کام اس سے معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ یہودی میجر کہہ رہا تھا۔

"میں مزید باتوں سے اپنا اور تمہارا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ تم یہ آپریشن کا سامان دیکھ چکے ہو۔ یہ خونخوار آلات تمہیں دو منٹ کے اندر اندر ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں، لیکن میں تمہاری دوستی کا خواہش مند ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے دوست بن جاؤ اور ہمارے ساتھ تعاون کرو"۔

میں نے یونہی سوال کر دیا کہ وہ مجھ سے کس قسم کا تعاون کرنا چاہتا ہے؟

اس نے میرے گھٹنے کو اپنے ہاتھ سے آہستہ سے تھپ تھپایا اور بڑی نرم آواز میں بولا۔ "شاباش! میں جانتا تھا کہ تم انتہائی سمجھدار نوجوان ہو اور محض چند سر پھروں کی احمقانہ تنظیم کی خاطر اپنی

قیمتی زندگی برباد نہیں کرو گے۔ تم سے جو کچھ بھی ہوا محض جذبات میں آ کر ہو گیا تھا۔ ہم تمہارے قتل کے جرم کو بھی معاف کر دیں گے۔ آخر انسان دوستوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا"۔

وہ بڑی چابکدستی اور عیاری کے ساتھ مجھے اپنی طرف راغب کرنے کی بھرپور بلکہ خطرناک کوشش کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں بڑی اپنائیت اور گھلاوٹ آگئی تھی' جیسے وہ دنیا میں ایک ہی میرا سب سے ہمدرد دوست ہو۔ وہ بولے جا رہا تھا۔

"تم جس مشن کو لے کر ہمارے ملک میں آئے ہو ہمیں اس کی تمام جزئیات کا علم ہے۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ تمہیں کس کس ملک کی مدد حاصل ہے لیکن ہم ان تمام تلخ حقائق کو فراموش کر دیں گے اور تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے تمام مطالبات کو جن کا تعلق تمہاری آئندہ کی خوش حال زندگی سے ہو گا۔ ہم سرکاری سطح پر پورا کریں گے۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ تمہیں' ہمیں صرف اتنا ہی بتانا ہو گا کہ اسرائیل میں تمہارا ماسٹر اسپائی کون ہے اور تمہارے دوسرے ساتھی کہاں کہاں مقیم ہیں یقین کرو' تمہارا کسی مقام پر بھی ذکر نہیں آئے گا۔ ہم انہیں اس طرح گرفتار کریں گے جیسے وہ اپنی کسی غلطی کی وجہ سے ہمارے ہتھے چڑھ گئے ہوں"۔

جب وہ اپنی ساری رام کہانی کہہ چکا تو میں نے نفی میں سرہلاتے ہوئے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور کہا کہ وہ چاہے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اس اعتبار سے میں نے اپنے ایجنٹ ہونے کا اعتراف کر لیا تھا لیکن یوں میں نے خود کو دہری اذیت سے بچالیا تھا۔ ایک تو وہ مجھے فلسطینی جاسوس ہونے کا اعتراف کرنے کے لئے اذیت دیتا اور پھر مجھ سے میرے ساتھیوں کے نام اگلوانے کے لئے عقوبت کا نشانہ بناتا۔ دوسرے مجھے جاسوس ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس بڑے بین ثبوت موجود تھے۔ میرے انکار پر اس نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ بس خاموش ہو گیا... پھر اسٹول پر سے اٹھا اور یہ کہتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا کہ کچھ دیر مزید غور کر لو۔ جلدی میں فیصلہ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔

مجھے واپس کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ وہ دن گزر گیا۔ دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا۔ چوتھے روز مجھے پھر اسی آپریشن روم میں لے جایا گیا۔ وہی یہودی میجر اسی شان سے چلتا ہوا میرے اسٹریچر کے پاس اسٹول پر آکر سکون سے بیٹھ گیا۔ اس نے سگریٹ نکال کر مجھے پیش کیا۔ میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ یہ بتانا میں بھول گیا کہ ان تین دنوں کی قید میں مجھے طرح طرح کے کھانے کھلائے گئے تھے۔ میں نے بھی ڈٹ کر کھائے کہ آخر مرنا تو ہے ہی پھر ان لوگوں کی ضیافت کیوں نہ اڑائی جائے تاکہ جسم کچھ تو اذیت سہنے کا متحمل ہو سکے۔

یہودی میجر کے پاس وہی سفید کوٹ والا ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ میجر نے خود ایک سگریٹ سلگا لیا اور ہلکے ہلکے کش لگاتے ہوئے اٹھ کر ٹہلنے لگا' پھر میرے پاس آ کر بولا۔ "مجھے یقین ہے تم نے ضرور

اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی ہو گی"۔

میں نے اسٹریچر پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف چہرہ اٹھایا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا۔"میں اپنے اسی فیصلے پر قائم ہوں"۔

یہودی میجر بے حد ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا اس پر ذرا سا بھی ناگوار اثر نہ ہوا۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ وہ انتہائی شقی القلب اور سنگدل انسان تھا۔ ایک ایسا انسان جو بڑی خاموشی اور جذباتی لاتعلقی سے انسان کے جسم سے اس کا سارا خون نچوڑ سکتا تھا۔

اس نے مجھے کچھ کہنے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور ہلکا سا سر ہلایا۔ یہودی ڈاکٹر نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور کسی کو عبرانی میں کہا کہ اسے اندر لے آؤ۔

میں نے سوچا کہ کسی جلاد قسم کے آدمی کو بلایا ہو گا کہ جو مجھ پر تشدد کا سلسلہ شروع کر دے گا۔ اتنے میں دو آدمی ایک اسٹریچر کو چلاتے اندر لے آئے۔ اس اسٹریچر پر ایک آدمی بے ہوش پڑا تھا جس کے جسم پر صرف ایک نیکر ہی تھی۔ اسٹریچر میرے برابر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا' جو آدمی اسٹریچر لائے تھے' وہ واپس چلے گئے۔

ڈاکٹر نے دروازہ بند کر دیا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ڈرامہ کرنے والے ہیں۔ یہودی میجر نے ڈاکٹر کو ایک بار پھر اشارہ کیا۔ ڈاکٹر نے الماری کے نچلے خانے کو چابی لگا کر کھولا۔ اس میں سے اسٹین لیس اسٹیل کا ایک لمبوترا ڈبہ نکالا اور اسے آپریشن ٹرالی پر رکھ دیا۔ پھر ڈبے کا ڈھکنا الگ کر دیا۔ اس کے اندر ایک نارمل سائز سے ذرا بڑے سائز کی انجکشن سرنج' روئی کا ٹکڑا اور بلور کی ایک چھوٹی سی شیشی پڑی تھی' جس میں زرد رنگ کا محلول بھرا تھا۔ یہودی ڈاکٹر نے روئی کے پھاہے کو کسی سرخ دوائی میں بھگو کر بے ہوش آدمی کے ننگے پیٹ پر دل کے قریب مل دیا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں پر آپریشن کے پتلے زرد دستانے چڑھا لئے اور بڑے سائز کی سرنج اپنے ہاتھ میں تھام کر میجر کی طرف دیکھا۔ یہودی میجر نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے گہری مگر سرد مہر آواز میں کہا۔

"یہ شخص' جو اسٹریچر پر بے ہوش پڑا ہے۔ تمہاری طرح کا ایک فلسطینی جاسوس ہے۔ اس نے ہماری ایک کمانڈو پوسٹ کو اڑا دیا تھا' جس میں ہمارے پندرہ جوان ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ ایک ماہ سے زیر تفتیش ہے لیکن اس نے بھی وہی غلطی کی جو تم کر رہے ہو۔ یعنی یہ اپنے ساتھیوں کے نام بتانے سے انکاری ہے۔ ہم نے اس کو پرسوں فائرنگ اسکواڈ کی گولیوں سے چھلنی کرنا تھا' لیکن اب اس کے لئے دوسری طرح کی موت تجویز کی گئی ہے"۔

اس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ یہودی ڈاکٹر نے اسٹین لیس اسٹیل کے ڈبے میں روئی کے نیچے رکھے دو چاندی کی طرح چمکیلے کیپسول نکالے۔ ان میں سے ایک کیپسول کو توڑ کر انجکشن کی سوئی اس کے اندر ڈال کر کوئی سفوف یا محلول سا سرنج کے اندر کھینچ لیا۔ سرنج کے اندر

نیلا پانی سا بھر گیا۔ اب ڈاکٹر نے میری طرف دیکھ کر بالکل پروفیسروں والے انداز میں کہا۔ "اس وقت سرنج میں ایک ایسا دھماکہ خیز زہر بھرا ہوا ہے، جس کے دھماکے کا دورانیہ پانچ منٹ ہے۔ میں اس زہریلے دھماکہ خیز مواد کو اس آدمی کے جسم میں داخل کر رہا ہوں۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد یہ مواد اس کے جسم کے اندر پھٹ جائے گا، پھر کیا ہو گا؟ تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے"۔

ایک بار تو میرا رنگ زرد ہو گیا۔ ایسے گھناؤنے جلاد، میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ یہودی میجر بالکل بے حس بت کی طرح کھڑا مجھے ترچھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے مجھ سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی، بلکہ ڈاکٹر کو اشارہ کیا... کہ اپنا کام شروع کرے۔

یہودی ڈاکٹر نے میرے دیکھتے دیکھتے ہی اسٹریچر پر بے ہوش پڑے بدنصیب جوان کے پیٹ میں سرنج کی سوئی چبھو کر سارے کا سارا نیلا محلول اس کے جسم میں داخل کر دیا۔ پھر سرنج کو باہر کھینچ کر سوئی پر اسپرٹ والی روئی پھیری اور اسے ڈبے میں آرام سے رکھ دیا۔ دوسرا چمکیلا کیپسول بھی وہیں پاس ہی رکھ دیا۔ بدنصیب جوان کے اسٹریچر کو ڈاکٹر نے جلدی سے کمرے کی سامنے والی دیوار کے ساتھ لگا دیا اور کلائی والی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ دھماکہ ہینڈ گرنیڈ جیسا دھماکہ نہیں ہو گا۔ معمولی سا دھماکہ ہو گا، جس کا اثر ہم پر نہیں پڑے گا۔"

یہودی میجر کی نگاہیں بھی اپنی کلائی کی گھڑی پر لگی تھیں میرا چہرہ فق تھا اور میں شدید ذہنی کوفت میں مبتلا تھا کہ یہ شخص میری وجہ سے انتہائی اذیت ناک موت مر رہا ہے۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ یہ لوگ محض ڈرامہ کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ مجھے ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے، لیکن ان دونوں کے تیور بتا رہے تھے کہ ایسی بات نہیں ہے اور وہ لوگ پوری سنجیدگی سے ایک انتہائی ہولناک تجربہ کرنے والے ہیں۔

ٹک ٹک ٹک... وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ایک منٹ گزر گیا، پھر دوسرا منٹ بھی گزر گیا۔ ہر منٹ کے گزرنے کا یہودی ڈاکٹر باقاعدہ اعلان کرتا تھا۔ جب چار منٹ گزر گئے تو اس نے بلند آواز میں گنتی شروع کر دی۔ اسٹریچر پر جوان بے ہوش پڑا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کا کیا حشر ہونے والا تھا۔ یہودی ڈاکٹر اور یہودی میجر دونوں میرے اسٹریچر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ یہودی ڈاکٹر کی نگاہیں اپنی گھڑی پر تھیں اور یہودی میجر اسٹریچر پر پڑے بے ہوش شخص پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور میرا دل یوں دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا، ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا۔ ڈاکٹر کی گنتی پچاس تک جا پہنچی تھی، پھر پچپن اور پھر جب اس نے ساٹھ کہا تھا تو میرے آنکھوں کے سامنے اسٹریچر پر بے ہوش جوان کے جسم کے اندر سے ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی اس کا جسم اسٹریچر پر سے کوئی ایک فٹ بلند اچھلا اور اس کا پیٹ یوں کھل گیا، جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ کر کھل جاتا ہے۔ اس کے کھلے پیٹ میں سے

خدا جانے کیا کچھ ابل کر باہر نکلنے لگا۔

میں نے چہرہ اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔ میں یہ گھناؤنا منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہودی میجر کی آواز آئی۔

"آنکھیں بند مت کرو دوست! اسے اچھی طرح سے دیکھو' اس کا مشاہدہ کرو کیونکہ کل کو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔ اس قسم کا ایک دھماکہ تمہارے اندر بھی ہو گا تمہارا پیٹ بھی اسی طرح پھٹ کر اپنی ہر شے باہر اچھال دے گا۔"

اسٹریچر والی لاش کا برا حشر ہو رہا تھا۔ خدا جانے اس کے جسم میں کس نوعیت کا زہریلا دھماکہ خیز مواد ڈالا گیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اس کا پیٹ کھل گیا تھا' بلکہ اب اس کے جسم کے تمام اعضا گل گل کر الگ ہونے لگے تھے۔

یہودی ڈاکٹر نے انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاش کے بازو کو اٹھایا تو وہ لاش کے جسم سے الگ ہو چکا تھا' پھر اس نے بد قسمت نوجوان کے دوسرے بازو کو الگ کر کے دکھایا۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کو بڑے آرام سے جسم سے الگ کر دیا۔ میری طبیعت خراب ہونے لگی۔ اس قسم کا کریہہ اور دہشت ناک منظر کا میں نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا تھا۔

یہودی ڈاکٹر نے دروازے پر سے دستک دی۔ فوراً دروازہ کھول کر دو کمپوڈر قسم کے آدمی اندر آئے۔ انہوں نے منہ پر پٹی لپیٹ رکھی تھی۔ وہ ملیدہ بنی ہوئی لاش والے اسٹریچر کو کھینچ کر باہر لے گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہودی میجر اب پھر مجھے اپنی جانب سے 'راہ راست' پر لانے کی کوشش شروع کر دے گا' لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی... اور ڈاکٹر سے کہا کہ دوسرے آدمیوں کو بلایا جائے۔

ڈاکٹر نے ایک سیکنڈ کے لئے باہر جھانکا اور پھر چار ہٹے کٹے آدمی اندر گھس آئے اور آتے ہی انہوں نے مجھے دبوچ کر اسٹریچر پر گرا لیا۔ میرے ہتھکڑی لگی تھی۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے میری دونوں ٹانگیں نائیلون کی رسیوں سے اسٹریچر کے ساتھ جکڑ دیں' پھر میرے ہتھکڑی لگے بازو کو پیچھے کی طرف لا کر اسٹریچر کی پٹی سے جکڑ دیا گیا۔ دو رسیاں میری گردن اور سینے پر بھی باندھ دی گئیں۔ میں اسٹریچر پر جکڑ کر رہ گیا۔ مجھے اس لاش کا خیال آگیا' جو ابھی ابھی اسٹریچر پر سرخ و سیاہ گوشت کے ٹکڑوں کا ڈھیر بنی باہر لے جائی گئی تھی۔ میرے ساتھ بھی وہی حشر ہونے والا تھا۔ میں نے دل میں خدا کو یاد کر کے کلمہ شریف کا ورد شروع کر دیا۔ میری موت آگئی تھی۔ مرنا تو ایک نہ ایک دن مجھے تھا ہی' پھر کیوں نہ بہادر اور غیرت مند انسان بن کر مروں کہ فلسطین کی تنظیم آزادی کے مجاہدوں اور شہیدوں میں میرا نام لیا جائے۔ میرے ملک کا بھی نام بلند ہو۔ بس ایک دھماکہ ہی تو ہو گا' میرے جسم کے اندر اور مجھے یقین تھا کہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میری جان نکل جائے گی۔ میں مرنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔

مجھے اس بات پر ضرور حیرت ہوئی کہ یہودی میجر نے اس لمحے بھی مجھ سے معاملہ طے کرنے کی آخری کوشش نہیں کی تھی۔ یہودی ڈاکٹر نے میرے پیٹ پر سے قمیص ہٹا دی۔ میجر کے حکم پر ہٹے کٹے آدمی باہر جا چکے تھے' پھر میرے پیٹ پر بھی سرخ رنگ کی مالش کی گئی۔ یہودی ڈاکٹر نے اب دوسرے کیپسول سے نیلے رنگ کا زہریلا محلول سرنج میں بھرا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"اس سرنج میں بھی وہی زہریلا دھماکہ خیز محلول بھرا ہوا ہے' جس کی تباہی کا نظارہ تم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ چکے ہو۔ اس میں اور اس میں تھوڑا سا فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس زہریلے دھماکہ خیز مواد کی ڈیوریشن یعنی دورانیہ پانچ منٹ تھا۔ جبکہ اس دھماکہ خیز مواد کے پھٹنے کی میعاد ایک خاص میڈیکل پروسیس کے بعد پانچ منٹ سے بڑھا کر سات دن کر دی گئی ہے۔ آج سے ٹھیک سات دن بعد اسی وقت یعنی صبح کے آٹھ بج کر سات منٹ پر یہ مواد خود بخود تمہارے پیٹ کے اندر پھٹ جائے گا اور پھر تمہارا بھی وہی حشر ہو گا' جو اس سے پہلے جاسوس کا ہوا تھا۔"

اسرائیلی میجر کے چہرے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ وہ گہری نظروں سے مجھے تک رہا تھا۔

یہودی ڈاکٹر نے قدرے مسکرا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے' تم یہ سمجھو کہ ہم تم سے کوئی ڈرامہ کر رہے ہیں اور محض تم سے راز اگلوانے کے لئے کوئی دوسرا بے ضرر محلول تمہارے جسم میں داخل کر رہے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس دھماکہ خیز محلول کے اصلی ہونے کا ثبوت مہیا کرنے کا بھی ہم نے اہتمام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دو روز بعد یعنی پرسوں ٹھیک اسی وقت تمہارے پیٹ میں ایک بہت ہی دھیما سا پہلا دھماکہ ہو گا اور تمہیں خون کی قے ہو جائے گی۔ اس کے بعد تمہاری طبیعت اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی' لیکن اگر تم نے پھر بھی ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا... تو ساتویں روز اسی وقت دھماکہ ہو گا' جو تمہاری زندگی کا آخری دھماکہ ہو گا اور تمہارا جسم پرزے پرزے ہو کر اڑ جائے گا"۔

میں بے جان پتھر بنا اس وحشی یہودی ڈاکٹر کا مکروہ چہرہ تک رہا تھا' پھر اس نے انجکشن کی سوئی کی نوک میرے پیٹ پر رکھی اور اسے زور سے دبا دیا۔ میری چیخ سی نکل گئی۔ اس نے میری آنکھوں کے سامنے سارے کا سارا دھماکہ خیز محلول میرے پیٹ میں داخل کر دیا۔ سرنج خالی ہو گئی تو اس نے باہر کھینچ لی' پھر فاتحانہ انداز میں یہودی میجر کی طرف دیکھا۔ یہودی میجر مجھے تکے جا رہا تھا۔ وہ میرے سرہانے کی جانب کھڑا تھا۔ میری مشکیں کھول دی گئیں۔ یہودی میجر نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور جھک کر بولا۔ "میرے دوست! تمہارے پاس صرف چھ روز ہیں۔ یہ تمہاری زندگی کے آخری دن بھی ثابت ہو سکتے ہیں' اگر تم نے ہمیں اپنے ساتھیوں کے نام اور خفیہ ایڈریس اور ڈیڈ ڈراپ کے مقامات بتا دیئے اور ہم نے انہیں گرفتار کر لیا تو پھر تمہیں ایک دوسرا انجکشن لگایا جائے گا جو تمہارے جسم میں گردش کرتے دھماکہ خیز مواد کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کر دے گا اور تمہیں تمہاری زندگی واپس مل جائے گی۔ دوسری صورت میں تمہارا کیا انجام ہو گا؟ تم خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ تمہارے پاس سوچنے کو

چھ دن ہیں۔ ٹھنڈے دل سے سارے معاملات پر پھر سے غور کر لو۔ میں چھٹے روز تمہاری کوٹھری میں آؤں گا' لیکن اگر اس سے پہلے تم مجھے بلانا چاہو تو باہر کھڑے گارڈ کو صرف اشارہ کر دینا میں خود تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں گا"۔

یہودی میجر نے مکاری سے مسکراتے ہوئے میری پیٹھ آہستہ سے تھپ تھپائی۔

میری ہتھکڑی کھول کر مجھے واپس میری کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ میری حالت اس آدمی کی سی تھی' جس نے غلطی سے تیزاب پی لیا ہو اور اب اپنے جسم کے گلنے سڑنے کا تماشہ کرنے والا ہو۔ میں نے کوٹھری میں جلتے بلب کی مدھم روشنی میں قمیص اٹھا کر اپنے پیٹ کو دیکھا' جہاں انجکشن لگایا گیا تھا۔ وہاں سرخ رنگ کا دانہ ابھر آیا تھا۔ مجھے پیٹ میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ یا خون میں گرمی وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ یہ مجھ سے واقعی ڈرامہ کر رہے ہیں۔ اصلی دھماکہ خیز مواد دوسرے بدنصیب ایجنٹ کے جسم میں سرایت کیا گیا تھا۔ میرے جسم میں کوئی بے ضرر محلول داخل کیا گیا ہے' پھر خیال آتا کہ پرسوں مجھے خون کی قے بھی تو ہو گی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر کوئی خیال آتا بھی تھا تو یہی کہ مجھے اپنی جان پر کھیل کر بھی اب یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیئے' لیکن وہاں سے فرار ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔

اسی پریشانی میں دن گزر گیا۔ مجھے کھانے کو اچھی خوراک دی گئی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ تیسرے روز یہودی ڈاکٹر دو مسلح سپاہیوں کے ساتھ میری کوٹھری میں آ گیا۔ ایک سپاہی کے ہاتھ میں تام چینی کا پاٹ تھا۔ اس نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں خون کی قے ہو گی۔ میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں"۔

اس نے مجھے پاؤں پر بٹھا کر تام چینی کا پاٹ میرے آگے رکھ دیا۔ ٹھیک اس کے بتائے وقت پر میرے پیٹ کو ایک دھکا سا لگا اور میں پیچھے کو گر پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے کسی نے میرے پیٹ کے اندر سے مجھے مکا مارا ہے۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ ڈاکٹر اور ایک سپاہی نے مجھے اٹھا کر دوبارہ پاؤں پر بٹھا دیا۔ میری طبیعت اچھلنے لگی اور پھر واقعی مجھے خون کی قے ہوئی۔

ڈاکٹر نے پاٹ پیچھے ہٹا لیا اور مجھے گیلا رومال دے کر کہا۔ "فکر نہ کرو۔ دوسری بار قے نہیں ہو گی"۔

اور واقعی اس کے بعد میری طبیعت خراب نہ ہوئی۔ میں نے رومال سے اپنے ہونٹوں پر لگا ہوا خون پونچھ کر پاٹ میں پھینکا اور دیوار کے ساتھ سر لگا کر بیٹھ گیا۔ مجھے شدید قسم کی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

یہودی ڈاکٹر نے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لئے صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں۔ آج سے چار دن بعد ٹھیک اسی وقت ایک سیکنڈ کے لئے تمہاری طبیعت خراب ہو گی۔ یہ

سگنل ہو گا کہ اگلے سیکنڈ میں دھماکہ ہونے والا ہے ... پھر تمہارے جسم کے اندر دھماکہ خیز مواد پھٹ جائے گا۔ اس کی آواز تم شاید ہی سن سکو کیونکہ دھماکے کے ساتھ ہی تمہارا جسم بھی پھٹ جائے گا"۔

یہ کہہ کر یہودی ڈاکٹر مسلح سپاہیوں کی معیت میں کوٹھری سے نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے گارڈ نے باہر سے تالا لگا دیا' پھر اس نے دروازے کے سلاخوں والے چوکھٹے میں سے جھانک کر مجھے دیکھا اور عبرانی میں کہا۔ "مجھ سے کوئی بات کرنی ہو تو دروازے پر ہاتھ مار دینا"۔

اس نے فوراً سلاخوں والے چوکھٹے کا پٹ بند کر دیا۔ میں دیوار والے اس روشن دان کی طرف دیکھنے لگا' جس میں سے دن کی ہلکی سی روشنی کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ یہ امید کی آخری کرنیں تھیں' مجھے اسی سلاخوں والے روشن دان میں سے فرار ہونا تھا سلاخیں لوہے کی تھیں۔ دن چار باقی رہ گئے تھے اور میرے پاس سوائے آہنی عزم کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ موت میرے پیٹ میں گردش کر رہی تھی۔

موت کا ٹائم بم میرے پیٹ میں تھا۔

میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس دھماکہ خیز محلول سے ایک' موت کی سزا پانے والے مجرم کے پیٹ کے پرخچے اڑتے دیکھے تھے۔ یہ انتہائی اقدام اسرائیلی انٹیلی جینس نے اس لئے کیا تھا کہ وہ مجھ سے ان مصری ایجنٹوں کے پتے معلوم کر سکیں' جو ان کے خیال کے مطابق میرے ساتھی تھے... اور تل ابیب یا یروشلم کے مسلم فلسطینی علاقے میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مجھ سے ایسے ڈیڈ ڈراپ کی نشاندہی بھی چاہتے تھے' جہاں بقول ان کے' میں خفیہ دستاویزات کی مائیکرو فلمیں ڈال دیتا تھا اور میرا کوئی ساتھی اسے وہاں سے وقت مقررہ پر اٹھا لے جاتا تھا۔

میری صرف ایک ہی مصری ایجنٹ ساتھی سعدیہ تھی' جو نادیہ کے نام سے کٹر یہودی عورت کے روپ میں ایک فوٹو اسٹوڈیو کی مالک تھی۔

اسرائیلی انٹیلی جینس کے افسران صبح شام میرے پاس آتے اور مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں۔ وہ میرے بارے میں یہ اعلان بھی نہیں کریں گے کہ ایک مصری جاسوس پکڑ لیا گیا ہے۔ وہ مجھے ہر طرح کا لالچ دے رہے تھے' ہر طرح سے تسلی دے رہے تھے کہ اگر میں انہیں اپنے ساتھی جاسوسوں کی فہرست مہیا کر دوں تو وہ یہ بات ہرگز ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ میں نے غداری کی ہے اور ہر بار' جاتے ہوئے مجھے یہ بھیانک حقیقت بھی یاد دلا جاتے کہ میرے جسم میں گردش کرتے دھماکہ خیز محلول کے پھٹنے میں تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ مجھے یقین دلایا تھ کہ ان کے پاس اس دھماکہ خیز محلول کا توڑ بھی ہے' جس کا انجکشن لگا دینے سے اس کے اثرات قطعی طور پر ختم ہو جائیں گے لیکن یقین کریں کہ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جو بم انہوں نے میرے جسم کے اندر رکھ دیا ہے اب اگر وہ چاہیں بھی تو مجھے اس کی تباہی سے نہیں بچا سکیں گے' لیکن اس کے ساتھ ہی

ساتھ میں نے جان کی بازی لگا کر وہاں سے فرار ہونے کا پختہ عزم کر لیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اگر میری قسمت میں دھماکہ خیز موت ہی لکھی ہے تو میں اسرائیلی انٹیلی جینس کی کال کوٹھری میں نہ مروں بلکہ کسی طرح یروشلم پہنچ کر مسجد اقصیٰ کے مقدس قرب و جوار میں موت کو لبیک کہوں۔

جس بلیک سیل میں مجھے قید کیا گیا تھا' وہ تل ابیب کی اسرائیلی ملٹری انٹیلی جینس کے ہیڈ کوارٹر کی دوسری منزل پر واقع تھا۔ اس سنگین پتھریلی کوٹھری کا ایک دروازہ تھا جس کے باہر ایک یہودی میرین اسٹین گن ہاتھ میں لئے ہر وقت پہرے پر موجود ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوٹھری میں صرف ایک روشندان تھا' جس میں سلاخیں لگی تھیں' جو فرش سے کافی اونچائی پر چھت کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ اس روشندان سے باہر کی روشنی آ رہی تھی جس سے معلوم ہوتا کہ باہر دن کا وقت ہے۔ اس طرف سے ٹریفک کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی' جس کا مطلب تھا کہ وہاں سے سڑک کافی دور ہے... اور دیوار کے پار دوسری جانب کوئی احاطہ ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی اس احاطے میں کسی ٹرک کے اسٹارٹ ہو کر روانہ ہونے یا باہر سے آ کر وہاں رکنے کی آواز آ جاتی تھی۔

میرا ذہن پوری صلاحیتوں اور برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے مجھے اس کال کوٹھری میں نہیں مرنا ہے' میں فرار ہوں گا' ہر حالت میں فرار ہوں گا... مگر اس بلیک سیل سے فرار ہونا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ میرے پاس نہ کوئی پستول تھا نہ چاقو۔ زہریلے سگار اسرائیلی انٹیلی جینس والوں نے ضائع کر دیئے تھے۔ بہادری اور جانبازی میرے کچھ کام نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے انتہائی زیرکی اور زبردست حکمت عملی سے کام لے کر وہاں سے فرار کی کوئی راہ نکالنی تھی' جو بظاہر ناممکن نظر آتی تھی۔

میری نگاہ بار بار دیوار والے اکلوتے روشندان کی طرف اٹھ جاتی۔ کیا کسی طرح میں اس روشندان کی سلاخیں کاٹ کر دوسری طرف چھلانگ لگ سکتا ہوں؟ دل کو جھوٹی تسلی دینے کے لئے یہ ایک اچھا جملہ تھا' لیکن یہ محض ایک فرحت بخش جملہ ہی تھا' جس پر عمل بظاہر ناممکن تھا۔ دن میں وقفے وقفے سے تین چار بار پہرے دار پانی یا ڈبل روٹی دینے کے بہانے آ کر میری نگرانی کر جاتا تھا۔ اب مجھ پر تشدد نہیں کیا جا رہا تھا کونے میں کموڈ پر پاؤں رکھ کر بھی روشندان تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اگر پہنچ بھی جاؤں تو لوہے کی مضبوط سلاخیں میرے راستے میں حائل تھیں' جن کو کاٹنے کے لئے نہ میرے پاس وقت تھا اور نہ کوئی تیز ریتی تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔

یہودی ڈاکٹر ہر بار میرے پیٹ پر انگلی پھیر کر بہیمانہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے یاد کرا دیتا کہ میرے پیٹ میں جو ٹائم بم رکھا گیا ہے' اس کے پھٹنے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ ہم کل پھر آئیں گے۔ امید ہے' تم کل تک اپنا فیصلہ بدل لوگے۔ مجھے بہتر تو نہیں لیکن نارمل خوراک دی جا رہی تھی۔

صبح کو ایک انڈہ بھی مل جاتا۔ دوپہر کو سبزیوں کا سوپ اور چار سلائیس کھانے کو دیتے تھے۔ اس سے میرے جسم کی کھوئی ہوئی توانائی کافی حد تک بحال ہو گئی تھی۔

مزید ایک دن گزر گیا۔ اب میری موت مجھ سے صرف تین دن دور تھی۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا' ابھی کرنا تھا۔ دماغ کے کمپیوٹر نے برق رفتاری سے کام شروع کر دیا۔ ہر امکان پر غور کیا۔ اعداد و شمار مہیا کیئے۔ آخر ایک ہی طریق کار سامنے آیا کہ سب سے پہلے جیسے بھی ممکن ہو اس کال کوٹھری سے باہر نکلنے کی کوئی ترکیب سوچی جائے۔ کوئی ایسی ترکیب کہ یہ لوگ خود مجھے یہاں سے کسی دوسری جگہ لے جانے پر مجبور ہو جائیں۔ ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح میرے ذہن کے افق پر خاموشی سے لہرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں فرش پر چت لیٹ گیا اور مصنوعی پیٹ درد سے بلبلا اٹھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیا اور ایسی چیخ و پکار مچائی کہ اسٹین گن والا یہودی میرین دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ مجھے فرش پر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھا تو فوراً باہر نکل گیا۔ دروازہ لاک کیا اور فون پر ڈاکٹر کو اطلاع کر دی۔ میں یوں تڑپ رہا تھا اور شور مچا رہا تھا' جیسے میرے پیٹ میں انتڑیاں کٹ رہی ہیں۔ چند ثانیوں میں وہی منحوس یہودی ڈاکٹر نسواری مونچھوں والے میجر کے ساتھ اندر آ گیا۔ میں نے چیخ کر کہا۔

"مجھے بچالو۔ میں سب کچھ بتا دوں گا' مگر مجھے مرنے سے بچالو۔ میرا پیٹ درد سے پھٹا جا رہا ہے"۔

میں نے کچھ ایسی تباہ کن قسم کی اداکاری کی کہ فرش سے ایک ایک فٹ اچھلنے لگا۔

یہودی میجر نے ڈاکٹر سے پریشان ہو کر کہا۔ "ڈاکٹر! اسے بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دو"۔

یہودی ڈاکٹر نے اسٹیتھس اسکوپ میرے سینے پر لگائی۔ میں نے جذباتی اعتبار سے اپنے خون کا دباؤ بڑھا لیا تھا اور مصنوعی خوف طاری کر کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز کر لی تھیں۔

یہودی ڈاکٹر نے تشویش کے ساتھ کہا۔ "بے ہوش کرنے سے مرض رفع نہیں ہو گا۔ ہو سکتا ہے' یہ اپنڈکس کیس ہو۔ اسے اپنی نگرانی میں لیبارٹری کے کلینک میں پہنچانے کا بندوبست کرو۔ مجھے اس کا چیک اپ کرنا ہو گا"۔

میں اسی طرح ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ کبھی درد سے دہرا ہو جاتا' کبھی پیٹ میں سر دے کر رونے لگتا۔ اسی وقت مجھے اسٹریچر پر ڈال کر یہ لوگ کوٹھری سے نکال لے گئے۔ میرے اردگرد دو گن بردار یہودی چل رہے تھے۔ میں درد سے چلاتے ہوئے دائیں بائیں سر مار رہا تھا۔ اور جائزہ بھی لے رہا تھا کہ جہاں سے میں گزر رہا ہوں یہ جگہ کون سی ہے اور اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر کلینک کا دروازہ تھا۔ جونہی میرا اسٹریچر کلینک کے دروازے میں داخل ہوا' میری نگاہ دیوار میں بنے ہوئے ایک چوکور خانے پر پڑی' جس میں تانبے کا ایک چوکور ٹکڑا اندر کی جانب لٹک رہا تھا۔ اس پر اسرائیلی حروف میں ٹریش لکھا تھا۔ اس قسم کے چوکور خانے یورپ' امریکہ' مڈل ایسٹ اور دوسرے ممالک کے بڑے بڑے شہروں کی ماڈرن عمارتوں کی ہر منزل کی راہ داریوں میں بنے ہوتے

ہیں ۔ اس میں سے ردی اشیاء پلاسٹک کے تھیلوں میں باندھ کر نیچے گرا دی جاتی ہیں ۔ نیچے ایک چھوٹا سا ہال کمرہ ہوتا ہے ' جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر پہیوں والے لوہے کے بڑے بڑے ٹرانکر کھڑے ہوتے ہیں ہر منزل سے آنے والے کوڑا کرکٹ کے تھیلے ان میں آکر گرتے رہتے ہیں ' پھر دوسرے روز کوڑا اٹھانے والا بہت بڑا ٹرک عمارت کے عقب میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ کوڑا کرکٹ والے گودام کا عقبی دروازہ کھول دیا جاتا ہے ۔ ایک ایک کر کے ٹرانکرز کو باہرلایا جاتا ہے اور ٹرک ایک کرین کی مدد سے ان ٹرانکروں کا کوڑا کرکٹ اپنے پیچھے ڈال کر خالی ٹرانکر واپس رکھ دیتا ہے ۔

اس ٹریش کے خانے کو دیکھ کر امید کی ایک کرن چمکی ۔ میں درد سے چلاتا شور مچاتا کلینک میں آگیا ۔ یہاں پہلے سے دو نرسیں موجود تھیں ۔ مجھے اسٹریچر سے لوہے کے پلنگ پر ڈال دیا گیا ۔ ڈاکٹر نے فوری طور پر درد سے نجات دلانے والی دوا کا انجکشن دیا ۔ میں نے ایسی اداکاری کی ' جیسے درد میں معمولی سا افاقہ ہوا ہو ۔ یہودی ڈاکٹر نے اسی وقت میرے چیک اپ کا حکم دیا ۔ مجھے سفید رنگ کی ایک دوائی پلائی گئی اور پھر یہودی ڈاکٹر نے ایک باریک سا آلا جو تار سے منسلک تھا ' میرے حلق میں ڈال دیا اور ریڈنگ دیکھنے لگا ۔ ظاہر ہے ' میں نے جو ہاہا کار مچائی تھی ' اس سے میرے اعصاب میں کھچاؤ بھی پیدا ہوا تھا ۔ دل کی دھڑکن بھی تیز ہوئی تھی اور خون کا دباؤ بھی بڑھ گیا تھا ۔ میں ابھی تک درد سے کراہتے ہوئے دائیں بائیں سر مار رہا تھا اور ڈاکٹر سے التجا کر رہا تھا کہ مجھے موت کا ٹیکہ لگا دو ' مجھے اس درد سے نجات دلاؤ ۔ میرے اندر ابھی دھماکہ ہو جائے گا ۔ اس کا اثر میرے اعصابی نظام پر پڑا تھا اور گراف میرے اندر اتنی گڑبڑ ضرور ظاہر کر رہا تھا کہ وہ لوگ میری طرف سے متفکر ہو گئے ۔ کیونکہ ان کے لئے میرا اس وقت تک زندہ رہنا بے حد ضروری تھا ' جب تک میں ان کے سوالوں کے جواب نہیں دے دیتا ۔ ایک اور بوڑھا یہودی ڈاکٹر بھی وہاں آگیا ۔ اسرائیلی میجر دونوں ڈاکٹروں کو دروازے کے پاس لے گیا ۔ تینوں آہستہ آہستہ چند سیکنڈ تک باتیں کرتے رہے ۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اس اہم نکتے پر غور کر رہے ہیں کہ میرے اندر جو دھماکہ خیز مواد موجود ہے ' کہیں اس کے قبل از وقت پھٹنے کا امکان تو نہیں ہے ؟

اس کا خطرہ مجھے بھی پیدا ہوا تھا کہ میں نے اتنی اچھل کود مچائی ہے ' کہیں میرے اندر کا دھماکہ خیز مواد پھٹ ہی نہ جائے ' اسی لئے میں اب کسی حد تک پرسکون ہو گیا تھا ۔ ویسے بھی میرا ذہن اب تیزی سے اس ٹریش ڈراپ کے بارے میں سوچنے لگا تھا ' اگر کسی طرح سے میں کمرے سے نکل کر راہ داری والے ٹریش ڈراپ تک پہنچ جاؤں تو میرے یہاں سے فرار ہونے کا کافی امکان تھا ۔

مجھے کچھ وقت مل گیا تھا ۔ مجھے یقین تھا کہ کم از کم آج کی رات یہ لوگ مجھے اس کلینک میں ہی رکھیں گے ۔ میرے لئے اتنا وقت بہت تھا ' لیکن ابھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میں کلینک میں ہی رات گزاروں گا ۔ چنانچہ میں نے دوبارہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کراہنا شروع کر دیا اور ایسا ظاہر کیا کہ میں وقفے وقفے سے بے سدھ ہو جاتا ہوں ۔ ایک بار میں نے ہلکی سی چیخ ماری اور بظاہر بے ہوش ہو

گیا۔ فوراً کسی نے میری کلائی ہاتھ میں لے کر نبض دیکھی، پھر میرے سینے پر اسٹیتھو اسکوپ لگا۔ میری ایک آنکھ کا پپوٹا اوپر اٹھایا گیا۔ میں نے ڈیلا اوپر چڑھالیا۔ یہودی ڈاکٹر کی آواز آئی۔ "میرا خیال ہے اسے کچھ دیر اسی جگہ انتہائی نگہداشت میں رکھا جائے۔ میں آکر اسے چیک کرتا رہوں گا"۔

اب اسرائیلی میجر کی آواز آئی۔ "میں گارڈ تعینات کر رہا ہوں ڈاکٹر، مگر اس کی ذمے داری تمہاری ہے۔ اب۔ میں نے باس کو اطلاع کر دی ہے"۔

یہودی ڈاکٹر نے کہا۔ "دو اسٹین گن والے گارڈ کافی ہوں گے، پھر یہ ہیڈ کوارٹر ہے کوئی سینما ہال نہیں ہے۔ اس ایجنٹ سے جب تک ہم ضروری معلومات حاصل نہیں کر لیتے اسے زندہ رکھنا ہو گا"۔

قدموں کی آواز کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے ایک آنکھ ذرا سی کھول کر دیکھا، ایک بھاری بھرکم گوری چٹی نرس دروازہ بند کر رہی تھی۔ وہ دروازے کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھنے لگی۔ کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھا۔ چھت کے ساتھ لگی ٹیوب لائٹ دھیمی روشنی دے رہی تھی۔ سامنے والی دیوار پر ایک چارٹ لگا تھا، جس میں ناک، کان اور گلا دکھایا گیا تھا۔ شیشے کی چھوٹی الماری میں مختلف دوائیوں کی شیشیاں اور دوسری چیزیں پڑی تھیں۔

یہاں کوئی کلاک نہیں تھا، اس لئے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وقت کیا ہے۔ میں نے غور کرنا شروع کر دیا کہ یہاں سے باہر کیسے نکل سکتا ہوں؟ ظاہر ہے، باہر دو سپاہی اسٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے ہوں گے۔ ان پر قابو پانا مشکل تھا۔ ان کی ذرا سی آواز اور اسٹین گن کے فائر سے ایک آن میں ہیڈ کوارٹر کے سارے سپاہی وہاں جمع ہو سکتے تھے۔

وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ اس سے بہتر موقع مجھے دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ قدرت مجھے بلیک سیل سے باہر لے آئی تھی۔ اب یہاں سے نکلنا میرا کام اور میری ذمے داری تھی، اگر میں ایسا نہیں کرتا ہوں تو پھر ایک اندوہناک اور عبرتناک موت میرا مقدر تھی۔ یہاں میرا کمانڈو ایکشن ہی میری مدد کر سکتا تھا۔ اگرچہ کمانڈو ایکشن کی کامیابی کے صرف دس فیصد چانسز ہی تھے۔ تاہم مجھے اس دس فی صد امکان کو سو فی صد میں تبدیل کرنا تھا۔ اس کے لئے موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کی ضرورت تھی۔ انجام سے بے خبر ہو کر ایکشن کے سمندر میں کود پڑنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، جب مجھے کلینک کے لوہے کے پلنگ پر پڑے پڑے کوئی پون گھنٹہ گزر گیا تو میں نے آہستہ سے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور عبرانی زبان میں پانی مانگا۔ میں نے کانی آنکھ سے دیکھا موٹی نرس کتاب ایک طرف رکھ کر اٹھی۔ شیشے کے ٹمبلر میں سے اس نے کاغذ کے گلاس میں پانی ڈالا اور میری طرف بڑھی۔ میرے پٹھے پھڑکنے لگے۔ رگوں میں بجلیاں سی کوند گئیں۔ میں یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ اس موٹی نرس کے حلق سے ذرا سی بھی آواز نکلے۔ جونہی موٹی نرس پانی کا کاغذی گلاس لے

کر میری طرف جھکی میں نے اچھل کر اس کی گردن کے گرد اپنے فولادی پنجے کا شکنجہ کس دیا۔ کم بخت یہودن کی گردن میرے اندازے سے زیادہ موٹی تھی 'مگر وہ نرم بھی تھی' جس کی وجہ سے میری انگلیاں بہت جلد اس کے نرم گوشت میں اندر تک دھنس گئیں۔ نرس چکرا کر میرے بستر پر گری۔ میں نے گردن کو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی نہ چھوڑا۔ میرا کمانڈو شکنجہ اس کی موت کو قریب سے قریب تر لا رہا تھا۔ اس کا منہ کھلا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور ڈیلے سفید پڑ رہے تھے۔ اسے بے ہوش کر کے چھوڑنے کا خطرہ' میں کسی حالت میں بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ ہوش میں بھی آ سکتی تھی۔ جب اس کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی تو میں نے اسے اپنے بستر پر لٹایا۔ اوپر سفید چادر ڈال کر منہ سر ڈھانپ دیا اور تیزی سے بند دروازے کے ایک طرف لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پٹ کے ساتھ کان لگا دیئے۔ باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی' لیکن میں جانتا تھا کہ باہر دو یہودی سپاہی اشین گنیں لئے پہرے پر کھڑے ہیں۔ میں پہلے ان میں سے ایک کو اندر بلانا چاہتا تھا۔ دونوں کا بیک وقت آنا میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا' لیکن میں اس چیلنج کے لئے بھی بالکل تیار تھا۔ میں نے واقعی سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔

میں نے میز پر سے نرس کی کتاب اٹھائی اور آہستہ سے شیشے کی الماری کی طرف اچھال دی۔ کتاب شیشے کی الماری سے ٹکرا کر فرش پر گری تو آواز پیدا ہوئی ٹھک ٹھک کرتے فوجی بوٹ دروازے کی طرف بڑھے' میرے بازوؤں کے پٹھے فولاد بن گئے۔ دروازے کا پٹ کھلا اور پہلے اشین گن کی نال اور پھر اسرائیلی نوجوان سپاہی اندر داخل ہوا۔ میں نے بجلی کی تیزی کے ساتھ دائیں بازو کا ہاتھ بھرپور شدت کے ساتھ اس کی گردن پر مارا۔ یہ ایک فولادی ہتھوڑا تھا' جس نے یہودی سپاہی کی گردن پر پیچھے سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ منہ کے بل آگے گرا۔ میں نے اس کے آگے گھٹنا کر دیا۔ وہ فرش کی بجائے میرے گھٹنے پر گرا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے دروازے کا پٹ بند کر دیا تھا' لیکن دھڑاک سے دروازہ کسی نے کھول دیا۔ میری آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ میری اسکیم ناکام ہو رہی تھی۔ میں جیسے اندھا ہو گیا تھا۔ دوسرے یہودی سپاہی کی ٹھوڑی پر اچھل کر ایسی کک لگائی کہ اس کے حلقوم کی ہڈی پیچھے گردن کی ہڈی میں گھس گئی۔ وہ بھی پہلے سپاہی کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اندھا دھند دروازہ بند کر لیا۔

میرا سانس پھول گیا تھا۔ میں یوں ہانپ رہا تھا' جیسے دس میل کی دوڑ لگا کر ابھی رکا ہوں۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا مجھے اپنی لگائی گئی ضربات پر پورا اعتماد تھا۔ دونوں یہودی سپاہیوں کی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر پڑی تھیں۔ میں نے فوراً دروازے کی اندر سے چٹخنی لگائی۔ پلٹ کر باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ دونوں یہودی فوجیوں کی لاشوں کو گھسیٹ کر باتھ روم میں ڈالا اور دروازہ بند کر دیا' پھر بستر پر پڑی یہودی عورت کو دیکھا۔ وہ مر چکی تھی۔ اس کے منہ پر چادر کا پلو ڈالا اور لپک کر دروازے کے پاس آ

کر آہستہ سے چٹخنی کھولی۔ دروازے کے ایک پٹ کو ذرا سا کھولا۔ تھوڑا سا سر نکال کر باہر دیکھا۔ راہ داری میں بائیں جانب سے ایک نرس ٹک ٹک کرتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کان دروازے کے پٹ سے لگا دیئے۔ نرس کی جوتی کی ٹک ٹک دروازے کے آگے سے گزر گئی۔ جب یہ آواز دور جا کر معدوم ہو گئی تو دروازے کو کھول کر ایک بار پھر باہر دیکھا۔

راہ داری بالکل خالی تھی۔ ٹریش ڈراپ وہاں سے چار قدم کے فاصلے پر دیوار میں تھا۔ اس قسم کے ٹریش بڑی بلڈنگوں میں سائز میں اتنے کشادہ بنائے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوڑے کرکٹ کا پھولا ہوا پلاسٹک کا بڑا تھیلا نیچے کو آسانی سے پھسل جائے۔ چنانچہ یہ چوکور سوراخ اتنے بڑے ضرور ہوتے ہیں کہ ایک عام قدو قامت کا انسان اس میں سے گزر سکتا ہے۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی اور حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے یہ ساری اسکیم بنائی تھی' اگر میں دونوں یہودی فوجیوں میں سے کسی ایک کی وردی پہن کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتا تو وہ کوئی ہسپتال نہیں تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جینس کا ہیڈ کوارٹر تھا اور وہاں کسی بھی مقام پر میں پکڑا جا سکتا تھا۔ قدم قدم پر چیکنگ اور سکیورٹی کارڈ دکھانے کا امکان تھا۔ اس لئے میں نے اس خیال کو ترک کر دیا تھا۔ ٹریش ڈراپ کے پاس جانے کا اس سے بہتر موقع میسر نہیں آ سکتا تھا۔ ٹریش ڈراپ چار قدموں کے فاصلے پر تھا۔

آخری بار میں نے راہ داری میں دائیں بائیں دیکھا' پھر اللہ کا نام لے کر نکل آیا۔ میں تیز تیز چل رہا تھا۔

ٹریش ڈراپ میرے سامنے تھا۔ میں نے اس پر جھولتا ہوا تانبے کا پلڑا پیچھے ہٹایا اور اچھل کر دونوں ٹانگیں ڈال کر اپنا سر بازوؤں میں سمیٹا اور خود کو نیچے گرا دیا۔ میں پھسلتا ہوا دو قلابازیاں کھا کر پہلی منزل والے گودام میں اس ٹریش ڈراپ کے بالکل نیچے رکھے کوڑا کرکٹ کے ٹرالر میں پلاسٹک کے پھولے ہوئے تھیلوں کے اوپر جا گرا۔ یہ تھیلے ردی کاغذوں' کاغذ کے پرانے گلاسوں' خالی لفافوں اور ڈبوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مجھے چوٹ نہ لگی۔ ایک پل کے لئے میں پلاسٹک کے پھولے ہوئے لفافوں کے بیچ میں ہی پڑا رہا' پھر آنکھیں کھول کر آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے چھت کی طرف دیکھا۔ اس گودام نما ہال کمرے میں اندھیرا تھا۔ صرف کونے میں ایک بلب جل رہا تھا۔ فرش کہیں کہیں سے چمک رہا تھا۔ فرش صاف کرنے والے کیمیکلز کی تیز بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میرے پاس یہاں سے فرار ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ دس منٹ تھے۔ ان دس منٹوں میں کلینک روم کی تینوں لاشوں کا پتہ چل جائے گا۔ ہیڈ کوارٹر کو گھیرے میں لے لیا جائے گا' پھر میرے لئے یہاں سے نکلنا ناممکن ہو گا۔ اس لئے جتنی جلدی ہو سکے مجھے وہاں سے نکل جانا چاہیئے تھا۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ کوڑے کرکٹ کے یہ تھیلے اٹھا کر لے جانے والا ٹرک کب آتا ہے۔

اس لئے میں اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو پلاسٹک کے پھولے ہوئے تھیلوں کے بیچ میں سے باہر نکالا۔ یہ نسواری رنگ کے تھیلے تھے میں ٹرائلر میں سے کود کر فرش پر آگیا۔ گودام کا بڑا دروازہ بند تھا۔ میں نے اسے تھوڑا سا دھکیلا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں گودام میں قید تو نہیں ہو گیا؟ دروازے کو زور لگا کر توڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ دروازہ بہت بڑا تھا۔ گودام میں ادھر ادھر بھاگ کر جائزہ لیا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹریش ڈراپ کے نیچے تین مزید ٹرائلر کھڑے تھے جو کوڑے کرکٹ کے تھیلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ٹرک آنے ہی والا ہو' لیکن ٹرک کا انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جب میری تلاش شروع ہو تو سپاہی مجھے ڈھونڈتے ہوئے گودام میں بھی آ جائیں۔

باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ گودام کا عقبی دروازہ کھلا ہو گا اور میں وہاں سے کسی نہ کسی طرح چھپتے چھپاتے باہر نکل جاؤں گا' لیکن یہاں گرنے کے بعد' میں بالکل ہی قید ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر دروازے کو باہر کی طرف دھکیلا کہ شاید کھل جائے مگر لکڑی کا یہ بہت بڑا دروازہ شاید باہر سے لکڑی کی بلی لگا کر بند کیا گیا تھا۔ ذرا سا بھی نہیں ہلتا تھا۔ میں مایوس سا ہو کر ٹریش ٹرائلر کے پیچھے فرش پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے کہ اچانک خطرے کا الارم چیخ اٹھا۔ میں اچھل سا پڑا۔ گھبرا کر بند دروازے کے پاس گیا۔ وہاں سے دوڑ کر واپس ٹرائلر کے پاس آگیا اور چھت پر سپاہیوں کے ادھر ادھر بھاگتے بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ کچھ دبی دبی آوازیں بھی آئیں۔ اب کیا کروں؟

باہر جانے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ہیڈ کوارٹر کی عمارت کو فوج نے گھیرے میں لے لیا ہو گا۔ دو تین آدمی گودام کے آگے سے بھی بھاگتے ہوئے گزر گئے۔ میں گودام کے کونے میں کھڑے آخری ٹرائلر پر چڑھ کر پلاسٹک کے تھیلوں کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔ خطرے کا الارم بند ہو گیا تھا لیکن لوگوں کے ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ میں تھیلوں کے درمیان دبکا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اگر یہودی ڈاکٹر اور یہودی میجر کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا یا اسے ٹریش ڈراپ کی طرف دیکھ کر ایک لمحے کے لئے خیال بھی آگیا تو فوج کی پوری کمپنی نیچے گودام میں دھاوا بول دے گی اور میں گرفتار کر لیا جاؤں گا' لیکن گمان نہیں تھا کہ ان لوگوں کا خیال ٹریش ڈراپ کی طرف بھی جا سکتا ہے۔ تاہم میرا ٹریش روم یعنی کوڑے کرکٹ کے گودام میں زیادہ دیر ٹھہرنا موت کا پیغام لا سکتا تھا۔

میں گھبرا کر ایک بار پھر کوڑے کرکٹ کے تھیلوں کے درمیان سے نکل آیا۔ میرے اندر کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے کسی نہ کسی ترکیب سے باہر نکل جانا چاہیئے تھا۔ تیسری بار ٹریش روم کا جائزہ لیا۔ نتیجہ وہی نکلا۔ سوائے بند دروازے کے باہر جانے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوراخ بھی نہیں تھا۔ باہر سے ایسی تشویش انگیز آوازیں آ رہی تھیں جیسے بڑی سرگرمی سے میری تلاش جاری ہو۔

اب تو مجھے یقین ہو چلا تھا کہ یہودی سکیورٹی اسٹاف کے آدمی اس ٹریش روم میں بھی آ جائیں گے۔ میں دوڑ کر ٹرالی میں تھیلوں کے درمیان چھپ گیا۔ یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ مجھے کوڑا کرکٹ کے ان تھیلوں میں ہی چھپا رہنا چاہیے۔ اس فیصلے کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے اپنے آپ کو پھولے ہوئے تھیلوں کے نیچے چھپا لیا تھا۔ اب اگر کوئی اوپر سے ایک دو تھیلے ہٹا کر بھی دیکھتا تو میں اسے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ میرے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے جو آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھیں۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ یہ بات میرے لئے بے حد اطمینان کا باعث تھی کہ تفتیش نے ٹریش روم کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں ان کے خیال میں شاید ہیڈ کوارٹر کے کسی اسٹور روم یا کسی خفیہ جگہ پر چھپا ہوا تھا کیونکہ اوپر والی منزل کی چھت پر بوٹوں کے چلنے پھرنے کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں، مجھے فوجی ٹرالی میں چھپے پندرہ یا بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ باہر ایک ٹرک کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے غور کیا تو یہ آواز کسی بہت بڑے ٹرک کی تھی۔ کہیں ٹریش اٹھانے والا دیو پیکر ٹرک تو نہیں آ گیا؟

یہ میرے لئے بہت بڑی خوش خبری تھی۔ پھر ٹریش روم کے بڑے دروازے کے کھلنے کی چرچراہٹ سنائی دی۔ میں تھیلوں کے اور نیچے ہو گیا۔ دو آدمی باتیں کرتے اندر داخل ہوئے وہ ٹرک ڈرائیور کو کوس رہے تھے کہ ہمیشہ بے وقت ٹریش اٹھانے آ جاتا ہے۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ فوجی نہیں بلکہ فراش تھے۔ پہلے وہ ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے ٹریش روم سے باہر لے گئے، پھر دوسرا اور اس کے بعد میرے ٹرالی کی باری آئی۔ میں نے اپنے آپ کو تھیلوں کے نیچے سمیٹ کر اکٹھا کر لیا تھا۔ ٹرالی آہستہ آہستہ باہر جا رہا تھا۔ ٹریش روم سے باہر روشنی کی ایک دھیمی سی جھلک نیچے تک نظر آئی۔

میں سانس بھی آہستہ لے رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ میں نے کئی بار ٹریش والے ٹرک کو کوڑا کرکٹ اٹھا کر لے جاتے دیکھا تھا۔ یہ بہت بڑا ٹرک ہوتا ہے اور اس کے سامنے کی جانب ایک پنجے والی کرین لگی ہوتی ہے۔ یہ آہنی پنجہ مشین کی مدد سے ٹرالی کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر اوپر اٹھاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ٹرک کے عقب میں لا کر اس کا سارا کوڑا کرکٹ الٹ دیتا ہے۔ ٹرک کی مشین اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ پہلے ایک ٹرالی کو واپس لا کر زمین پر رکھ دیا۔ اس کے بعد بڑے ٹرالی کی باری آئی۔ مجھے ٹرالی کے ساتھ کرین کے آہنی پنجے کے جکڑے جانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اپنے آپ کو سکیڑ کر بالکل ایک فٹ بال کی طرح بنا لیا تھا تاکہ ٹرک میں گرتے وقت چوٹ نہ لگے۔ کرین نے میرے ٹرالی کو اوپر اٹھا لیا۔ مجھے لگا میں جھولے میں بیٹھا ہوں، پھر میں پلاسٹک کے تھیلوں کے ساتھ ہی ٹرک میں لگے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر جا گرا۔ گرتے ہی جیسے میں نے زمین پکڑ لی۔ جہاں گرا

وہیں چپک سا گیا۔ میرے اوپر چھ سات پھولے ہوئے تھیلے پڑے تھے۔ یہ بڑی اچھی بات تھی۔ اس کے بعد ٹرک کی کرین نے تیسرے ٹرالیز کا کوڑا کرکٹ بھی میرے اوپر انڈیل دیا۔ میں ٹرک کے کوڑے میں اتنا نیچے تھا کہ سرسری طور پر میرا کھوج لگانا مشکل تھا۔

پھر ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ چھت کا لوہے کا ڈھکنا ٹرک کے اوپر آن لگا۔ اب میں اپنے آپ کو نیچے سے نکال کر اوپر والے تھیلوں کے درمیان لے آیا تاکہ تازہ ہوا آتی رہے۔ چونکہ یہ کوڑا کرکٹ کھلا نہیں تھا بلکہ پلاسٹک کے نسواری تھیلوں کی شکل میں تھا۔ اس لئے مجھے سانس لینے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود گرمی اور حبس نے ناک میں دم کر دیا' لیکن اس خیال سے خوش بھی تھا کہ کم از کم اسرائیلی ہیڈ کوارٹر سے نکلنے میں کامیاب ہو رہا ہوں پھر بھی مجھے دھڑکا لگا تھا کہ کسی بھی وقت سکیورٹی گارڈ یہاں پہنچ کر کوڑے کرکٹ کی تلاشی لے سکتے ہیں لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ سکیورٹی والوں کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا کہ میں ٹریش ڈراپ کے ذریعے بھی فرار ہو سکتا ہوں۔ ٹرک کی مشین بند ہو گئی' پھر اس کا انجن اسٹارٹ ہوا۔ تھوڑا سا پیچھے گیا' گھوما اور آہستہ آہستہ چل پڑا۔ جب تک ٹرک آہستہ آہستہ چلتا رہا میرا دم خشک رہا کیونکہ وہ ابھی تک ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں ہی تھا۔ اس کے بعد جب ٹرک کی رفتار تیز ہو گئی اور مجھے آس پاس دوڑتی دوسری موٹر کاروں اور ٹرکوں کی آوازیں بھی آنے لگیں تو میں نے اطمینان کا سانس لیا' پھر میں نے تھیلوں میں سے سر باہر نکال کر ٹرک کی سائیڈ میں لگے ہوئے جنگلے کی درزوں میں سے باہر دیکھا۔ ٹرک ایک مصروف سڑک سے گزر رہا تھا۔ اونچی عمارتوں کے آگے سبزہ زار تھے۔ پھر فٹ پاتھ تھا جس پر' یہودی مرد اور عورتیں آ جا رہی تھیں۔ میں نے اپنا سر تھیلوں کے پیچھے کر لیا۔ کیونکہ برابر ہی میں کاروں کی قطار ٹرک کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور اندر بیٹھے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے۔

کچھ دیر یہ بھاری بھرکم ٹرک بارونق سڑکوں پر چلتا رہا' پھر ایک موڑ گھوم کر ہائی وے پر آ گیا۔ یہاں اس کی رفتار کافی تیز ہو گئی۔ میں نے سر نکال کر دیکھا۔ یہ تل ابیب کے باہر کا علاقہ تھا۔ ٹرک مضافات سے گزر رہا تھا۔ کہیں ریت کا میدان تھا تو کہیں مٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے پیچھے کو دوڑ رہے تھے۔ ٹرک شہر سے باہر بنے ہوئے ٹریش ڈمپ کی طرف جا رہا تھا۔ ٹرک کی سائیڈ والے جنگلے کی سلاخیں قریب قریب لگی تھیں۔ میں ٹرک کی رفتار مدھم ہونے کی صورت میں بھی باہر چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔ اب ٹریش ڈمپ کا ہی انتظار تھا کہ وہاں کوڑا کرکٹ انڈیلا جائے اور میں وہاں سے فرار ہو جاؤں۔ کافی دیر کے بعد ٹرک ہائی وے سے ہٹ کر پہلو والی ایک چھوٹی سڑک پر آ گیا۔ یہ کچی سڑک اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرتی تھی' پھر میں نے ایک بہت بڑا گڑھا دیکھا جو کوڑے کرکٹ کے تھیلوں سے بھرا ہوا تھا۔ ٹرک اس گڑھے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ڈرائیور نے ٹرک کو بیک کیا۔ اسے گڑھے کے کنارے پر لے آیا۔ پھر ٹرک کی مشین چلنے لگی۔ ٹرک کا عقبی حصہ آہستہ آہستہ پیچھے

سے اوپر آ کر اٹھنا شروع ہو گیا اور پھر میں بھی کوڑا کرکٹ کے تھیلوں کے ساتھ ہی پھسل کر ٹریش کے انبار میں جا گرا۔ یہ ٹریش کا سمندر تھا۔ میں جہاں گرا تھا وہیں پڑا رہا جب ٹرک واپس چلا گیا اور اس کی آواز دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی تو میں نے خود کو کافی جدوجہد کے بعد کوڑے کرکٹ کے اس سمندر میں سے باہر نکالا۔ کپڑے جھاڑے، جوتے صاف کیئے۔ انگلیوں سے بالوں کو سیدھا کیا اور اردگرد نظر دوڑائی۔ دور پیچھے تل ابیب کی کچھ ہائی رائیز عمارتیں اور بعض کارخانوں کی چمنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ آگے حد نگاہ تک ویرانہ پھیلا تھا۔ کہیں کہیں اونچے ٹیلے اور کھجوروں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ موسم گرما تھا۔ اگرچہ دھوپ پھیکی پڑنے لگی تھی۔ میری منزل یروشلم ہونی چاہئے تھی۔ ظاہر ہے مجھے اپنی ساتھی ایجنٹ سعدیہ کے پاس ہی پہنچنا چاہیئے تھا، مگر یروشلم وہاں سے کافی دور تھا اور میرے پاس وہاں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ تل ابیب پہنچنے کے لیے ضروری تھا کہ بس ٹرین میں سفر کروں، جو ایک انتہائی خطرناک بات تھی۔ اسرائیلی ایجنٹ تو مجھے جگہ جگہ تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ اس جگہ زیادہ دیر رکنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں چھوٹی سڑک پر سے ہوتا ہائی وے پر آ گیا۔ ہائی وے پر لفٹ کا ملنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ سو کلو میٹر کی رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑیاں کسی کے لئے نہیں رکتیں پھر میں یہاں دیکھا بھی جا سکتا تھا۔ ہائی وے کے کنارے درخت کوئی نہیں تھا البتہ ریت اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے تودے ضرور تھے۔ میں ایک تودے کے عقب میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ بھوک اور پیاس کا شدید احساس جاگ اٹھا تھا۔ ایک دن اور گزر گیا۔ میرے جسم میں گردش کرتے دھماکہ خیز مواد کے پھٹنے میں اب صرف تین دن رہ گئے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے سعدیہ کے پاس پہنچ کر اسے صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کروں اور میرے پیٹ میں جو ٹائم بم لگا دیا گیا ہے اس کا کوئی توڑ دریافت کروں۔

ہائی وے پر جنوب کی جانب گاڑیاں برق رفتاری سے گزر رہی تھیں۔ کسی وقت ٹریفک ہلکی ہو جاتی اور کسی وقت ایک کے بعد ایک گاڑی اور ٹرک گزرنے لگتے۔ مجھے معلوم تھا کہ یروشلم جنوب کی سمت واقع ہے اور کافی دور ہے۔ ایک بار دل میں یہ بھی خیال آیا کہ سعدیہ نے فون پر خفیہ کوڈ میں مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اپنے آدمی سولومن سے جا کر مل لوں تو کیوں نہ اس سے ملاقات کروں۔ وہ میرے یروشلم پہنچانے کا کوئی بندوبست کر دے گا، لیکن تل ابیب تو ایک مگرمچھ کی طرح نظر آ رہا تھا جو مجھے ہڑپ کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہو۔ دوسری طرف یروشلم کی جانب مجھے لفٹ ملنے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ دو فوجی ٹرک تیزی سے گزر گئے۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو ٹیلے کے پیچھے کر لیا۔ پولیس کی تین گاڑیاں ایک دوسری کے پیچھے گزر گئیں۔ میں جانتا تھا کہ اسرائیلی انٹیلی جنس اور سکیورٹی پولیس کا عملہ حرکت میں آ گیا ہو گا۔ میری تصویریں انہیں مہیا کر دی گئی ہوں گی۔ اور میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہوں گے۔ عین ممکن تھا کہ ہائی وے پر بھی خفیہ پولیس کی

گاڑیاں پٹرولنگ کر رہی ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر لفٹ کے لئے ہاتھ ہلاتے گھبرا رہا تھا۔

سورج دور مغرب میں تل ابیب کی سربفلک جدید عمارتوں کے پیچھے آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔ ہائی وے پر بھاگتی گاڑیوں کی ہیڈلائٹس روشن ہو گئی تھیں۔ اب میرا وہاں رکنا بے کار تھا۔ سوچا یروشلم کی جانب چل پڑنا چاہیئے۔ شاید آگے جا کر لفٹ کا کوئی انتظام ہو جائے۔ چنانچہ میں ٹیلے کی اوٹ سے نکل' ہائی وے سے کافی ہٹ کر جنوب مشرق کی سمت روانہ ہو گیا۔ علاقہ بنجر تھا۔ خشک جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ چلتا چلا گیا۔ شام کی سیاہی گہری ہوتی گئی اور مجھے کسی قصبے کی نیون سائیز کی روشنیاں نظر پڑیں۔ میں ادھر کو چلنے لگا۔ یہ ایک چھوٹا سا ماڈرن قصبہ تھا جس کی پختہ سڑکوں کے آس پاس ایک منزلہ دو منزلہ لکڑی اور سیمنٹ کی عمارتیں کھڑی تھیں۔ کار پارکنگ میں گاڑیاں اور اسکوٹر کھڑے تھے۔ دکانیں' اسٹورز اور فلیٹس روشنی سے جگمگا رہے تے۔ لوگ بہت کم سڑکوں پر نظر آ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی پونٹیک یا سیڈان ہموار سڑک پر شاں شاں کی آواز پیدا کرتی گزر جاتی تھی۔ اسٹورز اور دکانوں کے باہر چمکیلے سائن بورڈ جھلملا رہے تھے۔ ایک ریستوران کے باہر فوڈ اور گروسری سے بھرا ہوا ٹرک کھڑا تھا۔ مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی اور پیاس بھی۔ ان ماڈرن شہروں میں پینے کا پانی سڑکوں پر کہیں نہیں ملتا۔ مشروبات کی سلاٹ مشینیں فٹ پاتھ پر ضرور لگی ہوتی ہیں کہ سکے ڈال کر کوکا کولا یا کسی دوسرے مشروب کا ٹن نکال کر پی لیں۔ اگر ہاٹ ڈاگ یا برگر کھانے کو جی چاہے تب بھی مشین میں سکے ڈالیں اور نکال کر کھالیں۔ میری جیب میں ایک سینٹ تک نہیں تھا۔ پانی کی بہت طلب ہو رہی تھی۔ بھوک تو میں کافی دیر تک برداشت کر سکتا تھا جہاں میں کھڑا تھا وہ جگہ قصبے سے ذرا اونچائی پر تھی... ایک جانب کچی ڈھلان تھی اور دوسری جانب درختوں کے جھنڈ تھے۔ خدا جانے یہ کون سے درخت تھے۔ ہوا بند تھی۔ حبس کافی تھا میں نے سوچا شاید ان درختوں میں کہیں پانی مل جائے یونہی درختوں کی طرف آ گیا' مگر وہاں پانی کہیں نہیں تھا۔

میں درختوں سے نکل آیا۔ سوچا قصبے میں چل کر کسی ریستوران میں جا کر پانی پیا جائے۔ میں دکانوں اور ریستورانوں کے سامنے کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔ اگرچہ قصبے میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی اور بہت کم لوگ دیکھنے میں آ رہے تھے پھر بھی میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا۔

میں نے ایک ریستوران کا سائن بورڈ پڑھا اور اوپر سے ہو کر اس کے عقب میں آ گیا۔ یہ اسٹور روم کا جنک یارڈ تھا۔ میری خوش قسمتی سے یہاں پانی کا ایک نل بہہ رہا تھا۔ لپک کر منہ ہاتھ دھویا۔ پانی پی کر پیاس بجھائی اور پتلون میں سے قمیص باہر نکال کر اپنا منہ پونچھ رہا تھا کہ تڑاخ تڑاخ گولیاں چلنے لگیں' پھر شوں شوں کر کے کاریں چیختی ہوئی بھاگیں۔ میں گھبرا کر درختوں کی طرف دوڑا۔ گولیاں تڑاخ تڑاخ چل رہی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو محسوس ہوا

کہ میں دیکھ لیا گیا ہوں اور یہ فائرنگ مجھ پر ہو رہی ہے' مگر گولیوں کی آواز ریستوران کے سامنے والی جانب سے آ رہی تھی۔ ادھر ہی سے اب لوگوں کا شور بھی اٹھنے لگا تھا۔ میں دوڑ کر ایک چھوٹی سی کچی سڑک پار کرنے لگا تو تھا میں ایک فائر ہوا اور گولی میرے بالکل قریب سے گزر گئی۔ ساتھ ہی پیچھے سے کسی نے چلا کر عبرانی زبان میں کہا۔

"رک جاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

میں وہیں رک گیا۔ ایک آدمی اسٹور کے چھجے کے نیچے سے نکل کر میری طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ایک ہاتھ کاندھے پر تھا وہ ہاتھ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا تیز رفتاری سے میرے سر پر پہنچ گیا اور پستول میری گردن پر رکھ کر بولا۔ "اس سامنے والی کار میں چلو۔ چلو"۔

وہ ہانپ رہا تھا۔ خون اس کے کاندھے سے ابل رہا تھا۔ میں اس کے اشارے پر چلتا سڑک کے پار کھڑی سیڈان کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی گھسٹتا ہوا کار میں گھس گیا۔ اس کے پستول کا رخ ابھی تک میرے سینے کی طرف تھا۔ مجھے یہ جان کر تسلی ہو گئی تھی کہ یہ پولیس یا سی آئی ڈی کا آدمی نہیں تھا بلکہ زخمی تھا اور اسے میری مدد کی ضرورت تھی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "میری جیب سے چابی نکال کر کار کو یہاں سے نکال لے چلو۔ جلدی کرو' میرے پاس وقت نہیں ہے"۔

میں نے اس کی جیب سے چابی نکال کر کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے کار کو ایک طرف بھگایا۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے سے تین چار گولیاں آئیں۔ ایک گولی کار کی ڈکی میں لگی۔ میں نے اپنا سر نیچے کر لیا تھا۔ زخمی آدمی پستول میری پسلیوں میں دیئے خود بھی نیچے کو جھکا سیٹ پر لڑھکا ہوا تھا۔ میں کار کو آن واحد میں وہاں سے نکال کر کہیں سے کہیں لے گیا۔ زخمی نے کمزور آواز میں کہا۔ "پہلے موڑ پر بائیں جانب۔ رفتار تیز کرو"۔

میں نے سپیڈ مزید تیز کر دی۔ سڑک کے پہلے موڑ پر میں نے گاڑی کو بائیں جانب گھما دیا۔ یہ سڑک ٹیلوں کے گرد چکر کاٹتی ڈھلان کی صورت میں آگے ایک خشک نالے میں اتر گئی تھی۔ یہاں تک آتے آتے خون زیادہ نکل جانے سے زخمی نوجوان کے ہاتھ سے پستول لڑھک گیا۔ اس نے بے بس نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔ "دوست گھبراؤ نہیں۔ تم جہاں جانا چاہتے ہو میں تمہیں وہیں پہنچا دوں گا"۔

اس نے اپنے کاندھے کے زخم کی طرف اشارہ کیا اور گردن پیچھے ڈال دی۔ میں نے خشک نالے میں پہنچتے ہی گاڑی روک دی اور اپنی قمیص پھاڑ کر اس کے کاندھے پر پٹی کس کر باندھ دی۔ زخمی نوجوان نے غصے میں کہا۔ "گاڑی یہاں سے نکالو"۔

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور کہا۔ "آگے کہاں جاؤ گے؟"

اس نے اب پھر پستول ہاتھ میں لے کر اس کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔ "نالے سے نکلو گے

تو۔ تو ایک سڑک اوپر کو جائے گی۔ اس پر ہو جانا۔ خبردار گاڑی مت روکنا"۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ اس نے مجھے گاڑی کی بتیاں روشن کرنے سے منع کر دیا تھا۔ میں اندھیرے میں بل کھاتی چھوٹی سڑک پر بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد گاڑی اونچے نیچے درختوں کے نیچے بنے ہوئے ایک لکڑی کے کاٹیج کے پاس پہنچ گئی۔ زخمی نوجوان نے پستول کی نالی میری پسلی میں دبائی اور کہا۔ "گاڑی روک دو"۔

میں نے بریک لگا دی۔ اچانک کاٹیج کا بیرونی دروازہ کھلا اور اندر سے دو بٹے کٹے لمبے بالوں والے غنڈہ نما آدمی جیسے چھلانگیں لگا کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے پستول تان رکھے تھے۔ گاڑی کے پاس آتے ہی سب سے پہلے انہوں نے مجھے گردن سے گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔ زخمی نوجوان نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ اسے کچھ نہ کہنا"۔

غنڈوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کیا ہوا؟ باقی لوگ کہاں ہیں؟"

زخمی نوجوان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ ہولڈاپ ناکام رہا۔ ان لوگوں کے پاس اسلحہ زیادہ تھا۔

کاٹیج میں سے ایک موٹے پیٹ والا آدمی ہاتھ میں مشروب کا ٹن تھامے باہر نکل آیا۔ اس نے چلا کر کہا۔ "اسے فرسٹ ایڈ دو۔ گاڑی یہاں سے بھگا دو۔ یہ کون آدمی ہے؟ اسے گولی کیوں نہیں ماری؟" اس کے ساتھ ہی موٹی توند والے نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس وقت دونوں غنڈے زخمی نوجوان کو سہارا دیئے مکان میں لے جا رہے تھا۔ زخمی نے قدرے چیخ کر کہا۔ "ڈیوڈ۔ گولی مت مارنا"۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ میری جان بخش دیں گے۔ یعنی چھوڑ دیں گے مگر انہوں نے مجھے بھی بوسیدہ کاٹیج کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ میں اگرچہ اس وقت اس پوزیشن میں تھا کہ چھپنے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہا تھا تاہم مجھے وقت ضائع کرنا بھی گوارا نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جیپ آ گئی جس میں سے کچھ مزید آدمی شور مچاتے ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے 'گالیاں بکتے برآمد ہوئے۔ مجھے اس زخمی نوجوان کے روبرو پیش کیا گیا۔ جس کو گاڑی میں بٹھا کر میں یہاں تک لایا تھا۔ اس کے کاندھے کی گولی نکال دی گئی تھی۔ تازہ پٹی بندھی تھی۔ ایک بوتل لکڑی کی میلی کچیلی میز پر پڑی تھی۔ لالٹین جل رہی تھی۔ وہ آرام دہ کرسی پر نیم دراز تھا۔ اس کے ساتھی وہیں ادھر ادھر کچھ کھڑے کچھ نیم دراز اور کچھ بیٹھے سگریٹ اور مشروب پی رہے تھے۔ موٹی توند والا ڈیوڈ بھی موجود تھا اور پستول سامنے رکھے مشروب پیتے ہوئے مجھے لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ شکل و صورت سے یہ جرائم پیشہ قاتل اور خونی لگتے تھے۔

زخمی نوجوان نے مجھے... ہاتھ سے اپنے سامنے والے اسٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر عبرانی زبان میں بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے اپنا نام سالومن ہی بتا دیا۔ زخمی نوجوان نے کہا۔ میرا نام سالوس ہے۔ یہ ڈیوڈ ہمارا انکل ہے۔ باقی ہمارے دوست ہیں"۔

پھر اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ "سالومن اگر چاہتا تو مجھے پولیس کے حوالے کر سکتا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے سے میرا پستول میرے ہاتھ سے گر پڑا تھا مگر سالومن نے کہا کہ میں تمہیں جہاں تم کہو گے وہیں چھوڑوں گا فکر نہ کرو"۔

پھر میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ سوائے ڈیوڈ کے سبھی بدمعاش مجھے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ بولا۔ "یہ پولیس کا آدمی ہو سکتا ہے"۔

سالوس نے ایک ہاتھ سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر منہ میں لگایا۔ اس کے ساتھ بیٹھے غنڈے نے لائٹر جلا کر اسے سلگا دیا۔ سالوس نے دو تین کش لگائے۔ ڈیوڈ کی طرف گہری نظر سے دیکھا اور کہا۔ "انکل! تم تجربے میں مجھ سے زیادہ ہو مگر نرے گاؤدی ہو۔ تم بندے کو پہچان نہیں سکتے۔ اب بیچ میں بولے تو پستول سے کھوپڑی اڑا دوں گا"۔

ڈیوڈ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ زخمی نوجوان یعنی سالوس ان سب کا سردار تھا۔ سب اس سے دبتے تھے' پھر وہ اپنے آپریشن کی ناکامی کی وجوہات پر تیز تیز بحث مباحثہ کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ وہ قصبے کے اسٹور پر ڈاکہ مارنے گئے تھے۔ آگے سے مقابلہ شروع ہو گیا اور یہ اسٹور والوں کے تین آدمیوں کو ٹھنڈا کرنے کے بعد وہاں سے فرار ہو گئے۔ صرف سالوس اس معرکے میں زخمی ہوا۔ اس کے کاندھے پر گولی لگی تھی۔ ایک عجیب اتفاق سے میں ان لوگوں کے خفیہ ٹھکانے اور ان کے پیشے اور مجرمانہ سرگرمیوں سے واقف ہو گیا تھا۔ سالوس میرا احسان مند تھا۔ اسے اس حقیقت کا احساس تھا کہ میں نے اس کے ساتھ انسان دوستی اور رواداری کا سلوک کیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو جب وہ نڈھال ہوا تھا اور پستول اس کے ہاتھ سے تقریباً لڑھک گیا تھا تو اسے کار سے باہر پھینک کر خود فرار ہو سکتا تھا' لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ محض اس لئے کہ ایک بے بس انسان کی بے بسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھانا میرا اصول نہیں اور سالوس شدید زخمی بھی تھا۔ اگر اسے سڑک پر لڑھکا کر فرار ہو جاتا تو وہ زیادہ

خون نکل جانے سے مر جاتا۔

سالوس نے مجھے کھانا کھلایا۔ مشروب کے دو ٹن پلائے۔ سگریٹ پینے کو دیا۔ پھر جب گینگ کے باقی آدمی اپنے اپنے خفیہ ٹھکانوں پر چلے گئے تو سالوس نے مجھ سے پوچھا میں کیا کرتا ہوں اور برج ووڈ ٹاؤن میں کیسے آیا تھا؟ میں نے سالوس کو فرضی کہانی گھڑ کر سنادی کہ شام کا یہودی ہوں۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد یروشلم آگیا۔ بیکاری سے تنگ آکر تل ابیب نوکری کی تلاش میں آیا۔ کامیابی نہ ہوئی۔ بھوکا پیاسا واپس یروشلم کی طرف جا رہا تھا کہ برج ووڈ ٹاؤن میں یہ حادثہ پیش آگیا۔

سالوس نے سگریٹ کا لمبا کش لگایا اور بولا۔ "کیا ہمارے گینگ میں شامل ہو گے؟"

میں چاہتا تھا کہ کسی طرح سے میں یروشلم پہنچ جاؤں۔ میں نے کہا۔ "ایک بار یروشلم جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میری بڑی بہن رہتی ہے۔ اس کے پاس میری کچھ پونجی جمع ہے وہ لے آؤں پھر تمہارے گینگ میں شامل ہو جاؤں گا"۔

سالوس کچھ دیر لالٹین کی روشنی میں میری طرف گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں تمہارے ساتھ ایک آدمی کر دوں گا۔ وہ تمہیں، تمہاری بہن سے ملا کر واپس لے آئے گا"۔

میں نے کہا۔ "کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں سالوس؟"

سالوس مسکرایا۔ اس کے دانت زرد تھے۔ "یہ بات نہیں سالومن! اگرچہ میں اپنے گینگ کا باس ہوں لیکن مجھے ان کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم نے ہمارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ ہماری شکلیں دیکھ لی ہیں۔ ہو سکتا ہے تم پولیس والوں کو خبر کر دو۔ اگرچہ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے لیکن پھر بھی مجھے اپنے آدمیوں کا بھی منہ بند رکھنا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔ میرا آدمی تمہیں گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ بحفاظت لے جائے گا اور واپس بھی لے آئے گا"۔

میں سمجھ گیا کہ میں ایک طرح سے ان غنڈوں کے پاس گروی پڑ گیا ہوں۔ نادانستگی میں میں ان کی مجرمانہ سرگرمیوں اور کمیں گاہ کا عینی گواہ بن گیا ہوں اور اب وہ مجھے اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے۔ مجھے اپنا غم کھائے جا رہا تھا کہ پیٹ میں دھماکہ ہونے میں صرف دو دن باقی رہ گئے ہیں۔ مجھے عدیہ سے مل کر اس کا فوری طور پر کوئی توڑ تلاش کرنا تھا جس کے لئے میرا جلد از جلد یروشلم پہنچنا بہت ضروری تھا۔ میں نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے سالوس سے کہا کہ وہ جیسے کہے گا ویسے ہی کروں گا۔ سالوس خوش ہو گیا۔ سالوس نے اپنے اسی ٹوٹے پھوٹے کمرے میں میرے لئے کیمپ کارٹ بچھوا دی اور میں اس پر لیٹ گیا۔ میں خوب جانتا تھا کہ باہر پہرہ لگا ہے۔ سالوس نے کہا تھا کہ وہ صبح مجھے اپنے ایک خاص آدمی کے ہمراہ یروشلم کی طرف روانہ کر دے گا۔ آدھی رات کو انکل ڈیوڈ اندر آیا۔ سالوس جاگ رہا تھا۔ اس نے سالوس کو دوائی کی گولی کھلائی اور پھر میرے قریب آکر جھک کر دیکھا۔ میں جھوٹ موٹ خراٹے لینے لگا۔ ڈیوڈ نے ایک طرف تھوک کر کہا۔ "تم نے خواہ مخواہ کی مصیبت مول

لے لی ہے۔ اب دو آدمی مستقل اس کی نگرانی کو چاہئیں "۔

سالوس آہستہ سے بولا۔ "اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا تم جا کر آرام کرو۔ راکی کو کہنا کہ صبح ویگن نکال کر اسے یروشلم لے جائے "۔

"وہ کیوں؟" ڈیوڈ نے چونک کر ناراضگی سے پوچھا۔

سالوس نے کہا۔ "یہ بات تم مجھ پر چھوڑ دو اور جیسے میں کہہ رہا ہوں ویسے کرو۔ اب جاؤ۔ مجھے نیند آ رہی ہے "۔

اس کے بعد میں بھی سو گیا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب کوئی مجھے کاندھے سے ہلا رہا تھا۔ سالوس کی آواز آئی۔ "سالومن! تمہیں اسی وقت یروشلم جانا ہو گا میرے دوست!"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ لالٹین کمرے میں اسی طرح جل رہی تھی۔ میرے قریب ہی ایک بھرے بھرے بدن والا آدمی ٹی شرٹ اور جینز میں پھنسا پھنسا سا کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی میں اٹھ بیٹھا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ سالوس نے مجھے نئی جیکٹ اور جینز پہننے کو دی پھر راکی سے کہا۔

"سالومن ہمارا دوست ہے راکی! راستے میں اس کی ضرورت کا خیال رکھنا۔"

ظاہر ہے وہ راکی کو خفیہ الفاظ میں تاکید کر رہا تھا کہ مجھے ادھر ادھر نہ ہونے دے۔ باہر منہ اندھیرے کا سماں تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کاٹج کے باہر پیپل کے درخت کے نیچے گرد میں اٹی ہوئی پرانی سی ویگن کھڑی تھی جو بالکل بند تھی۔ میں راکی کے ساتھ آگے بیٹھ گیا۔ راکی نے ہونٹوں میں سگریٹ دبا رکھا تھا۔ ویگن کا انجن غرایا اور پھر ویگن درختوں کی ڈھلان سے نکل کر پو پھٹے کے اندھیرے میں ایک کچی سڑک پر تیزی سے روانہ ہو گئی۔

راکی نے سگریٹ باہر پھینکتے ہوئے کہا۔ "ہم ہائی وے سے ہٹ کر جائیں گے۔ ہائی وے پر پولیس پڑول کا خطرہ ہے۔ سالومن! باس کہتا ہے تم ہمارے گینگ میں شامل ہو گئے ہو؟ اچھا کیا۔ ہمیں تم ایسے بہادر جوانوں کی ضرورت ہے۔ باس سالوس، تمہاری بڑی قدر کرتا ہے "۔

میں نے کہا۔ "ہم یروشلم کس وقت پہنچ جائیں گے؟"

راکی بولا۔ "میں شارٹ کٹ مار رہا ہوں۔ جتنا وقت ہائی وے پر لگتا ہے اس سے بہت کم وقت لگے گا۔ تم نے ناشتہ نہیں کیا نا؟ میں نے بھی نہیں کیا۔ فکر نہ کرو۔ راستے میں ایک گاؤں آئے گا۔ وہاں برگر اور کافی اڑائیں گے "۔

ویگن انجانے راستوں پر اڑی جا رہی تھی۔ سڑک کچی تھی اور ہچکولے لگ رہے تھے۔ بتدریج رات کی سیاہی دن کے اجالے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ آس پاس کا غیر آباد بنجر علاقہ اب صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ کہیں کہیں کوئی درخت نظر آتا تھا۔ مٹی اور سنگلاخ پتھروں کی چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں

دور دور تک پھیلی تھیں راکی کو راستے کا علم تھا۔ وہ گاڑی اڑائے لئے جا رہا تھا۔ سورج کو نکلے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے کہ دور پانی کی گول ٹینکی دکھائی دی۔

راکی نے کہا۔ "یہ گاؤں کی ٹینکی ہے۔ یہاں ہم ناشتہ کریں گے' مگر میں ویگن میں ہی بیٹھا رہوں گا۔ تم ایسا کرنا کہ ریستوران میں جا کر برگر اور کافی خرید لانا۔ اور ہاں آج کا اخبار ضرور لانا۔ اس میں کل کے ڈاکے کی پوری خبر چھپی ہو گی۔ میں اسے پڑھنا چاہتا ہوں"۔

اخبار کے نام سے میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ یقیناً آج کے اخبار میں میرے فرار کی خبر بھی چھپی ہو گی۔ ہو سکتا ہے ساتھ میرا فوٹو بھی دے دیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں راکی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ ڈاکو اور غنڈہ سہی مگر ایک پکا یہودی ہے اور وہ اپنے ملک کے خلاف جاسوسی کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ پولیس کو وہ خبر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اس کے پاس اپنے وطن کے غدار کو کیفر کردار تک پہنچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ مجھے گولی مار دے۔ اگر میری گرفتاری کے لئے انعام مقرر ہوا ہو گا تو پھر بھی وہ مجھے دبوچ لے گا اور یہیں سے واپس اپنے باس سالوس کے پاس لے جائے گا۔ میں یہی سوچ رہا تھا اور ویگن ایک غیر آباد سے گاؤں میں داخل ہو گئی۔ چند ایک کاٹج بنے تھے۔ دائیں جانب پھلوں کا فارم تھا۔ ایک لمبی بیرک تھی۔ گاؤں کی ایک کچی سڑک تھی جس کے کنارے "موٹل" کا بورڈ لگا تھا۔ راکی نے ویگن اس موٹل کے بالکل سامنے مگر جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کر دی اور مجھے پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو سامنے فٹ پاتھ پر نیوز پیپر اسٹینڈ میں آج کے تازہ اخبار لگے ہیں۔ پہلے سکہ ڈال کر اخبار نکالنا' پھر موٹل کے ریستوران میں جا کر چار چھ برگر اور کافی کے دو گلاس لے آنا' جاؤ۔ دیر مت کرنا۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کو بھی شہر والے ڈاکے کی خبر فون پر مل گئی ہو"۔

میں پانچ ڈالر کے نوٹ تھامے ویگن سے اتر کر موٹل والے ریستوران کی طرف بڑھا۔ دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ فٹ پاتھ پر نیوز پیپر اسٹینڈ میں اخبار لگے تھے۔ جونہی میری نظر اخبار پر پڑی میری روح کانپ اٹھی۔ اخبار کے پہلے ہی صفحے پر ایک چوکھٹے میں میری تصویر کے ساتھ میرے فرار کی خبر چھپی تھی اور ساتھ انعام کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔ میں نے اسی لمحے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟

سکہ ڈال کر اخبار اسٹینڈ کے شیشے کے کیس میں سے نکال کر بغل میں دبا لیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ راکی ویگن کی اگلی سیٹ کی کھڑکی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے جلدی کرنے کو کہا۔ میں ریستوران کی طرف بڑھا۔ اب مجھے اپنی پڑ گئی تھی۔ اخبار میں خبر کے ساتھ میری تصویر کا آ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ میں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ پکڑا جا سکتا تھا۔ پھر انعام کا لالچ بھی تھا۔ یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ میں اخبار لئے بغیر راکی کے پاس پہنچ جاؤں۔ موٹل کے ریستوران

میں خوش قسمتی سے اس وقت سوائے ایک بوڑھے دیہاتی کے اور کوئی نہیں تھا جو کونے والی کھڑکی کے پاس بیٹھا کافی کے ساتھ برگر کھا رہا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں تھا۔ ویسے بھی ان ملکوں میں کوئی کسی کی طرف خواہ مخواہ نہیں دیکھتا۔ ہر کوئی اپنے کام سے غرض رکھتا ہے۔ راکی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ترکیب میرے ذہن میں آگئی تھی۔ جو صورت حال تھی اس میں یہی ترکیب کام آسکتی تھی۔ کاؤنٹر پر ایک معمر عورت کافی کی مشین کو کپڑے سے صاف کر رہی تھی۔ کونے میں باتھ روم تھا۔ میں اس میں گھس گیا۔ اخبار کو پھاڑ کر ٹریش میں پھینکا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ باتھ روم سے باہر جانے کا دوسرا دروازہ کوئی نہیں تھا۔ مجھے دوسرے دروازے کی تلاش تھی۔ جلدی سے باہر نکل آیا کاؤنٹر والی عورت نے شاید ابھی تازہ اخبار نہیں پڑھا تھا۔ میں نے اس سے کافی کا ایک گلاس لیا۔ پانچ ڈالر دیئے۔ باقی ریزگاری جیب میں ڈالی اور جائزہ لیا کہ کہیں وہ مجھے گھور کر تو نہیں دیکھ رہی۔ اس نے مجھے دیکھا تھا مگر پھر اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے تازہ اخبار نہیں دیکھا۔

مجھے بے چینی لگی تھی مگر اوپر سے بے حد اطمینان کے ساتھ کاؤنٹر کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ کر کافی پینے لگا۔ اچانک کونے والا پردہ ہٹا اور ایک ادھیڑ عمر کا آدمی سر پر لمبا ہیٹ جمائے ہاتھ میں ایک تربوز اٹھائے داخل ہوا... اور بولا۔ "ڈوریانہ۔ دیکھو کتنا بڑا تربوز کھیت سے توڑا ہے"۔

اس کا مطلب تھا کہ اس دروازے کے پیچھے کھیت تھا۔ ادھیڑ عمر آدمی کاؤنٹر پر تربوز رکھ کر عورت سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ یہ سنہری موقع تھا۔ میں کافی کا گلاس وہیں چھوڑ کر اٹھا اور باتھ روم میں جانے کے بہانے پردہ اٹھا کر دوسری طرف نکل گیا۔ ادھر واقعی ایک چھوٹا سا کھیت تھا جس میں سبز رنگ کے بڑے بڑے تربوز بیلوں میں پڑے تھے۔ میں لپک کر ریستوران کے کونے میں پیچھے کی طرف آگیا۔ یہاں سے مجھے راکی کی ویگن جھاڑیوں کے پیچھے کھڑی نظر آرہی تھی۔ راکی کا بازو کھڑکی سے باہر تھا اور وہ پریشانی کے عالم میں اپنی انگلیاں کھڑکی پر بجا رہا تھا۔ اس نے دو تین بار سر نکال کر موٹل کی طرف دیکھا۔ وہ پریشان تھا کہ میں اندر جا کر کہاں غائب ہو گیا ہوں۔ میں نے جائزہ لے لیا تھا کہ وہاں کوئی گاڑی یا ٹرک وغیرہ نہیں تھا' پھر راکی نے ہلکا سا ہارن دیا۔ میں چپ چاپ ریستوران کے کونے والی لکڑی کی دیوار کے ساتھ لگا اسے تکتا رہا۔

راکی نے دوبارہ ہارن دیا۔ جب میں پھر بھی باہر نہ نکلا تو وہ غصے میں ویگن کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور ادھر ادھر دیکھتا اپنے کالر چڑھائے لمبے لمبے ڈگ اٹھائے ریستوران میں داخل ہو گیا۔ میں اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ دوڑ کر ویگن کے عقب میں آیا۔ دوسری جانب سے ویگن کا دروازہ کھول کر اندر گھسا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کیا اور پہلے گیئر میں ڈال کر پوری رفتار سے ویگن کو کھینچ کر وہاں سے لے اڑا۔ پیچھے راکی پر کیا گزری ہوگی۔ اس کا اندازہ آپ بھی بخوبی لگا سکتے ہیں مگر میں نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا اور ویگن کو تیز رفتاری سے چلاتا کچی سڑک پر کہیں سے کہیں نکل گیا۔ مجھے

راستوں کا علم نہیں تھا مگر راکی کی زبانی اتنا علم ہو چکا تھا کہ یہ کچی سڑک ہائی وے کے پہلو میں ہوتی مختلف گاؤں سے گزرتی یروشلم تک چلی جاتی ہے۔ ویگن میں ظاہر ہے تیل کا ذخیرہ اتنا ضرور تھا کہ میں یروشلم تک پہنچ جاتا۔ میں کچے راستے پر اندھادھند گرد اڑاتا ویگن اڑائے لئے جارہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ پیچھے گاؤں میں کوئی ایسی گاڑی وغیرہ نہیں ہے جس کو لے کر راکی میرا پیچھا کرے اور وہ سالوس کو فون بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ریستوران میں فون تھا لیکن سالوس کے بوسیدہ کالج میں فون نہیں تھا۔

اس کے باوجود راکی ایک عیار مجرم تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے ایک لمحے کے لئے بھی رفتار مدھم نہ کی۔ اس وقت کچے راستے پر ویگن ساٹھ کلو میٹر کی رفتار سے بھاگ رہی تھی اور خوب کھڑکھڑا رہی تھی۔ خطرہ اگر تھا تو یہی کہ کہیں اس کا انجر پنجر الگ نہ ہو جائے۔ گاڑی کا انجن کافی ٹھیک حالت میں تھا اور ایک خاص آواز کو برقرار رکھے چل رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد چھوٹی سی ٹینکی والا ایک اور گاؤں آگیا۔ میں وہاں رکے بغیر آگے نکل گیا۔ دوپہر کا وقت تھا کہ مجھے بائیں جانب ڈھلانی چھتوں والے کاٹج نظر آئے۔ ان کے پیچھے درختوں کے جھنڈ ابھرے ہوئے تھے۔ دھوپ خوب تیز تھی۔ مجھے اس بات کی شدید تشویش تھی کہ میرے فرار کی خبر تصویر کے ساتھ اخباروں میں چھپ چکی ہے اور میں لوگوں میں گیا نہیں کہ پکڑا گیا۔

بائیں جانب نسبتاً بڑا گاؤں آباد تھا۔ یہاں ایک کارخانہ بھی تھا۔ میں گاڑی ایک سیکنڈ کے لئے روکے بغیر اس گاؤں کو پیچھے چھوڑ گیا۔ اس وقت مجھے یہ پتہ لگانے کی اشد ضرورت تھی کہ میں صحیح سمت پر جا رہا ہوں کہ نہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ میں یروشلم کی بجائے کسی دوسرے بڑے شہر میں جانکلوں۔

چونکہ میں کسی باقاعدہ بڑی سڑک پر سفر نہیں کر رہا تھا اس لئے وہاں سنگ میل کے نشان بالکل نہیں تھا۔ ہائی وے خدا جانے مجھ سے کتنی دور تھی۔ راستے کی گرد نے میرے بالوں اور چہرے کا حلیہ بدل دیا تھا' پھر بھی میں بڑی آسانی سے پہچانا جاسکتا تھا۔ میں نے صبح سے سوائے کافی کے ایک گھونٹ کے اور کچھ بھی نہ کھایا پیا تھا۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے جو میری فکر اور تشویش کی وجہ سے قدرے ناخوش تھے۔ اوپر سے میری دھماکہ خیز موت کا لمحہ بھی قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ صرف اگلا ایک دن اور ایک رات باقی رہ گئی تھی۔ یہودی ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق میرے پیٹ میں کسی جگہ دستی بم بن کر چھپے ہوئے محلول کو پرسوں دن کے ساڑھے نو بجے میرے جسم کے پرخچے اڑاتے ہوئے پھٹ پڑنا تھا۔

میں ایک بار پھر غیر آباد بنجر ویرانے میں سے گزر رہا تھا۔ راکی کا یہ کہنا درست نکلا کہ یہ سڑک یروشلم جا کر ختم ہوتی ہے۔ کم از کم ابھی تک سڑک کسی جگہ پہنچ کر ختم نہیں ہوئی تھی۔ چلی جارہی تھی راستے میں ایک دو پھلوں کے فارم بھی آئے۔ کہیں کہیں سبزیوں کے کھیت گزر جاتے۔ کوئی اکلوتا کارخانہ بھی دکھائی دے جاتا۔ ویگن ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب سے گزر رہی تھی کہ مجھے فٹ پاتھ کے کونے میں ایک سلاٹ مشین لگی نظر آئی میں نے ویگن اس کے پاس لے جا کر

کھڑی کر دی۔ اتر کر پھرتی سے مشین میں سکے ڈالے اور باری باری ایک کوکا کولا کاٹن اور دو برگر کے پیکٹ نکالے اور ویگن میں بیٹھ کر جلدی جلدی ہڑپ کرنے لگا۔ سائیڈ میں لگے آئینے میں سے پیچھے بھی دیکھ رہا تھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ برگر کھا کر ٹھنڈا کوکا کولا پی کر ٹن باہر پھینکا۔ جان میں جان آئی۔ ایک بار پھر ویگن اڑاتا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

دن ڈوب گیا۔ سورج اپنے پیچھے اندھیرے کی سیاہ چادر پھیلا کر غروب ہو گیا۔ میں ابھی تک سفر کر رہا تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر مجھے اپنی داہنی جانب کھمبوں پر لگی مرکری لائٹیں نظر آنے لگیں۔ یقیناً یہ ہائی وے کی بتیاں تھیں۔ میں یہ محسوس کر کے گھبرا سا گیا کہ جس سڑک پر میں سفر کر رہا تھا اس کا رخ بھی اب ہائی وے کی طرف ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ کچی سڑک اب ہائی وے میں جا کر مدغم ہونے والی تھی اور ہائی وے پر میرے لئے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ تاہم ایک تسلی ضرور تھی کہ وقت دن کا نہیں رات کا تھا۔ مجھے ویگن میں بیٹھے آسانی سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ آخر وہی ہوا۔ سڑک ادھر ادھر سے گھومتی ہوئی ہائی وے پر جا نکلی اور میں ہائی وے کے ایک گیٹ میں سے نکل کر پہلی لین میں آ گیا۔ ہائی وے پر دو لین ایک طرف اور دو لین پیچھے کی طرف جا رہی تھیں۔ ہائی وے پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ میں بڑی آسانی سے ویگن کو دوسری لین میں لے آیا۔ اب میرا رخ جنوب مشرق کی طرف تھا۔ میں بے تابی سے کسی سنگ میل کے انتظار میں تھا۔ تاکہ مجھے پتہ چل سکے کہ میں یروشلم سے کتنی دور ہوں۔ کبھی کبھی کوئی تیز رفتار جدید ماڈل کی کار میرے ساتھ والی لین سے آگے نکل جاتی۔ میں بھی کھجانے کے بہانے اپنا سر دوسری طرف کر لیتا۔ ایک سنگ میل آیا اور اتنی تیزی سے پیچھے کی طرف نکل گیا کہ میں کم روشنی کی وجہ سے بھی اس پر لکھے ہوئے حروف نہ پڑھ سکا۔ ہائی وے پر چڑھائی آ گئی۔ جب چڑھائی ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ دور اونچے نیچے ٹیلوں پر کسی شہر کی روشنیاں جگنوؤں کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ یقیناً یہ یروشلم ہی تھا۔ اگلے میل پر میں نے ویگن کی رفتار آہستہ کر دی۔ سامنے سے سنگ میل آیا تو میں نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں "یروشلم سات کلو میٹر" لکھا ہوا صاف پڑھ لیا۔

خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر میں اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔

ویگن گرد سے اٹ گئی تھی۔ سعدیہ کا اسٹور جس علاقے میں تھا۔ وہ شہر کا مشرقی علاقہ تھا اور وہاں قدیم طرز کے دروازے کے سامنے انجیروں کا باغ اور ایک چشمہ بھی بہتا تھا۔ یروشلم کے مضافات میں داخل ہوتے ہی میں نے اپنا رخ شہر کے مشرقی دروازے کی طرف موڑ لیا۔ دروازے سے کچھ دور ایک گڑھے کے کنارے ویگن کو روک کر نیچے اترا۔ عقب میں جا کر اس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ لاک تھا۔ ڈیش بورڈ کی میں پہلے ہی تلاشی لے چکا تھا۔ ان میں سوائے سگریٹ کے پیکٹ، مشروب سے بھری ہوئی چھوٹی بوتل اور ایک جاسوسی ناول کے ... اور کچھ نہیں تھا۔ یہ راکی کی چیزیں

تھیں۔ میں نے انہیں ڈیش بورڈ میں ہی رہنے دیا۔ جہاں ویگن کھڑی تھی وہاں اندھیرا تھا اور زیتون کے درختوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے۔ میں نے ویگن کو گڑھے میں لڑھکا دیا۔ اس ثبوت کو میں ضائع کر دینا چاہتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں انجیر کے باغ میں آ گیا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا۔ باغ کے باہر کھمبے پر ایک ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ میں نے چشمے کے کنارے بیٹھ کر منہ ہاتھ دھویا' پانی پیا' پھر یروشلم کے مشرقی دروازے میں سے شہر میں داخل ہو گیا۔ سعدیہ کا گنجان علاقہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہی تھا۔ میں یروشلم کے پتھریلے فرش والی اونچی نیچی گلیوں اور بازاروں میں سے گزرتا سعدیہ کے فوڈ اسٹور میں داخل ہو گیا۔ سعدیہ نے مجھے اسٹور میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ وہ کاؤنٹر پر کھڑی ایک گاہک کو بل کمپیوٹ کر کے دے رہی تھی۔ میں شہد' دودھ اور دہی کے ڈبوں والی الماری کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد سعدیہ ایک ٹرالی میں کچھ سامان ڈالے میرے پیچھے سے یہ کہتی ہوئی گزر گئی۔ "اوپر آ جاؤ"۔

سعدیہ کی رہائش اسٹور کے اوپر ہی تھی۔ کونے میں باتھ روم کے قریب ہی سے ایک زینہ اوپر فلیٹ میں جاتا تھا۔ میں خاموشی سے زینہ طے کر کے اوپر سعدیہ کے فلیٹ میں پہنچ گیا۔ فلیٹ خالی تھا۔ بستر سلیقے سے بچھا تھا مگر قالین پر تاش کے کچھ پتے بکھرے ہوئے تھے۔ میز پر مشروب کے خالی ٹن پڑے تھے۔ کورنر ٹیبل پر رکھا ٹی وی خاموش تھا۔ اس کے اوپر دیوار پر اسرائیلیوں کا مذہبی نشان یعنی چھ کونوں والا ستارہ لٹک رہا تھا۔ دیوار سے لگا بلب روشن تھا۔ گلی کی طرف کھڑکی پر پردہ گرا ہوا تھا میں صوفے پر بیٹھ گیا اور ایک فیشن میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ گھنٹی تین چار بار بجنے کے بعد اپنے آپ بند ہو گئی۔
فلیٹ کا دروازہ کھلا اور سعدیہ یہ کہتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ "تمہارے پیچھے تو کوئی نہیں لگا تھا؟"

میں نے رسالہ رکھتے ہوئے کہا۔ "جن حالات میں' میں فرار ہوا ہوں میرے پیچھے کسی کے لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

سعدیہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی۔ "میں نے اخبار میں تمہارے فرار کی خبر اور تمہاری تصویر دیکھ لی ہے۔ میں نے وہ اخبار جلا ڈالا تھا۔ تمہیں فوراً کسی محفوظ جگہ پہنچ کر کچھ دیر کے لئے چھپے رہنا ہو گا"۔

میں نے سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا... "سعدیہ! میری موت میں صرف ایک دن اور ایک رات باقی رہ گئی ہے"۔

سعدیہ ہکی بکی سی ہو کر میرا منہ تکنے لگی۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟؟"

میں نے اپنے پیٹ پر انگلی رکھی اور کہا۔ "اس وقت میرے پیٹ میں ایک ٹائم بم ہے جو پرسوں صبح ساڑھے نو بجے اپنے آپ پھٹ جائے گا اور میرے پرزے اڑ جائیں گے"۔

سعدیہ اٹھ کر میرے پاس آگئی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کس نے رکھ دیا تمہارے اندر ٹائم بم ؟ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟"

میں نے سعدیہ کو شروع سے آخر تک ساری کہانی سنا دی۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔ پریشانی کے عالم میں اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ جلدی سے ٹیلی فون کی طرف بڑھی' پھر فوراً ہی رک گئی اور اپنے آپ سے کہنے لگی۔ "نہیں نہیں۔ مجھے اسے نہیں بتانا چاہیئے۔ یہ بات اسے معلوم نہیں ہونی چاہیئے"۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "تمہارا میڈیکل چیک اپ بہت ضروری ہے' لیکن۔ لیکن یہ راز کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے"۔

میں نے کہا۔ "میڈیکل چیک اپ سے کچھ نہیں ہو گا۔ سعدیہ مجھے اس خبیث یہودی ڈاکٹر نے صاف بتا دیا تھا کہ دنیا کا کوئی ڈاکٹر میرے پیٹ میں کسی خفیہ جگہ چھپے ہوئے دھماکہ خیز مادے کی نشان دہی نہیں کر سکے گا' لیکن یہ مقررہ وقت پر ضرور پھٹ پڑے گا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بد نصیب کے پیٹ میں یہ مواد پھٹے دیکھا ہے سعدیہ۔ اس کے جسم کے پرزے اڑ گئے تھے حالانکہ اس کے پیٹ میں بہت کم محلول ڈالا گیا تھا"۔

سعدیہ نے اپنا سر پکڑ لیا' پھر گھبرا کر بولی۔ "لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ اس دھماکہ خیز مواد کو تمہارے جسم میں بے اثر کرنا ہو گا۔ تمہیں ہر حالت میں بچانا ہو گا"۔

میں نے کہا۔ "یہاں ہمارا ایسا کوئی بھی ہم راز نہیں ہے جو اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ میرے اندر گردش کرتے دھماکہ خیز مواد کا توڑ کر کے ... اسے بے اثر کر سکے"۔

سعدیہ اٹھ کر فون کی طرف گئی۔ "میں عکاد کو بلاتی ہوں"۔

میں جلدی سے بولا۔ "وہ کون ہے؟ اس نے اخبار میں میری تصویر دیکھی ہو گی۔ اسے مت بلاؤ"۔

سعدیہ نمبر گھماتے ہوئے بولی۔ "میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ کسی اجنبی کو یہاں بلا لاؤں۔ عکاد ایم بی بی ایس ہے اور ہمارا اپنا آدمی ہے۔ تمہارا چیک اپ بہت ضروری ہے۔ وہ تجربے کار ڈاکٹر ہے۔ وہ تمہارے جسم میں سے خطرناک مواد ضرور باہر نکال دے گا"۔

سعدیہ ریسیور کان سے لگائے کرسی پر بیٹھ گئی۔ "ہیلو! ڈاکٹر دانیال ہیں؟ کیا؟ کب تک آ جائیں گے؟ او کے تھینک یو"۔

سعدیہ نے بے دلی سے ریسیور رکھ دیا۔ "عکاد کو بھی آج ہی رملا جانا تھا۔ ایک یہودی سینٹر میں اس کا خاص مریض ہے۔ وہ اسے دیکھنے رملا اس کے کنٹرول ہاؤس گیا ہوا ہے۔ دو دن سے پہلے نہیں

آئے گا"۔

وہ ہاتھ ملتے ہوئے اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ "اب کیا کروں؟"
اچانک میری طرف دیکھ کر بولی۔ "تم فوراً بارڈر کراس کر کے قاہرہ چلے جاؤ۔ وہاں وہ لوگ تمہیں بچالیں گے۔ وہ سب ٹھیک کر دیں گے"۔

سعدیہ کی یہ تجویز میرے دل کو لگی۔ واقعی اگر میں فوری طور پر کسی طرح اسرائیلی بارڈر کراس کر کے مصر پہنچ جاؤں تو وہاں بہتر سے بہتر میڈیکل ایڈ مل سکتی ہے۔ وہ لوگ میری جان بچانے کے لئے سرکاری سطح پر سرتوڑ کوشش کریں گے۔ ممکن ہے ان کے ذرائع کی مدد سے میرے پیٹ کا دھماکہ خیز مواد بے اثر بنادیا جائے۔ میں نے سعدیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لیکن سعدیہ۔ یہ بزدلی نہیں ہو گی کہ میں محض اپنی جان بچانے کے لئے اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر واپس چلا جاؤں گا؟"

سعدیہ بولی۔ "جو حالات تم نے بیان کیئے ہیں ان حالات کا تقاضا ہے کہ پہلے تمہاری جان بچائی جائے۔ اس کے بعد سونیا کو بھی برآمد کر لیا جائے گا۔ ابھی سونیا کو بلیک میل کرنے کے مذاکرات سرکاری سطح پر نہیں پہنچے، لیکن تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں ابھی انتظام کرتی ہوں۔ تمہیں آج رات ہی یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ میں تمہارے لئے کپڑے اور کھانا لے کر آتی ہوں "۔

سعدیہ چلی گئی اور میں حالات کی سنگینی پر غور کرنے لگا۔ میں اپنے پیٹ کو ہاتھ لگاتے ہوئے گھبرا رہا تھا جیسے میرے پیٹ میں بارودی سرنگ چھپی بیٹھی ہو جسے اگر ذرا سا بھی ہاتھ لگا تو پھٹ جائے گی۔ سعدیہ نے مجھے نئی پتلون اور قمیص لا کر دی اور کہا۔ "کھانا لا رہی ہوں لیکن تمہیں سیفٹی ریزر سے اپنے سر کے بال مونڈ دینے ہوں گے۔ مونچھیں بھی صاف کر دینا۔ کچھ تو حلیہ بدلے گا تمہارا"۔

کھانا کھانے کے بعد، میں نے غسل خانے میں جا کر پہلے قینچی سے اپنے سر کے بال کاٹے پھر انہیں سیفٹی ریزر سے جیسے تیسے ہو سکا شنڈ کر لی۔ بڑھی ہوئی داڑھی مونچھیں بھی صاف کر لیں۔ گہرے رنگ کی قمیص اور پتلون پہنی، گلے میں اسرائیلی لڑکوں کے نئے فیشن کی طرز پر کالا رومال باندھ لیا۔ سعدیہ اپنے تہہ خانے میں جا کر خفیہ کوڈ سگنل کے ذریعے اپنے کسی ساتھی ایجنٹ سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے راتوں رات مجھے اسرائیل کا بارڈر کراس کرانا تھا۔ سعدیہ نے واپس آکر بتایا کہ خاص آدمی ایک گھنٹے تک یہاں پہنچ جائے گا۔ "وہ تمہیں اپنی جیپ میں بٹھا کر لے جائے گا۔ تمہیں اسرائیلی بارڈر سکیورٹی فورس کی وردی پہننی ہو گی جو وہ اپنے ساتھ لائے گا"۔

پھر اس نے میرے پیٹ پر انگلی رکھنی چاہی میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔
"نہیں نہیں سعدیہ۔ خدا کے لئے اسے ہاتھ مت لگانا۔ کم بختوں نے نہ جانے کیسا دھماکہ خیز مواد ڈال دیا ہے میرے پیٹ میں۔ کسی وقت تو خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے۔ سچ میں نے کبھی

اپنے آپ کو اتنا بزدل محسوس نہیں کیا تھا۔"

سعدیہ گہرا سانس بھر کر بولی۔ "تم ان یہودی ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کی عیاری سے واقف نہیں ہو۔ انہوں نے نیوٹرون بم بھی تیار کرلیا ہے۔ بہرحال تم گھبراؤ نہیں۔ قاہرہ کے ڈاکٹر ان یہودیوں سے زیادہ لائق ہیں اور وہاں ہر طرح کی سہولت بھی میسر ہو گی۔ وہ لوگ تمہارے جسم سے دھماکہ خیز مواد کو ضرور نکال ڈالیں گے"۔

میں نے کہا۔ "اس کم بخت کا پتہ چلے گا تو اسے باہر نکالیں گے"۔

سعدیہ چونک کو بولی۔ "ارے رات کی خبریں لگاؤں۔ ضرور تمہارے فرار کی خبر ہو گی"۔

یہ کہہ کر سعدیہ نے ٹی وی آن کر دیا۔ ٹی وی پر ایک یہودی لڑکی خبروں کی اناؤنسمنٹ کر رہی تھی۔ پھر اسکرین پر چھ کونوں والا ستارہ آیا۔ فوجی ساز بجا اور خبریں شروع ہو گئیں۔ خبریں پڑھنے والا ایک مرد اور ایک عورت تھی۔ مرد نے آتے ہی اعلان کیا کہ عرفات گروپ کے فلسطینی گوریلوں کا ایک خطرناک ایجنٹ ہماری جیل سے فرار ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسکرین پر میری اخبار والی تصویر آ گئی۔ سعدیہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ "یہ حرامی تمہیں ہر حالت میں پکڑنا چاہتے ہیں"۔

میں جلدی سے اٹھ کر ٹی وی کے پاس والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہودی اناؤنسر کی شکل دوبارہ آئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ اپنے آپ کو یہودی ظاہر کرتا ہے مگر اصل میں قاہرہ کا مسلمان عرب ہے۔ ہماری حراست سے اسے فرار ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا لہٰذا یروشلم کے گورنر کے حکم سے اس اعلان کے ساتھ ہی شہر کے سارے دروازے بند کر دیئے جا رہے ہیں۔ فصیل شہر کے اردگرد کرفیو لگا دیا گیا ہے۔ کوئی شخص دو روز تک نہ شہر میں داخل ہو سکے گا نہ شہر سے باہر جا سکے گا۔ اس دوران میں ہماری فوج کے سپاہی فلسطینی ایجنٹ کو گرفتار کرنے کے لئے گھر گھر تلاشی لیں گے۔ فوج فصیل شہر کے ساتھ گشت کرے گی جس نے باہر نکلنے کی کوشش کی اسے وہیں گولی مار دی جائے گی۔ اعلان ختم ہوا"۔

سعدیہ نے ٹی وی بند کر دیا اور مضطرب ہو کر بولی۔ "اب کیا ہو گا؟ انہوں نے تو ہمارے تمام راستے بند کر دیئے ہیں"۔

میں خود پریشان سا ہو گیا تھا۔ اب تو میری موت یقینی تھی۔ میں نے کہا۔ "کیا فصیل شہر سے نکلنے کا کوئی خفیہ راستہ نہیں ہے"۔

"ایسا کوئی راستہ مجھے معلوم نہیں۔" سعدیہ نے سر نفی میں ہلایا۔

میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا تو سعدیہ نے فوراً مجھے روک دیا۔ "کھڑکی سے باہر مت جھانکنا۔ ٹیلی ویژن پر تمہاری تصویر کے دکھائے جانے سے حالات زیادہ سنگین ہو گئے ہیں۔ تم بہت جلد پہچان

لئے جاؤ گے "۔

میں سعدیہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں رات کے اندھیرے میں یروشلم کی دیوار پھاند جاؤں؟"

سعدیہ نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔ لگتا تھا اس کا ذہن کچھ سوچ رہا ہے۔ کہنے لگی۔ "فصیل شہر اتنی اونچی ہے کہ تم اس پر چڑھ نہیں سکو گے اور پھر فوج جگہ جگہ تعینات ہو گئی ہو گی۔ ویسے اس سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے تمہیں اہمیت بہت دی ہے۔ شاید انہیں یقین ہو گیا ہے کہ تم فلسطینی ایجنٹوں کے ماسٹر اسپائی ہو اور تم ہی انہیں اسرائیل میں پھیلے ہوئے تمام فلسطینی ایجنٹوں کا پتہ بتا سکتے ہو"۔

میں اٹھ کر میز تک گیا۔ شیشے کی صراحی میں سے پانی نکال کر پیا اور پلٹ کر سعدیہ سے مخاطب ہوا۔ "یہ تو ٹھیک ہے سعدیہ مگر مجھے تو اس بات کا غم لگا ہے کہ اگر میرے اندر سے دھماکہ خیز مواد بے اثر نہ کیا گیا تو پرسوں۔ اف۔ مجھے تو سوچ کر ہی خوف آتا ہے"۔

سعدیہ دھماکہ خیز مواد کے باعث مجھ سے بھی زیادہ مضطرب تھی، لیکن ایک تو میری تصویر کی اشاعت اور دوسرے شہر کی ناکہ بندی کی وجہ سے وہ الگ پریشان خاطر تھی۔ سونیا کی بازیافت کا مسئلہ ابھی جوں کا توں موجود تھا جو ہمارا سب سے اہم مشن تھا۔ اس نے کھڑکی میں سے نیچے جھانکا اور سر پیچھے ہٹا کر پردہ چھن دیا اور بولی۔ "یہودی فوجی یہاں بھی تلاشی لینے پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے پوری ایک ڈویژن فوج اس کام پر لگا دی ہو گی۔ لگتا ہے انہیں خبر مل گئی ہے کہ تم یروشلم میں ہو"۔

میں غور کرنے لگا۔ یہ خبر انٹیلی جینس کو کون پہنچا سکتا تھا۔ میں نے سعدیہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ غنڈے پکڑے گئے ہیں جن کی ویگن لے کر میں یروشلم بھاگا تھا۔ انہوں نے اخبار میں میری تصویر پہچان لی ہو گی اور پولیس کو بتا دیا ہو گا کہ میں برج روڈ سے ان کی ویگن لے کر یروشلم کی طرف فرار ہوا تھا"۔

سعدیہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ "یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت تمہیں کسی ایسی خفیہ جگہ چھپنا ہو گا جہاں یہودی فوجی نہ پہنچ سکیں"۔

"تمہارے اسٹور کے نیچے تہہ خانہ جو ہے۔" "تم یہودی ملٹری انٹیلی جینس کے آدمیوں کو نہیں جانتے۔ وہ دشمن ایجنٹ کی بو سونگھ لیتے ہیں"۔

میں نے کہا کہ میرا حلیہ، سر منڈانے کی وجہ سے کسی حد تک بدل گیا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں شہر کی کسی خانقاہ میں جا کر چھپ جاؤں۔

سعدیہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ایسا کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا۔ اس وقت کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہودی انٹیلی جینس کا ایک آدمی درویش کے بھیس میں موجود نہ ہو اور پھر

تمہارا سر منڈا ہے تو کیا ہوا؟ تمہارا ناک نقشہ تو وہی ہے"۔

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟" میں نے کسی قدر جھنجلا کر کہا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ میں پرسوں ساڑھے نو بجے کے بعد اس دنیا میں نہیں ہوں گا"۔

سعدیہ نے مسکراتے ہوئے مجھے تسلی دی۔ اس کی شکل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ محض میری دلجوئی کے لئے مسکرائی ہے۔ ورنہ اس مسکراہٹ کے پیچھے ان گنت پریشانیاں موجزن تھیں۔ ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ نیچے گلی میں ایک جیپ کے داخل ہونے اور پھر رکنے کی آواز سنائی دی۔ سعدیہ نے لپک کر کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر نیچے دیکھا' پھر بھاگ کر میرے پاس آئی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "فوجی آ گئے ہیں۔ فوراً میرے پیچھے آؤ"۔

وہ باتھ روم کے ساتھ والے چھوٹے سے اسٹور میں گھس گئی۔ یہاں گتے کے بڑے بڑے خالی ڈبے ایک دوسرے کے اوپر پڑے تھے۔ ان میں ردی کاغذوں کے انبار ٹھنسے تھے۔ سعدیہ نے جلدی جلدی مجھے سب سے نچلے بڑے ڈبے میں چھپا کر میرے اوپر ردی کاغذ کا انبار لگا دیا اور بولی۔ "نہ آواز نکالنا نہ کوئی حرکت کرنا۔ وہ لوگ یہاں ضرور آئیں گے۔ میں سنبھال لوں گی"۔

اس نے میرے بڑے ڈبے کے اوپر ایک اور بڑا ڈبہ رکھ دیا اور نیچے کو دوڑی۔ فوجی ساتھ والے فلیٹ میں تلاشی لے رہے تھے۔ سعدیہ لپک کر تہہ خانے میں گئی۔ وائرلیس کا سامان الماری میں سے نکال کر فرش کے اندر ایک گڑھے میں چھپایا اور اوپر لکڑی کا تختہ جوڑ کر قالین بچھا دیا' پھر اسٹور میں آ کر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کل سات یہودی فوجی تھے جو اسٹین گنیں لٹکائے دندناتے ہوئے سعدیہ کے اسٹور میں داخل ہوئے۔ سعدیہ نے خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور کافی کے لئے الیکٹرک کیٹل آن کر دی۔ ایک اسرائیلی کیپٹن فوجیوں کے آگے آگے تھا۔ اس نے رسمی طور پر اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ اس کا نام کیپٹن جوزف ہے اور وہ اس کے اسٹور کی تلاشی لینے آیا ہے۔ پھر اس نے سعدیہ کو تلاشی کا وارنٹ دکھایا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

سپاہی تلاشی لینے لگے۔ سعدیہ نے گتے کے گلاسوں میں کافی انڈیل کر ایک گلاس کیپٹن کو پیش کیا۔ کیپٹن اسٹول پر بیٹھ گیا تھا اور اپنے آدمیوں کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ سعدیہ نے عبرانی میں کہا۔ "میرا نام تو یہاں علاقے کے سبھی لوگ جانتے ہیں۔ مجھے نادیہ بنجمن کہتے ہیں۔ میرے والد مرنے کے بعد یہ چھوٹا سا فوڈ اسٹور میرے حوالے کر گئے"۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "میں نے شادی ہی نہیں کی"۔

کیپٹن جوزف خاموشی سے کافی کے گھونٹ نگل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے فوجیوں پر لگی تھیں جو اسٹور کے ایک ایک کونے اور ریکس کے پیچھے بھی جا کر جھانک رہے تھے۔ کیپٹن جوزف یہ کہہ کر اٹھا کہ اوپر فلیٹ کی تلاشی لو۔ سعدیہ بھی کیپٹن کے ساتھ ہی اوپر اپنے فلیٹ میں آ گئی۔ کیپٹن

نے گہری نگاہ سے فلیٹ کا جائزہ لیا اور فوجی اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ کیپٹن جوزف نے باتھ روم میں جا کر دیکھا' پھر ساتھ والے اسٹور کا دروازہ کھول کر بولا۔ "ادھر کیا ہے میڈم ؟"

"یہ اسٹور ہے۔ یونہی کاٹھ کباڑ پڑا ہے۔" سعدیہ نے بے نیازی سے کہا۔

میں سب سے نچلے بڑے ڈبے میں ردی کاغذوں کے انبار تلے چھپا ہوا تھا۔ میں نے اپنا سانس روک لیا۔ کیپٹن نے ایک بڑے ڈبے کو نیچے اتروا کر اس کے کاغذوں کے انبار کو الٹ دیا اور بولا۔ "یہ ٹریش تم نے کیوں جمع کر رکھا ہے میڈم ؟"

سعدیہ جلدی سے بولی۔ "کبھی کبھی ہمیں بھی کسی پارٹی وغیرہ میں فوڈ سپلائی کرنا پڑ جاتا ہے۔ تب یہ ڈبے ہمارے بڑے کام آتے ہیں"۔

کیپٹن کی آواز آئی۔ "کوئی اور کمرہ وغیرہ تو نہیں ؟"

وہ اسٹور روم سے باہر نکل گیا تھا۔ سعدیہ نے کہا۔ "نو سر۔ بس یہ اسٹور روم ہے۔ یہ باتھ روم اور یہ میرا فلیٹ۔ آپ کبھی فرصت کے اوقات میں تشریف لائیں۔ میں سپاگیٹی بڑے عمدہ طریقے سے بناتی ہوں"۔

مجھے ان کے نیچے اترنے کی آواز آئی' پھر ان کے باتیں کرنے کی آواز دھیمی ہو گئی۔ وہ لوگ نیچے اسٹور میں چلے گئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ میں بچ گیا تھا۔ بعد میں سعدیہ نے مجھے بتایا کہ کیپٹن جوزف نے اسے میری تصویر دکھا کر کہا تھا کہ یہ ہماری حکومت کو مطلوب ہے اگر اسے کہیں دیکھو تو فوراً ہمارے نمبر پر فون کر دو۔ اس نے سعدیہ کو ہنگامی فون نمبر بھی دے دیا تھا۔ جب جیپ کی آواز گلی میں آگے نکل گئی تو میں نے اوپر والے خالی بڑے ڈبے کو ذرا سا کھسکایا اور سر کاغذوں کے انبار سے باہر نکال کر دیکھا۔ اسٹور روم میں دھیما بلب روشن تھا۔ کافی دیر بعد سعدیہ اوپر آئی۔ اس نے مجھے باہر نکل آنے کو کہا اور بولی۔ "خدا کا شکر ہے کیپٹن نے میری بات پر یقین کر لیا۔ تہہ خانہ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی"۔

میں کپڑے جھاڑتا اسٹور روم سے نکل کر سعدیہ کے پلنگ کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔ رات بارہ بجے تک ہم بیٹھے سوچتے رہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ سعدیہ نے اسٹور بند کر کے بتیاں بجھا دی تھیں۔ اس نے اپنے کمرے کی بتی بھی بجھا دی تھی۔ ہم اندھیرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا' مجھے اپنے پیٹ میں گردش کرتے ٹائم بم کی ٹک ٹک جیسے زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی تھی۔ میری سب سے بڑی پریشانی ہی یہ دھماکہ خیز مواد تھا' جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ مجھے اڑا دے گا اور میں اس کا کوئی توڑ دریافت نہ کر سکوں گا۔ سوائے اپنے خاص ڈاکٹر کے میں کسی دوسرے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میں سیدھا اسرائیلی انٹیلی جینس کے حوالے کر دیا جاؤں۔ یہ سب کچھ میری موت کی... تیاریاں تھیں۔

اگرچہ سعدیہ اب بھی مجھے تسلیاں دے رہی تھی کہ صبح وہ عکاد کو رملا فون کرنے کی کوشش کرے گی لیکن میں جانتا تھا کہ میرے دن پورے ہو چکے ہیں اور ڈاکٹر عکاد سے رملا میں بھی رابطہ قائم نہیں ہو سکے گا۔ میں نے مایوسی کے لہجے میں سعدیہ سے کہا۔ "سعدیہ کیا تم میری زندگی کی آخری خواہش پوری کر دو گی؟"

سعدیہ کی آنکھیں بیڈ روم کی نیم تاریکی میں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ "تمہیں ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں"۔

میں نے گہرا سانس بھرا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور کہا۔ "سعدیہ! بات ختم ہو چکی ہے۔ میں نے دستی بم نگل لیا ہے جسے ایک خاص وقت پر پھٹ جانا ہے۔ اس میں نہ تم کچھ کر سکتی ہو نہ میں۔ ہم اس شہر کی چاردیواری میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم کل کسی میڈیکل اسٹور سے مارفیا کا ایک ایمپول لا کر پرسوں صبح نو بجے مجھے اس کا بھرپور ٹیکہ لگا دو تاکہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ میں اپنے جسم کے پرخچے اڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا"۔

سعدیہ نے اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ اس کی انگلیوں سے فرانسیسی پرفیوم کی مہک آ رہی تھی۔ میرے اندر زندہ رہنے کی خواہش بھڑک اٹھی۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سعدیہ! میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ ابھی مجھے اپنے وطن کے لئے اپنے دین اسلام کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ میرے سامنے کئی مشن ہیں لیکن بات میرے اختیار میں نہیں رہی۔ کلاک کی ٹک ٹک مجھے لحہ بہ لحہ موت کے قریب کر رہی ہے"۔

سعدیہ نے میرے کاندھے پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ کر آہستہ سے دبایا اور خواب انگیز آواز میں بولی۔ "تم میرے بستر پر سو جاؤ۔ میں۔ میں اس صوفے پر سو جاتی ہوں۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ صبح سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

نیند میری آنکھوں سے غائب تھی لیکن سعدیہ نے مجھے اپنے بستر پر لٹا دیا اور میری آنکھوں پر اپنی نازک انگلیاں آہستہ سے رکھ دیں۔ خدا جانے یہ اس کی انگلیوں سے اٹھتی خوشبو کا اثر تھا کہ اس کے ہاتھوں کی محبت بھری گرمی کا سحر تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔

صبح آنکھ کھلی تو گلی والی کھڑکی کے پردے پر دن کی روشنی پڑ رہی تھی۔ سعدیہ صوفے پر نہیں تھی۔ باتھ روم میں سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں بستر پر اٹھ بیٹھا' پھر میرا دل ایک دم سے بیٹھ گیا کہ یہ میری زندگی کا آخری دن تھا۔ گھڑی دن کے دس بجا رہی تھی۔ یہ سوچ کر میرا دل بوجھل ہو گیا کہ کل اس وقت' میں مر چکا ہوں گا۔ میرے جسم کے ٹکڑے اڑ چکے ہوں گے اور سعدیہ نے انہیں جمع کر کے کسی تھیلے میں بند کر دیا ہو گا تاکہ موقع ملنے پر وہ اسے باہر کسی باغ میں لے جا کر زمین میں دفن

کر دے۔

سعدیہ نے خود ناشتہ اسٹور میں کیا۔ اور میرے لئے ناشتہ لے کر اوپر آ گئی۔ اس نے بتایا کہ رملا میں عکاد سے پھر کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ وہ وہاں سے بھی کہیں آگے نکل گیا ہے۔ میرا ناشتہ کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میرا بالکل اس بدنصیب قیدی کا سا حال تھا جس کا بلیک وارنٹ آ گیا ہو اور جسے اگلے روز صبح پھانسی دی جانے والی ہو۔ سب سے بڑی بدنصیبی اور ستم ظریفی کی بات یہ تھی کہ میں قیدی نہیں تھا۔ پھانسی کی کوٹھڑی میں بھی نہیں تھا۔ جیل سے باہر شہر کی ایک گلی کے مکان میں تھا مگر مجھے پھانسی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ سعدیہ نے زبردستی مجھے ناشتہ کرایا اور بولی۔ "میں نے اپنی ایک سہیلی کو بلایا ہے۔ وہ ایک اسپتال میں نرس ہے۔ کرسچئین ہے یہودن نہیں ہے۔ وہ تمہارا خون ٹیسٹ کر سکتی ہے"۔

سعدیہ بولی۔ "میں اس بے بسی کے عالم میں تمہیں موت کے منہ میں جاتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتی۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تمہارا سر منڈا ہوا ہے وہ تمہیں نہیں پہچان سکے گی"۔

میں نے کہا۔ "لیکن خون ٹیسٹ کرنے سے کیا ہو گا؟ مجھے تو کسی ایسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو میرے اندر سے دھماکہ خیز مواد کو بے اثر کر سکے"۔

سعدیہ کہنے لگی۔ "ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں بھی ہماری کچھ مدد کرے"۔

میں نے جھنجلا کر کہا۔ "سعدیہ، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر اس نرس کو علم ہو گیا کہ میرے خون میں کوئی خطرناک مواد شامل ہے تو اسے ضرور شک پڑ جائے گا۔ وہ مجھے پہچان بھی لے گی، پھر وہ ضرور انعام کے لالچ میں آ کر اسرائیلیوں کو میری خبر کر دے گی۔ خدا کے لئے اسے مت بتانا۔ مجھے موت گوارا ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ میری وجہ سے تم بھی گرفتار ہو جاؤ۔ اس طرح ہمارا سارے کا سارا ریکٹ خطرے میں پڑ جائے گا"۔

سعدیہ میرے میڈیکل چیک اپ پر ضرور اصرار کرتی رہی لیکن میں نے اسے سختی سے منع کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی کو یہاں بلایا تو میں اس کے فلیٹ سے چلا جاؤں گا جس کا مطلب صریحاً میری گرفتاری تھی۔

سعدیہ سر جھکائے نیچے چلی گئی۔ میں بے دم سا ہو کر پلنگ پر دراز ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزری ہو گی کہ سعدی اوپر آئی۔ اس کے ساتھ ایک پختہ عمر کی بھرے بھرے جسم والی چوڑی چکلی عورت تھی جس نے عرب عورتوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ میں پلنگ پر... اٹھ بیٹھا اور تعجب سے اس عورت کا منہ تکنے لگا کہ سعدیہ یہ اچانک کس کو یہاں لے آئی ہے؟

سعدیہ نے فوراً کہا۔ یہ لیلیٰ ہے۔ ہماری اپنی عورت ہے۔ یہ مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کرنے آئی تھی۔ تمہارے فرار کی خبر قاہرہ پہنچ چکی ہے"۔

میں نے لیلیٰ پر بھرپور نگاہ ڈالی اور کہا۔ "کیا تمہیں قاہرہ سے کوئی سگنل ملا ہے ؟"

لیلیٰ نے باوقار گمبھیر آواز میں کہا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ بہرحال تمہارے خون میں جو محلول ان یہودی کتوں نے داخل کیا ہے اس کا ایک ہی علاج ہے"۔

یہ کہہ کر اس نے سعدیہ کو ساتھ لیا اور نیچے چلی گئی۔ میں ایک بار پھر ہوا میں معلق ہو گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ دونوں واپس آ گئیں۔ لیلیٰ کے ہاتھ میں ایک لمبا گلاس تھا۔ سعدیہ نے کہا۔

"یہ دوائی پی لو۔ اس سے تمہارا معدہ صاف ہو جائے گا۔ لیلیٰ کا کہنا ہے کہ یہ دوائی تمہارے جسم سے خطرناک محلول کو خارج کر دے گی"۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ میں کڑوی کسیلی دوائی ساری کی ساری پی گیا۔ پندرہ منٹ بعد اسہال شروع ہو گئے۔ شام تک میں بستر کے ساتھ لگ گیا۔ رات نیم بے ہوشی کے عالم میں گزر گئی۔ موت کا دن طلوع ہو گیا تھا۔ میرا پیٹ اب گرم ہو گیا تھا۔ یقیناً یہ دھماکہ خیز مواد کی گرمی تھی۔ محلول پھٹنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہودی سائنسدان نے جدید ترین میڈیکل ٹیکنالوجی سے کام لیتے ہوئے یہ دھماکہ خیز محلول تیار کیا تھا اور اس کی تباہی کا ثبوت، میں تل ابیب کی جیل میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا، پھر بھلا اس بدو عورت کے دیسی طبی نسخے سے کیوں کر بے اثر کیا جا سکتا ہے۔

کم بخت اس لیلیٰ کے جوشاندے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیلیٰ جا چکی تھی۔ سعدیہ میری تیمارداری میں لگی تھی۔ اندر سے وہ بھی خائف تھی کیونکہ یہودی ڈاکٹروں کی لیاقت اور عیاری کو وہ بھی خوب جانتی تھی۔ وہ مجھے بار بار کہہ رہی تھی کہ لیلیٰ کے جوشاندے نے خطرناک کیمیکلز کو میرے معدے سے نکال دیا ہے۔ تم دیکھ لینا اب کچھ نہیں ہو گا۔ میرا دل دیوار پر لگے کلاک کی ٹک ٹک کے ساتھ دھڑک رہا تھا، پھر میرے دل کی دھڑکنیں کلاک کی ٹک ٹک سے آگے نکل گئیں۔ مجھے اپنے جسم میں سے چنگاریاں پھوٹتی محسوس ہونے لگیں۔ ان چنگاریوں کا مرکز میرا پیٹ تھا۔ جس میں ایسا لگتا تھا کہ انگارے سلگنے لگے ہیں۔ میں اپنے آپ کو سعدیہ کے سامنے بہت سنبھالے ہوئے تھا، مگر کلاک نے جب پونے نو بجائے تو میرا سانس تیز ہو گیا۔ میں نے کسی قدر ہانپتے ہوئے سعدیہ سے کہا کہ وہ مجھے مارفیا کا انجکشن لگا دے۔ میں اس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا وہ کبھی نیچے اسٹور میں جاتی، کبھی گھبرا کر اوپر آ جاتی۔ اس پر بھی ایک مسلسل اضطراری کیفیت طاری تھی۔ پورے نو بجے وہ یہ کہہ کر نیچے چلی گئی کہ میرے لئے قہوہ بنا کر لائے گی، لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ میرے پیٹ میں ہونے والے دھماکے سے ڈر کر بھاگ گئی ہے۔ میرا دل... میرے پیٹ میں آ کر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے دونوں ہاتھ سے پلنگ کی پٹیاں تھام لیں، پھر اپنے پیٹ پر سرہانہ رکھ کر اوپر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ میں نے کلاک پر نگاہ ڈالی۔ مجھے وہ دھندلا ہوتا ہوا نظر آیا۔ سوئی اس مقام کے قریب پہنچ رہی تھی جب میرے پیٹ میں دھماکہ ہونا تھا۔ جب میرے جسم کے پرخچے اڑنے تھے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں ۔ موت میری بند آنکھوں میں پہنچ چکی تھی ۔ اپنے وطن پاکستان کے مناظر فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے چلنے لگے ۔ پھر ایک دھماکہ ہوا۔ ایسا دھماکہ، جیسے سعدیہ کا فلیٹ بھک سے اڑ گیا ہو ۔ میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے ۔ میری بند آنکھوں میں ہزاروں بجلیاں کوند گئیں ۔ میں سفید ترین، تیز ترین، گرم ترین روشنی کی آگ میں ڈوب گیا ۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔ میں مر چکا تھا۔

لیکن میں زندہ تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ میں عالم فنا سے نکل کر عالم بقا میں آن پہنچا ہوں ۔ ہر شے مجھے دھند میں ڈوبی نظر آ رہی تھی ۔ پھر سعدیہ کی شکل صاف ہوتی گئی ۔ وہ مسکرا رہی تھی ۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں اور سعدیہ کے فلیٹ میں ہی ہوں ۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں ۔ مجھ پر نقاہت طاری تھی ۔ وہ آہستہ آہستہ میرا سر دبا رہی تھی ۔ اس نے کہا۔ "دیکھ لو۔ کچھ نہیں ہوا۔ میں نہ کہتی تھی لیلیٰ کی دوا تیر بہدف ہو گی ۔ اس نے تمہارے جسم سے دھماکہ خیز محلول کو نکال کر باہر پھینک دیا ۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں زندہ دیکھ رہی ہوں"۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہودی ڈاکٹر کا فارمولا فیل ہو جائے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ انہوں نے میرے جسم میں دھماکہ خیز محلول ڈالا ہی نہ ہو؟ محض مجھے ڈرانے اور راز اگلوانے کے لئے میرے ساتھ ڈرامہ کھیلا ہو؟ ضرور ایسا ہی ہوا تھا ۔ لیلیٰ کا جوشاندہ بیکار تھا۔ یہ سب کچھ نفسیاتی دباؤ کے تحت ہوا ہے ۔ میں نے آنکھیں کھول کر سعدیہ کو دیکھا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے مجھے سوپ کے دو تین چمچ پلائے اور بولی ۔ "تم چار گھنٹے بے ہوش رہے ہو ۔ اب تم آرام کرو، میں نیچے اسٹور میں جا رہی ہوں ۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا"۔

دوپہر کے بعد سعدیہ میرے لئے سینڈوچز بنا کر لے آئی ۔ شام تک میں بہتر ہو گیا ۔ اصل میں مجھے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ بس ذرا نفسیاتی دباؤ کا ردعمل تھا۔ رات، میں نے بھرپور نیند لی ۔ اگلے روز بالکل تازہ دم تھا، سعدیہ نے میری بہت خدمت کی ۔ آج بھی جب وہ دن یاد آتے ہیں تو میرا دل اس کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے ۔

ایک دہشت خیز ڈرامے کا تاریک بادل چھٹا تو اس فضا کا جائزہ لیا جس میں، میں اس وقت سانس لے رہا تھا۔ اسرائیلی سکیورٹی فورس اور فوج نے شہر کے ایک ایک مکان کو کھنگال ڈالا تھا مگر میں ان کے ہاتھ نہ آ سکا تھا۔ دو روز کے بعد فصیل شہر کے باہر جو کرفیو لگا تھا وہ اٹھا لیا گیا۔ لوگوں کی آمدورفت پھر سے شروع ہو گئی ۔

میں نے اس دوران میں دیکھا کہ سعدیہ واقعی ایک انتہائی زیرک اور دور اندیش ایجنٹ تھی ۔ اس نے اپنے آپ کو یہودی مذہب اور اس کی ثقافت میں اس طرح ضم کر دیا تھا کہ کسی کو اس پر ایک لمحے کے لئے شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ وہ مسلمان عرب لڑکی ہے ۔ وہ محلے میں جو اسرائیلی خواتین کی

فلاح و بہبود کی ایک انجمن تھی اس کی سرگرم رکن تھی۔ اسے وہاں ہر کوئی نادیہ میری ڈونا کہا کہہ کر پکارتا تھا۔

میں یروشلم میں محفوظ نہیں تھا۔ میری تلاش برابر جاری تھی۔ اسرائیلی سیکورٹی والے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ موت کے منہ سے نکل آنے کے بعد' میں اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اب میرے سامنے سونیا کا سراغ لگانے اور اسے اسرائیل سے نکال کر قاہرہ لے جانے کا مشن تھا۔ جب سے میں سعدیہ کے فلیٹ میں آکر چھپا تھا' میں نے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ میرا وہاں زیادہ دن رہنا سعدیہ کے لئے کسی خطرے کا باعث بن سکتا تھا لیکن سعدیہ مصر تھی کہ ڈاکٹر عکاد واپس یروشلم آگیا ہو گا لہٰذا وہ میرا ایک چیک اپ ضرور کرائے گی۔ دوسرے روز رات کو ایک گول مٹول سا آدمی ہاتھ میں ڈاکٹروں والا بریف کیس لئے عینک لگائے چھوٹی سی داڑھی کو کھجاتا فلیٹ میں داخل ہوا۔ سعدیہ اس کے ساتھ تھی۔ اندر آتے ہی اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ سعدیہ نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ میں پلنگ پر نیم دراز تھا۔ وہ سیدھا میری طرف آیا اور میری آنکھوں کے پپوٹے ہٹا کر آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ "یہ تو بالکل ٹھیک ہے"۔ پھر فوراً ہی بریف کیس میں سے کچھ آلات نکالے۔ میرا بلڈ پریشر لیا۔ دل کی دھڑکنیں نوٹ کیں۔ انگلیوں کے ناخن دیکھے' پھر سب کچھ بریف کیس میں بند کر کے جیب سے سگار نکال کر سلگا لیا اور اس کے کش لگاتے ہوئے بولا۔ "انہوں نے اس کے ساتھ ڈرامہ کیا ہے۔ اگر ایسی ویسی بات ہوتی تو اس کے اثرات آنکھوں اور خون میں ضرور ہوتے' مگر اس کی ہر شے نارمل ہے"۔

پھر سعدیہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "اسے زیادہ دیر یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ حالات بہت سنگین ہو رہے ہیں۔ اس کی تصویر ہر جگہ لگی ہے۔ سر منڈا ہے تو کیا ہوا۔ اس کی شکل صاف پہچانی جاتی ہے"۔

وہ عربی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "ڈاکٹر! کیا کسی طرح یہاں میری تھوڑی سی پلاسٹک سرجری ہو سکتی ہے؟"

سعدیہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے سگار کا کش کھینچ کر گاڑھا دھواں نتھنوں سے نکالتے ہوئے سر جھکا لیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "کیوں نہیں ہو سکتی' مگر یہاں وہ سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ اس کے لئے ہمیں خفیہ طریقے سے تل ابیب جانا ہو گا"۔

سعدیہ نے سر کو نفی میں ہلایا اور بولی۔ "ہرگز نہیں ڈاکٹر عکاد۔ اس کا تل ابیب جانا ٹھیک نہیں۔ کیا تم اسے موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر عکاد نے نتھنے پھلائے۔ پھنکار کر بولا۔ "میں کب کہتا ہوں کہ یہ وہاں جائے۔ یہ خود پلاسٹک سرجری کے لئے اصرار کر رہا تھا"۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پلاسٹک سرجری ابھی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے اپنی اسی شکل میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی ہوگی۔ میں نے کئی روز سے شیو نہیں بنائی تھی۔ یہ سوچا کہ فرنچ کٹ چھوٹی سی نوکیلی داڑھی اور باریک مونچھیں رکھ لوں گا۔ سنہری فریم والی عام سفید شیشوں کی عینک لگا لوں گا اور حلیہ یہودی راہبوں جیسا بنا کر سونیا کی سراغ رسانی کو نکل پڑوں گا' مگر سونیا کے بارے میں ہمیں تازہ ترین معلومات میسر نہیں تھیں۔ میرے استفسار پر ڈاکٹر عکاد بولا۔ "دس روز پہلے ہمیں پتا چلا تھا کہ سونیا کو تل ابیب سے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے۔ ابھی اس کا کچھ علم نہیں ہے"۔

سعدیہ بولی۔ "لیکن ڈاکٹر ہمیں ہر حالت میں اس کا سراغ لگانا ہے۔ یہی ہمارا سب سے اہم مشن ہے"۔

ڈاکٹر عکاد چند لمحے اپنی داڑھی کو کھجاتا رہا' پھر بریف کیس اٹھا کر باہر جاتے ہوئے بولا۔ "سعدیہ! میں کل سونیا کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر کے آؤں گا۔ اپنے دوست کو یہاں سے باہر قدم مت رکھنے دینا۔ اس کی تصویریں ریستورانوں میں بھی چسپاں کر دی گئی ہیں"۔

مجھے اب اس کی کچھ پروا نہیں تھی۔ میں ایک الملناک دھماکہ خیز موت سے بچ گیا تھا۔ میرے عزائم پہلے سے بھی بلند تھے اور میں یہودی انٹیلی جینس کی پوری بٹالین سے ٹکر لے سکتا تھا۔ یہ میرا غیر متزلزل عزم تھا کہ پاکستانی معصوم لڑکی سونیا کو ہر حالت میں اسرائیلیوں کی پُر تشدد قید سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ بارڈر کراس کرانا ہے۔ میں نے وہ سارا دن اور رات سعدیہ کے فلیٹ میں گزاری۔ دوسری رات ڈاکٹر عکاد ہاتھ میں بریف کیس لئے سعدیہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اس کے خفیہ ذرائع کے مطابق سونیا کو تل ابیب کے قرب و جوار میں کسی پوشیدہ جگہ پر رکھا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ یہ مقام کہاں پر واقع ہے۔ ڈاکٹر عکاد نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تل ابیب کے قرب و جوار میں اسرائیلی وزارت دفاع کی کچھ انتہائی اہم فوجی تنصیبات ہیں جن میں سب سے اہم زمین دوز ایٹمی میزائیلوں کا خفیہ اڈہ ہے"۔

سعدیہ نے ڈاکٹر عکاد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ سونیا کو انہوں نے اس ایٹمی میزائلوں کے زمین دوز تہہ خانے میں چھپایا ہوگا؟"

ڈاکٹر عکاد نے اس طرح سعدیہ کی طرف دیکھا جیسے اسے بات کرنے کا انداز پسند نہیں آیا۔ سگار انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔ "تم نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ سعدیہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ان تنصیبات کے قریب فوجی چوکی بھی ہے جہاں تقریباً ایک بٹالین فوج ہر وقت لیس رہتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سونیا کو اسی فوجی چوکی میں منتقل کر دیا گیا ہو"۔

سعدیہ اٹھ کر سنگار میز کے پاس گئی۔ بالوں میں سے پن نکال کر دراز میں رکھا اور پلٹ کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ سونیا کو وہاں سے نکالنا اب مزید مشکل ہو گیا ہے"۔

ڈاکٹر نے کندھے اچکائے۔ "کچھ کہا نہیں جا سکتا"۔

میں ان دونوں کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر عکاد سے کہا کہ اگر کسی طرح اس امر کا یقین ہو جائے کہ سونیا اسی فوجی چوکی میں زیر حراست ہے تو پھر یکسوئی سے کچھ سوچ سمجھ کر منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جاتا ہوں۔ ہاں اس امر کی تصدیق بہت جلدی کر دی جائے گی"۔

سعدیہ بولی۔ "اتنا خیال رہے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے"۔

ڈاکٹر عکاد نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر پر ہیٹ جمایا' اور بریف کیس اٹھا کر سیڑھیاں اتر گیا۔

سعدیہ نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "تم آرام کرو۔ میں اسٹور میں جا رہی ہوں'

میرے ذہن میں ایک منصوبے کا ابتدائی خاکہ تیار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ذہن بڑی تیزی سے اس خطرناک منصوبے کے تمام اجزا اور کوائف جمع کر رہا تھا' لیکن اس کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ مجھے اس بات کی یقین دہانی کرا دی جائے کہ سونیا وہیں جنگی تنصیبات کی فوجی چوکی میں ہے۔ اس کی تصدیق اگلے روز ہی ہو گئی۔

ڈاکٹر عکاد نے فون کر کے خفیہ کوڈ میں سعدیہ کو اطلاع کی سونیا سدوم کی فوجی چوکی میں نظر بند ہے اور قاہرہ میں ہونے والی عرب ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس میں اس کی نظر بندی کو اسرائیل بلیک میل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ کانفرنس دس روز بعد شروع ہونے والی تھی۔ مصری ہیڈ کوارٹر کی طرف سے سعدیہ کو خفیہ سگنل موصول ہوا کہ سونیا کی بازیافت کا کام سست کیوں پڑ گیا ہے؟ اسے جیسے بھی ہو دشمن کی قید سے نکال کر مصر پہنچا دیا جائے۔

میں اور سعدیہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت میرے ذہن میں خطرناک منصوبہ مکمل طور پر تیار ہو چکا ہو گا۔ جب میں نے اس کا ذکر سعدیہ سے کیا تو وہ ایک پل کے لئے بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔ سپاٹ نگاہوں سے میرا منہ تکنے لگی۔ "یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

میں نے اسے سمجھایا کہ میں ناممکن کو ممکن بنانے کا عزم رکھتا ہوں۔ اس پر وہ بولی۔ "مجھے تمہارے عزائم کی پختگی پر شک نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم اکیلے یہ کام نہیں کر سکو گے۔ یہ ایک آدمی کا کام نہیں ہے"۔

میں نے سعدیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے دبایا اور کہا۔ "میں بنیادی طور پر ایک جانباز کمانڈو ہوں جسے تن تنہا معرکے سرانجام دینے کی ٹریننگ دی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر بدنصیبی آڑے نہ آئی تو میں یہ معرکہ سر کر لوں گا۔ صرف مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہو گی"۔

سعدیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ اس خطرناک مشن میں

میری جان چلے جانے کے بارے میں فکر مند ہے۔ اس نے سوچ کی گہری لہروں سے ابھرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کس قسم کے ساتھی کی ضرورت ہے؟"

میری نگاہیں سعدیہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ میں نے کہا "مجھے ایک ایسا شخص چاہیئے جو نیوکلیئر ہیڈ کمپیوٹر الیکٹرانکس کی تکنیک کو بخوبی جانتا ہو"۔

سعدیہ ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئی۔ "اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر عکاد سے بات کرنی ہوگی۔ ہمارے فلسطینی کمانڈو میں کچھ ایسے مجاہد ہیں جنہیں خاص طور پر ایٹمی تنصیبات تباہ کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے"۔

سعدیہ کی اس اطلاع نے میرے عزائم کو مزید تقویت عطا کر دی تھی کیونکہ میری اسکیم ایک ایسے آدمی کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی تھی جو کمپیوٹر الیکٹرانکس کی تکنیک سے بخوبی واقف ہو۔ ابھی دو مرحلے باقی تھے۔ پہلا مرحلہ اسرائیل کی نیوکلیئر ہیڈ انڈر گراؤنڈ تنصیب کا مکمل نقشہ حاصل کرنا تھا اور دوسرا کام ایٹمی تنصیب کے خفیہ کوڈ ورڈ کا حصول تھا۔ مزید یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ کہیں وہاں کا خفیہ کوڈ یا پاس ورڈ کہیں روز کے روز تو تبدیل نہیں کیا جاتا۔

سعدیہ بولی۔ "اس بارے میں ڈاکٹر عکاد ہی ہمیں کار آمد مشورہ دے سکتا ہے۔ میں آج ہی اسے بلاتی ہوں۔ مگر تم ایک بار پھر اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو۔ اگر ذرا سی بھی کہیں بھول چوک ہوگئی تو اس کا نتیجہ انتہائی بھیانک نکل سکتا ہے"۔

میں نے کہا ایسی صورت حال میں صرف میری اور میرے ساتھی کی جان جائے گی اور کچھ نہیں ہوگا اور کمانڈو جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مشن پر روانہ ہوا کرتے ہیں"۔

سعدیہ نے ڈاکٹر عکاد کو فون کیا کہ میری طبیعت پھر خراب ہو رہی ہے۔ برائے مہربانی مجھے رات کو آکر انجکشن لگا دیجیئے گا۔ وہ سمجھ گیا کہ سعدیہ کسی اہم کام سے بلا رہی ہے۔ رات آٹھ بجے کے بعد وہ اسٹیتھی اسکوپ گلے میں لٹکائے سگار پیتا' چھوٹی سی داڑھی کھجاتا آگیا۔ سعدیہ نے اسٹور بند کر دیا تھا۔ ہم تینوں اس کے اوپر والے کمرے میں بیٹھ گئے۔ سعدیہ کافی بنا کر لے آئی۔ کھڑکی پر پردہ گرا دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عکاد نے دکھاوے کے طور پر بریف کیس میں سے سرنج اور انجکشن کی ٹیوب نکال کر چھوٹی میز پر رکھ لی۔ میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ سعدیہ پلنگ پر نیم دراز ہوگئی۔ جب سارا مصنوعی سیٹ لگ گیا تو ڈاکٹر عکاد نے سگار کو ہونٹوں کے کونے میں دباتے ہوئے ہاتھ صدری میں پھنسا لئے اور صوفے پر ذرا پیچھے جھک کر بولا۔ "اب بتاؤ مجھے کس کام کے لئے بلایا گیا ہے؟ کیونکہ تمہارا یوں بار بار مجھے فون کرنا ٹھیک نہیں ہے"۔

سعدیہ نے کہا۔ "ڈاکٹر! اس وقت ایک انتہائی اہم مشن کے سلسلے میں تمہارے مشورے بلکہ تمہارے تعاون کی ضرورت ہے"۔

"کون سا مشن ؟ سونیا کی برآمدگی کا مشن ؟" ڈاکٹر عکاد نے گردن ایک طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

سعدیہ نے میری طرف دیکھا۔ "تم خود ہی اپنے مشن کی تفصیلات ڈاکٹر کو بتادو"۔

اب ڈاکٹر کی توجہ میری طرف ہو گئی۔ اس نے اپنی کرنجی آنکھیں مجھ پر جمادیں اور دھیمی پرسکون آواز میں بولا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے ڈاکٹر عکاد کو اپنے خطرناک مشن کی تمام تفصیلات وضاحت کے ساتھ بیان کرنی شروع کر دیں۔ ڈاکٹر عکاد کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے منہ سے سگار نکال کر ایش ٹرے میں مسل دیا اور صوفے پر آگے کو ہو گیا۔ اس کی آنکھیں میرے چہرے پر گڑی تھیں اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر میری اسکیم کی تفصیلات سن رہا تھا۔ جب میں پوری وضاحت کے ساتھ اسے اپنا مشن بیان کر چکا تو وہ پیچھے ہو کر صوفے میں دھنس گیا۔ صدری کی جیب میں سے نیا سگار نکال کر سلگایا اور اس کا ایک کش کھینچ کر آہستہ آہستہ دھواں چھوڑنے لگا۔

سعدیہ بولی۔ "ڈاکٹر! کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ محض ایک سفارت کار کی بیٹی کو برآمد کروانے کے لئے یہ مشن زیادہ خطرناک اور بھیانک نتائج کا حامل بھی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر سگار کا کش لگاتے ہوئے بولا۔ "سوال ایک دوست ملک کے سفارت کار کی اغوا شدہ بچی سونیا کو برآمد کرانے کا ہی نہیں ہے۔ سونیا کی آڑ میں اسرائیل، تنظیم آزادی فلسطین اور مصری حکومت کو بلیک میل کرے گا۔ اس سے ہمارے کاز کو شدید دھچکا لگنے کا اندیشہ ہے"۔

سعدیہ نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اس مشن کے حق میں ہو"۔

ڈاکٹر عکاد اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ چند قدم چل کر کھڑکی کے پاس گیا، پھر واپس پلٹ کر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اس منصوبے کو پوری دلیری، عیاری اور چابکدستی سے تکمیل تک پہنچا سکو گے ؟"

"مجھے پورا یقین ہے، لیکن اس کے لئے مکمل معلومات حاصل ہونا بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر ایک ایسے کمانڈو کا حصول جو نیوکلیئر ہیڈ میزائل کمپیوٹر تکنیک سے بخوبی واقف ہو"۔

ڈاکٹر عکاد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا صوفے کے پاس آیا، پھر صوفے پر بیٹھ کر ٹھنڈی کافی کا ایک گھونٹ پیا اور بولا۔ "اس کا انتظام ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ہمارے وطن کی آبرو، ہماری تنظیم اور فلسطینی کاز کے مفاد کا معاملہ ہے۔ اگر اسرائیل سونیا کی آڑ میں مصر اور تنظیم آزادی فلسطین کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ ہماری پالیسی اور ہمارے بنیادی مفادات میں بنیادی اور انتہائی نقصان دہ تبدیلیاں پیدا کرنے کا باعث بھی ہو سکتا ہے جو ہمارے لئے خودکشی کے مترادف ہو گا"۔

میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میرا ایک گولی سے دو نشانے چھوڑنے کا مشن ہے۔

ہمیں دوست ملک کے سفارت کار کی بیٹی کو بھی چھڑانا ہے اور آزادی فلسطین کے کے کاز کو شدید نقصان پہنچانے سے بھی بچانا ہے ۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ ایک بار میں ٹارگٹ پر پہنچ گیا تو اسرائیل گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا ... کیونکہ دوسری صورت میں اسے اپنے دارالحکومت کی مکمل تباہی و بربادی کا منظر دیکھنا ہو گا جسے وہ کبھی گوارا نہیں کرے گا"۔

سعدیہ خاموشی سے کافی کے ہلکے ہلکے گھونٹ لے رہی تھی ۔ اس کی چمکیلی آنکھیں کبھی ڈاکٹر عکاد اور کبھی میرے چہرے کا جائزہ لیتی ۔ میں نے اپنی بات ختم کی تو وہ ڈاکٹر عکاد کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ۔ " اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے ۔ اگر آپ لوگوں نے اس مشن پر عمل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر اس پر آج ہی سے کام شروع کر دینا چاہیئے"۔

میں نے کہا ۔ " مجھے سب سے پہلے اسرائیلیوں کے اس انڈر گراؤنڈ نیوکلیئر میزائل اسٹیشن کا پورا نقشہ چاہیئے پھر گیٹ پر بولا جانے والا خفیہ پاس ورڈ اور کمپیوٹر ٹکنیک کا ماہر کمانڈو ساتھی"۔

ڈاکٹر عکاد مونچھوں کے نیچے ذرا سا متبسم ہوا ۔ بولا ۔ " میرے عزیز ۔ تمہیں ایک اور چیز کی سب سے اشد ضرورت ہے جسے تم بھول رہے ہو اور جس کے بغیر تم نیوکلیئر میزائلوں کو اپنی جگہ سے ہلکی سی جنبش بھی نہیں دے سکو گے "۔

میں ڈاکٹر عکاد کا منہ تکنے لگا ۔ ڈاکٹر عکاد میری طرف جھک گیا ۔ رازداری سے کہنے لگا ۔ "تمہیں ان کلیدی ہندسوں کی ضرورت ہے جن کی مدد سے ایٹمی میزائلوں کا رخ موڑا جاتا ہے"۔

میں خاموش رہا کیونکہ ڈاکٹر عکاد بالکل صحیح کہہ رہا تھا ۔ اگرچہ نیوکلیئر میزائلوں اور ان کے انڈر گراؤنڈ اڈوں کے بارے میں 'میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور مجھے ان کے پر پیچ نظام کے سلسلے میں کافی معلومات حاصل تھیں لیکن کمپیوٹر کے کلیدی ہندسوں کی طرف میرا خیال نہیں گیا تھا ۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ جہاں نیوکلیئر میزائل نصب ہوتے ہیں ۔ اسے امریکی اصطلاح میں لاکر روم کہا جاتا ہے ۔ ایٹمی میزائیلوں کے اردگرد مضبوط ترین شیشے کی دیوار بنی ہوتی ہے ۔ ایک طرف لاکر روم میں پینل لگا ہوتا ہے جہاں ایک میرن فوجی پوری مستعدی سے چاق وچوبند ہو کر بیٹھا رہتا ہے ۔ اس کی آنکھیں سامنے لگے کمپیوٹر پر ہوتی ہیں جس پر تین زیرو کے ہندسے آہستہ آہستہ جھلملاتے رہتے ہیں ۔ اس کے کان قریب ہی پڑے سرخ رنگ کے ٹیلی فون پر لگے رہتے ہیں ۔ یہی وہ ٹیلی فون ہے جس پر ملک کا صدر عالی اور ایٹمی جنگ چھڑ جانے کی صورت میں خاص کوڈ بولنے کے بعد نیو کلیئر میزائل فائر کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ یہاں ہر سپاہی کی صرف چار گھنٹے ڈیوٹی ہوتی ہے ۔ چار گھنٹوں کے بعد دوسرا فوجی ڈیوٹی پر آجاتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ لاکر روم کے باہر ایک چھوٹے سے چوکور سوراخ میں سے ایک دوسرا فوجی مشین گن ہاتھ میں تھامے میزائلوں پر ڈیوٹی دینے والے فوجی کو

مسلسل دیکھتا رہتا ہے تاکہ اگر یہ شخص ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر کہیں سرخ بٹن دبا کر اور کلیدی ہندسوں کی مدد سے کمپیوٹر آن کر کے میزائل فائر کرنے کی کوشش کرے تو اسے وہیں گولی سے اڑا دیا جائے، کیونکہ جب ایک شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک ایسے سرخ بٹن کے سامنے بیٹھا ہے جس کے ذرا سے دبانے سے ساری دنیا میں ایٹمی جنگ شروع ہو سکتی ہے تو اس پر سخت نفسیاتی دباؤ ہوتا ہے اور وہ مشتعل ہو کر کوئی بھی حرکت کر سکتا ہے۔ اسی خطرناک نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تو لاکر روم میں چار گھنٹے سے زیادہ کوئی میرن ڈیوٹی نہیں دے سکتا، دوسرے، ایک دوسرا فوجی اس کی مسلسل نگرانی کر رہا ہوتا ہے۔ نیوکلیئر گائیڈڈ میزائل کی اندر گراؤنڈ تنصیبات پر چار کمروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں کسی جگہ سوائے لاکر روم کے کوئی پختہ دیوار نہیں ہوتی۔ دیواروں کی جگہ فولادی جنگلے لگے ہوتے ہیں جو بٹن دبانے سے اوپر اٹھتے اور پھر نیچے آ جاتے ہیں۔ ایسا اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ کمروں کی ہر شے پر نظر رکھی جا سکے۔ صرف لاکر روم کی مختصر چاردیواری فولاد اور کنکریٹ سے تیار کی گئی ہوتی ہے۔ اس کا دروازہ بھی فولادی سلاخوں والا ہوتا ہے جہاں سے لاکر روم کے اندر نیوکلیئر میزائلوں اور پہرے پر موجود فوجی کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں جگہ جگہ دیواروں کے ساتھ ٹی وی اسکرین ہوتے ہیں جن پر باہر چاروں طرف کا منظر ہر وقت نظر آتا رہتا ہے۔

اسرائیل کا نیوکلیئر میزائل اسٹیشن امریکہ کی مدد سے لگایا گیا تھا اور اس کے لاکر روم میں چار ایٹمی میزائل نصب تھے۔ ان کے نیوکلیئر ہیڈ تھے۔ یعنی ان کے سروں پر ایٹم بم لگے ہوتے ہیں۔ ان چار میزائلوں میں سے ایک میزائل کا رخ شام کے دارالحکومت دمشق، ایک کا اسکندریہ، ایک میزائل کا قاہرہ اور ایک میزائل کا رخ مصر ہی کی ایک فوجی چھاؤنی کی جانب متعین کر دیا گیا تھا... ان میزائلوں کو صرف اس صورت میں چھوڑا جانا تھا، جب شام اور مصر کی جانب سے ایٹمی میزائل چلانے کی دھمکی دی جائے۔ اسی قسم کے نیوکلیئر میزائل شام نے بھی روسیوں کی مدد سے ایک خفیہ انڈر گراؤنڈ مقام پر نصب کر رکھے تھے اور ان کا رخ اسرائیل کے دو بڑے شہروں یعنی تل ابیب اور یروشلم کی جانب متعین کر دیا گیا تھا۔ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جینس کی خفیہ رپورٹ کے مطابق ایسے میزائل مصر نے بھی صحرائے سینا میں کسی پوشیدہ مقام پر نصب کر رکھے تھے۔

اسرائیلی نیوکلیئر ہیڈ میزائلوں کے انڈر گراؤنڈ کمروں میں ایسا انتظام کر دیا گیا تھا کہ ایٹمی جنگ چھڑ جانے کی صورت میں وہاں ایٹمی تابکاری کی شعاعیں اندر داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں گیس، پاور اور کھانے پینے کا سامان اتنی مقدار میں جمع کر دیا گیا تھا کہ لاکر روم کا عملہ وہاں چھ ماہ تک رہ سکتا تھا۔ لاکر روم کے خطرناک سرخ ٹیلی فون کی تار زمین کے اندر ہی اندر ایک فولادی پائپ کے ذریعے دارالحکومت تل ابیب میں اسرائیلی وزیر اعظم کے بیڈ روم تک پہنچائی گئی تھی۔ وائرلیس ٹیلی فون کا خطرہ اس لئے مول نہیں لیا گیا تھا کہ اس کے سگنل جام کئے جا سکتے تھے۔

میری ان معلومات سے سعدیہ اور ڈاکٹر عکاد کو قدرے حیرت ضرور ہوئی اگرچہ انہیں اس حقیقت کا بھی علم تھا کہ اس نیوکلیئر عہد میں ایسی معلومات ایک کامیاب کمانڈو اور ایجنٹ کے علم کا جزو ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ میرے وسیع تجربے اور جرات و دلیری کے وسیع تر امکانات سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ یہ میری اسی جرأت مندانہ افتادِ طبع کا پرتو تھا کہ میں نے ان کے سامنے ایک ایسے خطرناک ترین مشن کا منصوبہ پیش کیا جس میں میری جان جانے کا نوے فیصد امکان تھا۔ منصوبہ چونکہ ایک اعتبار سے تیر بہدف بھی تھا۔ اس لئے ڈاکٹر عکاد نے فوراً اس کی منظوری دے دی اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ میں نے سعدیہ سے کاغذ قلم لیا اور ڈاکٹر عکاد کو نمبروار اپنی تمام ضروریات لکھ دیں۔ ان میں سے ایک بااعتماد جانباز سرفروش اور کمپیوٹر الیکٹرانکس کے ماہر ساتھی کمانڈو کی ڈیمانڈ کے علاوہ سائیلنسر والی دو آٹومیٹک جرمن پستولیں اور دو پولی ایسٹرنائی لان کے ماسک اور سائی نائیٹ زہر کے دو کیپسول بھی شامل تھے۔ یہ زہریلے کیپسول اس لئے تھے کہ اگر ہمارا مشن کسی وجہ سے ناکام ہو جاتا ہے تو ہم انہیں چبا کر خودکشی کر سکیں۔ نیوکلیئر کمپیوٹر کے کلیدی ہندسوں کی فراہمی کی ذمے داری ازخود ڈاکٹر عکاد نے لے لی تھی۔ رات گیارہ بجے ڈاکٹر عکاد اگلے روز رات آٹھ بجے آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ کھانا ہم نے اکٹھے ہی کھا لیا تھا۔ سعدیہ دوبارہ کافی بنا کر لے آئی۔ میں اس کے بستر سے اٹھ کر بڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

سعدیہ چونک کر بولی۔ "یہ کیا؟ نہیں نہیں۔ تم میرے پلنگ پر ہی سوؤ گے میں صوفے پر سوؤں گی۔ ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں سعدیہ۔ تم میری اتنی فکر نہ کیا کرو اور پھر ہم تو موت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے پھرتے رہتے ہیں"۔

میں نے پہلی بار سعدیہ کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں غم کے سیاہ بادل اڈتے دیکھے۔ یہ بدلی کسی وقت بھی برس سکتی تھی۔ چمکیلی آنکھیں، گرم سانسوں کی موسیقی، ستم نصیب آہوں کی پت جھڑ اور ملاپ کے سربہار کی موتیوں بھری بارش۔ محبت کا ان شوخ اور رنگین پھولوں سے ایک کمانڈو کا دامن خالی ہوتا ہے۔ اس کی زندگی تو کڑی دھوپ میں تپتے ریگستان میں سفر کرتے گزرتی ہے۔ کہاں کی محبتیں اور کہاں کے رومان!

اگلی رات ڈاکٹر عکاد ٹھیک آٹھ بجے آ گیا۔ اس نے اسرائیلی نیوکلیئر میزائل اڈے کے بارے میں مجھے جو معلومات فراہم کیں اس پر میں حیران رہ گیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اس مختصر سے غیر دلچسپ فلسطینی مجاہد کا دائرہ کار کس قدر وسیع تھا اور اس کے آدمی کہاں کہاں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ایک نیلے لیٹر پیڈ کا کاغذ تھا جس پر میزائل اڈے کا سارا نقشہ بنا ہوا تھا۔ نیوکلیئر کمپیوٹر کے کلیدی ہندسوں کے بارے میں ڈاکٹر نے کہا جو فلسطینی کمانڈو میرے ساتھ جائے گا۔ یہ ہندسے اسے ازبر ہیں۔

اور وہی مجھے بتائے گا۔ میں میزائل اڈے کے نقشے کا بڑے غور سے مطالعہ کرنے لگا۔ ڈاکٹر عکاد نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس سلسلے میں مزید معلومات تمہیں وہاں پہنچ کر مل جائیں گی۔ ہمارا ایک آدمی وہاں ہے جو کمانڈو تمہارے ساتھ جائے گا وہ اس فراش کو جانتا ہے۔ اسے تمہارے مشن کے بارے میں پہلے سے اطلاع کر دی گئی ہے۔ تمہاری تصویر بھی اسے دکھا دی گئی ہے"۔

میں نے ڈاکٹر عکاد سے پوچھا کہ فلسطینی کمانڈو کب آئے گا؟ اس پر اس نے اپنی کرنجی آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "تم اپنا مشن کب شروع کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "اگر فلسطینی کمانڈو کل مجھ سے مل لے تو میں کل رات ہی اٹیک کر دوں گا"۔

سعدیہ کافی بنا کر لے آئی۔ ڈاکٹر عکاد کہنے لگا۔ "جس فلسطینی کمانڈو کو تمہارے ساتھ جانے کے لئے چنا گیا ہے اس کا کوئی نام نہیں۔ ویسے یہاں وہ ایک اسرائیلی نام سے اپنا کام کر رہا ہے مگر تمہارے لئے وہ نام بیکار ہے۔ تم اسے فوکس کے نام سے بلاؤ گے"۔

پھر ڈاکٹر عکاد نے اپنی کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا اور بولا۔ "آج رات بارہ بجے کے بعد تم میرے ساتھ فلسطینی کمانڈو فوکس سے ملاقات کرنے والے ہو۔ اوکے۔ میں بارہ بجے آؤں گا"۔

اس نے کافی کا ایک گھونٹ تک نہ پیا اور بریف کیس اٹھا کر فلیٹ کی سیڑھیاں اتر گیا۔ سعدیہ اسٹور بند کرنے چلی گئی۔ میں ٹیبل لیمپ کی روشنی میں میزائل اڈے کا نقشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ لاک روم کی دیوار تک انڈر گراؤنڈ اڈے کی ایک ایک راہداری واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک ایک تفصیل کو ذہن نشین کر لیا۔ تھوڑی دیر میں سعدیہ آ گئی۔ اس نے بتایا کہ اسٹور کا عقبی فائر ڈور اس نے اندر سے کھلا رکھ دیا ہے کیونکہ ڈاکٹر عکاد کو اسی دروازے سے واپس آنا تھا۔ میں نے سعدیہ سے فلسطینی کمانڈو فوکس کے بارے میں سوال کیا تو وہ بولی۔

"میں نے اسے آج تک نہیں دیکھا۔ ہم ایک دوسرے کے فرضی نام ضرور جانتے ہیں مگر ایک دوسرے سے ملتے کبھی نہیں میرا صرف ڈاکٹر عکاد سے ہی رابطہ رہے گا۔ ایک طرح سے یہ ہمارا اس زون کا ماسٹر اسپائی ہے، لیکن اس سے بھی کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی تھی۔ تمہارے مشن کے باعث یہ بار بار آ رہا ہے"۔

میں نے پوچھا کہ فلسطینی کمانڈو سے کہاں ملاقات ہونے والی ہے؟ اس پر سعدیہ نے بستر پر نئی چادر بچھاتے ہوئے اپنے کندھے اچکائے اور بولی۔

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔"

کھانا ہم نے پہلے ہی کھا لیا تھا۔ گیارہ بجے رات تک ہم کافی پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ ٹھیک بارہ بجے سعدیہ، یہ کہہ کر نیچے چلی گئی کہ ڈاکٹر عکاد آ گیا ہو گا۔ چند سیکنڈ گزرے ہوں گے، کہ مجھے ڈاکٹر عکاد کے سگار کی خوشبو سیڑھیوں سے آتی محسوس ہوئی۔ خلاف توقع اس نے اسرائیلی راہبوں والا

لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بریف کیس کی بجائے کوئی مذہبی کتاب تھی۔ ایسا ہی ایک لباس وہ میرے لئے بھی لایا تھا۔ اس نے پیکٹ میری طرف اچھال کر کہا۔ "اسے فوراً پہن لو۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا"۔

میری چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی بڑھ آئی تھی۔ سر پہلے ہی منڈا ہوا تھا۔ میں نے سر پر راہبوں والی ٹوپی جمائی۔ نسواری لمبا چغہ پہنا' ہاتھ میں تسبیح سنبھالی اور ڈاکٹر عکاد کے پیچھے پیچھے اسٹور کے عقبی دروازے سے اندھیری گلی میں نکل گیا۔ یروشلم کی یہ چھتی ہوئی اندھیری گلی ایک محرابی دروازے کے پاس پہنچ کر ختم ہو گئی۔ سامنے عقبی بازار تھا' جس کی دکانیں بند تھیں... یہ یروشلم کا گنجان آبادی والا علاقہ تھا۔ یہاں ایک طرف پرانے ماڈل کی ایک بوسیدہ سی کار کھڑی تھی۔ ڈاکٹر عکاد میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہارا نام رابی شکول ہے۔ میں رابی جیروم ہوں اور ہم ناصرہ میں اپنے ایک بیمار ساتھی کی عیادت کو جا رہے ہیں جس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے"۔

اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ میں اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پرانی کار کھڑکھڑاتی ہوئی شہر کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ میرا حلیہ کافی بدلا ہوا تھا اور میں اتنی آسانی سے پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ کار سنسان نیم روشن بازاروں میں سے گزرتی شہر کے دروازے کے قریب پہنچی تو ڈھلوان سڑک پر دور سے میں نے بڑے محرابی دروازے کے نیچے آمنے سامنے دو ملٹری جیپوں کو کھڑے دیکھا۔ ڈاکٹر عکاد کی آنکھیں بھی ان جیپوں پر جمی تھیں آہستہ سے بڑبڑایا۔ "سکیورٹی گارڈ موجود ہے۔ تم خاموش رہنا۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے اسے یاد رکھنا"۔

گاڑی سکیورٹی گارڈز کی جیپوں کے پاس جا کر رک گئی۔ دو اونچے لمبے اسرائیلی فوجی ہلمٹ لگائے ہاتھوں میں اسٹین گنیں لئے ہماری طرف بڑھے ڈاکٹر عکاد نے ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے بچو! تم پر رب ڈیوڈ کی رحمتیں نازل ہوں۔ ہمیں اپنے ایک ساتھی رابی کی شدید علالت کے باعث ابھی ناصرہ جانا پڑ گیا ہے۔ ارے ہاں۔ میرے پاس تل ابیب سے آئے ہوئے کچھ عمدہ سگار ہیں۔ کیا تم شوق کرو گے؟"

یہ کہہ کر ڈاکٹر عکاد نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں سے سگار کا ایک پیکٹ نکال کر سکیورٹی گارڈز کی طرف بڑھایا۔ پرانی گاڑی میں دو سیدھے سادے راہبوں کو دیکھ کر پہلے ہی مطمئن ہو چکے تھے۔ اب سگار ملے تو خوش ہو کر شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔ ہماری کار ڈھلانی سڑک پر کھڑکھڑاتی تیزی سے آگے بڑھی اور پھر شہر کے باہر جاتی کھلی سڑک پر ایک طرف روانہ ہو گئی۔ ڈاکٹر عکاد خاموش تھا۔ کار رات کے اندھیرے میں ستاروں کی دھیمی روشنی میں بنجر ٹیلوں کے آس پاس سے ہو کر آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک بار میں نے عکاد سے کوئی بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ سڑک سانپ کی طرح ٹیلوں کے درمیان بل کھاتی جا

رہی تھی ۔ مجھے سامنے ایک ٹیلے کے عقب میں روشنی نظر آئی جو آگے ہماری طرف بڑھ رہی تھی ' پھر اچانک سڑک پر ہم سے تھوڑے فاصلے پر ایک دوسری گاڑی نمودار ہوئی جس کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں سڑک پر پڑیں ۔ ڈاکٹر عکاد نے دانتوں سے اپنے بھینچے ہوئے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا ۔ " اسرائیلی فوجی جیپ ہے ۔ خبردار کوئی بات نہ کرنا ۔ گونگے بہرے بن جانا ۔ میں سنبھال لوں گا ان کو "۔

ہماری کار کی روشنی پڑی تو جیپ میں مجھے دو فوجی بیٹھے نظر آئے جن کے سر ہلمٹ سے ڈھکے تھے اور ایک فوجی کی اسٹین گن کی اوپر کو اٹھی ہوئی بیرل مجھے صاف نظر آ رہی تھی ۔ فوجی جیپ سڑک کے بیچ میں آگئی ۔ اس کی رفتار ہلکی ہو گئی اور اس کے ڈرائیور نے لائٹس کو تین بار ڈپ کر کے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا ۔

ہم نے اپنی پرانی کار روک لی۔ اسرائیلی فوجی اپنی جیپ سے اتر کر ہماری طرف بڑھے۔ ان کی جیپ کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ ایک فوجی دو قدم پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس کی اسٹین گن کا رخ ہماری طرف تھا۔ دوسرے فوجی نے ایک ہاتھ جیب میں ڈال رکھا تھا۔ یقیناً اس جیب میں پستول ہو گا۔ اس نے گاڑی میں دو یہودی راہبوں کو بیٹھے دیکھا تو احتراماً ذرا سا سر جھکایا اور پوچھا کہ ہم آدھی رات کو کہاں جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر عکاد' رابی جیرم کے روپ میں اس لمحے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے مسکراہٹ لاتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا کہ ہمارا ایک رابی ساتھی ناصرہ شہر میں اچانک بیمار پڑ گیا ہے۔ اس کی حالت خراب ہے۔ ہم اس کی تیمار داری کو جا رہے ہیں۔

اسرائیلی فوجی افسر میرے قریب آ گیا۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک جیب میں رکھے پستول پر تھا۔ میں نے مسکرا کر سر کو خفیف سا نیچے کر کے خیر مقدم کیا اور ہاتھ میں پکڑی تسبیح چلانے لگا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا اور ڈاکٹر عکاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ٹھیک ہے فادر! تم جا سکتے ہو

میری جان میں جان آئی۔ تھوڑی دیر بعد ہماری گاڑی ایک بار پھر رات کے اندھیرے میں یروشلم کے جنوبی مضافات کے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان چکر کھاتی جا رہی تھی۔ عکاد نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اب آگے راستہ صاف ہو گا۔ یہ گشتی جیپ تھی جو چلی گئی"۔

میں خاموش رہا۔ ہماری پرانی گاڑی کھڑکھڑاتی ہوئی ایک ٹیلے کی ڈھلان اتر کر زیتون کی اونچی جھاڑیوں کے قریب آئی تو مجھے درختوں کے عقب میں ایک بیرک نما عمارت کی ڈھلانی چھت کا سایہ سا نظر آیا۔ عکاد نے گاڑی اس بیرک کے پیچھے جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کر دی اور مجھے ساتھ لے کر بیرک کے سامنے والے برآمدے کی طرف آ گیا۔ بیرک چھوٹی سی تھی۔ ایک طرف سے اس کی چھت نیچے کو جھکی ہوئی تھی۔ لکڑی کے ستون پر کوئی جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ اندر کہیں بھی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ برآمدے کا فرش ناہموار تھا۔ ڈاکٹر عکاد نے بند دروازے پر آہستہ سے کہا۔ "نوکس"۔

دروازے کا پٹ چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

"اندر آ جاؤ۔" کسی نے کرخت آواز میں کہا۔

پہلے تو مجھے اندر داخل ہونے کے بعد کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ عکاد میرے قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "پاکستانی کمانڈو میرے ساتھ ہے"۔

وہ کرخت آواز بلند ہوئی۔ "تم نے اپنی تسلی کر لی ہے؟"

عکاد نے کہا۔ "ہاں"۔

اب مجھے اندھیرے میں ایک آدمی کا ہیولا نظر آیا جو ایک میز پر دونوں ہتھیلیاں ٹکائے آگے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی مانند چمکنے لگیں۔ اس نے اب مجھے مخاطب کیا۔ "تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے مگر میرے بارے میں تمہیں کچھ معلوم نہیں ہے اس کی ضرورت بھی نہیں۔ پاکستانی ہمارے مسلم بھائی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ہمارے کاز کی حمایت کی ہے۔ کیا تم میرے ساتھ مر سکو گے

وہ عربی میں بول رہا تھا۔ میں نے عربی زبان میں ہی جواب دیا۔ "اپنا مشن پورا کیئے بغیر نہیں مروں گا"۔

اندھیرا اور خاموشی۔

فوکس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ میں فولاد جیسی سختی تھی۔ وہ مسکرایا۔ اندھیرے میں اس کے سفید دانتوں کی لکیر نظر آنے لگی، پھر اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور ڈاکٹر عکاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تم اب جا سکتے ہو"۔

ڈاکٹر عکاد خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اس نے مجھ سے سلام دعا بھی نہ کی۔ فلسطینی کمانڈو فوکس نے دروازہ بند کر دیا۔ اب مجھے کمرے کے اندھیرے میں دھندلی دھندلی چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔ دو۔ تین کرسیاں دیوار کے پاس رکھی تھیں۔ کونے میں... فرش پر ایک کیمپ کارٹ بچھی تھی۔ کمانڈو فوکس نے لکڑی کے فرش کا ایک تختہ کھسکا دیا۔ نیچے لکڑی کی سیڑھی لٹکی ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔ "نیچے اتر جاؤ۔ صبح بات کریں گے"۔

میں کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ فوکس نے مجھے جھڑک دیا۔ "نیچے اتر جاؤ"۔

میں چپکے سے رسی کی سیڑھی پر لٹکتا نیچے اتر گیا۔ نیچے ایک تہ خانہ تھا۔ چھوٹا سا اندھیرا کمرہ تھا جس کی فضا میں گیلی مٹی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر پرانی میٹرس بچھی تھی۔ میں اس پر بیٹھ گیا۔ میٹرس کے اسپرنگ ٹوٹے ہوئے تھے۔ کمانڈو فوکس نے لکڑی کا تختہ اپنی جگہ سے کھسکا دیا۔ تہ خانے میں اس قدر اندھیرا ہو گیا کہ مجھے واقعی اپنے ہاتھ بھی نظر آنا بند ہو گئے۔ خدا جانے یہ فلسطینی کمانڈو میرا امتحان لے رہا تھا یا یہ اس کی مجبوری تھی بہرحال میں چونکہ اس قسم کی مصیبتیں جھیلنے کا عادی تھا اس لئے میٹرس پر لیٹ گیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے اسپرنگ میری کمر میں چبھ رہے تھے۔ تہ خانے میں کسی

جگہ سے تازہ ہوا کے آنے کا احساس ہو رہا تھا لیکن اندھیرے میں وہ جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے بھی زیادہ تردد نہ کیا اور بازو پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

آنکھ اس وقت کھلی جب کسی نے میرے پاؤں کو دبایا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا چھت کا تختہ ہٹا ہوا تھا اور وہاں سے دن کی پھیکی پھیکی روشنی آ رہی تھی۔ میرے پاؤں کی جانب ایک دراز قد دبلا پتلا نوجوان کھڑا اپنے پاؤں سے میرا پاؤں ہلا رہا تھا۔ اس کے شانے چوڑے تھے۔ بال چھوٹے چھوٹے تراشے ہوئے تھے۔ اس کے چوڑے جبڑے والے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ یہ سوائے کمانڈو فوکس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی بلی آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ میں اٹھ بیٹھا۔ اس نے عربی زبان میں کہا۔ "اوپر آ جاؤ"۔

یہ کہہ کر وہ رسی کی سیڑھی کی مدد سے تہ خانے کے اوپر چلا گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی اوپر چلا آیا۔ یہ ویران جنگل میں کوئی پرانی بوسیدہ سی بیرک تھی جس کے اندر کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ کمانڈو فوکس بند دروازے کے پاس کھڑا کسی خفیہ سوراخ میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ چھوٹی سی گول میز پر موم بتی کی موم چپٹی ہوئی تھی۔ کمانڈو فوکس دروازے سے ہٹ کر میرے قریب آیا۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی اور ذرا پیچھے جھک کر اپنے کان کی لو کو انگلیوں سے مروڑتا ہوا بولا۔ "سب سے پہلے تمہیں یہودی رابی کا حلیہ بدلنا ہو گا۔ تمہیں لاکر روم کے کوڈ ورڈز بتا دیئے جائیں گے۔ گائیڈڈ میزائیل کے کلیدی ہندسوں کی تمہیں ضرورت نہیں پڑے گی مگر اسرائیلی حکام کی یقین دہانی کے لئے تمہیں اس کے شروع اور آخر کے دو' دو حروف بتا دیئے جائیں گے۔ یہ چار ہندسے میزائل پوسٹ کے حکام کے پاؤں تلے کی زمین کھسکانے کے لئے کافی ہوں گے"۔

کمانڈو فوکس بات کرتے کرتے رک گیا اور بند دروازے کے سوراخ میں سے بار دیکھنے لگا' پھر میری طرف منہ کر کے بولا۔ "تمہارے ساتھ دو کمانڈو کر دیئے جائیں گے۔ میں میزائل پوسٹ پر ہی ہوں گا مگر تم وہاں مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ میری طرف دیکھو گے بھی نہیں"۔

وہ چلتا ہوا میرے قریب آ کر شکستہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ میز پر کہنیاں ٹکائیں اور میری طرف جھک کر بولا۔ "یہ بڑا خطرناک مشن ہے۔ اس کا اسی فیصد بوجھ تم پر ہے۔ کیا تم اسے سنبھال لو گے ؟"

میں نے کہا۔ "اس کا ثبوت تمہیں اس وقت ہی مل سکتا ہے جب میں کمانڈو ساتھیوں کو لے کر میزائل پوسٹ پر حملہ آور ہوں گا"۔

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتا رہا۔ کچھ کہے بغیر اٹھا۔ چھوٹی سی بیرک کے فرش پر ٹہلنے لگا۔ پھر میرے سامنے کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ بند بیرک کے باہر سے کسی وقت چڑیا کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "تمہارے پاس نیوکلیئر میزائل اسٹیشن کا جو نقشہ ہے

مجھے دکھاؤ"۔

میں نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کاغذ پر میزائل اسٹیشن کے اندر کے کمروں کا پورا نقشہ بنا ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں تک گہری محویت سے اس نقشے کو دیکھتا رہا، پھر تہہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہے نا؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے نقشہ میری طرف بڑھا کر کہا۔ "ایک بار پھر اسے غور سے دیکھ لو"۔

میں نے نقشے پر ایک بار پھر نگاہ ڈالی۔ اس کی تمام تفصیلات اور آڑھی ترچھی لکیروں اور لاکر روم کی طرف جاتی راہ داری اور باہر کے گیٹ کی فوجی پوسٹ کو غور سے دیکھا۔ اس کے بعد کمانڈو فوکس نے وہ نقشہ مجھ سے لے کر ماچس کی تیلی جلائی اور اسے جلا کر راکھ کر کے فرش پر پاؤں سے مسل دیا۔ وہ اٹھا اور بولا "۔ یہاں سے نکل کر بیرک کے پیچھے جاؤ گے تو ایک چھوٹا سا غسل خانہ ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی کچن بھی ہے۔ وہاں ناشتہ تیار ہے وہیں ایک میز پر تمہیں خاکی رنگ کی پتلون قمیص بھی ملے گی۔ اسے پہن لینا۔ یہ کپڑے وہیں رہنے دینا۔ اب جاؤ"۔

وہ کرسی پر ہی بیٹھا رہا۔ میں دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آیا۔ تازہ ہوا نے میرے رگ و پے کو ایک دم سے تازہ کر دیا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ اس جگہ کو مٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں نے گھیر رکھا تھا۔ پیچھے چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا غسل خانہ تھا، جس کا ٹب پانی سے بھرا تھا۔ ساتھ ہی اس سے بھی چھوٹا ایک کچن تھا جس کا دروازہ ٹوٹ کر ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر میں کچن میں آیا۔ یہاں ایک پرانی کرسی پر گٹھڑی رکھی تھی۔ اسے کھولا۔ اس میں خاکی پتلون اور خاکی قمیض تھی۔ میں نے راہبوں والا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور یہ لباس گٹھڑی میں باندھ کر وہیں رکھ دیا۔ کچن کے چولہے کے پاس ہی کیتلی میں چائے اور خالی مگ پڑا تھا۔ ایک پلیٹ میں ڈبل روٹی کے چار ٹکڑے رکھے تھے۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے ناشتہ کیا۔ واپس بیرک میں آیا تو کمانڈو فوکس غائب تھا۔ میز پر ایک رقعہ پڑا تھا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔ "اب تم مجھے یہاں نہیں دیکھ سکو گے۔ تم اسی بیرک میں رہو گے۔ موسم کی رپورٹ کے مطابق اگلے چوبیس گھنٹوں میں بارش ہو گی۔ شام کو تمہارے ساتھی کمانڈو یہاں پہنچ جائیں گے۔ تمہیں صرف بارش کی صورت میں اٹیک کرنا ہو گا۔ اگر بارش نہ ہوئی تو اٹیک ملتوی کر دینا ہو گا۔ کھانا تمہیں یہاں ملتا رہے گا"۔

نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ ظاہر ہے یہ کمانڈو فوکس نے رقعہ لکھا تھا۔ میں نے رقعے کو پھاڑ کر اس کے چھوٹے چھوٹے پرزے کر کے باہر ریت میں دبا دیئے اور بیرک کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ میرا اصل مشن مصر میں متعین پاکستانی سفارت کار کی بیٹی کو یہودیوں کی قید سے نکال کر واپس مصر لے جانا تھا۔ یہ کوئی معمولی اغوا نہیں تھا بلکہ

اس لڑکی کے ذریعے بہت اونچی سطح پر عرب مفادات کو بلیک میل کرنے کی گھناؤنی کوشش کی جا رہی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو کیا ہو گا؟ مجھے اپنی جان کی فکر نہیں تھی۔ کمانڈو جب اپنے وطن کی خدمت کے لئے نکلتا ہے تو وہ وطن کی آن پر اپنی جان کا پہلے ہی سودا کر چکا ہوتا ہے۔ تشویش صرف اس بات کی تھی کہ اگر مشن ناکام ہو گیا اور کسی معمولی سی بھول چوک کے باعث ہم مار دیئے گئے تو عرب مفادات اور آزادی فلسطین کے کاز کو زبردست اور ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ میں نے عہد کیا کہ مشن کو ہر حالت میں کامیاب بنایا جائے گا۔

دوپہر ہو گئی۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ مجھے بھوک بھی لگنے لگی تھی۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ یہاں میرے کھانے پینے کا انتظام کہاں سے ہو گا؟ میں عمداً بیرک کے اندر ہی بیٹھا تھا۔ دروازے کا پٹ ہوا کے لئے ذرا سا کھول رکھا تھا۔ مجھے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ برآمدے کی لکڑی کے بوسیدہ فرش پر کسی کے چلنے سے پیدا ہو رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کے اندر کی جانب دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا ہاتھ پتلون کی جیب میں جرمن آٹومیٹک پستول پر تھا۔ قدموں کی چاپ برآمدے میرے دروازے تک آئی اور پھر واپس چلی گئی۔ عجیب معمہ تھا۔ میں اچھل کر باہر برآمدے میں آگیا۔ کیپسول میرے ہاتھ میں تھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ مجھے دروازے کے آگے مٹی کی پلیٹ میں کوئی شے رومال میں لپٹی پڑی تھی۔ میں بھاگ کر برآمدے کے کنارے تک گیا مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ زیتون کی جھاڑیوں پر دوپہر کی دھوپ خاموشی سے چمک رہی تھی اردگرد مٹی کے تودے چپ چاپ تھے۔

یا خدا! کیا وہ چھلاوہ تھا؟ واپس آکر میں نے زیتون کی ایک شاخ توڑی اور کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر پلیٹ میں رکھے رومال کو پرے ہٹایا۔ نیچے سے دو روٹیاں اور خشک گوشت کا ٹکڑا برآمد ہوا۔ سمجھ گیا کہ کوئی میرے لئے کھانا رکھ گیا ہے۔

کچن میں جا کر میں نے روٹی کھائی۔ مٹی کے مٹکے میں سے پانی نکال کر پیا اور واپس بیرک میں آکر بیٹھ گیا۔ آسمان بالکل صاف تھا کسی جگہ بھی بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آتا تھا۔ خدا جانے موسمی پیش گوئی والے بادل کہاں راستہ بھول گئے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آج رات بارش نہیں ہو گی اور میں اپنا مشن شروع نہیں کر سکوں گا۔ فضا کی گرمی بیرک کی خاموشی اور فلسطینی خالص آٹے اور گوشت کا کچھ ایسا خمار چڑھا کہ مجھے نیند آنے لگی۔ میں نے دروازے کی کنڈی اندر سے لگائی اور کیمپ کارٹ پر گرتے ہی گہری نیند میں کھو گیا۔ آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ فضا میں وہ تپش نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ کچھ ٹھنڈک سی ہو رہی ہے۔ کلائی پر وقت دیکھا سہ پہر کے پانچ بج رہے تھے۔ میں کافی دیر سوتا رہا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا میرے خیر مقدم کو آگے بڑھا۔ موسمی پیش گوئی غلط نہیں تھی۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور ٹھنڈی ہوا میں زیتون اور انجیر کے درختوں کی شاخیں

آہستہ آہستہ جھوم رہی تھیں۔ برآمدے میں نکل کر گہرا سانس لیا۔ طبیعت بشاش ہو گئی۔ کالی گھٹاؤں کی وجہ سے دن کی روشنی کافی مدھم ہو گئی تھی۔ ابھی بوندا باندی شروع نہیں ہوئی تھی لیکن اگر پیش گوئی صحیح ہوئی جیسا کہ لگ رہا تھا تو پھر اسی رات مشن کو آغاز کرنا لازمی تھا۔

میں بیرک کے اندر آ گیا۔ دروازہ بند کر دیا اور کرسی پر بیٹھ کر اپنے ذہن میں اسرائیلی میزائل اسٹیشن کے اندرونی نقشے کی لکیروں کو پھر سے یاد کرنے لگا۔ اس گائیڈڈ اینٹی میزائل پوسٹ کے اندر کا نقشہ مجھے اس قدر ازبر ہو گیا تھا کہ میں آنکھ بند کر کے لاکر روم تک پہنچ سکتا تھا۔ بادلوں میں ہلکی سی گرج پیدا ہوئی۔ میری محویت کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں اٹھ کر برآمدے میں آ گیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ فضا میں ریت، مٹی، زیتون اور انجیر کے پتوں کی دھیمی دھیمی مہک رچی ہوئی تھی۔ یہ مشرق وسطیٰ کی مہک تھی۔ ہزاروں سال پرانی درخشاں اور انمٹ تاریخ کی مہک تھی۔ ان راستوں کی خوشبو تھی جن پر کبھی پیغمبران کرام گزرا کرتے تھے۔ میرا دل اپنے عظیم دین کی عظمت سے لبریز ہو گیا۔ اس جذبے نے میرے قویٰ کو فولادی طاقت عطا کر دی۔

دن کی روشنی آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگی تھی۔ گہرے بادلوں کی وجہ سے یہ روشنی تیزی سے مدھم ہو رہی تھی۔ اب مجھے شدت سے اپنے دو ساتھی کمانڈوز کا انتظار تھا۔ جنہیں فوکس کمانڈو کے کہنے کے مطابق آج شام تک میرے پاس پہنچ جانا تھا۔ ہمارا خطرناک مشن بارش والی اندھیری رات میں شروع ہونا تھا اور بوندا باندی اور بادلوں کی گرج بتا رہی تھی کہ رات کو بارش ہو گی۔ اس وقت مجھے سگریٹ کی شدید طلب محسوس ہوئی۔ میری جیب میں سگریٹ کا پیکٹ نہیں تھا۔ میں نے اس طلب کو دبا دیا۔ کمانڈو کو اس قسم کی خواہشات کو دبانے کی خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے۔

شام ہو رہی تھی کہ دور سے کسی جیپ کی آواز قریب آتی سنائی دی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں ہمہ تن گوش ہو کر اس آواز کو سننے لگا۔ یہ جیپ کی آواز تھی۔ جیپ بڑی تیزی سے چلی آ رہی تھی کیونکہ چند لمحوں کے بعد ہی زناٹے کی آواز کے ساتھ ایک جیپ زیتون کی جھاڑیوں کے سامنے سے ہو کر بیرک کے عقب میں آ کر رک گئی۔ ابھی رات کا اندھیرا اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ مجھے جیپ دکھائی نہ دیتی۔ یہ جیپ چاروں طرف سے بند تھی۔ جیپ کو یکدم بریکیں لگا کر روکا گیا تھا جس کی وجہ سے جیپ ایک طرف کو ذرا سا گھوم گئی تھی۔ میں برآمدے کے جھکے ہوئے ستون کے پیچھے ہو گیا تھا۔ جیپ کی اگلی سیٹوں کے دروازے کھلے اور اندر سے دو انسانی سائے چیتے جیسی چھلانگیں لگا کر باہر نکل آئے۔ ان کا رخ بیرک کے دروازے کی طرف تھا۔ میں جان بوجھ کر ستون پر چڑھی ہوئی بیل کی اوٹ میں چھپ گیا۔ دونوں آدمی بیرک کے برآمدے کے قریب آ کر رک گئے۔ پھر ایک نے ہاتھ کو اٹھا کر انگوٹھے کو نیچے کرتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی ایک آدمی چھلانگ لگا کر جیب سے پستول نکالتے ہوئے دروازے کے سامنے آ گیا اور دوسرے نے وہیں فرش پر پوزیشن سنبھال لی۔

یہ فلسطینی کمانڈو ہی ہو سکتے تھے۔

جو کمانڈو کوٹھری کے سامنے کھڑا تھا اس نے حلق سے پہلے ایک عجیب سی آواز نکالی پھر کوڈ ورڈ بولا۔ یہ کوڈ ورڈ مجھے پہلے سے ہی بتا دیا گیا تھا۔ میں نے ستون کی اوٹ سے کوڈ ورڈ کا جواب دہرایا۔ کوڈ ورڈ کا جواب سنتے ہی دونوں کمانڈو میری طرف اس طرح بڑھے کہ پستول انہوں نے جیب میں واپس رکھ لئے تھے۔ اب عربی زبان میں انہوں نے مجھے اپنا خفیہ نام بتایا اور ڈاکٹر عکاد کا بھی کوڈ نام بتایا۔ میں نے کمانڈو فوکس کا خفیہ نام بتایا۔ انہوں نے باری باری مجھے السلام وعلیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہا اور ہاتھ ملایئے۔ یہی وہ فلسطینی کمانڈو تھے جنہیں میرے ساتھ اسرائیلی میزائل پوسٹ پر اٹیک کرنا تھا۔

بارش ابھی تک بوندا باندی کی شکل میں ہی ہو رہی تھی۔ ہم بیرک کے عقب سے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے موم بتی روشن کر کے اسے میز پر رکھ دیا۔ میں نے انہیں موم بتی کی دھندلی روشنی میں دیکھا۔ دونوں نوجوان تھے۔ ان کے رنگ کھلتے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں اور جسم گٹھے ہوئے تھے۔ ہمارا کوئی نام نہیں تھا۔ وہ مجھے لیڈر کہتے اور میں ان میں سے ایک کو نمبر ٹو اور دوسرے کو نمبر تھری۔ اس اعتبار سے میں ان کا لیڈر تھا۔ کمانڈو نمبر تھری نے مجھے بتایا کہ اٹیک آج ہی رات کے پچھلے پہر کیا جائے گا جب کہ صبح کی شفٹ والے گارڈ ڈیوٹی پر آتے ہیں۔

"یہ دو گارڈ لاکر روم کے ہیں۔ ان کے بارے میں ہم نے جو حتمی تفصیلات حاصل کی ہیں ان کے مطابق انہیں میزائل اسٹیشن کی گاڑی رات کے پچھلے پہر تین بجے ان کے کوارٹروں سے لے کر آتی ہے۔ ہمیں اس گاڑی کو ہائی جیک کرنا ہو گا"۔

میں نے پوچھا کہ یہ گاڑی کہاں سے چلتی ہے اور گارڈز کے کوارٹر کس جگہ پر ہیں؟ جس کے جواب میں نمبر ٹو نے بتایا کہ ان کے کوارٹر ساتھ ساتھ ہیں مگر ہمیں گاڑی پر نصف راستے میں حملہ کرنا ہو گا جب یہ گاڑی کوارٹروں کے احاطے سے نکلنے کے بعد بڑے ٹیلے والی سڑک کا موڑ کاٹ رہی ہو گی۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنی بند جیپ میں لے گئے۔ جیپ کے اندر چھ آٹومیٹک اسٹین گنیں، ان کے میگزین، چار آٹومیٹک جرمن پستول، بارہ ہینڈ گرنیڈ اور تین عدد شکاری چاقو ایک بکس میں محفوظ پڑے تھے۔ میں نے سارے اسلحے کو چیک کیا۔ میگزین بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ ہمیں کپڑے کون سے پہننے ہوں گے۔ نمبر تھری بولا۔ "وہی جو ڈیوٹی پر جاتے گارڈز نے پہنے ہوں گے۔ ہم ان کے کپڑے خود پہن لیں گے"۔

ان کا عندیہ میں سمجھ گیا۔ کمانڈو شارٹ ہینڈ میں باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان کے اشاروں کو ہی سمجھنا کافی ہوتا ہے۔ گارڈز کی وردی ہم کیسے حاصل کریں گے؟ یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ کمانڈو جب اس قسم کے ہلاکت خیز نیشنل مشن پر ہوتا ہے تو پھر اس کے سامنے اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگی کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اسے ہر حالت میں اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا ہوتا ہے

خواہ اس کے لئے اسے دشمن کے ایک ہزار آدمیوں کو ہی موت کے گھاٹ کیوں نہ اتارنا پڑے۔

بادلوں کی گرج اب تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد ابھرتی تھی۔ ہم جیپ کی اگلی سیٹوں پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ ٹیلے ٹیکریاں اور ان پر کہیں کہیں کھجور اور زیتون کے درخت چڑیلوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ جیپ ریتیلے راستے پر تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کی بجائے چھوٹی بتیاں روشن تھیں۔ کئی ٹیکریوں اور مٹی کے تودوں کے پہلو سے گزرنے کے بعد ہماری جیپ بوندا باندی والی اندھیری رات میں ایک کھلی جگہ پر آ گئی۔ میرے ساتھی فلسطینی کمانڈوز کو تمام راستے کا علم تھا۔ میں ان کے درمیان بیٹھا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ کھلا میدان سا تھا جس کی ایک جانب درختوں کے سیاہ ہیولے ابھرے ہوئے تھے اور دوسری طرف دور بجلی کے کھمبوں کی قطار چلی گئی تھی۔ ان کھمبوں پر ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ جیپ ان کھمبوں کی طرف ہی جا رہی تھی۔ میدان میں کوئی دو ایک میل سفر کرنے کے بعد روشنی والے کھمبے ہمارے دائیں جانب رہ گئے۔ جیپ ایک ڈھلان میں اتری تو دائیں طرف کوارٹروں کی ایک قطار نظر آئی جن کے آنگنوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ جیپ کی رفتار ہلکی ہو گئی' پھر وہ تھوڑی سی اونچائی چڑھنے کے بعد ایک ایسے کوارٹر کے پیچھے ویران سے اندھیرے باغ میں آ کر رک گئی جہاں کوئی بتی نہیں جل رہی تھی۔ نمبر ٹو اور نمبر تھری نے اسلحے کا بکس جیپ میں سے نکالا اور کوارٹر کے عقبی گیراج کے چھوٹے دروازے میں سے گزر کر ہم نسبتاً کھلے کمرے میں آ گئے۔ یہاں دو پلنگ ساتھ ساتھ بچھے تھے۔ نمبر تھری نے سب سے پہلے بند کھڑکیوں کے آگے بھاری پردے کھینچ دیئے' پھر موم بتی روشن کر کے فرش پر لگا دی۔

میں اس ساری کارروائی کے دوران خاموش تماشائی بنا رہا۔ نمبر تھری نے زبان کھولی۔ ''لیڈر! یہاں سے ہمیں اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھنا ہے''۔

میں نے ڈیوٹی پر جانے والے گارڈز کے کوارٹروں کے بارے میں پوچھا تو نمبر ٹو نے کہا۔ ''وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے مگر ہم آدھے راستے میں ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھیں گے''۔

میں خاموشی سے ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ ہم نے ایک ایک پستول' ایک ایک شکاری چاقو اور تین تین ہینڈ گرنیڈ اپنی جیبوں میں رکھ لئے۔ قمیص کے اندر اسٹین گن بھی چھپا لی۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم نے کچھ سینڈوچز کھائے۔ کافی بنا کر پی۔ نمبر تھری نے اپنی کلائی کی گھڑی اتار کر موم بتی کے بالکل سامنے روشنی میں رکھ دی' پھر کان کھجاتے ہوئے عربی میں کہنے لگا۔ ''لیڈر! ہمیں پورے دو بج کر بیس منٹ پر یہاں سے اپنے ٹارگٹ نمبر ون کی طرف نکل جانا ہو گا''۔

یہ ٹارگٹ نمبر ون وہ جگہ تھی جہاں ہمیں گھات لگا کر اسرائیلی میزائل اسٹیشن کے گارڈز کی گاڑی کے انتظار میں بیٹھنا تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ نمبر ٹو کچن میں گیا اور

ہمارے لئے گرم گرم تلخ کافی بنا کر لے آیا۔ کہنے لگا۔ " باہر بارش شروع ہو گئی ہے "۔

نمبر تھری نے سیاہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ " ان کم بختوں کی موسمی رپورٹ کبھی غلط نہیں ہوتی۔ کیا بارش موسلادھار ہو رہی ہے ؟"

نمبر ٹو نے بتایا کہ موسلادھار بارش نہیں ہو رہی مگر' بوندا باندی ہو رہی ہے۔

رات دو بجے تک ہم کافی پیتے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں نمبر ٹو اور نمبر تھری نے مجھے میزائل اسٹیشن کی اندرونی راہداریوں' گارڈ روم اور گیٹ پر چیک پوسٹ کے بارے میں بریفنگ بھی دی۔ ہمیں گارڈ کی ویگن کو آتے دیکھ کر کیا کرنا ہو گا؟ نمبر ٹو کہاں ہو گا؟ نمبر تھری کی کیا پوزیشن ہو گی اور میں کہاں سے حملہ کروں گا؟ ان سب باتوں کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا گیا۔ ایک ایک تفصیل طے کر لی گئی ۔ تھوڑی سی ریہرسل بھی کی۔ میگزین کو بار بار کھول کر دیکھا۔ اسٹین گنوں کے بیرل چیک کیئے۔ جب گھڑی نے دو بج کر انیس منٹ بجائے تو نمبر تھری ایکدم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ " اوکے ... "

نمبر ٹو نے کہا۔ " میگزین چیک !"

ہم نے ایک بار پھر اپنی اسٹین گنوں کو چیک کیا۔ پستولوں میں سے میگزین نکال کر چیمبرز کو چیک گیا۔ میگزین دوبارہ بھرے اور کوارٹر سے نکل کر باہر آ گئے۔ جیپ کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور پیدل ہی بارش میں ایک طرف کو چل دیئے۔ بارش اچھی خاصی ہو رہی تھی۔ ایک عجیب موت جیسی ویرانی چاروں طرف چھائی تھی۔ دور کوارٹروں کی دھیمی روشنیاں بارش کی چلمن میں مزید دھیمی ہو گئی تھیں۔ ہم ان کوارٹروں کے مخالف سمت کو جا رہے تھے۔ زمین چونکہ ریتیلی تھی اس لئے کیچڑ بالکل نہیں تھا اور چلنے میں دقت نہیں ہو رہی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ ایک ویران راستہ بائیں جانب والی ٹیکریوں کے قریب سے ہو کر آگے کو چلا جا رہا تھا۔ ہم اسی راستے پر چل رہے تھے۔

سڑک پر آ کر ہم کوئی دو فرلانگ چلے ہوں گے کہ نمبر تھری نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں سڑک پر سے اترنے کو کہا۔ سڑک کی دوسری جانب اناروں کا باغ تھا جس کی باڑ لکڑی کے کھم گاڑ کر بنائی گی تھی۔ یہاں ایک کھم کے پاس انگوروں کی ایک بیل نے چھت سی ڈال رکھی تھی۔ نمبر تھری نے نمبر ٹو کو اشارہ کیا۔ اب میں نے دیکھا کہ انہوں نے پہلے ہی سے یہاں لکڑی کا ایک کھمبا اکھاڑ کر چھپا رکھا تھا۔ یہ کھمبا ٹیلی فون کا تھا اور اس کے ٹوٹے ہوئے تار لٹک رہے تھے۔

ہم نے مل کر اس کھمبے کو سڑک کے بیچ میں اس طرح ڈال دیا کہ کوئی بھی گاڑی وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔ ایک ایک بات اپنے آپ سمجھ میں آ رہی تھی۔ کچھ پوچھنے یا استفسار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ہمیں اپنی اپنی پوزیشن سنبھالنی تھی۔ نمبر ٹو سڑک کی دوسری طرف بھاگ کر چلا گیا۔ نمبر تھری مجھ سے دس گز دور باغ کے کھم کی اوٹ میں ہو گیا اور میں نے

چھ قدم پیچھے ہٹ کر پوزیشن سنبھال لی ۔ اسٹین گنیں ہمارے ہاتھوں میں تھیں ۔ میگزین لوڈ تھے اور ہماری انگلیاں ٹرائیگر پر تھیں ۔۔

میں نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی ۔ فاسفورس سے چمکتی ہوئی سوئی پونے تین بجا رہی تھی ۔ اچانک دور سے موٹر کے انجن کی آواز ابھری ۔ نمبر تھری نے ہد ہد کی آواز نکالی ۔ یہی آواز نمبر ٹو نے اور پھر میں نے نکالی ۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم نے ویگن کی آواز سن لی ہے ۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد سڑک پر ہلکی سی روشنی ہوئی اور بارش کی بوندیں گرتی صاف نظر آنے لگیں ۔ ویگن چلی آ رہی تھی ۔ روشنی بجھ رہی تھی ۔ سڑک کے بیچ میں پڑا ٹیلی فون کا کھمبا سڑک پر اس جگہ تھا جہاں سے سڑک تھوڑا سا بل کھا جاتی تھی اس لئے یہ دور سے نظر نہیں آ سکتا تھا ۔ میں چوکس ہو گیا ۔ نمبر تھری اور نمبر ٹو بھی چوکس ہو گئے تھے ۔ اب ویگن کی آواز صاف سنائی دینے لگی ۔ ویگن سڑک پر چلی آ رہی تھی ۔ پھر وہ میری آنکھوں کے سامنے سے ہیڈ لائٹس کی روشنیوں کو ساتھ ساتھ لئے آگے گزر گئی اور اس کے پیچھے گہرا اندھیرا چھا گیا ۔ میری نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں اور اسٹین گن کا رخ بھی ویگن ہی کی طرف تھا ۔ ایکدم سے بریکیں چیخ اٹھیں اور ویگن گیلی سڑک پر گھسٹتے گھسٹتے بیچ میں پڑے کھمبے کے بالکل پاس جا کر رک گئی ۔ گاڑی کے رکتے ہی میں نے سامنے ٹیکری کی طرف اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا اور اس کے ساتھ ہی بجلی کی تیزی کے ساتھ جھاڑی سے نکلا پھر ویگن کے عقبی دروازے میں سے اچھل کر اندر گھس گیا اور سیٹوں پر بیٹھے بوکھلائے ہوئے وردی پوش دو آدمیوں کو ہینڈز اپ کرا دیا ۔ اسٹین گن کی تڑاخ تڑاخ سے وہ بوکھلا گئے تھے کیونکہ اس علاقے میں فلسطینی گوریلوں کی یلغار ہوتی ہی رہتی تھی ۔ اس دوران نمبر ٹو اور نمبر تھری بھی اپنا کام کر چکے تھے ۔ انہوں نے بھی ایک ایک ہوائی باڑ مارنے کے بعد ڈرائیور کو سیٹ پر ہی قابو کر لیا تھا ۔

دونوں گارڈز اور ڈرائیور کے منہ میں رومال ٹھونس کر ان کی سفید وردیاں اتار دی گئیں ۔ ان کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر انہیں سڑک کے کنارے والے اناروں کے باغ کے احاطے میں پھینک دیا گیا ۔ ویگن میں واپس آتے ہی ہم نے اسے سڑک سے اتارا ۔ اپنے گیلے کپڑے اتار کر میزائل اسٹیشن کے گارڈز کی وردیاں زیب تن کیں ۔ پستول ، گرنیڈ اور چاقو جیبوں میں چھپا کر اسٹین گنیں اپنے قریب رکھ لیں اور ویگن کو لے کر اصل ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو گئے ۔

کمانڈو نمبر تھری ڈرائیور کی سفید اور نیلی وردی میں ملبوس جیپ چلا رہا تھا ۔ میں اور نمبر ٹو گارڈز کی سفید وردی میں نیلی ٹوپیاں اوڑھے ویگن کے اندر اپنی اپنی سیٹ پر آمنے سامنے خاموش بیٹھے تھے ۔ نمبر تھری کمانڈو نے اپنی عقبی کھڑکی کھول رکھی تھی ۔ اس کھڑکی میں سے مجھے دور میزائل اسٹیشن کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں ۔ ہم نے اسٹین گنیں اپنے قریب ہی رکھی ہوئی تھیں ۔ سائی نائٹ زہر کے کیپسول اور ہینڈ گرنیڈ ہماری جیبوں میں تھے ۔ پولی ایسٹر کے ماسکوں والی اسکیم ترک کر دی گئی

تھی ۔ سائی نائٹ زہر کے سریع الاثر کیپسول اس لئے رکھے تھے کہ اگر ہمارا مشن فیل ہو جائے تو ہم اسرائیلیوں کی قید میں جان لیوا اذیتیں سہنے کی بجائے زہریلے کیپسول کھا کر خودکشی کر لیں ۔ نمبر تھری نے کھڑکی کے قریب منہ لا کر کہا۔ "ہوشیار! گیٹ آ رہا ہے ۔ نمبر ٹو ۔ پہلا گارڈ تمہارا شکار ہو گا"

میں چپ بیٹھا رہا۔ ویگن میزائل اسٹیشن کے خاردار گیٹ کے قریب گارڈ روم کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی ۔ نمبر تھری ویگن کا اصلی ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ صاف پہچانا جا سکتا تھا۔ ویگن کے رکتے ہی اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نمبر تھری سیٹ سے اتر کر پیچھے کی طرف چلا اور ذرا اونچی آواز میں بولا۔ "ایک گارڈ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے"۔

گارڈ روم کا سارجنٹ ہاتھ میں ٹارچ لئے ویگن کی طرف بڑھا۔ نمبر تھری نے یہ جملہ اسی کے لئے بولا تھا۔ اس نے ویگن کے قریب آ کر پوچھا۔ "کون بیمار ہو گیا ہے جیروم ؟"
وہ نمبر تھری کمانڈو کو اصلی ویگن ڈرائیور جیروم ہی سمجھ رہا تھا۔ نمبر تھری اس وقت ویگن کے اندر آ گیا تھا۔ میں اور میرا ساتھی نمبر ٹو اندر موجود تھے ۔ میں سیٹ پر لیٹ گیا تھا۔ نمبر ٹو نے نائیلون کی مضبوط اور باریک رسی اپنے ہاتھ میں چھپالی تھی ۔ گارڈ سارجنٹ ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے جونہی ویگن کے اندر آیا نمبر ٹو عقب سے چیتے کی طرح اس پر اچھلا اور اس کی گردن میں نائیلون کی رسی ڈال کر ایک ایسا زبردست جھٹکا دیا کہ اسرائیلی سارجنٹ کی گردن لٹک گئی ۔ نمبر تھری نے باہر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔ "لاش سیٹ کے نیچے ڈال دو"۔

نمبر تھری نے گیٹ کھول دیا ۔ پھر ویگن پچھلی رات کے اندھیرے میں میزائل اسٹیشن کے اندر داخل ہو گئی ۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ اتنی اہم ایٹمی پوسٹ پر قبضہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ آگے میزائل اسٹیشن کا دوسرا گیٹ تھا۔ ہم نے اپنے اپنے پستولوں پر سائی لنسر چڑھا لئے ۔ یہاں ایک اسرائیلی سنتری چھوٹی شاٹ گن لئے پہرہ دے رہا تھا۔ ویگن نمبر تھری نے گیٹ کے باہر کھڑی کر دی ۔ یہ دروازہ کنکریٹ کے ستونوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا جو بند تھا۔ اس کے اوپر خاردار تار لگی تھی۔ اسرائیلی سنتری گیٹ کے اندر پورچ میں کھڑا تھا۔ وہ ویگن کو دیکھ کر دیوار کے ساتھ لگے مائیکروفون کے پاس گیا اور اسرائیلی زبان میں بولا ۔ "آج کا پاس ورڈ ؟"

اس عرصے میں نمبر تھری کمانڈو بھی گیٹ کے کھمبے کے پاس جا چکا تھا۔ اس نے ادھر والے چھوٹے مائیک پر کہا۔ "زیبرا فلائیٹ"۔

اسرائیلی سنتری نے بٹن دبایا ۔ گیٹ آہستہ آہستہ کھلنے لگا ۔ یہاں داخل ہونے کے لئے ہر روز پاس ورڈ تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ ان کمانڈوز نے آج کا پاس ورڈ معلوم کر رکھا تھا۔ ہماری ویگن دوسرے گیٹ میں بھی داخل ہو گئی ۔ بارش کی بوچھاڑ ویگن کی چھت پر گر رہی تھی ۔ اب سامنے شیڈ تھا جہاں پہلے ہی سے کچھ گاڑیاں اور ویگنیں کھڑی تھیں ۔ نمبر تھری نے اپنی ویگن بھی ایک طرف کھڑی کر

دی اور اتر کر بولا۔ "لیڈر! تم جانتے ہو کہ سامنے والا دروازہ لاکر روم والی راہداری کو جاتا ہے۔ وہاں ہر قدم پر پہرہ ہے۔ میں دوسری راہداری سے اٹیک کروں گا۔ نمبر نو تم میرے پیچھے رہ کر مجھے پروٹیکٹ کرو گے"۔

اشٹین گنیں ہم نے قمیص کے اندر کر کے پتلون میں اڑس لی تھیں۔ سائی لنسر والے پستول ہمارے ہاتھوں میں تھے۔ نمبر تھری بجلی کی طرح ایک طرف کو ہو گیا... نمبر نو بھی اس کے پیچھے نکل کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔ میرے سامنے میزائل اسٹیشن کی دو منزلہ عمارت کھڑی تھی جس میں کہیں کہیں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بے زبان اور سیدھی سادی عمارت کے اندر تہ خانے میں چار ایسے ہلاکت خیز ایٹمی میزائل نصب ہیں جو دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ نقشے کے مطابق مجھے معلوم تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ نمبر نو اور نمبر تھری کے جاتے ہی میں پارکنگ شیڈ سے نکل کر بارش میں تیز تیز چلتا عمارت کے ڈیوٹی روم کی طرف بڑھا۔ ڈیوٹی روم میں سے ایک بھاری بھرکم اسرائیلی آفیسر باہر نکلا اور عبرانی زبان میں اس نے سوال کیا کہ میرا ساتھی یعنی دوسرا گارڈ کہاں ہے؟ میری چالاک نظروں نے چاروں طرف دیکھ لیا تھا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے، مگر میں اس اسرائیلی آفیسر کو ڈیوٹی روم کے اندر لے جانا چاہتا تھا۔ یہ خطرہ موجود تھا۔ وہ مجھے پہچان لے گا کہ میں اصل گارڈ نہیں ہوں۔ ڈیوٹی روم کے باہر ایک دھیما سا بلب روشن تھا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ اپنی ٹوپی سے بارش کا پانی جھاڑتا اور یہ کہتا ہوا کہ میرا ساتھی بیمار ہو گیا ہے ڈیوٹی روم میں گھس گیا۔ آفیسر میرے پیچھے آیا۔

"تم ادھر کہاں جا رہے ہو؟ اپنا؟ آئی ڈی کارڈ دکھاؤ۔"

یہ اس روز کا معمول تھا۔ آئی ڈی یعنی شناختی کارڈ دکھائے بغیر کوئی بھی آفیسر اس عمارت میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈیوٹی روم میں روشنی تھی۔ اندر آتے ہی اسرائیلی آفیسر نے اپنے سامنے ایک اجنبی کو دیکھا تو الارم کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عین اسی لمحے میرے سائی لنسر والے پستول میں سے ٹھک کی آواز بلند ہوئی اور سیسے کی گولی بھاری بھرکم اسرائیلی کے دل میں پیوست ہو گئی۔ وہ منہ کے بل آگے کو گرا۔ میں چھلانگ لگا کر ڈیوٹی روم میں سے باہر نکل آیا۔ دیوار کے بٹن کو دبایا۔ سامنے لوہے کی سلاخوں والا دروازہ ایک طرف کو کھسک گیا۔ اب میری منزل لاکر روم کے باہر پہرے پر متعین وہ سنتری تھا جو لاکر روم میں میزائلوں کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے آدمی پر نظر جمائے رکھتا ہے۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا راہداری میں سے گزر گیا۔ ایک طرف سے دو سنتری اچانک نکل کر میرے سامنے آ گئے۔ میں نے مسکرا کر انہیں عبرانی زبان میں صبح بخیر کہا اور ایسے نکل گیا جیسے مجھے ڈیوٹی پر جانے کی جلدی ہو۔ سپاہیوں نے مجھے نہ پہچانا آگے پھر لوہے کی سلاخوں والی دیوار آ گئی۔ یہاں بھی ایک گارڈ اشٹین گن لئے کھڑا تھا۔ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے اشٹین گن تان لی کیونکہ اس

طرف جانے کی کسی گارڈ کو اجازت نہیں تھی۔ "ہالٹ!"

میں وہیں رک گیا۔ پستول میری جیب میں تھا۔ میرا ایک ہاتھ بھی اسی جیب میں تھا۔ اس سے پہلے کہ میں انتہائی سرعت کے ساتھ جیب میں سے پستول نکال کر فائر کردوں۔ دوسری جانب سے مجھے ٹھک کی آواز سنائی دی اور سنتری گارڈ کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ اس کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی تو میں نے ایک سنتری کو بائیں جانب سے ادھر بھاگ کر آتے دیکھا۔ اس نے شاید سنتری کو گرتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے پستول نکال کر اس پر فائر کردیا۔ نشانہ خطا گیا' مگر پیچھے سے نمبر ٹو کی شکل نظر آئی۔ وہ کوئی چھلاوہ تھا کہ اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر بھاگ کر میری طرف آتے سنتری کے اوپر گرا اور اس کی نائیلون کی رسی نے سنتری کی گردن کو اپنے شکنجے میں لے لیا تھا نمبر تھری دائیں جانب سے بھاگتا ہوا آیا اور میرے قریب سے گزر کر بولا۔ " لاکر روم! لاکر روم لیڈر!"

کمانڈو نمبر تھری نے خفیہ بٹن دبایا۔ دوسرے جنگلے کی دیوار بھی اوپر اٹھ گئی۔ سامنے چند قدموں کے فاصلے پر لاکر روم تھا' جس کی داہنی جانب ہمیں ایک سنتری کا کندھا نظر آ رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں شاٹ گن لئے اندر میزائل کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے گارڈ کو تک رہا تھا۔ نمبر تھری نے اشارہ کیا۔ ہم تیزی سے ایک طرف ہٹ کر آگے بڑھنے لگے۔ سنتری نے آہٹ سن کر پیچھے دیکھا ہی تھا کہ نمبر تھری اس کے سر پر جا پہنچا۔ اس نے سائی لنسر والا پستول اس کے سر کے قریب لے جا کر فائر کردیا۔ سنتری گارڈ کی کھوپڑی میں سوراخ کرتی ہوئی گولی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اندر بیٹھے گارڈ نے الارم کا بٹن دبا دیا۔ ہر طرف سے خطرے کے الارم بج اٹھے۔ نمبر تھری نے چلا کر کہا۔ "اٹیک!"

تین سیکنڈ کے اندر اندر ہم نے کنکریٹ کی دیوار والے دروازے کو ہینڈ گرنیڈ سے اڑا دیا اور اندر جاتے ہی دوسرے گارڈ کو قابو کرلیا۔ وہ بوکھلا کر ہمارے چہروں کو تکنے لگا۔ نمبر ٹو نے چیخ کر کہا۔ "اسے مار ڈالو نمبر تھری!"

اور نمبر تھری کا خنجر اس آخری گارڈ کے سینے میں اتر گیا۔ اس نے کمپیوٹر کی تاروں کو سوئچوں سے کھینچ کر باہر پھینکا اور ہمیں پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ کونے میں ایک لفٹ نیچے میزائلوں کے لاکر روم کی طرف جاتی تھی ہمیں راہداریوں میں فوجی بوٹوں کی آوازیں سنائی دیں۔ فائرنگ بھی شروع ہو گئی۔ گولیوں' کی ایک باڑ ہمارے اوپر دیوار پر لگی اور سیمنٹ کی کرچیں اڑیں۔ لفٹ اوپر آ چکی تھی۔ ہم اس میں گھس گئے۔ دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ نیچے اترنے لگی۔

نیچے اصلی لاکر روم تھا جس کے دروازے کی سلاخوں کے پیچھے ایک سنتری پہلے ہی سے اسٹین گن تانے کھڑا تھا۔ نمبر تھری نے سرگوشی کی۔ "لیڈر' تم اسے وائینڈ اپ کرو گے"۔

ہم ایکدم سے فرش پر اوندھے لیٹ گئے۔ سنتری نے فائرنگ شروع کردی۔ نمبر ٹو کے حلق سے ہلکی سی چیخ کی آواز نکلی۔ میں نے دوسری باڑ ماری تو اسرائیلی گارڈ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔ نمبر تھری

اور میں میزائل روم کی طرف دوڑے ۔ نمبر تھری نے کوڈ ہندسوں کی مدد سے دروازے کا لاک کھولا اور دروازہ اپنے آپ ایک طرف کو کھسکایا ۔ ہم دونوں بھاگ کر میزائل روم میں داخل ہو گئے ۔ نمبر تھری جاتے ہی میزائلوں کے پینل پر بیٹھ گیا اور اس کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین بٹن آف کر دیئے اور ایک جگہ سے کمپیوٹر کا پلگ باہر کھینچ لیا ۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ نمبر ٹو ہمارے ساتھ نہیں ہے ۔

"نمبر ٹو پیچھے رہ گیا ہے لیڈر!"

میں نے دیکھا کہ نمبر ٹو میزائل روم کے باہر فرش پر زخمی حالت میں پڑا تھا ۔ اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا ۔ شاٹ گن کی باڑ کی کچھ گولیاں اس کے سینے میں لگی تھیں ۔ لفٹ ایک بار اوپر جا کر نیچے آئی تو اس میں اسرائیلی فوجی سوار تھے ۔ نمبر تھری نے ان پر گولیاں چلا دیں ۔

میں نے نمبر تھری سے کہا ۔ "میں نمبر ٹو کو گھسیٹ کر لاتا ہوں"۔

نمبر تھری بولا ۔ "اس کی ضرورت نہیں رہی اب"۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسٹین گن کی نالی کا رخ فرش پر زخمی حالت میں پڑے نمبر ٹو کمانڈو کی طرف کیا اور ٹرائیگر دبا دیا ۔ تڑتڑ کی آواز کے ساتھ گولیوں کا پورا برسٹ نمبر ٹو کمانڈو کی کھوپڑی کو پاش پاش کرتا گزر گیا ۔ نمبر تھری نے مجھے آواز دی ۔ "لیڈر' پینل پر آ جاؤ' جلدی"۔

یہ کہہ کر وہ پینل پر سے اٹھا ۔ تیزی سے دیوار کے ساتھ لگے ایک سفید بکس کی طرف بھاگا ۔ بکس کھول کر ایک ہتھی کو نیچے گرا دیا ۔ اس کے ساتھ ہی لوہے کی سلاخوں والے دروازے کے آگے اوپر سے فولاد کا ایک بھاری دروازہ نیچے گر پڑا ۔ اب ہم لفٹ میں گھات لگا کر بیٹھے اسرائیلی سپاہیوں کی فائرنگ سے محفوظ ہو گئے تھے ۔ نمبر تھری کے ہاتھ بڑے ماہر سائنس دان کی طرح کام کر رہے تھے ۔ اس نے تین چار جگہوں سے تار باہر کھینچ لئے ۔ ایک جگہ نیلی بتی جل رہی تھی ۔ اس بتی کے نیچے ایک چھوٹا سا لیور لگا تھا ۔ کمانڈو نمبر تھری نے دونوں ہاتھوں سے لیور کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے باہر کھینچ کر فرش پر پھینک دیا اور گہرا سانس بھر کر بولا ۔ "لیڈر! یہ بہت بڑا مرحلہ تھا"۔

میں اس کے قریب چلا گیا ۔ "یہ لیور' اینٹی میزائل کا تھا کیا؟"

نمبر تھری نے کہا ۔ "اس لیور کو اگر میں کھینچ کر باہر نہ پھینکتا تو یہاں سے چھوڑے ہوئے میزائلوں کو اسرائیلی راکٹ ڈویژن کے سائنس دان راستے میں ہی تباہ کر سکتے تھے ۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہماری دھمکی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا ۔ اگر ہم یہ دھمکی دیتے ہیں کہ ہم چاروں میزائل مصر اور شام کے شہروں پر فائر کر دیں گے تو وہ بڑی آسانی سے انہیں راستے میں ہی تباہ کر سکتے تھے' مگر اس لیور کے باہر نکال دینے سے اب وہ ایسا نہیں کر سکیں گے ۔ اینٹی میزائل یونٹ کے 'کی بورڈ سے اب ان میزائلوں کا رابطہ ختم ہو گیا ہے ۔ اب یہ میزائل اگر ہم مصر یا شام کی طرف چھوڑتے ہیں تو انہیں کوئی

نہیں روک سکے گا"۔
میں نے فولادی دیوار والے دروازے کو اندر سے لاک کر دیا۔ ہم فولادی چاردیواری میں بند ہو کر محفوظ ہو گئے تھے۔ نمبر تھری چینل پر آکر بیٹھ گیا۔ یہاں بائیس انچ کے چار کمپیوٹر لگے تھے۔ چینل پر کئی ایک بٹن لگے تھے اور چھوٹے چھوٹے بے شمار بلب روشن تھے۔ نمبر تھری نے ایک سرخ بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس بٹن کو دبانے سے راکٹ نمبر' ون کی مدد سے مشرق وسطیٰ کے کسی بھی شہر کی طرف فائر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نیلا' زرد اور پنک بٹن ہے۔ یہ دوسرے تین ایٹمی میزائلوں کے بٹن ہیں"۔

قریب ہی سرخ رنگ کا ٹیلی فون رکھا تھا۔ نمبر تھری نے کہا۔ "اس ٹیلی فون کا ڈائریکٹ لنک اسرائیلی وزیر اعظم کے ساتھ ہے۔ حملے کی صورت میں وہ اسی ٹیلی فون کے ذریعے میزائل فائر کرنے کا حکم دے گا"۔

پھر اس نے دوسرے سیاہ رنگ کے چھوٹے فون کے تین نمبر گھمائے اور مجھے آنکھوں سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے قریب ہی اسٹول پر بیٹھ گیا۔ مجھے نمبر ٹو کی موت کا بڑا افسوس تھا۔ اگرچہ کمانڈو کی کبھی کسی کی موت کا غم نہیں کرتا مگر یہ موت اس قدر اچانک ہو گئی تھی کہ مجھے ابھی تک اس کی موت کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ ہمیں ابھی اپنے اس ساتھی کی بہت ضرورت تھی' مگر نمبر تھری نے ایک بار بھی اپنے ساتھی کی موت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ ایک صحیح کمانڈو تھا۔ وہ فون پر بولا۔ "ہیلو! میں نمبر تھری ہوں۔ میرا لیڈر میرے پاس ہے۔ ہم نے تمہارے ایٹمی میزائلوں پر نہ صرف قبضہ کر لیا ہے بلکہ ان کو جب اور جس وقت چاہیں فائر کر سکتے ہیں۔ تم فوراً کمانڈ آفیسر سے میری بات کراؤ"۔

دوسری طرف نہ جانے کیا افراتفری مچی ہوئی تھی۔ کسی نے کچھ کہا تو نمبر تھری نے چلا کر کہا۔ "بکواس بند کرو اور کمانڈ آفیسر سے بات کراؤ' نہیں تو میں میزائل فائر کر کے تیسری ایٹمی جنگ چھیڑ دوں گا"۔

کمانڈو نمبر تھری کے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور بولا۔ "کمانڈنگ آفیسر کے لئے یہ اس کی زندگی کی سب سے بھیانک اطلاع ہو گی"۔
نمبر تھری نے میز کی دراز کو کھول دیا۔ اس میں سے ایک زرد رنگ کی جلد والی کاپی نکالی اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ اس پر کوڈ ورڈز لکھے تھے۔ وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ "ان کے یہ سارے کوڈ اب بیکار ہو گئے ہیں۔ دیکھو لیڈر! اس سرخ بٹن پر ذرا سا دباؤ پڑے گا اور ایک ایٹمی میزائل قاہرہ کی طرف روانہ ہو جائے گا"۔

میں نے کہا۔ "کیا وہ الیکٹرک فلیور سے اس سسٹم کو جام نہیں کر سکتے؟"

نمبر تھری مسکرایا۔ "اس میزائل روم کو باہر سے پاور سپلائی نہیں ہوتی۔ میں تمہیں نیچے چل کر دکھاؤں گا۔ اس کے اپنے ایٹمی جنریٹر نیچے کام کر رہے ہیں۔ جن کا باہر کی پاور لائن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وقت ہم پوری طرح سے خود مختار اور خود کار ہیں"۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ نمبر تھری نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور پوچھا۔ "کیا تم کمانڈنگ آفیسر بول رہے ہو؟"

دوسری طرف سے ہلکی سی آواز مجھے سنائی دی۔ نمبر تھری نے کہا۔ "او کے مسٹر کمانڈنگ آفیسر! میں نے اور میرے ساتھی کمانڈو نے تمہارے اس ایٹمی میزائل پوسٹ پر قبضہ کر کے چاروں میزائلوں کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے۔ اپنے وزیر اعظم سے کہہ دو کہ ہم کسی بھی وقت یہ ایٹمی میزائل فائر کر کے یروشلم پر قیامت نازل کر سکتے ہیں۔ جب ہمارے میزائل شام، عراق، قاہرہ اور اسکندریہ پر گریں گے تو ادھر سے بھی جوابی ایٹمی میزائل فائر کر دیئے گئے جو صفحۂ ہستی سے اسرائیل کے شہروں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ ہاں ہاں! میں بتاتا ہوں"۔

نمبر تھری نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے کہا۔ "وہ ہم سے ہماری ڈیمانڈ پوچھ رہے ہیں"۔

میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں اپنا مطالبہ اسرائیلی وزیر اعظم کو ہی بتانا چاہئے"۔

"ٹھیک ہے"۔

یہ کہہ کر نمبر تھری نے فون پر کہا۔ "ہم اپنی ڈیمانڈ تمہارے وزیر اعظم کو ہی بتا سکتے ہیں۔ اپنے وزیر اعظم سے ہماری بات کراؤ"۔

نمبر تھری نے فون بند کر دیا۔ چند سیکنڈ کے بعد فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار دوسری طرف سے میزائل کنٹرول کمانڈر بول رہا تھا۔ اس نے نمبر تھری کے ساتھ بڑی حلیمی سے بات کی اور کہا کہ ہمیں مذاکرات کرنے کا موقع دو۔ اپنی ڈیمانڈ ہم سے کہو۔ تمہیں جتنی رقم چاہئے ہم تمہیں مہیا کر دیں گے۔ اس پر نمبر تھری نے گالی دے کر اسے کہا۔ "میں تمہیں پانچ منٹ دیتا ہوں۔ اپنے وزیر اعظم سے بات کراؤ نہیں تو میں پہلا ایٹمی میزائل فائر کر دوں گا"۔

دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "ایسا مت کرنا۔ ایسا مت کرنا۔ میں وزیر اعظم سے بات کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن ہو سکتا ہے کچھ دیر لگ جائے۔ تم انتظار کرنا۔ میں تمہاری بات کراتا ہوں"۔

نمبر تھری ریسیور رکھ کر مسکرایا۔ اس وقت تل ابیب کے گورنمنٹ ہاؤس میں اسرائیلی وزیر اعظم مغربی جرمنی کے ایک وفد سے ضروری مذاکرات کر رہا تھا کہ اس کا سیکرٹری گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے اس کی طرف دیکھا تو سیکرٹری نے

بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں کھڑی کر دیں ۔ یہ اشارہ تھا اس بات کہ کہ تیسری عالمگیر ایٹمی جنگ جیسی پرابلم درپیش ہے ۔ اسرائیلی وزیر اعظم ایک سیکنڈ کے لئے پریشان ہو گیا۔ سیکرٹری فوراً باہر نکل گیا۔ وزیر اعظم نے جرمن وفد کے سربراہ سے کہا۔ "معافی چاہتا ہوں باقی مذاکرات ناشتے کے بعد ہوں گے ۔ رات تقریباً گزر چکی ہے ۔ مجھے بھی اب نیند آ رہی ہے "۔

جرمن وفد اٹھ کر چلا گیا تو وزیر اعظم گھبرا کر باہر کو لپکا۔ سیکرٹری نے اسے ایک طرف لے جا کر تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ اسرائیلی وزیر اعظم کا رنگ اڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں سے خود بخود نکل گیا۔ " وہ لوگ کیا چاہتے ہیں ؟"

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے بیڈ روم کی طرف دوڑا۔ سیکرٹری اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

نمبر تھری اور میں میزائل پینل کے سامنے بیٹھے فون کی گھنٹی کا انتظار کر رہے تھے ۔ اچانک گھنٹی بج اٹھی ۔ نمبر تھری نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو "۔

دوسری طرف سے آواز آئی ۔ "میں اسرائیل کا وزیر اعظم بول رہا ہوں۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو ؟"

نمبر تھری نے کہا۔ " مسٹر وزیر اعظم ! میرے لیڈر سے بات کرو "۔

میں نے ریسیور ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔ " مسٹر پرائم منسٹر! میں کمانڈو لیڈر بول رہا ہوں۔ اس وقت آپ کا میزائل اسٹیشن پورے طور پر ہمارے قبضے میں ہے ۔ ہم نے اینٹی میزائل شکن رابطے کو بھی کاٹ دیا ہے ۔ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ کسی لمحے بھی قاہرہ اسکندریہ یا بغداد پر ایٹمی میزائل فائر کر سکتے ہیں اور آپ کا کوئی بھی راکٹ ہمارے میزائل کو راستے میں تباہ نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اینٹی سسٹم کو تباہ کر دیا ہے "۔

وزیر اعظم کی گھبرائی ہوئی مگر بظاہر سنجیدہ آواز آئی ۔ " تم کیا چاہتے ہو ؟ ہم انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں گے ۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے ؟"

میں نے کہا۔ "ہم نے یہ خطرناک مشن رقم حاصل کرنے کے لئے شروع نہیں کیا تھا"۔

وزیر اعظم نے تشویش کے ساتھ پوچھا۔ " پھر... تم لوگ کیا چاہتے ہو ؟"

اب میں نے اسرائیلی وزیر اعظم کو اس کی عبرانی زبان میں ساری بات بیان کر دی اور کہا۔ " ہم تمہیں دن کے بارہ بجے تک کا وقت دیتے ہیں اگر بارہ بجے تک تم نے قاہرہ میں مقیم پاکستانی سفارت کار کی لڑکی کو ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم پہلا میزائل فائر کر دیں گے جو اسکندریہ کی بندرگاہ پر جا کر گرے گا "۔

وزیر اعظم کے لہجے میں اب پریشانی اور بے حد فکر مندی تھی ۔ اس نے کہا۔ " اس طرح تم اسکندریہ کے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو ہلاک کر دو گے جو تمہارے بھائی ہیں "۔

میں نے جواب میں کہا۔ " لیکن اس کے ساتھ ہی قاہرہ سے دو ایٹمی میزائل تل ابیب اور یروشلم کے لئے بھی فائر کر دیئے جائیں گے جو لاکھوں یہودیوں کو لقمہ اجل بنا دیں گے۔ جن میں ہو سکتا ہے کہ تم بھی شامل ہو مسٹر پرائم منسٹر!"

وزیر اعظم نے جلدی سے کہا۔ " نہیں نہیں! تم ایسا نہیں کرو گے۔ ہم... ہم پاکستانی سفارت کار کی بچی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے میرے دوست!"

میں نے فوراً جواب میں کہا۔ " مسٹر پرائم منسٹر! یہ وقت ان فضول باتوں کا نہیں ہے۔ ایٹمی میزائل کا فائرنگ سرخ بٹن میرے بالکل سامنے ہے۔ میری انگلی اس سے صرف دو انچ کے فاصلے پر ہے۔ تمہارے لاکھوں یہودیوں اور دو شہروں کی موت صرف دو انچ کے فاصلے پر ہے۔ بولو! اب تم کیا کہتے ہو؟"

وزیر اعظم نے کہا۔ " ذرا ٹھہرو' میں پتہ کرتا ہوں' میں پتہ کرتا ہوں"۔

مجھے اسرائیلی وزیر اعظم کی دھیمی آواز سنائی دی۔ وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شاید اپنے سیکرٹری سے بات کر رہا تھا۔ پھر بولا۔ " ہیلو! دوست مجھے ایک دن کی مہلت دو۔ میں پاکستانی سفارت کار کی بچی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لوں گا۔ اس کے بعد' اسے تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا"۔

میں نے وزیر اعظم کی پیشکش نمبر تھری کو بتائی تو وہ بولا۔ " یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ ہمارے خلاف کوئی جوابی کارروائی کر سکے"۔

میں نے وزیر اعظم سے کہا۔ " تمہاری شرط ہمیں منظور نہیں۔ ہم تمہیں آج دن کے بارہ بجے تک کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر بارہ بجے تک تم نے پاکستانی لڑکی اپنی اذیت بخش قید سے نکال کر ہمارے حوالے نہ کی تو ہم اسکندریہ پر ایٹمی میزائل فائر کر دیں گے۔ اس کے بعد دمشق پر دوسرا راکٹ بھی چھوڑ دیا جائے گا۔ اوکے؟"

وزیر اعظم کی مردہ سی آواز آئی۔ " اوکے.. میں تم سے گیارہ بجے رابطہ قائم کروں گا"۔

میں نے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف اسرائیلی وزیر اعظم نے ہاٹ لائن پر اسی وقت امریکی صدر کو صورت حال کی سنگینی سے مطلع کر دیا۔ امریکی صدر نے بحر اوقیانوس میں گشت لگاتے اپنے طیارہ بردار جہاز کو فوراً بحیرہ روم میں پہنچنے کا حکم دے دیا اور اعلیٰ سطح کا اجلاس بلا لیا۔ ایسا ہی ایک اعلیٰ سطحی اجلاس اسرائیلی وزیر اعظم نے بھی بلا لیا تھا۔ اس اجلاس میں بحری' بری اور فضائی تینوں افواج کے کمانڈرز موجود تھے۔ زیر زمین ایٹمی میزائلوں پر فلسطینی کمانڈوز کے قبضے کی خبر کو بڑی شدت سے خفیہ رکھا گیا تھا۔ پاکستانی سفارت کار کی بیٹی اسرائیلی انٹیلی جینس کے قبضے میں تھی اور اس وقت ایک اسرائیلی آبدوز میں قید تھی۔ جو بحیرہ رومؔ کی گہرائیوں میں چکر لگا رہی تھی۔ پاکستانی سفارت کار اور معروف

سائنس دان کی اس بیٹی کی وجہ سے امریکہ ' اسرائیل کے ذریعے مشرق وسطیٰ کی سیاست میں ایک زبردست مفاد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جو اب معرض خطرے میں پڑ گیا تھا۔ اگر اسرائیل کو اپنی تباہی کا خوف درپیش تھا تو امریکہ بھی کسی صورت میں تیسری ایٹمی جنگ شروع کر کے اپنے شہروں اور ان کی آبادی کو ملیا میٹ نہیں کرنا چاہتا تھا' لیکن اسے اپنے سیاسی مفادات بھی عزیز تھے۔ وہ انہیں بھی اتنی آسانی سے نہیں کھو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اسرائیلی وزارت دفاع سے باقاعدہ رابطہ استوار کیا اور اسرائیلی وزیر اعظم کی وساطت سے اس آبدوز کو بحیرہ روم کے سمندر میں ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم جاری کروایا جس میں پاکستانی لڑکی قید تھی۔

ابھی تک اسرائیلی کیبنٹ کے حزب مخالف کو اس خطرناک ترین صورت حال کا علم نہیں ہوا تھا۔ یہ بات ابھی تک اسرائیلی وزیر اعظم اور تینوں افواج کے سربراہوں اور سیکرٹری تک ہی محدود تھی' یا پھر ایٹمی میزائل اسٹیشن کے کنٹرول کمانڈر کو صحیح صورت حال کا پتہ تھا۔ باقی عملے کو اسی جگہ پابند کر دیا گیا تھا اور انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ دو فلسطینی کمانڈو' میزائل کے اڈے میں گھس گئے ہیں اور' بے پناہ رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

ہم اسرائیلی اور امریکی ہتھکنڈوں سے خوب واقف تھے۔ نمبر تھری نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اسرائیلی وزیر اعظم جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم نے بارہ بجے تک کا جو وقت دیا ہے وہ اس دوران میں بھی امریکہ کے محکمہ دفاع سے مل کر کوئی جوابی اسکیم تیار کرے گا' لیکن اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا کیونکہ ترپ کا پتا ہمارے ہاتھ میں ہے

نمبر تھری مجھے نیچے تہ خانے میں لے گیا۔ ہم لفٹ کے ذریعے زمین کے نیچے دو سو فٹ کی گہرائی میں پہنچے تو میں نے دیکھا تین دیو پیکر ایٹمی میزائل ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ نصب ہیں۔ ان ایٹمی میزائلوں کو دیکھ کر واقعی خوف سا آتا تھا۔ ان میں لاکھوں ایٹم بموں کی طاقت تھی۔ میزائل اڈے کے پہلو میں ایک دروازہ تھا۔ ہم اس کے اندر گئے تو نمبر تھری نے کہا۔ "اوپر چاہے سینکڑوں ایٹم بم چل رہے ہوں ان کا اثر یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس جگہ کو ایٹمی تابکاری سے محفوظ بنا دیا گیا ہے۔ یہاں چھ ماہ کے لئے خوراک 'پانی اور دوسری تمام سہولتیں موجود ہیں"۔

ہم ایک نسبتاً کشادہ کمرے میں آ گئے تھے جس کی چھت کے ساتھ کتنے ہی پائپ لگے تھے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ میزوں پر برتن' کتابیں رسالے موجود تھے۔ آگے درجن بھر کیمپ کارٹس پڑی تھیں جن پر میٹرلیسیں بچھی تھیں۔ فریزر میں گوشت' سبزیاں' مکھن' جام وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی یخ الماریوں اور ریفریجریٹروں میں بھی کھانے پینے کی اشیاء اور مشروبات بھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف سات مائیکرو اوون لگے تھے۔ گویا یہاں ایٹمی جنگ چھڑ جانے کی صورت میں درجن بھر انسان بڑی آسانی سے چھ ماہ بالکل محفوظ رہ کر بسر کر سکتے تھے۔ نمبر تھری نے مجھے آکسیجن کے سلنڈر

دکھا کر کہا۔ ”ان میں ایک برس کے لئے آکسیجن موجود ہے“۔

اس نے ایک الماری سے کوکا کولا اور سینڈوچز نکالے اور ہم انہیں کھاتے ہوئے اوپر پینل پر آکر بیٹھ گئے۔ ٹھیک گیارہ بجے سرخ فون کی گھنٹی بجی۔ نمبر تھری نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے اسرائیلی وزیر اعظم کی آواز ابھری۔ ”ہیلو! ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ ہم لاکھوں بے گناہ انسانوں کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتے۔ پاکستانی خاتون اس وقت یہاں سے دو ہزار میل دور ایک خفیہ جگہ پر قید ہے۔ میں نے اسے وہاں سے لانے کا حکم دے دیا ہے۔ ایک تیز رفتار جیٹ طیارہ اسے لے کر وہاں سے چل پڑا ہے۔ وہ شام تک یہاں پہنچ جائے گا“۔

نمبر تھری کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے کہا۔ ”لیڈر! ہمارا مشن کامیاب رہا۔ وزیر اعظم نے ہماری شرط تسلیم کر لی ہے“۔

قدرتی بات تھی کہ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خیال آیا کہ کہیں یہ اس کی کوئی چال نہ ہو، لیکن میں نے پاکستانی لڑکی کی تصویر دیکھ رکھی تھی۔ میں نے سوچا۔ جب تک اسے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ہرگز نہ نکلوں گا۔

نمبر تھری کچھ دیر اسرائیلی وزیر اعظم سے فون پر گفتگو کرتا رہا۔ وہ لڑکی کو ہمارے حوالے کرنے اور وہاں سے فرار ہونے کی تفصیلات طے کر رہا تھا، پھر اس نے فون بند کر دیا۔ وزیر اعظم کے ساتھ طے یہ ہوا کہ وہ ایک ہیلی کوپٹر میں پاکستانی لڑکی کو بٹھا کر ایٹمی میزائل اسٹیشن کی طرف بھیجے گا اور جب ہماری تسلی ہو جائے گی تو وہ ہیلی کاپٹر ہمیں ساتھ لے کر اسرائیل کی جنوب مشرقی سرحد عبور کر کے اردن کے بارڈر پر اتار دے گا۔ کہنے کو یہ بڑی آسان ترکیب تھی مگر اس میں بہت سی وضاحت طلب باتیں بھی تھیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ پاکستانی لڑکی کا چہرہ ہمیں میزائل اسٹیشن کے آنگن میں دکھایا جانا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم ایٹمی لاکر روم کو چھوڑ کر باہر آگئے ہوں گے اور اس وقت ہمارا ایٹمی میزائلوں پر قبضہ اور اختیار ختم ہو چکا ہو گا۔ دوسری مشکل بات یہ تھی کہ اردن کی سرحد پر اسرائیلی ہیلی کاپٹر کو اترتے دیکھ کر اردنی باڈر فورس کے جوان فائرنگ کر کے اسے گرا دیں گے۔ میں نے نمبر تھری سے کہا۔

”مجھے یہ کوئی سازش لگتی ہے نمبر تھری“۔

نمبر تھری بولا۔ ”ہم میزائل اسٹیشن کے کنٹرول کمانڈر کی بیوی کو یرغمال بنا کر یہاں سے باہر نکلیں گے“۔ پھر میری طرف جھک کر کہنے لگا۔

”ہمیں آخر یہاں سے نکلنا ہی پڑے گا لیڈر! ظاہر ہے ہم ایٹمی میزائل فائر نہیں کر سکتے، پھر کب تک یہاں پڑے رہیں گے۔ اسرائیلی حکومت اس معاملے کو طول بھی دے سکتی ہے جس سے ہمارا کیس کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ اگر تم لڑکی کو پہچان کر اپنی تسلی کر لو اور تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ وہی مطلوبہ پاکستانی خاتون ہے تو پھر اس میں کیا قباحت ہے۔ ہم اسے لے کر یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

اگر پائلٹ نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کنٹرول کمانڈر کی یہودی بیوی ہمارے پاس ہوگی۔ وہ ہمارے خلاف کوئی حرکت نہ کر سکے گا"۔

نمبر تھری کے دلائل کافی وزنی تھے۔ ہمیں آخر اسرائیلی حکومت پر کسی نہ کسی شکل میں اعتبار کرنا ہی تھا۔ اس وقت معاملہ تازہ اور ہراس انگیز تھا۔ میں راضی ہوگیا۔ شام کے سات بجے کنٹرول کمانڈر کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ پاکستانی لڑکی پہنچ گئی ہے اور اسے ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر یہاں لایا جا رہا ہے۔ آپ تیار ہو جائیں۔

نمبر تھری نے صاف لفظوں میں اسے کہا۔ "مسٹر کنٹرول کمانڈر ہم ... تمہاری بیوی کو بطور یرغمال اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اردن کے بارڈر پر پہنچ کر اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اس کے بغیر ہم یہاں سے باہر نہیں نکلیں گے۔ تمہاری بیوی ہمارے پاس آدھ گھنٹے کے اندر اندر پہنچ جانی چاہئے"۔

ظاہر ہے کہ کنٹرول کمانڈر ایک پل کے لئے تو سکتے میں آگیا۔ اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"یہ میرے ساتھ زیادتی ہوگی، لیکن مجھے اس سلسلے میں وزیر اعظم سے مشورہ کرنا ہوگا"۔

"تم مشورہ کر کے ہمیں بتا دو مگر یاد رہے کہ تمہاری بیوی کو یرغمال بنائے بغیر ہم میزائل روم سے باہر نہیں آئیں گے۔"

فون بند ہوگیا۔ میں نے نمبر تھری سے کہا کہ مجھے دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔ یہ کنٹرول کمانڈر اپنی بیوی کی جگہ کسی دوسری عورت کو بھی بھیج سکتا ہے۔ ہم نے تو اس کی بیوی بالکل نہیں دیکھی۔

نمبر تھری نے کہا۔ "لیڈر اگر تم پاکستانی لڑکی کو پہچانتے ہو اور اسے پہچان لو گے تو پھر یقین کرو کہ میں تمہیں یہاں سے لے کر نکل جاؤں گا خواہ کنٹرول کمانڈر کی بیوی ہمارے پاس یرغمال ہو یا نہ ہو"۔

میں خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی پھر چیخ اٹھی۔ نمبر تھری نے ریسیور اٹھایا۔ وہ کنٹرول کمانڈر سے بات کر رہا تھا۔ کنٹرول کمانڈر اپنی بیوی کو یرغمال بھیجنے پر تیار ہوگیا تھا۔ مجھے اب بھی شک تھا مگر میں نمبر تھری پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ جب رات کے آٹھ بجے تو فون پر ہمیں بتایا گیا کہ پاکستانی لڑکی کو لے کر ہیلی کاپٹر میزائل اسٹیشن کے بارڈ میں اتر آیا ہے۔

وہ لفٹ میں بیٹھ کر اوپر چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد اس کا فون آیا۔ "میں نے کنٹرول کمانڈر کی بیوی کو یرغمال بنا لیا ہے۔ وہ اس وقت میرے پستول کی زد میں میرے پاس بیٹھی ہے۔ تم فوراً اوپر آجاؤ، لیکن دراز میں رکھا ہوا جیبی سائز کا ریڈیو اپنے ساتھ لیتے آنا"۔

اس چھوٹے سے پاکٹ سائز ریڈیو کو کھول کر نمبر تھری کمانڈو کتنی دیر سے اس کی تاریں اور ٹرانسسٹر وغیرہ آپس میں جوڑتا رہا تھا۔ جب میں یہ پاکٹ سائز کا ریڈیو لے کر اس کے پاس اوپر گیا تو دیکھا کہ بجلی کی روشنی میں ایک درمیانی عمر کی خوش شکل مگر دبلی سی عورت شام کا قیمتی لباس پہنے، گلے

میں قیمتی موتیوں کا ہار ڈالے کچھ بے چینی کے ساتھ اسٹول پر بیٹھی ہے۔ اس کے پیچھے نمبر تھری کرسی پر بیٹھا ہے اور پستول اس کے ہاتھ میں ہے جس کے آگے سائیلنسر لگا تھا۔ میں نے اسے ریڈیو دیا تو اس نے بڑی پھرتی سے اس کی ویولینتھ کو تبدیل کیا اور سوئی ایک میٹر بینڈ پر جمادی اور پھر نمبر ملا کر فون کیا۔ "کنٹرول کمانڈر اس وقت جو پاکٹ ریڈیو میرے ہاتھ میں ہے وہ ریموٹ کنٹرول میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس کا رابطہ ایٹمی میزائل نمبرون سے ہے جسے اسکندریہ کے شہر پر گرنا ہے۔ اگر ہمارے ساتھ کسی قسم کا بھی دھوکا کرنے کی کوشش کی گئی تو میں ریڈیو کا بٹن دبا کر نہ صرف اسکندریہ بلکہ تل ابیب اور یروشلم میں بھی تباہی مچا دوں گا"۔

کنٹرول کمانڈر نے جواب میں کہا۔ "ہم نے جو وعدہ کیا ہے ہم اس کے پابند ہیں۔ جیسا کہا گیا ہے ویسے ہی ہو گا... میری بیوی تمہارے پاس بطور یرغمال موجود ہے۔ پاکستانی لڑکی ہمارے پاس باہر ہیلی کاپٹر میں بیٹھی ہے۔ تم لوگ اب لاکر روم سے نکل کر آجاؤ اور اپنی امانت لے کر اور میری بیوی مجھے واپس کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور ہاں اب تمہیں ریموٹ کنٹرول بھی ہمارے حوالے کرنا ہو گا"۔

نمبر تھری نے کہا۔ "او کے ہم باہر آ رہے ہیں"۔

میں نے ریسیور نمبر تھری کے ہاتھ سے لے کر کہا۔ "میں لیڈر بول رہا ہوں۔ پاکستانی لڑکی کو ہیلی کاپٹر سے باہر کھڑا کر دو۔ میں اسے دیکھ کر اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں"۔

کنٹرول کمانڈر نے جواب دیا۔ "ایسا ہی ہو گا۔ تم لوگ باہر آ جاؤ"۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور نمبر تھری کی طرف دیکھا۔ میری آنکھوں میں ایک سوال تھا۔

نمبر تھری نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "لیڈر! ڈونٹ وری! اگر ایسی ویسی بات ہوئی تو میں اس عورت کی کھوپڑی اڑا دوں گا"۔

یہودی عورت نے جو بظاہر کنٹرول کمانڈر کی بیوی تھی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے ہلاک نہ کرنا۔ میں اپنے خاوند کے حکم سے یہاں بندھی بندھائی آگئی ہوں۔ میرا قصور نہیں ہے"۔

نمبر تھری نے غراتے ہوئے کہا۔ "تم چپ رہو"۔

یہودری عورت ایک دم چپ ہو گئی۔

"لیڈر! میں آگے چلتا ہوں۔" وہ اٹھا اور اس نے یہودری عورت کو اپنے پہلو میں لے لیا۔ اب وہ اس طرح فولادی دروازے سے نکلا کہ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔ دوسرے ہاتھ میں پاکٹ ریڈیو تھا اور پستول کی نالی یہودی عورت کی گردن کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ میں نے اسٹین گن ہاتھ میں اٹھا رکھی تھی۔ سامنے وہی لفٹ تھی جس کے ذریعے ہم لاکر روم میں آئے تھے۔ لفٹ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اپ' بٹن دبایا۔ اوپر سے لفٹ نیچے آگئی۔ اس کا دروازہ اپنے آپ کھسک گیا۔ نمبر تھری نے کہا۔

" لفٹ میں پہلے اس عورت کو جانے دو"۔

وہ عربی میں بات کر رہا تھا' پھر اس نے یہودی عورت کو لفٹ میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی اندر آگیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ لفٹ اوپر والی منزل میں جا کر رک گئی۔ دروازہ کھلا تو ہم اپنی جگہ پر ساکت کھڑے رہے' پھر نمبر تھری' یہودی عورت کو آگے کر کے باہر نکلا۔ باہر سامنے راہداری خالی پڑی تھی۔ نمبر تھری نے چلا کر کہا۔ "سامنے آؤ کنٹرول کمانڈر"۔

راہداری کی ایک جانب سے ایک اسرائیلی وردی پوش ادھیڑ عمر کا آدمی نمودار ہوا جس کا سر درمیان سے گنجا تھا۔ اس نے دونوں بازو اوپر اٹھاتے ہوئے عربی میں کہا" میں نہتا ہوں"۔

پھر یہودی عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ " نادیہ! ڈونٹ وری ڈارلنگ اٹ از او کے"۔

یہودی عورت سسکیاں بھرنے لگی۔ نمبر تھری نے اپنے پستول کی نالی یہودی عورت کی گردن کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ میری اسٹین گن کا رخ کنٹرول کمانڈر کی طرف تھا۔ نمبر تھری نے بلند آواز میں پوچھا کہ باقی لوگ کون کون باہر ہیں؟ کمانڈر نے کہا۔ آرمی اور ائرفورس کے دو جرنیل خفیہ طور پر آئے ہیں۔ وہ باہر ہیلی کاپٹر کے پاس کھڑے ہیں 'مگر یقین رکھو وہ بھی نہتے ہیں"۔

" اس کے علاوہ تم نے کمانڈوز کہاں چھپا رکھے ہیں؟ یاد رکھو تمہارے کمانڈوز کی طرف سے گولی بعد میں چلے گی... پہلے میرے پستول کی گولی تمہاری بیوی کی گردن سے گزر چکی ہو گی۔"

کنٹرول کمانڈر نے کسی قدر لجاجت سے کہا۔ " سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دنیا کو ایٹمی جنگ میں نہیں جھونک سکتے۔ یہ ہماری بھی موت ہو گی۔ یہ سارا مشن خفیہ رکھا گیا ہے ہم نے تو ہیں کے عملے کو بھی ادھر ادھر کر دیا ہے۔ اب باہر چل کر اپنی امانت سنبھالیں اور پلیز یہ ریموٹ کنٹرول ہمیں دیتے جائیں"۔

نمبر تھری نے پاکٹ ریڈیو والا ہاتھ ذرا سا اٹھا کر کہا۔" جب تک ہم اردن کی سرحد پر نہیں پہنچ جاتے یہ ریموٹ کنٹرول ہمارے پاس ہی رہے گا"۔

یہ بڑی خطرناک بات تھی اور اسرائیلی حکام بلاشبہ بالکل صحیح طور پر اس سے پریشان تھے کیونکہ ریڈیو پر اگر فری کوئنسیز ملا دی جائیں تو میزائل کو ہزار میل سے بھی فائر کیا جا سکتا ہے۔ کنٹرول کمانڈر خاموش ہو گیا۔

ہم راہداری سے قدم قدم چلتے دروازے پر آگئے۔ ڈیوٹی روم بھی خالی پڑا تھا۔ میں اور نمبر تھری یہودی عورت کے دائیں بائیں تھے۔ نمبر تھری کے پستول کی نالی کنٹرول کمانڈر کی بیوی کی گردن سے لگی تھی۔ میری اسٹین گن کا رخ کنٹرول کمانڈر کی طرف تھا۔ ڈیوٹی روم کے خالی ہونے پر میرے دل میں شک پیدا ہوا' مگر وقت گزر رہا تھا۔ میں نے کچھ فاصلے پر ایک فوجی ہیلی کاپٹر صحن کے وسط میں کھڑا دیکھا۔ اس کے کاک پٹ کی بتی روشن تھی۔ ایک انسانی سایہ اندر بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے چلا کر کہا۔ " پاکستانی لڑکی کو میرے سامنے لایا جائے"۔

کنٹرول کمانڈر نے سیٹی بجائی۔ ہیلی کاپٹر کے اندر سے دو فوجی افسر باہر نکلے۔ ایک نے فضائیہ کی اور دوسرے نے آرمی کی وردی پہن رکھی تھی۔ دونوں جرنیل تھے۔ انہوں نے ہیلی کاپٹر کے کاک پٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ہیلی کاپٹر کا اگلا دروازہ کھلا اور میں نے کھمبے کی مرکری بلکی ٹیوب کی روشنی میں ایک درمیانے قد کی لڑکی کو نیچے اترتے دیکھا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ بظاہر وہ تھکی تھکی اور پریشان لگ رہی تھی۔ دونوں جرنیل اسے لے کر ہماری طرف بڑھے۔

نمبر تھری نے چلا کر کہا۔ "جرنیلوں سے کہو ایک طرف ہٹ کر رک جائیں"۔

دونوں جرنیل وہیں ٹھہر گئے' پھر لڑکی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ نمبر تھری نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "لیڈر! ہیلی کاپٹر میں لے چلو خاتون کو"۔

میں لڑکی کو قریب سے دیکھ کر تسلی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس کی تصویر ہی دکھائی گئی تھی۔ اس کی آواز اور دوسری تفصیلات سے میں واقف نہیں تھا۔ جہاں وہ کھڑی تھی وہاں زیادہ روشنی بھی نہیں تھی۔ میں نے اس سے پنجابی میں بات کی اور اس کے باپ اور اس کے آبائی شہر کا نام پوچھا۔

اس نے دلگیر آواز میں کہا۔ "بھائی جان خدا کے لئے مجھے ان درندوں سے نکال کر لے چلو۔ میں اپنے باپ سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں"۔

نمبر تھری مشکل میں تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں میزائل ریموٹ کنٹرول تھا تو دوسرے ہاتھ میں پستول تھا جس ی نالی کنٹرول کمانڈر کی یہودی بیوی کی گردن سے لگی ہوئی تھی اس نے تیزی سے پوچھا۔ "لیڈر! او کے؟"

میں نے کہا۔ "او کے ہی لگتا ہے تھری"۔

"تو پھر ہیلی کاپٹر کی طرف چلو۔"

میں نے پاکستانی لڑکی کو آگے چلنے کے لئے کہا اور اسٹین گن ہاتھ میں تانے خود اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دونوں جرنیل ایک طرف خاموش کھڑے تھے۔ کنٹرول کمانڈر ہیلی کاپٹر سے چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں پائیلٹ بیٹھا ہوا تھا۔ نمبر تھری نے چلا کر حکم دیا کہ ہیلی کاپٹر سے پائلٹ کو نیچے اتارا جائے۔ ہم خود ہیلی کاپٹر چلائیں گے۔

کنٹرول کمانڈر نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ پائلٹ نیچے اتر آیا۔ نمبر تھری نے اسے حکم دیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے پائلٹ نے ایسا ہی کیا۔

ہم اس پوزیشن میں آگے بڑھ رہے تھے کہ پاکستانی خاتون آگے تھی۔ میں اسٹین گن تانے اس کے پیچھے تھا۔ کسی وقت گھوم کر چاروں طرف جائزہ لے لیتا تھا۔ میرے پیچھے نمبر تھری یہودی عورت کو یرغمال بنائے قدم قدم چلا آ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں روشنی ہو رہی تھی اور وہ بالکل خالی تھا۔ پاکستانی لڑکی مجھ سے پنجابی زبان میں لاہور کی باتیں کرنے لگی... وہ لاہور کے گلی کوچوں سے واقف تھی۔

مجھے اب یقین ہو گیا تھا کہ یہی ہمارے پاکستانی سفارت کار کی بیٹی ہے۔ میں دل میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا کہ یہ مشن کامیاب ہو اور ہم اپنی امانت کو لے کر واپس مصر پہنچ جائیں۔

ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے لڑکی کو پنجابی زبان میں اندر داخل ہونے کے لئے کہا۔ اس نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر یکدم سے قلابازی لگا کر بازی گر عورتوں کی طرح اوپر کو اچھلی اور سیدھی نمبر تھری کے پیٹ میں جا کر ٹکر ماری۔ نمبر تھری اس صورت حال کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ کنٹرول کمانڈر کی یہودی عورت نے بھی عین اسی وقت اچھل کر ٹانگ نمبر تھری کے ہاتھ پر اس طرح ماری کہ اس کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول دور جا گرا۔ نمبر تھری اور میں ایک دم زمین کے ساتھ چمٹ گئے اور فائرنگ شروع کر دی۔ چاروں طرف سے ہم پر فائر آنے لگا۔

ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا تھا۔ میرے پہلے برسٹ سے نقلی پاکستانی عورت کا پیٹ کھل گیا اور وہ پیٹ پکڑ کر گر پڑی۔ دوسرا برسٹ میں نے جرنیلوں پر مارا مگر وہ زمین پر لڑھکتے ہوئے اس دوران ڈیوٹی روم کی طرف جا چکے تھے۔ نمبر تھری چلایا۔ "لیڈر! ہیلی کاپٹر! ہیلی کاپٹر"۔

وہ ریموٹ کنٹرول کی طرف رینگنے لگا مگر چاروں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ وہ ایک ماہر کمانڈو کی طرح اٹھا اور لہراتا ہوا ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑا۔ عین ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ کر اس کی پیٹھ میں گولی لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس عرصے میں میں تین چھلانگیں لگا کر ہیلی کاپٹر کے عقب میں جا چکا تھا۔ ڈیوٹی روم کی چھت سے مسلسل گولیاں چل رہی تھیں۔ ہیلی کاپٹر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو ہیلی کاپٹر کے کاک پٹ میں گرا دیا اور پنکھے آن کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے انجن اسٹارٹ کیا۔ ہیلی کاپٹر مست ہاتھی کی طرح ایک طرف کو جھومتا شور مچاتا جھکا جھکا غوطے میں آ گیا۔ میں نے اسے اوپر اٹھا لیا۔ ہیلی کاپٹر ڈیوٹی روم کے اوپر سے گڑگڑاتا غراتا گزرا تو اس کے نیچے گولیوں کی بوچھاڑ پڑی۔ میں کاک پٹ میں اپنا سر نیچے کیئے بیٹھا تھا۔ ہیلی کاپٹر کو میں پہلو کی طرف جھکائے میزائیل اسٹیشن کے احاطے سے نکل کر مٹی کے تودوں کی طرف لے گیا۔ میں اسے اوپر ہی اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ نیچے اندھیرا گھپ تھا۔ بارش رک گئی تھی۔ میرے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں میں نے کاک پٹ کی بتی بجھا دی۔ اب میں تاریکی میں آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے صرف چارٹ کے گول ڈائیلوں کی روشنی ہی نظر آ رہی تھی۔ سوئی بتا رہی تھی کہ میرا رخ جنوب مشرق کی طرف ہے۔ نیچے گولیاں چلنے کی آواز مجھے نہیں آ رہی تھی۔ میں خطرے سے نکلا نہیں تھا۔ کسی بھی وقت اسرائیلی فضائیہ کا کوئی لڑاکا طیارہ آ کر مجھے تباہ کر سکتا تھا۔ اس اعتبار سے میں انتہائی خطرناک صورت حال سے دوچار تھا۔ اس ہیلی کاپٹر سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔

میرا مشن ناکام ہو چکا تھا۔ میرے دونوں کمانڈو ساتھی شہید ہو گئے تھے۔ اسرائیلی حکام نے انٹیلی جینس کی ایک ایسی لڑکی کو میرے سامنے پیش کیا تھا جو پنجابی زبان روانی سے بول سکتی تھی اور لاہور شہر کی

گلیوں سے واقف تھی۔ یہ ان کا بچھایا ہوا جال تھا جس میں ہم پھنس گئے۔ اب میں ہیلی کاپٹر کو کسی جگہ اتار کر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صحرا میں فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ میرے بچاؤ کی بظاہر یہی ایک صورت تھی۔ میں ہیلی کاپٹر کو نیچے لے آیا تاکہ زمین کا جائزہ لے سکوں۔ اندھیرے میں مجھے ٹیکریوں اور مٹی کے تودوں کے ابھرے ہوئے سایوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ ہیلی کاپٹر مجھے موت کے چنگل سے بچا کر بھی لایا تھا اور اب میری موت کا سامان بھی بننے والا تھا۔ میرے کان فضا میں جیٹ لڑاکا طیارے کی آواز پر لگے تھے جو ابھی تک سنائی نہیں دی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ فضائیہ کا قریبی ائر پورٹ وہاں سے دور ہو گا' لیکن اسرائیلی جیٹ لڑاکا طیارہ کسی بھی وقت میرے سر پر پہنچ کر راکٹ فائر کر سکتا تھا۔

میں ہیلی کاپٹر کو اور نیچے لے آیا۔ ہیلی کاپٹر آگے کو جھکا تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ کسی وقت کھجوروں کے جھنڈ تیزی سے گزر جاتے اور مٹی کی ٹیکریاں آ جاتیں۔ اس کے بعد ریتلا میدان آ گیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیچے دیکھ رہا تھا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اسرائیلی لڑاکا جیٹ طیارے کسی وقت بھی میرے سر پر پہنچ سکتے تھے۔ مجھے جلد از جلد ہیلی کاپٹر کو چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ رات کی تاریکی کو بادلوں نے مزید گہرا بنا دیا تھا۔ ایک ٹیکری کے اوپر سے نکل کر ہیلی کاپٹر دوسری طرف آیا تو تاریکی میں مجھے دریا کا پاٹ نظر آیا۔

دریا زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ اس کا دوسرا کنارہ بھی سامنے ہی دکھائی دے رہا تھا' لیکن میرے ذہن میں جو منصوبہ تھا اسے یہی دریا عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ میں ہیلی کاپٹر کو دریا کے وسط میں لے آیا' پھر آہستہ آہستہ اس دریا کی سطح پر اتار دیا اور انجن بند کر دیا۔ ہیلی کاپٹر دریا میں ڈوبنے لگا۔ میں نے کاک پٹ کی کھڑکی میں سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

دریا کا پانی ٹھنڈا تھا۔ میں نے غوطہ لگایا اور دریا کے اندر ہی اندر تیرتا دوسرے کنارے کی طرف بڑھا۔ کنارے کے قریب جا کر میں نے سر پانی سے باہر نکالا تو گرجتا غراتا ایک جیٹ فائٹر دریا کے اوپر سے گزر گیا۔ یہ اسرائیلی فضائیہ کا لڑاکا طیارہ ہی ہو سکتا تھا جو میری تلاش میں آیا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہیلی کاپٹر دریا میں ڈوب چکا تھا۔ خاموش رات کے سناٹے میں دو راکٹوں کے کڑاکے گونج اٹھے۔ جیٹ فائیٹر نے صحرا میں کسی جگہ دو راکٹ فائر کیئے تھے۔ میرا ارادہ کنارے پر آنے کا تھا لیکن میں نے ارادہ بدل دیا اور دریا میں غوطہ لگا کر اپنا رخ بہاؤ کی طرف کر لیا۔ اسرائیلی جیٹ صحرا میں ہیلی کاپٹر کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ راکٹوں کے علاوہ اوپر سے فائرنگ بھی کر رہے تھے۔ ایسی حالت میں یہاں سے باہر نکلنا اپنی موت کو آواز دینا تھا۔ میں دریا کے پانی میں اندر ہی اندر اتنی دیر تک بہاؤ کے ساتھ بہتا چلا گیا جب تک کہ سانس نے ساتھ دیا۔ جب دم گھٹنے لگا تو سر باہر نکال کر گہرا سانس لیا اور پھر غوطہ لگا لیا۔ یونہی میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ کافی آگے نکل گیا۔ بہاؤ کے رخ دور جانا مناسب نہیں

تھا کیونکہ یہ دریا یقینی طور پر کسی اسرائیلی بندرگاہ میں جاگرتا تھا۔ جب مجھے احساس ہوا کہ میں جائے وقوع سے کافی دور نکل آیا ہوں تو میں نے دریا کے کنارے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

گھپ اندھیرے میں آسمان اور زمین ایک ہو گئے تھے۔ میں دریا کی لہروں پر تیر رہا تھا اور جتنی تیزی سے تیر سکتا تھا تیرتے ہوئے کنارے پر چڑھ گیا۔ میرے کپڑے پانی میں شرابور تھے۔ سردی لگنے لگی تھی جہاں میں دریا سے نکلا تھا یہ ناہموار ریتلا علاقہ تھا۔ کچھ فاصلے پر چھوٹے بڑے ٹیلوں کا سلسلہ مغرب کی طرف چلا گیا تھا۔ میں گیلی ریت پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی جیبوں کو ٹٹول کر دیکھا۔ میرے پاس چھ ہینڈ گرنیڈ' ایک سائیلنسر لگا پستول اور ایک زہریلا کیپسول تھا۔ اس کے علاوہ دس دس کے نوٹوں کی شکل میں پچاس اسرائیلی ڈالر تھے جو گیلے ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں ویسے ہی رہنے دیا کیونکہ کھولنے سے ان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ہینڈ گرنیڈ میرے لئے بیکار تھے۔ زہریلا کیپسول بھی اب میرے کسی کام کا نہیں تھا۔ میں انہیں دریا میں پھینکنے لگا تو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ان کی ضرورت پڑ جائے۔ کیونکہ میں دشمن ملک میں تھا۔ زہریلا کیپسول میں نے دریا میں پھینک دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قسم کے کیپسول عام طور پر جاسوس اپنے پاس رکھا کرتے ہیں۔ رات اب ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر جو بادل چھائے تھے ان کے عقب میں پچھلے پہر کی پھیکی اور مدھم روشنی جھلکنے لگی تھی۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچنا چاہئے تھا۔ میں ابھی تک خطرے کی زد میں تھا۔ ویسے بھی یہ کھلا صحرائی علاقہ تھا اور تلاش میں نکلے ہوئے جیٹ طیارے یا ہیلی کاپٹر مجھے دن کی روشنی میں دیکھ سکتے تھے۔

میں نے مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ رات بھر کی بارش کی وجہ سے ریت سخت ہو گئی تھی جس پر چلنے میں دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے میں ٹیلوں کے سلسلے کے قریب آگیا۔ میرا رخ مشرق کی جانب تھا۔ میرا ٹارگٹ اردن سے ملی ہوئی سرحد تھی۔ ایک خیال یہ بھی ذہن میں تھا کہ ایک بار پھر نادیہ کے پاس یروشلم پہنچ جاؤں۔ یروشلم وہاں سے کتنی دور تھا؟ اس کا میں اندازہ نہیں لگا سکتا تھا' لیکن اپنے اندازے کے مطابق یروشلم کی سمت ہی جا رہا تھا۔ ایک ریتلے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے کے بعد دوسری طرف اترا تو سامنے سنگلاخ وادی نظر آئی۔ صبح کاذب کی پھیکی دھند میں دور دور درختوں کے جھنڈ اور کہیں کہیں باہر کو نکلی ہوئی چٹانیں دکھائی دے رہی تھیں۔ آبادی کا کہیں نشان نہ تھا۔ میں نے وادی میں سفر شروع کر دیا۔ آسمان پر اب تک کوئی جیٹ فائیٹر نمودار نہیں ہوا تھا۔ ابھی تک کوئی اسرائیلی ہیلی کاپٹر بھی میری تلاش میں ادھر نہیں آیا تھا۔ چلنے سے میرا جسم گرم ہو گیا جس کی وجہ سے میرے کپڑے اپنے آپ سوکھنے لگے تھے۔ جب میں وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ آگے پھر زمین اونچی ہونے لگی۔ یہاں کوئی پگڈنڈی بھی نہیں تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ ادھر سے کبھی کوئی نہیں گزرتا۔ اچانک مجھے کسی اونٹ کے بلبلانے

کی آواز سنائی دی۔ اوپر جا کر زمین ہموار ہو گئی۔ میں نے آگے نشیب میں جھانک کر دیکھا۔ ایک اونٹ میری طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔ میں فوراً زمین پر ایک طرف ہٹ کر لیٹ گیا۔ اونٹ مجھ سے کچھ فاصلے پر سے گزر گیا۔ وہ شتر بے مہار کی طرح بھاگ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ بلبلا بھی رہا تھا۔ اوپر سے ہو کر وہ پھر نشیب میں آ گیا اور دور ایک کھجور کے درخت کے گرد چکر لگانے لگا۔ اب مجھے روشنی میں ایک بدو قسم کا آدمی دکھائی دیا جو اونٹ کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں وہیں زمین پر پڑے پڑے یہ منظر دیکھنے لگا۔ آخر اس بدو نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اسے قابو میں کر لیا۔ مشرق کی طرف دور تک اونچی نیچی ٹیکریاں ہی ٹیکریاں پھیلی تھیں۔ ان کے درمیان سے ایک جیپ آتی دکھائی دی میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ یہ فوجی جیپ ہی ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنا سر مزید نیچے کر لیا۔ جیپ تیزی سے چلی آ رہی تھی۔ جب وہ کھجور کے درخت کے قریب اونٹ والے بدو کے پاس پہنچی تو رک گئی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ جیپ میں سے ایک خاکی وردی والا آدمی باہر نکلا اور بدو سے باتیں کرنے لگا۔ یہ اسرائیلی فوجی تھا۔ ضرور وہ میرے بارے ہی میں اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہو گا۔ مجھے ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ مجھ سے بہت دور تھے۔ اونٹ والا رسی تھامے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ جیپ بھی آگے چل پڑی۔ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر سے ہو کر گزر گئی۔ یہ جیپ فوجی تھی۔ اس کا مطلب تھا وہ جس طرف میں جا رہا تھا وہاں آگے کوئی فوجی پوسٹ تھی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ فوجی جیپ صحرا میں میری تلاش میں پھر رہی ہو اور کسی دوسری ملٹری پوسٹ سے آئی ہو، لیکن میں اپنی سمت تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پیچھے دریا اور دریا کے پار میزائل اسٹیشن کا خطرناک علاقہ تھا۔ مجھے ہر حالت میں مشرق یعنی اسی سمت کو اپنا سفر جاری رکھنا تھا جدھر سے فوجی جیپ آئی تھی۔

جب یہ جیپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو میں اٹھا اور نشیب پر تیز تیز چلتا سنگلاخ وادی میں آ گیا۔ اونٹ والا بدو جیپ والی پگڈنڈی سے ہٹ کر شمال مغرب میں واقع ریت کے ٹیلوں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ میں نے ٹیلوں کی طرف چلنا شروع کیا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا جس کی وجہ سے فضا میں دھوپ کی تپش بالکل نہیں تھی۔ میرے لئے چلنا آسان تھا۔ دن کی روشنی میں اب ہر شے بالکل صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ میں اس ریتلے راستے سے ہٹ کر چل رہا تھا جہاں سے ابھی ابھی اسرائیلی فوجی جیپ گزری تھی۔ یہ سارا اسرائیلی علاقہ تھا اور یہاں میرے کسی ہمدرد مسلمان عرب کا ملنا قریب قریب ناممکن تھا اس لئے میں بے حد محتاط ہو کر چل رہا تھا۔ اگرچہ میرے کپڑے بھی خاکی تھے تاہم میرے کاندھوں پر کوئی ایسا نشان نہیں لگا تھا جو مجھے اسرائیلی فوج کا نائیک یا لانس نائیک ظاہر کرتا۔ تین ہینڈ گرنیڈ میری پتلون کی ایک جیب میں اور تین دوسری جیب میں تھے جن کی وجہ سے مجھے چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اتنے گرنیڈوں کی مجھے ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے ریت میں چھوٹا سا گڑھا بنایا اور چار ہینڈ گرنیڈ اس میں دبا دیئے۔ دو گرنیڈ ہنگامی صورت حال سے نپٹنے کے لئے کافی تھے۔

سائی لنسر اور پستول میری پتلون کی عقبی جیب میں تھا۔ فضا بالکل خاموش تھی۔ کسی وقت ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا میرے جسم کو تھپتھپاتا ہوا گزر جاتا تھا۔ میں ٹیلوں کے قریب آ گیا تھا۔ جس صحرائی راستے سے ہٹ کر میں چل رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب جگہ جگہ صحرائی جھاڑیاں اگی تھیں جن میں کہیں کہیں صحرائی پھول نظر آ رہے تھے۔ بادل یوں جھکے کھڑے تھے جیسے بارش پھر سے شروع ہونے والی ہو۔

صحرائی راستہ ٹیلوں کے درمیان سے ہو کر ایک طرف کو گھوم گیا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ان ٹیلوں کی دوسری جانب کیا ہے؟ ادھر کوئی ملٹری پوسٹ بھی ہو سکتی تھی جو میری گرفتاری اور پھر اذیت ناک موت کی علامت تھی۔ مجھے اپنے پیچھے کسی ٹرک کی گھرر گھرر سنائی دی۔ میں نے گھوم کر دیکھا اور صحرا میں ایک فوجی ٹرک میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ میں تیزی سے ایک طرف کو جھک کر دوڑا اور آک کی اونچی جھاڑیوں کے پیچھے اپنے آپ کو گرا دیا۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ کیونکہ ٹرک اسرائیلی فوج ہی کا تھا جس کو کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ ٹرک قریب آ گیا۔ میں جھاڑیوں کے پیچھے چھپا اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ٹرک کی اگلی سیٹوں پر دو یہودی فوجی بیٹھے تھے۔ ایک ٹرک چلا رہا تھا۔ دوسرا کھلی کھڑکی پر بازو رکھے سگریٹ پی رہا تھا۔ ٹرک کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ وہ گھرر گھرر کی آواز پیدا کرتا میرے سامنے سے گزر گیا۔ اس کا رخ ٹیلوں کے درمیان سے گزرتی سڑک کی جانب ہی تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ دوسری طرف ضرور کوئی فوجی پوسٹ ہے۔

کیا کروں؟ ادھر جاؤں یا نہ جاؤں؟ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ٹیلوں والی سڑک سے ہٹ کر جنوب مشرق کی طرف چلنا چاہئے۔ میں جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلا اور ٹیلوں والے صحرائی راستے کو چھوڑ کر اس کے متوازی پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر سے جنوب مشرق کی سمت چلنے لگا۔ میں ٹیکریوں کی بھول بھلیوں میں نکل آیا۔ ان ٹیکریوں پر کانٹے دار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ ایک ٹیکری کی چڑھائی چڑھنے کے بعد دوسری طرف ڈھلان پر نگاہ ڈالی تو میرا دل اچھل کر میرے حلق کے قریب آ گیا۔ دوسری جانب کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر بیرک نما فوجی پوسٹ کی ٹین کی سبز چھت نظر آ رہی تھی جس کے سامنے وہی ٹرک کھڑا تھا جو تھوڑی دیر پہلے میرے قریب سے ہو کر گزرا تھا۔ اس کی ایک جانب دو فوجی جیپیں بھی کھڑی تھیں۔ بیرک کے برآمدے میں مجھے ایک فوجی ٹہلتا ہوا بھی نظر آ رہا تھا۔ اسٹین گن اس کے ہاتھوں میں لٹک رہی تھی۔

میں دوسرے ٹیلے کی طرف کھسکنے ہی لگا تھا کہ میرے اندر کمانڈو ایڈونچر کی حس بیدار ہو گئی۔ میں ان ٹیلوں، ٹیکریوں اور سنگلاخ صحرائی ویرانے میں زیادہ دیر تک بھوکا پیاسا نہیں چل سکتا تھا اور کچھ معلوم نہیں تھا کہ آگے کوئی لق و دق صحرا شروع ہو جائے جو مجھ ایسے بھولے بھٹکے رستے سے ناواقف

مسافروں کو نگلنے کے لئے ہر وقت تیار ہوتا ہے۔ میرے ذہن نے ایک اسکیم میرے آگے رکھ دی۔ اس اسکیم کا پہلا لفظ میری موت سے شروع ہوتا تھا اور ایک کمانڈو کی حیثیت سے میرے لئے اس پہلے لفظ موت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ کیا میں اپنے پلان میں کامیاب ہو سکتا ہوں؟ اس کے لئے جرأت مندانہ کمانڈو ایک کی ضرورت تھی جس کے لئے میں ہر وقت تیار رہتا تھا۔ میری نظر اس جیپ پر جم گئی جو ملٹری پوسٹ کے برآمدے کے کونے کے پاس ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ یہ سبز رنگ کی فوجی جیپ تھی جیپ بالکل خالی تھی۔ میں نے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا... دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ میں اپنا کمانڈو آپریشن شروع کر سکتا تھا۔ ملٹری پوسٹ پر سنتریوں کی نفری زیادہ نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ ایک صوبیدار رینک کا اسرائیلی آفیسر ہو گا اور چار پانچ سپاہی ہوں گے۔ اس قسم کی ملٹری پوسٹیں صحرائی علاقوں میں اکثر قائم کر دی جاتی ہیں جو رجمنٹل آفیسر کے درمیان رابطے کا کام کرتی ہیں۔ میرے لئے اس اسرائیلی ملٹری پوسٹ کی جو چیز سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک تھی وہ یہاں کا وائرلیس سیٹ ہی تھا۔ کمانڈو آپریشن میں سب سے پہلے اس وائرلیس سیٹ کو اڑانا ضروری تھا۔

میرے پاس جو دو ہینڈ گرنیڈ باقی رہ گئے تھے ۔ وہ اس وقت میرے بڑے کام آ سکتے تھے ۔ میں نے ملٹری بیرک پر نظر جما دیں ۔ میں پوسٹ کی نفری کا اندازہ لگانا چاہتا تھا برآمدے میں یہودی سنتری ہاتھ میں شاٹ گن لئے اسی طرح ٹہل رہا تھا ۔ پھر دو فوجی برآمدے میں سے گزر کر سیڑھیاں اترے اور اپنے ٹرک میں سوار ہو کر آگے نکل گئے ۔ پہرے والے سنتری نے انہیں زور سے سلیوٹ مارا تھا ۔ دونوں اسرائیلی کیمشنڈ آفیسرز تھے ۔ جب ٹرک ملٹری پوسٹ کی حد سے نکل کر ٹیلوں میں غائب ہو گیا تو گارڈ پر موجود سنتری نے ایک بار پھر برآمدے کے لکڑی کے فرش پر ٹہلنا شروع کر دیا ۔ بیرک کے پہلو میں ایک ٹین کی چھت والا شیڈ سا بنا ہوا تھا ۔ اس میں سے دو سپاہی نکل کر برآمدے میں آئے اور پھر بیرک کے اندر داخل ہو گئے ۔ اس بیرک کے زیادہ سے زیادہ دو کمرے ہو سکتے تھے ۔ یہاں اسلحہ بھی یقیناً ہو گا ۔ یہ سب خدشات میری نظروں کے سامنے تھے ۔ اس کے باوجود میں اکیلا اس اسرائیلی ملٹری پوسٹ پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا ۔ خواب نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ میں نے اٹیک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ۔

اپنے پلان کے مطابق مجھے پوسٹ کی بیرک کی عقبی جانب سے آ کر حملہ کرنا تھا ۔ میں ایک طرف نیچے کو کھسک گیا ۔ جب میں جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ میں آ گیا تو میں جلدی جلدی چلنے لگا ۔ یہاں گڑھے بھی تھے ۔ میں ان میں سے تیزی سے گزرتا ' چاروں طرف سے چوکس اور پیچھے بھی نگاہ ڈالتا ۔ تھوڑی دیر بعد بیرک کے عقبی حصے میں آیا تو دیکھا کہ دور سے مجھے جو جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں وہ انگور کی بیلیں تھیں جنہیں لکڑی کے کھمبوں پر چھتریاں لگا کر چڑھا رکھا تھا میں جھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا ۔ ان انگور کی بیلوں کے پیچھے مٹی کے بنے ہوئے تین کوارٹر نما کمرے تھے جن کے آگے صحن میں ایک فوجی کیمپ کارٹ پر بیٹھا مشین گن کے بیرل کو تیل سے صاف کر رہا تھا ۔

میں ایک پل کے لئے بالکل بت بن گیا ۔ میں نے سانس روک لیا ۔ یہ ملٹری پوسٹ کے سنتریوں کے کوارٹر تھے ۔ ان کی فیملی یہاں نہیں رہتی تھی ۔ کیونکہ مجھے ابھی تک کوئی اسرائیلی عورت یا بچہ وہاں دکھائی نہیں دیا تھا ۔ ایک زرد رنگ کی بھڑ انگور کی بیلوں پر سے چکر لگاتی میری طرف آ گئی اور

کم بخت سیدھی میرے سر کے ساتھ آکر ٹکرائی، میں نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔ ایسا کرنے سے میرے منہ سے ایسی آواز نکل گئی جیسے کسی نے ہلکی سی چھینک ماری ہو۔ اس آواز نے صحن میں بیٹھے فوجی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے گردن گھما کر انگور کی بیلوں والے کھمبوں کی طرف دیکھا۔ میں نے اپنے آپ کو تیزی سے جھاڑی کی اوٹ میں کر لیا تھا۔ سپاہی مجھے دکھائی دے رہا تھا۔ مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چونکہ یہاں کوئی ہنگامی صورت حال نہیں تھی اس لئے اسرائیلی سنتری نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔

میں زمین پر کھسکتا پوسٹ کے آفس کے پیچھے نکل آیا۔ میں یہاں اسرائیلی سپاہیوں کی نفری کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ میری جانب آفس کی عقبی کھڑکی تھی جو بند تھی۔ برآمدے کے فرش پر فوجی بوٹوں کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔ کسی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد ٹائپ رائٹر کی ٹک ٹک کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ ایک بات طے تھی کہ یہاں اس وقت چار پانچ سے زیادہ فوجی نہیں ہیں۔ میں پیچھے کی طرف کھسکنے لگا۔ میرا پروگرام سامنے کی طرف جا کر حالات کا جائزہ لینے کا تھا۔ میں کھسکتا کھسکتا انگور کی بیلوں والے کھمبوں کی طرف آ گیا۔ اچانک میرے پیچھے کوئی کتا زور زور سے بھونکنے لگا... میں نے پلٹ کر دیکھا... ایک کتا مجھ سے تھوڑی دور مٹی کی ایک ڈھیری کے اوپر کھڑا میری طرف دیکھ کر بھونک رہا تھا۔ یہ میری موت کا پیام تھا۔ سائیلنسر والا پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے کتے کا نشانہ لیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ ٹھک کی آواز پیدا ہوئی گولی کتے کے سر میں گھس گئی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، مگر اس کی آواز نے اس اسرائیلی سنتری کو اس طرف متوجہ کر دیا تھا جو کوارٹر کے سامنے کیمپ کارٹ پر بیٹھا مشین گن صاف کر رہا تھا۔ کتے کی آواز اچانک بند ہونے سے خدا جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اٹھ کر انگور کی بیلوں کی طرف آ گیا۔ میرے پاس دوڑنے یا کسی دوسری جگہ چھپنے کا وقت نہیں تھا۔ میں وہیں لڑھک کر دوسری جھاڑی کی اوٹ میں جانے لگا تو اس نے مجھے دیکھ لیا۔

یہ بڑی قیامت کی گھڑی تھی۔

میں نے اسے حلق سے آواز نکالنے کی مہلت نہ دی۔ مہلت کیسے دیتا؟ میں اسے ہلاک بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ میری زندگی اور موت کی لائن کے درمیان آ گیا تھا۔ یہاں ہم میں سے کسی ایک کو مرنا تھا۔ زندگی اسی کے حصے میں آتی ہے جو پہل کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور یہ کام میں نے کر دیا۔ میرے پستول سے دوسری گولی نکل کر اس کے دل میں گھس گئی۔ وہ بالکل میرے سر کے اوپر آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا، لیکن وہ شور مچا کر مجھے پکڑوا سکتا تھا۔ اور اسرائیلی فوج کی قید میں جانے کا مطلب ایک بھیانک اور اذیت ناک موت کے سوا میرے لئے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ جرمن پستول کی گولی نے اس کے جسم میں آگ بھر دی تھی۔ وہ وہیں دہرا ہو کر گرا۔ میں اچھل کر اس کے اوپر جا گرا اور اس کا حلق دبا دیا۔ میرا چہرہ اس کے سفید ہوتے چہرے کے اوپر تھا۔ اس کی آنکھیں

چڑھ چکی تھیں۔ خون اس کے سینے سے ابل ابل کر ریت میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ مر گیا۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوارٹروں کی طرف دیکھنے لگا۔ کوارٹروں پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ ملٹری پوسٹ کے آفس میں سے ٹائپ کی ٹک ٹک ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔ میں اٹھا اور بھاگ کر آفس کی عقبی کھڑکی کے پاس دیوار سے جا لگا۔ میری پشت دیوار کے ساتھ لگی تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بند کھڑکی کے پٹ پر الٹے ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ وہ تھوڑا سا کھل گیا۔ ہینڈ گرنیڈ میری مٹھی میں تھا۔ میں نے اس کا پن نکالا۔ اسے آہستہ سے اندر لڑھکایا اور خود پانچ قدم دوڑ کر چھلانگ لگائی اور ریت پر اوندھے منہ جا گرا۔ پھر ہاتھوں سے سر ڈھانپ لیا۔

ایک دھماکہ ہوا۔ میرے اوپر سے کوئی شے سائیں کے ساتھ اڑتی ہوئی نکل گئی۔ میں نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا جہاں ملٹری پوسٹ کا آفس تھا۔ وہاں اب دھوئیں کا بادل چکراتا ہوا اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ کسی انسانی چیخ کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شاید آفس میں جو دو چار اسرائیلی سپاہی تھے۔ ان کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ میں جھکا جھکا مٹی کے کوارٹروں کے پیچھے سے ہو کر ملبے کا ڈھیر بنے آفس کے سامنے آیا تو دیکھا کہ چھت کا آدھا حصہ دروازے پر گرا پڑا تھا۔ آگ نہیں لگی تھی کیونکہ چار دیواری مٹی کی تھی۔ سامنے ٹرک اور جیپ اسی طرح کھڑے تھے۔ کہیں کوئی گارڈ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا اور وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل گیا۔ ملٹری پوسٹ سے نکل کر صحرائی راستے میں آتے ہی میں نے رفتار تیز کر دی اور اندھا دھند مشرقی سمت میں بڑھنے لگا۔ میرے دل میں صرف یہی ایک مقصد تھا کہ جیسے بھی ہو مشرقی رخ پر جتنی دور نکل سکوں' نکل جاؤں' جیپ فوجی تھی۔ یہ میرے لئے مشکلات بھی پیدا کر سکتی تھی' لیکن اس وقت وہ میرے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔ گاڑی کے ٹینک میں پٹرول بھرا ہوا تھا۔ جیپ کے ڈیش بورڈ میں سوائے ایک عبرانی زبان کے اخبار اور ایک پیچ کس کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ مجھے قطعی طور پر علم نہیں تھا کہ آگے کیا ہے اور یہ کہ کہیں میں کسی فوجی کیمپ کے علاقے میں تو نہیں پہنچ جاؤں گا۔ میری جیپ صحرائی رستے پر اڑی جا رہی تھی۔ بادل چھٹ رہے تھے اور کہیں کہیں سے دھوپ کی کرنیں نیچے اترنے لگی تھیں۔ ہوا گرم ہو گئی تھی۔ ریت بھی خشک ہو چکی تھی جس ریتلی سڑک پر میری جیپ بھاگی جا رہی تھی وہ بس میری جیپ جتنی ہی چوڑی تھی۔ کبھی اونچان آ جاتی اور کبھی ڈھلان۔ ٹیلے پیچھے رہ گئے تھے۔ ملٹری پوسٹ سے میں کافی آگے نکل آیا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ جس ریتلے راستے پر میری جیپ بھاگی جا رہی تھی وہ اب جیسے ریت میں معدوم ہو گیا تھا۔ یہاں زمین سخت ہو گئی تھی۔ گویا میں پتھریلی زمین والے اجاڑ صحرا میں آ گیا تھا پتھریلی زمین ہونے کی وجہ سے جیپ کو دھچکے لگنے لگے تھے۔ یہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ میں پھر بھی آگے بڑھتا گیا۔ میں نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔ یہ سارا علاقہ ویران اور غیر ہموار تھا۔ کہیں کوئی جنگلی جھاڑی تک نظر نہیں آتی تھی۔ بادل کافی چھٹ گئے تھے اور دھوپ میں تپش آ گئی

تھی۔

اس خیال سے دل بیٹھنے لگا کہ کہیں میں صحرا میں بھٹک تو نہیں گیا۔ دوسری جنگ عظیم کی ایسی کئی کہانیاں میں پڑھ چکا تھا کہ اپنے یونٹ سے بچھڑ کر کوئی سپاہی صحرا میں راستہ بھول گیا اور پھر اس کے انجام کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ صحرا بڑا ظالم ہے ایک بار آپ صحرائی ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے تو پھر آپ کی قسمت میں سوائے پیاس کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہر ٹیلہ ایک جیسا ہے۔ آپ ایک جگہ چکر کاٹنے لگتے ہیں اور ہر بار پھر پھر کر وہیں آجاتے ہیں۔ مجھے بھی یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں میرا انجام بھی تو ایک اندوہ ناک صحرائی موت تو نہیں ہے؟

لیکن میں اتنی آسانی سے ہارنے والا نہیں تھا۔ میں نے جیپ کی رفتار تیز کر دی۔ سنگلاخ بنجر اور سیاہ پتھریلے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ میدان پتھروں سے اٹا ہوا تھا۔ میں جیپ کو ادھر ادھر سے گھماتا راستہ بناتا چلا جا رہا تھا۔ سیاہ بنجر ٹیلوں کی ایک دیوار سی میرے پیچھے رہ گئی تھی۔ اس دیوار کے عقب میں اچانک ایک کڑاکا گونجا۔ یہ کسی جیٹ طیارے کا کڑاکا تھا۔ میں نے جیپ کو بریک لگائی اور اچھل کر دور پتھروں کے درمیان لیٹ کر اوپر تکنے لگا۔ ایک سفید اور نیلے نشان والا جیٹ طیارہ ٹیلوں کی چوٹیوں کے اوپر بالکل سیدھ میں ابھرا۔ آسمان کی وسعتوں میں جا کر ٹیڑھا ہوا اور بائیں جانب غوطہ لگا گیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ جیٹ طیارہ میری تلاش میں چکر لگا رہا تھا۔ جب اس کی آواز دور جا کر غائب ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ جیپ کے ٹائروں کو دیکھا۔ ٹائروں کی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔ پتھروں نے ان کو ادھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کوئی پروا نہ کی اور جیپ کو آگے بڑھا دیا۔

کچھ دور جانے کے بعد میدان میں پھیلے ہوئے گول پتھروں کا سلسلہ کم ہو گیا اور میں نے رفتار تیز کر دی، مگر جیپ کے ٹائروں نے اب جیپ کو جیسے جکڑ سا لیا تھا۔ وہ دھڑ دھڑا رہے تھے۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر جیپ کا ایک ٹائر پھٹ گیا۔ دھماکہ ہوا اور جیپ ایک طرف سے اچھل کر نیچے گری اور میں اچھل کر باہر جا پڑا۔ اٹھ کر جیپ کے ٹائر کو دیکھا۔ وہ بری طرح سے پھٹ گیا تھا۔ باقی ٹائروں کا بھی یہی انجام ہونے والا تھا۔ اگرچہ جیپ کے پیچھے دو فالتو ٹائر لگے تھے مگر ان کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دھوپ کی حدت کی وجہ سے اردگرد کے بنجر ٹیلے تپ رہے تھے۔ گرمی بہت بڑھ گئی تھی۔ مجھے پیاس بھی تنگ کر رہی تھی۔ میں نے جیپ کو دھکا لگا کر ایک ٹیلے کے سائے میں کر دیا کہ اوپر سے آسانی کے ساتھ دیکھی نہ جا سکے اور خدا کا نام لے کر پیدل ہی آگے روانہ ہو گیا۔ جب یہ خیال آتا کہ میں اس سنگلاخ صحرا میں بھٹک گیا ہوں تو دل بیٹھنے لگتا۔ زمین سخت تھی جیسے ریت جم رہی ہو۔ پتھر چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔ کہیں کوئی سایہ نہیں تھا۔ دھوپ خوب چمکنے لگی تھی۔ آسمان پر بادل کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ ایک فرلانگ چلنے کے بعد ہی، میں پسینے سے شرابور ہو گیا اور حلق خشک پڑنے لگا۔

میں نے اپنی رفتار آہستہ کردی۔ میری جیب میں رکھا ہوا اکلوتا ہینڈ گرنیڈ بھی گرم ہو کر تپنے لگا تھا۔ اس ڈر سے کہیں یہ سخت تپش کی وجہ سے اپنے آپ نہ پھٹ جائے' میں نے اسے جیب سے نکالا' غور سے دیکھا اور پھر ایک پتھر کے قریب زمین پر رکھ دیا۔

مجھے بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق تھی۔ تھکان بھی اتنی محسوس نہیں ہو رہی تھی' لیکن اس خدشے سے پریشان تھا کہ مجھے میری منزل کا علم نہیں تھا۔ یہ بات واضح نہیں تھی کہ میں کس طرف کو جا رہا ہوں اور کیا آگے کوئی بستی بھی آئے گی کہ نہیں کیوں کہ یہاں کے صحرا ہزاروں مربع میل میں پھیلے ہوئے تھے اور یہاں پیدل چلنا تو موت کو گلے لگانے والی بات تھی۔ اپنے قیافے کے مطابق اگر میں اسرائیل کی شمال مشرق سرحد کی طرف جا رہا تھا تو پھر آگے یا تو یروشلم یا پھر جیر کو شہر ہی ہو سکتا تھا۔ یہ دونوں بڑے شہر' اردن کی سرحد کے قریب واقع تھے مگر میں یقینی طور پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرا رخ ان دو شہروں کی طرف ہی ہے۔ ہینڈ گرنیڈ کو میں نے پتھروں کے نیچے چھپا کر رکھا اور آگے چل پڑا۔ پیاس بڑھ رہی تھی۔ اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے اور دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ پتھریلے ٹیلے تپ رہے تھے۔ میں خدا کے بھروسے چلا جا رہا تھا۔ یونہی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کافی دن گزر گیا۔ سورج مغرب کی طرف اترنے لگا۔ پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا۔

صحرا کے دشت و ویرانے بھی اپنے اندر ایک طلسم کا سلسلہ رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاں بلب مسافر اچانک ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جس کا اسے وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔ میں سر جھکائے بانہیں لٹکائے قدم قدم جیسے رینگتا ہوا تپتے پتھروں کے سنگلاخ ویرانے میں چلا جا رہا تھا کہ بائیں جانب ایک نشیب نمودار ہوا۔ میں نے اس طرف نگاہ کی تو پہلے تو مجھے یقین نہ آیا۔ آنکھیں مل کر غور سے دیکھا تو یہ میرا واہمہ نہیں تھا۔ نشیب میں کچھ دور درختوں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ یہ درخت کھجوروں کے تھے۔ میرے اندر ایک نئی طاقت آ گئی۔ میں اس جھنڈ کی طرف دوڑ پڑا۔ بہت جلد تھک کر بیٹھ گیا۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ میں ہانپ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا' پھر بے تابی سے اٹھا اور درختوں کی طرف دوڑ پڑا۔ یہ ایک چھوٹا سا نخلستان تھا۔ کھجوروں کے جھنڈوں کے نیچے ٹھنڈے سائے میں شفاف اور ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ میں نے چشمے میں چھلانگ لگا دی اور جانور کی طرح اس میں ملنے کھانے لگا۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ باہر نکل کر ریت پر گری پڑی کھجوروں کو دھو کر کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد وہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں ایک طرف لیٹ گیا۔ انتہائی تھکن کے بعد دم کو آرام ملا تو نیند نے غلبہ کیا۔

جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ یہاں غافل ہو کر سونا ٹھیک نہیں تھا۔ کسی وقت بھی دشمن یہاں پہنچ سکتا تھا۔

میں کسی باقاعدہ راستے پر نہیں چل رہا تھا بلکہ راستہ بناتا ہوا چل رہا تھا۔ جب شام کا جھٹ پٹا

رات کے اندھیرے میں سما گیا اور آسمان پر چاندی کے زیوروں ایسے ستارے نکل آئے تو میں نے محسوس کیا کہ پتھریلی زمین کی جگہ ریتلی زمین شروع ہو گئی ہے۔ میرے ارد گرد کچھ ایسے ٹیلے شروع ہو گئے تھے جن پر جنگلی جھاڑ جھنکاڑ اگا تھا۔ صحرا میں رات کو ہمارے شہروں ایسا اندھیرا نہیں ہوتا۔ یہاں ستاروں کی روشنی میں ایک دھند سی چاروں طرف پھیل جاتی ہے جس میں ہر شے نظر آ جاتی ہے۔ میں ریت کے دو ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ اچانک فضا میں اونٹ کے اوپلوں کی مخصوص بو محسوس ہوئی۔ یہ صحرا کی خاص بو ہوتی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یا تو آس پاس کہیں کوئی قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور یا کوئی گاؤں قریب ہے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ٹیلوں کے درے سے باہر نکلا تو سامنے کھلے میدان میں روشنی نظر آئی۔ میں وہیں رک گیا۔

یہ روشنی لالٹین کی تھی جو زمین سے کوئی دس فٹ اونچی کسی شے سے لٹکی ہوئی تھی۔ وہاں دو چار مٹی کے مکان بنے ہوئے تھے۔ کچھ درختوں کے جھنڈ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ کوئی چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جس راستے پر میں چلا جا رہا تھا وہ اس گاؤں کے سامنے سے ہو کر گزرتا تھا۔ دوسرا راستہ ٹیلے کے اوپر جاتا تھا۔ میں گاؤں میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ چنانچہ ٹیلے والے راستے پر ہو لیا۔ ٹیلے کی ریت نرم تھی اور مجھے اوپر چڑھنے میں دقت ہو رہی تھی۔ ٹیلے کے اوپر پہنچا تو نیچے گھور کر دیکھا۔ نیچے ایک گہری گھائی تھی۔ میں وہیں ریت پر بیٹھ گیا۔ اگر بے دھیانی میں نیچے اترنے لگتا تو کھائی میں لڑھک سکتا تھا۔ وہیں سے پیچھے ہو گیا اور ٹیلے سے اتر آیا۔ سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ جیسے بھی ہو گاؤں سے کچھ فاصلے پر رہتے ہوئے آگے نکل جاؤں گا۔

میں نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اپنے پیچھے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک اونٹ بالکل میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں اچھل کر دوسری طرف جا گرا۔ اونٹ پر انسانی ہیولا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے اونٹ کی باگیں کھینچ لیں اور عبرانی میں پوچھا کہ میں کون ہوں؟ میں نے اپنے حواس کو مجتمع کیا اور ذرا سا کھانس کر بولا۔ "میرا نام جیروم ہے۔ راستہ بھول گیا ہوں۔ صحرا میں یہ کون سا گاؤں ہے؟ روشنی دیکھ کر ادھر جا رہا تھا"۔

وہ آدمی اونٹ کو بڑھا کر ذرا آگے آیا اور بولا۔ "میرا گھر اسی گاؤں میں ہے میرا نام ایشکول ہے۔ میرا یہاں انجیر کا باغ ہے۔ تم آج رات میرے مہمان ہو۔ آؤ میرے ساتھ"۔

پہلے تو خیال آیا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں، پھر سوچا کہ بھاگنے سے اسے شک پڑ جائے گا اور ہو سکتا ہے اس کے پاس اسلحہ بھی ہو اور یہ پیچھے سے فائر کر دے تو کیا میں اسے گولی سے اڑا دوں؟ یہ بھی اچھا نہ لگا کہ ایک آدمی مجھے اپنا مہمان بنا رہا تھا اور میں اسے یوں ہی ہلاک کر ڈالوں۔ اس وقت مجھے بہت سی معلومات حاصل کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ یہ آدمی مجھے کم از کم یہ ضرور بتا سکتا تھا کہ یہ علاقہ کون

سا ہے اور اس کے آگے کون سا شہر ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسی کے اونٹ کے ساتھ ساتھ نیچے نشیبی گاؤں کی طرف چلنے لگا لیکن میرا ایک ہاتھ جیب کے اندر پستول پر مضبوطی سے جما تھا۔ اس آدمی کی داڑھی تھی۔ اس کی آواز مضبوط تھی۔ عمر چالیس کے قریب لگتی تھی۔ اس نے اسرائیلی کاشت کاروں ایسا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر اسرائیلی خاص ٹوپی تھی۔ میری داڑھی جو فرنچ کٹ تھی اب اپنی حدود سے بڑھ گئی تھی۔ میں بڑی روانی سے عبرانی بول لیتا تھا۔ وہ مجھ سے باتیں بھی کیئے جا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تم خوش قسمت ہو جو ادھر آ نکلے ورنہ صحرا میں بھٹکا ہوا آدمی کبھی زندہ واپس نہیں آتا۔

لالٹین والے مکان کے احاطے میں پہنچ کر وہ اونٹ سے اتر آیا۔ اب اس نے دونوں ہاتھوں سے خالص یہودیوں کے انداز میں مجھ سے معانقہ کیا اور کسی عورت کو آواز دی۔ " روتھ! دیکھو مہمان آیا ہے۔ انجیر کا مشروب اور روٹی لے آؤ"۔

ہم لالٹین کی روشنی میں کچے مکان کے آنگن میں لکڑی کی بوسیدہ میز کے آمنے سامنے بینچ پر بیٹھ گئے۔ روشنی میں اس کا چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ کالی داڑھی گھنی تھی۔ آنکھوں میں عقابی روشنی تھی۔ اس نے کاندھے سے سیاہ کمبل اتار کر بینچ پر رکھ دیا۔ اور میری پھٹی ہوئی قمیص کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ " لگتا ہے تمہیں صحرا میں راستہ بھولے کئی روز ہو گئے ہیں؟"

میں نے جوتے اتار کر ایک طرف کر دیئے اور اپنے تھکے ہوئے پاؤں کو ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے بولا۔ " میں تین روز سے اس ویرانے میں بھٹک رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ جنگلی کھجوریں کھا کر گزارا کرتا رہا۔ پیچھے ایک نخلستان میں سارا دن پڑا رہا۔ کیونکہ وہاں پانی تھا"۔

ایشکول اپنی داڑھی کو کھجاتے ہوئے مسکرایا اور میز پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جیروم تم نوجوان ہو مگر صحرا ظالم ہے۔ وہ نہ بوڑھا دیکھتا ہے نہ نوجوان۔ پانی کے بغیر تو تین دن صرف اونٹ ہی زندہ رہ سکتا ہے"۔

اس نے ایک بار پھر روتھ کو آواز دی۔ کوٹھری کے اندر سے ایک عورت کی آواز آئی۔ " آئی چچا!"

ایشکول بولا۔ " روتھ میری بھتیجی ہے' اس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ ایک بڑا بھائی ساول ہے وہ بھی میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹاتا ہے میرا"۔

پھر پلٹ کر سوال کیا۔ " تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم صحرا میں راستہ کیسے بھول گئے؟ کیا تم اکیلے ہو؟"

میں نے ایک فرضی کہانی پہلے ہی سے ذہن میں تیار کر رکھی تھی۔ میں نے اسے بڑے اعتماد کے ساتھ سرسری انداز میں بتایا کہ میں یروشلم سے اپنے ایک دوست کے پاس اس کے قصبے میں آیا تھا۔ شام کو اکیلا ہی سیر کو نکل کھڑا ہوا اور راستہ بھول گیا۔ اس نے قصبے کا نام پوچھا تو میں بوکھلا سا گیا۔ کیونکہ قصبے کا فرضی نام میں نے نہیں سوچا تھا۔ سر کھجاتے ہوئے کہا۔ " یاد نہیں رہا۔ دراصل میں اس

ملاقے میں پہلی بار آیا ہوں۔ یروشلم میں میرا فرنیچر کا کاروبار ہے"۔

ایشکول نے فضا میں ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔ "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں یہاں سے اگلے گاؤں پہنچا دیں گے۔ وہاں سے جیروکو کی طرف بسیں چلتی ہیں۔ تم جیروکو پہنچ کر دوسری بس لے کر یروشلم پہنچ جانا"۔

اتنے میں کوٹھری کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قد لڑکی ہاتھ میں چنگیر اور تام چینی کی رکابیاں لئے باہر آئی۔ لالٹین کی روشنی اس کے چہرے پر بکھری سیاہ زلفوں کو صاف نمایاں کر رہی تھی۔ اس نے سر کو ہلکے سے جھٹک کر ماتھے پر آئے ہوئے بال پیچھے کیئے اور میری طرف غور سے دیکھ کر بولی۔ "چچا یہ تو کوئی نوجوان شہری ہے"۔

ایشکول زور سے ہنسا۔ روتھ کے ہاتھ سے چنگیر اور رکابیاں تمام کر بولا۔ "اس کا نام جیروم ہے۔ یروشلم میں اس کی فرنیچر کی دکان ہے۔ یہ صحرا میں بھٹک گیا تھا۔ خوش قسمت ہے کہ مجھے مل گیا۔ ارے! انجیر کا مشروب کہاں ہے؟"

روتھ نے گردن ایک طرف ڈھلکا لی اور بولی۔ "چچا! کیا مشروب ضروری ہے؟"

ایشکول نے دونوں ہاتھ میز پر جمائے اور سر کو پیچھے کی طرف کر کے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا اور بولا۔ "یہ ستارے میرے دوست ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ آسمان سے نیچے ٹپک پڑیں میں انجیر کے مشروب سے اپنے مہمان کی خاطرداری کرنا چاہتا ہوں"۔

روتھ ہنس کر بولی۔ "مہمان کی یا اپنی چچا؟" اور بھاگ کر اندر چلی گئی۔ اس نے دیہات کی اسرائیلی لڑکیوں ایسا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی آواز بڑی گہری اور خیال انگیز تھی۔ ایشکول نے آواز دی۔

"روتھ! ساول اگر سو گیا ہو تو اس کی چپل لے آؤ۔ مہمان کے جوتے پھٹ گئے ہیں۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "چچا اس کی ضرورت نہیں۔ میں ان کی مرمت کروا لوں گا"۔

ایشکول نے چنگیر میں سے مکئی کی ایک روٹی اور خشک گوشت کا ایک ٹکڑا اور تھوڑے سے انگور نکال کر رکابی میں ڈالے اور میری طرف بڑھا کر بولا۔ "مہمان کی خاطرداری ہمارا فرض ہے۔ ساول میرا بھتیجا ہے۔ اس کی چپل تمہارے پاؤں میں پوری اترے گی۔ اس کا قد کاٹھ بالکل تمہارے جتنا ہے"۔

میں خاموش ہو گیا۔ سائی لنسر والا پستول میری جیب میں تھا۔ یہ ایک مشکوک اسلحہ تھا۔ اس کی وجہ سے میرے میزبان کو مجھ پر شک ہو سکتا تھا کیونکہ عام حالات میں کوئی آدمی پستول کے آگے سائی لنسر نہیں لگاتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ موقع پاتے ہی سائی لنسر نکال کر پھینک دوں گا، پھر سوچا کہ سائی لنسر بہت کام دے سکتا ہے۔ میں ابھی خطرے سے باہر نہیں تھا۔ دشمن کے ملک میں تھا اور کسی بھی وقت مجھے اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

روتھ نے مشروب لا کر میز پر رکھ دیا۔ مکئی کی روٹی اور گوشت کے ٹکڑے دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ میں روٹی کھانے لگا۔ ایشکول نے مجھے مشروب پیش کیا۔ میں نے انتہائی انکسار سے معذرت پیش کر دی۔ اس نے مجھے مجبور نہ کیا۔ روتھ میرے لئے ریت میں دبے ہوئے مٹکے میں سے ٹھنڈا پانی لے آئی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور گلاس لے لیا۔ وہ مسکرا دی۔ لالٹین کی روشنی میں وہ بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے چچا کو بتایا کہ اس کا بھائی ساول سو گیا ہے اور اس کی چپل نہیں مل رہی ہے۔

ایشکول نے میز پر ہاتھ مارا اور غصے میں بولا۔ "میرے مہمان کے لئے چپل لاؤ۔ میری چپل لے آؤ"۔

روتھ نے آہستہ سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے سر کو جھٹکا اور اندر چلی گئی۔ دوبارہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چمڑے کی چپل تھی۔ اس نے چپل میرے پاس لا کر رکھ دی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ جماہی لیتی کوٹھری کی طرف چلی تو ایشکول نے کہا۔ "مہمان کے لئے سائبان کے نیچے بستر لگا دو اور میرا کمبل بھی ڈال دینا"۔ پھر میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔ "رات کو صحرا میں سردی ہو جاتی ہے"۔

وہ کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ کبھی یروشلم کے بارے میں پوچھتا کہ اب اس شہر کی کتنی آبادی ہو گئی ہے۔ کبھی کہتا کہ میں دو بار یروشلم گیا ہوں۔ ایک بار نفرت سے سر جھکا کر کہنے لگا۔ "یروشلم میں فلسطینی عرب مسلمانوں کا وجود مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ تم دیکھ لینا ہم ایک نہ ایک دن ان سب کو اردن میں دھکیل دیں گے۔ ہمیں چار ہزار سال بعد وطن نصیب ہوا ہے"۔

پھر ایکدم سے اس نے سوال کیا۔ "جیروم! تمہارے ماں باپ کہاں کے ہیں؟ تمہارا عبرانی لہجہ یروشلم کے یہودیوں کا نہیں ہے"۔

میں اندر سے گھبرایا مگر اوپر سے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "میری پیدائش انگلستان میں ہوئی تھی۔ گیارہ جماعتیں میں نے وہیں پاس کیں۔ میرے باپ کی وہاں ایک گروسری شاپ تھی"۔

روتھ نے کوٹھری کے دروازے کے پہلو میں، جو سائبان سا بنا ہوا تھا اور جہاں سوکھی گھاس کے گٹھے پڑے تھے سیاہ رنگ کا ایک کمبل وہاں رکھ دیا اور بولی۔ "چچا! تمہارے مہمان کے لئے بستر لگا دیا ہے"۔

وہ اندر چلی گئی۔ اس کا چچا موڈ میں تھا۔ خدا جانے کس صدی کی باتیں سنا رہا تھا۔ کبھی فلسطینی عربوں کو کوسنا شروع کر دیتا کبھی اردن کے شاہ کو برا بھلا کہتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہاں مجھے بے سدھ ہو کر سونا چاہئے یا نہیں؟ کہیں کسی آفت میں تو نہیں پھنس جاؤں گا۔ اس وقت کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں، میں نے ایشکول سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جیرو کو وہاں سے کتنی دور ہے اور وہاں سے یروشلم کو بسیں کس کس وقت نکلتی ہیں۔ اگرچہ اس نے پیشکش کی تھی کہ وہ مجھے خود اگلے قصبے

میں چھوڑ آئے گا لیکن میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں مجھے بھی نیند آنے لگی۔ ابیشکول بھی اب باتیں کرتے کرتے تھک گیا تھا اور اس کا سر بار بار ایک طرف کو ڈھلک جاتا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ اب سو جائے۔ ابیشکول اٹھا اور شب بخیر کہتے ہوئے لڑکھڑاتا کوٹھری میں چلا گیا۔ لالٹین اسی طرح لکڑی کے کھمبے کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ میں نے اس کی بتی نیچی کر دی۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہوا ٹھنڈی ہو گئی تھی اور شبنم گرنے لگی تھی۔

میں سائبان کے نیچے خشک گھاس پر بچھے ہوئے بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بار بار خیال اپنے مشن کی ناکامی کی طرف چلا جاتا تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جینس بھی اپنے عزائم میں ناکام ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے ایٹمی میزائلوں کو فائر ہونے اور اپنے شہروں کو بھی ایٹمی تباہی سے بچالیا تھا لیکن وہ مجھے گرفتار نہ کر سکے تھے۔ مجھے اب بھی حیرت ہو رہی تھی کہ انہوں نے جو پاکستانی لڑکی مجھے دکھائی اس کی شکل ہو بہو اصلی لڑکی سے ملتی تھی۔ صرف قریب جانے پر یہ بھید کھلا کہ یہ یہودی لڑکی ہے۔ جس نے پاکستانی لڑکی کا حلیہ بنا رکھا ہے یا اس کا ماسک چڑھایا ہوا تھا۔ مجھے اپنے ساتھی فلسطینی کمانڈوز نمبر ٹو اور نمبر تھری کے شہید ہو جانے کا بڑا افسوس تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب مجھے کیا حکمت عملی اختیار کرنی تھی؟ ظاہر ہے کہ میں پاکستانی سفارت کار کی بیٹی کو حاصل کیئے بغیر واپس مصر نہیں جانا چاہتا تھا۔ یہ میری شکست تھی جو مجھے کسی صورت میں بھی گوارا نہیں تھی۔ پہلے میں نے یہی سوچا تھا کہ اردن کی سرحد پار کر کے وہاں سے مصر چلا جاؤں گا' مگر جب ذرا سکون میسر آیا اور پیٹ میں کھانا گیا تو نئے عزائم بیدار ہو گئے۔ اب میں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہاں سے جیرو کو جاؤں گا اور وہاں سے یروشلم کی بس پکڑ کر اپنی دوست اور ہمدرد نادیہ کے پاس جا کر سارا ماجرا سناؤں گا اور اس کے مشورے کے بعد کوئی اگلا پروگرام مرتب کروں گا۔ پاکستانی خاتون کو مجھے بہرحال اسرائیلی بلیک میل سے بچانا تھا۔ میرے ارادوں میں ایک نئی طاقت آ گئی۔ میں نے پستول جیب میں ہی رہنے دیا اور بستر پر اس طرح نیم دراز ہو گیا کہ میرا سر میرا بازو کے پیچھے تھا اور میری نگاہیں کوٹھری کے ادھ کھلے دروازے کو برابر دیکھ رہی تھیں۔ میری کلائی پر جو گھڑی بندھی تھی۔ اس کی سوئیاں رات کے نو بجا رہی تھیں۔ صحرا کی رات بے حد خاموش تھی۔ ایسا گہرا سکوت طاری تھا کہ مجھے کانوں میں سائیں سائیں کی آواز آتی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے لا کی لو کچھ زیادہ ہی نیچی کر دی تھی۔ وہ دو تین بار بھڑکی اور پھر لالٹین بجھ گئی۔ اندھیرے نے صحرائی ریت میں ستاروں کی چمک کو اور زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔

ایک انسانی سایہ کوٹھری کے ادھ کھلے دروازے میں سے نکلا۔ جب وہ سایہ میری طرف بڑھنے لگا تو میں ایکدم سے اٹھ بیٹھا پستول میں نے جیب سے نکال کر ہاتھ میں یوں پکڑ لیا کہ نظر نہیں آتا تھا۔ ابھی یہ سایہ مجھ سے سات آٹھ قدم کے فاصلے پر ہی تھا کہ میں نے اسے پہچان لیا۔

یہ یہودی دوشیزہ روتھ تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سیاہ چادر میں ڈھانپ رکھا تھا لیکن اپنی

ناگن اپنی چال کو نہ چھپا سکی تھی۔ جس سائبان کے نیچے میں بیٹھا تھا اس کے قریب آ کر اس نے پلٹ کر ایک نگاہ پیچھے ڈالی اور پھر چھلانگ لگا کر میرے قریب آ گئی۔ "جیروم! مجھے یہاں سے بھگا کر لے چلو"۔

اس نے ایک بازو میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ عجیب بات تھی۔ اس کے لباس سے انگور کے سوکھے پتوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ نیچے کیا اور کہا۔ "یہ ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

ساتھ ہی میں نے پستول والا ہاتھ پتلون کی جیب میں کر لیا۔ روتھ نے سرگوشی کی۔ "مجھے یروشلم لے چلو۔ میں اس شرابی چچا کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میرا بھائی ساول بھی چچا کی طرف داری کرتا ہے۔ یہ لوگ میرا بیاہ ایک ایسے آدمی سے کرنا چاہتے ہیں جو عمر میں مجھ سے چالیس برس بڑا ہے۔ جیروم! تم مجھے یروشلم لے چلو۔ میں تم سے شادی کر لوں گی"۔

عجیب مصیبت میرے گلے پڑ رہی تھی۔ میں نے اسے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اسے یروشلم نہیں لے جا سکتا کیونکہ میری بیوی بچے ہیں۔

اس نے تڑپ کر چہرہ پیچھے کیا اور بولی۔ "میں تمہاری بیوی کی خدمت کروں گی۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں یہاں مر جاؤں گی۔ میں اس بڈھے سے بیاہ نہیں کرنا چاہتی"۔

کوٹھری میں سے ایشکول کے زور زور سے کھانسنے کی آواز آنے لگی۔ روتھ بلی کی طرح اٹھ کر کوٹھری کی طرف بھاگ گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ روتھ ابھی میرے پاس آئی تھی۔ صحرائی رات پھر سناٹے میں غوطہ زن ہو گئی تھی۔ نہ کوئی آواز تھی نہ کوئی سرگوشی تھی۔ انگور کے سوکھے پتوں کی خوشبو آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ زندہ جسم کی خوشبو عدم کی طرف جا رہی تھی۔ فضا میں ٹھنڈ تھی۔ میں سوکھی گھاس پر سمٹا ہوا لیٹا تھا۔ موٹی کالی چادر میرے جسم پر تھی۔ غیر شعوری طور پر میرے دل نے ہوش کا دامن چھوڑ دیا اور میں نے اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دیا۔ نیند کی لہروں پر ہچکولے کھاتا میں ایک جنگل میں نکل آیا جہاں بانس کے ہرے بھرے جھنڈ تھے۔ گہری گھاٹیاں اور کھڈ نالے تھے جن کے زنگ آلود پتھروں سے پانی ٹکرا کر آگے بہہ رہا تھا۔ کوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ سدھا رنگنی تھی۔ میں اس کے وجود سے باخبر تھا۔ سانپ بیٹا اس کی گردن میں لٹک رہا تھا۔ کسی وقت وہ اپنی کیسری آنکھوں سے مجھے دیکھ کر مسکرا دیتی۔ وہ مجھے ایک مرطوب کھوہ میں لے گئی جس کی دیواروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ ہم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ مجھے سدھا رنگنی کے سانپ کی دھیمی پھنکار سے ملتا جلتا سانس سنائی دے رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنی ناگن کے گرد چکر لگا رہا ہو۔ پھر مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے دور کوئی ٹرک گزر رہا ہے۔ میں نے آنکھیں بند رکھیں۔ ٹرک کی آواز قریب آ رہی تھی۔ سدھا رنگنی کی پھنکار بلند ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھول

دیں ۔ سدھا رنگنی کی کیسری آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے ۔ میں نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں ۔ ٹرک کی آواز قریب سے قریب تر آ گئی ۔ مجھے اپنا وجود فضا میں تیرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سدھا رنگنی بھی میرے ساتھ فضا میں پرواز کر رہی تھی ۔ ٹرک کی آواز اب خدا جانے کہاں غائب ہو گئی تھی ۔ سدھا مجھے ساتھ لے کر سمندر کے وسط میں ایک چٹان پر اتر آئی ۔ پتھر کا زینہ لہراتا ہوا چٹان کی چوٹی تک چلا گیا تھا۔ سدھا رنگنی نے ہاتھ اٹھا کر چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ سیاہ پتھر کی مورتی کی طرح ساکت تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ مجھے بتانا چاہتی ہے اسے پہلے ہی سے جانتا ہوں۔ سدھا رنگنی کی کلائی سے لپٹا ہوا سانپ بھی اپنا پھن اٹھائے چٹان کی چوٹی کو تک رہا تھا۔ سدھا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہم چٹان کا زینہ چڑھنے لگے ۔ چٹان کی چوٹی پر پہنچ کر میں نے نیچے دیکھا۔ ہمارے نیچے سیاہ گھنے بادل ہی بادل تھے ۔ ان بادلوں میں بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی ۔ بادلوں میں گرج نہیں تھی ' پھر ان سیاہ گھٹاؤں میں سے ایک شیر نکل کر ہماری طرف بڑھا ۔ اس کے دونوں اگلے بازو پروں کی طرح تھے اور وہ نیچے سے اڑتے ہوئے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ میں بھاگنا چاہتا تھا مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ سدھا رنگنی نے مجھے زور سے جھنجوڑا۔ میری آنکھ کھل گئی ۔

پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ میں ابھی تک خواب دیکھ رہا ہوں ' لیکن جب میرے پاؤں پر ٹھوکر ماری گئی تو میں ہوش میں آ گیا۔

"اٹھو! تم حراست میں ہو ۔"

میرا ذہن سنسنانے لگا ۔ چار اسرائیلی فوجی اسٹین گنیں تانے میرے اوپر کھڑے تھے ۔ ان کا ٹرک مکان کے آنگن میں موجود تھا۔ ان کے قریب ہی ایشکول ' ساول اور روتھ سہمی ہوئی کھڑی تھی ۔ صحرائی آسمان پر صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی ۔ یہ صبح میری زندگی کی تاریک رات کا آغاز تھا۔ میری تلاشی لی گئی ۔ پستول انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیا اور میرے ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹرک کی طرف چلنے کا حکم دیا۔

مجھے اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیا گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے آلوؤں کی بوری پھینکی جاتی ہے ۔ میرے ہاتھ رسی سے پیچھے بندھے تھے ۔ میں منہ کے بل ٹرک کے اندر گرا۔ میرا ماتھا لکڑی کے ایک بکس سے ٹکرایا اور خون بہنے لگا۔

اسرائیلی فوجی چھلانگیں لگا کر ٹرکوں میں گھس آئے اور ٹرک کے پیچھے ترپال گرا دی جس سے اندر اندھیرا ہو گیا۔ ٹرک تیزی سے پیچھے مڑا پھر گھوما اور سنگلاخ صحرا میں کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔ یہ سب کچھ آن واحد ہو گیا تھا اور میں ابھی تک بھونچکا سا تھا ابھی چند لمحے پہلے ہی میں خواب میں سدھا رنگنی کے ساتھ حسین جنگل کے دلفریب ماحول میں سفر کر رہا تھا۔ اس کا بازو میرے کاندھے پر

اور مجھے اس کی سحر طراز سانس کی آواز آ رہی تھی کہ دوسرے لمحے، میں اسرائیلی فوجی ٹرک میں اس طرح اوندھا پڑا تھا کہ میرے دائیں بائیں تین سنتری اسٹین گنیں تانے بیٹھے تھے۔

میری تلاشی لے کر انہوں نے میرے پستول، زہریلے کیپسول اور بیس ڈالر کی رقم کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اب میرے پاس سوائے میرے ناقابل شکست عزم کے اور کچھ نہیں تھا لیکن میں اس ہیبت ناک حقیقت سے بے خبر تھا کہ جہاں مجھے لے جایا جا رہا ہے وہ میرے ناقابل شکست ارادوں اور عزم کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہو گا۔ اس وقت قدرتی طور پر میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا ہے اور یہ کسی فوجی کیمپ میں لے جا کر مجھ سے پوچھ گچھ کریں گے۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی اذیتیں دیں گے۔ شدید زدوکوب کریں گے۔ میں بار بار بے ہوش ہوں گا۔ وہ بار بار ہوش میں لائیں گے اور تشدد و اذیت کا سلسلہ از سرنو شروع کر دیں گے۔ وہ مجھ سے اسرائیل میں برسرپیکار میرے دوسرے جاسوس ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں ڈاکٹر عکاد اور نادیہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اور وہ میرے ناخن اتار دیں گے۔ میری ہتھیلیوں میں کیل ٹھونکیں گے۔ ٹرک اپنی منزل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ ملٹری چیک پوسٹ کو گرنیڈ سے اڑا کر میں جن اسرائیلی سنتریوں کو موت کے گھاٹ اتار آیا ہوں ان کا بدلہ بھی مجھ سے برابر لیا جائے گا اور مجھے اس طرح ہلاک کیا جائے گا کہ جان ایک ایک سانس کر کے نکلے۔

ٹرک میں اب مجھے اسرائیلی سنتریوں کے چہرے نظر آنے لگے تھے۔ یہ تینوں سنتری نوجوان یہودی تھے۔ ان کی اسٹین گنوں کی نالیوں کا رخ میری طرف تھا اور وہ سگریٹ پی رہے تھے۔ ایک سنتری نے اپنا بھاری فوجی جوتوں والا پاؤں میری پیٹھ پر رکھا ہوا تھا۔ میرے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا وہ اب زخم پر جم گیا تھا۔ یہ زخم درد کر رہا تھا۔ یہودی فوجی چپ تھے۔ وہ آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ ٹرک سنگلاخ ویرانے میں ناہموار راستے پر ہچکولے کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ دھوپ نکل آئی تھی۔ جس کی وجہ سے ٹرک کے اندر گرمی ہو رہی تھی۔ ایک فوجی نے اپنے پیچھے ترپال کی ایک چھوٹی سی کھڑکی سے کپڑا پرے ہٹا دیا۔ ٹرک میں ہوا کی آمدورفت شروع ہو گئی جس سے گرمی میں قدرے کمی ہوئی۔ مجھے اپنے اوپر اس جانور کا گمان ہو رہا تھا جس کو یہ اسرئیلی فوجی شکار کر کے لے جا رہے ہوں۔ میں ان کا شکار ہی تھا۔ خدا جانے میرے بارے میں کسی نے مخبری کی تھی یا یہ لوگ خود ہی میری تلاش میں ادھر نکل آئے تھے؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بہرحال اب میں ان کے قبضے میں تھا اور مجھ پر جسمانی اذیت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔

فوجی ٹرک نہ جانے کتنی دیر تک چلتا رہا۔ میری گھڑی بھی انہوں نے اتار لی تھی۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ ایک جگہ پہنچ کر ٹرک نے نیم دائرے میں ایک چکر لگایا اور رک گیا۔ ٹرک کے پیچھے گری ہوئی ترپال کا پردہ اٹھا دیا گیا۔ فوجی باہر کود گئے۔ میں سیدھا ہو کر ٹرک کے فرش پر لکڑی

کے بکس کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ باہر مجھے جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ کچھ خیمے تھے جن کے آگے دو فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک اسرائیلی' فوجی ٹرک کے باہر اسٹین گن لئے پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے فوجیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایک فوجی ٹرک کی طرف جلدی آنے کا کہہ رہا تھا۔ پھر مجھے لوہے کی زنجیروں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیں۔ دو نئی شکل والے فوجی ٹرک میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے ہتھکڑی اور بیڑیاں اٹھا رکھی تھیں۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر ایک نے میرے گھٹنوں پر زور سے ٹھوکر ماری اور گالی دے کر کہا۔ "ٹانگیں سیدھی کرو"۔

میں نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ یہ لوہے کے دو کڑے تھا جو ایک زنجیر کے ساتھ آپس میں بندھے تھے۔ میرے ہاتھوں کی رسی کھول کر ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ انہوں نے مجھ پر اتنا کرم ضرور کیا کہ میرے ہاتھوں کو پشت پر نہیں باندھا۔ میرے دونوں ہاتھ میرے پیٹ کے ساتھ لگے تھے۔ یہاں سنتریوں کی گارڈ تبدیل ہو گئی۔ ٹرک کی ترپال گرا دی گئی۔ اس کا انجن گڑگڑایا اور ٹرک ایک چکر کاٹ کر ایک بار پھر آگے روانہ ہو گیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد ٹرک دوبارہ ایک مقام پر رک گیا۔ یہاں میری آنکھوں پر کس کر پٹی باندھ دی گئی پھر مجھے ٹرک سے اتار کر سیدھا چلنے کو کہا گیا۔ زمین سخت تھی۔ لگتا تھا کہ پتھروں کو جوڑ کر فرش بنایا گیا ہے۔ ایک جانب سے کسی گاڑی کے انجن کے مسلسل چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ پاؤں میں بیڑیوں کی وجہ سے میں کسی ایسے بچے کی طرح قدم قدم چل رہا تھا جو چلنا سیکھ رہا ہو۔ بیڑیوں کا لوہا میرے ٹخنوں سے ٹکرا کر درد پیدا کر رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ کسی نے پیچھے سے میرے شانے پر رائفل کا دستہ مارا اور گالی دے کہ کہا۔ "تیز چلو"۔

میں منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ کسی نے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی اور دھکے دے کر آگے چلانے لگا۔ آگے زینہ تھا۔ میں گر پڑا۔ مجھے ٹھوکر مار کر اٹھنے کا حکم ملا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہونے کی وجہ سے میں آسانی سے نہ اٹھ سکا۔ آگے برآمدہ سا تھا۔ مجھے ایک جگہ دھکیل دیا گیا۔ پھر مجھے دروازہ بند کرنے کی آواز آئی۔ میری آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔

میں نے دیکھا کہ ایک بوسیدہ نیم تاریک ایک اور کوٹھری میں ہوں جس کی چھت کی کڑیاں میرے سر سے چند انچ ہی اونچی ہوں گی۔ میرے سامنے ایک بڑی بڑی مونچھوں اور ہلاکو خان کی شکل والا گنجا یہودی فوجی ہاتھ میں ٹین کا ایک ڈبہ لئے کھڑا تھا۔ اس نے ڈبہ فرش پر رکھا اور میری ہتھکڑی کھول کر غرایا۔ "یہاں فارغ ہو لو"۔

وہ باہر چلا گیا۔ دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ اب میں نے نیم تاریک کوٹھری کا جائزہ لیا۔ کونے میں ایک کموڈ پڑا تھا۔ پانی کی بالٹی بھی پاس ہی رکھی تھی۔ ٹین کا جو ڈبہ گنجا یہودی دے گیا تھا اس میں مٹھی بھر ابلے ہوئے چاول پڑے تھے جن میں سے بو آ رہی تھی۔ مجھے سخت بھوک اور پیاس لگی تھی

خدا جانے اس کے بعد یہ باسی چاول بھی کب نصیب ہوں۔ یہ سوچ کر وہ چاول زہر مار کیئے۔ بالٹی سے پانی پیا اور وہیں دیوار کا سہارا لے کر ننگے فرش پر بیٹھ گیا۔ قریباً آدھے گھنٹے بعد وہی گنجا یہودی فوجی دوبارہ کوٹھری میں آیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور کوٹھری سے نکال کر باہر لے گیا۔ پٹی سیاہ کپڑے کی تھی اور کچھ اس طرح سے کس کر باندھی گئی تھی کہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے ہتھکڑی لگا دی گئی تھی۔ یہاں سے مجھے ایک بار پھر ٹرک میں دھکیل دیا گیا۔ یہ ٹرک یہاں سے روانہ ہوا تو احساس ہوا کہ وہ سنگلاخ، ناہموار سڑک کی بجائے کسی ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہے۔ شاید ہائی وے تھی اور مجھے تل ابیب لے جایا جا رہا تھا۔ باقی کا سارا دن ٹرک سڑک پر تیز رفتاری سے چلتا رہا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ رات ہو گئی ہے یا ابھی دن ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ دو گھنٹے کے سفر کے بعد ٹرک ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ یہاں فوجی چھلانگ لگا کر باہر اتر گئے۔ مجھے ان کے اترنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آئی جو ذرا دور ہو گئی تھیں۔ پھر کسی نے ٹین کے ڈبے سے مجھے پانی پلایا۔ یہ بھی کوئی یہودی فوجی تھا جو مجھے ساتھ ساتھ گالیاں بھی دے رہا تھا۔ میں بے بس تھا۔ میں گالیوں کے جواب میں کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ دو آدمی مجھے کھینچ کر ٹرک سے باہر لے گئے۔ یہاں ایک طرف لے جا کر مجھے پیشاب وغیرہ کروایا گیا۔ پٹی بدستور میری آنکھوں پر بندھی تھی۔ میرے ماتھے کا زخم جم کر اکڑ گیا تھا۔ پاؤں کے ٹخنوں پر بھی مسلسل رگڑ سے درد شروع ہو گیا تھا۔ یہاں سے مجھے اسی ٹرک میں بٹھا کر ایک ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں مجھے ایک ہوائی جہاز کے اترنے کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی ہوائی اڈہ تھا۔ ٹرک رکا تو مجھے ایک آدمی نے سہارا دے کر اتارا۔ میں قدم قدم پر چلنے لگا۔ میرے ٹخنے درد کر رہے تھے۔ بیڑیوں اور ان کے درمیان بندھی ہوئی زنجیر کے رگڑنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار یہ زیور پہنے تھے۔ زنجیر زیادہ سے زیادہ دو فٹ لمبی تھی اور میں زیادہ ڈگ نہ بھر سکتا تھا۔ بڑی احتیاط سے چلنے کی کوشش کرتا پھر بھی بیڑیاں میرے ٹخنوں سے ٹکرا کر انہیں چھیلے ڈال رہی تھیں۔ دو آدمیوں نے مجھے زمین سے کوئی چار فٹ اوپر اٹھا کر کسی جگہ پھینک دیا۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ ضرور یہ کوئی چھوٹا فوجی جہاز تھا۔ میں جہاز کے فرش پر ٹانگیں ایک طرف آدھی اوپر اٹھائے بیٹھا تھا۔ میرے ارد گرد فوجی بوٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کسی نے عبرانی زبان میں کہا۔ "کیپٹن! ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"۔

شاید جہاز کے فوجی پائلٹ کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا۔ کیپٹن کی طرف سے کوئی جواب سنائی نہ دیا۔ اس کی بجائے انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ انجن کی آواز بتا رہی تھی کہ یہ چھوٹا ہوائی جہاز ہے پھر ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ ہوائی جہاز ہوائی پٹی پر رینگنے لگا۔ بہت جلد اس نے رفتار پکڑ لی۔ اس کے بعد جہاز نے زمین چھوڑ دی۔ زمین کے ساتھ جہاز کے پہیوں کے رگڑنے کی آواز یکدم بند ہو گئی اور یوں لگا جیسے جہاز ہلکا ہو گیا ہے۔ ایک طرف کو غوطہ لگا کر جہاز نے بلندی حاصل کرنی شروع کی۔ ایک خاص

بلندی پر جا کر جہاز سیدھا ہو گیا۔ اب وہ ایک نپی تلی رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔

چھوٹا ہونے کی وجہ سے جہاز فضا میں اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ ضرور مجھے تل ابیب کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں لے جایا جا رہا ہے۔ پیاس پھر لگنے لگی۔ میں نے پانی مانگا تو جواب میں کسی نے میرے جبڑے پر رائفل کا بٹ دے مارا۔ میں نے ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے اپنا منہ تھام لیا۔ خدا کا شکر تھا کہ جبڑا اپنی جگہ پر قائم تھا۔ جہاز اوپر نیچے ہوتا' ہلکے ہلکے ہچکولے کھاتا ایک خاص رفتار سے اڑا جا رہا تھا۔ میرا جبڑا ایک طرف سے سن ہو رہا تھا۔ خدا جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ جہاز نیچے آنا شروع ہوا پھر وہ ہوائی اڈے کی پٹی پر اتر گیا۔ جہاز رکا۔ دروازہ کھلا۔ مجھے گھسیٹ کر باہر نکالا گیا۔ ایک اور ٹرک میں دھکیل دیا گیا۔ ٹرک اسی وقت چل پڑا۔

ٹرک ائرپورٹ سے نکل کر کسی کشادہ سڑک پر جا رہا تھا کیونکہ یہاں مجھے دوسری گاڑیوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ پھر ان گاڑیوں کی آوازیں پیچھے رہ گئیں۔ ایک بار پھر سوائے اپنے ٹرک کے انجن کی آواز کے دوسری آواز نہیں تھی۔ ٹرک کبھی ڈھلان میں اتر جاتا کبھی چڑھائی چڑھتا۔ ایک پل کے اوپر سے بھی گزرا۔ کافی دیر چلنے کے بعد ٹرک بائیں جانب کو گھوم گیا۔ تھوڑی دور تک چلتے رہنے کے بعد جیسے وہ ایک پتھریلے راستے سے گزرنے لگا۔ یہاں وہ ذرا ذرا اچھل رہا تھا۔ آخر ایک مقام پر پہنچ کر رک گیا۔ انجن بند کر دیا گیا۔ یہاں بھی مجھے گھسیٹ کر باہر نکالا گیا۔ ایک آدمی مجھے بازو سے پکڑ کر آگے کو دھکیلتا ہوا لے گیا۔ اس جگہ بہت سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان میں فوجی بوٹوں کے چلنے کی آوازیں بھی تھیں۔ کسی جیپ کے قریب سے گزرنے کی آواز بھی تھی اور فوجیوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی آوازیں بھی تھیں۔ مجھے ایک برآمدے میں سے گزارا جا رہا تھا۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ ٹخنے اور جبڑا سخت درد کر رہے تھے۔ زنجیر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ بیڑیوں کے فولادی کڑے میرے ٹخنوں کو چھیلے ڈال رہے تھے۔ میں ایک ایک پاؤں رکھ کر کوئی زینہ اترنے لگا پھر مجھے لوہے کا ایک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کسی نے زور سے پاؤں جوڑ کر سلیوٹ مارا۔ آواز آئی۔ "یہ خطرناک فلسطینی جاسوس ہے"۔

کسی نے جواب دیا۔ "سر اسے شوٹ کر دیں"۔

مجھے اندر کو دھکا دیا گیا۔ میں پتھریلے فرش پر گر پڑا۔ میری کہنیاں چھل گئیں۔ فوجی بوٹوں کی آواز میرے قریب آئی۔ میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی گئی۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ کوٹھری میں گھپ اندھیرا لگا۔ میں نے دو تین بار آنکھیں جھپکائیں۔ زرد رنگ کے تارے آنکھوں کے آگے ناچنے لگے۔ لوہے کا دروازہ کھناک سے بند ہو گیا۔ آہستہ آہستہ میری بینائی جیسے بحال ہو رہی تھی۔ دیکھا کہ ایک تنگ سی کوٹھری کے ننگے فرش پر پڑا ہوں۔ چھت کے ساتھ ایک زرد بلب جل رہا ہے۔ کوٹھری بالکل خالی تھی۔ صرف کونے میں ایک کموڈ پڑا تھا۔ اب میں نے ہتھکڑی لگے

ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے جبڑے کو آہستہ سے چھوا۔ ایک ٹیس سی اٹھی اور میں نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا جبڑا چلایا۔ جبڑا صحیح سلامت تھا مگر سخت درد کر رہا تھا اور ایک طرف سے سوج گیا تھا۔ میں نے ٹخنوں پر سے پتلون اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ دونوں ٹخنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے باری باری ٹخنوں کے اوپر ٹانگ کو دبایا۔ کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ ہاتھ چھوڑا تو ٹخنوں کے زخموں کا درد پھر سے بیدار ہو گیا۔ مجھے اس عقوبت خانے میں آئے بمشکل پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلا اور تین فوجی اندر آ گئے۔ ان میں سے دو پیچھے تھے اور ایک توند والا یہودی فوجی افسر آگے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا تھا جس پر چمڑا منڈھا ہوا تھا۔ یہ موت کے فرشتے میرے اردگرد آن کھڑے ہوئے۔ ایک سپاہی باہر سے ایک اسٹول لے کر تیزی سے اندر آیا۔ اسٹول میرے قریب فرش پر رکھ دیا۔ یہودی فوجی افسر اس پر بیٹھ گیا اور میری طرف جھک کر گھورنے لگا۔ مجھ سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے تو وہ میرے ساتھ بڑی نرمی اور ملائمت سے پیش آیا۔ جیسا کہ عام طور پر ان لوگوں کا وتیرہ رہا ہے۔ اس نے مجھے فوری طور پر رہا کروانے کی پیشکش بھی کی اور کہا کہ اگر میں اس کے ساتھ تعاون کروں گا تو وہ نہ صرف یہ کہ مجھے رہا کروا کر اردن کی سرحد پار کرا دے گا بلکہ میرے ساتھ دی۔ آئی۔ پی والوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اس نے میرے لئے ٹھنڈا پانی اور تازہ چاولوں کی ایک پلیٹ بھی منگوائی۔ میں نے یہ سوچ کر چاول فوراً ہڑپ کر لئے اور ٹھنڈا پانی پی لیا کہ خدا جانے اس کے بعد کتنی دیر تک کھانے کو کچھ نصیب بھی ہو گا کہ نہیں۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ میں اس کی لائن پر چڑھ گیا ہوں۔ اب اس نے بڑی نرم آواز میں مجھ سے پوچھا کہ مجھے پاکستان سے اسرائیل کس نے پہنچایا تھا اور میرے دوسرے ساتھی اسرائیل میں کہاں کہاں کام کر رہے ہیں؟

" صرف یہ دو سوال ہیں۔ ان کے جواب ایسے مشکل بھی نہیں ہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا نام صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔ ہم کسی کو تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ بلکہ جب تم اردن کی سرحد پار کر لو گے تو ہم یہی اعلان کروائیں گے کہ ایک جاسوس ہماری قید سے فرار ہو گیا ہے۔ اب ایسا کرو، صرف یہ بتا دو کہ تمہیں پاکستان سے یہاں کون لایا تھا؟ تم جس مشن پر آئے تھے ہمیں اس کے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ دوسرے یہ بتا دو کہ تمہارے ساتھی کہاں کہاں اور کس کس نام سے مصروف عمل ہیں اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا دبایا اور اپنے موقف کو دہرایا۔ " میں تم سے سپاہیوں والا وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا نام ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔ یہ راز تمہارے اور ہمارے درمیان ہی رہے گا"۔

میں نے چہرہ اوپر اٹھا کر یہودی فوجی افسر کی طرف دیکھا اور سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں۔ میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں اور سرحد پر سے مجھے زبردستی پکڑ لیا گیا تھا"۔

یہودی افسر ایک سیکنڈ کے لئے چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے لیکن وہ

مسکرایا اور ذرا سا جھک کر بولا۔ "اگر تم پاکستانی جاسوس نہیں ہو تو پھر تم نے ہمارے میزائل بیس پر قبضہ جما کر ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ تم نے پاکستانی لڑکی کو واپس لینے کا مطالبہ کیوں کیا تھا؟ اور ہماری ملٹری پوسٹ کو گرنیڈ مار کر کیوں اڑا دیا تھا؟"

میں نے جواب دیا۔ "مجھے ان لوگوں نے زبردستی پکڑ کر اپنی ٹیم میں شامل کر لیا تھا۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو ان کے نام بھی نہیں جانتا"۔

یہودی افسر مسکرایا۔ اسٹول پر پیچھے کو ہٹ گیا پھر اچانک اس نے اپنا ڈنڈا لہرا کر الٹے ہاتھ سے اتنی زور سے میرے کاندھے پر مارا کہ میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور میں فرش پر ایک طرف گر پڑا۔ میرا کندھا درد سے شل ہو گیا اور سارا جسم سنسنانے لگا۔ یہودی افسر نے اب مجھے ٹھوکروں سے مارنا شروع کر دیا۔ وہ ساتھ ساتھ بولے جا رہا تھا اور مجھے انگریزی زبان میں گالیاں بھی دے رہا تھا۔ "تم پاکستانی جاسوس ہو۔ تم نے عبرانی زبان باقاعدہ جاسوسی کرنے کے لئے سیکھی تھی۔ تمہارے اور ساتھی بھی ہیں۔ تمہیں ان کے نام بتانے ہوں گے"۔

جب وہ ٹھوکریں مارتے مارتے تھک گیا تو اسٹول پر بیٹھ کر ہانپنے لگا میں ادھ موا ہو گیا تھا۔ میرا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی فوجیوں کو اشارہ کیا۔ دونوں فوجی میری طرف لپکے اور انہوں نے مجھے فرش پر اوندھا کیا اور میرے اوپر زور زور سے اچھلنے لگے۔ میری ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ جب یہ ناہنجار یہودی فوجی بھی میرے جسم پر اچھلتے اچھلتے تھک گئے تو اپنے افسر کے حکم پر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ یہودی فوجی افسر نے پاؤں کی ٹھوکر سے مجھے سیدھا کیا اور ڈنڈے سے میرا درد کرتا جبڑا اوپر کرتے ہوئے بولا۔ "اب بھی اگر تم نے میرے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا تو نہ صرف تمہاری جان بچ سکتی ہے بلکہ ہم کسی اعلیٰ اسپتال میں تمہارا علاج بھی کرائیں گے۔ تمہیں بہترین کھانے ملیں گے اور میں اپنی نگرانی میں تمہیں سرحد پار کرا دوں گا۔

میں یوں ایک طرف کو لڑھک گیا جیسے بے ہوش ہو گیا ہوں۔ وہ لوگ اتنے احمق نہیں تھے۔ اسرائیلی انٹیلی جینس کا شمار مشرق وسطیٰ کی عیار اور ماہر ترین انٹیلی جینس میں ہوتا ہے۔ یہودی فوجی افسر نے اتنی زور سے میرے پیٹ میں لات ماری کہ میں بلبلا اٹھا۔ اس کے بعد مجھ پر واقعی غشی طاری ہونے لگے۔ ایک بار پھر مجھ پر فوجی بوٹوں کی ٹھوکروں کی بارش ہونے لگی۔

میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش آیا تو میں کوٹھری میں بالکل اکیلا تھا۔ جسم کا کوئی عضو ایسا نہ تھا جو پھوڑے کی طرح نہ دکھ رہا ہو۔ ایک بازو اور جبڑے کا ایک حصہ بالکل شل ہو گیا تھا۔ میں فرش پر ایک پہلو سے پڑا آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ کراہنے سے درد میں کچھ افاقہ ہوتا۔ میں طاقتور نوجوان کمانڈو تھا مگر مجھے کچھ اس طرح سے پیٹا گیا تھا کہ جسم کی ساری طاقت جواب دے گئی تھی۔ میں رینگتے رینگتے کموڈ کی طرف گیا۔ یہاں ایک نالی دیوار سے باہر جا رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے پیشاب کیا تو خون

آنے لگا میں بے سدھ ہو کر فرش پر پڑ گیا۔ درد سے میرا پیٹ پھٹنے لگا۔ میں نے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی کہ وہ مجھے اس اذیت سے نجات دلائے۔ میں کراہتے ہوئے نیم بے ہوشی کے عالم میں نہ جانے کتنی دیر تک فرش پر پڑا رہا کہ دروازہ کھلا۔ بھاری قدموں کی چاپ اندر آئی۔ میں نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا۔

ایک اسرائیلی سنتری نے جھک کر میرے منہ کے قریب ٹین کا ڈبہ رکھ دیا۔ مجھے پانی کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا اور ٹین کے ڈبے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر منہ کے پاس لایا۔ اس میں سے گھاس کے سوپ کی بو آ رہی تھی۔ اس وقت یہ آب حیات محسوس ہوا۔ یہ واقعی گھاس کا سوپ تھا۔ نیم گرم تھا۔ میں غٹاغٹ پی گیا۔ سوپ پینے سے میرے سارے جسم کو جیسے ٹکور سی ہو گئی تھی۔ تھوڑا سا سکون ملا تھا۔ جسم کا سارا درد اور ٹیسیں ذرا کم ہو گئی تھیں۔ میں رینگتا ہوا دیوار کے قریب گیا اور ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ میں نے دونوں ٹانگیں جن میں بیڑیاں پڑی تھیں کھول دیں۔ ہاتھوں کو ہتھکڑی انہوں نے نہ جانے کیوں ابھی تک لگا رکھی تھی۔ میری کلائیاں بھی درد کرنے لگی تھیں۔ سوپ میں ضرور کوئی طاقت کی دوائی بھی شامل تھی۔ کیونکہ اس کے پینے کے بعد مجھے درد میں بہت حد تک افاقہ محسوس ہوا۔ یہ لوگ مجھے یکدم مارنا نہیں چاہتے تھا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ مجھے شدید اذیت بھی پہنچائی جائے اور مرنے بھی نہ دیا جائے۔ وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے اور میں ایک لفظ بھی بتانے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے دل میں عہد کر لیا تھا کہ اذیت سہتے سہتے مر جاؤں گا لیکن زبان سے پاکستان کا نام نہیں لوں گا اور نہ ہی اپنے فلسطینی ساتھیوں کا نام بتاؤں گا۔

سوپ پینے کے بعد درد ہلکا ہو گیا۔ اس سے پہلے چاول بھی کھائے تھے۔ مجھے نیند آنے لگی اور میں وہیں فرش پر لیٹ گیا۔ بازو، جبڑے، پیٹ اور ٹخنوں سے ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ دل کی دھڑکن کے ساتھ میرا جسم درد کر رہا تھا۔ پھر بھی میں سونے کی کوشش کرنے لگا کہ سونے سے ضرور فائدہ ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ مجھے سوتا دیکھ کر مجھ پر مزید تشدد سے گریز کیا جائے۔ میں اونگھنے لگا۔ نیند کی لہر آتی مجھے تھوڑی دیر کے لئے بے سدھ کرتی مگر جسم کی ٹیس پھر سے بیدار کر دیتی۔ یونہی نیند اور بیداری اور درد کی شدت اور کمی کی تکلیف دہ لہروں پر جھولتا رہا اور وقت گزرتا چلا گیا۔ شاید رات آدھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ مجھے باہر سے دور کسی پہریدار کی ہلکی سی آواز دو تین بار سنائی دی تھی۔ ایک اذیت ناک سناٹا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ کوٹھری میں حبس تھا جس کے باعث میرے کپڑے جسم سے پھوٹتے پسینے میں بھیگ گئے تھے۔ ان سے بدبو آنے لگی تھی۔ ایسی حالت میری شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی میں نے اپنے آپ کو بڑے حوصلے سے سنبھال رکھا تھا۔ میرے اندر کی طاقت، توانائی اور عزم مردہ نہیں ہوا تھا۔ یہ خیال، یہ جذبہ مجھے انتہائی قوت بخش رہا تھا کہ میں یہ اذیتیں اپنے

وطن پاک کے لئے جھیل رہا ہوں ۔ ان جسمانی تکلیفوں میں میرے وطن کی عزت اور آبرو کا سوال مضمر ہے ۔ مجھے موت گوارا تھی مگر میں اپنے پیارے وطن ' پاکستان کی حرمت پر دھبہ لگاؤں ' یہ مجھے ہرگز قبول نہ تھا۔ اس کے علاوہ میں ان جانباز فلسطینی مسلمان مجاہدوں سے بھی بے وفائی نہیں کرنا چاہتا تھا جو اپنی آزادی کے عظیم مقصد کے لئے جانیں قربان کر رہے تھے ۔

میں نے ایک طرح سے اپنی موت کو قبول کر لیا تھا۔ نہ جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی ۔ جب آنکھ کھلی تو جسم اسی طرح درد کر رہا تھا ۔ جبڑے کو ہاتھ لگایا تو وہ ایک طرف سے سوجا ہوا تھا ۔ چھلے ہوئے ٹخنوں پر خون کی پیڑیاں جم گئی تھیں ۔ ایک بازو ہلاتے وقت ٹیس اٹھتی تھی ۔ پیٹ میں اب درد نہیں ہو رہا تھا ۔ کوٹھری کے حبس کا اب میں خود ایک حصہ بن گیا تھا ۔ لوہے کے دروازے میں اوپر کی جانب ایک گول سوراخ تھا ۔ تازہ ہوا اگر آتی تھی تو صرف اسی سوراخ میں سے آتی تھی ۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ رات ہے یا دن ۔ بھوک لگی تو محسوس ہوا کہ ضرور باہر دن نکل آیا ہو گا ۔ دروازے کا تالا کھلنے کی آواز آئی ۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر اس طرح بیٹھا تھا کہ میری دونوں ٹانگیں فرش پر بالکل سیدھی تھیں ۔ ان میں پڑی ہوئی بیڑیاں ساکت تھیں ۔ میں انہیں ہلاتے ہوئے ڈرتا تھا ۔ کیونکہ ان کے فولادی کڑے ٹخنوں کے زخموں سے لگ کر شدید درد کرتے تھے ۔ دروازہ آواز کے ساتھ کھل گیا ۔ ایک سنتری نے آگے آ کر میرے قریب ٹین کا ڈبہ رکھا ۔ خالی ڈبہ اٹھایا ۔ ڈبہ نیم گرم تھا ۔ اس میں چاول تھے جو سوپ میں بھیگے ہوئے تھے ۔ میں نے آہستہ سے ٹانگیں سمیٹ لیں ۔ ڈبے کو گھٹنوں میں دبایا اور ہتھکڑی لگے دونوں ہاتھوں سے چاول کھانے کی کوشش کرنے لگا ۔ بازو میں درد کی وجہ سے نوالہ بڑی مشکل سے میرے منہ تک جاتا تھا لیکن بھوک اور زندہ رہنے کے خیال سے میں نے سارے چاول کھا لئے ۔ اپنے اندر کچھ توانائی محسوس ہوئی ۔ خالی ڈبہ میرے گھٹنوں سے نکل کر فرش پر لڑھک گیا ۔ میں نے آہستہ آہستہ ٹانگیں سیدھی کر لیں ۔ تھوڑی دیر بعد وہی توند والا یہودی افسر اپنے ماتحت سپاہیوں کے ہمراہ پھر اندر آ گیا ۔ اس نے آتے ہی مجھے سگار پیش کیا ۔ ایک مدت کے بعد سگار ملا تو میں نے اسے قبول کر لیا ۔ وہ بڑی ہمدردی سے میرے قریب اسٹول پر بیٹھتے ہوئے بولا ۔ " مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے ۔ اس لئے کہ تم ایک بہادر نوجوان ہو ۔ میں مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کا دشمن نہیں ہوں ۔ ہماری دشمنی تو فلسطینی عربوں کے ساتھ ہے ۔ پھر تم کیوں ناحق اپنی جان گنواتے ہو ۔ میرا دل ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہیں اذیت دوں ۔ اسی لئے میں ایک بار پھر تمہارے پاس یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں ابھی یہاں سے ہیلتھ یونٹ منتقل کروا رہا ہوں ۔ جہاں تمہارے زخموں کا بڑی احتیاط سے علاج کیا جائے گا "۔

میں نے پہلی بار زبان کھولی اور جس زبان میں وہ مجھ سے بات کر رہا تھا اسی زبان یعنی عربی میں کہا ۔

" لیکن مجھے تمہاری شرط منظور نہیں ۔ اس لئے کہ جو تم مجھ سے پوچھ رہے ہو اس کے بارے میں

مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے ۔ میں پاکستانی نہیں ہوں ۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں ۔ عبدالحکیم میرا نام ہے ۔ میں سیاحت کے لئے صحرائے سینا میں نکلا تھا کہ تمہارے سپاہیوں نے مجھے گرفتار کر لیا ۔ جیل سے فرار ہوا تو دو فلسطینی مجھے اپنے ساتھ لے گئے ۔ میں ان کے نام بالکل نہیں جانتا اور جن دونوں کو تم میزائل اسٹیشن میں ہلاک کر چکے ہو ۔ ان کے علاوہ میں کسی فلسطینی سے واقف نہیں ہوں "۔

یہودی افسر نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے ۔ وہ اسٹول پر سے ایکدم اٹھا اور گرج کر بولا ۔ " یہ اس طرح نہیں بکے گا ۔ اپنا کام شروع کر دو "۔

اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا ۔ اپنے پیچھے جو وہ دو جلاد چھوڑ گیا تھا ' ان میں سے ایک نے میرے ہتھکڑی لگے بازوؤں میں سے میرا سر نکال کر انہیں پیچھے ڈال دیا اور میری گردن میں کپڑا ڈال کر اسے آہستہ آہستہ کسنے لگا ۔ دوسرے نے میرے منہ میں سے جلتا ہوا سگار نوچ کر اپنے ہاتھ میں تھام لیا ۔ میری ٹانگوں کو سیدھا کر کے میرے گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور میرے پیٹ پر سے قمیص کی دھجیاں پرے ہٹا کر ناف کو جلتے ہوئے سگار سے داغنا شروع کر دیا ۔ میری چیخیں نکل گئیں ۔ دوسری چیخ میرے حلق میں ہی دب کر رہ گئی ۔ جلتا ہوا سگار میری ناف پر لگتا تو میرے جسم میں جیسے آگ سی لگ جاتی ۔ میں تڑپتا تو میری گردن کا پھندہ زیادہ سخت ہو جاتا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں اور ناف کے نچلے حصے میں جیسے کسی نے دہکتی ہوئی سلاخ گاڑ دی ۔ مجھے ذبح کیئے جانے والے بکرے کی طرح فرش پر لٹا دیا گیا ۔ ایک جلاد نے میری گردن گھٹنوں کے نیچے دبائی ۔ دوسرے نے میرے گھٹنوں پر زور زور سے گھونسے مارنے شروع کر دیئے ۔ جب اس کے ہاتھ تھک گئے تو اس نے میری ٹانگوں پر کودنا شروع کر دیا ۔ میری چیخیں نکل رہی تھیں مگر آواز حلق میں گھٹی جا رہی تھی ۔ مجھے آج بھی یاد آتا ہے کہ میرا منہ اس مچھلی کی طرح کھل گیا تھا جو پانی سے باہر پھینک دی گئی ہو اور جبڑے کھولے آخری سانس لے رہی ہو ۔ کچھ دیر ' میں نے اس بھیانک پٹائی کا مقابلہ کیا لیکن گردن کے گھونٹے جانے سے مجھ میں طاقت نہیں رہی تھی ۔ میں بے ہوش ہو گیا ۔

دو دن تک میری کوٹھری میں سوائے سوپ دینے والے کے اور کوئی نہ آیا ۔ دو دن تک میں فرش پر پڑا درد سے کراہتا رہا ۔ بیچ میں کسی وقت جانوروں کی طرح رینگ کر ٹین کے ڈبے کے پاس جاتا اور اس میں منہ ڈال کر تھوڑے سے سوپ ملے چاول کھاتا اور پھر نڈھال ہو کر وہیں سر ڈال دیتا ۔ یونہی تیسرا دن بھی گزر گیا ۔ میرے کپڑے میرے جسم سے چپک گئے تھے ۔ میری داڑھی کے بال کانٹوں کی طرح چبھنے لگے تھے ۔ چوتھے روز میری داڑھی کے بالوں کو ماچس جلا کر آگ لگا دی گئی ۔ ایک شعلہ سا لپکا اور میں تڑپ کر اوندھا ہو گیا اور اپنا منہ فرش پر رگڑنے لگا ۔ میرے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی تھی ۔ اس چیخ کو میں آج بھی یاد کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ایک بات میں آج بھی کہوں گا کہ اگر دل میں کوئی مقصد ہو ' کوئی لگن ہو ' کوئی اعلیٰ و ارفع نصب العین ہو تو یہ تکلیفیں سہتے

ہوئے بھی سینے کے اندر روح توانا رہتی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے آپ کو مرگ آلود حالات کے سپرد کر دیا تھا لیکن میری روح نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ وہ زندہ اور توانا تھی اور شاید اسی نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں آج اپنی الم انگیز اور رونگٹے کھڑی کر دینے والی داستان سنانے کے لئے زندہ ہوں لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ سنسنی خیز اور انسانیت سوز مصائب کا دور ابھی شروع ہونے والا ہے۔

صیہونیت کے وحشیوں نے مجھ سے راز اگلوانے' اپنے مقصد کی معلومات حاصل کرنے اور مجھے اپنے وطن پاک کے خلاف غداری کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے وہ سب ناپاک اور ارزل ترین ہتھکنڈے استعمال کیئے جو ان کے اختیار میں تھے۔ جب وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہے تو انہوں نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جس کو تاریخ کبھی رقم نہیں کر سکے گی اور جس کا ذکر سن کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اسرائیلیوں کے اس انسانیت سوز پہلو سے میں اس وقت تک بالکل ناواقف تھا۔

اسرائیلی فوجی ہیڈ کوارٹر کے اس تاریک تہ خانے میں مجھے بارہ روز تک ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ کوئی ایسی جسمانی اذیت نہیں تھی جو مجھے نہ دی گئی ہو۔ میں ایک اکڑا ہوا تختہ بن گیا تھا۔ جس پر وہ لوگ ظلم و تعدی کے تیر برسا رہے تھے۔ یہ بارہ روز شدید تشدد کے جہنم میں گزرے تھے۔ کیا کیا ستم مجھ پر نہیں توڑے گئے تھے۔

تیرھویں روز میری ہتھکڑی کھول دی گئی۔ یہ انہوں نے مجھ پر بے حد احسان کیا تھا۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ اگر مجھے بالکل آزاد کر کے اردن کی سرحد کے قریب بھی لے جا کر ڈال دیتے تو میں اٹھ کر آزادی کو گلے لگانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میرا درد سے دھنکا ہوا جسم تھوڑی تھوڑی دیر بعد کانپنے لگ جاتا تھا۔ میں حشرات الارض قسم کی کوئی شے بن گیا تھا۔ فرش پر رینگنے کی کوشش کرتا تو پچھاڑ کھا کر ایک طرف کو لڑھک جاتا۔

پندرھویں دن خدا جانے رات تھی کہ دن تھا' کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ اب مجھ میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھ پر کوئی نیا ستم توڑا جائے گا۔ کوئی جلاد اذیت اور تشدد کا کوئی نیا آلہ لے کر آیا ہو گا۔ دروازہ جب بھی کھلتا میں اپنے جسم کو یوں اکڑا لیتا جیسے مجھ پر لاٹھیوں اور ڈنڈوں کی بارش ہونے والی ہو۔ اس بار دروازہ مجھے اس جہنم سے نکال کر دوسرے جہنم میں لے جانے کے لئے کھلا تھا۔ دو آدمیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور فرش پر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

راہداری میں ایک اسٹریچر پڑا تھا۔ مجھے اٹھا کر اسٹریچر پر پٹخ دیا گیا اور ایک بار پھر میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ اسٹریچر ایک طرف چل پڑا۔ اس کے پہیوں سے بھی ہلکی ہلکی چیخوں کی آواز نکل رہی تھی۔ مجھے ان پر اپنی چیخوں کا گمان ہونے لگا۔ سیاہ پٹی کے نیچے میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میرا ذہن سنسنا رہا تھا۔ سارے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ ٹھوڑی سے لے کر کانوں تک چہرہ داڑھی میں شعلے اٹھنے کی وجہ سے جل رہا تھا۔ ناف میں مسلسل جلن ہو رہی تھی۔ یہ جلن اسی روز

سے جاری تھی جس روز ایک اسرائیلی جلاد نے اسے جلتے ہوئے سگار سے داغا تھا۔ اسٹریچر راہداری میں ایک طرف گھوم گیا۔ میرے جوتے غائب تھے۔ خدا جانے کب اور کہاں پاؤں سے نکل گئے تھے۔ ہونٹوں پر درد کی شد سے پپڑیاں پڑی تھیں۔ گردن کی رگیں ابھی تک درد سے تڑخ رہی تھیں۔ بس سانس چل رہا تھا۔ کسی وقت لگتا تھا کہ میں مر چکا ہوں اور میرا مردہ جسم قبرستان کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ ابھی اسے زمین کے کسی کھدے ہوئے گڑھے میں لڑھکا دیا جائے گا پھر بیلچے سے مٹی ڈال کر گڑھا پر کر دیا جائے گا اور میری روح قبر کے اوپر منڈلانے لگے گی۔

مجھے اپنی آنکھوں کے آگے سدھا رنگنی کی شبیہ دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں سانپ تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ کھرکھراتی' غضب ناک آواز میں کہہ رہی تھی۔ "رگھو! میرے پتی دیو! میں تیرے دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی"۔ پھر اس کے حلق سے سانپ کی پھنکار جیسی آواز نکلی اور میرا اسٹریچر زور زور سے ہلنے لگا۔

پٹی کے اندر میری آنکھیں کھل گئیں۔ میری پلکیں پٹی کے کسے ہوئے کپڑے سے ٹکرا کر ٹیڑھی ہوئی جا رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی موٹر گاڑی میں لیٹا ہوں اور گاڑی کے انجن کی آواز آ رہی ہے اور گاڑی کسی ناہموار سڑک پر ہچکولے کھاتی دوڑی جا رہی ہے۔ میرے بازو میرے پہلوؤں کے ساتھ لگے تھے۔ ایک پاؤں کو ہلایا تو بیڑی کی زنجیر جھنجنا اٹھی۔ میرا سر ہچکولوں کی وجہ سے دائیں بائیں ہل رہا تھا۔ مجھے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمیوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔ گاڑی کے اندر سگریٹ کے تمباکو کی بو بھی آ رہی تھی پھر کسی نے دوسرے سے کہا۔ "یہ مر جاتا تو اچھا تھا"۔

دوسرے نے جواب دیا۔ "وہاں جا کر مر جائے گا"۔

تیسری آواز آئی۔ "وہاں نہ زندہ رہے گا نہ مردہ"۔

یہ آوازیں جیسے خواب کی دنیا سے آ رہی تھیں۔ بڑی دور سے آ رہی تھیں۔ اب میرے حلق سے بھی ایک آواز بلند ہوئی۔ مجھے لگا کہ یہ میں نہیں بلکہ کوئی مردہ بولا ہے۔ میں نے پانی مانگا تھا۔

مجھے ٹین کھلنے کی آواز آئی پھر میرے سوکھے خشک ہونٹوں پر ٹھنڈی آبشار سی گرنے لگی اور میرے ہونٹ میرے ارادے کے بغیر اپنے آپ کسی جانور کے ہونٹوں کی طرح اوپر نیچے چلنے لگے۔ میرے حلق میں ٹھنڈا مشروب زندگی کی لہر بن کر اترنے لگا۔ پھر یہ آبشار رک گئی اور میرے جسم کی ایسی حالت بن گئی جیسے کسی نے جلتی ہوئی لکڑی پر پانی ڈال دیا ہو۔ میری پھولی ہوئی زبان ابھی تک میرے پپڑی زدہ ہونٹوں پر پھر رہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے ارادے کے بغیر ہو رہا تھا۔ ہر عضو اپنی زندگی کے لئے خود دفاع کر رہا تھا۔ خود ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ یہ کوئی ویگن تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اس کے انجن کی آواز سے ہوا۔ ٹھنڈے مشروب کے چند گھونٹوں نے میرے جسم کو بہت تسکین پہنچا دی تھی۔ جسم کو جیسے ہوش آ گیا تھا لیکن ہوش آتے ہی جسم کی ساری ٹیسیں سارے درد پھر سے بیدار

ہو گئے تھے۔ میں نے آنکھیں بھینچ لیں اور خود کو بے ہوش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
ویگن ایسی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی جہاں سے دوسری موٹر کاروں اور اسکوٹروں کے چلنے کی آوازیں آتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ آوازیں دور ہوتی گئیں۔ ایک بار سناٹا سا چھا گیا پھر اچانک سمندری بگلوں کی آواز سنائی دی۔ مجھے کسی بندرگاہ پر لایا جا رہا تھا۔ کیا مجھے دور کھلے سمندر میں لے جا کر پھینک دیا جائے گا؟

مجھے اس وقت سمندر میں گرنے اور ٹھنڈی موجوں سے ٹکرا کر سمندر میں نیچے ہی نیچے اترنے کے خیال سے سکون سا محسوس ہونے لگا۔ اسی میں راحت اور نجات تھی۔ ایک، دو سانس اوپر کو کھینچوں گا اور پھر پانی پھیپھڑوں میں بھر جائے گا اور بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب دکھوں، ساری تکلیفوں سے چھٹکارہ نصیب ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ میرا ذہن اپنے آپ سوچ رہا تھا میری مرضی کے خلاف سوچ رہا تھا۔ جیسے میرے اندر کوئی دوسرا آدمی تھا جو زخموں سے چور پڑا کراہ رہا تھا اور سمندری موجوں کو گلے لگانے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ مجھے اسٹیمر کے بھونپو کی آواز سنائی دی پھر سمندری بگلے کی آواز ابھر کر غائب ہو گئی۔ کسی کرین کی موٹر چل رہی تھی۔ ویگن کی رفتار بہت دھیمی ہو گئی تھی۔ وہ کبھی دائیں مڑ جاتی اور کبھی بائیں گھوم جاتی۔ کسی طرف سے ایسی آواز آنے لگی جیسے لوہا کوٹا جا رہا ہو۔ ویگن دھیمی رفتار سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ یہ سب آوازیں ایک ایک کر کے گم ہوتی چلی گئیں۔ فضا میں پھر ایک گھمبیر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں صرف ویگن کے انجن کی دھیمی دھیمی آواز ہی مخل ہو رہی تھی۔

ویگن لکڑی کے تختوں پر سے گزرنے لگی۔ لگتا تھا کہ یہ کوئی پلیٹ فارم سا ہے۔ تختوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر ویگن رک گئی۔ کچھ آدمیوں کے ویگن سے باہر نکلنے کی آواز آئی۔ میرے قریب والے فوجی بھی باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے اس شبہے کو تقویت ملی کہ یہ ویگن ہے۔ دو آدمیوں نے مجھے اٹھایا اور باہر لا کر لکڑی کے فرش پر ڈال دیا۔ میں نے انگلی سے فرش کو چھوا۔ یہ لکڑی کے تختے تھے جو کافی کھردرے ہو چکے تھے۔ میری ناک میں سمندر کے پانی اور مچھلیوں کی بو گھسنے لگی۔ یقیناً میں ساحلِ سمندر پر تھا۔ ایک اسٹیمر کی کھٹ کھٹ کرتی آواز دور سے قریب آ رہی تھی۔ یہ آواز بالکل میرے قریب آ کر رک گئی اس کا مطلب تھا کہ میں سمندر کے کنارے کسی جیٹی کے فرش پر پڑا تھا۔ اسٹیمر کا انجن چل رہا تھا۔ کسی نے تیز آواز میں کہا۔ "اسے اٹھا کر کھڑا کیوں نہیں کرتے تم۔ یہ کتا ہے"۔

یکدم سے دو آدمیوں نے مجھے بغل سے اٹھا کر کھڑا کر دیا لیکن میری ٹانگوں میں اتنی جان نہیں تھی۔ میں دو سیکنڈ تک کھڑا رہا۔ پھر کانپا، ٹانگیں لڑکھڑائیں اور میں دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔
کسی نے کہا۔ "کیپٹن یہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔

وہی کرخت آواز بلند ہوئی۔ "تو اس کتے کو اسٹیمر پر پھینک دو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے"۔

"او کے سر!"

میں لرز اٹھا۔ اگر انہوں نے مجھے سچ مچ اٹھا کر نیچے اسٹیمر کے ڈیک پر پھینک دیا تو میری ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور نحیف آواز میں بولا کہ میں خود ہی چلوں گا۔ دو فوجی قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ "کیپٹن! یہ مرنے والا ہے"۔

کیپٹن نے نفرت سے تھوک کر کہا۔ "تو اسے سمندر میں کیوں نہیں پھینک دیتے؟"

ایک فوجی کی آواز بلند ہوئی۔ "کمانڈر! ہائی کمان کا حکم ہے کہ اسے ڈسپوز کیا جائے"۔

کیپٹن نے مجھے موٹی سی گالی دے ڈالی۔ مجھے گھسیٹ کر آگے لے جایا گیا۔ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ جیٹی کا چوبی فرش کہاں ختم ہوتا ہے اور اسٹیمر کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ گھسٹنے کی وجہ سے فولادی بیڑیاں میرے ٹخنوں کے زخموں کو پھر سے چھیل رہی تھیں۔ زنجیر بج رہی تھی۔ میں نے ٹانگیں سکیڑنے کی کوشش کی۔ گھٹنوں سے درد کی ٹیس اٹھی۔ میں نے دانتوں تلے ہونٹ داب لئے۔ نیچے سے چاروں ہاتھوں نے میرے شانوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اوپر والے ہاتھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں دھڑام سے ایک دوسرے تختے پر گر پڑا اور میرا جسم ڈولنے لگا۔ میں اسٹیمر کے ڈیک پر آگیا تھا۔ کیپٹن کی گالیاں پھر سنائی دینے لگیں۔ اسٹیمر کا انجن زور سے گڑگڑایا اور سمندر میں گھوم کر تیزی سے ایک طرف چل پڑا۔ اس کھینچا تانی کا ایک فائدہ ہوا کہ میری آنکھوں پر بندھی ہوئی کالے کپڑے کی پٹی ایک آنکھ پر سے ذرا سی اوپر کو کھسک گئی۔ میں اسٹیمر کے ڈیک پر سیدھا پڑا تھا۔ میں پٹی کے نیچے سے تھوڑا تھوڑا سا دیکھ سکتا تھا۔ میں نے پورا زور لگا کر آنکھ کے پپوٹوں کو اونچا کیا اور مجھے دن کی روشنی میں اسٹیمر کا جنگلا نظر آیا جس کے پیچھے نیلا آسمان تھا۔ اسٹیمر سمندری لہروں پر ذرا نیچے کو ہوا تو مجھے سمندر دکھائی دیا۔ جو حد نظر پھیلتا چلا گیا تھا۔ اسٹیمر پھر اوپر آگیا۔ گویا اس اسٹیمر کے ذریعے بقول یہودی فوجی کے مجھے ڈسپوز کیا جا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ مجھے سمندر میں پھینک دیا جائے گا مگر مجھے خیال آیا کہ کھلے سمندر میں لے جا کر پھینکنے کی کیا تک ہو سکتی ہے اگر پھینکنا ہی ہے تو اسی جگہ سمندر میں پھینک دیں اور پھر سمندر پر ہی کیا موقوف تھا۔ یہ لوگ تہ خانے میں بھی مجھے بڑی آسانی سے ہلاک کر کے کسی گڑھے میں دبا سکتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے مارنا ان کے پروگرام میں شامل نہیں ہے۔ تو پھر یہ مجھے کہاں ڈسپوز کر رہے ہیں؟ ہو سکتا ہے مجھے کسی عرب ملک کے حوالے کر کے میرے عوض کوئی اسرائیلی جاسوس حاصل کیا جا رہا ہو جو اس عرب ملک میں قید ہو۔ سب کچھ ہو سکتا تھا لیکن جو ہونے والا تھا اس کا مجھے وہم و گمان تک نہیں تھا۔

دو سفید جرابوں والی ٹانگیں میرے سامنے سے گزر گئیں۔ یہ اسٹیمر کا کوئی ملاح یا کیپٹن ہو سکتا

تھا۔ اسٹیمر کی رفتار کافی تیز تھی اور وہ سمندری موجوں کو چیرتا ہوا دائیں بائیں اور اوپر نیچے ہوتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے نیچے سے ایک آنکھ کا بوجھل پپوٹا اٹھائے بڑی مشکل سے دیکھ رہا تھا۔ میری آنکھ نقاہت کے باعث یہ بوجھ برداشت نہیں کر رہی تھی۔

میں نے آنکھ بند کر لی۔ اسٹیمر کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسی رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ بیچ میں کسی وقت کیپٹن کی تلخ آواز لہرا جاتی۔ کچھ وقت مزید گزر گیا۔ ہم ساحل سمندر سے کافی دور نکل آئے تھے۔

دو بھاری قدموں کی چاپ میرے پاس آ کر رک گئی۔ میں نے آہستہ سے پپوٹا اٹھا کر دیکھا۔ دو خاکی وردی والی ٹانگیں میری بائیں جانب موجود تھیں۔ پھر میرے دونوں بازو بے رحمی سے اوپر کھینچ کر آپس میں جوڑ دیئے گئے اور ان میں ایک بار پھر وہی منحوس ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ میں نے آنکھ بند کر لی۔ اسٹیمر کی رفتار مدھم ہو رہی تھی۔ میری موت کا وقت آ گیا تھا۔ شاید یہ لوگ مجھے ہتھکڑی لگا کر سمندر میں پھینکنے والے تھے کہ میں اس بے بسی کے عالم میں بھی کہیں تیر کر سمندر سے باہر نہ نکل آؤں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ہتھکڑی لگا کر مجھے اسی جگہ پر پڑے رہنے دیا گیا۔ اسٹیمر کی رفتار بہت ہی دھیمی ہو گئی۔ پھر اس نے دو بار اپنے بھونپو سے سیٹی بجائی۔ یہ کسی دوسرے جہاز کو جیسے سگنل دیا جا رہا تھا کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔

میں نے آنکھ ذرا سی کھول کر دیکھا۔ مجھے سمندر کی بیکراں وسعت کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ یہ سگنل پھر کسی کو دیا گیا تھا۔ اسٹیمر نصف دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ میں نے دوبارہ آنکھ کھول کر دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سمندر کے وسط میں ایک اسرائیلی آبدوز کھڑی تھی۔ اس کے ٹاور کا رنگ سیاہ تھا اور سطح سمندر سے باہر نکلے ہوئے عرشے کے جنگلے میں کچھ وردی پوش ملاح موجود تھے۔ آبدوز کی جانب سے سیٹی کی باریک آواز آئی۔ اسٹیمر کا انجن بند کر دیا گیا۔ سمندری موجوں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دینے لگا۔ اسٹیمر آہستہ آہستہ آبدوز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب آبدوز کے ٹاور پر بنا ہوا اسرائیل کا چھ کونوں والے ستارے کا نشان مجھے صاف دکھائی دینے لگا تھا۔

آبدوز کے جنگلے پر سے دو لائف بوائے قسم کے گول ٹائر نما چکر نیچے لٹکا دیئے گئے۔ اسٹیمر ان کے ساتھ ذرا سا ٹکرا کر وہیں رک گیا اور ڈولنے لگا۔ اب اوپر سے رسی کی ٹوکری سی پھینکی گئی۔ تین آدمیوں نے مجھے اٹھا کر اس ٹوکری میں ڈال دیا۔ مجھے اسرائیلی آبدوز میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ میں اس ٹوکری میں سمٹ کر پڑا تھا۔ میری بیڑیاں مجھے سخت تکلیف دے رہی تھیں۔ ٹوکری کو اوپر کھینچا جانے لگا۔ مجھے اسٹیمر کے وسل کی آواز سنائی دی۔ اس کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ کھڑ کھڑ کرتا پیچھے ہٹنے لگا۔ میں ٹوکری میں بیٹھا آبدوز کے عرشے پر آ گیا تھا۔ یہاں کچھ ملاحوں نے پہلے سے کپڑے کا ایک اسٹریچر تیار کر رکھا تھا۔ مجھے ایک بے جان شے کی طرح انہوں نے ٹوکری میں سے نکال کر اسٹریچر پر پھینکا اور آبدوز کے

ٹاور کے قریب بنے ہوئے گول سوراخ میں سے جس کا ڈھکنا اوپر کو اٹھا ہوا تھا رسے کی مدد سے نیچے لٹکا دیا۔ میں لوہے کے زینے سے ٹکراتا نیچے آبدوز کے فرش سے جا لگا۔ یہاں کھڑے دو ملاحوں نے مجھے دبوچ لیا۔ ایک نے جھک کر میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی اور ہتھکڑی کو چیک کیا پھر اونچی آواز میں کہا۔ "او کے سر!"

میں نے آنکھ بند کرلی تھی۔ دو ملاح مجھے اسٹریچر پر ڈولی ڈنڈا کرتے آبدوز کی دیو ہیکل مشینوں کے درمیان سے گزرتی تنگ راہداریوں میں سے گزرتے ایک دوسرے زینے پر سے ہو کر نیچے آ گئے۔ یہ شاید آبدوز کی تیسری نچلی منزل تھی۔ میں تھوڑی سی آنکھ کھولے برابر دیکھ رہا تھا۔ سامنے لوہے کا ایک بہت بھاری بیضوی دروازہ آ گیا جس کو مختلف آلات سے ہوا بند کیا گیا تھا۔ وہاں ایک ملاح پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اشارہ پا کر چرخی گھما کر دروازے کے آلات کو الگ کیا اور بیضوی دروازہ کھل گیا۔ ہم اس کے اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ایک تنگ راستہ تھا جس کی دیواروں اور چھت کے ساتھ بڑے بڑے پائپوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ دس پندرہ قدم چلنے کے بعد بائیں طرف ایک اور دروازہ کھولا گیا اور مجھے اس کے اندر کوڑے کرکٹ کی طرح انڈیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔

میں پہلو کے بل فرش پر گرا ہوا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی میں نے اپنے ہتھکڑی والے ہاتھ سے اپنی آنکھ کی وہ پٹی جو پہلے ہی ذرا سی کھسکی ہوئی تھی، مزید کھسکا لی۔ اب میں ہر شے واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ میرا جسم درد سے چور چور تھا اور آنکھ بوجھل ہو رہی تھی تاہم میں نے بھرپور نظر سے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کو کمرہ کہنا کمرے کی توہین تھا۔ یہ ایک نسبتاً بڑی لوہے کی الماری سی تھی جس کی دیواروں سے اسٹیل اور المونیم کے پائپ چپٹے ہوئے تھے۔ چھت کافی نیچی تھی جس میں شاید ائر کنڈیشنگ کا جالی دار چوکھٹا لگا ہوا تھا۔ یہاں گرمی اور حبس بالکل نہیں تھا۔ میں فرش پر سیدھا لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میری آنکھیں تھک گئی تھیں۔ میں سوچنے لگا۔ یہ لوگ مجھے آبدوز میں ڈال کر کہاں لے جا رہے ہیں؟

یہ ایک بہت بڑا معمہ تھا۔ جو مجھ سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ ایک بات ظاہر تھی کہ یہ لوگ اگر مجھے ہلاک کرنا چاہتے تو اب تک ہلاک کر چکے ہوتے۔ ان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ویگن والے اسرائیلی فوجی نے اپنے ساتھی سے میرے بارے میں "ڈسپوز" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ ڈسپوز کا مطلب ہو سکتا ہے؟ ایک تو یہ کہ اسے مار ڈالا جائے۔ اگر یہ کرنا چاہتے تو بہت پہلے کر چکے ہوتے دوسرا مطلب یہ تھا کہ مجھے کسی ایسی خفیہ جگہ پھینک کر زندہ رکھا جائے کہ جہاں میری برین واشنگ کی جائے اور اپنے مطلب کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ قیاس یہی غالب تھا کہ مجھے کسی ایسی لیبارٹری میں لے جایا جا رہا تھا جو تل ابیب کی انٹیلی جینس نے سمندر میں کسی نامعلوم مقام پر

قائم کر رکھی ہے ۔ اور جہاں میرے جیسے ضدی اور قابو میں نہ آنے والے جاسوسوں کی برین واشنگ کی جاتی ہے ۔

میں نے اپنے آپ کو اس برین واشنگ کی شدید مزاحمت کے لئے تیار کر لیا لیکن میں جانتا تھا کہ آج کل برین واشنگ کے ایسے جدید ترین آلات ایجاد ہو گئے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط قوت ارادی رکھنے والے انسان کی طاقت بھی جواب دے جاتی ہے ۔ اس کے باوجود میں نے دل میں عہد کر لیا کہ اگر میری برین واشنگ کی بھی گئی تب بھی میں انہیں پاکستان اور اپنے فلسطینی بھائیوں کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتاؤں گا ۔ کیوں کہ یہ میرا آج بھی ایمان ہے کہ جس مسلمان کا خدا پر ایمان ہے اور جس کا عقیدہ چٹان کی طرح مضبوط ہے دنیا کی کوئی طاقت جدید سے جدید ترین مشین بھی اس کی برین واشنگ کر کے اسے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتی ۔ کیونکہ انسان کا دماغ خدا کی حکمت کا مقام ہے اور جو انسان خداوند کریم کی قدرت و جلالت پر پختہ ایمان رکھتا ہو اس کے دماغ پر دشمن کے آلات کی لہریں بے اثر ہو جاتی ہیں ۔

اس قسم کے خیالات نے میرے اندر ایک نیا عزم پیدا کر کے میری خوابیدہ ہمتوں اور صلاحیتوں کو بیدار کر دیا ۔ میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ ہادیٔ برحق کو یاد کرنا شروع کر دیا ۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم کا درد ختم ہو گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے مبارک نام کے ورد سے گویا میں پھر سے زندہ ہو گیا ہوں ۔

فرش میں لرزش پیدا ہوئی ۔ آبدوز کے انجن اسٹارٹ ہو گئے تھے ۔ یہ جگہ کچھ اس طرح سے ہوا بند تھی کہ سوائے انجن کی دھیمی دھیمی سنسناہٹ کے باہر کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی یا میرے سیل کے آگے سے کبھی کبھی کوئی میرین تیز تیز قدموں سے گزر جاتا تھا ۔ اچانک مجھے کھٹاک کی آواز سنائی دی ۔ بیضوی دروازہ پیچھے ہٹ گیا ۔ دو میرین ملاح اندر داخل ہوئے ۔ ایک خالی ہاتھ تھا ۔ دوسرے نے اپنے ہاتھ میں لمبی نالی والا پستول تھام رکھا تھا ۔ یہ میں نے پٹی کے نیچے سے دیکھ لیا ۔ سمجھ گیا کہ آخری وقت آن پہنچا ہے ۔ یہ لوگ میرا کام تمام کرنے آئے ہیں لیکن یہ کام تو وہ آبدوز کے اوپر بھی کر سکتے تھے ۔ اس طرح تو انہیں میری لاش سمندر میں پھینکنے کی بھی آسانی میسر تھی ۔ جس میرین کے ہاتھ میں پستول تھا وہ دروازے کے پاس ہی کھڑا ہو گیا ۔ دوسرا دو قدم اٹھا کر مشینی آدمی کی طرح میرے قریب آیا اور میری آنکھوں کی پٹی اور ہتھکڑی کھول دی ۔ فوراً پیچھے ہٹا اور دونوں سیل سے باہر نکل گئے ۔ کھٹاک سے دروازہ دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر ہوا بند ہو گیا ۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ کر انہیں آہستہ آہستہ ملنے لگا ۔ میری آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی ۔ ملنے سے کسی قدر آرام پہنچا ۔ چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرا ۔ میری داڑھی جل گئی تھی ۔ بال مروڑیاں بن کر جلد کے ساتھ چپک کر سخت ہو گئے تھے ۔ جلد میں ابھی تک جلن ہو رہی تھی ۔

جبڑے کی سوجن کسی قدر کم ہو گئی تھی۔ میں نے پیٹ پر سے قمیص کی دھجی ہٹا کر اپنی ناف کو دیکھا وہ جل کر سیاہ ہو گئی تھی اور اس سیاہ دھبے کے بیچ میں سے چربی دکھائی دینے لگی تھی۔ پھر میں نے اپنے ٹخنوں کا معائنہ کیا۔ ٹخنے کے زخموں پر سے خون رس رس کر میری پتلون کے میل سے چکٹ پائنچوں میں جذب ہو رہا تھا۔ میں اپنی پنڈلیوں کو ہاتھوں سے دبانے لگا۔ مجھے سکون مل رہا تھا۔ جس بازو پر اسرائیلی جلاد نے ڈنڈا مارا تھا وہ ہاتھ لگانے سے اب بھی دکھتا تھا۔ میں فرش پر پیچھے کو کھسک کر لوہے کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ میرے ناخن کافی بڑھ آئے تھے۔ ان میں میل جم رہی تھی۔

گھرر گھرر کی دھیمی آواز آئی۔ میں نے چھت کی طرف دیکھا۔ چھت کے عین وسط میں ایک جگہ سے چھت کا لوہے کا ٹکڑا پیچھے ہٹ گیا تھا اور وہاں ایک چوکور سوراخ بن گیا تھا۔

یا اللہ خیر! کہیں اس سوراخ میں سے سائی نائیڈ گیس کی بارش تو نہیں ہونے والی؟ میرا چہرہ اس سوراخ کو تک رہا تھا کہ اچانک اس میں سے پانی فوارے کی طرح اچھل کر نیچے گرنے لگا۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر پانی کے فوارے نے اس چھوٹے سے الماری نما کمرے یا سیل کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ پانی نیم گرم تھا اور اس میں سے کسی کیمیکل کی بو آ رہی تھی۔ پھوار بڑی تیزی سے مجھ پر پڑ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کیمیکل ملا پانی میرے کپڑے اور میلے جسم کو جراثیم سے پاک کرنے کے لئے تھا تاکہ آبدوز میں میری وجہ سے کوئی بیماری نہ پھوٹ پڑے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پھوار میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ دو منٹ تک کیمیکل ملے نیم گرم پانی کی تیز پھوار مجھ پر پڑتی رہی۔ میرے کپڑے اور میں خود پانی میں شرابور ہو گیا تھا۔ میرے ٹخنوں کے زخموں پر اس پانی کے لگنے سے جلن ہونے لگی تھی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اس پانی میں جراثیم کش ادویات ملائی گئی تھیں۔ دو منٹ بعد پھوار بند ہو گئی اور گھرر کی آواز کے ساتھ لوہے کا چوکھٹا دوبارہ چھت کے ساتھ چپک گیا۔

کتنے ہی گیلن پانی مجھ پر پڑ چکا تھا مگر تنگ سیل میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں رہی تھی۔ سارا پانی کسی خفیہ سوراخ سے نکل گیا تھا۔ اس کے بعد دیوار کے ایک سلاخ دار چوکھٹے میں سے نیم گرم ہوا نکلنے لگی۔ فضا کا ٹمپریچر ستر ڈگری تک پہنچ گیا۔ میرے لپٹے ہوئے گیلے کپڑے سوکھ گئے اور سارے جسم کو جیسے ٹکور سی ہو گئی۔ اس کے بعد یہ گرم ہوا بھی بند ہو گئی اور سیل کی فضا آہستہ آہستہ پھر اپنے اصلی ٹمپریچر پر آ گئی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پہلے تو میرے جسم پر ہلکی ہلکی مالش کی ہو اور پھر مجھے گرم پانی سے نہلا دیا ہو۔ مجھے اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اگرچہ جسم میں سے درد کی ہلکی ہلکی لہریں اب بھی اٹھ رہی تھیں۔ ٹخنے کے زخموں میں سے گرم پانی اور گرم ہوا کی وجہ سے خون دوبارہ رسنے لگا تھا لیکن جب فضا میں ہلکی ہلکی خنکی آ گئی تو خون رسنا رک گیا۔ مجھے بھوک کا احساس ہوا۔ پیاس میں نے پھوار کا پانی پی کر کافی حد تک بجھا لی تھی۔ بھوک اتنی نہیں تھی کہ میں برداشت نہ کر سکتا۔ سب

سے زیادہ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میری آنکھوں کی پٹی اور ہاتھوں کی ہتھکڑی کھول دی گئی تھی۔ میں دیکھ سکتا تھا اور اپنے ہاتھوں کو آزادی سے ہلا سکتا تھا۔ میں فرش پر چت لیٹ گیا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں سو گیا۔

آنکھ کھلی تو آبدوز کے انجن بند ہو چکے تھے۔ قبر جیسی گہری خاموشی چھائی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لوہے کی دیوار کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میری ٹانگیں ذرا سی لڑکھڑائیں۔ میں نے دیوار کا سہارا لیا اور قدم قدم چل کر سامنے والی دیوار کے پاس آ گیا۔ اس دیوار کے ساتھ بھی کان لگا کر دیکھا۔ دوسری طرف سے کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی، مگر آبدوز جیسے ڈول رہی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آبدوز سطح سمندر سے باہر نکل کر کسی جگہ رکی کھڑی ہے۔ باہر راہداری میں دو چار قدموں کی دھمک سنائی دی۔ میں جلدی سے دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔

کھٹاک کی آواز سے ہوا بند دروازہ کھل گیا۔ دو میرین اندر داخل ہوئے۔ یہ پہلے والے ملاح ہی تھے۔ پہلے کی طرح ایک کے ہاتھ میں لمبی نالی والا پستول تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک نائیلون کی رسی تھی۔ اس نے میرے پاس آ کر جانوروں کی طرح میرے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے رسی سے باندھے اور اس کا سرا اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے کھینچتے ہوئے عربی زبان میں بولا۔ "چلو شیطان کی اولاد"۔

اس کے عربی زبان میں بات کرنے سے احساس ہوا کہ انہیں بھی بتا دیا گیا ہے کہ میں فلسطینی جاسوس ہوں جس کا تعلق پاکستان کی انٹیلی جینس سے ہے۔

میں اٹھا اور اس کے آگے آگے اپنی بیڑیوں کو سنبھالتا قدم قدم چلتا ہوا بند دروازے سے نکل کر راہداری میں آ گیا۔ پستول والے میرین ملاح نے اپنا پستول جیب میں رکھ لیا تھا اور ہمارے آگے آگے جا رہا تھا۔ یہ آبدوز کوئی بہت بڑی آبدوز تھی جس کی چھت کے ساتھ لگے ہوئے پائپ بے شمار تھے اور راہداری کافی طویل تھی۔ مجھے چند قدم تک تو زیادہ محسوس نہ ہوا لیکن اس کے بعد ٹخنوں کے زخم درد کرنے لگے۔

آہنی زینہ بڑی مشکل سے چڑھ کر آبدوز کی درمیانی منزل میں آیا۔ یہاں سے مجھے پیری اسکوپ کے پاس لے جایا گیا۔ یہاں پہلی بار میں نے آبدوز کے کیپٹن کو دیکھا۔ بھوری چھوٹی مونچھوں اور کرنجی آنکھوں والا ادھیڑ عمر یہودی کیپٹن مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے قریب لے جا کر روک دیا گیا۔ کیپٹن نے ایک تختی پر لگے ہوئے کاغذ پر دستخط کر کے ساتھ کھڑے میرین کو دیئے اور اوپر اشارہ کیا۔ پیری اسکوپ کے پاس ہی لوہے کا زینہ اوپر ڈیک پر جاتا تھا۔ میں ایک ایک کر کے ریلنگ کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ میرے پاؤں لوہے کے زینے پر سیدھے نہیں پڑ رہے

تھے۔ نیچے سے کیپٹن کی کرخت آواز آئی۔ "کھینچ کر باہر نکالو"۔

فوراً اوپر سے دو بازو نیچے آئے اور مجھے بغلوں سے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا گیا۔ میرے گھٹنے اور پاؤں کی بیڑیاں ٹن ٹن کر کے لوہے کے زینے سے ٹکراتی رہیں۔ مجھے آبدوز کے لمبوترے ڈیک پر گرا دیا گیا۔ میرے ہاتھ چونکہ رسی سے بندھے ہوئے تھے اس لئے آسانی سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں ڈیک پر ہی پہلو کے بل لیٹا رہا آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ آبدوز سمندر کے بیچ میں کھڑی تھی۔ دور کسی جزیرے کے اونچے اونچے کالے سیاہ پہاڑ نظر آ رہے تھے یہ سوچ کر میرا دل ڈوب سا گیا کہ مجھے اس ویران جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جزیرے میں تنہا چھوڑا جا رہا ہے لیکن اس خیال سے کسی حد تک تسلی بھی ہوئی کہ ان لوگوں کی اذیت اور تشدد سے تو جان چھوٹ جائے گی۔ مجھے ایک بار پھر آبدوز کے ڈیک پر سے ٹوکری میں ڈال کر نیچے لٹکا دیا گیا۔ اس بار نیچے اسٹیمر کی بجائے ایک لمبوتری کشتی سمندر کی لہروں پر ڈول رہی تھی۔ اس کشتی کے دونوں کناروں پر خاکستری رنگ کی کی وردی والے دو سنتری رائفلیں ہاتھوں میں اٹھائے کھڑے تھے۔ کشتی کے وسط میں ویسی ہی وردیوں والے تین سپاہی موجود تھے۔ ان کی رائفلیں ان کے کاندھوں پر لٹک رہی تھیں۔ ان قوی ہیکل محافظوں کی شکلیں ہی آدم خور وحشیوں جیسی تھیں۔ انہوں نے مجھے ٹوکری سے الٹ دیا اور کشتی ان جلادوں کی نگرانی میں جزیرے کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئی۔

سمندر کی موجوں پر کشتی کبھی اوپر آ جاتی تھی اور کبھی نیچے چلی جاتی۔ مجھے چکر آنے لگے۔ کشتی میں رسے پڑے تھے۔ میں ان پر اکڑوں بیٹھا قریب آتے ساحل کے پہاڑوں اور گنجان درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ بادل جھکے ہوئے تھے۔ میری آنکھوں کی پٹی اتار دی گئی تھی۔ ہاتھ بھی کھول دیئے گئے تھے میرے ٹخنوں سے رس رس کر ٹپکا ہوا خون جما تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ جزیرہ کس سمندر میں واقع ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ سمندر کا رنگ گہرا سبز تھا اور اس میں کہیں کہیں درختوں کی ٹہنیاں اور سمندری گھاس کے گچھے تیر رہے تھے۔ ایک شارک مچھلی اپنا استرے سے زیادہ تیز پھل پانی سے باہر نکالے ہماری کشتی کی طرف آئی اور اس کا چکر کاٹنے لگی۔ ایک محافظ سنتری نے رائفل سے نشانہ باندھ کر فائر کر دیا۔ دھماکا ہوا اور شارک سمندر میں غوطہ لگا گئی۔ ساحل پر ایک ٹھگنا وردی پوش ریچھ جیسا آدمی کاندھے آگے جھکائے ہاتھ میں ڈنڈا لئے ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ مجھے کشتی سے اتارا گیا تو اس نے ڈنڈے سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس غلیظ چوہے کو صاف کرو"۔

ساحل پر کوئی آبادی نہیں تھی۔ کچھ فاصلے پر ڈھلوانی چھت والا ایک دفتر سا بنا ہوا تھا جس کے باہر ایک آدمی جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ قریب ہی ایک جیپ کھڑی تھی۔ اس آدمی کا رنگ کالا تھا اور اس نے صرف ایک نیکر پہن رکھی تھی۔ فضا گرم تھی اور حبس ہو رہا تھا۔

مجھے سہارا دیئے بغیر آگے چلنے کو کہا گیا۔ دو محافظ رائفلیں تانے میرے پیچھے چلنے لگے۔

بیڑیوں کی وجہ سے میں دقت سے چل رہا تھا۔ ایک محافظ نے مجھے عبرانی زبان میں گالی دے کر تیز چلنے کا حکم دیا۔ میں نے اپنی رفتار ذرا تیز کی تو بیڑیوں کی زنجیر میں میرا پاؤں الجھ گیا اور میں گر پڑا۔ دونوں محافظوں نے مجھ پر ٹھوکروں اور گالیوں کی بارش کر دی۔ ٹھگنے ریچھ نما آدمی کی آواز آئی۔ "اسے گھسیٹ کر لے چلو"۔

میں گھسٹنے کے عذاب سے بچنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور عبرانی زبان میں کہا۔ "میں خود چلتا ہوں سر"۔

محافظ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ "یہ ہماری زبان بھی جانتا ہے"۔

دوسرا کہنے لگا۔ "بڑا خطرناک جاسوس لگتا ہے۔ تبھی تو اسے یہاں بھیجا گیا ہے"۔

میں قدرے جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا۔ جس ڈھلانی چھت والے دفتر کا میں ذکر کر چکا ہوں مجھے اس کے قریب سے بائیں جانب درختوں کی طرف مڑنے کا حکم دیا گیا۔

درختوں کے نیچے جگہ جگہ درختوں کے تنے گرے پڑے تھے۔ میں ٹھوکریں کھاتا ان کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ذرا آگے گیا تو دیکھا کہ درختوں کے درمیان زنگ آلود چٹان کے دامن میں ایک لوہے کی سلاخوں والا قد آدم پنجرہ بنا ہوا تھا۔ ایک محافظ نے لپک کر اس کا دروازہ کھول دیا اور دوسرے نے مجھے اس کے اندر دھکیل دیا۔ میں پنجرے میں لڑھک گیا۔ سنبھل کر بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی گئی۔ میں سوچنے لگا۔ اب کیا نیا ستم ایجاد ہونے والا ہے۔

میری نگاہ پنجرے کے اوپر درمیان میں لگے ایک پائپ پر پڑی۔ ایک محافظ نے چٹان کے عقب میں جا کر کوئی چھوٹی سی موٹر چلا دی۔ موٹر کی آواز کے ساتھ ہی پنجرے کی چھت میں لگے پائپ سے گرم گرم بھاپ نکل کر مجھ پر آبشار کی طرح گری۔

مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھ پر انگاروں کی بارش کر دی ہو۔ میں تڑپ کر پنجرے کی دیوار کی طرف دوڑا۔ مگر گرم بھاپ سارے پنجرے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ میں نے اپنا سر بازوؤں میں چھپا لیا۔ اس سے پہلے کہ میں جھلس کر رہ جاتا بھاپ نکلنا بند ہو گئی۔

برین واشنگ سے پہلے مجھے جراثیم کش غسل دیا جا رہا تھا۔ میں نیم گرم پنجرے کی سلاخوں پر بے سدھ پڑا ہانپ رہا تھا۔ میرے کپڑوں اور جسم سے ابھی تک سینک اٹھ رہا تھا۔

مجھے پنجرے سے نکال کر واپس ڈھلانی چھت والے آفس میں لے جایا گیا۔ یہاں وہی ریچھ نما ٹھگنا آدمی میز پر ٹانگیں رکھے کرسی پر نیم دراز تھا۔ ڈنڈا میز پر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھا۔ چھت سے لگا لکڑی کے پروں والا پنکھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

سنتریوں نے مجھے لکڑی کے فرش پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں اس طرح سمٹ کر بیٹھ گیا کہ پاؤں کی بیڑیاں ٹخنوں کو تکلیف نہ دے سکیں۔ ٹھگنے ریچھ نے گلاس میز پر رکھا۔ بشرٹ کی اگلی جیب میں سے

ایک سگار نکال کر سلگایا۔ منہ سے انجن کی طرح دھواں چھوڑا اور ڈنڈا ہاتھ میں لے کر میرے قریب آکر مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی مجھ پر کوئی نیا ستم ایجاد کرنے والا ہے اور پھر مجھے اس خفیہ لیبارٹری کے سیل میں بھیج دیا جائے گا جہاں میری برین واشنگ کا عمل شروع ہو جائے گا۔ ٹھگنے ریچھ نے اپنا بھاری جوتے والا پاؤں میرے گھٹنے پر رکھ کر اپنا پورا زور ڈال دیا۔ میں درد کی ٹیس کو برداشت کر گیا۔ میں نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور غرایا۔ "تم زیادہ دیر تک یہاں کی اذیتیں برداشت نہیں کر سکو گے کب تک ہونٹ بھینچو گے نمبر تیرہ۔ آج سے تمہاری موت تک تمہارا نام نمبر تیرہ ہے"۔

پھر اس نے اپنا پاؤں اٹھا لیا اور محافظوں کو حکم دیا۔ "اسے موت کے کیمپ میں لے جا کر ڈال دو"۔

میری روح کانپ اٹھی۔ یہ تو مجھے کسی بھیانک جگہ پر لے جا رہے ہیں۔ کیا یہ میری برین واشنگ نہیں کریں گے؟

حقیقت یہ تھی کہ جزیرے کا ماحول دیکھ کر مجھے پہلے ہی شک گزرا تھا کہ یہاں کوئی برین واشنگ کرنے والی لیبارٹری کا ہونا مشکل لگتا ہے۔ یہ جگہ تو کسی ایسے قیدی کیمپ سے زیادہ مشابہہ تھی جہاں باغیوں، خطرناک قاتلوں اور ملک دشمن عناصر کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لئے دیس نکالا دے دیا جاتا تھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ قوی ہیکل محافظ مجھے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔ باہر ایک ہٹا کٹا آدمی ہتھوڑا، چھینی لئے موجود تھا۔ اس نے صرف کمر کے گرد گندا سا صافہ باندھ رکھا تھا۔ محافظوں نے مجھے اس کے آگے ڈال دیا۔

ہٹا کٹا آدمی میرے پاؤں کی جانب بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے جانور سمجھ کر میرے ایک گھٹنے پر اپنا گھٹنا رکھا اور چھن سے میرے پاؤں کی ایک بیڑی کاٹ دی۔ اس کے بعد دوسری بیڑی بھی کاٹ دی گی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ پاؤں کی زنجیر سے نجات مل گئی تھی۔ محافظوں نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر اٹھا دیا "چلو آگے"۔

پہلے مجھے بیڑیوں کے بغیر چلنے میں دشواری محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے میں پہلی بار اپنے پاؤں پر چلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایک دوبار میں لڑکھڑا گیا پھر یوں قدم قدم چلنے لگا جیسے ابھی تک میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوں۔ پیچھے سے میری پیٹھ پر کسی نے زور سے لات ماری۔ "یہ تیرے باپ کا گھر نہیں ہے۔ جلدی چلو"۔

میں آگے کو جھولا کھا گیا لیکن چونکہ پاؤں میں بیڑیاں نہیں تھیں اس لئے جلدی سنبھل گیا۔ اب میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی۔ یہ لوگ مجھے لے کر جزیرے کے گھنے جنگل میں آ گئے۔ ایسا گنجان جنگل میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ موٹے تنوں والے دیو پیکر درخت اوپر جا کر ایک دوسرے میں الجھ گئے تھے ان کے تنوں پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ مجھے کہیں کہیں قیدی اس

حالت میں درخت کاٹتے ' درختوں کے کٹے ہوئے تنوں کو موٹے رسوں سے کھینچتے نظر آئے کہ ان کے مریل جسم جھکے ہوئے تھے اور رائفل بردار محافظ ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے اپنا حسرت ناک انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ برین واشنگ کی بجائے یہ لوگ مجھے صفحہ ہستی سے ہی مٹا دینے کے پروگرام پر عمل کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مجھے ایک دم مار ڈالا جائے۔ انہوں نے مجھے ایسی جگہ پھینک دیا جہاں میں بھیانک بیماریوں میں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بے انتہا اذیتیں سہتا ہوا ایک روز مر جاؤں گا۔

ایک مقام پر جا کر جنگل کا کنارہ آ گیا۔ میرے سامنے ایک بہت بڑی جھیل تھی جس کا ایک حصہ دلدل بنا ہوا تھا۔ اس جھیل کے بیچ میں ایک جنگلی جھاڑیوں والا ٹاپو تھا۔ جھیل کے کنارے ایک چھوٹی سی ڈونگا نما کشتی کھڑی تھی۔ کشتی کے رسی بندھی ہوئی تھی جس کا ایک سرا دور ٹاپو تک چلا گیا تھا۔ ایک سنتری نے رائفل کا فائر کیا۔ جنگل دھماکے سے گونج اٹھا۔ کچھ پرندے شور مچاتے درختوں سے اڑ گئے۔

ٹاپو کی جھاڑیوں میں سے ایک ننگ دھڑنگ کالا کلوٹا آدمی نمودار ہوا۔ مجھے کشتی میں دھکیل دیا گیا میرے دونوں محافظ کنارے پر اس طرح کھڑے تھے کہ ان کی رائفلوں کا رخ میری جانب تھا۔ دوسری جانب ٹاپو سے جو ننگ دھڑنگ آدمی نمودار ہوا تھا اس نے رسی کو کھینچنا شروع کر دیا۔ اب میں نے دیکھا کہ کشتی پانی کی بجائے دلدل نما کیچڑ کے اوپر چل رہی تھی۔ کالا ننگ دھڑنگ جنگلی کسی مشینی آدمی کی طرح رسی کو کھینچے جا رہا تھا۔

میں کشتی میں اکیلا بیٹھا پھٹی آنکھوں سے ٹاپو پر اگی بلند جنگلی جھاڑیوں اور سوکھی ٹہنیوں والے درختوں کو تک رہا تھا۔ دلدلی کیچڑ میں سے ایسی تیز بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے کہ مجھے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ یہاں بے پناہ حبس تھا اور میری گردن اور بازوؤں پر لمبی لمبی ٹانگوں والے مچھر کاٹنے لگے تھے۔ میں انہیں مارتا تو وہ انسانی خون کی پچکاری سی چھوڑ کر مر جاتے اور ان کی جگہ لینے فوراً ہی دوسرے مچھر یلغار کر دیتے۔ رسی کھینچنے والا آدمی مجھے صاف نظر آنے لگا۔ اس کا سیاہ بدن یوں چمک رہا تھا جیسے اس نے کسی تیل کی مالش کر رکھی ہو۔ کشتی ٹاپو کے ساتھ جا کر لگ گئی۔

اس نیم وحشی انسان نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ مجھے بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے بھی کہ میں نے کئی گھنٹوں سے کچھ نہ کھایا تھا اور جسم چوٹوں اور نظر نہ آنے والے زخموں سے چور چور تھا۔ یہ زخم زیادہ تر میرے جسم کے اندر لگے تھے جو مسلسل درد کر رہے تھے۔

میں جھاڑیوں کا سہارا لیتا کنارے پر چڑھ گیا۔ اس جنگلی آدمی نے مجھے گردن سے پکڑ کر اوپر کھینچا اور ٹوٹی پھوٹی عبرانی زبان میں بولا۔ "تو یہاں سے زندہ بچ نکلا تو بڑا خوش قسمت ہو گا۔ چل آگے آگے"۔

گویا یہ موت کا کیمپ تھا ابھی تک میرا یہی خیال تھا کہ یہاں مجھے قید تنہائی میں رکھا جائے گا اور کھانے پینے کو سوائے درختوں کے پتوں اور پودوں کی جڑوں کے اور کچھ نہ ملے گا۔ میں آگے آگے چلنے لگا۔ یہاں اتنی گھنی اور سخت گھاس اگی تھی کہ چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اچانک ایک نسواری رنگ کا سانپ پھنکار کر میرے سامنے آگیا۔ میں اچھل کر پیچھے کودا۔ میرے محافظ نے پتھر اٹھا کر ایسا تاک مارا کہ سانپ وہیں کچلا گیا۔ جنگلی محافظ بولا۔ "اس قسم کے کئی سانپ تجھے یہاں ملیں گے۔ تجھے ان کو مارنے کے لئے اپنا نشانہ پکا کرنا ہو گا۔ نہیں تو یہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

وہ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولے جا رہا تھا۔ "یہ موت کا کیمپ ہے۔ نسواری سانپ آدمی کو کاٹ لے تو اس کا بدن پانی بن کر پگھل جاتا ہے۔ تو یہاں تنہائی محسوس نہیں کرے گا۔ تیرا دل بہلانے کے لئے یہاں کچھ اور ساتھی بھی موجود ہیں"۔

جھاڑیوں اور اونچی اونچی جنگلی گھاس میں سے جس کی وجہ سے تیز بو کے بھبکے نکل رہے تھے۔ مچھروں کی یلغار جاری تھی۔ سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلہ آگیا۔ یہاں میں نے ادھر ادھر جھاڑیوں میں کچھ انسانی شکلیں دیکھیں جو مجھے دیکھ کر جھاڑیوں میں چھپ گئیں۔ میں حیران ہوا کہ انسان تھے یا جنگلی جانور؟ کچھ سمجھ نہ آیا۔ جنگلی محافظ نے سامنے اشارہ کر کے کہا۔ "اس غار میں چلا جا۔ یہ تیرا گھر ہے"۔

اتنا کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ میں چند لمحوں کے لئے اسی جگہ کھڑا ارد گرد کا جائزہ لیتا رہا۔ ٹیلے میں چھوٹے چھوٹے کئی ایک غار بنے ہوئے تھے۔ یہ سب قدرتی غار معلوم ہو رہے تھے اور ان کے آگے کہیں کہیں سوکھی لکڑیوں کے ڈھیر لگے تھے۔ میں اپنے غار کے قریب آیا تو اندر سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں وہیں رک گیا۔ آواز میں انتہائی نقاہت اور بے بسی کا عنصر غالب تھا۔ میں غار میں جانے لگا تو پیچھے سے کسی کی بھاری خشک آواز آئی۔ "اندر مت جانا"۔

یہ جملہ ٹوٹی پھوٹی عبرانی زبان میں ادا کیا گیا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک گھنی جھاڑیوں کے پہلو میں مجھے انسانی سایہ سا زمین پر نیم دراز دکھائی دیا۔ میں آہستہ آہستہ چل کر اس کے قریب پہنچا تو اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنی بغلوں میں چھپا رکھے تھے۔ اس شخص کے جسم سے کپڑوں کی دھجیاں لٹک رہی تھیں۔ پاؤں کی انگلیاں سوجی ہوئی تھیں اور کیچڑ میں لت پت تھیں۔ میں ذرا قریب ہوا تو اس کے جسم سے مجھے سخت بدبو آئی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس شخص نے دوسری طرف منہ کیئے ہوئے اسی بوجھل آواز میں کہا۔ "میرے قریب مت آنا"۔

میں خاموش کھڑا تھا۔ میں نے عبرانی میں پوچھا۔ "کیا تم یہاں رہتے ہو؟"

اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم بھی اب اسی جگہ رہو گے۔ کبھی میں بھی تمہاری طرح یہاں آیا تھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

میں کہا۔ "نمبر ۱۳"۔

وہ چپ ہو گیا۔ میں نے اسے اپنا چہرہ سامنے کرنے کے لئے کہا تو وہ بے جان سی آواز میں بولا۔
"میرا چہرہ دیکھ کر کیا کرو گے ۔ کچھ دنوں بعد تمہارا چہرہ بھی میری طرح ہو جائے گا"۔
میں اس کا یہ جملہ سن کر لرز اٹھا۔ کہیں اس بدنصیب کو...؟ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنا چہرہ آہستہ آہستہ میری طرف موڑ دیا۔

میرے خدا! مجھ پر ایک دہشت طاری ہو گئی خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں سرایت کر گئی۔ اس بدنصیب کا چہرہ کوڑھ زدہ تھا۔ ناک آدھی جھڑ چکی تھی۔ ہونٹوں پر بڑی بڑی گلٹیاں بنی تھیں۔ کوڑھ اس کے سارے چہرے پر پھیل چکا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی کچھ انگلیاں جھڑ گئیں تھیں۔ باقی کی انگلیاں بھی لٹک رہی تھیں۔ میں ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اس بدنصیب شخص نے مایوس کن لہجے میں کہا۔ "کہاں تک پیچھے ہٹو گے۔ پیچھے ایک جانب دلدل ہے جو اس موت کے ٹاپو سے فرار ہونے والے کئی قیدیوں کو ہڑپ کر چکی ہے۔ دوسری طرف جھیل کے پانی میں آدم خور شارک مچھلیاں ' انسانی جسم کی بھوک سے بیتاب ہو کر ٹاپو کے ساحل کے ساتھ ساتھ گھومتی رہتی ہیں جاؤ اپنے غار میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ تمہارے غار میں جو قیدی ہے وہ بھی کوڑھی ہے لیکن وہ دو ایک روز میں مر جائے گا پھر تم اس کے غار میں اس کی جگہ اپنی موت کا سفر شروع کرو گے"۔

اتنا کہہ کر وہ قیدی خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بغلوں میں دے لئے اور کوڑھ زدہ چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ میں اپنے جسم کی ساری تکلیفیں بھول گیا۔ یہ تکلیفیں تو کچھ بھی نہیں تھیں۔ یہاں میں نے جو کچھ دیکھا تھا' اس نے میرے دل پر موت کے گہرے سائے مسلط کر دیئے تھے۔ اب میں سمجھ گیا کہ اسرائیلی حکام نے مجھے یہاں کس لئے بھیجا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں انتہائی مکروہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں لیکن میرا یہ انجام نہیں ہو گا۔ میں نے دل میں اپنے آپ سے کہا۔ میں غار کے پاس آ کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ آسمان بادلوں سے اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ ہوا بند تھی۔ دلدل کی جانب سے کسی وقت بدبو کے بھبکے آ جاتے تھے۔ میں اپنے ٹخنوں کے زخم کو بھول گیا تھا۔ میری جلی ہوئی داڑھی کی وجہ سے چہرے کی جلن بھی اب مجھے ہیچ معلوم ہوتی تھی۔ میں بے چین تھا میں چند سیکنڈ تک ہی بیٹھا۔ غار کے اندر سے کوڑھی کی آخری کراہ مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھا اور جھاڑیوں کے بیچ میں سے گزرتا جس طرف سے آیا تھا ادھر کو چل پڑا۔ میں نے ساحل کے ٹاپو پر پہنچ کر دیکھا تو نہ وہاں جنگلی محافظ تھا نہ کشتی تھی اور نہ ہی وہ رسی موجود تھی جس کو کھینچ کر میری کشتی اس موت کے کیمپ میں لائی گئی تھی۔

مجھے بھی دوسرے قیدیوں کی طرح یہاں مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کنارے کے ساتھ ساتھ مجھے اس ٹاپو کا چکر لگانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ یہ

ٹاپو کتنا بڑا ہے۔ میں جھیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ یہ ٹاپو زیادہ بڑا نہیں تھا۔ چند مربع میٹر پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے وسط میں ایک ہی ٹیلا تھا جس کے اندر قدرتی غار بنے ہوئے تھے۔ سارا ٹاپو ایک چھوٹے سے جزیرے کی شکل میں تھا جس پر کانٹے دار درخت تھے، جنگلی جھاڑیاں تھیں، اونچی گھاس تھی۔ ایک طرف خطرناک دلدل تھی اور دوسری طرف جھیل کے پانی نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اس جھیل میں، میں نے کتنی ہی خونخوار شارک مچھلیوں کو چکر لگاتے دیکھا۔ اس ٹاپو سے کوئی بھی قیدی فرار ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اور یہاں جو قیدی تھے وہ انتہائی مہلک اور مکروہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر کیڑے مکوڑوں کی طرح کونے کھدروں میں رینگتے پھرتے تھے۔ تپ دق، بواسیر، ملیریا، کوڑھ اور فالج جیسی بیماریاں یہاں عام تھیں۔ گشت کے دوران، میں نے جن بدنصیب قیدیوں کو جھاڑیوں میں چھپے ہوئے یا گھاس میں رینگ رینگ کر جھیل کی طرف پانی پینے کی غرض سے جاتے دیکھا۔ ان کی اکثریت کوڑھ جیسے موذی مرض میں مبتلا تھی۔ کئی گنجے ہو گئے تھے۔ دو بالکل اندھے تھے اور زمین پر ہاتھ آگے پھیلا کر ٹٹول ٹٹول کر جھیل کی طرف پانی پینے جا رہے تھے۔ میرا دل ڈوب سا گیا۔ یہ بے بسی اور ذلت کی موت تھی۔ ایسی موت کے متعلق میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ جھیل سے ذرا ہٹ کر میں ایک کٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ میں یہاں سے کبھی زندہ نکل سکوں گا کہ نہیں۔ بظاہر یہاں سے فرار کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا ہے۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں اور میرا انجام کیا ہو گا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ ایک دو روز میں میں بھی کوڑھ زدہ ہو کر نقاہت کے عالم میں زندگی کے آخری سانس لیتا ہوا پانی کے چند گھونٹ پینے کے لئے زمین پر رینگ کر جھیل کی طرف جا رہا ہوں گا یا پھر کسی غار میں اپنے کوڑھ زدہ جسم کو لئے کراہتا ہوا مر جاؤں گا؟

میں ایسی موت نہیں مروں گا۔ میرے دل سے جیسے آواز بلند ہوئی۔

پھر مجھے ایسے سنائی دیا جیسے کوئی غڑاپ سے جھیل میں گرا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ایک کمزور سی انسانی چیخ بلند ہوئی۔ میں نے جھیل کی طرف دیکھا۔ ایک قیدی جھیل کے بھاری پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ وہ مدد کے لئے پکار رہا تھا اور شارک مچھلیاں اس کے اردگرد انتہائی غضبناک ہو کر چکر کاٹ رہی تھیں۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان شارک مچھلیوں نے بدنصیب قیدی کی تکا بوٹی کر دی۔ جھیل کا سبز پانی انسانی خون سے لتھڑ گیا۔ پھر سناٹا چھا گیا اور یہ انسانی خون آہستہ آہستہ جھیل کے گندے سبز پانی میں مدغم ہوتا چلا گیا۔ میں نے اپنا سر ہتھیلیوں میں تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ یاخدا! میری مدد فرما۔ مجھے اس جہنم سے نکال دے۔ میرے جسم کا رواں رواں خدا کے حضور دعا مانگ رہا تھا پھر میں اٹھ کر اپنے غار کی طرف آ گیا۔ اب غار میں سے انسانی کراہ کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ میں نے غار میں تھوڑا سا سر ڈالا تو مجھے اتنی سخت بدبو آئی کہ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں دوسری غار کی طرف

بڑھا۔ اس میں اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں مجھے زرد رنگ کی چار آنکھیں اپنی طرف گھورتی نظر آئیں۔ اس غار میں سے بھی عجیب قسم کی انتہائی ناگوار بدبو آ رہی تھی۔ میں پیچھے ہٹ کر تیسرے غار کی طرف بڑھا اس غار میں بھی کچھ کوڑھی زمین پر سر جھکائے خاموش بیٹھے آہستہ آہستہ آگے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے جسموں پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ کوڑھ نے کسی کی ناک جھاڑ دی تھی تو کسی کی انگلیاں غائب تھیں۔ کسی کی دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں تو کوئی تپ دق کی تیسری بلکہ چوتھی اسٹیج پر پہنچ چکا تھا اور کھانسے ہی جا رہا تھا۔ کسی نے میری طرف نہ دیکھا۔ وہ سب جانتے تھے کہ میں نیا قیدی ہوں اور عنقریب میرا حال بھی ان جیسا ہونے والا ہے۔ میں پریشانی کے عالم میں واپس اس جھاڑی کے پاس آ گیا جہاں وہ کوڑھی زمین پر نیم دراز تھا جو مجھ سے باتیں کر چکا تھا۔ اب اس نے میرے پوچھنے پر رک رک کر اپنی نحیف آواز میں بتایا کہ وہ برسراقتدار اسرائیلی حکومت کے خلاف اپنے اخبار میں سخت مضامین لکھا کرتا اور فلسطینی مسلمانوں کے بارے میں اسرائیلی پالیسی پر تنقید کرتا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے اٹھا کر اس موت کے ٹاپو میں پھینک دیا گیا تھا۔ "اب تو میں کچھ روز بعد اس اذیت سے نجات حاصل کر لوں گا۔ تم کون ہو؟ تمہارا جرم کیا ہے؟"

میں نے یونہی کہہ دیا کہ مجھ سے ایک سرکاری افسر کا خون ہو گیا تھا۔ مجھے اس جزیرے میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اس کوڑھ زدہ جرنلسٹ یعنی صحافی کا نام ہیولاک تھا۔ اسے اس قدر ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی گئی تھیں کہ وہ اپنا نام بھی بھول گیا تھا میرے استفسار پر اس نے ذہن پر زور دے کر اپنا نام یاد کیا پھر اپنا سر نیهوڑا کر کہنے لگا۔ "میں موت کے انتظار میں ہوں۔ وہی میری نجات ہو گی۔ وہی میرے دکھوں کا علاج کرے گی"۔

بادلوں میں ہلکی سی گرج سنائی دی۔ کوڑھی ہیولاک نے اپنا کوڑھ زدہ آدھی جھڑی ہوئی ناک والا چہرہ اوپر اٹھا کر بادلوں کو دیکھا اور بولا۔ "نمبر ۱۳' اپنے غار میں چلے جاؤ۔ موسلادھار بارش ہو گی"۔

میں نے اسے بتایا کہ میرے غار میں جو کوڑھی کراہ رہا تھا وہ مر گیا ہے اور غار میں اس قدر بدبو ہے کہ میں اندر نہیں جا سکتا۔

وہ آہستہ سے بولا۔ "چند دنوں بعد تمہیں یہاں کسی غار سے بدبو نہیں آئے گی۔ کوڑھی کی لاش جھیل میں پھینک دو"۔

میں نے ایسا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگا۔ "تو کیا بارش میں بیٹھے رہو گے؟ میرے غار میں پہلے سے دو کوڑھی پڑے ہیں۔ وہاں تم نہیں جاؤ گے۔ بارش ہونے والی ہے۔ اس جزیرے کی بارش سے تم واقف نہیں ہو۔ جاؤ اپنے غار میں چلے جاؤ۔ نہیں تو بارش تمہیں بہا کر جھیل کی دلدل میں لے جائے گی"۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ٹپاٹپ موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ کوڑھی ہیولاک جھاڑیوں

میں سے اٹھا اور ایک ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا اپنے غار کی طرف چل دیا۔ میں وہاں اکیلا رہ گیا۔ بارش کی بوندوں کے گرنے کی رفتار تیز ہو گئی۔ بادل زور سے گرجے۔ ایک کڑاکا ہوا اور یکدم سے جیسے آسمان پھٹ پڑا اور زور سے موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا غار کے دہانے پر آکر چٹان کے سائبان کے نیچے بیٹھ گیا۔ یہ چٹان کا ٹکڑا تھوڑا سا آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ عام قسم کی بارش ہو گی۔ جب رک جائے گی تو میں ٹاپو پر اپنے لئے کوئی اور جگہ بناؤں گا لیکن بارش تو ایسے ہو رہی تھی جیسے ساری دنیا کے بادل اس ٹاپو پر آکر جمع ہو گئے ہوں بارش کی دھاریں آبشار کی طرح گر رہی تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلے پر سے ایک سوکھا درخت دھڑام سے گرا اور بارش کا تیز ریلا جھاڑیوں اور اونچی گھاس کو لتاڑتا ہوا درخت کو جھیل کی دلدل کی طرف لے گیا۔ میں غار کے منہ کی دیوار کے ساتھ سمٹ گیا۔ غار کے اندر سے مسلسل بدبو آ رہی تھی۔ اب اس میں لاش کا تعفن بھی شامل ہو گیا تھا۔ مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ بارش کی بوچھاڑ میری پنڈلیوں پر پڑ رہی تھی۔ ہوا بند تھی۔ جس کی وجہ سے شدید حبس کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بھوک سے میری انتڑیاں سکڑنے لگی تھیں۔ میں نے ہتھیلیاں بارش میں پھیلا کر ان میں بارش کا پانی بھرا اور پی گیا۔ چار پانچ چلو پینے سے میرے اندر تھوڑی سی توانائی آ گئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نقاہت قدرے کم ہو گئی۔ بارش یکساں اور ایک ہی رفتار کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ٹیلے کے اوپر سے جھاڑیاں کٹ کٹ کر نیچے بہتی چلی آ رہی تھیں۔ اوپر سے ندی نالوں کی شکل میں بارش کا پانی دھڑ دھڑاتا ہوا نیچے کی طرف بہہ رہا تھا۔

بیٹھے بیٹھے میں تھک گیا تو ٹانگیں غار کے اندر کی طرف پسار لیں۔ اس سے کچھ سکون ملا۔ مجھے اپنی گردن پر کوئی کیڑا رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے جلدی سے اسے نیچے جھٹک دیا۔ میرا خون یہ دیکھ کر سرد ہو گیا کہ وہ ایک سیاہ رنگ کا بچھو تھا جو اپنا ڈنگ اوپر اٹھائے پانی میں چکر کھا رہا تھا۔ میں نے پتھر اٹھا کر بے تحاشہ اس پر مار دیا۔ بچھو' پتھر کے ساتھ ہی پانی میں غائب ہو گیا۔ میں نے درخت کی ایک شاخ سے پتھر کو ہٹایا اور پانی کے گڑھے میں شاخ ڈال کر اوپر اٹھائی۔ بچھو کیچڑ میں لت پت ٹہنی کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ وہ مر چکا تھا۔ مگر اس کی زہریلی دم آہستہ آہستہ ابھی تک حرکت کر رہی تھی۔ میں نے اسے دوسرے پتھر سے کچل ڈالا۔ پھر میں نے اپنے پیچھے زمین کو غور سے دیکھا کہ کہیں دوسرا بچھو تو نہیں ہے۔ بارش کے پانی کی لکیریں غار کے اوپر سے جھالروں کی طرح گرنے لگی تھیں۔ میں آدھا بھیگ گیا تھا۔ میں تھوڑا سا غار کی طرف کھسک گیا۔ اب اندر سے آتی بدبو نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ منہ دوسری طرف کیا تو بدبو اس طرف سے بھی آ رہی تھی۔ لاچار ہو کر میں رک رک کر سانس لینے لگا۔ یونہی انتہائی اذیت کے عالم میں بیٹھے بیٹھے دن کی روشنی غائب ہونے لگی اور شام کے اولیں سائے اترنا شروع ہو گئے۔ بارش اسی طرح موسلادھار ہو رہی تھی۔ ایک بار دل میں خیال آیا کہ کسی طرح سے

غار میں پڑی کوڑھی کی لاش کو کھینچ کر باہر بارش میں ڈال دوں تاکہ غار میں جا کر لیٹنے کا موقع مل جائے مگر میں لاش کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اگرچہ میں نے سن رکھا تھا کہ کوڑھ کا مرض متعدی نہیں ہوتا۔ پھر بھی ایک کوڑھی کی لاش کو ہاتھ لگانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ میرے پاس کوئی رسی بھی نہیں تھی کہ اسے لاش کے پاؤں سے باندھ کر اسے باہر گھسیٹ لاتا۔

دھڑام کی آواز بلند ہوئی۔ میں چونک کر پتھریلی دیوار کے ساتھ سمٹ گیا۔ ٹیلے کے اوپر کوئی اور درخت گرا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شام کے بڑھتے اندھیرے میں ایک ٹنڈ منڈ درخت کو دیکھا کہ بارش کے تیز دھارے میں بہتا نیچے آیا اور جھاڑیوں سے ٹکراتا جھیل کی دلدل کی طرف نکل گیا۔ اس کے بعد ایکدم سے رات ہو گئی۔ اس قدر گہرا اندھیرا چھا گیا کہ واقعی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ ایک نئی مصیبت پڑ گئی تھی جس میں مبتلا ہونے کے بعد، میں اپنی دوسری تکلیفیں بھول گیا تھا۔ اس بے کسی کے عالم میں مجھے پاکستان یاد آ گیا۔ اپنا پیارا وطن اور لاہور کی گلیاں اور اپنا پرسکون مکان یاد آ گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔ "عامر! یہ بھی تیرا امتحان ہے۔ زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اگر تیری زندگی ہے تو تجھے ایسے موت کے ہزاروں کیمپ بھی ہلاک نہیں کر سکتے"۔

میں نے اسی وقت عہد کر لیا کہ میں اس دوزخ سے ایک نہ ایک دن ضرور فرار ہوں گا چاہے مجھے آگ اور دلدل کا دریا کیوں نہ عبور کرنا پڑے۔

بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر پانی پیا۔ پیٹ خالی تھا۔ پانی پینے سے درد ہونے لگا۔ میں نے دونوں بازو پیٹ پر رکھ لئے۔ بازوؤں کی گرمی سے درد میں کچھ افاقہ ہو گیا۔ یہ بھوک کا درد تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں قیدیوں کو کھانے کے لئے کیا دیا جاتا ہے لیکن یہ قیدی مہذب دنیا سے کٹ چکے تھے۔ یہ انسانی درجے سے نیچے گرا دیئے گئے تھے۔ یہ موت کی دلدل میں رینگنے والے اپاہج تھے جو مہلک بیماریوں کو لئے آہستہ آہستہ موت کی دلدل میں دھنس رہے تھے۔ ان کی خوراک کی بھلا کس کو فکر ہو گی۔ میں نے اپنا سر پتھریلی دیوار کے ساتھ لگا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ سوچا شاید اسی طرح نیند آ جائے اور رات کٹ جائے مگر نیند کہاں آتی؟ کیسے آتی؟ پیٹ میں بھوک سے بل پڑنے لگے تھے۔ میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مجھے ہر لحظہ یہ خوف دامن گیر تھا کہ کسی طرف سے کوئی بچھو یا سانپ نہ نکل آئے۔ میرے قریب ہی ایک پتھر کے نیچے سے ایک جھاڑی موٹی ٹہنی کی شکل میں اوپر کو نکلی ہوئی تھی اور بارش میں بار بار دہری ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر اسے جڑ سے اکھاڑ دیا پھر اسے بارش کے پانی میں مل مل کر دھویا۔ اس کی جڑوں میں پھنسی ہوئی مٹی صاف کی اور اسے جڑ کے قریب سے توڑ ڈالا۔ اس کے اندر سفید سفید گودا سا اندھیرے میں دکھائی دینے لگا۔ میں نے اسے دانتوں سے تھوڑا سا کاٹ کر چکھا۔ اس میں

ہلکی سی مٹھاس تھی۔ یہ بناتاتی شکر تھی۔ میں آہستہ آہستہ چباتے ہوئے تھوڑی سی جڑ کھا گیا۔ پھر ایک لمحے کے لئے ساکت ہو کر دیکھا کہ پیٹ میں جا کر اس کا الٹا اثر تو نہیں ہوتا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ تھوڑی سی تسلی محسوس ہوئی۔ میں جھاڑی کے نیچے والی آدھی ٹہنی کھا گیا۔ مجھے غاروں میں رہنے والے ابتدائی عہد کے وہ انسان یاد آ گئے جو درختوں کی جڑیں کھایا کرتے تھے۔ میری بھوک کسی حد تک مٹ گئی تھی۔ حلق کا ذائقہ پہلے تو میٹھا میٹھا سا رہا پھر ایکدم کڑوا ہو گیا۔ میں نے بارش کے پانی کے دو چلو پی لئے۔ خطرہ تھا کہ کہیں اس طرح پیٹ کا درد نہ شروع ہو جائے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اس کی وجہ وہ بدبو بھی تھی جو غار کے اندر سے نکل کر مجھے مسلسل پریشان کر رہی تھی۔ اوپر سے مچھر پریشان کر رہے تھے۔ یہ اللہ کا کرم تھا کہ ابھی تک مجھے کسی سانپ نے نہیں ڈسا تھا۔ خدا خدا کر کے قیامت کی یہ رات گزر گئی۔ میں ساری رات کبھی بیٹھ جاتا کبھی ٹانگیں پسار لیتا۔ کبھی سر پتھریلی دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کرتا۔ کبھی اس خوف سے فوراً آنکھیں کھول لیتا کہ کوئی سانپ تو مجھے ڈسنے کے لئے نہیں آ رہا۔

بادلوں میں صبح کا اجالا نمودار ہوا اور 'درختوں' جھاڑیوں کے خاکے ابھر آئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میرا سارا جسم اکڑ گیا تھا۔ نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ بارش صبح کی روشنی کے ساتھ ہی ایک دم سے رک گئی تھی۔ بارش کے رکتے ہی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ غار کے آگے سے اٹھ کر پرے جا کر زور زور سے سانس لینے لگا۔ میرے پاؤں ٹخنوں تک کیچڑ میں دھنس گئے تھے۔ یہاں قدرت کا یہی ایک عطیہ تھا کہ انسان کھلی تازہ ہوا میں سانس لے سکتا تھا۔ میں آنکھیں بند کیئے لمبے لمبے سانس کھینچ رہا تھا کہ مجھے اپنی پنڈلی پر سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ جلدی سے پھٹی ہوئی پتلون کا پائنچہ اٹھا کر دیکھا تو میری جان ہی نکل گئی۔ دو شکر قندی جتنی بڑی جونکیں میرے ٹخنے سے ذرا اوپر پنڈلی سے چمٹی میرا رہا سہا خون چوس رہی تھیں۔ گھبرا کر زور سے پاؤں زمین پر مارا جونکیں تو پنڈلی سے نہ گریں مگر ٹخنے میں شدید درد کی ٹیس اٹھی۔ میں کیچڑ میں بیٹھ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر زور زور سے اپنی پنڈلی پر رگڑنے لگا۔ دونوں جونکیں وہیں کچلی گئیں مگر انہوں نے میری پنڈلی کو نہ چھوڑا۔ میں نے رگڑ رگڑ کر اپنی پنڈلی لال کر لی پھر جلدی سے اٹھا اور غار کی طرف دوڑا۔ اس خیال سے کہ کہیں مزید جونکیں نہ چڑھ جائیں۔ غار سے آنے والی بدبو میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے ہٹ گیا اور کیچڑ میں ایک طرف چلنے لگا۔ میں جس غار کے قریب سے گزرا اس کے اندر سے کسی نہ کسی انسان کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ ایک جگہ غار کے سامنے کٹا ہوا درخت پڑا تھا۔ اس کا تنا دوسرے درخت کے تنے سے الجھنے کی وجہ سے وہیں رک گیا تھا۔ میں اس کے نزدیک گیا تو سخت بدبو آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو کوڑھ زدہ لاغر قریب المرگ قیدی جن کے جسم میل سے چکٹ ہو رہے تھے اور کپڑوں کی دھجیاں

لٹک رہی تھیں ۔ اپنے ایک ساتھی کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے جھیل کی دلدل کی طرف لے جا رہے تھے ۔
میری نظر ہیولاک پر پڑی ۔ ٹانگیں پسارے بے جان بت کی طرح بیٹھا اس اندوہناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔
دونوں کوڑھیوں نے لاش کا ایک ایک بازو پکڑ رکھا تھا اور اسے آہستہ آہستہ گھسیٹے لئے جا رہے تھے ۔ لاش کیچڑ میں لت پت تھی ۔ میں ہیولاک کے پاس آ کر چند گز دور بیٹھ گیا ۔ اس نے اپنا کوڑھ زدہ چہرہ ایک طرف کر لیا ۔ میں کچھ دیر چپ چاپ بیٹھا رہا ۔ جب کوڑھی لاش کے ساتھ جھاڑیوں کی اوٹ میں چلے گئے تو میں نے ہیولاک کو بتایا کہ میرے غار والا کوڑھی بھی مر گیا ہے ۔ اس کی لاش کا کیا ہو گا؟

ہیولاک کے حلق سے سانس کے ساتھ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نکلی ۔ کہنے لگا ۔ "اسے کھینچ کر دلدل میں ڈال دو"۔

میں نے اسے بتایا کہ رات، میں نے ایک جھاڑی اکھاڑ کر اس کی جڑیں کھائی تھیں ۔ ہیولاک نے کوئی جواب نہ دیا ۔ میں نے دوبارہ لاش کا ذکر چھیڑا اور اس سے کہا کہ میں اکیلا اسے کھینچ کر نہیں لے جا سکتا ۔ وہ بولا ۔ "تم میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ اکیلے لاش کو کھینچ کر نیچے دلدل تک لے جا سکو ۔ ایک وقت آئے گا کہ تمہیں میری لاش بھی کھینچ کر لے جانی ہو گی"۔

وہ چپ ہو گیا ۔ دن کی روشنی میں ایک مرگ آلود سکوت تھا ۔ ہیولاک پھر بولا ۔ "ایک وقت آئے گا جب لوگ تمہاری لاش بھی گھسیٹ کر دلدل تک لے جائیں گے"۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور میرے غار کی طرف چلتے ہوئے کہا ۔ "میرے ساتھ آؤ"۔

میں اس کے پیچھے چل پڑا ۔ وہ میرے غار میں داخل ہو گیا ۔ میں غار کے منہ پر جا کر رک گیا ۔ اندر سے اتنی سخت بدبو آ رہی تھی کہ میں قدم نہیں بڑھا سکتا تھا ۔ اندر سے ہیولاک کی آواز آئی ۔ "کیا اب بھی تمہیں بدبو آتی ہے؟ اندر آؤ ۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں"۔

اب میرے لئے باہر رکنا اخلاقی طور پر مناسب نہیں تھا ۔ علاوہ ازیں یہ میرے غار کی صفائی کا بھی سوال تھا ۔ میں نے پورا سانس اندر کو کھینچا اور غار میں داخل ہو گیا ۔ یہ غار زیادہ لمبا نہیں تھا ۔ چند قدموں کے فاصلے پر نیم تاریکی میں ایک انسان کی سکڑی سمٹی ہوئی لاش فرش پر پڑی تھی ۔ میں ابھی تک سانس روکے ہوئے تھا ۔ ہیولاک بڑی آسانی سے سانس لے رہا تھا ۔ اسے بدبو بالکل نہیں آ رہی تھی ۔ اس نے لاش کا ایک بازو پکڑ لیا اور بولا ۔ "دوسرا بازو تم پکڑو"۔

میں لاش کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا لیکن ہیولاک نے جب دوسری مرتبہ مجھے لاش کا بازو پکڑنے کو کہا تو میں نے لاش کے بازو کو تھام لیا ۔ لاش کا بازو برف کی طرح سرد تھا ۔ اب میرا سانس ختم ہو گیا تھا ۔ بچا کھچا سانس چھوڑ کر میں نے دوسرا سانس بھرا تو میرا سر چکرا گیا ۔ ایسا بدبو دار سانس میں نے پہلے کبھی اپنے جسم میں داخل نہیں کیا تھا ۔ اس بدبو سے بچنے کے لئے میں لاش کو تیزی سے گھسیٹنے لگا۔

ہیولاک کے ہاتھ سے لاش کا بازو چھٹ گیا اور چند لمحوں کے بعد کوڑھی کی لاش غار سے باہر پڑی تھی اور میں ذراہٹ کر کھڑا زور زور سے تازہ ہوا میں سانس لے رہا تھا۔ کوڑھی کی لاش کا پیٹ کھلا تھا اور اس کے اندر کیڑے رینگ رہے تھے۔ ہم دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے نیچے جھیل کے کنارے دلدل کے پاس لے گئے۔ پھر اسے دلدل میں پھینک دیا۔ دلدل میں لاش دو تین بار نیچے جا کر اوپر ابھری۔

لاش کے گرتے ہی خاموش دلدل میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے دلدل نے لاش کو نگل لیا اور اس کی سیاہ کیچڑ والی سطح پھر سے ساکن ہو گئی۔ ہیولاک نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لئے اور سر جھکا کر اپنے کوڑھ زدہ موٹے ہونٹ ہلانے لگا۔ وہ کوئی دعا پڑھ رہا تھا۔ میں خاموش کھڑا تھا۔ دعا پڑھنے کے بعد ہیولاک آہستہ آہستہ اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا یہاں قیدیوں کو خوراک بالکل نہیں دی جاتی۔

ہیولاک نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "شاید آج ہیلی کاپٹر آکر خوراک گرائے گا مگر وہ تم نہیں کھا سکو گے۔ اسے کوئی بھی انسان نہیں کھا سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب تم بھی ہماری طرح جانور بن جاؤ گے تو تمہیں وہ خوراک بڑی مزے دار لگے گی"۔

میں نے پانی کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سب قریب المرگ قیدی دن میں ایک بار رینگتے ہوئے جھیل کے پانی والے علاقے میں جاتے ہیں اور جانوروں کی طرح منہ ڈال کر جھیل کا پانی پی کر واپس آ جاتے ہیں۔ اس پانی کے ساتھ ہزارہا قسم کے جراثیم اور کیڑے ان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں جو انہیں موت کا سفر جلدی طے کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ہیولاک اپنے غار میں آ گیا۔ اندر ابھی تک ہوا صاف نہیں ہوئی تھی۔ میری بشرٹ کی دھجیاں لٹک رہی تھیں۔ میں نے اسے اتاہ کر اس کا ایک لمبا سا رومال نما ٹکڑا پھاڑا اور اسے اپنے منہ اور ناک پر لپیٹ لیا۔ اب بدبو نہیں آ رہی تھی۔ میں نے غار کو پاؤں سے صاف کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑا سا پاؤں ہلایا تھا کہ ٹخنے درد کرنے لگے۔ میں نے اب ہاتھوں سے صفائی شروع کر دی۔ غار میں چھوٹے چھوٹے پتھر اور خشک گھاس پڑی تھی۔ یہ سب کچھ میں نے اندر سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ پھر ٹیلے کے عقب سے لمبی لمبی گھاس توڑ کر لایا اور انہیں غار میں بچھا دیا۔ اس کے بعد غار سے باہر آکر بیٹھ گیا۔ اتنا سا کام کرنے سے ہی میں ہانپنے لگا تھا۔ مجھے بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ جسمانی اذیتوں کا وہ سلسلہ بھی تھا جن سے گزر کر میں یہاں آیا تھا اور بھوک بھی تھی۔ بھوک کے علاوہ پیاس بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ جھیل کا گندا پانی پینے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ دل کی گہرائی میں یہ خیال بھی کہیں بیدار ہو رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن مجھے

بھی جھیل کا گندا جراثیم بھرا پانی پینا پڑے گا۔

میں درختوں کی طرف نکل گیا۔ دو تین تازہ کونپلوں کو گیلی زمین سے اکھاڑ کر ان کی جڑوں کو پانی سے صاف کیا اور انہیں چبا کر کھا گیا۔ ذائقہ کچھ کڑوا تھا۔ بارش کا پانی جگہ جگہ گڑھوں میں بھرا ہوا تھا۔ میں نے بیٹھ کر پانی کے اوپر آئے ہوئے تنکے ہاتھ سے الگ کئے اور چلو بھر کر پینے لگا۔ پانی میں کسیلا پن تھا۔ لیکن پیاس نے مجھے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی اور میں چھ سات چلو بھر کر پانی پی چکا تھا۔ اٹھ کر اپنے غار کی طرف جا رہا تھا کہ فضا میں ہیلی کاپٹر کی آواز گونجنے لگی۔ آواز دور سے ٹاپو کی طرف آ رہی تھی۔ میں سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز کے ساتھ ہی کچھ دوسری آوازیں بھی میرے کان میں آنے لگیں۔ یہ کراہنے اور بلبلانے کی بے حد کمزور انسانی آوازیں تھیں۔ بہت جلد ان آوازوں کا معمہ حل ہو گیا۔ یہ موت کے غاروں کے قریب المرگ 'گنجے' اندھے 'اپاہج' اور کوڑھی تھے جو ہیلی کاپٹر کی آواز سن کر اپنے اپنے غاروں سے باہر نکل آئے تھے اور کیچڑ پر لڑھکتے 'رینگتے جھاڑیوں میں ادھر ادھر پھیلنے لگے تھے۔ مجھے ہیولاک کی بات یاد آ گئی۔ یہ ہیلی کاپٹر خوراک گرانے آیا تھا۔ میں بھی خوراک اٹھانے کو بے تاب ہو گیا۔ مجھے ہیولاک کا وہ جملہ بھی یاد آیا کہ تم ابھی انسان ہو۔ ہیلی کاپٹر سے گرائی جانے والی خوراک نہیں کھا سکو گے۔ جب تم بھی ہماری طرح کوڑھ زدہ جانور بن جاؤ گے تو تمہیں یہ خوراک بھی ایک نعمت لگے گی۔

مجھے ہیلی کاپٹر نظر آ گیا تھا۔ یہ خاکستری رنگ کا پرانا ہیلی کاپٹر تھا جو درختوں کے اوپر سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ ہمارے ٹاپو کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ٹاپو کے اوپر ایک چکر لگایا پھر اپنی بلندی کم کر دی وہ ایک بار بالکل درختوں کے تھوڑا اوپر سے ہو کر گزرا تو اس کے اندر سے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے پیکٹ نیچے گرے۔ یہ پیکٹ جگہ جگہ جھاڑیوں اور اونچی گھاس کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گرے تھے۔ دو پیکٹ مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر گرے۔ میں لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ میں نے دونوں پیکٹ اٹھانے چاہے کہ اچانک جھاڑی میں سے ایک کوڑھ زدہ ہاتھ باہر نکلا اور ایک پیکٹ پکڑ کر واپس جھاڑی میں غائب ہو گیا۔ میں نے دوسرا پیکٹ اٹھا لیا اور اسے غور سے دیکھا۔ یہ چھوٹا سا پیکٹ تھا۔ اس کے گرد کسی درخت کے چوڑے پتے لپٹے ہوئے تھے جنہیں کاغذ کی ٹیپ سے چپکا دیا گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی پیکٹ کھول لیا۔ سب سے پہلے اس کے اندر سے مجھے عجیب سی بدبو آئی۔ اس کے بعد میرے ہاتھوں پر کالی چیونٹیاں چڑھنے لگیں۔ میں نے جلدی سے پیکٹ پھینک دیا۔ اس کے اندر سے بسکٹ کی طرح کے نسواری رنگ کے ٹکڑے گیلی زمین پر بکھر گئے۔ میں نے دیکھا ان پر بے شمار چیونٹیاں چڑھی ہوئی تھیں اور ان سے بو آ رہی تھی۔ یہ بسکٹ ہی تھے۔ گرنے سے تقریباً سارے بسکٹ ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے ان ٹکڑوں کو اٹھا کر جھاڑا اور منہ میں ڈال کر کھانے لگا۔ بسکٹوں کا ذائقہ کڑوا تھا مگر اس کڑواہٹ میں دور کہیں چھپی ہوئی ہلکی سی مٹھاس

بھی تھی ۔ میں وہ سارے ٹکڑے کھا گیا جو کیچڑ میں لتھڑنے سے بچ رہے تھے ۔ اس کے بعد ایک گڑھے میں جمع شدہ بارش کے پانی سے پیاس بجھائی اور اپنے غار کے سامنے ٹہلنے لگا۔ بسکٹوں نے میری بھوک مٹا دی تھی میں ٹہلتا ٹہلتا ہیولاک کے غار کے قریب آیا تو دیکھا کہ وہ غار کے باہر اسی طرح پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا ٹکٹکی باندھے سامنے والے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جو کوڑھ کے ابھار تھے وہ مجھ سے دیکھے نہیں جا رہے تھے ۔ بسکٹوں کا پیکٹ اس کے سامنے زمین پر پڑا تھا۔ یہ پیکٹ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے قریب جا کر اسے کہا کہ ایک پیکٹ میں نے بھی اٹھا لیا ہے ۔ کیا یہی وہ خوراک ہے جو اس قیدی کیمپ کی طرف سے پھینکی جاتی ہے ؟

ہیولاک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا ۔ میں پتھر پر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ اگرچہ بسکٹوں پر چیونٹیاں چڑھی تھیں اور ان میں سے بو آ رہی تھی پھر بھی میں نے سارے کے سارے بسکٹ کھا لئے ہیں ۔ اب ہیولاک کے ہونٹ ہلے ۔ اس نے کہا۔ "کل اور پرسوں کیا کھاؤ گے ؟ یہ تین دن کی خوراک تھی جو تمہارے لئے پھینکی گئی تھی "۔

میں چونک سا گیا۔ واقعی اگر یہ بات ہے تو پھر تو مجھے بڑی پریشانی ہو گی ۔ میں نے سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہا۔ "جہنم میں جائے ان کی خوراک اور بدبو دار پیکٹ ۔ میں پودوں کی جڑیں کھا کر گزارہ کر لوں گا"۔

سارا دن گزر گیا۔ بارش پھر نہ ہوئی ۔ رات کو مجھے پھر بھوک لگی ۔ کیا کرتا۔ مجبوراً ایک جگہ تازہ پودوں کو اکھاڑ کر ان کی جڑوں کو دھو کر کھا گیا پھر اسی گڑھے میں جمع بارش کا پانی پیا اور اپنے غار میں جا کر گھاس کے بستر پر لیٹ گیا' جو اب سوکھ چکی تھی ۔ غار میں اب کسی قسم کی بدبو باقی نہیں رہی تھی ۔ رات بے حد تاریک اور سنسان تھی ۔ میں گھاس کے بستر پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ یہاں سے زندہ بچ کر نکل جانا ایک معجزہ ہی ہو گا ۔ اس رات آدھی رات کے بعد مجھے نیند آ گئی ۔ آدھی رات تک میں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا اور زہریلے بچھوؤں اور سانپوں کے خوف سے جاگتا رہا ۔ دوسرے دن اس وقت اٹھا جب غار میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی ۔ بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے ۔ اب میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اس جزیرے میں پھلوں کے درخت ہوں مگر اس موت کے ٹاپو پر اس قسم کا کوئی درخت نہیں تھا۔ ایسے درخت کثرت سے موجود تھے جن کی شاخوں پر پھلوں کی جگہ کانٹے اگتے تھے ۔ لگتا ہے انہیں قصداً موت کے ٹاپو پر اگایا گیا تھا یا پھر جنگلی جھاڑیوں اور اونچی اونچی دلدلی گھاس تھی ۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا گڑھوں میں سے بارش کا پانی زمین نے جذب کر لیا تھا۔ غار سے نکل کر جنگل کی طرف چلا ۔ جھیل کے کنارے پہنچا تو عجیب منظر نظر آیا ۔ درجن بھر کے قریب ٹاپو کے اپاہج کوڑھی قیدی جھیل کے کنارے لیٹے جھیل میں منہ ڈالے جانوروں کی طرح غٹاغٹ پانی پی رہے تھے ۔ اس انسانیت سوز منظر کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ سیر ہو کر پانی

پی چکنے کے بعد یہ قریب المرگ لوگ لڑکھڑاتے ، لنگڑاتے ، رینگتے ہوئے واپس چل پڑے ۔ ان میں ہیولاک نہیں تھا۔ شاید وہ صبح صبح پانی پی کر جا چکا تھا۔

ان کے جانے کا بعد ، میں جھیل کے کنارے بیٹھ گیا۔ پانی کو ہاتھ سے دو تین بار پرے ہٹایا پھر ہتھیلی میں بھر کر غور سے دیکھا۔ پانی ابھی تک گدلا تھا۔ میں نے پانی پھینک دیا اور ٹیلے کے ایک جانب چل دیا ۔ میں اتنا گندا اور جراثیم سے بھرا ہوا پانی نہیں پی سکتا تھا ۔ کچھ دیر میں درختوں کے نیچے جھاڑیوں کے درمیان گھومتا رہا۔ کسی جگہ پانی کا کوئی گڑھا دکھائی نہ دیا ۔ جنگل میں درختوں میں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں ۔ خدا جانے یہ کس قسم کا پانی تھا۔ میں نے ہاتھ پر لے کر چکھا تو میرے حلق میں جیسے مرچیں سی اتر گئیں ۔ میرے جسم پر سوائے میلی کچیلی پتلون کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بھی گھٹنوں سے نیچے پنڈلیوں پر سے غائب تھی ۔ راستے میں کئی جگہوں پر میں نے سانپ دیکھے کوئی درخت کی شاخ سے لٹک رہا تھا۔ کوئی کیچڑ میں آہستہ آہستہ رینگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ کالے بچھوؤں کا جوڑا نظر آیا جو گول دائرے کی شکل میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ شاید یہ نر اور مادہ تھے ۔ بہت جلد میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ یہ ایسا پسینہ تھا کہ اس کے بہنے کے ساتھ میرے جسم میں انتہائی کمزوری محسوس ہو رہی تھی ۔ میں واپس اپنے غار میں آ کر لیٹ گیا مگر بھوک اور پیاس نے بہت جلد مجھے پھر اٹھا دیا ۔ دوپہر تک میں نے اپنے اوپر قابو پائے رکھا مگر اس کے بعد جسم پر ایسی نقاہت طاری ہوئی کہ میری ٹانگیں کانپنے لگیں ۔ میں اٹھ کر غار سے باہر گیا۔ ایک جگہ کچھ پودے اکھاڑے ۔ ان کی جڑوں کو پتلون سے رگڑ کر مٹی صاف کی اور بلا تکلف انہیں کھا گیا۔ جھیل پر جا کر پانی بھی پی لیا۔ غار میں آتے ہی زور کا بخار چڑھ گیا۔ سارا دن ساری رات بخار میں پھنکتا رہا۔ کسی نے نہ پوچھا۔ آدھی رات کو ہذیان بھی بکتا رہا۔

صبح جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ بخار ٹوٹ گیا تھا مگر اٹھنے کی ہمت نہیں تھی ۔ غار میں کسی کے قدموں کے گھسٹنے کی آواز آئی تو میں نے آنکھیں آہستہ سے کھول دیں ۔ غار میں ہیولاک ایک طرف کو جھکا جھکا کوڑھ زدہ ہاتھ اپنی بغل میں دبائے کھڑا تھا۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد رینگتا ہوا آیا تو اس کے ہاتھ میں کسی درخت کے چند تازہ پتے تھے ۔ میری طرف دو پتے بڑھا کر بولا۔

" اسے کھا جاؤ۔ نہ کھایا تو یہ بخار تمہاری ٹانگیں مار دے گا"۔

چار روز ، میں بے سدھ سا ہو کر غار میں پڑا رہا۔ بخار تھوڑی دیر کے لئے اترتا اور پھر چڑھ جاتا۔ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد بے ہوش ہو جاتا ۔ ہیولاک نے مجھے آدھے درخت کے پتے کھلائے ۔ بے چارہ اس حالت میں بھی جھیل سے ٹین کے ڈونگے میں میرے لئے بھر بھر کر پانی لاتا رہا۔ اس دوران میں ہیلی کاپٹر ٹاپو پر آ کر دوسری بار خوراک کے بدبودار پیکٹ گرا گیا۔ ہیولاک وہ بسکٹ بھی کھلاتا رہا۔ پانچویں دن میرا بخار اتر گیا مگر کمزوری اتنی شدید تھی کہ میری ہڈیاں نکل آئی تھیں ۔ وہاں کھانے کو

سوائے بدبو دار چند بسکٹوں، درختوں کے پتوں اور پودوں کی جڑوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں دس پندرہ دنوں میں ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ میرے سر کے بال، داڑھی مونچھیں جنگلیوں کی طرح بڑھ آئیں۔ پتلون پہلے نیکر میں تبدیل ہوئی پھر جانگیہ بن کر میری کمر سے چپک گئی۔

یونہی چھ ماہ گزر گئے۔ اب میں ٹاپو کے دوسرے جانور نما انسانوں کی طرح بن گیا تھا۔ ان میں اور مجھ میں صرف اتنا فرق تھا کہ ابھی میں کوڑھ جیسے موذی مرض میں مبتلا نہیں ہوا تھا لیکن مجھ میں اور کسی عفریت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ میں بھی دن چڑھے جھیل پر جاتا اور رینگ رینگ کر کنارے کی گھاس میں منہ ڈال کر جھیل کا گندا پانی پیتا۔ جڑی بوٹیاں نکال کر کھاتا۔ میرے سارے جسم پر سرخ دانے نکل آئے تھے جن میں سے پانی رستا رہتا تھا۔ داڑھی کے بال ناف کو چھو رہے تھے۔ سارا سارا دن غار میں یا جھاڑیوں کی اوٹ میں زمین پر پڑا رہتا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہستہ آہستہ مفقود ہو رہی تھی۔ دماغ پر زور ڈالتا تو ماضی کے کچھ واقعات دھندلے دھندلے خواب کی صورت میں آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ میرا اصلی نام کیا ہے؟

میری حالت مُردوں سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ آدھی آدھی راتوں کو غار میں اٹھ کر کبھی بے اختیار قہقہے لگانے لگتا، کبھی گھٹنوں میں سر دیئے روتا رہتا۔ اب میں نے جنگلی ٹڈے اور مکڑیاں کھانی شروع کر دیں۔ میں گھاس میں چھپکلی کی طرح گھات لگا کر لیٹ جاتا۔ جونہی کوئی مکڑی یا ٹڈا گھاس کے خوشے پر بیٹھتا اچک کر اسے دبوچ لیتا اور سالم ہی نگل جاتا۔ ٹاپو کے درختوں پر پرندے بہت کم بیٹھتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ پرندے دلدل سے اٹھنے والی گیس کی وجہ سے نیچے نہیں آتے اور اوپر کی شاخوں پر ہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اڑ جاتے ہیں۔ ایک بار میں ایک پرندے کو پکڑنے کے لئے درختوں پر چڑھ گیا۔ شاخ میرا بوجھ نہ سنبھال سکی اور میں اس کے ساتھ ہی دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ میری ٹانگ تو نہ ٹوٹی مگر اندر سے گوشت پھٹ گیا۔ شدید درد سے میں بلبلا اٹھا۔ کسی نے مجھے وہاں سے نہ اٹھایا۔ سارا دن ٹوٹی پھوٹی ٹہنی کے پاس پڑا کراہتا رہا۔ آخر جب شام ہونے لگی تو بڑی مشکل سے رینگ رینگ کر اپنے غار میں پہنچا اور بے سدھ ہو کر گر پڑا۔

ہیولاک بھی میری خبر پوچھنے نہ آیا۔ میں دوسرے روز رینگتا ہوا اس کے غار میں گیا تو وہ خالی تھا۔ کس سے اس کے بارے میں پوچھتا؟ کوئی کوڑھی اپاہج بات نہ کرتا تھا۔ صرف ہیولاک ہی ان میں ایک ایسا آدمی تھا جو بات کر لیتا تھا۔ باقی سب کے دماغ ماؤف ہو چکے تھے۔ وہ اپنی زرد مردہ آنکھوں سے ٹکر ٹکر تکتے رہتے۔ نہ کوئی بات کرتے تھے نہ کسی کا جواب دیتے تھے۔

دوپہر کے بعد، میں اسی طرح رینگتا ہوا جھیل پر پانی پینے گیا تو ایک ایسا منظر دیکھا جو مجھے آج بھی یاد آتا ہے تو میری آنکھیں بھر آتی ہیں۔ ہیولاک مر چکا تھا اور دو کوڑھی اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے

دلدل کی طرف لا رہے تھے ۔ میں ان کے قریب گیا تو دیکھا کہ ہیولاک کی لاش پر چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں ۔ میرا دل غم سے بیٹھ گیا۔ ہیولاک نے میری بیماری میں بے حد خدمت کی تھی ۔ وہ جانے کب سے اپنے غار میں مردہ پڑا رہا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی ۔ کوڑھیوں نے میری آنکھوں کے سامنے ہیولاک کی لاش کو دلدل میں لڑھکا دیا ۔ دلدل کی ساکن سطح میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے ہیولاک کی لاش کو نگلنا شروع کر دیا ۔ ایک دو بار اس کی لاش دلدل کی سطح پر نمودار ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لئے تاریک دلدل کی تہ میں اتر گئی ۔

اس ... موت کے ٹاپو میں رہتے ہوئے مزید چار ماہ گزر گئے ۔ میری ٹانگ ٹھیک ہو گئی تھی مگر جسم میں جان باقی نہیں رہی تھی ۔ درختوں کے پتے ' بدبودار بسکٹ ' پودوں کی جڑیں اور جھیل کا گندا پانی مجھے لمحہ بہ لمحہ موت کی طرف لئے جا رہا تھا۔ مجھے بار بار ہیولاک کے الفاظ یاد آتے جو اس نے مجھے کہے تھے ۔ "ایک روز میری لاش بھی اسی طرح گھسیٹ کر دلدل میں ڈال دی جائے گی "۔

وہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک روز جھیل کے پانی میں ' میں نے اپنا عکس دیکھا تو ڈر گیا۔ یہ کسی جنگلی وحشی کی شکل تھی ۔ یہ میں نہیں تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ۔ سر کے بال مونچھوں اور داڑھی کے بالوں میں گڈمڈ ہو گئے تھے ۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور اپنی حالت پر دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں اسرائیلیوں کی اذیتیں سہتے ہوئے مر جاتا۔

اچانک میرے دل میں خودکشی کا خیال آ گیا۔ خودکشی میرے تمام مصائب اور دکھوں کا علاج تھی ۔ اس مکروہ اور انسانیت سوز موت کے ٹاپو سے فرار کا یہی ایک راستہ تھا۔ میں خودکشی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے کئی ایک طریقے تھے ۔ میں اپنے آپ کو دلدل میں گرا کر چند لمحوں میں اس جہنم سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن دلدل کی موت سے میری روح کانپ اٹھی ۔ درخت پر چڑھ کر اس کی سب سے بلند شاخ سے سر کے بل نیچے گر پڑوں یا پھر جھیل میں ڈوب کر مر جاؤں یا کسی سانپ کو اپنے آپ سے ڈسوا لوں ؟ خودکشی کے طریقوں پر غور کرتے کرتے میرے دل میں ایک نیا عزم سورج کی کرن کی طرح طلوع ہو گیا ۔ مجھے مرنا نہیں زندہ رہنا ہے اور زندہ رہ کر اس جزیرے کے دوزخ سے فرار ہونا ہے لیکن وہاں سے فرار کیسے ہو سکتا ہے ؟ ٹاپو کے اردگرد جھیل تھی جس کی ایک جانب ہلاکت خیز دلدل تھی تو دوسری جانب آدم خور شارک مچھلیاں ہر دم پانی میں اچھلا کرتی تھیں ۔ وہاں کوئی کشتی بھی نہیں تھی اگر لکڑی کے کسی تختے پر بیٹھ کر جھیل میں سے شارک مچھلیوں سے بچ کر جزیرے پر بھی چلا جاؤں تو وہ خود ایک بہت بڑا قید خانہ تھا۔ یہ کوئی فرار نہیں تھا بلکہ جیل کی ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری تک کا سفر تھا۔ اصل فرار تو جزیرے پر پہنچنے کے بعد عمل میں لایا جا سکتا تھا۔ مگر جزیرے پر پہنچنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اسی ادھیڑبن میں شب و روز گزر رہے تھے کہ اچانک میری قسمت نے پلٹا کھایا ۔

ایک روز صبح کے وقت، میں جھیل میں منہ ڈال کر غٹاغٹ پانی پی رہا تھا کہ جزیرے کے ساحل کی طرف سے وہی ڈونگی نما کشتی آتی دکھائی دی۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ کشتی میں دو وردی پوش محافظ بیٹھے تھے۔ ایک محافظ چپو چلا رہا تھا۔ دوسرا رائفل تانے جھیل میں تیرتی شارک مچھلیوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ ٹاپو کے کنارے تک آتے اس نے تین فائر کر ڈالے۔ وہ اچھل کر کنارے پر اترا اور ہوا میں فائر کر کے بلند آواز میں چلایا۔ "نمبر تیرہ قیدی کہاں ہے؟ نمبر تیرہ قیدی یہاں آجائے"۔

پہلے تو میں سمجھا وہ کسی ایسے قیدی کو بلا رہا ہے جو مر چکا ہے لیکن جب اس نے چوتھی مرتبہ نمبر تیرہ قیدی کو پکارا تو اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ تو میرا نام ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے شوٹ کرنے آیا ہے۔ میں جھاڑیوں میں سے نکل کر اس کے سامنے آگیا اور زور سے قہقہہ لگا کر چلایا۔ "میں ہوں نمبر تیرہ قیدی۔ مجھے جلدی سے گولی مار دو۔ مجھے گولی مار دو"۔

دونوں محافظ آگے بڑھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور کشتی میں بٹھا کر دوسرے کنارے کی طرف چل پڑے۔ میں نے ان کی بار بار منتیں کیں کہ مجھے ہلاک کر دیں۔ مجھے شوٹ کر دیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب میں نے پھر بھی رٹ لگانی نہ چھوڑی تو ایک محافظ نے میری گردن پر اتنی زور سے رائفل کا بٹ مارا کہ میں کشتی میں ہی ڈھیر ہو گیا۔ موت کے ٹاپو پر چھ سات ماہ کی انتہائی غیر انسانی اذیت ناک زندگی بسر کرنے کے بعد مجھ میں اتنی طاقت بھی نہ رہی تھی کہ میں اپنا دفاع کر سکتا۔ نیم غشی کے عالم میں، میں کشتی میں اوندھا پڑا بڑبڑاتا رہا۔ جھیل کے دوسرے کنارے پر مجھے کشتی میں سے کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک پرانی، چھکڑا سی جیپ کھڑی تھی۔ دونوں نے مجھے جیپ میں ڈال دیا اور رائفلیں لے کر میرے سر پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور جیپ لے کر درختوں کی بیچ والی چھوٹی سی کچی سڑک پر چل پڑا۔

جیپ اچھل رہی تھی۔ میں ذہن پر زور ڈال کر سوچنے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ لوگ مجھے موت کے ٹاپو سے نکال کر کہاں لے جا رہے ہیں؟ میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا اور سر جھکائے جیپ کے فرش پر بیٹھا رہا۔ جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ جیپ درختوں کے بالکل قریب سے ہو کر گزر رہی تھی۔ ہم ٹاپو سے شمال مغرب کی طرف کافی آگے نکل آئے تھے۔ ایک مقام پر پہنچ کر جنگل کے عین بیچ میں تھوڑی سی کھلی جگہ آگئی۔ یہاں ٹین کی ڈھلانی چھتوں والے آمنے سامنے دو کوارٹر نما کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان جگہ صاف کر کے پھولدار گملے دائرے کی شکل میں رکھے تھے۔ ایک وردی پوش سپاہی رائفل اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ جیپ ایک کوارٹر کے سامنے جا کر رک گئی۔ میرے دونوں محافظ مجھے آگے لگا کر کوارٹر میں لے گئے۔ یہاں پہلی بار میں نے ایک جلاد شکل کے بھاری بھرکم وردی پوش آدمی کو دیکھا جس کو سیلوٹ مار کر دونوں محافظ باہر چلے گئے۔

اس جلاد کے ہونٹ پتلے ، آنکھیں بھوری اور گردن اندر کو دھنسی ہوئی تھی۔ مونچھیں باریک تھیں۔ چہرے سے سفاکی اور شقاوت جھلکتی تھی۔ میں لکڑی کے فرش پر چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ برین واشنگ کے یہاں مجھے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اگر یہ بات نہیں تھی تو پھر کیا مجھ پر تشدد کا نیا سلسلہ شروع کیا جانے والا تھا؟

میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ وہ شخص کرسی پر سے اٹھا جیب سے سگار نکال کر لائٹر سے سلگایا۔ قدم قدم چل کر میرے پاس آیا اور جھک کر بولا۔ "ہیڈ کوارٹر سے تمہاری رہائی کے آرڈرز آگئے ہیں"۔

پہلے تو مجھے لگا کہ یہ ان لوگوں کی کوئی نئی چال ہے اور مجھ سے میرے ساتھیوں اور پاکستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کوئی نیا جال بچھایا جا رہا ہے لیکن جب اس نے میز کی دراز میں سے ایک فائل نکال کر اس میں نتھی کیا ہوا عبرانی زبان کا ایک سرکاری آرڈر پڑھا تو مجھے کچھ کچھ یقین آگیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ بے پناہ تشدد کرنے کے باوجود مجھ سے کوئی راز اگلوانے میں ناکام رہے تھے۔ اس کے باوجود دل نہیں مانتا تھا کہ یہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑ دیں گے۔ یہ شخص شاید اسی موت کے قیدی کیمپ کا انچارج تھا وہ سگار کے کش لگا رہا تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے محافظ کو آواز دے کر بلایا اور اسے میرے لئے کافی اور کچھ کھانے کے لئے لانے کو کہا۔ میں نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ اس لئے کہ مجھے ان قصائیوں سے رحم کی توقع نہیں تھی۔ ضرور یہ بھی ان کی کوئی نئی چال ہے ۔۔

میں میلی کچیلی نیکر پہنے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ چہرہ بالوں میں چھپا ہوا تھا۔ مجھے گرم گرم کافی اور دو فرنچ ٹوسٹ کھانے کو دیئے گئے۔ میں انہیں دیکھتے ہی دیکھتے کھا گیا۔ گرم کافی نے میرے جسم کو بڑا سکون دیا۔ خدا جانے کتنی مدت کے بعد کافی اور فرنچ ٹوسٹ کھانے کو ملے تھے۔ سوچا مرنا تو ہے ہی ، یہاں سے جو کھانے کو ملے کھاتے رہو۔ کم از کم اس سے توانائی تو بحال ہو گی۔

انچارج سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔ "یہ فیصلہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہیڈ کوارٹر تمہیں بے گناہ سمجھتا ہے۔ تم بہت جلد یہاں سے تل ابیب اور پھر وہاں سے قیدیوں کے تبادلے کے بعد مصر بھجوا دیئے جاؤ گے لیکن چونکہ تمہاری حالت بہت پتلی ہے اس لئے تمہارا میڈیکل چیک اپ ہو گا اور جزیرے کے ہیلتھ سینٹر میں تمہیں کچھ دیر میڈیکل نگرانی میں رہ کر اپنی صحت بحال کرنی ہو گی"۔

کہیں یہ لوگ مجھے سلو پوائزنگ کے ذریعے ہلاک تو نہیں کرنا چاہتے؟ لیکن اتنا تردد کرنے کی انہیں کیا ضرورت ہے۔ وہ جب چاہیں مجھے شوٹ کر کے میری لاش سمندر میں پھینک سکتے ہیں۔ یہاں انہیں پوچھنے والا کون ہے؟ تو کہیں سچ مچ مجھے قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں رہا تو نہیں کیا جا رہا ہے؟

میرے دل میں مسرت کی ایک لہر ابھر آئی۔ ایسا ہو سکتا تھا اور سال میں ایک آدھ بار اس ضمن میں فلسطینی اور اسرائیلی جاسوس قیدیوں کے تبادلے ہوتے رہتے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر مجھ سے زیادہ خوش قسمت موت کے اس جزیرے میں دوسرا کوئی نہیں تھا لیکن میں نے اپنی دلی مسرت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ کیونکہ شک کی پرچھائیاں اب بھی میرے دل کے ایک کونے پر چھائی ہوئی تھیں۔ انچارج نے مجھے سگار پینے کو دیا۔ عرصے بعد سگار کا کش لگایا تو کھانسی شروع ہو گئی۔

انچارج نے کہا۔ "میرے آدمی تمہیں یہاں کے آفیسرز ہیلتھ کلینک میں لے جائیں گے۔ وہاں تم نہادھو کر نئے کپڑے تبدیل کرو گے اور تمہارا میڈیکل ٹریٹ منٹ شروع ہو جائے گا"۔

میں نے پہلی بار زبان کھولی اور انچارج سے پوچھا کہ مجھے کب تک ہیلتھ کلینک میں رکھا جائے گا؟

وہ کافی کے گھونٹ نگل رہا تھا۔ میری طرف غور سے دیکھنے لگا' پھر اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی کہنے لگا۔ "جب تم پوری طرح صحت یاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں کلینک سے فارغ کر کے یہاں سے تل ابیب روانہ کر دیں گے"۔

قدرتی طور پر مجھے یہی خیال آیا کہ چونکہ قیدیوں کے تبادلے کے وقت جاسوس ملزموں کو صحت مند حالت میں دوسرے ملک میں بھیجا جاتا ہے تاکہ پریس کے ذریعے یہ پراپیگنڈہ کیا جا سکے کہ ہم نے قیدیوں کے ساتھ کسی قسم کا تشدد نہیں کیا اسی لئے یہ لوگ مجھے اسپتال میں داخل کر رہے ہیں۔ میں چپ بیٹھا سگار کے ہلکے ہلکے کش لگاتا رہا۔ دل میں یہی سوچا کہ ان کی کوئی بھی سازش کیوں نہ ہو ابھی اسپتال میں چل کر اپنا علاج کروایا جائے اور اپنی توانائی کو بحال کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے۔

موت کے اس جزیرے کا آفیسرز ہیلتھ کلینک جزیرے کے جنوبی علاقے میں واقع تھا۔ چار پانچ کمروں پر مشتمل اس چھوٹے سے اسپتال میں لے جا کر میرے منہ اور سر کے بال سارے کے سارے مونڈ دیئے گئے۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا۔ مجھے نیلا پاجامہ اور نیلی قمیص پہنا دی گئی۔ پھر میرا میڈیکل چیک اپ ہوا۔ مجھے کچھ انجکشن دیئے گئے۔ کچھ گولیاں کھلائی گئیں اور کلینک کے ایک کمرے میں بستر پر لٹا کر تاکید کی گئی کہ میں یہاں سے باہر نہ نکلوں اور زیادہ دیر آرام کروں۔ ان نوازشوں اور عنایات کی ابھی تک مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کسی وقت خیال آتا کہ ہو سکتا ہے یہ قیدیوں کے تبادلے سے پہلے میری صحت بحال کرنا چاہتے ہوں۔ کسی وقت خیال آتا کہ یہ ان کی کوئی بھیانک سازش بھی ہو سکتی ہے۔ بہرحال یہ میرے لئے ایک خوش آئند بات تھی کہ میں جہنم سے نکل کر جنت میں آ گیا تھا۔ میں اس جنت میں رہ کر اپنی کھوئی ہوئی توانائی واپس لانا چاہتا تھا۔ ایک ڈاکٹر دن میں تین مرتبہ میرا معائنہ کرنے آتا۔ ایک ادھیڑ عمر کی اسرائیلی نرس میری خدمت پر مامور تھی۔

مجھے کمرے سے باہر جانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ کھانے کو مجھے دن میں تین بار عمدہ غذا ملتی۔ یہ کلینک جزیرے کے افسروں کے لئے تھا۔ ایک ہفتے کے بعد میں پھر سے تازہ دم ہو گیا۔ بدن کے سارے زخم' تمام کمزوری جاتی رہی۔ میں اپنے اندر نئی توانائی محسوس کرنے لگا۔ میرا چہرہ بھی بھر گیا تھا۔ رخساروں کی وہ ہڈیاں جو ابھر آئی تھیں' غائب ہو گئی تھیں۔

میں اپنا جائزہ بار بار لے رہا تھا۔ کہیں کسی دوائی کسی انجکشن کا مجھ پر منفی اثر تو نہیں ہو رہا؟ لیکن ایسا نہیں تھا۔ انجکشن اور دوائیاں مجھے صحت یاب کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر مجھ سے بہت کم بات کرتا تھا۔ آتا' میرا بلڈ پریشر چیک کرتا انجکشن لگانا ہو تو انجکشن لگاتا' ٹمپریچر دیکھتا اور چلا جاتا۔ میں کچھ پوچھتا تو ہوں ہاں میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتا۔ یہی حال ادھیڑ عمر اسرائیلی نرس کا تھا۔ مجھے ان کے رویئے پر کوئی تعجب نہیں تھا۔ آخر میں ان کا دشمن جاسوس تھا اور یہ سلوک وہ مجھ سے محض اس لئے کر رہے تھے کہ جب بارڈر پر کسی دوسرے اسرائیلی قیدی کے ساتھ میرا تبادلہ ہو تو وہ دنیا کے پریس کے سامنے یہ ثابت کر سکیں کہ ہم قیدیوں کے ساتھ انسانیت نواز سلوک کرتے ہیں۔

مجھے ہیلتھ کلینک دوسرا ہفتہ جا رہا تھا کہ ایک روز ڈاکٹر میرا معائنہ کرنے آیا تو اس کے ساتھ ایک پکی عمر کا اجنبی بھی تھا۔ اس اجنبی کا چہرہ مریضوں ایسا لگ رہا تھا۔ کنپٹیوں پر اس کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے سفید شارک اسکن کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا تھا اور چھڑی کے سہارے بڑے آرام سے قدم اٹھاتا تھا۔ ڈاکٹر نے میرا اس سے ان الفاظ میں تعارف کرایا۔" یہ ریڈ کراس کے بڑے ڈاکٹر ہیں۔ اپنے محکمے کی طرف سے تمہاری خیریت دریافت کرنے آئے ہیں"۔

پکی عمر کا یہ ڈاکٹر مجھے خود ایک مریض لگ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ پھر وہ ڈاکٹر کو ذرا پرے لے جا کر شاید میرے بارے میں کچھ دریافت کرنے لگا۔ اس نے میری فائل کھول کر کاغذات بھی غور سے چیک کیئے اور خاموشی سے ڈاکٹر کے ساتھ میرے سے باہر نکل گیا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی میں رہا کیا جا رہا ہوں اور سینائی کے بارڈر پر کسی خطرناک اسرائیلی جاسوس کے ساتھ تبادلہ کیا جائے گا۔ اپنی رہائی اور اس جہنم سے نجات حاصل کرنے کے خیال سے میرے رگ و پے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں پوری طرح صحت یاب ہو چکا تھا۔ صبح اٹھ کر میں کمرے کے اندر ہی ورزش بھی کرتا جس سے میرے پٹھوں میں وہی پرانی طاقت واپس آ گئی تھی۔ ایک دن ڈاکٹر نے میرا تھوڑا بہت معائنہ کیا اور کہا کہ مجھے آخری چیک اپ کے لئے دوسرے بڑے اسپتال میں لے جایا جائے گا۔ میں کچھ حیران سا ہوا کہ آخر میرے اتنے معائنوں اور چیک اپ کی کیا ضرورت ہے جبکہ میں پوری طرح صحت یاب ہو چکا ہوں۔ میں نے ڈاکٹر سے اس کا اظہار کیا تو وہ بولا۔" تمہیں مصری حکام کے حوالے کرنے سے پہلے ہمیں اپنے سارے فرائض پورے کرنے ہوں گے۔ ہمیں ہیڈ کوارٹر

سے یہی حکم آیا ہے"۔

میں نے پوچھا کہ بڑا اسپتال کہاں ہے۔ اس نے اسٹیتھو اسکوپ گردن سے نکال کر لمبے کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تمہیں ایک خاص ملٹری طیارے میں وہاں لے جایا جائے گا"۔

دل میں عجیب عجیب سے خیال آنے لگے۔ یہ لوگ مجھے کسی جال میں تو نہیں پھنسا رہے؟ یہ جال آخر کیا ہو سکتا ہے؟ نہیں نہیں۔ یہ میرا وہم ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ اپنے کسی خطرناک اور انتہائی قیمتی جاسوس کے بدلے مجھے مصری حکام کے حوالے کرنے والے ہیں۔ بڑے اسپتال میں میرے آخری چیک اپ کے بعد مجھے سینائی بارڈر پر لے جا کر مصری حکام کے حوالے کر دیا جائے گا اور میرے بدلے میں اپنا آدمی وصول کر لیں گے۔

اگلے ہی روز اسپتال کے باہر ایک جیپ آ کر کھڑی ہو گئی۔ میں خود چل کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ جزیرے کی ہوا بڑی خوشگوار لگی۔ جیپ جزیرے کے مغربی ساحل سے نکل کر شمال مشرق کی جانب ایک چھوٹے سے ہوائی اڈے پر پہنچ کر رک گئی۔ یہاں ایک چھوٹا فوجی طیارہ پہلے سے موجود تھا۔ طیارے میں سے ایک فوجی افسر اسٹین گن ہاتھ میں لئے باہر نکلا۔ دو فوجی طیارے کے اندر ہی بیٹھے رہے۔ مجھے طیارے میں ان کے درمیان بیٹھا دیا گیا۔ ان اسرائیلی فوجیوں کے چہرے خاموش اور سپاٹ تھے۔ ڈاکٹر نے میری فائل اسرائیلی فوجی افسر کے حوالے کر دی تھی۔ طیارہ ہوائی پٹی پر کچھ دیر تک دوڑنے کے بعد فضا میں بلند ہو گیا۔ موت کے جزیرے سے نجات پانے کے احساس سے میں بے حد خوش تھا۔ اسرائیلی فوجی افسر میرے پاس ہی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ایک بار اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ میں نے اس سے خوشگوار موسم کے بارے میں بات کی اور پھر پوچھا۔ "ہم کتنی دیر میں بڑے اسپتال پہنچ جائیں گے؟"

اس نے اپنے سر کو ذرا سا ہلا کر عبرانی زبان میں کہا۔ "بہت جلد"۔

اور یہ کہہ وہ طیارے کی گول کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت دن کے دو بجے ہوں گے۔ کھانا میں نے اسپتال والے کمرے میں ہی کھا لیا تھا۔ دل کافی حد تک مطمئن تھا۔ چنانچہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نے سیٹ کے پیچھے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے نیند آ گئی۔ میں کافی دیر تک سویا رہا تھا۔ کیونکہ جب میری آنکھ کھلی تو باہر اندھیرا تھا۔ طیارہ آہستہ آہستہ ایک طرف گھوم رہا تھا۔ میں نے اسرائیلی فوجی افسر کی طرف دیکھ کر وقت پوچھا تو اس نے کہا۔ "ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں"۔

میں نے کھڑکی میں سے نیچے نگاہ ڈالی۔ ایک طرف کچھ مدھم سی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ نیچے کوئی ایسا شہر نہیں تھا جس کی بے شمار روشنیاں دکھائی دیتیں۔ میں نے فوجی افسر سے کہا۔ "کیا یہ اسپتال کسی شہر میں ہے"۔

اس نے ایک لمحے کے لئے میری طرف دیکھا ذرا سا مسکرایا اور بولا۔ "اسپتال شہروں میں ہی ہوتے ہیں"۔

جب میں نے کہا کہ نیچے کسی شہر کی روشنیاں نظر نہیں آ رہیں تو وہ بولا۔ "یہاں بجلی کی پاور کی کمی ہے۔ اس لئے شہر کے بیشتر علاقوں میں رات کے شروع ہوتے ہی روشنیاں بجھا دی جاتی ہیں۔ وہ نیچے دور جو بتیاں نظر آ رہی ہیں وہ بڑا اسپتال ہے"۔

میرے پوچھنے پر فوجی افسر نے بتایا کہ فائنل چیک اپ دس منٹ میں ہو جائے گا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ طیارہ نیچے اتر رہا تھا۔ پھر اس کے پہیئے ہوائی پٹی سے ٹکرائے اور کچھ دور جا کر طیارہ رک گیا۔ ایک جیپ دوڑتی ہوئی ہمارے طیارے کے پاس آ کر رک گئی۔ اس میں سے ایک سفید کوٹ اور مضبوط جسم والا ڈاکٹر باہر نکلا اور میرے کاندھے کو آہستہ سے تھپتھپا کر کہنے لگا۔ "دوست! تم جوان آدمی ہو۔ بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔ ورنہ جہاں تمہیں بند کیا گیا تھا وہاں سے کبھی کوئی زندہ واپس نہیں آیا"۔

مجھے دوسری جیپ میں بٹھا دیا گیا۔ دونوں اسٹین گن بردار اسرائیلی محافظ اور ڈاکٹر بھی میرے ساتھ ہی جیپ میں بیٹھ گئے۔ اور جیپ بڑے اسپتال کی طرف چل پڑی۔ یہ ایک ویران سی سڑک تھی۔ جس کی دونوں جانب کہیں کہیں کھجور اور انجیر کے درخت اندھیرے میں مجھے دکھائی دے جاتے تھے۔ انجیر کے درختوں کو میں اندھیرے میں بھی پہچان لیتا تھا۔ یہ علاقہ اسرائیل ہی کا تھا۔ میں نے دبی زبان میں فوجی محافظ سے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے؟ تو اس نے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کو کہا اور باہر تکنے لگا۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ میں بہرحال ایک دشمن جاسوس تھا اور مجھ سے زیادہ بات چیت نہیں کی جا سکتی تھی۔ جیپ اب ایک ایسی سڑک پر آ گئی جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بجلی کے کھمبوں کے ساتھ بلب جل رہے تھے۔ ہم ایک خشک دریا کے پل پر سے گزرے تو جیپ نسبتاً ایک پکی اور ہموار سڑک پر آ گئی۔ علاقہ سطح مرتفع کا تھا۔ آس پاس چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ مضبوط جسم والا ڈاکٹر اگلی سیٹ پر فوجی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک تھیلے میں سے کوکا کولا کاٹن نکال کر مجھے پینے کو دیا۔ مجھے بھوک محسوس ہو رہی تھی لیکن میں اس خیال سے خاموش رہا کہ شاید اسپتال پہنچنے پر یہ لوگ رات کا کھانا کھائیں گے۔

ٹیلوں میں سے نکل کر جیپ ایک سیدھی سڑک پر آئی تو مجھے دور بہت سی جگمگاتی ہوئی بتیوں کا جھرمٹ نظر آیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ بڑا اسپتال آ گیا تھا۔ میں نے عبرانی میں ڈاکٹر سے پوچھا کہ ڈاکٹر وہ سامنے بڑے اسپتال کی روشنیاں ہیں کیا؟

اس نے اثبات میں جواب دیا اور چپ ہو گیا۔ مجھے ان لوگوں کی خاموشی کچھ پر اسرار سی لگنے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا دل کسی آنے والے خطرے کو محسوس کر کے زور سے دھڑک اٹھا۔ مگر

میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں معمولی سا فائنل چیک اپ ہو گا اور پھر مجھے اس بک بک سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔ میں اسی طیارے کے ذریعے تل ابیب اور پھر وہاں سے سینا کی مصری سرحد پر پہنچا دیا جاؤں گا۔ اس کے بعد' میں آزاد ہو جاؤں گا اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہو سکوں گا۔

روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ کوئی بیس منٹ کے بعد ہماری جیپ ایک دو منزلہ سفید رنگ کی خوبصورت عمارت کے پورچ میں کھڑی تھی۔ لابی کا فرش چمک رہا تھا۔ عمارت کے باہر کچھ نہیں لکھا تھا۔ ایک نرس تیز تیز قدم اٹھاتی ہمارے قریب سے گزر گئی۔ میرے سارے خدشے اور اندیشے دور ہو گئے۔ یہ اسپتال ہی تھا۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں بڑا خوش خوش جیپ میں سے نکل کر لابی کے فرش پر آ گیا۔ میرے محافظ فوجی بھی میرے پیچھے نکل آئے اور میرے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ آخر میں ایک خطرناک جاسوس تھا۔ انہیں میری نگرانی تو کرنی ہی تھی۔ سامنے والا شیشے کا دروازہ کھلا اور ایک نیا ڈاکٹر مسکراتا ہوا نمودار ہوا۔ ہمارے ڈاکٹر نے اس سے ہاتھ ملایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ڈاکٹر! یہ ہیں تمہارے مریض۔ ان کا فائنل چیک اپ ہو گا۔ ہم کب تک فارغ ہو جائیں گے؟ کیونکہ مجھے واپس ائرپورٹ کے کلینک بھی جانا ہے"۔

نووارد ڈاکٹر نے کہا۔ "ایک گھنٹے میں ہم آپ کو فارغ کر دیں گے۔ آیئے' اندر چلئے"۔

اسپتال کی راہداری بھی بے حد صاف ستھری اور چمکیلی تھی۔ اس ویران علاقے میں یہ بہت ہی صاف ستھرا اور اہم اسپتال تھا۔ شاید یہ اعلیٰ اسرائیلی فوجی افسروں کے لئے بنایا گیا تھا کہ وہ یہاں آ کر علاج بھی کرائیں اور سکون کے ماحول میں کچھ دن بھی گزار سکیں۔ ایک بحری فوج کا افسر ہمارے قریب سے گزر گیا۔ اسپتال ائرکنڈیشنڈ تھا۔ باہر کی گرم فضا کے مقابلے میں اندر ہلکی ہلکی خوشگوار خنکی تھی جس میں مختلف دوائیوں کی دھیمی دھیمی بو رچی ہوئی تھی۔ ایک نرس ٹرالی لے کر ہمارے قریب سے گزری۔ ٹرالی پر اسٹین لیس اسٹیل کے طشت میں کچھ شیشیاں اور انجکشن کا سامان پڑا تھا۔ مجھے ایک چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے میں لے جایا گیا۔ درمیان میں سفید چادر والا بستر لگا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر تھرمس اور گلاس پڑا تھا۔ چھت میں مرکری لائٹ کی دو ٹیوبیں روشن تھیں۔ میرے فوجی محافظ باہر ہی رہ گئے۔ دونوں ڈاکٹر میرے ساتھ اندر آ گئے تھے۔ انہوں نے مجھے بستر پر لیٹنے کا اشارہ کیا پھر ایک ڈاکٹر میری نبض دیکھنے لگا۔ دوسرے نے میری قمیص اوپر کر کے میرے دل پر اسٹیتھی اسکوپ لگایا اور اپنی کلائی کی گھڑی پر نظریں جما دیں میری میڈیکل فائل اس کے پاس ہی تھی' جو اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی میرے بستر کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

کوئی ایک منٹ تک وہ میرے دل کی دھڑکنیں اور دوسرا ڈاکٹر میری نبض دیکھتا رہا۔ پھر نئے ڈاکٹر نے میری فائل کھول کر اس میں کچھ لکھا۔ فائل بند کر کے میز پر رکھی اور دونوں باہر نکل گئے۔

ظاہر ہے میرا فائنل چیک اپ ہو رہا تھا۔ قدرتی طور پر میرے دل میں کسی قسم کا کوئی دوسرا خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور وہاں کوئی ایسی شے بھی نظر نہیں آ رہی تھی کہ مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوتا۔ آخر خطرہ کس بات کا ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر دروازہ کھول کر باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ باہر دونوں فوجی محافظ اسٹین گن اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ یہ بھی کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ میں دشمن ملک کا خطرناک جاسوس تھا۔ میری نگرانی ان کا فرض تھا۔ ان کی ڈیوٹی تھی۔ میں صحت مند تھا۔ اس لئے عین وقت پر میری بھوک چمک اٹھی تھی۔ مگر ابھی تک ان لوگوں نے مجھے کھانے کو کچھ بھی نہ دیا تھا۔ اس منحوس جزیرے کے جلاد انچارج نے جاتے ہوئے مجھے میری گھڑی بھی واپس نہیں کی تھی۔ نہ معلوم رات کا کیا بجا ہو گا۔ کمرے میں کوئی وال کلاک بھی نہیں لگا تھا۔ اس میں کوئی کھڑکی بھی نہیں تھی۔ دیوار پر ائرکنڈیشنر کا چوکور چوکھٹا ہی لگا تھا۔ راہداری کے فرش پر کسی کے چھوٹے چھوٹے قدموں کی ٹک ٹک سنائی دی۔ یہ آواز میرے کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ دروازہ کھلا اور ایک دبلی پتلی گوری چٹی نرس ہاتھ میں اسٹین لیس اسٹیل کی ٹرے لئے اندر داخل ہوئی۔ میرے پاس آ کر ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھی۔ اس میں سے تھرمامیٹر نکال کر جھاڑا۔ پھر میرے منہ میں لگایا اور اپنی کلائی پر بندھی سنہری گھڑی کو تکنے لگی۔ جب وہ میرا ٹمپریچر لے چکی تو میں نے اس سے وقت پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور ٹک ٹک کرتی باہر نکل گئی۔ دروازہ کھلنے پر مجھے باہر کھڑے مسلح محافظوں کی ایک جھلک پھر دکھائی دی۔ کیا یہ نرس گونگی تھی؟ لیکن اسپتال میں گونگی بہری نرس کا کیا کام؟ پھر اس نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ شاید اسے مجھ سے بات کرنے کی کی اجازت نہیں ہو گی۔ آخر میں کوئی عام مریض تو نہیں ہوں۔ دشمن ملک کا جاسوس ہوں۔ میں اپنے آپ سے یونہی باتیں کرنے لگا۔

راہداری میں خاموشی چھائی تھی۔ کسی وقت دور سے کسی دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آ جاتی تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ فضا میں مجھے کچھ پراسرار سی بات کا احساس ہو رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے قدموں کی آواز آنے لگی۔ میں صاف ستھرے بستر پر پلنگ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اس اسپتال کا ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ وہی سفید سوٹ والا ادھیڑ عمر کا کمزور اور اداس چہرے والا پختہ عمر کا ڈی تھا۔ جس سے جزیرے میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو رہے تھے۔ شکل و صورت سے وہ کوئی ڈپلومیٹ لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ تھا۔ مجھے پیش کرتے ہوئے اس نے خندہ پیشانی سے میری رہائی پر مبارک باد دی اور ڈاکٹر سے کہا۔ "ڈاکٹر! اب معاملات طے شدہ پروگرام کے مطابق ہونے چاہئیں"۔

ڈاکٹر نے میری میڈیکل فائل کھولی اور میرے بستر سے ذرا پرے لے جا کر اسے کچھ دکھانے لگا۔ سفید سوٹ والا زرد رو ڈپلومیٹ آہستہ آہستہ سر ہلا کر جیسے اپنی خوشنودی کا اظہار کر رہا ہو۔ جاتے ہوئے اس ڈپلومیٹ نے ایک بار پھر مجھے گہری نظر سے دیکھا اور بولا۔ "آج صبح صبح تم اپنے ملک کی

طرف روانہ کر دیئے جاؤ گے "۔

اس نے ایک معنی خیز نگاہ ڈاکٹر پر ڈالی۔ دونوں ذرا سا مسکرائے اور کمرے میں سے نکل گئے۔ میں نے زمانے کے بڑے سرد گرم دیکھے تھے۔ ہر قسم کے ماحول میں زندگی بسر کی تھی۔ قاتلوں ' ڈاکوؤں ' جنگلی وحشیوں اور وطن پر جان نثار کر دینے والوں کے ساتھ بھی رہا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں کچھ ہو رہا ہے۔ میرے خلاف کوئی گھناؤنی سازش تیار کی جا رہی ہے۔ میں یہاں محفوظ نہیں ہوں۔ میں اس معمے کو حل کرنا چاہتا تھا اور اس کا بظاہر کوئی طریقہ نہیں آ رہا تھا۔ میں ان لوگوں کے دلوں کے بھید معلوم کرنا چاہتا تھا۔ آخر ان کے دلوں میں کیا ہے؟ یہ حقیقت میں کیا چال چل رہے ہیں؟

یہ وہ سوال تھے جن کا جواب مجھے ہر حالت میں حاصل کرنا تھا۔ کافی دیر سوچ بچار کرتا رہا۔ آخر ایک ہی طریقہ سجھائی دیا۔ میں نے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے کمرے میں کسی کے داخل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے ان لوگوں پر اس لئے بھی شک پڑا کہ میں نے نرس سے کچھ کھانے کے لئے مانگا کیونکہ مجھے بھوک لگ رہی تھی تو اس نے کہا کہ ابھی تمہیں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔ تھوڑا انتظار کرو۔ یہ تمام علامات کسی آپریشن کی تھیں۔ کیا یہ لوگ میرا آپریشن کرنے والے تھے پندرہ بیس منٹ کے بعد راہداری میں ایک بار پھر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

ٹک ٹک ٹک۔ نرس آ رہی تھی۔ میں جلدی سے بستر سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اپنی اسکیم پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

دروازہ کھلا۔ وہی نرس ٹمپریچر دیکھنے والا سامان ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی۔ میں نے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق اس سے باتیں شروع کر دیں۔ نرس نے مجھے بستر پر لیٹ جانے کو کہا۔ میں بڑی پھرتی سے اپنے پلنگ کی طرف بڑھا اور پھر پروگرام کے مطابق کھڑے قد سے دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ یوں ظاہر کیا جیسے بے ہوش ہو گیا ہوں۔ نرس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اس نے مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے اپنا آپ چھوڑ دیا تھا۔ پریشان ہو کر اس نے باہر کھڑے گارڈ کو آوازیں دیں۔ میں بہت ہی نیم وا نظروں سے تک رہا تھا۔

دروازہ زور سے کھلا۔ دونوں اسٹین گنوں والے فوجی دوڑ کر اندر آئے۔ نرس نے انہیں بتایا۔

" یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اسے بستر پر ڈالو۔ میں ڈاکٹر کو خبر کرتی ہوں "۔

وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ گارڈ نے مجھے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا اور میرے دروازے میں اندر کی جانب اٹنشن ہو کر کھڑے ہوئے گئے۔ میں بالکل بے سدھ پڑا تھا۔ مگر بہت ہی نیم وا آنکھوں سے برابر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سوانگ میں نے اس امید پر رچایا تھا کہ ہو سکتا ہے مجھے بے ہوش پا کر یہ لوگ اپنی زبان سے کوئی راز کی بات اگل دیں اور مجھے سنگین صورت حال کا علم ہو جائے۔ راہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز آئی۔ دروازہ زور سے کھلا۔ دونوں ڈاکٹر پریشان حالت میں اندر

داخل ہوئے ۔ ان کے پیچھے پیچھے نرس بھی چلی آ رہی تھی ۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔ اب انہوں نے مجھے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا ۔ میری نبض دیکھی ۔ آنکھوں کے پپوٹے کھول کر دیکھے ۔ میں نے ڈھیلے اوپر چڑھا لئے تھے ۔ انہوں نے نرس کو وہاں سے بھجوا دیا ۔ پھر مجھے ایک انجکشن دیا گیا ۔ ایک ڈاکٹر میرا بلڈ پریشر چیک کرنے لگا ۔ دوسرے نے کہا ۔ "ٹمپریچر نارمل ہے ۔ اس کی بے ہوشی کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی "۔

دوسرے نے کہا ۔ " اس کو ہر حالت میں ہوش میں آنا چاہئے ۔ ورنہ ہماری نوکریاں ختم سمجھو"۔

پہلے ڈاکٹر نے کہا ۔ " مجھے تو اچانک نروس بریک ڈاؤن لگتا ہے "۔

دوسرے کی آواز آئی ۔ " کسی نے اسے بتا تو نہیں دیا کہ اس کا دل نکال کر سینیٹر جوزف کو لگا... "

پہلے ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹ دی ۔ " شی ! احتیاط سے کام لو ڈاکٹر ! یہاں کوئی بھی تمہاری بات سن سکتا ہے "۔

میرے جسم میں خوف کی ٹھنڈی یخ لہر دوڑ گئی ۔ پہلے میں بے ہوش نہیں تھا لیکن جو کچھ میرے کانوں نے سنا اس کے بعد مجھے یوں لگا کہ میں واقعی بے ہوش ہو رہا ہوں ۔ میرے خدا ! یہ لوگ میرا دل نکال کر کسی سینیٹر جوزف کو لگانے والے ہیں یقیناً سینیٹر جوزف وہی کمزور چہرے اور سفید سوٹ والا ادھیڑ عمر آدمی ہے جو تھوڑی دیر پہلے میرے لئے پھولوں کا گلدستہ لایا تھا ۔ اب میری سمجھ میں آ گیا کہ یہ لوگ میری اتنی خدمت کر رہے تھے مجھے کیوں کھلا پلا کر صحت مند کیا جا رہا تھا ۔ مجھے قربانی کا بکرا بنایا جا رہا تھا ۔ یہ سینیٹر ضرور اسرائیلی پارلیمنٹ کا کوئی اہم ترین رکن ہے اور دل کا مریض ہے اور میرا دھڑکتا ہوا زندہ دل نکال کر اس کے سینے میں پیوست کرنے والے تھے ۔ یہ آپریشن نہیں بلکہ میری موت اور میری لاش کی چیر پھاڑ تھی ۔

فوری طور پر مجھے یوں لگا جیسے میں ذرا سی بھی مزاحمت کرنے کے قابل نہیں رہا اور یہ لوگ میرے ہوش میں آنے کے بعد مجھے اسٹریچر پر باندھ کر آپریشن تھیٹر میں لے جائیں گے جہاں میرے پہلو میں دوسرے اسٹریچر پر زرد رو اسرائیلی سینیٹر جوزف اسٹریچر پر بے ہوش پڑا ہو گا پھر مجھے بھی بے ہوش کر دیا جائے گا اور میرے سینے میں سے دل نکالنے کے لئے چیر پھاڑ شروع ہو جائے گی اور میں مر جاؤں گا اور میری لاش چونے کے گڑھے میں پھینک دی جائے گی ۔ یہ انتہائی بھیانک ' انتہائی گھناؤنا تصور تھا ۔

ڈاکٹر ' مجھے ہوش میں لانے کے جتن کر رہے تھے ۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی ۔ کوئی تیز قدموں سے چلتا میرے پلنگ کے قریب آیا ۔ میں نے ایک آنکھ کی پلک ذرا سی کھول کر دیکھا ۔ یہ وہی زرد رو ادھیڑ عمر ڈپلومیٹ تھا ۔ وہ اضطراب کی حالت میں بولا ۔ " کیا ہو گیا ہے اسے ؟ ڈاکٹر ! تمہیں اسے صحت مند حالت میں لانے کے بعد خود بے ہوش کر کے اس کا ہارٹ ٹرانس پلانٹ کرنا ہو گا ۔ تم لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ میں نے موت کے جزیرے کے انچارج سمیت تم لوگوں کو ایک لاکھ امریکی ڈالر ادا

کیئے ہیں اور میں پارلیمنٹ کا اہم رکن بھی ہوں۔ اگر میرے ساتھ دھوکا کیا گیا تو تمہاری خیر نہیں ہے"۔

ایک ڈاکٹر نے نرم لہجے میں کہا۔ "سینیٹر جوزف! پلیز آپ چل کر اپنے کمرے میں لیٹ جائیں۔ آپریشن آدھی رات کے بعد اپنے طے شدہ ٹائم پر ضرور ہو گا۔ اسے ابھی ہوش آ جائے گا"۔

سینیٹر جوزف خاموشی سے سر کو جھٹکتا ہوا باہر نکل گیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر آدھی رات سے پہلے پہلے میں یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا تو صبح میری کٹی پھٹی' دل سے خالی لاش چونے کے گڑھے میں سڑ رہی ہو گی۔

اب میں ہوش میں آ جانا چاہتا تھا تاکہ یہ ڈاکٹر مطمئن ہو کر چلے جائیں اور مجھے یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچنے کا موقع مل سکے۔ میں نے انتہائی نقاہت کے عالم میں ہوں ہوں کی آواز حلق سے نکالی اور آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹروں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ "ڈاکٹر! مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

ہٹا کٹا ڈاکٹر بولا۔ "شاید کمزوری کے باعث تم بے ہوش ہو گئے تھے۔ تمہیں طاقت کا انجکشن لگا دیا گیا ہے"۔

دوسرے ڈاکٹر نے میرے بازو کو تھپتھپا کر کہا۔ "اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے لئے نرس کے ہاتھ گرم گرم سوپ بھجواتا ہوں"۔

اور دونوں ڈاکٹر جلدی جلدی کمرے سے باہر چلے گئے۔ باہر کھڑے مسلح گارڈ کی ایک خوفناک جھلک مجھے پھر دکھائی دی۔ میرا چہرہ گرم ہو گیا۔ مجھے ہر حالت میں اس مقتل سے فرار ہونا تھا۔ وقت محدود تھا اور فرار کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

موت میرے سامنے کھڑی تھی۔ موت کو اتنا قریب میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا نصف رات کی گھڑی نزدیک سے نزدیک آ رہی تھی' سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی' روشندان بھی نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ تھا جس کے باہر مسلح پہرے دار سنتری کھڑے تھے۔ میں بیک وقت ان دونوں کو قابو نہیں کر سکتا تھا میرے پاس ناخن کاٹنے والی قینچی تک نہیں تھی مجھ پر اضطراری کیفیت طاری تھی میں بستر سے اٹھ کر کمرے کے فرش پر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ دیوار کو انگلی سے بجا کر دیکھا یہ ٹھوس تھی۔ ائر کنڈیشننگ والا چوکھٹا ایک اور فرش سے دس بارہ فٹ اونچا تھا دوسرے وہ چھوٹا تھا میری حالت ایسی تھی کہ میں سر دھڑ کی بازی لگانے پر تلا ہوا تھا اور میں کچھ بھی کر سکتا تھا موت اپنے پنجے پھیلائے انتہائی گھناؤنی اور مکروہ شکل میں آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ ایسی دہشت ناک موت کا میں نے اپنے لئے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ راہداری کی خاموشی میں انسانی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ شاید کوئی میرے کمرے کی طرف آ رہا تھا میں جلدی سے بستر پر نیم دراز ہو گیا اور سر پلنگ کی ریلنگ سے لگا دیا۔ میری آنکھیں

دروازے پر لگی تھیں دروازہ کھلا اور ایک کمپوڈر قسم کا آدمی لمبا سفید کوٹ اور سر پر سفید ٹوپی جمائے ہاتھ میں دوائیوں والی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا۔ بجلی کی چمک کے ساتھ ایک خیال میرے ذہن میں لہرا گیا یہی شخص میری زندگی کی آخری امید تھا۔ اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو پھر مجھے بھیانک موت سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا میری ساری طاقت جیسے سمٹ کر میرے ہاتھ کے پنجوں میں آگئی۔ کمرے کا دروازہ ایسا تھا کہ کھلنے کے بعد اپنے آپ بند ہو جاتا تھا۔

اس کمپوڈر کے اندر آتے ہی پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا اس نے آتے ہی ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھی اور مجھے قمیص کی آستین اوپر کرنے کا اشارہ کیا میں اس وقت ایک مکمل کمانڈو کے روپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کمپوڈر نے ٹرے میں سے سرنج اٹھا کر اس میں دوائی بھری اور مجھے ٹیکہ لگانے کے لئے آگے کو جھکا بس یہ اس کی زندگی کی آخری حرکت تھی۔

ایک بجلی سی کوندی اور میں نے اس کی گردن کو دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں دبوچ کر بستر پر گرا لیا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ مجھے اسے ہلاک کرنے میں دیر نہیں لگانی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ کسی قسم کی آواز پیدا نہیں ہونی چاہئے تھی۔ دونوں باتوں پر میں نے انتہائی مہارت سے عمل کیا۔ دس سیکنڈ کے اندر اندر اس بدنصیب کی گردن کا منکا ٹوٹ چکا تھا اور وہ میری گود میں مردہ پڑا تھا میں لپک کر بستر سے اٹھا۔ اس کا لمبا سفید کوٹ اتار کر پہنا پھر اس کی سفید ٹوپی اپنے سر پر جمائی۔ اس کے سفید بوٹ تیزی سے پہنے اس کام میں مجھے زیادہ سے زیادہ دس سیکنڈ مزید لگ گئے پھر میں نے اس کی لاش اٹھا کر پلنگ پر ڈالی اور اسے سفید چادر سے ڈھک دیا یہ مرحلہ آسانی سے اس لئے طے ہو گیا کہ وہاں میری کمانڈو کاروائی میں مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں تھا اصل مرحلہ اب شروع ہونے والا تھا جب مجھے کمپوڈر کے کپڑوں میں باہر نکلنا تھا ایک بات مجھے معلوم تھی کہ راہداری میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ یہ نیم اندھیرا اور میری قسمت ہی میرا ساتھ دے سکتی تھی میں نے سائڈ ٹیبل پر سے ٹرے اٹھائی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا اس وقت مجھے واقعی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں پل صراط پر سے گزرنے والا ہوں میری شیو ذرا ذرا بڑھی ہوئی تھی۔ منڈا ہوا سر پورے کا پورا میں نے سفید ٹوپی میں چھپا لیا تھا۔

دروازے کے پاس پہنچ کر میں ایک لمحے کے لئے جیسے اپنے آپ رک گیا دل کی تیز دھڑکن کو آہنی عزم سے کام لیتے ہوئے معمول پر لایا اور پھر خدا کا نام لے کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا میں ذرا سا کھانستا ہوا سر کو نیچے کیئے ہوئے منہ کے آگے ایک ہاتھ رکھے تیز تیز مگر انتہائی محتاط قدموں سے چلتا مسلح پہرے دار کے قریب سے ہو کر گزر گیا یہ لمحہ قیامت کا لمحہ تھا ان کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے مسلح پہریداروں کے سانس کی آواز بھی سنائی دی تھی پیچھے سے کسی بھی وقت ہالٹ کی آواز آسکتی تھی اور مجھے ایک دم سرپٹ بھاگنا تھا اور پھر اسٹین گن کی ایک باڑ نے میرے جسم کو چھلنی کر دینا تھا۔

میں آج اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ایک ماہر کمانڈو ہوتے ہوئے بھی اس وقت میرے قدم خوف کے مارے من من کے ہو گئے تھے۔

راہداری نیم تاریک تھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ سامنے سے وہی ڈاکٹر مجھے مل سکتا تھا نرس مل سکتی تھی اسپتال کی عمارت کا دروازہ کوئی بیس قدم کے فاصلے پر تھا مجھے اسی دروازے سے اندر لایا گیا تھا۔ یہ بیس قدم میرے لئے بیس میل کی مسافت بن گئے یوں محسوس ہوا جیسے میں نہ جانے کب سے اس راہداری میں سے گزر رہا ہوں دروازہ آنے کا نام نہیں لے رہا میرے کان سنسنا رہے تھے پیچھے سے کسی وقت ہالٹ یا اسٹین گن کی تڑاتڑ سنائی دے سکتی تھی۔ سامنے سے ایک ٹھگنے قد کی نرس چلی آرہی تھی۔ یہ میری نرس نہیں تھی پھر بھی وہ مجھے پہچان سکتی تھی میں نے غیر شعوری طور پر کھانستے ہوئے اپنا چہرہ نیچے کر لیا نرس میرے قریب سے گزر گئی۔ شاید وہ میٹرن تھی اور رات کے راؤنڈ پر تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اپنی جگہ پر پتھر کا بت بنا کھڑا ہوں اور میری ٹانگیں چل رہی ہیں بائیں جانب دروازہ نظر آیا میں اس کی طرف گھوم گیا چکیلے فرش والی لابی خالی تھی چھت پر لگی ٹیوب لائٹ کے چوکھٹوں میں سے صرف دو چوکھٹے روشن تھے خیال آیا کہ مجھے اسپتال سے باہر جاتے کسی نے دیکھ لیا تو وہ ضرور آکر پوچھے گا کہ میں باہر کہاں جا رہا ہوں ہزار ہا قسم کے وسوسے دل میں پیدا ہو رہے تھے اپنے کمرے سے لابی کے دروازے تک آنے میں مجھے سات آٹھ سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے لیکن یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے میں سینکڑوں کلومیٹر کی مسافت طے کر کے وہاں تک پہنچا ہوں میں لابی میں آکر ایک دم دیوار کی طرف ہو گیا پہرے داروں کی فائرنگ سے بچ کر نکل آیا تھا میں ان کی رینج سے باہر تھا مگر انتہائی خطرے کے زون سے باہر نہیں تھا۔

اسپتال کے پورچ میں ایک باوردی پہرے دار ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا لئے ٹہل رہا تھا میری توجہ اسپتال کی عمارت کے پہلو میں باغ کی جھاڑیوں کی طرف تھی جہاں اندھیرا تھا کچھ فاصلے پر پارکنگ شیڈ میں تین چار گاڑیاں اور ایک ایمبولینس کھڑی تھی میں بظاہر بڑے سکون کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا جس طرف جھاڑیاں اور اندھیرا تھا اس طرف چل پڑا میں نے محسوس کیا کہ مجھے ادھر جاتا دیکھ کر پہرے دار کی اور اس کی نظریں میرا تعاقب کرنے لگیں میں ابھی جھاڑیوں کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی "مسٹر! ذرا رکنا"

یہ جملہ ظاہر ہے اس نے عبرانی زبان میں ادا کیا تھا میرا خون ایک دم جیسے جم کر رہ گیا میں نے اسے بھی ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا اور اس کی طرف چہرہ گھمایا پہرے دار کی چھوٹی چھوٹی سیاہ مونچھیں تھیں اور وہ ایک خوب صورت نوجوان تھا جس نے سپرداروں والی نیلی وردی پہن رکھی تھی، میرے قریب آکر بولا "دوست! میں یہاں نیا نیا آیا ہوں۔ آج میری ڈیوٹی کا پہلا دن ہے میں یہاں کسی کو نہیں جانتا کیا تم مجھے کوئی ایسی گولی لا دو گے جس کے کھانے سے مجھے نیند نہ آئے"

میں نے اطمینان کا سانس بھرا اور کہا "میں سامنے ایمبولینس میں یہ فرسٹ ایڈ کی دوائیاں رکھ آؤں۔ واپس آکر تمہیں گولیاں لادوں گا اس نے بڑے اخلاق سے میرا شکریہ ادا کیا اور اس اسپتال کے بارے میں پوچھنے لگا کہ یہاں تنخواہ ہفتے کے بعد ملتی ہے یا پندرہ دن کے بعد اور یہ کہ یہاں کتنی نرسیں رات کی ڈیوٹی پر ہوتی ہیں۔

میں نے لابی کی طرف دیکھا ابھی تک میرے فرار کا راز فاش نہیں ہوا تھا لیکن یہ بم کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا میں نے پہرے دار سے کہا "میں واپس آکر تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں"

اور تیز تیز قدموں سے ایمبولینس کی طرف چلا۔ اب مجھے کم از کم پہرے دار کی طرف سے اطمینان تھا کہ یہ مجھے ایمبولینس کی طرف جاتے دیکھ کر کچھ نہیں کہے گا کچھ نہیں پوچھے گا پارکنگ شیڈ میں جاتے ہی میں ایمبولینس کی اوٹ میں ہو گیا مجھے اب جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے نکل جانا چاہئے تھا میں دشمن کی تباہ کن فائرنگ کی زد میں تھا فائرنگ کسی وقت بھی شروع ہو کر میرا جسم چھلنی کر سکتی تھی میں نے ٹرے زمین پر رکھ دی ایمبولینس کے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ اس کے سارے دروازے لاک تھے قریب کھڑی ایک کار کا دروازہ کھینچا وہ بھی لاک تھا گاڑیوں کی اوٹ میں جھک کر میں نے تمام گاڑیوں کی جلدی جلدی چیکنگ کی کسی بھی گاڑی کا دروازہ کھلا نہیں تھا میں نے دوڑ لگانے کا فیصلہ کر لیا جلدی سے کمپوڈر کا سفید کوٹ اور سفید ٹوپی اتار کر اندھیرے میں ایک طرف پھینکی اب میں اسپتال کے دھاری دار قمیص، پاجامے میں تھا اور پاؤں میں فلیٹ بوٹ تھے میں پارکنگ شیڈ کے پیچھے سے ہو کر بھاگنے ہی لگا تھا کہ ایک موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں گاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا ایک آدمی موٹر سائیکل پر نمودار ہوا اور اس نے پارکنگ شیڈ میں آکر موٹر سائیکل کھڑی کی اور پیچھے رکھا تھیلا اٹھا کر اسپتال کی طرف بڑھا میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے انجن بند کر کے تالا نہیں لگایا تھا جب وہ تیز تیز قدموں سے لابی میں سے گزر گیا تو میں لپک کر اس کی موٹر سائیکل کی طرف گیا اس پر بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کر کے فرسٹ گیئر میں چلاتا اسپتال کے پورچ سے گزر کر طوفان میل کی طرح سڑک پر آگیا اب مجھے پیچھے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی میں اسی سڑک پر موٹر سائیکل بھگائے لئے جا رہا تھا جس پر میں اپنے قصاب ڈاکٹر اور مسلح گارڈز کی حراست میں یہاں لایا گیا تھا تیسری میں لا کر میں نے فل تھراٹل دے دیا تھا اور موٹر سائیکل اپنی پوری رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔

یہ سڑک ہموار تھی بجلی کے کھمبے میرے قریب سے ہو کر پیچھے گزرتے جا رہے تھے مجھے یوں لگا جیسے میرا راز فاش ہو گیا ہے۔ ہسپتال میں ایک ہنگامہ مچ گیا ہو گا اور مسلح محافظ جیپ میں سوار ہو کر اسٹین گنیں لئے میرے پیچھے چلے آرہے ہوں گے میں نے ایک پل کے لئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا پیچھے کوئی جیپ یا گاڑی نہیں آرہی تھی میرا حوصلہ بلند ہو گیا ایک ایک سیکنڈ انتہائی قیمتی تھا۔ ایک ایک سیکنڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے اسپتال سے دور سے دور نکل جانا تھا۔

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں جا نکلوں گا لیکن اتنا ضرور معلوم تھا کہ مجھے اس جہنم سے ہزاروں لاکھوں میل دور نکل جانا ہے نسبتاً ہموار اور بہتر سڑک ختم ہو گئی اب بائیں جانب وہ سڑک آ گئی جو چھوٹی تھی اور غیر ہموار تھی اور جس کے دونوں جانب کافی فاصلے پر جا کر ٹیوب لائٹس لگی تھیں میں نے رفتار کچھ کم کر لی میری موٹر سائیکل سڑک پر اچھلتی ہوئی چلی جا رہی تھی آگے وہی ائرپورٹ آنے والا تھا جہاں مجھے فوجی طیارے کے ذریعے لایا گیا تھا اس ائرپورٹ کے خطے میں میرے لئے شدید خطرہ تھا۔ اسپتال کا ڈاکٹر ائر پورٹ پر موجود سیکورٹی کے عملے کو میرے فرار کے بارے میں ٹیلی فون کر سکتا ہے اور میں گرفتار کیا جا سکتا ہوں یا پھر کسی بھی طرف سے گولی کا فائر آکر مجھے ابدی نیند سلا سکتا ہے میں وہاں اجنبی تھا نہ مجھے ائرپورٹ کے بارے میں کچھ علم تھا نہ میں یہ جانتا تھا کہ یہ علاقہ کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتا ہے مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آگے بستی کس جانب ہے۔ راستے میں ڈاکٹر کی زبانی صرف اسی قدر پتا چلا تھا کہ یہ جیریکو کا علاقہ ہے جیریکو اسرائیل کی مشرقی بندرگاہ تھی میرے لئے تو ہر طرف ہی خطرہ منڈلا رہا تھا تاہم کسی شہر میں جا کر میرے چھپنے کا امکانات زیادہ روشن تھے یہاں میں پکڑا جا سکتا تھا میری دونوں جانب وہی سنگلاخ اور سنسان پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں یہ ٹیلے مجھے دیو پیکر عفریت معلوم ہو رہے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے دور مجھے چھوٹے سے فوجی ائرپورٹ کی چند ایک روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ میرے لئے شدید خطرے کے نشان تھے میں نے اللہ کا نام لے کر موٹر سائیکل کو دائیں جانب ٹیلوں کی طرف موڑ دیا۔

یہاں زمین ہموار نہیں تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر بکھرے پڑے تھے جنگلی جھاڑیاں بھی اگی تھیں میری موٹر سائیکل اچھل اچھل کر چل رہی تھی۔ اس کی آواز ائرپورٹ کی سکیورٹی کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی اور اگر انہیں میرے فرار کا فون آ گیا تو اس سے میری نشاندہی بھی ہو سکتی تھی میں نے موٹر سائیکل کو روک دیا۔ اس کا انجن بند ہوا تو مجھے ٹیلوں کے قبرستانی سناٹے کا احساس ہوا۔ میں نے موٹر سائیکل کو ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا نہ جانے مجھے کیوں خیال آیا کہ موٹر سائیکل کے پیچھے جو چھوٹی سی ڈگی لگی ہے اسے کھول کر دیکھنا چاہئے۔
ڈگی ایک ڈبے کی طرح تھی اور کیریئر کے پیچھے لگی تھی وہ مقفل تھی میں نے پتھر کی ضرب سے اس کا تالا توڑ ڈالا جھک کر غور سے اندر دیکھا پھر ہاتھ ڈالا تو اندر سے ایک موٹر سائیکل صاف کرنے والا میلا کچیلا رومال' ایک پیچ کس' پانا' لوہے کے تار کا ایک گچھا اور ایک چاقو نکلا۔ یہ چاقو عام سائز کا تھا جیسا کہ گھروں میں سبزی' ترکاری یا پھل کاٹنے کے لئے ہوتا ہے صرف یہی ایک چیز میرے کام کی تھی میں نے چاقو اپنے کرتے کی جیب میں رکھا۔ موٹر سائیکل کو وہیں چھوڑا اور ٹیلوں کے درمیان سے ہو کر مغرب کی طرف چلنے لگا میرے پاؤں میں جو فلیٹ شوز تھے وہ چلنے میں میری بڑی مدد کر رہے تھے تاہم

اندھیرے راستوں میں بکھرے ہوئے پتھروں پر بار بار پاؤں پھسل جاتے تھے کچھ دور چلنے کے بعد مجھے ستاروں کی پھیکی روشنی میں صرف اتنا نظر آنے لگا کہ میں بڑے پتھروں سے بچ کر گزر سکتا تھا یہ کون سا علاقہ ہے؟ کون سی جگہ ہے؟ یہ راستہ مجھے کہاں لے جائے گا؟ ان سوالوں میں سے کسی ایک کا جواب بھی میرے پاس نہیں تھا۔ صرف جان بچانے کا جذبہ مجھے آگے ہی آگے کھینچے جا رہا تھا۔ یہ سارے کا سارا علاقہ دشمن کا تھا میں اس منحوس اسپتال کے جس کمرے میں تھا' وہاں ہر دس یا پندرہ منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی نرس یا ڈاکٹر آکر مجھے دیکھ جاتا تھا۔ اس حساب سے اب تک انہیں میرے فرار کا بھی علم ہو چکا ہوگا اور انہیں اپنے عملے کے ایک رکن کی لاش بھی میرے بستر سے مل گئی ہوگی جس آدمی کی میں موٹر سائیکل لے بھاگا تھا اس نے بھی شور مچادیا ہوگا پورچ میں ٹہلتے نئے پہرے دار نے میرے بارے میں گواہی دی ہوگی کہ اس نے مجھے پارکنگ شیڈ کی طرف جاتے دیکھا تھا اور پھر میں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر فرار ہوا تھا یوں اب تک وہ لوگ میری تلاش میں نکل چکے ہوں گے ہو سکتا ہے رات کے وقت وہ سڑک پر موٹر سائیکل کے ٹائروں کے نشان نہ دیکھ سکیں مگر دن کی روشنی میں انہیں یہی نشان ٹیلوں میں لے آئیں گے۔ اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ میں صبح ہونے سے پہلے کسی محفوظ مقام تک پہنچ جاؤں مگر محفوظ مقام تو یہاں کوئی بھی نہیں تھا میرا یہاں کوئی بھی ہمدرد اور خیر خواہ نہیں تھا اول تو یہاں دور دور تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ان ٹیلوں میں کب تک بھوکا پیاسا بھٹکتا زندہ رہ سکتا تھا اگر کہیں کوئی آبادی نظر آ بھی گئی تو وہاں خطرہ ہی خطرہ تھا اسرائیلیوں کو میں آزما چکا تھا۔ یہ سب کچھ کر سکتے تھے مگر اپنے وطن سے غداری ہرگز نہیں کر سکتے تھے انہیں پتا چل جائے کہ فلسطینی عرب گوریلا ہوں یا میرا تعلق ان کے کسی دشمن ملک سے ہے تو وہ مجھے پہلی فرصت میں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ایک ہی بات میرے حق میں جاتی تھی کہ میں عبرانی زبان بڑی روانی سے بول لیتا تھا اور یہودی مذہب کے بارے میں بھی مجھے کافی معلومات تھیں اور میں یہودی بن کر کچھ دیر دیہاتی لوگوں کے درمیان رہ سکتا تھا لیکن اس میں ہر قدم پر خطرہ تھا خطرہ میرے چاروں طرف تھا لیکن میں نے عہد کر رکھا تھا کہ موت کے جبڑوں میں سے بھی گزر کر یروشلم' اپنی ساتھی نادیہ کے پاس پہنچ کر رہوں گا میرے لئے ایک ناواقف سرزمین پر سفر کرتے ہوئے اردن کی سرحد عبور کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

اتنا مجھے علم ہو گیا تھا کہ میں جیریکو کے مشرقی شہر کے قریب ہوں جیریکو شہر یروشلم سے اتنی دوری پر واقع نہیں تھا کہ میرے لئے وہاں پہنچنا ناممکن ہو سوال یہ تھا کہ جیریکو ایک اچھا خاصہ صیہونی شہر ہے میرا لباس اسپتال کے مریضوں والا ہے میرے فرار کی خبر ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات میں شائع کر دی جائے گی اور میرے کپڑوں اور حلیئے کی تفصیل بھی ضرور بتادی جائے گی۔ اس صورت میں صبح تک مجھے نہ صرف اپنا لباس بدلنے بلکہ کسی حد تک اپنا حلیہ تبدیل کرنے کی بھی اشد ضرورت تھی یہ تمام باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں اور میں سنگلاخ ٹیلوں کے وحشت خیز سناٹے

اور آدھی رات کے اندھیرے میں نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا ٹیلوں کے یہاں بہت سے درے تھے اور عجیب بھول بھلیاں سی بنی ہوئی تھیں مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میں ایک ہی جگہ پر تو نہیں گھوم رہا۔

اس خدشے کو دور کرنے کے لئے میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا مغرب کی طرف نگاہ دوڑائی۔ دور دور تک تاریکی ہی تاریکی پھیلی تھی کسی جگہ پر کوئی ننھی سی روشنی بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ پیچھے نگاہ ڈالی تو دور ائرپورٹ کے ٹاور کی روشنی چمک رہی تھی پھر اچانک مجھے کسی موٹر کے انجن کی آواز سنائی دی شاید اسپتال کی سیکورٹی گارڈ میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی یہاں سے مجھے اسپتال کی روشنیاں نظر نہیں آتی تھیں کیونکہ اس جانب میرے اور اسپتال کی عمارت کے درمیان ایک بلند ٹیلہ حائل ہو گیا تھا میں صرف چھوٹے فوجی ائرپورٹ کی روشنی کو ہی دیکھ سکتا تھا انجن کی آواز کسی جیپ کی لگتی تھی پھر دور ایک ٹیلے کے پیچھے روشنی کی لمبی لکیر نمودار ہوئی اس لکیر کا رخ ائر پورٹ کی طرف تھا۔ خدا جانے یہ کوئی موٹر کار تھی یا جیپ تھی میں ٹھیک طرح سے اندازہ نہ لگا سکتا روشنی ائرپورٹ کی طرف گھوم گئی۔ اس کے بعد فضا اچانک پستول کے یکے بعد دیگرے دو فائروں سے گونج اٹھی ٹیلوں سے ٹکرا کر فائر کے کئی دھماکے بلند ہوئے شاید یہ مجھے ڈرانے کے لئے فائرنگ کی گئی تھی میں تیزی سے ٹیلے کی دوسری جانب اتر گیا اور بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا اندھیرے میں ایک ٹیلہ آتا گزر جاتا پھر دوسرا ٹیلہ شروع ہو جاتا پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر میرے پاؤں درد کرنے لگے میرا سانس پھول گیا میں کافی دور نکل آیا تھا ایک جگہ بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا دو ایک منٹ گزرنے کے بعد میری حالت ٹھیک ہوئی تو میں نے اردگرد کا جائزہ لیا کم بخت عفریت نما ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں اب میں ہر شے اپنا مطلب نکالنے کی حد تک بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

یہ حقیقت بھی میرے سامنے تھی کہ جس یہودی سفاک سینیٹر جوزف نے میرا صحت مند جوان دل نکال کر اپنے سینے میں لگوانے کا پروگرام بنایا تھا وہ نہ صرف یہ کہ اس گھناؤنے منصوبے پر بقول اس کے ایک لاکھ ڈالر خرچ کر چکا تھا بلکہ وہ سرکاری اور فوجی حلقوں میں ایک بااثر شخصیت بھی تھی اس پر مستزاد یہ کہ اب میں ملک کے دشمن جاسوس ہی نہیں بلکہ قاتل بھی تھا اور میرے ریکارڈ میں یہاں اس سے پہلے بھی کچھ قتل شامل کئے جا سکتے تھے ان امور کی روشنی میں یہ شخص میری تلاش میں اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کرے گا اور کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا گویا میرے پیچھے تھوڑی دیر میں ہی بلڈ ہاؤنڈز چھوڑے جانے والے تھے جو زمین کے اندر بھی اپنے شکار کی بو سونگھ لیتے ہیں میں اٹھا اور اللہ کا نام لے کر چل پڑا۔ اگر میرے پاؤں میں کمپوڈر کے ربڑ کے جوتے نہ ہوتے تو خدا جانے میرے پاؤں کا اب تک کیا حشر ہو چکا ہوتا ایک عجیب مانوس سی گونج سنائی دینے لگی میں رک گیا کان لگا کر سنا تو یہ ہیلی کاپٹر کی آواز تھی آسمان پر جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر دیکھا نیلے اور سرخ رنگ کی جلتی بجھتی

بتیاں میری طرف بڑھ رہی تھیں گویا میری تلاش کی مہم شروع ہو گئی تھی ہیلی کاپڑ کے نیچے سے ایک دم روشنی کا ایک آبشار نکل کر ٹیلوں پر پڑا روشنی کا یہ آبشار آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا میں جلدی سے ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا ہیلی کاپٹر ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ٹیلوں کے اوپر سے گزر گیا اس کی سرچ لائٹ کی روشنی سے ٹیلے کے درے پل کے پل میں روشن ہو گئے اس کی بعد پھر اندھیرا چھا گیا ہیلی کاپٹر دور جا کر بائیں جانب مڑ گیا وہ کافی نیچے رہ کر اڑ رہا تھا وہ دوبارہ ان ٹیلوں کی طرف آیا جہاں میں چھپا ہوا تھا مگر اس دفعہ کچھ فاصلے پر سے ہو کر گزر گیا اس نے ٹیلوں پر چار پانچ چکر لگائے اور ائرپورٹ کی طرف چلا گیا۔

اب میں وہاں نہیں رک سکتا تھا چنانچہ جتنا تیز میں اس علاقے میں چل سکتا تھا چلنے لگا ہیلی کاپٹر پھر نہ آیا لیکن ایک اور مصیبت نمودار ہو گئی دور سے مجھے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں کہیں ائرپورٹ والوں نے کھوجی کتے تو میرے پیچھے نہیں چھوڑ دیئے؟ پھر خیال آیا کہ ائرپورٹ ایک چھوٹی سی جگہ ہے اور یہاں ۔۔۔ بلڈ ہاؤنڈز کا انتظام کیسے ممکن ہے؟ یہ کھوجی کتے یا تو تل ابیب کی انٹیلی جینس کے پاس ہوں گے یا موت کے جزیرے والوں کے پاس ہی ہو سکتے ہیں اور وہاں سے اتنی جلدی ان کتوں کا لانا قریب قریب ناممکن سی بات تھی تو پھر یہ کتے کہاں سے آ گئے تھے کہ جن کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔

میں ایک چھوٹی ٹیکری پر چڑھ گیا اب کتوں کے بھونکنے کے ساتھ ساتھ دوڑنے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں اس کے بعد کچھ کتوں کا ایک گروہ بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا میری ٹیکری کے نیچے سے گزر گیا شاید وہ کسی شکار کے پیچھے لگے تھے یہ کھوجی کتے نہیں تھے اگر ایسی بات ہوتی تو وہ آگے نکل جانے کی بجائے میری ٹیکری پر چڑھ آتے ان کے پیچھے بھی کوئی فوجی یا سکیورٹی پولیس کے آدمی نہیں تھے میں نے خدا کا شکر ادا کیا' لیکن اب ان کتوں کی مصیبت سامنے تھے ۔ یہ یقیناً صحرائی کتے تھے اگر کسی آدمی پر ہلّہ بول دیں تو اس کی تکہ بوٹی کر ڈالیں لیکن میں وہاں ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا میں نے وہ راستہ جس طرف کتے گئے تھے ترک کر دیا اور سامنے والی ٹیکری کے پہلو سے ہو کر آگے کو نکل گیا اس کے بعد نہ تو کسی کتے کے بھونکنے کی آواز دوبارہ آئی اور نہ ہی کوئی ہیلی کاپٹر آسمان پر میری تلاش میں اڑا میں مسلسل چلتا چلا گیا ۔ رات کو کچھ نہیں کھایا تھا بھوک کے ساتھ پیاس بھی لگ رہی تھی ۔ اگرچہ رات خنک تھی مگر مسلسل چلنے سے میرا جسم پسینے میں شرابور تھا اب میری یہ حالت تھی کہ تھوڑی دیر دم لیتا اور پھر چل پڑتا تھا آسمان پر چمکتے ایک ستارے کو میں نے اپنا راہنما بنا لیا تھا اور ٹیکریوں اور ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں اسی ستارے پر نظر رکھے آگے بڑھ رہا تھا۔

اب رات نے ڈھلنا شروع کر دیا تھا مشرق کی طرف ستاروں کی روشنی پھیکی ہونے لگی تھی ٹیلوں کے خاکے اندھیرے ۔۔۔ سے راکھ جیسے رنگ کے ساتھ ابھر رہے تھے صبح کاذب کی ان جھلکیوں میں میں نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا ٹیلوں اور ٹیکریوں کے کوہان نیچے ہوتے

ہوئے زمین کے ساتھ ملتے جا رہے تھے اور پھر جب صبح کی پہلی کرن پھوٹی تو میں نے اس کی سنہری روشنی میں اپنے سامنے ایک وسیع و عریض صحرا کو دیکھا جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔

میرا دل دھک سے رہ گیا موت کے منہ سے نکل کر میں موت کی آغوش میں آن گرا تھا صحرا کی وسعتیں مجھے نگلنے کے لئے تیار کھڑی تھیں اس صحرا میں کہیں کہیں ریت کے کوہان سے بنے ہوئے تھے۔ یااللہ! یہ میں ایک بار پھر کسی مشکل میں پھنس گیا ہوں مجھے صحرا میں سفر کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور تپتے صحرا میں اکیلا آدمی تو ایک فرلانگ چلنے کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے میرے پاس کوئی اونٹ بھی نہیں جبکہ صحراؤں میں اونٹ پر سوار اناڑی بھی راستہ بھول کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔"

پہلے ایک آدھ صحرا میں سفر ضرور کیا تھا لیکن یہ صحرا تو بے حد دہشت ناک نظر آ رہا تھا تاحد نگاہ کسی جگہ کوئی درخت کیا ایک جھاڑی تک نہیں تھی۔ایک بار اس صحرا میں چل پڑا تو ہیلی کاپٹر کے آنے کی صورت میں کسی جگہ چھپ بھی نہیں سکوں گا اب میں پچھتانے لگا کہ اس طرف کیوں نکل آیا؟ پیچھے بھی موت تھی آگے بھی موت تھی آگے والی موت سے بچ نکلنے کا ایک فیصد چانس موجود تھا لیکن پیچھے کسی قسم کی گنجائش نہیں تھی میں اس تلخ حقیقت سے بھی واقف تھا کہ سورج کے نکلتے ہی صحرا تپنا شروع ہو جائے گا یااللہ اب کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ پہلے ہی پیاس سے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور آگے تو پانی کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ زمین کچھ دور تک پتھریلی تھی سورج نے مشرقی ٹیلوں کے پیچھے سے اپنا سرخ چہرہ اٹھا کر میری طرف دیکھا صحرا میں ایک دم سے دن نکل آتا ہے اور روشنی پھیل جاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا سورج کے ٹیلوں سے اوپر آنے کی دیر تھی کہ صحرا کی ریت چمک اٹھی اور ہر طرف آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی پھیل گئی رات بھر کی خنکی مسکی گرمی میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی میں آخری ٹیلے کی زمین میں دھنستی ہوئی ڈھلان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا اب مجھے کیا کرنا چاہئے اگر واپس مڑتا ہوں تو ٹیلوں کی غلام گردشوں میں کب تک زندہ رہ سکوں گا اور پھر ہو سکتا ہے سکیورٹی گارڈ کے آدمی یا اسرائیل کمانڈو میری تلاش میں ان ٹیلوں میں بھی نکل آئیں ان سے کب تک آنکھ مچولی کرتا رہوں گا آگے ریت کا سمندر نظر آ رہا تھا جو مجھے ہڑپ کرنے کے لئے بے قراری سے پہلو بدلتا محسوس ہو رہا تھا اسی کشمکش میں سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا اور فضا گرم ہو گئی یہ تپش میرے جسم میں رہا سہا پانی بھی ختم کر سکتی تھی میں کچھ بھی اندازہ لگنے سے قاصر تھا کہ یہ صحرا کون سا ہے اور اگر میں اسے عبور بھی کر لوں تو آگے کیا ہے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ میں اسرائیلی لیجن کے کسی صحرائی قلعے میں نکل آؤں اور وہیں دھر لیا جاؤں کیونکہ اب تک میری خبر کم از کم ریڈیو ٹیلی ویژن پر مع حلیئے کے نشر ہو چکی ہو گی اور پولیس اور فوج کی تمام چوکیوں کو اطلاع دی جا چکی ہو گی اور انہیں چوکس کر دیا گیا ہو گا نہ جانے کیوں ایک دم سے مجھے یروشلم والی اپنی

پیاری ساتھی نادیا کا خیال آگیا کیا اسے خبر ہو گئی ہو گی کہ میں کس عالم میں یہاں بیٹھا ہوں ؟ اس نے میرے فرار کی خبر تو ضرور سن لی ہو گی ڈاکٹر عکاد کو بھی میرے بھاگنے کا پتا چل گیا ہو گا مگر وہ میری کچھ مدد نہیں کر سکتے تھے نادیا میرا کتنا خیال رکھتی تھی مجھے اس کے بالوں میں رچی ہوئی خاص کلون اسپرے کی خوشبو یاد آگئی لیکن میں نے فوراً اپنے خیالوں کو جھٹک دیا وطن پر جان قربان کرنے والے شیر دل کمانڈو مصیبت میں عورتوں کے بالوں کی خوشبوؤں کو یاد نہیں کیا کرتے وہ مردانہ وار مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ اس خیال نے مجھے بے پناہ طاقت دی اور مجھے میرا بھولا سبق اور فرض یاد دلا دیا۔

میں اپنی بھوک پیاس کو بھول گیا اور اب میں نے صحرا کو اس نگاہ سے دیکھا کہ میں اسے کیسے شکست دے سکتا ہوں اس وقت صحرا میرا سب سے بڑا دشمن تھا جو میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا میں نے غور کیا کہ اگر میں نے دن کے وقت اتنی شدید دھوپ میں سفر شروع کیا تو صحرا کی تپش اور آگ برساتی ریت مجھے بھون کر رکھ دے گی جس طرح قافلے سر شام رخت سفر باندھتے ہیں مجھے بھی اسی طرح دھوپ ڈھلنے کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرنا چاہیے۔۔ میرے پاس زاد راہ کچھ نہیں تھا صحرا میں سفر کرتے ہوئے انسان کے پاس پانی کی ایک چھاگل ضرور ہونی چاہیے لیکن میں اپنی مرضی سے تو سفر کر ہی نہیں رہا تھا یہ سفر نہیں بلکہ جلا وطنی اور جان بچانے کی دوڑ تھی میرے پیچھے موت بہت قریب تھی آگے اس بات کا امکان ضرور تھا کہ شاید میں اپنی جان بچا کر یروشلم تک پہنچ جاؤں میری کوشش یہ تھی کہ صحرا میں ایسا راستہ تلاش کروں جس پر چھوٹے موٹے قافلے چلتے ہوں ایسے راستوں پر قافلے والوں کے لئے ریت کے اندر پانی کے مٹکے دبا کر رکھتے ہیں اور باہر ان کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہاں ایک بانس گاڑ دیا جاتا ہے سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں بھوکا یہاں رہ کر اس گرم چٹان کی اوٹ میں سارا دن کیسے بسر کروں گا ؟ جوں جوں سورج بلند ہو رہا تھا چٹان اس کی دھوپ میں گرم ہونے لگی تھی اور اس کا سینک میرے جسم میں سے رہے سہے پانی کو بھی پسینے کی شکل میں خارج کر رہا تھا اس کا ایک ہی حل تھا کہ میں کسی ٹیلے کے نشیب میں گڑھا کھود کر اس کے اندر بیٹھ جاؤں ریت نیچے ٹھنڈی ہوتی ہے اس طریقے پر عمل کرنے سے کم از کم میں دھوپ کی قیامت خیز تپش سے ضرور بچ جاؤں گا۔

جس جگہ میں بیٹھا تھا وہ زمین پتھریلی تھی اور ریتلا صحرا تھوڑی دور آگے جا کر شروع ہوتا تھا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں اٹھا اور پتھریلی زمین پر چلتا دو تین میٹر آگے صحرا میں آگیا کڑی دھوپ اور گرمی میں اتنی دور چلنے سے ہی میں پسینے میں نہا گیا ریت کا ٹیلہ وہاں سے کافی فاصلے پر تھا میں نے ہمت نہ ہاری اور ٹیلے کا رخ کر لیا پتھریلی سنگلاخ زمین کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور میرے پاؤں خشک ریت میں دھنسنے لگے تھے مجھے ریت کے ٹیلے تک پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا پسینے کی دھاریں میری گردن اور ماتھے پر بہنے لگی تھیں ریتلے ٹیلے کی اوٹ میں ایک طرف چھاؤں تھی، میں وہاں جاتے ہی بے دم ہو کر گر پڑا۔

کچھ دیر سستانے سے جسم میں کچھ توانائی بحال ہوئی تو میں نے اپنی جیب میں سے وہ پھل کاٹنے والا چاقو نکالا جو مجھے منحوس اور قاتل اسپتال کے موٹر سائیکل سوار کی ڈگی سے ملا تھا میں نے زمین کا جائزہ لیا میں کوئی ماہر ارضیات نہیں تھا مگر پھر بھی دربدر کی ٹھوکریں اور بلاخیز مہموں نے مجھ میں کافی تجربہ بھر دیا تھا ٹیلہ جہاں سے شروع ہوتا تھا اس مقام پر میں نے چاقو سے ریت ادھر ادھر ہٹانی شروع کر دی۔ ریت نرم تھی مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑ رہی تھی یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں پیچھے سے دشمن کا کوئی ہیلی کاپٹر یا صحرائی جیپیں نہ آجائیں دن کی روشنی میں مجھے کافی بلندی سے بھی دیکھا جا سکتا تھا کھلے صحرا میں تو دن کے وقت ایک چوہا بھی دوڑتا دکھائی دے جاتا ہے میں نے زمین کھودنے کی رفتار تیز کر دی۔ درمیان میں سانس لینے کو رک بھی جاتا یوں کچھ دیر بعد میں نے ریت میں اتنا گہرا گڑھا کھود لیا کہ میں اس میں گردن تک چھپ کر بیٹھ سکتا تھا پھر خیال آیا کہ زمین مزید کھودی جائے تاکہ میں پورا اس میں چھپ جاؤں میں نے ریت کی تہ میں دوبارہ چاقو چلانا شروع کر دیا۔ ریت نیچے سے گیلی نکلنے لگی میرا دل خوشی سے دھڑکا کہیں اس جگہ ریت کے نیچے کوئی چشمہ تو نہیں بہہ رہا؟

میں نے کام تیز کر دیا اب ریت اتنی گیلی تھی کہ میں نچوڑ کر اس میں سے پانی نکال سکتا تھا میرا حوصلہ بڑھ گیا مزید ایک فٹ کھودنے پر زمین کے اندر سے پانی نکل آیا خوشی سے میرا دل اچھل پڑا۔ پانی ریت کے نیچے سے رس رہا تھا میں نے سیر ہو کر پانی پیا منہ ہاتھ دھویا اور گڑھے کے پہلو میں ایک شگاف ڈال کر اسے کشادہ کر دیا میں اس شگاف میں بیٹھ گیا یہ جگہ ٹھنڈی تھی اور صحرا کی تپش سے محفوظ تھی۔

پیاس بجھنے سے جسم تازہ ہو گیا اگرچہ بھوک اپنی جگہ پر قائم تھی لیکن بھوکے رہنے کی مجھے ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ آدمی بھوکا تو دو تین دن رہ سکتا ہے مگر پانی کے بغیر زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا وہاں کوئی گھاس پھوس اور جھاڑیاں بھی نہیں تھیں کہ جن کی جڑیں کھود کر میں پیٹ کی آگ بجھا لیتا۔ بہر حال مجھے چھپنے کو بڑا اچھا ٹھکانہ مل گیا تھا پروگرام یہی تھا کہ دھوپ ڈھلتے ہی یہاں سے نکل کر صحرا میں سفر شروع کروں گا ہو سکتا ہے کہ صحرا میں کوئی ایسی جھاڑی یا درخت مل جائے کہ جس کی جڑیں یا پتے کھانے سے میرے پیٹ کی آگ بھی ٹھنڈی ہو ایک عجیب وحشت خیز سناٹا میرے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اتنا خاموش اور ساکت دن میری زندگی میں پہلے نہیں آیا تھا شہروں میں تو راتیں بھی بولتی ہیں اور یہاں صحرا میں تو دن کے منہ پر بھی تالا لگا تھا۔ ریت کے سفید چمکیلے ذروں پر دھوپ پڑنے کی وجہ سے صحرا میں چاندی جیسی چمک پیدا ہو گئی تھی صحرا میں دن اتنا روشن ہوتا ہے کہ آدمی کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں گڑھے کے اندر مجھے بڑا آرام تھا اور صحرا کی تیز چمک اور گرمی وہاں تک بہت ہی کم پہنچ رہی تھی۔

اس مہیب سناٹے میں مجھے ایک ایسی آواز سنائی دی کہ میرے کان ۔۔۔ کھڑے ہو گئے یہ آواز کسی بڑے خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی میں ہمہ تن گوش ہو کر اس آواز کی لہروں کو پوری

توجہ سے سننے کی کوشش کر رہا تھا ہاں یہ کسی فوجی ٹرک کی آواز تھی گھوں گھوں کرتا ٹرک دور سے کسی طرف بڑھتا جا رہا تھا پہلے تو احساس ہوا کہ آواز میری طرف نہیں آ رہی بلکہ میرے متوازی دور صحرا میں کسی طرف جا رہی ہے لیکن جب آواز آہستہ آہستہ زیادہ صاف ہوتی گئی تو مجھے تشویش ہوئی میں تیزی سے گڑھے میں سے نکل کر باہر آ گیا اور ٹیلے کی اوٹ میں لیٹ کر اس سمت کو دیکھا جدھر سے ٹرک کی آواز آ رہی تھی دور مجھے سنگلاخ اور زمین میں جذب ہوتے کوہان نما ٹیلوں کے بیچ میں ایک سیاہ دھبہ آہستہ آہستہ ایک طرف رینگتا نظر آیا ایک بار دھوپ میں اس میں چمک پیدا ہوئی یہ ٹرک کی اسکرین کی چمک تھی میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا ظاہر ہے یہ اسرائیلی فوجی ٹرک ہے اور وہ لوگ میری ہی تلاش میں ادھر آئے ہیں۔

مجھے اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرنا چاہئے تھا؟ یہی ایک سوال میرے دماغ میں بار بار سامنے آ رہا تھا اگر وہ اس ٹیلے کے قریب پہنچ گئے تو میرا بچنا محال ہو گا وہ مجھے بڑی آسانی سے تلاش کر لیں گے اگر ان کے پاس کھوجی کتے بھی ہوئے تو پھر میری گرفتاری یقینی تھی میں غور سے ٹرک کے دھبے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ ایک سنگلاخ ٹیلے کی اوٹ میں غائب ہو گیا اس کی آواز ابھی تک آ رہی تھی تھوڑی دیر بعد وہ ٹیلے کا چکر لگا کر باہر نکل آیا اب وہ زیادہ قریب نظر آنے لگا تھا میرے لئے وہاں کوئی جگہ نہیں تھی جو گڑھا میں نے کھودا تھا وہ مجھے پکڑوانے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا بھاگنے کی بھی جگہ نہ تھی صحرا میں دھوپ چاندی کی طرح چمک رہی تھی اور وہاں دوڑتا ہوا ایک چوہا بھی آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا میں گڑھے سے باہر نکل آیا اور رینگتا ہوا ٹیلے کی دوسری جانب چھاؤں میں ریت پر پیٹ کے بل لیٹ کر ٹرک کو تکنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ٹرک میں بیٹھے ہوئے فوجیوں کے پاس یقیناً دوربین ہو گی اور اگر میں اٹھ کھڑا ہوا تو وہ آسانی سے مجھے دیکھ لیں گے۔

ٹرک اگرچہ مجھ سے اب بھی دو ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا لیکن مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ فوجی ہیوی ٹرک تھا جو دونوں جانب سے مٹیالے رنگ کی ترپال سے ڈھکا ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ رینگتا پتھروں پر اچھلتا میری ہی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ ایک جانباز اور سرفروش مسلمان کمانڈو کی طرح ان یہودیوں کا مقابلہ کروں گا اور اگر مر بھی گیا تو دو تین کو مار کر ہی مروں گا۔ میرے پاس پھل کاٹنے والے چاقو کے سوا اور کچھ نہیں تھا جو میرے ایک ہاتھ میں تھا ٹرک چلتے چلتے پتھروں کی ٹیکریوں کے درمیان ایک طرف سائے میں رک گیا میں ایک مفرور قیدی اور ماہر شخص کی طرح ٹرک پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ ٹرک کے پیچھے سے تین وردی پوش فوجی رائفلیں کاندھوں پر ڈالے چھلانگیں لگا کر باہر نکل آئے اگلی سیٹ پر سے بھی دو فوجی باہر کودے۔ وہ ٹیکری کی چھاؤں میں پتھروں پر بیٹھ گئے ان میں سے ایک فوجی نے آنکھوں پر دوربین لگائی اور جس طرف میں ریت پر اوندھا پڑا تھا اس طرف دیکھنے لگے وہ سامنے پھیلے ہوئے صحرا کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس نے

دوربین اپنے ساتھی کو پکڑا دی۔ اتنے میں دوسرے فوجوں نے ٹرک کے اندر سے لکڑی کا ایک بکس نکال کر بیٹھے ہوئے فوجیوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ یہ دونوں بیٹھے ہوئے فوجی یقیناً افسر رینک کے تھے انہوں نے بکس میں سے کسی مشروب کے ٹن نکال کر کھولے اور پینے لگے باقی تین فوجی بھی مشروب کے ڈبے لے کر ان کے قریب ہی چھاؤں میں بیٹھ گئے تھے میں بڑے غور سے ان کی ہر حرکت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ انہوں نے یہاں جو دم بھر کو پڑاؤ ڈالا ہے تو اسی جگہ سے واپس مڑ جائیں گے کیونکہ آگے تپتا ہوا صحرا شروع ہو رہا تھا مجھے ان کی شکلیں صاف دکھائی نہیں دے رہی تھیں مگر ان کے حرکت کرتے جسم اور ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے باتیں کرتے اور باری باری آنکھوں پر دوربین لگا کر صحرا کو تکتے صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ گھڑی بڑے تجسس کی گھڑی تھی میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ اسی مقام سے واپس پلٹ جائیں گے اور اتنی تیز دھوپ میں صحرا میں داخل ہونے کی احمقانہ حرکت نہیں کریں گے۔ جبکہ سورج نے آسمان سے آگ برسانا شروع کر دی تھی۔ ان کی باتیں کرنے کی آواز بھی مجھے سنائی نہیں دے رہی تھی فضا میں ایک گہرا سکوت طاری تھا دشمن مجھ سے تھوڑے فاصلے پر موجود تھا میری ذرا سی غلطی، ذرا سی حرکت انہیں میری جانب متوجہ کر سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ میں ریت پر اوندھے منہ بالکل ساکت پڑا تھا اور ذرا سی بھی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

اچانک میرا دل دھڑک اٹھا۔ ایک فوجی رائفل کاندھے پر ڈالے ٹرک کے قریب سے نکل کر جدھر میرے والا ریت کا ٹیلہ تھا اسی طرف بڑھنے لگا شاید اسے اس کے افسر نے حکم دیا تھا کہ وہ ریت کے بڑے ٹیلے کی طرف جا کر جائزہ لے۔

یہودی فوجی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا سیدھا میرے ٹیلے کی طرف آ رہا تھا اسی ٹیلے کی چھاؤں میں، میں لیٹا تھا میں بالکل اسی کی زد میں تھا ابھی یہ یہودی فوجی مجھ سے کافی فاصلے پر تھا میں نے تیزی سے پیچھے کو اُلٹے رینگنا شروع کر دیا اور رینگتے رینگتے ٹیلے کے عقب میں اس جگہ آ گیا جہاں میں نے گڑھا کھود رکھا تھا اگر فوجی یہاں تک آتا ہے تو میرا پکڑا جانا یقینی امر ہے جوں جوں فوجی قریب آ رہا تھا میری تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ پانچ فوجی تھے۔ان کے پاس اسلحہ بھی تھا میں ان کا مقابلہ کسی صورت میں بھی نہیں کر سکتا تھا میں ٹیلے کی اوٹ سے یہودی فوجی کو قریب آتے برابر دیکھ رہا تھا اب مجھے اس کی وردی کا گہرا خاکی رنگ اور سرخی مائل چہرہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کا چہرہ ٹیلے کی دوسری جانب اس رخ پر تھا کہ جہاں میں نے زمین پر گڑھا کھود رکھا تھا موت میرے سر پر پہنچ چکی تھی مجھے مرنا تو تھا ہی لیکن میں بزدلوں کی موت نہیں مر سکتا تھا میں نے کمانڈو ایکشن لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چاہے جو بھی نتیجہ نکلے مجھے کمانڈو اٹیک کرنا ہو گا۔

میں نے تیزی سے اپنے ذہن میں ایک اسٹریٹیجی بنائی اور اس پر عمل کرتے ہوئے پیچھے گھوم کر ٹیلے کی اوٹ میں اس طرح چھپ گیا کہ سامنے سے مجھے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کمانڈو

اٹیک میں مجھے بے پناہ خطرات کا سامنا کرنا تھا۔ سب سے پہلی احتیاط یہ تھی کہ حملہ اس قدر آناً فاناً ہو کہ فوجی کوئی آواز بھی حلق سے نہ نکال سکے اور نہ فائر کر سکے۔کیونکہ ایسی صورت میں اس کے ساتھی فوجی ہوشیار ہو جاتے اور پھر مجھے گولیوں کی باڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو کا جائزہ لیا اس کا پھل اتنا لمبا نہیں تھا لیکن اگر ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے عین دل پر اس کا بھرپور وار کیا جائے تو انتہائی کارگر بھی ثابت ہو سکتا تھا۔میرے پٹھے پھڑکنے لگے۔رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔

میں نے چاقو کو اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لیا اور ٹیلے کی اوٹ ہی میں چوکس ہو کر بیٹھ گیا اور غور سے آگے بڑھتے یہودی فوجی کو تکنے لگا۔صحرائی دھوپ کی روشنی میں اب وہ صاف نظر آ رہا تھا یہ نوجوان ہی تھا۔زیادہ بوجھل جسم بھی نہیں تھا میرے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔میں آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا کہ آواز پیدا نہ ہو۔میں چاہتا تھا کہ یہودی فوجی کو اگر آنا ہی ہے تو وہ اس ٹیلے کی اوٹ میں آجائے جہاں اسے دور بیٹھے اس کے ساتھی نہ دیکھ سکیں پہلے یہی خیال تھا کہ وہ ٹیلے کے بالکل ہی قریب نہیں آئے گا اور چند قدموں کے فاصلے سے ہی واپس مڑ جائے گا مگر وہ برابر آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے بھاری فوجی بوٹ ریت میں دھنس رہے تھے شاید اس نے اس گڑھے کے باہر پڑی ریت کو دیکھ لیا تھا جو میں نے کھودا تھا اس کے قدم تیز ہو گئے اور وہ گڑھے کی طرف بڑھا۔

میں تیزی سے پیچھے کھسک گیا اب میں ٹیلے کی دیوار میں پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے شگاف کی اوٹ میں آگیا تھا یہاں سے میں یہودی فوجی کو برابر دیکھ رہا تھا میں انتہائی آہستگی سے سانس لے رہا تھا یہودی فوجی نے تازہ کھدے ہوئے گڑھے کو دیکھ لیا تھا وہ اس پر جھک کر نیچے پانی کو تکنے لگا۔ یہ بڑا اعصاب شکن لمحہ تھا اس سے پہلے کہ وہ آواز دے کر اپنے ساتھی فوجیوں کو اس طرف متوجہ کرے مجھے کمانڈو ایکشن شروع کر دینا تھا میں نے تیزی سے پیچھے کی طرف سرکنا شروع کیا میری رفتار میں بجلی کی سی پھرتی آگئی تھی ریت پر کھسکنے کی وجہ سے آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی میں نے اپنے ذہن میں ایک اسٹریٹیجی بنالی تھی مجھے اب اسی پر عمل کرنا تھا میں ریت کے ٹیلے کی چوٹی پر جانے کی بجائے اس کی ڈھلواں دیوار پر ہی ایک طرف کو رینگتا ہوا اس مقام تک پہنچ گیا جہاں سے یہودی سپاہی نیچے دس فٹ کی گہرائی پر نظر آ رہا تھا میں کسی عفریت کی طرح ریتلی ڈھلان کے ساتھ چمٹا ہوا تھا میں یہودی فوجی کے سر کے عین اوپر نہیں تھا اس کے لئے مجھے تھوڑا مزید آگے کو رینگنا تھا لیکن صورت حال ایسی تھی کہ دشمن میرے سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ یہودی فوجی گڑھے میں اپنی رائفل کی نالی ڈالے خدا جانے کس چیز کو ہلانے جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں چاہتا تو یہی تھا کہ اسے کسی طرح گڑھے سے پیچھے دو فٹ تک لے آؤں لیکن اب ایسا ہونا ناممکن تھا میرا ہاتھ ایک جگہ سے کھسک گیا میں نے ریت کو پکڑنے کی کوشش کی تو ریت نیچے گری خدا جانے اس کی آواز یہودی فوجی نے سن لی

تھی اس نے گڑھے پر جھکے جھکے گردن گھما کر ٹیلے کی طرف اوپر دیکھا اور میں اس دوران میں ٹیلے سے اس کے اوپر چھلانگ لگا چکا تھا میری چھلانگ میں اتنی تیزی ' جارحیت اور فیصلہ کن انداز تھا کہ اس سے پہلے کہ یہودی سپاہی سنبھلتا میں اس کے اوپر تھا میں نے چھلانگ اس طرح ذرا ترچھی لگائی تھی کہ میرا ایک بازو اس کی گردن میں ہو اور میں اسے لے کر گڑھے میں گرنے کی بجائے باہر ریت پر گروں اور میری مہارت اور تجربہ میرا ساتھ دے رہا تھا جیسا میں چاہتا تھا ویسا ہی ہوا یہودی فوجی میرے بوجھ اور دھچکے سے اچھل کر گڑھے کے کنارے پر ایک طرف گرا۔ اس کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ گئی تھی یہ سب کچھ بمشکل دو سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا میرا دایاں بازو اس کی گردن میں یوں پیوست تھا' اس کی تھوڑی اوپر کو اٹھ گئی تھی اور دائیں ہاتھ نے ایک بھرپور وار کر کے چاقو اس کے سینے میں پیوست چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے یہودی فوجی کی گردن کو دبوچ کر اسے ریت پر ٹیلے کی اوٹ میں دبا دیا میرا سانس پھول گیا تھا یہودی فوجی نے بھی مجھے گردن سے پکڑ رکھا تھا مگر اس کے ہاتھوں میں اب جان نہیں رہی تھی اور اس کی مزاحمت ختم ہو رہی تھی۔ ہاتھوں کی گرفت بھی کمزور پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں چڑھ گئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ سینے پر دل کے اوپر اس کے پسینے میں تر بتر خاکستر وردی خون میں سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں مگر میں اس کی گردن کو ابھی تک دبوچے ہوئے تھا اور اسے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔'

اس کارروائی میں زیادہ سے زیادہ پانچ سیکنڈ لگے یہودی فوجی دم توڑ چکا تھا۔ میں اسے گھسیٹ کر ٹیلے کے پیچھے لے گیا پھر تیزی سے رینگتا ہوا گڑھے کے کنارے پر آیا یہودی فوجی کی رائفل گڑھے میں گری ہوئی تھی میں گڑھے میں سر کے بل جھک گیا اور بازو لمبے کر کے رائفل کے بٹ کو پکڑ کر اسے اوپر کھینچ لیا پھر پیچھے کھسکتا ٹیلے کی اوٹ میں آگیا ایک نظر مردہ سپاہی پر ڈالی اس کی موت کی طرف سے مطمئن ہو کر اس کی کمر کے ساتھ بندھے میگزین پاؤچ والی پیٹی کو کھول کر اپنے پاس ہی ریت پر رکھ دیا۔ رائفل میں پھنسی ہوئی ریت کو انگلی سے باہر نکالا اور اوٹ میں سے دوسرے فوجیوں کی طرف دیکھا دوسرے اسی طرح ٹرک کے پاس پتھریلے ٹیلے کی چھاؤں میں لکڑی کا کریٹ سامنے رکھے مشروب پی رہے تھے اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کر رہے تھے کسی وقت ان میں سے کسی فوجی کے ہلکے سے قہقہے کی آواز فضا میں گونج جاتی تھی میں نے ایک طرح سے ایک بہت بھاری بلا اپنے سر مول لے لی تھی تھوڑی دیر تک یہ فوجی واپس نہیں گیا تو انہیں ضرور تشویش ہو گی اور وہ اس کی تلاش میں ادھر چل پڑیں گے آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا جب ٹرک کے پاس بیٹھے ہوئے یہودی فوجیوں کو احساس ہوا کہ ان کا ساتھی واپس نہیں آیا تو ان کے ایک افسر نے دوربین لگا کر ٹیلے کی طرف دیکھا پھر ایک فوجی نے اسے آواز دی کوئی جواب نہ آیا تو دونوں افسروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کچھ کہا میں انہیں برابر دیکھ رہا تھا دونوں افسر تو وہیں بیٹھے مشروب پیتے رہے لیکن باقی جو دو فوجی تھے

انہوں نے میری طرف چلنا شروع کر دیا وہ اپنے ساتھی کی تلاش میں آئے تھے میرے دل میں ایک دوسری حکمت عملی کا خیال آیا میں بیک وقت ان دو فوجیوں کو گوریلا ایکشن سے قابو نہیں کر سکتا تھا دونوں یہودی فوجی میرے ٹیلے کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے انہوں نے اپنے ساتھی کو دو تین بار پکارا جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو دونوں فوجیوں نے کاندھے پر سے رائفلیں اتار کر اپنے ہاتھوں میں پکڑلیں۔

اب کمانڈو ایکشن کا وقت نہیں تھا میں نے تیزی سے چیمبر کھول کر دیکھا۔ رائفل میں میگزین بھرا ہوا تھا میں نے سیفٹی کیچ کھینچا اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے یہودی فوجیوں پر نظریں جمائیں مگر میرا ٹارگٹ اس وقت ان دونوں یہودیوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس وقت میرا نشانہ ان دو یہودی فوجی افسروں میں سے ایک فوجی افسر تھا جو دور ٹرک کے پاس لکڑی کا کریٹ سامنے رکھے پتھروں پر بیٹھا مشروب پیتے ہوئے ایک ہاتھ سے دوربین آنکھوں پر رکھے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اگر ان دونوں یہودی فوجی افسروں میں سے ایک فوجی افسر کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر ٹرک کے پاس صرف ایک فوجی رہ جائے گا یہ جو دو فوجی میری طرف بڑھ رہے تھے وہ تو میری رینج میں تھے ہی اور چونکہ میں گھات میں چھپا ہوا تھا اور وہ کھلی جگہ میں تھے اس لئے ان کا زندہ بچ کر بھاگ جانا ناممکن تھا میں نے خدا کا نام لے کر نالی کو ذرا سا بائیں جانب کیا دور بیٹھے یہودی فوجی افسر کو اپنی رینج میں لے کر اس کا نشانہ بنایا اور پھر ٹریگر دبا دیا ایک دھماکا ہوا۔ مجھے ایک دھچکا لگا اور میں نے ایک فوجی افسر کو اچھل کر گرتے اور دوسرے کو ٹرک کی طرف بھاگتے دیکھا میں نے پھرتی سے رائفل کا رخ اپنی طرف آتے فوجیوں کی طرف کر دیا وہ دونوں فائر کی آواز سن کر ابھی بھونچکا سے ہی تھے کہ میں نے دوسرا فائر کر کے ان میں سے ایک کو گرا دیا۔۔ دوسرا فوراً زمین پر لیٹ گیا اب ٹرک کی طرف سے بھی مجھ پر فائر آنے لگا جو فوجی ریت پر گرا تھا وہ مجھ سے بمشکل سو سوا سو قدموں کے فاصلے پر تھا وہ بھی ٹیلے کی طرف فائر کر رہا تھا مجھے اب یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں جو فوجی افسر زندہ بچ کر ٹرک میں گھس گیا ہے وہ ٹرک لے کر واپس نہ بھاگ جائے اس کا واپس جانا میرے لئے مصیبت کا باعث بن سکتا تھا اس کے علاوہ سب سے بڑی تشویش یہ تھی کہ اگر ٹرک میں وائرلیس سیٹ ہوا تو ابھی یہاں آسمان پر ہیلی کاپٹر نمودار ہو گا اور مجھ پر گولیاں برسانی شروع کر دے گا اور میرے لئے فرار کی کوئی راہ بھی نہیں تھی لیکن ان تمام خدشات اور امکانات کو پس پشت ڈال کر میری ساری توجہ اس فوجی پر مرکوز تھی جو ریت پر اوندھے منہ پڑا تھا او رائفل سے برابر فائر کر رہا تھا میں ایمونیشن ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا ٹرک بھی ابھی تک اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور اس میں سے مجھ پر مسلسل فائر آ رہا تھا ظاہر ہے ٹرک میں ایمونیشن وافر مقدار میں ہو گا اور جو فوجی افسر بچ گیا تھا وہ اپنے سپاہی کو فائر کور دے رہا تھا گولیاں میرے دائیں بائیں سے سنسناتی ہوئی گزر رہی تھیں اور ریت کے ٹیلے میں گھس رہی تھیں میں اوٹ میں ہونے کی وجہ سے ان گولیوں سے محفوظ

تھا میں نے دو تین فائر کرنے کے بعد مردہ سپاہی کے پاؤچ میں سے ایمونیشن نکال کر رائفل کے چیمبر میں دوبارہ لوڈ کیا جو پہلا یہودی فوجی افسر میری گولی کا نشانہ بنا تھا وہ جہاں گرا تھا وہاں سے اس نے دوبارہ ذرا سی بھی حرکت نہیں کی تھی ۔ میں نے ٹرک کے وہاں سے فرار ہو جانے کے امکان کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے اس کے ایک ٹائر کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا دو دھماکے بیک وقت ہوئے پہلا دھماکہ میری رائفل سے گولی کے چلنے کا تھا اور دوسرا دھماکہ فوجی ٹرک کے ٹائر کے پھٹنے کا تھا اسی طرح میں نے دوسرے ٹائر کو بھی اڑا دیا ٹرک ایک طرف کو ذرا سا جھک گیا۔ اتنی دیر میں زمین پر پڑے ہوئے یہودی سپاہی نے پیچھے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے ٹرک میں واپس جانا چاہتا تھا' مگر میں اسے زد میں لینے کی کوشش کر رہا تھا دو گولیاں میں نے اس کو نشانہ بنا کر فائر کیں مگر ان میں سے ایک بھی نہ لگی خدا جانے اسے کیا ہو گیا کہ وہ ایک دم سے اٹھا اور جھکا جھکا دائیں بائیں لہراتا ٹرک کی طرف بھاگا میں نے اوپر تلے چار گولیاں فائر کیں ایک گولی اس کی پیٹھ میں گھس گئی تھی وہ چکرا کر وہیں گر پڑا یہ میری اسٹریٹیجی کی بہت بڑی فتح تھی اب صرف ایک ہی دشمن رہ گیا تھا جو ٹرک میں چھپا ہوا تھا وہ میری رینج میں نہیں تھا ایک طرح سے وہ ٹرک میں مورچہ بند تھا ایمونیشن میرے پاس بھی کافی تھا۔

خطرہ اگر کوئی تھا تو یہی کہ کہیں ٹرک والے فوجی افسر نے پیچھے وائرلیس نہ کر دیا ہو اس صورت میں وہاں تھوڑی دیر میں کسی نہ کسی فوجی ہیلی کاپٹر یا فائٹر جہاز کو پہنچ جانا چاہئے تھا میں زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا اور اپنے دشمن کو مزید وقت بھی نہیں دے سکتا تھا مشکل یہ تھی کہ اگر ٹیلے سے نکلتا ہوں تو دشمن کی رینج میں آجاتا ہوں میرے اور ٹرک کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی میں نے فائر سے ہاتھ روک لیا تھا اچانک فضا میں ہلکی سی سنسناہٹ سنائی دی اور میں نے دن کی روشنی میں کسی گیند کی طرح کی چیز کو ٹرک کے پیچھے سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا ایک سیکنڈ میں میں سمجھ گیا کہ یہ کیا چیز ہے۔

میں نے سر ریت میں ڈال کر دونوں بازو اپنے سر کے اوپر کر لئے ایک دھماکا ہوا اور دستی بم کے ٹکڑے شور مچاتے ادھر ادھر اڑ گئے اس کے بعد دوسرا گرنیڈ پھینکا گیا وہ بھی مجھ سے کافی دور ریت پر گرا اور پھٹ گیا یہ گرنیڈ ٹرک میں چھپا ہوا فوجی افسر مجھ پر پھینک رہا تھا مگر میں اس کی رینج سے باہر تھا مجھ تک وہ ہاتھ سے دستی بم پھینک کر نہیں پہنچا سکتا تھا اس کے لئے چھوٹی مارٹر توپ درکار تھی جو اس کے پاس نہیں تھی اس نے چار دستی بم پھینکے چاروں پھٹے مگر میں محفوظ رہا پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

مجھے ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس یہودی افسر نے پیچھے سگنل دے دیا ہو گا اور ابھی کوئی نہ کوئی ہیلی کاپٹر آکر مجھ پر گولیاں برسانی شروع کر دے گا وہاں سے فوجی ائرپورٹ کا فاصلہ ہیلی کاپٹر کے لئے اتنا زیادہ نہیں تھا جب پندرہ بیس منٹ خاموشی سے گزر گئے اور فضا میں کوئی جیٹ فائٹر یا

اسرائیلی فوجی ہیلی کاپٹر نمودار نہ ہوا تو مجھے تھوڑی تسلی ہوئی کہ شاید ٹرک میں وائرلیس سیٹ نہیں ہے یا اگر ہے تو ائرپورٹ پر کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر موجود نہیں ہے ہو سکتا ہے بٹالین ہیڈکوارٹر سے ہیلی کاپٹر آجائے اتنی دیر میں میں اپنے دشمن کو ہمیشہ کی نیند سلا دینا چاہتا تھا۔ ٹیلے کی اوٹ سے نکلتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا ایک تو میں کھلی جگہ پر رینگ کر آگے بڑھتے ہوئے نظر آسکتا تھا اور مجھ پر گرنیڈ پھینکا جا سکتا تھا دوسرے میں یہ بھی جانتا تھا کہ اسرائیلی فوجی کے پاس دوربین بھی ہے اور وہ بڑی آسانی سے مجھے نشانہ بنا سکتا ہے۔ محاذ پر خاموشی چھاگئی نہ میں گولی چلا رہا تھا' نہ ٹرک کی طرف سے کوئی فائر ہو رہا تھا میں نے سوچا کہیں دشمن کوئی چال تو نہیں چل رہا؟ کہیں وہ اپنے ٹیلے کے عقب سے ہو کر میرے ٹیلے کی طرف تو نہیں بڑھ رہا' مگر وہ سارا علاقہ میری نگاہوں کے سامنے کھلا تھا یہودی فوجی افسر کسی طرف سے بھی آتا میں اسے دیکھ سکتا تھا ایک ہی خیال سے دل پریشان تھا کہ کم بخت نے پیچھے وائرلیس نہ کر دیا ہو اور اب اطمینان سے اپنے ہیلی کاپٹر کا انتظار کر رہا ہو یہ بات میرے حق میں نہیں جاتی تھی مجھے ہیلی کاپٹر کے آنے سے پہلے پہلے اس باقی بچے ہوئے یہودی فوجی سے بھی نجات حاصل کرنی تھی تاکہ میں وہاں سے کسی دوسری طرف فرار ہو سکتا ایسی صورت میں کہ دشمن اسلحہ لئے ٹرک میں موجود ہو میں ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر کسی طرف بھی نہیں بھاگ سکتا تھا وہ مجھے بڑی آسانی سے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

آخر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میرے پیچھے اس یہودی سپاہی کی بے جان لاش پڑی تھی جس کو میں نے سب سے پہلے ہلاک کیا تھا میں نے اس کی خون آلود فوجی بشرٹ پھاڑ کر اتار دی پھر اپنی اسپتال والی قمیص اتار کر اسے پہنا دی اور اسے کھینچ کر ٹیلے کی چوٹی پر لے گیا میں نے اس کو بازوؤں میں دبوچ کر اتنا اونچا کر دیا کہ اس کا سر دور سے نظر آسکتا تھا اس کے ساتھ ہی میں نے عبرانی زبان میں پوری آواز سے چلا کر کہا "میں ہتھیار ڈالتا ہوں"

ٹیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی آئی اور یہودی کی لاش کا سر پاش پاش ہو گیا میں نے اسے ایک دم سے نیچے گرا دیا یہ تاثر دینے کے لئے کہ گولی مجھے لگی ہے اور میں پیچھے گرا ہوں اس کے ساتھ ہی' میں ریت کی ڈھلان پر سے پھسلتا ہو نیچے آگیا اور اس کی اوٹ میں سے ذرا سا سر باہر نکال کر ٹرک کی طرف دیکھا میرا اندازہ یہی تھا کہ یہودی افسر نے مجھے گرتے دیکھ لیا ہے اور اب وہ میدان صاف پا کر میری لاش اٹھانے ٹرک میں سے نکل کر میری طرف آئے گا لیکن ایسا نہ ہوا ٹرک میں چھپا ہوا یہودی فوجی شاید میری چال کو سمجھ گیا تھا ایک بار پھر اعصاب شکن خاموشی چھاگئی۔ جب مزید پندرہ بیس منٹ منٹ گزر گئے اور کوئی ہیلی کاپٹر پیچھے سے نہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ ٹرک میں وائرلیس سیٹ نہیں ہے اس احساس سے مجھے بڑی تسلی ہوئی۔ اب میں نے کسی نئے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے ایک دوسرے کے لئے گھات لگائے بیٹھے تھے اور ہم میں سے کسی ایک کی موت لازمی تھی میں اپنی نظریں ٹرک سے ادھر ادھر نہیں کر سکتا تھا اچانک ٹرک کے انجن کی آواز ۔۔

بلند ہوئی میں نے گھور کر دیکھا ٹرک اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے کو کھسکا میں نے دور سے ٹرک کی اگلی سیٹ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا ٹرک آہستہ آہستہ کھسکتا جا رہا تھا اس کے دونوں ٹائر پھٹ چکے تھے مگر وہ چل سکتا تھا میری سمجھ میں نہیں ا رہا تھا کہ یہ شخص ٹرک کو اسٹارٹ کر کے کہاں لے جانا چاہتا ہے ایک بات ظاہر تھی کہ وہ اسے واپس نہیں لے جاسکتا تھا اسے بخوبی معلوم تھا کہ میں اس رینگتے ہوئے ٹرک کے پیچھے آکر اس پر حملہ کر سکتا ہوں اور ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہونے کی وجہ وہ میرے لئے بڑا آسان نشانہ ہوگا میں نے غور سے دیکھا تو ٹرک کا رخ میرے والے ٹیلے کی طرف ہو گیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ میری طرف رینگ رہا تھا میں نے ڈرائیور کی سیٹ پر دو تین گولیاں چلادیں ،مگر ٹرک اسی طرح رینگتا رہا وہ پتھریلی زمین پر رینگتے ہوئے ایک طرف سے اچھل رہا تھا ابھی زمین پتھریلی تھی وہ ریت کی حدود میں داخل نہیں ہوا تھا یہ یہودی افسر ادھر کس لئے آرہا ہے کیا یہ خود مرنا چاہتا ہے ؟ میں نے رائفل کو پھر سے لوڈ کیا اور اچھی طرح سے ٹرک کو ٹارگٹ بنا کر زمین پر لیٹ گیا ٹرک میں ڈرائیونگ سیٹ کی اسکرین ٹوٹ چکی تھی ٹرک برابر جوں کی چال سے رینگ رہا تھا اس کا مطلب یہی تھا کہ یہودی فوجی سیٹ پر بیٹھا ہوا نہیں ہے بلکہ نیچے سمٹا ہوا ہے اور میری گولی انجن کو چیر کر اس تک نہیں پہنچ سکتی میں نے ٹرک کے ریڈی ایٹر کو نشانہ بنا کر لگاتار تین فائر کئے ۔ ٹرک رک گیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹرک کی کھڑکی میں سے ایک ہینڈ گرنیڈ اوپر کو اچھلا اور مجھ سے تھوڑے فاصلے پر آکر گرا اور پھٹ گیا میں نے سر نیچے کر لیا تھا اب میں سمجھ گیا کہ عیار یہودی افسر ٹرک کو میرے قریب کیوں لا رہا تھا وہ اپنے اور میرے درمیان ہینڈ گرنیڈ کے لئے فاصلہ کم کرنا چاہتا تھا چنانچہ کمبخت نے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مجھ پر دستی بم پھینکنے شروع کر دیئے ۔ مجھے سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل تھا کہ میں ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں تھا کوئی دستی بم بالکل میرے سر پر آکر ہی پھٹتا تو میں ہلاک ہو سکتا تھا میں نے بھی فائرنگ تیز کر دی تھی اب میرا نشانہ ٹرک کے پیٹرول کی ٹنکی تھی جو ٹرک کے پہلو میں نیچے کی جانب تھی اور میری رینج میں نہیں تھی میں ٹیلے کے پیچھے سے گھوم کر دوسری طرف آگیا یہاں سے ٹرک کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا جس پر ترپال کا پردہ گرا ہوا تھا میں نے بڑی دقت کے بعد ٹرک کے پیٹرول کی ٹنکی کو ڈھونڈ نکالا پچھلے ٹائروں کے اوپر سے مجھے پیٹرول کی ٹنکی کا صرف ایک کونہ ہی دکھائی دے رہا تھا میرے لئے اتنا ہی بہت تھا ایک اور دستی بم ٹیلے کے اوپر آکر پھٹا دھماکے کے ساتھ ریت اڑ کر میرے اوپر گری میری نگاہیں رائفل کے اوپر نالی کی سطح سے ہوتی ہوئی پیٹرول ٹنکی کے کونے پر جمی ہوئی تھیں جب مجھے یقین ہو گیا کہ نشانہ بالکل صحیح ہے تو میں نے ٹریگر پر آہستہ سے پہلا دباؤ ڈالا اور پھر انتہائی سرعت سے کام لیتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ اب جو دھماکا ہوا اس نے ایک بار سارے صحرا کو دہلا کر رکھ دیا۔ اس دھماکے کے ساتھ ہی ٹرک میں سے ایک شعلہ بلند ہوا اور سارے کا سارا ٹرک اس کی لپیٹ میں آگیا۔

میرا نشانہ صحیح تھا اور گولی لگنے سے پیٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی تھی اس کے پھٹتے ہی ٹرک میں

درست ہو ... ہر جل رہا تھا البتہ شعلوں کے اوپر کالا سیاہ گاڑھا دھواں آسمان کی طرف اڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ سارے کا سارا ٹرک آگ کی زد میں آنے کی وجہ سے یہودی افسر بھی ضرور جل گیا ہو گا میں تصدیق کرنے کے لئے ٹرک کی پچھلی کی طرف تیزی سے کہنیوں کے بل رینگتا چلا گیا۔ ٹرک کی ترپال جل کر راکھ ہو گئی تھی اور اب اس کے ڈھانچے میں سے گاڑھا دھواں اٹھ رہا تھا اور کسی وقت کوئی کوئی ٹائر جل جاتی تھی

رائفل کا ایمونیشن پھٹ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ٹرک کی اگلی سیٹ بھی شعلوں کی لپیٹ میں تھی اِدھر گرد کوئی نہیں تھا۔ میں اٹھ کر چاروں طرف دیکھتا رائفل لئے ٹرک کی طرف آیا۔ ٹرک سے چند قدم کے فاصلے پر اس یہودی فوجی کی لاش پڑی تھی جس پر میں نے دور سے فائر کیا تھا وہ اوندھے منہ پڑا تھا اور ایک طرف سے اس کا دھڑ سرخ ہو رہا تھا ... اس کے پیچھے کا حصہ اڑا ہوا تھا کہ گولی اس کی کنپٹی پر لگی تھی جس نے کان تک ... لگا ہوا تھا۔ میں نے زمین پر سے تھوڑی بہت ریت اور مٹی وغیرہ اٹھا کر ٹرک کی اگلی سیٹ پر پھینکنی شروع کر دی تاکہ میرے لئے جگہ پیدا کرنے سے اگلی سیٹ کی آگ بجھ جائے۔ ... جھانک کر دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ کے جلے ہوئے فریم میں ایک انسانی ڈھانچہ ... طرح چمٹا ہوا تھا کہ آگ نے گوشت جلا کر چربی پگھلا دی تھی یہ دوسرے یہودی فوجی افسر کی لاش تھی۔

میں بے دم سا ہو کر پتھروں پر گاڑی کے آگے سر نیچے ڈال کر بیٹھ گیا۔ رائفل پتھروں پر رکھ دی دور کرتے میں جیکٹ کوٹ کے اس کمرے کے میں مشروب کے بھرے ہوئے تھے اگرچہ میری پیاس ... میں میرے کھولتے ہوئے گلے نے بجھا دی تھی لیکن ان کے مشروب کا میں نہیں چھوڑ سکتا تھا ایک ٹن کا کونہ دانت سے کاٹ کر ... پی گیا ٹھنڈا اور میٹھا مشروب حلق میں گیا تو آنکھیں کھل گئیں۔ اب میں نے کوٹ کے کرتے کی تلاشی لی۔ اس میں ایک جانب خاکستری رنگ کے پلاسٹک کے ... میں کافی رنگ کے بسکٹ کے دو پیکٹ تھے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ... یہودی فوجی نہیں لگا تھا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا گوشت کے ٹکڑے ... فوراً ہی ہڑپ کر گیا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سامنے ایک طویل صحرائی سفر درپیش ہے تو سارے کے سارے گوشت کو چٹ کر جاتا ٹرک کی آگ کے شعلے بجھ چکے تھے صرف گاڑھا دھواں اٹھ رہا تھا میں نے ٹرک میں جلتی ہوئی چیزوں کا جائزہ لیا ان میں وائرلیس سیٹ نام کی کسی شے کا ڈھانچہ نہیں تھا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من **اردو بکس** آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

1۔ گروپ میں یا گروپ ایڈ من سے کوئی بھی بات / درخواست / فرمائش کرتے وقت **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** کو فروغ دیں۔

2۔ ایڈ منز یا دیگر ممبرز جو بھی اچھی پوسٹ کریں اس پر کمنٹس / سٹکرز / ایموجیز / رائے لازمی کریں تا کہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دیگر ممبران کو بھی اس کتاب / پوسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

3۔ گروپ ایڈ منز سے پرسنل سوالات یا بحث مت کیجئے۔ صرف کتب کے متعلق دریافت کریں یا درخواست کریں۔

4۔ ایڈ منز اور ممبرز سے اخلاق سے پیش آئیں۔ اگر ہم ادبی گروپ میں موجود ہیں لیکن ہماری اخلاقیات معیاری نہیں تو ہمیں ادبی گروپ کا ممبر کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں۔ کوئی ممبر کسی دیگر ممبر کے انباکس میں میسج نہیں کرے گا ورنہ ریموو کر دیا جائے گا۔

5 گروپ میں یا ایڈ من کے انباکس میں وائس میسیج، ویڈیوز بھیجنے کی حرکت مت کریں ورنہ ریموو اور بلاک کر دیئے جائیں گے۔

6۔ گروپ میں کسی بھی قسم کی مذہبی فرقہ پرستی / سیاسی / انتشار پھیلانے والی گفتگو سختی سے منع ہے

سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخ صحابہ و اہلبیت، دہشت گرد / کالعدم / پاکستان مخالف تنظیموں کے افراد یا ایسے غیر مسلم جو پاکستان اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے فزیکلی / روحانی / ذہنی سپورٹرز ہوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص سے گزارش ہے کہ گوپ جوائن کرنے کی بالکل بھی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

7۔ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے وٹس ایپ گروپس میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

8۔ **یاد رہے کہ ہمارا کوئی کتب خانہ / دوکان / شاپ / سٹور نہیں ہے نہ ہم کوئی کتاب پبلش کرتے ہیں نہ ہی اسکین کرتے ہیں۔ نہ ہی ہمیں کسی پبلشر کی خدمات ہی حاصل ہیں کہ ہم کسی کی کتاب چھاپیں۔ جو کتاب انٹرنیٹ سے نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔**

0312-0060411	0343-7008883	سپر ایڈ من
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد (ہاشو)	راؤ ایاز

(گروپس میں صرف ناولز، لطائف، تاریخ، اسلام اور تدریسی کتب ہی شیئر کی جاتی ہیں کسی بھی متنازعہ / بین شدہ / پاکستان وادارہ مخالف یا ممنوعہ کتاب سے ایڈوانس معذرت)

جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

7۔ ہمارا گروپ جوائن کرنے کے لئے درج ذیل لنکس پر کلک کریں اور وٹس ایپ سلیکٹ کر کے جوائن کر لیں۔ صرف ضروری گروپ ہی جوائن کریں۔

8۔ گروپ رولز سخت ہیں لیکن ممبرز کی سہولت کے لئے ہیں

گروپ فل ہونے یا لنک ریووک ہونے کی صورت میں ایڈمن سے صرف وٹس ایپ پر لکھ / ٹائپ کر کے میسج کریں۔ وائس نوٹ سے گریز کریں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل سم پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔

9. ڈیمانڈ صرف صبح 9 سے 2 بجے تک کریں (جمعہ اور اتوار کو چھٹی) اپنی ڈیمانڈ کے بعد 48 گھنٹے تک پوسٹنگ کا انتظار فرمائیں نہ ہونے پر دوبارہ یاد کروادیں (ایڈمنز کی مصروفیت کی بناء پر اپنی ڈیمانڈ یاد کروانا ممبرز کی ذمہ داری ہے)۔ پوسٹنگ گروپ میں ہی ہو گی انباکس میں نہیں کی جائے گی۔ شکریہ

فیمیل کے لئے الگ گروپ موجود ہے جو صرف فیمیلز کو ہی مہیا کیا جائے گا

اللہ کریم ہم سب کا حامی و ناصر ہو

0312-0060411
محمد سلمان سلیم

0343-7008883
پاکستان زندہ باد (ہاشو)

سپر ایڈمن
راؤ ایاز

ختم نبوت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زندہ باد — عظمت صحابہ زندہ باد

ایڈمنز اردو بکس کے گروپ لنکس

اردو بکس اسلامک اسٹڈیز	https://chat.whatsapp.com/DA70HFOxkhKLwJy0mzqidc
اسلام کی پکار (قرآن مجید آڈیو/ویڈیو/پی ڈی ایف)	https://chat.whatsapp.com/IjkbHJO88FFDh026ylNgAA
ناول گھر (اردو ناولز کے لئے)	https://chat.whatsapp.com/HBqBr1YE5DY1J8oxZrD9T9
ناولز کے لئے (اردو بکس ناول گروپ)	https://chat.whatsapp.com/HLPn7L2KWHMHWZrgxcHSRF
شعر شاعری کے لئے (بزم سخن وادب)	https://chat.whatsapp.com/Gjwj37hWiSmI4dpnDkpopm
فلم/ڈرامہ/انٹرٹینمنٹ (سلمان انٹرٹینمنٹ)	https://chat.whatsapp.com/Fa4dYqZAQXJHIUNmVzRGiQ
بچوں کی کہانیوں کے لئے گروپ (بچوں کی دنیا)	https://chat.whatsapp.com/KZma6EsFv3UIFlUfg5Z3wy
تحریری پوسٹنگز/گپ شپ، معلوماتی مضامین اور ادبی گفتگو کے لئے گروپ (بزم یاراں)	https://chat.whatsapp.com/EeXrH9V5GF9FVezvPdPPtR
اخبارات اور کالمز کے لئے (سلمان اخبار گھر)	https://chat.whatsapp.com/BTGPh1dGGKt2CwZGLHtyQY
تدریسی کتب، نوٹس، پاسٹ پیپرز، جاب کی تیاری وغیرہ کے لئے (اردو بکس ایجوکیشنل گروپ)	https://chat.whatsapp.com/K9bd4QuCDjOL6A2z4Cw2GC
آن لائن کپڑے ہینڈبیگ شاپنگ کے لئے بااعتماد گروپ (سلمان آن لائن شاپنگ)	https://chat.whatsapp.com/DpufpXzLi1sAhRgqVdgmdq
فیملی کمیونٹی گروپ	https://chat.whatsapp.com/Hc6GmeSZA9NAKA38hlKCK6

کسی بھی گروپ کا لنک ریسیٹ ہونے پر ایڈمنز سے رابطہ فرمائیں۔ شکریہ

0312-0060411	0343-7008883	سپرایڈمن
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد (ہاشو)	راؤ ایاز

کانٹا زہریلی لڑکی



کمانڈو

۷

ویسے بھی اب کافی دن گزر چکا تھا اگر ان فوجیوں نے سگنل دے دیا ہوتا تو اب تک وہاں پر اسرائیلی فوج کی پوری ڈیزرٹ فورس پہنچ چکی ہوتی۔ ٹرک کا فریم ہی باقی رہ گیا تھا انجن جل کر سیاہ ہو گیا تھا اور اس میں سے ابھی تک ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا یہاں گرمی اور تپش بڑھ گئی تھی۔ میں نے لکڑی کا چھوٹا کریٹ اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور اپنے والے ریت کے ٹیلے کی طرف بڑھا۔ راستے میں دونوں یہودی سپاہیوں کی لاشیں صحرا کی تپتی ریت پر اوھر ادھر پڑی تھیں۔ اب میں نے ان کی جیبوں کی تلاشی لی چمڑے کے بٹوؤں میں سے مجھے کل پچاس اسرائیلی ڈالر ملے چیونگم اور شناختی کارڈ میرے کسی کام کے نہیں تھے ان کی رائفلیں بھی میگزین پاؤچ بھی میرے لئے بیکار تھے جس یہودی کی لاش میرے ٹیلے کی ڈھلوان پر پڑی تھی اس کی تلاشی لی تو مزید چند رہ ڈالر ملے ایک اسپنر تھا۔ ایک خط تھا جو اس کی ماں نے تحریر کیا تھا میں نے اسے پڑھے بغیر ہی لاش کی جیب میں ہی رہنے دیا۔ اس لاش پر بھی چونٹیاں چڑھ گئیں تھیں۔

لکڑی کا کریٹ میں نے ایک طرف رکھ دیا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جا رہا تھا اور ریت کے ٹیلے کا سایہ اب مغرب کی طرف سے مشرق کی طرف گھوم آیا تھا میں قمیص کے بغیر تھا صرف اسپتال والوں کا دھاری دار پاجامہ ہی پہنا ہوا تھا دور ریت پر پڑی لاشوں میں سے ایک لاش کی پتلون اور دوسرے کی خاکی قمیص اتار کر پہنی کیونکہ ایک سپاہی کی قمیص خون سے لتھڑی ہوئی تھی اور دوسرے کی پتلون پر خون جم رہا تھا ایک کے جوتے مجھے پورے آگئے یہ جوتے اگرچہ بھاری تھے لیکن صحرا میں چلنے میں بڑے کام آسکتے تھے پیٹ میں گوشت اور ٹھنڈا مشروب گیا تو اپنے آپ غنودگی طاری ہونے لگی صحرا میں گرم ہوا چل رہی تھی لیکن سائے میں قدرے سکون تھا ایک ہی ڈر تھا کہ ان فوجیوں کی تلاش میں سے کوئی دوسری کمپنی نہ آجائے یہ خیال مجھے پریشان کرنے لگا مگر اتنی دیر گزر گئی تھی ان لوگوں کی تلاش میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا تاہم ان کے آنے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا صحرا میں دھوپ نے آگ سی لگا رکھی تھی۔ اس دہکتے ہوئے جہنم میں چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی جہاں ٹرک کو آگ لگی تھی وہاں مجھے دور بین کہیں نہیں ملی تھی شاید اسے فوجی اپنے ساتھ ٹرک میں

لے گیا تھا جو ٹرک کے دھماکے میں ہی جل کر راکھ ہو گیا۔

طبیعت اس خطرے سے پریشان ہو گئی کہ اگر پیچھے سے کوئی دوسرا ٹرک آگیا جس میں یہودی بیٹھے ہوں گے تو ایک ایسی مصیبت نازل ہو جائے گی جس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہو گا اور میں ان سے اپنے آپ کو نہ بچا سکوں گا میری آنکھوں میں جو تھوڑی دیر پہلے غنودگی سی چھا رہی تھی وہ غائب ہو گئی میرے سامنے ایک طویل صحرا تھا جس میں دھوپ کی وجہ سے بھاپ کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ پیچھے دیکھا تو سنگلاخ ٹیلے دور تک تیز تپش میں ویران ویران نظر آئے۔ آسمان پارے کی طرح سورج کی تمازت سے کانپ رہا تھا دور سے کسی جیپ کا پٹریا ٹرک وغیرہ کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی کبھی خیال آتا کہ پیچھے سے کوئی نہیں آئے گا سورج ڈھلنے تک اسی جگہ پڑے رہنا چاہئے اگر ایک بار تپتے ہوئے آگ برساتے صحرا میں چل پڑا تو پھر زندہ نہ بچ سکوں گا کبھی خیال آتا کہ نہیں یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکل چلنا چاہئے میں نے کوکا کولا قسم کے مشروب کے ٹن کے چھوٹے گول ڈبوں کو جو تعداد میں تیرہ عدد تھے کھوکھے میں سے نکال کر باہر رکھ لیا تھا اسی کشمکش میں دوپہر ڈھل گئی میں نے مزید دو ڈبے پی لئے۔ اب میں نے چلنے کا ارادہ باندھ لیا کیونکہ دھوپ میں وہ پہلی جیسی تمازت اور شدت باقی نہیں رہی تھی۔

کوکا کولا کے دس ڈبے میں نے کچھ پتلون اور قمیص کی جیبوں میں اور کچھ کو پتلون کی پیٹی میں اڑس لیا گوشت کے پارچے بھی رومال میں لپیٹ کر ساتھ رکھ لئے۔ رائفل میں پورا میگزین بھرا اور خدا کا نام لے کر صحرا میں چلنا شروع کر دیا میرا رخ ایک بار پھر جنوب مشرق کی طرف تھا کیونکہ میرے حساب سے یروشلم اسی طرف واقع ہو سکتا تھا سورج مغرب میں پتھریلے ٹیلوں کے پیچھے اتر رہا تھا ریت کے ٹیلوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے فضا میں تپش کم ہو گئی تھی ریت خشک اور بھربھری تھی بھاری بوٹ ریت میں دھنس دھنس جاتے۔تھے میں قدم قدم چل رہا تھا صحرائی ریت کہیں ایک دم سے کسی چھوٹے سے نشیب میں گرنے لگتی اور کہیں ایسا گڑھا آجاتا جیسے وہاں ریت کے بھنور ہوں یہاں باقاعدہ کوئی راستہ نہیں تھا صحرا میں بڑے عجیب عجیب سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ میں ان سرابوں کی حقیقت سے واقف نہ تھا جو لوگ سراب سے باخبر نہیں ہوتے وہ ان کے فریب کاریوں کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں دھوپ، گرم ہوا اور ریت میں ملے ہوئے چاندی کے ذرات کی وجہ سے صحرا میں کبھی دور دریا نظر آتے ہیں کبھی درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ریل گاڑی دوڑتی نظر آتی ہے تو کبھی کسی شہر کی الٹی عمارتیں دکھائی دیتی ہیں یہ سب کچھ ایک سائنسی اصول کے تحت ہوتا ہے جس پر میں اس وقت بحث نہیں کروں گا بہرحال آپ نے بھی کتابوں میں ایسا پڑھا ہو گا کہ کوئی بھولا بھٹکا شخص صحرا میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اچانک اسے ذرا فاصلے پر دریا کی لہریں اچھلتی نظر آئیں۔ وہ ان کی طرف دیوانہ وار بڑھنے لگا اور دریا بھی اسی رفتار سے آگے آگے بھاگتا چلا گیا دوسری

جنگ عظیم میں جب بن غازی کے صحراؤں میں پنجابی فوج ' جنرل رومیل کی فوج سے برسرپیکار تھی ان میں سے کسی ایک کا کہنا ہے کہ ہماری کمپنی صحرا میں ایک جگہ پہنچی تو ہم نے دیکھا کہ دور صحرا میں ایک بحری جہاز گزر رہا ہے ہم میں سے کئی سپاہی تو ششدر رہ گئے اور انہیں بھوت پریت کا کرشمہ سمجھنے لگے لیکن بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ وہاں سے دور سمندر میں کوئی جہاز سفر کر رہا تھا جس کا عکس سمندر کی گرم بھاپ کے ساتھ اٹھ کر جب فضا میں اوپر جاتا ہے تو وہاں سے ترچھی کرنوں کے ذریعے نزدیکی صحرا میں اس کا الٹا عکس دکھائی دینے لگتا ہے چونکہ جس وقت میں نے اپنا سفر شروع کیا اس وقت دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا اس لئے مجھے کسی قسم کا کوئی سراب نظر نہیں آرہا تھا اگرچہ دھوپ میں وہ تمازت نہیں رہی تھی تاہم میرے اوپر ایسا بوجھ لدا ہوا تھا کہ میں قریب قریب ایک فرلانگ ہی چلا ہوں گا کہ پسینے میں شرابور ہو گیا اور سانس چڑھ گیا میں ایک جگہ سانس لینے کو بیٹھ گیا میری جیبوں میں بھرے ہوئے ٹن مجھے تنگ کر رہے تھے لیکن ان میں میٹھا پانی تھا جو صحرا میں آب حیات سے بھی بڑھ کر تھا میں انہیں نہیں پھینک سکتا تھا۔ رائفل بھی بے حد کار آمد تھی کچھ دیر ستانے کے بعد پھر چل پڑا۔

یونہی چلتے چلتے سورج مغرب میں غروب ہو گیا سورج کے ڈوبتے ہی صحرا میں اندھیرے کی پتلی سی دھند اتر آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دھوپ کی کرنوں میں جو ریت کے ذرے چمک کر روشنی پیدا کر رہے تھے وہ ایک دم ختم ہو گئی تھی ساتھ ہی ریت بھی جو چند لمحے پہلے چھوٹے چھوٹے انگاروں کی طرح دہک رہی تھی اب ٹھنڈی پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے فضا خنک ہونا شروع ہو گئی تھی اس سے مجھے بڑی تسکین ملی۔ میں نے ریت پر اپنا سفر جاری رکھا ایک جگہ جب پیاس نے بہت تنگ کیا تو ایک ٹن کھولا۔ دو گھونٹ مشروب کے پیئے اور ٹن جیب میں رکھ لیا جب آسمان پر ستارے نمودار ہوئے تو میں صحرا میں کافی دور تک نکل آیا تھا ریت کا وہ ٹیلہ جہاں سے میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا دور اندھیرے میں کہیں غائب ہو چکا تھا ایک پل کے لئے ایسا لگا جیسے میں کسی سمندر میں سفر کر رہا ہوں ایسا سمندر جو کسی کرامت سے ایک دم سے ریت بن گیا ہے چاروں طرف اندھیرے میں صحرا کی وسعتیں حد نظر تک پھیلی ہوئی تھیں مشرق کی طرف ایک بڑے سے چمکتے ستارے کو میں نے اپنا راہ نما بنا لیا اور اس کی راہ نمائی میں چلنے لگا خدا جانے کتنی دیر تک چلتا رہا ہوں گا کہ تھک گیا بوٹوں میں پھنسے ہوئے پاؤں درد کرنے لگے میں ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا رائفل ایک طرف اپنے پاس ہی رکھ دی پاؤں ' جوتوں سے نکال لئے ڈبے بھی جیبوں سے نکال کر اپنے پاس ہی رکھ دیئے ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر ننگے پاؤں رکھنے سے بڑی فرحت ملی یہی ریت دن میں انگاروں کی طرح دہکنے لگے گی میں چل تو پڑا تھا مگر صحرا میں ایسے مقام پر آ گیا تھا کہ دن کے وقت جب سورج سوا نیزے پر آئے گا تو میرا برا حال ہو گا میری یہی کوشش تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے راتوں رات ان ریت کے ٹیلوں کے پاس پہنچ جاؤں جن کے کوہان دور اندھیرے میں نظر آرہے تھے۔ اسی خیال سے میں نے زیادہ دیر رکنا مناسب نہ سمجھا اور چند لمحے

آرام کرنے کے بعد سازوسامان اٹھا کر دوبارہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں صحرا میں رات کو سفر کرنا آسان ہوتا ہے آسان ان معنوں میں کہ صحرا میں اندھیرا اتنا گھنا نہیں ہوتا کہ ہمیں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے ستاروں کی روشنی میں صحرا کے ذرے ہلکی ہلکی لو دینے لگتے ہیں جو تاریکی کو روشنی کی ایک دھیمی سی دھند میں بدل دیتے ہیں فضا کی خنکی اور ٹھنڈی ریت پر چلنے سے مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی مصیبت یہ تھی کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا ہوں ۔ دور نظر آتے ریت کے ٹیلوں کا ابھار بھی پیچھے ہٹتا جا رہا ہے یہ میرا وہم تھا یا حقیقت ' مجھے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن ریت کے ٹیلے اتنے ہی فاصلے پر معلوم ہو رہے تھے ۔ یہ فاصلہ جیسے کم نہیں ہو رہا تھا۔

میں قدم قدم آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا میرا خیال ہے کہ آدھی رات تک میں یونہی چلتا رہا کسی جگہ پل بھر کے لئے دم لینے کو رک جاتا اور پھر چل پڑتا۔ اب محسوس ہوا کہ ریت کے ٹیلے بڑے ہو گئے ہیں ۔ ان کا حجم بڑھ گیا ہے وہ قریب آرہے تھے مجھے پیاس لگ رہی تھی لیکن میں کھلے ٹن کا باقی مشروب پینے سے گریز کر رہا تھا مجھے بے حد احتیاط کی ضرورت تھی یہ مشروب آب حیات تھا اس کو میں انتہائی ضرورت کے وقت گھونٹ گھونٹ کر کے پینا چاہتا تھا۔ رات کا پچھلا پہر آگیا مشرق کی طرف افق کی لکیر نیلی اور سبز ہونے لگی ریت کے جس ٹیلے کو میں ایک ہی ٹیلہ سمجھ رہا تھا اب وہ ایک طویل سلسلہ دکھائی دے رہا تھا جو دور مشرقی افق تک پھیلتا چلا گیا تھا میرا دل ایک بار تو بیٹھنے لگا۔ یا اللہ کہیں میں اس لق ودق صحرا میں مرنے کے لئے تو نہیں آگیا؟ کیونکہ بظاہر یہ صحرا کہیں ختم ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس مصیبت میں بھی صحرا کی خوبصورتی سے نظریں نہیں ہٹائی جا سکتی تھیں ایسا لگ رہا تھا کہ رات کے پچھلے پہر کے ستاروں بھرے آسمان پر سے نیلی روشنی کا نور سا نیچے اتر رہا ہے ایک سحر طاری کر دینے والی عجیب سی مہک فضا میں بس گئی تھی خدا جانے یہ ریت کی خوشبو تھی یا ریت کے اندر چھپے ہوئے نظر نہ آنے والے پھولوں کی مہک تھی ایسی خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی اس میں روح کو تروتازہ کر دینے والی توانائی تھی کبھی کبھی ایسی آواز آتی جیسے کوئی عورت سرگوشی کر رہی ہو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کسی نشیبی جگہ پر ریت کے اپنے آپ پھسل کر گرنے کی آواز تھی صحرائی ریت کے سناٹے اور خاموشی کا صرف وہی شخص تصور کر سکتا ہے جس نے کبھی راتوں کو صحرا میں پیدل سفر کیا ہو یہ خاموشی دل پر قدرت کی ہیبت طاری کر دیتی ہے کسی وقت خاموشی جیسے اپنے آپ سرگوشیاں کرنے لگتی ہے اور کسی وقت ایسی چپ سادھ لیتی ہے کہ انسان کو اپنے سانس کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی محسوس ہوتا ہے کہ انسان خلا میں آگیا ہے جہاں کوئی آواز نہیں کوئی وزن نہیں کوئی فضا نہیں کوئی روشنی نہیں ہر طرف خلا ہی خلا ہے عدم ہی عدم ہے ازل سے لے کر ابد تک وقت کی گردش رک گئی ہے تھم گئی ہے ' ساکت ہو گئی ہے

جب پو پھٹی تو میں ریتیلے ٹیلوں کے سلسلے کے قریب پہنچ چکا تھا یہ ٹیلے مجھے صحرا کی جلتی بھنتی دھوپ سے بچا سکتے تھے مجھے دن بھر پناہ دے سکتے تھے سورج نکلنے تک میں اس سلسلے میں پہنچ گیا یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ ان ٹیلوں کی ڈھلانیں اتنی ترچھی تھیں کہ وہاں کسی سائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ان پر سورج ہر طرح سے پڑتا تھا چنانچہ جب سورج نے اپنا دہکتا ہوا چہرہ مشرقی افق سے نکال کر صحرا پر ایک نگاہ ڈالی تو یہ بات ثابت ہو گئی کسی ٹیلے کے پہلو میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں دھوپ نہ ہو ان ٹیلوں کا رخ کچھ ایسا تھا کہ دھوپ ان پر چاروں طرف سے آتی تھی سورج کے نکلتے ہی فضا نے تیزی سے گرم ہونا شروع کر دیا رات بھر کی شبنم سے بھیگی ریت کی ٹھنڈک حرارت بن کر خارج ہونے لگی میں کسی محفوظ مقام کی تلاش میں ان ٹیلوں کے درمیان آگیا سب سے شدید خطرہ یہ تھا کہ کہیں میں ان ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہ جاؤں۔ ان ٹیلوں میں اگر آدمی ایک بار بھٹک کر راستے کی درست سمت کھو بیٹھتا ہے تو پھر اس کی لاش وہیں ٹیلوں کے درمیان گرم ریت پر کہیں پڑی ہوتی ہے اور اسے گدھ نوچ رہے ہوتے ہیں چنانچہ میں چلتے وقت خاص طور پر سورج سے راہ نمائی حاصل کر رہا تھا ابھی سورج طلوع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میری رائفل کی نالی گرم ہو گئی مجھے فوراً کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں میں اس آگ سے بچ سکوں جو سورج کے جلو میں بڑھتی چلی آ رہی تھی ٹیلے ایسے تھے جیسے کسی نے بل ڈوزروں کی مدد سے بڑے اہتمام سے ریت کے بڑے بڑے ڈھیر لگا دیئے ہوں اس قسم کے ریت کے ایک دیو پیکر ڈھیر سے نکل کر دوسری طرف آیا تو دیکھا کہ آگے صحرا میں گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے یہ گڑھے ایسے تھے جیسے پہاڑوں میں وادیوں کی شکل میں ہوتے ہیں خوش قسمتی سے ایک گڑھے میں مجھے چھوٹا سا شگاف دکھائی دیا یہ گڑھا کسی بہت بڑے پیالے کی طرح تھا میں اس میں اترا ہی تھا کہ نرم ریت میں پھسلتا ہی چلا گیا تہ میں جا کر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور چھوٹے سے شگاف کی طرف بڑھا۔ شگاف زیادہ چوڑا نہیں تھا میں نے رائفل کے بٹ کی مدد سے اسے مزید کشادہ کر دیا اب اس میں اتنی جگہ بن گئی کہ میں اندر نیم دراز ہو سکتا تھا۔

یہاں دھوپ نہیں پہنچتی تھی میں نے اپنی رائفل اور جوتے اتار دیئے مشروب کے ڈبے نکال کر ایک طرف رکھ دیئے پاؤں جوتوں سے نکلے تو بے حد سکون محسوس ہوا میری ایڑیوں پر زخم سے ہو گئے تھے جوتا ایڑیوں کے ساتھ رگڑ کھاتا رہا تھا سب سے پہلے تو میں نے بچا ہوا مشروب پیا اور گوشت کے بچے ہوئے چھ پارچوں میں سے دو پارچے کھالئے بھوک اور پیاس کسی حد تک بہل گئی میں اس سے زیادہ مشروب اور پارچے استعمال بھی نہیں کرنا چاہتا تھا یہ میرا قلیل ترین راشن تھا اور سفر خدا جانے کس قدر طویل تھا میں نے ٹانگیں شگاف سے باہر کر لیں اور لیٹ گیا رات بھر کی تھکن اتنی زیادہ تھی کہ لیٹتے ہی نیند آگئی دوپہر کو آنکھ کھلی سورج سوا نیزے پر تھا ہر طرف آگ برس رہی تھی جس شگاف میں میں پڑا تھا اس میں ہلکی ہلکی خنکی تھی مگر گرم لو کے تھپیڑے یہاں بھی پریشان کر رہے تھے مشروب کے

ٹن بھی گرم ہو گئے تھے ایک ٹن کھول کر پیا۔ دو پارچے کھائے اور اونگھنے لگا یوں جاگتے اونگھتے صحرا کا شدید گرم دن گزر گیا شام کو گوشت کا ایک پارچہ کھلایا ٹن پیا اور اللہ کا نام لے کر ایک بار پھر مشرق کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔

یونہی دن کو آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے مجھے صحرا میں تین دن گزر گئے میرے پاس کھانے کے لئے صرف گوشت کا آدھا پارچہ اور پینے کو مشروب کا ایک ٹن رہ گیا تھا میں کب تک اور تک اسے سنبھال سنبھال کر استعمال کرتا چوتھے روز ایک جگہ گڑھا کھود کر صحرا کی تیز دھوپ سے بچ کر بیٹھا تھا کہ یہ پارچہ اور مشروب کا ٹن بھی ختم ہو گیا اب میرے پاس سوائے کہاں کے نام کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ دو دن کے بعد کوئی نہ کوئی بستی یا شہر ضرور دکھائی دے گا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا مجھے یقین ہو گیا کہ میں صحرا میں راستہ بھول گیا ہوں اور ایک ہی جگہ چکر لگا رہا ہوں اسی روز صحرا میں بڑی شدید آندھی آگئی میں نے قمیص اتار کر اپنے سر کے اوپر ڈال لی اور گڑھے میں اکڑوں بیٹھ گیا آندھی کیا تھی ایک بھیانک طوفان تھا جب آندھی رکی تو میرے اوپر ریت ہی ریت پڑی تھی بڑی مشکل سے اپنے آپ کو جھاڑ کر گڑھے سے باہر نکالا تو دیکھا کہ ریت کے پرانے ٹیلے غائب تھے اور ان کی جگہ نئے ٹیلے معرض وجود میں آچکے تھے میں ان ٹیلوں کو بالکل نہیں پہچانتا تھا آندھی کے بعد فضا تھوڑی دیر کے لئے خنک ہوئی اس کے بعد فوراً ہی آسمان سے وہی آگ برسنا شروع ہو گئی۔

چوتھی رات آئی تو میں سفر کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کیونکہ میرے پاس کھانے پینے کو اب کچھ بھی نہیں تھا یوں صحرا میں سفر کرنا انتہائی خطرناک بات تھی صحرا میں ابھی تک مجھے کوئی چشمہ وغیرہ دکھائی نہیں دیا تھا خدا جانے اسرائیلیوں کا یہ صحرا کس نوعیت کا تھا کہ سینکڑوں میل چلے جائیں۔آپ کو نہ کوئی نخلستان ملے گا اور نہ پانی کا چشمہ پہلے تو رات کا اندھیرا چھا گیا پھر ستارے پوری آب و تاب سے چمکنے لگے تو صحرا میں پھیکی پھیکی دھیمی سی روشنی نے اندھیرے کو دھندلا دیا فضا بھی خنک ہو گئی میں نے سوچا یہاں بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ میں سفر جاری رکھوں کیونکہ سفر کرتے ہوئے ہو سکتا ہے صبح تک کسی صحرائی بستی میں پہنچ جاؤں چنانچہ یہ سوچ کر میں اپنی جائے پناہ سے نکل کر ریت پر چلنے لگا میرا رخ ایک بار پھر اسی ستارے کی طرف تھا جو ہر روز رات کو مشرقی سمت آسمان پر چمکتا تھا خدا جانے یہ کون سا ستارہ تھا سامنے کوئی ریت کا ٹیلہ آجاتا تو میں اس کے اوپر چڑھنے کی بجائے اس کے پہلو سے گھوم کر پھر ناک کی سیدھ میں آجاتا۔

بھوک اور پیاس کی وجہ سے کچھ دور چلنے پر تھکن محسوس ہوتی تھی ہونٹ خشک ہو رہے تھے زبان خشک ہو کر لکڑی کی طرح سخت ہو گئی تھی رائفل جو میرے کاندھے سے لٹک رہی تھی مجھے بہت بڑا بوجھ لگتی تھی لیکن میں اسے اپنے ساتھ ہی لئے جا رہا تھا میرے بچاؤ کا یہ سب سے بڑا ہتھیار تھا چلتے چلتے رات کے کسی لمحے، میں صحرا میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں بائیں جانب ریت کے بڑے

بڑے پہاڑ جیسے ٹیلوں کا سلسلہ جنوب کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا یہاں ایک طرف گہری گھاٹی نظر آئی اندھیرے میں گھاٹی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا ریت کے بڑے بڑے ڈھیر جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے پیاس نے نڈھال کر دیا تھا میں تھک کر ایک جگہ ریت کے ڈھیر کے پاس خود بھی ڈھیر ہو گیا میں ٹھنڈی ریت پر بالکل چت لیٹ گیا پھر اٹھ کر ریت کو مٹھی میں لے کر نچوڑنے کی کوشش کی مگر پانی کی ایک بوند بھی نہ ٹپکی ٹھنڈی ریت کو آنکھوں، ہونٹوں اور گالوں پر لگایا۔ میرے سر اور داڑھی مونچھ کے بال کافی بڑھ آئے تھے رائفل ریت پر میرے پاس ہی پڑی تھی نقاہت سے میرا سر چکرانے لگا تھا میں نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کے حضور دعا مانگنے لگا کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے اور صحرا کی بھیانک موت سے بچائے۔

میری آنکھیں بند تھیں کہ مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جانور بھاگ رہا ہو میں نے آنکھیں کھول کر رائفل اپنے ہاتھ میں لے لی اور صحرا کے اندھیرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا آواز قریب آکر دور ہو گئی چند لمحوں کے بعد پھر وہی آواز آئی میں نے اٹھ کر بائیں طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ ایک خچر یا گدھا اندھیرے میں ریت کے چھوٹے چھوٹے ڈھیروں کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا۔

میں گھسٹتا ہوا ان ڈھیروں کے پاس گیا کہ وہ ایک گدھا تھا شاید اسے بھی میری موجودگی کا احساس ہو گیا تھا وہ زور سے چیخا اور ایک طرف بھاگ کر اندھیرے میں غائب ہو گیا سوچا کہ شاید یہ کوئی بھوت پریت تھا لیکن بھوت پریت پر میرا اعتقاد نہیں تھا یہ گدھا اس بات کی علامت تھی کہ یا تو قریب ہی کوئی آبادی ہے اور یا پھر یہاں سے کوئی قافلہ گزرا ہو گا جس سے بچھڑ کر یہ گدھا یہاں رہ گیا لیکن عام طور پر صحرا میں چلنے والے قافلوں میں گدھے نہیں ہوتے یقیناً یہاں قریب کوئی بستی ہے میرے دل میں زندگی کی نئی امید روشن ہو گئی اور میں نے اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف گدھا گیا تھا میرا رخ مشرق سے ہٹ کر شمال مشرق کی طرف ہو گیا تھا آگے ریت کی چڑھائی تھی یہ ایک اونچا ٹیلہ تھا ٹیلے پر چڑھ کر میں نے دوسری طرف دیکھا تو میرے حلق سے خوشی کی ایک چیخ نکل گئی دوسری جانب صحرا میں دور ایک جگہ روشنی ہو رہی تھی یہ روشنی کسی چراغ یا لالٹین کی تھی۔ پیچھے پس منظر میں اونچے درختوں کے سیاہ دھبے نظر آرہے تھے۔

میں نے اپنے آپ کو ٹیلے کی ڈھلان پر گرا دیا اور لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا پھر اٹھا اور روشنی کی سمت چلنے لگا میں محتاط بھی ہو گیا تھا یہاں اسرائیلی فوج کا کوئی کیمپ بھی ہو سکتا تھا میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا کمزوری بے حد محسوس ہو رہی تھی بھوکے پیاسے رہ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھاننے کی کمانڈو ٹریننگ کام آرہی تھی جس کی وجہ سے حوصلہ بلند تھا اور میں اپنے آپ کو شدید بھوک پیاس میں بھی سنبھالے ہوئے تھا۔

...ی کی وجہ

یہ ایک مخصوص صحرائی خیمہ تھا جسکے باہر بانس کے ساتھ ایک لالٹین لٹک رہی تھی۔ میں پردہ اٹھا

کر خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔

پردہ گرنے کی وجہ سے خیمے کے اندر اندھیرا تھا میں نے خیمے کے دروازے سے پردہ اوپر اٹھادیا لالٹین کی مدھم روشنی اندر آئی تو میں نے دیکھا کہ وہی عورت جس کا منہ سیاہ پٹی سے بندھا تھا خیمے کے بیچ والے بانس کے ساتھ رسی سے بندھی سر جھکائے بیٹھی تھی مجھے داخل ہوتے دیکھ کر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف تکنے لگی میں نے اس کے منہ سے بندھی پٹی کھول دی۔ وہ عبرانی زبان میں گڑگڑا کر بولی بھائی! میری عزت میرے خاوند کی امانت ہے"

میں نے کوئی جو نہ دیا میرے کاندھے سے لٹکی ہوئی رائفل دیکھ کر کچھ زیادہ ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ ۔۔ میں نے اس کے ہاتھوں کی رسی کھول دی وہ اپنی کلائیوں کو سہلاتے ہوئے میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی میں نے اسے مٹکے میں سے پانی نکال کر پلایا وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی میں نے کہا "بہن! مجھے اپنا بھائی سمجھو تمہاری عزت میری عزت ہے"

اس عورت کی عمر تیس بتیس برس کے درمیان لگتی تھی رنگ یہودی عورتوں کی طرح کھلتا ہوا صاف تھا آنکھیں سیاہ اور بال بھی سیاہ اور لانبے تھے چمکتی آنکھوں میں ایک معصوم اور پاکیزہ چمک تھی اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگا کر سسکیاں بھر کر رونے لگی میں نے اسے حوصلہ دیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہ لوگ اسے کیوں اغوا کر کے لائے ہیں؟ کیا یہ کسی دشمن قبیلے کے لوگ ہیں؟ اس عورت نے بھیگی ہوئی احسان مند نظروں سے مجھے دیکھا اور بتایا کہ وہ رخاش کی بیوی ہے "ہمارا انگوروں اور انجیروں کا باغ ہے یہاں سے بیس کلومیٹر دور داہرانہ بستی میں ہمارا گھر ہے میرا خاوند کاروبار کے سلسلے میں جیریکو گیا ہوا ہے آج رات میں کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ پانچ ڈاکو دیوار کود کر ہماری حویلی میں آ گئے انہوں نے ہمارے نوکر اور کنیز کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا ہمارا سامان لوٹا اور مجھے اغوا کر کے لے گئے آدھے راستے میں آ کر تین ڈاکو کسی دوسرے قصبے میں ڈاکہ ڈالنے چل دیئے اور مجھے ان ڈاکوؤں کے ساتھ اس ویران جگہ کی طرف روانہ کر دیا۔ تمہیں اب موسیٰ کی قسم میرے بھائی مجھے یہاں سے نکال کر میرے گھر پہنچا دو"

میں نے اسے تسلی دی اور پوچھا کہ جیریکو یہاں سے کتنی دور ہو گا۔ اس عورت نے اپنا نام خازلی بتایا تھا کہنے لگی "ہماری بستی سے جیریکو شہر کو لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر جاتے ہیں" پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولی "مجھے یہاں سے لے چلو ڈاکو آ گئے تو میری عزت لٹ جائے گی"

میں نے رائفل پر ہاتھ رکھ کر کہا "میرے پاس یہ رائفل موجود ہے تم فکر کیوں کرتی ہو لیکن پندرہ بیس کلومیٹر کا صحرائی راستہ ہم پیدل کس طرح طے کر سکتے ہیں ہمیں سواری کی ضرورت ہو گی"

خازلی پریشان ہو گئی کہنے لگی "کیا تمہارے پاس کوئی اونٹ نہیں ہے بھائی؟ تم یہاں کس پر سوار ہو کر آئے تھے تمہارا نام کیا ہے؟ کیا تم ہماری فوج میں ہو؟"

میں نے اس سے کہا کہ میرا نام الشکول ہے (یہ نام میں نے یاد رکھ لیا تھا) اور میں فوج میں نہیں ہوں اپنے ایک دوست کے ساتھ شکار کرنے صحرا میں نکلا تھا کہ ہم راستہ بھول کر ایک دوسرے سے بچھڑ گئے یہاں خیمے کے باہر جلتی ہوئی لالٹین دیکھ کر ادھر آگیا یوں تم سے ملاقات ہو گئی میں نے ان دونوں ڈاکوؤں کو تمہیں یہاں بند کرتے دیکھ لیا تھا جب وہ چلے گئے تو میں اسی نیت سے اندر آیا کہ تمہیں ان بے رحم سفاک انسانوں سے نجات دلاؤں۔

خازلی نے خیمے سے باہر جھانک کر دیکھا میں خیمے کے اندر کمبل پر بیٹھا تھا وہ میرے پاس آکر کمبل پر بیٹھ گئی اور بولی " بھائی الشکول ہمیں یہاں سے صبح ہونے سے پہلے پہلے نکل جانا چاہئے دن چڑھتے ہی سارے ڈاکو یہاں آجائیں گے ان کے پاس بھی بندوقیں ہیں پھر ہمارا یہاں سے فرار ہونا مشکل ہو جائے گا "

میں نے اسے کہا کہ سواری کے بغیر صحرا میں نکلنا موت کو آواز دے کر بلانے کے مترادف ہے۔

وہ بولی " ہم باہر جو گدھا بیٹھا ہے اس پر سوار ہو کر چلے چلتے ہیں " ابھی یہ بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ ہمیں کسی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنائی دی خازلی نے گھبرا کر کہا " وہ لوگ آگئے ہیں اب کیا ہو گا ؟

میں تیزی سے اٹھ کر خیمے سے باہر آگیا دور ایک اونٹ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھ رہا تھا میں خازلی کو کھینچ کر اندر لے گیا اور کہا " تم اس جگہ کمبل پر لیٹ جاؤ خبردار اٹھنا مت کیونکہ ابھی گولیاں چلیں گی "

یہ کہہ کر میں باہر نکل گیا دوڑ کر سامنے چند قدموں کے فاصلے پر ریت کی ڈھیری کے پیچھے پیٹ کے بل لیٹ گیا اور رائفل کا رخ آنے والے اونٹ کی طرف کر دیا۔ ستاروں کی دھیمی روشنی میں اونٹ قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس پر ایک آدمی سوار ہے خیمے کے باہر آکر اونٹ بیٹھ گیا اور وہ آدمی اونٹ پر سے نیچے اتر آیا اب مجھے اس کے کاندھے سے لٹکی بندوق نظر آئی اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے خیمے سے نکل کر سخت حماقت کی ہے اگر اس ڈاکو نے خیمے میں لیٹی ہوئی عورت خازلی کو یرغمال بنا لیا تو یہ اسے لے کر بڑی آسانی سے فرار ہو جائے گا اور میں اس پر گولی نہ چلا سکوں گا لالٹین کی روشنی میں میں نے اسے پہچان لیا یہ پہلے بھی اپنے ساتھی کے ہمراہ یہاں آیا تھا شاید اسے خیمے میں ایک تنہا جوان عورت کی موجودگی کا گناہ آلود احساس واپس کھینچ لایا تھا مجھے اس پر فوراً حملہ کر دینا چاہئے تھا اگر یہ ایک بار خیمے کے اندر چلا گیا تو پھر سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

یہ ڈاکو اونٹ سے اتر کر اپنے جبے کو ٹھیک کر رہا تھا اور بندوق ابھی تک اس کے کاندھے پر پیچھے لٹکی ہوئی تھی میں نے ایک ہوائی فائر کیا اور چھلانگ لگا کر اس ڈاکو کے سامنے آگیا میری رائفل کی نالی کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا میں نے کڑک کر عبرانی زبان میں کہا " ایک ہاتھ اوپر اٹھا لو اور دوسرے

ہاتھ سے بندوق میری طرف پھینک دو "

وہ ڈاکو ہکا بکا سا ہو کر میرا منہ تکنے لگا تھا میں نے کڑک کر اپنا جملہ دہرایا اور رائفل کی نالی ذرا آگے کی تو اس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھالیا اور دوسرے ہاتھ سے کاندھے پر لٹکی ہوئی بندوق نیچے پھینک دی میں نے اسے دو قدم پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور پیچھے ہٹ گیا میں نے خازلی کو آواز دی " باہر آکر یہ بندوق اٹھالو "

خازلی خیمے سے نکل کر باہر آئی اور جب یہ منظر دیکھا کہ ڈاکو نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا رکھے ہیں تو لپک کر اس نے ریت پر پڑی بندوق اٹھالی اور میرے اشارے پر خیمے کے اندر چلی گئی ڈاکو نے کرخت لہجے میں مجھ سے کہا " تم جابر کو نہیں جانتے وہ ہمارا سردار ہے وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا "

میں نے ڈاکو سے کہا " بیٹھ جاؤ اور دونوں بازو اپنی گردن کے پیچھے کرلو "

اس نے ایسا ہی کیا میں نے خازلی کو بلایا اور کہا کہ جس رسی سے انہوں نے تمہیں باندھا تھا وہ لاؤ اور اس ڈاکو کے ہاتھ پیچھے کس کر باندھ دو خازلی فوراً رسی اندر سے لائی اور زمین پر بیٹھے ہوئے ڈاکو کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اب میں نے رائفل خازلی کو دی اور ڈاکو کو کھینچتا ہوا خیمے کے اندر لے گیا میں نے اس کے منہ پر سیاہ پٹی باندھی اسے خیمے کے درمیانی بانس کے ساتھ بٹھایا اور اس کے دونوں پاؤں بھی کپڑے سے باندھ دیئے پھر میں تیزی سے خیمے سے نکل آیا ور خازلی سے کہا " اس اونٹ پر بیٹھو اب ہم تمہاری بستی کی طرف آسانی سے سفر کرسکتے ہیں " .

خازلی اونٹ پر آگے بیٹھی اور میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا اونٹ اپنے پاؤں پر اٹھ کھڑا ہوا اور خازلی کی ہدایت کے مطابق میں نے اونٹ کو ان کی بستی کے رخ پر ڈال دیا صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم خازلی کی بستی میں داخل ہو گئے وہ حویلی میں پہنچی تو نوکر اور کنیز اسے دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو گئے خازلی اپنے گھر میں آکر بھی گھبرائی گھبرائی سی تھی اسے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا تھا کہ وہ ڈاکو دوبارہ اس کے گھر میں آجائیں گے میں نے اسے تسلی دی اور کنیز کے ساتھ اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا اور خود حویلی کا دروازہ بند کر کے سامنے والے برآمدے میں بچھے ہوئے لکڑی کے تخت پر لیٹ گیا رائفل میرے پاس تھی خازلی کا نوکر بھی برآمدے کے فرش پر ادھر ادھر چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا اس کی یہ ڈیوٹی میں نے لگائی تھی تخت پر لیٹے لیٹے میری آنکھ لگ گئی جب سو کر اٹھا تو دن نکلا ہوا تھا حویلی کے صحن میں سفید روشن دھوپ پھیلی ہوئی تھی نوکر غائب تھا اتنے میں خازلی اپنی کنیز کے ساتھ میری طرف آتی نظر آئی اگرچہ اس نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر لئے تھے لیکن چہرے پر تردد اور فکر مندی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے وہ میرے لئے دودھ انگوروں کا رس اور روٹی لائی تھی میں نے سیر ہو کر ناشتا کیا مجھے اس کی اشد ضرورت تھی وہ بار بار ڈاکوؤں کا ذکر کر رہی تھی " اینشکول اس علاقے کے ڈاکو بدلہ لینا کبھی نہیں بھولتے وہ ضرور آئیں گے تم یہاں سے مت جانا میرا خاوند شاید آج شام تک واپس آجائے "

میں نے اسے تسلی دی کہ جیسے وہ کہتی ہے ویسے ہی ہو گا " تم فکر مت کرو جب تک تمہارا

خاوند نہیں آجاتا میں یہیں رہوں گا" نوکر قہوہ لے آیا ہم نے اکٹھے قہوہ پیا پھر خازلی کہنے لگی " تمہارے کپڑے پھٹ گئے ہیں میں تمہیں نئے کپڑے دیتی ہوں وہ پہن لو"

اس نے نوکر سے کہا مجھے غسل خانہ دکھا دے میں بھی یہی چاہتا تھا میں نے غسل خانے میں جا کر مل مل کر غسل کیا وہاں پڑی ہو چھوٹی قینچی سے اپنی مونچھوں کو ہونٹوں کے اوپر سے تھوڑا کترا نئے کپڑے پہنے عبرانی دیہاتیوں جیسا لباس تھا ایک لمبے نیلے رنگ کا کُرتا جو تا بھی دوسرا پہنا سر پر کسابہ بھی پہن لیا تاکہ میں پورا یہودی نظر آؤں خازلی نے اس اونٹ کو اپنے نوکر کی مدد سے صحرا میں دور لے جا کر چھوڑ دیا تھا جس پر بیٹھ کر ہم وہاں پہنچے تھے میرے پاس اسرائیلی فوجیوں کی جیبوں سے نکالے ہوئے ستر کے قریب ڈالر موجود تھے میں نے باتوں ہی باتوں میں خازلی سے جیریکو کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر لی تھیں یہ بھی پتا کر لیا تھا کہ جیریکو سے یروشلم کو بسیں بھی جاتی ہیں میں اسی وقت خازلی کے گھر سے جیریکو کی طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن خازلی کے اصرار پر اس کے خاوند کے آنے تک مجبوراً رک گیا خازلی کو خوف لگا تھا کہ ڈاکو اسے اکیلی پا کر پھر اٹھا کر لے جائیں گے ۔

دوپہر کو میں کھانا کھا کر سو گیا اور شام تک سویا رہا میں اچھی طرح آرام کر کے تازہ دم ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ آگے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے بظاہر تو مجھے خازلی کے ہاتھ سے ہی ایک اونٹ پر سوار ہو کر نوکر کے ساتھ جیریکو کی طرف روانہ ہو جانا تھا لیکن میں بھیس بدل کر دشمن کے علاقے میں گھوم رہا تھا اور میرے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا تھا دل خازلی کی حویلی میں رکنا نہیں چاہتا تھا لیکن اخلاقی طور پر وہاں رکنے پر مجبور تھا اب یہ دعا کرنے لگا کہ اس کا خاوند رخاش شام تک واپس آجائے گا وہ شام کو تو نہ آیا لیکن جب رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا تو اس کا اونٹ حویلی کے باہر آکر رکا اونٹ کے بلبلانے کی آواز سن کر خازلی حویلی کے دروزرے کی طرف دوڑی نوکر نے پہلے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

حویلی کے صحن میں کیروسین آئیل کا بڑا لیمپ روشن تھا میں نے ایک اونچے لمبے ذرا آگے کو جھکے ہوئے یہودی کو اندر داخل ہوتے دیکھا اس نے یہودی زمینداروں جیسا قیمتی لباس پہن رکھا تھا اس کی داڑھی ریت آلود تھی ۔ رومال سے داڑھی کو جھاڑتے ہوئے اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اتنے میں اس کی بیوی خازلی روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی اور ساری دردانگیز روداد اسے سنا دی رخاش نے آگے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور میرا شکریہ ادا کیا جانے کیوں اس کی آنکھوں میں مجھے ایک ایسی چمک دکھائی دی تھی جو میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور جس نے مجھے یکدم سے چونکا کر دیا رات کا کھانا رخاش نے میرے ساتھ کھایا اس نے سرسری طور پر میرے بارے میں پوچھا میں نے وہی بیان دہرایا کہ یروشلم میں فرنیچر کا کاروبار کرتا ہوں ۔ ایک دوست کے ساتھ صحرا میں ہرن کا شکار کھیلنے نکلا تھا کہ آندھی میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے رخاش نے مجھ سے کسی قسم کا سوال نہ کیا وہ بار بار میرا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ میں نے اس کی بیوی کی عزت بچائی ۔

میں رات کو ہی وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن رخاش نے یہ کہہ کر مجھے روک لیا کہ صبح وہ اسے اپنے اونٹ پر نوکر کے ساتھ روانہ کردے گا" یہ میرا نوکر تمہیں خود جیریکو چھوڑ آئے گا رات کو اس کے راستہ بھول جانے کا خطرہ ہے منہ اندھیرے چلو گے تو دن نکلنے سے پہلے پہلے پہنچ جاؤ گے نہ جانے کیوں اب وہاں میرا دل نہیں لگتا تھا میری چھٹی حس مجھے بار بار کہہ رہی تھی کہ یہاں سے بھاگ چلو لیکن رخاش کی پُرخلوص باتیں اور اس کے اخلاق کی وجہ سے میں انکار نہ کرسکا اور رات کی رات ٹھہر گیا۔

میرا بستر برآمدے میں لگا دیا گیا تھا آدھی رات تک میں جاگتا رہا کروٹیں بدلتا رہا کئی بار خیال آیا کہ اٹھ کر حویلی سے نکل جاؤں مگر اسے کچھ بداخلاقی سمجھ کر لیٹا رہا پھر نہ جانے کس وقت مجھے اپنے آپ نیند آگئی کوئی مجھے کاندھے سے ہلا رہا تھا میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں رخاش کا نوکر مجھ پر جھکا ہوا تھا" سفر کی تیاری کرلیں آقا"

میں جلدی سے اٹھ بیٹھا نہا دھو کر کپڑے پہنے میری رائفل رخاش نے مجھ سے یہ کہہ کر مانگ لی تھی کہ اسے اس کی ضرورت ہوگی کیا معلوم ڈاکو کب اس کی حویلی پر دھاوا بول دیں یہ رائفل اسرائیلی فوج کی تھی اور اس پر رجمنٹ کا نمبر لکھا ہوا تھا لیکن رخاش ایک دیہاتی آدمی تھا میں نے یہی خیال کیا کہ وہ اسے کہاں پہچان سکے گا میں نے اسے رائفل کے بارے میں یہی بتایا تھا کہ میں نے ایک ریٹائرڈ فوجی سے یروشلم میں خریدی تھی مجھے اب رائفل کی ضرورت بھی نہیں تھی بلکہ وہ الٹا مجھے جیریکو میں پکڑوا سکتی تھی چنانچہ میں نے خوشی سے رائفل رخاش کو پیش کردی تھی جب میں اس کے نوکر کے ساتھ سفر پر روانہ ہونے لگا تو اس نے بند لفافہ نوکر کو دیا اور کہا"جیریکو میں میرے بھائی عذان کو یہ خط دے دینا" پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا" ایشکول! جیریکو میں میرے بھائی کے ہاں ہی قیام کرنا تمہاری میزبانی ہمارے خاندان کا فرض ہے تم نے ہمارے خاندان کی عزت بچائی ہے میں نے اپنے بھائی کو سب کچھ خط میں لکھ دیا ہے وہ خود تمہیں یروشلم جانے والی بس میں سوار کرادے گا"

میں نے رخاش کا شکریہ ادا کیا حویلی کے باہر تک خازلی بھی اپنے خاوند کے ساتھ مجھے چھوڑنے آئی میں اونٹ کی پچھلی سیٹ پر اور نوکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہم اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

رخاش کے نوکر کے ساتھ میں جیریکو کے سفر پر روانہ ضرور ہوگیا تھا لیکن طبیعت کچھ بے چین سی تھی اس بے چینی کی کوئی واضح وجہ میرے پاس نہیں تھی دل میں خواہ مخواہ کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے میں نے اپنی اسی نفسیاتی کشمکش پر غور کیا تو مجھے اسی کے پس منظر میں خازلی کے خاوند رخاش کی دل میں اترتی ہوئی تیز آنکھیں نظر آئی اس نے جب پہلی بار مجھے گھور کر دیکھا تھا تو مجھے ان آنکھوں میں کئی سوال تیرتے نظر آئے تھے کہیں اسے مجھ پر شک تو نہیں ہوگیا تھا؟ پھر خیال آیا کہ یہ شہر سے دور دراز ایک گاؤں میں رہنے والا زمیندار ہے اسے تل ابیب کی سیاسی سرگرمیوں اور انٹیلی

جینس کے جھمیلوں سے کیا سروکار ہوسکتا ہے اور پھر اس کے بعد رخاش کی طرف سے مجھ پر کسی قسم کے شبہ کا اظہار نہیں کیا گیا تھا ہوسکتا ہے یہ میرا وہم ہو اور اپنے بارے میں زیادہ محتاط رہنے کا نتیجہ ہو ہمارا سفر جاری تھا رات کے پچھلے پہر میں صحرا کا دھندلا حسن بے نظیر تھا رخاش کے نوکر سے میں نے اس کا نام نہیں پوچھا تھا اس کی ضرورت نہیں تھی وہ اونٹ گاؤں کی تنگ سی گلی سے نکل کر انگور اور انجیر کے باغات والی کچی دیوار کے قریب سے ہوتا ہوا صحرا کی لامحدود وسعتوں میں داخل ہو گیا ہم نے اپنے ساتھ پانی کی چھاگل اور خشک انگور اور خشک انجیریں رکھ لی تھیں نوکر صحرا میں ایک خاص راستے پر چل رہا تھا آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا ٹھنڈی خنک ہوا چل رہی تھی میرا گائیڈ یعنی رخاش کا نوکر بڑا باتونی نکلا وہ یروشلم کے مضافات کا رہنے والا تھا اور تل ابیب میں کئی سال تک ٹیکسی چلاتا رہا تھا اس نے تل ابیب کے ہوٹلوں اور کلبوں کی خفیہ ہیجان خیز داستانیں چھیڑ دی تھیں پھر یروشلم کی باتیں کرنے لگا۔ وہ یروشلم میں بھی ایک سال تک کسی کارخانے میں نوکری کرتا رہا تھا وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ میرا گھر یروشلم کے کس محلے میں ہے میں نے ایک محلے کا نام لے لیا اور وہ اس محلے سے واقف تھا جب اس نے کچھ آدمیوں کا نام لیا تو میں نے موضوع بدل دیا کہ کہیں مجھ سے کوئی گھپلا نہ ہو جائے اس نوکر کی عمر زیادہ نہیں تھی ابھی تیس برس کا بھی نہیں تھا میں نے اس سے محبت کی باتیں شروع کر دیں کہ اب تک اس نے کہاں کہاں محبت کی ہے وہ زور سے ہنسا اور اس نے عبرانی زبان میں کسی قدیم شاعر کا ایک شعر پڑھ دیا یونہی باتیں کرتے کرتے ہم نے آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر لیا جب پو پھٹ رہی تھی تو ہم ایک نخلستان میں پہنچ گئے یہاں اتر کر تھوڑی دیر آرام کیا اونٹ کو چرنے اور پانی پینے کے لئے چھوڑ دیا تھوڑی خشک انجیریں کھائیں میں نے نوکر سے رخاش کے بھائی کے بارے میں پوچھا جس کے نام کا رقعہ لے کر ہم اس کے ہاں جا رہے تھے نوکر نے ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر کہا "وہ بڑا نیک دل انسان ہے میں جب بھی اس کے ہاں انگوروں کا مٹکا لے کر گیا ہوں مجھے پندرہ بیس ڈالر اس نے ضرور دیئے ہیں۔ بڑا مذہبی آدمی ہے میں تو عبادت گاہ اب کبھی کبھار ہی جاتا ہوں مگر میرے مالک رخاش کا یہ بڑا بھائی عذان روز عبادت گاہ میں جاتا ہے"

میں نے قصداً اس سے پوچھا کہ عذان کا تعلق جیریکو کے سیاسی لیڈروں اور سرکاری افسروں سے بھی ہے مجھے بار بار یہ احساس ہونے لگا تھا کہ کہیں مجھے کسی جال میں تو نہیں پھنسایا جا رہا نوکر بولا "عذان بڑا مذہبی آدمی ہے وہ لیڈروں اور سرکاری افسروں سے دور بھاگتا ہے وہ تو خاموش طبیعت والا ہے بہت کم بات کرتا ہے آپ اس سے مل کر بہت خوش ہوں گے"

اب میری شدید خواہش ہوئی کہ وہ خط پڑھا جائے جو رخاش نے اپنے بھائی عذان کو لکھا ہے میں نے نوکر سے کہا "ذرا دکھاؤ تو رخاش نے خط میں کیا لکھا ہے میں نہیں چاہتا کہ عذان میری زیادہ خاطر داری کرے رخاش نے ضرور لکھا ہو گا کہ الینشکول کی بڑی خدمت کرنا اس نے میری بیوی کی جان

بچائی ہے"

رخاش کے نوکر نے تھیلے میں سے لفافہ نکال کر مجھے دے دیا اور کہنے لگا" سر آپ کی خدمت تو اب ہمارا فرض بن گئی ہے سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہماری مالکن کا ڈاکوؤں کے شکنجے سے اپنی عزت بچا کر نکل آنا ناممکن تھا آپ خط پڑھ لیں مالک نے اپنے بھائی کو تاکید کی ہوگی کہ وہ آپ کی خوب خدمت کرے"

خط ایک سفید کاغذ پر لکھا تھا اور لفافہ بند نہیں کیا گیا تھا یہ عبرانی زبان میں چھ سطری خط تھا رخاش نے واقعی اپنے بھائی کو میری بے حد تعریف کرنے کے بعد لکھا تھا کہ ایلشکول ہمارا سب سے معزز مہمان ہے اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا نیچے خاص طور پر ایک سطر بڑھائی گئی تھی کہ ایلشکول کو اگر رقم کی ضرورت ہو تو اسے ضرور دے دینا تاکید ہے۔

خط پڑھ کر میرے دل میں رخاش کے بارے میں جو شبہات پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب دور ہو گئے میں نے خط پڑھ کر اسے لفافے میں ڈال کر رخاش کے نوکر کے حوالے کر دیا تھوڑی دیر بعد ہم اونٹ پر سوار ہوئے اور اپنے سفر پر چل دیئے جس وقت ہم جیریکو شہر کے دروازے میں سے گزر رہے تھے دن نکل آیا تھا یہ سفر مختصر سا تھا اور بڑے سکون اور آرام کے ساتھ پچھلے پہر کی خنک ہواؤں میں طے ہو گیا تھا۔

عذان کا مکان جیریکو شہر کے ایک بازار کے نکڑ پر واقع تھا جیریکو ایک مختصر مگر انتہائی قدیم شہر تھا یہاں کشادہ بازار بھی تھے اور تنگ و تاریک ڈھکی ہوئی گلیاں بھی تھیں چند ایک جدید عمارتیں بنی ہوئی تھیں شہر کے دروازے کے باہر کھیت اور کھجور کے بے شمار باغ تھے یہاں بھی یروشلم کی طرح اکثر عورتوں کی آنکھیں نیلی تھیں اور بال سنہری تھے۔

عذان کی چھوٹی سی حویلی تھی اس کا دروازہ کھلا تھا ہمارا اونٹ حویلی کے صحن میں داخل ہوا تو جھروکے میں سے کسی عورت نے جھانک کر دیکھا شاید اس نے رخاش کے نوکر کو پہچان لیا تھا عذان نے خود مکان کے برآمدے میں آکر ہمارا استقبال کیا نوکر نے عذان سے میرا سرسری تعارف کرایا اور پھر اس کے بھائی کا خط دیا خط پڑھ کر عذان جیسے میرے آگے بچھ گیا جھک کر اس نے میرا ہاتھ چوما آنکھوں سے لگایا اور اپنی بیوی کو بلا کر کہا" دیکھو نوماش! یہ ہمارا سب سے بڑا محسن ہے اس نے میرے بھائی کی عزت کو ڈاکوؤں سے بچا لیا"

نوماش وہی عورت تھی جس نے جھروکے میں سے نیچے جھانک کر دیکھا تھا ذرا پختہ عمر کی یہودن تھی جسم مضبوط اور ماتھا چوڑا تھا سیاہ آنکھوں میں محبت کی گرمی ابھی تک موجود تھی اس نے سر پر یہودی عورتوں والی ٹوپی پہن رکھی تھی وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور ذرا سا جھک کر تعظیم بجا لائی میرے لئے ایک بیٹھک میں فرش پر قالین ڈال کر تکیئے لگا دیئے گئے عذان خود مجھے غسل خانے

تک لے گیا میں نے غسل کیا عذان نے میرے کپڑوں پر عطر لگایا حویلی کے صحن میں ایک طرف لکڑی کے کھم لگا کر اس کے اوپر انگور کی بیلوں کی چھت ڈال دی گئی تھی اس چھت کے نیچے سرخ یونانی قالین پر بیٹھ کر ہم نے ناشتا کیا ناشتے میں بھیڑ کے گوشت کے پارچے مکھن 'انگور' گھر میں تیار کیا گیا کیک' سیب کا جوس اور خمیری روٹی کے ٹکرے موجود تھے ناشتے پر عذان نے میرے یروشلم کے کاروبار کے بارے میں تھوڑا سا پوچھا پھر اس نے اس میں زیادہ دلچسپی نہ لی وہ بار بار میری بہادری کی تعریف کر رہا تھا کہنے لگا " ایشکول! میرے بچے! تم یروشلم کے رہنے والے ہو جیریکو کے مضافات میں جو ڈاکو رہتے ہیں انہیں نہیں جانتے ان کے چنگل سے ان کے شکار کو نکال لانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سانپ کے منہ سے منکا نکال لائے " پھر اپنی بیوی نوماش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا " نوماش اس نوجوان نے ہمارے خاندان کو ہمیشہ کے لئے خرید لیا ہے " عذان نے مجھے یروشلم میں اپنے رشتے داروں کے پتے بتائے اور مجھے تاکید کی کہ میں یروشلم جاتے ہی ان سے ملوں اور بار بار ملتا رہوں " ایشکول! تم ہمارے فیملی ممبر بن چکے ہو تمہیں اب ہمیں ملتے رہنا ہوگا میں بھی جب کبھی یروشلم آیا تمہیں ضرور ملوں گا "

اس کی بیوی نوماش نے دو ایک بار مجھے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا ایسا ہوا کہ میں نے دودھ کا گلاس اٹھاتے ہوئے جو نوماش کی طرف دیکھا تو وہ پہلے ہی سے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی ہماری نظریں چار ہوئیں تو اس نے گھبرا کر منہ دوسری طرف کر لیا میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں میں ایک پراسرار سا پیغام تھا اس پیغام کو میں اچھی طرح جانتا تھا مصیبت یہ تھی کہ میں اس لائن کا آدمی نہیں تھا میرے سامنے ایک اعلیٰ مقصد تھا اور جن لوگوں کے سامنے زندگی کا کوئی ارفع مقصد ہوتا ہے انہیں ایسی فروعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تاہم میں نے ایک بات ضرور محسوس کی تھی کہ عذان کی بیوی کی آنکھوں میں بے پناہ کشش اور جادو تھا عذان ناشتا ختم کر کے سب سے پہلے اٹھا وہ نیلے رومال سے منہ پوچھتا ہوا بولا میں دوپہر کے کھانے کے لئے خود بازار سے گوشت لاتا ہوں تم تھکے ہوئے ہو جب تک آرام کرو

فنجان میرے ہاتھ میں تھا اور میں قہوہ پی رہا تھا اس کی بیوی نے اپنے خاوند کی طرف گہری نگاہ سے دیکھا میں نے کوئی خیال نہ کیا اور عذان سے کہا کہ نوکر لے آئے گا آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں عذان مسکرایا اور بولا " میں اپنے معزز مہمان کی میزبانی کا کام نوکروں پر نہیں ڈال سکتا "

وہ چلا گیا تو میں نے قہوہ ختم کر کے سگریٹ سلگا لیا اور گاؤ تکیئے سے ٹیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لگانے لگا عذان کی بیوی اپنا قہوے کا فنجان وہیں دستر خوان پر رکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بے چین سی ہو رہی ہے یہ تمام احساسات میری چھٹی حس کے مرہون منت تھے جو یک لخت بیدار ہو گئی تھی رخاش کا نوکر بھی چند سیکنڈ کے بعد جوتا پہن کر اٹھا اور غسل خانے کی طرف بڑھا میں دستر خوان پر اکیلا رہ گیا اتنے میں مجھے ہلکی سی " شی " کی آواز سنائی دی میں نے پلٹ کر

دیکھا عذان کی بیوی نوماش اپنے کمرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی اور مجھے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی میں ایک دم سے چوکنا ہو گیا خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا تھا

میں نے فنجان دستر خوان پر رکھا اور تیزی سے اٹھا جوتا پہنا اور نوماش کے کمرے میں چلا گیا اس نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی " ایشکول! تم فوج کے بھگوڑے ہو رخاش نے تمہارے بارے میں میرے خاوند کو خفیہ زبان میں خط میں اشارہ دیا تھا کہ ایشکول سرکاری رائفل چرا کر فوج سے بھاگا ہوا سپاہی ہے اسے پولیس کے حوالے کر دو میرا خاوند پولیس کو لینے گیا ہے "

میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اگرچہ میرے پاس پاکستانی اور مصری جاسوس ہونے کا راز ان میں سے کسی پر بھی نہیں کھلا تھا اور وہ لوگ مجھے اسرائیلی فوج کا بھگوڑا سمجھ رہے تھے لیکن ایکبار پولیس نے پکڑ لیا تو یہ راز زیادہ دیر تک راز نہیں رہ سکتا تھا نوماش نے ابھی تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور میری طرف معنی خیز نظروں سے تک رہی تھی میں نے سرگوشی میں کہا " فوج میں میری ایک افسر سے دشمنی ہو گئی تھی اس لئے رائفل لے کر بھاگ نکلا نوماش تم نے مجھے آنے والے خطرے سے خبردار کیا ہے تو اب مجھے یہاں سے نکال دو "

نوماش نے میرا ہاتھ دبایا اور بولی " میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے رخاش کے نوکر پر بھروسہ نہ کرنا وہ ان سب سے ملا ہوا ہے میں نے اسی سے عذان کو یہ بات کرتے سنا ہے اور یہ لوگ پولیس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں تم میرے ساتھ آؤ "

نوماش مجھے اپنے کمرے کے عقبی دروازے سے نکال کر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں لے آئی جہاں ٹوٹا پھوٹا سامان بھرا پڑا تھا وہ آگے آگے چل رہی تھی اس کے لباس سے مشرق وسطیٰ کی قدیم پر اسرار رومان پرور داستانوں ایسی طلسمی خوشبو آ رہی تھی کوٹھری کے کونے میں وہ ایک دم رک گئی میں رکتے رکتے اس سے ٹکرا گیا اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور میری طرف دیکھا پھر تیزی سے دیوار کے ساتھ کھڑی لپٹی ہوئی چٹائی کو پرے دھکیلا پیچھے ایک چھوٹا سا دروازہ نکل آیا اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی اس تہ خانے میں چھپ کر بیٹھ جاؤ جب تک میں نہ آؤں اسی جگہ خاموش بیٹھے رہنا جلدی اندر چلے جاؤ "

وہ میرے اتنے قریب تھی کہ اس کا گرم خوشبودار مشرق وسطائی سانس میرے چہرے کو چھو رہا تھا یہ یہودی عورت میرے لئے اس وقت فرشتہ رحمت بن کر اس گھر میں نمودار ہوئی تھی میں نے اس کا ہاتھ دبا کر دلی شکریہ ادا کیا اور چھوٹے سے دروازے سے گزر کر اندھیرے میں اتر گیا لکڑی کی چھوٹی سی سیڑھی سے اتر کر میں ایک صندوق نما تنگ اور نیم تاریک تہ خانے میں آ گیا جو آدھا شاید اناج کی بوریوں سے بھرا ہوا تھا چھت کے پاس ایک سلاخ دار چھوٹا سا روشندان تھا جس میں سے تازہ ہوا اور

ہلکی ہلکی دن کی روشنی اندر آرہی تھی میں بوریوں کے ساتھ لگ کر فرش پر بیٹھ گیا اس کے بعد باہر جو کچھ ہوا وہ مجھے عذان کی بیوی نوماش کی زبانی معلوم ہوا ان کو میں آپ کی دلچسپی کے لئے واقعات کے تسلسل کے ساتھ یہاں بیان کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں نوماش نے مجھے تہ خانے میں بند کرنے کے بعد کوٹھری کا دروازہ بند کر کے آگے لپٹی ہوئی چٹائی اپنی جگہ پر دروازے کے ساتھ کھڑی کی کوٹھری سے باہر نکل کر اس نے دروازے کو بند کر کے تالا لگایا اور اپنے کمرے سے باہر اس جگہ پر آگئی جہاں تھوڑی دیر پہلے ہم لوگ ناشتا کر رہے تھے۔

رخاش کا نوکر غسل خانے سے نکل آیا تھا اور کچھ پریشان پریشان سا نظر آرہا تھا نوماش جانتی تھی کہ وہ کس لئے پریشان ہے اس نے کنیز کو آواز دی اور کہا کہ دستر خوان اٹھائے پھر رخاش کے نوکر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا " رخاش کی بیوی کو جا کر میری طرف سے کہنا کہ کچھ دیر کے لئے ہمارے ہاں آجائے ڈاکوؤں نے اس کا گھر دیکھ لیا ہے "

نوکر جیسے چونک سا پڑا ظاہر ہے وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا بولا " بہت اچھا میں کہہ دوں گا "

پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا کہ ایشکول کہاں چلا گیا ہے ؟ کنیز آکر برتن طشت میں رکھنے لگی تھی نوماش اس کی مدد کرنے لگی بے نیازی سے بولی " کہہ رہا تھا کہ میں بازار سے سگریٹ لینے جا رہا ہوں میں نے تو کہا تھا کہ یہیں نوکر سے منگوا دیتی ہوں مگر وہ مانا ہی نہیں "

رخاش کا نوکر کان کھجاتا باہر نکل گیا نوماش خوب جانتی تھی کہ وہ کہاں اور کیوں باہر گیا ہے اتنے میں مکان کے باہر بازار میں بڑی تیزی سے ایک جیپ کے رکنے کی آواز آئی عذان اسرائیلی پولیس کو لے کر آگیا تھا وہ پولیس کی وردی پوش سپاہیوں کے ہمراہ تیزی سے اندر داخل ہوا اس کی بیوی نوماش نے اب اداکاری شروع کر دی عذان نے بے چینی سے پوچھا کہ مہمان ایشکول کہاں ہے ؟

نوماش نے چہرے پر تشویش کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا " خیریت تو ہے عذان پولیس تمہارے ساتھ کیوں ہے ؟

عذان سر جھٹک کر بولا " تم یہ بتاؤ مہمان ایشکول کہاں ہے ؟ یہ بہت ضروری ہے "

نوماش نے قہوے کی چینک کنیز کو پکڑاتے ہوئے کہا " وہ تو ابھی ابھی بازار سگریٹ لینے گیا ہے کہہ رہا تھا میں سگریٹ خرید کر ابھی آتا ہوں "

اس اثنا میں اسرائیلی پولیس کا انسپکٹر غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر جھانک چکا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ ایشکول مکان سے باہر گیا ہے تو وہ سب باہر کو دوڑے نوماش کا خاوند عذان بھی اس کے ساتھ تھا نوماش نے اطمینان کا سانس لیا تھوڑی دیر بعد ہی یہ لوگ واپس آگئے عذان کا سانس پھول رہا تھا اس کے ساتھ انسپکٹر بھی تھا آتے ہی بولا " ایشکول آیا ؟ "

نوماش رومال سے کونے میں میز پر رکھے چمڑے کے گلدان کو صاف کر رہی تھی وہ بھی بظاہر

پریشان سی ہو کر اس کے پاس آگئی اور بولی " وہ تو نہیں آیا آخر بات کیا ہے عذان ؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ ۔ "

انسپکٹر کرسی پر ناامید سا ہو کر بیٹھ گیا عذان نے کہا " ایشکول ہماری فوج کا بھگوڑا تھا وہ فوج کا اسلحہ چرا کر بھاگ گیا تھا تم جانتی ہو کہ میں نے ہمیشہ قانون کی مدد کی ہے "

نوماش بولا ۔" عذان یہ بات تھی تو تم نے پہلے مجھے کیوں نہ بتادیا میں اسے کبھی یہاں سے باہر نہ نکلنے دیتی تم نے مارکیٹ میں دیکھا ؟" عذان بھی تخت پر بیٹھ گیا اور سر پر بندھا ہوا رومال اتار کر اپنا چہرہ پونچھتے ہوئے بولا " اسے ضرور شک پڑ گیا ہو گا اسی لئے میرے باہر نکلتے ہی وہ فرار ہو گیا "

یہودی پولیس انسپکٹر نے نوماش کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا " بہن کہیں وہ مکان میں ہی تو نہیں چھپ گیا ؟"

نوماش بولی " وہ تو میرے سامنے باہر بازار میں نکلا تھا میں نے خود اسے سامنے والے دروازے سے نکل کر بازار میں جاتے دیکھا ہے وہ کچھ گھبرایا ہوا تھا اور تیز تیز چل رہا تھا "

انسپکٹر نے عذان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اٹھتے ہوئے بولا " عذان تمہاری فرض شناسی کا شکریہ مگر یہ بھگوڑا جیریکو سے بچ کر نہیں نکل سکتا میں شہر کی ناکہ بندی کروا رہا ہوں تم بھی خیال رکھنا ویسے میں ایک سفید پوش سپاہی تمہارے گھر کے باہر نگرانی کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں "

اتنے میں رخاش کا نوکر بھی ہانپتا کانپتا آگیا عذان نے پوچھا " کچھ پتا چلا ؟"

نوکر نے نفی میں سر ہلایا اور قالین پر بیٹھ گیا پولیس انسپکٹر بولا فکر نہ کرو عذان ہم اسے بہت جلد پکڑ لیں گے ۔

پولیس انسپکٹر تیزی سے باہر نکل گیا نوماش اداکاری کرتے ہوئے اپنے خاوند پر برس پڑی ۔

" تم نے کبھی اپنے دل کی بات مجھے نہیں بتائی ۔ تم نے ہمیشہ مجھے نوکرانی سمجھا ہے اگر تم پہلے سے مجھے بتا دیتے تو میں بھلا ایشکول کو کبھی باہر جانے دیتی ؟ تم نے پولیس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک اچھا موقع ضائع کر دیا عذان !"

عذان سر کھجانے لگا پھر اٹھا اور بولا " چھوٹا شہر ہے وہ بچ کر نہیں نکلے گا پولیس اسے گرفتار کرلے گی میں تھانے جاتا ہوں تم یہاں خیال رکھنا اگر وہ اسی طرف نکل آیا تو اسے باتوں میں لگا کر کنیز کے ہاتھ تھانے خبر کرا دینا اول تو جو سفید پوش سپاہی باہر کھڑا ہے وہی اسے پکڑ لے گا ہم نے اسے ایشکول کا حلیہ بتا دیا ہے انسپکٹر نے یروشلم کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں سگنل دے دیا ہے وہاں سے ایشکول کی تصویر بھی تھانے پہنچ جائے گی "

عذان نوکر کو ساتھ لے کر گھر سے چلا گیا نوماش نے کنیز کو بلا کر کہا کہ وہ مارکیٹ جا کر چائے کے دو بڑے پیکٹ خرید لائے جب کنیز چلی گئی تو نوماش نے مکان کے صحن والے دروازے کو بند کر دیا مگر اندر سے کنڈی نہ لگائی خاموشی سے قدم اٹھائی وہ اپنے کمرے میں آگئی اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے

اس نے اندر سے چٹخنی چڑھادی اور عقبی کوٹھری سے گزرتی تہ خانے والے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر بولی" ایلشکول! میں نوماش ہوں"

اس وقت میں تنگ و تاریک تہ خانے کی گرمی اور حبس میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ پولیس والوں کو جب پتا چل جائے گا کہ میں فلاں نمبر کی رائفل لے کر فوج سے بھاگا ہوں تو وہ نمبر سارا بھانڈا پھوڑ دے گا اور انہیں پتا چل جائے گا کہ اصل میں میں کون ہوں اس لئے ضروری ہے کہ اس راز کے طشت ازبام ہونے سے پہلے پہلے میں یہاں سے کسی طرح فرار ہو جاؤں۔ اس ضمن میں نوماش میری مدد کر سکتی تھی۔

دروازے پر دستک کے ساتھ مجھے نوماش کی آواز سنائی دی تو میں نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا وہ میرے ساتھ سیڑھیاں اتر کر تہ خانے میں آگئی تہ خانے میں گرمی اور اندھیرا تھا روشندان میں سے جو دن کی روشنی اور ہوا آرہی تھی وہ ناکافی تھی نوماش نے مجھے بازو سے تھام کر بوریوں کے پاس بٹھالیا اور پولیس کے آنے اور پھر میری تلاش میں نکل جانے کا سارا واقعہ سنادیا" ایلشکول! مکان کے باہر ایک وردی پوش پولیس کا سنتری چوبیس گھنٹے نگرانی پر ہے پولیس انسپکٹر نے کہا ہے کہ وہ سارے شہر کی ناکہ بندی کرارہا ہے یہ لوگ پیچھے فوج والوں کو تمہاری اطلاع دے کر وہاں سے تمہاری تصویر بھی منگوا رہے ہیں"

یہ اطلاع میرے لئے خاصی پریشان کن تھی آخر حالات وہی رخ اختیار کر رہے تھے جس کا مجھے خدشہ تھا میں نے نوماش سے کہا" نوماش! میں فوج میں واپس گیا تو مجھے دس سال کی سزا ہو جائے گی پھر میں تمہیں بھی کبھی نہ دیکھ سکوں گا"

اس پر نوماش کے ہونٹوں سے ایک گہرا سانس نکل گیا اور میرے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا میں نے جان بوجھ کر یہ جملہ ادا کیا تھا حالانکہ مجھے اسے دوبارہ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کمانڈو بڑا خود غرض بھی ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ ملک و قوم اور انسانیت کے لئے سب کچھ کرتا ہے اور اس کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی میں نے نوماش کا ہاتھ پکڑ لیا اس کا ہاتھ پسینے میں بھیگ رہا تھا نوماش یہاں سے فرار ہونے میں میری مدد کرو میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہیں کروں گا"

نوماش نے اب اپنا دل کھول کر میرے سامنے رکھ دیا" ایلشکول! میری کوئی اولاد نہیں میری شادی کو بیس برس ہو گئے ہیں میرے خاوند نے باہر عورتیں رکھی ہوئی ہیں وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے میں بھی اس سے نفرت کرنے لگی ہوں میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن مجبور تھی جب تم کو پہلی بار دیکھا تو میرے دل نے کہا نوماش تمہارا نجات دہندہ آگیا ہے تمہاری آنکھوں میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں جیسے اس میں الجھ کر رہ گئی کیا تم مجھے اس جہنم سے نکال کر اپنے ساتھ لے چلو گے؟ ہم یہاں سے فرار ہو کر زملہ جائیں گے وہاں سے ساریا اور پھر شمالی بندرگاہ صیفہ سے قبرص

کی طرف کوچ کر جائیں گے قبرص میں میری ایک عزیز یونانی سہیلی کا گھر ہے اس کا خاوند قبرصی بحری
میں کموڈور ہے وہ ہمیں قبرص سے اٹلی پہنچا دے گا"

یہ عورت نوماش صنف نازک کے اس طبقے سے تعلق رکھتی تھی جو جذبات میں اندھی ہو کر
سب کچھ کر گزرتی ہیں۔ اس نے میرے سامنے بڑا طویل پروگرام رکھ دیا تھا' جبکہ میں صرف وہاں سے
فرار ہونا چاہتا تھا لیکن اس جذباتی عورت کی مدد کے بغیر میں وہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ
میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملا دی مگر اتنا ضرور پوچھا کہ یہ ایک لمبا سفر ہے جہاں قدم قدم پر خطرے کا
سامنا کرنا پڑے گا۔

اس نے آہستہ سے کہا" تم خود یہودی ہو اور یہودی مردوں کی خصلت سے واقف ہو میرے
پاس بے پناہ دولت ہے جو میں اپنے ساتھ لے کر چلوں گی دولت اور خاص طور پر امریکی ڈالر ہمارا راستہ
آسان بنا دیں گے تم سارا کام مجھ پر چھوڑ دو میں سب بندوبست کرلوں گی ہم آج آدھی رات کے بعد
یہاں سے نکل چلیں گے"

میں نے اس کے خاوند عذلان کی بات کی تو میرے کان کے قریب اپنے ہونٹ لا کر اس نے
سرگوشی کی" وہ اس وقت بے ہوش پڑا ہوگا" اور عجیب مکارانہ انداز میں مسکرائی اور چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد مجھے طرح طرح کے وسوسوں نے گھیر لیا کہیں یہ عورت اپنے ساتھ
مجھے بھی نہ لے ڈوبے میرے پاس کوئی دوسرا چارہ کار بھی تو نہیں تھا جیریکو کی یہودی پولیس نے شہر کی
ناکہ بندی کر رکھی تھی شہر میں وہ جگہ جگہ میری تلاش میں چھاپے مار رہی تھی اور عین ممکن تھا کہ دوپہر
یا شام تک یہاں فوج کی کوئی رجمنٹ بھی پہنچ جائے پھر میرے لئے اکیلا یہاں سے قدم باہر رکھنا ناممکن
ہو جائے گا میں اس شہر کے گلی کوچوں سے بھی واقف نہیں دشمن ہوں اور اجنبی ہوں فوراً کسی نہ کسی
جگہ پکڑ لیا جاؤں گا اور اس بار یہودی مجھے اپنے ساتھ کسی انٹروگیشن سنٹر لے جانے کی بھی زحمت
گوارا نہیں کریں گے اور گرفتاری کے بعد میری شناخت کریں گے اور وہیں گولی سے اڑا دیں گے میں
نے یہی فیصلہ کیا کہ اس یہودی عورت نوماش کی حکمت عملی پر ہی چلا جائے دوپہر کو وہ میرے لئے کھانا
لے کر آئی کھانے میں زیتون کا تیل 'بھنا ہوا گوشت' روٹی اور انگور تھے وہ صندوق نما نیم روشن تہ خانے
میں میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اس نے بتایا کہ اس کا خاوند جیریکو کے انسپکٹر کے ساتھ میری تلاش میں
جگہ جگہ چھاپے مار رہا ہے کہہ رہا تھا کہ شام تک یروشلم سے کچھ افسر بھی آجائیں گے یہ سن کر میرے
جسم میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی فوجی افسر اگر اپنے ساتھ کھوجی کتے بھی لے آئے تو وہ مجھے اس تہ خانے
سے بھی نکال لیں گے بڑی مشکل سے نوالہ حلق سے نیچے اتارا ٹھنڈے مشروب کا ایک گھونٹ پیا اور
نوماش سے پوچھا کہ اس نے آدھی رات کو بھاگ نکلنے کیا کیا انتظام کیا ہے؟

وہ میری طرف جھکی اور بولی" میری دولت نے میرے لئے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کر

ہیں ہمیں آدھی رات کو ایک تیز رفتار سانڈنی حویلی کے عقب میں تیار ملے گی اس وقت میرا خاوند ' نوکر اور حویلی کے باہر نگرانی کرنے والا پولیس کا سفید پوش آدمی بھی بے ہوش ہوگا آگے تمہیں یہاں سے نکلنے کے بعد بتاؤں گی اس نے میرے کاندھے پر اپنا سر رکھ دیا اور گہرا سانس بھر کر بولی " تم مجھے چھوڑ تو نہیں جاؤ گے ایشکول ؟ اگر تم نے ایسا کیا تو میں خود کشی کر لوں گی "

اس کے نیم سنہری گھنگریالے بالوں میں سے گہری بو جھل اور گرم خوشبو آرہی تھی میں نے اسے جھوٹی تسلی دی کہ میں ہمیشہ اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔

وہ بولی " ایشکول ! اٹلی جا کر تمہیں نوکری کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی ہمارے پاس اتنی دولت ہوگی کہ ہم بڑی آسائش سے زندگی بسر کر سکیں گے ہم روم کے مضافات میں انگور کا باغ خرید لیں گے " میں نے جیریکو کے کھٹے انگور کو منہ میں ڈالتے ہوئے کہا " تم اتنی دولت ساتھ لے کر نہ چلو نوماش راستے میں کہیں قزاق نہ لوٹ لیں اسنے میرے کاندھے کو اپنی طرف ذرا سا کھینچا اور بولی " کیا تم مجھے ڈاکوؤں سے نہیں بچاؤ گے ایشکول میری دیورانی کو تم نے بڑی بہادری سے بچا لیا تھا ؟ "

میں نے فوراً جواب دیا " تمہارے لئے تو میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں "

وہ کبوتری کی طرح سمٹ سی گئی اس کے بعد برتن لے کر چلی گئی مجھ پر اب ایک ہی خوف سوار تھا کہ اگر شام سے پہلے پہلے یروشلم سے کوئی رجمنٹ کھوجی کتے ساتھ لے کر پہنچ گئی تو وہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے کتے میری بو سونگھتے سونگھتے عذران کی حویلی کے اندر پہنچ جائیں گے میں بے چین سا ہو گیا مگر میری باگ کم از کم اس وقت تک نوماش کے ہاتھوں میں تھی جب تک کہ جیریکو سے باہر نہیں نکل جاتے اس کے بعد جو ہونے والا تھا میں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

رات ہو گئی تہ خانے کے روشندان میں سے جو دن کی روشنی اندر آکر معمولی سا اجالا کرتی تھی وہ بھی بجھ گئی ۔ اب میں مکمل تاریکی میں بیٹھا تھا دوسری طرف نوماش کے بیان کے مطابق رات کو عذران بڑا پریشان پریشان آیا رخاش کے نوکر کو اس نے سر شام ہی واپس بھیج دیا تھا پریشانی اسے اس بات کی تھی کہ شکار اس کے گھر میں آکر غائب ہو گیا تھا اور وہ جیریکو پولیس کی خوشنودی حاصل نہ کر سکا تھا اس نے کو بتایا کہ یروشلم سے ابھی کوئی بھی فوجی نہیں آیا لیکن امید ہے کہ صبح تک وہ لوگ بھی یہاں پہنچ جائیں گے نوماش بار بار اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ اس نے ایشکول کو سگریٹ لانے کے لئے کیوں جانے دیا یہ اداکاری تھی جس کا مقصد عذران کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا دوسری طرف نے اپنی " وفاداری " کو مزید مستحکم کرنے کے لئے عذران کو بے ہوش کرنے کے لئے کنیز کی مدد سے خاص دوائی بھی منگوا کر الماری میں رکھ لی تھی رات کے دس بجے کے قریب نوماش آئی اور سرگوشی میں کہا " عذران پولیس انسپکٹر کے گھر گیا ہے جلدی سے میرے ساتھ چل کر غسل وغیرہ کر لو میں نے عذران کا پستول اور گولیوں کا ڈبا بھی اپنے تھیلے میں رکھ لیا ہے میرے ساتھ آؤ وہ مجھے اپنے کمرے کے غسل خانے میں

چھوڑ گئی میں نے خوب اچھی طرح غسل کیا نوماش اپنے کمرے میں ہی تھی میں غسل خانے سے باہر نکلا تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے مجھے دبے پاؤں تہ خانے والی کھڑکی کی طرف جانے کا اشارہ کیا پھر میرے پیچھے پیچھے دبے دبے قدم رکھتی آئی اور میرے کان کے ساتھ منہ لگا کر بولی " اس وقت پونے دس بجے ہیں میں پورے بارہ بجے آؤں گی سب انتظامات ہو چکے ہیں "

میں خاموشی سے تہ خانے میں اتر گیا نوماش نے پچھلا دروازہ بند کر دیا بارہ بجے رات تک میں نے بڑی بے چینی سے وقت گزارا کسی وقت خیال آتا کہ یہ جذباتی عورت مجھے بھی اپنے ساتھ نہ مروا دے بار بار عذان کی طرف خیال چلا جاتا کہ اسے انسپکٹر نے رات کے دس بجے کیوں بلایا ہے ضرور یروشلم سے فوجی کھوجی کتے لے کر یہاں پہنچ گئے ہوں گے کاش میں اس وقت یہاں سے فرار ہو سکتا میرے کان کتوں کے بھونکنے کی آوازوں کی طرف لگے تھے جو ابھی تک سنائی نہیں دی تھیں یہ دو گھنٹے پوری رات سے بھی زیادہ طویل اور کٹھن ہو گئے تھے آخر خدا خدا کر کے کہیں آدھی رات کا وقت ہوا اور تہ خانے کی کھڑکی آہستہ سے کھلی پھر نوماش کی سرگوشی سنائی دی " ایشکول! میرے پیارے! اوپر آجاؤ "

میں جلدی سے اٹھا اور لکڑی کا زینہ چڑھ کر کھڑکی میں سے گزرتا ہوا نوماش کی خواب گاہ میں پہنچ گیا خواب گاہ میں دھیمی روشنی والا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا اس کی دھیمی روشنی میں مجھے جو پہلی شے دکھائی دی وہ نوماش کا خاوند عذان تھا جو اپنے بچھونے پر بالکل چت پڑا تھا نوماش نے کہا " یہ بے ہوش ہے " اور میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے مجھے اپنے کمرے سے باہر لے گئی ۔

باہر خنک رات تاریک تھی اور حویلی کا صحن اندھیرے میں ڈوبا سنسنا رہا تھا نوماش کے کپڑوں سے ایک انوکھی قسم کی خوشبو آرہی تھی ۔

تاریک رات میں حویلی کا صحن سنسان تھا ۔

نوماش نے اپنے جسم کے گرد سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی اس کی بغل میں ایک چھوٹی سی گٹھری بھی تھی وہ میرے آگے آگے چل رہی تھی اس نے صحن کا بڑا دروازہ آہستہ سے کھولا ۔ اندھیرے میں میری طرف مڑ کر اشارہ کیا اور دروازے سے باہر نکل گئی میں بھی اس کے پیچھے باہر آگیا بازار میں سوائے اندھیرے اور ویرانی کے اور کچھ نہیں تھا تمام دکانیں بند تھیں نوماش تیز تیز چل رہی تھی گلی سے وہ بائیں جانب گھوم گئی آگے کھجور کے درختوں کی قطار تھی ان درختوں کے پیچھے آئے تو ایک اونٹنی گردن اٹھائے بیٹھی ہوئی جگالی کر رہی تھی اس پر دو نشستوں والا رخت بندھا ہوا تھا پانی کی ایک دو چھاگلیں اور ایک تھیلا لٹک رہا تھا ہمیں دیکھتے ہی اندھیرے میں سے ایک آدمی نکل کر ہمارے پاس آیا نوماش نے اسے رومال میں سے کچھ ڈالر نکال کر دیئے اس آدمی نے ڈالر اپنی صدری کی جیب میں رکھے اور اونٹنی کی مہار نوماش کو تھما دی نوماش نے مجھے رخت کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا میں سیٹ پر

بیٹھ گیا نوماش اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اس نے ایک ماہر ساربان کی طرح اونٹنی کی لگام کو ایک طرف سے کھینچ کر اس کی گردن پر پاؤں کا ہلکا سا ٹھوکا دیا اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی اونٹنی کا مالک سلام کر کے اندھیرے ہی میں جدھر سے آیا تھا' ادھر ہی غائب ہو گیا نوماش نے اونٹنی کو کھجور کی قطار کے ساتھ ساتھ ایک طرف ڈال دیا

اونٹنی پہلے تو قدم قدم چلتی رہی ' پھر شہر سے باہر نکلتے ہی نوماش نے اس کی رفتار تیز کر دی وہ میرے آگے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے لباس میں سے بڑی خواب انگیز پراسرار خوشبو آرہی تھی۔

مجھے لاہور میں اپنے دوستوں اور رشتے داروں کا خیال آگیا اس وقت وہ لوہاری ' بھاٹی دروازے اور سمن آباد کی آبادی میں اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند سو رہے ہوں گے انہیں کوئی خبر نہیں ہے کہ ایک اسرائیلی عورت مجھے اپنے ساتھ بھگا کر لئے جا رہی ہے نہ جانے کیوں مجھے ہنسی آگئی حقیقت یہ تھی کہ میں اس عورت نوماش کے وسیلے سے اسرائیل کے دشمن ملک سے کسی نہ کسی طرح نکل جانا چاہتا تھا یہاں اب قدم قدم پر میری گرفتاری کے لئے جال پھیلا دیا گیا تھا نوماش کوئی تجربے کار گائیڈ نہیں تھی اور میں اس کے ساتھ اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ بھی نہیں سمجھ رہا تھا لیکن اتنا ضرور تھا........ کہ وہ صحرائی راستوں سے واقف تھی راستے کے شہروں اور قصبوں کے بارے میں اسے علم تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جیفہ کے بندر گاہی شمالی شہر میں اس کی ایک سہیلی کا خاوند بحریہ کا افسر تھا اور ہم اس کی مدد سے قبرص پہنچ سکتے تھے۔

نوماش نے راستے میں مجھے بتا دیا تھا کہ وہ اپنی سہیلی کو یہی بتائے گی کہ اس نے اپنے خاوند عذان سے طلاق لے کر ابیشکول یعنی مجھ سے شادی کر لی ہے۔

صحرا میں باقی ساری رات ہمارا سفر جاری رہا نوماش کہنے لگی " ہم ابھی کہیں نہیں رک سکتے میرے خاوند کو دس بجے تک ہوش آجائے گا ہوش میں آتے ہی وہ برق رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کی مدد سے ہمارے پاس پہنچ سکتا ہے اس لئے ہمیں دھوپ میں بھی سفر جاری رکھنا ہو گا۔"

چنانچہ جب دھوپ نکل آئی اور صحرا روشن ہو گیا تو ہم رکنے کی بجائے چلتے چلے گئے ہماری اونٹنی اب بہت تیز چل رہی تھی بلکہ ہلکے ہلکے بھاگ...... رہی تھی نوماش اسے صحرائی چٹانوں میں سے گھما کر لے جا رہی تھی کیونکہ یہاں زمین چٹیل تھی اور زمین پر اونٹنی کے پاؤں کے نشان نہیں پڑ سکتے تھے کچھ دیر تک ہم ان صحرائی چٹانوں میں سے گزرتے رہے دھوپ تیز ہو گئی تھی اور کم از کم مجھے تو گرمی لگنے لگی تھی نوماش نے مجھے ایک چوڑا سا رومال دے دیا تھا' جسے میں نے اپنے منہ اور سر پر عرب بدوؤں کی طرح لپیٹ لیا تھا جیریکو کی عمارتیں اب عقب میں بہت دور دکھائی دیتی تھیں پھر آہستہ آہستہ وہ بھی صحرا کے ٹیلوں کے عقب میں غائب ہو گئیں اب ہمارے سامنے دھوپ میں تپتا ہوا ایک لق و دق صحرا تھا اور ہم تھے۔

یہودی عورت نوماش صحرائی راستوں سے کافی واقفیت رکھتی تھی وہ ان راستوں سے ہو کر جا رہی تھی، جو ریت تلے صحرا سے ہٹ کر چٹیل ٹیلوں کے پہلو سے ہو کر گزرتے تھے یوں ہم جھلسا دینے والی ریت کی تپش سے تو بچ گئے مگر پتھریلے ٹیلے بھی دھوپ میں بہت جلد گرم ہو کر تپنے لگے تھے پتھریلے راستے پر اونٹنی کو دوڑنے میں بھی دقت ہو رہی تھی لیکن نوماش اسے بھگائے لئے جا رہی تھی بہت جلد ہمارے ساتھ اونٹنی بھی پسینے میں شرابور ہو گئی ٹیلے کے پتھروں سے ایسی گرمی خارج ہو رہی تھی، جیسے وہ آگ کے بڑے بڑے انگارے ہوں میں نے نوماش کو مشورہ دیا کہ ہمیں صحرا کا راستہ اختیار کرنا چاہئے کم از کم وہاں کھلی ہوا تو ہو گی نوماش نے جواب میں کہا کہ صحرا کی جھلسا دینے والی لو ہم برداشت نہ کر سکیں گے دوپہر تک ہم ان پتھریلے ٹیلوں سے باہر نکل آئے۔

ہمارے سامنے ریت کے پہاڑ کھڑے تھے یہاں ریت گرم اور نرم تھی، جس کی وجہ سے اونٹنی کی رفتار دھیمی ہو گئی آسمان تانبے کی طرح تپ رہا تھا سورج سوا نیزے پر تھا ریت گرم دھوپ میں جل رہی تھی، پسینے بہہ رہے تھے میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا ابھی تک ہمارے تعاقب میں کوئی نہیں آیا تھا نوماش کو اپنے خاوند کے آنے کا خطرہ تھا اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ جیریکو کے پولیس اسٹیشن پر اسرائیلی فوج کے آدمی پہنچ گئے ہوں گے ان پر میرا خطرناک راز کھل چکا ہو گا۔ اور اب وہ میری تلاش میں شاید ہیلی کاپٹر لے کر نکل کھڑے ہوں کے میں ان کی زد میں تھا اسرائیلی فوجی ہیلی کاپٹر بھی ہمیں دور سے دیکھ سکتا تھا میں خدا سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ جیریکو میں کوئی ہیلی کاپٹر نہ ہو اس صورت میں وہ لوگ صحرائی جیپوں میں میرا تعاقب کر سکتے تھے اور میں پکڑا جا سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ شدید گرمی اور تپش کے باوجود، میں اس قیامت خیز صحرائی سفر کو ہر قیمت پر جاری رکھنا چاہتا تھا نوماش خود چونکہ اپنے خاوند سے بھاگ کر جا رہی تھی چنانچہ وہ بھی کسی جگہ پر فی الحال رکنا نہیں چاہتی تھی۔

جب دن کا دوسرا پہر بھی گزر گیا اور ہم جیریکو سے کافی دور نکل آئے تو نوماش نے ریت کے ایک ٹیلے کی اوٹ میں اونٹنی کو روک کر ریت پر بٹھا دیا یہاں ٹیلے کا سایہ پڑ رہا تھا اور کس حد تک گرمی کم تھی ہم نے پانی پیا تھوڑا سا گوشت اور ایک سوکھی انجیر کھائی نوماش کے ماتھے اور ہونٹوں پر سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے صحرائی دھوپ میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا ہم ریت پر بیٹھے تھے اس نے بتایا کہ ابھی خطرے سے باہر نہیں ہیں اور غذان کے آدمی یہاں پہنچ سکتے ہیں اس لئے ہمیں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہئے میں بھی رکنا نہیں چاہتا تھا میں نے نوماش سے اتنا ضرور پوچھا کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں؟ اس نے نیلی چادر اپنے سر اور گردن کے گرد لپیٹ رکھی تھی چادر کے پلو سے اپنا چہرہ پونچھا اور بولی " مجھ پر بھروسا رکھو پیارے ایلشکول! یہ صحرا میرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں۔"

میں مطمئن سا ہو گیا ہم نے بمشکل پانچ منٹ آرام کیا ہو گا اس کے بعد دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا نوماش نے کہا کہ اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو شام کے بعد الداخل نامی قصبے میں پہنچ جائیں گے

ہو سکتا ہے' وہاں سے ہمیں کوئی قافلہ مل جائے جو رباط جا رہا ہو رباط سے ہمیں بس بھی مل سکتی ہے۔میں نے کوئی جواب نہ دیا میری نظریں بار بار آسمان کی طرف اٹھ جاتی تھیں کہ کہیں کوئی ہیلی کاپٹر تو میری تلاش میں نہیں آرہا ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی صحرا کی تیز دھوپ سے بچنے کے لئے ہم نے اپنے سروں کے گرد نیلی چادریں پگڑیوں کی طرح باندھ لی تھیں ہماری صرف آنکھیں ہی نظر آتی تھیں کیونکہ صحرا میں ہوا کی وجہ سے ریت اڑ اڑ کر ہمارے چہروں پر پڑ رہی تھی۔

آگ برساتا ہوا سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکتا چلا گیا تیسرے پہر کے بعد' سورج مغربی افق پر صحرا کی لکیر کو چھونے لگا تو اس کی کرنیں ترچھی ہو گئیں اور دھوپ کی تپش میں خاصی حد تک کمی ہو گئی نوماش نے اِرد گرد پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلوں پر ایک فکر انگیز نگاہ ڈالی ریت کے ٹیلے اب حجم میں بڑے ہو گئے تھے اور ہمارے دائیں بائیں دور تک پھیلتے چلے گئے تھے یہ کوئی باقاعدہ راستہ بھی نہیں تھا صحرا میں جو قافلوں کا روٹ ہوتا ہے' وہ صاف نظر آجاتا ہے ایسے راستوں پر جگہ جگہ اونٹوں کے پیروں کے نشان ہوتے ہیں اور کہیں کہیں ایسی چیزیں۔۔۔ مثلاً سگریٹ کی کوئی خالی ڈبی ٹوٹا ہوا جوتا' میلا رومال اور اونٹوں' خچروں کا سوکھا ہوا گوبر وغیرہ۔جس راستے پر ہم جا رہے تھے' وہاں اس قسم کی کسی شے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا یہ بالکل اجنبی سا راستہ تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ نوماش بھی کچھ فکر مند ہے۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم صحرا کے ایسے علاقے میں نکل آئے ہیں' جہاں اس سے پہلے کبھی کوئی نہیں گزرا جب میں نے نوماش سے پوچھا کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں تو اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ بار بار دائیں بائیں دیکھ لیتی تھی اونٹنی ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ صحرا میں چلی جا رہی تھی میں نے دوسری بار پوچھا تو نوماش کہنے لگی "میں نے اس سے پہلے یہ صحرائی ٹیلے نہیں دیکھے تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم الداخل قصبے کی طرف ہی جا رہے ہیں تم فکر مت کرو۔"

مجھے صرف ایک ہی فکر تھی کہ کوئی ہیلی کاپٹر یا چھوٹا ملٹری جہاز میری تلاش میں ادھر نہ نکل آئے میں ایک خطرناک جاسوس تھا' جس کے کھاتے میں کچھ اسرائیلی فوجیوں کا قتل بھی شامل تھا یہ ناممکن تھا کہ میری تلاش نہ شروع ہو گئی ہو۔میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے ہم کسی قصبے میں پہنچ جائیں' جہاں کم از کم مجھے اس کھلے صحرا سے نجات ملے جہاں میں دور سے ہی دیکھا جا سکتا تھا' لیکن میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا تھا کہ نوماش راستہ بھول گئی ہے صحرا میں راستہ بھول جانا ایسے ہی ہے' جیسے کوئی مسافر اپنی قبر میں اتر کر لیٹ گیا ہو اور موت کے بے رحم ہاتھ اس کی طرف بڑھنے لگے ہوں اب میری یہی خواہش تھی کہ جلدی سے رات ہو جائے صحرا پر اندھیرا چھا جائے اور میں دشمن کے ہیلی کاپٹر یا دور سے آتی ہوئی جیپ کی دوربین سے محفوظ رہ سکوں میں ہر پانچ سات منٹ کے بعد اوپر اور گردن گھما کر پیچھے دیکھ لیتا تھا ابھی تک خیریت ہی تھی لیکن اب مجھے یہ فکر لگ گئی کہ اگر واقعی نوماش صحرا

میں راستہ بھول گئی ہے تو کل دوپہر تک صحرا ہمیں بھون کر رکھ دے گا اور پھر ہماری لاشوں کو گدھ نوچ رہے ہوں گے خدا خدا کر کے سورج غروب ہو گیا اور ریت ٹھنڈی ہونا شروع ہو گئی صحرا کی ریت بہت جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہے آسمان پر شمال مغرب کی طرف ایک ستارہ نکل کر چمکنے لگا نوماش نے ستارے کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا یہ قطبی ستارہ ہے ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں ابشکول گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہم ایک اونچے ریتے ٹیلے کی چڑھائی چڑھ رہے تھے ہمارے اردگرد صحرا میں دور دور تک پھیکا پھیکا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا یہ اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا ریت کے ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر ہمیں دوسری جانب ایک گہری ریتی گھاٹی نظر آئی اس کے آگے پھر ریت کا ایک پہاڑ سینہ تانے کھڑا تھا میں نے نوماش سے کہا کہ ہمیں اس گھاٹی میں تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہئے نوماش نے کہا کہ وہ دوسرے ٹیلے کے پار جا کر پڑاؤ ڈالیں گے اونٹنی ڈھلان اترنے لگی کہیں وہ گھٹنوں تک ریت میں دھنس جاتی اور ہم گرتے گرتے بچتے نوماش نے کہا " مجھے پیچھے سے تھام لو تم کہیں گر نہ پڑو تمہیں اونٹ پر سفر کا تجربہ نہیں ہے شاید۔"

میں نے نوماش کے کاندھے کو پکڑ لیا ڈھلان کی مصیبت ختم ہوئی اور اونٹنی ریت کی گھاٹی میں داخل ہو گئی فضا میں خنکی پیدا ہو چلی تھی دھوپ کی گرمی اور ریت کی تپش بالکل ہی غائب ہو گئی تھی یہ گھاٹی جس میں سے ہم گزر رہے تھے' ایک پہاڑی درے کی مانند تھی اس کے دونوں جانب ریت کے پہاڑ کھڑے تھے ہم سامنے والے ریت کے پہاڑ کی طرف جا رہے تھے نوماش نے اونٹنی کی باگ تھام رکھی تھی وہ ایک طرف سے گھما کر اونٹنی کو سامنے والے ریت کے پہاڑ کی اس جانب لے آئی' جہاں چڑھائی نسبتاً آسان تھی ہم ریت کے دوسرے پہاڑ کی چڑھائی چڑھنے لگے یہ چڑھائی پہلے والے ریت کے ٹیلے سے زیادہ طویل تھی صحرائی جہاز یعنی نوماش کی اونٹنی کی آج بھی مجھے یاد آتی ہے۔ تو دل سے بے اختیار داد نکل جاتی ہے وہ بڑی ثابت قدمی سے ہمارا ساتھ نبھا رہی تھی کسی جگہ کسی مقام پر بھی اس نے نقاہت کا اظہار نہ کیا تھا ریت کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف دیکھا تو ڈھلان کے پار ایک طویل صحرا پھیلا ہوا تھا لیکن اس میں فرق تھا کہ دور کہیں کہیں سیاہ دھبے سے نظر آ رہے تھے نوماش نے کہا کہ یہ ضرور کوئی نخلستان ہے میں نے کہا کہ نخلستان تو ضرور ہوں گے مگر ہم جا کہاں رہے ہیں؟ نوماش نے عبرانی زبان کا ایک قدیم مقولہ دہرایا جس کا مطلب تھا کہ صحرا میں اگر نخلستان نظر آ جائے تو مسافر راستہ نہیں بھولتے۔

میں چپ ہو گیا آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کو دیکھا کہ کہیں دوران میں کسی ہیلی کاپٹر کی اپنی طرف بڑھتی ہوئی سرخ اور نیلی بتی تو نہیں چمک رہی؟ خدا کا شکر ہے کہ ایسی کوئی بتی آسمان پر نظر نہیں آ رہی تھی بڑے ٹیلے کی ڈھلان اترتے وقت بھی میں نے نوماش کے کاندھے پیچھے سے پکڑ لئے پھر بھی میں بار بار اس پر گر پڑتا تھا نوماش کے کاندھے بڑے مضبوط تھے اس یہودی عورت کا ارادہ بھی بہت

مضبوط تھا اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میرے ساتھ اپنا خاوند چھوڑ کر نہ بھاگتی خدا جانے اس کے خاوند میں کیا کمی تھی کہ نوماش نے فرار ہونے کے بعد اس کا ذکر تک نہ کیا تھا اتنا اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ نوماش ایک جو شیلی اور منہ زور یہودی عورت ہے جب کہ اس کا خاوند عذان ایک اعتدال پسند اور خاموش طبع آدمی تھا۔

اونٹنی اب ہموار صحرائی راستے پر ان سیاہ دھبوں کی طرف چلی جا رہی تھی ' جو ہمیں دور سے نظر آ رہے تھے میں نے نوماش سے پوچھا کیا ہم واقعی الداخل قصبے کی طرف ہی جا رہے ہیں ؟

اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا " جب تم ان علاقوں سے واقف نہیں ہو تو پھر سب کچھ مجھ پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے ؟ " میں خاموش ہو گیا مجھے نوماش سے کوئی غرض ' کوئی مطلب نہیں تھا میں اسرائیل کی دشمن سرزمین سے نکل جانا چاہتا تھا اور نوماش میرے اس مقصد میں میری معاون ثابت ہو سکتی تھی بس یہی خطرہ تھا کہ کہیں وہ صحرا میں راستہ نہ بھول جائے ' جس کی وجہ سے میں اپنی تسلی کے لئے بار بار اس سے پوچھ لیتا تھا ' مجھے اس کے لہجے کی تلخی ناگوار لگی مگر میں مصلحتاً خاموش رہا چند لمحوں کے بعد شاید نوماش کو خود ہی کچھ ندامت سی محسوس ہوئی وہ میرے آگے بیٹھی تھی اپنا چہرے میری طرف کیا اور بڑے نرم اور پیار بھرے لہجے میں بولی " تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا ایشکول ! یہ بتاؤ کہ تم اتنی جلدی گھبرا کیوں جاتے ہو ؟ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی ؟ میں نے تو پہلی نظر میں ہی اپنا دل تمہیں دے دیا تھا پھر تم مجھ پر بھروسا کیوں نہیں کرتے ؟ "

وہ مسکرائی صحرا میں ستاروں کی پھیکی پھیکی سی دھند اتر آئی تھی اس پھیکی سی نیم روشن دھند میں اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے نوماش ایک بھرپور صحت مند یہودی عورت تھی اور خوبصورت تھی اس کے دانت آج بھی مجھے یاد آتے ہیں بڑے چمکیلے صحت مند اور ہموار دانت تھے ایسے دانت بہت کم عورتوں کو اس عمر میں نصیب ہوتے ہیں عورتوں سے محبت والا میرا خانہ خالی تھا کمانڈو کے سامنے سوائے اس کے مقصد کے اور کچھ نہیں ہوتا اس کا مقصد اور مشن ہی اس کی بیوی اور ماں باپ ہوتے ہیں مشن کامیابی سے مکمل ہو گیا تو اس کی محبت کامیاب ہو گئی مشن ناکام رہ گیا تو اس کی محبت ناکام ہو گئی تاہم ' میں اپنے کسی عمل سے نوماش پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

جن سیاہ دھبوں کو رات کے وقت ہم نخلستان کے درخت سمجھ رہے تھے قریب جانے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی صحرائی لیجن کی بیرکوں کے ٹوٹے پھوٹے آثار تھے لکڑی کو جوڑ کر بنائی گئی اس کی گول دیوار کئی جگہوں سے گری ہوئی تھی سامنے کی جانب ایک پرانے زمانے کی توپ آدھی ریت میں دھنسی ہوئی تھی نوماش نے اونٹنی روک لی اور بولی یہاں ضروری کبھی فوجی چھاؤنی تھی۔

مگر میں پہلی نظر میں پہچان گیا تھا کہ یہ کبھی اسرائیلی فوج کے ڈیزرٹ لیجن کی چوکی تھی جو

کسی وجہ سے خالی کر دی گئی تھی اس قسم کے صحرائی لیجن فرانس نے شمالی افریقہ میں قائم کئے تھے جہاں سابق فوجی اور کرائے کے سپاہی بھرتی کر کے رکھے جاتے تھے ان فوجیوں کو ڈبل راشن اور ڈبل تنخواہ دی جاتی تھی اور صحرا میں تنہائی کی زندگی بسر کرتے کرتے وہ وحشی بن جاتے تھے۔

خدا کا شکر تھا کہ یہ صحرائی لیجن کی چوکی ویران اور اجڑی ہوئی تھی لکڑی کی بوسیدہ دیوار کے اندر ایک کھلا ریتلا صحن تھا سامنے نصف دائرے کی شکل میں ایک برآمدہ بنا ہوا تھا برآمدے کے عقب میں کچھ کوٹھریاں تھیں کشادہ صحن میں بھی ایک توپ کے دو پہئے ریت میں دھنسے پڑے تھے مجھے خطرہ لگا کہ..... یہاں کوئی فوجی چھپا ہوا نہ ہو اگر چہ اس کی امید نہیں تھی کیونکہ جو لیجن پوسٹ اتنی ویران ہو چکی ہو وہاں کسی فوجی کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تاہم چونکہ میں ایک مفرور جاسوس تھا اور ابھی تک دشمن کے علاقے میں تھا اس لئے مجھے اس قسم کے اندیشے ضرور رہتے تھے اونٹنی کو ہم نے لیجن پوسٹ کے صحن میں لا کر برآمدے کے پاس اندھیرے میں بٹھا دیا ہم نے اپنے منہ اور سر پر بندھی ہوئی نیلی چادریں اتار کر جھاڑیں اونٹنی پر سے پانی کی چھاگل اتار کر پانی کے چار چار گھونٹ پیئے ہم بڑی احتیاط سے پانی پی رہے تھے کیونکہ ہم صحرائی سفر پر تھے جس کے بارے میں ابھی تک ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ پائیں گے کہ نہیں۔

نوماش برآمدے کے گرد آلود لکڑی کے فرش پر بیٹھ گئی میں چوکنا تھا اور میری کمانڈو نظریں برآمدے کے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں یہاں گہری خاموشی تھی نوماش نے تھیلے میں سے سوکھے گوشت کے دو ٹکڑے نکالے ایک مجھے دیا اور دوسرا خود کھانے لگی میں اس کے قریب ہی بیٹھا تھا فضا میں خنکی تھی اور ریت پر شبنم گر رہی تھی میں نے نوماش سے پوری توجہ کے ساتھ پوچھا کیا اس یقین ہے کہ وہ الداخل گاؤں کی طرف جا رہی ہے؟

نوماش نے پہلی بار اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ وہ پچاس فی صد راستہ بھول چکی ہے۔

میرا دل بیٹھ سا گیا یہ بڑی خطرناک بات تھی ہم صحرا میں بھٹکتے ہوئے ختم بھی ہو سکتے تھے اور انجانے میں اسرائیلی فوج کے ہتھے بھی چڑھ سکتے تھے میں نے نوماش سے کہا کہ وہ ذہن پر زور دے کر غور کرے کہ یہ علاقے آگے کس طرف جا نکلتا ہے۔

نوماش گوشت کا سوکھا ٹکڑا کھا رہی تھی نیم اندھیرے میں مجھے اس کا منہ چلتا ہوا نظر آرہا تھا وہ مغرب کی طرف آسمان پر چمکتے ہوئے قطبی ستارے کی طرف تک رہی تھی، پھر کہنے لگی قطبی ستارہ ہمارے شمال میں ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم شمال کی طرف ہی جا رہے ہیں اور الداخل اور رباط کے قصبے شمال کی طرف ہی ہیں ہو سکتا ہے کہ ہم سیدھے راستے سے ذرا بھٹک کر ترچھے ہو کر چل رہے ہوں لیکن یہ قطبی ستارہ ہماری برابر راہ نمائی کر رہا ہے۔"

پھر اس نے اپنی چادر سے منہ صاف کیا اور میرے قریب ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا نوماش کا ہاتھ

خشک اور گرم تھا بڑی جذباتی آواز میں کہنے لگی "تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اب عذان کے آدمی ہمارا پیچھا نہیں کر سکتے میں اپنے خاوند سے بہت دور نکل آئی ہو۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ مجھے ایک آہٹ سی سنائی دی تھی میں ہمہ تن گوش ہو گیا یہ آواز ایسی تھی، جیسے کوئی چھپکلی چھت پر سے برآمدے کے لکڑی کے فرش پر گری ہو پہلے میں اسے چھپکلی کی آواز ہی سمجھا لیکن چند سیکنڈ کے بعد کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کسی نے لکڑی کے فرش پر کسی شئے کو آہستہ سے گھسیٹا ہو اب نوماش بھی چونک پڑی اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میرے ساتھ لگ کر سرگوشی میں بولی "یہ کیسی آواز تھی؟"

میں نے نوماش کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسی طرح اسے کھینچتا ہوا بیرک کے ٹوٹے ہوئے آدھے کھلے دروازے کے اندر لے گیا اندر لے جاتے ہی میں نے اسے فرش پر بٹھا دیا اور اس کے کان کے قریب منہ لا کر کہا "یہاں کوئی ہے خاموشی سے اسی جگہ بیٹھی رہو۔"

نوماش تیز تیز سانس لے رہی تھی میں رینگتا ہوا، دروازے سے آدھا باہر نکل آیا میرے ایک ہاتھ میں خنجر تھا میں نے باہر نکل کر برآمدے میں اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی اب ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا کسی جانب سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی میرے قریب ہی چوکھٹ کے اندر چھپا ہوا کوئی جھینگر بولنے لگا میں نے اپنا سر نیچے کر کے برآمدے کے فرش کے ساتھ لگا دیا میری آنکھیں اب بھی اندھیرے میں برآمدے کے اس کونے کی طرف اندھیرے کو چیر کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں جدھر سے میں نے دوبار آواز سنی تھی اندھیرے میں میں کسی بھی چیز کو حرکت کرتے دیکھ سکتا تھا میں نے آہستہ آہستہ کونے کی طرف رینگنا شروع کیا میں ایک ماہر کمانڈو کی طرح بغیر آواز پیدا کیئے رینگتا ہوا برآمدے کے کونے میں پہنچ گیا میں نے سانس روک رکھا تھا سر ذرا سا اونچا کر کے بیرک کی لکڑی کی بوسیدہ دیوار کی طرف دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا اب سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی چھپکلی ہی کی آواز ہو مگر فرش پر کسی شے کے گھسیٹنے کی آواز کیسی تھی؟ چھپکلی کے رینگنے کی تو آواز نہیں آیا کرتی؟ مجھے اس وقت اپنے آپ پر اس سانپ کا گمان ہوا جو اندھیری رات میں پھن اٹھائے ساکت نظروں سے اپنے دشمن کو کھوجنے کی کوشش کر رہا ہو میری تمام حسیات اس وقت قوت سماعت میں آکر جمع ہو گئی تھیں میں صحیح معنوں میں اس وقت ہمہ تن گوش تھا میری نظریں اپنے آپ برآمدے کے نیچے پچھی دیوار کی طرف گھوم گئیں ادھر سے ایک آہٹ پھر سنائی دی خنجر پر میری گرفت مظبوط ہو گئی اگرچہ میں برآمدے میں منہ کے بل لیٹا ہوا تھا مگر میرے پٹھے تنے ہوئے تھے اور دشمن پر ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں جست لگانے کے لئے بالکل تیار تھا ادھر لکڑیوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا جو اندھیرے میں دھندلا سا نظر آرہا تھا اچانک مجھے میاؤں کی آواز سنائی دی اور ایک کالے رنگ کی موٹی تازی بلی لکڑی کے ڈھیر میں سے نکل کر تیزی سے میرے سامنے سے گزر گئی میرا تجسس اور تناؤ کافی حد تک کم ہو گیا ہو سکتا ہے یہ

ساری کارستانی اس صحرائی بلی کی ہو لیکن میں اتنی جلدی پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا میں پوری تسلی کر لینا چاہتا تھا میں اپنی جگہ پر اسی طرح گھات لگائے لیٹا رہا عین اسی وقت مجھے اپنے پیچھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی بھاگ کر ٹوٹی پھوٹی بیرک کی کوٹھری میں گھس گیا ہو اس کے ساتھ ہی نوماش کی چیخ فضا میں بلند ہوئی میں لیٹے لیٹے اپنی جگہ پر سے بجلی کی تیزی کے ساتھ مگر مچھ کی طرح گھوم گیا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس وقت میں نوماش کے لئے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے پر تیار نہیں تھا چنانچہ میں نے اٹھ کر بیرک میں گھسنے اور وہاں جو کوئی بھی تھا اس سے نبرد آزما ہونے کی بجائے بیرک کے دروازے کی طرف رینگنا شروع کر دیا دروازہ آدھا کھلا تھا اندر دو آدمی تھے ایک کی آواز آئی تمہارے ساتھ کون ہے ؟

یہ جملہ عبرانی میں بولا گیا تھا نوماش نے ایک بہت بڑی عقل مندی کی تھی کہ چیخ مارتے وقت میرا نام نہیں لیا تھا یعنی اس نے مجھے مدد کے لئے نہیں پکارا تھا صرف چیخ ماری تھی تاکہ میں خبردار ہو جاؤں اور چھپ کر دشمن پر حملہ کر سکوں اس میں کوئی شک نہیں کہ نوماش بہت سمجھ دار خاتون تھی اس کا خاوند بڑا احمق تھا جو ایسی صحت مند اور عقل مند خاتون کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب نہ ہوا میں نے اپنا چہرہ فرش کے ساتھ لگا دیا نوماش نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا " میرے ساتھ کوئی نہیں میں اکیلی ہوں ۔ "

دوسرے آدمی نے کہا " اس کی تلاشی لو اس کے پاس ضرور دولت ہوگی یہ گھر سے بھاگی ہوئی عورت لگتی ہے " اب میں نے اپنا سر آہستہ سے آگے کر کے بیرک میں جھانکا اندھیرے میں مجھے دو آدمیوں کے ہیولے نظر آئے انھوں نے نوماش کو دبوچ رکھا تھا وہ فرش پر پنجوں کے بل بیٹھے تھے ایک نے نوماش کے کپڑوں کی تلاشی لی اور پھر وہ تھیلی نکالنے میں کامیاب ہو گیا جس میں ہیرے جواہرات تھے یہ جواہرات نوماش اپنے گھر سے لے کر بھاگی تھی اتنے جواہرات پا کر دونوں آدمی ایک دوسرے کو تکنے لگے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا دوسرے نے تھیلی کے گرد رسی لپیٹ کر تھیلی اپنی آستین کے نیچے والی جیب میں ڈالی اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا " اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے یہ ہمارے خلاف یعنی شہادت دے سکتی ہے ۔ "

دوسرا آدمی بھی اٹھ کھڑا ہوا نوماش فرش پر سہمی ہوئی دونوں ہاتھ اپنے سینے سے چمٹائے بیٹھی تھی اس وقت مجھے اس پر بڑا ترس آیا عورت خواہ کتنی عقل مند پر جوش منہ پھٹ اور بہادر ہو مرد کے سامنے اس کی کوئی پیش نہیں جاتی دوسرے آدمی نے آہستہ سے کہا " اسے یہیں ختم کر دیتے ہیں " نوماش نے چیخ مار کر ہاتھ جوڑ دیئے اور بولی " تمہیں رب موسیٰ کی قسم مجھے قتل نہ کرنا میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں اپنے گھر جا رہی تھی کہ راستہ بھول گئی ۔ "

ایک آدمی نے زور سے نوماش کو بالوں سے پکڑ کر آگے کو کھینچا اور دوسرے نے اس کی گردن پر

اپنا پاؤں رکھ کر اسے نیچے دبا دیا نوماش کی گھٹی گھٹی آواز نکل رہی تھی "مجھے قتل نہ کرنا مجھے قتل نہ کرنا۔

ان میں سے ایک چلایا "میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو حرامی؟ اس کو ذبح کیوں نہیں کرتے؟"

اب نوماش کی مدد کرنا میرا انسانی فرض تھا وہ میری وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو رہی تھی اور میں ایسا ہونا ہرگز نہیں دیکھ سکتا تھا میں سر سے پاؤں تک بھوکے شیر سے بھی زیادہ غضب ناک ہو گیا خنجر میرے ہاتھ میں تھا دور سے نشانے پر خنجر پھینکنے کی میں اپنی کمانڈو ٹریننگ کے زمانے میں ہی کافی مشق کر چکا تھا میں نے لیٹے لیٹے اس آدمی کی پیٹھ کا نشان لیا جس کے ہاتھ میں ہتھیار تھا اور جس نے نوماش کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا اس کی آواز کے ساتھ خنجر قلابازیاں کھاتا ہوا پلک جھپکنے میں اس آدمی کی پیٹھ میں جا کر دستے تک گھس گیا میں نے بعد میں اس کی لاش کو دیکھا تو واقعی میرا خنجر بائیں جانب اس کی پسلیوں کو چیرتا ہوا دستے تک پھیپھڑوں میں اتر گیا تھا یقیناً اس کا دل بھی زخمی ہو گیا ہو گا یہی وجہ تھی کہ میرا خنجر لگتے ہی اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی اور وہ پچھاڑ کھا کر پیچھے کو گرا۔

اسے گرتے دیکھ کر اس کا ساتھی ایک دم سے مڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی کمر میں لگے ہوئے خنجر کو نیام سے نکالتا، میں اس کے اوپر چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اسے دوسری طرف فرش پر گرا چکا تھا اس کی گردن میرے آہنی بازو کے شکنجے میں تھی اور میرے ایک ہی کمانڈو جھٹکے نے اس کا کام تمام کر دیا نوماش نے اپنا خنجر بھی نکال لیا اور میرے والے آدمی کے سینے میں خنجر مارنے والی ہی تھی کہ میں نے آہستہ سے کہا "یہ مر چکا ہے۔"

وہ فرش پر بیٹھ گئی اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا اور آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے لگی میں نے جلدی سے دوسرے آدمی کی لاش کو دیکھا، وہ بھی مر چکا تھا اس کی پیٹھ خون میں تر بتر ہو رہی تھی اب میں نے نوماش کو تسلی دی اور کہا کہ یہ کوئی صحرائی قزاق تھے جو اپنے انجام کو پہنچے خداوند کا شکر ادا کرو۔

نوماش نے سر اٹھایا اندھیرے میں مجھے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر دکھائی دیں اس نے آنسوؤں بھری آواز میں کہا "ایلشکے! تم مجھے چھوڑ تو نہیں جاؤ گے نہیں نہیں ایسا نہ کرنا ایلشکے تم بے وفائی نہ کرنا میں اب تمہاری ہوں سر سے پاؤں تک تمہاری ہوں۔"

وہ میرے بازو سے لگ کر سسکیاں بھر کر رونے لگی میری عجب پوزیشن تھی محبت تو بڑی دور کی شے ہے، مجھے اس عورت سے اس سے زیادہ اور کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس کی مدد سے میں وہاں سے فرار ہو کر نکل جانا چاہتا تھا، لیکن وہ مجھے اپنی زندگی کا محور بنا بیٹھی تھی عورت بہت جلدی اپنا سب کچھ ہار دیتی ہے عورت چاہے خود ڈاکو ہو چاہے ڈاکو کی لڑکی ہو، وہ کمزور ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ اسے انگلی کے ذرا سے ٹھوکے سے زمین پر گرایا جا سکتا ہے۔

اس وقت حالت ایسی تھی کہ کچھ پتا نہیں تھا کہ ان دو قزاقوں کے دوسرے ساتھی بھی وہیں

کہیں چھپے ہوئے ہوں یہ قاتل قسم کے قزاق تھے اور انہیں سوائے دولت کے اور کسی شے سے دلچسپی نہیں ہوتی کسی انسان کو ہلاک کر ڈالنا ' ان کے لئے انتہائی معمولی بات ہوتی ہے میں نے نوماش کو جھوٹی تسلیاں دیں اور کہا میں ' اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہوں گا جھوٹ بولنے کو میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔ مگر عورت انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیتی ہے میں بھی جھوٹ بول رہا تھا لیکن میرے جھوٹ کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا اس نے میرے ہاتھ کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور اٹھ کر جواہرات کی تھیلی کمر بند میں اڑس لی بولی " یہ دونوں صحرائی ڈاکو تھے میں نے عقل مندی کی کہ پہلی چیخ میں تمہارا نام نہ لیا میں چاہتی تھی کہ تم میری آواز سن لو مگر تم نے بڑی بہادری دکھائی ایشکول! تم واقعی بڑے بہادر مرد ہو پورے مرد ہو کاش! میرا خاوند بھی ایسا ہوتا۔۔۔ پھر شاید میں اسے کبھی نہ چھوڑتی مگر وہ تو بزدل تھا۔"

میں کوٹھری کے اندھیرے میں دونوں لاشوں کی تلاشی لے رہا تھا انہوں نے بوسیدہ سی امریکی جیکٹیں پہن رکھی تھیں جیبوں سے سوائے چند سکوں کے اور کچھ نہ نکلا ایک قزاق کی جیب سے ایک لائٹر اور مڑا تڑا ہوا سگریٹ نکلا تمباکو پینے کے لئے میرا دل مچل اٹھا مگر وہاں لائٹر کی روشنی پیدا کرنا خطرناک بات تھی میں نے اپنی خواہش پر قابو پالیا اور سگریٹ کو فرش پر پھینک کر پاؤں سے مسل دیا کمانڈو اپنی ہر خواہش پر قابو پانا جانتا ہے وہ اپنی خواہشات کا غلام نہیں ہوتا بلکہ وقت آنے پر انہیں اپنا غلام بنانے پر قادر ہوتا ہے۔

میں نے نوماش کی مدد سے دونوں لاشوں کو تنگ و تاریک بوسیدہ بیرک کے اندھیرے کونے میں ڈھیر کر دیا پھر نوماش کو اسی جگہ ٹھہرنے کی ہدایت کی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ ان لوگوں کا کوئی تیسرا ساتھی بھی تو ارد گرد نہیں ہے؟ باہر برآمدے میں نکل آیا۔

میں اب بھی فرش پر رینگتا ہوا اس کے دوسرے کونے کی طرف آگیا' جہاں ہم نے اپنی اونٹنی کو باندھ رکھا تھا اندھیرے میں اونٹنی ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح لگ رہی تھی چاروں طرف رات خاموش تھی میں برآمدے کی دوسری طرف نکل گیا یہاں آگے لیبن پوسٹ کی لکڑی کی ٹوٹی پھوٹی ہوئی دیوار آگئی ظاہر ہے' یہ لوگ صحرا میں مار دھاڑ کرتے' اکا دکا مسافروں کو لوٹتے ہوئے اس پوسٹ تک آئے ہوں گے اور پیدل نہیں آئے ہوں گے ان کے اونٹ یا خچر بھی ضرور کہیں آس پاس ہی ہوں گے۔

بہت جلد یہ معمہ بھی حل ہو گیا پوسٹ کی عقبی جانب ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پاس ایک اونٹ یا اونٹنی بیٹھی جگالی کر رہی تھی میں اس طرف رینگتے رینگتے رک گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اونٹ کی طرف دیکھا اس کے قریب مجھے کوئی تیسرا قزاق نظر نہ آیا۔

ہو سکتا ہے یہ دو ہی قزاق ہوں میرے دل نے کہا خنجر میں نے ایک بار پھر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا

تھا میں کہنیوں کے بل ریت پر اندھیرے میں اونٹ کی طرف بڑھا قریب جا کر ایک دم سے اٹھا اور چھلانگ لگا کر اونٹ کی دوسری طرف جا کودا اونٹ اس آفت ناگہانی سے تھوڑا سا گھبرایا اس نے اپنی لمبی خم دار گردن گھما کر میری طرف دیکھا' ہلکے سے بلبلایا اور دوبارہ گردن پھیر کر جگالی شروع کر دی جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے تو میں اونٹ کے پاس آ گیا اونٹ ایک بڑا عجیب و غریب جانور ہے --- یہ انتہائی وفادار اور انتہائی سفاک ہوتا ہے وہ اپنے مالک اور دشمن کو بڑی آسانی سے پہچان لیتا ہے' اگر خود مصیبت میں ہو تو دشمن کو کچھ نہیں کہتا بڑے صبر و تحمل اور کینہ پروری کے ساتھ اس کے ہمراہ مصیبتیں جھیلتا ہوا سفر کرتا رہتا ہے' لیکن جونہی اسے اپنے زندہ بچ رہنے کے آثار نظر آتے ہیں وہ موقع ملتے ہی دشمن پر حملہ کر دیتا ہے اونٹ گوشت خور جانور نہیں ہے' لیکن وہ اپنے دشمن کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں ہڑپ کر جاتا ہے میں نے احتیاط کے ساتھ اونٹ کے پیچھے سے آ کر اس پر بندھی ہوئی زین یعنی رخت کو چھوا یہ پرانے کمبل جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس کی ایک جانب پانی کی چھاگل اور دوسری جانب بڑی سی پوٹلی لٹک رہی تھی میں نے دونوں چیزیں انتہائی احتیاط کے ساتھ رخت پر سے اتاریں اور انہیں اٹھا کر نوماش کے پاس آ گیا

نوماش برآمدے میں جھکے ہوئے ستون کے پاس اندھیرے میں بیٹھی اپنی جواہرات کی پوٹلی کھولے شاید انہیں گن رہی تھی میری آہٹ پا کر اس نے جلدی سے پوٹلی قمیص کے نیچے کر لی مجھے دیکھا تو پوٹلی پھر نکال لی میں نے پانی کی چھاگل اس کے پاس رکھ دی اور دوسری پوٹلی کھولنے لگا ان کا کوئی اور ساتھی مجھے یہاں نظر نہیں آیا ایک اونٹ پیچھے بیٹھا جگالی کر رہا ہے یہ چیزیں اونٹ پر لدی ہوئی تھیں۔

ان کی پوٹلی میں میٹھی روٹی کے دس بارہ موٹے موٹے ٹکڑے تھے جو زیتون کے تیل میں پکائی گئی تھیں نوماش نے آدھا ٹکڑا توڑ کر چکھا اور کہنے لگی " یہ کسی عورت نے پکائی ہے ضرور ان کی کوئی عورت بھی ساتھی ہو گی۔"

میں دوسرا آدھا ٹکڑا کھانے لگا۔ روٹی میٹھی تھی اور اس میں کشمش بھی ڈالی گئی تھی میں نے پانی کی چھاگل اور میٹھی روٹیوں کی پوٹلی کو اپنی اونٹنی کی رخت پر باندھ دیا اور لپک کر نوماش کے پاس برآمدے میں آ گیا نوماش اپنی جواہرات کی ریشمی پوٹلی کو اپنی قمیص کے اندر کمر بند کے ساتھ باندھ رہی تھی میں نے اسے کہا کہ کہیں اس کے جواہرات ہمیں کسی نئی مصیبت میں نہ مبتلا کر دیں۔

اس نے جواہرات کی پوٹلی کمر بند کے ساتھ اڑس دی اور میرے ہاتھ کو اپنی گرم اور خشک ہتھیلیوں میں تھام لیا اور بولی " الشکول میں انہیں کنکریاں سمجھ کر پھینک دوں گی تمہارے پیار سے بڑھ کر میرے لئے دنیا کی کوئی شے اتنی قیمتی نہیں ہے۔"

میں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اٹھتے ہوئے بولا " میرا خیال ہے' مجھے اس پوسٹ کا چاروں طرف سے ایک بار جائزہ لینا چاہئے تب ہی میں چین سے یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

نوماش مجھے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہی تھی وہ مجھے اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتی تھی' مگر میں لیبجن پوسٹ کا ایک سروے ضرور کرنا چاہتا تھا میں نے اسے کہا کہ ابھی ایک سیکنڈ میں آتا ہوں اور برآمدے کے کونے کی طرف جاکر آہستہ سے نیچے ریت پر کود گیا یہ وہ جگہ تھی' جہاں لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا اور جہاں سے کالی بلی میاؤں کر کے بھاگی تھی میں نیم تاریکی میں چلتا ہوا پوسٹ کی لکڑی کے ستونوں والی منہدم دیوار کے پاس آیا یہاں کسی زمانے میں ایک لیبجن پوسٹ کا دروازہ ہوتا ہوگا کیونکہ یہاں جگہ کھلی تھی اور لکڑی کا ایک بھی ستون نہیں تھا۔

میں چلتا چلتا دیوار کے اندر ہی اندر برآمدے کے سامنے کی طرف چلا گیا وہاں سے صحن کا پورا چکر لگایا اس کے بعد دیوار کے باہر چلا گیا باہر سے بھی پوسٹ کا ایک پورا چکر لگایا یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہاں اور کوئی نہیں تھا میں واپس نوماش کے پاس آگیا۔

اب رات ڈھلنا شروع ہوگئی تھی نوماش برآمدے کے ستون کے پاس فرش پر گھٹنے سینے سے لگائے سو رہی تھی وہ بالکل کسی بچی کی طرح لگ رہی تھی نیند نے اچانک اس پر حملہ کر دیا تھا اور وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی نیند مجھے بھی آرہی تھی' مگر یہ جگہ ابھی خطرے سے خالی نہیں تھی یہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا اگر یہ دو قزاق آگئے تھے تو مزید بھی آسکتے تھے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ جگہ محفوظ ہے ہم صحرا کے بیچ میں کسی ٹیلے کی اوٹ میں ہوتے تو میں ضرور سو جاتا' لیکن اس حالت میں نہیں سو سکتا تھا میں برآمدے میں ہی ٹانگیں نیچی کر کے بیٹھ گیا۔ رات کافی خنک تھی نوماش جس انداز سے سمٹی سمٹائی ہوئی سو رہی تھی' لگتا تھا کہ اسے سردی لگ رہی ہے میں نے اپنی نیلی چادر بھی اس پر ڈال دی اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا اور اپنے حالات پر غور کرنے لگا کہ کہاں سے چلا تھا اور کہاں پر آگیا ہوں اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ آگے میرے ساتھ کیا کچھ ہونے والا تھا کیونکہ میں خطرے کے علاقے سے کسی طرح بھی باہر نہیں تھا۔ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جینس کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگیا ہوگا اور یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرا تعاقب نہ کر رہے ہوں اس اعتبار سے میرا یہاں بلکہ کسی بھی جگہ رکنا مناسب نہیں تھا' بلکہ میرے حق میں ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا تھا میں اس دشمن صحرا سے نکل کر بہت جلدی حیفہ پہنچنا چاہتا تھا دشمن کے ایک بڑے شہر میں چھپنا آسان ہوتا ہے جب کہ کھلے صحرا اور چھوٹے قصبے میں ہر وقت پکڑے جانے کا خطرہ رہتا ہے یہی سوچتے سوچتے مجھے بھی نیند نے آلیا رات ابھی میرے اندازے کے مطابق دو گھنٹے باقی تھی میں نے سوچا کہ یہ دو گھنٹے سو جانا چاہیے میں وہیں برآمدے کے گرد آلود فرش پر لیٹ گیا۔

جب آنکھ کھلی تو کوئی میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔۔۔ خواب ایسی کیفیت میں مجھے نوماش کے بالوں میں لگے ہوئے تیل کی خوشبو محسوس ہوئی آنکھیں جھپکا کر دیکھا نوماش میرے اوپر جھکی ہوئی مسکرا رہی تھی میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی نوماش نے پانی

کی چھاگل اور میٹھی روٹی والی پوٹلی میرے آگے رکھ دی اور بولی "میں نے اپنا حصہ کھالیا ہے یہ تمہارا حصہ ہے۔۔۔ تم بہت گہری نیند سو رہے تھے۔"

میں برآمدے سے نیچے اتر آیا چاروں طرف ایک گہری نگاہ ڈالی یہ واقعی ایک تباہ حال ویران پوسٹ ہی تھی صحن کے سامنے ایک جگہ پتھر جوڑ کر دائرہ سا بنا دیا گیا تھا یہاں لیجن کے یونٹ کا جھنڈا لہراتا ہوگا میں نے جلدی جلدی میٹھی روٹی کا ایک ٹکڑا کھایا چھاگل میں سے چار گھونٹ پانی پیا اور لاشوں والے کمرے میں گیا نوماش اونٹنی کے پاس کھڑی زین کو اچھی طرح سے کس رہی تھی دونوں صحرائی قزاقوں کی لاشوں نے بدبو دینی شروع کر دی تھی صحرائی چیونٹیوں کی دو لمبی قطاریں اندر کی طرف یلغار کر رہی تھیں میں باہر نکل آیا ان ڈاکوؤں کا اونٹ غائب تھا خدا جانے وہ رات کو کس وقت اٹھ کر جدھر منہ اٹھا بھاگ گیا تھا ویسے بھی اونٹ ہمارے لئے بیکار تھا ہم اس کو استعمال کرنے کی غلطی کبھی نہیں کرسکتے تھے ہم نے تیاری کی دن شیشے کی طرح روشن تھا دھوپ میں ابھی گرمی نہیں آئی تھی اس کی کرنیں صحرا میں ترچھی پڑ رہی تھیں۔

نوماش نے اونٹنی کے رخت کی زین کو اچھی طرح کس دیا تھا میں نے اسے اگلی نشست پر بیٹھنے میں سہارا دیا وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی میں جلدی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا نوماش نے باگ سنبھالی اور اسے اپنی داہنی ران سے ہلکا سا ٹھوکا دے کر حلق سے خاص آواز نکالی اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی نوماش نے اسے بائیں جانب موڑ دیا لیجن پوسٹ کے صحن کا نصف چکر لگانے کے بعد ہم اس ویران فوجی چوکی سے باہر نکل آئے نوماش نے قطبی ستارے کی سمت کو ذہن میں رکھا تھا چنانچہ ہم صحرا میں ادھر ہی کو نکل کھڑے ہوئے اونٹنی نپی تلی رفتار سے چلی جا رہی تھی دھوپ میں شدت آنے لگی صحرا ایک بار پھر گرم ہو کر تپنے لگا آگے صحرا ناہموار تھا کبھی ریت کی گہری کھائی آجاتی ہم نے نیلی چادروں سے گردن تک منہ اور سر ڈھانپ رکھا تھا گرمی شدت پکڑتی گئی مگر ہم نے سفر جاری رکھا دوپہر کو ہم خوش قسمتی سے ایک چھوٹے سے نخلستان میں پہنچ گئے یہاں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا ہماری جان میں جان آئی اونٹنی کو جی بھر کے پانی پینے کو اور ایلوے کی جھاڑیوں کے پتے کھانے کو ملے ہم نے یہاں کچھ دیر آرام کیا اس جگہ ہمیں پہلی بار صحرا میں شمال مغرب ہی کو جاتا ہوا ایک راستہ مل گیا، جس پر پہلے سے گزرے ہوئے اونٹوں کے پاؤں کے نشانات موجود تھے۔

نوماش نے خوش ہو کر بتایا کہ یہ قافلے کا راستہ ہے اور ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں آگے ضرور الداخل آئے گا اور ایسا ہی ہوا شام سے کچھ پہلے ہمیں دور ایک قصبے کے سفید مکانوں کے آثار نظر آنے لگے نوماش بہت خوش تھی اسنے کہا "ہم اپنی منزل کے پہلے پڑاؤ پر پہنچ رہے ہیں۔۔۔ ابشکول! یہ الداخل کا قصبہ ہے یہاں سے ہمیں رباط کو جانے والا کوئی قافلہ مل جائے گا۔"

میں فکر مند تھا کہ آگے آبادی آرہی ہے کہیں میرے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے

آبادی میں میرے لئے کئی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں اونٹنی قصبے کی طرف بڑھ رہی تھی قصبے کے باہر درختوں کے نیچے کچھ خانہ بدوشوں کے خیمے نظر آئے ابھی سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا خانہ بدوش عورتیں آگ جلانے اور روٹیاں پکانے کے جتن کر رہی تھیں ہم ان کے قریب سے گزر گئے کسی نے ہماری طرف توجہ نہ دی میں نے نوماش سے کہا کہ اسی جگہ رک جاتے ہیں میں قصبے میں داخل ہونے سے گریز کر رہا تھا۔

نوماش بولی " تم پھر گھبرانے لگے ؟ پریشانی کی کوئی بات نہیں میرے خاوند کے آدمی اب بھی ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے ہم قصبے کے کسی مکان میں جا کر ٹھہریں گے ۔"

مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ اس قصبے کا نام الداخل ہی تو نوماش بڑی مہارت سے صحرا میں سفر کرتی ہوئی مجھے وہاں تک لے آئی تھی یہ قصبہ زیادہ بڑا نہیں تھا سو پچاس کچے مکان تھے آبادی کے ایک جانب کچھ کھیت اور دو ایک پھلوں کے باغ تھے یہاں چشمے سے ٹھنڈا پانی کھیتوں کو سیراب کر رہا تھا چند ایک یہودی کسان کام کر رہے تھے نوماش اس گاؤں میں پہلے بھی آچکی تھی مگر یہاں اس کا کوئی واقف کار یا رشتے دار نہیں تھا اسی لئے وہ بہت مطمئن تھی ہم نے انگور کے ایک باغ کے پاس کھجور کے درختوں تلے اونٹنی کو روکا اور نیچے اتر آئے باغ کے چشمے میں سے ایک چھوٹا سا نالہ نکل کر قریب سے بہتا ہوا گزر رہا تھا یہاں ہم نے منہ ہاتھ دھویا پانی پیا' روٹی کے دو ایک ٹکڑے کھائے تازہ دم ہوئے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی زیادہ تیز ہو گئی۔

قصبے پر شام کی سرمئی دھند سی چھانے لگی تھی سورج مکانوں کے پیچھے غروب ہو چکا تھا صحرا میں جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بھی کافی دیر تک سنہری اور سرمئی سی روشنی باقی رہتی ہے نوماش کہنے لگی تم یہاں ٹھہرو میں قصبے میں جا کر کسی خالی مکان یا سرائے کا پتا کرتی ہوں جہاں تک مجھے یاد ہے کہ یہاں سرائے نام کی کوئی شے نہیں ہے بہرحال ' میں پتا کر کے آتی ہوں تم یہیں ٹھہرنا۔"

نوماش پیدل ہی قصبے کے مکانوں کی طرف چلی دی ۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا مجھے کسی جگہ کوئی فوجی جیپ ' ٹرک یا کسی فوجی گاڑی کے آثار نظر نہ آئے میں اٹھ کر قصبے کو جاتی ہوئی کچی سڑک کے قریب آیا اور اسے غور سے دیکھا ' یہاں بھی کسی فوجی یا دوسری گاڑی کے پہیوں کے نشان نہیں تھے صرف اونٹوں کے پاؤں اور چھکڑے کے پہیوں ہی کے نشان تھے میں قدرے مطمئن ہو کر واپس اونٹنی کے پاس بیٹھ گیا جس طرف خانہ بدوشوں کے پھٹے پرانے پیوند لگے ہوئے خیمے تھے اس طرف سے اور قصبے کے مکانوں میں کہیں کہیں دھوئیں کی لکیریں اٹھنے لگی تھیں فضا میں اونٹ کے اوپلو کی بو رچ گئی تھی انگور کے باغ میں ایک آدمی جس نے ۔۔۔ دھاری دار لمبا کرتا پہن رکھا تھا پھاوڑا لئے کسی جگہ سے ریت اور مٹی ہٹا رہا تھا اس گاؤں میں بجلی یا ٹیلی فون کا کوئی کھمبا نہیں تھا اس انکشاف پر بھی مجھے خوشی ہوئی میرے بارے میں یہاں سے فون یا ٹیلی گرافی کے ذریعے کوئی اطلاع نہیں دی جا سکتی

تھی بس مجھے ایک خطرہ تھا کہ ناگہاں کوئی فوجی ہیلی کاپٹر یا فوجی جیپ نمودار نہ ہو جائے۔

نوماش واپس آئی تو اس نے بتایا کہ گاؤں میں ایک خالی کوٹھری کرائے پر لے لی ہے اب وہیں چل کر آرام کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ قافلہ کب روانہ ہوگا؟ تو وہ مسکرائی "قافلہ کل شام کو روانہ ہوگا دیکھا' میں نا کہتی تھی میں تمہیں کبھی غلط راستے پر نہیں لاسکتی؟ یہ الداخل ہے اور اگلا پڑاؤ رباط کا ہوگا جہاں سے ہمیں بس مل جائے گی۔"

وہ بہت خوش تھی وہ بہت بڑے خطرے سے نکل آئی تھی اور میں بہت بڑے خطرے کی طرف جا رہا تھا قدرتی طور پر اسے خوش اور مجھے فکر مند ہونا چاہئے تھا ہم نے اونٹنی کو ساتھ لیا نوماش نے اس کی مہار تھامی اور پیدل ہی گاؤں میں داخل ہو گئے عام قسم کا گاؤں نما قصبہ تھا میں نے نوماش سے پوچھ ہی لیا کہ یہاں کوئی پولیس اسٹیشن تو نہیں ہے اس نے مجھے پلٹ کر دیکھا اور پھر بڑے اطمینان سے سر کو دائیں بائیں ہلاتے ہوئے بولی "بالکل نہیں ہے۔"

میں کچھ اور مطمئن ہو گیا کہ چلو کم از کم ایک رات تو یہاں آرام سے گزرے گی آگے رباط سے بسیں چلتی تھیں وہاں ضرور تھانہ بھی ہوگا جب وہاں پہنچیں گے تو دیکھا جائے گا۔

نوماش نے جو کوٹھری کرائے پر لی تھی اس کے باہر اونٹوں کے چرنے کے لئے ایک کافی بڑی جگہ بنی ہوئی تھی دیوار کے ساتھ مٹی کے دو مٹکے پانی سے بھرے تھے کوٹھری کے اندر صرف ایک ہی کھاٹ تھی نوماش نے آنکھوں کو نچاتے ہوئے کہا "یہاں ایک ہی کھاٹ ہے میں نے عورت کو یہی بتایا تھا کہ ہم میاں بیوی ہیں میں نے کوئی غلط بیانی تو نہیں کی نا! میں نے گردن کو کھجاتے ہوئے کہا "بالکل نہیں' بالکل نہیں۔۔۔"

کوٹھری میں ایک طرف سوکھی لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا اس کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا میں کھاٹ پر بیٹھ گیا نوماش نے جلدی سے کہا " ذرا اٹھو میں چادر بچھا دیتی ہوں۔"

اس نے نیلی چادر اتار کر بچھا دی ہماری اونٹنی باہر صحن میں بیٹھی جگالی کر رہی تھی اتنے میں جس عورت کی کوٹھری تھی' وہ آگئی لمبے ناک اور لمبے دانتوں والی سانولی سی اسرائیلی عورت تھی چنگیر میں چار بڑی بڑی جوار کی روٹیاں رکھی تھیں' اوپر زیتون کے تیل کا چھوٹا سا پلاسٹک کا کٹورہ تھا مجھے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی "میں' تم میاں بیوی کے لئے کھانا لائی ہوں تم آج رات میرے مہمان ہو کوٹھری کا کرایہ بھی کل سے شروع ہوگا۔"

روٹیوں والی چنگیر نوماش نے پکڑلی میں کھاٹ پر اٹھ بیٹا نوماش نے چنگیر میرے آگے رکھ دی خود بھی میرے سامنے بیٹھ گئی اور کوٹھری کی مالکن سے باتیں کرنے لگی اس نے بتایا کہ رباط کو یہاں سے چھ سات مسافروں کا ایک قافلہ کل شام جانے والا ہے' مگر مسافر جمع نہ ہوئے تو اوناش اپنے اونٹ نہیں نکالے گا۔

معلوم ہوا کہ اوتاش ایک یہو... جو ہفتے میں ایک بار اپنے چار چھ اونٹوں پر سواریاں بٹھا کر رباط کی طرف جاتا ہے وہ ان سے ... ایک ڈالر وصول کرتا ہے اگر مسافر کم ہوں تو وہ اونٹ باہر نہیں نکالتا۔

نوماش نے کہا "بہن! ہمارا رباط پہنچنا بہت ضرور... ہم اپنے ایک عزیز کی شادی پر جا رہے ہیں ہم اوتاش کو زیادہ کرایہ دے دیں گے۔"

عورت نے قہقہہ لگایا اور بولی "پھر تو وہ ابھی اونٹ نکال لائے گا بڑا لالچی ہے اوتاش دنیا میں اکیلا ہے' پھر بھی ایک ایک سینٹ جمع کر رہا ہے۔"

جب وہ چلی گئی میں نے نوماش کو مشورہ دیا کہ اوتاش ساربان سے ابھی مل کر بات طے کر لینی چاہئے ہم اسے فی سواری چھ چھ ڈالر ادا کریں گے نوماش نے جوار کی روٹی کا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا "اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ اوتاش کہیں بھاگا نہیں جا رہا صبح اس سے بات کر لیں گے خدا خدا کر کے تھوڑا آرام کرنے کو جگہ ملی ہے" میں کھاٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں چلے؟" نوماش نے میری طرف دیکھا میں نے کہا "میں یہ بات ابھی طے کرنا چاہتا ہوں۔ کوٹھری کی مالکن سے مل کر اوتاش کا گھر معلوم کرتا ہوں" نوماش نے آہستہ سے سر ہلا کر کہا "تم نہ جانے کیوں اتنے ...ہتے ہو؟ جاؤ بات طے کر آؤ اوتاش سے اور سنو میرا خیال ہے اسے کہو کہ صرف ہم دونوں کو لے کر چلے ہم اسے باقی سواریوں کی بھی رقم ادا کر دیں گے۔"

نوماش کی یہ تجویز مجھے بہت پسند آئی میرے پاس اگرچہ کچھ ڈالر موجود تھے' مگر نوماش تو اپنے ساتھ ہیرے جواہرات کے علاوہ ڈالروں کی بھی ایک معقول تعداد لائی تھی جو اس نے پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر اپنی کمر کے گرد باندھ رکھے تھے۔

اوتاش ساربان کا مکان گاؤں کے کونے پر تھا باڑے میں اس کے اونٹ بندھے ہوئے تھے' پہلے تو اس نے مجھے گھاس نہ ڈالی' جب میں نے اسے پچاس ڈالر پیش کئے تو اسی وقت رباط کی جانب کوچ کرنے پر تیار ہو گیا میں نے اسے بتایا کہ ہم کل دن ڈھلے روانہ ہوں گے وہ میرے آگے پیچھے پھر رہا تھا بولا "میں دوپہر ہی کو تیار ہوں گا۔"

ہمیں اس سے صرف ایک اونٹ فالتو لینا تھا ہماری اونٹنی ہمارے پاس تھی میں نے واپس آکر نوماش کو اپنی کارگزاری بتائی تو وہ کہنے لگی "اب تمہیں اطمینان سے میرے پاس بیٹھ کر کچھ اپنی باتیں کرنی چاہئیں آخر ہم میاں بیوی ہیں"

وہ شرارت سے ہنس رہی تھی۔

رات ہم نے اسی کوٹھری میں گزاری دوسرے دن دوپہر تک ہم کوٹھری کے باہر ضروری تیاریاں کرتے رہے اونٹنی کو چارا ڈالا پانی پلایا اپنے لئے بھی گاؤں سے نیا لباس خرید کر پہنا کھانا منگوا کر

کھانا دوپہر کے بعد کوٹھری میں کچھ دیر آرام کیا اور دن ڈھلنا شروع ہوا تو ہم نے مالکن کو کرایہ ادا کیا اور اوتاش کے گھر کی طرف چل پڑے وہ تیار تھا نوماش پہلے ہی اپنی اونٹنی پر سوار تھی ایک اونٹ پر میں بیٹھ گیا دوسرے پر اوتاش سوار ہو گیا اور ہم رباط کی طرف روانہ ہو گئے۔

اوتاش آگے آگے تھا وہ قافلے کے روٹ پر چل رہا تھا صحرا اگرچہ بے کراں تھا مگر چونکہ ہم قافلوں کی گزرگاہ پر رواں تھے اس لئے ہر بیس پچیس میل کے سفر کے بعد کوئی نہ کوئی نخلستان آجاتا' جہاں ہم تھوڑی دیر تو آرام کرتے اور پھر سفر پر روانہ ہو جاتے ہمارا سفر رات بھر جاری رہا۔۔۔ اور دوسرے روز ہم رباط پہنچ گئے۔

رباط میں داخل ہوتے ہی میں نے بجلی اور ٹیلی فون کے کھمبوں کو دیکھا تو میرا دل دھڑک اٹھا اس کا مطلب تھا کہ یہاں پولیس اسٹیشن بھی ہو گا رباط کافی بڑا قصبہ تھا اور ایک چٹیل پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع تھا۔ ایک مسافروں سے بھری ہوئی بس رباط قصبے کی ایک سڑک سے نکل رہی تھی نوماش خوش ہو کر بولی "میں نے کہا تھا نا کہ یہاں سے ہمیں بس مل جائے گی۔"

ساربان اوتاش نے کہا "یہ بس حیفہ تک نہیں جاتی صرف عمان تک جاتی ہے عمان سے بڑی ٹھنڈی بسیں حیفہ جاتی ہیں۔"

حیفہ سے ہمیں بذریعہ کشتی یا اسٹیمر قبرص فرار ہونا تھا فرار میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں دشمن کا جاسوس تھا ہی اور یقینی طور پر اسرائیلی انٹیلی جینس میرے پیچھے لگی ہو گی اور میری تصویریں حیفہ کی بندرگاہ اور فوجی اڈوں اور انٹیلی جینس کے دفاتر میں پہنچ گئی ہوں گی لیکن نوماش بھی گھر سے بھاگ کر آئی تھی اور اسے حیفہ میں خطرہ تھا کہ کہیں اس کے خاوند کے آدمی وہاں پہلے سے نہ پہنچ گئے ہوں کیونکہ اس کا خاوند جانتا تھا کہ حیفہ میں اس کی مفرور بیوی کی سہیلی رہتی ہے جس کا خاوند بحریہ میں افسر ہے پہلے تو اس افسر کو نوماش نے اپنا دور کا رشتے دار ظاہر کیا تھا لیکن بعد میں اس نے بتایا کہ وہ اس کی ایک گہری سہیلی کا خاوند ہے اور دونوں نے محبت کی شادی کی ہے یہ سب باتیں اپنی جگہ پر درست تھیں۔ لیکن حیفہ کے نام ہی سے میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

حیفہ اسرائیل کی دوسری بڑی بندرگاہ اور بہت مشہور تجارتی شہر تھا یہاں فوج بھی ہو گی پولیس بھی اور انٹیلی جینس کے آدمی بھی جگہ جگہ تعینات ہوں گے کیا میں ان کی عقابی نظروں سے بچ کر نکل سکوں گا؟ اس صورت میں کہ ان تک میری تصویر بھی پہنچ گئی ہو گی مجھے یہی اندیشہ تھا کہ کہیں نوماش کی سہیلی کا خاوند ہی مجھے پہچان کر گرفتار نہ کرا دے۔

صحرا میں مجھے اتنی پریشانی محسوس نہیں ہو رہی تھی، جتنا فکر مند میں رباط کے بڑے قصبے میں ہو رہا تھا میں چاہتا تھا کہ رباط سے ہی میں کسی طرف نکل جاؤں، مگر پھر وہی بات کہ صحرا کے راستوں سے ناواقف تھا اور بھٹک جانے کا ڈر تھا میں نے نوماش کو یہ تجویز بھی پیش کی وہ حیفہ جانے کی بجائے ترکی کی

طرف کیوں نہیں چل پڑے؟

نوماش کہنے لگی " تم بڑے بے خبر ہو شاید تمہیں معلوم ہی نہیں کہ اسرائیلی حکومت نے اپنی ترکیہ اور شام والی سرحد بند کر رکھی ہے' وہاں تو ہر وقت فوج کے دستے موجود رہتے ہیں میرا دل بار بار مجھے حیفہ کی طرف جانے سے منع کر رہا تھا ایک بار اپنے دل کی آواز پر لبیک کرنے اور رباط ہی سے نوماش کو چھوڑ کر فرار ہو جانے کا خیال بھی آیا' مگر پھر یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ صحرا بڑا وسیع اور خطرناک ہے' مجھے اس کا تجربہ نہیں تھا کہیں بھٹک گیا تو پھر کبھی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکوں گا۔

رباط ایک چھوٹا سا شہر تھا آبادی کافی گھنی تھی مکانوں کے اوپر مکان چڑھے ہوئے تھے شہر کے باہر آلوچے اور ناشپاتی کے باغ بھی تھے دکانوں پر امریکی سامان بھرا پڑا تھا پولیس کے سپاہی بھی کہیں کہیں گھومتے پھرتے نظر آئے انہیں دیکھ کر میں چہرہ دوسری طرف کر لیتا اوتاش نے ہمیں ایک جھکے ہوئے محرابی دروازے والی پرانی سرائے میں جا اتارا۔۔۔ نوماش نے کہا کہ یہاں کوئی ہوٹل نہیں ہے؟ اوتاش بولا کیوں نہیں ۔"

اونٹنی ہم نے وہیں سرائے میں ہی چھوڑ دی اور ایک ہوٹل میں آگئے معمولی سا دو منزلہ ہوٹل تھا جس کے کمروں کی دیواروں کا پلستر اکھڑ رہا تھا ایک لوہے کا پلنگ تھا جس پر پھٹی ہوئی میٹریس بچھی تھی اوتاش کو ہم نے تھوڑا بہت انعام دے کر رخصت کر دیا تھا ہوٹل کا مالک گنجا سرخ و سفید ادھیڑ عمر یہودی تھا عبرانی کے علاوہ عربی اور انگریزی بھی روانی سے بول لیتا تھا یہاں ہم نے نہا دھو کر لباس تبدیل کیا ناشتا کیا میں ہوٹل سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا نوماش اصرار کر رہی تھی۔ میں خود جا کر پتا کروں کہ یہاں سے بسیں کس کس وقت حیفہ کی طرف روانہ ہوتی ہیں میں سردرد کا بہانہ بنا کر پلنگ پر لیٹ گیا نوماش میرا سر دبانے لگی اس نے قہوہ منگوا لیا' پھر خود ہی بسوں کا شیڈول معلوم کرنے چلی گئی اس کے جانے کے بعد' ہی میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر بازار میں دیکھنے لگا بازار میں یہودی آجا رہے تھے کوئی خچر پر سوار تھا نوجوان موٹر سائیکلوں پر شور مچاتے گزر جاتے عورتوں نے نیکریں 'جینز اور پرانا لباس بھی زیب تن کر رکھا تھا لڑکیوں کے بال گہرے سنہرے تھے رنگ کھلتے ہوئے سرخی مائل تھے دکانوں پر گاہکوں کی بھیڑ تھی ایک پولیس کانسٹیبل نیلی وردی میں دکانوں پر کھڑے گاہکوں کو گھورتا چلا آرہا تھا میں نے جلدی سے پردہ گرا دیا اور پیچھے ہٹ آیا' پھر پردے کا ایک طرف سے کونا اٹھا کر میں نے نیچے دیکھا کانسٹیبل دوسرے بازار میں گھوم گیا تھا۔

یہاں زیادہ رہنا ٹھیک نہیں تھا' مگر میں تو آگے مزید خطرے کی طرف جانے والا تھا حیفہ میں تو فوج بھی ہو گی اور انٹیلی جینس کے شکرے بھی گھوم رہے ہوں گے ان کی عقابی نظروں سے بچ کر نکل جانا تقریباً ناممکن بات تھی اسرائیلی انٹیلی جینس کا شمار دنیا کی بہترین انٹیلی جینس میں ہوتا ہے کہیں یہ یہودی عورت نوماش مجھے مروانہ دے ؟

میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا' پھر پلنگ پر بیٹھ گیا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہاں سے اگر راہ فرار بھی اختیار کروں تو جاؤں گا کدھر؟

میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ نوماش واپس آگئی اس نے کاندھوں پر پرانی اسرائیلی عورتوں کی طرح شال ڈال رکھی تھی اس نے بتایا کہ رباط سے دن میں صرف دو بسیں حبان کی طرف جاتی ہیں حبان سے آگے حیفہ والی بس مل جائے گی ایک بس صبح منہ اندھیرے نکل جاتی ہے اور دوسری بس شام ہو جانے کے بعد روانہ ہوتی ہے۔

میں نے شام والی بس کو ترجیح دی مقصد یہ تھا کہ اندھیرے میں سفر کروں اور صبح ہونے سے پہلے حبان جا پہنچوں نوماش نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولی "کیا تم مجھے رباط میں ایک رات بھی آرام نہیں کرنے دو گے

میں نے پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا " میں چاہتا ہوں کہ ایک بار ہم اس علاقے سے نکل جائیں ' قبرص پہنچ کر ہمیں سوائے پیار کرنے کے اور کیا کام ہو گا قبرص میں جاتے ہی ہم بیاہ کرلیں گے۔"

نوماش نے اپنا چہرہ میرے بازو سے لگا دیا۔۔۔ اور آہستہ سے بولی " جیسے تمہاری مرضی لیکن میں تو دل سے تمہیں اپنا بنا چکی ہوں۔"

دو پہر کو ہم نے کمرے میں ہی کھانا کھایا نوماش رات کی بس کے ٹکٹ لینے چل دی اور میں پلنگ پر لیٹ گیا سوچنے لگا کہ کہیں حیفہ میں میری بدقسمتی میرا انتظار تو نہیں کر رہی؟ یہ سوچ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے کہ اب اگر میں پکڑا گیا تو اسرائیلی انٹیلی جینس میرا کیا حشر کرے گی میرا ذہن تیزی سے ایک منصوبے پر غور کرنے لگا یہ خیال ایک منصوبے کی شکل میں میرے ذہن میں آیا تھا' اگر میں حیفہ پہنچنے کے بعد نوماش کو چھوڑ دوں تو کسی ماہی گیروں کی بستی میں جا کر وہاں اسمگلروں کی مدد سے سمندر پار کر کے قبرص پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہوں میرے پاس کچھ ڈالر تھے دو سو ڈالر میں نوماش سے کسی بہانے اینٹھ سکتا تھا یہ اسکیم مجھے بہت مناسب معلوم ہوئی اس طرح میں کسی حد تک اپنی جان بچا سکتا تھا سب سے پہلے مجھے حیفہ میں۔۔۔ نوماش کی سہیلی کے ہاں جا کر اس کے خاوند کے طرزِ عمل اور ردِ عمل کا مشاہدہ کرنا ہو گا ہو سکتا ہے کہ اسے میرے بارے میں کچھ بھی علم نہ ہو۔

شام ہوتے ہی ہم ہوٹل سے نکل کر بس اڈے کی طرف روانہ ہو گئے نوماش نے اونٹنی کو وہیں اونے پونے بیچ دیا تھا بس اچھی حالت میں تھی تقریباً مسافروں سے بھری ہوئی تھی ہم بھی اس میں گھس کر بیٹھ گئے میں نے نیلی چادر سے اپنا نصف چہرہ ڈھانپ رکھا تھا جتنی دیر بس کھڑی رہی میں بے چین ہی رہا خدا خدا کر کے بس کے ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کیا اور اسے اڈے سے نکال کر باہر لے گیا باہر نکلتے ہی ایک پولیس کے سپاہی نے ہاتھ دے کر بس کو روکا اور بس کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ

بیٹھ گیا۔

میرے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی ذہن میں طرح طرح کے وہم آنے لگے کہیں یہ سپاہی میری وجہ سے تو یہاں نہیں آیا؟ کہیں اس نے مجھے پہچان تو لیا؟ آخر تھانے میں بھی میری تصویر پہنچ چکی ہو گی نوماش نے اڈے پر سے ناشپاتیوں کی چھوٹی سی ٹوکری خرید لی تھی' جو اس کی جھولی میں پڑی تھی اس نے ایک ناشپاتی رومال سے صاف کر کے مجھے دی اور ایک خود کھانے لگی جس وقت اس نے میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ ناشپاتی میٹھی ہے؟ تو اس وقت ناشپاتی میرے ہاتھ میں ہی تھی اور میں کن انکھیوں سے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے یہودی کانسٹیبل کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو ایشکول؟"

میں چونک سا گیا اور ناشپاتی کھانی شروع کر دی "بڑی میٹھی ہے یہ تو ۔۔۔ اس علاقے کی ناشپاتیاں بڑی رسیلی ہوتی ہیں۔"

نوماش میری طرف دیکھ کر شرما گئی خدا جانے وہ دل میں پیدا ہونے والے کس خیال سے شرما گئی تھی میرا دماغ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا میری ساری توجہ کانسٹیبل کی طرف تھی کم بخت خواہ مخواہ بس میں آکر بیٹھ گیا تھا خنجر میرے پاس لمبی قمیص کے اندر کمر بند سے لگا تھا میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر اس نے مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی تو خود تو گرفتار ہو ہی جاؤں گا' مگر اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

بس شہر کے گنجان علاقوں سے نکل کر ایک کچی سڑک پر ریت اڑاتی چلی جا رہی تھی اس کی رفتار چالیس پچاس میل کے درمیان ہو گی سڑک کچی تھی غیر ہموار تھی ہچکولے لگ رہے تھے سفر جاری تھا۔

نوماش نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا دبایا اور چہرہ میرے کان کے قریب لا کر بولی "تم فکر نہ کرنا ایشکول حیفہ میں میری سہیلی کا خاوند تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے گا اس کا شہر میں بڑا اثر و رسوخ ہے۔"

میں چونک سا گیا پھر خیال آیا کہ نوماش یہی سمجھ رہی ہے کہ میں اسرائیلی فوج کا بھگوڑا ہوں اور اس لئے خاموش ہوں کہ مجھے فوج کے ہاتھوں پکڑے جانے کی فکر لگی ہے میں مسکرا دیا اس عورت کو واقعی مجھ سے بڑی ہمدردی تھی شاید اسے مجھ سے محبت بھی ہو گئی تھی ایک تو میں اس کے خاوند کے مقابلے میں جوان اور صحت مند تھا دوسرے میں نے ہر مصیبت میں سینہ سپر ہو کر اس کی حفاظت کی تھی اور عورت ایسے مرد کو بہت پسند کرتی ہے جو اس کی مردانہ وار حفاظت کر سکے۔

میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا بس اب صحرائی راستے پر سے گزر رہی تھی رباط شہر کی روشنیاں پیچھے رہ گئی تھیں آس پاس سوائے اندھیرے اور ویرانے کے اور کچھ نہیں تھا آسمان زمرد کے رنگ کا تھا

اور ستارے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے بس آرام دہ تھی مگر سڑک خراب تھی جس کی وجہ سے ہچکولے لگ رہے تھے ایک گھنٹے کے سفر کے بعد بس ایک ہائی وے پر چڑھ گئی یہ کشادہ اور ہموار سڑک تھی جس کی دونوں جانب دور دور فاصلے پر مرکری لائٹس لگی تھیں نوماش نے بتایا یہ حیفہ یروشلم ہائی وے ہے یروشلم سے مجھے اپنی دوست اور ساتھی سعدیہ یاد آگئی خدا جانے وہ کسی عالم میں ہو گی؟ اسے تو میرے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہو گا اب کبھی کبھی کوئی کار یا بس ہمارے قریب سے نکل جاتی تھی ایک ملٹری ٹرک گزرا تو میں نے غیرارادی طور پر اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا کہیں میں موت کے منہ میں تو نہیں جا رہا بار بار خیال آتا کہ حیفہ کا سفر اختیار کر کے میں نے غلطی کی ہے حیفہ ایک بہت بڑا شہر اور بندرگاہ تھی وہاں میرے پکڑے جانے کا امکان بہت زیادہ تھا لیکن میرے پاس کوئی متبادل راستہ بھی نہیں تھا آخر دل میں یہی ٹھانی کہ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے بحرہ روم کا چھوٹا سا سمندر کسی طرح پار کر کے قبرص کی آزاد سرزمین پر پہنچنے کی کوشش کروں گا اب جو ہو گا دیکھا جائے گا نوماش میرے کاندھے سے سر لگائے اونگھ رہی تھی آدھی رات کو ایک چھوٹے سے قصبے کے اسٹینڈ پر قیام کیا یہاں ایک ریستوران بس کے لئے کھلا تھا ہم بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ اتر آئے ریستوران میں جا کر منہ ہاتھ دھویا کافی پی نوماش اپنی حیفہ والی سہیلی کے بارے میں باتیں کرنے لگی اس کا نام ساجدہ تھا اور وہ وہاں ایک اسکول میں پڑھاتی بھی تھی وہ اس کی تعریفیں کر رہی تھی میری ہمراز ہے مجھ سے بڑا پیار کرتی ہے شادی سے پہلے دو سال تک اس کا خاوند سے معاشقہ چلتا رہا میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔

یہاں سے بس چلی تو راستے میں ایک پل کے لئے بھی کسی جگہ نہ ٹھہری پو پھٹ رہی تھی کہ دور سے حیفہ کے کارخانوں کی روشنیاں جھلملاتی ہوئی دکھائی دیں میرا حلیہ فرار کے وقت سے لے کر اب تک کافی بدل گیا تھا میری داڑھی بڑھ آئی تھی سر پر بال بھی کافی اگ آئے تھے ایک نظر میں میں پہچانا نہیں جا سکتا تھا لیکن اسرائیلی انٹیلی جینس کی عقابی نگاہوں سے بچنا ناممکن تھا شہر کے مضافات کا سلسلہ شروع ہو گیا اونچی نیچی ٹیکریوں پر بنگلوں اور مکانوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ دور اونچے پول پر نیلی اور سرخ بتیاں جل بجھ رہی تھیں شاید یہ کوئی ٹیلی ویژن سینٹر تھا یا سگنل رجمنٹ کا ہیڈ کوارٹر تھا ایک مسافر بردار جیٹ طیارہ شور مچاتا ہوا ہمارے اوپر سے گزر گیا صبح کی روشنی پھیل رہی تھی ہماری بائیں جانب سے بڑی بڑی عمارتوں کی قطار ابھر کر پیچھے کو جانے لگی بس ہائی وے سے اتر کر ایک کھلی سڑک پر آگئی نوماش جاگ پڑی تھی سڑک کی عمارتوں کو دیکھ کر کہنے لگی "میں اس شہر میں کئی بار آئی ہوں یہاں کے سنگترے ساری دنیا میں مشہور ہیں ایسے کہ تم تو جانتے ہی ہو گے مگر تمہارے یروشلم کی تو ناشپاتیاں اور انجیر ہی مشہور ہیں۔"

میں نے ذرا سا کھانس کر کہا ہاں ۔۔۔ "میری آنکھیں سڑک پر سے گزرتے دودھ والے

ٹرک کو دیکھ رہی تھیں، جس پر ایک مسکراتی ہوئی حسین عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی سامنے سے ایک بس گزر گئی اسے ایک لڑکی چلا رہی تھی وہ خالی تھی ہماری بس اپنے اسٹینڈ پر جا کر رک گئی۔

میری نگاہیں اردگرد کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں یہاں کوئی پولیس کا آدمی نہیں تھا ابھی صبح ہوئی تھی عورتیں اور مرد لنچ بکس ہاتھوں میں لئے سامنے والے فٹ پاتھ پر قطار بنائے کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے نوماش نے ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا ہم اس میں داخل ہو گئے نوماش نے اسے کسی علاقے کا نام لے کر کہا کہ ادھر چلو مجھے اب اس علاقے کا نام یاد نہیں رہا ٹیکسی شہر کی کشادہ سڑکوں پر سے گزرنے لگی واقعی ایک جدید اور صاف ستھرا شہر تھا میں اس شہر کو پہلی بار دیکھ رہا تھا جوں جوں دن نکل رہا تھا، سڑکوں پر ٹریفک بڑھنے لگا تھا میں نے نوماش سے پوچھا کہ وہ مجھے اپنی سہیلی اور اس کے خاوند سے کس حیثیت سے متعارف کرائے گی؟

نوماش نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ میں اپنے خاوند سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں اور اسے پسند نہیں کرتی میں انہیں چاہے کچھ کہہ دوں وہ پروا نہیں کریں گے۔"

ٹیکسی ایک نشیب اتر کر ایسی آبادی میں داخل ہو گئی، جہاں چھوٹے چھوٹے بنگلے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے ہر بنگلے کے سامنے چھوٹا سا باغیچہ تھا، جس میں زیتون کے درخت اگے تھے ٹیکسی ایک چھوٹے سے بنگلے کے دروازے پر رک گئی نوماش نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا ٹیکسی چلی گئی نوماش نے گھنٹی کا بٹن دبایا وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی "تم میری سہیلی ساعدہ کو دیکھو گے تو بڑے خوش ہو گے۔"

میں اس وقت نوماش کی سہیلی کی بجائے اس کے خاوند کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کے نام کی تختی باہر لگی تھی "کمانڈر ایس کے حباش۔"

دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے، اگر بحریہ کے پاس میری تصویر پہنچی بھی ہو گی تو وہ نیوی انٹیلی جینس والوں تک گئی ہو گی ہو سکتا ہے یہ شخص میرے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میں ایک ایسے پنجرے میں داخل ہو رہا تھا جہاں میرا ذرا سا بے احتیاطی سے اٹھا ہوا قدم مجھے پھندے میں پھنسا سکتا تھا ایک نوکرانی نے دروازہ کھولا وہ نوماش کو دیکھ کر خوش ہوئی اور خوش آمدید کہتے ہوئے دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"ساعدہ کہاں ہے؟" کہتی ہوئی نوماش مجھے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی قالین، صوفہ سیٹ، کافی ٹیبل، دیواروں پر دو چار تصویریں کونے میں ٹیبل لیمپ، گلدان میں پھول۔۔ مختصر سا ڈرائنگ روم سلیقے سے سجا تھا۔

ساعدہ دوسرے کمرے سے آئی اور نوماش سے لپٹ گئی وہ نوماش ہی کی عمر کی ایک گوری چٹی

نازک نقوش والی یہودی عورت تھی میری طرف بڑی بڑی سیاہ آنکھیں گھما کر تکنے لگی نوماش نے بڑی بے باکی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی "یہ ایلشکول ہے یروشلم میں اس کا اپنا کاروبار ہے۔ میں نے عذان کو چھوڑ کر اس سے شادی کر لی ہے۔"

میں نوماش کو تکتا رہ گیا اس نے مجھے آنکھ ماری سامدہ نے قہقہہ لگایا اور بولی "تم نے بہت اچھا کیا نوماش عذان تمہارے لائق نہیں تھا اچھا یہ بتاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہو نا؟"

نوماش صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "میں تو ایلشکول کو اپنا دل دے بیٹھی ہوں' باقی اس کے دل کا حال مجھے معلوم نہیں" دونوں قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں میں نوماش کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا اسی وقت ناشتا لگا دیا گیا نوماش نے اپنی سہیلی کے خاوند حباش کے بارے میں پوچھا تو سامدہ نے کہا کہ وہ رات کی ڈیوٹی پر ہے بس آنے ہی والا ہو گا۔

میں تھوڑا سا مطمئن ہو گیا میرے امتحان کا وقت تھوڑی دیر کے لئے ٹل گیا تھا ناشتے سے پہلے ہم نے غسل کیا کپڑے بدلے گئے میں نے لمبا کرتا ہی پہنا پتلون نہیں پہننا چاہتا تھا۔ اس میں میں آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا ناشتے پر سامدہ مجھ سے یروشلم کے بارے میں باتیں کرنے لگی جتنا میں یروشلم کو جانتا تھا اسی کے مطابق گفتگو کرتا رہا۔

نوماش نے کہا "سامدہ ہم ہنی مون منانے قبرص جا رہے ہیں کیا خیال ہے؟ اچھا رہے گا؟"

سامدہ بولی "قبرص میں سیاسی حالات اچھے نہیں ہیں میری مانو تو اٹلی چلی جاؤ وہاں آج کل موسم بھی خوش گوار ہے" نوماش ٹوسٹ پر مارملیڈ لگا رہی تھی مسکرا کر بولی "اٹلی تو مجھے بہت پسند ہے' کیوں ایلشکول! اٹلی کا جزیرہ کاپر کیسا رہے گا؟"

میں نے کافی کا تلخ گھونٹ نگلا اور بولا "مناسب خیال ہے" باہر ایک جیپ کے رکنے کی آواز آئی میرا دل ایک بار زور سے دھڑکا سامدہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی "حباش آ گیا ہے۔"

اس نے دروازہ کھولا تو ایک اونچا' لمبا پختہ عمر کا آدمی نیوی کی وردی میں ہاتھ میں ٹوپی تھامے اندر داخل ہوا اس کا سر درمیان سے گنجا تھا اس نے نوماش کو دیکھا تو ٹوپی صوفے پر پھینک کر بانہیں پھیلائے اس کی طرف بڑھا "نوماش واٹ اے سرپرائز تم کب آئیں؟"

پھر میری طرف دیکھ کر ذرا سا ٹھٹکا "نوماش! کیا تم ان سے میرا تعارف نہیں کراؤ گی؟" سامدہ نے ہنس کر کہا۔

"یہ ایلشکول ہیں یروشلم کے بزنس مین ہیں نوماش نے عذان سے طلاق لے کر اس سے شادی کر لی ہے۔"

"او آئی سی! حباش نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور سامدہ کو میری خاطر مدارت کی ہدایت دے کر وردی بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا میں اگرچہ اس دوران حباش

سے نظریں چراتا رہا تھا تاہم اسے اپنے رویئے سے کسی قسم کا شبہ ہونے کا بھی موقع نہیں دیا تھا انتہائی چالاکی سے مسکراتا بھی رہا تھا اور حباش کے چہرے کے باریک سے باریک تاثر کو پڑھنے کی کوشش بھی کرتا رہا تھا میں نے یہی اندازہ لگایا کہ اس کو میرے بارے میں کچھ علم نہیں ہے یہ بات میرے لئے بڑی خوش آئند تھی اور میں وہاں سے قبرص یا اٹلی کی جانب فرار کا منصوبہ بڑے اطمینان سے بیٹھ کر بنا سکتا تھا میرا پروگرام یہ تھا کہ اس شہر کے سمندر کے کنارے دور ملاحوں کی کسی بھی بستی میں نکل کر ان سے گھل مل کر یہ کھوج لگانے کی کوشش کروں گا کہ وہ قبرص یا اٹلی کی طرف مجھے لے جا سکتے ہیں کہ نہیں ؟ یہاں سے مسافر بردار سمندری جہاز بھی قبرص اور اٹلی کو جاتے تھے لیکن اس پر سفر کرنے کے لئے شناختی کارڈ کا ہونا ضروری تھا جو میرے پاس نہیں تھا ویسے بھی بندر گاہ پر مجھے پکڑے جانے اور پہچان لئے جانے کے امکانات بہت قوی تھے۔

کپڑے بدلنے کے بعد حباش نے ناشتا کیا اس وقت ہم صوفے پر بیٹھے تھے میں عبرانی زبان کا اخبار پڑھ رہا تھا ساعدہ اور نوماش آپس میں گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں حباش ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا ٹوسٹ پر مکھن کی پتلی سی تہ جما رہا تھا ٹوسٹ پلیٹ میں رکھ کر اس نے کافی کی پیالی اٹھائی اور میرے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گیا " ایشکول تم تو ابھی نوجوان ہو مستقبل تمہارے سامنے ہے میری طرف سے شادی کی مبارک باد قبول کرو میں نے شکریہ ادا کیا اور اخبار پر نظریں جما دیں حباش کافی پی رہا تھا مجھے لگا کہ وہ میری طرف گھور رہا ہے یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا میں نے اخبار ایک طرف رکھنے کے بہانے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ واقعی مجھے تک رہا تھا ہماری آنکھیں ملیں تو حباش مسکرانے لگا بولا " یروشلم میں تمہارا فرنیچر کا بزنس ہے کیا؟ ساعدہ یہی بتا رہی تھی۔

حباش نے کافی کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر مجھے پیش کیا۔

" شکریہ! میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

اس نے سگریٹ سلگایا میں نے اسے نارمل انداز میں بتایا کہ میرا بزنس زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن اسے پھیلانے کا پروگرام بنا رہا ہوں حباش نے ناک سے دھواں نکالتے ہوئے ہنس کر کہا " شادی ہو گئی ہے اب تو کاروبار پھیلانا ہی ہوگا۔"

نوماش بولی " میں بھی تو ایشکول کی مدد کرتی ہوں عذان نے تو میرے ٹیلنٹ کو پہچانا ہی نہیں۔

ساعدہ کہنے لگی عذان تمہارے لائق نہیں تھا نوماش میں تو حباش سے اکثر کہا کرتی تھی کہ یہ شادی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔"

حباش نے کہا مگر نوماش تم نے کافی نباہ کیا عذان کے ساتھ، بڑی ہمت ہے تمہاری، جو شخص پسند نہ ہو اس کے ساتھ رہنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔"

نوماش نے ساعدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی مجھے تو تم لوگوں پر رشک آیا کرتا تھا اصل شادی تو محبت کی شادی ہوتی ہے۔

ساعدہ نے شرارت سے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی "چلو اب تو تم لوگوں نے بھی محبت کی شادی کر لی ہے بس اپنی محبت کو ہمیشہ قائم رکھنا۔"

حباش سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جب میں دوسری طرف دیکھ رہا ہوتا ہوں تو اس کی نظریں مجھ پر جمی ہوتی ہیں کہیں اس نے مجھے پہچان تو نہیں لیا؟ اگر یہ درست تھا تو بڑی خطرناک بات تھی میں اس کی تصدیق بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن میں ہوشیار ہو گیا تھا۔ اتنی آسانی سے میں ان کی گرفت میں آنے والا نہیں تھا تاہم پھندا اچانک میری گردن میں پڑ سکتا تھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر حباش انگڑائی لے کر اٹھا اور بولا " میں تو سونے جا رہا ہوں اور ہاں سائدہ! مہمانوں کے لئے فوڈ اسٹور سے ابھی گوشت منگوا لو۔"

سائدہ نے کہا " تم کیوں فکر کرتے ہو میری پیاری سہیلی اور اس کا پیارا خاوند ہمارے مہمان ہیں میں ان کے لئے آج خود کھانا پکاؤں گی۔"

نوماش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی حباش بیڈ روم کی طرف چلا گیا۔ میرے دل میں یونہی خیال آنے لگا کہ کہیں وہ بیڈ روم میں جا کر انٹیلی جینس والوں کو فون نہ کر دے میں بے چین سا ہو کر پہلو بدلنے لگا۔

نوماش نے بڑی محبت سے میرا بازو تھام کر کہا " تھک گئے ہو تو تھوڑی دیر کے لئے آرام کر لو۔ سائدہ بولی " میں نے تمہارے لئے بیڈ روم صاف کروا دیا ہے تم دونوں جا کر کچھ دیر آرام کیوں نہیں کر لیتے سفر کے تھکے ہوئے ہو گے۔"

نوماش شرما سی گئی سائدہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا " ارے! شادی کر لی ہے تو اب شرماتی کیوں ہو؟ چلو ۔۔۔ بیڈ روم میں جا کر آرام کرو آؤ میرے ساتھ۔"

نوماش بولی " سائدہ تم بڑی بے شرم ہو چھوڑو مجھے میں خود چلی جاؤں گی میں بھلا تمہارے گھر کے دوسرے بیڈ روم سے واقف نہیں ہوں"۔

سائدہ نے قہقہہ لگایا " اری تم خود نہیں جاؤ گی الشکول بھی تمہارے ساتھ جائے گا۔"

اور وہ ہنستی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی نوماش نے مجھے ساتھ لیا اور ڈرائنگ روم کے دوسرے ہی دروازے سے نکل کر ایک بیڈ روم میں آ گئی میں نے کمرے میں آتے ہی کہا " تم نے مجھے پہلے

کیوں نہیں بتایا کہ تم یہاں مجھے اپنا خاوند ظاہر کرنے والی ہو؟"

نوماش شرارت آمیز نظروں سے تک رہی تھی کہنے لگی "میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔

بیڈ روم بھی سلیقے سے سجایا گیا تھا سجاوٹ سادہ تھی مگر بڑی باذوق اور سلیقہ مند تھی لوہے کا ایک ڈبل بیڈ وسط میں بچھا تھا جس پر کمبل اور ریشمی چادر بچھی تھی دونوں کونوں پر سائیڈ میزیں اور ٹیبل لیمپ تھے۔ باتھ روم بھی ساتھ ہی تھا میز پر تھرماس اور دو گلاس پڑے تھے مشروب کی بوتل بھی تھی انگور کا مشروب ان لوگوں کا قومی مشروب تھا نوماش نے میرے لئے مشروب کا گلاس بنانا چاہا مگر میں نے سردرد کا بہانہ بنا کر اسے منع کر دیا۔

وہ تعجب سے بولی " تم کیسے یہودی ہو کہ قومی مشروب بھی نہیں پیتے ارے یہ تو تمہارے سر درد کے لئے اکسیر ہے۔"

میں نے کہا " اس وقت دل نہیں چاہتا پھر کبھی سہی نوماش بالکل بیویوں والی حرکتیں کرنے لگی تھی میری پوزیشن عجیب و غریب ہو گئی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میرا ذہن حباش کی معنی خیز نگاہوں کے بارے میں بہت حد تک پریشان تھا۔ یہ وسوسہ میرا پیدا کردہ بھی ہو سکتا تھا تاہم میں اسے غلط بھی قرار نہیں دے سکتا تھا میں نے نوماش سے اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی کہ یہاں سے قبرص یا اٹلی جانے کا پروگرام کس طرح سے بنے گا۔"

مشروب کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا وہ میرے پاس ہی پلنگ کی پٹی سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی کہنے لگی " اس میں پریشانی اور سوچنے کی کون سی بات ہے بھلا؟ یہاں سے ہم ۔۔ سمندری جہاز میں دو سیٹیں بک کرائیں گے اور بحرہ روم کی سیر کرتے جزیرہ کاپری جا اتریں گے حباش ہمارے لئے وہاں ہوٹل میں کمرہ فون کر کے بک کرا دے گا۔"

میں باقاعدہ سمندری جہاز میں سفر کرنے سے گھبرا رہا تھا اور میری گھبراہٹ حق بجانب تھی اسرائیلی انٹیلی جینس والے میرا فوٹو لیے بندرگاہ پر ضرور موجود ہوں گے میں گیٹ سے گزرتے ہی گرفتار کر لیا جاؤں گا میں نے نوماش کو اس طرح قائل کرنے کی کوشش کی کہ ہو سکتا ہے اسکے خاوند کے کرائے کے غنڈے بندرگاہ پر موجود ہوں اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں ۔۔

نوماش نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر میرا بازو تھام لیا اور بولی " اس نامراد میں اتنی جرأت کہاں سے آگئی کہ یہاں تک میرا تعاقب کرے وہ بس گھر سے باہر چند کوس تک صحرا میں ہی اپنے آدمی بھیج سکتا تھا یہاں اسے اور اس کے آدمیوں کو کون پوچھتا ہے اور پھر میں اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہوں حباش کا تحفظ بھی ہمیں حاصل ہے ہمیں کوئی ہاتھ تک نہیں لگا سکتا۔"

بات وہ ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن میں اس راستے پر چل کر اپنی موت کو آواز نہیں دے سکتا تھا جس راستے پر وہ مجھے چلانا چاہتی تھی مگر میں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ

مجھے فوراً وہاں سے اکیلے فرار ہونے کی کوششیں تیز کر دینی چاہئیں کچھ دیر ادھر ادھر کی اور کچھ محبت کی جھوٹی باتیں کرنے کے بعد میں نے نواش کو سلا دیا اور خود بیڈ روم سے باہر نکل آیا ساعدہ ڈرائنگ روم سے گزر کر کچن کی طرف جا رہی تھی مجھے تعجب سے دیکھ کر بولی "ارے ایشکول تم کیسے خاوند ہو اپنی بیوی کو سوتا چھوڑ کر چلے آئے کیا بات ہے ؟"

میں نے شرمیلے سے تبسم کے ساتھ کہا "دراصل وہ جلدی سو گئی ہے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی سوچا ذرا باہر کی سیر ہی کر آؤں۔"

ساعدہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی "یہ بات ہے تو ضرور جاؤ اگر تمہیں جیپ چلانی آتی ہے تو باہر حباش کی جیپ کھڑی ہے چابی میں لائے دیتی ہوں"

میں نے کہا "شکریہ ساعدہ! میں پیدل سیر کرنا چاہتا ہوں وہ کچن میں چلی گئی اور میں کمانڈر ایس کے حباش کے بنگلے سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

باہر آتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو جیسے میں آزادی کی فضا میں سانس لے رہا ہوں سب سے پہلے میں نے اردگرد ایک گہری نگاہ ڈالی کہ کہیں کوئی میری نگرانی تو نہیں کر رہا؟ ایک بات کی مجھے تسلی تھی کہ حباش نے کسی کو میرے بارے میں فون نہیں کیا تھا اگر وہ فون کرتا تو اب تک میں حیفہ نیول کے کسی تہہ خانے میں الٹا لٹکا ہوتا اس کے باوجود اس امر کا امکان بھی تھا کہ حباش نے کسی کو فون کر کے میری نگرانی پر لگا دیا ہو وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ میں اصل میں کون ہوں؟ اس وقت اسرائیل کے سیاسی حالات بھی ایسے تھے کہ فضا میں شک و شبے کے جراثیم گردش کر رہے تھے مجھے وہاں کوئی آدمی دکھائی نہ دیا چھوٹی سی سڑک دور تک خالی تھی سامنے بنگلے نہیں بنے تھے کسی اسکول یا مذہبی خانقاہ کی دیوار دور تک چلی گئی تھی اندر یہودی خانقاہوں اور مذہبی اسکولوں کی طرز کا گنبد ابھرا ہوا تھا جس کے اوپر چھ کونوں والے ستارے کا نشان تھا میں اس سڑک کی طرف چلنے لگا جو تھوڑی سی چڑھائی کے بعد شہر کے جدید علاقے کی طرف نکل گئی تھی سڑک کی اونچان پر جا کر میں نے چاروں طرف ایک طائرانہ مگر گہری نگاہ دوڑائی میرے پیچھے حیفہ کا جدید اور قدیم گنجان آباد شہر اور اس کی عمارتیں تھیں بائیں جانب دو منزلہ اپارٹمنٹوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی چمکیلی دھوپ میں ان اپارٹمنٹوں کے سامنے کہیں کہیں بچے کھیلتے دکھائی دے رہے تھے موسم بڑا خوش گوار تھا میرے سامنے وہی بنگلے تھے جن میں سے ایک میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے ان کو جو سڑک جاتی تھی اس میں سے ایک سڑک نکل کر نسبتاً ویران علاقے کی طرف چلی گئی تھی میں آبادی والے علاقے میں نہیں جانا چاہتا تھا چنانچہ اس ویران سی سڑک پر چلنے لگا دوسری جانب ریتلا میدان تھا کہیں کہیں کھجور اور زیتون کے درختوں کے جھنڈ بھی تھے میں اصل میں سمندر کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن کسی ایسے روٹ سے جانا چاہتا تھا جہاں آبادی نسبتاً بہت ہی کم ہو۔

میں شمال مغرب کی طرف چلا جا رہا تھا اور جغرافیائی حدود اربعہ کے مطابق سمندر کو اسی طرف ہونا چاہیئے تھا لیکن معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنی دور ہے حیفہ بہت وسیع شہر تھا اضافی بستیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں کچھ دور تک چلنے کے بعد ریتلا میدان ختم ہو گیا اور اس کی جگہ انگور اور آلوچے کا باغ آگیا آلوچے کی ٹہنیوں پر کہیں کہیں لال آلوچے لگے تھے انگور کی بیلیں لکڑی کی چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں یہاں کچھ مزدور کام کر رہے تھے میں یہاں سے بھی گزر گیا دھوپ میں مسلسل چلنے سے مجھے گرمی لگنے لگی تھی میں نے احتیاطاً اپنا چہرہ ڈھانپنے کے لئے نیلا رومال سر پر ڈال رکھا تھا۔ باغ کے آگے ایک کشادہ نالہ آگیا۔ اس نالے کے بیچ میں ایک نالی کی شکل میں گندہ پانی بہہ رہا تھا۔ دور کوئی کارخانہ تھا جس کی دیوار کے پائپ سے نسواری رنگ کا پانی نالے میں گر رہا تھا۔ یہاں تیزاب کی بو پھیلی ہوئی تھی شاید یہ کوئی کھاد کا کارخانہ تھا۔ نالے کی طرف کارخانے کی دیوار کا پچھواڑہ تھا۔ آسمان پر شہری ہوابازی کا ایک چھوٹا نیلے رنگ کا طیارہ اڑ رہا تھا پھر میں نے دور ایک جمبو جیٹ کو نیچے اترتے دیکھا معلوم ہوا کہ اس طرف حیفہ کا ائر پورٹ تھا ایک کسان گدھے پر سوکھی لکڑیاں لادے میرے قریب سے گزر گیا اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اب دھوپ میں شدت آرہی تھی چوڑے گندے نالے کا پل آگیا میں یہاں سے واپس مڑ گیا یوں چلتے رہنا مناسب نہ تھا مجھے سمندر کے بارے میں معلومات ساعدہ سے کسی طور حاصل کرنی ہوں گی اس طرح چلنا پھرنا مجھے کسی مشکل میں مبتلا کر سکتا تھا۔ واپس ساعدہ کے بنگلے والی سڑک پر گھوما تو میرا دھک سے رہ گیا۔

باہر کمانڈر حباش کی جیپ کے پاس ہی ایک اور نیلی جیپ کھڑی تھی۔ میں الٹے پاؤں واپس مڑ گیا۔ کہیں نیوی انٹیلی جینس نہ آگئی ہو کچی دیوار کے قریب جا کر رک گیا یہاں دیوار کا سایہ تھا میں سوچتا رہا کہ کہیں حباش نے سچ مچ انٹیلی جینس والوں کو طلب تو نہیں کر لیا؟

پانچ منٹ تک میں وہیں سائے میں کھڑا رہا۔ پھر چل کر موڑ کے پاس آیا اور جھانک کر دیکھا جیپ ابھی تک وہیں کھڑی تھی مجھے کئی قسم کے وسوسوں نے گھیر لیا۔ اگر یہاں سے بھاگتا ہوں تو کدھر جاؤں گا میں ایک بالکل اجنبی شہر میں تھا یہاں پولیس اسٹیشن بھی تھے فوج بھی ہوگی انٹیلی جینس والوں کا سب آفس یا ہیڈ کوارٹر بھی ہوگا ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میں نے بنگلے میں سے بحریہ کے دو وردی پوش جوانوں کو باہر نکلتے دیکھا۔ ان کے پیچھے پیچھے حباش بھی تھا حباش نے بھی پوری وردی پہن رکھی تھی جب یہ لوگ جیپوں میں بیٹھ کر سڑک پر دوسری طرف چلے گئے تو میں دھڑکتے دل کے ساتھ بنگلے کی طرف بڑھا اگر گھر میں عورتیں ہی ہیں تو مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن مجھے یہاں سے فرار ہونے سے پہلے یہ ضرور معلوم کرنا تھا کہ یہ لوگ کس لئے آئے تھے اور اب کدھر گئے ہیں۔

بنگلے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے بٹن دبایا اندر سے مجھے گھنٹی کی دبی دبی آواز سنائی دی دروازہ ساعدہ نے خود کھولا وہ مسکرا رہی تھی۔ ایشکول" ارے تم اتنی گرمی میں جیپ کے بغیر ہی کہیں چلے گئے!

حباش تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا"
میں ڈرائنگ روم میں آگیا۔
"وہ وہ کیوں پوچھ رہا تھا؟" آخر تم ہمارے مہمان ہو نوماش کے خاوند ہو اور پھر شہر میں اجنبی ہو'
میں صوفے پر بیٹھ گیا ساعدہ میز پر پھلوں سے بھرا ہوا طشت رکھتے ہوئے بولی "وہ تو تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے میں چونکا لیکن اپنے جذبات پر پورا کنٹرول کیئے ہوئے تھا میں نے پوچھا کہ مجھے کس لئے ساتھ لے جانے والے تھے؟

ساعدہ نے کہا" کہتے تھے ایلشکول کو لانچ میں سمندر کی سیر کراؤں گا دیکھو آج وہ پوری نیند بھی نہیں لے سکے جیلٹی سے آدمی آگئے کہ چلیں ایک لانچ پکڑی ہے جس میں کچھ فلسطینی کمانڈو بھی چھپے ہوئے تھے"

ایک بار جیسے میرے جسم میں ٹھنڈی لہر سرایت کر گئی فلسطینی کمانڈوز پکڑے گئے ہیں اور حباش مجھے ساتھ لے جانا چاہتا تھا یہ معمہ کیا ہے؟ اگر اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو پھر مجھے گرفتار کرتے ہوئے کیوں ہچکچا رہا ہے نہیں ایسی بات نہیں اس نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا ورنہ وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا۔ اسرائیلی دشمن اور خاص طور پر فلسطینی مسلمان جاسوسوں کے بارے میں بہت محتاط ہوتے ہیں اور انہیں ہلاک کرنے یا گرفتار کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔
ساعدہ بولی" تم نوماش کے پاس جاکر آرام کرو کھانا تیار ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے تم کس وقت کھانا کھالیا کرتے ہو؟ ہم تو پورے ساڑھے بارہ بجے کھانا کھالیتے ہیں تمہارے لئے ٹھنڈا مشروب لے کر آؤں؟

میں نے محسوس کیا کہ ساعدہ بہت باتیں کرتی ہے میں نے مشروب کے سلسلے میں معذرت چاہی اور عقبی دروازے کا پردہ ہٹا کر بیڈ روم میں داخل ہو گیا یہاں ٹھنڈا نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا نوماش پلنگ پر اوندھی پڑی بے سدھ سو رہی تھی میں سنگار میز کے قریب پڑی آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اچانک احساس ہوا کہ ساعدہ اس وقت اکیلی ہے۔ اس سے سمندر کے ساحل کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں میں اٹھ کر باہر جانے لگا تو نوماش نیند میں بڑبڑائی میں نے رک کر اس کی طرف دیکھا اس نے پہلو بدلا اور ایک بار پھر نیند کی دنیا میں کھو گئی میں بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آگیا کچن میں سے ساعدہ کی آواز آرہی تھی وہ خانساماں کو کسی پکوان کے بارے میں ہدایات دے رہی تھی میں صوفے پر بیٹھ گیا ساعدہ تھوڑی دیر بعد رومال سے ہاتھ پونچھتی کچن کے سائیڈ روم سے اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی کہ مجھے دیکھ کر رک گئی ایلشکول مجھے تمہاری کچھ سمجھ نہیں آرہی؟ وہ زیر لب مسکراتی ہوئی میرے قریب آگئی "تم پھر باہر آگئے؟"
میں نے ماتھے کو سہلاتے ہوئے کہا" سر درد کر رہا ہے ساعدہ اگر ایک پیالی کافی بنا دو تو ـ ـ ـ"

"کیوں نہیں ابھی بنواتی ہوں مگر تمہارا سر کیوں درد کرنے لگا؟ ٹھہرو میں تمہارے لئے ٹیبلٹ لاتی ہوں"۔

کچن کو جو راستہ جاتا تھا وہاں دیوار کے پاس ایک بڑا فریج لگا تھا ساعدہ نے اس میں سے پانی کا جگ اور سردرد کی گولیوں کی شیشی نکالی کچن میں نوکرانی کو کافی لانے کو کہا گلاس میں پانی ڈالا اور ہتھیلی پر نسرتی رنگ کی سردرد کی گولی رکھے میرے پاس آکر بولی "بس اس گولی کے پیٹ میں جاتے ہی سردرد غائب" وہ ہنسی۔ "ٹی وی پر اس کا اشتہار اسی طرح آتا ہے"

میں نے گولی حلق میں ڈال کر پانی پیا اور ساعدہ سے کہا کہ وہ میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرے شاید اسی طرح سے میرا دل بہل جائے وہ گلاس میز پر رکھنے کے بعد جیکٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈالے بڑی شان سے ایک طرف جھک کر کھڑی ہو گئی اور طنزاً بولی "تو کیا نوماش سے ابھی سے ہی دل بھر گیا ہے؟"

بڑی چالاک عورت تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا جسم بھی باتیں کرتا تھا میں نے کہا" ارے نہیں ساعدہ ایسی کوئی بات نہیں مگر نوماش گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے"

"اچھا بابا!" میں ہی تم سے باتیں کر لیتی ہوں حالانکہ میرا یہ کچن آور ہے۔ اچھا بتاؤ کہاں سے پھر پھرا کر آئے؟ اپنے یروشلم کے مقابلے میں ہمارا شہر کیسا لگا؟"

میں نے جھٹ جواب دیا" ساعدہ یروشلم تو حیفہ کے مقابلے میں ایک پرانا گاؤں ہے بہت بڑا پرانا گاؤں"

اس نے اپنا زرد بالوں والا سر صوفے کے پیچھے لگا دیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا ہنس کر کہا" کبھی کبھی سگریٹ پی لیتی ہوں تم پیو گے؟ حباش کو امریکی سگریٹ بڑے سستے مل جاتے ہیں"

میں نے معذرت چاہی اور حباش کے حوالے سے سمندر کی بات شروع کر دی۔ یہاں کی بندرگاہ پر تو سارے یورپ سے مال آتا ہے۔

ساعدہ ہونٹ سکیڑ کر بولی "مگر حباش اس قسم کا مال گھر پر نہیں لاتا کہتا ہے ہمیں دیانت داری سے اپنے نئے وطن کی تعمیر کرنی ہے"

میں نے فوراً اسمگلروں کی بات چھیڑ دی ساعدہ نے کہا" ارے بحیرہ روم تو اسمگلروں کی جنت ہے دیکھو تو ایک طرف اسپین ہے سسلی ہے تو ادھر اٹلی ہے 'یونان اور قبرص ہے یہاں اسمگلنگ نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گا؟"

میں نے اس سے جتنی باتیں کی ان سے مجھے صرف اتنی ہی معلومات حاصل ہو سکیں کہ ساحل سمندر وہاں سے کافی دور تھا اور اسمگلر وہاں سے بھی بہت دور ایک جگہ سمندری چٹانوں میں مال لاتے ہیں جہاں اب ہر وقت بحریہ اور کسٹم کے سپاہیوں کی گشت جاری رہتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اسمگلروں سے آسانی سے رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا ویسے بھی میں اجنبی تھا اسمگلر مجھ پر کیسے

بھروسا کر سکتے تھے اگر میں نوماش کی پوٹلی سے دو تین ہیرے چرا کر ساتھ لے بھی جاؤں اور اسمگلروں کو رشوت کے طور پر دوں تو اس کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ مجھے منزل مقصود تک پہنچا دیں گے ہیروں کے لالچ میں وہ مجھے یرغمالی بھی بنا سکتے تھے میں عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا ایک خیال آتا کہ یہاں سے رات کے وقت واپس فرار ہو جاؤں اور اوپر لبنان کی طرف سے بارڈر کراس کرنے کی کوشش کروں مگر لبنان میں زبردست خانہ جنگی ہو رہی تھی وہاں سے نکلنا ویسے ہی کارے دارد تھا۔ ساعدہ نے سگریٹ کا کش لے کر نوکرانی کو آواز دی کہ وہ کافی کیوں نہیں لا رہی پھر وہ مجھ سے نوماش کے خاوند عذان کے بارے میں باتیں کرنے لگی "ایشکول اس نے طلاق اتنی آسانی سے کیسے دے دی؟ وہ تو نوماش کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا اچھا چھوڑو ان باتوں کو ویسے اچھا ہوا کہ نوماش نے اس سے نجات حاصل کر لی تمہیں نوماش نے بتا دیا ہو گا کہ عذان ۔۔۔۔ اور وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی "ارے میں تو حیران ہوں اتنی مدت نوماش نے اس کے ساتھ گزارا کس طرح کیا؟"

نوکرانی کافی کی پیالی لے کر آگئی ساعدہ نے اسے تھوڑا سا ڈانٹا اور ہدایت کی کہ خانساماں سے کہو اسٹو والی دیگچی سے الگ نہ ہو جب نوکرانی چلی گئی تو میری طرف دیکھ کر بولی "حباش نے مائکرو اوون بھی لا کر دیا ہوا ہے مگر میں گیس پر ہی کھانا تیار کرتی ہوں بجلی سے تیار کیا ہوا کھانا لذیز نہیں ہوتا میری بڑی بہن تو پکاتی ہی مائیکرو اوون میں ہے"

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا "میں خانساماں کے سر پر نہ کھڑی ہوئی تو وہ ضرور نمک زیادہ کر دے گا اور مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی پھر اچانک رکی اور میری طرف دیکھ کر بولی "حباش کہہ رہا تھا پرسوں جہاز کارپی جا رہا ہے اس میں وہ تم دونوں کی سیٹیں بک کرا دے گا لیکن تم اسے اپنا شناختی کارڈ دے دینا تم تو جانتے ہی ہو کہ یہاں شناختی کارڈ کتنا ضروری ہے؟"

اور وہ چلی گئی میرے پاس شناختی کارڈ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جہنم میں جائے اس کا خاوند حباش اور شناختی کارڈ میں تو لبنان کی طرف سے ہی فرار ہونے کی کوشش کروں گا اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی ٹھان کر میں اٹھا اور بیڈ روم میں چلا گیا سوچا لبنان کے بارے میں شام کو ساعدہ یا حباش سے گفتگو کروں گا شناختی کارڈ کے بارے میں کہہ دوں گا کہ وہ تو یروشلم میں ہی رہ گیا ہے۔

نوماش جاگ پڑی تھی اور سنگار میز کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی آئینے میں سے مجھے اندر داخل ہوتے دیکھا تو اٹھ کر میرے قریب آگئی اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند بھری تھی "تم مجھے چھوڑ کر کہہ چلے گئے تھے ایشکول؟ میں نے خواب میں تمہیں دیکھا کہ تم ایک چٹان پر مجھے لے گئے ہو اور پھر مجھے وہیں چھوڑ کر تم نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

اس نے خواب بالکل سچا دیکھا تھا میں نے مسکرا کر اس کے بالوں کو پیچھے کیا اور اسے تسلی دی کہ میں اسے چھوڑ کر کبھی بھی کہیں نہیں جاؤں گا کتنی آسانی سے میں جھوٹ بول رہا تھا اور وہ بھی کتنی

تیزی سے میری ہر بات پر اعتبار کرتی چلی جا رہی تھی وہ پلنگ پر بیٹھ گئی اور ہیروں کی پوٹلی نکال کر کھولی اور کہنے لگی "میں نے ان ہیروں کے بارے میں ساعدہ کو بالکل نہیں بتایا تم نے تو اس سے ذکر نہیں کیا؟"

میں نے آنکھیں سکیڑ کر نوماش کو دیکھا اور کہا "مجھے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ تمہارے ہیرے ہیں تم جانو۔"

نوماش ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ ہیروں کی مخملیں پوٹلی اس نے پلنگ پہ ایک طرف رکھ دی اور میرے بازو کو پکڑ کر بولی " ایشکے! تم سمجھتے ہو کہ میں ان ہیروں کو تم سے زیادہ پیار کرتی ہوں ہرگز نہیں میری جان میں یہ ہیرے تو کیا اپنی جان بھی تم پر قربان کر سکتی ہوں یہ تو میں نے اس لئے ساتھ رکھ لئے تھے کہ ہم جہاں بھی جا کر نئی زندگی شروع کریں تمہیں میری خاطر کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے جانتے ہو یہ کئی لاکھ کے ہیرے ہیں ہم اٹلی میں ایک نیا مکان خرید سکتے ہیں ایک چھوٹا سا فارم بنا سکتے ہیں"

میں نے نوماش کا ہاتھ تھام کر اسے پیار سے کہا کہ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا اور یہ کہ میں نے اس پر طنز نہیں کیا تھا در اصل میں اس عورت کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا وہ مجھ سے بڑی سچی تھی اور مجھے دل سے پیار کرتی تھی میں نے پیار کی دو باتیں کیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مجھے خیال آگیا کہ اگر اسے ایک پل کے لئے معلوم ہو جائے کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں اصل میں کون ہوں تو خدا جانے اس پر کیا گزرے مجھے سدھارتھگی کی یاد آگئی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ میں اس کے ملک کا دشمن جاسوس ہوں لیکن اس ایثار کش بہادر عورت نے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مجھ سے بے وفائی نہیں کی تھی ہو سکتا ہے نوماش کو بھی اگر علم ہو جائے کہ میں فلسطینی تنظیم کی طرف سے اسرائیل کے خلاف جاسوسی کر رہا ہوں اور یہاں اسرائیلی دشمن مشن پر آیا تھا اور اب تک اسرائیل کے کئی فوجیوں اور افسروں کو ہلاک کر چکا ہوں تو وہ مجھے معاف کر دے اور مجھ سے اسی طرح محبت کرتی رہے لیکن یہ ناممکن تھا کہ یہ راز کھل جانے پر کہ میں اس سے بالکل محبت نہیں کرتا وہ مجھے معاف کر دے۔ عورت اپنی محبت کی توہین کبھی برداشت نہیں کیا کرتی۔ نوماش نے اٹلی کے جزیرے کاپری جانے کی بات شروع کر دی وہ اصل میں اپنے خاوند کے ملک سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جانا چاہتی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ حباش ایک بحری جہاز پر ہماری نشستیں محفوظ کروا رہا ہے مگر اسے ہمارے شناختی کارڈ چاہئیں میں نے ساتھ ہی کہا کہ میں تو اپنا شناختی کارڈ یروشلم سے ساتھ لے کر نہیں چلا تھا۔

نوماش بولی " شناختی کارڈ تو میرے پاس بھی نہیں ہے " حباش سے کہیں گے کہ وہ ہمارے شناختی کارڈ بنوا دے۔ اتنا بڑا افسر ہے وہ تو ایک ہی دن میں بنوا دے گا "

نوماش نے ہیروں کو ایک بار پھر گنا۔ اب میں نے ہیروں کو غور سے دیکھا یہ چھوٹے بیر کے سائز کے تھے یہ واقعی بہت قیمتی ہیرے تھے۔ ان ہیروں کے لئے نوماش کا خاوند عذان اپنی مفرور بیوی کا پیچھا کر سکتا تھا لیکن میں حیران تھا کہ ابھی تک اس قسم کی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی عذان یقیناً اپنی

بیوی کی اس سہیلی کو جانتا ہو گا اور اگر وہ چاہتا تو اب تک یہاں بائی ایئر پہنچ سکتا تھا میں اس نتیجے پر پہنچا کہ نوماش کا خاوند بھی اپنی بیوی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو گا۔

نوماش نے ہیروں کو پوٹلی میں رکھ کر اسے کمربند سے باندھ لیا پھر اس نے اپنے پرس میں سے ایک ہزار ڈالر کے نوٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے اور بولی " ان سے ہمارے کاپری جزیرے تک کے اخراجات پورے ہو جائیں گے کیا خیال ہے تمہارا ؟"

میں نے کہا " یہ تو بہت ہیں نوماش چلو اب اس دولت کی نمائش کو ملتوی کرو اور ڈرائنگ روم میں آؤ۔ ساعدہ نے آج ہمارے لئے بڑا عمدہ ایسٹو پکایا ہے "

وہ خوش ہو کر بولی " ساعدہ میری بڑی پیاری سہیلی ہے " کھانے کے وقت ساعدہ کا خاوند کمانڈر حباش بھی آگیا میں نے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی اس کا چہرہ سپاٹ تھا میری زیرک نگاہوں نے بھی وہاں کسی مشکوک قسم کا تاثر نہ دیکھا پھر بھی دل میں کھد بد برابر لگی تھی یہ شخص پراسرار سا لگنے لگا تھا وہ کھانے پر بڑی شگفتہ مزاجی کا مظاہر کر رہا تھا ہنی مون کے حوالے سے وہ نوماش کو چھیڑتا جب اسے پتا چلا کہ ہمارے پاس شناختی کارڈ نہیں ہیں تو وہ ایک سیکنڈ کے لئے سنجیدہ ہو گیا آنکھیں سکیڑ کر ایک پل کے لئے کچھ سوچا پھر چٹکی بجا کر بولا " کوئی بات نہیں میں نئے شناختی کارڈ بنوانے کی کوشش کروں گا "

نوماش نے حباش کی پلیٹ میں مچھلی کا ایک ٹکڑا رکھتے ہوئے کہا " کوشش نہیں بھائی جان آپ کو شناختی کارڈ بنوانے ہی ہوں گے " ساعدہ نے بھی زور دے کر نوماش کی تائید کی حباش نے میری طرف کچھ عجیب نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر بولا " مگر تمہارا خاوند تو خاموش ہے اس سے پوچھو اسے بھی شناختی کارڈ چاہئے یا نہیں ؟"

میں نے فوراً اپنے آپ کو مجتمع کیا اور بولا " کیوں نہیں میں شناختی کارڈ کے بغیر اپنی پیاری بیوی کے ساتھ کیسے جا سکوں گا ؟" حباش نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا " ارے میں سمجھا شاید تم کوئی دوسرا پروگرام بنا رہے ہو "

اس پر ساعدہ اور نوماش نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا ساعدہ بولی " یہ تم نے کیا کہہ دیا حباش ؟ ایشکول بھلا الگ پروگرام کیوں بنانے لگا ؟"

نوماش نے مشروب کا ایک گھونٹ نگلا اور میری طرف شرارتی نظروں سے دیکھنے لگی " کیوں ایشکے کیا تم کوئی دوسرا پروگرام بنا رہے ہو ؟"

میں اندر سے چونک گیا تھا کہ ایسی بات حباش کے منہ سے کیوں نکلی ؟ جلدی سے بولا " حباش بھائی تو مذاق کر رہے ہیں ۔۔۔ نوماش مجھے الگ پروگرام بنانا تھا تو تم سے شادی ہی نہ کرتا "

حباش زور سے ہنسا بات کا موضوع بدل گیا مگر میرے دل میں ابھی تک حباش کی بات کھٹک رہی تھی کہیں وہ میرے راز سے واقف تو نہیں ہو گیا اگر وہ جان گیا ہے کہ میں فلسطینی جاسوس ہوں تو پھر وہ

مجھے گرفتار کیوں نہیں کرلیتا؟ عجیب کشمکش کا ماحول بن گیا تھا کھانے کے بعد سب لوگ تھوڑی دیر نیند کرنے کو بیڈ روم میں چلے گئے میں بھی نوماش کے ساتھ بیڈ روم میں آگیا تھا۔ نوماش کچھ پریشان تھی وہاں سے نکل جانے میں جتنی تاخیر ہو رہی تھی اس کو طرح طرح کے وسوسے پریشان کرنے لگے تھے " شناختی کارڈ بنوانے میں کتنا وقت لگ جائے گا ایلشکے ؟"

میں خود اپنے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا چونک کر بولا " حباش با اثر آفیسر ہے میرا خیال ہے دو ایک دن میں تیار کروا دے گا"

نوماش نے میرے قریب ہوتے ہوئے کہا" ایلشکول !اب میرا دل ڈرنے لگا ہے کہیں عذان کے آدمی یہاں نہ پہنچ جائیں مجھے اس کے خاوند کے غنڈوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں نے اسے تسلی دی اور سو جانے کا مشورہ دیا وہ بولی "کیا تم آرام نہیں کرو گے ؟"

"کیوں نہیں " اور میں بھی پلنگ پر نیم دراز ہو گیا نوماش مجھ سے باتیں کرتے کرتے سو گئی نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی میں پلنگ سے اٹھا اور بنگلے سے باہر آگیا دوپہر ڈھل رہی تھی باغیچے میں زیتون کی شاخ پر بیٹھی ایک بلبل نے مجھے گردن ٹیڑھی کر کے دیکھا اور پھُر سے اڑ گئی مجھے لاہور والے اپنے پرانے مکان کے صحن میں اترنے والی بلبلیں یاد آگئی میری والدہ جب صحن میں چاول ڈالتیں تو ۔۔۔ چڑیوں کے ساتھ وہاں بلبلیں بھی آجاتی تھیں ۔

میں بنگلوں کے آگے فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ ایک طرف چلنے لگا جوں جوں اس مکان پر ہمیں دیر ہو رہی تھی میری تشویش میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا سامنے سے ایک کسان گدھے کے ساتھ چلا آرہا تھا میں نے کوئی دھیان نہ دیا جب وہ قریب آیا تو اس نے ہونٹوں سے ایک ایسا لفظ نکالا کہ میں اپنی جگہ پر سُن ہو کر رہ گیا میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا یہ وہی کسان تھا جس کو صبح میں نے نالے کی کچی سڑک پر گدھے کے ساتھ آتے دیکھا تھا اور جو میرے قریب سے میری طرف دیکھے بغیر چپ چاپ گزر گیا تھا اس نے ایک ایسا خفیہ کوڈ لفظ بولا تھا جو صرف مجھے اپنی ایجنٹ سعدیہ اور ڈاکٹر عکاد کو ہی معلوم تھا۔

میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اس نے گدھے کی باگ کو ذرا سا کھینچا اور دبی زبان میں بولا" بیس قدم کا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے آؤ"

اور وہ گدھے کو کھینچتے ہوئے آگے نکل گیا میں سمجھ گیا کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے اور یہاں مامور ہے مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ اسے میرا پتا کیسے چلا؟ اس نے مجھے پہچانا کیسے ؟مگر یہ سب کچھ ہو سکتا تھا اس نے جو کوڈ لفظ بولا تھا وہ اس امر کی حتمی دلیل تھی کہ وہ اپنا ہی ایجنٹ ہے میں فٹ پاتھ پر بنگلے کے باغیچے کی دیوار کے ساتھ لگ کر رک گیا گدھے والا کسان جب مجھ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلے پر پہنچا تو میں نے فٹ پاتھ پر اس کی طرف چلنا شروع کیا یہ چھوٹی سی سڑک تھی جو چھوٹے چھوٹے خوب

صورت بنگلوں آگے سے گزرتی تھی اس کے سامنے کی جانب درخت اور خار دار باڑھ لگی ہوئی تھی کسان آگے جا کر بائیں جانب گھوم گیا تھوڑی دیر بعد میں بھی ادھر کو مڑ گیا۔ یہاں نشیب تھا یہ کچی سڑک نشیب سے اتر کر ایک باغ کی دیوار کے پاس جا کر ختم ہو گئی تھی یہاں باغ میں جانے کے لئے کچی دیوار میں ایک دروازہ بنا ہوا تھا جس کے پٹ غائب تھے کسان اس دروازے میں سے گزر کر باغ میں داخل ہو گیا میں پچاس قدموں کے فاصلے پر تھا آہستہ آہستہ چلتا' میں بھی باغ میں چلا گیا یہ باغ کوئی پارک یا ہمارے باغ جناح ایسا باغ نہیں تھا بلکہ ناشپاتیوں اور مالٹوں کا باغ تھا جو ویران ویران تھا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر درخت لگے تھے بیچ میں خشک گھاس اگی ہوئی تھی ایک جانب درختوں کے پیچھے کچی کوٹھری تھی جس کے باہر ایک لکڑی کی چرنی پڑی تھی ایک طرف خشک شاخوں کا ڈھیر لگا تھا کسان اس کوٹھری کے پاس جا کر رک گیا اس نے گدھے کو ایک درخت سے باندھا اس کے آگے چارا ڈالا اور کوٹھری میں چلا گیا میں بھی درختوں میں سے آہستہ آہستہ گزرتا وہاں آگیا اور خشک شاخوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں کسان کوٹھری سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پھاوڑا تھا اس نے میری طرف دیکھا اور بولا "پھر کبھی آنا ابھی یہاں تمہیں کوئی کام نہیں مل سکتا"

میں نے تعجب سے اسے دیکھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے فوراً سمجھ گیا کہ وہ حکمت عملی سے کام لے رہا ہے میں نے کہا "بھائی! میں بیکار ہوں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کوئی چھوٹا موٹا کام مل جائے تو تمہیں دعائیں دوں گا"

اس نے پھاوڑا ایک درخت کے پاس رکھ دیا اور ادھر ادھر ایک گہری نگاہ ڈالی' پھر درخت کی جھکی ہوئی خشک ٹہنی کو توڑ کر اس کے پتے جھاڑنے لگا اور دبی زبان میں مجھے ہدایت کی کہ میں کوٹھری میں داخل ہو جاؤں میں نے ایسا ہی کیا کوٹھری میں کونے میں چارے کا ڈھیر لگا تھا دیوار سے گدھے کی لگام اور زین لٹک رہی تھی عقبی دیوار میں چھت کے پاس ہوا کے لئے ایک سوراخ بنا تھا میں چارے کے ڈھیرے کے پاس بیٹھ گیا کسان کھانستا اندر آگیا وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور کچے فرش پر انگلی سے لکیریں بناتے ہوئے بولا تم بڑی خطرناک جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہو"

میں نے کہا "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا"

وہ اٹھا چارے کے ڈھیر کے پیچھے گیا ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر ایک ماچس کی ڈبیا نکال کر مجھے دی اور کہا" اب فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اس ماچس میں تمہارے لئے سب کچھ موجود ہے"

میرے اٹھنے کا انتظار کئے بغیر وہ باہر نکل گیا میں بھی باہر آگیا۔ وہ پھاوڑے سے ایک کیاری کی مٹی برابر کر رہا تھا میں نے اس سے کوئی بات نہ کی کیوں کہ میں جانتا تھا ایسے موقعوں پر ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا جاتا ماچس میں نے جیب میں رکھ لی تھی باغ سے نکل کر حباش کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ اس ایجنٹ نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی کہ میرے لئے حباش کا

بنگلہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا میں نے واقعی یہاں آکر غلطی کی ہے اب کیا کروں ؟ یہی سوچتا میں بنگلے کے قریب پہنچا تو حباش بنگلے سے نکل کر اپنی جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا میری طرف دیکھ کر کہنے لگا " کیا تم دوپہر کو آرام نہیں کرتے ایلشکول ؟ "

میں نے کہا " تھوڑی دیر آرام کیا تھا پھر چہل قدمی کو نکل آیا " حباش نے جیپ اسٹارٹ کر دی تھی اسے بیک کر کے گھمایا اور کھڑکی سے سر باہر نکال کر میری طرف دیکھا آج تمہارے آئی ڈی کارڈ ضرور بن جائیں گے فکر نہ کرنا " اور وہ ہنستا ہوا جیپ لے کر ایک طرف چل دیا ۔ "

اب مجھے محسوس ہونے لگا کہ حباش کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے ۔ اپنے ایجنٹ نے محض اسی لئے خطرے کا اظہار کیا ہے کہ مجھے کسی بحریہ بری یا فضائیہ کے افسران کے ہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے تھا یہ لوگ میرے لئے مصیبت کا باعث بن سکتے تھے میں تیز تیز قدم چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آگیا نوماش ابھی سو رہی تھی میں جلدی سے باتھ روم میں گیا اندر سے چٹخنی لگائی اور جیب سے ماچس نکالی اندر ایک زرد رنگ کا تہہ کیا ہوا کاغذ رکھا تھا ۔ اسے کھولا کوڈ الفاظ میں صرف اتنا لکھا تھا " مین بلوارڈ ہیبرون انٹرسیکشن داہنی جانب نیلی گاڑی کھڑی ہو گی سفید داڑھی والا ڈرائیور فوراً پہنچو "

میں نے نشانیوں کو اپنے ذہن میں اچھی طرح سے بٹھایا کاغذ کے پرزے کو ماچس کی تیلی سے جلا کر کموڈ میں بہادیا اور چٹخنی آہستہ سے اتار کر بیڈ روم میں نکل آیا نوماش گہری نیند میں تھی میں دیر نہیں کرنا چاہتا تھا یہ میرے اپنے لوگ تھے ۔ یقیناً انہیں میرے بارے میں خبر مل گئی تھی کہ میں کس حال میں کتنی مصیبتیں جھیلتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں باتھ روم سے نکلا تو باتونی ساعدہ مل گئی وہ فریج کھولے اس میں سے کچھ نکال رہی تھی ۔

" کہاں چلے ؟ " میری طرف دیکھ کر بولی میں نے گردن کھجاتے ہوئے ایک بناوٹی جمائی لی اور کہا " ذرا چہل قدمی کو جا رہا ہوں ۔ نوماش سو رہی ہے "

ساعدہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی گردن کو اثبات میں ہلاتی ' ہاتھ میں چینی کا سفید پیالہ لئے کچن کی طرف چلی گئی ۔ میں ایک بار پھر بنگلے سے باہر تھا کچھ دور تک آہستہ آہستہ چلتا رہا سڑک کی چڑھائی چڑھنے کے بعد دوسری طرف آیا تو تیز تیز چلنے لگا ایک خالی ٹیکسی چوک میں ہی مل گئی میں نے مین بلوارڈ ہیبرون انٹرسیکشن کہا اور ڈرائیور بغیر کوئی سوال کئے ادھر کو چل پڑا ۔

ٹیکسی حیفہ کے معروف اور ٹریفک زدہ بازاروں سے ہوتی میں مین بلوارڈ آگئی یہ ایک بہت ہی کشادہ سڑک تھی دونوں جانب اونچی اونچی عمارتیں کافی فاصلے پر تھیں ٹیکسی تیزی سے چلی جا رہی تھی ۔ سڑک بالکل سیدھی تھی ۔ کبھی نشیب میں چلی جاتی اور کبھی ہلکی سی چڑھائی آجاتی پندرہ منٹ کے سفر کے بعد ٹیکسی دائیں جانب مڑ گئی اور پھر ایک چوراہا عبور کر کے ایک طرف رک گئی ڈرائیور نے کہا " ہیبرون انٹرسیکشن سر "

میں ٹیکسی سے اتر آیا کرایہ ادا کیا اور یوں ایک طرف چلنے لگا جیسے مجھے معلوم ہے کہ کہاں جانا ہے مگر کنکھیوں سے برابر اس نیلی گاڑی کو دیکھ رہا تھا جو سامنے والے فٹ پاتھ کے قریب ایک طرف کھڑی تھی میں کئی قدم آگے نکل گیا وہاں سے سڑک کراس کی اور فٹ پاتھ پر واپس نیلی گاڑی کی طرف چلنے لگا میں گاڑی کے قریب پہنچا تو کسی نے اندر سے اس کا پچھلا دروازہ تھوڑا سا کھول دیا مجھے پہچان لیا گیا تھا قریب آکر میں نے دیکھا نیلی گاڑی میں سفید داڑھی والا ڈرائیور خاموش بیٹھا سامنے لگے آئینے میں تک رہا تھا۔

میں گاڑی میں جلدی سے گھسا اور دروازہ بند کر دیا دروازہ بند ہوتے ہی گاڑی بڑے آرام سے آگے کو کھسکی اور چوک کراس کر کے سامنے والی ذیلی سڑک پر دوڑنے لگی۔

نہ میں نے ڈرائیور سے کوئی بات کی نہ ڈرائیور نے مجھ سے کچھ پوچھا۔ یہ پرانے ماڈل کی موریس گاڑی تھی ایک نپی تلی اسپیڈ کے ساتھ جا رہی تھی کئی بازاروں اور سڑکوں پر سے مڑتی گاڑی شہر کے شمال کی جانب پل عبور کرنے کے بعد ایک پرانی آبادی میں داخل ہو گئی یہاں عہد قدیم کی طرز کے مکان اور بازار تھے گاڑی ایک بوسیدہ دیوار کی اوٹ میں کھڑی کرنے کے بعد ڈرائیور نے میری طرف دیکھے بغیر کہا "سامنے والے بازار کے آخری مکان کا دروازہ کھلا ہے"

میں گاڑی سے نکل کر سامنے والے بازار میں آگیا۔ یہ بازار آدھا اوپر سے چھتا ہوا تھا دکانیں زیادہ تر نوادرات کی تھیں کئی یورپی سیاح جوڑے خرید وفروخت کر رہے ہیں میں سر جھکائے خاموشی سے چلتا بازار کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا یہاں بازار بند ہو گیا تھا۔ بائیں جانب ایک مکان کی ایک جانب جھکا ہوا لکڑی کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا میں بغیر سوچے سمجھے اس میں داخل ہو گیا ڈیوڑھی نیم تاریک تھی سامنے تنگ زینہ اوپر والی منزل کو جاتا تھا میں ایک لمحے کے لئے وہاں رک گیا اوپر سے کسی کی دھیمی سے آواز آئی "چلے آؤ"

یہ کوئی جال تو نہیں ہے؟ میں نے سوچا پھر خفیہ کوڈ کا خیال آیا جس میں گدھے والے کسان نے مجھ سے بات کی تھی یہ خفیہ کوڈ ایسا تھا کہ جو سوائے میرے' سعدیہ اور ڈاکٹر عکار کے چوتھا وہی شخص جان سکتا تھا جو ہمارا ایجنٹ ہو میں نیم تاریک زینے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا دوسری منزل میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر پرانا قالین بچھا تھا۔ ایک طرف لکڑی کے دو چار کھوکھے پڑے تھے بازار والی کھڑکی بند تھی اور اس کے پاس ہی ایک بوڑھا آدمی لکڑی کی تختی پر کھدے ہوئے پھولوں کی چاقو سے نوک پلک درست کر رہا تھا۔ اس نے لمبا چغہ اور یہودیوں والی ٹوپی پہن رکھی تھی اس کے آگے کلائی کی چینک اور فنجان پڑے تھے اس نے میری طرف عینک کے پیچھے سے دیکھا اور بولا "تمہارا مال تیار ہے یہاں بیٹھ جاؤ کافی پیو میں تمہارا مال دوسرے کمرے سے لاتا ہوں"

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے کا پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا میں خاموشی سے قالین پر بیٹھ گیا کمرے میں

روشنی صرف دو روشن دانوں سے ہی آ رہی تھی بازار والی دونوں کھڑکیاں بند تھیں میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے کس لئے بلایا ہے ؟ ایک طرح سے مجھے حوصلہ بھی ہو گیا تھا کہ میرے آدمی یہاں موجود ہیں اور اب مجھے یہاں سے نکلنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

دروازے کا پردہ ایک طرف ہٹا اور میرے سامنے سیاہ آنکھوں اور نیم سنہری بالوں والی فلسطینی مجاہدہ اور میری دیرینہ ساتھی سعدیہ کھڑی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اس نے اشارے سے مجھے اندر آنے کو کہا دوسرا کمرہ بہت ہی چھوٹا تھا صرف ایک پلنگ اور ایک میز بچھی تھی اندر داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار ہو کر پوچھا کہ وہ یہاں کیسے آ گئی ؟

سعدیہ نے قدیم یہودی عورتوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح کی پہلی فلائٹ میں یروشلم سے یہاں آئی ہے " ہم کئی روز سے تمہاری تلاش میں تھے ہم نے تمہاری تصویر یہاں بھی اپنے آدمیوں کو بھیج دی تھی کل رات مجھے اطلاع ملی کہ تم جبنہ کے ایک کمانڈر کے بنگلے میں کسی عورت کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہو میں نے پچھلے پہر کی فلائٹ پکڑی اور یہاں آ گئی "

سعدیہ کو اپنے قریب پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس کے لباس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی جو مجھے ہزاروں برس پہلے کی اسرائیلی تہذیب کی یاد دلا رہی تھی میں نے قدرتی طور پر سوال کیا کہ وہ میرے بارے میں اتنی پریشان کیوں تھی ؟ مجھے خوش فہمی تھی کہ وہ یہی کہے گی کہ میں اسے بہت بہت یاد آ رہا تھا۔ اس نے گہری سانس بھر کر فرش کی طرف دیکھا پھر پلنگ پر بیٹھ گئی اور بولی " مجھے افسوس ہے عامر کہ تم اس وقت مشن کو خیرباد کہہ رہے ہو جب تمہارے ملک اور ہمارے کاز کو تمہاری اشد ضرورت ہے "۔

میں اس کا منہ تکنے لگا " میں سمجھا نہیں سعدیہ ذرا کھل کر بات کرو "

سعدیہ بولی " میں جانتی ہوں کہ تم یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہے ہو مگر عامر ! کیا تمہارا وہ مشن مکمل ہو گیا ہے جس کو لے کر تم اس ملک میں داخل ہوئے تھے ؟ کیا تم نے پاکستانی سفارتکار کی نوجوان بیٹی سونیا کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑا کر اپنے وطن پہنچا دیا ہے ؟ شاید تم نہیں جانتے سونیا کے باپ کو قاہرہ میں کسی گمنام شخص نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا اس وقت سونیا کی ماں اپنی بیٹی اور خاوند کے غم کو سینے میں لئے اسپتال میں بستر مرگ پر پڑی ہے اسرائیلی حکومت نے سونیا کے بدلے چار ایسے اسرائیلی جاسوسوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے جنہیں قاہرہ کی حکومت کسی صورت میں بھی رہا نہیں کرنا چاہتی ان سے نہایت اہم معلومات حاصل کرنے کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے قاہرہ کو پاکستانی حکومت سے اپنے تعلقات کا بھی شدید احساس ہے اور وہ پاکستانی سفارتکار کی بیٹی کو ہر قیمت پر اسرائیلیوں کی قید سے نکال کر پاکستانی سفیر کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ اس اہم ترین کام کی ذمہ داری ہمیں سونپی گئی تھی لیکن تم خود اس ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہو ہم تمہیں زبردستی

نہیں روک سکتے ۔ اگر تم نے واقعی یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم اس سلسلے میں بھی تمہاری مدد کریں گے لیکن تمہارے چلے جانے سے تمہاری ایک پاکستانی بیٹی پر یہاں جو گزرے گی تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ابھی تک تو اسرائیل کی قاہرہ گورنمنٹ سے ۔۔۔ گفت و شنید جاری ہے جونہی یہ ناکام ہوئی اسرائیلی سونیا پر شرمناک تشدد کا سلسلہ شروع کر دے گا اور اس کی کٹی پٹی لاش ہی واپس قاہرہ جائے گی "

سعدیہ کی باتوں سے میرا خون کھول اٹھا میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سعدیہ بولی " یہ کام ہمارے آدمی بھی کر سکتے تھے لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ گولان کی پہاڑیوں پر اسرائیلی قبضے کے بعد شام اور مصر میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور شام کے وہ کمانڈوز جو اسرائیل میں خفیہ طور پر برسر پیکار ہیں مصر کی خاطر یہ مشن اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار نہیں ۔ ہمارے کمانڈوز کی زیادہ تعداد صحرائے سینا میں اسرائیلیوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کر رہی ہے باقی ہم یہاں جو چند ایک ایجنٹ ہیں ' ان میں سے ایک بھی کمانڈو نہیں ہے اور پھر اس مشن میں تمہارے وطن پاک کی عزت اور حرمت بھی وابستہ ہے ۔ اگر تم کسی طرح پاکستانی سفارت کار کی بیٹی سونیا کو اسرائیلیوں کے پنجہ استبداد سے نکال کر لے گئے تو ذرا سوچو تمہارے ملک کی کس قدر نیک نامی ہو گی اور ایک ایسی ماں کو نئی زندگی بھی مل جائے گی جو اپنی بیٹی کے غم میں اس وقت قاہرہ کے اسپتال میں پڑی ہے " ۔

میں نے سعدیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہا " سعدیہ ! اس سے زیادہ سننے کی مجھ میں طاقت نہیں خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ سنو ! میں اپنے وطن پاک اور تمہاری محبت کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ جب تک سونیا کو اسرائیلیوں کے قبضے سے چھڑا کر قاہرہ نہیں پہنچا لیتا چین سے نہیں بیٹھوں گا "

سعدیہ خوش بھی ہوئی اور کچھ شرما بھی گئی ۔ شرمائی وہ اس لئے کہ میں نے اس کی محبت کی بھی قسم کھائی تھی ۔ اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا " عامر ! مجھے تم سے یہی امید تھی اب ہمیں یقین ہے کہ سونیا کی زندگی اور عزت بچ جائے گی کیوں کہ تم ایک بہادر اور تجربے کار کمانڈو ہو تم اسے موت کے منہ سے نکال لاؤ گے "

میں نے سعدیہ سے پوچھا کہ کیا اسے معلوم ہے سونیا کو اسرائیلی انٹیلی جینس نے کہاں قید کیا ہوا ہے ؟

سعدیہ نے جواب دیا " ہم نے اس سلسلے میں اپنے ذرائع سے جو مصدقہ اطلاعات حاصل کی ہیں ' ان کے مطابق سونیا کو بھارت کے مالدیپ جزائر میں سے کسی ایک جزیرے میں رکھا گیا ہے تم بھی جانتے ہو گے کہ اسرائیل کے بھارت کے ساتھ گہرے دوستانہ روابط ہیں اور دونوں ملک اپنے مشترکہ دشمن یعنی تمہارے وطن پاکستان کے خلاف کسی بھی کارروائی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے

ہیں چنانچہ اس مسئلے میں بھی بھارت نے اسرائیلی حکومت سے تعاون کرتے ہوئے مالدیپ کا چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا جزیرہ مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا ہے ۔ اس جزیرے پر اسرائیل نے اپنی سیکورٹی گارڈ متعین کر رکھی ہے جزیرے کے اردگرد انڈین کوسٹل گارڈ متعین کر رکھی ہے جزیرے کے اردگرد انڈین کوسٹل گارڈ کے ٹرائیبلر بھی گشت کرتے رہتے ہیں اور ان کی ساحل پر چوکیاں بھی ہیں لیکن جزیرے کے اندر اسرائیلی حکومت کا نظم و نسق چلتا ہے وہاں خار دار تاریں لگا کر انھوں نے ایک چھوٹا سا قیدی کیمپ بنا رکھا ہے جہاں اسرائیلی حزب اختلاف کے ایسے سیاسی مخالف بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں جن کے بارے میں اسرائیلی حکومت نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ وہ جلا وطن ہونے کے بعد اپنی مرضی سے ارجنٹائن یا سوئٹزر لینڈ چلے گئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مالدیپ کے اس جہنمی جزیرے میں موت سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں سونیا بھی اس کیمپ کے کسی تہہ خانے میں قید ہے "

میں نے سعدیہ کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے کون سے ذرائع استعمال کرنے ہوں گے ؟

سعدیہ بولی " اگر تم کسی طرح بحری جہاز میں سوار ہو کر مالدیپ کے جزائر تک پہنچ بھی گئے تو تمہارے لئے اس اسرائیلی جزیرے تک پہنچنا ناممکن ہوگا اور ہو سکتا ہے اگر تم پہنچ بھی جاؤ تو تمہیں بہت سا وقت لگ جائے اور وقت اب ہمارے پاس نہیں ہے ۔ اس کے علاوہ اس گمنام اسرائیلی جزیرے پر کسی بھی اجنبی شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اس جزیرے کے بارے میں ایسی اطلاعات بھی ہمیں ملی ہیں کہ یہودیوں نے بھارت کی مدد سے وہاں ایک خفیہ ایٹمی پلانٹ لگا رکھا ہے جہاں یورینیم پر کسی انتہائی طاقتور اور مہلک ترین توانائی کے حصول کے لئے تجربے ہو رہیں ہیں لیکن تمہیں صرف سونیا کو وہاں سے نکالنا ہے تمہیں ایک آسانی یہ بھی ہے کہ تم خود اسی براعظم کے رہنے والے ہو اور جنوبی بھارت کی زبان تامل بڑی روانی سے بول لیتے ہو "

میں گہری سوچ میں تھا۔

سعدیہ نے کہا " کیا تم ذہنی طور پر اس مشن کے لئے تیار ہو عامر؟ اگر تمہارے دل میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ ہو تو تم اس مشن سے دستبردار بھی ہو سکتے ہو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا "

میں نے آہنی عزم کے ساتھ کہا کہ میں اپنے وطن پاک کی بیٹی کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں اور میں یہ بھی تمہیں بتا دوں گا کہ میرے ایسا کمانڈو جب وطن پر جان قربان کرتا ہے تو اس کا مشن مکمل ہو چکا ہوتا ہے ۔

سعدیہ بہت خوش ہوئی وہ پہلے ہی پاکستانی فوج کے جیالوں کی بہادری اور خاص طور پر پاکستانی کمانڈوز کی جرأت و دلیری سے بے حد متاثر تھی جب میں نے اس سے استفسار کیا کہ میں کس طریقے

سے مالدیپ کے اسرائیلی جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکتا ہوں تو اس نے کہا۔

"اس ضمن میں بھی ہم نے پوری معلومات حاصل کرلی ہیں ان معلومات کے مطابق یہاں حیفہ کے ایک فوجی ائرپورٹ سے مہینے میں ایک بار ایک سپلائی کارگو طیارہ اسرائیل کے مالدیپی جزیرے میں جاتا ہے یہ فوجی کارگو طیارہ ہوتا ہے اس میں وہاں کی یہودی سکیورٹی فورس اور قیدی کیمپ کے ملازموں کے لئے رسد و خوراک 'کپڑے زیتون کا تیل' خشک اور تازہ پھل اور.... یہاں کی خاص خاص سبزیاں لے جائی جاتی ہیں۔ اگر تم کسی طرح اس کارگو طیارے میں سوار ہونے میں کامیاب ہو جاؤ تو تم عین دشمن کے پیٹ کے اندر پہنچ جاؤ گے کیونکہ یہ اسرائیلی کارگو طیارہ اسرائیلی جزیرے میں ہی جا کر اترتا ہے اور پھر وہیں سے اگلی رات سکیورٹی فورس کے ان افسروں کی بیویوں کو لے کر واپس آجاتا ہے جو وہاں ایک ماہ اپنے خاوندوں کے ساتھ گزارنے کے لئے گئی ہوتی ہیں"

میں نے کہا کہ میں اس طیارے میں کیسے سوار ہو سکوں گا وہاں تو زبردست پہرہ ہوتا ہوگا۔

سعدیہ کہنے لگی "اس کا بھی ہم نے انتظام کرلیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے دو ایجنٹ جو یہاں یہودی ٹھیکیدار بن کر رہ رہے ہیں اس بات کی کوشش میں ہیں کہ بھاری رشوت دے کر اصلی یہودی ٹھیکیدار کو راضی کیا جائے کہ اس بار ہمیں بھی کچھ خشک میوے سپلائی کرنے کا آرڈر دیا جائے ہمارے ایجنٹ چونکہ یہاں باقاعدہ فوج کو خوراک سپلائی کرنے کا کاروبار کرتے ہیں اس لئے ان پر کوئی شک بھی نہیں کر سکتا کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے مجھے یقین ہے کہ رشوت سے ہمارا کام نکل آئے گا یہ قوم رشوت کی دیوانی ہے"

میں نے کچھ متحیر ہو کر پوچھا کہ خشک میوہ جات کی سپلائی سے میرے مشن کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

سعدیہ مسکرائی اس کے دانت آج بھی ۔۔۔۔۔ موتیوں ایسے دل کش اور خوب صورت تھے۔ کہنے لگی "تعلق یہ ہے کہ جب ہمیں خشک میوہ سپلائی کرنے کا آرڈر مل گیا تو خشک میوہ جات کی پانچ پیٹیاں ہوں گی جن میں سے ایک پیٹی میں خشک میوہ جات کی جگہ تم بند ہو گے"

میں اپنی جگہ سے اچھل سا گیا "یہ ۔۔۔ کیسے ممکن ہے سعدیہ میرا مطلب ہے کہ میں لکڑی کے بکس میں بند ہو کر جزائر مالدیپ تک کا طویل سفر کیسے طے کر سکوں گا؟"

سعدیہ کہنے لگی "حیفہ سے مالدیپ کے اسرائیلی جزیرے تک کا ہوائی سفر ویسے تو دس گھنٹوں کا ہے مگر کارگو طیارے کی رفتار کم ہوتی ہے اس لئے تمہیں صرف بارہ گھنٹے بکس کے اندر بند رہنا ہوگا مگر بکس میں تمہارے آرام کا پورا بندوبست ہوگا تمہیں تازہ ہوا بھی آتی رہے گی تمہارے لئے اندر مشروب ہوگا سینڈوچز بھی ہوں گے بس تمہیں بارہ گھنٹے بالکل سیدھا لیٹے رہنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ایسے بہادر کمانڈو کے لئے یہ کوئی خاص مشکل کام نہیں ہے کیا خیال ہے تمہارا؟"

میں کیسے انکار کر سکتا تھا مجھے انکار کرنا بھی نہیں چاہئے تھا اور میں انکار کرنا بھی نہیں چاہتا تھا میں نے پر عزم انداز میں حامی بھری اور کہا کہ اپنے وطن پاک کی عزت کی خاطر اگر مجھے ہمیشہ کے لئے قبر میں بھی لیٹنا پڑے تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔

سعدیہ نے اطمینان کا سانس لیا اس کا چہرہ خوشی اور فخر سے دمک اٹھا "عامر! مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ اب میں تمہیں کچھ ---- ضروری ہدایات دینا چاہتی ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ تم جس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو وہاں سے تمہیں فوراً نکل کر یہاں آجانا ہو گا۔ میں حیران ہوں کہ ابھی تک کمانڈر حباش کو تمہارے بارے میں اطلاعات کیوں نہیں مل سکیں؟ تمہاری تصاویر تو بحریہ ' فضائیہ اور آرمی کے تمام دفاتر میں گردش کر رہی ہیں میں چاہتی ہوں کہ تم اب اسی جگہ رہ جاؤ اور واپس مت جاؤ کیوں کہ اسی جگہ سے تمہارا مالدیپ تک کا سفر شروع ہو گا"

جانے کیوں میں نوماش کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا اور پھر جب کہ ابھی تک میرا راز وہاں طشت ازبام نہیں ہوا تھا تو میرے لئے ایک بار وہاں جانا کوئی ایسی خطرناک بات بھی نہیں تھی۔ سعدیہ سے میں نے اپنے عندیئے کا اظہار کیا تو وہ بولی۔

" نوماش سے تمہارا کوئی جذباتی تعلق تو نہیں ہے؟"

میں نے سعدیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا " اس ملک میں داخل ہونے کے بعد اگر کسی عورت سے میرا جذباتی تعلق ہو سکتا تھا تو وہ صرف تم ہو سعدیہ دوسری کوئی عورت نہیں ہے بات یہ ہے کہ نوماش نے صرف میری خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیا ہے ہو سکتا ہے اگر میں اس کی زندگی میں داخل نہ ہوتا تو وہ اپنے خاوند کو نہ --- چھوڑتی اور کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کرتی رہتی۔ میں اس سے دو ایک باتیں کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں۔"

سعدیہ نے ایک پل کے لئے خاموشی اختیار کر لی ' پھر اپنے لمبے کرتے کی جیب سے ایک چھوٹا سا جرمن آٹومیٹک پستول نکال کر مجھے دیا اور کہا " اس کا چیمبر لوڈ ہے اسے اپنے پاس رکھو میں تمہیں اسی جگہ ملوں گی شاہ نشین میں باہر جو بوڑھا بیٹھا ہے وہ ہمارا ہی آدمی ہے اس کا نام چیکاش ہے وہ نوادرات کی مرمت اور ان پر رنگ روغن کا کام کرتا ہے تم کب تک واپس آجاؤ گے؟"۔ ٥

میں نے پستول اپنے لمبے کرتے کی جیب میں رکھ لیا اور کہا " شام تک واپس آجاؤں گا"

سعدیہ کہنے لگی " دل نہیں مانتا کہ تم جاؤ وہاں کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے لیکن تم اصرار کر رہے ہو تو میں یہی کہوں گی کہ اپنی حفاظت کرنا جب تک تم واپس نہیں آؤ گے مجھے فکر لگی رہے گی۔ جس نیلی گاڑی میں تم آئے ہو اس میں واپس جانا۔ یہ گاڑی تمہیں ہیبر ون انٹرسیکشن پر اتار دے گی۔ ڈرائیور سے کہہ دینا کہ وہ ایک گھنٹے بعد اسی جگہ واپس آجائے مگر تمہیں ایک گھنٹے سے زیادہ کمانڈر حباش کے بنگلے پر نہیں ٹھہرنا ہو گا"

میں نے سعدیہ کو تسلی دی کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر میں اس کے پاس ہوں گا اس نے آہستہ سے کہا "اب تم جا سکتے ہو"

میں خاموشی سے پردہ اٹھا کر شاہ نشین میں آگیا بوڑھا چینکاش اسی طرح اپنے کام میں منہمک کھڑکی کے پاس قالین پر بیٹھا تھا اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہ کی۔ میں نیم تاریک زینے سے اتر کر پچھے ہوئے بازار میں آگیا۔ بازار میں اسی طرح رونق تھی دوکانوں پر رش تھا یہ بازار نوادرات کی فروخت کے لئے مخصوص تھا کوئی دکان ایسی نہ تھی جس پر سیاحوں کی بھیڑ نہ لگی ہو میں اپنے دھیان میں بازار میں سے گزرتا گیا باہر بوسیدہ دیوار کے پاس نیلی گاڑی اسی طرح کھڑی تھی سفید ریش ڈرائیور اگلی سیٹ پر خاموش بت کی طرح بیٹھا تھا میں گاڑی کے قریب گیا تو اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک بار پھر انہی بازاروں میں سے گزر رہی تھی جن سے گزر کر ہم آئے تھے دن ڈھلنے لگا تھا دھوپ پھیکی پڑ کر سنہری ہونے لگی تھی ذیلی سڑکوں پر سے ہوتے ہوئے گاڑی بڑی سڑک پر آگئی یہاں سے پندرہ منٹ کا طویل سفر شروع ہوا۔ بالآخر ہسبردن انٹرسیکشن والا چوک آگیا نیلی گاڑی چوک کے پار دور جا کر فٹ پاتھ کے ساتھ لگ کر رک گئی میں نے ڈرائیور کو آہستہ سے کہا کہ وہ ایک گھنٹے بعد اسی جگہ آجائے ڈرائیور نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں گاڑی سے نکل کر فٹ پاتھ پر ایک طرف چل پڑا۔ مجھے پیچھے گاڑی کے گیئر لگنے کی آواز سنائی دی پھر یہ آواز مجھ سے دور ہوتی چلی گئی سڑکوں سے میں واقف ہو گیا تھا بائیں جانب والی سڑک پر سے ہوتا ہوا میں اسی مقام پر آگیا جہاں آگے نشیب تھا اس سے آگے کمانڈر حباش والے بنگلے کی آبادی شروع ہوتی تھی۔ میں اونچائی پر کھڑا تھا ڈھلان جہاں ختم ہوتی تھی وہاں سے چھوٹی سڑک بنگلے کی طرف گھوم جاتی تھی۔ اس موڑ پر پام کے چھتریوں والے درختوں کی قطار کی وجہ سے وہاں کمانڈر حباش کا بنگلہ نظر نہیں آتا تھا مجھے سعدیہ نے ایسا وہم ڈال دیا تھا کہ لگتا تھا کہ بنگلے میں ملٹری میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا نشیب سے اتر کر پام کے درختوں کا موڑ کاٹا تو رک کر بنگلے کی طرف نگاہ ڈالی چھوٹی سڑک دور تک خالی تھی حباش کی جیپ بھی نہیں تھی۔ شاید وہ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے چلا گیا تھا میں سڑک پر چلنے لگا اصل بات یہ تھی کہ نوماش کے لئے میرے دل میں اس قدر رحم کا جذبہ بھر گیا تھا کہ مجھے اس تصور سے ہی شدید ندامت کا احساس ہوتا تھا کہ میں اسے اچانک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اسے مجھ سے بے پناہ محبت ہوگئی تھی میں صرف اتنا چاہتا تھا کہ ایک بار اس سے مل کر اسے یہ کہہ دوں۔ کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا کیوں کہ میری شادی ہو چکی ہے اس طرح سے کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ میرے اچانک چلے جانے سے اسے آدھا صدمہ ہوگا اور میرا ضمیر بھی مجھے ملامت نہیں کرے گا یہی احساس مجھے واپس

اس کے پاس لے آیا تھا ورنہ میں کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا کیوں کہ بہر حال یہاں میرے لئے خطرہ ہی خطرہ تھا۔

بنگلے کا خود کار قفل والا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا میں ---- ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ خالی تھا کچن کا بھی دروازہ کھلا تھا مگر ساعدہ یا کوئی بھی نوکر وہاں پر نہیں تھا نہ جانے کیوں مجھے وہاں کی فضا مشکوک سی لگی میری چھٹی حس ایک دم بیدار ہو گئی مجھے ساعدہ کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ہمارے والے بیڈ روم سے آرہی تھی میں اس طرف آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بڑھا۔ بیڈ روم کا دروازہ بند تھا ساعدہ کی آواز آرہی تھی وہ کہہ رہی تھی " مجھے خود بھی یقین نہیں آتا نوماش مگر حباش غلط بات نہیں کہہ سکتا۔ اس نے پوری تحقیق کے بعد یہ فون کیا ہے "

میرے کان کھڑے ہو گئے ضرور کوئی خطرناک بات ہو گئی ہے نوماش کی لواس آواز سنائی دی" ساعدہ! تم کسی طرح ایشکول کو بچالو وہ میرا خاوند بننے والا ہے اس کے بغیر میرا اس دنیا میں کوئی نہیں "

اب مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی میں پیچھے پلٹ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا میرا راز فاش ہو چکا تھا۔ میں ابھی ڈرائنگ روم کے ادھ کھلے دروازے کے نزدیک ہی پہنچا تھا کہ باہر کسی جیپ کے رکنے کی آواز آئی ' پھر جیسے فوجی بوٹوں والے جوان دھڑاک دھڑاک سے باہر کودے۔ میں نے وہیں سے چھوٹ لگائی اور گھبراہٹ میں اپنے بیڈ روم میں جانے کی بجائے کچن کی طرف نکل گیا کچن کا دوسرا دروازہ سامنے ساعدہ کے بیڈ روم کی طرف کھلتا تھا میں نے اندر سے دروازہ کھولا اور ساعدہ کے بیڈ روم میں گھس گیا اب مجھے احساس ہوا کہ سعدیہ کے مشورے پر عمل نہ کر کے میں نے کس قدر فاش غلطی کی تھی پستول اب میں نے اپنی جیب سے نکال لیا تھا ساعدہ کا بیڈ روم خالی تھا مجھے ڈرائنگ روم میں اسرائیلی فوجی جوانوں کی آوازیں سنائی دیں ان میں حباش کی آواز بھی تھی وہ بلند آواز سے اپنی بیوی سے میرے بارے میں پوچھ رہا تھا میں نے گھبرا کر دیکھا کہ بیڈ روم میں کوئی باہر جانے کا راستہ نہیں تھا میں لپک کر باتھ روم میں آگیا یہ میری آخری امید تھی خدا نے میری مدد کی اور میں نے باتھ روم میں ایک کھڑکی دیکھی جو اندر سے بند تھی بجلی کی تیزی کے ساتھ کھڑکی کی چٹخنی کھولی اور پٹ کو دھکیل کر باہر کود گیا مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ دوسری طرف کیا ہے میں ایک جھاڑی میں جا گرا جلدی سے اٹھا اور اندھا دھند سامنے کی طرف بھاگا سامنے انار کے درختوں کے پیچھے ایک دیوار تھی دوڑتے ہوئے دیوار کو پھاند گیا۔

دوسری طرف وہی کچا راستہ تھا جس پر میں ایک روز پہلے چہل قدمی کرتا نالے کے پل تک چلا گیا تھا میرے سامنے وہی گندا نالہ تھا جس کے کنارے کافی کشادہ تھے اور درمیان میں گندے پانی کی ایک نالی بہہ رہی تھی۔ اس بوکھلاہٹ اور افراتفری میں بھی میرا کمانڈو ذہن حاضر تھا اور جانتا تھا کہ اگر میں نے نالے کو پار کیا تو پیچھے سے آنے والی گولیوں کا نشانہ بن جاؤں گا میں اوپن ٹارگٹ نہیں بن سکتا تھا

چنانچہ غیر شعوری طور پر جس دیوار پر سے میں کودا تھا اسی کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف دوڑنے لگا خوش قسمتی سے اس وقت وہاں آس پاس کوئی نہیں تھا نالے کے پار اسی کیمیکل والے کارخانے کی عقبی دیوار آگئی جس کی ایک نالی میں سے گندا پانی نالے میں گر رہا تھا۔

میں اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا کہ ساعدہ کے باتھ روم کی کھلی کھڑکی حباش کے فوجیوں کو بتا دے گی کہ میں کدھر کو فرار ہوا ہوں اور وہ میری تلاش میں عنقریب میرے پیچھے پہنچنے ہی والے ہوں گے چنانچہ میں کسی جگہ چھپ جانا چاہتا تھا مگر وہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی میں بنگلوں کی عقبی دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑتے دوڑتے گندے پانی کے پل پر آیا تو مجھے ٹرک کی آواز سنائی دی میں دیوار کی اوٹ میں ہو گیا کیوں کہ آگے ایک چھوٹی سڑک بنگلوں کے سامنے والی سڑک کو کاٹتی ہوئی اس طرف نکلتی تھی اور ٹرک اسی سڑک پر آرہا تھا میں نے پیچھے دیکھا ابھی تک میرا تعاقب میں کوئی نہیں آیا تھا دور سے مجھے جیپ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی میرا سانس پھولا ہوا تھا اتنے میں ٹرک چھوٹی سڑک پر نمودار ہوا یہ فوجی ٹرک نہیں تھا بلکہ عام ٹرک تھا جس پر گھر کا بہت سا سامان لدا ہوا تھا ٹرک کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی ناہموار کچی سڑک پر وہ اس رفتار سے پل کی طرف جارہا تھا کہ میں اسے پکڑ سکتا تھا اس وقت مجھے اس ٹرک میں اپنی نجات دکھائی دی جونہی ٹرک ذرا آگے نکلا میں اس کے پیچھے دوڑ پڑا اور بائیں طرف اس کی لٹکتی ہوئی زنجیر کو پکڑ کر ٹرک میں سامان کے نیچے گھس کر بیٹھ گیا ایک طرف تو ٹرک کا بہت شور تھا دوسرے غیر ہموار سڑک پر وہ ہچکولے کھا رہا تھا جس کی وجہ سے ڈرائیور کو میرے ٹرک میں کودنے کا علم نہ ہو سکا ورنہ وہ ٹرک کو وہیں کھڑا کر دیتا۔

وہ اسی رفتار سے پل کی طرف بڑھتا گیا میں نے ٹوٹی پھوٹی کرسیوں اور لوہے کے پلنگ کے نیچے سے پیچھے سڑک پر دیکھا سڑک خالی تھی مگر خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا تھا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ --- اسرائیلی سکیورٹی فورس کے فوجی میری تلاش میں نہ نکلتے ٹرک نے پل کو پار کیا اور دوسری طرف گھوما تو مجھے وہ سڑک دکھائی دی جہاں میں دیوار پھاند کر کودا تھا میرا دل بیٹھ سا گیا مجھے دو نیلی وردیوں والے بحریہ کے سپاہی دیوار پر چڑھ کر سڑک پر کودتے نظر آئے وہ پیچھے ہاتھ ہلا ہلا کر کسی کو بلا رہے تھے۔

میں ٹرک کے اندر بھرے ہوئے کاٹھ کباڑ میں دبک گیا وہ لوگ میرے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے تھے مجھے اس ٹرک کو چھوڑ دینا چاہئے ویسے اگر میں ایک بار اس علاقے سے نکل جاتا ہوں تو حیفہ اتنا بڑا شہر ہے کہ وہ مجھے تلاش نہیں کر سکتے تھے' لیکن میری منزل سعدیہ کا خفیہ مکان تھا میں ہیبرون انٹرسیکشن پر بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ڈرائیور کو ایک گھنٹے بعد آنے کے لئے کہا تھا اب مجھے چھپ چھپا کر کسی نے کسی طرح اکیلے ہی سعدیہ کے خفیہ مکان تک پہنچنا تھا ٹرک نے نسبتاً ہموار سڑک پر آکر قدرے رفتار پکڑ لی تھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ٹرک کہاں اور کس طرف جا رہا ہے مجھے اگر تھوڑی بہت تسلی تھی تو صرف اس بات کی تھی کہ میں اس علاقے سے دور سے دور تر ہوتا جا

رہا تھا میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا ٹرک ایک پکی سڑک پر آگیا اب اس کی رفتار تیز ہو گئی لیکن اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ میں اس پر سے چھلانگ نہ لگا سکتا مگر ابھی چھلانگ لگانے کا وقت نہیں آیا تھا میں چاہتا تھا کہ --- دور نکل جاؤں ٹرک کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا سورج ڈھل رہا تھا اور دھوپ غائب ہو چکی تھی سڑک پر ٹریفک آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھی پیچھے سے آتی دو ایک کاروں اور موٹر سائیکلوں پر بیٹھے ہوئے آدمیوں نے مجھے دیکھا ظاہر ہے وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں سامان کی حفاظت کے لئے پیچھے بیٹھا ہوں۔

خطرہ یوں بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اگر پیچھے سے کوئی فوجی گاڑی آجاتی ہے تو میں پکڑ لیا جا سکتا ہوں دل میں طرح طرح کے وہم اور وسوسے پیدا ہونے لگے تھے جوں جوں ٹریفک بڑھ رہا تھا اور ٹرک شہر کے بارونق علاقے میں داخل ہو رہا تھا میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا میں اب ہر حالت میں اس ٹرک سے نجات حاصل کر کے کسی اور طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن ٹرک میں سے کودنا اب ممکن اس لئے نہ رہا تھا کہ پیچھے سے موٹریں، بسیں اور اسکوٹر چلے آرہے تھے شاید شام کو لوگ کارخانوں اور دفتروں سے چھٹی کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے ایک خطرہ بھی تھا کہ بحریہ انٹیلی جینس نے کہیں --- چوک میں گاڑیوں کی تلاشی کا کام نہ --- شروع کر دیا ہو میں سامان میں سے نکل کر ٹرک کے عقبی تختے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور حالات کا جائزہ لینے لگا میں موقع کی تلاش میں تھا کہ کہیں کسی جگہ ٹرک دائیں جانب ہو یا کسی طرف سڑک کو کاٹ کر موڑ گھومے تو میں چھلانگ لگا دوں شام کی روشنی ابھی تک پھیلی ہوئی تھی اور مجھے دیکھا جا سکتا تھا میں نے اپنا چہرہ ٹرک کے اندر کی طرف کر لیا اور یوں ظاہر کیا جیسے اونگھ رہا ہوں، مگر کنکھیوں سے برابر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے ٹرک نے ایک جانب مڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پیچھے بھرا ہوا سامان ایک دوسرے سے ٹکرا کر چرچرایا اور ٹرک ایک سڑک پر گھوم گیا یہ چھوٹی سڑک تھی اور ایک باغ شروع ہو گیا تھا ٹرک کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی میں نے موقع غنیمت جانا اور ایک جگہ چھلانگ لگا دی میں نے گرتے ہی تین چار قلابازیاں کھائیں اور پھر اٹھا اور باغ میں گھس گیا شام کی روشنی اب اتنی تیز، نہیں رہی تھی سرمئی سا شام کا دھندلکا اتر آیا تھا کسی نے مجھے ٹرک سے کودتے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو بہر حال میں باغ میں تیز تیز چلتے ہوئے درختوں کے پیچھے آگیا اور رک کر اپنے جسم کا جائزہ لیا میری کہنیاں چھل گئی تھیں ہڈیاں سلامت تھیں پستول میری جیب میں ہی تھا میں نے اپنے پیچھے دیکھا سڑک خالی تھی ایک بس سڑک پر سے مخالف سمت میں گزر گئی میں آگے چل پڑا یہ باغ ایک پارک تھا میدان میں گھاس اگی ہوئی تھی اور دور درختوں کی قطاروں کے پیچھے کچھ بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے یہ کھلی جگہ کسی صورت میں بھی میرے لئے محفوظ نہیں تھی میری منزل سعدیہ کا --- چھتے ہوئے بازار والا خفیہ مکان تھا لیکن وہاں میں صرف اسی صورت میں پہنچ سکتا تھا کہ یہاں سے کسی طریقے سے

بیبرون انٹرسیکشن والے چوک میں پہنچوں اور وہاں سے راستے کو پہچانتے چھپتے ہوئے پرانے بازار تک چلا جاؤں اس کے سوا مجھے کسی راستے کا علم نہیں تھا یہ شہر اور شہر کے کوچہ و بازار میرے لئے بالکل اجنبی تھے ون انٹر سیکشن والے چوک میں پہنچنے کا واحد ذریعہ صرف ٹیکسی ہی ہو سکتی تھی لیکن ٹیکسی کی کسی نہ کسی موڑ پر چیکنگ ہونے کا غالب امکان تھا صرف ایک بات میرے حق میں جاتی تھی کہ شام کا اندھیرا میرے اردگرد پھیل رہا تھا اندھیرے کی چادر ہی مجھے پناہ دے سکتی تھی مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ میں کم روشن سڑکوں پر سے ہو کر چلوں کیونکہ بڑی شاہراہوں اور کشادہ سڑکوں پر نیون سائن کی روشنیوں کی وجہ سے اجالوں کا سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔

میں چلتے چلتے شہر کے غیر آباد علاقے میں نکل آیا تھا جہاں رہائشی مکانات نہ ہونے کے برابر تھے شام کے دھندلکے کی جگہ اب آہستہ آہستہ رات کا اندھیرا اپنا سکہ جما رہا تھا میں ہر طرف سے چوکس تھا چند قدم چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا تھا کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کے پیچھے ریت کے ٹیلے اندھیرے میں گم ہو رہے تھے ایک جیٹ طیارہ شور مچاتا اپنی نیلی اور سرخ روشنیاں جھلملاتا آسمان پر سے گزر گیا اس کی بلندی سے معلوم ہوا کہ ہوائی اڈا زیادہ دور نہیں تھا میں خطرناک علاقے میں داخل ہو رہا تھا کیوں کہ ہوائی اڈے کے آس پاس کے علاقے میں ویسے بھی سکیورٹی سخت ہوتی ہے شہر کی بلند و بالا عمارتوں کی روشنیاں میرے عقب میں جھلملا رہی تھیں اصل میں مجھے ان ہی کی طرف جانا تھا کیوں کہ سعدیہ کا خفیہ ٹھکانہ شمال مغربی کی جانب تھا میں نے ایک جگہ رک کر دیکھا اور تمام راستے کا جائزہ لیا اندھیرے نے ایک چادر سی پھیلا رکھی تھی بائیں جانب کسی ٹیوب ویل کے انجن کی ہلکی ہلکی آواز کے ساتھ پانی کی دھار کے کسی حوض میں گرنے کی آواز بھی آ رہی تھی میں نے اندازے کے مطابق اپنے لئے ایک راستہ متعین کیا اور خدا کا نام لے کر بائیں جانب ترچھا ہوتا ہوا شہر کے شمال مغربی علاقے کی طرف چل پڑا اس سے کچھ دیر پہلے اگر میں انٹر سیکشن والے چوک میں پہنچ جاتا تو نیلی گاڑی کو پکڑ سکتا تھا مگر اب ظاہر ہے وہ وہاں پر موجود نہیں ہو گی جوں جوں میں شہر کی روشنیوں والی آبادی کے قریب ہو رہا تھا خطرہ نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جا رہا تھا کم از کم اس علاقے کے اردگرد پولیس اور اسرائیلی انٹیلی جینس کے آدمی ضرور پھیلے ہوئے ہوں گے جہاں سے میں فرار ہوا تھا اور وہ یہی علاقہ تھا جہاں میں چل رہا تھا اس لئے پھونک پھونک کر اور بے حد چوکنا ہو کر قدم اٹھا رہا تھا اب میں پچھتا رہا تھا میں نوماش سے ملاقات کرنے کیوں آ گیا کسی وقت مجبوری کا اخلاق انسان کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے مجھے کسی کے مرنے جینے سے کیا کام مجھے تو اپنا مشن عزیز ہونا چاہئے تھا، لیکن اب پچھتانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔

کھیتوں سے نکل کر میں نے ایک اونچی جگہ کو پار کیا اور ایک سڑک پر آ گیا سڑک کچی تھی اور اس پر ٹریکٹر کے ٹائروں کے گہرے نشان بنے ہوئے تھے یہ سڑک آگے جا کر شہر کو جانے والی بڑی سڑک سے مل جاتی تھی اس کے آخری کنارے پر کھمبے پر لگی مرکری لائٹ روشن تھی میں سڑک کی

دوسری جانب ریتیلے راستے پر اتر گیا جب شہر کی طرف جاتی سڑک پر آیا تو اتفاق سے ایک ٹیکسی پیچھے سے آتی نظر آئی جس کے میٹر کی بتی سرخ تھی جس کا مطلب تھا کہ ٹیکسی خالی ہے ذہن تیزی سے سوچنے لگا کہ ٹیکسی لی جائے یا نہ لی جائے ابھی میرے دل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ ٹیکسی کے قریب آتے ہی میرا ہاتھ فضا میں اوپر اٹھ گیا ٹیکسی میرے بالکل قریب آکر رک گئی میں بلا سوچے سمجھے ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھ گیا اور اسے بیرون انٹر سیکشن کی بجائے نوادارات کے چھتے ہوئے بازار کی طرف چلنے کو کہا میری خوش قسمتی تھی کہ وہ میرے ایک بار کہنے پر ہی سمجھ گیا اور اس نے مجھ سے کوئی سوال جواب نہ کئے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی کو آگے بڑھا دیا سامنے سے کسی گاڑی کی مجھ پر روشنی پڑتی تو میں اپنا چہرہ نیچے کر لیتا جیسے نیچے کوئی چیز تلاش کر رہا ہوں میں ڈرائیور کو یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ غیر آباد علاقے سے ہو کر چلے مجھے یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ٹیکسی شہر کے روشن اور آباد علاقے سے نہ گزرنے لگے میں نے سر پر نیلا رومال اس طرح لپیٹ لیا کہ میری داڑھی اس میں چھپ گئی تھی مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ٹیکسی اسی چھتے ہوئے بازار کی طرف جا رہی تھی یا نہیں میں نے اپنا شک دور کرنے کی غرض سے ڈرائیور کو عبرانی زبان میں کہا کہ اس چھتے ہوئے بازار میں نوادرات کی دکانیں بہت ہیں ٹیکسی ڈرائیور نے سگریٹ سلگا کر کش لگاتے ہوئے کہا" میں جانتا ہوں "

میں خاموش ہو کر سیٹ کے کونے میں گھس گیا اندر ٹھنڈی ہوا آرہی تھی مگر میرے ماتھے پر ہلکا ہلکا پسینہ آرہا تھا میری آنکھیں بے تابی سے عمارتوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی ابھی تک میں کسی عمارت کو نہ پہچان سکتا تھا شاید ڈرائیور عقبی آبادی کی طرف سے جا رہا تھا۔

آخر میں نے ایک اونچی عمارت کو پہچان لیا پھر جب ٹیکسی نے ایک موڑ کاٹا تو سامنے چھتے ہوئے بازار کی جھلملاتی روشنیاں نظر آنے لگیں میں نے ٹیکسی کو باہر ہی ایک طرف رکوا دیا اور کرایہ ادا کر کے باہر نکلا اور چھتے ہوئے بازار میں جانے کی بجائے اس طرف چلنے لگا جدھر کچی دیوار تھی اور جہاں ہماری نیلی گاڑی دن کے وقت کھڑی ہوئی تھی دیوار کی اوٹ میں اندھیرا تھا میں اندھیرے میں کھڑے ہو کر بازار کے ناکے کو تکنے لگا میں تسلی کرنا چاہتا تھا کہ میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا تھا ٹیکسی واپس چلی گئی تھی اور اس کی عقبی سرخ بتی دور ہوتی جا رہی تھی بازار میں بڑی رونق تھی سیاح ابھی تک چلے آرہے تھے بازار کے بعض ریستورانوں سے انگریزی اور عبرانی گانوں کی آواز آرہی تھی سامنے کی جانب کار پارکنگ تھا ایک طرف اسکوٹروں کی قطاریں لگی تھی جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میرا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا تو میں ۔۔۔۔ دیوار کی تاریکی میں سے نکل کر بازار میں داخل ہو گیا میں دکانوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کے بیچ میں سے ہوتا چلا جا رہا تھا دکانوں میں روشنیاں ہو رہی تھی یہ روشنیاں مجھے زہر لگ رہی تھی میں کہاں تک اپنا چہرہ ان روشنیوں سے چھپا سکتا تھا۔ دل میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں انٹیلی جینس اور سیکیورٹی فورس والوں نے سعدیہ کے خفیہ مکان پر چھاپہ نہ مارا ہو ایسی حالت میں مجھے وہاں نہیں جانا

چاہئے تھا' پھر خیال آتا کہ سعدیہ نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی وہاں اپنا ٹھکانہ بنایا ہوگا یہ جگہ یقیناً اسرائیلی انٹیلی جینس کی عقابی نگاہوں سے محفوظ ہوگی۔

جب میں ایک تنگ اور نیم روشن گلی کے قریب پہنچا جو چھتے ہوئے بازار سے نکل کر دوسری طرف جاتی تھی تو اچانک کسی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا میں نے چونک کر پیچھے دیکھا یہ وہی چیکاش بوڑھا تھا جو سعدیہ کے مکان کی شاہ نشین میں بیٹھ کر نوادارات کی مرمت اور رنگ و روغن کیا کرتا تھا اس نے عبرانی زبان میں قدرے بلند آواز میں کہا" میرے پاس حضرت سلیمانؑ کے اقوال لکھے ہیں۔۔ آپ کو پسند آئیں گے آیئے آپ کو دکھاؤں"

اور وہ مجھے کھینچتے ہوئے گلی میں لے گیا اس نے مجھے تیز تیز چلنے پر مجبور کر دیا تھا گلی میں سے ایک اور تنگ و تاریک گلی نکلتی تھی ہم اس گلی میں آ گئے آگے ایک پرانی حویلی کا بوسیدہ محرابی دروازہ آ گیا اندھیرے میں ایک مرغی میرے پاؤں سے ٹکرا کر شور مچاتی ایک طرف کو بھاگی چیکاش مجھے حویلی کے اندر ایک اندھیری کوٹھری میں لے گیا اس نے جیب سے موم بتی نکال کر روشن کی اور بتایا کہ سعدیہ کے مکان پر چھاپا پڑا ہے مگر سعدیہ وہاں موجود نہیں تھی انٹیلی جینس والوں کو کوئی ثبوت نہیں مل سکا میں بیس برس سے یہاں کام کر رہا ہوں" وہ مجھ پر شک نہیں کر سکے اور چلے گئے کسی نے ضرور تمہاری مخبری کر دی ہے اگر سعدیہ وہاں موجود ہوتی تو میں اس وقت خدا جانے کہاں ظلم تشدد کی چکی میں پس رہا ہوتا سعدیہ کو میں نے خفیہ ذریعے سے چھاپے کے بارے میں اطلاع پہنچا دی تھی اس نے تمہارے بارے میں جو احکامات دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ تم فوراً یہاں سے نکل کر فش پوائنٹ پر پہنچو سعدیہ تمہیں وہیں ملے گی"

میں نے پوچھا کہ فش پوائنٹ کہاں ہے اور یہ کون سی جگہ ہے؟ چیکاش نے موم بتی کو زمین پر رکھ دیا تھا اور اس کا سایہ لمبوترا ہو کر دیوار پر لہرا رہا تھا اس نے اپنی جیب سے لکڑی کی گول مہر نکالی جو ٹوٹی ہوئی تھی اور بولا" اسے اپنے پاس رکھو جب تم اس حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل کر ایک ویران بازار کی نکڑ پر پہنچو گے تو تمہیں ایک آدمی ملے گا جو کوڈ لفظ میں تم سے مخاطب ہوگا تم اسے یہ ٹوٹی ہوئی مہر نکال کر دو گے اس کا دوسرا آدھا حصہ اس کے پاس ہوگا وہ تمہیں فش پوائنٹ پر پہنچا دے گا آؤ میرے ساتھ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے"

وہ مجھے حویلی کی اندھیری راہ داری میں سے گزار کر ایک پرانے دروازے پر لے گیا اسے کھولا تو سامنے ایک ویران سا علاقہ تھا۔ جہاں دور ایک طرف کسی مکان میں روشنی ہو رہی تھی بائیں طرف دو تین خالی ٹرک کھڑے تھے" یہاں سے دائیں جانب بازار کی نکڑ پر چلے جاؤ جلدی کرو"

میں دروازے سے باہر نکلا تو اس نے پیچھے دروازہ بند کر دیا میں ٹرکوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا بازار کی نکڑ کی طرف تیز تیز چلنے لگا میں ابھی بازار کی نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ ایک پولیس کانسٹیبل خدا جانے

کہاں سے نکل کر میرے سامنے آگیا اس کے کاندھے سے اسٹین گن لٹک رہی تھی جس پر اس کا ایک ہاتھ تھا اس نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور مجھ سے میرا شناختی کارڈ مانگا شناختی کارڈ میرے پاس نہیں تھا۔ شناختی کارڈ میرے پاس بالکل نہیں تھا۔

شناختی کارڈ بنوانے کی ضرورت اس لئے بھی پیش نہیں آئی تھی کہ میں کسی ایسے مشن پر نہیں تھا کہ مجھے دشمن کے کسی خاص شہر میں کیمو فلاج جاسوس کی حیثیت سے ان ہی کا شہری بن کر رہنا پڑتا۔ میرا ایک مشن تھا اور یہ طوفانی ایکشن مشن ہوتا ہے۔ ابھی کسی بھیس میں کسی اور ہی نام پر جانا پڑتا ہے۔ ادھر ڈوبے ادھر نکلے والا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شناختی کارڈ بنوانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی، ورنہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔

یہودی پولیس کانسٹیبل رات کی راؤنڈ ڈیوٹی پر تھا۔ میں نے ایک مکان کی دیوار سے لگی ہوئی بتی کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ اس کی کمر کے ساتھ آٹومیٹک اسٹین گن لٹک رہی تھی، لیکن اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سے ڈنڈے کے جس کے آگے چمڑے کا تسمہ لگا تا اور کچھ نہیں تھا۔ اسے مجھ پر کوئی خاص شبہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے روٹین یعنی گشت کے معمول میں مجھ سے شناختی کارڈ طلب کیا تھا۔

میں نے اپنی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا، جیسے شناختی کارڈ تلاش کر رہا ہوں۔ اس دوران میں، میں نے یہودی کانسٹیبل پر حملہ کرنے کا زاویہ بھی سوچ لیا تھا اگرچہ اسے مجھ پر ابھی کسی قسم کا شک نہیں تھا لیکن شناختی کارڈ نہ نکلنے پر شک ہو سکتا تھا کیونکہ اسرائیل میں اس اصول پر بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا کہ ہر شہری خاص طور پر رات کے وقت اپنا شناختی کارڈ جیب میں رکھ کر نکلے۔ میں جیبوں کو ٹٹول بھی رہا تھا اور ساتھ ساتھ عبرانی میں بولے بھی جا رہا تھا کہ میں تو شناختی کارڈ جیب میں ڈال کر نکلا تھا پھر یہ کم بخت کہاں چلا گیا؟ کہیں میں نے دوسرے کوٹ میں تو نہیں رکھ لیا تھا؟ میں تو ہمیشہ شناختی کارڈ اپنے پاس رکھتا ہوں۔

یہودی کانسٹیبل کو نہ جانے کیا شبہ ہوا کہ اس نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر جھنجوڑا اور بولا۔ "تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

مجھے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے، اسے بھی میرے بارے میں اطلاع کر دی گئی ہو کیونکہ آخر کار اس کا تعلق اسرائیلی پولیس فورس سے تھا۔ میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "میں ایک غریب مزدور ہوں، پرانے بازار میں سارا دن مزدوری کرتا ہوں شام کو گھر لوٹ جاتا ہوں"۔

اس نے مجھے گردن سے پکڑا اور مکان کے کونے پر جلتی بتی کے قریب لے گیا اور مجھے جھک کر گھورنے لگا۔ "مجھے تم مشکوک آدمی لگتے ہو، میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلو"۔

غنیمت ہوا کہ اس نے اسٹین گن ابھی تک نہیں نکالی تھی۔ شاید اسی لئے کہ وہ مجھے

مشکوک سمجھ رہا تھا' خطرناک نہیں ۔ یہ اس کی غلطی یا غلط فہمی تھی' جس کا خمیازہ اسے تین سیکنڈ بعد ہی بھگتنا پڑا جب میرا ایک زوردار مکا اس کے پیٹ پر دل کے بالکل نیچے پڑا۔ وہ آگے کو جھکا۔ دوسرا مکا اس کی گردن پر پڑا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ شاید بے ہوش ہو گیا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ سے بالکل ہلا جلا نہیں۔ میں چھلانگ لگا کر بازار کے موڑ کی جانب اندھیرے میں آ گیا۔

شاید یہی فش پوائنٹ تھا کیونکہ میرے وہاں پہنچتے ہی ایک پراسرار سایہ نکڑ کے اندھیرے سے نکل کر میری طرف بڑھا اور اس نے کوڈ لفظ کہا' وہ ایک دیوار کے ساتھ ساتھ تیز قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ آگے ایک پرانے ماڈل کی گاڑی کھڑی تھی ۔ اس نے دروازہ کھول کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر میں یہ پرانی سی گاڑی بڑی تیزی سے بازاروں میں سے گزر رہی تھی ۔ یہ بازار نیم روشن تھے اور یہاں دکانیں نہیں تھیں بلکہ رہائشی فلیٹوں کے دروازے تھے ' جہاں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی ۔ بازار ختم ہوا تو سامنے ایک ویران علاقہ آ گیا۔ اس کی ایک جانب کھیت اور ایک جانب کھلا میدان تھا۔ یہاں اس پراسرار آدمی نے گاڑی کھڑی کر دی اور اپنی جیب سے ٹوٹی ہوئی مہر نکال کر مجھے دکھائی ۔ وہ چپ تھا۔ اس کی آنکھیں گاڑی کے اندھیرے میں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں ۔ میں نے جیب سے مہر کا دوسرا حصہ نکال کر اسے دیا تو اس نے اسے اپنی مہر کے ساتھ جوڑا... پھر دونوں ٹکڑے اپنی جیب میں ڈال کر گاڑی آگے بڑھائی اور بولا ۔ "تم نے پولیس کانسٹیبل سے جھڑپ مول لے کر بڑی حماقت کی تھی ۔ تم اپنے ساتھ مجھے بھی کسی مصیبت میں پھنسا سکتے تھے"۔

میں نے کہا کہ اس نے مجھ سے شناختی کارڈ مانگا تھا اور مجھے پولیس اسٹیشن لے جا رہا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ گاڑی کی روشنی سڑک پر پڑ رہی تھی ۔ ایک چوک آ گیا۔ اس نے گاڑی ایک نسبتاً چھوٹی سڑک پر ڈال دی ۔ اس سڑک پر کوئی ایک میل چلنے کے بعد سڑک کی بائیں جانب مجھے ایک ٹرک کھڑا نظر آیا ۔ میرے ساتھی نے ٹرک کے ایک طرف گاڑی کھڑی کر دی ۔ ٹرک میں سے ایک لمبا تڑنگا آدمی اترا۔ اس نے ٹرک کا عقبی دروازہ کھول دیا میرے ساتھی نے اشارہ کیا اور بولا۔ "ٹرک میں چلے جاؤ اور خاموش رہنا"۔

میں گاڑی سے نکل کر ٹرک کے اندر گھس گیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ٹرک کے اندر سبزیوں کی بوریاں اور لکڑی کے کریٹ بھرے ہوئے تھے ۔ میں ان کے درمیان بیٹھ گیا ۔ ٹرک اسٹارٹ ہوا اور کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہلے تو وہ غیر ہموار چھوٹی سڑک پر چلتا رہا۔ اس کے بعد ہموار سڑک پر آ گیا اور اس کی رفتار بھی تیز ہو گئی ۔ پندرہ بیس منٹ یہ ٹرک اس سڑک پر چلتا رہا پھر اس نے ایک موڑ کاٹا اور رفتار دھیمی ہو گئی ۔ ٹرک کو دھچکے لگ رہے تھے ۔ اس کی رفتار کم ہوتے ہوتے بہت ہی دھیمی ہو گئی اور وہ ایک موڑ گھوم کر رک گیا۔ انجن بند ہو گیا۔ اسی لمبے تڑنگے ڈرائیور نے ٹرک کا عقبی دروازہ کھول کر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ یہ ایک کچے مکانوں والی گلی

تھی۔ ٹرک نے گلی کو آدھے سے زیادہ بھر دیا تھا۔ ڈرائیور نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ میں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ٹرک پیچھے کو سرکتا ہوا گلی میں سے نکل گیا۔

مکان کا دروازہ بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے دوسری بار دستک دی تو اندر صحن میں کسی بلی کے میاؤں میاؤں کرنے کی آواز سنائی دی پھر انسانی قدموں کی چاپ دروازے تک آئی اور دروازہ کھل گیا۔ یہ ایک لمبی داڑھی والا آدمی تھا جس نے کھلی آستینوں والا لمبا کرتہ پہن رکھا تھا۔ سر پر یہودیوں والی گول ٹوپی تھی۔ اس نے بھی مجھ سے کوئی بات نہ کی اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک سے بڑھ کر ایک پراسرار آدمی مل رہا تھا۔ دروازہ اس نے بند کر دیا تھا آگے چھوٹا سا کچا صحن تھا' جس کی ایک جانب شاید مرغیوں کے لئے ڈربا بنا ہوا تھا۔ کونے میں لکڑی کے خالی کھوکھوں کا ڈھیر پڑا تھا سامنے دو کمرے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے کے دروازے کے اوپر ہی روشن دان تھا جس میں سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی تھی۔ اس لمبی داڑھی والے آدمی نے مجھے اس کمرے میں تخت پر بٹھایا اور خود جدھر سے آیا تھا ادھر ہی چلا گیا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں کونے میں رکھی لوہے کی گول میز پر لکڑی کا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ چار پانچ کرسیاں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ تھا جو بغلی کمرے کی طرف کھلتا تھا۔ یہ دروازہ بھی بند تھا۔ کمرے کی فضا بوجھل تھی پھر دروازہ کھلا اور میرے سامنے سعدیہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"تمہیں چیکاش کے مکان کے باہر کسی نے دیکھا تو نہیں تھا؟"

میں نے اسے بتایا کہ اس کے مکان تک جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ چیکاش نے مجھے بازار میں ہی دبوچ لیا تھا۔

سعدیہ لوہے کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور اپنے کٹے ہوئے بالوں کو پیچھے کو جھٹک کر بولی۔ "اسرائیلی انٹیلی جینس دنیا کی عجیب و غریب انٹیلی جینس ہے۔ میں ان کے مزاج کو پوری طرح جان گئی ہوں۔ بہرحال جس وقت چھاپہ پڑا' میں وہاں نہیں تھی اگر ہوتی تو اس وقت میرے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہوتا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چیکاش پر انہیں اس لئے شک نہیں ہوا کہ ایک تو وہ مذہبی آدمی ہے' دوسرے وہ ایک عرصے سے وہاں رہ رہا ہے تمہیں راستے میں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

جب میں نے اسے پولیس کانسٹیبل سے اپنی سنسنی خیز ملاقات کا حال بیان کیا تو وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے ساتھ آؤ' اب ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ ضرور وہ لوگ اسی علاقے کو گھیرے میں لے رہے ہوں گے"۔

وہ مجھے دوسرے کمرے سے نکال کر مکان کے عقبی صحن میں لے آئی جہاں اندھیرا تھا۔ سامنے دیوار میں ایک محرابی دروازہ تھا۔ سعدیہ تیز تیز قدموں سے جا رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر

گلی میں جھانکا پھر مجھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس گلی میں دیوار کے ساتھ اندھیرے میں ایک فوکس ویگن کھڑی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ سعدیہ اسٹیئرنگ پر بیٹھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور بڑی تیزی سے اسے گلی میں سے نکال کرلے گئی۔ اس نے ایک کھلے علاقے میں سے گزرتے ہوئے کہا۔ "اب سارا کام اسٹور کے عقبی کمرے میں ہو گا۔ تم پوری طرح سے تیار ہو' نا؟"

"کیا مطلب؟" میں نے آنکھیں سیکڑ کر کہا۔

سعدیہ مسکرائی۔ "تمہیں کل صبح کی فلائیٹ میں انڈیمان آئی لینڈ جانا ہو گا"۔

میں نے سامنے سڑک پر نظریں جما رکھی تھیں۔ آہستہ سے کہا" میں تیار ہوں"۔۔

سعدیہ خاموش ہو گئی۔ ہم جس کھلی سڑک پر جا رہے تھے اس پر کہیں کہیں بجلی کا کھمبا آ جاتا' جس پر بلب جل رہا تھا۔ سعدیہ عقابی نظروں سے دائیں بائیں اور سائڈ پر لگے آئینے میں دیکھتی جاتی تھی۔ "میں اوپر سے ہو کر جا رہی ہوں۔ مین روڈ پر چیکنگ کا خطرہ تھا"۔

دور دور سے کئی ماڈرن مضافاتی بستیاں گزر گئیں' جہاں بنگلوں اور فلیٹوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ بیس پچیس منٹ کے بعد ہماری فوکس ویگن ایک دو منزلہ کاٹیج نما مکان کی عقبی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں کھڑی ہو گئی۔ سعدیہ نے انجن بند کیا اور باہر نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ دیوار جہاں ختم ہوتی تھی' وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بنا ہوا تھا۔ سعدیہ نے دروازے پر تین بار خاص کوڈ میں دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک اونچے لمبے آدمی نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ اندر چھت کے ساتھ ایک مدھم بلب جل رہا تھا۔ میں نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی ڈرائیور تھا' جو مجھے ٹرک میں سعدیہ کے خفیہ ٹھکانے پر لے گیا تھا۔

دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ اب میں نے اس کمرے کا جائزہ لیا' جو کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کے کھوکھے لگے تھے۔ کئی ایک بوریاں بھی پڑی تھیں۔ فضا میں خشک میوے اور باسی سبزیوں کی عجیب سی خوشبو مخلوط ہو رہی تھی۔ کمرے کے وسط میں ... سات فٹ لمبا اور تقریباً تین فٹ چوڑا ایک لکڑی کا کریٹ پڑا تھا۔ سعدیہ نے اس کریٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "حنیفہ سے انڈیمان تک تمہاری سیٹ اس کریٹ میں بک ہو چکی ہے"۔

وہ ہلکا سا مسکرائی لیکن بہت جلد چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمی سے کہا کہ اس میں ہر شے رکھ دی گئی ہے۔

لمبے تڑنگے آدمی کی پیٹی کے ساتھ پیچ کس' زنبور' ٹارچ اور چاقو لٹک رہا تھا۔ اس نے جھک کر لکڑی کے کریٹ کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ میں نے مدھم بلب کی روشنی میں دیکھا کہ کریٹ کے اندر فوم کا گدا بچھا ہوا تھا۔ کریٹ کی اونچائی تقریباً تین فٹ تھی دیواروں کے ساتھ جگہ جگہ فوم کے چھوٹے چھوٹے تکیے چپکا دیئے گئے تھے۔ سرہانے کی دونوں جانب پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی چار بوتلیں ایک طرف اور

چار بوتلیں دوسری طرف رکھی تھیں ۔ پلاسٹک کا ایک چوکور لفافہ بھی وہیں پڑا تھا۔

سعدیہ نے کہا۔ "ان بوتلوں میں تمہارے لئے مشروب ہے ۔ پلاسٹک کے لفافے میں ہیم برگر ہیں اگرچہ کریٹ کے نیچے اور پہلوؤں میں مناسب جگہوں پر ہوا کے لئے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیئے گئے ہیں مگر تمہیں پلاسٹک کا ایک چھوٹا آکسیجن ماسک بھی دیا جائے گا جسے تم بوقت ضرورت اپنے منہ پر چڑھا کر تازہ آکسیجن لے سکو گے"۔

میں بڑے غور سے ایک ایک تفصیل سن رہا تھا۔ سعدیہ نے بتایا کہ فلائیٹ دس سے ساڑھے گیارہ گھنٹوں کی ہو سکتی ہے اتنی مدت تک مجھے کریٹ کے اندر بالکل سیدھے لیٹے رہنا ہو گا وہ میری طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ "عامر! تم کریٹ کے تابوت میں گھبرا تو نہیں جاؤ گے ؟"

میں نے گردن کھجاتے ہوئے کہا۔ "تھک ضرور جاؤں گا مگر گھبراؤں گا بالکل نہیں ۔ میں اس قسم کی سختیاں برداشت کرنے کا عادی ہوں"۔

سعدیہ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اداسی تیرنے لگی تھی۔ بولی۔ "مجھے تمہاری فکر لگی رہے گی"۔

میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "انڈیمان پہنچ کر مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

سعدیہ نے اپنا ہاتھ کاندھے سے اٹھا لیا اور لکڑی کے سٹول پر بیٹھ گئی۔

میں بھی اس کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ گیا۔ لمبا تڑنگا آدمی کریٹ کے تابوت کے پاؤں کی جانب کسی شے کو ریتی سے رگڑ رہا تھا۔ سعدیہ نے کہا۔ "انڈیمان آئی لینڈ کئی جزیروں کا نام ہے تم جس جزیرے کے ہوائی اڈے پر پہنچو گے ' وہ جیساکہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں اسرائیلی وزارت خارجہ کی تحویل میں ہے اور یہاں ملٹری انٹیلی جینس کے علاوہ سکیورٹی فورس اور اسرائیلی کمانڈوز کی ایک پوری رجمنٹ تعینات ہے '۔ جس وقت تمہارا جہاز ائرپورٹ پر لینڈ کرے گا تو تمہارے کریٹ کو بھی دوسرے سامان کے ساتھ ائرپورٹ کے گودام میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اب وہاں سے باہر نکلنا تمہارا کام ہے۔ وہاں ہمارا کوئی آدمی متعین نہیں ہے ' جو تمہاری مدد کرے ۔ تمہیں کسی نہ کسی طرح اس گودام سے نکل کر جنگل میں کسی پوشیدہ جگہ پر چھپ جانا ہو گا۔ اس کے بعد تمہارا مشن ہو گا۔ تم تنہا ہی سونیا کو تلاش کرو گے اور اسے نکال کر وہاں سے فرار ہو گے ۔ یہ کام بے حد مشکل ہی نہیں بلکہ بظاہر ناممکن لگتا ہے لیکن مجھے یقین ہے عامر کہ تم اس مشن میں انشاء اللہ کامیاب ہو گے"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں کریٹ کے تابوت کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے سعدیہ سے پوچھا کہ مجھے کب اس تابوت میں لیٹنا ہو گا۔

سعدیہ نے کہا۔ "ابھی رات کے نو بج رہے ہیں ۔ ہمیں یہ کریٹ سپلائی کے دوسرے کریٹوں کے ساتھ ایک بجے رات تک ائرپورٹ پہنچا دینا ہو گا۔ ہمارا آدمی یہ کریٹ ٹرک میں لاد کر گیارہ بجے

رات یہاں سے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوگا۔ اس حساب سے تم پونے گیارہ بجے بھی کریٹ میں اتر سکتے ہو"۔

لیکن میں پورے ساڑھے دس بجے رات کریٹ کے تابوت میں اتر کر لیٹ گیا۔ میرے پاس اس وقت بھی صرف سعدیہ اور وہی لمبا تڑنگا مزدور ٹائپ آدمی تھا۔ وہ کم گو اور جلدی جلدی کام کرنے والا آدمی تھا۔ تابوت میں لیٹنے سے پہلے، میں باتھ روم میں جا کر اچھی طرح سے منہ ہاتھ دھو کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود بوقت ضرورت کام آنے کے لئے پلاسٹک کی ایک بڑی فالتو بوتل بھی میرے گھٹنے کے پاس رکھ دی گئی تھی۔ میں نے اپنا لمبے کرتے والا یہودی لباس اتار کر پرانی جینز اور نیم آستین والی بشرٹ پہن لی تھی۔ پاؤں میں نیلے رنگ کے کینوس کے جوتے پہن لئے تھے۔ مجھے انڈین کرنسی میں سو سو اور پانچ پانچ روپے کے کچھ نوٹ دے دیئے گئے۔ ایک سائیلنسر والا جرمن آٹومیٹک بھرا ہوا پستول بھی میری جیب میں تھا، پلاسٹک کا آکسیجن ماسک بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہوائی جہازوں کی کراس روشن فلائٹوں میں مسافروں کی نشستوں کے اوپر موجود ہوتا ہے۔ یہ بڑا ہلکا پھلکا تھا۔ میں نے اسے منہ پر لگا کر ٹیسٹ بھی کیا۔ کریٹ کی دیواروں پر دونوں جانب لوہے کی ہکیں لگی تھیں، جن کو پکڑ کر میں اپنا توازن برقرار رکھ سکتا تھا۔ فوم کی ایک چادر میرے گھٹنوں پر ڈال دی گئی تھی کیونکہ جہاز کا وہ چیمبر جہاں سبزیوں اور فوڈ کے کریٹ رکھے جاتے ہیں، بہت زیادہ ائرکنڈیشنڈ ہوتا ہے۔

میں کریٹ میں سیدھا لیٹا تھا اور سعدیہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "او کے"۔

میں نے بھی مسکرا کر انگلیوں سے فلسطینی مجاہدوں کی طرح وکٹری کا نشان بنا کر "او کے" کہا۔ وہ گہرا سانس بھر کر پیچھے ہٹ گئی وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں نے صرف چار چکن سینڈوچز کھا لئے تھے اور مشروب پینے سے احتراز کیا تھا۔

ٹھیک پونے گیارہ بجے ایک ٹرک کی آواز سنائی دی۔ سعدیہ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "ٹرک آ گیا ہے، منعم کو اندر بلا لو"۔

لمبا تڑنگا آدمی جلدی سے باہر نکل گیا۔ ٹرک اس اسٹور کے باہر آ کر رک گیا۔ پھر ٹرک کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی پھر منعم اندر آ گیا۔ وہ ایک ناٹے قد کا، بھرے بھرے جسم والا آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ آتے ہی کریٹ کا اچھی طرح سے جائزہ لیا اور پھر اپنی گھڑی پر نگاہ ڈال کر بولا۔ "اب ہمیں نکل جانا چاہئے"۔

سعدیہ نے پوچھا۔ "باقی کریٹ رکھ لئے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ بولا۔ "ٹرک میں رکھے ہیں"۔

سعدیہ نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر عجیب اداس اور خشک آواز میں مجھے خدا حافظ کہا اور ان

دونوں آدمیوں نے کریٹ کا ڈھکنا بند کر دیا۔

میں ایک دم سے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ مجھے کچھ گھبراہٹ سی ہوئی۔ میں نے فوراً آکسیجن ماسک اپنے منہ کے ساتھ لگالیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس سے میری گھبراہٹ کافی حد تک دور ہو گئی پھر میرے کریٹ کو زمین پر سے اٹھالیا گیا۔ کریٹ بڑی احتیاط کے ساتھ ٹرک میں رکھ دیا گیا۔ پھر ٹرک اسٹارٹ ہو کر ائرپورٹ کی طرف چل پڑا۔ ٹرک چلا تو تھوڑی دیر بعد مجھے 'کریٹ کی دیواروں میں جو سوراخ رکھے گئے تھے' ان میں سے تازہ ہوا اندر آتی محسوس ہوئی۔ میں نے آکسیجن ماسک اتار کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ کریٹ میں گرمی ہو گئی تھی۔ میں نے فوم کی چادر پیچھے کر دی۔ کریٹ میں اتنی اونچائی رکھی گئی تھی کہ میں گھٹنوں کو اپنی ضرورت کے مطابق اوپر اٹھا سکتا تھا۔ ٹرک میں کریٹ کو پہلے تو ہلکے ہلکے دھچکے لگنے لگے۔ میں نے دائیں بائیں لگی ہکوں کو پکڑ لیا۔ لکڑی کی دیواروں سے لگے فوم کے تکیے مجھے کافی آرام پہنچا رہے تھے اور میرا سر ٹکرا نہیں رہا تھا۔ ٹرک ہموار سڑک پر آگیا۔ دھچکے لگنے رک گئے۔ شاید کوئی ہائی وے تھی کیونکہ ٹرک کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ ٹرک دیر تک چلتا رہا۔

پھر اس کی رفتار دھیمی ہونا شروع ہو گئی۔ اس نے دو تین موڑ ہی کاٹے۔ اب مجھے ایک جہاز کے ٹیک آف کرنے کی آواز سنائی دی۔ ہم ائرپورٹ پہنچنے والے تھے۔ کچھ ویگنوں اور گاڑیوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ مجھے صرف ایک ہی خدشہ تھا کہ اگر کہیں چیکنگ ہو گئی تو معاملہ الٹ جائے گا لیکن جو کمپنی انڈیمان میں مقیم اسرائیلی رجمنٹ اور سرکاری ملازموں اور سکیورٹی فورس والوں کے لئے فوڈ سپلائی کرتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی ساکھ بہت ہی قابل اعتبار تھی۔ ٹرک دھیما ہوتے ہوتے رک گیا۔ دوسرے کریٹوں کے ساتھ میرا کریٹ بھی مزدور کی مدد سے ہوائی اڈے کے بڑے گودام میں لے جا کر رکھ دیا گیا۔ اس دوران میں مجھے مزدوروں اور اپنے ڈرائیور کے ہنس ہنس کر باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی آتی رہیں گودام میں آنے کے بعد خاموشی چھا گئی۔ مجھے پھر گرمی لگنے لگی۔ کچھ گھٹن بھی محسوس ہوئی۔ پانی میں نہیں پینا چاہتا تھا۔ میں نے آکسیجن ماسک منہ پر لگالیا۔ ٹھنڈی آکسیجن نے کافی سکون بخشا۔

وقت اتنی آہستگی سے گزر رہا تھا کہ لگتا تھا' رک گیا ہے۔ میں نے اپنی کلائی کے ساتھ بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی' جو وقت مجھے ٹیک آف کرنے کا بتایا گیا تھا' اس حساب سے ابھی جہاز پر میرے کریٹ کے لادے جانے میں کافی دیر تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کی مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بہت کوشش کی لیکن نیند نہ آئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کریٹ میں قبر ایسی تاریکی چھائی تھی۔ شاید میرے اوپر بھی دو ایک کریٹ پڑے تھے مگر پہلوؤں کی جانب سے تازہ ہوا آ رہی تھی' جس کا مطلب تھا کہ دائیں بائیں کوئی کریٹ یا کھوکھے موجود نہیں تھے' اس کا اہتمام لازمی طور پر ہمارے ٹرک کے ڈرائیور نے ہوشیاری اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے کیا ہو گا۔ میں

آنکھیں پھاڑے کلائی کی گھڑی کو تک رہا تھا گھڑی کی سیکنڈوں والی سوئی کا فاسفورس چمک رہا تھا۔ سوئی ٹک ٹک کرتی چکر میں گھوم رہی تھی۔ ایک ایک سیکنڈ بڑی دیر بعد اور کافی مشکل کے ساتھ گزر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بازو اور ٹانگیں بالکل سیدھی کر لیں اور ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا' لیکن نیند تو جیسے عنقا ہو گئی تھی۔ دماغ بالکل خشک ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی گلا بھی خشک ہونے لگا۔ میں نے ہاتھ سے ٹٹول کر پلاسٹک کی مشروب والی بوتل اٹھا کر اس کا ڈھکنا کھولا اور منہ کے ساتھ لگا کر ٹھنڈے مشروب کے دو گھونٹ پیئے اور بوتل بند کر کے سرہانے کی جانب رکھ دی۔ اردگرد گہری خاموشی چھا رہی تھی' پہلے دو ایک ہوائی جہازوں کے ٹیک آف کرنے کی آوازیں سنائی دی تھیں مگر اب ایسا سناٹا چھا گیا جیسے میں کسی گمنام اور پرانی قبر میں پڑا ہوں اگر مجھ پر غنودگی طاری ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ وقت آسانی سے گزر جاتا... مگر تازہ اور ٹھنڈی آکسیجن کا سانس میرے اعصاب کو پوری طرح بیدار رکھے ہوئے تھا' جس کی وجہ سے مجھے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ میں نے آکسیجن ماسک اتار دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھے گھٹن محسوس ہونے لگی۔ دیوار کے سوراخوں میں سے ناکافی ہوا اندر آ رہی تھی۔ آکسیجن ماسک رکھ کر سعدیہ نے بڑی عقل مندی کی تھی' ورنہ میرے ساتھ اس قبر نما لکڑی کے کھوکھے میں لیٹے لیٹے کوئی حادثہ ہو سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ باہر سے گاڑیوں کی آوازیں سنائی دینے لگی پھر ایک جہاز نے لینڈ کیا۔ اس کے بعد گودام کے بڑے دروازے کے کھلنے اور موور کے چلنے کی آواز آئی اس موور کے آگے لوہے کے لمبے بازو لگے ہوئے تھے' جو بڑے سے بڑے کریٹ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر بڑی آہستگی سے باہر لا کر ٹرک پر رکھ دیتا تھا پھر میرے کریٹ کو بھی فرش پر سے اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد ائرپورٹ کے لوڈر پر رکھا گیا۔ لوڈر تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے اندر ہموار رن وے پر چلا جا رہا تھا۔ مجھے سوراخوں میں سے بڑی تازہ ہوا آنے لگی تھی۔ میں سوراخ میں سے باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لوڈر کسی اونچی لگی بہت تیز لائٹ کے پاس سے گزرا تو سوراخ میں سے روشنی کی ایک لکیر میرے منہ کے قریب سے ہو کر پیچھے کو نکل گئی۔ لوڈر شاید کارگو طیارے کے نیچے جا کر رک گیا تھا۔ کیونکہ مجھے طیارے کے پاس کھڑے اس دہیکل کے انجن کی تیز آواز آ رہی تھی جو طیارے میں تیل بھر رہا تھا۔ دوسرے کریٹوں کے ساتھ میرے کریٹ کو بھی لوہے کی ایک چوڑی بیلٹ پر رکھ دیا گیا تھا۔ جس پر میں ایک جھٹکے کے ساتھ گرا تھا اور لوہے کے بیلٹ کے اسپرنگ اور چادر کی آواز بلند ہوئی تھی۔ مجھے دھچکا لگا اور اگر میں ہاتھوں کو نہ پکڑتا تو یقیناً میرا سر اوپر کریٹ کی چھت سے ٹکرا جاتا۔

اس بیلٹ پر میرا کریٹ دیر تک پڑا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے سوراخ میں سے صبح کی پھیکی پھیکی ہلکی نیلی روشنی آتی دکھائی دی۔ صبح ہو رہی تھی کریٹ کے تابوت میں گرمی بڑھ گئی تھی۔ میں زیادہ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کہیں آواز پیدا نہ ہو اور باہر کسی کو شک نہ پڑ جائے۔ میں نے صرف اتنا

ہی کیا کہ آکسیجن ماسک منہ سے لگا لیا۔ میری ٹانگیں اکڑنے لگیں۔ میں نے سوچا ابھی سے یہ حال ہے تو آگے کیا ہو گا۔ ابھی تو دس بارہ گھنٹوں کا سفر درپیش ہے۔ میں نے اپنے مقصد کی عظمت کو یاد کرتے ہوئے اپنے عزم اور حوصلے کو بلند رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ آخر وہ گھڑی بھی آ گئی' جب مجھے بھی دوسرے سامان کے ساتھ کارگو طیارے کے لیگیج چیمبر میں رکھ دیا گیا۔ اس کا ثبوت مجھے اس بات سے ملا کہ چیمبر کا نچلا دروازہ ایک خاص آواز کے ساتھ بند ہو کر خود بخود لاک ہو گیا تھا۔ لاک لگنے کی دھیمی سی کلک کی آواز بھی میں نے صاف سنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میرے کریٹ کے اندر جو شدید گرمی پیدا ہو چلی تھی' وہ زائل ہونا شروع ہو گئی۔ یہ اس چیمبر کے ائرکنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے تھا۔ پہلو کے باریک اور بظاہر نظر نہ آنے والے سوراخوں میں سے ٹھنڈک اندر آنے لگی۔ پہلے تو مجھے اس سے بڑا سکون ملا لیکن کچھ ہی وقت گزرنے پر مجھے سردی لگنے لگی۔ میں نے فوم کی چادر اوپر کھسکا لی۔

ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ اب میرے سامنے اس سے بھی زیادہ خطرناک مرحلہ تھا اور یہ مرحلہ منزل مقصود پر پہنچ کر اس اسٹور روم سے باہر نکلنے کا تھا' جہاں اس کریٹ کو رکھا جانا تھا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ فرار ہونے سے پہلے میں کریٹ کو آگ لگا دوں گا۔ یہ آگ آکسیجن ماسک کی مدد سے بڑی آسانی سے بھڑکائی جا سکتی تھی۔ اب مجھے جہاز کے ٹیک آف کرنے کا انتظار تھا۔ سب سے پہلے تو تیل بھرنے والا انجن بند ہوا اور پمپنگ موٹر وہاں سے ہٹا دی گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد جہاز کو ٹو کیا جانے لگا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب مجھے وہاں سے کم از کم کوئی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اپنی نئی منزل میرے سامنے تھی جہاز کا رخ جب سیدھا ہوا تو اس کا ایک انجن اسٹارٹ ہو گیا اور اس نے اپنے طور پر رن وے کی طرف چلنا شروع کیا پھر وہ رن وے پر ایک جگہ پہنچ کر رک گیا اور اس کے جیٹ انجن یکے بعد دیگرے گرج اٹھے۔ جہاز چلنے لگا۔ میں نے کریٹ کے اندر لیٹے لیٹے سائیڈز کی ہکوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جہاز رن وے پر دوڑنے لگا اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ جہاز میں گویا بھونچال آ گیا تھا۔ پوری رفتار سے جب وہ ٹیک آف پوائنٹ پر آیا تو ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ اس نے زمین چھوڑ دی اور ایک جھکولا کھاتا ہوا اوپر کو اٹھنے لگا۔

ٹیک آف کرنے سے پہلی تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ جہاز کا شور کم ہو گیا۔ دوسرے یہ ہوا کہ چیمبر میں سردی بڑھنے لگی۔ ائرکنڈیشنگ میں اضافہ ہو گیا تھا مگر فوم کا کمبل مجھے سردی سے بچائے ہوئے تھا۔ جہاز اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جا رہا تھا پھر ایک خاص بلندی پر پہنچ کر وہ سیدھا ہو گیا۔ چیمبر میں ہوا کا دباؤ نارمل تھا مگر نہ جانے کیوں کسی وقت مجھے اپنا سانس رکتا محسوس ہوتا تھا۔ میں نے آکسیجن ماسک اپنے منہ پر چڑھائے رکھا۔ جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف پرواز کرنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد' میں نے اپنے سرہانے رکھے پلاسٹک کے لفافے میں سے ایک سینڈوچ نکال کر کھایا اور مشروب کے دو

گھونٹ پیئے۔ جہاز کسی وقت ڈولتے ہوئے کھڑکھڑاتا اور پھر ہموار ہو جاتا۔ کسی وقت مجھے بے حد گھبراہٹ محسوس ہوتی اور جی چاہتا کہ کریٹ کا ڈھکن اٹھا کر باہر نکل آؤں مگر سعدیہ کی ہدایت تھی کہ ایسا بھول کر بھی نہ کرنا کیونکہ کریٹ کو کیلیں ٹھونکی گئی تھیں اور ایک بار باہر نکلنے کے بعد' میں دوبارہ ان کیلوں کو اپنی جگہ پر نہیں ٹھونک سکتا تھا۔ یہ کیل زیادہ سخت نہیں تھے اور میرے اندر سے تھوڑا سا زور لگانے سے اکھڑ سکتی تھیں۔

میں مجبور ہو کر کریٹ کے اندھیرے تابوت میں پڑا رہا۔ جہاز کی پرواز جاری تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ حیفہ کے ائرپورٹ سے ٹیک آف کیئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ ابھی نو دس گھنٹوں کا سفر باقی تھا۔ میں نے اپنی ٹانگوں کے پٹھوں کی ورزش شروع کر دی۔ میں انہیں سکیڑتا اور پھر چھوڑ دیتا۔ اسی طرح میں نے بازوؤں اور سینے کی ورزش بھی کی۔ اس سے میرے جسم میں کچھ گرمی اور توانائی آگئی۔ خون کی گردش بھی معمول کے مطابق ہو گئی۔ جب فضا میں پرواز کرتے تین گھنٹے گزر گئے تو میں نے دو سینڈوچز مزید کھا لئے اور مشروب کے چار گھونٹ پیئے۔ اب میں نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی کیونکہ کریٹ میں ایک مردے کی طرح سیدھے لیٹے رہنے کی اذیت سے صرف اسی طرح سے کسی حد تک نجات مل سکتی تھی لیکن خدا جانے نیند کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے کوشش جاری رکھی اور حیرانی کی بات ہے کہ مجھے نیند آگئی' اس لئے کہ میں ساری رات سے جاگ رہا تھا۔ کچھ سینڈوچز کا بھی خمار ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ پہلے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی... پھر میرے حلق سے دو ایک بار ہلکے سے خراٹوں کی آواز نکلی' جو میں نے خود بھی سنی۔ ایک بار چونک کر جاگا اور پھر کوئی ہوش نہ رہا۔

جب آنکھ کھلی تو جہاز غوطہ کھا رہا تھا۔ وہ ایک طرف کو جھکا ہوا تھا اور میں لڑھک کر دائیں جانب کریٹ کی دیوار سے ٹکرا رہا تھا۔ میں نے جلدی سے ہک کو پکڑ لیا۔ میرے منہ پر سے آکسیجن ماسک ہٹ گیا تھا۔ جہاز بلندی کم کر رہا تھا۔ وہ ایک دم سے نیچے جاتا اور پھر اپنے آپ کو سیدھا کر کے تیرنے لگتا۔ اسی طرح وہ جب کافی نیچے آگیا تھا تو مجھے ایک زور دار شور سنائی دیا۔ یہ جہاز کے پہیوں کے کھلنے کی آواز تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میرا عذاب ختم ہو رہا تھا۔ جہاز بالکل سیدھا ہو کر آگے سے تھوڑا تھوڑا اوپر اٹھنے لگا پھر ایک ایسا دھماکہ ہوا کہ میں کریٹ کے اندر اچھل گیا اور میرا سر ڈھکنے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ جہاز کے پہیئے رن وے کے ساتھ لگ کر ایک بار اوپر کو اچھلے اور دوبارہ نیچے آکر لگے۔ لیگج چیمبر میں اس کیوجہ سے زور دار دھماکہ سا سنائی دیا تھا۔ جہاز نے رن وے پر دوڑتے دوڑتے اپنی رفتار کم کر دی۔ اس کے جیٹ انجن بند ہو چکے تھے۔ اب وہ رن وے پر دھیمی چال چلتا دو تین موڑ گھومنے کے بعد ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ میں نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اس وقت سہ پہر کے پانچ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ چیمبر کا ائرکنڈیشنڈ اگرچہ بند ہو چکا تھا مگر سردی سے میرے

دانت بج رہے تھے اس چیمبر میں خوراک وغیرہ کے کریٹ بھرے تھے' شاید اس لئے اسے کچھ زیادہ ہی ٹھنڈا کیا گیا تھا۔ کچھ سونے سے بھی دوران خون کم ہو گیا تھا۔ میں نے فوم کا کمبل اوپر کر لیا۔ میرے گھٹنے لکڑی کے معلوم ہو رہے تھے۔ پاؤں جیسے سوج گئے تھے۔ بازوؤں کو میں پھر ہلاتا جلاتا رہتا تھا مگر ٹانگوں کو میں زیادہ نہیں ہلا سکتا تھا۔ طیارے کے سارے انجن خاموش تھے۔ اب کچھ لوگوں کی آوازیں اور دور سے کسی ویگن کے انجن کی آواز سنائی دی۔ سامان لے جانے والی گاڑیاں آ کر طیارے کے پاس رک گئی تھیں۔

چیمبر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی پھر دوسرے سامان اور کریٹوں کے ساتھ اس کریٹ کو بھی نیچے اتار دیا گیا جس میں 'میں بند تھا۔ میں نے اپنے جسم کو بالکل ساکت کر لیا تھا اور دونوں طرف کی ٹکوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا تاکہ ہلانے جلانے سے آواز پیدا نہ ہو۔ کریٹ کے سوراخوں میں سے جو ہوا اندر آئی اس میں نمی اور جنوب مشرقی ایشیا کے استوائی پودوں کی خوشبو تھی۔ میرے کریٹ کو کسی بڑے ٹرک میں بے احتیاطی سے پھینکا گیا تو مجھے زبردست جھٹکا لگا۔ میں نے دم سادھ لیا۔ میرا سر ایک بار پھر کریٹ کی چھت سے ٹکرا گیا تھا۔ یہ ٹرک رن وے پر کسی جانب روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر سے گھوم کر وہ رک گیا۔ اب مجھے آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔ یہ لوگ عبرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ یقیناً یہ اسرائیلی تھے اور میں انڈیمان کے اس خاص جزیرے میں پہنچ گیا تھا جہاں سونیا قید تھی اور جہاں ویسے پہنچنا شاید میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد کسی بڑے گودام کے ریلنگ والے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی میرے والا ٹرک آگے بڑھا۔ وہ گودام میں داخل ہو گیا تھا کیونکہ اس کے انجن کی آواز میں گونج پیدا ہو رہی تھی۔ اب مجھے صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ گودام میں جہاں مجھے رکھا جائے گا وہاں میرے کریٹ کے اوپر کوئی دوسرا کریٹ نہ رکھ دیا جائے۔ ایسی صورت حال میں میرے لئے باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

میری بدقسمتی دیکھئے کہ جس کا مجھے خطرہ تھا ویسا ہی ہوا۔ جب میرا کریٹ ٹرک میں سے اتار کر مزدور کی مدد سے گودام میں فرش پر ٹکا دیا گیا تو دوسرے لمحے مجھے اپنے اوپر ایک اور کریٹ رکھنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ میرا دل ڈوب سا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے اوپر ایک اور کریٹ رکھنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے مایوسی سے آنکھیں بند کر لیں۔ اب میں نے یہ دعا مانگنی شروع کر دی کہ میرے دائیں بائیں کریٹ نہ ہوں۔ پھر تو میرے لئے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ باہر کیا ہو رہا تھا۔ ٹرک چلا گیا۔ مزدوروں کی آوازیں بھی دور ہوتی ہوتی غائب ہو گئیں۔ اس کے بعد گودام کے ریلنگ والے بڑے گیٹ کے زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب میں گودام میں اکیلا تھا اور باہر نکلنے کے لئے اپنی کوششیں شروع کر سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے کریٹ کی چھت پر انگلی سے ٹھوکا۔ آواز بھاری تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میرے اوپر بھی کریٹ رکھے گئے تھے۔ میں

نے دائیں جانب کریٹ کی لکڑی کی دیوار انگلی سے بجائی اس طرف سے بھی بھاری اور بوجھل آواز آئی ۔ میری دائیں جانب بھی کریٹ رکھے تھے ۔ اب امید کی طرف ایک ہی کرن باقی تھی ۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بائیں جانب والی دیوار پر ٹھوکا دیا تو آواز قدرے کھوکھلی تھی ۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا ۔ کم از کم ایک پہلو خالی تھا ۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ میں کیلیں اکھاڑ کر کریٹ سے باہر کیسے نکلوں ؟ میرے پاس کوئی اوزار بھی نہیں تھا ۔ اس بات کا بعد میں کو بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اگر میں دوسرے سامان کے نیچے بند ہو گیا تو کیا کروں گا ۔

بہرحال میں نے کوشش شروع کر دی ۔ سب سے پہلے تو جو سینڈوچ بچا تھا ' میں نے اسے کھایا ۔ مشروب کی بوتل کے چند گھونٹ پیئے اور پھر اپنی جیبوں کو ٹٹولا ۔ میری جیب میں انڈین کرنسی اور سائیلنسر لگے پستول کے سوا دوسری کوئی شے نہیں تھی ۔ میں نے اپنی ہتھیلی کریٹ کے پہلو کی دیوار سے لگا کر پورا زور لگایا ۔ لکڑی کی دیوار پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ ایک بار تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ۔ کہیں یہ کریٹ میرا تابوت تو ثابت نہیں ہو گا ؟ موت کے خیال نے میرے اندر ایک نئی توانائی بھر دی اور میں نے دونوں ہتھیلیاں کھوکھے کی پہلو والی دیوار سے لگا کر زور لگانا شروع کر دیا ۔ آدھے گھنٹے کی کوشش کے بعد دیوار ذرا سی پیچھے کو ہٹ گئی مگر میرا سانس پھول گیا اور بازو شل ہو گئے ۔ میں نے جلدی سے آکسیجن ماسک منہ سے لگا لیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا ۔ جس مقام سے لکڑی کا تختہ ذرا سا پیچھے ہٹتا چلا گیا اور کریٹ کے اندر دن کی روشنی آتی گئی ۔ میں نے اکھڑے ہوئے تختے کے ساتھ سب سے پہلے اپنی ناک لگا دی اور تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لینے لگا پھر جھانک کر باہر دیکھا ۔ یہ ایک وسیع و عریض گودام تھا ۔ مجھے چھت نظر نہیں آ رہی تھی لیکن سامنے دیوار کے ساتھ بڑے بڑے کھوکھے اور کریٹ لگے ہوئے تھے ۔ تختہ ایک جگہ سے کھل گیا تھا اب اسے الگ کرنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا ۔ اسے اکھاڑنے میں مزید پندرہ بیس منٹ لگ گئے ۔ تختے میں جو کیل تھے ان کا رخ میری طرف تھا ۔ میں نے تختے کو درمیان میں سے ہتھیلی کا زور لگا کر باہر گرا دیا ۔ اس کے فرش پر گرنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی ۔ میں نے فوراً گردن نکال کر باہر دیکھا ۔ گودام خالی تھا ۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا ۔

میں نے سب سے پہلے کریٹ میں سے اپنی ٹانگیں باہر نکال کر فرش سے لگائیں تو مجھے ایسے لگا جیسے میں کھڑا نہیں ہو سکوں گا ۔ میں نے ٹانگوں کو دو تین بار آگے پیچھے کیا اور پھر کریٹ سے باہر نکل آیا ۔ نکلتے ہی میں فرش پر بیٹھ گیا ۔ میرے گھٹنے درد کر رہے تھے اور پاؤں جیسے سوج گئے تھے ۔ میں بیٹھے بیٹھے ان کو ہاتھوں سے ملنے لگا ان میں خون کی گردش تیز ہوئی تو پاؤں میں جان واپس آ گئی ۔

میں نے سامان کے بڑے بڑے کھوکھوں کی اوٹ سے گودام کے بڑے گیٹ کی طرف دیکھا ۔ گیٹ بند تھا ۔ چھت کافی اونچی تھی ۔ چھت کے ساتھ دیوار پر روشندان بنے تھے جن میں سے غروب ہوتے سورج کی پھیکی پھیکی روشنی اندر آ رہی تھی ۔ میں نے جلدی سے آکسیجن ماسک باہر نکال لیا ۔

میرے سرہانے ایک لائیٹر بھی رکھ دیا گیا تھا تاکہ وہاں سے فرار ہوتے وقت' میں اپنے کریٹ کو آگ لگا سکوں ۔ میں نے یہ لائیٹر اپنی جیب میں سنبھالا اور لکڑی کے اکھڑے ہوئے لمبے تختے کو کریٹ کے ساتھ اس طرح سے لگا دیا کہ دور سے دیکھنے پر کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ اب میں نے گودام کا جائزہ لیا۔ اس گودام میں کوئی کھڑکی نہیں تھی ۔ اس کی دیواریں بڑے بڑے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور فضا میں بے حد نمی تھی ۔ صرف چند ایک روشندان ہی تھے' جو فرش سے کافی بلند اور چھت کے بالکل ساتھ ساتھ بنائے گئے تھے ۔ ان روشندانوں پر لوہے کے جنگلے لگے تھے ۔ میں دھک سے رہ گیا۔ محسوس ہوا کہ میں قید خانے میں بند ہو کر رہ گیا ہوں ۔ اول تو میں روشندان تک پہنچ نہیں سکتا تھا اگر کسی طرح پہنچ بھی گیا تو روشندان کے لوہے کے جنگلے کو کیسے توڑ سکوں گا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ کچھ دیر بعد سامان باہر نکالنے کے لئے لوگ آ جائیں' میں بڑی آسانی سے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں ۔

یہ بات بھی میرے پیش نظر تھی کہ میں دن کی روشنی میں باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ باہر ضرور پہرہ ہو گا۔ میرے پکڑے جانے کا قوی امکان تھا۔ اس کے لئے مجھے ہر حالت میں رات کا اندھیرا ہو جانے کا انتظار کرنا تھا۔ اس دوران میں گودام میں سامان لے جانے والے بھی آ سکتے تھے اگر میں سامان کے پیچھے ان کی نظروں سے چھپ بھی جاتا ہوں تب بھی میرا ایک طرف سے کھلا ہوا کریٹ میرا بھانڈا پھوڑ دینے کے لئے کافی تھا۔ عجیب الجھن کے عالم میں تھا۔

آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی طرح سے روشندان کے پاس جا کر باہر جھانک کر دیکھا جائے کہ باہر کا ماحول کیسا ہے ؟

روشندان گودام کے چاروں جانب بنے ہوئے تھے ۔ خوش نصیبی سے ایک روشندان کے نیچے بڑے بڑے لکڑی اور ٹین کے صندوق اوپر تک چلے گئے تھے ۔ میں بڑی مشکل سے پاؤں ٹکاتا ان صندوقوں کے اوپر چڑھ گیا۔ روشندان مجھ سے صرف ایک فٹ ہی اوپر رہ گیا تھا۔ میں نے اچھل کر روشندان کے آہنی جنگلے کو پکڑا تو مجھے محسوس ہوا کہ جنگلا باہر کی طرف سے کھلا ہے یعنی اسے باہر کی طرف کھولا جا سکتا ہے ۔ میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی نے درِ زنداں کھول دیا ہے ۔ میں نے سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے سر کو اوپر کیا اور باہر دیکھا۔ سورج کی گلابی روشنی میں مجھے سامنے رن وے کی ایک پٹی نظر آئی جس کے پیچھے ناریل اور تاڑ کے درختوں کی قطاریں پس منظر کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں تک چلی گئی تھیں ۔ یہ جگہ فرار ہونے کے لئے بڑی موزوں تھی ۔ میں نے جنگلے کو آہستہ سے دو ایک بار باہر کی طرف دھکیلا ۔ جنگلا کسی چھوٹے سے سائبان کی طرح باہر کی طرف سے اٹھ کر پھر نیچے آ جاتا تھا۔ میں جلدی سے نیچے اتر آیا۔ اب مجھے کسی رسی کی تلاش تھی ۔ گودام میں جگہ جگہ کاغذ اور خشک گھاس کے ریشے بکھرے ہوئے تھے ۔ میں نے سامان کے آگے پیچھے

ہر جگہ دیکھا، مجھے رسی کہیں نہ ملی۔ اچانک میری نظر ایک بہت بڑے بکس پر پڑی، جس کو چاروں طرف سے رسی سے باندھا گیا تھا، یہ رسی میرے لئے کمند کا کام دے سکتی تھی۔ میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر اس کی گانٹھیں بڑی پکی تھیں۔ بہت جلد میری انگلیاں درد کرنے لگیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا۔ دوبارہ کوشش کی تو رسی کی گانٹھیں جام ہو چکی تھیں۔ میں نے سوچا کوئی ٹین کا پترا تلاش کرنا چاہئے۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنے ساتھ شکاری چاقو نہ رکھ کر کس قدر غلطی کی تھی مگر تھوڑی سی تلاش کے بعد مجھے ٹین کی ایک پتری مل گئی میں نے اس کو رسی پر رگڑنا شروع کیا۔ کافی وقت کے بعد، میں رسی کو ایک جگہ سے کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب رسی کو بھاری صندوق کے نیچے سے نکالنے کا کٹھن مرحلہ درپیش تھا۔ صندوق اتنا بھاری تھا کہ میں اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ میں نے زور لگا کر رسی کو کھینچا مگر وہ صندوق کے نیچے اس طرح دبی ہوئی تھی کہ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ جب میں رسی کو صندوق کے نیچے سے نکالنے میں کسی طرح سے بھی کامیاب نہ ہو سکا تو ناچار میں نے رسی کو پتری کی مدد سے چاروں جگہ سے کاٹ دیا۔ پھر ان چاروں ٹکڑوں کو آپس میں پکی گانٹھوں سے جوڑ دیا۔ یہ رسی چھ گز سے زیادہ لمبی نہیں تھی جبکہ گودام کی دیوار روشندان سے نیچے چالیس گز سے کچھ زیادہ ہی بلند ہو گی۔ میں نے گھوم پھر کر رسی کے مزید ٹکڑے تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پھر بھی میں بھاری بھرکم کھوکھوں، کریٹوں اور صندوقوں کے پیچھے جا کر رسی کے ٹکڑوں کو تلاش کرتا رہا۔

اتنے میں باہر کسی بھاری ٹرک کے انجن کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ یہ بھاری ٹرک گودام کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ میں بھاگ کر پہلے تو اپنے تابوت نما کریٹ کے پاس آیا کہ اس کے اندر چھپ کر لیٹ جاؤں مگر اب اس میں داخل ہونا اور پھر اکھڑے ہوئے تختے کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگانا مشکل تھا۔ میں نے تختے کو ویسے ہی کریٹ کے ساتھ لگا رہنے دیا اور سوچا اگر اندر کوئی آیا تو میں کہیں چھپ جاؤں گا۔ میں ایک کریٹ کے پیچھے کھڑا باہر کی آوازوں پر کان لگائے ہوئے تھا۔ باہر ائرپورٹ کے لوڈروں کے ہنس ہنس کر باتیں کرنے اور ایک دوسرے سے مذاق کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں پھر گیٹ کے کھلنے کی آواز گونجی۔ میں لپک کر کونے والے سامان کے پیچھے چلا گیا اور سانس روک کر وہیں بیٹھ گیا۔ اب میں دل میں ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ یہ کم بخت لوڈر اسی سامان کو اٹھانے نہ آ جائیں، جس کے پیچھے میں چھپا بیٹھا تھا۔ یہ قسمت کا کھیل تھا۔ وہ ادھر آ بھی سکتے تھے اور نہیں بھی آ سکتے تھے۔ موور کے انجن کی آواز گودام میں گونجی اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ میں نے دم سادھ رکھا تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اگرچہ میرا ایک پستول اتنے سارے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم میں اتنی آسانی سے گرفتار ہونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ گودام کے دوسرے کونے سے سامان لادا جا رہا تھا۔ ابھی تک میں خطرے کی زد میں تھا۔ یہ لوڈر

میری طرف بھی آ سکتے تھے۔ مزدور اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ صرف چند ایک کریٹ ہی اٹھانے آئے ہیں۔ شاید ان میں ایسی خوراک تھی جس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ خدا خدا کر کے یہ لوگ مطلوبہ کریٹ اٹھا کر باہر لے گئے پھر گیٹ بند کر دیا گیا۔ جب تک باہر والا ٹرک سامان لے کر وہاں سے چلا نہیں گیا' میں کھوکھوں کے پیچھے ہی چھپا رہا۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو میں سامان کے پیچھے سے باہر نکلا۔ گودام کی چھت سے جو بلب لٹک رہے تھے' وہ روشن ہو گئے تھے۔ میں نے روشندانوں کی طرف نگاہ ڈالی۔ باہر دن کی روشنی ماند پڑتی جا رہی تھی۔

اب مجھے رات ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ میں اپنے تابوت نما کریٹ میں سے مشروب کی بوتل نکال کر پینے لگا۔ گیس ماسک میری گردن میں لٹک رہا تھا۔ پستول، میں نے جیب میں رکھ لیا تھا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ روشندان میں سے جو دن کی پھیکی پھیکی روشنی دکھائی دیتی تھی، اس کی جگہ اب اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی شام کے سات بج رہے تھے۔ مجھے کچھ دیر مزید وہاں بیٹھنا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق گودام میں اب کسی کے آنے امکان بہت کم تھا۔ ضروری سامان گودام سے لے جایا جا چکا تھا۔ تھوڑا بہت چلنے پھرنے سے میری ٹانگوں کا دورانِ خون پھر سے نارمل ہو گیا تھا۔ پاؤں کی سوجن بھی ختم ہو چکی تھی۔ جب رات کے آٹھ بج گئے تو میں اللہ کا نام لے کر اٹھا اور ان صندوقوں کی طرف بڑھا... جو روشندان تک چلے گئے تھے۔ میرا وہاں زیادہ دیر رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اب مجھے وہاں سے نکل جانا چاہئے تھا۔ میں صندوقوں کے کناروں پر پاؤں رکھتا اوپر تک چلا گیا۔ سب سے آخری صندوق پر کھڑے ہو کر میں نے ایک بار گیٹ کی طرف دیکھا۔ گیٹ بند تھا پھر چار جگہوں سے جڑی ہوئی رسی کو کھینچ کر تسلی کی۔ یہ رسی نائیلون کی نہیں بلکہ ناریل کی چھال کی تھی۔ انڈیمان میں چونکہ ناریل بہت ہوتا تھا۔ اس لئے وہاں ناریل کی رسیاں عام تھیں اور یہ رسیاں بے حد مضبوط ہوتی ہیں۔

میں نے اچھل کر روشندان کے جنگلے کو باہر کی طرف کرنے کے بعد اس میں سمٹ سمٹا کر بیٹھ گیا۔ باہر نگاہ ڈالی۔ باہر رن وے کی پٹی پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زمینی روشنی جھلملا رہی تھی۔ ان روشنیوں کے علاوہ وہاں سامنے ناریل کے درختوں تک کوئی کھمبے والی روشنی نہیں تھی۔ ناریل کے درخت رات کے اندھیرے میں گھل مل گئے تھے۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ گودام کی دیوار واقعی کافی اونچی تھی۔ یہاں کچھ فاصلے پر ایک فٹ پاتھ تھا، جہاں ایک کھمبے سے لگی ٹیوب روشن تھی۔ اس کی روشنی گودام کی دیوار تک برابر پہنچ رہی تھی۔ میں نے گہری نگاہ سے جائزہ لیا۔ گودام کے آس پاس کم از کم اس جانب کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ ہو سکتا ہے گودام کے گیٹ کی جانب پہرہ لگا ہو، یا یہاں بھی رات کے گہری ہوتے ہی سکیورٹی والوں کی گشت شروع ہو جائے۔ مجھے جلدی سے کام لینا چاہئے تھا۔ میں

نے رسی کو لوہے کے جنگلے کے ساتھ باندھ کر نیچے گرا دیا۔ میں نے اسے ہلا کر دیکھا رسی آدمی دیوار تک ہی بمشکل پہنچی تھی۔ اتنی بلندی سے نیچے چھلانگ لگانے سے آواز بھی پیدا ہوتی اور مجھے چوٹ لگنے کا بھی امکان تھا۔ میں نے گردن گھما کر اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے روشندان کے مقام سے تھوڑی دور ٹریش ڈھیر سا دکھائی دیا۔ یہ میرے لئے گدے کا کام دے سکتا تھا۔ میں نے رسی کو دوبارہ اوپر کھینچ کر اسے روشندان کے اندر کی طرف لٹکا دیا۔ پھر صندوقوں پر سے اتر کر گودام میں اپنے تابوت نما کریٹ کے پاس آیا۔ اب مجھے اپنے اس تابوت کو آگ لگانا تھی۔ آکسیجن ماسک کو میں نے کریٹ کے اندر رکھا' لائیٹر روشن کیا۔

اس سے ایک کاغذ کو آگ لگائی اور کریٹ کے اندر پھینک دیا۔ آگ کا شعلہ پلاسٹک ماسک سے لگا تو آکسیجن نے ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ آگ پکڑ لی پھر یہ آگ فوم کے کمبل تک جا پہنچی۔ تابوت میں سے دھواں اور آگ کے نیلے نیلے شعلوں کی نوکیلی زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔ میں دوڑ کر صندوقوں کے اوپر چڑھ گیا۔ رسی کی مدد سے روشندان پر چڑھا اور رسی دوسری طرف پھینک دی پھر جنگلا آہستہ سے اٹھایا اور خود بھی ایک ماہر اور تجربے کار چور کی طرح نیچے لٹک گیا۔ میں نیچے اترتا اترتا رسی کے آخری سرے تک آگیا پھر اسے ہلکا سا جھولا دیا اور خود کو بائیں جانب والے ٹریش کے ڈھیر پر گرا دیا میں پلاسٹک کے ردی لفافوں' خشک گھاس اور ردی کاغذوں کے ڈھیر میں نیچے تک چلا گیا۔ میں نے ایک طرف سے اپنے آپ کو ٹریش کے اس ڈھیر میں سے نکالا اور سامنے والے ناریل کے درختوں کو ٹارگٹ بنا کر کہنیوں کے بل اس طرف رینگنے لگا۔ میں گھاس اور گارڈینیا کی جھاڑیوں میں سے گزرتا رن وے پر آگیا۔ یہاں تھوڑی تھوڑے فاصلے پر نیلی اور سرخ بتیاں روشن تھیں۔ اس جگہ کو عبور کرتے ہوئے میں دیکھا جا سکتا تھا لیکن آس پاس مجھے کوئی انسان' کوئی سپاہی یا پہرے دار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں خدا کا نام لے کر اپنے آپ کو رن وے پر لے آیا اور تیزی سے رینگتا پٹی کی دوسری طرف نشیب میں اپنے آپ کو گرا دیا پھر اٹھا اور جھک کر ناریل کے درختوں کی طرف دوڑنے لگا۔ اب آگے خاردار تار کی دیوار آگئی۔ یہ خاردار تار لکڑی کی بلیوں کے ساتھ بندھی تھی۔ اس کے نیچے سے گزرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے اوپر بھی نہیں چڑھا جا سکتا تھا کیونکہ تار میں جگہ جگہ سے نوکیلے کانٹے باہر نکلے ہوئے تھے۔ میں چند قدم دیوار کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف چلا پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ کہیں کسی پہرے دار سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ فضا میں بڑا حبس تھا اور آسمان پر کہیں تارے تھے اور کہیں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ دور پہاڑیوں کے خاکے رات کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

میں خاردار تاروں والی دیوار کے ساتھ جھک کر چل رہا تھا۔ کوئی پچاس قدم چلنے کے بعد آگے ایک چھوٹا سا خشک نالہ آگیا' جو خاردار تاروں کی باڑھ کے نیچے سے گزر رہا تھا مگر جہاں نالہ باڑھ کے نیچے

آ تا تھا وہاں بہت سا جھاڑ جھنکار جمع کر کے ڈال دیا گیا تھا۔ میں نالے میں اتر گیا اور سوکھی شاخوں کو ایک طرف ہٹانے کے بعد باڑھ کی دوسری جانب چلا گیا۔

اب میں آزاد تھا اور ائرپورٹ کی حدود سے باہر... لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ آگے بھی اسرائیلی سکیورٹی فورس والوں نے خاردار باڑھ لگا رکھی ہو۔ صرف ایک خیال ہمت بندھا رہا تھا کہ چونکہ اس سارے جزیرے کو بھارتی حکومت کی طرف سے اسرائیل کی تحویل میں دے دیا گیا ہے' اس لئے ہو سکتا ہے یہاں سکیورٹی اتنی سخت نہ ہو کیونکہ جب اس جزیرے میں کوئی داخل ہی نہیں ہو سکتا تو پھر جنگل میں شدید سکیورٹی کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم میں بے حد محتاط اور چوکنا تھا اور نیم قد جھاڑیوں کے قریب سے ہو کر جھکا جھکا ناریل کے جھنڈوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا۔ گودام کی عظیم عمارت کے روشندان میں سے مجھے دھواں سا نکلتا دکھائی دیا۔ ائرپورٹ ٹرمینل کی روشنیاں دوسری جانب رن وے پر کھڑے ایک بھاری بھرکم جہاز اور چند چھوٹے جہازوں کو نمایاں کر رہی تھیں۔ یہ بڑا جہاز غالباً وہی کارگو طیارہ تھا' جس نے مجھے لکڑی کے تابوت کے ذریعے یہاں پہنچایا تھا۔ میں ابھی ناریل کے درختوں میں پہنچا ہی تھا کہ پیچھے الارم کی آواز گونج اٹھی۔ یہ آگ لگنے کا الارم تھا۔ اس کے ساتھ ہی گاڑیوں کے دوڑنے بھاگنے اور موٹروں کی آوازیں آنے لگیں۔ گودام کی آگ کو بجھانے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ اتنی دیر میں مجھے یقین تھا کہ میرا کریٹ جل کر راکھ ہو گیا ہو گا اور ائرپورٹ کے حکام یہ معلوم نہ کر سکیں گے کہ کوئی باہر کا آدمی لکڑی کے ایک کریٹ میں چھپ کر وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہی میں چاہتا تھا۔ میری دوسری کوشش یہ بھی تھی کہ کسی سکیورٹی والے سے مڈبھیڑ نہ ہو' کیونکہ ایسی صورت میں میرے لئے اس کو ہلاک کرنا ضروری تھا اور اس کی لاش بھی کسی باہر کے تخریب کار کی موجودگی کا ثبوت مہیا کر سکتی تھی۔

خدا کا شکر ہے کہ ایسی کوئی بات نہ ہوئی اور میں ائرپورٹ کی حدود سے نکل کر ناریل کے جھنڈوں میں آ گیا۔ اب میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ درخت خود رو تھے اور ایک غیر ہموار میدان پر سے ہوتے سامنے والی پہاڑیوں کی ڈھلانوں تک چلے گئے تھے۔ جزیرے کی گھاس گھنی اور شبنم آلود تھی۔ ناریل کے علاوہ دوسرے گنجان اور بڑے بڑے تنوں والے درخت بھی اگے ہوئے تھے۔ یہاں حبس گودام کی فضا سے زیادہ تھا۔ موسم گرما تھا۔ مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ مجھے نہ تو یہ معلوم تھا کہ ان پہاڑوں کی دوسری جانب کیا ہے اور نہ یہ بات واضح تھی کہ مجھے رات کہاں بسر کرنی چاہئے۔

میں ناریل کے درختوں سے گزرنے لگا۔ یہ ٹیڑھے تنوں والے درخت ساتھ ساتھ اُگے تھے۔ اوپر ان کی شاخیں ایک دوسری سے مل گئی تھیں۔ گھاس پر جگہ جگہ ناریل گرے ہوئے تھے میں نے

ایک ناریل کو دوسرے ناریل پر مار کر توڑ ڈالا۔ کچھ پانی باہر بہہ گیا۔ باقی پانی میں نے پی لیا اور اس کا گودا کھرچ کر تھوڑا سا کھایا اور پھر آگے چل پڑا۔

جزائر انڈیمان شاید ہمارے نوجوان دوستوں کے لئے اجنبی ہوں۔ میں ان کی اطلاع کے لئے ان جزائر کا تھوڑا سا تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ جزائر دو سو جزیروں پر مشتمل ہیں اور بھارت اور برما کے درمیان خلیج بنگال میں واقع ہیں۔ یہ بہت چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں اور ان کا رقبہ بیس مربع میل سے زیادہ نہیں ہے۔ ان جزیروں میں شروع ہی سے بھارتی حبشیوں کے چار جزیرے آباد ہیں۔ یہ لوگ پستہ قد' سیاہ فام اور اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو کبھی جنوب مشرقی ایشیا میں آباد تھی۔ انڈیا پر اپنا تسلط جمانے کے بعد انگریزوں نے ان جزائر پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور یہاں خطرناک سیاسی اور جرائم پیشہ قیدیوں کو بھیجا جاتا تھا۔ یہ جزیرے ان دنوں کالے پانی کے نام سے مشہور تھے۔ یہاں کے حبشی باشندوں کی تعداد پہلے بہت زیادہ تھی مگر اب گھٹتے گھٹتے چھ ساڑھے چھ سو رہ گئی تھی۔ موسلادھار بارشوں اور تیز مون سون ہواؤں کی وجہ سے یہاں کا سمندر ہر وقت بپھرا رہتا ہے۔ کسی زمانے میں یہ جزیرے ملائی اور چینی بحری قزاقوں کی آماجگاہ تھے۔

ناریل کے درختوں میں سے گزرتا ہوا میں پہاڑی کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ ایک حقیقت سے میں پوری طرح باخبر تھا کہ یہ چھوٹا سا جزیرہ اسرائیلی فوجیوں کے زیر تسلط ہے اور ظاہر ہے کہ اس جزیرے کے جنگل میں یہاں کے مقامی جنگلی حبشی باشندے نہیں ہوں گے۔ ان کی جگہ ممکن ہے کہ یہاں برمی' سیلونی یا بھارتی مزدور جنگل میں درختوں کی کٹائی وغیرہ کا کام کرتے ہوں اور انہیں ائرپورٹ کی طرف آنے کی بالکل اجازت نہ ہو۔

اس بات کا بھی امکان تھا کہ یہودیوں نے یہاں اپنے آدمی کام پر لگا رکھے ہوں۔ ابھی تک مجھے گودام کے آس پاس جن لوڈروں یا مزدوروں کی باتیں سنائی دی تھیں' وہ یہودی ہی تھے اور عبرانی میں بات کر رہے تھے۔ ابھی تک میں نے یہاں کسی آدمی کو نہیں دیکھا تھا۔ گمان غالب تھا کہ چونکہ اسرائیل کے ساتھ بھارت کے دوستانہ مراسم ہیں اور بھارت نے خصوصی رعایت کے ساتھ یہ چھوٹا سا جزیرہ کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر اسرائیل کو دے رکھا تھا' اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہاں بھارتی مزدور یا فنی ماہرین بھی کام کرتے ہوں۔ یہاں کے جزیروں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ مسلمان ان عرب تاجروں کی نسل میں سے تھے جو ۸۷۱ عیسوی میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے اور جنہوں نے یہاں اپنی تجارتی چوکیاں قائم کی تھیں۔ ان کی زبان ایسی تھی کہ اس میں ملائی' چینی تامل زبان کے علاوہ عربی زبان کے الفاظ بہت زیادہ تھے۔ یہ باتیں مجھے پہلے ہی سے معلوم تھیں لیکن میں جس جزیرے کی پہاڑی عبور کر رہا تھا' اس جزیرے میں یہودی کسی جزیرائی مسلمان کو رکھنے کا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ یہودیوں کو اپنے جزیرے میں کسی مسلمان کی موجودگی کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ انہی خیالات

میں ڈوبا میں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ دوسری طرف ایک چھوٹا سا جنگل تھا' جہاں ایک جگہ مجھے روشنی جھلملاتی دکھائی دی۔ اس چھوٹے سے جنگل کے پار ایک خلا سا تھا' جو یقیناً سمندر تھا۔ اس خلا کے پار ادھر ادھر سیاہ دھبے نظر آ رہے تھے' جو چھوٹے چھوٹے ٹاپو یا جزیرے تھے۔ میں وہیں جھاڑیوں کے پاس سانس لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ اب مجھے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہاں ناریل کا ایک بھی درخت نہیں تھا۔ سامنے کوئی باقاعدہ راستہ بھی اندھیرے میں دکھائی نہیں دے رہا تھا' سوچنے لگا اس روشنی کی طرف جاؤں یا نہ جاؤں؟

ہو سکتا ہے' یہ اسرائیلی رجمنٹ کا آفس ہو کیونکہ مجھے یہی اطلاع دی گئی تھی کہ اسرائیلی فوج سارے جزیرے میں پھیلی ہوئی ہے اور وہی وہاں کا انتظام و انصرام کرتی ہے۔ بائیں جانب ایک نشیب پر روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ یہ رہائشی کوارٹر تھے اور یہاں سکیورٹی فورس یا فوج کا رجمنٹل آفس بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا۔ گودام کی آگ بجھا دی گئی تھی کیونکہ اس جانب سے کوئی ہلکا سا شعلہ بھی اٹھتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑیوں کی دھیمی دھیمی آواز کسی وقت آ جاتی تھی۔ رن وے کی چمکیلی پٹی مغرب کی طرف روشن مانگ کی طرح چلی گئی تھی۔ ٹرمینل کی روشنی میں دو ایک جہازوں کے دھبے سے دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں جانب والے نشیب کی روشنیوں میں ہی شاید اس قید خانے کی روشنی بھی تھی جہاں مصر میں متعین مرحوم پاکستانی سفارت کار کی بیٹی سونیا قید تھی اور جس کو یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جانا میرا مشن تھا اور اسی مشن کو لے کر میں یہاں آیا تھا۔ اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ یہ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ دو گز کے فاصلے پر مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد' میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے رات جنگل میں ہی کسی محفوظ مقام پر بسر کرنی چاہئے اور پھر دن کی روشنی میں اس علاقے کا سروے کرنا چاہئے کہ یہاں میرے مشن کی کامیابی کے کیا امکان ہیں اور میں اپنے مشن کی ابتدا کہاں سے اور کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ سب سے پہلا مسئلہ میرا اس جزیرے میں اس حیثیت سے رہنے کا تھا کہ کسی کو مجھ پر شک نہ ہو کہ میں ایجنٹ ہوں لیکن سوال یہ تھا کہ میں یہاں کس حیثیت سے رہ سکتا تھا؟ یہ سوال مجھے کافی دیر تک پریشان کرتا رہا۔ آخر' میں وہیں شبنمی گھاس میں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر دراز ہو گیا۔ نم دار شبنمی ہوا بوجھل تھی' جو بڑی آہستگی سے چل رہی تھی۔ فضا میں اب خنکی بڑھ گئی تھی۔ شاید پہاڑی کی چوٹی کی وجہ سے خنکی میں اضافہ ہوا تھا۔

کمانڈو مشن میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی کمانڈو اپنے خفیہ مشن پر کسی علاقے میں جاتا ہے تو وہاں پہلے سے اپنا کوئی نہ کوئی ایجنٹ کسی بھیس میں موجود ہوتا ہے' جو اس سے رابطہ قائم کر لیتا ہے اور اسے ابتدائی سہولتیں مہیا کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل مختلف تھا۔ نہ صرف یہ کہ میرے لئے یہ علاقہ اجنبی تھا بلکہ سارے سیکٹر میں ہمارا کوئی ایجنٹ بھی نہیں تھا' جس سے میں رابطہ

قائم کر کے اس سے ابتدائی سہولت حاصل کرتا۔ یہ ابتدائی سہولت کمانڈو مشن میں ابتدائی طبی سہولت کی حیثیت رکھتی ہے اور کسی حد تک بہت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ صرف میرا تجربہ' میرا حوصلہ اور ناموس وطن کے لئے جان پر کھیل جانے کا جذبہ اور میرا خدا میرے ساتھ تھا۔ پہاڑی کے اوپر اوس کچھ زیادہ ہی گر رہی تھی۔ بھوک کی وجہ سے بھی مجھے نیند نہیں آ رہی تھی' وہاں کوئی درخت بھی نہیں تھا کہ جس کے سائے میں لیٹ کر مجھے کم از کم گرتی ہوئی شبنم سے ہی نجات مل جاتی پھر بھی میں اٹھا اور ڈھلان کی طرف اترنے لگا۔ اندھیرے میں ٹھیک طرح سے دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ ایک جانب ڈھلان پر مجھے کسی درخت کی چھتری سی نظر آئی۔ اس قسم کا درمیانے قد کا درخت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کوئی استوائی درخت تھا۔ میں اس کے نیچے آگیا۔ یہاں ہلکی ہلکی گرمی تھی۔ مجھے اندھیرے میں سانپ اور بچھو کا بھی خطرہ تھا۔ میں نے زور زور سے گھاس پر پاؤں مارے کہ اگر سانپ یا بچھو وہاں کہیں چھپا ہوا ہو تو بھاگ جائے' پھر میں درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آگئی۔ گڑگڑاہٹ کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو نیند میں مجھے ایسا لگا جیسے کی توپ نے گولہ فائر کیا ہو۔ درخت سے نکل کر اوپر دیکھا تو ایک طیارہ تیزی سے میرے سر کے اوپر سے گزر کر ائرپورٹ پر لینڈ کرنے جا رہا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں کی بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ آسمان کا رنگ زمرد جیسا ہو رہا تھا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ میں نے ڈھلان کے نیچے دور اس روشنی کو دیکھا جو رات کو جھلملاتی تھی۔ روشنی ابھی تک اس طرح جھلملا رہی تھی۔ میں اس علاقے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ کیا معلوم یہ سکیورٹی فورس والوں کی کوئی پوسٹ ہو۔ میں تھوڑا سا زاویہ بدل کر ڈھلان پر نیچے اترنے لگا۔ پہاڑیوں پر اترنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ میں بہت جلد پہاڑی کی ڈھلان سے نیچے وادی میں آ گیا۔ اس علاقے کو وادی نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ وہ کھڈوں سے بھری ہوئی تھی اور زمین بھی اونچی نیچی تھی۔ پو پھٹنے کے بعد کی پھیکی روشنی میں گھاس درخت اور کھڈ' نالے نظر آنے لگے تھے۔ کھڈیں زیادہ گہری نہیں تھیں مگر ان کی دیواریں بالکل سیدھی تھیں اور ان کے اندر گھاس پھونس اور جنگلی جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔ سال اور دیودار کے درختوں کے موٹے تنوں سے جنگلی بیلیں چمٹی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹا سا تالاب آگیا۔ میں وہاں رکا کہ منہ ہاتھ دھو لوں۔

تالاب میں ہاتھ ڈالا تو پانی کے ساتھ کالی کالی موٹی موٹی دو جونکیں بھی ساتھ آ گئیں۔ میں نے جلدی سے ہاتھ جھٹک دیا پھر پانی کو ادھر ادھر کر کے منہ' ہاتھ دھویا۔ پیاس اتنی نہیں تھی لیکن بھوک بہت زیادہ لگ رہی تھی اگرچہ کمانڈو تین تین چار چار روز بھوکا رہ کر گھاس پھونس پر گزارا کر سکتا ہے لیکن یہاں ناریل اور جنگلی شریفے کے درخت جتنا پیڑ لگا تھا۔ میں نے اس کی شاخوں سے چھ سات شریفے توڑ کر وہیں کھڑے کھڑے کھا لئے۔ طبیعت سیر ہو گئی۔ انڈیمان کے شریفوں کا سائز ہمارے ہاں کے شریفوں سے دگنا تھا۔

میری داڑھی فرنچ کٹ تھی۔ سر کے بال چھوٹے چھوٹے تراشے ہوئے تھے۔ جیب میں انڈین کرنسی اور جرمن آٹومیٹک پستول تھا اس کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اپنے سگنل کوڈ مجھے زبانی یاد تھے۔ میں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ دن کی روشنی بڑھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ زمین کا رنگ سیاہ تھا اور آس پاس جھاڑیاں بڑے بڑے ہاتھیوں کی طرح بیٹھی ہوئی لگتی تھیں۔ ہوا میں چھپھلے پانی کی بُو پھیلی تھی۔ اس بو میں دور سے آنے والی سمندر کی بُو بھی شامل ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادل کچھ زیادہ ہی جمع ہو گئے تھے اور لگتا تھا کہ بارش ہو گی۔ بارش سے پہلے میں اس چھوٹے سے جنگل سے نکل کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جانا چاہتا تھا مگر میں بے حد محتاط بھی تھا اور چاروں طرف سے چوکنا اور ہوشیار تھا کیونکہ یہ کوئی غیر آباد جزیرہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا جنگل تھا کہ جہاں صرف جنگلی قبیلے کے لوگ ہی آباد ہوں۔ یہ ایک طرح سے اسرائیلی فوجی علاقہ تھا اور کوئی تعجب نہیں تھا کہ انہوں نے جنگل کے باہر بارودی سرنگیں زمین میں دبا رکھی ہوں۔ بارودی سرنگیں نہ بھی ہوں کسی نہ کسی گشتی پارٹی سے مڈبھیڑ ضرور ہو سکتی تھی، جس سے میں ہر حالت میں بچنا چاہتا تھا کیونکہ میں یہاں جان بوجھ کر یہودی فوجیوں سے دو بدو مقابلہ کرنے نہیں آیا تھا بلکہ مجھے چھپ کر یا بھیس بدل کر اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا تھا۔

یہ ٹارگٹ سونیا تھی۔

سونیا، جس کا باپ اس کی جدائی میں مر چکا تھا اور جس کی ماں اس وقت قاہرہ کے اسپتال میں اپنی بیٹی کا تصور جمائے پڑی تھی۔ سونیا ایک مدبر اور معزز پاکستانی سفارت کار کی بیٹی تھی، جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ جو نیوکلیئر فزکس میں ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی تیاری کر رہی تھی کہ اپنے باپ کے ساتھ اغوا ہو گئی اور اسے اسرائیل پہنچا دیا گیا۔ ادھیڑ عمر باپ یہودیوں کا تشدد برداشت نہ کر سکا اور جب غیر ملکی دباؤ زیادہ ہوا تو یہودیوں نے سونیا کو انڈیمان کے اپنے زیر نگیں بھارتی جزیرے میں پہنچا دیا۔ مجھے اس روشن ذہن پاکستانی لڑکی کا سراغ لگا کر اسے دشمن کی قید سے نکال کر قاہرہ، اس کی پاکستانی والدہ کے پاس پہنچانا تھا۔

جوں جوں دن کی روشنی پھیل رہی تھی مجھے فکر دامن گیر ہو رہی تھی کہ کوئی مجھے دیکھ نہ لے کیونکہ وہاں جنگل میں لوگوں کی موجودگی کا امکان بہت کم اور یہودی سیکیورٹی فورس کے آدمیوں کی موجودگی کا امکان بہت زیادہ تھا۔ بادلوں کی وجہ سے دن کی روشنی اتنی تیز نہیں تھی پھر بھی چونکہ جنگل چھدرا تھا اور درخت دور دور اُگے تھے، اس لئے مجھے دور سے کوئی بھی کسی چوکی میں بیٹھا سپاہی اپنی دوربین کی مدد سے دیکھ سکتا تھا۔ بادلوں میں دھیمی دھیمی گرج سنائی دینے لگی... پھر اچانک بارش شروع ہو گئی۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا کی جزیرائی بارش تھی۔ کالے پانی کے جزیرے کی بارش جو بے حد موسلا دھار تھی، میں بھاگ کر ایک گھنے درخت کے نیچے آیا اور اس کے تنے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو

گیا۔ اب میں وہاں رکا ہی تھا کہ میرے کانوں میں زوردار پھنکار کی آواز پڑی۔ میں نے چونک کر اوپر دیکھا۔ ایک بلا مبالغہ سات فٹ لمبا سانپ گردن نیچی کیئے اپنا پھن اٹھائے میرے سر کے اوپر جھوم رہا تھا۔ اس کی پھنکار شاید ایک انتباہ تھا کہ خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔

میں وہاں سے دوڑ کر تیسرے درخت کے نیچے آ گیا۔ میں اپنے پستول کے خاموش فائر سے سانپ کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن جس سانپ نے بے خبری میں مجھے ڈسا نہیں تھا بلکہ خبردار کیا تھا میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بارش آدھ گھنٹے تک ہوتی رہی۔ کھڈ نالوں میں پانی دھڑ دھڑانے لگا۔ کئی درخت کے نیچے پھر بھی بارش کے پانی میں شرابور ہو گیا تھا۔ خدا خدا کر کے بارش رکی۔ میں نے بشرٹ اتار کر اسے نچوڑا اور جھٹک کر دوبارہ پہن لیا۔ رات کو جب میں پہاڑی ڈھلان پر سویا تھا تو جنگلی مچھروں نے کاٹ کاٹ کر میری گردن کا برا حال کر دیا تھا۔ جگہ جگہ جیسے پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ بارش کا پانی ان پھنسیوں پر پڑا تو حیرانی کی بات ہے کہ ان کی خارش جاتی رہی۔ خدا جانے اس کالے پانی کی بارش میں کیا اثر تھا۔ میں نے درخت کے نیچے سے نکل کر ارد گرد نگاہ دوڑائی میں ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سامنے ایک جگہ سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر درختوں کے اوپر اٹھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے اونچے اونچے پہاڑوں کی دیوار کھڑی تھی۔ زمین اونچی نیچی ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی جمع نہیں ہوا تھا۔ میں نے یہی مناسب جانا کہ مجھے سمندر کی طرف نکل جانا چاہئے ہو سکتا ہے وہاں کچھ انڈین مچھیرے رہتے ہوں۔ مجھے ایک فائدہ حاصل تھا کہ میں تامل اور تیلیگو دونوں زبانیں بڑی روانی سے بول لیتا تھا' کیونکہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ میں نے تامل ناڈو اور آندھرا پردیش میں اپنے کمانڈو مشن کے سلسلے میں کافی وقت گزارا تھا۔ انڈیمان کے جزیرے بھارت کے مغربی ساحل کیرالہ سے زیادہ دور نہیں تھے اور کیرالہ میں یہ دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں اگر یہاں انڈین مچھیروں کو مچھلیاں پکڑنے اور اسرائیلی کمانڈو کو تازہ مچھلیاں مہیا کرنے کی اجازت ملی بھی ہو گی تو لازماً یہ مچھیرے کیرالہ ریاست کے رہنے والے ہوں گے اور میں ان سے گھل مل سکتا تھا۔ میرا رنگ جو کبھی کھلا کھلا ہوا تھا اب کافی سانولا ہو گیا تھا جو مجھے کیرالہ اسٹیٹ کا رہنے والا ثابت کر سکتا تھا۔

چنانچہ میں بالکل سامنے کی طرف چلنے لگا۔ دو تین گھاٹیوں میں سے گزرنے کے بعد مجھے سمندر کی لہروں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ سمندر زیادہ دور نہیں تھا۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ ابھی تک مجھے اسرائیلی سکیورٹی فورس کا کوئی آدمی نہیں ملا تھا۔ یہودی جزیرے کی سکیورٹی کے بارے میں اس لئے بھی مطمئن تھے کہ یہ چھوٹا سا جزیرہ ایک طرح سے ان کا اپنا جزیرہ تھا اور یہاں کسی طرف سے بھی کوئی باہر کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک خدشہ تھا کہ سمندر میں یہودیوں کے گشتی ڈائیلر چکر نہ لگا رہے ہوں تاکہ کوئی باہر سے کشتی میں بھی جزیرے میں داخل ہونے کی کوشش نہ

کرے ۔ جوں جوں سمندر قریب آ رہا تھا' میں زیادہ محتاط ہو کر چلنے لگا تھا۔ تھوڑی دور چلتا اور پھر رک کر دائیں بائیں دیکھ لیتا ۔ آسمان پر بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے مگر بارش رکی ہوئی تھی ۔ ایک گھاٹی سے نکل کر باہر آیا تو سامنے ایک جانب ناریل کے درختوں کی پٹی دور تک چلی گئی تھی اور دوسری جانب کھجور کے بے شمار درخت اُگے ہوئے تھے ۔ ان کے درمیان میں سے دور سمندر کا تھوڑا سا ساحل دکھائی دے رہا تھا ۔ کھجور کے درختوں کی کاشت یہاں پہلے پہل آٹھویں صدی عیسوی میں عرب تاجروں نے کی تھی ۔ میں کھجور کے درختوں کے نیچے آیا تو گھاس پر زرد اور سنہری رنگ کی کتنی ہی کھجوریں گری پڑی تھیں ۔ جلدی جلدی کچھ کھجوریں کھائیں اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا' درختوں کی اوٹ لیتا سمندر کی طرف چلنے لگا ۔ سمندر کا کنارا خالی تھا ۔ میں ابھی درختوں کے پیچھے ہی چھپا ہوا تھا ۔ میں نے دائیں بائیں نگاہیں دوڑائیں ۔ ان درختوں اور سمندر کے درمیان ریت کی مٹی دور تک چلی گئی تھی اور آگے جا کر بائیں طرف گھوم گئی تھی ۔ بھورے رنگ کی چٹانیں ساحل کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سمندر میں سے نکلی ہوئی تھیں ۔ کچھ چٹانیں سمندر سے باہر بھی تھیں' جن کے زیریں حصے کو سمندر کی لہریں آہستہ سے چھو کر واپس چلی جاتی تھیں ۔ سمندر چڑھا ہوا تھا اور لہروں کا ہلکا ہلکا شور مسلسل پیدا ہو رہا تھا ۔ یہاں ساحل پر کسی بھی مچھیرے کی کشتی نظر نہ آئی ۔ کہیں کوئی جھونپڑا بھی بنا ہوا نہیں تھا ۔ ساحل بالکل ویران تھا ۔ سمندر میں بھی دور تک کوئی گشتی کشتی یا کسی ماہی گیر کی کشتی دکھائی نہیں دیتی تھی ۔ میں درختوں سے نکل کر ساحل پر نہیں جانا چاہتا تھا ۔ ابھی تک صورت حال واضح نہیں تھی ۔ ہو سکتا ہے کسی طرف سے کوئی یہودی میرین سکیورٹی کی کشتی وہاں اچانک نکل آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دور کسی چٹان پر کوئی اسرائیلی سپاہی آبزرویشن پوسٹ پر دوربین لگائے بیٹھا ہو ۔ میں بڑی آسانی سے اس کے نشانے کی زد میں آ سکتا تھا کیونکہ میرا لباس ماہی گیروں ایسا نہیں تھا ۔

میں درختوں کے نیچے ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا ۔ میں جس زاویے سے بیٹھا تھا' وہاں سے ایک طرف سے جنگل اور دوسری جانب سمندر کا ساحل مجھے صاف نظر آتے تھے ۔ جنگل میں کوئی ایسی پگڈنڈی بھی نہیں ملی تھی کہ جس سے یہ اندازہ لگایا جاتا کہ یہاں سے آدمیوں کا آنا جانا ہوتا ہو گا ۔ درختوں میں جگہ جگہ گھاس اور خاردار جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں ۔ کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر خیال آیا کہ جنگل کے اندر ہی اندر سے ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر دیکھنا چاہیے کہ آگے کیا ہے ؟

چنانچہ میں درختوں کے نیچے ہی نیچے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق کی طرف چل پڑا ۔ ادھر جزیرے کا مشرقی ساحل تھا ۔ راستے میں مجھے دو تین سانپ بھی نظر آئے مگر میں ان سے بچ کر نکل گیا ۔ ایک جگہ دلدل میں گرتے گرتے بچا ۔ درختوں پر کبھی کبھی کوئی پرندہ اچانک بول کر مجھے چونکا دیتا تھا ۔ میں چلتا چلا گیا ۔ اب ساحل پر بائیں جانب سمندری چٹانیں خال خال ہی باقی رہ گئیں تھیں ۔

ایک جگہ میں سال کے درخت کے پیچھے سے نکل کر آگے آیا تو اچانک میری نظر ایک جھونپڑی پر پڑی' جو درختوں کے بیچ میں بنی ہوئی تھی۔ اس کے باہر ایک طرف پتھروں کو جوڑ کر چولھا بنایا گیا تھا اور کونے میں ناریلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ جھونپڑی کا ناریل کی شاخوں سے بنایا ہوا دروازہ کھلا تھا۔ میں وہیں بیٹھ گیا اور غور سے جھونپڑی کو دیکھنے لگا۔ یہاں کوئی رہتا تھا مگر اس وقت وہ وہاں نہیں تھا۔ میں جھونپڑی کی طرف جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ گھسر... گھسر... گھسر... کی آواز آنے لگی۔ یہ موٹر بوٹ کی آواز تھی۔ موٹر بوٹ سوائے اسرائیلی سکیورٹی فورس کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے سمندر کی طرف دیکھا۔ یہ نیلے اور سفید رنگ کی کشتی موٹر بوٹ تھی' جس کے مستول پر کوئی جھنڈا نہیں تھا۔ دو میرین سپاہی مجھے کشتی کے سامنے کے رخ پر کھڑے نظر آئے ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھی۔ یہ کم بخت ادھر کہاں چلے آ رہے ہیں؟

میں نے سوچا' ہو سکتا ہے یہ راؤنڈ پر ہوں اور یہاں سے گزر جائیں گے مگر موٹر بوٹ میرے بالکل سامنے آ کر سمندر میں رکنے لگی۔ اب تو مجھے پریشانی ہوئی کہ کہیں یہ جھونپڑی ان لوگوں کا ڈمپ تو نہیں اور وہ ادھر ہی تو نہیں آ رہے؟ میں پیچھے کی طرف دوڑا۔ درخت پر چڑھتے ہوئے میں دیکھا جا سکتا تھا کیونکہ اتنی دیر میں اسرائیلی سکیورٹی گارڈز موٹر بوٹ سے کود کر ساحل پر آ چکے تھے اور مجھ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ میں نے عافیت اسی میں جانی کہ وہیں کسی جھاڑی کی اوٹ میں چھپ جاؤں۔ چنانچہ میں ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے سمٹ سمٹا کر چھپ گیا اور شاخوں کو ذرا سا پیچھے کھسکا کر موٹر بوٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

دو گارڈز جنہوں نے نیلی وردی پہن رکھی تھی۔ پانی میں سے شڑاپ شڑاپ کرتے جنگل والی جھونپڑی کی طرف بڑھے۔ میں نے پستول نکال لیا۔ قدرتی طور پر میں یہ سمجھا کہ انہیں میرا پتہ چل گیا ہے اور وہ مجھے گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔ میں نے ان دونوں میں سے ایک کو اپنے نشانے کی زد میں لے لیا لیکن وہ سیدھے جھونپڑی کی طرف آ گئے۔ میری نگاہ پیچھے موٹر بوٹ کی طرف گئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں دو گارڈز نے ایک دبلے پتلے آدمی کو جس نے صرف ایک دھوتی پہن رکھی تھی' پکڑ کر موٹر بوٹ کے سرے پر کھڑا کر دیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھ رہے تھے اتنی دیر میں دوسرے گارڈز جھونپڑی کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک ... جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی بوتل نکال کر جھونپڑی کے دروازے پر شاید پٹرول چھڑکنے لگا پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرا سپاہی آگے بڑھا اور اس نے ایک خشک جھاڑی کو آگ لگا کر اسے جھونپڑی پر پھینک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھونپڑی کے دروازے نے آگ پکڑ لی اور وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ وہ تیزی سے موٹر بوٹ کی طرف مڑ گئے۔ موٹر بوٹ پر جو گارڈز موجود تھے انہوں نے جھونپڑی کو جلتے دیکھا تو دبلے پتلے دھوتی پوش سیاہ فام آدمی کو سمندر میں دھکا دے دیا۔ اس بدنصیب کی ایک ہلکی سی چیخ فضا میں بلند ہو کر سمندر میں اس

کے ساتھ ہی ڈوب گئی۔

جھونپڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کی گرمی مجھ تک آ رہی تھی۔ میں ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ آگ لگا کر جانے والے گارڈز اب موٹر بوٹ پر سوار ہو چکے تھے۔ یہ لوگ موٹر بوٹ کے عرشے پر سامنے کی جانب کچھ دیر کھڑے سمندر کو غور سے دیکھتے رہے پھر جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا پھینکا ہوا آدمی ڈوب گیا ہے تو موٹر بوٹ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ آہستہ سے ایک چکر کاٹ کر جدھر سے آئی تھی ادھر کو روانہ ہو گئی۔ جھونپڑی تو جل چکی تھی 'اب اس کے اوپر والے درخت نے آگ پکڑ لی تھی جب موٹر بوٹ جزیرے کا موڑ گھوم گئی تو میں درختوں کے پیچھے سے تیزی سے نکل کر سمندر کی طرف دوڑا اور پانی میں کود گیا۔ جس آدمی کو یہودی گارڈز نے سمندر میں پھینکا تھا۔ وہ کوئی ہندوستانی تھا۔ میں جنوبی ہند کے رہنے والے ہندوستانی کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ ضرور یہ ہندوستانی ان اسرائیلی افسروں کا ملازم تھا جس سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو گئی تھی کہ انہوں نے اس کی جھونپڑی کو آگ لگانے کے بعد اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اس ہندوستانی کو اگر میں سمندر سے زندہ نکال لیتا ہوں تو یہ میرے کام آ سکتا تھا۔ یہی وہ خیال تھا' جس نے مجھ سے سمندر میں چھلانگ لگوائی تھی۔ میں بڑا اچھا تیراک بھی ہوں۔ سمندر میں غوطہ لگا کر نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا۔ یہاں سمندر زیادہ گہرا نہیں تھا۔ میں نے بدنصیب آدمی کو سمندر کی تہ میں ریت اور سمندری گھاس میں اس طرح پڑے دیکھا کہ اس کا سر جھاڑیوں میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے اس کی گردن کو جھاڑیوں سے باہر کھینچا اور اسے دھکیلتا ہوا اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔ بہت جلد ہی اسے سطح پر لے آیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ مر نہ گیا ہو مگر وہ زندہ تھا۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ میں اسے کھینچتا ہوا ساحل پر لے آیا اور پھر اسے اوندھا لٹا دیا اور اس کی کمر پر بیٹھ کر زور زور سے دبانے لگا کہ سمندر کا پانی اس کے معدے اور پھیپھڑوں سے نکل جائے پھر اسے گھسیٹ کر درختوں میں لے گیا۔

جھونپڑی کے بعد گھنا درخت بھی تھوڑا سا جل گیا تھا۔ آگ کے شعلے بجھ چکے تھے اور اب جھونپڑی اور درخت میں سے صرف دھواں ہی اٹھ رہا تھا۔ ہندوستانی کی عمر پچاس سے کچھ اوپر ہی تھی۔ رنگ سیاہ تھا اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ سر کے خشخشی بالوں میں سفید بال بھی تھے۔ جنوبی ہند کی عورتوں اور مردوں کے بال بہت دیر بعد جا کر سفید ہونا شروع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی خوراک میں مچھلی اور خاص طور پر ناریل کے تیل کا استعمال ہے۔ ناریل کا تیل نہ صرف یہ کہ وہ اپنے سر پر لگاتے ہیں بلکہ اسے کئی طرح سے کھاتے بھی ہیں۔

میں نے اسے جھاڑیوں کے درمیان گھاس پر لٹا دیا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے آنکھیں پوری طرح سے کھولے مجھے حیرت سے تک رہا تھا۔ میں نے اس دوران میں اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کھول ڈالی تھیں۔ میں نے تامل زبان میں کہا۔ " انہوں نے میرے سامنے تمہیں

سمندر میں گرایا تھا پھر جب وہ چلے گئے تو میں پانی میں کود گیا اور تمہیں نکال کر لے آیا"۔

مجھے تامل میں بات کرتے دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم ابھر آیا۔ اس نے بھی تامل زبان میں مجھ سے پوچھا کہ میں وہاں کیسے آگیا ہوں اور یہ کہ اس نے پہلے مجھے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے جواباً کہا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر میں اپنے بارے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا"۔

اس نے جلی ہوئی جھونپڑی کے پیچھے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پیچھے ایک درخت کے ساتھ مٹی کی ایک ہنڈیا لٹک رہی ہے وہ لے آؤ۔

میں اٹھ کر جھونپڑی کے پیچھے گیا۔ دیکھا کہ درخت کی شاخ سے ایک چھینکا بندھا ہے، جس میں مٹی کی ایک ہنڈیا رکھی ہے۔ اس کے اوپر پلاسٹک کا ایک پرانا مگ پڑا تھا۔ میں ہنڈیا اٹھا کر اس آدمی کے پاس لے آیا۔ اس نے کہا۔ "اس میں تاڑی ہے۔ ایک مگ نکال کر مجھے پلاؤ اور تم خود بھی پیو"۔

میں نے جلدی سے ہنڈیا کا ڈھکن اٹھا کر تاڑی کا مگ بھر کر اسے دیا اور کہا کہ میں تاڑی نہیں پیتا۔ وہ غٹاغٹ سارا مگ پی گیا۔ مگ گھاس پر رکھ دیا۔ اب وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور گردن گھما کر بڑی حسرت سے اپنی جلی ہوئی جھونپڑی کو تک رہا تھا پھر گہرا سانس بھر کر بولا۔ "انہوں نے میری جھونپڑی کو بھی آگ لگا دی۔ میں نے ان کی بڑی خدمت کی تھی۔ انہوں نے میری قدر نہیں کی"۔

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور دیوانہ وار جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ جھونپڑی میں سے ابھی تک دھواں نکل رہا تھا اور آگ دبی ہوئی تھی۔ میں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔ "کیا کر رہے ہو؟ اب یہاں کیا رکھا ہے؟"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری ایک ہی بیٹی تھی جو... جو مردہ بچے کو جنم دے کر مر گئی۔ جب میں یہاں آیا تو اس کا لکڑی کا چھوٹا سا بکس اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔ اس بکس میں وہ اپنا کنگھی سرمہ رکھا کرتی تھی۔ اس جلاوطنی میں وہی بکس میری بچی کی آخری نشانی تھی جو مجھے اس کی یاد دلایا کرتی تھی۔ وہ بھی جل کر راکھ ہو گئی ہو گی"۔

اور وہ میرے بازوؤں میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ میں نے اسے تسلی دی اور پوچھا کہ اسے یہ سزا کس لئے دی گئی تھی؟

وہ دھواں دیتی جھونپڑی کے سامنے جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گیا اور مختصر لفظوں میں اس نے اپنی جو کہانی سنائی، وہ یہ تھی کہ وہ تامل ناڈو کے ضلع مجورا کے ایک ساحلی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام وینکٹا رڈی تھا۔ اس کی شادی اپنے گاؤں کی ایک لڑکی سے ہو گئی۔ شادی کے بعد وہ انڈین فوج میں لانگری کے طور پر بھرتی ہو گیا کیونکہ وہ کھانا بڑا اچھا پکا لیتا تھا۔ اس کے ہاں صرف ایک بچی ہوئی، جس سے اسے بہت محبت تھی۔ اس کی بیوی بس کے حادثے میں مر گئی۔ اس نے دوبارہ شادی نہ کی اور بچی

کو پال پوس کر بڑا کیا اور پھر اس کی شادی کر دی لیکن بد قسمتی سے وہ اپنے پہلے مردہ بچے کو جنم دینے کے ساتھ ہی مر گئی۔ یہ فوج سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ بچی کی موت کے صدمے نے اسے نڈھال کر دیا۔ وہ اس کے سرمہ کنگھی والے لکڑی کے بکس کو لے کر بیٹھ جاتا اور گھنٹوں اپنی بچی کا نام لے کر اس سے خیال ہی خیال میں باتیں کیا کرتا۔ اس کا جی اپنے گاؤں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں کالے پانی کے اس چھوٹے سے جزیرے کو ایک خفیہ سمجھوتے کے تحت بھارت نے اسرائیل کے حوالے کر دیا تھا۔ ان یہودیوں نے جزیرے پر کام کرنے کے لئے کچھ تامل اور ملیالی باشندے بھرتی کیئے تھے۔ وینکٹا رڈی بھی بھرتی ہو کر کالے پانی کے اس جزیرے میں آ گیا۔ یہودیوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایسے لوگوں کو بھرتی کیا تھا، جو ادھیڑ عمر کے تھے اور جن کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا، ان کو بھاری تنخواہ کی پیشکش کی گئی تھی اور پوشیدہ طور پر ایک معاہدے پر دستخط کروا لئے گئے تھے کہ وہ پندرہ برس سے پہلے جزیرے سے واپس اپنے وطن نہیں جائیں گے۔ اس لاٹ میں اکثریت ایسے ادھیڑ عمر تامل باشندوں کی تھی کہ جو یا تو اپنے وطن میں کسی وجہ سے رہنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا جی اچاٹ ہو گیا تھا اور یا پھر ایسے جرائم پیشہ لوگ تھے کہ جن کے پیچھے ہر وقت پولیس لگی رہتی تھی۔ اسرائیلیوں نے بھارتی حکام کو ان لوگوں کی پوری لسٹ مہیا نہیں کی تھی۔ جرائم پیشہ لوگ یہاں آ کر بڑے خوش تھے کیونکہ انہیں اچھی تنخواہ کے علاوہ پیٹ بھر کر چاول اور مچھلی کھانے کو ملتی تھی۔

جب یہ تامل ادھیڑ عمر اپنی کہانی سنا چکا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے جرم کیا گیا تھا، جس کی سزا میں اسے سمندر میں ڈبو دیا گیا۔

اس نے میری طرف اپنی سیاہ حلقوں والی زرد آنکھوں سے دیکھا اور بولا۔ "میں نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی کیونکہ اب میرا جی یہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا اور میں اپنے گاؤں کی زمین پر جا کر مرنا چاہتا تھا"۔ پھر وہ جلی ہوئی جھونپڑی کی طرف ٹکٹکی باندھے بولا۔ "میں اسی مکان میں اپنے پران چھوڑنا چاہتا تھا، جہاں میری آنکھوں کے سامنے میری بچی نے دم توڑا تھا"۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ان لوگوں سے اجازت لے کر اپنے وطن بھارت واپس نہیں جا سکتا تھا۔

اس نے سر کو آہستہ سے نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ کسی بھی ہندوستانی کو یہاں سے زندہ واپس نہیں جانے دیتے۔ ہماری حکومت نے ان یہودیوں کو یہ ٹاپو کیوں دے رکھا ہے؟ اس کی ہمیں ابھی تک سمجھ نہیں آ سکی۔ ان لوگوں نے یہاں اپنے قیدی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک جگہ سنا ہے یہ ایٹم بم بھی تیار کر رہے ہیں"۔

میں نے قیدیوں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی تو وہ بولا۔ "ہمیں ان قیدیوں تک جانے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی ہندوستانی قیدیوں کی بیرک کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔

ہم جتنے بھی ہندوستانی یہاں ہیں ' ہمارا کام صرف ان یہودی افسروں اور جوانوں کے دفتروں اور بنگلوں میں ان کا کھانا پکانا' ان کے جوتے اور فرش صاف کرنا اور جب بھی باہر سے ان کی بیویاں آتی ہیں تو ان کی بھی خدمت کرنا ہے۔ ہم ان کے کپڑے دھو کر استری کرتے ہیں ' ان کے لئے ساحل پر مچھلیاں پکڑتے ہیں "۔

" یہاں کل کتنے ہمارے لوگ یعنی بھارتی ہیں ؟"

وہ بولا۔ " ہماری تعداد لو پچاس ساٹھ سے زیادہ نہیں ہے ان میں زیادہ وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں ' جو بھارت واپس جانا نہیں چاہتے ' جو چند ایک باقی بچتے ہیں ' ان کو یہ یہودی یہاں سے نکلنے نہیں دیتے کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے یہ نہیں چاہتے کہ ہم یہاں کے بارے میں باہر جا کر کسی کو بتائیں "۔

پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ " مگر تم کون ہو ؟ اور یہاں کیسے آ گئے۔ تم نے اپنے بارے میں تو مجھے کچھ بتایا ہی نہیں ؟ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لیا لیکن اگر مجھے مر جانے دیتے تو زیادہ بہتر تھا۔ جب میری بچی کا بکس ہی نہیں رہا تو پھر میں کس کے لئے زندہ رہوں گا "۔

وہ پھر منہ گھٹنوں میں دے کر رونے لگا۔ میں نے اس کے کاندھے کو آہستہ سے دبایا اور کہا۔

" ڈی چچا! بھگوان کی یہی مرضی تھی کہ تم یم راج کے پاس نہ جاؤ "۔

اس نے سر اٹھایا اور جھونپڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ " اس جنم میں جدا ہوئے ہیں اگلے جنم میں اپنی بیٹی سے ضرور ملوں گا۔ اگلے جنم میں ضرور ملوں گا "۔

اس نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر چپ رہا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ " تم یہاں کیسے آ گئے ؟ تم مجھے اتر پردیش کے لگتے ہو "۔

وہ پکا تامل تھا اور اس کے اس قیافے کو میں جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ میں نے اتنی دیر میں اپنے بارے میں ایک کہانی ذہن میں تیار کر لی تھی۔ اس میں صرف اتنی ترمیم کر دی کہ پہلے میں خود کو تامل ظاہر کرنا چاہتا تھا لیکن اب میں نے ایسا نہ کیا کیونکہ ایک جدی پشتی تامل کے آگے میں اس حالت میں اپنے تامل ہونے کا اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا جبکہ مجھے اس کی ہمدردی کی بھی ضرورت تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے لئے میرا ویشنو ہندو ہونا ہی بہت ہو گا۔ میں نے اپنے آپ کو مراٹھا ظاہر کیا کیونکہ میں مراٹھی زبان بھی بول لیتا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو تامل ناڈو کی کسی قریبی ریاست کا ظاہر کروں۔ اتر پردیش ذرا دور ہو جاتا تھا۔ میں نے اسے کہا۔ " میرا نام وسنت پھاڑ کر ہے ' میں مہاراشٹر کے ضلع امرلی کا رہنے والا ہوں۔ ویشنو ہوں بچپن میں یتیم ہو گیا۔ رشتے داروں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ بری صحبتوں میں پڑ کر چوری چکاری شروع کر دی۔ کئی بار جیل بھی گیا۔ ایک بار گنیش پوجا کا تہوار آیا۔ میں مندر میں گنیش جی کی مورتی کے سامنے آنکھیں بند کئے پوجا کر رہا تھا کہ بھگوان ویشنو نے پرکاش کیا "۔

تامل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ جنوبی ہند کے یہ لوگ وشنو بھگوان اور اس کے بیٹے گنیش کی پوجا کرتے ہیں۔ میں بولتا چلا گیا۔ "پھر جیسے ہی وشنو بھگوان نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور میری کایا پلٹ گئی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو بالکل ہی دوسرا آدمی تھا۔ برائی سے نفرت اور نیکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اپنے گناہوں پر نادم تھا۔ من کی دنیا روشن ہو چکی تھی۔ اسی روز سے محنت مزدوری شروع کر دی پھر ایک شریف لڑکی سے میرا بیاہ ہو گیا مگر پھر ایسا ہوا کہ محلے کے ایک بدمعاش نے میری پتنی کو اٹھا لے جانے کی کوشش کی۔ میں نے طیش میں آکر اسے قتل کر دیا اور پولیس کے آنے سے پہلے وہاں سے بھاگ اٹھا۔ کئی مہینوں تک میسور اور کیرالہ کے جنگلوں میں بھٹکتا رہا۔ پولیس وہاں بھی میرا پیچھا کرتی پہنچ گئی۔ میرا گھیرا تنگ ہوتا گیا۔ آخر میں کیرالہ کے ساحل سے ایک کشتی میں بیٹھ کر کھلے سمندر کی طرف نکل آیا۔ میرا ارادہ انڈیمان کے کسی جزیرے میں پہنچ کر ایک نئی زندگی شروع کرنے کا تھا کہ راستے میں طوفان آگیا۔ کشتی الٹ گئی۔ میں طوفانی موجوں پر بہتا اس جزیرے پر آلگا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ کالے پانی کے ہمارے انڈین جزیروں میں سے کوئی جزیرہ ہو گا مگر اب تم نے بتایا ہے کہ اگرچہ یہ جزیرہ بھارت کا ہے مگر اس پر یہودی تسلط ہے اور کوئی باہر کا آدمی ان کی مرضی کے خلاف یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ دو راتوں سے اس جنگل میں چھپا ہوا ہوں۔ اس کے بعد ایک موٹر بوٹ کو آتے دیکھا تو تمہاری جھونپڑی کے پاس چھپ گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا' وہ تم جانتے ہی ہو"۔

اپنی من گھڑت کہانی میں تامل زبان میں مذہبی الفاظ اور دیوی دیوتاؤں کے نام لے لے کر کچھ ایسے پُر اثر انداز میں سنائی کہ بیچارہ سیدھا سادہ تامل ڈی بے حد متاثر ہوا۔ اسے اس بات سے مجھ سے بڑی عقیدت ہو گئی تھی کہ بھگوان وشنو نے مجھے درشن دیئے تھے۔

وہ کہنے لگا۔ "بھاؤ کر! تم خوش قسمت ہو کہ کالے پانی کے طوفان سے بچ نکلے مگر یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ ایک ایسے جزیرے پر آگئے ہو' جو تمہارے لئے عمر قید کا جیل خانہ ہی ثابت ہو گا کیونکہ تم یہاں پر نہ رہ سکتے ہو' نہ فرار ہو سکتے ہو۔ یہاں کے یہودی گارڈ نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے اگر بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارا بھی وہی انجام ہو گا جو میرا ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کی موٹر لانچیں رات دن جزیرے کے اردگرد گشت لگاتی رہتی ہیں۔ مجھے یہاں رہتے سات برس ہو گئے ہیں۔ میں سمندر کی ایک ایک لہر سے واقف ہوں مگر میں بھی کشتی لے کر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پکڑا گیا"۔

میں نے مصنوعی فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ڈی چچا! میں قتل کر کے بھاگا ہوں لیکن میں کسی جزیرے پر آزادی سے زندگی بسر کرنا چاہتا تھا مگر یہاں تو مجھے چاروں طرف اپنی موت ہی نظر آتی ہے۔ تم ہی مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے"۔

وینکٹ ڈی سوچ میں پڑ گیا۔ بولا۔ "میں خود اس جنگل سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تو پہچان لیں گے اور مجھ سے ضرور پوچھیں گے کہ میں کیسے زندہ بچ گیا اگرچہ میں انہیں

کچھ نہیں بتاؤں گا مگر ان کے پاس کوئی ایسی مشین ہے کہ جس میں آدمی کو ڈال دیتے ہیں اور اس طرح بجلی سے جھٹکے دیتے ہیں کہ آدمی خود بخود سارا راز بتا دیتا ہے"۔

مجھے پریشانی ہوئی کہ واقعی اگر یہ شخص یہودی سکیورٹی والوں کے ہاتھ آ گیا تو ضرور میرے بارے میں سب کچھ بتا دے گا کیونکہ ذہنی طور پر تو یہ پہلے ہی سے راز اگلنے پر تیار ہے۔

میں نے کہا۔ "وینکٹ داوا' پھر تو میں بھی مارا جاؤں گا"۔

وینکٹ بولا۔ "میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ویسے میں ان کے سامنے ہی نہیں جاؤں گا۔ تم ایسا کرو کہ کہیں سے ایک کشتی پیدا کرنے کی کوشش کرو پھر ہم یہاں سے مل کر فرار ہو جائیں گے۔ سمندری راستے کو خوب جانتا ہوں۔ ہو سکتا ہے' ہم یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں"۔

میں نے اسے کہا کہ میں تو جزیرے میں اجنبی ہوں' مجھے کیا معلوم کہ کشتی کہاں سے مل سکے گی؟

وینکٹ نے آنکھیں بند کر لیں پھر میری طرف نظریں اٹھائیں اور کہنے لگا۔ "تم یہ بھی مجھے پر چھوڑ دو۔ میں اس کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کروں گا۔ اس وقت ہمیں کسی ایسی جگہ چھپ جانا چاہئے جہاں سے ہمیں کوئی نہ دیکھ سکے۔ ایک خفیہ ٹھکانہ میری نظر میں ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

وہ مجھے ساتھ لے کر جنگل میں ایک طرف چل پڑا۔ درختوں' جھاڑیوں اور لمبی گھاس میں کچھ دیر تک چلنے کے بعد ہم ان درختوں میں آ گئے' جہاں سے ساحل سمندر کی ریتلی پٹی شروع ہوتی تھی۔

میں نے جب اس خدشے کا اظہار کیا کہ یہاں ہمیں دیکھا جا سکتا ہے تو اس نے دور سمندر میں آدھی ڈوبی ہوئی ایک سیاہ چٹان کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔ "اس چٹان کو دیکھ رہے ہو؟ اس کے اندر ایک بے آباد غار ہے۔ یہ غار اتنا بڑا نہیں۔ تم اسے ایک گہرا شگاف کہہ سکتے ہو لیکن اس کے اندر کبھی کوئی نہیں گیا۔ ہم اس غار میں پناہ لیں گے"۔

ہم نے بھاگ کر ریتلی پٹی پار کی اور سمندر کے پانی میں گھس گئے۔ پانی پہلے ہماری ایڑیوں تک تھا پھر پنڈلیوں تک آ گیا۔ وینکٹ آگے آگے تھا۔ سمندر کا کنارا دور تک ویران تھا۔ ایک بڑے پتھر پر پاؤں رکھ کر وہ غار کے دروازے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس چٹان کا دروازہ ایسا تھا کہ دیکھنے سے ایسا لگتا تھا کہ چٹان اندر کو دھنسی ہوئی ہے۔ چٹان کے غار میں جو زیادہ گہرا نہیں تھا' فرش پر ان جنگلی پرندوں کی بیٹھیں پھیلی ہوئی تھیں' جو سردیوں کے موسم میں نقل مکانی کر کے ادھر آ جاتی تھیں۔

وینکٹ غار کی آخری دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ جنگلی سرخ آب چھ ماہ کے بعد اب یہاں آئیں گے اور تین مہینے اس غار میں رہ کر واپس چلے جائیں گے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ اس سے پہلے یہاں سے نکل جائیں"۔

ہم نے غار کی زمین کو ایک جگہ صاف کیا اور بیٹھ گئے۔ غار کے دہانے میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ یہاں گرمی اور حبس تھا۔

بولا۔ "یہ گرمی اور حبس رات کو نہیں ہوتا۔ ویسے ایک بات ہے بھاڈکر! اور وہ یہ کہ میں کالے پانی کے کسی دوسرے جزیرے کی طرف بھی نکل سکتا ہوں مگر وہاں پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے"۔

میں نے کہا۔ "دادا تم میری خاطر اپنی جان عذاب میں نہ ڈالو میں تو مفرور قاتل ہوں کہیں بھی نکل جاؤں گا"۔

وینکٹ بولا۔ "تم نے اپنی عزت کے لئے ایک بدمعاش کو قتل کیا ہے۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھے۔ تم ایک مرد ہو۔ گیتا میں ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے' میں تمہاری اس لئے بھی عزت کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کا ثبوت دیا ہے' میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔ ہم مدھیہ پردیش کی طرف نکل جائیں گے۔ وہاں کے جنگل ہمیں ہمیشہ کے لئے اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہیں۔ ہم وہاں کٹائی کا کام کر کے پیٹ پال لیں گے۔ بھلا ہمارا دنیا میں ہے ہی کون' جس کی خاطر ہم شہر کا رخ کریں گے؟"

وینکٹا رڈی بڑا سیدھا اور بھولا بھالا آدمی تھا... مگر میرے سامنے اپنا مشن تھا' جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ میرے لئے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہوں اور جب وہاں سے فرار ہونے کا وقت آئے تو کوئی بہانہ بنا کر الگ ہو جاؤں۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ یہاں سے وینکٹا رڈی کے لئے فرار ہونا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک تو وہ بوڑھا ہو رہا تھا' اس کے بدن میں فرار کی صعوبتیں برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ میں نے باتوں باتوں میں اس سے اسرائیلی ملٹری پوسٹوں ' ان کے ہیڈ کوارٹر اور یہودی سپاہیوں کی تعداد کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر لی تھیں مگر جیل خانے کے بارے میں وینکٹ کو کچھ علم نہیں تھا۔ میرے ذہن میں اب صرف ایک ہی کشمکش جاری تھی کہ میں اپنے مشن کو کس طریقے سے شروع کروں۔ میرے لئے سب سے بہترین طریقہ یہی تھا کہ میں کسی طرح ایک تامل ہندو کی حیثیت سے کسی بھی اسرائیلی فوجی افسر کے بنگلے پر بطور خانساماں یا خاکروب یا گھریلو ملازم کے نوکر ہو جاؤں۔ اس سلسلے میں وینکٹ میری مدد کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں ... میرے لئے وہ زندہ تھا اور یہودیوں اور اپنے ساتھیوں کے لئے وہ مردہ تھا اگر وہ اپنے کسی ساتھی سے ملنے آبادی کی طرف جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی اس کی مخبری کر کے اسے دوبارہ پکڑوا سکتا تھا۔ وینکٹ نے مجھے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں اپنے آدمیوں سے ملتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ ان میں صرف ایک رمیا ہی میرا ہم عمر اور ہم خیال ہے مگر وہ باقی تامل لوگوں کے ساتھ ہی جنگل کی بستی میں رہتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو میرا علم ہو جائے گا اور پھر مجھے گولی سے اڑا دیا جانا یقینی ہو گا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ فرار کے لئے کشتی کہاں تلاش کرے

گا۔ وہ کہنے لگا۔ "ایسی کشتی تو میں رات کے اندھیرے میں اپنی بستی کے ساحل کی طرف جا کر چرالانے کی کوشش کروں گا"۔

"اگر سکیورٹی فورس کی لانچ سامنے آ گئی تو...؟" میں نے سوال کیا۔

وہ بولا۔ "یہ خطرہ ہمیں ہر حالت میں مول لینا ہو گا کیونکہ ان یہودیوں کی گشت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ ان کی لانچ دن اور رات کے کسی بھی وقت سمندر میں نمودار ہو سکتی ہے"۔

اب میں نے اس سے استفسار کیا کہ اس چٹانی غار میں ہم کھائیں پئیں گے کہاں سے؟

وہ دھوتی کے پلو سے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر بولا۔ "میری جھونپڑی کے پیچھے ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا ہے۔ ہم پانی وہاں سے تاڑی والے مٹکے میں پانی بھر کے لے آئیں گے اور کچھ روز یہاں کے ناریل اور شریفوں سے گزارا کر سکتے ہیں"۔

میں نے جیب سے انڈین کرنسی کے نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے اور کہا۔ "اگر تم چاہو تو اس رقم سے اپنے دوست رمیا کے پاس خفیہ طور پر جا کر اپنے اور میرے لئے خوراک حاصل کر سکتے ہو کیا خیال ہے؟"

سو سو اور پانچ پانچ کے انڈین کرنسی کے نوٹ دیکھ کر وینکٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ بولا۔ "یہ روپے تم کہاں سے لائے ہو؟"

میں نے اسے بتایا کہ سمندری سفر پر روانہ ہونے سے پہلے میں نے انہیں پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر جیب میں رکھ لیا تھا اور یہ میری محنت کی کمائی کے روپے ہیں۔

وینکٹ نے کہا۔ "تمہاری محنت کی کمائی تمہیں مبارک ہو دوست! میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "وینکٹ اس رقم کو اپنے ہی پیسے سمجھو ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اگر یہ روپے تمہاری جیب میں ہوتے تو میں بھی انہیں اپنی رقم ہی سمجھتا۔ یہ پیسے ہمیں آگے چل کر بڑا کام دیں گے۔ ویسے اپنے دوست رمیا سے تمہیں ملنا ہی پڑے گا۔ میں تو تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ آج رات ہی اسے خفیہ طور پر جا کر ملو۔ اسے اپنے اعتماد میں لے کر اس سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ قابل اعتماد آدمی ہے؟"

وینکٹ کہنے لگا۔ "وہ میرا پرانا ساتھی اور دوست ہے۔ وہ بڑے بھروسے کا آدمی ہے۔ خطرہ صرف یہ ہے کہ وہاں مجھے بستی کا کوئی دوسرا تامل نہ دیکھ لے۔ انعام کے لالچ میں وہ یہودی صاحب سے میری مخبری کر سکتے ہیں"۔

میں نے اپنی ٹانگیں فرش پر پھیلا دیں اور کہا۔ "وینکٹ دادا! تم جو بہتر سمجھتے ہو وہی کرو۔ میں ہر حالت میں تمہارے ساتھ بلکہ پیچھے پیچھے ہوں"۔

دوپہر ہوئی تو وینکٹ رڈی چھپتا چھپاتا جنگل میں گیا اور دھوتی میں بہت سے ناریل لے آیا۔ ہم نے ان ناریلوں کو توڑ کر اپنی پیاس اور بھوک مٹائی۔

وہ کہنے لگا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں آج رات بستی میں جاؤں گا۔ مجھے وہاں کی راشن شاپ کا پتہ ہے۔ وہاں سے میں چاول اور دال چرا کر لے آؤں گا پھر ہم اسے یہاں پکالیں گے"۔

میں نے محسوس کیا کہ وینکٹ رڈی کچھ اکھڑی اکھڑی سی باتیں کر رہا تھا اور اس کی باتوں میں ربط اور سوجھ بوجھ کا عنصر کم ہو رہا تھا۔ کسی وقت وہ اپنی بیٹی کو یاد کر کے اداس ہو جاتا اور کہتا۔ "اس کا بکس جھونپڑی میں نہیں ہے۔ وہ بھی جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ میں جھونپڑی کی راکھ دیکھ آیا ہوں"۔ پھر آہ بھر کر کہتا۔ "بیٹی سے اب اگلے جنم میں ہی ملاقات ہو گی"۔

میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا کہ وہ فرار کے لئے کشتی کب لائے گا؟

وہ چونک پڑا۔ "ہاں... کشتی میں کل رات... نہیں نہیں آج رات ہی بستی کے ساحل سے اڑا لاؤں گا"۔

مجھے ڈر لگا کہ اپنے ساتھ کہیں وہ مجھے بھی نہ مروا دے۔ میں نے اسے کہا کہ تم فکر نہ کرو۔ مجھے بتاؤ بستی کا ساحل کس طرف ہے میں خود جا کر کشتی لے آؤں گا۔

وہ سر کو جھٹک کر بولا۔ "تم ناواقف ہو، پکڑے جاؤ گے۔ ساحل پر ایک پہرے دار بھی رات کو ہوتا ہے"۔

... پھر خود ہی کچھ سوچ کر بولا۔ "نہیں نہیں! میں اپنے دوست رمیا سے مل کر اس سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم اپنے روپوں میں سے ایک سو روپے اگر مجھے دے دو تو وہ بڑی خوشی سے خود ہی کشتی مہیا کر دے گا اور کسی سے ذکر بھی نہیں کرے گا"۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کی کون سی بات پر یقین کروں اور کس بات پر یقین نہ کروں۔ وہ کبھی کچھ کہتا تھا اور کبھی اپنا ارادہ بدل لیتا تھا۔ دن گزرتا جا رہا تھا پھر باہر بارش شروع ہو گئی۔ ہوا بھی تیز ہو گئی اور سمندر کی لہریں زور زور سے چٹان سے ٹکرا کر شور مچانے لگیں۔

وینکٹ اٹھ کر غار کے دہانے تک گیا پھر واپس آ کر بولا۔ "یہاں بڑی موسلا دھار برسات ہوتی ہے۔ یہ موسم برساتوں کا نہیں ہے پھر بھی بارش ضرور ہو جاتی ہے فکر نہ کرو۔ سمندری ہوا ابھی رک جائے گی"۔

وہ غار میں میرے پاس آ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ اپنی بغلوں میں دے رکھے تھے۔ لگتا تھا اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے پھر اسے تیز بخار ہو گیا اور وہ زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ماتھا پھنک رہا تھا۔ میں نے اپنی بشرٹ اتاری اسے باہر جا کر سمندری پانی میں بھگویا اور اس کے ماتھے پر رکھ کر پٹیاں کرنے لگا مگر اس سے کوئی زیادہ فرق نہ پڑا۔ وینکٹا رڈی کا جسم انگارے

کی طرح دہک رہا تھا۔ اس پر ہذیان کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ اپنی بیٹی سے باتیں کرنے لگا۔ کبھی اسے آواز دیتا جیسے وہ روٹھ چلی گئی ہو۔ کبھی یوں باتیں کرنے لگتا جیسے اس کے پاس بیٹھی ہو۔

میری پوزیشن عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ وہاں اسے میں کوئی دوائی بھی نہیں کھلا سکتا تھا۔ اسی سے ایک دو بار پوچھنے کی کوشش بھی کی کہ وہاں کس درخت کی کوئی چھال ایسی ہے، جس سے اس کا بخار کم ہو جائے مگر وہ میری بات سن ہی نہیں رہا تھا پھر اچانک دور سے موٹر لانچ کی پھٹ پھٹ سنائی دی۔ میں تیزی سے اٹھ کر غار کے منہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ دیکھا کہ دور سے لانچ کی روشنی سمندر پر پڑ رہی تھی۔ میں جلدی سے واپس آ گیا۔ وینکٹ کے کانوں میں لانچ کی آواز پڑی تو منہ اٹھا کر بولا۔ "میری رکمنی آ گئی ہے، وہ مجھے لینے آئی ہے۔ میری بیٹی سورگ سے مجھے لینے آئی ہے۔۔ ہے پربھو! میرا اگلا جنم میری بچی کے چرنوں میں کرنا"۔

موٹر لانچ کی آواز کافی قریب آ گئی تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں وینکٹ کی آواز لانچ میں کھڑے سکیورٹی گارڈ کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ میں نے آہستہ سے وینکٹ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ "بھگوان کے لئے آہستہ بولو، یہ وہی لانچ پر گشت کر رہے ہیں"۔

لانچ ہماری چٹان کے عقب سے ہوتی ہوئی سمندر میں آگے نکل گئی۔ جب اس کے انجن کی آواز دور چلی گئی تو میں نے وینکٹ کی طرف توجہ دی۔ اس کا بخار زیادہ ہو گیا تھا۔ اپنی بشرٹ سمندر کے پانی میں گیلی کر کے لاتا اور اس کے ماتھے پر رکھ دیتا۔ بشرٹ دیکھتے دیکھتے گرم ہو جاتی۔ دوبارہ اسے سمندر میں ڈبو کر لاتا۔ اسی طرح رات ہو گئی۔ وینکٹ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی۔ مجھے یہ خیال بار بار پریشان کر رہا تھا کہ جو شخص یہاں میرے بہت کام آ سکتا تھا، وہ بے ہوش پڑا ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو مجھے از سر نو اپنی رابطے کی مہم کا آغاز کرنا پڑے گا پھر کسی انڈین تامل کے آگے اپنی من گھڑت کہانی کو دہرانا پڑے گا۔ جانے وہ اعتبار کرے یا نہ کرے۔ وینکٹ نے مجھے بستی کے اپنے جس قابل اعتبار اور دوست بھارتی تامل کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا نام رمیا تھا اور اس سے زیادہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ وینکٹ سے اس ضمن میں مزید تفصیلات نہیں پوچھی جا سکتی تھیں کیونکہ وہ ہوش میں نہیں تھا۔

جب رات گہری ہو گئی تو میں نے ناریل توڑ کر کھایا اور اس کا پانی پی کر اپنی بھوک کسی حد تک مٹائی۔ وینکٹ کے منہ میں ناریل کا پانی ڈالا تو اس کی بحرانی کیفیت اچانک ختم ہو گئی۔ چٹانی غار میں اندھیرا تھا۔ میں موم بتی بھی نہیں جلا سکتا تھا۔ اس اندھیرے میں مجھے وینکٹ کی زرد آنکھیں کھلتی دکھائی دیں۔ اس کے چہرے پر سکون آ گیا تھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس کی زرد آنکھیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ ایک بے جان سا تبسم اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا۔ اس نے اپنا گرم ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولا۔ "میرے ہاتھ کی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی ہے، اسے اتار کر اپنے پاس رکھ لو"۔

اتنی بات کہنے سے ہی اس کا سانس پھول گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مجھے اپنی انگوٹھی کس لئے دے رہا ہے۔ میں نے بہرحال اس کی ہدایت کے مطابق اس کے ہاتھ کی انگلی میں سے چاندی کی انگوٹھی جو ایک چھلے ایسی تھی اتار لی۔ وہ کمزور آواز میں بولا۔" یہ میری بیوی کی نشانی ہے۔ اسے تم جزیرے کے جنوب میں انڈین بستی میں رمیا کے پاس لے جانا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا"۔

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اس تامل نے میرے راستے کو کسی حد تک میرے لئے صاف کر دیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ بھی صحت مند ہو کر میرے ساتھ چلے لیکن اس کے چراغ زندگی کا تیل ختم ہو چکا تھا۔ کالے پانی کے اس جزیرے کے تیز اور مہلک بخار نے اس کے جسم کو اندر سے جلا ڈالا تھا۔ اس کے جسم کی رطوبت خشک ہو گئی تھی انگوٹھی جب میں نے اس کے سامنے اپنی انگلی میں پہنی تو اس کا کپکپاتا ہو ہاتھ اٹھا۔ اس نے چاندی کی انگوٹھی کو انگلی سے چھوا اور پھر اس کا ہاتھ ایک جھٹکے سے نیچے گر پڑا۔ میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وینکٹ مر چکا تھا۔ رات بھر اس کی لاش غار میں میرے قریب ہی پڑی رہی۔ مجھے آدھی رات کے بعد نیند آ گئی تھی آنکھ کھلی تو غار میں سے دن کی سفید روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ باہر نکل کر دیکھا۔ سمندر پُرسکون تھا۔ آسمان پر بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے اور مرطوب ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ اپنی بشرٹ کو پہنا۔ جینسز کی جیب میں سائیلنسر والے پستول کو نکال کر چیک کیا پھر وینکٹ کی لاش کو اٹھا کر چٹان کے پاس ہی سمندر میں ڈال دیا۔ اس کی لاش پانی میں ڈوب گئی کیونکہ چٹان کے پاس پانی گہرا تھا۔

دن کی روشنی میں چاندی کی انگوٹھی کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک معمولی سا چاندی کا چھلا تھا لیکن وینکٹ کی مرحوم بیوی کی نشانی تھی۔ ہو سکتا ہے بستی کے تامل اور وینکٹ کے دوست رمیا پر اس کا مطلوبہ اثر ہو یا نہ ہو۔ وہ میری مدد کرنے کی بجائے مجھے جزیرے کی اسرائیلی سکیورٹی فورس کے حوالے بھی کر سکتا تھا لیکن اس رمیا یا رامیا سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے سوا میرے سامنے کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اس سے صرف رات کو ہی ملاقات کی جا سکتی تھی کیونکہ دن کی روشنی میں مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔ اب میں نے ایک بار پھر شام کا اندھیرا ہونے کا انتظار شروع کر دیا۔ ناریل کھا کھا کر میرا پیٹ اکڑ سا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جنگل میں جا کر کچھ کھجوریں تلاش کر کے ان کا ناشتہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ تسلی کر لینے کے بعد کہ سمندر کی پٹی خالی پڑی ہے۔ میں چٹانی غار میں سے نکلا اور پانی میں سے گزر کر دوڑتے ہوئے ریت کی پٹی عبور کی اور سامنے والے جنگل میں گھس گیا۔ درختوں پر کبھی کبھی کوئی پرندہ بول اٹھتا تھا۔ اس کے علاوہ جنگل میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی وقت دور سے ایسی آواز آ جاتی تھی جیسے کوئی فولاد کی چادر پر ہتھوڑا چلا رہا ہو۔ کھجور کے درخت، وینکٹ کی جلی ہوئی جھونپڑی کے عقب میں ایک اونچے گھاس کا قطعہ پار کرنے کے بعد واقع تھے۔ میں گھاس میں بڑی احتیاط سے چلتا ان درختوں تک آ گیا۔ یہاں گھاس پر کافی کھجوریں گری پڑی تھیں۔ کھجوریں میں نے وہیں کھانی شروع

کر دیں ۔ جب پیٹ بھر گیا تو کافی کھجوریں جیبوں میں ڈال کر واپس اونچی گھاس میں اپنے ٹھکانے کی طرف چل پڑا۔ ویننکٹ کی جھونپڑی کے پیچھے تاڑی کی جو ہنڈیا لٹک رہی تھی ' آگ کی وجہ سے اس کا رسی کا چھینکا بھی جل گیا تھا اور ہنڈیا زمین پر ٹوٹی پڑی تھی ۔ میں درختوں کی آخری قطار میں سے نکل کر ریتیلے ساحل پر آنے ہی والا تھا کہ مجھے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ میں ایک دم رکا اور پھر بجلی سی تیزی کے ساتھ جھونپڑی سے کچھ دور ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ پستول میں نے جیب سے نکال لیا تھا۔

میری آنکھیں درختوں کے درمیان سے نظر آنے والے ساحل سمندر پر جمی ہوئی تھیں ۔ انسانی آوازیں قریب آرہی تھیں پھر مجھے چار اسرائیلی نیلی وردیوں میں دکھائی دیئے ۔ یہ سکیورٹی فورس کے آدمی تھے ۔ اسٹین گنیں کاندھوں سے لٹکائے وہ سگریٹ کا دھواں اڑاتے بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے چلے جا رہے تھے ۔ خدشہ یہ تھا کہ کہیں وہ ویننکٹ کی جھونپڑی کی طرف نہ آ جائیں کیونکہ جھونپڑی سے میں زیادہ دور نہیں تھا ۔ میں چوکس ہو گیا۔ اسرائیلی سکیورٹی گارڈ باتیں کرتے آگے نکل گئے ۔ جب ان کی آوازیں دور ہو گئیں تو میں درخت کی اوٹ سے نکلا ۔ ایک درخت کے تنے کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا ۔ اسرائیلی گارڈز دور جا چکے تھے ۔ جب وہ ساحل کا موڑ گھوم گئے تو میں بھاگ کر سمندر کے پانی میں سے گزرتا اپنی چٹانی کمیں گاہ میں آگیا۔ ایک ناریل توڑ کر اس کا پانی پیا۔ کھجوریں نکال کر زمین پر ایک طرف ڈھیر کر دیں اور آرام سے ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔ میرا ذہن بستی کے انڈین تامل رمیا سے ملاقات کی تفصیلات پر غور کرنے لگا ۔ اسرائیلی سکیورٹی فورس کے آدمیوں کی گشت نے مجھے محتاط کر دیا تھا۔ میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد' میں اٹھ کر باہر دیکھ لیتا تھا دوپہر کو میں نے تھوڑی سی کھجوریں کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی ۔ ناریل کا پانی پیا اور چٹان کے قریب ہی سمندری لہروں میں اچھی طرح سے غسل کیا اور پھر غار میں آکر بیٹھ گیا۔ جسم خشک ہوا تو سمندری پانی کے نمک نے میرے جسم کو جیسے اکڑا دیا ۔ میں نے بشرٹ اتاری اور اس کا تولیہ بنا کر اپنے جسم کو خوب رگڑ رگڑ کر سمندری نمک کی تہ سے نجات حاصل کی اور بشرٹ جھاڑ کر ایک طرف رکھ دی ۔ جب سورج سمندر میں مغرب کی طرف غروب ہو گیا تو میں نے غار کے منہ پر آکر دیکھا۔ جنگل میں شام کا اندھیرا اترنے لگا تھا مگر سمندر پر ابھی تک دن کی باقی ماندہ سرخی مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔ میں واپس غار میں آکر بیٹھ گیا۔ جب ساحل سمندر کی آخری روشنی کا رنگ بھی سیاہی مائل ہونے لگا تو غار سے نکلا اور ساحل کے درختوں کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف ہو کر جزیرے کے مغربی ساحل کی طرف چلنے لگا ۔ میں شام کی پھیکی پھیکی روشنی میں ہی انڈین تامل رمیا کی بستی تک پہنچنا چاہتا تھا ۔ ساحل آگے جا کر دائیں جانب گھوم گیا۔ درختوں میں کچھ پرندے چہچہا رہے تھے ۔ کچھ دور چلا ہوں گا کہ دور مجھے درختوں کے پیچھے ایسی روشنی نظر آئی جیسے دو تین لالٹینیں جل رہی ہوں ۔ یہ بھارتی

تامل باشندوں کی بستی ہی ہو سکتی تھی۔

تاہم میں مزید محتاط ہو کر چلنے لگا تھا کیونکہ یہ کوئی چیک پوسٹ بھی ہو سکتی تھی۔ اس اثناء میں سمندر میں ایک گشتی لانچ گزر گئی۔ اس کے سامنے لگی سرچ لائٹ تھوڑے تھوڑے وقفے سے سمندر پر تیز روشنی پھینک رہی تھی۔ میں گھاس میں دبک کر بیٹھ گیا تھا۔ جب لانچ دور نکل گئی تو اٹھا اور بستی کی روشنی کی طرف چلنے لگا۔ یہاں گھاس کٹی ہوئی تھی' جو اس بات کی علامت تھی کہ یہاں کچھ لوگ رہتے ہیں پھر مجھے ایک گائے کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ یقیناً یہ بھارتی تامل باشندوں کی ہی جھونپڑیاں تھیں کیونکہ جنوبی بھارت کے لوگ اپنے ہاں گائے ضرور پالتے ہیں۔ درخت بھی چھدرے ہو گئے تھے۔ ایک جگہ کیلے کے درختوں کا جھنڈ آ گیا۔ ابھی رات کا اندھیرا اتنا گہرا نہیں تھا۔ مجھے کیلے کے درختوں میں سے ایک عورت نکل کر دوسری طرف جاتی نظر آئی۔ اس نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی۔ یہ ساڑھی ایک طرح کی دھوتی ہوتی ہے' جسے کمر کے گرد باندھ کر تامل عورتیں اس کے پلو سے اپنا سینہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان کے جسم کے اوپر والے حصے پر سوائے دھوتی کے پلو کے عام طور پر اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تامل عورت تھی اور جنگل میں کسی کام سے آئی تھی اور اب واپس اس بستی کی طرف جا رہی تھی' جہاں تین جگہوں پر جلتی لالٹینیں اب مجھے صاف نظر آنے لگی تھیں۔ میں کچھ فاصلہ رکھ کر اس عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ بستی چھ سات جھونپڑیوں پر مشتمل تھی۔ ایک جھونپڑی کے باہر گائے بندھی ہوئی تھی۔ دو تین جھونپڑیوں کے آگے چولہے روشن تھے اور عورتیں بیٹھی رات کا کھانا وغیرہ پکا رہی تھیں میں بستی کے کنارے والی جھونپڑی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا اور غور سے جائزہ لینے لگا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے میرے کندھے کو سختی سے پکڑ لیا اور کرخت سی آواز آئی۔ "کون ہو تم؟"

میں نے تڑپ کر پیچھے دیکھا۔ ایک سیاہ فام دھوتی پوش آدمی مجھے اپنی گلابی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور کہا۔ "میرا نام پھلاڑ کر ہے۔ میں مرہٹہ ہوں۔ مجھے رمیا سے ملنا ہے' مجھے اس کے پاس پہنچا دو"۔

اس تامل نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔ "مگر تم یہاں کیسے آ گئے؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "بھگوان کے لیے آہستہ بولو' میں کیرالہ سے رمیا کو ملنے آیا ہوں' اس کے لئے ایک ضروری سندیسہ لایا ہوں"۔

میرے پر اعتماد لہجے اور رواں تامل زبان کا اس پر کافی اثر ہوا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ"۔

وہ مجھے کھانا پکاتی عورتوں کے قریب سے لے کر آگے نکل گیا۔ دو ایک مرغیاں میرے آگے آ کر کک کک کرتی بھاگ گئیں۔ تامل عورتوں نے مجھے قدرے حیرانی سے دیکھا اور پھر اپنے کام میں

لگ گئیں۔ میرا ساتھی مجھے بستی کی آخری جھونپڑی میں لے آیا۔ یہاں جھونپڑی کے باہر چھوٹے سے تخت پر ایک دبلا پتلا اچھی خاصی عمر کا تامل آدمی بیٹھا ناریل کا چھوٹا سا حقہ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے حقہ منہ سے ہٹا لیا اور جب تک میں اس کے پاس نہیں پہنچ گیا وہ مجھے مسلسل حیرت سے تکتا رہا پھر اپنے ساتھی سے پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے؟

اس کے جواب کا انتظار کیئے بغیر میں نے تخت پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے دوست وینکٹا رڈی کا ضروری پیغام لایا ہوں"۔

رمیا نے حقہ تخت پر رکھ دیا اور جو آدمی مجھے لے کر آیا تھا اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ "تم کون ہو؟ وینکٹ کو تو موت کی سزا دے دی گئی ہے' وہ تمہیں کہاں ملا؟"

میں نے جلدی جلدی مختصر مگر بے حد پُر اثر انداز میں سب سے پہلے تو اپنی من گھڑت کہانی اسے سنائی کہ کس طرح سے میں اپنی عزت کی خاطر ایک خون کر کے بھارت سے فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں اور پھر وینکٹا رڈی کو اسرائیلی گارڈز کی جانب سے موت کی سزا دینے یعنی اسے سمندر میں پھینکنے اور میرے اس کے سمندر سے نکالنے کی داستان بیان کی۔ "وینکٹ کو میں نے بچا لیا تھا مگر ملیریا کے بخار نے اسے زندہ رہنے کی مہلت نہ دی۔ اس نے میرے ہاتھوں میں دم توڑا۔ وہ تمہیں اور اپنی بیٹی رکمنی کو بار بار یاد کر رہا تھا اگر وہ زندہ ہوتا تو خود مجھے لے کر رات کے اندھیرے میں تمہارے پاس آنے والا تھا۔ مرتے وقت اس نے یہ انگوٹھی مجھے دی کہ تمہیں دے دوں اور اس نے تمہارے نام یہ سندیسہ بھی دیا تھا کہ میری مدد کرنا"۔

رمیا مجھے اندر جھونپڑی میں لے گیا۔ جھونپڑی میں کوئی چراغ روشن نہیں تھا۔ اس نے مجھے گھاس پر بٹھایا اور خود باہر جا کر لالٹین کی روشنی میں وینکٹ کی چاندی کی انگوٹھی کو غور سے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر انگوٹھی کو دیکھنے کے بعد جھونپڑی میں آ کر میرے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "یہ انگوٹھی میرے دوست وینکٹ کی ہی ہے یہ اس کی بیوی کی نشانی ہے۔ میں جانتا ہوں' یہ انگوٹھی اس نے جیون بھر اپنی انگلی میں ہی رکھی تھی لیکن تم نے میرے پاس آ کر سخت غلط کی ہے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ خود یہاں عمر قید۔۔۔ کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہودی ہماری کڑی نگرانی کرتے ہیں اگر انہیں تمہاری بھنک بھی پڑ گئی تو وہ مجھے اور میری بیوی بچوں کو باندھ کر سمندر میں پھینک دیں گے"۔

میں پہلے تو ذرا پریشان ہوا لیکن پھر اپنی تامل زبان سے اس کو مزید متاثر کیا اور خاص طور پر اپنی بیوی کی عزت پر حملہ کرنے والے فرضی بدمعاش کی کہانی کچھ ایسے لہجے میں بیان کی کہ رمیا سوچ میں پڑ گیا۔ اٹھ کر تخت تک گیا۔ وہاں سے اپنی ناریل کی گڑگڑی اٹھا لیا اور اسے آہستہ آہستہ پینے لگا۔ چند سیکنڈ تک خاموشی سے ناریل پیتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ وہ مجھے ایک عجیب سے تجسس میں چھوڑ گیا

تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ وہ یہودی گارڈز کو میرے بارے میں خبر کرنے گیا ہے یا میرے بچاؤ اور میری مدد کی تدابیر پر عمل کرنے گیا ہے۔ بہرحال میں چوکس بیٹھا تھا اور میرا ہاتھ پتلون کی پستول والی جیب میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد رمیا جھونپڑی میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں کانسی کی تھالی تھی' جس میں چاول اور اوپر سبزی رکھی تھی۔ "تم چاول کھاؤ۔ میں تمہارے لئے پانی لاتا ہوں"۔

مجھے قدرے تسلی ہوئی۔ کافی دیر بعد چاول کھانے کو ملے تو میں سارے کے سارے چاول اور سبزی کی بھجیا کھا گیا۔ رمیا میرے سامنے بیٹھا ناریل پی رہا تھا۔ اس نے ناریل میرے طرف بڑھایا " ناریل پیتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "نہیں دادا"۔

وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ ایک چھوٹا لڑکا اندر آکر تھالی اور پانی کا خالی گلاس لے گیا۔ رمیا گہری سوچ کے سمندر سے ابھرتے ہوئے بولا۔ "پہلے تو تم دوسرے کپڑے پہن لو۔ میں تمہیں دھوتی کرتہ لاکر دیتا ہوں' یہ پتلون ٹھیک نہیں رہے گی"۔

وہ ایک بار پھر اٹھ کر باہر گیا اور میرے لئے دھوتی کرتہ لے آیا۔ میں نے بشرٹ اتاری ہوئی تھی۔ باہر والی لالٹین کی روشنی جھونپڑی میں آرہی تھی۔ رمیا نے میرے ننگے سینے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "تم برہمن نہیں ہو کیا؟ تم نے جینئو نہیں پہنا ہے؟"

میں ایک پل کے لئے رکا پھر فوراً بولا۔ "دادا! وینکٹ کی لاش کے ساتھ میں نے جینئو سے پتھر باندھ کر سمندر میں ڈالا تھا اس طرح سے اس کی آتما سیدھی سورگ میں جائے گی"۔

وہ گہرا سانس بھر کر بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ برہمن ویشنو بھگت ہوتے ہیں۔ تمہاری سیوا ہم پر فرض ہے۔ پر یہاں باہر سے کوئی آدمی یہودیوں کی اجازت کے بغیر نہیں آسکتا' تم یہاں کیسے رہو گے؟

میں نے رمیا کے ہاتھ تھام لئے اور عاجزی سے کہا۔ "دادا! مجھے کسی طرح سے بچالو اگر میں کیرالہ یا کالے پانی کے کسی بھی دوسرے ٹاپو میں گیا تو بھارتی پولیس مجھے پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دے گی۔ تم ایک برہمن کو جیون دان دو گے تو ویشنو بھگوان تم سے بہت خوش ہوں گے"۔

اس نے میرا ہاتھ اپنے ماتھے سے لگایا۔ وہ عقیدت کی وجہ سے جذباتی ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔ " میں تمہیں جیون دان دوں گا"۔

میں نے ہاتھ باندھ کر اسے دھنواد کیا اور پتلون اتار کر دھوتی پہننے لگا۔ اس نے مجھے ایک جینئو بھی لاکر دیا' جس کو میں نے پہن لیا۔

وہ جھونپڑی کے کونے میں بیٹھ کر ناریل پیتے ہوئے بولا۔ "میرا یہودی صاحب میری بات بہت مانتا ہے۔ میں اس کو مدراسی چلا (چاول) پکا کر دیتا ہوں۔ وہ اسے بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ میں

کوئی کتھا کہانی جوڑ کر اس سے تمہارے بارے میں بات کروں گا لیکن یہاں تم یہی ظاہر کرنا کہ تم میری بہن کے بیٹے ہو، جو مہاراشٹر میں بیاہی ہوئی تھی اور یہودی صاحب کی اجازت سے یہاں میرے پاس آئے ہو"۔

میں نے کرتہ بھی پہن لیا اور کہا۔ "تم جیسا کہو گے میں ویسے ہی کروں گا"۔

رمیا نے لکڑی کے صندوق میں سے ایک چھوٹی سی ٹین کی ڈبی نکال کر دی، جس میں سرخ گیلا رنگ تھا۔ "وشنو نام کا ٹیکا لگا لو"۔

میں نے انگلی رنگ میں بھگو کر تامل لوگوں کی طرح ماتھے پر تین متوازی لکیریں بنا لیں۔ اس نے مجھے ایک پرانی چپل پہننے کو دی اور کہا۔ "تم اس جھونپڑی میں سونا۔ گرمی ضرور ہو گی مگر تمہیں آج کی رات جھونپڑی سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ کل میں اپنے یہودی صاحب سے کوئی بات چھیڑوں گا"۔

اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ اس کی ادھیڑ عمر سوکھی سوکھی بیوی اندر آئی۔ رمیا نے اسے پاس بٹھا لیا اور بڑے پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "سکھ منی! تم اسے نہیں پہچانتی کیا؟"

سکھ منی نے مجھے غور سے دیکھا اور بولی۔ "نہیں تو"۔

رمیا نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے نہیں بتایا۔ اب بتاتا ہوں، تمہیں معلوم نہیں ہے لیکن میری ایک سوتیلی بہن امرلی میں بیاہی ہوئی تھی۔ اس نے ہماری گوت سے باہر بیاہ کیا تھا، اس لئے ہم اسے نہیں ملتے تھے۔ یہ میری اسی سوتیلی بہن کا بڑا بیٹا پھاؤ کر ہے"۔

بوڑھی عورت سکھ منی نے میرے سر پر محبت سے دو بار ہاتھ رکھا اور اپنے پتی سے کہا۔ "میں اس کے لئے سیتا پھل لاتی ہوں"۔

جنوبی ہند اور مدھیہ پردیش میں شریفے کو سیتا پھل بھی کہتے ہیں۔ وہ باہر چلی گئی۔

رمیا بولا۔ "میری پتنی میری ہر بات پر یقین کر لیتی ہے۔ بڑی بھولی ہے۔ میری بیٹی سنتھا بھی بالکل ماں پر گئی ہے۔ وہ باہر کوکو بنا رہی ہے تمہارے لئے... تم دیکھنا وہ بھی فوراً میری بات پر یقین کر لے گی"۔

پھر وہ میرے ذرا قریب ہو کر کہنے لگا۔ "میں سب کو یہی بتاؤں گا۔ اس بستی میں زیادہ لوگ نہیں ہیں چھ سات تامل کنبے رہتے ہیں، جو یہودی فوجیوں کے ہاں کام کرتے ہیں۔ مجھے یہودی صاحب خود پسند کر کے کیرالہ سے لایا تھا۔ باقی لوگوں میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں، جو تامل ناڈو اور کیرالہ میں جیل توڑ کر بھاگے ہوئے ہیں"۔

میں نے کہا۔ "کیا بھارتی پولیس والے یہاں کبھی نہیں آتے؟"

رمیا بولا۔ "کبھی کبھی بھارت سے افسر لوگ آتے ہیں مگر ہمارے صاحب ان لوگوں کو چھپا

دیئے ہیں کیونکہ یہودی نہیں چاہتے کہ یہ جرائم پیشہ لوگ اب واپس بھارت جائیں اور لوگوں کو اس جزیرے کے بارے میں کچھ بتائیں"۔

میں نے شعوری طور پر سوال کیا۔ "دادا! اس جزیرے میں کیا ہوتا ہے؟ ہماری بھارتی حکومت نے ان یہودیوں کو یہ جزیرہ کیوں دیا ہوا ہے؟"

رمیا کہنے لگا۔ "یہاں یہودیوں کی ایک جیل ہے' جہاں اس کے سیاسی قیدی... ہیں۔ بھارت نے اپنی مرضی سے یہودیوں کو یہاں اجازت دے رکھی ہے"۔

میں نے بھولے پن سے کہا۔ "دادا! کیرالہ میں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں یہودی ایٹم بم بنا رہے ہیں؟"

رمیا ہنس دیا پھر سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگا۔ "ہم نے تو یہاں کوئی ایٹم بم نہیں دیکھا مگر اتنا ضرور ہے کہ ایک پہاڑی کی طرف ہم بھارتی تامل لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہمیں اس سے کیا' اگر یہودی ایٹم بم بنا رہے ہیں تو ہماری بھارتی حکومت کو ضرور پتہ ہو گا"۔

... پھر میرے قریب ہو کر کہنے لگا۔ "میرا تو خیال ہے کہ ہماری بھارتی حکومت ان یہودیوں کے ساتھ مل کر اپنے لئے ایٹم بم بنا رہی ہے کیونکہ ہم نے یہاں سنا ہے کہ پاکستان نے ایٹم بم بنا لیا ہے"۔

میں مسکرایا۔ "ہاں دادا! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ارے دادا پاکستان کی کیا مجال کہ بھارت کا مقابلہ کرے"۔

اتنے میں رمیا کی پتنی سکھ منی تھالی میں چار پانچ شریفے ڈال کر لے آئی۔ رمیا نے کہا۔ "یہ شگون کا سیتا پھل ہے پھلڑکر... اسے کھا لو"۔

میں نے اس کی پتنی کو دھنواد کہا اور شریفہ کھول کر کھانے لگا۔ رمیا کی جوان بیٹی سنتھا کانسی کے کٹورے میں گرم گرم کوکو لے کر آ گئی۔ کالے پانی کے جزیروں میں کوکو اور کافی بہت ہوتی ہے یہاں کے غریب اور مزدور لوگ کوکو بڑے شوق سے پیتے ہیں کیونکہ کوکو ایک تو سستی ہوتی ہے۔ دوسرے بہت تیز ہوتی ہے۔ کوکو میں نے پہلی بار مدراس میں پی تھی۔ اس کا ذائقہ ہلکا کڑوا ہوتا ہے۔ نے صرف ایک پرانی سی دھوتی ہی پہن رکھی تھی جو اس کی پنڈلیوں تک آتی تھی۔ دھوتی کا ایک پلو اس کے کاندھے پر پڑا تھا۔ اس کا رنگ بھی کالا تھا اور ماتھے پر ویشنو کا سرخ ٹیکا تھا۔ میں نے اس سے کٹوری لے لی اور کوکو پینے لگا۔

رمیا کی بیٹی سنتھا جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ کچھ بیزار بیزار سی لگ رہی تھی۔ اس کے باپ نے اسے بھی وہی کہانی سنائی جو اپنی بیوی کو اس سے پہلے سنا چکا تھا اور مجھے اپنا بھانجا کہہ کر اپنی بیٹی سے تعارف کرایا۔ یہ وہ سب کچھ اپنے عزیز ترین دوست سنتھا رڈی کی آتما کی شانتی کے لئے کر رہا تھا۔ اس کا تجربہ مجھے دو ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ جنوبی ہند کی پرانی نسل کے لوگوں کو میں نے دیکھا تھا کہ وہ

دوستیاں نبھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور دوست کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے ۔ یہ ویشنومت کی تعلیمات کا اثر ہی تھا ۔ یہ بات ان کے دھرم سوتروں میں جگہ جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی تھی کہ جو اپنے سنگھی ساتھی کو دھوکا نہیں دیتا ۔ جو بچتا کے سمے اس کے کام آتا ہے ۔ اس کا اگلا جنم رشیوں اور گندھروؤں میں ہوتا ہے اور یہ لوگ آواگون کو اپنے دھرم کا اٹوٹ حصہ سمجھتے ہیں ۔ رمیا کی بیٹی سنتھا نے مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور اسی طرح بیزار بیزار سی جھونپڑی سے باہر نکل گئی ۔

کوکو پینے کے بعد میری جیب میں انڈین کرنسی کے جتنے نوٹ تھے ۔ وہ میں نے رمیا کے آگے رکھ دیئے اور کہا ۔ " دادا! یہ میں ... نے اپنی محنت مزدوری سے کمائے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں تم انہیں اپنے پاس رکھ لو ' مجھے خوشی ہو گی "۔

اتنے سارے نوٹ دیکھ کر رمیا کی آنکھیں کھل گئیں ۔ اس کی بیوی سکھ منی بھی بہت خوش ہوئی ۔ اس نے نوٹ اٹھالئے رمیا بولا ۔ " بیٹا پھاؤ کر! اس کی کیا ضرورت تھی ؟"۔

اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ ان نوٹوں کو صندوق کے نیچے چھپا کر احتیاط سے رکھ دے ۔ اس کے رویّے میں پہلے سے زیادہ گرمجوشی آگئی ۔ سکھ منی نے کہا کہ مجھے باہر سلانا چاہئے اندر مچھر ہوں گے ۔ باہر الاؤ کے دھوئیں میں مچھر نہیں آتے مگر نہ جانے کیوں رمیا میرے جھونپڑی میں سونے پر ہی مصر رہا ۔

میں نے کہا ۔ " دادا! میں اندر ہی سو جاؤں گا ۔ مجھے مچھروں کی عادت ہے "۔

رات ' میں نے جھونپڑی کے اندر ہی بسر کی ۔ ساری رات مچھروں سے جنگ کرتا رہا ۔ پتلی سی چادر اوپر لیتا تو گرمی سے دم گھٹنے لگتا ۔ کسی نہ کسی طرح رات گزر گئی ۔ دن نکلا تو رمیا حقے کے کش لگاتا جھونپڑی میں آیا ۔ میں جاگ رہا تھا بولا ۔ " میرے ساتھ آؤ ' جھونپڑیوں کے پیچھے تمہیں تالاب دکھاتا ہوں ' وہاں تم اشنان وغیرہ کر لینا "۔

ابھی دن پوری طرح نہیں نکلا تھا ۔ جنگل کے درختوں میں ہلکا ہلکا اندھیرا ابھی باقی تھا ۔ مجھے تالاب پر چھوڑ کر رمیا چلا گیا ۔ میں نے تالاب میں اشنان کیا ۔ واپس ہوا تو دیکھا کہ تالاب کے دوسرے کنارے پر نیم روشنی میں رمیا کی بیٹی سنتھا اشنان کر رہی تھی ۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا ۔ ایسی بیزار بیزار سی لڑکی میں نے جنوبی ہند میں کبھی نہیں دیکھی تھی ۔

بھارتی تاملوں کی اس بستی میں دس بارہ جھونپڑیاں تھیں انہوں نے بکریاں اور گائیں پال رکھیں تھیں ۔ رمیا نے دن اچھی طرح نکلنے کے بعد مجھے بستی والوں سے اپنے بھانجے کی حیثیت سے ملایا اور انہیں یہی بتایا کہ میں بڑے بھودی صاحب کی اجازت سے وہاں آیا ہوں ۔ یہ سب ایک ہی طرح کے گہری سانولی اور سیاہ فام رنگت والے دبلے پتلے سے لوگ تھے ۔ لگتا نہیں تھا کہ ان میں کوئی

جرائم پیشہ اور خونی بھی ہو سکتا ہے مگر رمیا اور وینکٹ کا یہی کہنا تھا کہ ان میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے۔ ان میں چند ایک ہی شادی شدہ تھے' باقی الگ الگ جھونپڑوں میں اکیلے ہی رہتے تھے۔ میں بڑا منکسر المزاج بن کر ان سب کو پرنام کر رہا تھا اور ان سے تامل زبان میں ہی ہم کلام تھا۔ سب نے باری باری مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میرا حلیہ بھی تامل ویشنو ہندوؤں جیسا تھا۔ رنگ بھی سانولا ہو گیا تھا۔ پھر رمیا خود مجھے اپنا بھانجا کہہ رہا تھا پھر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ ایک تامل مجھے گھور کر تکتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ رمیا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "کیوں کندرم! تم بڑے مسکرا رہے ہو؟ کیا بات ہے' لگتا ہے رات تیرے صاحب نے تجھے پینے کو عمدہ سگار دیا ہو گا خوش ہو کر"۔

ناٹے قد کے سیاہ گھنگریالے بالوں والے پکی عمر کے اس تامل نے جس کا نام کندرم تھا' کہا۔ "نہیں دادا۔ صاحب تو تم پر ہی خوش ہوتا ہے۔ ہمیں کون پوچھتا ہے مگر وہ میری ترقی ضرور کر رہا ہے"۔

"جبھی تم مسکرا رہے ہو آج۔" رمیا نے ہنس کر کہا۔

سب تامل ہنسنے لگے۔ کندرم نے اچانک سوال کر دیا۔ "رمیا دادا! تمہارا بھانجا ویشنو برہمن کیسے ہو گیا؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "کیوں؟ کیا مہاراشٹر میں ویشنو برہمن نہیں ہوتے کیا؟ میرے پتا جی کا ایک بھائی جینی تھا' پر ہماری ماتا اور پتا جی دونوں ویشنو تھے"۔

رمیا نے ناریل کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "ارے ہاں... ہاں مہاراشٹر میں ویشنو بھی ہوتے ہیں۔ جینی اور آریہ سماجی بھی ہوتے ہیں' تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

کندرم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اعتراض تو نہیں دا[illegible]عتراض کرنے والا کون ہوں"۔

وہ خاموش ہو گیا لیکن مجھے اس پر شک سا پڑ گیا۔ بعد میں جب میں نے رمیا سے کندرم کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔ "یہودیوں کے بڑا منہ چڑھا ہوا ہے۔ ایک یہودی میجر کا اردلی ہے۔ میری سنتھا سے بیاہ کرنا چاہتا تھا' میں نہیں مانا' بھلا میں کندرم ایسے خونی سے اپنی بیٹی کیسے بیاہ دوں مگر تم اس سے ہوشیار رہنا اور سنو! جو کہانی میں نے ان سب لوگوں کے آگے بیان کی ہے' تم بھی ہر بار اسی کہانی کو دہرانا۔ ویسے میں آج ہی اپنے یہودی صاحب سے بات کروں گا تاکہ کندرم کو کسی قسم کی شرارت کا موقع نہ مل سکے"۔

اپنا پستول میں نے جھونپڑی کے اندر صندوق کے پیچھے چھپا دیا تھا۔ کندرم سے تعارف ہونے کے بعد' میں نے اسے صندوق کے پیچھے سے نکال کر اپنے کرتے کے اندر دھوتی میں اڑس لیا۔ میں یہ کبھی گوارا ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کندرم نام کا یہ تامل میرے اتنے بڑے مشن کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ ایک بار تو دل میں خیال آیا کہ اسے جھونپڑیوں سے دور لے جا کر گردن توڑ کر اس کا قصہ ہی تمام کر دوں لیکن پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ ابھی تیل اور تیل کی دھار دیکھنی چاہیے اگر ایسا موقع آ گیا تو میں

ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔

رمیا بستی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ اسرائیلی بیرکوں اور دفاتر میں کام کرنے چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ مجھے کہہ گیا کہ میں صاحب کو ساری کہانی بیان کر کے تمہارے یہاں رہنے کی اجازت لے لوں گا اور تمہیں کوئی نہ کوئی کام بھی دلا دوں گا۔ میں نے رمیا کا ہاتھ تھام کر چوم لیا تھا اور کہا تھا۔ "دادا! بھگوان تیری رکھشا کرے گا کیونکہ اب میں بھارت واپس نہیں جا سکتا"۔

لوگ چلے گئے تو بستی میں بکریاں' دو چار گائیں اور چند ایک بوڑھی اور نوجوان عورتیں اور چھ ساتھ ننگ دھڑنگ کالے کلوتے بچے ہی رہ گئے۔ میں اپنی جھونپڑی کے آگے تخت پر ٹانگوں کی طرح گھٹنے سینے سے لگا کر بیٹھ گیا۔ رمیا کا چھوٹا لڑکا ماں کے پاس چولہے کے قریب بیٹھا اپنی شکر قندی کے بھنے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ رمیا کی بیزار بیزار بیٹی سنتھا قریب ہی پانی کی بالٹی رکھے برتن مانجھ رہی تھی۔ دوسری جھونپڑی کے باہر ایک عورت گائے کا گوبر تھاپ رہی تھی۔ تیسری جھونپڑی کی بکری بار بار میا رہی تھی۔ میں چپ چاپ بیٹھا اپنے آئندہ منصوبے پر غور کر رہا تھا کہ سنتھا دھلے ہوئے برتن تھال میں رکھ کر اٹھی اور ایک طائرانہ نگاہ مجھ پر ڈالتی ہوئی جھونپڑی کے اندر چلی گئی۔اس کی نگاہ خالی اور غیر متعلق تھی جیسے چلتے چلتے ہماری نگاہ سڑک کے کسی کھمبے پر پڑ جائے۔ رمیا کی بیوی سکھ منی کو میرا بڑا خیال تھا کیونکہ میرے دیئے ہوئے انڈین کرنسی کے سارے کے سارے نوٹ اسی نے سنبھال کر رکھ لئے تھے۔ کھانا پکاتے ہوئے وہ مجھ سے باتیں بھی کرنے لگی۔ وہ اس بات پر بھی بڑی خوش تھی کہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اس نے مجھے گائے کا تازہ دودھ گرم کر کے دیا۔

میں نے کہا۔ "بائی مجھے کوکو بنا دو"۔

مہاراشٹر کے لوگ بھی گجراتیوں کی طرح بڑی بہن یا معزز خاتون کو بائی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ رمیا نے اس وقت سنتھا کو آواز دے کر کہا کہ کوکو کا ڈبہ اندر سے لائے۔ سنتھا جھونپڑی میں سے ایک ٹین کا چھوٹا گول ڈبہ لے آئی۔ یہ ڈبہ کسی امریکی کافی کا ڈبہ تھا۔ ان کے ہاں اکثر امریکی اور اسرائیلی چیزوں کے خالی ڈبے اور کھوکھے تھے' ایک فوجی مگ بھی تھا' جس میں سپاہی چائے وغیرہ پیا کرتے ہیں۔

میں دیکھ رہا تھا کہ رمیا کی بیوی یہی چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی سنتھا زیادہ میرے آس پاس رہے اور مجھ سے باتیں کرے اس نے کوکو بنا کر خود مجھے دینے کی بجائے سنتھا کو کانسی کی پیالی تھماتے ہوئے کہا۔ "لے ری پھاؤ کر کو دے۔ اری شرماتی کیوں ہے۔ وہ کوئی غیر تو نہیں ہے"۔

سنتھا شرماتی نہیں تھی۔ بس وہ کچھ بیزار تھی اپنے آپ سے' مجھ سے' اپنے ماں باپ سے' آس پاس کے درختوں سے اور ساری دنیا سے بیزار اور اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے دھوتی کے پلو سے کانسی کی کٹوری پکڑی اور میرے سامنے تخت پر لا کر رکھ دی۔ اس کا چہرہ بے روح' بے آواز اور بے

حس اور بیزار تھا۔ میں خاموشی سے کوکو پینے لگا۔

دوپہر کو رمیا بھوجن کے لئے آیا تو ہو بڑا خوش تھا۔ آتے ہی بولا۔ "سکھ منی! میرے بھانجے کو صاحب نے رکھ لیا ہے"۔

سکھ منی نے تھالی میں دیگچی سے چاول نکال کر ڈالتے ہوئے کہا۔ "پھاؤ کر اپنا بیٹا ہے۔ ہمارا مہمان ہے' اسے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے' رے؟"

رمیا نے گلے کا جینئو اپنے کان کے گرد لپیٹ لیا (ہندو کھانے اور نہانے سے پہلے گلے کا جینئو اپنے کان کے اوپر کر لیتے ہیں) کہنے لگا۔ "اری تو تو بھگوان کی گائے ہے۔ پھاؤ کر ہمارا مہمان بھی ہے اور بیٹا بھی' لیکن اب یہ ہمارے پاس ہی رہے گا"۔

سکھ منی نے خوش ہو کر کہا۔ "جب تو میرے بیٹے کو ضرور کام دلا دو' بڑا اچھا ہے"۔

رمیا بولا۔ "ہمیں جھونپڑے میں ہی بھوجن پردس دو' باہر مکھیاں بہت ہیں"۔

میں اور رمیا جھونپڑے میں بیٹھ گئے۔ رمیان نے بیٹھتے ہی کہا۔ "میں نے اپنے صاحب کو جاتے ہی تمہاری کہانی سنا ڈالی۔ پہلے تو وہ خاموش سا ہو گیا اور مجھے غور سے تکنے لگا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ صاحب آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ میرا ایک ہی بھانجا ہے۔ بیوی نیک تھی۔ اس نے غیرت میں آ کر بدمعاش کو قتل کر دیا اور سمندر میں تیرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ اب وہ ساری زندگی میرے پاس ہی رہے گا مگر آپ کی اجازت کے بغیر میں اسے کبھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ آپ راضی نہیں ہیں تو میں ابھی اسے اپنے ہاں سے نکال باہر کر دوں گا۔ صاحب نے کہا۔ نہیں نہیں رمیا! ایسی بات نہیں ہے' میں تو حیران ہوں کہ وہ سمندر میں تیر کر یہاں کیسے آ گیا؟ میں نے کہا صاحب پھاؤ کر جوان ہے' بہادر ہے اور ماہی گیروں کی اولاد ہے۔ سمندر اس کے لئے کوئی نئی شے نہیں ہے۔ وہ تو کشتی لے کر نکلا تھا کہ اپنے ماموں کے چرنوں میں جا کر پناہ لے لوں گا کہ راستے میں کشتی طوفان میں پھنس گئی اور باقی کا سمندر اسے تیر کر پار کرنا پڑا پھر صاحب کی میں نے کچھ اس طریقے سے تعریف اور خوشامد کی کہ وہ مان گیا بلکہ میں نے تو اس سے یہ بھی منوا لیا کہ وہ تمہیں اپنے ہاں کہیں نوکری بھی دے' دے گا لیکن وہ تم سے ملنا چاہتا ہے اب تم میرے ساتھ ہی چلنا بھوجن کے بعد"۔

میرا دل ایک سیکنڈ کے لئے بیٹھ سا گیا۔ آخر اس کا صاحب اسرائیلی فوجی تھا یا اسرائیلی انتظامیہ کا کوئی افسر تھا۔ ہو سکتا ہے' وہ میرے پچھلے ریکارڈ سے واقف ہو' بہر حال پھر خیال آیا کہ یہ لوگ اسرائیل سے کوسوں دور سمندری جزیرے میں پڑے ہیں' انہیں میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ رمیا کی بیٹی سنتھا نے کھانا لا کر ہمارے آگے رکھ دیا۔ کیلے کے ایک پتے پر مچھلی کا اچار بھی تھا رمیا نے سنتھا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اری پھاؤ کر کے لئے بکری کا دودھ بھی لانا تھا"۔

مجھے احساس ہوا کہ رمیا بھی اپنی بیوی کی طرح اپنے دل میں اس خیال کو پال رہا ہے کہ میری

شادی سنتھا سے کر دی جائے۔ رمیا جانتا تھا کہ اب میں اپنی بیوی کو چھوڑ چھاڑ کر ایک ایسے جزیرے میں آگیا ہوں' جہاں سے کبھی واپس نہیں جاسکوں گا۔ میں جوان بھی تھا اور اس کا زیر بار احسان بھی تھا۔ میں نے اسے انڈین کرنسی نوٹ بھی دیئے تھے اور اب مجھے نوکری بھی مل رہی تھی۔ مجھ سے اچھا داماد اسے کہیں نہیں مل سکتا تھا

کھانے کے بعد وہ ہاتھ دھونے باہر گیا تو میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دھوتی کے اندر سے اپنا پستول نکالا اور اسے صندوق کے پیچھے چھپا دیا پھر میں بھی جھونپڑی سے باہر آگیا۔ رمیا نے تھوڑے بہت ناریل کی رگڑ گڑی کے کش لگائے اور پھر مجھے ساتھ لے کر اپنے صاحب کے آفس کی طرف چل پڑا۔ میں پہلی بار اس پراسرار' خطرناک اسرائیلی اڈے کی طرف جا رہا تھا' جہاں میرے لئے قدم قدم پر خطرہ اور ایک عظیم کمانڈو مشن کی تکمیل کا الجھا ہوا تانا بانا بکھرا ہوا تھا۔ دل میں ایک دھڑکا یہ بھی تھا کہ کہیں ائرپورٹ کے گودام میں میرا کریٹ پوری طرح نہ جلا ہو اور یہاں کی سکیورٹی فورس کو علم نہ ہو گیا ہو کہ حیفہ سے کوئی دشمن جاسوس کریٹ میں لیٹ کر یہاں داخل ہو چکا ہے لیکن پھر سوچا کہ کریٹ کی لکڑی چیڑھ کی تھی' جس کو جلدی آگ لگ جاتی ہے پھر وہاں فوم کی چادر تھی' جو تیزی سے آگ پکڑتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ میں نے آکسیجن ماسک کو بھی آگ لگا دی تھی۔ ایسی صورت میں میرے کریٹ کا بچ جانا ناممکن تھا اور پھر میں نے... دور سے گودام کے روشندانوں میں سے دھواں نکلتے اور آگ بجھانے والے انجنوں کی آوازیں بھی سنی تھیں' جس کا مطلب یہی تھا کہ گودام میں صرف ایک کھوکھے کو ہی آگ نہیں لگی تھی بلکہ میرے کھوکھے کے جل جانے کے بعد اس آگ نے دوسرے کھوکھوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ میں نے اپنے اعتماد کو بحال کیا اور رمیا کے ساتھ باتیں کرتا ایک پگڈنڈی پر چلتا چلا گیا۔

پگڈنڈی جنگل میں سے دو تین موڑ کاٹ کر ایک ایسی جگہ پہنچ کر ختم ہو گئی' جہاں میرے سامنے دن کی روشنی میں اسرائیلیوں کا ایک پورا کمپلکس تھا۔ بیچ میں ایک پارک تھا۔ دائیں بائیں دو منزلہ دفاتر تھے جن کے آگے فوجی اور غیر فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کسی عمارت پر اسرائیلی پرچم نہیں لہرا رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ بھارت نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اپنی عمارتوں پر اپنا قومی پرچم لہرائیں۔ سکیورٹی فورس کی نیلی گاڑیاں بھی ایک عمارت کے سامنے کھڑی تھیں۔ بالکل سامنے ڈھلوانی چھت والی ایک دو منزلہ بیرک نما عمارت تھی' جس کے برآمدوں میں کچھ گورے لوگ نیکروں میں ملبوس چل رہے تھے۔ یہ یہودی ہی ہو سکتے تھے۔ رمیا بولا۔ "یہاں ہمارے صاحب کا دفتر ہے۔ وہ دیکھو' وہ برآمدہ ہے نا جہاں' بس ہمیں وہیں جانا ہے۔ صاحب بڑا اچھا ہے' جاتے ہی اسے جھک کر سلام کرنا اور فرش پر بیٹھ جانا"۔

میں پوری طرح تیار تھا۔ رمیا میرے آگے آگے تھا۔ راستے میں پارک کے قریب اس نے

کئی گورے اور سرخ رنگ کے اسرائیلی فوجیوں اور سکیورٹی کے آدمیوں کو جھک کر سلام کیا اور مجھے بھی کہنی کا ٹہوکا دیا۔ میں نے بھی انہیں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ پہلی دو منزلہ عمارت کے برآمدے میں ایک کمرے کے سامنے آ کر وہ رک گیا۔ کمرے کے باہر اسٹول پڑا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں یہاں بیٹھا کرتا ہوں۔ صاحب اندر ہی ہو گا۔ میں اندر جا کر اطلاع کرتا ہوں۔ تو کونے میں بیٹھ جا"۔

میں جلدی سے برآمدے کے کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے اوپر فقیروں اور عاجزوں ایسی مسکینی طاری کر لی تھی۔ رمیا چق اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ خوش خوش باہر آیا اور بولا۔ "جلدی کر آ جاؤ، صاحب بلاتا ہے"۔

میں اٹھا، ہاتھ باندھ لئے اور جھکا جھکا سا کمرے میں داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی میری نظر ایک دراز قد شخص پر پڑی۔ وہ چیف سکیورٹی آفیسر کی فل نیلی یونیفارم میں ملبوس چمکیلی میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ آنکھیں چھوٹی ہونٹ باریک ' سر پر زرد بال کچھ اڑے اڑے سے۔ عمر پچاس سے کچھ اوپر ہو گی۔ چوڑے شانے اور سرخی مائل سفید رنگ۔ شکل سے وہ مجھے جرمن یہودی لگا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ میں اور دادا رمیا دونوں ہی میز کے قریب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ میں نے دوبارہ اسے پرنام بھی کیا تھا جس کا اس نے ذرا سا سر ہلا کر جواب دیا تھا۔ اس نے میرے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلا جملہ یہاں سے شروع کیا۔ " مراٹھی لوگ اس طرح کی فرنچ کٹ داڑھی نہیں رکھتے "۔

میں نے معذرت کے انداز میں کہا کہ یہ داڑھی ' میں نے ایک مراٹھی ایکٹر کو دیکھ کر رکھی تھی جو مجھے بہت پسند ہے۔ اس نے فوراً پوچھ لیا۔ "کیا نام ہے اس ایکٹر کا؟"

اس قسم کے سوالوں کے جواب مجھے ازبر تھے۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا۔ " داتے کا لیکنز میں نے گھر میں اس کی تصویر بھی لگائی ہوئی تھی "۔

اس نے کافی کا مگ میز پر رکھ دیا اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ سلگایا ' اور بولا۔ " اگر انڈین پولیس تمہاری تلاش میں یہاں آ گئی تو ہم تمہیں ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں گے "۔

میں نے گڑگڑاتے ہوئے آنکھوں میں مصنوعی آنسو بھر کر کہا۔ " صاب ایسا نہ کرنا۔ وہ مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے میں نے ایک غنڈے کو اس لئے مار ڈالا تھا کہ وہ میری بیوی کی عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ صاب مجھے اپنے چرنوں میں ہی رہنے دیں۔ میں ساری زندگی آپ کی خدمت کروں گا "۔

اب رمیا دادا نے بھی دبی زبان میں میری حمایت کی اور کہا چھوڑ کر میرے پاس ہی رہے گا۔ یہ بڑا شریف لڑکا ہے بس غیرت کے جوش میں ایسا کام کر بیٹھا ہے۔ اسے معاف کر دیں صاب۔

یہودی سکیورٹی آفیسر نے رمیا دلوا سے متوجہ ہو کر کہا۔ " رمیا ' میں اسے تمہاری ذمے داری پر رکھ لیتا ہوں "۔

رمیا اور میں دونوں بیک وقت آفیسر کے قدموں پر جھک گئے۔ میں نے تو اس کی پنڈلی پکڑلی۔ اس نے جلدی سے ٹانگ پیچھے کر لی' اور بولا۔ " اس کی ضرورت نہیں ہے۔ رمیا! تم اسے بھی گیراج میں گاڑیاں دھونے پر لگا دو۔ جاؤ "۔

ہم شکریہ ادا کرتے جھکے جا رہے تھے۔ الٹے پاؤں اس یہودی چیف سکیورٹی آفیسر کے کمرے سے باہر آ گئے۔ باہر آتے ہی رمیا نے گردن سیدھی کر لی اور بولا۔ " پھاؤکر! اگر میں تمہاری زوردار سفارش نہ کرتا تو صاب کبھی تمہیں ملازم نہ رکھتا۔ یہاں تو باہر سے کوئی چڑیا بھی نہیں گھس سکتی۔ اب تم صاب کو شکایت کا موقع نہ دینا۔ آؤ تمہیں گیراج میں لے چلوں "۔

گیراج فوجی اور غیر فوجی دفاتر کے عقب میں ایک بہت بڑے آگے کو جھکے ہوئے چھپر کے نیچے بنایا گیا تھا جہاں کچھ فوجی اور سکیورٹی والوں کی نیلی گاڑیاں گیراج کے اندر اور باہر کھڑی تھیں۔ تین چار تامل بھارتی انکی مرمت اور صفائی وغیرہ کر رہے تھے۔ رمیا نے ایک تامل کو آواز دے کر کہا۔ " لپا! صاب نے میرے بھانجے کو گیراج میں نوکر رکھ لیا ہے۔ اس کو صفائی پر لگا لو "۔

اس تامل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ " دادا! تمہیں بدھائی ہو۔ آج اس خوشی میں تاڑی پلاؤ "۔ پھر اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ " تم مراٹھی ہو۔ کہتے ہیں مراٹھی لوگ بڑے محنتی ہوتے ہیں یہاں جی لگا کر کام کرو گے تو صاب ترقی کر دے گا "۔

اس نے مجھے پانی سے بھری ہوئی بالٹی تھمادی اور کہا کہ کونے والی جیپ کو دھونا شروع کر دو۔ میں جیپ کے پہیوں پر پانی ڈال کر گیلا کپڑا مار رہا تھا کہ کندرم اندر داخل ہوا۔ یہ وہی تامل تھا جو رمیا کی بیٹی سنتھیا سے بیاہ کرنا چاہتا تھا مگر رمیا نے انکار کر دیا تھا اور جو کیرالہ میں خون کر کے یہاں بھاگ آیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو رک گیا' پھر گیراج کے انچارج تامل کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ " ارے دادا! یہ تو رمیا کا بھانجا ہے۔ اسے یہاں کس نے لگا دیا؟"

انچارج نے کہا۔ " برسام صاحب نے حکم دیا ہے۔ میں جا کر ان سے پوچھ بھی آیا تھا۔ کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے؟ ارے اپنے رمیا کا بھانجا ہے۔ اس کی مدد کرنا تو ہمارا فرض ہے "۔

کندرم نے ترچھی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "کیوں نہیں دادا۔ کیوں نہیں"۔

اس نے گیراج کے کونے میں رکھا ہوا گریس کا ایک ڈبہ اٹھایا اور مجھے ٹیڑھی نظروں سے تکتا گیراج سے باہر نکل گیا۔ اس شخص کا پہلی ملاقات میں ہی مجھ پر اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہے۔ ہو سکتا ہے مجھ سے دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ میں سنتھیا کی جھونپڑی میں رہتا تھا اس کا باپ اپنی بیٹی کا بیاہ مجھ سے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مجھے ان باتوں سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اس سے محتاط ہو گیا اور فیصلہ کیا کہ اس کے دل کو ٹٹول کر دیکھوں گا کہ اس کے اندر کیا ہے۔

اب وہاں میرا معمول ہو گیا کہ صبح رمیا دادا کے ساتھ جھونپڑی سے نکل کر اسرائیلی کمپلیکس کے گیراج میں آ جاتا۔ دوپہر تک موٹریں صاف کرتا' دوپہر کو رمیا کے ساتھ واپس جھونپڑی میں جا کر بھوجن کرتا' واپس آ کر پھر کام میں جٹ جاتا اور شام چار بجے تک کام کرتا رہتا پھر رمیا کے ساتھ ہی واپس بستی میں آ جاتا۔ مجھے کام کرتے دس روز گزر گئے تو میں نے فرصت کے وقت اسرائیلی کمپلیکس میں ادھر ادھر چہل قدمی بھی شروع کر دی۔ اب دوپہر کو رمیا کے ساتھ بستی میں جانے کی بجائے' میں گیراج میں ہی ساتھ لایا ہوا دال بھات کھا لیتا۔ اس طرح سے مجھے ادھر ادھر ٹہل کر علاقے کا جائزہ لینے کے لئے وقت مل جاتا تھا۔ اس چہل قدمی میں' میں بے حد محتاط تھا۔ کبھی پارک میں جا کر بیٹھ جاتا اور کبھی کسی درخت کے نیچے لیٹ کر عمارتوں کو غور سے تکتا رہتا۔ ابھی تک مجھے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آمنے سامنے پارک کے اردگرد بنی ہوئی دو منزلہ ڈھلانی چھتوں والی عمارتوں میں فوج اور سکیورٹی فورس کے دفاتر تھے اور تمام کے تمام اسرائیلی باشندے ہی دفتری کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وہاں صرف ہماری بستی کے تامل لوگ تھے' جو دفتروں میں چوکیداری اور صفائی وغیرہ کے کام پر مامور تھے۔ ان دفتروں کے پیچھے کیلے اور ناریل کے درختوں میں ساتھ ساتھ کچھ بنگلہ نما کوارٹر بنے ہوئے تھے جہاں اسرائیلی آفیسرز رہتے تھے۔ یہاں میں نے ایک دو کوارٹروں کے لان میں کچھ عورتوں کو بھی چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ ہماری بستی کی کچھ تامل عورتیں ان کوارٹروں میں جھاڑ پونچھ اور کپڑے وغیرہ دھونے اور کھانا پکانے کا کام بھی کرتی ہیں' مگر میں ابھی تک ان کوارٹروں کے قریب نہیں گیا تھا۔ ابھی تک میں اس جیل کا بھی سراغ نہیں لگا سکا تھا جہاں اسرائیلیوں نے اپنے عمر قید والے سیاسی قیدیوں اور پاکستانی خاتون سونیا کو قید کر رکھا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہاں سفید کپڑوں میں اسرائیلی انٹیلی جینس کے آدمی بھی بھارتی باشندوں کی نگرانی پر مامور ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس علاقے سے نکل کر دوسری جانب ابھی تک نہیں گیا تھا۔ ایسی صورت میں مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا۔ میں یہ معلومات اپنے گیراج کے تامل ہیڈ مکینک کٹی سے حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ ایک دو بار' میں نے باتوں باتوں میں اس کے ساتھ قیدیوں کا ذکر چھیڑا بھی مگر کٹی نے خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ ایک دن کام کرتے کرتے' میں نے کٹی سے کہا۔ "دادا! یہاں کوئی چوری چکاری یا مار پیٹ کرتا ہے تو اسے یہ لوگ ضرور سزا دیتے ہوں گے"۔

کٹی انجن کی صفائی کر رہا تھا۔ بولا۔ "ایا! یہ لوگ ایسا کبھی نہیں کرتے۔ یہاں کوئی چوری نہیں کرتا"۔

میں چپ ہو گیا۔ اس سلسلے میں' میں نے دادا رمیا کو کریدا تو اس سے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ ان لوگوں نے جزیرے میں کسی جگہ جیل خانہ بنایا ہوا ہے جہاں بھارتی باشندوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں کی صفائی وغیرہ کا کام قیدی خود ہی کرتے ہیں۔ اسی طرح رمیا نے اپنی تجربے گاہ کے

بارے میں بھی اتنا ہی بتایا کہ جنوب کی جانب ایک پہاڑی کے دامن میں سفید کپڑوں والے ڈاکٹر قسم کے لوگ نیلی گاڑیوں میں آتے جاتے رہتے ہیں ادھر بھی ہم میں سے کوئی نہیں جا سکتا۔

یہ سفید کپڑوں والے لوگ یقیناً سائنس داں تھے اور جنوب کی پہاڑی کے دامن میں ایٹمی پلانٹ لگا تھا جہاں ہماری اطلاعات کے مطابق یورینیم دھات پر کسی انتہائی طاقتور اور مہلک ایٹمی ہتھیار کے لئے توانائی کے حصول کا کام ہو رہا تھا۔ یہی اسرائیلیوں کا خفیہ ایٹمی پلانٹ تھا اور یقیناً جس کے بارے میں بھارتی حکومت کو پورا علم تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ یہاں بھارت کے تعاون کے ساتھ ہی ایٹمی توانائی پر کام ہو رہا ہو، لیکن مجھے سب سے پہلے پاکستانی لڑکی سونیا کا سراغ لگانا تھا۔ اس کے لئے مجھے اسرائیلی افسروں کے قریب ہونے کی ضرورت تھی اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ کسی طرح مجھے ان لوگوں میں سے کسی فوجی یا سکیورٹی افسر کے بنگلے پر کام کرنے کا موقع مل جائے۔ گیراج میں موٹروں کی صفائی کرتے ہوئے میں کچھ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ میں چونکہ عبرانی زبان جانتا تھا اور اسرائیلی آفیسرز اور سکیورٹی والے عبرانی زبان میں آپس میں بات کرتے تھے۔ اس لئے ان کے قریب رہنے سے اس بات کا امکان تھا کہ مجھے خفیہ قید خانے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو جائیں۔ کیوں کہ کسی اسرائیلی آفیسر کو کبھی خواب میں بھی یہ گمان نہیں آ سکتا تھا کہ میں عبرانی زبان سمجھ لیتا ہوں۔

میں نے کسی اسرائیلی افسر کے بنگلے پر کام حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے یہ بہانہ کیا کہ گیراج میں پٹرول کی بو سے مجھے سر درد رہنے لگا ہے۔ میں نے ہر کسی سے سر میں درد رہنے کی شکایت شروع کر دی۔ رمیا بڑا پریشان ہوا کیونکہ میں اس کا ہونے والا داماد تھا۔ اس نے اپنے یہودی صاحب برسام سے التجا کی کہ مجھے کسی دوسری جگہ کام پر لگا دیا جائے کیونکہ گیراج میں پٹرول کی بو سے میری طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ صاحب نے رمیا کی بات کو غور سے سنا اور پھر پوچھا کہ پھاؤ بکر دوسرا کیا کام کر سکتا ہے؟ میں نے رمیا کو پہلے ہی بریفنگ کر دی تھی کہ میں ولایتی کھانے بڑے اچھے پکا لیتا ہوں کیوں کہ میں مدراس میں ایک انگریز بہادر کا خانساماں بھی رہ چکا ہوں۔ اس نے جب یہ بات اپنے صاحب سے کی تو وہ بولا۔ "پھاؤ بکر کو ہمارے پاس لانا ہم اس سے ولایتی کھانوں کے بارے میں پوچھے گا"۔

رمیا نے ایک روز مجھے صاحب کے آگے پیش کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے انگریزی کھانوں کے بہت سے نام یاد تھے۔ بُرے سے بُرے اور اچھے سے اچھے ماحول میں رہا تھا۔ یروشلم میں عبرانی کھانوں کے نام بھی جانتا تھا اور سعدیہ میرے سامنے یورپی ڈشیں بنایا کرتی تھی۔ میں نے جب یہودی چیف سکیورٹی آفیسر برسام کو انگریزی کھانوں کے ساتھ ساتھ ایک آدھ یہودی کھانے کے بھی نام بتائے تو وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" حضور، مدراس میں ایک جج صاحب تھے ان کے ہاں ایک سال تک خانساماں رہ چکا ہوں۔

چیف سکیورٹی آفیسر کے ہاں اس کی بیوی ہی کھانا پکاتی تھی۔ ایک تامل عورت اس کا ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ میں کل سے اس کے بنگلے پر پہنچ کر کام شروع کر دوں۔ رمیا! تم پھاؤ یکر کو ہمارا بنگلہ دکھا دو۔ ہم میم صاحب کو ابھی فون کر دیتا ہے"۔

میں نے اس یہودی آفیسر کے بنگلے پر خانساماں کا کام شروع کر دیا۔ صبح صبح اس کے بنگلے پر پہنچ جاتا۔ ناشتہ تیار کرتا... دوپہر کا کھانا بناتا اور رات کا کھانا تیار کرنے کے بعد بستی میں واپس آ جاتا۔ یہودی آفیسر بر سام کی بیوی بڑی کم گو اور بھاری بھرکم عورت تھی۔ دن بھر کتابیں پڑھنے اور چاکلیٹ کھانے کے سوا اسے اور کوئی کام نہیں تھا' یا پھر حیفہ میں اپنی والدہ سے فون پر دیر تک باتیں کرتی رہتی۔ ان کے بنگلے پر کبھی کبھی شام کو سکیورٹی فورس یا فوج کے دو ایک افسر کھانے پر آ جاتے تھے۔ یہ لوگ برج کھیلتے' تھوڑا تھوڑا... مشروب پیتے سگار پھونکتے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد واپس چلے جاتے۔ ان کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر حیفہ اور یروشلم میں گزاری ہوئی زندگی ہوتا۔ انہوں نے کبھی کوئی سیاسی بات نہیں کی تھی۔ کبھی کبھار بھارت کی بڑھتی ہوئی فوجی طاقت پر اظہار خیال بھی کر لیتے تھے لیکن انہوں نے آج تک سیاسی قیدیوں یا سونیا کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ مجھے شک ہونے لگا کہ شاید میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں اور سونیا نام کی کوئی پاکستانی لڑکی اس جزیرے میں قید نہیں ہے۔ دوسری طرف رمیا نے میرے خانساماں بن جانے کو میری زبردست ترقی سمجھا اور ایک روز مجھ سے اپنی لڑکی سنتھا سے شادی کی بات کر دی۔ میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ میں سنتھا سے کسی حالت میں شادی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میرا مشن ہی نہیں تھا' بلکہ یہ میرے مشن کی سب سے بڑی رکاوٹ بن سکتی تھی۔ میں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ بھارت میں ابھی میری بیوی زندہ ہے۔ جب تک اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہو جاتا میں کسی دوسری عورت سے کیسے بیاہ کر سکتا ہوں۔ رمیا چپ ہو گیا۔

یہ بات بستی میں اڑتی اڑتی میرے رقیب کندرم کے کانوں میں بھی پہنچ گئی کہ رمیا نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کندرم کا رویہ میرے ساتھ مزید معاندانہ ہو گیا۔ میں اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس عرصے میں' میں اپنی ایک الگ جھونپڑی بنا کر رہنے لگا تھا۔ یہ نئی جھونپڑی میں نے رمیا کی جھونپڑی کے ساتھ ہی کیلے کے درختوں کے پاس بنائی تھی۔ یہاں میں نے لکڑی کے دو کھوکھے لا کر رکھ دیئے تھے۔ ان میں میرے کچھ کپڑے تھے۔ میرے یہودی صاحب نے مجھے کچھ برتن بھی دے دیئے تھے۔ سب سے زیادہ فکر مجھے اپنے جرمن پستول کی لگی رہتی تھی۔ کیوں کہ اگر وہ برآمد ہو جاتا تو مجھے بہت بڑی مصیبت لاحق ہو سکتی تھی۔

بستی سے صاحب کے بنگلے پر جاتے ہوئے میں پستول کو جھونپڑی کے اندر کھودے ہوئے گڑھے میں چھپا جاتا تھا۔ اس گڑھے کے اوپر لکڑی کے کھوکھے کا ایک چھوٹا سا تختہ ڈال کر میں نے اوپر گھاس اور مٹی ڈال کر ٹاٹ بچھا دیا تھا' پھر بھی میں جب تک بنگلے پر رہتا مجھے اس کی فکر لگی رہتی۔ کندرم میرا دشمن بن گیا تھا اور میری جھونپڑی میں گھس کر تلاشی لے سکتا تھا اور اگر تلاشی نہیں تو وہ رقابت اور دشمنی میں آکر میری جھونپڑی کو آگ بھی لگا سکتا تھا' لیکن میں پستول اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ خیال آیا کہ مجھے پستول جھونپڑے سے نکال کر جنگل میں کسی جگہ یا تالاب کے آس پاس کہیں چھپا دینا چاہئے چنانچہ ایک رات جب بستی کے سب لوگ سو رہے تھے تو میں نے گڑھے میں سے پستول نکال کر دھوتی میں چھپایا اور جھونپڑی سے نکل کر اندھیرے میں ہی عقبی جنگل والے تالاب کی جانب چل پڑا۔ جنگل میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے۔ میں اس سارے جنگل سے واقف تھا۔ کیلے اور شریفے کے درختوں میں سے ہو کر میں خاموشی سے چلا جا رہا تھا۔ ابھی تالاب چند قدموں کے فاصلے پر تھا کہ مجھے انسانی آواز سنائی دی۔ میں وہیں بیٹھ گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ یہ دو آدمی تھے جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے غور سے سنا۔ باتیں تامل زبان میں ہو رہی تھیں۔ یہ ہماری بستی کے آدمی ہی ہو سکتے تھے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کیونکہ ان میں سے ایک آدمی کی آواز کندرم سے ملتی جلتی تھی۔ جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں' میں نے گھاس پر لیٹ کر ادھر رینگنا شروع کر دیا۔ شبنمی گھاس پر میں اس احتیاط اور مہارت کے ساتھ رینگ رہا تھا کہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کی معمولی سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

کھسکتے کھسکتے میں ایسی جگہ آ گیا جہاں سے مجھے آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ میں نے سر نیچے گھاس کے ساتھ لگا لیا اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ یہ کندرم تھا جو اپنے کسی تامل ساتھی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "رمیا لالچی ہے۔ پھاڈیکر اپنے ساتھ ضرور روپے لایا ہو گا"۔

اس کا ساتھی بولا۔ "تمہارا دشمن پھاڈیکر ہے۔ وہ تمہارے راستے سے ہٹ جائے تو رمیا' سنتھا کا بیاہ تم ہی سے کرنے پر مجبور ہو گا"۔

کندرم خاموش تھا' پھر اس کی آواز آئی۔ "میں اس کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ یہودی مجھے سمندر میں ڈبو دیں گے"۔

اس کے ساتھی کی آواز آئی۔ "پھر یہ کانٹا کیسے نکلے گا؟ سنتھا تو اس سے بیاہ دی جائے گی"۔

کندرم نے کہا۔ "کبھی کبھی مجھے پھاڈیکر پر شک سا ہونے لگتا ہے"۔

"کیسا شک؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔

کندرم چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "بس ایک شک ہے مجھے۔ ابھی تمہیں نہیں

بتاؤں گا۔ پہلے مجھے کھوج لگا لینے دو"۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ کندرم کو مجھ پر سوائے اس کے اور کیا شک ہو سکتا تھا کہ میں اصلی مراٹھا نہیں ہوں اور وہاں جاسوسی کرنے آیا ہوں۔ یہ بات میرے مشن کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے کندرم سے مزید محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا' لیکن تھوڑی ہی دیر بعد کندرم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی کہ مجھے فوری طور پر اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر کے دوسرا فیصلہ کرنا پڑ گیا اور میرا دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ مجھے کندرم کو جتنی جلدی ہو سکے ٹھکانے لگا دینا ہو گا۔ اس کے ساتھی نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ اس پر کیا شک کرتا ہے؟ پھاؤیکر مراٹھا نہیں تو پھر کون ہے؟

کندرم نے اسے جواب میں کہا تھا۔ "ابھی مجھے صرف شک ہے۔ جب مجھے یقین ہو گیا تو پھر میں اسے یہودی فوجیوں کے حوالے کر دوں گا جو اسے اسی وقت گولی مار کر ہلاک کر دیں گے"۔

اب بات واضح ہو چکی تھی۔ اب میں اس ٹوہ میں تھا کہ یہ اپنے ساتھی کو میرے بارے میں مزید کچھ بتاتا ہے کہ نہیں اگر بتا دیتا ہے تو پھر اس کے ساتھی کو بھی اگلی دنیا میں پہنچانا ضروری تھا۔ اس کے ساتھی نے پوچھا۔ "کندرم' میں تمہارا دوست ہوں۔ کچھ مجھے تو بتاؤ"۔

لیکن کندرم بڑا گہرا اور ہوشیار شخص تھا۔ کہنے لگا۔ "ابھی نہیں گپا۔ وقت آنے پر سب سے پہلے تمہیں بتاؤں گا۔ آؤ اب واپس چلتے ہیں۔ تاڑی کا نشہ ٹوٹ رہا ہے"۔

میں نے اپنے آپ کو گھاس چھپا لیا اور سر گھاس کی جڑوں کے ساتھ لگا کر بالکل بے حس ہو گیا۔ مجھے انسانی قدموں کی آواز سنائی دی جو مجھ سے تھوڑے ہی فاصلے پر سے پیچھے بستی کی جانب چلی گئی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ جا چکے ہیں تو میں وہیں لیٹے لیٹے پیچھے کی طرف گھوم گیا۔ اب میں پستول اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں رینگ رینگ کر اپنی جھونپڑی کے عقب تک پہنچا اور پھر بھاگ کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے پستول کو جھونپڑی کے گڑھے میں دوبارہ چھپا کر اوپر زمین پر ٹاٹ ڈال دیا۔ جھونپڑی میں اندھیرا تھا۔ اس کا بانسوں کی شاخوں والا دروازہ بند تھا۔ مچھر راگ الاپ رہے تھے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ کندرم کو تو اب زندہ نہیں رہنا تھا مگر اس کے ساتھ گپا کے دن بھی لگتا تھا پورے ہو گئے۔ کندرم کی لاش جب جنگل میں ملی تو گپا کے دل میں یہ شبہ ضرور ابھرے گا کہ اسے میں نے مارا ہے کیوں کہ کندرم اسے میرے بارے میں بتا چکا ہے کہ میں کوئی پر اسرار آدمی ہوں اور اصلی مراٹھا نہیں ہوں' پھر کندرم نے اس کے آگے یہ بات بھی کی تھی کہ وہ مجھے یہودی فوجیوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام کوائف پر غور کرنے سے گپا کا مجھ پر شک پختہ ہو جائے گا اور پھر عین ممکن ہے کہ وہ انتقام لینے کے لئے کسی یہودی افسر سے جا کر میرے بارے میں بات کر دے کہ یہ مراٹھا نہیں ہے اور کندرم کو اس پر شبہ تھا۔ یہودی فوجیوں کے لئے مجھے گرفتار کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا۔ وہ اپنے جزیرے پر کسی مشکوک آدمی کا وجود بھلا کیسے گوارا کر سکتے تھے؟

سب سے پہلے میں نے گپا کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ میں اسے پستول کی گولی سے ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ پستول کی گولی اس کے جسم سے برآمد ہو سکتی تھی۔ مجھے گولی ضائع کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے لئے ایک رسی کا ٹکڑا ہی کافی تھا۔ گپا اور کندرم بستی کے جنوب میں الگ الگ جھونپڑیوں میں رہتے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ وہ رات کو اکٹھے بیٹھ کر تاڑی پیتے ہیں۔ اس رات تو میں سو گیا۔ سارا دن برسام صاحب کے بنگلے پر کام کرتا اور گپا کو راستے سے ہٹانے کے منصوبے پر غور کرتا رہا۔ منصوبہ بڑا صاف تھا۔ مجھے گپا کو کسی طریقے سے اندھیرے میں تالاب کی طرف لے جانا تھا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ اسے میرے ساتھ جاتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکے۔ کندرم کے بارے میں مجھے پتہ تھا کہ وہ فوجی بیرک میں صفائی کا کام کرتا ہے اور شام ہی کو کام سے چھٹی کر کے بستی میں چلا جاتا ہے۔ میں نے وقت سے پہلے بستی آنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اپنے وقت پر اندھیرا ہو جانے کے بعد بستی میں آگیا۔ رمیا اور اس کی بیوی سکھ منی میرے لئے کھانا رکھے انتظار کر رہی تھیں۔ روز کی طرح انہوں نے مجھے کھانا دیا۔ سنتھا نے کوکو بنا کر دی اور بیزاری سے جھونپڑی کے اندر چلی گئی۔ میں کوکو پی کر نیند کا بہانہ بنا کر اپنی جھونپڑی میں آگیا۔ اب میں رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے نیند بالکل نہیں آرہی تھی۔ میں نے صبح ہی سے ایک رسی کا دو گز کا ٹکڑا جھونپڑی کے کونے میں لا کر چھپا دیا تھا۔ جب رات کافی گزر گئی اور بستی کے سب لوگ سو گئے تو میں نے رسی اٹھا کر اپنی کمر کے گرد لپیٹی اور چپکے سے جھونپڑی سے باہر نکل کر درختوں میں سے ہوتا ہوا بستی کے جنوب کی طرف چلنے لگا۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر میں گپا کی جھونپڑی کے عقب میں پہنچ گیا۔ اس کی جھونپڑی پر گہری خاموشی طاری تھی۔ میں دبے قدموں چلتا جھونپڑی کے دروازے کی طرف آگیا۔ جھونپڑی کے اندر سے گپا کے ہلکے ہلکے خراٹے لینے کی آواز آرہی تھی۔

میں نے بڑی احتیاط سے بانس کے دروازے کو ذرا سا کھسکا کر پرے کیا اور رینگتا ہوا جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ اندر کونے میں مٹی کے تیل کا چھوٹا سا لیمپ جھلملا رہا تھا۔۔۔ اور جھونپڑی میں مٹی کے تیل کے ساتھ تاڑی کی بدبو شامل ہو رہی تھی۔ گپا تاڑی پی کر فرش پر چادر اوڑھے بے سدھ پڑا تھا۔ میں رینگتے رینگتے اس کے منہ کے پاس آگیا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میرا ٹارگٹ میرے سامنے تھا۔ میں نے رسی کمر سے کھول کر اس کا پھندا بنا کر ہاتھوں میں پکڑا اور گپا کے سرہانے کی طرف جا کر اسے آہستہ سے ٹھوکا دیا۔ دوسری تیسری بار ہلانے سے وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں اسے صرف بٹھانا ہی چاہتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے رسی کا پھندا اس کی گردن میں تنگ سے تنگ ہوتا جا رہا تھا پھر گپا مر گیا۔ میں نے اس کی لاش کو اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور جھونپڑی سے نکل کر جنگل والے تالاب کی طرف روانہ ہو گیا۔

تالاب بھی اندھیری رات میں سنسان تھا اور وہاں جیسے الو بول رہے تھے۔ میں نے گپا کی لاش

تالاب کے کنارے ایک جگہ اندھیرے میں رکھ دی اور تلاش کر کے ایک پتھر اٹھالایا۔ لاش کو رسی کی مدد سے اس پتھر کے ساتھ باندھا اور پھر بڑے آرام سے اسے تالاب میں ڈال دیا۔ گھڑپ کی آواز کے ساتھ بھاری پتھر گپا کی لاش کو لے کر تالاب میں غائب ہو گیا۔

ایک دشمن بڑی خوش اسلوبی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ میں خاموشی سے جنگل میں سے گزرتا واپس اپنی جھونپڑی میں آکر لیٹ گیا۔

دوسرے دن گپا شام تک نظر نہ آیا تو بستی والوں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ کندرم خاص طور پر اس کے لئے بہت فکر مند تھا۔ رات کو میں کام ختم کر کے واپس آیا تو کندرم تاڑی پی کر بستی کے سب لوگوں کو گالیاں بک رہا تھا۔ رمیا نے مجھے کہا کہ میں اس طرف نہ جاؤں کیونکہ وہ مجھے بھی گالیاں دے رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "داوا! وہ مجھے کیوں گالیاں دیتا ہے۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے ؟"

داوا بولا۔ "بس میں نے تمہیں بتا دیا تھا پھاڈیکر۔ کندرم بڑا بدمعاش اور بدکردار ہے۔ وہ میری بچی کی زندگی تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے وہ میرا اور تمہارا بھی دشمن بن گیا ہے کہ میں نے اسے اپنی بچی کا ہاتھ نہیں دیا"۔

مجھے کندرم کی گالیاں بکنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ رمیا نے کہا گپا کہیں گم ہو گیا ہے تو اس میں بستی والوں کا کیا قصور ہے ؟ ہو سکتا ہے وہ تاڑی پی کر کہیں جنگل میں بے ہوش پڑا ہو۔

میں مسکین بنا سر جھکائے کانسی کی تھالی میں موٹے چاول کھا رہا تھا جن میں پتلی مدراسی دال ملی ہوئی تھی۔ سکھ منی اور سنیتا کندرم کی گالیوں کی وجہ سے جھونپڑی میں چلی گئی تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے رمیا داوا کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ اس کے گھٹنے چھوئے اور اپنی جھونپڑی کی طرف چلا۔ رمیا ناریل پی رہا تھا۔ بولا "تم آرام کرو بیٹا۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ تمہیں باہر آنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

میں نے ایک بار پھر واپس مڑ کر بڑی عاجزی سے داوا رمیا کو ہاتھ جوڑ کر رام رام کیا اور اپنی جھونپڑی میں آتے ہی چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ کندرم بپھرا ہوا تھا اسے تاڑی چڑھ گئی تھی اور وہ اب میرا نام لے کر مجھے گالیاں دینے لگا تھا۔ میں اپنی جھونپڑی میں اس سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھا تھا۔ خطرہ تھا تو یہی کہ کہیں وہ گالیاں دیتا نشے کی ترنگ میں میری جھونپڑی میں نہ آجائے، پھر میں اسے ہلاک نہیں کر سکتا تھا، لیکن میری خوش قسمتی اور اس کی بدقسمتی کہ اس نے ایسا نہ کیا اور گالیاں بکتا بکتا اپنی ... جھونپڑی میں جا کر پڑ گیا۔ میں نے اپنی جھونپڑی کا مٹی کے تیل کا لیمپ بجھا دیا تھا یہ ظاہر کرنے کی لئے کہ میں سو گیا ہوں مگر میں جاگ رہا تھا۔ جب ہر طرف موت ایسا سناٹا طاری ہو گیا اور میری گھڑی

میں رات نے گیارہ بجا دیئے تو میں اپنی جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں صرف ایک رومال تھا۔ میں کندرم کی گردن اور منہ پر اپنی انگلیوں کے نشان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دو راتوں کے اندر اندر ایک شخص کے غائب ہو جانے اور دوسرے کے پراسرار طریقے سے مر جانے کے باعث وہاں کے یہودیوں کو شک ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا وہ اس طرف بالکل توجہ نہ دیتے۔ کیوں کہ ایک شخص زیادہ تاڑی پینے سے بھی مر سکتا تھا' لیکن اگر ان کو شک پڑ گیا تو وہ لاش کو اپنی ماڈرن لیبارٹری میں لے جا کر کندرم کے چہرے اور گردن پر میری انگلیوں کے نشانات لے سکتے تھے۔

جنگل پہلی رات کی طرح' خاموش اور تاریک تھا۔ بستی کی لالٹین بجھ گئی تھیں۔ سب گہری نیند سو رہے تھے۔ یہاں تقریباً سبھی مرد رات کو تاڑی ضرور پیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے انہیں مچھر نہیں کاٹتے اور... انہیں ملیریا نہیں ہوتا۔ میں دبے دبے قدموں چلتا کندرم کی جھونپڑی کے قریب آ کر رک گیا۔ جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر اردگرد کا گہری نگاہ سے جائزہ لیا۔ جھونپڑی کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اندر سے کندرم کے نشہ آور خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ یہ بڑا آسان ٹارگٹ تھا۔ مجھے اسے ہلاک کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی مگر یہ میرے مشن کا ایک حصہ تھا۔

میں جھونپڑی کی دیوار سے لگا ایک ایک قدم احتیاط سے اٹھاتا دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔ بس میری ساری احتیاط صرف اتنی تھی کہ بستی کا کوئی آدمی مجھے جھونپڑے میں داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھ لے۔ ایک بار جھونپڑی میں داخل ہونے کے بعد مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں جھک کر بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ جھونپڑی میں اندھیرا تھا... اور تاڑی کی بدبو سے فضا بوجھل ہو رہی تھی۔ کندرم فرش پر ہی پہلو کے بل پڑا تھا۔ اس کی گردن میں رومال ڈالنے کی دیر تھی کہ میرے ایک ہی جھٹکے نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اگلے روز وہ اپنی جھونپڑی میں مردہ پایا گیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ تاڑی زیادہ پی جانے سے سوتے میں ہی اس کے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ کسی نے کندرم کے بارے میں کوئی افسوس نہ کیا۔ کیوں کہ اس نے ساری بستی کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ دادا رمیا بہت خوش تھا کہ اس کی بیٹی کا دشمن ختم ہو گیا۔ میرے لئے یہ ایسی ہی بات تھی جیسے میرے راستے میں کیلے کا چھلکا پڑا تھا جسے میں نے پاؤں سے ایک طرف ہٹا دیا۔ ایک مہینہ گزر گیا لیکن مجھے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ابھی تک سونیا کے سلسلے میں مجھے معمولی سی کامیابی بھی نہیں ہوئی تھی۔

اس دور افتادہ خفیہ اسرائیلی کمپلیکس میں ایک کشادہ اسٹور بھی تھا جہاں سے کھانے پینے اور روز مرہ استعمال کی دوسری اشیاء مل جاتی تھیں۔ ایک شام برسام کی یہودی بیوی نے مجھے ساتھ لیا اور اسٹور میں سودا سلف خریدنے آ گئی۔ یہاں اس کی ملاقات ایک یہودی میجر کی بیوی سے ہوئی۔ دونوں آپس میں عبرانی زبان میں باتیں کرنے لگیں۔ وہ بڑی آزادی سے ایک دوسرے کے خاوندوں

کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ میں ان کی زبان بالکل نہیں جانتا۔ وہ اپنے اپنے خاوندوں کی عیاشی کی داستانیں بیان کر کے ایک دوسرے سے ان کا سدباب کرنے کی ترکیبیں پوچھ رہی تھیں۔ میجر کی یہودی بیوی نے کہا۔ "میں نے تو اپنے خاوند کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ اب اگر تم شراب پی کر جیل کی طرف گئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گی"۔

میرے صاحب کی بیوی نے تعجب سے پوچھا۔ "تمہارا خاوند شراب پی کر جیل کس لئے جاتا ہے؟"

میجر کی یہودی بیوی نے ناک سکوڑ کر کہا۔ "وہاں یروشلم کی ایک لیڈر عورت عمر قید کاٹ رہی ہے۔ یہ اس سے ملنے جاتا ہے۔ وہ بڑی بدمعاش عورت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک بار جیل کے وارڈن سے مل کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش بھی کر چکی ہے"۔

برسام کی بیگم بولی۔ "بہن میرا خاوند شراب ضرور پیتا ہے مگر جیل والی عورتوں کے پاس نہیں جاتا۔ حالانکہ ایک دن وہ کسی خوبصورت نوجوان قیدی عورت کا ذکر بھی کر رہا تھا جو شاید کوئی پاکستانی ہے"۔

یہودی میجر کی بیوی بولی۔ "میں تو کہتی ہوں ہمیں اس جیل کی عورتوں کو مار ڈالنا چاہئے"۔

"کیا کریں! چھ ماہ کے لئے تو ہم یہاں آتی ہیں... ہمارے پیچھے نہ جانے یہ مرد کیا کیا گل نہیں کھلاتے ہوں گے"۔

یہودی میجر کی بیوی کا بچہ اسے کھینچ رہا تھا۔ وہ خدا حافظ کہہ کر کچن ویئر والے ڈیپارٹمنٹ میں چلی گئی۔ اس عورت کی زبانی مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا تھا کہ سونیا اسی جزیرے کی جیل میں قید تھی۔ وہ جس پاکستانی لڑکی کے بارے میں بات کر رہی تھی وہ سونیا کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ بنگلے پر آ کر میں کچن میں دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں لگ گیا۔ برسام کی بیوی یعنی میری 'مالکن اپنے کمرے میں صوفے میں دھنسی سیب کھاتے ہوئے کوئی اسرائیلی فیشن میگزین پڑھنے لگی۔ میں اسے کافی دینے اس کے ائرکنڈیشنڈ کمرے میں گیا تو وہ صوفے پر ٹانگیں پھیلائے رسالہ پڑھ رہی تھی۔ ادھ کھایا سیب اس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔

میں نے کافی خاموشی سے میز پر رکھ دی۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ کمرے میں ٹھنڈک کے ساتھ ساتھ بڑی خوشگوار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میں جانے لگا تو یہودی ما نے آواز دی۔ "ڈیکر! الماری سے میرا سگریٹ کیس پکڑا دو"۔

یہ لوگ مجھے چھاڈیکر کی بجائے ڈیکر کہہ کر پکارتے تھے۔ میں نے سلور کا سگریٹ کیس الماری سے نکال کر بیگم کو دیا اور اس کے ہاتھ دیکھ کر کہا۔ "میڈم آپ کے ہاتھ کی لکیریں بڑی ونڈر فل ہیں"۔

اس قسم کی باتیں عورتوں کی بڑی کمزوری ہوتی ہیں چاہے وہ کسی ملک سے ہی کیوں نہ تعلق

رکھتی ہوں۔ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ اس بھاری بھرکم یہودی عورت کے پھیکے نیلے ڈیلے مجھے تکنے لگے۔ "ارے ڈیکر! کیا تم ہاتھ کا علم جانتا ہے؟"

میں نے کہا۔ "یس میڈم! میں نے ایک انڈین جوگی سے یہ تھوڑا تھوڑا سیکھا تھا"۔

یہودی بیگم نے اپنا ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔ "تو پھر بتاؤ ہماری قسمت میں... کیا لکھا ہے"

میں نے بیگم کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے ہاتھوں کی عام قسم کی الجھی الجھی سی لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا جن کے خطوط اور زاویوں کو میں بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ مگر میں انہیں اس طرح غور سے دیکھ رہا تھا جیسے ایک ایک لکیر سے واقف ہوں۔ دو تین بار' میں نے سر کو اثبات میں ہلا کر ایک بار نفی میں ہلایا تو بیگم بولی۔ "ڈیکر کچھ مجھے بھی بتاؤ۔ میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ کیا ہمارے کوئی لولاد نہیں ہو گا؟"

میں لکیروں پر جھک گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "میڈم یہاں آپ کے ہاں دو لڑکوں کی پیدائش لکھی ہے"۔

یہودی عورت خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے بولی۔ "ڈیکر تم مذاق تو نہیں کر رہا"۔

میں نے کہا۔ "نہیں میڈم۔ دو خوب صورت بچوں کو تو میں آپ کی ہتھیلی میں صاف دیکھ رہا ہوں مگر یہ تین برس کے بعد ہوں گے"۔

وہ منہ لٹکائے ہوئے بولی۔ "پھر تو ہم بوڑھا ہو گیا ہو گا۔ بچہ کیسے ہو گا؟"

میں نے کہا۔ "میڈم یہ بھگوان کی دین ہے۔ میری بات لکھ لیں آپ کے ہاں اگلے تین سال میں دو بچے ہوں گے۔ ہم بھی یہاں ہے۔ آپ بھی یہاں ہے' پھر ہم آپ سے بڑا انعام لے گا"۔

یہودی میڈم نے خوش ہو کہا۔ "ہم تمہیں پچاس روپیہ انعام دے گا۔ اور بتاؤ ہماری قسمت میں دولت بھی لکھا ہے؟"

یہودی لوگوں کو میں نے بہت کنجوس پایا تھا۔ وہ پائی پائی کے لئے لمبی لمبی بحثیں کرتے تھے۔ دولت سے زیادہ انہیں شاید ہی کسی شے سے پیار ہو۔ چنانچہ جب میں نے اس یہودی عورت کو جھوٹ موٹ یہ خوش خبری دی کہ اگلے برس اس کی لاٹری نکل آئے گی تو وہ اتنی خوش ہوئی کہ صوفے پر سے اچھل کر میرے قریب قالین پر آ کر بیٹھ گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہاں ہر یہودی افسر نے لاٹری کے ٹکٹ خرید رکھے ہیں جو ہر سال تل ابیب میں نکلا کرتی تھی۔

اس نے کہا۔ "میں نے دس لاکھ ڈالر کی لاٹری کے سات ٹکٹ خرید رکھے ہیں۔ میری لاٹری ضرور نکل آئے گی ناں۔ پھر سے ہاتھ کی لکیریں دیکھو"۔

میں جانتا تھا کہ وہاں دو ایک ماہ سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔ کم از کم ایک برس تک وہاں رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی ابھری ہوئی ہتھیلی کی ایک لکیر پر انگلی رکھ دی اور کہا۔

"میڈم یہ ہے آپ کی لاٹری کی لکیر۔ دیکھیں کتنی صاف نظر آ رہی ہے"۔

میڈم کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اگر اتفاق سے اس کی دس لاکھ ڈالر کی لاٹری نکل آئی تو اس کا کیا حال ہو گا؟ اب میں اپنے مطلب کی طرف آنے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں کو ادھر ادھر سے دیکھا' پھر دوسرے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ اب میں نے سر کو فکر مندانہ انداز میں نفی میں ہلایا تو بولی۔ "کیوں کیا بات ہے ڈیکر؟ تم کو کیا نظر آیا ہمارے اس ہاتھ میں؟"

میں نے کہا۔ "میڈم' اگر آپ صاحب کو نہ بتائیں تو میں عرض کر دوں گا۔ پہلے وعدہ کریں"۔

یہودی عورت ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ بولی۔ "ڈیکر میں جانتی ہوں انڈین لوگ بڑے زبردست قسمت کا حال بتانے والے ہوتے ہیں۔ ہم تم سے وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے صاحب کو ہم کچھ نہیں بتائے گا۔ تم بولو ہمارے ہاتھ میں کیا لکھا ہے؟"

میں نے ہاتھ کی لکیروں پر ایک بار پھر نظریں جما دیں اور کہا۔ "میڈم! آپ کے صاحب بڑے اچھے ہیں۔ وہ آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ پر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے صاحب پر ایک دوسری عورت اپنا سایہ ڈال رہی ہے"۔

وہ چونک کر بولی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے پہلے ہی شک تھا۔ یہ وہی پاکستانی لڑکی ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی"۔ پھر اپنا ہاتھ میرے آگے کر کے بے تابی سے بولی۔ وہ کیا کر رہی ہے؟ مجھے بتاؤ۔ جلدی بتاؤں۔ وہ مجھ سے میرے خاوند کو چھین تو نہیں لے گی؟"

تیر ٹھیک ٹارگٹ پر لگا تھا۔ میں نے کہا۔ "میڈم! ایسی کوئی بات تو نظر نہیں آتی' لیکن یہ پاکستانی عورت مجھے بڑی چالاک لگتی ہے۔ اس کا ستارہ زحل ہے جو بڑا منحوس ہوتا ہے۔ اگر آپ نے کوئی اپائے نہ کیا تو وہ آپ کے خاوند کو اپنی طرف راغب کر کے آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے"۔

یہودی عورت فکر مند ہو گئی۔ کہنے لگی۔ "ڈیکر تم ہی بتاؤں میں کیا کروں؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ یہ عورت خدا جانے کہاں سے پکڑ کر یہاں قید میں ڈال دی گئی ہے۔ میرے خاوند نے تو مجھے اتنا ہی بتایا ہے کہ یہ کوئی جاسوس ہے۔ مجھے بتاؤ۔ میں اپنے خاوند کو اس بدمعاش عورت کے اثر سے کیسے محفوظ کر سکتی ہوں؟"

میں نے کہا۔ "میڈم! آپ صرف یہ معلوم کریں کہ یہ عورت جس جگہ قید ہے' وہاں آس پاس پانی کا کوئی حوض تو نہیں ہے؟ اگر وہاں کوئی حوض ہے تو میں آپ کو ایک تعویذ لکھ کر دوں گا جو آپ اس حوض میں ڈلوا دیں۔ بس میرا تعویذ اپنا کام شروع کر دے گا اور یہ عورت آپ کے خاوند کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی"۔

میڈم بولی۔ "یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ میں آج ہی تمہارے صاحب سے معلوم کرتی ہوں"۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میڈم! اس بات کو راز میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی کو ذرا سا بھی پتہ چل گیا کہ میں آپ کی خاطر کوئی تعویذ لکھ رہا ہوں تو اس تعویذ کا اثر جاتا رہے گا' پھر آپ

کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا بلکہ ممکن ہے تعویذ الٹا کام کرنا شروع کر دے اور آپ کے ہاتھ سے آپ کا صاحب نکل جائے "۔

وہ جلدی سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی۔ "میں کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کروں گی۔ تم تعویذ تیار کرنا شروع کر دو "۔

وہ اٹھ کر کمرے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے ٹہلنے لگی۔ اب ضروری تھا کہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی بے چینی کو کم کیا جائے کیونکہ یہ میرے حق میں نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے کہا۔ " میڈم آپ... کو بے چین ہونے یا فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک بار آپ یہ معلوم کر لیں کہ جہاں یہ پاکستانی لڑکی قید ہے وہاں اردگرد کوئی پانی کا حوض ہے کہ نہیں۔ بس اس کے بعد آپ بھول جائیں۔ سارا کام میرا تعویذ خود بخود درست کر دے گا۔ یہ عورت آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے گی "۔

میرے اتنا کہنے سے وہ مطمئن ہو گئی۔ کہنے لگی۔ " ڈیکر! میں تمہیں بہت انعام دوں گی۔ تم تعویذ بناؤ۔ ہم آج ہی پانی والے حوض کے بارے میں معلوم کر لے گا اور فکر نہ کرو۔ ہم کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گا "۔

میں نے ہاتھ باندھ کر سلام کیا اور سر جھکائے باہر نکلنے لگا تو اس نے آواز دے کر مجھے پاس بلایا اور کہا۔ " ڈیکر! تم بھی اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ اس میں میری بے عزتی ہو گی کہ میرا خاوند مجھ سے پیار نہیں کرتا یہاں کی عورتیں میرا مذاق اڑائیں گی "۔

میں نے کہا۔ " میڈم! میں تو آپ کا نوکر ہوں۔ میں کسی سے بات کر سکتا ہوں؟ آپ اطمینان رکھیں۔ آپ کا راز میرے دل میں محفوظ رہے گا۔ میں خفیہ طور پر آج سے ہی تعویذ بنانا شروع کر دیتا ہوں "۔

" شاباش ڈیکر! تم بڑا اچھا آدمی ہے۔ " اتنا کہہ کر بھاری بھرکم یہودی میڈم نے اپنے آپ کو صوفے پر گرا دیا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ میری چال کافی حد تک کامیاب رہی تھی۔ اس کی مدد سے میں اس قید خانے کا حدود اربعہ معلوم کر سکتا تھا جہاں سونیا قید تھی۔ اس قید خانے کے بارے میں اب میں مزید معلومات حاصل کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ میں نے چیف سیکیورٹی آفیسر کی بیوی کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اگر میں اسٹور میں ان عورتوں کی عبرانی گفتگو نہ سمجھ سکتا تو یہ چال نہیں چل سکتا تھا۔ تعویذ کیا بنانا تھا۔ وہیں سے سفید کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر کچن میں بیٹھ کر اس پر آڑی ترچھی لکیریں ڈالیں جس طرح کہ نجومی لوگ زائچہ تیار کرتے ہیں۔ خانے بنائے۔ ان میں کہیں کہیں ہندی کے کچھ الفاظ یونہی لکھ دیئے اور اسے تہ کر کے یہودی میڈم کے لئے تعویذ تیار کر لیا۔ اسی شام میں نے اسے تعویذ دکھا کر کہا کہ میں نے اسے تیار کر لیا ہے۔ اب جیل خانے کے اردگرد کوئی تالاب یا

حوض ہو تو میں اسے خود وہاں جا کر منتر پڑھنے کے بعد پانی میں ڈال دوں گا۔

میڈم بڑی خوش ہوئی رات کو اس نے اپنے یہودی خاوند یعنی چیف سکیورٹی آفیسر سے مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں۔ صبح میں کام پر آیا تو جب یہودی برسام صاحب دفتر چلے گئے تو میڈم نے مجھے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کہا۔ "ڈیکر! میں نے تمہارے صاحب سے جو کچھ معلوم کیا ہے اس کے مطابق جیل کے اردگرد کوئی حوض نہیں ہے۔ ہاں جیل کے پیچھے ایک چھوٹا سا مصنوعی تالاب بنا کر وہاں پانی جمع کیا گیا ہے' مگر سوال یہ ہے کہ تم وہاں کیسے جاؤ گے؟ وہاں کوئی ملازم نہیں جا سکتا۔ کیا میں جا کر تعویذ تالاب میں ڈال دوں؟ تم نے پہلے تو کہا تھا؟"

میں نے کہا۔ "وہ میں نے زائچہ بنانے سے پہلے کہا تھا میڈم' اب میں نے تعویذ پر زائچہ بنایا تو دیکھا کہ آپ کے طالع پر بھی زحل پڑا ہے۔ یوں آپ کا جانا ٹھیک نہ ہو گا۔ زحل آپ کے خلاف ہے۔ وہ اس تعویذ کو بے اثر کر سکتا ہے۔ میرے طالع میں قمر ہے۔ میں تعویذ کو کچھ منتر پڑھنے کے بعد تالاب میں ڈالوں گا تو اس کا اثر قائم رہے گا"۔

میڈم سوچ میں پڑ گئی۔ وہ بے جا فکر مند نہیں تھی کیوں کہ جیل کے آس پاس کسی بھارتی تامل یا دوسرے ادنیٰ ملازم کو جانے کی اجازت نہیں تھی' لیکن میرا وہاں جانا بھی بے حد ضروری تھا۔ اس ضمن میں' میں اس یہودی عورت کو ہر حالت میں بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے خود اسے ایک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میڈم! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں کوئی بھیس بدل کر رات کی تاریکی میں تالاب تک جاؤں اور یہ تعویذ تالاب میں ڈال کر واپس آ جاؤں؟"

معاملہ الجھ گیا تھا۔ مجھے کوئی واضح راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میڈم نے کہا کہ وہ اس مسئلے پر مزید غور کرے گی۔ وہ مجھ سے زیادہ پریشان تھی۔ میں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس روز میں بنگلے کی صفائی پر مامور ایک بوڑھی تامل عورت سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ وہ کوچین کی رہنے والی تھی اور اپنے جرائم پیشہ خاوند کے ساتھ کوچین سے فرار ہو کر سات برس پہلے اس اسرائیلی جزیرے میں آ گئی تھی باتوں ہی باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ جیل کیمپ کے باہر جنوب کی جانب ایک ٹریش ڈسپوزل ہے جہاں ایک بھارتی تامل شام کو تھوڑی دیر کے لئے صفائی کی خاطر جاتا ہے۔

یہ معلومات میرے کام آ سکتی تھیں۔ دوسرے دن' میں نے دوپہر کو میڈم سے رازداری میں کہا کہ جیل کیمپ کے ٹریش ڈسپوزل پر جو تامل خاکروب کام کرتا ہے اگر اس کی جگہ ایک شام' میں لگا دیا جاؤں تو میں تعویذ کو تالاب میں ڈالنے کا فریضہ انجام دے سکتا ہوں۔

میڈم کی آنکھوں میں بھی امید کی کرن چمکی' پھر کچھ ناامید سی ہو کر کہنے لگی "تم ہمارے خانساں ہو۔ صاحب تمہیں ٹریش ڈسپوزل نہیں بھیجے گا"۔

میں نے کہا۔ "پھر میں کچھ نہیں کر سکتا میڈم۔ یہ آپ کے مستقبل کا سوال ہے۔ آپ

جانیں آپ کا کام جانے"۔

یہ کہہ کر میں باہر جانے لگا تو میڈم اٹھ کر میرے قریب آگئی اور بولی ۔ " ٹھہرو ٹھہرو۔ میں۔ میں کچھ نہ کچھ کروں گی۔ تم آج کا دن انتظار کرو"۔

رات کو اس یہودی عورت نے نہ جانے اپنے خاوند سے کیا بات کی کہ دوسرے دن چیف سکیورٹی آفیسر برسام صاحب نے مجھے ناشتہ لگاتے دیکھا تو کہا ۔ " ڈیکر! ہمارے جیل کیمپ کے ٹریش ڈسپوزل پر کام ٹھیک طرح سے نہیں ہو رہا۔ ہماری بیگم کو ادھر آس پاس رہنے والے بنگلے کی خواتین نے شکایت کی ہے کہ وہاں کوڑا کرکٹ بکھرا رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم شام کو تھوڑی دیر کے لئے وہاں جا کر کام کی نگرانی کرو"۔

میں عورت کے تریا چرتر کا قائل ہو گیا۔ مجھے اور کیا چاہئے تھا۔ صاحب کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ برسام نے کہا کہ وہ ٹریش ڈسپوزل پر میری نگرانی کے آرڈر ایشو کر دیں گے۔ انہوں نے ایک چٹ پر عبرانی زبان میں اجازت نامہ معہ اپنے دستخط لکھ کر دے دیا۔ شام کو میں بنگلے ہی سے کیمپ جیل کی طرف روانہ ہوا تو میڈم نے فکر مند ہو کر کہا۔ " ڈیکر! تعویذ آج ہی تالاب میں ڈال دینا اور وہاں منتر ضرور پڑھنا اس پر۔ صاحب پر سے اس لڑکی کا سایہ ہٹ گیا تو میں تمہیں بہت انعام دوں گی"۔

میں نے کہا۔ " فکر نہ کریں میڈم! یہ کام میں موقع پاتے ہی کروں گا"۔

میں عام دھوتی کرتے اور چپل میں تھا۔ اجازت نامہ میری جیب میں تھا۔ کمپلیکس کی کونے والی عمارت سے ایک چھوٹا سا راستہ عقبی پہاڑی کی طرف جاتا تھا جس کی دوسری جانب نشیب میں ان یہودیوں کا خفیہ جیل کیمپ یا قید خانہ تھا۔ جہاں پہاڑی کا علاقہ شروع ہوا وہاں ایک خاردار گیٹ بنا تھا۔ بائیں جانب ایک یہودی سپاہی اسٹین گن لٹکائے پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف بڑھا اور مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اسے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ہندوستانی زبان میں کہا کہ مجھے برسام صاحب نے ڈسپوزل ڈیوٹی پر بھیجا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے جیب سے صاحب کی چٹ نکال کر اسے دکھائی۔ اس نے چٹ دیکھی اور خاردار گیٹ کو ذرا سا کھول دیا۔ میں پرنام کرنے کے بعد گیٹ سے گزر کر پہاڑی کی طرف چلنے لگا۔

ابھی تک مجھے جیل کیمپ نظر نہیں آیا تھا۔ میں... پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتا ایک طرف کو گھوما تو دوسری جانب نشیب میں مجھے شام کی سرمئی دھند میں ایک کشادہ چار دیواری دکھائی دی جس کے چاروں کونوں پر ڈھلانی چھت والی چھوٹی چھوٹی نگراں چوکیاں بنی تھیں۔ یہ جیل کیمپ تھا۔ اس کا دروازہ میری طرف نہیں تھا۔ میں کچھ دور چلا ہوں گا کہ پھر ایک خاردار گیٹ آگیا۔ یہاں بھی اسرائیلی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ایک نے میری چٹ دیکھی اور ہندوستانی میں کہا کہ میں دوسری طرف دیوار کے ساتھ ساتھ چلا جاؤں۔ یہ دیوار بڑے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی اور تقریباً پچاس فٹ بلند ہوگی۔

دیوار کے اوپر کانٹے دار تار بھی لگی ہوئی تھی۔ دیوار جہاں دوسری طرف گھومتی تھی' وہاں مجھے ایک تامل ڈسپوزل ٹریش ڈمپ کے چھوٹے سے پل پر کھڑا لمبے بانس کو نیچے نالے میں گھماتا نظر آیا۔ واقعی یہاں کوڑا کرکٹ ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا۔ اس تامل کو میں جانتا تھا۔ وہ ہماری بستی میں ہی رہتا تھا۔ ہم اسے کندی کندی کہہ کر پکارتے تھے۔ درمیانی عمر کا سوکھا سا آدمی تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا بولا۔ " پھاڈیکر بھائی۔ میں تو دیکھ بھال کر کام کرتا ہوں۔ کسی دشمن نے میری شکایت کر دی ہے۔ تم صاب کے بنگلے پر ہوتے ہو میری سفارش کرنا۔ اپا! میری نوکری چلی گئی تو بھوکوں مر جاؤں گا"۔'

میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ کسی نے اگر اس کی شکایت کی بھی ہے تو میں صاحب سے کہہ کر معاملہ رفع دفع کرا دوں گا اور اس کی نوکری نہیں جائے گی۔ اس نے تو میرے پاؤں پکڑ لئے۔ ابھی دن کی روشنی باقی تھی۔ میری عقابی نظریں جیل کی چار دیواری کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں ڈسپوزل پل پر ایک طرف بیٹھ گیا اور کندی تیزی سے نیچے نالے کے پانی میں بانس چلانے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کوئی نہ کوئی خوشامدی جملہ کہہ دیتا تھا میری نظریں جیل کیمپ کی دیوار کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈسپوزل برج جو ایک چھوٹے سے نالے پر بنا ہوا چھوٹا سا پل تھا جیل کی پچاس فٹ اونچی دیوار سے کوئی چالیس قدموں کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر دیوار دوسری طرف گھوم جاتی تھی اور وہاں کونے پر دیوار کے اوپر نگراں چوکی بنی ہوئی تھی۔ اس چوکی میں ایک بلب روشن تھا۔ ایک سرچ لائٹ بھی لگی تھی جس کا رخ باہر پہاڑی جنگل کے نشیب کی جانب تھا۔ مجھے وہاں ایک سپاہی بھی دکھائی دیا جو ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا۔ میں نے نالے کو جھک کر دیکھا اور کندی سے پوچھا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے؟ میرا مطلب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ پانی غسل خانوں کا ہے یا دوسرا استعمال شدہ پانی ہے۔

کندی نے کہا۔ " یہ وہ پانی ہے جو جیل میں قیدی منہ ہاتھ اور کپڑے دھونے' فرش صاف کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گندگی اور گندے پانی کے لئے یہاں نیچے ایک گٹر ہے جو جنگل میں ایک کھڈ نالے میں جا کر گرتا ہے"۔

پاس ہی پلاسٹک کے لفافوں' سبزیوں کے کٹے ہوئے ڈنٹھلوں اور دوسری چیزوں کا کوڑا کرکٹ پڑا تھا' جسے کندی بڑی تیزی سے ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نالے کا پانی جیل کی دیوار کے نیچے سے ہو کر آ رہا تھا۔ ڈسپوزل برج تک نالہ ڈھکا ہوا تھا۔ آگے اس پر چھت نہیں تھی اور وہ کھلی شکل میں جنگل کی طرف جاتا تھا... میں نے جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کندی یہ جنگل تو آگے سمندر تک چلا جاتا ہو گا"۔

شام کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ کندی نے آسمان پر نکلتے ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے اپا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو گے ناں؟"

میں ابھی تک عقبی جنگل کی طرف دیکھ رہا تھا جو آگے سمندر تک چلا گیا تھا۔ میں نے کندی

سے کہا۔ "یہ جیل تو سمندر کی طرف سے بالکل غیر محفوظ ہے جو بھی چاہے ادھر سے آسکتا ہے"۔
وہ بولا۔ "اپا! یہودی لوگ ہماری طرف سے ہوشیار ہیں۔اس جنگل میں آگے جا کر کانٹوں والے تار کی دیوار لگی ہے۔ ارے یہاں کون آئے گا؟ چھ برس سے تو میں یہاں کام کر رہا ہوں۔ بس رات کو جیل کے اندر سے ایک چھوٹا ٹرک کوڑا کرکٹ لے کر یہاں آتا ہے۔ کوڑا کرکٹ پھینک کر واپس چلا جاتا ہے۔ اس کے سوا یہاں کبھی کوئی نہیں آیا"۔
کندی نے مجھے جیل کے اندر جانے کا راستہ بتا دیا تھا۔ ابھی تک میں پریشان تھا' کیونکہ مجھے ایسا کوئی طریقہ بظاہر نظر نہیں آرہا تھا جس کے ذریعے میں جیل کے اندر جا سکتا۔ کندی نے رات کو جیل کے اندر سے آنے والے کوڑا کرکٹ کے ٹرک کا ذکر کیا تو میں چونکا۔ اس ٹرک سے کام لیا جا سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ واپس روانہ ہو گیا۔ راستے میں' میں نے کندی سے ٹرک کے آنے کا وقت وغیرہ پوری طرح سے معلوم کر لیا۔ اپنی جھونپڑی میں آکر میں نے میڈم کے تعویذ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔
دوسرے دن بنگلے پر گیا تو میڈم بے تابی سے میری منتظر تھی۔ صاحب ابھی بیڈ روم میں ہی تھے۔ وہ میرے ساتھ ہی کچن میں آگئی۔ برتن صاف کرنے والی تامل عورت کو اس نے باہر بھیج دیا' پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے تعویذ تالاب میں ڈال دیا ہے؟ میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "میڈم! بھگوان کی کرپا سے میں نے آپ کا کام کر دیا ہے۔ تالاب مجھے مل گیا تھا۔ میں کندی کی آنکھ بچا کر وہاں گیا۔ تعویذ نکال کر اپنے منتر پڑھے اور اسے تالاب میں پھینک دیا۔ بس اب تو وہ آپ کے صاحب پر ذرا سا بھی اثر نہیں ڈال سکے گی"۔
میڈم بے حد خوش ہوئی۔ وہ دوڑی دوڑی بیڈ روم میں گئی اور مجھے بیس ڈالر کا ایک نوٹ لا کر دیا۔ بولی۔ "یہ تمہارا انعام ہے' لیکن میں تمہیں پھر بھی انعام دیتی رہوں گی۔ ذرا صاحب کے لچھن دیکھ لوں"۔
میں نے بیس اسرائیلی ڈالر کا نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیا اور کیتلی میں پانی ڈال کر اسے چولہے پر رکھتے ہوئے بولا۔ "میڈم! اب صاب تمہارا ہے۔ کیا مجال ہے کہ وہ کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ یہ تعویذ اور منتر میرے گرو نے مجھے ارپن کیئے تھے"۔
اب میں نے تیزی سے اپنے پلان پر سوچ بچار شروع کر دیا۔ شام کو میں روز ڈسپوزل برج پر جا کر کندی کے کام کی نگرانی کرتا۔ اس اثناء میں جیل کیمپ کا جائزہ لیتا رہتا۔ دیوار کے اوپر بنی ہوئی نگراں چوکی پر ہمیشہ ایک ہی سپاہی ہوتا تھا' جو سگریٹ پیتے ہوئے ادھر ادھر ٹہلتا رہتا تھا۔ کسی وقت اسٹول پر بیٹھ بھی جاتا تھا۔ یہاں میری چار دن کی ڈیوٹی لگی تھی۔ اس دوران میں' میں نے ایک روز بیماری کا بہانہ کر کے آدھے دن کی چھٹی لی۔ اور موقع دیکھ کر جنوب کی طرف سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ عقب کی طرف سے جنگل میں داخل ہو گیا۔ میں جیل کے جنوبی جانب خاردار تاروں والی دیوار دیکھنا

چاہتا تھا یہاں جنگل کافی گھنا تھا۔ درخت اور جھاڑیاں ساتھ ساتھ اُگی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ زمین میں گڑھے پڑے تھے اور زمین سے باہر نکلی ہوئی کچھ چٹانیں بھی تھیں۔ میں ان میں سے گزرتا آگے ہی آگے چلا گیا۔ آخر ایک جگہ مجھے گھاس اور جھاڑیوں کے سبزے میں چھپی ہوئی خاردار تار کی دیوار نظر آئی۔ یہ دیوار دس بارہ فٹ اونچی تھی اور مغرب سے مشرق کی طرف چلا تو ایک جگہ مجھے ایک چٹان دکھائی دی جس کی چوٹی خاردار دیوار سے دو تین فٹ ہی نیچے تھی۔ میں چٹان پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ سامنے وہی جنگل پھیلا ہوا تھا جو دور سے نظر آتی جیل کی دیوار تک چلا گیا تھا۔ یہ جیل کی دیوار کا جنوبی علاقہ ہی تھا اور میں نے بائیں جانب دور ڈسپوزل ڈمپ کے برج کو پہچان لیا۔ میں نے اس راستے کی سمت اور زاویے کو اچھی طرح سے ذہن میں بٹھایا اور واپس ہو گیا۔

سب سے بڑا مسئلہ سونیا کو یہاں سے لے کر فرار ہونے کا تھا۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر تھا۔ میرے پاس کوئی کشتی بھی نہیں تھی۔ عام کشتی یہاں کام نہیں دے سکتی تھی۔ مجھے کم از کم کسی موٹر بوٹ کی ضرورت تھی یہ نکتہ بھی میں نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے مجھے انڈیمان کے دوسرے جزیروں کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ یہاں سے کالے پانی کا قریبی جزیرہ جس کا نام اوگانگ تھا' شمال مغرب کی جانب تقریباً بیس سمندری میل کے فاصلے پر تھا۔ کالے پانی کے ان تمام جزیروں پر بھارتی حکومت کا قبضہ تھا۔ بلکہ وہ بھارت کا ایک حصہ تھے اور اسرائیل' بھارت کا دوست تھا۔ ان حالات میں' میں سونیا کو لے کر کالے پانی کے کسی جزیرے میں جاتا ہوں تو بھارتی سکیورٹی فورس ہمیں گرفتار کر کے واپس اسرائیلی حکام کے حوالے کر دے گی۔ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ میں کسی طرح کالے پانی کے کسی نسبتاً بڑے جزیرے کے گھنے جنگل میں جا کر چھپ جاؤں اور وہاں سے فرار ہونے کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار کروں۔ ایک سوال یہ بھی مجھے پریشان کر رہا تھا کہ میں اگر بھارت میں داخل ہو گیا تو ایک بار پھر انڈین بارڈر عبور کرنے کا دشوار ترین مرحلہ سامنے آ جائے گا۔ بھارت بہت بڑا ملک تھا اور سونیا کو ساتھ لئے لئے میں پھرتا ہوں تو کسی بھی جگہ ہم پکڑے جا سکتے تھے۔ تامل ناڈو اور کیرالہ سے راجستھان اور پنجاب کی سرحد ہزاروں میل دور تھی۔ وہاں سے بارڈر کراس کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں اگر فرض محال دلی اپنے سفارت خانے تک بھی پہنچ جاتا ہوں تو وہ... لوگ میری مدد کر کے دونوں ملکوں کے تعلقات خراب کرنے کا کبھی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس کا مجھے پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا۔

مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تین روز یہی سوچتے سوچتے گزر گئے۔ تیسرے روز میری ڈیوٹی ڈسپوزل برج پر ختم ہو گئی۔ اگرچہ اتنی دیر میں' میں نے ایک ایک تفصیل کو نوٹ کر لیا تھا۔ تاہم میں اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ سونیا کو لے کر اگر یہاں سے فرار ہو بھی جاتا ہوں تو جاؤں گا کس طرف؟ ایک بار سری لنکا جانے کا بھی خیال آیا مگر ان دنوں سری لنکا میں سنہالی تامل کشمکش کا نیا نیا

آغاز ہوا تھا اور جنگلوں میں تامل گوریلا جنگ لڑ رہے تھے ۔ اگر میں اپنے آپ کو تامل اور سونیا کو اپنی بیوی ظاہر کر کے کسی نہ کسی طرح سری لنکا کے تامل گروپ کے پاس پہنچ بھی جاتا ہوں اور وہ مجھے پناہ بھی دے دیتے ہیں تو وہاں سے میرے لئے دوسری بار فرار ہونا مشکل ہو جاتا ۔ تامل گوریلے میرے لئے زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے تھے کہ وہ سری لنکا کے شمالی ساحل ٹالی مینار سے بھارت کے جنوبی ساحل دھنش کوڈی تک پہنچا دیں اور بھارت میں میرے لئے قدم قدم پر خطرہ تھا ۔ یہ پوائنٹ بھی بڑا اہم تھا کہ مجھے سونیا کو جیل سے نکالتے ہی اس جزیرے سے فرار ہو جانا تھا ' کیونکہ میں اسے جزیرے میں چھپانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا ۔ ایک بار جیل کے حکام کو پتہ چل گیا کہ سونیا فرار ہو گئی ہے تو لازمی طور پر جزیرے کے گرد سکیورٹی کے انتظامات انتہائی سخت کر دیئے جاتے اور اسرائیلی فوجی سارے جزیرے کو کھنگال ڈالتے ' لیکن میرے لئے یہ ناممکن تھا کہ میں سونیا کو جیل سے نکالتے ہی کسی موٹر بوٹ میں سوار ہو کر سمندر کی طرف بھاگ کھڑا ہوں ۔ مجھے لامحالہ اسے جنگل میں کچھ دیر کے لئے چھپائے رکھنا تھا ۔ کیوں کہ میں سونیا کو جیل سے نکالنے اور جزیرے سے فرار ہونے کے کام بیک وقت نہیں کر سکتا تھا ۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے قدم بہ قدم آگے بڑھنا ہو گا ۔ سب سے پہلے مجھے جزیرے کے جنگل میں کوئی ایسی جگہ تیار کرنی ہو گی جہاں میں سونیا کو کچھ دیر کے لئے چھپا کر رکھ سکوں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا ۔ اس کے لئے مجھے ... جزیرے کے جنوبی حصے کا سروے کرنا تھا ۔ اتوار کو مجھے چھٹی ہوتی تھی ۔ چنانچہ ایک اتوار ' میں نے سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کا بہانہ بنایا چھڑی ڈوری اور ٹوکری کاندھے سے لٹکائی اور جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف نکل آیا میں ایک جگہ چٹان کے پتھر پر بیٹھ گیا اور ڈوری سمندر میں ڈال دی ۔ کانٹے کے آگے میں نے کچھ نہیں لگایا تھا ' کیونکہ میں وہاں مچھلیاں پکڑنے نہیں آیا تھا ۔

میرے پیچھے ساحل کی ریتلی پٹی تھی اور اس کے پیچھے وہ جنگل شروع ہو جاتا تھا جہاں آگے جا کر خاردار تار والی دیوار تھی ۔ یہ دیوار وہاں سے کوئی ایک ڈیڑھ فرلانگ دور تھی ۔ میں نے بنسی کو وہیں پتھر کے اوپر اس طرح جما کر رکھ دیا کہ ڈوری کا سرا پانی میں ہی رہے اور خود سیٹی بجاتا جنگل کی طرف بڑھا ۔ میں درختوں میں گھسا ہی تھا کہ آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں ۔ میں بھاگ کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا ۔ میری آنکھیں ساحلی ریت کی پٹی پر لگی تھیں ۔ معمول کے مطابق اسرائیل کے دو سپاہی اسٹین گنیں لٹکائے گشت کرتے ' سگریٹ پیتے باتیں کرتے نمودار ہوئے اور آگے گزر گئے ۔ ان کی نظر چٹان کے پتھر پر لگی میری بنسی اور قریب رکھی ٹوکری پر نہیں پڑی تھی یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا ورنہ مجھے خواہ مخواہ وضاحتی بیان دینے پڑتے ۔ جب وہ دور چلے گئے اور ان کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں تو میں جنگل کی جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے ایک ایک پتھر ' ایک ایک جھاڑی کو غور سے دیکھنے لگا ۔ میں اس نگاہ سے ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہاں چھپنے کے لئے کون سی جگہ مناسب

ہو سکتی ہے جو سپاہیوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکے ۔ زمین اونچی نیچی تھی ۔ گھاس جھاڑیوں اور درختوں کی بہتات تھی ۔ ان میں جنگلی کیلے ' ناریل اور تاڑ کے درخت زیادہ تھے ۔ ایک جگہ جھاڑیوں کا بڑا گھنا کنج نظر آیا ۔ یہاں ایک طرف نیچے کھڈ تھی جس میں نالہ بہہ رہا تھا ۔ کنارے کے درخت نالے پر جھکے ہوئے تھے ۔ میں نے کنج میں جھاڑیوں کو ہٹا کر دیکھا تو وہاں ایک گہرا گڑھا بنا ہوا تھا جس میں سوکھے پتے اور درختوں کی کٹی ہوئی شاخیں بکھری ہوئی تھیں ۔ گڑھے کے کھڈ والے کنارے پر مٹی کے ایک تودے کا ابھار سا باہر کو نکلا ہوا تھا ۔ میں کسی گڑھے یا چٹان کے کسی شگاف میں سونیا کو نہیں چھپا سکتا تھا ' کیونکہ ایسی جگہیں نظروں سے چھپی نہیں رہا کرتیں اور تلاش کرنے والی پارٹی پہلے ایسی ہی جگہوں کو کھنگالتی ہے ۔ میری تجربے کار نگاہوں نے اسی گڑھے کے اوپر ابھرے ہوئے مٹی کے تودے کا انتخاب کیا ۔ اگر میں اس مٹی کے تودے میں ایک قبر... بنانے میں کامیاب ہو جاؤں تو اس میں سونیا کو مطلوبہ وقت کے لئے چھپایا جا سکتا ہے ۔ اس ابھار پر کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا کہ اس کے اندر کوئی قبر بنی ہو گی ۔ تلاش پارٹی اس گڑھے میں اتر کر دیکھے گی ۔ کھڈ کی تلاشی لے گی اور مٹی کا یہ انبار چونکہ ان کی نظروں کے سامنے ہو گا اس لئے کسی کو اس پر شبہ نہیں ہو گا ۔ ضرورت صرف اس امر کی تھی کہ اس تودے کے اندر قبر بنا کر اوپر سے اس طرح کیموفلاج کر دیا جائے کہ یہ پتہ ہی نہ چل سکے کہ یہاں کوئی زمین دوز پناہ گاہ کھدی ہوئی ہے ۔ اس کام کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت تھی ۔ میں نے اس جگہ کو چن لیا اور واپس بستی میں چلا آیا ۔

بستی میں کسی کھرپے وغیرہ کا دستیاب ہونا کوئی مشکل کام نہیں تھا ۔ ہماری اپنی جھونپڑی میں دو ایسے کھرپے موجود تھے ۔ میں نے رات کو ایک کھرپا اٹھا کر اپنی جھونپڑی میں رکھ لیا ۔ اب میرا معمول ہو گیا کہ اتوار یا پیر کی شام کو جب بھی مناسب موقع ملتا میں کھرپا دھوتی کے اندر چھپا لیتا ' مچھلیاں پکڑنے والی بنسی ' کانٹا ڈوری اور ٹوکری لے کر چٹان کے پتھر پر جا کر بیٹھ جاتا ۔ بنسی کی ڈوری پانی میں لٹکا دیتا اور موقع دیکھ کر بنسی وہیں جمانے کے لئے جنگل میں جا کر مٹی کے تودے کو پہلو کی جانب سے کھودنا شروع کر دیا ۔ وہاں کھدی ہوئی مٹی کو چھپانا آسان تھا ۔ میں اسے ایک جگہ جمع ہونے دیتا اور پھر نیچے کھڈ میں بکھیر دیتا ۔ واپسی پر تودے کے شگاف کو جھاڑ جھنکاڑ سے چھپا آتا ۔

یہ کام بڑا محنت طلب تھا مگر یہ میرا مشن تھا اور مجھے اس کا تجربہ تھا ۔ چند روز کے اندر اندر میں نے مٹی کے تودے کے دوسری طرف والے پہلو کی جانب سے ایک چھوٹا سا غار کھود کر اندر ایک ایسی قبر تیار کر لی جو چار پانچ فٹ چوڑی تھی ' پھر میں نے اس کی چھت کو... کھودنے کا کام شروع کر دیا ۔ ایک ہفتے کے بعد ' میں نے چھت کو تین فٹ کے قریب اونچا کر دیا ۔ اب صورت حال یہ تھی کہ تودے میں داخل ہونے کے لئے ایک چھوٹا سا غار تھا جس کے اندر رینگ کر جانا پڑتا تھا ۔ غار کے سوراخ میں سے گزرنے کے بعد آگے چھ فٹ لمبی اور تین فٹ اونچی چھت والی قبر آ جاتی تھی ۔ میں نے اس میں پندرہ

بیس خشک ناریل لا کر کونے میں رکھ دیئے مجھے اس کام میں پندرہ دن لگ گئے۔ میں نے مٹی کے شگاف کا منہ جھاڑیوں اور درخت کی سوکھی شاخوں سے اس طرح ڈھانپ دیا کہ اگر کوئی مٹی کے تودے کے اوپر آ کر دوسری طرف دیکھے بھی تو اسے یہ شگاف نظر نہیں آ سکتا تھا۔ دوسری جانب سے کوئی اس لئے نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف کھڈ کا کنارا شروع ہو جاتا تھا۔ اس بات کی میں نے تسلی کر لی تھی کہ اس اسرائیلی کیمپ میں سراغ رساں کتے بالکل نہیں تھے اس کی ضرورت یہودیوں نے اس لئے بھی محسوس نہ کی تھی کہ یہ جزیرہ بہت چھوٹا تھا دوسرے وہاں ان کے علاوہ باہر کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ تیسرے ان کی سکیورٹی اتنی شدید تھی کہ جیل سے کوئی چڑیا بھی اڑ کر باہر نہیں جا سکتی تھی اور پھر آج تک وہاں سے کبھی کوئی قیدی فرار نہیں ہوا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اب میں نے اپنی توجہ جیل کیمپ کے اندر جانے کے مرحلے کی طرف مبذول کر دی۔ اپنے فرار کی منزل کے بارے میں بھی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم سری لنکا یا بھارت کی طرف جانے کی بجائے برما کی طرف نکل جائیں گے۔ بھارت اور اسرائیل سے تعلقات کے سلسلے میں برما ایک غیر جانب دار ملک تھا۔ وہاں میں اپنے سفارت خانے سے بھی رابطہ قائم کر کے ان سے مدد حاصل کر سکتا تھا۔ کم از کم مجھے ان سے تعاون کی امید تھی۔ فرار کے طریق کار کی اسکیم بھی میرے ذہن میں موجود تھی' اس کے لئے مجھے کسی گشتی بوٹ کو اغوا کرنا تھا اور یہ میرے مشاہدے میں آ چکی تھی کہ رات کو صرف ایک ہی گشتی لانچ راؤنڈ پر ہوتی تھی' جو سارے جزیرے کے گرد بارہ بجے رات سے پہلے تین چکر اور نصف رات کے بعد دو چکر لگاتی تھی۔ صبح کے وقت دوسری موٹر بوٹ اس کی جگہ لے لیتی تھی۔ اس موٹر بوٹ یا گشتی لانچ پر صرف ایک مشین گن سامنے کے رخ پر نصب ہوتی تھی اور اس میں چار سے پانچ یہودی سکیورٹی والے سوار ہوتے تھے۔ یہ اسٹین گنوں سے لیس ہوتے تھے۔ اس جزیرے سے برما کا ساحل شمال مشرق کی طرف تھا اور ہمیں خلیج بنگال کی مشرقی کھاڑی کو عبور کر کے برما کے ساحل تک پہنچنا تھا۔ یہ فاصلہ سری لنکا کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ اگر آپ نقشے پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو انڈیمان کے جزیرے سے برما کا ملک مشرق کی جانب تھائی لینڈ کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ اوپر کو جاتا نظر آئے گا۔ برما کی جنوبی پٹی نیچے جا کر تھائی لینڈ کے ساحل سے مل گئی تھی۔ اس کے اوپر کافی دور جا کر دریائے اراوتی کا دہانہ تھا' جس کے کنارے برما کا دارالحکومت اور مشہور بندرگاہی شہر رنگون آباد تھا۔ اگر ہم موٹر لانچ اغوا کر کے وہاں سے بھاگتے ہیں اور لانچ کا پٹرول ہمارا ساتھ دیتا ہے تو ہم یہاں سے زیادہ سے زیادہ دس گھنٹوں میں برما کے ساحل پر پہنچ سکتے تھے۔ اگر راستے میں پٹرول ختم ہو جاتا ہے' تب بھی اس بات کا قوی امکان تھا کہ پٹرول ہمیں برما کے ساحل کے کافی قریب پہنچا کر ہی ختم ہو گا۔ چونکہ ان لانچوں کو جزیرے کے تین چکر لگانے ہوتے تھے۔ اس لئے اس کی ٹینکیاں تیل سے بھری رکھی جاتی ہوں گی۔ علاوہ ازیں ہر موٹر لانچ میں دستور کے مطابق فالتو پٹرول کے دو ایک بیرل

ضرور رکھے جاتے ہیں، تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی ہو جائے تو انہیں استعمال میں لایا جا سکے۔ یہ فیصلے کرنے کے بعد، میرا ذہن اس طرف سے مطمئن ہو گیا۔ اب میں نے جیل کیمپ کے اندر جانے کے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس دوران میں رمیا دادا نے اپنی بیٹی سنیتا کے ساتھ میرے بیاہ کی تاریخ بھی مقرر کر دی تھی اور وہ بیزار سی لگنے لگی تھی۔ جب کبھی وہ میرے قریب سے گزرتی تو مجھے اس کی ٹھنڈی سانس بھرنے کی آواز سنائی دیتی۔ خدا جانے یہ لڑکی کس مٹی کی بنی ہوئی تھی؟ بہرحال، چونکہ وہ میرے مشن کا حصہ نہیں تھی اس لئے میں اس کے بارے میں غور نہیں کرتا تھا۔ اپنے بیاہ کا دن میں نے اتنا آگے جا کر رکھا تھا کہ اتنی دیر میں مجھے وہاں سے نکل جانا تھا۔ رمیا دادا اور اس کی بیوی سکھ منی بڑی خوش تھی کہ اس کی بیٹی کی شادی ایک ایسے لڑکے سے ہو رہی تھی کہ جو بڑے صاحب کے بنگلے پر کام کرتا تھا۔ مجھے یہودی میڈم نے جو بیس ڈالر بطور انعام دیئے تھے، وہ میں نے اپنی جھونپڑی میں چھپا دیئے تھے۔ کیونکہ آگے مجھے ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی، مجھے صاحب نے پہلی تنخواہ دی تو میں نے اسے رمیا دادا کے حوالے کر دیا۔ وہ بے حد خوش ہوا۔ میڈم نے مجھے مزید دس ڈالر بطور بخشش دیئے، یہ دس ڈالر بھی میں نے بیس ڈالروں کے ساتھ ہی جمع کر دیئے۔

جیل کے احاطے میں جانے کا ایک ہی ذریعہ میرے سامنے تھا۔ یہ وہ ٹرک تھا، جو نصف شب کے وقت کوڑا کرکٹ لے کر باہر آتا تھا اور ڈسپوزل ڈمپ پر اسے الٹا کر واپس جیل میں چلا جاتا تھا۔ اب مجھے اپنی اسکیم پر تیزی سے عمل درآمد کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک رات میں پوری طرح تیار ہو کر اپنی جھونپڑی میں لیٹ گیا۔ اب میں بھی کبھی کبھی نیکر اور قمیص بھی پہن لیتا تھا۔ یہ نیکر بر سام صاحب نے دی تھی۔ اس رات بھی میں نے نیکر اور نیم آستینوں کی میلے رنگ کی موٹی آستینوں پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں چپل تھی۔ یہودی میڈم کبھی کبھی اپنے بازوؤں اور پنڈلیوں پر ایسے تیل کی مالش کراتی تھی، جو مچھروں کو بھگا دیتا تھا۔ میں اسے ایک چھوٹی بوتل میں ڈال کر اپنی جھونپڑی میں لے آیا تھا۔ اس وقت میں نے بھی اپنی پنڈلیوں، گردن اور بازوؤں پر اس تیل کی مالش کر لی تھی۔ پستول ضرور میں نے اچھی طرح چیک کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

جب رات کافی گہری ہو گئی اور بستی کے سب لوگ سو گئے تو میں نے صندوق میں سے گھڑی نکال کر دیکھی۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ میں جھونپڑے سے نکل کر جنگل سے گزرتا ہوا سب سے پہلے ساحل سمندر پر آ گیا۔ رات اندھیری تھی۔ سمندر کالی تارکول کی طرح نظر آ رہا تھا۔ ساحل دور تک ویران تھا۔ گشتی لانچ اپنا دوسرا پھیرا لگا چکی تھی۔ اسے بارہ بجے رات اپنا تیسرا پھیرا لگانا تھا۔ میں ساحل سے ہٹ کر درختوں میں آ کر آگے چلنے لگا، جہاں میں مچھلیاں پکڑا کرتا تھا وہاں سے دائیں جانب گھوم کر میں ناک کی سیدھ میں جنگل میں چلنے لگا۔ اس جزیرے کے جنگل میں درندہ کوئی نہیں تھا۔ ہاں

سانپ ضرور تھے۔ جن سے میں کافی محتاط تھا۔ یہ سانپ زیادہ تر جزیرے کے شمالی جنگل میں پائے جاتے تھے، جہاں زمین دلدلی تھی۔ مچھر میرے اردگرد بھنبھناتے، مگر تیل کی بو پاتے ہی فرار ہو جاتے۔ چلتے چلتے میں اس چٹان کے قریب آگیا" جس کی چوٹی سے خاردار دیوار کوئی دو فٹ کی اونچائی پر تھی۔ چٹان کی چوٹی پر چڑھ کر میں نے خاردار تار کو اوپر تک دیکھا۔ وہاں سے جیل کی دیوار، فاصلے پر سیاہ موٹی لکیر کی طرح لگتی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر خاردار تار کو ہاتھ لگا کر ذرا سا ہلایا، تار تنے ہوئے تھے۔ احتیاط سے تاروں کی جگہوں پر پاؤں رکھتا میں دیوار کے اوپر چڑھ گیا پھر نیچے ایک طرف جھاڑیوں میں دیوار کے اوپر چڑھ گیا پھر نیچے ایک طرف جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی اور جھاڑیوں میں گرتا چلا گیا۔

ایک پل کے لئے میں وہیں دبک کر بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر تاڑ کے درخت کے پیچھے آکر اندھیرے میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ آس پاس تاریکی اور سناٹا تھا۔ اپنے اندازے کے مطابق میں نے ڈسپوزل ڈمپ برج کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس ساری کارروائی میں مجھے پون گھنٹہ لگ گیا تھا۔

میں ڈسپوزل برج کے پہلو والی ڈھلان میں جا کر ایک طرف لمبی گھاس میں چھپ گیا اب مجھے جیل سے آنے والے ٹریش ٹرک کا انتظار تھا۔ کنڈی نے بتایا تھا کہ وہ رات کو بارہ بجے آیا کرتا ہے۔ اسے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ٹرک ضرورت آئے گا۔ میں یہی سوچتا ہوا وہاں دبک کر بیٹھا رہا۔ کالے پانی کے اس جزیرے کی رات بے حد تاریک اور سنسان تھی۔ مچھر مار تیل نے مجھے بڑا فائدہ دیا تھا۔ مچھر میرے آس پاس اور سر کے اردگرد بھنبھناتے پھر رہے تھے، مگر میرے جسم پر نہیں بیٹھ رہے تھے۔ جھاڑیوں میں جگہ جگہ جھینگر بول رہے تھے۔ دور کسی جگہ سے مینڈک کے ٹرانے کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی۔ جیل کی بلند دیوار کے کونے والی مچان پر روشنی ہو رہی تھی۔ مگر سرچ لائٹ بند تھی۔ شاید یہ ہنگامی حالات کے لئے رکھی ہوئی تھی۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے دور سے کسی انجن کی گھرر گھرر کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ یہ ڈسپوزل والے گارڈیج ٹرک کی آواز ہی ہو سکتی تھی، پھر مجھے جیل کی دوسری طرف والی دیوار کے پیچھے سے روشنی کا غبار پھیلتا نظر آیا۔ یہ ٹرک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی تھی۔ میں تیزی سے وہاں سے کھسک کر ذرا دوسری طرف درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

ٹرک گھرر گھرر کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اب اس کی روشنیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، مجھے کسی نہ کسی طرح ہر حالت میں اس ٹرک میں چھپ کر جیل کے اندر جانا تھا اور پھر اندر کے تمام حالات کا جائزہ لے کر کسی جگہ سے دیوار پھاند کر یا ڈسپوزل نالے کے اندر سے ہو کر باہر نکل آنا تھا۔ میرے سامنے صرف یہی ایک راستہ تھا اور اگر میں ایک مہینے تک بھی غور کرتا رہتا تو مجھے اسی حکمت عملی کو اختیار کرنا پڑتا۔ کیونکہ دوسرے کسی ذریعے سے میں جیل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جیل کے اندر کسی بھارتی باشندے کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

ٹرک ڈسپوزل برج کے پاس آ کر رک گیا۔ اس کی بتیاں بجھ گئیں۔ میں نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ کہیں اس ٹرک پر ایک سے زیادہ آدمی تو سوار نہیں ہیں۔ ایک سے زیادہ کے سوار ہونے کا امکان نہیں تھا' کیونکہ یہ ایک آدمی کا ہی کام تھا یہاں ایسے ٹرک استعمال ہوتے تھے' جن کا پچھلا حصہ بٹن دبانے سے اوپر اٹھ کر ڈھلان کی صورت میں ٹیڑھا ہو کر سارے کوڑے کرکٹ کو ڈمپ میں الٹ دیتا تھا اور پھر سیدھا ہو جاتا تھا۔ یہ ٹرک ڈھکے ہوئے ہوتے تھے۔ صرف ان کا پچھلا حصہ ضرورت کے وقت اٹھا دیا جاتا تھا' مجھے کسی آدمی کی آواز سنائی نہ دی۔ صرف ٹرک کے عقبی حصے کے اوپر اٹھنے کی ہلکی ہلکی سی آواز آئی۔

میں درختوں سے نکل کر ٹرک کے پچھلے حصے کی طرف رینگنے لگا۔ یہ اس لحاظ سے بڑا خطرناک اور احمقانہ فعل تھا۔ کیونکہ یہاں سے واپسی کا کوئی ذریعہ مجھے بظاہر نظر نہیں آتا تھا لیکن میرے مشن کی تکمیل اسی طرح ہونے والی تھی۔ میرے لئے کوئی دوسرا یہاں میری مدد کو نہیں آ سکتا تھا' نہ میں ہی کوئی کرامت دکھا سکتا تھا' مجھے اپنی جان پر کھیل کر وطن پاک کی ایک عورت کو وہاں سے نکال کر باہر لانا تھا۔

ٹرک مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کا ڈرائیور اندھیرے میں سائے کی طرح اس کے عقب میں کھڑا اس کے چیمبر کو ٹیڑھا ہوتے اور چیمبر کو نیچے ڈمپ میں گرتا دیکھ رہا تھا۔ وہ سگریٹ بھی پی رہا تھا۔ اندھیرے میں کسی وقت اس کے سگریٹ کا سرخ نقطہ دمک جاتا تھا... میں دم سادھے ڈھلان کی گھاس پر پیٹ کے بل پڑا رہا۔ جب ٹرک نے سارا کوڑا کرکٹ ڈمپ میں الٹ دیا تو ٹرک کا چیمبر آہستہ آہستہ سیدھا ہو کر نیچے کو بیٹھنے لگا۔ یہودی ڈرائیور نے سگریٹ کا کش لگا کر اسے کوڑے کرکٹ میں پھینکا اور ٹرک کی اگلی سیٹ کی طرف چل دیا۔

میں اسی لمحے کے انتظار میں تھا۔ جونہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا' میں تیزی سے اٹھا اور ٹرک کی طرف جھکا جھکا ہوا تیز تیز چلتا ٹرک کے پیچھے آ کر اس کی دیوار سے لٹکتی ہوئی زنجیر کو پکڑا اور ٹانگیں جھلا کر ٹرک کے اندر چلا گیا۔ اندر جاتے ہی' میں ٹرک کے آہنی فرش پر بیٹھ گیا۔ اب ٹرک کا دروازہ اوپر سے نیچے آ کر آدھا بند ہو گیا۔ میں سانپ کی طرح رینگ کر ٹرک کے کونے میں دبک کر سمٹ سا گیا۔ ٹرک کا انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا اور اب وہ پیچھے کو کھسک رہا تھا۔ ایک خاص جگہ پر آ کر ٹرک نے گیئر بدلا اور پھر ذرا سا موڑ کاٹ کر جدھر سے آیا تھا' ہچکولے کھاتا ہوا ادھر ہی کو چل پڑا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر اندھیرے میں اسے غور سے دیکھا۔ اسے نیکر کے ساتھ تھوڑا سا رگڑ کر واپس جیب میں رکھ لیا۔ ٹرک جیل کی دیوار کی طرف ایک خاصی رفتار سے جا رہا تھا' مجھے معلوم تھا کہ یہ جیل کا اپنا ٹرک ہے اور اس کی چیکنگ نہیں ہو گی۔ کم از کم مجھے... یہی خوش فہمی تھی۔

لیکن ایسا ہی ہوا۔ ٹرک دیوار کی دوسری جانب والے دروازے میں سے گزر کر جیل کے اندر

داخل ہو گیا' مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ٹرک کہاں جا کر رکے گا ۔ وہ پہلے تو سیدھا چلتا رہا' پھر دائیں جانب گھوم گیا اور کچھ دور تک چلتے رہنے کے بعد اس کی رفتار ہلکی ہو گئی' پھر ڈرائیور نے تیزی سے اسے ایک طرف گھمایا اور وہ ایک گیراج کے اندر داخل ہو کر رک گیا۔ پستول اب میرے ہاتھ میں تھا اور میں ٹرک کے اندر چیمبر کی دیوار کے ساتھ گھات لگائے بیٹھا تھا' اگر ڈرائیور مجھے دیکھ لیتا ہے تو اس کی قسمت میں میرے پستول کی گولی کھا کر وہیں مرجانا لکھا تھا' لیکن ڈرائیور کی قسمت اچھی تھی ۔ وہ اپنی سیٹ پر سے نیچے کودا اور کوئی گانا گنگناتا' کھانستا ہوا گیراج سے باہر نکل گیا۔ میں نے ٹرک کے اوپر اٹھے ہوئے آہنی تختے سے سر نکال کر اسے دیکھا' وہ گیراج سے نکل کر ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ یہ جیل کے اندر کا حصہ تھا۔ گیراج کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ یہ بھی میری بڑی خوش نصیبی تھی' اگر دروازہ ہوتا اور اسے ڈرائیور باہر سے لاک کر کے چلا جاتا تو میرے لئے کافی دقت پیدا ہو سکتی تھی ۔ میں نے دیکھا کہ گیراج ایک پارکنگ بیرک کی طرح کا تھا' جہاں اردگرد دوسری گاڑیاں بھی کھڑی تھیں ۔ آگے ایک چھوٹا سا باغ بنا ہوا تھا۔ اس کے سامنے اور بائیں جانب جیل کی دو منزلہ بیرکیں تھیں ۔ باغ کے شمال کی جانب ایک روش تھی' جہاں کھمبے پر ٹیوب لائٹ روشن تھی ۔ اس سے آگے پھر بیرکوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا' جس دروازے میں سے ٹرک اندر داخل ہوا تھا' وہ دائیں جانب ایک دیوار کی اوٹ میں تھا اور مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ حیرانی کی بات تھی کہ بیرکوں کے باہر برآمدے میں کہیں کہیں اسپتالوں کی طرح کی دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی مگر وہاں کوئی پہرے دار گشت کرتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو بیرک میری داہنی جانب تھی ۔ اس طرف اندھیرا تھا۔ یہ بیرک غیر آباد لگتی تھی ۔ میں ٹرک میں سے نیچے کودا اور پھر گیراج کی دوسری گاڑیوں کے سامنے سے جھک کر گزرتے ہوئے اندھیری بیرک پار کر کے برآمدے میں آ گیا۔ بیرک کے برآمدے میں کوئی بتی روشن نہیں تھی' جہاں اس بیرک کا برآمدہ ختم ہوتا تھا۔ وہاں دیوار کی اوٹ نہیں پہنچ رہی تھی ۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یہاں کوٹھریاں بنی تھیں' جن کے دروازے بند تھے ۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر آگے کھسکنے لگا۔ میں تین چار کوٹھریوں کے آگے سے گزرا۔ ان کے دروازوں پر تالے لگے تھے ۔ یہ بیرک غیر آباد تھی ۔ یہاں کوئی قیدی نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس بیرک سے گزر کر دوسری بیرک کے برآمدے میں جا کر کھوج لگانا چاہئے کہ ادھر بھی قیدی ہیں کہ نہیں ۔ میں بالکل دیوار کے ساتھ لگ کر آگے کھسک رہا تھا۔ پستول والا ہاتھ میں نے نیکر کی جیب میں کر لیا تھا۔

میں اندھیرے میں تھا۔ اچانک مجھے کسی کے قدموں کی آواز کی چاپ سنائی دی۔ برآمدے میں دور تک کوئی انسان نہیں تھا' پھر یہ قدموں کی چاپ کہاں سے آ رہی تھی؟

میں وہیں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور پستول باہر نکال لیا۔ اصل میں مجھ سے تین کوٹھریاں چھوڑ کر ایک جگہ سے زینہ نیچے جاتا تھا۔ یہ آدمی اس جگہ سے باہر نکلا اور میری طرف آنے کی بجائے برآمدے کی دوسری جانب چلنے لگا۔ وہ وردی میں تھا اور مجھے اسکی کمر سے ساتھ لگے ہوئے چابیوں کے گچھے کی ہلکی سی جھنکار سنائی دی۔ یہ اسکی خوش نصیبی تھی کہ وہ میری طرف نہیں آیا تھا' ورنہ وہ میرے خاموش جرمن پستول کی گولی کا ضرور نشانہ بن جاتا' جب وہ برآمدے والی کوٹھریوں کے آخیر میں پہنچ کر نیچے زمین پر کود گیا تو میں اٹھ کر آگے بڑھا۔ چار کوٹھریوں کے بعد بائیں جانب ایک تنگ سا زینہ نیچے چلا گیا تھا... یقیناً نیچے کوئی تہ خانہ یا تہ خانے تھے اور نیچے مسلح گارڈ کا ہونا بھی ضروری تھا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر زینہ نیچے اترنے لگا۔ چھ سات پتھریلی سیڑھیاں تھیں۔ آگے ایک راہداری بالکل میرے متوازی ہو کر گزر رہی تھی۔ میں نے سر دیوار کی اوٹ سے نکال کر دیکھا' یہاں بھی اوپر کی طرح راہداری میں مجھے کوئی پہرے دار دکھائی نہ دیا۔ میں آہستہ سے دبے پاؤں راہداری میں آ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ میرے سامنے والی کوٹھری پر بھی تالا پڑا ہوا تھا۔ ذرا آگے چلا تو ایک کوٹھری پر تالا نہیں تھا۔ اس کا دروازہ بند تھا' مگر باہر سے کنڈی بھی نہیں لگی تھی۔ میں نے پاؤں کی مدد سے دروازے کا ایک پٹ کھول دیا اور اچھل کر پیچھے دیوار کے ساتھ اندھیرے میں پستول تان کر کھڑا ہو گیا۔ کوٹھری میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ میں چھلانگ لگا کر کوٹھری میں گھس گیا۔ کوٹھری خالی تھی۔ فرش پر کونے میں سوکھے ہوئے گھاس کا ڈھیر لگا تھا۔ میں کوٹھری سے باہر نکلنے لگا تو بھاری قدموں کی آواز سے راہداری گونج اٹھی۔ میں نے جلدی سے کوٹھری کا دروازہ اندر سے کھینچ کر بند کر لیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا کر دم سادھے کھڑا ہو گیا۔ بھاری بوٹوں کی آواز اوپر جاتے زینے کے پاس آ کر رک گئی' پھر کسی نے عبرانی زبان میں ذرا سا اونچی آواز میں کہا۔" آخری کوٹھری بند کر کے تم بھی باہر آ جانا۔"

پھر کوئی زینہ چڑھتا ہوا باہر چلا گیا۔ اب مجھے اس دوسرے محافظ کا انتظار تھا' جسے آخری کوٹھری

بند کر کے واپس جاتا تھا۔ چند ثانیوں کے بعد راہداری کے دوسرے کنارے سے بھاری بوٹوں کی آواز قریب آنے لگی' پھر یہ آواز بھی زینے کے پتھروں پر سے گزر کر باہر جا کر غائب ہو گئی۔ جب پوری طرح خاموشی چھا گئی تو میں آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ راہداری میں اب کوئی نہیں تھا' مگر باہر سے کسی نہ کسی محافظ کے اچانک آ جانے کا دھڑکا برابر لگا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آگے چند کوٹھریوں پر تالے پڑے تھے۔ میں نے ایک کوٹھری کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اندر اگر کوئی ہو گا تو ضرور آواز دے گا اور مجھے پتہ چل جائے گا کہ اندر کوئی مرد ہے یا عورت۔

پہلی دو کوٹھریوں میں سے کوئی نہ بولا۔ تیسری کوٹھری کے دروازے پر آہستہ سے انگلی ماری تو اندر سے غم میں ڈوبی ہوئی کسی مرد کی آواز آئی۔" اب کیوں پریشان کرنے آئے ہو؟"

میں خاموشی سے آگے گزر گیا اور چوتھے دروازے پر دستک دی' کسی نے اندر سے نہایت شائستہ مگر کمزور آواز میں کہا۔" پلیز! مجھے آرام کرنے دو۔"

پانچویں کوٹھری کے دروازے کی دوسری جانب سے بھی کسی مرد کی آواز تھی۔ اس نے غصے سے مجھے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ آگے صرف ایک کوٹھری تھی۔ اس پر دستک دی تو کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری بار دستک دی تو پہلے والی کوٹھری سے وہی غصیلا قیدی بولا۔" وہاں کسے آواز دے رہے ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ وہاں کوئی نہیں' دفع ہو جاؤ۔"

یہ سارے سیاسی قیدی ہی ہو سکتے تھے۔ ان میں سونیا کہیں نہیں تھی۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا زینے پر آیا' پھر سیڑھیاں طے کرتے ہوئے باہر برآمدے میں آ کر دونوں جانب غور سے دیکھنے لگا۔ برآمدہ خالی تھی۔ ایک محافظ گشت لگاتا ہوا بائیں جانب والی روش پر نمودار ہوا۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا سامنے والی بیرکوں کے برآمدے کی طرف چلا گیا۔ میں جس مقصد کو لے کر آیا تھا' وہ پورا نہیں ہوا تھا۔ سونیا تہ خانے والی بیرکوں میں بھی نہیں تھی۔ اب خیال آیا کہ اس طرح' میں سونیا کا کبھی سراغ نہیں لگا سکوں گا۔ اس کام کے لئے مجھے دوسری حکمت عملی اختیار کرنا پڑے گی۔ اب مجھے جیل کی چار دیواری سے باہر نکلنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ گندے پانی والے نالے کا کھوج لگانا ناممکن تھا' پھر بھی میں برآمدے میں عقبی جانب اتر کر جیل کی دیوار کی طرف چلا۔ میں جھک کر چل رہا تھا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ یہ گیراج کا عقبی حصہ تھا۔ میں گیراج کی عقبی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے پچاس فٹ اونچی دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔ باہر والے ڈسپوزل نالے کا منبع اسی جگہ دیوار میں کہیں تھا' مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہاں لوہے کا جنگلا نہ لگا ہوا ہو؟

اصل میں یہ مجھے پہلے سوچنا چاہئے تھے' لیکن سونیا کی تلاش کے جذبے اور کچھ اپنی مہارت پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر کے میں یہاں داخل ہو گیا تھا۔ اس طرح سے میں بھی ایک قیدی ہی تھا'

جو جیل سے فرار ہونے کے طریقوں پر غور کر رہا تھا۔ کونے والے بلند نگران پوسٹ والا بلب روشن تھا اور مجھے ایک اسرائیلی سپاہی وہاں اسٹول پر بیٹھا صاف نظر آ رہا تھا۔

میں واپس گیراج میں اسی ٹرک کے پاس آگیا' جس میں بیٹھ کر یہاں داخل ہوا تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔ اگر صبح ہو جاتی ہے تو میں یقیناً پکڑا جاؤں گا اور پھر میرا انجام ظاہر تھا' مجھے پو پھٹنے سے پہلے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہئے تھا' مگر ابھی تک مجھے کوئی فرار کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا جب کچھ وقت اسی طرح گزر گیا تو میں نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ ہو جائے' مجھے گندے پانی کے نالے میں سے ہی نکل جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ میں جیل کی دیوار کی طرف جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے جیل کا آہنی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ بائیں جانب والی دیوار کی اوٹ میں تھا اور مجھے جیل کا یہ دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف دروازے پر لگی ہوئی بتی کی روشنی سامنے والے راستے پر پڑ رہی تھی۔ میں ٹرک کی اوٹ میں آگیا' پھر مجھے ایک وردی پوش مسلح محافظ نظر آیا' جو سامنے والے راستے میں رک گیا۔ پیچھے گھوم کر اس نے گیٹ کے محافظ کو قدرے بلند آواز میں کہا کہ دروازہ کھلا رکھنا۔ میں جیپ لے کر آتا ہوں۔ یہ شخص گیراج کی طرف آ رہا تھا۔

میں تیزی سے ٹرک کے نیچے ہو گیا' مجھے محافظ کی ٹانگیں پنڈلیوں تک نظر آ رہی تھیں میرے ذہن نے ایک منصوبہ سوچ لیا تھا۔ محافظ چند قدم دور ایک جیپ کے پاس آ کر رک گیا۔ میں سائیلنسر لگے پستول کو مضبوطی سے تھامے ہوئے گیراج کے اندھیرے میں اسکی جانب رینگنے لگا۔ فرش پر میرے رینگنے سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تو محافظ جیپ میں جھک کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ایک پہلو میری طرف تھا۔ وہ مجھ سے بمشکل چار قدموں کے فاصلے پر تھا۔ میں رینگتا ہوا جیپ کے بونٹ کی طرف آگیا۔ اب میں بیحد احتیاط سے رینگ رہا تھا۔ اسکی اسٹین گن ابھی تک اسکی بیلٹ سے ہی لٹک رہی تھی۔ اسے اس نے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔ میرے لئے اس سے سنہری موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں پاؤں پر بیٹھ گیا اور ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں چیتے کی طرح اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس بات کا میں نے خاص طور پر خیال رکھا کہ اس پر گرتے وقت میرا سیدھا بازو اسکی گردن پر آئے۔ یہ خاص داؤ تھا۔ جو پیچھے سے دشمن پر کیا جاتا تھا۔ میری مہارت اور جرأت میرے کام آئی۔ وہ میرے بوجھ سے نیچے گرا۔ اسکی گردن میرے آہنی بازو کے شکنجے میں تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کے حلق سے ہلکی کی آواز بھی نکلتی' میں.... اسے دو جھٹکے دے چکا تھا۔ یہ جھٹکے اس قدر شدید تھے کہ محافظ کی میرے بازوؤں کے شکنجے میں ہی گردن ڈھلک گئی۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے تو میں نے تیزی سے اس کی وردی اتار کر خود پہن لی۔ اپنی نیکر' چپل اور بش شرٹ کو جیپ میں پھینکا' سر پر اس کا نیلا ہیٹ پہن کر ذرا سا آگے کو کیا اور جیپ اسٹارٹ کر کے جیل کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ جیل کا یہ دوسرا اور عقبی گیٹ تھا۔ اس کا بڑا گیٹ دوسرے رخ پر تھا۔

اس وقت میرا دل دو ایک بار زور سے دھڑکا تھا۔ سائیلنسر لگا ہوا پستول ' میں نے جیپ کے گیئر باکس کے بالکل ساتھ ہی نیچے رکھ دیا تھا۔ میرا رنگ سانولا تھا' جس محافظ نے گیٹ کے محافظ کو واپس آنے کے لئے کہا تھا اس کا رنگ گورا تھا محافظ میرے رنگ سے چوکنا ہو کر مجھ پر فائر کر سکتا تھا' مگر میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں جیپ کو وہاں سے بھگا کر بھی نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ اس طرح سے جیل کی سیکورٹی فورس کا عملہ ضرور میرا پیچھا کرتا۔ مچان والی چوکی کی سرچ لائٹ روشن کر دی جاتی اور خطرے کا الارم بھی بول اٹھتا۔ اس لئے مجھے خاموشی سے ہی باہر نکلنا تھا۔ اگرچہ اس میں میری جان جانے کا بھی خطرہ تھا۔ میں جیپ کو آہستہ آہستہ سے چلاتا ہوا دیوار کا موڑ کاٹ کر دائیں جانب گھوما تو سامنے جیل کا بڑا دروازہ تھا۔ اس دروازے پر اوپر کی جانب آدھے حصے میں لوہے کی چادریں لگی تھیں' نیچے لوہے کا جنگلا تھا۔ اس کا ایک دروازہ صرف اتنا کھلا رکھا گیا تھا کہ اس میں سے جیپ گزر جائے۔ میں اگر چاہتا تو جیپ کو وہاں سے تیز رفتاری سے چلا کر فرار ہو سکتا تھا مگر میں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہاں قیامت کا شور برپا ہو جاتا۔ گیٹ کے پہرے دار کو مجھ پر یقینی شک پڑ جاتا۔ اس کے باوجود میں نے یہی کوشش کی کہ جیپ کو گیٹ میں سے اس طرح لے چلوں کہ محافظ کو مجھے روکنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ آخر میں جس محافظ کے روپ میں تھا' اسے گیٹ کا پہرے دار بخوبی پہچانتا تھا۔ اس کشمکش میں جیپ گیٹ کے قریب پہنچی تو گیٹ کا محافظ ' جس کی اسٹین گن پیچھے اس کے کاندھے پر لگی تھی ' سگریٹ کے کش لگاتا معمول کے مطابق دروازے کے درمیان میں آکر رک گیا۔ شاید یہاں سے آتے جاتے اپنے آدمیوں کو بھی شناختی کارڈ دکھانا ہوتا تھا' کیونکہ جونہی میری جیپ رکی محافظ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ " ڈیوڈ! شناختی کارڈ دکھانے کی رسم بھی پوری کر دو ' دوست۔"

میں نے بریک لگا دی اور ہیٹ کو مزید آنکھوں کے آگے کرتے ہوئے گیئر باکس پر نیچے جھک گیا۔ مجھے محافظ سنتری کے قدموں کی آواز جیپ کے دروازے کے پاس آکر رکتی محسوس ہوئی۔

" تم نیچے کیا ڈھونڈ رہے ہو؟" سنتری نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

میرا جواب میرے خاموش پستول سے نکلی ہوئی ایک مہلک گولی تھی ' جو ٹھیک اس کے دل میں جا کر پیوست ہو چکی تھی یا شاید دوسری طرف نکل گئی تھی ' کیونکہ گولی میں نے بڑے کلوز رینج سے فائر کی تھی۔ یہودی محافظ پیچھے کو گرنے کی بجائے آگے کو گرا اور اس کا منہ جیپ کی کھڑکی سے ٹکرایا اور پھر ایک طرف کو لڑھک گیا۔ میں اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہتا تھا۔ میں نے پہلے والے محافظ کی گردن پر بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ صرف بازو کی مدد سے اسکی گردن توڑ ڈالی تھی۔ میری انگلیوں کے نشان لئے جا سکتے تھے۔ اس بات کا اہتمام میں نے جیل کی چار دیواری میں داخل ہوتے وقت ہی شروع کر دیا تھا۔ دروازوں کو میں نے پاؤں کی ٹھوکر سے کھولا اور بند کیا تھا۔ کوٹھریوں کے دروازوں پر بھی انگلی کو الٹا کر دستک دی تھی۔

میں جیپ کو بڑے سکون سے نکال کر گیٹ سے باہر لے گیا۔ وہاں کے رات کے محافظ کے سوا دوسرا کوئی محافظ نہیں تھا۔ دیوار والی چیک پوسٹ وہاں سے ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر تھی اور پوسٹ میں موجود سنتری کی نگاہ گیٹ پر مشکل ہی سے پڑ سکتی تھی۔ علاوہ ازیں مجھے احساس ہوا کہ یہ ساری کاروائی معمول کے مطابق تھی۔ شاید یہ محافظ جیپ لے کر روزانہ آدھی رات کے بعد کسی طرف گشت پر نکلتا ہو گا۔

میں جیپ کو زیادہ دور نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ جیل کی چاردیواری سے تھوڑے فاصلے پر جنگل کی پٹی شروع ہو جاتی تھی۔ میں نے جیپ کو وہاں اندھیرے میں روک لیا۔ اپنی چپل' بش شرٹ اور نیکر اٹھا کر بغل میں دبائی اور محافظ ہی کی وردی میں جیپ سے نکل کر جنگل کے اندھیرے میں گھس گیا۔ جیپ تک محافظ کے اپنے بوٹوں کے ہی نشان تھے آگے جنگل کی شبنمی گھاس تھی۔ میں بوٹوں کو قدرے گھسیٹ کر چل رہا تھا' تاکہ میرے بوٹوں کے نشان پھیلتے جائیں۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میرا رخ دائیں جانب تھا' جدھر خاردار تار کی باڑھ کے پیچھے کھڈ نالے کے کنارے' میں نے اونچے تودے کے پہلو میں خفیہ لحد کھود رکھی تھی۔ یہ علاقہ میرا دیکھا بھالا نہیں تھا۔ یہاں بہت زیادہ گڑھے تھے۔ میں ان میں سے گزرتا ہوا آخر خاردار تار کی اونچی باڑھ کے پاس پہنچ گیا۔ میں چٹان والی جگہ سے قصداً باڑھ نہیں پھلانگنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میری مٹی کے تودے والی خفیہ کمین گاہ اس چٹان سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں اپنے پیچھے نکلی ہوئی کھوجی پارٹی کو اس طرف نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ میرے پاؤں میں فوجی بوٹ تھے۔ میں نے نیلی قمیص اتار کر اس کو دو حصوں میں پھاڑا۔ ان کے رومال بنا کر اپنے دونوں ہاتھوں پر لپیٹا اور فوجی بوٹوں کو... خاردار تاروں کے خالی حصوں پر رکھتا ہوا باڑھ کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ اپنے کپڑوں والی گٹھری میں نے پہلے ہی دوسری طرف پھینک دی تھی۔ یہاں میں نے محافظ کی نیلی وردی اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے' مگر چپل کی بجائے فوجی بوٹ ہی پہنے رکھے۔ اگرچہ یہاں چھوٹے چھوٹے پتھر گھاس میں بکھرے ہوئے تھے' پھر بھی میں نہیں چاہتا تھا کہ زمین پر میری چپل کا کہیں بھی کوئی نشان پڑے۔ میں اندھیرے میں جھاڑیوں' گڑھوں کو پھلانگتا ہوا ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ محافظ کی وردی کی گٹھری بھی اب میرے پاس ہی تھی۔ ایک جگہ مجھے اندھیرے میں ایک گہرا گڑھا دکھائی دیا۔ میں نے محافظ کی وردی' اس کے ہیٹ اور بوٹوں سمیت اس گڑھے میں پھینک دی اور اوپر ادھر ادھر سے سوکھے پتے.... اور درختوں کی ٹوٹی پھوٹی شاخوں کو ڈال کر گڑھے کو تقریباً بھر دیا۔ اب میں اپنی پرانی بش شرٹ اور نیکر میں تھا۔ پاؤں میں چپل بھی پہن لی تھی۔ چٹان کی طرف جانے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ میں دوسری طرف سے ہوتا ہوا جنگل کے آخری کنارے پر آ گیا۔

سامنے سمندر کی وسیع چادر پر لہروں کی ہلکی ہلکی سلوٹیں پڑ رہی تھیں' جو ستاروں کی پھیکی

روشنی میں ساحل کی طرف آ کر ریت پر بچھ جاتیں اور ہلکی ہلکی جھاگ پیدا ہوتی۔
اب میں اپنی چپل سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ بہت بڑا ثبوت تھا۔ مجھے گمان تھا کہ جنگل میں میری چپل تلاش کی جا سکتی تھی اور وہ مجھے بڑی آسانی سے گرفتار کروا سکتی تھی' چنانچہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ چپل میں کسی جگہ زمین میں دبانے کے بجائے صبح سمندر میں پھینک دوں گا۔ آخر' میں نے یہودیوں کے دو محافظوں کا خون کیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کی شدید سیکورٹی کو توڑ پھوڑ کر انکی جیل میں داخل ہو گیا تھا۔ اسرائیلی سیکورٹی کے لئے یہ بہت بڑا چیلنج تھا اور ظاہر ہے وہ لاشوں کے ملتے ہی بہت بڑا سرچ آپریشن شروع کرنے والے تھے۔ دور سے مجھے اپنی بستی کی ابھرتی ہوئی جھونپڑیوں کے خاکے نظر آئے تو میں نے چپل اتار کر بغل میں دبالی اور دبے پاؤں اپنی جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ میری جھونپڑی کا دروازہ اسی طرح بند تھا' جس طرح میں اسے بند کر کے گیا تھا۔ میں اپنے جرمن پستول کو کسی ایسی جگہ چھپا دینا چاہتا تھا۔ جہاں سے سیکورٹی والے اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اسے جھونپڑی کے اندر زمین میں دبانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہودی سیکورٹی فورس کے سپاہی ان جھونپڑیوں کو زمین تک کھود ڈالیں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اپنی سیکورٹی کی شکست اور اپنی ہزیمت کو چھپانے کے لئے سیکورٹی فورس اور ملٹری کمانڈ اس عظیم حادثے کو دبا دے۔ کسی پر ظاہر نہ کرے اور انکی انٹیلی جینس اندر ہی اندر خفیہ طور پر کسی بہانے تلاشیوں اور تحقیقات شروع کر دے۔ بہرحال' پستول میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔
میں ابھی تک جھونپڑی کے اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اندھیرے میں ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ میری جھونپڑی سے تھوڑی ہی دور گائے کی چرنی تھی۔ اس کے پیچھے کیلے کے درختوں کا ایک پرانا جھنڈ تھا۔ یہاں گائے کے خشک اوپلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ وہاں سے کھرپی لی۔ اوپلوں کے ڈھیر کے پاس جا بیٹھ گیا۔ بستی کے سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ چاروں طرف اندھیرا اور گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے ایک جگہ سے اوپلوں کو پرے ہٹا کر زمین کھودنی شروع کر دی۔ قریباً ایک فٹ گہرا گڑھا کھود کر میں نے پستول کو اس میں رکھا اور اوپر ایک دو خشک اوپلے رکھ دیئے۔ گڑھے کی مٹی واپس گڑھے میں ڈال کر اسے بند کر کے اس پر گھاس اور خشک پتے بکھیرے اور خشک اوپلوں کی ڈھیری لگا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں تیزی سے واپس اپنی جھونپڑی میں آ کر ٹاٹ کے بستر پر لیٹ گیا۔
مجھے یوں لگا' جیسے میرے سر پر سے کسی نے بہت بڑا بوجھ اٹھا لیا ہو۔ اب مجھے پسینہ آ گیا۔ میں نے بش شرٹ اتار دی اور اس سے پسینہ پونچھنے لگا۔ مچھروں نے مجھے دیکھتے ہی یلغار شروع کر دی۔ مگر میں ایک بہت بڑے طوفان سے نکل کر آیا تھا۔ ان مچھروں کو میں نے کوئی اہمیت نہ دی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا جسم تھک کر چور ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

دوسرے دن میں اس وقت اٹھا' جب باہر کافی دن نکل آیا تھا۔ مجھے رمیا دادا نے آکر جگایا۔ میں اپنے بنگلے پر اپنی نوکری پر ٹھیک وقت پر پہنچنا چاہتا تھا۔ میری ڈیوٹی شروع ہونے میں پندرہ منٹ ہی باقی تھے۔ رمیا دادا کی بیوی سکھ منی نے چائے کی چتیلی تیار کر رکھی تھی۔ میں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا... اور رمیا دادا کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا۔

یہودی سیکورٹی چیف کے بنگلے پر پہنچتے ہی میں نے سب سے بڑی تبدیلی محسوس کی' وہ یہ تھی کہ میرا صاحب یعنی یہودی چیف آف سیکورٹی فورس مسٹر برسام اپنے بنگلے پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بھاری بھرکم ناٹے قد کی یہودی بیوی اکیلی ناشتے کی میز کے پاس کافی کا مگ سامنے رکھے کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ سگریٹ اس کی انگلیوں میں سلگ رہا تھا۔ تامل نوکرانی کچن میں برتن صاف کر رہی تھی۔

میں نے روز کی طرح ہاتھ باندھ کر پرنام کیا۔ میڈم نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کا چہرہ کافی سنجیدہ لگا۔ کہنے لگی۔" ڈیکر! آج صاحب کے لئے ناشتا نہیں بنانا۔ انہیں آج جلدی آفس جانا پڑ گیا ہے۔"

میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سیکورٹی چیف کو آج کیوں جلدی آفس جانا پڑ گیا ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔" میڈم! آج آپ کے لئے انناس کا سوپ بناؤں؟ ان دنوں انناس پک کر بڑے میٹھے ہو گئے ہیں۔

اس نے بیزاری سے رسالہ میز پر ڈال دیا۔ مگ میں سے کافی کا ایک گھونٹ پیا اور سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر بولی۔ ؟ نہیں ڈیکر! میں صاحب کے بغیر انناس کا سوپ نہیں پیوں گی۔ تم میرے لئے دلیا تیار کر دینا۔"

پھر اس نے تامل نوکرانی کو آواز دے کر کسی قدر کرخت لہجے میں ڈانٹا کہ وہ برتن صاف کرنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہی ہے۔ میڈم کا موڈ کیوں خراب تھا؟ میں بخوبی جانتا تھا۔ اس کے خاوند نے کچھ نہ کچھ ضرور بتا دیا ہو گا۔ اگر نہیں بتایا تو سیکورٹی چیف یہ اطلاع ملنے پر کہ جیل میں ان کے دو محافظ ہلاک کر دیئے گئے ہیں' پریشان ضرور ہوا ہو گا اور اسکی پریشانی سے میڈم بھی پریشان ہو گئی تھی۔ یہ عورت واقعی اپنے خاوند سے پیار کرتی تھی۔ اگرچہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے خاوند کے دوسری عورتوں سے معاشقوں کے بارے میں شکایت کرنے سے بھی گریز نہ کرتی تھی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کی بہت وفادار تھی۔ میں کچن میں جا کر ناشتے کی تیاری میں لگ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے نشست گاہ میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سیکورٹی چیف کا ٹیلی فون ہو گا۔ میں جانتا تھا کہ چونکہ میڈم اس غلط فہمی میں ہے کہ میں عبرانی زبان سے ناواقف ہوں۔ اس لئے وہ اپنے خاوند سے جو بھی بات کرے گی' کھل کر کرے گی اور میں انکی یہ گفتگو سننا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے جلدی سے ایک کپ میں بوتل سے دودھ نکال کر ڈالا اور نشست گاہ میں چلا آیا۔ میڈم نے ریسیور اٹھا رکھا تھا اور عبرانی زبان میں اپنے خاوند سے بات کر رہی تھی۔

میں نے دودھ کا کپ میز پر رکھ دیا اور رومال سے یونہی میز کی صفائی شروع کی دی' پھر دیوار کے ساتھ کیبنٹ پر رکھے ہوئے چینی کے نوادرات کی جھاڑ پونچھ کرنے لگا۔ میڈم فون پر کہہ رہی تھی۔" ڈارلنگ! اس میں تمہارا کیا قصور ہو سکتا ہے؟ تم نے سیکورٹی والوں کو نہیں مارا۔ بریگیڈیئر تم سے دشمنی رکھتا ہے۔"

وہ چپ ہو گئی۔ وہ اپنے خاوند کی بات سن رہی تھی اور ہوں' ہاں کرتی جاتی تھی۔ جیسے بات کاٹ کر بولی۔" میں حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ بہرحال' تم اگر ناشتے پر آ سکتے ہو تو آ جاؤ' جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ایک دو سیکنڈ ریسیور ہاتھ میں رکھنے کے بعد' اس نے اسے ٹیلی فون پر رکھ دیا' پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔" تم دودھ کا کپ کس کے لئے لائے ہو؟"

میں نے قریب آتے ہوئے دیکھا۔" میڈم! ذرا دیکھ کر بتائیں' مجھے یہ دودھ کچھ خراب لگتا ہے۔ میڈم نے دودھ کے کپ کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور بولی۔" نہیں' ٹھیک ہے۔ لے جاؤ اسے۔"

وہ بڑی بیزار تھی۔ میں کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلا تو پیچھے سے اس نے آواز دی۔" صاحب کے لئے بھی ناشتہ تیار کر لینا۔ شاید وہ یہیں آ کر ناشتا کریں۔"

تھوڑی دیر بعد بنگلے کے باہر جیپ آ کر رکی۔ سیکورٹی چیف نشست گاہ میں داخل ہوا تو وہ فل وردی میں تھا۔ چہرے پر' پریشانی اور نقاہت کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ اس نے ٹوپی کیبنٹ کے اوپر رکھی اور ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔" ڈیئر کچھ پتا نہیں چل رہا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

میڈم اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور نیا سگریٹ سلگا کر اپنے خاوند کو دیا اور بولی۔" تمہاری نوکری پر تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا نا؟"

دونوں عبرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ کچن میں' میں کان لگائے ناشتا تیار کر رہا تھا۔ برسام نے گہرا سانس کھینچا اور بولا" کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

میں ناشتا تیار کر کے طشت میں لگا چکا تھا۔ میں اسے لے کر میز کے پاس آ گیا۔ صاحب کو جھک کر سلام کیا اور میز پر کافی کی چینک اور پیالیاں رکھنے لگا۔ انہیں میری موجودگی میں خاموش ہونے یا رازداری سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' کیونکہ انہیں یقین تھا کہ میں عبرانی زبان بالکل نہیں جانتا۔ وہ کھل کر اس دہشت انگیز واقعے پر باتیں کرنے لگے' جس کی وجہ' میں ان کے سامنے موجود تھا۔ انکی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس ہوش ربا واقعے کو ہائی کمانڈ نے صرف چند لوگوں تک ہی محدود رکھنے کا فیصلہ کیا اور خفیہ طور پر زبردست تفتیش اور سراغ رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ کام وہاں پر موجود ملٹری انٹیلی جینس کو سونپا گیا تھا۔ یہودی سیکورٹی چیف نے ٹوسٹ پر مکھن والی

چھری چلاتے ہوئے بھویں تعجب سے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔" ہائی کمانڈ کا خیال ہے کہ سری لنکا سے کوئی پاکستانی کمانڈو یہاں گھس آیا ہے اور یہ ساری کاروائی اسکی تخریب کاری کا نتیجہ ہے' مگر ہماری ساحلی سیکورٹی اس قدر سخت ہے کہ باہر سے کسی غیر آدمی کے جزیرے پر گھس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

میڈم نے کہا۔" ڈیئر! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان تامل باشندوں نے یہ شرارت کی ہو؟"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں میڈم کی پیالی میں کافی ڈال رہا تھا۔ سیکورٹی چیف نے سر کو آہستہ سے جھٹکا دیا اور بولا۔" انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ یہ لوگ خود اپنی جانیں بچا کر یہاں پناہ لئے ہوئے ہیں۔"

میں نے میڈم سے پوچھا۔" میڈم! بالائی ڈالوں یا دودھ؟ آج دودھ پر مجھے شک تھا صاحب!"

برسام نے میری طرف دیکھا۔

کیوں؟" وہ ہندی میں بولا۔" آج دودھ کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو بالکل ٹھیک لگتا ہے۔"

میڈم نے کندھے اچکا کر کہا۔" یہ یونہی وہم کرتا رہتا ہے۔"

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" صاحب! آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ ہم آپکے سہارے یہاں پڑے ہیں۔ اس لئے آپ کی صحت کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔"

سیکورٹی چیف کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا میں نے فوراً کہا۔ صاحب جی! ہمارے ویدوں میں لکھا ہے کہ جو اپنے مالک کی سیوا کرتا ہے اسکا اگلا جنم' جوگی کا ہوتا ہے اور جو اپنے مالک کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان قربان کر دیتا ہے' وہ اگلے جنم میں دیوتا کا روپ پاتا ہے۔ صاحب جی! دیکھ لینا' میں بھی آپ پر کسی روز اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

سیکورٹی چیف سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے مسکرایا اور کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھا اور بولا۔" ڈیکر! تم بڑے اچھے انڈین ہو۔ ہم تمہیں پسند کرتا ہے۔" پھر ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے بولا" دیکھو' کل رات ہمارے ایک آفیسر کے بنگلے پر چوری کا کیس ہو گیا ہے۔"

میں نے چونک کر کہا۔" چوری صاحب! ایسا کون کر سکتا ہے صاحب؟"

سیکورٹی چیف بولا۔" یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتا ہے تم ہمارے اپنے آدمی ہو۔ تم اپنی بستی میں لوگوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا۔ کوئی آدمی مشکوک حرکتیں کرتا نظر آئے تو چپکے سے مجھے اطلاع کر دینا۔ تم لوگ بڑے اچھے ہو' مگر ایک مچھلی ساری تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔"

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔" ٹھیک ہے صاحب! میں ایک ایک پر کڑی نگاہ رکھوں گا۔ ذرا سا کسی پر شک ہوا تو فوراً آپ کو خبر کر دوں گا۔ آپ ہمارے مائی باپ ہیں صاحب جی۔"

سیکورٹی چیف فرش کے قالین پر ٹہلنے لگا۔ اس کی بیوی ابھی تک میز پر بیٹھی کافی پی رہی تھی۔

میں خالی ٹرے لے کر جانے لگا تو سیکورٹی چیف نے مجھے قریب بلایا اور میری طرف گھور کر دیکھا۔ اگرچہ میرے بدن میں ایک سنسناہٹ سی ضرور دوڑ گئی تھی، لیکن میرا چہرہ بالکل سپاٹ ہی رہا۔

سیکورٹی چیف بولا۔ "ڈیکر! رات تمہاری بستی کے سارے لوگ اپنی جھونپڑیوں میں ہی تھے؟"

میں نے بڑے سیدھے اور صاف لہجے میں کہا۔ "ہاں صاحب! میں نے شام کے وقت سب کو دیکھا تھا۔ سب اپنی اپنی جھونپڑیوں کے باہر بیٹھے ہوئے تاڑی پی رہے تھے اور آپس میں جھگڑ رہے تھے۔"

ایک لمحے کے لئے وہ قالین کی طرف دیکھتا رہا، پھر میری طرف نگاہیں اٹھائیں اور بولا۔ "ٹھیک ہے، تم جا کر اپنا کام کرو اور ہاں، جیسا میں نے تمہیں کہا ہے، اپنے آدمیوں کی نگرانی کرتے رہنا۔ ہم تمہیں انعام دے گا۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "صاحب انعام کا مجھے لالچ نہیں، یہ ہم سب کی عزت کا سوال ہے۔ ہم کبھی چوری نہیں کرتے، ہم بڑے پکے دیشنو ہیں صاحب ہم لڑتے جھگڑتے اور آپس میں مار پیٹ ضرور کرتے ہیں، مگر چوری کبھی نہیں کرتے، پھر بھی اگر ہم میں کوئی ایسی کالی بھیڑ آگئی ہے تو میں اسے پکڑ کر آپ کے قدموں میں لے آؤں گا۔"

"شاباش۔" سیکورٹی چیف نے میرے کاندھے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا اور ٹوپی سر پر رکھی اور میڈم کی طرف متوجہ ہو کر عبرانی زبان میں بولا۔ "میرے بارے میں تم فکر مند مت ہونا ڈیئر۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ اگر جنگل میں کوئی پاکستانی گوریلا چھپا ہوا بھی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔"

میڈم نے پھر بریگیڈیئر کی دشمنی کی بات کی تو سیکورٹی چیف نے جھنجھلا کر کہا۔ "وہ گدھا ہے۔ میرا اسلئے دشمن ہو گیا ہے کہ میں نے اسے پاکستانی لڑکی کے سیل میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اگر یہ بات میں نے ہائی کمانڈ تک پہنچادی تو اس کا کوٹ مارشل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ مجھ سے دشمنی رکھتے ہوئے بھی میرے خلاف کوئی ایکشن لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ تم پریشان مت ہو، میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے، دوپہر کو لنچ پر نہ آؤں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ میں کچن میں جا چکا تھا۔ یہ ساری بات، میں نے کچن میں برتن سنک میں رکھتے ہوئے سنی تھی۔ اس کی جیپ اسٹارٹ ہونے کے بعد کمپلیکس کی طرف چلی گئی۔ اگر میں چیف سیکورٹی کے بنگلے پر کام نہ کر رہا ہوتا اور میں نے اس پر اپنی وفاداری اور خدمت گزاری کا سکہ نہ جمایا ہوتا تو ممکن تھا کہ اسے مجھ پر شک ہو جاتا۔ کیونکہ میں ہی دو ماہ پہلے باہر سے اس جزیرے میں آیا تھا، لیکن میرے آنے کا ڈراما اس کامیابی اور تفصیلات کے ساتھ رچایا گیا تھا کہ اس کے دل میں میرے بارے میں بدگمانی پیدا نہیں ہو سکتی تھی، میں اسی لمحے سے محتاط ہو گیا تھا۔ اب مجھے صرف ایک ہی

الجھن لگ گئی تھی کہ اگر ان لوگوں نے اس نہج پر تفتیش شروع کر دی کہ پچھلے دو تین مہینوں میں باہر سے کون آیا ہے ؟ تو میں دھر لیا جاؤں گا اور مجھے پاکستانی گوریلا ثابت کرنے کے لئے میرا صرف ڈاکٹری معائنہ کرانے کی ہی دیر تھی ۔ میں نے اپنے عمل کو تیز کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔

اس روز بستی میں تلاشی کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ میری عدم موجودگی میں یہودی سیکورٹی گارڈز اور ملٹری انٹیلی جینس والوں کی نگرانی میں ہو رہا تھا ۔ بستی والوں کو یہی بتایا تھا کہ ایک فوجی افسر کے بنگلے میں چوری ہو گئی ہے اور چور کوئی قیمتی ہار چرا کر لے گیا ہے

شام کو میں بستی میں آیا تو میری جھونپڑی کا فرش بھی جگہ جگہ سے کھدا ہوا تھا ۔ دادا رمیا پریشان تھا کہنے لگا ۔ " اگر ہم میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے تو اس نے ہم سب سے سخت دشمنی کی ہے ۔ ذرا سوچو ' اگر یہ لوگ ہمیں جزیرے سے نکال دیتے ہیں تو ہم بال بچوں کو لے کر کہاں جائیں گے ؟.... کیرالہ پولیس تو ہمیں جیل میں بند کر دے گی ۔ ان یہودی صاحبوں نے ہمیں پناہ دے رکھی ہے ۔ ہمیں تو انکی دن رات خدمت کرنی چاہئے ۔ "

رمیا دادا نے بستی والوں کو جمع کر کے اس قسم کی ایک تقریر بھی کر دی ۔ سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے ' کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی چوری ' نہیں کی تھی ۔ میں بہانے بہانے سے اوپلوں کے ڈھیر کی طرف گیا ۔ اس ڈھیر کی بھی تلاشی لی گئی تھی اوپلوں کو ادھر ادھر ہٹا کر دیکھا گیا تھا ' مگر خدا کا شکر ہے کہ وہاں کسی نے زمین نہیں کھودی تھی ' ورنہ میرا پستول وہیں زمین کے اندر دو فٹ نیچے دفن تھا ۔ یہ پستول مجھے یہودی فائرنگ اسکواڈ کے سامنے پہنچانے کے لئے کافی تھا ۔

سارے یہودی کمپلیکس میں سیکورٹی انتہائی سخت کر دی گئی تھی ۔ سیکورٹی چیف اس سلسلے میں اپنی بیوی سے جو باتیں کرتا ' وہ میں سمجھ لیتا تھا ۔ اسکی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ حیفہ سے ایک انتہائی تجربہ کار انٹیلی جینس آفیسر وہاں پہنچ رہا ہے ۔

میں چوکنا ہو گیا ۔ وہاں روز بروز تحقیقات ہوتی ' اس کا بھی مجھے علم ہو جاتا ' کیونکہ سیکورٹی چیف اپنی بیوی سے اس ضمن میں ضرور گفتگو کرتا تھا ۔ یہ لوگ ابھی تک میری چپل اور دوسرے سیکورٹی محافظ کی وردی برآمد کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے ۔ انہیں مرنے والوں کے بدن پر سے میرے ہاتھوں کے نشان بھی نہیں ملے تھے ۔ نہ ہی انہیں چٹان کے پیچھے جنگل میں مٹی کے تودے والی میری زمین دوز خفیہ کمیں گاہ کا علم ہو سکا تھا ' لیکن حیفہ کے نئے انٹیلی جینس آفیسر کے آنے کی خبر میرے لئے تشویش ناک تھی .. اس بات کا امکان تھا کہ وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرے ' کیونکہ تامل کی بستی میں ' میں ہی نیا رنگروٹ تھا میری حالت اس وقت ایک ایسے بحری جہاز کی تھی ' جس کی طرف تباہ کن تارپیڈ بڑھتا چلا آ رہا ہو ۔ یہ تارپیڈو مجھے ہٹ کر سکتا تھا ۔ اگر تب تک میں سونیا کو وہاں سے نکال کر لے جانے میں کامیاب نہیں ہو جاتا تو مجھے اس آنے والی آفت کا مقابلہ کرنا تھا ' جرأت مندانہ اور مردانہ مقابلہ ۔

اس نئے انٹیلی جینس آفیسر کی آمد میرے لئے اس لئے بھی خطرناک تھی کہ عین ممکن تھا کہ وہ میرے پورے ریکارڈ اور میری شکل سے بھی واقف ہو۔ ایسی صورت میں میرا بچ نکلنا ناممکن تھا۔

ادھر سیکورٹی چیف اور ملٹری انٹیلی والوں نے مل کر بستی کے ایک ایک مرد کو تجربہ گاہ میں بلا کر ان کی ڈی ٹیکٹ اسکریننگ شروع کر دی تھی۔ یہ ایکس رے.... کی طرح کی مشین تھی، جس کے پیچھے آدمی کو کھڑا کر کے اس سے کچھ سوال کئے جاتے تھے۔ ایک دن میری باری بھی آگئی۔ سیکورٹی چیف نے مجھے کہا کہ یہ دفتری کاروائی کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے تمہیں بھی چلنا ہو گا..... میں لیبارٹری میں پہنچ گیا۔ دو ڈاکٹر اور ایک ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا۔ میں نے جاتے ہی ہاتھ جوڑ کر سب کو پرنام کیا اور فرش پر کونے میں لگ کر بیٹھ گیا۔ نرس نے مشین کے آگے ایک اسکرین شیٹ لگائی اور مجھے پیچھے کھڑے ہونے کے لئے کہا۔ میں اس قسم کی کئی مشینوں میں سے گزر چکا تھا، مجھے اپنے اوپر جھوٹ کو سچ بنا کر طاری کرنے کی انتہائی مہارت حاصل ہو گئی تھی، کیونکہ میں یہ کام اپنے ذاتی مفاد کے لئے نہیں، بلکہ ملک کے بہترین مفاد کے لئے کر رہا تھا۔ اس لئے مجھے بھرپور اعتماد تھا۔ میں مشین کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ملٹری انٹیلی جینس آفیسر نے ہندی میں مجھ سے اچانک پوچھا۔" تم بدھوار کی رات کو جیل کی.... چار دیواری میں کیا کرنے گئے تھے ؟"

یہ بہت ہی خطرناک سوال تھا، اگر میرا بھرپور تجربہ اور مہارت میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں قدموں سے اکھڑ گیا تھا۔ یہ سوال میرے لئے انتہائی غیر متوقع تھا۔ میں نے اپنے اعصاب اور احساسات کو پورے طور پر کنٹرول میں رکھا اور کسی قدر حیران ہو کر ہاتھ باندھ کر کہا۔" حجور! ہم نے تو جیل کی چار دیواری کبھی دیکھی بھی نہیں، ہم تو رات کو بستی سے باہر کبھی گئے ہی نہیں۔"

میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا کہ میرے دل کی دھڑکنوں میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے جتنا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ملٹری انٹیلی جینس آفیسر نے فوراً ہی دوسرا سوال کر دیا۔" تمہیں چوری کے بارے میں علم ہے کہ یہ کس نے کی تھی ؟"

میں بڑے اعتماد اور بھولپن سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔" نہیں، مہاراج! ہمیں تو اس بارے میں کچھ بھی پتا نہیں پتا ہوتا تو ہم اپنے صاحب کو فوراً بتا دیتے۔ ہم تو حجور کے نمک خوار ہیں مہاراج!

مجھے فارغ کر دیا گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور واپس چلا آیا۔ مجھے ہر وقت بس صرف ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ بستی میں، میں ہی نیا نیا آیا تھا۔ اگر اس انٹیلی جینس آفیسر کو جو حیفہ سے آیا تھا، مجھ پر ذرا سا بھی شک پڑ گیا اور اس نے میرا ڈاکٹری معائنہ کیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں کسی ایسے پل پر سے گزرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو استرے کی دھار کی مانند ہے، لیکن مجھے اس پر سے ہر حالت میں صحیح و سالم گزرنا تھا۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی فرنچ کٹ داڑھی اور سر کے بال منڈوا دیئے۔ بہانہ یہ بنایا کہ میرے سر اور منہ پر خارش رہنے لگی ہے۔ یہ پیش بندی حیفہ سے

آنے والے نئے ملٹری انٹیلی جینس آفیسر کے لئے تھی' کیونکہ حقیقہ میں میری جو تصویر سرکاری حلقوں تک پہنچی تھی اس میں میری فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ میں نے اپنا حلیہ بالکل تامل مدراسیوں ایسا بنالیا۔ ماتھے پر ہر وقت تلک کی لمبی لمبی لکیریں ڈالے رکھتا۔ میرے حلیئے میں کافی فرق پڑ گیا تھا۔

ایک رات اندھیرے میں اپنی خفیہ کمیں گاہ یعنی لحد کا معائنہ بھی کر آیا۔ لحد کے کونے میں سوکھے ناریل اسی طرح پڑے تھے۔ یہاں میں نے ایک چاقو بھی لا کر رکھ دیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سونیا مقام پر قید ہے' میں نے ایک چال چلی۔

ایک روز سیکورٹی چیف کی بیوی میڈم ہاتھوں پر زیتون کی مالش کر رہی تھی کہ میں قریب سے گزرتے ہوئے اچانک رک گیا اور غور سے جھک کر اس کے ہاتھوں کو تکنے لگا میڈم میرے ہاتھ کی لکیروں کے علم کی بے حد معتقد تھی' کیونکہ جب میں نے تعویذ تالاب میں ڈالا تھا۔ اسکے خاوند نے کسی غیر عورت کی بات نہیں کی تھی۔ یہ ایک حسن اتفاق ہی تھا اس نے کسی قدر تشویش کے ساتھ پوچھا کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

میں نے کہا" میڈم! دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے دائیں ہاتھ کی ایک لکیر خطرناک حد سے آگے بڑھ رہی ہے

میڈم نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیئے۔" ڈیکر! جلدی دیکھ کر بتاؤ کہ یہ لکیر کیوں بڑھ رہی ہے؟ اس سے کیا ہو گا؟

میں نے یونہی ایک لکیر پر اپنی انگلی رکھ دی اور چہرے پر پریشانی کے اثرات لاتے ہوئے کہا۔" میڈم! یہ آپ نے کیا کر لیا ہے اپنے ساتھ؟

یہودی عورت تو پریشان ہو گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے سنسکرت کا ایک اشلوک پڑھا۔ آنکھیں دوبارہ کھول کر ہاتھ کی لکیر پر آنکھیں گاڑ دیں اور کہا۔" اوم سروم برامیتم جگتے' میڈم! یہ پاکستانی عورت تو خطرناک بھوت بن کر آپ کے خاوند کو ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا کرنے والی ہے۔

میڈم تو جیسے سکتے میں آ گئی۔ اسے مجھ پر بے حد اعتقاد تھا۔ کچھ وہ ضعیف الاعتقاد بھی بہت تھی' کچھ میرا حلیہ مدراسی پجاریوں ایسا تھا۔ اوپر سے میں نے سنسکرت کا ایک اشلوک بھی پڑھ دیا تھا۔ جلدی سے مجھے اپنے کمرے میں لے گئی اور ٹیبل لیمپ جلا کر اپنا ہاتھ میز پر پھیلا دیا اور بولی۔" ڈیکر! اب لکیروں کو غور سے دیکھو تم نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں بھی سوچتی تھی کہ تمہارا صاحب رات کو دیر سے کیوں آتا ہے۔ کئی روز سے میں اسے کچھ اکھڑا اکھڑا سا دیکھ رہی ہوں۔"

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور اس کی ٹیڑھی میڑی لکیروں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے میڈم کی طرف دیکھ کر کہا۔" میڈم! میں صاحب کا نوکر ہوں۔ انہیں پتا چل گیا تو وہ مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔ پہلے وعدہ کریں کہ آپ انہیں کچھ نہیں بتائیں گی۔"

یہودی عورت نے قسم کھا کر کہا کہ وہ کسی کے آگے میرا نام نہیں لے گی ۔ "تم لکیریں دیکھ کر بتاؤ کہ کیا واقعی میرا خاوند' اس پاکستانی عورت کے عشق میں پھنس گیا ہے ؟"

میں نے جلتی پر تیل چھڑکتے ہوئے کہا۔ "میڈم! یہ لکیر بالکل نئی آپ کے ہاتھ پر ابھری ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ صاحب اس پاکستانی لڑکی کے عشق میں ہی گرفتار نہیں ہے' بلکہ وہ تو اسکے ساتھ یہاں سے فرار ہو کے امریکہ جا کر شادی کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں ۔"

میں نے اس یہودی عورت کو ایک بہت بڑی بات کہہ دی تھی ۔ اگر اسکی بھنک بھی سیکورٹی چیف کو پڑ جاتی ہے تو وہ مجھے شوٹ کر سکتا تھا' لیکن مجھے ایسا ہر حالت میں کرنا ہی تھا یہی میرا منصوبہ تھا کہ یہودی عورت پر یہ جملہ جیسے بجلی بن کر گرا ۔ وہ واقعی سکتے میں آگئی ۔ میں فوراً گھٹنوں کے بل جھک گیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میڈم! میں غریب آدمی ہوں' بھگوان کے لئے یہ بات صاحب کو نہ بتانا ۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ میں نے تو آپ کو اس لئے سچ سچ بتا دیا ہے کہ میں آپ کا گھر برباد ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا ۔"

یہودی عورت کا سانس تیز تیز چلنے لگا تھا ۔ اس نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا۔ "کیا فضول بات کر رہے ہو؟ تمہیں ایک بار کہہ جو دیا کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی ۔ تم ایک بار پھر میرا ہاتھ غور سے دیکھو ۔"

میں نے کہا "اچھا جی دیکھتا ہوں ۔"

میں پھر اس کا ہاتھ دیکھنے لگا ۔ ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں تھا میں اپنے منصوبے کے مطابق سوچ سمجھ کر ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا ۔ میں ایک بار پھر ماہر نجومی بن گیا اور بولا ۔ "میڈم! میں نے وہی کچھ آپ کو بتایا ہے' جو آپ کے ہاتھ کی لکیریں صاف صاف بتا رہی ہیں اگر آپ نے جلدی سے کوئی اپائے نہ کیا تو یہ مکار پاکستانی عورت آپ کے خاوند کو ہمیشہ کے لئے آپ سے چھین لے گی ۔"

میڈم کی آنکھیں کھلی تھیں' چہرے پر فکر و پریشانی تھی ۔ "ڈیکر! اپائے تم ہی مجھے بتاؤ گے' تم جو کہو گے' میں وہی کروں گی ۔ بتاؤ' مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا تم دوسرا تعویذ نہیں بنا سکتے؟ جس سے یہ عورت ہمیشہ کے لئے میرے راستے سے ہٹ جائے ؟"

میں نے تھوڑی دیر توقف کی' پھر کہا "میڈم! تقدیر آپ کے خلاف جا رہی ہے ۔ لکیروں کا نقش گہرا ہے ۔ بدقسمتی کا تیر نکل گیا ہے ۔ اسے روکنا بہت مشکل ہے ۔ اب اس کا ایک ہی علاج ہے ۔"

"وہ کیا ہے ؟ جلدی سے بتاؤ" یہودی عورت نے بیتابی سے کہا ۔ میں نے اپنے منصوبے کے مطابق مزید ایک قدم بڑھایا ۔ میڈم! اب آپ کی ازدواجی زندگی اور آپ کا گھر صرف ایک صورت میں ہی تباہی سے بچ سکتا ہے کہ اس عورت کو راستے سے ہٹا دیا جائے ۔"

"وہ کیسے ؟" میڈم کے منہ سے جیسے اپنے آپ نکل گیا ۔

میں نے کہا۔ " وہ اس طرح کے اس مکار عورت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔"
میڈم نے کہا۔ " مگر یہ کام میں کیسے کر سکتی ہوں ؟"
میں نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر کہا۔ " میڈم ! میں نے اس گھر کا نمک کھایا ہے۔ میں اس گھر کی تباہی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کے لئے ' اس گھر کو بربادی سے بچانے کے لئے یہ کام ' میں کرنے کو تیار ہوں۔"

یہودی عورت نے میری اس پیشکش پر اطمینان کا سانس لیا اور بولی " مگر ڈیکر ! تم اسے کیسے ختم کرو گے ؟ تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ وہ کہاں پر قید ہے۔ یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔"
میں نے کہا۔" آپ کسی طریقے سے صاحب سے یہ معلوم کریں کہ پاکستانی عورت کس مقام پر قید ہے۔ بس اس کے بعد سارا کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔
میڈم کہنے لگی۔" لیکن تم کیسے پہنچو گے اور اسے کس طرح ختم کرو گے ؟"
میں نے فوراً کہا۔ " اس سلسلے میں بھی آپ کو تھوڑی سی میری مدد کرنی ہو گی۔ جب ہم اس عورت کے پاس پہنچ جائیں گے تو میں اپنے ساتھ یم راج کی تعویذ کی راکھ بھی لیتا جاؤں گا۔ بس اس راکھ کو عورت کے سر کے بالوں میں گرا دوں گا۔ اس کے بعد اس کے بدن میں آگ لگ جائے گی ' مگر یہ آگ کسی کو دکھائی نہیں دے گی اور تھوڑی ہی دیر میں یہ مکار عورت جل کر راکھ ہو جائے گی۔"
یہودی میڈم رقابت کی آگ اور اپنے گھر کو بچانے کے جذبات میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے مجھ سے اس ضمن میں کوئی سوال نہ کیا۔ ویسے بھی وہ میری کرامات اور جنوبی ہند کے جادو سے بے حد متاثر تھی۔ کہنے لگی " آج ہی صاحب سے معلوم کرتی ہوں۔ تم یم راج والا تعویذ تیار کرو۔"
میں نے کہا " یہ بڑا خطرناک تعویذ ہے میڈم ! اسکے لئے مجھے ساری رات آگ جلا کر تپیا کرنی اور منتر پڑھنے ہوں گے۔ اس میں میری جان جانے کا بھی خطرہ ہے ' مگر آپ کے اور آپ کے گھر کی بہتری کے لئے ایسا ضرور کر گزروں گا۔ میں آج ہی رات یہ تعویذ تیار کر کے اس کی راکھ پڑیا میں باندھ کر اپنے پاس رکھ لوں گا۔ آپ صاحب سے یہ معلوم کریں کہ یہ پاکستانی مکار ' عیار اور ہماری دشمن عورت کس جگہ پر قید ہے تاکہ میں وہاں پہنچ کر اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں ' پھر آپ کا گھر تباہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا ' مگر ایک بات ہے "
" وہ کیا ؟" یہودی عورت نے پوچھا۔
میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ۔" میڈم ! صاحب کو یہ پتا نہ چلے کہ یہ سب کچھ میرے کہنے سے ہو رہا ہے۔ اگر صاحب کو مجھ پر ذرا سا شک پڑ گیا تو وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہیں گے ' مگر مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں تو ' بھگوان جانتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کی بھلائی کے لئے کر رہا ہوں ' مجھے کسی انعام کا لالچ بھی نہیں ہے۔ میری اپنی کوئی ذاتی غرض بھی نہیں ہے اور میری اس عورت سے کوئی

دشمنی بھی نہیں ہے۔"

یہودی عورت نے مجھے پُرزور الفاظ میں یقین دلایا کہ وہ میرا ذکر کسی سے نہیں کرے گی۔ اب میں نے اسے آخری جملہ کہا۔

"یہ بات بھی ہے میڈم کہ اگر میرا نام ظاہر ہو گیا تو تعویذ کا اثر زائل ہو جائے گا۔ یہ گپت یم راج منتر کا تعویذ ہوتا ہے، جس میں رازداری پہلی شرط ہے، اگر اسکی ذرا سی ہوا بھی کسی پر کھل جائے تو تعویذ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور منتر کام نہیں کرتے۔"

میں نے اس عورت کو بے حد پکا کر دیا۔ پکی تو وہ پہلے ہی تھی، لیکن میں نے منتروں کی رازداری کی شرائط پیش کر کے اسے بالکل ہی باندھ دیا تھا اب وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا نہیں چلا سکتی تھی۔ اندر سے ویسے مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں سیکورٹی چیف کو شک نہ پڑ جائے کہ اسکی بیوی پاکستانی قیدی لڑکی کے بارے میں کس لئے پوچھ رہی ہے، عورت آخر عورت ہوتی ہے اور خاص طور پر ......جب رقابت یا اپنی ازدواجی زندگی کو بچانے کا مسئلہ درپیش ہو تو عورت کی فراست اور چرتر پر دیوتا بھی حیران رہ جاتے ہیں۔

اس یہودی عورت نے رات کو نہ جانے کیا چکر چلایا کہ اس کے خاوند نے اسے سونیا کے بارے میں، جو کچھ میڈم کو پوچھنا تھا، بتا دیا۔ اگلے روز جب میں کاغذ کے ایک ٹکڑے کی راکھ کی پڑیا میں باندھ کر میڈم کے سامنے لے گیا تو وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی صاحب ناشتہ کر کے چلے گئے تو وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں لے گئی اور بولی۔ "میں نے پاکستانی چڑیل کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔"

میں نے پڑیا اس کو دکھاتے ہوئے کہا کہ میں نے یم راج تعویذ کی راکھ بھی تیار کر لی ہے۔ اسے جھوٹ موٹ بتایا کہ مجھے ساری رات آگ جلا کر منتر پڑھنے پڑے ہیں اور سخت تھک گیا ہوں۔ میڈم نے مجھے فریج سے سیب کا جوس لا کر پلایا۔ بنگلے میں اس وقت ہمارے سوا صرف تامل نوکرانی ہی تھی جو کپڑے دھو کر آنگن میں ڈال رہی تھی۔ میں سونیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھا، لیکن میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا ہوا تھا، مجھے میڈم نے خود ہی وہ راز بتا دیا، جس کے حصول کے لئے میں کئی روز سے پریشان اور سرگرداں تھا۔ یہ تمام معلومات اس نے اپنے خاوند سے کس طریقے سے حاصل کیں؟ اس سلسلے میں اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا، صرف اتنا کہا کہ رات اس نے صاحب کو خود مشروب پلایا تھا۔ چونکہ یہ خود اسکی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اس لئے میڈم نے رات کو نہ جانے صاحب پر کیا جادو کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو سونیا کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا، جس کی مجھے اشد ضرورت تھی اور جن معلومات کے بغیر میں ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا تھا۔

ان معلومات کے مطابق سونیا جیل کیمپ میں قید نہیں تھی، بلکہ اسے ایٹمی تحقیقات کی تجربے والے ممنوعہ علاقے میں رکھا گیا تھا۔ وہ جس سیل میں قید تھی، وہ ایٹمی پلانٹ کی گنبد والی چھوٹی

سی عمارت کے عقب میں ایک تین منزلہ عمارت کی تیسری منزل پر کونے میں واقع تھا اور باہر کی جانب اس کی کوئی کھڑکی اور روشن دان نہیں تھا۔ اس چھوٹے سے کمرے کے سامنے کی جانب ایک بالکونی نما چھوٹا سا برآمدہ تھا تھا' جو تیسری منزل کے باقی چار کمروں کے آگے سے گزرتا تھا۔ ان باقی چار کمروں میں سے تین کمرے بند تھے ۔ صرف چوتھے کمرے میں سیکورٹی گارڈ کے مسلح سپاہی رہتے تھے' جو دن رات سونیا کے سیل کے باہر مسلح پہرے پر رہتے تھے۔ ایک آدمی دن میں صرف ایک بار سونیا کے لئے سوپ اور روٹی لے کر آتا تھا۔ اس سے زیادہ میڈم کو سیکورٹی چیف خاوند نے نشے میں ترنگ میں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ میرے لئے اتنی معلومات ہی بہت تھیں' اس کے آگے اب میرا کام شروع ہوتا تھا۔

میڈم نے کہا۔" تم اس عورت تک کیسے پہنچو گے ڈیکر ؟ وہاں تو بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔"

میں نے کہا" میڈم ! آپ اطمینان رکھیں ۔ یم راج کا منتر میری مدد کرے گا۔ مجھے اس مکار عورت کا سراغ مل گیا ہے۔ بس مجھے یہ چاہئے تھا۔ اب میں کسی نہ کسی طرح اس کی کوٹھری میں پہنچ کر' یم راج کے تعویذ کی راکھ اس کے سر میں ڈال کر اسے جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

میڈم نے بے چینی سے کہا۔" تم یہ کام آج رات ہی کر دو۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ میں اس عورت سے جلدی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں ۔"

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" میڈم ! ابھی مجھے کچھ اور منتر پڑھنے ہیں' لیکن میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھنے کے لئے میں پھر تاکید کروں گا۔ اس معاملے کی ہلکی سی بھنک بھی کسی کے کانوں تک نہیں پڑنی چاہئے۔ ورنہ یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور یہ عیار پاکستانی عورت آپ کے بھولے بھالے خاوند کو لے اڑے گی۔"

میڈم نے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ دیں اور کہا۔" میں کسی سے بھلا اس کا ذکر کیوں کرنے لگی ؟ کیا مجھے اپنے گھر کی سلامتی عزیز نہیں ؟ تم خاطر جمع رکھو۔ اس بات کا قیامت تک سوائے تمہارے اور میرے کسی تیسرے کو علم نہیں ہو سکے گا۔"

میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ میں نے میڈم کو اتنا پکا کر دیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ اب وہ کسی سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اس اہم کام سے فارغ ہو کر میں نے سونیا کو ایٹمی پلانٹ کے احاطے سے اغوا کرنے کے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

اس دوران میں حیفہ سے نیا فوجی انٹیلی جینس والا بھی پہنچ گیا۔ اسکی فلائٹ جزیرے کے ائر پورٹ پر شام کو آئی تھی۔ اگلے روز' میں بنگلے پر گیا تو صاحب نے اپنی بیوی سے یعنی میری میڈم کو گفتگو کے دوران میں بتایا کہ حیفہ سے نیا ملٹری انٹیلی جینس آفیسر مسٹر فراہیم رات کو آ گیا ہے۔ اسکی بیوی نے کسی قدر پریشانی کا اظہار کیا تو صاحب بولا۔" ڈارلنگ ! تم بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہو۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ یہاں کے انٹیلی جینس آفیسر میرے ساتھ ہیں اور پھر میں آج دوپہر اسے کھانے پر

یہاں بلا رہا ہوں۔ ایسا کرنا ایک ٹرکی بھون لینا۔"

میں کچن میں تھا۔ یہ آواز میرے کانوں میں پہنچی تو چوکس ہو گیا۔ صاحب چلا گیا تو میڈم نے مجھے ناشتے کی میز پر بلا کر سب سے پہلے تو یہ پوچھا کہ میں نے یم راج کے منتروں کے عمل ختم کیا ہے یا نہیں؟

میں نے اسے یہ کہہ کر تسلی دی کہ دو ایک روز میں یہ عمل پورا ہو جائے گا۔ اس نے مجھے منتروں کے عمل کو تیز تر کرنے کی ہدایت کی اور پھر بتایا کہ دوپہر کے کھانے پر حیفہ سے ایک نیا آفیسر بھی آ رہا ہے۔ اس نے مجھے فوڈ اسٹور سے اشیائے خوردونوش لانے کے لئے ایک فہرست لکھ کر دی اور سو ڈالر کا ایک نوٹ بھی دیا۔ ٹرکی ان کے بنگلے پر ہی تھا۔

میرے اندر ایک بے چینی سے شروع ہو گئی۔ نیا انٹیلی جینس آفیسر مسٹر افراہیم کہیں مجھے پہچان نہ لے؟ میں نے فوڈ اسٹور کے ایک آئینے میں اپنی شکل کو غور سے دیکھا۔ میرا حلیہ حیفہ کے زمانے سے کافی بدلا ہوا تھا۔ میں بالکل کوئی مدراسی برہمن پجاری لگتا تھا' پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ نئے جاسوس کے سامنے زیادہ نہیں آؤں گا۔

کھانا تیار کرنے میں میڈم میرے ساتھ لگ گئی۔ ایک بجے تک ہم نے کئی ڈشیں تیار کر لیں تھیں۔ پورے ڈیڑھ بجے برسام صاحب حیفہ والے نئے ملٹری انٹیلی جینس آفیسر فراہیم کو ساتھ لے داخل ہوئے۔ یہ چھوٹے قد کا گول شانوں والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ جس کے سر میں درمیان میں بال اڑے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی نسواری مونچھیں تھیں۔ پتلون اور سفید نیم آستین کی بش شرٹ میں تھا۔ منہ میں سگار لگا رہا تھا۔ اسکی بڑی آؤ بھگت کی گئی اپنے صاحب کی ہدایت کے مطابق میڈم' مہمان کے آگے بچھی جا رہی تھی۔ اسے طرح طرح کے مشروب چکھاتی۔ برسام صاحب نے اسے سگاروں کا ایک ڈبا بھی پیش کیا۔ کھانے پر انٹیلی جینس آفیسر فراہیم کی کرنجی آنکھیں کمرے کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ کھانے کے بعد مشروب کا گلاس سامنے رکھ کر فراہیم نے سگار سلگایا اور اس کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔" مسٹر برسام! اب تک یہاں والوں کی تحقیقات سے تو یہی پتہ چلا ہے کہ باہر سے کسی پاکستانی کمانڈو نے یہاں آکر یہ تخریبی کاروائی کی ہے۔"

میں میز سے برتن اٹھا کر بڑے آرام سے طشت میں رکھ رہا تھا۔ وہ عبرانی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ سیکورٹی چیف برسام نے سگریٹ سلگایا اور کہا۔" سر! ہماری سیکورٹی یہاں بڑی سخت ہے' اگر باہر سے کوئی پاکستان کمانڈو آیا ہے تو اسے یقیناً دشمن کی کسی آبدوز کشتی نے ساحل پر اتارا ہو گا۔"

انٹیلی جینس آفیسر سگار کا ہلکا سا کش لگا کر بولا۔" کیا آپ نے یہاں سمندر کے نیچے بارودی سرنگیں نہیں بچھائیں؟"

برسام نے جواب میں کندھے اچکائے اور کہا۔" سر! اسکی کبھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ویسے

بھی آپ تو جانتے ہیں کہ یہ جزیرہ بھارت کے ملک کا ایک حصہ ہے اور بھارتی حکومت نے ہمیں ایک دوستانہ معاہدے کے تحت کچھ عرصے کے لئے دے دیا ہے۔ ہم اگر جزیرے کے گرد بارودی سرنگیں وغیرہ بچھاتے ہیں تو اس سے تعلقات پر بڑا اثر پڑ سکتا ہے' کیونکہ بھارتی حکومت کا کوئی نہ کوئی سائنسی یا فوجی وفد مہینے میں ایک آدھ بار یہاں ضرور آتا ہے اور وہ فوجی لانچ پر ہی آتے ہیں۔"

انٹیلی جینس آفیسر فراہیم خاموشی سے سگار پینے لگا۔ میں خالی برتن لے کر کچن میں آ گیا۔ کچن کھانے کی میز پر سے زیادہ دور نہیں تھا اور اگر آدمی ہمہ تن گوش ہو تو وہ کھانے کی میز پر باتیں کرنے والوں کی آواز اور جملے بخوبی سن سکتا تھا۔ انٹیلی جینس آفیسر کہنے لگا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہاں جو بھارت کے تامل لوگ بستی میں رہتے ہیں۔ یہ ان میں سے کسی کی کارستانی ہو؟

میرے جسم میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ سیکورٹی چیف برسام نے کہا " سر یہ لوگ تو اتنے پسماندہ اور جاہل ہیں کہ انہیں اس قسم کی تخریبی کاروائیوں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ پھر یہ لوگ تو ایک طرح سے یہاں پناہ لئے ہوئے ہیں۔"

میں کافی لے کر میز کے پاس پہنچ گیا تھا اور بڑے آرام سے میز پر کافی کے برتن رکھنے لگا۔ میں مسٹر افراہیم سے آنکھیں چرانے کی بالکل کوشش نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر بڑی عاجزانہ مسکراہٹ طاری کر رکھی تھی۔ ملٹری انٹیلی جینس آفیسر نے ایک ایسا سوال کر دیا' جس سے میرے دل کو ذرا سا دھڑکا لگا مگر میں نے اپنے رویئے سے ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس نے سیکورٹی چیف سے پوچھا۔ " مجھے بتایا گیا ہے کہ حال ہی میں بھارت سے ایک نیا تامل باشندہ بھی یہاں آیا تھا۔ وہ کون ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

یہ انتہائی تشویش انگیز لمحہ تھا۔ میرے کانوں میں سنسناہٹ سی گونجنے لگی۔ یہ نیا سراغ رساں ہر بات سے واقف تھا۔ اگرچہ اس نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے میری تصویر نہ دیکھی ہو' لیکن اگر وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرتا ہے تو میرے کسی نہ کسی جال میں پھنس جانے کا امکان تھا۔ میں یہ توقع کر رہا تھا کہ سیکورٹی چیف ابھی میری طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ یہ آدمی حال میں ہی بھارت سے آیا ہے' لیکن اس نے جو جواب دیا اس نے ایک پل کے لئے مجھے ضرور چونکا دیا۔ اس نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔ " ایک آدمی کیرالہ کی جیل سے بھاگ کر یہاں ضرور آیا تھا' لیکن وہ پچھلے دنوں تاڑی زیادہ پینے کی وجہ سے اپنی جھونپڑی میں مردہ پایا گیا تھا۔"

سیکورٹی چیف نے یہ اقدام اپنی کھال بچانے کے لئے کیا تھا۔ اسے مجھ پر تو شک تھا ہی نہیں کہ میں کوئی کاروائی بھی کر سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ میرا نام لے کر اپنے آپ کو خواہ مخواہ کسی مشکل میں نہیں پھنسانا چاہتا تھا۔ اس نے کندرم کا نام لے کر اپنی جان چھڑائی۔ کیونکہ بستی میں کون جیتا ہے' کون مرتا ہے؟ اس کا زیادہ علم سوائے سیکورٹی چیف مسٹر برسام کے وہاں کسی دوسرے کو نہیں تھا۔ ملٹری انٹیلی

جینس آفیسر نے کافی کا پیالہ اٹھایا اور ہونٹوں کے قریب لا کر بولا۔" اس کے علاوہ بھارت سے کوئی نہیں آیا؟"

"بالکل نہیں' بس وہی ایک نوارد تھا' جو مر گیا۔"

سیکورٹی چیف نے اپنے مہمان کی پیالی میں کافی انڈیلتے ہوئے کہا اس کی بیگم نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بسکٹوں کی پلیٹ مہمان کو پیش کی اور مسکرا کر کہا۔" یہ میں نے خاص طور پر آپ کے لئے بنائے ہیں۔"

سیکورٹی چیف نے خود ہی میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اگرچہ اس نے اپنے کیریئر کو تباہی سے بچانے کے لئے کیا تھا' لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ مجھے پہنچا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب میں پوری توجہ سے اپنا اصلی مشن شروع کر سکتا تھا۔

جب مہمان انٹیلی جینس آفیسر' سیکورٹی چیف کے ساتھ کھانے کے کمرے میں چلا گیا تو میڈم نے مجھے بلا کر کہا۔" تمہارے صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ اگر یہ نیا انٹیلی جینس آفیسر جزیرے میں نئے آنے والے آدمی کے بارے میں پوچھے تو میں تمہارا نام نہ لوں گا۔ اس طرح وہ تمہیں خواہ مخواہ پریشان کرتا۔ میں نے بھی صاحب کو یہی مشورہ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تمہارا نام نہیں بلکہ کندرم کا نام لے کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔"

میں نے ہاتھ باندھ لئے اور سر جھکا کر بولا۔" دھنیہ واد میڈم جی! میں غریب آدمی ہوں۔ آپ کا نمک کھاتا ہوں۔ آپ کے لئے بھگوان سے روز پرارتھنا کرتا ہوں۔ صاحب نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔"

میڈم نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔" اب تمہیں' میرا کام کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ میرے خاوند کی توجہ مجھ سے ہٹتی جا رہی ہے۔ اس کی باتوں میں پہلے ایسی گرم جوشی نہیں رہی۔ وہ ضرور اس پاکستانی بدمعاش عورت کے ساتھ یہاں سے فرار ہونے کا پروگرام بنا چکا ہے۔"

جہاں محبت ہو' وہاں بدگمانیاں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ یہودی عورت واقعی اپنے خاوند سے بہت پیار کرتی تھی۔ دوسرے میں نے اسے توہمات کے چکر میں ڈال دیا تھا کہ اسے اپنے خاوند کی ذرا ذرا سی بات پر شک ہونے لگا تھا۔

میں نے اسے کہا۔" میڈم! میں آج رات ہی اس علاقے کو دیکھنے جاؤں گا۔"

میڈم نے کچن کا دروازہ بند کر دیا اور راز داری سے بولی۔" ڈیکر! تو بھولے بھالے آدمی ہو' تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ حیفہ سے نیا سراغ رساں بھی آیا ہوا ہے' اگر کسی نے تمہیں پکڑ لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

میں نے اسے تسلی دی کہ میں جنگل کا رہنے والا ہوں اور مہاراشٹر میں اپنے چچا کے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے والے مزدوروں کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ میں جنگل میں چھپنا اور راستہ بنانا جانتا ہوں۔

میڈم نے اب مجھ سے قسم لی کہ اگر میں پکڑا جاتا ہوں.... تو میں کسی حالت میں بھی اس کا نام نہیں لوں گا۔ میں نے بھگوان کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ میں' اس کا نام زبان پر نہیں لاؤں گا۔

اس رات' میں بارہ بجے کے بعد جھونپڑی سے نکل کر اس پہاڑی کی طرف چل پڑا' جس کے دامن میں ایٹمی پلانٹ اور لیبارٹری کا چھوٹا سا گنبد بنا ہوا تھا اور جس طرف جانے کی کسی بھی غیر متعلقہ شخص کو اجازت نہیں تھی۔ اس پہاڑی حدود اربعہ سے میں واقف تھا۔ اس پہاڑی کا عقبی حصہ سمندر کی جانب تھا۔ دوسری جانب ڈھلان کی صورت میں وادی کا ایک چھوٹا سا پیالہ بن گیا تھا۔ اس پیالہ نما وادی میں پہاڑی ڈھلان کے بالکل ساتھ ایٹمی کمپلیکس کی تین منزلہ عمارت اور اس کے سامنے گول دائرے میں ایک گنبد بنا ہوا تھا۔ میرا ٹارگٹ تین منزلہ عمارت کی تیسری منزل پر کونے والا کمرہ ہی ہو سکتا تھا۔ جنگلی راستوں سے گزرتا ہوا میں پہاڑی کی ڈھلان والے سمندری ساحل پر پہنچ گیا تھا۔ چونکہ اس جانب سمندر تھا۔ اسلئے یہاں مجھے کوئی سنتری پہرہ دیتا ہوا دکھائی نہ دیا۔ میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا پہاڑی کے دامن میں آ گیا۔ یہاں سمندری لہریں پتھروں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ میں ایک پتھر پر چڑھ گیا اور اندھیرے میں جھک کر پہاڑی کی چڑھائی چڑھنی شروع کر دی۔ یہ پہاڑی اتنی بڑی نہیں تھی۔ پہاڑی کی چوٹی پر کسی پہریدار کی موجودگی کا امکان تھا اور میں اب کسی سنتری کو ہلاک کرنے کا خطرہ مول لے کر اپنے راستے میں کانٹے نہیں بکھیرنا چاہتا تھا۔

میں جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر بے حد احتیاط کے ساتھ چاروں طرف سے ہوشیار' آنکھیں کھولے آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر کہیں بھی مجھے کسی سنتری کا سایہ نظر نہیں آ رہا تھا' پھر بھی میں چوکس تھا' کیونکہ پہرے دار سنتری کسی جھاڑی یا مورچے کی اوٹ میں بھی چھپا بیٹھا ہو سکتا تھا۔ چوٹی کے قریب پہنچ کر میں ڈھلان پر لیٹ گیا اور سانپ کی طرح رینگ کر اوپر کو چلا۔

چوٹی پر جا کر میں نے دوسری طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ڈھلان کے نیچے پیالہ نما چھوٹی سی وادی میں گنبد کی دو جانب ٹیوب کی روشنی ہو رہی تھی۔ بائیں جانب وہ تین منزلہ عمارت تھی' جس کا آخری کمرہ میرا ٹارگٹ تھا۔ میں نے اپنے ارد گرد دیکھا' مجھے وہاں کوئی پہرے دار نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اگر میں اس پہاڑی پر مغرب کی جانب سمندر کی طرف چڑھتا ہوں تو عمارت کے سامنے کی جانب پورچ میں صرف ایک مسلح پہرے دار ٹہل رہا تھا۔ ایٹمی پلانٹ والے گنبد کی طرف جو پورچ تھا' وہاں چند ایک گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میں نے سارا نقشہ ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیا اور وہیں سے رینگتا ہوا واپس اترنے لگا۔ نیچے سمندر کی لہریں پہاڑی کے دامن سے ٹکرا ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں اور ان کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ مجھے دوسری رات اپنے ٹارگٹ پر ہر صورت میں حملہ کرنا تھا۔

دوسری رات تاریک تھی۔ آسمان پر چاند نہیں تھا۔ استوائی ستارے سیاہ آسمان پر چمک رہے تھے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے، میں پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر اپنی جھونپڑی سے نکلا تھا۔ میرا لباس نیکر اور بش شرٹ پر مشتمل تھا۔ پاؤں پر میں نے ٹاٹ کے دو ٹکڑے رسیوں سے کس کر باندھ لئے تھے تاکہ کہیں میرے پاؤں کے نشان نہ پڑیں۔ ہاتھوں کے نشان سے بچنے کے لئے میں نے کپڑے کا ایک ٹکڑا اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ پستول کو میں نے اپلوں کے ڈھیر کے نیچے والے گڑھے سے نکال کر اچھی طرح سے صاف کر لیا تھا۔ پستول کے علاوہ ایک سبزی کاٹنے والا چاقو بھی میری جیب میں تھا۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ نائیلون کی مضبوط مگر باریک رسی بھی میں نے اپنی کمر کے گرد لپیٹ رکھی تھی جس کے ایک سرے پر میں نے چار انچ قطر کا ایک پھندا بنا دیا تھا۔ ایک اعتبار سے میں بہت کم وسائل اور بے پناہ خطرات کے ساتھ ڈبیٹھ مشن پر جا رہا تھا۔ میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔ آگے میری موت کے امکانات بہت زیادہ تھے لیکن اپنے وطن پاکستان کے ناموس کی خاطر جان قربان کر دینے کا عزم مجھے آگے لئے جا رہا تھا۔ جنگلی راستوں سے میں اب پوری طرح واقف تھا۔ پہاڑی تک پہنچنے میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہ ہوا۔ اندھیرا پہلی رات سے زیادہ تھا۔ سمندری لہریں پہاڑی کے پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ میں سمندر میں اتر گیا اور پتھروں کا سہارا لیتا پہاڑی کی دوسری جانب آ گیا۔ یہاں پانی پہاڑی کے دامن میں گہرا تھا جو میری کمر تک پہنچ رہا تھا۔ میں پہاڑی کی ڈھال پر آ گیا اور گھاس اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کو پکڑ کر مغرب کی جانب چلتا گیا۔ میرے قیاس کے مطابق یہی وہ جگہ تھی جہاں مجھے پہاڑی کی چڑھائی پر چڑھنا تھا۔

میں نے اللہ کا نام لیا اور آہستہ آہستہ چوٹی کی طرف چڑھنے لگا۔ دس پندرہ منٹ کی محنت کے بعد میں چوٹی پر پہنچ کر لیٹ گیا۔ دوسری طرف نگاہ ڈالی تو میرا قیاس اور اندازہ بالکل درست نکلا۔ تین منزلہ عمارت پہاڑی ڈھلان کے نیچے بالکل میری سیدھ میں تھی۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ ڈھلان اتر کر میں عمارت کے عقب میں آ گیا۔ اس جانب عمارت کے کسی بھی کمرے کی کوئی کھڑکی یا روشندان مجھے دکھائی نہ دیا۔ میں نے بائیں جانب کونے کی طرف رخ کیا۔ کونے کے قریب پہنچا تو مجھے فرش پر کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ میں وہیں دبک گیا اور جنگلی پودوں کی باڑھ کے پیچھے سے نگاہیں سامنے جما دیں۔

ایک پہرے دار کونے کے قریب آ کر واپس مڑ گیا۔ جب اس کے قدموں کی آواز دور چلی گئی تو میں پودوں کی اوٹ سے نکلا اور کونے والی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ادھر دور کھمبے کی روشنی آ رہی تھی۔ جو پہرے دار یہاں سے ٹہلتا ہوا گیا تھا۔ وہ کھمبے کے پاس پہنچ کر رک گیا، جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی اور دوبارہ واپس مڑا۔ میں تیزی سے واپس پودوں کی اوٹ میں آ کر چھپ گیا۔ جب وہ اپنی مقررہ حد پر آ کر مڑا تو چند سیکنڈ کے بعد میں دوبارہ کونے والی دیوار کے پاس آ گیا اور اوپر نگاہ ڈالی۔

اوپر دوسری اور تیسری منزلوں کی بالکونیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ یہاں سے اوپر چڑھنا اور سونیا کو نکال کر نیچے لانا اس پہریدار کی موجودگی میں تقریباً ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ عقبی دیوار پر کوئی کھڑکی یا بالکونی نہیں تھی۔ مجھے اسی جگہ سے اوپر چڑھنے کی کوشش کرنی تھی، مگر پہرے دار سنتری باقاعدہ ٹہل کر اپنی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اسٹین گن اس کے کندھے سے لٹک رہی تھی۔ یہاں اگر ذرا سا بھی شور پیدا ہوتا ہے تو نہ جانے کہاں کہاں سے سنتری اور سکیورٹی کے لوگ نکل کر ایک لمحے میں پہنچ سکتے تھے۔

میرے پاس سوچنے اور غور کرنے کے لئے وقت بھی نہیں تھا۔ میں آج رات کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا عزم لے کر نکلا تھا۔ ویسے بھی میں جس رات بھی آؤں مجھے اسی قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا تھا۔ براہ راست اس کمپلیکس میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے لامحالہ یہی راستہ اختیار کرنا تھا۔ اس سنتری کی موجودگی میں میں پھندا بالکونی پر نہیں پھینک سکتا تھا۔ اگر پھندا بالکونی کے جنگلے کے ابھرے ہوئے کونوں میں نہیں پھنستا تو بھی یہ سنتری واپس مڑتے وقت مجھے دیکھ سکتا تھا۔ اگر پھنس بھی جاتا ہے تو سنتری واپس گھومنے کے بعد مجھے اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ کر وہیں اسٹین گن سے بھون سکتا ہے۔

میں نے فوری طور پر اس سنتری کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کھمبے کے پاس جا کر واپس مڑا۔ اب وہ ایک ایک قدم اٹھاتا میری طرف چلا آ رہا تھا۔ سگریٹ اس کے ہاتھ میں سلگ رہی تھی۔ میں جھاڑی کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ میں نے چاقو نکال کر اپنے داہنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ میں یہاں سائی لینسر لگے پستول کا بھی فائر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سنتری اور جھاڑی کے درمیان فاصلہ کم ہوتا گیا۔ میں نے اس لمحے کو ذہن میں رکھ لیا تھا۔ جب مجھے اس پر حملہ کرنا تھا۔ یہ حملہ آسمانی بجلی کی طرح آناً فاناً ہونا تھا۔ سنتری جھاڑی کے قریب آ گیا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اپنی ایڑیاں زمین پر سے اٹھالیں اور پنجوں کے بل ہو گیا۔ دشمن جھاڑی کے پاس آ کر رکا۔ اس نے منہ اوپر اٹھا کر دوسری اور تیسری منزل کی بالکونیوں کو دیکھا۔ میں نے اپنا سانس روک لیا تھا۔ اس نے سگریٹ کا ایک کش لگایا اور منہ سے دھواں چھوڑتا انہی قدموں واپس پلٹا۔ اس نے ابھی پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ جھاڑی میں سے جیسے ایک خونخوار چیتا نکل کر اس کی گردن پر گرا۔ اس وقت میرے دو ایکشن تھے۔ ایک بازو نے جب اس کی گردن کو آگے سے اپنے بازو کے شکنجے میں لے کر پوری طاقت سے جھٹکا دیا تو دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو اس کی پیٹھ کی جانب سے پسلیاں توڑتا ہوا اس کے دل میں جا کر لگ چکا تھا۔

دونوں ایکشن ایک ساتھ ہوئے تھے۔ اور اس میں ایسی یگانگت اور تیزی تھی کہ سنتری نے جتنا سانس لیا تھا بس وہی اس کا آخری سانس ثابت ہوا۔ وہ میرے بازوؤں میں گرنے لگا۔ میں اسے کھینچ کر پیچھے جھاڑی میں لے آیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے خون کے نشان میری بش شرٹ پر

لگیں۔ خون اس کے آگے اور سینے کے پچھلے حصے سے برابر نکل رہا تھا مگر اس کی وردی میں ہی جذب ہو رہا تھا کہ میں نے اسے جھاڑی کے پیچھے گھاس کے اندھیرے میں لٹا دیا۔

اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں نے جلدی سے نائیلون کی رسی اپنی کمر سے کھولی اور اس کے پھندے والے سرے کو گھما کر اوپر والی بالکونی پر پھینکا۔ پھندا بالکونی کے جنگلے کی باہر نکلی ہوئی سلاخ میں اٹک گیا۔ میں دیوار کے ساتھ پاؤں لگا کر اوپر چڑھنے لگا۔ دوسری منزل کی بالکونی میں آتے ہی میں بیٹھ گیا۔ سامنے والا چھوٹا سا گیلری نما برآمدہ خالی پڑا تھا۔ یہاں سے میں نے تیسری منزل والی بالکونی میں پھندا پھنسایا اور بے حد خاموشی اور احتیاط کے ساتھ تیسری منزل کی بالکونی کے لوہے کے جنگلے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سامنے والے گیلری نما برآمدے کو دیکھا۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اوپر بھی ایک گارڈ پہرہ دے رہا تھا۔ اگر میرے ٹائم میں دس سیکنڈ کی کمی بیشی ہو جاتی تو میری موت یقینی تھی، کیونکہ میں نے دیکھا کہ تیسری منزل والا گارڈ بالکونی سے واپس مڑ کر مجھ سے بمشکل سات آٹھ قدموں پر آگے کی طرف آہستہ آہستہ قدم جماتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ نہ جانے کون سے قدم پر اسے واپس مڑنا تھا۔ یہ بڑی نازک گھڑی تھی۔ میں اپنی ایک ٹانگ بالکونی کے اوپر کر کے بالکونی میں سمٹ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں گارڈ کے پیچھے چھ سات قدم چلنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ میری آہٹ سن کر میرے پہنچنے سے پہلے ہی گھوم کر مجھے دیکھ اور فائر کر سکتا تھا۔ اگر اسے فائر کرنے کی مہلت، میں نہ بھی دیتا تب بھی وہ شور مچا کر دوسرے پہرے داروں کو خبردار کر سکتا تھا۔

مجبوراً مجھے اس کے واپس مڑنے، بالکونی تک آنے اور یہاں سے دوبارہ واپس مڑنے کا انتظار کرنا پڑا۔ اس میں ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اگر وہ بالکونی میں نیچے آ کر دیکھتا ہے تو میں اسے نظر آ سکتا تھا۔ بہرحال میں پوری طرح چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے اب پستول نکال لیا تھا۔ میں بالکونی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں دیوار کی صرف دو اینٹ چوڑی اوٹ تھی۔ میں سانس روکے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھائے ایک زندہ لاش بن کر کھڑا تھا۔ مجھے گارڈ کے قدموں کی آواز اپنی طرف آتی سنائی دینے لگی۔ آواز قریب سے قریب تر آ رہی تھی۔ وہ چند قدم آگے چلنے کے بعد ہی گھوم گیا تھا۔ ہمیں جانباز فورس کے تحت ٹریننگ دی گئی تھی تاہم ہمیں ٹریننگ دینے والے انتہائی تجربے کار فوجی کمانڈو تھے۔ ہمیں آدمیوں کی ڈمی پر فائرنگ کر کے بتایا گیا تھا اگر پیچھے سے ان پر فائر کیا جائے تو گولی پیٹھ پر کس جگہ لگنی چاہئے۔

یہی ٹارگٹ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اب میں دل میں ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ کہیں گارڈ ٹہلتا ٹہلتا آگے بالکونی میں نہ آ جائے پھر میں اسے نظر آ سکتا تھا اور نہ جانے بوکھلاہٹ میں کیا سے کیا ہو جائے۔ گارڈ کے بھاری فوجی بوٹوں کی آواز بالکل میرے قریب آ گئی۔ میں نے اپنا سر دیوار کے

ساتھ لگا دیا۔ میں اندھیرے میں کھڑا تھا۔ میں نے سانس روک لیا تھا میں اس انتظار میں تھا کہ ابھی وہ واپس مڑ کر چلنا شروع کر دے گا مگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ میں نے ذرا سی بھی حرکت نہ کی' پھر مجھے نیم اندھیرے میں اس کا ایک پاؤں بالکونی میں آتا نظر آیا۔ میرے خدا وہ بالکونی میں داخل ہو رہا تھا۔ شاید اس نے بالکونی کے جنگلے کی باہر نکلی ہوئی سلاخ کے ساتھ لٹکتی رسی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بالکل میرے پہلو سے ہو کر جنگلے کی رسی پر جھکنے ہی لگا تھا کہ اسے میری موجودگی کا احساس ہو گیا۔ اس نے ایک دم سے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ یقیناً میرے ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ایک بجلی سی کوند گئی ہوگی۔ ایک پل کے لئے ہماری آنکھیں ایک دوسرے کے بالکل سامنے آگئیں لیکن میں پہلے سے اس صورت حال کے لئے تیار تھا جب کہ وہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں اس ایک پل کے گزرنے سے پہلے پہلے واپس آگیا اور اس سے پیشتر کہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلتی یا اس کا ہاتھ اسٹین گن کی طرف جاتا میرے پستول کے سائی لینسر سے گولی نکل کر بالکل سیدھی اس کے دل میں پیوست ہو چکی تھی۔ مجھے اس کے گرنے کا اتنا یقین تھا کہ میں نے فائر کرتے ہی اسے تھام لیا کہ اگر وہ بالکونی سے نیچے گر پڑا تو کوئی دوسرا سنتری شور مچا دے گا۔ میں اسے گھسیٹ کر پیچھے لے آیا۔ گولی اس کے دل میں ڈوب چکی تھی اور وہ زندہ نہیں تھا مگر شاید اس کا دماغ ابھی تک زندہ تھا۔ میں نے اسے گیلری کے فرش پر لٹایا تو اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے دو تین بار اپنی پلکیں جھپکائیں۔ میں نے اس کی گردن کو دبوچ لیا' مگر اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئی تھیں وہ مر چکا تھا۔

میں نے اسے گھسیٹ کر گیلری والی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں کر دیا اور کونے والے کمرے کے پاس آگیا۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ بالکونی والی رسی اوپر کھینچ کر ایک طرف رکھ دی۔ پھندا میں نے بالکونی کی سلاخ میں ہی رہنے دیا۔ کمرے پر تالا لگا تھا' اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پستول کے سائی لینسر کی نالی کو تالے کے کنڈے میں ڈال کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا تالا ٹوٹ گیا۔ میں نے جیب سے رومال نکالا۔ تالے کو صاف کیا پھر رومال کی مدد سے دروازے کی کنڈی ہٹا کر اسے ذرا سا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی انسانی سایہ تیزی سے دروازے سے پیچھے ہٹ گیا ہے۔ میں نے آہستہ سے آواز دی۔ "سونیا! کیا یہ تم ہو؟"

یہ جملہ میں نے اردو میں کہا تھا۔ اندھیرے میں سے ایک سایہ میرے قریب آگیا۔ یہ ایک وحشت انگیز زنانہ چہرہ تھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے خشک کمزور آواز آئی (جملہ اردو میں ادا ہوا تھا) "تم کون ہو؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "سونیا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔ جلدی سے میرے ساتھ باہر آجاؤ"۔

یہ سونیا ہی تھی۔ اس کا لباس ایک پھٹی ہوئی پتلون میلی کچیلی قمیص پر مشتمل تھا۔ بال

اس کے شانوں پر بکھرے تھے ۔ میں نے سونیا کے باہر آتے ہی دروازے کو بند کر کے ایک بار پھر رومال سے وہاں لگے اپنی انگلیوں کے نشان اچھی طرح سے مٹا دیئے ۔ سونیا گیلری میں دیوار کے ساتھ لگی سنتری کی لاش کو جھک کر دیکھنے لگی ۔ میں نے نائیلون کی رسی نیچے لٹکا دی ۔ سونیا سے سرگوشی میں کہا۔ " تمہیں بڑی بہادری سے کام لینا ہو گا۔ یہاں سے تم دوسری منزل والی گیلری میں اتر کر میرا انتظار کرو گی۔ جلدی سے اتر چلو۔ وقت نہیں ہے "۔

سونیا کی جان پر بنی ہوئی تھی ۔ اس نے رسی کو پکڑا۔ اپنی ٹانگیں گیلری سے نیچے کیں اور آہستہ آہستہ اترنے لگی ۔ جب وہ دوسری منزل کی گیلری میں پہنچ گئی تو میں بھی پھرتی سے اس گیلری میں اتر گیا۔ ایک جھٹکا دے کر پھندے کو اوپر والی گیلری سے نکال کر دوسری گیلری میں پھنسایا اور سونیا کو لے کر نیچے زمین پر آ گیا۔ میں نے سونیا کو جھاڑی کے پیچھے کر دیا اور غور سے سامنے والی روشنی کو دیکھا۔ پہلے والے سنتری کی لاش اسی طرح جھاڑی میں پڑی تھی ۔ سونیا نے یہ لاش بھی دیکھ لی تھی۔ دور کھمبے والی بتی روشن تھی۔ وہاں کوئی دوسرا سنتری نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں رسی وہاں رکھ کر دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ دو تین جھٹکوں کے بعد رسی گیلری کے جنگلے سے نکل کر زمین پر گر پڑی ۔ میں نے رسی کو لپیٹ کر نیکر کی جیب میں ٹھونسا اور سونیا کے قریب جھک کر کہا۔ " میرے پیچھے پیچھے پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دو"۔

میں نے تھوڑی دیر بعد ہی محسوس کیا کہ سونیا کو پہاڑی کی چڑھائی چڑھنے میں دقت ہو رہی تھی ۔ خدا جانے وہ کب سے اس بند کوٹھری میں قیدوبند کی صعوبتیں اور طرح طرح کے تشدد برداشت کرتی رہی تھی ۔ میں اسے سہارا دے کر اپنے ساتھ چڑھانے لگا۔ اندھیرے میں وہ مجھے کمزور سی لگ رہی تھی پھر بھی آزاد ہونے کے خیال سے اس میں ایک نئی طاقت سی آ گئی اور وہ میرے سہارے کے بغیر چڑھائی چڑھنے لگی ۔

ڈھلان پر زیادہ دقت محسوس نہ ہوئی ۔ ہم لڑھکتے ' جھک کر دوڑتے ہوئے ڈھلان کے نیچے سمندر میں اتر گئے اور پھر میں اسے وہاں سے بھی نکال کر اپنے ساتھ ساحل سے ہٹ کر جنگل میں لے آیا ۔ اس کا سانس پھول گیا تھا ۔ وہ کچھ دیر دم لینے کے لئے رکنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے اس کی اجازت نہ دی اور بازو سے تھام کر کہا۔ " سونیا ' یہاں پل بھر کا آرام تمہیں ہمیشہ کے لئے موت کے منہ میں جھونک سکتا ہے "۔

وہ اٹھ کر چلنے لگی ۔ وہ خاموش تھی ۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کھڈ نالوں اور اونچی اونچی جنگلی گھاس میں سے گزارتا میں اسے عقب سے ہوتا ہوا اس چٹان کے دامن میں لے آیا جہاں بائیں جانب گہرے گڑھے کے پاس کھڈ کے کنارے پر مٹی کا وہ قدرتی تودہ تھا جس کے اندر میں نے اس کے لئے ایک لحد کھود رکھی تھی ۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی ۔ میں آگے آگے جھاڑیوں اور گھاس کو پرے ہٹاتا چل رہا تھا ۔ تودے کے پہلو میں آ کر میں اپنی کمیں گاہ کے شگاف والی خشک

جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ بھی بے دم ہو کر گر پڑی۔ میں نے جھاڑیاں ایک طرف ہٹائیں۔ شگاف میں سے گزر کر لحد کے اندر گیا۔ اندر سے دو ناریل اٹھائے۔ باہر آ کر انہیں توڑا اور ایک ناریل کا پیالہ سونیا کو دے کر کہا۔ "اسے پی لو"۔

اس نے ناریل کا پیالہ ہونٹوں سے لگایا اور غٹاغٹ پی گئی۔ میں نے بھی ناریل کا پانی پی لیا۔ اس نے اندھیرے میں شگاف کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم یہاں رہتے ہو؟"

میں نے کہا "نہیں یہاں تمہیں کچھ وقت کے لئے رہنا ہو گا"۔

اندھیرے میں اس کی سفید اور سیاہ آنکھیں مجھ پر جم گئیں۔ اس نے گہرا سانس لیا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیسے آ گیا اور ہم یہاں سے باہر کیسے نکلیں گا؟ کیونکہ اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ کسی ایسے جزیرے میں قید ہے جہاں سے فرار ہونا بہت مشکل ہے۔

میں نے مختصر الفاظ میں جلدی جلدی ساری کہانی بیان کر دی۔ میں نے اسے یہ بالکل نہ بتایا کہ مصر میں اس کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے اور ماں بستر مرگ پر پڑی ہے۔ اس نے لمبا سانس بھر کہا۔" یہاں سے فرار ہونا ناممکن ہے۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق انڈیمان کے اس جزیرے پر اسرائیلیوں کا عمل دخل ہے تو انہوں نے اس کے گرد سخت پہرہ لگا رکھا ہو گا۔ ان کے لانچ دن رات گشت کرتے ہوں گے۔ میرے ساتھ تم نے اپنی زندگی کو بھی ناحق داؤ پر لگا دیا ہے جب تک پیچھے سے ہمیں کوئی مدد نہیں پہنچتی ہم یہاں سے کبھی باہر نہیں جا سکیں گے"۔

میں نے کہا۔ "ہمیں پیچھے سے کبھی مدد نہیں آیا کرتی۔ میں جان پر کھیل کر تمہیں یہاں تک نکال لایا ہوں اب خدا نے چاہا تو تمہیں یہاں سے بھی نکال کر لے جاؤں گا۔ صرف مجھے تمہاری ہمت اور صبر و استقامت کی ضرورت ہے"۔

سونیا آہستہ سے بولی۔ "اس سے مجھے ہر حالت میں کام لینا ہی پڑے گا۔ اگرچہ یہودیوں نے مجھ پر اتنے ظلم توڑے ہیں کہ میرا سارا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا بن گیا ہے لیکن میں ہمت ہارنے والی لڑکی نہیں ہوں"۔

"شاباش! بس مجھے یہی چاہئے۔" یہ کہہ کر میں نے شگاف کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ "تمہیں اس کے اندر رہنا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کا کوئی انتظام نہیں کر لیتا۔ اس میں ایک دن بھی لگ سکتا ہے اور ایک ہفتہ بھی۔ ایک بات تمہیں اپنے ذہن میں رکھنی ہو گی کہ تمہارے فرار کا تھوڑی دیر بعد ہی یہودیوں کو علم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس جزیرے پر ایک طوفان برپا ہو سکتا ہے۔ یہاں جتنی فورس موجود ہے وہ سب کی سب تمہاری تلاش میں نکل کھڑی ہو گی۔ وہ اس گڑھے اور مٹی کے تودے کے پاس بھی آ سکتے ہیں۔ تمہیں دن کے وقت کسی بھی حالت میں یہاں سے باہر نہیں نکلنا ہو گا۔ اندھیرا ہونے کے بعد بے حد احتیاط اور پوری تسلی کر لینے

کے بعد تم اس لحد سے چند لمحوں کے لئے باہر نکل سکتی ہو۔ یوں سمجھ لو کہ موت سے بچنے کے لئے تمہیں کچھ روز قبر کے اندر گزارنے ہوں گے۔ کیا تم اس پر عمل کر سکو گی؟"

سونیا نے کہا۔ " میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں تمہاری ایک ایک ہدایت پر عمل کروں گی"۔

میں نے اسے بتایا کہ میں نے لحد میں ناریل جمع کر رکھے ہیں اور اسے یہ بھی تسلی دی کہ میں اس کے لئے رات کو کسی بھی وقت کچھ نہ کچھ کھانے کو لاتا رہوں گا۔ میں نے اسے اپنا پستول اور چاقو بھی دے دیا اور کہا کہ وہ اسے اپنی حفاظت کے لئے پاس رکھے' پھر میں رینگتا ہوا شگاف میں سے گزر کر لحد میں چلا گیا۔ سونیا بھی میرے پیچھے پیچھے رینگتی ہوئی اندر آ گئی۔ اندھیرے میں پہلے تو ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا پھر ہمیں ایک دوسرے کے جسم' بازو' سر اور آنکھیں نظر آنے لگیں۔ سونیا کچی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی تھی میں نے آہستہ سے کہا۔ " شگاف میں جھاڑیوں کے بیچ سے تمہیں تازہ ہوا اندر آتی رہے گی۔ تم یہاں گھبراؤ گی تو نہیں؟"

اگر وہ اپنے مکان کے ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سیدھی وہاں آئی ہوتی تو شاید دہشت کے مارے چیخ مار کر باہر نکل پڑتی' لیکن وہ نہ جانے کتنی اذیتیں برداشت کر کے آئی ہوئی تھی کہ اس تنگ و تاریک لحد کے کونے میں بھی ایسے اطمینان سے بیٹھی تھی کہ جیسے یہ اس کے گھر کا ڈرائنگ روم ہو۔ کہنے لگی۔ " مجھے ایک ہی تشویش لگی ہے عامر اور وہ یہ کہ تم کوئی ایسا انتظام کرنے میں کامیاب ہو سکو گے جو ہمیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دے' کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ ہم بہت جلد پکڑ لئے جائیں گے"۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ کافی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن میں کسی صورت میں بھی ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ میں کوئی نہ کوئی بندوبست جلد ہی کر لوں گا اور اگر کچھ بھی نہ ہوا تو یہودیوں کی کوئی موٹر لانچ اغوا کر کے یہاں سے اسے نکال لے جاؤں گا۔

سونیا کہنے لگی۔ " موٹر لانچ دن کے وقت اوپر سے دیکھی جا سکے گی۔ یہودیوں کے پاس یہاں دو چھوٹے جہاز بھی ہیں۔ ان جہازوں پر سے وہ ہمیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیں گے یا ہماری موٹر لانچ کو دستی بم پھینک کر تباہ کر دیں گے"۔

اس بات کا مجھے پہلے خیال نہیں آیا تھا میں نے کہا۔ " یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کے وقت کسی حالت میں بھی اس لحد سے باہر مت نکلنا۔ رات کو میں ایک چکر ضرور لگا جایا کروں گا۔ اگر کسی رات میں نہ آیا تو سمجھ لینا کہ کوئی ایسی ہی مشکل پڑ گئی ہے کہ میں بستی سے نہیں نکل سکتا۔ اب میں جاتا ہوں کیونکہ تمہارے فرار کا علم ہو جانے سے پہلے پہلے میں واپس بستی میں پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ میں کل رات کو آؤں گا۔ خدا حافظ!"

میں نے سونیا کا ہاتھ تھام کر اسے آہستہ سے دبایا اور اسے اللہ کے حوالے کر کے لہر کے شگاف سے رینگ کر باہر آگیا۔ باہر آتے ہی میں نے شگاف کے آگے جھاڑیاں ' درختوں کی ٹہنیاں اور گھاس پھوس اس طرح سے ڈال دیا کہ اندر تازہ ہوا بھی جاتی رہے اور باہر سے اگر کوئی کھڈ میں نیچے اتر کر دیکھے تو اسے معلوم بھی نہ ہو سکے کہ یہاں کوئی شگاف ہے۔ کھڈ کے کنارے پر سے ہوتا ہوا میں گڑھے کے پیچھے سے ہو کر جنگل میں آتے ہی تیز تیز واپس چلنے لگا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ جنگل میں دور ایک الو دو بار بول کر چپ ہو گیا۔

جس وقت میں بستی میں پہنچا رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ میں کیلے کے جھنڈوں کی طرف سے ہو کر اپلوں کے ڈھیر کے قریب سے گزرتا ہوا اپنی جھونپڑی میں آکر اس طرح ٹاٹ پر بیٹھ گیا جیسے کسی نے مجھے وہاں گرا دیا ہو۔

اب مجھے محسوس ہوا کہ میں نے کتنا بڑا اور کس قدر خطرناک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میں نے اپنے پاؤں پر بندھا ہوا کپڑا اتار دیا۔ یہ کپڑا جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ انہیں میں نے کونے میں صندوق کے نیچے دبا دیا۔ میری کہنیاں اور گھٹنے چھل گئے تھے ' جن میں سے خون رس رہا تھا۔ ہاتھوں اور پنڈلیوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں۔ میں نے اندھیرے میں ہی اپنی بش شرٹ اتار کر دیکھی کہ ان پر کہیں خون کے دھبے تو نہیں ہیں؟ بش شرٹ پر چاک کے قریب ایک طرف مجھے سیاہ سا دھبہ دکھائی دیا۔ یہ یقیناً خون کا دھبہ تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اسے جلا دینا چاہئے۔ میں بش شرٹ ہاتھ میں لئے خاموشی سے جھونپڑی سے باہر آگیا۔ ایک جھونپڑی آگے اپلوں کا ایک الاؤ آہستہ آہستہ سلگ رہا تھا۔ اس میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں جھونپڑی میں واپس گیا اور صندوق کے نیچے سے وہ کپڑا بھی اٹھا لایا جسے میں نے پاؤں پر باندھ رکھا تھا۔ میں کسی قسم کا نشان اپنی جھونپڑی میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ میں الاؤ کے پاس گیا اور چھڑی سے آگ کو کریدا ہوا لگنے سے آگ روشن ہو گئی۔ میں نے بش شرٹ اور پھٹے ہوئے کپڑے کو آگ پر رکھ کر ادھر ادھر سے بلتے اپلے لے کر اس کے اوپر لگا دیئے۔ پھر دوبارہ پھونکیں ماریں۔ اپلوں نے آگ پکڑ لی۔ میں واپس اپنی جھونپڑی میں آکر لیٹ گیا۔ چند لمحوں کے بعد اٹھ کر الاؤ پر ایک نگاہ ڈالی۔ الاؤ جل رہا تھا۔ بستی کے لوگ رات کو مچھروں اور دوسرے حشرات الارض سے محفوظ رہنے کے لئے جھونپڑوں کے آگے کہیں کہیں رات کو آگ ضرور جلا دیا کرتے تھے۔

میں نے نیکر اتار کر کونے میں رکھ دی اور اپنا وہی مدراسی لباس یعنی دھوتی اور سلوکا پہن کر گلے میں جنیئو ڈالا اور ٹاٹ پر لیٹ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ دن کے نکلتے ہی ایک طوفان مچ جائے گا۔ ہو سکتا ہے جزیرے کے ایٹمی کمپلیکس کی جانب سے دن نکلنے سے پہلے پہلے شور کی آوازیں آنا شروع ہو جائیں۔ اسی لئے مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میرے کان اوھر ہی لگے ہوئے تھے ' لیکن ابھی تک ادھر سے کسی خطرے کا الارم یا کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ رات سنسان اور خاموش

تھی ۔ تھکاوٹ کی وجہ سے کسی وقت میری آنکھیں اپنے آپ بند ہو جاتی تھیں ۔ مجھے سونیا کا بھی خیال آ رہا تھا۔ اگر وہ گھبرا کر لحد سے باہر نکل آتی ہے تو پھر اس کے ساتھ میری موت بھی یقینی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس ایک ایسا چاقو تھا جو دادا رمیا کا تھا اور وہ سراغ رسانوں کو مجھ تک پہنچا سکتا تھا۔ دوسری طرف مجھے یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ صبح جب سکیورٹی چیف کی یہودی بیوی میڈم کو یہ پتہ چل جائے کہ سونیا فرار ہو گئی ہے اور دو سکیورٹی گارڈ مار دیئے گئے ہیں تو وہ یہ تو شاید یقین کر لے گی کہ میں نے ہی اسے غائب کیا ہے مگر اپنے دو سکیورٹی گارڈ یہودیوں کا خون شاید وہ برداشت نہ کر سکے۔ میں نے اسے لاکھ کہا بھی کہ مجھے سونیا کو اس کی راہ سے ہٹانے کے لئے ان سنتریوں کو ہلاک کرنا پڑا تب بھی خطرہ تھا کہ وہ کسی کمزور جذبے کے زیر اثر اپنے خاوند کو یہ سب کچھ نہ بتا دے۔

میں نے جیسے ایک دستی بم کا سیفٹی پن نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہودی میڈم میرے لئے خطرے کا شدید نشان بن گئی تھی ۔ اگر میں اسے یہ بتاتا ہوں میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی سونیا فرار ہو چکی تھی تب بھی وہ اپنے خاوند کو بتا سکتی تھی کہ فرار کی رات' میں وہاں پر گیا تھا' بہرصورت وہ ایک کمزور عورت تھی ۔ اب مجھے احساس ہونے لگا کہ میں نے اسے ہم راز بنا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی ۔ حقیقت یہ ہے کہ دو یہودی سنتریوں کے خون کو دینے کے بعد مجھے میڈم کی وفاداری اور رازداری پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ کسی بھی جذباتی کمزوری میں آ کر صیہونی قومی جذبے کے تحت اپنے خاوند کو میرے بارے میں بتا سکتی تھی کہ میں نے سونیا کو منتروں کے ذریعے غائب کرنے کے لئے دو یہودیوں کو ہلاک کر دیا ہے ۔ اس میں اپنے خاوند کی جانب سے اسے کسی مذمت اور لعنت ملامت کی بھی توقع نہیں تھی ۔ کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کیا اپنے خاوند کی محبت کے جذبے میں آ کر کیا تھا۔ اس کا تو اپنے خاوند کو صرف اتنا بتانا ہی کافی ہو گا کہ سونیا کو میں نے غائب کیا ہے یا اگر وہ صرف یہی کہہ دیتی ہے کہ سنتریوں کو میں نے مارا ہے تو میرے المناک انجام کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوا چکا تھا۔ نیند جو پہلے آ رہی تھی اب بالکل ہی غائب ہو گئی تھی ۔ مجھے جھونپڑی کے اندر گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی ۔ میں اٹھ کر جھونپڑی کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ تازہ ہوا نے مجھ پر خوشگوار اثر کیا۔ میرا ذہن تیزی سے میڈم کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس سوچ بچار کی کئی شاخیں کئی راستے بن رہے تھے ۔ میں جس راستے پر بھی جاتا اس نتیجے پر پہنچتا کہ اب میڈم کا زندہ رہنا بھی میرے مشن کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ تو کیا مجھے میڈم کو بھی اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہئے؟

یہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔

میں واپس جھونپڑی میں آ کر لیٹ گیا اور میڈم کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کی مہذب اور محتاط ترکیبوں پر غور کرنے لگا۔ میڈم کی موت سے طوفان کے اندر ایک طوفان اٹھ سکتا تھا۔ اس کے لئے مجھے انتہائی ہوش مندی اور اعلیٰ ترین پلاننگ کی ضرورت تھی۔ یہی سوچتے سوچتے مجھے نیند آ

گئی۔ آنکھ کھلی تو ادھ کھلے دروازے میں سے جھونپڑی کے اندر دھوپ آ رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

میں نے سب سے پہلے اپلوں کے الاؤ کو دیکھا۔ وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ میری بش شرٹ اور پاؤں والا کپڑا بھی جل چکا تھا۔ میں نے آستین اٹھا کر کہنیوں کو دیکھا۔ وہاں خون جم گیا تھا۔ پنڈلیوں پر چند ایک خراشیں بھی تھیں مگر اسے میری دھوتی نے چھپا رکھا تھا۔ رمیا کی بیوی سکھ منی چولہے کے سامنے بیٹھی روٹی پکا رہی تھی۔ بیزار حسینہ سنتھا پاس ہی بیٹھی دیگچی مانجھ رہی تھی۔ دادا رمیا ناریل پیتے ہوئے جھونپڑی سے باہر نکلا اور مجھے دیکھ کر بولا۔ "بیٹا آج پھر تم دیر سے اٹھے۔ اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ روٹی چائے تیار ہے"۔

ان لوگوں کی طرف سے سنتھا کے ساتھ بیاہ کرنے کے لئے دباؤ بھی بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک الگ رومانٹک ٹریک چل رہا تھا۔ جس سے مجھے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں منہ ہاتھ دھو کر سکھ منی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ "بیٹا آج سنتھا تمہارے لئے خود کافی بنائے گی"۔

میں نے سنتھا کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے دیگچی مانجھنے میں لگی ہوئی تھی۔ کمال ہے اس لڑکی پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ دن میں بولتی بھی شاید ایک آدھ بار ہی تھی۔ میرے لئے اس کا یہ سرد اور بے جان اور بے عمل رویہ بہت مفید تھا۔ اگر وہ تیز طرار ہوتی تو میرے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔ میں نے سکھ منی سے کہا۔ "ماتا جی! تب تو میں بڑے شوق سے کافی پیوں گا"۔

دادا رمیا ناریل پیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے صرف ایک مہینے کی مزید مہلت لے رکھی تھی۔ بہانہ یہ بتایا تھا کہ ابھی اپنی پہلی بیوی کا خیال کسی وقت مجھے اداس کر دیتا ہے۔ دادا رمیا اس لئے خاموش ہو گیا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ مجھے رہنا تو وہیں ہے۔ آج نہیں تو کل مجھے اس کی بیٹی سے بیاہ کرنا ہی پڑے گا۔ اتنے میں سمندر کی طرف سے دو تین موٹر لانچوں کے تیز تیز گزرنے کی آوازیں آئیں۔ پھر ایک چھوٹا جہاز شور مچاتا گڑگڑاتا بستی کے اوپر سے گزر گیا۔ دادا رمیا نے ناریل منہ سے ہٹا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔ "آج صبح صبح ہوائی جہاز اڑنے لگا"۔

میں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ سونیا کے فرار کا پتہ چل گیا تھا اور سکیورٹی فورس حرکت میں آ گئی تھی پھر اچانک اوپر تلے چار دھماکوں کی آواز آئی۔ یہ توپ کے گولوں کی آواز تھی جو شاید سمندر میں کہیں پھینکے گئے تھے دادا رمیا اور اس کی بیوی سکھ منی بھی چونک گئی۔ بستی کے دوسرے لوگ بھی جھونپڑوں سے باہر آ گئے۔ "یہ دھماکے کیسے تھے دادا؟ کیا لڑائی شروع ہو گئی ہے؟"

سب حیران اور متفکر تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ حیران حیران سا کھڑا تھا۔ اس کے بعد مشین گن کے کئی برسٹوں کے دھماکے فضا میں گونج گئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اب تو بیزار اور

سرد و بے جان لڑکی سنتھا بھی برتن چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اتنے میں سکیورٹی فورس کے پندرہ بیس باوردی سپاہی لمبے لمبے ڈگ بھرتے اسٹین گنیں ہاتھوں میں لئے بستی میں داخل ہو گئے۔ جو آدمی جہاں کھڑا تھا وہیں ڈر کے مارے بیٹھ گیا۔ میں بھی دادا رمیا کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گیا۔ دوسرے آدمیوں کی طرح میں نے بھی اپنے ہاتھ عاجزانہ انداز میں باندھ رکھے تھے۔

یہ مرطوب دھوپ میں جلے ہوئے سرخ چہروں والے سکیورٹی فورس کے اسرائیلی مسلح سپاہی تھے جنھوں نے آتے ہی بستی کے لوگوں کو بیدردی سے ٹھڈے مارنے شروع کر دیئے۔ انہوں نے جھونپڑیوں میں گھس کر تقریباً سارا سامان باہر پھینک دیا۔ عورتیں سہم کر بیٹھ گئیں۔ بچے رونے لگے۔ مرد ہاتھ باندھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ دیکھتے اور رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ ان سے کوئی سوال کرتا۔ میں جانتا تھا یہ سب کچھ کس لئے ہو رہا ہے؟ میں بھی ہاتھ باندھے تامل اور ہندی زبان میں ان سے بار بار رحم کی درخواست کر رہا تھا۔ وہ طوفان کی طرح آئے اور ساری بستی کو الٹ پلٹ کر کے آندھی کی طرح گزر گئے۔ جب لوگوں کو کچھ ہوش آیا تو وہ آپس میں حیرانی سے سر ہلاتے ہوئے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ عورتیں بکھرا ہوا سامان ' الٹے پڑے برتن سمیٹنے اور بچوں کو سنبھالنے لگیں۔ دادا رمیا نے اٹھ کر آدمیوں کو شانت رہنے کی اپیل کی اور کہا۔ "بھائیو! ضرور باہر سے کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ دشمن کی تلاش میں یہاں آئے ہوں گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ رمیا کی بیوی بھی اپنے ٹوٹے ہوئے چولہے کی اینٹیں دوبارہ جوڑ رہی تھی۔ سنتھا خاموشی سے باہر بکھرے ہوئے میلے کپڑے اٹھا کر جھونپڑی میں رکھ رہی تھی۔

سکیورٹی چیف کے بنگلے پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ میں معمول کی طرح جوتا باہر اتار کر بنگلے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ناشتے کی میز پر کوئی نہیں تھا تامل نوکرانی چولہے پر گرم پانی کی کیتلی رکھ رہی تھی۔ میں نے اس سے تامل زبان میں پوچھا کہ صاحب ' بی بی کہاں ہیں؟ آج ابھی تک آئے نہیں کیا؟

اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "صاحب منہ اندھیرے چلے گئے تھے۔ ایک جیپ انہیں آ کر لے گئی تھی۔ میڈم کمرے میں پریشان بیٹھی فون کر رہی ہے۔ بھگوان کرپا کرے۔ توپیں بھی چلی تھیں۔ تم نے آواز سنی تھی ناں؟"

میں خاموشی سے اپنے معمول کے کام میں لگ گیا۔ صرف اتنا کہا کہ بھگوان جانے کیا بات ہوئی ہے۔ اتنے میں میڈم کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور وہ ٹیلی فون سیٹ ہاتھ میں لئے تار سنبھالتی باہر نکلی۔ میں نے ہاتھ باندھ کر سلام کیا۔ اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر فکر و تردد کے اثرات تھے۔ ٹیلی فون ناشتے کی میز پر رکھ کر اس نے تامل نوکرانی سے کہا کہ برآمدے میں جا کر صفائی کرے۔ مجھے کہا۔ "ڈیکر! میرے لئے کافی بنا کر لاؤ"۔

میں جی میم صاحب کہہ کر کافی بنانے لگا۔ نوکرانی باہر برآمدے کی طرف چلی گئی۔ اس کے

جاتے ہی میڈم کچن میں آگئی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "پاکستانی لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ وہاں سے دو سنتریوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ کیا ان کو تم نے مارا ہے ؟"۔

اس کے لہجے سے میں اس کے دل کی صحیح کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کیا وہ مجھ سے معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے یا مجھ سے اعتراف جرم کروا رہی ہے ؟ ایک لمحے کے اندر اندر جیسے میرے دل میں ایک نئے خیال نے جنم لیا اور میں نے تعجب سے پوچھا۔ "کیسے غائب ہو گئی؟ سنتریوں کو کس نے مارا؟ میڈم میں تو رات وہاں نہیں جا سکا تھا۔ تعویذ کی راکھ والی پڑیا تو ابھی تک میرے پاس ہی جھونپڑی میں رکھی ہوئی ہے"۔

یہودی عورت حیرت سے مجھے تکنے لگی۔ "تو کیا تم نے اس کے سر میں تعویذ کی رکھ ڈال کر غائب نہیں کیا؟" میں نے ہاتھ باندھ لئے اور کہا۔ "میڈم! رات میں جانے والا تھا مگر اچانک مجھے خیال آگیا کہ ویدوں میں لکھا ہے کہ یم راج دیوتا کا منتر صرف پورنما کی رات کو ہی پڑھا جاتا ہے اور چونکہ یہ رات پورنما کی رات نہیں تھی اس لئے میں رک گیا اور جھونپڑی سے باہر نہ نکلا۔ آپ حکم دیں تو میں ابھی آپ کو اپنی جھونپڑی سے تعویذ کی راکھ والی پڑیا لا کر دکھا دیتا ہوں"۔

میڈم ناشتے کی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔ میں جلدی سے کافی کی پیالی بنا کر اس کے پاس گیا اور کہا۔ "میڈم! پاکستانی لڑکی کو کس نے غائب کر دیا؟ لیکن آپ کے لئے یہ ایک نیک شگون ہے میڈم۔ آپ کا دشمن اپنے آپ، آپ کے راستے سے ہٹ گیا"۔

میڈم ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "لیکن دو سنتری بھی مارے گئے ہیں۔ ملٹری کمانڈ نے میرے خاوند سے اس حادثے کی وضاحت طلب کر لی ہے"۔

"وہ کیا ہوتا ہے میڈم؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ میڈم کافی کی پیالی میں چمچہ ہلا رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"ہو سکتا ہے میرے خاوند کے خلاف محکمانہ کارروائی شروع ہو جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا عہدہ گھٹا کر اسے واپس حیفہ بھیج دیا جائے"۔

ایسا لازمی طور پر ہونا ہی تھا، لیکن میں نے ایک بروقت منصوبے سے ان تمام واقعات کا رخ اپنی طرف سے موڑ کر دوسری طرف کر دیا تھا۔ اب میں میڈم کے سامنے بری الذمہ تھا اور اس حکمت عملی کی وجہ سے میڈم بھی میرے ہاتھوں اگلی دنیا میں پہنچنے سے بچ گئی تھی۔ میں اب اپنی پوزیشن کو بے لوث اور مستحکم کرنے میں لگ گیا۔ میں نے فوراً کہا۔ "میڈم! آپ کیوں گھبراتی ہیں۔ میں آپ کو منتروں والا پانی دم کر کے دوں گا۔ اسے صاحب کے نہانے والے ٹب میں ڈال دینا۔ تمہارے صاحب کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا"۔

اس کی ساری توجہ اب اپنے خاوند کو بچانے پر مرکوز ہو گئی تھی۔ اسے مجھ پر اس قدر اعتقاد تھا

کہ میرے صرف اتنا کہنے پر کہ میں رات اپنی جھونپڑی میں ہی تھا اس نے مزید مجھ سے کوئی سوال نہ کیا۔ دوسرے میں نے اسے اس کے خاوند کے بارے میں پہلے تو کافی فکر مند کیا اور پھر اسے یقین دلایا کہ اسے میرے منتر ہی اس ابتلا سے بچا سکتے ہیں۔ ایک بار پھر میں نے اسے سختی سے ہدایت کی کہ اگر وہ اپنے خاوند کو اس مصیبت سے نکالنا چاہتی ہے تو اسے میرے منتروں کے بارے میں بے حد رازداری سے کام لینا ہوگا۔ اس نے پہلی بار میرا ہاتھ تھام لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ "اپنے بھگوان سے میرے لئے مدد طلب کرو۔ اگر میرے خاوند کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ ... نہ رہوں گی"۔

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میڈم' آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ میں جو آپ کی خدمت کے لئے یہاں موجود ہوں۔ ایسا منتر پڑھ کر آپ کو پانی دوں گا کہ اس پانی سے نہاتے ہی آپ کے خاوند کے سر کی ساری بلائیں ختم ہو جائیں گی"۔

اس یہودی عورت کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے ہاتھ سے ایسی باوفا اور خاوند سے محبت کرنے والی عورت کا خون نہیں ہوا۔ میں نے یونہی دو چار سنسکرت کے اشلوک پڑھے اور کہا۔ "ان اشلوکوں کو جب میں آدھی رات کو تپسیا کرنے کے بعد پڑھ کر پانی پر پھونک ماروں گا تو اس کا اثر ہزار گنا بڑھ جائے گا"۔

میڈم نے گڑگڑا کر کہا۔ "ذیکر! میرے خاوند پر مقدمہ نہ چلے۔ نہیں تو ہماری بڑی بے عزتی ہوگی"۔

میں نے بھی پہلی بار میڈم کے سر پر شفقت کے انداز میں ہاتھ رکھا اور کہا۔ "میڈم' آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ آپ میری بہن ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے خاوند کا بال تک بیکا نہ ہوگا۔ معمولی سی دفتری کارروائی ہوگی اور پھر معاملہ ختم ہو جائے گا۔ آپ کا خاوند اسی عہدے پر اسی جگہ رہے گا"۔

اس یہودی عورت کو میں نے اس کے خاوند کی بریت کا یقین دلاتے ہوئے اس امر پر سختی سے کاربند رہنے کی ہدایت کی کہ وہ اس بات کا ذکر ہرگز ہرگز کسی سے نہ کرے کہ اس نے مجھے پاکستانی لڑکی کو غائب کرنے کے لئے جیل کی طرف جانے کا اشارہ کیا تھا اور یہ کہ میں وہاں جانے والا تھا مگر نہیں گیا۔

میں نے اسے کہا۔ "میری بہن! بھگوان نے .... تم پر دیا کی۔ رحم کیا کہ اس نے اپنے آپ تمہاری گھریلو زندگی کو برباد کرنے والی عورت کو راستے سے ہٹا دیا۔ اب تمہارے خاوند پر جو ابتلا آن پڑی ہے۔ بھگوان کی کرپا سے میرے منتر اسے بھی ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے"۔

میڈم کی پریشانی میری باتوں سے کافی حد تک دور ہو گئی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کئی بار مجھے یقین دلایا کہ وہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دے گی کہ ہم نے اپنے طور پر بھی سونیا کو غائب کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اگرچہ میں اس کی جانب سے پچاس فیصد مطمئن ہو گیا تھا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا

کہ اب مجھے سونیا کو زیادہ دیر اس جزیرے پر رکھنے کا خطرہ مول نہیں لینا ہو گا۔ ایک چھوٹا طیارہ ایک بار پھر چکر لگاتا ہوا ہمارے بنگلے کے اوپر سے گزر گیا۔

میڈم نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور بولی۔ "یہ ضرور کسی پاکستانی گوریلے کی کاروائی ہے۔ ڈیکر! تم نے تو جزیرے پر کسی اجنبی کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا؟"

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں میڈم! میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا"۔

وہ کہہ رہی تھی کہ پاکستانی لڑکی کو یقیناً کوئی پاکستانی گوریلا ہی جیل سے نکال کر لے گیا ہے۔ اس نے ہمارے دو آدمیوں کو بھی قتل کر دیا ہے مگر وہ بہت جلد پکڑا جائے گا۔ یہاں سے اس کا بچ کر نکل جانا بہت مشکل ہے۔ پوری ملٹری فورس حرکت میں آ گئی ہے۔

میں نے کہا۔ "میڈم یہاں پاکستانی گوریلا کیسے آگیا؟ مگر کوئی بات نہیں۔ ہماری فوج اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ میں بھی خیال رکھوں گا۔ مجھے کہیں نظر آگیا تو اسے وہیں دبوچ لوں گا"۔

سکیورٹی چیف دوپہر کو کھانے پر بھی نہ آیا۔ دو بار اس کا فون آیا۔ میڈم نے فون سنا۔ گھنٹی بجتے ہی میں کسی نہ کسی بہانے فون والی میز کے ارد گرد منڈلانے لگتا کہ میڈم کی عبرانی گفتگو سن سکوں۔ اس کی باتوں سے یہی اندازہ ہوا کہ معاملہ خطرناک حد تک تشویش انگیز صورت حال اختیار کر گیا ہے اور سکیورٹی چیف کی انکوائری شروع ہو سکتی ہے۔ دوسری دفعہ فون سننے کے بعد میڈم کچھ گھبرائی سی تھی۔ میں نے اس کی عبرانی گفتگو سن لی تھی لیکن انجان بن کر پوچھا۔ "کوئی فکر والی بات تو نہیں ہوئی میڈم؟"

اس نے کہا کہ صاحب کے خلاف رپورٹ ہو سکتی ہے کہ حفاظتی انتظامات ناقص تھے۔

میں نے کہا۔ "میڈم! میں آج ہی منتروں والا پانی دم کروں گا۔ کل ساتھ لیتا آؤں گا"۔

میڈم نے کہا۔ "نہیں نہیں ڈیکر! تم ابھی جھونپڑے میں جا کر یہ کام شروع کر دو اور شام کو مجھے پانی بوتل میں لا کر دے دو۔ میں چاہتی ہوں کہ رات کو جب صاحب غسل کرے تو میں یہ پانی ٹب کے پانی میں ملا دوں"۔

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں اس وقت اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بستی میں نارمل زندگی بحال ہو گئی تھی مگر عورتوں کے چہرے سہمے ہوئے تھے۔ مرد بنگلوں اور دفتروں میں کام پر جا چکے تھے مگر عورتیں ادھر ادھر بیٹھی چہ میگوئیاں کر رہی تھیں۔ رمیا کی بیوی سکھ منی میرے دوپہر کو ہی آنے پر حیران سی ہوئی۔ میں نے بہانہ بنایا کہ سر میں درد تھا اس لئے آگیا ہوں۔ جھونپڑی میں لیٹ کر کچھ دیر آرام کروں گا۔ اس نے کہا۔ "میں تمہارے لئے کافی بنا دوں؟"

میں نے کہا "نہیں میں کافی پی کر آ رہا ہوں۔ میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گا"۔

میں جھونپڑی میں آگیا۔ اندر آتے ہی میں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے کو آگ لگا کر اس کی راکھ کی ایک الگ پڑیا باندھ کر جیب میں رکھ لی' پھر مٹکے میں سے پانی لے کر ایک چھوٹی خالی بوتل میں بھر کر

بوتل اپنے پاس رکھ لی اور لپیٹ کر سونیا کو وہاں سے نکال لے جانے پر غور کرنے لگا۔ میرا خیال بار بار سونیا کی طرف جاتا جو جنگل میں تودے والی لحد میں پڑی ہو گی۔ سپاہی ضرور اس جنگل کو بھی چھان رہے ہوں گے۔ دل میں ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں کوئی سپاہی تودے تک نہ پہنچ جائے۔ کہیں کسی کو کوئی شک نہ پڑ جائے کہ تودے کے اندر کوئی چھپا ہوا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا امکان نہیں تھا۔ وہ جگہ بہت محفوظ تھی۔ ادھر مشکل ہی سے کسی کا خیال جا سکتا تھا۔ میں یونہی دل کو تسلیاں دیتا رہا۔ رات کو میرا وہاں جانا بھی بہت ضروری تھا اور میرا جانا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ توپوں اور جہازوں کے زناٹے سونیا نے بھی لحد میں چھپے چھپے سنے ہوں گے۔ وہ ضرور اس صورت حال سے پریشان ہو گی۔ میں اسے جا کر صحیح واقعات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی طرح دوپہر گزر گئی، پھر شام ہونے لگی۔ میں جھونپڑی سے باہر نکل رہا تھا کہ سنیتھا کو دیکھا جو کانسی کی کٹوری میں میرے لئے کافی لئے آ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر رک گئی اور بولی۔ "دادا نے تمہارے لئے کافی بھیجی ہے"۔

کانسی کی کٹوری اس نے میری طرف بڑھائی۔ میں نے کٹوری پکڑ لی اور وہ وہیں سے واپس مڑ گئی۔ میں وہیں سے میڈم کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ صاحب تھوڑی دیر کے لئے آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا۔ میڈم کو میں نے قدرے مطمئن سا دیکھا تو سمجھ گیا کہ سکیورٹی چیف اسے ضرور کوئی ہلکی سی خوش خبری سنا گیا ہے۔ میں نے کچن میں جا کر میڈم کو سب سے پہلے تو راکھ والی پڑیا دکھائی اور کہا کہ یہ وہ یم راج کے منتر والی راکھ ہے جو میں جیل میں لے کر جانا چاہتا تھا مگر نہیں لے گیا۔ میں غیر شعوری طور پر میڈم کے سامنے اپنے آپ کو بار بار بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "ڈیکر! یہ خطرناک راکھ ہے۔ اسے سنک میں بہا دو"۔

پھر میں نے اسے پانی کی چھوٹی بوتل جیب سے نکال کر دی اور کہا۔ "میں نے پورے ایک ہزار منتر پڑھ کر اس پانی پر دم کیا ہے میڈم۔ یہ پانی آج رات صاحب کے ٹب میں غسل کرنے سے پہلے ملا دینا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

میڈم نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارے بھگوان کی وجہ سے صاحب پر ملٹری والوں نے جو الزام لگائے تھے ان میں سے دو الزام جو بڑے سخت تھے واپس لے لئے گئے ہیں"۔

میں نے میڈم کو مبارک دی اور کہا۔ "دیکھا میڈم! ابھی میں نے منتر شروع ہی کئے ہیں کہ صاحب کی آدھی مصیبت کٹ گئی۔ اب یہ پانی جب ٹب کے پانی میں گرے گا اور صاحب اس سے نہائے گا تو باقی مصیبت بھی ختم ہو جائے گی"۔

میڈم کے اعتقاد میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے بوتل لے کر جلدی سے کچن کی الماری میں بند کر کے رکھ دی اور کہا۔ "میں آج رات ہی اسے صاحب کے نہانے سے پہلے ٹب میں ڈال دوں

گی "۔

سکیورٹی چیف رات کے پہلے پہر تک بھی بنگلے پر واپس نہیں آیا تھا۔ لازمی بات تھی کہ سکیورٹی کی ٹاپ سیکرٹ میٹنگ ہو رہی ہو گی۔ اس دوران میں سمندر کی طرف سے گشتی موٹرلانچوں کے گشت لگانے کی کئی بار آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے کھانا بستی میں آ کر دادا رمیا کے ساتھ ہی کھایا۔ سکیورٹی کی جانب سے پاکستانی لڑکی کے فرار اور دو یہودی سپاہیوں کے قتل کی بات دبادی گئی تھی۔ بستی میں کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کیا اور کیوں ہو رہا ہے؟

میں نے بھی اس راز کو راز ہی رہنے دیا اور دادا رمیا کی قیاس آرائیوں میں شریک ہو گیا۔ رات کو میرا سونیا کے پاس زمین دوز کمیں گاہ میں جانا بہت ضروری تھا۔ خطرہ شدید تھا اور بستی میں خاموشی اور اندھیرا مسلط ہو گیا تو میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہوا جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ جنگل کا تاریک راستہ میرے لئے نیا نہیں تھا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے تو میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا اپنی خفیہ منزل کی طرف چل پڑا۔

یہ خطرہ میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا کہ کہیں کوئی سکیورٹی والا میرا پیچھا نہ کر رہا ہو۔ چنانچہ میں کچھ دور چلنے کے بعد اچانک گھوم کر پیچھے دیکھ لیتا تھا۔ بظاہر میرے اردگرد کوئی انسان موجود نہیں تھا۔ میں اونچی گھاس، جھاڑیوں اور گڑھوں میں سے گزرتا چلا گیا۔ ساحل سمندر کی طرف جانے سے میں گریز کر رہا تھا۔ کیونکہ یقینی طور پر ادھر رات کی راؤنڈ میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ آخر میں اس کھڈ کے پاس پہنچ گیا جس کے کنارے پر بائیں جانب مٹی کا اوپر کو اٹھا ہوا تودہ رات کے اندھیرے میں ایسا الگ رہا تھا، جیسے کوئی قوی الجثہ ہاتھی بیٹھا ہو۔ یہاں میں بیٹھ گیا اور اندھیرے میں دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں تین چار منٹ تک وہاں بیٹھا رہا۔ میں نے چلتے وقت اپنی جیب میں دو روٹیاں اور تھوڑا سا مچھلی کا اچار رکھ لیا تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں وہاں اکیلا ہی ہوں اور میرا پیچھا نہیں کیا جا رہا ہے تو میں اٹھا اور جھک کر تودے کے پہلو والے شگاف کی طرف بڑھا۔ میں جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹا رہا تھا کہ مجھے عقب میں ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی پتوں پر چل رہا ہو۔ میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ اتنی دیر میں ایک سایہ گھاس پر بیٹھ گیا اور سونیا کی ہلکی سی آواز آئی۔ "میں ہوں سونیا"۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے کہا کہ وہ لحد میں سارا دن بیٹھی رہی تھی۔ اب اس کا جی گھبرایا تو باہر کھلی ہوا میں نکل آئی۔ میں اسے ایک طرف گھنی جھاڑیوں میں لے گیا۔ اسے روٹی کھانے کو دی اور سارے حالات مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے۔ وہ مزید فکر مند ہو گئی۔ کہنے لگی۔ "ہمارا یہاں سے نکلنا مزید مشکل ہو گیا ہے عامر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان حالات میں کیا کر سکو گے؟"

ہم جھاڑیوں میں جھک کر بیٹھے تھے اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ میں سونیا کو لے کر وہاں سے کیسے فرار ہو سکوں گا۔ اب کسی موٹرلانچ

کو اغوا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا کہ وہ ایک رات مزید گزارنے کی کوشش کرے۔ ہو سکتا ہے ہم کل رات یہاں سے نکل چلیں۔

"مگر کیسے نکلیں گے عامر؟ عام کشتی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔ برما کا ساحل یہاں سے دور ہے۔ اگر ہم رات کو فرار ہوتے ہیں تو یقینی طور پر صبح ہمیں سمندر میں ہی آئے گی اور ان کے جہاز ہمیں دیکھ لیں گے اور اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ ہمارا کام تمام کر دے گی"۔

میں نے سونیا سے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ ہمیں ہر حالت میں یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے' لیکن کل کسی نہ کسی طرح یہاں سے سمندر میں اپنا سفر شروع کر دیں گے۔ میں اندھیرا ہوتے ہی تمہارے پاس آ جاؤں گا۔

سونیا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑی بے دلی سے روٹی کے چھوٹے چھوٹے نوالے توڑ کر کھا رہی تھی۔ میں نے جھکے جھکے نصف دائرے کی شکل میں اردگرد ایک چکر لگایا کہ وہاں کوئی چھپا ہوا تو نہیں' پھر میں نے سونیا کو کمیں گاہ میں چھپ جانے کے لئے کہا۔ وہ شگاف میں سے رینگ کر اندر چلی گئی۔ میں نے شگاف کو جھاڑیوں اور خشک ٹہنیوں سے بند کیا اور تیزی سے واپس روانہ ہو گیا۔

بستی والوں کے پاس چھوٹی چھوٹی چند ایک کشتیاں تھیں جن پر سوار ہو کر وہ سمندر میں مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ یہ کام وہ چھٹی کے دن کرتے تھے۔ باقی ان کی کشتیاں ساحل پر بندھی رہتی تھیں۔ دوسرے روز میں صبح صبح اس جانب نکل گیا جہاں کشتیاں بندھی تھیں۔ ایک کشتی سب سے آخر میں کھڑی تھی۔ میں نے فرار کے لئے اسے منتخب کر لیا اور اس کا قریب سے جا کر اچھی طرح معائنہ کیا۔ کشتی بالکل صحیح حالت میں تھی۔ دوپہر کو میں کھانے کے وقت واپس بستی میں آ گیا۔ میں نے جلدی جلدی دو چار نوالے لئے اور ٹہلتا ہوا ساحل کی جانب نکل گیا۔ میں جنگل کی پٹی میں ہی رہا۔ یہاں ایک جگہ گھاس پر کتنے ہی ناریل گرے ہوئے تھے۔ میں نے یہاں سے چھ سات ناریل اٹھائے اور آخری کشتی میں لے جا کر کونے میں رکھ دیئے۔ دوسرے پھیرے پر پھر کچھ مزید ناریل کشتی میں رکھ آیا۔ کشتی میں صرف یہی ہمارا زادِ راہ تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں واپس بنگلے کی طرف چل دیا۔

اس وقت سکیورٹی چیف بنگلے پر موجود تھا اور اپنی بیوی سے عبرانی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ میں نے آتے ہی کھانا لگانا شروع کر دیا۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شام کو انڈیا سے بھی سی آئی ڈی والوں کا ایک وفد جزیرے پر پہنچ رہا ہے۔ انڈیا کی انٹیلی جینس والوں سے میرا متفکر ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ پوچھ گچھ کے دوران ان کو مجھ پر شک ہو سکتا تھا اور وہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ میں اصلی مراٹھا نہیں ہوں۔ اسی اعتبار سے میں نے اسی رات وہاں سے فرار ہونے کا ٹھیک فیصلہ کیا تھا۔

جب سکیورٹی چیف کھانا کھا کر چلا گیا تو میں نے میڈم سے بیس ڈالر اپنی تنخواہ میں سے ایڈوانس کے طور پر لے کر اپنی جیب میں رکھ لئے۔ یہ رقم برما کی سرحد پر پہنچنے کے بعد ہمارے کام آ سکتی تھی۔ مجھے سوائے اس کے اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا کہ مجھے آج رات سونیا کو لے کر ہر حالت میں یہاں سے نکل جانا ہے۔

میں شام کو بستی میں واپس آ گیا۔ ابھی سورج غروب ہوا ہی تھا اور اس کی سرخ روشنی ابھی سمندر پر باقی تھی۔ میں نے بنسی اور ڈوری اٹھائی اور تازہ مچھلی پکڑنے کے بہانے ساحل سمندر پر جا نکلا۔ جہاں آخری کشتی ساحل کی ریت پر کھڑی تھی۔ میں نے وہیں جا کر پانی میں ڈوری لٹکا دی۔ ایک بار پھر میں نے کشتی کا بھرپور نظروں سے جائزہ لیا۔ میرے رکھے ہوئے ناریل کونے میں پڑے تھے۔ کشتی میں دو چپو بھی تھے۔ اس کشتی کو ہمیں سمندر پار کروانا تھا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ قسمت میں کیا لکھا ہے۔ یہ بحر ہند کا سمندر تھا جس کو کالا پانی بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ سمندر کا رنگ دیکھنے پر بالکل سیاہ لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سمندر کے گہرا ہونے کی وجہ سے ہے یا ان سیاہ کائی زدہ چٹانوں کی وجہ سے جو اس سمندر کی تہ میں بہتات سے موجود ہیں۔ کچھ دیر سمندر کے کنارے رہنے کے بعد میں واپس آ گیا۔ میں واپس آ رہا تھا کہ ایک سکیورٹی لانچ تیزی سے ساحل سمندر کے قریب سے گزر گئی۔ اس کے آگے مشین گن لگی تھی اور سپاہی چاق و چوبند عرشے پر کھڑے تھے میں اپنے دھیان میں بستی کی طرف چلتا گیا۔

پھر رات کی سیاہی نے جزیرے کے سمندر کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔ میں جھونپڑی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دلوا رمیا جھونپڑی کے باہر چولہے کے پاس بیٹھا ناریل پی رہا ہے۔ اس کی بیوی چاول پکا رہی تھی۔ سنیتا جھونپڑی میں تھی۔ دلوا رمیا نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔ "شام کو مچھلیاں ساحل کے پاس نہیں آیا کرتیں۔ تم کیوں چلے گئے تھے؟"

میں نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو دادا! کوئی مچھلی ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے سوچا ذرا سیر تفریح ہو جائے گی"۔

ہم کھانا کھانے لگے تو دادا رمیا نے میری شادی کی بات چھیڑ دی۔ اسے کیا خبر تھی کہ یہ رات میری اس کے پاس آخری رات ہے۔ شاید اس کے بعد مجھے اس سے کبھی نہیں ملنا تھا۔

میں نے کہا۔ "دادا! میں تمہارے آگے انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں تنخواہ ملنے پر سنیتا سے بیاہ رچا لوں گا"۔

دادا رمیا اور اس کی بیوی کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ سکھ منی اٹھ کر جھونپڑی میں اپنی بیٹی کو خوش خبری سنانے چلی گئی۔ میں ان کے جذبات سے بالکل بے نیاز اپنے مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ہم عجیب بے یار و مددگار اور خطرناک حالات میں وہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ ہمارا پیچھا

بھی کیا جا سکتا تھا اور ہم پر اوپر سے فائرنگ بھی ہو سکتی تھی۔ صرف ایک بات ہمارے حق میں جاتی تھی کہ سونیا کو غائب ہوئے دو دن ہو گئے تھے اور اس عرصے میں یہودی سکیورٹی کو جتنا سمندر کھنگالنا تھا کھنگال چکے تھے۔ اگر ہمیں وہاں سے فرار ہوتے ہوئے کوئی نہیں دیکھتا تو پھر کسی کے ہمارے پیچھے آنے کا امکان نہیں تھا۔ اگر میں اسی رات سونیا کو لے کر نکل جاتا تو ہمارے تعاقب اور پھر فضا میں ہماری کشتی پر فائرنگ کا قوی امکان تھا۔

میرا ذہن انہی خیالات میں گم تھا کہ دادا رمیا نے کہا۔ بھاؤ ٹیکر! کل تم اپنے لئے کچھ نئے کپڑے خرید کر لے آنا۔ میں تمہیں پیسے دوں گا"۔

میں نے کہا۔ "دادا! میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ تم فکر نہ کرو"۔

رمیا دادا کچھ دیر شادی کے انتظامات کے بارے میں مجھ سے باتیں کرتا رہا' پھر میں اٹھ کر اپنی جھونپڑی میں آکر لیٹ گیا۔ میرے پاس ساتھ لے جانے کے لئے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک پستول اور چاقو سونیا کے پاس تھا جو ہمیں اپنے پاس ہی رکھنا تھا۔ ناریل کشتی میں پہلے ہی رکھ دیئے گئے تھے۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرے کان سمندر کی طرف لگے تھے۔ ادھر سے پہلی گشتی لانچ گزر گئی تھی۔ ایک گھنٹے کے بعد دوسری اور پھر بارہ بجے رات سے کچھ ہی پہلے تیسری گشتی لانچ کو گزرنا تھا۔ مجھے بہرحال دوسری گشتی لانچ کے گزر جانے کا انتظار کرنا تھا۔ میں جھونپڑی میں چپ چاپ لیٹا رہا۔ جب دوسری گشتی لانچ بھی گزر گئی تو میں جھونپڑی سے نکل آیا۔ باہر ویسے ہی سناٹا اور اندھیرا تھا جیسا کہ ہر رات وہاں ہوا کرتا تھا۔ ایک پل کے لئے میں نے پیچھے والی جھونپڑی پر نگاہ ڈالی جس کے اندر سنتھا سو رہی تھی۔ یہ میری ہونے والی بیوی تھی۔ میں نے اسے نگاہوں میں ہی خدا حافظ کہا اور نائیلون کی ایک رسی کمر کے گرد لپیٹ کر سونیا کی کمیں گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حالات ہمارے حق میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود میں دل میں چٹان جیسا عزم لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے راتوں رات اس جزیرے سے نکل کر جتنی تیزی سے ہو سکے کشتی کو چلا کر دور سے دور تر ہو جانا تھا۔ ہماری منزل برما کا ساحل تھا جو انڈیمان کے اس جزیرے سے مشرق کی طرف تھا اور زیادہ دور نہیں تھا۔ پھر بھی ایک عام چپوؤں والی کشتی وہاں تین دن سے پہلے نہیں پہنچ سکتی تھی۔ درختوں کے نیچے سے گزرتا' میں خفیہ کمیں گاہ تک پہنچ گیا۔ سونیا مجھے کمیں گاہ کے باہر ہی مل گئی تھی۔ وہ بالکل تیار تھی۔ میرے پاس اس سے باتیں کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے پستول اور چاقو لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور اسے اپنے پیچھے پیچھے آنے کو اشارہ کر کے جنگل کی طرف چل پڑا۔ ہم کھڈ نالے کے کنارے کی اوٹ میں ہو کر سمندر کی طرف چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ کے بعد ہم جنگل کی اس پٹی میں آگئے جہاں سے ہمیں ساحل کی ریتلی زمین عبور کر کے اپنی کشتی میں سوار ہونا تھا۔ گھڑی میری کلائی کے ساتھ لگی تھی۔ ہم ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ مجھے تیسری گشتی لانچ کے

گزرنے کا انتظار تھا۔ ٹھیک بارہ بج کر سات منٹ پر دور سے ساحل پر روشنی پھیل گئی' پھر لانچ کی آواز آنے لگی۔ میں نے سونیا کو بتایا کہ یہ رات کے پہلے نصف حصے کی آخری گشتی لانچ ہے اور اس کے آدھے گھنٹے کے وقفے کے بعد چوتھی لانچ گزرے گی۔ موٹر لانچ پر سرچ لائٹ روشن تھی۔ ہم جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے۔ لانچ سمندر کو روشن کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

جب اس کی آواز دور ہو گئی تو میں نے سونیا سے کہا۔ "ہم آخری کشتی میں سوار ہوں گے"۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہ چھوٹی کشتی دکھائی جو ساحل پر سب سے آخر میں کھڑی تھی۔ موسم بے حد پُرسکون تھا۔ ہلکی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ سونیا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے گردن گھما کر کشتی کو دیکھا۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ میرے نکلنے کے دو منٹ بعد وہ بھی درختوں سے نکل کر کشتی کی طرف چلی آئے۔

"تمہیں جھک کر تیزی سے دوڑتے ہوئے کشتی تک آنا ہو گا' میں جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے درختوں سے نکل کر دائیں بائیں سنسان اور نیم روشن ساحل پر نگاہ ڈالی اور اُڑتا ہوا کشتی کے پاس آ کر نیچے ہو کر بیٹھ گیا۔ دو منٹ بعد سونیا بھی درختوں سے نکل کر میری طرف جھک کر دوڑ پڑی۔ وہ جلدی سے کشتی میں بیٹھ گئی۔ میں نے کشتی کی رسی کو کھول دیا اور اسے گھسیٹ کر لہروں پر لے آیا' پھر میں بھی کشتی میں کود گیا اور چپو چلانے لگا۔ سمندر پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد مشرق کی جانب سے جزیرے کا موڑ کاٹ کر چوتھی گشتی لانچ کو نمودار ہونا تھا اور اگر میں اس آدھے گھنٹے میں سمندر کی ایک خاص حد کو عبور نہیں کرتا تو ہماری کشتی لانچ کی سرچ لائٹ کی روشنی میں بڑی آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی' پھر گولیوں کی ایک بوچھاڑ ہم پر پڑتی اور کام تمام ہو جاتا۔ اس اعتبار سے مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس علاقے سے نکل جانا چاہئے تھا۔ میں نے کشتی کو بہت جلد سمندر کی واپس جاتی بڑی لہروں پر ڈالا اور اس رخ پر چپو چلانے لگا کہ وہ دائیں جانب مشرق کے زاویئے کو چھوڑ کر شمال مشرق کی طرف بڑھ گئی۔ میں بغیر سانس لئے دیوانہ وار چپو چلاتا گیا۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ہم موت کی سرحد کو عبور کر رہے تھے۔

مجھے کوئی ہوش نہیں تھا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ سونیا میری ہدایت کے مطابق کشتی کے عین درمیان میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں چپو یوں چلا رہا تھا جیسے میری ریس لگی ہوئی ہو۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں نے چپو چلاتے چلاتے ساحل کی طرف نگاہ ڈالی۔ ساحل کے درختوں کی گہری گہری سیاہ چوڑی پٹی دور ہوتی جا رہی تھی' لیکن اپنے اندازے کے مطابق میں ابھی خطرے سے باہر نہیں تھا۔ میں گھڑی پر وقت دیکھ کر مزید ایک دو سیکنڈ ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے بازو شل ہونے لگے تھے مگر میں کشتی کو ساحل سے دور ہی دور کھینچے لئے جا رہا تھا۔ جب میرے بازوؤں میں بالکل سکت نہ رہی تو میں نے چپو اوپر اٹھا لئے۔ کشتی سمندری لہروں پر سست ہو گئی۔ میں نے چپو دوبارہ سمندر میں

ڈالے اور تیزی سے بازوؤں کو چلانے لگا۔ کشتی ساحل سے کافی دور نکل آئی تھی۔ اتنے میں جزیرے کے مشرقی ساحل پر روشنی کی دھند سی بکھرنے لگی' پھر دور سے لانچ کے انجن کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔

میں نے سونیا کو بلند آواز میں کہا کہ وہ کشتی میں لیٹ جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چوتھی کشتی لانچ اپنے راؤنڈ پر نکل آئی تھی مگر اس کی روشنی ہماری کشتی سے فاصلے پر تھی اور اس کی روشنی کا آخری کنارہ کشتی سے قریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ یہ بات بہت خوش آئند تھی۔ میں کشتی کو خطرے کے نشان سے دور لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود میں نے چپو کشتی میں ڈالے اور خود بھی اس طرح اوندھے منہ لیٹ گیا کہ میرا سر کشتی کے کنارے سے تھوڑا سا اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ ایک اور بات بڑی اچھی تھی کہ یہاں سمندر کی لہریں بھاری بھرکم تھیں اور کسی وقت ہماری کشتی ان لہروں کی اوٹ میں آ جاتی تھی۔ لانچ کی روشنی آگے نکل گئی اور لانچ بھی ہم سے دور ہوتی چلی گئی۔

اب میں نے ستاروں کو دیکھا۔ مشرق کی جانب چمکتے ایک ستارے کو اپنا راہبر بنایا اور اسی سمت کشتی کھینچنے لگا۔ میرے چپو چلانے میں اگرچہ اب وہ شدت نہیں تھی لیکن میں نے کشتی کی رفتار کو سست بھی نہیں کیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ اسی طرح ہمارا سفر سمندری لہروں پر جاری رہا' پھر جزیرے کا ساحل سمندر کی سیاہ لہروں کی اوٹ میں ڈوب گیا۔ اب ہم رات کی تاریکی میں کھلے سمندر میں تھے۔

کھلے سمندر میں آ کر مجھے احساس ہوا کہ اس کشتی کے لئے سمندر بہت بڑا ہے۔ یہ کشتی کھلے سمندر کے لئے نہیں بنائی گئی تھی لیکن ہمیں اس کشتی میں خلیج بنگال کو پار کرنا تھا' پھر بھی جب مجھے خیال آیا کہ ابھی دو ڈھائی دن کا سفر باقی ہے تو میں کچھ فکر مند ہو گیا۔ سونیا بھی اتنے بڑے سمندر کو دیکھ کر کچھ سہمی ہوئی سی تھی' اور کشتی میں دبکی بیٹھی تھی۔ میں چپو بھی چلا رہا تھا اور اسے حوصلہ بھی دے رہا تھا کہ یہ سمندری طوفانوں کا موسم نہیں ہے اور ہمارا سفر محفوظ ہے۔ آپ اگر پرسکون سمندر میں بھی کشتی میں سفر کریں تو کھلے سمندر میں پہنچ کر آپ کو سمندری لہروں کی ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں گی کہ ایک بار تو آپ کا دل دہل جائے گا۔ یہ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جیسے کوئی ناگ پھنکارتا ہوا آپ کے کانوں کے قریب سے گزر گیا ہو۔ جزیرے کی روشنیاں اب بالکل دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ ہمارے چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا تھا۔ سمندر بھی سیاہ تھا۔ پانی کی لمبی لمبی اور نیچے سے اوپر کو ابھرتی ہوئی موجیں ہماری کشتی کو اوپر نیچے کرتی آگے ہی آگے لئے جا رہی تھیں۔ میرا زور بہت کم لگ رہا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد' میں مشرقی آسمان پر اپنے رہنما ستارے کو دیکھ لیتا تھا۔ سونیا اسی طرح کشتی کے وسط میں دبکی بیٹھی تھی۔ میں اس سے باتیں کر کے اس کی سمندری دہشت کو دور کرنے کی کوشش بھی کئے جاتا تھا۔ وہ اگرچہ پڑھی لکھی اور سمجھ دار لڑکی تھی مگر سمندر آخر سمندر ہوتا ہے اور پھر کھلا سمندر تو اچھے خاصے دلیر آدمی کو بھی دہشت زدہ کر دیتا ہے۔ خاص طور پر اگر سمندر سے یہ اس کی پہلی ملاقات ہو۔ کچھ یہی حال سونیا کا بھی تھا لیکن چونکہ یہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اس لئے وہ

ہمت کئے ہوئے تھی ۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو وہ اب تک کوئی بار غش کھا چکی ہوتی ۔

رات آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی تھی ۔ مشرق میں چمکتا میرا راہبر ستارہ بھی ماند پڑنے لگا تھا ۔ مجھے دن کے وقت اس کی جگہ سورج کو اپنا راہنما بنانا تھا اور پھر مشرق میں سمندر کے اندر سے سرخ سورج نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا اور ہماری کشتی تک جیسے سرخ روشنی کی ایک سڑک بچھ گئی ۔ دن کی روشنی نے سونیا کو ذرا حوصلہ دیا ۔ میں نے پہلی بار اس کا دبلا پتلا چہرہ دیکھا ۔ وہ کمزور سی لڑکی دکھائی دیتی تھی مگر اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک آہنی ارادے کی چمک تھی ۔ اس نے سمندر کو چاروں طرف دیکھا ۔

میں نے کہا ۔ " دیکھ لو ہم سمندر میں کتنی دور نکل آئے ہیں ۔ کچھ بھی نہیں ہوا ۔ میں نے تمہیں بتایا نا کہ یہ سمندری طوفان کا موسم نہیں ہے " ۔

سونیا نے کہا ۔ " لیکن ہمارا سفر بڑا لمبا ہے ۔ اتنی چھوٹی کشتی کہاں تک ہمارا ساتھ دے گی " ۔

میں آہستہ آہستہ چپو چلا رہا تھا ۔ کشتی جیسے اپنے آپ لہروں پر پھسلتی جا رہی تھی چونکہ سمندر کی لہریں تیزی سے ہمارے قریب سے گزر رہی تھیں ، اس لئے ہمیں یوں لگتا تھا کہ جیسے ہماری کشتی کی رفتار کافی تیز ہے ۔ میں نے سونیا کو سمجھایا کہ یہ کشتیاں درخت کو کھود کر بنائی جاتی ہیں ۔ اس لئے ان کے ڈوبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ سورج کافی اوپر نکل آیا تھا ۔ ہم نے ناریل توڑ کر ان کا پانی پیا ۔ گودے کو چاقو سے کھرچ کر کھایا ۔ دھوپ خاصی تیز تھی اور سمندر کی وجہ سے اس کی چمک میں کافی اضافہ ہو گیا تھا ۔

اس طرح سمندر میں سفر کرتے کرتے سارا دن گزر گیا ۔ رات پھر آ گئی ۔ سمندر پُرسکون ہی رہا ۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ طوفان کا موسم گزر چکا تھا ۔ اس موسم میں سمندر پرسکون ہی رہتا تھا ۔ اب میں نے کشتی کو لہروں کے حوالے کر دیا تھا ۔ سونیا اس لئے بھی پریشان تھی کہ شاید ہم اتنے وسیع و عریض سمندر میں اپنی سمت ٹھیک نہیں رکھ سکیں گے ۔

دوسرے دن ابھی ایک پہر دن کا باقی تھا کہ اچانک مشرق کی جانب سے کالی گھٹائیں امڈ پڑیں ۔ وہ بے زنجیر ہاتھیوں کی طرح آسمان پر بڑھی چلی آ رہی تھیں ۔ ہوا بھی تیز ہو گئی اور سمندر میں ہیجان کے آثار پیدا ہونے لگے ۔ ہماری چھوٹی سی کشتی نے ڈولنا شروع کر دیا ۔ یہ سمندری طوفان تھا ۔ اگرچہ طوفان کا موسم نہیں تھا لیکن بلائے ناگہاں ہمارے سر پر مسلط ہونے والی تھی ۔ سونیا کا چہرہ مزید اتر گیا وہ گھبرا کر بولی ۔ " طوفان آ رہا ہے ۔ اب ہمارا بچنا محال ہے " ۔

اس کا کہنا بے جا نہیں تھا ۔ سیاہ گھٹاؤں کو دیکھ کر میں بھی پریشان ہو گیا ۔ دیکھتے دیکھتے سورج ان کالے بادلوں میں چھپ گیا اور ہوا نے تیز جھکڑوں کا روپ اختیار کر لیا ۔ کالے سمندر میں بڑی بڑی موجیں اٹھنے لگیں ۔ ہوا کے تھپیڑے چیختے ہوئے موجوں کو اوپر اٹھاتے اور پھر پوری طاقت سے انہیں نیچے پھینک دیتے ۔ کشتی میرے قابو سے باہر ہو گئی ۔ اس کی مثال ایک چھوٹی سی گرگابی کی سی

اپنی جو ہیبت ناک طوفانی سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کی زد میں ادھر ادھر اچھل رہی تھی۔ میں نے فوراً کمر کے گرد لپٹی ہوئی نائیلون کی رسی کھولی اور اسے سونیا کی کمر کے گرد باندھ کر اس کا دوسرا سرا اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔ سونیا میرے ہاتھوں سے پھسل پھسل جا رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اسے سنبھالے کشتی سے چمٹا اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔ سارے ناریل سمندر میں گر گئے تھے۔ اب وہ کشتی ہمارے لئے ایک لکڑی کا تختہ تھی جس سے چمٹے ہم بے رحم سمندری طوفان میں نہ جانے کدھر بہے چلے جا رہے تھے۔ سر بہ فلک موجیں ہماری کشتی کو ایک موج سے دوسری موج کی طرف اچھال رہی تھیں۔ بادلوں میں بجلی کی کڑک نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور پھر زور دار بارش شروع ہو گئی۔ سونیا شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔ مجھے خود اپنا ہوش نہیں تھا۔ ہماری کشتی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ابھی تک الٹی نہیں تھی۔ ایک پہاڑ ایسی موج اسے اوپر اٹھاتی تو پھر وہی موج نیچے جاتے ہوئے جیسے اسے سمندر کی گہرائیوں میں لے جا کر دوبارہ اوپر لے آتی تھی۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ ہمارا رخ کدھر کو ہے اور ہم کس سمت کو جا رہے ہیں۔ ہم مکمل طور پر طوفان کے رحم و کرم پر تھے۔ یہ طوفان ہمیں واپس اسی جزیرے پر بھی پھینک سکتا تھا جہاں سے ہم فرار ہوئے تھے اور یہ ہمیں بہا کے ساحل پر بھی لے جا سکتا تھا۔ لیکن اس وقت ہمیں اپنی جان کے لالے پڑے تھے کیونکہ کشتی کسی وقت بھی الٹ کر ہمیں بے رحم موجوں کے حوالے کر سکتی تھی۔ اگرچہ سمندر میں بہ قائمی ہوش و حواس تیرنا مشکل نہیں ہوتا لیکن طوفانی سمندر کی موجیں اپنے تھپیڑوں سے انسان کو ہلاک کر ڈالتی ہیں۔ بپھرے ہوئے سمندر کی دہشت ہی ایک عام انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

میں نے سونیا کو اپنے ساتھ چمٹا رکھا۔ وہ بے ہوش تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہماری کشتی دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفانی لہروں کی زد میں ہے۔ بارش کی وجہ سے کشتی میں پانی بھر جاتا لیکن جب کشتی لہروں کے ساتھ ایک طرف کو جھکی جھکی اوپر اٹھتی تو یہ پانی اپنے آپ باہر گر جاتا تھا۔ اسی طرح سمندر کا پانی بھی کشتی میں آ جاتا تھا۔ ایک تیز لہر نے ہمیں اوپر اٹھایا تو نیچے جھولتے ہوئے، میں کشتی سے باہر سمندر میں گر گیا۔ کمر کے ساتھ بندھی ہوئی رسی نے مجھے دور نہ جانے دیا۔ میں نے وہیں کشتی کے کنارے کو پکڑ لیا۔ ہوائیں چنگھاڑ رہی تھیں۔ موجیں مجھے کشتی سے الگ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھیں۔ میں نے دل میں خدا کو یاد کیا اور دعائیں مانگنے لگا، پھر ہمت کر کے کشتی میں اپنے آپ کو گرا دیا۔ سونیا کشتی میں اسی طرح بے ہوش پڑی تھی سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا اس لئے کوئی پتہ نہیں تھا کہ ہم مشرق کو جا رہے ہیں یا مغرب کو۔ اس وقت تو مجھے صرف اپنی اور سونیا کی جان بچانے کی فکر تھی، لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میں اس طوفانی افراتفری میں بھی اتنی کوشش ضرور کر رہا تھا کہ سونیا کے منہ میں پانی نہ جائے۔ میں نے سر کشتی کے اندر اوپر اٹھی ہوئی لکڑی کی تختی پر کر دیا تھا۔ اگر میری کمر میں رسی نہ بندھی ہوتی تو جس طرح میں سمندر میں گرا تھا طوفانی موجیں مجھے

نہ جانے کہاں لے گئی ہوتیں۔

میں دل میں انتہائی خضوع و خشوع سے اللہ پاک سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں اس طوفان سے نکال دے۔ طوفان میں ذرا سی بھی کمی نہیں ہوئی تھی۔

ایک بار ہماری کشتی کو اونچی موج نے اوپر اٹھایا تو یہ دیکھ کر میرا دل دہل گیا کہ کشتی ایک بہت بڑے بھنور کے دائرے میں پھنس گئی تھی۔ گویا ہم ایک دائرے کی شکل میں طوفانی سمندر میں گردش کر رہے تھے۔ سمندر میں جب کوئی جہاز اس قسم کے وسیع و عریض بھنور میں پھنس جاتا ہے تو پھر اس کا نکلنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاز رانوں نے سفر کے لئے محفوظ راستے متعین کر رکھے ہوتے ہیں۔ ہماری کشتی چھوٹی تھی۔ ہمیں ایک فائدہ ضرور تھا کہ کوئی بھی گھومتی ہوئی لہر تیزی سے ہمیں بھنور سے باہر پھینک سکتی تھی جس طرح کہ کھولتے ہوئے لاوے کی کوئی چھینٹ اڑ کر باہر جا گرتی ہے مگر اس کے لئے شرط یہ تھی کہ ہماری کشتی گھومتے گھومتے بھنور کے کنارے پر آ جائے اور یہ ہمارے بس میں نہیں تھا۔

خدا جانے بھنور میں کتنے چکر لگنے کے بعد ہماری کشتی کو ایک جھٹکا لگا اور وہ اچھل کر لہروں پر پھسلتی ہوئی دور چلی گئی۔ کشتی بھنور کے ہلاکت خیز چکر سے باہر نکل آئی تھی لیکن اب اس کی رفتار بے انتہائی تیز ہو چکی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ ایک بہت بڑی لہر ہے جو اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے لئے جا رہی ہے۔ یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا کہ کہیں ہماری کشتی سمندر میں چلتی برق رفتار موج کے اوپر نہ چڑھ گئی ہو۔ سمندر کے وسط میں ایسی روئیں چلا کرتی ہیں جن کی رفتار سو میل فی گھنٹے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ ایک دریا کی شکل میں چلتی ہیں اور سینکڑوں میل دور جا کر ایک دیو پیکر موج کی شکل اختیار کر کے چھوٹی چھوٹی لہروں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ سمندری ماہرین کے مطابق یہ برق رفتار روئیں عام طور پر سمندر کے اس حصے میں ابھر کر اپنا سفر شروع کرتی ہیں جہاں ایک تو سمندر بہت گہرا ہوتا ہے' دوسرے جہاں سمندر کے نیچے کسی آتش فشاں چٹان کے دہانے سے گائیزر کی شکل میں انتہائی گرم بھاپ باہر نکل رہی ہو۔

اس طوفانی لہر پر آنے سے ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ ہماری کشتی طوفانی تھپیڑوں سے بچ گئی تھی۔ اس وقت کشتی گویا ایک ایسی دیو پیکر طوفانی موج کے اوپر سوار تھی جو ایک تیز رفتار دریا کی شکل میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ بارش ختم ہو گئی مگر ہوائیں اسی طرح چنگھاڑ رہی تھیں۔ سونیا ویسے ہی بے ہوش تھی۔ اس کی نیم آستین والی قمیص ' اور گھٹنوں سے پھٹی ہوئی پتلون اور سر کے بال پانی میں شرابور تھے۔ میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اسے ویسے ہی بے ہوش پڑا رہنے دوں۔ کشتی اوپر نیچے ضرور ہو رہی تھی مگر وہ طوفانی موجوں کے قیامت خیز جھولے سے باہر نکل آئی تھی۔ اب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ میں خود تھکاوٹ اور نقاہت سے چور' بے بسی کے

عالم میں کشتی سے چمٹا اوندھا پڑا تھا۔ کشتی طوفانی ہواؤں کو چیرتی ہوئی تیز رفتاری سے بہی چلی جا رہی تھی۔ مجھے صرف ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں یہ طوفانی رو ہمیں واپس دشمن کے جزیرے پر نہ پھینک دے۔

بادلوں کی وجہ سے رات بہت جلد چھا گئی تھی اور چاروں طرف اندھیرے نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی۔ مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی لیکن ناریل سمندر میں ڈوب چکے تھے اور سمندر کا پانی پینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں چپ چاپ پڑا رہا۔ میرے سامنے طوفان خیز سمندر کی بھیانک رات تھی۔ میں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظریں جمانے کی کوشش کی مگر میں وقت معلوم نہ کر سکا۔ میں نے نڈھال ہو کر اپنا سر کشتی کے تختے سے لگا دیا' پھر جانے کس وقت نیند نے میری آنکھیں بند کر دیں۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ شاید میں سو گیا تھا یا نقاہت کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہوش آیا تو سب سے پہلے مجھے دن کی روشنی نظر آئی۔ ایک چپو میرے گھٹنے سے بار بار ٹکرا رہا تھا۔ آسمان پر بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے لیکن طوفان گزر چکا تھا۔ ہواؤں کا دہشت ناک شور ختم ہو گیا تھا۔ سمندر پُر سکون نہیں تھا مگر اس کی موجوں میں وہ پہلے ایسی طوفانی کیفیت نہیں تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ کشتی کی رفتار وہ نہیں رہی۔ کشتی طوفان کی برق رفتار رو سے اتر چکی تھی مگر وہ لہروں پر بُری طرح سے ڈول رہی تھی۔ اب وہ ایک بار پھر ہیجانی موجوں کے رحم و کرم پر تھی۔

میں نے جھک کر سونیا کو دیکھا۔ وہ انتہائی نڈھال تھی اور کراہ رہی تھی۔ میں نے اسے آوازیں دیں۔ اس کے بازو کو جھنجوڑا۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا' پھر آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔ اس کے ہونٹ مجھے سوجے ہوئے لگ رہے تھے۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور ہلکی سی کراہ کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے سمندر کا جائزہ لینے کے لئے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔

میری بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بہت بڑی لانچ سمندر میں ہماری کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کشتی کے بادبان نہیں تھے۔ اب مجھے اس میں لگی ہوئی موٹر کی دھیمی دھیمی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ لانچ کے مستول پر کوئی جھنڈا نہیں تھا۔ یہ لانچ یا تو کوسٹ گارڈ والوں کی تھی یا مچھلیاں پکڑنے والی لانچ تھی۔ میرا دل اس لئے دھک سے رہ گیا تھا کہ کہیں میں اس منحوس اسرائیلی جزیرے پر تو واپس نہیں پہنچ گیا' لیکن اس قسم کی بڑی لانچیں اسرائیلیوں کے پاس نہیں تھیں۔ اب مجھے کچھ لوگ لانچ کے اوپر کھڑے نظر آنے لگے۔ ان کے جسموں پر صرف تہمد بندھے تھے۔ ان کے سر ننگے تھے۔ یہ بری لوگ معلوم نہیں ہوتے تھے۔ لانچ والوں نے ہماری کشتی کو لہروں میں ڈوبتے ابھرتے دیکھ لیا تھا اور وہ ہمیں بچانے کے لئے ہماری طرف بڑھ رہے تھے ایک آدمی نے ہاتھ میں رسہ بھی پکڑ رکھا تھا میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سونیا کی پتلون کی جیب سے پستول اور چاقو

نکال کر آہستہ سے سمندر میں گرا دیا ' پھر اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔ "سونیا اگر تم ہوش میں بھی ہو تو اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرنا۔ ایک لانچ ہماری طرف بڑھ رہی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس ملک کی لانچ ہے۔ کوئی آواز منہ سے نہ نکالنا۔ میں بھی خود کو بے ہوش ظاہر کروں گا"۔

ماہی گیر لانچ کے انجن کی آواز قریب آگئی تھی۔ میں نے اپنا سر جہاں رکھا تھا وہیں رہنے دیا اور کوئی حرکت نہ کی۔ لانچ کا اگلا حصہ اور اس کے عرشے پر کھڑے ننگے سیاہ جسموں والے دبلے پتلے ماہی گیر مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کے نقش برمی نہیں بلکہ ہندوستانی لگ رہے تھے۔ میرے خدا کہیں ہم انڈیا کے ساحل پر تو نہیں پہنچ گئے ؟

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو یوں ظاہر کیا جیسے میں بے ہوش ہوں۔ میں بے ہوش رہ کر ایک تو ان لوگوں کے سوالات سے بچنا چاہتا تھا دوسرے میں ان کی زبان اور گفتگو سے اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اگر میں انڈیا کے ساحل کے قریب پہنچ گیا ہوں تو یہ لوگ کس صوبے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے بارے میں ان کا رویہ کیسا ہے ؟

... میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ لانچ کے ماہی گیروں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں ان کی زبان سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سمندری لہروں کے شور کی وجہ سے ان کے الفاظ ٹھیک طرح سے سنائی نہیں دے رہے تھے ' پھر سمندر میں کسی نے رسہ پھینکا اور جیسے دو آدمیوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ میرے جسم سے کسی کا ہاتھ ٹکرایا۔ اس نے چلا کر کہا۔ "ایک عورت بھی ڈونگی میں ہے۔ دونوں بے ہوش ہیں"۔

یہ جملہ تلیگو زبان میں ادا کیا گیا تھا۔ میں دل مسوس کر رہا گیا۔ یقینی طور پر ہندوستان کا مشرقی ساحل تھا۔ تلیگو زبان ہندوستان کے مشرقی ساحل علاقوں میں تامل کے ساتھ ہی بولی جاتی ہے۔ ہم گڑھے سے نکلنے کی کوشش میں کنوئیں میں گر گئے تھے۔ ہماری کشتی برما کی طرف نکل جاتی تو بچاؤ ہو سکتا تھا لیکن انڈیا تو ہمارے لئے ایک دشمن ملک تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ طوفان نے ہمارے ساتھ کوئی پرانا بدلہ لیا تھا اور ہمیں خلیج بنگال میں برما یا بنگلہ دیش کے ساحل کی طرف لے جانے کی بجائے انڈیا کے مشرقی ساحل پر لا پھینکا تھا۔

ہمیں پٹ سن کے ایک چھینکے میں ڈال کر لانچ کے عرشے پر لے جایا گیا۔ میں تلیگو زبان روانی سے بول نہیں سکتا تھا مگر اسے سمجھ لیتا تھا۔ یہ ماہی گیروں کی لانچ ہی تھی۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں سمندر میں نکلے چوتھا روز تھا اور وہ اب مچھلیاں پکڑ کر واپس جا رہے تھے۔ اس علاقے میں طوفان کا زیادہ زور نہیں رہا تھا۔ ہمیں عرشے پر لٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی مجھے اوندھا کر کے میری کمر کو دبانے لگا تاکہ میرے معدے میں گیا ہوا سمندری پانی باہر نکل جائے۔ میں آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ ایک بھاری کم آواز آئی۔ " اسے ہوش آ رہا ہے۔ عورت ابھی تک بے ہوش ہے۔ رجوا ! ارے

کٹورے میں گرم گرم کافی ڈال کر لا"۔

وہ تلیگو زبان میں بول رہے تھے۔ ایک ماہی گیر نے تامل زبان میں کہا۔ "یہ مرد تو مدراسی لگتا ہے"۔

اس خیال سے کہ کہیں یہ میرا ڈاکٹری معائنہ نہ کرنے لگیں میں نے خود ہی آنکھیں کھول دیں اور تامل میں پوچھا۔ "میں کہاں ہوں؟"

میرے ارد گرد گھنگریالے بالوں اور دھوپ میں جلے ہوئے گہرے سانولے چہروں والے ماہی گیر کھڑے تھے جن کے جسموں پر سوائے گھٹنوں سے اوپر تک کے میلے کچیلے صافوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ بھاری آواز والا آدمی میرے پاس بیٹھ گیا۔ رجوا ماہی گیر کافی کی کیتلی اور کانسی کی کٹوری لے کر آ گیا۔ "یہ لو کافی پیو۔ گھبراؤ نہیں، تم بچ گئے ہو"۔۔

میں آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ یا تو واقعی بے ہوش تھی اور یا پھر بے ہوش ہو جانے کی اداکاری کر رہی تھی۔ میں نے تامل میں کہا۔ "یہ میری مالکن کی بہن ہے۔ دلی سے اپنی بڑی بہن کے پاس پانڈیچری آئی تھی۔ کشتی میں سمندر کی سیر کے لئے میرے ساتھ نکلی تو طوفان نے ہمیں گھیر لیا، پھر ہمیں کچھ خبر نہیں رہی"۔

اور میں نے کافی کا گھونٹ بڑی مشکل سے نگل لیا۔ گرم گرم کافی نے میرے سارے جسم کو جیسے تکور سی کر دی تھی۔ بھاری آواز والے سیاہ فام آدمی نے گھٹنوں تک دھوتی کے ساتھ جسم پر سلوکا بھی پہن رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس لانچ کا مالک یا مالک کا کارندہ ہے۔ اس نے پوچھا۔ "تمہاری مالکن کی بہن کا اور تمہارا کیا نام ہے؟"

میں نے مسمسی سی شکل بنا کر اسے بتایا کہ میرا نام چندرن ہے اور میں اپنی مالکن کے کافی کے باغ میں نوکر ہوں۔ میری مالکن کی اس چھوٹی بہن کا نام مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ لیکن سب اسے پنکی کہہ کر بلاتے تھے۔

سونیا کا کوئی فرضی ہندوانہ نام میں نے اس لئے نہیں بتایا تھا کہ اگر واقعی سونیا ہوش میں نہیں ہے تو ہوش میں آنے کے بعد نہ جانے اپنا کیا نام بتا دے، مگر سونیا ہوش میں تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور اردو میں بولی۔ "ہم کہاں آ گئے ہیں؟ کیا میں پانڈیچری میں ہوں؟"

میں دل میں خوش ہوا کہ اس نے میرے بیان کو سن لیا تھا جو میں نے ماہی گیروں کو دیا تھا اور جس میں اپنے آپ کو پانڈی چری میں اپنی مالکن کی کافی اسٹیٹ کا ملازم بتایا تھا۔ ان ماہی گیروں نے ہمیں چاول کی بنی ہوئی روٹی پسی ہوئی سرخ مرچوں کی چٹنی کے ساتھ دی۔ روٹی کھا کر ہماری جان میں جان آ گئی۔ تھوڑی سی کافی اور پی۔ مچھیرے سونیا کو عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔ ان کے کھیا نے انہیں لانچ کو گڑی واڑہ کی طرف لے چلنے کو کہا۔ مچھیرے ادھر ادھر اپنے کام میں لگ گئے۔ لانچ کا انجن

جو بند کر دیا گیا تھا پھر سے اسٹارٹ ہوا۔ لانچ نے سمندری موجوں پر نصف چکر کاٹا اور ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔ میں اور سونیا عرشے پر تنہا رہ گئے۔ ہم نے لانچ کے جنگلے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ میں نے آہستہ سے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "یہاں تمہارا نام کانتا ہو گا۔ تم دلی کی رہنے والی ہو۔ پانڈی چری میں تمہاری بڑی بہن الکنندہ کا کافی کا باغ ہے۔ تم اس سے ملنے دلی سے پانڈی چری آئی تھیں۔ میں تمہارے باغ میں منشی گیری کرتا ہوں۔ میرا نام چندرن ہے۔ تمہارا لقب چنکی ہے۔ تم میرے ساتھ سمندر کی سیر کو نکلی تھیں کہ کشتی طوفان میں گھر گئی اور ہم سمندر میں بھٹک گئے"۔

لانچ کا کھیا بیڑی پیتا ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "بھگوان نے بڑی کرپا کی کہ ہماری نظر تم پر پڑ گئی۔ ہم تو مچھلیاں پکڑنے کے بعد واپس جا رہے تھے آج ہماری واپسی کا دن تھا۔ رجوا نے سمندر میں ڈونگی کو دیکھا تو شور مچا دیا"۔

میں نے تامل میں کہا۔ "دادا! تلیگو تھوڑی تھوڑی جانتا ہوں۔ میرا جنم پانڈی چری میں ہوا تھا۔ میں چولا برہمن ہوں"۔

کھیا نے ہاتھ جوڑ دیئے اور تامل زبان میں بولا۔ "چولا برہمن تو ہمارے مائی باپ ہیں پھر آپ ان کے نوکر کیوں ہیں؟ چولا برہمن تو بڑے گیانی ودھوانی ہوتے ہیں"۔

یہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ چولا ذات کے لوگوں کا علم و دانش سکھانے کا ہی فریضہ انجام دیتے ہیں۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "میں اپنی مالکن کے ہاں منشی بھی ہوں اور وہیں سنسکرت بھی سکھاتا ہوں"۔

کھیا بولا۔ "جے رام جی کی۔ آپ تو سنسکرت کے بھی ودوانی ہیں۔ آپ کی جان بچانے سے، میرا جنم سپھل ہو گیا مہاراج"۔

اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گڑی واڑہ کون سی بندرگاہ ہے جس طرف یہ لانچ جا رہی ہے لیکن میں از خود کھیا سے نہیں پوچھنا چاہتا تھا کیونکہ پانڈی چیری کے رہنے والے کو قدرتی طور پر اس علاقے کی خبر ہونی چاہیئے تھی۔۔۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں کہا۔ "میں گڑی واڑہ کبھی نہیں گیا۔ سنا ہے کہ یہاں بہت بڑی مچھلی منڈی ہے؟"

ظاہر ہے جہاں یہ مچھلیوں سے بھری ہوئی لانچ لے کر جا رہے تھے وہاں مچھلی منڈی کا ہونا لازمی تھا۔

کھیا نے کہا۔ "گڑی واڑہ مچھلیوں کی بھاری منڈی ہے۔ یہ تو آپ کے تامل ناڈو پرانت کے بالکل اوپر ہے"۔

میں سمجھ گیا کہ یہ آندھرا پردیش کی کوئی بندرگاہ ہو گی کیونکہ تامل ناڈو کے اوپر آندھرا پردیش تھا جو پاکستان بننے سے پہلے حیدر آباد دکن کی ریاست کا علاقہ تھا۔ گویا ہم حیدر آباد ریاست کے ساحلی

علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے فوراً کہا۔ "اچھا اچھا اب سمجھ گیا۔ یہ آندھرا پردیش کی بندرگاہ ہے"۔

کھیا مسکراتے ہوئے بولا۔ "بالکل بالکل آندھرا پردیش کی بندرگاہ ہے۔ ہمارا مال تو آپ کے پانڈی چری میں جاتا ہے۔ یہ لانچ میرے مالک کی ہے۔ میں اس کا مختار کھیا ہوں۔ تم نے اپنی مالکن کی بہن کا نام نہیں بتایا؟"

میں نے سونیا کی طرف دیکھا اور بڑے ادب سے ہندی زبان میں کہا۔ "اپنا نام انہیں بتا دیجئے"۔

پھر کھیا کی طرف متوجہ ہو کر بتایا کہ میری مالکن اور اس کی بہن دلی پرانت کی رہنے والی ہیں۔ مالکن تو تامل تیلگو بول لیتی ہے مگر یہ ان کی بہن سوائے اردو ہندی کے دوسری کوئی زبان نہیں جانتی۔

سونیا نے ماتھے پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام کانتا ہے۔ میں دلی کے استریوں کے اسکول میں پڑھاتی ہوں"۔

کھیا نے خوش ہو کر کہا۔ "بھگوان کی کرپا سے آپ بھی ودھوان ہیں۔ جے رام جی کی۔ بیٹا پچھلے جنم کے اچھے کرم تمہارے کام آ گئے۔ کالے پانی میں جب طوفان آتا ہے تو چھوٹی چھوٹی ڈونگیوں کا تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا"۔

اب دور زمین کا کنارہ نظر آنے لگا تھا۔ کھیا کہنے لگا۔ "اس لانچ کا مالک بڑا اچھا آدمی ہے۔ وہ تمہیں واپس پانڈی چری پہنچا دے گا اور تمہارے گھر تار پتر بھی ڈال دے گا کہ تم خیریت سے ہو"۔

میں نے تامل میں اور سونیا نے ہندی میں کھیا کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "گڑی واڑہ آ گیا ہے"۔

وہ لانچ کے اس حصے کی طرف چلا گیا جدھر انجن لگا تھا مچھیرے رسے اور جال لپیٹ رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا۔ ہم دونوں اکیلے رہ گئے تو سونیا نے آہستہ سے کہا۔ "خدا نے ہماری مدد کی تو ہم بچ گئے۔ کس قدر بھیانک طوفان تھا"۔

میں نے اسے کہا کہ وہ تو سارے طوفان میں بے ہوش پڑی رہی۔ اصل طوفان میں سے تو میں گزرا ہوں۔

اس نے کہا۔ "یہ بھی خدا کا شکر ہے۔ نہیں تو جانے میرا کیا حال ہوتا۔ لیکن عامر اب کیا ہو گا۔ ہم تو دشمن کے علاقے میں جا رہے ہیں۔ انڈین پولیس ہمیں آسانی سے گرفتار کر کے واپس اسرائیلیوں کے پاس انڈیمان بھیج دے گی۔ ان لوگوں نے ضرور بھارت کی سی آئی ڈی اور پولیس کو ہمارے حلیئے بتا کر خبردار کر دیا ہو گا"۔

سونیا کا اندیشہ درست تھا۔ جس روز ہم یہودی جزیرے سے فرار ہوئے تھے اسی روز شام کو بھارت کے خفیہ محکمے کا ایک وفد وہاں پہنچنے والا تھا۔ سکیورٹی چیف نے انہیں پہلے سونیا کے بارے میں

اور اب میرے فرار کے بارے میں بھی انڈین انٹیلی جینس والوں کو بتا دیا ہو گا۔ اب وہاں کسی پر یہ بات ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ اصل پاکستانی گوریلا یا کمانڈوں میں ہی تھا جو تامل باشندے کے بھیس میں سکیورٹی چیف کے بنگلے پر نوکر تھا۔ یہ ان کے لئے انتہائی ہزیمت کی بات تھی کہ میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے نہ صرف پاکستانی لڑکی سونیا کو نکال کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ ان کے دو سپاہیوں کو موت کے گھاٹ بھی اتار چکا تھا۔ بھارت کے ساتھ یہودیوں کے انتہائی خوشگوار تعلقات تھے۔ انہوں نے میرا اور سونیا کا حلیہ بھی بھارتی انٹیلی جینس کو بتا دیا ہو گا۔ سونیا کی تو تصویر بھی ان کے پاس تھی۔ اس تصویر کی کاپیاں اب بھارتی انٹیلی جینس والے آندھرا پردیش' تامل ناڈو اور کیرالہ پرانتوں کے پولیس اسٹیشنوں میں تقسیم کرنے والے تھے۔ لیکن ان تمام حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے میں نے اپنے آپ کو ایک بار پھر تیار کر لیا تھا۔ میں نے سونیا کو بھی حوصلہ اور تسلی دی اور کہا کہ اگرچہ ہمیں قسمت نے ایک بار پھر دشمنوں کے ملک میں لا پھینکا ہے لیکن ہمیں انتہائی دانشمندی اور جرأت و بہادری سے کام لینا ہو گا تاکہ ہم یہاں سے فرار ہو کر دلی کی طرف نکل جائیں۔

سونیا نے کہا۔ "دلی جا کر کیا کریں گے؟ اوپر کے بھارتی صوبوں میں ہمارے لئے قدم قدم پر خطرے کے سوائے اور کچھ نہیں ہو گا۔ ہمیں مغربی بنگال کی سرحد پار کر کے بنگلہ دیش پہنچنے کی کوشش کرنی ہو گی"۔

سونیا کا مشورہ کافی حد تک مناسب تھا۔ کیونکہ مجھے اس حقیقت کا بخوبی احساس تھا کہ مشرقی پنجاب کی طرف سے بھارت کی سرحد کراس کرنا کس قدر دشوار اور خطرناک ہے۔ دلی جانے سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہاں میں کسی طرح پاکستانی سفیر سے رابطہ پیدا کر کے اس سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں' پھر خیال آیا کہ ہمیں اپنے ملک کے کسی بھی سفیر سے ملنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ہمیں کسی حالت میں بھی اپنے ملک کو اپنی کارروائیوں میں ملوث کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے دلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن مغربی بنگال کی سرحد عبور کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہم پہچانے جا سکتے تھے چونکہ مجھے بنگالی زبان آتی تھی مگر سونیا اس سے بالکل نابلد تھی۔ میرا رنگ تو سانولا ہو گیا تھا مگر سونیا کا رنگ ابھی تک صاف اور سفیدی مائل تھا اس پر خواہ مخواہ شک کیا جا سکتا تھا کہ یہ بنگالی عورت نہیں ہے۔ بہرحال یہ مسائل ایسے تھے کہ بہت جلد ہمیں ان پر غور کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچنا تھا۔ کوئی فیصلہ کرنا تھا اور پھر اس پر عمل شروع کر دینا تھا۔

گڑی واڑہ کی بندرگاہ قریب آ رہی تھی۔ اگر آپ بھارت کے نقشے پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو مشرقی ساحل پر جنوب کی طرف پانڈی چری کی بندرگاہ دکھائی دے گی۔ یہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ اوپر چلتے جائیں تو مدراس کا بہت بڑا بندرگاہی شہر آ جاتا ہے۔ یہاں سے جب آپ اوپر کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں تو ساحل تھوڑا سا اندر کی طرف پچک گیا ہے' پھر ساحل باہر کی

طرف نکل آتا ہے ۔ یہاں اونٹ کا ایک کوہان سا بنا ہوا ہے ۔ اس کوہان کے بالکل درمیان میں دو بندگاہیں بالکل ساتھ ساتھ ہیں ۔ اوپر والی بندرگاہ کا نام بھیما ورم ہے اور اس کے نیچے گڑی واڑہ کی بندرگاہ ہے ۔ ہماری لانچ اسی گڑی واڑہ بندگاہ کی طرف جارہی تھی ۔ یہ بندرگاہ سابق حیدر آباد دکن اور حال آندھرا پردیش میں واقع ہے ۔ یہاں سے براڈ گیج سنگل ریلوے لائن بھارت کے مشہور شہر اور جنکشن وجے واڑہ کی طرف جاتی ہے ۔ وجے واڑہ کو بیجواڑہ اور بیج وارا بھی کہا جاتا ہے لیکن عرف عام میں اس کو وجے واڑہ کے نام ہی سے پکارا جاتا ہے ۔ یہ بہت بڑا ٹورسٹ سینٹر بھی ہے ۔ یہاں سے براڈ گیج ڈبل ریلوے لائن دھوبا کلی ' ورنگل اور قاضی پیٹ سے ہوتی ہوئی حیدر آباد کو چلی جاتی ہے ۔ چونکہ یہ سارے علاقے میرے دیکھے بھالے تھے اس لئے گڑی واڑہ کے نام سے میں اس کے حدود اربعہ کو پوری طرح سمجھ گیا ۔ گڑی واڑہ میں ' میں کبھی نہیں آیا تھا ۔ یہاں میں پہلی بار جارہا تھا ۔ آگے قسمت ہمارے لئے کس قسم کے واقعات و حادثات لئے ہمارا انتظار کر رہی تھی ؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ خبر نہیں تھی ۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ کمانڈو مشن کی یہ کہانی فرضی نہیں ہے اس لئے میں بھارت کے جن جن شہروں اور بندرگاہوں اور ریلوے جنکشنوں کے نام لکھ رہا ہوں وہ بھی فرضی نہیں بلکہ اصلی ہیں اور حیدر آباد دکن کے رہنے والے حضرات ان شہروں اور بندگاہوں کے نام سے بخوبی واقف ہوں گے ۔

گڑی واڑہ کا کنارہ بالکل سامنے نظر آرہا تھا ۔ لانچ کھاڑی میں داخل ہو کر بندگاہ کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ یہ بندگاہ بھی بھارت کی دوسری ساحلی اور درمیانے درجے کی پچھلی بندرگاہوں سے مختلف نہیں تھی ۔ جیٹی پر جگہ جگہ تلیگو مزدور کھڑے لانچ کا انتظار کر رہے تھے ۔ پیچھے تاڑ اور ناریل کے درختوں کی قطاریں ساحل سمندر کے ساتھ دور تک چلی گئی تھیں ۔ آسمان پر بادل چھائے تھے ۔ جیٹی کے قریب آتے ہی لانچ پر سے رسیاں اچھال دی گئیں ۔ لانچ کے پہلو...میں موٹر کاروں کے پرانے ٹائر لٹکے ہوئے تھے تاکہ جیٹی کے ساتھ لگنے سے لانچ کو جھٹکا نہ لگے ۔ لانچ جیٹی کے ساتھ جا کر لگ گئی تھی ۔ اس کے ساتھ ڈھلانی تختہ لگا دیا گیا اور مچھلیوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے نیچے کھسکائے جانے لگے ۔ میں اور سونیا عرشے پر ایک طرف جنگلے کے پاس چپ چاپ کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے ۔ مکھیا مختار ہمارے قریب آیا اور اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا ۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی بہت بڑے پنجرے میں اترنے والا ہوں ۔ سونیا میرے ساتھ ساتھ تھی ۔

لانچ پر دوسری طرف ایک سیڑھی بھی لگا دی گئی تھی ۔ ہم اس سیڑھی پر سے اتر کر جیٹی پر آ گئے ۔ وہاں واقعی مچھلی منڈی کا شور اور ہنگامہ بپا تھا ۔ مزدور تلیگو تامل اور حیدر آبادی اردو...میں بھی باتیں کر رہے تھے ۔ اس سے تصدیق ہو گئی کہ یہ دکن کا علاقہ ہی تھا ۔ جیٹی کے پیچھے املی کے ایک گھنے درخت کے نیچے دو چار کمرے بنے تھے ۔ جن کے باہر ایک میز اور چند ایک مونڈھے رکھے تھے ۔

ایک رنگین پایوں والی چارپائی بھی بچھی تھی جس کے ایک پائے کے ساتھ اگلدان بھی رکھا تھا۔ ڈھلانی چھت والے کمروں کے آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا جو خالی پڑا تھا۔ پہلو... میں درخت کے نیچے ایک گائے بندھی جگالی کر رہی تھی۔ ایک جھونپڑے میں پیچھے سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ سونیا کچھ گھبرا رہی تھی۔ مکھیا آگے جا کر ایک کمرے کا تالا کھولنے لگا تو ہم مونڈھوں کے پاس رک گئے۔

سونیا نے آہستہ سے کہا۔ "کہیں ہمیں کسی جال میں تو نہیں پھنسایا جا رہا؟"

میں نے گردن ایک طرف جھکا کر دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

مکھیا نے دروازہ کھول کر ہماری طرف دیکھا اور بولا۔ "شری چندرن جی! پدھاریئے۔ آؤ بیٹی"۔

مکھیا کے لہجے سے سونیا کی کچھ ہمت بندھی۔ میں نے اسے کہا کہ وہ آگے چلے کیونکہ میں مالکن کی بہن اور ملازم میں ایک حد ادب برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

کمرہ چھوٹا سا تھا۔ اندر ایک چارپائی پر مچھر دانی بھی لگی تھی۔ کونے میں پانی کی صراحی رکھی تھی جس کے اوپر تام چینی کا سرپوش پڑا تھا۔ ایک پرانی وضع کی چھوٹی سی گول تپائی چارپائی کے ساتھ ہی رکھی ہوئی تھی۔ مکھیا نے کہا۔ "بیٹی کانتا یہ تمہارے لئے ہے تم یہاں آرام کرو۔ غسل خانہ کمرے کے ساتھ ہی ہے"۔

مکھیا مجھے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ یہاں پہلے ایسا نقشہ نہیں تھا۔ یہاں پانی کی صراحی اور غسل خانہ ضرور تھا مگر چارپائی کی جگہ صرف لکڑی کا ایک تخت رکھا تھا۔ مکھیا تامل میں بولا۔ "شریمان چندرن جی۔ تم یہاں آرام کرو۔ ہماری لانچ کا مالک ابھی باڑی سے تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔ میں تمہیں اس سے ملاؤں گا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا"۔

سکیورٹی چیف کی یہودی بیوی اور میری دیرینہ کرم فرما میڈم کے دیئے ہوئے بیس ڈالر کے دو نوٹ ابھی تک مڑی تڑی حالت میں میری جیب میں تھے۔ میں نے دس ڈالر کا نوٹ جیب سے نکال کر کھولا اور مکھیا کی طرف بڑھا کر کہا۔ "یہ کانتا جی کی رقم ہے۔ ہماری کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ آپ ان کے لئے کوئی سوتی ساڑھی اور میرے لئے بھی ایک دھوتی بازار سے منگوا دیں تو بڑی کرپا ہو گی"۔

مکھیا نے ڈالر کو غور سے دیکھا اور بولا۔ "یہ تو بھارتی نوٹ نہیں ہے"۔

میں نے کہا۔ "ہماری مالکن کا پانڈی چری میں بڑا کاروبار ہے۔ یہ امریکی نوٹ ہے اس کے عوض آپ کو بھارتی ڈیڑھ پونے دو سو روپے مل جائیں گے"۔

وہ نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "تم نہا دھو لو۔ میں تمہارے لئے کھانا بھی لاتا ہوں"۔

وہ چلا گیا تو میں سونیا کے کمرے میں جانے کی بجائے وہیں اپنے کمرے میں ہی غسل خانے میں آ گیا۔ نہانے کے بعد میں نے وہی پرانی پھٹی ہوئی دھوتی اور سلوکا پہن لیا۔ پاؤں سے ننگا ہی تھا کیونکہ میری چپل سمندر میں نہ جانے کہاں گر گئی تھی پھر میں سونیا کے کمرے کے باہر آ گیا۔ میں نے اسے

آہستہ سے آواز دی۔ سونیا نے کہا۔ "اندر آ جاؤ"۔

وہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گیلے بالوں میں کنگھی کی طرح انگلیاں چلا رہی تھی۔ اس نے بھی وہی کپڑے پہن رکھے تھے۔ پتلون گھٹنے پر سے پھٹی ہوئی تھی۔ کھیا سے میری جو بات ہوئی تھی میں نے اسے بتا دی۔ وہ بولی۔ "یہ لانچ کا مالک کوئی پڑھا لکھا آدمی ہو گا۔ اس سے ہمیں بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ میرے فرار کی خبر بھارت کی حکومت کو مل چکی ہو گی اور یہودیوں نے تو بھارتی حکام کو میری تصویری بھی دے دی ہو گی"۔

میں نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو لیکن یہ آندھرا پردیش کا دور دراز ساحلی علاقہ ہے۔ یہاں شاید ہی کوئی تھانہ ہو۔ تمہاری تصویر یہاں تک ابھی نہیں پہنچی ہو گی۔ ویسے بھی انڈیا ایک وسیع ملک ہے۔ بھارتی انٹیلی جینس کا ہاتھ اتنی جلدی ہم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ میں باہر جا کر بیٹھتا ہوں۔ کھیا آ رہا ہو گا۔ یاد رکھنا تمہارا نام کانتا ہے۔ تم دلی سے اپنی بڑی بہن الکنندہ کے کافی فارم میں اس سے ملنے آئی تھیں"۔

اس نے میرا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "ایک دن' میں اپنے ملازم چندرن یعنی تمہارے ساتھ سیر کو نکلی کہ طوفان میں پھنس کر ہم بھٹک گئے"۔

"بالکل درست اور ہاں۔ یہ مت بھولنا کہ میرا نام چندرن ہے اور میں تمہاری بہن کے پاس منشی گیری کرتا ہوں۔ دلی میں تم تیتاری پور میں رہتی ہو اور وہاں کے ایک گورنمنٹ اسکول میں انگریزی پڑھاتی ہو"۔

سونیا نے کہا۔ "میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ جب وہ پاکستانی سفارت خانے سے منسلک تھے دو برس یہاں رہ چکی ہوں تم فکر مت کرو"۔

میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور چارپائی کے پاس مونڈھے پر برہم چاریوں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ جیٹی کی طرف سے دو آدمی مجھے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ ان میں ایک تو کھیا تھا اور دوسرا ایک دبلا پتلا ناٹے قد کا آدمی تھا جس کی آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اس نے پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ قریب آیا تو دیکھا کہ اس کی کنپٹیوں پر سے چھوٹے چھوٹے گھنگریالے بال سفید ہو رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہی کھیا کی لانچ کا مالک ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر اسے پرنام کیا۔ اس نے چھڑی کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ کھیا ہاتھ باندھے اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ لانچ کا مالک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کھیا کھڑا رہا۔ لانچ کے مالک کا رنگ اس علاقے کے لوگوں کی طرح گہرا سانولا بلکہ کالا ہی تھا۔ عینک کے پیچھے آنکھیں بے چین سی لگ رہی تھیں۔ اس نے جیب سے میرا دیا ہوا دس ڈالر کا نوٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور تلیگو میں بولا۔ "یہ نوٹ تم نے دیا تھا؟"

میں نے تامل میں کہا۔ "جی مہاراج"۔ کھیا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں تیلگو نہیں جانتا تامل بولتا ہوں۔ وہ آدمی مجھے مسلسل گھور رہا تھا۔

"تم پانڈی چری سے اپنی مالکن کی بہن کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں نکلے تھے؟"
کھیا نے میرے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ میں نے کہا۔ "جی مہاراج"۔
"یہ نوٹ تم نے کہاں سے لیا؟ یہ دس ڈالر کا نوٹ؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔
میں نے وہی کہا جو کھیا سے کہا تھا۔ لانچ کا مالک خاموش ہو گیا پھر اس نے کھیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وہ عورت کہاں ہے؟"

میں نے کہا کہ بی بی جی اپنے کمرے میں بیٹھی ہیں۔ یہ ڈالر بی بی جی کے ہیں۔ انہوں نے دیئے تھے کہ پہننے کے لئے کچھ کپڑے خرید لوں۔ سمندری طوفان نے ہمارے کپڑوں کا بھی برا حال کر دیا ہے مہاراج"۔

میں نے سونیا والے کمرے کی طرف دیکھ کر بڑے ادب سے آواز دی۔ "کانتا دیوی جی! باہر پدھاریئے۔ شریمان جی آپ سے ملنے آئے ہیں"۔
لانچ کے مالک نے میری طرف اپنی بے چین آنکھیں اٹھا کر کہا۔ "میرا نام نیام پلی ہے"۔
اس کے نام ہی سے میں سمجھ گیا کہ یہ شخص کرناٹک کا رہنے والا ہے۔ اس کی تامل زبان کے لہجے پر کنٹر تلیگو زبان کا اثر واضح تھا۔ اس نے سونیا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اس نے ہندی میں سونیا سے سوال کیا کہ اس کی بہن کا پانڈی چری میں فارم کس جگہ پر ہے؟"
میں گھبرایا کہ سونیا تو پانڈی چری کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، مگر آخر وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی اور حالات کی نزاکت کو بخوبی سمجھتی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں علاقے کے نام نہیں جانتی میں کبھی کبھار دلی سے اپنی بہن کے پاس پانڈی چری آتی ہوں۔ اتنا معلوم ہے کہ اس علاقے کا نام عجیب سا ہے"۔
"ہوں۔" اتنا کہہ کر نیام پلی نے کھیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "انہیں کھانا کھلایا؟"
کھیا بولا۔ "ہوٹل والے کو کہہ آیا ہوں جی۔ وہ لا رہا ہو گا"۔
نیام پلی نے ناراض ہو کر کہا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کا کھانا ہوٹل سے نہیں آئے گا۔ فوراً بنگلے پر جا کر راموں سے کہہ ان کے لئے کھانا تیار کرے"۔ پھر اس نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ ہمارے بنگلے پر چل کر ٹھہریں اور ہاں۔ کانتا جی! آپ اپنی بہن کا ٹیلی فون نمبر بتا دیں۔ میں انہیں آپ کی خیریت کی اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ پریشان ہوں گی"۔
سونیا کا چہرہ ایک پل کے لئے بالکل سپاٹ ہو گیا لیکن جلدی ہی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی کہ میں انہیں خود فون کروں گی۔ میری آواز سن کر میری بہن کو یقین آ جائے گا کہ میں زندہ ہوں۔
"ہاں! یہ بالکل ٹھیک ہے۔ آیئے میرے ساتھ میں خود آپ کو بنگلے پر لئے چلتا ہوں۔ کھیا! تم کارندوں کو سنبھال لینا"۔
نیام پلی ہمیں لے کر اپنے چھوٹے سے بنگلہ نما مکان میں لے آیا جو وہاں سے قریب ہی تھا۔

اس کی چھت ڈھلوان تھی ۔ ایک برآمدہ اور سامنے چھوٹا سا باغیچہ تھا جو ویران پڑا تھا۔ نشست گاہ میں صوفہ سیٹ اور ایک دو میزیں رکھی تھیں ۔ دیوار پر وشنو بھگوان کی فریم کی ہوئی تصویر لگی تھی اور نیچے چھوٹی سی تپائی پر لوبان سلگ رہا تھا۔ کونے میں فون رکھا تھا۔ نیام پلی نے خانساماں کو وہیں بلالیا اور اسے ہمارے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ سونیا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کہا کہ فون کرو۔ گھبراتا نہیں۔

سونیا نے نیام پلی سے پوچھا کہ کون سا نمبر ڈال کرنے سے پانڈیچری سے رابطہ بحال ہوتا ہے۔ اس نے کوئی نمبر بتایا۔ سونیا نے وہ نمبر گھمایا اور پھر یونہی کوئی نمبر ملا دیا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ دوسری طرف سے باریک سی ہیلو ہیلو کی آواز آئی۔ کوئی اس نمبر پر پہلے ہی سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے بیچ میں اپنی فرضی بہن سے باتیں شروع کر دیں۔

وہ کہہ رہی تھی۔ "ہیلو! آنٹی! آنٹی الکنندہ کو بلاؤ۔ ہاں۔ ہاں۔ میں کانتا بول رہی ہوں"۔ سونیا نے یہ ظاہر کیا کہ دوسری طرف سے بنگلے کا کوئی ملازم بول رہا ہے پھر اس نے خوشی سے بلند آواز میں کسی فرضی عورت سے گفتگو شروع کر دی۔ "الکنندہ بہن! میں کانتا بول رہی ہوں۔ ہاں' ہاں بھگوان کی کرپا سے میں زندہ ہوں۔ بالکل جیوت ہوں ۔ میں۔ میں"۔ سونیا نے فون پر ہاتھ رکھ کر نیام پلی سے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟"

اس نے کہا۔ "گڑی واڑہ"۔

سونیا نے فون منہ کے قریب لا کر کہا۔ "میں گڑی واڑہ میں ہوں۔ ہاں ہاں یہ آندھرا پردیش کی بندرگاہ ہے۔ سب کچھ گھر آ کر بتاؤں گی۔ بھگوان کی کرپا ہے۔ او کے۔ گڈ بائی... کیا کہا؟ ہاں ہاں' میں بہت جلد پہنچ جاؤں گی۔ تم فکر نہ کرنا۔ ہاں ہاں چندرن بھی میرے ساتھ ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ او کے بائی"۔

سونیا نے جیسے اطمینان کا سانس لے کر ریسیور رکھ دیا اور نیام پلی سے کہا۔ "میری بہن کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں"۔

نیام پلی کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ عینک کو انگلی سے اپنی ناک پر جماتے ہوئے بولا۔

"آپ لوگ اب آرام کریں۔ میں آپ کے لئے کچھ کپڑے خرید کر بھجوا دوں گا۔ ہاں یہ دس ڈالر کا نوٹ اپنے پاس رکھیں"۔

یہ کہہ کر وہ چھڑی لہراتا باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے سونیا کو مبارک باد دی کہ اس نے کمال کی اداکاری کی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ "اگر ایسا نہ کرتی تو اس شخص کو شک ہو سکتا تھا"۔

ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔ خانساماں تامل تھا۔ اس نے آ کر پوچھا کہ ساتھ سبزی کون سی بناؤں؟

میں نے کہا۔ "جو جی چاہے بنا لو"۔

خانساماں چلا گیا تو سونیا بولی۔ "عامر! ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ یہاں سے جتنی جلدی نکل جائیں بہتر ہو گا"۔

میں نے کہا۔ "اس کے لئے ہمیں یہاں باقاعدہ بیٹھ کر پہلے پلاننگ کرنی ہو گی کہ یہاں سے کدھر جائیں گے۔ اگر ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہمیں مغربی بنگال کی سرحد کراس کر کے بنگلہ دیش میں داخل ہونا ہے تو پھر یہاں سے بذریعہ ٹرین ہمیں دجے واڑہ جانا ہو گا جہاں سے کلکتہ جانے والی ٹرین پکڑنی ہو گی، لیکن یہ ہمارا میزبان تو ہمیں پانڈی چری والی ٹرین میں سوار کروانے کی کوشش کرے گا"۔

سونیا نے کہا۔ "ہم اس سے یہیں جدا ہو جائیں گے۔ کیا تم اس علاقے سے واقف ہو؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "ایک دو بار دجے واڑہ سے مدھیہ پردیش کی طرف گزرا ہوں۔ بہرحال چونکہ میں تامل کے علاوہ بنگلہ زبان میں پوری مہارت سے بول لیتا ہوں اس لئے ہمیں سفر کے دوران زیادہ پریشانی نہیں ہو گی، لیکن تمہیں اپنے آپ کو دلی کی رہنے والی ہی ظاہر کرنا ہو گا"۔

سونیا خاموش ہو گئی۔

میں نے کہا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم کس حیثیت سے میرے ساتھ سفر کرو گی؟ ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ تمہاری تصویر بڑے شہروں کے پولیس اسٹیشنوں اور انٹیلی جینس والوں تک پہنچ گئی ہو گی۔ ریلوے اسٹیشنوں پر سی آئی ڈی والے ضرور ہوں گے۔ وہ تمہیں آسانی سے پہچان لیں گے"۔

سونیا نے کہا۔ "میں اپنا حلیہ بھی تو نہیں بدل سکتی"۔

میں نے کہا۔ "میں نے تو ابھی سے سر کے بال اور داڑھی بڑھانی شروع کر دی ہے"۔

میرے ذہن میں ایک تجویز آ گئی۔ ہم بڑی آہستگی کے ساتھ دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر ہم سنیاسی اور سنیاسن بن کر بنگلہ دیش تک کا سفر کریں تو یہ بات ہمارے لئے زیادہ موزوں ہو گی۔ اس طرح سے ہمارے حلیئے بھی کسی حد تک بدل گئے ہوں گے۔ مثلاً تم نے گیروی رنگ کی دھوتی پہنی ہو گی۔ ہمارے چہروں اور بازوؤں پر راکھ ملی ہو گی۔ اس بھیس میں انٹیلی جنس والے ہمیں ایک نظر نہیں پہچان سکیں گے۔

بھارت میں میرا ریکارڈ پہلے سے موجود تھا۔ اگرچہ اس عرصے میں، میں کافی بدل گیا تھا اور میرا رنگ جو پہلے گورا تھا۔ اب سانولا ہو گیا تھا۔ اسکے باوجود یہ اندیشہ اپنی جگہ موجود تھا کہ اگر خدا نخواستہ ہم پکڑ لئے گئے تو پچھلا ریکارڈ از سرنو کھل سکتا ہے۔ سونیا نے میری تجویز پر کچھ دیر غور کیا۔ کہنے لگی۔ "اس کے علاوہ اور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ ہم آسانی سے مغربی بنگال کی سرحد تک پہنچ سکیں؟"

میں نے کہا۔ "مجھے اس قسم کے خفیہ سفر کا تجربہ ہے۔ میں یہاں کے لوگوں کو بھی جانتا ہوں۔ یہاں سادھو سنیاسیوں کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ لوگ ان کے شراپ یعنی بددعا سے بھی بہت ڈرتے

ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے یہی بھیس موزوں رہے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ ہمیں بازار سے گیروے رنگ کی دو دھوتیاں ایک کرمنڈل اور ایک ترشول بھی خریدنا ہو گا۔ یہ چیزیں یہاں کے تقریباً ہر شہر میں مل جاتی ہیں"۔

سونیا نے کسی قدر تعجب سے پوچھا کہ یہاں کے لوگ پیشہ ور سنیاسی ہوتے ہیں؟

میں نے اسے بتایا کہ خاص طور پر جنوبی ہند میں آج بھی ایسے طبقے کے پرانے لوگ موجود ہیں جو سات سال کی عمر کے بعد از خود گھربار چھوڑ کر سنیاس لے لیتے ہیں۔ وہ کرمنڈل ترشول خریدنے کے بعد گیروے کپڑے پہن کر جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں۔ یہ ان کے مذہب کے کرم کانڈ کا ایک حصہ ہے۔ شمالی ہند میں اس قسم کی رسمیں اب ختم ہو گئی ہیں۔ لیکن جنوبی ہند میں چونکہ وشنو اور جین دھرم کا بڑا چرچا ہے اس لئے یہاں بوڑھے لوگ اب بھی ایک خاص عمر تک پہنچنے کے بعد گھریلو آسائشیں چھوڑ کر جنگلوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ تیاگ کے اس مذہبی رجحان کی وجہ سے یہاں کے بازاروں میں کرمنڈل اور سنیاسی کے کپڑے اور دوسرے لوازمات مل جاتے ہیں۔

سونیا میری اس تجویز پر راضی ہو گئی۔ ہمارے پاس صرف بیس ڈالر تھے۔ یہ سنیاسی بہروپ کے مختصر لوازمات خریدنے کے لئے کافی تھے۔ میں نے سونیا سے کہا کہ ایک بار ہم نے سنیاسی اور سنیاسن کا روپ دھارن کر لیا تو اس کے فوراً بعد ہمیں کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں ہو گی۔ لوگ اپنے آپ ہمارے پاس مٹھائیاں اور پھل لے کر آئیں گے اور ہمیں اپنے گھر لے جانے کی زبردست خواہش کا اظہار کریں گے۔

جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ ہم وجے واڑہ سے مغربی بنگال کی سرحد تک کے لئے اپنا سفر ایک سنیاسی اور سنیاسن کے روپ میں کریں گے تو میں نے سونیا کو تاکید کی کہ وہ راستے میں بہت ہی کم کسی سے بات کرے گی۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ مکھیا ہمارے لئے کپڑے لے کر آ گیا۔ میرے لئے سفید دھوتی اور صدری تھی۔ سونیا کے لئے ایک گلابی رنگ کی ساڑھی بلاؤز اور ایک چپل تھی۔ مکھیا بولا۔ "مالک نے کہا ہے کہ وہ دوپہر کو ان کے ساتھ کھانا کھائے گا۔ یہ مالک نے خود بازار جا کر خریدے تھے"۔

ہم نے مکھیا کا شکریہ ادا کیا اور الگ الگ کمرے میں جا کر اپنے کپڑے تبدیل کر لئے۔ میرا خیال تھا کہ شاید سونیا کو ساڑھی پہننی نہیں آتی ہو گی لیکن وہ ایک سفارت کار کی بیٹی تھی اور دلی کے سفارت خانے میں اپنے باپ کے ساتھ رہ چکی تھی۔ اس نے پورے اور صحیح ڈھنگ سے ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔

دوپہر کے کھانے پر لانچ کا مالک نیام پلی بھی آ گیا۔ کھانے میں مرچیں بہت زیادہ تھیں۔ سونیا بار بار پانی پیتی۔ میں نے کہا۔ "بی بی جی دلی کی رہنے والی ہیں نا۔ اتنی مرچیں نہیں کھاتیں"۔

نیام پلی بولا۔ "تم نے خانساماں کو کہہ دیا ہوتا۔۔۔ وہ سالن میں مرچیں کم ڈالتا"۔

سونیا نے ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ "جی نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ میں پانڈی چری میں جب بھی آتی ہوں شوق سے مرچوں والا سالن کھایا کرتی ہوں"۔

نیام پلی نے ہم سے ہمارا پروگرام پوچھا تو میں نے کہا۔ "مہاراج! ہم آج رات آرام کرنے کے بعد کل پانڈی چری روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہاں سے وجے واڑہ جنکشن قریب ہی ہو گا"۔

نیام پلی کہنے لگا۔ "میں آپ لوگوں کے ساتھ وجے واڑہ تک جاؤں گا۔ وہاں سے آپ کو کل دوپہر کے بعد پانڈی چری کے لئے ایکسپریس ٹرین مل جائے گی"۔

میں اسے کسی صورت میں بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "آپ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے مہاراج۔ میں جو بی بی جی کے ساتھ ہوں۔ میں اس علاقے سے واقف ہوں۔ وجے واڑہ سے کئی بار گزرا ہوں"۔

اس نے سموسہ کھاتے ہوئے کہا۔ "جیسے آپ کی مرضی۔ بہرحال میں کھیا کو آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ وہ وجے واڑہ تک آپ کو چھوڑ آئے گا۔ ٹکٹ بھی وہ خریدے گا۔ میں اسے پیسے دے دوں گا"۔

سونیا نے کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے بھائی صاحب۔ ہمارے پاس کچھ ڈالر ہیں۔ ہم خود ہی خرید لیں گے"۔

نیام پلی نے کہا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہاں۔ پانڈی چری پہنچ کر مجھے فون ضرور کر لینا کہ آپ لوگ خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ میں اپنا فون نمبر لکھ کر دے دوں گا"۔

معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا تھا۔ ہمارا دوسرا مرحلہ وجے واڑہ جا کر شروع ہونا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر کھیا سے چھٹکارا حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ نیام پلی نے کھانے کے بعد کافی ہمارے ساتھ پی لی اور پھر وہ شام کو آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ ساڑھی اور چپل میں سونیا ہندوستانی لڑکی لگنے لگی تھی۔

اگلے روز دن کے نو بجے لانچ کے مالک نیام پلی نے ہمیں کھیا کے ساتھ ایک بیل گاڑی میں گڑی واڑہ کے چھوٹے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ کر دیا۔ بیل گاڑی ریتلے ساحل سے گزر کر اونچی نیچی سنگلاخ زمین پر سے ہوتی ہوئی ایک چھوٹے سے ناریل کے جنگل میں آ گئی۔ یہاں سے گڑی واڑہ ریلوے اسٹیشن ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا جس کی اہمیت اس لئے زیادہ تھی کہ یہاں سے مچھلی اندرونِ ملک جاتی تھی۔ وجے واڑہ یہاں سے ایک گھنٹے کے سفر پر تھا۔ ٹرین براڈ گیج کے ریلوے لائن پر دکن کی سطح مرتفع عبور کرتی وجے واڑہ کے مضافات میں داخل ہو گئی۔ جن حضرات نے وجے واڑہ کا علاقہ دیکھا ہے انہیں معلوم ہو گا کہ یہ بڑا شہر سطح مرتفع پر آباد ہے اور اس کا ریلوے اسٹیشن ایک عظیم الشان جنکشن ہے جہاں سے شمالی بھارت کی طرف ریل گاڑیاں واردھا اور ناگ پور تک جاتی ہیں۔ جنوب کی طرف اگر مدراس اور پانڈی چری جانا ہو تو ہمیں مدراس ایکسپریس

پکڑنی پڑتی ہے جو گنٹور اور نیلور سے ہوتی ہوئی گزرتی ہے۔ حیدر آباد جانے کے لئے بھی وجے واڑہ سے براستہ ورنگل اور قاضی پیٹ جانا پڑتا ہے۔ جنوب میں مدراس کے بعد مشرقی بھارت میں وجے واڑہ سب سے بڑا اسٹیشن ہے۔ یہ شہر مدراس جتنا بڑا نہیں ہے لیکن اپنی عالیشان عمارتوں 'کشادہ سڑکوں' صنعتی اداروں اور کارخانوں کے اعتبار سے اس کی شان و شوکت مدراس سے کسی طرح کم بھی نہیں ہے۔

اسٹیشن کے وسیع و عریض کئی پلیٹ فارم ہیں۔ شمال کی جانب آخری پلیٹ فارم پر کھڑے ہوں تو سامنے چھوٹا سا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے جس کی ڈھلانوں پر بنگلے 'کوٹھیاں اور خوبصورت مکان دکھائی دیتے ہیں۔ آزادی کے بعد اس شہر نے بہت ترقی کی ہے۔

کھیا نے ہمارے لئے پانڈیچری تک کے دو ٹکٹ خرید لئے۔ مدراس ایکسپریس کو دلی سے براستہ ناگپور یہاں ایک گھنٹے کے بعد پہنچنا تھا۔ ٹرین لیٹ نہیں تھی۔ ہم وجے واڑہ کے نمبر سات پلیٹ فارم پر آکر بینچ پر بیٹھ گئے۔

کھیا نے کہا۔ "ٹکٹ بابو نے کہا تھا کہ ہمیں مدراس سے پانڈی چری کے لئے گاڑی بدلنی ہوگی"۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "کھیا جی! میں پانڈی چیری کا ہوں۔ مجھے معلوم ہے گاڑی کس پلیٹ فارم سے چلے گی۔ آپ چنتا نہ کریں"۔

دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ میری عقابی نظریں آس پاس کا برابر جائزہ لے رہی تھیں۔ پلیٹ فارم مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ آندھرا پردیش کی پولیس کے دو چار کانسٹیبل ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ ایک سپاہی کچھ فاصلے پر کینٹین کے کاؤنٹر پر کھڑا چائے پی رہا تھا۔ دکن میں یہ خوشگوار موسم کے ایام تھے۔ آسمان پر بادل تھے لیکن کسی وقت دھوپ بھی نکل آتی تھی۔ میں کھیا سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اسے کہا کہ وہ خواہ مخواہ اپنا وقت کیوں ضائع کر رہا ہے؟" کھیا دادا! تم بے شک اب چلے جاؤ۔ ہم ٹرین میں سوار ہو جائیں گے"۔

اس نے تھوڑا سا اصرار کیا اور پھر میرے زیادہ اصرار پر اس نے اٹھ کر مجھے اور سونیا کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور چلا گیا۔ جب وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے ایک لمبا سانس لیا اور بولا۔ "سونیا! ایک مرحلہ تو بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ اب تم ایسا کرو کہ پلیٹ فارم والے پل کی طرف چلنا شروع کر دو۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ ہم اسٹیشن سے باہر جائیں گے"۔

سونیا نے کوئی جواب دیئے بغیر پلیٹ فارم والے پل کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر اس طرف چلنے لگی۔ تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں مسافروں کے بیچ میں سے ہو کر گزر رہا تھا۔ میری نظریں سونیا پر جمی ہوئی تھیں جو ساڑھی سنبھالتی ہوئی آہستہ آہستہ پل کی طرف بڑھ رہی تھی' پھر وہ مجھے پل کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی نظر آئی۔ میں اپنے اردگرد کے ماحول سے بھی باخبر تھا اور

سونیا کے آس پاس بھی دیکھتا جا رہا تھا کہ کہیں کوئی پولیس یا سی آئی ڈی والا اس کے پیچھے تو نہیں لگا ہوا۔ انٹیلی جینس والوں کو میری نگاہیں بڑی آسانی سے پہچان لیتی تھیں خواہ وہ کسی بھیس میں کیوں نہ ہوں۔

اب میں بھی پل پر آ گیا۔ دوسرے پلیٹ فارم پر جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ سونیا مین گیٹ کی ایک جانب بینچ پر بیٹھی تھی۔ کالے کالے رنگ کے سفید وردیوں والے ٹکٹ چیکر ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔ ایک ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ مسافر اس میں سوار ہو رہے تھے۔ وہاں کافی شور مچا ہوا تھا۔ میں نے ٹکٹ نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لئے تھے۔ سونیا کو اشارہ کیا۔ وہ میرے ساتھ ہو گئی۔ گیٹ پر ٹکٹ چیکر موجود تھا۔ میں نے اسے پانڈی چیری کے دو ٹکٹ دیئے اور کہا۔ "ہم کل کی گاڑی سے جائیں گے۔ ہم واپس گھر جا رہے ہیں"۔

ٹکٹ چیکر نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ یہ ٹکٹ کل بھی چلیں گے"۔

میں سونیا کو لے کر گیٹ سے نکل گیا۔ لابی میں ایک جانب آگے جا کر ٹکٹ دینے والی کھڑکیاں تھیں جہاں کافی لوگ کھڑے تھے۔

سونیا نے کہا۔ "ٹکٹ واپس کرنے کی ضرورت نہیں عامر۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ یہاں پولیس کانسٹیبل جگہ جگہ موجود ہیں"۔

میں خود بھی ٹکٹ واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہاں انٹیلی جینس والے بھی ہوں اس لئے تم بار بار آنکھیں صاف کرنے کے بہانے چہرے کو ساڑھی کے پلو سے چھپاتی رہو"۔

سونیا نے ایسا ہی کیا۔ وہ ساڑھی کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔ ہم اسٹیشن کی لابی سے باہر نکل آئے ٹیکسی والے ہماری طرف بڑھے۔ میں نے انہیں تامل زبان میں کہا کہ بھائی ہمارا گھر قریب ہے ہمیں ٹیکسی کی ضرورت نہیں ہے۔

وجے واڑہ کے شہر کی کشادہ سڑکیں میرے سامنے تھیں۔ میں اس شہر سے صرف دو بار ہی گزرا تھا۔ ایک بار مجھے یہاں ایک دن رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور میں شہر کی سڑکوں پر کافی دیر تک گھومتا رہا۔ اپنی اس آوارہ گردی کے دوران میں نے شہر کے شمال مغربی علاقے کی ایک اضافی بستی میں کچھ درمیانے درجے کے ہوٹل بھی دیکھے تھے۔ ہمیں اس شہر میں ایک دن یا زیادہ سے زیادہ ایک رات اس حالت میں بسر کرنا تھی اور اسٹیشن کے قریبی ہوٹل میں کمرہ لینا اپنے آپ کو خود ہی کسی جال میں پھنسانے والی بات تھی۔ چنانچہ میں سونیا کو لے کر ریلوے اسٹیشن سے نکلتے ہی اس اضافی بستی کی طرف چلنے لگا۔

سونیا نے آہستہ سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟

میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "ایک محفوظ ہوٹل یہاں پر میری نظر میں ہے۔ وہاں جا رہا ہوں"۔

"کیا یہ خطرے والی بات نہیں ہے ؟ ہوٹلوں کے باہر انٹیلی جینس والوں کی موجودگی کا خطرہ رہتا ہے "۔ سونیا نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اسے بتایا کہ جس بستی کی طرف میں جا رہا ہوں میرا خیال ہے کہ وہاں خطرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہر حال خطرہ تو ہم جہاں بھی جائیں گے ہمارے سر پر موجود ہو گا۔

اسٹیشن میں کافی دور جا کر میں رک گیا۔ یہاں چوک میں گاندھی جی کا مجسمہ لگا تھا۔ سامنے کی جانب فٹ پاتھ کے ساتھ کپڑوں کی دکانیں تھیں۔ میرا سب سے بڑا مسئلہ ڈالر کے نوٹ کو بھارتی کرنسی میں بدلنا تھا۔ یہ میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ہندو تاجر اور دکاندار ڈالر بڑے شوق سے خرید لیتے ہیں۔ چنانچہ سونیا کو اعتماد میں لینے کے بعد ہم چوک کراس کر کے سامنے والی ایک شاندار دکان میں آ گئے۔ خوبصورت ساڑھیاں شیشے کی الماریوں میں لگی تھیں۔ کاؤنٹر پر آدمی کھڑے گاہکوں کو ساڑھیاں اور دوسرا ریشمی کپڑا دکھا رہے تھے۔ دکان میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک گہرے سانولے رنگ کا دھوتی پوش آدمی ماتھے پر تلک لگائے شیشے کے کیبن میں بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔ اس کے پیچھے لکشمی دیوی کی فریم شدہ تصویر لگی تھی۔ میں نے اس کے پاس جا کر دس دس ڈالر کے دونوں نوٹ اس کے سامنے کر دیئے اور بڑے انکسار کے ساتھ کہا۔ " مہاراج! یہ نوٹ مجھے میرے صاحب نے دیئے تھے۔ آپ کی بڑی کرپا ہو گی مجھے اس کے بدلے میں اپنے بھارتی نوٹ دے دیجئے "۔

دکاندار نے ڈالر غور سے دیکھے۔ انہیں میز کی دراز میں رکھ دیا اور دوسری دراز میں سے دس دس کے بھارتی نوٹ نکال کر گننے لگا۔ اس نے مجھے بیس امریکی ڈالروں کے بدلے میں صرف دو سو بھارتی روپے دیئے جو بہت کم تھے مگر میرے لئے یہی بہت تھا۔ میں نے نوٹ لے کر اس کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور دکان کے نیچے اتر آیا۔ سونیا دکان کے پاس ہی شوکیس کے ساتھ لگی چپ چاپ کھڑی تھی۔ میں نے ماحول کا گہری نظر سے جائزہ لیا میرے قیاس کے مطابق وہاں کوئی سی آئی ڈی والا نہیں تھا۔ میں آگے کو چلا تو سونیا بھی میرے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

کافی آگے جا کر میں سونیا کے ساتھ ہو گیا اور اسے بتایا کہ میں دو سو روپے لے آیا ہوں۔ وہ خاموش رہی۔ فٹ پاتھ بائیں طرف والے بازار کی طرف گھوم گیا۔ میں بازار کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس بازار کو چھوڑ کر دوسری جانب ایک بار پھر گاندھی کی مورتی والے چوک کی طرف جانا تھا۔ کیونکہ اضافی بستی کا راستہ میں وہیں سے تلاش کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں دوبارہ اسی چوک میں آ گیا۔ یہاں سے ایک کھلا راستہ شمال کی طرف جاتا تھا۔ میں اس پر چل پڑا۔ میں نے سونیا کو بتایا کہ یہ راستہ اضافی بستی کی طرف جاتا ہے۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھنے کے بعد ڈرائیور سے کہا کہ وہ ٹیلے کے پیچھے والی بستی کی طرف چلے۔ ڈرائیور نے اردو میں کہا۔ " بوس کالونی جائے گا صاحب "۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "ہاں بھیا بوس کالونی چلنا ہے"۔

ٹیکسی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اونچی نیچی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی ٹیکسی نے چھوٹے ٹیلے کو پار کیا تو ہمارے سامنے بوس کالونی تھی۔ پہاڑی کے اوپر پانی کی بہت بڑی ٹینکی بنی ہوئی تھی، بوس کالونی کو میں نے پہچان لیا تھا۔ یہاں بنگلے، مکان، کوارٹرز اور رہائشی فلیٹوں والی اونچی اونچی عمارتیں بھی تھیں۔ ایک جگہ سڑک کے قریب میں نے ٹیکسی رکوالی۔ اسے کرایہ ادا کیا اور سونیا سے کہا۔ "آؤ کانتا۔ وہ سامنے والا گھر ہے ماما جی کا"۔

ٹیکسی والا آگے نکل گیا۔ یہ جملہ میں نے ٹیکسی والے کے لئے کہا تھا۔ ہم بوس کالونی میں داخل ہوئے تو ایک جانب دو تین ہوٹلوں کی عمارتیں کھڑی تھیں۔ تلیگو اور تامل میں ہوٹلوں کے نام لکھے تھے۔ ایک ہوٹل کا نام پاروتی ہوٹل تھا۔ مجھے یہ نام پسند آیا۔ ویسے بھی وہاں آس پاس زیادہ لوگ نہیں تھے۔ صرف دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہوٹل کی ڈیوڑھی میں ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا جس میں ایک لڑکا رجسٹر کھولے بیٹھا اس میں کچھ اندراج کر رہا تھا۔ میں نے جاکر پرنام کیا۔ لڑکے نے ہندی میں پوچھا کہ میں کیا سیوا کر سکتا ہوں؟

میں نے کہا۔ "مہاراج ہم پتی پتنی کے لئے ایک کمرہ ہو گا؟ مدراس والی گاڑی چھوٹ گئی ہے۔ اپنے ماما جی کے پاس بوس کالونی میں آئے تھے۔ پتہ چلا وہ ورنگل گئے ہوئے ہیں۔ اب کل واپس جائیں گے"۔

لڑکے نے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا۔ رجسٹر کا ایک ورق الٹا اور پنسل کی نوک ایک خالی خانے پر رکھتے ہوئے بولا۔ "نام لکھا دو اپنا اور پتنی جی کا"۔

میں نے کہا۔ "جی میرا نام چندرن ہے۔ میری پتنی کا نام کانتا ہے"۔

"خالی کانتا؟" لڑکے نے پوچھا۔

میں نے فوراً جواب دیا۔ "کانتا چندرن لکھ لو جی۔ میں اس کا پتی ہوں۔ اب تو اس کا یہی نام ہے"

میں دانت نکال کر احمقوں کی طرح سے ہنسنے لگا۔ سونیا شرماتی ہوئی میرے پیچھے کھڑی تھی۔ وہ بھی اپنی اداکاری پوری مہارت سے کر رہی تھی۔ ہمیں دوسری منزل پر ایک کمرہ دے دیا گیا جس میں وہی ایک پلنگ، میز ایک کرسی اور بوسیدہ سا سنگھار میز پڑا تھا۔ ہوٹل کے نوکر نے پلنگ پر نئی چادر لا کر بچھا دی۔ چھت کے ساتھ پنکھا لگا دیا تھا۔ موسم اگرچہ خوشگوار تھا لیکن اب دھوپ نکل آئی تھی جس کی وجہ سے فضا میں گرمی ہونے لگی تھی۔ میں نے پنکھا چلا دیا۔ ناشتہ ہم لانچ کے مالک کے ساتھ کر کے نکلے تھے... دوپہر کے کھانے کا ابھی وقت نہیں ہوا تھا۔ میں نے دروازے کو بند کر دیا۔ بازار والی کھڑکی کھول دی۔ سونیا کرسی پر سر پیچھے لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ تھکی سی لگ رہی تھی۔ میں پلنگ پر بیٹھ گیا اور اسے پوچھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

اس نے کہا۔ " سر میں ہلکا سا درد ہو رہا ہے "۔

میں نے کہا۔ " میں ابھی چائے کے ساتھ اسپرو کی ٹکیہ منگواتا ہوں۔ اس سے سر درد ٹھیک ہو جائے گا "۔

میں نے اسے کہا۔ " اب ایسا ہے کہ میں ضروری چیزیں خریدنے بازار جاؤں گا۔ تم میرے پیچھے دروازہ بند کر کے بیٹھنا۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ جس بازار سے مجھے چیزیں خریدنی ہیں۔ وہ یہاں سے قریب ہی ہے میں نے وہ بازار دیکھا ہوا ہے "۔۔

اتنے میں........ ہوٹل کا لڑکا ایک رجسٹر لئے آ گیا۔ اس رجسٹر پر میرے دستخط ہونے ضروری تھے۔ میں نے پنسل سے تامل زبان میں اس پر اپنے ٹیڑھے میڑھے دستخط کر دیئے اور لڑکے کو پانچ روپے کا نوٹ دے کر کہا۔ " دو پیالی چائے اور اسپرو کی دو ٹکیاں لا دو بیٹا "۔

لڑکا رجسٹر اٹھائے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سونیا نے سوال کیا کہ ہم اپنا بھیس کہاں بدلیں گے؟ کیا اس ہوٹل سے سنیاسی اور سنیاسن بن کر نکلیں گے؟ ان لوگوں کو تو یقیناً ہم پر شک ہو جائے گا۔

میں نے کہا۔ " اس کی تم فکر نہ کرو۔ پہلے مجھے ضروری سامان خرید کر آ جانے دو۔ اس کے بعد تمہیں بتاؤں گا کہ ہمیں کہاں اور کب بھیس بدلنا ہے؟

میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گیا اور ایک طرف کھڑے ہو کر نیچے بازار میں نگاہ ڈالی۔ دو پرانی فوکس ویگن کاریں ویسے ہی ہوٹل کے سامنے کھڑی تھیں۔ سامنے بازار میں ٹریفک جاری تھا۔ گاڑیاں اور اسکوٹر سوار گزر رہے تھے۔ میں واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گیا اور سونیا سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکا ایک ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں رکھے آ گیا۔ وہ اسپرو بھی ساتھ ہی لایا تھا۔ دو روپے واپس کرنے لگا تو میں نے کہا۔ " یہ تم رکھ لو بیٹا "۔

وہ بڑا خوش ہو گیا اور سلام کر کے چلا گیا۔ سونیا نے اسپرو کی دونوں ٹکیاں منہ میں ڈالیں اور چائے کا گھونٹ بھر کر بولی۔ " اس سے بڑا فرق پڑے گا "۔

ذرا اسے آرام سے بیٹھنے کا موقع ملا تو اس نے مجھ سے اپنے ماں باپ کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اپنے ماں باپ کی خیریت بار بار دریافت کر رہی تھی۔ میں نے ابھی تک اسے اس کے باپ کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں اسے یہ بُری خبر سنانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ ابھی اسے بے حد حوصلے کی ضرورت تھی۔ میں نے یہ کہہ کر اس کی تسلی کر دی کہ اس کے ماں باپ قاہرہ میں زندہ سلامت ہیں اور اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اب میں نے بھی اس سے دریافت کیا کہ اسرائیلیوں نے اس سے کیا کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی؟

سونیا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ " انہوں نے مجھ پر بڑا تشدد کیا تھا عامر۔ وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ میں اذیت اور ان کی پوچھ گچھ سے بچنے کے لئے ہر بار بے

ہوش ہو جاتی تھی' لیکن وہ بے ہوشی کی حالت میں بھی مجھے سگریٹوں سے سے داغتے رہتے تھے"۔

اب پہلی بار سونیا نے اپنا گریبان ذرا نیچے کیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے سینے پر جگہ جگہ جلنے کے نشان تھے۔ اس نے گریبان اوپر کر لیا اور بولی۔ "یہ سب کچھ میرے لئے ایک کرب انگیز خواب سے کم نہیں ہے۔ مجھے ان چیزوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مجھے وہ طیارے سے اغوا کر کے لئے گئے تھے"۔ وہ ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔ "خدا نے مجھے ایک بہت بڑے جہنم سے نکال لیا ہے' کیونکہ انڈین انٹیلی جینس کا جو وفد آ رہا تھا خدا جانے وہ میرے ساتھ کیسا بہیمانہ سلوک کرتا"۔

ہم نے چائے ختم کر لی تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دروازہ اندر سے اچھی طرح بند کر لینا۔ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ کوئی بھی دروازہ کھٹکھٹائے تو کھولنا مت۔ اندر ہی سے بات کرنا۔ اول تو کوئی نہیں آئے گا' میں دیر نہیں لگاؤں گا"۔

میں کمرے سے نکل کر نچلی منزل کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو مجھے سونیا کے دروازے کی چٹخنی لگانے کی آواز آئی۔ نیچے کیبن کے پیچھے وہی لڑکا بیٹھا رجسٹر پر کچھ لکھ رہا تھا۔ میں خاموشی سے ہوٹل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ بازار جہاں میرے مطلب کی چیزیں یعنی کرمنڈل ترشول اور گیروی دھوتیاں بکتی تھیں وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں پیدل ہی اس بازار کی طرف چل پڑا۔ بازار کا موڑ گھومنے کے بعد میں نے ایک کھمبے پر لگے فلمی بورڈ کی طرف دیکھنے کے بہانے پیچھے نگاہ ڈالی کہ میرا پیچھا تو نہیں کیا جا رہا؟

مجھے اپنے پیچھے کوئی مشتبہ آدمی نظر نہ آیا۔ میں دوسرے بازار میں سے گزر کر ایک تنگ بازار میں آ گیا۔ یہ بازار ہمارے لاہور کے لنڈے بازار کی طرح کا تھا اور یہاں دنیا جہان کی چیزیں بکتی تھیں۔ پرانی' نئی' چوری کی چیزیں۔ ایک دکان میں مجھے گیروے رنگ کی دھوتیاں لٹکتی نظر آئیں۔ میں دکان میں گھس گیا یہاں کرمنڈل بھی تھے۔ میں نے یہ بہانہ کیا کہ ہم ایک ڈرامہ اسٹیج کر رہے ہیں جس کے لئے ہمیں ایک سادھو کی کاسٹیوم کی ضرورت ہے۔

میں دو گیروے رنگ کی دھوتیاں اور کرمنڈل خرید کر تھیلے میں ڈال کر رکھ لیا۔ ترشول مجھے یہاں نہ مل سکا۔ دوسری دکانوں پر جا کر دیکھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ترشول مجھے کہیں نہ ملا۔ میں نے بازار کی ساری دکانیں دیکھ لیں۔ مجھے یہ بھی خیال تھا کہ سونیا پیچھے اکیلی ہے۔ پہلے ہی مجھے کافی دیر ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے ترشول کا خیال دل سے نکال دیا اور واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس وقت دوپہر کا ایک بج چکا تھا۔ میں جس راستے سے گیا تھا' اسی راستے سے واپس ہوٹل میں پہنچ گیا۔ کیبن میں بیٹھا ہوا لڑکا اب کوئی کتاب پڑھ رہا تھا اور ہوٹل کے نوکر کھانا وغیرہ اوپر نیچے لے جانے میں لگے تھے۔ میں خاموشی سے سیڑھیاں چڑھتا دوسری منزل میں آ گیا۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ دروازہ بند تھا۔ میں نے قریب جا کر آہستہ سے دستک دی اور کہا۔ "کانتا

جی میں ہوں چندرن "۔

اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے دوسری بار دستک دی 'کسی نے اندر سے دروازہ نہ کھولا۔ میں نے سوچا شاید سونیا سو گئی ہے۔ اب میں نے ذرا زور سے دستک دی ۔ میرا ہاتھ ذرا زور سے دروازے کے پٹ پر لگا تو وہ کھل گیا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ سونیا کو جب میں نے تاکید کر دی تھی کہ اندر سے چٹخنی لگا کر رکھے تو پھر اس نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟

میں جلدی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سونیا کمرے میں نہیں تھی۔

میں نے باتھ روم کی طرف دیکھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ میں نے تھیلا پلنگ پر رکھ دیا اور دروازے کو اندر سے چٹخنی لگا دی۔ اب میں سونیا کے باتھ روم سے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ پانچ منٹ گزر گئے تو مجھے کچھ تشویش ہوئی۔ میں نے باتھ روم کے بند دروازے کے پاس جا کر آہستہ سے کہا۔ " سونیا! سونیا!"

اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ میں نے دروازے کو ذرا سا دھکا دیا تو یہ دروازہ بھی کھل گیا۔ باتھ روم بھی خالی پڑا تھا۔

میں جلدی سے چٹخنی کھول کر کمرے سے نکل کر برآمدے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سونیا وہاں بھی نہیں تھی۔ دوبارہ کمرے میں آ کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ سونیا وہاں بھی نہیں تھی۔ باتھ روم کو پھر دیکھا۔ باتھ روم بھی خالی پڑا تھا۔ یا خدا سونیا کہاں غائب ہو گئی ہے؟

میں کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔ خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ کر اپنے حواس درست کرنے لگا' پھر اٹھا باہر نکل کر دروازے کو تالا لگایا اور نیچے ہوٹل کے کیبن والے لڑکے کے پاس آ کر اپنے جذبات کو پوری طرح قابو کرنے کے بعد آہستہ سے بڑی بے نیازی سے پوچھا کہ میری پتنی بازار گئی تھی ابھی تک نہیں آئی۔ ایسا کرنا کہ کھانا ذرا دیر سے اوپر بھجوانا۔

لڑکے نے کتاب پر سے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا۔ "کیا آپ اسپتال نہیں گئے؟"

میں نے چونک کر پوچھا۔ "کون سے اسپتال؟"

لڑکا بولا۔ " آپ کو شاید ابھی معلوم نہیں ہوا۔ آپ کی پتنی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ آپ کا تاؤ جی یہاں آیا تھا۔ وہی اسے بے ہوشی کی حالت میں ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ تم آؤ تو تمہیں سول اسپتال بھیج دوں "۔

میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ سونیا کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ میں نے مصنوعی گھبراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا۔ " اچھا یہ بات ہے۔ بھگوان کرپا کرے 'مگر وہ کون لوگ تھے؟ ان کا حلیہ کیسا تھا؟"

ہوٹل والے لڑکے نے بتایا کہ آدمی پکی عمر کا مضبوط جسم والا تھا۔ گھنگریالے بال تھے۔ پتلون قمیص میں تھا جو عورت ساتھ تھی اس کی عمر چالیس کے قریب ہو گی۔ اس نے نیلی ساڑھی پہن رکھی

تھی ۔ اس کا رنگ سانولا تھا ۔

میں اسے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میری پتنی اغوا کرلی گئی ہے ۔ صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔ وہ میری خالہ تھی ۔ اچھا میں ابھی سول اسپتال جاتا ہوں ۔

میں جلدی جلدی اوپر گیا۔ کمرہ کھول کر تھیلا اٹھا کر بغل میں دبایا ۔ سیڑھیاں طے کرتا نیچے آیا ۔ چابی لڑکے کو دی اور اس سے صرف اتنا ہی پوچھا کہ وہ لوگ ٹیکسی میں بیٹھ کر کس طرف گئے تھے ؟ ہوٹل والے لڑکے نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ " اس طرف گئے تھے "۔

میں ہوٹل سے نکل کر اسی طرف چل پڑا۔ میرا ذہن سنسنا رہا تھا۔ اس جگہ سونیا کا اغوا ہو جانا میرے لئے ایک انتہائی اندوہناک حادثہ تھا۔ میں اسے موت کے منہ سے نکال کر لایا تھا۔ سوال یہ تھا کہ آخر اسے کون اغوا کرکے لے جا سکتا ہے ؟

اگر یہ کام پولیس یا سی آئی ڈی والوں کا تھا تو انہیں بھیس بدل کر آنے اور ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی ؟ وہ تو بڑی آسانی سے پولیس کے ساتھ آکر سونیا کو گرفتار کر کے لے جا سکتے تھے اگر وہ پولیس یا سی آئی ڈی والے ہوتے تو صرف سونیا کو ہی گرفتار نہ کرتے بلکہ میرے واپس آنے کا بھی انتظار کرتے اور مجھے بھی اس کے ساتھ ہی گرفتار کرتے ۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کوئی اور لوگ تھے ' مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اگر یہ دوسرے آدمی تھے تو یہ کون تھے ؟ کیا وہ سونیا کے پہلے ہی سے پیچھے لگے تھے ؟ مگر یہاں تو سونیا کو کوئی بھی نہیں جانتا ' پھر کسی کو کیا پڑی ہے کہ اسے اغوا کرتا ؟ لانچ کے مالک نیام پلی پر بھی مجھے شبہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اگر وہ چاہتا تو بندرگاہ پر ہی جب رات کو میں سو رہا تھا۔ سونیا کو اپنے کسی بھی آدمی سے اغوا کروا سکتا تھا۔ میں اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ پھر کیا یہ پیشہ ور بردہ فروش کا کام ہے جو اکیلی دکیلی عورت کو ہوٹل میں دیکھتے ہیں اور اسے کوئی دوائی سنگھا کر بے ہوش کرکے لے جاتے ہیں ۔

سوال یہ تھا کہ سونیا نے ان لوگوں کے لئے دروازہ کیوں کھولا ؟ ظاہر ہے اس نے دروازہ نہیں کھولا ہو گا۔ یہ جو کوئی بھی تھا اس نے یہاں ضرور اپنی ساتھ والی عورت سے کام لیا ہو گا۔. عورت نے سونیا سے کسی نہ کسی طرح دروازہ کھلوا لیا ہو گا۔ اگر اس آدمی نے ہوٹل والے لڑکے کو یہ کہا تھا کہ میں آؤں تو مجھے سول اسپتال بھیج دیا جائے تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اسٹیشن ہی سے ہمارے پیچھے لگ گیا تھا پھر جب میں ہوٹل میں سونیا کو لے کر آیا تو وہ کہیں لوھر ادھر ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی ساتھی عورت کو بھی لے آیا اور جب میں ہوٹل سے نکل کر بازار کی طرف گیا تو یہ لوگ سونیا کے قریبی رشتے دار بن کر دوسری منزل پر آگئے اور سونیا کو بے ہوش کرنے کے بعد اغوا کرکے لے گئے ۔

سونیا اگر اسرائیلیوں کے قبضے میں تھی تو کم از کم مجھے یہ علم تھا کہ وہ کس مقام پر ہے ۔ میں اسے وہاں سے نکالنے کے لئے اپنی جدوجہد کو ایک جگہ مرکوز کر سکتا تھا ' لیکن اب تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ

کہاں ہے، کس دنیا میں ہے؟ زندہ بھی ہے یا نہیں؟

ہوٹل کے سامنے سڑک کی جانب دو چار ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ان کے ڈرائیور ایک طرف چائے خانے کے باہر بیٹھے سگریٹ چائے سے شغل کر رہے تھے۔ میں نے انہیں پرنام کیا اور کہا۔ "بھیا جی! میری پتنی سامنے والے ہوٹل میں بیمار تھی۔ میں دوائی لینے گیا تو پیچھے میرا دیور اور بھابی جی آکر اسے لے گئے۔ وہ بے ہوش تھی۔ مجھے معلوم نہیں کس اسپتال لے گئے ہیں اسے۔ کیا آپ نے ہوٹل سے کسی بے ہوش عورت کو کسی مرد کے ساتھ نکلتے دیکھا ہے جی؟"

ڈرائیور میری طرف تکنے لگے۔ ایک نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "ارے بھیا! میں نے ایک عورت اور ایک مرد کو ہوٹل سے نکل کر گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک بے ہوش عورت کو تھام رکھا تھا"۔

میں نے جلدی سے کہا۔ "ہاں ہاں وہی میری پتنی تھی جی"۔

دوسرا ڈرائیور کہنے لگا۔ "ارے شریمان جی پتنی تھی' تو تمہارے دیور جی کے ساتھ گئی ہے۔ گھبراتے کیوں ہو؟"

دوسرے ڈرائیور ہنسنے لگے۔ میں نے کہا۔ "اصل میں جی مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سے اسپتال میں لے گئے ہیں اسے؟"

ایک پختہ عمر کے ڈرائیور نے پوچھا۔ "مہاشے جی اگر آپ کے دیور بھابی اسی شہر میں رہتے تھے تو آپ اسے اس ہوٹل میں کیوں لے آئے؟ جب کہ آپ کی پتنی بیمار بھی تھی؟"

میں نے کہا کہ جی دراصل ہم دیور جی سے لڑ کر ہوٹل میں آگئے تھے۔ ڈرائیور پھر ہنسنے لگا۔ آخر میں انہوں نے بتایا کہ گاڑی ٹیکسی نہیں تھی۔ کالے رنگ کی فوکس ویگن تھی اور وہ چھیتل پور والے چوک کی طرف گھوم گئی تھی۔

میں نے چھیتل پور والے چوک کی سمت دریافت کی اور وہاں سے تیز تیز نکل گیا۔ آگے جا کر میں نے ایک خالی ٹیکسی لی اور اسے کہا کہ چھیتل پور کی طرف چلے۔ میں راستے میں ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتا جا رہا تھا۔ گاڑی پُر ہجوم بازار سے نکل کر کھلی جگہ پر آئی۔ سڑک کے دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کارخانے اور فیکٹریاں نظر آنے لگیں۔ یہ فیکٹری ایریا معلوم ہوتا تھا۔ اس علاقے سے نکلے تو سامنے کوارٹروں کی بستی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ "چھیتل پور ہے بابو بھائی۔ کہاں جائیں گے؟"

میں نے چھیتل پور کے قریب ہی ٹیکسی رکوا دی اور اسے کہا۔ "تھوڑی دیر یہاں انتظار کرو بھائی۔ میں ابھی واپس آتا ہوں"۔

ڈرائیور نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دو بابو۔ کوئی دوسری گاڑی لے لینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے"۔

میں نے اسے فارغ کردیا اور چیتل پور بستی کے کوارٹروں کی طرف چلنے لگا۔ میں چیتل پور کی بستی میں آ تو گیا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں سونیا کو یہاں کہاں اور کیسے تلاش کروں۔ بستی میں ڈھلانی چھتوں والے کوارٹروں کی قطاریں سی بنی تھیں جو ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ یہ فیکٹری مزدوروں کی بستی لگتی تھی۔ بستی کے ایک جانب لوہے کے اسکریپ کے ڈھیر لگے تھے۔ ایک گڑھے میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ میں بستی میں داخل ہو گیا اور کالی فوکس ویگن کی تلاش شروع کر دی۔ میں ساری بستی میں گھوم گیا۔ مجھے وہاں کوئی گاڑی نظر نہ آئی۔ سبھی لوگ وہاں اجنبی تھے۔ کسی سے کیا پوچھتا؟

بے نیل مرام بستی سے باہر نکل آیا۔ ایک طرف ایک بوڑھا درخت کے نیچے بیٹھا ناریل پی رہا تھا۔ میں نے اسے پرنام کیا اور پوچھا کہ یہاں نیلے رنگ کی موٹر گاری تو نہیں آئی تھی؟

بوڑھے نے منہ سے ناریل ہٹا کر مجھے زرد زرد آنکھوں سے دیکھا اور تامل میں ہی جواب دیا کہ ادھر کبھی کوئی موٹر گاڑی نہیں آئی۔ یہ تو غریب مزدوروں کی بستی ہے۔ میں اسے پرنام کر کے اٹھا اور ادھر ادھر دیکھتا واپس اسی سڑک کی طرف چل پڑا جس کے دونوں طرف کارخانے تھے۔ ایک گھنٹے کی دربدری کے بعد جب مجھے سونیا کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو میں واپس اسی ہوٹل میں آ گیا۔ کمرے میں تھکن سے چور ہو کر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھلا ہی تھا۔ نوکر لڑکا آ گیا۔ اس نے کھانا لانے کے لئے پوچھا۔ میں نے اسے اشارے میں کہا کہ لے آؤ۔ وہ چاول اور دال لے آیا۔ بھوک سخت لگ رہی تھی۔ لڑکا جانے لگا تو رکا اور پلٹ کر بولا۔ "بابو بھائی آپ کی پتنی جی کا کیا حال ہے؟"

میں خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ آہستہ سے کہا۔ "ٹھیک ہے اب"۔

وہ میرے قریب آ گیا اور کہنے لگا۔ "بابو جی! کیسری آپ کے تاؤ ہیں کیا؟"

میں چونکا۔

"کون کیسری؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

لڑکا کہنے لگا۔ "جی وہی جو آپ کی بے ہوش پتنی کو ہسپتال لے گئے ہیں؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو؟"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "بابو جی! میں انہیں جانتا تو نہیں پرنتو۔ میں ایک بار یہاں کی سوناگاچی اپنے ماما سے ملنے گیا تھا۔ وہاں میرے ماما کی پنواڑی کی دکان ہے تو وہاں کیسری بابو کو دنگا کرتے دیکھا تھا۔ سنا ہے جی سوناگاچی میں لوگ اس کا نام سن کر کانپتے ہیں"۔

میں نے جیب سے دس روپے نکال کر لڑکے کو دیئے اور کہا۔ "یہ بات کسی کو مت بتانا"۔

پر اس سے کیسری کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے اس کے سوا کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ سوناگاچی یعنی وجے واڑہ کی ہیرا منڈی کا بدمعاش تھا' اور اس نے اسے

وہاں دنگا کرتے دیکھا تھا۔

اب میرے لئے سونا گاچی جا کر کیسری بدمعاش کے بارے میں کھوج لگانا ضروری ہو گیا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں جہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں تھا کیسری کے بارے میں اتنا سراغ میرے لئے آگے بڑھنے کے لئے کافی تھا۔ ہیرا منڈی کسی بھی شہر میں ہو اس کی زندگی رات ہی کو شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ جب رات ہو گئی تو میں کمرے کو تالا لگا کر وجے واڑہ کی ہیرا منڈی یعنی وہاں کی سونا گاچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے ہوٹل سے نکلتے ہی محسوس کیا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا بازار میں روشنی تھی۔ ایک آدمی میری نظر پڑتے ہی رک گیا اور دوسری طرف تکنے لگا۔ میں محتاط ہو گیا۔ یہ انٹیلی جینس کا آدمی ہو سکتا تھا۔

ایک آدمی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

یہ انڈین انٹیلی جینس کا آدمی بھی ہو سکتا تھا اور کوئی چور اچکا بھی' جو رات کے اندھیرے میں مجھے اکیلا پا کر لوٹنا چاہتا ہو۔ چونکہ میں دشمن کی سرزمین پر کمانڈو جاسوس کے بھیس میں سرگرم عمل تھا۔ اس لئے یہ غالب امکان یہی تھا کہ آدمی انڈین انٹیلی جینس کا ہے' جن اصحاب نے آندھرا پردیش یعنی سابقہ حیدر آباد دکن کا یہ بڑا شہر وجے واڑہ دیکھا ہے۔ انہیں معلوم ہو گا کہ اس شہر کی مضافاتی بستیاں تو بہت ماڈرن ہیں' مگر اندرون شہر کا علاقہ کلکتے کی طرح گنجان آباد ہے' لیکن ایسا گنجان بھی نہیں کہ تنگ و تاریک گلیاں ہوں۔ اندرون شہر بھی قدرے کشادہ سڑکیں تھیں' لیکن ان میں سے جو ذیلی سڑکیں نکل کر گلیوں میں بدل جاتی تھیں۔ وہ زیادہ فراخ نہیں تھیں اور ان پر دونوں جانب چار چار' پانچ پانچ منزلہ پرانی عمارتیں جھکی تھیں۔ ان میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ ان عمارتوں کی پہلی منزلوں میں بھی فلیٹ تھے .... جن کی سلاخ دار کھڑکیوں میں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔

میں مکانوں کے ساتھ ساتھ ہو کر چل رہا تھا۔ میری منزل وجے واڑہ شہر کا ریڈ لائٹ ایریا یعنی سونا گاچی تھی۔ ایک سونا گاچی کلکتے میں بھی ہے۔ یہاں بھی ریڈ لائٹ ایریا کا نام سونا گاچی پڑ گیا تھا۔ دن کے وقت' میں ایک دو بار اس علاقے سے گزرا تھا۔ اس وقت یہاں اداسی اور ویرانی برس رہی تھی۔ اب رات کے وقت پہنچا تو سارے کا سارا علاقہ جگمگا رہا تھا۔ کوٹھوں سے ہار مونیم اور طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی جھنکار کی مترنم آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے اس علاقے کے ایک پنواڑی کی دکان پر پہنچنا تھا' جو ہوٹل والے لڑکے کا ماموں تھا۔ وہاں سے مجھے کیسری بدمعاش کا سراغ مل سکتا تھا' جس نے ایک عورت کے ساتھ مل کر ہوٹل والے کمرے سے میری عدم موجودگی میں سونیا کو اغوا کیا تھا۔ ہوٹل والے لڑکے نے بتایا تھا کہ اس پنواڑی کو وہاں سب ماما پان والے کے نام سے پکارتے ہیں۔ ریڈ لائٹ ایریا کا ایک بڑا بازار تھا۔ دائیں بائیں چھوٹی گلیاں تھیں۔ میں نے ایک چائے والے کی دکان سے مطلوبہ شخص کا پتا پوچھا اور ماما پنواڑی کی دکان پر آ گیا' جو ایک گلی کے اندر جا کر تھی۔ چھوٹی سی دکان تھی' مگر دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ سامنے ایک بڑا آئینہ تھا۔ کتھے چونے کی گڑویاں چمک رہی تھیں وشنو

بھگوان کی فریم میں لگی ہوئی تصویر کے آگے پھول پڑے تھے اور لوبان سلگ رہا تھا۔ فلم ایکٹریسوں کی تصویریں بھی لگی تھیں۔ ماما پنواڑی ڈھلتی عمر کا دبلا پتلا آدمی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ہاتھ کتھے سے سرخ ہو رہے تھے۔

ایک مشین کی طرح وہ پان لگا لگا کر تھال میں رکھے جا رہا تھا۔ کچھ گاہک کھڑے پان سگریٹ لے رہے تھے۔ ایک آدمی آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنی مونچھوں کو مروڑ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر سبز رنگ کا ہندی 'اوم' کھدا ہوا تھا۔ ماما پنواڑی اس سے مذاق کر رہا تھا کہ چندرا بائی کے سامنے جاؤ گے تو مونچھیں اپنے آپ نیچی ہو جائیں گی۔ وہ تامل میں بول رہا تھا۔ میں نے بھی اسی زبان میں اس سے سگریٹ کا ایک پیکٹ لیا اور جلتی ہوئی رسی سے سگریٹ سلگا کر لمبا کش لگا کر گلی کے کونے کی طرف دیکھا۔ مجھے اس آدمی کی تلاش تھی، جو ہوٹل سے چلتے وقت میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ کئی لوگ آ جا رہے تھے۔ مجھے وہ نظر نہ آیا، وہ ضرور کسی جگہ اوٹ میں چھپ کر مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ بہرحال، مجھے اس وقت اپنے کام سے غرض تھی۔ جب دکان سے گاہک ہٹ گئے تو میں سگریٹ کا کش لگا کر ماما پنواڑی سے براہ راست پوچھ لیا کہ مجھے کیسری دادا سے ملنا ہے۔ ماما پنواڑی نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بھیا ! مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ چندرا بائی سے جا کر پوچھو"۔

پنواڑی اگرچہ اپنی دھن میں پان لگا رہا تھا، مگر اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کیسری بدمعاش کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اب میں نے نہلے پر دہلا پھینکا اور گردن اسکی طرف جھکاتے ہوئے تجربے کار بدمعاشوں کے انداز میں کہا۔ "ماما! میں ورنگل کے اڈے سے آیا ہوں۔ کیسری دادا کی جیتی ہوئی رقم اسے پہنچانی ہے۔ اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ رقم لے کر آؤ تو ماما پنواڑی سے میرا پتہ پوچھ لینا"۔

پنواڑی کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے لال کپڑے سے کتھے والے ہاتھ پونچھے۔ بازار میں دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی اور بولا "کیسری تو آج صبح ہی راما گندم والے اڈے کو چلا گیا ہے"۔

میں نے سگریٹ کا ایک اور کش لگایا۔ دھواں ہوا میں پھینکا اور بڑے خرانٹ انداز میں ماما پنواڑی کی طرف دیکھے بغیر یوں پوچھا، جیسے میں کیسری کے ٹولے کا ہی آدمی ہوں اور اس کی سرگرمیوں سے پوری طرح واقف ہوں اور اس کا رازدار بھی ہوں۔ "ماما! کیسری دادا مال لے کر گیا ہے کیا؟"

ماما پنواڑی اب پھر پان لگانے لگا تھا۔ آہستہ سے بولا "وہ مال لے کر ہی راما گندم جاتا ہے"

مشکل یہ تھی کہ مجھے راما گندم والے اڈے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم نہیں تھا۔ یہ بات میں ماما پنواڑی پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ مجھے اب کیسری بدمعاش کے گروپ کا ہی آدمی سمجھ رہا تھا، لیکن راما گندم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ میں نے عیاری سے اداکاری کرتے ہوئے اپنی گردن کھجائی اور گردن ٹیڑھی کر کے کچھ یاد کرنے کے انداز میں استفسار کیا۔ "یہ راما گندم والا اڈا وہی ہے نا، جہاں ایک پرانا تالاب اور مندر بھی ہے۔ شہر کے باہر جنگل والی پلیا کے

قریب ہے"

اتنا میں جانتا تھا اس قسم کے بدمعاشوں کے اڈے شہر سے باہر ہی ہوتے ہیں اور وسطی بھارت کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو کہ جہاں کوئی پرانا تالاب مندر اور شہر کے باہر جنگل نہ ہو۔ ماما پنواڑی بولا "کیا تم پہلے وہاں کبھی نہیں گئے ....؟"

میں نے فوراً جواب دیا "کیسری کے ساتھ ایک بار ہی گیا تھا۔ کافی دن ہو گئے ہیں' کچھ کچھ یاد ہے۔ اصل میں ہم رات کے وقت وہاں سے مال لے کر گئے تھے اور منہ اندھیرے واپس آ گئے تھے"

ماما پنواڑی جانتا تھا کہ میرے پاس کیسری کی جوئے میں جیتی ہوئی رقم ہے اور اگر میں نے اسے پورا ایڈریس وغیرہ نہ بتایا تو کیسری اسے جان سے مار دے گا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔ "راما گندم اسٹیشن سے اتر کر دکھن کی طرف جاؤ گے تو چوکا ڈھایا کی بستی آئے گی۔ وہیں کنارے والی باڑی میں تو ہے دھنپتی کا اڈا"

میں نے ہنس کر کہا "ہاں ہاں' اب یاد آ گیا۔ دھنپتی تو میرا بھی بہت یار ہے"

اس دوران میں میری تیز نگاہیں گلی اور سامنے والی سڑک پر آتے جاتے لوگوں میں سے اپنے تعاقب کرنے والے کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں' جو ابھی تک مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ ماما پنواڑی نے مجھے پان کھلایا۔ چائے کا پوچھنے لگا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑے مزے سے بدمعاشوں کی طرح لٹک لٹک کے چلتا ہوا' سگریٹ کا دھواں اڑاتا گلی میں سے گزر کر سوناگاچی کے بڑے بازار میں آ گیا۔ اگر واقعی کوئی میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو میں اسے ایک سنہری موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ مجھے بھی معلوم ہو سکے کہ وہ اصل میں کون ہے؟ حسن اتفاق سے میری بائیں جانب ایک گلی آ گئی' جہاں نسبتاً اندھیرا تھا۔ میں بڑی بے نیازی سے سگریٹ کے کش لگاتا ہوا اس گلی میں گھس گیا۔ یہ طوائفوں کے مکانوں کے پچھواڑے تھے۔ اور روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ گلی میں کچھ دور جانے کے بعد میں نے اسی انداز میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا' جیسے کسی خاص مکان کی تلاش میں ہوں۔ اس وقفے میں' میں نے پیچھے نظریں گھما کر دیکھ لیا تھا۔ وہ پراسرار آدمی میرے تعاقب میں تھا۔ میں نے اس خیال سے اپنی رفتار دھیمی کر لی تھی اگر وہ انٹیلی جینس کا آدمی ہے تو رک جائے گا اور اگر کوئی چور اچکا ہے تو میری طرف تیزی سے بڑھے گا۔ کیونکہ اندھیری گلی آگے جا کر دوسرے روشن بازار میں داخل ہو جاتی تھی۔

مجھے اپنے عقب میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں رک گیا اور جلدی سے گھوم گیا۔ پراسرار آدمی کے ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ میرے سامنے کھڑا ہندی زبان میں کہہ رہا تھا "جو کچھ جیب میں ہے نکال کر میرے حوالے کر دو"

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ خدا کا شکر بھی ادا کیا کہ یہ انڈین انٹیلی جینس کا آدمی نہیں تھا' بلکہ

کوئی اچکا تھا۔ اس سے نمٹنا میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اس احمق کو نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک کمانڈو کو چیلنج کر رہا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ مجھے پردیسی سمجھ رہا تھا' جو اپنے ہوٹل سے نکل کر ہیرا منڈی میں گانا سننے آیا تھا۔ تاہم میں نے بڑی عاجزی سے کہا ارے بھائی' میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ ایک مضبوط جسم والا بدمعاش تھا اور سیاہ آنکھیں..... اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں' لیکن ایک تجربہ کار کمانڈو کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس نے تامل زبان میں مجھے ایک گالی دی اور غراتے ہوئے کہا کہ جیبوں میں جو کچھ ہے' باہر الٹ دو۔ نہیں تو چاقو سینے میں گھونپ دوں گا۔ اس کی گالی سن کر میرا خون کھول اٹھا' پھر بھی میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے ہلاک نہیں کروں گا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بڑی چالاکی سے کچھ نوٹ گرا دیئے۔ میں نوٹ اٹھانے کے لئے جھکا تو اس نے پاؤں ایک نوٹ پر رکھ دیا اور مجھے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اسے کیا معلوم کہ میں نوٹ اٹھانے کے لئے نہیں جھکا تھا۔ اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میں اوپر کو اٹھا' مگر اس دوران میں میرا ایک بھرپور سیدھا ہاتھ ذرا ٹیڑھا ہو کر اسے پڑا تھا۔ وہ آواز نکالے بغیر دہرا ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد' میرا دوسرا بھرپور ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا اور وہ گولا سا بن کر زمین پر ایک طرف لڑھک گیا۔ اسکی ٹانگوں میں جو ضرب لگی تھی۔ اس کے بارے میں یقین تھا کہ وہ کم از کم پندرہ بیس منٹ تک اسے وہاں سے اٹھنے نہیں دے گی۔ وہ درد کے مارے ہولے ہولے ہائے ہائے کر رہا تھا۔ میں نے بڑے اطمینان سے زمین پر گرے ہوئے پانچ پانچ روپے کے تینوں نوٹ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالے اور اس کے قریب آ کر کہا "آئندہ کسی کو گالی مت دینا" یہ کہہ کر میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گلی سے باہر نکل گیا۔

بازار میں ٹیکسی آسانی سے مل گئی۔ میں واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ یہاں سوائے ایک تھیلے کے میرا اور کوئی سامان نہیں تھا۔ اس میں بھی ایک جوڑا دھوتی کرتا اور میرا چاقو تھا۔ چاقو میں نے تھیلے میں سے نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ ہوٹل کا دو دن کا کرایہ میں پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے۔ میں سیڑھیاں اتر کر کاؤنٹر کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ کاؤنٹر خالی تھا۔ یہ اچھی بات تھی میں خاموشی سے سامنے سڑک پر آ گیا۔ یہاں سے وجے واڑہ کا ریلوے اسٹیشن چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا۔ صرف ایک چوراہا بیچ میں تھا۔ ریلوے اسٹیشن کی روشنیاں جگمگاتی ہوئی سامنے نظر آ رہی تھیں۔ مجھے راما گندم شہر پہنچنا تھا۔ جس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں تھا وہ کس طرف ہے؟

ریلوے کے بک اسٹال پر آ کر میں نے ایک چھوٹا سے ٹائم ٹیبل خریدا اور ایک طرف ہو کر اسے کھول کر سب سے پہلے آندھرا پردیش صوبے کا نقشہ دیکھا۔ نقشے کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ جو ریل گاڑی وجے واڑہ سے ورنگل اور آگے ناگ پور تک جاتی ہے۔ اس لائن پر راما گندم' ورنگل کے بعد' پہلا بڑا شہر ہے۔ گویا مجھے وجے واڑہ سے ناگ پور کو جانے والی گاڑی پکڑنی تھی۔ میں نے ٹائم ٹیبل

میں سے نقشہ پھاڑ کر تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ٹائم ٹیبل کو وہیں بنچ پر پھینکا اور جانے والی گاڑیوں کی ایک بکنگ کھڑکی پر آکر کالے کلوٹے بابو سے پوچھا کہ راماگندم کو جانے والی گاڑی کب ملے گی؟ اس نے بتایا کہ مدراس 'ناگ پور ایکسپریس رات اڑھائی بجے آئے گی۔ وہ مجھے راماگندم پہنچادے گی۔ اس وقت رات کے سوا دس بج رہے تھے۔ ابھی ٹرین کے آنے میں چار سوا چار گھنٹے باقی تھے۔ یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ ٹرین لیٹ نہیں تھی۔ چار و ناچار مجھے وجے واڑہ اسٹیشن پر چار گھنٹے ٹرین کے انتظار میں گزارنے تھے۔ اسٹیشن پر کافی رونق تھی۔ پلیٹ فارم نمبر ایک کے گیٹ کے پاس دو ملٹری پولیس کے جوان بھی کھڑے تھے۔ میں ان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ مجھے وہاں کچھ ایسے سفید پوش آدمی بھی نظر آئے 'جن کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ یہ انٹیلی جینس کے آدمی ہیں۔ میں نے فوراً راماگندم تک تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ لیا۔ معلوم ہوا کہ مدراس ایکسپریس نمبر چار پلیٹ فارم پر آئے گی۔ چنانچہ میں ایک پل کے اوپر سے ہو کر نمبر چار پلیٹ فارم پر آگیا۔ یہ پلیٹ فارم نسبتاً ویران سا تھا۔ موسم ایسا ہی تھا' جیسا کہ ہمارے یہاں اگست ستمبر میں ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں حبس کچھ زیادہ ہی تھا۔ پلیٹ فارم کے سارے پنکھے چل رہے تھے۔ میں ایک ایسی بنچ پر آکر بیٹھ گیا' جہاں ... بجلی کی روشنی بہت کم پڑ رہی تھی۔ بیٹھتے ہی میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اندرونی جیب سے رقم نکال کر گنی۔ کل ملا کر اس وقت میرے پاس بھارتی کرنسی میں پونے چار سو روپے تھے' جو میرے لئے بہت کافی رقم تھی۔ میں نے باہر والی جیب میں پانچ پانچ کے تینوں نوٹ ویسے ہی رہنے دیئے۔ باقی رقم اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھی۔ ماما پنواڑی سے خریدی ہوئی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور آہستہ آہستہ کش لگاتے ہوئے آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ میرا لباس اور حلیہ بالکل ایک مدراسی نوجوان جیسا تھا۔ رنگ جو بھی کھلتا ہوا' ہوا کرتا تھا۔ اب بالکل مدراسیوں ایسا ہو گیا تھا۔

پلیٹ فارم پر ابھی مدراس ایکسپریس کی سواریاں نہیں آئیں تھیں۔ کہیں کہیں چلتے پنکھوں کے نیچے کچھ مرد' عورتیں اپنے اپنے سامان کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ریلوے کا ایک وردی پوش مکینک ایک ہاتھ میں لالٹین اور دوسرے میں لمبے دستے والا ہتھوڑا لئے میرے سامنے سے بیڑی پیتا ہوا گزر گیا۔ میں نے اپنے عقب میں دیکھا۔ ریلوے لائن پر ذرا دور ایک مال گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے اونچی نیچی پہاڑیوں پر وجے واڑہ کے مکانوں اور بنگلوں میں روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس پلیٹ فارم پر ابھی تک کوئی پولیس والا یا ملٹری پولیس کا آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وقت کاٹنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میں نے عمداً پلیٹ فارم کے اس حصے کی طرف ٹہل رہا تھا۔ جدھر زیادہ روشنی نہیں تھی۔ ایک منٹ' ایک ایک گھنٹے کے برابر ہو کر گزر رہا تھا۔ نہ جانے کتنی صبر آزما گھڑیوں کے بعد' جا کر کہیں رات گیارہ بجے۔ میں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اب بھوک لگ رہی تھی۔ پلیٹ فارم کی دونوں جانب ریل کی پٹڑیاں تھیں۔ کوئی

یفرشمنٹ روم بھی نہیں تھا۔ کوئی ریڑھی والا بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ صرف ایک اسٹال تھا' جو بند
ما۔ شاید یہ ٹی اسٹال تھا' جو مدراس ایکسپریس کے آنے سے کچھ دیر پہلے کھلتا ہو گا۔ ایک مدت بعد اوپر
تلے دو سگریٹ پیئے تو کھانسی شروع ہو گئی۔ میں نے باقی ماندہ سگریٹ پھینک دیا۔ واپس بنچ پر آ کر بیٹھ
گیا۔ ایک بار پھر عقابی نظروں سے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا وہاں کوئی مشکوک آدمی نہیں تھا۔ شمال کی طرف
سے ایک گاڑی آ کر پلیٹ فارم نمبر دو پر رکی تو ادھر انسانی آوازوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہونے لگا' پھر ایک
گاڑی نمبر تین پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے مجھے ایک فائدہ ضرور ہو رہا تھا کہ پولیس اور انٹیلی
جنس والوں کی توجہ دوسرے پلیٹ فارموں کی طرف ہی زیادہ تھی۔ خدا خدا کر کے رات کے بارہ بجے'
پھر ایک بج گیا۔ اس دوران میں دوسرے پلیٹ فارموں پر گاڑیاں تھوڑے وقفوں کے بعد آتی جاتی
رہیں۔ ڈیڑھ بجے میرے والے پلیٹ فارم نمبر چار پر بھی دکن سے ایک ٹرین آ گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ ٹرین ورنگل سے قاضی پیٹ اور پھر حیدر آباد (دکن) کی طرف مڑ جائے گی۔
جب کہ میری منزل ورنگل سے شمال کی جانب ناگ پور برانچ پر تھی۔ اس گاڑی کے آنے سے ایک
فائدہ ضرور ہوا کہ دوسرے پلیٹ فارموں سے دو تین ریڑھی والے ادھر آ گئے۔ ان میں ایک ریڑھی
والا چلہ (چاول کی روٹی) اور بینگن کی بھاجی بیچ رہا تھا۔ میں اس سے چاول کی چار روٹیاں اور مٹی کی پیالی
میں بینگن کی تیز مرچوں والی بھاجی لے کر کھائی تو جان میں جان آئی بھوک سے واقعی میرا برا حال ہو رہا تھا۔
گاڑی نکل گئی تو پلیٹ فارم نمبر چار ایک بار پھر ویران ہو گیا۔ آدھے گھنٹے بعد 'ٹی سٹال بھی کھل گیا۔ ایک
بار پھر ریڑھی والے آ گئے۔ میلی کچیلی نیلی نیکروں والے کالے اور دُبلے پتلے تامل قلی بھی آ کر
پلیٹ فارم کے کنارے کنارے اکڑوں بیٹھ کر بیڑیاں پھونکنے اور تامل تلیگو اور ہندی میں باتیں
کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ وجے واڑہ سے چلی ہوئی مدراس ناگ ایکسپریس آنے ہی والی ہے۔

آخر وہ گاڑی آ ہی گئی' جس کے انتظار میں' میں نے کوہ ہمالیہ ایسے چار گھنٹے کاٹے تھے۔ دھڑ
دھڑاتی ہوئی مدراس ناگ پور ایکسپریس وجے واڑہ کے بہت بڑے جنکشن کے پلیٹ فارم نمبر چار میں
خراماں داخل ہوئی۔ اس کا دیو پیکر انجن جھک جھک کرتا ہوا میرے سامنے سے گزر گیا۔ ڈبوں میں
روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سوئے ہوئے مسافر صاف نظر آ رہے تھے۔ کچھ ڈبوں کی کھڑکی میں سے باہر
جھانک رہے تھے۔ کچھ ڈبوں کے دروازوں میں کھڑے تھے۔ ٹرین رکی' اور مسافروں کا شور مچ گیا۔ پھر
پھر تامل تلیگو زبان کی قینچیاں چلنے لگیں۔ کوئی کسی کو آواز دے رہا تھا تو کوئی کسی کو پکار رہا تھا' میری
نگاہیں تھرڈ کلاس کے ڈبوں پر تھیں جو سب سے پیچھے لگے ہوئے تھے' تمام ڈبوں میں رش تھا۔ ڈبے سوتے
جاگتے مسافروں اور الم غلم سامان سے بھرے ہوئے تھے میں ایک ڈبے میں داخل ہو گیا۔ مسافروں کی
اکثریت لمبی تانے سو رہی تھی ...... کچھ جاگنے کے بعد لال لال نیند بھری آنکھوں سے باہر دیکھ رہے
تھے۔ کوئی چائے والے کو تو کوئی سگریٹ بیڑی والے کو بلا رہا تھا۔ اس زمانے میں بھی اگرچہ زنانہ ڈبے

الگ ہوا کرتے تھے' مگر عورتیں پھر بھی تھرڈ کلاس کے ڈبوں میں اپنے آدمیوں کے ساتھ ہی سفر کرنا پسند کرتی تھیں۔ اس ڈبے میں بھی مجھے کچھ عورتیں نظر آئیں' ایک بھی سیٹ خالی نہیں تھی۔ اس ریل گاڑی کو چار گھنٹوں کے بعد' ورنگل اور وہاں سے ایک گھنٹے بعد' راما گندم اسٹیشن پر پہنچنا تھا۔ اس حساب سے میرا پانچ گھنٹوں کا سفر تھا۔ میں احتیاطاً دروازے کے قریب نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ ورنگل بڑا جنکشن تھا اور وہاں خطرہ تھا کہ شاید ملٹری پولیس والے یا انٹیلی جینس کا کوئی آدمی اندر آکر ادھر ادھر جھانکے۔ اس لئے میں مسافروں کے سامان کے اوپر سے ہوتا ہوا ڈبے کی دیوار کے ساتھ لیٹرین والے دروازے کے پاس ہی ایک بستر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔ اس سے بہتر جگہ مجھے اس مسافروں اور سامان سے بھرے ہوئے ڈبے میں کہیں اور نہیں مل سکتی تھی۔ وجے واڑہ ایک بہت بڑا جنکشن تھا۔ اگرچہ یہ ایکسپریس ٹرین تھی' پھر بھی وہ وہاں آدھ گھنٹے تک رکی رہی' میری نظریں ڈبے کی کھڑکیوں اور دروازے کا جائزہ لیتی رہیں۔ یہاں سے دس بارہ مسافر سامان سمیت داخل ہوئے تھے۔ صرف بار ایک ریلوے پولیس کے ایک سپاہی نے کھڑکی میں سے اندر جھانک کے دیکھا۔ میں نے یوں ظاہر کیا' جیسے میں سو رہا ہوں' مگر نیم وا آنکھوں سے میں سپاہی کو برابر دیکھ رہا تھا۔ آخر گارڈ کی سیٹی کی دل خوش کن آواز بلند ہوئی۔ انجن نے بھی ایک بار پھر چیخا۔ گارڈ کی سیٹی دوبارہ آواز سنائی آئی۔ انجن بھی ایک بار چیخا۔ ٹرین کو آہستہ سے دھچکا سا لگا اور گاڑی پلیٹ فارم پر آگے کو کھسکنے لگی۔ ٹرین کے ڈبے میں ابھی تک حبس تھا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم سے باہر نکلی تو ٹھنڈی ہوا لگی۔ اب میں نے ڈبے کا اطمینان سے جائزہ لیا۔ جو نئے مسافر چڑھے تھے۔ انہوں نے دونوں جانب دروازوں کے پاس ہی اپنے اپنے سامان کے ساتھ ڈیرے جما لئے تھے۔ میں ڈبے کی سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑے بستر بند سے ٹیک لگائے تھیلا جھولی میں رکھے بیٹھا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری ایک جانب کھڑکی کے پاس والی سیٹ پر ایک موٹی سی عورت ایک ٹرنک سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔ اس کا کچھ سامان سیٹ کے نیچے بھی پڑا تھا۔ جس کو اس نے ڈبے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی جھانک کر دیکھا تھا۔ اس عورت کے ماتھے پر وشنو تلک لگا ہوا تھا۔ وہ سفید دھوتی میں تھی اور گلے میں مالا تھی۔

ٹرین کافی دیر تک ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ وجے واڑہ جنکشن کے وسیع یارڈ میں گزرتی رہی۔ جب ریل پٹڑیوں کے کشادہ جال سے نکل کر مین لائین پر آئی تو اسکی رفتار تیز ہو گئی۔ مجھے نیند آنے لگی تھی۔ ٹرین کا اگلا پڑاؤ دوما کال کا اسٹیشن تھا' جو وہاں سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا سفر تھا۔ میں نے اپنا بستر بند کے ساتھ لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر' میں سونیا کے بارے میں غور کرتا رہا وہ بدقسمت لڑکی نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی؟ اور پھر مجھے نیند آ گئی۔ ایک ہلکے سے دھچکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹرین دوما کال کے ریلوے اسٹیشن پر کھڑی تھی۔ یہ بھی آندھرا پردیش کا ایک بڑا شہر تھا' مگر جنکشن نہیں تھا۔ یہاں ٹرین دس منٹ رکی اور پھر روانہ ہو گئی۔ اب مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ٹرین کھیتوں'

دریاؤں ' چھدرے جنگلوں اور ناریل تاڑ اور چھالیہ کے دو رویہ درختوں کے درمیان میں سے پوری رفتار سے گزر رہی تھی اور چھوٹے چھوٹے اسٹیشن پیچھے چھوڑتی چلی جارہی تھی ۔ ورنگل ابھی دور تھا۔ پو پھٹنے لگی ' پھر ڈبے کی کھڑکیوں سے باہر درختوں ' کھیتوں اور جنگلوں کے منظر ' صبح کی اولین ہلکی نیلی روشنی میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے ۔ سفید دھوتی والی عورت نے گلے کی مالا اتار کر ہاتھ میں تھامی اور اپنا منہ کھڑکی میں سے نظر آتے آسمان کی طرف کر کے تامل میں سورج دیوتا کی شان میں لکھے گئے قدیم اشلوکوں کا ورد شروع کر دیا۔ وہ دھیمی آواز اور کرناٹکی انگ میں یہ اشلوک گا رہی تھی ۔ میری بائیں جانب جو مسافر لمبی چادر تان کر سو رہا تھا ' اپنے چہرے پر سے چادر ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔

یہ ایک لڑکی تھی ۔ کچھ سیاہ بال سانولے چہرے پر آئے ہوئے تھے ۔ اس نے ایک انگڑائی لے کر بالوں کو پیچھے ہٹایا تو اس کی چوڑیاں ٹرین کے شور میں بھی بج اٹھیں ۔ میں اپنے گھٹنوں کو بازوؤں میں لئے چپ چاپ بیٹھا ہوا اسے جوڑا کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی ۔ چادر پرے کر کے اس نے پاؤں سیٹ سے نیچے رکھے تو میں نے اسکو سامنے سے دیکھا۔ وہ ایک دبلی پتلی خوش شکل لڑکی تھی ۔ ماتھے پر سرخ بندیا اور کانوں میں فیروزی بندے تھے ۔ ایک نگاہ غلط انداز مجھ پر ڈالتے ہوئے وہ اٹھی اور سامان کی گٹھڑیوں کو الانگتی ہوئی ٹوائلٹ کی طرف چل دی ۔ موٹی عورت ابھی تک اسی طرح اشلوک پڑھ رہی تھی ۔ٹرین ورنگل جنکشن کے مضافات میں داخل ہو چکی تھی ۔ اور فیکٹریوں کی چمنیاں ' کھیتیاں اور مضافاتی بستیوں کے مکان تیزی سے پیچھے جا رہے تھے ۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ورنگل ایک بڑا جنکشن ہے ۔ لہٰذا میں ڈبے سے باہر نہیں نکلوں گا اور وہیں بیٹھا رہوں گا۔ ٹرین کی رفتار دھیمی ہو گئی تھی ۔ وہ ورنگل کے ریلوے یارڈ میں سے گزر رہی تھی ۔ اب دن پوری طرح نکل آیا تھا۔ سرخ بندیا والی لڑکی ٹوائلٹ سے نکل کر واپس اپنی سیٹ پر آکر بیٹھی تو اس کے بالوں میں کنگھی پھری ہوئی اور چہرہ دھلا دھلایا ہوا تھا۔ موٹی عورت نے بھی سوریہ دیوتا کا سمرن بند کر دیا تھا۔ اس نے سیٹ کے نیچے کانسی کا ایک ڈبہ نکال کر کھولا اور چاولوں کی میٹھی روٹی نکال کر کیلے کے پتے کے اوپر رکھی اور لڑکی کو دے کر کہا " میناکشی ! یہاں سے چائے لے لینا اتر کر "

اس لڑکی کا نام میناکشی تھا اور وہ عورت اس کی ماں تھی ۔ گاڑی ورنگل کے عظیم الشان اسٹیشن میں داخل ہو کر ایک بارونق پلیٹ فارم ٹھہر گئی ۔ یہ ماں بیٹی مرہٹی زبان میں گفتگو کرنے لگیں ۔ موٹی عورت نے ایک ڈونگا نکال کر اسے دیا کہ باہر سے چائے لے آئے ۔ ڈبے پر ایک رش ٹوٹ پڑا میناکشی میٹھی روٹی کھاتے ہوئے بولی " اماں ! تھوڑا رش کم ہو جائے تو لے آؤں گی "

اس کی ماں نے ڈونگا صندوق پر رکھ دیا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نیک دل عورت نے ڈبے میں سے ایک میٹھی روٹی نکال کر میری طرف بڑھائی " تم بھی کھاؤ ۔ یہ لو...... لے لو...... ہم چھوت چھات نہیں کرتے .... آریہ سماجی ہیں "

میں نے سوچا کہ اس عورت سے بحث کرنے کے بجائے روٹی لے لی جائے۔ چنانچہ میں نے روٹی پکڑلی اور دھنواد کہہ کر شکریہ ادا کیا۔ عورت نے پوچھا "تم مرہٹے ہو کیا؟"۔

میں مرہٹی زبان خوب بول لیتا تھا۔ چنانچہ مراٹھی میں ہی جواب دیا کہ ہاں' میں مراٹھا ہوں۔ اگرچہ رنگ مرہٹوں کی طرح سانولا مگر اور کاٹھ چوڑا چکلا تھا' جیسا کہ عام طور پر ہندوستان والوں کا نہیں ہوتا۔ اس پر لڑکی میناکشی نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تجسس مجھے نظر آیا۔ عورت نے قدرتی طور پر پوچھا کہ میں کہاں جارہا ہوں۔ ظاہر ہے' مجھے ورنگل سے اگلے بڑے شہر یعنی رام گندم پر اترنا تھا۔ میں نے کہا کہ راما گندم جا رہا ہوں۔ اس پر موٹی عورت نے قدرے چونک کر کہا "ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔ سانگا کالونی ہمارا مکان ہے۔ تم کہاں رہتے ہو؟"

اس باتونی عورت نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اب میں اس سوال کا کیا جواب دیتا؟ بس ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنا دی کہ مہاراشٹر کے شہر کولہاپور کا رہنے والا ہوں۔ ماں باپ اور بہن بھائی کوئی نہیں ہیں اور کولہاپور کے ایک ودھیالے میں بچوں کو انگریزی پڑھاتا تھا۔ کم تنخواہ میں گزارا نہیں ہوتا تھا۔ ایک آدمی نے وجے واڑہ' سرکاری نوکری کے لئے بلوایا تھا۔ وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ وہ راما گندم میں ہے۔ اب اسی کے پاس جا رہا ہوں۔

"کہاں رہتا ہے وہ؟" موٹی عورت نے سوال کیا۔

میں نے کہا کہ ٹھیک سے معلوم نہیں...... بس اتنا بتایا گیا ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر اتر کر سامنے والے ہوٹل کے مالک سے اس کا پتا پوچھ لوں۔ لڑکی ہنس پڑی۔ "اگر وہ نہ ملا تو کیا کرو گے؟"

عجیب احمقانہ بات کی تھی اس لڑکی نے۔ میں نے کہا۔ "واپس چلا جاؤں گا کولہاپور اپنے شہر"

موٹی عورت بولی۔ "تمہیں نوکری چاہئے۔ میرا بیٹا شہر کے کالج میں پروفیسر ہے۔ وہ تمہیں کہیں نہ کہیں نوکری دلا دے گا۔ تم مراٹھے ہو۔ وہ آدمی نہ ملا تو ہمارے گھر آجانا۔ اری میناکشی! اسے اپنے گھر کا پتہ سمجھا دے اور ہاں تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے اسے اپنا نام تکارام پانڈے بتا دیا۔ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد 'کھڑکیوں کی طرف دیکھ لیتا تھا...... مسافروں کا شور شرابا کم ہو گیا تھا۔ میناکشی اتر کر باہر گئی اور ڈونگے میں چائے بھر کر لے آئی۔ موٹی عورت نے کانسی کے گلاس میں مجھے بھی چائے دی۔ پولیس کے دو' تین سپاہیوں کو میں نے ڈبے کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا۔ ایک مشکوک شکل صورت والا آدمی ڈبے میں آکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں... اپنا چہرہ نیچے کر کے چائے پینے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آدمی مسافروں کی گنتی کر رہا تھا۔ مجھے اس پر انٹیلی جینس کے آدمی ہونے کا شبہ ہونے لگا۔ مگر میں انجان بنا چائے پیتا رہا۔ اب میں نے اپنے آپ... موٹی عورت سے گفتگو بھی شروع کر دی تھی۔ اسی اثنا میں میناکشی نے ایک کاغذ پر مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بھی لکھ کر دے دیا تھا' جسے میں نے پڑھے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ مشکوک آدمی

ڈبے سے باہر چلا گیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگرچہ اس علاقے میں میری کسی واردات کا ریکارڈ نہیں تھا...... تاہم اس امر کا امکان تھا میری تامل ناڈو اور اتر پردیش کی تباہ کن کمانڈو وارداتوں کا ریکارڈ مہاراشٹر سرکار کے متعلقہ محکمے میں پہنچ چکا ہو گا۔ گاڑی چلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ تنگ آ کر میں لیٹرین میں گھس گیا اور اس وقت باہر نکلا' جب ٹرین نے پلیٹ فارم پر کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ مدراس ناگ پور ایکسپریس تیزی سے اپنی اگلی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ جب راستے کے چار اسٹیشن گزر گئے تو موٹی عورت اور اس کی بیٹی میناکشی نے سامان ایک طرف رکھنا شروع کر دیا۔ موٹی عورت' جسکو اب میں بائی جی کہنے لگا تھا۔ بولی "راما گندم کا اسٹیشن آ رہا ہے۔ تم پہلے ادھر کبھی آئے تھے پانڈے؟

"نہیں' بائی جی! ادھر میں پہلی بار آ رہا ہوں"

اس نے میناکشی سے پوچھا "پتا لکھ دیا ہے پانڈے کو گھر کا؟"

"ہاں' لکھ کر دے دیا ہے" وہ کھڑکی میں سے باہر جھانک رہی تھی۔ ٹرین کی رفتار ایک بار پھر سست پڑ گئی تھی۔ راما گندم کا ریلوے اسٹیشن ہمارے فیصل آباد یا ساہیوال جیسے اسٹیشنوں ایسا ہی تھا۔ گاڑی رکی تو اس موٹی عورت کا مرہٹہ بیٹا اسے لینے آیا ہوا تھا۔ وہ سفید قمیص اور پتلون میں تھا۔ سیاہ بالوں میں کہیں کہیں سفیدی نظر آ رہی تھی۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی ٹرین سے اتر آیا۔ میں پرنام کر کے جانے لگا تو موٹی عورت یعنی بائی جی نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا اور اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر بولی "سندر ریکر بیٹا! یہ پانڈے ہے یہ بھی مراٹھا ہے۔ نوکری کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔ اسے کہیں لگا دو۔ انگریزی بھی جانتا ہے"

میں نے ہاتھ جوڑ کر بائی جی کے بیٹے سندر ریکر کو نمسکار کیا۔ وہ سامان کو ٹرالی پر رکھوانے میں مصروف تھا۔ میں نے کہا "اچھا بائی جی! میں جاتا ہوں۔ وہ آدمی نہ ملا تو آپکے ہاں آ جاؤں گا"

"ہاں' ہاں ضرور آنا بیٹا" یہ کہہ کر بائی نے میناکشی کو جھڑک کر کہا۔ "اری' وہ ٹوکریاں ادھر لا"

اب میں نے محسوس کیا کہ میناکشی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں تیزی سے پلیٹ فارم کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اصل میں' میں نے دل میں فیصلہ کیا تھا کہ اس نیک دل عورت کا مکان اس اجنبی شہر میں میرے لئے محفوظ جگہ ثابت ہو گا۔ کچھ معلوم نہیں کہ دھنپتی کے اڈے سے سونیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کتنی دیر لگ جائے۔ حالات کے تحت مجھے ہو سکتا ہے۔ دو ایک دن اس شہر میں بسر کرنے پڑیں تو ایسی صورت میں کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کے بجائے اس عورت کا مکان بہترین پناہ گاہ ہو گا۔ چھوٹے شہر میں لوگوں کی نگاہوں میں آنے کا بھی خطرہ تھا' لیکن اب جو مرحلہ درپیش تھا' وہ بھی کم خطرناک نہیں تھا۔ یعنی مجھے شہر کے ایک بدنام ترین بدمعاش دھنپتی کے خفیہ اڈے کو تلاش کرنا تھا' بلکہ وہاں سے سونیا کا بھی سراغ لگانا تھا اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جب کہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ بدمعاش کیسری بھی وہاں موجود ہو گا۔ جس نے سونیا کو

وجے واڑہ کے ہوٹل سے اغوا کیا تھا۔ ظاہر ہے اس نے مجھے ضرور دیکھا ہو گا۔ کیونکہ وہ ہوٹل میں مجھے بازار کی طرف جاتے دیکھ کر ہی اپنی ساتھی عورت کے ہمراہ میرے ہوٹل والے کمرے میں گیا تھا۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتا تو نہ صرف یہ کہ وہ سونیا کو کہیں غائب کر دے گا' بلکہ خود میری بھی زندگی خطرے میں تھی۔

ایک بات ثابت ہو گئی تھی کہ یہ بدمعاش اور جرائم پیشہ لوگ ہیں' جو ناجائز منشیات اور قمار بازی کے علاوہ بردہ فروشی بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ سونیا کا اغوا کرنے کے بعد' وہ اسے لے کر راما گندم میں دوسرے بدمعاش دھنپتی کے اڈے پر لے گیا تھا۔ غالب قیاس یہی تھا کہ وہ سونیا کو آگے بیچنے والا تھا۔ پہلی ضروری بات تو یہ تھی کہ مجھے بھیس بدل کر دھنپتی کے خفیہ اڈے کے علاقے میں پہنچنا چاہئے تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں بھیس کیسے بدلوں؟ کہاں بدلوں؟ ماما پنواڑی کے بقول گندم ریلوے اسٹیشن کے دکھن کی جانب چوکا ڈھایا کی بستی تھی۔ اس بستی کے کونے والے مکان میں دھنپتی کا اڈا تھا۔ وہاں دن کے وقت اپنی اصلی شکل و صورت میں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ کیسری بدمعاش وہاں موجود ہو سکتا تھا۔ اگر سونیا کو بھی اس اڈے میں چھپا کر رکھا گیا تھا اور کیسری بدمعاش مجھے دیکھ لیتا ہے تو کم از کم سونیا کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ میرے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں کوئی بھیس بدل کر چوکا ڈھایا کی بستی کا رخ کروں' مگر جو بات مجھے پریشان کر رہی تھی' وہ یہ تھی کہ میں بھیس کیسے بدلوں؟ میرے پاس بھیس بدلنے کا کوئی سامان نہیں تھا اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ وقت سونیا کو مجھ سے دور تر کرتا جا رہا تھا۔

میں یہ سب کچھ راما گندم کے درمیانے درجے کے ریلوے اسٹیشن کی ایک طرف کھڑی خالی بس کے پیچھے کھڑا سوچ رہا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ فضا میں گرمی اور حبس تھا۔ سامنے سڑک پر ہتھ ریڑھیاں' سائیکل' بیل گاڑیاں اور بسیں گزر رہی تھیں۔ یہ ایک پرانا اور بوسیدہ سا شہر لگ رہا تھا۔ جہاں کی ہر شے مجھے میلی کچیلی نظر آ رہی تھی۔ میرا وہاں زیادہ دیر ٹھہرے رہنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے کچھ سوجھ بھی نہیں رہا تھا۔ قریب ہی ایک ریستوران میں آ گیا۔ چائے کا ایک کپ اور دو سلائس منگوائے اور سگریٹ سلگا لیا۔ مجھے کوئی ایسا طریقہ نہیں مل رہا تھا کہ جس پر عمل کرتے ہوئے میں دھنپتی کے اڈے میں جا کر سونیا کے سراغ لگا سکوں اور ان لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو کہ میں ان میں سے کسی کو بھی جانتا ہوں۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ میں ان لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ مجھے کچھ سجھائی نہ دیا تو دل نے کہا کہ بائی جی کے مکان پر چلو۔ شاید وہاں سے کوئی راستہ مل جائے۔ اگرچہ یہ ایک بہت ہی موہوم سی توقع تھی۔ میں نے جیب سے مینا کشی کا دیا ہوا پرچا نکال کر دیکھا۔ اس پرچے پر اس نے مراٹھی زبان میں اپنے گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ یہ سانگا کا مکان نمبر ۳-اے تھا۔ ریستوران سے باہر آ کر میں نے ایک سائیکل رکشے والے سے کہا کہ سانگا کالونی جاؤ گے؟ یہاں سے کتنی دور ہو گی

یہ کالونی؟

وہ بولا " زیادہ دور نہیں ہے بابو بیٹھو "

سانگا کالونی ریلوے اسٹیشن کے عقب میں تھی۔ میں کالونی کے مکانوں کے پاس جا کر رکشے سے اتر گیا۔ یہ آبادی ایک منزلہ اور دو منزلہ درمیانے درجے کے کوارٹروں پر مشتمل تھی۔ چھوٹی پکی سڑک تھی۔ سڑک کے کنارے تاڑ اور چھالیہ کے درخت کھڑے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ مکان کے نمبر دیکھتے دیکھتے آخر میں مکان نمبر ۳۷-اے کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ایک منزلہ مکان تھا، جس کی ڈیوڑھی میں ایک خستہ حال اسکوٹر کھڑا تھا اور باہر پروفیسر نند ریکر ایم اے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ باہر کی جانب جو کھڑکیاں کھلتی تھیں، ان میں وہاں کے رواج کے مطابق لوہے کی سلاخیں لگی تھیں اور پیچھے نیلے رنگ کا پردہ گرا ہوا تھا۔ کھڑکیوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ دروازے پر دستک دینے ہی والا تھا کہ اندر سے آٹھ نو سال کا ایک لڑکا دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ اس نے دھاری دار بنیان اور پرانی نیکر پہن رکھی تھی۔ میں نے اسے روک کر پوچھا۔ " پروفیسر نند ریکر صاحب کا یہی مکان ہے؟"

لڑکا مسکرایا۔ اس کا اگلا دانت غائب تھا، پھر مجھے کوئی جواب دیئے بغیر اندر بھاگ گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد پروفیسر نند ریکر، جس سے میں ریلوے اسٹیشن پر مل چکا تھا۔ لڑکے کے ساتھ ڈیوڑھی میں نمودار ہوا۔ اس نے اب پتلون کے بجائے مراٹھی کے انداز میں سفید دھوتی پہن رکھی تھی۔ مجھے پہلی نظر میں نہ پہچان سکا مراٹھی میں بولا " کس سے ملنا ہے جی؟"

میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا کہ میرا نام تکا رام پانڈے ہے۔ ماتا جی نے ریلوے اسٹیشن پر آپ سے ملوایا تھا مجھے "

اب اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اندر مینا کشی اور اسکی ماتا جی اور اس کی بہو یعنی نند ریکر کی بیوی بھی موجود تھی۔ انہوں نے میری بڑی خاطر تواضع کی۔ نند ریکر نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے بہت جلد ایک اسکول میں ٹیچر رکھوا دے گا۔ میں نیم توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور جواب دے رہا تھا۔ میرا ذہن چو کاڈھایا میں دھنپتی کے لڑے اور سونیا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کوئی ترکیب سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ سوائے اس کے کہ میں وہاں بھیس بدل کر جاؤں۔ بھیس کسی سادھو کا ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ خواہ کتنے ہی پڑھے لکھے کیوں نہ ہوں، دھرم اور دیوی دیوتاؤں کے معاملے میں بے حد کمزور عقیدہ رکھتے ہیں اور اس قدر توہم پرست ہیں کہ کوئی بھی سادھو سنیاسی انہیں بہلا پھسلا کر اپنا مطلب نکال سکتا ہے اور پھر مجھے تو اپدیشوں اور ویدوں کے سنسکرت اشلوک بھی یاد تھے اور میں ہندو دیو مالا سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا۔ نند ریکر کے مکان میں مجھے رہنے کے لئے محفوظ جگہ مل گئی تھی۔ یہاں سے میں دھنپتی کے لڑے پر حملہ کر سکتا تھا۔

دوپہر کے کھانا کھانے کے بعد، میں شہر کی سیر کرنے کے بہانے باہر نکل آیا۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں........ کہ ہندوستان کے ہر شہر میں ایسی دکانیں مل جاتی ہیں، جہاں مالائیں، ترشول، کھڑاویں، سیندور اور گیروی رنگ کی دھوتیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ پوجا پاٹھ کے لوازمات بھی جگہ جگہ بکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے راما گندم شہر کے بازار میں بھی ایسی ایک دکان ڈھونڈ نکالی۔ وہاں سے میں نے سیندور کی چھوٹی سی پلاسٹک کی ڈبی، سبھکتوں کی سادھوؤں، سنیاسیوں والی کچھ مالائیں اور ایک گیروی دھوتی خرید کر تھیلے میں رکھ لی۔ ترشول اور کھڑاویں خریدنے کی میں نے ضرورت محسوس نہ کی۔ یہ چیزیں لے کر میں سیدھا ایک حجام کی دکان پر پہنچا۔ میری فرنچ کٹ داڑھی کے ساتھ سر کے بال بھی کافی اگ آئے تھے، میں نے داڑھی رہنے دی اور سر منڈوا ڈالا، چوکا ڈھایا کی بستی کے سلسلے میں، میں نے مینا کشی والوں کے گھر والوں سے باتوں ہی باتوں میں ضروری معلومات حاصل کرلی تھیں۔ چنانچہ میں پیدل ہی اس طرف چل پڑا۔ یہ بستی شہر کے دکھن میں ایک پرانے تالاب کے کنارے آباد تھی۔ تالاب کے پیچھے کسی پرانی سرائے کے کھنڈر تھے۔ ان کھنڈروں میں جا کر میں ایک ٹوٹے پھوٹے حجرے میں آ گیا۔ یہاں میں نے گیروی دھوتی کو سنیاسیوں کی طرح اپنے جسم کے گرد لپیٹا۔ ماتھے پر پلاسٹک کی ڈبیا میں سے سیندور نکال کر وشنو بھگوان کی تین متوازی لکیریں کھینچیں، دھوتی کرتا اور چپل تھیلے میں ڈال کر اسے وہیں ایک جگہ اینٹوں کے نیچے چھپا دیا اور ننگے پاؤں سنیاسی سادھو بنا کھنڈر سے نکل کر چوکا ڈھایا بستی کے دکھن کی طرف چل پڑا۔

دن کے ایک ڈیڑھ بجے کا وقت ہو گا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اگرچہ حبس تھا، مگر کسی وقت ہوا بھی چلنے لگتی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا دھنپتی بدمعاش کا اڈا بستی کے دکھن کونے والے مکان میں ہے اور یہ بڑا اثر و رسوخ والا اور نامی گرامی بدمعاش ہے۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کے اڈے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ میرا حلیہ اس وقت ایسا تھا کہ مجھے کیسری بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ آخر مجھے بستی کے کونے پر ایک مکان نظر آیا، جس کے صحن کی دیوار کسی مرد کی کمر تک پہنچتی تھی۔ اندر سے ایک بھاری بھرکم جسم والا آدمی چٹائی پر صرف لنگوٹ پہنے ہوئے بیٹھا تھا اپنے موٹے بدن پر تیل کی مالش کرا رہا تھا۔ ایک کالا سا لڑکا اس کی پیٹھ پر زور زور سے تیل والے ہاتھ چلا رہا تھا۔ یہی کا اڈا ہو سکتا تھا۔ کونے میں مجھے دو ڈرم اور کچھ خالی بوتلیں بھی پڑی نظر آ گئی تھیں۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مکان کے دروازے پر آیا۔ اور بے دھڑک صحن میں داخل ہو گیا اور ایک ہاتھ بلند کر کے زور سے نعرہ مارا اور سنسکرت کے ایک اشلوک کی سطر پڑھی "آہم برہماسی تتھا گتو"

موٹے آدمی نے فوراً ہاتھ جوڑ لئے اور لڑکے سے کہا "رامو! سادھو باوا کو اندر سے چاول لا کر دے"

میں نے کرخت لہجے میں کہا "ارے بھاگی! تیرے دوارے لکشمی دیوی چل کر آئی ہے اور تو

اسے دکھشنا دے کر رخصت کرنا چاہتا تھا؟"

میرے اس جملے کا موٹے ہندو پر خاطر خواہ اور قدرتی اثر ہوا۔ فوراً اٹھا اور جھک کر بولا "پدھارئے مہاراج! مجھ سے بھول ہو گئی شما کر دیجئے گا"

اس نے دیوار کے ساتھ لگی چارپائی کھینچ کر بچھا دی۔ میں اس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ میرے سامنے زمین پر بیٹھ گیا اور ہاتھ اسی طرح باندھے ہوئے بولا۔ "مہاراج آپ سنیاسی مہاراج ہیں کوئی ایسا منتر بتایئے کہ میں اپنی موہنی کو قابو کر سکوں۔ وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتی۔۔۔"

میں نے فوراً اسکے ڈھل مل اور کمزور عقائد پر ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا اور اسے تحکمانہ آواز میں کہا "میرے قریب آؤ"۔

وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے کھسک کر میری چارپائی کے پاس آ گیا۔ اب میں نے بجلی ایسی تیزی سے اس کے سر کے بالوں کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور زور سے اپنی طرف کھینچا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دانت پیس کر کہا۔ "موہنی کے ساتھ ساتھ لکشمی دیوی بھی تیرے قدم چومنے والی ہے پرنتو کیسری تیرا راستہ روکے کھڑا ہے"

میں نے اسے زور سے پیچھے دھکا دیا۔ وہ پیچھے گر پڑا۔ میں نے اپنے چہرے کو غضب ناک بنا لیا اور دائیں بائیں نظریں دوڑاتے ہوئے غرا کر کہا" کہاں وہ تیرا دشمن کیسری؟.... اسے" میں بھسم کر دوں گا" اولکھ نرنجن!"

مجھے ابھی تک اس موٹے آدمی کا نام معلوم نہیں سکا تھا۔ مگر میرے اس ڈرامے نے اسے ششدر اور میرا بے حد مطیع کر دیا تھا۔ اس نے میرے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور گڑگڑاتے ہوئے بولا" مہاراج! میری سہائتا کریں ...... کیسری شروع ہی سے میرا دشمن ہے وہ ایک موہنی کو اغواء کر کے کروندی کے جنگل والے اڈے پر بھی لے گیا تھا۔ مہاراج! وہ دھنپتی کا خاص آدمی ہے"

میں نے جھنجھلا کر کہا" دھنپتی بھی اب تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ تو نے ہماری سیوا کی ہے۔ ہم تیری مدد کریں گے' بول کیسری کہاں ہے؟ ہم ابھی اسے نرگ میں پہنچائے دیتے ہیں"

میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ کم بخت کیسری تو وہاں اڈے پر موجود نہیں ہے۔ کیونکہ صرف وہی میری شکل سے واقف تھا۔ اگرچہ میں سنیاسی کے بھیس میں تھا اور میرا سر بھی منڈا ہوا تھا' مگر خطرہ تھا کہ کہیں مجھے پہچان نہ لے۔ موٹا آدمی ہاتھ جوڑ کر بولا" مہاراج! وہ رات کو آیا تھا اور رات ہی کو واپس چلا گیا ہے"

میں نے قہقہہ لگا کر کہا" ہم سب کچھ جانتے ہیں کہ وہ کیوں آیا تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ ہم تمہارا امتحان لے رہے تھے۔ کیسری مال لے کر آیا تھا دھنپتی کے لئے ٹھیک ناں......؟

موٹے آدمی نے میرے پاؤں چھو لئے اور بولا" مہاراج! آپ تو انتریامی ہیں۔ آپ سے کیا

چھپا ہوا ہے"

میں نے آنکھیں بند کر لیں' پھر فوراً ہی کھول دیں۔ اس دوران میں' میں نے اس موٹے آدمی کی کلائی پر مراٹھی میں گدا ہوا اس کا نام پڑھ لیا تھا۔ کلائی پر اس کا نام' چندو' لکھا ہوا تھا۔

میں نے رعب دار آواز میں کہا" چندو! سن' کیسری ایک لڑکی کو یہاں لایا تھا' لایا تھا ناں؟"

چندو پوری طرح میرے زیر اثر ہو چکا تھا۔ جلدی سے بولا" ہاں مہاراج!"

میں نے چٹکی بجا کر ہاتھ کو ہوا میں اچھالا۔ چندو کی طرف دیکھا اور ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔" چندو! جس لڑکی کو کیسری یہاں لایا تھا اگر تو اس لڑکی کے سر کے سات بال حاصل کر کے اسے جلا کر اپنی موہنی کے گھر کی دہلیز پر پھینک دے تو موہنی تیری دیوانی ہو جائے گی اور پھر میں تجھے وہ منتر بتاؤں گا' جس کو اگر تو لوہے پر پھونکے گا تو وہ سونا بن جائے گا۔ جا تیرا کلیان ہو۔ اب ہم جاتے ہیں"

جب تک کیسری کی لائی ہوئی لڑکی یعنی سونیا کے بارے میں مجھے پوری تفصیلات نہ مل جاتیں' میں وہاں سے ہل ہی نہیں سکتا تھا' مگر میرا اس وقت وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کرنا' میرے اس ڈرامے کا کلائمکس یعنی نقطہ عروج تھا۔ میں جانتا تھا کہ چندو' مجھے نہیں جانے دے گا اور ایسا ہی ہوا۔ اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔" مہاراج! مجھ پر دیا کریں" رحم کریں۔ ابھی نہ جائیں۔ وہ لڑکی تو یہاں نہیں ہے"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ بدبخت موٹو کیا کہہ رہا تھا؟ میں تھوڑا سا مسکرایا اور بولا" او لکھ نرنجن! ہم سب کچھ جانتے ہیں ہم اس لڑکی کو کسی اور جگہ پر دیکھ رہے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے' باہر درخت ہیں......"

کوٹھری اور درخت وہاں ہر جگہ ہوتے تھے اور اغواء کی عورتوں کو ایسی ہی جگہوں...... میں رکھا جاتا تھا۔

چندو جھٹ بولا" انتریامی! آپ نے ٹھیک فرمایا۔ وہ لڑکی جنگل میں ہے۔ کیسری بدمعاش اسے پانچ سو روپے میں دھنپتی کے پاس بیچ گیا تھا۔ دھنپتی نے اسے جنگل میں خونی رانا کے پاس بھجوا دیا ہے۔ مہاراج! آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔ دھنپتی کا خونی رانا سے یارانہ ہے اور اس سے بڑے فائدے حاصل کرتا ہے رانا خونی کی ہیبت سے تو جنگل کے درخت بھی کانپتے ہیں" پھر اس نے اپنا سر میرے پاؤں میں رکھ دیا اور عاجزی سے گڑگڑانے لگا۔" مہاراج! دیوی دیوتاؤں سے کہیں' مجھے اس لڑکی کے بال لا دیں۔ مہاراج! میں وہاں نہیں جا سکتا۔ رانا خونی' مجھے گولی مار دے گا۔ میں موہنی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا مہاراج!

اب میں اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ جس لڑکی کو کیسری یہاں لایا تھا' کیا وہ سونیا ہی تھی؟ میں نے چندو کے سر کے بالوں کو پکڑ کر پیچھے دھکا دیا اور غصے میں کہا۔" مورکھ! تو بزدل ہے۔ تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اب جو ہم سوال کریں گے' اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے"۔

"پوچھیں مہاراج!" چندو نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے سونیا کا جو حلیہ بتایا۔ اس نے اسکی برابر تصدیق کی۔ وہ اسے میرا چمتکار یعنی کرشمہ سمجھا کہ میں اس عورت کا ہو بہو ناک نقشہ بتا رہا ہوں' جس کو کیسری اغوا کر کے لایا تھا اور جسے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہاں سونیا ہی کو لایا گیا تھا تو پھر میں نے اس سے اپنے مخصوص تحکمانہ انداز میں کروندی جنگل میں اس ٹھکانے کے بارے میں پوچھا' جہاں رانا خونی کی خفیہ کمیں گاہ تھی اور اسکے بقول جہاں سونیا' رانا خونی کی تحویل میں تھی۔ چندو کو بھی کروندی جنگل والی کمیں گاہ کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ چندرا پور سے جو چھوٹی لائن گونڈا کی طرف جاتی ہے۔ اس کے آدھے راستے پچھم کی طرف ایک کچا راستہ گھنے جنگل میں جاتا ہے۔ یہ راستہ آدی باسیوں کے ایک جنگلی گاؤں میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔۔

اس سے آگے جنگل کا خطرناک علاقہ شروع ہوتا ہے' جہاں پہاڑی ہے۔ ویران سنگلاخ ٹیکریاں' آبشاریں گہری کھڈیں اور ہزاروں برس پرانے غار ہیں۔ یہ جنگل سانپوں آدم خور شیروں' خونی درندوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں سرخ چٹانوں کے درمیان میں ایک ندی بہتی ہے' جس کا پل ایک طرف سے ٹوٹ کر ندی میں گرا ہوا ہے۔ اس ندی کے پار ایک چھوٹی سی پہاڑی کے غار میں رانا خونی کی کمیں گاہ تھی۔ یہ سب کچھ چندو نے اس لئے بھی مجھے بتا دیا کہ میں نے اسے کہا تھا کہ میں خود لڑکی کے سر کے بال لینے جاؤں گا۔ وہ تو میرے آگے بچھ بچھ جا رہا تھا۔ میں نے اس سے عہد لیا اگر اس نے کسی دوسرے کو یہ باتیں بتا دیں تو وہ ساری زندگی اپنی محبوبہ اور لکشمی دیوی کی شکل نہیں دیکھ سکے گا"

وہ میرے سر پر پاؤں رکھ کر بولا "مہاراج! آپ انتریامی ہیں گیانی دھیانی ہیں۔ میں کسی کے آگے زبان نہیں کھولوں گا"۔ پھر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عاجزی سے سوال کیا۔ "مہاراج! آپ کب جائیں گے؟ پرنتو مہاراج رانا خونی بڑا ظالم ہے۔ اس کے ساتھی جنگل میں...... آس پاس رائفلیں لئے پہرہ پر موجود رہتے ہیں۔"

میں نے ہاتھ اٹھایا اور کہا۔ "مورکھ منش! تو سنیاسیوں کی شکتی سے بے خبر ہے۔ تو نے ہماری سیوا کی ہے۔ ہم اسی لئے تیری مدد کرنے جا رہے ہیں۔ رانا خونی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اچھا' اب ہم چلتے ہیں"۔

خدا کا شکر تھا ابھی تک دھنپتی وہاں نہیں آیا تھا۔ ورنہ مجھے ایک بار پھر ڈرامے کا سین دہرانا پڑ جاتا۔ وہ صحن کے دروازے تک میرے پیچھے پیچھے آیا۔ میرے پاؤں چھو کر بولا۔ "مہاراج! آپ کب تک واپس پدھاریں گے؟"

میں نے اسے ہاتھ سے پیچھے دھکا دے کر کہا۔ "اب زیادہ بکواس نہ کر... جا.... دفع ہو جا... تو ہم پر حکم چلانے والا کون ہے؟"

وہ تو گڑگڑانے لگا۔ معافیاں مانگنے لگا۔ میں اسے یہ کہہ کر کہ جلد واپس آؤں گا۔ اولکھ نرنجن کا نعرہ لگا کر چل دیا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بستی کی گلیوں میں داخل ہو گیا اور بستی کی دوسری طرف سے نکل کر سیدھا تالاب کے عقب والے پرانے کھنڈر میں آ گیا۔ بوسیدہ حجرے میں پہنچ کر اینٹوں کے نیچے سے تھیلا نکال کر کپڑے تبدیل کئے۔ ماتھے پر لگا ہوا تلک پونچھ کر مٹایا۔ مالا اور گیروا لباس تھیلے میں رکھا اور دھوتی کرتے اور چپل میں واپس نندریکر کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ یہ مشن اتنی جلدی مکمل ہو جائے گا۔ اب دوسرا مرحلہ شروع ہونے والا تھا' جو دشوار اور کٹھن تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے کروندی کے جنگل کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوں۔

نندریکر کے مکان پر پہنچا تو وہ لوگ میرا منڈا ہوا سر دیکھ کر حیران رہ گئے۔۔

میناکشی کی ماتا نے انگلی ہونٹوں پر رکھے ہوئے تعجب سے کہا۔ "ارے پانڈے بیٹے! یہ تم نے سنیاس کب سے لیا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "ماتا جی! سر میں کھجلی بہت ہوتی تھی۔ سوچا کے گھوٹ منڈن کروا دوں۔ شاید اسی طرح سے آرام آ جائے۔"

میناکشی میری طرف دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ نندریکر نے اسے دبی زبان میں ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد' نندریکر نے مکان کی چھت پر ایک چھوٹا سا کمرا دکھایا' جو مجھے عارضی طور پر رہنے کے لئے دیا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے اسٹور روم کی چھت سلیٹی رنگ کے ٹین کی تھی۔ اندر ٹوٹی پھوٹی لکڑی کی چیزیں پڑی تھیں۔ رات فرش پر میرا بستر لگا دیا تھا۔ نندریکر بولا۔ "جب تمہیں نوکری مل جائے تو بے شک کوئی دوسری جگہ کرائے پر لے لینا۔ میں تمہاری نوکری کے لئے کوشش کروں گا۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرشی بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ یہ کہہ کر چل دیا کہ تھوڑی دیر میں چائے کے لئے نیچے آ جانا۔ چائے سب نے مل کر پی۔ جب میناکشی اس کی ماتا اور نندریکر کی بیوی وہاں سے اٹھ گئیں تو میں نے نندریکر سے کروندی ندی کا ذکر چھیڑ دیا۔ نندریکر کا ایک دوست کسی زمانے میں کروندی کے جنگل میں فارسٹ آفیسر رہ چکا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "بھگوان! اس جنگل میں کسی کو نہ لے جائے میرے دوست نے صرف چھ ماہ اس جنگل میں گزارے تھے۔ جب بھاری رشوت کی مدد سے اپنی تبدیلی کروا کر ناگ پور' مجھے ملنے آیا تو پہچانا نہیں جاتا تھا' رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ جسم دبلا ہو گیا تھا"۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "کیوں اسے وہاں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا؟"

نندریکر چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔ "کھانے کو بہت کچھ ملتا تھا' مگر زہریلے سانپوں اور آدم خور شیروں کے خوف سے وہ سہما رہتا تھا اور پھر یہ جنگل مفرور قاتلوں اور ظالم ڈاکوؤں کی پناہ گاہ بھی تو ہے۔ فارسٹ ڈیپارٹمنٹ والوں نے جس ملازم کو سزا دینی ہوتی ہے۔ وہ اس کا تبادلہ کروندی والے

جنگل والی رینج میں کر دیتے ہیں۔ مگر تم اس جنگل کے بارے میں اتنا کیوں پوچھ رہے ہو؟.... کہیں تمہارا بھی ارادہ کسی شیر کو زہر دے کر اس کی کھال اتار کر لانے کا تو نہیں ؟"

میں نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔ "کیا وہاں شیروں کو زہر بھی دیا جاتا ہے ؟"

نندریکر نے خالی پیالی میز پر رکھی اور بولا۔ "ارے بھیا! اس جنگل میں شکاری، جو شیر وغیرہ کا شکار کرنے آتے ہیں۔ انہیں سرکاری محکمہ پرمٹ ایشو کرتا ہے، جس کی رو سے وہ ایک سے زیادہ شیر نہیں مار سکتے۔ اس قانون کی پابندی کرانے کے لئے سرکاری محکمہ کے چوکیدار وہاں گھومتے رہتے ہیں، لیکن اکثر وہاں کے آدمی باسی لوگ یا شکاری، ایسا کرتے ہیں کہ رائفل کا فائر بالکل نہیں کرتے اور شیر کی کچھار میں زہریلا گوشت ڈال کر واپس آ جاتے ہیں۔ شیر زہریلا گوشت کھانے سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کی کھال اتار کر بھوپال اور دوسرے رجواڑوں میں جا کر منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں "۔

نندریکر کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ کروندی جنگل کی سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ وہاں تین طرف پہاڑیاں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان کے درمیان میں کروندی کے جنگل کی کھڈیں، غار، آبشاریں، گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔ میں نے جب اس سے استفسار کیا کہ سنا ہے وہاں سرخ چٹانوں کے پاس ایک ندی بھی بہتی ہے، جس کا پل ایک طرف ڈھے گیا ہے تو وہ بولا کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "اچھا، اب میں اپنے ایک دوست کے پاس تمہاری نوکری کی بات کرنے جا رہا ہوں۔ بھگوان نے چاہا تو تمہیں اسکول میں نوکری مل جائے گی۔"

میں نے اگلے روز وہاں سے کروندی جنگل کی طرف کوچ کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ نندریکر اور اس کی ماتا کو بتائے بغیر جاؤں گا۔ کیونکہ انہیں کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شام ابھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے چندرا پور ریلوے اسٹیشن پر اتر کر کروندی جنگل کی طرف اپنا سفر شروع کرنا تھا۔ اسٹیشن پر آکر دیوار پر لگا ہوا نقشہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ چندرا پور کا اسٹیشن راما گندم سے آگے دو اسٹیشن چھوڑ کر آتا ہے۔ ٹرین صبح سوا چھ بجے روانہ ہوتی تھی۔ میں دیر تک کروندی جنگل کے دشوار گزار راستوں، اس کے نشیب، و فراز اور راناخونی کی خفیہ کمیں گاہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے پاس سوائے ایک چاقو کے دوسرا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ صبح جلدی اٹھ بیٹھا۔ میں چھت پر سویا تھا.... سیڑھیاں صحن میں اترتی تھیں۔ میں نے اپنا تھیلا بغل میں دبایا اور منہ اندھیرے ہی سیڑھیاں اتر کر صحن کا دروازہ کھولا اور آرام سے باہر نکل گیا۔

اسٹیشن پر جا کر ٹی اسٹال پر ناشتہ کیا۔ وہیں منہ ہاتھ دھویا۔ اپنے گیروے رنگ کے کپڑے اور مالا میں نے ساتھ ہی رکھ لی تھی کہ شاید یہ کام آ جائیں۔ سیندور والی پلاسٹک کی ڈبی تھیلے میں ہی تھی۔ روپے اور چاقو البتہ میری قمیص کی اندرونی جیب میں تھے۔ میں نے حسب عادت تھرڈ کلاس کا چندرا پور اسٹیشن تک کا ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر آکر ایک طرف ٹہلنے لگا۔ یہ پسنجر ٹرین تھی۔ آدھ گھنٹہ

لیٹ آئی۔ ڈبے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ مسافروں کا رش میرے لئے بہت مفید ہوتا ہے کیونکہ مجھے اپنے آپ کو چھپانے میں بڑی مدد ملتی تھی۔ میں ایک ڈبے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ ٹرین ہر اسٹیشن پر کھڑی ہو جاتی۔ چندراپور تک پہنچتے پہنچتے دن کے گیارہ بج گئے۔ چونکہ یہاں سے گونڈا اور جبل پور کو چھوٹی لائن جاتی تھی۔ اس لئے یہاں مسافروں کی کافی ریل پیل تھی۔ سب سے پہلے میں نے ریلوے اسٹیشن اور انٹیلی جینس والوں کی موجودگی کا جائزہ لیا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں نے ویٹنگ روم میں جا کر ہاتھ منہ دھویا۔ وہیں ایک اسٹال پر کھڑے ہو کر تھوڑا بہت کھانا کھایا۔ ٹی اسٹال سے ایک ڈبل روٹی خرید کر تھیلے میں رکھ لی اور ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل کر چندو کی بتائی ہوئی اس کچی سڑک کی جستجو شروع کی' جو کروندی جنگل کو جاتی تھی۔ وہاں کئی چھوٹی بڑی سڑکیں تھیں' جو شہر کی مضافاتی بستیوں کی طرف جا رہی تھی۔ ایک بوڑھا آدمی چھڑی ٹیکتا ہوا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ میں نے اسے نمسکار کیا اور ہندی میں کہا کہ دادا مجھے کروندی جنگل میں اپنے ایک فارسٹ آفیسر سے ملنے جانا ہے' ادھر کو کون سا راستہ جاتا ہے؟ اس بوڑھے نے اپنی دائیں جانب چھڑی سے اشارہ کیا اور کہا۔ "وہ سامنے والا راستہ جاتا ہے' پر تم اکیلے اس جنگل میں مت جانا۔ بندوق ساتھ لے جانا۔"

بوڑھا اپنی راہ لگا اور میں اس کو دھنے واد کہہ کر اسکی بتائی ہوئی سڑک پر آ گیا۔ یہ کچا راستہ تھا۔ یہی وہ راستہ تھا' جس کے بارے میں چندو نے مجھے بتایا تھا اس سڑک کی ایک جانب تو کھیت تھے اور دوسری طرف سلیٹی رنگ کی ڈھلانی چھتوں والے کوارٹر نما مکانات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب بجلی کے کھمبے لگے تھے۔ میں سڑک کے کنارے خاموشی سے چلا جا رہا تھا اور اپنے انداز سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہوا ہے اور میں کوئی اجنبی نہیں ہوں۔ راستے میں ایک گندا نالہ بھی آیا۔ اس کے پار آبادی کے مکان ختم ہو گئے۔ کھیتوں میں ڈھور ڈنگر چرتے نظر آ رہے تھے۔ یہاں زیادہ تر دھان کے کھیت تھے اور بیچ میں سنگلاخ اونچی نیچی زمین کے ٹکڑے بھی آ جاتے تھے۔ دور کچھ فاصلے پر اب مجھے درختوں کی قطار دکھائی دینے لگی تھی جو شمال کی طرف سے پیچھے کو چلی گئی تھی۔ یقیناً یہی وہ جنگل تھا' جو اس وقت میری منزل تھی۔ دائیں بائیں درختوں کے جھنڈ آنے لگے۔ مزید آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد' میں گھنے درختوں کی اونچی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔

پگڈنڈی یہاں سے جنگل میں داخل ہو جاتی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا۔ مہاگنی اور سال کے درخت فاصلے فاصلے پر کھڑے تھے ان کے جھاڑ اتنے گنجان اور پھیلے ہوئے تھے کہ جیسے ایک چھت سی تنی ہوئی ہو۔ میں پگڈنڈی پر ہی چلا جا رہا تھا۔ جب میں کافی دور نکل آیا تو رک گیا۔ ارد گرد کا جائزہ لیا۔ فضا خاموش تھی۔ کبھی کبھی کسی پرندے کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ پگڈنڈی سے ہٹ کر مجھے ایک درخت نظر آیا' جو سوکھ چکا تھا۔ اس کے

تنے میں زمین کے اندر ایک گڑھا سا بن گیا تھا۔ میں نے قریب آ کر دیکھا۔ گڑھے میں جھاڑ جھنکار کی بھرمار تھی۔ یہاں میں نے اطمینان سے بیٹھ کر اپنے کپڑے تبدیل کئے اور ایک بار پھر اپنا حلیہ سادھو سنیاسی کا بنا لیا۔ ماتھے پر تلک لگایا۔ گلے میں مالائیں پہن لیں۔ پاؤں میں چپل ہی رہنے دی۔ دھوتی کرتے کو تھیلے میں ٹھونس کر تھیلے کو گڑھے میں خشک پتوں کے نیچے چھپا دیا اور بسم اللہ پڑھ کر ایک پگڈنڈی پر چل نکلا۔ اس پگڈنڈی کو آدی باسیوں کے ایک گاؤں میں جا کر ختم ہو جانا تھا۔ اب مجھے اس آدی باسی گاؤں کا انتظار تھا۔ ابھی تک جنگل میں کسی جانب سے مجھے کسی جنگلی جانور کی آواز سنائی نہیں دی تھی، ویسے ابھی جنگل زیادہ گھنا بھی نہیں ہوا تھا۔ پگڈنڈی درختوں کے بیچ میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب مڑ جاتی تھی۔ یہ پگڈنڈی ذرا اونچائی میں جا کر نیچے نشیب میں اتری تو مجھے اونچے اونچے درختوں کے بیچ میں ساتھ ساتھ بنی ہوئی گھاس پھونس کی کچھ جھونپڑیاں نظر آئیں۔ ضرور یہی آدی باسیوں کا گاؤں تھا۔ آپ سادھو سنیاسیوں کے بھیس میں ہوں تو انڈیا کے شہروں اور ریاست میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ہندو لوگ چاہے وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ سادھو سنیاسیوں کی خدمت کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں خون آشام ڈاکو تک انہیں نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے میں نے یہ بہروپ بھرا..... تھا۔

گاؤں کے قریب پہنچ کر میں نے اولکھ نرنجن کا نعرہ بلند کیا۔ جھونپڑیوں کی طرف سے کسی کتے کے زور، زور سے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں، پھر کچھ نیم برہنہ آدی باسی درختوں کے نیچے نکل کر جھونپڑیوں کے سامنے آ گئے اور جدھر سے میں چلا آ رہا تھا ادھر تکنے لگے۔ ایک آدی باسی کے ہاتھ میں ڈاہ تھا، جو تلوار سے زیادہ کاٹ دار اور مہلک ہوتا ہے۔ میں نے ان کے قریب جا کر ایک زبردست نعرہ لگایا۔ "اولکھ نرنجن! آہم برہما سی تتھاگتو۔" اور ہاتھ اوپر اٹھا کر جیسے انہیں آشیرواد دی اور تامل زبان میں بڑے رعب دار لہجے میں کہا۔ "وشنو بھگوان اور کالی دیوی، تم پر مہربان ہو۔ ہم وشنو کے پجاری ہیں۔ جنگل میں گھوم پھر کر بھگوان کی لیلا دیکھتے ہیں۔"

جس آدی باسی کے ہاتھ میں ڈاہ تھا۔ اس نے ڈاہ زمین پر رکھ دیا سب نے ہاتھ باندھ لئے اور جھک گئے ان کی کچھ عورتیں لہنگے اور کرتیاں پہنے جھونپڑیوں سے نکل کر آئیں اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان سب کے رنگ سیاہ تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ آندھرا پردیش کے گھنے جنگلوں میں آباد آدی باسی تامل اور تیلگو زبان بولتے ہیں۔ "تیلگو" میں روانی سے نہیں بول سکتا تھا، جب کہ تامل پر مجھے کافی عبور ہو گیا تھا... ان بے چاروں نے فوراً زمین پر ہرن کی کھال بچھا دی۔ میں اس پر گیانی دھیانی سادھوؤں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ ایک عورت نے فوراً میرے آگے کیلے کے پتوں کو پھیلایا۔ دوسری عورت جھونپڑی سے میرے لئے کچھ زرد کیلے اور ابلے ہوئے موٹے چاول لے آئی۔ یہ سب کچھ اس نے کیلے کے پتوں پر رکھ دیا۔ ان میں سے ایک قدرے زیادہ عمر کا سیاہ فام دبلا پتلا سا آدی

باسی ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور تامل زبان ہی میں بولا۔ "مہاراج! ہمارے دھن بھاگ کہ آپ پدھارے۔ ہم غریب لوگ آپکی یہی سیوا کر سکتے ہیں۔ اسے سویکار کیجئے۔"

اب مجھے اچانک خیال آیا کہ اپنی ڈبل روٹی تو میں تھیلے میں ہی رکھ کر بھول آیا ہوں۔ جنگل کے اونچے نیچے راستوں پر چلتے چلتے میں کافی تھک گیا تھا اور بھوک بھی دوبارہ چمک اٹھی تھی۔ چنانچہ میں نے ابلے ہوئے چاول' جن پر شاید مچھلی کا اچار ڈالا گیا تھا۔ مزے سے کھالئے۔ دو ایک کیلے بھی چٹ کر گیا اور ان سب کو آشیرواد دی۔

کروندی جنگل آگے شروع ہو تا تھا۔ اس جنگل کے بارے میں بوڑھے آدی باسی نے مجھے کافی معلومات مہیا کیں۔ دن کا تیسرا پہر ہو رہا تھا۔ اس وقت اگر میں کروندی کے جنگل میں داخل ہو تا ہوں تو رانا خونی کی کمیں گاہ تک پہنچتے پہنچتے یقیناً رات پڑ جاتی۔ یہی سوچا کہ رات آدی باسیوں کے پاس گزاری جائے اور صبح کے وقت اپنے دشوار گزار سفر کا اگلا مرحلہ شروع کیا جائے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کچھ لوگ ایک آدمی کو اٹھائے ہوئے لائے' جس کو زہریلے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ اس آدمی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ میرے پاس جو ادھیڑ عمر کا آدی باسی بیٹھا تھا' وہ فوراً اٹھا اور بولا۔ "اسے لٹا دو۔"

وہ تیزی سے اپنی جھونپڑی میں گیا اور اندر سے مٹی کی ایک ڈھکی ہوئی پیالی لے آیا۔ اس میں سے کالے رنگ کے محلول کے کچھ قطرے اس آدمی کے منہ میں ٹپکائے' جس کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ پیالی اس نے زمین پر رکھ دی۔ اب وہ اس آدمی کے سینے کو آہستہ آہستہ ہاتھ سے ملنے لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی اس آدمی نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کسی خاص جڑی بوٹیوں کا عرق ہے۔ یہ میرے لئے بڑے کام کی چیز تھی۔ میں نے اولکھ نرنجن کا نعرہ لگایا اور کہا۔ "بھگوان نے جڑی بوٹیوں میں بڑا اثر رکھا ہے۔"

بوڑھا آدی باسی مٹی کی پیالی لئے میرے پاس آگیا اور بولا۔ "مہاراج! پربھو... کی دیا سے وہ اچھا ہو گیا ہے۔"

میں نے گردن اٹھا کر کہا۔ "بھگوان نے اسی لئے ہمیں تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے پوچھا کہ پیالی میں کون سی دوا تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ کسی جڑی بوٹی کا عرق تھا' جو ترائی کے گہرے کھڈوں میں اگتی ہے' پھر وہ جھونپڑی کے اندر گیا اور مسواک کی طرح کی ایک سوکھی ہوئی چھڑی لا کر مجھے دکھائی۔ "یہ وہ بوٹی ہے مہاراج!"

میں نے جھٹ سے کہا۔ "ہاں' ہاں.... میں ان تمام جڑی بوٹیوں کو جانتا ہوں۔ یہ جڑی بوٹیاں ہماری سیوک ہیں"۔ لیکن میں نے اس سے وہ بوٹی لے کر اپنے ہی پاس رکھ لی۔ آگے جنگل زہریلے سانپوں سے بھرا ہوا تھا اور مجھے اس بوٹی کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ جب رات ہو گئی تو آدی باسیوں نے

جھونپڑیوں کے آگے الاؤ روشن کر دیا اور ڈھول کی تھاپ پر اس کے گرد ان کی عورتیں اور مرد رقص کرنے لگے۔ مٹی کے ایک گھڑے میں سے وہ تاڑی نکال کر پی رہے تھے اور والہانہ رقص کر رہے تھے۔ جنگل رقص اور تاڑی ہزاروں برسوں سے یہ چیزیں ان کی ساتھی چلی آ رہی تھیں۔ رات کو میرے لئے انہوں نے جھونپڑے کے باہر بانس کی ایک کھاٹ پر ہرن کی کھال بچھا دی اور پاس ہی ہلکی ہلکی سی دھونی لگا دی تاکہ مچھر تنگ نہ کریں۔ ایک عورت میرے پاؤں دبانے لگی۔ کچھ دیر وہ میرے پاؤں دباتی رہی۔ میں نے اسے منع نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ان کی دھارمک رسم تھی' پھر جب مجھے نیند آنے لگی تو میں نے اسے چلے جانے کا حکم دیا۔ ... اور آنکھیں بند کر لیں۔ آدھی رات کو میری آنکھ کھل گئی۔ ایک آدی باسی بھاگ کر میری کھاٹ کے قریب سے گزرا اس کے ہاتھ میں برچھی تھی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور غیر شعوری طور میرا ہاتھ سرہانے کے نیچے رکھے ہوئے چاقو کی طرف بڑھا۔ دوسرا آدی باسی میرے قریب سے نیزہ لئے ہوئے گزرا تو... اپنے آپ ہی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! باگھ آگیا تھا۔ بھگا دیا ہے اسے۔"

اب مجھے احساس ہوا کہ میری آنکھ کسی شیر کی دہاڑ پر کھلی تھی۔ میں لیٹ گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دھونی دھیمی پڑ گئی تھی' مگر میں نے اپنی گیروی چادر جسم پر تان رکھی تھی۔ مجھے نیند آ گئی۔ دوسرے دن صبح صبح میں نے ایک قریبی چھوٹے سے تالاب پر جا کر غسل کیا۔ تھوڑا بہت کھایا اور آدی باسیوں کو آشیرواد دیتا ہوا ان سے رخصت ہوا۔ سانپ کے زہر سے بچانے والی مسواک میرے پاس ہی تھی۔ بوڑھے آدی باسی نے مجھے بتایا تھا کہ اگر اس کا چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبا کر نگل لیا جائے تب بھی سانپ کا زہر بے اثر ہو جاتا ہے۔

اب میرے سامنے کروندی کا بھیانک جنگل تھا' جس کے بارے میں' میں نے طرح طرح کی آسیبی اور دہشت انگیز کہانیاں سن رکھی تھیں اور جو میرے مشن کی اصل آماجگاہ تھا۔ بوڑھے آدی باسی کی زبانی اس بات کی بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ اس جنگل میں کھال چور بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں' جو مختلف طریقوں سے شیر کو زہر دے کر ہلاک کرتے ہیں' پھر اسکی کھال اتار کر بھوپال' گوالیار اور ناگ پور میں جا کر چوری چھپے فروخت کر دیتے ہیں۔ مجھے ان کھال چوروں کی اتنی فکر نہیں تھی' جتنا خطرہ آدم خور شیروں کی طرف سے تھا۔ سبھی شیر یہاں آدم خور نہیں تھے' لیکن جیسا کہ بوڑھے آدی باسی نے بتایا تھا کہ... بعض شیر شکاریوں کی ناتجربہ کاری سے زخمی ہو کر بھاگ جاتے ہیں' پھر وہ پوری تیزی سے بھاگ کر جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ چنانچہ اکا دکا انسانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں ہڑپ کر کے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ شیر کو جب ایک بار انسان کے خون کی بو لگ جائے تو پھر وہ انسان ہی کو ڈھونڈ کر اپنا تر نوالہ بناتا ہے۔ جنگل میں چوکیدار' فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کے بیلدار اور کٹائی کرنے والے عموماً

مزدور موجود رہتے ہیں اور یہی لوگ آدم خور شیر کا شکار بنتے ہیں۔ میں اس اندیشے کے پیش نظر چاق و چوبند ہو کر جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ شیروں کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات حاصل نہ تھیں، لیکن جنوبی ہند کے کافی جنگل چھان چکا تھا۔ اس آوارہ گردی نے مجھے اتنا فائدہ ضرور پہنچایا تھا کہ میں شیر کی بو فضا میں سونگھ لیتا تھا۔ یہ بدبو بڑی ناگوار اور تیز ہوتی تھی۔ ایسی بو آپ اگر کسی سرکس میں گئے ہوں تو شیروں کے پنجرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اگر آپ نے سونگھی ہوگی۔ شیر جنگل میں میں جہاں بھی ہو اس کے آس پاس یہ بدبو پھیلی رہتی ہے۔

دن نکل آیا تھا، مگر جنگل کے درخت اتنے گھنے تھے کہ ان کی گنجان شاخوں میں سے دھوپ نیچے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ درختوں میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ راستے میں کچھ بندر بھی دکھائی دیئے، جو مجھے دیکھ کر درختوں پر چڑھ جاتے اور خو خو کرنے لگتے تھے، یہاں فضا میں کافی حبس اور گرمی تھی۔ میں سادھو سنیاسی کے بھیس میں تھا.... اور ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا۔ میں کرونی کے خطرناک جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔ یہاں اگرچہ زمین پتھریلی اور اونچی نیچی تھی، مگر نشیب میں کہیں کہیں خشک جنگلی گھاس کے ناپو تھے۔ خدا جانے یہ دیو پیکر درخت مہاگنی کے تھے یا کسی اور کے تھے۔ وہ اتنے گھنے تھے کہ اوپر جا کر انکی شاخیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔ کئی درختوں کی شاخوں نے زمین پر لٹکنے کے بعد، جڑیں پکڑ لی تھیں۔ پگڈنڈی ایک چھوٹے سے جنگلی تالاب پر جا کر ختم ہو گئی۔ اور تالاب کی بائیں جانب سے ہو کر آگے چل پڑا۔ مجھے ٹوٹے ہوئے پل والی ندی کے پچھواڑے کی سرخ چٹانوں کی تلاش تھی، جہاں رانا خونی کی خفیہ کمیں گاہ تھی۔ میری اطلاع کے مطابق یہ ندی جنگل میں کافی آگے جا کر تھی۔ میں دائیں بائیں سے پوری طرح چوکنا تھا۔ کبھی کبھی چڑھائی آ جاتی، کبھی نشیب شروع ہو جاتا۔ کبھی جنگل کا کوئی ایسا قطعہ آ جاتا کہ درخت تھوڑا پیچھے ہٹ جاتے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد، درخت پھر ایک دوسرے سے آ کر مل جاتے۔ ایک جگہ مجھے جنگلی کیلے کے درختوں کے جھنڈ ملے۔ میں تھک گیا تھا۔ یہاں تھوڑی دیر ستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ ایک درخت سے کچھ کیلے توڑ کر کھائے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ کوئی ایک میل تک جنگل بے حد دشوار گزار تھا۔ مجھے جھاڑیوں کے بیچ میں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ میں نے احتیاط کے طور پر چاقو اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ دشوار گزار جنگل قدرے چھدرا ہوا تو اچانک سامنے ایک تالاب نظر آیا، جس پر سبز رنگ کی کائی کی تہ بچھی ہوئی تھی۔ میں نے قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ مجھے آوں آوں کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں دبک کر بیٹھ گیا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھورے رنگ کا بھاری بھرکم ریچھ جھوم جھوم کر چلتا ہوا سامنے والے درختوں کے پیچھے سے نکلا اور تالاب پر آ کر پانی پینے لگا۔ اس نے سیر ہو کر پانی پیا، پھر تھوتھنی کو اوپر اٹھا کر زور سے جھاڑا اور جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چلا گیا۔ سوائے آدم خور شیر کے، دوسرا کوئی شیر، آدمی کا پیچھا نہیں کرتا۔ لیکن ریچھ اگر جنگل میں کسی انسان کو دیکھ لے تو پھر اسکا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں نے ریچھ کو

موقع دیا کہ وہ کافی دور نکل جائے۔ دس منٹ تک میں جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھا رہا' پھر اٹھا اور دوسری طرف سے تالاب کے عقب میں آکر پتھریلے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ آگے پھر گھنا جنگل تھا' جہاں درختوں کی وجہ سے دن کی روشنی مدھم تھی۔ ایک جانب سیاہ چٹانوں کی دیوار تھی' جس پر کالا زنگ لگا ہوا تھا۔ درختوں کے موٹے تنوں کو جنگلی بیلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

میں ایک دم رک گیا۔ فضا میں شیر کی بو تھی۔ ہوا بالکل بند تھی اور مجھے چلتے چلتے پسینہ آ رہا تھا۔ شیر کی موجودگی کے احساس نے اس پسینہ میں اضافہ کر دیا۔ میں درختوں کی اوٹ میں ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ شیر کی تیز بو اسی طرح فضا میں رچی ہوئی تھی۔ ایک درخت کی اوٹ سے نکلا تو اچانک مجھے ایک دھاری دار شیر نظر پڑا۔ میں وہیں سن ہو کر رہ گیا۔ شیر مجھ سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر چٹان کی ایک کھوہ کے باہر کھڑا تھا۔ اس کی دم آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ وہ اپنا منہ بار بار نیچے کر رہا تھا۔ مجھے اسکی کھانسی کی آواز سنائی دی۔ جنگل میں شیر سے اچانک آمنا سامنا ہو جائے تو ایک بار تو آدمی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ میں کسی درخت پر چڑھنا چاہتا تھا' مگر درختوں کے تنے ایک تو سیدھے تھے' دوسرے شاخیں کافی اوپر جا کر شروع ہوتی تھیں۔ مجھے مجبوراً وہیں رہ کر شیر کے وہاں سے گزر جانے کا انتظار تھا' لیکن شیر اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل رہا تھا۔ وہ بار بار گردن اوپر نیچے کر رہا تھا' پھر مجھے ایسا لگا' جیسے اس کی ٹانگیں کانپنے لگی ہیں۔ میں درخت کے پیچھے چھپا ہوا اسے غور سے دیکھ رہا تھا شیر دو قدم چلا' پھر رک گیا۔ گردن اوپر اٹھا کر حلق .... سے ایک عجیب آواز نکالی' پھر اس نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی پچھلی ٹانگیں دہری ہو گئیں اور وہ بائیں جانب گر پڑا۔ شیر بے حس و حرکت پڑا تھا' پھر اسکی ٹانگوں نے آگے پیچھے حرکت کی اور ساکت ہو گئیں۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ شیر مر چکا ہے اور میں درخت کے پیچھے سے نکل کر پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا شیر کی لاش سے پانچ قدم کے فاصلے پر جا کر رک گیا۔ زمین پر سے پتھر اٹھا کر شیر کو مارا۔ شیر نے کوئی حرکت نہ کی۔ اب میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ دیکھا شیر کا منہ کھلا تھا اور بائیں جانب سے نیلا جھاگ بہہ رہا تھا۔ شیر کو زہر دیا گیا تھا۔ یہ کام شیر کی کھال چرانے والوں کا تھا جو بقول بوڑھے آدی باسی کے کہ دن میں کسی وقت شیر کو... زہریلا گوشت کھلا کر ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر رات کو اس کی کھال اتارنے آتے ہیں۔ اس کے باوجود میں چوکس ہو گیا کہیں قریب ہی کوئی کھال چور چھپا ہوا نہ ہو۔ یہ لوگ مسلح ہوتے ہیں اور جو ان کے اس گھناؤنے کاروبار کے راستے میں آئے اسے گولی مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ میں تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا سیاہ چٹان کی دوسری طرف آ گیا۔ پلٹ کر غور سے جنگل کے درختوں کی جانب دیکھا۔ شیر کی لاش ویسے ہی پڑی تھی۔ درخت خاموش تھے۔ کوئی پرندہ تک نہیں چہچہا رہا تھا۔ ایک عجیب ڈرا دینے والا سناٹا طاری تھا۔ میرا وہاں رکنا بیکار تھا۔ میں اپنا سفر جاری رکھنے کے خیال سے پیچھے ہی مڑا ہی تھا کہ مجھے ایسی آواز سنائی دی' جیسے کوئی جھاڑیوں میں سے گزر کر

اس طرف چلا آ رہا ہے۔ میں چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ تین آدمی جنہوں نے صرف لنگوٹ باندھ رکھے تھے اور ہاتھوں میں نیزے پکڑے سامنے والے درختوں کے پیچھے سے نکلے اور وہیں رک کر شیر کی لاش کو تکنے لگے، پھر انہوں نے آپس میں کچھ گفتگو کی اور شیر کے پاس آ کر اس کے جسم میں ہلکا سا نیزہ چبھویا۔ یقیناً یہ وہی کھال چور تھے، جنہوں نے اس بدنصیب شیر کو زہریلا گوشت کھلا کر مار ڈالا تھا۔

میں سانس روکے چٹان کی اوٹ میں چھپا بیٹھا انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ اپنے ساتھ ایک رسہ لائے تھے۔ انہوں نے رسے سے شیر کی گردن اور اگلی ٹانگوں کو باندھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے جنگل میں جدھر سے آئے تھے ادھر ہی کو لے کر چل دیے۔ شیر کا یہ افسوس ناک اور بزدلانہ شکار بھی میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ مجھے شیر پر بڑا ترس آ رہا تھا۔ میں چلنے لگا تو ایکا ایکی سارا جنگل شیر کی خوفناک دہاڑ سے گونج اٹھا۔ میں اپنی جگہ پر لرز کر رہ گیا۔ کیا شیر زندہ ہو گیا تھا؟ درختوں پر دبکے ہوئے بندروں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ میں لپک کر چٹان کے اوپر آ گیا۔ شیر کی دوسری دہاڑ گونجی اور پھر انسانی چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں چٹان کے اوپر کنارے پر بیٹھ کر نیچے دیکھنے لگا۔ جن درختوں کی طرف کھال چور شیر لاش لے گئے تھے، ادھر سے ایک لنگوٹ پوش دیوانہ وار دوڑتا ہوا میری چٹان کی طرف آیا۔ وہ سخت بوکھلایا ہوا تھا اور چلا چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دے رہا تھا۔ یہ کھال چوروں کا ساتھی تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ شیر زندہ کیسے ہو گیا پھر یہ معمہ بھی حل ہو گیا اور اسکے پیچھے ایک شیر نمودار ہوا، جو پہلے والے شیر سے نسبتاً چھوٹا تھا۔ شیر نے بجلی کی تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور دوڑتے ہوئے کھال چور پر آن گرا۔ شیر کے حلق سے خون منجمد کر دینے والی دہاڑیں نکل رہی تھیں۔ اس نے اپنے انسانی شکار کو اپنے پنجوں میں روند ڈالا۔ کھال چور کی چیخیں بند ہو گئیں تھیں۔ شیر اس کے جسم کو اپنے نوکیلے پنجوں سے چیتھڑے کی طرح پھاڑ رہا تھا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس شیر نے شدید زخمی اور خون میں لت پت کھال چور کی ادھ موئی لاش کی گردن کو اپنے منہ میں دبوچا اور اسے اٹھا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔

میرا دل ابھی تک تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ یہ خونی ڈراما چند سیکنڈ میں ختم ہو گیا تھا۔ پتھریلی زمین پر کھال چور کے خون کی تلیا سی بن گئی تھی۔ میں نے عافیت اسی میں سمجھی کے وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے رفو چکر ہو جاؤں۔ چنانچہ میں دور تک جنگل میں دوڑتا ہوا چلا گیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں کافی دور نکل آیا ہوں تو بیٹھ کر سانس درست کرنے لگا۔ شیر کو اس بیدردی سے انسان کا شکار کرتے میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ضرور یہ شیرنی تھی، جس نے اپنے شیر کی موت کا بدلہ لیا تھا۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ مجھے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میں اصل راستے سے بھٹک تو نہیں گیا۔ صرف اندازے سے چل رہا تھا۔ کچھ جنگلوں میں سفر کرتے رہنے کے اپنے تجربے

سے کام لے رہا تھا۔ گرمی اور حبس کی وجہ سے جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ آخر تلاش بسیار کے بعد ایک پہاڑی چشمہ مل گیا۔ پانی اس چھوٹے سے چشمے میں ایک پتھریلے ٹیلے کے نیچے آ کر گر رہا تھا۔ یہاں میں نے سب سے پہلے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی پھر غسل کیا۔ اس کے بعد' تھیلے میں سے آدی باسیوں کے دیئے ہوئے کچھ چاول نکال کر کھائے۔ نہانے اور کھانے سے جسم کی کھوئی ہوئی طاقت واپس آ گئی۔ چاقو میں نے اپنی دھوتی میں اڑس لیا تھا۔ دوپہر گزر چکی تھی۔ جنگل میں کہیں کہیں دھوپ کے سفید نشان نظر آ رہے تھے۔ اس جگہ مجھے دو مور نظر آئے' جو گل مہر کی جھاڑیوں کے پاس محو رقص تھے' پھر ایک سیاہ ناگ کو دیکھا' جو ٹیلے کے کنارے رینگتا ہوا دوسری جانب چلا جا رہا تھا۔ میں نے جلدی سے تھیلے سے مسواک نما بوٹی نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی' مگر سانپ دوسری طرف چلا گیا تھا۔ میں اللہ کا نام لے کر پھر آگے چل پڑا۔

یونہی اس بھیانک اور دشوار گزار جنگل میں چلتے چلتے آخر مجھے دور اونچی اونچی پہاڑیوں کے دامن میں دکھنی ڈھلان پر سرخ سرخ چٹانیں نظر پڑیں۔ ان چٹانوں کو دیکھ کر مجھے ایسے خوشی ہوئی' جیسے مجھے کوئی مدفن خزانہ مل گیا ہو۔ یہی وہ چٹانیں تھیں' جن کے غاروں میں سے کسی غار میں رانا خونی کی خفیہ کمیں گاہ تھی۔ اب میں محتاط ہو گیا کیونکہ دھنپتی کے ساتھی موٹے چندو نے مجھے بتایا تھا کہ جہاں رانا خونی کا ٹھکانہ ہے' وہاں آس پاس اس کے مسلح پہرے دار موجود ہوتے ہیں۔ ابھی تک مجھے وہ ندی دکھائی نہیں دی تھی' جس کا پل ٹوٹ کر ایک طرف ندی کے پانی میں جھک گیا تھا۔ رانا خونی کے خفیہ ٹھکانے کی یہ سب سے بڑی اور معتبر نشانی تھی۔ میں سیدھا جانے کی بجائے بائیں جانب چلنے لگا۔ یہاں جھاڑیاں اتنی گھنی نہیں تھیں' مگر گھاس قد آدم تھی۔ میں قد آدم گھاس کے سمندر سے نکل کر کھلی جگہ پر آیا تو خوشی سے میرا چہرہ کھل اٹھا۔ نشیب میں ایک ندی کمان کی شکل میں بہہ رہی تھی۔ ندی کے پیچھے سرخ چٹانوں کی ڈھلان کے پاس ایک پل ندی کے پانی پر جھکا ہوا تھا۔ میں اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ میں وہیں ایک بڑے پتھر کے پیچھے سرخ چٹانوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ چٹانیں ساتھ ساتھ لگی دکھن کی طرف ایک اونچی پہاڑی تک چلی گئی تھیں۔ ان ہی چٹانوں کے کسی غار میں رانا خونی کی کمیں گاہ تھی' جہاں سونیا بھی یقیناً موجود تھی۔ میں نے اپنے منصوبے پر ایک بار پھر غور کرنا شروع کر دیا۔ مجھے ایک سادھو سنیاسی کے بھیس میں ان چٹانوں کے قریب جانا تھا' جو جنگل میں بھگوان کی تپسیا کرنے آیا ہو اور ندی پر اشنان کرنے نکل آیا ہو۔ میں اپنے منصوبے پر غور بھی کر رہا تھا اور سرخ چٹانوں کی ترائی میں پھیلی ہوئی سرسبز جھاڑیوں اور چھوٹے چھوٹے گھنے درختوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ایک جگہ میری آنکھیں رک گئیں۔ میں دو انسانوں کو جھاڑیوں میں سے نکل کر ندی کی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔

ان میں سے ایک لڑکی تھی' جس نے سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور اسکے سیاہ بال کھلے تھے۔ دوسرا ایک آدمی تھا' جس نے رائفل کاندھے پر ڈال رکھی تھی اور سر پر پگڑی اس طرح باندھ رکھی تھی

کہ اس کا ایک پلو اس کی ٹھوڑی سے ہوتا ہوا اس کے کانوں کی طرف چلا گیا تھا۔ کیا یہ سونیا ہے؟ میرا دل زور سے دھڑک اٹھا، مگر اس لڑکی کا رنگ گہرا سانولا تھا اور بال بھی لمبے اور سیاہ تھے۔ سونیا کا رنگ سفید اور بال چھوٹے اور بھورے تھے، پھر یہ لڑکی کون تھی؟ رائفل بردار آدمی یقینی طور پر رانا خونی کا کوئی ساتھی تھا۔ رائفل بردار آدمی رک گیا۔ اس نے ندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکی سے کچھ کہا، جو میں نہ سن سکا، پھر پلٹ کر پیچھے چلا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ سرخ ساڑی والی سانولی سی لڑکی وہیں رک گئی۔ وہ اپنے پیچھے ان جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی، جدھر رائفل بردار چلا گیا تھا۔ چند لمحے ادھر دیکھتے رہنے کے بعد، لڑکی ندی میں بیٹھ کر نہانے لگی... میں چپ چاپ بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے؟

لڑکی بار بار ڈبکی لے کر اپنے سر کو دھو رہی تھی.... جب اس نے اچھی طرح سے اشنان کر لیا تو بیٹھے ہی بیٹھے ندی سے نکل کر کنارے پر آئی، بالوں کو زور، زور سے جھٹکنے لگی۔ اتنے میں وہی رائفل بردار آدمی جھاڑیوں میں سے نکل کر اس کے قریب آیا اور چلنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی بالوں کو نچوڑتی ہوئی خاموشی سے اس کے آگے لگ کر چلنے لگی، پھر دونوں جدھر سے آئے تھے، ادھر ہی چل دیئے۔ جب وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے سرخ چٹانوں کی طرف دیکھا۔ وہاں مدھم ہوتی ہوئی دھوپ اس لئے نہیں پڑ رہی تھی کہ یہ چٹانیں سورج کے سامنے نہیں تھیں۔ سورج ان کے عقب میں تھا۔ مجھے اب بے حد احتیاط کی ضرورت تھی۔ بلاشبہ اس علاقے میں رانا خونی کے مسلح پہرے دار جگہ جگہ موجود تھے۔ سادھو سنیاسی کے لباس میں ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ اعتماد بھی تھا اور کسی وقت یہ خیال بھی آ جاتا کہ یہ وحشی خونخوار قسم کے لوگ ہیں۔ کیا عجب مجھے خاطر میں نہ لائیں اور کسی طرف سے گولی آ کر میرا کام تمام کر دے۔ اسی خیال سے میں 'اولکھ نرنجن' کا نعرہ بھی نہیں لگا رہا تھا۔ اسی تذبذب اور کشمکش میں گرفتار میں اس طرف چلنے لگا، جدھر ندی میں لڑکی تھوڑی دیر پہلے نہا رہی تھی۔ جنگلی بیل بوٹیوں میں گزر کر میں ندی پر آ گیا، پھر میں اسی طرف مڑ گیا جدھر لڑکی، رائفل بردار آدمی کے ساتھ گئی تھی۔ یہاں جنگلی جھاڑ جھنکاڑ نے ایک سرسبز سرنگ سی بنا دی تھی۔ میں اب گردن اٹھائے اعتماد سے چل رہا تھا، جیسے میں سادھو سنت ہوں اور جنگل میں ندی پر منہ ہاتھ دھونے یا پانی پینے آیا تھا۔ آخر وہی ہوا، جس کا مجھے خدشہ تھا۔ جھاڑ جھنکار کی سرنگ میں سے گزرتے ہوئے جھاڑیوں کی ٹہنیاں میرے چہرے کو لگ رہی تھیں، جنہیں میں ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا، پھر اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر ایک دم مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ دوسرے آدمی نے میرے سر پر کپڑا ڈال کر اس طرح کس... ڈالا کہ میری گردن گھٹنے لگی۔ میں نے چلا کر کہا۔ "اولکھ نرنجن! سادھو سنتوں کو تنگ کرو گے تو لومڑی کا جنم پاؤ گے۔"

میرے اس جملے کا ان دونوں آدمیوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے ان کو زمین

پر گرا سکتا تھا، مگر میں چاہتا تھا کہ یہ لوگ مجھے رانا خونی کی کمیں گاہ تک لے چلیں، لیکن مصیبت یہ تھی کہ میری گردن کے گرد..... لپٹی ہوئی چادر کو مزید کسا جانے لگا۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھا لئے اور بولا۔ "وشنو بھگوان کے سیوک کو تنگ نہ کرو بابا۔"

گردن میں لپٹی ہوئی چادر ذرا ڈھیلی ہو گئی۔ ایک آدمی نے کہا۔ "خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو۔ آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔"

میں نے یہی غنیمت جانا کہ گردن کا شکنجہ کم ہو گیا تھا۔ میں میرا منہ ابھی تک چادر میں ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے نظر آئے گا تو میں چلوں گا بابا۔"

میرے منہ پر سے چادر کا پلو ہٹا دیا گیا، مگر یہ چادر ایک رسے کی طرح ابھی تک میری گردن میں ہی پڑی تھی۔ اب میں نے اپنے ارد گرد دو آدمیوں کو دیکھا۔ سیاہ رنگت اور سرخ آنکھوں والے یہ دو لنگوٹ پوش خونخوار قسم کے آدمی تھے۔ ایک نے میری گرن کے گرد لپٹی ہوئی چادر کو رسے کی طرح بٹ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور دوسرے نے اپنی رائفل مجھ پر تان رکھی تھی۔ "تم ادھر کیا لینے آئے ہو؟"

میں نے کہا۔ "بابا لوگ ہم سادھو سنیاسی ہیں جنگل، جنگل گھوم پھر کر بھگوان کی تپسیا کرتے ہیں۔ اس آدمی نے رائفل کی نال سے مجھے ٹھوکا دیا اور ترش لہجے میں بولا۔ "بڑے دیکھے ہیں تیرے ایسے سادھو سنت! چل آگے کو۔"

جنگل کے مختلف نشیب و فراز میں سے گزار کر یہ دونوں آدمی جب مجھے جھاڑ جھنکار کی سرنگ میں سے باہر لائے تو انہوں نے چادر سے میری آنکھیں ڈھانپ دیں اور مجھے دھکیلتے ہوئے لے کر آگے بڑھے۔ چادر کی پٹی میں سے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن میں خاموشی سے چل رہا تھا۔ چڑھائی آ گئی، یہاں میرے قدموں تلے زمین پتھر کی طرح سخت تھی۔ پھر تین چار بار دائیں بائیں مڑا۔ ایک آدمی نے میری گردن پر پڑی ہوئی چادر کو کھینچ کر کرخت آواز میں کہا۔ "رک جاؤ یہاں!"

میں رک گیا۔ ایک بار پھر میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ میں سادھو ہوں اور مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا دینا۔ پیچھے سے میری گردن پر ایک زور دار مکا پڑا میرا خون کھول اٹھا مگر میں اپنے غصے کو پی گیا۔ مجھے بے حد صبر، حوصلے اور بہترین تدبر سے کام لینا تھا۔ نہیں تو بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ میں نے صرف اتنا کہا۔ "اے بھگوان! مجھے شما کر دینا۔"

چند قدم چلنے کے بعد، مجھے ایسا لگا، جیسے میں کسی جگہ میں داخل ہو گیا ہوں۔ کیونکہ فضا میں جو کھلی ہوا کی خنکی تھی، وہ اچانک ختم ہو گئی تھی۔ میری آنکھوں کے آگے سے چادر ہٹا دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک ایسے غار میں کھڑا ہوں، جس کی چھت کافی اونچی ہے اور میرے پہلو کی جانب غار کے دروازے میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی ہے۔ انہوں نے فوراً رسی سے میرے ہاتھ دونوں ہاتھ پیچھے

کر کے باندھ دیئے اور مجھے دھکا دے کر دیوار کی طرف گرا دیا۔ میں پہلو کی جانب زمین پر گرا.... اور پھر ذرا سے کھسک کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میں اب بھی انہیں یہی کہہ رہا تھا کہ میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔ سادھو سنیاسی ہوں۔ انہوں نے میرے تھیلے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ یقیناً اسے دیکھ چکے تھے اور اس میں سوائے تھوڑے ابلے ہوئے چاولوں اور مسواک ایسی سانپ کی بوٹی اور کچھ نہیں ملا تھا۔ تھیلا انہوں نے میرے پاس ہی پھینک دیا۔ ایک آدمی رائفل لئے میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور دوسرے نے چھوٹی رسی کے ایک ٹکڑے سے میرے دونوں پاؤں بھی باندھ دیئے۔ میں نے آہستہ آہستہ ویدوں کے اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے مگر وہ ایسے پتھر دل اور بے عقیدہ لوگ تھے کہ ان پر اشلوکوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ رائفلیں کاندھوں پر ڈالے غار سے باہر نکل گئے۔ باہر جانے کے بعد' انہوں نے بانس کی شاخوں سے بنایا ہوا چھاپہ غار کے منہ کے آگے رکھ دیا' جس سے غار میں اندھیرا سا چھا گیا۔

میں نے غار کا جائزہ لیا۔ بانس کے چھاپے میں سے ہلکی ہلکی سی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ غار بالکل خالی تھی۔ چند قدم آگے جا کر غار ختم ہو جاتا تھا۔ وہاں مجھے پتھر کی دیوار صاف نظر آرہی تھی۔ مجھے اب صرف ایک ہی لگن تھی کہ سب سے پہلے تو اس لڑکی سے ملاقات کروں' جو ندی میں نہا رہی تھی اور پھر رانا خونی کو دیکھوں اور اس پر اپنے گیان دھیان کا رعب ڈال کر سونیا کا سراغ لگانے کی کوشش کروں۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں رانا خونی پر اپنی تپیا اور سادھو پن کا رعب جما سکوں گا۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ عقیدہ کے اعتبار سے بڑے کمزور ہوتے ہیں۔ بانس کے چھاپے میں سے آنے والی دن کی روشنی مدھم پڑنے لگی تھی۔ اچانک چھاپہ ہٹا دیا گیا۔ غار میں ڈوبتے ہوئے سورج کی جگہ گلابی سی روشنی پھیل گئی' پھر وہی دو لنگوٹ پوش آدمی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے میرے پاؤں کھول دیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "چلو ہمارے ساتھ!"

میرے ہاتھ ابھی تک پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ غار سے باہر نکلتے وقت ان کو جانے کیا خیال آیا کہ رک گئے اور میرے کپڑوں کو ٹٹول کر چاقو میری دھوتی سے نکال لیا۔ ایک نے غرا کر کہا۔ "سادھو سنت ہو تو یہ چاقو کس لئے ساتھ رکھا ہے؟"

میں نے کہا۔ "ہم سنیاسی بھی ہیں۔ جڑی بوٹیاں بھی تلاش کرتے ہیں۔ یہ جڑی بوٹیوں کو کاٹنے کے لئے ہے۔"

"کہاں ہے تمہارا سادھو؟" دوسرے نے مجھے جھنجھوڑ کر پوچھا۔ پہلے والا بولا ارے رانا کے پاس جا کر یہ اپنے آپ سب کچھ بتا دے گا۔

وہ مجھے غار سے باہر لے آئے۔ یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ چند قدموں کے فاصلے پر دوسرے غار کا منہ تھا۔ جس کے باہر لکڑی کے ایک تخت پر ایک کالا کلوٹا مضبوط جسم والا آدمی رائفل گھٹنوں پر

رکھے اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے پاؤں زمین پر تھے اور دونوں ہاتھ اس نے تخت پر ٹکائے ہوئے تھے اور اس کے سر پر کالی پگڑی ڈھاٹے کی طرح بندھی ہوئی تھی۔ جسم پر تنگ اور بغیر آستینوں کی صدری اور مراٹھوں کی طرح دھوتی کس کر بندھی ہوئی تھیں۔ پاؤں میں بھاری فوجی بوٹ تھے۔ یہ عجیب و غریب حلیئے اور سرخ آنکھوں والا رانا خونی ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی رائفل کاندھوں پر رکھے زمین پر اکڑوں بیٹھے تھے۔ مجھے رانا خونی کے سامنے لے جا کر زمین پر بٹھا دیا گیا۔ رانا خونی بغیر منہ سے کچھ کہے مجھے گھور رہا تھا' جو آدمی مجھے لائے تھے۔ ان میں سے ایک بولا۔ "رانا! یہ مجھے بھاسکر لال کا بھیجا ہوا لگتا ہے۔"

دوسرا بولا۔ "کہو تو اسے ابھی گولی سے اڑا دوں۔"

پہلا پھر بولا "رانا! یہ جاسوس ہے۔ پاکھنڈی ہے اس کے تھیلے میں یہ چاقو بھی تھا۔"

رانا خونی نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ دونوں چپ ہو گئے۔ رانا خونی مجھے ابھی تک مجھے گھور رہا تھا۔ میں اپنے دھیان میں ویدوں کے اشلوک پڑھ رہا تھا۔ رانا نے اپنی گھمبیر آواز میں پوچھا "اور کیا کیا نکلا ہے اس کے تھیلے سے؟"

میرے تھیلے میں سے نکلا ہوا چاقو' جڑی بوٹی والی مسواک اور ابلے ہوئے چاولوں کا بندھا ہوں دونا' رانا کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ رانا نے چاقو اٹھا کر غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اب میں نے زبان کھولی۔ "ہم سادھو لوگ ہیں۔ سنیاسی دھاری ہیں جنگل میں دن کو گھوم پھر کر اس چاقو سے جڑی بوٹیاں کاٹ کر اکٹھی کرتے ہیں"

رانا نے چاقو سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھر مجھ پر اپنی لال لال مقناطیسی نظریں جما دیں۔ اس نے چاقو تخت پر اپنے قریب ہی رکھ دیا اور مسواک اٹھا کر پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

میں نے کہا "یہ ناگ بوٹی ہے۔ کیسا ہی زہریلا سانپ کیوں نہ کاٹ لے اسے منہ میں لے کر چبا لو۔ سانپ کا زہر ختم ہو جائے گا"

رانا خونی کے چہرے پر ایک ایسی عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی کہ میرا جسم کانپ اٹھا۔ میں نے اس کے دل کا حال پڑھ لیا تھا اور میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ اس نے میرے ہاتھ کھلوا دیئے اور مسواک میری طرف بڑھا کر بولا " اسے اپنے پاس رکھو"

پھر اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں سے ایک کا نام لے کر کہا۔ "دھوموا سانپ والی مٹکی لاؤ اندر سے۔"

خوف کی ایک ٹھنڈی یخ لہر میری ناف سے اٹھی اور اس نے ایک پل کے لئے میرے سارے جسم کو برف کی طرح سخت کر دیا۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا؟ میں سمجھ گیا تھا۔ یا اللہ! میری حفاظت کرنا۔ ایک دم اس بوڑھے آدمی باسی کا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا' جس نے مجھے یہ جڑی بوٹی والی مسواک دے کر

کہا تھا کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس بوٹی کو تھوڑا سے خوب چبا کر اسکا عرق پی جاؤ تو سانپ کا زہر زائل ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں نے یقین کر لیا تھا۔ موت پھن اٹھائے میرے سامنے کھڑی لہرا رہی تھی۔ میں چپ تھا اور اس آدمی کو تک رہا' جو اٹھ کر پیچھے غار میں گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد' وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک چھوٹا سا مٹکا تھا' جس کا منہ کپڑے سے بند کر دیا گیا تھا۔ رانا نے اسے حکم دیا.... کہ سانپ والا مٹکا میرے سامنے رکھ دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مٹکے کے منہ پر موٹا کپڑا رسی سے باندھ گیا تھا۔ اب رانا میری طرف متوجہ ہوا اور مٹکے کی طرف اشارہ کیا کرتے ہوئے بولا" مٹکے میں ایک زہریلا ناگ ہے' جو میرے آدمیوں نے کل ہی ترائی میں پکڑا تھا۔ مٹکے میں ہاتھ ڈال کر سانپ سے اپنے آپ کو ڈسواؤ' پھر اپنی اس ناگ بوٹی سے اپنا علاج کر کے دکھاؤ۔ اگر یہ بوٹی سچی نکلی تو تم بھی سچے سنیاسی ہو گے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا اور میرے آدمی اپنی حفاظت میں جنگل میں چھوڑ کر آئیں گے۔ مٹکے کو کھول کر اس میں پورا ہاتھ ڈالو۔"

ایک لمحے کے لئے تو میرے حواس مختل ہو گئے۔ جنگل اور سرخ چٹانیں اور ان خونی حشیوں کے چہرے مجھے گھومتے ہوئے نظر آنے لگے۔ رانا خونی نے اپنی رائفل کی نال کا رخ میری طرف کر دیا اور بولا" اگر تم نے مٹکے میں ہاتھ نہ ڈالا تو اس کا مطلب ہو گا کہ تم تھانے دار بھاسکر لال کے بھیجے ہوئے جاسوس ہو اور میں تمہیں گولی سے اڑا دوں گا۔"

رانا نے اپنی بندوق کا سیفٹی کیچ چڑھا دیا۔ نال کا رخ میرے چہرے کی طرف تھا۔ زہریلے جنگلی سانپ والا مٹکا میرے سامنے دھرا تھا۔ نام نہاد سانپ کے تریاق والی مسواک میرے ہاتھ میں تھی اور موت میرے سامنے کھڑی تھی۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مٹکے میں بھی موت تھی سامنے بھی رائفل کی شکل میں موت تھی۔ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ دائیں بائیں بھی رانا خونی کے آدمی رائفلیں لئے کھڑے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ کبھی خیال آتا کہ میرا خدا مجھے بچا لے گا۔ کبھی خیال آتا کہ سانپ کے ڈسنے سے میں ہلاک ہو جاؤں گا اور آدی باسی بوڑھے کی جڑی بوٹی میری جان نہیں بچا سکے گی۔ خوف و اندیشے کی ایک لہر گزرتی تو دوسری آجاتی کہ نہیں' خدا مجھے بچا لے گا۔ یہ جڑی بوٹی اپنا اثر دکھائے گی' ضرور اثر دکھائے گی۔ آخر یہی تو بوٹی تھی' جس کے عرق نے میرے سامنے ہی اس آدی باسی کو اچھا کر دیا تھا' جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ یہ یہاں بھی ضرور اثر کرے گی۔ مجھے اللہ کا نام لے اس امتحان میں چھلانگ لگا دینی چاہئے۔ انشاء اللہ میں کامیاب رہوں گا۔ اور پھر رانا خونی میرا غلام بن جائے گا اور مجھے سونیا کا سراغ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ میں اسکا کھوج لگا سکوں گا۔ رانا خونی کی گھمبیر آواز بلند ہوئی۔ وہ تامل میں کہہ رہا تھا۔" میں تین تک گنوں گا۔ اگر تم نے مٹکے میں ہاتھ نہ ڈالا تو میں گولی چلا دوں گا۔"

ایک دم سے میرا خون گرم ہو گیا۔ مجھے اپنے جسم میں عظیم ترین قوت کا احساس ہوا' مجھے ایسا لگا

جیسے میں دنیا کا مضبوط ترین انسان ہوں ۔ میں نے مسواک والی جڑی بوٹی کو منہ میں ڈال کر توڑا۔ اسکا ٹکڑا دانتوں تلے دبا کر چبانا شروع کردیا۔ اس کے ساتھ ہی مٹکے کے منہ پر بندھی ہوئی رسی کھول کر کپڑا ہٹایا۔ مٹکے میں سے سانپ کی پھنکار کی آواز آئی، مگر اس وقت میرا اعتقاد اور خدا کی بنائی ہوئی جڑی بوٹی پر اعتماد اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ مجھے سانپ کی پھنکار کسی خرگوش کی آواز معلوم ہوئی، میں نے منہ ہی منہ میں کلمہ شریف پڑھ کر مٹکے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس وقت بوٹی کا کسیلا ذائقہ میرے منہ میں گھل رہا تھا اور میرے ہاتھ کے اوپر والے حصے پر انگوٹھے کے قریب سانپ کا منہ زور سے ٹکرایا اور ایسی چبھن ہوئی جیسے کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔ میں نے جلدی سے ہاتھ باہر کھینچ لیا۔ میرے ہاتھ پر انگوٹھے کے قریب خون کا ایک قطرہ یاقوت کی طرح چمک رہا تھا۔ سب میری طرف دہشت انگیز نظروں سے تک رہے تھے ۔ ان سب کو یقین تھا کہ ابھی میرا جسم نیلا پڑ جائے گا۔ سارے بدن پر چھالے پڑ جائیں گے اور منہ سے جھاگ نکلنے لگے گا اور میں مر جاؤں گا۔ مجھے اپنے جسم میں شدید گرمی محسوس ہوئی، جیسے کسی نے میرے خون میں کھولتا ہوا پانی شامل کر دیا ہو۔ میں نے زور زور سے بوٹی کو چبا کر اس کا عرق نکلنے لگا۔ بوٹی بڑی بچی تھی ۔ اس کا عرق بڑی تیزی سے نکل رہا تھا، جس کا ذائقہ انتہائی تلخ تھا۔ میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ رانا خونی کے ایک آدمی نے لپک کر میرے انگوٹھے والی جگہ پر سانپ ڈسنے کا نشان دیکھا اور چلایا " رانا! سانپ نے ڈس لیا ہے ۔ "

رانا نے بندوق کی نال نیچے کرلی ۔ اس کے آدمی نے منہ بند کر کے اسے وہیں پڑا رہنے دیا ۔ میرے کانوں میں شاں شاں کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ جسم ڈھیلا پڑنے لگا میں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ہلائیں تو وہ سست پڑ چکی تھیں، جیسے سو گئی ہوں۔ میں نے بوٹی کا دوسرا ٹکڑا توڑا اور اسے بھی زور، زور سے چبانا شروع کر دیا۔ میرے جبڑے بھی سخت ہونے لگے ۔ میں سمجھ گیا کہ بوٹی ناکام ثابت ہوئی ہے اور اب [illegible] اللہ ہے۔ میں مر رہا ہوں۔ میں دل میں کلمے کا ورد شروع کر دیا۔ ساتھ ہی بوٹی کا عرق بھی چبا چبا کر نگلنے لگا۔ میری آنکھیں بند تھیں ۔ اندھیرے میں نیلے پیلے تارے ناچ رہے تھے، پھر یوں محسوس ہوا کہ، جیسے جبڑے کی سختی کم ہو رہی ہے ۔ میں نے انگلیاں ہلائیں ۔ اب وہ بھی جیسے نیند سے جاگ اٹھی تھیں ۔ بدن میں خوشی اور امید کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خدا نے میری جان بچالی تھی ۔ بوٹی کا عرق سانپ کے زہر کو زائل کر رہا تھا، پھر میرے جسم کی حالت بالکل نارمل ہو گئی۔ جسم کی تپش اور انگلیوں اور جبڑے کی اینٹھن ختم ہو چکی تھی ۔ میں نے آنکھیں کھول دیں ۔ مجھے سرخ چٹانوں کے اوپر نارنجی رنگ کا آسمان دکھائی دیا۔ مشرق میں سورج غروب ہو رہا تھا۔ رانا خونی اپنے تخت کے پاس اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بندوق کے سہارے جھکا ہوا، مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے رائفل بردار ساتھی بھی زمین پر بیٹھے میری طرف دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے ۔ ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ وہ مجھ سے مرعوب ہو چکے ہیں ۔ خدا نے مجھ پر سب سے بڑا کرم یہ کیا تھا کہ میری جان بچالی تھی ۔ اگر اتفاق سے

مجھے یہ بوٹی آدی باسی بوڑھے سے لینے کا خیال نہ آتا تو آج میں اپنی یہ سچی داستان لکھنے کے لئے زندہ نہ ہوتا۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رانا خونی نے بندوق تخت پر پھینک دی۔ دونوں ہاتھ باندھ کر بولا "مہاراج! ہمیں شما کر دیں۔ آپ سچے سنیاسی جوگی ہیں۔"

رانا خونی نے مجھے اپنے پاس تخت پر بڑی عزت سے بٹھایا اور میرے لئے دودھ اور گھی لانے کا حکم دیا۔ وہ بولا "مہاراج! بھاسکر لال ہمارا دشمن ہے۔ ہم چور ڈاکو نہیں ہیں ہم اپنی مرضی سے یہاں آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہاں ہمیں کوئی تنگ نہ کرے"۔ پھر اس نے مجھ سے ناگ بوٹی لے کر ایک بار اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا "مہاراج! یہ کس جنگل میں ملتی ہے؟"

میں بوٹی کے پھوک کو ابھی تک چبائے جا رہا تھا۔ اب صرف میرے انگوٹھے پر اس جگہ ہلکی ہلکی سی چبھن ہو رہی تھی۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ میں نے کہا "یہ آندھرا پردیش کے جنگلوں میں نہیں ملتی۔ میرے گورو جی' یہ میرے لئے کیلاش پربت سے لائے تھے۔"

وہ کہنے لگا "مہاراج! جس سانپ نے آپ کو ڈسا تھا۔ وہ اس علاقے کا سب سے زیادہ زہریلا ناگ ہے۔ ہمارے پاس اس قسم کے چار ناگ ہیں' جو ہم نے اپنے دشمنوں کے لئے بند کر رکھے ہیں۔ آپ سچے سنیاسی سادھو ہیں۔ کیا میں آدھی بوٹی لے سکتا ہوں؟"

میں نے بوٹی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اسے آدھا توڑا اور اسے دیتے ہو کہا "رانا! یہ تمہاری باقی زندگی کے لئے کافی ہے۔"

اس نے بوٹی اپنی صدری کی جیب میں ڈالی اور ہاتھ باندھ کر میرا شکریہ ادا۔ اتنے میں اس کا آدمی ساتھ والے غار سے ایک پیالے میں دودھ اور گھی گرم کر کے لے آیا۔ میں پیتا تو نہیں چاہتا تھا' مگر میں نے اپنی دشت نوردی میں سن رکھا تھا کہ اگر سانپ کے کاٹے سے آدمی کسی طرح بچ جائے تو اسے دودھ اور گھی گرم کر کے ضرور پینا چاہئے۔ میں پیالہ پی گیا۔ دودھ اور گھی بالکل اصلی تھی اور ان میں سے خالص دودھ اور خالص گھی کی الگ الگ خوشبو آ رہی تھیں۔

رانا ہاتھ باندھ کر بولا۔ "مہاراج! آپ حکم دیں تو میرا آدمی آپ کو آپکے استھان تک جنگل میں چھوڑ آئے گا"

اس نے میرا تھیلا بھی میری خدمت میں ادب سے پیش کر دیا' جس میں میرا چاقو تھا اس نے میرے سامنے ڈالا تھا۔ میرا استھان کہاں تھا؟ جہاں میں جاتا۔ دل میں خونی رانا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اب تو بیٹا یہی میرا استھان ہے۔ اب تو سونیا کو یہاں سے لے کر ہی اپنے استھان پر جاؤں گا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "رانا! ہم تمہاری سیوا سے خوش ہوئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ کچھ روز

ہمارے پاس ہی کسی غار میں رہ کر بھگوان کی پوجا کریں۔"

رانا خونی بڑا خوش ہوا۔ "مہاراج! یہ تو میرے دھن بھاگ ہیں۔ یہ ساتھ والا غار بالکل خالی ہے۔ میں آپ کو وہاں تخت بچھا کر شیر کی کھال بچھائے دیتا ہوں۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

میں نے ایک ہاتھ اسے آشیرواد دینے کے انداز میں اٹھایا اور کہا" رانا! تم نے ہمیں سمان دیا ہے۔ ہم تم سے پرسن ہوئے ہیں۔ بس غار کے باہر ہمارے لئے آگ کا مچان لگا دے"

اس نے ہاتھ باندھ کر بڑی عاجزی سے کہا۔ "مہاراج! مجھے شما کریں۔ ہم یہاں باہر الاؤ روشن نہیں کر سکتے۔ آپ تو جانتے ہیں۔ ہمارے دشمن کو ہمارے ٹھکانے کا پتا چل جائے گا۔ آپ کے تخت کے گرد ہم مچھر دانی تان دیں گے۔"

میں سمجھ گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آندھرا پردیش کی پولیس اسکی تلاش میں ہو گی۔ ظاہر ہے' وہ ایک مفرور تھا ۔میں نے مسکرا کر کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ ہم ویسے ہی کریں گے' جیسے تو چاہے گا۔ غار میں ہمارا استھان لگا دے۔ اب ہم بھگوان کی پوجا پاٹھ کریں گے۔"

اس نے اٹھتے ہوئے میرے قدم چھو کر کہا۔ "مہاراج! میرے لئے ضرور پرارتھنا کرنا۔"

میں نے اس کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہا۔ "اوش کریں گے تو آج سے ہمارا بالکا ہے۔ جا تیرا کلیان ہو۔"

رانا خونی تو پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسی وقت ساتھ والے تیسرے غار میں میرے لئے تخت بچھا دیا گیا۔ وہ خود مجھے لے کر غار میں آیا۔ اندر لالٹین طاق میں جل رہی تھی۔ تخت پر شیر کی کھال بچھی تھی۔ ایک تکیہ بھی لگا تھا۔ بانس تخت کے چاروں کونوں پر لگے تھے' جن پر مچھر دانی لپیٹ دی گئی تھی۔ وہ مچھر دانی چھوڑنے لگا تو میں نے اسے یہ کہہ کے منع کر دیا کہ ہم سادھو سنیاسیوں کو مچھر تنگ نہیں کرتے۔

یہ بھی پربھو کی سنتان ہیں۔ میں چپل اتار کر تخت پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور گلے میں سے مالا اتار کر اشلوک پڑھ کر ان کا ورد کرنے لگا۔ رانا خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اسکے جاتے ہی میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ غار تنگ تھا۔ اگرچہ چھت بہت اونچی تھی' مگر وہاں حبس بہت ہو رہا تھا۔ کچھ مچھر بھی میرے کانوں میں بھنبھنانے لگے۔ پربھو کی اس سنتان کو میں نے مارنا شروع کر دیا' مگر مچھر پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ابھی غار سے باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ میں ان لوگوں پر اپنا اثر زائل ہوتے گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ صبر کر کے وہیں بیٹھا رہا۔

آہستہ آہستہ باہر روشنی کم ہوتی گئی' پھر شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ اتنے میں رانا کے دو آدمی میرے لئے کافی لے کر آئے اور پوچھا کہ مہاراج! کافی پئیں گے۔ مجھے کوئی حیرانی نہ ہوئی کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ لوگ چائے کی جگہ کافی کا استعمال کرتے ہیں اور علاقے کی دیہات میں بھی کافی کثرت سے

پی جاتی ہے۔ میں نے کافی کا ڈونگا لے لیا او تخت سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمارا استھان باہر لے چلو ہم تاروں کی جیوتی میں بھگوان کی پوجا کریں گے۔"

اسی وقت میرا تخت غار سے نکال کر باہر کھلی فضا میں غار کے دہانے کے سامنے لا کر بچھا دیا گیا۔ یہاں مچھر دانی بھی چھوڑ دی گئی۔ میں تخت کے سامنے پتھروں پر بیٹھ گیا اور 'اولکھ زنجن' کا نعرہ بلند کر کے کافی پینے لگا۔

لالٹین باہر نہیں لائی گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ساتھ والے دونوں غاروں کے اندر ہی لالٹین روشن تھی۔ باہر کوئی لالٹین یا کہیں بھی آگ نہیں جل رہی تھی۔ کھانا بھی ایک غار کے اندر ہی آگ جلا کر پکایا جا رہا تھا۔ جب رات ہو گئی تو رانا خونی میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ رائفل اب بھی اس کے کاندھے پر پیچھے کو لگی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے سنسار اور مایا کی باتیں شروع کر دیں۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھیں معلوم ہو رہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے میری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ دائیں بائیں اور کبھی دور نیچے والی وادی کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ اتنے میں اسکے آدمی ہمارے لئے کھانا لے کر آ گئے۔ کھانے میں بھنا ہوا مرغ اور چاول تھے۔ مرچ کی چٹنی بھی تھی۔

رانا بولا "مہاراج! آپ ہمارے مہمان ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ آپ سادھو لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ پرنتو آج میرا دل رکھ لیجئے اور میری خاطر یہ کھالیں' مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

بھنے ہوئے جنگلی مرغ کے مسالوں کی تیز خوشبو آئی تو میری بھوک تیز ہو گئی۔ سانپ کے زہر نے جاتے جاتے شاید مجھے شدید بھوک لگا دی تھی۔

میں نے کہا "رانا! تو میرا بالکا ہے۔ میں تیرا دل نہیں توڑوں گا۔ تیرے لئے میں نے اپنے آپ کو سانپ سے ڈسوا لیا تھا' مجھے مرغ کھانے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

اس جملے سے رانا خونی بہت محظوظ ہوا۔ اپنی ران پر زور سے ہاتھ مار کر ہنس پڑا' پھر ہاتھ باندھ کر بولا "مہاراج! آپ بھگوان سمان ہیں۔ آپ نے میری بات مان کر مجھے سمان دیا ہے۔"

کھانے کے بعد' اس کے آدمی وہاں تاڑی کی بوتل لے آئے۔ رانا نے بوتل کو منہ سے لگا کر کہا۔ "مہاراج! آپ مجھے معاف کریں۔ میں رات کو کھانے کے بعد' تاڑی نہ پیوں تو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اور مجھے نیند بھی نہیں آتی۔"

وہ بوتل کھول کر غٹا غٹ تاڑی کے چھ سات گھونٹ چڑھا گیا۔ آستین سے منہ پونچھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں چلتا ہوں مہاراج! صبح ملوں گا۔"

وہ بوتل سینے سے لگائے میرے قریب سے بھاری جوتوں کی آواز پیدا کرتا ہوا اپنے غار کی طرف چلا گیا' جو میرے غار سے چند قدم کے فاصلے پر تیسرا غار تھا۔ اس غار کے باہر اس کے دو آدمی پہرے پر بیٹھ گئے تھے اور وہ بھی تاڑی سے شوق کر رہے تھے۔ اس غار کی دوسری جانب بھی ایک غار تھا۔ اس غار

کے اندر سے ہلکی ہلکی سی روشنی باہر آرہی تھی۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس غار میں شاید سونیا کو رکھا گیا ہے' مگر دل نہیں مانتا تھا۔ اگر سونیا وہاں ہوتی تو اسکی ایک آدھ آواز ضرور سنائی دے جاتی۔ اس بات کا مجھے یقین تھا کہ سونیا اس رانا خونی کے قبضہ میں ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے میرے آنے کے بعد اسے جنگل میں قریب ہی کسی دوسری جگہ پر منتقل کر دیا ہو۔ اس کے خاص رازدار موٹے چندو نے خبر دی تھی کہ دھنپتی' سونیا کو کروندی جنگل میں رانا خونی کے پاس فروخت کر آیا ہے۔ میں چوتھے غار میں سے نکلتی ہوئی ہلکی ہلکی سی روشنی کو تک رہا تھا۔ رات گہری ہوتی چلی گئی۔ گرمیوں کا حبس آلود آسمان چمکیلے ستاروں سے جھلملانے لگا۔ نیچے جنگل میں گہری تاریکی اور موت ایسا سناٹا چھا گیا۔ رانا کے غار کے باہر موجود دو آدمی پہرہ دے رہے تھے ان میں ایک تاڑی کے نشے میں وہیں پڑ گیا۔ دوسرا آدمی اس کے کاندھوں کو زور' زور سے ہلانے لگا' مگر وہ بدمست ہو کر گیا تھا۔ جو پہرے دار ہوش میں تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر پتھر کی نیم قد آدم دیوار کے ساتھ اس طرح اکڑوں بٹھا کر رائفل اس کے ہاتھ میں تھما دی' جیسے وہ جاگ کر پہرہ دے رہا ہو۔

اب غار کے اندر سے رانا خونی کی غراہٹ نما آواز اور کسی کو جھڑکنے اور گالیاں دینے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ظاہر ہے وہ نشے میں تھا باہر والا پہرے دار بار بار غار میں جاتا اور واپس آکر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک بار رانا خونی کی آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز بڑی غضب ناک تھی۔ پہرے دار بھاگ کر اندر گیا۔ رانا خونی اسے گالیاں دے کر کوئی شے لانے کو کہہ رہا تھا۔ مجھے اسکے منہ کے نکلے ہوئے تامل زبان کے بے ربط الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ پہریدار دوسرے ہی لمحے غار سے نکل کر اس غار کی طرف بڑھا' جہاں سے لالٹین کی ہلکی ہلکی سی روشنی آرہی تھی۔ وہ غار میں داخل ہو گیا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد' پہرے دار نیم روشن غار سے نکلا تو اس کے پیچھے پیچھے دھیمی روشنی میں مجھے وہی سرو قد سرخ ساڑی والی لڑکی نظر آئی' جسے میں نے شام سے کچھ پہلے نیچے ندی میں اشنان کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب وہ اندھیرے میں تھے اور ان کے سائے رانا خونی کے غار میں آگے پیچھے داخل ہو گئے' پھر رانا کے ایک وحشیانہ قہقہے کی آواز گونجی اور میں نے پہرے دار کو دیکھا کہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا غار سے نکلا اور بدمست ساتھی کے پاس ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

پھر رانا خونی کے غار میں بھی سناٹا چھا گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر کسی طرح چوتھے غار کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا' وہاں سے مجھے سونیا کا کوئی سراغ مل جائے... مگر مجھے چوتھے غار تک پہنچنے کے لئے لامحالہ رانا خونی کے غار سے آگے گزرنا پڑتا' جس کے اندر سے اب لالٹین کی روشنی نہیں آرہی تھی' مگر غار کے باہر ایک پہریدار ابھی تک ہوش میں تھا' بلکہ پوری طرح ہوش میں تھا۔ کیونکہ جہاں تک میں دیکھ سکا تھا۔ اس نے تاڑی کی بوتل کو دوبارہ منہ نہیں لگایا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ جب وہ اٹھ کر غار کے سامنے ٹہلنے لگا۔ اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تخت پر مچھر دانی کے اندر آگیا اور تکیے سے ٹیک

لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ میں نے ایک بار پھر اپنی تسلی کے لئے اپنے جسم کے اندرونی نظام کا جائزہ لیا۔ میرے خون میں سانپ کے زہر کا معمولی سا اثر بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنے انگوٹھے کو آنکھوں کے قریب لاکر دیکھا۔ مجھے ہاتھ کے اوپر انگوٹھے کے پاس سیاہ رنگ کا ایک ننھا سا نشان نظر آ رہا تھا۔ اب اچانک مجھے خیال آگیا کہ یہ سانپ بھی زیادہ زہریلا نہیں تھا۔ ایک بار اتر پردیش کے جنگلوں میں مجھے ایک سپیرے نے بتایا تھا کہ سانپ جب ڈسے اور جہاں وہ ڈسے وہاں دو دانتوں کے نشان ہوں تو سمجھ لیں کہ یہ سانپ بہت زہریلا ہے اور اس کا توڑ مشکل ہی سے ہو سکے گا۔

لیکن اگر سانپ کے ڈسنے سے جسم پر صرف ایک دانت کا نشان ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ سانپ زیادہ زہریلا نہیں ہے اور اگر آدمی کو فوری طبی امداد مل جائے تو اسکی جان بچ سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ آدمی سانپ کی دہشت کی وجہ سے خود ہی پران نہ چھوڑ دے۔ اب مجھے پوری تسلی ہو گئی کہ سانپ کا زہر میرے جسمانی نظام کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکا۔ ویسے ناگ بوٹی نے بھی بہت کام کیا تھا اور وہ قدرت کی بنائی ہوئی بچی بوٹی تھی۔

رانا خونی کے غار میں گھپ اندھیرا تھا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ دور نیچے جنگل کے کسی کونے میں سے شیر کی دہاڑ گونجی اور اس نے سناٹے کو زیادہ دہشت ناک بنا دیا۔ اس کے بعد ' ایسی خاموشی چھا گئی کہ جیسے ساری کائنات دم بخود ہو گئی ہو۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ تھکاوٹ کے باوجود مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بار بار میرا خیال سونیا کی طرف جاتا تھا۔ خدا جانے وہ کہاں ہو۔۔۔گی؟ کس حال میں ہو گی؟ کاش ' میں چوتھے غار میں جاکر اسکی تلاشی لے سکتا ' اگر ان لوگوں نے سونیا کو میرے آنے کے بعد ' وہاں سے کسی دوسری جگہ پر بھی منتقل کر دیا تھا تو غار میں اس کی دو تین ایسی چیزیں ضرور پڑی ہوں گی ' جو اس کی موجودگی کی تصدیق کر دیں گی ' لیکن سوال یہ تھا کہ راستے میں پہریدار بیٹھا تھا۔ میں وہاں تک جا نہیں سکتا تھا۔ مچھردانی کو تخت کے کنارے سے ذرا سا اوپر اٹھا کے میں برابر رانا کے غار کے باہر پہرہ دیتے آدمی کو تک رہا تھا۔ جو اب رائفل زمین رکھے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور بیڑی سلگا کر پینے لگا تھا۔ بیڑی ' اس نے ماچس کے شعلے کو ہاتھ سے ڈھانپ کر سلگائی تھی۔ اتنے میں رانا خونی کے [illegible] سے اسکی گالیاں دینے کی آواز بلند ہوئی۔ باہر بیٹھا ہوا پہرے دار اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ شاید یہ روز کے معمولات کی بات تھی۔ اس کے بعد ' پھر گہری خاموشی چھا گئی ' میرے لئے چوتھے غار میں جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے تخت پر ٹانگیں پھیلائیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ غنودگی پہلے ہی طاری ہو رہی تھی۔ آنکھیں بند کرتے ہی میں گہری نیند میں کھو گیا۔

آنکھ کھلی تو دھوپ مچھردانی سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں پانچ بار کلمہ شریف پڑھا اور مچھردانی ہٹا کر باہر آ گیا۔ نیچے وادی کے درختوں پر شفاف دھوپ چمک رہی تھی۔ ایک رائفل بردار پہرے دار رانا خونی کے غار کے آگے چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔ دوسرا نہ جانے کہاں تھا۔

اس پہرے دار نے مجھے ہاتھ باندھ کر نمسکار کہا۔ میں نے اولکھ نرنجن کا نعرہ بلند کیا اور اشلوک پڑھنے لگا۔ میں اس رخ پر بیٹھا تھا کہ دائیں جانب تینوں غاروں کے دہانے مجھے برابر نظر آ رہے تھے' چوتھے غار کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ وہاں سونیا قید ہے' وہ بھی ویران ویران سا تھا۔ رانا خونی کے غار میں سے ایک آدمی رائفل کاندھے پر ڈالے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے سرخ ساڑی والی سانولی لڑکی تھی ۔ وہ پہرے دار کے ساتھ غاروں کے آگے والے پتھریلے صحن سے گزر کر ایک طرف سے نیچے ڈھلان پر اتر گئی۔ چند لمحوں کے بعد' میں بھی اٹھا۔ پہرے دار سے کہا کہ میں جنگل کی سیر کو جا رہا ہوں۔ ندی پر اشنان بھی کروں گا۔

میں دوسری طرف ڈھلان اترنے لگا۔ آگے وہی سرنگ ہری بھری جھاڑیوں اور جھکے ہوئے درختوں والی سرنگ شروع ہو گئی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا سرنگ میں سے نکل کر پہلو سے ہوتا ہوا ندی کے اس کنارے پر آ گیا' جہاں ندی چکر کاٹ کر سرخ چٹانوں کے پیچھے چلی جاتی تھی۔ پیچھے نگاہ ڈالی تو سرخ ساڑھی والی لڑکی ندی میں غسل کر رہی تھی۔ اس لڑکی کو بھی رانا خونی نے ضرور کہیں سے اغوا کر کے اپنے ہاں ڈال رکھا ہو گا۔ شاید یہ لڑکی مجھے سونیا کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ ایک اغوا شدہ عورت کو دوسری اغوا شدہ عورت سے ضرور ہمدردی ہو گی۔

درختوں پر جنگل کے پرندے صبح کی روشنی کے گیت گا رہے تھے۔ شبنم سے لدی ہوئی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر ندی کے پانی میں غسل کیا۔ دانت صاف کئے۔ گیروی دھوتی زیب تن کی۔ مالا گلے میں ڈالی اور آہستہ آہستہ واپس چلنے لگا۔ میں بلند آواز میں اشلوک پڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آس پاس رانا خونی کے آدمی پہرے پر موجود ہوں گے۔ اوپر اپنے استھان پر آیا تو رانا خونی مسواک کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی نمسکار کیا اور بولا "مہاراج! رات کیسے گزری؟"

میں نے کہا "سادھو سنتوں کی رات بھگوان کی یاد میں گزرتی ہے۔"

رانا خونی نے میرے ساتھ بیٹھ کر دہی اور رات کی باسی روٹی کا ناشتا کیا' پھر وہ اپنی رائفل کھول کر صاف کرنے لگا۔ نال میں سے ڈوری کو باہر کھینچتے ہوئے بولا۔ "مہاراج! ہم ذرا ایک کام سے جا رہے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر یہاں بیٹھیں اور درگا دیوی سے ہمارے لئے پرارتھنا کریں کہ ہم کامیاب ہو کر لوٹیں۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ کہیں واردات کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے بھی بڑے اعتماد سے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "نشچنت رہو رانا! دیوی درگا' تیری سہائتا کرے گی"۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد' رانا خونی اپنے آدمیوں کے ساتھ پوری طرح مسلح ہو کر وہاں سے نکل گیا۔ جاتے ہوئے انہوں نے باری باری میرے قدم چھوئے اور مجھ سے آشیرواد بھی لی۔ ان کے جانے کے بعد' وہاں صرف ایک پہرے دار رہ گیا..... جو رانا کے غار کے آگے پہرے پر بیٹھ گیا۔ سوائے اس پہرے

دار کے میدان بہت حد تک صاف تھا' اگر یہ پہرے دار کچھ دیر کے لئے ادھر ادھر ہو جائے تو میں چوتھے غار کی تلاشی لے کر سونیا کے بارے میں کوئی سراغ لگا سکتا تھا۔ تیسرے غار میں سرخ ساڑھی والی لڑکی ابھی ابھی چائے کا مگ لے کر اندر گئی تھی۔

میں نے پہرے دار سے سانپوں کی باتیں شروع کر دیں۔ میں نے اسے بتایا کہ اگر وہ ندی کے کنارے اگی ہوئی ناگ پھنی کی دو چار شاخیں توڑ کے لے آئے تو میں اسے سانپ کے کاٹے کی بے مثال دوائی بنا کر دے سکتا ہوں۔ سانپوں سے ان لوگوں کا واسطہ پڑتا ہی رہتا تھا اور پھر گذشتہ روز وہ میری جڑی بوٹی کا کرشمہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ کچھ میں نے بھی اس کے اشتیاق کو تیز کر دیا تھا۔ میں رانا خونی کا خاص سادھو سنیاسی تھا۔ وہ ناگ پھنی کی ٹہنیاں توڑ کر لانے کے لئے نیچے چلا گیا۔ ندی کے کنارے ناگ پھنی بہت اگی ہوئی تھی۔ جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سب سے پہلے میں اس غار میں گیا' جو ابھی تک میرے لئے پراسرار بنا ہوا تھا۔ یہ غار بھی دوسرے غاروں کی طرح خالی اور ویران' اونچی چھت والا تھا۔ کونے میں صرف آٹے' چاولوں کی بوریاں پڑیں تھیں۔ کچھ گھی اور مٹی کے تیل کے کنستر بھی وہیں رکھے ہوئے تھے۔ کسی انسان کی موجودگی کا وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اونچی آواز میں دو تین منتروں کا ورد کیا اور تیسرے غار کے سامنے آ کر بولا۔ "کنیا! ہم تمہیں درشن دینے آئے ہیں۔"

ضعیف الاعتقاد سرخ ساڑھی والی لڑکی غار سے باہر نکل آئی۔ اس نے آتے ہی جھک کر میرے قدم چھوئے۔

میں نے اس کے سر پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تو بڑی بھاگوان ہے کہ رانا جیسے بہادر آدمی کی بیوی ہے۔ ہم تمہیں وردھان دیں گے۔"

سرخ ساڑھی والی لڑکی نے ہاتھ باندھ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ ستواں ناک اور موٹی سیاہ آنکھوں والی ایک خوش شکل اور نوجوان لڑکی تھی۔ میں نے یہ جملے تامل زبان میں کہے تھے۔ وہ مجھے آندھرا پردیش کی ہی لگ رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر ایک نگاہ ڈالی اور خشک سی ہوئی آواز میں بولی۔ "مہاراج! میں اور کسی کی بیوی ہوں۔"

اب میں نے اس ڈھلان کی طرف دیکھا کہ کہیں پہریدار ناگ پھنی لے کر واپس تو نہیں آ رہا؟ ڈھلان ویران تھی۔ میں نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس سے اسکا نام پوچھا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "مہاراج! میرا نام ہنسا ہے۔ ایک ماہ پہلے میری شادی ہوئی۔ میں اپنے دلہا کے ساتھ اس کے گاؤں جا رہی تھی کہ جنگل میں رانا اور اسکے آدمیوں نے دھاوا بول دیا۔ میرے پتی دیو کو زخمی کر دیا اور مجھے اٹھا کر یہ راکھشش یہاں لے آیا۔ مہاراج بھگوان کے لئے مجھے یہاں سے نکال کر لے چلیں۔ میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں"

لڑکی میرے پاؤں پر گر پڑی۔ اس نے ایک ہی سانس میں اپنی دکھ بھری داستان بیان کر دی تھی۔ میں اسے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ابھی اس سے سونیا کے بارے میں بھی کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ میں نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے کمزور کاندھے کانپ رہے تھے۔ اس خیال سے کہیں کوئی چھپا ہوا پہریدار سن نہ رہا ہو۔

اسے کہا "کنیا! رانا ایک بہادر سورما ہے۔ وہ تجھے یہاں خوش رکھتا ہے' تجھے یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟"

لڑکی چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی انگلیوں میں سہاگ کی مہندی کا رنگ ابھی تک سرخ تھا۔ بدنصیب دلہن کو اپنے خاوند کے ساتھ رہنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ ظاہر ہے' اس سنگدل رانا خونی سے نیک کام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں یہ کہہ کر اپنے استھان کی طرف چل دیا کہ ہم تم سے پھر بات کریں گے کنیا!

وہ آنسو بہاتی اپنے غار میں واپس چلی گئی۔

اتنے میں پہرے دار ناگ پھنی لے کر آ گیا۔ ناگ پھنی کی ایک شاخ کو میں نے چھیل کر اس کے ڈنٹھل کے تین ٹکڑے پہرے دار کو دیئے اور کہا۔ " اسے نیچے ندی کے کنارے لے جا اور کٹوری میں ڈال کر کوٹ کر پیس ڈال مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد' ندی کے چھینٹے ضرور دینا۔ جب اس کا عرق نکل آئے تو میرے پاس لے آنا۔"

اس سے میرا مقصد' اسے کچھ دیر کے لئے مزید نیچے بھیجنا تھا۔ میں سرخ ساڑی والی لڑکی سے سونیا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پہرے دار نے غار میں سے ایک کٹوری اور لکڑی کا چھوٹا ڈنڈا لیا اور ایک بار پھر نیچے ندی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں اٹھ کر سرخ ساڑی والی بدنصیب دلہن ہنسا کے غار میں آ گیا۔ وہاں فرش پر بچھونا بچھا ہوا تھا۔ پاس ہی کیتلی' پانی کا مٹکا' دو گلاس اور چائے کے تین چار مگ پڑے تھے' ہنسا بچھونے پر اسی طرح بیٹھی تھی کہ اس کا سر گھٹنوں پر لگا ہوا تھا اور بال ایک طرف کو نیچے آبشار کی طرح گر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے پاس ہی فرش پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہنسا! کیا تمہارے سوا یہاں کوئی اور لڑکی بھی رہتی تھی؟"۔

ہنسا نے اپنی بڑی بڑی کالی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر بولی ۔ "مہاراج! دو روز پہلے ایک لڑکی کو رانا کا ایک آدمی یہاں آ کر رکھوا گیا تھا۔"

میں نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا اس کا رنگ گورا' بال بھورے اور آنکھیں ہلکی شربتی تھیں؟"

"ہاں مہاراج! ہنسا بولی۔ " وہ مجھے پڑھی لکھی لڑکی لگتی تھی"

"وہ کہاں ہے؟" میں نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

ہنسا نے کہا۔" مہاراج! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ رانا اسکے آنے کے بعد کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے کل صبح ہی صبح اس اپنے ایک آدمی کے ساتھ کسی طرف روانہ کر دیا۔"

اب میں نے ہنسا کو بھی حد تک اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا اور اسے کہا" ہنسا اگر تم کسی طرح رانا سے یہ معلوم کر لو کہ وہ لڑکی رانا نے کہاں بھیجی ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکال کر لے چلوں گا۔"

ہنسا نے میرے پاؤں پکڑ لئے" مہاراج! مجھے یہاں سے نکال کر لے چلیں۔ میں یہاں مر جاؤں گی۔ میرے پتی دیو اور ماتا پتا کا نہ جانے کیا حال ہو رہا ہو گا؟"

میں اس کا سر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا" یہ باتیں اب بند کر دو اور جو میں کہتا ہوں وہی کرو۔ آج رات رانا سے معلوم کرو کہ اس نے لڑکی کو کہاں بھیجا ہے؟.... اور وہ لڑکی کون اسے دے گیا تھا؟"

اس پر ہنسا نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔" جو آدمی دبلی پتلی گوری رنگ والی خاموش خاموش سی لڑکی کو رانا کے حوالے کر گیا تھا۔ اس کا نام دھنپتی تھا۔ کیونکہ ایک بار رانا نے اسی نام سے پکارا تھا"

اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لڑکی سونیا ہی تھی۔ میں نے ہنسا کے بازوؤں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آہستہ سے دبایا اور کہا" ہنسا! کسی طریقے سے رانا سے پتا کرو کہ اس نے لڑکی کو کس جگہ پہنچایا ہے؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور تمہیں تمہارے ماں باپ کے گھر پہنچا دوں گا' مگر ایک بات دھیان سے اپنے دل میں بٹھا لو کہ اس بات کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے سمجھیں۔"

ہنسا بڑی سمجھ دار لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لئے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میرا اس لڑکی یعنی سونیا کے ساتھ کیا رشتہ ہے اور کیا میں اس کی تلاش میں وہاں آیا ہوں؟ کہنے لگی " مہاراج! میں وشنو بھگوان کی قسم کھا کر کہتی کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گی۔ میں اس لڑکی کے بارے میں آج رات ہی رانا سے اگلوانے کی کوشش کروں گی۔"

" کیا وہ تمہیں بتا دے گا؟" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

ہنسا نے نتھنے پھلاتے ہوئے گہرا سانس لیا اور بولی۔" اس راکھشش سے راز اگلوانے کا ڈھنگ مجھے آتا ہے"

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی اٹھی۔ میں نے کہا" اب میں جاتا ہوں۔ تم اسی جگہ بیٹھی رہو میں تم سے خود ہی مل لوں گا۔ تم مجھے ملنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرنا۔"

میں تیزی سے غار سے نکل کر اپنے استھان پر آ کر بیٹھ گیا۔ پہرے دار ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اب میں سوچ کے سمندر میں بہنے لگا۔ سونیا کو رانا نے کہاں بھیجا دیا ہو گا؟ وہ سونیا کے آنے کے بعد گھبرا کیوں گیا تھا؟ کہیں اسے علم تو نہیں ہو گیا تھا کہ سونیا ایک غیر ملکی جاسوس ہے اور پولیس' ملٹری اور

سول انٹیلی جینس کے لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔ ذہن طرح طرح کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ رانا خونی اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ کچھ لوٹا ہوا سامان ان کے ساتھ گٹھڑیوں میں بندھا ہوا تھا' جو انہوں نے چوتھے غار میں رکھ دیا۔ رانا خونی نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور بولا۔ " مہاراج! دشمنوں کو ٹھکانے لگا کر آ رہا ہوں۔ آپ کی دیا سے کامیاب لوٹا ہوں "

میں نے فضا میں ہاتھ بلند کرتے ہوئے اشلوک پڑھا اور کہا۔ " بھگوان تیری رکھشا کریں گے رانا تو بہادر سورما ہے۔ تیرے دشمن تیرا کبھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ "

وہ بڑا خوش ہوا اور میرے پاس ہی پتھر پر بیٹھ کر بھاری فوجی بوٹ اتارنے لگا۔ " مہاراج! کوئی ایسا منتر بتائیں کہ اس بھاسکر لال سے پیچھا چھوٹے۔ بڑا سپولیا تھانے دار ہے۔ میرے ہاتھ ہی نہیں آتا۔"

میں نے کہا۔ " آ جائے گا تیرے ہاتھ ہم کل یہاں ہون کنڈ کریں گے تیرے لئے۔ ایسا منتر پڑھ کر پھونکیں گے کہ وہ اندھا ہو جائے گا۔"۔

رانا خونی نے میرے پاؤں چھو لئے۔ بولا " مہاراج! ضرور کریں ہون کنڈ۔ میں آپ کو سب کچھ لا کر دے دوں گا۔"

میں نے کہا " کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سادھو سنتوں کو۔ ہون کنڈ من کا ہوتا ہے۔ ہم من کا ہون کنڈ کریں گے۔ بس جب ہم منتر پڑھتے رہیں کوئی مرد ہمارے آس پاس نہیں ہونا چاہئے "

رانا بولا " مہاراج! آپ شانت رہیں۔ ہم سب اس وقت ندی پر چلے جائیں گے۔ رانی کو بھی ساتھ لے چلوں گا "

رانی سے مراد اسکی سرخ ساڑی والی بدنصیب دلہن ہنسا تھی۔ میں نے فورا کہا " اس کو لے جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بے شک غار میں بیٹھی رہے۔ دیوتا' استری کی موجودگی سے خوش ہوتے ہیں۔ ہم کل ہون کنڈ میں کام دیو کو بلائیں گے "

رانا ہاتھ باندھ کر بولا " جیسی آپ کی اچھا مہاراج! رانی آپ کی خدمت کے لئے یہیں پر رہے گی"

کل کے لئے میں نے میدان پوری طرح صاف کر لیا تھا۔ اب پوری آزادی سے ہنسا سے بات کر سکتا تھا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد' میں نے یونہی کچھ بے معنی قسم کے منتروں کا سمرن کیا اور تخت پر لگی ہوئی مچھر دانی میں گھس کر نیم دراز ہو گیا۔

وہی کل رات والا ڈراما پھر شروع ہو گیا۔ کچھ دیر تک رانا خونی کے غار کے نشے میں واہی تباہی بکنے لگا اور گالیاں دینے کی آوازیں آتی رہیں' پھر گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ ہنسا اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے بعد' مجھے بھی نیند آ گئی۔ دن چڑھے اٹھا ندی

پر جا کر اشنان کیا۔ واپس آیا تو ہنسا کو ایک آدمی غار میں سے نکال کر دوسرے راستے سے نیچے ندی کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں قدرے اونچی آواز میں منتر پڑھتا ہوا اور اپنے استھان پر آکر بیٹھ گیا۔ دوپہر کے بعد، میں نے رانا خونی کو بلا کر کہا کہ ہون کنڈ کے لئے شبھ گھڑی آن پہنچی ہے۔ وہ خوش ہو کر بولا "مہاراج! دیر کس بات کی ہے" آپ کو گھی چاول لا کر دے دوں"

میں نے کہا" ان چیزوں کی ضرورت نہیں رانا۔ ہم من کا ہون کنڈ کریں گے بس یہاں تمام مردوں کو لے کر نیچے ندی پر چلے جاؤ"

اس کے ساتھ ہی میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور ہری لوم تت ست ہری اوم تت ست کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ رانا خونی نے اپنے تمام آدمیوں کو ساتھ لیا اور میرے چرن چھو کر خاموشی سے ڈھلان اتر کر ندی کی طرف چل دیا۔ میں اسی طرح بلند آواز آہوتی کے منتروں کا جاپ کر رہا تھا، پھر میں نے اپنی آواز مدھم کر دی اور ہنسا کو آواز دے کر کہا۔

" کنیا! پانی کی کٹوری بھر کر لا۔ ہم پڑھ کر پانی پر پھونکیں گے"

ہنسا غار میں سے پانی سے بھری ہوئی کٹوری لے کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ میں نے آہستہ سے پوچھا" رات تم نے اس لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم لیا ؟"

ہنسا نے ایک بار ڈھلان کی طرف دیکھا اور بولی " مہاراج! سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں ؟"

میں نے اسے بتایا کہ سب لوگوں کو میں نے ندی کی طرف بھیج دیا ہے۔ اس لئے وہ پوری آزادی کے ساتھ مگر دھیمی آواز میں مجھ سے بات کرے۔ ہنسا نے کہا" مہاراج! میں نے شراب کے نشے میں رانا سے سب کچھ پوچھ لیا ہے"

میں ہمہ تن گوش ہو گیا میں نے بلند آواز سے ایک منتر پڑھ کر پانی کی کٹوری پر پھونک ماری اور دھیمی آواز میں پوچھا" کیا بتایا رانا نے ؟"

ہنسا آہستہ سے بولی " مہاراج! رانا نے اپنے ساتھی دھنپتی کو گالیاں دے رہا تھا۔ بولا اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ میں اس کا خون کر دوں گا۔ وہ ہزار روپیہ بھی لے گیا اور ایسی لڑکی میرے حوالہ کر گیا، جس کے پیچھے پہلے ہی سے پولیس لگی تھی۔ مہاراج! رانا نے بتایا ہے کہ وہ لڑکی کوئی جاسوس تھی میں نے جلدی سے کہا" وہ جھوٹ بولتا ہے، پھر کیا کہا اس نے ؟...... لڑکی کو اس نے کہاں پہنچا دیا ہے ؟"

میں، ہنسا سے ہر ممکن طریقے سے اصل واقعات چھپانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بہرحال، وہ ایک اجنبی عورت تھی اور میں اس پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ بولی مہاراج! رانا نے بتایا ہے کہ اس نے اپنے آدمی کے ساتھ اس لڑکی کو اورنگ آباد جو کہ دکن میں ہے، اپنے پرانے ساتھی پربھاکر کے پاس پہنچا دیا ہے، جو ایلورا مندر کا پجاری بنا ہوا ہے مگر اصل

میں وہ ان ڈاکوؤں کے گروہ کا ہی ایک آدمی ہے۔

میں تو جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ سونیا یہاں سے اورنگ آباد پہنچادی گئی تھی' جو کہ دکن میں تھا' مجھے اب جتنی جلد ہو سکے ' وہاں سے دکھن کی طرف کوچ کر جانا تھا۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس لڑکی سے پوچھا " رانا نے اور کیا بتایا۔۔ اس لڑکی کے بارے میں ؟"

وہ ہاتھ باندھ کر بولی " مہاراج! اس نے بس اتنا ہی بتایا ہے " پھر میرے پاؤں پکڑ کر گڑگڑا کر کہنے لگی " آپ بھگوان کے اوتار ہیں مہاراج! مجھے یہاں نہ چھوڑ کر جایئے گا' مجھے اپنے ساتھ لے چلیں میں یہاں نرگ میں رہ رہی ہوں....."

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تسلی دیتے ہوئے کہا " ہنسا! اب تو اپنی زبان بند رکھنا اور کسی سے کوئی بات نہ کرنا غور سے سن! آج رات جب رانا نشے میں دھت ہو کر سو جائے تو غار سے نکل کر اپنے غار کی طرف چلی جانا باہر جو پہرے دار ہوں انہیں میں سنبھال لوں گا۔ بس' اب تو جا کر آرام کر"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی " مہاراج! مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جایئے گا "

میں نے غصے سے کہا " بکواس بند کر اور زبان کو بند رکھ آج رات جب رانا گہری نیند میں ہو تو غار سے باہر آکر اپنے غار کی چل پڑنا اب چلی جاؤ "

میرے پاؤں چھو کر چلی گئی۔ میرے ذہن نے تیزی سے رات کو فرار کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ منصوبہ کوئی زیادہ پیچ دار نہیں تھا۔ بس اس لڑکی کو لے کر مجھے یہاں سے نکل جانا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اب میں اسے اس درندے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اکیلے نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں آلتی پالتی مارے سوچ میں گم تھا۔ رات کے وقت ایک لڑکی کے ساتھ درندوں اور حشرات الارض سے بھرے ہوئے جنگل سے نکلنا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے ہنسا سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جائے گی۔ ہو سکتا ہے وہ بھی دکن کے کسی شہر یا گاؤں کی رہنے والی ہو مگر رانا اتنی دور جا کر اسے کہاں سے اغوا کر کے لا سکتا تھا۔ یقیناً وہ راستے میں ہی کسی گاؤں کی ہو گی۔ بہرحال' اس وقت تو سب سے اہم مرحلہ وہاں سے فرار کا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں میں نے فرار ہونے کا منصوبہ جلدی میں تو نہیں بنا لیا کہیں اس لڑکی کی وجہ سے میں مصیبت میں تو نہ پھنس جاؤں گا؟ لیکن اب میں فیصلہ کر چکا تھا اور ہر حالت میں اس بے کس و بے یار و مددگار' بدنصیب لڑکی کو ساتھ ہی لے کر نکلنا چاہتا تھا۔ چاقو میرے پاس ہی تھا۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ ان لوگوں میں سے کسی کی بھری ہوئی رائفل بھی ساتھ اڑا کر لے جاؤں گا۔

کافی دیر بعد، مجھے نیچے جنگل میں رانا کے آدمی کی آواز سنائی دی۔ "مہاراج! رانا جی پوچھتے ہیں کہ اب ہم اوپر آجائیں؟"

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر پتھر کی دیوار کے پاس آیا اور نیچے وادی میں جھانک کر بلند آواز میں بولا۔ آجاؤ... اب اوپر آجاؤ۔"

رانا خونی نے آتے ہی پوچھا۔ "مہاراج! ہون کنڈ ہو گیا کیا؟"

میں نے پانی کی کٹوری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رانا! اس کٹوری میں کام دیو کے سارے منتروں کا جاپ بند ہے۔ اس پانی کو سنبھال کر رکھو۔ جہاں بھاسکر لال کی بھنک پڑے، وہاں پہنچ کر اس کے راستے میں یہ پانی چھڑک دینا۔ وہ جب ادھر سے گزرے گا تو اندھا ہو جائے گا۔"

رانا خونی نے میرے پاؤں چھوئے اور خوشی خوشی پانی والی کٹوری اٹھالی اور اپنے آدمی کو گالی دے کر کہا کہ اس کٹوری پر ڈھکن رکھ کر کپڑے سے باندھ کر رکھ دو۔ رات کا کھانا ہم نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر کھایا۔ میں نے رانا سے کہا۔ "رانا! آج کام دیو کے منتروں کا جاپ ہوا ہے۔ کام دیو، پریم اور سوم رس کا دیوتا ہے جا... آج ہم بھی تجھے آگیا دیتے ہیں۔ آج تو جی بھر کر تاڑی پی، کام دیو خوش ہو گا۔"

رانا نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا اور وہیں تاڑی کی بوتل کھول دی۔ میں چاہتا تھا کہ آج وہ پی پی کر اتنا دھت ہو جائے کہ اسے کچھ ہوش نہ رہے اور میں ہنسا کو لے کر وہاں سے نکل جاؤں۔ پہرے داروں اور اس کے آدمیوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ان کو قابو میں کرنے کا مجھے ڈھنگ آتا تھا۔

رات ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بہانے بہانے سے رانا سے ناگ بوٹی یعنی سانپ کے زہر کا تریاق وہ مسواک بھی حاصل کر لی۔ اسے کہا کہ میں اس پر مزید کچھ منتر پڑھ کر پھونکنا چاہتا ہوں تاکہ اس کا اثر دوگنا ہو جائے۔ رانا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ جب وہ نشے میں جھومتا جھامتا ہوا اپنے غار میں چلا گیا تو میں نے ناگ بوٹی والی مسواک اور چاقو اپنے تھیلے کے اندر سنبھال کر اپنے پاس ہی رکھ لیا اور مچھر دانی کے اندر تخت پر نیم دراز ہو کر رات کے مزید گہرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ نیچے جنگل میں گہرا سکوت طاری ہو تا گیا۔ میری نظر خاص طور پر ان دونوں پہریداروں پر تھی، جو

رانا کے غار کے باہر پتھریلی دیوار کے ساتھ بیٹھے تاڑی سے جی بہلا رہے تھے۔

وقت گزرتا چلا گیا' پھر رانا کے غار کی لالٹین بجھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد' رانا کے واہی تباہی بکنے کی صدائیں بلند ہوئیں اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔ اب کسی وقت بھی ہنسا' رانا کے غار سے باہر نکل سکتی تھی۔ میرے ایکشن شروع کرنے کا وقت آگیا تھا۔ میں نے پہرے دار کو آواز دی۔ ایک پہریدار جلدی سے میری طرف بڑھا۔ وہ کسی قدر جھوم رہا تھا۔ بندوق وہ وہیں رکھ آیا تھا۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا۔ "مجھے وہاں جھاڑیوں میں آہٹ سنائی دی ہے۔ ذرا دیکھو تو وہاں کون ہے؟"

وہ آدمی چوکس ہو کر میرے تخت کے پیچھے والی جھاڑیوں میں اتر گیا۔ میں بھی اسکے پیچھے پیچھے گیا۔ وہ جھاڑی میں ایک جگہ جھک کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے اسکی گردن پر اپنا بھرپور بازو مارا۔ یہ ضرب کمانڈو کی ضرب تھی' جس سے اس کا بچنا ناممکن تھا۔ وہ آواز نکالے بغیر جھاڑی میں آگے کو منہ کے بل گر گیا۔ اس کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ اب میں واپس تخت کے پاس آگیا اور دوسرے پہریدار کو آواز دے کر کہا۔ "ارے دیکھو! یہاں کون ہے؟"

دوسرے پہریدار کو زیادہ ہی چڑھ گئی تھی۔ وہ ڈگمگا کر چل رہا تھا۔ اسے میں نے تخت کی دوسری جانب ہی دبوچ لیا اور اس کی گردن صرف اس حد تک اور اتنی ہی دیر تک دبائی کہ جس سے وہ بے ہوش ہو جائے۔ میں نے اسے بھی جھاڑیوں میں گرا دیا۔ اب میں جوگی سنیاسی نہیں تھا۔ پورا کمانڈو تھا۔ تخت کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ ابھی تک ہنسا غار سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مجھے سخت الجھن ہونے لگی۔ کم بخت اس نے اتنی دیر کیوں کر دی ہے؟ کہیں وہ بھی تو نہیں سو گئی؟

میں دبے پاؤں بیٹھے بیٹھے اندھیرے میں رانا کے غار کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی اس کے غار کا دہانہ مجھ سے چند قدم ہی دور تھا کہ غار میں سے ایک سایا نکلا اور ساتھ والے غار کی طرف بڑھا۔ یہ ہنسا تھی۔ جب وہ اپنے غار میں داخل ہو گئی تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور دبے پاؤں رانا کے غار کے قریب آکر اندر جھانک کر دیکھا غار میں اندھیرا تھا اور رانا کے بے ہنگم خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ میں نے پہریداروں کی رائفلوں میں سے ایک رائفل اٹھائی۔ چیمبر کو کھول کر دیکھا۔ چیمبر گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اب میں ہنسا کے غار میں داخل ہو گیا۔ وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا پیچھے سے کوئی راستہ نیچے جاتا ہے؟"

اس نے سرگوشی میں کہا "ہاں' مجھے معلوم ہے"

"وہاں کتنے آدمی پہرہ دیتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو صرف ایک آدمی ہوتا ہے"۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

میں نے رانا کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "وہ بے ہوش پڑا ہے۔ آج اسے بہت چڑھ گئی

ہے"

میں نے ہنسا سے کہا وہ جھک کر میرے آگے آگے چلے اور جہاں رات کا پہریدار موجود ہوتا ہے' وہ جگہ بتائے' ہنسا جلدی سے غار سے باہر نکل کر پیچھے مڑ گئی۔ یہ سرخ چٹان کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں اندھیرے میں اتنی ہی دھیمی روشنی تھی جتنی کہ ستاروں بھری رات کو ہوا کرتی ہے۔ تھیلا میں نے کاندھے سے لٹکا رکھا تھا۔ ہنسا جھکی جھکی سی نیچے اترنے لگی۔ میں بھی جھک کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ گھاس شبنم کی وجہ سے گیلی ہو رہی تھی۔ ہمارے ایک جانب چٹان کی اونچی دیوار تھی۔ ہم دیوار کے ساتھ لگ کے چلنے لگے۔ یہاں اترائی تھی۔ وہ ایک موڑ گھومنے کے بعد' رک گئی اور اپنا بازو پیچھے کر کے مجھے بھی رکنے کا اشارہ کیا' پھر میرے کان کے قریب اپنا منہ لا کر سرگوشی میں بولی "وہ سامنے جو بڑا پتھر ہے' اس کے پیچھے ایک پہرے دار روزانہ شام کو جا کر بیٹھ جاتا ہے۔"

میں نے ہنسا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ سے دبایا اور سرگوشی میں کہا وہ اسی جگہ بیٹھ جائے۔ اب میں نے کمانڈو کی طرح جھک کر بڑھے پتھر کی طرف بڑھنا شروع کیا' جو ستاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں ایک ایسے دیو قامت انسان کی طرح نظر آ رہا تھا' جو سیاہ کمبل اوڑھ کر بیٹھا ہوا ہو۔ میں گھاس اور جھاڑیوں کے عقب سے ہو کر اس بڑے پتھر کے پیچھے نکل آیا۔ اب میں زمین پر بیٹھ گیا۔ یہاں زمین پتھریلی اور سخت تھی۔ میرے پاؤں میں چپل تھی' جس کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اگرچہ اوپر غار میں رانا بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اسکے دونوں پہریدار بھی بے حس و حرکت تھے۔ تاہم مجھے خطرہ تھا کہ اگر اس پہریدار نے آواز بلند کی تو دوسری جانب جو لوگ نشیب میں رات کے پہریدار ہیں' وہ فائرنگ شروع کر دیں اور پھر ہمارا نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے میں بے حد احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے آگے کو رینگنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی .... اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے دیکھنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ بڑے پتھر سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر میں رک گیا' مجھے ایک آدمی کا سر نظر آیا' جو ایک بار آگے کو جھک کر سیدھا ہو گیا تھا۔ میں وہیں ساکت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے بیڑی کی چمک دکھائی دی۔ یہ پہرے دار ہی تھا اور بیڑی پی رہا تھا۔ اگر ہنسا' مجھے اس کے بارے میں خبردار نہ کرتی تو سارے کیئے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا' اور پھر تو رانا' ہنسا کے ساتھ مجھے بھی زندہ نہ چھوڑتا۔

میں کھسکتا ہوا اس آدمی کے عقب میں مزید قریب ہو گیا اور ایک طرف جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہاں زیادہ جھاڑیاں نہیں تھیں۔ میں جس جھاڑی کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا وہ بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ خطرہ شدید تھا' مگر مجھے ہر حالت میں اس پہرے دار سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ میں اس پر فائر کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اندھیرے میں اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ میرے قریب ہی ایک چھوٹا سا درخت تھا۔ اس کا جھاڑ کیکر کے ..... جھاڑ کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی تھی' مگر اس میں خطرہ تھا کہ پہرے دار کو فائر کرنے کا موقع مل جائے گا۔ میں نے پیچھے سے جا کر

حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور زمین پر لیٹ کر رینگتے ہوئے بڑے پتھر کے پیچھے پہنچ گیا۔ میں وہیں سانپ کی طرح پڑا رہا۔ مجھے ایک پہریدار کے دو ایک بار سانس لینے کی آواز سنائی دی' پھر وہ بیڑی پیتے ہوئے ذرا سا کھانسا۔ میں نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا کہ اس کی پشت میری طرف تھی ذرا سی آہٹ پر وہ پلٹ کر میری طرف دیکھ سکتا تھا۔ بندوق اس نے پتھر کے ساتھ کھڑی کر رکھی تھی۔ مجھے زیادہ وقت نہیں لگانا چاہیئے۔ میرے دل نے جیسے مجھے آواز دی۔ اس پر کمانڈو اٹیک ہی کارگر ثابت ہو سکتا تھا۔

سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ دونوں پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ پتھریلی زمین تھی اس لئے آواز پیدا نہ ہوئی۔ گھاس یا خشک پتے ہوتے تو آواز پیدا ہو سکتی تھی' پھر میں نے اس کی گردن کا نشانہ باندھا جو مجھے سائے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اسکے سر پر پگڑی تھی۔ گردن ننگی تھی۔ میں ایک ہی پل میں چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور پہرے دار کی گردن پر جا گرا۔ اس کی گردن میرے ہاتھوں کے شکنجے میں تھی۔ میں اس کے اوپر گرا ہوا تھا اس کی گردن کو پوری طرح سے دبا رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ میری گرفت میں اس نے کئی بار تڑپ کر نکلنے کی کوشش کی' مگر چونکہ اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔ اس لئے اس کی طاقت نے بہت جلد جواب دے دیا اور بے حس ہو گیا' پھر بھی میں نے اس کا گلا اس وقت تک نہ چھوڑا' جب تک کہ مجھے اس کے مرجانے یا پوری طرح بے ہوش ہو جانے کا یقین نہیں ہو گیا' پھر میں نے اس کی پگڑی اتار کر اس کا ایک گز کا ٹکڑا پھاڑا اور اس کے منہ پہ کس کر باندھ دیا' پھر اس کے ہاتھ پاؤں بھی باندھ دیئے۔ میں نے اس کی بندوق ساتھ ہی لے لی اور ہنسا کے پاس آ گیا۔ اندھیرے میں وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے بندوق اسکی طرف بڑھا کر کہا "یہ تم اپنے پاس رکھ لو اور یہاں سے بھاگو"

ہم کچھ دیر تک بھاگتے چلے گئے۔ ہنسا کا سانس پھول گیا۔ ہم قدم قدم چلنے لگے۔ میں راتوں رات وہاں سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔ ہنسا نے بتایا تھا کہ آگے ندی آئے گی۔ ندی کے پار والا جنگل اتنا خطرناک نہیں ہے۔ رانا نے ایک دن بتایا تھا کہ ہم لوٹ مار کے بعد' اسی جنگل سے واپس آتے ہیں۔ وہ ہنسا کو بھی اغوا کر کے اسی راستے سے سرخ چٹانوں والے غار تک لایا تھا۔ اس لڑکی کی یاداشت کی میں آج بھی داد دیتا ہوں۔ اسے رات کے وقت بھی وہ راستہ یاد رہا تھا۔ ہم نے ندی عبور کی اور دوسرے کنارے سے ہوتے ہوئے ایک پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ ہمارے چاروں طرف موت ایسا سکوت تھا۔ ستاروں کی پھیکی سی روشنی میں درختوں کے خاکے سے نظر آ رہے تھے۔ پگڈنڈی پر پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ زمین کبھی اونچی ہو جاتی اور کبھی نشیب آ جاتا۔ اب میں نے ہنسا سے پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے اور اس کا گھر کہاں ہے؟

ہنسا نے کہا "میں اپنے ماتا پتا کے گھر جاؤں گی۔ پتی کے گھر گئی تو وہ مجھے گھر سے نکال دے گا۔ ڈاکو کے ہاں ایک ماہ گزار کر آئی ہوئی دلہن کو کون اپنے گھر گھسنے دیتا ہے۔ ہمارا گھر چندراپور اسٹیشن سے

مردہ عمارتیں تھیں، جو سنسان راتوں میں اپنے گمشدہ مکینوں کو یاد کرتی تھیں۔ حیدر آباد دکن ایک عظیم الشان مسلم ریاست کا یادگار شہر تھا۔ یہاں میں دو ایک بار پہلی بھی آ چکا تھا۔ اگرچہ ہندوؤں نے اسے جنیو پہنا رکھا تھا، مگر مسلم تہذیب و ثقافت کی نشانیاں جگہ جگہ دکھائی دیتی تھیں۔ گردن تک بند لمبی حیدر آبادی شیروانیاں اور ترکی ٹوپیاں اب بھی نظر آ رہی تھیں، دکانوں اور اسٹیشن پر تامل تلیگو کے علاوہ اردو میں لکھے ہوئے سائن بورڈ بھی موجود تھے۔ زرق برق ساڑیوں کے ساتھ ساتھ سیاہ برقع پوش مسلم خواتین بھی رواں دواں تھیں۔ میں ابھی تک سادھو سنیاسی کے بھیس میں تھا۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ایک بورڈ نظر آیا، جس پر عزیزیہ ہوٹل لکھا ہوا تھا۔ اس ہوٹل میں آکر ایک کمرا کرائے پر لے لیا۔ میں نے اسٹیشن ہی سے معلوم کر لیا تھا۔ اورنگ آباد کے لئے منہ اندھیرے راستہ گاڑی چھوٹتی تھی۔ رات، میں نے ہوٹل میں بسر کی۔ منہ اندھیرے گاڑی پکڑی اور، اورنگ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

دن کافی نکل آیا تھا، جب میں اورنگ آباد پہنچا۔ اس شہر کا سنگ بنیاد اورنگ زیب عالمگیر نے رکھا تھا۔ یہ شہر ریاست حیدر آباد کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ فوجی چھاؤنی کے علاوہ یہاں جدید طرز کی عمارتیں بھی ہیں، لیکن پرانے شہر کی گلیاں اور بازار آج بھی سو سال پہلے کے زمانے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اسی شہر میں اورنگ زیب عالمگیر کا مزار بھی ہے، جو کچا ہے اور جس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ اسی شہر سے سات میل کے فاصلے پر دیوگری نام کا وہ قدیم شہر بھی آباد ہے، جسے خاندان تغلق کے حکمران محمد تغلق نے اپنا پایۂ تخت بنانے کے بعد، اس کا نام دولت آباد رکھا تھا۔ یہاں اس نے ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ جس کی چمک دمک آج بھی قائم ہے۔ قلعے کی بلندی پر تغلق نے ایک بہت بڑی توپ رکھوا دی، جو آج تک وہیں پڑی ہے۔ جدید عہد کے انجینئر بھی یہ معمہ حل نہیں کر سکے کہ چلچلاتی دھوپ میں یہ توپ گرم کیوں نہیں ہوتی؟ ایلورا کے غار اورنگ آباد کے قریب ہی مضافات میں ہیں۔ میری منزل یہی ایلورا کے غار تھے۔

یہاں گرمی تھی اور دھوپ میں کافی تپش تھی۔ اسٹیشن پر ہی میں نے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ ماتھے پر وشنو نام کا تلک لگایا اور چپکے سے پیدل ہی ایلورا غاروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے ایلورا کے قریبی مندر کے بہروپیئے پجاری پربھاکر کی تلاش تھی، جو سونیا کو چھپائے ہوئے تھا۔ چاقو میں نے گیروی دھوتی کے اندر اڑس لیا تھا۔ تھیلا میری بغل میں لٹک رہا تھا۔ اس میں ایک گیروی چھوٹی چادر اور سانپ بوٹی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ایلورا کے غار ایک اونچی پہاڑی کے اندر واقع ہیں۔ دور سے میں نے غیر ملکی سیاحوں کو غاروں کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ غاروں کے قریب ہی بائیں جانب املی کے گنجان درختوں کے نیچے مجھے ایک چھوٹا سا مندر دکھائی دیا۔ یہی وہ مندر ہو سکتا تھا، جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں سنیاسیوں والے امن اور سکون کے ساتھ چلتا ہوا مندر کے دروازے پر آکر

رک گیا۔ چبوترے میں تلسی کا چھوٹا پودا لگا تھا۔ میں نے دور سے وشنو بھگوان کو سلام کیا اور پھر بیٹھ گیا۔ میری نظریں مندر کے دروازے پر تھیں، جہاں سے کچھ غریب سی ادھیڑ عمر عورتیں پتوں میں پرشاد اور پھول لئے ہوئے باہر نکل رہی تھیں۔

اچانک میرے پیچھے سے کسی نے تلیگو زبان میں کہا۔ "بابا لوگ کدھر سے آنا ہوا؟"

میں نے گردن گھما کر دیکھا میرے پیچھے داہنی جانب ایک کالی رنگت والا مضبوط جسم کا آدمی سر پر صافہ باندھے پجاریوں کے لباس میں ہاتھ میں پانی سے بھری ہوئی گڑوی لئے کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر اسے نمسکار کیا اور مراٹھی زبان میں کہا۔ "مہاراج! میں مہاراشٹر سے آیا ہوں وشنو بھگوان کے درشن کرنے"

پجاری پربھاکر کے سوا یہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مجھے اپنی زرد زرد آنکھوں سے برابر مجھے گھور رہا تھا۔

میں نے اُپنشید کا ایک سنسکرت اشلوک پڑھا اور کہا۔ "ہم وشنو بھگوان کے تشٹھا دھاری ہیں جوگ بھی کمایا ہے اور سنیاس بھی لیا ہے۔ وشنو بھگوان کے مندروں میں جھاڑو دینا ہمارے کرم کانڈ کا حصہ ہے۔ ہم نگر نگر پھر کر اپنے کرم کانڈ کا پالن کر رہے ہیں"۔

میں جان بوجھ کر اس قسم کے ہندی اور سنسکرت کے الفاظ بول رہا تھا تاکہ اس پر میرا اثر پڑ جائے کیونکہ اس شخص کی آنکھیں بتا رہی تھیں وہ بڑا عیار اور چھٹا ہوا بدمعاش ہے جس نے مندر کے پجاری کا بھیس بدل رکھا ہے۔ اس نے مجھ پر دھارمک اعتبار سے بہت بڑا اعتراض کیا۔ اگر میں نے ویدانت اور بھگتی مارگ کا گہرا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو میرے قدم لازمی طور پر اکھڑ جاتے۔

وہ کہنے لگا۔ "سنیاسی جی! سنیاس لینے والے جوگی تو پوجا پاٹھ اور بھگوان کے اوتاروں سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں پھر آپ کیسے سنیاسی ہیں کہ مندروں کی یاترا کرتے پھرتے ہیں؟"

میں مسکرایا۔ اس اثناء میں اس کے اعتراض کا جواب میرے ذہن میں آگیا۔ میں نے کہا۔ "گرو گورکھ ناتھ نے بھی سنیاس لیا تھا۔ پرنتو جب تک انہوں نے کیلاش پوری سے لے کر کنیا کماری تک کے وشنو مندروں کی سیوا نہیں کی ان کا سنیاس سپھل نہیں ہو سکا تھا۔ میں بھی ان ہی کے مارگ پر چل کر وشنو جی کے مندروں اور پجاریوں کی سیوا کر رہا ہوں۔ ابھی میرا سنیاس بھی ادھورا ہے"۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے مندر کی طرف چل دیا۔ میں نے "اولکھ نرجن" کا ایک نعرہ لگایا اور منتروں کا جاپ شروع کر دیا۔ مندر کو جانے والے اور جانے والیاں میرے پاؤں چھو کر مندر کی طرف جانے لگیں۔ اتنے میں ایک دس بارہ سال کے لڑکے نے میرے سامنے رتن جو کے پھولوں کا دونا رکھتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور بولا۔ "مہاراج! میری ماتا بیمار ہے۔ بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ وہ اچھی ہو جائے۔ میں روز مندر آکر بھگوان کی سیوا کرتا ہوں"۔

اس وقت ہم دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے لڑکے کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ "بالک تو نے مندر کے پجاری جی سے پرارتھنا کرائی کیا؟"

لڑکا بولا۔ "ہاں مہاراج! پجاری جی نے بھی پرارتھنا کی تھی مگر میری ماں اچھی نہیں ہوئی"۔
میں نے ذرا سا کھانستے ہوئے پوچھا۔ ابھی جو میرے پاس کھڑے تھے وہ مندر کے پجاری جی تھے ناں؟"

"ہاں مہاراج۔" لڑکا ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔ "پر وہ مجھے زیادہ دیر مندر میں ٹھہرنے نہیں دیتے"۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "پجاری جی کا نام کیا ہے بیٹا؟"
لڑکے نے کہا۔ "پربھاکر بولتے ہیں مہاراج انہیں"۔
یہی وہ پربھاکر تھا جس کے پاس راناخونی نے سونیا کو بھیجا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں سانپ کے بل کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اب اس بل میں ہاتھ ڈال کر مجھے اپنا موتی نکالنا تھا جو یقیناً ایک خطرناک کام تھا مگر میں وہاں سے خالی ہاتھ واپس جانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ میں نے لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "بیٹا! ہم تیری ماتا کے لئے بھگوان سے پرارتھنا کریں گے"۔
لڑکے نے ماتھا ٹیکا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ پجاری پربھاکر پر مجھے اپنا اثر جمانے کی ضرورت تھی ... تاکہ میں اس سے سونیا کے بارے میں معلومات اور کوائف حاصل کر سکوں۔ ابھی تک وہ مجھ سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ کیونکہ میں اس کی عملداری میں داخل ہو گیا تھا۔ میں پربھاکر کا اعتماد کیوں کر حاصل کر سکتا تھا؟ میرا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ اچانک مجھے سانپ کا اثر زائل کر دینے والی ناگ بوٹی کا خیال آ گیا جو اس وقت بھی میرے تھیلے میں تھی، پھر فوراً ہی ایک ترکیب بھی ذہن میں آ گئی۔ میں نے لڑکے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "بچہ! تیرا شبھ نام کیا ہے؟"
اس لڑکے کا نام رامو تھا۔ اس کی ماتا گھروں میں لوگوں کا کام کاج کر کے رامو اور اس کی بڑی بہن لکشمی کا پیٹ پال رہی تھی۔ رامو کا باپ ریل گاڑی کے نیچے آ کر مر چکا تھا۔ یہ ساری باتیں رامو نے مجھے اپنے آپ بتا دیں۔ اس دوران میں لوگ جو میرے چرن چھو کر آتے جاتے تھے۔ انہوں نے میرے سامنے کچھ پھل اور مٹھائی کے دو تین دونے بھی رکھ دیئے تھے۔ میں نے مٹھائی کے دونے رامو کو دے دیئے وہ بڑا خوش ہوا۔ اب وہ گھر کی طرف بھاگنے والا تھا کہ میں نے اس سے پوچھا۔ "رامو! یہاں سانپ تو بہت ہوں گے۔ میں نے سنا ہے کہ ادھر سپیرے بھی بہت ہوتے ہیں نیچے تامل ناڈو میں تو ناگ کی پوجا بھی ہوتی ہے نا؟"

رامو کہنے لگا۔ "ہاں مہاراج! ناگ دیوتا کی پوجا یہاں بھی آدی باسی کرتے ہیں۔ ادھر باجو میں جو ٹیلہ ہے اس کے پار سپیروں کی ایک بستی ہے"۔

میں نے خوش ہو کر رامو کو پھل بھی دے دیئے ۔ وہ خوشی خوشی گھر کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اٹھا اور مندر کے چبوترے پر آ گیا۔ یہاں کونے میں ایک طرف بانس کی تیلیوں کا ایک جھاڑو پڑا تھا۔ میں نے چبوترے پر جھاڑو دینا شروع کر دیا۔ میں جھاڑو دیتے ہوئے اشلوک بھی پڑھتا جا رہا تھا۔ مندر کے دروازے کے پاس آ کر میں نے پجاری پر بھاکر کو دیکھا کہ ڈیوڑھی میں وشنو کی مورتی کے آگے بیٹھا پوجا کرنے والوں سے رقم کی صورت میں دکھشنا وصول کر کے انہیں پرشاد دے رہا تھا۔ اس نے بھی ترچھی نگاہ مجھ ڈالی اور پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ چبوترے پر جھاڑو دینے کے بعد میں نے وشنو کی مورتی کے آگے ماتھا ٹیکا اور ہری اوم کا ورد کرتا واپس اپنی جگہ پر درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر وہاں آنکھیں بند کیئے بیٹھا رہا پھر آہستہ سے اٹھا اور مندر کے گرد تین چکر لگائے۔ اس کے بعد ہری اوم ہری اوم کرتا اس ٹیلے کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا جس کے پار رامو کے بقول سپیروں کی بستی تھی ۔ ٹیلے کے پار نشیب میں چند ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیاں بنی تھیں جن کے آگے پیچھے بچے مٹی میں کھیل رہے تھے ۔ ایک بوڑھا جھونپڑی کے سامنے زمین پر بیٹھا ناریل پی رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ہاتھ جوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا۔ " بابا لوگ ادھر کوئی پرانا سپیرا بھی رہتا ہے کیا؟""

یہ گفتگو تامل میں ہو رہی تھی ۔ بوڑھا بولا ۔ " مہاراج ! میں ہی اپنی بستی کا سب سے پرانا سپیرا ہوں ۔ آپ حکم کریں "۔ میں اس کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گیا اور بولا ۔ " ہم جوگی سنیاسی لوگ ہیں بابا۔ لوگوں کی سیوا کرنا ہمارا دھرم ہے۔ ادھر ناگ بیماری کے علاج کے واسطے ہم ایک بوٹی کا عرق تیار کر رہے ہیں مگر اس کے لئے ہمیں ایک ایسے سانپ کی ضرورت ہے جو ایک دانت سے ڈستا ہے "۔

بوڑھا بولا ۔ " مہاراج آپ کو دھاری سانپ چاہیئے۔ وہی ایک دانت سے ڈستا ہے ' مگر مہاراج اس کا زہر تو بڑا کمزور ہوتا ہے "۔

میں نے گردن آہستہ سے ہلاتے ہوئے کہا۔ " ہاں بابا! ہمیں دھاری سانپ کی ضرورت ہے۔ ہم اس کے عوض صرف بیس روپے ادا کر سکتے ہیں ۔ کیا ہمیں دھاری سانپ مل جائے گا؟"۔

بیس روپے کی رقم اس بوڑھے سپیرے کے لئے بہت بڑی رقم تھی ۔ جلدی سے اٹھا اور بولا ۔ " ابھی لاتا ہوں مہاراج "۔

میں نے کہا ۔ " اس کا زہر تھیلی میں موجود ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ مجھے اس کے زہر کی ہی ضرورت ہے "۔

زہر موجود ہو گا مہارج ! بے فکر رہیں ۔ ابھی پرسوں ہی میرے بیٹے نے جنگل سے پکڑا ہے"۔
یہ کہہ کر بوڑھا جھونپڑی میں گھس گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سارے سپیرے سانپوں کا تماشہ دکھا کر اپنی روزی کمانے گئے ہوئے تھے ۔ ایک عورت کچھ فاصلے پر چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا

رہی تھی ۔ بوڑھا سپیرا جھونپڑے سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کی ایک چھوٹی سی کجی تھی ۔ بولا " یہ ہے مہاراج دھاری سانپ ' آپ سے جھوٹ بول کر ہمیں نرگ میں نہیں جانا مہاراج ! اصلی دھاری سانپ ہے اور ایک دانت ہی سے ڈستا ہے "۔

میں اصل میں پربھاکر پجاری کو اسی سانپ سے ڈسوانا چاہتا تھا تاکہ اگر میری ناگ بوٹی اپنا اثر نہیں بھی دکھاتی تب بھی وہ زندہ رہے ۔ بوڑھے سپیرے نے کجی کا ڈھکن اٹھایا تو اس میں سے ہلکی سی پھنکار سنائی دی ۔ اس کے اندر خیالے رنگ کا ایک سانپ جلیبی کی طرح بل کھا رہا تھا ۔ میں نے تھیلے میں سے بیس روپے نکال کر بوڑھے سپیرے کو دیئے اور سانپ کی کجی کو کپڑے میں لپیٹ کر اپنے تھیلے میں رکھا اور واپس چل پڑا ۔

میں دوبارہ املی کے درخت کے نیچے سادھی لگا کر بیٹھ گیا ۔ گوشہ چشم سے مندر کی طرف برابر دیکھے جا رہا تھا ۔ پجاری پربھاکر دوپہر کے بعد مندر سے نکل کر بغل میں پہاڑی ٹیلے میں بنے ہوئے ایک حجرے میں چلا گیا ۔ بڑی گرمی پڑنے لگی تھی ۔ سارا علاقہ سنسان ہو گیا تھا ۔ پوجا کرنے والے گرمی اور دھوپ کی تپش سے بچنے کے لئے اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے ۔ شاید پربھاکر بھی قیلولے کے لئے اپنے حجرے میں گیا تھا ۔ اس نے دروازہ بند کر لیا تھا ۔ کچھ فاصلے پر دو مزدور قسم کے آدمی درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں سو رہے تھے ۔ میرے سامنے لوگ پھر مٹھائی کے دونے اور پھل رکھ گئے تھے ۔ میں نے ان سے پیٹ کی آگ بجھائی اور سوچنے لگا کہ حملے کا وقت کون سا موزوں رہے گا ۔ یہ موقع بھی سنہری تھا ۔ علاقہ بالکل خالی تھا ۔ پجاری پربھاکر حجرے میں تھا ۔ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا ۔

میں نے اسی وقت ایکشن کا فیصلہ کیا اور دھاری ناگ کی کجی تھیلے میں لے کر اٹھا اور مندر کی دوسری طرف سے ہو کر پربھاکر کے حجرے کے سامنے آ گیا ۔ دروازہ بند تھا ۔ دہلیز کے پاس سانپ کے لئے ایک بڑا مناسب سوراخ تھا ۔ میں تیزی سے لپک کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا ۔ اور کجی کا ڈھکن کھول کر سانپ کو سوراخ میں سے اندر انڈیل دیا ۔ اس کے ساتھ ہی میں جلدی سے حجرے کے عقب سے ہوتا ہوا واپس اپنے املی والے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا ۔ چلچلاتی دھوپ میں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا ۔ اب میں حجرے میں سے پجاری پربھاکر کے شور مچانے کی آوازیں سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھا اور ایسا ہی ہوا ۔ یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں سانپ پربھاکر کو کاٹے بغیر ہی باہر نہ نکل جائے ۔ مگر ایسا نہ ہوا ۔ کوئی تین چار منٹ بعد حجرے کا دروازہ دھڑاک سے کھل گیا اور پجاری پربھاکر ایک ٹانگ پر لنگڑاتا ' شور مچاتا باہر نکلا ۔ " سانپ ' سانپ ' سانپ نے کاٹ لیا ہے ۔ رامی ' ہریا کہاں ہو تم جلدی وید جی کو بلاؤ ۔ سانپ نے کاٹ لیا ہے "۔

میں اسی انتظار میں تھا ۔ اپنی جگہ سے فوراً اٹھا اور بھاگ کر پجاری پربھاکر کو تھام لیا ۔ وہ وہیں بیٹھ گیا ۔ سانپ کے زہر نے اس پر غنودگی طاری کرنی شروع کر دی تھی ۔ تصدیق کے لئے میں نے اس کا

ہاتھ ہٹا کر پنڈلی پر وہ جگہ دیکھی جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ وہاں سانپ کے صرف ایک دانت کا نشان تھا اور وہ جگہ نیلی پڑنے لگی تھی۔ میں نے پجاری پربھاکر کو تسلی دی اور کہا۔ " سونا نہیں، جاگتے رہنا بھائی، سونا نہیں "۔

اور پھر تھیلے میں سے ناگ بوٹی والی مسواک نکالی۔ اس کا ایک ٹکڑا توڑا اور اسے دے کر کہا۔ " بھائی اسے چباؤ زور زور سے چباؤ اور اس کا عرق نگل جاؤ۔ یہ لو، جلدی کرو "۔ پجاری پربھاکر کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔ سانپ کا زہر یہی کر سکتا تھا کہ اسے کچھ دیر کے لئے سلا دے مگر پربھاکر پر جو دہشت طاری تھی وہ اس کی جان لے سکتی تھی، مگر اب وہ ناگ بوٹی چبا رہا تھا۔ اس کے جبڑے جلدی جلدی چل رہے تھے۔ میں نے اسے وہیں زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں اس کے نوکر ہریا اور رامی بھی آ گئے۔ میں نے انہیں کہا۔ " وید کو بلانے کی ضرورت نہیں بابا لوگ۔ ہم نے پجاری کو خاص بوٹی کھلا دی ہے۔ سانپ کا زہر ختم ہو جائے گا "۔

پربھاکر ناگ بوٹی چباتے ہوئے اس کا عرق نگلتا جا رہا تھا۔ اب اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا ماتھا پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ناگ بوٹی نے ایک بار پھر اپنا کرشمہ دکھا دیا تھا۔ میں نے رامی اور ہریا کی مدد سے پجاری کو سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے حجرے میں لے جا کر چارپائی پر لٹا دیا۔ ہریا پنکھا جھلنے لگا۔ میں نے دودھ اور گھی ایک پیالی میں ڈالا اور پربھاکر کو سارے کا سارا پلا دیا۔ اسے نیند آنے لگی۔ میں نے اسے سونے نہ دیا۔ بیس منٹ بعد پربھاکر کی نیند بھی غائب ہو گئی اور وہ ایک بار پھر بیٹھ گیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ " وشنو جی نے تمہیں بچا لیا۔ یہ بڑا زہریلا سانپ تھا "۔

پجاری پربھاکر نے میرے پاؤں سے ہاتھ چھو کر اپنے ماتھے پر لگایا اور بولا۔ " مہاراج! آپ نہ ہوتے تو میں زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ آپ نے مجھ پر بڑی کرپا کی ہے "۔

میں نے کہا۔ " بھائی کرپا تو وشنو بھگوان نے کی ہے جو ناگ بوٹی میرے پاس ہی تھی۔ بوٹیوں میں بھگوان کی کرامتیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ آج تم آرام کرنا۔ مندر میں ہم وشنو کے چرنوں میں بیٹھ کر بھگتوں کی پوجا کرائیں گے "۔

پربھاکر انکار تو نہیں کر سکتا تھا مگر یہ دکھشنا لینے کا بھی سوال تھا۔ اس نے اپنے نوکر ہریا کی طرف دیکھ کر کہا۔ " ہریا! تم سنیاسی مہاراج کی مدد کرنا ساتھ "۔

پجاری پربھاکر چل پھر سکتا تھا میں نے اسے حجرے میں ہی آرام کرنے کی ہدایت کی تاکہ خود مندر کے حالات کا جائزہ لے سکوں۔ دھوپ ڈھلی تو میں نے نہا دھو کر تلک لگایا۔ جینئو پہنا اور وشنو کی مورتی کے سامنے چھال پر آ کر بیٹھ گیا۔ پوجا کرنے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عورتیں اور مرد

آتے میرے چرن چھو کر بھگوان کے آگے پھول مٹھائی اور پھل رکھتے۔ صندوقچی میں روپیہ دو روپے ڈالتے۔ میں ان کے ماتھے پر پانی میں گھلے ہوئے کیسر کا ٹیکہ لگاتا۔ رتن جو کا ایک پھول ان کی ہتھیلی پر رکھتا۔ وہ سر جھکائے واپس چلے جاتے۔ پجاری پربھاکر کا دبلا پتلا خاص نوکر دھوتی پہنے میرے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ صندوقچی میں ڈالے جانے والے روپے پیسوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ جب پوجا کرنے والوں کا سلسلہ مدھم پڑ گیا تو میں نے ہریا سے کہا۔ "ہریا بیٹا! ہم تیرے ماتھے پر راجا کی لکیر دیکھ رہے ہیں۔ تو یہاں کیا کرنے بیٹھا ہے؟"

ہریا میری کرامت دیکھ چکا تھا۔ یہ سن کر ایک بار تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میں نے لوہے کو گرم دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔

ہریا تو راجا ہریش چندر کی اولاد میں سے ہے۔ تجھے نوکر کا جنم تیرے کرموں کی وجہ سے ملا ہے پر تیرا پاپ کٹ سکتا ہے اور تو پھر سے راجا کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے"۔

ہریا نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ "مہاراج! ایک بار پہلے بھی ایک سادھو بابا نے مجھے یہی بتایا تھا"۔

مجھے نہیں معلوم اس سادھو بابا نے ہریا سے کیا کام نکالنا چاہا ہو گا کہ یہ بڑ ہانکی تھی۔ بہرحال میں تو ہریا کا محض اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ پجاری پربھاکر کا خاص نوکر تھا اور پربھاکر نے اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے میرے ساتھ مندر میں بھیجا تھا۔ میں نے کہا۔ "وہ سادھو بھی سچا تھا۔ ہریا! ہم منش کا مستک دیکھ کر اس کے پچھلے جنم کا حال پہچان لیتے ہیں۔ تو ایک جنم میں راجا ہریش چندر کا پوتا تھا۔ پھر ایک جنم میں تو خود راجا بن کر قنوج کا حکمران بنا پھر تیرے کرم اچھے نہ رہے اور تو نے مگرمچھ کی شکل میں جنم لیا۔ اس کے بعد سانپ، بچھو اور مچھلی کا جنم لیتے ہوئے ایک بار پھر اپنے اچھے اعمال کی بدولت تو نے راج کمار کا جنم لیا۔ پر تیرے برے کرموں نے تیرا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بار تیرا جنم نوکر کے روپ میں ہوا اور تیرا نام ہریا رکھا گیا"۔

ہریا کا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میں نے اس کے سربستہ رازوں کی پٹاری کھول کر اس کے سامنے رکھ دی ہو۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج! میں کیسے کرم کروں کہ پھر سے راج کمار کا جنم لوں؟"

ہریا میرے قبضے میں آ چکا تھا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "ہری اوم تت ست! برہم ہی برہم ہے ہریا! اچھا۔ ہم تمہیں پھر کبھی بتائیں گے۔ پر ایک بات کا خیال رکھنا۔ اس کا ذکر کسی سے مت کرنا نہیں تو مورکھ تیرا اگلا جنم سانپ کا ہو گا"۔

اس نے میرے پاؤں پر سر رکھ دیا اور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "کسی سے نہیں کہوں گا مہاراج! کسی سے نہیں کہوں گا۔ آپ میری سہائتا کریں۔ مجھے راجکمار کا جنم دلا دیں۔ پھر سے راجا بنا دیں"۔

"ایسا ہی ہو گا میرے بالک۔" میں نے ہریا کو تسلی دی۔ وہ میرا مطیع ہو چکا تھا۔ خواہ وہ میرے

کسی کام نہ آتا مگر میں پربھاکر کے بعد اس کے ایک آدمی کو اپنے اعتماد میں ضرور لینا چاہتا تھا اور ایسا کرنے میں میں کامیاب ہو گیا تھا۔ شام کو میں نے مندر کا سنگھاسن ہریا کے حوالے کیا اور خود حجرے میں پربھاکر کے پاس چلا گیا۔ وہ حجرے کے باہر چارپائی ڈالے لیٹا ہوا تھا اور دو آدمی اسے پنکھا جھل رہے تھے۔ اسے بخار ہو گیا تھا۔ سانپ کے زہر کا اس نے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا تھا۔ اگرچہ سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اسے ٹھنڈا دودھ پلایا اور رات کو کچھ کھانے سے منع کر دیا۔ دوسرے روز پجاری پربھاکر بھلا چنگا تھا۔ اب اس نے اپنے ساتھ والا حجرہ میرے لئے کھلوا کر وہاں چارپائی ڈلوا دی۔ اس پر سفید بچھونا بھی لگا دیا۔ میں نے کہا۔ "پربھاکر بھائی! ہم سنیاسیوں کو بچھونے سے کیا غرض۔ ہم تو بھگوان کی زمین پر سوتے ہیں"۔

پربھاکر بولا۔ "مہاراج! آپ کی سیوا اب مجھ پر فرض ہے"۔

صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس شخص کا بھگتی مارگ جوگ اور پوجا پاٹھ اور کرم کانڈ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ورنہ اگر کوئی سچا مہنت یا پجاری ہوتا تو اتنا میرے آگے نہ بچھ بچھ جاتا۔ مجھے وہاں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے تھے۔ اس دوران میں اس کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ مجھے پربھاکر کے معمولات میں کوئی مشتبہ شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر سونا اس کے پاس ہے تو پھر اس نے اسے کہاں پر رکھا ہے؟ اس سوال کا جواب مجھے نہیں مل رہا تھا اور اس کا جواب مجھے چاہیئے تھا۔ ایک روز باتوں ہی باتوں میں میں نے ہریا کو کریدنے کی بھی کوشش کی مگر مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ پربھاکر کی مجرمانہ سرگرمیاں اس کے خاص نوکر ہریا کی نگاہوں سے بھی اوجھل تھیں۔ اب میری ساری توجہ پجاری پربھاکر کی طرف ہو گئی۔

چوتھے دن کی رات تھی۔ چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ ٹھنڈی پروائی چل رہی تھی۔ رات آدھی گزر گئی ہو گی کہ مجھے اپنے حجرے کے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے اٹھ کر دروازے کی درز میں سے جھانک کر دیکھا۔ چاندنی رات میں مجھے ایک آدمی کا سایہ نظر آیا جو پربھاکر کے حجرے کے دروازے پر جا کر رک گیا' پھر اس نے آواز دی۔ "دادا! میں ہوں گوپالا"۔

پربھاکر نے حجرے کا دروازہ کھول دیا۔ جیسے وہ پہلے سے اس آدمی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے وہیں پوچھا۔ "پھوکٹ کہاں ہے؟"

وہ آدمی بولا۔ "دادا! کہاں رکھواؤں؟ سارا مال آ گیا ہے"۔

پربھاکر بولا۔ "ہریا کو لے جا کر ایلورا والے غار میں رکھوا دے اور سن کنڈی کو وہاں سے نکال کر دوسرے حجرے میں لے جانا اب جا۔ تجھے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں دادا۔"

پربھاکر نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ آدمی دوسری طرف سے ہو کر مندر کی عقبی دیوار

کے پاس اندھیرے میں گم ہو گیا۔ یہ پھوکٹ کیا چیز ہے اور یہ کنڈنی سوائے سونیا کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اب میرا ٹارگٹ ایک بار پھر ہریا تھا۔ بڑا عیار شخص تھا۔ اس نے میرے آگے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا تھا اور درپردہ وہ پربھاکر کی مجرمانہ سرگرمیوں کا ایک حصہ تھا۔ اب میں نے اس پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہریا ہی مجھے کنڈنی کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔ میں بے چینی سے دن نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ پھوکٹ سے مراد لازمی طور پر چرس یا ہیروئن وغیرہ ہی ہو سکتی تھی۔ پھوکٹ ان میں سے کسی نشے کا علامتی نام تھا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ چرس یا افیون ہو۔ کنڈنی کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ سونیا ہی ہو گی۔ میرا حق یہ بنتا تھا کہ میں اسی وقت ایلورا کے غاروں میں جاؤں اور وہاں سے سونیا کو نکال کر فرار ہو جاؤں۔ خواہ اس کے لئے مجھے ان سب بدمعاشوں کو ہلاک ہی کیوں نہ کرنا پڑے، لیکن اس میں ایک بہت بڑا خطرہ تھا کہ کہیں میں اور سونیا پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ بدمعاش پجاری پربھاکر نے گوپالا کو یہی کہا تھا کہ وہ کنڈنی کو ایک غار سے نکال کر دوسرے غار میں پہنچا دے۔ اس سے مجھے اطمینان ہوا کہ کنڈنی یا سونیا وہیں کسی غار میں ہی ہو گی۔ میں نے منہ اندھیرے ایلورا کے تاریخی غار میں جانے کا پروگرام طے کر لیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ گوپالا ہریا اسمگلنگ کا مال رکھوانے کے بعد ایلورا غار سے چلے جائیں گے۔ ہریا کو کریدنے سے پہلے اب میں خود غار میں جا کر کنڈنی کو دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ حقیقت میں کون ہے؟ حجرے کے باہر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ میں نے بند دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا۔ چاند مندر کے عقبی املی کے درختوں میں روپوش ہو رہا تھا۔ مندر اندھیرے میں تھا۔ ایلورا کے غاروں کا دروازہ وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا۔ میں نے بڑی بے چینی سے رات کا باقی حصہ اپنے حجرے میں کاٹا اور پھر چاقو اپنی دھوتی میں اڑس لیا۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ پربھاکر پجاری کے حجرے پر سکوت طاری تھا۔ مندر کے پیچھے سے ہو کر ایلورا غاروں کو جاتا کچا راستہ سنسان اور تاریک تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے دروازے کو اپنے پیچھے بند کیا اور سر جھکائے یوں کچے راستے پر چلنے لگا جیسے آدمی رات کے بعد گیان دھیان کے لئے اپنے استھان پر جا رہا ہوں۔ میں اپنے اردگرد سے پوری طرح چوکس تھا۔ گوشہ چشم سے دائیں بائیں ماحول کا پورا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ مندر کی عقبی دیوار پر چڑھی ہوئی جنگلی بیل اندھیرے میں کوئی بھوت لگ رہا تھا جو دیوار سے چمٹ گیا ہو۔ چاند دوسری جانب املی کے درختوں کے عقب میں تھا۔ مندر سے تھوڑا آگے نکلا تو سامنے ایلورا کے تاریخی غاروں کا محرابی دروازہ نظر آنے لگا۔ چاندنی ملے اندھیرے میں یہ دروازہ ماضی کی دھند میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ایلورا کے یہ غار چٹانوں اور پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں اور آج سے ڈھائی تین ہزار سال پہلے فن تعمیر کا انتہائی دلاویز نمونہ ہیں۔ میں ان غاروں کو دو ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ایلورا میں کل چونتیس غار ہیں اور ہر غار میں دو منزلہ عالی شان مکانات تعمیر کئے گئے ہیں جن میں جگہ جگہ تین تین چار چار گز اونچے بت تراشے ہوئے ہیں۔ مکانوں کے کمروں میں اتنی گنجائش ہے کہ وہاں دس بارہ

آدمی سما سکتے ہیں۔ تمام عمارتوں میں دونوں جانب پتھروں میں سے زینے تراشے گئے ہیں۔ غاروں میں مورتیوں اور بتوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ہر غار کے ہال میں چاروں طرف بت اور مورتیاں ہی نظر آتی ہیں۔ آپ ایک دن میں یہ سارے غار نہیں دیکھ سکتے۔ دن کے وقت یہاں ایک چوکیدار ہوتا ہے۔ رات کو وہ چلا جاتا ہے کیونکہ بت اور مورتیاں ٹھوس پتھر کی ہیں اور ان کے جسم چٹانوں سے پیوستہ ہیں۔ انہیں کوئی وہاں سے ہلا بھی نہیں سکتا۔

میں ایلورا کے دروازے پر پہنچ کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد جب مجھے تسلی ہو گئی کہ وہاں میرے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے تو تیزی سے غار میں داخل ہو گیا۔

غار کی تاریک مرطوب فضا میں لوبان کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ حیدر آباد اور خاص طور پر اورنگ آباد کے ہندوؤں میں مشہور ہے کہ ایلورا غار میں رات کو دیوی اور دیوتا آکر رقص رچاتے ہیں اور اگر کوئی باہر کا آدمی وہاں پر آجائے تو اسے پتھر بنا دیا جاتا ہے۔ مجھے ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں ان تمام بتوں اور مورتیوں سے زیادہ عظیم اور طاقتور تھا۔ اسلیئے کہ میں زندہ تھا اور یہ تمام بت اور مورتیاں بے جان پتھر کے تراشے ہوئے ٹکڑے تھے۔ ایلورا میں داخل ہوں تو سامنے ایک تنگ راہ داری بالکل سیدھ میں جاتی ہے۔ کوئی پندرہ قدم چلنے کے بعد ایلورا کا پہلا ہال آجاتا ہے۔ یہاں چاروں طرف مورتیاں ہی مورتیاں دیواروں میں تراشی ہوئی ہیں۔ دوسرے ہال میں چٹانی دیواروں میں تراشے گئے چوبارے ہیں جن کے زینوں اور چبوتروں پر دونوں جانب مورتیاں کھڑی ہیں۔ غار کی راہداری میں اندھیرا تھا۔ پہلے ہال میں داخل ہوا تو وہاں ایک طرف طاق میں پیتل کا چراغ جل رہا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ ہو کر چل رہا تھا۔ ہال بالکل خالی تھا۔ وہاں کسی انسان کی موجودگی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں اس ہال سے نکل کر دوسرے ہال میں داخل ہو گیا۔ یہاں داخل ہوتے ہی مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی لکڑی کے کریٹ کو فرش پر گھسیٹا جا رہا ہے۔ میں جلدی سے ایک مورتی کے پیچھے چھپ گیا۔ میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں ہمہ تن گوش تھا۔ ہال کمرے میں اندھیرا تھا۔ یہاں کوئی چراغ نہیں جل رہا تھا۔ دیوار میں کھدے ہوئے غار نما دو منزلہ مکانوں کے دھندلے دھندلے خاکے ابھرنے لگے تھے۔ کریٹ کو گھسیٹنے کی آواز اب نہیں آرہی تھی۔ کسی نے آہستہ سے آواز دی۔ "ہریا! اب بس کر اور چل واپس پھوکٹ ٹھکانے لگا دیا ہے؟"

میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ پجاری پربھاکر کے ساتھی گوپالا کی آواز تھی جو اس کے دوسرے ساتھی ہریا سے مخاطب تھا۔ ہریا نے گوپالا کو کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی چھا گئی۔ میں نے جلدی سے اپنی جگہ تبدیل کر لی اور ایک دوسرے بت کے پیچھے آکر چھپ گیا کیونکہ یہ لوگ دو منزلہ مکان سے باہر نکلنے ہی والے تھے اور جس مورتی کے پیچھے میں پہلے ہی چھپا ہوا تھا... وہ راہداری کے کنارے پر ہی تھی اور مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔

مجھے سامنے والی دو منزلہ گپھاہ نما عمارت کے اندر سے دو سائے نکل کر زینہ اترتے دکھائی دیئے۔ میں نے اپنا سانس روک لیا اور مورتی کے بالکل ساتھ لگ گیا۔ جب وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے میرے قریب سے گزرے تو میں نے اندھیرے میں بھی انہیں پہچان لیا۔ یہ گوپالا اور ہریا ہی تھے۔ جب ان کی آوازیں بہت دور چلی گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایلورا کے دروازے سے نکل چکے ہیں تو میں مورتی کی اوٹ سے کھسک کر ہال کمرے کی دیوار کے ساتھ چلتا دو منزلہ چھوٹے سے پرانی طرز کے مکان کے قریب آکر رک گیا۔ کیا کندنی یا سونیا اسی مکان میں ہو گی؟ مجھے اس سوال کے جواب کی ضرورت تھی۔ یہ چٹانی دیوار میں گہرائی میں کھدا ہوا چھوٹے چھوٹے ستونوں' چبوترے اور باہر کو جھکی ہوئی گیلری والا قدیم زمانے کا ایک مکان تھا جس کی کھڑکیوں پر نہ تو کوئی پٹ تھا اور نہ پردہ گرا ہوا تھا۔ کھڑکیوں کے چوکور سوراخ ہی تھے جن میں اندھیرا چھایا تھا۔ خاموشی اور سکوت ایسا تھا کہ مکان انسان سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ جن کاریگروں نے ایلورا کے یہ غار تعمیر کیئے تھے۔ انہوں نے یہاں تازہ ہوا کی آمد کا بھی کچھ ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ فضا میں گھٹن نہیں ہوتی تھی۔ اندر کی فضا سردیوں میں نیم گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈی رہتی تھی۔ میرا حلیہ سادھوؤں ایسا تھا۔ اور میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ اس مکان میں سونیا موجود نہ ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں اس کی بجائے کندنی نام کی کوئی دوسری عورت بدمعاش پجاری نے باندھ رکھی ہو۔ بہرحال اس سے سونیا کا سراغ ضرور مل سکتا تھا کیونکہ یہ بات مصدقہ تھی کہ سونیا اس بدمعاش پربھاکر کے قبضے میں ہی ہے۔

میں نے اب ڈرامہ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اوم ہری اوم تت ست کو قدرے بلند آواز سے دہرایا اور گیتا کے کچھ اشلوک پڑھے پھر ایک مورتی کی طرف بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ "درگا میا! میں تیرے حکم پر تیرے بلیدان کی پرم پرا پوری کرنے آیا ہوں۔ مجھے گیان دے"۔

اس کے ساتھ ہی قدیم اور تاریک مکان میں سے کسی عورت کی آواز آئی۔ "ہے مہاراج! ہے پرم اوتار۔ مجھے بھی درشن دو میں ناتھن دیوتا کی دیش کنیا ہوں"۔

یہ آواز سونیا کی نہیں تھی۔ یقیناً یہ وہی کندنی تھی جس کو اس مکان میں منتقل کرنے کی پربھاکر نے گوپالا کو ہدایت کی تھی۔ میں پتھر کا زینہ چڑھ کر مکان میں داخل ہو گیا۔ اندھیرے میں مجھے روشنی نظر آئی۔ کسی نے پچھلی کوٹھری میں شاید چراغ روشن کیا تھا۔

میں ایک دھرماتما گیانی دھیانی سادھو کی طرح باوقار چال سے چلتا ہوا دوسری کوٹھری میں آگیا۔ ساتھ ساتھ میں اشلوک بھی پڑھتا جا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کوٹھری کے فرش پر چٹائی بچھی ہے۔ ایک عورت جس کے لمبے سیاہ بال ایڑیوں تک پہنچ رہے ہیں' رنگ سانولا' جسم کو صرف ایک مختصر سی ساڑھی میں چھپائے دونوں ہاتھوں میں باسی پھولوں کا ایک ہار لئے چٹائی کے پاس ادب سے آنکھیں جھکائے کھڑی ہے۔ طاق میں ایک دیا روشن ہے جس کی بتی آہستہ آہستہ بلند ہو رہی ہے۔ کیونکہ

اسے ابھی ابھی جلایا گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی کندنی ہے۔ اب مجھے اس پر اپنے گیانی دھیانی ہونے کا اثر جمانا تھا جو بے حد ضروری تھا

میں نے بازو بلند کیا اور تامل میں کہا۔ "ہم جانتے ہیں تو ناتھن دیو کی وش کنیا ہے۔ اگر تو وش کنیا نہ ہوتی تو ابھی پتھر بن گئی ہوتی مگر تو کندن ہے۔ کندنی ہے۔ کیونکہ تو دیوتا کی دیو داسی ہے"۔

یہ کندنی ہی تھی۔ میرے قدموں پر پھولوں کا ہار ارپن کرتے ہوئے اس نے میرے دونوں پاؤں اپنے ہاتھوں سے چھوئے اور بولی۔ "مہاراج! آپ درگا میا کے اوتار ہیں۔ میرے دھن بھاگ کہ آپ کے درشن ہوئے۔ دیو داسی کو اپنے چرنوں میں جگہ دیں مہاراج!"

میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بارعب آواز میں کہا۔ کندنی ہم پرلوک سے آئے ہیں۔ سنسار کے موہ میں الجھنا ہمارا دھرم نہیں۔ ہم درگا میا کی بلی کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ درگا میا نے اپنی بلی کو یہاں ایک نیلی آنکھوں والی گوری لڑکی کے روپ میں بھیجا تھا۔ وہ کس گپھا میں ہے وش کنیا؟"

یہ عورت کندنی مکمل طور پر قدیم توہمات اور ہندو دیومالا کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ بدمعاش پجاری نے اس کے دل و دماغ پر یہ بات جاگزیں کر دی تھی کہ وہ وش کنیا ہے جو ہندو دیومالا میں ایسی لڑکی یا عورت ہوتی ہے جسے کسی دیوتا کے نام پر کوئی خاص مشروب پلا دیا جاتا ہے۔ اسے یہی کہا جاتا ہے کہ تمہیں بھگوان کی طرف سے بھیجا گیا ایسا وش یعنی زہر پلایا جا رہا ہے جس کا اثر تم پر نہیں ہو گا لیکن اگر تم مندر یا گپھا کے پجاری کے علاوہ کسی بھی دوسرے مرد سے جسمانی تعلقات قائم کرو گی تو اس زہر کا اثر تمہارے جسم میں بیدار ہو کر تمہیں اسی وقت ہلاک کر دے گا۔ یہ عورت بھی اسی چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ توہمات کی دلدل میں اتنی گہری اتر چکی تھی کہ مجھے اس پر اثر جمانے کے لئے ذرا سی بھی محنت نہیں کرنی پڑ رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو درگا میا کا اوتار کہہ رہا تھا اور وہ مجھے بھگوان کا اوتار سمجھنے لگی تھی۔ درگا دیوی کی بلی کا سن کر اس نے سر جھکا دیا اور بولی۔

"ہے برہم اوتار! ایک نیلی آنکھوں، گورے رنگ والی کنیا یہاں آئی تھی۔ پجاری جی اسے وش کنیا بنانا چاہتے تھے۔ پرنتو وہ لڑکی ناستک تھی مہاراج۔ دیوی دیوتاؤں کو نہیں مانتی تھی"۔

میں نے کسی قدر بے تابی سے پوچھا۔ "پھر وہ کہاں چلی گئی؟"

میرے سوال سے انسانی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا مگر کندنی کو میرے اوتار ہونے پر اس قدر گہرا اعتقاد تھا کہ وہ میری اس کمزوری کو بالکل نہ بھانپ سکی۔ میرے سوال پر کہنے لگی۔ "مہاراج! پھر ایک روز پہلے پجاری جی گھبرائے ہوئے آئے۔ ہریا سیوک بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں لڑکی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر یہاں سے لے گئے"۔

میں نے جلدی سے دوسرا سوال کر دیا وہ جانتی ہے پجاری اور ہریا اس لڑکی کو کہاں لے کر گئے

ہیں؟

کندنی بولی۔ "مہاراج! میں نے پجاری جی کو اتنا کہتے سنا تھا کہ ہریا تو اسے اپنے تہ خانے میں لے جا۔ ہم اسے آگے پہنچا دیں گے"۔

اس کے سوا کندنی کے پاس سونیا کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھیں۔ اب میں نے دوبارہ ڈرامہ شروع کر دیا۔ کندنی کے بازو پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "وش کنیا! جو کچھ تم نے بتایا ہمیں سب معلوم تھا۔ ہم تیری پریکشا کر رہے تھے"۔

کندنی نے سر جھکا دیا۔ "مہاراج آپ بھگوان کے اوتار ہیں۔ انتریامی ہیں۔ آپ کو کیسے نہیں معلوم ہو گا"۔

پھر میں نے اوم پربھو ست کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "درگا کی بلی اس کے پاس پہنچ چکی ہے کنیا! اب ہم واپس پرلوک سدھارتے ہیں۔ پرنتو یاد رکھ۔ کسی سے ہمارا ذکر مت کرنا۔ نہیں تو ہم تجھے پتھر بنا دیں گے"۔

کندنی میرے قدموں پر گر پڑی اور رو کر بولی۔ "مہاراج میں تو آپ کی داسی ہوں۔ آپ نے مجھے درشن دیئے۔ یہ میرا سو بھاگیہ ہے۔ میں مرجاؤں گی۔ منہ سے ایک لفظ نہیں نکالوں گی"۔

"سروم۔ برہم ہے ام۔ جگتے۔"

اس قدیم اشلوک کو پڑھتے ہوئے میں واپس مڑا اور قدیم ترین مکان کا زینہ اتر کر ہال میں سے گزرتا تاریک راہداری کی طرف چل دیا۔ اس رات میری چال دیوتاؤں ایسی تھی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ کندنی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہوں تو تیز تیز چلتا ہوا ایلورا غار کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ باہر آسمان پر صبح کاذب کا اولین اجالا جھلکنے لگا تھا۔ میں نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں تیزی کے ساتھ غار سے نکلا اور یوں کون کے ساتھ مندر کی عقبی دیوار کے ساتھ چلنے لگا۔ جیسے منہ اندھیرے اٹھ کر مندر کا طواف کرنے وہاں آ گیا تھا۔ پجاری پربھاکر کے حجرے کا دروازہ بند تھا۔ میں اوپر سے ہو کر اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ معاملہ مزید الجھ گیا تھا۔ جس لڑکی کی کندنی بات کر رہی تھی وہ سونیا ہی ہو سکتی تھی۔ دو روز پہلے اسے ایلورا کے غار سے ہریا کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ بدمعاش پجاری پربھاکر کو یقیناً کسی طریقے سے علم ہو گیا ہو گا کہ سونیا ایک ایسی لڑکی ہے جس کے پیچھے علاقے کی سی آئی ڈی اور پولیس لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ اسے آگے کر دینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسے کسی دوسرے بدمعاش یا بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دینے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ بھارت' میں خاص طور پر بھارت کے جنوب میں عورتوں کی بردہ فروشی عام ہے کیونکہ وہاں بے شمار مندر ہیں جہاں اب بھی چوری چھپے دیو داسیاں رکھی جاتی ہیں۔ یہ دیو داسیاں علاقے کے جاگیرداروں اور عیاش امیر کبیر صنعت کاروں کی خدمت کے لئے مختص ہوتی ہیں۔ اس وقت بقول کندنی کے سونیا ہریا کے تہ خانے میں تھی

یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں ان بدمعاشوں نے اسے آگے نہ فروخت کر دیا ہو۔ مجھے عجلت کرنی چاہئے تھی۔

صبح ہوئی تو میں غسل کے بعد مندر میں آگیا اور چبوترے پر جھاڑو دینے لگا۔ ہریا تھالی میں لوبان سلگائے اپنی کوٹھری کی طرف سے ہری نام کا جاپ کرتا آیا اور مندر میں مورتی کے آگے لوبان کا تھال رکھ کر پوجا پاٹھ کرنے لگا۔ اب میرا ٹارگٹ ہریا تھا۔ یہ بدمعاش پجاری پربھاکر کا سیوک تھا مگر پجاری پربھاکر سے بڑھ کر میرا معتقد تھا۔ وہ مجھے پہنچا ہوا گیانی دھیانی رشی سادھو سمجھ رہا تھا۔ میں اس کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ جب وہ مندر کی کوٹھری سے اپنا جلینئو درست کرتے ہوئے باہر نکلا تو جلدی سے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ سے جھاڑو لے لیا اور بولا۔ "مہاراج! اب اپنے داس کو سیوا کرنے دیں"۔

میں نے فوراً کہا۔ ہریا! تو نے ہمیں پرسن کر دیا۔ جا شہر سے ہمارے لئے حلوہ پوری لا۔ آج ہمارا حلوہ پوری کھانے کو من چاہتا ہے"۔

ہریا نے فوراً جھاڑو ایک طرف رکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔ "ابھی لایا مہاراج! ابھی لایا"۔

وہ پرنے سے اپنا منہ پونچھتا چبوترے سے اترا۔ جوتی پہنی اور ہری اوم کرتا شہر کی طرف چل دیا۔ اس کی چال ڈھال اور بول چال سے ایک لمحے کے لئے بھی کسی کو احساس نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ بردہ فروشوں کے ایک خاصے بڑے گروہ کا رکن ہے۔ اصل میں توہمات آدمی پر ایک بار سوار ہو جائیں تو پھر اس کا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے۔ پھر وہ آدمی چاہے ڈاکو ہو' خونی ہو اپنے گورو کے آگے بھیڑ بکری کی طرح بے ضرر ہوتا ہے۔ اگرچہ ہریا نے توہمات کے کمزور ترین لمحوں میں بھی کبھی اپنے بارے میں سچی بات نہیں بتائی تھی۔ وہ اندر سے بڑا کائیاں تھا اور اپنے مطلب کا بڑا پکا تھا۔ میں اس کے کمزور عقیدے پر ضرب لگا کر اس کے قدرتی احساسات یعنی حرص و ہوس اور حصولِ دولت کے جذبات کو بیدار کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ حلوہ پوری لے کر آیا تو میں درخت کے نیچے سمادھ لگائے بیٹھا گوشہ چشم سے اسے آتا دیکھ رہا تھا۔ اس نے بڑی عقیدت سے حلوہ پوری کا دونا میرے سامنے رکھ دیا اور ادب سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور کہا۔ "ہریا! لگتا ہے تیری قسمت کھلنے والی ہے"۔

وہ بڑا خوش ہوا۔ میں نے مزے سے پوری حلوہ کھایا۔ اس کے بعد کچھ بے معنی اشلوک پڑھے اور پھر اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہریا کی طرف جلالی نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "ہریا! اپنا سیدھا ہاتھ ہمارے آگے کر دے"۔

ہریا نے جلدی سے اپنی ہتھیلی میرے آگے پھیلا دی۔ میں نے اس کے ہاتھ کی لکیروں پر ایک نگاہ ڈالی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

" ہریا! ہم پر اس وقت پاتال روشن ہے۔ ہم تیرے اگلے پچھلے سارے جنم دیکھ رہے ہیں۔ تیری ہاتھ ریکھائیں ہمیں تیرے اگلے جنم کا' تیرے اس جنم کا سارا حال بتا رہی ہیں۔ بول کیا چاہتا ہے مجھے معلوم تھا وہ کیا طلب کرے گا۔ بڑی عاجزی سے میرے قریب ہو کر بولا۔ " مہاراج! کرپا کر کے مجھے اتنا دھن دیجئے کہ میں گاؤں والی زمین ساہوکار سے واپس لے لوں۔ وہاں اپنا دو منزلہ مکان بناؤں۔ ترچناپلی سے دو بیل خرید کر لاؤں "۔

میں نے اپنے چہرے کو متفکر بنا لیا جیسے ایک دم سے میں نے اس کی تقدیر کے راستے میں کا رکاوٹ دیکھ لی ہو۔

وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ " مہاراج! کیا بات ہے ؟"

میں نے اس کی ہتھیلی کی ایک لکیر پر انگلی رکھی ہتھیلی کو گھمایا' پھر ہتھیلی پیچھے کر دی اور کہا۔ ہریا! ایک گورے رنگ کی کنیا تیری قسمت کا راستہ روکے کھڑی ہے۔ اسے راہ سے ہٹانا ہو گا "۔

میں نے اپنی آنکھیں ہریا کے چہرے پر جما دی تھیں۔ میں اس جملے کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ ردعمل خاطر خواہ ہوا۔ ہریا نے کچھ کہنے سے پہلے مندر کی طرف دیکھا کہ پجاری کہیں اسے دیکھ تو نہیں رہا؟ پجاری مندر کے اندر پوجا کرنے کے لئے آنے والوں میں مصروف تھا۔

ہریا نے آہستہ سے کہا۔ " مہاراج یہ کنیا کون ہے ؟"

مجھے تو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ آپ ہی بتائیے میں اسے اپنی قسمت کے راستے سے کیسے ہٹاؤں ؟"

ہریا ابھی تک پلو نہیں پکڑا رہا تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ " یہ تو جان تیرا کام جانے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ جا اب چلا جا یہاں سے "۔

مگر یہ ہریا کے مستقبل اور اس کی قسمت کے کھل جانے کا سوال تھا۔ وہ کیسے جا سکتا تھا بھلا؟ فوراً میرے پاؤں چھو کر بولا۔ " مہاراج یہ میری دشمن کنیا کون ہے ؟" بھگوان کے لئے مجھے کچھ تو بتایئے ؟"

میں نے کہا۔ " ہریا! تو نے ہماری بڑی سیوا کی ہے۔ ہم تجھے نراش نہیں کریں گے۔ لا ہاتھ دکھا ہمیں "۔

ہریا نے جلدی سے ہتھیلی مرے آگے کر دی۔ میں نے اس کی ہتھیلی کی لکیروں پر ایک بار پھر نظریں جما دیں اور اندھیرے میں ہی نشانے پر تیر چلاتے ہوئے کہا۔ " میں اس کنیا کو ایک تہ خانے میں دیکھ رہا تھا مگر اب ... اب وہ مجھے نظر نہیں آ رہی۔ اس کا نظر آنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ میں اسے ہمیشہ کے لئے تیری قسمت کے راستے سے ہٹا دوں "۔

ہریا کا تو رنگ اڑ گیا۔ اس لئے نہیں کہ میں نے اس لڑکی کا راز کھول دیا تھا جس کو وہ لوگ کسی

بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کرنے والے تھے یا کر چکے تھے بلکہ اس لئے کہ میں نے اس کے دل کی بات پالی تھی۔ اس کو کبھی خواب میں بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے یہ علم ہو گا کہ اس نے ایک لڑکی کو اپنے تہ خانے میں چھپایا تھا۔ اس نے تو میرے قدموں پر سر رکھ دیا اور بولا۔

"مہاراج! آپ دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ وہ لڑکی تو میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اب کیا ہو گا؟"

میں نے جلال میں کہا۔ "کہاں ہے وہ؟" کہاں کھو دیا تو نے اس کو مورکھ؟ اگر اس کا ٹھکانا معلوم نہ ہوا تو تیری قسمت پھوٹ جائے گی تو ساری زندگی اسی طرح لوگوں کے جوتے سیدھے کرتا رہے گا۔ تجھے کبھی دھن دولت نصیب نہیں ہو گی"۔

ہریا ہاتھ باندھ کر بولا۔ "مہاراج اسے دھنا سنگھ لے گیا ہے"۔

اب میں نے نہلے پر دہلا مارا۔ "کیا اس لڑکی کی آنکھیں نیلی تھیں؟"

"ہاں مہاراج۔"

"کیا اس کا نام سین سے شروع ہوتا تھا؟"

"ہاں مہاراج۔ اس نے اپنا نام سونیا بتایا تھا۔"

وہ بالکل مشینی آدمی کی طرح بول رہا تھا۔ اس نے اوپر تلے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے زمین پر اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ مٹی اڑ کر میرے چہرے پر پڑی۔

"ہریا! دھنا سنگھ کہاں ہے؟ جلدی بتا۔ میں ابھی ایک منتر پڑھ کر پھونکتا ہوں۔ وہ لڑکی جہاں کہیں بھی ہو گی تڑپ کر مر جائے گی اور تیری زندگی پر لکشمی دیوی کا پرکاش چھا جائے گا۔ وہ کس طرف کو ہے؟ پورب کو، پچھم کو؟ اتر کو کہ دکھن کو؟"

ہریا کو میں نے عامل اور معمول کی طرح اپنے پیچھے لگا لیا تھا بولا۔ "مہاراج دھنا سنگھ اسے لے کر امرتسر کے دربار صاحب میں گیا ہے۔ وہ سورن مندر کا گرنتھی ہے مہاراج وہ اتر کی طرف ہے۔ بھگوان کے لئے ابھی منتر پڑھ کر پھونکیں"۔

سونیا کا پتہ چل گیا تھا۔ اب مجھے وہاں سے امرتسر کی طرف کوچ کر جانا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دو منٹ تک اوٹ پٹانگ منتر پڑھتا رہا، پھر زمین پر ایک دائرہ بنایا۔ دائرے کے بیچ میں اپنی انگلی رکھی اور اسے ایک دم سے دبا دیا اور چلا کر کہا۔ "ناش ہو گیا۔ ناش ہو گیا۔ ہریا! تیرے دشمن کا ناش ہو گیا۔ جا اب لکشمی تیرے درشنوں کو آنے ہی والی ہے"۔

ہریا نے میرے آگے ماتھا ٹیک دیا۔ میں نے اسی جلالی لہجے میں ہریا کو خبردار کیا کہ اس واقعے کا ذکر وہ کسی سے مت کرے۔ اگر اس نے کسی سے اس کا ذکر کر دیا تو اس لڑکی کی بد روح اس کے دماغ میں آکر بیٹھ جائے گی۔

ہریا بولا۔ "مہاراج! میں کسی سے کچھ نہیں بولوں گا۔ پرنتو مہاراج! لکشمی دیوی دھن لے کر کب پدھارے گی میرے گھر

میں نے کہا۔ "بس کل تک تو دھن پائے گا۔ دولت پائے گا۔ جا اب یہاں سے دفع ہو جا۔ ہمیں گیان دھیان کرنے دے"۔

ہریا جلدی سے اٹھا اور الٹے پاؤں واپس ہو گیا۔ میں نے گوشہ چشم سے دیکھا کہ بدمعاش پجاری مندر کے دروازے پر کھڑا ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہریا جب مندر کے چبوترے پر آیا تو پجاری پربھاکر نے اس کو بازو سے پکڑا اور مندر کی کوٹھڑی میں لے گیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں ہریا سب کچھ نہ اگل دے۔ مگر مجھے یقین تھا کہ ہریا مر جائے گا مگر اسے کبھی نہیں بتائے گا کہ اس نے مجھے کیا بتایا ہے۔ دوپہر کے وقت میں اپنی کوٹھڑی میں آگیا۔ پربھاکر کا رویہ ابھی تک نارمل تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت تھا کہ ہریا نے اسے دھنا سنگھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ کیونکہ بردہ فروشوں کا یہ اصول ہوتا ہے کہ وہ جس کے پاس مال فروخت کریں اس کا نام پتہ کبھی کسی کو نہیں بتاتے۔ اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کا ہزاروں بلکہ لاکھوں کا کاروبار برباد ہو کر رہ جائے۔ میں نے پیٹ کے ساتھ لپٹا ہوا رومال کھولا۔ اس میں بھارتی کرنسی میں دو سو پینتالیس روپے تھے۔ سادھو سنیاسی ویسے بھی ریل کا کرایہ خرچ نہیں کرتے اور بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ مگر میں ٹکٹ خرید کر سفر کرنا چاہتا تھا۔ میرے لئے وہاں سے نکلنا کوئی دشوار نہیں تھا۔ میں نے ایک سو روپے کا نوٹ اپنی صدری کی جیب میں رکھا۔ سامان میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ خاموشی سے کوٹھڑی سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پربھاکر مجھے مندر کے باہر درختوں کے پاس ملا۔ نمسکار کرنے کے بعد بولا۔ "مہاراج کہاں جا رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "شہر والوں کا حال معلوم کرنے جا رہے ہیں بیٹا! ابھی لوٹ کر آ جائیں گے"۔

وہاں سے نکلتے ہی میں نے اورنگ آباد ریلوے اسٹیشن کا رخ کر لیا۔ اس شہر سے میں واقف ہو گیا تھا۔ کم از کم ریلوے اسٹیشن کو جاتی سڑک کا مجھے بخوبی علم تھا ایک مدت کے بعد' میں بھارت کے شمال مشرقی سرحدی شہر امرتسر کا رخ کر رہا تھا جہاں سے میری کمانڈو زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ میں آج سے کافی عرصہ پہلے اس شہر والی سرحد کو عبور کر کے بھارت میں داخل ہوا تھا۔ وہاں ہمارا وہ پرانا اسمگلر ساتھی شاید اب بھی موجود تھا جس نے مجھ سے اسمگلنگ کا مال وصول کیا تھا اور جس کے ساتھ کافی ڈرامائی واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے لیکن مجھے اس سے ملنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی اب میں سادھو کے حلیئے میں تھا اور میرا رنگ جو پہلے گورا ہوا کرتا تھا اب کافی سانولا گیا تھا اور کچھ جسم بھی دبلا ہو گیا تھا۔ میرا امرتسر والا اسمگلر حریف شاید ہی مجھے پہچان سکے۔

جب سے میں نے سر اور داڑھی مونچھ منڈوائی تھی تب سے لے کر اب تک میرے سر اور مونچھ داڑھی کے بال کافی لمبے ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں دوبارہ منڈوانے کی ضرورت محسوس نہیں

کی تھی۔ بال میری گردن تک پہنچ رہے تھے۔ داڑھی بھی حلق سے نیچے تک آگئی تھی اور مونچھیں بھی گھنی ہونے لگی تھیں۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ امرتسر میں میرا ریکارڈ تقریباً ہر تھانے میں موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کسی سی آئی ڈی والے کی زیرک نگاہیں مجھے پہچان لیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اس بار سکھ بن کر امرتسر شہر میں وارد ہوں۔ یہ اچھا خیال تھا۔ اس حلیئے کی وجہ سے ایک تو میں سی آئی ڈی والوں کی نظروں سے کافی حد تک محفوظ رہ سکوں گا۔ دوسرے مجھے سورن مندر یعنی دربار صاحب کے گرنتھی دھنا سنگھ سے بھی راہ و رسم بڑھانے میں آسانی ہوگی۔ سکھی اور سکھوں کے مذہب اور گرنتھ صاحب کے بارے میں میری معلومات اتنی ضرور تھیں کہ میں دھنا سنگھ گرنتھی کو مطمئن کر سکتا تھا۔ یہی سوچتے سوچتے میں اورنگ آباد ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ یہاں سے ایک لوکل ٹرین کے ذریعے حیدر آباد آگیا۔ حیدر آباد دکن سے امرتسر تک کا سفر بڑا طویل سفر تھا۔ شام کے وقت مجھے ورنگل جانے والی گاڑی مل گئی۔ یہاں سے میں دکن ایکسپریس میں سوار ہو کر دلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ ایک لمبا سفر تھا۔ اکتا دینے والا اور میرے لئے اس سفر میں خدشات بھی تھے۔ کیونکہ یہ سارے کا سارا علاقہ میرے کارناموں کی یاد دلاتا تھا۔ لیکن ان واقعات کو اتنی دیر ہو گئی تھی کہ اب میں آسانی سے پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ راستے میں کسی اسٹیشن پر میں اپنا حلیہ سکھوں ایسا نہیں بنا سکتا تھا۔ لامحالہ اس کے لئے مجھے دلی آنے تک انتظار کرنا تھا۔ میں تھرڈ کلاس میں بیٹھ گیا۔ دکن ایکسپریس اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔ ساری رات گزر گئی اور ابھی ناگ پور ہی نہیں آیا تھا۔ میں تو برتھ پر چپکے سے پڑ کر سو گیا۔ ساری رات ٹرین آندھرا پردیش کے پتھریلے میدانوں' جنگلوں اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں سے گزرتی رہی۔

دوسرے روز کہیں ناگپور آیا۔ یہاں سے براستہ اٹارسی گاڑی بھوپال پہنچی۔ یہاں سے بینا' جھانسی' گوالیار' دھول پور' بھرت پور اور متھرا سے ہوتی ہوئی آخر دلی کے بہت بڑے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوگئی۔ دلی تک پہنچتے پہنچتے دکن ایکسپریس ایسی ٹرین میں جہاں تک مجھے یاد آتا ہے۔ دو دن اور دو راتیں لگ گئی۔ اگرچہ میں ایک مدت کے بعد دلی ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو رہا تھا لیکن پھر بھی بہت محتاط ہو گیا۔ انٹیلی جینس والوں کی نظریں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ ٹرین سے نکل کر میں جٹا دھاری سادھو کے حلیئے میں چلتا ہوا سیدھا تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں آگیا۔ یہاں میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ بینچ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہاں مسافروں کا شور مچا ہوا تھا۔ جگہ جگہ مسافر سامان کے انبار لگائے بیٹھے تھے۔ میرے لئے یہ فضا بڑی سازگار تھی چائے کے سٹالوں پر مسافر چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ دن کے سات آٹھ بجے کا عمل ہو گا۔ برسات کا موسم تھا۔ مسافر خانے کے سارے پنکھے چل رہے تھے۔

میں چپکے سے اٹھا اور جیسے اپنی دھن میں مست مسافر خانے کے دروازے سے نکل کر باہر آگیا۔

وہاں سے ایک خالی رکشے میں بیٹھا۔ اسے کشمیری دروازے کی طرف چلنے کو کہا۔ اس اثناء میں میں نے سوچ لیا تھا کہ کہاں جانا ہے اور کہاں جا کر مجھے اپنا حلیہ سکھوں ایسا بنانا ہے۔ شہر دلی کے میں چپے چپے سے واقف تھا۔ کشمیری دروازے کے باہر قدسیہ گارڈن ہے۔ اس کے دروازے پر میں نے رکشہ چھوڑ دیا اور قدسیہ گارڈن میں داخل ہو گیا۔ جب دیکھا کہ رکشا نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے تو باہر نکلا۔ دوسرا رکشہ لیا اور اسے تمار پور چلنے کو کہا۔ میرا رکشہ تمار پور کی طرف جاتی۔ علی پور روڈ ر تیزی سے گزر رہا تھا۔ تمار پور سے کچھ پہلے اولڈ سیکرٹریٹ سے تھوڑی دور بائیں جانب کو ایک چھوٹا سا ٹیلہ آتا ہے۔ دراصل یہاں سے تمار پور کی بستی شروع ہو جاتی ہے۔ میں نے اس جگہ رکشہ چھوڑ دیا اور پیدل ہی چل پڑا۔

تمار پور اب ایک اچھی خاصی ماڈرن بستی بن چکی تھی۔ کئی بازار، ہوٹل اور دو سینما گھر بھی بن گئے تھے۔ دلی نے بڑی تیزی سے ترقی کی تھی۔ اس کی آبادی بے تحاشہ پھیل گئی تھی اور پھیل رہی تھی۔ میں تمار پور میں کچھ خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی آبادی سے پہلو بچاتا ہوا عقب میں ایک میدان کے پار والی نیم دیہاتی بستی میں آ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس قسم کی دیہاتی بستیوں میں مجھے میرے مطلب کی چیزیں مل جائیں گی۔ چنانچہ ایک دکان پر میں نے کھدر کے کرتے اور تنگ موری والے کھدر ہی کے پاجامے باہر لٹکے ہوئے دیکھے۔ یہاں کھیس اور کھدر کی چادریں بھی موجود تھیں۔ میں نے اس دکان پر سے اپنے سائز کا کھدر کا کرتہ، کھدر ہی کا تنگ پائنچے والا پاجامہ اور ایک کھدر کا صافہ خریدا۔ سکھوں کی پگڑیوں والا کپڑا اس دکاندار کے پاس نہیں تھا۔ کرپان اور کنگھی، کڑا بھی یہاں نہیں تھا۔ میں کرتہ پاجامہ اور صافہ کاغذ میں لپیٹ کر لے آیا۔ آبادی سے دور ایک جگہ نشیب میں درخت کے نیچے بیٹھ کر میں نے اپنا سادھوؤں والا لباس اتارا اور کھدر کا کرتہ اور کھدر کا پاجامہ پہن کر شانوں پر کھدر کا صافہ ڈال لیا۔ دھری سکھ عام طور پر اسی قسم کا سادہ لباس پہنتے ہیں۔ سادھوؤں والا لباس میں نے وہیں ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ میں دوسری طرف سے ہوتا ہوا واپس تمار پور کی بستی میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ رکشہ لیا اور چاندنی چوک میں آ گیا۔ یہاں ایک بزاز کی دکان سے کالے رنگ اور چھوٹے بر کا ململ کی قسم کا سات آٹھ گز کپڑا خریدا اور اسے بغل میں دبا کر ایک بس میں سوار ہو گیا۔ یہ بس کشمیری دروازے سے ہوتی ہوئی تماری پور کی طرف جا رہی تھی۔ میں کشمیری دروازے اتر گیا۔ میں نے پگڑی باندھنے کے لئے قدسیہ گارڈن کا انتخاب کیا تھا۔ اس لئے کہ قدسیہ گارڈن میں اتنے گنجان درخت اور ایسی ایسی گھنی جھاڑیاں ہیں کہ ان پر چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا گمان ہوتا ہے۔ ایک اسی قسم کی ٹیلے جتنی جھاڑی کے عقب میں بیٹھ کر میں نے ہاتھوں سے اچھی طرح جما جما کر سر پر سکھوں کی طرح پگڑی باندھ لی۔ میں نے گردن پر سے بال اٹھا کر سر کے بیچ میں کر لئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ جب میں قدسیہ گارڈن سے باہر نکلا تو بالکل سکھ لگ رہا ہوں گا۔ کشمیری بازار کے اندر ایک پنواڑی کی دکان پر بڑا آئینہ لگا تھا۔ میں مونچھوں کو بل دیتے ہوئے دکان پر آیا اور پنواڑی سے خالص

ماجھے کے سکھوں کی زبان میں کہا۔ "بھیا جی اک لاچی تے پھڑاؤ ایدھر۔ ذرا سیں وی خوشبو واں اڑالئی اے"۔

پنواڑی نے فوراً چار الائچیاں پیش کر دیں۔ میں آئینے میں اپنے آپ کو مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میں ہو بہو سکھ لگ رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ داڑھی زیادہ بڑی نہیں تھی اور گلے میں کرپان اور کلائی میں لوہے کا کڑا نہیں تھا۔ میں نے ساری الائچیاں لے کر منہ میں ڈال لیں اور جھومتا جھامتا شہر کی طرف چل دیا۔ میرا سکھوں والا میک اپ بالکل اصلی تھا۔ سر پر کیس اور پگڑی تھی۔ کھدر کا کرتہ، کاندھوں پر صافہ، ناتراشیدہ مونچھیں اور داڑھی۔ کمی اگر تھی تو صرف اتنی کہ پانچ ککوں میں سے میں نے صرف ایک ککا پورا کیا تھا۔ پانچ ککے 'کنگھا' کرپان، 'کیس' کچھا اور کڑے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ میرے کیس یعنی سر کے بال تو تھے مگر باقی ککے غائب تھے۔ کرپان میں نے چاندنی چوک میں سیس گنج گردوارے کے پاس ایک دکان سے خرید کر پہن لی۔ کڑا بھی وہیں سے لے کر کلائی میں پہن لیا۔ کچھے یعنی انڈرویئر کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ میری داڑھی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس کا انتظام میں نے یہ کیا کہ ایک سکھ ہی کی دکان سے جالی خرید کر اس میں داڑھی کو اس طرح باندھ کر لپیٹ لیا کہ اس کے چھوٹے ہونے کا کسی کو شبہ نہیں پڑ سکتا تھا۔

اب میں پورا سکھ نوجوان بن گیا تھا۔ کھدر کا ایک تھیلا خرید کر میں نے اس میں کھدر کی چادر اور کنگھی صابن اور تولیہ رکھ لیا اور امرتسر جانے کے لئے دلی ریلوے اسٹیشن پر آگیا۔ میں بہت حد تک مطمئن تھا۔ کیونکہ اب میرا پہچانا جانا ایک مشکل امر تھا۔ رات کے ابتدائی لمحوں میں' میں پنجاب ایکسپریس میں سوار ہو کر امرتسر کی طرف روانہ ہو گیا۔ امرتسر میرے لئے کوئی نیا اور اجنبی شہر نہیں تھا۔ اس شہر کے کوچہ و بازار سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ ان دنوں سکھوں کی خالصتان کی تحریک نے اتنا زور نہیں پکڑا تھا۔ یہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور سنت بھنڈرانوالہ ابھی ایک غیر معروف آدمی تھا۔ اگرچہ اس کا قیام دربار صاحب میں ہی تھا۔ سکھ خالصتان کی حمایت میں بڑے پُرجوش تھے۔ کبھی کبھی ایک آدھ جلوس بھی نکال لیا جاتا تھا۔ ایک قسم کا تناؤ بھارتی پنجاب کے سرحدی اضلاع میں ضرور تھا جس کی وجہ سے امرتسر میں پولیس کی نفری زیادہ کر دی گئی تھی۔ اور انٹیلی جینس کی سرگرمیاں بھی زوروں پر تھیں۔ یہ بات میرے لئے خطرے کی گھنٹی تھی لیکن چونکہ میں ایک سکھ نوجوان کے حلیئے میں تھا اس لئے زیادہ پریشان نہیں تھا۔ ہاں مجھے چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔

پنجاب ایکسپریس منہ اندھیرے امرتسر ریلوے اسٹیشن کے یارڈ میں داخل ہو گئی۔ امرتسر کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ ستمبر کے آخری دن تھے۔ رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ صرف دھوپ میں گرمی باقی رہ گئی تھی۔ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جا رہا ہوں؟ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت میں نے اپنے دماغ میں طے کر رکھا تھا۔ ٹرین امرتسر

اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر رکی۔ تو تھرڈ کلاس کے ڈبے سے باہر آ گیا۔ اسٹیشن سے نکل کر تانگے میں بیٹھا اور ٹاؤن ہال کے پاس کھوتی احاطے میں آ کر اتر گیا۔ یہاں سے میں پیدل ہی دربار صاحب یعنی سکھوں کے سب سے بڑے گورو استھان سورن مندر کی طرف چل پڑا۔ کرموں ڈیوڑھی اور درشنی ڈیوڑھی میں سے ہوتا ہوا میں بازار مائی سیواں میں آ گیا۔ یہ امرتسر کے گنجان آباد بازار تھے۔ یہاں زیادہ تر کپڑے اور اناج کی دکانیں تھیں جو ابھی کھلی نہیں تھیں۔ کئی بند دکانوں کے باہر دروازوں کے پاس میں نے چتوں میں لپٹے رتن جو کے پھول دیکھے۔ یہ پھول دکاندار سکھ اور ہندو گورو صاحبان اور کرشن جی کی فریم میں لگی تصویروں پر ڈالا کرتے ہیں۔ دربار صاحب کے قریب کافی رونق تھی۔ سکھ حوض کے پانی سے پاؤں دھونے کے بعد دربار صاحب ماتھا ٹیکنے جا رہے تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ میں جانتا تھا کہ دھنا سنگھ گرنتھی دربار صاحب میں ہی ہو گا مگر میں ابھی اس سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ میری منزل فی الحال گورو رام داس کی سرائے تھی جو دربار صاحب کے پہلو میں تھی۔ میں گلیوں بازاروں سے گزر کر گورو رام داس کی سرائے میں آ گیا۔ یہاں باہر سے آئے ہوئے سکھ یاتری ٹھہرا کرتے ہیں اور انہیں کھانا لنگر سے مفت ملتا ہے۔ لنگر پاس ہی بابا اٹل کی عمارت میں لگا ہوتا ہے۔ میں سرائے کے ہال کمرے میں آ کر کونے میں بیٹھ گیا اور اپنے منصوبے پر از سرِ نو غور کرنے لگا۔

سرائے سکھوں سے بھری ہوئی تھی۔ جگہ جگہ بستر لگے تھے۔ کوئی سکھ بچھونے پر بیٹھا بال کھولے کنگھی کر رہا تھا۔ کوئی چھت کے پنکھے کے نیچے بیٹھا اپنی داڑھی کے بالوں کو مروڑ مروڑ کر اسے اوپر کو چڑھا رہا تھا۔ ایک سکھ عورت گلاس میں چائے ڈال کر اپنے بوڑھے باپ یا شاید سسر کو دے رہی تھی۔ میں ہال سے باہر نکل کر سرائے کے منیجر سے ملا جو ایک نوجوان سکھ تھا۔ میں نے اسے اپنا نام جوگندر سنگھ بتاتے ہوئے کہا کہ میں ناگپور سے گورو استھان ماتھا ٹیکنے آیا ہوں۔ کچھ روز سرائے میں ٹھہروں گا۔ گورو کی نگری کے دوسرے گوردواروں کی بھی یاترا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھ سے دس روپے لے کر مجھے ایک رسید دی اور کہا کہ ہال کمرے میں اپنا بستر لگا سکتا ہوں۔ میرے پاس بستر نہیں تھا اور موسم چونکہ ابھی سرد نہیں ہوا تھا اس لئے مجھے بستر کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے کہا میں بستر ساتھ نہیں لایا۔ وہ بولا بستر کے پانچ روپے الگ ہوں گے۔ میں کسی سکھ کے بستر پر نہیں سونا چاہتا تھا۔ اس لئے نہیں کہ میں سکھوں سے نفرت کرتا ہوں۔ نہیں وہ بھی خدا کے بنائے ہوئے انسان ہیں بلکہ صرف اس لئے ایسا کیا تھا کہ سکھ عام طور پر گندے ہوتے ہیں اور ایک گندے بستر پر نہ سونے کا مجھے پورا حق حاصل تھا، مگر یہ بات میں سرائے کے سکھ منیجر سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے پانچ روپے بسترے کے بھی ادا کر دیئے۔ سرائے کا ایک منڈو یعنی نوکر نے ہال کے ایک کونے میں خالی جگہ دیکھ کر میرا بستر لگا دیا۔ پنجابی میری مادری زبان تھی۔ ایک سہولت مجھے یہ بھی حاصل تھی کہ میں گورمکھی لکھ پڑھ لیتا تھا۔ سرائے کے غسل خانے میں میں نے غسل کیا۔ پگڑی کو اچھی طرح سے باندھا۔ داڑھی

کے بالوں کو جالی میں لپیٹا اور بازار مائی سیواں میں آگیا۔ اب ہندو کی دکان پر میں نے چائے پی۔ مکھن بند کا ناشتہ کیا اور دربار صاحب کی طرف چل پڑا۔ بازار مائی سیواں میں سکھوں کی ایسی بے شمار دکانیں ہیں جہاں سے آپ کو سکھی کے بارے میں تقریباً سارا لٹریچر اور دھرمی لوازمات مل جاتے ہیں۔ ایک دکان سے میں نے گرنتھ صاحب کے دو ادھیاؤں کا گٹکا اور ایک گرنام کی چھوٹی مالا خریدی۔ اب میں پورا سکھ بنا دربار صاحب کے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھ کر حوض کے پاس اتر گیا۔ یہاں جوتیاں اتار کر جوتیاں رکھنے والے سکھ کو دے کر ٹوکن لیا۔ حوض کے پانی سے پاؤں دھوئے اور دوسری جانب کی سنگ مرمر کی سیڑھیاں اتر کر دربار صاحب میں داخل ہو گیا۔

دربار صاحب۔ ایک بہت بڑے تالاب کے وسط میں بنا ہوا ہے۔ تالاب کے کنارے کئی سکھ اشنان کر رہے تھے۔ سکھ عورتیں مرد اور بچے ماتھا ٹیکتے' گربانی کا ورد کرتے چلے جا رہے تھے۔ میں نے بھی گربانی کا ورد شروع کر دیا۔ اکال تخت کی اک منزلہ عمارت کے باہر دو نہنگ سکھ تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ اکال تخت کی سنگ مرمر کی بارہ دری نما قدیم عمارت دربار صاحب میں داخل ہوتے ہی داہنی جانب آتی ہے۔ اس عمارت میں سکھوں کے گورو صاحبان کی زیارتیں ہیں۔ رنجیت سنگھ کا تاج' تلوار اور ہیرے جواہرات بھی یہاں رکھے ہیں۔ یہی وہ عمارت ہے جس کو بھارتی فوج نے دربار صاحب پر حملہ کرتے وقت اپنا خصوصی نشانہ بنایا تھا۔ کیونکہ اسی اکال تخت کی عمارت کے تہ خانے میں بھنڈرانوالہ اپنے انقلابی ساتھیوں کے ہمراہ مقیم تھا۔ ہر سکھ دربار صاحب کے سورن مندر کے دروازے میں داخل ہوتے وقت دہلیز پر ماتھا نہیں ٹیکتا۔ ایسا صرف سکھوں کا ایک فرقہ ہی کرتا ہے۔ مذہبی سکھ دہلیز پر ماتھا نہیں ٹیکتے۔ وہ سورن مندر میں جا کر صرف گرنتھ صاحب یعنی سکھوں کی دینی کتاب کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس فرقے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بھی سورن مندر کی دہلیز پر ماتھا ٹیکنے سے بچ گیا۔

سنگ مرمر کے فرش والی روش تالاب کے وسط میں سے ہوتی سورن مندر کو چلی گئی تھی۔ سورن مندر جس کو دربار صاحب کا استھان بھی کہتے ہیں ایک چوکور بارہ دری ہے جس کے اندر منقش چھت کے نیچے ایک اونچے استھان پر بہت بڑا گرنتھ کھلا رکھا ہے۔ ایک سکھ گرنتھی پیچھے بیٹھا مور چھل ہلاتے ہوئے گربانی کا پاٹھ کرتا رہتا ہے۔ دھنا سنگھ گرنتھی کی بھی یہی ڈیوٹی ہونی چاہئے تھی۔ مشرقی پنجاب میں سکھ گرنتھیوں کا خاندان پشت در پشت چلا آ رہا ہے۔ میرا خیال تھا کہ دربار صاحب کا ایک ہی گرنتھی ہو گا مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دن کا گرنتھی الگ اور رات کا گرنتھی کوئی دوسرا سکھ ہوتا ہے۔ یہ اطلاع مجھے ہندو نوجوان نے دی تھی۔ جو سر پر رومال باندھے میرے پاس ہی دو زانو بیٹھا شبد کیرتن سن رہا تھا۔ اس ہندو سے میں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ میں جس گرنتھی کو گرنتھ صاحب کے پیچھے مور چھل ہلاتے دیکھ رہا تھا وہ ایک تو بہت بوڑھا تھا۔ دوسرے اس کے چہرے پر

سے پاکیزگی اور شرافت ٹپک رہی تھی۔ ایسا گرنتھی کسی دوسرے شہر میں جا کر بردہ فروشوں سے لڑکی خرید کر نہیں لا سکتا تھا۔ میرا قیاس درست نکلا۔ یہ دھنا سنگھ نہیں تھا۔ میں نے ہندو نوجوان سے کہا۔ "بھراتا جی! میں ناگپور سے آیا ہوں۔ مجھے دھنا سنگھ گرنتھی سے بھی ملنا ہے۔ کیا وہ اسی جگہ ہوتا ہے؟"

ہندو نوجوان نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اس بارے میں سردار جی میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ شبد کیرتن کے بعد کسی سکھ سیوادار سے پوچھیں"۔

شبد کیرتن ختم ہوا تو میں اٹھ کر سورن مندر کے کمرے سے باہر آ گیا۔ پتہ کرتے کرتے سیوادار کے پاس پہنچا اور اس سے دھنا سنگھ گرنتھی کے بارے میں پوچھا کہ وہ سورن مندر میں کب آتے ہیں؟ سیوادار نے بتایا کہ وہ رات نو بجے آتے ہیں اور پھر صبح تک گورو گرنتھ صاحب کا پاٹھ کرتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں بھولے بھالے ادھیڑ عمر سکھ سیوادار سے میں نے دھنا سنگھ گرنتھی کے بارے میں یہ بھی معلوم کر لیا کہ اس کے باپ کا نام مکھا سنگھ گرنتھی تھا اور وہ بیس برس تک ہماچل پردیش کے گوردوارے اکال صاحب میں گرنتھی کے فرائض انجام دیتا رہا ہے۔ اس کا مکان بازار مائی سیواں کی ایک گلی میں تھا۔ سکھ بنیادی طور پر سادہ دل ہوتے ہیں آدمی ذرا سا ہوشیار ہو تو ان سے بہت کچھ پوچھا جا سکتا ہے۔ چونکہ جنگجو مارشل قوم ہے اس لئے سیاست کاریاں اور چالاکیاں بالکل نہیں جانتی۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے سکھ سیوادار سے دھنا سنگھ کے متعلق بہت سی مفید معلومات مہیا ہو گئی تھیں، لیکن ایک بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ دھنا سنگھ نے سونیا کو کہاں رکھا ہوا ہے؟ سیوادار کی زبانی یہی علم ہوا کہ دھنا سنگھ بڑا مذہبی اور شریف سکھ ہے۔ چائے تک نہیں پیتا۔ بیوی بچوں کے ساتھ بڑی ذمے دارانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ گھر سے دربار صاحب آتا ہے اور وہاں سے سیدھا گھر جا کر سو جاتا ہے۔ کبھی کبھی شہر سے باہر دلی کی طرف جاتا ہے کیونکہ اس نے چھوٹا موٹا جرابوں، بنیان اور کرپانوں کا کاروبار بھی شروع کر رکھا ہے۔

میں سرائے گورو رام داس میں آ گیا۔ دھنا سنگھ کو میں رات نو بجے سے پہلے نہیں مل سکتا تھا کیونکہ وہ نو بجے کے بعد ہی دربار صاحب اپنی ڈیوٹی پر آتا تھا۔ سوچا کہ کیوں نہ اس کے گھر جا کر اس سے ملاقات کی جائے؟ یوں سونیا کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔ چنانچہ میں سرائے سے نکل کر بازار مائی سیواں میں آ گیا۔ اس وقت دن کے گیارہ سوا گیارہ بجے کا وقت تھا۔ خیال ضرور آیا کہ دھنا سنگھ گرنتھی ساری رات دربار صاحب میں گربانی کا پاٹھ کرنے کے بعد اب شاید سو رہا ہو، لیکن میں نے واپس سرائے میں جانا پسند نہ کیا۔

بازار مائی سیواں کے ایک دکاندار نے مجھے دھنا سنگھ کے مکان والی گلی کا رستہ بتایا اور تھوڑی دیر بعد میں دھنا سنگھ گرنتھی کے تین منزلہ مکان کے باہر کھڑا تھا۔ مکان پرانا اور قدرے بوسیدہ تھا۔ مکان کے دروازے پر گورمکھی میں لکھی ہوئی دھنا سنگھ گرنتھی کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ گھنٹی کا بٹن کہیں

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے دروازے پر لٹکتی کنڈی کھڑکھڑائی۔ اوپر سے ایک سکھ لڑکی نے جھانک کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

یہ ایک پنجابی سکھ لڑکی ہی پوچھ سکتی تھی۔ میں نے ہاتھ باندھ کر ست سری اکال بلایا اور کہا کہ گرنتھی صاحب گھر پر ہی ہیں؟ سکھ لڑکی کوئی جواب دیئے بغیر کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی۔ میں گومگو کی حالت میں بند دروازے کے باہر تنگ گلی میں کوئی تین چار منٹ تک کھڑا رہا' پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ ایک سولہ سترہ سال کا سکھ لڑکا نمودار ہوا۔ اس نے ٹی شرٹ اور پتلون پہن رکھی تھی۔ بولا۔ "کس سے ملنا ہے سردار جی؟"

میرے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر ست سری اکال بلایا اور کہا کہ میں گرنتھی جی سے ملنے ناگپور سے آیا ہوں۔

وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک درمیانی عمر کا موٹی توند والا بھاری بھرکم اونچا لمبا سکھ ہاتھ میں تسبیح تھامے واہے گورو' واہے گورو کرتا دروازے میں آیا۔ اس نے بالوں کا سر پر جوڑا بنا رکھا تھا جسم پر بنیان تھی۔ نیچے تہمد باندھ رکھا تھا۔ داڑھی میں کہیں کہیں سفید بال نظر آ رہے تھے۔ آنکھوں میں حلقے تھے جو اس کی بادہ شبانہ کی مستیوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور منہ میں گورو کی بانی تھی مگر اس کا چہرہ ایک عیاش سکھ کا چہرہ تھا۔ میں نے ست سری اکال کہتے ہوئے اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور کہا۔ "مہاراج جی! آپ کو بڑی زحمت دی۔ میں ناگپور سے آیا ہوں جی۔ میرا نام جوگندر سنگھ ہے۔ میرے پتا جی آپ کے پتا ملکھا سنگھ جی کے دوست تھے اور ہماچل پردیش کے گوردوارہ اکال صاحب میں ان سے ملا کرتے تھے۔ آپ دھنا سنگھ جی گرنتھی ہیں ناں؟"

وہ سکھ مسکرایا۔ بولا: "اندر آجاؤ سردار جی۔ باہر کیوں کھڑے ہو۔ ہیں۔ دھنا سنگھ گرنتھی جی ہوں۔ میرے پتا جی گوردوارہ اکال صاحب کے گرنتھی تھے۔ اندر آجاؤ۔"

اس نے مجھے بیٹھک میں بٹھا دیا۔ ایک پلنگ بچھا تھا۔ دو پرانی کرسیاں اور ایک معمولی سی میز رکھی تھی۔ دیوار پر گورو صاحبان کی تصویریں فریم میں لگی تھیں۔ پنکھا چل رہا تھا۔ اس نے میرے لئے بازار سے لسی منگوائی اور میرے فرضی باپ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے گھڑی گھڑائی کہانی اسے سنا دی اور بتایا کہ میری پیدائش ناگپور میں ہوئی تھی۔

"پتا جی' آپ کے پتا جی کی اکثر باتیں کیا کرتے تھے۔ مرتے وقت مجھے کہا کہ کبھی امرتسر جاؤ تو میرے دوست کے بیٹے دھنا سنگھ گرنتھی سے ضرور ملنا' پھر ان کا دیہانت ہو گیا جی' میں افریقہ چلا گیا اپنے چاچا کے ساتھ۔ ایک مہینہ ہوا افریقہ سے واپس ناگپور آیا تو سوچا دربار صاحب کے درشن کروں' ماتھا ٹیکوں اور آپ سے بھی مل لوں تاکہ میرے سورگیا پتا جی کی اچھیا کا پالن ہو"۔

دھنا سنگھ مجھے غور سے آنکھیں ذرا سی سکیڑ کر دیکھ رہا تھا۔ کسی وقت مجھے لگتا کہ یہ بہت سادہ دل آدمی ہے۔ اور اس نے میری ایک ایک بات پر یقین کر لیا ہے، کسی وقت محسوس ہوتا کہ یہ شخص انتہائی کائیاں ہے اور اس نے میری کسی بات پر یقین نہیں کیا۔ مگر میں نے اپنی اداکاری جاری رکھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ گورو جی کی سرائے میں ٹھہرا ہوں تو اس نے مجھے اپنے گھر میں اٹھ آنے کے لئے بالکل نہ کہا۔ بس ذرا ذرا مسکراتے ہوئے آنکھیں سکیڑے میری طرف تکتا رہا۔ پھر بولا۔ "بھوجن کھا کر جانا جوگندر سیاں جی"۔

دوپہر کا کھانا اس نے میرے ساتھ ہی کھایا۔ سبزیاں، دہی اور چٹنی اور پھلکے تھے۔ اس کی بیٹی یعنی وہی سکھ لڑکی جس نے کھڑکی میں سے نیچے جھانک کر مجھے دیکھا تھا بھوجن لگا رہی تھی۔ اس کا نام جیت کور تھا۔ نوجوان لڑکی تھی۔ چہرے پر وقار اور خودستائی تھی۔ میری طرف بلاوجہ توجہ نہیں دے رہی تھی حالانکہ میں ایک خوش شکل نوجوان سکھ کے بھیس میں تھا۔

اس گھر میں کوئی ایسی پراسرار شے نظر نہ آئی کہ جس سے میرا خیال اس امر کی طرف جاتا کہ یہ سکھ اورنگ آباد کے بدمعاش پجاری پربھاکر سے سونیا کو خرید کر لایا ہے۔ سیدھا سادہ شریف سکھ گھرانہ تھا۔ دھنا سنگھ کی بیوی بھی عام حلیئے کی کم گو ادھیڑ عمر سکھ عورت تھی جس نے گلے میں کرپان ڈال رکھی تھی۔ کرپان اس کی بیٹی جیت کور کے گلے میں بھی تھی۔ بھوجن کے بعد میں رات کو دربار صاحب میں آنے کا کہہ کر چلنے لگا تو دھنا سنگھ دانتوں کو تیلی سے کریدتے ہوئے بولا۔ "ابھی کتنی دیر ٹھہرو گے امرتسر میں سردار جی؟"

یہ شخص نہیں چاہتا تھا کہ میں زیادہ دیر اس کے اردگرد ٹھہروں۔ میں نے کہا۔ "مہاراج جی! گورو کی نگری کے سارے گوردواروں کی یاترا کرنے کے بعد واپس ناگپور چلا جاؤں گا"۔

اس نے ہاتھ باندھ کر ست سری اکال کیا۔ گویا مجھے جانے کی اجازت دے رہا تھا۔ میں نے بھی ست سری اکال بلایا اور سر جھکائے ایک انتہائی شریف النفس سکھ کی طرح گلی میں سے گزر کر بازار میں آ گیا۔

اب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ میں سونیا کا سراغ کیسے اور کیونکر لگاؤں؟ ایک بات صاف ظاہر تھی کہ اگر سونیا اس گرنتھی دھنا سنگھ کے پاس ہے تو پھر اس نے اسے اپنے گھر میں نہیں رکھا ہوا بلکہ کسی دوسری جگہ ڈال رکھا ہے۔ اسی سوچ میں گم میں گورو رام داس کی سرائے میں واپس آ کر ہال کمرے کے کونے میں اپنے بچھونے پر لیٹ گیا۔ یہاں باہر کی نسبت ٹھنڈک تھی۔ سارے پنکھے چل رہے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے تھے جس کی وجہ سے حبس ہو رہا تھا۔ رات بھر کے سفر کا تھکا ہوا تھا۔ مجھے نیند آ گئی اور شام تک سویا رہا۔ شام کو اٹھ کر اشنان کیا۔ بازار جا کر کھدر کے کرتے پاجامے کا ایک اور جوڑا خریدا اور سرائے کے لنگر میں دال روٹی کھائی۔ جب رات کے آٹھ بج گئے تو

میں سرائے سے نکل کر بازار مائی سیواں میں سے ہوتا ہوا دربار صاحب میں آ گیا۔ میں دربار صاحب کے اندر جانے کی بجائے چبوترے کی ایک جانب بیری کے پرانے درخت کی اوٹ میں ایک جگہ اینٹوں کے تھڑے پر بیٹھ گیا۔ بازار دور تک میرے سامنے تھا۔ دکانیں کھلی تھیں۔ بازار میں روشنی ہو رہی تھی۔ دھنا سنگھ گرنتھی رات کے نو بجے آتا تھا۔ مجھے اس نے بھی یہی بتایا تھا۔ میرے تجسس نے مجھے وہاں درخت کی اوٹ میں بٹھا رکھا تھا۔ میں دھنا سنگھ گرنتھی کو بازار سے آتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے ایک سوٹ بوٹ والے سکھ سے وقت پوچھا۔ نو بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔ کوئی دس منٹ بعد میں نے دور سے دھنا سنگھ کو آتے دیکھا۔ اس نے سفید پگڑی اور سفید لباس پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں تسبیح تھی اور بڑے دین دار اور پرہیز گار سکھ مہنت کی طرح نپے تلے سیدھے قدم اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرا سکھ بھی چلا آ رہا تھا۔ دربار صاحب کے زینے کے پاس آ کر دھنا سنگھ رک گیا۔ اس نے اپنے پیچھے آنے والے سکھ کی طرف متوجہ ہو کر کچھ کہا۔ یہ سکھ جوان اور چوڑا چکلا تھا۔ اس نے دھنا سنگھ کی بات سن کر آہستہ سے سر ہلایا اور اپنی جگہ پر ادب سے کھڑا رہا۔ دھنا سنگھ گرنتھی نے کرتے کی جیب میں سے اپنا بٹوہ نکال کر کھولا۔ اس میں سے کچھ نوٹ نکال کر سکھ جوان کو دیئے اور واہے گورو کا خالصہ' واہے گورو جی کی فتح بلاتا دربار صاحب کے چبوترے پر آ گیا۔ میں اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا اور اس جوان سکھ کو دیکھ رہا تھا جو دھنا سنگھ سے روپے لے کر بازار میں چلا جا رہا تھا۔ میں اس سکھ کا پیچھا کرنا چاہتا تھا۔

دھنا سنگھ گرنتھی سے میں پھر بھی مل سکتا تھا۔ وہ تو ساری رات دربار صاحب میں ہی رہے گا۔ میں دربار صاحب کے چبوترے سے اتر کر بازار میں آ گیا اور دھنا سنگھ کے ساتھی سکھ کے پیچھے پیچھے کچھ مناسب فاصلہ رکھ کر چلنے لگا۔ بازار روشن تھا۔ میری نگاہ سکھ پر تھی۔ مائی سیواں کا بازار سے گزر کر وہ درشنی ڈیوڑھی کی طرف مڑ گیا۔ میں برابر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ درشنی ڈیوڑھی سے وہ کرموں کی ڈیوڑھی میں سے ہوتا ہوا گھی منڈی کی طرف آ گیا۔ یہاں آگے چاٹی ونڈ کا دروازہ تھا۔ یہ امرتسر شہر کا ایک دروازہ تھا۔ اس کے باہر شہر کا کھلا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سامنے ایک پکی سڑک رج پھولا سنگھ کے گوردوارے کے آگے سے گزرتی جی ٹی روڈ کی طرف چلی گئی تھی۔ دائیں جانب ایک کچی سڑک امرود اور لوکاٹ کے باغوں کی طرف اترتی تھی جہاں پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا قبرستان ہوا کرتا تھا۔ یہاں اب سکھوں نے قبروں کو مسمار کر کے ایک بستی بسا لی تھی۔ دھنا سنگھ کا ساتھی سکھ برج پھولا سنگھ والی پکی سڑک پر چلنے لگا۔ سڑک پر جہاں بجلی کا کھمبا آ جاتا تو تھوڑی سی روشنی ہو جاتی۔ باقی سڑک رات کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا۔ لیکن انتہائی احتیاط کے ساتھ چل رہا تھا۔ یہ سکھ کہاں جا رہا ہے؟ سونیا کا خیال ایک بار پھر میرے ذہن میں بار بار ابھرنے لگا تھا۔ پکی سڑک جی ٹی روڈ کو کاٹتی آگے ایک باؤلی کی طرف نکل گئی تھی۔ یہاں بجلی

کے کھیت نہیں تھے اور گھپ اندھیرا تھا۔ یہ پگڈنڈی اونچی تھی اور اس کی دونوں جانب نالیوں کے کچھ درخت اگے ہوئے تھے۔ سکھ اس پانی والی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ یہ سارے راستے میرے دیکھے بھالے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ آگے ایک چھوٹی سی نہر آئے گی جو کھیتی باڑی کی طرف نکل جاتی ہے۔ اس نہر کے کنارے ایک جانب ہندوؤں کا مندر ہے اور پیچھے ایک چھوٹی سی دیہاتی آبادی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے جب وہاں مسلمان آباد تھے تو اس کا نام عقیل پورہ تھا۔ اب اس کا نام رام داس پورہ تھا۔ کیا یہ سکھ رام داس پورے جا رہا تھا؟ ہو سکتا ہے اس کا گھر اسی آبادی میں ہو۔ یہ تو اپنے گھر چلا جائے گا۔ کہیں میں نے اس کے پیچھے آ کر اپنا وقت ضائع تو نہیں کیا؟

یہی سوچتے ہوئے میں اندھیرے میں سکھ کا تعاقب کیے جا رہا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ کمانڈو حصہ پنجم

دِلّی ایکشن

میں پڑھیے

دِلّی ایکشن



کمانڈو

نہر کے پاس آکر سکھ رام داس پورے کی بجائے ہندو مندر سے چند قدم پیچھے نیچے کھیت میں اتر گیا۔ میں نہر کے کنارے ایک درخت میں سے اسے اندھیرے میں جاتے دیکھتا رہا۔ کھیت جہاں ختم ہوتا تھا وہاں ایک مکان کی دیوار مجھے دھندلی نظر آرہی تھی۔ یہ مکان کی عقبی دیوار تھی۔ اس کے دروازے کی جانب دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ اب میں بھی نشیب میں اتر کر کھیت میں سے گزرتا سکھ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ مکان کی دیوار گھوم گیا۔ میں نے دوسری طرف سے آکر دیکھا۔ سکھ غائب تھا۔ اتنی دیر میں وہ اگر دوسرے کھیت کی طرف بھی گیا ہوتا تو مجھے نظر آسکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اسی مکان میں داخل ہوا ہے۔ یہ مکان الگ تھلگ تھا اور کھیت میں اکیلا ہی کھڑا تھا۔ اس کی دونوں جانب کھیت تھے اور پہلو کی طرف ٹاہلی کے درخت خاموش کھڑے تھے۔ میں مکان کی عقبی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ مجھے واپس ہی چلے جانا چاہئے۔ یہ تو اس سکھ کا اپنا گھر ہوگا اور یہاں سے باہر وہ نہیں نکلے گا۔ میں دیوار سے الگ ہو کر چلنے لگا تو مجھے کسی مرد کے گالی دینے کی آواز آئی۔ میرے قدم وہیں رک گئے۔ گالی پنجابی میں کسی عورت کو دی گئی تھیں۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا دیوار کی دوسری طرف آگیا۔ یہاں دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ میں نے آہستہ سے کھڑکی کے پاس جا کر کان لگا دیئے۔ اندر سے مرد کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ پنجابی میں کہہ رہا تھا۔

"ساڈی خوش نہیں کرو گی تو دھنا سنگھ تجھے جالندھر کے دلال کے پاس بیچ دے گا"۔

میرے کان کھڑے ہو گئے جس معمے کو میں حل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر سے آہستہ آہستہ پردہ سرک رہا تھا۔ یہ عورت کون تھی؟ کیا یہ سونیا تھی؟ میں اس عورت کی آواز سننے کو بے تاب تھا۔ مجھے سسکیوں کی آواز آئی۔ کوئی عورت سسکیاں بھر رہی تھی۔ مرد کی آواز پھر بلند ہوئی۔ وہ گالیاں دے کر کہنے لگا۔ "رونے سے کیا ہوگا سیلیئے۔ تو اب ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی"۔

اب عورت کی کمزور سہمی ہوئی آنسوؤں بھری آواز آئی۔ میں سر سے پاؤں تک جیسے کانپ اٹھا۔ یہ سونیا کی آواز تھی۔ اگرچہ بے حد غم زدہ اور کمزور آواز تھی مگر میں اس کی آواز کو ہر عالم میں، ہر موڑ پر پہچان سکتا تھا۔ وہ اردو میں کہہ رہی تھی کہ مجھے جانے دو۔ میری زندگی برباد نہ کرو۔ میں بڑی دکھی

عورت ہوں۔ اس کے بعد مجھے کچھ [illegible] میں
دیوانہ وار مکان کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ [illegible] جل
رہا تھا۔ میں نے اچھل کر دیوار کی منڈیر کو پکڑ لیا اور [illegible] صحن میں
بڑی احتیاط سے اتر گیا۔ صحن چھوٹا سا تھا۔ دو چارپائیاں [illegible] چھوٹا سا
برآمدہ دکھائی دیا۔ میں دبے پاؤں دیوار کے ساتھ ساتھ [illegible] تھیں۔
دونوں کے دروازے بند تھے۔ ایک کوٹھڑی میں [illegible]
میں سے باہر آ رہی تھی۔ سونیا کی آواز اس [illegible] رہی
تھی کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ اس [illegible] کر
میرے بازوؤں میں آ گئی۔ میں نے کاندھ [illegible] دروازہ
دھڑاک سے کھل گیا۔ سامنے چارپائی پر بجلی کی دھیمی روشنی [illegible] کر
رہا تھا' گلاس ہاتھ میں لئے بیٹھا ایک زرد چہرے اور بکھرے [illegible] تھا۔
دروازے کے اچانک کھل جانے پر وہ بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس [illegible] مجھے
دیکھا تو گالی دے کر بولا۔ "کون ہو اوئے تم؟"

میرے پاس جواب دینے کی فرصت کہاں تھی۔ اس اثناء میں میں اس [illegible] تھا۔
میں شدید غضب اور جوش کے عالم میں تھا۔ میں نے پوری طاقت سے بائیں ہاتھ [illegible]
فولاد کی طرح سخت ہو چکا تھا اس سکھ کی ٹھوڑی کے نیچے اس کے حلق پر مارا۔ [illegible] تھی
کہ وہ پیچھے کو چارپائی سے نیچے گر پڑا۔ گلاس اچھل کر سامنے فرش پر گرا اور [illegible] طاقت
ور سکھ تھا۔ اتنی شدید ضرب کھا کر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اسے سنبھلنے [illegible]
میں ہاتھ ڈال کر چاقو یا اسلحہ نکالنے کی کوشش میں تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ [illegible] ہاتھ
پر مار دی۔ اس سے وہ تیورا گیا۔ ایک چکر کھا کر دوبارہ نیچے گر پڑا۔ اب میں اسے [illegible]
سکتا تھا۔ چند سیکنڈ میں وہ میرے تابڑ توڑ گھونسوں کی بارش سے بے ہوش ہو گیا۔ [illegible] چارپائی
سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ سہمی کھڑی رہی پھر وہ باہر کی طرف دوڑ پڑی۔ میں نے اسے آواز دی۔ "[illegible]
رک جاؤ۔ میں عامر ہوں"۔

پہلے تو وہ مجھے بھی دھنا سنگھ کے ساتھیوں میں سے کوئی سکھ ہی سمجھ رہی تھی [illegible] پہلے
والے سکھ کے قبضے سے چھڑا کر اپنے قبضے میں لینے کے لئے آیا تھا' لیکن جونہی اس نے اپنا نام اور پھر
میرا نام سنا تو برآمدے میں اس کے قدم وہیں جم سے گئے۔ میں لپک کر برآمدے میں گیا اور اسے کھینچ کر
اندر لے آیا۔ اس بات کا مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس مکان میں اور کوئی نہیں ہے۔ میں نے دروازہ بند
کر دیا۔ کمزور بلب کی روشنی میں سونیا مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تک رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا

تھا کہ میں اس کا دیرینہ ساتھی عامر ہوں۔ یقین آتا بھی کیسے میرا حلیہ پورا سکھ کا تھا۔ وہ مجھے سکھ سمجھنے میں حق بجانب تھی۔ میں نے اسے چارپائی پر بٹھایا اور آہستہ سے کہا۔ "میں عامر ہوں سونیا میں نے سکھ کا حلیہ بدل رکھا ہے۔ مجھے پہچانو"۔

اب سونیا نے مجھے پہچان لیا تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔ میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے چارپائی کی دوسری جانب فرش پر بے ہوش پڑے سکھ کو دیکھا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "سب باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے آگیا ہوں۔ اب تم سب کچھ بھول جاؤ اور حوصلے سے کام لو۔ ہمیں ابھی یہاں سے فرار ہونا ہے"۔

سونیا پہلے سے زرد اور کمزور ہو گئی تھی۔ [illegible] بھی پھیکا پڑ گیا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے صاف نظر آ رہے تھے۔ سب سے پہلا کام میں نے [illegible] ہوش سکھ کی پگڑی کھول کر اس کو آدھا پھاڑا۔ آدھی پگڑی سے سکھ کا منہ کس کر باندھ ڈالا اور پگڑی کے دوسرے آدھے ٹکڑے سے اس کے ہاتھ پیچھے باندھ کر چارپائی کے پائے سے جکڑ دیا۔ میں نے سونیا کے لباس کو دیکھا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ گلے میں دوپٹہ تھا۔ میں نے اسے کہا۔ "اس دوپٹے سے اپنا سر ڈھانپ لو اور میرے ساتھ باہر نکلو"۔

سونیا نے کپکپائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "ہم کہاں جائیں گے عامر؟"

میں نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف تقریباً کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں ہے سونیا میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔ یہاں کسی وقت بھی کوئی آ سکتا ہے"۔

"اندھیری رات میں ہم مکان سے نکل کر باہر کھیت میں آ گئے۔ سونیا نے دوپٹہ اپنے سر کے اوپر لپیٹ رکھا تھا۔ اب وہ بھی سکھنی یعنی سکھ عورت لگتی تھی۔ رات کے دس ساڑھے دس کا عمل ہو گا۔ آسمان پر جو بادل دن بھر سے چھائے ہوئے تھے۔ اب ان میں ہلکی سی گرج سنائی دی۔ نہر پر آ کر میں نے باؤلی کی طرف جانے کی بجائے کمپنی باغ والا راستہ اختیار کر لیا۔ کیونکہ باؤلی والا راستہ نہ صرف تاریک بلکہ سنسان تھا۔ کمپنی باغ والا راستہ آگے جا کر سنسان نہیں رہتا تھا کیونکہ اس کے آگے نہر کی دونوں جانب کوٹھیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ گرمیوں کی راتوں میں دس ساڑھے دس بجے تک لوگ کمپنی باغ کے آس پاس سیر سپاٹے میں مشغول رہتے تھے۔

میں نے نہر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے سونیا کو اپنے بارے میں مختصر لفظوں میں بہت کچھ بتایا۔ اس سے جدا ہو کر میں کہاں کہاں دربدری کرتا پھرا اور اس کی تلاش میں کن کن ہوش ربا حالات سے گزرا۔ سونیا نے بھی اپنی درد بھری کہانی سنائی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ جاتے تھے۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اب اسے فکر نہیں کرنی چاہئے۔ انشاء اللہ ہم بارڈر کراس کر کے پاکستان اپنے وطن پہنچ جائیں گے اور اسے بھی مصر اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ میں نے ابھی

تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ مصر میں اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور والدہ اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی ماں اب زندہ بھی ہے کہ نہیں، لیکن ابھی تو ہمیں اپنی پڑی ہوئی تھی۔ سونیا نے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیا ہم سیدھے بارڈر کی طرف جائیں گے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہاں ہمارا ایک اپنا آدمی موجود ہے۔

باتیں کرتے کرتے ہم نہر کے اس علاقے سے گزر رہے تھے جہاں دونوں جانب کوٹھیاں تھیں۔ ان کے لان میں کہیں کہیں لوگ مچھر دانیاں لگا کر سو رہے تھے۔ کہیں لان میں پنکھے لگا کر بیٹھے خوش گپیوں میں محو تھے۔ آگے ایک سڑک آگئی [illegible] یہاں سڑک کے نیچے سے ہو کر دوسری جانب کمپنی باغ کے پھولوں بھرے تختوں کی طرف [illegible] میں نے سونیا کو ساتھ لیا اور بائیں جانب ڈنڈا پولیس لائن کے سامنے سے ہو کر عید گاہ [illegible] نے ریلوے پھاٹک پر آگیا۔ پھاٹک کھلا تھا۔ پھاٹک پار کر لیا۔ سامنے آرام باغ کے علاقے کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہمارا آدمی اس بستی کے ایک بازار میں تھا۔ آپ نے شروع میں اس کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہو گا۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا مگر ہم اسے چوئی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ چوئی نے رام باغ کے ایک بازار میں ہوٹل کھول رکھا تھا اور یہاں اس کا ہندوانہ نام تھا جو میں یہاں نہیں لکھنا چاہتا۔ بلکہ احتیاط کے طور پر اس دفعہ میں نے علاقے کا نام بھی بدل دیا ہے۔ مجھے اور سونیا کو جاتے دیکھ کر کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں سکھ اور سکھنی نہیں ہیں۔

جب میں چوئی کے ہوٹل میں داخل ہوا تو وہ بھی مجھے نہ پہچان سکا۔ وہ کاؤنٹر کے پاس ہی کرسی پر بیٹھا کوکا کولا پی رہا تھا۔ کاؤنٹر پر اس کا منشی حساب کتاب کرنے میں مصروف تھا۔ ہوٹل کے بڑے کمرے میں دو سرے نوکر فرش دھو رہے تھے۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ چوئی نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔ " سردار جی! بھوجن بھاجی ختم ہو چکا ہے۔ کمرے بھی سارے بک ہیں "۔

میں اور سونیا کونے میں جا کر کرسیوں کو سیدھا کر کے بیٹھ گئے۔ اب چوئی نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا اور اٹھ کر خود ہمارے پاس آیا اور بولا۔ " سردار جی! مجھے شما کریں۔ اس وقت ہمارے پاس کمرہ بھی نہیں اور بھوجن بھی خلاص ہے "۔

میں نے مسکراتے ہوئے اسے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ چوئی چونکہ کام ہی اس قسم کا کرتا تھا اس لئے اس کا ماتھا ٹھنکا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے پیچھے دیکھ کر منشی سے کہا۔ " ہیرا لعل! کام ختم ہو گیا ہے تو تم چلے جاؤ۔ رات کافی ہو گئی ہے "۔

چوئی ہمارے پاس آگیا مگر اس نے اپنے کسی انداز سے بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ہمیں اپنا آدمی سمجھتا ہے۔ بولا۔ چائے اس وقت مل سکتی ہے "۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے قریب منہ لے جا کر اس کا اصلی مسلمانوں والا نام لے کر

کہا۔ "تم نے مجھے پہچانا نہیں "۔

وہ ایک سیکنڈ کے لئے ساکت سا ہو کر مجھے تکنے لگا۔ جہاں دیدہ آدمی تھا اور پھر میں نے اس کے پاس کافی وقت گزارا تھا فوراً پہچان گیا اور میرا ہاتھ دبا کر آہستہ سے کہا۔ "عامر!"

میں نے کہا۔ اب یہ نام پھر مت لینا "۔

چوئی اٹھا اور ایک نوکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اوئے طوطا رام چائے کے دو کپ بنا کر لاؤ "۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ " سردار جی! شما کرو ہمیں کہ ہم اس وقت آپ کو چائے کے ساتھ ابل روٹی کے دو چار سلائس ہی پیش کر سکتے ہیں "۔

میں نے کہا۔ " مہاراج کوئی بات نہیں ۔ گزارہ ہو جائے گا۔ ہماری گاڑی لیٹ ہو گئی تھی۔ سوچا دربار صاحب جا کر کچھ بھوجن پانی کر لیں گے مگر راستے میں آپ کا ڈھابہ دیکھا تو رک گئے کہ شاید کھانے کو کچھ مل جائے "۔

چوئی نے اب ہم سے کوئی بات نہ کی۔ وہ واپس جا کر کاؤنٹر پر بیٹھ گیا۔ اس کا منشی رجسٹر بند کر کے اسے رام رام کہتا ہوا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے سامنے چائے اور سلائس آ گئے۔ میں اور سونیا چائے پینے اور سلائس کھانے لگے۔ سونیا نے آہستہ سے کہا۔ "کیا یہ ہمارا ایجنٹ ہے ؟"

میں نے سرگوشی میں کہا۔ " یہ ہمارا باقاعدہ ایجنٹ نہیں ہے۔ اصل میں یہ اسمگلروں کا یہاں سردار ہے لیکن اس کی ہمدردیاں ہمارے ملک کے ساتھ ہیں اور میرا پرانا دوست ہے۔ یہ ہمیں بارڈر کراس کروا دے گا اور ہم اپنے وطن پاکستان پہنچ جائیں گے "۔

سونیا دونوں سلائس کھا گئی۔ شاید ایک عرصے کے بعد اسے اطمینان سے کچھ کھانے کا موقع ملا تھا۔ جب ہوٹل کا آخری نوکر بھی چلا گیا تو چوئی اپنی قمیص کو ہوا دیتا ہوا ایک بھارتی فلمی گانا گنگناتا ہمارے قریب آیا اور بولا۔ "عامر! تمہیں اوپر والی منزل میں وہ کمرہ تو نہیں بھولا ہو گا جہاں تم اکثر آ کر ٹھہرا کرتے تھے "۔

میں نے کوئی جواب دینے کی بجائے سونیا کو اشارہ کیا۔ ہم اٹھے اور سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر آ گئے۔ یہاں ساتھ ساتھ تین کمرے تھے۔ مجھے ماضی کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب میں اپنے مشن کے لئے پہلی بار چوئی کے آدمیوں کی وساطت سے بارڈر کراس کرانے کے بعد یہاں آیا تھا۔ میں کونے والے کمرے میں آ کر ٹھہرا تھا۔ اس کے بعد اپنے مشن کے سلسلے میں جب بھی میرا امرتسر آنا ہوتا تو میں اسی کمرے میں رات بسر کیا کرتا تھا۔ ہم کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں وہی پلنگ ' سنگار میز ' دو کرسیاں اور چھوٹی گول میز پڑی تھی۔ میں نے چھت کا پنکھا چلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد چوئی بھی آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔ "یہ عورت کون ہے ؟"

میں نے اسے مختصر الفاظ میں بتایا کہ یہ ہمارے وطن کی ایک امانت ہے جو دشمن کے ملک میں

قید تھی۔ اب میں اسے یہاں سے نکال کر پاکستان پہنچانا چاہتا ہوں، لیکن تمہاری مدد کے بغیر میں اسے اپنے ساتھ بارڈر کراس نہیں کروا سکتا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ سگریٹ فرش پر پھینک کر پاؤں تلے مسلا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ " آج کل بارڈر کی حالت بڑی خطرناک ہے۔ سکیورٹی فورس کے ساتھ انڈین فوج بھی گشت لگاتی ہے۔ خود ہم نے اپنے آدمیوں کو آنے سے منع کر رکھا ہے "۔

" تم میرے دوست ہو اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنے وطن سے بے پناہ پیار بھی کرتے ہو۔ تم نے پاکستان کے لئے یہاں رہ کر بہت کام کیا ہے اور کئی بار اپنی جان تک خطرے میں ڈالی ہے۔ یہ بھی وطن عزیز کی جانب سے ہم پر عائد ایک فرض ہے جسے ہمیں ادا کرنا ہے۔ اگر مجھے نہیں تو میں چاہتا ہوں کہ تم کوئی ایسا انتظام کرو کہ کم از کم سونیا کو بھارت سے نکال کر پاکستان پہنچا دو "۔

چوئی اٹھتے ہوئے بولا۔ " ابھی تم لوگ آرام کرو۔ کل بات کریں گے۔ اگر چاہو تو ساتھ والے کمرے میں چلے جاؤ وہاں دو پلنگ ہیں "۔

میں سونیا کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کمرے میں سونا بھی مناسب نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ " سونیا اس کمرے میں ہی سوئے گی۔ میں کمرے کے باہر چارپائی بچھا کر لیٹ جاؤں گا "۔

چوئی بولا۔ " جیسے تمہاری مرضی۔ مگر منہ اندھیرے تمہیں کمرے کے اندر چلے جانا ہوگا کیونکہ صبح صبح میرے ہندو نوکر آ جاتے ہیں۔ تم لوگوں کو یہاں بے حد احتیاط کرنی ہوگی۔ سونیا کو بھی سمجھا دینا کہ یہ کسی سے غیر ضروری بات نہ کرے "۔

وہ چلا گیا۔ میں نے سونیا کی اچھی طرح سے بریفنگ کر دی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر دیوار کے ساتھ ایک چارپائی لگی تھی۔ اسے کمرے کے آگے ڈالا اور خالی چارپائی پر لیٹ گیا۔ اوپر آسمان نظر آ رہا تھا۔ بادل اب گرج نہیں رہے تھے۔ بارش بھی نہیں ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کبھی کبھی آ جاتا تھا۔ سونیا نے اندر سے کنڈی چڑھالی تھی۔ دو دن تک ہم اس ہوٹل میں تقریباً روپوشی کی حالت میں رہے۔ شام کے وقت میں تھوڑی دیر کے لئے ہال دروازے کی جانب نکل جاتا تھا۔ تیسرے دن ہمارے دوست چوئی نے بتایا کہ اس نے ایک خاص آدمی کو یہ پیغام دے کر بارڈر پار بھیجا ہے کہ ہم دونوں کو سرحد پار لے جانے کا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ سرحد سکیورٹی فورس اور انڈین آرمی کے دستوں کی گشت دن رات جاری رہتی ہے اور ایسی صورت حال میں کسی اناڑی لڑکی کا بارڈر کراس کرانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کا یہ طریق کار کچھ نامناسب لگا۔ کیونکہ میں اس معاملے میں ہائی کمانڈ کو ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن جب ایک روز مجھے چوئی نے آ کر بتایا کہ سرحد پار سے ایک آدمی مجھ سے ملاقات کے لئے خصوصی طور پر بھیجا گیا ہے تو میں دل میں کچھ حیران سا ہوا۔ کیونکہ یہ مسئلہ اتنا سنگین اور اس قدر اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ بہرحال مجھے اس امر سے خوشی ہوئی کہ سونیا اب واپس اپنی ماں کے پاس پہنچا دی جائے گی۔ کم از کم اس کی مصیبتیں تو ختم ہوں گی۔

جو آدمی سرحد پر سے آیا تھا اس نے امرتسر میں داخل ہوتے ہی مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چوئی اسے لے کر میرے کمرے میں آ گیا۔ سونیا دوسرے کمرے میں سو رہی تھی۔ سرحد پار سے آنے والا آدمی ہندو جوگی کے بھیس میں تھا اور میرے کمرے میں تلسی داس کی لکھی ہوئی رامائن کے اشعار گنگناتا ہوا داخل ہوا۔ ہم دونوں ہی یہ تصدیق کرنا چاہتے تھے کہ آیا ہم وہی ہیں جو ہم ایک دوسرے کو سمجھ رہے ہیں۔ اس نے ایک خاص کوڈ لفظ بولا۔ میں نے بھی اس کا جواب جب کوڈ لفظ ہی میں دیا تو اس نے دروازہ بند کر دیا۔ چوئی کو اس نے پہلے ہی نیچے بھیج دیا تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی وہ میرے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "ہم کئی روز سے تمہاری تلاش میں تھے۔ ہم نے بھارت کے کئی شہروں میں اپنے خفیہ آدمیوں سے تمہارے بارے میں پوچھا مگر کسی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

میں نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں ایک طویل اور دشوار جدوجہد کے بعد سونیا کو دشمن کی قید سے نکال لانے میں کامیاب ہوا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ پہلی فرصت میں اس کے ساتھ سرحد پار کر کے اپنے پیارے وطن پہنچ جاؤں"۔

اپنے خفیہ ایجنٹ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "سونیا کی تم فکر نہ کرو۔ ہم اسے پاکستان پہنچا دیں گے، لیکن تمہیں یہاں سے یورپ کے ایک ملک میں جانا ہو گا"۔

میں اپنے ایجنٹ کا سادھوؤں والا چہرہ تکنے لگا کہ یہ اس نے کیا کہہ دیا؟ میں یورپ جا کر کیا کروں گا؟ جب میں نے اس سے یہی سوال کیا تو اس نے میرے کاندھے کو آہستہ سے دبایا اور بولا۔

"یہ سب کچھ تمہیں بہت جلد بتا دیا جائے گا۔ اب تم جلدی سے سونیا کو تیار کرو۔ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ ہم رات سوا نو بجے والی گاڑی میں چندی گڑھ روانہ ہو جائیں گے"۔

"چندی گڑھ؟" میں نے استفسار کیا تو اپنے ایجنٹ نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ میں چپ ہو گیا۔ اس نے میرے قریب ہو کر کہا۔ "اس ہوٹل والے دوست کو بھی مت بتانا کہ تم چندی گڑھ جا رہے ہو۔ میں تمہیں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر ملوں گا"۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد چوئی میرے کمرے میں آ گیا اور پوچھنے لگا کہ کیا پروگرام بنا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ اپنا ایجنٹ ہمیں رات کو پتلی گھر کے قریب کسی جگہ چھپا کر رکھنا چاہتا ہے جہاں سے وہ رات کے پچھلے پہر ہمیں لے کر سرحد کی طرف روانہ ہو گا۔ چوئی کو میں نے چندی گڑھ کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔

چوئی بولا۔ "یہ لوگ تمہیں بارڈر کراس کرا دیں گے عامر۔ کیونکہ ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ ہماری پہنچ تو بڑی محدود ہوتی ہے۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ پتلی گھر کہاں جانا ہو گا؟" میں نے کہا کہ ہاں ایک خاص جگہ پہنچنے کے لئے مجھے کہا گیا ہے۔

چوئی نے فوراً کہا۔ "تو پھر جلدی سے یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ یہاں میرے نوکروں کی نظروں میں آ گئے ہو۔ کہیں کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے مجھے یہی ڈر ہے۔"

میں نے سونیا کو جا کر ساری بات سمجھائی۔ وہ اسی وقت تیار ہو گئی۔ میں نے اسے ساتھ لیا او ہوٹل سے نکل کر ہال بازار میں سے گزرتے دروازے پر آ کر ایک سائیکل رکشا کروایا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ اگرچہ گاڑی چھوٹنے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے لیکن میں یہ وقت ریلوے اسٹیشن پر گزارنا چاہتا تھا۔

میں نے چندی گڑھ کے دو ٹکٹ خریدے اور سونیا کے ساتھ پلیٹ فارم کے ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں سر سے پاؤں تک سکھ بنا ہوا تھا اور سونیا بھی سکھنی سی لگتی تھی۔ میں نے احتیاط کے طور پر اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اپنے دوپٹے کا ذرا سا گھونگھٹ یوں نکال کر رکھے کہ آسانی سے کوئی اس کی شکل نہ دیکھ سکے۔ میری نگاہیں پلیٹ فارم کی روشنیوں اور مسافروں کے ہجوم میں اپنے ایجنٹ سادھو کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ ابھی تک مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے جیب سے گرنتھ صاحب کا گٹکا نکال نکالا اور اس کا باآواز بلند ورد شروع کر دیا۔ میں انٹیلی جینس والوں کی نظروں کو دھوکا دینا چاہتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے بڑی مشکل سے پون ایک گھنٹہ گزرا۔ ہمارے بینچ پر سونیا کی دوسری جانب ایک ہندو عورت اپنے بچے کو گود میں لئے بیٹھی اسے ساڑھی کا پلو آگے کئے دودھ پلا رہی تھی۔ اس نے سونیا سے باتیں شروع کر دیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ سونیا نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے جلدی سے ہندو عورت سے کہا۔ " بہن جی! میری پتنی گونگی ہے"۔

ہندو عورت کسی قدر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "رام رام۔ اتنی سندر پتنی اور گونگی۔ پھر بھوکی لیلا ہے"۔

میں دوبارہ گرنتھ کی بانی پڑھنے لگا۔ سونیا کو میں نے اشارہ دے دیا تھا کہ اب وہ زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالے... یہ پیش بندی میں نے اس لئے کی تھی کہ سونیا کے منہ سے بے احتیاطی سے نکلا ہوا کوئی لفظ ہمیں کسی مشکل میں پھنسا سکتا تھا۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کی نقل و حرکت میں تیزی آ گئی۔ سکھ اور ہندو قلی ریلوے لائن کے قریب پلیٹ فارم کے کنارے پر قطار بنا کر بیٹھتے چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ چندی گڑھ جانے والی گاڑی شیڈ سے آ رہی ہے۔ کچھ دیر بعد گاڑی کے ڈبے آ کر پلیٹ فارم پر لگ گئے، مسافروں میں ہلچل مچ گئی۔ ہر کوئی سامان اٹھائے ڈبے کی طرف بڑھا۔ عجیب افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا جو ہمارے لئے بڑا سازگار تھا۔ ہندو عورت بھی اپنے بچے کو لے کر قلی کے سر پر سامان رکھوا کر گاڑی کی طرف چلی گئی ہماری بینچ خالی ہو گئی۔ میں نے سونیا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "اب تم گونگی ہی بنی رہنا ہمارا آدمی بس آتا ہی ہو گا"۔

سونیا نے سرگوشی میں کہا۔ "اگر وہ نہ آیا تو کیا کریں گے؟"

میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔

ابھی یہ جملہ میری زبان پر ہی تھا کہ مجھے پلیٹ فارم پر اپنا ایجنٹ سادھو آتا دکھائی دیا۔ وہ بڑی شان بے نیازی سے چلتا ہوا ہمارے قریب ہی بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ ریل گاڑی کی طرف تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "سامنے والے ڈبے سے پیچھے کی جانب تیسرے ڈبے میں سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں چندی گڑھ کے اسٹیشن پر ملوں گا۔ جالندھر سے گاڑی بدلنی ہو گی"۔

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے سونیا کو لیا اور ایجنٹ کے کہنے کے مطابق ایک ڈبے میں مسافروں کے ساتھ ہی داخل ہو گیا۔ ڈبے میں کافی رش تھا۔ ہم دونوں مسافروں کے ساتھ ہی داخل ہو گئے۔ ڈبے میں کافی رش تھا۔ ہم دونوں لوگوں کے سامان کے پاس فرش پر ہی بیٹھ گئے۔ سونیا میری ہدایت کے مطابق بالکل خاموش تھی۔ ٹھیک وقت پر انجن نے وسل دیا اور گاڑی پلیٹ فارم پر آگے کی طرف کھسکنے لگی۔ امرتسر سے جالندھر تک کا فاصلہ چالیس میل ہے۔ ٹرین چونکہ تقریباً ہر چھوٹے اسٹیشن پر ٹھہرتی تھی اس لئے یہ سفر دو گھنٹے میں طے ہوا۔ تقریباً آدھی رات کے وقت ٹرین جالندھر پہنچی۔ یہاں سے ہمیں چندی گڑھ کے لئے گاڑی بدلنی تھی۔ ہماری گاڑی آگے روانہ ہو گئی۔ اب جالندھر کے پلیٹ فارم خالی رہ گئے۔ میں نے ایک قلی سے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ چندی گڑھ کو ٹرین صبح چار بجے جائے گی۔ اب ایک بار پھر میری نگاہیں اپنے ایجنٹ کو تلاش کرنے لگیں۔ کھانا ہم نے امرتسر والے ہوٹل میں ہی کھا لیا تھا۔ موسم یہاں بھی خوشگوار تھا۔ آسمان اسی طرح ابر آلود تھا مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔ ہم پلیٹ فارم پر ذرا آگے جا کر ایک بینچ پر بیٹھے تھے۔ سونیا نے اب مجھ سے تفصیل معلوم کرنی چاہی کہ چندی گڑھ ہم کیوں آئے ہیں اور یہاں سے کون سا بارڈر کراس کریں گے؟ میں نے اسے بتایا کہ ہمیں کسی دوسرے طریقے سے بارڈر پار پہنچایا جائے گا۔ میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ میں ہائی کمانڈ کی ہدایت کے مطابق اس کے ساتھ وطن واپس نہیں جا رہا۔ سونیا خاموش ہو گئی۔

ایک ریڑھی والا چائے بیچتا ہمارے قریب سے گزرا تو ہم نے اس سے دو کپ چائے لئے اور پینے لگے۔ ریڑھی والا ہم سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اتنے میں مجھے پلیٹ فارم کے دروازے کی جانب سے اپنے ایجنٹ کی شکل دکھائی دی۔ وہ سادھو ہی کے بھیس میں چلا آ رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ وہ ہمارے بینچ سے تھوڑی دور پلیٹ فارم کے فرش پر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میں نے جلدی جلدی چائے پی کر کپ ریڑھی والے کو دیا۔ سونیا کا کپ بھی اس کے حوالے کیا۔ ریڑھی والا آگے نکل گیا۔ ایجنٹ نے ہماری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بابا لوگ رات کو چائے پینا اچھا نہیں ہوتا"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہم ریڑھی والے کو قریب کھڑا کر کے چائے پیتے۔ دشمن ملک میں بھیس بدل کر سراغ رسانی کرنے کے کچھ آداب اور اصول ہوتے

ہیں یہ بات ان آداب کے منافی تھی۔ اپنا ایجنٹ فرش سے اٹھ کر ہمارے سامنے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ وہ ہمارے سامنے سے گزرتے ہوئے بولا۔ " آئندہ اس طرح کسی ریڑھی والے کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کی دعوت مت دینا"۔

وہ آگے نکل گیا۔ پلٹ کر واپس آیا تو دوسری بار سامنے سے گزرتے ہوئے بولا۔ " چندی گڑھ میں ایک روز گارڈن ہے۔ تم لوگ روز گارڈن کے پچھلے گیٹ کے پاس بیٹھ کر میرا انتظار کرنا"

اتنا کہہ کر وہ پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ ہمارے اردگرد ہمارے سوا دوسرا کوئی مسافر نہیں تھا... پلیٹ فارم دور تک ویران تھا۔ اسی طرح رات گزرتی چلی گئی۔ سونیا کو نیند آنے لگی تھی۔ میں نے اسے وہیں بینچ پر لیٹ جانے کو کہا۔ اور وہ دہری ہو کر بینچ پر لیٹ گئی۔ میں گنگا ہاتھ میں لئے گوربانی کا جاپ کرنے لگا رات ڈھلتی گئی اور پھر پو پھٹ گئی۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کی آمد شروع ہو گئی۔ چندی گڑھ کو جانے والی گاڑی جالندھر ہی سے تیار ہوئی تھی۔ روانگی سے آدھ گھنٹے پہلے ٹرین پلیٹ فارم پر آکر لگ گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ سونیا کو جگایا اور تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں گھس کر کونے میں اپنی جگہ بنالی۔ ڈبے میں چند ایک مسافر ہی تھے۔ ٹوائلٹ میں جا کر ہم نے باری باری منہ دھویا۔ میں کھڑکی کے پاس سیٹ پر بیٹھ کر داڑھی کے بالوں میں لکڑی کی چھوٹی سی کنگھی پھیرنے لگا۔ سونیا کو احتیاط کے طور پر میں نے اوپر والی برتھ پر لٹا دیا تاکہ وہ خواہ مخواہ دوسروں کی نظروں میں آنے سے بچ جائے۔ ڈبے میں مزید کچھ ہندو مرد عورتیں اور کچھ سکھ مسافر آکر بیٹھ گئے۔ آخر ٹرین چندی گڑھ کی طرف روانہ ہو گئی۔ چندی گڑھ کا علاقہ سطح مرتفع کا علاقہ ہے اور ہماچل پردیش کی پہاڑیوں کا دامن کہلاتا ہے۔ اس علاقے میں میدانوں اور پہاڑوں دونوں کی کیفیت موجود ہے۔ میں پہلی بار چندی گڑھ جا رہا تھا۔ اس اعتبار سے مجھے بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی کہ مشرقی پنجاب کا صدر مقام تھا۔

دن نکل آیا تھا کہ ٹرین چندی گڑھ پہنچ گئی۔

میں نے سونیا کو اٹھایا اور ہم اسٹیشن سے باہر آگئے۔ ایک سائیکل رکشے پر بیٹھے اور اسے روز گارڈن کی طرف چلنے کو کہا۔ سائیکل رکشا چندی گڑھ کی کشادہ صاف ستھری سڑک پر چلنے لگا۔ شہر بیدار ہو چکا تھا۔ مسافروں سے بھری ہوئی بسیں سڑک پر سے گزر رہی تھیں۔ رکشا والے نے روز گارڈن کے قریب پہنچ کر پوچھا کہ ہم کون سے بلاک میں جائیں گے؟

میں نے کہا۔ " بھیا تم ہمیں یہیں اتار دو۔ ہم بلاک خود ہی ڈھونڈ لیں گے"۔

ہم روز گارڈن کے عقبی گیٹ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ہندو اور سکھ مرد باغ کی روشوں پر سیر کرتے پھر رہے تھے۔ گیٹ کی ایک جانب گہرا نالہ تھا جس میں دور نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ کنارے پر اونچی اونچی جھاڑیاں اگی تھیں۔ ہم جھاڑیوں کی اوٹ میں اس طرح بیٹھ گئے جیسے سستا رہے ہوں۔ یہاں زیادہ بیٹھنے سے ہم پر شک کیا جا سکتا تھا۔ میں اٹھ کر جھاڑی کے آگے یوں ٹہلنے لگا جیسے سیر کرنے وہاں

آیا ہوا ہوں۔ دور سے ایک ٹیکسی آ رہی تھی۔ ٹیکسی میرے قریب آکر رک گئی۔ اس میں سے ہمارا ایجنٹ اس حلیئے میں نکلا کہ اس نے پتلون اور سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ داڑھی مونچھ اس کی سادھو کے حلیئے میں بھی نہیں تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ "ماما جی! آیئے میں ٹیکسی لے آیا ہوں۔ مائی جی کہاں ہیں؟"

میں نے سونیا کو اشارہ کیا۔ وہ جھاڑی کی اوٹ سے نکل آئی۔ ہم ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔ اور ٹیکسی کسی نامعلوم مقام کی جانب روانہ ہو گئی۔ ہمارا ایجنٹ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے گردن گھما کر کہا۔ "مجھے پوری آشا ہے ماما جی کہ آپ کا ویزا آج لگ جائے گا۔ شما کر دیجئے گا۔ آپ کو ویزے کے لئے بڑا کشٹ اٹھانا پڑا"۔

میں سمجھ گیا کہ ہمیں کسی ملک کے ہائی کمشنر کے دفتر میں لے جایا جا رہا ہے۔ مگر چندی گڑھ میں ہمارے ملک کا ہائی کمیشن نہیں تھا۔ پھر ہم کس ملک کے ہائی کمیشن میں جا رہے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اپنے ایجنٹ سے کہا۔ "کشٹ کی کوئی بات نہیں ہے پتر۔ اب زا ہے گوردو کی کرپا ہے ویزا لگ جانا چاہئے"۔

"آپ کا کیس بڑا سپیشل ہے ماما جی۔ آپ اپنے پتر سے ملنے جا رہے ہیں۔ ویزا ضرور مل جائے گا۔"

یہ ساری باتیں ہمارا ایجنٹ ٹیکسی ڈرائیور کو گوش گزار کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ یہ اس کا اپنا طریق کار اور حکمت عملی تھی۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا گیا۔ ٹیکسی اب بڑے کشادہ اور خوب صورت عمارتوں والے علاقے میں داخل ہو گئی تھی' پھر وہ ایک شاندار بنگلے کے گیٹ کی ایک جانب رک گئی۔ میں نے باہر نکل کر بنگلے کے باہر لگا ہوا اسپیشل کا بورڈ پڑھا۔ وہاں ہندی پنجابی اور انگریزی میں ایک ایشیائی ملک کا نام لکھا تھا۔ مجھے یہاں اس ملک کا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ وہ ملک پاکستان کا دوست ملک ہے۔

ایجنٹ نے ٹیکسی والے کو رخصت کیا اور ہمیں لے کر ہائی کمیشن کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ اب وہ ہمارے بالکل ساتھ چل رہا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ "اس طرف ہائی کمیشن کے دفاتر ہیں۔ یہاں ہم نہیں جائیں گے۔ سامنے یہی سڑک دائیں جانب چھوٹی سی کوٹھی کی طرف جاتی ہے۔ یہ ہائی کمشنر کی رہائش گاہ ہے۔ ہم ادھر کو مڑ جائیں گے"۔

ہم ہائی کمشنر کی رہائش گاہ کے عقبی برآمدے میں آکر بانس کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارا ایجنٹ ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ سونیا کہنے لگی۔ "یہ تو ہائی کمیشن ہے"۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "لگتا ہے ہم اسی ملک کی وساطت سے وطن پہنچیں گے۔۔ اب کوئی بات نہ کرنا"۔

کوئی دس منٹ کے بعد ہمارا ایجنٹ باہر نکلا اور اشارے سے ہمیں اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ ہم ایک سجے سجائے کمرے میں آ گئے جو ائرکنڈیشنڈ تھا۔ اس کمرے سے ملحق ساتھ ساتھ بنے ہوئے دو بیڈ روم تھے۔ ایجنٹ نے سونیا کو پہلے والے بیڈ روم میں لے جانے کے بعد کہا کہ تم یہاں آرام کرو اور مجھے دوسرے بیڈ روم میں لے آیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "اب تمہیں سکھ ہی بنے رہنا ہو گا۔ سونیا کو ہم اس ہائی کمیشن کی وساطت سے کل شام کے وقت نئی دلی اور پھر وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان پہنچا دیں گے۔ سب انتظام ہو چکا ہے"۔

میں نے کہا۔ "میرے بارے میں کیا ہدایات ہیں؟ کیا میرا یورپ جانا بہت ضروری ہے؟"

ایجنٹ نے سگریٹ کا کش لگایا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اس سلسلے میں تم ضروری ہدایات اپنے باس سے وصول کرو گے۔ تھوڑی دیر میں وہ تم سے فون پر بات کرے گا"۔

میں نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میرا باس یہاں چندی گڑھ میں کیسے آ گیا؟ وہ تو اپنے وطن عزیز میں ہے۔

ایجنٹ بولا۔ "وہ وہیں سے تمہارے ساتھ بات کرے گا"۔

بیڈ کے پاس تپائی پر فون پڑا تھا۔ اس فون پر کوئی نمبر نہیں لکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے ایجنٹ سے کہا کہ کیا وہ مجھے تفصیل سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس نے جواب دیا۔ "مجھے اس کی اجازت نہیں ہے اور ہاں سونیا کے بارے میں تم بالکل فکر نہ کرو۔ اب وہ تمہارا اور درد سر نہیں ہمارا درد سر ہے۔ ہم نے اسے پاکستان پہنچانے کے لئے سفارتی سطح پر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے' لیکن یہ بہت ضروری تھا۔ کیونکہ مصر بھی ہمارا دوست اور برادر اسلامی ملک ہے۔ ہمیں اس کی عزت اور وقار کا بھی پاس ہے۔ بہرحال تم اس فون کے پاس ہی بیٹھے رہنا۔ میں سونیا کے لئے ناشتے کا کہہ کر ابھی آتا ہوں"۔

ایجنٹ چلا گیا۔ میں نے بیڈ روم کا جائزہ لیا۔ بالکل جدید قسم کا کمرہ تھا۔ دیواروں پر کوئی کیلنڈر تصویر یا مونوگرام نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مہمانوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ دیوار کے اوپر لگا ہوا ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی بول اٹھی۔ میں نے چونک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا ایجنٹ بھی کمرے میں آ گیا۔ اس نے فون کی گھنٹی کی آواز سن کر اشارہ کیا کہ ریسیور اٹھاؤ۔ یہ تمہارا ہی فون ہے۔

میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے آواز آئی میرا کوڈ نمبر۔۔۔ ہے تمہارا کوڈ نمبر کیا ہے؟"

میں نے آواز پہچان لی تھی یہ ہمارے پرانے باس چوہدری صاحب کی تھی ملٹری انٹیلی جینس کے ڈائریکٹر جنرل تھے میں نے ان کا کوڈ نمبر سن لیا تھا یہ وہی کوڈ نمبر تھا جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے مجھے بتایا تھا۔ میں نے بھی اپنا کوڈ نمبر بتا دیا۔ دوسری طرف سے چوہدری صاحب نے کہا "ہمارا

ایجنٹ نمبر گیارہ تمہارے ساتھ ہے وہ جیسا کہے ویسے ہی کرنا تم جو چیز اپنے ساتھ لائے ہو وہ اس کے حوالے کر دو وہ ہم تک پہنچ جائے گی کیا تم سمجھ رہے ہو؟"

میں نے کہا "جی ہاں میں سمجھ رہا ہوں 'لیکن سر' میں اپنی چیز خود لے کر جانا چاہتا تھا۔"

دوسری طرف سے آواز ہوا میں غائب ہو کر بکھر سی جاتی تھی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سرحد پار سے ۔ ۔ ۔ وائرلیس پر بات چیت کی جا رہی ہے بیچ بیچ میں بات چیت کا رابطہ یک لخت منقطع بھی ہو جاتا تھا چوہدری صاحب کی آواز آئی تمہاری خدمات وطن کے لئے بہت قیمتی ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں ابھی تمہارے وطن واپس آنے کا وقت نہیں آیا ہمارا آدمی نمبر ۔ ۔ تمہیں سب کچھ بتا دے گا خدا حافظ گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا میں نے ریسیور رکھ دیا اپنا ایجنٹ میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا "تمہیں ایک انتہائی نازک اور اہم ترین مشن سونپا جا رہا ہے"

میں نے بیزاری سے کہا "سارے مشن اہم اور نازک ہوتے ہیں۔"

اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا "جب تمہیں نئے مشن کی تفصیلات بتائی جائیں گی تو تم خود ہی کہہ اٹھو گے کہ یہ بڑا مشکل مشن ہے"

اس نے جیسے میرے تجربے اور میرے کمانڈو کی حیثیت سے میری جرأت و مہارت کو چیلنج کیا تھا میں نے کہا معاف کرنا بھائی تم مجھے نہیں جانتے میرے لئے کوئی مشن مشکل نہیں ہوتا"

وہ مسکرایا صوفے سے اٹھا اور بولا "تمہارا ناشتا آ رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم ناشتے کے بعد کچھ دیر اس بستر پر لیٹ کر آرام کرو تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے سونیا کی فکر نہ کرنا وہ یہاں سے ایک فیملی کی خواتین میں پہنچا دی گئی ہے"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

اپنے باس چوہدری صاحب سے بات کرنے کے بعد مجھے سونیا کی جانب سے اطمینان ہو گیا تھا ایک طرح سے وہ پاکستان پہنچا دی گئی تھی ان لوگوں کا طریق کار بھی میرے لئے کوئی اجنبی نہیں رہا تھا یہ اونچی سطح کی سفارت کاریاں تھیں اوپر کی سطح پر دو دوست ملک غیر ممالک میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں اور اپنے محدود وسائل اور اختیارات کے اندر رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے کام آتے ہیں ہمارے دوست ملک کا ہائی کمشنر بھی انہیں اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے ہمارے کام آ رہا تھا اس کی وساطت سے دو روز بعد سونیا واپس پاکستان پہنچا دی گئی میرا مسئلہ ابھی تک جوں کا توں تھا یہ بات مجھ پر واضح نہیں ہو سکی تھی کہ میرا مشن کیا ہے اور یہ کس قسم کا مشن ہے کہ جس کے لئے مجھے اس قونصل جنرل کی وساطت سے یورپ کے کسی دوسرے ملک میں پہنچایا جا رہا ہے ایک ہفتہ گزر گیا اس اثنا میں ہدایات کے مطابق میں قونصل جنرل کی رہائش گاہ والے گیسٹ روم

میں ہی رہا صرف ایک ملازم مجھے چائے اور کھانا وغیرہ اور ضروریات کی اشیاء دے جاتا تھا آٹھویں روز ہمارا ایجنٹ آگیا اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔

بہت جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ مجھے کب تک اس بیڈ روم میں بند رکھا جائے گا لیکن میں خاموش رہا وہ میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا اس نے بھی میری قید تنہائی کے بارے میں کوئی بات نہ کی بریف کیس کو کھولا اور اس میں سے ایک پاسپورٹ نکال کر مجھے دیا اور بولا "یہ تمہارا پاسپورٹ ہے"

میں نے پاسپورٹ کھول کر دیکھا۔ یہ پاسپورٹ انڈین گورنمنٹ کے محکمہ پاسپورٹ کی جانب سے ایشو کیا گیا تھا اس پر میری اسی حلیئے کی تصویر لگی تھی جس حلیئے میں اس وقت میں تھا میری تصویر کے نیچے جوگندر سنگھ لکھا تھا باپ کے نام کی جگہ دھرمیندر سنگھ لکھا تھا میری تصویر ہمارے ایجنٹ نے میرے یہاں آنے کے دوسرے روز یہ کہہ کر بنوائی تھی کہ ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔
بریف کیس میں دو رسالے ایک کتاب اور ایک نوٹ بک تھی ایجنٹ نے نوٹ بک کھول کر مجھے دکھائی اور کہا کہ اس میں دلی اور امرتسر کے فرضی بیوپاریوں کے نام اور ان کے فرضی ٹیلی فون نمبر اور ایڈریس لکھے ہیں ایک فائل بھی تھی جس میں مانچسٹر کی کسی فرم کے لیٹر پیڈ پر آفیشل خط لکھے تھے جن میں مال جلد سپلائی کرنے کے لئے کہا گیا تھا یہ فرم ہوزری کا سامان انڈیا سے درآمد کرتی تھی ایجنٹ نے بتایا کہ ان کاغذات کی پڑتال نہیں ہو گی یہ ویسے ہی احتیاط کے طور پر میرے ساتھ کر دیئے گئے ہیں اصل کام لندن پہنچ کر شروع ہو گا پاسپورٹ پر لندن ائرپورٹ کی دو بار انٹری کے علاوہ بھارت میں برٹش قونصل جنرل کے آفس کی طرف سے جاری کئے گئے ویزے کی مہریں بھی لگی تھیں تازہ ویزا ابھی لگا تھا یہ سب کام جعلی تھا مگر اس مہارت سے کاغذات تیار کئے گئے تھے کہ میں بھی دھوکا کھا گیا اس کے باوجود لندن ائرپورٹ والوں کی عقابی نگاہوں کا خیال کر کے میں نے سوال کر ہی دیا کہ کہیں وہاں بھانڈا تو نہیں پھوٹ جائے گا، اس پر اپنے ایجنٹ نے میری طرف سنجیدہ نظر ڈالی اور کہا "میرا خیال ہے تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا"

پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں تیار ہو جاؤں میرا جہاز رات ساڑھے نو بجے چنڈی گڑھ ائرپورٹ سے بمبئی روانہ ہو گا جہاں رات کے دو بجے مجھے لندن کے لئے انٹرنیشنل فلائیٹ پکڑنی ہو گی عجیب کشمکش کا عالم تھا مجھے کچھ نہیں بتایا جا رہا تھا کہ میں لندن میں جا کر کس سے ملوں گا مجھے کیا کام کرنا ہو گا لیکن میں خاموش رہا کہ ان لوگوں نے کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی رکھا ہو گا دوپہر کے بعد نوکر میرے لئے ایک گرم سیاہ رنگ کی اچکن اور گرم اونی مفلر لے کر آگیا یہ چیزیں اس نے میز پر رکھ دیں اور بولا "صاحب نے کہا تھا یہ پہن لیں۔"

یہ اہتمام لندن کی سردی کے لئے کیا گیا تھا ستمبر کے اختتام پر رات کو ویسے ہی ٹھنڈ ہو جاتی تھی

میں نے اچکن اور مفلر اپنے بیڈ روم میں لے جا کر بستر پر رکھ دیئے آٹھ بجے نوکر کھانا دے کر چلا گیا ساڑھے آٹھ بجے اپنا ایجنٹ پھر نمودار ہوا۔ اب اس نے مجھے چندی گڑھ سے بمبئی تک کا ائر انڈیا کا ایک فرسٹ کلاس کا ٹکٹ دیا اور بولا "بمبئی سے لندن تک کا ٹکٹ تمہیں بمبئی ائرپورٹ کے لاؤنج میں مل جائے گا تم لاؤنج سے باہر مت نکلنا"

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ بمبئی ائرپورٹ کے لاؤنج میں ایک فری ڈیوٹی شاپ ہے وہاں ایک ـــ نام کا آدمی میرے انتظار میں ہو گا اور جب میں اس کے اسٹال پر پہنچوں گا تو وہ ڈیوٹی فری اشیاء کی ایک بک لٹ مجھے دے گا اس کو میری تصویر پہنچا دی گئی ہے میں جب اس بک لٹ کو کھول کر اس کی ورق گردانی کروں گا تو اس کے اندر ایک صفحے پر انڈین پوسٹ آفس کی طرف سے جاری کردہ ایک روپے کے ٹکٹ کا آدھا حصہ چسپاں ہو گا' پھر اپنے ایجنٹ نے اپنی نوٹ بک کھول کر ایک روپے کے اسٹامپ کا بقیہ آدھا حصہ نکال کر دیا اور بولا "یہ اس ٹکٹ کا باقی آدھا حصہ ہے تم یہ آدھا ٹکٹ بک لٹ والے آدھے ٹکٹ کے ساتھ رکھ کر بک لٹ اس شخص کے حوالے کر دینا اس کے بعد تم لاؤنج سے نکل کر باہر لابی میں آ کر جہاں پبلک ٹیلی فون لگا ہے اس کے عقب میں کھڑے ہو جانا ڈیوٹی فری شاپ والا آدمی ہمارا اپنا آدمی ہے وہ تمہارے پیچھے وہاں پہنچ جائے گا اور بمبئی سے لندن تک کا ٹکٹ اور دوسرے ضروری کاغذات اور کچھ پاؤنڈ تمہارے حوالے کر دے گا باقی کی ہدایات بھی وہی تمہیں دے گا اب اچکن پہن کر یہ بریف کیس اٹھاؤ اور خاموشی سے باہر سڑک پر نکل جاؤ۔ وہاں ایک ٹیکسی تمہارا انتظار کر رہی ہے وہ تمہیں ائرپورٹ پہنچا دے گی خدا حافظ! یہاں میری ڈیوٹی ختم ہوتی ہے"

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد 'میں نے اچکن پہنی مفلر تہ کر کے بریف کیس میں رکھا بریف کیس بند کر کے اٹھایا اور بیڈ روم سے نکل کر سٹنگ روم میں آ گیا سامنے والا دروازہ کھلا تھا وہاں کوئی نوکر بھی نہیں تھا میں خاموشی سے قدم اٹھاتا گیسٹ ہاؤس کے عقبی برآمدے سے گزرتا پچھلے باغ والے راستے میں آ گیا باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا قونصل جنرل کے گیٹ پر پہرا بدستور لگا تھا مجھے دیکھ کر گارڈ نے گیٹ کھول دیا باہر سامنے سڑک کے کنارے ایک ٹیکسی کھڑی تھی میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گیا ٹیکسی ڈرائیور کوئی ہندو تھا سکھ نہیں تھا اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ٹیکسی روانہ ہو گئی میں نے کہا ائرپورٹ چلو ڈرائیور نے میری طرف دیکھے بغیر کہا "مجھے معلوم ہے سردار جی!"

میں ایک کاروباری سکھ کی حیثیت سے نہایت نارمل اور شریفانہ سکھ کے حلیئے کے ساتھ ائرپورٹ ٹرمینل کی عمارت میں داخل ہوا فلائیٹ ٹھیک وقت پر روانہ ہوئی بمبئی پہنچ کر میں حسب ہدایت لاؤنج میں ہی کچھ دیر تک بیٹھا رہا اس کے بعد اٹھ کر ٹہلتا ٹہلتا ڈیوٹی فری شاپ کے کاؤنٹر پر پہنچا اور مختلف چیزوں کو دیکھنے لگا۔ اصل میں میں اس [illegible]

ہی سے دیکھ کر ہوشیار ہو گیا تھا میں کاؤنٹر کے کونے کی طرف ہو گیا اس آدمی نے ایک بک لٹ لا کر میرے آگے رکھ دی اور کہا " مہاراج اس کتاب میں ساری چیزوں کے نام اور قیمتیں لکھی ہیں جو چیز آپ پسند کریں آپ کو مل جائے گی "

میں نے جیب سے ایک روپے والے انڈین اسٹمپ کا آدھا حصہ نکال کر اپنی مٹھی میں سنبھال لیا تھا بک لٹ کو کھول کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا ایک جگہ کاپی کے کونے میں مجھے ایک روپے والا آدھا انڈین ٹکٹ دکھائی دیا۔ میں نے اس کے نیچے اسٹمپ کا باقی آدھا حصہ رکھ کر کتاب بند کر کے کاؤنٹر والے کو دے دی وہ بک لٹ کو ایک طرف لے گیا۔ الماری کے پیچھے جا کر اس نے کتاب کو کھول کر دیکھا' پھر اسے میز کی دراز میں رکھا اور دراز ہی میں سے ایک خاکی رنگ کا لیوترا لفافہ نکال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا " مہاراج! ریموٹ کنٹرول ٹیپ ریکارڈر اس وقت ہمارے پاس نہیں ہے اس لفافے میں اس کا پورا لٹریچر بند ہے۔ آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے آپ کے کام آئے۔"

وہاں کچھ دوسرے گاہک بھی تھے جنہیں دوسرا کاؤنٹر بوائے نمٹا رہا تھا۔ میں نے دھنواد کہتے ہوئے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور گھڑی دیکھی۔ ابھی رات کے بارہ بھی نہیں بجے تھے اب مجھے لاؤنج سے نکل کر باہر ٹیلی فون بوتھ کے عقب میں کھڑے ہو کر اسی کاؤنٹر والے عینک پوش شخص کا انتظار کرنا تھا۔

میں بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا بظاہر بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا لاؤنج سے باہر ٹیلی فون بوتھ کے پیچھے جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص مجھے ایک طرف سے آتا دکھائی دیا۔ وہ میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی' پھر اپنی جیب سے ایک دوسرا چھوٹا لفافہ نکال کر اسے اپنی کرسی پر رکھا اور آہستہ سے بولا " یہ تمہارے لئے ہے "
اور اٹھ کر چلا گیا میں نے لفافہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد میں سیدھا باتھ روم میں آگیا دونوں لفافے کھول کر دیکھے۔ ایک میں بمبئی سے لندن تک کا ائر انڈیا کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ تھا دوسرے لفافے میں دو سو انگلش پاؤنڈ کے نوٹ تھے۔ ساتھ ہی ایک پرچی پر انگریزی میں یہ تحریر درج تھی۔

" ہیتھرو ائرپورٹ سے باہر آؤ گے تو ایک لمبے قد کا انڈین آدمی براؤن سوٹ میں ملبوس سیاہ ٹائی لگائے تمہیں گیٹ کے قریب کھڑا ملے گا اسے اپنا کوڈ ورڈ بتانا وہ تمہیں اپنا کوڈ ورڈ بتائے گا اس کے ساتھ چلے جانا۔"

میں نے اس کاغذ کی تحریر کو ذہن میں بٹھانے کے بعد پرزے پرزے کر کے سینک میں بہا دیا ٹکٹ اور دو سو پاؤنڈ کے نوٹ اپنے بٹوے میں رکھے اور باتھ روم سے نکل کر نیشنل لاؤنج کی طرف آگیا

رات کے بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے لندن کی فلائیٹ دو بجے روانہ ہونے والی تھی لندن کو جانے والا انڈین ایئر لائنز کا جہاز فلپائن سے آ رہا تھا میں ایک ستون کے پاس گدے دار کرسی پر بیٹھ گیا۔ ابھی جہاز کی طرف جانے والے گیٹ نہیں کھلے تھے وہ کاؤنٹر بھی خالی پڑا تھا جہاں ہمارے ٹکٹ چیک کرنے کے بعد مجھے بورڈنگ کارڈ ملنا تھا لاؤنج میں زیادہ لوگ نہیں تھے لندن جانے والی کچھ انڈین کچھ فلپائنی سواریاں اپنے اپنے سامان کے پاس بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔

ٹھیک ایک بجے کاؤنٹر کھل گیا۔ سامان تولا جانے لگا میں بھی قطار میں جا کھڑا ہوا۔ ایک ٹھگنے قد کا سوٹ میں ملبوس پکی عمر کا آدمی بھی قطار میں مجھ سے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس آدمی کو میں نے نیشنل لاؤنج میں آتے ہوئے بھی دیکھا تھا وہ ایک کرسی پر اخبار کھولے بیٹھا بظاہر اسے پڑھ رہا تھا لیکن جب میری نظریں اس سے چار ہوئی تھیں تو وہ مجھے دیکھ رہا تھا' پھر جب میں ڈیوٹی فری شاپ پر گیا تب بھی وہ میرے قریب سے کھانستا ہوا گزرا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے نظر نہیں آیا' پھر جب ایک بجے کے قریب انٹر نیشنل فلائیٹ کاؤنٹر کھل گیا تو میں نے اسے ایک بار پھر دیکھا۔ وہ ایک طرف سے تیز تیز قدموں سے چلا آ رہا تھا اور سیدھا قطار میں میرے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سانس قدرے پھولا ہوا تھا اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا۔

"آج کل کی اولاد کا کوئی اعتبار نہیں ایک ہی پتر ہے وہ بھی مجھے چھوڑنے نہیں آیا"

میں نے مسکرا کر کہا "ہاں جی ایسا ہی ہے"

اس نے کوئی اور بات کی۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کاؤنٹر پر میرا ٹکٹ اور پاسپورٹ چیک کیا گیا۔ بریف کیس کو ٹیگ لگا دیا گیا۔ پاسپورٹ پر مہر لگا دی گئی جب تک امیگریشن والے انڈین آفیسر میرے پاسپورٹ اور ویزے کو غور سے دیکھتا رہا میری جان عذاب میں رہی جب اس نے مہر لگا کر پاسپورٹ اور ٹکٹ کے ساتھ بورڈنگ کارڈ میرے حوالے کیا تو میری جان میں جان آئی میں نے بریف کیس کی پڑتال کرائی اور انٹر نیشنل لاؤنج میں داخل ہو گیا یہاں پہلے ہی سے کافی لوگ موجود تھے ان میں غیر ملکی بھی بہت تھے میں پچھلے بلاک میں کونے والی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا مجھے اس پر اسرار شخص کی موجودگی کا احساس پریشان کر رہا تھا جس کو میں نے نیشنل لاؤنج اور پھر ڈیوٹی فری شاپ کے پاس اپنے قریب سے گزرتے دیکھا تھا میں کوئی نادان اور اناڑی نہیں تھا انٹیلی جینس والوں کی چال سے انہیں پہچان لیتا ہوں یہ شخص یقینی طور پر بھارتی انٹیلی کا آدمی تھا اور شاید چنڈی گڑھ سے ہی میرے پیچھے لگ گیا تھا سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ وہ بھی اسی فلائٹ پر جا رہا تھا میں نے اس پر اسرار شخص کو چمڑے کا سفری بیگ کاندھے سے لٹکائے اندر داخل ہوتے دیکھا تو ایک بار تو میرا دل دھڑک اٹھا یہ کمبخت میرے تعاقب میں تھا۔

میں نے میز پر پڑا اخبار اٹھایا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ یہ ٹائمز آف انڈیا کا سنڈے

ایڈیشن تھا میں ماڈل گرلز کی نیم عریاں تصاویر دیکھنے میں محو تھا کہ وہی شخص میری ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ بیگ اپنے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولا " سردار جی آپ لندن جا رہے ہیں ؟"۔

اب اس سے بچنا مشکل تھا میں نے سر ہلا کر کہا " ہاں جی لندن ہی جا رہا ہوں "

" وہ خوش ہو کر بولا " میں بھی لندن جا رہا ہوں اچھا ہے آپ کا ساتھ رہے گا میں نے پتا کر لیا ہے جہاز لیٹ نہیں ہے " اس نے بیگ کی زپ کھولی بیگ میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا " پھر بولا ہماری پتنی جی عین وقت پر چیزیں بھول جاتی ہیں دیکھئے ٹوتھ پیسٹ اور برش نہیں رکھا اس نے۔ میرا خیال ہے یہاں کاؤنٹر سے مل جائیگا میں ابھی لے کر آتا ہوں میرا بیگ یہیں ہے "

وہ اٹھا اور دکان کے کاؤنٹر کی طرف چلنے لگا میں نے اس کے بیگ پر نگاہ ڈالی وہاں اس کا نام کہیں نہیں لکھا تھا اس شخص کی حرکات سے ثابت ہو رہا تھا کہ یہ بھارتی انٹیلی جینس کا آدمی ہے میں کم از کم لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ تک اس کی نگاہوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ آخر میں نے بھی فیصلہ کیا کہ لندن ایئرپورٹ پر پہنچ کر اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور وہیں اس امر کی تصدیق بھی کروں گا کہ یہ شخص واقعی انٹیلی جینس کا آدمی ہے۔

اتنے میں وہ ٹوتھ پیسٹ اور برش لے کر آگیا بڑا خوش تھا کہنے لگا بھگوان کی کرپا سے ٹوتھ پیسٹ وغیرہ مل گئی ہے ورنہ سردار جی یہ لوگ اس قسم کی چیزیں انٹرنیشنل لاؤنج میں نہیں رکھتے کیا آپ پہلی بار لندن جا رہے ہیں ؟"

میں نے اخبار پر نظریں جماتے ہوئے آہستہ سے کہا پہلے بھی جاتا رہتا ہوں جی کاروبار جو ہوا وہاں۔

ٹوتھ پیسٹ اور برش کو اس نے بیگ میں ڈالتے ہوئے زپ بند کی اور بولا " ضرور آپ کا اسپورٹس گڈز کا کاروبار ہو گا ہمارے ایک سردار جی دوست ہیں وہ بھی مانچسٹر میں یہی کاروبار کرتے ہیں۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں اخبار میں کوئی دلچسپ مضمون پڑھ رہا ہوں وہ بھی خاموش رہا' پھر میز پر سے ایک انگریزی رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا ایک بج کر تیس منٹ پر اسپیکر پر اعلان ہوا کہ بمبئی سے لندن جانے والی ایئر انڈیا کی پرواز نمبر -- تیار ہے مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ گیٹ نمبر سات پر تشریف لے آئیں۔"

یہ اعلان ہندی اور انگریزی میں کیا گیا۔ میں نے اخبار بند کر کے میز پر رکھا بریف کیس اٹھایا اور گیٹ نمبر سات پر لگی قطار میں جا کھڑا ہوا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ نکال کر میں نے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

ایئر انڈیا کا جہاز جمبو جیٹ تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ مسافروں سے بھر گیا ان میں دوبئی اور فرینکفرٹ جانے والی سواریاں بھی تھیں۔ جب وہی پراسرار ہندو مسافر میری ساتھ والی سیٹ پر آکر براجمان ہو گیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص بھارتی انٹیلی جینس کا آدمی ہے اور میرے ساتھ والی سیٹ اس نے

خصوصی اختیارات استعمال کر کے حاصل کی ہے ورنہ وہ کسی دوسری سیٹ پر بھی جا سکتا تھا اب میں محتاط ہو گیا۔ ایک بات واضح تھی کہ کہیں نہ کہیں سے میری مخبری ہو گئی تھی اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میری مخبری کس حیثیت سے ہوئی ہے؟ کیا مجھے پاکستانی ایجنٹ سمجھا گیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ ایسی بات نہیں تھی۔ اگر مجھے پاکستانی ایجنٹ سمجھ لیا جاتا تو میں بمبئی ایئرپورٹ پر ہی گرفتار کر لیا جاتا ظاہر تھا کہ مجھے ایک سکھ ایجنٹ سمجھا جا رہا ہے جس کا تعلق بھارت میں موجود اس سفارت خانے سے تھا جو پاکستان کے دوستوں کی فہرست میں تھا اور جہاں سے رات کو نکل کر میں چندی گڑھ ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوا تھا لیکن اگر یہ انڈین انٹیلی جینس والا لندن میں بھی میرا برابر تعاقب کرتا رہا تو حالات زیادہ سنگین ہو سکتے تھے کیوں کہ اس آدمی کے ساتھی بھی لندن میں موجود ہوں گے۔

یہ لوگ وہاں بھی مختلف انداز سے میرا پیچھا جاری رکھیں گے ان سے بچنے کی بظاہر کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس سلسلے میں مجھے اپنے آدمی سے مدد لینے کی ضرورت تھی جو ہیتھرو ایئرپورٹ کے باہر براؤن سوٹ اور سیاہ ٹائی میں ملبوس میرے انتظار میں ہوگا۔ لندن تک آٹھ گھنٹے کی فلائٹ تھی بیچ میں دوبئی اور فرینکفرٹ پر جہاز کو رکنا بھی تھا۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے انڈین انٹیلی جینس کے آدمی نے اپنا نام کیول کرشن ورما بتایا اور کہا کہ وہ مانچسٹر اپنے بیٹے سے ملنے جا رہا ہے جو وہاں ایک فوڈ اسٹور چلاتا ہے میں اس شخص سے کم سے کم بات کر رہا تھا جہاز نے ٹیک آف کیا تو میں نے کھڑکی کے ساتھ سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں جیسے میں سونا چاہتا ہوں۔ ورما نے اس کے بعد مجھ سے بات نہ کی جہاز ایک خاصی بلندی تک اڑان بھرنے کے بعد سیدھا ہو کر اپنی نارمل رفتار کے ساتھ پرواز کرنے لگا۔ یہ میرا لندن کا دوسرا سفر تھا لندن اور بمبئی میں پانچ گھنٹے کا سفر تھا مجھے آج بھی یاد ہے وہ ستمبر کی اٹھائیس تاریخ تھی مجھے واقعی نیند آگئی تھی۔ اس لئے کہ رات بھر سو نہ سکا تھا آنکھ کھلی تو جہاز دوبئی کے ایئرپورٹ پر لینڈ کر رہا تھا میں نے واہے گرو واہے گرو کہتے ہوئے اپنی ڈاڑھی پر دونوں ہاتھ پھیرے اور مسافروں پر نگاہ ڈالی ورما اپنی سیٹ پر نہیں تھا اس کا سفری بیگ اس کی سیٹ کے نیچے پڑا تھا میں اٹھ کر باتھ روم میں گیا منہ ہاتھ دھویا دانت صاف کیئے اور واپس اپنی سیٹ پر آیا تو دیکھا انڈین انٹیلی جینس والا مسٹر ورما اپنا بیگ کھولے اس میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس نے بیگ پیچھے کر لیا جیسے مجھے راستہ دے رہا ہو اور بولا واہ مہاراج جی! دوبئی نہیں اتریں گے؟"

میں نے کہا "نہیں مہاراج جی! کیا کریں گے اتر کر؟" ہم رات دو بجے بمبئی سے چلے تھے اور ابھی تک رات ہی تھی سورج ہمارے پیچھے تھا اور ہم اس کے آگے آگے رات کی طرف سفر کر رہے تھے فرینکفرٹ پہنچے تو دن نکل آیا تھا اب یہاں سے لندن تک ڈیڑھ ایک گھنٹے کا سفر تھا۔ جہاز نے ٹیک آف کیا تو میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا کیا مجھے انٹرنیشنل لاؤنج میں کچھ دیر رکنا چاہئے؟ تاکہ یہ شخص ادھر ادھر ہو جائے، مگر وہ تو مجھے نگاہ میں رکھے گا وہ تو میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور اسی

دوران ممکن ہے کہ جو شخص مجھے لینے آیا ہو گا وہ پریشان ہو کر واپس نہ چلا جائے لامحالہ مجھے دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی ہیتھرو ایئرپورٹ سے باہر نکلنا تھا۔ جہاز لندن کے مضافات میں پہنچ چکا تھا' پھر نیچے لندن برج دکھائی دیا صبح ہو چکی تھی لندن پر بادل چھائے تھے اور ہمیں اسپیکر پر بتایا گیا تھا کہ لندن میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے۔

ہیتھرو ائرپورٹ پر کافی ٹھنڈ تھی۔ میں نے گلوبند گردن کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ بریف کیس میرے ہاتھ میں تھا انٹرنیشنل لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے میں ایک جگہ رک گیا اور ٹی وی اسکرین پر جیسے آنے والی فلائٹس کو پڑھنے لگا دراصل میں آنکھوں کے کنارے سے اپنے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا مجھے انٹیلی جینس والا بھی ایک طرف دکھائی دیا وہ بیگ کاندھے سے لٹکائے لاؤنج کے گیٹ کی طرف دکھائی دیا۔ وہ بیگ کاندھے سے لٹکائے لاؤنج کے گیٹ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا چلا آرہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ آگے نکل جائے میں وہیں اپنی جگہ پر کھڑا رہا درما میرے قریب سے گزرتے ہوئے پنجابی میں بولا" مہاراج جی! لندن میں بڑی سردی ہے آپ کو کس علاقے میں جانا ہے جی آؤ اکٹھے ٹیکسی لے لیتے ہیں"

میں نے دل میں اسے پنجابی کی ایک زوردار گالی دی اوپر سے مسکراتے ہوئے کہا" مہاراج جی آپ چلیں مجھے میرا ایک دوست لینے آیا ہو گا"

یہ پراسرار شخص اچھا مہاراج کہتا ہوا آگے نکل گیا جب میں نے دیکھا کہ وہ گیٹ سے باہر نکل کر شیشے کی دیواروں والی چمکیلی راہ داری میں چلتا ہوا دور جا چکا ہے تو میں اپنی جگہ سے ہٹا اور آہستہ آہستہ گیٹ کی طرف آگیا میرے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ اس مہارت سے تیار کئے گئے تھے کہ ہیتھرو ائرپورٹ کے عملے کو بھی ان پر شک نہ ہوا اور انہوں نے مجھے جانے کی اجازت دے دی تھی اب میں گیٹ سے نکل کر راہ داری میں آگیا انڈین انٹیلی جینس والا پراسرار آدمی مجھے کہیں نظر نہیں آرہا تھا گورے مرد اور عورتیں تیز تیز قدموں سے آجا رہے تھے میں راہ داری کے آخری کنارے پر آگیا یہاں سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں مجھے معلوم تھا کہ یہ راستہ ائرپورٹ سے باہر سڑک پر جاتا ہے وہاں مجھے گاڑیاں اور ٹیکسیاں کھڑی نظر آرہی تھیں۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد' میں ایک طرف کھڑے ہو کر جیسے اپنے ساتھی کو دیکھنے لگا جس کے بارے میں' میں نے پراسرار شخص کو بتایا تھا کہ وہ مجھے لینے آرہا ہے میں یہ بھی جانتا تھا کہ پراسرار شخص کسی نہ کسی جگہ کھڑا میرا جائزہ لے رہا ہو گا میری آنکھیں اصل میں براؤن سوٹ اور کالی ٹائی والے لمبے قد کے بھارتی نژاد آدمی کو تلاش کر رہی تھیں آخر میں نے اسے دیکھ لیا وہ سڑک کے دوسرے کنارے پارکنگ لاٹ کے گیٹ کے قریب سیاہ رنگ کی ایک فوکس ویگن کے باہر کھڑا تھا میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی میری ہی طرف دیکھ رہا تھا میں آہستہ آہستہ چلتا اس کے پاس آگیا اس نے آہستہ سے مجھ سے میرا کوڈ ورڈ پوچھا میں نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے

ہوئے دھیمی آواز میں اسے اپنا کوڈ بتایا اور اس سے اس کا کوڈ ورڈ پوچھا اس نے جیب میں سے ہاتھ نکال کر فوکس ویگن کا دروازہ کھولتے ہوئے اپنا کوڈ ورڈ بتایا معاملہ صاف تھا یہ ہمارا ہی آدمی تھا میں جلدی سے گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اس نے دروازہ بند کیا دوسری طرف سے آکر گاڑی میں داخل ہوا انجن اسٹارٹ کیا اور ہماری گاڑی لندن کی کارپٹ روڈ پر چلنے لگی۔

ہم دونوں خاموش تھے گاڑی ایک کھلی جگہ پر آ گئی جہاں دونوں جانب کھیت اور فارم ہاؤس تھے ہم ائرپورٹ سے کافی دور نکل آئے تھے اب سڑک کی دونوں جانب خوبصورت کاٹیج شروع ہو گئے اچانک وہ اردو زبان میں بولا "مجھے لگتا ہے کہ ایک ٹیکسی ہمارا پیچھا کر رہی ہے"

اب میں نے اسے مسٹر کیول کرشن ورما کے بارے میں بتایا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ انڈین انٹیلی جینس کا آدمی ہے وہ بمبئی سے میرے پیچھے لگا ہے۔

اس نے جلدی سے گاڑی کو سڑک کے دوسرے کنارے لا کر بریک لگا دی اور آہستہ سے کہا "یہ تم نے کیا کر دیا؟"

پھر دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ پیچھے جا کر بونٹ کھولا اور جیسے انجن کو جھک کر دیکھنے لگا اتنے میں ایک ٹیکسی ہمارے قریب سے گزر گئی اس کی پچھلی سیٹ پر بھارتی انٹیلی جینس کا آدمی ورما بیٹھا تھا اس نے میری طرف دیکھ کر آہستہ سے ہاتھ ہلایا ٹیکسی آگے نکل گئی تو ہمارا ایجنٹ بونٹ بند کر کے گاڑی میں آکر بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "اس آدمی کو میں نے یہاں انڈین سفارت خانے میں آتے جاتے دیکھا ہے یہ انڈین انٹیلی جینس کا آدمی ہے تم نے ہمارے شیڈول کو اپ سیٹ کر دیا ہے"

میں نے کہا کیا ہم اسے کسی طرح ڈاج نہیں دے سکتے؟" اپنا ایجنٹ بولا "یہ تمہیں بمبئی میں کرنا چاہئے تھا تم اس مصیبت کو اپنے پیچھے لگا کر یہاں تک لے آئے ہو تم جس مشن پر جانے والے ہو وہ اس قدر سیکرٹ اور خطرناک ہے کہ ہم ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتے" اب میں تمہیں بیکر اسٹریٹ کے ایک ہوٹل میں چھوڑ رہا ہوں"

میں نے کوئی جواب نہ دیا گاڑی لندن کی ہلکی ہلکی بارش میں بھیگتی مختلف سڑکوں پر سے گزرتی بیکر اسٹریٹ میں داخل ہو کر ایک ہوٹل کے پورچ میں آکر پارکنگ سائیڈ پر رک گئی اپنے ایجنٹ نے بریک لگاتے ہوئے کہا "وہ آدمی ضرور ہمارا پیچھا کر رہا ہے میں کل رات تمہیں ایک لانڈری والے کے بھیس میں آکر ملوں گا اس اثنا میں تمہیں اس انڈین انٹیلی جینس والے سے ہر حالت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔"

"میں نے پوچھا۔" مجھے کیا کرنا ہو گا؟

اس نے بڑے ٹھنڈے اور پرسکون لہجے میں کہا" اسے ختم کرنا ہو گا"

پھر اس نے بازو بڑھا کر دروازہ کھول دیا میں باہر نکلنے لگا تو مجھے اپنے ایجنٹ کی آواز آئی۔ ا
سلسلے میں ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے تمہیں اس آدمی کو ختم کر دینا ہو گا"

میں نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی سردی بہت تھی۔ اپنا ایجن
گاڑی پارکنگ سائیڈ سے نکال کر واپس چل دیا۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوٹل کی لابی میں داخل ہو گ
جو نیم گرم تھی۔ کاؤنٹر پر جا کر میں نے اپنا پاسپورٹ دکھایا۔ دوسری منزل پر مجھے ایک کمرا نمبر دے دیا گیا
چابی لے کر میں لفٹ میں سوار ہو کر دوسری منزل میں آ گیا۔

یہ سنگل بیڈ روم تھا۔ بستر وغیرہ لگا تھا میں نے بریف کیس میز پر رکھا اور بیڈ پر بیٹھ کر سوچنے لگ
کہ اپنا ایجنٹ مجھے کیا کہہ گیا ہے۔ کیا مجھے اس پراسرار شخص کو قتل کرنا ہو گا؟ یہ لندن ایسے شہر میں ایک
بڑی خطرناک بات تھی میں نے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ داڑھی کی جالی کو باندھتے ہوئے
سیٹنگ روم میں آیا تو فون کی گھنٹی بج اٹھی میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک بھاری
مردانہ آواز نے ایک خاص کوڈ لفظ بولا یہ لفظ مجھے خاص طور پر بڑے رازدارانہ انداز میں چندی گڑھ سے
چلتے وقت بتایا گیا تھا مردانہ آواز خاموش ہو گئی۔ وہ میرے کوڈ لفظ کا منتظر تھا مردانہ آواز نے کہا"
تمہارے نام سردار گوربخش سنگھ جی کا ایک پیغام ہے جو تمہارے بزنس پارٹنر ہیں اسے لکھ لو"

میں نے جلدی جلدی بریف کیس میں سے نوٹ بک نکالی اور پیغام لکھنے لگا یہ پیغام بظاہر ایک
کاروباری پیغام تھا کہ میں دوپہر کو فلاں آفس میں پہنچ جاؤں جہاں ایک بزنس میٹنگ ہونے والی ہے اور
پھر مجھے وہیں سے ہوزری اور اسپورٹس کے نئے ایکسپورٹ نرخ بتا دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد
فون بند ہو گیا۔ میں نے اس تحریر کو جب ڈی کوڈ کیا تو اس عبارت کے اندر سے یہ عبارت نکلی۔" جس
انڈین انٹیلی جینس کے ایجنٹ کو تم اپنے ساتھ لگا لائے ہو وہ اس سے پہلے دو پاکستانی ایجنٹوں کو ہلاک
کر چکا ہے ہم حیران ہیں کہ اس نے ابھی تک تمہیں کیسے زندہ چھوڑا۔ ہم ان حالات میں اس کے
سامنے نہیں جا سکتے۔ اگر تم اس سے بے خبر ہو گئے تو وہ ہمارے قیمتی مشن کو تباہ کر سکتا ہے تم اسی
ہوٹل میں رہو گے جب تک کہ تم اس سے ہمیشہ کے لئے پیچھا نہیں چھڑا لیتے۔"

میں نے جس کاغذ پر یہ عبارت لکھی تھی اسے پھاڑ کر جلایا اور راکھ سینک میں بہا دی۔ اب
مجھے اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ لندن والے ان ہمارے آدمیوں نے تو جیسے مجھے موت کے سامنے اکیلا
چھوڑ دیا تھا میں اسی الجھن میں تھا کہ دروازے کی گھنٹی بول پڑی۔

میں نے دروازے کے سوراخ میں سے دیکھا۔

نیم روشن راہ داری میں ایک کوریئر لڑکا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چوکور پیکٹ تھا۔ میں
نے دروازہ کھول دیا" سر! یہ پیکٹ آپ کے لئے ہے یہاں دستخط کر دیں پلیز"

میں نے پیکٹ کو غور سے دیکھا اس پر میرا نام اور کمرے کا نمبر لکھا تھا میں نے دستخط کر کے:

پیکٹ لے لیا یہ لڑکا کسی پھول اور تحفے بھجوانے والی کمپنی کا ملازم تھا میں نے دروازہ بند کر دیا پیکٹ میرے سامنے میز پر پڑا تھا میں اسے کھولتے ہوئے گھبرا رہا تھا ممکن ہے اس میں کوئی بم ہو میں نے کان پیکٹ کے قریب کیا پیکٹ میں سے ٹک ٹک کی آواز نہیں آ رہی تھی مگر لندن میں مجھے تحفہ بھیجنے والا کون ہو سکتا تھا؟ میں نے پیکٹ کو وہیں پڑا رہنے دیا اور ہوٹل سروس کو فون کر کے کافی اور مکھن بریڈ دینے کا آرڈر دیا تھوڑی دیر بعد سروس بوائے مطلوبہ اشیا ٹرے میں رکھ کر لے آیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے راہ داری میں دائیں بائیں دیکھا اور دروازہ بند کر کے بریڈ پر مکھن لگا کر کھانے لگا پراسرار پیکٹ میرے سامنے گول ڈائننگ ٹیبل پر اسی طرح پڑا تھا۔ میں نے سوچا اس پیکٹ کو کھولے بغیر ڑلیش میں پھینک دینا چاہئے دروازے کی گھنٹی بجی میں کافی کا پیالہ ہونٹوں تک لاتے لاتے رک گیا کون ہو سکتا ہے؟ پیالہ میز پر رکھ کر میں اٹھا اور دروازے کے سوراخ میں سے باہر دیکھا راہ داری میں چھریرے سانولے بدن کی ایک لڑکی کھڑی تھی اس نے ریشمی ساڑی پہن رکھی تھی اور اس کے ماتھے پر تلک نہیں لگا تھا وہ کچھ پریشان سی نظر آتی تھی اور بار بار راہ داری کے اس کونے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں لفٹ نیچے سے اوپر آتی تھی میں نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر انگریزی میں پوچھا کہ اسے کس سے ملنا ہے؟

لڑکی نے ہاتھ باندھ کر ست سری اکال کہا اور ٹھیٹھ پنجابی میں بولی " واہے گرو کے لئے مجھے اندر آنے دیں سب کچھ بتاتی ہوں "

میں متذبذب سا تھا لیکن لڑکی کا اترا ہوا پریشان چہرہ دیکھ کر میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ جلدی سے اندر آگئی۔ دروازہ بند کر کے میں پلٹا تو لڑکی صوفے پر اس طرح بیٹھی تھی کہ چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا تھا اور وہ سسکیاں بھر رہی تھی مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا لگا تھا یہ کوئی ٹریپ بھی ہو سکتا تھا قدرتی طور پر میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور میرے پاس کس لئے آئی ہے لڑکی نے چہرہ اوپر اٹھایا اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں پرس میں سے رومال نکال کر اس نے آنکھیں پونچھیں اور پنجابی میں بولی " میرا نام ہرنام کور ہے میں سنگرور کی رہنے والی ہوں میں سکھ ہوں مگر ایک ہندو لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ کر بمبئی چلی آئی جہاں اس نے مجھ سے شادی کر لی اور پھر مجھے لے کر لندن آگیا۔
کچھ روز اس نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا لیکن اب وہ میری کمائی کھانا چاہتا ہے۔ وہ رات کو انگریز اور کالے آدمیوں کو گھر پر لاتا ہے میں ایک شریف سکھ گھرانے کی لڑکی ہوں رات میں نے بڑے عذاب میں گزاری ہے اور اب دو کالے آدمیوں کو نشے میں دھت چھوڑ کر بھاگ آئی ہوں مجھے ہوٹل والوں نے بتایا کہ یہاں ایک شریف سکھ ٹھہرا ہوا ہے۔ میں آپ کے چرنوں میں آگئی ہوں واہے گرو کے واسطے میری مدد کریں اور مجھے کسی طرح ہندوستان والے جہاز میں سوار کرا دیں۔ میرے پاس سونے کا لاکٹ ہے۔ اسے بیچ کر مجھے ٹکٹ لا دیں "

اس نے پرس میں سے سونے کا لاکٹ نکال کر میز پر میرے سامنے رکھ دیا اور آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو رومال سے صاف کرنے لگی لڑکی کے درد بھرے بیان اور غم زدہ چہرے سے اس کے المیے کی تصدیق ہو رہی تھی مگر میں بے حد محتاط تھا کیونکہ یہ کوئی چال بھی ہو سکتی تھی میں نے عام سکھوں کی طرح اپنی نقلی داڑھی کے بالوں کو ہتھیلی سے جماتے ہوئے کہا "بی بی میں خود یہاں پردیسی ہوں۔ آج ہی آیا ہوں مجھے تو یہاں کے بازاروں کا بھی پتا نہیں بہتر یہ ہے کہ تم خود ہی لاکٹ بیچ کر ائر انڈیا والوں سے انڈیا جانے والی کسی فلائٹ کا ٹکٹ خرید لو ایسی کوئی بات نہیں ہے"

لڑکی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ رحم طلب آواز میں بولی "واہے گرو کے واسطے مجھ پر کرپا کریں میرے خاوند کی یہاں کے سبھی غنڈوں سے دوستی ہے میں ایک بار یہاں سے نکلی تو وہ مجھے گولی مار دیں گے بچے بادشاہ آپ کا بھلا کریں گے اس وقت میری مدد کریں۔ میں آپ کی سکھ بہن ہوں۔"

عجیب مخمصے میں پڑ گیا تھا۔ میں اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا مگر انسانی ہمدردی اور اخلاقی اقدار کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی مدد کی جائے' لیکن سونے کا لاکٹ فروخت کرنے میں خطرہ تھا ممکن تھا کہ یہ لاکٹ بیچتے جاؤں اور کسی مصیبت میں پھنس جاؤں آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کو کسی نہ کسی طریقے سے اپنے کمرے سے رخصت کر دینا ہی میرے لئے بہتر ہے اب میں بہانے تلاش کرنے لگا آخر میں نے گھڑی دیکھ کر کہا "بی بی! میں چندی گڑھ کی ایک فرم کا ایجنٹ ہوں' یہاں بزنس کے ضروری کام پر آیا ہوں اور ابھی مجھے ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے میرا خیال ہے کہ تم ائر انڈیا والوں کے آفس میں چلی جاؤ یا پھر ایسا کرو کہ بھارتی سفارت خانے کا رخ کرو میں تمہیں ڈائریکٹری سے ان کا ایڈریس لکھوائے دیتا ہوں"

لڑکی یہ سنتے ہی جیسے صدمے سے بے ہوش ہو گئی وہ صوفے پر ایک طرف کو جھک گئی تھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے پیچھا چھڑاؤں جلدی سے غسل خانے میں گیا۔ گلاس میں پانی لا کر اس کے منہ پر ہلکا سا چھینٹا دیا تو اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں ہوش میں آتے ہی اس نے ایک بار پھر زار و قطار رونا شروع کر دیا وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ میں یہاں سے باہر نکلی تو میرے بدمعاش خاوند کے غنڈے گولی مار دیں گے اس سکھ لڑکی ہرنام کور کا معمہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک مخصوص مردانہ آواز نے اپنا کوڈ بول کر مجھ سے میرا کوڈ پوچھا میں نے اپنا کوڈ بتایا تو مجھ سے تحفے میں بھیجے گئے پیکٹ کے بارے میں پوچھا گیا میں نے بتایا کہ وہ میز پر رکھا ہے دوسری طرف سے کسی قدر درشت لہجے میں کہا گیا "تم نے ابھی تک کھولا کیوں نہیں؟ اس میں تمہاری حفاظت کے لئے ایک چیز رکھی ہے غافل مت بیٹھنا دشمن تمہارے آس پاس ہی ہے"

فون بند کر دیا گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سکھ لڑکی ضرور اسی دشمن جاسوس کی بھیجی ہوئی ہے جس نے مجھے اپنا نام کیول کرشن ورما بتایا تھا میں نے پہلا کام یہ کیا کہ پیکٹ کھولا پیکٹ میں تہ کیئے ہوئے کاغذ کے ساتھ ایک سگار پڑا تھا۔ میں نے بیڈ روم میں جا کر کاغذ کھولا اس میں یہ تحریر درج تھی۔

"اس سگار کی کارکردگی سے تم ضرور واقف ہو گے آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہیں جنوبی ہند کے ایک مشن کے دوران اسی قسم کا سگار دیا گیا تھا۔ یہ سائنائیڈ زہر کی پھوار والا سگار ہے جس کو سلگانے کے بعد جب تم اس کے درمیان میں سے اسے دباؤ گے تو سامنے کھڑا تمہارا دشمن اس کی پھوار سے ایک سیکنڈ کے ایک ہزارویں حصے میں مردہ ہو کر گر پڑے گا۔ اس میں بھرا ہوا مہلک زہریلا محلول بارہ آدمیوں کو موت کی نیند سلانے کے لئے کافی ہے لیکن تم محتاط استعمال کے ساتھ تعداد بڑھا بھی سکتے ہو ہم تمہاری نگرانی ضرور کر رہے ہیں مگر ہوٹل میں داخل ہو کر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اس میں بعض مصلحتیں درپیش ہیں بھارتی ایجنٹ ورما کے بارے میں تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وہ آج شام کسی وقت تم پر حملہ آور ہو گا تمہیں ہر حالت میں اسے ختم کر کے خود زندہ رہنا ہے کیوں کہ تمہیں اس کے بعد بہت جلد ایک اہم ترین مشن سونپا جا رہا ہے جس کے لئے تم سے زیادہ موزوں آدمی ہمیں نہیں مل سکتا"

میں نے حسب عادت خط پڑھنے کے بعد اسے جلا کر سنک میں بہا دیا سگار کو لائیٹر کے ساتھ جیب میں رکھا اور سٹنگ روم میں آگیا یہ دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور تشویش بھی کہ سکھ لڑکی غائب تھی۔ سب سے پہلے میں نے سٹنگ روم کی چیزوں کا جائزہ لیا۔ کوئی شے اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ کچن میں گیا وہاں بھی ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ میں نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر دیکھا نیم روشن راہ داری خالی تھی یقینی طور پر یہ لڑکی ہمارے دشمن ہی کی طرف سے کسی اہم مشن پر بھیجی گئی تھی کیا وہ اپنے مشن میں ناکام رہی تھی؟ میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے اپنے کمرے میں ہی منگوایا۔

یوں شام ہو گئی۔ میں ٹی وی آن کیئے چپ چاپ کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھتا رہا۔ اپنے ایجنٹ نے شام سے پہلے لانڈری والے کے روپ میں پہنچنے کے لئے کہا تھا اب مجھے اس کا انتظار تھا شام کے سات بجے فون پر مجھے اسی آواز نے مرموز الفاظ میں اطلاع دی کہ لانڈری والا آج نہیں آئے گا اور دشمن ایجنٹ کو ہوٹل کی لابی میں مشتبہ حالت میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے تم خبردار رہنا فون بند ہو گیا۔

میں نے جیب سے سگار نکال کر اسے چیک کیا۔۔۔ مصیبت یہ تھی کہ میں سکھ کے حلیے میں تھا اور سکھ کا سگار سلگانا ایک عجیب اور انوکھی بات تھی۔ سامنے کھڑے دشمن کو شک پڑ سکتا تھا میں نے ٹی وی آف کر دیا چھت اور دیوار کی دونوں بتیاں بجھا کر صرف سائیڈ صوفے والا ٹیبل لیمپ جلنے دیا پردہ سبھی کھڑکیوں پر برابر کر دیا۔ مجھے اطلاع کر دی گئی تھی کہ بھارتی ایجنٹ لابی میں داخل ہو

گیا ہے وہ کسی بھی وقت کسی بھی بھیس میں مجھ پر حملہ کرنے وہاں آ سکتا تھا۔ اب سوال اپنے بچاؤ ہی کا نہیں تھا بلکہ دشمن ایجنٹ کو ہمیشہ کے لئے اپنے راستے سے ہٹانا بھی میرے مشن کا اہم ترین حصہ تھا۔ ایک ترکیب میرے ذہن نے مجھے پیش کی میں نے ٹیبل لیمپ بجھایا اور کمرے کی عقبی سلائیڈنگ دیوار ہٹا کر بالکونی میں آگیا بوندا باندی رک گئی تھی مگر شدید برفیلی ہوا چلی رہی تھی شام ابر آلود تھی ہوٹل کے عقبی لان کے کنارے کنارے درختوں کے قریب پارکنگ لاٹ میں گاڑیاں کھڑی تھیں سارے کا سارا علاقہ سنسان تھا شدید سردی کی وجہ سے وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا میری بالکونی دوسری منزل پر تھی بالکونی کے کونے میں دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی فائر سیڑھی نیچے جا رہی تھی میں نے بالکونی والا سلائیڈنگ دروازہ کھلا ہی رہنے دیا اور دروازے کو باہر سے تالا لگا کر راہ داری سے ہوتا ہوا نیچے لابی میں آگیا کاؤنٹر پر چابیاں لڑکی کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں میرا کوئی پیغام آئے تو اسے لکھ رکھنا' پھر میں لابی کے عین درمیان میں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا مجھے یقین تھا کہ دشمن کے ایجنٹ نے مجھے ضرور دیکھ لیا ہوگا اور اب وہ میری عدم موجودگی میں میرے کمرے میں داخل ہو کر وہاں چھپ کر میرا انتظار کرے گا ممکن ہے وہ میری چیزوں کی تلاشی بھی لے۔

میں سڑک پر نکل گیا' پھر اوپر سے ایک چکر کاٹ کر باغ میں داخل ہو گیا اور عقبی پارکنگ لاٹ والے درختوں کے نیچے سے گزرتا ہوا ایک جگہ اندھیرے میں رک گیا میں نے غور سے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی انسان نہیں تھا اس کے بعد' میں درختوں سے نکل کر تیزی سے اپنے کمرے کی عقبی لان والی فائر سیڑھی کے پاس آیا اور جلدی جلدی زینہ چڑھ کر دوسری منزل والی بالکونی میں سے گزر کر اپنے کمرے میں آگیا کمرے میں گھپ اندھیرا تھا صرف جہاں سے کھڑکی والا پردہ تھوڑا سا ہٹا ہوا تھا وہاں بند شیشے میں سے باہر کی دھیمی روشنی اندر داخل ہو کر کمرے کے اندھیرے کو نیم روشن کرنے کی کوشش کر رہی تھی میں نے دروازے کے قریب آ کر کان لگا دیئے باہر راہ داری میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی میں ہوشیار ہو گیا قدموں کی چاپ میرے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی میں دبے پاؤں چلتا بالکونی میں چلا گیا اور سلائیڈنگ ڈور کے پردے میں سے مجھے اپنے کمرے کا دھندلا دھندلا منظر پورا نظر آ رہا تھا۔

میری نگاہیں کمرے کے بند دروازے پر تھیں اور ہاتھ جیب کے اندر چھری کے دستے پر جما تھا۔ کوئی کسی باریک سلاخ سے دروازے کے بند تالے کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا یہ دشمن ایجنٹ ورما کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا میں نے چھری والا ہاتھ جیب میں سے چھری سمیت باہر نکال لیا۔ تالا کلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا تھا' پھر دروازہ تھوڑا سا آگے ہوا اور ایک رین کوٹ والا آدمی جلدی سے اندر آگیا۔ آتے ہی اس نے بڑے اطمینان سے دروازہ بند کیا اور اس کا آٹو میٹک قفل لگ گیا۔ اس کی حرکات و سکنات میں اطمینان اور سکون کا تاثر تھا ظاہر ہے اسے یہی معلوم تھا کہ کمرے میں اس کے سوا

دوسرا کوئی نہیں ہے وہ تیزی سے بیڈ روم میں گیا وہاں سے مجھے چیزوں کے الٹنے پلٹنے کی آوازیں آنے لگیں ایک دو منٹ بعد وہ بیڈ روم سے نکل کر سٹنگ روم میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا کھڑکی کا پردہ جہاں سے ہٹا ہوا تھا وہاں سے باہر کی دھیمی روشنی اندر آرہی تھی میں نے اسے پہچان لیا تھا۔

یہ وہی بھارتی جاسوس کیول کشن ورما تھا جو بمبئی سے میرا پیچھا کر رہا تھا اور اب مجھے قتل کرنے کی نیت سے یہاں آیا تھا اس نے جیب سے پستول نکال کر کھولا۔ اس کے اندر بھری ہوئی گولیوں کو جھک کر دیکھا اور پستول دوبارہ جیب میں رکھ لیا کچھ دیر وہ بڑے سکون سے صوفے پر گردن پیچھے لگائے بیٹھا رہا میں بالکونی میں دیوار کے ساتھ لگا سلائیڈنگ ڈور کے تھوڑے سے ہٹے ہوئے پردے میں سے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہاں اب عجیب صورت حال پیدا ہو گئی تھی وہ میرا انتظار کر رہا تھا اور میں باہر بالکونی میں کھڑا تھا ظاہر ہے اسے اس وقت تک وہاں سے نہیں ہلنا تھا جب تک کہ میں باہر والا دروازہ کھول کر اندر داخل نہیں ہوتا اس کا مطلب تھا کہ میں بالکونی میں کھڑے کھڑے لندن کی ابر آلود رات میں اکڑ جاؤں گا۔ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا انتظار تھا۔ میں نے اس انداز میں سوچنا شروع کیا کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ دشمن ایجنٹ وہاں سے اٹھ کر بالکونی میں آئے کیونکہ میرا اس کے سامنے سٹنگ روم میں جانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا میں اسی کشمکش میں تھا کہ دشمن ایجنٹ صوفے پر سے اٹھا دبے پاؤں چلتا کمرے کے بند دروازے تک گیا کان لگا کر باہر کچھ سننے کوشش کی پھر پیچھے ہٹا کمرے کے قالین پر ٹہلتے ٹہلتے باتھ روم تک گیا وہاں سے پلٹا اور کچن میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک سنہری موقع تھا میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے سلائیڈنگ ڈور کے پٹ کو آہستہ سے پیچھے کھسکا دیا انتہائی پھرتی سے کام لیتے ہوئے میں بالکونی سے نکل کر پنجوں کے بل چلتا کچن کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا مجھے کچن کے اندر سے نل میں سے کیتلی میں پانی بھرنے کی آواز سنائی دی ایجنٹ شاید اپنے لئے کافی بنانا چاہتا تھا نلکا بند ہو گیا۔ کیتلی کے اسٹوو پر رکھنے کی آواز آئی۔ پانچ سیکنڈ کے لئے خاموشی چھا گئی شاید وہ کچن سے باہر نکلنے والا تھا میں اب نہ سکھ تھا نہ جاسوس بلکہ سر سے پاؤں تک ایک شاہین تھا چھری والا ہاتھ میں نے تھوڑا سا اونچا کر کے دوسرے ہاتھ کو میں نے اپنے سر سے اوپر کر لیا تھا قدموں کی آہٹ پیدا ہوئی اور وہ کچن سے باہر آرہا تھا۔

کمرے میں کوئی بتی نہیں جل رہی تھی میں نے اپنا سانس روک لیا دشمن ایجنٹ کچن سے باہر نکلا ایک بجلی سی اس کی آنکھوں کے آگے کوند گئی ہو گی کیونکہ میرا اٹھا ہوا الٹا ہاتھ اس کی گردن پر حلق کے نیچے پڑا اس ہاتھ کی ضرب اتنی طاقت ور اور اچانک تھی کہ دشمن کا ایجنٹ لڑکھڑا کر ایک طرف کو گرا۔ وہ جیب میں سے پستول نکالنے ہی والا تھا کہ میں خونخوار بھوکے چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اس طرح اس کے اوپر گرا کہ میرے ہاتھ کی چھری اس کے پیٹ میں اتر چکی تھی اس کے حلق سے ہلکی ایسی آواز نکلی اور میں نے چھری کو اس کے پیٹ میں ہی چھوڑ کر سیدھے ہاتھ سے اس کے پستول کو اس کے

ہاتھ سے چھین لیا چھری کا وار بہت ہی کاری ثابت ہوا۔

پستول میں نے اپنی جیب میں رکھا اور دم توڑتے ایجنٹ کو کچن کے باہر والی گول ڈائننگ ٹیبل کے نیچے اوندھا کر کے لٹا دیا اس کا سانس چل رہا تھا اور آنکھیں سفید ہونے لگی تھیں میں نے بیڈ روم میں جا کر دیکھا میرا بریف کیس کھلا ہوا پڑا تھا اور میری جعلی فائل کے کاغذات بکھرے پڑے تھے پاسپورٹ بریف کیس ہی میں تھا میں نے جلدی جلدی کاغذ سمیٹ کر بریف کیس میں بھرے اسے اٹھایا کمرے میں آ کر دشمن کے ایجنٹ کو دیکھا وہ زخمی حالت میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ٹیلی فون کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا وہ زندہ تھا میرے مشن میں اس کا زندہ رہنا شامل نہیں تھا میں نے بڑے اطمینان سے جیب سے اس کا سائیلنسر لگا پستول نکالا نالی اس کے سر کے ساتھ لگائی اور گھوڑا دبا دیا ٹھک کی آواز کے ساتھ گولی پستول میں سے نکل گئی دشمن ایجنٹ اس لمحے اگلے جہاں میں پہنچ گیا میں اس تذبذب میں تھا کہ اسی کمرے میں ہی رہوں یا وہاں سے فرار ہو جاؤں میرا اس لندن شہر میں کوئی ایسا ٹھکانا نہیں تھا جہاں میں وہاں سے فرار ہو کر جاتا اور پھر اپنے ایجنٹ کا کسی بھی وقت فون آ سکتا تھا وہ لوگ برابر میری نگرانی کر رہے تھے میں ایجنٹ کی لاش کو گھسیٹ کر بیڈ روم میں لے گیا اور اس کو چادر سے ڈھک دیا پھر ڈائننگ ٹیبل کے نیچے قالین پر خون کے دھبے پر اخبار رکھ دیا میرا بریف کیس تپائی پر پڑا تھا دشمن ایجنٹ کا پستول میری جیب میں تھا چھری لاش کے جسم میں پیوست تھی کھڑکی کا چنا ہوا پردہ میں نے برابر کر دیا تھا کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا اور خاموش رہا دوسری طرف سے اپنے ایجنٹ کی آواز آئی اپنا کوڈ ورڈ بتا کر اس نے مجھ سے میرا کوڈ ورڈ پوچھا اور کہا "اگر دشمن ختم ہو گیا ہو تو عقبی سیڑھی سے اتر کر پارکنگ لاٹ میں بڑی سڑک والی قطار کی آخری فیئٹ گاڑی میں آ کر بیٹھ جاؤ اس کا دروازہ تمہیں کھلا ملے گا"

مجھے گاڑی کا نمبر بھی بتا دیا گیا میں نے ریسیور رکھ دیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس عذاب نما تجسس سے میری جان چھوٹ گئی تھی۔ میں نے بریف کیس اٹھایا بالکونی والا دروازہ آہستہ سے ایک طرف ہٹا کر ٹھنڈی ابر آلود فضا میں آ گیا سارا عقبی علاقہ ویران اور نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا میں لوہے کے زینے سے اترتا ہوا نیچے لان میں آیا تو اچانک ایک طرف سے کسی عورت کی پنجابی زبان میں آواز آئی "تم بھاگ نہیں سکو گے"

میں نے پستول نکال کر آواز کی جانب دیکھا مجھے ہلکے ہلکے اندھیرے میں وہی لڑکی یعنی ہرنام کور نظر آئی اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا اس نے فائر کر دیا مگر اس سے پہلے ہی میں نے لان کی گھاس پر اپنے آپ کو گرا دیا تھا میں اس پر فائر کرنے ہی والا تھا کہ لڑکی چھلانگ لگا کر جھاڑیوں کے پیچھے اندھیرے میں غائب ہو گئی میں جھکا جھکا دوڑتا ہوا لان عبور کر کے پارکنگ میں کھڑی گاڑیوں کے پیچھے آ گیا اور اسی طرح جھکے ہوئے قطار کی آخری فیئٹ گاڑی کے پاس پہنچ کر اس کا دروازہ کھولا اور اندر اس طرح جھک

کر بیٹھ گیا کہ میرے پستول والے ہاتھ کا رخ پیچھے لان کی جھاڑیوں کی طرف تھا۔ اتنے میں درختوں کے پیچھے سے ایک سایہ نکل کر تیزی سے میری طرف بڑھا میں نے فوراً پستول کا رخ اس کی طرف پھیر دیا اس آدمی نے گرم اوور کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر بیرٹ کیپ تھی گاڑی کے قریب آتے ہی اس نے اپنا خفیہ کوڈ ورڈ دہرایا اور دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھتے ہی اتنی تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر لے آیا کہ میں جھکولا کھانے کے بعد سائیڈ ونڈو کی دیوار کے ساتھ چپک کر رہ گیا گاڑی لندن کی ابر آلود ویران رات میں کسی نامعلوم منزل کی طرف تیز رفتاری سے دوڑتی چلی جارہی تھی یہ ہمارا اپنا ایجنٹ تھا مگر میں اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا اس نے ایک چوک عبور کرتے ہوئے میری طرف دیکھے بغیر اردو زبان میں کہا" تم نے اناڑی پن کا ثبوت دیا ہے تمہیں چوکس رہنا چاہئے تھا اچھا ہوا تم بچ گئے "

" میں نے کہا" وہ لڑکی کون تھی ؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا خاموشی سے گاڑی چلاتے ہوئے سامنے سڑک کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا ظاہر ہے وہ دشمن کی ایجنٹ ہے۔ بہر حال تم اس وقت اس کی پہنچ سے باہر ہو "

میں خاموش رہا۔ اس نے گاڑی بڑی سڑک سے اتار کر ایک نسبتاً ویران اور چھوٹی سڑک پر ڈال دی یہاں اندھیرا تھا۔ کچھ دور سڑک پر چلتے رہنے کے بعد پوچھا" لاش تم نے کہاں رکھی تھی ؟"

میں نے اسے بتایا کہ دشمن ایجنٹ کی لاش میں نے بیڈ روم میں ڈال کر اسے چادر سے ڈھانپ دیا تھا اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔ گاڑی کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔ جونہی ہمیں سڑک کے کنارے ایک ویگن کھڑی دکھائی دی اس نے اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس بند کر دیں ... اندھیری سڑک پر ہماری فیئٹ گاڑی اس ویگن کے پیچھے جاکر آہستہ سے رک گئی ویگن کی اگلی سیٹ پر سے ایک درمیانے قد کا آدمی نکل کر ہماری گاڑی کی طرف آیا اس نے کوئی بات نہ کی ہم گاڑی سے باہر نکل آئے تھے وہ ہماری فیئٹ گاڑی میں سوار ہوا۔ گاڑی بیک کر کے موڑی اور جدھر سے ہم آئے تھے ادھر اندھیری سڑک پر غائب ہو گیا میرے ساتھی نے مجھے اپنے ساتھ ویگن میں بٹھایا اور ویگن لے کر سڑک پر آگے کی طرف چل پڑا۔ سڑک آگے ایک ڈھلان سے اتر کر کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی ایسے علاقے کی بڑی سڑک پر آگئی جس کے دونوں جانب گھاس کے وسیع میدان تھے اور اونچی عمارتوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں یہ شاید ہائی وے تھی آدھ گھنٹے تک ہماری ویگن اس بڑی سڑک پر کافی تیز رفتاری کے ساتھ اڑتی چلی گئی پھر دائیں جانب ایک کچی سڑک دکھائی دی یہاں ایک کھمبے کے ساتھ ٹیوب لائٹ جل رہی تھی میرے ساتھی نے ویگن کو اس کچی سڑک پر اتار دیا کچی سڑک ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پہلو سے چکر کاٹنے کے بعد چیڑ کے گنجان درختوں کے جھنڈ تلے بنے ہوئے ایک بیرک نما کمرے کے برآمدے کے آگے پہنچ کر رک گئی۔

" میرے پیچھے پیچھے آؤ "

اس بیرک نما ڈھلانی چھت والے کمرے کے باہر برآمدے میں کوئی بتی روشن نہیں تھی۔ میرا راہ نما مجھے بیرک کے کمرے میں لے گیا۔ یہاں کونے میں ایک بستر لگا تھا بجلی کا ہیٹر جل رہا تھا کھڑکیاں بند تھیں آگے پردے گرے ہوئے تھے کمرے کی فضا نیم گرم اور پُر سکون تھی فرش پر پرانا قالین بچھا تھا کونے میں میز پر ایک چھوٹا ٹی وی سیٹ رکھا تھا بتی یہاں بھی کوئی نہیں جل رہی تھی ہیٹر کے سرخ راڈ کی دھیمی دھیمی روشنی نے کمرے کی چیزوں کو مدھم انداز میں نمایاں کر رکھا تھا میرے راہ نما نے ہیٹر کے آگے کھڑے ہو کر ہاتھ گرم کرتے ہوئے کہا "ہمارا باس آرہا ہے اس کا انتظار کرو" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ بند ہو گیا میں نے جلتے ہوئے ہیٹر کی سرخ لو میں کمرے کا جائزہ لیا وہاں کوئی صوفہ نہیں تھا صرف دو آرام کرسیاں پلنگ کے پاس ہیٹر کے سامنے رکھی تھیں ایک کیبنٹ دیوار کے ساتھ لگا تھا جس پر ایک کلاک رات کے پونے نو بجا رہا تھا۔ اس کی فاسفورس والی سوئیاں چمک رہی تھیں کمرے کے دائیں جانب دو دروازے تھے ایک شاید باتھ روم میں کھلتا تھا دونوں دروازے بند تھے میں ہیٹر کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔ باہر غضب کی سردی سے نکل کر اس نیم گرم کمرے میں آنے سے مجھے کافی سکون ملا تھا مگر بھوک سے میرے پیٹ میں واقعی اب چوہے دوڑنے لگے تھے دوپہر کے بعد سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا اتنے میں باتھ روم کے ساتھ والا دروازہ کھلا ایک گول مٹول سا آدمی گرم کپڑوں میں ٹھنسا ٹھنسایا کمرے میں داخل ہوا دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور ہیٹر کے پاس میرے سامنے والی آرام کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اوور کوٹ کے بٹن کھول دیئے اس کے سر پر گول گرم فلیٹ تھی رنگ سانولا تھا چھوٹی چھوٹی مونچھیں تھیں اور آنکھوں میں بلا کی چمک تھی سب سے پہلے اس نے میرے چہرے پر اپنی سیاہ چمکیلی آنکھیں جماتے ہوئے ذرا سا آگے جھک کر مجھ سے میرا کوڈ نمبر پوچھا میں نے اپنا کوڈ نمبر بتایا تو اس نے مجھے اپنا کوڈ بتایا اس کی آواز سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی اپنا ایجنٹ ہے جو فون پر مجھے وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتا رہا ہے اس نے جیب سے سگار نکال کر مجھے پیش کیا۔ میں نے کہا کہ میں سگار نہیں پیتا وہ ذرا سا مسکرا کر بولا "گھبراؤ نہیں دوست۔ یہ سگار زہریلا نہیں ہے" پھر مسکرا کر بولا "آئی سی تم سکھ ہو اور سکھ لوگ تمباکو نہیں پیتے۔"

میں کچھ بے چین سا ہوا کہ کیا اسے معلوم نہیں کہ میں سکھ نہیں ہوں اور میں نے سکھوں کا حلیہ بنا رکھا ہے بہت جلد اس نے یہ کہہ کر میری بے چینی دور کر دی کہ اب تمہیں یہ حلیہ ایک دم تبدیل کرنا ہو گا" اندر باتھ روم میں جا کر داڑھی اتار کر ٹریش میں پھینک دو پگڑی بھی وہیں پھینک دو بالوں کو پیچھے کر کے کنگھی کر دو کل تمہارے بال بھی ترشوا دیئے جائیں گے۔"

میں نے کہا مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے" وہ مسکرا کر بولا "میں نے تو سنا ہے کہ کمانڈو کئی کئی روز تک صرف گھاس کھا کر زندہ رہ سکتے ہیں"

میں نے کہا مجھے صبح سے گھاس بھی نصیب نہیں ہوئی وہ سگار سلگاتے ہوئے بولا۔

"تم باتھ روم میں جا کر اپنا حلیہ درست کرو میں تمہارے لئے ساتھ والے کمرے سے کچھ کھانے کو لاتا ہوں"

میں نے رین کوٹ اتار کر پلنگ پر رکھا اور باتھ روم میں آگیا۔ چھوٹا سا باتھ روم تھا جہاں بے حد ٹھنڈ تھی میں نے پگڑی اتار کر ٹریش کیبن میں پھینکی' پھر بڑی احتیاط سے منہ سے چپکی ہوئی داڑھی اتار ڈالی بالوں کا جوڑا کھول دیا۔ میرے بال میری گردن تک پہنچ رہے تھے نلکے میں سے گرم پانی آرہا تھا میں نے منہ ہاتھ دھویا اور باہر والے کمرے میں آگیا میرا باس وہاں نہیں تھا میں ہیٹر کے سامنے بیٹھ گیا اتنے میں میرا گول مٹول گنجا باس ہاتھ میں ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا۔ ٹرے اس نے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا" اس وقت یہاں یہی کچھ مل سکتا ہے"

ٹرے میں بڑے گوشت کے قتلے' سلاد اور ڈبل روٹی کے چھ سات ٹکڑے اور چٹنی کی بڑی بوتل پڑی تھی۔ اس نے کوکا کولا کا ایک ٹن کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے جلدی جلدی سب کچھ کھا لیا وہ اطمینان سے آرام کرسی پر نیم دراز ایک ہاتھ ہیٹر کی طرف پھیلائے سگار پیتا رہا جب میں اپنی شکم پری کر چکا تو اس نے آہستہ سے جیب سے ایک تصویر نکال کر مجھے دکھائی یہ میری اپنی تصویر تھی جس میں میرا حلیہ سکھوں ایسا نہیں تھا اس نے کہا" اس تصویر کے ساتھ ہمیں تمہارے مکمل کوائف پہنچا دیئے گے تھے تمہارا انتخاب انتہائی سوچ بچار اور جانچ پڑتال کے بعد عمل میں لایا گیا ہے تمہیں جس مشن پر بھیجا جا رہا ہے وہ ایک قومی مشن ہے"

اس نے تصویر میرے ہاتھ سے لے کر اپنی جیب میں رکھ لی اور سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔" اس قومی مشن کی ساری تفصیلات تمہیں بتا دی جائیں گی' لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کچھ سلائیڈز دکھانا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ"

دوسرا کمرا چھوٹا تھا۔ وہاں بھی ایک بستر لگا تھا اور گرم ہیٹر جل رہا تھا یہاں پلنگ کے پاس والی تپائی پر ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ مگر اس کا شیڈ اتنے گہرے رنگ کا تھا کہ لیمپ کی روشنی تپائی کے اردگرد ہی مرکوز تھی۔ باس نے سامنے والی دیوار پر ایک چھوٹی اسکرین لگا دی اور کیبنٹ کی دراز میں سے سلائیڈ کی چھوٹی سی مشین نکال کر کیبنٹ کے اوپر رکھ دی پھر ایک الماری میں چابی گھمائی۔ اندر سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا اس میں کچھ ٹرانسپیرنسی مشین میں ڈال کر لائٹ آن کر دی سامنے چھوٹی سی اسکرین پر ایک تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ نظر آرہا تھا جہاز اونچے درختوں کو توڑتا ہوا کریش ہوا تھا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اس نے کہا" یہ انڈین ائر فورس کے ایک خصوصی طیارے کا ملبہ ہے جو ایک اہم ترین خفیہ مشن پر دلی سے ماسکو جاتے ہوئے خراب موسم کی وجہ سے آزاد کشمیر کے بارڈر پر چناری کے پاس ایک گہری گھاٹی میں کریش ہو کر تباہ ہو گیا تھا۔ یہ آج سے ٹھیک چار ہفتے پہلے کا واقعہ ہے ہماری انٹیلی جینس نے اس طیارے کی پرواز کی پہلے اطلاع کر دی تھی کہ ایک اونچی سطح کا بھارتی انٹیلی

کا وفد ایک خفیہ مشن پر ماسکو روانہ ہو رہا ہے ہمیں اس خفیہ مشن کے طیارے میں سفر کرنے والے وفد کے تمام ارکان کے نام اور عہدے بتا دیئے گئے تھے ہمیں اس خفیہ مشن کے وفد کے اغراض و مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی مگر ہم اس مشن میں براہ راست ملوث ہونا نہیں چاہتے تھے چنانچہ ہم نے دلی میں اپنے خاص آدمی کو سگنل دے دیا کہ اس خفیہ مشن کے کوائف معلوم کرنے کی کوشش کرے ہمیں واپسی سگنل میں بتایا گیا کہ اس خفیہ وفد میں دلی کے سی آئی بی کا جوان سیکرٹری کیپٹن رام کشن مہتہ بھی شامل ہے جو انڈین سی آئی بی کا انتہائی طاقت ور اور اہم ترین افسر ہے کیپٹن مہتا کے بارے میں ہمارے پاس ایک پوری فائل موجود تھی جس میں اس کے تمام کوائف درج تھے ہم باخبر رہے۔ اس کے سوا کچھ کرنا بھی نہیں چاہتے تھے لیکن جب ہمیں خبر ملی کہ انڈین ایئر فورس کا یہ طیارہ آزاد کشمیر کی سرحد کے بالکل قریب ایک گھاٹی میں گر کر تباہ ہو گیا ہے تو ہم حرکت میں آ گئے بات اصل میں یہ تھی کہ اس سے پہلے کہ بھارتی سکیورٹی کے ارکان طیارے کے ملبے تک پہنچتے ہم حادثے کی جگہ پہنچ کر خفیہ وفد کے بچے کھچے بریف کیس اور دوسرے کاغذات اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے چنانچہ ہم نے وادی کشمیر میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ جائے حادثہ پر پہنچ کر جس قدر کاغذات یا بریف کیس وہاں پر بچے ہوئے ہیں ان کو اپنے قبضے میں لے لیا جائے میں اس وقت خود اس آپریشن کی نگرانی کرتے ہوئے چناری میں بیٹھا تھا حادثہ چناری سے کچھ ہی دور کشمیر کی وادی میں پیش آیا تھا ہمارے آدمیوں نے کمال کر دکھایا۔ وہ انتہائی برق رفتاری سے عام کشمیری کسانوں کے بھیس میں جائے حادثہ پر پہنچ گئے اس وقت تک بھارتی سکیورٹی فورس اور سی آئی بی کا کوئی بھی آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا بھارتی ایئر فورس کے ہیلی کاپٹر جہاز کے ملبے کو وادی میں تلاش کرتے پھر رہے تھے اس جائے حادثہ سے سگنل ملا کہ جہاز میں سوائے ایک افسر کے وفد اور جہاز کے عملے کے تمام ارکان مر چکے ہیں معلوم ہوا کہ افسر بچ گیا ہے وہ شدید زخمی ہے اس کی ہتھیلی کے ساتھ جو بریف کیس چین سے بندھا ہوا ہے اس پر صرف کیپٹن آر کے مہتا لکھا ہے میں نے اپنے آدمیوں کو مرموز زبان میں حکم دیا کہ وہ اس افسر کو اٹھا کر بارڈر کراس کر کے چناری پہنچنے کی کوشش کریں جہاز کے ملبے کو ویسے ہی چھوڑ دیں۔

اسی شام ہمارے آدمی کیپٹن رام کشن مہتہ کو لکڑی کے بنے ہوئے اسٹریچر پر ڈال کر چناری ہمارے خفیہ مقام پر لے آئے کیپٹن مہتہ کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں تین پسلیاں پھیپھڑوں میں دھنس گئی تھیں اور دونوں آنکھوں میں شیشے کی کرچیاں گھسی ہوئی تھیں اسے فوراً طبی امداد دی گئی مگر وہ ہوش میں نہیں تھا ہم نے اس کے بریف کیس پر قبضہ کر لیا اور اس کی کئی تصویریں لیں یہ آدمی ہمارے لئے بے حد اہم تھا اور ہم اسے کسی نہ کسی طرح زندہ رکھنا چاہتے تھے مگر پھیپھڑوں میں پسلیوں کے گھس جانے سے اس کا سانس بے حد آہستہ آہستہ چل رہا تھا اس سے پہلے کہ ہیڈ کوارٹر کے ہسپتال سے طبی امداد ہم تک پہنچتی کیپٹن رام کشن مہتا مر گیا۔ اس کا بریف کیس کھول کر دیکھا گیا

اس میں صرف ایک فائل ایسی تھی جو ہمارے لئے کافی معلومات رکھتی تھی اس فائل میں چھ سات نیلے رنگ کے کاغذات لگے تھے اور یہ موسٹ کانفیڈینشل فائل تھا۔ اس سے پتا چلا کہ روس انڈیا سے ایک نیوکلر آبدوز کے بارے میں کچھ مذاکرات کرنا چاہتا تھا اور اسی مشن پر یہ خفیہ وفد روس جا رہا تھا' لیکن باس کے سوائے ہمیں اس خفیہ مشن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ہم کچھ افسران کمرے میں بیٹھے کیپٹن مہتہ کی تصویروں کی ٹرانسپیرنسیز دیکھ رہے تھے کہ ہم میں سے ایک افسر نے چونک کر مجھے بتایا کہ کیپٹن مہتا کی شکل ننانوے فی صد ہمارے اپنے ایک آدمی سے ملتی تھی۔ میرے ذہن میں ایک دم سے ایک عجیب و غریب اسکیم ابھر آئی۔ میں نے اپنے ایک آدمی کی فائل ہیڈ کوارٹر سے منگوا کر دیکھی تو واقعی دنگ رہ گیا ہمارے آدمی کی شکل کیپٹن مہتا سے خطرناک حد تک ملتی تھی۔ ہم نے کیپٹن مہتا کے پاسپورٹ پر لگی اس تصویر سے اپنے آدمی کی تصویر جو ملائی تو قیامت کی مماثلت دیکھی میری اسکیم کو مزید تقویت ملی ابھی میں نے اس اسکیم کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور میں کرنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ بڑی اہم خفیہ اور خطرناک اسکیم تھی"

پھر باس نے سلائیڈ مشین کی لائٹ آف کر دی اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا "کیا تم اپنے آدمی کی تصویر دیکھنا پسند کرو گے ؟"

اس نے پیکٹ میں سے ایک ٹرانسپیرنسی نکال کر مشین میں لگائی اور بٹن دبا۔ اسکرین پر میں اپنی تصویر دیکھ کر کچھ حیران سا ہوا باس نے کہا "ہاں یہ تمہاری تصویر ہے اب میں تمہیں کیپٹن کی تصویر دکھاتا ہوں"

کیپٹن مہتہ کی تصویر اسکرین پر آئی تو میں اپنی سیٹ پر اچھل سا پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کی شکل مجھ سے کافی ملتی تھی۔ یہ تصویر کیپٹن مہتہ کے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر سے بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد اس کی زخمی حالت کی تصویریں مجھے دکھائی گئیں۔ اس کی آنکھوں پر روئی کے پھاہے رکھے ہوئے تھے مگر اس کی ناک' رخساروں کی ہڈیاں اور سر کے گھنگریالے بال ہو بہو مجھ سے ملتے تھے فرق اگر تھا تو صرف اتنا کہ اس کی بھنویں ذرا نیچے کو کھنچی ہوئی تھیں اور آنکھیں میری آنکھوں کے مقابلے میں قدرے چھوٹی تھیں ناک کا بانسا آنکھوں کے قریب جا کر ذرا سا اوپر کو اٹھا ہوا تھا پاسپورٹ کی تصویر میں وہ مسکرا رہا تھا اس کے دانت بھی میرے دانتوں کی طرح چھوٹے اور ہموار تھے باس نے سلائیڈ مشین بند کر کے ٹیبل لیمپ روشن کر دیا اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "اب تم آرام کرو۔ میں دوسرے کمرے میں سوؤں گا صبح تم سے تفصیل کے ساتھ بات ہو گی" اس الماری میں سلیپنگ سوٹ پڑا ہے کل تمہارا حلیہ مزید درست کر دیا جائے گا"

وہ مسکراتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا میں تھکا ہوا تھا کپڑے بدلتے ہی بستر پر گرا اور گہری نیند میں کھو گیا دوسرے روز میری چھوٹی چھوٹی داڑھی اور مونچھیں صاف کروا دی گئیں اور بال

بھی پیچھے سے کاٹ دیئے گئے باس نے مجھے نیا ٹویڈ کا سوٹ پہننے کو دیا۔ سیاہ رنگ کا اوور کوٹ بھی میرے لئے وہاں پہلے سے موجود تھا ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد باس نے کافی بنائی اور میرے سامنے آرام کرسی پر بیٹھ کر سگار سلگاتے ہوئے بولا "میں زیادہ تفصیل میں فی الحال نہیں جانا چاہتا۔ اس کی ابھی ضرورت بھی نہیں ہے پوری تفصیل اور اس کی تمام جزئیات تمہیں تمہارے مشن پر روانگی سے پہلے پوری طرح ذہن نشین کرا دی جائیں گی تم اپنے آپ کو ابھی سے ذہنی طور پر تیار کرلو کہ تمہیں کیپٹن رام کشن مہتہ کی شکل میں کشمیر کا بارڈر کراس کر کے انڈیا میں داخل ہونا ہوگا"

میں باس کا منہ تکتا رہ گیا میں سب کچھ سمجھ گیا تھا کہ مجھے کتنی بڑی اور کتنی کڑی آزمائش میں ڈالا جارہا ہے میں ایک گہرا سانس بھر کر اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا۔ باس نے کہا "تمہارا انتخاب بہت سوچ بچار کے بعد ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ میں کیا گیا ہے انڈین کیپٹن مہتا سے تمہاری شکل کی مماثلت ہی ہمارے لئے کافی نہیں تھی اس مشن کے لئے ہمیں انتہائی تجربہ کار محب وطن ناقابل شکست اعصاب کے مالک اور ایک ایسے کمانڈو کی ضرورت تھی جو ہندوستان کے وسطی' بالائی اور جنوبی صوبوں کی تہذیب اور کلچر سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور ان کی دو چار زبانیں بھی جانتا ہو خوش قسمتی سے یہ تمام اوصاف تم میں موجود تھے پس تمہیں اس انتہائی اہم اور خطرناک مشن کے لئے چن لیا گیا۔ مجھے امید ہے کہ تم ملک و قوم کی اس عظیم ترین خدمت کے سلسلے میں ہماری اور وطن پاک کی توقعات پر پورے اترو گے"

میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس مشن کے لئے تیار کرلیا تھا مجھے باس نے بتایا کہ آج ہی مجھے لندن سے دور ایک کلونٹی کے زیر زمین تہ خانے میں لے جا کر وہاں میرے چہرے کی تھوڑی سی پلاسٹک سرجری کی جائے گی۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیپٹن مہتا کی آنکھیں تمہاری آنکھوں کے مقابلے میں تھوڑی چھوٹی ہیں تمہاری آنکھوں کو معمولی سے دو چار ٹانکے لگا کر تھوڑا اسکیڑ دیا جائے گا تمہاری ناک کا بانسا بھوؤں کے قریب تھوڑا سا اوپر اٹھا دیا جائے گا تاکہ وہ کیپٹن مہتا کی ناک جیسا ہو جائے اس کے علاوہ تمہاری بھوؤں کو بھی ذرا سا نیچے کھینچ کر کیپٹن مہتا کی بھوؤں کے مطابق بنایا جائے گا یہ تین معمولی مگر بڑی اہم تبدیلیاں تمہارے چہرے پر کرنی ہوں گی۔ اس کے لئے تمہیں صرف ایک ہفتہ ہمارے زیر زمین کلینک میں رہنا ہوگا۔

اس کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور باہر جاتے ہوئے بولا "اب تم کچھ دیر آرام کرو لندن کا موسم ابر آلود ہے کلینک پر تمہاری معمولی سرجری کے لئے ہمارا ایک ماہر سرجن دس منٹ بعد پہنچ جائے گا پندرہ منٹ بعد میں آ کر تمہیں ساتھ لے چلوں گا کوئی سوال؟" میں نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا "کوئی سوال نہیں سب ٹھیک ہے اپنے وطن پاک کے لئے جان بھی حاضر ہے"

وہ مسکرایا "مجھے تم سے یہی امید تھی" اور سر پر ٹوپی رکھ کر کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد' میں نے ٹی وی آن کیا کسی چینل پر لندن شہر کی آئندہ چوبیس گھنٹوں کا موسم کا حال بتایا جارہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد میرا چھوٹی چھوٹی مونچھوں والا باس مجھے لینے آگیا۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ میرا باس لاہور کا رہنے والا تھا مگر ایک مدت سے بیرون ملک، وطن پاک کی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ بیرک کے باہر ایک اسٹیشن ویگن کھڑی تھی جس پر ڈیری فارم کے انگریزی الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ موسم ویسا ہی ابر آلود اور سرد تھا۔ ویگن باس خود ہی چلا رہا تھا۔ کئی چھوٹی بڑی، ویران اور آباد سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے آخر ہم ایک کالونی میں آگئے۔ کالونی کے ہرے بھرے کھیتوں کے پیچھے خالص انگلش وضع کے کاٹج بنے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں کسی کاٹج کی چمنی میں سے ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔ ویگن کالونی کو پیچھے چھوڑتی ہوئی تھوڑی دور جا کر ایک جنگل کی چڑھائی چڑھنے لگی۔ دوسری طرف ڈھلان پر سے اتری تو مجھے بائیں جانب ایک چھوٹا سا کاٹج دکھائی دیا جس کے صحن کے کنارے لکڑی کا جنگلہ لگا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کاٹج میں کوئی نہیں رہتا۔ ویگن ایک طرف درختوں کے پیچھے کھڑی کر دی گئی۔ باس اتر کر کاٹج کی طرف چلا۔ میں لمبے اوور کوٹ میں ملبوس سر پر ہیٹ رکھے اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ کاٹج کا دروازہ کھلا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو باس نے دروازے کو اندر سے مقفل کر دیا۔ ڈیوڑھی کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا زینہ نیچے اترتا تھا۔ نیچے ایک صاف ستھرا چھوٹا سا کمرہ تھا جو کسی اسپتال کے آپریشن روم کی طرح تھا۔ آتشدان میں گیس کا ہیٹر روشن تھا، کمرے کی فضا نیم گرم تھی۔ دو نوجوان ڈاکٹروں نے، جو پاکستانی تھے میرا خیر مقدم کیا۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا۔ غسل کے بعد کمرے میں آیا تو ہر شے بالکل تیار تھی۔ مجھے آپریشن میز پر لٹا دیا گیا۔

ایک ہفتہ مجھے اسی کمرے میں رکھا گیا۔ آٹھ دن کے بعد جب میں نے آئینہ دیکھا تو میری شکل میں کایا کلپ تو نہیں لیکن اتنی تبدیلی ضرور آگئی تھی کہ پہلی نظر میں مجھے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ میری بھویں درمیان میں ذرا اندر کو کھنچ آئی تھیں۔ آنکھیں بھی تھوڑی سی چھوٹی ہو گئی تھیں۔ ناک آنکھوں کے قریب جا کر تھوڑی سی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ دونوں ڈاکٹروں نے میرا فائنل معائنہ کیا اور باس کو بتایا کہ مجھے مزید چار روز وہاں رکھا جائے گا۔ ان چار دنوں میں ٹانکوں کے چھوٹے چھوٹے نشان بھی غائب ہو گئے۔ پانچویں روز انڈین کیپٹن رام کشن مہتہ کی پاسپورٹ کی تصویر لا کر باس نے مجھے

دکھائی اور کہا۔" یہ تمہاری تصویر ہے۔ غور سے دیکھو۔"

میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر کیپٹن مہتہ کی تصویر پر نظر ڈالی تو سرجری کے کمال پر دنگ رہ گیا۔ کیپٹن مہتہ کی شکل اور میری شکل میں کوئی فرق نہیں تھا۔ صرف میرے بال گردن پر لمبے تھے۔ باس نے کہا۔" اب تمہارا ہیئر کٹ کیپٹن مہتہ جیسا بنایا جائے گا۔ کیوں کہ جب اس کا جہاز کریش ہوا تو اس کے بال تھوڑے تھوڑے بڑھے ہوئے تھے۔ تمہارا ہیئر اسٹائل بالکل ویسا ہی بنا دیا جائے گا۔"

اس کے بعد مجھے واپس اسی بیرک میں لایا گیا جہاں باس مجھے پہلی بار ملا تھا۔ اب انڈین کیپٹن رام کشن مہتہ کے گھریلو حالات کے بارے میں بریفنگ شروع ہو گئی۔ ہماری انٹیلی جینس کے اپنے آدمیوں کی مدد سے دلی سے کیپٹن مہتہ کے پورے کوائف منگوا لئے تھے۔ اس میں کیپٹن مہتہ کے رشتہ داروں کے نام، تصویریں، ان کے گھروں کے ایڈریس، کیپٹن مہتہ کی والدہ کی تصویر، اسکی بڑی بہن کرشنا کماری اس کے خاوند ہری پرشاد اور اسکی لڑکی اور لڑکے کی تصویریں۔ ان کے گھر کا پتا۔ سب کچھ بتایا گیا۔ جب کیپٹن مہتہ کی گھریلو زندگی کے بارے میں میری پوری بریفنگ ہو گئی تو اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا جس میں مجھے اس کے سرکاری اور اہم ترین عہدے پر بھرپور روشنی ڈالی گئی اور مجھے بتایا گیا کہ وہ انڈیا کی سینٹرل انٹیلی جینس بیورو کا سیکرٹری ہے اور اس کے پاس غیر ملکی حکومتوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کا شعبہ ہے۔ یہ بڑا اہم شعبہ تھا۔ میرا سب سے پہلا مشن روس کے ساتھ ہونے والے ایٹمی آبدوز کے سلسلے میں خفیہ معاہدے کی تفصیلات مہیا کرنا تھا۔ مجھے میرا اپنا نمبر دیا گیا جو میں یہاں نہیں لکھ سکتا۔ پاکستان کے کسی خفیہ فریکوئنسی زبانی یاد کرائی گئی۔ اس فریکوئنسی پر میں کوئی بھی خفیہ سگنل کسی بھی وقت دے سکتا تھا۔

اب مجھے کیپٹن مہتہ کی لاش سے اتارا ہوا سوٹ اور اس کا بریف کیس، اس کے جوتے، جرابیں، بٹوہ، پاسپورٹ اور اس کے بٹوے میں لگی ہوئی ایک لڑکی کی تصویر دکھائی گئی۔ اس لڑکی نے بندیا لگا رکھی تھی۔ درمیان سے مانگ نکلی تھی۔ جوڑے میں ایک پھول لگا رکھا تھا۔ وہ ساڑھی میں تھی اور مسکرا رہی تھی۔

باس نے کہا۔" اس لڑکی کے بارے میں ہم نے جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق اس کا نام سجاتا مہتہ ہے۔ یہ کیپٹن مہتہ کی برادری کی لڑکی ہے اور ائر انڈیا کے چاندنی چوک والے آفس میں سیلز گرل ہے۔ کیپٹن مہتہ سے اس کا رومانس چل رہا ہے۔ یہ لڑکی سجاتا مہتہ نئی دلی کی ایک کوٹھی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا باپ دلی کے پنجابی سوداگران سے تعلق رکھتا ہے اور پلاسٹک کی مصنوعات کا کاروبار کرتا ہے۔ اسکی ایک ہی لڑکی ہے اور وہ اسکی شادی کیپٹن مہتہ سے کرنا چاہتا ہے۔"

اس کے بعد مجھے دلی میں کیپٹن مہتہ کی پوسٹ کے بارے میں پوری تفصیلات بتائی گئیں کہ اس کی جاب کی نوعیت کیا ہے اور وہ کن کن محکموں سے رابطہ رکھتا ہے۔ مجھے اس کے موتی نگر

والے چھوٹے سے بنگلے کی تصویر دکھائی گئی ... یہ بریفنگ کھانا کھانے کے بعد بھی جاری رہی۔ دوسرے روز کیپٹن مہتہ کے سوٹ اور جرابوں کو ڈرائی کلین کروا کر جوتوں کے ساتھ ایک پیکٹ میں بند کر دیا گیا۔ اسی پیکٹ میں اس کے دوسرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضروری کاغذات اور بریف کیس بھی رکھ دیا گیا۔

باس نے کہا۔ "یہ پیکٹ پاکستان میں آزاد کشمیر کے کسی مقام پر تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی پیکٹ میں کیپٹن مہتہ کے وہ کاغذات بھی ہیں جو اسکی فلائیٹ کے سلسلے میں انڈین ائر فورس کے خصوصی طیارے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ باقی بریفنگ، تمہارا مشن شروع ہونے سے پہلے آزاد کشمیر کے کسی مقام پر کی جائے گی۔"

باس وہ پیکٹ لے گیا۔ تین دن کے بعد، میں پی آئی اے کے ایک طیارے میں بیٹھا کراچی کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ میرا خصوصی پاکستانی پاسپورٹ تیار کیا گیا۔ کراچی سے میں راولپنڈی پہنچا۔ وہاں سے مجھے رات کے اندھیرے میں ایک جیپ میں بٹھا کر آزاد کشمیر کے ایک مقام پر پہنچا دیا گیا۔ میں اس مقام کا نام نہیں لکھوں گا۔ یہ جگہ ایک پہاڑی جنگل میں واقع تھی۔ دو کمروں والا ایک مکان تھا۔ میں اس مکان میں دو دن تک بند رہا۔ مجھے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی ... دوسرے دن شام کو میرا وہی لندن والا باس آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک اونچا لمبا فوجی قسم کا جوان بھی تھا جس نے سویلین لباس پہن رکھا تھا۔ باس نے میرے سامنے علاقے کا نقشہ کھول کر رکھ دیا اور بولا۔ "یہ وہ مقام ہے جہاں انڈین ائر فورس کا طیارہ کریش ہوا تھا۔ بھارتی حکام کو ہم نے طیارے کی نشاندہی سرکاری طور پر کی تو ان کا اعلیٰ سطحی وفد عام تفتیشی افسروں کی حیثیت سے وہاں پہنچ گیا۔ ہم نے کیپٹن مہتہ کو زخمی حالت میں جائے حادثہ سے غائب کر دیا تھا۔ بھارتی وفد کے ارکان کو بتایا گیا کہ جہاز کے سبھی مسافر کریش میں ہلاک ہو گئے تھے۔ انہوں نے سب کی لاشیں بھی شناخت کر لیں۔ کیونکہ اتفاق سے جہاز میں آگ نہیں لگی تھی، لیکن انہوں نے کہا کہ ان کے ایک افسر کی لاش کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔

بھارتی وفد کے ارکان نے بھی خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا مگر صاف لگتا تھا کہ کیپٹن مہتہ کی لاش اور اس کے بریف کیس کے بارے میں وہ بہت پریشان ہیں، پھر وہ لوگ اپنے آدمیوں کی کٹی پھٹی لاشیں لے کر انڈیا چلے گئے۔ اب ظاہر ہے کہ انہوں نے کیپٹن کو لاپتہ قرار دے دیا ہو گا۔ وہ یقیناً یہ سوچ رہے ہوں گے، کیپٹن مہتہ زخمی حالت میں بھی کسی طرح جائے حادثہ سے فرار ہو گیا تھا اور اب وہ بھارتی سرحد میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس صورتحال سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔ تم کو ہم انڈیا کے بارڈر پر چھوڑ دیں گے جہاں سے تم بڑی آسانی سے سرحد پار کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تم بارڈر فورس کے آدمیوں کو یقین دلاؤ گے کہ تم کیپٹن مہتہ ہو۔ تمہیں تمہارے ہیڈ آفس، تمہارے گھر اور سجاتا مہتا کے ٹیلی فون نمبر بھی دے دیئے جائیں گے۔ کیا اس صورتحال کو تم

نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہے۔؟

میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اتنی شدید بریفنگ کی گئی ہے اور میری شکل اس حد تک کیپٹن مہتہ کی شکل سے مماثل کر دی گئی ہے کہ اب میں اپنے آپ کو کیپٹن رام کشن مہتہ ہی سمجھنے لگا ہوں طور لگتا ہے کہ میں پاکستان کی سرحد پار کر کے اپنے گھر دلی جا رہا ہوں۔ باس اور اس کا ساتھی ذرا سا مسکرائے' پھر باس نے مجھے تینوں فون نمبر لکھوا دیئے۔ یہاں مجھے کیپٹن رام کشن مہتہ کی ایک نوٹ بک بھی دی گئی جو اسکی جیب سے نکلی تھی اور جس میں اس کا سیونگ اکاؤنٹ نمبر درج تھا۔ اس کا حساب دلی کے پنجاب سندھ بنک میں تھا۔ چیک بک نہیں مل سکی تھی۔ باس نے کہا۔" ہو سکتا ہے کہ کیپٹن مہتہ کی چیک بک اس کے آفس کے دراز میں ہو۔ تم ہوشیاری کے ساتھ اس کا پتہ لگانا اور سجاتا مہتہ سے ملتے وقت محتاط رہنا کوشش کرنا کہ وہ تم سے دور ہی رہے۔ شادی کے بارے میں ہرگز حامی نہ بھرنا اور اس کے ساتھ زیادہ بے تکلف بھی نہ ہونا۔ ہر حالت میں ایک بات کبھی نہ فراموش کرنا کہ تم مسلمان ہو اور میڈیکل معائنے پر تمہارے مسلمان ہونے کا راز فاش ہو سکتا ہے۔ زہریلا سگار تمہارے پاس موجود ہے۔ پستول کی تمہیں ضرورت نہیں۔ کیپٹن مہتہ اعلیٰ سگریٹ پینے کا عادی تھا۔ یہ سگار صرف اس صورت میں سلگانا جب تم کسی دشمن کو ہلاک کرنا چاہو... تمہارے بٹوے میں انڈین کرنسی کے سات سو چھیانوے روپے اور کچھ ریزگاری رکھ دی گئی ہے۔ کیپٹن مہتہ کا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات بریف کیس میں موجود ہیں۔ کل رات صبح ہونے سے پہلے تمہیں مقبوضہ کشمیر کی سرحد کے قریب چھوڑ دیا جائے گا۔

اب تم آرام کرو۔ تمہارے سامنے مصائب اور مسائل سے پر ایک انتہائی اعصاب شکن سفر ہے' لیکن ہمیں تم سے پوری توقع ہے کہ تم ہر حالت میں ثابت قدم رہ کر ملک کی خدمت میں پیش پیش رہو گے۔"

میں نے پوچھا کہ دلی پہنچ مجھے کیا لائن اختیار کرنا ہو گی؟

باس نے کہا۔" پہلی بات تو یہ ہے کہ تم کبھی بھول کر بھی دلی میں ہمارے سفارت خانے کا رخ نہ کرنا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم دلی پہنچ کر اپنی ڈیوٹی سنبھال لو گے تو ایک روز تمہارے گھر پر فون آئے گا۔ فون پر وہ شخص تمہیں وہی کوڈ نمبر بتائے گا۔ جو میں نے تمہیں بتایا ہے اور جو ہمارا انتہائی سیکرٹ کوڈ نمبر ہے' پھر وہ شخص تمہیں ایک انتہائی جدید اور مختصر ترین اور تیز رس ٹرانسمیٹر دے گا۔ اسی ٹرانسمیٹر کی مدد سے تم ہماری فریکوئنسی پر اپنا کوڈ ورڈ بتا کر کسی بھی وقت رابطہ قائم کر سکو گے۔ اس فریکوئنسی پر تمہیں تمہارے اگلے پروگرام سے مرموز الفاظ میں آگاہ کر دیا جائے گا۔ تم ہماری مرموز کوڈ کو اچھی طرح جانتے ہو اور تمہیں اس کے خفیہ حروف زبانی یاد ہیں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تمہیں کوڈ بک ساتھ نہیں رکھنی پڑے گی۔ اب تم آرام کرو۔ میں کل رات آؤں گا۔ اس

دوران تم اس پہاڑی مکان سے ہرگز باہر نہیں نکلو گے اور رات کو صرف موم بتی روشن کر سکو گے۔ ایک بوڑھا آدمی تمہیں کھانا وغیرہ پہنچاتا رہے گا۔ نہ وہ تم سے کوئی بات کرے گا اور نہ تم اس کو بلانا۔ لو کے؟"

باس چلا گیا۔

آخر وہ لمحہ آن پہنچا جس کا میں بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ میری حالت ایسی تھی کہ میں چاہتا تھا کہ جتنی جلد ہو سکے میں بارڈر کراس کر کے بھارت کی سرزمین پر داخل ہو جاؤں۔ دو روز سے یہ لوگ مجھے کیپٹن مہتہ کہہ کر پکارنے لگے تھے۔ باس اندر داخل ہوا تو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ میں مسکرا دیا۔ باس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "تم نے جواب میں نمسکار کیوں نہیں کیا۔ کیپٹن مہتہ؟ کیا تم ہم پاکستانیوں کی مہمان نوازی کا جواب سرد مہری سے دو گے؟ ہم نے تمہیں زخمی حالت میں، جہاز کے ملبے سے اٹھایا۔ تمہاری تیمار داری کی، تمہیں بہترین طبی امداد دی اور اب اپنی روایتی رواداری سے کام لیتے ہوئے تمہیں اپنا قیدی بنانے کی بجائے تمہیں تمہارے ملک انڈیا کی سرحد پر واپس بھیج رہے ہیں۔ کیا تم ہمارے احسان کو فراموش کر دو گے؟

میں نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا۔ "آپ کا دھنواد، شریمان جی! آپ کے اپکار ہمیں یاد رہیں گے"

باس نے آہستہ سے کہا "ہندی کے اتنے الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جلدی سے یہ کپڑے پہن لو"

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ کشمیر کی پہاڑی پر کافی ٹھنڈ تھی مگر مکان میں آگ روشن تھی۔ میرے بال کیپٹن رام کشن مہتہ کے بالوں کی طرح تراش دیئے گئے تھے۔ سات روز سے مجھے شیو بنانے سے منع کر دیا گیا تھا تاکہ میں انڈین بارڈر سیکورٹی فورس والوں کو یہ کہنے میں حق بجانب ثابت ہو سکوں کہ میں کئی روز سے جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا تھا اور بارڈر کراس کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور سات روز پہلے ایک دیہاتی کے مکان سے میں روٹی اور قینچی چرا کر لے آیا تھا اور اپنی داڑھی کے بال تراشے تھے۔ میں نے کیپٹن رام کشن مہتہ کا سوٹ پہن لیا۔ سوٹ مجھے بالکل فٹ تھا۔ اس کے جوتے کا سائز بھی وہی تھا جو میرا سائز تھا۔ بریف کیس کی زنجیر توڑ دی گئی تھی۔ تمام کاغذات بریف کیس میں رکھ دیئے گئے تھے۔ پاسپورٹ بٹوہ، نوٹ بک اور انڈین کرنسی کے نوٹ اور ریزگاری میں نے اپنے کوٹ پتلون کی جیب میں رکھ لی۔ زہریلا سگار میں نے یونہی کوٹ کی باہر والی جیب میں ڈال لیا۔ مجھے اس قیمتی سگار کو خاص طور پر کسی خفیہ جگہ پر چھپانے سے منع کر دیا گیا تھا کیونکہ اس طرح بارڈر سیکیورٹی والوں کو اس پر شک ہو سکتا تھا۔

مجھے آخری بار بریفنگ کی گئی، پھر آئینے میں مجھے اپنا حلیہ دیکھنے کے لئے کہا گیا۔ میں قد آدم

آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا تو مجھے یقین نہ آیا کہ میں یعنی عامر ہوں۔ میں ہو بہو کیپٹن رام کشن بن چکا تھا۔ میرے کپڑوں کو جگہ جگہ سے میلا کر دیا گیا تھا۔ بال اس طریقے سے بنا دیئے گئے تھے۔ کئی روز سے کنگھی نہ کی ہو۔ ڈاڑھی مونچھیں بڑی ہوئی تھیں۔ جوتے پر کانٹے کی مدد سے خراش ڈال دی گئی تھیں۔ ٹائی غائب کر دی گئی تھی۔ مجھے خاص طور پر ہدایت کر دی گئی کہ انڈین بارڈر داخل ہونے سے پہلے میں کوشش کر کے گنجان جھاڑیوں میں سے ہو کر گزروں تاکہ میرے کپڑے مزید خراب ہو جائیں اور ان کے ساتھ کانٹے اور پتے چمٹ جائیں۔ اس کے بعد باس نے آخری مر مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا۔

"اب تم دلی میں ہمارے آدمی کی ٹیلی فون کال کا انتظار کرنا۔ آگے تمہارا اپنا مشن ہے۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ ذرا سی بھول تمہیں انتہائی لزرہ ناک موت کے حوالے کر سکتی ہے۔ ایک بات تمہیں بتانے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ اگر خدانخواستہ تمہارا راز فاش ہو گیا اور تم پکڑ لئے گئے تو تم کسی حالت میں بھی پاکستان کے بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالو گے"

"میں نے باس کا ہاتھ آہستہ سے دبایا اور پُریقین لہجے میں کہا۔

"پاکستان پر جان قربان کر سکتا ہوں۔ پاکستان سے بے وفائی کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔"

باس نے مجھے گلے لگا لیا' پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "او کے کیپٹن رام کشن مہتہ رام رام!"

"رام رام" میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا باہر اندھیرے اور سخت پہاڑی سرد رات میں ایک بند جیپ پہلے سے اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ اس کا دروازہ کھول دیا گیا۔ میں تیزی سے جیپ کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بریف کیس' میں نے گھٹنوں پر رکھ لیا تھا۔ جیپ پہاڑی کی ڈھلوان اترنے لگی۔ اس کی صرف سائیڈ لائٹس ہی روشن تھیں۔ ڈرائیور نے مجھ سے کوئی بات نہ کی میں بھی اپنے مشن کے تفکرات میں گم خاموش بیٹھا بعض نشیب و فراز پر غور کر رہا تھا۔ اس وقت' میں نے اپنے اوپر رام کشن مہتہ کی شخصیت کو طاری کر لیا تھا۔ رات کے ڈھائی بجے ہوں گے' اس وقت جیپ مختلف پہاڑی راستوں سے گزرتی ہوئی نیچے وادی میں اتر آئی۔ آگے ہم نے ایک ندی کا پل عبور کیا۔ یہاں گارڈ نے ہمیں چیک کیا۔ انہیں ہمارے بارے میں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ جیپ پل پار کر کے ایک وادی میں داخل ہو گئی اندھیری سرد رات میں مجھے جیپ کے شیشے میں سے دور دور پہاڑیوں کی سیاہ دیوار نظر آ رہی تھی۔ اب راستہ ناہموار تھا۔ جیپ ہچکولے کھاتے کھاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔

ایک جگہ جیپ نے چھوٹا سا ٹرن لیا اور رک گئی۔ ڈرائیور نے آہستہ سے کہا "پلیز کم آؤٹ"

میں جیپ سے باہر نکل آیا۔ میرا سوٹ اگرچہ گرم تھا' مگر اوور کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے سردی

محسوس ہوئی۔ میں نے کوٹ کے کالر اوپر کر لئے۔ ڈرائیور اندھیرے میں آگے آگے چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا سامنے ایک چھوٹی سی ٹیکری تھی یہاں پہنچے تو ایک طرف سے اچانک دو فوجی جوان نکل کر سامنے آ گئے۔ انہوں نے پاس ورڈ پوچھا۔ میرے ساتھی نے اسے اس رات کا پاس ورڈ بتایا اور قریب جا کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ دونوں فوجی جوان فوراً اندھیرے میں واپس چلے گئے۔ ٹیکری کے پار پہنچ کر میرا ساتھی ڈرائیور جھک کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے بھی جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر سامنے کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔ "سر! یہاں سے آگے دو فرلانگ کے بعد انڈیا کا بارڈر شروع ہو جاتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ یہاں تک آ سکتا تھا۔ آگے آپ کو اکیلے جانا ہو گا"

نقشے پر سے مجھے یہ علاقہ اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا گیا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس جانے کے لئے کہا۔ میرا ساتھی جیپ۔۔۔ ڈرائیور کچھ کہے بغیر پیچھے کو کھسکتا اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اب میں اپنے خطرناک مشن کے ساتھ کیپٹن رام کشن مہتہ کی حیثیت سے بالکل اکیلا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ پاکستان کا بارڈر کراس کرتے ہوئے پیچھے سے مجھ پر گولی نہیں چلائی جائے گی لیکن انڈیا کے بارڈر کی جانب سے گولی فائر ہو سکتی تھی۔ اس اعتبار سے مجھے بڑی احتیاط کے ساتھ دو فرلانگ کا فاصلہ طے کرنا تھا۔

میں نے اللہ کا نام لیا۔ دل میں کلمہ پڑھا اور ٹیکری سے اترنے لگا۔ وادی میں پہنچ کر میں جنگلی جھاڑیوں کے ساتھ اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا گزرنے لگا۔ چلنے سے سردی کا احساس کم ہو گیا۔ ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تو مجھے پسینہ آ گیا۔ یہ اچھی بات تھی۔ اب میں جھک کر چلنے لگا تھا۔ اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں ایک مختصر سی وادی میں تھا جس کے عقب میں مقبوضہ کشمیر کے اونچے اونچے پہاڑوں کا سلسلہ جموں اور ہماچل پردیش کی طرف چلا گیا تھا۔ آسمان پر ستارے ٹھٹھرے ہوئے سے چمک رہے تھے۔ میری پتلون کے پائینچے شبنم میں بھیگ گئے تھے۔ جھاڑیاں چھدری ہو گئی تھیں۔ اندھیرے میں اونچا نیچا کھلا میدان نظر آنے لگا۔ ابھی تک انڈیا کی کسی چیک پوسٹ سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ خطرہ صرف یہی تھا کہ کسی طرف سے کوئی فائر نہ آ جائے۔ کھلی جگہ پر آیا تو یوں محسوس ہونے لگا کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ میرا سانس کسی حد تک پھول رہا تھا۔ ذرا سانس ٹھیک کیا اور پھر جھک کر آگے بڑھنے لگا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ انڈیا کا بارڈر کراس کر چکا ہوں اور پھر یہ بات درست نکلی۔ میں چند قدم ہی بڑھا ہوں گا کہ ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ فائر بلند ہوا اور دیکھتے دیکھتے سارا علاقہ اس روشنی کے فائر سے دن کی طرح روشن ہو گیا۔ میں نے انتہائی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اپنے دونوں بازوں پھیلا دیئے اور وہیں بیٹھ گیا۔

دھپ دھپ کی آوازوں کے ساتھ کسی خندق سے نکل کر دو فوجی میرے سر پر موجود تھے۔ ان کی رائفلوں کی نالیوں کا رخ میرے سر کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک نے ڈوگری لہجے میں کہا" پاکستانی

کمانڈو ہے "

دوسرے نے میری پسلیوں میں زور سے ٹھوکر ماری اور اٹھنے کا حکم دیا۔ میں نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں ہندی زبان میں کہا "میں کیپٹن رام کشن مہتہ ہوں۔ مجھے کمانڈر کے پاس لے چلو "

ایک لمحے کے لئے انہوں نے مجھے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور آگے کو دھکیلا " آگے لگ جا سالے "

دوسرے نے میرے بریف کیس پر قبضہ کر لیا " ارے اسمگلر ہے بیتا رام اس میں موتی ہیرے ہوں گے "

میں نے انہیں انگریزی میں گالی دی اور ڈانٹ کر کہا۔ " میں تمہارا کوٹ مارشل کرا دوں گا۔ کمانڈر کے پاس چلو میں ائر کریش میں بچ گیا ہوں۔ میرا نام کیپٹن رام کشن مہتہ ہے "

وہ کچھ متاثر ہو گئے تھے، پھر بھی انہوں نے مجھے اپنی رائفلوں کی زد میں لئے رکھا اور نشیب کی جانب ایک جگہ بنے ہوئے زیر زمین بنکر میں لے گئے۔ بنکر کے اندر لالٹین جل رہی تھی۔ اور ایک فوجی کیمپ کلاٹ پر سو رہا تھا۔ وہاں مزید دو فوجی آگئے اور لالٹین کی روشنی میں مجھے گھورنے لگے۔ یہ انڈین فوج کی کسی بارڈر رجمنٹ کے سپاہی تھے۔ بنکر میں سوئے ہوئے کمانڈر کو جگایا گیا وہ ایک دم اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا۔ مجھے غور سے دیکھا اور بولا " کیا نام ہے تمہارا؟ "

فوجی نے اسے بنکر میں اٹھانے کے بعد میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ میں جیب سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " میرا نام کیپٹن رام کشن مہتہ ہے۔ میں سنٹرل انٹیلی جینس بیورو کا سیکرٹری ہوں۔ یہ میرا آئی ڈی کارڈ ہے۔ سب سے پہلے مجھے پانی پلاؤ۔ میں بڑی مشکلات کے بعد پاکستانی علاقے سے بھاگ کر آ رہا ہوں "

بارڈر کمانڈر نے لالٹین کے پاس جا کر میرا کارڈ دیکھا کارڈ جعلی نہیں تھا۔ بلکہ اصلی کیپٹن رام کشن مہتہ کا تھا۔ اس دوران میں، میں بھی بنکر میں داخل ہو کر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔ میرا بریف کیس میرے گھٹنوں پر تھا کمانڈر نے فوراً پیچھے رجمنٹ کمانڈ پوسٹ میں ٹیلی فون کیا۔ دوسری طرف سے معلوم نہیں کیا جواب ملا مگر اس کا ردعمل ہمت افزا تھا۔ کمانڈر نے اسی وقت مجھے پانی پلایا۔ اس دوران میں، میں نے اسے انڈین ائر فورس کے طیارے کی تباہی کا پورا واقعہ سنا دیا تھا۔ اس حادثے کو ڈیڑھ دو ماہ گزر چکے تھے۔ کمانڈر نے میرے کاغذات چیک کیئے میرا پاسپورٹ دیکھا اور بولا آپ کو ہمارے آدمی پیچھے رجمنٹل آفس میں لے جائیں گے وہاں ہمارے کرنل گپتا صاحب موجود ہیں۔ "

اس نے اپنے دو فوجیوں کو حکم دیا کہ مجھے کرنل گپتا کے آفس میں پہنچا دیا جائے۔ اب صبح ہو رہی تھی اور سورج کی روشنی ہماچل پردیش اور جموں کی پہاڑیوں کے پیچھے سے بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ جموں اور مقبوضہ کشمیر کا درمیانی علاقہ تھا..... بلکہ رام بن کے بہت پیچھے کا علاقہ تھا میں

ایک بار اس وادی سے نکل چکا تھا۔

کرنل گپتا کو میرے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ وہ اپنے زیرِ زمین اور آدھے زمین کے اوپر بنے ہوئے کیمپ آفس سے باہر ہی کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا اور وہ وردی میں تھا۔ سر پر اس نے گرم اونی ٹوپی لپیٹ رکھی تھی۔ میں نے قریب جاتے ہی اسے سلیوٹ کیا کیونکہ اگرچہ میں باقاعدہ فوج میں نہیں تھا۔ پھر میرا عہدہ کیپٹن کا تھا اور ایک کرنل کو سلیوٹ کرنا مجھ پر واجب تھا۔ کرنل گپتا نے سلیوٹ کا جواب دیا اور پنجابی لہجہ میں تحکمانہ انداز میں پوچھا کہ میں کون ہوں؟

میں نے کہا۔ سر! میں کیپٹن رام کشن مہتہ ہوں" اس کے ساتھ ہی میں نے انتہائی موثر انداز میں اسے دلی سے ماسکو جاتے ہوئے پاکستانی بارڈر پر ائر فورس کے طیارے کے کریش کی پوری کہانی مختصر انداز میں بیان کر دی اور کہا " اس میں میرے سارے سیکرٹ کاغذات موجود ہیں سر! بھگوان کی مجھ پر بڑی کرپا تھی کہ میں پاکستانی فوج کے قابو میں نہیں آیا اور ہر حالت میں یہ سیکرٹ کاغذات بچا کر لے آیا ہوں۔"

وہ مجھے اندر لے گیا اور لالٹین کی روشنی میں میرا پاسپورٹ، آئی ڈی کارڈ اور کاغذات غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا سر پلیز دلی میں میرے ہیڈ کوارٹر کے ڈائریکٹر ورما جی کو فون پر اطلاع کر دی جائے۔ انہیں یہ خوشخبری سنائیے کہ میں جہاز کے حادثے میں مرا نہیں تھا۔ زندہ تھا اور میں سیکرٹ فائل بچا کر لے آیا ہوں۔"

کرنل گپتا کے لئے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کیونکہ جب اس نے وہیں سے دلی ہمارے ہیڈ کوارٹر میں ورما کے گھر پر فون کر کے میری اطلاع دی تو اس نے بے تابی سے کہا۔ میری بات کراؤ۔ میں نے اپنے ڈائریکٹر سے فون پر بات کی اور اسے وہی کہانی سنائی جو میں اس سے پہلے کرنل گپتا کو سنا چکا تھا۔ ورما صاحب کو صرف یہ ضرور بتایا کہ ماسکو کی سیکرٹ فائل میرے پاس محفوظ ہے۔ اس سے میری مراد کرنل گپتا پر اثر ڈالنا تھا تاکہ بارڈر کے علاقہ سے کسی نہ کسی طرح نکل جاؤں۔ ہمارے ڈائریکٹر ورما نے کرنل گپتا سے بات کر کے میری تصدیق کر دی۔ کرنل گپتا نے فوراً مجھے چائے اور کمانڈ پوسٹ کے لنگر خانے سے گرم گرم پوریاں منگوا کر کھلائیں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ایک ماہ کے بعد، میں نے تسلی سے بھوجن کیا ہے، پھر میں نے کرنل گپتا کو اپنی طویل جدوجہد اور پاکستانی علاقے میں سیکرٹ انڈین فائل کو سینے سے لگائے دربدر پھرتے رہنے کی فرضی داستان سنا ڈالی۔ وہ میری بہادری کی تعریف کرنے اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس نے میرے کاندھوں پر کمبل اوڑھا دیا کیونکہ وہاں کافی سردی تھی۔ ہم پہاڑ کے نشیب میں تھے جہاں ابھی سورج کی دھوپ نہیں پہنچی تھی ناشتے کے بعد میں نے گرم پانی سے اسی وقت شیو کی۔ منہ ہاتھ دھویا۔ آئینے میں اپنی شکل کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ میری اور کیپٹن رام کشن مہتہ کی شکل میں کوئی فرق نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے بعد

اوپر سے ایک جیپ آگئی جس میں بیٹھ کر میں جموں کی طرف روانہ ہو گیا۔

دن کے دس بج رہے تھے جب ہماری جیپ جموں کے شہر میں داخل ہو گئی۔ اس شہر میں بھی اپنے کمانڈو مشن کے دوران، میں نے بڑے معرکے مارے تھے مگر اس وقت میری شکل عامر کی تھی۔ اور اب میری شکل کیپٹن مہتہ کی تھی اور مجھے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ جموں انٹیلی جینس آفس میں پولیس، سیکورٹی اور انٹیلی جینس کے افسروں اور اہل کاروں نے میرا سواگت کیا۔ میری تصویر ان کی فائل میں موجود تھی جس میں اور میری شکل میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ رسمی طور پر میرا پاسپورٹ اور آئی ڈی کارڈ چیک کیا گیا۔ سیکرٹ فائل کے کاغذات میں نے صرف ڈائریکٹر جموں انٹیلی جینس کو ہی دیکھنے کے لئے دیئے تھے۔ اس نے فائل کو ایک نظر دیکھا۔ فائل بالکل اصلی تھی جگہ جگہ انڈین وزارت داخلہ اور سی آئی بی کے افسروں کی مہریں لگی تھیں۔ جو اصلی تھیں۔ فائل بڑے احترام سے میرے حوالے کر دی گئی۔ یہاں سے ایک بار پھر دلی کے ہیڈ کوارٹر میں فون کر کر میرے ڈائریکٹر ورما سے براہ راست میری بات چیت کرائی گئی۔ وہ بے حد خوش تھے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ بھگوان کی بڑی کرپا ہوئی تم نہ صرف کریش میں زندہ بچ گئے بلکہ سیکرٹ فائل بھی بچا کر لے آئے۔ جموں میں بھی سب نے مجھے مبارک باد دی اور کہا کہ ہم تو آپ کے جیون سے بھی نراش ہو چکے تھے۔

دوپہر کو وہاں کے افسروں کے ساتھ بھوجن کیا۔ غسل کرنے کے بعد تازہ دم ہوا اور دو بجے کی اسپیشل فلائٹ سے دلی کی طرف پرواز کر گیا۔ پہلا مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا تھا۔ اب سب سے کٹھن مرحلہ دلی میں میری راہ دیکھ رہا تھا اور میں ذہنی طور پر اس مرحلہ کی کڑی سے کڑی آزمائش کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ جہاز میں، میں سو گیا۔ یہ جگہ نیند کرنے کے لئے بے حد موزوں تھی۔ زہریلا سگار بھی ویسے ہی میری جیب میں تھا۔ کسی نے میری تلاشی نہیں لی تھی۔

جہاز دلی کے ائرپورٹ پر اتر رہا تھا۔ میں کھڑکی میں سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ غروب آفتاب کا وقت زیادہ دور نہیں تھا۔ دلی شہر کی قدیم اور جدید عمارتیں نرم دھوپ میں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ایک جانب مجھے قطب صاحب کی لاٹھ اور داہنی جانب جامع مسجد کے مینار اور گنبد دکھائی دیئے، پھر جہاز رن وے پر لگتے ہی دوڑنے لگا اور اس کی رفتار دھیمی ہونی شروع ہو گئی۔ میں دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز سے نکل کے لاؤنج میں آیا تو خدا جانے کون لوگ تھے جو پھولوں کے ہار لئے میری طرف بڑھے۔ یہ غالباً میرے دلی کے افسران اور اہل کار تھے، لیکن پھر میں نے اپنی والدہ، بہن کرشنا کماری اور خاص طور پر سجاتا مہتہ، اپنی محبوبہ کو پہچان لیا۔

والدہ نے مجھے سینے سے چمٹا لیا۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ میں نے ان کے پاؤں چھو لئے۔ میری بڑی بہن کرشنا کماری تو مجھ سے لپٹی جا رہی تھی اور اسکی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ اس کا خاوند ہری پرشاد بھی وہاں آیا تھا۔ اور اس نے بھی مجھے گلے لگایا تھا۔ دوسرے رشتہ دار بھی موجود تھے

جن کے بارے میں مجھے آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم ہونے والا تھا۔ کہ کون کیا ہے؟
میری محبوبہ سجاتا مہتہ مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھے جا رہی تھی اور میرے پہلو میں تھی۔ میں نے اپنی والدہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور یوں ظاہر رہا تھا جیسے میں نے پاکستان کی قید میں بڑے مصیبت کے دن گزارے ہیں۔ بڑی اذیت برداشت کی ہے اور اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ڈائریکٹر ورما صاحب کی تصویر بھی مجھے پاکستان میں دکھادی گئی تھی۔ ان سے میں نے انتہائی ادب اور گرمجوشی سے بغل گیری کی تھی اور ہاتھ جوڑ کر کہا تھا" سر بھگوان نے بڑی کرپا کی کاغذات بچا کر لے آیا ہوں

انہوں نے مجھے گلے لگا کر میری پیٹھ پر تھپکی دی اور کہا۔" کیپٹن مہتہ! ہمیں تم پر بڑا گرو (فخر) ہے۔

میں نے بریف کیس ان کے حوالے کر دیا تھا۔ دفتر کے دوسرے لوگ بھی مجھے دھنواد کہتے نہیں تھکتے تھے۔ ان کی صورتوں سے میں آہستہ آہستہ آشنا ہو رہا تھا۔
ورما جی نے باہر آتے ہی کہا۔
" مہتہ جی! تم اب گھر جا کر اپنے پریوار کے پاس آرام کرو۔ بے شک کل بھی چھٹی کر لینا۔ میں خود تمہارے پاس آکر درشن کرلوں گا۔ پرسوں میں نے جنرل میٹنگ رکھ لی ہے"
میں نے ہاتھ جوڑ کر انہیں نمسکار کیا۔ ایک ایمبیسڈر بھارتی گاڑی باہر جس میں میری ماتا جی' بہن کرشنا کماری' سجاتا مہتہ اور ہر پرشاد جی بیٹھ کر اپنے دلی نگر والے بنگلے کی طرف چل پڑے۔ کرشنا کے بچے بھی اس گاڑی میں بیٹھے تھے۔ ماتا جی نے مجھے اپنے گلے سے لگا رکھا تھا۔ سب سے بڑی کامیابی کی بات یہ تھی کہ کسی ایک لمحے کے لئے بھی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ میں اصلی کیپٹن رام کشن مہتہ نہیں ہوں۔ اپنے موتی نگر والے بنگلے کی تصویر بھی مجھے پہلے ہی دکھادی گئی تھی۔ جب گاڑی شہر کے مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی موتی نگر کے علاقے میں پہنچی تو ایک موڑ کاٹنے کے بعد اس کی رفتار دھیمی ہو گئی۔ میں نے تصویر والے بنگلے کو پہچان لیا۔
میں نے ماتا جی سے کہا!" ماتا جی! مجھے لگتا تھا اب اپنے گھر کے بھی کبھی درشن نہیں ہو سکیں گے" ماتا جی رونے لگ گئیں' پھر میرا ماتھا چوم کر بولیں۔" پتر جی! میں نے بھگوان کرشن اور کالی ماتا کا ہون سکھا ہوا ہے۔ قطب جی پر بھی زری کی چادر چڑھاؤں گی۔ ہے بھگوان! تو نے دو دھوا پر بڑی کرپا کی۔
میں نے پیچھے سے ہاتھ کھسکا کر سجاتا کا ہاتھ دبا دیا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ دوسری طرف منہ کر کے مسکرا رہی تھی۔ گاڑی بنگلے کے چھوٹے سے گیٹ میں سے گزر کر بنگلے کے برآمدے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بنگلے کا حدود اربعہ کیا ہے۔ ظاہر ہے وہاں میرا بھی کمرہ ہو گا اور مجھے اس کمرے کی سمت کا علم نہیں تھا۔ میں قصداً اپنی ماتا جی بہن کرشنا کماری اور سجاتا

وغیرہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تاکہ وہ خود ہی میرے کمرے کی طرف لے جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ بنگلے کے اندر ایک چھوٹی سے راہ داری تھی جس کے آمنے سامنے تین کمرے تھے۔ پیچھے بھی ایک چھوٹا سالان تھا جس کے برامدے میں کچن اور باتھ روم تھے۔ میرا کمرہ عقبی برامدے میں باتھ روم کے ساتھ ہی تھا۔ ماتا جی نے میری بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "پتر! کشن بھگوان کی دیا سے تو پھر اپنے کمرے میں آیا ہے۔ ٹھہر میں بھگوان کی منگل دھن کی آرتی اتارتی ہوں۔"

اور ماتا جی نے وہیں کھڑے کھڑے منگل آرتی گانی شروع کر دی۔ کرشنا کماری کچن سے سرسوں کا تیل لے آئی۔ سجاتا میرے قریب ہی کھڑی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ یہ سانولی دراز قد کی لڑکی خوبصورت تھی۔ اس کی آنکھوں میں بڑی دلکشی تھی بال بھی کافی لمبے تھے اور ساڑی میں وہ کوئی دیوی لگ رہی تھی۔ خدا خدا کر کے مجھے اپنے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مرحوم کیپٹن رام کشن مہتہ کے کمرے میں جانے کا موقع ملا۔ میں جاتے ہی پلنگ پر گر پڑا اور کہا "ماتا جی! مجھے نیند آ رہی ہے۔"

میں سجاتا کو بلاتے ہوئے جھجک محسوس کر رہا تھا جب کہ یہ جھجک ان لوگوں کے ماحول کے مطابق عجیب اور غیر مانوس تھی۔ آخر میری بہن کرشنا کماری نے کہہ ہی دیا "کشن بھیا! تم سجاتا سے ناراض ہو گیا؟"

"نہیں تو" میں نے جلدی سے کہا۔

کرشنا بولی۔ تو پھر تم نے اس سے بات کیوں نہیں کرتے؟ چلو ماتا جی اسے آرام کرنے دو۔ اپنے بھیا کے لئے میں رات کا بھوجن خود بناؤں گی۔"

"ہاں ہاں کرشنا بہن، میں نے ایک مدت سے بگھارے بیگن نہیں کھائے" اور وہ مسکراتی ہوئی ماتا جی کو لے کر باہر چلی گئی۔ حالانکہ مجھے بگھارے بیگن ذرا پسند نہیں تھے۔

ان کے جاتے ہی سجاتا نے منہ بنا لیا اور ناراضگی کے لہجے میں بولی "لگتا ہے تمہیں ضرور پاکستان میں کسی سے پریم ہو گیا ہے"

میں نے اسکا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ "سجاتا، تمہیں کیا معلوم کہ میں نے کٹھن دن وہاں گزارے ہیں، مگر تمہاری یاد کو ایک پل کے لئے بھی اپنے دل سے نہیں بھلایا"

میں نے سجاتا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا وہ کچھ سمٹ گئی اچانک مجھے اپنے باس کی ہدایت یاد آ گئی کہ مجھے سجاتا سے اپنے تعلقات کو ایک خاص حد تک ہی محدود رکھنا ہو گا۔ اس سے بیاہ کی بات کو بھی کسی نہ کسی بہانے سے ٹالتے جانا ہو گا اور یہ بات تھی بھی بڑی مناسب۔ سجاتا سے بے تکلفی یا براہ راست شادی کا مطلب میری تباہی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور کمبل اوپر کرتے ہوئے کہا "سجاتا جی!"

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "کشن! تم کچھ بدلے بدلے سے لگتے

میرے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی ۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا پوچھا "یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" وہ بولی "اس لئے کہ پہلے تم نے مجھے سجاتا جی نہیں کہا تھا تم تو مجھے ہمیشہ سجاتا ڈارلنگ کہہ کر پکارا کرتے تھے "

" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے چومتے ہوئے کہا۔ "سجاتا ڈارلنگ! جیون کی اس قدر کٹھن راہوں سے گزرا ہوں کہ تمہاری قدر میرے دل میں بہت زیادہ ہو گئی ہے ۔ پاکستان کے جنگلوں میں در بدری کرتے ہوئے کئی بار ایسا ہوا کہ یم راج سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ لگتا تھا کہ بس اب مرنے والا ہوں اور یہاں میرا انتم سنسکار کرنے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ وشواش کرو۔ ایسے وقت میں تمہارے خیال نے میری ڈھارس بندھائی "

سجاتا شرما گئی ۔ وہ بڑی خوش ہوئی تھی میرا شک دور ہو گیا اس لڑکی کو شک پڑ سکتا تھا کیونکہ یہی ایک لڑکی مرحوم کیپٹن رام کشن مہتہ کے بے حد قریب تھی اور مجھے ابھی تک یہ علم نہ ہو سکا تھا کہ اسکے اپنے محبوب اور پریمی کیپٹن مہتہ کے ساتھ جسمانی تعلقات کی حد کہاں شروع ہو کر کہاں ختم ہوتی تھی ۔ یہ بھی مجھے وقت کے ساتھ ساتھ معلوم کرنا تھا اور پھر اپنی ایک حد مقرر کرنی تھی ۔

میں نے جماہی لی تو سجاتا بولی ۔ " میں ماتا جی کے پاس جاتی ہوں ۔ میری ماتا جی اور پتا جی آگرہ گئے ہوئے تھے ۔ شام کو وہ بھی بدھائی دینے آئیں گے ۔ انہیں ہم نے فون پر بتا دیا تھا تم بھگوان کی کرپا سے دشمن کی قید سے نکل کر بھارت میں داخل ہو چکے ہو "

میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر سجاتا نے بے دھڑک جھک کر میرا ماتھا چوم لیا۔ وہ چلی گئی۔ مجھے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی ۔ میں تنہا رہ کر اس گھر میں ایک انتہائی اجنبی مگر انتہائی قریبی آدمی کی حیثیت سے داخل ہونے کے بعد اپنے اس تجربہ کو تھوڑا سا ہضم کرنا چاہتا تھا ۔ سجاتا کے جاتے ہی میں نے کمبل اوپر کے آنکھیں بند کر لیں اور آئندہ پیش آنے والے واقعات اور پیچیدہ حالات کے بارے میں غور کرنے لگا ' پھر آنکھیں کھول کر دیکھا ۔ کمرے کی عقبی کھڑکی میں سے غروب آفتاب کی الوداعی روشنی اندر آ رہی تھی ۔ دیوار پر ہنومان جی کی فریم کی ہوئی تصویر لگی ہوئی تھی ۔ لکھنے والی ٹیبل پلنگ کے پاس ہی تھی ۔ میں نے ٹیبل لیمپ جلایا اور اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور دیکھا کہ میز پر گلٹ کے فریم میں ایک جانب سجاتا کی تصویر لگی تھی ۔ دوسری جانب ایک گنجے اور کچھ کچھ میری شکل والے ادھیڑ عمر آدمی کی تصویر لگی تھی ۔ میں نے تصویر کو اٹھا کر دیکھا ۔ اس کے نیچے لکھا تھا۔ صوبیدار آتما رام مہتہ ۔ میں نے جلدی سے تصویر وہیں میز پر رکھ دی ۔ یہ کیپٹن رام کشن مہتہ سورگباشی والد کی تصویر تھی ۔

اب میں نے ایک ایک کر کے میز اور سارے دراز کھول کر دیکھے ۔ ان میں کچھ خطوط 'اردو ہندی میں لکھے ہوئے کچھ ضروری یاداشتوں کے کاغذات ' دو ریلوے ٹائم ٹیبل ' ایک ہندی کی جنتری '

انگریزی کی دو جاسوسی کتابیں اور اس قسم کی بے کار اور میرے کام نہ آنے والی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک دراز میں مجھے کیپٹن مہتہ کی یعنی اپنی چیک بک بھی مل گئی جس میں سے دو چیک کاٹ گئے تھے۔ ایک سات سو روپے کا اور ایک 'ایک سو سنتالیس روپے کا۔ گاڑی کے لائسنس اور ضروری کاغذات بھی اوپر والی دراز میں پڑے تھے۔ میں نے اپنا پاسپورٹ اور بٹوہ بھی اسی دراز میں رکھ دیا۔ میں نے الماری کھول کر دیکھی۔ اس میں میری ایک فریم کی ہوئی کپتانی کے زمانے یعنی ریگولر فورس کے زمانے کی باوردی تصویر پڑی تھی۔ میں حیران رہ گیا۔ واقعی مجھ میں اور مرحوم کیپٹن مہتہ میں غضب کی مماثلت تھی۔ رہی سہی کسر پلاسٹک سرجری نے پوری کردی تھی۔

میں نے تصویر وہیں پڑی رہنے دی۔ یہاں میرے مختلف کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ دھوتی' کرتا' سلیپنگ سوٹ' دو گرم سوٹ' دو واسکٹیں ایک گاندھی کیپ بھی ایک طرف ٹنگی تھی۔ نیچے الماری میں ایک طرف میرے کچھ جوتے پڑے تھے۔

میں نے الماری بند کردی۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ کرشنا کماری کی آواز آئی۔

"بھیا جی! تم نے پہلے تو کبھی نہ پوچھا تھا کہ کون ہے ہر وقت یہی کہا کرتے تھے کہ تم اندر آجاؤ"

اس نے دروازہ کھول دیا اور اندر آگئی میں نے دل میں کہا بی بی آہستہ آہستہ مجھے پتا چلے گا کہ تمہارا مرحوم بھائی کیا کچھ کیا کرتا تھا؟ ایک طرح سے مجھے اس بات کی خوشی بھی ہو رہی تھی کہ اس گھر کی مسرتوں کو واپس لے آیا ہوں اور میرے آنے کے بعد اس گھر کی ویرانی 'شادمانیوں میں تبدیل ہو گئی ہے اور ماتا جی کو اس کا پتر' سجاتا کو اس کا محبوب اور کرشنا کماری کو اس کا چھوٹا بھائی مل گیا ہے۔ میں نے مسکراتے ہو کہا "کرشنا بہن کیا کروں دشمن کی قید میں رہ کر بہت باتیں بھول گیا ہوں"

ان لوگوں کو میں نے یہی بتایا تھا کہ کچھ دن پاکستانیوں کی قید میں رہا جہاں سے ایک روز فرار ہو گیا۔

کرشنا بولی "سجاتا کے ماتا پتا جی آگرہ سے تمہیں ملنے آئے ہیں۔ آؤ میرے ساتھ ان کا سواگت کرو"

سجاتا کے ماتا پتا کے چرن چھوئے تو انہوں نے مجھے گلے لگا لیا۔ سجاتا کی ماں خوشی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ ڈراما بھی شام تک ہوتا رہا۔ رات کو کھانے پر ساری فیملی اور سجاتا کا خاندان کرشنا کماری کے خاوند کا خاندان بھی موجود تھا۔ طرح طرح کی مٹھائیاں اور بھوجن پکائے گئے تھے۔ میرے پسندیدہ بگھارے بینگن بھی موجود تھے۔ ٹی وی پر دلی کا میئر تقریر کر رہا تھا۔ سجاتا نے ٹیپ چلا دیا اور کمرے کی دوسری آوازوں میں مائیکل جیکسن کے انگریزی گانے کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ کرشنا کے دونوں بچے ڈسکو ڈانس کرنے لگے۔

کھانے کے بعد یہ محفل کچھ دیر تک جاری رہی پھر میری بڑی بہن کرشنا کماری اپنے خاوند ہری پرشاد صراف اور بچوں کو ساتھ لے کر چلی گئی۔ آگرہ والے رشتے دار بھی بنگلے کے دوسرے بیڈ روم میں بچوں کے ساتھ گھس گئے۔ میری ماتاجی اشنان کرنے کے بعد درگا ماتا کی چھوٹی سی مورتی کے آگے بیٹھ کر اشلوک پڑھنے لگی۔ سجاتا بھی اجازت لے کر اپنے ماتا پتا کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھی۔ میں نے ماتاجی کے چرن چھوئے اور اپنے کمرے میں آکر اندر سے دروازے پر چٹخنی لگا کر پلنگ پر لیٹ کر وہاں گزرنے والی اپنی آئندہ انتہائی پُر خطر زندگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ماتاجی کے اشلوک پڑھنے کی آواز آنی بند ہو گئی۔ وہ تلسی داس کی رامائن میں سے اشلوک پڑھ رہی تھیں جو میں پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ میری کیپٹن رام کشن مہنتہ کی ماتاجی ہی تھیں ...... "کشن پتر! یہ تم نے اندر سے کنڈی کیوں لگا دی پہلے تو تم کبھی کنڈی نہیں لگایا کرتے تھے؟" یہ بھی میرے لئے نئی معلومات تھی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر کنڈی کھول دی اور کہا۔ "ماتا جی! دشمن کی قید سے نیا نیا بھاگ کر آیا ہوں۔ من میں ایک ڈر سا لگا رہتا ہے"

ماتاجی نے میرے ماتھے کو چوم لیا اور بلائیں لیتے ہوئے بولی۔ "پتر! وشنو بھگوان تیری رکھشا کریں گے۔ اب تو پچھلے دنوں کو بھلا دے۔ میں دودھ 'ملا کے ہاتھ بھجوا رہی ہوں۔"

ملا اس گھر کی درمیانی عمر کی نوکرانی تھی جو بھوجن کے سے سارا کام کرتی تھی۔ ماتاجی جاتے جاتے رک گئیں۔ پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے بولیں۔ "پتر! اب تو بیاہ رچا لے۔ بہو کے آنے سے گھر میں رونق ہو جائے گی۔ سن سجاتا کے ماتا پتا نے آج بھی مجھ سے تیرے بیاہ کی بات کی تھی۔ وہ لوگ اب یہ کام جلدی کر دینا چاہتے ہیں"

"میں نے ماتاجی کا چمکتا ہوا ممتا بھرا ماتھا چوم لیا اور کہا۔ " ماتاجی! آپ چنتا نہ کریں۔ کچھ دنوں بعد میری ترقی ہونے والی ہے' پھر جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی کروں گا"

ماتاجی بہت خوش ہوئیں مجھے پیار کیا اور بولیں "اب سو جا۔ "تو بہت تھک گیا ہے اور ہاں' کنڈی مت لگانا پتر"

"اچھا ماتاجی"

میں نے دروازہ بند کر لیا۔ ٹیبل لیمپ بجھایا اور منہ دیوار کی طرف کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ ملا جو دودھ رکھ گئی تھی۔ وہ ویسے ہی میز پر پڑا رہا۔

آنکھ کھلی تو قریبی مندر سے سنکھ اور گھنٹیاں بجنے کی آواز کانوں میں پڑی۔ صبح ہو رہی تھی۔ ٹیبل لیمپ جلا کر دیوار پر لگے کلاک کو دیکھا۔ صبح کے پونے نو بج رہے تھے۔ برآمدے والے روشن دان میں سے صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی اندر آرہی تھی۔ میں ساری رات گہری نیند سویا رہا تھا۔ طبیعت کافی ہشاش بشاش تھی۔ جب خیال آیا کہ یہ میرا گھر نہیں ہے اور میں ایک بہت اہم قومی مشن

پر یہاں کیپٹن رام کشن مہتہ کے روپ میں آیا ہوا ہوں تو دل پر ایک لمحے کے لئے بوجھ سا پڑ گیا۔
ساتھ والے کمرے سے ماتا جی کے رامائن کی کتھا پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ کچن میں پانی کی ٹونٹی کھلی تھی۔ شاید مالا صبح صبح ہی آ جاتی تھی اور وہ برتن صاف کر رہی تھی۔ میں اٹھ کر غسل خانے میں گھس گیا۔ شیو کر کے غسل کیا اور سلیپنگ گاؤن میں ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔ ماتا جی کے قریب جا کر رام رام کہتے ہوئے ان کے چرن چھوئے اور کچن کی طرف بڑھا۔ مالا واقعی آئی ہوئی تھی اور گیس کے چولہے پر دودھ ابال رہی تھی۔ میں نے کہا "چائے کی ایک پیالی بنا دو جلدی سے "
مالا نے تعجب سے دیکھا اور بولی۔ "بابو جی! آپ تو فجر کے ویلے ہمیشہ دودھ پیتے ہیں "
میں نے ماتھے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں دودھ ہی پیوں گا مگر آج کچھ سر درد کر رہا ہے۔ پہلے چائے کی ایک پیالی پیوں گا "

ناشتے پر . . میرے سامنے ایک کٹوری میں دہی اور پھلکیاں لا کر رکھ دی گئیں۔ معلوم ہوا کہ کیپٹن مہتہ ناشتے پر دہی اور پھلکیاں شوق سے کھاتا تھا۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ میں نے تھوڑے تھوڑے سگریٹ پینے شروع کر دیئے تھے کیونکہ کیپٹن مہتہ بھی سگریٹ پیتا تھا۔ اس کا برانڈ کیپسٹن سگریٹ تھا یہ بھی سمجھے نوکرانی مالا کی وساطت سے معلوم ہوا۔ میں نے اسے سگریٹ لانے کے لئے بھیجا تو وہ کیپسٹن کا پیکٹ لے آئی۔ ظاہر ہے کیپٹن مہتہ یہی سگریٹ پیتا تھا۔
ماتا جی نے مجھے سامنے بٹھا کر ناشتا کرایا' پھر جب میں اپنے کمرے میں جانے لگا تو میرے ماتھے پر گنگا کے پانی میں بھگویا ہوا ململ کا ٹکڑا چھو کر بولیں۔ "پتر آج تو دفتر نہیں جائے گا نا؟"
میں نے کہا ماتا جی دفتر والے چاہتے ہیں کہ میں آج بھی آرام کروں ویسے کچھ افسر مجھ سے ملنے آئیں گے۔ انکے لئے تھوڑی سی مٹھائی اور پھل مالا سے منگوا کر رکھیئے گا۔ میں نے بٹوے میں سے دو سو روپے نکال کر ماتا جی کو دے دیئے۔ ماتا جی نے مالا کو آواز دی کہ بازار جائے اور سبزی وغیرہ خرید کر لائے مارکیٹ سے۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس گھر کا ٹیلی فون میں نے دیکھ لیا تھا کہ کھانے والے کمرے میں فریج کے اوپر رکھا رہتا تھا۔ میں نے ماتا جی سے کہہ کر کہ ہو سکتا ہے کہ دفتر سے فون آ جائے ٹیلی فون اٹھوا کر اپنے کمرے میں رکھ لیا۔ میں چاہتا تھا کہ اب فون میرے کمرے میں ہی رہے کیونکہ دو ایک دن میں کسی وقت بھی دلی میں مقیم اپنے ایجنٹ کا فون آ سکتا تھا۔ میں پلنگ پر لیٹ کر اخبار پڑھنے لگا۔ "یہ ہندوستان ٹائمز" اخبار تھا اس میں میری خبر بھی اندر کے صفحے پر چھپی تھی۔ میری تصویر نہیں لگائی گئی تھی۔ اس خبر سے میری حیثیت کو تقویت ملتی تھی۔ اس روز محلے کے لوگ اور عورتیں بھی مجھے دیکھنے اور ماتا جی کو بدھائی دینے آئیں۔ کوئی مٹھائی لایا' کوئی پھولوں کے ہار لئے چلا آ رہا تھا۔ سب لوگ میری ماتا جی کو مبارک باد دے رہے تھے۔ انہوں نے دلی کے ایک اردو اخبار میں چھپی ہوئی میری خبر

کے بارے میں بتایا۔

دس بجے میرے آفس کے تین افسر آ گئے۔ ان میں ہمارا ڈائریکٹر ورما نہیں تھا۔ ان میں سے ایک آدمی کو میں پہچانتا تھا۔ وہ ائرپورٹ پر بھی میرے سواگت کو آیا تھا اور اس کا نام مجھے تیواڑی معلوم ہوا تھا۔ تیواڑی کے ہاتھ میں دو فائلیں تھیں۔ میں نے ان کی چائے سے تواضع کی۔ میں باقی دو ہندو افسروں کے نام معلوم کرنے کو بے تاب تھا۔ بڑی چالاکی سے میں نے ان کے بارے میں معلوم کر لیا۔ ان میں سے ایک کا نام مکند لال تھا جو میرا اسٹینو تھا۔ دوسرے کا نام خیراتی لعل تھا جو آفس سپرنٹنڈنٹ تھا۔ یہ تینوں پختہ عمر کے ہندو لالے تھے اور کھدر کے کرتوں پاجاموں اور گرم صدریوں میں ملبوس تھے۔ خیراتی لعل سپرنٹنڈنٹ نے کاندھے پر گرم شال بھی ڈال رکھی تھی اور گاندھی کیپ پہن رکھی تھی۔ تیواڑی میرے ہی محکمے یعنی انڈین انٹیلی جینس بیورو میں سیکرٹری نمبر ۲ تھا اور اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ جہاں میرے پاس دوسرے ممالک کے ساتھ انڈیا کی ملٹری، نیوی اور ائرفورس کے خفیہ معلوماتی امور کے معاملات تھے وہاں تیواڑی کے پاس سول معاملات کی نگرانی تھی۔ تیواڑی ایک انتہائی تیز چمکیلی آنکھوں والا خرانٹ قسم کا عہدے دار لگتا تھا۔ جو بڑی اچھی انگریزی بول لیتا تھا۔ جب کہ خیراتی لعل سپرنٹنڈنٹ اور مکند لعل اسٹینو ایک عام کلرک ٹائپ منشی لگ رہا تھا۔ میں تیواڑی سے ہوشیار بھی رہنا چاہتا تھا اور اسے اپنی مٹھی میں بھی رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اس کی طرف زیادہ توجہ دے رہا تھا اور اسے پاکستان کے سرحدی علاقے میں ڈپلائے بارڈر فورس کے بارے میں بیکار قسم کی اطلاعات بھی فراہم کرنے لگا تھا۔ تیواڑی بڑے غور سے میری بات سن رہا تھا۔ کہنے لگا سر! آپ نے بہت تجربہ حاصل کر لیا ہے دشمن کے اندر سے ہو کر آئے ہیں۔ اس کی پوری رپورٹ تیار کر کے اوپر منسٹری کو بھجوائی جانی چاہیے۔

خیراتی لعل سپرنٹنڈنٹ بولا۔ "مہاراج آپ ابھی جوان ہیں آپ کی پروموشن کا بڑا چانس ہے"

میں نے اپنی سیکرٹ انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر ورما صاحب کے بارے میں پوچھا تو تیواڑی بولا۔ "انہوں نے آج پھر آپ کو شبھ کامنائیں بھیجی ہیں سر۔ آپ کے بچ رہنے پر بڑے خوش ہیں"

پھر تیواڑی میری طرف جھک کر بولا۔ "سر! ایک چھوٹی سی انکوائری ہوگی۔ ورما جی کہہ رہے تھے پر نتو وہ تو دفتری روٹین ہوگی سر۔ سیکرٹریٹ سے "کرمچاری آئیں گے آپ سے ملنے"

میرے بدن میں ایک ٹھنڈی سنسنی دوڑ گئی، لیکن میں نے بہت جلد اپنے آپ کو نارمل کر لیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی، آخر، میں کچھ روز دشمن کے علاقے میں رہ کر آیا ہوں۔ تھوڑی بہت پوچھ کچھ تو مجھ سے لازمی طور پر ہونے والی تھی۔ میں نے ابھی سے اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ اب ایک بہت بڑا مسئلہ میرے سامنے تھا۔ مجھے پاکستان سے چلتے وقت میرے دلی والے آفس کا ایڈریس وغیرہ تو مجھے بتا دیا گیا تھا لیکن میں ان راستوں سے بے خبر تھا۔ یہ دفتر کہیں لودھی روڈ کے

عقب میں کسی غیر مانوس جگہ پر تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اپنی گاڑی کو لے کر آفس میں جانے کے لئے نکلوں اور راستے میں کسی سے اپنے آفس کے بارے میں پوچھنے کا خطرہ مول لوں۔ میں اپنے گھر آئے ہوئے عہدیداروں سے بھی نہیں پوچھ سکتا تھا اور دوسرے روز مجھے اکیلے ہی اپنے دفتر جانا تھا۔ کون سی ترکیب لڑاؤں؟ آخر ایک ترکیب ذہن میں آگئی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے تیواڑی سے کہا۔ "تیواڑی صاحب! کل صبح مجھے دفتر کی گاڑی بھی دیجئے گا۔ میری گاڑی کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ آج اسے مستری کے پاس پہنچا رہا ہوں۔"

تیواڑی بولا۔ "بھجوادوں گا سر۔ کوئی بات نہیں" اس کے بعد تیواڑی نے فائل کھول کر میرے سامنے رکھ دی اور بولا "آپ کے جانے کے بعد یہ فائل میں نے اپنے پاس ہی رکھی ہوئی تھی۔"

میں نے فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک کیمونسٹ ملک کے ساتھ انڈیا کے لئے اسلحہ کی خفیہ خریداری کے پیکٹ سے متعلق فائل تھی۔ میں اب سمجھ گیا کہ میرے باس نے مجھے ہی اس مشن کے لئے کیوں منتخب کیا تھا اور کیپٹن مہتہ کی موت کے بعد اس مشن کا ہی انتخاب کیوں کیا تھا؟ کیپٹن مہتہ تو واقعی ایک انتہائی نازک اور حساس عہدے پر فائز تھا اور ہمیں اپنے ملک کی سلامتی کے سلسلے میں یہاں سے بے پناہ مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ میں نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"تیواڑی جی! یہ فائل آپ میرے پاس ہی رہنے دیں کل دفتر آ کر بات کروں گا۔"

تیواڑی نے دوسری فائل میرے آگے کر دی اور بولا۔ "اور یہ فائل میری پرسنل ہے سر۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں ابھی تک کسی غیر ملکی دورے پر نہیں گیا۔ ہر بار شرما جی ہی کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اس بار چیکو سلواکیہ کا دورہ نکل رہا ہے۔ اگر آپ بھی مجھے رکمنڈ کر دیں تو ذرا سیر کر آؤں گا۔"

تیواڑی کی ہمدردیاں اور اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ میں نے تیواڑی کو دیکھ کر کہا۔ "لالہ جی! تسیجنت رہیں۔ بھگوان نے چاہا تو اس بار شرما جی کی جگہ آپ چیکو سلواکیہ جائیں گے۔"

تیواڑی کی تو باچھیں کھل گئیں، مگر اپنے دفتر کے ہی دو ساتھیوں کی موجودگی کا احساس کرتے ہی بولا۔ "سر! آپ کے ہوتے ہوئے تو کرمچاری کو اس کا حق ملے گا ہی۔ یہ تو آپ کی شروع ہی سے ساکھ رہی ہے۔"

میں نے ان کی چائے اور پھل سے وغیرہ سے تواضع کی اور دوپہر کے کھانے سے پہلے ہی وہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد، میں کمرے سے نکل کر ماتا جی کے پاس آیا تو باہر موٹر کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ ماتا جی تخت پر بیٹھی چاول چن رہی تھیں۔ ان کا ہاتھ رک گیا۔ اٹھ کر برآمدے کی طرف گئیں۔ میں بھی انکے پیچھے پیچھے تھا۔

بنگلے کے گیٹ کے پاس سڑک پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی اور اس میں سے ایک بوڑھا گول مٹول

صدری پوش لالہ ایک بھاری بھرکم ساڑی والی للائین کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔ ان کا بستر ٹیکسی کی چھت پر بندھا پڑا تھا۔ ماتاجی نے کہا پتر آگے بڑھ کر چرن چھو۔ تیرے چاچاجی آئے ہیں۔"

یہ کیپٹن رام کشن مہتہ کے وہی چچا تھے جن کے بارے میں مجھے پاکستان ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ بمبئی شہر کے بھنڈی بازار میں کپڑے کی دکان کرتے ہیں اور ان کا نام درگا پرشاد سیٹھ ہے۔ میں لپک کر ہاتھ جوڑے انکی طرف بڑھا۔ چرن چھونے ہی لگا تھا کہ انہوں نے مجھے اپنی باہر نکلی ہوئی توند کے ساتھ لگا لیا۔" ارے میرے کشن! تیرے درشنوں کو تو آنکھیں ترس گئیں تھیں۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی بھائی جو تیرا لعل تیرے چرنوں میں واپس آگیا۔"

اب چچی کی باری تھی۔ میں نے اس کے بھی چرن چھوئے۔ اس نے بھی گلے لگا کر میری بلائیں لیں اور کہا۔" بھائی! میں نے درگا دیوی کے مندر میں سوا سو روپے کی بھنی چڑھائی۔ اسی وقت جب سنا کہ رام کشن گھر آگیا ہے۔"

چچا درگا پرشاد نے مجھے غور سے دیکھا اور میری ناک کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔" پتر یہ تمہاری ناک پر زخم کا نشان کیسا ہے؟"

یہ پاکستان میں میری ناک پر کی گئی ہلکی سرجری کا نشان تھا۔ میں نے ناک پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔" بھائیا جی، میں دشمن کی قید میں تھا۔ بھگوان کی کرپا رہی کہ انہوں نے مجھے زیادہ ٹارچر نہیں کیا۔ نہیں تو میری ناک بھی سلامت نہ رہتی"

چچا درگا پرشاد اور چچی کے بمبئی سے آنے پر گھر میں شام تک دو سرے رشتے دار یعنی سجاتا کے ماتا پتا اور کرشنا کماری کا خاوند ہری پرشاد بھی آگیا اور کافی ہنگامہ رہا۔ رات کو سجاتا بھی آگئی۔ کھانے پر تین قسم کی سبزیاں، دالیں اور چٹنیاں بنائی گئیں۔ کھچڑی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے پھلکے بھی،.... جو میں عام حالات میں درجن بھر چٹ کر جاتا مگر وہاں احتیاط کی ضرورت تھی۔ اور میں نے صرف دو پھلکے ہی کھائے۔ سجاتا میرے لئے کافی بنا کر میرے کمرے میں آگئی۔ وہ مجھ سے سخت ناراض تھی کہ میں نے اسے دفتر سے فون کیوں نہیں کیا۔ پہلے تو تم دن میں دو بار مجھے ضرور فون کیا کرتے تھے۔ اب کیا بات ہو گئی ہے تم نے مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا؟ میں نے بھی غصے میں تمہیں کال نہیں کیا۔

اب یہ بھی پتہ چل گیا تھا کیپٹن رام کشن مہتہ اپنی محبوبہ کو دن میں کم از کم دو بار ضرور فون کیا کرتا تھا۔ میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا کہ دفتر کے لوگ آگئے تھے۔ کافی دیر دفتری امور پر بات چیت ہوتی رہی، پھر بمبئی سے لالہ جی آگئے۔ شما کر دو۔ پرنتو تم کو دل ہی دل میں برابر یاد کرتا رہا تھا۔

سجاتا نے میری کافی میں چینی نہیں ڈالی تھی۔ میں نے ایک گھونٹ بھرا اور کہا۔" ارے تم چینی ڈالنا بھول گئی ہو کیا؟"

سجاتا نے کسی قدر تعجب سے میری طرف دیکھا اور بولی" کشن! تم تو ہمیشہ کافی بغیر چینی کے پیتے

ہو۔"

میں نے سر کو ایک طرف جھٹکا اور کہا "ارے مجھے بھی کیا ہو گیا ہے۔ سب کچھ بھول گیا ہوں" پھر چہرے پر انتہائی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔ "سجاتا! تم وشواس کرنا دشمن نے میرا برین واش کرنے کے اتنے جتن کئے کہ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک اپنا نام اور گھر بھی بھول گیا ہوتا۔"

سجاتا نے میرے سر کو اپنے ساتھ لگا لیا اور بولی "اب میں تمہیں کبھی ہوائی جہاز میں سفر نہیں کرنے دوں گی۔ بھگوان تمہیں اپنی شرن میں رکھے تمہارے بنا تو میں جی نہ سکوں گی"

بات ٹل گئی تھی۔ میں اتنے بڑے پریوار میں آ گیا تھا کہ قدم قدم پر لغزش کھا جانے کا ڈر لگا رہتا تھا' پھر بھی میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں انتہائی محتاط ہو کر ایک ایک قدم آگے بڑھا رہا تھا اور ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت کو ذہن میں نقش کرتا چلا جا رہا تھا۔ کسی وقت جب مجھے خیال آتا کہ سیکرٹریٹ سے دو افسروں کا وفد مجھے پوچھ گچھ کرنے آئے گا تو دل ایک پل کے لئے بیٹھ سا جاتا۔ یہ آزمائش کسی حد تک کڑی تھی۔ جو لوگ آ رہے تھے وہ یقیناً بڑے تجربہ کار اور آزمودہ سی آئی ڈی کے افسر ہوں گے۔ انکی عقابی آنکھوں سے بچنے کے لئے مجھے بھی اپنے تمام تجربے کو ایک جگہ پر جمع کر کے انہیں ان کے سوالوں کے جواب دینا تھا۔ بہرحال میں پوری طرح اس آزمائش کے لئے تیار تھا۔ مجھے سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل تھا کہ میری شکل اور مرحوم کیپٹن رام کشن مہتہ کی شکل میں ذرا سے بھی فرق نہیں تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ خود اس کے گھر والوں اور رشتے داروں اور سجاتا کو بھی ایک لمحے کے لئے شبہ نہیں ہوا تھا۔

دوسرے روز میں دفتر جانے کے لئے ٹھیک وقت پر تیار ہو گیا۔ میں نے کوٹ پتلون ہی پہنی کیونکہ مہتہ کی کپڑوں کی الماری دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سوٹ زیادہ پہنتا تھا کیونکہ الماری میں ٹھنڈے اور گرم ولائتی سوٹ زیادہ تھے اور کھدر کے کرتے اور صدریاں دو چار ہی تھیں۔ وہ صدری کرتا پاجامہ اور گاندھی کیپ شاید سرکاری میٹنگوں میں پہنا کرتا تھا۔ نو بجے دفتر کی گاڑی آ گئی۔ میں اپنا بریف کیس اٹھائے ویگن کی طرف بڑھا تو سکھ ڈرائیور نے سلام کر کے دروازہ کھول دیا۔ میں ویگن میں داخل ہو کر اطمینان سے بیٹھ گیا ویگن میرے اس دفتر کی طرف چل پڑی جہاں میں زندگی میں پہلی بار داخل ہونے والا تھا اور جسے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

دفتر لودھی اسٹریٹ کے عقب میں ایک گمنام سی جگہ پر تھا۔ دو منزلہ پرانی عمارت تھی اور باہر کوئی بورڈ بھی نہیں لگا تھا۔ معلوم ہوا کہ بھارت کے اس سب سے بڑے دفتر کو جان بوجھ کر گمنام رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چوکیدار نے مجھے دیکھتے ہی جھک کر سلام کیا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ اس نے گیٹ کو کھول دیا۔ نمسکار صاحب! نمسکار صاحب! پرنام صاحب بھگوان کی کرپا ہوئی صاحب۔ سلام صاحب۔ چاروں طرف سے اسی قسم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی نہ دیکھے ہوئے چہرے میری طرف دیکھ کر

مسکرا رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر نمسکار کر رہے تھے۔ ایک جگہ کاریڈور میں، میں نے اپنے نام کی تختی لگی دیکھی۔ چپڑاسی نے آگے بڑھ کر میرے چرن چھوئے۔ میں نے اسے گلے لگا لیا۔ اس نے چک اٹھا دی۔ میں اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچھے لوہے کے دو قد آدم فائل کیبنٹ۔ تین ٹیلی فون، میز پر رکھی ہوئی مختلف فائلیں۔ شیشے کا جگ اور گلاس جو ٹرے پر رکھے ہوئے تھے دیوار کے ساتھ چھوٹی میز پر رکھی ہوئی بجلی کی چائے دانی اور الماری میں رکھے کچھ کپ اور طشتریاں۔

میں نے بریف کیس میز پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ چپڑاسی جس کے سر کے بال تھوڑے تھوڑے سفید ہو رہے تھے اور جو گرم صدری اور کھدر کے کرتے پاجامے میں ملبوس تھا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ بولا "صاحب جی! آپ کو یہاں دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی تھیں۔ صاحب جی آپ ٹھیک ہیں نا؟؟"

میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں میں تمہیں ٹھیک نہیں لگتا؟"

وہ دونوں ہاتھ ماتھے کے پاس لے جا کر بولا "بھگوان کا شکر ہے صاحب جی۔ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی ہے صاحب جی۔ میں آپ کے لئے کافی لاتا ہوں۔"

اس نے جلدی سے بجلی کی چینک اٹھائی اور ملحقہ باتھ روم میں گھس گیا۔ اتنے میں میرے عملے کے لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ میں ان میں سوائے اپنے اسٹینو مکند لعل اور سپرنٹنڈنٹ خیراتی لعل، کسی کی شکل سے واقف نہیں تھا، مگر آہستہ آہستہ ان سے اپنے آپ تعارف ہوتا جا رہا تھا۔ ان کے نام بھی معلوم ہو رہے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے چپڑاسی کا نام جسی ہے۔ میں نے ان سب کی شکلیں اور نام ذہن میں بٹھا لئے۔ میرے ہی محکمے کا سیکرٹری نمبر ۲ تیواڑی بھی آ گیا۔ وہ بڑے جوش میں تھا بولا "سر! بڑے صاحب آ رہے ہیں۔ آپ سے ملنے۔"

اب میرے محکمے کے ڈائریکٹر ورما صاحب داخل ہوئے۔ ان سے ائرپورٹ پر ہی تفصیلی ملاقات ہو چکی تھی۔ بھاری بھرکم جسم کھدر کے کرتے پاجامے میں پھنسا ہوا تھا۔ ائرپورٹ پر انہوں نے بھی سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس وقت سر پر گاندھی کیپ لگائے، ماتھے پر تلک جمائے وہ پورے اگرلیں برہمن لگ رہے تھے۔ مجھ سے ایک بار پھر گلے ملے۔ سب وہیں بیٹھ گئے کسی کے لئے چائے، کسی کے لئے کافی بنائی گئی۔ تیواڑی نے مارکیٹ سے لڈو منگوا لئے۔ آدھ گھنٹے تک یہ خوشی کی محفل جمی رہی، پھر ایک ایک کر کے سوائے ڈائریکٹر ورما صاحب کے سب رخصت ہو گئے۔ چپڑاسی میز صاف کرنے کے بعد برتن اٹھا کر لے گیا۔ ورما صاحب نے صدری میں سے سگار نکال کر میرے سامنے سلگایا تو مجھے اپنا زہریلا سگار یاد آ گیا۔ وہ اس وقت بھی میرے بریف کیس میں موجود تھا مجھے

محسوس ہوا کہ یہ سگار مجھے اپنے ساتھ دفتر نہیں لانا چاہیئے تھا۔ یہ خاص قسم کے زہریلے سگار صرف اہم مشن پر مامور ایجنٹوں یا جاسوسوں کو ہی دیئے جاتے ہیں اور میرا محکمہ انٹیلی جینس کا محکمہ تھا جس کا ہر عہدے دار چھٹا ہوا سی آئی ڈی کا آدمی تھا۔ یہ زہریلا سگار میرا بھانڈا پھوڑ سکتا تھا، لیکن اس وقت میں نے سگار کو وہیں بریف کیس میں ہی رہنے دیا تھا۔

ورما صاحب نے میری طرف دیکھ کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن! تمہیں تیواڑی نے بتا دیا ہو گا۔ کل دو بجے سیکرٹریٹ سے سکروٹنی کے دو آدمی تم سے کچھ باتیں کرنے آ رہے ہیں۔"

میں نے بھی سگریٹ سلگا لیا۔ اور بظاہر بڑی بے نیازی سے کہا "ہاں، مجھے بتا دیا تھا تیواڑی نے۔ میں ان سے ضرور ملوں گا۔ انہیں بھی تو اپنی فائل بھرنی ہے سر!" میں ہنس دیا۔

ورما صاحب کہنے لگے "روٹین کی کارروائی ہو گی۔ بھئی تم دشمن کے پاس رہ کر آئے ہو۔ شاید انہیں کچھ ایسی معلومات چاہئیں جو ہمارے بھارت ورش کے لئے فائدہ مند ہوں اور ان میں تمہارا یار بھاسکر بھی ہو گا۔ تم تو اسے جانتے ہو نا؟"

میں خاک اسے جانتا تھا۔ سگریٹ کا کش لگا کر یونہی بول پڑا "اچھا بھاسکر بھی آ رہا ہے"۔

اس سے آگے میں ایک لفظ بھی بھاسکر کے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے۔ یہ مشکل بھی ہمارے ڈائریکٹر ورما صاحب نے حل کر دی۔ بولے۔ "پونا سے یہاں آ کر زیادہ خوش نہیں ہے۔ بھئی کیپٹن! تم تو جانتے ہو اپنے محکمے کو۔ یہاں چھٹی بہت مشکل سے ملتی ہے اور بھاسکر مرہٹہ ہے اور مرہٹے مہاراشٹر سے نکلتے ہی اداس ہو جاتے ہیں"

ورما صاحب اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "تمہارے پاس کچھ کیس بھیج رہا ہوں۔ ان میں سے ایک کیس پنجاب میں خالصتان کے سنگٹھن کے بارے میں ہے۔ تم اسے آج ہی نمٹا کر آگے کر دینا۔ یہ سکھ ہمیں چین نہیں لینے دیں گے"

ورما صاحب چلے گئے تو میں نے ٹرے میں پڑی ہوئی فائلوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ان تمام فائلوں کا تعلق ایڈمنسٹریشن سے تھا۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق ان پر گول مول الفاظ میں انگریزی میں اور کہیں ہندی میں نوٹ لکھ کر انہیں دوسری ٹرے میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد ورما صاحب کا خاص چپڑاسی ایک مقفل بکس میں دونوں فائلیں لے کر آ گیا۔ اس نے بکس میری میز پر رکھا اور نمسکار کر کے واپس چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ بکس کو تالا لگا ہے۔ اب اصولی طور پر اسکی ایک چابی میرے پاس ہونی چاہئے تھی مگر میرے پاس چابی نہیں تھی۔ میں نے درازوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ مجھے چابی کہیں نہ ملی۔ میں کچھ پریشان ہو گیا۔ چابی کا ملنا ضروری تھا۔ اس سلسلے میں، میں کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا اتنے میں میرا چپڑاسی بنسی ایک فائل لے کر اندر داخل ہوا۔ میں نے سگریٹ ایش ٹرے

میں بجھا دیا۔ اس نے فائل میز پر رکھ دی اور کالے بکس کو دیکھ کر بولا۔ صاحب جی اسے کھول دوں؟"
میں نے سوچا کہ سیکرٹ فائل بکس ہے کیپٹن مہتہ یقیناً اسے خود ہی کھولتا ہو گا۔ میں نے اسے کہا کہ نہیں میں خود ہی کھولوں گا۔

چپڑاسی جنسی نے ہاتھ جوڑ لئے اور عاجزی سے بولا۔ "صاحب جی! کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں رہا؟ سرکار کا نمک خوار ہوں۔ بیس برس سے کام کر رہا ہوں۔ ایسے میں اندر آجاؤں تو آپ ہمیشہ مجھے ہی بکس کھولنے کو کہا کرتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ایک اور مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ میں نے اسے کہا "ٹھیک ہے بکس کو تو ہی کھول دے"

میں سوچ رہا تھا کہ یہ چابی کہاں سے لائے گا؟ ظاہر ہے ایسے سیکرٹ بکس کی چابی ایک چپڑاسی کے پاس نہیں ہو سکتی۔ میں کرسی سے ٹیک لگائے جنسی کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بکس کو ایک طرف اٹھایا اور بکس کے نیچے اندر کی جانب ایک چھوٹا سا خانہ بنا ہوا تھا۔ بکس کی چابی اس میں تھی۔ اگر اس وقت جنسی چپڑاسی اندر نہ آجاتا تو چابی مجھے کبھی نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے چابی لگا کر بکس کا تالا کھولا اور چابی تالے میں لگی ہوئی چھوڑ' ہاتھ جوڑ کر باہر نکل گیا۔

سیاہ بکس میں دو فائلیں تھیں جن پر سرخ انگریزی الفاظ میں "انتہائی خفیہ" لکھا ہوا تھا۔ ان میں ایک فائل تو پنجاب میں خالصتان تحریک کی سرگرمیوں کے بارے میں تھی اور دوسری سری لنکا میں تامل دہشت گردوں کو پہنچائی جانے والی اسلحہ کی امداد کے بارے میں تھی۔ ان فائلوں کے مطالعہ سے مجھ پر انکشاف ہوا کہ اندرا حکومت سری لنکا میں تامل دہشت گردوں کی ہر طرح سے مدد کر رہی ہے اور مدراس رجمنٹ کے دو سو ملٹری کمانڈو تامل دہشت پسندوں کے بھیس میں سری لنکا کے شمالی صوبے جافنا میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اندرا ذاتی طور پر سکھوں کی دشمن ہے اور وہ پنجاب میں سکھوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دینا چاہتی ہے۔ اس سیکرٹ خط کی کاپی بھی اس فائل میں لگی تھی۔ یہ خط بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے بھارتی ہائی کمانڈ کے ایک سینئر سیکرٹ آفیسر کو لکھا تھا جس میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ گولڈن ٹمپل امرتسر میں سکھوں نے بے پناہ اسلحہ جمع کر رکھا ہے اور اکالی وہاں خالصتان کی حکومت کا اعلان کرنے والے ہیں۔ اس لئے فوراً ایسا پلان تیار کیا جائے جسکی مدد سے ہماری فوج امرتسر میں دربار صاحب میں داخل ہو کر سکھوں کے اس مقدس مقام اور گڑھ کو ہمیشہ کے لئے کچل کر رکھ دے۔

میں نے متوازن اور گول مول الفاظ میں ان دونوں فائلوں پر اپنی طرف سے چند ایک جملے لکھ دئے۔ بلاشبہ یہ جملے اندرا گاندھی کی راج نیتی یعنی سرکاری پالیسی کے خلاف ہرگز نہیں تھے۔ دونوں فائلیں سیاہ بکس میں رکھ کر تالا لگایا اور چابی اسی طرح بکس کے نیچے والی پاکٹ میں رکھ دی اور جنسی

چپڑاسی کو بلا کر کہا کہ بکس ورما صاحب کے پاس لے جائے۔

"صاحب جی! یہ بکس تو ورما صاحب کا چپڑاسی خود ہی آکر لے جائے گا۔ آپ ورما صاحب کو فون کر دیں"

"چلو۔ میں انہیں فون کر دیتا ہوں۔ اچھا تم جاؤ" جنسی چلا گیا تو میں نے تیزی سے اپنے سر کو جھٹکا اور سگریٹ نکا کر سلگا لیا۔ مجھے اس قسم کی غلطیاں نہیں کرنی چاہئیں ——— میں نے سوچا یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔ مجھے اس آفس کے قواعد و ضوابط کا گہری نظر سے مشاہدہ کرتے ہوئے کیپٹن مہتہ کی تمام عادات کو اپنانا ہو گا۔ ورنہ کسی مصیبت میں پھنس سکتا ہوں۔ ورما صاحب کا فون نمبر بھی مجھے معلوم نہیں تھا۔ بہرحال ٹیبل پر رکھی کاپی میں سے مجھے انکا فون نمبر مل گیا۔ میں نے انہیں کال کر کے بتایا کہ فائلیں منگوالیں۔ انہوں نے پوچھا "کیا لکھا ہے تم نے کیپٹن؟" میں نے کہا" سر! وہی لکھا ہے جو مجھے لکھنا چاہئے تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ ہمیں بھارت کی اکھنڈتا اور سوتنترتا سب سے زیادہ پیاری ہے"

ورما صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا" میں سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا۔ تم ٹھیک سوچتے ہوں میں چپڑاسی بھیج رہا ہوں"

"تھینک یو سر!"

میں نے فون بند کر دیا، پھر دیوار کے ساتھ لگی آہنی کیبنٹ کی دراز کھول کر جیسے کوئی فائل تلاش کرنے لگا۔ اصل میں 'میں فائلوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ ان میں زیادہ تر فائلیں ایڈمنسٹریشن کے متعلق تھیں۔ اہم فائلیں شاید بلیک بکس میں مقفل حالت میں ہی میرے اور دیگر سیکرٹریوں اور افسروں کے پاس جاتی تھیں میں دراز بند کر کے بیٹھا ہی تھا کہ جنسی چپڑاسی نے اطلاع دی کہ گھر سے کھانا آگیا ہے۔ خدا جانے گھر سے کھانا کون لایا تھا؟ اور بعد میں پتا چلا کہ ایک آدمی نے ویگن رکھی ہوئی ہے جو افسروں اور دوسرے عہدیداروں کے گھر گھر جا کر کھانے کے ٹفن کیریئر اکٹھے کر کے لے آتا ہے اور مہینے کی پہلی تاریخ کو فی آفیسر سو روپے وصول کرتا ہے۔ سیکرٹری تیواڑی اپنا کھانا لے کر میرے کمرے میں آگیا۔ کمرے سے ملحقہ ایک ریٹائرنگ روم تھا۔ تیواڑی نے میرے لئے خاص طور پر چاندنی چوک سے گاجر کا حلوہ بھی منگوالیا تھا۔ اسے اپنے دورہ یورپ کے سلسلے میں میری سفارش کی اشد ضرورت تھی۔ کھانے کے دوران اس نے ایک بار پھر چیکوسلواکیہ کے دورے کی بات شروع کر دی میں نے اسے یقین دلایا کہ جونہی فائل میرے ریمارکس کے لئے میری ٹیبل پر آئی۔ میں اس کے حق میں رائے لکھوں گا۔ تیواڑی بے حد خوش تھا۔ شاید اصلی کیپٹن مہتہ نے اس کے حق میں حامی نہیں بھری تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری اس کایا پلٹ پر کچھ حیران بھی ہے۔

دوپہر کے بعد سیکرٹری تیواڑی کی فائل میری میز پر پہنچ گئی۔ اس میں تیواڑی کی ذاتی کوشش بھی

شامل تھی۔ میں نے وعدے کے مطابق اپنے ریمارکس میں لکھ دیا کہ اس بار تیواڑی کو چیکو سلواکیہ کے دورے پر وفد کے ساتھ بھیجنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

میں نے تیواڑی کو بلا کر اپنے ریمارکس دکھائے تو وہ بار بار ہاتھ جوڑ کر 'دھنوا دھنوا د سر' کرنے لگا۔

اصل میں تیواڑی کی پوسٹ عارضی تھی اور وہ ہیڈ کلرک سے ترقی کرتے ہوئے اس عہدے تک پہنچا تھا۔ یورپ کے دورے سے اس کے عہدے پر اچھا اثر پڑ سکتا تھا۔ بہرحال میں تیواڑی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ بہرحال بلیک باکس کی فائلیں اس کے پاس بھی آتی تھیں۔

دوسرے روز دوپہر کے بعد دلی سیکرٹریٹ کا سکروٹنی وفد بھی آن پہنچا۔ میں پہلے سے اس کے لیے تیار تھا۔ یہ دو آدمی تھے۔ ایک ست الوجود قسم کا کھدر پوش موٹا لالہ ٹائپ سی ایس پی آفیسر تھا جسکی کنپٹیوں پر ہی سفید بالوں کی جھالر نظر آ رہی تھی۔ دوسرا مضبوط قسم کا گٹھیلے جسم والا گہرا سانولا آدمی تھا۔ شکل ہی سے مرہٹہ لگتا تھا۔ اس نے کوٹ پتلون پہن رکھی تھی اور کنپٹیوں پر سے اس کے بال بھی تھوڑے تھوڑے بھورے ہونے لگے تھے۔ اس نے آتے ہی مسکرا کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ اور بولا " مجھے تمہارے آنے کی بے حد خوشی ہوئی ہے بھگوان جانتا ہے میں نے سوچا تم فون کرو گے تو تمہیں بدھائی دوں گا پر تم نے فون نہیں کیا۔ میں بھی تم سے ناراض ہو کر بیٹھا رہا۔ اسی روز مجھے وزارت داخلہ کی طرف سے سگنل ملا کہ تم سے ملاقات کروں۔ سوچا اب ایک ہی بار ملوں گا"

اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ یہ بھاسکر تھا۔ مرہٹہ بھاسکر راؤ میرا دوست تھا یعنی کیپٹن رام کشن مہتہ کا دوست تھا۔ میں نے کہا " بھاسکر! تم نے یہ نہ سوچا کہ دشمن کی قید سے نکل کر آ رہا ہوں۔ میری کیا حالت ہوگی؟ یار تمہیں خود ہی آ جانا چاہئے تھا۔"

" بھاسکر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ " اب جو میں آ گیا ہوں۔ ارے؟ انہیں نہیں پہچانا تم نے۔ یہ لالہ بدری داس، ہمارے سینئر کولیگ ہیں۔ بھئی تم کئی بار ان سے مل چکے ہو۔"

میں نے اپنے ماتھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ " مائی گاڈ " اور لالہ بدری داس سے بڑھ کر ہاتھ ملایا ان کے چرن چھوئے۔ آئی سی ایس لالہ بدری داس کی چھوٹی چھوٹی سے کرنجی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ذرا سے کھلے تھے۔ لگتا تھا شاید مسکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہنے لگے کیپٹن تم مجھے کچھ بدلے بدلے سے نظر آتے ہو۔"

میں نے فوراً بڑے اعتماد سے کہا۔ " لالہ جی صرف سات روز دشمن کی قید میں رہا تھا۔ پرنتو انہوں نے نہ صرف ٹارچر کیا بلکہ برین واشنگ کی بھی کوشش کی۔ سارا سارا دن الٹا لٹکائے رکھتے تھے۔ بھگوان ان سے بچائے۔"

میں نے گھنٹی بجا کر جنسی کو بلایا اور چائے بنانے کے لئے کہا۔ بھاسکر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے بولا۔

"ارے کشن! تمہیں کیا ہو گیا ہے معلوم نہیں تمہیں ہم دونوں جب بھی ملتے ہیں کافی ہی پیتے ہیں۔"

"اوہ! میں پھر بھول گیا۔ بنسی فوراً کافی بناؤ" میں نے بنسی کو حکم دیا بنسی چلا گیا تو میں نے الماری سے گاجر کا حلوہ نکال کر پلیٹ میں ڈالا اور بھاسکر اور لالہ بدری داس کے سامنے رکھ دیا۔

بھاسکر بولا "بھئی مٹھائی تو ہمیں لانی چاہیے تھے مگر کیا کروں؟ اس وقت ڈیوٹی پر آرہا تھا۔ اچھا گھر آؤں گا۔ مٹھائی لے کر ماتا جی تو بہت خوش ہوں گی۔"

میں نے کہا "بہت خوش ہیں۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی ہے بھاسکر تم جانو کہ میرے وہاں سے فرار ہو کر اپنا بارڈر کراس کرنے کی امید بالکل ختم ہو چکی تھی۔"

بنسی کافی بنا کر لے آیا۔ اب ضابطے کی کاروائی شروع ہو گئی۔ کچھ تکلفاً اور کچھ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کئی سوال پوچھے گئے۔ لالہ بدری واقعی بہت کائیاں آفیسر تھا۔ اس نے پاکستان کی بارڈر فورس اور میرے جہاز سے بچ نکلنے کے بارے میں ایسے ایسے سوال کئے کہ اگر میری جگہ کوئی بھی دوسرا ہوتا تو ایک بار اپنی جگہ سے ہل گیا ہوتا۔ خاص طور یہ پوائنٹ بے حد خطرناک تھا کہ پاکستانیوں کی قید میں رہنے کے باوجود میں اپنا بریف کیس اور سیکریٹ فائل کیسے بچا کر لے آیا؟

اس کے لئے میں نے ایک ڈرامائی کہانی پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھی اور مجھے بہرحال اسی کہانی پر انحصار کرنا تھا۔ پس میں نے اپنی پوری کہانی کو پوری جزئیات کے ساتھ بے حد اثر انگیز میں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب مجھے جہاز کے کریش ہونے کے بعد ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں جھاڑیوں میں صحیح سالم پڑا ہوں تو سب سے پہلا کام میں یہ کیا کہ اپنا پاسپورٹ، بٹوہ، آئی کارڈ اور انڈین بریف کیس میں سیکرٹ فائل کے ساتھ ہی رکھ کر بریف کیس لاک کر دیا اور پھر اسے جائے حادثے سے تھوڑی دور ایک گڑھے میں پہلو کی دیوار کھود کر پتھروں کے اندر اس طریقے سے چھپا دیا کہ کسی کی اس پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ ہمارا جہاز پاکستان کے علاقے میں گرا ہے، پھر میں بھاگ کر جائے حادثہ پر آ گیا۔ جہاز کو آگ نہیں لگی تھی مگر وہ دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور ہمارے دوسرے آفیسرز کی لاشیں نشستوں میں بری طرح پھنسی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک ایک آفیسر کو ملبے میں گھس کر دیکھا کوئی ایک بھی زندہ نہیں تھا۔ میں --- انکے بریف کیس نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ اس طرح سے ملبے میں پھنس چکے تھے کہ ان کو باہر نکالنا تقریباً ناممکن تھا۔ مجھے اس بات کا بھی شدید احساس ہوا کہ اگر ہمارا جہاز دشمن کے علاقے میں کریش ہوا ہے تو یہ سیکرٹ فائلیں جو میرے ساتھیوں کے بریف کیسز میں بند ہیں دشمن کے ہاتھ آ جائیں گی۔ چنانچہ میں نے جیب سے لائٹر نکالا اور ایک جگہ فوم کی پٹی کو آگ لگا دی، لیکن یہ آگ تھوڑی دیر بعد بجھ گئی۔ میں نے ادھر ادھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے انہیں آگ لگا کر جہاز کے ملبے پر پھینک دیا۔ اتنے میں مجھے کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں

جلدی سے درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ میری لگائی ہوئی آگ بدقسمتی سے ' دوبارہ بجھ گئی تھی۔ کچھ دیہاتی جہاز کے ملبے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انکے لباس اور باتوں سے میں سمجھ گیا کہ یہ پاکستانی ہیں۔ اتنے میں ایک ہیلی کاپٹر آسمان پر چکر لگاتا ہوا جہاز کے ملبے کے اوپر سے گزر گیا۔

یہ پاکستانی گراؤنڈ فورس کا ہیلی کاپٹر تھا۔ اب میرے لئے وہاں۔۔۔۔۔۔ چھپا رہنا ٹھیک نہیں تھا۔

چنانچہ میں نے ایک بار پھر اس خاص جگہ کو اپنے ذہن میں بٹھایا جہاں میں نے اپنا بریف کیس زمین میں دبایا تھا اور بھگوان کا نام لے کر اپنے اندازے کے مطابق بھارتی بارڈر کی طرف چلنا شروع کر دیا' لیکن بدقسمتی سے میں بہت جلد پکڑا گیا اور مجھے پاکستان بارڈر فورس کے بنکر میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد پہلے تو اذیت اور ٹارچر کا دور شروع ہوا۔ میں نے ظاہر کیا کہ میں غلطی سے پاکستانی علاقے میں داخل ہو گیا ہوں لیکن بہت جلد انہیں یہ جہاز کے کریش ہونے کی اطلاع مل گئی۔ اب انہوں نے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ جہاز کہاں جا رہا تھا؟ کس مقصد کے لئے جا رہا تھا؟ انہوں نے وہاں سے ہمارے ڈیلی گیشن کے کچھ بریف کیس بھی مجھے دکھائے جو انہوں نے جہاز کے ملبے میں سے نکال لئے تھے۔ میں نے انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا' پھر انہوں نے مجھے اتنا ٹارچر کیا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد میری برین واشنگ کا عمل شروع ہو گیا۔ ابھی تک میں نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا تھا۔ برین واشنگ سے مجھے خطرہ تھا کہ کہیں غیر شعوری طور پر دشمن مجھ سے کچھ اگلوا نہ لے چنانچہ میں نے ہر قیمت پر فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک شام مجھے اس کا موقع مل گیا اور میں نے ایک گارڈ کو بہانے سے اندر بلا لیا اور جھپٹ کر اس کی گردن اس طرح دبوچی کہ وہ آواز تک نہ نکال سکا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس سارے علاقے کو میں نے ذہن میں رکھا ہوا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ پاکستانی بارڈر فورس مجھے پیچھے نہیں لے گئی تھی۔ میں ابھی تک بارڈر کے پاس ہی تھا۔ میں راتوں رات گھاٹیوں سے گزرتا صبح ہونے تک اس جگہ پہنچ گیا جہاں جہاز کا ملبہ ابھی تک پڑا تھا۔ میں گڑھے میں کود گیا اور دیوار کھول دی۔ میرا بریف کیس وہیں دبا ہوا تھا۔ میں نے اسے سینے سے لگایا اور پہاڑوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ میرا رخ جموں و کشمیر کے پہاڑوں کی طرف تھا' لیکن میں راستے سے بھٹک گیا۔ اب میں دن کو کسی جگہ جنگل میں چھپا رہتا۔ رات ہوتی تو پھر سفر شروع کر دیتا۔ ندی نالوں پر اپنی پیاس بجھاتا جنگلی پھل کھا کر پیٹ کی آگ سرد کرتا۔ آخر بھگوان جانے کتنے دن کی در بدری کے بعد' میں اپنے بھارت کے رام بن والے بارڈر پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ کہانی میں ایسے پر زور' اثر بھرے انداز میں بیان کی کہ بھاسکر بار بار عش عش کر اٹھتا تھا اور بیچ بیچ میں پاکستان کو برا بھلا کہتا جاتا تھا' لیکن بڈھا آئی سی ایس خرانٹ لالہ میری طرف سپاٹ چہرے سے تک رہا تھا' لیکن میری کہانی سن کر وہ بھی کہنے لگا۔ "تم سے اسی ایڈونچر کی امید تھی کیپٹن۔ اور تم یہ سن کر یقیناً خوش ہو گے کہ تمہارے ساتھ جو ڈیلی گیشن گیا تھا۔ اس میں صرف تم ہی ایک ایسے آفیسر

تھے جس کے پاس سیکرٹ فائل تھی ۔ باقی کسی کے پاس خفیہ کاغذ نہیں تھا"

پھر وہ کاہلی کے ساتھ کرسی سے اٹھا اور بولا "او کے کیپٹن! تمہاری کافی اور گاجر کے حلوے کا بہت بہت تھینکس۔"

بھاسکر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور اپنے کاغذات بریف کیس میں ڈالنے کے بعد میرے کمرے سے نکل گئے ۔ میں انہیں باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

بھاسکر نے آہستہ سے کہا۔ "وہسکی کی پارٹی تمہاری طرف رہتی ہے " اور آنکھ مار کر نمسکار کہتا ہوا بڑھے آئی سی ایس لالہ بدری داس کے پیچھے پیچھے چل دیا ۔ میں اپنے آفس میں آکر کرسی پر بیٹھا تو یوں محسوس ہوا جیسے میں سینکڑوں میل تک پیدل ہی چلتا آیا ہوں ۔ اسی وقت جنسی کو کہہ کر کافی بنوا کر پی سگریٹ سلگایا ہی تھا کہ ڈائریکٹر ورما کا فون آگیا۔ "کیپٹن موسم کیسا ہے ؟ چلے گئے کانگریس والے؟

میں نے اسے بتایا کہ بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں ہوئی ہیں ۔ انہوں نے مجھ سے جس قسم کی انفارمیشن لینی چاہی تھی ۔ میں نے وہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز یاد کر کے مہیا کر دی ہے ۔

ڈائریکٹر ورما بولا "یہ محض روٹین کی کاروائی تھی "

میں نے کہا۔ "یس سر! میں جانتا ہوں 'مگر پاکستان کے بارے میں مجھے جو معلوم ہے وہ بتانا میری ڈیوٹی تھی ۔"

ورما نے مجھے بتایا کہ کل دوپہر کو اس کے آفس میں ایک اہم میٹنگ ہونے والی ہے ۔

میں نے کہا۔ " میں تیار ہوں سر"

"صبح تمہیں اسکے بارے میں بریف کر دوں گا ۔

ویسے معاملہ پنجاب اور خالصتان کے سنگھوں سے ہی تعلق رکھتا ہے ۔ او کے کیپٹن !" اور ورما صاحب نے فون بند کر دیا ۔

میں سوچنے لگا یہ کل والی اہم میٹنگ کس نوعیت کی ہو گی ؟ یقیناً اس میں پنجاب میں سکھوں کی شورش اور خالصتان کے مسئلہ زیر بحث آئے گا اور بھارتی حکومت اس ضمن میں کوئی اہم فیصلہ کرنے والی ہے ۔ میں دفتر میں چار بجے سہ پہر تک کام کرتا رہا۔ اس دوران میں مجھے کئی ایسے امور اور ضابطوں کا علم ہوا جسے میرے لئے وہاں رہتے ہوئے جانا ضروری تھا۔ کوئی سوا چار بجے میری محبوبہ سجاتا کا فون آیا۔ وہ کچھ پریشان تھی کہنے لگی کہ دفتر سے نکل کر سیدھے میری طرف آ جانا۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے ۔ میں نے بات کی نوعیت معلوم کرنے پر اصرار کیا تو اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ تم آؤ سمجھ تو جاؤ گی ۔ ویسے فکر کی ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔

میری پوزیشن ایسی تھی کہ کسی بھی لمحے میرے لئے کوئی نازک صورت حال پیدا ہو سکتی تھی ۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ سجاتا کو کہیں مجھ پر شک تو نہیں ہو گیا کہ میں اصلی کیپٹن مہتہ نہیں ہوں ؟

بہر حال میں نے سجاتا کے آفس میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے میں سجاتا کے آفس کبھی نہیں گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں' وہ ائر انڈیا کے چاندنی چوک والے دفتر میں ملازم تھی۔ اس آفس کا پتہ چلانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ چھٹی کے بعد' میں نے دفتر سے نکل کر ٹیکسی لی اور اسے چاندنی چوک والے ائر انڈیا کے آفس چلنے کو کہا۔ سڑکوں پر کافی رش تھا۔ دفتروں میں چھٹی ہو گئی تھی۔ اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ موسم میں ہلکی ہلکی خنکی آ رہی تھی۔ دلی پہلے سے زیادہ گنجان اور پُر ہجوم ہو گیا تھا۔ چاندنی چوک پہنچ کر ٹیکسی ائر انڈیا کے دفتر کے سامنے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ میں یہ دفتر پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ شیشے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو بائیں جانب ایک طرف کاؤنٹر کے پیچھے سجاتا پر نظر پڑی۔ وہ ائر انڈیا کی خصوصی نفل کلر ساڑی میں تھی اور پرس میں اپنی ضروری چیزیں رکھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ "گاڑی کہاں کھڑی کی ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ آج میں گاڑی نہیں لایا تھا۔ ٹیکسی پر آیا ہوں۔

وہ میرے ساتھ آفس کی لابی سے باہر آ گئی۔ برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ اس نے اپنے کٹے ہوئے سیاہ ریشمی بالوں کو جھٹکتے ہوئے اونہوں کہا اور ہاتھ دے کر ایک خالی ٹیکسی کو کھڑا کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا چہرہ متفکر ہے۔ وہ پریشان تھی۔ میرے دماغ میں بھی شدید کشمکش جاری تھی۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ بہر حال زہریلا سگار اس وقت بھی میرے بریف کیس میں موجود تھا۔ حالات کا نازک صورت اختیار کر جانے میں بڑی آسانی سے سجاتا سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔ مصیبت صرف یہ تھی کہ اس کے آفس والوں نے مجھے اس کے ساتھ دفتر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

میں نے سجاتا سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کسی ریستوران چلنے کے لئے کہا اور پرس میں سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی پھول کی پنکھڑیوں ایسے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ جمانے لگی۔ میری بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا مگر میں اوپر سے بہت پُر سکون بیٹھا۔

میں نے ایک بار پھر سجاتا سے کہا۔ "بھگوان کے لئے مجھے کچھ تو بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

اس نے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے مجھے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ ٹیکسی چاندنی چوک سے نکل کر بارہ کھمبے کی طرف جا رہی تھی۔ یہاں ایک چھوٹا سا پُر سکون ریستوران تھا جس کا نام میں اب بھول گیا ہوں۔ چھوٹی چھوٹی گول میزوں پر موم بتیاں روشن تھیں اور بیرے قالین پر آواز پیدا کئے بغیر آہستگی سے چل رہے تھے۔ دیواروں پر مہابھارت کی جنگ کا منظر پینٹ کیا گیا تھا۔ کاؤنٹر پر ایک لمبی ناک والی لڑکی تلک لگائے بیٹھی دھیمی آواز میں کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ ہم کونے والی میز پر جا کر بیٹھ گئے۔ میں فوراً بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا' لیکن اپنی بے تابیوں کو کنٹرول میں رکھے ہوئے تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سجاتا خود بات شروع کرے' پھر بھی میری طرف سے پیش رفت ضروری

تھی - میں نے ویٹر کو کافی اور کچھ سینڈوچز لانے کا آرڈر دیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا
ہوئے سجاتا کی طرف ذرا سے جھکا۔ سجاتا کی ساڑی میں سے بہترین کلون کی خوشبو آ رہی تھی۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا تم نے ضرور بیاہ کی بات کرنی ہو گی۔ ماتا جی نے بھی کل مجھے کہا
کہ چتر کشن! اب اپنا گھر بسا لے"

سجاتا کے سرخ بندے موم بتی کی لو میں کسی وقت چمک اٹھتے تھے۔ ایک گہرا سانس بھرتے
اس نے میری طرف دیکھا اور کہا "کشن! ارون نیروبی سے واپس آگیا ہے"

میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ بات نہیں تھی جو میں سمجھ رہا تھا۔ مگر میری بلا جانے یہ ارو
کون تھا جو نیروبی سے واپس آگیا تھا لیکن میں نے اپنے چہرے سے یوں ظاہر کیا جیسے میں ارون کو جا
ہوں۔

میں نے متفکر انداز میں سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا "وہ کیا کرنا چاہتا ہے
سجاتا نے نتھنے پھلا کر سانس لیا اور بولی۔ "کیا چاہتا ہو گا؟ مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے کہتا ہے
کشن کو چھوڑ دو اور مجھ سے شادی کر لو نہیں تو تمہاری تصویریں تمہارے پتا ماتا، کشن اور دفتر کے باس کو
پوسٹ کر دوں گا"۔

معلوم ہوا کہ سجاتا کا رومان اس سے پہلے کسی ارون سے چل رہا تھا جو ایک عیاش اور چالاک ہندو
نوجوان تھا اور درآمد برآمد کا کاروبار کرتا تھا۔ سجاتا پر اس نے کچھ ایسا جادو کیا کہ وہ اسکے دام میں پھنس گئی
اور ارون نے اسکی بعض انتہائی قابل اعتراض تصویریں بنا کر اپنے پاس رکھ لیں جب سجاتا کو پتا چلا کہ
ارون کی اچھی شہرت نہیں ہے اور وہ دوسری لڑکیوں سے بھی فلرٹ کرتا ہے تو وہ اس سے دور ہونے
لگی اور اپنی توجہ کیپٹن رام کشن مہتہ یعنی میری طرف مبذول کر لی۔ اس دوران میں ارون کاروبار کے
سلسلے میں نیروبی چلا گیا اور ایک برس تک وہیں مقیم رہا۔ اب وہ وہاں سے اپنا کاروبار سمیٹ کر دلی آگیا تھا۔
اور اس نے آج ہی سجاتا کو فون پر دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اس سے شادی نہ کی وہ اس کی قابل
اعتراض تصویریں اس کے ماتا پتا اور دوسرے دوستوں کو ارسال کر دے گا۔

مجھے اس رومانس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن سجاتا کی خاطر مجھے اپنی تشویش کا اظہار کرنا پڑ رہا
تھا۔ میں نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس بدمعاش کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سجاتا نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور عاجزی سے بولی "کشن ڈیئر! یہ اس سمسیا کا حل
نہیں ہے میں تمہیں کسی صورت بھی کھونا نہیں چاہتی۔ مجھ سے غلطی ضرور ہوئی تھی مگر میں نے
بھگوان سے معافی مانگ لی تھی اور تم نے بھی مجھے شما کر دیا تھا میں تو تمہیں من سے اپنا پتی دیو مان چکی
وں لیکن ...... وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔ ویٹر کافی اور سینڈوچز لے آیا تھا۔ میں کافی بنانے لگا
ور زیر لب بڑبڑایا۔

"وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے میں اسے گرفتار کروا دوں گا۔"

سجاتا نے کہا۔ "اس سے کچھ نہیں ہو گا ڈیئر... میری تصویروں کے نیگیٹوز بھی اس کے پاس ہیں۔ وہ جیل چلا گیا تو اس کا کوئی دوست یہ تصویریں میرے ماتا پتا جی کو بھیج دے گا اور میں اپنی جیو ہتھیا کر لوں گی"

سجاتا چھوٹے سے رومال سے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو آہستہ سے دباتے ہوئے اسے تسلی دی۔ "سجاتا ڈیئر! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اتنی چنتا نہ کرو۔ میں اس سمسیا کو حل کر لوں گا۔ میں خود ارون سے بات کروں گا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ تم سے بیاہ کرنے میں اتنا انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ وہ تصویروں کے عوض کچھ رقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ جو مانگے گا میں اسے دے کر تصویریں اور نیگیٹوز حاصل کر لوں گا۔"

سجاتا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے گہری سوچ میں ڈوبی ہولے ہولے کافی کے گھونٹ لینے لگی۔ باتوں ہی باتوں میں سجاتا سے میں نے اسکے پہلے بدمعاش عاشق ارون کے بارے میں تقریباً تمام مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں۔ اس کا فون نمبر' اس کے فلیٹ کا پتہ بھی حاصل کر لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک عشق پیشہ' آوارہ اور بدنام شہرت رکھنے والا آدمی ہے۔ درآمد و برآمد کا کاروبار اس نے محض دکھاوے کے لئے کھول رکھا ہے۔ اصل میں وہ اسمگلروں کے کسی گروہ سے وابستہ ہے۔ میں اس اسکینڈل میں زیادہ نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ صرف اس حد تک جانا چاہتا تھا جس حد تک سجاتا سے میرے تعلقات کا تقاضا تھا۔ بلکہ میں نے دل میں طے کر لیا کہ ارون کمار سے ملوں گا بھی نہیں اور ٹیلی فون پر ہی اسے ذرا دھمکا کر اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کروں گا' لیکن سجاتا پر میں نے یہی ظاہر کیا کہ میں ارون کمار کی واپسی اور اس کے عزائم سے بے حد پریشان ہوا ہوں اور یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اب سجاتا مجھے تسلیاں دینے لگی کہ میں جو بھی قدم اٹھاؤں سوچ سمجھ کر اٹھاؤں۔

"کشن! یہ میری ریپوٹیشن اور میرے ماتا پتا کی لاج کا معاملہ ہے۔ تم کسی طرح اس بدمعاش سے میری تصویریں اور نیگیٹوز لے لو۔ میری تم سے ارداس ہے"

میں نے سجاتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔ "سجاتا' تم میری جیون ساتھی ہو۔ میں جو کچھ بھی کروں گا تمہارے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے کروں گا۔ آؤ اب چلتے ہیں۔ گھر پر ماتا جی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ میں نے انہیں فون بھی نہیں کیا۔"

گھر پر بمبئی والے رشتے داروں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ یہ دور پار کے رشتے دار تھے' اور امرتسر سے آئے تھے جو کیپٹن مہتہ کا پیدائشی شہر اور وطن تھا۔ میں ایک ضروری فون کرنے کے لئے کہہ کر اٹھا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ ٹیلی فون میں نے پہلے ہی اپنے کمرے میں رکھوا لیا تھا۔ میں نے سجاتا کے عاشق ارون کمار کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے ایک لاابالی سی آواز

آئی "کون ؟"

میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں ارون کمار صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی، پھر اسی آواز نے کسی قدر طنز کے ساتھ کہا "مجھے معلوم تھا مہاشے جی فون کریں گے۔ شری مہنتہ جی میں آپ کا داس ارون کمار ہی بول رہا ہوں۔"۔

میں نے براہ راست اس سے سوال کیا کہ وہ کیا چاہتا ہے ؟

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا "مہاراج ! یہ بات تو سجاتا دیوی نے آپ کو ضرور بتادی ہوگی کہ میں کیا چاہتا ہوں ؟"

اب میں نے کسی قدر غصے کے ساتھ کہا "ارون ! تم اگر سجاتا کو بلیک میل کرکے اس سے بیاہ کرنے کے سپنے دیکھ رہے ہو تو اس بات کو اپنے من سے نکال دو۔ ہاں اگر کچھ اور چاہتے ہو تو مجھ سے سیدھی طرح بات کرو۔"

ارون کمار پھر طنزیہ انداز میں ہنسا اور بولا۔ "تو کیپٹن صاحب ! کسی وقت میرے فلیٹ پر پدھاریئے۔ مجھے اپنی سیوا کو موقع دیجئے۔ ساری بات طے کرلیں گے۔"

میں سمجھ گیا کہ ارون سجاتا کی قابل اعتراض تصاویر کے عوض کچھ رقم چاہتا ہے۔ میں نے اسے دعوت تو دے دی تھی مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ارون نے اگر بھاری رقم کا مطالبہ کردیا تو اسے کہاں سے پورا کروں گا۔ میرے اکاؤنٹ میں صرف پندرہ ہزار کے قریب رقم جمع تھی۔ بہرحال اس معاملے کو نمٹانا بھی ضروری تھا۔ دوسرے روز چھ بجے ارون کے فلیٹ پر ملاقات طے ہو گئی۔ دوسرے روز دوپہر کے بعد میرے آفس میں بقول ورما صاحب ایک اہم میٹنگ ہونے والی تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کب تک چلے۔ میں نے سجاتا کو فون کرکے بتادیا کہ ارون سے میری بات طے ہو گئی ہے۔ اور میں کل شام کو اس کے فلیٹ پر معاملہ طے کرنے جارہا ہوں۔ سجاتا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ میں اس کے فلیٹ پر نہ جاؤں۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا "چنتا کیوں کرتی ہو ؟ بھگوان ہمارے ساتھ ہے۔"

دوسرے روز، میں دفتر میں کافی مصروف رہا۔ گجرات میں مسلم کش فسادات اور آسام میں بنگلہ دیشی چکمہ قبیلے کے لوگوں کے غیر قانونی داخلے کی فائلوں پر اپنے ریمارکس لکھتے لکھتے دوپہر ہو گئی۔ تیواڑی کے ساتھ جلدی جلدی بھوجن کیا اور کام میں جت گیا۔ اتنے میں ڈائریکٹر ورما صاحب کا فون آیا کہ میرے کمرے میں آجاؤ کیپٹن۔ میٹنگ شروع ہونے والی ہے۔ میرا دل تھوڑا سا دھڑکا۔

ڈائریکٹر انڈین انٹیلی جینس بیورو ورما صاحب کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور باہر ان کا چپڑاسی جیسے پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں ورما صاحب کی بڑی میز کے گرد پانچ کھدر پوش پکی عمر کے آفیسر بڑی رازداری سے گفتگو کررہے تھے۔ سب نے میری طرف دیکھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر سب کو نمسکار کیا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک بلیک باکس ورما صاحب کی گھومنے والی بڑی کرسی کے پاس ہی قالین پر رکھا تھا۔
ان آفیسوں میں تیواڑی کے علاوہ میں کسی کی شکل سے آشنا نہیں تھا۔ شاید وہ سیکرٹریٹ کے خفیہ سیل سے آئے تھے۔ ورما صاحب نے بلیک باکس میں سے ایک فائل نکال کر کھولی۔ اس کی ورق گردانی کی اور اپنی عینک کو ناک پر انگلی سے جماتے ہوئے بولے۔
"یہ وہی سیکرٹ فائل ہے جس پر ہماری پردھان منتری شری اندرا گاندھی نے وشیش نوٹ لکھا ہے اور یہ آج ہی پردھان منتری کے سیکرٹریٹ سے مجھے ملی ہے۔ ہم نے پردھان منتری کو اطلاع دی تھی کہ روس کی جو پرمانو آبدوز کشتی ہمارے بھابھا نیوکلرری ایکٹر کے لئے یورینیم لے کر کنیا کماری کی بندرگاہ پر پہنچ چکی ہے اس کو سبوتاژ کرنے کے لئے امریکی ایجنٹ اور وشیش طور پر پاکستان کے ایجنٹ حرکت میں آگئے ہیں پردھان منتری شری نے اپنے ہتھ اکھشروں سے آدیش جاری کیا ہے کہ ہم میں سے کوئی سینئر آفیسر کنیا کماری جا کر ہماری پرمانو آبدوز کی نگرانی کرے اور دشمن کے ایجنٹوں کا سراغ لگائے تاکہ اس بھارت دشمن گروہ کو گرفتار کیا جا سکے۔ آبدوز سے یورینیم نکال کر بھابھا ریئیکٹر لے جانے کا کام اس لئے شروع نہیں ہو سکا کہ ہمارے آدمیوں کی مخبری کے مطابق دشمن کے ایجنٹ اس تاک میں ہیں کہ یورینیم لے جانے والے جہاز کو راستے ہی میں تباہ کر دیا جائے۔"
ورما صاحب خاموش ہو گئے۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ایک اور کھدر پوش آفیسر نے پوچھا کہ ہمارے پاس ایسا کون سا سینئر آفیسر ہے جس کو ہم کنیا کماری بھیج سکتے ہیں۔
ورما صاحب نے انگلی سے میری طرف اشارہ کیا اور بولے۔ "کیپٹن مہتہ اگرچہ سینئر نہیں ہیں مگر انہیں دشمن کے ایجنٹوں کی مینو ورنگ کا پرسنل انوبھائے یعنی ایکسپیرینس ہے۔ میں اس مشن کے لئے کیپٹن مہتہ کو ریکمنڈ کرتا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"
سب چپ تھے۔ تیواڑی کو میری خوشنودی مطلوب تھی۔ کہنے لگا۔ "میرے وچار میں کیپٹن کی سی سلیکشن ہمارے لئے لابھ دائیک ثابت ہو گی۔"
طوطے ایسی ناک، سنہری عینک اور گنجے سر والے ایک کھدر پوش آفیسر نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن مہتہ! پاکستان کی قید میں رہ کر اپنی ہندی زبان میں فارسی کے الفاظ کا پریاس آپ کچھ زیادہ ہی کرنے لگے ہیں۔"
اس آفیسر نے خدا جانے مجھے کہاں بولتے سنا تھا.... حالانکہ میں نے بھارت کا بارڈر کراس کرتے ہی اپنی بول چال میں ہندی کے شبدوں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے پاکستانی قید میں رہتے ہوئے میں نے یہ پریاس ضرور کیا تھا کہ ان کے فارسی، عربی کے شبد سیکھ لوں۔ میرے کام آئیں گے۔"
ورما صاحب نے اس اعتراض کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ جو ان کی غفلت تھی جو میرے حق میں مفید

ثابت ہوئی لیکن میں اس طوطے ایسی ناک والے کھدر پوش انٹیلی جینس آفیسر سے محتاط ہو گیا۔ میری ڈیوٹی روسی پرمانو آبدوز کی نگہداشت اور اپنی نگرانی میں یورینیم کی بھابھا ایٹمی ری ایکٹر تک ترسیل کے لئے لگا دی گئی۔

میٹنگ ختم ہوئی تو میں نے اپنے کمرے میں جا کر بڑے طریقے سے اس طوطے ایسی ناک والے کھدر پوش ہندو آفیسر کا نام معلوم کیا۔ وہ پردھان منتری کے سیکرٹریٹ کا چیف انٹیلی جینس پرشوتم ٹنڈن تھا۔ میں نے اس ہندو انٹیلی جینس آفیسر کو اپنے ذہن میں نوٹ کر لیا۔

شام کو میں دفتر سے نکل کر اپنی گاڑی میں سیدھا سجاتا کے بلیک میلر عاشق اروِن کمار کے فلیٹ پر جا پہنچا۔ اس نے میرا سواگت کیا اور مجھے وہسکی پیش کی جسے میں نے قبول نہ کیا۔ یہ ایک تیکھی مونچھوں والا لمبے قد کا دبلا پتلا بڑا تیز طرار ہندو نوجوان تھا۔ آنکھوں میں حلقے پڑے تھے۔ سر سوٹ میں تھا اور بڑا اعلیٰ سگریٹ پی رہا تھا۔ پہلے تو مجھے اس نے پاکستانی قید سے واپس آنے پر بدھائی دی۔ میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ ہم اصل پوائنٹ پر آ جائیں۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ اروِن کمار نے دس ہزار روپے کا مطالبہ کر دیا جس کے بعد وہ سجاتا کی تصاویر اور نیگیٹوز میرے حوالے کر دینے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اس احمقانہ قسم کی جھک جھک سے بچنے کے لئے یہ رقم زیادہ نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ کم از کم پانچ ہزار روپے تو میں سجاتا سے وصول کر لوں گا۔ میں نے اروِن سے دو روز بعد رقم لے کر آنے کا وعدہ کیا اور بنگلے کی طرف چل پڑا۔

بنگلے پر آ کر میں نے سجاتا کو فون کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ یہ بات میں اس سے کل بھی کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں طوطے ایسی ناک والے ہندو چیف انٹیلی جینس آفیسر پرشوم ٹنڈن کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کافی تیز تھیں۔ ممکن ہے اسے مجھ پر شک ہو گیا ہو۔ بہرحال اس شخص کے دل کا حال معلوم کرنا ضروری تھا۔ اسی رات جب میں ماتا جی کو پرنام کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر لیٹا تو فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے سوچا سجاتا ہو گی۔ ریسیور اٹھا کر ہیلو کیا ہی تھا کہ دوسری طرف سے کسی نے بڑی مدھم آواز میں ایک لفظ بولا جو ہمارا خفیہ کوڈ ورڈ تھا۔ میں چوکس ہو گیا اور اپنا کوڈ نمبر بتایا۔ یہ ہمارا دلی میں مقیم ایجنٹ بول رہا تھا۔ اس نے مرموز الفاظ میں مجھے صبح صبح اذان کے وقت جامع مسجد کے پیچھے آنے کی ہدایت کی اور فون بند کر دیا۔

میں نے صبح چار بجے صبح کا لگا دیا اور بتی بجھا کر کمبل اوپر کر لیا۔ ٹائم پیس میں نے کمبل کے اندر اپنے سرہانے کے پاس ہی چھپا لیا تھا۔ ایک خدشہ میرے دل میں ضرور سر اٹھا رہا تھا اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے میری نگرانی ہو رہی ہو۔

الارم پو پھٹنے چار بجے بج اٹھا۔ میں نے جاگتے ہی اسے بند کر دیا۔ ماتاجی اشنان کے بعد درگا مورتی کے آگے پوجا پاٹھ کی تیاری کر رہی تھیں۔ میں نے سیر کا بہانہ بنایا اور جوگنگ بوٹ لمبا رین کوٹ پہن کر پیدل ہی سڑک پر نکل آیا۔ اکتوبر کی رات ڈھل چکی تھی اور مشرق کے آسمان پر نیلی نیلی روشنی کا غبار ابھرتا، پھیلتا چلا آ رہا تھا۔ سڑکیں ویران تھیں۔ کسی وقت کوئی ٹرک یا ویگن گزر جاتی تھی۔ بنگلے سے کافی فاصلے پر آیا تو ایک پارک میں کھڑے ہو کر میں نے کوٹ اتار کر رکھ دیا اور ہلکی ہلکی ورزش شروع کر دی۔ حقیقت میں، میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا تھا۔ سڑکوں پر ٹیوب لائٹس ابھی تک جل رہی تھی۔ آس پاس دور دور تک مجھے کوئی ایسا آدمی دکھائی نہ دیا جو میرا پیچھا کر رہا ہو۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میرا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو میں نے رین کوٹ پہنا اور پارک سے نکل کر تیز تیز قدموں سے چلتا دوسری طرف فٹ پاتھ پر آ گیا۔ یہاں سے جھاڑیوں کو عبور کر کے ایک ذیلی سڑک کے چوک میں آ گیا۔ ایک رکشا بڑی تیزی سے میرے قریب سے گزر گیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ رکشا کچھ دور جا کر رکا، پھر گھوما اور میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ رکشا خالی ہے۔ میں... لپک کر اس میں گھسا اور اسے فتح پوری چلنے کو کہا۔ خالی سڑکوں پر تیزی سے دوڑتے ہوئے رکشا فتح پوری پہنچا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہاں سے دوسرا رکشا پکڑا اور اذان ہو رہی تھی کہ میں جامع مسجد کی بائیں جانب پہنچ گیا۔ یہاں میں نے رکشا چھوڑ دیا اور پیدل چلتا جامع مسجد کے عقب میں سامنے کی جانب، جو بازار ہیں وہاں ایک ریستوران کے قریب آ کر رک گیا۔ نوکر ریستوران دھو رہے تھے۔ میں نے چائے کا پوچھا تو لڑکا بولا۔ "ابھی تھوڑی دیر لگے گی چائے بنانے میں صاحب۔"

میری نظریں جامع مسجد کی عقبی دیوار کے سائے میں اندھیروں کو ٹٹول رہی تھیں، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

میں ریستوران سے ہٹ کر مسجد کی دیوار کے بالکل قریب سے ہوتا ہوا چتلی قبر کو جانے والی سڑک پر نکل آیا۔ یہاں دکانیں بند تھیں۔ دور ہوٹلوں کے تھڑے اور فرش دھوئے جا رہے تھے۔ میں نے کمیٹی کے نلکے کے پاس ایک فقیر کو دیکھا کہ پھٹی ہوئی گدڑی اوڑھے بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔

اس کا رخ بازار کی طرف تھا۔ اس وقت بازار خالی تھا۔ جب میں اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے مجھے پکار کر کہا۔ " بابو چائے کے لئے فقیر کو کچھ دیتے جائیو "

میں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ میرا سارا دھیان اپنے ایجنٹ کی طرف لگا تھا جو مجھے کہیں نظر آرہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ فقیر میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ میں نے رک کر پیچھے دیکھا تو فقیر ایک ایسا لفظ بول کر میرے قریب سے گزر گیا کہ میں ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنا خفیہ کوڈ لفظ بولا تھا جو مجھے پاکستان سے چلتے وقت ہی بتا دیا گیا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد فقیر ہرے بھرے پیر صاحب کے مزار ے پیچھے والی گراؤنڈ میں اتر گیا۔ اب میں اس کے تعاقب میں تھا۔ گراؤنڈ میں درختوں کی چھاؤں میں ذ میرا تھا۔ فقیر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور حق اللہ کا نعرہ بلند کر کے سگریٹ کا لمبا کش کھینچا۔ میں ایک عقیدت مند کی طرح اسکے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور اپنا کوڈ نمبر بتانے کے بعد کہا " بابالوگ! ہماری طرف بھی دھیان دیجئے۔ دنیا نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ "

یہ فقیر اپنا ایجنٹ تھا۔ اسکے سر کے بال اور داڑھی بے ترتیب سے بڑھی ہوئی تھی اور حلیہ کسی مجذوب کا بنا ہوا تھا۔ اس نے حقے کی طرح سگریٹ پیتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ " میرے پیچھے جو ٹاہلی درخت ہے اس کے نیچے سوکھے پتوں کی ڈھیری میں تمہیں ایک پوٹلی ملے گی۔ وہ تمہارے لئے ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ مجذوب فقیر مجھے برا بھلا کہتا بلند آواز میں نعرہ لگا کر اٹھا اور اپنی پھٹی پرانی ڑی سنبھالتا گراؤنڈ میں قلعے کی جانب چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی آدمی نہیں تھا۔ میں سیر کرنے کے انداز میں چلتا درخت کے پاس آیا۔ وہاں سوکھے پتوں کی ری کے پاس یوں بیٹھ گیا جیسے ستانے لگا ہوں۔ کوئی تین چار منٹ میں ویسے ہی بیٹھا رہا۔ پھر پتوں ڈھیری کو اٹھایا تو نیچے ایک میلی سی چھوٹی سی پوٹلی تھی۔ میں نے اسے اٹھا کر رین کوٹ کی جیب میں الا اور سیر کرنے کے انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتا ریلوے اسٹیشن کو جاتی سڑک پر نکل آیا۔ اب دن کی سپیدی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ اور سڑک پر رکشا اور بسیں گزرنے لگی تھیں۔ میں نے ایک شا پکڑا اور ریلوے اسٹیشن پر آکر چھوڑ دیا۔ دوسری سڑک پر آکر ایک اور رکشا پکڑا اور سیدھے بنگلے طرف آگیا۔

بنگلے پر ماتا جی بہت پریشان تھیں۔ میں نے کہا سیر کرتے ہوئے ایک پرانے دوست دوبے جی مل گیا تھا۔ اس نے باتیں کرنے میں دیر کر دی۔ ہمارے بمبئی کے رشتے دار چاچو ابھی تک سو رہے تھے۔ بالا نوکرانی کچن میں صفائی وغیرہ کر رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ غسل خانے میں جا کر پوٹلی کھول کر دیکھا۔ اس میں سے ماچس کے سائز کا ایک ہلکا پھلکا ٹرانسمیٹر نکلا۔ نسواری رنگ کے پلاسٹک کا یہ ٹرانسمیٹر انتہائی زود حس اور طاقتور لگ رہا تھا۔ سوئی کی طرح کا ایک چھوٹا سا انٹینا بھی اس میں سے نکلتا تھا۔ اس میں سرخ رنگ کے ننھے سے دو بٹن لگے تھے۔ فریکوئنسی کی سوئی

نصف دائرے میں صرف ایک لکیر کے نشان پر لگی ہوئی تھی۔ اس ٹرانسمیٹر کے ساتھ کاغذ کا میلا کچیلا ٹکڑا بھی تھا۔ جس پر مرموز الفاظ میں صرف اتنا لکھا تھا

"گیارہ اکتوبر کو رات دس بجے تم سے ملاقات ہوگی"

ظاہر ہے کہ بات اس ٹرانسمیٹر پر کی جانے والی تھی۔ گیارہ اکتوبر کو ابھی سات روز باقی تھے۔ میں نے ٹرانسمیٹر کو اپنے پلنگ پر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دفتر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ میں سوچ رہا تھا کہ ٹرانسمیٹر کو چھپانے کے لئے کون سی جگہ ہو سکتی ہے وہ اتنا چھوٹا ٹرانسمیٹر تھا کہ اسے سفر میں بھی اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ کپڑے بدلتے ہوئے میں نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ یوں تو اس کمرے میں کئی ایسی جگہیں تھیں جہاں میں ٹرانسمیٹر کو چھپا سکتا تھا لیکن کوئی بھی جگہ ایسی نہ تھی کہ جو تلاشی لیتے وقت سی آئی ڈی والوں کی نگاہ سے بچ سکتی۔ میں ان نگاہوں سے خوب واقف تھا۔ مجھے ٹرانسمیٹر بنگلے کے باہر کسی جگہ چھپانا چاہئے۔ یہ سوچ کر میں نے تکیے کے نیچے سے ٹرانسمیٹر نکال کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ ماتا جی مجھے ناشتے کے لئے آوازیں دے رہی تھیں۔ ناشتے کی میز پر بمبئی والے چاچو اور ان کی موٹی للائین بھی موجود تھی۔ یہ لوگ دھڑا دھڑ پوریاں اور بھاجی اڑائے جا رہے تھے۔ میں نے ماتا جی کی بنائی ہوئی پھلکیاں کھائیں اور کافی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر برآمدے سے اتر کر باغ میں آگیا۔ بہانہ یہ کیا کہ میں اپنے کوٹ کے کالر کے لئے کوئی خوبصورت پھول توڑنا چاہتا ہوں۔ بنگلے کا عقبی لان بڑا مختصر تھا۔ سائیڈ پر باڑھ لگی تھی۔ برآمدے کے زینے کی دونوں جانب لکڑی کے بڑے بڑے گملوں میں پام کے پودے صبح کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس قسم کا لکڑی کا ایک بڑا گملا برآمدے کے کونے میں بھی رکھا تھا۔ اس میں سبز چوڑے پتوں والا کوئی ٹراپیکل یعنی استوائی پودا لگا تھا۔ میں اس گملے کے قریب گیا تو دیکھا کہ ایک طرف گملے کے پیندے کو دیمک نے کھا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنگلی گلاب کی بیل باڑھ پر چڑھی ہوئی تھی۔ میں گلاب کا سفید پھول توڑنے کے بہانے گملے کے پاس بیٹھ گیا۔ ٹرانسمیٹر اس وقت میرے داہنے ہاتھ میں تھا۔ کافی کا پیالہ میں نے گھاس پر رکھ دیا تھا۔ میں نے پھرتی سے گملے کی لکڑی کو ذرا سا پیچھے کر دیا اور ٹرانسمیٹر کو گملے کے اندر مٹی میں دبا کر لکڑی کی پٹی پھر اپنی جگہ پر لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سفید گلاب کا پھول توڑا اور اسے اپنے کوٹ کے کالر میں لگانے لگا۔ پھر کافی کا پیالہ اٹھایا اور بار بار پھول کو دیکھتے ہوئے برآمدے میں آگیا۔ للا نوکرانی نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میرے کوٹ کے کالر کو دیکھا اور مسکراتی ہوئی لان والے نلکے کی طرف چلی گئی۔ میں کمرے میں ماتا جی کے پاس آگیا۔ انہوں نے بھی پھول کو دیکھ کر سراہا۔ میں نے کہا "ماتا جی! یہ پھول تو بڑے سندر ہیں۔"

ماتا جی نے کہا۔ "پتر! تم نے اپنے ہاتھوں سے تو یہ جنگلی بیل لگائی تھی۔"

میں گنگناتا ہوا کچن کی طرف گیا۔ پیالہ میز پر رکھا۔ ہاتھ دھو کر رومال سے پونچھے اور اپنے کمرے

سے بریف کیس اٹھا کر رام رام کرتا ہوا باہر کھڑی اپنی ایمبیسیڈر گاڑی کی طرف بڑھا۔

ابھی دفتر جا کر بیٹھا تھا کہ سجاتا کا فون آگیا۔ قدرتی طور پر اسے تشویش تھی کہ شام میں نے ارون کمار سے کیا بات کی ہے۔ میں نے سجاتا کو بتا دیا کہ معاملہ محض پندرہ ہزار روپے کی رقم کا ہے۔
تم فکر مت کرو۔ میں پرسوں اسے روپوں کا بندوبست کر کے تمہاری تصویریں اور نیگیٹوز حاصل کر لوں گا۔"

سجاتا نے بڑی عاجزی سے پوچھا کہ میں اتنی رقم کا انتظام کہاں سے کروں گا؟ میں نے کہا میرے پاس بینک میں اس وقت سات ہزار روپے فالتو جمع ہیں۔ باقی کہیں سے ادھار لے لوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ کچھ پیش رفت سجاتا کرے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اسے کرنا بھی چاہئے تھا۔ کہنے لگی۔
"میرا ایک سونے کا لاکٹ ہے۔ دو سونے کی انگوٹھیاں بھی ہیں۔ میں یہ تمہیں دے دوں گی۔ تم میرے لئے اتنا کشٹ مت اٹھاؤ کشن"

میں نے بڑی لگاوٹ کے ساتھ کہا " سجاتا! کیسی باتیں کرتی ہو۔ تمہاری لاج مریادہ میری لاج مریادہ ہے۔ اس کے لئے میں اپنا جیون بھی بلیدان کر سکتا ہوں۔"
سجاتا کے سسکی بھرنے کی مجھے آواز آئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ وہ یقیناً جذباتی ہو گئی تھی۔ اسے شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ میں اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھا۔
سجاتا کا مسئلہ میں نے دو روز کے بعد حل کر دیا۔ ارون کو اسکی مطلوبہ رقم پندرہ ہزار روپے ادا کر کے میں نے اس سے سجاتا کی تصویریں اور نیگیٹوز حاصل کر کے سجاتا کو پہنچا دیئے۔ ارون کمار اگرچہ بدمعاش اور بدکردار قسم کا آدمی تھا لیکن اس نے کچھ ایسے الفاظ میں کہا کہ اس نے سجاتا کے تمام نیگیٹوز اور تصویریں میرے حوالے کر دیں کہ مجھے اس پر یقین کرنا پڑا۔ سجاتا کو میں نے یہی بیان دیا کہ میں نے اس کی تصویریں نہیں دیکھی ہیں لیکن میں ایک ایک تصویر کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ واقعی انتہائی اخلاق سوز اور قابل اعتراض تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں اگر سجاتا کے ماتا پتا کے پاس پہنچ جاتی تو وہ ضرور جمنا میں کود کر مر جاتے۔

اب سجاتا نے میرے ساتھ شادی پر زور دینا شروع کر دیا۔ ایک روز اس کے ماتا پتا بھی شادی کی بات کرنے ہمارے گھر آ گئے۔ ماتا جی تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھیں۔ مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے "لیکن ماتا جی! کچھ ہی دنوں میں مجھے دورے پر جانا پڑ رہا ہے۔ اس دورے میں میری ترقی نربھل ہے۔ واپس آ کر سجاتا سے بیاہ کر لوں گا۔"

ماتا جی اس امر پر مصر تھیں کہ ترقی تو ہوتی رہے گی اور میں بیاہ رچانے کے بعد دورے پر جاؤں لیکن میں نے بعض فرضی مجبوری کا حوالہ دے کر انہیں منا لیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ دورے سے واپس آنے کے بعد وہ میری بات نہیں سنیں گی۔ منگنی کے بارے میں بھی انہوں نے

اصرار کیا مگر میں نے کہا ماتا جی منگنی پر فضول خرچی کی کیا ضرورت ہے جبکہ واپس آتے ہی میں بیاہ کر لوں گا۔ بات ٹل گئی مگر اس قسم کی باتوں سے یہ مصیبت نہیں ٹل سکتی تھی۔ اس کے لئے مجھے کچھ سوچ سمجھ کر انقلابی قدم اٹھانا تھا کیونکہ سجاتا سے شادی کا مطلب یہ تھا کہ میرا مسلمان ہونا ظاہر ہو جائے جو میرے مشن کی موت تھی اور یہ میں کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

ماتا جی نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ میں کس شہر میں دورے پر جا رہا ہوں صرف اتنا ہی دریافت کیا کہ میں کب اور کتنے دنوں کے لئے جا رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جب کبھی اصلی کیپٹن رام کشن مہتہ دورے پر جاتا تھا تو اسے کسی کو یہ بتانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کب جا رہا ہے۔ میں نے ماتا جی کے سوال کے جواب میں کہا کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ دو تین ہفتے لگ جائیں۔ میرے کنیا کماری جانے کی ساری دفتری کاروائی مکمل ہو گئی تھی۔ سجاتا نے یہ دریافت کرنے کی کوشش نہ کی کہ میں کس شہر میں اور کب جا رہا ہوں۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ میں تمہاری راہ دیکھوں گی۔ سنسار میں اب تمہارے سوا میرا کوئی نہیں۔ اب میری لاج تمہارے ہاتھ میں ہے میں اسے تسلی بھی دے رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میں اسے موت کے گھاٹ اتارنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ کام میرے لئے اتنا ہی آسان تھا جیسے میں کسی مچھر کو مسل دوں۔ یہ آخری قدم تھا جو میں ابھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ میں کسی ایسے موزوں حل کی تلاش میں تھا کہ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اگلے روز میں دفتر گیا تو ورما صاحب نے مجھے اپنے آفس میں بلا کر موسٹ کانفیڈینشل کاغذات کی ایک فائل دلی سے ناگپور تک فرسٹ کلاس کا ایک ریلوے ٹکٹ اور پانچ ہزار کی انڈین کرنسی سے دے کر کہا۔

"ناگپور تک تم ٹرین میں سفر کرو گے۔ ناگپور ریلوے اسٹیشن پر تمہیں ہمارا ایک آدمی ملے گا۔ وہاں سے تم ایک انڈین ائر فورس کے ایک چھوٹے طیارے میں کنیا کماری تک سفر کرو گے۔ کچھ رقم تمہیں دی جا رہی ہے باقی ضرورت پڑی تو تم کنیا کماری میں نیول آفس میں کسٹم انسپکٹر ناتھن سے لے سکتے ہو۔ انسپکٹر ناتھن انٹیلی جینس کا آدمی ہے جو کسٹم میں پوسٹ کیا گیا ہے۔ وہی تمہارے کھان پان اور رہنے کا بندوبست کرے گا۔ اس سے تمہارا سمپرک رہے گا۔ وہ تمہیں ہر طرح کی مدد پہنچائے گا۔ وہاں..... تم جس بھیس میں چاہے رہ سکتے ہو۔ اپنا آئی ڈی کارڈ ہر وقت اپنے پاس رکھنا اور ہمارا کوڈ ورڈ "اشوکا" ہے یاد رکھنا"

میں نے ورما صاحب کی ساری باتیں ذہن نشین کر لیں اور پوچھا کہ مجھے کب روانہ ہونا ہو گا۔ انہوں نے مجھے ٹکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہیں آفس ہی سے شام سات بجے والی ناگپور ایکسپریس پکڑنی ہو گی"

میں لیس سر کہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اس سے پہلے بھی اصلی کیپٹن مہتہ کو اسی طرح دفتر ہی سے کسی خفیہ اور اہم دورے پر روانہ کیا جاتا ہو گا لیکن میرا سیکرٹ ٹرانسمیٹر بنگلے پر ہی تھا۔ مجھے اسے ہر حالت میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے کچھ سوچنے کے بعد ایسی اداکاری کی کہ جیسے میں کچھ گھر بھول آیا ہوں اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ میں نے انتہائی معذرت پیش کرتے ہوئے کہ بدقسمتی سے میں اپنا آئی ڈی کارڈ بنگلے پر ہی بھول آیا ہوں۔ ورما صاحب نے عینک کے شیشوں کے پیچھے مجھے حیرت اور ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور بولے۔ "کیپٹن مہتہ! تم ایسے ذمہ دار آفیسر سے مجھے یہ آشا نہیں تھی

میں نے چہرے پر خفت اور شرمساری کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ " شما کیجئے ورما صاحب! مجھ سے بھول ہو گئی۔ ناشتا کرنے کے بعد سرہانے کے نیچے سے آئی ڈی کارڈ اٹھانا بھول گیا۔ میں ابھی ایک منٹ میں جا کر لے آتا ہوں۔"

ورما صاحب نے انگلی سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ " تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہیں گھر میں کسی کو نہیں بتانا کہ تم کہاں رہے ہو اور کب جا رہے ہو۔ ہم خود رات کو تمہارے گھر اطلاع کر دیں گے۔"

"لیس سر! آئی نو سر!" یہ کہہ کر میں نے سیکرٹ فائل لفافے میں ڈال کر بغل میں دبائی اور نمسکار کرتا ہوا ورما صاحب کے آفس سے باہر آ گیا۔ ریل کا ٹکٹ اور کرنسی نوٹ میں نے پہلے ہی سنبھال کر اپنی جیب میں رکھ لئے تھے۔ فائل میں نے اپنے دراز میں تالا لگا کر بند کر دی اور خود گاڑی پکڑ کر سیدھا اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں سارا رستہ یہی سوچتا رہا کہ ناگپور سے ائرفورس کے طیارے پر سوار ہوتے ہوئے اگر میری اسکریننگ کی گئی تو میری جیب میں پڑا یا بریف کیس میں چھپا کر رکھا ہوا ٹرانسمیٹر ظاہر ہو کر سارا کھیل چوپٹ کر دے۔ کبھی خیال آتا کہ ائرفورس کے طیارے میں سوار ہوتے وقت شاید میری تلاشی نہیں لی جائے گی، مگر ممکن ہے ضابطے کی کاروائی کے طور پر میری اسکریننگ کی جائے، تو پھر بڑی مشکل ہو گی۔ ٹرانسمیٹر کو ساتھ لے جانے کی کوئی دوسری ترکیب بجھائی نہیں دے رہی تھی اور اسے ساتھ لے جانا بھی ضروری تھا۔

یہی سوچتے سوچتے میرا بنگلہ آ گیا۔ ماتا جی اور مالا کچن میں تھیں۔ میں نے جیسے پریشانی کے ساتھ ماتا جی سے کہا میں اپنا آئی ڈی کارڈ بھول آیا تھا اور تیزی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ چیزوں کو یونہی ادھر ادھر الٹ پلٹنے لگا۔ ماتا جی بھی اندر آ گئیں۔ "کہاں رکھا ہے تھا پتر جی تم نے اپنا کارڈ؟"

"یہیں سرہانے کے نیچے رکھا تھا۔ آپ اس الماری میں تلاش کریں، میں ڈرائنگ روم میں دیکھتا ہوں۔"

ماتا جی کو اپنے کمرے کی تلاشی کے کام پر مامور کر کے میں ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ یونہی کارنس پر

رکھی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا۔ مالا کچن میں برتن صاف کر رہی تھی ۔ موقع اچھا تھا میں لپک کر بنگلے کے عقبی لان میں آگیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا برآمدے کے کونے پر رکھے لکڑی کے گملے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ دیمک خوردہ لکڑی کو ایک طرف ہٹایا اور مٹی میں سے چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کو نکال کر جیب میں رکھا لکڑی کو پھر سے گملے کے ساتھ چپکایا اور اسی طرح لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بھولی بھالی ماتاجی میری الماری میں سے کتابیں نکال کر دیکھ رہی تھیں۔ میں نے جاتے ہی خوش ۔۔ ہو کر کہا "مل گیا کارڈ ماتاجی ۔ باہر والی کارنس پر پڑا تھا۔ اچھا ماتاجی میں جاتا ہوں"

میں تیزی سے بنگلے سے نکل کر اپنی گاڑی میں سوار ہوا اور دفتر کی طرف چل پڑا۔

راستے میں ایک نسبتاً ویران جگہ پر گاڑی کھڑی کر کے میں نے ٹرانسمیٹر کو صاف کر کے کوٹ کی اندر والی جیب میں رکھ لیا۔ پھر باہر نکل کر گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن دیکھنے لگا۔ یوں ظاہر کیا کیسے گاڑی میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے گاڑی کھڑی کرنی پڑی ہے چند سیکنڈ کے بعد میں نے بونٹ بند کر دیا۔ رومال سے ہاتھ صاف کئے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ دفتر میں آتے ہی میں نے ورما صاحب کو فون پر بتا دیا کہ میں آئی ڈی کارڈ لے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ چار بجے میرے کمرے میں آ جانا۔ میں نے یس سر کہا۔ فون بند ہو گیا۔ شاید ورما صاحب مجھے میرے خصوصی مشن پر روانہ کرنے سے پہلے ضروری بریفنگ کرنا چاہتے تھے ۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا' مگر ٹرانسمیٹر کی وجہ سے دل کو ایک تشویش سی لگی ہوئی تھی ۔ میں نے اسے اپنے کوٹ کی جیب میں ہی رکھا ہوا تھا۔ میز کی دراز یا الماری میں رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے شام کے چار بجے میں ورما صاحب کے آفس میں آگیا۔ اس وقت بھی خفیہ ٹرانسمیٹر میری جیب تھا۔ ایک دھڑکا سا لگا تھا اگر ورما صاحب کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ میری جیب میں ایک خفیہ ٹرانسمیٹر ہے تو ظاہر ہے میری موت' اذیت ناک موت یقینی تھی ۔ مجھے خطرہ بھی تھا کہ کہیں ورما صاحب کے کمرے میں خفیہ الیکٹرانک آلات نہ لگے ہوں جس کی لہریں میری جیب میں چھپے ہوئے ٹرانسمیٹر کا راز فاش کر دیں' مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

ورما صاحب نے مجھے بعض دفتری امور کے بارے میں کچھ ضروری باتیں بتائیں اور کہا "کیپٹن! چونکہ تم اس سے پہلے بھی تم ایک بار کنیا کماری جا چکے ہو اس لئے تمہیں نیول ڈاکیا کی تصویریں دکھانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہاں ہمارا سی آئی ڈی آفیسر ناتھن کسٹم انسپکٹر کے روپ میں میں وہاں بنایا گیا ہے ۔ اس کی اور جو آدمی تمہیں ناگپور ریلوے اسٹیشن پر ملے گا اور اس کی تصویر دکھائے دیتا ہوں"

پھر ورما صاحب نے میز کی دراز سے ایک فائل نکال کر مجھے ناگپور پر ملنے والے آدمی اور کنیا کماری کے کسٹم انسپکٹر ناتھن کی تصویریں دکھائیں اور بولے "تمہارے گھر رات کو اطلاع کر دی جائے

گی۔ اس وقت تمہاری گاڑی دلی سے بہت دور نکل چکی ہو گی۔"

ورما صاحب نے چائے منگوائی اور آدھے گھنٹے تک مجھ سے روسی ایٹمی آبدوز اور اس پر لادے جانے والے یورینیم کی کھیپ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ کہنے لگے۔

"یورینیم کی ماترا زیادہ نہیں ہے۔ یہی کوئی دو کلو گرام ہو گی مگر وہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے خزانے سے زیادہ قیمتی ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ پاکستان والے بھی ایٹم بم بنانے کے پریاس ہو رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے اوش ہو گیا ہے کہ ہم بھی جتنی جلد ہو سکے پرمانو بم بنا ڈالیں۔ ہمارے پاس یورینیم کی کمی تھی جسے ہمارے دوست روس نے پورا کر دیا ہے۔"

میں نے یونہی کریدنے کے خیال سے سوال کیا" سر! کیا ہم پرمانو آبدوز کے وسیلے سے ہی یورینیم گجرات کے ساحل تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ وہاں سے بھابھا ایٹمی ری ایکٹر تک زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

ورما صاحب مسکرائے اور کہنے لگا" ان باتوں کا تمہیں گیان ہونا چاہئے کہ کیپٹن مہتہ کہ کاٹھیاواڑ پاکستان کی سرحد سے زیادہ دور نہیں ہے وہاں سبوتاژ کا زیادہ خطرہ ہے۔ ہم تو کنیا کماری میں بھی یورینیم کو اس وقت تک آبدوز سے نکال کر ایرو پلین پر نہیں لے جا رہے جب تک کہ ہمیں اپنی انٹیلی جینس کی جانب سے آل کلیر یعنی سب اچھا ہے کا سگنل نہیں مل جاتا۔ اسی لئے تو خاص طور پر تمہیں وہاں بھیجا جا رہا ہے"

ورما صاحب نے خاص طور پر مجھے ہدایت کی کہ مجھے کنیا کماری پہنچتے ہی اپنے طور پر اور اپنی مرضی کے مطابق علاقے میں پاکستانی ' سیلونی یا امریکی جاسوسوں کا کھوج شروع کر دینا ہو گا۔ ہم جلدی سے جلدی یورینیم بھابھا ایٹمی ری ایکٹر تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں اس فرض کو پوری ذمہ داری سے نبھاؤں گا۔ ورما صاحب نے کہا۔

تمہارا چناؤ اس لئے بھی کیا گیا ہے کیپٹن مہتہ کہ تم ہندی، سنسکرت کے علاوہ کیرل کی ملیالم اور تامل زبانیں بھی جانتے ہو۔"

اچانک مجھے خیال آیا کہ اگر پاکستان سے مجھے اچانک میرے ٹرانسمیٹر پر کوئی سگنل ملنا شروع ہو جائے تو اور ٹرانسمیٹر نے ٹون کی آواز آنے لگے تو میرا کیا حشر ہو؟

مجھے اس خیال ہی سے جھرجھری سی آ گئی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنے بازو کو کوٹ کی جیب کے ساتھ لگا لیا۔ پاکستان سے سگنل آنے کا وقت مقرر تھا یعنی گیارہ اکتوبر کی رات دس بجے۔ اس سے پہلے میرا باس یہ غلطی ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ پانچ بجے کے قریب اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا میں نے ضروری کاغذات اور شیو کا سامان جو میرے آفس کے باتھ روم میں بھی رکھا ہوا تھا۔ بریف کیس میں سنبھال کر رکھ لیا۔ کپڑے وہی تھے جو میں نے پہن رکھے تھے۔ ان کا بندوبست بھی کنیا کماری میں ہی جا کر کیا جانے والا تھا۔ ظاہر ہے یہ بندوبست ہمارے اپنے آدمی کسٹم انسپکٹر ناتھن نے کرنا

تھا۔ ساڑھے چھ بجے سجاتا کا فون آگیا۔ مجھے ساڑھے چار بجے کے بعد کسی کا فون سننے کی اجازت نہیں تھی۔ میرے اسٹینو مکند لال نے فون اٹھایا اور کہہ دیا کہ میں ضروری میٹنگ میں بیٹھا ہوں۔ بعد میں اس نے بتایا کہ سر سجاتا جی کا فون تھا۔ میں 'ہوں' کہتا ہوا اٹھا۔ بریف کیس کو ایک بار پھر کھول کر دیکھا۔ تمام کاغذات کو چیک کیا۔ بٹوا کھول کر اپنے انڈین انٹیلی جینس والے آئی ڈی کارڈ کو دیکھا۔ اتنے میں ورما صاحب اپنے کمرے سے نکل کر میرے پاس آگئے "کیپٹن گڈ لک!" پھر میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا " یہ تمہارا سوبھاگ ہے کہ تم پردھان منتری کے خاص مشن پر جا رہے ہو میں نے تمہیں اپنا سیکرٹ فون نمبر دے دیا ہے۔ تم جب چاہو جہاں سے چاہو میرے ساتھ سمپرک قائم کر سکتے ہو۔ تمہاری گاڑی تمہارے گھر پہنچادی جائے گی اور ماتا کو اطلاع بھی مل جائے گی اوکے۔ گڈ لک کیپٹن"

ورما صاحب نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ دفتر کے برآمدے کے ساتھ ہی آفس ویگن تیار کھڑی تھی۔ میں ویگن کی طرف بڑھا تو ورما صاحب نے اچانک کہا" کیپٹن! ایک بار پھر اپنی چیزیں چیک کر لو اور ہاں کوٹ پتلون کی جیبیں بھی دیکھ لو کہ کہیں دشمن کے کسی ایجنٹ نے تمہاری جیب میں کوئی پنسل بم نہ رکھ دیا ہو۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا" سر! میں نے پوری چیکنگ کر لی ہے "

ورما صاحب میرے قریب آگئے "کیپٹن! ایک بار پھر چیک کر لو۔ لاؤ میں تمہارا کوٹ چیک کرتا ہوں "

ایک بار تو میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ میرے کوٹ کی جیب میں ماچس سائز کا ٹرانسمیٹر خاموش ایٹم بم کی طرح اس وقت میرے پاس بھی موجود تھا۔ میں نے فوراً اپنی جیبوں کو ٹٹولا اور کہا" سر میری جیب میں کوئی ایسی شے نہیں ہے سر۔ تھینک یو"

اور میں تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ویگن کے پاس آگیا۔ گردن موڑ کر ورما صاحب کو نمسکار کہا۔ انہوں نے گڈ لک کہا اور چند لمحوں میں ویگن دفتر سے باہر نکل کر دلی ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑی چلی جا رہی تھی۔ اکتوبر کی شام جلدی شہر پر چھا گئی تھی۔ سڑکوں ' مکانوں ' دکانوں اور بنگلوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اگرچہ آسمان پر ابھی تک غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی موجود تھی۔ ٹرین کو دلی ہی سے تیار ہونا تھا۔ اس نے آدھ گھنٹہ دیر کر دی۔ میری سیٹ فرسٹ کلاس میں بک تھی۔ میں نے پلیٹ فارم سے ایک فلمی رسالہ خریدا اور اپنی سیٹ پر نیم دراز ہو کر اسکا مطالعہ کرنے لگا۔ کمپارٹمنٹ میں ایک میاں بیوی بھی آکر بیٹھ گئے تھے۔ دونوں نوجوان تھے اور ہندو تھے۔ لڑکی نے گہنے پہن رکھے تھے اور ماتھے پر سرخ بندی لگی تھی۔ نوجوان نے پرنام کرتے ہوئے اپنا نام پرکاش بتایا اور بتایا کہ وہ اپنی پتنی کے ساتھ اسکے میکے ناگپور جا رہا ہے۔ میں نے اسے سرسری انداز میں بتایا کہ میں بھی ناگپور میں اپنے بڑے بھیا جی سے ملنے جا رہا ہوں۔ اس سے زیادہ میں نے ان سے کوئی بات نہ کی اور رسالے

میں منہمک ہو گیا۔ کمپارٹمنٹ کی چوتھی سیٹ خالی تھی۔ گاڑی چلنے لگی تو ایک موٹا سکھ اپنے سا. کے ساتھ قلی کو گالیاں دیتا داخل ہوا۔ وہ قلی کی طرف دو روپے پھینک کر بولا" نٹھ جاوئے ایتھوں نئیں تے تاں گنڈ جھڈاں گا تینوں"

قلی نے دو روپے اٹھائے اور بڑبڑاتا ہوا نیچے اتر گیا۔

ٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ رات کو موٹے سکھ نے اٹیچی کیس سے دارو کی بوتل نکالی اور ا سے شغل کرنے لگا۔ دارو پی کر اس نے بولیاں گالی شروع کر دیں۔ ہندو پتی پتنی بیچارے سہمے بیٹھے تھے ہندو لڑکا خواہ مخواہ ہنس ہنس کر سکھ کی ہر اچھی بری بات کا جواب دے رہا تھا۔ سردار جی بڑے موڈ میں تھے میری طرف بھی انہوں نے توجہ فرمائی اور اپنے جوڑے کو سر کے درمیان باندھتے ہوئے بولے۔" لا جی! تم تو باؤ صاحب ہو۔ کتھے جانا ایں؟"

میں نے بڑی مشکل سے سردار جی کو ہینڈل کیا' پھر سردار جی سو گئے۔ ناگپور کا سفر کافی لمبا تھا بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ سفر بھی کٹ گیا۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں اسی روٹ پر سے گز تھا مگر اس وقت میں اپنی اصلی حالت میں نہیں ایک سکھ کے بھیس میں تھا۔ ناگپور کے بڑے ریلوے جنکشن پر ٹرین رکی تو میں بریف کیس اٹھائے باہر پلیٹ فارم پر نکل آیا۔ میری نگاہیں اپنے محکمے کے اس آدمی کو تلاش کر رہی تھیں جس کی تصویر مجھے ورما صاحب نے اپنے آفس میں دکھائی تھی۔ آخ اس شکل و صورت کا آدمی مجھے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے آتے ہی مجھے پرنام کیا اور بولا" صاحب جی! سواری لے آیا ہوں۔ پدھاریئے"۔

ریلوے اسٹیشن کے باہر ایک جانب پرانی سی ایمبیسیڈر گاڑی کھڑی تھی۔ وہ بٹھا کر ائر فورس کے ائر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا وہ سارا راستہ خاموش رہا۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی اور ناگپور کے آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بازاروں اور گھروں میں زندگی کے معمولات آہستہ آہستہ بیدار ہو رہے تھے۔ ناشتا میں نے ٹرین میں ہی کر لیا تھا۔ شیو بھی کر لی تھی۔ شہر سے باہر کافی دور نکل آنے کے بعد گاڑی انڈین ائر فورس کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ گیٹ پر گاڑی کو روکا گیا۔ گارڈز نے میرا آئی ڈی کارڈ دیکھا اور گاڑی کو اشارے سے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ یہ ایک غیر معروف سا ویران ائر پورٹ تھا۔ دائیں جانب ایک بہت بڑا ہینگر تھا۔ سامنے کی طرف ائر فورس کی دو ویگنیں کھڑی تھیں۔ ہماری گاڑی بھی وہاں جا کر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور اندر سیٹ پر ہی بیٹھا رہا۔

ایک جانب سے ایک وردی پوش گہری سانولی رنگت والا آدمی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہماری گاڑی کے پاس آیا جھک کر اس نے مجھ سے آئی ڈی کارڈ طلب کیا۔ میں نے جیب سے کارڈ نکال کر دکھایا۔ اس نے انگریزی میں کہا کہ میرے ساتھ آؤ پلیز۔ چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اس وقت بھی میری جیب میں ہی تھا۔ گویا یہ ایک ایٹم بم تھا جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ مگر میں.... اپنے اعصاب اپنے قابو میں

رہے بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ اگرچہ کوٹ کی اندرونی جیب کے اندر جہاں ٹرانسمیٹر چھپا تھا اس کے نیچے میرا دل کسی وقت اچانک تیز تیز دھڑکنے لگتا تھا۔

کچھ فاصلے پر رن وے پر ائر فورس کا ایک چھوٹا طیارہ کھڑا تھا۔ ہم اسی طرف جا رہے تھے۔ مجھے صرف یہی ایک ڈر لگا تھا کہ اگر طیارے میں سوار ہونے سے پہلے ان لوگوں میں سے کسی نے میری تلاشی نہیں لے لی یا ڈی ٹیکٹر لگا کر میری اسکریننگ شروع کر دی تو کیا ہو گا؟ زہریلا سگار میں نے بریف کیس میں کاغذات کے نیچے رکھا تھا۔ اس کی مجھے اتنی فکر نہیں تھی۔ کیونکہ پہلی نظر میں اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس میں انتہائی زود اثر زہر بھرا ہے۔ اگر یہاں میری جیب میں سے خفیہ ٹرانسمیٹر برآمد کر لیا جاتا تو میرے لئے کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ آخر یہ سوچ کر میں اپنے دل کو تسلیاں دینے لگا کہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تو میں کہہ دوں گا کہ یہ مجھے محکمے کی طرف سے دیا گیا ہے کیونکہ میرا مشن ہی ایسا ہے کہ مجھے اسکی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

یہ دو انجنوں والا بوئنگ طیارہ تھا۔ اندر پچاس کے قریب آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی لیکن عملے کے ارکان اور میرے سوا وہاں کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ طیارے میں داخل ہوتے وقت میری تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ پائلٹ سکھ تھا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور اپنی موجودگی میں طیارے میں سوار کرایا پھر سیڑھی ہٹا دی گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا اور طیارے نے رن وے پر دوڑتے ہوئے ہوا میں اڑان بھری اور فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں نے کھڑکی میں سے نیچے دیکھا۔ ناگپور شہر کے مکانات اور کارخانوں کی چمنیاں اور پارکوں کے درخت چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔ ناگپور ہندوستان کے وسط میں ہے اور کنیا کماری ہندوستان کی جنوبی تکون کی آخری بندرگاہ ہے ائر فورس کا بوئنگ طیارہ حیدر آباد (دکن) بنگلور اور مجوزا کے اوپر سے ہوتا ہوا ساڑھے تین گھنٹے میں کنیا کماری کے قریب کے ائرپورٹ کی ویران سی پٹی پر اتر گیا۔ یہاں کسٹم انسپکٹر ناتھن مجھے لینے آیا ہوا تھا۔ کالی رنگت' کالی آنکھیں' گھنگریالے سیاہ بال' دبلا پتلا' چھوٹی چھوٹی مونچھیں' آنکھوں میں انتہائی تیز چمک اس کو بھی میری تصویر پہنچا دی گئی تھی۔ اس نے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ یہ مدراسی تھا۔ میں نے اس سے مدراسی میں بات کی تو وہ بڑا خوش ہوا۔ ہندی میں بولا۔

"کیپٹن! تم نے مدراسی بول کر ہمارا دل پر سن کیا۔ پلیز لم ودمی"

کنیا کماری ایک چھوٹا سا قصبہ نما شہر تھا۔ آبادی تامل لوگوں کی تھی۔ مکانوں کی چھتیں جنوبی ہند کے مکانوں کی طرح ڈھلوانی تھیں۔ ناریل' تاڑ' کیلے اور املی کے درخت سڑکوں کے کنارے اور مکانوں کے آگے اُگے ہوئے تھے۔ میں اس لینڈ اسکیپ سے پوری طرح آگاہ تھا۔ مجھے دو کمروں والا ایک چھوٹا سا کوارٹر نما مکان دے دیا گیا۔ کسٹم انسپکٹر ناتھن مجھے بڑی رازداری سے ساحل سمندر سے دور ایک جنگل کا چکر لگا کر اس مکان تک لایا۔ یہ مکان بھی ناریل اور کیلے کے درختوں کے جھنڈ میں

چھپا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی دوسرا مکان نہیں تھا۔ انسپکٹر ناتھن نے کہا "کیپٹن! یہاں تمہارے پاس کوئی نوکر نہیں ہو گا مگر تمہیں ہر شے یہاں پہنچ جایا کرے گی۔ تم اشنان وغیرہ کر لو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ مجھ سے تامل میں بات کر کے بڑا خوش ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تامل میں بات کرنے کو ترجیح دی۔ وہ چلا گیا تو میں نے کوارٹر نما مکان کے دونوں کمروں کا جائزہ لیا۔ کمرے ویران ویران تھے۔ صرف ایک کمرے میں بانس کے پلنگ پر بستر اور مسہری لگی تھی۔ کچن میں ایک ریفریجریٹر ضرور پڑا تھا۔ گیس کے سلنڈر والا چولہا بھی موجود تھا۔ اور کچھ برتن بھی الماری میں رکھے تھے۔ باتھ روم مناسب تھا ناتھن جب آیا تو اپنے ساتھ بریانی کے ایک پارسل کے علاوہ میرے لئے صابن تولیا' ٹوتھ پیسٹ' کھدر کے کرتے پاجامے کے دو جوڑے' مدراسی چپل اور روزمرہ ضروریات کا دوسرا سامان بھی لایا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کا پتلا سگار پیتا تھا۔ اس وقت وہ وردی میں نہیں تھا اور اس نے سفید قمیص اور پتلون چپل پہن رکھی تھی۔ یہاں موسم شمالی ہند کے مقابلے میں گرم تھا۔ کمرے کی چھت کا پنکھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ انسپکٹر ناتھن نے اب مجھ سے میرے مشن کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ کنیا کماری میں انسپکٹر ناتھن واحد شخص تھا۔ جسے میرے مشن کے بارے میں پوری معلومات مہیا کر دی گئیں تھی۔ میں نے کوٹ اتار کے اپنے پاس ہی پلنگ پر رکھا ہوا تھا۔ ناتھن بولا۔ "کیپٹن! لاؤ میں یہ کوٹ الماری میں لٹکا دوں۔ بہتر ہو گا کہ تم ٹھنڈی پتلون یا کرتہ پاجامہ پہن لو"۔

وہ میرا کوٹ اٹھانے لگا تو میں نے آگے بڑھ کر خود ہی کوٹ اٹھا لیا اور کہا۔ "تھینک یو ناتھن' میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

کوٹ میں ٹرانسمیٹر تھا۔ میں نے کوٹ کو دیوار سے لگی پرانی الماری میں لٹکا کر الماری بند کر دی اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا اور ناتھن سے کنیا کماری میں آئی ہوئی ایٹمی آبدوز اور اس میں پڑے ہوئے یورینیم کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ یہ ایٹمی آبدوز ایک خفیہ معاہدے کے تحت روس نے یورینیم کے ساتھ بھارتی بحریہ کے حوالے کی تھی۔ اس وقت آبدوز پر سارا عملہ بھارتی بحریہ کا تھا اور بقول انسپکٹر ناتھن کے آبدوز کنیا کماری کی کھاڑی میں اندر جا کر ساحل کے پاس کھڑی تھی۔ کھاڑی میں پانی کے نیچے بارودی سرنگیں اس طرح بچھا دی گئی تھیں کہ اگر دشمن کی آبدوز یا کوئی ڈبکی کشتی سمندر کے اندر سے آبدوز تک پہنچنے کی کوشش کرے تو بارودی سرنگوں سے ٹکرا کر وہیں تباہ ہو جائے۔ یہ بارودی سرنگیں آبدوز سے کچھ فاصلے پر اس جگہ بچھائی گئی تھیں۔ جہاں کھاڑی کا دہانہ تھا اور سمندر کا پانی کھاڑی میں داخل ہوتا تھا۔ میں نے انسپکٹر ناتھن سے پوچھا کہ اس کی رپورٹ کے مطابق علاقے میں دشمن کے ایجنٹ کس بھیس میں کہاں کہاں موجود ہو سکتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ دشمن کے

ایجنٹ ادھر سری لنکا سے نکل کر آتے ہیں۔ اور تخریب کاری کے بعد سری لنکا کے ساحل کی طرف سے روپوش ہو جاتے ہیں۔ جب سے یہاں روسی آبدوز آئی ہے ہماری کڑی نگرانی کے باوجود انہوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ دشمن کے ایجنٹ لنکا سے بھاگ کر آئے ہوئے تامل شرنارتھیوں کے بھیس میں بھی علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ناتھن نے بتایا کہ اس کی رپورٹ کے مطابق دو ایک ایجنٹ قلیوں کی شکل میں بندرگاہ پر بھی کام کرتے ہیں مگر ہمارے پاس ان کو پکڑنے کے لئے نہ تو کوئی ثبوت ہیں اور نہ ہم ابھی تک ان کی نشاندھی ہی کر سکے ہیں۔۔

انسپکٹر ناتھن بولے جا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ ایجنٹ سری لنکا کے بھی ہو سکتے ہیں جنہیں امریکہ نے تیار کر کے یہاں بھیجا ہو۔ کیونکہ سری لنکا امریکہ کے زیر اثر تھا اور امریکہ کو یہ منظور نہیں تھا کہ بھارت کو روس سے ایٹمی آبدوز اور یورینیم ملے۔ اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا یہاں اتنی دور کوئی پاکستانی ایجنٹ بھی سرگرم عمل ہو۔ اگر ایسی بات ہوتی تو مجھے بھارت کا بارڈر کراس کرنے سے پہلے بتا دیا جاتا۔ تاہم اس کا حتمی فیصلہ مجھے گیارہ اکتوبر کی رات کو پاکستان سے سگنل وصول ہونے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

مدراسی انسپکٹر ناتھن نے کہا " تمہاری آمد کو یہاں بندرگاہ کے عملے سے خاص طور سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اب یہ تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم کس بھیس میں یہاں دشمن ایجنٹوں کا سراغ لگاؤ گے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہائی کمانڈ کی طرف سے ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ ملا ہے۔ اس دوران میں آبدوز میں موجود یورینیم کو ہر حالت میں یہاں سے نکال کر احمد آباد لے جانا ہو گا۔"

میں نے کریدتے ہوئے تامل زبان میں ہی ناتھن سے پوچھا "کیا اس سے پہلے بھی یورینیم لے جانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی؟"

ناتھن نے سگار کا ہلکا سا کش لگا کر کہا۔ "جب سے روس کی ایٹمی آبدوز کنیا کماری کے ساحل پر لنگر انداز ہوئی ہے ہماری ائر فورس کے دو طیاروں کو سبوتاژ کیا جا چکا ہے۔ ایک کے اندر ٹائم بم رکھ دیا گیا تھا جو طیارے کے اڑتے ہی پھٹ گیا تھا اور دوسرے جہاز کے انجن میں خرابی پیدا کر دی گئی تھی۔ جو پرواز سے پندرہ منٹ بعد مجورا کے قریب گر کر تباہ ہو گیا۔ ان حالات میں ہم بذریعہ طیارہ یورینیم لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس قیمتی دھات کو کسی آبدوز میں سمندری راستے یا بذریعہ ٹرین لے جانے میں بھی سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ دشمن کے ایجنٹ اور تخریب کار سمندر اور ریل دونوں جگہوں پر پوری طرح چوکس ہیں اور اس تاک میں ہیں کہ یا تو یورینیم کو تباہ کر دیا جائے اور یا اسے چوری کر لیا جائے۔"

انسپکٹر ناتھن نے بھی میرے خیال کی تصدیق کی کہ دشمن کے ایجنٹ امریکہ کے خریدے ہوئے سری لنکا کے سنہالی باشندے ہیں جن کی شکلیں تامل لوگوں سے ملتی جلتی ہیں اور جو تامل

تلیگو بڑی روانی سے بولتے ہیں۔

میں نے پوچھا "کیا ان میں کسی پاکستانی ایجنٹ کی بھی رپورٹ ملی ہے تمہیں؟"

انسپکٹر ناتھن نے اپنے کالے ہونٹ ذرا سی دیر کے لئے سکیڑ لئے اور پھر بولا۔ "تمہارے ہیڈ کوارٹر سے ہمیں ایسے اشارے ملے ہیں کہ یہاں پاکستانی ایجنٹ بھی گھس آئے ہیں لیکن میرے مخبروں کے اطلاع کے مطابق ان میں پاکستان ایجنٹ شاید ہی کوئی ہو۔ یہ سب سری لنکا کے سنہالی تامل ہیں جنہیں امریکہ کی مدد سے لنکا کی حکومت نے خصوصی ٹریننگ دے کر یہاں بھیجا ہے۔"

اس مدراسی کسٹم انسپکٹر اور جنوبی ہند کے صوبہ تامل ناڈو کے انٹیلی جینس آفیسر ناتھن کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے۔ میں نے ناتھن سے کہا کہ میں ایک جیٹی مزدور کی حیثیت سے بندرگاہ کے مزدوروں میں گھل مل جانا چاہتا ہوں۔ تاکہ ان میں رہ کر دشمن کے جاسوسوں کا کھوج لگا سکوں۔

انسپکٹر ناتھن بولا۔ "تم بڑے شوق سے ایسا کر سکتے ہو کیپٹن مہتہ، لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے ہم زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی مہلت لے سکتے ہیں۔"

میرے لئے پندرہ دن بہت تھے اور پھر میں نے سوچا کہ حالات زیادہ نازک اور حساس بنا کر ضرورت کے مطابق، میں مزید مہلت بھی حاصل کر لوں گا۔ میں نے ناتھن سے کہا "یہ حقیقت میرے پیش نظر ہے انسپکٹر۔ تم میرے آپریشن کے لئے ضروری انتظامات کر دو"

وہ بولا "میں تمہیں یہاں کے مزدوروں ۔۔۔ایسے کپڑے لا دوں گا۔ تمہارا رنگ مہاراشٹر کے رہنے والے تامل لوگوں ایسا ہے۔ تم پر کوئی شک نہیں کرے گا جبکہ تم تامل اور تلیگو زبان بھی روانی سے بول لیتے ہو۔ کل ہی تم بندرگاہ کے لیبر آفس میں آ جانا۔ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔ میں یہ ظاہر کروں گا کہ تمہارے ماں باپ کو جانتا ہوں، جو سری لنکا میں مارے گئے تھے۔ تم اپنا نام ونکٹا بتانا۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔"

اس کے بعد ناتھن نے مجھے کنیا کماری کی چھوٹی سی بندرگاہ کے اس علاقے کا حدود اربع بتایا جو عام شہریوں کے لئے ممنوعہ علاقہ تھا اور کہا کہ میں دوسرے روز صبح آٹھ بجے وہاں گیٹ کے پاس پہنچ جاؤں اور پہرے دار سے کہوں کہ میرا نام ونکٹا ہے اور مجھے انسپکٹر ناتھن سے ملنا ہے۔

جب ناتھن چلا گیا تو میں نے کمروں میں ایسی جگہ کی تلاش شروع کر دی جہاں میں اپنا ٹرانسمیٹر چھپا سکوں۔ ناتھن بھی انٹیلی جینس کا آدمی تھا۔ اس کی نظریں بھی عقابی تھیں اور زمین کے اندر کی چیزیں معلوم کر لینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ ان نظروں سے بھی میں ٹرانسمیٹر کو بچانا چاہتا تھا۔ کمروں کے فرش لکڑی کے تھے۔ وہاں مجھے کوئی ایسی قابل اعتبار جگہ دکھائی نہ دی۔ کچن کا

ایک دروازہ باہر جنگل میں کھلتا تھا۔ یہاں بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ناریل تاڑ اور سنبل کے گھنے درخت تھے۔ زمین پر جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔ میں نے ایک جگہ کو چن لیا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ ٹرانسمیٹر کو چھپانے کا کام رات کے اندھیرے میں کرنا چاہتا تھا۔ کوٹ کی جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر میں نے بچھونے کے سرہانے کے نیچے رکھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ٹرین میں دو دن اور ایک رات مسلسل سفر میں اچھی طرح سو نہیں سکا تھا۔ چنانچہ بستر پر لیٹتے ہی مجھے نیند آ گئی۔ جب سو کر اٹھا تو انسپکٹر ناتھن کو دیکھا جو میرے پلنگ کے سامنے بید کی آرام کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر مسکرایا "کیپٹن اچھا کیا تم نے آرام کر لیا۔ خود کو زیادہ چاق و چوبند محسوس کرو گے اور بہتر انداز میں سوچ سکو گے۔"

انسپکٹر ناتھن جو اس وقت بھی مجھ سے تامل زبان میں بات کر رہا تھا۔ مدارس یونیورسٹی کا گریجویٹ تھا اور کافی ذہین تھا۔ میں جلدی سے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں ملتے ہوئے گوشہ چشم سے اپنے سرہانے کو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے کھسکا تو نہیں کیونکہ اس کے نیچے ٹرانسمیٹر تھا۔ میں تذبذب میں تھا۔ میں سرہانے کے نیچے دیکھنا چاہتا تھا مگر ناتھن کی موجودگی میں ایسا کرنا خطرے کا باعث تھا۔ میں نے جماہی لے کر ناتھن سے کہا "مائی ڈیئر انسپکٹر! مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو گے۔ حلق خشک ہو رہا ہے۔ تمہارے ہاں کافی حبس ہے۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔ اس کے کچن میں داخل ہوتے ہی میں نے سرہانے کے نیچے ہاتھ مارا۔ میری جان میں جان آ گئی۔ ٹرانسمیٹر سرہانے کے نیچے موجود تھا۔

ناتھن گلاس میں پانی لے آیا اور بولا۔ "تمہارے مزدوروں والے کپڑے لے آیا ہوں۔ وہ سامنے تپائی پر رکھے ہوئے ہیں اور ہاں تمہارے لئے رات کا کھانا بھی لایا ہوں۔"

اس وقت شام ہونے والی تھی مگر گرم موسم کی وجہ سے جنگل میں ابھی دن کی روشنی پھیلی تھی۔ انسپکٹر ناتھن کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے تمہاری نوکری کا سارا بندوبست کر لیا ہے۔ وہاں کسی کو نہیں بتایا گیا کہ تم دراصل کون ہو۔ اس میں خدشہ تھا کہ دشمن کو تمہاری حیثیت کا علم نہ ہو جائے لیکن نوکر ہو جانے کے بعد تمہیں مجھ سے دور ہی رہنا ہو گا۔ تمہاری رہائش اس مکان کے پیچھے جنگل میں بنی ہوئی ایک جھونپڑی میں ہو گی۔ لیکن تم جب چاہو اس مکان میں بھی آ سکو گے۔ اگر تم دیکھو کہ ہر طرف خیریت ہے تو رات کو اسی پلنگ پہ آ کر سو سکتے ہو یہاں تمہیں فریج میں رات کا کھانا پڑا ہوا مل جایا کرے گا' لیکن رات کو تم یہاں بتی روشن نہ کرنا۔"

اس نے مجھے کپڑے دکھائے۔ یہ کھدر کا میلا سا نیم آستین کا کرتہ اور دھوتی تھی۔ چپل پہلے ہی میرے پاس موجود تھی۔ انسپکٹر ناتھن کہہ رہا تھا "تمہارے جھونپڑے میں تمہاری ضرورت کا معمولی سامان رکھ دیا گیا ہے۔ ہاں' ایک بات' میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں بندرگاہ کی کھاڑی میں جہاں

ہماری آبدوز کھڑی ہے وہاں کے چیف سیکورٹی کا نام کول پٹی ہے۔ صرف اس کو تمہاری اصلیت سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر کبھی تم سمجھو کہ تمہارا ایٹمی آبدوز کے اندر جانا ضروری ہے تو تم سیکورٹی آفیسر کول پٹی سے ملو گے۔ اسے اپنا کوڈ ورڈ "اشوکا" بتاؤ گے اور وہ تمہیں آبدوز میں اپنے ساتھ اندر لے جائے گا۔ اس کے علاوہ وہاں جیٹی کے کسی عملہ کو تمہاری حیثیت نہیں بتائی گی۔ اب میں جاتا ہوں۔ کل آٹھ بجے میرے آفس کے باہر پہنچ جانا۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے اس کے جانے کے بعد سرہانے کے نیچے سے ٹرانسمیٹر نکال کر اپنے کھدر کے کرتے کی جیب میں رکھا۔ غسل خانے میں جا کر غسل کیا۔ اس وقت تک شام ہو چکی تھی۔ پھر فریج سے چاول نکال کر گرم کئے اور مچھلی کے ساتھ کھائے۔ جب رات گہری ہو گئی تو میں کچن کے عقبی دروازے سے نکل کر باہر درختوں میں آ گیا کچن کی عقبی دیوار کے سامنے سنبل کے ایک گھنے درخت کے گرد پتھر کے گو چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے کے پتھر جگہ جگہ سے مل گئے تھے۔ چبوترے کے پیچھے میں نے ایک پتھر کو باہر نکال کر ٹرانسمیٹر کو اس میں چھپایا اور پتھر کو واپس اس جگہ پر لگا دیا۔ اس قسم کی خطرناک چیز کے لئے یہ جگہ بالکل محفوظ تھی۔ اگر بدقسمتی سے برآمد ہو بھی جاتی تو میں یہ کہہ کر الزام سے بری ہو جاتا کہ یہ کسی سنہالی ایجنٹ کی کاروائی ہے۔

دوسرے دن میں نے مزدوروں ایسے کپڑے پہنے اور مکان کے دروازے کو چھوٹا سا تالا لگا کر بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سارا علاقہ خالی خالی تھا۔ میرے بائیں جانب دور درختوں کے تنوں کے پیچھے سے کنیا کماری کے چھوٹے سے قصبہ نما شہر کے مکان دکھائی دے رہے تھے۔ دائیں جانب سمندر نظر آنے لگا تھا۔ کچھ جہازوں کے مستول اور ان پر لہراتے جھنڈے بھی نظر آ رہے۔ دو تین اسٹیمر سمندر میں ساحل کے قریب گھوم رہے تھے۔ یہ میرین سیکورٹی کے اسٹیمر تھے۔ انسپکٹر ناتھن کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق میں بندرگاہ کے مشرقی گیٹ کے پاس آ کر رک گیا۔ میں نے اپنے بالوں کو ابھار رکھا تھا۔ گلے میں کالا دھاگہ تھا اور ماتھے پر وشنو کے تلک کی تین سفید لکیریں ڈال رکھی تھیں۔ دھوتی کو میں نے جنوبی ہند کے مزدوروں کی طرح اڑس لیا تھا۔ گیٹ پر مدراسی پہرے دار اسٹین گن لئے کھڑا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ اس نے مجھے ڈانٹ دیا کہ واپس جاؤ ادھر کیا کرنے آ رہے ہو۔ میں نے ہاتھ باندھے ہوئے کہا کہ مجھے شری ناتھن جی سے ملنا ہے۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ میں تامل بول رہا تھا۔ انسپکٹر ناتھن نے اسے میرا پتا بتا دیا تھا۔ گارڈ نے گیٹ کھول کر کچھ فاصلے پر املی کے درختوں کے سائے میں بنے ہوئے ایک ڈھلانی چھت والے دفتر کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔"

وہاں چلے جاؤ۔"

میں نے ایک بار پھر پرنام کیا اور لیبر آفس کے باہر آ کر ایک طرف زمین پر تامل لوگوں کی طرح پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور زمین پر انگلی سے لکیریں ڈالنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ انسپکٹر ناتھن ضرور باہر

آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ انسپکٹر ناتھن ہاتھ پر آہستہ آہستہ بید مارتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ وہ کسٹم آفیسر کی پوری وردی میں تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر اسے پرنام کیا اور جھک گیا۔

انسپکٹر ناتھن نے بید سے دفتر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب کے پاس جا کر اپنا نام لکھوا دو ونکٹا۔ ادھر دارو پی کر گڑبڑ کی تو نکال دوں گا۔"

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "گڑبڑ نہیں کروں گا مہاراج!"

اور میں لیبر آفیسر کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک سکھ لیبر آفیسر رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور غصے سے بولا۔ "کیوں اوئے تو ونکٹا ہے۔"

"ہاں مہاراج۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔

"یہاں انگوٹھا لگاؤ۔" وہ سخت بیزار لگ رہا تھا۔ مجھے پنجابی زبان میں گالیاں دینے لگا۔ "سالے آ جاتے ہیں چوہوں کی طرح بل سے نکل کر..."

انسپکٹر ناتھن نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مجھے کھاڑی کے اندر ڈیوٹی پر لگا دیا گیا تھا۔ روسی ایٹمی آبدوز یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ ناریل کے بینگے ٹیڑھے درختوں کے تنوں کے درمیان سے مجھے اس کا ہلکے نیلے رنگ کا ڈیک اور بیضوی جنگلا نظر آ رہا تھا۔ بھارتی بحریہ کے چار میرین گارڈ اسٹین گنیں تھامے چاروں جانب پہرے پر چوکس ہو کر کھڑے تھے۔ آبدوز سے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا اسٹیمر بھی جیٹی کے ساتھ لنگر انداز تھا جس میں سے لکڑی کے کریٹ اتارے جا رہے تھے۔ یہاں کالے کالے دبلے پتلے تامل مزدور کام پر لگے تھے۔ ان میں سے کسی کو آبدوز کی طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں بھی ان مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ دوپہر تک اسٹیمر میں سے بکس نکال کر ٹریلر پر لادتے اور انہیں گودام تک پہنچاتے رہے جو کھاڑی کے جنگل میں درختوں کے نیچے بنا ہوا تھا۔ اس دوران میں دوسرے مزدوروں سے سرسری سا تعارف بھی ہو گیا۔ ان میں کوئی بھی مجھے مشکوک نہ لگا۔ مگر ابھی تک میں لفٹ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوپہر کو میں نے جیٹی کی چھوٹی سی کنٹین پر سے ابلے ہوئے موٹے چاول اور دال لی اور ایک طرف زمین پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ دوسرے.... مزدور بھی ادھر ادھر زمین پر بیٹھے ہوئے اپنی اپنی پوٹلیاں کھول کر بھوجن کر رہے تھے۔ کسی نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ دوپہر کے بعد مجھے مال گودام کے فرش کی صفائی پر لگا دیا۔ شام کو چھٹی ہوئی تو میں واپس اپنے جنگل والے مکان کے قریب اس جھونپڑی میں آ گیا جو انسپکٹر ناتھن نے میرے لئے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ میں نے جھونپڑی کے باہر آگ جلائی اور چائے کے پانی کی دھواں کھاتی پتیلی اوپر رکھ دی۔ میرا کوارٹر نما مکان وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر درختوں کے عقب میں تھا۔ جب اندھیرا ہو گیا تو میں درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا مکان میں آ گیا۔

مجھے بتی جلانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ خاموشی سے کچن میں جاکر فریج کھولا۔ اس میں میرے لئے کھانا موجود تھا۔

کھانا کیلے کے پتوں میں بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس پارسل کو وہیں رکھا اور کچن کے دروازے کو تھوڑا سا کھول کر باہر دیکھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہاں میرے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے تو خاموشی سے باہر نکل کر سنبل کے درخت کے چبوترے کے عقب میں آگیا۔ پتھر نکال کر دیکھا۔ میرا ٹرانسمیٹر اپنی جگہ موجود تھا۔ میں نے پتھر واپس جمادیا اور جلدی سے کچن میں واپس آگیا۔ چاولوں کا پارسل اٹھایا اور اپنی جھونپڑی میں آکر رات کا ڈنر کرنے لگا۔ جھونپڑی میں زمین پر بوریا بچھا تھا اور مچھروں سے بچنے کے لئے انسپکٹر ناتھن نے وہاں ایک جالی دار چادر بھی رکھ دی تھی۔ شروع رات ہی میں مچھروں نے اتنا تنگ کیا کہ مجھے جھونپڑی میں بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً میں جنگل والے مکان میں آکر مسہری والے پلنگ پر لیٹ گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے دروازے کی کنڈی اندر سے چڑھادی تھی۔ مچھروں سے نجات مل گئی تھی۔ چھت کا پنکھا چل رہا تھا۔ سارا دن کام کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ چنانچہ بہت جلد نیند آگئی۔

خدا جانے کتنی رات گزر چکی ہو گی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ چاروں طرف اندھیرا اور سناٹا تھا۔ سمندر کی طرف سے کسی اسٹیمر کے وسل کی ہلکی آواز آئی اور پھر وہی موت کی سی خاموشی چھاگئی۔ مسہری کے اندر پنکھے کی ہوا کم آرہی تھی۔ مجھے پسینہ آنے لگا تھا۔ میں مسہری سے نکل کر۔۔۔ پنکھے کے نیچے آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ بانس کی بنی ہوئی آرام کرسی تھی۔ پنکھے کی ہوا کی وجہ سے مچھر غائب تھے۔ اس کرسی پر نیم دراز میں سو گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو صبح ہو رہی تھی۔ جلدی جلدی اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ بریف کیس میں سے ٹوتھ پیسٹ نکال کر دانت صاف کئے۔ شیو میں نے جان بوجھ کر نہ بنائی میں اپنے ساتھ جو سیکرٹ کاغذات لایا تھا اسکی فائل ہدایت کے مطابق میں نے انسپکٹر ناتھن کے حوالے کر دی تھی تاکہ وہ اس سیکرٹ مشن کی پوری تفصیلات سے آگاہ ہو جائے۔ بریف کیس میں زہریلے سگار پر نظر پڑی تو میں نے سوچا کہ اپنے ساتھ جھونپڑی میں رکھنا زیادہ بہتر ہو گا۔ چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا اور جھونپڑی میں بوریئے کے نیچے سرہانے کی جانب سے خشک پتوں میں چھپادیا۔

کھاڑی کی اس خفیہ جیٹی پر کام کرتے ہوئے مجھے تین دن ہو گئے تھے اور ابھی تک میں اپنے مشن کے بارے میں کوئی لائن آف آپریشن طے نہ کر سکا تھا۔ انسپکٹر ناتھن سے اس بیچ رات کو ایک ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ رات کے اندھیرے میں مجھے ملنے میری جھونپڑی پر آیا تھا۔ ہم کوارٹر کے اندھیرے کمرے میں جاکر باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ ایک ہی بات پر زور دے رہا تھا کہ میں جتنی جلدی ممکن ہو سکے اسے دشمن کے ایجنٹوں کے بارے میں آل کلیئر کا سگنل دوں تاکہ یورینیم کا بکس آبدوز سے نکال کر بذریعہ طیارہ احمد آباد پہنچایا جا سکے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ سنہری موقع میرے ہاتھ

سے نکل جائے۔ میں آبدوز کے ساتھ ساتھ یورینیم کے بکس کو بھی تباہ کر دینا چاہتا تھا لیکن میرے اس آپریشن کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ پہلی رکاوٹ یہ تھی کہ میرے پاس کوئی ایسا انتہائی تباہ کن طاقت والا آتشگیر ٹائم بم نہیں تھا جسے میں آبدوز میں کسی جگہ رکھ آؤں۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اگر میرے ہوتے ہوئے یعنی میری وہاں موجودگی کے دوران اگر آبدوز تباہ ہو جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کا اثر میرے مشن پر بھی پڑے گا، بلکہ ہائی کمان کو مجھ پر شک ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ مجھے میرے اہم ترین عہدے سے ہٹا کر کسی دوسری سیٹ پر تعینات کر دیا جائے۔ مجھے سانپ کو بھی مارنا تھا اور لاٹھی کو بھی بچانا تھا۔ اس قسم کی تضاد اور تذبذب صورتحال سے میں پہلے شاید ہی کبھی دوچار ہوا تھا۔ جب انسپکٹر ناتھن نے مجھ سے دشمن ایجنٹوں کی کھوج کے سلسلے میں میری پیش رفت کا پوچھا تو میں نے اسے سنجیدگی کے ساتھ کہا کہ مجھے ایک آدمی پر شک ہے لیکن مجھے تھوڑا سا موقع دو۔ ہو سکتا ہے دو ایک روز بعد میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں اور دشمن کے ایجنٹ کی نشاندہی کر سکوں یہ میں نے اسی لئے کہہ دیا تھا کہ دو دن بعد گیارہ اکتوبر کا دن آرہا تھا اور اس روز رات کے دس بجے مجھے اپنے ملک سے باس کا خفیہ سگنل موصول ہونا تھا۔

انسپکٹر ناتھن نے اصرار کیا کہ میں اپنی رفتار تیز کر دوں اور دشمن ایجنٹ کو گرفتار کرنے میں ان کی مدد کروں۔ میں نے انسپکٹر ناتھن سے کہا کہ ہو سکتا ہے اس کا کوئی ساتھی بھی مزدوروں میں موجود ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مزید کھوج لگاؤں اور ایک ہی وقت میں دونوں ایجنٹوں کو پکڑنے کی کوشش کروں۔ انسپکٹر ناتھن نے سیکرٹ فائل پڑھنے کے بعد مجھے واپس کر دی تھی جسے میں نے اپنے بریف کیس میں سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ یہ بریف کیس میں نے کوارٹر کے پلنگ کے نیچے ویران کمرے کے کونے میں ایک بوری کے نیچے چھپا دیا تھا۔ گیارہ اکتوبر کا دن آگیا۔ آج رات دس بجے وائرلیس پر میرا رابطہ اپنے باس سے ہونے والا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پہلے باس کو ساری صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مشورہ لوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس عرصے میں، میں نے مزدوروں میں سے سنہالی ایجنٹوں کا سراغ لگانے کی ایک لمحے کے لئے بھی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اسکی ضرورت بھی نہیں تھی۔

گیارہ اکتوبر کی شام کو میں چھٹی کرنے کے بعد اپنی جھونپڑی میں آگیا۔ میں دعا مانگ رہا تھا کہ ناتھن ملنے کو نہ آئے۔ اسکے آجانے کا خطرہ تھا کیونکہ اسے ملے دو دن ہو گئے تھے۔ میں نے انسپکٹر ناتھن سے ایک بال پوائنٹ اور کاپی حاصل کر رکھی تھی کہ کسی وقت مجھے کوئی یادداشت نوٹ کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن حقیقت یہ تھی یہ چیزیں میں نے ٹرانسمیٹر پر اپنے ملک کے مرموز پیغام لکھنے اور اسے بعد میں ڈی کوڈ کرنے کے لئے لی تھی۔ کیونکہ پیغام طویل ہونے کی صورت میں، میں اسے زبانی ڈی کوڈ نہیں کر سکتا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر پیغام وصول کرنے کا خطرناک کام میں جھونپڑی میں

نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہاں اگر کوئی بھی دیوار کے باہر کھڑا ہو تو وہ میری اور وائر لیس پر آنے والے پیغام کی آوازیں سن سکتا تھا۔ چنانچہ جب رات کو نو بج گئے تو میں جھونپڑی سے نکل کر درختوں کے درمیان اپنے کوارٹر نما مکان میں آگیا۔ بال پوائنٹ اور کاپی میں نے پہلے ہی وہاں رکھ دی تھی۔ وقت کا تعین میں اپنی اس رسٹ واچ سے کر رہا تھا جو میں نے انسپکٹر ناتھن سے واپس لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ساڑھے نو بجے تک میں پلنگ کے قریب آرام کرسی پر اندھیرے میں پنکھے کے نیچے بیٹھا رہا۔ جذباتی دباؤ کی وجہ سے میں کچھ گرمی محسوس کرنے لگا تھا۔ ساڑھے نو بجے اٹھ کر میں کمرے سے باہر نکلا اور اندھیرے میں باہر برآمدے میں آگیا۔ میں نے کھڑے کھڑے بازو اوپر اٹھا کر یوں انگڑائی لی جیسے نیند کو آنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ یہ اس خیال سے کہ اگر اندھیرے میں میری کوئی نگرانی کر رہا ہے تو اسے شک نہ ہو کہ میں اندھیری رات میں برآمدے میں کس لئے آیا ہوں۔ میں نے عقابی نظروں سے آس پاس کے درختوں کے اندھیرے کو کھنگالا میرے اندازے کے مطابق وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں بے حد محتاط تھا۔ وہاں کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ میں اپنے سر کے بالوں میں انگلیاں گھسیڑتا واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ کمرے میں آتے ہی میں نے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ اس کے بعد کچن میں گیا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا۔ میں نے کچن کے عقبی دروازے کو آہستہ سے کھول کر باہر دیکھا۔ درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا تھا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دور کسی درخت پر سے کوئی پرندہ اپنے پروں کو پھڑپھڑا کر اڑا اور پھر یہ آواز غائب ہو گئی۔ میرے کان فضا کے سناٹے پر اور آنکھیں اندھیرے میں سنبل کے درخت پر لگی تھیں۔

میں دروازے میں بیٹھ گیا اور پنجوں کے بل سنبل کے درخت کی طرف چلنے لگا۔ گھاس شبنم کی وجہ سے گیلی ہو رہی تھی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا' لیکن میں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر سنبل کے درخت کے عقب میں پہنچ کر ساکت ہو کر سانس روک لی' پھر گردن گھما کر ماحول کا جائزہ لیا۔ کسی طرف سے کوئی آہٹ تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر چبوترے کا پتھر نکال کر گھاس پر رکھ دیا۔ پھر اندر سے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر جیب میں ڈالا۔ پتھر کو دوبارہ اسکی جگہ جمایا اور اسی طرح پنجوں کے بل چلتا ہوا واپس اپنے کچن میں آگیا۔ کچن میں آکر میں نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اب میں نے دونوں کمروں کا اندھیرے میں ہی پوری طرح جائزہ لیا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ تمام دروازے بند ہیں تو پلنگ والے کمرے میں آکر بچھونے پر بیٹھ گیا۔ ٹرانسمیٹر سامنے رکھ کر کاپی اور بال پوائنٹ نکال لیا۔ میں موم بتی جلانے کا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا گھڑی دیکھی۔ فاسفورس کی دھیمی دھیمی چمک والی سوئیاں رات کے پونے دس بجا رہی تھیں۔ ایک ایک سیکنڈ ایک ایک گھنٹہ بن کر گزر رہا تھا۔ صرف یہ خدشہ تھا کہ کہیں انسپکٹر ناتھن نہ آجائے۔ وہ پچھلی دفعہ رات کے سواد س بجے میری جھونپڑی میں آگیا تھا۔ وقت انتہا

ست رفتاری سے گزر رہا تھا۔

خدا خدا کر کے گھڑی نے دس بجائے۔ میں نے ٹرانسمیٹر کا ننھا سا بٹن دبا کر اس کا چھوٹا سا سوئی جتنا انٹینا تھوڑا اوپر کر دیا۔ بھارت کے وقت کے مطابق ٹھیک دس بجے ٹرانسمیٹر سے ہلکی سی ان کی آواز دوبارہ ہوئی۔ میں نے بال پوائنٹ کی نوک کاپی کے کاغذ پر رکھ دی اور ٹرا کو کان کے ساتھ لگا لیا۔ ٹرانسمیٹر میں سے ہلکی سے آواز آئی۔ "چندراس! ہیلو چندراس! میں رام پور سے بول رہا ہوں۔ میرا نمبر...... ہے۔"

یہ میرا باس تھا اور مجھے وائرلیس پر اس طرح سے پیغام دے رہا تھا۔ جیسے بھارت کے اندر ہی کوئی شخص کس چندراس کو رام پور سے کسی دوسرے شہر ٹیلی فون کر رہا ہو۔ کیونکہ نمبر اس کا کوڈ نمبر تھا۔ میں نے آہستہ سے ٹرانسمیٹر کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔ "میں چندراس بول رہا ہوں۔ ہیلو... ہیلو۔"

یہ گفتگو پنجابی میں ہو رہی تھی، پھر میں نے اپنا کوڈ نمبر بتا دیا۔ اس کے ساتھ ہی باس نے مجھے اپنا پیغام نوٹ کرانا شروع کر دیا۔ وہ پنجابی میں مجھے کہہ رہا تھا کہ ہرنام کور بیمار ہے۔ رام پور آ کر اسے لے جاؤ۔ امرتسر والے سوہن سنگھ پرسوں پہنچ رہے ہیں۔ یہ سارا پیغام جو بظاہر ٹیلی فون پر رام پور شہر سے کسی چندراس کو دیا جا رہا تھا۔ بمشکل بیس سیکنڈ کا تھا۔ باس نے یہ کہہ کر پیغام بند کر دیا کہ آج ہی رام پور کے لئے چل پڑو، مجھے کچھ کہنے یا پوچھنے کا موقع ہی نہ دیا ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔ باس نے جاتے جاتے مجھے ایک نمبر ضرور بتایا تھا کہ اور کہا تھا کہ اس نمبر پر امرتسر والے سوہن سنگھ سے بات کر لینا۔

میں نے جلدی سے کاپی بند کر کے سرہانے کے نیچے رکھی۔ اسی طرح پنجوں کے بل جا کر سنبل کے درخت کے چبوترے میں ٹرانسمیٹر کو چھپا کر واپس کمرے میں آیا۔ کاپی نکالی اور اب میرے لئے موم بتی جلانا بھی ضروری تھا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ موم بتی کی روشنی میں، میں نے باس کے وائرلیس پیغام کو ڈی کوڈ کرنا شروع کر دیا۔ مرموز کوڈ مجھے زبانی یاد تھا۔ میں نے چندراس کو دیئے ہوئے پیغام کے ایک ایک لفظ کھول کر اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا۔ پیغام یہ تھا۔

"ایٹمی آبدوز کو یورینیم سمیت تباہ کر دینا لازمی ہے۔ سنہالی مزدوروں میں سنگھو نام کا ایک عیسائی مزدور امریکی ایجنٹ ہے اسے رابطہ قائم کر لیا گیا ہے۔ اس کو اپنا کوڈ نمبر بتا کر ملو۔ وہ تمہیں چار پنسل بم دے گا ان کی مدد سے ایٹمی آبدوز کو بھک سے اڑا دو۔ یہ تمہارا قومی فرض ہے۔ اس سے زیادہ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ اس نمبر پر رات کو دس بجے کے بعد رابطہ قائم کر سکتے ہو؟"

موم بتی کی روشنی کاغذ پر پڑ رہی تھی۔ میں نے دو تین بار وائرلیس پیغام کو پڑھا۔ سنہالی مزدور سنگھو کا نام اور باس کا بتایا ہوا نمبر زبانی یاد کر لیا، پھر میں نے کاپی میں سے اس کاغذ کو اور اس کے نیچے کے دونوں کاغذوں کو پھاڑ کر الگ کر لیا۔ کیونکہ ان پر میری تحریر کا دباؤ پڑ چکا تھا۔ ان تینوں کاغذوں کو جلا کر باتھ روم کے سنک میں بہا دیا۔ موم بتی بجھائی اور پلنگ پر مسہری کے اندر لیٹ کر سوچنے لگا کہ باس نے مجھے

جو کٹھن ذمے داری سونپی ہے ۔ کیا میں اس پر پورا اتر سکوں گا؟ یہ انتہائی پیچیدہ کام تھا ۔ آبدوز میں پینسل بم لگانا میرے لئے کوئی اتنا دشوار کام نہیں تھا ۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ اگر میرے ہوتے ہوئے ایٹمی آبدوز تباہ ہو جاتی ہے تو یقینی طور پر مجھ پر بھی شک پڑ سکتا تھا ۔ میرے لئے کئی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں، لیکن آبدوز کو تباہ کرنا بھی اب ضروری ہو گیا تھا ۔ یہ میرے وطن کی سلامتی کے لئے بھی ضروری تھا اور اس سے بھارت اور روس کے معاہدہ اسلحہ یورینیم کے ضائع ہو جانے سے بھارت کے ایٹم بم بنانے کا کام بھی کچھ عرصہ کے لئے التوا میں پڑ سکتا تھا، جو ممکن ہے میرے وطن کے مفادات کے حق میں تھا ۔

مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسی کون سی حکمت عملی اختیار کروں کہ میرا مشن بھی مکمل ہو جائے اور مجھ پر شک بھی نہ پڑے ۔ دیر تک اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہا ۔ نیند کوسوں دور تھی ۔ کوئی درمیان کا راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا..... دھاگے الجھے ہوئے تھے ۔ سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا ۔ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمکا ۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ آخر قدرت نے مجھے ایک راستہ دکھا دیا تھا ۔ میں نے اس نئے خیال پر سوچنا شروع کر دیا ۔ دھند چھٹتی چلی گئی، الجھے ہوئے دھاگے سلجھنے لگے اور سرا میرے ہاتھ میں آ گیا ۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا ۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اطمینان سے گہری نیند سو گیا ۔

صبح کے وقت آنکھ کھلی ۔ وقت دیکھا تھا ۔ دن کے سات بج رہے تھے ۔ جلدی جلدی سے نہا دھو کر رات کا بچا ہوا کھانا گرم کر کے کھایا ۔ چائے کی ایک پیالی پی اور مزدوروں والا لباس پہن کر کھاڑی کی طرف روانہ ہو گیا ۔ انسپکٹر ناتھن جیٹی کے لیبر آفس کے سامنے کھڑا سکھ آفیسر سے باتیں کر رہا تھا ۔ میں نے قریب جا کر ہاتھ جوڑ کر آدھا جھکتے ہوئے دونوں کو رام رام کہا ... انسپکٹر ناتھن نے گھور کر میری طرف دیکھا، پھر سکھ آفیسر سے پوچھا ۔" یہ ٹھیک کام کر رہا ہے کہ نہیں سردار جی؟"

سکھ لیبر آفیسر نے مجھے دیکھا ۔ پنجابی میں ایک گالی دی اور ناتھن سے ہندی میں کہا ۔" ٹھیک ہی جا رہا ہے ۔"

میں نمسکار کرتے ہوئے جیٹی کی طرف چل دیا ۔ اب میرے سامنے سب سے اہم کام مزدوروں میں سے سنگھو نام کے سنہالی مزدور سے رابطہ قائم کرنا تھا، جو وائرلیس سگنل کے مطابق سری لنکا کی طرف سے وہاں سبوتاژ کے لئے بھیجا گیا ۔ امریکہ کا اجرتی ایجنٹ تھا ۔ کبھی خیال آتا کہ اسے اپنا کوڈ نمبر بتا کر کہیں میں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں، لیکن اسکے بارے میں مجھے جو اطلاع ملی تھی، وہ غلط نہیں ہو سکتی تھی، مجھے باس کے پیغام اور ہدایت پر بے فکر ہو کر عمل کرنا چاہئے تھا ۔ میں کئی مزدوروں کے ناموں سے ابھی واقف نہیں تھا ۔ شکلوں سے ضرور شناسا تھا ۔ ایک تو ان کے نام بڑے عجیب تھے، لیکن اسی روز میں نے کسی نہ کسی طرح سنگھو نام کے سنہالی مزدور کا چہرہ دیکھ ہی لیا

تھا۔

یہ ایک ناٹے قد کا ادھیڑ عمر دبلا پتلا کالا کلوٹا سا سنہالی مزدور تھا' جس نے تامل انداز میں اپنے بالوں کا جوڑا سر کے پیچھے باندھ رکھا تھا۔ اس کے گلے میں ایک مالا اور ماتھے پر تلک کا نشان بھی تھا۔ میں اس کی شکل سے شناسا تھا۔ وہ تمام مزدوروں میں ایک مذہبی قسم کا آدمی مشہور تھا' جو فرصت کے اوقات درخت کے نیچے بیٹھ کر گیان دھیان بھی کیا کرتا تھا۔ ایک ہوشیار اور سمجھ دار ایجنٹ کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہوئی تو میں نے جیٹی کی کنٹین سے دال بھات کی تھالی پیسے دے کر خریدی اور ذرا۔۔۔ پرے زمین پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ میری نظریں سنگھو پر لگی تھیں' جو ایک درخت کے نیچے سب سے الگ تھلگ بیٹھا کیلے کے پتے پر رکھے چاول کھا رہا تھا۔ چاول ختم کرنے کے بعد' اس نے مٹی کے آب خورے سے پانی منہ میں ڈال کر کلی کی اور پھر وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں' جیسے گیان دھیان کرنے لگا۔

باقی مزدور ٹکڑیوں میں بیٹھے بیڑیاں وغیرہ پی رہے تھے اور کچر کچر تامل اور تیلگو زبانوں میں باتیں کر رہے تھے۔۔ میں نے کھانا ختم کر کے مٹی کی تھالی کو نلکے کے نیچے جا کر رکھ دیا۔۔۔۔ اور جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور جیسے یونہی بے فکری سے ٹہلتا ٹہلتا ہوا اس درخت کے قریب چلا آیا' جس کے نیچے ایجنٹ سنگھو بظاہر گیان دھیان میں محو تھا۔ میں اس سے چار قدم کے فاصلے پر زمین پر اکڑوں بیٹھ کر بیڑی کے ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔ میں نے سنگھو کی طرف دیکھے بغیر تامل زبان میں آہستہ سے کہا۔" سنا ہے سری لنکا سے بھی تامل یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

سنگھو کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے چہرہ گھما کر اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے گیان دھیان میں مصروف تھا۔ میں نے ترپ کا پتہ پھینکتے ہوئے اسے اپنا کوڈ نمبر بتا دیا۔ ایک طرح سے میں نے بھی بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ لیکن مجھے اپنے باس پر اعتماد تھا۔ اسکی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ کوڈ نمبر سنتے ہی سنگھو نے آنکھیں کھول دیں اور میری طرف دیکھنے کی بجائے اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اردگرد دیکھا کہ وہاں کوئی تیسرا آدمی تو نہیں ہے۔ وہاں آس پاس ہمارے سوا اور تو کوئی اتنا قریب نہ تھا کہ ہماری بات سن سکتا تھا۔ اب اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے غور سے دیکھا اور تامل زبان میں کہا۔" آدھی رات کے بعد' تمہارے جھونپڑے میں آؤں گا۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور گیان دھیان میں کھو گیا۔

میں بیڑی پاؤں تلے مسلتا ہوا اٹھا اور کھاڑی میں بڑے اسٹیمر کی طرف چل دیا' جہاں ہم اسٹیمر کا فرش کھرچنے کے کام پر صبح سے لگے ہوئے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ کیا اس کو میری جھونپڑی کا پتا ہے؟ وہ تو کبھی وہاں نہیں آیا تھا اور اس سے پہلے میری بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی' لیکن باس نے مجھے اپنے مرموز پیغام میں کہا تھا کہ سنگھو کے ساتھ کسی کی وساطت سے رابطہ قائم کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ

قرین قیاس تھا کہ اس نے اس رابطے کے بعد میری جھونپڑی کا سراغ لگا لیا ہو اور مجھ سے براہ راست بات کرنے کی بجائے اس لمحے کا انتظار کر رہا ہو کہ جب میں خود اسے اپنا کوڈ نمبر بتاؤں گا۔ بات صاف ہو چکی تھی یسنگھو ہی وہ امریکی ایجنٹ تھا' جس سے مل کر مجھے اپنے تباہ کن آپریشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

رات کو میں جھونپڑی میں ہی رہا۔ سنگھو کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس وقت پر آئے گا۔ دوسری طرف یہ تشویش بھی لگی تھی کہ انسپکٹر ناتھن نہ آ دھمکے۔ اسے ملے تین دن ہو گئے تھے۔ آج اسکا آنے کا امکان تھا اور ایسا ہی ہوا۔ میں جھونپڑی سے نکل کر ہاتھ منہ دھونے کے لئے کوارٹر کی طرف چلنے لگا تو اندھیرے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ دوسرے لمحے انسپکٹر ناتھن دھوتی کرتا پہنے میرے سامنے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تامل میں بولا۔" تمہارے لئے کھانے پینے کو لایا ہوں کیپٹن! سوری' کل نہیں آ سکا۔ تمہاری بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ شام کو گھر سے نہ نکل سکا۔"

وہ میرے لئے قیمے والے چاول' کچوریاں اور بھاجی وغیرہ لایا تھا۔ سگریٹوں کے دو پیکٹ جیب سے نکالتے ہوئے بولا۔" میں نے سوچا کہ تمہارے پاس سگریٹ ختم ہو گئے ہوں گے' دن بھر ویسے بھی مزدوروں کے ساتھ بیڑیاں پیتے پیتے تنگ آ گئے ہو گے۔"

ہم کوارٹر والے کمرے میں آ گئے۔ انسپکٹر ناتھن کے کہنے پر میں نے موم بتی جلا دی۔ کھانے پر باتیں ہونے لگیں۔ اس نے بتایا کہ دلی ہائی کمانڈ سے اسے سگنل ملا ہے کہ یورینیم کی ترسیل میں اس سے زیادہ دیر نہیں کی جا سکتی۔ تمہیں کل تک ہمیں آل کلیئر کا اشارہ دینا ہو گا۔ ورنہ ہمارے لئے بہت مشکل ہو جائے گی کیونکہ ہائی کمانڈ نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یورینیم باکس سیکورٹی ٹیم کے ساتھ ائرفورس کے طیارے میں احمد آباد منگوا لیا جائے گا۔

میرے ذہن میں پوری کی پوری اسکیم پہلے سے تیار ہو چکی تھی۔ میں نے اس پر عمل شروع کرتے ہوئے انسپکٹر ناتھن سے کہا میں کل اپنا آخری فیصلہ اسے دے دوں گا۔ اس وقت میں یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائے۔ میں نے جان بوجھ کر جماہیاں لینی شروع کر دیں' جیسے بہت نیند آ رہی ہو۔ انسپکٹر ناتھن اٹھ کھڑا ہوا۔" اوکے' میں جاتا ہوں۔ کل تمہیں بتا دینا چاہئے کہ پوزیشن کیا ہے۔ تاکہ ہم کوئی اگلا قدم اٹھا سکیں۔ دلی آفس سے بار بار سگنل آ رہے ہیں۔"

بڑی مشکل سے میں نے انسپکٹر ناتھن کو رخصت کیا اور موم بتی بجھا کر کچن والے دروازے سے لگ کر جھری میں سے پتلی سی سڑک پر اس کے سائے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ کھاڑی والے درختوں کے ذخیروں کی طرف غائب ہو گیا تو میں کوارٹر میں سے نکل کر جھونپڑی میں آ گیا۔ کیونکہ سنگھو نے مجھے وہیں ملنے کیلئے کہا تھا۔ سنگھو بھی ایک تجربہ کار ایجنٹ تھا۔ وہ وہاں موجود تھا۔

جب اسے تسلی ہو گئی کہ انسپکٹر ناتھن جا چکا ہے تو میری جھونپڑی میں آگیا۔ آتے ہی وہ بیٹھ گیا اور تامل زبان میں بولا۔ "یہ ناتھن یہاں کیوں آیا تھا؟"

میں نے جواب دیا۔ "سنگھو! جس مشن پر تم آئے ہو' میں بھی اسی سیکرٹ مشن پر یہاں آیا ہوں۔ انسپکٹر ناتھن کو میں نے شراب اور عورت کا لالچ دے کر اپنے قبضے میں رکھنے کی کوشش کی ہے اور میں اس میں کامیاب ہوں' تاکہ اس سے آبدوز کی نقل و حرکت کے معاملے میں مزید معلومات ملتی رہیں۔ آج یہ مجھ سے ایک عورت کا پتہ پوچھنے آیا تھا' جس کو میں نے اسکی طرف بھجوایا تھا مگر وہ اس کے پاس ابھی تک نہیں پہنچی۔ بہرحال' اس پر لعنت بھیجو آؤ ہم اپنی باتیں کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

اس کے بعد' اسے میں نے اپنے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔ "کولمبو سے تمہارے بارے میں مجھے بریفنگ مل گئی تھی۔ کنیا کماری کے مشرقی ساحل پر ہمارا آدمی کولمبو سے پیغام لے کر آتا رہتا ہے' مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں تمہیں چار پنسل بم مہیا کروں۔ میں وہ اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ ہمارا مشن سبوتاژ کا مشن کم اور بھارت میں تامل لینڈ کے صوبے کے قیام کے سلسلے میں راہ ہموار کرنے کا مشن زیادہ ہے' لیکن میرے ہیڈ کوارٹر نے مجھے جو حکم دیا ہے۔ میں اس پر عمل کرتے ہوئے تمہیں مطلوبہ بم دے رہا ہوں۔ اس سلسلے میں مکمل راز داری سے کام لینا ہو گا۔

پھر اس نے اپنے پیٹ کے ساتھ لپیٹے ہوئے کپڑے کو کھولا اور جھونپڑی کے اندھیرے میں انڈی پن سائز کے چار بم میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بم نیویارک میں تیار کئے گئے ہیں۔ ان کی تباہی کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کولمبو میں مجھے اسکی تباہی کی ایک فلم دکھائی گئی تھی۔ اس میں دو بم ٹائم سرکولیشن سے اپنے آپ کو پھٹنے والے بم ہیں اور وہ ذرا سے دباؤ یا حرکت سے دھماکے کے ساتھ پھٹ کر تباہی پھیلانے والے بم ہیں۔ میں تمہیں ان دونوں بموں کی ترکیب سمجھائے دیتا ہوں۔"

پھر اس نے مجھے ترکیب سمجھائی۔ دباؤ یا حرکت کی وجہ سے پھٹنے والے دونوں پنسل بموں میں نیچے کی جانب ایک طرف چھوٹا سا ہک لگا ہوا تھا۔ اس ہک کو دبا دینے کے چار سیکنڈ بعد' یہ بم پھٹنے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد' اگر اس کو ذرا سی حرکت دی جائے یا اس پر معمولی سا دباؤ بھی ڈال دیا جائے تو وہ پھٹ پڑتا تھا۔ میں نے چاروں بم سنگھو سے لے کر جھونپڑی میں بوریئے کے نیچے زہریلے سگار کے ساتھ خشک پتوں کی تہہ میں چھپا دئے۔

سنگھو نے کہا تھا۔ "یہ بم ہمیں اس لئے دیئے گئے تھے کہ تامل لینڈ کے قیام کی تحریک کے سلسلے میں اگر کسی تخریب کاری کی ضرورت پڑے تو ہم اسے کام میں لا سکیں' مگر تم ان بموں سے کیا کام لو گے؟"

میں نے اسے ایٹمی آبدوز اور یورینیم کو سبوتاژ کرنے کے بارے میں کچھ بتانے کی بجائے یہ

من گھڑت کہانی سنا دی کہ میں بھی بھارت کے جنوبی علاقے میں تامل لینڈ کے قیام کی تحریک کے لئے کام کرنے آیا ہوں' لیکن اب مجھے ایک ہفتہ کے بعد ' پنجاب بھیجا جا رہا ہے ' جہاں سکھوں تک بم پہنچانے ہوں گے - اسی لئے ہمارے ہیڈ کوارٹر نے کولمبو کی وساطت سے تمہارے ساتھ رابطہ کر کے تم سے مدد کی درخواست کی تھی - " میرے دوست سنگھو ! میں تمہارا بہت مشکور ہوں کہ تم نے میری مدد کی اور مجھے وہ شے دی ' جس کی مجھے اس وقت بہت ضرورت تھی - "

سنگھو نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا - " ہم دونوں ایک ہی مشن کے آدمی ہیں - میں نے تو اپنا فرض پورا کیا ہے - اچھا ' میں چلتا ہوں - "

میں نے پوچھا " سنگھو ! کیا یہاں روسی آبدوز کو تباہ کرنے کے مشن پر کچھ سنہالی یا امریکہ کے بھیجے ہوئے تامل ایجنٹ آئے ہوئے ہیں - "

سنگھو نے کان کھجاتے ہوئے کہا - " مجھے اسکی خبر نہیں ہے ' لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ' ایسا کوئی ایجنٹ یہاں پر اس وقت نہیں ہے - ہاں اگر کسی کی بھی بھنک پڑی تو میں تمہیں رات کو جھونپڑے میں آ کر بتا دوں گا - مگر تم تو ہفتے کے بعد جا رہے ہو - "

میں نے اسے کہا - " نہیں ' نہیں سنگھو ! تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ' میں نے تو ویسے اپنی معلومات کیلئے پوچھا تھا ..... ایٹمی آبدوز سے میری کوئی دلچسپی نہیں - میں تو یہاں صرف تم سے یہ قیمتی بم لینے کے لئے آیا تھا - "

سنگھو جاتے جاتے رک گیا اور بولا - " اس انسپکٹر ناتھن سے خبردار رہنا - یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے - گورنمنٹ نے خود اسے کسٹم میں بھیجا ہوا ہے - "

یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کسی بھوت کی طرح اندھیرے میں غائب ہو گیا - اس کے جانے کے بعد ' میں نے بستر کے نیچے سے چاروں بم نکال کر کونے میں زمین تھوڑی سی کھود کر وہاں دبا دیئے اس قدر دھماکہ خیز مواد ' میں اپنے بستر کے نیچے نہیں رکھ سکتا تھا - دوسرے روز میں نے کھاڑی پر جانے سے پہلے اس جگہ مٹی کا .. گھڑا لا کر رکھ دیا ' جہاں میں نے چاروں پنسل بم زمین میں دبا رکھے تھے - سگار اسی طرح میرے بستر کے نیچے پتوں کی تہ میں چھپا ہوا تھا - میں کام پر آ گیا اور اسٹیمر پر دوسرے مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا - سنگھو اسٹیمر کے دوسرے سرے پر لکڑی کے فرش کی میل کچیل شیشے کے ٹکڑے سے کھرچ رہا تھا - اب مجھے اپنی سوچی ہوئی اسکیم کی دوسری شق پر عمل کرنا تھا - دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہوئی تو میں قصداً ناتھن کی تلاش میں لیبر آفس کے قریب منڈلانے لگا - مجھے انسپکٹر ناتھن دفتر کے عقبی درختوں میں سے آتا ہوا دکھائی دیا -

میں اس راستے سے ایک درخت کے نیچے پنجوں کے بل بیٹھ کر بیڑی پینے لگا - جب وہ میرے قریب پہنچا تو میں نے اسے انگریزی میں کہا - " فوراً میری جھونپڑی میں پہنچو - "

یہ کہہ کر میں بڑی تیزی سے اٹھا اور اسے جھک کر نمسکار کرتے ہوئے کھاڑی کی طرف چل دیا۔ جاسوس کو میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ کینٹین کے چھپر کے نیچے دوسرے مزدوروں کے پاس بیٹھا مٹی کے گلاس میں چائے پی رہا تھا۔ وہ میرے راستے میں نہیں تھا۔ میں دوسری طرف سے ہو کر اپنی جھونپڑی کی طرف نکل گیا ابھی مجھے جھونپڑی میں آئے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انسپکٹر ناتھن بھی وہاں ادھر ادھر دیکھتا آگیا۔ وہ تیزی سے میری جھونپڑی میں داخل ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر بوریئے پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "دن کے وقت تمہیں، مجھے یہاں نہیں بلانا چاہئے تھا کیپٹن!"

میں نے کہا "ایک ایمرجنسی پیدا ہو گئی تھی انسپکٹر!"

"وہ کیا؟" انسپکٹر ناتھن کا منہ کھلا تھا۔

میں نے اسے کہا۔ "جس مزدور، پر مجھے ایجنٹ ہونے کا شبہ تھا وہ غائب ہو گیا ہے۔"

انسپکٹر ناتھن نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کہاں، کہاں چلا گیا ہے وہ؟ میں تمہیں کل ہی کہنے والا تھا کہ اس آدمی کی نشاندہی کرو تاکہ میں اسے ایک سیکنڈ میں گرفتار کر لوں۔ کیا وہ ہمارے کوئی سیکرٹ کاغذات ساتھ لے گیا ہے؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "وہ ساتھ کچھ نہیں لے گیا، لیکن مجھے شک ہے کہ وہ ایٹمی آبدوز اور رن وے پر کھڑے ہوئے ائر فورس کے دونوں اسپیشل طیاروں میں ٹائم بم لگا گیا ہے۔"

انسپکٹر ناتھن ایک بار تو اپنی جگہ سے ہل گیا۔ اٹھ کر جلدی سے باہر گیا۔ یہ دیکھنے کہ جھونپڑی کے باہر کھڑا کوئی ان کی باتیں تو نہیں سن رہا، پھر تیزی سے اندر آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور متفکرانہ انداز میں بولا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ کیا تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟"

میں نے انسپکٹر ناتھن کی نسواری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ذرا آگے کو جھکتے ہوئے کہا۔ "انسپکٹر ناتھن! تم کیسے سیکرٹ ایجنٹ ہو کہ تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ اس قسم کے حالات میں ثبوت ملا نہیں کرتے۔ مخبری، اطلاعات اور قیاس آرائی کی روشنی میں ایکشن لیا جاتا ہے۔ تم مجھ سے ثبوت مانگتے ہو اور مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں پیارے دیش بھارت ورش کی انتہائی قیمتی آبدوز اور یورینیم تباہ نہ ہو جائے۔ فوراً رن وے پر کھڑے ائر فورس کے دونوں طیاروں اور ایٹمی آبدوز کی تلاشی اور مکمل چیک اپ کا کام شروع کر دو۔ یہ چیکنگ الیکٹرانک آلات سے ہونی چاہئے۔ کیا ایسے آلات تمہارے پاس ہیں"

انسپکٹر ناتھن گھبرا سا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ میرا تعلق دلی ہیڈ کوارٹر سے ہے اور اس نے میرے احکامات پر عمل نہ کیا تو اسے نقصان پہنچ سکتا ہے ویسے بھی ایٹمی آبدوز کی تباہی سے اس کا مستقبل تباہ ہو سکتا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "ہمارے پاس الیکٹرانک آلات موجود ہیں۔ میں ابھی کمانڈر کو خبردار کرتا ہوں۔"

وہ تیزی سے جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جیب سے بیڑی نکال کر

سالگاں۔ میری اسکیم کی دوسری شق پر عمل شروع ہو چکا تھا۔ اس احمق انسپکٹر ناتھن کو کیا معلوم تھا کہ میری اسکیم کس قدر خطرناک اور خفیہ ہے اور جن پنسل بموں کی تلاش میں وہ آبدوز اور طیاروں کی تلاشی لینے والے ہیں' وہ اس وقت جھونپڑی کے کونے میں زمین میں دفن تھے۔ اس کے چلے جانے کے کوئی آدھ گھنٹے بعد' میں کھاڑی کی جیٹی پر آیا تو پتا چلا کہ تمام مزدوروں کو وہاں سے نکال کر لیبر آفس کی طرف بھیج دیا گیا ہے اور بڑے زور شور سے آبدوز اور رن وے پر کھڑے ہوئے ائرفورس کے چھوٹے طیاروں کی تلاشی اور چیکنگ کا کام شروع ہے۔ میں بھی دوسرے مزدوروں کے ساتھ ایک طرف ہو کر زمین پر بیٹھ کر بیڑی پینے لگا۔ میں نے ایک تامل مزدور سے پوچھا کیا ہوا ہے؟ ہمیں کام پر کیوں نہیں بھیجا جا رہا۔ اس نے کاندھے سکیڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ڈبکی کشتی کی صفائی ہو رہی ہے شاید۔"

تھوڑی دیر بعد سکھ لیبر آفیسر نے آ کر مزدوروں سے کہا جاؤ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ آج کی چھٹی ہے۔ سارے مزدور خوش ہو کر اٹھے اور شہر کی طرف چل پڑے۔ میں بھی اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی جھونپڑی دور تھی کہ ایک درخت کے پیچھے سے کسی نے مجھے آواز دی۔ "ونکٹا! ادھر آ جاؤ۔"

میں درخت کے قریب گیا تو وہاں سنگھو زمین پر بیٹھا تھا مجھے دیکھتے ہی بولا۔ "یہ طیاروں کی اور آبدوزوں کی تلاشی کس لئے لی جا رہی ہے؟ کہیں تم نے ان میں بم تو نہیں لگا دیئے' تمہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اتنے قیمتی بموں کو ایک آبدوز کے لئے ضائع کر دوں یہ بم خالصتان کے سکھوں کے لئے ہیں' مجھے خود معلوم نہیں کہ یہ اچانک چیکنگ کیوں شروع ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے..... کہ آبدوز کے کمانڈر کو کہیں سے اطلاع ملی ہو کہ امریکی اور سنہالی ایجنٹوں نے آبدوز کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے اور احتیاط کے طور پر چیکنگ کی جا رہی ہو۔ سنگھو جیسے سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے پہلی ہی ملاقات میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایٹمی آبدوز کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ نہیں بنانا چاہتا۔ اس کا مشن جنوبی بھارت میں رہ کر تامل لینڈ کے قیام کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ اس کی تخریب کاری اپنے اسی مشن کے تحت تھی۔ ممکن ہے اسے غیر شعوری طور پر یہ احساس بھی ہو کہ اتنی بڑی تخریب کاری کے بعد' وہاں پکڑ دھکڑ شروع ہو جائے۔ یہ بات اس کے مشن کو نقصان پہنچا سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ میں نے پہلی ہی ملاقات میں اس کے دلی جذبات اور احساسات کا اندازہ لگا لینے کے بعد' اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں ایٹمی آبدوز کو تباہ کرنا چاہتا ہوں اور اسی مقصد کے لئے میں نے اس سے پنسل بم حاصل کئے ہیں۔ اب جب اسے معلوم ہوا کہ چیکنگ اور تلاشی کا کام اس لئے ہو رہا ہے کہ آبدوز کو سنہالی ایجنٹوں نے سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کے چہرے

پر تشویش کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ کہنے لگا۔ "یہ باتیں ہمارے لئے مشکلات پیدا کر دیں گی۔ تم نے بم کہاں رکھے ہوئے ہیں ؟ ہو سکتا ہے سیکورٹی والے ہماری جھونپڑیوں اور مکانوں کی تلاشی بھی لیں۔

میں نے اسے بتایا کہ پنسل بم میں نے جنگل میں زمین کے اندر چھپا رکھے ہیں۔ وہ رام رام کہتا ہوا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا شہر کو جانے والی پگڈنڈی کی طرف مڑ گیا۔ میں اپنی جھونپڑی میں آ کر چپ چاپ لیٹ گیا اور اپنی اسکیم کے تیسرے مرحلے پر غور و فکر کرنے لگا۔ ابھی تک ہر پرزہ ٹھیک طرح کام کر رہا تھا۔ سنہالی ایجنٹ سنگھو کا آبدوز کے تخریب کاری سے احتراز کرنا اور اسکی تباہی کو اپنے ناٹل ناؤ قیام کے مشن کے لئے خطرناک سمجھنا میرے لئے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ میں نے اس مسئلے سے نمٹنے کا نقشہ بھی اپنے ذہن میں تیار رکھا تھا۔

مجھے جھونپڑے میں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ انسپکٹر ناتھن کچھ گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور اپنے پیچھے کوارٹر میں آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ "کیپٹن مہتہ! ہمیں سب میرین اور دونوں طیاروں میں کسی جگہ بھی کوئی بم نہیں ملا۔"

بم ہوتا تو ملتا۔ بم تو ابھی میرے جھونپڑے میں پڑے تھے۔ میں نے بے چینی سے ٹہلنے کی اداکاری شروع کر دی.... ایک دم سے رک کر انسپکٹر ناتھن کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ لوگوں نے الیکٹرانک ڈی ٹیکٹروں کی مدد سے بھی دیکھا ہے ؟"

انسپکٹر ناتھن ہیٹ تپائی پر رکھ کر کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا اور بولا۔" ہر طرح سے آبدوز اور طیاروں کے ایک ایک کونے کھدرے کی تلاشی لے لی گئی ہے کسی جگہ کوئی قابل اعتراض شے نہیں ملی۔ کیپٹن! کہیں تمہیں غلط اطلاع تو نہیں ملی ....؟ تمہیں کس نے یہ اطلاع دی تھی؟ ہمیں بتاؤ! ہم اس شخص کو گرفتار کر کے ابھی اس سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ یہ بڑا سیریس معاملہ ہے کیپٹن!"

میں نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا" تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اسے بچوں کو کھیل سمجھ رہا ہوں؟ یہ میرے بھارت ورش کی عزت اور وقار کا مسئلہ ہے۔ میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ ہمارا دیش ایٹمی آبدوز اور یورینیم ایسی قیمتی دھات سے محروم ہو جائے؟"

پھر میں نے بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کہنے لگا" مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کم بخت غائب ہو جائے گا' مجھے علم ہوتا تو میں اسے وہیں پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیتا' لیکن وہ مجھے بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ اسی لئے میں نے اسے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے کولمبو سے آئے ہوئے کسی گمنام شخص کے حوالے سے مجھے اشارتاً بتا دیا تھا کہ ایٹمی آبدوز اور طیاروں میں دھماکے سے پھٹ جانے والے مادہ رکھا گیا ہے' پھر وہ چلا گیا۔ میں نے فوراً تمہیں اطلاع کر دی' لیکن اسکے بعد' وہ مشتبہ شخص نہ جانے کہاں غائب ہو گیا؟"

انسپکٹر ناتھن نے اپنے ماتھے کو انگلی سے رگڑتے ہوئے سر جھٹک دیا اور بولا" کاش' وہ شخص ہمارے ہاتھ آ جاتا' مگر وہ اب ہماری پہنچ سے دور نکل گیا ہے۔ وہ تو سری لنکا پہنچ چکا ہو گا' لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہئے کیپٹن مہتہ؟ دھماکہ خیز مواد تو کہیں بھی نہیں ہے نہ آبدوز میں اور نہ رن وے پر کھڑے طیاروں میں؟ بلکہ ہم نے تو ڈی ٹیکٹر کی مدد سے جنگل والے گودام' لیبر آفس اور ہینگر کا بھی چپہ چپہ دیکھ لیا ہے۔"

اب اپنی اسکیم کے تیسرے مرحلے پر عمل شروع کرنے کے فیصلہ کا وقت آ گیا تھا۔ میں بے چینی سے ٹہلتا رہا' پھر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا' جیسے گہری سوچ میں ڈوب گیا ہوں۔ اچانک سر اٹھا کر انسپکٹر ناتھن کو دیکھا اور پوچھا" یورینیم کا بلیک باکس کہاں ہے اس وقت؟"

ناتھن نے جواب دیا کہ وہ آبدوز کے تارپیڈ روم میں رکھا ہوا ہے۔

میں نے جلدی سے کہا۔" فوراً یورینیم کے بلیک باکس کو آبدوز سے نکال کر جنگل والے گودام میں چھپا کر باہر پہرہ لگا دو۔ اس کا علم سوائے تمہارے اور آبدوز کے کمانڈر شیواجی کے اور کسی کو نہیں ہونا چاہئے اور ہاں کل سے تمام مزدوروں کو کام پر آنے دیا جائے۔ انہیں یہ تاثر دیا جائے کہ آبدوز اور طیاروں کی صفائی وغیرہ کا کام ہو رہا ہے۔ میں کل ..... آؤں گا۔"

انسپکٹر ناتھن اسی وقت چلا گیا۔ ابھی تیسرا پہر تھا اور دن کی روشنی جنگل اور کھاڑی میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں کوارٹر سے نکل کر جھونپڑی میں آگیا۔ باہر لکڑیاں چننے کے بہانے میں نے جھونپڑی کے اردگرد گھوم پھر کر اچھی طرح تسلی کر لی۔ وہاں کوئی نہ تھا' پھر جھونپڑی میں آکر کونے میں بوری کے پیچھے مٹی ہٹا کر چاروں پنسل بم نکالے اور غور سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک پرانے زمانے کے انڈی پن کی طرح کے بم تھے' جو کیپ آگے کرنے کے بعد ذرا سے دباؤ اور تھوڑی سی حرکت دینے پر ہی پھٹ جاتے تھے۔ ان دونوں بموں کے رنگ نیلے تھے۔ دوسرے دو بم سرخ رنگ کے تھے اور یہ ٹائم بم تھے۔ ان کی کیپ پر ایک چھوٹا سا سرخ گول ڈائل تھا' جس پر گھڑی کی طرح دائرے میں ایک سے بارہ تک کے ہندسے لکھے ہوئے تھے' ایک سوئی بھی موجود تھی۔ ڈائل کے نیچے دو بٹن تھے۔ سنگھو کے کہنے کے مطابق سوئی کو کسی بھی ہندسے پر لایا جا سکتا تھا۔ نیچے والا بٹن دبا دینے سے بم کے اندر لگے ہوئے کلاک کی ننھی سی گراری چلنے لگتی تھی۔ میں نے چاروں پنسل بم واپس اپنی جگہ پر چھپا دیئے اور بوریئے کو ہٹا کر خشک پتوں کے گدے کے اندر رکھے زہریلے سگار کو دیکھا اور اسے بھی وہیں رہنے دیا۔ اب ان چیزوں کا کام شروع ہونے ہی والا تھا۔

دوسرے دن صبح صبح انسپکٹر ناتھن میرے لئے ڈبل روٹی اور دودھ کا پیکٹ لے کر آگیا۔ اس نے بتایا کہ میری ہدایت کے مطابق یورینیم کے باکس کو آبدوز سے نکال کر جنگل والے گودام میں چھپا دیا ہے اور باہر پہرہ بھی لگا دیا ہے۔ میرے لئے یہ پتا چلانا بہت ضروری تھا کہ یورینیم باکس کس جگہ چھپایا گیا ہے' میں نے کہا۔" کسی ایسی جگہ تو نہیں چھپایا کہ جہاں اس پر نظر پڑ جائے؟ کیونکہ مجھے شک ہے کہ مفرور سنہالی ایجنٹ کا ایک نہ ایک ساتھی حالات کا جائزہ لینے کے لئے یہاں ضرور موجود ہے۔"

انسپکٹر ناتھن کہنے لگا۔" باکس گودام کے کونے میں ناریل کے ڈھیر کے نیچے چھپا دیا گیا ہے۔"

" ویری گڈ۔" میں نے ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے کہا' پھر کچھ پریشانی سے بولا۔" انسپکٹر ناتھن! تم کہتے ہو مشتبہ سنہالی ایجنٹ فرار ہو کر سری لنکا پہنچ چکا ہے' لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ابھی تک یہیں کھاڑی کے کسی خفیہ ٹھکانے میں چھپا ہوا ہے وہ ہمیں بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

انسپکٹر ناتھن بولا۔" اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ ہم یورینیم باکس کو آج رات ہی احمد آباد پہنچا دیں اور ایٹمی آبدوز کو کھاڑی سے نکال کر کھلے سمندر میں لے جائیں۔"

انسپکٹر ناتھن نے کہا۔ "لیکن سینٹرل انٹیلی جینس ہیڈ کوارٹر مدراس سے مجھے رات کو ہدایت ملی ہے کہ میں یورینیم باکس جتنی جلدی ہو سکے کھاڑی کی جیٹی سے نکال کر احمد آباد روانہ کردوں۔ میں نے انہیں یہاں کے سارے حالات کے بارے میں بتا دیا تھا۔ انہوں نے بھی یہ کہا ہے کہ آبدوز کو بھی پانڈی چری کی طرف روانہ کر دیا جائے۔"

میں نے کسی قدر جھنجلا کر کہا۔ "مدراس ہیڈ کوارٹر کو کیا پتا ہے کہ یہاں صورت حال کتنی نازک ہے۔ بھگوان نہ کرے کچھ ہو گیا تو ساری مصیبت ہم پر نازل ہوگی۔ سارا الزام ہم پر ہی دھرا جائے گا تم لوگ آخر کس لئے کھاڑی میں بیٹھے تھے۔ تم لوگوں کو جب خبر مل چکی تھی کی دشمن کے ایجنٹوں نے آبدوز میں بم لگا دیا ہے تو پھر پوری طرح تلاشی لئے بغیر آبدوز کو کھاڑی سے کیوں باہر جانے دیا۔؟"

انسپکٹر ناتھن پر میری اس دلیل کا خاطر خواہ اثر ہوا مگر وہ مایوسی سے سر کو ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن کیپٹن مہتہ! ہم کر بھی کیا سکتے ہیں' جہاں تک تلاشی کا تعلق ہے۔ میں نے اپنی نگرانی میں آبدوز اور دونوں طیاروں کی ایک ایک شے کی پڑتال کی ہے۔ کسی جگہ کوئی ایک کیل بھی فالتو پڑا ہوا.... نہیں ملا۔

اب میں نے اپنی اسکیم کی چوتھی شق پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ "میں خود طیاروں اور آبدوز کی تلاشی لوں گا' لیکن جب میں تلاشی لوں تو اس وقت آبدوز میں سوائے کمانڈر شیوا جی... وہاں عملے کا اور کوئی آدمی موجود نہ ہو۔"

انسپکٹر ناتھن نے کہا۔ "ایسا ہی ہو گا یہ کام تمہیں آج ہی کرنا چاہئے۔ میں ابھی جا کر کمانڈر سے بات کرتا ہوں۔ اس وقت سات بجے ہیں' تم پورے دس بجے کھاڑی میں آبدوز کی طرف آنا۔ کمانڈر شیوا جی کو میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہو گا۔ وہ تم سے صرف کوڈ ورڈ پوچھے گا' جو اشوکا' ہے اور جو تم جانتے ہو۔ یہ کوڈ ورڈ بتا دینا' پھر تم آبدوز کی تسلی کے ساتھ تلاشی لے سکتے ہو۔ اب میں جاتا ہوں یہ میں تمہارے لئے ڈبل روٹی اور دودھ لایا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کھانے پینے کی بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔"

میں نے انسپکٹر ناتھن کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا..... "انسپکٹر ناتھن! بھارت ماتا کی سیوا کرتے ہوئے اگر میری جان بھی چلی جاتی ہے تو یہ میرے لئے سو بھاگیہ کی بات ہو گی۔"

انسپکٹر ناتھن بھی جذباتی ہو گیا۔ اس نے مجھے پہلی بار سیلوٹ کیا اور مکان سے نکل گیا۔ میں نے غسل خانے میں جا کر غسل کیا کوئی چھ روز کے بعد شیو بنائی دھوتی کرتا بدلا اور چائے بنا کر پی' پھر جھونپڑی میں آ کر کونے کی طرف بڑھا اس وقت میں وہ کام کرنے لگا تھا' جو اس مشن کا سب سے خطرناک اور ہلاکت خیز کام تھا۔ میں نے بوری ہٹا کر زمین کے اندر سے دو پنسل بم نکال لئے۔ یہ دونوں سرخ رنگ کے ٹائم بم تھے۔ ان کے عمل کا وقت آ گیا تھا۔ یہ مجھے یقین تھا کہ آبدوز میں داخل ہوتے وقت میری تلاشی لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کمانڈر کو معلوم ہو گا کہ میں راجد ھانی کے

سینٹرل انٹیلی جینس بیورو کا کیپٹن مہتہ ہوں اور ہائی کمان کی جانب سے وہاں آبدوز اور یورینیم کے تحفظ کی خاطر آیا ہوں۔ احتیاط کے طور پر میں نے زہریلا سگار بھی اپنی جیب میں ڈال لیا۔ دونوں پنسل بم میں نے اپنے کرتے کی داہنی جانب والی پہلو میں لگی جیب میں رکھ لئے تھے۔ یہ جیب کرتے میں اتنی نیچے جا کر لگی تھی کہ اس میں ہاتھ ڈالتے وقت مجھے کہنی زیادہ اوپر نہیں اٹھانی پڑتی تھی۔ سگار' میں سامنے والے جیب میں ماچس اور بیڑیوں کے بنڈل کے ساتھ ہی سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ ایک طرح سے میں اپنی موت کے منہ میں جانے والا تھا' لیکن میرا مشن ہی موت کا مشن تھا۔ میں تو جان کا سودا کر کے اپنے ملک کی خدمت کرنے گھر سے نکلا ہوا تھا۔

دس بجنے میں سات منٹ باقی تھے کہ میں نے دل میں کلمہ شریف پڑھا اور کھاڑی کی طرف چل پڑا۔ میں نے آبدوز تک پہنچنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اگرچہ مجھے یقین تھا کہ انسپکٹر ناتھن نے وہاں کے تمام مزدوروں کو دوسری جیٹی کی طرف بھجوا دیا ہو گا۔ تاہم میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا۔ میں نے بیڑی سلگا رکھی تھی۔ جنوبی ہند کی بیڑیاں بڑی تیز اور اعلیٰ قسم کی ہوتی ہیں لیکن اس وقت مجھے اس کا بالکل مزا نہیں آ رہا تھا۔ میری ساری توجہ اس خطرناک کام کی جزئیات کی طرف لگی ہوئی تھیں' ۔ جب میں کھاڑی کی چھوٹی سی جیٹی پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک بالکل ویران پڑی ہے ہلکے نیلے رنگ بلکہ کسی حد تک سلیٹی رنگ کی روسی آبدوز جیٹی کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ اس پر ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ سیڑھی کی دونوں جانب بحریہ کے دو وردی پوش سپاہی اسٹین گنیں اٹھائے چاق و چوبند کھڑے پہرا دے رہے تھے۔ میں سیڑھی کی طرف بڑھا تو مجھے آبدوز کے برج پر ایک بھاری جسم اور گہری سانولی رنگت والا آدمی نیچے اترتا دکھائی دیا۔ اس نے کمانڈر کی وردی پہن رکھی تھی۔ میں آبدوز کے قریب پہنچا تو دونوں پہرے داروں نے اپنی اسٹین گنوں کا رخ میری طرف کر دیا اور چلا کر مجھے وہیں رکنے کا حکم دیا۔

کمانڈر اب جیٹی کے فرش پر آ گیا تھا۔ اس نے میری طرف ایک نظر دیکھا۔ ہاتھ کے اشارے سے گارڈ کے سپاہیوں کو اسٹین گنیں نیچی کرنے کا حکم دیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا میری طرف آیا۔ میں بھی اپنی جگہ رک گیا تھا۔ وہ مجھ سے دو قدم کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ اس کی چمکیلی بھوری آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس وقت اپنی موت کے روبرو تھا۔ میری ایک جیب میں زہریلا سگار اور دوسری جیب میں انتہائی دھماکا خیز دو پنسل بم تھے' اگر وہ میری تلاشی لے لیتا تو پھر میری موت یقینی تھی۔ کمانڈر نے تامل زبان میں آہستہ سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے اپنی آواز میں بے حد سنجیدگی اور وقار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اشوکا۔"

کمانڈر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

کمانڈر آگے آگے اور میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ گارڈ نے اسٹین گنیں پیچھے اٹھائی تھیں

صرف یہ سوچ کر کہ میرا دل دھڑک رہا تھا کہ کہیں آبدوز میں داخل ہونے سے پہلے کمانڈر ضابطے کا حوالہ دے کر میری تلاشی نہ لے بیٹھے۔ اس وقت واقعی میرے دل کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ سیڑھی چڑھنے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ آبدوز کے عرشے کے وسط میں مجھے کوئی گارڈ دکھائی نہ دیا۔ میری ہدایات پر پورا پورا عمل کیا گیا تھا۔ ابھی تک کمانڈر نے میری تلاشی نہیں لی تھی۔ آبدوز میں داخل ہوتے سے اس بات کا خطرہ تھا۔ کمانڈر فولادی دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور انگریزی میں کہا۔ "کیپٹن! مجھے تمہارے بارے میں بریف کر دیا گیا ہے۔ ہم نے سب میرین کی تین بار الیکٹرانک ڈی ٹیکٹر کی مدد سے پڑتال کی ہے۔ بہر حال، تم بھی اپنی تسلی کر سکتے ہو..... میرے پیچھے آؤ۔"

میں نے ایک گہرا سانس بھر کر خدا کا شکر ادا کیا۔ میری تلاشی کا خطرناک ترین مرحلہ گزر گیا تھا۔ کمانڈر کے پیچھے پیچھے میں بھی دروازے کے گول سوراخ میں سے نیچے زینہ اترنے لگا۔ آبدوز کے اندر ہلکی ہلکی خنکی تھی۔ آبدوز ائرکنڈیشنڈ تھی۔ کمانڈر کوریڈور کی طرف بڑھا تو میں نے انگریزی میں اسے کہا۔ "میں سب سے پہلے پیری اسکوپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

کمانڈر رک گیا۔ "ڈی ٹیکٹر، کنٹرول روم میں ہے۔ تم اس کے بغیر کیسے پتا چلا سکو گے؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "کمانڈر! ہماری نظریں فولاد کی تہ تک پہنچ جاتی ہیں۔"

پھر میں نے کمانڈر کو اشارہ کیا۔ اس نے پیری اسکوپ کو نیچے کھینچ کر میرے چہرے کے برابر کر دیا۔ میں نے اسکی چاروں طرف گھوم کر اسے ہاتھ لگائے بغیر جھک کر غور سے دیکھا، پھر اس کے ہینڈل کے ساتھ ناک لگا کر سونگھا۔ یہ محض ڈراما تھا۔ کمانڈر پر رعب جمانے کے لئے، ورنہ سونگھنے سے بھلا کسی بم کا پتا چلتا ہے؟ کمانڈر خاموش میرے پاس کھڑا میری ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا، میں نے اس کی طرف دیکھ کر انگریزی میں کہا۔ " طاقت ور خفیہ بموں کی ایک خاص بو ہوتی ہے، جسے صرف ہماری ناک محسوس کر سکتی ہے۔ اب میں کنٹرول روم اور پھر تارپیڈو روم دیکھنا چاہوں گا۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو؟"

کمانڈر نے ذرا سا کندھا اچکایا اور بولا۔ "بخوشی!"

روسی ساخت کی یہ ایٹمی آبدوز واقعی انتہائی جدید ترین آلات سے لیس ایک حیرت انگیز آبدوز تھی۔ راہداری اتنی تنگ نہیں تھی جتنی کہ عام طور پر آبدوزوں کی ہوا کرتی ہے...... اور جہاں آتے جاتے وقت جوانوں کو دیوار کے ساتھ لگ کر راستہ دینا پڑتا ہے۔ اس راہداری میں دو آدمی کاندھے سے کاندھا ملا کر چل سکتے تھے۔ کنٹرول روم کسی خلائی جہاز کے کنٹرول روم کا نمونہ تھا۔ اس قدر ڈائل اور کمپیوٹر لگے ہوئے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک بات بڑی حوصلہ افزا تھی کہ میری ہدایت ہی کے مطابق عملے کا کوئی رکن سوائے کمانڈر کے آبدوز میں موجود نہیں تھا۔ اب مجھے صرف کمانڈر

کی نگاہوں سے بچ کر اپنا اصلی کام کرنا تھا۔ اسکے لئے بھی میں نے صرف ایک ترکیب سوچ رکھی تھی۔ یہاں کمانڈر نے مجھے چھوٹا سا الیکٹرانک ..... ڈی ٹیکٹر بھی دے دیا۔ میں نے اسکی مدد سے کنٹرول روم کو کھنگالنا شروع کر دیا۔ میں نے ایسی ایسی جگہوں کی تلاشی لی کہ جہاں میرا خیال ہے کہ کمانڈر کی نگاہ نہیں گئی ہو گی۔ مثلاً سب سے پہلے میں نے کاؤنٹر کے رکھے ہوئے اسٹولوں کو چیک کیا۔ ان کے نیچے ڈی ٹیکٹر لگا کر دیکھا' پھر کمپیوٹروں' ڈائلوں اور فولادی چرخیوں کو چیک کیا۔ اس کے بعد' کمانڈر سے کہا کہ تارپیڈو روم میں چلنا ہو گا اب۔

وہ مجھے تارپیڈو روم میں لے گیا۔ یہاں بیک وقت تین تین کے حساب سے تارپیڈو لگے ہوئے تھے۔ باقی کوئی درجن بھر تارپیڈو فولادی کلپوں سے جکڑے ہوئے ایک بہت بڑے .... سوکٹ میں پڑے تھے۔ میرا ٹارگٹ یہی تارپیڈو تھے ..... ان تارپیڈو کے ساتھ لگے ہوئے ٹائم بم جو جاہی مچاتے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے اس امر کا یقین تھا کہ چونکہ یہ امن کا زمانہ ہے۔ اس لئے ان تارپیڈو کی طرف آنے کی کسی کو کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ اب مسئلہ وہاں سے کمانڈر کو چند لمحوں کے لئے ہٹانے کا تھا۔ اس کام کے لئے ایک ترکیب میں نے پہلے ہی سوچ رکھی تھی۔ میں نے حسب معمول یہاں بھی ڈی ٹیکٹر کی مدد سے غیر موجود بموں کی تلاشی کا کام شروع کر دیا' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ڈراما شروع کر دیا۔ میں نے پش بٹنوں کو دیکھا۔ ٹارگٹ متعین کرنے والے ڈائل اور ریڈار اسکرین کے ساتھ ڈی ٹیکٹر لگا کر چیکنگ کی' پھر دو الگ الگ خانوں میں رکھے بارہ پیڈوز کا باری باری معائنہ کیا۔ اس دوران میں کمانڈر شیواجی سے انگریزی میں اس پر اپنا اثر جمانے کے لئے پردھان منتری اندرا گاندھی کے ساتھ اپنی بعض انتہائی خفیہ نوعیت کی ملاقاتوں کا ذکر بھی کرتا جا رہا تھا۔ اپنے ڈرامے کا کردار ادا کرتے ہوئے میں سوکٹ میں رکھے درجن بھر تارپیڈوز کے انبار کی طرف بڑھا' جو اس وقت میرا ٹارگٹ تھا۔ تارپیڈوز کا یہ سوکٹ فرش سے کوئی پانچ فٹ تک بلند تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے تارپیڈوگنوں کے کھلے اور گول بند سوراخوں کے اوپر بائیں جانب دیوار کے ساتھ لگے ایک جالی دار بیضوی اسپیکر کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا' مجھے معلوم تھا کہ اس اسپیکر پر کنٹرول روم سے فائر آرڈر دیا جاتا ہے۔ میں نے بیضوی اسپیکر کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کمانڈر سے کہا۔ "سر! اس اسپیکر پر کنٹرول روم سے فائر آرڈر دیا جاتا ہے؟"

کمانڈر نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کمانڈر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "کمانڈر! ہماری ملٹری انٹیلی جینس کی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق امریکہ اور مغربی جرمنی میں اسے چھوٹے ٹائم بم سبوتاژ کرنے کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں' جن پر ڈی ٹیکٹر کی لہریں اثر نہیں کرتیں۔ ایسے ٹائم بم.... اسپیکروں کے سوکٹ کے پیچھے دیوار کے پائپ میں کسی جگہ لگا دیئے جاتے ہیں۔

کمانڈر کی نسواری موٹی موٹی مونچھیں اوپر کو اٹھ گئیں۔ "تو کیا ہمیں دیوار کا سارا حصہ اکھاڑ کر

دیکھنا ہو گا۔ کیونکہ تار کا پائپ تو دیوار کے اندر ہے"

میں نے مسکرا کر کہا اور دیکھا اور کہا نو سر! اسکی ضرورت نہیں پڑے گی ۔ ایسے خطرناک اور خاموش ٹائم بموں کے بارے میں ابھی حال ہی میں بمبئی آفس میں ہمارا ایک ریفریشر کورس ہوا تھا۔ اس میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ اگرچہ اس قسم کے ٹائم بم کو ڈی ٹیکٹر پک اپ نہیں کر سکتا لیکن جب اسپیکر میں سے آواز کی لہریں بجلی کی لہروں سے مل کر گونجتی ہیں تو اس قسم کا ٹائم بم اگر وہاں پچاس گز کے رقبے میں کہیں لگا ہو تو ڈی ٹیکٹر کی سوئی مرتعش ہو کر اس کا پتا چلا لیتی ہے۔"

یہ ایسی چکر دار اور ٹیکنیکل بات تھی اور اتنے پر اعتماد لہجے میں کہی گئی تھی کہ کمانڈر شیوا جی سوائے اثبات کے سرہلانے کے اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ میں نے اب اسے کہا۔ " سر! آپ اگر گستاخی نہ سمجھیں تو کنٹرول روم میں جا کر اسپیکر پر تین بار اپنا نام دہرائیں۔ اس دوران میں اگر یہاں کہیں دشمن نے ٹائم بم لگا رکھا ہو گا تو میں اس کا سراغ لگانے میں یقیناً کامیاب ہو جاؤں گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ کمانڈر شیوا جی جانے سے کچھ ہچکچا رہا ہے۔ تب میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔" آئی ایم سوری سوری! لیکن بھارت ورش کی سلامتی اور اپنی بحریہ کے وقار اور عزت کے لئے آپ کو یہ تکلیف کرنی ہی ہو گی کیونکہ یہاں آپکے سوا دوسرا کوئی نہیں' جو اسپیکر پر کنٹرول روم سے کوئی بات کر سکے۔"

اب کمانڈر کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے سر کو ایک بار پھر اثبات میں سرہلایا اور بولا۔" میں تین بار اپنا نام بولوں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔" سر آپ چاہے بھارت کا نیشنل اینتھم گا دیں۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف تین بار اس میں آواز کی لہریں پیدا ہونی چاہئیں۔"

کمانڈر شیوا جی اپنے بھاری کندھے ہلاتا ہوا تارپیڈو روم سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے گنتی شروع کر دی۔ جب میں تیس کے ہندسے تک پہنچا تو اسپیکر میں سے کمانڈر شیوا جی کی آواز بلند ہوئی۔ " ہیلو' ہیلو! میں شیوا جی بول رہا ہوں۔"

میں نے اسے بولنے دیا اور خود چھلانگ لگا کر بارہ تارپیڈوز کے اونچے سوکٹ کے پیچھے گھس گیا۔ میں نے گنتی شروع کر دی' مجھے معلوم تھا کہ مجھے بیس کی گنتی تک اپنا کام ختم کر دینا ہو گا کیونکہ جب میں تیس کے ہندسے تک پہنچوں گا تو کمانڈر واپس تارپیڈو روم میں آجائے گا اس میں' میں نے کمانڈر کے اسپیکر پر تین بار اپنا جملہ دہرانے کا ٹائم بھی شامل کر لیا تھا۔ میں نے تارپیڈوز کے آتے ہی جیب سے دونوں پنسل بم نکالے۔ انتہائی پھرتی سے دونوں کے ٹائم بم کی سوئی کو تین بار بارہ کے ہندسے تک گردش دی۔ اس حساب سے میں نے ٹائم بموں کو اڑتالیس گھنٹوں تک کا وقت دے دیا تھا۔ دونوں پنسل بم میں..... مقناطیس تھا۔ میں نے انہیں ہاتھ اندر کر کے دو تارپیڈوز کے ساتھ اس طرح چپکا

دیا کہ وہاں سے اگر کوئی جھک کر بھی دیکھتا تو اس کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں اچھل کر باہر آگیا اور ڈی ٹیکٹر ہاتھ میں لے کر اسپیکر کے بالکل نیچے کھڑے ہو کر ڈی ٹیکٹر کی سوئی پر نظریں جمادیں۔

اتنے میں مرہٹہ کمانڈر اندر آگیا۔ آتے ہی اس نے انگریزی میں سوال کیا۔ "ویل کیپٹن! کیا ہم محفوظ ہیں؟"

میں نے چھت کی طرف سے انگلی اٹھاتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کمانڈر! بھگوان کی ہم پر بڑی کرپا ہے۔ ہماری آبدوز دشمن کے سبوتاژ سے بالکل محفوظ ہے' یہاں کوئی ٹائم بم نہیں ہے۔"

میں نے جیسے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے ڈی ٹیکٹر کمانڈر کی طرف بڑھایا۔ میں نے پہلی بار کمانڈر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے دیکھی۔ اس نے ڈی ٹیکٹر مجھ سے لے لیا اور ہم باہر راہداری میں آگئے ڈی ٹیکٹر اس نے کنٹرول روم میں رکھ دیا اور مجھ سے باتیں کرتا ہوا پیری اسکوپ کے پاس آکر بولا "کیپٹن مہتہ! تم جس حلیئے میں ہو اسے دیکھ کر کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ تم اتنے ذہین' پڑھے لکھے اور تجربہ کار آفیسر ہو۔"

میں نے عاجزی سے کہا۔ "سر! بھارت ماتا کی سیوا کے لئے سب بھیس بدلنے پڑتے ہیں اور پھر یہ تو دیش کی سلامتی اور رکھشا کا معاملہ ہے اس کے لئے تو مجھے جیون دان بھی دینا پڑے تو اسے میں اپنی مکتی سمجھوں گا۔"

کمانڈر نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور کہا "اب تم اکیلے بھی جا سکتے ہو' تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تھینک یو کیپٹن' کیا خیال ہے' اب ہمیں یہاں سے موو کر جانا چاہئے۔"

"کیوں نہیں سر! آپ کی سب میرین صاف ہے۔ آپ جب چاہیں موو کر سکتے ہیں۔"

میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب جتنی جلدی ہو' یہ آبدوز کنیا کماری کی کھاڑی سے نکل کر کسی دوسرے علاقے میں جا کر پھٹے تاکہ میں یہ کہہ سکوں کہ آبدوز میں بم دوسرے علاقے کے کسی تخریب کار نے رکھا ہوگا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کمانڈر شیواجی کو نمسکار کیا اور زینہ چڑھ کر آبدوز کے ڈیک پر آگیا۔ یہاں سے میں سیڑھی کے ذریعے جیٹی پر آگیا' جو ابھی تک ویران پڑی تھی۔ دونوں گارڈ اسی طرح چاق و چوبند اسٹین گنیں اٹھائے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے میری طرف ترچھی نظروں سے دیکھا اور اپنی جگہ پر کھڑے رہے انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اگر وہ اسی .... آبدوز کے سیکورٹی اسٹاف میں سے ہیں تو ان کی زندگی کے صرف اڑتالیس گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔

جیٹی کے فرش پر چلتا ہوا' جب میں ایک ڈھلان اتر کر درختوں میں آیا تو مجھے یوں محسوس ہوا' کہ جیسے کسی نے میرے سر کے اوپر سے پوری آبدوز اٹھا کر نیچے رکھ دی ہے۔ بہت بڑا بوجھ تھا' جو

میرے سر سے اتر گیا۔ میری اسکیم کا یہ مرحلہ بھی کم از کم میری طرف سے بخیر و خوبی پورا ہو گیا تھا۔ اب آخری مرحلہ باقی تھا۔ میں درختوں کے نیچے سے گزرتا ہوا جب کوارٹر کے پاس پہنچا تو اچانک سنگھو ایک درخت کے پیچھے سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ بیڑی اس کے منہ میں تھی اور وہ تیکھی چمکیلی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

میں ایک بار تو ہڑبڑا سا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک انتہائی خطرناک کام کر کے چلا آ رہا تھا۔ سنگھو اچانک سامنے آیا تو میں چونک سا گیا۔ میں نے فوراً اپنے اعصاب کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ادھر کوئی خاص کام نہیں تھا میں نے چھٹی کر لی۔ تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ مزدور تو دوسری جیٹی پر ہیں۔"

پہلی بار میں نے اس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں دیکھیں، جیسے وہ مجھے ڈبل ایجنٹ سمجھ رہا ہو۔ یہ بڑی ہلاکت خیز بات تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے بیڑی منہ سے نکال کر نیچے پھینک دی اور بولا "بس سیر کر رہا تھا جنگل کی۔ آج موسم خوشگوار ہے۔" اس سے پہلے کہ میں کوئی اور بات کرتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسری جیٹی کی طرف چل دیا۔ اس شخص کے بارے میں، میں نے ایک ننھی سی اسکیم کا خاکہ تیار کر رکھا تھا۔ اس خاکے پر مجھے اس وقت عمل کرنا تھا، جب مجھے یہ شبہ پڑ جائے کہ اسے مجھ پر ڈبل ایجنٹ کا شک ہو گیا ہے۔ اس کا یہ شک بھارت میں میرے طویل مشن اور طویل قیام کو تباہ کر سکتا تھا۔ میں سنگھو کے بارے میں مزید غور کرتا ہوا اپنی جھونپڑی میں جا کر بوریئے پر لیٹ گیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد انسپکٹر ناتھن آ گیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی، کہنے لگا "میں نہ کہتا تھا کیپٹن کہ ہم نے آبدوز کے ایک ایک کونے کو کھنگالا ہے۔ کمانڈر نے مجھے فون کر بتایا ہے کہ تم بھی چیکنگ کے بعد مطمئن ہو۔ چلو اچھا ہوا کیپٹن! اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اس مصیبت کو یہاں سے روانہ ہی کر دیا جائے تو ہمارے لئے اچھا ہو گا۔"

میں بھی یہی چاہتا تھا۔ میں نے اسکی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "انسپکٹر! تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے ویسے اب کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔ آبدوز ایک نومولود بچے کی طرح پاک صاف اور بے ضرر ہے۔"

انسپکٹر ناتھن میرے قریب ہی بوریئے پر بیٹھ گیا... کہنے لگا۔ "میں نے کمانڈر کو کہہ دیا ہے کہ کل ہی کھاڑی سے روانہ ہو جائے۔ اس نے پانڈی چری کا کورس سیٹ کیا ہے۔ میں نے تو اسے یہی مشورہ دیا ہے کہ سری لنکا اور بھارت کے درمیان کا سمندر عبور کرنے میں کئی خطرے ہیں۔ کیونکہ اس سمندر میں ان دنوں سری لنکا کے ایجنٹوں کی سرگرمیاں بہت تیز ہیں، لیکن وہ پانڈی چری جانے پر ہی اصرار کر رہا ہے۔"

اس دوران میں، میں نے ذہن سے حساب لگا لیا تھا کہ ایٹمی آبدوز کی زیر سمندر رفتار عام آبدوزوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ پانڈی چری بھارت کے تامل ناڈو صوبے کے مشرقی ساحل کی بندرگاہ

تھی اور یہ آبدوز کنیا کماری سے چل کر پانڈی چری کے ساحل پر ایک دن میں پہنچ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہاں پہنچنے کے بارہ گھنٹے بعد آبدوز کے پرخچے اڑ جائیں گے اور وہ اس وقت پانڈی چری کی بندرگاہ پر ہی لنگر انداز ہوگی۔ میں آسانی سے اپنا دامن بچا سکتا تھا اگر وہ آگے بھی نکل گئی تو اسکی تباہی سمندر میں ہوئی' جب بھی پانڈی چری کی بندرگاہ پر اس کا قیام میرے لئے یہ جواز مہیا کرنے کے لئے کافی تھا کہ آبدوز میں بم کسی سنہالی ایجنٹ نے رکھا ہوگا۔ چنانچہ میں نے انسپکٹر ناتھن سے کہا۔ "ٹھیک ہے وہ جہاں جانا چاہتا ہے' اسے جانے دو۔ یہ اس کی ڈیوٹی اور اس کا کام ہے' لیکن کیا وہ یورینیم اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا؟"

"نہیں۔" انسپکٹر ناتھن بولا۔ "ہمیں مدراس سے سگنل مل گیا ہے' جس میں یہی فیصلہ کیا گیا ہے۔ یورینیم باکس بذریعہ طیارہ احمد آباد پہنچایا جائے۔ کل کمانڈر آبدوز لے کر جب کھاڑی سے نکل جائے گا تو ہم یورینیم باکس بھی احمد آباد کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اسکے لئے طیارہ رن وے پر تیار کھڑا ہے۔ میں نے اس پر پوری گارڈ کا پہرہ لگا دیا ہے۔"

میرا اندازہ یہ تھا کہ یورینیم باکس بھی آبدوز کے ساتھ ہی جائے گا' لیکن اب معلوم ہوا کہ یورینیم کی منزل اور ہے اور آبدوز کا رخ کسی دوسری طرف ہے۔ دوسرے الفاظ میں اب یورینیم باکس کو بھی ٹھکانے لگانا ہوگا۔ میں نے انسپکٹر ناتھن سے کہا۔ "اچھا ہے انسپکٹر! اس ذمے داری کو جتنی جلدی ادا کر دیا جائے ہمارے لئے بہتر ہے۔ طیارے کو روانہ ہونے سے پہلے ایک بار پھر چیک کر لینا۔"

انسپکٹر بولا۔ "یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے' لیکن کیپٹن مہتہ' سنہالی ایجنٹ کا فرار ہو جانا ہمارے حق میں اچھا نہیں ہے۔ مجھے اب بھی شک ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں سبوتاژ ضرور کرے گا۔ تمہیں اس کا حلیہ تو یاد ہوگا؟"

میں نے یونہی کہہ دیا کہ وہ ناٹے قد کا کالا کلوٹا سا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ جیٹی پر کام نہیں کرتا تھا بلکہ باہر سے یہاں سراغ رسانی کرنے آتا تھا۔ میں نے اسے پہلی بار جیٹی کی کینٹین پر دیکھا تھا تو مجھے اسکی حرکتوں پر کچھ شک سا ہوا میں نے اس کا سراغ لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ قصبے سے باہر کسی جھونپڑے میں رہتا ہے۔ وہاں میں اس کے لئے مچھلی لے کر گیا اور اس سے دوستی کر لی۔ اب میں تمہیں اپنی ساری رپورٹ نہیں دے سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اس کا اتنا اعتماد حاصل کر لیا کہ اس نے مجھے اشارہ دے دیا کہ وہ کہیں دھماکا خیز مواد لگا چکا ہے۔ اس کے بعد' وہ ایسا غائب ہوا کہ آج تک نظر نہیں آیا۔"

میں نے سر کھجاتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے زچ کرنے کے لئے یا کسی غلط راہ پر لگانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اس میں اس کا کیا منشا تھا؟ یہ مجھے معلوم نہیں۔ بہرحال' تم اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اس کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کے ماتھے

پر بائیں جانب زخم کا آدھ انچ لمبا نشان ہے اور اگلا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔"

یہ میں نے اپنے بیان کو مزید پختہ بنانے کے لئے کہا تھا' تاکہ انسپکٹر ناتھن کو یقین ہو جائے کہ اس کے بعد' جو آبدوز میں دھماکا ہونے والا تھا۔ اس میں تخریب کار یا اس کے کسی ساتھی کا ہاتھ تھا۔ انسپکٹر ناتھن نے اسی وقت جیب سے نوٹ بک نکال کر میرے فرضی سنہالی جاسوس کی یہ دونوں نشانیاں نوٹ کر لیں۔ نوٹ بک کو جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔" کل جب یورینیم باکس یہاں سے روانہ کر دیا جائے گا تو پھر تم اگر چاہو تو اس جھونپڑی کو چھوڑ کر سامنے والے کوارٹر میں چلے جانا اور بے شک رات کو بتی جلا لیا کرنا' پھر تو تمہیں مزدور کے حلیئے میں جیٹی پر آنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہہ دوں گا کہ دنکنا واپس اپنے گاؤں چلا گیا ہے۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے۔ آگے تم اپنے بارے میں جو بہتر سمجھو کر سکتے ہو۔ اب میں جاتا ہوں۔"

میں نے کان کھجاتے ہوئے اس سے بڑا اہم سوال بے نیازی سے کہا۔" طیارہ کل کس وقت اڑے گا؟"

انسپکٹر ابھی جھونپڑے کے اندر ہی تھا۔ ٹانگوں پر آہستہ آہستہ بید مارتے ہوئے بولا۔" چیکنگ کرنے میں تھوڑی دیر لگ جائے گی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ گیارہ بارہ بجے تک پرواز کر جائے گا۔ یورینیم باکس ہم صبح ہی گودام سے نکال لیں گے۔"

" بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ جب انسپکٹر ناتھن چلا گیا تو میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یورینیم کے بارے میں میری اسکیم کچھ اور تھی لیکن اب مجھے دوسرے ٹریک پر غور و فکر کی ضرورت تھی۔ یورینیم اس وقت میری پہنچ سے دور تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس سلسلے میں میرے سامنے تین راستے تھے۔ پہلا یہ کہ میں یورینیم کو دھماکے سے اڑا دوں۔ دوسرا یہ کہ میں یورینیم کو وہاں سے اٹھا کر جنگل میں کسی جگہ زمین کے اندر دفن کر کے غائب کر دوں اور تیسری ترکیب یہ تھی کہ باکس کے اندر سے یورینیم نکال کر اس کی جگہ مٹی وغیرہ بھر دوں۔ پہلی دونوں اسکیموں پر عمل کرنے سے دلی ہیڈ کوارٹر مجھ سے وضاحت طلب کر سکتا تھا کہ میں نے ایسے حفاظتی اقدامات کیوں نہ کئے کہ یورینیم کو بچایا جا سکتا۔ دوسری جانب انہیں آبدوز کی تباہی کی اطلاع بھی مل جانی تھی۔ یہ دونوں تخریبی واقعات مجھ پر شدید طور پر اثر انداز ہو سکتے تھے اور ممکن تھا کہ مجھے بلیک لسٹ کرنے کے بعد' میری خفیہ نگرانی بھی شروع کر دی جائے۔ تیسری ترکیب پر عمل کرتے ہوئے اگر میں کسی طرح باکس کھول کر اصلی یورینیم نکالنے کے بعد' اس کی جگہ مٹی بھر دینے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو یہ الزام ماسکو یا کسی دوسری بندر گاہ پر موجود غیر ملکی ایجنٹ پر بھی لگایا جا سکتا تھا۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس دوران میں مجھے یورینیم باکس کا جائزہ بھی لینا تھا اور اس میں سے یورینیم نکال کر کسی پوشیدہ جگہ پر زمین کے اندر دفن

کرنا تھا۔ میں نے اس تیسری ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی میں میری عافیت تھی اور میں اپنی کھال بچا سکتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ جس گودام میں یورینیم باکس پڑا ہے۔ وہاں تو بحریہ کا ایک گارڈ پہرہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو میں اسے ہلاک کر کے گودام میں داخل ہوں یا اس کی نظریں بچا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کروں۔ گارڈ کو ہلاک کر دینا میرے لئے آسان تھا لیکن اس صورت میں وہی مشکل سامنے آجاتی تھی کہ یورینیم کنیا کماری میں ہی غائب کیا گیا ہے' جہاں میں بھی موجود تھا۔ یہ بات مجھ پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔ مجھے گارڈ کی آنکھ بچا کر مال گودام میں گھسنا ہو گا۔ اس کے لئے مال گودام کی عقبی دیوار کا جائزہ لینا ضروری تھا۔

چنانچہ میں جھونپڑی سے نکلا اور جنگل میں مشرق کی طرف چل پڑا۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر میں گودام کے عقبی ۔۔۔۔ درختوں میں آکر ایک جھاڑی کے پیچھے یوں بیٹھ گیا' جیسے جنگل میں چہل قدمی کرتے کرتے تھک گیا ہوں اور ذرا ستانے کو بیٹھا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ گودام کی عقبی دیوار میں اوپر کی طرف سے ایک مستطیل روشن دان تھا' جس پر جالی دار چوکھٹا لگا تھا۔ کمند کے ذریعے اگر میں اندر داخل ہوتا تو مجھے یہ جالی کاٹنا ہو گی' جو خطرناک کام تھا۔ گارڈ کو پتا چل سکتا تھا۔ گودام کی دیوار میں اور کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ میرے قریب ہی زمین پر کچھ ناریل گرے ہوئے تھے۔ میں نے دو ناریل اٹھائے اور جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ جھونپڑی میں آکر میں سوچ میں پڑ گیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سورج غروب ہونے لگا تھا اور ناریل کے درختوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔ ابھی تک میں کسی ایک فیصلے نہیں پہنچ سکا تھا۔ مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ صرف ایک رات تھی۔ ایک رات کے اندر اندر' مجھے اپنے آپریشن کو مکمل کرنا تھا۔ میرے پاس کوئی کمند نہیں تھی اور بند روشن دان پر کمند ڈالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ خاص طور پر جب دوسری طرف بحریہ کا چاق و چوبند اسٹین گن بردار سپاہی پہرہ دے رہا ہو۔ ایک دم سے میرے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ میں نے فوراً اس پر عمل کرنے کے فیصلہ کر لیا۔ ان حالات میں اس سے بہتر ترکیب میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ رات کے نو بجے گارڈ کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے اور دوسرا سپاہی پہرے پر آجاتا ہے' جو صبح چار بجے تک پہرہ دیتا ہے' مجھے اپنا ایکشن پلان رات کے دس بجے شروع کرنا تھا۔ میں نے اسکی تیاریاں شروع کر دیں۔ تیاری صرف اتنی تھی کہ میں نے اپنی ایک پرانی لنگی کو لمبے رخ پر پھاڑ کر اسکی پگڑی بنائی۔ اس پگڑی کو مجھے رات کے اندھیرے میں جھونپڑی سے نکلتے وقت اپنے سر پر اس طرح باندھنا تھا کہ میرے چہرے پر سوائے آنکھوں کے اور کوئی شے نظر نہ آئے۔ یہ حفظِ ماتقدم کے لئے تھا۔ اس کے علاوہ میں نے پلاسٹک کا ایک بڑا تھیلا سکیڑ کر اپنی دھوتی میں اڑس لیا' مجھے چاقو چھری کی ضرورت نہیں تھی۔

رات ہو گئی۔ میری رسٹ واچ اب میرے پاس ہی تھی۔ جب رات کے پونے گیارہ بج گئے تو

میں نے پھاڑی ہوئی لنگی کا سر پر منڈا سا باندھا اور اندھیرے میں جھونپڑی سے نکل پڑا۔ اپنی اسکیم کے مطابق ' میں جنگل میں بائیں طرف سے ہوتا ہوا گودام کے عقب میں آ گیا۔ یہ سارا علاقہ دن کی روشنی میں میرا دیکھا بھالا تھا۔ میں ایک ایک نشیب و فراز سے واقف تھا۔ میں پھونک پھونک کر ایک تجربہ کار کمانڈو کی طرح قدم اٹھا ہوا گودام کے قریب ایسی جگہ پر آ گیا' جہاں سے مجھے اندھیرے میں پہرہ دیتے ہوئے گارڈ کا ہیولا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں بیٹھ گیا اور گارڈ پر اپنی نظریں جما دیں۔ گارڈ ناٹے قد کا تھا اور بیزاری سے گودام کے بند دروازے کے آگے ٹہل رہا تھا' پھر وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ یا بیڑی نکال کر لائٹر سے سلگائی۔ ایک شعلہ سا چمکا۔ گارڈ کا چہرہ ایک سیکنڈ کے لئے نظر آیا اور پھر اندھیرے چھا گیا۔ اس دھیمی سی روشنی میں سے مجھے یہ پتہ چل گیا تھا کہ گارڈ کس رخ پر بیٹھا ہے۔ اسی حساب سے میں نے زمین پر لیٹ کر پیش قدمی شروع کر دی۔ میری نگاہیں کسی خونخوار چیتے کی طرح اپنے ٹارگٹ پر تھیں۔ میں سانپ کی طرح رینگ رہا تھا۔

شبنم کی وجہ سے گھاس گیلی ہو رہی تھی اور میرے چلنے کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ آگے کھلی جگہ آ گئی۔ میں بے دھڑک آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ وہاں سے مجھے دیکھا بھی جا سکتا تھا۔ اتنی دور سے میں اپنے شکار پر چھلانگ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اتنے میں گارڈ اپنی جگہ سے اٹھا۔ میں تیزی سے ایک جھاڑی کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے اپنا سانس روک لیا۔ گارڈ سگریٹ پیتے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ اسٹین گن اس کے کاندھے سے لٹک رہی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں اسے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا۔ گولی چلنے سے جیٹی کی طرف سے دوسرا پہرے دار بھی بھاگ کر وہاں آ سکتے تھے۔ میں نے زمین کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہاں کوئی پتھر یا تھوڑا وزنی کنکر مجھے نہ ملا۔ میں اپنی جگہ پر ساکت لیٹا ہوا آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ نظریں گارڈ پر جمی تھیں۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا' تھوڑا سا کھانسا اور پھر پتھر پر بیٹھ گیا اور سگریٹ پینے لگا۔ یہ میرے لئے شاید آخری موقع تھا۔ میں نے اپنا رخ بدل لیا اور گیلی گھاس پر رینگتا ہوا دوسری جانب اسکے عقب میں آ گیا۔ یہ کام کوئی آسان نہیں تھا۔ میری برسوں کی مہارت اور تجربہ کام آ رہا تھا' مجھے معلوم تھا کہ زمین پر اندھیرے میں بغیر آواز پیدا کئے کیسے رینگا جاتا ہے۔ میں جہاں ہاتھ یا پاؤں رکھتا تھا۔ ایک سیکنڈ کے لئے وہاں جم جاتا تھا اور ہلکی سی جنبش بھی نہیں کرتا تھا۔ اسکے بعد ' پھر آگے بڑھتا تھا۔ اب میں رک گیا۔ میں منہ سے اس طرح سانسیں لے رہا تھا کہ میرا منہ کھلا تھا۔ اور سانس بغیر آواز کے میرے منہ سے آہستہ آہستہ جاری تھا۔ ایسے موقعوں پر ناک سے سانس لینا خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس طرح سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ میں دل ہی دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ سپاہی اپنی جگہ سے اٹھ کر پھر نہ ٹہلنا شروع کر دے کیونکہ میں اس کے عقب میں بمشکل کوئی پندرہ منٹ کے فاصلے پر جنگلی گھاس میں ایک مگرمچھ کی طرح اس پر نگاہیں جمائے لیٹا تھا۔ پہرے دار نے سگریٹ زمین پر پھینکا اور اسے پاؤں سے مسلنے لگا۔ اب اسکے کسی وقت بھی اٹھنے کا امکان تھا۔ میں اسے

مہلت نہیں دے سکتا تھا۔ اپنے بے حس جسم کو مگر مچھ کی طرح بالکل سیدھ میں رکھے' میں اپنے دونوں پنجوں سے زمین پکڑے انتہائی عیاری سے آگے بڑھا۔ جب میں نے دیکھ لیا کہ اب فاصلہ مناسب ہے تو اپنے دونوں گھٹنوں کو سمیٹ کر پیٹ کے ساتھ لگایا' پھر وہی ہوا' جس کا مجھے گہرا تجربہ تھا۔

میں ایک بجلی کی طرح پہرے دار کی پشت پر اس طرح سے گرا کہ میں نے اسے اپنے ساتھ ہی آگے زمین پر گرا لیا۔ وہ ہڑبڑا کر میری گرفت میں تڑپا' لیکن میرا گھٹنا اس کے ہاتھ پر تھا' جو اشین گن کی طرف جا سکتا تھا اور اسکی گردن میرے دونوں ہاتھوں کی فولادی گرفت میں تھی۔ میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسکی گردن کو دونوں جانب شہ رگوں کی طرف اتنا دبایا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اپنے سر پر بندھی ہوئی لنگی میں سے ایک لمبے رخ کا ایک ٹکڑا کاٹا۔ اس کے دو حصے کئے۔ ایک ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور دوسرے سے اس کے بازو اسکی پشت سے باندھ دیئے' پھر میں نے اسکی اشین گن اٹھائی اور لپک کر گودام کے دروازے پر آ گیا۔ گودام کے دروازے پر ولایتی تالا لگا دیا تھا۔ میں نے کنڈے کے اندر سے اشین گن کی نال ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ کنڈا اکھڑ گیا۔ میں نے ایک نظر پہرے دار پر ڈالی۔۔۔ وہ اندھیرے میں زمین پر منہ کے بل بے ہوش پڑا تھا۔ میں آہستہ سے گودام کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میرے پاس کوئی ٹارچ یا موم بتی نہیں تھی۔ میں وہاں روشنی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے گودام میں ادھر ادھر لکڑی کے بکسوں اور سامان کی ڈھیریوں کو ٹٹولتے ہوئے رسی کا ایک ٹکڑا تلاش کر لیا۔ میں نے اس رسی سے بے ہوش پہرے دار کے دونوں پاؤں بھی جکڑ دیئے تاکہ اگر اسے ہوش آ جاتا ہے تو وہ وہاں سے بھاگ نہ سکے۔ اب میں نے اندر آ کر گودام کا دروازہ بند کر دیا اور سیدھے کونے والے ناریل کے ڈھیر کی طرف گیا۔ انسپکٹر ناتھن نے مجھے بتایا تھا کہ یورینیم باکس ناریل کے ڈھیر کے نیچے چھپا کر رکھا ہے۔ یہ ناریل چھال والے تھے۔ اس لئے وہ زیادہ لڑھک نہیں سکتے تھے۔ میں نے تھوڑے سے ناریل ہٹائے تو نیچے سے ایک بکس نکل آیا۔ یہ ایک مربع فٹ کا لوہے کا بکس تھا۔ اسے بھی تالا لگا ہوا تھا۔ اس مقصد کے لئے میں لوہے کی ایک باریک سلائی اپنے ساتھ لایا تھا' مجھے مختلف تالوں کو سلائی کی مدد سے کھولنے کی خاص طور پر ٹریننگ دی گئی تھی' اس وقت اپنی پوری مہارت اور تجربے کو بروئے کار لانے کی ضرورت تھی۔

میں نے خدا کا نام لیا اور سلائی تالے کے سوراخ میں ڈال کر آنکھیں بند کر لیں۔ میری سلائی ایک خاص زاویئے سے تالے کے اندر کے لیور کو تلاش کر رہی تھی۔ لیور میری سلائی کی زد میں آ گیا۔ اب میں نے گراری کو پیچھے ہٹانے کی جدوجہد شروع کی دی۔ یہ چھوٹا مگر انتہائی مضبوط ولایتی تالا تھا اور اتنی آسانی سے کھلنے والا نہیں تھا' لیکن میں بھی ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ میں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ میرے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ گودام میں ویسے بھی حبس تھا۔ میرے جذبات میں بھی ہیجان برپا تھا مگر میری انگلیاں سلائی کو بڑے سکون کے ساتھ تالے کے لیور کو ایک طرف سے

دبانے کی کوشش میں لگی تھیں۔ سلائی بار بار لیور کی گراری سے پھسل جاتی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا پہرے دار وہاں کسی وجہ سے آ جائے۔ آخر میری محنت رنگ لائی اور کھٹاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تالے کو کنڈی میں سے نکال کر نیچے رکھا۔ باکس کو کھولا اور جھک کر دیکھا۔ باکس کے اندر پلاسٹک کی ایک تھیلی پڑی تھی، جس کا منہ سلائی سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس تھیلی کے اندر سوائے یورینیم کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ میں نے تھیلی نکالی۔ لوہے کی سلائی سے اس کے منہ کو لمبا کٹ دے کر پھاڑ ڈالا۔ انگلی اندر ڈال کر محسوس کیا کہ یورینیم بھربھری دھات کی شکل میں تھیلی میں بھرا ہوا محسوس ہوا تھا۔ میں اسی طرح تھیلی لے کر گودام کے دروازے پر آ گیا۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا۔ رات خاموش تھی۔ اب میں اندھیرے میں چیزوں کو دھندلا دھندلا دیکھ سکتا تھا۔ بے ہوش پہرے دار اسی طرح زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ شاید مر گیا تھا۔ میں دروازے سے نکلا اور گودام کے پیچھے ڈھلان میں اتر کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ یہاں میں نے پتھروں اور نرم مٹی کو ہٹا کر زمین میں چھوٹا سا گڑھا بنایا، پھر تھیلی میں سے سارے کا سارا یورینیم گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی، پھر چھوٹے پتھر جمائے اور اوپر دوبارہ مٹی کی تہہ جما کر اس کے اوپر گھاس پھوس ڈال دی۔ اس کے بعد اسے پاؤں سے اچھی طرح دبا دیا، پھر میں نے تھیلی میں تقریباً اتنی ہی مقدار میں مٹی بھری اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا واپس گودام میں آ گیا۔

مٹی سے بھری ہوئی تھیلی یورینیم باکس میں رکھی۔ سر پر بندھے ہوئے کپڑے کے پلو سے باکس صاف کیا اور آٹو تالا لگا دیا، پھر باکس کو اٹھا کر ناریل کے ڈھیر کے نیچے اس کی پہلی والی جگہ پر چھپا کر اوپر سے اسی طرح ناریل جما دیئے۔ میرا ایک اہم کام ختم ہو گیا تھا۔ اب میں گودام میں رکھی ہوئی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اپنی دھوتی میں اڑسا ہوا پلاسٹک کا بڑا تھیلا نکال لیا تھا۔ اس گودام میں لکڑی کے بڑے بڑے کریٹوں کے علاوہ کھانے پینے کی ٹن فوڈ کے ڈھیر بھی لگے تھے۔ میں نے ایک بکس کے اوپر کچھ ٹن .... اور بسکٹوں کے پیکٹ اٹھا کر پلاسٹک کے تھیلے میں بھرے اور چہرے کو ویسے ہی منڈاسے چھپا کر اسٹین گن لئے گودام کے دروازے پر آ گیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک وہاں گہری خاموشی اور سناٹا چھایا تھا۔

کوئی دوسرا پہرے دار وہاں نہیں پہنچا تھا۔ یہی دوسرا پہرے دار تھا، جس نے رات دس بجے ڈیوٹی سنبھالی تھی۔ میں نے گودام سے نکل کر دروازے کو بند کر کے دھوتی کے پلو سے ہاتھ کے نشان صاف کئے .... اگرچہ اسکی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم میں بے حد احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا۔ میں دبے پاؤں جھک کر چلتا ہوا بے ہوش پہرے دار کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اسٹین گن اس کے پاس زمین پر رکھ دی اور جھک کر اسے دیکھا۔ اس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکال دیا۔ پلاسٹک کا تھیلا کاندھے پر ڈالا اور تقریباً بھاگ کر عقبی درختوں میں آ گیا۔ یہاں گھاس کافی

اونچی تھی.... اور میرے گھٹنوں تک آتی تھی۔ درختوں کے سائے میں ہونے کی وجہ سے یہ گھاس شبنم سے محفوظ تھی اور اس پر میرے قدموں کے نشان نہیں پڑ سکتے تھے۔ میں درختوں میں کافی دور نکل گیا۔ میں کھاڑی کے ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ مشرق میں کھاڑی کا سمندر جنگل میں کافی آگے آ گیا تھا' جہاں اسنے ایک چھوٹی سی جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ میں تھیلا کاندھے پر ڈالے کھاڑی کی جھیل کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے ادھر ادھر سے چھوٹے پتھر اور گیلی مٹی اٹھا کر تھیلے میں بھر دی۔ اس کے منہ کو بند کر کے گانٹھ لگائی اور سمندر کے پانی میں تھیلا ڈال دیا۔ تھیلے نے ایک ڈبکی لگائی اور اندھیرے میں میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ تھیلا ٹن فوڈ اور بسکٹ کے ڈبوں کے ساتھ پانی کی تہہ میں چلا گیا تھا۔ میرا یہ مشن اب مکمل ہوا تھا۔ میں نے جھیل کے پانی سے ہاتھ دھوئے اور بیٹھے ہی بیٹھے گردن گھما کر اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ یہاں سے ناریل کے.... درختوں کے نیچے سے ہو کر ایک راستہ میری جھونپڑی کے عقب میں جا نکلتا تھا۔ یہ راستہ اندھیرے میں سنسان تھا۔ کوئی شے حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔ کسی پرندے کی آواز بھی..... سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں اٹھا اور ان درختوں کی طرف سے چل پڑا۔

جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی میں نے بانس کا دروازہ بند کر دیا اور بوریئے پر دھم سے گر پڑا۔ اب میرا سانس پھولنے لگا اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں کئی میل بھاگتا ہوا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے گھڑے سے پانی نکال کر پیا اور سر پر بندھی ہوئی لنگی کا ٹکڑا اتار کر اپنے بوریئے کے نیچے پھیلا دیا۔ جھونپڑی میں گرمی اور حبس تھا اور مچھر بھنبھناتے پھر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ مجھے کوارٹر نما مکان میں چلے جانا چاہئے۔ وہاں بجلی کا پنکھا تھا۔ میں جھونپڑی سے نکلا۔ بانس کے دروازے کو بند کیا اور بڑے آرام سے کوارٹر کی طرف چلنے لگا۔ میں دھوتی کے پلو سے چہرے کا پسینہ بھی پونچھتا جا رہا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی آ گیا تو اسے یہ کہہ سکوں کہ جھونپڑی میں گرمی تھی۔ اس لئے کوارٹر کی طرف جا رہا ہوں' وہاں آرام کر سکوں' لیکن مجھے راستے میں کوئی نہ ملا۔ کوارٹر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا جاتا تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں دوسرے کمرے میں آ گیا' جہاں مسہری تھی۔ چھت کا پنکھا چلایا تو ٹھنڈی ہوا نے میرے گرم..... اعصاب کو بڑا سکون دیا۔ میں مسہری میں گھس کر آرام دہ بستر پر لیٹا تو ایسے محسوس ہوا' جیسے آگ برساتے ریگستان سے نکل کر کسی ٹھنڈی چھاؤں والے نخلستان میں آ گیا ہوں۔ دونوں دروازوں کی کنڈیاں میں نے چڑھا دی تھیں۔ اب سوائے سکون کی نیند لینے کے مجھے اور کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے اپنے دماغ سے تمام وسوسوں اور خیالات کو جھٹک دیا اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند میں کھو چکا تھا۔

میری آنکھ کھلی تو کمرے کے اکلوتے روشن دان میں سے دن کی سفید روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ باہر سے درختوں پر چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کھاڑی کی طرف سے کسی

اسٹیمر کے وسل کی آواز بار بار بلند ہو رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر باہر والے کمرے میں آیا اور وقت دیکھا۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ وہاں سے مجھے کھاڑی میں لنگر انداز آبدوز نظر نہیں آئی تھی۔ میں سوچنے لگا ہو سکتا ہے کہ آبدوز کھاڑی سے نکل گئی ہو۔ گودام کی جانب سے مجھے کچھ آدمیوں کے اونچے اونچے بولنے کی آوازیں آئیں، پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک جیپ کی آواز آئی۔ یہ آواز بھی دور جا کر غائب ہو گئی۔ یقیناً گودام میں چوری کا پتا چل چکا ہے۔ میں یہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ رات کو ایک چور آیا، جس نے پہرے دار کو بے ہوش کیا۔ گودام کا تالا توڑا اور اندر سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں چرا کر بھاگ گیا۔ اس قسم کی چوریاں اس علاقے میں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔

میں کوارٹر سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے جلدی جلدی غسل کیا۔ تھوڑی سی چائے بنائی۔ کل کی ڈبل روٹی سینک کر کھائی اور دوسرے کپڑے یعنی کھدر کا کرتا اور دھوتی بدل لی۔ یہ کپڑے مجھے انسپکٹر ناتھن دے گیا تھا۔ کیونکہ اب مجھے مزدور کے حلیئے میں کھاڑی کے مزدوروں میں جا کر کام کرنے سے اس نے منع کر دیا تھا۔ میں برآمدے میں آ کر ٹوٹے ہوئے اسٹول پر بیٹھنے لگا تو خیال آیا کہ یہ جگہ میرے لئے نہیں ہے۔ فوراً واپس کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کھاڑی کی ایک جانب ہو کر بوسیدہ کرسی پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ میری نگاہیں باہر درختوں میں سے کوارٹر کی طرف آتے جاتے راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ انسپکٹر ناتھن گودام میں چوری ہو جانے کی خبر لے کر کسی بھی وقت آ سکتا تھا، پھر خیال آیا کہ اس نے جب یورینیم باکس کو محفوظ پایا ہو گا تو اس معمولی چوری کو کوئی اہمیت نہیں دی ہو گی۔ ممکن ہے اس وقت وہ اس طیارے کی آخری چیکنگ کر رہا ہو، جس میں یورینیم چھپا کر احمد آباد لے جانا تھا۔ میں آبدوز کی روانگی کے بارے میں فکر مند تھا۔ آبدوز کو اس وقت تک وہاں سے نکل جانا چاہئے تھے، تاکہ اڑتالیس گھنٹوں کے بعد، جب وہ قیامت خیز دھماکے سے پھٹے تو پانڈی چری کی بندرگاہ پر ہو اور تباہی کا الزام پانڈی چری کے سیکیورٹی کے سر پر آئے۔

دن کے گیارہ بج کر کچھ منٹ ہوئے تھے۔ میں کچن میں کھڑا فریج میں سے مچھلی نکال کر اسے تلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک جیٹی کی طرف سے طیارے کے انجنوں کے چلنے کی آواز آئی۔ میں نے پانی کا نلکا بند کر دیا اور کان لگا کر اس آواز کو سننے لگا۔ یہ ائرفورس کے اس طیارے کے انجنوں کی آواز تھی، جو یورینیم باکس لے جانے کے لئے رن وے پر کئی روز سے موجود ہماری طرف سے آل کلیئر کے سگنل کا انتظار کر رہا تھا۔

انسپکٹر ناتھن، رات کو مجھے بتا گیا تھا کہ آج دن کے گیارہ بجے تک پوری چیکنگ کے بعد طیارے میں یورینیم باکس رکھ کر احمد آباد روانہ کر دیا جائے گا۔ کچھ دیر تک انجنوں کی آواز آتی رہی، پھر یہ آواز جیسے دور ہونے لگی۔ طیارہ رن وے کی پٹی پر پرواز کے لئے دوسرے کنارے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے کھڑکی میں سے دیکھنے کی کوشش کی مگر درختوں کی وجہ سے آسمان کا مختصر سا حصہ نظر آ رہا تھا، پھر

ایسی آواز آئی ' جیسے طیارہ رن وے پر تیزی سے دوڑنے لگا ہو۔ اس کے چند لحوں بعد ہی آسمان پر ...ے کی آواز گونج اٹھی... طیارہ فضا میں بلند ہو گیا تھا۔ میرے کان اس آواز پر ہی لگے تھے ' جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی ' پھر یہ آواز فضا میں تحلیل ہو گئی۔ یورینیم باکس میں بھری ہوئی مٹی احمد آباد کی طرف پرواز کر گئی تھی۔ اس کا انکشاف بھابھا ایٹمی سنٹر میں دوسرے روز ہونے والا تھا۔ اس تخریب کاری کا الزام مجھ پر نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ یورینیم باکس جس حالت میں روس سے آیا تھا۔ بظاہر اسی حالت میں کٹیا کماری سے احمد آباد بھجوا دیا گیا تھا اور طیارے میں کوئی دھماکہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اپنی ڈیوٹی بہ احسن طریق سے پوری کر دی تھی۔ یورینیم کی جگہ تھیلے میں مٹی کی موجودگی میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سبوتاژ روس میں موجود امریکی ایجنٹوں کی کارستانی بھی ہو سکتی تھی جن کا روس میں دائرہ کار بے حد وسیع تھا اور جو بھارت میں روس کے اثر و نفوذ اور باہمی دوستانہ تعلقات پر کاری ضرب لگانے کی فکر میں رہتے تھے۔

میں فرائی پین میں مچھلی تلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ میں نے کچن کی کھڑکی میں سے انسپکٹر ناتھن کو کوارٹر کی طرف آتے دیکھا۔ وہ اپنی وردی میں تھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا آ رہا تھا..... میں نے کمرے کا آکر دروازہ کھول دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا۔ "ہم نے اپنی ڈیوٹی پوری کر دی ہے۔ گاڈ!"

وہ دروازہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا۔ "یورینیم باکس چلا گیا نا؟"

انسپکٹر ناتھن نے جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر کہا۔ "اسی کو تو روانہ کر کے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ ایک گھنٹے تک ہمارے سیکورٹی سٹاف نے طیارے کی چیکنگ کی ' لیکن رات ایک عجیب واقعہ ہو گیا!"

میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

انسپکٹر ناتھن بولا۔ "رات گودام میں چوری ہو گئی۔ صبح چھ بجے ہمارا گارڈ اپنی ڈیوٹی پر گودام آیا تو وہاں رات کی ڈیوٹی والا گارڈ انگیا بے ہوش پڑا تھا۔"

میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا "یورینیم باکس تو ...."

انسپکٹر ناتھن نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور سانس چھوڑ کر بولا۔ "بھگوان ہمارے ساتھ ہے کیپٹن! چور گودام سے ٹن فوڈ اور بسکٹ وغیرہ چوری کرنے آیا تھا۔ یہاں اس قسم کی چوریاں ہوتی رہتی ہیں۔ مجھے اطلاع ملی تو میں تو بوکھلا گیا تھا۔ گودام میں آتے ہی سب سے پہلے ناریلوں کے ڈھیر کی طرف دوڑا۔ تھینک بھگوان! یورینیم باکس اپنی جگہ پر موجود تھا۔ چور کچھ ٹن فوڈ کے ڈبے اور بسکٹوں کے پیکٹ چرا کر لے گیا تھا۔" پھر وہ ناک سکیڑ کر بولا۔ "تم مچھلی تل رہے ہو کیا؟ مگر آج میں تمہارے لئے کھانا لایا ہوں کیپٹن! میں تمہارا بھی دھنواد کرتا ہوں۔ تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا

ہے۔ اس خوشی میں، میں آج تمہیں بریانی کے ساتھ رس گلے کھلاؤں گا۔"
میں نے مسکرا کر کہا۔ "انسپکٹر! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی اور یہ تو بتاؤ کہ آبدوز کب جانے والی ہے؟"
انسپکٹر ناتھن نے فضا میں دونوں بازو بلند کئے.... اور خوشی کے موڈ میں بولا۔ "تھینک گاڈ! وہ تو منہ اندھیرے ہی کماڑی سے نکل کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔"
میں نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ انسپکٹر ناتھن نے مجھے سگریٹ پیش کرنے کے بعد، اپنا سگریٹ بھی سلگایا اور بولا۔ "میں نے کمانڈر شیواجی کو تمہارے خدشات اور تشویش سے آگاہ کر دیا تھا، لیکن وہ پانڈی چری جانے پر ہی مصر تھا۔ وہاں سے اس کا ارادہ کلکتے کی جیٹی کی طرف نکل جانے کا ہے۔"
میں نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر کندھے اچکاتے ہوئے کہا "انسپکٹر! یہ کمانڈر کی اپنی ذمہ داری ہو گی۔ ویسے اسے سری لنکا کے سمندر والا بحری راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور پانڈی چری پر بھی ہماری اطلاع کے مطابق سنہالی تخریب کاروں کا زور ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ آج کل ہمارے پیارے دیش بھارت ماتا کے دشمن تامل ناڈو میں تامل لینڈ کے قیام کی خفیہ تحریک چلا رہے ہیں۔"
انسپکٹر ناتھن بولا۔ "لیکن کمانڈر شیواجی، مجھے ضدی آدمی معلوم ہوتا ہے وہ اپنے فیصلے پر ہی اڑا رہا خیر...... ہمیں اسکی ویل فیئر کی پرارتھنا کرنی چاہئے۔ ویسے پانڈی چری میں ہماری سکیورٹی بہت ٹائٹ ہے۔ کسی ایسی ویسی بات کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
میں نے فوراً کہا۔ "بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔"
پھر انسپکٹر ناتھن نے مجھ سے میرا آئندہ پروگرام پوچھتے ہوئے بتایا کہ اس نے دلی ہیڈ کوارٹر کو آبدوز اور یورینیم کے خیریت سے نکل جانے کی اطلاع کر دی ہے۔
میں نے کہا "یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے آج ہی دلی سے کوئی پیغام مل جائے گا واپس آنے کا ہو سکتا ہے، کل یا پرسوں مجھے یہاں سے کوچ کرنا پڑے۔"
انسپکٹر ناتھن نے کہا۔ "کیپٹن مہتہ! بھئی تم بہت یاد آؤ گے۔ یہ ہمار دیش کا بڑا سوبھاگیہ ہے کہ ہمارے محکمے میں تم ایسے لائق اور نوجوان افسر موجود ہیں۔ دلی پہنچ کر مجھے خط لکھنا نہ بھولنا۔"
پھر وہ اٹھا اور بولا۔ "ابھی تمہارا اس کوارٹر میں ہی رہنا مناسب ہے۔ ویسے اگر تم چاہو تو کوٹ پتلون پہن کر کنیا کماری شہر کی سیر و تفریح کر سکتے ہو، لیکن میں تمہیں جیٹی اور لیبر آفس کی طرف آنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"
مجھے کنیا کماری کے قصبہ نما شہر کو دیکھنے کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے کہا "میں یہیں رہنا پسند کروں گا۔ ویسے اب جھونپڑی میں نہیں جاؤں گا۔ زمین پر سوتے سوتے میری کمر درد کرنے لگی

ہے۔"

انسپکٹر ناتھن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "یہ بھی تمہاری سیوا تھی 'بھارت ماتا کے لئے۔"
کیوں نہیں 'کیوں نہیں یہ تو میرا سوبھاگیہ تھا۔ یہ کہہ کر میں نے سگریٹ کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ انسپکٹر ناتھن باہر نکلتے ہوئے بولا۔
"میں ایک بجے۔۔۔۔۔ تمہارے لئے کھانا لے کر آؤں گا۔ ویسے اب تم رات کو کوارٹر کی بتی بھی جلا سکتے ہو۔ خطرہ ٹل گیا ہے۔ آل کلیئر کا سائرن بج چکا ہے۔" اور ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
میں کچن میں گیا۔ مچھلی کو فرائی پین سے نکال کر پلاسٹک کی تھیلی میں ڈالا اور دوبارہ ریفریجریٹر میں رکھ دیا' پھر کمرے میں 'برآمدے میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور حساب لگانے لگا کہ آبدوز میں میرے لگائے ہوئے بموں کے پھٹنے میں کتنی دیر باقی رہ گئی ہے؟ ایک دھڑکا مجھے برابر لگا ہوا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کمانڈر ایک بار پھر آبدوز کی چیکنگ شروع کر دے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ ایٹمی آبدوز تباہی سے بچ جاتی بلکہ میں بھی کسی لمحے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ اگرچہ ایسی صورت حال کا پیدا ہونا قرین قیاس نہیں تھا۔ ایٹمی آبدوز کے بھارتی کمانڈر شیواجی کو اب آبدوز کی چیکنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ اسے دلی اور مدراس کی ہائی کمانڈ انٹیلی جینس کے دو اعلیٰ ترین افسر آل کلیئر کا سرٹیفکیٹ دے چکے تھے' پھر بھی شاید انسانی کمزوری کے باعث مجھے اس مکان کا ڈر لگا ہوا تھا اور اس خوف کو اس لمحے تک میرے اعصاب پر سیاہ بادل کی طرح رہنا تھا۔ جب تک آبدوز میں دھماکا نہیں ہو جاتا۔

پاکستان میں اپنے باس کو مجھے وائرلیس پیغام دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ انہیں ان دونوں حادثات کے علم ہو ہی جاتا۔ تاہم میں نے سوچا کہ آج رات اگر باس کو خبر کر ہی دی جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے' مجھے آئندہ کے لئے لائحہ عمل دیا جائے۔ دو گھنٹے کے بعد' انسپکٹر ناتھن کھانا لے کر آ گیا۔ وہ دو بجے تک میرے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اب تک دلی ہیڈ کوارٹر سے میرے بارے میں کوئی ایشو نہیں ہوا تھا۔ انسپکٹر ناتھن چلا گیا تو میں دروازوں کو اندر سے بند کر کے سو گیا۔
رات پوری نیند نہ کر سکا تھا۔ اس وقت دوپہر کو ایسا بے سدھ ہو کر سویا تھا کہ جب آنکھ کھلی تو شام کے سائے ناریل کے درختوں پر آہستہ آہستہ اترنا شروع ہو گئے تھے۔ میں نے اٹھ کر غسل کیا اور چائے بنا کر پینے لگا۔ دیکھتے دیکھتے رات ہو گئی 'کھانا رات کے لئے بھی پڑا تھا' مجھے اس طرف سے اطمینان تھا۔ میں نے اب کمرے کی بتی روشن کر رکھی تھی سونے والے کمرے اور کچن کی بتیاں نہیں جلائی تھیں۔
میں باہر والے پنکھے کے نیچے آرام کرسی پر بیٹھا سگریٹ پیتے ہوئے آبدوز کے دھماکے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ ٹائم بم کو کل دن کے بارہ بجے پھٹنا تھا۔ میرے کانوں میں جیسے کلاک کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔ اسے کل دن کے بارہ بجے تک گونجتے رہنا تھا' پھر ایک بھیانک آواز گونجنے والی تھی۔

میں چونک پڑا۔ دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی تھی یہ کون ہو گا؟ شاید انسپکٹر ناتھن ہو میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو برآمدے میں ناٹے قد کا کالا کلوٹا سنہالی امریکی ایجنٹ سنگھو کھڑا اپنی الو ایسی زرد آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ "ادھر سے گزر رہا تھا بتی جلتی دیکھی تو آ گیا۔ کیا میں اندر آ جاؤں؟"

اس کو اپنے کوارٹر کے برآمدے میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا اس بدبخت کو تقریباً یقین ہو چکا تھا کہ میں ڈبل ایجنٹ ہوں اور بھارتی سی آئی ڈی کے لئے بھی کام کرتا ہوں۔ جھونپڑی کی بجائے اس کوارٹر میں میری موجودگی اور نسبتاً صاف ستھرے کپڑے، اس بات کی غمازی بھی کر رہے تھے۔

میں نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "آ جاؤ سنگھو۔"

اندر آ کر اس نے سانس کھینچا اور بولا۔ "تم بڑھیا سگریٹ پی رہے تھے ونکٹا؟" وہ بیڑی سلگا کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔ "میں بھی اپنے وطن لنکا کی خدمت کرتا ہوں اور یہاں اپنے اہم مشن پر ہوں۔ تم بھی اپنے وطن کی سیوا کرنے یہاں اپنے مشن پر آئے ہوئے ہو، لیکن میں نہ تو یہاں اعلیٰ کوارٹر میں رہ سکتا ہوں اور نہ مجھے بڑھیا سگریٹ نصیب ہیں، لیکن تمہارے پاس یہ سب کچھ ہے، کیا بات ہے دوست؟"

وہ گہری نظروں سے جھک کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم اصل بات مجھ کو بتا کیوں نہیں دیتے؟ مجھے تو ویسے بھی پتا چل گیا ہے کہ تم انڈین انٹیلی جینس کے لئے......"

"خاموش سنگھو!" میں نے ترش روئی سے قدرے اونچی آواز میں اسے آگے کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ ایک دم سے چپ ہو گیا۔ مجھے فوراً ہی نازک صورت حال کا احساس ہوا۔ یہ شخص مجھے سخت نقصان پہنچا سکتا تھا، مجھے بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس سے نمٹنا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر آہستہ سے دبایا اور کہا۔ "معاف کرنا سنگھو! میں جذباتی ہو گیا تھا۔ اچھا اگر تمہیں یہ شک ہے تو پھر میں تم سے درخواست کروں گا کہ پلیز، بات کو یہیں ختم کر کے بھول جاؤ۔"

مکار سنگھو نے منہ اوپر اٹھا کر ایک عجیب سا قہقہہ لگایا۔ اس وقت وہ مجھے کوئی خطرناک جانور لگا۔ میں نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور آنکھ مار کر کہا۔ "میں تمہارے لئے بھی کام کرنے کو تیار ہوں سنگھو! تم میرے پیشہ ور بھائی ہو۔ میں اپنے حصے میں سے تمہیں بھی، جو کہو دینے کو تیار ہوں، ٹھہرو! میں تمہیں ایک بڑا قیمتی سگار پلاتا ہوں۔ پیو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ تم کچن میں جا کر اپنے لئے چائے بنا لو۔"

سنگھو بڑے معنی خیز اور طنزیہ انداز میں مسکراتا ہوا اٹھا اور کچن میں چلا گیا۔

میں برآمدے سے نکل کر تیزی سے جھونپڑی میں گیا.... بوریا اٹھا کر نیچے سے زہریلا سگار اٹھا کر

جیب میں ڈالا اور واپس اپنے کوارٹر میں آگیا۔ چند قدموں کے فاصلے پر ہی تو میری جھونپڑی تھی۔ کوارٹر میں آیا تو سنہالی ایجنٹ سنگھو اپنے لئے چائے بنانے کے بعد' بریانی پیالے میں ڈال کر کھا رہا تھا۔

میں نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ "سنگھو دوست! تمہارا مجھ پر بڑا حق ہے۔ بھلا میں تمہیں کیسے اندھیرے میں رکھ سکتا ہوں۔"

سنگھو میری طرف دیکھتے ہوئے کھانا کھاتے رک گیا اور تیز لہجے میں بولا۔ "مگر تم نے آج تک مجھے بے خبر رکھا تم انڈیا کے لئے بھی پاکستان کی جاسوسی کرتے ہو اور پاکستان کو انڈیا کی انفارمیشن دیتے ہو۔ تمہیں مجھے ہر ماہ انڈیا سے ملنے والی رقم میں سے دو ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے ... کیا تم تیار ہو؟"

سنہالی ایجنٹ کھل کر میرے سامنے آگیا تھا۔ میں اسکی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ زہریلا سگار میرے ہاتھ میں تھا اور میں اسے اپنی انگلیوں میں آہستہ آہستہ گھما رہا تھا۔ میں نے کہا "سنگھو بھائی! تم جیسا کہو گے ویسا ہی ہو گا۔ میں تم سے دشمنی کیسے مول لے سکتا ہوں۔"

وہ جلدی جلدی بریانی کھانے لگا۔

یہ اسکی زندگی کا آخری کھانا تھا۔

میں زہریلے سگار کو اپنی انگلیوں میں آہستہ آہستہ گھما رہا تھا۔

میری آنکھیں برآمدے میں اپنے سامنے بیٹھے خطرناک ترین سنہالی ایجنٹ سنگھو پر جمی تھیں جو اب کھانا ختم کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے یہ انکشاف کر کے میرے پیروں تلے سے زمین کھسکا دی تھی کہ وہ جانتا ہے کہ میں ڈبل ایجنٹ ہوں اور پاکستان کے لئے بھی جاسوسی کرتا ہوں۔ اس چونکا دینے والے انکشاف نے میرے قومی مشن کو بنیادوں تک ہلا کر رکھ دیا تھا یہ مشن مجھے بطور کمانڈو اس لئے قبول کرنا پڑا تھا کہ ہمسایہ ملک نے پاکستان کے وجود کو ابھی تک دل سے قبول نہیں کیا تھا اور وہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا خواب ہی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ عملی طور پر تخریبی اور پاکستان دشمن کارروائیوں میں مصروف تھا اس نے دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت سے دفاعی معاہدے کر لیا تھا اور ایٹمی دھماکہ بھی کر چکا تھا یہ تمام شواہد دشمن ہمسایہ ملک کے ناپاک عزائم کی نشاندہی کرتے تھے چنانچہ قومی بقا اور ملکی استحکام کا تقاضا تھا کہ میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دشمن کی پاکستان دشمنی پر مبنی خفیہ سرگرمیوں پر نگاہ رکھوں اور اس راہ میں اگر میری جان بھی چلی جائے تو اپنے مشن سے ہرگز منہ نہ موڑوں چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اس مشن پر نکلا تھا اور اس وقت دشمن کے پیٹ میں بیٹھا اس کی پاکستان دشمن خفیہ کارروائیوں کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہا تھا یہ جاسوسی کے غیر ملکی رسالوں سے اخذ کر کے لی گئی کوئی فرضی کہانی نہیں ہے۔ یہ بچی آپ بیتی ہے اور میں اسے آپ تک اس لئے نہیں پہنچا رہا کہ آپ اس کو فرصت کے وقت پڑھ کر جی بہلائیں۔ بلکہ میں ہر محب

وطن پاکستانی کی آنکھیں کھول کر دشمن کے تباہ کن ناپاک عزائم کو بے نقاب کر رہا ہوں تاکہ آپ اپنے اصل دشمن کو پہچانیں اور اس پیارے وطن کی حفاظت کر سکیں جس کے قیام کے لئے ہم نے ایسی قربانیاں دی ہیں جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ دشمن نے چالیس سال گزر جانے کے بعد بھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اس کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ اگرچہ اسے ہر بار شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر وہ تخریبی اور پاکستان دشمن کارروائیوں میں لگا ہوا ہے کبھی اپنے جنگی سازو سامان کی تعداد سے کبھی صوبائی منافرت سے وہ ہماری صفوں میں انتشار پھیلانے سے باز نہیں آتا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن کی لائن آف ایکشن کو پہچانا جائے اور اس سے ہوشیار رہا جائے۔ یہی وہ مشن ہے جس کو لے کر میں دشمن کی خفیہ کمین گاہوں میں ان کے درمیان جان ہتھیلی پر لئے بیٹھا ہوں تاکہ آپ کو آنے والے خطرات سے آگاہ کر سکوں۔

یہ حقیقت ہے کہ بھارت میں موت میری ہم سفر ہے شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہوگا کہ جس روز وہ میرے قریب سے ہو کر نہ نکل گئی ہو لیکن میں وطن پرست کمانڈو ہوں۔ اگر میری ایک لاکھ جانیں بھی ہوں تو میں اپنی خوشی سے اپنے پیارے وطن پر قربان کر دوں مگر اپنی ایک جان کے عوض میں دشمن کے ایک ہزار پاکستانی دشمن عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ضرور ملا دوں گا یہی میرا مقدس مشن اور یہی اب میری زندگی کا مقصد ہے۔

اب میں اپنے سنسنی خیز وطن دوست کمانڈو ایڈونچر کی سچی آپ بیتی کو آگے بڑھاتا ہوں سنگھو پر یہ بات ایک اعتبار سے واضح ہو گئی تھی کہ میں پاکستان کے مفادات کے لئے کام کر رہا ہوں یہ ایک ایسا انکشاف تھا کہ جس کے بعد میرے ہاتھوں سنہالی ایجنٹ سنگھو کی موت یقینی ہو گئی تھی اب اس کا زندہ رہنا نہ صرف میرے بلکہ میرے مشن کی بھی موت تھی چنانچہ میں بے تابی سے اس تاریخی اور سنگھو کی زندگی کے آخری لمحات کا انتظار کر رہا تھا جب سنگھو میرے زہریلے سگار کے اور اپنی زندگی کے آخری کش لگائے گا۔

بریانی کھا چکنے کے بعد اس نے دھوتی کے پلو سے اپنے ہاتھ صاف کئے تو میں نے سگار اس کی طرف بڑھا دیا اور تامل زبان میں کہا " آبدوز کے کیپٹن شیواجی نے دو سگار دیئے تھے ایک میں نے پی لیا تھا بس یہ آخری رہ گیا ہے۔ اکٹھے مل کر پی لیں گے "

سنگھو نے سگار میرے ہاتھ سے لے لیا اور اسے سونگھنے لگا میں ہوشیار ہو گیا کم بخت آخر ایجنٹ ہے۔ کہیں کوئی ایسی بو نہ سونگھ لے کہ اسے شک پڑ جائے، مگر ایسی بات نہیں تھی سنگھو نے تمباکو کی خوشبو لینے کے لئے ایسا کیا تھا کہنے لگا " تمباکو ترچنا پلی کے سگاروں ایسا ہے "

میں نے فوراً ماچس جلائی میں چاہتا تھا کہ وہ جلدی سے سگار کو سلگا لے میں جلتی ہوئی تیلی کے منہ کے قریب لایا تو نہ جانے کیا بات ہوئی تیلی بجھ گئی۔ میں جلدی جلدی دوسری تیلی

نکالنے لگا تو گھبراہٹ میں ماچس میرے ہاتھ سے نیچے گر پڑی یہ حرکت مجھے تباہ کر سکتی تھی مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ سنگھو کو شبہ پڑ سکتا تھا میں نے جلدی سے ماچس اٹھائی۔

سنگھو نے ماچس میرے ہاتھ سے چھین لی اور بولا " لیکن میں تم سے ڈبل کمیشن لوں گا دو ہزار، جمع دو ہزار، تمہیں چار ہزار روپے مجھے ہر مہینے ادا کرنے ہوں گے ورنہ میں بڑی آسانی سے تمہیں بھارتی سکیورٹی والوں کے حوالے کر سکتا ہوں اور وہ تمہارا کیا حشر کریں گے اس کا تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو "

اس وقت میں سنگھو کی ہر شرط قبول کرنے کو تیار تھا صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ سگار سلگا کر اس کے دو کش لگائے، مگر کم بخت سگار کو سلگا ہی نہیں رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں سگار اور دوسرے ہاتھ میں ماچس لئے وہ اطمینان سے برآمدے کے فرش پر اکڑوں بیٹھا مجھ سے اپنا کمیشن طے کرنے میں لگا تھا میں نے جھنجلا کر کہا " سنگھو بھائی! تم جتنا کمیشن کہو گے میں دینے کو تیار ہوں تم کیوں پریشان ہوتے ہو لاؤ یہ سگار میں سلگائے دیتا ہوں۔ اس کا ایک کش لگانے کو بہت جی چاہتا ہے "

میں نے سنگھو کے ہاتھ سے سگار لے لیا اور فوراً ماچس جلا کر اسے سلگا دیا۔ صرف ایک ہلکا سا کش لگایا اور منہ سے دھواں چھوڑتے ہوئے سگار سنگھو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " لو میرے دوست! ایک کش لگا کر دیکھو ایسا بڑھیا سگار تم نے کبھی نہیں پیا ہو گا "

سنگھو نے بے پروائی سے کہا " ارے بڑے پیچے ہیں سگار میں نے تم اتنی محبت سے دے رہے ہو تو لاؤ ایک دو کش لگا کر دیکھ لیتے ہیں "

ایک دو کش ہی اس کے لئے کافی تھے۔ ایک دو کش سے زیادہ اب اس کی قسمت میں نہیں تھے سنگھو نے سگار لے کر منہ سے لگا لیا۔ ایک کش میں کھینچ چکا تھا تیسرے کش پر سگار کے اندر سوئی ہوئی موت کو بیدار ہو جانا تھا اور چوتھے کش پر سائنائڈ زہر کو سنگھو کے خون میں شامل ہو کر اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینا تھا۔ سنگھو نے ایک کش لگایا، پھر دوسرا کش لگایا اور سگار میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا " یہ تو بڑا پھیکا ہے دنکنا۔ اسے تم ہی پیو۔ "

ایسا کبھی نہ ہوا تھا جس نے اس سگار کو ایک بار منہ سے لگایا پھر وہ اسے واپس نہ کر سکا تھا موت سنگھو کے دروازے پر دستک دے کر واپس چلی گئی تھی میرے کش لگانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کہا " ارے تیسرے چوتھے کش پر یہ کڑوا ہو جاتا ہے تم پی کر تو دیکھو "

سنگھو سگار کو اپنے ہونٹوں تک لے گیا موت اس سے صرف ایک کش کے فاصلے پر تھی کہ اچانک اس نے میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں جو کیفیت اس وقت تھی اسے ایک ایجنٹ ہی پہچان سکتا تھا۔ میں بھی ایک ایجنٹ تھا۔ اس نے سگار میری طرف بڑھایا اور بولا " مگر تم اسے پیتے ہوئے کیوں گھبرا رہے ہو "

اسے شبہ ہو گیا تھا کہ سگار میں کوئی مہلک آمیزہ ہے میں نے کھانسنا شروع کر دیا اور یہ بہانہ بنایا کہ اس کے پینے سے میرا گلا خراب ہو گیا ہے سنگھو نے سگار کو لالٹین کی روشنی میں آگے کر کے دیکھا۔ ایک بار پھر اسے سونگھا اور برآمدے کے فرش پر پھینک کر اسے پاؤں سے مسل دیا "ونکٹا! تم اس طرح مجھ سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے چہرے پر ایک تشویش انگیز سکوت تھا میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا "ونکٹا! میں کل دوپہر کو آؤں گا میرے دو ہزار روپے تیار رکھنا"

اتنا کہہ کر وہ دھوتی کس کر باندھتا ہوا برآمدے سے اتر کر درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا اب اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ میں اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل ہونے دیتا اس کے ہاتھ میں میرے مشن کی موت کا بلیک وارنٹ تھا اس پر میرا بھید کم از کم اس حد تک ضروری کھل چکا تھا کہ اس کے ذرا سے زبان ہلانے پر مجھے گرفتار کیا جا سکتا تھا وہ مجھے ان معنوں میں ڈبل ایجنٹ سمجھتا تھا کہ میں اگرچہ بھارت کی سی آئی ڈی کا آدمی ہوں مگر پاکستان کے لئے بھی جاسوسی کرتا ہوں یہ بات میرے حق میں زہر قاتل تھی۔

جونہی سنگھو درختوں کے اندھیرے میں داخل ہوا میں اٹھ کر کمرے میں گیا تکیے کے نیچے رکھا ہوا چاقو نکال کر جیب میں ڈالا اور عقبی کھڑکی سے دوسری طرف رات کی رانی کی جھاڑیوں میں کود گیا اب میں سرفروش کمانڈو تھا میرے جسم میں چیتے کی پھرتی اور لومڑی کی عیاری سرایت کر چکی تھی میں درختوں اور جھاڑیوں کی تاریکی میں بغیر آواز پیدا کئے اس آدم خور چیتے کی طرح آگے بڑھ رہا تھا جس نے انسان کی بو پالی ہو یہ سارا علاقہ میرا جانا پہچانا تھا مجھے یہ بھی علم تھا کہ سنگھو تالاب والے درختوں کی طرف سے ہو کر ہی بستی کی جانب جائے گا میں دوسری جانب سے نکل کر طوفانی بگولے کی مانند آن کی آن میں تالاب کے آخری کنارے والے درختوں میں پہنچ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ سنگھو اس طرف سے ہو کر بستی کو جائے گا، لیکن وہ بھی ایک تجربہ کار پرانا جاسوس تھا وہ میرے عزائم کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ نہ آیا میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا اگرچہ سنگھو کی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ نہیں تھیں مگر دولت کا لالچ میں یا انسپکٹر ناتھن کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے وہ میرا راز طشت ازبام کر کے میرے مشن کو تہس نہس کر سکتا تھا اور مجھے فائرنگ اسکواڈ کے سامنے کھڑا کروا سکتا تھا ایک ایک پل مجھے تباہی کے کنارے کی طرف لے جا رہا تھا میں برق رفتاری سے تاریک درختوں کا سارا علاقہ کھنگال ڈالا۔ سنگھو کا کہیں سراغ نہ ملا مجھے خطرہ تھا کہ کہیں وہ انسپکٹر ناتھن کے کوارٹر کی طرف نہ چلا گیا ہو پگڈنڈی کو چھوڑ کر تاڑ کے درختوں کے ستون نما درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا انسپکٹر ناتھن کے کوارٹر کے قریب پہنچ کر رک گیا کوارٹر پر اندھیرا چھایا تھا میں نے سانس روک کر فضا میں کچھ سننے کی کوشش کی جھینگروں کی آوازوں کے سوائے وہاں کوئی دوسری آواز نہیں تھی میں تیزی سے بستی کی

طرف پلٹ گیا۔ سنگھو بستی کے ایک مکان میں رہتا تھا اس کو میں ایک بار دیکھ آیا تھا چند لمحوں کے بعد' میں قریبی بستی کے پہلی گلی کے نکڑ پر ایک طرف ہٹ کر اندھیرے میں موجود تھا سنگھو کا مکان اس گلی کے دوسرے کنارے پر تھا میں ادھر سے ہو کر گلی کی دوسری نکڑ پر نکل آیا سنگھو کے مکان کا صرف ایک ہی کمرا تھا جس کے آگے زمین سے اونچا بانس کا برآمدہ بنا ہوا تھا۔ میں مکان کی طرف جھک کر بڑھنے ہی لگا تھا کہ مجھے سامنے دوسری نکڑ سے ایک انسان کا سایہ گلی میں داخل ہوتا نظر آیا۔

میں دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور تھوڑا سا سر باہر نکال کر اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا۔ انسانی سایہ اسی مکان کی طرف بڑھ رہا تھا جس کی پہلو والی دیوار کی اوٹ میں میں کھڑا تھا چاقو میں نے اپنے ہاتھ میں دبا رکھا تھا میں پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا یہ سنگھو ہی تھا مکان کے دروازے پر آکر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا' پھر برآمدے میں آکر تالا کھولنے لگا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص انسپکٹر ناتھن سے میری مخبری کر آیا ہے کہ نہیں۔ جو کچھ یہ کر کے آیا تھا مجھے اس سے تو بعد میں نمٹنا تھا پہلے اس دشمن کو ختم کرنا بہت ضروری تھا۔ سنگھو نے کمرے میں گھسنے کے بعد دروازہ بند کر دیا مجھے اندر سے کنڈی لگانے کی آواز سنائی دی میں اندھیرے میں پنجوں کے بل بیٹھا رہا میرا کمانڈو ذہن بڑی تیزی سے منصوبہ بندی کرنے میں مصروف تھا یہاں سنگھو کے پاس اسلحہ بھی ہو سکتا تھا مجھے بے حد محتاط رہنے کی ضرورت تھی میں نے اندھیرے میں کمرے کو گھور کر دیکھا وہاں کوئی کھڑکی یا روشندان مجھے دکھائی نہ دیا اچانک اندر روشنی ہوئی اس روشنی کا احساس مجھے یوں ہوا کہ کمرے کے اوپر ایک چھوٹے سے روشندان میں سے بجلی کے بلب کی روشنی باہر برآمدے میں پڑنے لگی تھی بلب شاید ساٹھ وولٹ کا تھا اس کی روشنی زیادہ نہیں تھی۔

میں پلٹ کر مکان کے عقب میں آگیا اس طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا کمرے کی عقبی دیوار کے ساتھ اونچی گھاس اگی تھی اور کمرے کی کوئی کھڑکی یا روشندان نہ تھا ایک لحاظ سے میں مطمئن تھا کہ میرا شکار کمرے میں بند ہو چکا ہے خطرہ صرف یہی تھا کہ یہ شخص انسپکٹر ناتھن سے مل کر میرا راز فاش نہ کر آیا ہو لیکن سب سے پہلے مجھے اسی شخص سے نمٹنا تھا میں اگر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں تو اس امر کا امکان ۔۔۔ تھا کہ سنگھو پستول وغیرہ لے کر باہر آئے وہ مجھ پر فائر کر سکتا تھا کیونکہ برآمدے میں روشندان کی وجہ سے ہلکی ہلکی روشنی تھی اگر دروازہ توڑ کر اندر گھستا ہوں تو سنگھو کو سنبھلنے اور مجھ پر حملہ کرنے کا موقع مل سکتا تھا میں پنجوں کے بل چل کر برآمدے میں آگیا میں کمرے کی دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا تھا چاقو میرے سیدھے ہاتھ میں تھا میرے قریب ہی بانس کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا موڑھا پڑا تھا میں نے جھک کر اسے اپنی طرف آہستہ سے کھینچا پھر اسے دروازے کے آگے اس طرح لڑھکا دیا کہ آواز پیدا ہو یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی جنگلی جانور موڑھے پر سے چھلانگ لگا کر بھاگا ہے اس کا ردعمل یہ ہوا کہ سب سے پہلے روشندان میں سے آنے والی روشنی بند ہو گئی سنگھو نے برآمدے

کی آواز سن کر کمرے کی بتی بجھادی تھی۔

میں سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا پھر کنڈی اترنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اندھیرے میں مجھے اب اس حد تک نظر آرہا تھا کہ میں اپنے شکار پر جھپٹ سکتا مگر بھی بڑا عیار شخص تھا وہ باہر نہیں نکلا تھا بلکہ کمرے کے اندر ہی اندھیرے میں کھڑا باہر لونڈھے پڑے موڑھے کو دیکھ رہا تھا میں پنجوں کے بل کھسک کر دروازے کے بالکل برابر میں آگیا۔ اچانک کمرے کے اندر سے ایک عورت کی آواز آئی اس نے تامل زبان میں کہا۔

"سنگھو! باہر جاکر دیکھ کوئی باگھ تو نہیں"

میں چونک پڑا کمرے میں کوئی عورت بھی تھی اچھا ہوا تھا میں کمرے میں نہیں گھسا تھا ورنہ اس بے گناہ عورت کا بھی مجھے خون کرنا پڑتا میں اسے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتا تھا عورت کی آواز پر دروازے سے باہر نکل آیا اس کے ساتھ ہی میں نے اچھل کر اس کی گردن پر چاقو کا بھرپور وار کردیا وہ لڑکھڑایا میں نے اسے گھسیٹ لیا اور دوسرا بھرپور وار اس کے دل پر کیا اندر سے عورت کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "سنگھو! کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں؟"

مگر سنگھو اب بول نہیں سکتا تھا چاقو کے دو بھرپور وار کھانے کے بعد اس کے حلق سے خر خر کی آوازیں آنے لگی تھیں میں نے تیسرے وار سے اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی اور برآمدے سے چھلانگ لگاکر درختوں کی طرف بھاگا مجھے اپنے پیچھے اس عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی اس ساری کارروائی میں بمشکل پندرہ بیس سیکنڈ لگے ہوں گے اپنے کوارٹر میں واپس آکر میں نے چاقو کو پانی سے صاف کیا روشنی میں اپنے کپڑے دیکھے میرے کپڑوں پر کہیں کہیں خون کے چھینٹے پڑے تھے اسی وقت کپڑے اتار کر ان کی ایک گٹھری بنائی۔ چاقو پونچھ کر الماری میں رکھا بتی بجھائی۔ خون آلود کپڑوں کی چھوٹی سی گٹھری لے کر کوارٹر کے عقب میں آگیا ایک جگہ نرم زمین کو کھود کر گٹھری کو دفن کرکے زمین ہموار کردی اور اوپر پتے اور جھاڑ جھنکار بکھیر دیا۔ واپس کوارٹر میں آکر پلنگ پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا اگر سنگھو نے انسپکٹر ناتھن کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے تو میں سخت خطرے میں ہوں مجھے اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا پھر خیال آیا کہ شاید سنگھو نے ابھی انسپکٹر ناتھن سے بات نہیں کی ہوگی بہرحال اس کا پتا صبح ہی چل سکتا تھا اگلا روز میرے لئے ویسے بھی بے حد تجسس بھرا تھا کیونکہ دوسرے دن ٹھیک بارہ بجے دشمن کی ایٹمی آبدوز میں لگائے گئے انتہائی دھماکا خیز پنسل بموں کو پانڈی چری کی بندرگاہ پر پھٹ کر تباہی مچانی تھی جس کی ذمہ داری مجھے سنہالی ایجنٹوں کے سربراہ سنگھو پر ڈالنا تھی۔

دوسرے دن بستی میں سنگھو کی لاش ملی تو وہاں شور مچ گیا وہ عورت جو رات کو سنگھو کے کمرے میں تھی، فرار ہو چکی تھی لاش اس حالت میں برآمدے میں پڑی ہوئی ملی کہ اس پر چاقو کے تین

گہرے زخم تھے لاش کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی گردن پر پچھلی جانب تین انچ لمبا گھاؤ تھا۔ ایک گہرا زخم سینے میں دل پر لگا تھا کیونکہ سنگھو جیٹی پر کام کرتا تھا اس لئے انسپکٹر ناتھن اس کی تفتیش کر رہا تھا یہ ساری تفصیل مجھے دن کے وقت جیٹی کے آفس میں جاتے ہی چپڑاسی نے ۔ ۔ ۔ بتا دی تھی معلوم ہوا کہ انسپکٹر ناتھن بستی میں گیا ہے میں بھی اس کے پیچھے چل دیا مجھے انسپکٹر ناتھن سے ملتے ہی اس کی آنکھوں اور چہرے پر یہ پڑھنا تھا کہ اسے میرے بارے میں سنگھو نے کچھ بتایا تو نہیں ؟"

انسپکٹر ناتھن کے ساتھ جیٹی کے کچھ سپاہی تھی تھے مجھے آتا دیکھ کر انسپکٹر ناتھن میری طرف بڑھا میری نگاہیں اس کے چہرے کے ایک ایک تاثر کو پڑھنے لگیں میں نے اپنے تجربے سے اندازہ لگا لیا کہ اسے سنگھو نے میرے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا انسپکٹر ناتھن، سنگھو کے قتل نے سخت پریشان تھا کہنے لگا" جیٹی کا ایک مزدور قتل کر دیا گیا ہے کسی عورت کا جھگڑا لگتا ہے بستی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ شام کو اس کے پاس ایک عورت آئی تھی ہم اسے تلاش کر رہے ہیں "

میں نے سنگھو کی لاش کو دیکھا اور انسپکٹر ناتھن کو ایک طرف لے جا کر کہا" یہ تو وہی سنہالی ایجنٹ ہے انسپکٹر جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس نے مجھے اپنا آدمی خیال کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ایٹمی آبدوز میں بم لگا دیئے گئے ہیں "

انسپکٹر ناتھن حیرت میں گم ہو گیا کہنے لگا" کیا تم نے اسے ٹھیک پہچانا ہے ؟"

" میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں ناتھن یہ وہی مفرور سنہالی ایجنٹ ہے "

انسپکٹر ناتھن نے مجھے رازداری میں لیتے ہوئے کہا" یہ بات کسی کو مت بتانا یہ ہمارے حق میں اچھا ہوا ہے لیکن ہم پولیس کو یہی رپورٹ کریں گے کہ یہ ہمارے ہاں جیٹی پر کبھی کبھی مزدوری کرنے آجاتا تھا اور کسی عورت کے معاملے میں پھنس کر مار دیا گیا ہے "

ایک بہت بڑا بوجھ میرے کاندھے سے اتر گیا تھا نہ صرف یہ کہ سنگھو، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے راستے سے ہٹ گیا تھا بلکہ انسپکٹر ناتھن کو بھی میرے بارے میں اصل حقائق کا علم نہیں ہو سکا تھا میں نے دن کے بارہ بجے ہونے والے ایٹمی آبدوز کے دھماکے کے سلسلے میں راہ ہموار کرنی شروع کر دی انسپکٹر ناتھن میرے ساتھ جیٹی کے لیبر آفس میں آگیا اس نے فون کر کے کنیا کماری پولیس چوکی کو قتل کی اطلاع کر دی تھی تھوڑی دیر میں پولیس نے وہاں پہنچ کر لاش اپنے قبضے میں لے لی میں انسپکٹر ناتھن کے آفس میں بیٹھا کافی پی رہا تھا اس وقت دن کے دس بج رہے تھے پانڈی چری میں آبدوز کے دھماکے کو دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے میں نے چہرے کو فکر مند بناتے ہوئے کہا" انسپکٹر! مجھے خطرہ ہے کہ اس قتل کے بعد سنہالی تخریب کار ہماری آبدوز کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے "

انسپکٹر ناتھن نے سگار سلگاتے ہوئے کہا" پانڈی چری میں ہماری سیکورٹی اتنی زبردست ہے کہ کسی قسم کے سبوتاژ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پانڈی چری بہت بڑی چری ہے اور وہاں سیکورٹی

کے عملے کی تعداد اس سال کے مقابلے میں دس گنا زیادہ ہے"

یورینیم میں نے پہلے ہی آبدوز کے خفیہ بکس میں سے نکال کر زمین میں دفن کر دیا تھا آبدوز کے تارپیڈو روم میں انتہائی طاقتور ٹائم بم بھی لگا دیئے گئے تھے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ٹائم بم نہ پھٹیں اور آبدوز کے پرخچے نہ اڑ جائیں ٹائم بم انتہائی جدید اور طاقتور تھے ٹھیک وقت پر ان کا پھٹنا بھی یقینی تھا اور وقت تھا دن کے بارہ بجے۔

انسپکٹر ناتھن نے مجھے کہا "کیپٹن مہتہ! میں ذرا پولیس چوکی تک جا رہا ہوں تم یہاں کی پولیس کو نہیں جانتے کوئی گڑبڑ نہ کر دیں تم اپنے کوارٹر میں جا کر تھوڑا آرام کرو جیٹی پر اب تمہیں زیادہ نہیں آنا چاہئے"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "انسپکٹر ناتھن! دلی ہیڈ کوارٹر نے مجھے جس کام کے لئے بھیجا تھا وہ پورا کر چکا ہوں یورینیم سمیت ہماری ایٹمی آبدوز کنیا کماری کی بندرگاہ سے خیریت کے ساتھ گزر گئی ہے بھگوان کی کرپا سے اب یہ ایک دو روز میں کلکتہ بھی پہنچ جائے گی میں تو ویسے بھی اب فارغ ہوں۔ اچھا اب جا کر آرام کرتا ہوں"

انسپکٹر ناتھن نے بید اٹھا کر بغل میں دبایا۔ میرے ساتھ لیبر آفس سے باہر نکلا اور ہم سیدھی سڑک پر چلنے کی بجائے درختوں کے درمیان سے ہو کر چل پڑے آگے جا کر انسپکٹر ناتھن بستی کی طرف اور میں اپنے کوارٹر کی طرف ہو گیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ انسپکٹر ناتھن پر سنگھو نے میرا راز فاش نہیں کیا تھا اگر وہ ایسا کر دیتا تو لعنت ناک تشدد کی بھیانک موت میری قسمت میں لکھی جا چکی ہوتی اس وقت دوپہر کے گیارہ بجے تھے میں اپنے کوارٹر والے کمرے میں آ گیا ہر دس منٹ کے بعد، میں میز پر رکھے چھوٹے ٹائم پیس پر وقت دیکھتا آبدوز کے پھٹنے میں جب آدھا گھنٹہ رہ گیا تو میں کمرے سے نکل کر درختوں میں بنی ہوئی اپنی جھونپڑی میں گیا وہاں سوائے زمین پر بچھے ہوئے بوریئے اور دو ایک خالی برتنوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

زہریلا سگار وہ آخری تھا جسے سنگھو نے پاؤں تلے مسل کر بیکار کر دیا تھا میں نے بوریئے کو اٹھا کر دیکھا۔ نیچے کچھ نہیں تھا اپنا سائیلنسر والا ریوالور میں نے پہلے ہی وہاں سے لے جا کر اپنے کمرے میں چھپا کر رکھ دیا تھا۔

دن کے پونے بارہ بج رہے تھے میں اپنے کوارٹر والے کمرے میں بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا، سگریٹ نکال کر سلگایا۔ سگریٹ کے کش کڑوے لگے میں نے اسے ایش ٹرے میں بجھا دیا میری نظریں کلاک پر جمی تھیں سیکنڈ کی سوئی ٹک ٹک کرتی اپنی گردش میں لگی تھی۔

اس بات کی تصدیق میں نے انسپکٹر ناتھن سے مل کر۔۔۔ کر لی تھی کہ ایٹمی آبدوز ابھی تک پانڈی چری کی بندرگاہ پر ہی کھڑی ہے بارہ بجنے میں جب پانچ منٹ رہ گئے تو میں اٹھ کر رسوئی میں چلا گیا

فریج کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی پانی کے دو گھونٹ پیئے اور واپس کمرے میں آکر ٹائم پیس کے سامنے پلنگ پر بیٹھ گیا اچانک مجھے اپنے چھوٹے ٹرانسمیٹر کا خیال آیا جسے میں نے کوارٹر کے سامنے سنبل کے درخت کے نیچے ایک جگہ چھپا دیا تھا ایسا میں نے احتیاط کے طور پر کیا تھا دھماکے کے بعد کچھ بھی ہو سکتا تھا مجھ پر بھی شبہ کیا جا سکتا تھا اگرچہ اس کا امکان بہت کم تھا مگر بھارتی حکومت کے اتنے بڑے نقصان کے بعد مجھے بھی دائرہ تفتیش میں شامل کیا جا سکتا تھا خواہ یہ تفتیش مجھ سے چھپا کر کی جاتی۔

ٹک ٹک ٹک ۔۔۔ سیکنڈ کی سوئی گردش کر رہی تھی بارہ بجنے میں تین منٹ باقی رہ گئے تھے پھر ایک منٹ گزر گیا پھر بارہ بجنے میں آدھا منٹ رہ گیا یہ کبھی ہو نہیں سکتا تھا کہ میرے لگائے گئے انتہائی جدید اور طاقتور بم نہ پھٹیں بارہ بجنے میں دس سیکنڈ رہ گئے تو ۔۔ آٹھ ۔۔ ساتھ ۔۔ چھ ۔۔ پانچ ۔۔ چار ۔۔ تین ۔۔ دو ۔۔ ایک ۔۔۔

میں اپنی جگہ پر بالکل ساکت ہو گیا سیکنڈ کی سوئی بارہ کے ہندسے سے آگے نکل گئی پانڈی چری وہاں سے بہت دور تھی مجھے ایٹمی آبدوز کے دھماکے کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی مگر مجھے یقین تھا کہ وہاں دھماکا ہو چکا ہے اور ایٹمی آبدوز کے پرخچے اڑ چکے تھے بس تھوڑی دیر میں انسپکٹر ناتھن کے لیبر آفس میں ایک فون کال یا وائرلس پیغام آنا تھا اور یہاں بھی افراتفری مچ جانی تھی۔

میں جلدی سے اٹھا غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا فریج میں سے مچھلی نکال کر گرم کی۔ اسے ڈبل روٹی کے ساتھ کھایا کافی بنائی اور مگ ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے میں آکر آرام کرسی پر بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ ایٹمی آبدوز کی تباہی نے بھارتی وزارت دفاع اور وزارت داخلہ اور سیکرٹ سروس میں ایک کہرام مچا دیا ہو گا اب تک ہزاروں فون کالیں اور خفیہ سگنل فضا میں منتشر ہو چکے ہوں گے ملٹری اور سول ' دونوں سیکرٹ سروسز حرکت میں آگئی ہوں گی ہو سکتا ہے اس وقت تک وزارت دفاع کا ہنگامی اجلاس بھی بلا لیا گیا ہو جس کی صدارت بھارت کے پرائم منسٹر کر رہی ہوں۔

میں فوری طور پر ایٹمی آبدوز کی تباہی کی تصدیق کرنا چاہتا تھا مگر میرا جیٹی پر اس وقت جانا مناسب نہیں تھا مجھے اپنے آپ کو بالکل بے تعلق رکھنا تھا اور آبدوز کی تباہی کی خبر سننے پر اس رد عمل کا اظہار کرنا تھا جس کا اظہار انسپکٹر ناتھن نے کیا ہو گا۔

وقت بڑی مشکل سے گزرنے لگا کافی کا مگ خالی ہو گیا میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا میں نے ٹھنڈی پتلون اور بش شرٹ پہن رکھی تھی اسی طرح سگریٹ سلگا کر پلنگ پر لیٹ گیا تصور ہی تصور میں میں پانڈی چری پہنچ گیا جہاں بندرگاہ پر چاروں طرف آگ لگی تھی شعلے آسمان کو چھو رہے تھے انجن آگ بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا کوئی تیز تیز قدموں سے برآمدے میں داخل ہوا تھا" کیپٹن

ہمصنف۔

یہ انسپکٹر ناتھن کی گھبرائی ہوئی آواز تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر برآمدے میں آیا۔ انسپکٹر ناتھن انتہائی پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا "ہماری سب میرین بلاسٹ ہو گئی۔ ابھی ابھی پانڈی چری سے سگنل موصول ہوا ہے یہ بہت برا ہوا ہے کیپٹن کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اب کیا ہو گا؟"

میری اداکاری شروع ہو گئی۔ میں جیسے گنگ ہو کر رہ گیا "انسپکٹر ناتھن! کیا تم ہوش میں ہو؟"

انسپکٹر ناتھن نے مجھے بانس کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر خود بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنے ماتھے کو پکڑ کر دو ایک بار دبایا' پھر مردہ آواز میں بولا "آخر وہی ہوا جس کا ہمیں خطرہ تھا یہ ہماری سب سے قیمتی سب میرین تھی اس کے ساتھ یورینیم بھی تباہ ہو گیا۔ مائی گاڈ یہ بہت بڑا نقصان ہے ہماری خیر نہیں ہو سکتا ہے ہمیں سسپینڈ کر دیا جائے"

میں نے انتہائی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ناتھن مجھے اپنی معطلی کی کوئی پروا نہیں ہم نے سب میرین کے تحفظ کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی تھی' لیکن پانڈی چری کی سیکورٹی نے غیر ذمے داری کا ثبوت دیا ہے افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے بھارت ورش کا بے پناہ نقصان ہو گیا ہے ہمارے پرسٹیج کو دھکا لگا ہے کاش ہم خود پانڈی چری چلے گئے ہوتے وہ لوگ سنہالی تخریب کاروں کو ڈی ٹیکٹ نہیں کر سکے مائی گاڈ"

انسپکٹر ناتھن بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے بولا "تم میرے ساتھ آؤ دلی سے بار بار سگنل آ رہے ہیں سب میرین کب چلی تھی کس نے چیکنگ کی تھی؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

مجھے معلوم تھا کہ راجدھانی کے ہمارے ہیڈ کوارٹر سے بھی فون آئے گا اور مجھ سے رپورٹ طلب کی جائے گی چنانچہ میں نے جلدی سے کوارٹر کو تالا لگایا اور انسپکٹر ناتھن کے ساتھ جیٹی کے لیبر آفس میں آگیا ہمارے داخل ہوتے ہی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی "ہیلو" انسپکٹر ناتھن کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی اس نے یس سر' یس سر' پلیز اسپیک' کہا اور فون مجھے دے دیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی "کیپٹن رام کشن مہتہ؟"

میں نے اپنے دلی والے سی آئی ڈی ہیڈ کوارٹر کے سیکرٹری نمبر۲ تیواڑی کی آواز پہچان لی۔ "یس سر! میں کیپٹن رام کشن مہتہ بول رہا ہوں۔"

"میں دلی ہیڈ کوارٹر سے تیواڑی بول رہا ہوں ٹنڈن صاحب سے بات کرو"

یہ وہی کھدر پوش' طوطے ایسی ناک' سنہری عینک والے گنجے پرشوتم ٹنڈن تھے جو بھارتی پردھان منتری کے سیکریٹریٹ کے چیف انٹیلی جینس آفیسر تھے اور جن کے بارے میں میری چھٹی حس کبھی کبھی خبردار کر دیا کرتی تھی کہ اس ہندو انٹیلی جینس افسر سے ہوشیار رہو۔ میں نے ٹنڈن جی کو نمستے

کہا انہوں نے جواب میں تیز آواز سے کہا ۔۔۔ "آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ تمہیں وہاں کس لئے بھیجا گیا تھا"

وہ مجھ پر برس رہے تھے میں نے کہا" سر! میں نے اپنے زون میں ڈیوٹی پوری کر دی تھی یہ پانڈی چری میں سبوتاژ ہوا ہے"

پرشوتم ٹنڈن نے تلخ لہجے میں کہا" یہ اندازے لگانا تمہاری ذمے داری نہیں ہے پرائم منسٹر سخت اپ سیٹ ہیں میں ابھی ان کے پاس سے اٹھ کر آرہا ہوں فوراً پانڈی چری پہنچ کر مجھے فل رپورٹ دو تم میرا سیکرٹ فون نمبر جانتے ہو"

کلک سے فون بند کر دیا گیا انسپکٹر ناتھن منہ کھولے مجھے تک رہا تھا میں نے گہرا سانس بھر کر ریسیور رکھ دیا ۔ انسپکٹر ناتھن کی پریشانی حق بجانب تھی جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں انسپکٹر ناتھن کو کیموفلاج کرنے کی غرض سے کنیا کماری کی اس فوجی بندرگاہ کے مزدوروں کا لیبر آفیسر بنا دیا گیا تھا۔ اصل میں وہ اس سارے علاقے کا چیف سیکورٹی آفیسر تھا اور وہ معطل ہونے سے نہیں بچ سکتا تھا بلکہ خطرہ یہ بھی تھا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے اس نے خشک آواز میں پوچھا" کون ۔۔ کون تھا؟"

میں نے کہا" پرائم منسٹر سکریٹریٹ کا چیف انٹیلی جینس آفیسر پرشوتم داس ٹنڈن تھا"
میں نے اپنے آپ کو بے دلی سے کرسی پر گرا دیا اور پریشان ہو کر بولا " قصور پانڈی چری کی سیکورٹی کا ہے اور سارا الزام ہمارے سر تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے"
انسپکٹر ناتھن کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا" تم فکر نہ کرو انسپکٹر ناتھن! تم نے اپنے زون سے سب میرین کو آل کلیئر کی رپورٹ وصول کرنے کے بعد گزار دیا تھا۔

انسپکٹر ناتھن نے مردہ آواز میں کہا" کیپٹن! سب اپنی کھال بچانے کی فکر میں ہیں تم دیکھ لینا ہم دونوں پھنس جائیں گے بلکہ تم بھی چھوٹ جاؤ گے میں پھانسی کے تختے پر لٹکایا جاؤں گا"
میں نے انسپکٹر ناتھن کو ایک بار پھر تسلی دی اور کہا ٹنڈن جی نے مجھے پانڈی چری جا کر حادثے کی فل رپورٹ سب مٹ کرانے کو کہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو یہاں اکیلے تم زیادہ پریشان ہو گے ۔"

انسپکٹر ناتھن نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور عاجزی سے بولا "کیپٹن تم تو میرے حق میں گواہی دو گے نا؟ تم تو جانتے ہو کہ ہم نے سب میرین کی کس طرح سے چیکنگ کی تھی سب ٹھیک تھا۔

میں نے کہا" اس میں کیا شک ہے مگر نقصان بے پناہ ہوا ہے سب میرین کے پرخچے اڑ گئے ہیں خیال ہے کہ عملے کا کوئی آدمی نہیں بچ سکا بہر حال پانڈی چری پہنچنے کے بعد ہم تخریب کاروں کا

سراغ لگا کر دم لیں گے یہ ان ہی لوگوں کا سوتاژ ہے ہم نے تو پہلے ہی کیپٹن شیواجی سے کہہ دیا تھا کہ آبدوز کو پانڈی چری لے جانے کی بجائے سیدھا کلکتہ کی طرف چلا جائے "

انسپکٹر ناتھن فوراً بولا " میں نے اپنی رپورٹ میں بھی یہی تجویز پیش کی تھی ،مگر سب میرن کا کیپٹن شیواجی ضدی آدمی تھا اپنے ساتھ اس نے ہمیں بھی مروا دیا ہے ۔ اب کچھ پتا نہیں کیا ہو گا میرے تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں "

انسپکٹر ناتھن کی آواز بھرا گئی میں اسے حوصلہ دینے کی کوشش کرنے لگا ،مگر اسے کہاں حوصلہ آتا وہ خوب جانتا تھا کہ اوپر والے اپنی چمڑی بچانے کے لئے اسے قربانی کا بکرا ضرور بنائیں گے ۔ اپنے ساتھ میں اسے اس لئے پانڈی چری لے جانا چاہتا تھا کہ وہ پانڈی چری کے سکیورٹی عملے کو جانتا تھا اور مجھے بڑی سہولت ہو جاتی اور میں اپنی رپورٹ آسانی سے تیار کر سکتا تھا۔ میں نے انسپکٹر ناتھن کو اپنی باتوں سے کم از کم اتنا یقین ضرور دلا دیا کہ اس کی نوکری نہیں جائے گی اور اگر اسے معطل کر بھی دیا گیا تو وہ بہت جلد بحال ہو جائے گا کیونکہ میں اس کے حق میں گواہی دوں گا انسپکٹر کو کچھ حوصلہ ہو گیا میں نے اسے کہا کہ ملٹری ائرپورٹ سے پتا کرائے ہمیں کوئی طیارہ پانڈی چری لے جا سکتا ہے وہاں سے پتا چلا کہ صرف ایک ڈیکوٹا ائربیس پر موجود ہے جس کی اوور ہالنگ ہو رہی ہے اور صبح آٹھ بجے ایک چھوٹا فوکر رامیشورم سے آئے گا اس میں سوار ہو کر ہم پانڈی چری جا سکتے ہیں ریل کے ذریعے جانے سے ڈیڑھ دن لگ جاتا تھا ہم نے یہی طے کیا کہ دوسرے روز صبح آٹھ بجے پانڈی چری کے لئے روانہ ہو جائیں گے ۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد فون آ رہے تھے یہ تمام ٹیلی فون مدراس کیرالہ اور دلی کی سکیورٹی والوں کے تھے انسپکٹر ناتھن بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا کہ ہم نے آل کلیئر کی رپورٹ ملنے پر سب میرن کو روانہ ہونے کی اجازت دی تھی ۔

ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ مدراس ہیڈ کوارٹر سے چیف سکیورٹی آفیسر گنیشم بھی اپنے دو آدمیوں کے ساتھ تحقیقات کرنے وہاں پہنچ گیا اس نے مجھ سے بھی ملاقات کی ہم سے پوری رپورٹ لی ہمارے بیانات لکھوا کر فائل میں رکھے اور جیٹی پر جا کر اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں ایٹمی آبدوز کچھ وقت لنگر انداز رہی تھی پھر گودام کا بھی معائنہ کیا ابھی تک سکیورٹی آفیسر مسٹر گنیشم نے انسپکٹر ناتھن کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے معطل کر دیا ہے وہ پہلے اس سے پوری معلومات حاصل کر لینا چاہتا تھا پھر جب اس نے ناتھن سے کہا کہ محکمے نے اسے معطل کر دیا ہے تو انسپکٹر ناتھن قریب قریب بے ہوش ہی ہو گیا ہم نے اسے پانی پلایا حوصلہ دیا اور اسے لے کر آفس کے دوسرے کمرے میں لے جا کر لٹا دیا۔

رات کو ہم سب نے وہیں بندرگاہ کے آفس میں ہی کھانا کھایا اس کے بعد سکیورٹی آفیسر گنیشم اپنے دو آدمیوں کے ساتھ ریسٹ ہاؤس میں آرام کرنے چل دیا ۔ انسپکٹر ناتھن کو میں اس کے

بستی والے کوارٹر میں چھوڑ آیا ہمارا پروگرام دوسرے روز پانڈی چری اکٹھے جانے کا تھا مگر اب انسپکٹر ناتھن کے معطل ہونے سے صورت حال بدل گئی تھی مدراسی سیکورٹی آفیسر نے اسے وہیں رکنے کے لئے کہا تھا اب مجھے دوسرے روز اکیلے ہی پانڈی چری روانہ ہونا تھا میں اپنے کوارٹر والے کمرے میں آگیا۔ آج کی رات میرا اس کوارٹر میں ویسے بھی رہنا ضروری تھا کیونکہ مجھے رات دس بجے کے بعد پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کرنا تھا۔

کھانا میں آفس سے کھا کر ہی آیا تھا پانڈی چری جانے کے لئے مجھے کسی قسم کی خصوصی تیاری کی ضرورت نہیں تھی کپڑے میرے پاس موجود تھے ایک بریف کیس بھی تھا دلی ہیڈ کوارٹر کی ایک فائل اس میں پہلے ہی سے رکھی ہوئی تھی اس بریف کیس میں میرا دلی ہیڈ کوارٹر کا شناختی کارڈ بھی تھا جس پر میری تصویر کے نیچے میرا نام کیپٹن رام کشن مہتہ لکھا تھا اور سرکاری مہر لگی تھی اس کے علاوہ کچھ کرنسی نوٹ بھی تھے میری ایک ڈائری بھی جس پر میرے دلی والے مکان کا پتا اور دوستوں کے اور ہونے والی بیوی سجاتا کے ٹیلی فون نمبر درج تھے میں نے گھڑی دیکھی ابھی دس بجنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا میں پتلون بش شرٹ میں ہی رہا اور سگریٹ سلگا کر کافی بنانے لگا کچھ دیر پلنگ پر بیٹھا کافی پیتا رہا خبروں میں آل انڈیا ریڈیو نے ایٹمی آبدوز کی تباہی کی خبر بالکل نہیں دی تھی۔ ایک چھوٹی سی خبر میں محض یہ بتایا گیا کہ آج دن میں پانڈی چری بندرگاہ کی ایک جیٹی پر آگ بھڑک اٹھی جسے آگ بجھانے والے عملے نے فوراً بجھا دیا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا حالانکہ ہماری اطلاع کے مطابق آبدوز کے ساتھ اس کے عملے کے بھی پرخچے اڑ گئے تھے لوگوں کا نقصان اس لئے نہیں ہوا تھا کہ ایٹمی آبدوز جیٹی سے دور ایک کھاڑی میں لنگر انداز تھی جہاں ایک ٹیلے کی اوٹ تھی حکومت نے اس خبر کو نشر نہیں ہونے دیا تھا۔

جب رات کے ٹھیک دس بج گئے تو میں نے کونے والی بوریوں کے نیچے سے چھوٹا مگر طاقتور ٹرانسمیٹر نکالا اور اسے آن کر کے خاص فریکوئنسی ملانے کی کوشش کرنے لگا باہر رات کی خاموشی کافی گہری ہو چکی تھی کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ٹرانسمیٹر میں سے ٹون کی آواز نکلی اور پھر دوسری طرف سے کسی نے مرموز کوڈ میں اپنا نمبر دہرایا۔ یہ ہمارا خاص کوڈ تھا میں نے بھی فوراً اپنا کوڈ نمبر بولا دوسری طرف سے میرے باس کی آواز سنائی دی وہ مرموز حروف میں بات کر رہا تھا جس میں لفظ کوئی نہیں تھا تاکہ دونوں طرف کوڈ کو کھولنے اور عبارت بنانے میں آسانی رہے۔ میں نے ایک انتہائی غیر ذمے داری کا کام کیا تھا اس روز کچھ کیفیت ایسی ہیجانی رہی تھی کہ میں دروازہ بند کرنا بھول گیا ویسے بھی میرا کوارٹر لیبر آفس سے دور جنگل میں تھا اور رات کے وقت وہاں جس شخص کے آنے کی توقع تھی وہ قتل کر دیا گیا تھا سنہالی ایجنٹ سنگھمو ہی وقت بے وقت اچانک نکل آتا تھا۔ اس وقت اتفاق دیکھئے کہ ریوالور مجھ سے چھ سات قدموں کے فاصلے پر تکیئے کے نیچے پلنگ پر پڑا تھا کیونکہ میں رات کو ریوالور الماری کی دراز سے نکال کر تکئے کے نیچے رکھ کر سوتا تھا میں پلنگ کی پائنتی کی جانب لکڑی کے فرش پر

بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھا ٹرانسمیٹر پر اپنے پاکستانی باس سے بات چیت کر رہا تھا دیوار والا ہلکا بلب بھی روشن تھا پہلے میں نے ایسا کبھی نہ کیا تھا' لیکن اس روز انتہائی بے پروا ہو کر ایسا خطرناک کام کر رہا تھا۔

باس کو ایٹمی آبدوز کی تباہی کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی اس نے مجھے مبارکباد دی اور کہا کہ اب مجھے دوسرے مشن کے بارے میں دلی میں خبر کر دی جائے گی۔ وائرلیس پر میں پندرہ بیس منٹ تک باتیں کرتا رہا بہت سی انفارمیشن دی گئیں مجھے' پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر برآمدے میں کوئی آدمی موجود ہے میں نے وہیں ٹرانسمیٹر بند کر کے اسے پلنگ کے گدے کے نیچے کھسکا دیا اور خود آہستہ سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ دبے پاؤں چلتا دروازے تک آیا۔

ایک بار تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کیونکہ میرے سامنے انسپکٹر ناتھن کھڑا مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور پوچھا "انسپکٹر ناتھن! تم اس وقت کیسے آگئے؟ خیریت تو ہے؟"

انسپکٹر ناتھن کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں غصے میں دانت پیستے ہوئے غرایا "کیپٹن تم اور پاکستانی ایجنٹ؟ مجھے یقین نہیں آتا مگر تم بچ کر نہیں جا سکتے ایٹمی آبدوز کی تباہی کا معمہ اب حل ہوا ہے"

میری خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر ناتھن وردی میں نہیں تھا اور اس کی پیٹی میں پستول نہیں لگا تھا وہ شب خوابی کے لباس میں تھا اور کوئی ضروری بات کرنے میری طرف آیا تھا اس نے اندر سے میری باتیں کرنے کی آواز سنی تو دروازے کے پاس آکر رک گیا پھر اس نے کوڈ الفاظ میں مجھے باتیں کرتے سنا تو فوراً سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے آخر وہ خود سیکرٹ سروس کا آدمی تھا فوراً سمجھ گیا کہ میں کسی دوسرے ملک کی سیکرٹ سروس سے بات کر رہا ہوں وائرلیس ٹرانسمیٹر پر مجھے دلی بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ دلی اور مدراس میں اس کے آفس پر لگے فون پر ہی بات کر لیا کرتا تھا اور اپنے ریڈیو ٹرانسمیٹر کی بابت میں نے انسپکٹر ناتھن سے کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا سوائے پاکستان کے میں کسی اور ملک کا ایجنٹ نہیں ہو سکتا تھا اس بات پر انسپکٹر ناتھن کی موت بھی میرے ہاتھوں یقینی ہو گئی تھی ـ ـ ـ ـ ـ سنہالی ایجنٹ کے بیان کو تو میں کسی قدر جھٹلا بھی سکتا تھا مگر انسپکٹر ناتھن کی رپورٹ کو میں کسی حالت میں بھی جھٹلا نہیں سکتا تھا اس بات کے لئے میں خدا کا شکر بجالا رہا تھا کہ انسپکٹر ناتھن کے پاس پستول نہیں تھا ورنہ وہ دروازہ کھلتے ہی مجھے شوٹ کر دیتا اور میں اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا دوسری شکر بجالانے والی بات یہ تھی کہ ہم دونوں لیبر آفس سے دور ایک ویران جگہ پر اکیلے تھے اور ہماری آواز یا انسپکٹر ناتھن کی آواز کو کوئی نہیں سن سکتا تھا۔

بے چارے نے وطن پرستی کا حق ادا کرتے ہوئے میری گردن ضرور دبوچ لی تھی مگر میرے تجربے' طاقت اور مہارت کے آگے اس کی حیثیت صفر کے برابر تھی' چنانچہ دو منٹ ہی لمحے اس کی

گردن میرے آہنی پنجے کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی میں اس کی گردن کو جھٹکے دے رہا تھا اور اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں اس کے بعد اس کی گردن کا تناؤ ختم ہو گیا اس کا سر ایک طرف گرنے لگا میں نے اسے آرام سے فرش پر چھوڑ دیا وہ مر چکا تھا۔

میں نے پہلا کام یہ کیا کہ ٹرانسمیٹر کو پلنگ کے نیچے سے نکالا۔ باہر نکل کر دروازے کو تالا لگایا اور سنبل کے درخت کے نیچے جا کر اسے چبوترے کے پتھر کے نیچے چھپا دیا اوپر پتھر دوبارہ رکھ کر مٹی اور گھاس ڈالی اور لپک کر کمرے میں واپس آگیا آتے ہی بتی بجھا دی انسپکٹر ناتھن کی لاش ٹھکانے لگانے کا کام اب میرے سامنے تھا ویسے تو میں لاش کو کسی بھی جگہ زمین میں دبا سکتا تھا' لیکن اس کی گمشدگی کئی شبہات کو جنم دے سکتی تھی اور یہ خبر دلی میرے ہیڈ کوارٹر تک بھی جاتی وہاں پردھان منتری سکریٹریٹ کا چیف انٹیلی جینس آفیسر پرشوتم داس ٹنڈن پہلے ہی مجھے اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے تھا۔

ایک خیال میرے ذہن میں اچانک ہی آگیا۔۔۔ خیال بڑا مناسب تھا' مگر اس کے لئے مجھے مزید اندھیرا ہونے کا انتظار تھا انسپکٹر ناتھن کی لاش میرے کمرے کے فرش پر پڑی تھی کمرے میں اندھیرا تھا میں نے جھک کر ناتھن کے دل پر ہاتھ رکھا دل نے دھڑکنا بند کر دیا تھا میں رسوئی میں گیا وہاں کونے میں ناریل کی چھال کی بنی ہوئی رسی کا گچھا کئی روز سے پڑا ہوا تھا میں اسے کمرے میں لے آیا یہ پندرہ بیس فٹ لمبی رسی تھی' اور کافی پکی رسی تھی جب رات اور زیادہ گہری ہو گئی تو میں نے کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں نظر دوڑائی جنگل کے درختوں میں گہری تاریکی اور موت ایسا سناٹا چھایا تھا دو تین جھینگر کھاڑی کی طرف برابر بول رہے تھے انسپکٹر ناتھن بھاری جسم والا نہیں تھا میں نے اس کی لاش کو کاندھے پر ڈالا رسی کا گچھا ہاتھ میں پکڑا اور برآمدے سے ہوتا ہوا درختوں میں نکل گیا تھوڑی دور جانے کے بعد سمندر کی کھاڑی کا ساحل آگیا یہاں میں نے ایک موزوں درخت دیکھ کر ناتھن کی لاش کو زمین پر رکھ دیا درخت کی ایک ٹہنی نیچے کو جھکی ہوئی تھی میں نے رسی کا پھندا بنا کر اسے انسپکٹر ناتھن کی گردن میں ڈال کر اچھی طرح سے کس دیا پھر لاش کو اس ٹہنی کے ساتھ لٹکا دیا۔ اس بات کا میں نے خاص طور پر خیال رکھا کہ جو کوئی بھی دیکھے اسے یہ کیس خودکشی کا ہی معلوم ہو کسی پہلو سے بھی کوئی یہ ثابت نہ کر سکے کہ اسے مارنے کے بعد درخت سے لٹکایا گیا ہے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد' میں واپس اپنے کوارٹر میں آکر پلنگ پر لیٹ گیا اور اپنے دوسرے روز والے پانڈی چری کے دورے کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ وہاں سب لوگ میرے لئے اجنبی تھے مجھے ان سے دھماکے کی تفصیلات معلوم کرنے کے بعد رپورٹ مرتب کرنی تھی میں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ رپورٹ میں سنہالی تخریب کاروں کی کارروائیوں کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

اس کے بعد مجھے نیند آگئی صبح اٹھا تو دن کافی نکل آیا تھا میں نے اٹھ کر جلدی سے فرش پر نگاہ ڈالی ہاں رات کی دھینگا مشتی کے کوئی نشان نہیں تھے۔ میں نے غسل کیا کپڑے بدلے اور تھوڑی سی کافی

پہنچنے کے بعد کوارٹر کو تالا لگا کر جیٹی کے لیبر آفس کی طرف چل پڑا وہاں مدراسی سکیورٹی آفیسر اپنے دونوں آدمیوں کے ساتھ پہلے سے موجود تھا مجھے آٹھ بجے انڈین ائر فورس کا ٹرک پکڑنا تھا جو رامیشورم سے آنے والا تھا اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے مدراسی سکیورٹی آفیسر گنیشم کو نمستے کی اس نے بھی نمستے کیا اور بولا " ادھر کسی فائل میں کوئی اندراج نہیں ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ انسپکٹر ناتھن ایک غیر ذمے دار افسر ہے بہرحال اس کی بابت اب انکوائری کمیشن ہی کوئی فیصلہ کرے گا۔

وہ فائل آگے رکھے اس کے ورق الٹ رہا تھا میں کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کن انکھیوں سے باہر دیکھنے لگا میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی مزدور ادھر بھاگتا ہوا آئے اور ہمیں یہ بتائے کہ انسپکٹر ناتھن کی لاش درخت سے لٹکی ہوئی ہے کیونکہ مزدور ادھر ہی سے کام پر آتے تھے اور ان کے آنے کا وقت ہو چکا تھا میں سکیورٹی آفیسر گنیشم سے باتیں کرنے لگا میں نے انسپکٹر ناتھن سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا " انسپکٹر ناتھن بڑا ذمے دار افسر ہے پچھلے دنوں اس کی بیوی بہت بیمار تھی اس وجہ سے اس سے کچھ غفلت ہو گئی ہو گی اور پھر سب میرین کی چیکنگ اس نے میرے سامنے کی تھی اور کیپٹن شیواجی سے این او سی بھی لیا تھا "

گنیشم فائل بند کرتے ہوئے اس کا فیتہ باندھتے ہوئے بولا " کیپٹن مہتا ! تم ان لوگوں کو نہیں جانتے یہ محض دکھاوے کے لئے کام کرتے ہیں یہ لوگ اپنی ذمے داری بالکل محسوس نہیں کرتے "

میں نے گوشہ چشم سے ایک مزدور کو دیکھ لیا تھا جو لیبر آفس کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ وہ کیا خبر لا رہا ہے ؟ مجھے معلوم تھا ، مگر میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر مدراسی سکیورٹی آفیسر گنیشم کو سگریٹ پیش کیا وہ مسکرا کر بولا " میں سگار پیتا ہوں ، صرف سگار "

اتنے میں باہر مزدور کے چلانے کی آواز سنائی دی وہ تامل زبان میں شور مچا رہا تھا " ادھر لاش ہے لاش ہے لاش ہے "

میں نے اداکاری کرتے ہوئے چونک کر کھڑکی میں سے مزدور کی طرف دیکھا گنیشم اور اس کے آدمی بھی اٹھ کر باہر آ گئے " کیا ہو گیا ہے کس کی لاش ہے ؟ کیا کہہ رہے ہو تم ؟ "

میں نے مزدور کے قریب جا کر پوچھا یہ کالا کلوٹا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا بے چارے سے خوف کے مارے ، ہو رہی تھی ہاتھ جوڑ رکھے تھے بولا " سرکار ! ادھر ناتھن بابو کی لاش لٹکی ہوئی ہے

گنیشم اچھلتے ہوئے کہا " کیا بکواس کرتے ہو ؟ "

آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں ناتھن بابو کی لاش درخت سے لٹکی ہوئی

"

نکل گیا " اوہ مائی گاڈ "

ہم سب اس طرف کو دوڑے جدھر مزدور نے اشارہ کیا تھا وہ مزدور ہمارے آگے آگے دوڑ رہا تھا مجھے معلوم تھا کہ وہ کدھر جائے گا میں مدراسی چیف سکیورٹی آفیسر گنیشم کے ساتھ دوڑ رہا تھا بہت جلدی ہم کھاڑی کے کنارے اس درخت کے نیچے آگئے جس کی ٹہنی سے انسپکٹر ناتھن کی لاش لٹک رہی تھی۔ میں وہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا" ہے بھگوان! ناتھن نے یہ کیا کر دیا"

مدراسی چیف سکیورٹی آفیسر گنیشم کے لئے یہ نتیجہ نکالنا کوئی مشکل نہ تھا کہ انسپکٹر ناتھن نے انکوائری سے بچنے کے لئے خود کشی کر لی ہے میں نے اس خیال کو مزید مستحکم کرنے کے لئے دکھ بھری آواز میں کہا" وہ اپنی سسپنشن سے بہت پریشان تھا اسے خطرہ تھا کہ شاید اسے قید بھی ہو جائے مگر اسے خود کشی نہیں کرنی چاہئے تھی"

میں زمین پر پاؤں مار کر افسوس کرنے لگا" انسپکٹر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم بے گناہ تھے محکمہ اندھا نہیں ہے وہ ضرور انصاف کرتا ہے بھگوان۔ ہے بھگوان"

سکیورٹی آفیسر گنیشم بھی افسوس کرنے لگا اسی وقت آدمی بلوا کر انسپکٹر ناتھن کی لاش درخت سے اتروائی گئی لاش اس کے گھر پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہاں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو یہ خیال آئے گا کہ مرنے والے کی گردن پر کسی کی انگلیوں کے نشان دیکھے جائیں میں نے چیف سکیورٹی آفیسر گنیشم کو ایک طرف لے جا کر کہا" مجھے سب میرین ڈزاسٹر کی رپورٹ بنانے کے لئے آٹھ بجے پانڈی چری جانا ہے مجھے اجازت دیں"

گنیشم فوراً بولا" ضرور ضرور کیپٹن مہتا۔ تم سے پھر ملاقات ہوگی گڈ لک"

میں نے گنیشم سے ہاتھ ملایا اور انسپکٹر ناتھن کی اندوہناک موت پر ایک بار پھر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس سے رخصت لے کر واپس اپنے کوارٹر کی طرف چل پڑا وہاں سے بریف کیس اٹھایا اور کھاڑی کی دوسری طرف انڈین ائر فورس کے چھوٹے سے رن وے پر آگیا وہاں بھی گراؤنڈ کا مختصر سا عملہ انسپکٹر ناتھن کی خود کشی پر افسوس کا اظہار کر رہا تھا ایشورم سے وہ فوکر طیارہ آچکا تھا جس میں سوار ہو کر مجھے پانڈی چری جانا تھا یہ چار نشستوں والا چھوٹا سا طیارہ تھا پائلٹ مدراسی تھا میں نے اسے اپنا آئی ڈی کارڈ دکھایا اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور جہاز کی طرف لے کر بڑھا۔

دس منٹ بعد ہمارا فوکر طیارہ بھارت کے جنوبی ساحل سے بلند ہو کر تامل ناڈو کی دوسری بڑی بندرگاہ پانڈی چری کی طرف پرواز کر رہا تھا پانڈی چری پہنچ کر میں نے بندرگاہ کے ایک قریبی ہوٹل ٹاور ویو میں ایک کمرا لے لیا بریف کیس میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر جیب میں رکھا کمرے میں تالا لگایا اور سیدھا بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا جیٹی کے علاقے کو بحری فوج اور سکیورٹی گارڈز نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا جیٹی کے چیف سکیورٹی آفیسر کو میری آمد کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ اس نے میرا شناختی کارڈ چیک کیا اور مجھے ایک دفتر میں لے گیا جہاں چیف جیٹی آفیسر نے میرا سواگت کیا۔ یہ

مدراسی تھا انگریزی تو یہ لوگ مادری زبان کی طرح روانی سے بولتے تھے مگر یہ جیٹی آفیسر تلیگو اور ملیالم بھی جانتا تھا وہ مجھ سے انگریزی میں بات کر رہا تھا جب میں نے اسے بتایا کہ اگرچہ میں پنجابی ہوں مگر تامل بھی بول لیتا ہوں تو وہ بڑا خوش ہوا اور پھر تامل میں بات کرنے لگا۔

بندرگاہ پر کچھ ملکی اور کچھ غیر ملکی باربردار جہاز کھڑے تھے۔ جیٹی آفیسر مجھے ایک اسٹیمر میں بٹھا کر ٹیلے کے عقب والی اس کھاڑی میں لے گیا جہاں ایٹمی آبدوز میں دھماکا ہوا تھا آبدوز کا ملبہ کافی حد تک اٹھا لیا گیا تھا مگر ابھی تک فولاد اور المونیم کے مڑے تڑے ٹکڑے ٹیلے کے نشیب میں دور دور تک بکھرے پڑے تھے۔

دھماکا اس قدر خوفناک تھا کہ آس پاس کے کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے ایک بڑا اژدر جس میں کرین لگی تھی سمندر میں زنجیر ڈالے غرق شدہ ٹکڑوں کو نکالنے میں لگا تھا بحری فوج کا عملہ روایتی انداز میں اپنا کام کر رہا تھا جیٹی آفیسر کی زبانی معلوم ہوا کہ آبدوز کے عملے کا کوئی آدمی نہیں بچا کسی ایک کی بھی لاش نہیں مل سکی صرف کچھ انسانی پاؤں ضرور کنارے پڑے ملے ہیں میں اپنی نوٹ بک میں یہ تفصیلات درج کرتا چلا گیا کچھ دیر وہاں رہ کر صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر جیٹی آفیسر کے ساتھ واپس اس کے آفس میں آگیا اس نے میرے لئے کافی منگائی ایک سگار بھی پیش کیا اتنے میں دلی پرائم منسٹر سکریٹریٹ کے چیف انٹیلی جینس آفیسر مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن کا فون آگیا وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا میں نے ریسیور تھام کر اسے نمسکار کیا اس نے نمسکار کا کوئی جواب نہ دیا بولا "تم پانڈی چری میں ہی رہنا آج چار بجے سہ پہر سوراشٹر کے انٹیلی جینس چیف مسٹر ویاس پانڈی چری پہنچ رہے ہیں وہ ایک خاص مشن پر آرہے ہیں اس بارے میں تم سے زبانی بات کریں گے میں تمہیں فون پر نہیں بتا سکتا ان سے پورا تعاون کرنا اب مجھے یقین ہے ہم اس تخریب کار گینگ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے جنہوں نے سب میرین کو تباہ کیا ہے تم اپنی رپورٹ تیار کر کے جلدی ہمیں بھجوانے کی کوشش کرو ہمیں اس درگھٹنا کی پوری تفصیل چاہئے"

ٹنڈن صاحب نے فون بند کر دیا اس نے میرے دل میں تشویش کی خلش کو بیدار کر دیا تھا اسے کیسے یقین ہے کہ وہ تخریب کاروں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ مسٹر ویاس کو کون سے خفیہ مشن پر بھیجا جا رہا ہے؟

ذہن میں طرح طرح کے شکوک، شبہات اور خدشے سر اٹھا رہے تھے بہر حال میں نے مزید محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ افسوس اس بات کا تھا کہ میرے پاس زہریلے سگاروں میں سے ایک بھی سگار نہیں تھا صرف ایک ریوالور ہی تھا جسے میں سفر میں اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا اور جو میرے بریف کیس میں بند ہوٹل میں پڑا تھا دل ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو گیا آخر ان لوگوں کے [illegible]ن سا نقش سلیمانی آگیا ہے جس کی مدد سے یہ ایٹمی آبدوز کی تباہ کاری کے ذمے دار افراد کا سراغ لگانے میں کامیاب

ہو جائیں گے ۔ میں نے یہ کہہ کر اپنے دل سے خدشات کو نکال دیا کہ یہ محض معمول کی سراغرسانی اور تحقیقات ہوگی جس کا کچھ بھی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکے گا آبدوز کے پرخچے اڑ چکے تھے کوئی ثبوت باقی نہیں بچا تھا یہ انڈین انٹیلی جینس والے خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں ۔

ساڑھے چار بجے میں آفس میں ہی تھا کہ پتا چلا گجرات کاٹھیاواڑ کے چیف انٹیلی آفیسر مسٹر دی ایم ویاس آگئے ہیں میں انہیں لینے جیٹی آفیسر کے ساتھ آفس سے باہر آگیا دیکھا مسٹر ویاس ہاتھ میں بریف کیس تھامے سکیورٹی گارڈز کی معیت میں ہماری طرف آرہا تھا اس نے سلیٹی رنگ کا ٹھنڈا سوٹ پہن رکھا تھا عمر چالیس برس سے کچھ اوپر ہوگی سر درمیان سے کچھ گنجا تھا کنپٹیوں پر سیاہ بالوں میں کہیں کہیں سفیدی کی جھلک تھی قد درمیانہ اور جسم گٹھا ہوا تھا سب سے نمایاں بات اس شخص کی آنکھیں تھیں۔ آنکھوں میں ایک ایسی مقناطیسی چمک تھی جو دل کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہوتی ان آنکھوں میں کسی بھی مسئلے کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت اور عیاری موجود تھی میں نے آگے بڑھ کر مسٹر ویاس سے ہاتھ ملایا انہیں نمسکار کہہ کر اپنا تعارف کرایا مسٹر ویاس نے آنکھیں کر مجھ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور انگریزی میں جیٹی آفیسر سے پوچھا "کیا میں کھاڑی پر جا سکتا ہوں ؟"

"کیوں نہیں سر! آیئے ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے" میں بھی ان کے ساتھ چلا کھاڑی پر ہم ایک بار پھر اسٹیمر پر بیٹھ کر گئے مسٹر ویاس نے اس جگہ کا خاص طور پر معائنہ کیا جہاں ٹرالر کی کرین سمندر کے اندر سے آبدوز کے غرق شدہ ٹکڑے نکال رہی تھی مسٹر ویاس نے جیٹی آفیسر سے کہا" ابھی تک سمندر کی تہ سے کیا کچھ نکالا گیا ہے مجھے اس کا معائنہ کرنا ہوگا"

سمندر سے نکالا گیا کچھ ملبہ وہیں کنارے پر پڑا تھا کچھ لوہے کے ٹکڑے۔ قریبی گودام میں بھر دیئے گئے تھے مسٹر ویاس نے ان سب کو ایک ایک کر کے دیکھا پھر مجھے ساتھ لے کر گودام سے باہر آگیا جیٹی آفیسر ہمارے پیچھے پیچھے آرہا تھا مسٹر ویاس نے اسے کہا" میں چاہتا ہوں کہ ان تمام چیزوں پر کڑا پہرہ لگا دیا جائے اور اب سمندر سے جو چیز بھی نکلے مجھے دکھائے بغیر گودام میں نہ رکھی جائے"

"ایسا ہی ہوگا!" سر جیٹی آفیسر نے مستعدی سے جواب دیا۔

میں نے اتنا اندازہ لگا لیا کہ مسٹر ویاس کو کسی ایسی چیز کی تلاش ہے جو آبدوز کے ساتھ سمندر میں غرق ہے میں نے اس بارے میں از خود کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا میں جانتا تھا کہ وہ جس خفیہ مشن پر یہاں آیا ہے اس پر خود ہی روشنی ڈالے گا وہ پانڈی چری بندر گاہ کے پاس ہی سرکاری ریسٹ ہاؤس کی دوسری منزل میں کونے والا کمرا اسے دیا گیا تھا جہاں سہولت کی ہر شے موجود تھی وہ مجھے ساتھ لے کر ریسٹ ہاؤس میں آگیا میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ وہ کس خفیہ مشن پر وہاں آیا ہے۔

مسٹر ویاس نے نوکر سے کہا کہ کافی لائے ہم بالکونی میں بیٹھ گئے سامنے ڈھلان پر ناریل کے

درختوں کی قطاریں دور سمندر کے کنارے تک چلی گئی تھیں جہاں دو مال بردار جہاز لنگر انداز تھے شام ہونے والی تھی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی کافی پیتے ہوئے مسٹر ویاس نے اپنی گہری مقناطیسی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور بولا "کیپٹن مہتا! آج صبح ہم پر ایک عجیب و غریب انکشاف ہوا ہے"

میرا دل ذرا زور سے دھڑک کر پھر اپنے معمول پر آگیا یہ کس انکشاف کی بات کر رہا ہے؟ میں نے ڈھلان کی طرف دیکھا کچھ مزدور ایک جگہ جھاڑیاں صاف کر رہے تھے اگر میں مسٹر ویاس کی گردن توڑ کر اسے بالکونی سے نیچے پھینک دیتا ہوں تو یہ مزدور دیکھ لیں گے اس کے سوا اور انکشاف کیا ہو سکتا تھا کہ انہیں میرے بارے میں علم ہو گیا ہو گا کہ میں پاکستانی ایجنٹ ہوں میں نے خالی خالی نظروں سے مسٹر ویاس کی طرف دیکھا۔ اس نے بڑے سکون سے کافی کا گھونٹ پی کر پیالی میز پر رکھی اور بولا۔

"تمہیں تو معلوم ہی ہو گا کہ یہ آبدوز روس نے ہمیں دی تھی اور ابھی اس میں کچھ روسی انجینئر موجود تھے یہ جدید ترین ایٹمی آبدوز تھی روس کے وزارت دفاع کی جانب سے ہمیں ایک خفیہ پیغام میں بتایا گیا ہے کہ اس آبدوز کے تارپیڈو روم میں ایک انتہائی طاقت ور ٹی وی کیمرا نصب کیا گیا تھا جو ایک چھوٹے سے گول ریڈ بکس میں بند تھا یہ ریڈ بکس ایسی دھات سے بنایا گیا ہے کہ اس پر بھیانک سے بھیانک دھماکے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا جدید ترین ایٹمی آبدوزوں اور جہازوں میں اس لئے لگایا جاتا ہے کہ اگر کوئی تخریب کار وہاں بم لگانے میں کامیاب ہو جائے اور آبدوز غرق ہو جائے تو اس ریڈ بکس کا ٹی وی کیمرا اس کی نقل و حرکت کی ساری فلم اتار لے جسے بعد میں ڈیولپ کر کے تخریب کار کو پکڑا جا سکے تارپیڈو روم میں یہ کیمرا اس لئے نصب کیا جاتا ہے کہ عام طور پر تخریبی کاروائیوں کا نشانہ تارپیڈو روم کو ہی بنایا جاتا ہے کیونکہ وہاں پہلے ہی سے تارپیڈو میزائل موجود ہوتے ہیں جو ٹائم بم کے ساتھ پھٹ کر تباہی میں دس گنا اضافہ کر دیتے ہیں روسی وزارت دفاع کے اس انکشاف نے ہماری بجھی ہوئی امیدیں پھر سے روشن کر دی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم سمندر کے نیچے سے وہ ریڈ بکس برآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ شخص ضرور پکڑا جائے گا جس نے تارپیڈو روم میں ٹائم بم لگایا تھا۔

ایک پل کے لئے میرے پاؤں تلے سے زمین ہل گئی یہ شخص میری موت کا پیغام لے کر آیا تھا تارپیڈو روم میں میں نے ہی ٹائم بم لگائے تھے اگر وہاں کسی خفیہ جگہ پر ریڈ بکس میں ٹی وی کیمرا نصب تھا تو اس میں میری نقل و حرکت کی فلم محفوظ ہو گئی ہو گی اور اگر وہ فلم ان لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ مجھ پر اذیت ناک تشدد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا بلکہ میرا مشن بھی خاک میں مل جائے گا اور میں وطن عزیز کی سلامتی اور بقا کے لئے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو بے نقاب نہ کر سکوں گا۔ میں نے اپنے آپ کو پوری طرح قابو میں رکھا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا "یہ تو بڑی خوشی کی بات آپ نے سنادی مسٹر ویاس! لیکن [illegible]ت کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تخریب کاروں نے تارپیڈو روم میں ہی بم لگایا تھا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ ٹائم بم

انجن روم میں کسی جگہ لگایا ہو ایسی صورت میں ہم مجرموں کا کا سراغ نہیں لگا سکیں گے کیونکہ ریڈ بکس کی فلم خالی ہو گی"

مسٹر ویاس نے کافی کی پیالی میں آہستہ آہستہ چیچ ہلاتے ہوئے کہا "کل تک ہمیں بھارت کی نیول انٹیلی جینس نے جو اپنی تحقیقاتی رپورٹ فراہم کی ہے اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ٹائم بم ایک نہیں بلکہ دو تین تھے اور یہ سارے کے سارے تارپیڈو روم میں ہی لگائے گئے تھے کیونکہ ٹائم بموں کے سیال مادے کے نشانات تارپیڈو روم کے پائپ کے ٹکڑوں پر ہی ملے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم پوری طرح سے پر امید ہیں کہ اگر ہم ریڈ بکس سمندر سے برآمد کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو وہ تخریب کار ضرور پکڑا جائے گا جس نے یہ ٹائم بم لگائے تھے کیونکہ ریڈ بکس میں نصب شدہ ٹی وی کیمرے پر اس کی تصویر واضح طور پر آگئی ہو گی"

یہ بات میرے سکون کو تہ و بالا کرنے کے لئے کافی تھی یہ بڑی خطرناک بات تھی ریڈ بکس میری موت کا پروانہ تھا اس میں لگے ہوئے کیمرے نے میری تمام نقل و حرکت اور کیپٹن شیواجی سے میری گفتگو اور پھر اس کو میرا انجن روم کی طرف بھیجنا پھر تارپیڈو میزائل اور پائپوں کے درمیان ٹائم بم چپکانا یہ سب کچھ محفوظ کر لیا ہو گا میرے خلاف اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی تھی میں سگریٹ کا کش لگانا بھول گیا تھا مسٹر ویاس نے میرے سگریٹ کے بڑھتے ہوئے گل کی طرف اشارہ کیا اور بولا "کیپٹن تمہارے سگریٹ کی راکھ گرنے والی ہے"

"آئی ایم سوری" میں نے جلدی سے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ دی اور بظاہر خوش ہو کر بولا" مسٹر ویاس! آپ نے تو بہت بڑی خوش خبری سنا دی اگر ریڈ بکس مل جاتا ہے تو ہم اس علاقے کے سارے تخریب کاروں کو گرفتار کر سکتے ہیں کیونکہ جس آدمی نے تارپیڈو روم میں ٹائم بم لگائے تھے وہ یقیناً سنہالی تخریب کاروں کے گروہ کا آدمی ہو گا اور ہماری انٹیلی جینس اسے آسانی سے تلاش کر کے اس سے باقی لوگوں کی نشاندہی کروا لے گی۔"

مسٹر ویاس نے جیب سے رومال نکال کر اپنے ہونٹوں کے کنارے صاف کیئے اور بولا " اس انکشاف کا علم ہماری وزارت دفاع کے صرف چند ایک لوگوں تک ہی محدود ہے۔ سیکرٹ سروس میں یہ بات مسٹر ٹنڈن کے بعد مجھے اور اب تمہیں معلوم ہے ہمیں اس راز کو اپنے دل کی گہرائیوں میں بند رکھنا ہے یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے۔"

میں نے سگریٹ راکھ دان میں بجھا دیا۔ ابھی آدھا سگریٹ باقی تھا۔ مسٹر ویاس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا " تم نے تو آدھا سگریٹ ضائع کر دیا کیپٹن جھتہ "

یہ چالاک آدمی میری ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا " دراصل میں پچھلا آدھا سگریٹ نہیں پیا کرتا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس حصے میں نکوٹین زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتی ہے۔"

" اوہ، آئی سی " مسٹر ویاس نے کہا۔ اس کی مقناطیسی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں مگر میں بھی کچی گولیاں کھیلا ہوا نہیں تھا میں نے بات کو فوراً بدلتے ہوئے کہا " لیکن مسٹر ویاس! کیا ہمیں ریڈ بکس مل جائے گا؟ کیونکہ ہماری تمام تر تحقیقات کا دارومدار اب اس ریڈ بکس پر ہی ہے۔"

ویاس نے آرام کرسی پر پیچھے کی طرف ہوتے ہوئے کہا " ہم وہ تلاش کر لیں گے کل صبح مدراس نیول ڈاک یارڈ سے ایک اسپیشل غوطہ خوروں کا دستہ یہاں پہنچ رہا ہے وہ لوگ سمندر کی گہرائیوں میں اتر کر چیزیں تلاش کرنے کے ماہر ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کل شام تک ریڈ بکس ہمارے پاس ہوگا۔"

میں نے خوش ہو کر کہا " بھگوان کرے ایسا ہی ہو اس صورت میں ہمیں آس پاس کے سارے علاقے کی ناکہ بندی کر دینی ہوگی تاکہ تخریب کار یہاں سے فرار نہ ہونے پائیں۔"

مسٹر ویاس کے پتلے ہونٹ ذرا سے سکڑ گئے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا " کیپٹن شاید تمہیں معلوم نہیں کہ حادثے کے فوراً بعد ہماری فوج نے اس سارے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اس وقت بھی ہماری فوج کے جوان سو کلومیٹر کے دائرے میں جگہ جگہ نگرانی کر رہے

ہیں۔ ان میں ہمارے کمانڈوز بھی ہیں جو سادہ کپڑوں میں ایک ایک آدمی پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری انٹیلی جینس بھی پوری طرح سے چوکس ہے تخریب کار جہاں کہیں بھی ہیں وہ اسی جگہ پر چھپے ہوں گے، اس علاقے سے وہ باہر نہیں نکل سکتے۔ اگر ہمیں ریڈ بکس مل جاتا ہے تو ہم بم لگانے والے تخریب کار کی فوٹو کاپیاں ہزاروں کی تعداد میں اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیں گے یوں وہ بہت جلد پکڑ لیا جائے گا۔"

منصوبہ بے حد بھیانک تھا میرے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا میں دل میں یہی دعا مانگنے لگا کہ خدا کرے ریڈ بکس نہ ملے مگر مجھے یہ بھی احساس تھا کہ اس قسم کے جان لیوا مشن میں دعائیں کام نہیں آیا کرتیں آدمی کو جان ہتھیلی پر رکھ کر ایکشن کرنا پڑتا ہے اور پھر یا دشمن نہیں اور یا آپ نہیں یہ حقیقت ہے کہ اندر سے میں اور میرا سارا مشن ہل گیا تھا لیکن میں اپنی جگہ پر قائم تھا کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا اور میں مرتے دم تک لڑوں گا اور اپنے مقدس مشن پر ڈٹا رہوں گا اگر اس مشن کی تکمیل کی راہ میں موت آجاتی ہے تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کروں گا مسٹر ویاس اٹھ کھڑا ہوا کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا " تم ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو کیپٹن ؟ میرے پاس ریسٹ ہاؤس میں آجاؤ یہاں تمہیں ایک کمرہ آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔"

یہ غلطی میں بھول کر بھی نہیں کر سکتا تھا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا " سر! ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے آپ جس وقت مجھے فون کریں گے میں دو منٹ میں آجاؤں گا اچھا اگر کوئی اور بات نہیں کرنی ہو تو میں اجازت چاہوں گا۔" مسٹر ویاس میز کے پاس کھڑا بریف کیس میں سے ایک فائل نکال کر اس کو دیکھ رہا تھا فائل بند کرنے کے بعد میری طرف پلٹ کر بولا " او کے کیپٹن! تمہارا فون نمبر میں نے لکھ لیا ہے رات کو کوئی ضرورت تو نہیں پڑ سکتی۔ اگر دلی سے کوئی پیغام آگیا تو تمہیں مطلع کر دوں گا اب تم جا کر آرام کرو میں بھی کافی تھک گیا ہوں ویسے کل صبح ناشتہ میرے ساتھ ہی آکر کرنا کیونکہ نیول غوطہ خوروں کا اسکواڈ زیادہ سے زیادہ صبح نو بجے پانڈی چری پہنچ جائے گا۔"

میں نے گرمجوشی کے ساتھ مسٹر ویاس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا " نو پرابلم مسٹر ویاس! میں صبح آٹھ بجے آپ کے پاس ہوں گا۔"

ہوٹل میں آتے ہی میں نے کمرا اندر سے بند کیا سب سے پہلے اپنے بریف کیس کو کھول کر اپنی تمام چیزوں کو چیک کیا اگرچہ ابھی تک کسی کو بھی مجھ پر شک نہیں پڑا تھا مگر میں محتاط ہو گیا تھا بریف کیس کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا تمام چیزیں اور خاص طور پر میرا ریوالور ویسے ہی پڑا تھا میں نے ریوالور کھول کر دیکھا چیمبر میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ سائیلنسر بھی چمڑے لفافے میں موجود تھا میں اس ریوالور کو کسی جگہ چھپا دینا چاہتا تھا۔ اگرچہ اس کا امکان بظاہر نہیں تھا لیکن سوراشٹر کا شاید سب سے خطرناک، تجربے کار اور انتہائی زیرک انٹیلی جینس آفیسر مسٹر وی ایم ویاس میرے ساتھ تھا ایسے انٹیلی

جینس آفیسر اپنے قریب ترین ساتھی پر بھی بھروسا نہیں کرتے ان کے وسائل بھی بڑے وسیع ہوتے ہیں اگر اس کے دل میں کوئی خیال آجاتا ہے تو وہ کسی بھی وقت میری عدم موجودگی میں میرے کمرے کی تلاشی لے سکتا ہے اس کام کے لئے اسے صرف اپنا خفیہ کارڈ ہی دکھانے کی ضرورت تھی اور پانڈی چری کی ملٹری پولیس تک اس کے ساتھ ہو جاتی۔ اب سوال یہ تھا کہ ریوالور کو کہاں چھپاؤں کیونکہ وہی ایک ایسی چیز تھی جو قابل اعتراض ہو سکتی تھی میرے پاس اس ریوالور کا لائسنس نہیں تھا مسٹر ویاس کو شک پڑ سکتا تھا کہ میں جو ہیڈ کوارٹر کا اتنا ذمے دار افسر ہوں تو میں نے ابھی تک ریوالور کا لائسنس کیوں نہیں بنوایا؟ میں نے اس وقت ایسا کیا کہ بریف کیس میں سے ریوالور نکال کر سائیلنسر والے چمڑے کے چھوٹے تھیلے میں رکھ کر پلنگ کے گدے کے نیچے سرہانے کی جانب چھپا دیا میرا ذہن ان وسوسوں سے نمٹنے کی کوشش میں مصروف تھا اگر غوطہ خوروں کو سمندر کے نیچے سے ریڈ باکس مل جاتا ہے تو کیا ہو گا مجھے اس صورت میں کیا کرنا ہو گا اگر کسی وجہ سے میں ریڈ بکس کو اڑانے میں ناکام رہتا ہوں تو میری موت یقینی تھی اسے میں بارود سے بھی نہیں اڑا سکتا تھا میرا ذہن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے آواز دے کر پوچھا کون ہے؟ کسی نے زور زور سے دروازے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیے 'پھر ایک عورت کی گھبرائی ہوئی آواز آئی جو تامل زبان میں کہہ رہی تھی "دروازہ کھول 'پلیز دروازہ کھولو"

میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا ایک نوجوان ساڑھی پوش لڑکی باہر کاریڈور میں کھڑی تھی دروازہ کھلتے ہی وہ لپک کر اندر آگئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی "پلیز! بھگوان کے لئے میری مدد کرو وہ مجھے زبردستی اغوا کرنا چاہتے ہیں میں کالج کی پروفیسر ہوں وہ لوگ غنڈے ہیں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں پلیز مجھے ان سے بچا لو۔"

وہ سخت بوکھلائی ہوئی تھی۔ اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ ایک شریف خاتون ہے۔ اتنے میں باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر گھبراہٹ میں کہا "وہ آگئے ہیں وہ میرے پیچھے لگے ہیں بھگوان کے لئے مجھے ان سے بچا لو۔"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے غسل خانے میں جانے کو کہا اور دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔

کاریڈور میں تین تنگ پتلونوں والے غنڈہ ٹائپ آدمی کھڑے مجھے گھور رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" میں نے بڑے رعب سے پوچھا ان میں سے ایک آدمی نے جس کی ناک پر زخم کا نشان تھا کہا "وہ ۔۔۔ وہ اندر گئی ہے اس نے ہماری رقم چرا لی ہے ہم اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے پہلے انہیں پنجابی میں گالی دی 'پھر تامل زبان میں ڈانٹ کر کہا "بکواس بند کرو وہ میری

بیوی ہے اگر زیادہ بات کی تو ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

اس لڑکی نے سچ کہا تھا یہ غنڈے اسے آوارہ لڑکی سمجھ کر ہوٹل میں اس کے پیچھے لگ گئے تھے بیوی کا سنتے ہی وہ خاموشی سے واپس چلے گئے، مگر ناک پر زخم کے نشان والا غنڈہ مڑ مڑ کر یوں مجھے تک رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو کہ لڑکی میری بیوی ہے میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی اور اپنا سر دروازے سے لگا کر اطمینان کا لمبا سانس لیا یہ ایک نئی مصیبت آگئی تھی میں نے کمرے میں دیکھا لڑکی غسل خانے کے باہر دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھی میں نے اسے تسلی دی" وہ لوگ چلے گئے ہیں اب تم جا سکتی ہو۔"

لڑکی نے ہاتھ جوڑ دیئے اور گڑ گڑا کر بولی" بھگوان کے لئے مجھے تھوڑی دیر یہاں رہ لینے دو وہ لوگ ہوٹل کے باہر ہی ہوں گے مجھے اغوا کرلیں گے۔"

میں نے کہا" آخر وہ تمہارے پیچھے کیوں لگے ہیں۔ تم رات کے وقت اس ہوٹل میں کیا لینے آئی تھیں۔"

لڑکی نے سادہ مگر دل کش پھول دار ساڑی پہن رکھی تھی ماتھے پر سرخ بندیا تھی جوڑے میں مدراس کی عورتوں کے رواج کے مطابق رجنی گندھا کے پھولوں کا سفید گجرا سجا تھا۔ رنگ مدراسی عورتوں کی طرح براؤن تھا ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پرس تھا وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی ماتھے پر بال پیچھے ہٹا کر بولی " ویلوپورم سے میری ایک لیکچرار سہیلی کو اپنے خاوند کے ساتھ یہاں آنا تھا اس نے مجھے کالج میں فون کیا کہ وہ اس ہوٹل میں شام کو پہنچ جائے گی وہ میری بچپن کی سہیلی ہے اس کا نام ۔۔۔ کرجا ولی ہے میں اس سے ملنے چلی آئی یہاں آکر معلوم ہوا کہ وہ نہیں آئی میں ہوٹل سے نکل رہی تھی کہ یہ غنڈے میری طرف بڑھے ایک نے شور مچا دیا کہ میں نے ان کی رقم چرالی ہے یہ لوگ عورتوں کو پھنسانے کے لئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اخبار میں ایسی خبریں بھی آتی رہتی ہیں میں ڈر کر ہوٹل کے اندر دوڑی یہ میرے پیچھے دوڑے میں اوپر ۔۔۔ کاریڈور میں آگئی پہلا کمرا آپ کا تھا میں نے اس کو کھٹکھٹایا آگے جو کچھ ہوا' آپ کو معلوم ہے میں آپ کی دھنوادی ہوں بھگوان آپ کا بھلا کرے گا آپ نے مجھے ان غنڈوں سے بچا لیا۔"

پھر وہ چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ وہ پلنگ پر جہاں بیٹھی تھی' میرا ریوالور وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا میں نے اسے تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے اب وہ واپس اپنے گھر جا سکتی ہے اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر آنسوؤں بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بولی۔

" بھگوان کے لئے مجھ پر رحم کریں' مجھے ابھی اپنے کمرے سے نہ نکالیں کیا ۔۔۔ کیا آپ مجھے میرے ہوسٹل تک نہیں چھوڑ آئیں گے میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی"

میں نے کہا" غنڈے تو اب بھی باہر ہوں گے ہو سکتا ہے وہ پھر شور مچا دیں۔"

وہ لڑکی کچھ شرماتے ہوئے بولی "آپ نے ان کے آگے مجھے اپنی پتنی کہا ہے اب ان کو جرأت نہیں ہو گی۔"

میں خود بھی اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا میں نے اسے کہا "تم ذرا غسل خانے میں جاؤ میں۔۔ میں اپنی قمیص بدلنا چاہتا ہوں۔"

وہ چھوٹے سے رومال سے اپنے آنسو پونچھتی ہوئی غسل خانے میں چلی گئی میں نے جلدی سے گدیلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ریوالور والی چمڑے کی تھیلی نکال کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھی' بریف کیس میں سے دوسری بش شرٹ نکال کر پہنی اور لڑکی کو آواز دی وہ باہر آگئی میں نے کہا "تم نے اپنا نام نہیں بتایا مجھے؟"

وہ ذرا سا مسکرائی اور بولی "میرا نام رتناولی ہے" "خوب صورت نام ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "آؤ میرے ساتھ! میں تمہیں' تمہارے ہوسٹل چھوڑ آتا ہوں۔"

وہ میرے ساتھ کمرے سے نکل کر کاریڈور میں آگئی میں نے کمرے کو تالا لگایا اور اسے بڑے اعتماد سے اپنے ساتھ چلنے کی ہدایت کی۔

اب اسی طرح میرے ساتھ چلنا' جیسے میں تمہارا پتی دیو ہوں۔"

اس نے شرما کر گردن جھکائی وہ ڈرڈر کر میرے پہلو میں لگی چل رہی تھی سیڑھیاں اتر کر ہم لابی میں آئے وہاں دوسرے لوگ ضرور تھے' مگر وہ غنڈے کہیں دکھائی نہ دیئے میں نے آہستہ سے رتنا ولی کو کہا "دیکھو' غنڈے میرے ڈر سے بھاگ گئے ہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ سخت خوف زدہ تھی اور میرے ساتھ لگ کر چل رہی تھی ہوٹل کے باہر بہت سی خالی ٹیکسیاں کھڑی تھیں میں نے اسے ایک ٹیکسی میں بٹھایا خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا رتناولی نے ڈرائیور سے کہا "لوحی شنکر مارگ چلو۔"

جب ٹیکسی ہوٹل سے کافی دور نکل آئی تو رتناولی نے سکھ کا سانس لیا میری طرف ایک نظر دیکھا اور آہستہ سے پوچھا "تم نے اپنا نام نہیں بتایا تم مجھے ساؤتھ کے نہیں لگتے؟"

میں نے کہا "میں دلی سے آیا ہوں ایک ضروری کام تھا میرا نام جگدیش چندر ہے۔"

پانڈی چری کی اس کشادہ سڑک پر دونوں طرف بتیاں روشن تھیں رکشے اور ٹیکسیاں اور دوسری گاڑیاں گزر رہی تھیں ٹیکسی لوحی شنکر مارگ پر پہنچی تو رتنا ولی نے ڈرائیور کو بائیں جانب گلی میں جانے کو کہا یہ ایک چھوٹی سی لین تھی جس کی دونوں جانب کوٹھیاں تھیں اس نے ایک کشادہ لان والی کوٹھی کے گیٹ پر ٹیکسی رکوائی "یہ ہمارا ہوسٹل ہے ویسے ہم تین چار لڑکیاں ہی یہاں رہتی ہیں ہم نے باہر اپنا چوکیدار رکھا ہوا ہے۔"

میں نے اجازت چاہی تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی "مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر آپ ایک پیالی کافی پی لیں۔

ریوالور والی تھیلی میری جیب میں تھی میں نے پتلون میں ہاتھ ڈال کر اسے سنبھال رکھا تھا میں نے معذرت چاہی تو وہ بڑی عاجزی سے بولی "بھگوان کے لئے میرا دل نہ توڑیں ایک پیالی کافی پینے سے کیا ہو جائے گا یہ میری خوشی کا معاملہ ہے' پلیز---!"

میں اس کے معصومانہ اصرار کے آگے بے بس ہو گیا انکار نہ کر سکا وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر ہوسٹل میں داخل ہو گئی اس کا کمرا کونے والا تھا چھوٹا سا کمرا تھا دیوار کے ساتھ پلنگ' جس پر مچھردانی لگی تھی ایک گول میز' دو کرسیاں اور چھوٹا سا باتھ روم---کچن یہاں رہنے والی لڑکیوں کا مشترکہ تھا سنگھار میز کے پیچھے دو چمڑے کے اٹیچی کیس پڑے تھے رتناولی نے مجھے اپنی تینوں سہیلیوں سے ملایا یہ سب مدراس کی رہنے والی تھیں اور پانڈی چری میں پڑھاتی تھیں یا نوکری کرتی تھیں۔ میں نے اپنے بارے میں بتایا کہ دلی سے کاروبار کے سلسلے میں پانڈی چری آیا ہوں کچھ دنوں بعد' واپس چلا جاؤں گا ان لڑکیوں نے رتناولی کو غنڈوں سے بچانے کے لئے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا کافی ہم سب نے مل کر پی وہ مجھے کھانا بھی کھلانا چاہتی تھیں مگر میں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ مرچیں سالن میں بہت ڈالتے ہیں ہوٹل میں تو میں نے کہہ کر کم مرچوں والی دال پکوائی تھی پتلون کی جیب سے میں نے ہاتھ نکال لیا تھا ریوالور کی تھیلی کی وجہ سے وہاں سے جیب تھوڑی سی ابھر آئی تھی ایک لڑکی نے مذاق کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ میں نے اپنی جیب میں کیا خرگوش چھپا رکھا ہے؟ میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ رومال ہے اور کچھ نہیں کافی پینے کے تھوڑی دیر بعد لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں رتناولی کسی کام سے تھوڑی دیر کے لئے ان لڑکیوں کے ساتھ گئی تو میں نے کمرے کا بھرپور جائزہ لیا اچانک ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ یہ ایک گمنام لڑکی کا کمرا تھا اس کمرے سے میں فائدہ اٹھا سکتا تھا اس شہر میں مجھے اس وقت ایک ایسی جگہ کی ضرورت تھی کہ جو گمنام ہو اور جس کی طرف میرے ساتھ کام کرنے والوں کا بھی دھیان بھی نہ جا سکے میں اس کمرے سے کیا کام لے سکتا تھا یہ خود مجھے بھی معلوم نہیں تھا مگر بہرحال' میں جس مشکل میں پھنسنے والا تھا اس ضمن میں مجھے کسی بھی وقت ایک ایسی جگہ کی ضرورت پڑ سکتی تھی' جو کم از کم جیلیٹی آفیسر اور سوراشٹر کے انٹیلی جینس آفیسر کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

سب سے پہلی ضرورت اپنے ریوالور کو چھپانے کی تھی میں نے اٹھ کر کھڑکی میں سے دوسری طرف دیکھا دوسری جانب کوٹھی کا چھوٹا سا باغ تھا' جہاں بجلی کی روشنی میں کیلے اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ ساتھ ساتھ لگے ہوئے نظر آتے تھے دیوار کے ساتھ ساتھ لکڑی کے بڑے بڑے گملوں میں پام کے جھاڑ لگے تھے ریوالور چھپانے کے لئے یہ جگہ بڑی موزوں تھی' پھر سوچا کہ معلوم نہیں کہ مالی ان کی دیکھ بھال کرنے آتا ہے تو کہیں ان کی گوڈی بھی نہ کرتا ہو میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ رتناولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے ساڑی بدل کر شب خوابی کا لباس پہن لیا تھا لمبے بالوں کی لٹ آگے

کر کے اسے گوندھ رہی تھی۔ مسکرا کر بولی " اچھا لگا آپ کو باغ مسٹر جگدیش چندر؟"

میں نے پلٹ کر رتنا دلی کو دیکھا کھلے بالوں میں وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی وہ مسکرا رہی تھی اور اس کے دانت ناریل سے زیادہ سفید تھے میں نے کہا " ہاں ۔۔۔ تمہارے کمرے کے باہر باغ بڑا خوبصورت ہے۔ اچھا " اب میں چلتا ہوں۔"

" پھر کب آئیں گے؟ ۔۔۔ آئیں گے نا؟" وہ دروازے کے ایک طرف ہو کر کھڑی تھی اور مجھے شرمیلی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے تک رہی تھی میں نے کہا۔

" ضرور آؤں گا رتنا دلی ۔۔۔ ضرور آؤں گا۔"

میں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر نسکار کر کے کمرے سے نکل آیا وہ کمرے کے باہر سیڑھیوں پر کھڑی مجھے جاتا دیکھ رہی تھی اس کا پتا مجھے اس وقت لگا جب میں نے گیٹ سے نکلتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اس نے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر مجھے نسکار کیا میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر نسکار کیا گیٹ پر کھڑا چوکیدار سر کھجانے لگا میں نے سڑک پر آکر ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل کی طرف چل دیا ہوٹل کی دوسری منزل کے کاریڈور میں سے گزرتے ہوئے میری نگاہ پلاسٹک کے چوکور بڑے گملوں پر پڑی جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کاریڈور میں دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے تھے اور ان میں ٹراپیکل جھاڑیاں لگی تھیں میں اپنے کمرے میں آگیا دروازہ بند کر کے جیب سے ریوالور اور سائیلنسر والی تھیلی نکال کر سنگھار میز کی دراز میں رکھ دی کھانا منگوا کر کھایا سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنے لگا ٹیلی فون تپائی پر پلنگ کے پاس ہی رکھا تھا کسی بھی وقت دلی یا پانڈی چری کے ریسٹ ہاؤس سے ٹیلی فون آسکتا تھا اگرچہ ایٹمی آبدوز کا ریڈ بکس میری سب سے بڑی پریشانی تھی جس کی برآمدگی پر میری زندگی اور موت کا انحصار تھا مگر اس وقت مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے ریوالور کو کسی ایسی جگہ پر چھپانے کی تھی، جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے اور میں جب چاہوں اسے وہاں سے نکال لوں جگہ کا انتخاب میں نے کر لیا تھا اب میں اس انتظار میں تھا کہ رات زیادہ گزر جائے اور کاریڈور میں کسی کے آنے جانے والے کا امکان باقی نہ رہے میں پلنگ پر لیٹ کر دیر تک سگریٹ پھونکتا رہا، پھر میں نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کیئے اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا ایٹمی آبدوز کی تباہی کی خبر کو یوں بلیک آؤٹ کیا گیا تھا کہ کسی اخبار میں اس کی کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔

اگرچہ پانڈی چری کے لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ کھاڑی میں لنگر انداز کسی جہاز میں بم پھٹا ہے جس سے جہاز بالکل تباہ ہو گیا ہے جب رات کا ایک بج گیا تو میں نے آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر کاریڈور میں جھانکا کاریڈور ویران پڑا تھا میں نے سنگھار میز کی دراز میں سے ریوالور والی تھیلی نکالی اور خاموشی سے کمرے سے نکل کر کاریڈور میں آگیا۔ دو کمرے چھوڑ کر پام کا لکڑی کا گملا دیوار کے ساتھ لگا تھا میں اس کے پاس جا کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا جب دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں آئے گا تو جلدی سے گملے کو

پیچھے کی جانب سے اوپر اٹھایا اور اس کے نیچے ریوالور والی تھیلی رکھ کر گملا واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا گملا کافی وزنی تھا اور لگتا تھا کہ اسے کوئی جگہ سے نہیں ہلاتا اس میں پانی کی جگہ شاید کوئی کیمیکل ڈالا جاتا تھا گملے کے نیچے ایک خلا سا رکھا گیا تھا' جس کی وجہ سے گملا ٹھیک بیٹھ گیا۔

میں تیز تیز قدموں سے چل کر اپنے کمرے میں آگیا یہ گملا میرے کمرے سے دو کمرے چھوڑ کر تھا اب اگر تلاشی کے وقت ریوالور برآمد بھی ہو جاتا ہے تو کم از کم میں اس سے بری الذمہ ہو سکتا تھا پھر میں سو گیا صبح جلدی اٹھ کر نہا دھو کر تیار ہو گیا ناشتا نیچے ڈائننگ ہال میں آکر کیا اور پھر ساڑھے سات بجے بندرگاہ والے آفس پہنچ گیا جیٹی آفیسر وہاں پہنچ چکا تھا مسٹر دیاس نے مجھے اپنے ہاں ناشتے کی دعوت ضرور دی تھی مگر میں اس سے زیادہ سے زیادہ دور رہنا چاہتا تھا آٹھ بجے وہ بھی آگیا اس نے براؤن رنگ کا لمبا سا سوٹ پہن رکھا تھا کہنے لگا "صبح صبح مدراس سے فون آیا ہے کہ غوطہ خور ٹھیک نو بجے پہنچ رہے ہیں"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے پھانسی پر لٹکانے والے جلاد آرہے ہیں میں نے ابھی تک اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کیا تھا میں کر بھی کیا سکتا تھا اگر فرض کریں کہ غوطہ خور سمندر کی تہ سے ریڈ بکس نکال لاتے ہیں تو میں وہ بکس ان سے کس طرح چھین سکتا تھا؟ اب تو میں نے اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا تھا اور عہد کر لیا تھا کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

غوطہ خوروں میں زیادہ تر مرہٹے تھے دو غوطہ خور کیرالہ کے رہنے والے تھے یہ لوگ ساحل سمندر پر رہنے کی وجہ سے پیدائشی غوطہ خور ہوتے ہیں یہ سب کے سب انڈین نیوی کے آدمی تھے ان کے ساتھ دو نیول آفیسر بھی آئے تھے ۔۔۔ اور ایک روسی بھی تھا معلوم ہوا کہ یہ روسی بحریہ کی انٹیلی جینس کا آدمی ہے اور وہاں ان کا مشیر بن کر ساتھ آیا ہے یہ حکومت ہند اور روس کی طرف سے وہاں بھیجا گیا تھا' تاکہ اپنی نگرانی میں کام کروائے اور صورت حال پر کڑی نگاہ رکھے اس کا نام دیمتری تھا۔

میں چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا تھا ۔۔ اور میرے اردگرد گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا ٹھیک دس بجے غوطہ خوروں نے اپنا کام شروع کر دیا ہم لوگ کرین والے ٹرالر پر کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے غوطہ خور دو' دو' تین' تین کی ٹولیوں میں باری باری سمندر میں اترتے' نیچے کچھ مدت تک تلاش کا کام جاری رکھتے اور پھر اوپر آجاتے یہ مہم تین گھنٹے تک جاری رہی' مگر سمندر کے نیچے سے سوائے آبدوز کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کے اور کچھ نہ نکلا غوطہ خوروں کے چیف نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ قیامت خیز دھماکے کی وجہ سے سمندر کی تہ میں بھی گہرا شگاف پڑ چکا ہے اور ریت اور کیچڑ اتھل پتھل ہو گیا ہے' جس کی وجہ سے آبدوز کے کتنے ہی ٹکڑے اس کیچڑ میں دھنسے ہوئے ہیں' جنہیں نکالنے میں وقت لگے گا یہ رپورٹ میرے لئے کسی حد تک تسکینِ قلب کا باعث بنی مجھے منصوبہ بندی کے لئے وقت مل گیا تھا۔

سب سے بڑا مسئلہ، میرے سامنے ریڈ بکس کو برآمد ہونے سے پہلے ہی غائب کر دینا تھا اس مشن کے لئے میں خود سمندر میں غوطہ لگا کر نیچے جاتا اور ریڈ بکس کو تلاش کر کے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کرتا اور یا کسی غوطہ خور کو بھاری رشوت دے کر اس کام پر آمادہ کرتا میں خود سمندر میں غوطہ نہیں لگا سکتا تھا اور کسی غوطہ خور کو رشوت کے طور پر دینے کے لئے میرے پاس رقم نہ تھی یہاں جو نئی صورت حال پیدا ہو چکی تھی اس کی اطلاع میں اپنے باس کو دے کر اس سے مشورہ بھی نہیں لے سکتا تھا میرا وائرلیس ٹرانسمیٹر سیٹ پیچھے کنیا کماری تھا اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ جدید نیول ڈاک یارڈ ہے یہاں ضرور ایسا ٹرانسمیٹر مجھے مل سکتا ہے، جس پر میں اپنے باس سے رابطہ پیدا کر سکتا ہوں، مجھے اپنی فریکوئنسی معلوم تھی اور رات کے دس بجے کے بعد میں کسی بھی وقت پاکستان اپنے باس سے بات کر سکتا تھا اگرچہ اس میں شدید خطرہ بھی تھا، مگر اس کے سوا میرے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر میں باس سے بات کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو ممکن ہے کہ اتنی رقم کا بندوبست ہو جائے کہ میں کسی باہر والے غوطہ خور کی خدمات حاصل کر کے سمندر کی تہہ سے ریڈ بکس کو نکلوا کر غائب کر سکوں

اسی روز دوپہر کے کھانے پر مسٹر ویاس کے علاوہ روسی مشیر مسٹر دمیری بھی موجود تھا میں نے فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریڈ بکس جتنی جلدی سمندر سے نکالا جائے ہمارے لئے بہتر ہو گا دوسری صورت میں تخریب کار ہماری گرفت سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔

مسٹر ویاس نے روسی مشیر کی طرف دیکھا اس نے کندھے اچکاتے ہوئے انگریزی میں کہا "رپورٹ کے مطابق سمندر میں جو شگاف پڑ گیا ہے وہ کیچڑ سے بھرا ہوا ہے ہمیں اب ریڈ بکس اس کیچڑ میں سے تلاش کرنا ہو گا جس کو وقت لگے گا۔"

اس زمانے میں ریڈار ٹیکنالوجی نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ سونار لہروں کے ذریعے کیچڑ کی تہہ میں ریڈ بکس کے سگنل نوٹ کر کے اس کی نشاندہی ہو سکتی اسے کیچڑ میں بڑے بڑے آنکڑوں کے ذریعے ہی نکالنا تھا مسٹر ویاس اور روسی مشیر سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ریڈ بکس تک پہنچتے پہنچتے کم از کم ایک ہفتہ ضرور لگ جائے گا روس سے ہماری مشینوں کا وہاں آنا مشکل تھا غوطہ خوروں کو بندرگاہ اور بحری انجینئرنگ کور کی مشینری سے ہی کام لینا تھا میں نے فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے مجھے پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ پیدا کر کے اس سے مشورہ کرنا ہو گا پانڈی چری نیول ڈاک یارڈ کا سگنل روم سکیورٹی آفس کے پیچھے ایک کمرے میں تھا جس کے باہر دن رات پہرہ لگا رہتا تھا میں بہت جلد میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہاں سے خفیہ سگنل نشر کرنا اپنی موت کو خود گلے لگانے کے مترادف ہو گا شہر میں کہیں سے کوئی ٹرانسمیٹر دستیاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ٹرانسمیٹر اپنے پاس رکھنا جرم تھا جس بالکونی میں ہم بیٹھے تھے اس کی ڈھلان کے سامنے سے ایک سڑک بندرگاہ کو جاتی تھی

وہاں سے مجھے بحریہ کی ایک چھوٹی جیپ جاتی دکھائی دی جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ بحریہ کا ایک افسر بیٹھا مائیک ہاتھ میں لئے وائرلیس پر ہدایات دے رہا تھا۔

ایک دم مجھے خیال آیا کہ میں اس جیپ سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں اس قسم کی جیپیں بندر گاہ پر میں نے اکثر آتے جاتے دیکھی تھیں ان میں چھوٹے وائرلیس سیٹ لگے تھے اس قسم کی ایک جیپ کو میں کسی بہانے یہاں سے نکال کر کھاڑی کی طرف لے جا سکتا تھا میں جس ڈیوٹی پر لگایا گیا تھا وہ مجھے اس بات کی اجازت دیتی تھی کہ میں جیپ کو لے کر کھاڑی کے علاقے کا چکر لگا سکوں اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ رات کے دس بجے سے پہلے میں اپنے باس سے بات نہیں کر سکتا تھا اور اتنی رات گئے جیپ حاصل کرنے میں اگرچہ رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی مگر شبہ پیدا ہونے کی گنجائش ضرور تھی لیکن یہ میرے مشن کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا چاہے کچھ بھی ہو' میں نے رات کو جیپ حاصل کرنے کا پروگرام بنا لیا۔

کھانے کے بعد ہم واپس بندرگاہ والے دفتر میں آگئے دلی سے ٹنڈن صاحب نے مجھ سے فون پر کچھ تفصیلات کے بارے میں پوچھا میں نے انہیں اشاراتی زبان میں بتا دیا کہ جس مقصد کو لے کر مسٹر ورماس یہاں آئے ہیں' اس میں کامیابی کا امکان نناوے فی صد ہے اور ہم تخریب کاروں کے پورے گروہ کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے میں نے مسٹر ورماس کو بھی ٹنڈن صاحب سے اپنی بات چیت سے آگاہ کر دیا مسٹر ورماس تیسرے پہر واپس ریسٹ ہاؤس چلے گئے روسی مشیر دیمتری پہلے ہی جا چکا تھا آفس میں میں اور مدراسی جیٹی آفیسر اکیلے رہ گئے مجھے رات کو جیپ لے کر جانا تھا چنانچہ میں نے اس کے لئے زمین ہموار کرنی شروع کر دی اور مدراسی جیٹی آفیسر سے کہا کہ مجھے شبہ ہے کہ کھاڑی کے پار ابھی تک کچھ سنہالی تخریب کار چھپے ہوئے ہیں۔

وہ تعجب سے بولا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کیپٹن؟ یہ علاقہ تو ہم نے بالکل صاف کر دیا ہے اور وہاں ہمارے جوان ڈیوٹی دے رہے ہیں۔"

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "پھر بھی مجھے شبہ ہے ہم انٹیلی جینس کے محکمے کے آدمی ہیں ہماری اطلاعات بڑی دور کی ہوتی ہیں بہر حال تم چوکس رہنا میرا خیال ہے کہ ہمیں اس طرف گشت بڑھا دینی چاہئے۔"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد' میں واپس اپنے ہوٹل میں آگیا میرا ریوالور یقیناً کاریڈور والے پام کے گملے کے نیچے پڑا تھا اسے چیک کرنے کا موقع نہیں تھا مجھے اس کی ضرورت بھی نہ تھی کھانا کھانے کے بعد میں ساڑھے نو بجنے کا انتظار کرنے لگا ٹھیک ساڑھے نو بجے میں نے چیف آفیسر کو اس کے گھر فون کیا کہ میں کھاڑی کی طرف گشت پر جانا چاہتا ہوں ۔ ۔ ۔ مجھے شک ہے کہ وہاں کچھ تخریب کار اس وقت موجود ہیں تم جیٹی پر ٹرانسپورٹ آفیسر سے کہہ دو کہ میرے لئے ایک جیپ تیار رکھے۔

مدراسی جلیٹی آفیسر نے مجھے ہدایت کی کہ رات کا وقت ہے، مجھے احتیاط سے کام لینا چاہئے میں نے فون بند کر کے تیزی سے نیچے آکر ٹیکسی پکڑی اور سیدھا بندرگاہ پر آگیا ٹرانسپورٹ آفیسر رات کی ڈیوٹی پر تھا وہ شکل سے میرا شناسا تھا مجھے وہاں آتے جاتے اور افسروں سے بات چیت کرتے دیکھ چکا تھا اس نے ایک جیپ میرے حوالے کر دی یہ دیکھ کر میں ٹھٹکا کہ اس جیپ میں وائرلیس سیٹ نہیں لگا تھا میں نے کہا مجھے وائرلیس سیٹ والی جیپ چاہئے کیونکہ میں پیٹرولنگ ڈیوٹی پر جا رہا ہوں ہو سکتا ہے مجھے یہاں کوئی ہنگامی سگنل دینا پڑ جائے اس نے فوراً وائرلیس والی جیپ مہیا کر دی میں اس میں بیٹھا اور اسٹارٹ کر کے بندرگاہ سے نکل کر کھاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کا اندھیرا بھی تھا اور بندرگاہ کے جہازوں ۔۔۔ اور عمارتوں میں روشنیاں بھی ہو رہی تھیں نسبتاً ایک ویران جگہ پر آکر میں نے ٹیلے کے نشیب میں جیپ روک دی یہاں اندھیرا تھا میں نے وائرلیس سیٹ کو آن کیا اور اپنی خاص فریکوئینسی ملانے کی کوشش شروع کر دی بحریہ کا یہ وائرلیس سیٹ کافی طاقت ور تھا اس وقت رات کے دس بج کر دس منٹ ہو رہے تھے میں نے جیپ کی بتیاں بجھا رکھی تھیں ایک بار پھر میں نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا وہاں میرے سوا اور کوئی انسان نہیں تھا مجھے سیٹ پر اپنے باس کی ٹکیمی آواز سنائی دی وہ اپنا خاص کوڈ ورڈ بار بار دہرا رہا تھا میں نے جلدی سے کوڈ ورڈ بول کر اپنی شناخت کروائی اور مرموز الفاظ میں باس کو ریڈ بکس کے بارے میں بتایا

باس نے کہا "ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اتنی دور تمہاری مدد کر سکیں تمہیں حالات کے مطابق خود ہی اس مسئلے سے نمٹنا ہو گا لیکن ریڈ بکس ہر حالت میں غائب کرو ۔۔۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

باس کو مجھے یہ تلقین کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ میری بھی زندگی موت کا معاملہ تھا۔

باس نے کہا "تم بڑی نازک پوزیشن میں ہو مجھے سگنل دیتے وقت ہوشیار رہو کوشش کرو کہ مجھ سے کم سے کم بات ہو، اوکے۔"

اور سگنل کا رابطہ ختم کر دیا گیا میں نے بٹن آف کر کے ریسیور سیٹ کے ساتھ لٹکا دیا ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے ہی لگا تھا کہ خیال آیا، یہاں ماچس کی روشنی کیا خطرناک ثابت ہو سکتی ہے میں نے سگریٹ پیکٹ میں ڈال کر ڈبی واپس جیب میں رکھی ہی تھی مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی آدمی جھاڑیوں میں بھاگا ہو۔

میں اچھل کر جیپ سے باہر نکلا اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو دوڑا کھاڑی کے پانیوں میں کھڑے ایک جہاز کی روشنیاں ساحل کے درختوں پر پڑ رہی تھیں میں نے ایک انسانی سائے کو نشیب میں ساحل کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا اب وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا یقیناً اس نے مجھے ٹرانسمیٹر پر باتیں کرتے دیکھ لیا تھا خواہ میں مرموز زبان میں ہی باتیں کر رہا تھا پھر بھی اگر وہ کوئی بحریہ کا آدمی تھا تو میں مشکل

میں پھنس سکتا تھا بہت جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ سے تیز نہیں بھاگ سکتا چند ایک چھلانگوں میں میں اس کے سر پر تھا میں نے اپنے آپ کو اس کے اوپر گرا دیا اور اس کی گردن کو اپنے بازو کے شکنجے میں لے لیا میں اسے جھٹکا دے کر ہلاک کرنے ہی والا تھا کہ مجھے محسوس ہوا' اس کی گردن ایک طرف کو اپنے آپ ڈھلکتی جا رہی ہے پہلے تو میں یہ سمجھا کہ یہ کمزور سا آدمی ہے ہو سکتا ہے گردن میں میرے بازو کے پڑتے ہی اس کا ہارٹ فیل ہو گیا ہو مگر جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو اس کے ہونٹوں سے سفید جھاگ نکلنا شروع ہو گیا تھا میں نے بازو اس کی گردن سے نکال لیا۔

اس کی گردن ڈھلک گئی وہ مر چکا تھا یہ یقیناً سنہالی تخریب کار تھا' جس نے یہ دیکھ کر کہ اب وہ بچ نہیں سکتا کوئی زہریلا کیپسول کھا لیا تھا اس کا جسم دبلا پتلا اور گھنگریالے سیاہ بال سنہالی لوگوں کی طرح تھے میں نے اسے اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور اپنی جیپ میں ڈال دیا' پھر اس کی وردی کی تلاشی لی اس کی جیب سے سوائے ایک ماچس اور بیڑیوں کے آدھے استعمال شدہ بنڈل کے اور کچھ برآمد نہ ہو میں اس تخریب کار کی لاش کو بندرگاہ والے آفس میں لے آیا ۔۔۔ اور مدراسی جلیٹی آفیسر کو فون کر کے وہاں بلا لیا اس نے لاش دیکھی تو فوراً بولا یہ سنہالی ہے۔"

میں نے ایک سنہالی تخریب کار کو پکڑا تھا میری کارکردگی کی مسٹر ویاس نے بھی اگلے روز تعریف کی افسوس صرف یہ تھا کہ تخریب کار زہر کھا کر خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس واردات نے وہاں میرے اعتماد میں اضافہ کر دیا اب میں جس وقت چاہے جیپ لے کر راؤنڈ پر نکل سکتا تھا لیکن اب مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی' کیونکہ باس نے مجھے کسی بھی قسم کی مدد پہنچانے سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا اور مجھ اسے ٹرانسمیٹر پر فوری رابطہ پیدا کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے روز بھی کھاڑی کے سمندر میں ریڈ بکس کی تلاش زور شور سے جاری رہی سمندر کی تہ سے کرین کی مشین کیچڑ بھرے فولادی ٹکڑے باہر نکال رہی تھی غوطہ خور تھوڑی دیر بعد پیچھے جاتے تھے میں بے حد مضطرب تھا کسی بھی وقت کیچڑ میں پھنسا ہوا ریڈ بکس باہر نکالا جا سکتا تھا اس روز دو گھنٹے تک کام ہوا اور غوطہ خوروں نے دوسرے روز کے لئے کام ملتوی کر دیا یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا اور پانی میں اتر کر کیچڑ کو کھنگالنے میں کافی محنت کرنی پڑتی تھی زیادہ دیر تک غوطہ خور سمندر میں رہ بھی نہیں سکتے تھے میں نے اس روز کے لئے خدا کا شکر ادا کیا اور دوپہر کو کھانا کھانے اپنے ہوٹل میں آ کر سوچنے لگا کہ مجھے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے وقت گزرتا جا رہا تھا میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی ہی کرنا چاہئے تھا سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا سوچ کے آسمان پر دھند چھا رہی تھی کوئی منصوبہ واضح اور صاف ہو کر سامنے نہیں آ رہا تھا جب میرے ذہن میں کوئی ترکیب نہ آئی تو تنگ آ کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی غوطہ خور سے رابطہ پیدا کیا جائے اسے بھاری رشوت کی

پیشکش کر کے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کروں، اگر وہ راضی ہو گیا تو پھر روپوں کا بندوبست کروں گا
وقت بے حد کم تھا کسی بھی وقت ہو سکتا تھا ریڈ بکس کی تلوار جو میرے سر پر لٹک رہی تھی اب اس کی
نوک میرے سر کو چھونے لگی تھی میں نے غوطہ خوروں کی شکلیں اپنی آنکھوں کے سامنے لانی
شروع کر دیں ان میں ایک مرہٹہ تھا بڑا خاموش طبع اور کمزور سا تھا یہ میرے دام میں پھنس سکتا تھا۔
دوسرے دن صبح دس بجے کام شروع ہونا تھا میں دل میں نیا منصوبہ لئے بندرگاہ پر پہنچ گیا مسٹر
ویاس اور جیٹی آفیسر وہاں پہلے سے موجود تھے ہم اسٹیمر میں بیٹھ کر کرین والے بڑے ٹرالکر پر آ گئے
غوطہ خور سمندر میں غوطہ لگانے کی تیاریاں کر رہے تھے کرین کا کنڈا سمندر میں گرا دیا گیا تھا میں اور مسٹر
ویاس اور جیٹی آفیسر لوہے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے میری نگاہ اس مرہٹے غوطہ خور پر جمی ہوئی تھی،
جس پر مجھے اپنا جال پھینکنا تھا یہ کمزور سا مرہٹہ غوطہ خور اپنے ایک ساتھی کی مدد سے چہرے پر آکسیجن
ماسک چڑھا رہا تھا اس وقت کوئی بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے سوچا کہ جب کام سے
فارغ ہو جائے گا تو اس کے کوارٹر پر جا کر ملاقات کروں گا اور اسے وہاں سے نکال کر کسی گمنام جگہ پر لے
جا کر بڑے طریقے سے اس کے دل کو ٹٹولوں گا میں نے اسے ایک لاکھ روپے رشوت دینے کا فیصلہ کیا تھا
دلی والے بینک میں میرے حساب میں دس پندرہ ہزار روپے جمع تھے وہ میں اس کی پانڈی چری والی شاخ
سے نکلوا کر اسے پیشگی لوا کر سکتا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے دو غوطہ خور سمندر میں اتر گئے ان میں میرا ٹارگٹ یعنی مرہٹہ غوطہ خور
بھی تھا مسٹر ویاس کہنے لگا "اگر آج ہم اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے تو مجھے بمبئی سے دوسرے غوطہ
خور منگوانے پڑیں گے وہ لوگ باہر کے تربیت یافتہ ہیں۔"

میں نے کہا "بھگوان نے چاہا تو آج ہمیں ریڈ بکس ضرور مل جائے گا۔"

میں نے یہ بات بادل نخواستہ کہی تھی، مگر شاید وہ قبول دعا کی گھڑی تھی۔ اچانک کرین والی رسی
زور، زور سے ہلی۔ کرین نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں غوطہ خور پانی سے باہر آ گئے ٹرالکر
پر آتے ہی انہوں نے ماسک اتارا اور ہانپتے ہوئے ان میں سے ایک بولا "ریڈ بکس مل گیا ہے۔"

میرے پاؤں کے نیچے سے ٹرالکر کا جیسے تختہ نکل گیا ہو۔ میں نے لوہے کی کرسی کے بازوؤں
کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے مسٹر ویاس خوشی سے اچھل پڑا۔ جیٹی
آفیسر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اتنے میں کرین کی زنجیر کے ساتھ بندھا ہوا لوہے کا ایک جالی دار تھیلا سمندر
سے باہر نکلا، جس کے اندر کرکٹ کی گیند سے دوگنی سائز کا ایک سرخ گولا پڑا تھا۔ یہی ریڈ بکس تھا یعنی
میری موت کا پروانہ ۔۔۔ مجھے یوں لگا، جیسے یہ ایک زبردست طاقت والا ٹائم بم ہے، جو میرے جسم کے
ساتھ باندھ دیا جائے گا اور پھر وہ پھٹ کر میرے جسم کے پرزے اڑا دے گا مسٹر ویاس اور جیٹی آفیسر
کے ساتھ مجھے بھی ریڈ بکس مل جانے کی خوشی میں مسرت کا اظہار کرنا پڑا۔

مسٹر ویاس نے جیٹی آفیسر سے کہہ کر اسی وقت اسپیشل سکیورٹی اسکواڈ کو وہاں منگوا لیا اور ان کی حفاظت میں ریڈ بکس کو پلاسٹک کے لفافے میں بند کر کے پہلے بندرگاہ کے سکیورٹی آفس میں پہنچایا ہم بھی اس کے ساتھ تھے سفید پلاسٹک کے لفافے میں سے ریڈ بکس کا گیند ایک سرخ انگارے کی طرح مجھے گھور رہا تھا یہاں مسٹر ویاس نے اپنی نگرانی میں ریڈ بکس کو چمڑے کی تھیلی میں بند کر کے اس پر لاکھ کی مہر لگائی اور کہا کہ یہ ریڈ بکس میرے ریسٹ ہاؤس والے کمرے میں رہے گا کل میں اسے لے کر مدراس روانہ ہو جاؤں گا۔۔۔ جہاں اس کے اندر موجود فلم کی اسکریننگ ہو گی۔

میری تباہی کے سامان ہو چکے تھے اب مجھے سر دھڑ کی بازی لگانی تھی میرے جاگن کمانڈو اکشن کا وقت آگیا تھا۔

میرے پاس صرف ایک رات تھی اس ایک رات میں میری زندگی یا موت کا فیصلہ ہو جانا تھا۔

روی مشیر و میری بھی ریڈ بکس کی بازیابی کا سن کر وہاں آگیا وہ بھی بہت خوش تھا ریڈ بکس کے تھیلے کو حفاظتی مسلح گارڈز کی نگرانی میں ریسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا گیا مسٹر ویاس نے تھیلے کو لوہے کی الماری میں سب کے سامنے رکھا اور پھر تالا لگا کر چابی اپنے بٹوے میں رکھ لی روی مشیر نے مسٹر ویاس کو مشورہ دیا کہ ریڈ بکس کے تھیلے کو کسی بینک کے لاکر میں رکھوا دینا زیادہ مناسب ہو گا۔

میں سناٹے میں آگیا مگر مسٹر ویاس نے ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے کہا" ہم اسے یہاں سے باہر لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے مسٹر ویریزی! ۔۔۔ ریڈ بکس میری آنکھوں کے سامنے رہے گا۔"

اس نے اسی وقت دلی اور مدراس ٹیلی فون کر کے خفیہ اشاروں میں ریڈ بکس ملنے کی اطلاع کر دی میں ابھی ریسٹ ہاؤس میں ہی تھا کہ دلی کے پرائم منسٹر سیکرٹریٹ سے ٹنڈن صاحب کا فون آگیا انہوں نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی کہ میں ذاتی طور پر ریڈ بکس کی حفاظت کا خیال رکھوں اور کسی پر بھروسا نہ کروں میں نے دل میں کہا کہ ایسی حفاظت کروں گا کہ تم لوگ ساری عمر یاد رکھو گے میں نے ٹنڈن صاحب کو یقین دلایا کہ ریڈ بکس انتہائی محفوظ ہے اور اب تخریب کار گروہ کے سارے لوگ پکڑ لئے جائیں گے کل مدراس کی سرکاری لیبارٹری میں اصل مجرم ہمارے سامنے آجائے گا ٹنڈن نے مجھے اور مسٹر ویاس کو مبارک دی اور ایک بار پھر خفیہ الفاظ میں ریڈ بکس کی حفاظت کی ہدایت کی۔

دوپہر کا کھانا میں نے وہیں ریسٹ ہاؤس میں مسٹر ویاس، جیٹی آفیسر اور روی مشیر کے ساتھ ہی کھایا، پھر آرام کرنے کا کہہ کر اپنے ہوٹل میں آگیا کھیل کا پانسہ پلٹ چکا تھا اب مجھے کسی دوسری لائن پر سوچنا تھا، بلکہ سوچنے کا وقت نکل گیا تھا مجھے اسی رات کمانڈو ایکشن کرنا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔

دوپہر کے وقت، میں ہوٹل سے نکل کر پانڈی چری کے مین بازار میں گیا وہاں ایک دکان سے

چار انچ لمبے پھل والا چاقو خریدا' جو بند بھی ہو جاتا تھا دوسری دکان سے ربڑ کے نسواری رنگ کے بوٹ
خریدے ایک جگہ سے سیاہ چادر خریدی ان چیزوں کو کپڑے میں لپیٹ کر اپنے کمرے میں لا کر رکھ دیا
میرا کمانڈو ایکشن رات ایک بجے شروع ہونے والا تھا میں سگریٹ لگا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔۔۔ اور
آنکھیں بند کر کے اپنے پلان کی تفصیلات پر ایک بار پھر غور کرنے لگا میں خیال ہی خیال میں ایک قسم
کی ریہرسل کر رہا تھا میں نے کئی بار یہ ریہرسل کی جب چار بجے کا وقت ہوا تو منہ ہاتھ دھو کر مسٹر دیاس
کے ہاں ریسٹ ہاؤس آ گیا۔ مسٹر دیاس آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے لوہے کی الماری جس میں
ریڈ بکس بند تھا ان کے بالکل سامنے تھی وہ وہاں سے ہٹ نہیں رہے تھے میں نے نمسکار کیا اور مسکرا
کر کہا "مسٹر دیاس! آپ کو ریڈ بکس کی پوری ڈیوٹی دینی پڑ رہی ہے۔"
دیاس نے اخبار نیچے رکھ دیا اور کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولے "یہ ہماری نیشنل سیکیورٹی کا
معاملہ ہے کیپٹن مہتہ! میری جگہ اگر تم ہوتے تو کیا تم ایسا نہ کرتے؟"
میں سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے بولا "آف کورس سر! کیوں نہ
کرتا ریڈ بکس کی حفاظت تو ہماری نیشنل ڈیوٹی ہے اچھا کیا جو آپ نے ریسٹ ہاؤس کے باہر بھی پہرہ لگا دیا
ہے۔"
مسٹر دیاس نے نوکر کو چائے لانے کے لئے کہا اور بولے رات کو سیکیورٹی گارڈز کے تین جوان
پہرے پر ہوں گے میں تو آج شام ہی ریڈ بکس مدراس لے جانا چاہتا تھا مگر دلی سے دو روسی مشیر اور
وزارت دفاع کے سیکرٹری کھنہ صاحب چندی گڑھ میں ایک ضروری کانفرنس اٹینڈ کر رہے ہیں وہ صبح
دس بجے ہی مدراس پہنچ سکتے ہیں۔ ریڈ بکس ان کے سامنے ہی کھولا جائے گا۔"
پھر اپنی دھوتی کا پلو درست کرتے ہوئے بولے "کیپٹن مہتہ تمہیں بھی ہمارے ساتھ چلنا
ہو گا۔"
کیوں نہیں سر! یہ تو میری ڈیوٹی ہے کل کس وقت یہاں سے روانہ ہوں گے؟"
مسٹر دیاس نے جواب دیا "بحریہ کا ایک ہیلی کاپٹر ہمیں لے کر جائے گا نیول کمانڈر سے میری
بات ہو گئی ہے ہیلی کاپٹر صبح ساڑھے نو بجے ہیلی پیڈ پر ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"
میں نے ریسٹ ہاؤس میں داخل ہوتے ہی دیکھ لیا تھا کہ سیکیورٹی کے دو جوان اسٹین گنیں لئے
وہاں پہرہ دے رہے تھے اتنے میں چائے آ گئی اور ہم چائے پینے لگے مسٹر دیاس نے کھدر کا دھوتی کرتا
پہن رکھا تھا' جو کانگرسیوں کا خاص لباس تھا لیکن وہ بٹوہ اب بھی اس کے سامنے میز پر پڑا تھا جس میں
لوہے کی الماری کی چابی تھیں میں نے غوطہ خوروں کی تعریف شروع کر دی۔
" سر اپنی نیوی کے غوطہ خوروں کا دنیا میں کہیں جواب نہیں ہے" جس طرح کیچڑ میں سے
انہوں نے ریڈ بکس نکالا ہے یہ انہی کا کام ہے۔"

مسٹر ویاس چائے کا گھونٹ نگل کر بولے "کیپٹن مہتہ! اگر سارے لوگ اسی قومی اسپرٹ کے ساتھ کام کریں تو بھارت ورش اتنا مضبوط ہو جائے کہ دشمن اور خاص طور پر پاکستان اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے۔"

میں نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کہا "سر پاکستان تو ہم سے ہر اعتبار سے بہت پیچھے ہے۔ اصل خطرہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں چین سے ہے۔"

مسٹر ویاس نے سر ہلاتے ہوئے کہا "روس سے دفاعی پیکٹ کے بعد، یہ خطرہ کسی قدر کم ہو گیا ہے، مگر اصل خطرہ ہمیں ملک کے اندر درپیش ہے سکھ خالصتان کا مطالبہ کر رہے ہیں اس قوم نے جتنا ہماری گورنمنٹ کو پریشان کیا ہے اتنی پریشانی تو بڑے سے بڑے دشمن کے ہاتھ سے بھی ہمیں نہیں اٹھانی پڑی۔"

اور پھر وہ خالصتان کے مطالبے پر سکھوں کی زبردست مخالفت کرنے لگے اس دوران میں، میں نے کمرے کے ایک ایک کونے، ایک ایک شے کا جائزہ لے لیا تھا مسٹر ویاس سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وہ کسی وقت مجھے اپنی مقناطیسی نظروں سے ٹکٹکی باندھ کر تکنے لگتے تھے کبھی سوچتا کہ ہو سکتا ہے انہیں مجھ پر شک ہو گیا ہو کبھی خیال آتا کہ نہیں شک کرنے کا بظاہر کوئی امکان ہیں، لیکن کچھ بھی ہو سکتا تھا آخر یہ آدمی سوراشٹر کا ایک تجربے کار انٹیلی جینس آفیسر تھا مگر میں نے اپنے چہرے پر اس قسم کے تاثر کی ایک ہلکی سی جھلکی بھی نہیں آنے دی تھی کہ جس سے ظاہر ہوتا کہ میں اس کی نظروں سے بوکھلا گیا ہوں میں بڑے نارمل اور پرجوش انداز میں ہندوستان کی بری، بحری اور ہوائی فوج کی تعریفیں کر رہا تھا میں نے الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا "میں سمجھتا ہوں سر، کہ اس کی چابی آپ کو بینک کے لاکر میں رکھوا دینی چاہئے تھی۔"

مسٹر ویاس نے مسکراتے ہوئے کہا "کیپٹن مہتہ! میری ساری عمر انٹیلی جینس میں گزری ہے میں اس قسم کی چیزوں کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں چابی اس بٹوے میں میری آنکھوں کے سامنے ہے اور رات کو میری صدری کی جیب میں میرے ساتھ ہی رہے گی۔"

میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رات کو چابی یہ انٹیلی جینس افسر کہاں رکھے گا؟ میں نے ہنس کر کہا "سر! آپ کے وسیع تجربے کے آگے تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں ہمیں تو آپ سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے"

مسٹر ویاس پھول گئے اپنی تعریف سن کر بڑے خوش ہوئے، پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر مجھے گھورتے ہوئے بولے "مگر تم چابی کے بارے میں اتنے پریشان کیوں ہو؟"

میں سنبھل کر بیٹھ گیا کندھے اچکا کر بولا "سر! قدرتی طور پر ہم میں سے ہر ایک کو اس چابی کی فکر ہونی چاہئے آخر یہ ہماری نیشنل سیکورٹی کا معاملہ ہے آبدوز کی تباہی سے ہماری دفاعی حیثیت کو

مت بڑا دھکا لگا ہے ہم اس تخریبی کاروائی کے اصل مجرموں کو پکڑنا چاہتے ہیں اور ثبوت اس ریڈ بکس میں ہے جس کی حفاظت کے سلسلے میں میری، آپ کی، ہم سب کی پریشانی اور تجسس بجا ہے۔"

مسٹر ویاس دوسرے ہی لمحے مسکرائے اور بولے "ارے مسٹر تم فکر کیوں کرتے ہو یہاں اس قدر پہرہ ہے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی ہاں تم کل صبح صبح ہی میرے پاس آجانا ناشتا ہم اکٹھے ہی کریں گے اس روز کی طرح بھول نہ جانا۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "ہرگز نہیں سر! ویسے میں اس روز حاضر نہ ہو سکا اس کے لئے ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔"

میں مسٹر ویاس سے اجازت لے کر اپنے ہوٹل جانے کے لئے وہاں سے چل دیا مسٹر ویاس کے کمرے تک سامنے کے جانب برآمدے کی بائیں طرف سے ایک لکڑی کا زینہ اوپر جاتا تھا آگے چھوٹا سا لان تھا یہاں دو مسلح سپاہی اسٹین گنیں لئے چاق و چوبند کھڑے پہرہ دے رہے تھے میں خاموشی سے ان کے قریب سے گزر گیا یہ دبلے پتلے مدراسی سپاہی تھے ۔۔۔ مگر بڑی مستعدی سے پہرے پر کھڑے تھے انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

نیول ریسٹ ہاؤس سے میرے ہوٹل تک کا راستہ بمشکل ایک فرلانگ ہوگا یہ راستہ ایک چھوٹی سی کچی سڑک کی شکل میں تھا، جس کی ایک جانب گھاس کا میدان تھا اور دوسری جانب بحریہ کے مال گودام کی لمبی دیوار تھی جس کے آگے کانٹے دار تاروں کی دیوار کھینچی ہوئی تھی میدان کی جانب ناریل اور تاڑ کے درخت اس کچے راستے پر جھکے ہوئے تھے آگے جا کر یہ کچی سڑک پکی سڑک سے جا ملتی تھی جس کی پرلی طرف عمارتوں کی قطار میں وہ ہوٹل تھا جہاں میں رہ رہا تھا واپسی پر میں سارے راستے ایک ایک جگہ کا بغور جائزہ لیتا آیا میں اس غرض سے پیدل ہی چل رہا تھا مال گودام کی دیوار کے ساتھ کافی فاصلے پر بجلی کے دو بلب روشن تھے شام گہری ہو چکی تھی ان بلبوں کی روشنی زیادہ تر اسی جگہ جہاں وہ لگے ہوئے تھے کمرے میں آکر میں نے پتلون بشرٹ اتار کر دھوتی کرتا پہن لیا میں پلنگ پر لیٹا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی میں نے رسیور اٹھایا دوسری طرف سے کسی لڑکی کی سریلی آواز سنائی دی میں اسے پہچان نہ سکا "کون؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تم نے مجھے بھلا دیا ہے اتنی دیر ہو گئی ہے تمہیں یہاں سے گئے نہ کوئی خط لکھا، نہ فون کیا میں سجاتا بول رہی ہوں۔"

میں نے اسے پہچان لیا تھا میں حیران ہوا کہ سجاتا کو میرا نمبر کس نے دیا اور اسے یہ کیسے پتا چلا کہ میں پانڈی چری میں ہوں کیونکہ میرے کنیا کماری کے اس دورے کو صیغہ راز میں رکھا گیا تھا میں نے سب سے پہلے اس سے یہی سوال کیا "اسے میرا فون نمبر کس نے کیا؟"

وہ بولی تمہارے دفتر میں ہمارا ایک رشتے دار کام کرتا ہے میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی تمہارے

ہوٹل کا نام مجھے اسی نے بتایا تھا ڈائریکٹری میں میں نے اس ہوٹل کا نمبر معلوم کر لیا اور تمہارے کمرے میں فون کر دیا کیا تم ناراض ہو؟

"ارے نہیں سجاتا! بھلا میں کیوں ناراض ہوں گا؟" مجھے یہ خوشی ہوئی ہے کہ تم نے مجھے فون کیا بیچ میں یہاں اس قدر مصروف رہا ہوں کہ تمہیں خط نہ لکھ سکا۔۔ مگر تم روز یاد آتی تھیں خیر' میں بہت جلد واپس آکر ملوں گا اس وقت میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں اور سنو! میں آج ہی رات یہاں سے چلا جاؤں گا تم دوبارہ فون مت کرنا۔۔۔ او کے۔"

سجاتا کی آواز آئی "کشن! تم نے مجھے بھلا دیا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم مجھے بھول جاؤ گے۔ وہی عورتوں والی باتیں کر رہی تھی میں نے زور دے کر کہا" سجاتا پلیز۔۔۔ کسی سے میرا ذکر مت کرنا یہ آفیشل سیکرٹ ہے اور مجھے فون بھی نہ کرنا میں اب یہاں نہیں ہوں گا۔"

میں نے فون بند کر دیا میں جانتا تھا کہ سجاتا کا وہ۔۔۔ رشتے دار کون ہے وہ ہمارے ہی آفس میں کلرک تھا کم بخت کو نہ جانے کیسے میرا پتا چل گیا ویسے یہ میں نے دیکھا ہے۔۔۔ کہ ہندوستان میں کسی بھی محکمے میں کسی بھی بات کو خواہ کتنا ہی چھپا کر کیوں نہ رکھا جائے وہ ضرور لیک آؤٹ ہو جاتی ہے شاید اس کی وجہ ہے کہ ہم لوگ فطری طور پر ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور یہ جاننے کے لئے بے تاب رہتے ہیں کہ فلاں آدمی کیا کر رہا ہے؟ کہاں جاتا ہے؟ میں اگر دلی جا کر اس کے خلاف رپورٹ کر دوں تو اسے فوراً نوکری سے جواب مل سکتا تھا مگر ابھی تو خود میرا دلی واپس جانا مشکوک تھا۔ کیونکہ میرے سامنے ایک ایسا خطرناک کمانڈو مشن تھا' جس میں میری جان بھی جا سکتی تھی میں نے اسی وقت ہوٹل کے ایکسچینج کو فون کر کے انہیں ہدایت کر دی کہ اگر دوسرے شہر سے کسی لڑکی کا فون آئے تو اسے کہہ دیا جائے کہ میں نے ہوٹل چھوڑ دیا ہے سجاتا کو میں نے فوراً ذہن سے نکال دیا اور مجھے اس وقت جو مشن درپیش تھا اس کی جزئیات پر ایک ایک کر کے غور کرنے لگا میں نے شروع سے آخر تک اپنے کمانڈو آپریشن پر کئی بار غور کیا ایک ایک ایکشن کو ذہن میں لا کر کئی بار اس کا جائزہ لیا ہر امکان کے بارے میں اچھی طرح سے سوچ بچار کیا جب میرے سامنے لائن آف ایکشن بالکل واضح ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ میں سگریٹوں کی تقریباً آدھی ڈبی پھونک چکا تھا۔

رات ٹھیک ساڑھے بارہ بجے کا عمل تھا میں پلنگ پر لیٹا سگریٹ پی رہا تھا کمرے کی بتی میں نے بجھا رکھی تھی پونے ایک بجے میں نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل دیا پلنگ سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا اسے کھول کر باہر کاریڈور میں دیکھا۔ کاریڈور کی چھت میں فاصلے فاصلے پر لگی ہوئی دھیمی بتیاں مدھم روشنی بکھیر رہی تھیں لوگ اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند سو رہے تھے کاریڈور دور تک سنسان تھا میں نے دو تین لمبے لمبے ڈگ بھرے اور پام کے گملے کے پاس آکر بیٹھ گیا' پھر اسے پیچھے سے اوپر اٹھایا نیچے سے ریوالور والی تھیلی نکالی گملے کو اپنی جگہ پر رکھا اور جلدی سے کمرے میں آکر دروازہ بند

کر کے چٹخنی چڑھا دی ۔۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا' جس سے باہر آسمان پر چمکتے ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی کمرے میں آنے لگی سب سے پہلے میں نے پاجامہ کرتا اتارا ان کی جگہ تنگ نیلی پتلون اور نیلی بنیان پہن لی پاؤں میں نسواری رنگ کے ربر کے جوتے چڑھائے ریوالور کو سائیلنسر لگا کر اسے کمر کے گرد پٹی کے ساتھ کس کر باندھ لیا چاقو پتلون کی عقبی جیب میں رکھا سر پر سیاہ رنگ کا رومال باندھ لیا کالی چادر اوڑھی تو محسوس ہوا کہ یہ میرے عمل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہی ہے چنانچہ اسے وہیں رہنے دیا اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اگرچہ بتی بجھی ہوئی ہونے کی وجہ سے آئینے میں میرا مدہم سا عکس ہی دکھائی دے رہا تھا مگر میں نے دیکھ لیا کہ اندھیرے میں مجھے دور سے نہیں دیکھا جا سکے گا میں نے اپنا کرتا پاجامہ' کالی چادر اور ریوالور کی چمڑے کی تھیلی پلنگ کے گدیلے کے نیچے پھیلا کر چھپا دی اور کھڑکی کا پردہ گرا دیا اس کے بعد کھڑکی کے شیشے کو اوپر اٹھا کر نیچے جھانکا آگ سے بچاؤ کے لئے بنایا گیا زینہ ساتھ والے کمرے کی کھڑکی اور میری کھڑکی کے عین درمیان میں تھا اس زینے تک ادھر سے بھی تختہ لگا تھا اور میری کھڑکی کے نیچے بھی ایک تختے کو جوڑ کر زینے کے پہلے تختے سے ملا دیا گیا تھا نیچے اترنے کے لئے میں نے یہ راستہ منتخب کیا تھا یہ ہوٹل کا عقبی حصہ تھا اور یہاں سامنے موٹریں کھڑی کرنے کے لیے لمبے چار شیڈ بنے ہوئے تھے جن میں موٹریں پارک تھیں میں کھڑکی سے نکل کر زینے پر آ گیا اور پھر تیزی سے اترتا سامنے والے موٹر شیڈ میں گھس گیا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں سے کوئی مجھے جاتا دیکھے جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ رات کے سناٹے میں وہاں آس پاس کوئی نہیں تو باغ کی باڑ پھلانگ کر موٹر شیڈ کے پیچھے سے ہوتا ہوا پکی سڑک پر آ گیا سڑک سنسان تھی سڑک کی بتیاں فاصلے فاصلے پر روشن تھیں ایک کار کی روشنی دکھائی دی تو میں جلدی سے سڑک کی ڈھلان میں بیٹھ گیا کار گزر گئی اور سڑک پر ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا میں نے اٹھ کر بھاگتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسری طرف کچی سڑک پر آ گیا جو نیول ریسٹ ہاؤس کی طرف جاتی تھی اس سڑک پر بھی اندھیرا تھا جہاں نیول گودام کی عقبی دیوار سے بجلی کا کمزور بلب لگا تھا روشنی صرف وہاں تک ہی تھی' لیکن مجھے اس سڑک پر سے نہیں گزرنا تھا اس سڑک پر آگے ریسٹ ہاؤس کا مین گیٹ تھا' جہاں بقول مسٹر دیاس کے رات کو تین سپاہیوں کا پہرہ لگتا تھا اور یہ تینوں بحریہ کے جوان تھے ظاہر ہے مسلح ہوں گے میں بازو والے گھاس کے میدان میں اتر گیا اور ناریلوں کے نیچے اندھیرے میں ۔۔۔ جھک کر ریس ہاؤس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جب ریسٹ ہاؤس کی دو منزلہ ڈھلانی چھت والی عمارت اندھیرے میں ابھری تو میں وہیں بیٹھ گیا ریسٹ ہاؤس کی دوسری منزل میں روشنی ہو رہی تھی یہ وہ کمرہ تھا جہاں مسٹر دیاس رہائش پذیر تھا روشنی دھیمی تھی لگتا تھا کہ ٹیبل لیمپ روشن ہے مجھے معلوم تھا کہ یہ ٹیبل لیمپ مسٹر دیاس نے احتیاط کے طور پر روشن کیا ہے اور یہ ساری رات روشن ہی رہے گا کیونکہ اس کمرے کی الماری میں ریڈ بکس پڑا ہے میں نے جھک کر چلنا شروع کیا میں ریسٹ ہاؤس کے

پیچھے سے ہو کر دوسری طرف دیوار کے ساتھ آکر لگ گیا میں نے سر ذرا سا باہر نکال کر دیکھا بحریہ کے دونوں مدراسی سپاہی اسٹین گن لئے چابک پھر کر ریسٹ ہاؤس کے آگے پہرہ دے رہے تھے میں حیران ہوا کہ تیسرا سپاہی کہاں ہے۔؟

اچانک کسی کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی میں نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے وہیں بیٹھا رہنے کی بجائے اپنے آپ کو۔۔۔ نشیب میں لڑھکا دیا۔ میں گارڈینیا کی باڑ کے ساتھ جالگا وہیں سر اٹھا کر دیکھا یہ تیسرا سپاہی تھا' جو راؤنڈ لگاتا اسٹین گن کندھے پر رکھے ہوئے ریسٹ ہاؤس کے پیچھے سے اسی دیوار کی طرف آرہا تھا جہاں میں تھوڑی دیر پہلے موجود تھا قدرت میرا ساتھ دے رہی تھی اگر میں وہاں سے اپنے آپ کو نیچے لڑھکانے میں ذرا سی دیر کر دیتا تو معاملہ تلپٹ ہو گیا تھا میں اسے اندھیرے میں سر نیچے کئے دیکھتا رہا وہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر ریسٹ ہاؤس کے سامنے کی جانب آگیا تینوں سپاہیوں نے دو ایک جملے بولے سگریٹ بیڑی سلگائی دو تو وہیں ریسٹ ہاؤس کے آگے چل کر پہرہ دینے لگے اور تیسرا سپاہی راؤنڈ لگانے کے لئے دوسری طرف چلا گیا تھوڑی دیر بعد اسے ایک بار پھر ریسٹ ہاؤس کے پیچھے سے ہو کر وہیں آنا تھا میں سانپ کی طرح رینگ کر عقبی دیوار کے عین درمیان میں سے ایک درخت کی آڑ لے کر پنجوں کے بل اندھیرے میں بیٹھ گیا یہاں مچھر بھنبھنا رہے تھے وہ مجھے کاٹنے لگے مگر میں حرکت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مدراسی سپاہی کے سائے کو میں نے اپنی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر چلا آرہا تھا اس کے فوجی بوٹوں کے نیچے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کے کچلنے کی آواز پیدا ہو رہی تھی چاقو کھول کر میں نے اپنے سیدھے ہاتھ میں اس طرح پکڑ لیا تھا جس طرح ہم کمانڈو ٹریننگ کے دنوں میں فرضی دشمن پر جھپٹنے کے لئے پکڑا کرتے تھے' مگر یہ اصلی دشمن تھا یہی وجہ تھی کہ چاقو کے دستے پر میری گرفت بہت مضبوط تھی میں کمانڈو اٹیک کے لئے بالکل تیار تھا اس اٹیک میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی بس ایک بجلی سی چمکی تھی اور دوسرے ہی لمحے اس دبلے پتلے مدراسی سپاہی کی گردن میرے بائیں بازو کے شکنجے میں اور میرے دائیں ہاتھ کے چاقو کا پھل اس کی کمر سے گزر کر دل کے اندر جا گھسا تھا یہ سب کچھ بمشکل ڈیڑھ سیکنڈ میں ہو جاتا تھا اور ایسا ہی ہوا جب میں نے مدراسی سپاہی کی گردن کو بازو میں لے کر پیچھے کو جھٹکا دیا اور ساتھ ہی چاقو اس کی کمر میں جا گھسا تو اس کے منہ سے کوئی آواز تک نہ نکلی شاید وہ گردن پر جھٹکا کھاتے ہی مر گیا تھا۔

میں نے جلدی سے اسے درخت کے پیچھے زمین پر لٹا دیا وہ واقعی مر چکا تھا میں نے چاقو کا پھل اس کی بشرٹ سے صاف کیا اور لپک کر اپنی پہلے والی جگہ پر گارڈینیا کی باڑ کے پیچھے چھپ کر باقی دونوں سپاہیوں کو تکنے لگا یہ دونوں۔۔۔ سپاہی اسی طرح پہرہ دے رہے تھے کہ جب ایک سپاہی ٹہلتا ہوا اس طرف آتا تو دوسرا سپاہی برآمدے کے دوسرے کنارے تک جا چکا ہوتا تھا وقت بہت ہی کم تھا وقت پر لگا کر اڑا جا رہا تھا مجھے اپنی پوری کمانڈو مہارت سے کام لیتے ہوئے فوری ایکشن کرنا تھا میں گھاس میں لیٹ

گیا کہنیاں زمین پر ٹکا لیں چاقو جیب میں رکھ کر پستول پر سائیلنسر ۔۔ چڑھا کر اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی طرف آنے والے سپاہی کے دل کا نشانہ لے لیا ریسٹ ہاؤس کے آگے روشنی تھی جونہی سپاہی ٹہلتا ٹہلتا مجھ سے دس قدم کے فاصلے پر آیا میں نے اس کے دل کا نشانہ لے کر ٹرائیگر دبا دیا ریوالور میں سے ہلکے سے ٹھک' کی آواز سے گولی نکل کر سیدھی ۔۔۔ سپاہی کے دل میں یا دل کے آس پاس گھس گئی وہ منہ کے بل گر پڑا اس وقت دوسرا سپاہی کنارے سے واپس پلٹ رہا تھا وہ ٹہلتا ہوا جب آدھا راستہ طے کر چکا تو رک گیا اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اس کے ساتھی کی لاش اندھیرے میں میرے آگے نشیب پر گھاس میں پڑی تھی دوسرا سپاہی لپک کر آگے بڑھا میری دوسری گولی بالکل تیار تھی جونہی وہ میری رینج میں آیا میں نے ایک بار پھر ٹرائیگر دبا دیا۔ اس سپاہی کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی اور وہ گر پڑا میں نے اچھل کر اپنا آپ اس پر گرا دیا اور اس کی گردن کو دبانے لگا یہ ابھی زندہ تھا دس سیکنڈ کے بعد' یہ بھی مر چکا تھا میں نے اس کی لاش کو بھی نیچے نشیب میں گھسیٹ لیا دونوں کی اسٹین گنیں اٹھا کر دور درختوں کی طرف اچھال دیں اور دیوار کے ساتھ لگ کر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں آگیا سامنے اوپر جانے والا لکڑی کا زینہ تھا میں بے آواز قدموں سے چلتا ہوا زینہ چڑھنے لگا۔

مسٹر دیاس کے کمرے کا دروازہ بند تھا دروازے کے نیچے سے اندر جلتے نیلے لیمپ کی روشنی باہر نکل کر زینے پر پڑ رہی تھی باقی وہاں اندھیرا تھا دروازے کی ایک جانب لکڑی کا ایک بڑا کھوکھا پڑا تھا میں نے ۔۔۔ دروازے کو آہستہ سے اندر کی طرف کیا دروازہ اندر سے بند تھا اچانک مجھے اندر سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی میں ہمہ تن گوش ہو گیا یہ اندر مسٹر دیاس کس سے باتیں کر رہا ہے دوسرے ہی لمحے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ اندر ایک عورت بھی ہے' جس سے مسٹر دیاس باتیں کر رہا ہے یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟ جو کوئی بھی ہو' اس عورت کی وجہ سے میرے مشن کے ناکام ہونے کا شدید خطرہ تھا جو میں کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نیچے سے کسی گاڑی کے آکر کھڑی ہونے کی آواز آئی تو میں تیزی سے پلٹ کر لکڑی کے کھوکھے کے پیچھے چھپ گیا یا خدایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہیں یہ بچ بچ پانسہ تو نہیں پلٹ جائے گا اگر ایسا ہوا تو میں تو مروں گا ہی' مگر یہاں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا گاڑی سے کوئی اتر کر اوپر نہیں آیا تھا میرا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا کمرے سے مسٹر دیاس اور عورت کے باتیں کرنے کی آواز بند دروازے کے قریب آتی گئی' پھر دروازہ کھلا زینے کے سامنے والا حصہ روشن ہو گیا میں نے غیر شعوری طور پر اپنا سر نیچے کر لیا مسٹر دیاس کی آواز آئی "میں تو نہیں چاہتا تھا کہ تم اس وقت واپس جاؤ' مگر میری مجبوری ہے تم اسے مائینڈ مت کرنا۔"

عورت نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا "کوئی بات نہیں مسٹر دیاس سب ٹھیک ہے میں آدھی رات کو بھی واپس جا سکتی ہوں"

عورت کی آواز مجھے مانوس محسوس ہوئی میں نے کھوکھے کی دیوار سے ذرا سا سر نکال کر دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا یہ وہی ویمن ہوسٹل والی پروفیسر لڑکی رتناولی تھی ' جو ایک رات پہلے غنڈوں سے بچتی میرے کمرے میں گھس آئی تھی یہ کیا معمہ ہے ؟ مسٹر ویاس نے رتناولی سے ہاتھ ملایا ' پھر کہا " ٹیکسی والے کو میں نے فون پر بتادیا ہے کہ اسے کہاں جانا ہے تم خود بھی گائیڈ کر دینا۔"

رتناولی نے کہا " سب ٹھیک ہے مسٹر ویاس ! گڈ نائٹ ۔۔۔ بلکہ گڈ مارننگ ۔"

وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسی اور سیڑھیاں اترنے لگی دوسرے ہی لمحے مسٹر ویاس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی ایک لمحے کے اندر اندر عجیب ڈرامائی صورت حال سامنے آگئی تھی ' لیکن میرا ٹارگٹ ویاس تھا مجھے اپنے ٹارگٹ پر اندھا دھند حملہ کرنا تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے لئے میدان خالی ہو گیا تھا میں نے ایک بات ذہن میں سوچی اور جلدی سے کھوکھے کے پیچھے سے نکل کر دروازے پر دستک دی اور آواز بدل کر کہا " سر ! میں سکیورٹی گارڈ ہوں ۔۔۔ دروازہ کھولیے ۔"

اندر سے مسٹر ویاس نے تلخ لہجے میں غراتے ہوئے پوچھا " کیا بات ہے ؟"

میں نے اسی بدلی ہوئی آواز میں کہا " سر ! جیلیٹی آفیسر آیا ہے نیچے ۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے چاقو پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور دیوار کے ساتھ بالکل سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا دروازے کی کنڈی کھلی ' پھر دروازہ کھلا اور مسٹر ویاس نے سر باہر نکال کر پوچھا " کیا بات ہے ؟"

دوسرے ہی لمحے میں شیر کی طرح جست لگا چکا تھا اور مسٹر ویاس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں اور چاقو اس کے سینے میں اتر چکا تھا میں اسے گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے گیا اور ٹانگ مار کر دروازہ بند کر دیا میں نے چاقو کا پھل کھینچ کر اسی جگہ دوسرا وار کیا مسٹر ویاس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو پکڑ لیا تھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اس نے مجھے پہچان لیا تھا اس کی آنکھوں میں موت کی تھرتھراہٹ اور حیرت تھی میں نے اسے قالین پر گرا دیا چاقو کو اس کی دھوتی کے پلو سے صاف کر کے بند کیا جیب میں ڈالا میری آنکھیں مسٹر ویاس کے زرد بلکہ سفید ہوتے ہوئے چہرے پر لگی تھیں ۔ زندگی اس کے جسم سے پرواز کر رہی تھی اور موت نے اس کی آنکھوں کو پتھرا دیا تھا میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی اور سیدھا مسٹر ویاس کے پلنگ کی طرف بڑھا۔ سرہانے کو اٹھایا ۔ نیچے کچھ نہیں تھا جلدی سے گدیلا اٹھایا نیچے اس کا بٹوہ پڑا تھا ۔۔ بٹوے کو کھولا تو میری جان میں جان آگئی لوہے کی الماری کی چابی اس میں موجود تھی بٹوے کے ساتھ ہی مسٹر ویاس کا پستول بھی پڑا تھا ' جو اس کے کسی کام نہ آیا تھا پستول نے اس سے بے وفائی کی تھی حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے صوبے مہاراشٹر کے سوا تقریباً باقی سبھی صوبوں کے آدمی دبلے پتلے اور مریل ہوتے ہیں ۔ اگر یہ انٹیلی جینس آفیسر گجرات کاٹھیاواڑ کی بجائے پنجاب یا مہاراشٹر کا ہوتا تو اسے قابو کرنے میں مجھے یقیناً زیادہ دقت پیش آتی ممکن ہے کہ وہ مقابلہ بھی کرتا ' مگر بھاری بھرکم جسم ہوتے ہوئے بھی مسٹر ویاس

کے جسم میں جان نہیں تھی، طاقت نہیں تھی اگرچہ میرا کمانڈو اٹیک بھی خوفناک اور اچانک تھا اس کے باوجود مسٹر دیاس نے وہیں ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

چابی لے کر میں نے لوہے کی الماری کھول دی دوسری دراز میں چمڑے کا مہربند تھیلا پڑا تھا میں نے اس کو باہر نکال کر اس کی مہر توڑ کر کھولا ریڈ بکس اسی طرح اس کے اندر پلاسٹک کے سفید لفافے میں بند پڑا تھا اس کا وزن دو کلو گرام سے زیادہ نہیں تھا میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اب مجھے وہاں سے نکل جانا تھا اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ ٹیلی فون کی طرف بڑھا، مگر فوراً ہی واپس آگیا، پھر میں نے ریسیور اٹھا کر جلدی سے نیچے میز پر رکھ دیا۔ یہ آواز مجھے پکڑوا سکتی تھی۔ ریڈ بکس والا تھیلا اٹھا کر میں نے مسٹر دیاس کی لاش کو آخری بار دیکھا اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں یوں کھلی تھیں، جیسے مجھے دیکھ کر دہشت زدہ ہو۔

میں کمرے سے نکل آیا دروازے کو بند کیا لکڑی کے زینے پر سے اتر کر نیچے برآمدے میں آکر دونوں طرف غور سے دیکھا ٹیکسی رتناولی کو لے کر جا چکی تھی میں اچھل کر بائیں جانب نشیب میں درختوں کی طرف اتر گیا یہاں بھی بھارتی بحریہ کے دو جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں ناریل کے درختوں کے نیچے گہری تاریکی تھی یہیں۔ سے گزر کر مجھے نیول گودام والی کچی سڑک کے دوسرے سرے پر نکلنا تھا۔ وہاں پکی سڑک پر آیا تو رات کے دو سوا دو کا عمل ہوگا اس وقت کچھ زیادہ ہی تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا، پھر بھی جب تک میں نے اطمینان نہیں کر لیا، سڑک پار نہیں کی۔ اب سب سے آخری اور نازک مرحلہ ہوٹل کے عقبی پائپ کے ذریعے اوپر اپنے کمرے میں جانا تھا یہاں اگر مجھے چوکیدار وغیرہ نے دیکھ لیا تو بعد میں میرے لئے مشکل پیدا ہو سکتی تھی جونہی میں ہوٹل کے عقبی ویران باغ کے علاقے میں آیا، ایک کتا زور، زور سے بھونکنے لگا میں وہیں بیٹھ گیا کتا میرے قریب آکر بھونکنے لگا میں اسے ریوالور سے شوٹ نہیں کر سکتا تھا یہ بات میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتی تھی میں چپ چاپ وہیں ۔۔ اندھیرے میں سمٹ کر بیٹھا رہا اس کی تھوڑی دیر بعد ہی چوکیدار کے فرش پر لٹھ بجانے کی آواز آئی کتا بھاگ گیا مگر اب چوکیدار علاقے میں موجود تھا میرے لئے وہیں بیٹھے رہنا ہی مناسب تھا کوئی پانچ منٹ کے بعد، جب چوکیدار کی لٹھ کی آواز دور سے سنائی دی تو میں اٹھ کر پائپ کی طرف بڑھا۔ موٹیل کے شیڈ پر بھی سناٹا تھا میں لکڑی کی سیڑھی چڑھ کر اپنی کھڑکی کے پاس آگیا میری کھڑکی کا آدھا شیشہ اسی طرح اوپر کو اٹھا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو کمرے کے اندر گرا دیا۔ ریڈ بکس والا چمڑے کا تھیلا فرش کے قالین پر دور لڑھک گیا میں نے فوراً اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

میرا کمانڈو اٹیک کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو چکا تھا کمرے میں اندھیرا تھا میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔ پردہ اپنے آپ برابر ہو گیا اس وقت میرے پیش نظر دو اہم کام تھے پہلا کام ریوالور کو باہر کاریڈور والے بام کے گملے کے نیچے چھپانا اور ریڈ بکس کو کسی ایسی جگہ پھینکنا تھا جہاں سے وہ کبھی باہر نہ

نکالا جا سکے ریڈ بکس کو میں پام کے کسی گملے کے نیچے یا اپنے کمرے میں رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ سب سے پہلے تو میں نے اپنے کپڑے بدلے کھدر کا کرتا پاجامہ پہن لیا یہ ایک طرح سے شب خوابی کا لباس تھا رات ڈھلنے لگی تھی کاریڈور میں دیکھا وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا میں ریوالور لے کر بڑھا ہی تھا کہ خیال آیا' اگر بفرض محال یہ ریوالور کسی وجہ سے گملے کے نیچے سے برآمد ہو گیا تو مجھے مصیبت میں پھنسا سکتا ہے کیونکہ جن دو گولیوں سے ریسٹ ہاؤس کے گارڈز ہلاک ہوئے تھے' وہ اسی ریوالور سے چلائی گئی تھیں مجھے یہ ریوالور بھی ریڈ بکس کے ساتھ ہی کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دینا چاہئے ریوالور اور بھی آجائے گا۔

میں نے ریوالور کو بھی ریڈ بکس والے تھیلے میں ڈالا اور تھیلے کو رسی سے باندھ دیا ساڑھے تین' پونے چار بجے سیر کو جانے والے لوگ گھروں سے نکل پڑتے تھے میں نے چمڑے کے تھیلے کو کرتے کے اندر اپنے پیٹ کے ساتھ باندھ لیا اور سیر کرنے کے بہانے ہوٹل سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا میں اس طرح چل رہا تھا' جیسے سیر کرنے نکلا ہوں کسی وقت چلتے چلتے اپنے بازوؤں کو اوپر نیچے کرتا' جیسے ورزش کر رہا ہوں میں نے لوگوں کو دیکھا تھا وہ ایسا ہی کرتے تھے میں ہوٹل کی مخالف سمت چل رہا تھا آسمان پر صبح کی پھیکی سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ کہیں کہیں لوگ سیر کو جاتے نظر آنے لگے تھے سڑک پر سے کبھی کوئی ٹرک بھی گزر جاتا تھا چلتے چلتے میں سمندر کے ویران کنارے کی طرف آگیا یہاں فلیٹوں کا ایک سلسلہ زیر تعمیر تھا آگے سمندر کے کنارے پتھریلی چٹانوں کا سلسلہ تھا یہاں کہیں کہیں غاروں کے اندر گہرے سوراخ بنے ہوئے تھے یہ جگہ ریڈ بکس چھپانے کے لئے بہتر تھی میں ایک کھوہ میں چلا گیا کھوہ کے اندر اندھیرا تھا زمین ریتلی تھی اور سنگریزے بکھرے ہوئے تھے ایک جگہ قدرتی گڑھا بن گیا تھا شاید کسی نے یہاں سے بھاری پتھر اٹھایا ہوا تھا میں نے گڑھے کے پہلو میں ریت کو کھود کر ایک مزید سوراخ بنایا اور ریڈ بکس اور ریوالور والے تھیلے کو اس کے اندر رکھ کر اوپر پتھر اور ریت ڈال کر اسے بند کر دیا' پھر گڑھے میں پتھروں کو لڑھکانے لگا یہاں تک کہ وہ گڑھا بھر گیا۔ ان پر میں نے ریت اور سنگریزے ڈال کر ایک طرح سے اسے ہمیشہ کے لئے بند کر دیا یہ مقام ویران اور دور دراز جگہ پر واقع تھا اور یہاں کس کے آنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

میں واپس ہوٹل میں آگیا آتے ہی دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی اور پلنگ پر گرتے ہی گہری نیند سو گیا میں ۔۔۔ دوسرے دن آٹھ بجے تک سویا رہا آنکھ کھلی تو ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی میں نے ریسیور اٹھایا۔ میں جانتا تھا۔ یہ ٹیلی فون کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے؟ میں نے ہیلو کہا تو دوسری طرف طرف سے مدراسی جیٹی آفیسر کی گھبرائی ہوئی آواز آئی " سر! میں بڑی دیر سے آپ کو کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں پلیز ۔۔۔ جلدی پہنچیں کسی نے مسٹر ویاس کا خون کر دیا ہے اور الماری سے ریڈ بکس بھی غائب ہے۔"

میں نے مصنوعی طور پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "مائی گاڈ! تم کیا کہہ رہے ہو؟"
"کسی تخریب کار کا کام لگتا ہے تین گارڈز بھی مار دیئے گئے ہیں بس آپ جلدی آجائیں۔"
جیٹی آفیسر نے فون بند کر دیا میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا کپڑے بدلے اور چائے پیئے بغیر ٹیکسی میں بیٹھ ' سیدھا بندرگاہ پہنچ گیا وہاں ریسٹ ہاؤس کے گرد سول اور ملٹری کی پولیس کے آدمی جگہ جگہ اسٹین گنیں لئے کھڑے تھے روسی مشیر ومیزی اور دوسرے بندرگاہ کے اعلیٰ افسر اور پولیس کے دو انسپکٹر موقع پر موجود تھے میں نے اپنے اوپر گھبراہٹ اور پریشانی طاری رکھی تھی جاتے ہی جیٹی آفیسر اور روسی مشیر سے ملا مسٹر ویاس کی موت پر حیرت اور افسوس کا اظہار کیا۔ ویاس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے نیوی کے اسپتال میں پہنچا دی گئی تھی روسی مشیر نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا "تمہارا کیا خیال ہے کیپٹن! مجھے تو یہ تخریب کاروں کی کاروائی لگتی ہے؟"
میں نے اس کی تائید کی اور کہا "اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے مسٹر ومیزی! ابھی کل ہی کی بات تو ہے 'جب میں نے اس علاقے میں ایک سنہالی تخریب کار کا پیچھا کر کے اسے پکڑنا چاہا مگر میری بدقسمتی کہ اس نے زہریلا کیپسول کھا کر خود کشی کر لی میں نے تو شام کو مسٹر ویاس سے کہہ دیا تھا کہ تخریب کار اس علاقے میں چھپے ہوئے ہیں۔"
روسی مشیر بولا "ان کے خلاف ہماری کارروائی تسلی بخش نہیں تھی ورنہ وہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔"
میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا "میں بھی تو یہی مسٹر ویاس سے کہتا تھا' مگر کسی نے میری بات پر دھیان نہیں دیا اب وہ لوگ ریڈ بکس نکال کر لے گئے ہیں ہمارے ہاتھ سے ایک بہت بڑا سراغ نکل گیا ہے۔"
جیٹی آفیسر ہماری طرف آرہا تھا ظاہر ہے وہ پریشان تھا کیونکہ وہی علاقے کے تحفظ کے لئے جواب دہ تھا یہ خبر روسی مشیر نے صبح آتے ہی حادثے کی اطلاع ملنے پر دلی میں اپنے سفارت خانے پہنچا دی تھی جہاں سے انڈین وزارت داخلہ اور وزارت دفاع کو مل گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد پرائم منسٹر سیکرٹریٹ سے مسٹر خندن کا فون آگیا وہ بہت فکر مند تھا وہ بندرگاہ کے سیکورٹی سٹاف کو مورد الزام ٹھہرا رہا تھا میں نے اپنے بارے میں پوچھا کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟
اس نے تیز لہجے میں کہا "اس درگھٹنا کی فل رپورٹ تیار کر کے جتنی جلدی ہو سکے ہیڈ کوارٹر واپس آجاؤ یہ ساؤتھ کے انٹیلی جینس والے بالکل بیکار لوگ ہیں۔ انہوں نے بہت بڑا کلیو اپنی نالائقی سے ضائع کر دیا ہے تم جلد سے جلد رپورٹ تیار کر کے واپس آنے کی کوشش کرو۔"
اس نے فون بند کر دیا میں نے اطمینان کا سانس لیا ہر شے بخوبی انجام پا گئی تھی کسی وقت میرے دل میں ایک شک سا ابھر آتا تھا کہ کہیں چٹانی غار میں سے کوئی ریڈ بکس نکال نہ لے پھر سوچتا کہ

وہاں جا کر کسی کو کھدائی کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے ایک طرف سے میرا ذہن فارغ ہوا تو اب میں نے اس نکتے پر غور کرنا شروع کر دیا کہ پروفیسر لنڑ کی رتنا ولی کا معمہ کیا ہے ؟وہ آدھی رات کو مسٹر دیاس کے کمرے میں کیا کرنے آئی تھی ؟اس کا کہیں انٹیلی جینس سے تو کوئی تعلق نہیں ہے ؟ یا پھر کیا مسٹر دیاس نے اسے محض خوش وقتی کے لئے کسی کے ذریعے وہاں منگوایا تھا مگر رتنا ولی تو اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور لگتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں ۔ مجھے اس راز کو پانڈی چری سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے حل کرنا تھا۔ کیوں کہ بعد میں رتنا ولی میرے لئے مسئلے پیدا کر سکتی تھی وہ میرے ہوٹل میں بھی آچکی تھی یہ سب ڈراما کسی گہری سازش کا حصہ تو نہیں تھا' جو مجھے بے نقاب کرنے کے لئے تیار کی گئی تھی۔

یہ سوال تھے 'جن کا مجھے جواب چاہئے تھا اور پھر مجھے ان ۔۔۔ جوابات کی روشنی میں رتنا ولی کو بھی ٹھکانے لگانا تھا مسٹر دیاس اور بحریہ کے تین جوانوں کے قتل کی خبر کو بھی صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی سارے علاقے کے گرد سکیورٹی سخت کر دی گئی اور باہر کے کسی آدمی کو اس طرف آنے کی اجازت نہیں تھی میں نے تقریباً سارا دن وہیں بندرگاہ پر ہی گزارا پولیس آفیسرز کے ساتھ مسٹر دیاس کے کمرے میں بھی گیا' جہاں گزشتہ رات میں نے اسے قتل کیا تھا پولیس انگلیوں کے نشانات اٹھانے کی کوشش میں تھی 'مگر اس کا امکان میں نے رات ہی کو ختم کر دیا تھا وہ ایسے کہ میں نے جہاں جہاں ہاتھ لگائے تھے بعد میں رومال سے ان جگہوں کو صاف کر دیا تھا یہاں تک کہ مسٹر دیاس کی گردن پر بھی میں نے اپنی انگلیوں کے نشانات کو مٹا دیا تھا یہ کام میرے لئے کوئی نیا نہیں تھا پولیس کو وہاں ربڑ کے مردانہ جوتوں کے علاوہ ایک زنانہ سینڈل کے مدھم نشان بھی ملے یہ بات سب کے لئے حیران کن تھی کہ وہاں آنے والی عورت کون تھی ؟ میں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے یہ عورت بھی تخریب کاروں کی ساتھی ہو' پھر وہاں۔ کے ملی نے بتایا کہ اس نے آدھی رات کے بعد وہاں موٹر کار کے انجن کی آواز سنی تھی معاملہ الجھتا جا رہا تھا کچھ میں اپنے طرز استدلال سے الجھا رہا تھا تاکہ پولیس کو کوئی سراغ نہ مل سکے میرے ربڑ کے جوتوں کے نشان پولیس کو کوئی حتمی ثبوت مہیا نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ اس قسم کے لاکھوں جوتے شہر میں لوگوں نے پہن رکھے تھے' پھر بھی میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے ربڑ کے جوتوں کو بھی کہیں پھینک دوں گا۔

اس وقت میرا ارادہ رتنا ولی کے ہوسٹل جا کر اس سے ملاقات کرنے کا تھا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مسٹر دیاس کی موت پر اس کا کیا ردعمل ہو گا مگر بندرگاہ پر ہی مجھے شام ہو گئی اور میں اس قدر تھک گیا کہ وہیں سے سیدھا اپنے ہوٹل آگیا آتے ہی میں نے سب سے پہلے ربڑ کے نسواری جوتوں کو ایک لفافے میں ڈالا اور انہیں پلنگ کے نیچے ایک طرف ڈال دیا کہ رات کو انہیں لے جا کر کسی کنوئیں وغیرہ میں پھینک آؤں گا۔

میں منہ ہاتھ دھونے کے بعد سادہ کپڑے پہن کر اخبار پڑھنے بیٹھا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے رنتا ولی کھڑی تھی اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور بولی "ادھر سے گزر رہی تھی سوچا آپ سے ملتی چلوں آپ مصروف تو نہیں ہیں نا؟"

"بالکل نہیں' آؤ --- اندر آجاؤ --- پلیز ---"

میں نے دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا رنتا ولی نے ہلکے بلیو کلر کی پھول دار ساڑی پہن رکھی تھی ہاتھ میں اسی کلر کا پرس تھا بالوں میں موتیئے کے پھولوں کا گجرا سجا تھا وہ صوفے پر بیٹھ گئی "جگدیش جی' آپ پھر ہمارے ہوسٹل میں نہیں آئے؟"

میں نے اخبار لپیٹ کر پلنگ پر رکھ دیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا "بس کاروباری مصروفیات اس قسم کی تھیں کہ وقت ہی نہیں ملا اب سوچا تھا کہ کل آپ کی طرف چکر لگاؤں گا آپ اچھی ہیں نا؟"

"تھینک یو میں بالکل ٹھیک ہوں" رنتا ولی مسکرا رہی تھی ابھی تک رنتا ولی کے بارے میں کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ یہ لڑکی یا عورت انٹیلی جینس کی ہے یا اس کا تعلق پانڈی چری کی ان عورتوں سے ہے' جو سرکاری افسروں کا دل بہلاتی ہیں میں اس کی ایک ایک حرکت کو بڑے غور سے دیکھنے اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اس کے لئے چائے منگوائی میرے ربر کے جوتوں کا تھیلا پلنگ کے نیچے ذرا باہر نکلا ہوا تھا میں نے نوٹ کیا کہ رنتا ولی نے دو ایک بار خاص طور پر اس طرف غور سے دیکھا تھا یہ لڑکی اس تھیلے کو کیوں دیکھ رہی ہے؟ میں نے دل میں سوچا' جس تھیلے میں میں نے ربڑ کے جوتوں کو ڈال رکھا تھا وہ پانڈی چری کے ایک مشہور شاپنگ اسٹور کا تھیلا تھا جس پر شیر کی شکل بنی ہوئی تھی رنتا ولی نے تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ کارگل شاپنگ سینٹر سے چیزیں خریدتے ہیں؟"

میں نے تھیلے کو قصداً نظر انداز کرتے ہوئے کہا "ہاں" بھئی میں تو اس شہر میں اجنبی ہوں' جو شاپنگ سینٹر پہلے نظر آیا' وہیں سے صابن' ٹوتھ پیسٹ وغیرہ خرید لئے تم چائے بناؤ نا۔ ٹھنڈی ہو جائے گی"

رنتا ولی نے غیر متوقع طور پر تھیلے کو لپک کر باہر نکال لیا میں ایک دم محتاط ہو گیا کہنے لگی "مجھے یہ تھیلا بہت اچھا لگتا ہے تم سن کر حیران ہو گے' جگدیش کہ میں نے کتنے ہی ایسے تھیلے گھر میں جمع کر رکھے ہیں کیا میں یہ تھیلا لے سکتی ہوں؟"

اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' اس نے تھیلے میں سے جوتے نکال کر ایک طرف رکھ دیئے اور تھیلا تہ کرکے اپنے پرس میں رکھ لیا' پھر جوتوں کو دیکھ کر بولی "ان پر بڑی مٹی لگی ہے کیا تم صبح سیر کو جاتے ہو مسٹر جگدیش؟"

ابھی تک میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا میں نے کہا "ہاں کسی روز آنکھ کھل جائے تو سیر کرنے نکل جاتا ہوں ۔"

رتنا ولی نے جوتوں کی طرف اشارہ کیا اور بولی "لگتا ہے ' آج رات کو بھی آپ سیر کرنے گئے تھے میرا مطلب ہے منہ اندھیرے ۔۔۔"

"ہاں ' ہاں " میں نے مسکرا کر کہا " آج صبح آنکھ کھل گئی تو سوچا سیر ہی کر لوں سیر کرنے سے آدمی فٹ رہتا ہے کیا خیال ہے تمہارا ؟ میری چائے میں چینی آدھا چمچ ڈالنا پلیز ۔۔۔"

رتنا ولی ابھی تک اسی موضوع پر اڑی ہوئی تھی کہنے لگی ۔ " جگدیش بابو ! آپ کس طرف سیر کرنے جاتے ہیں ؟ جوتوں پر خشک کیچڑ بھی لگا ہوا ہے پانڈی چری کے باغ تو بڑے صاف ستھرے ہیں میں آپ کو بتاؤں یہاں آپ کے قریب ہی بچوں کا ایک پارک ہے وہاں پتھریلی روشیں بنی ہوئے ہیں آپ ادھر سیر کو جایا کریں یہ لیں ' میں نے چینی آدھا چمچ ہی ڈالی ہے ۔"

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے پیالی ہاتھ میں لے لی اور خاموشی سے چائے پیتے ہوئے سوچنے لگا ۔۔۔ کہ اس لڑکی رتنا ولی کو ضرور کسی نے میرے پاس سراغ رسانی کے لئے بھیجا ہے میرے جوتے بہت بڑا ثبوت تھے ' مگر اتنی آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا میں چائے پی رہا تھا میں نے آنکھیں اٹھا کر رتنا ولی کی طرف دیکھا تو وہیں ٹھٹک گیا رتنا ولی پہلے ہی سے میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی ۔

اچانک وہ مسکراتی ہوئی اٹھی " اچھا جگدیش بابو ! میں چلتی ہوں میری سہیلی نیچے انتظار کر رہی ہے آپ کل آیئے نا شام کی چائے میرے ساتھ ہی پیئیں میں آپ کو سیلون کی چائے پلاؤں گی میری ایک دوست نے مجھے کولمبو سے بھیجی ہے نمسکار ۔"

وہ چلی گئی کئی کڑیاں آپس میں ملتی چلی جا رہی تھیں کولمبو کی چائے یہ ایک نئی کڑی تھی سنہالی ایجنٹ کولمبو ہی سے آتے تھے اس کا میرے جوتوں پر جمے ہوئے خشک کیچڑ کو نوٹ کرنا میری عدم توجہی کی حالت میں میرے چہرے کو غور سے گھورنا ۔۔۔ یہ لڑکی مشکوک تھی ' مجھے جتنی جلدی ہو سکے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا ' لیکن پہلے یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا کہ اس کا رابطہ یہاں مسٹر دیاس کے بعد ' کس سے قائم ہے کیونکہ اس کی موت کے بعد ' وہ شخص بھی میرے لئے ایٹم بم سے کم نہیں ثابت ہو سکتا تھا ۔ میں نے اگلے روز رتنا ولی کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن اب میرے لئے ربڑ کے جوتوں سے نجات حاصل کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا کوئی ایک گھنٹے کے بعد ' جب مجھے یقین ہو گیا کہ رتنا ولی اس علاقے سے نکل کر اپنے ہوسٹل پہنچ گئی ہو گی تو میں نے ربڑ کے نسواری جوتوں کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور کمرے کو تالا لگا کر نیچے ہوٹل کی لابی میں آ گیا میں ایک دم چونک کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا ۔

رتنا ولی کاؤنٹر کے پاس کھڑی ایک عورت سے باتیں کر رہی تھی یہ ابھی تک اسی ہوٹل میں تھی شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا میں تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل کے کاریڈور میں آگیا میرا سانس پھول رہا تھا۔

کمرے میں آکر میں نے ربڑ کے جوتے پلنگ کے نیچے ڈال دیئے۔

یہ پُراسرار لڑکی رتنا ولی میرے لئے ایک مصیبت بنتی جا رہی تھی۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ رتنا ولی جتنی دیر میرے کمرے میں رہی اس نے مسٹر ویاس کے قتل کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اگر وہ انٹیلی جینس کی عورت تھی تو اسے یقیناً مسٹر ویاس کے قتل کی اطلاع مل چکی تھی لیکن اس نے جان بوجھ کر مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں بھی مصلحتاً اس ضمن میں خاموش رہا تھا۔ میں نے یہی فیصلہ کیا تھا صبح منہ اندھیرے سیر کے بہانے باہر جا کر جوتوں کو کسی ویران گڑھے میں دبا دوں گا، لیکن رتنا ولی کے میرے کمرے میں آنے اور اس کی پراسرار حرکتوں سے مجھے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں ربڑ کے جوتوں کو رات بھر اپنے کمرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ جوتے مجھے گرفتار کروا سکتے تھے۔ میں بے چینی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ رتناولی ابھی ہوٹل میں ہی ہو گی۔ بیرے نے آکر کھانے کا پوچھا تو میں نے کہا کہ نیچے ڈائننگ ہال میں ہی کھاؤں گا۔ اس بہانے میں نیچے جا کر رتناولی کے بارے میں معلومات بھی حاصل کر سکتا تھا۔ بیرا چلا گیا۔ میں اتنا احمق نہیں تھا کہ کھانا کھانے جاتے ہوئے جوتے وہیں کمرے میں ہی چھوڑ جاتا۔ اب میں نے جوتوں کو ایک اخبار میں لپیٹ کر بغل میں دبایا اور باہر نکل کر کمرے کو تالا لگاتے ہوئے کاریڈور میں ادھر ادھر متجسسانہ نگاہ ڈالی۔ دور سے ایک جوڑا چلا آ رہا تھا۔ میں نے پیکٹ ہاتھ میں پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اچانک میری نظر آخری کمرے کی دائیں جانب دیوار میں لیٹر بکس کی طرح بنے ہوئے چوکور سوراخ پر پڑی جس کے اوپر حروف میں ڑیش لکھا تھا مجھے خیال آیا کہ جوتے پھینکنے کے لئے اس وقت اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اس سوراخ میں سے ہوٹل میں رہنے والے ردی چیزیں پھینکتے تھے جو نیچے تہ خانے میں ردی اور کوڑے کرکٹ کے بہت بڑے ڈرم میں جا کر گر جاتی تھیں جہاں سے روزانہ صبح صبح ٹرک آکر لے جاتا تھا۔

میں وہاں پہنچ کر رک گیا اور اپنی گھڑی پر وقت دیکھنے لگا۔ جب جوڑا میرے قریب سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگا تو میں نے جوتوں کے پیکٹ کو جلدی سے ڑیش کے سوراخ میں سے نیچے پھینک دیا۔ میرے ذہن سے بوجھ اتر گیا۔ اب میں بڑے سکون سے سیڑھیاں اتر کر لابی میں آگیا۔ میں نے کن انکھیوں سے لابی کا جائزہ لیا۔ رتناولی وہاں نہیں تھی۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور خاموشی سے قدم اٹھاتا ڈائننگ ہال میں آکر کونے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں کچھ مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ کھانا لگایا جا رہا تھا۔ رتناولی یہاں بھی موجود نہیں تھی۔ میں نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ کچھ دیر... بیٹھ کر شام کے

اخبار کا مطالعہ کرتا رہا اور سگریٹ پیتا رہا پھر اخبار لپیٹ کر میز پر رکھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں دبایا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ لابی میں رنتاولی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ جا چکی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ دیوار پر لگا بجلی کا بٹن دبایا۔ کمرے میں روشنی ہوئی تو میں ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گیا۔ کمرے کی ہر شے الٹ پلٹ ہو چکی تھی۔ کسی نے میری عدم موجودگی میں کمرے کی بھرپور تلاشی لی تھی۔ کوئی شے اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ بستر کی چادر فرش پر گری ہوئی تھی۔ گدہ دہرا ہو کر قالین پر گرا تھا۔ سنگھار میز کی ساری درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ الماری جس کو میں نے چابی لگا رکھی تھی وہ بھی کھلی تھی۔ میرے بریف کیس کو کھول کر اس کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔

یہ کام رنتاولی یا اس کے کسی ساتھی کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ رنتاولی کو میرے پیچھے لگایا گیا ہے اور مجھ پر کسی کو شک پڑ چکا ہے۔ یہ سوائے وہاں کی انٹیلی جینس کے اور کون ہو سکتا تھا؟

میرے لئے تیزی سے سرگرم ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ یہ تلاشی اس بات کا اشارہ تھا کہ میں انتہائی خطرے میں ہوں۔ جو کوئی بھی میرے کمرے میں آیا تھا اس کو ریڈ باکس یا میرے جوتوں کی تلاش تھی اور ان میں سے ایک بھی شے اس کے ہاتھ میں نہیں آئی تھی۔ مجھے تشویش ہوئی کہ ان لوگوں نے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں سے میرے جوتوں کو نہ ڈھونڈ نکالا ہو۔ میں نے باہر نکل کر کمرے کو تالا لگایا اور تیز تیز قدموں سے لفٹ کی طرف گیا۔ یہ لفٹ تہ خانے کے دروازے کے بالکل سامنے جا کر رکتی تھی۔ یہ ہوٹل کی سب سے نچلی منزل تھی جہاں سے وہ لوگ اپنا سامان لے کر آتے تھے جو ہوٹل میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادہ دیر تک ٹھہرتے تھے۔ ٹریش روم کے دروازے پر صرف کنڈی لگی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ جلدی سے کنڈی کھول کر میں تہ خانے کے ٹریش روم میں داخل ہو گیا۔ یہ کافی کشادہ تھا جو بالکل خالی تھا۔ صرف درمیان میں دو جگہوں پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے تھے جو اوپر سے پھینکا یا تھا۔ مجھے پہلے ہی ڈھیر پر سے اپنے جوتوں کا پیکٹ مل گیا۔ وہ ایک طرف لڑھکا پڑا تھا اور اخبار سے باہر نکل آیا تھا میری جان میں جان آ گئی۔ جلدی سے جوتوں کو اٹھا کر اپنے پاجامے میں کرتے کے نیچے چھپا لیا۔ ٹریش روم کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور لفٹ کے ذریعے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

چاقو میں نے کمرے میں اس وقت بھی نہیں رکھا تھا۔ اب میں ہر وقت اپنی جیب میں ہی رکھتا تھا۔ اس لمحے بھی چاقو میری جیب میں تھا۔ صرف یہی ایک ہتھیار میرے پاس تھا۔ جوتوں کو دوسرے اخبار میں لپیٹ کر میں نے الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا۔ تلاشی لینے والے کے پاس ہر قسم کی چابیاں موجود تھیں۔ جن کی مدد سے اس نے الماری کے تالے کو بھی کھول لیا تھا۔ باہر کا دروازہ تو آٹومیٹک بند ہو کر مقفل ہو گیا تھا مگر الماری کا تالا ویسے ہی کھلا پڑا تھا۔ اب میں چوکس ہو چکا تھا۔ نیند مجھ سے کوسوں

دور تھی۔ سب سے اہم مسئلہ جوتوں کو کہیں جہنم رسید کرنے کا تھا۔ یہ جوتے مجھے موت کے منہ میں دھکیل سکتے تھے۔ میں نے کمرے کی تمام بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹ کر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو اس بارے میں رپورٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سروس کو فون کر کے اپنے لئے کافی کا آرڈر دے دیا۔ کافی آئی تو میں آرام سے کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ رتناولی کے ساتھ کون کون ہو سکتا ہے؟ مجھے ان سب سے نمٹنا تھا۔ میرا دلی میں بہت بڑا مشن تھا۔ اگر میرا راز فاش ہو جاتا ہے تو دلی کا سارا مشن تہس نہس ہو جاتا تھا اور مجھے اس شہر میں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔

یہ بات یقینی تھی کہ میری نگرانی کی جا رہی ہے۔ اس وقت بھی ہوٹل کے آس پاس کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہو گا جو میرے باہر نکلنے پر میرا پیچھا کرنا شروع کر دے گا۔ ایسی صورت میں میرا صبح سیر کے بہانے جوتوں کو ساتھ لے جا کر کسی جگہ پھینکنا خطرناک تھا۔ میں ان جوتوں کو اپنے کمرے میں رکھ کر باہر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے روز مجھے ہر حالت میں بندرگاہ پر بھی رپورٹ کی تفصیلات حاصل کرنے جانا تھا۔ میرے پاس صرف ایک ہی رات تھی۔ اس رات کے اندر اندر مجھے اپنے جوتوں کو کسی گہرے کنوئیں میں اس طرح پھینکنا تھا کہ کوئی مجھے دیکھے بھی نہیں۔ کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اب مجھے یہ فکر بھی لاحق ہو گئی تھی کہ اگر میری نگرانی کی جا رہی ہے تو جس رات پچھلے پہر سیر کے بہانے میں ریڈ باکس لے کر سمندر کے دور دراز چٹانی ساحل کی طرف گیا تھا تو لازمی بات ہے اس وقت بھی ضرور کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو گا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر یہ الیہ پیش آگیا تو میرا بچنا مشکل ہے۔ مجھے چٹانی کھوہ میں جا کر اب ریڈ باکس کے بارے میں بھی تسلی کرنی تھی کہ وہ اپنی جگہ پر موجود ہے کہ نہیں۔

میں کافی کی دو پیالیاں پی چکا تھا۔ چھ سات سگریٹ بھی پھونک ڈالے تھے۔ گھڑی دیکھی۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے۔ کار پارکنگ والے شیڈ کی جانب سے مجھے ایک ٹرک کے آکر رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ یہ ایک بہت بڑا ٹرک تھا جس کے اوپر کوڑے کا ڈرم اٹھانے والی مشین لگی تھی۔ میرے دل میں امید کی شمع روشن ہو گئی۔ اگر یہ ٹرک کوڑا کرکٹ اور ربش اٹھانے آیا ہے تو میں ابھی ریڈ کے جوتوں سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا۔ ٹرک کی ہیڈ لائٹس بجھا دی گئیں۔ پیچھے سے چار آدمی آکر ہوٹل کی دیوار کی طرف بڑھے۔ اس عقبی دیوار میں وہ دروازہ تھا جو تہ خانے کے ربش روم کو جاتا تھا۔ یہ چاروں آدمی اس دروازے میں داخل ہو گئے۔ میرے لئے یہ سنہری موقع تھا جو قدرت نے شاید مجھ پر ترس کھا کر مہیا کر دیا۔

میں نے جوتوں کو اخبار میں سے نکال کر اپنی قمیص کے اندر چھپایا اور کمرے سے نکل کر دوسرے کنارے والی لفٹ میں آکر گراؤنڈ کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ مجھے لے کر گراؤنڈ فلور پر آکر رک گئی۔

میں نے باہر آکر دیکھا کہ ٹریش روم کا دروازہ کھلا تھا اور محکمے کے ملازم تیزی سے ڈرموں میں ٹریش اور ردی چیزیں بھر رہے تھے۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ جب ایک آدمی پہیوں والے ڈرم کو چلاتا میرے قریب سے گزرنے لگا تو میں نے بڑے آرام سے جوتے نکال کر ڈرم میں ڈال دیئے۔ اس آدمی کا چہرہ ڈرم کی دوسری طرف چھپا ہوا تھا۔ اس نے مجھے جوتے رکھتے نہیں دیکھا تھا اور اگر دیکھ بھی لیتا تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ آخر میں نے پرانے جوتے ہی ٹریش میں پھینکے تھے۔ وہ آدمی ٹریش ڈرم کو پہیوں پر چلاتا باہر نکل گیا۔ میں لفٹ کے ذریعے اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ اب دوسرا کام ساحل سمندر پر جا کر ریڈ باکس اور ریوالور والے تھیلے کی چیکنگ تھی۔ یہ ایک نازک مرحلہ تھا۔ اگر میرا پیچھا کیا گیا تو میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاؤں گا۔ اگر نہیں جاتا تو بھی میرے دل میں چین نہیں تھا۔ یہی وسوسہ اٹھ رہا تھا کہ کہیں ان لوگوں نے وہاں سے ریڈ باکس نکال نہ لیا ہو۔ کیا معلوم صبح میں بندرگاہ پر جاؤں تو جیٹی آفیسر مجھے اسی وقت گرفتار کر لے۔

رات بڑی مشکل سے کاٹی۔ کبھی نیند آجاتی۔ کبھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ سیر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں سیر کے بہانے بھی ساحل سمندر کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں جانے کے لئے مجھے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا کہ کسی کو میری شکل دکھائی نہ دے۔ اس کے لئے مجھے اپنا حلیہ بدلنے کی ضرورت تھی جس کا سامان وہاں میرے پاس نہیں تھا۔ مجبوراً میں نے ناشتہ کرنے کے بعد بندرگاہ پر جانے کا خطرہ مول لے ہی لیا۔ مدراسی جیٹی آفیسر اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک نہیں آیا۔ میں اس کے کمرے میں بیٹھ کر تازہ اخبار پڑھنے لگا۔ آج کے اخبار میں بھی مسٹر ویاس اور گارڈز کے قتل کی کوئی معمولی سی خبر بھی نہیں تھی۔ اس وقت دن کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ ابھی میں نے ہیلو نہیں کہا تھا کہ دوسری طرف سے ایک عورت کی آواز آئی۔ ''مسٹر پلے سے بات کر سکتی ہوں''۔

''عورت نے انگریزی میں پوچھا تھا۔ میں نے آواز فوراً پہچان لی۔ یہ رتناولی بول رہی تھی۔ میں نے اپنی آواز کو یکسر بدلتے ہوئے پوچھا۔ ''میڈم! مسٹر پلے کون ہیں یہاں؟''

اس نے کہا۔ ''مسٹر پلے جیٹی آفیسر ہیں۔ میں نے ان کے گھر فون کیا تھا۔ پتہ چلا وہ آفس چلے گئے ہیں''۔

میں نے اسی بدلی ہوئی آواز میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ ''وہ تو ابھی دفتر نہیں آئے۔ آپ کا نام کیا ہے؟''۔

رتناولی نے الٹا سوال کر دیا۔ ''تم کون بول رہے ہو؟''

میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں ان کا دوست ہوں۔ ان سے ملنے آیا ہوں''۔

رتناولی نے فون بند کر دیا۔ میں نے ریسیور رکھا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ بات ثابت ہو

گئی تھی کہ رتنا دلی کا اس مدراسی جیٹی آفیسر سے رابطہ تھا۔ اسی کے ایما پر رتنا دلی میری سراغ رسانی پر لگائی گئی تھی۔ شواہد سے یہی ثابت ہو رہا تھا۔ تو کیا اس مدراسی مسٹر پلے کو مجھ پر شک پڑ گیا ہے؟ یہ تو مجھے تباہ کروا سکتا ہے۔ اگر اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہے تو اس کا دلی ہیڈ کوارٹر صرف ایک لفظ لکھنا ہی مجھے ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ سامنے سے مدراسی جیٹی آفیسر مسٹر پلے چلا آ رہا تھا۔ وہ سفید نیکر اور بش شرٹ میں تھا۔ سر پر بحریہ کی ٹوپی تھی۔ پوری یونیفارم میں تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر نمسکار کیا۔ وہ بھی نمسکار کہہ کر میرے قریب آیا اور بولا۔ ''کیپٹن مہتہ! آج تم ٹھیک وقت پر آئے ہو گے۔ میں ہی لیٹ ہو گیا۔ نوکر نے مجھے دیر سے اٹھایا''۔

میں اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اسے مجھ پر کس قسم کا شک ہو چکا ہے۔ یا تو یہ آدمی انتہائی عیار اور مکار تھا اور یا پھر اسے میرے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا لیکن پھر رتنا دلی نے اسے فون کیوں کیا تھا؟ ممکن ہے وہ اس کی رشتہ دار ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی دوست ہو۔ جیٹی آفیسر کی عمر زیادہ نہیں تھی مجھے خاموش رہ کر حالات کا جائزہ لینا اور ہوا کے رخ کو دیکھنا تھا کہ وہ کس طرف کو چل رہی ہے۔ مسٹر دیاس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ رات کو ہی آ گئی تھی۔ مسٹر پلے نے بتایا کہ رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ مسٹر دیاس کی موت چاقو کی ضربات سے واقع ہوئی ہے اور اس کا گلا بھی دبایا گیا تھا۔

میں نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا۔ ''کیا فنگر پرنٹ نہیں مل سکے؟''

''نہیں''۔ جیٹی آفیسر سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ تخریب کار پورے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ انہیں اس کے لئے پوری ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہ اپنے فنگر پرنٹس کیسے چھوڑ سکتے ہیں بھلا؟''

اس کی باتوں اور چہرے کے تاثرات سے کم از کم میں تو اسی نتیجے پر پہنچا کہ انہیں ریڈ باکس اور میرے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ میری خوش فہمی بھی ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود یہ فیصلہ میں کر چکا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے مجھے ساحل سمندر کی چٹانوں میں پہنچ کر ریڈ باکس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور پوری تسلی کرنی ہے۔ میں اسے وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دینا چاہتا تھا۔ سمندر میں ڈبونے سے مجھے وہم تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت باہر آ جائے گا۔ بارود سے اسے تباہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے میرے لگائے گئے طاقتور ٹائم بم اور تارپیڈو کے دھماکے تباہ نہیں کر سکتے تھے۔ مسٹر پلے نے میرے اور اپنے لئے کافی منگوالی۔ تھوڑی دیر بعد روسی مشیر ومیزی بھی آ گیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

''میں آج واپس دلی جا رہا ہوں۔ مجھے اپنے سفیر نے صلاح مشورے کے لئے بلایا ہے''۔

میں خاموشی سے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لگاتا رہا۔ مسٹر پلے نے کہا۔ ''مسٹر ومیزی! پرسوں مدراس سے ایک خصوصی تحقیقاتی ٹیم معاملے کی چھان بین کے لئے آ رہی ہے۔ کیا تم ان سے نہیں ملو

گئے ؟"

ومیزی نے کہا۔ "سوری مسٹر پلے! میرا جانا بہت ضروری ہے۔ ممکن ہے میں اس مہینے کے اختتام پر پھر آؤں۔ اچھا میں اجازت چاہوں گا۔ مجھے کئی انتظامات کرنے ہیں ابھی"۔

روسی مشیر مسٹر ومیزی نے مسٹر پلے اور مجھ سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد پلے نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا۔ "روسی ہمارے بہترین دوست ہیں مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کیپٹن مہتہ کہ ہم ان کی دی ہوئی اتنی قیمتی اور جدید ترین سب میرین کی حفاظت نہ کر سکے۔ ایک طرح سے یہ ہماری ہی سب میرین تھی"۔

فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ میں نے کن انکھیوں سے فون کی طرف دیکھا۔ یہ کال رتناولی کی ہی ہو سکتی تھی۔ مسٹر پلے نے ریسیور کان کے ساتھ لگا کر انگریزی میں کہا۔ "میں پلے جیٹی آفیسر بول رہا ہوں"۔

میری نظریں پلے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے سے یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ دوسری طرف رتناولی بول رہی ہے یا کوئی دوسرا شخص بول رہا ہے۔ جیٹی آفیسر پلے کے چہرے پر پہلے جو ہلکی سی مسکراہٹ تھی وہ غائب ہو گئی۔ تین چار سیکنڈ تک صرف ہوں ہوں ہوں ہی کرتا رہا پھر اس نے ملیالم زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ ملیالم زبان کیرالہ میں زیادہ بولی جاتی ہے اور اس زبان سے میری واقفیت صرف اتنی ہی تھی کہ یہ معلوم کر لیتا تھا کہ ملیالم ہے اس سے زیادہ میں اسے بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس تبدیلی زبان سے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ رتناولی ہی سے باتیں کر رہا ہے ورنہ اسے میرے سامنے زبان بدلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پلے کو یہ معلوم تھا کہ میں تامل، تلیگو اور مرہٹی، گجراتی بنگالی روانی سے بول اور سمجھ لیتا ہوں مگر ملیالم نہیں جانتا۔ یہ میں نے ہی ایک بار بتا دیا تھا۔ میں نے بظاہر اپنی توجہ دوسری طرف کر لی اور میز پر رکھا ہوا پرانا تامل اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ انہوں نے میرے خلاف گٹھ جوڑ کیا ہوا ہے اور یہ بھی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ مسٹر پلے کے رتناولی کے ساتھ اس قسم کے تعلقات ہیں کہ وہ انہیں مجھ سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے فون بند کر کے ریسیور رکھا تو میں نے اخبار تہ کرتے ہوئے کہا۔ "آج رات میں رپورٹ مرتب کرنے والا ہوں۔ سوچتا ہوں دو ایک روز میں دلی واپس چلا جاؤں"۔

جیٹی آفیسر نے میری طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں جیسے ساکت ہو گئیں۔ بڑا پراسرار آدمی لگنے لگا تھا وہ مجھے کہنے لگا۔ "مدراس سے تحقیقاتی ٹیم آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں ان کی رپورٹ کا انتظار کرنا چاہئے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

بات اس نے دفتری اعتبار سے بالکل درست کہی تھی۔ میں انکار نہ کر سکا۔ "ارے ہاں مسٹر

بلے! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ میں رک جاتا ہوں۔ کون کون آرہا ہے اس ٹیم میں؟"
اس نے پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔ "ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جنس اور دو انسپکٹر ان کے ساتھ ہوں گے"۔

مجھے یوں لگا جیسے وہ یہ جملہ ادا کرنے کے بعد میرے چہرے کا ردعمل پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے اپنے چہرے کو بالکل سپاٹ بنالیا تھا۔ "بہت خوب مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا نکتہ ضرور معلوم کرلیں گے جس سے ہمیں سنہالی تخریب کاروں کو فوری طور پر گرفتار کرنے میں مدد ملے گی"۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں" جیٹی آفیسر نے پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ کوئی بھی بات میرے سامنے واضح ہو کر نہیں آرہی تھی مگر ذہن میں شکوک و شبہات کے بھنور چکر لگا رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر ان لوگوں کو مجھ پر شک تھا تو انہوں نے ابھی تک مجھے کھلا کیوں چھوڑ رکھا تھا؟ ہو سکتا ہے انہیں کسی ثبوت کی ضرورت ہو یا وہ مجھے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتے ہوں؟ ثبوت کے لئے انہیں میرے ربڑ کے جوتوں اور ریڈ باکس کی ضرورت تھی۔ جوتے میں نے ٹھکانے لگادیئے تھے اور ریڈ باکس کے بارے میں میں یہی کہہ سکتا تھا کہ ابھی ان کے ہاتھ نہیں لگا تھا اگر انہوں نے ساحل سمندر سے برآمد کرلیا ہوتا تو یہ ناممکن بات تھی کہ میں جیل سے باہر چل پھر رہا ہوتا۔ بہر حال اپنا شبہ دور کرنے کے لئے میرا ساحل سمندر والی چٹان میں جاکر ریڈ باکس کے تھیلے کو ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھنا لازمی امر ہو گیا تھا۔ اس وقت میری نگرانی میرے اندازے کے مطابق کوئی بھی نہیں کر رہا تھا۔ اگر میں وہاں سے نکل کر ادھر ادھر سے ہوتا ہوا ساحل سمندر پر جاتا ہوں تو میرے خیال میں میرا تعاقب کرنے کے امکانات بہت ہی کم تھے۔ یہ میرا قیاس تھا۔ چنانچہ میں نے جیٹی آفیسر بلے سے یہ کہہ کر رخصت طلب کی کہ مجھے دلی ہیڈ کوارٹر سے ایک اہم فون کال کا انتظار ہے۔ دوپہر کے بعد آؤں گا۔

بندرگاہ سے نکلتے ہی ایک بس پر سوار ہو گیا۔ دو تین بازاروں میں سے گزرنے کے بعد ایک اسٹاپ پر اترا۔ وہاں سے ٹیکسی لی اور شہر کے جنوبی علاقے کی طرف نکل آیا۔ یہاں سے پھر بس میں سوار ہوا اور اس سینما گھر کے آگے اتر پڑا جہاں سے ساحل سمندر پر جانے والی سڑک شروع ہوتی تھی۔ اسٹاپ پر اترتے ہی میں سامنے والی ایک کتابوں کی دکان میں داخل ہو گیا۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ سڑک دور تک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں کتابوں کی ایک الماری کی اوٹ میں کھڑے ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اصل میں میری نگاہیں باہر سڑک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے وہاں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آرہا تھا جو مشکوک دکھائی دیتا۔ یا جس کی حرکات سے مجھے شبہ گزرتا کہ یہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔

جب مجھے اپنے طور پر یقین ہو گیا کہ میرا پیچھا نہیں کیا جارہا تھا میں نے تامل کا ایک ناول خریدا

اور سڑک پر سے گزرتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی کو میں جان بوجھ کر دو تین بازاروں سے گھماتا ہوا ساحل سمندر پر اس جگہ لے آیا جہاں نئی عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میرا دل زور سے دھڑکا کہ عمارت کا کام تیزی سے ہو رہا تھا۔ سیمنٹ مکسر جگہ جگہ گھوم رہے تھے۔ مزدور سیمنٹ کے ٹوکرے اٹھا اٹھا کر پھرتی سے اس کرین پر رکھ رہے تھے جو ایک چرخی کی مدد سے عمارت کے ڈھانچے کے اوپر چلی جا رہی تھی۔ عمارت کی دوسری منزل کی چھت کا لینٹر ڈالا جا رہا تھا۔ میں نے اس چٹان کی طرف دیکھا تو وہاں بھی کچھ مزدور ایک نرالی کے پاس ریت کھود رہے تھے۔ دو مزدور اس چٹان کو توڑ رہے تھے جس کی کھوہ میں میں نے ریڈیو باکس کو چھپا رکھا تھا۔ چٹان کو توڑ کردہ پتھر کی سلیں بنانا چاہتے تھے۔ میں نے ٹیکسی والے کو جلدی سے پیسے دے کر رخصت کیا اور چٹان کی طرف دوڑا' پھر یہ سوچ کر ایک دم آہستہ آہستہ چلنے لگا کہ اس طرح تو خواہ مخواہ لوگوں کو شک پڑ جائے گا۔ میں پتھر کی سلوں کے ڈھیروں میں سے گزرتا ریڈیو باکس والی چٹان کے قریب آکر رک گیا۔ چار مزدور اس چٹان کے باہر والے حصے پر لوہے کے بڑے بڑے ہتھوڑے چلا رہے تھے۔ چٹان کے پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ یہ پتھر بڑی بڑی سلوں کی شکل میں تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ابھی تک چٹانی کھوہ کے اندر اس جگہ کوئی کارروائی نہیں کی گئی جہاں میں نے ریڈیو باکس کو چھپایا تھا' مگر ان سب کے سامنے کھوہ میں جا کر زمین نہیں کھود سکتا تھا۔ انہیں چٹان توڑنے سے روک بھی نہیں سکتا تھا۔ تاہم میں نے ایک مزدور سے پوچھا کہ وہ یہ چٹان کیوں توڑ رہے ہیں؟ اس نے بتایا کہ اس چٹان کو ٹھیکیدار نے محکمے والوں سے خرید لیا ہے اور اس کے پتھروں کی سلیں کاٹ کر استعمال میں لائی جائیں گی۔

میرے خدا!! اس کا مطلب تھا کہ وہ کھوہ کے اندر بھی کھدائی کر سکتے تھے۔ میں سگریٹ جلا کر وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ میں اسی وقت کھوہ میں داخل ہو سکتا ہوں جب یہ مزدور کام ختم کر کے چلے جائیں گے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس روز شام تک چٹان کو نہیں توڑ سکیں گے۔ میں رات کے اندھیرے میں وہاں آنا چاہتا تھا۔ واپس ہوٹل میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اسی علاقے میں کسی جگہ اندھیرا ہونے تک چھپا رہنا چاہتا تھا اور ایسی جگہ وہاں سینما ہاؤس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں سگریٹ پھینک کر اٹھا۔ وہاں قریب ہی ایک چوک میں ایک بوسیدہ سا سینما گھر تھا جس کا نام ساگر تھا۔ یہاں دن میں نو بجے سے لے کر رات کے بارہ بجے تک تامل' تلیگو اور ہندی فلمیں چلتی رہتی تھیں۔ میں نے گیلری کا ٹکٹ لیا اور اندر جا کر بیٹھ گیا۔ خدا جانے کیا بے معنی سی تلیگو فلم چل رہی تھی۔ ایک بجے تک فلم دیکھی۔ باہر آکر ایک ہوٹل میں گھس کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد دوبارہ ٹکٹ لے کر سینما ہاؤس کی گیلری میں آن بیٹھا۔ یہاں سے اگر ہوٹل واپس جا کر وہاں سے ادھر آتا تو کوئی میرے پیچھے لگ سکتا تھا۔ شام کے چھ بجے وہ شو ختم ہوا۔ ابھی باہر دن کی روشنی باقی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں چلا آیا۔ یہاں کافی منگوا کر بیٹھا رہا جب اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو

ہوٹل سے نکلا اور پیدل ہی ساحل سمندر کو جانے والی سڑک پر روانہ ہو گیا۔ سمندر کی طرف سے مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ یہاں سمندر کھاڑی کی شکل میں تھا۔ چھوٹے اسٹیمروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ ایک چٹان پر ٹاور میں بھی روشنی جگمگا رہی تھی۔ چلتے چلتے میں اس جگہ آ گیا جہاں عمارت زیر تعمیر تھی۔ مزدور جا چکے تھے۔ دور کچھ چوکیدار آگ جلائے شاید چائے کا فی بنا رہے تھے۔ سمندر کی لہریں زور زور سے آ کر ساحل پر چڑھتیں اور پھر واپس چلی جاتی تھیں۔ میں اس طرف سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ جہاں عمارت کے پتھروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ ریڈ باکس والی چٹان مزدوروں نے شام تک تقریباً آدھی توڑ ڈالی تھی۔ یہ کوئی زیادہ بڑی چٹان نہیں تھی۔ میں پتھروں کے پیچھے سے ہوتا ہوا چٹان کی کھوہ میں گھس گیا۔

وہاں ریت نرم تھی۔ میں نے جلدی جلدی ایک جگہ سے چھوٹے چھوٹے پتھر ہٹانے شروع کر دیئے۔ ان پتھروں کے نیچے ریت اور سنگ ریزے تھے۔ انہیں بھی جتنی جلدی ہٹا سکتا تھا ہٹا دیا۔ نیچے وہ گڑھا نمودار ہوا جس کے پہلو کی دیوار میں میں نے ایک جگہ شگاف کر کے ریڈ باکس کو چھپایا تھا۔ وہاں میں نے پتھر ٹھونس رکھے تھے۔ ان پتھروں کو باہر لڑھکایا اور پھر جب میرا ہاتھ اندھیرے میں چمڑے کے تھیلے سے ٹکرایا تو مجھے جیسے نئی زندگی مل گئی۔ تیزی سے تھیلا باہر نکالا۔ ریڈ باکس اور میرا ریوالور اس میں موجود تھا۔ دونوں چیزوں کو لے کر گڑھے سے باہر نکلا۔ میں پتلون قمیض میں تھا۔ تھیلے کو قمیض کے اندر نہیں چھپا سکتا تھا۔ اسی طرح جھاڑ کر اسے بغل میں دبا لیا۔ چٹان کے دہانے پر آ کر جھک گیا، دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھرتی سے سمندر کی جانب اتر گیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ آگے کی جانب چلنے لگا۔ میرا جوتا ریت میں دھنس رہا تھا۔ زیر تعمیر عمارت سے کافی آگے نکل آنے کے بعد میں ریتلے ساحل پر سے ہٹ کر ایک کچے راستے پر آ گیا۔ جہاں ناریل اور تاڑ کے درخت دور تک چلے گئے تھے۔ ریڈ باکس کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود اور دنیا کی نظروں سے اوجھل کرنے کے لئے مجھے کوئی مناسب جگہ نہیں مل رہی تھی۔ مجھے وہم ہو گیا تھا کہ میں نے اسے سمندر میں بھی پھینکا تو وہاں سے اسے ایک نہ ایک روز نکال لیا جائے گا اور انڈیا میں میرا کمانڈو مشن ابھی کافی طویل تھا۔ مجھے اپنے وطن کی سلامتی کی خاطر دشمن کے ان گنت ناپاک عزائم کو بے نقاب کرنا تھا۔ میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہ ریڈ باکس ایسا تھا کہ مجھے ایک سیکنڈ میں بے نقاب کر سکتا تھا۔ اس میں میری پوری فلم محفوظ تھی جب میں آبدوز کے تارپیڈو روم میں بم کے فیوز لگا رہا تھا۔ چلتے چلتے میں شہر کے شمالی علاقے میں نکل آیا۔ یہاں میں نے ایک جگہ بہت سے چراغ اور موم بتیاں جلتی ہوئی دیکھیں۔ مجھے اگربتیوں کی مہک بھی آئی۔ یہ مسلمانوں کا قبرستان تھا۔ قبرستان کا خیال آتے ہی ایک ایسی ترکیب میرے ذہن میں آ گئی کہ جو تیر بہ ہدف تھی۔ اگر میں ریڈ باکس کو کسی قبر میں دبا دوں تو قیامت تک اسے کوئی باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ قبر کو دوبارہ کھودنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس منصوبے کو ذہن میں لے کر قبرستان میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے یہ دیکھا کہ وہاں میرے علاوہ کوئی ایسا آدمی یا عورت تو نہیں ہے جو کسی قبر پر فاتحہ پڑھ رہی ہو یا موم بتی جلا رہی ہو۔ میں نے ساری قبروں میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ گورکن کی جھونپڑی بھی مجھے نظر نہ آئی۔ شاید وہ بھی قبرستان کی بجائے قریبی بستی میں رہتا تھا۔ اب میں نے قبروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ میں کسی ایسی قبر کی تلاش میں تھا جو نئی بھی ہو۔ یعنی جس میں دو ایک روز پہلے کوئی مردہ دفن ہوا ہو۔ بہت جلد مجھے ایسی قبر مل گئی۔ اس کی مٹی ابھی تک گیلی تھی۔ میں نے پہلے اس قبر کے پاس بیٹھ کر فاتحہ پڑھی، پھر اس قبر کے مردے کی روح سے معذرت طلب کی۔ اس کے بعد اللہ میاں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور قبر کے درمیان سے مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ اس علاقے کی مٹی میں ریت زیادہ ملی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہاں بہت جلد گڑھا بن گیا۔ میں گڑھے میں اتر گیا اور کوئی ایک گھنٹے کی محنت کے بعد لحد کی دیوار تک پہنچ گیا۔ یہاں لحد کی دیوار پتھروں سے چنی گئی تھی۔ ان پتھروں کو میں خالی ہاتھوں سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔

اگر میں وہاں بھی ریڈیا کس کے تھیلے کو رکھ دیتا تو کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے قبر میں کوئی چار ساڑھے چار فٹ گہرا گڑھا کھود لیا تھا۔ چنانچہ میں نے وہیں لحد کی دیوار کے پاس ہی ریڈیا کس کے تھیلے کو رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی۔ گڑھے سے باہر نکلا اور مٹی کو قبر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قبر پُر ہو گئی۔ میں نے قبر کو اوپر سے ویسے ہی ہموار کر دیا جیسی وہ پہلے تھی۔ ایک دوسری قبر سے کچھ پھولوں کے گلدستے اٹھائے اور اس قبر پر رکھ دیئے۔ میرے ہاتھ کہنیوں تک مٹی میں بھر گئے تھے۔ جوتوں پر بھی مٹی کی تہہ چڑھ گئی تھی۔ قبر کو میں نے سرہانے کی جانب سے غور سے دیکھا۔ وہاں کوئی کتبہ نہیں لگا تھا۔ یہ کام اتنی آسانی سے ہو جائے گا، آسانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی مجھے چیک کرنے والا نہیں ہوگا۔ مجھے یقین نہیں تھا۔

میں جلدی سے قبرستان سے نکلا اور قریبی بستی کی طرف چل پڑا۔ بستی میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ بستی کے پیچھے شہر کی عمارتوں کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ یہ بستی مسلمانوں کی تھی۔ یہاں ایک مسجد کے مینار بھی دکھائی دیئے۔ بستی کے کنارے ایک جگہ کنواں تھا۔ جس کے چوبچے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس چوبچے کے کنارے بیٹھ کر میں نے منہ ہاتھ اور پاؤں اچھی طرح سے دھوئے۔ جوتوں کو سارے کا سارا دھو ڈالا تاکہ ریت کا کوئی نشان بھی ان پر باقی نہ رہے، پھر جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھا۔ بالوں کو چھوٹی کنگھی سے سنوارا اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا بستی سے ہٹ کر چلتا شہر کی عمارتوں کی طرف ہو لیا۔ وہاں سے میں نے بس پکڑی۔ آدھے راستے میں اتر کر ٹیکسی لی اور اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ اپنے جوتوں اور پتلون کو پانی ڈال کر اچھی طرح سے دھو کر صاف کیا تاکہ ان میں ریت کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ پھر خود بھی غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور

فوراً بندرگاہ کے سکیورٹی آفس میں آ گیا۔ جیٹی آفیسر پلے نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔ ''کیپٹن! تم کہاں تھے؟ مدراس سے انکوائری ٹیم کے ہیڈ کا فون آیا تھا۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کل دس بجے وہ یہاں پہنچ رہے ہیں۔ تم وقت پر آ جانا''۔

میں نے بہانہ بنایا کہ کھانا کھا کر ایسا سویا کہ شام کو آنکھ کھلی۔ میں سوچنے لگا تحقیقاتی ٹیم کا ہیڈ میرے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا؟ میرے دل میں اب ذرا ذرا سی بات پر اندیشے بیدار ہو جاتے تھے۔ حالانکہ میں سپریم ہیڈ کوارٹر یعنی راجدھانی سے آیا تھا اور انہیں مجھ سے بھی بات کرنی تھی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ مسٹر پلے جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ ''کیپٹن! میں تو جا رہا ہوں۔ تم تھوڑی دیر یہاں بیٹھا ہو سکتا ہے مدراس سے پھر فون آ جائے''۔

مسٹر پلے چلا گیا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ میں کوئی آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھا۔ مجھے خیال آیا کہ آج رات رتناولی نے مجھے اپنے ہوسٹل میں بلایا ہوا ہے۔ وہاں جانے کو میرا دل نہ چاہا۔ میں سکیورٹی آفس سے نکل کر سیدھا اپنے ہوٹل آ گیا۔ پتلون سوکھ گئی تھی۔ اسے استری کروائی۔ انہی مصروفیات میں رات کے دس بج گئے۔ میں نے کچھ سینڈوچز منگوا کر کھا لئے تھے۔ اچانک خیال آیا کہ پراسرار لڑکی رتناولی سے ملاقات کر ہی لینی چاہئے۔ صبح تحقیقاتی ٹیم آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے کوئی مفید سراغ مل جائے۔ مجھے یہ بھی فکر لگی تھی کہ اگر رتناولی انٹیلی جنس کی عورت ہے تو کہیں جیٹی آفیسر پلے کے ذریعے تحقیقاتی ٹیم تک میرے خلاف کوئی ایسی رپورٹ نہ کر دے جو میرے حق میں ہلاکت خیز ہو۔ میں کرسی سے اٹھ بیٹھا۔ میرے پاس سوائے اپنے خریدے ہوئے چاقو کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے چاقو پتلون کی پچھلی پاکٹ میں رکھا اور کمرے کو تالا لگا کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ رتناولی کا ہوسٹل وہاں سے چھ سات میل کے فاصلے پر تھا۔ ٹیکسی پکڑی اور ہوسٹل سے کوئی دو فرلانگ دور ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل ہی نیم تاریک سڑک پر روانہ ہو گیا۔ رتناولی کے ہوسٹل کی سڑک پر مڑا تو درختوں کے نیچے سڑک کے کنارے ایک جیپ کھڑی دیکھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ قریب گیا تو میں نے جیپ کو پہچان لیا۔ یہ جیٹی آفیسر مسٹر پلے کی جیپ تھی۔ یہ مدراسی یہاں رتناولی سے ملنے آیا تھا۔ کیوں آیا تھا؟ مجھے معلوم تھا۔ میں کسی طرح یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ مدراسی رتناولی سے کیا کہنے آیا ہے؟ میں محتاط ہو گیا۔ سڑک چھوڑ کر دائیں جانب درختوں کے اندھیرے میں چلتا ہوسٹل کے گیٹ کے پاس آ کر دیکھا کہ گیٹ کا چوکیدار بینچ پر نیم دراز بیڑی پی رہا تھا۔ جیپ ہوسٹل کے گیٹ سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر درختوں میں کھڑی تھی۔ ادھر بھی گہرا اندھیرا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ چوکیدار مجھے اندر جاتا دیکھے۔ کیونکہ کچھ پتہ نہیں تھا اندر کس قسم کی صورت حال پیدا ہو جائے اور مجھے کیا کرنا پڑے۔

رتناولی کا کمرہ ہوسٹل کے کونے میں تھا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دیوار اونچی تھی۔

اوپر خاردار تار نہیں لگی تھی۔ ایک جگہ ایک درخت اندر کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس درخت پر چڑھ کر میں دبے پاؤں ہوسٹل کے لان میں اتر گیا۔ رتناولی کا کمرہ لان کے پار تھا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ میں گارڈینیا کی باڑھ کے ساتھ ساتھ احتیاط سے بے آواز قدم اٹھاتا رتناولی کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر جھک گیا۔ مجھے اندر سے ایک عورت اور مرد کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ مجھے مسٹر پلے کے سگار کی مخصوص خوشبو آئی۔ کھڑکی پر اندر کی طرف پردہ گرا ہوا تھا۔ میں کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں نے کھڑکی کے ساتھ کان لگا دیئے۔ مجھے رتناولی کی دھیمی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''سر! میں نے کیپٹن مہتہ سے مل کر اب تک یہی اندازہ لگایا ہے کہ اس کا سنہالی ایجنٹوں کے گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

مسٹر پلے کی تلخ لہجے والی آواز آئی۔ ''تمہارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سنہالی تخریب کاروں سے ملا ہوا ہے۔ اور ریڈ باکس کی چوری اور مسٹر دیاس کے قتل میں اس کا باقاعدہ ہاتھ ہے''۔

یہ دونوں تامل زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ رتناولی نے ایک طویل سانس لیا اور بولی۔ ''آپ نے مجھے خواہ مخواہ اس کام میں الجھا لیا ہے میں نے تو مسٹر دیاس سے بھی دبی زبان میں معذرت کر لی تھی، مگر انہوں نے مجھے بھیانک نتائج کی دھمکی دی۔ میں کیا کر سکتی ہوں''۔

مسٹر پلے نے کہا۔ ''یہی دھمکی میں بھی تمہیں دے سکتا ہوں۔ اب یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ بن گیا ہے۔ دوسری طرف میری نوکری چلے جانے کا بھی ڈر ہے۔ تمہیں میری ہدایات کے مطابق کیپٹن مہتہ کی سراغ رسانی جاری رکھنی ہوگی۔ کل تحقیقاتی ٹیم آ رہی ہے۔ میں اس کے ہیڈ ڈائریکٹر انٹیلی جینس کو کیپٹن مہتہ کے بارے میں بتا دوں گا کہ مجھے اس آدمی پر شک ہے کہ یہ سنہالی ایجنٹ ہے''۔

میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ یہ کمینہ پلے میری تباہی کا پروگرام بنائے ہوئے تھا۔

رتناولی کی آواز آئی۔ ''ٹھیک ہے آپ ایسا کر سکتے ہیں مگر میں آخری بار کیپٹن مہتہ کے کمرے کی تلاشی لوں گی۔ اس کے بعد اگر آپ نے مجھے مجبور کیا تو میں...... میرا مطلب ہے کہ میں کالج میں لیکچرار ہوں۔ میں آپ لوگوں میں پھنس گئی ہوں۔ اب نکلنا چاہتی ہوں۔ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے''۔

مسٹر پلے نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔ ''رتناولی! اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل نہ کیا تو تم زندہ نہیں رہ سکو گی۔ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں یہ بات یونہی''۔

رتناولی کی طرف سے خاموشی رہی۔ مسٹر پلے کے دوبارہ پوچھنے پر رتناولی کی مایوسی اور سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''یہ بلیک میلنگ ہے''۔

مسٹر پلے نے کہا۔ ''یہ ہماری نیشنل سکیورٹی کا مسئلہ ہے''۔

رستادلی نے فوراً جواب دیا۔ ''تم اپنی کھال بچانا چاہتے ہو مسٹر پلے۔ ٹھیک ہے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ تم جیسے کہو گے ویسے ہی کروں گی''۔

اس کے ساتھ ہی کرسی کے چرچرانے کی آواز آئی۔ مسٹر پلے کہہ رہا تھا۔ ''میں چلتا ہوں۔ کل شام کو آکر تمہیں نئی لائن بتاؤں گا''۔

میں دبے پاؤں چلا' کھڑکی سے ہٹ کر لان میں اتر گیا اور پھر باڑھ کے ساتھ ساتھ لگا درخت کی ٹہنی کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے دیوار کی دوسری جانب کود گیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ میرے آس پاس گہری خاموشی تھی۔ سڑک پر آنے کی بجائے میں جھاڑیوں میں سے تیزی سے گزرتا جیپ کے قریب آکر رک گیا۔ مدراسی آفیسر مسٹر پلے صبح اگر مدراس کی انکوائری ٹیم کے سربراہ تامل ناڈو کے ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جنس کو میرے بارے میں یہ بتا دیتا ہے کہ میں سنہالی ایجنٹ ہوں تو خواہ میں اپنی بے گناہی ثابت بھی کر دوں لیکن یہ بات دلی ہیڈ کوارٹر تک پہنچ کر میرے سارے مشن کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ مسٹر پلے کو اب راستے سے ہٹانا ضروری ہو گیا تھا۔ میں جیپ کے ایک طرف اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔ چاقو جیب سے نکال کر میں نے کھول لیا تھا اور اس پر اپنے دائیں ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ گرلز ہاسٹل کے گیٹ کی طرف سے مجھے ایک سایہ جیپ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ مدراسی سکیورٹی آفیسر پلے تھے۔ اس کی زندگی کے چند آخری قدم باقی رہ گئے تھے۔ یہ مریل سا دبلا پتلا آدمی میرا اور میرے مشن کا دشمن تھا۔ یہ مجھ سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اگر یہ صبح تک زندہ رہتا ہے تو میری موت سے بدتر زندگی کا اذیت ناک دور شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت اور زیادہ مضبوط کر لی۔ میں نے طے کر لیا کہ کس طرف سے حملہ کرنا ہو گا اور چاقو کا وار جسم کے کس حصے پر کیا جائے گا۔ بہر صورت مسٹر پلے کی آواز نہیں نکلنی چاہئے تھی۔ کیونکہ گیٹ پر چوکیدار جاگ رہا تھا۔ ایک تجربے کار اور مضبوط جسم والے کمانڈو کے لئے یہ پتلا دبلا ہندو مدراسی ایک آسان شکار تھا' پھر میں بھی غافل نہیں تھا۔ اس کی ایک چیخ میرے لئے مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔

پلے جیپ کے قریب آگیا تھا۔ میں نے اپنا سانس روک لیا۔ وہ جیپ کے عقب میں گھوم کر جونہی دروازے کی طرف بڑھا تو مسٹر پلے کو یقیناً سب سے پہلے یہی محسوس ہوا ہو گا کہ اس پر درخت آگرا ہے۔ میرا پہلا ٹارگٹ اس کی گردن تھا۔ گردن ایک ہی چھلانگ میں میرے قابو میں آگئی تھی۔ چاقو اس کے بالکل ساتھ ہی اس کی کمر میں اتر گیا تھا۔ چاقو میں نے وہیں رہنے دیا' گرتے ہوئے مسٹر پلے کو گردن سے گھسیٹ کر جھاڑیوں کے اندھیرے میں لے گیا۔ جب میں پانچ دس سیکنڈ کے بعد جھاڑیوں میں سے اس کی لاش کو لے کر نکلا تو چاروں طرف ویسے ہی رات کا اندھیرا اور خاموشی چھائی تھی' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور ہوا بھی کیا تھا؟ یہ باتیں میرے مشن کا بلکہ ہر اس آدمی کے مشن کا ناگزیر حصہ ہوتی ہیں جو اپنے وطن کی سلامتی کا مشن لے کر دشمن کے ملک میں یا موت کے منہ میں اتر جاتا

ہے۔ مسٹر بلپے کی لاش کو میں نے جیپ میں پیچھے ڈال دیا۔ جیپ کا موم جامہ گرادیا اور انجن اسٹارٹ کر کے ہوسٹل کی گلی سے باہر سڑک پر آگیا۔ بلپے کا کام تمام کر دیا گیا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ بلپے کی لاش کو ہوسٹل کی عمارت سے کافی دور کسی جگہ پھینکنا چاہتا تھا تاکہ رتناولی اس کیس میں کسی طور ملوث نہ ہونے پائے۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ مسٹر دیاس کے بعد اب مسٹر بلپے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور رتناولی کو میرے بارے میں ابھی تک کچھ علم نہیں تھا۔ اسے اس امر کا کوئی ثبوت بھی نہیں ملا تھا کہ میرا سنہالی تخریب کاروں سے کوئی واسطہ ہے۔ اسی اعتبار سے رتناولی میرے لئے بے ضرر تھی۔ بلپے کی موت کا سن کر یقیناوہ سکھ کا سانس لے گی اور کبھی بھول کر بھی کسی سے اپنی گزشتہ زندگی کے واقعات کا ذکر نہیں کرے گی۔

☆☆

میری جیپ ایک ویران سڑک پر اڑی جارہی تھی۔ میں نے گردن موڑ کر جیپ کے پچھلے حصے میں نشستوں کے درمیان ملے کی لاش کو دیکھ کر اطمینان کرلیا۔ اب یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں کسی چوک میں پولیس راؤنڈ پر نہ ہو اور جیپ کی چیکنگ نہ کرے۔ میں گرلز ہوسٹل کے علاقہ سے نکل آیا تھا۔ میں نے جیپ کو ایک کچی سڑک پر ڈال دیا۔ جو دور ایک بہت بڑی عمارت کی طرف جاتی تھی۔ اس عمارت میں بتیاں جل رہی تھیں۔ میں نے جیپ کو ایک طرف سڑک سے اتار کر کھڑا کیا۔ ہیڈ لائٹس میں نے روشن نہیں کی تھیں۔ ملے کی لاش کو وہیں جیپ کے پیچھے ہی پڑا رہنے دیا۔ جیب سے رومال نکال کر جہاں جہاں میرا ہاتھ لگا تھا وہاں رگڑ رگڑ کر آگے پیچھے انگلیوں کے نشان صاف کئے اور آہستہ سے دروازہ کھول کر آگے پیچھے دیکھا سڑک ویران تھی۔

میں جیپ سے اتر کر تیزی سے سڑک کی دوسری جانب ہو گیا اور جلدی جلدی وہاں سے نکل کر بڑی سڑک پر آکر نارمل چال کے ساتھ واپس جانے لگا۔ خون آلود چاقو میں نے ملے کی قمیض سے صاف کرلیا تھا مگر اس چاقو کا اب میرے پاس رہنا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں تھا۔ میں اسے پھینکنے کے لئے کوئی موزوں جگہ بھی دیکھتا جارہا تھا۔ سڑک کشادہ تھی مگر ٹریفک بالکل نہیں تھی۔ کھمبوں پر مرکری لائٹس کافی فاصلہ چھوڑ کر لگی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ کہاں جانا ہے اور یہ سڑک کدھر جارہی ہے۔ جب میں لاش والی جگہ سے کافی آگے نکل آیا تو ایک جگہ چار دیواری کے اندر کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا۔ کوڑا کرکٹ باہر تک بکھرا ہوا تھا۔ اس ٹریش ڈمپ کی عقبی دیوار کی طرف جاکر میں نے چاقو کو کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں سڑک کے بڑے چوراہے پر تھا۔ جہاں مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور میں اپنے ہوٹل سے ایک بازار پہلے ہی اتر کر پیدل چلتا اپنے ہوٹل آگیا۔

دوسرے روز مسٹر ملے کی لاش جیپ میں پڑی ہوئی ملی۔ اس کی جیب میں آئی ڈی کارڈ موجود تھا۔ لاش کو اپنی تحویل میں لے کر پولیس ہیڈ رگاڈ کے سیکورٹی آفس میں ابتدائی تفتیش کے لئے پہنچ گئی جس وقت میں سگریٹ سلگائے مزے سے ٹہلتا آفس میں آیا تو پولیس انسپکٹر باہر کرسی پر بیٹھا دفتر کے ملازموں کے بیانات قلمبند کر رہا تھا۔ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا بات ہوئی ہے؟ مدراسی پولیس انسپکٹر نے مجھے غور سے دیکھا اور بتایا کہ مسٹر ملے کو رات کسی نے قتل کر دیا ہے۔

میں نے سگریٹ پھینک دیا اور تعجب سے کہا۔ ''لیکن وہ تو کل شام میرے پاس ہی آفس میں تھے''۔

پولیس انسپکٹر نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کون ہوں۔ میں نے اپنا تعارف کر [illegible] ہوئے اپنا آئی ڈی کارڈ پولیس انسپکٹر کو دکھایا جس پر کیپٹن رام کشن مہتہ انٹیلی جینس [illegible] رل گور...

آف انڈیا لکھا ہوا تھا اور سرکاری مہر بھی تھی۔ مدراسی پولیس انسپکٹر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ وردی میں تھا۔ اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور بولا۔ ''سر! لاش جیپ ہی میں ملی ہے۔ قاتل نے مسٹر پلے کا خون کر کے جیپ ناگاپلی کے علاقے میں ایکسائز بلڈنگ پر کھڑی کر دی تھی۔ جیپ کے نشان بڑی سڑک تک جاتے ہیں۔ لگتا ہے قتل کسی دوسری جگہ پر کیا گیا ہے''۔

میں نے آلہ قتل کے بارے میں استفسار کیا تو پولیس انسپکٹر نے کہا۔ ''آلہ قتل برآمد نہیں ہو سکا سر، مگر ہمارے آدمی اسے ڈھونڈنے میں لگے ہیں''۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ پولیس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ یہ اس علاقے کے سارے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کی تلاشی لینا شروع کر دیں۔ ایسی صورت میں انہیں میرا چاقو مل سکتا تھا اور چاقو کے دستے پر میری انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ میں نے پولیس کی تفتیش کو غلط راستے پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا۔ ''کل شام مجھے مسٹر پلے کہہ رہے تھے کہ انہیں ٹاور ہاؤس کی طرف اپنے کسی دوست سے ملنے جانا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاتل نے ٹاور ہاؤس کے علاقے میں یہ افسوسناک واردات کی ہو اور پولیس کو گمراہ کرنے کے لئے جیپ لاش سمیت ناگاپلی کے علاقے میں لا کر کھڑی کر دی ہو''۔

پولیس آفیسر میرے فوجی عہدے اور سینٹرل انٹیلی جینس کے افسر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس نے میری بات نوٹ بک میں فوراً نوٹ کر لی اور ایک سپاہی کو یہ پیغام دے کر ٹیلی فون کرنے دوڑایا کہ ٹاور ہاؤس کے علاقے کی چھان بین شروع کر دی جائے۔ دفتر کے چپڑاسی نے میرے لئے کرسی باہر ڈال دی۔ میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر پلے کی یہاں کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ وہ تو ہر ایک سے ہنس کر بات کرتے تھے''۔

پولیس انسپکٹر کہنے لگا۔ ''سر! مجھے تو یہ خاندانی دشمنی کا تنازعہ لگتا ہے۔ مجھے ابتدائی تفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر پلے کا اپنے چچازاد بھائیوں سے ناریل کے ایک فارم کی تقسیم کے سلسلے میں جھگڑا چل رہا تھا''۔

بڑی اچھی بات ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ ''تمہیں اسی طرف تفتیش کا رخ موڑنا چاہئے''۔ مسٹر پلے کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے نیوی کے ہسپتال پہنچا دی گئی تھی۔ نیول پولیس بھی اپنے طور پر تفتیش کر رہی تھی۔ پولیس انسپکٹر تھوڑی دیر بعد سپاہیوں کو لے کر چلا گیا۔ محکمے کے تمام ذمے دار افسر وہاں آ گئے تھے۔ میں بھی ان میں شامل ہو کر مسٹر پلے کی موت پر افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے مدراس سے انکوائری ٹیم بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس ٹیم میں ایک ڈائریکٹر انٹیلی جینس مسٹر سوامی اور دو سی آئی ڈی انسپکٹر شامل تھے۔ جب انہیں مسٹر پلے کے قتل کی خبر ملی تو ڈائریکٹر انٹیلی جینس کو ... کی بھویں سکڑ گئیں۔ وہ مجھے ایک طرف لے جا کر انگریزی میں کہنے لگا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کیپٹن۔

میں نے کہا۔ ''سر! مجھے تو یہ سنہالی تخریب کاروں کی واردات لگتی ہے۔ اس سے پہلے مسٹر ویاس کو بھی ایسے ہی حالات میں موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے''۔

گوسوامی گول مٹول کالا کلوٹا گنجا انٹیلی جینس آفیسر تھا۔ ٹھنڈے سوٹ میں تھا اور سگار منہ میں دبائے خالص ہیرو کریٹ لگ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ ''آف کورس! میرا اپنا بھی یہی خیال ہے مگر ہمیں یہ بات اپنے تک ہی رکھنی ہوگی''۔ پھر اپنے کان کی بالوں بھری لو کو مروڑتے ہوئے بولا۔ ''یہ جو ہم نے علاقے میں کمانڈو اور گوریلے پھیلا رکھے ہیں ان سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنے خفیہ ایجنٹ چھوڑنے ہوں گے۔ جب ہی ہمیں سنہالی تخریب کاروں کا کوئی سراغ مل سکے گا''۔

میں نے بہت جلد اندازہ لگالیا کہ وہ فوج کی نسبت اپنے خفیہ ایجنٹوں کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ میں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔ انکوائری ٹیم نے آفس کا ایک کمرہ سنبھال لیا اور وہاں باہر پہرہ لگوا دیا۔ یہاں دوپہر تک سب میرین کے حادثے کی خفیہ فائلوں کی ورق گردانی ہوتی رہی۔ نتیجہ کیا نکلنا تھا۔ دوپہر کو دلی سے مسٹر ٹنڈن کا پھر فون آگیا۔ اسے مسٹر پلے کے قتل کی خبر مل گئی تھی۔

''کیپٹن مہتہ! پانڈی چری میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ قتل پر قتل ہوئے جا رہے ہیں''۔

میں نے کہا۔ ''سر! ادھر تخریب کاروں کا بڑا زور ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس سارے علاقے کو باقاعدہ فوج اپنی تحویل میں لے کر طوفانی کارروائی شروع کرے۔ اس کے علاوہ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا''۔

''تم اپنی رپورٹ میں یہ تجویز لکھ دو اور انکوائری ٹیم کی رپورٹ کیا ہے؟''

میں نے مسٹر ٹنڈن کو بتایا کہ انکوائری ٹیم آج ہی آئی ہے ابھی تحقیقات جاری ہے''۔

مسٹر ٹنڈن نے تلخی سے کہا۔ ''یہ ساؤتھ کے لوگ کیا تحقیقات کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصیبت ہم سینٹرل گورنمنٹ والوں کو ہی بھگتنی پڑے گی۔ بہر حال تم دو ایک دن میں واپس آجاؤ۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم اپنی رپورٹ مکمل کر سکو گے دو تین دنوں میں؟''

''کیوں نہیں سر! مگر انکوائری ٹیم کی رپورٹ کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا''۔

مسٹر ٹنڈن نے بے دلی سے کہا۔ ''کر لو ان کی بے کار رپورٹ کا بھی انتظار''۔

میں نے جان بوجھ کر اپنے گھر والوں کی خیریت کے بارے میں پوچھ لیا۔ مسٹر ٹنڈن نے کہا ''سب ٹھیک ہے۔ ہم نے انہیں یہی کہا ہے کہ تمہیں ایک اہم دورے پر بھیجا گیا ہے جسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا''۔

فون بند ہو گیا۔ دوپہر میں [illegible] کھانا کھانے ہوٹل آگیا۔ دوپہر کے بعد پھر انکوائ[illegible] کے ساتھ شامل ہو گیا۔ شام تک یہ لوگ اپنا سر کھپاتے رہے اور نوٹس لیتے رہے۔ [illegible]ول گوسوامی ایک ما

بات کی رٹ لگائے جا رہا تھا۔ "ہمارے خفیہ ایجنٹ ہی اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔ بھگوان جانے راشٹرپتی بھون کے آفیسر کیا سوچ رہے ہوں"۔

راشٹرپتی بھون والے کیا سوچ رہے تھے؟ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رتناولی کیا سوچ رہی ہے؟ اس کے دل میں کیا ہے؟ ہو سکتا ہے اسے مسٹر پلے کے قتل کی خبر ابھی تک نہ ملی ہو۔ میں نے شام کو اس کے ہوسٹل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انکوائری ٹیم نے مجھے شام کے سات بجے کے بعد چھوڑا۔ ہوٹل میں آ کر میں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور ٹیکسی لے کر سیدھا رتناولی کے ہوسٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ رتناولی نے گزشتہ رات مسٹر پلے سے جو گفتگو کی تھی اس سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بادل نخواستہ اس طرف لائی گئی ہے اور اسے بلیک میل کیا جا رہا تھا، لیکن پھر بھی میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں اس کا واسطہ کسی دوسرے شخص سے تو نہیں ہے اور یہ کہ اس نے میرے مشکوک ہونے کے بارے میں کسی دوسرے شخص سے تو کوئی بات نہیں کی؟

رتناولی اپنے ہوسٹل میں ہی مل گئی۔ وہ اپنی ساڑھی استری کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے اس خوشی کی لہر کو خاص طور پر نوٹ کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ میرے مخالفوں میں سے نہیں تھی۔ تاہم میں اپنا اطمینان کر لینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا کہ اسے ابھی تک مسٹر پلے کے قتل کی خبر نہیں ہوئی۔ میں نے خود ہی کہا۔ "مجھے افسوس ہے رتناولی کہ میں کل شام کو وعدے کے مطابق تمہارے ہاں چائے پر نہیں آ سکا"۔

اس نے جیسے خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "کل ...... کل تمہیں آنا تھا جگدیش بابو؟ ہاں یاد آیا۔ تم کل کیوں نہیں آئے؟ میں چائے پر تمہارا انتظار کرتی رہی"۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بالکل صاف کہہ دیا۔ "کل رات مسٹر پلے کو تمہارے پاس آنا تھا اس لئے میں نہیں آیا"۔

رتناولی پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ وہ مبہوت بنی میری شکل تکنے لگی، پھر اس نے استری سیدھی کر کے رکھی۔ سوئچ آف کیا اور بولی۔ "سچ سچ بتاؤ۔ تمہیں پلے کے بارے میں کیا کچھ معلوم ہے؟ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ...... وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے"۔

اور رتناولی صوفے پر بیٹھ کر ساڑھی کا پلو آنکھوں پر رکھ کر آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے لگی۔

میں نے کہا۔ "کیا تمہیں یہ خبر نہیں ملی کہ کل رات مسٹر پلے کا کسی نے خون کر دیا ہے؟"

رتناولی نے چہرہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری طمانیت تھی۔ گہرا سکون تھا۔

جیسے کسی نے اس کے سر پر سے کوئی بھاری بوجھ اتار کر پھینک دیا ہو۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو جگدیش؟''

''اس کی لاش کا کریا کرم بھی ہو گیا ہے۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے بحریہ نے یہ خبر راز میں ہی رہنے دی ہے۔ میرا مطلب ہے اخبار ' ریڈیو پر نہیں دی۔ ویسے تم اس کے گھر جا کر معلوم کر سکتی ہو''۔

رتناولی نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ لئے اور بولی۔ ''مجھے اس بدمعاش کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا ہوا مر گیا۔ میرا پیچھا چھوٹا مگر اسے کس نے قتل کیا؟''

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بحریہ اور سول پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ خیال یہی ہے کہ اسے سنہالی تخریب کاروں نے قتل کیا ہے''۔

اب رتناولی نے مجھے ساری بات کھول کر بتا دی۔ مسٹر پلے کے پاس رتناولی کے کچھ ایسے راز تھے جو اگر کھل جاتے تو اس کی زندگی تباہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ مسٹر پلے اسے بلیک میل کرتا تھا۔ رتناولی کہہ رہی تھی۔

''ایک روز اس نے مجھے کہا کہ دلی سے ایک انٹیلی جینس کا افسر آیا ہے۔ اس کا نام کیپٹن رام کشن مہتہ ہے۔ اس نے مجھے تمہاری تصویر بھی دکھائی پھر اس نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ یہ شخص یعنی تم سنہالی ایجنٹوں سے ملے ہوئے ہو۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں تمہاری سراغ رسانی کروں ' مجھے تم اچھے لگے تھے اور مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ تم کیا کرتے ہو پھر سوراشٹر سے مسٹر ویاس آئے تو پلے نے اس کو خوش کرنے کے لئے مجھے اس کے پاس رات کو بھیج دیا۔ بدقسمتی سے سنہالی تخریب کاروں نے اس رات جب میں مسٹر ویاس کے کمرے سے نکل کر آئی اسے قتل کر دیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اسے کس غرض کے لئے قتل کیا گیا۔ بہر حال میں ڈر گئی کہ کہیں پولیس مجھے پکڑ کر نہ لے جائے مگر پلے نے میرے بارے میں پولیس کو کچھ نہ بتایا۔ اس کے بعد مجھے تمہارے جوتے چرانے کے لئے تمہارے ہوٹل میں بھیجا گیا۔ میں اس بک بک سے تنگ آ گئی تھی مگر یہاں میری نوکری تھی۔ میں کہیں بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں ڈر گئی اور اس کے اشاروں پر عمل کرتی رہی۔ کل رات میں نے اس کے آگے التجا کی کہ وہ مجھے معاف کر دے اور یہ کام نہ لے مگر اس نے کل رات بھی مجھے جان سے مار دیئے جانے کی دھمکی دی تھی۔ بھگوان کی لیلا نرالی ہے۔ کیا معلوم تھا کہ وہ خود اس دنیا میں نہیں رہے گا''۔

میں...... بڑے غور سے رتناولی کے اعترافات سن رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ ''کیا کسی کو معلوم تو نہیں کہ وہ آخری رات مجھ سے مل کر گیا تھا؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''سوائے میرے اس راز کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ کل رات میں اس کا

پیچھا کرتا تمہارے کمرے تک آیا تھا اور تمہارے بند کمرے کی کھڑکی سے لگ کر تم دونوں کی باتیں سنتا رہا پھر میں یہاں سے واپس چلا گیا۔ صبح معلوم ہوا کہ جب پلے یہاں سے واپس گیا تو ٹاور ہاؤس کے پاس سنہالی ایجنٹوں نے حملہ کر کے اسے ہلاک کر ڈالا اور اس کی لاش والی جیپ ناگا پلی کے علاقے میں چھوڑ دی"۔

رتناولی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بھیگی آنکھوں سے التجا کی۔ "بھگوان کے لئے میرے بارے میں پولیس کو نہ بتانا"۔

میں نے کہا۔ "مدراس سے انکوائری ٹیم بھی آ چکی ہے۔ ہمیں ابتدائی تفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ خود مسٹر پلے کے سنہالی ایجنٹوں سے تعلقات تھے اور وہ ان سے روپے لے کر بھارت کے راز انہیں بتا دیا کرتا تھا۔ اس بار اس نے ایک راز بتانے کے عوض دس لاکھ روپے کی رقم طلب کی تھی۔ سنہالی ایجنٹ اسے اتنی بھاری رقم ادا نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسے پچاس ہزار روپے پیش کئے مگر پلے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ سنہالی ایجنٹوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ کیونکہ انہیں یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ پلے ان کے خفیہ ٹھکانوں کی خبر حکومت کو کر دے گا۔ اب یہ ٹاپ سیکرٹ کیس ہے۔ تم بھی آج کے بعد سے اپنی زبان بند رکھنا۔ اگر تم نے کسی سے بھول کر بھی اس کا ذکر کر دیا کہ پلے تمہیں آ کر ملا کرتا تھا یا وہ تمہیں بلیک میل کر رہا تھا تو نہ صرف یہ کہ پولیس تمہیں پکڑ کر لے جائے گی بلکہ سنہالی ایجنٹ بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

میں رتناولی کو ڈرانا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنا منہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند رکھے۔ وہ تو پہلے ہی سے ڈری ہوئی تھی۔

میں رتناولی کو اس سطح پر لے آیا تھا جہاں میں اسے لانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور کہا "میں کسی کے آگے تمہارا نام کیوں لوں گا بھلا؟ تم اگر اپنا منہ بند رکھو گی تو میں بھی خاموش رہوں گا۔ کیونکہ یہ بات ہمارے بھارت ورش کی عزت اور سکیورٹی کا معاملہ ہے اور بھارت ماتا کے لئے تو ہم بھارت واسی اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں"۔

رتناولی روتی ہوئی میرے قدموں پر گر گئی۔ اس کی طرف سے جو خدشے مجھے لاحق تھے وہ ختم ہو چکے تھے۔ میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ وہ کون سا راز ہے جو مسٹر پلے کے پاس تھا اور جس کی وجہ سے وہ اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ ویسے میں اس دبلے پتلے مدراسی سکیورٹی آفیسر مسٹر پلے کا آج بھی احترام کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اتنا ذہین تھا کہ اس نے میری خدا جانے کس حرکت پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں سنہالی تخریب کاروں کا ایجنٹ ہوں اور دوسرے اس لئے کہ اس نے ایک لڑکی کو بلیک میل بھی کیا تو اپنے لئے یا دولت کے لئے نہیں بلکہ اپنے وطن بھارت کے مفاد کے لئے کیا۔ ایسی چوکس اور دور رس نظریں، سوراشٹر کے مسٹر ویاس اور مدراس کے ڈائریکٹر انٹیلی جینس گوسوامی کو بھی نصیب نہیں ہوئی تھیں۔

ہوٹل واپس آکر میں دیر تک دلی کے لئے رپورٹ کے نوٹس تیار کرتا رہا۔ انکوائری ٹیم کو ابھی مزید تین دن پانڈی چری میں ٹھہرنا تھا۔ مجھے ان کی رپورٹ کا بھی انتظار تھا۔ ایک طرح سے میرے لئے فضا صاف تھی۔ ریڈ باکس کے بارے میں دل میں کسی وقت تشویش پیدا ہوتی تھی۔ اگرچہ میں نے اسے ایک۔۔۔ قبر میں دفن کر دیا تھا پھر بھی ریڈ باکس "زندہ" تھا۔ اس کے اندر میری موت کا پروانہ یعنی میری ٹی وی فلم موجود تھی۔ جس میں 'میں تارپیڈو روم میں پنسل بم لگا رہا تھا۔ اس ریڈ باکس کو کھولنے کی میں نے کوشش بھی کی تھی تاکہ اس میں سے ٹی وی کیمرہ اور فلم نکال کر ضائع کر دوں مگر میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ یہ سرخ رنگ کا ڈیڑھ دو کلو کا فولادی گولا بالکل بند تھا اور میں جلدی میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ اسے کیسے کھولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے پورے ریڈ باکس کو ہی قبر میں اتار دیا تھا۔

پانڈی چری میں مجھے دو دن اور گزر گئے۔ انکوائری ٹیم نے ابتدائی تحقیقات مکمل کر لی تھی اور اب واپس جانے والی تھی۔ ان کی تحقیقات کی روشنی میں میں نے بھی اپنی رپورٹ ٹائپ کرنا شروع کر دی۔ پورا دن لگا کہ میں نے رپورٹ مرتب کر کے فائل تیار کر لی۔ اگلے ہی روز صبح کے طیارے میں میری سیٹ بک ہو چکی تھی۔ رات کو میں حفظ ماتقدم کے خیال سے رنتاولی سے ملاقات کرنے اس کے ہاسٹل چلا آیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں کل صبح دلی واپس جا رہا ہوں۔ "مجھے امید ہے کہ تم جو کچھ بھی یہاں ہوا اس کے بارے میں سب کچھ بھول گئی ہو گی"۔

رنتاولی نے کہا۔ "سوائے تمہارے سب کچھ بھول چکی ہوں کیپٹن"۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ میں دیر تک رنتاولی کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا اور اس کی کیفیات کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ میری طرف سے اس کے دل میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ وہ مجھے ایک محب وطن اور ذمے دار بھارتی آفیسر ہی سمجھتی تھی۔ میں اس کی مکرر تصدیق چاہتا تھا۔ میں نے اسے دلی جا کر خط لکھنے کا وعدہ ضرور کیا مگر اسے اپنا ایڈریس نہیں دیا۔ یہ کہہ کر معذرت پیش کر دی کہ ہمیں کسی لڑکی کو اپنا ایڈریس دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ محض سکیورٹی کی وجہ سے ہے رنتاولی۔ ویسے میں تمہیں فون کروں گا"۔

دوسرے روز میرا طیارہ دلی کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ میں نے پرائم منسٹر ہاؤس کے چیف انٹیلی جینس آفیسر پرشوتم داس ٹنڈن کو فون کر دیا تھا۔ دلی ائرپورٹ پر ہمارے آفس کی گاڑی مجھے لینے آئی ہوئی تھی۔ ائرپورٹ سے میں سیدھا اپنے موتی نگر والے مکان پر گیا۔ ماتا جی نے مجھے دیکھتے ہی گلے لگا لیا۔ خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگیں۔ "پتر کشن! اب اس طرح گھر سے مت جانا۔ ہمیں تمہارا کوئی اتا پتہ ہی نہیں تھا"۔

میں نے کہا۔ "ماتا جی! میری نوکری ہی ایسی ہے۔ سجاتا اور کرشنا کیسی ہیں؟"

ماتا جی نے میری آرتی اتارتے ہوئے ساگری بھگوان کی مورتی کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ "پتر تم نے آنے کی بھی خبر نہیں دی۔ ورنہ سجاتا اور کرشنا بٹی تمہیں لینے آ جاتیں"۔

میں نے اسی وقت سجاتا کو فون کر کے بتایا کہ میں آگیا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوئی مگر ساتھ ہی ناراضگی سے بولی کہ میں نے ہوٹل والوں کو کیوں منع کر دیا تھا کہ کوئی لڑکی دلی سے فون کرے تو کہہ دینا کہ میں نے ہوٹل چھوڑ دیا ہے۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "سجاتا! تم پڑھی لکھی ہو اور جانتی ہو کہ میں کتنی نازک پوسٹ پر ہوں۔ ہم بھارت کے رکھشا چاری ہیں۔ اچھا میں دفتر جا رہا ہوں' شام کو لوٹ آؤں گا"۔

"میں خود آؤں گی۔ تم دفتر سے جلدی آ جانا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"۔

"کوئی بات نہیں۔ میں پانچ بجے تک آ جاؤں گا۔"

فون بند کر کے میں سوچنے لگا کہ یہ مجھ سے کس قسم کی ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے۔ چائے کی ایک پیالی پی کر میں نے بریف کیس سنبھالا اور اپنی پرانی ایمبیسیڈر گاڑی میں بیٹھ کر دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دفتر میں ہر کوئی خندہ پیشانی سے ملا۔ مکند لعل اسٹینو' خیراتی لعل' نائب منشی اور سیکرٹری نمبر دو تیواڑی بھی مل کر بہت خوش ہوئے۔ سیکرٹری تیواڑی مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ میں نے اسے رپورٹ پیش کی۔ اس نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "سینٹرل گورنمنٹ کی پوری مشینری چوکس کر دی گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ رکھشا منتری تیاگ پتر دے دیں گے۔ تمہاری رپورٹ میں کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "اسے پڑھ لیجئے۔ ویسے میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم نے اپنی باقاعدہ فوج اس علاقے میں نہ بھیجی تو سنہالی ایجنٹ اس سے بھی زیادہ تباہی مچائیں گے"۔

تیواڑی نے میری رپورٹ کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔ "ہم کہاں کہاں اپنی فوج بھیجیں؟ ایک پنجاب ہی ہمارے قابو میں نہیں آ رہا۔ بھنڈرانوالہ نے بڑے خوفناک بیان دینے شروع کر دیئے ہیں۔ وہ خالصتان کا سپریم کمانڈر کہتا ہے خود اپنے آپ کو"۔

میں سگریٹ سلگائے خاموشی سے تیواڑی کو سیکرٹ فائل کا مطالعہ کرتے دیکھتا رہا۔ چپڑاسی کافی رکھ کر چلا گیا۔ میں کافی پینے لگا۔ تیواڑی نے فائل پڑھنے کے بعد بند کر کے اس کا فیتہ باندھا اور بولا۔ "اب تمہیں سیدھا پرائم منسٹر ہاؤس سیکرٹریٹ جا کر ٹنڈن جی سے ملنا ہے۔ ان کا صبح ہی کو فون آگیا تھا کہ کیپٹن مہتہ کو فائل سمیت میرے پاس بھیج دینا"۔

پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کے اس چیف انٹیلی جینس آفیسر سے میں کتراتا تھا۔ مگر اُس سے ملاقات ناگزیر تھی۔ ویسے بھی اس کی ذہنی کیفیات سے میں ہمہ وقت باخبر رہنا چاہتا تھا۔ آفس کی ویگن میں بیٹھ کر میں پرائم منسٹر سیکرٹریٹ پہنچ گیا۔ مسٹر ٹنڈن میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اندر بلا کر دروازہ بند کر دیا اور چپڑاسی کو ہدایت کر دی کہ کسی کو نہ آنے دیا جائے۔ اپنی سیکرٹری سے بھی کہہ دیا کہ آدھ گھنٹے تک کوئی

فون کال نہ دی جائے۔ اس کے بعد سب سے پہلے میری رپورٹ کا بغور مطالعہ کیا پھر اسے بند کر کے ایک طرف میز کی دراز میں رکھ کر تالا لگایا اور مجھ سے باتیں شروع کر دیں۔ ایٹمی آبدوز کی تباہی' ریڈ باکس کی گمشدگی اور پانڈی چری میں تین گارڈز اور دو انٹیلی جینس افسروں کے قتل کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا۔ کہنے لگا۔ "رکھشا منترالے میں بڑے پیمانے پر اتھل پتھل ہو رہی ہے۔ کئی افسر تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ اگر میرا ریکارڈ تسلی بخش نہ ہوتا تو میں بھی اس وقت یہاں نہ بیٹھا ہوتا"۔

کافی کا گھونٹ نگلنے کے بعد اس نے پیالی میز پر رکھ دی اور اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنے سینئر افسروں کے ہوتے ہوئے در گھٹنا کیسے ہو گئی۔ روسی کہتے ہیں کہ ہماری سکیورٹی اس قابل نہیں کہ وہ ساؤتھ میں ان کی انسٹالیشنز کی حفاظت کر سکے۔ یہ ہمارے لئے بڑے چیلنج کی بات ہے۔ اسی ماہ روسیوں نے پونا کے شیواجی نیول کیمیکل ٹریننگ سینٹر میں جدید ایٹمی مشینری لگائی ہے۔ روسی سفیر نے پرسوں ہی پرائم منسٹر سے ایک خفیہ ملاقات میں اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ تخریب کاری وہاں بھی ہو سکتی ہے"۔

یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بے نیازی سے کہا۔ "سر! نیول ٹریننگ سینٹر میں ایٹمی مشینری لگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

ٹنڈن جی کی آنکھیں عینک کے شیشوں کے عقب میں میرے چہرے پر جم گئیں۔ اپنی دانست میں مجھے احمق گردانتے ہوئے بولے۔ "کیپٹن مہیتر! مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم سینٹرل انٹیلی جینس میں ہوتے ہوئے بھی اتنے بے خبر ہو۔ ویسے پہلے تم بڑے ذہین ہوا کرتے تھے۔ شاید تمہیں ابھی تک معلوم نہیں کہ پونا کے شیواجی ٹریننگ سینٹر میں ہم کیا کر رہے ہیں؟ بہرحال ان باتوں کو چھوڑو۔ میں آج دوپہر کو رکھشا منتری سے ملاقات کر رہا ہوں۔ انہیں تمہاری رپورٹ سب مت کرنی ہے۔ بھگوان جانے وہ کیا ایکشن لیتے ہیں۔ پرائم منسٹر اندرا جی خود اس معاملے میں بہت پریشان ہیں۔ اب تم جاؤ۔ ہو سکتا ہے کل تمہیں پھر یہاں آنا پڑے۔ میں تمہیں فون کر دوں گا"۔

میں نے نمسکار کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ چار بجے تک دفتر میں کام کرتا رہا۔ گھر واپس آیا تو سجاتا آئی ہوئی تھی۔ کرشنا بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ موجود تھی۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ میری نذر اتاری اور بولی۔ "بھیا! تم پہلے سے کچھ دبلے ہو گئے ہو میں تمہارے لئے پنجیری بنا کر بھیجوں گی"۔

سجاتا نے کہا۔ "میں نے تمہیں فون اس لئے نہیں کیا کہ کہیں تم یہاں بھی میرا فون سننے سے انکار نہ کر دو"۔

میں نے بات کو ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے سجاتا۔ وہ تو سکیورٹی کا معاملہ تھا۔ اچھا اب اس کا ذکر پھر مت کرنا"۔ میں نے اس کے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔ "یہاں کسی کو بتانا بھی نہیں کہ میں پانڈی چری میں تھا۔ یہ بھی سکیورٹی کا معاملہ ہے"۔

سجاتا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں"۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "ویسے تمہارے جس رشتے دار نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تھا کہ میں پانڈی چری کے ہوٹل میں ہوں اس نے بڑی غیر ذمے داری کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ تمہارا رشتے دار نہ ہوتا تو وہ اس محکمے میں رہ نہیں سکتا تھا۔

سجاتا نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔ "اب ان باتوں کو چھوڑ بھی دیں مہاشے جی! ماتا آپ بڑے افسر ہیں"۔

ماتا جی! لائیے' میں چائے بناتی ہوں"۔

ماتا جی نے چائے کی کیتلی وہیں ٹرے میں رکھ دی۔ "بیٹی! میں تو پہلے ہی چائے بناتی ڈر رہی تھی"۔

کرشنا نے کہا۔ "بھیا کے لئے میں چائے بناؤں گی"۔ لیکن میں نے منع کر دیا۔ "آج سجاتا کے ہاتھ کی چائے پئیں گے"۔

کرشنا نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "آگے اسی کے ہاتھ کی چائے پیا کرو گے بھیا جی۔ آج مجھے بنا لینے دو"۔

سجاتا شرما گئی اور اس نے بھی کرشنا کے حق میں ووٹ دے دیا۔

کرشنا کے بچے شور مچا رہے تھے اور نوکرانی انہیں چپ کرانے کے لئے بار بار ڈانٹ رہی تھی۔ میں ماتا جی' کرشنا اور سجاتا سے چائے پیتے ہوئے باتیں بھی کر رہا تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پاکستان میں اپنے باس سے اب میں کیسے رابطہ قائم کروں گا۔ میرے پاس دلی میں اپنے ایجنٹ کا دیا ہوا جو چھوٹا سا طاقتور ٹرانسمیٹر تھا اسے میں نے کنیا کماری میں ہی ہنگامی حالات کے تحت ضائع کر دیا تھا۔ ہمارے آفس میں دو وائرلیس سیٹ موجود تھے مگر وہاں میں ایسی غیر ذمے دارانہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے باس سے رابطہ قائم کرنے کی اشد ضرورت تھی کیونکہ مسٹر ٹنڈن نے اشارتاً بتایا تھا کہ پونا کے شیواجی بحری ٹریننگ سینٹر میں روسی کوئی انتہائی اہم ایٹمی توانائی سے کام کرنے والی مشینری نصب کر چکے ہیں۔ میں یہ اطلاع پاکستان میں اپنے باس تک پہنچانا چاہتا تھا' پھر میں نے سوچا کہ اس ضمن میں مجھے مزید تفصیلات معلوم کرنی چاہئیں کہ یہ مشینری کس نوعیت کی ہے اور اس کا فنکشن کیا ہے؟ سجاتا شام کو گھر واپس چلی گئی۔ کرشنا اور اس کے بچے ہمارے گھر میں ہی رہے۔ رات کو اس کا خاوند ہری پرشاد صراف بھی دکان بند کر کے وہیں آ گیا۔ وہ بھی مجھے مل کر خوش ہوا اور بولا۔ "بھئی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ کیپٹن صاحب بدیس کے ملک کے دورے پر چلے گئے ہیں"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ رات کو کھانا سب نے مل کر کھایا' پھر ماتا جی پوجا پاٹھ میں لگ گئیں۔ کرشنا بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کا خاوند ہری پرشاد صراف واپس چلا گیا تو میں اپنے کمرے میں آ گیا... دروازہ بند کیا اور پلنگ پر لیٹ کر بہت سی باتوں کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ ابھی تک تو اس مکان' ان نقلی رشتے داروں اور اپنے آفس میں میں

بالکل محفوظ تھا۔ کسی پر میرا راز نہیں کھلا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ میرے چہرے کی پلاسٹک سرجری تھی جس نے میرے شکل کو ہو بہو مرنے والے کیپٹن رام کشن مہتہ کا ہم شکل بنا دیا تھا۔ روسی ایٹمی آبدوز کا مشن بخیر و خوبی انجام پا چکا تھا۔ باس نے اپنے ایک خفیہ مرموز پیغام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ بھارتی حکومت مشرقی پنجاب کی سرحد پر خفیہ طور پر جدید قسم کا دفاعی نظام نصب کر رہی ہے جس کے بارے میں پاکستان کو باخبر رہنے کی اشد ضرورت بھی تھی اور یہ اس کا حق بھی تھا۔ کیونکہ کوئی بھی ملک ' دشمن ہمسایہ ملک کی فوجی تیاریوں سے غافل رہنا گوارا نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف اب پونا کے شیواجی ٹریننگ سینٹر کی ایٹمی مشینری کی تنصیب کا معاملہ بھی سامنے آ چکا تھا۔ چنانچہ میرا باس سے رابطہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔ یہاں میری پوزیشن اتنی نازک تھی کہ میں کسی قسم کا معمولی سا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں جس پوسٹ پر تھا۔ وہاں رہتے ہوئے پاکستان کے خلاف بھارت کے جارحانہ عزائم سے پوری طرح باخبر رہ سکتا تھا اور یہی میرے ملک کی سلامتی اور استحکام کا تقاضا تھا۔ یہی میرا سب سے بڑا مشن تھا۔ میں کسی تخریب کار کی طرح بھارت میں جگہ جگہ یونہی بے مقصد دھماکے نہیں کر رہا تھا۔ میں صرف اس ہدف کو نشانہ بنانا چاہتا تھا اور بنا رہا تھا جہاں سے میرے وطن عزیز پاکستان کو نقصان پہنچائے جانے کا امکان تھا۔

دوسرے روز میں دفتر گیا تو دوپہر کے وقت مسٹر ٹنڈن نے مجھے فون پر یہ کہہ کر پرائم منسٹر ہاؤس بلوا لیا کہ ایک اہم میٹنگ ہونے والی ہے جس میں میری شرکت ناگزیر ہے۔ میں ٹھیک وقت پر پرائم منسٹر ہاؤس پہنچ گیا۔ یہ میٹنگ واقعی ٹاپ سیکرٹ میٹنگ تھی۔ اس میں نیوی ' آرمی اور ائرفورس کے علاوہ سینٹرل انٹیلی جینس اور وزارت دفاع کی اہم ترین شخصیات موجود تھیں۔ میٹنگ کی صدارت رکھشا منتری یعنی اس وقت کے وزیر دفاع کر رہے تھے۔ اس میٹنگ میں میرے باس کی اس خبر کی تصدیق ہو گئی جس کی طرف اس نے اپنے گزشتہ پیغام میں اشارہ کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ روسیوں کی مدد سے بھارتی حکومت کھیم کرن اور فاضلکا سیکٹر میں سرحد کے ساتھ ساتھ زمین سے فضا میں اور زمین سے زمین پر مار کرنے والے [illegible] میزائلوں کا ایک خودکار [illegible] ترقی یافتہ اور کمپیوٹرائزڈ نظام نصب کر رہی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد پاکستان پر حملہ کر کے قصور [illegible] قدمی کر کے لاہور کو اپنے گھیرے میں لینا تھا۔ ایسا ہی ایک نظام مقبوضہ کشمیر کی طرف بھی [illegible] لایا جانے والا تھا۔ اس ٹاپ سیکرٹ میٹنگ میں دوسرا پوائنٹ جو زیر بحث آیا وہ پونا کے شیواجی نیول ٹریننگ سینٹر میں ایٹمی مشینری کی تنصیبات کے بارے میں تھا۔

اب یہ انکشاف ہوا کہ اس نیول ٹریننگ سینٹر میں جو ایٹمی تنصیبات لگائی گئی ہیں اس کا تعلق بحریہ کی ٹریننگ سے بالکل نہیں ہے بلکہ وہاں بھارت کے پہلے ایٹم بم کے لئے خفیہ طور پر یورینیم کی پروسیسنگ کا کام ہو رہا ہے۔ میرے لئے یہ انکشاف انتہائی اہم اور حیران کر دینے والا تھا۔ بھارتی

ابلاغ عامہ کے ذرائع صبح شام شانتی اور اہنسا کا پرچار کر رہے تھے اور بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی بھی بار بار یہی کہتی تھیں کہ ہم ایٹمی توانائی برائے امن کے قائل ہیں۔ ایٹم بم بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اب معلوم ہوا کہ شیواجی نیول ٹریننگ سینٹر میں خفیہ طور پر ایٹم بم بنانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ یہ بہت بھیانک انکشاف تھا اور پاکستان کو اس سے خبردار کرنے کی اشد ضرورت تھی کیونکہ اگر بھارت ایٹم بم بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پاکستان کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ پاکستان کے وجود اور اس کی سلامتی کے لئے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔

اس ٹاپ سیکرٹ میٹنگ میں جن امور پر غور کیا گیا۔ ان میں شیواجی ٹریننگ سینٹر والے خفیہ نیوکلیئر پلانٹ کے تحفظ اور اس کام کو خفیہ رکھنے کا معاملہ سرفہرست تھا۔

بھارتی رکھشا منتری نے صاف لفظوں میں کہا۔ "ہم کسی حالت میں بھی نہیں چاہتے کہ دنیا کو اور خاص طور پر ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان کو ہماری ایٹمی سرگرمیوں کی ذرا سی بھی بھنک پڑے۔ پانڈی چری میں سنہالی ایجنٹوں کی تخریب کاری کے حادثوں کے بعد اس بات کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ہم پونا کے شیواجی ٹریننگ سینٹر والے پلانٹ کی سرگرمیوں کو انتہائی خفیہ رکھیں۔ ہم نے اس مشن کو "چانکیہ" کا نام دیا ہے۔ آج سے ہماری خفیہ فائلوں میں یہی لفظ استعمال کیا جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس ٹریننگ سینٹر کے اردگرد محکمے کے اعلیٰ اور تجربے کار انٹیلی جینس افسروں کو اس طرح تعینات کریں کہ کوئی اجنبی شخص تو کیا کوئی پرندہ بھی وہاں پر نہ مار سکے"۔

میں سب کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا اور ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہاں ہمیں کوئی پوائنٹ کاغذ پر نوٹ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک دو بار مجھ سے بھی اظہار خیال کے لئے کہا گیا۔ میں نے ایک ذمے دار اور وطن پرست بھارتی کی طرح اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔ یہ خفیہ اور انتہائی اہم میٹنگ دو گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد ہم سب سے باری باری گیتا پر ہاتھ رکھوا کر حلف لیا گیا کہ ہم بھارت ماتا کے لئے دفاعی رازوں کی اپنی جان دے کر بھی حفاظت کریں گے۔ رکھشا منتری نے یہ بات واضح کر دی کہ اس حلف کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ سب لوگوں کی بھارت ورش سے وفاداریاں شکوک و شبہات سے بالاتر ہیں لیکن میں اس رسم کو ایک بار پھر پورا کرنا چاہتا تھا۔ میٹنگ برخاست ہو گئی تو مسٹر ٹنڈن مجھے ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے۔

"تم نے نوٹ کیا ہو گا کہ ہمارے اسٹاف کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ پانڈی چری والی درگھٹنا ہے۔ سینٹر اب ہمارے محکمے کو زیادہ اہم ذمے داریاں سونپنے سے گریز کر رہا ہے اور یہ بات ہمارے حق میں اچھی نہیں ہے"۔

میں نے کہا۔ "سر! اس سلسلے میں ہمیں اپنی کارکردگی دکھانی ہو گی تاکہ ہم ثابت کر سکیں کہ۔ ٹنڈن نے میری بات کاٹتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔

"یہی میں تمہیں کہنا چاہتا تھا، مگر ہم اپنی کارکردگی کہاں دکھائیں؟ بس اس پوائنٹ پر تمہیں اور مجھے غور کرنا ہوگا۔ تم نوجوان اور ذہین ہو۔ تیواڑی بوڑھا ہو رہا ہے۔ مجھے اس کی سوچ پر زیادہ بھروسہ نہیں رہا۔ اب تم جاؤ۔ جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے اس پر سوچ بچار ضرور کرنا۔ ہمیں اپنے آفس کا اعتماد بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری صورت میں ہمارے ترقی کرنے کے امکانات بالکل ختم ہو جائیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں وقت سے پہلے ریٹائر کر دیا جائے"۔

مسٹر ٹنڈن نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور سر جھکائے کاریڈور میں اپنے آفس کی طرف چل دیا۔ ہمارا محکمہ براہ راست ٹنڈن کے ماتحت تھا اور ہماری کارکردگی کا اثر اس کی منصوبہ بندیوں پر براہ راست پڑتا تھا۔ اس وقت میں صرف ایک ہی بات پر غور کر رہا تھا کہ اس خفیہ میٹنگ میں جو دھماکہ خیز انکشاف ہوا ہے اس کی اطلاع اپنے باس تک کیسے پہنچاؤں؟ دلی میں یعنی اس شہر میں ہمارا سفارت خانہ موجود تھا مگر مجھے اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے، میں پاکستانی سفارت خانے سے ہرگز ہرگز رجوع نہ کروں۔ بلکہ کبھی اس سڑک پر سے بھی نہ گزروں جس سڑک پر ہمارے سفارت خانے کی عمارت تھی۔ ویسے بھی اس قسم کی ٹاپ سیکرٹ باتیں عام طور پر سفارت خانوں تک نہیں پہنچنے پاتیں۔ یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا تھا۔ اب میں اس کھوج میں رہنے لگا کہ مجھے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر سیٹ کہیں سے مل جائے جس کی مدد سے میں باس سے بات کر سکوں۔ دو ایک بار میں جامع مسجد کے سامنے والی گراؤنڈ میں بھی گیا۔ اس خیال سے کہ اپنا ایجنٹ مجذوب آدمی کے بھیس میں مجھے وہیں ملا تھا اور اسی نے مجھے ٹرانسمیٹر دیا تھا لیکن وہاں مجھے وہ کہیں نظر نہ آیا۔ ریڈیو سیٹ ٹرانسمیٹر میں تبدیل کرنے کا فن مجھے نہیں آتا تھا... ہر ایجنٹ کو اس کام میں مہارت ہوتی ہے مگر میں بنیادی طور پر کمانڈو تھا۔ اپنے وطن عزیز کا جانباز کمانڈو۔ یہی وجہ تھی کہ میں ریڈیو سیٹ کو ٹرانسمیٹر میں تبدیل کرنے کی تکنیک سے ناواقف تھا۔ دلی شہر اتنا بڑا اور ماڈرن شہر تھا کہ وہاں تقریباً کئی محکموں میں وائرلیس سیٹ نصب تھے لیکن وہاں میرا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ خود ہمارے آفس میں دو وائرلیس سیٹ موجود تھے، مگر میرے لئے وہ بے کار تھے۔

اپنے آفس کے وائرلیس سیٹوں کا خیال آتے ہی میں ٹھٹک سا گیا۔ یہ دونوں وائرلیس سیٹ ہمارے چیف سپرنٹنڈنٹ ماتھر صاحب کے کمرے میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں کسی بہانے رات کو اپنے آفس میں رک جانے کا پروگرام بنا لوں تو ماتھر صاحب کے وائرلیس سیٹ سے پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے؟۔ جوں جوں میں اپنے منصوبے پر غور کرتا گیا۔ میرے دل کو یقین ہو گیا کہ باہر خطرہ مول لینے سے اپنے دفتر ہی کے وائرلیس سیٹ کو استعمال میں لانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ خطرہ اس میں ضرور تھا مگر یہ کام زیادہ وقت طلب نہیں تھا۔ وہاں گیارہ بجے تک رک سکتا تھا... چیف سپرنٹنڈنٹ ماتھر صاحب کا کمرہ میرے دفتر سے پندرہ قدموں کے فاصلے پر کاریڈور

کے آخری کونے پر تھا۔ میں اس دفتر میں کئی بار جا چکا تھا۔ میں اس کے پورے حدود اربعہ سے واقف تھا۔ اس کمرے میں ایک باتھ روم بھی تھا اور باتھ روم کا ایک دروازہ دوسری طرف دفتر کے عقبی لان کی طرف بھی کھلتا تھا۔

میرے دل نے اسی منصوبے پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ مجھے یہ مہم زیادہ آسان لگنے لگی تھی۔ خطرہ تو ہر جگہ تھا۔ اگر میں کوئی بھی ٹرانسمیٹر اٹھا کر کسی بھی جگہ لے کر پیغام نشر کرتا ہوں تو خطرہ وہاں بھی موجود ہوتا تھا' مگر اپنے دفتر والے ایک تو وائرلیس سیٹ بڑے طاقتور تھے۔ دوسرے مجھ پر کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے ابتدائی معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ ماتھر صاحب کا دفتر ان کے جانے کے بعد بند کر کے تالا لگا دیا جاتا تھا' اور اس کی چابی اسی چوکیدار کے پاس رہتی تھی جو باقی دفتروں کو بند کر کے انہیں تالے لگاتا تھا۔ دوسری چابی یا لوہے کے تار سے تالا کھول کر ماتھر صاحب کے کمرے میں جانے کی ضرورت مجھے اس لئے نہیں تھی کہ میں اس کمرے کے باتھ روم کو استعمال میں لا سکتا تھا۔ میں ایک بار یونہی کسی کام کے بہانے ماتھر صاحب کے کمرے میں ایک فائل لے کر چلا گیا... ماتھر صاحب سے باتیں کرتے ہوئے میں نے باتھ روم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سر! میں آپ کا باتھ روم استعمال کر سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ کیپٹن مہتہ۔" ماتھر صاحب نے فائل پر کچھ لکھتے ہوئے کہا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ باتھ روم کے دروازے پر باہر کی جانب کوئی چٹخنی نہیں تھی بلکہ خودکار بولٹ لگا تھا۔ گول لٹو گھمانے سے بولٹ کھل جاتا تھا۔ اندر سے بولٹ گھماؤ تب بھی دروازہ کھل جاتا تھا۔ اندرونی جانب دروازے کو اندر سے چٹخنی لگا دی اور لان کی طرف کھلنے والے دروازے کا جائزہ لیا۔ اس دروازے کے اندر بھی چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ میں نے پانی چھوڑ کر ہاتھ دھو کر تولیے سے پونچھے اور باتھ روم سے نکل آیا۔ ماتھر صاحب فائل پر اپنا نوٹ لکھ چکے تھے۔ کہنے لگے۔ "اس پر میرے دستخط کی ضرورت نہیں تھی لیکن تم لے آئے ہو تو میں نے کر دیئے ہیں"۔

"سر! میں یہ فائل بھی آپ کی نظر سے گزارنا چاہتا تھا"۔

اسی دوران میں نے ایک بار پھر دونوں وائرلیس سیٹوں کا بھی جائزہ لے لیا تھا۔ جو کونے میں دیوار کے ساتھ لگے تھے۔ کافی طاقت ور ٹرانسمیٹر تھے اور ان کے آگے پینل بنا ہوا تھا۔ پاس ہی دو کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ خدا جانے سال سے کون کس وقت کس کو خفیہ مرموز اور دفتری پیغام نشر کرتا تھا۔ میں نے کبھی کسی کو یہاں سے پیغام نشر کرتے نہیں دیکھا تھا۔

دوسرے دن میں نے دفتر میں رات گئے تک بیٹھ کر کام کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ اس سے ایک روز پہلے ہی سے میں نے اپنے اسٹینو مکند لال اور سیکرٹری نمبر دو تیواڑی سے یہ کہہ کر اپنے منصوبے کی گراؤنڈ تیار کر لی کہ باہر جانے کی وجہ سے بہت سا کام جمع ہو گیا ہے۔ سوچتا ہوں کل چھٹی

کے بعد دفتر ہی میں بیٹھ کر ساری فائلیں نمٹا دوں۔

تیواڑی نے ہنس کر کہا۔ "کیپٹن تم کنوارے ہو۔ رات کو دفتر میں ٹھہر سکتے ہو"۔

دوسرے دن میں گھر میں اپنی ماتاجی سے بھی یہ کہہ آیا کہ کام زیادہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ دفتر میں آدھی رات لگاؤں گا۔ سجاتا کو میں نے دفتر میں آ کر فون کر دیا۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ رات کو عین اس وقت دفتر میں فون نہ کر دے جب میں اپنا آپریشن شروع کر چکا ہوں گا۔ میرے پاس ہتھیار کوئی نہ تھا۔ کسی بھی وقت اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ پستول وغیرہ میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ چاقو رکھنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے اس خیال کو دل ہی سے نکال دیا۔ دفتر میں آ کر کوئی ایک گھنٹے کے بعد احتیاط کے طور پر میں نے بہانے سے اپنے اسٹینو' چیف سپرنٹنڈنٹ اور خیراتی لعل کو بھی بتا دیا کہ آج رات دفتر میں چھٹی کے بعد بیٹھ کر پینڈنگ فائلوں پر کام کرنے والا ہوں۔ اس مقصد کے لئے میں نے بعض ایسی فائلوں کا اپنی میز پر ڈھیر لگا دیا۔ جن میں کہیں کہیں تھوڑی بہت خانہ پُری رہتی تھی۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میرے کمرے کے آگے چق پڑی رہتی تھی۔ میں کاریڈور میں آتے جاتے آدمی کو دیکھ سکتا تھا۔ چار بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ چیف سپرنٹنڈنٹ ماتھر بریف کیس ہاتھ میں لئے میرے کمرے کے آگے سے گزر گئے۔ دو منٹ بعد' میں نے ایک فائل ہاتھ میں لی اور اس کی ورق گردانی کرتا جیسے اپنے خیال میں مسٹر ماتھر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کے جاتے ہی چوکیدار ان کے کمرے کو تالا لگا دیتا ہے۔ ان کے کمرے کے باہر جو چپڑاسی بیٹھتا تھا وہ بھی جا چکا تھا۔ میں چق اٹھا کر ماتھر صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ باتھ روم میں گھس گیا۔ اندر جاتے ہی عقبی لان والے دروازے کی چٹخنی کھول دی' پھر باہر نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ دونوں وائرلیس سیٹ دیوار کے ساتھ لگے تھے۔ ان پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ چوکیدار سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر رام رام کیا۔ "ماتھر بابو تو چلے گئے ہیں صاحب جی۔ اس نے مجھے اطلاع دی۔

میں نے کہا۔ "ہاں جنسی! آج ذرا پہلے ہی چلے گئے ہیں۔ ان کے دستخط کروانے آیا تھا۔ دیکھا کہ اندر کوئی نہیں۔ خیر صبح کرا لوں گا۔ تم کمرے کو تالا لگا دو"۔

مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کمرے میں جا کر غسل خانے کے لان والے دروازے کی چٹخنی نہ لگا دے۔ میں احتیاط کے طور پر وہیں کھڑا رہا۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے جیسے میں اپنی نگرانی میں ان کا کمرہ لاک کروانا چاہتا ہوں۔ میری حیثیت وہاں ایک ذمے دار افسر کی تھی۔ چوکیدار جنسی میرے رعب میں آگیا۔ اس نے اندر جانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور میں نے وہیں باہر رہ کر ہی ماتھر صاحب کے کمرے میں تالا ڈلوا دیا۔ تب میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

آپ ریشن کو اگلی رات کے لئے ملتوی کر دیا اور واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں گارڈ جب آمنے سامنے سے آتے ہوئے میرے قریب سے مخالف سمتوں کو نکل گئے تو موقع دیکھ کر میں نے نشیب میں لیٹے لیٹے اپنا رخ پیچھے کی طرف کر لیا اور کیکڑے کی طرح ڈھلان میں رینگتے ہوئے خشک نالے میں اتر گیا۔ یہاں دس سیکنڈ تک دم سادھے پڑا رہا' پھر ایمونیشن ڈمپ کی طرف نگاہ ڈالی۔ دونوں فوجی گارڈز خاردار دیوار کی نکڑ تک پہنچ کر رک گئے تھے۔ میں گھٹنوں کے بل چلتا نالے کے دوسرے کنارے پر چڑھ گیا اور وہاں اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ لیتا اس اجڑی ہوئی کان والے تہ خانے کی طرف تیز تیز چلنے لگا' جہاں میرے دونوں ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ اندھیری رات خاموش تھی۔ ایمونیشن ڈمپ پیچھے رہ گیا تھا۔ میرے سامنے کان کے اونچے تودے کا خاکہ ستاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں ابھر آیا تھا۔ میں ایک گڑھے کے قریب سے نکلا ہی تھا کہ اچانک روشنی کا ایک زبردست جھماکا ہوا اور میرے سامنے کان کا تودہ روشنی میں نہا گیا۔ ساتھ ہی سیٹیوں کی آواز کے ساتھ فائر کی آواز بلند ہوئی اور تڑاتڑ مشین گن کی گولیوں کے دھماکے گونج اٹھے۔ میں ایک سیکنڈ کے لئے بوکھلا سا گیا۔ میں نے بغیر کچھ جانے بوجھے گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ میرے پاؤں ٹخنوں تک کیچڑ میں دھنس گئے۔ ایک منٹ کے لئے میں وہیں سانس روکے پڑا رہا۔ گولیاں دھڑا دھڑ چل رہی تھیں' پھر فائر تک رک گئی۔ فوجیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے گڑھے میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ کان کا تودہ مجھ سے اگرچہ دور تھا مگر اس پر سرچ لائٹ کی تیز روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ لائٹ ایک فوجی جیپ میں لگی ہوئی تھی۔ مجھے وہاں چار پانچ جیپیں دکھائی دیں جن میں سے فوجی اتر اتر کر کان کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے لئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا کہ ملٹری پولیس کو کان کے اندر غیر ملکی ایجنٹوں کی موجودگی کی خبر ہو گئی تھی اور فوج نے چھاپہ مارا ہے۔ مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کی فکر لگ گئی۔ میری آنکھیں کان کے اندر جو تنگ سا راستہ جاتا تھا اس پر لگی تھیں۔ یہاں کافی روشنی تھی۔ باہر چھ سات فوجی اسٹین گنیں تانے ایکشن کے لئے تیار کھڑے تھے' پھر میں نے دیکھا کہ غار میں سے میرا ایک ساتھی اس طرح باہر نکلا کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ یہ ہمارا بھنڈی بازار والا ایجنٹ نہیں تھا یہ میرا دوسرا ساتھی تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بھنڈی بازار والا اپنا ایجنٹ یا تو وہاں موجود نہیں تھا یا اندر اسے گولی سے اڑا دیا گیا ہو گا' لیکن فوجی یا پولیس والے جب کسی غیر ملکی ایجنٹ کو پکڑنے کے لئے چھاپہ مارتے ہیں تو اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس کے دوسرے ایجنٹ ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی جا سکے۔ عین ممکن تھا کہ ہمارا بھنڈی بازار والا ساتھی وہاں سے پہلے ہی جا چکا ہو' مگر دوسرے ساتھی کا پکڑا جانا بھی ہمارے لئے انتہائی ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا تھا۔ میری پوزیشن' بے حد خطرات میں گھر چکی تھی۔ اگر ہمارا دوسرا ساتھی جو زندہ تھا ملٹری پولیس کے تشدد سے گھبرا کر منہ کھول دیتا ہے تو میں بھی نہیں بچ سکتا

ارے جنسی وہاں سے تو میں بھی لا سکتا تھا مگر ان کے ہاں سگریٹ پرانے رکھے ہوئے ہیں۔ وکرم کے پاس تازہ اسٹاک ہوتا ہے۔ یہ لو پرچا۔ یہ دکھا کر دو پیکٹ لے آنا۔"

"اچھا جی"۔

چوکیدار جنسی نے پرچہ اور پچاس روپے کا نوٹ صدری کی جیب میں رکھ لیا اور آفس کمپلیکس کے بڑے دروازے کی طرف چل دیا۔ جہاں گیٹ پر گورکھا چوکیدار پہرے پر کھڑا تھا... جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے سگریٹ پھینک کر پاؤں تلے مسلا اور گملوں کے اوپر سے چھلانگ لگا کر آفس کے پچھواڑے والے لان کی طرف چلنے لگا۔ یہاں صرف ایک بلب عقبی دیوار سے لگا جل رہا تھا جس کی روشنی زیادہ نہیں تھی یا پھر کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے بہت مدھم تھی۔ ماتھر صاحب کے باتھ روم کا دروازہ میرے سامنے تھا۔ میں نے رک کر دائیں بائیں دیکھا۔ جب تسلی ہو گئی کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا تو دروازے کو آہستہ سے کھینچا۔ خدا کا شکر ہے کہ دروازہ کھل گیا۔ بس یونہی دل میں ایک وہم سا تھا کہ شاید دروازہ نہیں کھلے گا۔ میں نے باتھ روم میں آتے ہی دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ باتھ روم میں اندھیرا تھا۔ دوسرا دروازے کا بولٹ کھول کر ماتھر صاحب کے کمرے میں آ گیا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا مگر دیوار کے ساتھ لگے ہوئے دونوں وائرلیس سیٹ نیم تاریکی میں مجھے دکھائی دے رہے تھے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ چوکیدار جنسی کو کناٹ پیلس وکرم پنواڑی کی دکان تک پیدل آنے جانے میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگیں گے۔ میں سیدھا وائرلیس سیٹ کے پاس آ گیا۔ اس کے بٹن کو لوڈ کیا۔ اس میں بجلی کی رو دوڑنے لگی۔ ناب کو گھمایا تو وہ ٹون دینے لگا۔ میں نے جیب سے ماچس نکال کر اس کے ڈائل کو غور سے دیکھا اور سوئی کو گھماتے ہوئے اپنی فریکوئنسی کی تلاش شروع کر دی۔

دو منٹ کی کوشش کے بعد مجھے اپنی فریکوئنسی مل گئی۔ میں نے مائیک اون کر کے اپنا کوڈ نمبر تین بار دہرایا۔ دوسری طرف سے باس کی آواز سنائی دی۔ اس نے بھی اپنے کوڈ نمبر کو تین بار دہرایا تھا۔ میں نے فوراً مرموز ہندسوں کی زبان میں اسے پیغام دیا کہ انڈین آرمی کھیم کرن اور فاضلکا کی سرحدوں پر جدید گائیڈڈ میزائل کے بنکر بنا رہی ہے لوور ہیڈ کے سینٹر میں یورینیم پروسیسنگ کا کام تیزی سے جاری ہے۔ یہ پیغام ہندسوں کی صورت میں تھا۔ دو منٹ تک خاموشی چھائی رہی، پھر باس نے بھی کچھ ہندسے دہرائے۔ میں نے ان کو ذہن میں ڈی کوڈ کیا۔ باس نے میرے پیغام کے جواب میں کہا تھا۔

"کل شام کے سات بجے ابوالکلام آزاد کے مقبرے پر رہنا۔ وہی مجذوب ملے گا"۔

باس نے مجھ سے ایٹمی آبدوز کی تباہی کے ردعمل کے بارے میں مزید تفصیلات طلب کیں جو میں نے مختصر لفظوں میں اسے ان تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ اس میں سات منٹ لگ گئے تھے میں نے

محسوس کیا کہ جب میں پیغام نشر کر رہا تھا تو بیچ میں کسی سگنل کی بار بار ٹون سنائی دی تھی۔ یہ ایک ہی طرح کی ٹون تھی اور چار سیکنڈ تک سنائی دینے کے بعد معدوم ہو گئی تھی۔ میں محتاط ہو گیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس ٹرانسمیٹر کا لنک کہاں کہاں پر ہے۔ میں نے باس سے کہا کہ میرا وقت ختم ہو گیا ہے اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ رومال جیب سے نکال کر ٹرانسمیٹر کے ڈائل کی جاب اور مائیک پر سے اپنی انگلیوں کے نشان اچھی طرح صاف کئے۔ باتھ روم والے دروازے کے بولٹ پر سے بھی اپنی انگلیوں کے نشان صاف کئے۔ باتھ روم کے اندر جو چٹخنی لگائی تھی اس کو بھی رومال سے پونچھا۔ دروازے کو گھٹنے کی مدد سے آہستہ سے کھولا اور جلدی سے باہر آ گیا۔

میری تیز نظریں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ آخری بار میں دروازے کے کواڑوں پر جہاں میری انگلیوں کے نشان لگنے کا احتمال تھا رومال پھیرا اور تیز تیز قدم اٹھاتا برآمدے کی طرف چلا۔ گملوں کو الانگ رہا تھا کہ چوکیدار جنسی کی آواز آئی۔ "مہاراج سگریٹ لے آیا ہوں"۔

میں نے اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ارے تم اتنی جلدی آ گئے؟"

چوکیدار جنسی سگریٹوں کے پیکٹ اور باقی پیسے دے کر بولا۔ "مہاراج واپسی پر ایک رکشے والے نے اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا جی!"

میں نے اسے پانچ روپے انعام میں دیئے تو بہت خوش ہوا، پھر بولا۔ "صاحب جی آپ ادھر کہاں گئے تھے جی۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے حکم کریں جی"۔

میں نے جلدی سے گملوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جنسی مجھے باہر ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی بلی رو رہی ہے۔ مجھے بلی کے رونے کی آواز سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ میں اسے بھگانے دوسری طرف گیا تھا"۔

چوکیدار جنسی بولا۔ "ابھی اس کی خبر لیتا ہوں صاحب جی۔ آپ آرام سے بیٹھ کر کام کریں"۔

میں سگریٹ کا پیکٹ کھولتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں کرسی پر گرتے ہی اطمینان کا ایک طویل سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ مشکل ترین کام بخوبی انجام پذیر ہو گیا تھا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ باس کو میرا پیغام مل گیا تھا اور اس کا پیغام مجھ تک پہنچ گیا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ بیچ میں جو سگنل کی یکساں آواز تین چار بار سنائی دی تھی اس کی طرف دھیان ضرور گیا لیکن یہ سوچ کر میں نے اسے دل سے نکال دیا کہ بھارت اتنا بڑا ملک ہے اور دلی راجدھانی ہے جہاں ہر وقت فضا میں ریڈیو، ٹی وی اور ہزاروں تنصیبات کے سگنل ہر وقت گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان میں سے ہی کسی ایک سگنل کی آواز ہو گی۔ میں نے جلدی جلدی باقی کی فائلیں کھول کر ان پر ایک ایک سطر لکھی۔ نیچے اپنے دستخط کیے تاریخ ڈالی اور ساری فائلوں کو اٹھا کر

دفتر کو تالا لگا دو۔ یک ریک میں بند کر کے تالا لگا دیا' پھر باہر آکر چوکیدار جنسی سے کہا کہ میں جا رہا ہوں۔ گیراج میں میری پرانی ایمبیسڈر انڈین گاڑی کھڑی تھی۔ اسے اسٹارٹ کیا اور اپنے موتی نگر والے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن شام کے سات بجے مجھے جامع مسجد کے سامنے والی گراؤنڈ میں ابوالکلام آزاد کے مزار پر اپنے ایجنٹ سے ملاقات کرنی تھی۔ اس نے خود مجھے شناخت کرنا تھا۔ اس مجذوب کی شکل و صورت سے ویسے میں آشنا تھا۔ میں نے شام کے ساڑھے چھ بجے گاڑی نکالی۔ ماتا جی سے کہا کہ ایک دوست کے ہاں چائے پر جا رہا ہوں۔ جلدی آؤں گا اور گاڑی میں بیٹھ کر سیدھا کناٹ پیلس آگیا۔ یہیں ایک ریستوران میں بیٹھ کر ٹھنڈا مشروب پیا' پھر گاڑی لے کر جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے ٹھیک سات بجے مولانا آزاد کے مقبرے پر موجود ہونا تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ اس مقبرے پر ہندو اور سکھ بھی شام کو جا کر پھول مالائیں چڑھاتے اور لوبان جلاتے تھے۔ میں بھی وہاں جا کر پھول مالا چڑھا سکتا تھا۔ میں نے گاڑی جامع مسجد کے عقب میں کھڑی کی۔ وہیں ایک پھول والے کی دکان سے پھولوں کے چار ہار خریدے اور آہستہ آہستہ چلتا آزاد کے مقبرے کے پاس آگیا۔ مولانا آزاد کا مقبرہ جامع مسجد کے سامنے ہے۔ یہ چھوٹا سا مقبرہ ہے جس کے اوپر سنگین چھتری بنی ہوئی ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ہے اور اردگرد جنگل کا جنگلہ بنا ہوا ہے۔ چبوترے کے پاس ہی بیٹھنے کی جگہ بھی ہے۔ میں جوتے اتار کر چبوترے پر آگیا۔ مولانا آزاد کی قبر پر پھولوں کی مالا ڈالی۔ میں نے ماتھے پر رام نام کا تلک لگا رکھا تھا جو میں روز صبح کو لگاتا تھا۔ اس لئے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں فاتحہ پڑھ کر مولانا کی روح کو ثواب پہنچایا اور چبوترے سے اتر کر جوتے پہننے لگا۔ جوتے پہنتے ہوئے میری آنکھیں چاروں طرف کا عمیق نظروں سے جائزہ لے رہی تھیں۔ ابھی تک مجھے اپنا ایجنٹ نظر نہیں آیا تھا۔ کچھ فقیر ضرور ادھر ادھر بیٹھے تھے مگر ان میں اپنا ایجنٹ نہیں تھا۔

یہ کبھی ہو نہیں سکتا تھا۔ کوئی غیر معمولی واقعہ یا حادثہ نہ ہو گیا ہو ورنہ اپنا ایجنٹ کبھی رک نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو جن ذرائع سے اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ وہ میں یہاں ظاہر نہیں کر سکتا لیکن ان کے ذرائع بہت وسیع تھے۔ اس ایجنٹ کو رات ہی کو اطلاع مل گئی ہو گی اسے کوئی خاص پیغام لے کر آزاد کے مقبرے پر مجھے ملنا ہے۔ وہ میری شکل سے بخوبی آشنا تھا۔ انہیں تو ہماری تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ میں جوتے پہن کر چلنے لگا تو ایک آدمی دونوں ہاتھ پھیلائے میری طرف بڑھا۔ "بھگوان کی لیلا نیاری ہے۔ پریم اشٹ بھگتی میں ہی ملے گا۔ بھگتی ہی سب کچھ ہے۔ بھگتی میں ہی مدھو ہے"۔

میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی مجذوب تھا۔ میں جیب سے ایک روپیہ نکال کر اسے دینے لگا تو اس نے میرے ہاتھ سے روپے کا نوٹ لے کر پھاڑ کر پھینک دیا اور "برہم ہی برہم ہے۔ بھگتی ہی بھگتی ہے" کی رٹ لگاتا سامنے والے درختوں کی طرف چل دیا۔ میں نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ

نکال لیا اور یہ کہہ کر اس کے پیچھے چلا۔

"مہاراج شما کر دیں۔ میں بڑی شردھا سے دے رہا ہوں۔ سویکار کریں"۔

ایسی زبان میں اس لئے بول رہا تھا کہ وہاں کچھ لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جب میں مجذوب کی طرف چلا تو لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ وہاں اس قسم کے تماشے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ درختوں میں اندھیرا تھا۔ مجذوب وہاں ایک درخت کے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بازو ہوا میں بلند کر رکھا تھا اور ہری اوم ہری اوم کا جاپ کر رہا تھا۔ جب میں پانچ روپے کا نوٹ پیش کر کے بڑے ادب سے اس کے سامنے بیٹھ گیا تو مجذوب نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سفید سفید ڈیلے گھما کر دائیں بائیں دیکھا اور اردو میں بولا۔ "تمہاری امانت تمہاری گاڑی کے ڈیش بورڈ میں رکھ دی گئی ہے۔ حق ہی حق ہے۔ حق ہی حق ہے"۔

اس نے بلند آواز میں ایک نعرہ مستانہ لگایا اور مجذوبوں کی طرح رقص کرتا جامع مسجد کی طرف چل دیا۔ میں نے اس کا پیغام سن لیا تھا۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ مجھے مسجد کے پیچھے گاڑی کھڑے کرتے دیکھ رہا تھا۔ میں گراؤنڈ میں سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف چل پڑا۔ گاڑی اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑی تھی۔ میں اس کے شیشے بند کرنا بھول گیا تھا۔ کیوں کہ گاڑی میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں گاڑی کو وہاں سے نکال کر موتی نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک۔۔۔ ویران جگہ پر گاڑی کھڑی کر کے ڈیش بورڈ کو کھول کر دیکھا۔ اس میں کوئی شے سفید رومال میں لپٹی رکھی تھی۔ اسے کھولا تو وہ پہلے ایسا ماچس کی سائز کا ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر تھا۔ اس کے ساتھ ہی زرد رنگ کے کاغذ پر ہندسوں کی شکل میں ایک پیغام لکھا تھا۔ میں نے اسے کھمبے کی روشنی میں پڑھا' لکھا تھا۔

"شیواجی ٹریننگ سینٹر میں ایٹمی ہتھیاروں کے لئے یورینیم کی ری پروسیسنگ ہو رہی ہے۔ یہ پاکستان کے لئے خطرناک بات ہے۔ اسے فوری طور پر ختم کرو"۔

میں نے کاغذ کو پرزے پرزے کر کے باہر پھینک دیا۔ ٹرانسمیٹر کو جیب میں چھپا کر رکھا اور گھر واپس آگیا۔ اب میرا ٹارگٹ پونا کا شیواجی نیول ٹریننگ سینٹر تھا۔ یہ کام اس لئے مشکل اور دقت طلب تھا کہ ہمارے محکمے میں سے کسی بھی آدمی کو سکیورٹی کے سلسلے میں وہاں نہیں بھیجا گیا تھا۔ ادھر ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی ہی تعینات تھے۔ وردیوں میں بھی اور سفید کپڑوں میں بھی۔ ایسا اس لئے کیا گیا تھا کہ بقول مسٹر ٹنڈن ہمارے محکمے پر ایٹمی آبدوز کی حفاظت نہ کر سکنے کا دھبہ لگ گیا تھا۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں اس ٹریننگ سینٹر پر اپنی پوسٹنگ کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنا سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اعلیٰ سطح کی میٹنگ میں بھی ٹریننگ سینٹر میں ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کو صیغہ راز میں رکھا گیا تھا۔ بھارتی حکام ایسی پالیسی اختیار کرنے میں حق بجانب تھے۔ خواہ کیسی ہی ٹاپ سیکرٹ میٹنگ کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ ایٹمی ہتھیاروں کا ذکر زبان پر لانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔۔۔ میرے اندازے کے

مطابق اس کا علم بھارتی مرکزی وزارت دفاع میں یا رکھشا منتری یعنی وزیر دفاع کو تھا اور یا پھر مسز اندرا گاندھی اور ان دو ایک سائنس دانوں کو جو ٹریننگ سینٹر کی ایٹمی تجربہ گاہ میں ان مہلک ہتھیاروں پر کام کر رہے تھے۔ ایک بات بالکل واضح تھی کہ یہ ایٹمی ہتھیار پاکستان کے خلاف استعمال کیئے جانے تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ہر قیمت پر بھارت کے اس ناپاک منصوبے کو تکمیل کی منزل تک پہنچنے سے پہلے تباہ کر دیا جائے گا۔ اسی رات اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹا میں اس حکمت عملی پر غور کرتا رہا جو اس سلسلے میں مجھے اختیار کرنی تھی۔ اپنے طور پر میں پونا کے نیول ٹریننگ سینٹر کا دورہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ فرض کر لیا کہ میں دورے پر وہاں چلا بھی جاتا ہوں تو مجھے ایٹمی تجربہ گاہ تک کوئی بھی نہیں جانے دے گا۔ میں نے ابھی تک یہ ٹریننگ سینٹر نہیں دیکھا تھا اس کے بارے میں سنا ضرور تھا کہ وہاں بحریہ کے کیڈٹ تربیت حاصل کرتے ہیں۔

اپنے چھوٹے ٹرانسمیٹر کو میں نے اپنی کوٹھی کے پیچھے لکڑی کے ایک بڑے گملے کے پیچھے چھپا کر رکھ دیا تھا اس کے گرد کپڑا لپیٹ کر میں نے اسے سگریٹ کی خالی ڈبی میں بند کیا ہوا تھا۔ میرا ٹارگٹ پونا کا شیواجی نیول ٹریننگ سینٹر تھا۔ دن رات میرا ذہن اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا کہ وہاں کیسے جاؤں؟ بمبئی شہر میں جو ہمارا ایجنٹ حکیم صاحب کے بھیس میں مقیم تھا۔ اسے کسی وجہ سے وہاں سے ٹرانسفر کر کے مقبوضہ کشمیر کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔ ویسے بھی مجھے بغیر ہدایت کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ کہاں کہاں ہمارے ایجنٹ ہیں۔ میرا مشن بڑا پیچیدہ تھا۔ یہ اکیلے آدمی کا مشن نہیں تھا، مگر صورت حال ایسی تھی کہ مجھے اکیلے ہی اس مشن کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔ آخر میں نے پونا جانے کا فیصلہ کر لیا اور پیش بندی کے طور پر گھر میں بیمار پڑ گیا۔ میں نے یہ ظاہر کیا کہ مجھے چکر آتے ہیں اور بھوک بہت ہی کم لگتی ہے۔ دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی۔ میری بیماری سے میری بہن کرشنا کماری اور سجاتا اور ماتا جی کا پریشان ہونا قدرتی بات تھی۔ دفتر کے لوگ بھی میری خبر لینے آتے رہے۔ ہفتہ گزر جانے پر میں دفتر گیا اور اپنے ایس ڈی ماتھر صاحب سے مل کر اس خیال کا اظہار کیا کہ میں ایک دو مہینے کی چھٹی لے کر کشمیر جانا چاہتا ہوں تاکہ میری کھوئی ہوئی صحت بحال ہو سکے۔ میری چھٹیاں بھی رہتی تھیں۔ مجھے بڑی آسانی سے ایک مہینے کی چھٹی مل گئی۔ ماتا جی میرے ساتھ جانا چاہتی تھیں لیکن ان کو ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک روز میں نے مختصر سا سامان ساتھ لیا اور بذریعہ طیارہ سری نگر کے لئے روانہ ہو گیا۔ سجاتا پریشان تھی۔ بار بار مجھے خط لکھنے اور فون کرنے کی تاکید کر رہی تھی۔ سری نگر پہنچ کر میں نے درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا۔ یہاں سے میرے تباہ کن مشن کا آغاز ہونے والا تھا۔ اپنا چھوٹا ٹرانسمیٹر میں ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔ اسے پیچھے گملے کے نیچے رکھنے کی حماقت میں نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس کی مجھے ضرورت تھی۔ آتے ہی رات کے دس بجے کے بعد، میں نے ہوٹل کے مغل گارڈن میں

ایک ویران جگہ پر جا کر اپنے باس سے رابطہ قائم کیا۔ باس نے کہا اگر تم سری نگر میں آ گئے ہو تو فلاں محلے میں فلاں نام کے آدمی سے جا کر ملو۔ اسے اپنا کوڈ بتاؤ اور اس کا کوڈ پوچھو۔ باس نے مجھے اس کا کوڈ بتا دیا۔

صبح سات بجے میں سری نگر کے اس خاص محلے کی طرف چل دیا۔ میں مصلحتاً اس محلے کا اور اس حریت پسند کشمیری نوجوان کا نام یہاں نہیں لکھ رہا کیونکہ وہ آج بھی اسلام کی سربلندی اور مقبوضہ کشمیر کی غالب مسلمان اکثریت کے حقوق کے لئے وہاں مصروف عمل ہے۔ جس محلے میں مجھے جانے کی ہدایت کی گئی تھی وہ سری نگر کے مضافات میں واقع تھا۔ میں اس خاص آدمی کے مکان پر جا پہنچا۔ پرانا اور بوسیدہ ایک منزلہ مکان تھا۔ لکڑی کا دروازہ ایک طرف کو ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ میں نے دستک دی۔ ایک نوجوان کشمیری لڑکی نے دروازہ کھولا اور کشمیری میں پوچھا کہ مجھے کس سے ملنا ہے۔ میں کشمیری زبان بول نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی سمجھ ضرور لیتا تھا۔ میں نے اردو میں کہا۔ "میں۔۔۔ سے ملنے آیا ہوں"۔

یہاں میں اس حریت پسند کشمیری نوجوان کا فرضی نام امجد لکھے دیتا ہوں۔ حالانکہ اس کا نام کچھ اور ہے۔ کشمیری لڑکی جس نے سر پر کشمیری عورتوں کی طرح رومال باندھ رکھا تھا۔ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد امجد نمودار ہوا۔ گٹھے ہوئے مضبوط جسم کا کشمیری نوجوان تھا۔ گورا چٹا خوبصورت، سر کے سیاہ بال گھنگریالے۔ آنکھوں میں بلا کی چمک۔

میں نے کہا۔ "ذرا باہر آیئے۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے"۔

اس نے ایک متجسسانہ نگاہ مجھ پر ڈالی اور دروازہ بند کر کے میرے ساتھ چل پڑا۔ ایک جگہ درختوں کے نیچے پتھروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں وہاں جا کر رک گیا۔ امجد کی طرف دیکھا اور اپنا کوڈ لفظ دہرایا۔ امجد نے جواب دینے کی بجائے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور اپنے دائیں بائیں بے پروائی سے دیکھا۔ پھر اس نے اپنا کوڈ لفظ بول دیا۔ اس کا کوڈ لفظ وہی تھا جو مجھے باس نے بتایا تھا۔ کشمیر میں یہ بہار کا موسم تھا۔ درختوں پر پھول کھلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کیا سیب کے درخت ہیں امجد صاحب؟"

وہ بھی درختوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہاں جی! یہ سیب کے درخت ہیں"۔

ایسا ہم اس لئے کر رہے تھے کہ اگر کوئی دور سے ہمیں دیکھ رہا ہو تو وہ سمجھے کہ میں سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ امجد میرے ساتھ ساتھ سیب کے درختوں کے نیچے چل رہا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام امرجی بتایا۔ میرے ماتھے پر اس روز بھی ہندوؤں کا تلک لگا تھا۔ امجد نے مجھ سے تلک کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔ ظاہر ہے اسے معلوم تھا کہ میں وہاں جس مشن پر ہوں۔ اس کے لئے میرا بھیس بدل کر رہنا قدرتی بات ہے۔ یہ کشمیری نوجوان امجد سری نگر میں کیا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھا؟ یہ میں نہیں

ملوں گا۔ بہرحال اس کا پیشہ اس قسم کا تھا کہ کسی کو اسے میرے ساتھ دیکھ کر شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ میں ایک اجنبی کے ساتھ کیا باتیں کر رہا ہوں۔ ہم دونوں کچھ دیر مغل گارڈن کی روشوں پر ٹہلتے رہے۔ وہ مجھے مختلف تاریخی بارہ دریاں دکھاتا رہا، پھر ہم ایک الگ تھلگ جگہ پر جا کر گھاس پر لیٹ گئے۔ ہم قریب قریب گھاس پر سیدھے لیٹے تھے۔ میں نے اب اسے اپنے مشن سے آگاہ کیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ مجھے دیا۔ ایک خود سلگایا۔ ایک نگاہ آس پاس ڈالی اور سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "یہ مشن اتنا آسان نہیں ہے"۔

میں پہلو بدل کر کہنی کے بل لیٹ گیا اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اگر آسان ہوتا تو باس مجھے تمہارے پاس آنے کی ہدایت نہ کرتا۔ یہ بتاؤ کہ تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

کشمیری نوجوان احمد خاموشی سے سگریٹ پیتے ہوئے اور درختوں میں بنے ہوئے سنگ مرمر کے چبوترے کو دیکھ رہا تھا۔ اسی طرف نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "تم ایک کمانڈو ہو۔ میں کمانڈو نہیں ہوں، مگر میں نے یہاں آنے والے کئی کمانڈوز کی رہنمائی کی ہے اور آدھا کمانڈو بن گیا ہوں۔ پھر میری طرف نظریں گھما کر بولا۔ "ہمیں وہاں کمانڈو اٹیک کرنا ہو گا۔ اس میں ہمارے بچنے کا صرف ایک فی صد امکان ہے۔ جب کہ نیول سینٹر کی تباہی کا سو فیصد امکان ہے"۔

میں اس خوب صورت خد و خال والے کشمیری نوجوان کا منہ تکنے لگا۔ اس کے چہرے سے پاکستان اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہزار بار اپنی جان قربان کر دینے کا آہنی عزم جھلک رہا تھا۔ اس کے اس عزم نے مجھے بے پناہ طاقت دی۔ میرے اندر کا کمانڈو بیدار ہو گیا اور میرے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکنے لگیں۔ میں نے کہا۔ "شیواجی نیول سینٹر بہت وسیع ہے۔ کیا ہم دو کمانڈو اس کو تباہ کر سکیں گے"

احمد نے گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔ "اگر منصوبہ بندی صحیح اور جذبہ سچا ہو تو ایک کمانڈو ہی کافی ہے"۔

میں احمد کے بلند عزائم سے بے حد متاثر ہوا۔ مجھے ایک ایسے ہی ساتھی کی ضرورت تھی۔

میں نے اس سے منصوبہ بندی کے بارے میں استفسار کیا تو وہ اٹھ کر اپنے کپڑوں کو جھاڑتے ہوئے بولا۔ "میں دوپہر کے وقت تمہارے ہوٹل میں آؤں گا۔ میرا پیشہ ایسا ہے کہ مجھے تمہارے پاس آتا دیکھ کر کسی کو شبہ نہیں ہو گا۔ آؤ اب چلیں"۔

دوپہر کو میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں بے چینی سے احمد کا انتظار کر رہا تھا۔ دن کا ڈیڑھ بج رہا تھا کہ احمد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ گائیڈ بکس تھیں۔ ہمارے باس کی طرف سے احمد کو بھی خصوصی ہدایات مل چکی تھیں۔ اس نے مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور گائیڈ بک میرے آگے کھول کر رکھ دیں۔ ان کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ بولا۔ "ہمیں آج شام کی فلائٹ سے بمبئی جانا ہو گا۔ ہم الگ الگ نشستوں پر بیٹھ کر جائیں گے میں نے شام کی فلائٹ سے مختلف ناموں سے دو نشستیں

ریزرو کروا لی ہیں ۔ سری نگر ائرپورٹ پر ہم ایک دوسرے کو بالکل نہیں پہچانیں گے ۔ بس میں تمہیں یہی کہنے آیا تھا ۔ فلائٹ کا ٹائم چھ بج کر پندرہ منٹ ہے ۔ یہ تمہارا ٹکٹ ہے "۔

اس نے جیب سے ہوائی جہاز کا ٹکٹ نکال کر مجھے دیا ۔ پمفلٹ نما کتابیں اٹھائیں اور نمسکار کر کے کمرے سے نکل گیا ۔ بڑا بااعتماد اور تجربہ کار نوجوان تھا ۔ فوراً ہی امجد واپس آگیا اور بولا ۔ " ٹرانسمیٹر مجھے دے دو ۔ بمبئی میں ہمیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی ۔ یہاں ہوٹل والوں کو یہی کہنا کہ تم گلمرگ سیر و تفریح کے لئے جا رہے ہو "۔

میں نے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اس کے حوالے کر دیا ۔ امجد چلا گیا ۔ مجھے محسوس ہوا کہ بمبئی میں امجد کا اپنے کسی خاص ایجنٹ سے ربطہ قائم ہو چکا ہے ۔ مجھے تیاری کچھ نہیں کرنی تھی ۔ شام کو میں نے نیا سوٹ پہنا ۔ اپنا بریف کیس ساتھ لے لیا ۔ چند ایک کپڑے اور چپل وہیں رہنے دی ۔ تالا لگایا اور چابی ہوٹل کے مینیجر کے حوالے کرتے ہوئے اسے بتایا کہ میں کچھ دنوں کے لئے بغرض سیر و تفریح دوستوں کے ساتھ گلمرگ جا رہا ہوں ۔ میں نے ہوٹل سے نکلتے ہی ایک ٹیکسی پکڑی اور ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جب میں بورڈنگ کارڈ ہاتھ میں تھامے طیارے کی سیڑھی کی طرف جا رہا تھا تو میں نے امجد کو دیکھا ۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک بریف کیس تھا ۔ وہ زرد رنگ کے سمر سوٹ میں ملبوس تھا ۔ اس نے میری طرف سرسری طور پر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ۔ طیارے میں اس کی نشست مجھ سے کافی فاصلے پر تھی ۔ ٹھیک وقت پر طیارہ فضا میں بلند ہو کر بمبئی کی طرف محو سفر ہو گیا ۔ بمبئی پہنچے تو رات ہو چکی تھی ۔ شہر بمبئی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا ۔ میں امجد کو نگاہ میں رکھے ہوئے تھا مگر ارائیول لاؤنج میں وہ کہیں غائب ہو گیا ۔ میں خاموش رہا ۔ چپ چاپ لاؤنج سے نکل کر باہر ٹیکسی اسٹینڈ پر آیا تو کسی نے ٹیکسی میں سے آواز دی ۔ " اگر آپ کو مونگا کی طرف جانا ہے تو میرے ساتھ آ جائیے ۔ آدھا کرایہ آپ دے دیں ۔ آدھا میں دے دوں گا "۔

میں دل میں مسکرا دیا ۔ جلدی سے بولا ۔ " تھینک یو ۔ مجھے مونگا ہی سے لوکل ٹرین پکڑنی ہے "۔

میں دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر امجد کے ساتھ بیٹھ گیا ۔ ٹیکسی مونگا کی طرف روانہ ہو گئی ۔ راستے میں امجد نے مجھ سے کوئی بات نہ کی ۔ بمبئی کی رات بڑی روشن اور جگمگا رہی تھی ۔ آسمان بادلوں میں گھرا ہوا تھا ۔ میں نے کہا ۔ " یہاں برسات بہت ہوتی ہے "۔

امجد نے آہستہ سے " ہوں " کہا اور آنکھیں بند کر کے سر پیچھے لگا دیا ۔ میں نے بھی اس کے بعد کوئی بات نہ کی ۔ ٹیکسی ڈرائیور سکھ تھا ۔ ٹیکسی بمبئی شہر کی روشنی سے بھرپور آبادی میں داخل ہو گئی ۔ مونگا ریلوے اسٹیشن کے باہر ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی ۔ امجد نے جیب سے بٹوہ نکالا اور بولا ۔ " لائیے مہاراج ! اپنے حصے کے بیس روپے دے دیں ۔ میں نے چالیس روپے میں ٹیکسی کی تھی "۔

میں نے اپنے حصے کے بیس روپے لوا کر دیئے۔ امجد کا شکریہ لوا کرنے کے لئے پرنام کیا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف چلا۔ ریلوے اسٹیشن پر کافی رش تھا۔ لوگ ریلوے ٹرین پکڑنے کے لئے گیٹ کی طرف چلے جا رہے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر بالکل نہ دیکھا۔ ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ " پیچھے سے امجد کی آواز آئی۔ " ہمیں یہاں سے وکٹوریہ پکڑ کر بھنڈی بازار جانا ہو گا۔ اب ہم دونوں آپس میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ آؤ میرے ساتھ "۔

اسٹیشن سے باہر نکلے تو بونداباندی شروع ہو گئی تھی۔ وکٹوریہ میں بیٹھے اور بھنڈی بازار آ گئے راستے میں امجد نے مجھے بتایا کہ یہاں ہمارا اپنا آدمی ہے۔ وہ ہمارے کھانے واتیک کا سارا انتظام کرے گا۔ اس کی مدد کے بغیر ہم اپنے مشن کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ بھنڈی بازار بمبئی کا ایک گنجان آباد علاقہ ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہاں جو ہمارا ایجنٹ تھا میں اس کا نام اور پتہ یہاں بالکل نہیں لکھوں گا۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ اس کا نام جمشید تھا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ بازار میں ایک دکان کرتا تھا۔ بالکل بمبئی والا بن چکا تھا۔ ویسی ہی زبان بولتا تھا۔ پان ہر وقت منہ میں رکھتا تھا۔ اس نے مجھ سے مل کر کسی قسم کی گرم جوشی کا اظہار نہ کیا۔ بس ایسے ہی ملا جیسے میں بھی کوئی کاروباری آدمی ہوں۔ ہمیں ساتھ ایک گودام میں لے گیا جو دکان سے تھوڑے فاصلے پر ایک گلی میں تھا۔ یہاں اس نے پہلی بار میری طرف غور سے دیکھا اور بولا۔ " تم جس حلیئے میں دلی سے چلے تھے اس حلیئے میں تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ تم چاہتے ہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ کسی مشکل میں پھنس جاؤں؟" اس کا لہجہ تلخ تھا۔ " تم مجھے بالکل اناڑی لگتے ہو"۔ پھر امجد کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹ پلائی۔ " تمہیں بھی اس کا خیال نہیں آیا۔ رات تم دونوں کو اس گودام میں رہنا ہو گا۔ وہ سامنے ایک کوٹھڑی ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ میں ایک گھنٹے بعد آؤں گا۔ تم لوگوں نے کھانا کھایا؟" امجد نے بتایا کہ کھانا ہم نے جہاز میں ہی کھا لیا تھا۔

وہ " ہوں" کہہ کر گودام سے نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے باہر سے اس نے تالا لگا دیا۔

امجد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ " واقعی مجھ سے بھول ہو گئی۔ تمہیں سری نگر میں ہی اپنا حلیہ تبدیل کر دینا چاہئے تھا۔ اس کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ یہ ہلوا بے حد قیمتی آدمی ہے۔ پاکستان اور اسلام کے لئے ہر وقت جان ہتھیلی پر رکھتا ہے۔ آؤ کوٹھڑی میں چل کر ذرا کمر سیدھی کرتے ہیں"۔

کوٹھڑی کی فضا گھٹی گھٹی تھی۔ صرف ایک روشندان تھا جو شاید دوسری گلی میں کھلتا تھا۔ ایک کمزور سا بلب چھت سے لٹک رہا تھا جس کی روشنی بلب سے بھی زیادہ کمزور تھی۔ مچھر بہت زیادہ تھے۔ ہم نے سگریٹ سلگا لئے جس کے دھوئیں کی وجہ سے مچھر تھوڑی دیر کے لئے فرار ہو گئے۔ ایک گھنٹہ بڑی مشکل سے گزرا۔ ہمارا آدمی یعنی جمشید ٹھیک ایک گھنٹے بعد آیا۔ ہم زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ جمشید کے ہاتھ میں ایک کھاتے کا رجسٹر تھا۔ آتے ہی اس نے رجسٹر کھول کر اس میں سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ اسے کھولتے ہوئے بولا۔

"مجھے تمہارے آنے کی اطلاع کل صبح ہی مل گئی تھی۔ میں نے تمہارے ٹارگٹ کے لئے ضروری نقشہ تیار کر لیا تھا"۔

اس نے کاغذ چٹائی پر درمیان میں بچھا دیا اس پر آڑی ترچھی لکیریں لگی تھیں اور کہیں کہیں انگریزی کے حروف بھی لکھے ہوئے تھے۔ یہ نقشہ پونا کے شیواجی نیول ٹریننگ سینٹر کا تھا۔ اس نقشے سے ہمیں اپنے ٹارگٹ کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئی۔ جمشید نے نقشے کو وہیں پھاڑ کر اس کے ٹکڑے ماچس سلگا کر جلا ڈالے اور بولا۔ "باقی تفصیلات تمہیں پونا میں مل جائیں گی۔ تمہیں کل دن کے دس بجے والی گاڑی پکڑنا ہو گی۔ پونا ریلوے اسٹیشن سے تم سیدھے کالیکر مندر جاؤ گے۔ وہاں مندر کے باہر املی کے درخت تلے تمہیں ایک جٹا دھاری سادھو ملے گا۔ تم اسے وہ کوڈ لفظ بتاؤ گے جو میں تمہیں ابھی بتاؤں گا۔ اس کے بعد وہی تمہاری رہنمائی کرے گا۔ میں صبح نو بجے آؤں گا۔ تم تیار رہنا"۔

یہ کہہ کر اس نے کھاتہ رجسٹر بغل میں دبایا اور کچھ کہے سنے بغیر نکل گیا۔ باہر سے اس نے گودام مقفل کر دیا تھا۔ باقی رات ہمیں اسی کال کوٹھری میں ہی گزارنی تھی۔ رات ایک بجے تک ہم اپنے مشن اور پونا والے اپنے ساتھی کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ ہمیں ابھی تک کوئی اندازہ نہیں تھا کہ پونے والا ایجنٹ ہمارے طوفانی کمانڈو اٹیک کے سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکے گا؟ وہیں مچھروں سے جنگ کرتے کرتے آخر ہمیں نیند آ گئی اور ہم سو گئے۔ صبح اس وقت آنکھ کھلی جب جمشید ہمیں جگا رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک گٹھری لایا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ہم دونوں کے سر مونڈ ڈالے۔ میری مونچھیں تھیں۔ وہ بھی صفاچٹ کر دیں۔ امجد کے خوب صورت بال بھی صاف کر دیئے۔ گودام کے کونے میں ہی غسل خانہ تھا۔ وہاں ہم نے باری باری غسل کیا۔ جمشید نے خاص طور پر میری ٹھوڑی پر فرنچ طرز کی ایک اصلی بالوں کی بنی ہوئی داڑھی کو گلیو کے ذریعے ایسے پکی طرح سے چپکا دیا کہ میرے کھینچنے پر بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ کہنے لگا۔ "اسے زیادہ زور سے کھینچو گے تو یہ اترے گی نہیں مگر تمہیں تکلیف ہو گی۔۔ تمہارا حلیہ تبدیل کرنے کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ تم دلی میں سرکاری عہدے پر فائز ہو۔ اب جلدی سے تم دونوں یہ کپڑے پہن لو"۔

کپڑے کیا تھے؟ وہ پرانے سے پاجامے اور کھدر کے کرتے اور مختلف رنگوں کی ٹھنڈی صدریاں تھیں۔ ایسا لباس سوراشٹر اور مہاراشٹر میں عام پہنا جاتا ہے۔ جمشید نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم مراٹھی زبان روانی سے بول لیتے ہو۔ امجد صرف اردو کشمیری، پنجابی اور انگریزی ہی جانتا ہے۔ اسے زیادہ بولنے کا موقع مت دینا"۔

اس کے بعد اس نے امجد کو بھی ہدایت کی کہ وہ ہندی میں ہی بات کرے۔ ہمارے اپنے کپڑے اس نے وہیں گٹھڑی میں لپیٹ کر رکھ لئے۔ ہمارے پاس انڈین کرنسی میں کوئی تین چار سو کے

قریب روپے تھے۔ وہ اس نے ہمارے پاس ہی رہنے دیئے کہنے لگا۔ "تمہارے شناختی کارڈ پونا میں تمہیں مل جائیں گے"۔

میں نے کچھ پوچھنا چاہا تو جمشید نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "زیادہ سوال کرنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اب جو کچھ پوچھنا ہے پونا والے سے پوچھنا"۔ پھر گھڑی دیکھ کر بولا۔ "پونا ایکسپریس بوری بندر ریلوے اسٹیشن سے چلے گی۔ ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے مگر تم نکل جاؤ۔ میں یہیں بیٹھوں گا۔ امجد! تم راستہ جانتے ہو۔ آگے آگے رہنا"۔

ہم نے کھدر کی ٹوپیاں پہن لی تھیں۔ میری ٹوپی کا رنگ سلیٹی اور امجد کی ٹوپ کا رنگ سفید تھا۔ ہم بالکل مہاراشٹر کے باشندے بن کر ہاتھوں میں پٹ سن کے تھیلے پکڑے گودام سے نکل کر گلی میں آگئے۔ ٹوپ کے نیچے میرا سر منڈا ہوا تھا۔ ٹھوڑی پر چھوٹی سی داڑھی تھی۔ اس حلیئے میں مجھے اتنی آسانی سے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ ہماری پیشانیوں پر تین لکیروں والا وشنو کا نشان لگا تھا۔

بھنڈی بازار سے ہم ٹیکسی میں بیٹھے اور بوری بندر ریلوے اسٹیشن پر آگئے۔ پونا کے لئے تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ خریدے۔ پلیٹ فارم پر آئے تو ٹرین سامنے کھڑی تھی۔ یہ پونا ایکسپریس تھی۔ ہم بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک ڈبے میں چڑھ کر چپ چاپ بیٹھ گئے۔ ہم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح بیڑیاں سلگالیں اور خاموشی سے پینے لگے۔ میں نے مراٹھی زبان میں امجد سے ایک بات کی۔ امجد نے یوں ہی ہوں کہہ کر سر ہلا دیا۔ میں دوسرے مسافروں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی مرہٹہ ہوں۔

پونا تک ہم اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہے۔ امجد بھی اس شہر سے واقف تھا۔ میں نے تو اس علاقے کی کافی سیاحت کی ہوئی تھی۔ مجھے ایک ہی فکر لگی تھی کہ پونا ریلوے اسٹیشن پر کوئی سی آئی ڈی والا مجھے پہچان نہ لے' لیکن پھر خیال آتا کہ اس حلیئے میں اتنی دور سے سی آئی ڈی والے مجھے مشکل ہی سے پہچان سکیں گے۔ ٹرین پونا جنکشن پر آکر رکی تو ہم بھی مسافروں کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آگئے۔ ہم نے ایک رکشہ لیا اور اسے کالیکر مندر کی طرف چلنے کو کہا۔ کالیکر مندر شہر کے مغربی علاقے میں وہاں سے چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر مضافات میں واقع تھا۔ بادل یہاں بھی گھرے تھے۔ البتہ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ سڑکیں گیلی تھیں۔ مندر کے دائیں جانب املی کا گھنا درخت تھا۔ ہمیں اس کے نیچے ایک جٹادھاری سادھو بیٹھا چلم پیتا نظر آیا۔ جمشید نے ہمیں اپنا کوڈ ورڈ بتا دیا تھا۔ امجد اور میں دونوں اس سادھو کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں پہلے سے دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ جب وہ اٹھ کر چلی گئیں تو میں نے ہاتھ جوڑ کر سادھو کو نمسکار کیا۔ اور آہستہ سے جمشید کا بتایا ہوا کوڈ ورڈ دہرایا۔ جٹادھاری سادھو نے چلم اپنے ہونٹوں سے ہٹا کر الگ رکھ دی۔ اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ہماری طرف سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور بولا۔ "مندر کے پیچھے تاڑ کے درختوں میں ایک چھوٹی سی سڑک جاتی

ہے۔ اس پر چلتے جانا۔ آگے ایک پلیا آئے گی۔ پلیا سے اتر کر بائیں جانب کھیتوں میں ہو جانا۔ جہاں کھیت ختم ہوں گے وہاں درختوں کے نیچے ایک کوٹھری ملے گی۔۔۔ اس کوٹھری کے باہر زمین پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ رام نام کا جاپ کرتے رہنا۔ میں تمہیں تھوڑی دیر بعد وہیں ملوں گا"۔

ہم نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور مندر کے عقب میں آکر پام کے درختوں والی سڑک پر چلنے لگے۔ آگے پلیا آئی تو بائیں جانب کھیتوں میں ہو گئے۔ کھیت جہاں ختم ہوئے وہاں ایک چھوٹی سی کھلی جگہ میں درختوں کے نیچے کھپریل کی چھت والی بوسیدہ جھونپڑی بنی ہوئی تھی جس کے باہر پانی کا ایک گھڑا پڑا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ بند تھا۔ سامنے چھوٹا سا چبوترہ تھا جس پر لوہے کی سلاخ پر لگا سرخ رنگ کا جھنڈا ہوا میں لہرا رہا تھا۔ میں اور امجد چبوترے کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے اور رام نام کا جاپ کرنے لگے۔ وہاں ہمارے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے امجد سے کہا۔ "یہ آدمی مجھے ہمارے مشن کے حساب سے ایسا نہیں لگتا کہ ہمارے کمانڈو اٹیک میں مددگار ثابت ہو"۔

امجد نے آہستہ سے کہا۔ "تم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے خاموشی سے بیٹھے ہو"۔

ہمیں وہاں آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ سامنے سے وہی جٹا دھاری سادھو جو ہمارا ساتھی ایجنٹ تھا ہاتھ میں ترشول پکڑے پگڈنڈی پر آتا دکھائی دیا۔ وہ آتے ہی چبوترے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا اور کہنے لگا۔ "اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ رات کو جب اندھیرا ہو جائے تو اسی جگہ پر آ جانا۔ تمہیں کیا کرنا ہے؟ مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے"۔

میں اپنی تسلی کے لئے کچھ سوال کرنا چاہتا تھا یہ جو کچھ ہو رہا ہے مجھے بچوں کا کھیل لگ رہا تھا۔ مجھے اس حقیقت کا پورا احساس تھا کہ میں کمانڈو اٹیک کا جو مشن لے کر یہاں آیا ہوں وہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس میرا کشمیری ساتھی امجد بالکل مطمئن تھا۔ وہ اٹھنے لگا تو میں نے سادھو ایجنٹ سے سوال کیا۔ "آپ لوگ ہمیں کس قسم کی سہولتیں مہیا کر سکیں گے؟ میں اس بارے میں۔
جٹا دھاری سادھو ایجنٹ کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی ہو۔ میری بات کو سختی سے کاٹ کر غصیلی آواز میں بولا۔ "تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟ تمہیں کس جاہل نے یہاں بھیج دیا ہے؟"
امجد نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ "یہاں سے چلو عامر! چلو"۔

وہ مجھے قریباً گھسیٹتا ہوا کھیتوں کی طرف لے گیا۔ راستے میں اس نے مجھے سختی سے ہدایت کی آئندہ کبھی ایسا سوال مت پوچھوں۔ میں چپکا ہو رہا۔ لیکن دل میں ایک مایوسی اور بے دلی کی کیفیت چھانے لگی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ یہ سادھو قسم کا آدمی ہمارے لئے کچھ نہ کر سکے گا اور ممکن ہے مجھے اکیلے ہی اس خطرناک اور جان لیوا مہم کو سر کرنے کے لئے نکلنا پڑے جس میں میری جان کا چلے جانا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ امجد مجھے لے کر وہاں سے قریب ہی ایک تھرڈ کلاس قسم کے ہوٹل میں

آیا جہاں بیٹھ کر ہم نے چائے پی' پھر ایک پارک میں درخت کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرنے رہے۔ دوپہر کو اسی ہوٹل میں جا کر چاول اور دال کھائی' چائے پی اور پارک میں جا کر ایک طرف گھاس پر لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی درختوں کے نیچے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ وہاں لیٹنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ اسی لئے امجد مجھے وہاں لے آیا تھا۔ ہمارے اوپر املی کے درخت کا سایہ تھا۔ اس درخت کی شاخوں اور ہری بھری نوکیلی جھالردار پتیوں کو دیکھ کر مجھے مہاراشٹر' تامل ناڈو اور آندھرا پردیش کے وہ تاریک جنگل یاد آ گئے ... جہاں سدھا رنگھی کے ساتھ میں نے کبھی فراموش نہ ہونے والے یادگار مگر انتہائی خطرناک دن گزارے تھے۔ مجھے سدھا رنگھی بے اختیار یاد آ گئی۔ کس قدر قیامت خیز عورت تھی وہ براؤن رنگ' کیسری آنکھیں اور گلے میں لٹکتا ہوا سیاہ کالا سانپ۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پرانے دنوں کے رنگین اور آتش ناک سائے میری بند آنکھوں میں لہرانے لگے اور میری بند آنکھیں جلنے لگیں۔ میں نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگا لی اور اس کے کش لگاتے ہوئے سدھا رنگھی کی آتش ناک یادوں میں کھو گیا۔ رات بے آرامی سے گزاری تھی۔ مجھے نیند آنے لگی۔ امجد نے مجھے اونگھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "تم سو جاؤ تھوڑی دیر کے لئے عامر۔ میں جاگ رہا ہوں" جانے کیوں میں اپنے مشن سے کچھ ناامید سا ہو گیا تھا۔ میں وہیں گھاس پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا' پھر کوئی مجھے شانے سے جھنجوڑ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ امجد میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ "اٹھو شام ہو رہی ہے"۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دیکھا کہ واقعی سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور پارک میں شام کی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہم پارک سے اٹھ کر اسی بوسیدہ ہوٹل میں آ گئے۔ چائے پی۔ بیڑیاں سلگا کر وہیں بینچ پر بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ میں مراٹھی میں باتیں کر رہا تھا اور امجد ہوں ہاں کر رہا تھا۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ ہمارے قریب ہی دو آدمی بیٹھے اس زبان میں باتیں کر رہے تھے' پھر ہم ہوٹل سے اٹھے اور پارک سے گزرتے ہوئے ریلوے لائن کو عبور کرنے کے بعد ایک ویران سی جگہ پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ہم وقت گزار رہے تھے۔ ہمیں رات کے اندھیرے کا انتظار تھا جو مغربی افق سے اتر کر پونا شہر کی عمارتوں کی بتیاں روشن کرتا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ بادل اسی طرح آسمان پر چھائے ہوئے تھے جب ہمارے اردگرد گہرا اندھیرا چھا گیا تو امجد نے آہستہ سے کہا۔ "اب بیڑی مت سلگانا۔ آؤ اپنے آدمی کے جھونپڑے کی طرف چلتے ہیں"۔

میں نے کہا۔ "امجد مجھے اس شخص سے کچھ زیادہ توقع نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے طور پر کوشش کریں"۔

امجد نے اندھیرے میں میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم میرے ساتھ چلو تو سہی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

جٹادھاری سادھو یعنی اپنے ایجنٹ کے جھونپڑے کے باہر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ میں جھونپڑے کی طرف جانے والا تھا کہ احمد نے وہیں چبوترے کے قریب بٹھا لیا اور آہستہ سے بولا۔" اس نے ہمیں یہیں بیٹھنے کو کہا تھا۔ اسی جگہ خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں "۔

میں اپنے دل پر جبر کر کے بیٹھ گیا۔ میری داڑھی کی وجہ سے ٹھوڑی کی جلد کھنچ سی گئی تھی اور ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک سایہ سا ہمارے قریب سے گزر گیا اور آواز آئی " میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ "۔

یہ ہمارے جٹادھاری سادھو ایجنٹ کی آواز تھی۔ وہ آگے آگے اندھیرے میں جا رہا تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ہمارے درمیان بمشکل سات قدموں کا فاصلہ ہو گا۔ کشمیری مجاہد احمد میرے آگے چل رہا تھا۔ جٹادھاری سادھو ہمیں وہاں سے لے کر ایک ڈھلان اترنے لگا۔ سامنے اونچا نیچا سنسان اندھیرا میدان تھا۔ اس میدان میں آگے جا کر اینٹ پتھروں کی ڈھیریاں جگہ جگہ بکھری پڑی تھیں۔ ان ڈھیریوں سے گزرے تو ایک اونچی دیوار کے کھنڈر دیکھے جن کے قریب ہی ایک ٹرک کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص ہمیں کہاں لئے جا رہا ہے۔ وہ ہم سے کوئی بات بھی نہیں کر رہا تھا۔ آخر وہ ہمیں لے کر ٹیلے کے نشیب میں آدھے گرے ہوئے ایسے دروازے کے پاس آ گیا جس کی چوکھٹ شہتیروں کی بنی ہوئی تھی اور ایک جانب کا شہتیر نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ دروازے کے اندر اندھیرا تھا۔ جٹادھاری سادھو ایجنٹ وہاں رک گیا۔ جب ہم پتھروں کے درمیان سے گزرتے اس کے پاس آئے تو اس نے ہمیں اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اندھیرے میں داخل ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ یہ کسی زمانے میں کوئی کان تھی جس میں سے تانبہ نکلا کرتا تھا۔ ایک مدت سے یہ کان ویران پڑی تھی اور ادھر کبھی کوئی نہیں آیا تھا۔ شاید کان میں سے جتنا تانبہ نکل سکتا تھا نکالا جا چکا تھا۔ ہم پتھروں میں کھدی ہوئی مصنوعی سرنگ میں سے گزر رہے تھے جہاں فضا میں حبس تھا۔ سادھو ایجنٹ نے جیب سے موم بتی نکال کر روشن کی تو میں نے دیکھا کہ کان کی دیواروں میں بڑے بڑے شگاف پڑے تھے۔ اس مصنوعی سرنگ کے اندر ایک اور چھوٹی سرنگ تھی جس میں چار سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ اس دوسری سرنگ میں ایک جگہ پتھروں کو ہٹا کر لکڑی کے کٹے ہوئے آدھے دل کو جوڑ کر ایک کیبن سا بنا دیا گیا تھا۔ جب کان چالو حالت میں تھی تو یہاں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے ضروری سامان رکھا جاتا تھا۔ اس کیبن میں ہمارے سادھو ایجنٹ نے اپنا خفیہ ٹھکانا بنا رکھا تھا۔

ہم اس کیبن میں بیٹھ گئے۔ یہاں خدا جانے کس طرف سے تازہ ہوا آ رہی تھی۔ ہمارے ایجنٹ نے ہمیں یہاں بیٹھ کر ہمارے کمانڈو ایکشن کے ٹارگٹ شیواجی ٹریننگ سینٹر کے بارے میں ایک تفصیل ذہن نشین کرائی۔ اس نے بتایا کہ یہ بڑی تربیت گاہ بے شمار بیرکوں پر مشتمل ہے۔

ان بیرکوں کو پہاڑی ڈھلانوں پر واقع گنجان درختوں کے جنگل نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اس جنگل میں کئی ایک برساتی ندیاں ہیں۔ ٹریننگ سینٹر کی بیرکیں یو شکل کی ہیں۔ ان کے سامنے ایک پریڈ گراؤنڈ ہے۔ گراؤنڈ کی ایک جانب فلیگ پوسٹ ہے جہاں بھارت کا ترنگا اور بحریہ کا اپنا جھنڈا لہراتا رہتا ہے۔ اس تربیتی گاہ میں سینکڑوں بھارتی کیڈٹ زیر تربیت ہیں۔ فلیگ پوسٹ کے عقب میں ایک بلاک کی شکل میں ایڈمنسٹریشن آفس ہیں۔ اس ونگ سے ہٹ کر ایک شفاف جھیل بنی ہوئی ہے جو بہت وسیع اور گہری ہے۔ پہاڑی آبشاروں کا پانی اس جھیل میں گرتا ہے اور جنوب کی طرف جھیل میں سے نکل کر بانسوں کے جنگل میں ایک ندی کی شکل میں بہتا رہتا ہے۔ ہر بلاک اور ونگ میں لاؤڈ اسپیکرز نصب ہیں جن پر سینٹرل کنٹرول روم سے احکامات سنائے جاتے ہیں۔ ہمارے ایجنٹ نے گمبھیر آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق یورینیم کی پروسیسنگ کا کام ایڈمنسٹریشن بلاک کے ونگ کے نیچے ایک خفیہ تہ خانے میں ہو رہا ہے۔ یہاں کسی غیر آدمی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ٹریننگ سینٹر کا کوئی جوان یا ایڈمنسٹریشن آفس کا کوئی اہل کار بھی اس جگہ نہیں جا سکتا۔ چند ایک سائنس دان ہی یہاں مکمل رازداری سے کام کرتے ہیں۔ صبح کے وقت وہ عام لباس میں ایڈمنسٹریشن بلاک کی ایک خفیہ لفٹ سے اس تہ خانے والی لیبارٹری میں اتر جاتے ہیں اور شام کو پھر عام کپڑوں میں وہاں سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں ان کے کوارٹر بھی اسی ٹریننگ سینٹر کے ایک ونگ میں ہی بنے ہوئے ہیں۔ انہیں ٹریننگ سینٹر سے زیادہ دیر باہر رہنے کی۔۔۔ بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ بھارت کے اعلیٰ ترین سائنس دان ہیں جو اس کام کو قومی فریضہ سمجھ کر کر رہے ہیں۔ انہیں بھاری تنخواہ دی جاتی ہے۔ اتنی سہولتیں ملتی ہیں کہ شاید بھارت کے صدر کو بھی نہ ملتی ہوں گی، پھر بھی انڈین انٹیلی جینس کے دو آدمی ایک ایک سائنس دان کی ہر وقت نگرانی کرتے رہتے ہیں کہ کوئی انہیں اغواء نہ کرے یا انہیں کسی قسم کی سازش میں نہ الجھا لے۔"

ہم خاموشی سے اپنے سادھو ایجنٹ کی گفتگو سن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اس تہ خانے میں کسی اجنبی کا داخل ہونا ناممکن ہے۔ یہاں سکیورٹی اس قدر سخت ہے کہ داخل ہونے سے پہلے سائنس دانوں کا پورا ایکس رے لیا جاتا ہے۔ ایک سال کی بھرپور اور زبردست کوشش کے بعد ہمیں صرف اتنی ہی خبر ہو سکی ہے کہ تہ خانے میں ایٹمی تجربہ گاہ ہے اور یورینیم پروسیسنگ کا کام ہو رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہاں ایٹمی ہتھیاروں پر کام ہو رہا ہو۔"

اب میں نے زبان کھولی اور پوچھا۔ "اگر تہ خانے میں یورینیم پروسیسنگ کا کام ہو رہا ہے تو پھر پانی کی بھاری مقدار استعمال ہوتی ہو گی۔ کیا آپ ہمیں اتنا بتا سکتے ہیں کہ اس پانی کے نکاس کا کیا انتظام ہے؟"

ہمارے ایجنٹ نے اپنی لمبی داڑھی کے بالوں کو سلجھاتے ہوئے کہا۔ "پانی ایک بہت بڑے

پائپ کے ذریعے تہ خانے میں لایا جاتا ہے اور ایک ویسے ہی بڑے پائپ کے ذریعے ٹریننگ سینٹر کے جو مصنوعی جھیل بنی ہے اس میں ڈال دیا جاتا ہے "۔

میں نے پوچھا کہ کیا یہ پائپ جھیل کے کنارے باہر بنا ہوا ہے ؟ جس کے جواب میں اس نے بتایا کہ یہ پائپ جھیل کے اندر ہی اتار دیا گیا ہے جس میں سے پانی اندر ہی اندر پائپ سے نکل کر جھیل میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب میں نے اسے اور امجد کو اپنا کمانڈو اٹیک پلان سمجھانا شروع کیا۔ یہ پلان اسی وقت میرے ذہن میں آیا تھا اور مجھے میرے وسیع تجربے نے بتا دیا تھا کہ خفیہ ایٹمی تجربہ گاہ میں داخل ہونے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ ہمارے لئے نہیں ہے۔ میرے پلان کو سن کر جٹادھاری ایجنٹ کا منہ تکنے لگا۔ امجد خاموش تھا۔ اس نے ذہنی طور پر میرے طوفانی اور بے حد خطرناک پلان کو قبول کر لیا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر ایک گہرا سکون تھا۔ جٹادھاری ایجنٹ نے اپنی داڑھی کے بالوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔ "اس آپریشن میں تمہارے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہے "۔

میں نے کہا۔ "ہم جان بیچ کر وطن عزیز کی سلامتی کا سودا کرنے یہاں آئے ہیں۔ برادر عزیز۔ ہم زندہ واپس آنے کی امید لے کر نہیں جائیں گے لیکن واپس ضرور آئیں گے "۔

جٹادھاری ایجنٹ نے ایک طویل سانس بھرا اور بولا۔ "میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے ؟"

میں نے وہ تمام چیزیں اسے اچھی طرح سے زبانی یاد کرا دیں جن کی ہمیں اس کمانڈو اٹیک میں اشد ضرورت تھی۔

وہ بولا۔ "یہ ساری چیزیں یہاں جمع کرنے میں دو دن ضرور لگ جائیں گے۔ اتنی دیر تمہیں اس جگہ رہنا ہو گا۔ دن میں صرف ایک بار صبح صبح تم کلن سے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل سکتے ہو۔ وہ بھی باری باری۔ اس کے باوجود تمہیں چوکس رہنا ہو گا۔ یہ میں تمہاری سیفٹی اور تحفظ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میں کل صبح تمہارے لئے کھانے کے لئے روٹی اور اچار لے آؤں گا۔ پانی یہاں کونے والے مٹی کے ڈرم میں بھرا ہوا ہے۔ یہ میں روز شام کو آکر بھر جایا کرتا ہوں۔ اب میں جاتا ہوں۔ کل صبح آؤں گا"۔

وہ چلا گیا۔ میں اور امجد اپنے پلان پر غور و فکر کرنے لگے۔ میں نے اسے اپنی حکمت عملی کی تمام جزئیات سمجھا دی تھیں۔ وہ میرے ساتھ اس خطرناک ترین مشن میں کود پڑنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ ہمارا مشن اس قدر انتہائی جرأت آموز اور ہلاکت خیز تھا کہ اس میں کود پڑنے والی ہی بات تھی۔ یا ہم نہیں یا سامنے والا نہیں۔ اس مشن میں یہ بات ناممکن تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک تباہ و برباد نہ ہو۔ رات گزر گئی۔ صبح ہم باری باری کلن سے باہر نکل کر تھوڑی دیر تازہ ہوا میں رہے۔ اور پھر واپس آکر سرنگ کے کیبن میں بیٹھ گئے۔ ہمیں کیبن میں واپس آئے آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ ہمارا

لن بیر کر جنگل، ہماری ایجنٹ آگیا۔ اس کے کاندھے سے ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ اس میں سے اس نے ہمیں روٹیاں اور اچار نکال کر دیا۔ ہم نے مزے سے کھایا اور بیڑیاں سلگا کر پینے لگے۔ اب ایجنٹ نے ہمیں یہ افسوس ب خبر سنائی کہ وہ ہمارے لئے اضافی طاقت ور بموں کا انتظام نہیں کر سکے گا۔ اس کے وسائل محدود ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ یہاں آس پاس بحریہ کا کوئی ایمونیشن ڈپو بلاک کی ہے؟

اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "پونا چھاؤنی کو جو سڑک جاتی ہے اس کی نکڑ پر بائیں جانب بہت وسیع میں سے اسپیکر مین دوز ڈمپ ہیں جہاں چوبیس گھنٹے پہرہ لگا رہتا ہے۔ یہاں زمین کے اندر لمبے لمبے تہ خانے ہیں جہاں اسلحہ کی بھاری مقدار رکھی گئی ہے۔ یقیناً اس جگہ اس قسم کے بم بھی ہوں گے مگر وہاں جائے گا کون؟"

میں نے کہا۔ "وہاں میں جاؤں گا۔ تم مجھے صرف ایک بار اس علاقے میں کسی طرح چکر لگوادو۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"

اس کی وجہ یہ تھی کہ میں خود پنسل بم نہیں بنا سکتا تھا اور تجربے نے یہ بات ثابت کردی تھی کہ یہ تباہی پھیلانے میں ان بموں کی کوئی مثال نہیں تھی اور یہ جدید ترین بم تھے جن کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ بحریہ کے فوجی اسلحہ ڈپو میں ضرور موجود ہوں گے۔

وہ بولا۔ "میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ تمہیں میری طرح ایک ملنگ سادھو کا روپ دھارنا ہوگا۔ مگر میں ایمونیشن ڈپو کے گیٹ کے آگے ہی سے تمہیں گزار سکوں گا۔"

میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ دوپہر کے بعد میں اپنے جنگلو ہماری ایجنٹ کے ساتھ کان کی سرنگ سے اس حالت میں باہر نکلا کہ میرے سر پر لمبے الجھے ہوئے بالوں والی وگ لگی تھی۔ چہرے پر لمبی مصنوعی داڑھی تھی۔ جسم پر سیندور ملا ہوا تھا اور کمر کے گرد سوائے ایک لنگوٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ ہم دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک بانس تھا جس میں گھنگرو بندھے تھے وہ مجھے مختصر راستوں سے گزارتا پونا چھاؤنی کی طرف لے گیا۔ ہم ایک نالے کی چڑھائی چڑھ کر باہر سڑک پر نکلے تو سامنے کانٹے دار تار کی دیوار جا رہی تھی۔ ایجنٹ نے بتایا کہ یہ ایمونیشن ڈمپ والی گراؤنڈ کی دیوار ہے۔ میں نے دیکھا کہ گراؤنڈ میں ایک جانب بڑی لمبی اونچی ٹیلہ نما قبریں سی بنی ہوئی تھیں۔ یہی اسلحہ کے زمین دوز گودام تھے۔ علاقہ خالی خالی تھا۔ کچھ فاصلے پر نالے کے اوپر ہمیں دور سے ایک فوجی پہرہ دیتا دکھائی دیا۔ ایجنٹ نے مجھے اشارہ کیا اور ہم نے بانس کے گھنگرو بجاتے ہوئے رقص کرنا شروع کردیا۔ ہم رقص بھی کر رہے تھے اور سیتا رام 'سیتا رام' کا ورد کرتے آگے بھی بڑھ رہے تھے۔ ہم اسی طرح مجذوبانہ رقص کرتے مرہٹہ فوجی کے آگے سے گزر گئے۔ خاردار تار بائیں طرف مڑ گئی تھی۔ ہم بھی اسی طرف گھوم گئے۔

ایجنٹ نے سرگوشی کی۔ آگے ایمونیشن ڈمپ کا دروازہ ہے۔

ہم رقص کرتے ہوئے خاردار تار کی دیوار کے گیٹ پر آ گئے۔ یہاں دو فوجی اسٹین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے پوری عیاری اور چوکسی سے جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اس خاردار گیٹ سے اندر کی جانب بہت بڑی قبر کے دامن میں ایک لوہے کا دروازہ لگا تھا جو بند تھا۔ یہ اسلحہ کے زمین دوز گودام کا دروازہ تھا۔ وہاں بھی دو فوجی پہرے پر کھڑے تھے۔ وہ ہمیں رقص کرتے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

ہم نے تھوڑی دیر خاردار تاروں والے گیٹ کے آگے دھمال ڈالی اور پھر آگے چل دیئے۔ گراؤنڈ آنکھوں سے اوجھل ہوئی تو ہم نے رقص کرنا بند کر دیا۔ ایجنٹ مجھے مختصر ترین راستوں میں سے گزارتا ہوا واپس کلن کے اندر کیبن میں لے آیا۔ یہاں امجد موجود تھا۔ ایجنٹ نے مجھ سے میری رائے پوچھی۔ میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ براہ راست ایمونیشن ڈمپ میں داخل ہونا کمانڈو اٹیک سے بھی ناممکن ہے۔ میرا اصل مشن ٹریننگ سینٹر کی اینٹی تجربہ گاہ کو تباہ کرنا تھا۔ اگر میں اپنی ساری طاقت پسٹل یا ٹائم بموں کے حاصل کرنے میں خرچ کر دیتا ہوں اور زخمی ہو جاتا ہوں یا پکڑا جاتا ہوں جس کا امکان بہت تھا تو میرا مشن ادھورا رہ جاتا جسے میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کام مجھے اکیلے ہی سرانجام دینا تھا۔ میں نے دوسرے راستے سے گراؤنڈ میں داخل ہو کر گودام تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایجنٹ خاموش رہا۔ امجد نے میرے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے کہا۔ "تمہیں دوسرے مشن پر میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ یہ کام میں اکیلا ہی کروں گا"۔

میں نے ایجنٹ سے کہا کہ مجھے ایک خنجر یا کمانی دار چاقو کی ضرورت ہے جس کا پھل وار کرتے وقت پیچھے کو جھک نہ جائے۔ وہ بولا۔ "میں شام کو لے آؤں گا"۔

میں اسی رات فوجی اسلحہ کے گودام پر اٹیک کرنا چاہتا تھا کیوں کہ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ میں ایک ماہ کی چھٹیاں لے کر دلی سے کشمیر آیا تھا۔ مجھے ایک ماہ کے اندر اندر اپنا مشن مکمل کر کے واپس کشمیر اور وہاں سے دلی پہنچنا تھا۔ شام کو ایجنٹ نے مجھے ایک چاقو لا کر دے دیا جو میری منشا کے عین مطابق تھا۔ کمانڈوز اسی قسم کا چاقو استعمال کیا کرتے تھے۔ میں نے اپنے ایجنٹ سے کچھ اور چیزیں بھی منگوائی تھیں جن کی مجھے اس سائیڈ مشن کے لئے ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے کالے رنگ کی تنگ پتلون اور بنیان پہنی۔ اپنی گردن، چہرے اور بازوؤں پر سیاہی ملی۔ پاؤں میں کالے رنگ کے ربڑ کے جوتے پہنے، کمر میں چمڑے کا ایک تھیلا باندھا۔ چاقو پتلون کی کھٹی جیب میں رکھا اور رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ سارا کام میں اللہ کے بھروسے پر کر رہا تھا۔ دل میں دشمن کا پیٹ چیر کر اندر اتر جانے کا جذبہ موجزن تھا۔ میں ایک تجربہ کار سیماب صفت کمانڈو بھی تھا جو اندھیری رات میں دشمن پر غالب آنا جانتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ایک عام سپاہی خواہ کتنا ہی تربیت یافتہ کیوں نہ ہو وہ ایک کمانڈو کی تباہ کن ٹریننگ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر میرے اندر اسلام کے شیر دل مجاہدوں

کی روح جیسے حلول کر گئی تھی اور یہ سوچ کر میرے جسم کا ریشہ ریشہ پھڑکنے لگتا تھا کہ میں یہ سب کچھ پاکستان اور اسلام کی سلامتی اور سربلندی کے لئے کر رہا ہوں ۔ ٹھیک بارہ بجے رات' میں اکیلا ہی کلن کے جھکے ہوئے دروازے سے نکل کر نشیبی ڈھلانوں کو پار کرتا ہوا چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ انتہائی مختصر راستے سے گزرتے ہوئے اندھیرے' ویران علاقے کو پار کرنے کے بعد میں نالے میں گر گیا۔ نالے کی چڑھائی چڑھ کر دوسرے کنارے پر آیا تو سامنے ایمونیشن ڈمپ کی خاردار دیوار تھی ۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ دائیں بائیں دیکھا کوئی ساٹھ قدم کے فاصلے پر خاردار تار کے کھمبے کے اوپر ایک بلب روشن تھا' جس کی روشنی مجھ تک آتے آتے بہت کمزور ہو گئی تھی ۔ بائیں جانب سے مجھے فوجی بوٹوں کی آواز سنائی دی ۔ میں جلدی سے نالے کی ڈھلان پر اگی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

سیاہ رات کے سینے میں ان گنت خدشے اور خطرات چھپے ہوئے تھے۔

میں ڈھلان کی ایک خشک کانٹے دار جھاڑی کی اوٹ میں چھپا اس گارڈ کو دیکھ رہا تھا جو ابھی اوپر والی کچی پگڈنڈی سے گزر کر ایمونیشن ڈمپ کے خاردار گیٹ کے قریب بڑا کر رک گیا تھا۔ دوسری جانب سے ایک اور فوجی گارڈ نمودار ہوا۔ دونوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں جو میں نہ سن سکا۔ دوسرا گارڈ واپس میری طرف کو چلنے لگا۔ میں جھاڑی کے پیچھے اور زیادہ سمٹ گیا۔ میرے ہاتھ میں صرف چاقو تھا۔ وہ مجھ سے دس قدم کے فاصلے پر آکر رک گیا۔ اونچی خاردار باڑ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ باڑ کے اوپر دور کونے میں جو بلب روشن تھا اس کی روشنی یہاں تک بہت کم آ رہی تھی۔ یہ کیا کر رہا ہے؟ میرے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اسے میری موجودگی کا علم ہو گیا ہو۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔ اسٹین گن اس کے کندھے پر سلنگ کے ساتھ لٹک رہی تھی اور اس کا سیدھا ہاتھ اسٹین گن کے اوپر تھا۔ وہ ٹہلتا ٹہلتا میرے قریب سے گزرنے لگا۔ میں نے سر نیچے کر کے اپنا سانس روک لیا۔ اب دائیں جانب سے ایک اور فوجی آتا نظر آیا۔ یا اللہ خیر۔ یہ آج اسپیشل گشت کیسے شروع ہو گئی؟ میرا اصل مشن ابھی دور تھا۔ اس ایمونیشن ڈپو سے میں چینل بم چرانے آیا تھا۔ تیسرے گارڈ نے بھی اپنے ساتھی سے کوئی بات کی۔ مجھے اس کی صرف آوازہی سنائی دی۔ اب ان نے نالے کے ساتھ والی خاردار دیوار کے ساتھ باقاعدہ راؤنڈ لگانی شروع کر دی۔ صورت حال تشویش ناک ہو گئی تھی۔

ان حالات میں میرے لئے ایمونیشن ڈپو کے اندر جا کر مطلوبہ اشیاء چرانا آسان کام نہیں رہا تھا۔ پہلے بھی یہ مشکل ترین کام تھا اور ہر قدم پر اس میں جان جانے کا اندیشہ تھا مگر میں جذبہ حب الوطنی کے ساتھ جان ہتھیلی پر رکھ کر نکل آیا تھا۔ میں بالکل ساکت ہو کر جھاڑی کے پیچھے اندھیرے میں زمین کے ساتھ لگا رہا اور ان تینوں فوجیوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔ وہ تینوں راؤنڈ لگا رہے تھے۔ مجھے شک ہوا کہ ہو سکتا ہے کسی نے مخبری کر دی ہو مگر میری مخبری کرنے والا کون ہو سکتا تھا؟ اگر ایسی بات ہوتی تو یہاں فوج کی پوری پلاٹون دھاوا بول دیتی اور میں فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ کیا کروں؟ کیا نہ کروں؟ آخر میں نے

اپنے ایکشن کو اگلی رات کے لئے ملتوی کر دیا اور واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں گارڈ جب آمنے سامنے سے آتے ہوئے میرے قریب سے مخالف سمتوں کو نکل گئے تو موقع دیکھ کر میں نے نشیب میں لیٹے لیٹے اپنا رخ پیچھے کی طرف کر لیا اور کیکڑے کی طرح ڈھلان میں رینگتے ہوئے خشک نالے میں اتر گیا۔ یہاں دس سیکنڈ تک دم سادھے پڑا رہا، پھر ایمونیشن ڈمپ کی طرف نگاہ ڈالی۔ دونوں فوجی گارڈز خاردار دیوار کی نکڑ تک پہنچ کر رک گئے تھے۔ میں گھٹنوں کے بل چلتا نالے کے دوسرے کنارے پر چڑھ گیا اور وہاں اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ لیتا اس اجڑی ہوئی کان والے تہ خانے کی طرف تیز تیز چلنے لگا، جہاں میرے دونوں ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ اندھیری رات خاموش تھی۔ ایمونیشن ڈمپ پیچھے رہ گیا تھا۔ میرے سامنے کان کے اونچے تودے کا خاکہ ستاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں ابھر آیا تھا۔ میں ایک گڑھے کے قریب سے نکلا ہی تھا کہ اچانک روشنی کا ایک زبردست جھماکا ہوا اور میرے سامنے کان کا تودہ روشنی میں نہا گیا۔ ساتھ ہی سیٹیوں کی آواز کے ساتھ فائر کی آواز بلند ہوئی اور تڑاتڑ مشین گن کی گولیوں کے دھماکے گونج اٹھے۔ میں ایک سیکنڈ کے لئے بوکھلا سا گیا۔ میں نے بغیر کچھ جانے بوجھے گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ میرے پاؤں ٹخنوں تک کیچڑ میں دھنس گئے۔ ایک منٹ کے لئے میں وہیں سانس روکے پڑا رہا۔ گولیاں دھڑا دھڑ چل رہی تھیں، پھر فائرنگ رک گئی۔ فوجیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے گڑھے میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ کان کا تودہ مجھ سے اگرچہ دور تھا مگر اس پر سرچ لائٹ کی تیز روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ لائٹ ایک فوجی جیپ میں لگی ہوئی تھی۔ مجھے وہاں چار پانچ جیپیں دکھائی دیں جن میں سے فوجی اتر اتر کر کان کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے لئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا کہ ملٹری پولیس کو کان کے اندر غیر ملکی ایجنٹوں کی موجودگی کی خبر ہو گئی تھی اور فوج نے چھاپہ مارا ہے۔ مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کی فکر لگ گئی۔ میری آنکھیں کان کے اندر جو تنگ سا راستہ جاتا تھا اس پر لگی تھیں۔ یہاں کافی روشنی تھی۔ باہر چھ سات فوجی اسٹین گنیں تانے ایکشن کے لئے تیار کھڑے تھے، پھر میں نے دیکھا کہ غار میں سے میرا ایک ساتھی اس طرح باہر نکلا کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ یہ ہمارا بھنڈی بازار والا ایجنٹ نہیں تھا یہ میرا دوسرا ساتھی تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بھنڈی بازار والا اپنا ایجنٹ یا تو وہاں موجود نہیں تھا یا اندر اسے گولی سے اڑا دیا گیا ہو گا، لیکن فوجی یا پولیس والے جب کسی غیر ملکی ایجنٹ کو پکڑنے کے لئے چھاپہ مارتے ہیں تو اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس کے دوسرے ایجنٹ ساتھیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی جا سکے۔ عین ممکن تھا کہ ہمارا بھنڈی بازار والا ساتھی وہاں سے پہلے ہی جا چکا ہو، مگر دوسرے ساتھی کا پکڑا جانا بھی ہمارے لئے انتہائی ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا تھا۔ میری پوزیشن بے حد خطرات میں گھر چکی تھی۔ اگر ہمارا دوسرا ساتھی جو زندہ تھا ملٹری پولیس کے تشدد سے گھبرا کر منہ کھول دیتا ہے تو میں بھی نہیں بچ سکتا

تھا۔ میری نظریں اپنے نوجوان ساتھی پر جمی تھیں۔ دو فوجی اسٹین گنیں تانے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ میرے دیکھتے دیکھتے بجلی کی چمک کی طرح میرے ساتھی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور اپنی کنپٹی پر رکھ کر فائر کر دیا۔ یہ سب کچھ بمشکل دو سیکنڈ کے اندر ہو گیا۔ گولی چلی۔ دھماکہ ہوا اور دوسرے لمحے میرا ساتھی زمین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ فوجی اس کی طرف دوڑے مگر وہ مر چکا تھا۔

مجھے اپنے ایجنٹ کے خودکشی کرنے سے بہت خوشی ہوئی۔ اس نے وہی کیا تھا جو ایک ذمے دار ایجنٹ کو کرنا چاہئے تھا۔ مگر میں ابھی تک غیر محفوظ تھا۔ ملٹری پولیس علاقے کی چھان بین کرتی' اس گڑھے تک بھی پہنچ سکتی تھی' جس میں میں چھپا ہوا تھا۔ میرا حلیہ یہ تھا کہ سر منڈا ہوا' چہرے پر ایکشن پر جانے والے کمانڈوں کی طرح ہلکی ہلکی سیاہی ملی ہوئی تھی۔ چاقو جیب میں تھا۔ میں نے گہرے سرمئی رنگ کی پتلون اور اسی رنگ کی بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں ربڑ کے نسواری جوتے تھے۔ گلے میں وہ تھیلا لٹک رہا تھا جس میں مجھے ایمونیشن ڈمپ سے پنسل بم نکال کر لانے تھے

فوجیوں میں ایجنٹ کی خودکشی کے بعد افراتفری سی مچ گئی تھی۔ میں تھوڑا سا سر باہر نکالے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب میرا وہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ یہ لوگ کسی بھی وقت ادھر آ سکتے تھے۔ فوجی جیپ میں جو طاقت ور سرچ لائٹ لگی تھی اس کی روشنی کا عکس میرے اردگرد بھی پھیلا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں' میں اگر گڑھے سے نکل کر بھاگتا تو دیکھا جا سکتا تھا۔ فوجیوں نے نوجوان ایجنٹ کی لاش کو گھسیٹ کر جیپ میں ڈالا۔ ایک فوجی افسر پستول ہاتھ میں لئے کچھ آرڈر دینے لگا۔ غار کے اندر گئے ہوئے دوسرے فوجی بھی باہر نکل آئے تھے۔ وہ اندر سے ایک گٹھری ساتھ لائے تھے۔ اس گٹھری میں سوائے میرے دھوتی کرتے اور کھانے پینے کے ٹین کے ڈبوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ہم نے تہہ خانے میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی ہوئی تھی کہ جس سے ہمارا کوئی سراغ لگ سکے۔ جیپ کی سرچ لائٹ بجھا دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہاں اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے میں فوجی جیپیں اسٹارٹ ہوئیں اور میں نے ان کے سایوں کو سامنے والی ٹوٹی پھوٹی سڑک کی طرف جاتے دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں کوئی فوجی نہیں رہے گا' لیکن میں نے ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں دیکھا کہ ایک فوجی جیپ کان کی سرنگ کی ایک جانب ابھی تک کھڑی تھی اور دو فوجی سرنگ کے منہ پر یوں کھڑے ہو گئے تھے جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ خطرہ ابھی تک دور نہیں ہوا تھا' لیکن میرا وہاں رکے رہنا اب کسی حالت میں بھی مناسب نہیں تھا۔ میں آہستہ سے گڑھے سے باہر نکلا اور زمین پر رینگتے ہوئے مخالف سمت کو چل پڑا۔ میرے سامنے ایک اونچا نیچا ویران میدان تھا۔ دور کسی سڑک کی بتیاں جھلملا رہی تھیں۔ زمین پتھریلی شروع ہو گئی۔ میں کوئی سو قدم تک رینگنے کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھوم کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ اب صرف کان کے تودے کا تاریک خاکہ ہی نظر آ رہا تھا۔ میں اٹھا اور تیز تیز چلنے لگا۔

مجھے اپنی منزل کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ رات کافی گزر گئی تھی۔ چاروں طرف سناٹا اور تاریکی چھائی

ہوئی تھی۔ دور شاید کسی کارخانے سے ایسی آواز وقفے وقفے سے آ رہی تھی جیسے وہاں کسی شے کو بھاری ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہو، پھر مجھے ریل کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز کافی فاصلے سے آئی تھی۔ پونا اسٹیشن یہاں سے کافی دور تھا۔ میں ریلوے اسٹیشن کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے مجھے پانی کی ضرورت تھی کہ میں اپنے چہرے پر ملی ہوئی عارضی سیاہی کو صاف کر سکوں۔ یہ سیاہی ایسی ہوتی ہے کہ پانی اور کپڑے کی مدد سے آسانی سے صاف کی جا سکتی ہے۔ وہاں پانی کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اس سڑک کی طرف چلنا شروع کر دیا جس کی روشنیاں دور سے نظر آ رہی تھیں۔ آگے کھیت شروع ہو گئے۔ یہاں مجھے پانی ملنے کی توقع تھی مگر کھیت خشک تھے اور کھیتوں کے ساتھ ساتھ جو نالہ جا رہا تھا وہ بھی سوکھا تھا۔ کھیتوں میں فصل پک کر تیار تھی۔ خدا جانے یہ کس چیز کے کھیت تھے۔ فصل کی آڑ لیتا میں ایک جگہ درختوں میں آیا تو وہاں اندھیرے میں چھوٹے سے تالاب کا پانی چمک رہا تھا۔ جب میں نے یقین کر لیا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے تو تالاب کی سیڑھیاں اتر کر پانی کی سطح کے پاس پتھر کے زینے پر بیٹھ گیا۔ بھارت کے صوبے مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش اور بنگال وغیرہ میں اس قسم کے تالاب گاؤں کے باہر بنے ہوئے ہوتے ہیں جہاں ڈھور ڈنگر پانی پیتے ہیں۔ عورتیں کپڑے دھوتی ہیں اور گھروں میں استعمال کرنے کے لئے بھی پانی یہیں سے بھر کر لے جاتی ہیں۔

میں نے جیب سے رومال نکال کر پانی میں بھگویا اور اسے چہرے پر رگڑنے لگا۔ جب مجھے تسلی ہو گئی کہ چہرے کی سیاہی کافی حد تک دور ہو چکی ہے تو میں نے رومال کو اپنے چمڑے کے تھیلے میں ڈال لیا اور اٹھ کر درختوں کے نیچے آ گیا۔ یہاں تھیلے کو ایک گڑھے میں پھینک کر اوپر گھاس پھونس ڈالی اور آگے چل دیا۔ اس وقت میرا ٹارگٹ شہر کا بھنڈی بازار تھا جہاں پہنچ کر مجھے سب سے پہلے اپنے وہاں کے ایجنٹ ساتھی کی خیر و عافیت دریافت کرنی تھی اور اس سے مل کر کوئی نئی حکمت عملی وضع کرنی تھی۔ اس کی زندگی کے بارے میں بھی پورا یقین نہیں تھا کیونکہ میں اسے اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے تہ خانے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ ممکن تھا اس نے تہ خانے میں خود کو گولی مار لی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی وجہ سے وہاں سے پہلے ہی نکل چکا ہو۔ اس ضمن میں صورت حال واضح نہیں تھی۔ میرا بھنڈی بازار جانا ضروری تھا مگر اس میں بھی بے حد احتیاط کی ضرورت تھی۔ صرف اپنے دوسرے نوجوان ساتھی ایجنٹ کے خودکشی کر لینے سے میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اس نے پستول سے اپنی کھوپڑی اڑا کر میرے راستے کو صاف کر دیا تھا، کیونکہ صرف وہی ایک ایسا گواہ تھا جو ملٹری پولیس کے تشدد سے بوکھلا کر میرے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا تھا۔

میں نے چلتے چلتے اپنی پتلون کی پچھلی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ میری جیب میں کچھ کرنسی نوٹ تھے۔ یہ چھ سات نوٹ تھے۔ اندھیرے میں اس پر لکھے ہوئے ہندی اور انگریزی کے حروف نہ پڑھ سکا سائز ہی سے معلوم کر لیا کہ یہ دس دس روپے کے نوٹ ہیں۔ میں نے انہیں واپس جیب میں ٹھونس

ٹھونس لیا۔ چاقو میری پتلون کی دوسری عقبی پاکٹ میں تھا۔ یہ چاقو میں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔ سڑک کی بتیاں روشن تھیں، سڑک ابھی دور تھی۔ میں ایک کھیت کے کنارے بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ مجھے اس وقت پونا ریلوے اسٹیشن پر جانا چاہئے یا نہیں؟ دن کی روشنی میں ویسے بھی ہم لوگوں کے لئے طرح طرح کے خطرات منڈلاتے رہتے ہیں اور اس لمحے جب کہ ملٹری پولیس نے رات کو چھاپہ مار کر غیر ملکی جاسوس کو برآمد کیا تھا خطرات مزید بڑھ گئے تھے۔ میں کوئی پانچ سات منٹ تک کھیت کی مینڈھ پر اندھیرے میں بیٹھا غور کرتا رہا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے راتوں رات اس شہر سے نکل جانے کی کوشش کرنی چاہئے اور نسبتاً محفوظ طریقہ ریل کا سفر ہی تھا کیونکہ ریل گاڑی میں بسوں اور گاڑیوں کے مقابلے میں زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور کھیتوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ یہ پکی سڑک تھی۔ دور دور یہ بجلی کے کھمبوں پر بلب روشن تھے۔ میں نے اپنا رخ پونا شہر کی طرف کر لیا۔

ایک ٹرک پیچھے سے آ کر نکل گیا۔ میں سڑک سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ کھمبے کی روشنی میں آ کر میں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ میرے ہاتھوں پر ہلکی ہلکی سیاہی ابھی تک باقی تھی۔ آنکھیں ٹیڑھیں کر کے چہرے کو بھی دیکھنے کی کوشش کی۔ چہرے پر بھی مجھے پھیکی پھیکی سیاہی دکھائی دی۔ یوں میں اپنے لباس اور مدھم سیاہی کے دھبوں کی وجہ سے کسی کارخانے کا مزدور لگ رہا تھا۔ یہ بات میرے حق میں اچھی تھی۔ میں کسی کے پوچھنے پر یہ کہہ سکتا تھا کہ کارخانے سے رات کی شفٹ لگا کر واپس آ رہا ہوں۔ آسمان پر ستاروں کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ رات کے دو یا ڈھائی بجے ہوں گے۔ رات کی شفٹ عام طور پر کارخانوں میں چار بجے ختم ہوتی تھی۔ میں چلتا گیا۔ میرا یوں پیدل چلنا ٹھیک نہیں تھا۔ گشت کرتی پولیس مجھ سے پوچھ سکتی تھی کہ میں کس کارخانے میں کام کرتا ہوں۔ مسئلہ پیدا ہو سکتا تھا۔ ضروری محسوس ہوا کہ کسی ٹرک یا گاڑی میں لفٹ لے لی جائے۔ گاڑی ابھی تک کوئی نہیں گزری تھی۔ ایک ٹرک آتا دکھائی دیا، مگر ٹرک رکے بغیر آگے نکل گیا۔ مجھے افسوس بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی۔ میں کسی قسم کے سوال جواب سے بچنا چاہتا تھا۔ ممکن تھا ٹرک میں کوئی پولیس والا ہی بیٹھا ہوا ہوتا۔ انہی خیالات میں الجھا میں سڑک پر شہر کی جانب چلا جا رہا تھا۔ سڑک پر دور مجھے وہی ٹرک کھڑا نظر آیا۔ جو تھوڑی دیر پہلے میرے قریب سے گزرا تھا۔ میں رک گیا۔ مجھے پولیس کے دو سپاہی نظر آ گئے تھے۔ ضرور یہاں کوئی چیک پوسٹ ہے۔ یہ وہی علاقہ تھا جہاں ملٹری پولیس نے غیر ملکی ایجنٹوں کو گرفتار کرنے کے لئے چھاپہ مارا تھا۔ اگرچہ وہاں ملٹری پولیس کا کوئی سپاہی نہیں تھا؛ کیونکہ مہاراشٹر کی پولیس کی مخصوص اونچی دیوار کی پگڑیاں میں نے دور ہی سے دیکھ لی تھیں۔ سول پولیس بھی میرے لئے زبردست پریشانیاں پیدا کر سکتی تھی۔ میں وہیں سے الٹے پاؤں واپس مڑ گیا۔ اب میں سڑک سے اتر کر پیچھے کی طرف چلنے لگا۔ میں اپنے اور پولیس کی چیکنگ پوسٹ کے درمیان کافی فاصلہ ڈال دینا چاہتا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد میں نے سڑک عبور کی اور دوسری طرف جو میدان اور درخت تھے اس جانب

روانہ ہو گیا۔ میں سڑک کی دوسری جانب سے ریلوے اسٹیشن پہنچنا چاہتا تھا۔ دور کسی کوٹھی میں سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ میرا رخ شہر کی جانب تھا' اس کی روشنیاں اب قریب آرہی تھیں۔ میدانوں' کھیتوں اور ایک کھیل کے گراؤنڈ کو پار کرنے کے بعد میں شہر کی ایک پکی اور سنسان سڑک پر آگیا۔ یہاں کافی روشنی تھی۔ سڑک کے پار اونچی اونچی عمارتوں میں روشنیاں گھٹی ہوئی تھیں۔ سڑک پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مرکری لائٹس روشن تھیں۔ مجھے رکشے کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ شہر کی اونچی عمارتوں کی طرف سے ایک رکشہ چلا آرہا تھا۔ اس کی بتی روشن تھی۔ میں نے ہاتھ دیا۔ وہ رک گیا۔ رکشہ خالی تھا میں اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو ریلوے اسٹیشن چلنے کے لئے کہا۔ رکشہ والے نے رکشے کو وہیں سے گھمایا اور خالی سڑکوں پر رکشے کو فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا۔ رکشے کا شور اتنا تھا کہ میں ڈرائیور سے بمبئی جانے والی گاڑی کے بارے میں نہیں پوچھ سکتا تھا۔ رکشہ کئی سڑکوں سے ہوتا ہوا کوئی پندرہ منٹ کے بعد پونا اسٹیشن کی جگمگاتی ہوئی عالی شان عمارت کے پورچ میں جاکر رک گیا۔ اسٹیشن پر وہ رش نہیں تھا جو دن کے وقت دیکھنے میں آتا تھا' پھر بھی کچھ مسافر اسٹیشن سے نکل رہے تھے اور کچھ اندر داخل ہو رہے تھے۔ میں رکشے سے اتر کر سیدھا اس جنگلے کی طرف گیا جہاں ٹکٹ دینے والی کھڑکیاں بنی تھیں۔ یہ شیشے کی کھڑکیاں تھیں۔ اوپر مرہٹی اور انگریزی میں ٹکٹ ونڈوز لکھا تھا۔ وہاں کوئی رش نہیں تھا۔ میں جنگلے کے پاس جاکر رک گیا۔ مجھے ایک کالا بوڑھا آدمی نظر آیا جس نے گلے میں پان' بیڑی کا چھوٹا سا چھابہ لٹکا رکھا تھا۔ میں نے جیب سے کرنسی نوٹ نکال کر گنے۔ یہ واقعی دس دس کے سات نوٹ تھے۔ میں نے پان بیڑی والے بوڑھے سے ایک بنڈل بیڑی کا خریدا۔ میں اپنے آپ کو مل مزدور ہی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بمبئی کی طرف گاڑی کب جاتی ہے۔ اس نے ریزگاری گن کر میرے حوالے کی اور کہا۔ "بابو! بمبئی والی گاڑی تو چلی گئی۔ اب صبح چھ بجے امرلی سے گاڑی آئے گی۔ اس میں بیٹھ کر بمبئی چلے جانا"۔

یہ ایک نیا مسئلہ میرے سامنے آگیا تھا۔ مجھے کم از کم چار گھنٹے ریلوے اسٹیشن پر گزارنے تھے۔ اس دوران میں نے دو سول پولیس کے سپاہیوں اور ایک ملٹری پولیس کے باوردی جوان کو دیکھ لیا تھا جو پلیٹ فارم والے گیٹ کے پاس کھڑے تھے۔ یہ میرے لئے تین بلائیں تھیں۔ میں تھرڈ کلاس والی کھڑکی کے پاس آگیا۔ بمبئی کا تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ لے کر جیب میں ڈالا۔ وہیں کھڑے کھڑے مزدوروں کی طرح بیڑی سلگا کر بجھی ہوئی تیلی کا دوسرا سرا کان میں ڈال کر گھمایا اور بظاہر مزے سے بیڑی کے کش لگاتا مسافر خانے کی طرف چل پڑا۔ مسافر خانے میں عورتیں' بچے اور مرد پڑے سو رہے تھے۔ جو جاگ رہے تھے وہ ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے بیڑی سگریٹ پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں بھی خاموشی سے ایک طرف فرش پر ہی آہنی چھت کے گارڈر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں مسافروں کی ایک ٹولی کی اوٹ میں تھا' مگر ان کے سروں کے اوپر سے کچھ فاصلے پر گیٹ کے باہر

کھڑے سپاہیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے صبح کے چھ بجا ہی دیئے۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ مسافر خانے میں بیٹھے بیٹھے کئی بار اونگھا مگر ہوشیار ہو جاتا' گاڑی میں بڑا رش تھا۔ میں ایسا ہی چاہتا تھا۔ اس رش میں گھس کر بیٹھ گیا۔ ٹرین چلی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ پسنجر ٹرین پونا سے بمبئی پونے دو گھنٹے میں پہنچی۔ میں پہلے ڈبے میں اونگھتا رہا پھر اچھا موقع دیکھ کر سو گیا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب ٹرین بمبئی سینٹرل کے اسٹیشن پر رکی ہوئی تھی اور اکثر مسافر ڈبے سے نکل گئے تھے۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور ٹرین سے نکل کر سیدھا دوسرے درجے کے مسافر خانے میں گھس گیا۔ باتھ روم میں جا کر سب سے پہلے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ میرا چہرہ پوری طرح صاف نہیں ہوا تھا۔ ضرورت سے زیادہ سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے وہیں صابن سے اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر تولئے سے چہرے اور بازوؤں کو صاف کیا۔ پلیٹ فارم پر آ کر چائے کے ساتھ مکھن لگے بن کا ناشتہ کیا۔ بیڑی سلگائی اور ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اسٹیشن پر بہت رونق تھی۔ ان میں پولیس کے آدمی بھی تھے۔ میں بظاہر بے نیازی سے چلتا تھرڈ کلاس کے گیٹ پر ٹکٹ دکھا کر باہر نکل گیا۔ جب تک میں ریلوے اسٹیشن کی عمارت سے نکل کر لیمنگٹن روڈ پر نہیں پہنچا یہی دھڑکا لگا رہا کہ ابھی پیچھے سے آ کر کوئی نہ کوئی مجھے دبوچ لے گا۔

اب مسئلہ اپنے ایجنٹ سے ملنے یا اس کا حال دریافت کرنے کے لئے بھنڈی بازار جانے کا تھا۔ اگر وہ زندہ تھا تو وہی مجھے آگے گائیڈ کر سکتا تھا اور اگر مر چکا تھا تو پھر مجھے وہیں سے واپس سری نگر روانہ ہو جانا تھا۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ میرا بریف کیس جس میں میرا دلی ہیڈ کوارٹر کا شناختی کارڈ اور دوسرے ضروری مگر بے ضرر کاغذات اور ڈائری وغیرہ رکھی تھی' وہ بھی اس بھنڈی بازار والے ایجنٹ کے پاس ہی تھی۔ اس میں میرے چھ سو کے قریب روپے بھی تھے۔ یہ میرا سری نگر جانے کے لئے ہوائی جہاز کا کرایہ تھا۔ مجھے بار بار اپنے ساتھی ایجنٹ' خوبصورت کشمیری نوجوان کا خیال آ رہا تھا جو پاکستان کی حرمت پر قربان ہو گیا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا اور ملٹری پولیس اس سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو نہ صرف یہ کہ مجھے بھی خودکشی کرنی پڑتی بلکہ وطن عزیز کے استحکام کی خاطر جو اہم راز مجھے معلوم کرنے تھے اس کا مشن بھی وقتی طور پر کھٹائی میں پڑ جاتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ سری نگر پہنچ کر بہادر کشمیری نوجوان کے گھر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں اس کے گھر والوں کو اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ یہی سوچتے میں لیمنگٹن روڈ پر مزدا سینما کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ میں نے پیدل فٹ پاتھ پر کافی فاصلہ طے کر لیا تھا۔ بمبئی میں صبح کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ سڑکوں پر دن نکلتے ہی رش ہو گیا تھا۔ میرا بھنڈی بازار اپنے ایجنٹ کی دکان پر جانا بہت ضروری تھا۔ اس میں خطرہ بھی تھا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ مخبری کس نے کی تھی؟ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ملٹری پولیس نے پہلے اپنے بھنڈی بازار والے ایجنٹ کی دکان پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کیا ہو اور اس کے بعد اسی کے بتانے پر

کان کی سرنگ میں بلہ بولا ہو۔ ایسی صورت میں یقینی بات تھی کہ بھنڈی بازار میں اپنے ایجنٹ کی دکان کے باہر سی آئی ڈی کے آدمی سفید کپڑوں میں چھپ کر نگرانی کر رہے ہوں گے۔ ان تمام خدشات کو ذہن میں رکھ کر میں رکشے میں سوار ہوا۔ بھنڈی بازار کے ناکے پر اتر پڑا۔ پولیس یا ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی میری شکل سے واقف نہیں تھے۔ ہاں اگر انٹیلی جینس والوں نے اپنے ادھیڑ عمر ایجنٹ کو پکڑ رکھا ہے تو وہ میری نشان دہی کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں بے حد محتاط ہو کر بھنڈی بازار میں داخل ہو گیا۔ بازار کی اکثر دکانیں بند تھیں۔ صرف ہوٹل، ریستوران، سبزی، بیکری یا بار والوں کی دکانیں ہی کھلی تھیں۔ بمبئی میں چائے کی دکانوں یا چھوٹے چھوٹے چائے خانوں کو بار کہتے ہیں اور جو لڑکے دکانوں پر چائے کے گلاس لے کر جاتے ہیں انہیں بار والا کہا جاتا ہے۔ کپڑے اور اناج اور دوسری مصنوعات کی تھوک اور پرچون دکانیں ابھی تک بند تھیں۔ ایک گلی کی نکڑ پر ریڑھی والا ناریل کا پانی بیچ رہا تھا۔ میں وہاں رک کر پانی پینے لگا۔ میری نظریں وہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر اپنے ایجنٹ کی دکان پر تھیں جو بند تھی۔ ممکن ہے وہ بھی دکان دیر سے کھولتا ہو۔ دکان کے بازو میں وہ گلی جاتی تھی جس میں ہمارے ایجنٹ کا وہ چھوٹا سا گودام تھا جہاں میں نے ایک رات بسر کی تھی اور جہاں میرا بریف کیس اور ٹھنڈی قمیض پتلون اور چمڑے کے جوتے پڑے تھے۔ میں نے بازار کا چاروں طرف غور سے جائزہ لیا۔ بظاہر مجھے وہاں کوئی ایسا آدمی دکھائی نہ دیا جس پر شک ہو سکتا تھا۔ کہ یہ انٹیلی جینس کا آدمی ہے۔ انٹیلی جینس کے آدمی کو میری آنکھیں نوے فیصد کامیابی سے پہچان لیتی تھیں۔ جس طرح ہمارا ان کی نگاہوں سے چھپنا مشکل تھا۔ اسی طرح وہ بھی ہم سے نہیں چھپ سکتے تھے، پھر بھی مجھ سے غلطی ہو سکتی تھی۔ میں گلی میں جانے سے پہلے اپنی پوری تسلی کر لینا چاہتا تھا۔ میں بڑے آرام آرام سے پانی پی رہا تھا۔

جب میرے دل نے مجھے یقین دلایا کہ وہاں کوئی مشکوک آدمی نہیں ہے اور مجھے اللہ کا نام لے کر آگے بڑھنا چاہئے تو میں نے ریڑھی والے کو پیسے دیئے۔ بیڑی سلگائی اور مزے مزے سے کش لگاتا سڑک پر چل پڑا۔ رخ ایجنٹ کی دکان کی طرف تھا جو سڑک کی دوسری جانب تھی۔ اس دکان کے سامنے پہنچ کر میں نے جان بوجھ کر سلگتی ہوئی بیڑی نیچے گرادی۔ اسے اٹھانے کے لئے رکا۔ جھک کر بیڑی کو سڑک پر سے اٹھایا۔ اسے پھونک ماری اور پھر سر کو جھٹک کر اسے دوبارہ سڑک پر پھینک دیا۔ اتنے عرصے میں میں نے گلی کو دیکھ لیا تھا کہ وہ بالکل خالی ہے۔ یہ گلی ایجنٹ کی دکان کے بازو میں تھی اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ اس گلی میں کاروباری لوگوں کے چار چھ گودام ہی تھے جن پر تالا پڑا تھا۔ ایجنٹ کی دکان بند تھی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سڑک پار کی اور گلی میں داخل ہو گیا۔ اپنے ایجنٹ کے گودام پر بھی تالا پڑا تھا۔ ایسے محسوس ہوا جیسے پاؤں بوجھل ہو گئے ہوں۔ مجھے یہاں سے واپس جانا تھا۔ ممکن ہے باہر انٹیلی جینس کے لوگ جیبوں میں پستول

چھاپے میرا انتظار کر رہے ہوں اور سڑک پر آتے ہی دبوچ لیا جاؤں۔ میں اپنے ایجنٹ کے گودام سے پاس جانے کی بجائے سامنے والے گودام کے بند دروازے پر آکر رک گیا۔ تالے کو غور سے دیکھا۔ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اپنے ایجنٹ کے نہیں بلکہ کسی دوسرے سیٹھ کے گودام کو دیکھنے آیا ہوں' پھر پلٹ کر گلی کے سرے پر نظر ڈالی۔ گلی بالکل خالی تھی۔ بازار میں لوگ آجا رہے تھے۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ چاقو عقبی پاکٹ سے نکال کر پہلو والی جیب میں رکھ لیا۔ میں صرف ایک ایجنٹ ہی نہیں تھا۔ کمانڈو بھی تھا اور کمانڈو دشمن کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو مار کر مرتا ہے' کمانڈو کو زیر کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مجھے بازار کی جانب سے ایک آدمی منہ سر سفید چادر میں لپیٹے گلی میں داخل ہوتا نظر آیا۔ میں نے اپنا منہ دوسرے مقفل گودام کی طرف کرلیا اور جب وہ آدمی میرے پیچھے آن پہنچا تو پلٹ کر پوچھا "سیٹھ کا گودام کب کھلے گا؟"

اب میں نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔ وہ ہمارا ادھیڑ عمر ایجنٹ تھا جس نے مجھے اور میرے شہید کشمیری ساتھی کو شیواجی ٹریننگ سینٹر والے مشن کی طرف پونا روانہ کیا تھا۔ اس نے گودام کا تالا کھولتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ابھی ادھر نہیں آنا چاہئے تھا' جلدی سے اندر آجاؤ"۔

میں اس کے ساتھ ہی گودام میں داخل ہوگیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور چادر چہرے سے اتار کر کندھے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ "حالات خراب ہوگئے ہیں۔ مخبر پونا میں تھا جس نے مخبری کی اور چھاپہ ڈلوایا۔ میں حیران ہوں کہ تم کیسے بچ گئے؟ تم اس وقت کہاں تھے؟"

میں نے اپنے ایجنٹ کو شروع سے آخر تک مختصر الفاظ میں ساری کہانی بیان کردی اور مجھے کوٹھری میں لے گیا جہاں میرا بریف کیس اور کپڑے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ انہیں محفوظ جگہ پہنچا دیا گیا ہے' پھر کہنے لگا۔ "ہمارا پونا والا آدمی وہیں سرنگ میں گولی لگنے سے مر گیا تھا اور تمہارے کشمیری ساتھی نے بڑی عقلمندی اور بروقت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے خودکشی کرلی۔ میں اسے سلام کرتا ہوں۔ اگرچہ میرا پونا والے آدمی سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں تھا۔ ہم ایک دوسرے سے یہاں کبھی نہیں ملے تھے پھر بھی خطرہ ہے کہ میری دکان کی نگرانی نہ کی جارہی ہو۔ اب تم یہاں آگئے ہو تو یہاں سے ابھی باہر مت نکلنا۔ تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

میں نے اسے بتایا کہ اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بظاہر مجھے کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا۔

وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میں لوہے کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس نے آنکھیں میرے چہرے پر جمادیں اور بولا۔ "یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہوگا۔ میں تمہیں اس بارے میں گائیڈ نہیں کرسکتا۔ تمہیں پیچھے اپنے باس سے رابطہ قائم کرنا ہوگا"۔

اس نے بالکل صحیح مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے وائرلیس سیٹ کی سہولت مل سکتی ہے، جس پر اس نے کہا۔ ”میں تمہیں ایسی کوئی سہولت مہیا نہیں کر سکتا بلکہ میں چاہوں گا کہ تم جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہاری موجودگی میرے لئے بھی خطرے کا باعث بن سکتی ہے“۔

میں واپس سری نگر ہی جا سکتا تھا۔ میں نے اس سے اپنا بریف کیس اور کپڑے مانگے۔ گودام کے کونے میں بڑا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ اس نے مجھے ایک خالی کھوکھے میں سے میرا بریف کیس اور پتلون وغیرہ نکال کر دے دی۔ میں نے وہیں اپنا لباس تبدیل کیا۔ مدھم بلب کی روشنی میں بریف کیس میں سے چار سو روپے نکال کر اسے دیئے اور کہا کہ مجھے بمبئی سے سری نگر تک کا ہوائی جہاز کا ایک ٹکٹ منگوا دے۔ پیسے لے کر اس نے جیب میں رکھ لئے اور مجھے کوٹھری میں خاموشی سے پڑے رہنے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔ کوئی تین گھنٹے بعد واپس آیا تو اس نے مجھے ہوائی جہاز کا ٹکٹ دیا اور کہا کہ فلائٹ ایک بج کر پندرہ منٹ پر جائے گی۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ کپڑے وغیرہ پہن کر میں بالکل تیار ہو گیا تھا۔ وہ باہر گلی میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا۔ ”اب تم نکل سکتے ہو“۔

میں نے بریف کیس اٹھایا اور خاموشی سے گودام سے نکل کر گلی میں سے گزرتا باہر بازار میں آگیا۔ وہاں سے رکشہ پکڑا اور دو تین بازاروں میں سے گزرنے کے بعد رکشہ چھوڑ دیا، پھر ایک ٹیکسی پکڑی اور اس سے کہا کہ جتنی تیزی سے چل سکتے ہو ایئرپورٹ چلو۔ میں تمہیں سو روپے دوں گا۔

ٹیکسی والے نے بیس منٹ میں مجھے ایئرپورٹ پر پہنچا دیا۔ بریف کیس کی رسمی چیکنگ کے بعد میں لاؤنج میں آکر بیٹھ گیا۔ اب میں بڑا عمدہ سگریٹ پی رہا تھا۔ نگاہیں مسلسل ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ خطرے کی ایسی کوئی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ ٹھیک وقت پر جہاز سانتا کروز کے ایئرپورٹ سے پرواز کر گیا۔ کھانا جہاز میں ہی کھایا۔ سری نگر پہنچا تو بادل چھا رہے تھے۔ ہوائی اڈے سے سیدھا اپنے ہوٹل آگیا۔ منیجر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”گلمرگ کی سیر! کیسی رہی؟“

میں نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔ ”بس زکام ہو گیا ہے۔ وہاں بہت ٹھنڈ تھی“۔

اس نے مجھے دو خط دیئے۔ ”آپ کی ڈاک آئی تھی سر!“

دونوں خط میری منگیتر سجاتا کے تھے۔ اس نے پہلے تو سخت گلہ کیا تھا کہ میری طرف سے اسے کوئی خط نہیں لکھا گیا۔ فون بھی میں نے نہیں کیا اور پھر لکھا تھا کہ ماتا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں واپس آجاؤں۔

اب میرا سری نگر میں کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ اسی روز مجھے شام کی فلائیٹ میں جگہ مل گئی۔ رات ہو چکی تھی جب دلی پہنچا۔ اپنے موتی نگر والے چھوٹے سے بنگلہ نما مکان میں پہنچا تو نوکرانی نے بتایا کہ ماتا جی کو دل کا دورہ پڑا تھا وہ اسپتال میں ہیں۔ میں نے بظاہر پریشانی کا اظہار کیا اور گاڑی نکال کر

سیدھا اسپتال جا پہنچا۔ وہاں سجاتا ' کرشنا کماری ' سجاتا کے ماتا پتا ' کرشنا کماری کا جوہری خاوند ' کرشنا کماری کی ساس اور سسر بھی موجود تھے۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ بوڑھی عورت مرنے والی ہے۔ میں نے ایسی اداکاری شروع کردی جو مجھے اس وقت کرنی چاہئے تھی۔ ماتا جی پر دو روز پہلے دل کا شدید دورہ پڑا تھا اور وہ تب سے بے ہوش پڑی تھی۔ اسی رات ماتا جی پرلوک سدھار گئیں۔ میں ان کی لاش سے لپٹ کر روتا رہا۔ میں جھوٹے آنسو بہا رہا تھا۔ اداکاری کر رہا تھا۔ جب کہ میری ماتا کی بیٹی یعنی میری بہن کرشنا کماری سچے آنسو بہا رہی تھی۔ بمبئی سے میرے چچا درگا پرشاد بھی آگئے۔ پچھلے سال سے وہ اپنا کاروبار ناگ پور لے گئے تھے۔ کریا کرم پر عجیب عجیب رسمیں ادا کی گئیں۔ انتم سنسکار کا وقت آیا تو میرا سر ایک بار پھر مونڈ دیا گیا۔ ماتا جی کی لاش چتا پر پڑی تھی۔ ان کا سارا جسم گھی میں تر لکڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ مجھے چتا کو آگ دکھانے کے لئے کہا گیا۔ میں نے چتا کو آگ لگاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ "عظیم خاتون! اگر مرنے کے بعد تجھے میرے راز کا پتہ چل گیا ہے اور تو میری اصلی حیثیت کو پہچان گئی ہے تو مجھے معاف کر دینا ' لیکن میں نے تجھے کوئی دکھ نہیں دیا۔ تیرے مرے ہوئے بیٹے کو پھر سے زندہ کر کے تجھے بیٹے کا پیار دیا ہے۔ مجھے تسلی ہے کہ تو اگر میرا راز جان گئی ہے تو کسی کو بتا نہیں سکے گی۔ تو جہاں بھی رہے خوش رہے"۔

چتا کی لکڑیاں گھی میں چپڑی ہوئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چتا سے شعلے بلند ہونے لگے۔ تین دن تک رسومات ادا ہوتی رہیں۔ میرے دفتر کے سبھی لوگ ماتا جی کا افسوس کرنے میرے گھر پر آئے۔ تیسرے یعنی سوم کی رسم کے بعد میں نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ ان تین دنوں میں مجھے اتنا وقت ہی نہ مل سکا کہ میں کسی ترکیب سے اپنے باس سے پاکستان میں رابطہ قائم کر سکتا۔ جب سب رشتے دار چلے گئے تو میں اپنی کوٹھی میں اکیلا رہ گیا۔ میں نے آزادی کا سانس لیا۔ اب اگر مجھے کہیں سے وائرلیس سیٹ مل جاتا تو میں بڑی بے فکری کے ساتھ اپنے باس سے بات چیت کر سکتا تھا۔ میں نے وائرلیس سیٹ کے حصول کے لئے خفیہ طور پر تگ ودو شروع کر دی۔ یہ کام بڑا نازک تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی سے مجھے بھیانک صورت حال سے دوچار کر سکتی تھی۔ دلی میں اپنا سفارت خانہ اس سلسلے میں میری بڑی مدد کر سکتا تھا مگر مجھے اپنے سفارت خانے کا رخ کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا تھا۔ اسی جستجو میں ایک روز میں نئی دلی کناٹ پیلس کی ایک ریڈیو کی بہت بڑی دکان میں گیا تو وہاں ایک وائرلیس سیٹ پڑا دیکھ کر چونکا۔ پہلے میں ریڈیو اور ٹی وی سیٹ دیکھتا رہا ' پھر دکاندار سے پوچھا کہ آپ وائرلیس سیٹ بھی فروخت کرتے ہیں۔ اس پر دکاندار نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں مہاشے جی! یہ تو محکمہ موسمیات والوں کا ہے۔ مرمت کے لئے آیا ہے"۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اسکیم بیدار ہو گئی۔ دکان بہت عالی شان تھی۔ لاکھوں کا سامان پڑا تھا۔ سیلز مین چل پھر کر گاہکوں کو ٹی وی سیٹ وغیرہ دکھا رہے تھے۔ دکاندار بھاری بھر کم ادھیڑ عمر لالہ

تھا۔ شکل سے کم ہمتی ٹپکتی تھی۔ بہت جلد میرے قابو میں آسکتا تھا۔ اس وقت کاؤنٹر پر ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ فون کرنے لگا۔ میں نے سگریٹ سلگالیا۔ میں بہترین سوٹ میں تھا۔ جب دکاندار فون کر چکا تو میں نے پوچھا۔ ”آپ کا نام کیا ہے مہاشے جی۔ اگروال تو آپ ضرور ہوں گے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیونکہ آپ کی دکان کا نام ہی اگروال الیکٹرانکس ہے“۔

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”میرا نام کرپچند اگروال ہے۔ جدی پشتی دلی کے رہنے والے ہیں“۔

میں نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ”اگروال جی! میرا تعلق سینٹرل انٹیلی جینس سے ہے“۔

وہ ایک دم گھبرا گیا۔ میں نے فوراً اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”گھبرایئے نہیں مہاشے جی۔ بھگوان نہ کرے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہمارے دفتر کا ایک وائرلیس سیٹ عرصے سے خراب پڑا ہے۔ ہم ہیڈ کوارٹر کو چٹھیاں لکھ لکھ کر تنگ آگئے ہیں۔ ابھی تک نیا وائرلیس سیٹ ہمیں نہیں دیا گیا۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے دفتروں کی کارروائیاں کیسے چلتی ہیں۔ اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنے دفتر کے فنڈ میں سے ایک نیا وائرلیس سیٹ خرید لیتے ہیں کیونکہ ایک سیٹ سے ہمارا کام نہیں چل رہا۔ بس آپ ہمیں کوئی نیا یا پرانا وائرلیس سیٹ لے دیں۔ ہم آپ کو منہ مانگے دام دلوادیں گے۔ کیا خیال ہے؟“

دکاندار مزید گھبرا گیا۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ وائرلیس سیٹوں کا تو وہ بالکل کاروبار نہیں کرتا۔ ”یہ جی پہلی بار ایک وائرلیس سیٹ مرمت کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی سرکاری ہے جناب“۔

اب میں نے اندھیرے میں ایک تیر چلا دیا کہ شاید نشانے پر جا لگے۔ میں نے ہندو دکاندار کی کلائی پکڑ کر دبائی اور چہرہ اس کے قریب کرتے ہوئے گھمبیر آواز میں کہا۔ ”اگروال جی! سینٹرل انٹیلی جینس کے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ آپ کی دکان پر غیر قانونی وائرلیس سیٹ تیار ہوتے ہیں اور انہیں موریشس، آئی لینڈ اور جموں کشمیر پرانتوں کو اسمگل کیا جاتا ہے“۔

دکاندار کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔ اس کی کلائی ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ میں نے اندھیرے میں دوسرا تیر چھوڑ دیا۔ ”میں ابھی اسی وقت آپ کی دکان سے ہی ڈی آئی جی پولیس کو فون کر کے یہاں بلوا سکتا ہوں اور پھر کیا ہوگا؟ اس کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ کی دکان کا لائسنس کینسل ہو جائے گا۔ آپ پر اسمگلنگ کا ہی نہیں بلکہ دشمن ملک سے جاسوسی کا بھی مقدمہ چلے گا۔ پولیس والے آپ کی ساری ہڈیاں توڑ ڈالیں گے اور پھر یا تو آپ کو شوٹ کر دیا جائے گا یا عمر بھر کے لئے جیل میں پھینک دیا جائے گا“۔

لالہ کانپنے لگا۔ ہونٹ خشک ہوگئے۔ میرا تیر اتفاق سے نشانے پر جا لگا تھا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ادھر...... ادھر تشریف لایئے...... ادھر۔ ادھر“۔

وہ مجھے کاؤنٹر کے پیچھے بنے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں لے گیا اور اندر آتے ہی میرے پاؤں پر گر کر گڑگڑانے لگا۔ ''مہاشے جی! مجھ پر دیا کریں۔ مجھ پر دیا کریں۔ رحم کریں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے رام لبھایا نے اس برے کام میں ڈالا ہے''۔

میں نے لالہ جی کو گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں سی آئی ڈی انسپکٹر کی طرح آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ ''یہ رام لبھایا کون ہے؟''

لالہ جی نے پران چھوڑ دیئے تھے۔ رنگ اڑ چکا تھا۔ جسم کانپ رہا تھا۔ بولا ''وہ اٹھ یمان میں رہتا ہے جی۔ وہیں رہتا ہے۔ میرا کوئی دوش نہیں ہے۔ میں بے قصور ہوں''۔

میں نے لالہ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا۔ ''تم سال میں کتنے وائرلیس سیٹ تیار کر کے غیر قانونی طور پر باہر اسمگل کرتے ہو؟''

اگروال نے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ خشک ہونٹوں کو ریشمی دھوتی کے پلو سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''سرکار۔ یقین کریں میں سیٹ بناتا نہیں بالکل نہیں بناتا۔ یہ کام رام لبھایا کا ایک آدمی کرتا ہے۔ میرے کارخانے میں وہ صرف اسمبل ہوتے ہیں''۔

میں نے کہا۔ ''قانون کے آگے تم اپرادھی ہو۔ بھارت کے دشمن نمبر ایک ہو۔ میں تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کر کے اپنا فرض ادا کرتا ہوں''۔

میں اٹھ کر یوں باہر جانے لگا جیسے کاؤنٹر پر سے ڈی آئی جی دلی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے کبھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ یہ شخص اس قسم کے کام میں ملوث ہوگا۔ اور میرا کام اتنی جلدی بن جائے گا۔

وہ میری ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ ''دیا کریں۔ دیا کریں مہاراج! میرا سارا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ آپ بیٹھیں۔ آپ بیٹھیں''۔

وہ بوکھلایا ہوا تھا۔ اس نے ایک کیبنٹ کے دراز کو چابی لگا کر کھولا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میرے قدموں پر رکھ دیں۔ ساتھ ہی چیک بک کھول کر بولا۔ ''یہ ایک لاکھ روپے کے نوٹ ہیں۔ یہ میری طرف سے آپ کی بھینٹ ہیں۔ اس چیک پر آپ چار لاکھ پانچ لاکھ۔ جتنی رقم چاہیں اپنے ہاتھ سے بھر لیں۔ میں دستخط کر دوں گا مگر مجھے پولیس کے حوالے نہ کریں''۔

یہ آدمی مکمل طور پر میرے قابو میں آچکا تھا۔ میں نے نوٹوں کی گڈیوں کو پاؤں سے ایک طرف کر دیا۔ چیک بک کو لے کر چارپائی پر پھینکا اور گھبرائے اور بوکھلائے ہوئے لالہ اگروال کے کاندھوں پر دونوں ہاتھوں کا بوجھ ڈال کر کہا۔ ''مہاراج آپ تشریف تو رکھیں۔ مجھے رشوت سے کوئی سروکار نہیں۔ میں نے کبھی کسی سے رشوت نہیں لی''۔

لالہ اگروال نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔ ''مہاراج یہ رشوت نہیں ہے۔ یہ تو آپ کی بھینٹ ہے''۔

اب اس لالہ سے اصل بات کرنے کا وقت آگیا تھا۔ میں نے یہ تاثر بالکل نہ دیا اور نہ دینا چاہتا تھا کہ میں اسے رازداری میں لے رہا ہوں' بلکہ کسی قدر تحکمانہ انداز میں کہا کہ ہمیں اپنے دفتر کے لئے ایک چھوٹے ٹرانسمیٹر سیٹ کی ضرورت ہے۔ ہم دفتری سرخ فیتے کے چکر میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں اس ٹرانسمیٹر کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔

میں نے ایک سیکنڈ کے لئے ہندو لالہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی جو فوراً ہی غائب ہو گئی۔ وہ میری تجربے کاری اور چہرہ شناسی کی مہارت تھی کہ میں نے اس تبدیلی کو محسوس کیا مگر میں نے بھی اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اس سے ہر حالت میں چھوٹا ٹرانسمیٹر حاصل کرنے کے لئے اس پر دباؤ ڈالنے لگا کہ اگر اس نے ہمارے آفس کو فوری طور پر سیٹ مہیا نہ کیا تو اسے قانون کے حوالے کر دیا جائے گا...... کرم چند اگروال ہاتھ باندھے بولا۔ ''مہاراج! میں پوری کوشش کروں گا۔ آپ پرسوں میری دکان پر آئیں۔ بھگوان نے چاہا تو کہیں نہ کہیں سے سیٹ منگوا کر رکھا ہو گا''۔

میں نے اسے خاص طور پر ہدایت کی کہ چونکہ یہ سیکرٹ سروس اور بھارت کی سیکورٹی کا معاملہ ہے اس لئے وہ کسی سے ہرگز ہرگز بات نہ کرے۔ اس ہندو لالہ کے سر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ پہلے وہ جس قدر گھبرایا ہوا تھا' اب اس کے چہرے پر طمانیت سی تھی۔ میں نے اسے بھی کوئی اہمیت نہ دی۔ میرا کام ہو گیا تھا۔ مجھے ٹرانسمیٹر سیٹ کی اشد ضرورت تھی۔ اپنے ایجنٹ سے ملنے کی بظاہر کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ میرا شیواجی ٹریننگ اسکول والا مشن ناکام ہو گیا تھا۔ اپنے باس سے رابطہ بے حد ضروری تھا۔ یہ میرا قومی اور منصبی فرض بھی تھا۔ کرم چند اگروال نے مجھے یقین دلایا کہ وہ کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کرے گا۔ ''مہاراج! ہم تو آپ کے داس ہیں جو حکم دیں گے ویسا ہی ہو گا''۔

میں بڑا خوش تھا کہ میرا کام بن گیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر واپس اپنی کوٹھی میں آگیا۔ دوسرے روز دفتر گیا تو مجھے سیکرٹری نمبر 2 تیواڑی نے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ میں اس کے کمرے میں گیا تو وہ دیوار کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔ اس دیوار پر بھارت کا ایک بہت بڑا نقشہ لٹکا رہتا تھا۔ وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''ابھی ابھی پرائم منسٹر ہاؤس سے چیف انٹیلی جینس آفیسر ٹنڈن کا فون آیا ہے انہیں تم سے کوئی بات کرنی ہے''۔ پھر میری طرف پلٹ کر کہنے لگا۔ ''بہتر ہے کہ تم ابھی چلے جاؤ''۔

سیکرٹری تیواڑی کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں مجھ سے کوئی بھول تو نہیں ہو گئی؟ میں نے ایک سیکنڈ میں پچھلے تین چار دنوں کی اپنی نقل و حرکت کا جائزہ لے لیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں یہی سمجھا کہ ہو سکتا ہے مجھے کوئی نیا کام سونپا جا رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنی گاڑی اڑاتا

کرتا بھارتی پرائم منسٹر ہاؤس کی طرف جا رہا تھا۔ پارلیمنٹ اسٹریٹ سے گھوم کر میں وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ میں داخل ہو گیا۔ انتہائی تجربے کار، زیرک اور عیار چیف انٹیلی جینس آفیسر مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن سنہری فریم والی عینک لگائے اپنی بڑی میز کے پیچھے اونچی کرسی پر بیٹھا کسی فائل کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کشادہ کمرہ ایئر کنڈیشنر کی وجہ سے ٹھنڈا تھا۔ فائل بند رکے اس نے الگ رکھ دی۔ وہ کھدر کے کانگریسی لباس میں تھا۔ اس نے لکڑی کے بکس کو کھول رمجھے سگار پیش کیا۔ میں نے شکریے کے ساتھ معذرت پیش کر دی۔ اس عیار ہندو افسر سے میں ہت محتاط رہتا تھا اور ہمیشہ اسے ایک اعلیٰ افسر کا احترام دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سامنے میں کم کم آفس میں سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ مسٹر ٹنڈن نے اپنا سگار سلگایا اور کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے یک طویل سانس لی اور میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے ایک اجنبیت سی نظر آئی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں میرا کوئی راز تو فاش نہیں ہو گیا؟

مسٹر ٹنڈن نے سگار کا ہلکا سا کش لگایا اور بولا۔ ''کیپٹن مہتہ! تم اگروال الیکٹرانکس کیا کرنے ئے تھے؟''

ایک لمحے کے لئے جیسے میری کرسی کو کسی نے ہلا دیا۔ جیسے زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا لگا ہو۔ اس لمحے ں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ میں ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اگروال الیکٹرانکس کا مالک کرم چند وال یقیناً سینٹرل سیکرٹ سروس کا آدمی تھا...... سیکرٹ سروس کا ایک اہم رکن ہونے کی وجہ سے معلوم تھا کہ شہر میں کچھ لوگ رضاکارانہ طور پر بھارت ماتا کی خدمت کے لئے یہ کام کرتے ۔ وہ تنخواہ دار بالکل نہیں تھے۔ چونکہ کرم چند اگروال کا تعلق ریڈیو اور ٹرانسمیٹر وغیرہ سے تھا۔ لئے سیکرٹ سروس کا اس سے رابطہ تھا۔ گویا اس ہندو لالہ نے میرے سامنے ڈرامہ کیا تھا۔ اس میرے شناختی کارڈ پر سے میرا نام معلوم کیا تھا۔ میں نے ویسے بھی اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ تعلق سینٹرل انٹیلی جینس سے ہے۔ میں تو اپنے منصوبے پر اپنی حکمت عملی کی روشنی میں کام ا تھا۔ یہ ساری باتیں ایک ساتھ میرے ذہن میں گھوم گئیں اور میں نے خود کو اپنے کیس کی ں کے لئے پوری طرح تیار بھی کر لیا۔ اپنے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ کے اثرات بالکل نہ دیئے اور کہا۔ ''سر! مجھے اطلاع ملی تھی کہ اگروال الیکٹرانکس کے مالک کا ایسے لوگوں سے ملنا ہے جو غیر قانونی طور پر وائرلیس سیٹ موریشس، آئی لینڈ اور سری لنکا کو سپلائی کرنے کا دھندا ہیں۔ میں اسی سلسلے میں تحقیقات کرنے وہاں گیا تھا''۔

مسٹر ٹنڈن پہلے تو بالکل خاموش رہے۔ اپنی چھوٹی چھوٹی تیز اور مقناطیسی آنکھوں سے مجھے تے رہے پھر سگار کی راکھ بڑے سکون سے ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولے۔ ''تم نے اس ئرلیس سیٹ کس لئے مانگا تھا، جبکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کر سکتے''۔

میں نے اپنے موقف پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "سر! یہ میرا ٹریپ تھا۔ میں اس سے زیادہ انفارمیشن حاصل کر کے ثبوت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں سیکرٹ سروس کا ایک ذمے دار افسر ہوں۔ ایسی تحقیقات میری ڈیوٹی میں شامل ہے سر!"

سپرنٹنڈنٹ نے سگار کا ہلکا سا کش لگایا اور کہنے لگا۔ "کیپٹن مہتہ! مجھے افسوس ہے کہ تم نے ایک ذمے دار سیکرٹ آفیسر کا ثبوت نہیں دیا جو کچھ تم نے کیا وہ تمہاری ڈیوٹی میں شامل نہیں ہے"۔

میں نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے سر! آئی ایم سوری!"

سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ "اب تم وہاں کبھی نہیں جاؤ گے۔ تمہارا کام دفتر میں رہ کر فرائض انجام دینا ہے۔ باہر ہمارے آدمی کام کر رہے ہیں۔ میں نے اس معاملے کو اوپر تک نہیں پہنچایا۔ مجھے امید ہے تم آئندہ محتاط رہو گے۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

میں نمسکار کر کے چلا آیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اس کمینے اگروال سے زیادہ راز داری کے انداز میں بات نہیں کی تھی۔ میں اس سے ایک سیکرٹ سروس کے افسر کی حیثیت سے ہی بول رہا تھا۔ ورنہ اس نے مجھے مروا دینا تھا۔ اگروال کیس تو ختم ہو گیا تھا۔ مگر میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کر دیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے دل میں ہلکا سا شبہ پڑ گیا ہے۔ یہ شبہ کیا تھا؟ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ اس بارے میں واضح طور پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے بے حد محتاط رہنے کا فیصلہ کر دیا۔ وائرلیس سیٹ یعنی ٹرانسمیٹر حاصل کرنے کا مسئلہ ابھی تک حل طلب تھا اور مجھے باس سے فوری رابطے کی ضرورت تھی۔ لیکن حالات کے پیش نظر میں نے کچھ دیر کے لئے خاموش رہنے کا ہی فیصلہ کیا۔

ایک ہفتہ خاموشی سے گزر گیا۔ اس دوران دلی میں اپنے ایجنٹ نے بھی مجھ سے رابطہ پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ دو بار شام کے وقت میں سیر کے بہانے قلعے کے سامنے والے میدان کی طرف بھی گیا۔ اسی جگہ مجھے اپنا ایجنٹ مجذوب کی صورت میں ملا تھا، لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا۔ میں نے اپنے آپ کو دفتر کے کام میں لگا لیا۔ وقت پر دفتر جاتا، کام کرتا، سب سے ملتا، شام کو واپس اپنی کوٹھی میں آجاتا۔ دن میں ایک آدھ بار سجاتا کا فون آجاتا۔ کبھی شام کو وہ اپنی ماتا جی کے ساتھ خود بھی آجاتی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر باتیں کرتی اور چلی جاتی۔ مجھ سے شادی پر اس کا اصرار بڑھ گیا تھا۔ میں ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے ٹال دیتا۔ اسی طرح پندرہ بیس دن گزر گئے۔

ایک دن میں دفتر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ سجاتا کا فون آگیا۔ کہنے لگی "آج شام اشوکا کے لان میں بیٹھ کر کافی پینے کو جی چاہتا ہے۔ دفتر سے نکل کر میرے ہاں آجانا۔ آج میں جلدی گھر جا رہی ہوں" مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ان دنوں ویسے بھی میں ایک طرح سے خالی الذہن سا ہو کر رہ گیا تھا۔ سوچا چلو ذرا سجاتا کے ساتھ ہی جی بہل جائے گا۔ شادی کے سلسلے میں، میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ ایک سال تک میری ترقی ہونے والی ہے۔ دفتر سے فارغ ہونے کے بعد میں نے گاڑی نکالی اور

سجاتا کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ اس کی ماتا جی نے میرا سواگت کیا۔ سجاتا پہلے سے تیار تھی۔ ہم گاڑی میں بیٹھ کر اشوکا ہوٹل میں آگئے۔ میں نے محسوس کیا کہ سجاتا کچھ پریشان سی ہے۔ جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر اسے بات شروع کرنے کے لئے موزوں الفاظ نہ مل رہے ہوں یا وہ موقع کا انتظار کر رہی ہو۔ میں نے بھی کرید نے کی کوشش نہ کی لیکن دل میں سوچتا رہا کہ سجاتا کے ذہن میں کیا ہے؟ کبھی اس کے سابق عاشق اردن کی طرف خیال چلا جاتا کہ کہیں اس نے کوئی نیا شوشہ نہ چھوڑ دیا ہو۔ ہم ہوٹل کے عقبی لان میں ایک رنگین بڑی پک نک اسمبریلا کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ موسم خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ برسات کا موسم شروع ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ جب تک بیرا کافی نہیں لگا گیا سجاتا ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ جب بیرا چلا گیا تو سجاتا نے کافی بناتے ہوئے کہا۔ ''کشن مجھے تم سے ایک بڑی ضروری بات کرنی ہے''۔

میں ہوشیار ہو گیا۔ سوچا ضرور شادی کا الٹی میٹم دے گی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''ضرور کرو۔ میں سن رہا ہوں ڈیئر''۔

سجاتا چپ ہو گئی' کافی کی پیالی میرے سامنے رکھنے کے بعد وہ اپنی کافی کی پیالی میں آہستہ آہستہ چمچ ہلا رہی تھی۔ میری نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر جو ایک گہرا تجسس تھا اس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ بات شادی کی نہیں ہے۔ میں بھی سخت تجسس کے عالم میں تھا کہ آخر یہ مجھے کیا بتانا چاہتی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ سجاتا نے بتایا اس کے بارے میں مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سجاتا نے کافی کا ایک گھونٹ پیا اور پیالی پلیٹ میں رکھ دی' پھر آس پاس ایک نگاہ غلط انداز میں ڈالی۔ ساڑھی کے پلو کو کاندھے پر درست کیا اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ ''کشن! میں تم سے ایک بات کرنے والی ہوں جس کی بابت مجھے گیتا پر ہاتھ رکھوا کر قسم دلائی گئی ہے کہ میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گی''۔

میں اندر سے چونکا۔ یہ کیا کہنے والی ہے؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ارے ایسی کون سی بات ہے ڈیئر؟ کس نے تم سے گیتا پر قسم دلائی تھی؟ کھل کر بات کرو سجاتا''۔

سجاتا بولی۔ ''کشن! میں ایک ہندو لڑکی ہوں۔ میرے لئے گیتا ایک مقدس کتاب ہے' مگر میں پریم کو گیتا سے بھی بڑھ کر سمجھتی ہوں۔ چونکہ میں تم سے پریم کرتی ہوں۔ اس لئے قسم توڑ رہی ہوں''۔

اندر سے میرا دل متزلزل ضرور ہو گیا تھا۔ یقیناً کوئی خطرناک بات ہو گئی ہے۔ میں نے سجاتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور کہا۔ ''سجاتا! میں بھی تم سے بے حد پریم کرتا ہوں۔ بھگوان کیلئے مجھے بتاؤ۔ آخر ایسی کیا بات ہے۔ تم کو مجھ سے کیا چھپانے کیلئے کہا گیا ہے؟ کس نے تمہیں قسم دلائی تھی''۔

''تمہارے کوئی ہیڈ پرشوتم داس ٹنڈن بھی ہیں؟''
میں سگریٹ کا کش لگاتے لگاتے رک گیا۔ ''ہاں! کیا انہوں نے تمہیں کچھ کہا ہے؟''
سجاتا نے اب بولنا شروع کر دیا۔ ''کشن! آخر انہیں تم پر شک کیوں ہوا ہے؟ ...... تم سیکرٹ سروس کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ تمہارا پراناریکارڈ شاندار ہے۔ تم بھارت ماتا کے جیالے سپوت ہو۔ محکمے میں تمہاری کارکردگی ہمیشہ شاندار رہی ہے پھر تمہارے باس نے تم پر شک کیوں کیا؟''
ایک لمحے کے لئے میں اپنی جگہ سے ہل گیا۔ میں بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا' مگر اپنے چہرے پر صرف تعجب اور استفسار کے اور کسی قسم کے تاثر کو نہ آنے دیا۔ ''ٹنڈن صاحب کو مجھ پر کیا شک ہوا ہے؟ تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتی سجاتا؟''
سجاتا نے کہا۔ ''آج صبح ٹنڈن صاحب نے خاص طور پر مجھ سے ملاقات کی تھی۔ میں تو انہیں جانتی بھی نہیں تھی۔ انہوں نے مجھے اپنے آفس میں بلوایا اور بھارتی ترنگے میں لپٹی ہوئی گیتا کو میرے سامنے رکھ دیا اور بولے۔ ''سجاتا بیٹی! یہ گیتا ہے اس پر ہاتھ رکھ کر دھرم اور اپنے دیش کے نام پر قسم کھاؤ کہ جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہوں گی اس کا ذکر تم کسی سے نہیں کرو گی' میں نے بہت پوچھا کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو وہ مجھ سے کرنے والے ہیں۔ اس پر ٹنڈن صاحب نے کہا۔ بیٹی یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے۔ تب میں نے گیتا پر ہاتھ رکھ کر وچن دیا کہ وہاں جو بھی گفتگو ہو گی اس کا ذکر میں کسی سے نہیں کروں گی''۔
''پھر مسٹر ٹنڈن نے مجھے کہا۔ بیٹی! تم جانتی ہو کہ ہمارا سینٹرل انٹیلی جینس کا محکمہ ہے اور ہم پر خصوصی طور پر پرائم منسٹر اور راجدھانی کے علاوہ پورے بھارت ورش کی سکیورٹی کی ذمے داری ہے۔ ہم اگر ملک میں دشمنوں کے ایجنٹوں کا سراغ لگانے میں لگے رہتے ہیں اور انہیں گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کرتے ہیں تو خود اپنے اسٹاف کی بھی سال میں ایک بار خفیہ طور پر سکروٹنی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہمیں اپنے اسٹاف کے کسی ممبر پر شک ہے بلکہ یہ محض نیشنل سکیورٹی کے لئے ہمیں کرنا پڑتا ہے ...... لیکن ہم یہ چیکنگ اور سکروٹنی انتہائی رازداری سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مس سجاتا کہ ہم آپ کو اعتماد میں لے رہے ہیں کیونکہ ہمیں تمہارے منگیتر کیپٹن کشن مہتہ کی روٹین کی چیکنگ کرنی ہے۔ کشن! میں پریشان ہو گئی۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ لوگ تم پر دشمن کے ایجنٹ ہونے کا شبہ کر رہے ہیں''۔
چیف انٹیلی جینس مسٹر ٹنڈن کے دل میں کیا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا۔ اس نے سجاتا کے آگے جھوٹ بولا تھا کہ وہ اسٹاف کی رسمی چیکنگ کی مہم کے سلسلے میں میری سکروٹنی کر رہے ہیں۔ اسے اگروال والے ٹرانسمیٹر کے واقعے کے بعد سے مجھ پر شک ہو گیا تھا اور وہ سجاتا کے ذریعے میری چھان بین کر رہا تھا۔ وہ شاید مجھے کسی ٹریپ میں الجھانا چاہتا تھا۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے یہ بات سجاتا ہی سے کی تھی اور سجاتا مجھ سے پریم کرتی تھی۔ اسے بھارت ماتا سے زیادہ مجھ سے پیار

تھا۔ اب میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ عیار ٹنڈن نے مجھے پھانسنے یا میری اصلیت معلوم کرنے کے لئے کون سا جال پھیلایا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ٹنڈن کی تائید کی اور کہا۔ " ارے نہیں سجاتا! ایسی بات نہیں ہے۔ ٹنڈن صاحب نے تم سے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ یہ تو ہر سال اٹیلی کے سینٹرل اسٹاف کی خفیہ چھان بین کی جاتی ہے۔ یہ محض ایک رسمی کارروائی ہوتی ہے۔ ویسے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ مجھے بتا دیا اور ایسا تم نے محض مجھ سے پریم ہونے کی وجہ سے کیا۔ مگر ٹنڈن صاحب نے آگے کیا کہا؟"

یہی معلوم کرنے کے لئے میں بے تاب تھا' مگر بظاہر کسی قسم کی بے تابی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ بالکل نارمل اور سکون کے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ سجاتا بولی۔ " انہوں نے مجھے پاکٹ سائز کا ایک چھوٹا پاور فل ٹرانسمیٹر دراز میں سے نکال کر دیا اور کہا کہ بیٹی تم یہ ٹرانسمیٹر اپنے کمرے کی میز پر جا کر رکھ دینا' پھر کیپٹن کشن مہتہ یعنی اپنے منگیتر کو بلا کر اس کمرے میں لے جانا۔ کسی بہانے اسے ٹرانسمیٹر دکھا کر کہنا کہ یہ ہمارے ائرانڈیا کے آفس میں تھا خراب ہو گیا تھا۔ میں اسے لے آئی ہوں۔ اب یہ کسی کام کا نہیں' مجھے اچھا لگا تھا۔ باس نے مجھے دے دیا ہے۔ میں اسے شو پیس کے طور پر رکھنا چاہتی تھی۔ اس پر تمہارا منگیتر جو ردعمل ظاہر کرے اس کی بابت ہمیں اطلاع کر دینا بس بیٹی سجاتا تمہارا اتنا ہی کام ہو گا' پھر ٹنڈن جی کہنے لگے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کیپٹن کشن مہتہ بھارت پر یمی ہیں۔ بھارت ورش کے لئے ان کی بہت خدمات ہیں۔ ان کی ذات شک وشبہے سے بلند ہے مگر بیٹی ہمیں صرف ضابطے کی کارروائی ہی پوری کرنی ہے۔ تم سن کر حیران ہو گی کہ ایسی چیکنگ تو خود میری بھی خفیہ طور پر کی جاتی ہے۔ نیشنل سکیورٹی کے لئے ہمیں ایسا ہی کرنا ہوتا ہے"۔

سجاتا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ اس نے کافی کا دوسرا گھونٹ ابھی تک نہیں پیا تھا۔ ایک بار پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ " انہوں نے ٹرانسمیٹر لفافے میں ڈال کر مجھے دے دیا۔ ایک بار پھر انہوں نے بھارت ماتا اور گیتا کے نام پر مجھ سے قسم لی کہ میں اس راز کو اپنے سینے میں ہمیشہ کے لئے دفن کر لوں گی۔ میں نے وہ ٹرانسمیٹر لا کر اپنے کمرے میں رکھ دیا ہے۔ جب تم ہمارے گھر آئے تھے تو ٹرانسمیٹر میرے کمرے کی میز پر پڑا تھا' مگر میں نے فیصلہ کر لیا کہ تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ اس لئے کہ میں تم سے پریم کرتی ہوں"۔ پھر اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ سجاتا کا ہاتھ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ بے چاری واقعی مجھ سے پریم کرتی تھی۔ کہنے لگی۔ کشن! مجھے بتاؤ اس میں کوئی گڑبڑ کی بات تو نہیں ہے نا؟"

مجھ پر ٹنڈن کی ساری اسکیم واضح ہو گئی تھی۔ ٹنڈن کے دل میں کیا تھا؟ مجھے اس کا علم ہو گیا تھا۔ میں نے دل میں ایک بار پھر خدا کا شکر ادا کیا کہ سجاتا کے پریم نے مجھے بہت بڑی تباہی سے بچا لیا تھا' ورنہ یہ یقینی بات تھی کہ سجاتا کے کمرے میں ٹرانسمیٹر دیکھ کر میں کسی بہانے اسے اپنے ساتھ کوٹھی

میں لے جاتا اور پھر رات کو دس بجے کے بعد پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کرتا۔ لامحالہ ٹنڈن کے آدمی میری کوٹھی سے نشر ہونے والے سگنلز کو اپنے سیٹ پر ریکارڈ کر لیتے اور میں بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ اگرچہ میں مرموز زبان میں پیغام نشر کرتا اور وہ میرے خیال کے مطابق اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے لیکن صرف یہی ایک حرکت مجھے جیل بھجوانے کے لئے کافی تھی کہ میں آدھی رات کو خفیہ طور پر اپنے بنگلے سے کسی کو پیغام دے رہا تھا۔ ممکن تھا انہیں میری فریکوئنسی سے یہ بھی پتہ چل جاتا کہ میرے سگنلز پاکستان کے لئے ہیں یا پھر وہ میری فریکوئنسی نوٹ کر لیتے اور اسی فریکوئنسی پر اگلی رات خود اسی زبان میں ایک آدھ جملہ بول کر میرے باس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔

میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ میں واقعی بہت بڑی تباہی سے بچ گیا تھا۔ اب صرف مسٹر ٹنڈن کی تلوار میرے سر پر لٹک رہی تھی کیونکہ اسے مجھ پر پاکستان کے ایجنٹ ہونے کا شبہ ہو چکا تھا۔ میں نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے سجاتا کے ہاتھ کو دبایا اور کہا۔ "سجاتا ڈارلنگ! تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو... ٹنڈن جی نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا ہے۔ یہ تو ہمارے دفتر کی خفیہ کارروائی ہوتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ دفتر کو اسٹاف کے کسی ممبر پر شک ہے۔ ٹنڈن جی نے ٹھیک کہا تھا کہ یہ چیکنگ تو سال میں ایک بار ان کی بھی ہوتی ہے۔ اچھا اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ کوئی اور بات کرو"۔

سجاتا نے جلدی سے کہا۔ "کشن! تم کسی کو نہ بتانا کہ میں نے یہ بات تمہیں بتا دی تھی"۔

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سگریٹ کیس میں سے تازہ سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی پاگل ہوں کہ کسی سے ذکر کروں گا۔ او کے ڈارلنگ اب ان باتوں کو ذہن سے نکال دو۔ ٹنڈن صاحب جب تمہیں بلا کر ٹرانسمیٹر کے بارے میں میرا ردعمل دریافت کریں گے تو کہہ دینا کہ میں نے اس میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لی تھی"۔

اس کے ساتھ ہی میں نے سجاتا کے ہاتھ پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور ظاہر ہے کہ مجھے ٹرانسمیٹر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ تم اگر مجھے یہ ساری باتیں نہ بھی بتاتیں تب بھی میں ٹرانسمیٹر میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کرتا۔ بھلا مجھے ٹرانسمیٹر سے کیا لینا؟"

سجاتا مسکرانے لگی۔ بولی۔ "اب مجھے اطمینان ہوا ہے۔ کشن ڈیئر! میں تو پہلے پریشان ہو گئی تھی کہ بھگوان نہ کرے تمہارے محکمے کو تم پر جاسوس ہونے کا شبہ ہو گیا ہے"۔

میں نے ایک اور ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سجاتا کو مزید مطمئن کر دیا۔ میں جان بوجھ کر بھی سجاتا سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ انٹیلی جینس کا کوئی نہ کوئی آدمی کسی نہ کسی بھیس میں ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ میں اس کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ہم کوئی خفیہ باتیں نہیں کر رہے بلکہ ہنسی

مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں اور کافی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں پھر میں نے موضوع بدل لیا اور فلموں کی باتیں کرنے لگے۔ وہیں ہم نے اگلے روز ہیما مالینی اور دھرمیندر کی ایک فلم دیکھنے کا پروگرام بنالیا۔ اشوکا سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے میں نے قصداً ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش نہ کی تاکہ انٹیلی جینس کا وہ شخص جو وہاں کہیں نہ کہیں موجود تھا یہ نہ سمجھے کہ میں اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں سجاتا کو لطیفے پر لطیفے سنا رہا تھا اور وہ بہت ہنس رہی تھی' لیکن اندر سے میرا دل فکر و تشویش کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا۔ ایک بہت بڑا چیلنج میرے سامنے تھا۔ سینٹرل انٹیلی جینس کے چیف اور محکمے کے سب سے بااثر اور عیار شخص کو مجھ پر شک پڑ چکا تھا۔ اگر سجاتا اسے یہ کہہ بھی دیتی ہے کہ میں نے ٹرانسمیٹر پر کوئی توجہ نہیں دی اور اسے اس کے کمرے میں ہی پڑے رہنے دیا ہے تب بھی مسٹر ٹنڈن میرا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اسے یقیناً کوئی دوسری حکمت عملی تیار کرنی تھی۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ سجاتا نے نادانستہ طور پر محض اپنی محبت کی وجہ سے عین وقت پر مجھے باخبر کر دیا تھا ورنہ یہ یقینی بات تھی کہ میں عیار ٹنڈن کے جال میں پھنس جاتا اور پھر میرا جو حشر ہوتا اس کا میں بخوبی تصور کر سکتا تھا۔ اب مجھے بھی ایک نئی لائن آف ایکشن تیار کرنی تھی۔ سب سے پہلے مجھے انٹیلی چیف کے ذہن میں آئے ہوئے شک کو اپنے رویے سے دور کرنا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑی سی پلاسٹک سرجری کے بعد' میں سینٹرل انٹیلی جینس بیورو کے ہیڈ کوارٹر میں ایک اہم پوزیشن پر فائز ہو چکا تھا۔ یہاں سے مجھے ہر قسم کی انفارمیشن مل سکتی تھی جو میرے وطن عزیز کو آنے والے خطرے سے بروقت ہوشیار کر دیتی۔ علاوہ ازیں اس پوزیشن میں رہ کر میں اس خطرے کا سدباب بھی کر سکتا تھا اور اپنے ملک کو دشمن کے ناپاک عزائم سے خبردار بھی کر سکتا تھا چنانچہ مجھے کسی حال میں بھی وہاں سے فرار ہونا گوارا نہیں تھا۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں اپنے طرز عمل سے مسٹر ٹنڈن پر دوبارہ یہ اثر جماؤں کہ میں ایک محب وطن بھارتی افسر ہوں اور بھارت ماتا کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے محتاط رویہ اختیار کرنے کی بھی ضرورت تھی۔

دو دن کے بعد سجاتا شام کو میرے ہاں آئی۔ اس نے بتایا کہ مسٹر ٹنڈن نے میرا ردعمل معلوم کرنے کے لئے مجھے اپنے دفتر بلایا تھا۔ "میں نے انہیں یہی کہا کہ کشن جی نے ٹرانسمیٹر دیکھ کر کہا کہ میں یہ بے کار شے یہاں کس لئے لے آئی ہوں..."

سجاتا نے اپنی گفتگو سے انٹیلی جینس چیف کو اپنے طور پر باور کرا دیا کہ کیپٹن کشن مہتہ نے ٹرانسمیٹر میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی' اور ٹرانسمیٹر میرے کمرے میں ویسے ہی پڑا رہا۔ چنانچہ مسٹر ٹنڈن نے اپنا آدمی سجاتا کے ساتھ بھیج کر ٹرانسمیٹر سیٹ واپس منگوا لیا تھا۔ ٹنڈن کا ایک وار خالی گیا تھا۔ اسے یقیناً دوسرا وار بھی کرنا تھا جو پہلے والے وار سے شدید ہوتا۔ میں چونکہ چوکس ہو چکا تھا اس لئے یقینی بات تھی..... کہ اس کا دوسرا وار بھی خالی جاتا۔ دوسری جانب میں نے دفتر کے کام میں زیادہ

دلچسپی لینی شروع کر دی۔ ان دنوں پنجاب میں سکھوں کا ایجی ٹیشن زوروں پر تھا۔ خالصتان تحریک کے لیڈر سنت بھنڈرانوالہ نے دربار صاحب کے اندر اکال تخت پر قبضہ جما رکھا تھا اور ہر روز وہاں سے اندرا گاندھی کی حکومت کے خلاف اور خالصتان کی حمایت میں ایک ہنگامہ خیز بیان جاری کیا جاتا تھا۔ فوج نے ابھی دربار صاحب پر حملہ نہیں کیا تھا۔ دلی میں بھی خالصتان تحریک کے حامی سکھ اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ چھپ کر خالصتان کی حمایت اور اندرا گاندھی کی حکومت کے خلاف پوسٹر چھاپتے اور انھیں رات کے اندھیرے میں موقع پا کر شہر کی دیوار پر چسپاں کر دیتے تھے۔ مجھے اپنے ذرائع سے اطلاع ملی کہ ایسے ہی کچھ سکھوں نے چاندنی چوک والے گوردوارہ سیس گنج کی ایک گلی کے مکان میں اپنا خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے جہاں اسلحہ بھی جمع کیا جا رہا ہے۔ اپنی ساکھ جمانے اور بھارت ماتا سے اپنی محبت ظاہر کرنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے آفس کے سیکرٹری نمبر ۲ تیواڑی سے بھی بات نہ کی اور گاڑی پکڑ کر سیدھا اپنے دشمن نمبر ایک مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن انٹیلی جینس چیف پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کے دفتر میں جا پہنچا۔ اسے بتایا کہ میری اطلاع کے مطابق گوردوارہ سیس گنج کی عقبی گلی کے ایک مکان میں سکھ بھاری تعداد میں اسلحہ جمع کر رہے ہیں۔ اطلاع صحیح تھی اور با اعتبار آدمی نے مجھے لا کر دی تھی۔ پولیس نے آدھی رات کے بعد جب اس مکان پر چھاپہ مارا تو نہ صرف یہ کہ تشدد پسند سکھ پکڑے گئے بلکہ بھاری تعداد میں رائفلیں اور گولہ بارود بھی برآمد ہوا۔ ٹنڈن صاحب نے زیادہ گرمجوشی کا اظہار نہ کیا بس رسمی طور پر میری کارکردگی کی تعریف کر دی اور اسے میری پرسنل فائل میں بھی لکھ دیا۔ میں نے بھی زیادہ انعام کے لئے اصرار نہ کیا۔ ایک بار میں پھر دفتری کام میں جت گیا۔ اب میں زیادہ دیر تک دفتر میں نہیں بیٹھتا تھا۔ چھٹی کے بعد فوراً واپس اپنے گھر چلا جاتا' پھر کبھی اپنی بہن کرشنا کماری کے ہاں چلا جاتا اور کبھی سجاتا کے ساتھ تفریح وغیرہ کرنے نکل جاتا' لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ میرا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ اگر میں کمانڈو نہ ہوتا اور اتنے عرصے سے انٹیلی جینس کے شعبے سے منسلک نہ رہا ہوتا تو ممکن تھا کہ میں اس تبدیلی کو محسوس نہ کرتا' کیونکہ مسٹر ٹنڈن نے میرے پیچھے ایسے آدمی لگا دیئے تھے جنہیں میں نہیں جانتا تھا۔ یہ آدمی اس نے شاید دوسرے صوبے سے منگوائے تھے۔ دفتر سے میں جب بھی واپس گھر جاتا اور گھر سے نکل کر اپنی نام نہاد بہن کرشنا کماری یا منگیتر سجاتا کے ساتھ کسی ہوٹل یا سینما ہال کی طرف تفریح کی غرض سے جاتا تو مجھے محسوس ہوتا کہ ہر بار کوئی اجنبی شخص برابر میرا پیچھا کر رہا ہے۔ کبھی میں اسے کسی پارک کی نکڑ پر دیکھتا۔ کبھی وہ مجھے سینما ہال کے باہر ٹکٹ خریدتے ہوئے ملتا۔ کبھی وہ دیہاتی لباس میں میرے قریب سے گزر جاتا۔ ہر بار ایک نیا آدمی ہوتا۔ میں ان کی طرف بالکل دھیان نہ دیتا اور اپنے رویے سے یہ ظاہر کرتا کہ مجھے ان کی موجودگی کا کوئی احساس نہیں ہے۔ دوسری جانب میں نے اپنی تمام سرگرمیاں معطل کر رکھی تھیں۔ قلعے کی جانب مجھے اپنے ایجنٹ کے ملنے کا امکان تھا۔ چنانچہ اس طرف میں بھول کر

بھی نہیں جاتا تھا۔

یہ ہندو انٹیلی جینس چیف مسٹر ٹنڈن میرے مشن کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں اپنے مشن کے حوالے سے ایک عضو معطل بن کر رہ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیواجی ٹریننگ سینٹر میں ایٹمی مہلک ہتھیاروں کی تیاری زوروں پر تھی اور میرا وہ مشن ناکام ہو چکا تھا اور میرا ایجنٹ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ضرور بے تاب ہو گا' لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر میں اسے یہ موقع نہیں دے رہا تھا جبکہ مجھے اس سے بات کر کے نئی حکمت عملی وضع کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ اسی حالت میں بیس روز گزر گئے۔ میرا تعاقب اب بھی کیا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ انٹیلی جینس چیف ٹنڈن کے ایما پر کیا جا رہا تھا۔ میں نے کافی غور و خوض کیا۔ آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسٹر ٹنڈن کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے' کیونکہ میں اگر اس کے سامنے اشوک کی ایک اور لاٹھ بھی کھڑی کر کے دکھا دیتا تب بھی وہ میری سراغ رسانی سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اگروال الیکٹرونکس کی دکان میں جانے کی جو غلطی میں کر بیٹھا تھا اب اس کا خمیازہ بھگت رہا تھا۔ مسٹر ٹنڈن کے دل میں یہ بات جیسے بیٹھ گئی تھی کہ میرا تعلق کسی نہ کسی طرح پاکستان کے ایجنٹوں سے ہے اور میں بھارتی افسر ہونے کے باوجود دوسرے ملک کے لئے جاسوسی کر رہا ہوں۔ وہ اسی تگ و دو میں لگا تھا کہ جو کچھ بھی حقیقت ہے وہ اس کے سامنے آ جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک ذمے دار بھارتی افسر ہونے کے ناطے اس کا یہ اقدام بالکل حق بجانب تھا اور ایک ذمے دار محب وطن ایجنٹ ہونے کے ناطے اب میرا بھی فرض بن گیا تھا کہ اس شخص کو اپنے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دوں جس نے میری تمام سرگرمیوں کو معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک طے شدہ امر تھا کہ اگر میں مسٹر ٹنڈن کو ہمیشہ کی نیند سلانے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو ننانوے فیصد خطرہ میرے سر سے ٹل جاتا ہے۔ صرف ایک فیصد اس بات کا امکان تھا کہ ٹنڈن نے کہیں ہمارے آفس کے سیکرٹری نمبر ۲ مسٹر تیواڑی کو بھی اعتماد میں نہ لے رکھا ہو اور یہ دونوں افسر مل کر میرے خلاف یہ اعلیٰ سطحی کارروائی نہ کر رہے ہوں۔ ایسی صورت میں مسٹر تیواڑی سے نجات حاصل کرنا بھی ضروری ہو جاتا تھا۔ یہ میرے مشن کا دوسرا مرحلہ تھا۔ میں اپنے مشن کے پہلے مرحلے سے عہدہ براں ہونا چاہتا تھا۔

جب میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ مسٹر ٹنڈن کو ختم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو میں نے اس کی روزانہ معروفیات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس کام کے سلئے میں نے اپنے طور پر بے حد محتاط رہ کر دفتر سے باہر کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ مسٹر ٹنڈن سینٹرل گورنمنٹ کا ایک اعلیٰ عہدیدار ہی نہیں تھا بلکہ انٹیلی جینس کا چیف بھی تھا۔ بے حد ہوشیار 'کائیاں' عیار اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اسے ہلاک کرنے کے لئے بڑی مہارت اور عقل مندی سے کوئی منصوبہ تیار کرنے کی ضرورت تھی۔ میں نے جو معلومات اکٹھی کیں ان کے مطابق مسٹر ٹنڈن ایک تنہائی

پسند آدمی تھا۔ وہ دعوتوں وغیرہ میں نہیں جاتا تھا۔ آفیسرز میس کا وہ رکن ضرور تھا مگر ان کے ہاں سال میں شاید ہی ایک بار گیا ہو۔ اس کی کوٹھی ستسد مارگ (سابقہ لودھی روڈ) پر واقع تھی جہاں وہ اپنی بیوی، بہو اور ایک زیر تعلیم لڑکی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ کبھی فلم دیکھنے بھی کسی سینما ہاؤس میں نہیں جاتا تھا۔ دفتر سے واپس آکر وہ گھر پر ہی اپنے پوتی پوتے سے جی بہلا لیتا۔ وہ سنسکرت زبان بھی جانتا تھا اور اکثر شنکر اچاریہ کی کتابیں اس کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ ان تمام معلومات میں صرف ایک انفارمیشن میرے کام کی تھی اور یہ کہ مسٹر ٹنڈن صبح کو سیر کرنے ضرور جاتا تھا۔ میرے لئے مسٹر ٹنڈن کو دبوچنے کا یہی ایک موقع تھا، لیکن یہ کام اس لئے زیادہ خطرناک تھا کہ مسٹر ٹنڈن کے حکم سے خود میری نگرانی کی جارہی تھی۔ اگر میں کسی روز صبح کے وقت گھر سے نکلتا ہوں تو لازمی طور پر ٹنڈن کا جاسوس میرا پیچھا کرنے لگے گا اور وہ اس قتل کا عینی گواہ بن جائے گا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ مجھے ایسا کرنے ہی نہ دے کیونکہ انٹیلی جینس کا کوئی آدمی ایسا نہیں ہوتا جو اپنی ڈیوٹی پر ہو اور اس کے پاس پستول نہ ہو۔

چنانچہ سب سے پہلے مجھے اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی سے جان چھڑانی تھی۔ اسے شناخت کرنا اور پھر یا تو اسے جھانسہ دے کر منہ اندھیرے نکلنا تھا اور یا اس کو بھی ٹھکانے لگانا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ تعاقب کرنے والے کو جھانسہ دینا مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن ہے۔ اگر میں برقع پہن کر بھی منہ اندھیرے اپنی کوٹھی سے نکلتا ہوں تو تعاقب کرنے والا میرے پیچھے لگ جائے گا۔ اگر میں رات کسی ہوٹل یا ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بسر کرتا ہوں جب بھی یہ آدمی سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ ہوگا۔ سینٹرل انٹیلی جینس کے آدمیوں کو جھانسہ دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بڑے منجھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی نگاہ مشکوک آدمی سے کبھی نہیں ہٹتی۔ ان کی آنکھیں بند بھی ہوں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا آدمی کہاں پر ہے؟ کہاں جا رہا ہے اور وہاں سے نکل کر کدھر جائے گا۔ اس لئے میں نے دوسرا فیصلہ یہ کیا کہ سب سے پہلے اپنے پیچھے سائے کی طرح لگے ہوئے آدمی سے جان چھڑاؤں۔ چنانچہ میں نے اس منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ اتنا اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ میرے پیچھے ٹنڈن نے سی آئی ڈی کے دو آدمی لگا رکھے ہیں جو بھیس بدل بدل کر میرا پیچھا کرتے ہیں اور میرے گھر کے باہر کی سرگرمیوں کی رپورٹ مرتب کرتے ہیں۔ ان دو آدمیوں کو میں نے خصوصیت کے ساتھ گھر سے باہر سجاتا کے ساتھ یا اکیلے کسی اسٹور یا سینما ہاؤس کی طرف جاتے اپنے تعاقب میں دیکھ لیا تھا۔ اگرچہ وہ ہر بار نیا بھیس بدل کر میرا پیچھا کرتے تھے۔ اس کے باوجود میں ان کی صورت شکل سے شناسا ہو گیا تھا۔

مسٹر ٹنڈن جس سڑک پر رہائش پذیر تھے وہاں قریب ہی کئی پارک تھے۔ ایک باغ پارلیمنٹ ہاؤس کے پیچھے کچھ فاصلے پر تھا۔ مسٹر ٹنڈن اس باغ میں صبح صبح سیر کے لئے آتے تھے۔ ایک وقت پچھلے پہر، میں بھی اٹھ بیٹھا۔ جب صبح کا اجالا پھیلنے میں تھوڑی دیر رہ گئی تو میں نے گاڑی نکالی اور

پارلیمنٹ ہاؤس کے باغ میں آگیا۔ گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور درختوں میں جاکر دوڑ لگانی شروع کر دی۔ میں نے اپنے مکان سے نکلتے ہی تھوڑی دیر بعد ایک اسکوٹر سوار کو اپنے پیچھے آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے پیچھے کچھ فاصلہ رکھ کر چلا آ رہا تھا۔ میں جب پارلیمنٹ ہاؤس کے عقبی باغ کے درختوں کے درمیان والی روش پر دوڑ لگا رہا تھا تو میں نے نیم اندھیرے میں دور باغ کی روش کے کنارے ایک اسکوٹر کے رکنے کی آواز سنی۔ میرا جاسوس پیچھا کرتا وہاں پہنچ چکا تھا۔ مگر آج مجھے اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ آج میں اپنے دشمن نمبر ایک یعنی مسٹر ٹنڈن کی نقل و حرکت نوٹ کرنے آیا تھا۔ میں جان بوجھ کر باغ کے اس حصے کی طرف دوڑ لگا رہا تھا جو پارلیمنٹ روڈ کے مخالف سمت تھی تاکہ جب مسٹر ٹنڈن سیر کے لئے باغ میں داخل ہوں تو انہیں دیکھ لوں مگر وہ مجھے نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی ہمارا آمنا سامنا ہو۔ میں اپنا تعاقب کرنے والے کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں مسٹر ٹنڈن کے لئے وہاں آیا ہوں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ وہ یہی سمجھے کہ میں آج پارلیمنٹ ہاؤس کے باغوں میں سیر کرنے آگیا ہوں۔

جب ہلکا ہلکا اجالا رات کے اندھیرے کی چادر سے جھانکنے لگا تو میں نے لودھی روڈ کی جانب سے ایک چھوٹے قد کے گول مٹول آدمی کو باغ میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس نے سفید دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا۔ جس روش پر یہ نووارد سیر کر رہا تھا' میں اس کی متوازی روش پر جوگنگ کرنے لگا۔ ہمارے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ میں نے اس آدمی کو پہچان لیا۔ یہی میرا ٹارگٹ انٹیلی جینس چیف ٹنڈن تھا۔ میں اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ چھڑی ہاتھ میں لئے سیر کرتا اس طرف چلا گیا۔ جہاں آم کے درختوں کا ذخیرہ تھا۔ وہاں سے وہ پارک کی طرف مڑ گیا۔ اب اس نے گراؤنڈ میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بظاہر یوگا کی مشقیں کرنے لگا۔ اصل میں میں مسٹر ٹنڈن کو دیکھ رہا تھا کہ وہ وہاں سے کس طرف جاتا ہے۔ پارک کی چھوٹی گراؤنڈ کے تین چکر لگانے کے بعد ٹنڈن جس راستے میں باغ میں داخل ہوا اسی راستے سے واپس لودھی روڈ کی طرف چلا گیا۔ اس پر حملہ کرنے کے لئے میں نے درختوں کو چن لیا تھا۔ صرف وہی ایک مقام ایسا تھا کہ جہاں سے میں اس پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ میں اس کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر میری کسی غلطی کی وجہ سے مسٹر ٹنڈن ہلاک ہونے سے بچ گیا یا اس کے شور مچانے پر لوگ وہاں آگئے تو پھر میرا بچنا محال تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں پوری اسکیم تیار کر لی اور تھوڑی دیر تک یوگا کی ورزش کرنے کے بعد میں باغ سے نکل کر گاڑی میں بیٹھا اور اپنے موتی نگر والے بنگلے کی طرف چل دیا۔ بڑی سڑک پر آکر میں نے شیشے سے پیچھے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر میری نگرانی کرنے والا جاسوس اسکوٹر پر سوار چلا آ رہا تھا۔ سب سے پہلے مجھے اس کم بخت سے پیچھا چھڑانا تھا جو بھوت کی طرح میرے پیچھے لگا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے میں مسٹر ٹنڈن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

میرے پاس' سوائے ایک چاقو کے اور کچھ نہیں تھا۔ چاقو' میں استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا'

کیونکہ خون کے دھبے اور عین موقع پر جاسوس کی چیخ میرے لئے مسائل کھڑے کر سکتی تھی میرے لئے یہی بہتر تھا کہ میں ایک ہی جھٹکے سے یعنی کمانڈو کے مخصوص طریقے سے اسے ہلاک کروں۔ اب سوال یہ تھا کہ اس جاسوس کو کیسے دھوکا دیا جائے اس کا کام تمام کرنے کے لئے بھی صبح کا وقت ہی موزوں تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر میرے دماغ میں ایک اسکیم آگئی۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ وہ رات کو میرے پیچھے ہوتا ہے۔ اس کی ڈیوٹی رات کو میرے ساتھ ہوتی ہے۔ دوسرا سراغ رساں' اگلے دن آٹھ بجے اپنی ڈیوٹی سنبھالتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر میں رات کے ایک بجے بھی اپنے گھر سے نکلوں گا تو یہ بھوت میرے پیچھے لگ جائے گا۔ جہاں جاؤں گا وہ میرا تعاقب کرتا وہیں بھی پہنچ جائے گا۔ میں اسے شہر کی گنجان آبادی سے دور لے جاکر اس کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے میں نے ایک منصوبہ تیار کرلیا۔ میں اسے پارلیمنٹ ہاؤس والے پارک اور باغات سے زیادہ دور نہیں لے جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس سے نجات حاصل کرنے کے بعد مجھے مسٹر ننڈن پر حملہ کرنا تھا۔ اگر میں اپنے پیچھے لگے سراغ رساں کو ختم کردیتا ہوں اور مسٹر ننڈن کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو میں کسی مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ دونوں دشمن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اسی رات موت کی نیند سلا دیئے جائیں۔ یہ کام دن کا اجالا پھیلنے سے پہلے پہلے ہونا چاہئے تھا۔ میں نے رات ایک بجے کا الارم لگایا اور آٹھ بجے ہی کھانا کھا کر سو گیا۔ نوکرانی اور خانساماں کو میں نے سرشام ہی چھٹی دے دی تھی۔ میں اپنی موتی نگر والی کوٹھی میں اکیلا تھا۔

الارم نے رات کے ایک بجے مجھے جگا دیا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ جان بوجھ کر ڈرائنگ روم کی بتی روشن کردی تاکہ وہ سراغ رساں جو میری نگرانی کر رہا ہے ہوشیار ہو جائے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں کسی خفیہ مہم پر نکلنے والا ہوں یا مجھے کوئی ایجنٹ ملنے آرہا ہے۔ میں نے احتیاط کے طور پر چاقو بھی جیب میں رکھ لیا۔ سب سے پہلے سیاہ رنگ کے پتلے دستانے ہاتھوں پر چڑھائے۔ گہرے رنگ کی بنیان کے ساتھ نیلے رنگ کی پتلون اور ربڑ کے سول والے جوتے پہنے۔ ڈرائنگ روم کی بتی بجھائی اور کوٹھی کے گیراج کی طرف چلا۔ میں اس طرح کھانستے ہوئے چل رہا تھا کہ اگر سراغ رساں نے مجھے نہیں بھی دیکھا تو میری آواز سن کر میرا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ میں نے گاڑی نکالی اور لودھی روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ سڑکوں پر کہیں کہیں اندھیرا تھا اور کہیں روشنی۔ کوٹھیوں اور بنگلوں کے برآمدوں میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔ میں بار بار گاڑی کے شیشے کو دیکھتا۔ ابھی تک میرے پیچھے کوئی سراغ رساں نہیں آیا تھا۔ میں پریشان ہو گیا۔ اگر وہ میرے تعاقب میں نہ آیا تو مجھے اپنی مہم کو ملتوی کرنا ہوگا۔ میں نے گاڑی کی رفتار مدھم رکھی ہوئی تھی۔ سنسد مارگ کا موڑ گھومتے ہوئے میں نے پیچھے نگاہ ڈالی تو مجھے کچھ فاصلے پر سڑک کے کھمبے کی روشنی میں ایک اسکوٹر سوار آتا دکھائی دیا۔ سکوٹر کی روشنی بجھی ہوئی تھی۔ یہ میرا

سراغرساں ہی تھا۔ وہ کچھ فاصلہ رکھ کر میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں ستسند مارگ پر سے گزر گیا۔ اب میں ہمایوں کے مقبرے کو جانے والی سڑک پر آ گیا۔ اس ہندو سراغرساں کے کریا کرم اور انتم سنسکار کے لئے میں نے ہمایوں کے مقبرے کو منتخب کیا تھا۔ میں نے گاڑی کی رفتار تیز نہ کی۔ سامنے لگے آئینے میں سے میں ہر موڑ کاٹتے وقت سراغرساں کو دیکھ کر اپنی تسلی کر لیتا تھا جو اسکوٹر پر برابر میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ ہمایوں کا مقبرہ وہاں سے کافی دور تھا۔ رات خاموش اور تاریک تھی۔ بڑی سڑک پر مرکری لائٹس لگی تھیں۔ یہاں روشنی تھی۔ میں گزرتا چلا گیا۔ سی آئی ڈی والا میرا تعاقب کر رہا تھا۔ سڑک سیدھی تھی، عقب میں وہ کچھ فاصلے پر اسکوٹر پر بیٹھا نظر آ جاتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے چلا آ رہا تھا۔ ہمایوں کے مقبرے کی قدیم عمارت آ گئی۔

یہ وہ عظیم الشان تاریخی عمارت تھی جہاں ہندوستان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر نے پناہ لی تھی۔ مقبرے کی بلند قامت پُر شکوہ عمارت ستاروں کی روشنی میں بھوتوں کا مسکن لگ رہی تھی۔ اس کے سامنے والے پارک میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ عقبی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی پارک کی کشادہ جگہ پر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دروازے کو بند کر کے تالا لگایا اور قصداً اپنے انداز کو پُر اسرار بناتا ہوا مقبرے کی طرف بڑھا۔ مجھے کچھ فاصلے پر اسکوٹر کے انجن کے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ مقبرے میں ایسی ایسی بھول بھلیاں تھیں کہ وہاں بڑی آسانی سے ایک آدمی کو ٹھکانے لگایا جا سکتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت مقبرے کا چوکیدار بھی کہیں لمبی تان کر سو رہا تھا۔ میں باغ کی سنگین روش پر سے ہوتا ہوا کشادہ چبوترے پر سے گزر کر مقبرے کے ٹھنڈے اور عظیم الشان ہال میں داخل ہو گیا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی میں بجلی کی تیزی کے ساتھ بائیں طرف کو ایک محراب کی آڑ میں ہو گیا اور پیچھے اس روش کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں سے گزر کر آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سی آئی ڈی والا سراغرساں میرے پیچھے ضرور آئے گا مگر پارک کی روش ستاروں کی روشنی میں ویران تھی۔ کہیں یہ شخص وہیں مقبرے کے بڑے دروازے کے پاس رک کر میری واپسی کا انتظار تو نہیں کر رہا؟ یہ بات میرے لئے سخت نقصان دہ تھی۔ میں اسے مقبرے کی طرف لانا چاہتا تھا۔ میں ہمایوں کی قبر کے قریب تیز تیز قدموں سے چلتا عقبی دروازے سے نکل کر مقبرے کے پچھواڑے آ کر ایک ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ ادھر بھی چھوٹا سا پارک تھا جو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف دور ایک کھمبے پر مرکری لائٹ روشن تھی۔ اس روشنی کو درختوں نے روک رکھا تھا۔ سی آئی ڈی والا ادھر بھی نہیں آیا تھا۔ اب مجھے ہر حالت میں اسے ٹھکانے لگانا تھا۔ اگر میں ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہوں تو قدرتی طور پر وہ صبح سپرنٹنڈنٹ کو رپورٹ دے دے گا کہ میں آدھی رات کو ہمایوں کے مقبرے میں گیا تھا۔ یہ بات میرے لئے مزید پریشانیاں پیدا کر سکتی تھی۔

میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ مجھے نیم روشنی میں ایک انسانی سایہ حوض والی روش کے درختوں

میں آگے بڑھتا دکھائی دیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ مقبرے کے عقبی دروازے کی طرف پھونک پھونک کر قدم رکھتا بڑھ رہا تھا۔ جب وہ چبوترے کے نچلے حصے میں آیا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ سی آئی ڈی والا ہی تھا۔ دو قدم چلنے کے بعد وہ رک کر بیٹھ جاتا تھا اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد پھر چلنے لگتا تھا۔ میرا شکار جال میں پھنسنے کے لئے چلا آ رہا تھا۔ میں گھٹنوں کے بل چلتا مقبرے کے تیسرے محرابی دروازے والے ستون کے پیچھے چلا گیا۔ میں اس حقیقت سے بھی باخبر تھا کہ اس سراغرساں کے پاس پستول ضرور ہو گا جو یقینی طور پر بھرا ہوا ہو گا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ شخص مقبرے کے اندر آ کر کیا کرے گا؟ ظاہر ہے اسے میری تلاش ہے اور وہ چھپ کر میری سرگرمیوں کو نوٹ کرنا چاہتا ہے۔ قرین قیاس یہی تھا کہ وہ مقبرے میں ہال میں داخل ہوتے ہی کسی ستون یا قبر کی اوٹ میں چھپ جائے گا۔ میرے سامنے بائیں جانب صرف دو محرابی دروازوں کے ستون تھے۔ ہمایوں کی قبر درمیان میں تھی جہاں اب میں اگر جاتا ہوں تو دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے وہیں رکے رہنا مناسب سمجھا اور بیٹھ گیا۔ مقبرے میں اندھیرا تھا۔ صرف سایوں اور خاکوں کی شکل میں قبر اور سراغ رساں دکھائی دے رہا تھا۔ سراغ رساں ستون کے پیچھے چھپا مجھے نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا ایک پہلو میری طرف تھا اور اس کے اور میرے درمیان دو ستونوں کا فاصلہ تھا۔ میں اس پر حملہ کرنے کا کوئی مؤثر اور کارگر طریقہ سوچ رہا تھا کہ میرا ٹارگٹ اپنی جگہ سے ہلا۔ سراغ رساں ستون سے ہٹ کر آگے قبر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ جھکا جھکا چل رہا تھا۔ وہ میری کھوج میں تھا اور پتہ کرنا چاہتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ میں بے آواز قدم اٹھاتا دوسرے اور پھر تیسرے ستون کے عقب میں آ گیا۔ خدا جانے اسے کیسے میری آہٹ محسوس ہو گئی تھی۔ حالانکہ میرے جوتے ربڑ کے تھے۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ میں ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے دل میں کیا تھا؟ وہ جلدی سے عقبی محرابی دروازے کی طرف چل پڑا۔ تین سیکنڈ کے بعد اسے میرے ستون کے قریب سے گزرنا تھا۔ جونہی وہ میرے ستون کے قریب سے نکلا میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس چھلانگ کے تین ایکشن تھے۔ چھلانگ لگانا، دشمن کو دبوچنا اور اس کی گردن کو اپنے شکنجے میں لے کر زور سے جھٹکا دینا۔ یہ کمانڈو ایکشن تھا اور اس خطرناک ایکشن سے کسی سراغ رساں کا بچ نکلنا ناممکن تھا۔ وہ میرے ساتھ ہی سنگ مرمر کے فرش پر گرا۔ میں نے پہلے ہی سے اہتمام کر لیا تھا کہ اس کی آواز نہ نکلے۔ اس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں تھی اور میں اسے یکے بعد دیگرے تین زبردست جھٹکے دے چکا تھا۔ میرا حملہ اس قدر اچانک اور زوردار تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ دشمن کے سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو میں نے آہستہ سے اپنا بازو اس کی گردن سے نکال لیا۔ وہ ایک طرف کو لڑھک گیا۔ میں نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔ گردن ایک طرف کو ڈھلک چکی تھی۔

میں سراغ رساں کی لاش کو گھسیٹ کر ایک ستون کے پیچھے لے گیا۔ یہاں ایک بار پھر اس کی چیکنگ کی۔ وہ مر چکا تھا۔ میں نے لاش کو وہیں پڑے رہنے دیا اور جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ لیتا پیچھے سے نکل کر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور مقبرے کے پارکنگ پیلس سے باہر آ کر اسے پوری رفتار سے چلاتا ہوا بڑی سڑک پر لے آیا۔ یہاں میں نے گاڑی کی رفتار کو آہستہ کر دیا۔ دستانے اتار کر جیب میں رکھ لئے۔ اب میرا ٹارگٹ دشمن نمبر ایک مسٹر ٹنڈن تھا، مگر ابھی صبح کی سیر کا وقت نہیں ہوا تھا۔ مجھے یہ وقت کسی ایسی جگہ گزارنا تھا جہاں مجھ پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے اور یہ جگہ سوائے نئی دلی کی کشادہ سڑکوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی لیکن میں ان سڑکوں پر کب تک گاڑی چلاتا؟ میں نے گاڑی کا رخ ائرپورٹ کی طرف کر دیا۔ ائرپورٹ وہاں سے کافی دور تھا۔ دوسرے وہاں مجھ سے پولیس کا کوئی آدمی پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ائرپورٹ پر تو ساری رات ٹریفک جاری رہتا ہے تاہم میں نے ائرپورٹ پر ایک ویران سی جگہ پر گاڑی کھڑی کر دی اور خود باہر نکل کر درختوں کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی وہاں سے میری نگاہ میں تھی مگر کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ٹھیک پچھلے پہر چار بجے میں گاڑی لے کر پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا، کیونکہ تھوڑی دیر بعد سیر کا وقت شروع ہونے والا تھا۔ گرمیوں میں چار ساڑھے چار بجے پو پھٹ پڑتی ہے اور سیر کرنے والے گھر سے نکل پڑتے ہیں۔ ہندو ویسے بھی سیر کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اور صبح کی سیر کرنا کبھی نہیں بھولتے۔ پارلیمنٹ ہاؤس والے پارک اور باغ کی ایک ایک جگہ میری نگاہوں میں تھی۔ میں نے ایک ویران سے مقام پر درختوں کے نیچے گاڑی کھڑی کر دی۔ ساڑھے چار کا وقت ہو گیا تھا۔ آسمان پر مشرق کی طرف ہلکی ہلکی نیلی روشنی پھوٹنے لگی تھی۔ پارک میں مجھے دو آدمیوں کے سیر کرتے ہیولے دکھائی بھی دیئے تھے۔ میں گاڑی سے نکل کر پارک کے بازو میں آم کے ان درختوں کے پیچھے ایک جگہ بیٹھ گیا۔ جہاں سے مسٹر ٹنڈن کو سیر کرتے ہوئے گزرنا تھا۔ یہاں سے میں پارلیمنٹ اسٹریٹ کے اس ناکے پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا جہاں سے مسٹر ٹنڈن کو پارک میں داخل ہونا تھا۔ رات کے اندھیرے میں پچھلے پہر کی نیلاہٹ نمودار ہونے لگی تھی۔ اندھیرے کی دھند آہستہ آہستہ دور ہو رہی تھی۔ پارک میں اب لوگ سیر کرنے نکل آئے تھے۔ مسٹر ٹنڈن کے آنے کا بھی وقت ہو گیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ میں یوں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا جیسے یوگا کی ورزش کر رہا ہوں۔ ہندو اس طرح بھی باغوں میں آ کر ورزش کیا کرتے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اور صبح ہو رہی تھی میری بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ خدا جانے کیا بات ہوئی تھی کہ مسٹر ٹنڈن ابھی تک پارلیمنٹ اسٹریٹ والے راستے سے پارک میں داخل نہیں ہوا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

جب دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا اور لوگوں کی بھی آمد و رفت زیادہ ہو گئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میری وہاں موجودگی خطرے کا باعث تھی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا گاڑی کی

طرف آیا اور پھر موتی نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اپنے پیچھے لگائے گئے سراغ رساں کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ بے چارہ خواہ مخواہ مارا گیا' لیکن اس کام میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ اب کسی دوسرے سراغ رساں کو میرے پیچھے لگ جانا تھا اور پھر نئے سرے سے مجھے پہلے اسے موت کے گھاٹ اتارنا پڑتا۔ اپنے بنگلے پر آکر میں نے شیو بنائی۔ غسل کیا اور اخبار لان میں سے اٹھا کر پڑھنے لگا اتنے میں خانساماں بھی آگیا۔ میں دھوتی اور بنیان میں آرام سے کرسی پر یوں ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا کہ جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے سو کر اٹھا ہوں۔ خانساماں نے مجھے ناشتہ بنا کر دیا۔ میں آکر لیٹ کر اخبار پڑھنے لگا۔ میرا ذہن صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ مسٹر ٹنڈن سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے؟ صبح کی سیر کے وقت اسے ہلاک کرنے کا منصوبہ میں نے ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں ایک اور سراغ رساں کی جان جاتی تھی جو اب اتنا آسان کام نہیں تھا۔ قدرتی طور پر ایک سراغ رساں کی موت کے بعد دوسرے سراغ رساں کی کڑی حفاظت کی جائے گی اور اگر میں اسے اپنے پیچھے لگاتا ہوں تو مجھے شناخت کیا جا سکتا تھا۔ میں نے مسٹر ٹنڈن کو ٹھکانے لگانے کے دوسرے منصوبے پر غور کرنا شروع کیا' مگر ذہن تھکا ہوا تھا۔ رات ایک بجے کا اٹھا ہوا تھا۔ نیند آ رہی تھی مگر میں آج کسی حالت میں بھی دفتر لیٹ نہیں جانا چاہتا تھا۔ ٹھیک وقت پر میں اپنے آفس پہنچ گیا۔ مقبرہ ہمایوں والی لاش کے بارے میں مسٹر ٹنڈن کو خبر مل چکی تھی مگر اس نے فون پر مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ اس روز اس نے مجھے فون ہی نہ کیا۔ سیکرٹری انٹیلی جینس مسٹر تیواڑی نے بھی اپنے ایک آدمی کے قتل کی کوئی بات نہ کی۔ میں سمجھ گیا مسٹر تیواڑی یقیناً مسٹر ٹنڈن کے ساتھ ہے اور میری مشتبہ شخصیت کے سلسلے میں ٹنڈن نے اسے بھی اعتماد میں لے رکھا ہے۔ اگلے روز اخبارات میں بھی ہمایوں کے مقبرے میں لاش پائی جانے کی کوئی خبر نہ آئی۔ محکمے نے اس خبر کو خفیہ رکھا تھا۔ میں معمول کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ دو دن گزر گئے تو تیسرے دن دوپہر کے بعد مسٹر ٹنڈن نے مجھے فون کیا اور کہا۔ "کیپٹن! تمہیں ایک شبھ خبر سنانی ہے۔ مٹھائی تیار رکھو"۔

میں ٹھٹک سا گیا۔ مسٹر ٹنڈن بڑا خوش تھا۔ یہ مجھے کون سی خوشخبری سنانے والا ہے؟ میں نے آواز میں خوشی کا تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "سر! ایسی کون سی شبھ خبر ہے۔ مٹھائی تو ویسے بھی مجھے آپ کے چرنوں میں بھینٹ کر کے خوشی ہو گی"۔

اس نے بتایا کہ میری ترقی ہو گئی ہے۔ مسٹر باسو کو ترقی دے کر بنگال بھیجا جا رہا ہے اور میں اس کی جگہ سیکرٹری نمبر دو کی آسامی پر فائز ہو رہا ہوں۔ یقیناً یہ میرے لئے ایک ٹرمپ تھا۔ مسٹر ٹنڈن کون سی حکمت عملی اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ بہرحال میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے روز دفتر میں مجھے سب نے بدھائی دی۔ مجھے پارٹی دینی پڑی۔ دفتر کے سبھی لوگ موجود تھے۔ مسٹر ٹنڈن مجھے کہہ رہے تھے۔ "کیپٹن مہتہ! تم نوجوان ہو۔ تمہارا مستقبل بڑا روشن ہے۔

اب تمہیں پہلے سے بھی زیادہ ذمے داری سے کام کرنا ہو گا"۔

سجاتا بھی میری ترقی کا سن کر بڑی خوش ہوئی۔ بہن کرشنا کماری بھی اپنے خاوند کے ساتھ مٹھائی لے کر مجھے مبارک باد دینے آئی۔ ناگ پور والی بہن کا بھی مبارک بادی کا تار آیا۔ سجاتا کے ماتا پتا نے بھی اس خوشی میں اپنے گھر پر میری دعوت کی۔ وہاں میری بہن کرشنا کماری بھی مدعو تھی۔ کرشنا کماری نے مجھے ایک طرف لے جا کر سمجھایا کہ اب مجھے شادی میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ سجاتا کے ماتا پتا بھی اپنی بچی کی ذمے داری سے فارغ ہونا چاہتے ہیں۔ اور پھر تم دونوں ایک دوسرے سے پریم بھی کرتے ہو۔ پھر بھیا تم کیا سوچ رہے ہو؟"

میں کیا سوچ رہا تھا اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہو جاتا تو وہاں قیامت آ جاتی۔ میں نے کرشنا سے کہا کہ ابھی نئی ڈیوٹی سنبھالی ہے۔ اگلے برس سوچوں گا بیاہ کے بارے میں۔ اس نے سجاتا کی ماں کو جا کر کہہ دیا کہ میں اگلے برس سجاتا سے شادی کرنے پر رضامند ہو گیا ہوں۔ میں خاموش رہا۔ ایک برس میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ سجاتا بھی بڑی خوش ہوئی۔

میرے سیکرٹری بن جانے سے اب دن میں ایک بار مجھے پرائم منسٹر ہاؤس کے سیکرٹریٹ میں مسٹر ٹنڈن کے پاس جانا پڑتا تھا جہاں دفتری امور پر روز کے روز ان سے بات چیت ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے مجھے سیکرٹری کے عہدے پر ترقی دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مسٹر ٹنڈن مجھے اپنی نگاہ میں رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے فرائض ذمے داری سے ادا کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اس دوران میرے ایجنٹ نے جو ضرور دلی میں موجود تھا مجھ سے کسی قسم کا رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ بات میرے لئے حیرانی کا باعث بھی تھی۔ ظاہر ہے بھارت میں پاکستان کے خلاف ایٹمی ہتھیاروں پر کام زور شور سے جاری تھا اور اسے روکنے کی اشد ضرورت تھی۔ میں اس خیال سے لال قلعے کی طرف نہیں جاتا تھا کیونکہ یہ طے شدہ امر تھا کہ میری نگرانی برابر کی جا رہی تھی۔ میں نے کچھ پراسرار آدمیوں کو اپنے پیچھے منڈلاتے دیکھا بھی تھا۔ یہ شکلیں بدلتی رہتی تھیں۔ ان حالات کے پیش نظر میرا لال قلعے کی طرف جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا' بلکہ میں نے تو یہ سوچ رکھا تھا کہ اگر کسی جگہ اپنے آدمی نے بھی مجھ سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے پہچاننے سے انکار کر دوں گا۔ یہ میرے خلاف بچھایا گیا جال بھی ہو سکتا تھا۔

برسات کا موسم آ گیا۔ دلی کے آسمان پر دوسرے تیسرے روز کالی کالی گھٹائیں اڈ آتیں اور بارش ہوتی۔ ان ہی دنوں کی بات ہے۔ ایک دن بارش نہیں ہو رہی تھی مگر آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ میں سگریٹوں کا ڈبہ خریدنے کے لئے ایک اسٹور میں داخل ہوا تو ایک آدمی تیزی سے میرے قریب سے ہو کر نکل گیا۔ وہ اسٹور کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جدھر چینی کے برتنوں کا سامان سجا ہوا تھا۔ مجھے اس آدمی پر کچھ غصہ بھی آیا کیونکہ اس کی کہنی مجھے لگی تھی۔ کیسے بدتمیز لوگ ہوتے ہیں کہ چلنا بھی

نہیں آتا۔ میں سگرٹ خریدنے لگا تو ایک دم سے خیال آیا کہیں یہ اپنا ایجنٹ تو نہیں ہے؟ میں ایجنٹ کے بارے میں بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ اس بات کا شدید امکان اور خطرہ تھا کہ مسٹر نٹذن کسی اپنے آدمی کو میرا ایجنٹ بنا کر میرے پاس بھیج دے۔ اگرچہ کوڈ کا لفظ میرے ایجنٹ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا اس کے باوجود میں بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ میری نظریں اپنے آپ چینی کے برتنوں والے حصے کی طرف اٹھ گئیں جو آدمی مجھے کہنی مار کر میرے قریب سے نکل گیا تھا وہ لمبی میز کے پاس میری طرف منہ کر کے کھڑا چائے کے ایک قیمتی سیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ ہماری آنکھیں چار ہوئیں تو وہ ذرا سا مسکرایا اور چائے کی ایک خوب صورت چینک کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ میں اُدھیڑ بن میں پڑ گیا۔ یہ ایجنٹ بھی ہو سکتا تھا اور نٹذن کا بھیجا ہوا آدمی بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے چائے کی چینک میں میرے نام کوئی پیغام رکھ دیا تھا، مگر ضروری تھا کہ اُس کی زبان سے میں کوئی لفظ سنوں۔ اس کو سنے بغیر میں چائے کی چینک کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا۔ سگریٹ کا بنڈل وہیں کاؤنٹر پر رکھوا کر میں شیونگ کریم خریدنے اسٹور کے عقبی حصے میں چلا گیا۔ یہاں دونوں جانب اونچے اونچے شیلف لگے تھے جن میں قسم قسم کا سامان رکھا ہوا تھا۔ میں اپنے لئے کریم کی ٹیوب تلاش کر رہا تھا کہ وہی آدمی جو ٹھنڈے سوٹ میں ملبوس تھا اور اچھا خاصا بردکھائی دے رہا تھا میرے قریب آ کر شیلف میں صابن پسند کرنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "تمہارا کوڈ کس طرف سے شروع ہوتا ہے؟"

میں نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا اور کہا۔ "آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں آپ کو بالکل نہیں جانتا"۔

اب اس نے اپنا کوڈ لفظ بول دیا۔ یہ کوڈ لفظ خاص ہمارا کوڈ تھا اور اپنے آدمی کے سوا دوسرے کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ کمانڈو اور جاسوسی کی مہموں میں کوڈ لفظ اسم اعظم کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی بے حد حفاظت کی جاتی ہے' کیونکہ اسی کلید کی مدد سے دشمن کے ملک میں اپنے آدمی کو پہچانا جا سکتا ہے' لیکن میں اب بھی اسے اپنا کوڈ لفظ بتاتے ہوئے گھبرا رہا تھا' مگر مجھے بتانا ہی پڑا۔ اس آدمی نے صابن کی ٹکیہ کو سونگھتے ہوئے کہا۔ "اچھا صابن ہے۔ مگر صاحب آج کل بازار میں نقلی مال بہت آگیا ہے"۔ پھر نیچے شیلف میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "نیلے پھولوں والی چینک میں تمہارے نام پیغام ہے"۔

اتنا کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اسٹور کے کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ مجھے اس آدمی کی موجودگی کا بھی احساس تھا جو مسٹر نخذن کے اشارے سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں اس لمبی میز کے قریب آگیا جہاں چینی کے ڈنر سیٹ' چائے سیٹ اور دوسرا سامان فروخت کے لئے پڑا تھا۔ دو تین عورتیں ایک ڈنر سیٹ کی پلیٹیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ نیلی پھولدار چینک میری دائیں جانب رکھی تھی جس میں ہمارے ایجنٹ نے میرے نام کوئی پیغام ڈال دیا تھا۔ اگر اس شریف آدمی کو علم ہوتا کہ محکمے کی طرف سے نگرانی کی جا رہی ہے تو عین ممکن تھا کہ وہ یہ ضروری پیغام چائے کی چینک میں نہ ڈالتا' مگر وہ یہ کام کر چکا تھا۔ اب اس پیغام کو چینک میں سے نکالنا تھا۔

میں نے چینی کے ایک کپ کو اٹھا کر ذرا اوپر کر کے دیکھا۔ تاثر یہ دیا کہ میں روشنی میں اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں' مگر حقیقت میں میں اسٹور میں لوگوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی کو شناخت کرنا چاہتا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ ہر دوسرے تیسرے روز میرا سراغ رساں بدل جاتا تھا۔ دو روز میں ایک چہرے کو اپنے آس پاس منڈلاتے دیکھتا اور تیسرے دن وہ غائب ہو جاتا۔ اس کے بعد ایک اور اجنبی چہرہ آ جاتا۔ مجھے وہ خاص چہرہ اسٹور میں نظر نہ آیا۔ میں نیلے پھولوں والی چینک کے قریب آگیا' پھر اسے اٹھا کر اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا اس کے اندر تہہ کیئے ہوئے نیلے کاغذ کا چوکور ٹکڑا

پڑتا تھا۔ اس قسم کے اہم پیغام کی ترسیل کے لئے مجھے یہ جگہ ہرگز پسند نہ آئی' پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اپنے ایجنٹ کو علم نہیں ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔

میں نے چائے کی چینک کا چھوٹا سا ڈھکنا جان بوجھ کر نیچا قالین پر گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں میز کے نیچے جھک گیا۔ چائے کی چینک میں تہہ کیا ہوا نیلا کاغذ نکل کر اپنے بوٹ کے اندر چھپا دیا۔ اس مقصد کے لئے میں چینک کو نیچے جھکتے ہوئے ساتھ ہی لے آیا تھا۔ اس کام میں مجھے بمشکل تین سیکنڈ لگے ہوں گے۔ چینک کو واپس میز پر رکھ کر اس کے اوپر ڈھکنا لگایا' پھر اس کے قریب ہی پڑے ہوئے ایک شیشے کے ایش ٹرے کو خریدنے کی غرض سے اٹھا لیا۔ میرے لئے اب وہاں کوئی چیز خریدنا ضروری ہو گیا تھا۔ شیشے کا ایش ٹرے خریدنے کے بعد' میں اسٹور سے باہر نکل آیا۔ اپنا سوٹ پوش ایجنٹ اب مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر میں واپس اپنے موتی نگر والے بنگلے پر آ گیا۔ لگتا تھا کہ اپنا ایجنٹ میری تلاش میں تھا۔ اگر میں اس روز اسٹور پر نہ جاتا تو ایجنٹ مجھے کسی دوسری جگہ ضرور ملتا۔ گھر آتے ہی میں باتھ روم میں گھس گیا۔ جوتے میں چھپایا ہوا نیلا کاغذ نکال کر کھولا۔ مرموز الفاظ میں کاغذ پر لفظوں کی شکل میں پوری چودہ سطریں تھیں۔ یہ ایک ایسی مرموز زبان تھی جس کو کھولنے کے لئے کم از کم دس پندرہ منٹ کی محنت کرنی تھی۔ میں نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ باہر نکل کر بیڈ روم میں آ گیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ نوکرانی کچن میں خانساماں کے ساتھ کھانا تیار کر رہی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کروں گا۔ مجھے پریشان نہ کیا جائے۔ ٹیلی فون آئے تو کہہ دینا کہ میں سو رہا ہوں۔

بیڈ روم میں آ کر میں نے دروازے کو اندر سے بولٹ کر لیا۔ کاپی اور پنسل لے کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ نیلا کاغذ نکال کر سامنے رکھا اور مرموز زبان کے لفظوں کو کھول کر اسے تحریر کی شکل میں لانا شروع کر دیا۔ اس کام میں مجھے پورا آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ جب میں کوڈ کی تحریر کو اردو میں منتقل کر چکا تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نیلے کاغذ کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر کے باتھ روم کے فلیش میں بہا دیا۔ باتھ روم میں ہی جا کر مرموز خفیہ پیغام پڑھنے لگا۔ پیغام یہ تھا۔

"جو کچھ ہو گیا ہے ہمیں معلوم ہے۔ پندرہ اگست کی شام کے چھ بجے اعتماد الدولہ پارک میں نیلی قمیص والا ہمارا آدمی تمہیں ایک پیکٹ دے گا۔ اس میں تمہارے لئے کارآمد چیزیں ہوں گی۔ نئی ہدایات بھی ہوں گی۔ نیوکلیائی ہتھیاروں کا کام اب بمبئی کے ساحل پر ایک زیر زمین لیبارٹری میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ بمبئی کے اندھیری اسٹیشن پر ہمارا ایک ساتھی تمہیں ملے گا۔ باقی ہدایات پیکٹ میں ہوں گی۔ اس نئے مشن کو تمہیں ہر حال میں کامیابی سے مکمل کرنا ہو گا۔ یہ وطن عزیز کی سالمیت کا تقاضا ہے اور تمہارا نیشنل فرض ہے۔"

میں نے پندرہ اگست۔ شام چھ بجے اور اعتماد الدولہ پارک کو ذہن میں بٹھا لیا۔ ترجمہ کئے

ہوئے کاغذ کو پرزے پرزے کیا۔ اسے باتھ روم کے فلیش میں بہایا اور پلنگ پر آکر لیٹ گیا۔ اس روز اگست کی بارہ تاریخ تھی۔ پندرہ اگست میں ابھی دو دن باقی تھے۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اب بمبئی کے ساحل پر کمانڈو اٹیک کرنا ہوگا۔ میرے ساتھ ایک آدمی بھی ہوگا جو مجھے بمبئی کے اندھیری اسٹیشن پر ملنے والا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں دفتر سے چھٹی لیتا ہوں تو یقینی بات تھی کہ مسٹر ٹنڈن کی طرف سے مامور کیا ہوا آدمی میرا تعاقب کرتا میرے ساتھ جائے گا۔ اس کا میرا پیچھا کرنا میرے مشن کی اور خود میری تباہی کا باعث بن سکتا تھا۔ اگر میں کسی بہانے چھٹی لے کر اکیلا جاتا ہوں تو مسٹر ٹنڈن کے دل میں کئی نئے شبہات پیدا ہو سکتے تھے اور ممکن تھا کہ وہ میرے پیچھے لگائے گئے آدمیوں کی تعداد میں اضافہ کر دے۔ اگر میں سجاتا کو ساتھ لے کر جاتا ہوں تو معاملے کی سنگینی کافی حد تک دور ہو سکتی تھی اور عین ممکن تھا کہ ٹنڈن صرف ایک آدمی کو ہی میرے پیچھے لگانے پر اکتفا کرے۔ میں انہیں یہ بھی نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں بمبئی کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے پلاننگ کرنی شروع کر دی۔ دو دن اسی پر غور و فکر کرتا رہا۔ میں ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ یہ جو میرے پیچھے سی آئی ڈی کا آدمی لگ گیا تھا اس نے مجھے سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ پندرہ تاریخ کو اعتماد الدولہ پارک میں جاتے ہوئے بھی اس آدمی کی موجودگی لازمی تھی لیکن میں نے پندرہ اگست کو اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی کو چکمہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ آدمی میرا پیچھا کرتے ہوئے اعتماد الدولہ پارک تک آئے۔ جہاں مجھے اپنے خصوصی ایجنٹ سے ایک خفیہ اور انتہائی ضروری پیکٹ وصول کرنا تھا۔

پندرہ اگست کو بھارت اپنا یوم جمہوریہ مناتا ہے اس لئے اس دن پورے بھارت میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ میں گھر میں بیٹھا اپنی نئی اسکیم پر غور کر رہا تھا۔ میں اس امکان کو بھی رد نہیں کر سکتا تھا کہ انٹیلی جینس چیف کو ننانوے فیصد یقین ہوگا کہ ہمایوں کے مقبرے والا قتل میں نے ہی کیا ہے۔ اس اعتبار سے اب جو آدمی میری نگرانی پر لگایا گیا ہوگا وہ ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہوگا اور اسے اتنی آسانی سے میں اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکوں گا۔

یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے اپنے راستے سے ہٹانے کی بجائے چکمہ دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں اپنے دل میں اعتماد الدولہ پارک کے قریب جو سینما ہاؤس تھا اس کا تصور جما رہا تھا۔ یہ سینما ہاؤس میرا دیکھا بھالا تھا۔ سب سے بڑی امید افزا بات یہ تھی کہ اس سینما ہاؤس کا ایک ایسا عقبی دروازہ بھی تھا جو سینما ہال کے اندر ہی سے سینما کے ایک گودام میں کھلتا تھا۔ اس گودام میں سینما کے پینٹر نے اپنا اسٹوڈیو بنا رکھا تھا جہاں وہ مچان بنا کر بڑے بڑے بورڈوں پر تصویریں بناتا تھا۔ سینما کے ادھیڑ عمر پینٹر کا نام کرتارا تھا۔ میں اسے یوں جانتا تھا کہ مجھے اس کے بنائے ہوئے بورڈ بڑے پسند تھے اور جب بھی سجاتا کے ساتھ میں سینما دیکھنے جاتا تو اس سے ملاقات ہو جاتی تھی اور میں اس کی بنائی ہوئی فلم ایکٹریسوں کی بڑی

بڑی تصویروں کی ضرور تعریف کرتا تھا۔ میں نے اسی سینما ہاؤس کو چن لیا تھا۔ یہی وہ قریبی جگہ تھی جہاں سے میں اپنے پیچھے لگے ہوئے سی آئی ڈی کے آدمی کو چکمہ دے سکتا تھا۔

چنانچہ پندرہ تاریخ والے دن میں نے سینما ہاؤس میں دوپہر کا شو دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ اس روز جمعرات کا دن تھا اور دفتر میں چھٹی تھی۔ دوپہر کو کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے سو گیا۔ میں نے تین بجے کا الارم لگا دیا تھا۔ تین بجے دوپہر کو اٹھا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ خانساماں اور نوکرانی سے کہا کہ میں ایک دوست کے ہاں جا رہا ہوں اور گاڑی نکال کر سینما ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہلے روز کی طرح میں نے اس دن بھی بنگلے سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی کو شناخت کر لیا۔ ہمارے لئے سی آئی ڈی کے آدمیوں کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔ ان کی چال ڈھال اور حرکات و سکنات ہمیں فوراً بتا دیتی ہیں کہ یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔ چنانچہ اس آدمی کو بھی میں نے جلد ہی پہچان لیا۔ وہ بھی ایک موٹر سائیکل پر میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اعتکاالدولہ پارک کے قریبی سینما ہاؤس میں کوئی نئی ہندوستانی فلم چل رہی تھی۔ کافی رش تھا۔ میں نے گاڑی پارکنگ کی جگہ پر کھڑی کی اور اپنے جاسوس کی آنکھوں کے سامنے گیلری کا ٹکٹ لیا اور سینما ہال میں داخل ہو گیا۔ گیلری کا ٹکٹ میں نے اس لئے لیا تھا کہ گیلری کی دیوار جہاں شروع ہوتی تھی وہاں ایک دروازہ راہداری میں کھلتا تھا۔ اس راہداری میں باتھ روم کے ساتھ ہی ایک زینہ نیچے کرتارے پینٹر کے گودام میں جاتا تھا اور گودام کا دروازہ سینما ہاؤس کے پیچھے چھوٹے سے گندے نالے پر کھلتا تھا۔ اس گندے نالے کے پار اعتکاالدولہ کا پارک تھا۔ میں گیلری میں اس نشست پر بیٹھا جو گیلری کی دیوار کے قریب تھی۔ گھڑی میری کلائی پر بندھی تھی جس کی سوئیاں اندھیرے میں چمک کر مجھے وقت بتا رہی تھیں۔ چار بجے فلم شروع ہوئی۔ سوا پانچ بجے انٹرول ہوا۔ میں اپنا آپ اپنے پیچھے لگے ہوئے جاسوس کو دکھانے کے لئے انٹرول کے وقت گیلری سے اتر کر باہر آ گیا۔ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے ہو کر ٹھنڈا مشروب پیا اور پھر سینما ہال میں داخل ہو گیا۔

فلم شروع ہوئی۔ ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ میں اپنی نشست پر یوں دراز ہو گیا کہ جیسے آرام کر رہا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ جب میں اٹھ کر جاؤں تو دور پیچھے سے دیکھنے والوں کو یہ احساس نہ ہو کہ میری نشست خالی ہے۔ میرا قیاس تھا کہ جاسوس گیلری کے پیچھے والی کسی قطار میں بیٹھا ہو گا۔ جب میری گھڑی نے ٹھیک پونے چھ بجائے تو میں آہستہ سے اٹھ کر گیلری کی دیوار والے دروازے کی طرف بڑھا جس پر نیلا پردہ گرا ہوا تھا۔ باتھ روم جانے کے لئے لوگ اسی دروازے سے جاتے تھے۔ راہداری میں دھیما سا سرخ بلب جل رہا تھا۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا باتھ روم کے عقبی زینے سے اتر کر کرتارے پینٹر کے گودام میں اتر آیا۔۔۔ گودام میں رنگ روغن کے ڈبے اور بڑے بڑے زیر تکمیل بورڈ پڑے تھے۔ کرتارا اور اس کے شاگرد وہاں موجود نہیں تھے۔ میں چیزوں کے اوپر سے گزرتا گودام کے پیچھے

والے دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ آسمان پر بادل تھے مگر برسات کے دنوں میں شام کے چھ بجے بھی کافی روشنی ہوتی ہے۔ چھوٹا گندا نالہ عبور کرنے کے بعد میں اعتمادالدولہ پارک میں آگیا۔ اعتمادالدولہ ..... کا مقبرہ پارک کے وسط میں بنا ہوا تھا۔ پارک میں قسم قسم کے درختوں کی قطاریں بنی تھی۔ قطعوں میں رنگ برنگ کے پھول کھل رہے تھے۔ لوگ سیر کر رہے تھے۔ بچے بھی ایک طرف گیند کھیل رہے تھے۔ میری نگاہیں کسی نیلی قمیص والے آدمی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر مجھے ایک بینچ پر نیلی قمیص والا آدمی نظر آگیا جو اخبار کھولے بظاہر بڑے انہماک سے مطالعے میں مصروف تھا۔ میں بس کے سامنے سے گزرا تو اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے مجھے اسی وقت دیکھ لیا تھا جب میں پارک میں داخل ہوا تھا۔

میں پارک کے چبوترے والی سیڑھیوں سے ہٹ کر ایک جگہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں نیلی قمیص' سانولے رنگ اور گھنگریالے بالوں والے آدمی نے اخبار کو اچھی طرح سے لپیٹ کر جیب میں ڈالا۔ ہاتھ پتلون کی جیب میں ہی رکھا اور ٹہلتا ٹہلتا میرے قریب سے گزرا۔ قریب سے گزرتے ہوئے وہ رک کر یوں پیچھے دیکھنے لگا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کوڈ کا نمبر آہستہ سے بولا۔ کوڈ نمبر ہمارا خفیہ نمبر ہی تھا۔ اب مجھ پر واجب تھا کہ میں اسے اپنا دوسرا خفیہ کوڈ نمبر بتاؤں چنانچہ میں نے اسے بھی اپنا خفیہ کوڈ آہستہ سے بول دیا... وہ کوئی جواب دیئے بغیر آگے کو چل دیا۔ کچھ فاصلے پر ایک درخت کے ساتھ لوہے کی ایک ٹوکری بندھی ہوئی تھی۔ اس میں لوگ کاغذ' دونے اور آئس کریم کے خالی ڈبے ڈال دیتے تھے۔ نیلی قمیص والا وہاں جا کر کھڑا ہو گیا' پھر اس نے جیب سے اخبار نکال کر اس کا گولا سا بنایا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال کر دوسری طرف چلتا ہوا پارک سے باہر نکل گیا۔ میرے لئے اس نے پیکٹ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔ میں نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ لوگ ادھر ادھر سیر کر رہے تھے۔ بچے کھیل رہے تھے۔ سب سے زیادہ اطمینان بخش بات یہ تھی کہ مجھے اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب مجھے جلدی سے کام لینا تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگایا۔ پیکٹ میں ابھی تین چار سگریٹ باقی تھے مگر میں نے اسے یوں ہاتھ میں مروڑ دیا جیسے خالی ہو گیا ہو' پھر اسے ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لئے درخت کی طرف بڑھا۔ ہاتھ ردی کی ٹوکری میں ڈال کر پیکٹ اندر پھینکا اور ساتھ ہی اخبار کے گولے میں سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر اپنی ہتھیلی میں چھپا لیا' پھر میں نے ہاتھ کو پتلون کی جیب کے اندر کر لیا اور پارک میں اس طرف چلنے لگا جدھر گندے نالے کا چھوٹا سا پل تھا۔

میں جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے ہوتا ہوا واپس سینما ہال میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فلم ختم ہو گئی اور سینما ہال میں روشنی ہو گئی۔ اگر میں پانچ منٹ دیر کر دیتا تو مجھے سینما ہال میں

داخل ہوتے آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ لوگوں کے ہجوم کے ساتھ میں بھی پارکنگ لاٹ میں آگیا۔ کار نکالی اور اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ دو تین بازار گزرنے کے بعد میں نے شیشے میں سے پیچھے دیکھا۔ وہی سرخ موٹر سائیکل والا سی آئی ڈی کا آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ اب مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ خدشہ اگر تھا تو یہی کہ کہیں اس نے مجھے پارک میں ردی کی ٹوکری میں ہاتھ ڈالتے نہ دیکھ لیا ہو؟ اس طرح وہ سمجھ سکتا تھا کہ میں نے ٹوکری میں سے کوئی خاص چیز اٹھائی ہے اور ردی کی ٹوکری میرا ڈیڈ ڈراپ تھی۔ اس کا علاج میں نے یہ کیا کہ بنگلے میں آتے ہی جیب سے پیکٹ نکال کر ایک نظر دیکھا اور پھر اسے ٹیپ ریکارڈر کے سیٹ کو کھول کر اس کے اندر چھپا کر ٹیپ ریکارڈر کو دوبارہ بند کر دیا۔ اگر میرا خدشہ درست تھا تو رات بارہ بجے تک میرے گھر پر پولیس کا چھاپہ پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کھانا کھایا اور برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا اور مزے سے سگریٹ پینے لگا' پھر جب رات ہو گئی تو ڈرائنگ روم میں کھڑکی کے پاس والے صوفے پر اس طرح بیٹھ گیا کہ میری نظر بنگلے کے گیٹ پر تھی۔ اگر پولیس بنگلے میں داخل ہوتی ہے تو میں اسے دیکھ کر ٹیپ ریکارڈر میں سے پیکٹ نکال کر باتھ روم کے فلش میں اسے بہا سکتا تھا۔ پیکٹ کا سائز صابن کی ٹکیہ جتنا تھا۔

خانساماں مجھے کھانا کھلانے کے بعد چلا گیا۔ برتن وغیرہ صاف کر کے نوکرانی بھی کوئی نو بجے رات چلی گئی۔ میں بنگلے میں اکیلا رہ گیا۔ اس کے بعد سجاتا کا ٹیلی فون آگیا۔ پندرہ بیس منٹ وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ بڑی مشکل سے میں نے اس سے پیچھا چھڑایا۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ یہ وقت خفیہ پیکٹ کھولنے کے لئے بہت موزوں تھا۔ بیڈ روم کے دروازے کا بولٹ میں نے پہلے ہی چڑھا رکھا تھا۔ کمرے میں صرف بیڈ لیمپ روشن تھا۔ ڈرائنگ روم کا بڑا دروازہ بھی اندر سے مقفل تھا۔

میں نے ٹیپ ریکارڈر کے پیچھے سے خفیہ پیکٹ نکالا اور پلنگ پر بیڈ لیمپ کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اس پیکٹ میں میرے قیاس کے مطابق ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر سیٹ تھا۔ اس کے علاوہ ایک براؤن رنگ کا تہہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ اسے کھولا تو وہ مرموز اور نقطوں کی زبان میں میرے نام ایک انتہائی اہم پیغام تھا۔ میں نے اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تو وہ یہ تھا۔

"۲۲ اگست کی رات کو گیارہ بجے بمبئی کے لوکل اسٹیشن اندھیری پر ہمارا آدمی تمہیں ملے گا۔ اس کا سر منڈا ہوا ہو گا۔ وہ پلیٹ فارم کے بینچ پر بیٹھا نظر کی عینک کے شیشے بار بار صاف کر رہا ہو گا۔ اس کے پاس بیٹھ جانا۔ تم کوئی بات نہ کرنا۔ وہ بارش کی بات کرتے ہوئے اپنا کوڈ لفظ بولے گا۔ جواب میں تم بھی کوڈ لفظ بولنا۔ اگلا پروگرام وہ تمہیں خود بتائے گا۔ وہ نئے خطرناک مشن میں تمہارا نیا کمانڈو ساتھی ہو گا۔ ایک شخص تمہارا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرنا۔ وہ ہماری زد میں ہے"۔

میں نے خفیہ پیغام کے ضروری نقطے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لئے اور دونوں کاغذوں کو باتھ روم میں جا کر جلایا اور ان کی راکھ فلش میں بہا دی۔ اب میں نے ٹرانسمیٹر کا جائزہ لیا۔ بے حد جدید

اور طاقت ور ٹرانسمیٹر تھا۔ میں اس پر اپنے باس سے بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی اس کی اب ضرورت نہیں تھی۔ مجھے میرا نیا مشن سونپا جا چکا تھا۔ اب مجھے یہاں سے چھٹی لے کر بمبئی پہنچنا تھا۔ یہ کام بڑا الجھا ہوا تھا۔ اگرچہ باس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میرے تعاقب کرنے والے سے وہ نمٹ لیں گے۔ اس کے باوجود مجھے معلوم تھا کہ میں جہاں بھی جاؤں گا وہ میری نگرانی کر رہا ہو گا اور پیچھے انٹیلی جینس چیف مسٹر ٹنڈن کو میری ابتدائی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچاتا رہے گا۔ اگر میں دھوکا دے کر بمبئی جاتا ہوں تو میرا جاسوس میرا پول کھول سکتا تھا لیکن میں نے یہی فیصلہ کیا کہ پہلے دلی سے کسی دوسرے شہر کو روانہ ہونگا اور وہاں سے روپوش ہو کر بمبئی چلا جاؤں گا۔

اس بار بمبئی کے ساحل والا بھارتی ایٹمی پلانٹ "سارس" میرا ٹارگٹ تھا اور اگر میں دفتر میں بمبئی کا کہہ کر جاتا ہوں تو پلانٹ کو تباہ کرنے میں کامیاب بھی جو جاتا ہوں تو بلاشبہ مسٹر ٹنڈن مجھے گرفتار کر لے گا۔ علاوہ ازیں ایک سی آئی ڈی والا مستقل طور پر میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ۲۲ اگست میں زیادہ دن باقی نہیں تھے۔ مجھے عجلت سے کام لینا تھا۔ میں نے ذہن میں ایک منصوبہ بنایا اور اس پر فوری طور پر عمل شروع کر دیا۔ ایک روز میں دفتر میں کام کرتے کرسی پر سے نیچے گر پڑا اور یہ ظاہر کیا کہ میں بے ہوش ہو گیا ہوں۔

دفتر میں سبھی گھبرا گئے۔ مجھے فوری طور پر اسپتال لے جایا گیا۔ میری ای سی جی کی گئی۔ مجھے تیز دوائیاں سنگھا کر ہوش میں لایا گیا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے اوپر نقاہت طاری کر رکھی تھی اور بار بار سینے میں درد کی شکایت کر رہا تھا۔ سجاتا اور اس کے ماتا پتا اور میری بہن کرشنا کماری اسپتال میں موجود تھیں۔ یہ سب بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ لگتا ہے ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ انہیں بے حد آرام کی ضرورت ہے۔ جب میں نے تنہائی میں ڈاکٹر سے کہا کہ میں کسی پہاڑ پر کچھ روز آرام کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا۔ " زیادہ بلندی پر جانے کا میں مشورہ نہیں دوں گا۔ ہاں آپ اگر کسی کم بلندی والے پہاڑ پر چند روز گزار آئیں تو آپ کی صحت کے لئے بہتر ہو گا "۔

اسپتال کے اس ڈاکٹر کی رپورٹ پر میں نے دفتر میں ایک مہینے کی چھٹی کی درخواست دے دی۔ مجھے فوراً چھٹی مل گئی۔ ویسے بھی میری چھٹی رہتی تھی۔ دفتر والوں سے میں نے یہی کہا کہ شاید نینی تال چلا جاؤں۔ سجاتا سے مشورہ کیا تو اس نے مجھے پالم پور جانے کے لئے کہا۔ وہ اپنی ماتا کے ہمراہ میرے ساتھ جانا چاہتی تھی مگر میں نے اسے بڑی مشکل سے روکا اور ایک روز ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چندی گڑھ کی طرف پرواز کر گیا۔ چندی گڑھ سے مجھے پالم پور جانا تھا۔ بظاہر مجھے ایسا کوئی آدمی نظر نہ آیا جو میرا پیچھا کر رہا ہو لیکن ایسا کبھی ہو نہیں سکتا تھا۔ ٹنڈن نے میرے تعاقب میں اپنا ایک آدمی ضرور لگایا ہو گا اور چونکہ وہ میرے لئے اجنبی تھا اس لئے میں اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اگر میں پالم پور سے کوئی دوسری فلائٹ لے کر بمبئی یا کسی دوسرے شہر کو جاتا تو یقینی بات تھی کہ میرا جاسوس پیچھے مسٹر ٹنڈن کو اطلاع کر دیا کہ میں نے شہر تبدیل کر دیا ہے۔ میری نگرانی مزید سخت کر دی جاتی۔ اس لئے یہی سوچا کہ پالم پور

میں ہی رہ کر مجھے اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی سے نجات حاصل کرنی چاہئے۔ یہ جو میری نگرانی شروع ہو گئی تھی اس نے مجھے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر میں اپنے جاسوس کو شناخت کر کے پالم پور میں ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں تو جب مسٹر ٹنڈن کو اس جاسوس کے پیغامات نہ ملے تو وہ سمجھ جائے گا کہ میں نے اسے ہلاک کر ڈالا ہے اور وہ فوری طور پر کسی دوسرے آدمی کو میرے پیچھے لگا دے گا۔ سی آئی ڈی کے آدمی تو ہر شہر میں موجود ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسٹر ٹنڈن کا شبہ مزید پختہ ہو جائے گا اور پھر اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ مجھے براہ راست گرفتار ہی کرا دے اور تشدد کے بعد مجھ سے میری اصلی شناخت معلوم کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اس سے پہلے میں جاسوس کو ہلاک کر چکا تھا۔

میں پالم پور کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہر گیا۔ ۲۲ اگست کا دن قریب آ رہا تھا۔ مجھے ہر حالت میں ۲۲ اگست کو بمبئی پہنچنا تھا۔ میں نے اس دوران اپنے پیچھے لگے ہوئے ایک ہندو سی آئی ڈی والے کو شناخت کر لیا تھا۔ وہ مجھ سے دور دور رہ کر میری مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔ یہ درمیانی عمر کا اونچا لمبا آدمی تھا اور کھدر کے لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ شام کے وقت اس نے کندھوں پر کمبل ڈال رکھا ہوتا تھا۔ میں اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ ہمارا ایک ایجنٹ بھی میری نگرانی کرنے والے ہندو کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ایک رات' میں ہلکا سا کھانا کھانے کے بعد اپنے ریسٹ ہاؤس والے بیڈ روم میں لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اندر آنے کے لئے کہا تو ایک آدمی اندر داخل ہوا جس کا حلیہ ہماچل پردیش کی کوٹھیوں میں کام کرنے والے پہاڑی نوکروں ایسا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھام رکھا تھا۔ مجھے نمسکار کر کے بولا۔ "صاحب! ساتھ والی بیگم صاحبہ نے آپ کے لئے یہ پھول بھجوائے ہیں جی"۔

میں ابھی حیران ہی تھا کہ یہ ساتھ والی بیگم صاحبہ کون ہیں... کہ وہ آدمی میرے قریب آ گیا اور پھولوں کو میز پر رکھتے ہوئے اس نے اچانک کوڈ لفظ بول دیا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ پالم پور میں ہمارا ایجنٹ تھا۔ اس نے پھولوں کو گلدان میں لگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "جو آدمی تمہارے پیچھے لگا تھا اسے ٹھکانے لگا دیا ہے تم بمبئی چلے جاؤ"۔

میں نے کہا۔ "اس کی موت میرے لئے دلی میں پریشانیاں پیدا کر دے گی"۔

وہ آدمی کہنے لگا۔ "وہ آدمی جس فریکوئنسی پر اور جس کوڈ میں دلی مسٹر ٹنڈن سے بات کر کے اسے تمہاری سرگرمیوں کی پوری رپورٹ دیتا تھا وہ فریکوئنسی اور کوڈ ہم نے معلوم کر لیا ہے۔ جب تم بمبئی میں ہو گے تو ہم یہاں سے مسٹر ٹنڈن کو یہی بتائیں گے کہ تم پالم پور میں ہو اور ریسٹ ہاؤس میں آرام کر رہے ہو۔ تمہیں کل یہاں سے نکل جانا چاہئے"۔

یہ کہہ کر اپنے ایجنٹ نے ہاتھ جوڑ کر نوکروں کی طرح نمسکار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اپنے اس ایجنٹ نے کمال کر دکھایا تھا۔ اب میں آزاد تھا جس طرف چاہے اس تشویش سے بے نیاز ہو

کر جا سکتا تھا کہ میرے جانے کی مسٹر شنڈن کو خبر ہو جائے گی۔ وہ ۲۰ اگست کا دن تھا۔ اگلے ہی روز میں انبالے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے جہاز پکڑا اور بمبئی پہنچ گیا۔ اکیس اگست کی رات گیارہ بجے میں بمبئی پہنچا اور ائرپورٹ سے سیدھا جوہو کے نسبتاً سنسان علاقے میں واقع ایک ہوٹل میں آکر ٹھہر گیا۔ رات خاموشی سے ہوٹل میں گزاری۔ دوسرے روز ۲۲ اگست کا دن تھا۔ دن بھر ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ایک فائل پر کام کرتا رہا۔ میں وہاں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اپنے کام میں مصروف ہوں۔ شام سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے شہر کی طرف گیا۔ واپس آکر کھانا کھایا اور ہوٹل بوائے سے کہا کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ فلم کا آخری شو دیکھنے جا رہا ہوں تم میرا انتظار نہ کرنا اور سو جانا۔ دس بجے میں ہوٹل سے ٹیکسی لے کر چل پڑا۔ ٹیکسی والے کو اندھیری کی بجائے دادر کے لوکل اسٹیشن کے لئے کہا تھا۔ دادر کے لوکل اسٹیشن سے میں نے دوسری ٹیکسی پکڑی اور اندھیری کے لوکل ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ چھوٹا ٹرانسیٹر میں نے اپنے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ رات کے پونے گیارہ بج رہے تھے۔ اندھیری بمبئی شہر کا وہ لوکل اسٹیشن ہے جہاں آس پاس کئی ایک فلم اسٹوڈیوز ہیں۔ ان میں پرکاش اور رنجیت اسٹوڈیوز بہت مشہور ہیں۔ پلیٹ فارم پر بہت کم مسافر نظر آئے۔ اس زمانے میں رات بارہ بجے تک لوکل ٹرینیں چلا کرتی تھیں۔ ایک ٹرین میرے سامنے آئی اور گزر گئی۔ میں نے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا۔ تین بینچیں خالی تھیں۔ صرف ایک بینچ پر ایک ہندو بیٹھا تھا مگر نہ تو اس کا سر منڈا ہوا تھا اور نہ وہ اپنی عینک کے شیشے ہی صاف کر رہا تھا۔ میں اسٹال پر آکر چائے پینے لگا۔ میری نگاہیں کلائی والی گھڑی پر جمی تھیں۔ رات کے پورے گیارہ بج رہے تھے۔ چائے کی پیالی کاؤنٹر پر رکھنے کے بعد میں نے پیسے ادا کیے اور اب جو میری نظر ایک خالی بینچ پر پڑی تو وہاں ایک ایسے آدمی کو دیکھا کہ جس کا سر منڈا ہوا اور جسم گٹھا ہوا تھا۔ بنیان پتلون میں ملبوس تھا اور ہاتھ میں عینک تھی جس کے شیشوں کو رومال سے بار بار صاف کر رہا تھا۔

میرا ساتھی کمانڈو ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے بڑے اطمینان سے سگریٹ سلگایا اور آہستہ آہستہ چلتا بینچ پر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ ساتھی کمانڈو نے میری طرف بالکل توجہ نہ دی۔ عینک کے شیشوں کو منہ کی بھاپ دے کر انہیں رگڑ رگڑ کر صاف کرتا رہا، پھر اس نے بارش کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "بمبئی میں اس بار بارش کم ہوئی ہے"۔

ساتھ ہی اس نے اپنا خفیہ کوڈ لفظ بول دیا۔ اس لفظ کو سنتے ہی میں نے اپنا کوڈ لفظ بولا۔ ساتھی کمانڈو نے خاموشی اختیار کر لی۔ عینک کو پتلون کی جیب میں رکھ لیا اور دوسری جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر کھولا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ماچس ہو گی آپ کے پاس؟"

میں نے ماچس نکال کر اسے دی۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور ماچس مجھے واپس کرتے ہوئے بولا۔ "ریلوے اسٹیشن سے ایک چھوٹی سڑک بائیں جانب مڑتی ہے۔ اس کے آخر میں پانی کی ٹینکی

کے نیچے ایک پرانی جیپ کھڑی ہو گی۔ مجھے پانچ منٹ بعد وہاں ملنا"۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سگریٹ کے کش لگا تا گیٹ کی طرف چل دیا۔ میں وہیں بینچ پر بیٹھا رہا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد، میں بھی اٹھا اور گیٹ سے نکل کر ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ یہاں خوب روشنیاں تھیں۔ بائیں جانب ناریل کے درختوں میں ایک چھپتی سڑک جاتی تھی۔ میں اس سڑک پر چلنے لگا۔ سڑک ویران تھی۔ یہاں شاید ریلوے کے دفاتر تھے جو بند تھے۔ سڑک آگے جا کر جہاں دائیں جانب گھومتی تھی وہاں ایک جگہ پرانی جیپ کھڑی تھی۔ قریب گیا تو میرا کمانڈو ساتھی اس میں اگلی سیٹ پر اس طرح بیٹھا تھا کہ دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر تھے۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے جیپ اسٹارٹ کر دی اور اسے تیزی سے نکال کر داہنی جانب گھوم گیا۔

بمبئی شہر بہت وسیع ہے۔ یہاں اگر سربفلک عمارتیں اور عالی شان کوٹھیاں ہیں تو جھونپڑیاں بھی ہیں جہاں غریب لوگ بے حد مفلوک الحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے علاقے کو جھونپڑی پٹی کہتے ہیں۔ ایسی ہی ایک جھونپڑی پٹی بال کیشنر گارڈن ہلز کے پیچھے میدان میں ریلوے برج تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس جھونپڑی پٹی کے آگے سے ایک کشادہ سڑک گزرتی تھی۔ اس سڑک کے پار ایک بوسیدہ سا کمرہ تھا جہاں ہمارے کمانڈو ساتھی نے چٹیل داوا کے نام سے موٹروں کی مرمت کا ایک گیراج کھول رکھا تھا۔

جیپ گیراج کے باہر کھڑی کر کے وہ مجھے گیراج کے اندر لے گیا۔ یہاں چارپائی کے علاوہ موٹروں، اسکوٹروں اور رکشا انجنوں کے پرزے اور گریس کے ڈبے بکھرے پڑے تھے۔ ڈھلوان چھت ایک طرف کو جھک گئی تھی۔ دیوار کے کیل کے ساتھ ایک بلب لٹک رہا تھا جس کی روشنی ناکافی تھی۔ ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر سے پرانی دھوتی ہٹا کر اس نے مجھے وہاں بٹھایا اور خود باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر واپس آ کر بولا۔ "کل دن کے ٹھیک ایک بجے تمہیں گیٹ وے آف انڈیا پہنچنا ہو گا۔ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔ تم مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ جس کشتی پر میں بیٹھوں گا۔ تم بھی اسی کشتی میں بیٹھ جانا۔ جہاں میں اتروں تم بھی وہاں اتر کر کچھ فاصلہ رکھ کر میرے ساتھ ساتھ چلنا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کمانڈو بھی رہ چکے ہو۔ کیا تمہیں سمندر میں غوطہ خوری کا تجربہ ہے؟"۔

"میں نے آہستہ سے کہا۔ "تجربہ ہو جائے گا۔ ہمیں کرنا کیا ہو گا؟"

اس نے چہرہ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا۔ اب تم جاؤ"

اس نے مجھے دیوار سے لگی ہوئی ایک فین بیلٹ لفافے میں لپیٹ کر دی اور بولا۔ "اگر کوئی... پوچھے تو کہہ دینا کہ چٹیل داوا کے گیراج سے فین بیلٹ لینے آیا تھا"۔ وہ تیزی سے اٹھ کر گیراج کے بند دروازے کے پاس آیا۔ کواڑ کو آہستہ سے کھول کر باہر دیکھا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "اب نکل جاؤ"۔

میں نے لفافہ اٹھایا اور گیراج سے باہر نکل گیا۔ بال کیشنتر گارڈن کے چوپاٹی والے گیٹ پر سے ایک ٹیکسی لی اور اپنے ہوٹل آگیا۔ دوسرے روز میں بارہ بجے تک اپنے ہوٹل میں ہی رہا۔ کھانا جلدی کھا لیا، پھر گیٹ وے آف انڈیا کی طرف چل دیا۔ گیٹ وے آف انڈیا بمبئی میں تاج ہوٹل کے بالکل سامنے سمندر کے کنارے انگریزوں نے ایک یادگار بنا رکھی تھی۔ جہاں لوگ یہاں سیڑھیاں اتر کر کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ سیاح یہاں سے الفانٹا غار بھی دیکھنے جاتے ہیں۔ جو ساحل سے دور سمندر میں موجود ایک چھوٹے سے پہاڑ کے اندر بنی ہوئی ہیں اور جہاں قدیم زمانے کے سنگ تراشوں نے ہندو دیومالا کی مورتیاں تراشی ہوئی ہیں۔ سیاح دور دور سے ان غاروں کو دیکھنے آتے ہیں۔ ایک بار میں بھی ان غاروں کو دیکھنے گیا تھا۔ میں گیٹ وے آف انڈیا کی چوکور ستونوں والی بارہ دری نما عمارت کے اندر اس طرف جا کر بینچ پر بیٹھ گیا جہاں لوگ اپنے بچوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کو جاتے تھے۔ ٹھیک ایک بجے مجھے اپنا سرنڈا کمانڈو ساتھی پٹیل دکھائی دیا۔ یہ آدمی یقیناً مسلمان تھا اور ہمارا خاص ایجنٹ ہو نہ جانے کب سے اس شہر میں خطرناک ترین حالات میں رہ کر وطن عزیز کی خدمت کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرانی پتلون اور بنیان میں تھا اور پاؤں میں ربڑ کے جوتے تھے۔ اس نے وہاں آتے ہی مجھے دیکھ لیا ہو گا۔ اس لئے اب وہ میری طرف نگاہ بھی نہیں اٹھا رہا تھا۔ نیچے ساحل کی سیڑھیوں کے ساتھ ایک موٹر بوٹ لگی ہوئی تھی۔ لوگ اس میں سوار ہو رہے تھے۔ میرے کمانڈو ساتھی نے اوپر ہی سے بمبئی کے موالیوں کی زبان میں موٹر بوٹ والے سے پوچھا کہ یہ سالا موٹر بوٹ ایلی فنٹا کو جائے گا؟ موٹر بوٹ وہیں جا رہا تھا۔ اس میں کئی ایک سیاح بھی بیٹھے تھے جن میں کچھ یورپی عورتیں بھی تھیں۔ کیمرے ان کی گردنوں میں لٹک رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ میرا کمانڈو ساتھی پٹیل الفانٹا غاروں میں جا رہا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی موٹر بوٹ میں سوار ہو گیا۔

دس منٹ بعد ہم الفانٹا غار کے چھوٹے سے پتھریلے جزیرے پر اتر گئے۔ میں اپنے کمانڈو ساتھی کے پیچھے تھا۔ میں نے درمیان میں پندرہ بیس قدم کا فاصلہ رکھ لیا تھا۔ سیاح ہجوم کی شکل میں الفانٹا غار کے دروازے کی طرف بڑھے۔ میرا ساتھی بھی ان کے ساتھ تھا۔ الفانٹا میں کتنے ہی اونچی چھتوں والے غار ہیں جہاں شیو، پاروتی اور ان کی دیوداسیوں کی ان گنت چھوٹی بڑی مورتیاں دیواروں میں تراشی ہوئی ہیں۔ ستونوں پر بھی نقاشی کا کام کیا گیا ہے۔ غار میں آتے ہی سیاح ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ہر کوئی مورتیاں دیکھنے میں محو ہو گیا۔ میرا ساتھی کمانڈو بھی غار کے پہلو میں تراشی ہوئی چھوٹی غار میں داخل ہو کر مورتیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہاں روشنی کا بڑا معقول انتظام تھا مگر اس چھوٹے غار میں مقابلتاً کم روشنی تھی پھر اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور غار میں آگے چل پڑا۔ غار دو تین موڑ مڑنے کے بعد تنگ ہونے لگا۔ آگے ایک چھوٹا سا چبوترہ آگیا جس کی دوسری جانب نیچے باہر نکلنے کا راستہ تھا۔ میرا ساتھی کمانڈو پٹیل مجھے ساتھ لے کر غار سے باہر نکل گیا۔ اس طرف اونچی نیچی

بے شمار چٹانوں کا سلسلہ ساحل سمندر پر پھیلا ہوا تھا۔ سمندر کی لہریں ان چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ علاقہ ویران تھا۔ ہم ساحل پر چٹانوں کے ساتھ ساتھ چلتے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں چٹانی سلسلے کی آخری چٹان آدھی سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آگے ساحل سے ہٹ کر ناریل کے درختوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ آخری چٹان میں سمندر کی جانب ایک چھوٹی سی اندھیری سرنگ بنی تھی۔ وہ اس سرنگ میں آکر بیٹھ گیا' پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا ریڈیو ٹرانسمیٹر نکال کر اسے آن کیا اور ایک خاص فریکوئنسی پر کوڈ الفاظ میں پیغام نشر کرنے لگا۔ دوسری طرف سے جو آواز آرہی تھی وہ بھی کوڈ الفاظ میں تھی۔ یہ کوڈ میری سمجھ سے باہر تھا۔ کوئی پندرہ سیکنڈ تک بات کرنے کے بعد ساتھی کمانڈو چٹیل نے ریڈیو ٹرانسمیٹر بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "ہمیں اس جگہ بیٹھنا ہوگا۔ تازہ پیغام کے مطابق رات کے دو بجے آبدوز سمندر سے باہر نکلے گی"۔

آبدوز کا سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ آبدوز ہمیں کہاں لے جائے گی؟ اس پر ساتھی کمانڈو چٹیل نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ وہ مجھے اناڑی سمجھ رہا تھا۔ یہ تاثر اس کے چہرے پر صاف نظر آرہا تھا۔ کہنے لگا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تم ایک تجربے کار کمانڈو بھی ہو پھر تمہیں ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہمیں "سائرس" نامی بھارتی ایٹمی ری ایکٹر کی زیر زمین لیب نمبر ۲ کو تباہ کرنا ہے۔ یہی وہ لیب ہے جہاں پاکستان کے خلاف ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے لئے یورینیم پر کام آخری مرحلے میں ہے"۔

میں خاموش رہا۔ اس نے سگریٹ سلگا لیا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ چاپ نظروں سے سرنگ میں سے نظر آنے والی سمندر کی لہروں کو دیکھتا رہا پھر اٹھا اور بولا۔ "میں رات کو آؤں گا۔ تم اسی جگہ رہنا"۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا آٹومیٹک پستول نکال کر مجھے دیا اور کہنے لگا۔ "یہ تم اپنے پاس رکھو۔ تم یقیناً اچھی طرح جانتے ہو گے کہ اسے کس وقت استعمال کرنا ہے؟"

وہ چلا گیا۔ میں چٹانی سرنگ میں اکیلا رہ گیا۔ کئی بار سرنگ سے باہر تازہ ہوا میں نکلنے کا خیال آیا مگر کمانڈو مشن کی اہمیت کے پیش نظر میں اندر ہی بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ سورج غروب ہونے لگا۔ دن کی روشنی مدھم ہو گئی' پھر شام پڑ گئی۔ اس کے بعد چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا۔ میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ مجھے بھوک کے ساتھ پیاس بھی لگ رہی تھی' مگر کمانڈو کی ٹریننگ نے مجھے ایسے حالات میں بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔ میں خاموشی سے بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ رات کے دس بجے کے قریب میرا ساتھی کمانڈو چٹیل آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ ایک لفافے میں میرے لئے کچھ سینڈوچ اور تھرماس میں پانی تھا۔ میں نے سینڈوچ کھا کر پانی پیا تو جان میں جان آئی۔ کمانڈو چٹیل سرنگ کے اندھیرے میں دیوار سے لگ کر نیم دراز تھا۔ اس کی آنکھیں تاریکی میں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ

زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ میں کچھ پوچھتا تو مختصر جواب دے کر چپ ہو جاتا۔ وقت جیسے رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ میں بھی خاموش تھا اور اپنے بہت جلد شروع ہونے والے خطرناک بلکہ تباہ کن مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے کچھ نہیں بتایا گیا تھا کہ رات کے دو بجے جو آبدوز تاریک سمندر میں نمودار ہو گی وہ کس ملک کی ہے اور ہمیں لے کر یہاں سے کہاں جائے گی؟ کیونکہ بھارتی "سائرس" نامی ایٹمی ری ایکٹر وہاں سے چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ساحل سمندر پر واقع تھا۔ جب رات کا ایک بجا تو میرا ساتھی کمانڈو اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں خدا کے حضور سجدہ کرنے جا رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو گے"۔

ہم سرنگ سے نکل کر سمندر کے کنارے آ گئے۔ اگرچہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر رات بہت تاریک تھی۔ سمندر دور تک ایک سیاہ چادر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے وہیں سمندر کے پانی سے وضو کیا اور ریت پر تہجد کی نماز ادا کرنے لگے۔ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر ہم نے اپنے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنے مشن کی کامیابی کی دعا مانگی اور واپس سرنگ میں آ کر بیٹھ گئے۔ ساتھی کمانڈو پٹیل تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھ کر باہر جاتا اور پھر واپس آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ وہ خود بھی اب سگریٹ نہیں پی رہا تھا اور مجھے بھی اس نے منع کر دیا تھا۔

ہم نے اپنی گھڑیاں ملالی تھیں۔ جب رات کے ٹھیک دو بج گئے تو ہم سرنگ سے نکل کر چٹان کی اوٹ میں ریت پر بیٹھ گئے اور دور تک پھیلے ہوئے تاریک سمندر پر نگاہیں جما دیں۔ سمندر کی لہریں یہاں پرسکون تھیں۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ کمانڈو پٹیل ٹکٹکی باندھے کھلے سمندر کی طرف تک رہا تھا۔ میں ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اچانک دور کھلے سمندر میں مجھے کوئی سیاہ چیز ابھرتی دکھائی دی۔ اس سیاہ شے کو کمانڈو پٹیل نے بھی دیکھ لیا تھا۔ چھوٹی ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔ سمندر میں دور جہاں سیاہ شے ابھری ہوئی تھی وہاں روشنی کا ایک نقطہ تین بار چمک کر بجھ گیا تھا۔ یقیناً یہ آبدوز تھی جس کا ہمیں انتظار تھا۔ کمانڈو پٹیل نے اپنی ٹارچ کا کوئی سگنل نہ دیا۔ دس سیکنڈ کے بعد آبدوز کی طرف سے روشنی کا نقطہ ابھرا۔ اب صرف ایک بار روشنی ہو کر معدوم ہو گئی۔ تب ساتھی کمانڈو پٹیل نے اپنی ٹارچ کا رخ آبدوز کی طرف کر کے دو بار روشن کی اور ٹارچ بجھا کر اسے جیب میں رکھ لیا پھر وہ میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے بولا۔ "یہ آبدوز ہمیں لینے آئی ہے۔ خبردار! آبدوز کے عملے کے کسی آدمی سے کوئی بات نہ کرنا۔ کوئی سوال نہ کرنا۔ وہاں ہمارا چیف کمانڈو موجود ہے ہمیں اس کی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔

میں نے سانس لے کر صرف اتنا کہا۔ "او کے"۔

ایک سایہ سمندر کی سطح پر ہماری طرف بڑھتا دکھائی دینے لگا۔ یہ ربڑ کی ایک چھوتی سی گول کشتی تھی جسے ایک آدمی چلا رہا تھا۔ اس آدمی نے سیاہ وردی پہن رکھی تھی اور چہرہ سیاہ نقاب میں اس طرح چھپا ہوا تھا کہ کوئی بھی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ میں اور میرا ساتھی کمانڈو کشتی میں سوار ہو گئے۔

ربڑ کی کشتی ہمیں آبدوز کے پاس لے گئی ۔ آبدوز کی دیوار کے ساتھ چھوٹی سی اسٹیل کی سیڑھی لگی تھی ۔ اوپر صرف دو آدمی کھڑے نیچے دیکھ رہے تھے ۔ انہوں نے بھی سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے ۔ یہ نقاب کالے ماسک کی شکل کے تھے جس میں منہ ، سر اور گردن تک چھپ گیا تھا ۔ جب ہم آبدوز کے اندر پہنچے تو آبدوز سمندر میں غوطہ لگا گئی ۔

ہمیں آبدوز کی تنگ راہ داری سے گزر کر ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا جہاں ہمارا چیف کمانڈو ہمارا انتظار کر رہا تھا ۔ وہ میز پر نقشہ پھیلائے اس پر جھکا ہوا تھا ۔ ہمیں اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ صرف ایک بار ہر ایک پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر نقشہ دیکھنے میں ڈوب گیا ۔ پانچ سات منٹ اسی طرح گزر گئے ۔ تب اس نے نقشے پر سے گردن اٹھائی اور ہماری طرف دیکھ کر کہنے لگا ۔ "یہاں آ کر اس نقشے کو غور سے دیکھو اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو ۔ تمہیں اسی نقشے کے مطابق زیر زمین اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا ہو گا" ۔

ہم نے نقشے کو غور سے دیکھا ۔ سمندر کے نیچے ایک بہت بڑا پائپ تھا جو بھارتی ایٹمی ری ایکٹر " سائرس " کی لیبارٹری کی عقبی دیوار سے نکل کر پانی کے اندر ہی اندر سمندر میں گرتا تھا ۔ ہمیں بھی پائپ کے ذریعے ایٹمی ری ایکٹر کی لیب نمبر ۲ میں پہنچ کر وہاں چند ایک خاص جگہوں پر ٹائم بم لگانے تھے ۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ یہ مشن کس قدر پیچیدہ تھا ۔ جان جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا ۔ اس کی مجھے پروا نہیں تھی ۔ میں تو موت جیب میں ڈال کر دشمن کے ملک میں چل پھر رہا تھا ۔ پریشانی مجھے اس بات کی تھی کہ " سائرس " کی لیب نمبر ٹو میں چیف کمانڈو کی انفارمیشن کے مطابق سکیورٹی اتنی شدید تھی کہ ہماری کامیابی کے صرف ایک فیصد امکانات تھے ۔ اس کے باوجود ہمیں ہدایت دی گئی کہ چاہے کچھ ہو جائے ہمیں مطلوبہ مقامات پر ٹائم بم چپکانے ہوں گے ۔ چیف کمانڈو نے ہمیں دو زہریلے کیپسول دیئے جنہیں ہمارے منہ میں اوپر والے دانتوں کی قطار میں سب سے پیچھے اس طرح چپکا دیا گیا کہ وقت پڑنے پر ہم اسے آسانی سے چبا کر ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو سکتے تھے ۔ آبدوز سمندر کے اندر ہی اندر اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ میں نے دیکھا کہ آبدوز کے عملے کے ہر رکن نے چہرے پر نقاب چڑھا رکھی تھی ۔ یہ کس ملک کی آبدوز تھی ؟ یہ معمہ آج تک حل نہیں ہو سکا ۔ اس وقت مجھے اس معمے سے کوئی سروکار نہیں تھا ۔ چیف کمانڈو ہمیں لیب نمبر ٹو کا نقشہ دکھا کر اس کی ایک ایک تفصیل مختصر الفاظ میں ذہن نشین کروا رہا تھا ۔ اس دوران پُراسرار آبدوز سمندر کے نیچے گہرے پانیوں میں اپنے ٹارگٹ کی طرف محو سفر رہی ۔

جب چیف کمانڈو اپنی بریفنگ ختم کر چکا تو آبدوز بھی ایک خاص مقام پر پہنچ کر رک گئی ۔ چیف کمانڈو نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا ۔ وہ ہمیں ساتھ والے کیبن میں لے گیا ۔ یہاں ہم تینوں کے علاوہ آبدوز کے عملے کا ایک رکن بھی سیاہ نقاب پہنے موجود تھا ۔ چھوٹے سے کیبن کے وسط

میں ایک گول سوراخ تھا جو سمندر کے پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ آبدوز میں ہوا کے دباؤ کی وجہ سے یہ پانی اچھل کر آبدوز میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ چیف کمانڈو نے دو کٹ ہمارے آگے کر دیئے۔ اس میں غوطہ خوری کا خاص لباس تھا۔ پتلے ربڑ کا یہ لباس ہمارے جسم کے ساتھ چپک گیا۔ ہمارے پاؤں میں چپوؤں کی طرح کے سلیپر پہنا دیئے گئے۔ ہمیں سائی لینسر لگا ایک ایک چھوٹا پستول بھی دیا گیا۔ ہم نے چھوٹے آکسیجن ماسک اپنے چہروں پر چڑھا لئے۔ سب سے پہلے میرا ساتھی کمانڈو چیل اس سمندری کنویں میں اترا۔ اس کے بعد چیف کمانڈو نے مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی سمندری کنویں میں اتر گیا۔ کوئی پندرہ بیس فٹ نیچے تک ہم عمودی سلنڈر میں ہی اترتے چلے گئے۔ اس کے بعد ہم آبدوز کے نیچے کھلے سمندر میں آگئے۔ میں نے چہرہ اوپر اٹھا کر دیکھا۔ ہمارے سروں کے اوپر پراسرار آبدوز لنگر ڈالے کھڑی تھی۔ ساتھی کمانڈو چیل ایک مشاق غوطہ خور تھا اور اسے اس علاقے سے واقفیت بھی تھی۔ وہ سمندر کے اندر پُرسکون بوجھل پانی میں آگے آگے تیر رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے تیرتا چلا جا رہا تھا۔ آبدوز سے سمندر میں ہلکی ہلکی روشنی ضرور ہوتی مگر رات ہونے کی وجہ سے سمندر بالکل تاریک تھا۔ آبدوز کے نیچے جو دھیمی سی روشنی نکل رہی تھی ہمارے سمندر میں اترنے کے ایک منٹ بعد وہ بھی بجھا دی گئی۔

اب ہم اندھیرے میں سمندر کے نیچے آگے بڑھ رہے تھے۔ کمانڈو چیل کے پاؤں کے سمندری سلیپر میرے چہرے کے آگے آگے حرکت کرتے جا رہے تھے۔ میں ان کی گردش پر پیچھے پیچھے تیر رہا تھا۔ ہم سمندری گھاس پھوس اور جھاڑیوں کے بیچ میں سے گزر رہے تھے۔ آگے نشیب آگیا۔ مچھلیاں ہمارے جسموں سے ٹکرا جاتی تھیں۔ ہمارے پاس دو گھنٹے کی آکسیجن تھی لیکن پندرہ بیس منٹ سے زیادہ سمندر کے نیچے تیرنا مشکل ہوتا ہے۔ پانی کا دباؤ جسم کو شل کر دیتا ہے اور تجربے کار غوطہ خور کی رفتار بھی سست ہو جاتی ہے اور جسم پر نقاہت طاری ہونے لگتی ہے۔ نشیب سے گزرنے کے بعد ساتھی کمانڈو چیل بالکل سیدھا ہو گیا۔ اب اس نے میرا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے نیچے ایک سمندری ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ سمندر کے نیچے کی تاریکی میں اب مجھے اس کا جسم ایک سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ ہم سمندری ٹیلے یا چٹان کے بالکل قریب آگئے۔ یہاں مجھے ایک بہت بڑا پائپ نظر آیا جس میں سے سفید رنگ کا پانی ایک لہر کی طرح بہہ رہا تھا۔ یہی وہ پائپ تھا جس میں سے گزر کر ہمیں دشمن کے ایٹمی ری ایکٹر کی لیب نمبر نو میں پہنچنا تھا۔

کمانڈو چیل نے پائپ کی طرف ایک بار پھر اشارہ کیا اور دونوں پاؤں کے سلیپروں کو مچھلی کی دم کی طرح ہلاتا پائپ کے منہ کی طرف بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اس کے پیچھے جانا تھا۔ جونہی میں اس کشادہ پائپ میں داخل ہوا میرے کان بند ہونے لگے۔ یہاں پانی کا دباؤ زیادہ تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میں موت کے منہ میں آگیا ہوں۔ سامنے سے پانی کا بہاؤ ہمیں واپس سمندر

کی طرف دھکیل رہا تھا۔ ہم جسم کی پوری طاقت صرف کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہم خاصی رفتار کے ساتھ پائپ میں سے دو منٹ میں گزر جائیں گے مگر پانی کے پریشر کی وجہ سے ہمیں پائپ میں چار منٹ لگ گئے۔ پہلے کمانڈو پائپ میں سے باہر نکلا۔ اس کے بعد میں باہر آگیا۔ ہم نیچی چھت والے ایک چھوٹے سے چوبچے میں نکل آئے تھے۔ جس کے اندر چاروں طرف چھوٹی بڑی نالیوں سے پانی گر رہا تھا۔ یہاں دیواروں کے ساتھ اسٹیل اور پلاسٹک کے چھوٹے بڑے کتنے ہی پائپ لپٹے ہوئے تھے۔ ہم تیزی سے چوبچے یا حوض میں سے نکل کر باہر آگئے۔ ہم نے فوراً اپنے آکسیجن ماسک اور پاؤں کے فلیپر اتار کر ایک طرف بڑے پائپ کے پیچھے چھپا دیئے۔ اب ہم نے اپنی ربڑ کی پیٹی کے ساتھ پلاسٹک کے چھوٹے تھیلوں میں بند انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بموں کو چیک کیا۔ یہ بم تعداد میں دس تھے۔ پانچ ٹائم بم میرے ساتھی کمانڈو کے پاس تھے اور پانچ میرے پاس تھے۔ ہم اشاروں میں بات کر رہے تھے۔ زبان سے بالکل نہیں بول رہے تھے۔ نقشے کے مطابق ہمیں حوض کے جنوب کی جانب جو بڑے پائپ لگے تھے ان کے درمیان سے گزر کر لوہے کی ایک چکر دار سیڑھی پر چڑھ کر ملحقہ چھوٹے سے آکسیجن روم میں جانا تھا۔ جس کی چھت اوپر لیب نمبر نو کا فرش تھا۔ ہم نے پستول نکال کر ہاتھوں میں لے لئے تھے۔ کمانڈو پٹیل نے بڑے پائپوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کی طرف بڑھا۔ یہ پائپ اسٹیل کے تھے اور کافی بڑے تھے۔ ان کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ ہم پائپوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف گئے تو وہاں لوہے کا ایک چکر دار زینہ اوپر گیلری کی طرف جا رہا تھا۔ ہم دبے پاؤں زینہ چڑھ کر گیلری میں آگئے۔ گیلری میں لوہے کا ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ کمانڈو پٹیل نے اس کے بولٹ کو اوپر کر کے آہستہ سے دھکیلا۔ دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ یہ آواز نہیں نکلنی چاہئے تھی۔ ہم ایک دم گیلری کی دیوار کے ساتھ لگ گئے اور پستولوں کا رخ دروازے کی طرف کر دیا۔ تین سیکنڈ تک ہم اسی پوزیشن میں کھڑے رہے۔ کمانڈو پٹیل نے پاؤں کی مدد سے کمرہ نکاسئی آب والے حوض اور لیب نمبر نو کے درمیان واقع تھا۔ یہ لوہے کی دیواروں والا کمرہ تھا۔ یہاں بھی جگہ جگہ پلاسٹک اور اسٹیل کے چھوٹے بڑے پائپ گزر رہے تھے۔ کمانڈو پٹیل نے اوپر چھت کی طرف اشارہ کیا۔ چھت فرش سے ڈیڑھ گز اونچی ہوگی۔ چھت کے ساتھ بھی لوہے کے پائپ لگے ہوئے تھے۔ کمانڈو پٹیل نے مجھے فرش کے درمیان میں بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر وہ میرے کاندھوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے اپنے لفافے میں سے ٹائم بم نکال کر لوہے کے پائپ کے ساتھ چپکانے شروع کر دیئے۔ یہ ٹائم بم وہ چھت والے لوہے کے پائپوں کے پیچھے چپکا رہا تھا۔ پانچ ٹائم بم چھت کے وسط میں چپکانے کے بعد اس نے مجھ سے بھی ٹائم بم لے لئے اور ان بموں کو پہلے والے بموں کے پیچھے ایک دائرے کی شکل میں لگا دیا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ لیب نمبر نو کی یورینیم فرنس اسی چھت کے اوپر درمیان میں واقع ہے اور ہمیں اسی جگہ دو دائروں کی شکل میں بم لگانے ہوں گے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد کمانڈو پٹیل میرے کاندھے سے ہلکی سی چھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا۔ ان بموں کے پھٹنے کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ ٹھیک بیس منٹ کے بعد انہیں قیامت خیز دھماکے کے ساتھ پھٹ جانا تھا۔ ہمیں خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ بم لگانے کے کے فوراً بعد ہمیں وہاں سے نکل جانا ہو گا کیونکہ دھماکہ اس قدر بھیانک اور لرزہ خیز ہو گا کہ اس علاقے میں سمندر بھی تہ و بالا ہو جائے گا۔ بھارتی ایٹمی ری ایکٹر "سارس" کے وسطی بلاک کے پرزے اڑ جائیں گے۔ یہی وہ بلاک تھا جہاں پاکستان کے خلاف نیو کلیائی مہلک ہتھیار بنائے جا رہے تھے۔ یہ ہتھیار ابتدائی خفیہ رپورٹ کے مطابق چھوٹے میزائلوں کی شکل میں تھے جن کے آگے نیو کلر ہیڈ چسپاں تھے۔ اگر لیب نمبر ٹو اڑا دی جاتی ہے تو پاکستان کے سر پر منڈلانے والا تباہی کا خطرہ ٹل جاتا۔

ہم نے میگنٹ ٹائم بم سارے کے سارے لگا دیئے تھے۔ اب ان بموں کو بیس منٹ کے بعد ایک ساتھ پھٹنا تھا۔ ہم گیلری سے نکل کر جلدی جلدی آہنی زینہ طے کر کے حوض کے پاس آ گئے۔ یہاں ہمارے غوطہ خوری کے فلیپر اور آکسیجن ماسک پڑے تھے۔ اچانک ہمیں لوہے کے فرش پر انسانی قدموں کی بھاری چاپ سنائی دی۔ ہم نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر تڑپ کر لوہے کے پائپوں کے عقب میں اپنے آپ کو گرا دیا۔

انسانی قدموں کی چاپ قریب آتی جا رہی تھی۔

قدموں کی چاپ سے ہمیں بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ یہ دو آدمی ہیں۔

میں اور میرا ساتھی کمانڈو پٹیل بڑے بڑے اسٹیل اور پلاسٹک کے پائپوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنے سانس روک لئے۔ اب ہمیں آنے والے آدمیوں کی باتیں بھی سنائی دیں۔ وہ مراٹھی زبان میں باتیں کر رہے تھے جو میرے اور کمانڈو پٹیل کے لئے اجنبی زبان نہیں تھی۔ یہ دونوں ایٹمی ری ایکٹر کی سیکیورٹی گارڈ کے آدمی تھے کونے میں جو پائپ بالکل سیدھے اور چھت کی طرف چلے گئے تھے وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ یہ دروازہ کھلا اور سیکیورٹی کے دونوں گارڈ حوض والے کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے نیلی وردی پہن رکھی تھیں اور کاندھے کے ساتھ اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں۔ شاید وہ اپنے معمول کے راؤنڈ پر آئے تھے۔ ہم نے اپنے سر مزید نیچے کر لئے۔ میں دو پائپوں کی درمیانی درز میں سے ان کی نقل و حرکت صاف دیکھ رہا تھا۔ اس حوض والے کمرے میں کمزور بلب کی دھیمی روشنی تھی۔ ہم دم سادھے چپ چاپ پائپوں کے ساتھ لگے فرش پر مردہ کیڑوں کی طرح پڑے تھے۔ گارڈ حوض کے سامنے والے اسٹیل کے ایک پائپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ پائپ کو جھک کر غور سے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے مراٹھی زبان میں کہا۔ "اس میں تو مجھے کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔"

دوسرا بولا "پھر ہمیں رپورٹ کیوں کی گئی تھی؟"

پہلے نے کہا۔ "ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے ہمیں خوانخواہ پریشان کرتے ہیں۔ چلو واپس چلتے ہیں۔ میرا تو یہاں دم گھٹ رہا ہے۔"

دوسرا گارڈ زیادہ ذمے داری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے پائپ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار چیک کر لینے میں کیا حرج ہے؟ تم یہیں ٹھہرو۔ میں اسے چیک کرتا ہوں" میں نے اپنے پستول کے ٹرائیگر پر اپنی انگلی کا دباؤ ڈال دیا۔ ساتھی کمانڈو چنیل مجھ سے آگے اوپر کی جانب پائپ کے پیچھے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں میرے سر کو چھو رہے تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کیا سوچ رہا ہے؟ ایک دوسرے سے بات کرنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا گارڈ پائپ پر ہاتھ پھیرتے اور اسے جھک کر غور سے دیکھتے ہوئے دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں لامحالہ اسے ہمارے پاس آجانا تھا۔ دوسرا گارڈ وہیں اس عالم میں کھڑا تھا کہ اشین گن اس کے کاندھے سے ہی لٹک رہی تھی۔ پہلے والا گارڈ ہمارے قریب پہنچ رہا تھا۔ میرے ساتھی کمانڈو چنیل کو سب سے پہلے اس کی زد میں آنا تھا میں اپنا پستول والا ہاتھ اوپر کھسکا ہی رہا تھا کہ میرے ساتھی کمانڈو چنیل نے پہلے والے گارڈ پر پستول سے فائر کر دیا۔ "ٹھک" کی آواز آئی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر دوسرے گارڈ پر فائر کر دیا۔ میرا نشانہ خطا گیا اتنی دیر میں دوسرا گارڈ ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے اشین گن سے دھڑ دھڑ فائرنگ شروع کر دی میں نے دوسرا فائر کیا تو وہ اچھل کر نیچے گرا۔ میرے ساتھی نے چلا کہا "اسے زندہ نہ جانے دینا۔"

اس نے یہ غلطی کی کہ پائپوں کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ دوسرا گارڈ مرا نہیں تھا۔ اس نے اشین گن کی باڑ ماری۔ میرے ساتھی کمانڈو کے ہاتھ سے پستول گر پڑا۔ وہ پیٹ پکڑ کر جھکا اور پھر خون میں لت پت حوض میں گر پڑا۔ حوض کا پانی اس کے خون سے سرخ ہو گیا میں چھلانگ لگا کر بائیں جانب بڑے پائپ کے پیچھے کود گیا۔ ادھر حوض کے کمرے کا چھوٹا دروازہ تھا جونہی دوسرے گارڈ نے دروازے میں سے باہر بھاگنے کی کوشش کی میں نے دونوں ہاتھوں میں پستول تھام کر اس کی پشت کا نشانہ لیا اور ساتھ ہی فائر کر دیا۔ وہ منہ کے بل آگے کو گر پڑا۔ میں نے پلٹ کر پہلے گارڈ کی طرف دیکھا۔ وہ فرش پر مردہ حالت میں پڑا تھا میں لپک کر دوسرے گارڈ کے سر پر پہنچ گیا اور اس پر پے در پے تین فائر جھونک دیئے پھر بھاگ کر اپنے ساتھی کمانڈو کی لاش کو حوض سے باہر نکالا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ زخمی ہو گا' مگر وہ مر چکا تھا۔ اشین گن کی باڑ اس کے دل کو پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اس افسوس ناک حادثے نے دس منٹ ضائع کر دیئے تھے بموں کے پھٹنے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے میں نے جلدی سے فلیپر پہن کر آکسیجن ماسک منہ پر لگایا اور حوض میں چھلانگ لگا دی بڑے پائپ میں سے پانی تیزی سے سمندر کی طرف جا رہا تھا میں ایک منٹ سے بھی کم وقت میں پائپ میں سے نکل کر کھلے سمندر میں آگیا۔

میں نے اندازے سے ایک طرف اندھا دھند تیرنا شروع کر دیا پائپ کی نشیبی چٹان سے اوپر اٹھ

کر میں نوے ڈگری زاویئے پر بالکل سیدھا ہو کر تیرنے لگا میں تیزی سے پاؤں کے فلیپر ہلاتا اور بازو چلاتا اپنی آبدوز کی طرف بڑھ رہا تا میں اس دھماکہ خیز مقام سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جانا چاہتا تھا۔ سمندر کے اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں دور تک تیرتا چلا گیا۔۔۔ مجھے احساس ہوا کہ میں سمندر کے نیچے راستہ بھول گیا ہوں مجھے اپنی آبدوز کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اب دس بموں کا دھماکا کسی بھی وقت ہو سکتا تھا میں نے سیدھا جانے کی بجائے اپنا رخ نیچے سمندر کی تہہ کی طرف کر لیا۔ کیونکہ شدید دھماکے کی صورت میں سمندر کی تہہ میں نسبتاً کم ارتعاش اور الٹ پلٹ ہوتی ہے۔ اگرچہ لیب نمبر نو پانی سے اوپر تھی اس کے باوجود سمندر میں زبردست تموج کا خدشہ تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اچانک سمندر کی ایک لہر اتنی تیزی سے میرے جسم سے ٹکرائی کہ میں قلابازیاں کھاتا سمندر کی تہہ میں ریت میں جا کر الٹ گیا' پھر ایسی گونج سنائی دی جیسے کوئی ریل گاڑی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی ہو۔

ٹائم بم پھٹ گئے تھے ان کے پھٹنے سے ایٹمی ری ایک جو تباہی نازل ہوئی ہو گی مجھے اس کی خبر نہیں تھی لیکن نیچے سمندر میں قیامت برپا تھی۔ پانی کی موجیں چٹانوں کی طرح میری طرف بڑھ کر کبھی مجھے اوپر اور کبھی نیچے پھینک رہی تھیں جیسے میں پانی کے طوفانی گرداب میں پھنس گیا تھا۔ یہ کیفیت کوئی پندرہ منٹ تک جاری رہی' پھر سمندر کی تہہ پُرسکون ہو گئی۔

میرا آکسیجن ماسک چہرے پر ذرا سا کھسک گیا تھا مجھے ڈر تھا کہ اگر پانی اندر آ گیا تو میرے لئے مشکل پیدا ہو جائے گی سمندری موجوں نے مجھے اس طرح تہہ و بالا کیا تھا کہ میں سمت بھول چکا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ شمال کدھر ہے اور جنوب کدھر ہے اور میں کدھر جا رہا ہوں۔ اس لمحے پراسرار آبدوز اگر میری راہ نمائی نہ کرتی تو میرا زندہ بچ نکلنا مشکل تھا۔ موقع کی نزاکت اور سنگینی کو دیکھتے ہوئے آبدوز نے تھوڑی دیر بعد روشنی کے سگنل دینے شروع کر دیئے تھے یہ روشنی چھوٹے سے سرخ بلب کی شکل میں آبدوز کے پیندے سے نکل رہی تھی۔ میں اندھا دھند اس سرخ روشنی کی سمت بڑھنے لگا۔ میرا جسم تکان سے چور تھا۔ آبدوز کے پیندے کے نیچے آکر میں نے اپنے آپ کو سیدھا کیا اور پورا زور لگا کر اوپر کو اٹھا اور سلنڈر کے سوراخ میں سے گزر کر اوپر آبدوز کے گول تالاب میں آگیا۔۔۔ چیف کمانڈو اپنے تین نقاب پوش سیلروں کے ساتھ موجود تھا اس نے سہارا دے کر مجھے ٹینک سے باہر نکالا میں نے ماسک اتار دیا میرے فلیپر الگ کئے گئے چیف کمانڈو نے میرے ساتھی کے بارے میں پوچھا تو میں نے سر جھکا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ میرا ساتھی کمانڈو شہید ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد' میں ساتھ والے کیبن میں چیف کمانڈو کے سامنے بیٹھا اسے اپنے مشن کی روداد سنا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ سمندر کے اندر جو تموج پیدا ہوا تھا اور اس کی شدید لہروں کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ "سائرس" کے ایٹمی ری ایکٹر کا کچھ باقی نہیں بچا ہو گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ہمارا ایک ساتھی شہید ہو گیا لیکن تم نے اپنے وطن کو ایک بہت بڑے

خطرے سے بچا لیا ہے۔ بھارتی حکومت کو دوبارہ نیوکلیائی ہتھیار تیار کرنے میں اب کافی وقت لگے گا۔ اتنی دیر تک ہم اپنا دفاع مضبوط سے مضبوط تر کر سکتے ہیں ہماری اطلاع کے مطابق بھارتی وزارت دفاع دو روز کے بعد پہلا نیوکلیائی میزائل ٹیسٹ کرنے والی تھیں آبدوز سمندر میں واپس چلی جا رہی تھی۔ چیف کمانڈو نے پھر کہا "تمہیں واپس اسی جگہ چھوڑ دیا جائے گا جہاں سے تمہیں تمہارے شہید ساتھی کے ہمراہ اٹھایا گیا تھا۔"

اس کے بعد چیف کمانڈو نے کوئی بات نہ کی اور چلا گیا۔ میں کافی پی رہا تھا۔ کافی پینے سے میرے جسم میں نئی توانائی سی آگئی تھیں۔ جس وقت آبدوز نے مجھے ربر کی کشتی کے ذریعے ساحل کی چٹان تک پہنچایا اس وقت پو پھٹ رہی تھی کشتی مجھے ساحل پر چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ میں اپنے لباس میں تھا یعنی پتلون چپل اور بش شرٹ۔ ٹرانسمیٹر اب بھی میری جیب میں تھا۔ میں اسے اپنے ہوٹل کے کمرے میں بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ چٹانوں کے قریب سے ہوتا ہوا میں ایلی فنٹا غار کی عقبی سرنگ میں داخل ہونے کی بجائے آگے سے ہو کر اس کے دروازے کے سامنے والے ساحل پر آ کر ایک طرف درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ چھوٹے سے باغ میں کچھ اور سیاح بھی سو رہے تھے میں بھی گھاس پر لیٹ گیا۔ اگرچہ میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا لیکن نیند غائب تھی۔ مجھے بار بار اپنے ساتھی کمانڈو چیل کا خیال آ رہا تھا۔ وطن عزیز کی سالمیت کی خاطر اس نے دیار غیر بلکہ دیار دشمن میں اپنی جان قربان کر دی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں فاتحہ پڑھ کر اس گمنام شہید کی روح کو ثواب پہنچایا اور سگریٹ سلگا لیا۔ تھوڑی دیر بعد دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا اور تاریخی غار دیکھنے کے لئے سیاحوں اور شہر کے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ پہلی کشتی ساحل پر آ کر لگی تو میں اس کشتی میں سوار ہو کر واپس گیٹ وے آف انڈیا آ گیا۔ یہاں سے ٹیکسی پکڑی اور اپنے ہوٹل آ گیا۔ وہاں آتے ہی انگریزی کا اخبار خریدا۔ اس میں "سائرس" نیوکلر پلانٹ کی تباہی کی کہیں بھی کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔ ظاہر ہے بھارتی حکومت نے اسے صیغۂ راز میں رکھا تھا۔ ایسی خبر کسی اخبار میں نہیں چھپ سکتی تھی۔ اس رات، میں نے اپنے بند کمرے میں پلنگ پر بیٹھ کر اپنے باس سے رابطہ قائم کیا۔ باس نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ دھماکا اس قدر بھیانک تھا کہ نیوکلیائی پلانٹ کا پچانوے فی صد حصہ تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ باس نے مجھے یہ خبر بھی سنائی کہ میری عدم موجودگی میں پالم پور سے اپنا آدمی مسٹر شنڈن کو میری خیریت کے سگنل برابر بھیج رہا ہے مسٹر شنڈن کو یہی بتایا جا رہا ہے کہ کیپٹن مہتہ ریسٹ ہاؤس میں مسلسل آرام کر رہا ہے اور وہ بہت کم باہر نکلتا ہے اور دن کا زیادہ حصہ گیتا پڑھنے میں گزارتا ہے۔ وہ کہیں آتا جاتا نہیں اور کوئی اسے ملنے بھی نہیں آتا۔ اپنے ایجنٹ نے میرے لئے چھتری کا کام کیا تھا۔ اگر ہمارا ایجنٹ میرے پیچھے لگے ہوئے جاسوس کا خفیہ کوڈ معلوم نہ کرتا اور صرف اسے ہلاک کر ڈالنے پر ہی اکتفا کرتا تو میرے لئے اپنے کمانڈو

مشن پر پالم پور سے روانہ ہونا ناممکن تھا کیونکہ جب مسٹر ٹنڈن کو اپنے آدمی کے پیغام دلی نہ پہنچتے تو وہ فوراً تحقیقات کے لئے کسی دوسرے آدمی کو روانہ کر دیتا جو مجھے پالم پور کے ریسٹ ہاؤس میں نہ پاکر اس کی اطلاع دلی میرے باس مسٹر ٹنڈن کو پہنچا دیتا اور نیوکلر پلانٹ کی تباہی کے بعد دلی پہنچتے ہی مجھے گرفتار کر لیا جاتا۔ اب مسٹر ٹنڈن اپنے آدمی کی گم شدگی کے باوجود مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور پھر اس کا آدمی اس کی خفیہ کوڈ میں ہی یہ پیغام دیتا رہا تھا کہ میں پالم پور کے [illegible] میں ہی ہوں۔

[illegible] اب میرا کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ اسی روز میں نے ایک فلائیٹ پکڑی اور انبالے پہنچ گیا۔ انبالے سے دوسری فلائیٹ لی اور شام کے وقت پالم پور ریسٹ ہاؤس میں آکر بستر پر ایسے لیٹ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ نوکر سے میں نے کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر سے چیک اپ کرانے انبالے جا رہا ہوں۔ اگلے روز میں نے سجاتا کو فون کر کے بتا دیا کہ میں فلاں ریسٹ ہاؤس میں ہوں اور اب میری طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ یہاں اپنے اس ایجنٹ سے میری ملاقات نہ ہوئی جس نے میرے پیچھے لگے ہوئے مسٹر ٹنڈن کے جاسوس کو ہلاک کر دیا تھا اور اس کی لاش بھی غائب کر دی تھی۔ میں مزید کچھ روز پالم پور کی پُرسکون پہاڑی فضاؤں میں بسر کرنا چاہتا تھا مگر دفتر سے مسٹر تیواڑی سیکرٹری نمبر دو کا تار آگیا کہ دفتر جلدی پہنچو۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے کس لئے بلایا جا رہا ہے "سائرس" نیوکلیائی پلانٹ کی تباہی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

میں ٹیلی گرام ملتے ہی دلی کے لئے روانہ ہو گیا۔

مسٹر تیواڑی ائرپورٹ پر موجود تھا۔ وہ اپنی گاڑی میں آیا تھا۔ دن کے تین بجے میں دلی پہنچا تھا۔ سیکرٹری تیواڑی مجھے سیدھا دفتر لے گیا۔ راستے میں اس نے مجھے بتا دیا کہ سائرس پلانٹ کو تخریب کاروں نے نقصان پہنچایا ہے۔ میں نے تفتیش کا رخ موڑنے کے لئے سری لنکا کے سنہالی تخریب کاروں کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ تیواڑی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔

"ہم پاکستانی تخریب کاروں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔" ہم انگریزی میں باتیں کر رہے تھے میں نے کریدنے کی خاطر پوچھا کہ اپنے پلانٹ کا نقصان کتنا ہوا ہے؟ سیکرٹری تیواڑی کو بتانا ہی تھا کیونکہ میں سیکرٹری ون تھا۔ میری حیثیت سینٹرل انٹیلی جینس کے ایک اہم آفیسر کی تھی۔ تیواڑی کی زبانی معلوم ہوا کہ سائرس پلانٹ کی لیب نمبر دو مکمل طور پر تباہ ہو گئی ہے اور نیوکلیائی پلانٹ کی آدھی سے زیادہ عمارت اڑ گئی ہے۔ اس تباہی میں بہت سی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں۔ ان میں چار بڑے اعلیٰ پائے کے بھارتی سائنس دان بھی تھے۔ آفس میں ہر کسی کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ سبھی پریشان پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ تیواڑی نے مسٹر ٹنڈن کو فون پر بتایا کہ کیپٹن مہتا پالم پور سے آگئے ہیں۔ مسٹر ٹنڈن نے فوراً ہم دونوں کو پرائم منسٹر سیکرٹریٹ آنے کے لئے کہا۔

مسٹر ٹنڈن اپنے ائرکنڈیشنڈ کمرے میں پشت پر ہاتھ رکھے بے چینی سے ٹہل رہا تھا ہمیں دیکھ کر صوفے کی طرف اشارہ کیا' پھر خود بھی صوفے پر بیٹھ گیا سگار کو ایش ٹرے میں مسل دیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ انتہائی فکر مند ہے۔۔۔ میری طرف ایک گہری نظر سے دیکھا اور بولا "کیپٹن مہتہ! مجھے امید ہے کہ تیواڑی نے تمہیں تمام حالات بتا دیئے ہوں گے؟"

میں نے اپنے چہرے پر پریشانی ظاہر کر رکھی تھی اپنے سر کو انتہائی افسوس کے انداز میں ہلاتے ہوئے میں نے کہا۔

"سر! آخر سکیورٹی اسٹاف کہاں تھا؟ کیا وہ سو رہا تھا؟ یہ ہماری کارکردگی پر بہت بڑا داغ لگا ہے مسٹر ٹنڈن نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "پرائم منسٹر نے بمبئی پرانت کے چار انٹیلی جینس افسروں کو معطل کر دیا ہے۔ اعلیٰ سطح پر اس سیوتاژ کی تحقیقات شروع ہو گئی ہے ہمیں اس تحقیقات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے کچھ پتا نہیں ہمارا کیا حشر ہو؟"

ٹھنڈا سانس بھر کر مسٹر ٹنڈن نے اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا دیا۔ سیکرٹری تیواڑی کہنے لگا" سر! یہ کام پاکستانی ایجنٹوں کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

ٹنڈن نے تلخی سے کہا۔ "سوال یہ ہے کہ ہمارا محکمہ آخر کس مرض کی دوا ہے؟ دشمن کے ایجنٹ جو ملک میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے آفس میں بھی کوئی ایجنٹ موجود ہو۔"

اندر سے میرا دل ذرا سا دھڑک کر نارمل ہو گیا مگر میں نے اندرونی کیفیات کو اپنے چہرے پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ حالانکہ مسٹر ٹنڈن نے یہ جملہ ادا کرنے کے ساتھ ہی میری طرف دیکھا تھا۔

میں نے کہا "سر! ہمیں اپنے اسٹاف کی پھر سے سکروٹنی کرنی ہو گی۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

مسٹر ٹنڈن نے مایوسی کے انداز میں اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس سے کچھ نہیں ہوتا کیپٹن مہتہ! دشمن کے ایجنٹوں کو سکروٹنی کی پہلے سے خبر ہو جاتی ہے۔ بہرحال میں نے تمہیں اور مسٹر تیواڑی کو اس لئے یہاں بلایا ہے کہ آج رات گیارہ بجے پرائم منسٹر اندرا گاندھی نے ہمیں اپنے آفس بلایا ہے۔ ڈی جی راما مورتی بھی لندن کا دورہ ادھورا چھوڑ کر آج نئی دلی پہنچ رہا ہے تم لوگ رات ٹھیک ساڑھے دس بجے میرے آفس میں آجانا"

اس وقت میری جیب میں ایک ایسا خطرناک ٹائم بم تھا جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ یہ ٹائم بم ماچس کے سائز کا طاقت ور ٹرانسمیٹر تھا۔ چونکہ مسٹر تیواڑی مجھے ائرپورٹ سے سیدھا آفس لے آیا تھا اس لئے یہ ٹرانسمیٹر میری جیب میں ہی پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے اسے براؤن کاغذ میں لپیٹ کر اپنی پتلون کی عقبی جیب میں رکھا ہوا تھا۔ جتنی دیر میں مسٹر ٹنڈن کے آفس میں بیٹھا رہا میری جان پر بنی رہی۔ اگر اس وقت کوئی بھی میری تلاشی لے لیتا تو یہ ٹرانسمیٹر مجھ سے برآمد ہو جاتا اور پھر میرا جو حشر ہوتا وہ صاف ظاہر ہے جب تک میں ٹنڈن کے روبرو بیٹھا رہا اندر سے میری حالت پریشان ہی رہی۔

اگرچہ میں نے اسے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ مسٹر ٹنڈن نے میرے پیچھے جو پہلا جاسوس لگایا تھا اس کی لاش مقبوضہ ہمالیوں میں ملی تھی۔۔۔ اب پالم پور سے دوسرے جاسوس کی گم شدگی اور غالباً موت کی خبر دو ایک روز میں اسے ملنے والی تھی۔ دونوں آدمی میرے پیچھے لگے لگے موت کے گھاٹ اترے تھے اس سے قدرتی طور پر یہی شک پڑتا تھا کہ ان کے قتل میں میرا ہاتھ ہے اور میری حیثیت مشکوک ہے میں ان تمام سنگین خطرات میں گھر گیا تھا مگر اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ میں ایک ایسی پوسٹ' ایک ایسی اہم ترین آسامی پر تعینات تھا کہ وہاں بیٹھ کر میں چاروں طرف نہ صرف نگاہ رکھ سکتا تھا بلکہ پاکستان دشمن عزائم کو جڑ سے کاٹ سکتا تھا۔ رات کے پورے گیارہ بجے ہم پرائم منسٹر کے آفس میں پہنچ گئے۔ ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جینس راما موورتی بھی میرے' مسٹر ٹنڈن اور مسٹر تیواڑی کے علاوہ موجود تھے پانچ منٹ بعد مسز اندرا گاندھی عقبی دروازے سے نمودار ہوئیں۔ میں پہلی بار اس خاتون کو روبرو دیکھ رہا تھا۔ جیسا انہیں تصویروں میں دیکھا تھا بالکل ویسی ہی تھیں۔ چھریرا قد' گورا چٹا کشمیری رنگ' سر کے بالوں میں ایک سفید لٹ جو فراخ ماتھے کے دائیں جانب سے ہو کر پیچھے چلی گئی تھی' مگر اس وقت پرائم منسٹر کا چہرہ انتہائی سنجیدہ اور بھینچے ہوئے ہونٹوں پر ایک کرختگی سی تھی۔ ہم کھڑے ہو گئے۔ مسز گاندھی نے ہمیں اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ ان کا سیکرٹری ہمراہ تھا سیکرٹری نے ایک فائل کھول کر مسز گاندھی کے سامنے رکھ دی۔ وہ فائل کے ورق الٹنے لگیں۔ کمرے میں گمبھیر اور بوجھل خاموشی چھا گئی۔ ایک ڈیڑھ منٹ تک وہ فائل کا مطالعہ کرتی رہیں' پھر عینک اتار کر فائل کے کاغذوں پر آہستہ سے رکھی اور انگریزی میں بولیں۔

"سائرس سیوتاژ کے بارے میں آپ لوگوں نے جو رپورٹیں سب مٹ کی ہیں محض دفتری کارروائی ہے۔ میں اسے نزلش کہوں گی۔" مسز گاندھی کا لہجہ انتہائی تلخ ہو گیا۔ "آپ لوگ اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہے ہیں تو کیا میں اسکاٹ لینڈ یارڈ سے آدمی منگواؤں؟ بڑے شرم کی بات ہے کہ دشمن آپ کی آنکھوں کے سامنے بھارت ورش کو اتنا بڑا نقصان پہنچا گیا اور آپ کچھ نہ کر سکے۔

میں نے سر جھکا رکھا تھا کن انکھیوں سے دیکھا کہ مسٹر ٹنڈن' مسٹر تیواڑی اور ڈی جی راما موورتی کے رنگ اڑ چکے تھے۔ ان کے چہرے چھوٹے سے ہو گئے تھے نہ صرف ان کی نوکریاں بلکہ ان کے بچوں کا مستقبل خطرے میں تھا مسز گاندھی ہم سب پر برس رہی تھیں۔ جب وہ اپنے دل کی خوب بھڑاس نکال چکیں تو ڈی جی راما موورتی نے بڑے ادب سے کہا۔

"یور ایکسی لینسی۔۔۔! آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سیوتاژ کے ذمے دار افراد کو بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس وقت ہماری ساری فورس حرکت میں ہے۔ مغربی اور مشرقی بارڈر کو بلاک کر دیا گیا ہے۔"

مسز گاندھی نے ٹنڈن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "مسٹر ٹنڈن آپ کیا کر رہے ہیں؟"

مسٹر ٹنڈن کو جیسے ایک جھٹکا سا لگا۔ جلدی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "یور ایکسی لینسی! میں صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ میرے محکمے کے آدمی دشمن کے ٹھکانے تک پہنچ گئے ہیں۔ بھگوان نے چاہا تو بہت جلد، میں اصلی دشمن آپ کے سامنے لا کھڑا کروں گا۔"

میرے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی، مگر میں اپنی جگہ پر قائم رہا۔ فوراً ہی مسٹر ٹنڈن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "یور ایکسی لینسی! دشمن کے ایجنٹ ہم سے بچ کر نہیں جائیں گے ٹنڈن جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارا محکمہ بہت جلد ان کو دبوچنے والا ہے۔"

ڈی جی راما مورتی کو کچھ حوصلہ ملا۔ اس کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔ اس نے بھرپور انداز میں مسز گاندھی کو یقین دلایا کہ دشمن کے تخریب کار بہت جلد گرفتار کر لئے جائیں گے۔ مسز گاندھی کا چہرہ اسی طرح سنجیدہ اور گھمبیر تھا یہ میٹنگ رات ایک بجے تک جاری رہی۔ آخر میں مسز گاندھی نے ہمیں ایک ہفتے کے اندر اندر اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا اور میٹنگ ختم ہو گئی مسٹر ٹنڈن کے چہرے پر بھرپور اعتماد کی جھلک تھی۔ لگتا تھا جیسے اس نے دشمن کو پہچان لیا ہے۔ میں چوکس ہو گیا۔

ڈی جی نے ہم تینوں کو بریف کرتے ہوئے کہا کہ دشمن کے کسی نہ کسی تخریب کار کو ایک ہفتے کے اندر اندر قابو کرنا بے حد ضروری ہے جیسے بھی ہو دشمن کے ایجنٹ کو گرفتار کیا جائے ورنہ ہم میں سے کسی ایک کی بھی نوکری نہیں بچے گی۔

میں گھر آ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں مگر نیند نہیں آ رہی تھیں۔ حالات نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مسٹر ٹنڈن کے ایماء پر میرے ارد گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ کسی حتمی ثبوت کے بعد مسٹر ٹنڈن مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا یہ اصولی طور پر بھی غلط تھا کوئی ذمے دار انٹیلی جینس افسر کسی دوسرے انٹیلی جینس افسر پر کمزور وار نہیں کرتا۔ اگر کوئی بین ثبوت پاس نہ ہو تو وار کے الٹا پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایک بات آپ اپنے ذہن میں رکھیں کہ مسٹر ٹنڈن اس پوزیشن میں تھا کہ وہ جب اور جہاں چاہے مجھے قتل کروا سکتا تھا۔ لیکن دشمن کے ایجنٹ کو ہلاک کرنا اسے فرار ہونے کا موقع فراہم کرنے کے برابر ہوتا ہے کیوں کہ ایجنٹ کو اگر آپ موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں تو آپ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایجنٹ کو زندہ پکڑ کر پورے ریکٹ یعنی پوری ٹولی کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور ملک مزید تباہ کن تخریب کاریوں سے بچ جاتا ہے۔ مسٹر ٹنڈن بھی مجھے کسی ثبوت کی بنا پر زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ پر پہلا وار سجاتا کے ذریعے گھر میں ٹرانسمیٹر رکھوا کر کیا جو خالی گیا۔ دوسری بار اس نے میرے پیچھے آدمی لگائے جن کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ٹنڈن میرے پیچھے اب مزید آدمی لگائے گا اور میری ایک ایک نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے گا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ میرا آئندہ مشن بھارت کی مغربی سرحد پر فوجوں کی نقل و حرکت کی رپورٹ حاصل کرنا ہے جو پاکستان کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی

ہے۔ سیاسی حالات ایسے تھے کہ مسز گاندھی کسی وقت بھی پاکستان پر حملہ کرواسکتی تھی اور اس بار سب سے زیادہ دباؤ قصور سیکٹر پر ہونے والا تھا۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق بھارت تیزی سے حملہ کر کے قصور کو لاہور سے کاٹ کر اس پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ مجھے اس امر کا اشارہ دے دیا گیا تھا کہ میرا آئندہ مشن کیا ہو گا اور کس قدر اہم ہو گا۔ ان حقائق کی روشنی میں مسٹر ٹنڈن میرے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ سب سے بڑی دیوار تھی جو میرے اور میرے آئندہ مشن کی راہ میں حائل تھی۔ مجھے اس رکاوٹ کو دور کرنا تھا'اس دیوار کو گرا دینا تھا۔

بظاہر مسٹر ٹنڈن کا مجھ سے سلوک انتہائی مشفقانہ ہو گیا تھا۔ میرے سیکرٹری ہو جانے کے بعد اس سے تقریباً روز ہی ملاقات رہتی تھی۔ وہ پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے زیادہ خندہ پیشانی سے ملتا۔ سیکرٹری نمبر دو تیواڑی کا رویہ بھی میرے ساتھ بڑا نارمل تھا۔ ڈی جی انٹیلی جینس کی طرف سے دباؤ بڑھنے لگا کہ کسی ایک ایجنٹ کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے تاکہ ہم پرائم منسٹر کو اپنی کارکردگی دکھا کر اپنی نوکری کی حفاظت کر سکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مسز گاندھی کی جذباتی اور منتقمانہ طبیعت کے باعث یہ لوگ کسی بھی وقت اس کی زد میں آسکتے تھے۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ کسی غیر ملکی اور خاص طور پر پاکستانی ایجنٹ کو پکڑ کر پیش کر دیا جائے۔ اگر پاکستانی ایجنٹ نہیں ملتا تو کسی بھی مسلمان کو پکڑ کر اسے ایجنٹ ظاہر کر کے پرائم منسٹر کے آگے سرخروئی حاصل کی جائے۔ میں نے ایک میٹنگ میں جب یہ تجویز پیش کی کہ میرے خیال میں چونکہ "سائرس" کی تباہی کی ذمے داری سری لنکا کے بھارت دشمن سنہالی تخریب کاروں پر عاید ہوتی ہے اس لئے ہمیں کسی نہ کسی سنہالی ایجنٹ کو گرفتار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تو مسٹر ٹنڈن نے کسی قدر تلخی سے کہا "یہ سنہالی ایجنٹوں کی نہیں پاکستانی ایجنٹوں کی کاروائی تھی۔۔ پاکستانی تخریب کار راجدھانی میں بھی سرگرم ہیں۔ ہمیں ان میں سے کسی کو پکڑنا ہو گا۔"

انٹیلی جینس چیف مسٹر ٹنڈن کے اس خطرناک عزم کے پیش نظر اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اب اس شخص کا زندہ رہنا میرے مشن کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہو گا۔ میں نے مسٹر ٹنڈن کو ہر حالت میں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ابھی ٹنڈن کو ہلاک کرنے کے طریقوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ ایک روز اپنے آفس گیا تو تیواڑی میرے کمرے میں آیا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ میری میز پر دونوں ہتھیلیاں ٹکاتے ہوئے بولا۔ "کیپٹن مہتہ! بدھائی ہو۔ ہم سب کی نوکری بچ گئی ہے۔ رات ہم نے کملا مارکیٹ سے ایک پاکستانی ایجنٹ کو گرفتار کر لیا ہے۔"

میرا ماتھا ٹھنکا کہیں اپنا کوئی ایجنٹ تو نہیں پکڑا گیا؟ میں نے اٹھ کر تیواڑی سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور اسے بدھائی دیتے ہوئے کہا "مسٹر تیواڑی! اب بھگوان نے چاہا تو ہم پاکستانی تخریب کاروں کے سارے گینگ کو پکڑ لیں گے۔"

تیواڑی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اور سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "مجھے امید نہیں کہ ہمیں اس پاکستانی سے کچھ انفارمیشن مل سکے گی۔"

میرے استفسار پر تیواڑی نے اصل بات مجھے بتا دی۔ کہنے لگا۔ "بات یہ ہے کہ ہم نے محض اپنی نوکری بچانے کے لئے اس آدمی کو پکڑا ہے ہماری اطلاع کے مطابق یہ آدمی پاکستانی جاسوس نہیں ہے بلکہ پاکستان سے یہاں دلی اپنے رشتے داروں سے ملنے آیا ہوا تھا مگر اس سے کیا؟ ہمیں تو اس وقت کوئی پاکستانی پکڑنا تھا۔ سو پکڑ لیا۔"

وہ اٹھ کر جانے لگا تو دروازے کے پاس رک گیا۔ پلٹ کر بولا "ہم نے ڈی جی راما مورتی کو اصل بات نہیں بتائی۔ ہم نے یہی رپورٹ دی ہے کہ یہ پاکستانی تخریب کار ہے اور نقلی ویزے پر بھارت آیا ہوا تھا تم اس بات کو ذہن میں رکھنا۔"

مسٹر تیواڑی ربنگ مصار کا رہنے والا تھا اور مسٹر ٹنڈن کی طرح بدمزاج نہیں تھا۔ اس کی جگہ مسٹر ٹنڈن ہوتا تو یہ بات مجھے کبھی نہ بتاتا۔ بہرحال اس نے اصل بات کھول دی تھی۔ اور اب مجھے اس بدنصیب پاکستانی کی فکر لگ گئی جس پر ظلم و تشدد کا پہاڑ ٹوٹنے والا تھا جو بے گناہ تھا۔ بے قصور تھا۔ یہ لوگ اس پر بے پناہ تشدد کر کے اس سے جھوٹا بیان دلوانے کی کوشش کریں گے کہ اسے پاکستان کی حکومت نے بھارت میں تخریب کاری کے لئے بھیجا تھا، پھر اس پر "سارس" ایٹمی پلانٹ کی تباہی کا الزام ثابت کر کے اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ یوں اس بدنصیب پاکستانی کو ایک ایسے جرم کی سزا دی جائے گی جو اس نے نہیں کیا تھا۔ ایک اعتبار سے اسے میری تخریب کاری کی سزا ملنے والی تھی ظاہری طور پر میں نے مسٹر تیواڑی کے سامنے بے حد خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ ایک گھنٹے بعد جب مسٹر ٹنڈن سے ملاقات ہوئی تو میں نے اسے بھی بڑے محتاط طریقے سے اس کارنامے پر بدھائی یعنی مبارک باد پیش کی ٹنڈن کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ لگتا تھا وہ میرے دل کو کریدنے کی کوشش کر رہا ہے اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے میرے چہرے پر جم گئیں، پھر مسکرایا اور بولا۔

"کیپٹن! اگرچہ ہمارے پاس اس پاکستانی تخریب کار کے خلاف کوئی واضح شہادت نہیں ہے مگر ہم اس سے سب کچھ منوالیں گے وہ ہمیں سب کچھ بتا دے گا۔"

میں نے کہا "سر! یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب اس پر تشدد کیا جائے گا تو وہ ساری باتیں اگل دے گا۔ اس کی وجہ سے ہم اس کے پورے گینگ کو گرفتار کر سکیں گے۔"

مسٹر ٹنڈن نے ہلکا سا سگار کا کش لگایا۔ میری طرف گھور کر دیکھا اور بولا۔ "مسٹر تیواڑی کا خیال ہے کہ یہ ایک عام پاکستانی ہے جو ویزے پر دلی اپنے رشتے داروں سے ملنے آیا تھا، لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پاکستانی ایجنٹ ہے اور اس سے ہمیں بعض ایسے پاکستانی ایجنٹوں کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے جو خود ہمارے محکمے میں سرگرم عمل ہیں۔"

میں نے مسٹر ٹنڈن کی بات کی پُر زور تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہماری بہت بڑی کامیابی ہو ۔ ہمیں اس پاکستانی ایجنٹ پر کسی حالت میں بھی رحم نہیں کھانا ہوگا۔ وہ یقیناً پاکستانی تخریب کار ہی "

لیکن مسٹر ٹنڈن کے دل میں جو بھیانک خیال چھپا ہوا تھا اس کو میں نے پالیا تھا۔ اس کا منصوبہ تا کہ وہ اس بے گناہ پاکستانی پر الم ناک تشدد کے بعد اس سے یہ بیان دلوا دے گا کہ دلی میں اس کے جو تانی ساتھی ایجنٹ سرگرم عمل ہیں ان میں ایک کیپٹن مہتہ بھی ہے جو پاکستان کے لئے جاسوسی کرتا ۔ اور اس کے عوض پاکستانی سفارت خانے سے بھاری رقوم وصول کرتا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک ام تھا جو مسٹر ٹنڈن کے ذہن میں تھا اور جس پر وہ یقیناً عمل کرنے والا تھا۔ میں مسکراتے ہوئے ٹنڈن طرف دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ "ٹنڈن جی! اب آپ کی زندگی کے بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ تم اب مجھ سے بچ نہیں سکو گے۔"

مسٹر ٹنڈن مجھے کہہ رہے تھے۔ "کیپٹن مہتہ! تم سے زیادہ مجھے یہاں کسی پر بھروسہ نہیں ہے۔ ی وجہ ہے کہ اس پاکستانی ایجنٹ سے تم ہی پوچھ گچھ کرو گے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہاری یہ وٹی لگائی ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ مسٹر ٹنڈن نے بہت سوچ سمجھ کر میری ڈیوٹی لگائی تھی۔ یقینی ور پر اس نے پوچھ گچھ کرنے والی کوٹھڑی یا سیل میں خفیہ مگر بے حد طاقتور مائیکروفون لگا دیئے وں گے تاکہ پاکستانی ایجنٹ کے ساتھ میں جو بھی گفتگو کروں وہ ریکارڈ ہو جائے۔ چونکہ اسے مجھ پر پہلے ہی سے پاکستان کے ایجنٹ ہونے کا شک پڑ گیا تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ میں اگر پوچھ گچھ کے دوران پاکستانی ایجنٹ سے ہمدردانہ یا راز داری کی کوئی بات کروں تو مسٹر ٹنڈن کے ہاتھ ایک ثبوت آجائے جس کی بنا پر وہ مجھے بھی گرفتار کر سکے۔ میں اتنا احمق نہیں تھا۔

میں نے کہا "شکریہ سر! آپ نے مجھ پر اعتماد ظاہر کیا۔ میں آپ کا گریٹ فل ہوں۔ یہ پاکستانی ایجنٹ کہاں رکھا گیا ہے؟" مسٹر ٹنڈن نے بتایا کہ وہ لال قلعے کے ایک تہہ خانے میں قید ہے مجھے کہا گیا کہ میں شام کو لال قلعے میں جا کر اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کروں اور دوسرے روز اپنی کارگردگی کی رپورٹ پیش کروں۔ یہ سب کچھ مجھے جال میں الجھانے کے لئے کیا جا رہا تھا۔ میں بھی اپنے طور پر پوری طرح چوکس تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مسٹر ٹنڈن کو اپنے راستے سے ہٹانے کے طریقوں پر بھی بڑی تیزی سے غور کر رہا تھا۔

شام کو دفتر سے نکل کر میں اس پاکستانی شہری کو دیکھنے قلعے میں گیا جو اپنی بدقسمتی کی وجہ سے بھارتی انٹیلی جینس کے پھندے میں پھنس گیا تھا اور اب بظاہر اس کا زندہ بچ نکلنا ناممکن نظر آتا تھا۔ قلعے کے تہہ خانے میں بجلی کا سو وولٹ کا بلب روشن تھا۔ بدقسمت پاکستانی کے جسم پر سوائے ایک

پھٹی ہوئی نیکر کے اور کچھ نہیں تھا۔ محکمے کے دو پیشہ ور ملازم اس پر کافی تشدد کر چکے تھے۔ یہ ایک نوجوان پاکستانی تھا۔ اس کی ایک آنکھ سوج کر سیاہ ہو رہی تھی۔ نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا جہاں سے خون رس رہا تھا۔ اسے دو آدمیوں نے پکڑ کر تختے پر بٹھا رکھا تھا بے چارے کا تشدد کی وجہ سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس کا سر بار بار ڈھلک جاتا تھا۔ میں جاتے ہی اس کے سامنے لوہے کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنے آدمی سے کہا۔ "اس کا سر اوپر کرو۔"

اس بے درد آدمی نے پاکستانی نوجوان کے سر کو بالوں سے پکڑ کر اونچا کر دیا۔ پاکستانی نوجوان کی سوجی ہوئی آنکھ بند تھی۔ دوسری آنکھ ذرا سی کھلی تھی۔ میں نے تحکمانہ آواز میں پوچھا۔۔۔ "تمہارے دوسرے ساتھی کون ہیں؟ کہاں کہاں کام کر رہے ہیں؟ اگر تم ہمیں ان کے نام بتا دو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا"

پاکستانی نوجوان نے روتے ہوئے کمزور سی آواز میں کہا۔ "میں جاسوس نہیں ہوں سر۔ میں ویزا لے کر آیا تھا ماموں سے ملنے۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔"

اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل ہل گیا۔ سب سے پہلے تو مجھے یہ اطمینان ہوا کہ یہ اپنا ایجنٹ نہیں تھا۔ اپنے ایجنٹوں کے چہرے میرے لئے اجنبی نہیں تھے میں انہیں پہچان سکتا تھا۔ یہ بے گناہ پاکستانی تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اسے میرے اعمال کی سزا مل رہی تھی۔ اس کو بچانا میرا فرض بنتا تھا۔ ویسے بھی میں خود پاکستانی تھا۔ محب وطن پاکستانی اور میں اپنی آنکھوں کے سامنے ایک پاکستانی بھائی پر ظلم و تشدد ہوتے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ اس تہہ خانے میں مجھے معلوم تھا کہ خفیہ مائیکرو فون ضرور لگے ہوئے ہیں۔ وہاں میں اس بے گناہ پاکستانی سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

بہرحال میں نے اپنے رویئے سے یہی ظاہر کیا کہ میں ایک ذمے دار بھارتی افسر ہوں اور مجھے ہر حالت میں بھارت ماتا کا مفاد عزیز ہے۔ میں نے بے چارے پاکستانی کو ایک طمانچہ بھی مار دیا۔ میں پندرہ بیس منٹ تک وہاں بیٹھا پوچھ گچھ کرتا رہا۔ پاکستانی یہی کہتا رہا کہ مجھے بے گناہ پکڑا گیا ہے۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں دلی ویزا لے کر اپنے ماموں سے ملنے آیا تھا۔ وہ روئے جا رہا تھا۔ میں نے اس کی گردن پر ایک اور مکا جڑ دیا اور اٹھ کر چلا آیا۔ خفیہ مائیکرو فون کے ڈر سے میں اپنے آدمیوں کو یہ بھی نہ کہہ سکا کہ اس پر مزید تشدد نہ کرنا۔ دوسرے روز میں نے مسٹر ٹنڈن کو جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ پاکستانی جاسوس بے حد عیار اور ہوشیار ہے۔ وہ اتنی آسانی سے نہیں بکے گا' لیکن ہمیں اس پر تھرڈ ڈگری آزمانی ہوگی۔ وہ ضرور اپنے ساتھیوں کے نام بتا دے گا۔

مسٹر ٹنڈن نے میری رپورٹ پڑھی اور اسے فائل میں لگاتے ہوئے بولا۔ "ڈی جی صاحب نے پرائم منسٹر کو رپورٹ کر دی ہے کہ ہم "سائرس" کے تخریب کاری کے ذمے دار پاکستانی ایجنٹ کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جتنی

جلدی ہو سکے اس ایجنٹ کے ساتھیوں کی نشان دہی ہونی چاہئے تب ہی ہماری کھال بچ سکے گی۔ ورنہ پرائم منسٹر کے عتاب سے ہم میں سے کوئی بھی بچ نہیں سکے گا۔"

میں نے کہا" سر! میرا خیال ہے کہ تھرڈ ڈگری کو یہ پاکستانی ایجنٹ شاید ہی برداشت کر سکے کل تک وہ ضرور بک پڑے گا۔" اس روز بھی بے چارے بے گناہ پاکستانی پر میری آنکھوں کے سامنے بے حد تشدد کیا گیا۔ تھرڈ ڈگری ایک بھیانک تشدد ہے جس کے بارے میں صرف اتنا ہی بتا دینا کافی ہوگا کہ اسے بڑے سے بڑا ڈاکو بھی برداشت نہیں کر سکا۔ اس پتلے دبلے پاکستانی میں اتنی سکت کہاں تھی بھلا؟ جب تھرڈ ڈگری تشدد کا سلسلہ شروع ہوا تو پاکستانی نوجوان بے ہوش ہو گیا اسے ہوش میں لانے کے بعد تشدد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ پائپ کے ذریعے اس کے معدے میں اتنا پانی داخل کیا گیا کہ اس کا پیٹ پھول کر کپا ہو گیا۔ بے چارہ اونٹ کی طرح بلبلانے لگا جب اس کے پیٹ پر لکڑی سے ضربیں لگائی گئیں تو اس کی چیخیں نکل گئیں اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا مجھ سے یہ دلدوز منظر دیکھا نہیں جاتا تھا مگر دیکھنا ہی پڑ رہا تھا۔ یہ بد قسمت پاکستانی لاہور سے دلی اپنے جس ماموں کو ملنے آیا تھا ان میں سے کسی نے اس کی پیروی نہیں کی تھی۔ وہ خود سہمے ہوئے تھے کہ کہیں ان کے سارے خاندان کو جاسوسی کے الزام میں پکڑ کر جیل میں سڑنے کے لئے نہ ڈال دیا جائے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جب بھارت میں کسی پاکستانی کو جاسوسی کے الزام میں زبردستی پکڑ لیا جاتا ہے تو اس پر کیا قیامت نہیں گزرتی؟ وہاں اس کا کوئی ولی وارث، کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسے صرف اس حد تک زندہ رکھا جاتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ سانس لے سکے اور اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتا دے۔

پنجاب اور یوپی کی جیلوں میں ایسے کئی بے گناہ پاکستانی شہید ہو چکے ہیں جن کو جاسوس ہونے کے جھوٹے الزام میں پکڑ کر ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا کئی اس تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کی لاشوں کو وہیں جیل کے اندر گڑھا کھود کر دفن کر دیا گیا۔ جو سخت جان تھے' وہ معذوری کے عالم میں اب بھی بھارتی جیلوں میں سسک سسک کر جی رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی نابینا ہو چکا ہے کسی کی ٹانگیں کٹ گئی ہیں اور کوئی بازوؤں سے محروم ہوا ہے اور موت کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نوجوان پاکستانی کا انجام بھی میری آنکھوں کے سامنے تھا جو ایک انتہائی درد انگیز انجام تھا اور جس سے میں اسے ہر حالت میں بچانا چاہتا تھا۔ اس پاکستانی نوجوان نے اپنا نام جمیل احمد بتایا تھا۔ تھرڈ ڈگری کے تشدد کی وجہ سے بدنصیب پاکستانی جمیل احمد کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ لگتا تھا وہ تھوڑی دیر بعد مر جائے گا۔ میرے ایما پر اس پر تشدد کا سلسلہ روک دیا گیا۔۔ میں نے ٹنڈن صاحب کو بتایا کہ خطرہ ہے پاکستانی ایجنٹ مر جائے گا۔ اس لئے دو روز تک اسے کچھ نہ کہا جائے۔ اس کے بعد ہم تشدد کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیں گے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دو دنوں کے بعد یہ پاکستانی ہمیں سب کچھ

بتادے گا۔

مسٹر ٹنڈن نے تھرڈ ڈگری تشدد کو دو روز کے لئے بند کر دیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اب ان دو دنوں میں مجھے مسٹر ٹنڈن سے نجات حاصل کرنا تھی۔ حالات کا پورا جائزہ لینے کے بعد، میں نے محسوس کیا کہ ٹنڈن کو اگر باہر کسی جگہ ہلاک کرتا ہوں تو میرے پیچھے لگے ہوئے جاسوس کی رپورٹ مجھے اس کے قتل میں پھنسا سکتی تھی۔ میرے سامنے اب سوائے اس کے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا کہ مسٹر ٹنڈن کو اس کے آفس میں ہی ختم کر دیا جائے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا لیکن اگر میں اس میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو مجھ پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے پلاننگ شروع کر دی۔ میرے ذہن نے تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے منصوبہ بندی شروع کر دی آخر میں نے ایک ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے یہی ایک ترکیب تھی جس پر میں عمل کر سکتا تھا اس وقت مجھے زہریلے سگار بہت یاد آ رہے تھے چنانچہ میں نے ایک ایسا ہی زہریلا سگار خود تیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ساری اسکیم میرے ذہن میں تھی۔ اس اسکیم پر عمل کرنے سے ایک اہم ترین فائدہ یہ تھا کہ مجھ پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا تھا یوں سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی تھی۔ سائی نائیٹ زہر سب سے زیادہ سریع الاثر اور مہلک زہر ہے اور ہماری انٹیلی جینس کی لیبارٹری میں یہ زہر زرد رنگ کے ذراتی سفوف کی شکل میں موجود تھا۔ لیبارٹری میں آتے جاتے میں نے اسے ایک الماری میں شیشی میں پڑے دیکھا تھا۔ اس کے باہر سائی نائیٹ لکھا ہوا تھا صبح دفتر لگنے کے آدھے گھنٹے بعد تک لیبارٹری کا اسٹاف نہیں آتا تھا۔ اس دوران جمعدار لیبارٹری کھول کر اس کی صفائی وغیرہ کر کے چلا جاتا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب مجھے لیبارٹری سے سائی نائیٹ زہر کی بہت ہی قلیل مقدار چرانی تھی۔ رات کو میں نے گیارہ بجے کے بعد باس سے ربطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر شاید موسم کی خرابی کے باعث میں ایسا نہ کر سکا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خراب موسم میرے اور باس کے درمیان حائل ہوا۔

دوسرے دن صبح، میں وقت پر دفتر پہنچ گیا۔ تیواڑی ابھی تک نہیں آیا تھا میں نے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر تہہ کر کے جیب میں رکھا اور لیبارٹری کی طرف ٹہلتا ٹہلتا چل پڑا۔ لیبارٹری میرے کمرے سے ایک بلاک چھوڑ کر اسی بلڈنگ میں ہی واقع تھی۔ لیبارٹری کھلی پڑی تھی۔ چپڑاسی بھی ابھی نہیں آیا تھا۔ میں یوں اندر داخل ہو گیا جیسے مجھے کسی شے کی تلاش ہو میں انگلی پر بار بار پھونکیں مار رہا تھا کہ اگر فرض کریں کہ کوئی آ گیا تو اسے کہوں گا کہ انگلی درد کر رہی ہے۔ اسپرٹ لگوانے آیا تھا، مگر لیبارٹری بالکل خالی پڑی تھی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیدھا کونے والی بڑی الماری کی طرف گیا جیب سے رومال نکال کر الماری کا دروازہ کھولا۔۔۔ رومال ہی کی مدد سے سائی نائیٹ کی شیشی کا ڈھکنا کھول کر ایک رتی سے بھی کم مقدار میں سائی نائیٹ کے چند ذرات کاغذ پر گرائے۔۔ شیشی بند کر کے الماری میں وہیں رکھی۔ رومال سے اسے دوبارہ صاف کر دیا۔ کاغذ تہہ کر کے جیب میں ڈالا، الماری بند کر

دی اور اپنی انگلی کو دوسری انگلی سے رگڑتا، پھونکیں مارتا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ خوش قسمتی ہوئی کہ اس دوران کسی سے آمنا سامنا نہ ہوا۔

اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس روز جب مسٹر ٹنڈن نے روز مرہ میٹنگ کے لئے اپنے کمرے میں بلایا تو میں اس کے سگار پینے کے انداز کو غور سے دیکھتا رہا۔ یہ بات مجھے پہلے بھی معلوم تھی مسٹر ٹنڈن بے تحاشا سگار پیتے تھے۔ ان کی میز پر دائیں جانب اخروٹ کی لکڑی کے بنے ہوئے ایک سگار بکس میں میڈونا کے سگار ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ میں ختم ہو جاتے تھے۔ مسٹر ٹنڈن دفتر کے اوقات میں صبح سے شام تک پندرہ بیس سگار پی جاتے تھے۔ اس شام میں دفتر سے سیدھا گھر جانے کی بجائے فوڈ اسٹور میں چلا آیا۔ اپنے لئے چائے کا پیکٹ، سگرٹوں کا کارٹن اور شیونگ سوپ خریدا اور ساتھ ہی میڈونا سگاروں کا ایک پیکٹ بھی خرید لیا میں اتنا احمق نہیں تھا کہ سارے کا سارا پیکٹ اپنے ساتھ گھر لے جاتا راستے میں ایک ویران جگہ دیکھ کر میں نے پیکٹ میں سے دو سگار نکال کر جیب میں رکھے اور باقی سگاروں کو توڑ مروڑ کر گاڑی سے باہر پھینک دیا وہاں سے میں سیدھا تغلق روڈ پر گیا جہاں کیمسٹوں کی دکانیں تھیں۔ یہاں سے میں نے ٹیکہ لگانے والا ایک سرنج خریدا اور گھر آ گیا۔ میں جان بوجھ کر گھر لیٹ پہنچا تاکہ اگر سجاتا آئی ہو تو میرا انتظار کرنے کے بعد واپس چلی جائے رات کو جب خانساماں اور نوکرانی سب چلے گئے تو میں دروازے بند کر کے بیڈ روم میں بیٹھ گیا۔ شیشے کی ایک چھوٹی پلیٹ میں تازہ پانی کے چند قطرے ٹپکا کر اس میں سائی نائیٹ کے ذرات ملائے پھر انہیں آہستہ سے ہلایا۔ جب زہر کے ذرات پانی میں گھل گئے تو سرنج کی باریک سوئی سے زہر کو اوپر کھینچ لیا۔ یہ زہر مقدار میں اتنا ہی تھا کہ سرنج کی سوئی میں ہی رہا۔ اب میں نے میڈونا سگار پر چڑھا ہوا سلوفین کاغذ اتار دیا جس رخ سگار سلگایا جاتا ہے اس رخ سرنج کی سوئی کو عین درمیان میں اندر کی طرف تھوڑا سا دبا کر سارا زہر سگار کے اندر داخل کر دیا۔ زہریلا سگار تیار تھا۔

دوسرے سگار کو میں نے فوراً چورا کر کے فلیش میں بہا دیا۔ زہر والے سگار کو سلوفین کے کاغذ میں لپیٹ کر اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیا اور اپنی اسکیم پر مزید غور کرتے ہوئے سو گیا۔

صبح جب ناشتے کے بعد دفتر گیا تو زہریلا سگار میرے ساتھ تھا۔ مسٹر ٹنڈن کا کمرا میرے کمرے سے دو کمرے چھوڑ کر تھا۔ بڑا افسر تھا۔ اس کا چپڑاسی بھی اپنے آپ کو کسی سے کم نہ سمجھتا تھا چنانچہ وہ بھی دیر سے آتا تھا یہ بات میرے حق میں بہت اچھی ثابت ہوئی جس وقت میں دفتر پہنچا ٹنڈن اور اس کے چپڑاسی میں سے کوئی بھی نہ آیا تھا۔ میں سیدھا مسٹر ٹنڈن کے ائرکنڈیشنڈ کمرے میں چلا گیا۔ زہریلا سگار میری جیب میں تھا۔ میں نے جاتے ہی رومال اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹ کر میز والے سگار بکس کو کھولا بکس میں صرف چار پانچ سگار ہی باقی رہ گئے تھے مجھے خوشی کا احساس ہوا کیوں کہ اس لحاظ سے مسٹر ٹنڈن کی موت زیادہ دور نہیں تھی۔ یہ تمام سگار میڈونا کے تھے۔ میں نے رومال کی مدد سے جیب سے

میڈونا کا سگار نکالا۔ اسے تھوڑا پونچھ کر کہ اگر کہیں میری انگلیوں کے نشان رہ گئے ہوں تو وہ بھی دور ہو جائیں، پھر سگار بکس میں اسے اس زاویئے پر رکھ دیا کہ سب سے پہلے ٹنڈن کا ہاتھ اسی سگار پر پڑے۔ اس کے بعد سگار بکس کو بند کر کے رومال سے پونچھا اور کمرے میں سے باہر راہ داری میں نکل آیا۔ راہ داری خالی پڑی تھیں۔ یہ میری خوش قسمتی تھی لیکن اگر کوئی اس وقت مجھے مسٹر ٹنڈن کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیتا تو میرے لئے اسے بھی قتل کرنا ضروری ہو جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس شخص کی خوش قسمتی تھی جس سے میرا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا ورنہ اس کا بچنا ناممکن تھا کیوں کہ وہ ایک طرح سے گواہ بن جاتا جس نے مسٹر ٹنڈن کی موت سے پہلے مجھے اس کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ کئی الجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں، مگر وہ آدمی بچ گیا اور وہ میرے سامنے نہ آیا۔

میں اپنے کمرے میں آکر کرسی پر بیٹھا تو میری جان میں جان آئی۔ میں گویا ٹائم بم لگا آیا تھا۔ اب اسے وقت پر پھٹنا اور میرے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن کو میرے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دینا تھا میں نے تھرمس میں سے برف والا ٹھنڈا پانی نکال کر پیا پھر سگریٹ سلگایا اور یونہی ایک فائل لے کر مسٹر تیواڑی کے کمرے میں چلا گیا۔ اب میری ساری توجہ اس جانب تھی کہ مسٹر ٹنڈن دفتر میں پہنچا ہے یا نہیں۔ اس کے آنے کا وقت ہو گیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آرہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھیں میں کسی سے پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ مسٹر ٹنڈن کیوں نہیں آرہے۔ میں اپنی میز پر بیٹھا فائل پر کام کر رہا تھا کہ مسٹر تیواڑی نے فون پر مجھے بتایا کہ مسٹر ٹنڈن آج دفتر نہیں آرہے۔ ان کی طبیعت خراب ہے میرا چہرہ یہ سنتے ہی اتر گیا۔ اب وہ زہریلا سگار مجھے ٹنڈن کے کمرے میں جاکر واپس لانا تھا، مگر اب ٹنڈن کا چپراسی آگیا تھا اور وہ کمرے کے سامنے بینچ پر چوکس بیٹھا تھا۔ میں اس کے سامنے ٹنڈن کے کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں نے اپنا پروگرام اگلے روز کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔

دوپہر کے بعد، میں کچھ کاغذات لئے خود مسٹر تیواڑی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک میری نظر مسٹر ٹنڈن پر پڑی سنہری عینک لگائے کھدر کے کانگرسی لباس میں یہ بھدے جسم اور چھوٹی چھوٹی مکار چمکیلی آنکھوں والا انٹیلی جینس چیف ہاتھ میں بریف کیس لئے راہ داری میں چلا آرہا تھا میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ موت کو بھی آتا دیکھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور پوچھا۔ "سر! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

مسٹر ٹنڈن نے بناوٹی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب ٹھیک ہوں۔ صبح سر میں درد تھا۔ اب سوچا گھر بیٹھ کر کیا کروں گا؟ بس دفتر چلا آیا۔"

میں نے اپنے دل میں کہا تیری موت تجھے کھینچ کر لے آئی ہے بد قسمت انسان ورنہ تو یہاں کیوں آتا؟

مسٹر ٹنڈن کا چپڑاسی دروازہ کھولے ادب سے ایک طرف کھڑا تھا۔ ٹنڈن اپنے کمرے میں چلا

گئے اور میں تیواڑی کے کمرے میں آگیا۔ میں نے اسے بتادیا کہ مسٹر ٹنڈن آگئے ہیں وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یہ کیوں آگیا ہے؟ اسے دفتر کے بغیر چین نہیں آتا" روہنگی سکریٹری نے بیزاری سے کہا۔ "کیپٹن! تم یہ کیا لائے ہو؟"

میں نے کاغذ دکھاتے ہوئے کہا" مسٹر تیواڑی! یہ دستخط پہچانتے ہو؟ میرا خیال ہے نقلی نہیں ہیں"

دستخط ڈی جی راما موہرتی کے تھے۔ بالکل اصلی تھے۔ میں ویسے ہی بہانہ کر رہا تھا۔ تیواڑی نے کاغذ ہاتھ میں لے کر غور سے دستخط دیکھے اور بولا: "بالکل راما موہرتی صاحب کے ہیں۔ تمہیں کیسے خیال آگیا کہ یہ نقلی ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تیواڑی صاحب' آپ کو تو معلوم ہی ہے آج کل حالات کیسے ہیں؟ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا ہے۔"

میں نے تیواڑی کو اپنے پیکٹ میں سے سگریٹ پلایا اور کاغذ ہاتھ میں لئے گنگناتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میں نے کنکھیوں سے مسٹر ٹنڈن کے کمرے کی طرف دیکھا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے زہریلا سگار ہی اٹھا کر سلگالیا ہو اور اب تک وہ اندر مر بھی چکا ہو۔ چپڑاسی باہر بینچ پر چاق و چوبند ہو کر بیٹھا تھا۔ میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کئی بار چاہا کہ ٹنڈن صاحب کو فون کروں۔ یونہی پوچھوں کہ آج میٹنگ کس وقت لیں گے؟ یہ معلوم کروں کہ وہ ابھی تک زندہ ہے کہ نہیں؟ مگر میں ہر بار فون کرتے کرتے رک گیا۔ اچانک فون کی گھنٹی بول پڑی میرا دل دھڑک اٹھا میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ٹنڈن صاحب ہی بول رہے تھے۔ کم بخت ابھی زندہ تھا۔ اس نے مجھے میٹنگ کے لئے بلایا تھا۔ میں کیسے انکار کرتا۔ سوچا جانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اگر اس نے میرے سامنے بھی سگار سلگایا تو اس کی موت "نا" فانا" واقع ہو جائے گی اور وہ کسی کو پکار بھی نہیں سکے گا۔ میں شور مچادوں گا کہ ٹنڈن صاحب کو کچھ ہو گیا ہے۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ سائی نائیٹ زہر کو اگر تمباکو میں ملا کر دیا جائے تو پوسٹ مارٹم کرتے وقت موت کی وجہ زہر خورانی دریافت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسے کیس میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کی موت دل کی حرکت بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے پھر بھی میں نہیں چاہتا تھا کہ ٹنڈن کی موت کے وقت میں اس کے پاس موجود ہوں' پھر خیال آیا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی زہریلا سگار نہ پیئے۔ اس سگار کی باری کہیں دوپہر کے بعد یا شام کے وقت آئے۔

میں ٹنڈن صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں سکریٹری نمبر ٹو مسٹر تیواڑی پہلے سے موجود تھا۔ میں پریشان سا ہو گیا تیواڑی کو وہاں نہیں ہونا چاہئے تھا' مگر میں اسے وہاں سے باہر جانے کے لئے نہیں کہہ سکتا تھا میں نے ٹنڈن کو نمسکار کیا اور خاموشی سے ان کے سامنے والی کرسی پر تیواڑی کے

پاس ہی بیٹھ گیا۔ ہم مسٹر ٹنڈن کے سامنے سگریٹ نہیں پیتے تھے مگر وہ ہمیں اسرار کر کے سگریٹ پلانے پر مجبور کر دیتا تھا مسٹر ٹنڈن حسب معمول سگار منہ میں لگائے ہوئے تھا۔ سگار آدھے سے زیادہ جل چکا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ زہریلا سگار نہیں تھا۔

مسٹر ٹنڈن نے میٹنگ شروع کر دی۔ ایڈمنسٹریشن کے مسائل پر تبادلہ شروع ہو گیا فائلیں کھل گئیں پرانے ریکارڈ حوالے کے لئے دیکھے جانے لگے میرا دھیان ٹنڈن کے سگار کی طرف تھا جو جل چکا تھا۔ ٹنڈن نے سگار ایش ٹرے میں مسل دیا' پھر سفید رومال ہونٹوں پر پھیرا اور دفتری بحث مباحثے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ابھی بکس میں سے سگار نکال کر سلگائے گا اور پہلے ہی کش کے بعد یا زیادہ سے زیادہ دوسرے کش کے ساتھ ہی وہ میز پر منہ کے بل گر پڑے گا' مگر وہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ سگار بکس کی طرف گیا۔ اس میں دیکھے بغیر اس نے میڈونا کا پتلا لمبا سگار نکالا۔ سارے سگار ایک ہی طرح کے تھے میں پہچان نہ سکا کہ یہ میرا سگار ہے یا پہلے سے پڑے ہوئے سگاروں میں سے ایک سگار ہے میرے دل کی دھڑکن قدرے تیز ہو گئی۔ ٹنڈن صاحب نے باتیں کرتے ہوئے لائٹر سے سگار سلگا لیا اس کے دو ایک کش کھینچے اور باتیں کرنے لگے۔ سگار ان کی انگلیوں میں سلگ رہا تھا۔ میری ساری توجہ سگار کی طرف تھی۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد مزید دو کش لگائے۔ بس اب وہ مر جائے گا۔ سر آگے کو ڈال کر میز پر گر پڑے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سگار آدھا ختم ہو گیا۔ یہ بھی زہریلا سگار نہیں تھا۔ اس کے بعد میٹنگ ختم ہو گئی اور ہم اپنے اپنے کمرے میں چلے آئے۔

مجھے عجیب قسم کی بے چینی لگی ہوئی تھی۔ تھرمس میں سے کئی بار ٹھنڈے پانی کے گھونٹ پی چکا تھا۔ تناؤ کی وجہ سے حلق بار بار خشک ہو رہا تھا۔ دو ایک بار اٹھ کر باتھ روم میں جانے کے بہانے مسٹر ٹنڈن کے کمرے کے آگے سے گزرا ہر طرف خیریت تھی۔ میں یہ خیریت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ سہ پہر کے پونے تین بجے رہے تھے کہ راہ داری میں مجھے کچھ شور سا سنائی دیا۔ پھر کوئی بھاگتا ہوا میرے کمرے کے آگے سے گزر گیا۔ اتنے میں ایک آواز بلند ہوئی۔

"ایمبولینس منگواؤ کانتی لال۔ جلدی کرو۔"

میں سمجھ گیا۔ فوراً اٹھ کر کمرے سے باہر نکلا۔ اس وقت تیواڑی بھی اپنے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے؟ شور کیوں مچا رہے ہو؟"۔

مسٹر ٹنڈن کے چپڑاسی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "سرکار غضب ہو گیا۔ ٹنڈن جی بے ہوش پڑے ہیں۔"

ہم بھاگ کر مسٹر ٹنڈن کے کمرے میں گئے۔ مسٹر ٹنڈن اس طرح کرسی پر پڑا تھا کہ سر میز کے ساتھ لگا تھا۔ عینک ایک طرف سے کھنچ گئی تھیں اور جلتا ہوا سگار میز پر لڑھک کر ایک فائل کے نیچے

لا گیا تھا۔ سگار کی وجہ سے کاغذ بھی سلگنے لگا تھا۔ میں نے لپک کر سگار کو اٹھایا اور ایش ٹرے میں ڈال کر
لا "ہے بھگوان ٹنڈن جی کو کیا ہو گیا؟؟"

تیواڑی نے ٹنڈن کے سر کو پیچھے کرسی کے ساتھ لگایا تو وہ لڑھک کر سینے سے جا لگا۔

میں نے کہا۔ "ٹنڈن جی بے ہوش ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے دل کا ہلکا دورہ پڑا ہے انہیں فوراً
سپتال فون کرو۔"

میں نے تیواڑی کے جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ زہریلے سگار کو بجھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا
تنے میں دفتر کے دوسرے لوگ بھی گھبرائے ہوئے کمرے میں آگئے۔ ا لینس باہر پہنچ چکی تھی۔
م سب نے ٹنڈن جی کو اٹھایا اور باہر لا کر ایمبولینس میں ڈال دیا۔ میں نے ٹنڈن کے جسم کو ہاتھ لگاتے
ں محسوس کر لیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں 'مگر ان سب لوگوں کا یہی خیال تھا کہ وہ دل کے دورے کی وجہ سے
بے ہوش ہو گئے ہیں۔ میں اور تیواڑی ایمبولینس میں بیٹھ کر اسپتال گئے۔ اسپتال میں اسی وقت مسٹر
ڈن کو ایمرجینسی وارڈ میں لٹا کر ڈاکٹر نے اسٹیتھو اسکوپ لگا کر دیکھا اور سر کو نفی میں ہلاتے
وئے بولا۔ "یہ تو مر چکے ہیں۔ سوری"

میں بھاگ کر ایک اور ڈاکٹر کو لے آیا۔ اس نے بھی چیکنگ کرنے کے بعد یہی کہا کہ یہ شخص
ر چکا ہے۔ اتنے میں پولیس کے دو سپاہی وہاں آگئے۔ انہوں نے ہم سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ
پ لوگ اسے کہاں سے لائے ہیں؟ یہ کون ہے؟ اسے کیا ہو گیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ مسٹر تیواڑی نے
نہیں بتایا کہ مسٹر ٹنڈن سینٹرل گورنمنٹ کے اعلیٰ افسر تھے۔ سپاہی بولا "لاش کا پوسٹ مارٹم ہو گا"
واڑی نے جھنجلا کر کہا۔ "ارے جا ہے جو کر لینا پہلے مجھے ان کے گھر والوں کو اطلاع تو کرنے دو۔
یڈیٹ!"

وہ میز کی طرف فون کرنے بڑھا۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر آنکھوں پر رکھ لیا اور یونہی
سسکیاں لینی شروع کر دیں حالانکہ میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں تھا مگر میں یہی ظاہر کر رہا تھا
یسے مجھے مسٹر ٹنڈن کی موت کا بے حد غم ہے مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ میرے زہریلے سگار کا
تجربہ کامیاب رہا تھا۔ اب میں خود اس قسم کے سگار تیار کر سکتا تھا لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے میں
کچھ خوف زدہ بھی تھا ممکن تھا پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ ظاہر کر دیا جائے کہ مسٹر ٹنڈن کو سائی نائیٹ
زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ ایسی صورت حال میں دفتر میں تفتیش کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا اور
ہم سے بھی پوچھ گچھ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ مسٹر ٹنڈن کے ساتھ اس روز ہم نے میٹنگ بھی کی تھی۔
بجھا ہوا زہریلا سگار ابھی تک میری جیب میں تھا۔ اب اسے ضائع کرنے کا مرحلہ آگیا تھا۔ میں منہ
دھونے کے بہانے ایمرجینسی وارڈ کے باتھ روم میں گھس گیا۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ
یٹرن میں جا کر سگار کو چورا کر کے فلش میں بہا دیا' پھر باہر آ کر منہ دھویا اور جلدی سے باہر آگیا۔ میں نے

مل مل کر اپنی آنکھیں لال کر لی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد شنڈن کے گھر والے اور دفتر کے دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے ڈی جی مسٹر راما مورتی بھی وہاں آگئے۔ ایک کہرام سا مچ گیا شنڈن کی بیوی' لڑکی اور لڑکے دھاڑیں مار کر رو رہے تھے میں بھی ایک طرف دیوار سے لگ کر آنسو بہانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے سارے لوگ رو رہے ہوں تو آنسو اپنے آپ نکل آتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا حالانکہ مجھے شنڈن کی موت کی خوشی تھی مگر باقی لوگوں کی گریہ و زاری کی وجہ سے بھی میرے آنسو نکل آئے اور یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ میرا اس وقت رونا بہت ضروری تھا۔

لاش پوسٹ مارٹم کے لئے مردہ خانے لے جائی گئی۔ گھر والے پوسٹ مارٹم کے حق میں نہیں تھے مگر ڈی جی راما مورتی اور ہیڈ کوارٹر کے دوسرے افسران ہر حالت میں پوسٹ مارٹم کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے شنڈن کے لواحقین سے کہا کہ چونکہ شنڈن صاحب انٹیلی جینس کے چیف تھے اس لئے حکومت کی جانب سے خصوصی احکامات جاری ہوئے ہیں کہ پوسٹ مارٹم ضرور کرایا جائے تاکہ شنڈن صاحب کی موت کی اصل وجہ معلوم ہو سکے۔ چونکہ بھارت کی وزارت داخلہ ذاتی طور پر اس کیس میں دلچسپی لے رہی تھی اس لئے رات کے آٹھ بجے ہی ہمیں پوسٹ مارٹم رپورٹ مل گئی۔ اس وقت تک میری جان گویا سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے دل میں سجدہ شکر ادا کیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں مسٹر شنڈن کی موت کی وجہ حرکت قلب کا بند ہو جانا بتائی گئی تھی۔ مجھے آج بھی یقین ہے کہ یہ رپورٹ حکومت کے دباؤ کی وجہ سے تیزی سے تیار کی گئی تھی ورنہ یہ ناممکن تھا کہ پوسٹ مارٹم میں مسٹر شنڈن کے پھیپھڑوں سے سائی نائٹ زہر کے اثرات کا سراغ نہ ملتا۔ بہرحال یہ رپورٹ میرے حق میں تھی۔ دوسری صورت میں میرے لئے مزید مشکلات پیدا ہو جانے کا امکان تھا۔ اس رپورٹ کے بعد دفتر میں ہر کسی کی زبان پر تھا کہ شنڈن صاحب سگار بے تحاشا پیتے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ہارٹ اٹیک ہوا۔ میں نے اس گمان کو یقین میں بدلنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ شنڈن جی نے دو ایک بار سینے میں درد کی شکایت کی تھی۔ مسٹر شنڈن نے میرے سر پر جو تلوار لٹکا رکھی تھی اس سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تیواڑی اس امر سے آگاہ تھا کہ شنڈن صاحب نے میرے پیچھے مسلسل آدمی لگا رکھے ہیں۔ تاہم میں اب بھی چوکس تھا اور ایسی کوئی حرکت کرنے کو تیار نہ تھا جو مجھے کسی جال میں الجھا دیتی۔

اب میرے سامنے سب سے پہلا کام اس بے گناہ پاکستانی مسلمان نوجوان کو بھارتی تشدد سے نجات دلانا تھا جس پر سائرس کی تباہی کا الزام زبردستی جڑ دیا گیا تھا۔ دو روز اس پر تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ میں اس سے ملنے گیا تو اس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ فرش پر سیدھا لیٹا تھا۔ اس کی آنکھ کی سوجن بھی کم ہو گئی تھی' مگر رنگ زرد تھا اور چہرے پر خوف و ہراس ویسے ہی تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ہاتھ باندھ کر اٹھ بیٹھا اور عاجزی سے بولا۔ "مہاراج جی! میں بے گناہ ہوں میں اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔ میں تو ویزے پر یہاں ماموں سے ملنے آیا تھا۔"
بھارتی انٹیلی جینس کے دو جلاد قسم کے مرہٹے اس پاکستانی پر تشدد کرنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تیز دھار والے چاقو تھے جن سے انہوں نے غریب پاکستانی مسلمان نوجوان کے ہاتھوں کے ناخن چھیلنے تھے میں نے غصیلی نظروں سے پاکستانی نوجوان کی طرف دیکھا اور رعب دار آواز میں کہا۔"

" تم بکواس کرتے ہو۔ تم پاکستانی ایجنٹ ہو۔ تمہیں پاکستان میں ٹریننگ دے کر تخریب کاری کے لئے بھارت بھیجا گیا ہے۔" پاکستانی جمیل احمد نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیئے اور بولا۔" میرا خدا اور رسولؐ گواہ ہے مہاراج۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔"

اس پر ایک ہندو مرہٹے نے پوری طاقت سے پاکستانی جمیل احمد کو مکا جڑ دیا جمیل احمد کی چیخیں نکل گئیں۔ میرا دل چاہا کہ اس مرہٹے کی گردن توڑ ڈالوں مگر میں زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا صرف ہاتھ کے اشارے سے مرہٹے کو ایک طرف ہٹنے کا اشارہ کیا۔ پاکستانی جمیل احمد دہرا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے بالوں کو کھینچ کر سر اوپر اٹھایا اور غضبناک آواز میں کہا۔
" اگر تم نے اپنے ساتھی پاکستانی ایجنٹوں کے نام پتے نہ بتائے تو میں تمہیں بھی دوسرے پاکستانی ایجنٹوں کے ساتھ گولی سے اڑا دوں گا۔ ہم نے چار پاکستانی ایجنٹ پکڑے ہوئے ہیں جنہیں تھوڑی دیر بعد، میں خود گولی سے اڑا رہا ہوں میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تھوڑی دیر سوچ لو۔"
پھر میں نے مرہٹے سپاہیوں سے کہا کہ چاروں پاکستانی جاسوسوں کو باہر راہ داری کی دیوار کے ساتھ باندھ کر کھڑے کر دو۔ مرہٹے میری بات سمجھ گئے تھے۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئے میں پاکستانی جمیل احمد سے کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔ خیال آگیا کہ یہاں یقیناً خفیہ مائیکروفون لگا ہو گا جو ٹنڈن نے محض میری سرگرمیوں کو نوٹ کرنے کے لئے لگایا ہو گا۔ میں نے پاکستانی کو لات مار کر پیچھے گرا دیا اور چلاتے ہوئے کہا۔" مجھے مسلمانوں سے راز اگلوانا آتا ہے۔ ابھی تمہیں بھی جہنم میں پہنچاتا ہوں ساتھ ہی تیرے ماموں اور اس کے بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔"
بے چارہ پاکستانی نوجوان سسکیاں بھر کر رونے لگا۔ میں باہر راہ داری میں آگیا۔ اب یہاں ایک ڈراما شروع ہو گیا۔ میں بلند آواز سے بولا۔" ان چاروں کو دیوار کے ساتھ باندھ دو۔" پھر تھوڑی دیر بعد بلند آواز میں کہا۔" اب بھی وقت ہے بلکہ یہ تمہارا آخری وقت ہے۔ اگر تم اس وقت بھی اپنے ساتھی پاکستانی جاسوسوں کے نام اور پتے بتا دو تو میں تمہاری نہ صرف جان بخشی کر دوں گا بلکہ تمہیں پاکستان کی سرحد تک بھی پہنچا دیا جائے گا۔"
ایک لمحے کے لئے میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد پھر چیخ کر کہا۔" ان چاروں کو گولیوں سے

بھون ڈالو "

ساتھ ہی میرے ساتھی مرہٹہ سپاہیوں نے جو سفید کپڑوں میں تھے اسٹین گن سے خالی فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ کے بیچ میں ان ہی مرہٹہ سپاہیوں نے ایک ساتھ بھیانک چیخ بھی بلند کی۔ گویا یہ فرضی پاکستانی جاسوسوں کی آخری چیخ تھی۔ یہ ایک ڈراما تھا جو کسی بھی غیر ملکی ایجنٹ سے راز اگلوانے کے لئے کھیلا جاتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں یہ ڈراما بھارتی حکومت اور بھارتی محکمہ پولیس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ یہ رپورٹ ڈی جی راما مورتی اور تیواڑی تک بھی پہنچ جائے کہ میں بڑی جانفشانی پوری ذمے داری اور بھارت ماتا کی محبت میں سرشار ہو کر اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ میں واپس کوٹھری میں آیا تو پاکستانی نوجوان جمیل احمد کی گھگی بندھی ہوئی تھی۔ اب میں نہیں چاہتا تھا کہ اس پر مزید تشدد کیا جائے لیکن میرے مرہٹہ ٹٹ پونجیئے سپاہیوں میں سے ایک بیٹے کٹے بدمعاش ٹائپ کے کالورام نے میرے دیکھتے ہی دیکھتے پاکستانی نوجوان کے سینے میں اتنے زور سے لات ماری کہ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے کالورام کو گردن سے پکڑ کر پیچھے جھٹک دیا وہ دیوار سے جا ٹکرایا اور ہکا بکا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا میں نے اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔ " الو کے پٹھے! ہمیں اس کو زندہ رکھنا ہے۔ اس سے معلومات حاصل کرنی ہیں۔ اگر یہ مر گیا تو ہم انفارمیشن کہاں سے حاصل کریں گے؟" میں نے جلدی سے پاکستانی نوجوان کو سنبھالا۔ اسے فوراً قلعے کی ڈسپنسری میں بھجوا دیا گیا۔ مگر میری موجودگی میں ہی اس بدنصیب پاکستانی نوجوان نے جو بالکل بے گناہ تھا دم توڑ دیا۔ مرہٹہ سپاہی کالورام کا ٹھڈ اس کے دل کے اوپر جا کر لگا تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں اسی وقت، اسی لمحے کالورام کو شوٹ کر دوں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس ظالم آدمی سے اپنے بے گناہ پاکستانی بھائی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔

جب اس حادثے کی خبر راما مورتی یعنی بھارتی ڈائریکٹر جنرل سینٹرل انٹیلی جینس کو ہوئی تو وہ سٹ پٹا کر رہ گیا۔ اس نے مجھے اور تیواڑی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ ہم لوگوں کے ہاتھ آئی ہوئی سونے کی چڑیا نکل گئی۔ اس نے فوراً حکم دیا " چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دلی شہر میں آئے ہوئے کسی اور پاکستانی کو گرفتار کر کے پیش کرو میں پرائم منسٹر کو کیا جواب دوں گا وہ تینوں کو ڈس مس کر دیں گی۔"

یہ راما مورتی بھی عجیب مٹی کا بنا ہوا تھا۔ تفتیش کرنے اور سراغ رسانی سے کام لینے کی بجائے وہ خواہ مخواہ پاکستانیوں کو موت کے منہ میں جھونک رہا تھا۔

تیواڑی نے باہر نکل کر مجھے کہا " مہتہ جی! تھانہ ترکمان گیٹ سے رپورٹ لیں کہ اس مہینے پاکستان سے کتنے آدمی ویزے پر اس علاقے میں آئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو پکڑ لیتے ہیں۔"

تیواڑی نے یہ بات یونہی نہیں کی تھی۔ وہ رات ہونے سے پہلے پہلے کسی بے گناہ پاکستانی یاتری کو جاسوسی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا کچھ علاج میرے

پاس نہیں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا ناچار ہو کر ترکمان گیٹ پولیس اسٹیشن پر فون کیا تو معلوم ہوا کہ تین پاکستانی ہفتہ پہلے آئے تھے مگر وہ ایک دن گزرا واپس چلے گئے۔ میں بڑا خوش ہوا۔ تیواری نے اب دلی کے دوسرے علاقوں میں فون کرنے شروع کر دیئے۔ وہاں بھی جو دو چار پاکستانی آئے تھے۔ وہ بھی واپس جا چکے تھے۔ اصل میں قصہ یہ ہوا تھا کہ جب راما مورتی کے کہنے پر جمیل احمد نام کے پاکستانی زائر کو جاسوسی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کیا گیا تو یہ خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور جو پاکستانی وہاں ویزے پر آئے ہوئے تھے انہوں نے فورا بوریا بسر باندھا اور واپس پاکستان روانہ ہو گئے۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ راما مورتی پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اب اس نے بمبئی آدمی دوڑا دیئے کہ وہاں سے کسی پاکستانی کو پکڑ کر لایا جائے میں نے بمبئی والے پاکستانیوں کو خدا کے سپرد کیا اور اپنے دوسرے اہم مشن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مسٹر ٹنڈن کی وفات کے بعد اس کی جگہ اب تیواڑی نے سنبھال لی تھی اور تیواڑی کی جگہ کوئی دوسرا افسر آگیا تھا جس کا نام وشرام تھا' یہ خالص ہیڈ کلرک ٹائپ کا آدمی تھا۔ کم گو اور اپنے دفتری کام سے کام رکھنے والا۔ دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر رام رام کرتا۔ مسٹر ٹنڈن کی جگہ اب ڈی جی راما مورتی ایک دن چھوڑ کر صبح کو میٹنگ بلاتا تھا۔ میں نے اس پر اپنا کافی اثر جما لیا تھا۔ مسلمانوں کا جانی دشمن۔ میں اس کے سامنے جی بھر کر مسلمانوں کے خلاف بولتا۔ برہمن طبقے کو ہندو دھرم کا سب سے بلند طبقہ ثابت کرتا اور بھارت ماتا کی آن اور مریادا پر اپنی جان قربان کر ڈالنے کی باتیں کرتا۔ میں نے اس کا اثر یہ دیکھا کہ راما مورتی مجھ پر زیادہ بھروسا کرنے لگا پھر اس متعصب برہمن ڈائریکٹر جنرل نے مجھے اپنے اعتماد میں لے لیا اور بعض ایسی خفیہ باتیں بھی بتا دیں جو تیواڑی کو بھی معلوم نہ تھیں مثلاً راما مورتی نے مجھے بتایا کہ انڈین انٹیلی جینس نے بعض ہندوؤں کو سکھ بنا کر خالصتان کی تحریک میں پھوٹ ڈالنے کے لئے امرتسر کی اکالی دل پارٹی میں چھوڑ رکھا ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بھارت وائیو سینا یعنی ائر فورس کے جوان اسرائیلی ہوا بازوں کے ساتھ مل کر پاکستان کے کہوٹہ ایٹمی پلانٹ پر حملہ کرنے کا پلان بنا رہے ہیں میں چونک پڑا۔ مزید معلومات حاصل کرنے کے خیال سے میں نے راما مورتی سے کہا۔ "سر ہمیں اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اگر دیر کر دی تو پاکستان ضروری ایٹم بم بنا لے گا۔"

ڈی جی راما مورتی مسکرایا۔ مجھے اس کے ٹیڑھے میڑھے دانت نظر آنے لگے کہنے لگا۔ "اسرائیل ہمارا سچا دوست ہے وہ بھی پاکستان سے خوفزدہ ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ پاکستان کے لوگ بہادر ہیں اور اسلام کے نام پر ایک سیکنڈ میں مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی چاہتا ہے کہ بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کو ایٹمی ٹیکنالوجی میں ترقی نہ کرنے دے۔"

راما مورتی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ پاکستان کے ایٹمی ری ایکٹر کہوٹہ پر عنقریب اسرائیلی پائلٹ انڈین ہوا بازوں کے ساتھ مل کر اچانک حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں میں نے

مزید کریدا مگر راما مورتی نے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہ بتایا۔ بلکہ مجھے سختی سے ہدایت کی کہ اس کا ذکر تیواڑی سے بھی نہ کروں

"مہتہ! میں نے تمہیں انتہائی خفیہ بات بتادی ہے محض اس لئے کہ تم بھارت ماتا کے پجاری ہو اور اکھنڈ بھارت پر یقین رکھتے ہو مگر اس کا ذکر ہرگز کسی سے مت کرنا۔"

میں نے بھرپور عزم اور اعتماد کے ساتھ کہا۔" سر! میں انٹیلی جینس کا ایک ذمے دار انڈین آفیسر ہوں۔ بھارت ماتا کے لئے میری جان بھی حاضر ہے جان چلی جائے گی پر یہ راز کسی پر ظاہر نہیں ہوگا۔"

ڈی جی راما مورتی بڑا خوش ہوا۔ اسی رات میں نے پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کیا۔ اس سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہو لیا تھا میں نے کوڈ زبان میں اس سے کہوٹہ ایٹمی بجلی گھر کے بارے میں دشمن کے ناپاک عزائم کا ذکر کیا تو باس نے کہا" کل اسی وقت تمہیں ایک ضروری پیغام دیا جائے گا۔ اپنی حفاظت کرو۔ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔ اسٹاپ۔"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔" اسٹاپ" کا مطلب یہ تھا کہ اب کوئی پیغام نشر نہ کروں۔ میں نے ٹرانسمیٹر بند کر کے اسے خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔ باس کی یہ اطلاع میرے لئے بڑی تشویش ناک تھی کہ میری اب بھی نگرانی ہو رہی تھی۔ میرے پیچھے سی آئی ڈی کا آدمی لگا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ شنڈن کی موت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری تھا اور لازمی طور پر مجھ پر شک کیئے جانے کے راز میں مسٹر تیواڑی یا ڈی جی راما مورتی بھی شامل تھے۔ اس خیال نے مجھے رات کو دیر تک پریشان رکھا۔

اگلے روز دفتر میں بھی میں بڑا محتاط رہا۔ تیواڑی اور ڈائریکٹر جنرل راما مورتی سے باتیں کرتے ہوئے بھی یہ احساس میرے حواس پر چھایا ہوا تھا کہ ان لوگوں کو مجھ پر شک پڑ چکا ہے اور اب میری نگرانی ان میں سے ہی کسی کے اشارے پر ہو رہی ہے۔ دفتر سے میں سیدھا اپنے گھر واپس آگیا۔ راستے میں ادھر ادھر دیکھتا رہا مگر مجھے اپنے پیچھے کوئی مخصوص آدمی تعاقب کرتا نظر نہ آیا مگر باس کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے وسائل معتبر تھے۔

رات کو ٹرانسمیٹر پر سگنل نشر کرنے سے پہلے میں نے دروازوں کو اندر سے اچھی طرح سے بند کیا۔ بیڈ روم میں صرف ٹیبل لیمپ ہی جل رہا تھا۔

میں نے خاص فریکوئنسی ملائی تو دوسری طرف باس میرا منتظر تھا۔ اس نے مرموز زبان میں کہا۔" لکھو۔"

میں پہلے ہی کاپی پنسل نکال کر بیٹھا تھا۔ اس نے جو پیغام لکھوایا۔ اس کا مفہوم یہ تھا۔

" اودھم پور جا کر جموں بورڈنگ ہاؤس کی مالکہ اندرانی سے ملو اسے اپنا کوڈ ورڈ بتانا۔ وہ تمہیں اپنا

کورڈ ورڈ بتائے گی وہاں سے بائیں جانب آزاد کشمیر کی سرحد ہے تیس میل کے فاصلے پر رشی جام پہاڑی میں اسرائیل کے تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر' کیمو فلاج کر کے رکھے گئے ہیں۔ یہ اسکواڈ' پاکستان کے کہوٹہ ایٹمی بجلی گھر پر اچانک حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کے واسطے وہاں لایا گیا ہے۔ باقی تفصیلات تمہیں اندرانی بتائے گی۔ اندرانی ہندو نہیں کرسچیئن لڑکی ہے۔ وہ ہماری ایجنٹ ہے اور اسرائیلیوں کی ازلی دشمن ہے۔ سینا کی جنگ میں اس کے ماں باپ اور بہن بھائی اسرائیلی بمباری سے ہلاک ہو گئے تھے۔ تمہیں جلدی وہاں پہنچ کر اسرائیلی تھنڈر ہاک کے اسکواڈرن کو تباہ کرنا ہو گا۔ کہوٹہ کی فضا ہم نے محفوظ کر رکھی ہے لیکن اسرائیلی تھنڈر ہاک جدید ترین امریکن ہیلی کاپٹر ہیں۔ تمہارے پیچھے جو آدمی تمہاری نگرانی پر لگا ہوا ہے۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔ اسے ہمارے آدمی سنبھال لیں گے تم فوراً لودھم پور پہنچو۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ کہوٹہ کا ایٹمی بجلی گھر پاکستان کی صنعتی ترقی کا لازمی جزو ہے۔ اسے ہر قیمت پر ہمیں بچانا ہے۔ لو کے خدا تمہارا نگہبان ہو۔

میں نے اس پیغام کو دو تین بار پڑھا اور ضروری چیزیں اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھالیں' پھر کاغذ کو جلا کر باتھ روم کے فلش میں بہادیا۔ ایک بار پھر وہی مشکل ترین مرحلہ میرے سامنے تھا یعنی دلی سے چھٹی لے کر لودھم پور جانا۔ باس کے کہنے پر میں اپنی نگرانی کرنے والے جاسوس کی جانب سے آدھا مطمئن ہوا تھا۔۔ آدھا پریشان تھا۔ اس شخص کو ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جینس راما مورتی کی طرف سے یا مسٹر تیواڑی کی طرف سے میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ میں کسی طرح چھٹی لے کر دلی سے اگر باہر جاتا ہوں تو یقینی بات تھی کہ یہ شخص میرے تعاقب میں پیچھے پیچھے آئے گا۔ کیا باس کے اشارے پر ہمارا کوئی ایجنٹ اسے اغوا کرلے گا کیا وہ اسے موت کی نیند سلادے گا اس مشکل کا میرے پاس کوئی حل نہیں تھا مگر لودھم پور جانا بھی بہت ضروری تھا۔ اگرچہ پاکستانی پائلٹوں کا شمار دنیا کے نمبرون اور بہترین ہوا بازوں میں ہوتا ہے اور وہ دشمن کے کسی حملے سے نمٹنے کے لئے ہر طرح سے چوکس تھے اس کے باوجود امریکہ نے اسرائیل کو جو جدید ترین تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر دیئے اور بھارت کے کسی خفیہ ہیلی پیڈ سے وہ کہوٹہ پر جو تباہ کن حملہ کرنا چاہتا تھا اس میں خطرہ تھا کہ ہمارے کہوٹہ ایٹمی بجلی گھر کو شدید نقصان پہنچے گا۔ مجھے کہوٹہ پلانٹ کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگانی تھی جو میں نے پہلے ہی سے لگا رکھی تھی۔ مگر اس مشن کے لئے جوش سے زیادہ ہوش اور بہترین حکمت عملی کی ضرورت تھی یہی سوچتے سوچتے مجھے نیند آگئی کہ ادھم پور جانے کے لئے کیا بہانہ بناؤں؟

صبح اٹھا تو رات کے تفکرات کی وجہ سے سر درد کر رہا تھا۔ میں نے چائے کے ساتھ سر درد دور کرنے والی گولی کھائی اور غسل خانے میں گھس گیا۔

ناشتا کرنے کے بعد گاڑی نکال کر دفتر کی طرف روانہ ہوا تو ذہن ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ لودھم پور کیسے پہنچوں؟ میں دفتر والوں سے یہ بات پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ میں ادھم پور جموں جا رہا

ہوں۔ میرا ایک چچا درگاداس جو پہلے بمبئی میں کپڑے کا کاروبار کرتا تھا اب ناگ پور منتقل ہو گیا تھا۔ پہلے سوچا کہ اس کی بیماری کا بہانا بنا کر ناگ پور چلا جاؤں اور وہاں سے جموں پہنچ جاؤں مگر اس میں بڑا وقت ضائع ہوتا تھا۔ ناگ پور بھارت کے وسط میں ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے پھر ایک ہارٹ اٹیک سے کام لینا ہو گا۔ میں نے شام کو سجاتا کو ساتھ لیا اور نئی دلی کے ایک ریستوران میں چائے پینے آگیا سجاتا میری طرف سے مطمئن تھی کیوں کہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ ایک سال بعد' میں اس سے شادی کرلوں گا ہم کونے والی ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے۔ سجاتا نے بڑی خوب صورت ریشمی ساڑی پہن رکھی تھی۔ آج اس کے جوڑے میں موتیے کے سفید پھول بھی لگے تھے۔ وہ چائے بنا رہی تھی۔ ریستوران کی فضا بڑی پُر سکون تھی۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک دم سے سینے پر ہاتھ رکھا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا سجاتا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے ڈیئر

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور کرسی سے نیچے لڑھک گیا۔ نیچے قالین کا فرش تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ظاہر یہ کیا کہ میں بے ہوش ہو گیا ہوں۔ سجاتا نے گھبرا کر میرا سر اپنی گود میں رکھا اور چلا کر بولی۔ "ڈاکٹر کو فون کرو۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔"

ریستوران میں کچھ لوگ بھاگ کر میرے قریب آئے' پھر مجھے گاڑی میں ڈال کر اسپتال پہنچا دیا گیا۔ میں جان بوجھ کر اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا تاکہ میری ای سی جی ہو تو دل کی دھڑکنوں میں فرق پیدا ہو جائے میں بے ہوشی کے عالم میں بھی اپنے جسم کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلکے ہلکے جھٹکے بھی دے رہا تھا۔ میں نے یہ خود ساختہ بے ہوشی اپنے اوپر رات گئے تک طاری رکھی سجاتا کے ماتا پتا چلے گئے مگر سجاتا میرے پاس ہی رہی دوسرے روز' میں نے یہ ظاہر کیا کہ اب میں خود کو صحت مند محسوس کر رہا ہوں۔ دفتر والوں کو صبح خبر ملی۔ نو بجے سب لوگ میری عیادت کو آئے۔ ڈی جی رانا موریتی اور مسٹر تیواڑی بھی آئے میں نے وہیں یہ بات انہیں بتا دی کہ ڈاکٹر اس بار میرے لئے کسی صحت افزا مقام پر دو تین مہینوں کے لئے جانے کو کہہ رہے ہیں۔ ڈی جی رانا موریتی نے کہا "کیپٹن مہتا تمہیں پہلی فرصت میں کسی صحت افزا مقام پر چلے جانا چاہئے۔ میں ابھی سے تمہارے لئے چھ ماہ کی رخصت منظور کرتا ہوں" میں نے کہا "سر! میں اتنی دیر اپنے دفتری فرائض سے بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ میرے لئے دو ماہ کی رخصت ہی کافی ہو گی۔"

اس بار میں نے بھارت کا جو صحت افزا مقام چنا وہ شملہ تھا۔ سجاتا اپنی ماتا کو لے کر میرے ساتھ جانے پر مصر تھی میں اسے کیسے اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے ان بلاؤں کو اپنے سے الگ کیا اور ایک روز ہوائی جہاز میں سوار ہو کر شملے کی جانب روانہ ہو گیا۔ میری نگرانی کرنے والا اگر میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمارا کوئی نہ کوئی ایجنٹ شملہ

پہنچتے ہی اسے اپنے قابو میں کر لے گا ۔ ۔ البتہ میں اس چہرے کی تلاش میں ضرور تھا۔ شملے میں پہاڑی ڈھلان پر بنے ہوئے ایک پُرسکون اعلیٰ ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہر گیا۔ صبح شام میں چھڑی لے کر پہاڑی سڑک پر آہستہ آہستہ سیر کرنے نکل جاتا۔ میرا مقصد اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی کو تلاش کرنا تھا۔ تیسرے روز میں نے ایک آدمی کو جو لمبی برساتی پہنے ہوئے تھا اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ بہت جلدی میں نے معلوم کر لیا کہ یہی وہ آدمی ہے جو میرے پیچھے نگرانی کے لئے لگایا گیا ہے۔ جب تک یہ میرے پیچھے لگا تھا میں اپنے نئے مشن پر روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے اس لمحے کا انتظار کرنا تھا جب ہمارا ایجنٹ اسے غائب کر دیتا۔ ہمیں جب ایک دوسرے کی جانب سے کوئی بات کہی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس پر ضرور عمل کیا جائے گا۔ کھوتہ کو بچانے کا مشن کوئی معمولی مشن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اپنا ایجنٹ میرے پیچھے لگے ہوئے آدمی کو بہت جلد اس طریقے سے ٹھکانے لگائے گا کہ پیچھے ہمارے ہیڈ آفس کو پہلے کی طرح " سب ٹھیک ہے " کی اطلاع ملتی رہے گی۔ چنانچہ مزید دو دن جب گزرے تو میرا پس منظر صاف تھا۔ یعنی اب میرے پیچھے وہ برساتی والا پراسرار جاسوس نہیں لگا تھا۔ ہمارے ایجنٹ نے میرے اہم ترین کھوتہ مشن کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس کی مجھے کوئی اطلاع نہ دی گئی لیکن جب تک مجھے آل کلیئر کا اشارہ نہ مل جاتا میں قدم آگے نہیں بڑھا سکتا تھا پاکٹ سائز کا ٹرانسمیٹر میں اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔ چنانچہ اسی روز رات کو میں نے اپنے باس سے رابطہ قائم کیا تو ادھر سے باس نے جھنجلا کر کہا۔ "تم ابھی تک شملے میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ تمہاری نگرانی کرنے والا غائب کر دیا گیا ہے تمہارے ہیڈ آفس کو سب ٹھیک ہے کی اطلاع ملتی رہے گی۔ تم فوراً اپنے ٹارگٹ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

دوسرے دن ' میں نے پتلون اور جیکٹ پہنی۔ سیاحوں والا چمڑے کا تھیلا کاندھے سے لٹکایا اور ہوٹل والوں کو ڈلہوزی جانے کا کہہ کر ائرپورٹ پر آگیا۔ یہاں سے جہاز پکڑا اور اسی روز جموں توی پہنچ گیا۔ دوپہر کا کھانا میں نے ایک ریستوران میں کھایا پھر بس پکڑی اور اودھم پور کی طرف چل پڑا۔ بس توی دریا کے دوسرے پل پر سے گزرنے کے بعد جموں سرینگر روڈ پر آگئی جموں وادی کی گجریاں فالسے اور ناشپاتیوں کی ٹوکریاں سروں پر رکھے جموں شہر کی طرف جاتی نظر آئیں۔ اوپر ایک جانب پہاڑوں کی بلندیوں پر واقع ماتا کے مندر کا کلس نظر آرہا تھا۔ سردیوں میں یہاں کی یاترا کرنے ہندوستان کے کونے کونے سے یاتری آتے ہیں۔ اب بس سرینگر کی سڑک پر جارہی تھی۔ آگے اودھم پور تھا۔ بس اودھم پور رکی تو میں بھی دوسرے تین چار مسافروں کے ساتھ اتر گیا۔

اودھم پور سے آگے وادی کشمیر کا پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اودھم پور ایک اچھا خاصا شہر نما پہاڑی قصبہ ہے۔ ان دنوں زیادہ آبادی نہیں تھی۔ اب تو وہاں ایک بہت بڑی چھاؤنی بن گئی ہے۔ ان دنوں یہاں ابھی چھاؤنی نہیں بنی تھی۔ میں اودھم پور کی آبادی میں داخل ہو گیا۔ اونچی نیچی پہاڑی

سڑکوں کی دونوں جانب مکان بنے ہوئے تھے مجھے جموں بورڈنگ ہاؤس کی تلاش تھی۔ ایک ڈوگرے سپاہی سے جموں بورڈنگ ہاؤس کا پتا پوچھا اور آبادی کی جنوبی سرحد سے نکل کر ایک خوشنما وادی میں آگیا یہاں اخروٹ اور بادام کے اونچے اونچے درختوں کے سائے میں ایک ڈھلانی چھت والا بورڈنگ ہاؤس بنا ہوا تھا جس کی پیشانی پر برآمدے کے اوپر انگریزی اور ہندی میں جموں بورڈنگ ہاؤس لکھا تھا بورڈنگ ہاؤس کی ایک منزلہ عمارت بتا رہی تھی کہ اس میں چھ سات کمروں سے زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ ستمبر کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ اس لئے مسافر کم ہی نظر آرہے تھے بورڈنگ ہاؤس کے برآمدے کے سامنے ایک لان تھا جس میں بید کی کرسیاں اور میزیں ٹکڑیوں کی شکل میں پڑی تھیں۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی موسم ٹھنڈا تھا ایک میز کے گرد سکھ فیملی دھوپ میں بیٹھی چائے وغیرہ پی رہی تھی۔ برآمدے میں سے ایک ڈوگرا بیرا ہاتھ میں کافی کی تھالی لئے گزر گیا۔ میں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے کے چوبی فرش پر کونے میں رکھی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے ایک میز تھی اور اس کی دوسری جانب بھی بید کی ایک کرسی پڑی تھی۔ میرا رخ برآمدے کی دوسری جانب تھا جدھر غالباً بورڈنگ ہاؤس کا دروازہ تھا۔ اس دروازے پر پردہ گرا ہوا تھا۔ اندر سے کسی عورت کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ نوکروں کو شاید کچھ ہدایات دے رہی تھی۔ میں نے سگریٹ سلگالیا اور میز پر ٹانگیں پھیلا کر مزے سے سگریٹ پینے لگا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بادام کے گنجان درختوں میں سے باداموں کی دھیمی دھیمی مہک آرہی تھی۔ اتنے میں ایک نوجوان بیرا میرے پاس آگیا اور بولا۔ "صاحب کیا لاؤں؟ چائے یا کافی؟"

میں نے اپنا سفری تھیلا کرسی کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ میں نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔ "یہاں کمرا مل جائے گا؟"

بیرے نے جلدی سے کہا۔ "مل جائے گا صاحب۔ آیئے میں آپ کو کمرا دکھاتا ہوں مگر پہلے آپ رانی جی سے بات کرلیں۔" میں نے پوچھا۔ "رانی جی کون ہیں؟"

بیرے نے کہا۔ "جی بورڈنگ ہاؤس رانی جی کا ہی ہے۔ وہ ادھر سامنے والے کمرے میں بیٹھتی ہیں۔ آیئے میرے ساتھ رجسٹر میں نام پتا درج کر دیں۔"

میں نے تھیلا اٹھا کر کاندھے سے لٹکایا اور برآمدے کے کونے والے کمرے کا پردہ ہٹا کر بیرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا میں نے ایک متناسب جسم والی عورت کو دیکھا کہ تنگ پتلون اور گرم نسواری چیک جیکٹ پہنے میز پر کہنیاں ٹکائے رجسٹر میں کچھ لکھ رہی تھی۔ عمر تیس پینتیس کے درمیان ہو گی رنگ زردی مائل بال گردن تک کٹے ہوئے۔ ناک سیدھی نازک اور آگے سے ذرا اوپر اٹھی ہوئی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں سگریٹ سلگ رہا تھا بیرے نے جاتے ہی کہا کہ یہ صاحب کمرا لینا چاہتے ہیں۔

عورت نے چہرا اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ ایک نظر مجھے بے نیازی سے دیکھا اور پھر رجسٹر پر اندراج کرنے لگی۔ صرف اتنا کہا۔ "کتنے دنوں کے لئے کمرا چاہیے؟"
میں نے تھیلا کرسی پر رکھتے ہوئے کہا "جب تک اس وادی میں برف گرنا شروع نہیں ہو جاتی۔"
عورت نے جو یقیناً بورڈنگ ہاؤس کی مالک اندرانی ہی تھی۔ میری طرف دیکھے بغیر میز پر سے ایک چھوٹا رجسٹر اٹھایا اور میری طرف بڑھا کر بولی۔ "اس پر اپنا نام پتا لکھ دیں۔" میں نے رجسٹر کھولا اور اس کے صفحے پر اپنا فرضی ہندوانہ نام اور امرتسر کا پتا لکھ دیا۔
عورت نے مشینی انداز میں کہا۔ "سو روپیہ روز کرایہ ہوگا۔ کھانا پینا اس میں شامل ہے۔ پانچ سو روپئے ایڈوانس ہوں گے۔" پھر دراز میں سے چابی نکال کر بیرے کی طرف اچھال دی۔ "انہیں کمرا دکھا دو۔"

بیرے نے چابی اٹھاتے ہوئے کہا "صاحب پے منٹ کر دیں اور چل کر کمرا دیکھ لیں۔"
میں نے بٹوے میں سے چھ سو روپے نکال کر اندرانی کے سامنے رکھ دیئے اور انگریزی میں کہا۔
"کیا آپ اپنے بورڈنگ ہاؤس میں آنے والوں سے کوئی بات نہیں کرتیں؟"
اس عورت نے اب بھی میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھئے بغیر کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے مسٹر۔ آپ اپنے کمرے میں جائیں رسید آپ کو وہیں مل جائے گی۔ لنچ ٹھیک ایک بجے ڈائننگ روم میں ہوتا ہے۔"

میں نے شکریہ کہا اور بیرے کے ساتھ اپنے کمرے میں آگیا کمرے میں ہر شے قرینے سے لگی تھی۔ بستر بھی لگا ہوا تھا۔۔۔ باتھ روم ساتھ ہی تھا۔ میں نے بیرے کو جانے کا اشارہ کیا اور غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ بالوں میں کنگھی کی اور ٹائم دیکھا۔ لنچ میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آکر کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ مجھے سب سے پہلے بورڈنگ ہاؤس کی مالکہ کا نام دریافت کرنا تھا۔ میرے والا بیرا ادھر سے گزرا تو میں نے اشارے سے بلا کر پوچھا۔ "کیوں مہاشے جی! تمہارے بورڈنگ ہاؤس کی مالکہ کا نام کیا ہے؟"
بیرا بولا۔ "صاحب جی! ہم سب انہیں رانی جی ہی کہتے ہیں' نگران کا اصلی نام اندرانی جی ہے۔ ہمارا بڑا خیال رکھتی ہیں صاحب جی" میں نے بیرے کو دو روپے ٹپ دیئے۔ وہ چلا گیا تھوڑی دیر بعد میں اٹھا اور برآمدے کے فرش پر آہستہ آہستہ چلتا اندرانی کے کمرے کا پردہ ہٹا کر اندر دیکھا۔ اندرانی ایک چیک پر دستخط کر رہی تھی ٹیلی فون اس کے بائیں جانب رکھا ہوا تھا' کمرے میں اکیلی تھی۔ اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے میرا وہاں آنا ناگوار گزرا ہو تلخ انداز میں پوچھا۔ "آپ کیسے تشریف لائے ہیں"
میں نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ "مجھے ایک ضروری ٹیلی فون کرنا ہے میڈم۔"

اندرانی نے ترش روئی سے دیکھا رانی جی! مجھے ایک بہت ضروری کال کرنی ہے میں نے کہا۔
میں اس کی زبانی اس کا نام سننا چاہتا تھا۔ میری ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے جھلا کر کہا۔
" میرا نام رانی نہیں اندرانی ہے اور ٹیلی فون خراب ہے پوسٹ آفس سے جا کر فون کر لیں۔" چیک
بک بند کر کے اس نے دراز میں رکھ دی اور دوسرے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ میں نے کہا۔
" آپ میرا نمبر لکھ لیں۔ خود ہی فون کر لیجئے گا۔" اس نے غصیلی نگاہوں سے میری طرف دیکھا " آپ
کا مطلب کیا ہے جناب؟ کیا آپ مجھ سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟"
میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ وہاں تیسرا کوئی شخص نہیں ہے تب میں نے اپنا کوڈ نمبر بول کر کہا۔

" یہ میرا فون نمبر ہے لکھ لیجئے اندرانی جی۔"
کوڈ نمبر سنتے ہی اس کا چہرہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔۔۔ چہرے پر جو جھلاہٹ اور ترشی تھی وہ
آناً فاناً غائب ہو گئی تیز قدم اٹھاتی واپس آ کر میز کے پیچھے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان
کے ساتھ لگا لیا پھر اس نے مجھے اپنا کوڈ نمبر بول دیا۔ کوڈ نمبر اسی کا تھا میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔
اندرانی نے ریسیور واپس ٹیلی فون پر رکھ دیا اور ایک رجسٹر کی ورق گردانی کرتے ہوئے آہستہ سے بولی"
میں آج رات بارہ بجے تمہارے کمرے میں آؤں گی۔ کمرے کی چٹخنی اندر سے بند نہ کرنا۔ اب تم جاؤ"
میں خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا۔ کچھ دیر برآمدے میں بیٹھا رہا۔ پھر وادی میں چہل قدمی
کرنے نکل گیا۔ چہل قدمی محض بہانہ تھا۔ اصل میں، میں ادھم پور کی مغرب کی جانب اس پہاڑی
سلسلے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ جہاں کسی پہاڑ کے اندر بھارتی حکومت نے اسرائیلی "تھنڈر ہاک ہیلی کاپڑوں کا
پورا اسکواڈرن وہاں چھپا رکھا تھا۔ بائیں جانب جدھر آزاد کشمیر کی سرحد شروع ہوتی تھی، ادھر اونچی نیچی
پہاڑیوں کے پیچھے آزاد کشمیر کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا سیز فائر لائن بھی ان پہاڑیوں کے پار کسی جگہ پر تھی۔
ان پہاڑیوں تک ایک اونچا نیچا میدان چلا گیا تھا۔ اس میدان میں جنگلی گھاس اگی تھی۔ کہیں کہیں جوار
کے کھیت بھی دھوپ میں لہلہا رہے تھے۔
دوپہر کا کھانا میں نے ڈائننگ روم کی بجائے اپنے کمرے میں ہی منگوا کر کھایا۔ اگرچہ بورڈنگ
ہاؤس میں اس وقت دو تین کنبے رہ رہے تھے پھر بھی میں ان کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں رہنا چاہتا تھا۔
شام تک میں اپنے کمرے میں سویا رہا۔ ٹرانسمیٹر میں نے آتے ہی ایک انتہائی خفیہ مگر انتہائی عام
سی جگہ پر چھپا دیا تھا۔ یہ جگہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد، میں چہل قدمی
کے لئے باہر نکل گیا۔ ادھم پور کی بتیاں پہاڑی ڈھلانوں پر جگمگا رہی تھیں۔ میری نظریں اپنے آپ
مغربی پہاڑیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ ادھر مجھے کوئی روشنی نظر نہ آئی۔ حالانکہ ادھر اسرائیلی تھنڈر ہاک
ہیلی کاپڑوں کا ہیلی پیڈ تھا۔ مگر وہاں ایک بھی وائرلیس کا انٹینا نہیں لگا ہوا تھا۔ راڈار سسٹم کو بھی انتہائی
خفیہ رکھا گیا تھا۔ میری اطلاع کے مطابق یہ ہیلی کاپٹر انتہائی جدید ٹیکنالوجی کے حامل تھے اور وہ آرج،

اوکس طیاروں سے بے حد ملتے جلتے تھے۔ راڈار سسٹم ممکن ہے ان ہیلی کاپٹروں میں ہی لگا ہوا ہو۔ تھوڑی دیر وادی میں سیر کرنے کے بعد' میں نے اپنے کمرے میں آکر کپڑے بدلے رات ہوتے ہی سردی میں اضافہ ہو گیا تھا میرے کمرے میں بجلی کا ہیٹر لگا ہوا تھا کمرے کی فضا باہر کی نسبت گرم اور پُر سکون تھی۔ کچھ دیر جموں ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے والے گانے اور خبریں سنتا رہا' پھر بستر پر لیٹ کر انگریزی جاسوسی ناول پڑھنے لگا کمرے کی چٹخنی میں نے نہیں لگائی تھی ٹیبل لیمپ کی روشنی صرف میری کتاب پر ہی پڑ رہی تھی۔ باقی کمرے میں دھیمی روشنی پھیلی تھی۔ گھڑی میں نے تپائی پر اتار کر رکھ لی تھی۔

گیارہ بجے رات باہر مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں سردی کی وجہ سے لوگ بہت جلد اپنے گھروں میں گھس جاتے ہیں۔ میرے کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں اور ان پر پردے گرے ہوئے تھے۔ ٹھیک بارہ بجے میں نے کتاب بند کر کے تپائی پر رکھ دی اور سگریٹ سلگا کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں کمرے کے دروازے پر جمی تھیں' پھر دروازہ آہستہ سے کھلا اور اندرانی اندر داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازے کو بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور اوپر سے لداخی گاؤن پہن رکھا تھا۔ سر کے بال زرد رومال میں لپٹے ہوئے تھے وہ کرسی کھینچ کر میرے قریب لے آئی۔ ٹیبل لیمپ کو اس نے تپائی پر سے پرے ہٹا دیا۔ جیب سے اپنی برانڈ کے سگریٹوں کا پیکٹ نکال کر سلگایا۔ پیکٹ تپائی پر رکھا اور میری طرف تھوڑی تھوڑی سکڑی ہوئی بھوری آنکھوں سے دیکھا اور بولی۔ "رات کے کھانے میں تمہیں کون سی شے زیادہ پسند ہے؟"

یہ بھی ہمارا ایک خاص طریقہ تھا۔ کسی اہم ترین اور نازک مشن پر جاتے ہوئے جب ہمارا کسی دوسرے ایجنٹ سے ملاپ ہوتا ہے تو ہم کوڈ ورڈ تو ایک دوسرے کو بتاتے ہی ہیں لیکن مزید تسلی کے لئے ہم ایک دوسرے سے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ رات کے کھانے پر تمہیں کون سی شے پسند ہے؟ جواب میں ہم کسی شے کا نام نہیں لیتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ میں رات کا کھانا کبھی نہیں کھاتا۔ میں رات کو ناشتا کرتا ہوں۔

یہی ہمارا خاص پاس ورڈ اور شناختی جملہ ہوتا ہے چنانچہ جب اندرانی نے مزید تسلی کے لئے مجھ سے رات کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں رات کا کھانا کبھی نہیں کھاتا۔ میں رات کو ناشتا کرتا ہوں۔"

اندرانی کی سکڑی بھوری آنکھیں نارمل ہو گئیں۔ اس نے جیب سے ایک پاکٹ بک نکال کر کھولی۔ اس میں ایک سفید کاغذ تہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ اس کاغذ کو کھول کر اس نے میرے سامنے تپائی پر بچھا دیا۔ اس کاغذ پر الٹی ترچھی لکیروں سے ایک نقشہ بنا تھا۔ بیچ میں کہیں کہیں ننھے ننھے دائرے بنے ہوئے تھے۔ اندرانی نے ایک گول دائرے پر انگلی رکھی اور بولی۔ "یہ وہ پہاڑی ہے جس کے اندر

تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کا پیڈ ہے۔"

میں نے نقشے پر بنے ہوئے ننھے سے گول دائرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کی تعداد کتنی ہے اور وہ کس جگہ رکھے ہوئے ہیں۔؟"

اندرانی نے اس دائرے کے قریبی دائرے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "ہیلی کاپٹر اس پہاڑی کے اندر رکھے ہوئے ہیں یہ تعداد میں کل چھ ہیں، مگر کارکردگی میں دو سو عام ہیلی کاپٹر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

میں نے اندرانی سے پوچھا کہ کیا اس نے کبھی کوئی تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر دیکھا ہے اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں آہستہ سے جھاڑی اور بولی۔ "نہیں وہاں کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی"

میں نے دوسرا سوال کیا کہ کیا اسرائیلی پائلٹ بھی وہیں رہتے ہیں؟ اور کبھی کوئی پائلٹ شہر میں آیا ہے؟ اس کے جواب میں اندرانی کہنے لگی۔۔

"میری اطلاع کے مطابق اس وقت وہاں صرف دو اسرائیلی پائلٹ موجود ہیں۔ دو انڈین پائلٹ اور چار ائر فورس کے ٹیکنیکل اڈے بھی [illegible] کو ادھم پور شہر میں آنے کی اجازت نہیں [illegible] سے تیار ہوا ہے۔ عام لوگوں کو یہی بتایا گیا تھا کہ حکومت ان پہاڑیوں میں زمرد کی کان کھودنا چاہتی ہے۔ بڑی بڑی مشینوں سے پہاڑ کے اندر اوپر سے نیچے تک بڑے بڑے گول سوراخ کئے گئے۔ پہاڑی کے اندر ایسی سرنگیں تیار کی گئیں کہ جن میں آکسیجن اور سردی کر [illegible] یا تھا پھر ایک روز اچانک یہ اعلان کر دیا گیا کہ یہاں سے زمرد نہیں نکلا اور حکومت نے اب اس جگہ کو اناج کے گوداموں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کے بعد پھر کسی نے ادھر سے کسی آدمی کو [illegible] نہیں دیکھا۔ پہاڑی کے ارد گرد خار دار تار لگا دی گئی۔ تھانیدار نے لوگوں کو [illegible] دار تار اناج کے ذخیرے کو چوروں سے بچانے کے لئے لگائی گئی ہے۔ پہاڑی کے آس پاس فوج کا پہرہ بھی بٹھا دیا گیا۔ کبھی کبھی یہاں لوگوں نے ہیلی کاپٹروں کو منڈلاتے دیکھا تو وہ یہی سمجھے کہ گودام میں سے اناج کی بوریاں پہاڑی علاقوں میں ڈیپلائے فوجی کمپنیوں کے مورچوں تک پہنچائی جا رہی ہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ انڈین گورنمنٹ کے محکمہ ڈیفنس نے یہاں پہاڑیوں میں زبردست ائر بیس قائم کر لیا تھا جہاں سے ہیلی کاپٹر بالکل عمودی شکل میں اوپر کو اٹھتے اور پہاڑی سے باہر نکلنے کے بہانے باہر نکلتے ہی جھکولا کھا کر مغرب کی وادی کی طرف ہو جاتے میں نے تحقیقات شروع کر دی۔ میری سراغ رسانی سے معلوم ہوا کہ حکومت نے پہاڑیوں کے اندر ایک خفیہ ہیلی پیڈ تیار کیا ہے۔

وہاں دس بارہ ہیلی کاپٹروں کے رکھنے کی جگہ بھی ہے اور یہ سب کچھ جنگ کی صورت میں آزاد کشمیر پر اچانک ہوائی حملے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ وقت گزرتا گیا چھ ماہ گزر گئے کہ ایک روز پہاڑیوں کی

طرف سے ہیلی کاپٹروں کی گونج سنائی دی۔ دور ہونے کی وجہ سے مجھے یہاں سے کوئی ہیلی کاپٹر دکھائی نہ دیا۔ آواز سے لگتا تھا کہ ہیلی کاپٹر جدید قسم کے ہیں۔ یہ شور نہیں تھا صرف ہلکی سی گونج تھی جو ایک پل کے لئے کان کے پردوں کو جیسے بند کر دیتی تھی۔ میں نے اپنے طور پر معاملے کی کھوج کی تو مجھے بتایا گیا کہ پہاڑی کے نیچے چار اسرائیلی ہیلی کاپٹر چھپائے گئے ہیں۔ یہ یقیناً کسی اہم مشن کے لئے رکھے گئے تھے کیوں کہ بھارت اسرائیل کا دوست ملک ہے اور اسرائیل بھارت سے مل کر پاکستان کے وجود کو کاری ضرب لگانے کے درپے ہے۔ وہ پاکستان کو فوجی اعتبار سے ہر حالت میں کمزور دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ اسرائیل اور امریکہ یہ جانتے ہیں کہ مسلمان ممالک میں صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کے لوگ جانباز، سرفروش ہیں اور اسلام کے نام پر کٹ مرنے کو ہر لحظہ تیار رہتے ہیں اسرائیل عربوں سے نمٹ سکتا ہے مگر پاکستان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ امریکہ کے ساتھ مل کر پاکستان کے ایٹمی توانائی کے پر امن پروگرام کو برباد کرنے کا عزم رکھتا ہے۔"

اس کے بعد کیا ہوا؟ کمانڈو حصہ ششم

قاتل سگار

میں پڑھیئے

قاتل سگار

کمانڈو



اندرانی نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔ اس بلاخیز عورت نے گویا ایک ہی سانس میں مجھے درپیش مشن کے بارے میں ایک ایک تفصیل بتاوی تھی۔ میں نے اس سے سوال کیا۔ "اس اڈے میں کی پوزیشن کیا ہے؟" اندرانی نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے نقشے پر ایک نگاہ ڈالی اور بولی۔ "اس وقت یہ مقام اسرائیل کے امریکی تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ میری تازہ ترین اطلاع کے مطابق یہاں آٹھ تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر گائیڈڈ میزائلوں سے لیس بالکل تیار کھڑے ہیں۔ ہر ہیلی کاپٹر کے لئے تین اسرائیلی وقف ہیں۔ ایک پائلٹ، ایک انجینئر اور ایک میزائل فائر کرنے والا اس ہیلی کاپٹر میں ایسے جدید ترین آلات لگے ہیں کہ جن کی مدد سے یہ زمین پر کھڑے کھڑے آزاد کشمیر، اسلام آباد اور کہوٹہ کی فضا میں اڑنے والے طیاروں کی نشان دہی کر سکتا ہے سب سے تشویش ناک بات یہ ہے کہ اس ہیلی کاپٹر کے بیرونی حصے یا اس کے پروں پر کسی گولی یا میزائل کا اثر نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس ہیلی کاپٹر میں یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ فضا میں برق رفتاری سے اڑتے ہوئے اچانک پہلو بدل سکتا ہے اور گھوم کر پیچھے بھی مڑ سکتا ہے۔ اس تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر میں ایک ایسا آلہ بھی لگا ہے جو اپنے پیچھے آنے والے گولے کا رخ دوسری طرف موڑ دیتا ہے۔ اپنے انجن کی گرمی کو یک لخت ٹھنڈک میں بدل کر حرارت کے رخ پر آنے والے میزائل کا رخ دوسری طرف کر دیتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اس اعتبار سے اس ہیلی کاپٹر کو فضا میں نشانہ بنانا بہت مشکل ہے۔"

اندرانی بولی۔ "ہاں۔ اس ہیلی کاپٹر کا سب سے طاقت ور پوائنٹ یہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کا میزائل نیچے زمین پر یا فضا میں ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔ امریکی فوج نے ابھی تک یہ ہیلی کاپٹر استعمال نہیں کیئے لیکن امریکہ نے اسے اسرائیل کو سپلائی کر دیا ہے تاکہ بھارتی حکومت کی مدد سے پاکستان کو ایٹمی توانائی حاصل کرنے سے باز رکھا جائے۔"

میں نے کہا "لیکن ہم تو ایٹمی توانائی بجلی حاصل کرنے کے لئے پیدا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہم ترقی پذیر ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے پاس کوئلہ بھی نہیں ہے۔ گیس کی مقدار تھوڑی ہے

لامحالہ ہمیں اپنے کارخانے چلانے کے لئے ایٹمی توانائی کی ضرورت ہے۔"

اندرانی نے میری طرف دیکھا اور بولی۔ تم مجھ سے بحث کرنے آئے ہو کیا؟

میں نے جلدی سے کھنگارتے ہوئے کہا۔ "آئی ایم سوری رانی! سوری! اب یہ بتاؤ کہ ہمیں اپنے مشن کا آغاز کہاں سے کرنا ہوگا اور ہمارا ٹارگٹ کیا ہوگا؟"

اندرانی نے نقشے پر نظریں جمادیں اور ایک لکیر پر انگلی رکھ دی۔ کہنے لگی۔ "یہ جگہ ایک خشک برساتی نالہ ہے جو ان پہاڑیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔" پھر اس نے نقشے کو لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور بولی۔ "باقی باتیں کل اسی وقت ہوں گی۔ اس وقت میں تمہیں صرف اتنا ہی بتاسکتی ہوں کہ ہمیں ان تمام تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کو ان پہاڑیوں میں کھڑے کھڑے اس طرح ناکارہ کرنا ہے کہ وہ اڑنے کے قابل نہ رہیں یہ کام بہت جان جوکھوں کا ہے، مگر وطن پاک کی سلامتی اور اسرائیلیوں کے دانت کھٹے کرنے کے لئے ہمیں ہر حالت میں اس مشن کو پورا کرنا ہوگا۔ کیا تم میرے ساتھ اپنی جان کی بازی لگا سکو گے کیونکہ ایک بار ہم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ان خطرناک پہاڑیوں میں داخل ہو گئے تو ہماری واپسی کے امکانات منفی ایک فیصد ہوں گے۔"

میں نے کہا۔ "اندرانی! میں نے اپنی جان اپنے وطن پاکستان کے لئے موت کے پاس رہن رکھ چھوڑی ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں موت کو اپنی جیب میں ڈالے پھر رہا ہوں اور پاکستان کے نام پر جہاں اور جس وقت ضرورت پڑے اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔"

اندرانی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ کہنے لگی۔ "اگر پاکستان کے پاس ایسے سپوت موجود ہیں جس کی ایک مثال اس وقت تمہاری شکل میں میرے سامنے موجود ہے تو میں یہ بات لکھ کر دے سکتی ہوں کہ پاکستان کی طرف دشمن آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

میں نے جواب میں کہا۔ "یقین کرو اندرانی پاکستان کے ہر نوجوان کے دل میں یہی جذبہ موجزن ہے۔"

اندرانی نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے کمانڈو کی طرح جھٹکا دیا اور بولی۔ "میں پاکستانی نہیں ہوں مگر مجھے پاکستان سے محبت ہے۔ میں ایک انڈین کرسچین ہوں مگر مجھے اسرائیل سے جانی دشمنی ہے۔ اسرائیل نے میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو بیروت میں ہلاک کر دیا تھا۔ اسرائیلیوں نے مجھے قید میں ڈال دیا اور ایسی ایسی اذیتیں دیں کہ آج بھی انہیں یاد کرتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے عرب مسلمانوں کا ساتھی اور ہمدرد سمجھتے تھے اور مجھ سے تنظیم آزادی فلسطین کے وہ راز معلوم کرنا چاہتے تھے جو مجھے معلوم ہی نہیں تھے۔ تب سے میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ اگر کبھی وقت آیا تو میں اس اسرائیلی قوم سے اپنے ماں باپ بہن بھائیوں اور اپنے آپ پر کیئے گئے مظالم کا بدلہ ضرور لوں گی۔ تب میں نے جموں میں رہ کر پاکستان کی بھلائی اور بہبود

کے لئے خفیہ طور پر کام شروع کر دیا۔ میں پچھلے پانچ سال سے پاکستان کی سلامتی کے لئے یہاں کام کر رہی ہوں۔ میں نے اس دوران صرف ایک کرسچین لڑکی کو اپنے ساتھ ملایا ہے جس کا نام مارگریٹ ہے۔ وہ اودھم پور کے ٹیلیگراف آفس میں کام کرتی ہے۔ اس نے الیکٹریکل انجینئرنگ کا ڈپلومہ لیا ہوا ہے۔ وہ غیر شادی شدہ ہے اور اپنی ایک سہیلی کے ساتھ اودھم پور کے ایک ہاسٹل میں اکیلی رہتی ہے جب پاکستان سے باس نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے بعد تمہارے بارے میں بتایا کہ تھنڈر ہاک مشن کے لئے تم دلی سے آ رہے ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ کیوں کہ میں پہلی فرصت میں اسرائیلیوں کے اس پاکستان دشمن اڈے کو نیست ونابود کر دینا چاہتی تھی۔ مارگریٹ نے مجھے اس اڈے کے بارے میں بے شمار قیمتی معلومات مہیا کی ہیں۔ مارگریٹ کی ڈیوٹی ٹیلی گراف آفس کے وائرلیس میں ہوتی ہے۔ وہاں سے اس نے بے شمار ایسے سگنل پکڑے جو تھنڈر ہاک بیس سے جموں چھاؤنی بھیجے جا رہے تھے۔ ان میں بعض سگنل انبالہ بیس کے لئے بھی تھے۔۔۔ مارگریٹ سگنلز کے پیغامات کو ڈی سائفر کر لیتی ہے۔ اب تم آگئے ہو تو میں تمہیں مارگریٹ سے بھی ملواؤں گی مگر باقی باتیں کل ہوں گی۔ کل مارگریٹ بھی ہمارے درمیان موجود ہوگی۔ اب میں جا رہی ہوں۔" وہ شب بخیر کہہ کر دروازے کی طرف مڑی، پھر پلٹ کر بولی۔ "تمہارے پاس کوئی ٹرانسمیٹر ہے؟"

میں نے کہا ہاں ہے تو وہ بولی۔ "اسے احتیاط سے رکھنا۔ ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں۔ یہاں چھاپہ کسی بھی وقت پڑ سکتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں تھنڈر ہاک بیس کا علاقہ ہونے کی وجہ فوج کی انٹیلی جینس کے آدمی سفید کپڑوں میں یہاں آس پاس ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ تمہیں یہاں ۔۔۔ بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ہرگز ہرگز کسی اجنبی سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر کوئی پوچھے تو یہی بتانا کہ تم سیاح ہو۔ دلی سے سیر و تفریح کے لئے یہاں آئے ہو۔ گڈ نائٹ۔"

اندرانی چلی گئی۔ میرے مشن کے متعلق اس نے اتنی تیز رفتاری سے اتنا کچھ بتا دیا تھا کہ شاید میں اپنے طور پر وہاں سال بھر رہ کر بھی معلوم نہ کر سکتا۔ میں بتی بجھا کر سو گیا۔ دوسرے دن اندرانی سے بورڈنگ ہاؤس کے برآمدے میں یا لان میں آنکھیں چار ہوئیں تو اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ میں بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ کر وقت گزارنے لگا۔ دوپہر کے بعد اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔

رات کے ٹھیک بارہ بجے اندرانی ایک بار پھر میرے کمرے میں آگئی۔ اس کے ساتھ سانولے رنگ کی ایک دبلی مگر انتہائی چمکیلی سیاہ آنکھوں والی لڑکی بھی تھی۔ اندرانی نے میرا اس سے تعارف کرایا۔ "یہ مارگریٹ ہے۔"

مارگریٹ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اس کی گرفت میں مجھے فولادی سختی محسوس ہوئی۔ مجھے یہ دونوں لڑکیاں "سی کے" کے نام سے بلاتی تھیں۔ یعنی کیپٹن کشن کا مخفف سی کے۔ بعد میں مجھے

اندرانی نے بتایا کہ مارگریٹ کو تھنڈر ہاک سے پکڑے جانے والے ہر اہم اور کار آمد سگنل کے عوض ایک معقول رقم انڈین کرنسی میں ادا کی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس رات مارگریٹ میرے کمرے میں آئی تو اس نے کانوں میں خالص سچے ہیروں کے بندے پہن رکھے تھے۔ مارگریٹ گزشتہ دو ماہ سے تھنڈر ہاک بیس کے سگنل خفیہ طور پر پکڑ کر انہیں ڈی سائفر کر کے اندرانی کو دے رہی تھی۔ ان سگنلوں کی مدد سے اسے پہاڑی میں واقع تھنڈر بیس ہیلی کاپٹروں کے اڈے کے بارے میں نہایت اہم معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اس کے باوجود ہمیں اس کے اندر داخل ہونے والے راستے کا علم نہیں تھا مارگریٹ نے ہمیں بتایا کہ تھنڈر ہاک بیس کی خاصی بڑی پہاڑی کے اردگرد بڑا سخت پہرہ ہے جو خار دار تار پہاڑی کے چاروں طرف ایک دیوار کی شکل میں کھڑی کر دی گئی ہے اس میں ہر وقت گیارہ ہزار وولٹ کی ہلاکت خیز بجلی کی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اسی کی زبانی اس بات کی بھی تصدیق ہوئی کہ پہاڑی بنکروں میں اس وقت آٹھ عدد اسرائیلی تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر موجود ہیں اور چار ہیلی کاپٹروں کا اسرائیلی عملہ وہاں ہر لمحے موجود رہتا ہے۔ عملے کے اسرائیلی ارکان کو شہر کی طرف آنے کی اجازت نہیں ہے۔ دن میں ایک بار انہیں عام ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں سے جموں سیر و تفریح کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ ایک ہفتے بعد یہ عملہ واپس دلی چلا جاتا ہے اور ان کی جگہ دوسرے چار ہیلی کاپٹروں کا عملہ آجاتا ہے۔

میں نے اندرانی سے کہا۔ "ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس پہاڑی حصار کے اندر ہم کہاں سے جا سکتے ہیں؟"

مارگریٹ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے تھنڈر ہاک بیس کے اندر جانے کا صرف ایک ہی گیٹ ہے جو پہاڑیوں کے اندر ہے اور جو ہر وقت بند رہتا ہے اور کسی ایمرجنسی کے وقت ہی کھولا جاتا ہے یہ گیٹ لوہے کا ہے اور اس کے اندر اور پہاڑی کے اوپر ایک خفیہ برج میں چار ڈوگرہ فوجی ایک مورچے میں مشین گن لگائے ہر وقت چوکس ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔

میں نے اندرانی سے پوچھا۔ "رانی! تم نے ایک خشک پہاڑی نالے کا ذکر کیا تھا؟ کیا وہ نالہ ان پہاڑیوں کے قریب سے ہو کر گزرتا ہے؟"

اندرانی نے جیب سے وہی کاغذ پر ہاتھ سے بنایا گیا نقشہ نکال کر میز پر رکھ دیا اور ایک لکیر پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ خشک نالہ ہے جو ان پہاڑیوں کے ساتھ ہو کر آگے کدبٹوٹ کی پہاڑی ڈھلانوں کی طرف جاتا ہے۔ برسات کے دنوں میں یہ نالہ پانی سے بھرا ہوتا ہے اور طوفانی بن جاتا ہے۔ آج کل یہ نالہ بالکل خشک ہے۔"

میں نے غور سے نقشے پر بنی ہوئی لکیر کو دیکھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ویسے بھی لکیر کو دیکھ کر نالے کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اندرانی سے کہا۔ "مجھے اس خشک نالے کا خود جا کر

جائزہ لینا ہو گا۔"

اندرانی نے مارگریٹ کی طرف دیکھا۔ مارگریٹ بولی۔ "اس طرف جانا خطرناک ہے کیوں کہ جب یہ نالہ تھنڈر ہاک بیس کی پہاڑی کے قریب سے ہو کر گزرتا ہے تو بھارت اسرائیلی تھنڈر ہاک بیس کے خفیہ پہاڑی مورچوں میں لگی ہوئی مشین گنوں کی زد میں ہوتا ہے' ان مشین گنوں پر بڑی طاقت ور دور بینیں لگی ہیں اور کوئی چوہا بھی وہاں سے گزرے تو خفیہ مورچوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے بھارتی فوجی اسے آسانی سے دیکھ سکیں گے"

یہ باتیں میرے لئے نئی نہیں تھیں۔ اندرانی اور مارگریٹ اس حقیقت سے بے خبر تھیں کہ میں ایک سرفروش کمانڈو بھی ہوں۔ مجھے ان پر اپنا عکس ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مجھے دشمن کے ناپاک حربوں کو خاک میں ملانا اور وطن پاک کی حرمت اور سالمیت کو بچانا تھا۔ میں نے کہا۔ "اس کے باوجود یہی ایک نالہ ہے جس کے ذریعے ہمیں اس پہاڑی قلعے کے اندر جانے کے لئے کسی راستے کا سراغ لگانا ہو گا۔"

اندرانی اور مارگریٹ چپ ہو گئیں۔ اندرانی نے اپنی بھوری آنکھیں ذرا سکیڑ کر مجھے دیکھا اور بولی۔ "کیا تم اکیلے یہ خطرناک کام کر سکو گے؟"

میں نے جواب میں کہا۔ "میں کوشش کروں گا۔"

اندرانی نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہاں کوشش کا سوال نہیں ہے۔ اگر تم پکڑے جاتے ہو تو ہماری زندگیاں بھی خطرے میں ہوں گی۔ ایک بار پھر غور کر لو ممکن ہے تمہیں خشک نالے کی جانب سے پہاڑی بیس میں جانے کا کوئی راستہ نہ ملے اور مورچے میں بیٹھے سپاہی' تمہیں دیکھ لیں پھر تم واپس نہیں آسکو گے۔" مارگریٹ نے اندرانی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مورچوں میں بڑی طاقتور دور بینیں لگی ہیں۔ اس کے علاوہ پہاڑی کے چاروں طرف خار دار تار کھنچی ہے جس میں گیارہ ہزار وولٹ کا کرنٹ ہر وقت دوڑتا رہتا ہے۔"

میں نے ایک طویل سانس بھرا اور کہا۔ "بہر حال یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تم دونوں کو اتنا یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں ریکی کرتا ہوا پکڑا گیا تو میری زبان پر تم میں سے کسی کا نام نہیں آئے گا۔ میں کل اندھیرا ہوتے ہی خشک نالے میں اتر جاؤں گا۔ آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا کیا تم لوگوں کے پاس کوئی پستول ہو گا؟"

مارگریٹ نے اندرانی کی طرف دیکھا۔ اندرانی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ میں اس کا بھی کچھ بندوبست کر لوں گا۔"

ہماری خفیہ محفل برخاست ہو گئی۔ مارگریٹ اور اندرانی چلی گئیں تو میں گہری فکر اور سوچ بچار میں ڈوب گیا لیکن مجھے اپنے اوپر اعتماد اور خدا پر بھروسا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے جرأت'

دلیری اور عقلمندی سے کام لیا تو میں اس مشکل ترین مشن میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ رات کے پچھلے پہر میں سو گیا اور اگلے روز دن کے گیارہ بجے تک سویا رہا بارہ بجے نہا دھو کر کھانا کھایا اور برآمدے میں آکر بیٹھ گیا۔ موسم ابر آلود تھا۔ ٹھنڈی پہاڑی ہوا چل رہی تھی۔ اندرانی مجھے اپنے کمرے میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے وہاں بیٹھے مشکل سے دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ بورڈنگ ہاؤس کی لکڑی کے جنگلے میں مارگریٹ داخل ہوتی دکھائی دی۔ میں سمجھا اپنے کسی کام سے آئی ہوگی۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے ٹیلیگراف آفس کے وائرلیس سیکشن میں ڈیوٹی پر ہوتی تھی۔ تھوڑا سا شبہ بھی ہوا کہ کہیں کوئی ضروری پیغام لے کر نہ آئی ہو۔ میں درختوں کی طرف منہ کیئے چپ چاپ بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ مارگریٹ نے بھی میری طرف توجہ نہ کی اور سیدھی اندرانی کے آفس میں چلی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے قدموں کی رفتار معمول سے زیادہ تیز تھی۔ دو منٹ بعد اندرانی آفس سے نکل کر میری طرف بڑھی۔ میں برآمدے کی سیڑھی کے بالکل پاس ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ زینے پر سے اترتے ہوئے اندرانی نے میری طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

اندرانی لان میں جا کر پھول توڑ کر گلدستہ بنانے لگی۔ میں نے سگریٹ ایک طرف پھینکا اور اٹھ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا جماہیاں لیتا اپنے کمرے میں گھس گیا۔ دروازہ میں نے بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ آہستہ سے کھلا اور مارگریٹ اندر آگئی۔ اس نے ساڑی کی بجائے اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں پرس تھا۔ اندر آتے ہی وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا مارگریٹ نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور مجھے چپ رہنے کی ہدایت کی۔ میں وہیں کرسی پر بیٹھا رہا۔ ایک منٹ گزرا ہو گا کہ اندرانی بھی کمرے میں آگئی۔ دروازے کی چٹخنی چڑھا دی گئیں۔ اندرانی نے مجھے کمرے میں بچھے ہوئی پلنگ کی دوسری جانب آنے کا اشارہ کیا جہاں فرش پر قالین کا چھوٹا سا ٹکڑا بچھا ہوا تھا۔ مارگریٹ اور اندرانی قالین پر بیٹھ گئیں میں بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اندرانی نے مارگریٹ کو اشارہ کیا مارگریٹ نے پرس میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے کھولا۔ ایک نظر دیکھا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔

تھوڑی دیر پہلے انبالہ چھاؤنی سے نشر ہونے والا میں نے ایک خفیہ سگنل پکڑا ہے۔ اس کے مطابق انبالہ چھاؤنی سے ملٹری انٹیلی جینس کا کوئی کیپٹن راجیش ملہوترہ جو چیف سکیورٹی آفیسر ہے تھنڈر ہاک بیس کی سکیورٹی کی فائنل چیکنگ کے لئے آج شام یہاں پہنچ رہا ہے۔ اس کا آج رات کا پاس ورڈ "کنچن چنگا" ہوگا۔"

میں ہمہ تن گوش تھا۔ مارگریٹ نے کہا۔ "وہ اشارہ بیس پر، یعنی شام کے چھ بج کر بیس منٹ پر تھنڈر ہاک بیس کی پہاڑی کے مغربی گیٹ کی طرف سے داخل ہوگا۔"

مارگریٹ نے یہ کہہ کر کاغذ کے ٹکڑے کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر کے اپنے پرس کی جیب

میں رکھ لیا۔

کیپٹن راجیش ملہوترہ۔ شام چھ بج کر بیس منٹ اور " کچن چنگا " میرے ذہن میں یہ الفاظ بار بار ابھرنے لگے۔ اندرانی نے کہا۔ " معلوم ہوتا ہے اسرائیلی تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کا اسکواڈرن کہوٹہ ' راولپنڈی پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ ہمیں فوری طور پر اس کا توڑ تلاش کرنا ہوگا۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے ؟"

میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا میں نے اندرانی کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے مارگریٹ سے پوچھا۔ " پاس ورڈ کے بارے میں تمہیں یقین ہے کہ 'کنچن چنگا' ہی تھا ؟"

مارگریٹ نے کہا۔ " میں ایک عرصے سے ان لوگوں کے خفیہ سگنل ڈی سائفر کر رہی ہوں۔ میرا حساب غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ 'کنچن چنگا' ہی تھا۔ " اندرانی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ " مگر تمہیں اس پاس ورڈ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے

میں نے کہا۔ " اس لئے کہ آج شام انبالے سے ملٹری انٹیلی جینس کا جو چیف سکیورٹی آفیسر اس پہاڑی قلعے میں۔ داخل ہونے والا ہے۔ وہ میں ہوں گا۔ "

مارگریٹ اور اندرانی میرا منہ تکتی رہ گئیں۔ انہیں میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اندرانی نے رک رک کر کہا۔ " مگر کیپٹن تم۔ تم۔ یہ کیسے ممکن ہے ؟"

میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور اندرانی کی طرف جھک کر پوچھا۔ " کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ تھنڈر ہاک بیس کے پہاڑی قلعے کا مغربی گیٹ کس جانب ہے اور کیا وہاں تک کوئی باقاعدہ سڑک جاتی ہے ؟"

اندرانی نے مجھے بتایا کہ تھنڈر ہاک بیس کی پہاڑی کا مغربی گیٹ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ اس طرف پہلے ایک پگڈنڈی جایا کرتی تھی مگر اب وہ ویران ہو گئی ہے اور اس پر جھاڑیاں اگ آئی ہیں۔ یہی ایک پگڈنڈی ہے جو پہاڑی قلعے کے مغربی گیٹ کو جاتی ہے۔ ملٹری انٹیلی جینس کے کیپٹن ملہوترہ کو اسی پگ ڈنڈی پر سے گزر کر تھنڈر ہاک بیس کے مغربی گیٹ تک جانا تھا۔ یہ روٹ یقینی طور پر کیپٹن ملہوترہ نے اس لئے چنا تھا کہ وہ علاقے کی سکیورٹی کا جائزہ بھی لے سکے۔ بس میرے لئے یہی ایک خوش نصیبی کا پوائنٹ تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں کمانڈو ایکشن کا ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ جب میں نے اپنے منصوبے کو مارگریٹ اور اندرانی پر ظاہر کیا تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اندرانی نے کہا کہ اس میں صرف منفی ایک فی صد کامیابی کا امکان ہے مارگریٹ کا خیال تھا کہ یہ خود کشی کا مشن ہے۔

میں نے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا " میں نے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش رہو اور مجھے صرف اس پگڈنڈی کا نقشہ بنا دو جہاں سے آج شام کیپٹن ملہوترہ کو گزرنا ہوگا۔ باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔ "

اندرانی اور مارگریٹ نے اس بارے میں مزید کوئی بات نہ کی۔ اندرانی نے ایک کاغذ پر مجھے پگڈنڈی کا حدود اربعہ پوری طرح سے سمجھا دیا۔ کاغذ کو پھاڑ کر جلا ڈالا اور کہنے لگی۔ "تمہارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔ پھر تم۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں کمانڈو ہوں اور کمانڈو بغیر ہتھیار کے بھی لڑنے کی طاقت رکھتا ہے یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں ایک نظر اس پگڈنڈی کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ اب تم دونوں جا کر اپنا اپنا کام کرو۔"

میں نے مارگریٹ کو تاکید کر دی کہ وہ انبالہ سے آنے والے کسی بھی مزید سگنل پر کان لگائے اور نئی صورت حال اگر پیدا ہو جائے تو مجھے فوری طور پر خبر کر دے۔ اندرانی اپنے آفس میں چلی گئی۔ مارگریٹ نے بھی ٹیلی گراف آفس کی راہ پکڑی اور میں پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد چھڑی ہاتھ میں لے کر اندرانی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق اس میدان کی طرف نکل گیا جہاں سے قلعے کے مغربی گیٹ کو جاتی پگڈنڈی گزرتی تھی۔ کبھی اس پگڈنڈی پر چرواہے بکریوں کا ریوڑ لے کر پہاڑی کی طرف جایا کرتے تھے مگر اب ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ پگڈنڈی ویران ہو گئی تھی۔ اس پر جگہ جگہ سوکھا ہوا زرد گھاس اگ آیا تھا میں سیر کرنے کے انداز میں چل رہا تھا' پھر بھی اس پگڈنڈی سے دور رہ کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ پگڈنڈی اودھم پور کے جنوب کی جانب ایک بڑی سڑک سے نکل کر کھیتوں اور خشک میدان میں سے ہوتی ہوئی دور تھنڈر ہیں کی پہاڑیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ ستمبر میں شام کے چھ بجے پہاڑی علاقوں میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگتا ہے' مگر دن کی روشنی ابھی باقی ہوتی ہے۔ یہ دن کی روشنی میری دشمن تھی لیکن مجھے اس روشنی کی پروا کیئے بغیر اپنے منصوبے پر سر دھڑ کی بازی لگا کر عمل کرنا اور اسے کامیاب بنانا تھا۔

تھنڈر ہیں کے پاکستان دشمن مشن کو تہس نہس کرنے کا دوسرا کوئی ذریعہ یا راستہ نہیں تھا۔ میں نے پگڈنڈی سے دور دور رہتے ہوئے سارے علاقے کی ایک ایک جگہ کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا۔ ایک ایک اہم مقام کو اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیا میں نے اس جگہ کا بھی انتخاب کر لیا جہاں مجھے اپنے کمانڈو ایکشن کا آغاز کرنا تھا۔ میں دل میں اب صرف ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ کیپٹن ملہوترہ اکیلا ہو مجھے نوے فیصد یقین تھا کہ وہ اکیلا ہی ہو گا کیونکہ جہاں انٹیلی جینس کا معاملہ ہو وہاں ایسی صورتحال میں آفیسر عام طور پر اکیلے ہی سفر کرتے ہیں تاکہ اگر دشمن کا کوئی ایجنٹ علاقے میں موجود بھی ہو تو اسے شک نہ پڑے ایسی حالت میں سکیورٹی آفیسر اپنی ملٹری وردی میں نہیں آتے بلکہ عام کپڑوں میں آتے ہیں دوسرا خدشہ جو میری تشویش کا باعث بنا ہوا تھا یہ تھا کہ کہیں تھنڈر ہاک ہیں میں کیپٹن ملہوترہ کا کوئی جاننے والا پائلٹ آفیسر موجود نہ ہو۔ یہ ایک خطرہ تھا جو مجھے ہر حالت میں مول لینا تھا اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔۔۔ "یا میں نہیں یا دشمن کے تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر نہیں۔" کا

عہد کر چکا تھا وقت میرے پاس نہیں تھا۔ یہ اسرائیلی ہیلی کاپٹر کسی بھی وقت راولپنڈی کی فضاؤں میں اڑ کر ہمارے پُر امن ایٹمی بجلی گھر کو اپنا نشانہ بنا سکتے تھے اگرچہ ہمارے شاہین دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے لئے چوبیس گھنٹے چوکس تھے لیکن ہمیں اپنی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر جدید ترین ٹیکنالوجی کے حامل ہیں ممکن ہے ان کی وجہ سے ہمیں نقصان پہنچ جائے۔ میں نے اپنے ذہن میں لائن آف ایکشن کو اس طرح آخری شکل دی کہ کیپٹن ملہوترہ تنہا نہیں ہوگا اس کے ساتھ دوسرا آدمی بھی ہوگا اور مجھے ان دونوں سے نمٹنا ہوگا۔"

میں نے ان دونوں کو موت کی گھاٹ اتارنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت میرے دل میں اسلام پر جان نثار کرنے اور اپنے پیارے وطن کی خدمت کرنے کا جو بے پناہ جذبہ کارفرما تھا اس کے سامنے یہ مشن مجھے بہت ہی آسان لگ رہا تھا میرے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکنے لگی تھیں اور میں اپنے اندر ایسی زبردست برقی طاقت محسوس کر رہا تھا کہ اگر چاہوں تو پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے ہلا دوں۔

یہ پگڈنڈی ایک کچا راستہ تھا۔ اس پر کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے گول پتھر بکھرے ہوئے تھے کہیں زرد رنگ کی خشک مٹی ابھر آئی تھی اور کہیں سوکھی گھاس تھی۔ میں اس کے متوازی پگڈنڈی سے ہٹ کر واپس اودھم پور والی اس سڑک کی طرف چلنے لگا جہاں سے یہ کچا راستہ یا پگڈنڈی نکل کر پہاڑیوں کی طرف جاتی تھی۔ یہاں جب بڑی سڑک قریب آئی تو پاپولر کے بے شمار درخت دو رویہ اُگے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے کچھ چھوٹی چٹانیں بھی زمین سے نکل کر سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ میں نے ایک طرف ہو کر اس جگہ کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ میرے ایکشن کے لئے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی میں وہیں ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا جیسے تھک گیا ہوں اور ستانے کے لئے بیٹھ گیا ہوں۔ میرے ذہن میں اس ایکشن کی فلم چلنے لگی جو مجھے آج شام کے چھ بج کر بیس منٹ پر سرانجام دینا تھا۔ جب میں نے ذہن میں دو تین بار ریہرسل کر لی تو اٹھا اور واپس بورڈنگ ہاؤس کا راستہ پکڑ لیا۔ دوپہر کے بعد کوئی تین بجے اندرانی تیز تیز قدموں سے چلتی میرے کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ میری طرف بڑھی۔ میں پلنگ پر لیٹا کچھ آرام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اندرانی کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ قریب آ کر بولی۔ "ابھی ابھی مارگریٹ آئی تھی اس نے مجھے بتایا کہ کیپٹن ملہوترہ کا اپنا کوڈ نمبر ٹرپل زیرو ٹرپل زیرو ہے وہ اٹھارا بیس پر اودھم پور پہنچے گا۔

میں اندرانی کی سنی ان سنی کرتے ہوئے جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ ایک دم سے دروازے کا ایک کواڑ کھول کر باہر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا میں نے دروازے کو کنڈی لگا دی اور اندرانی کے پاس آ کر کہا کہ تمہیں دروازہ کھلا نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ وہ اس طرح میری طرف دیکھنے لگی جیسے اسے میری بات سخت ناگوار گزری ہو۔

" اب بتاؤ مارگریٹ نے کیا کہا ہے ؟"

مارگریٹ نے انبالہ سے نشر ہونے والا کوئی نیا پیغام پکڑا تھا جس میں تھنڈر ہاک بیس کے اسکواڈرن لیڈر سے کہا گیا تھا کہ کیپٹن ملہوترہ اٹھارہ بیس پر پہنچے گا اور اس کا اپنا کوڈ نمبر ٹرپل زیرو ٹرپل زیرو ہے۔ اس قسم کی ضروری اطلاعات عین وقت پر دی جاتی ہیں۔

اندرانی نے کمرے میں اوھر اودھر دیکھا اور بولی۔ " تم نے پوری طرح سے تیاری کرلی ہے ؟ تمہارے پاس کوئی پستول بھی نہیں ہے۔ "

میں نے اسے ایک شکاری چاقو سرہانے کے نیچے سے نکال کر دکھایا جو صبح میں نے بازار سے خریدا تھا چاقو زیادہ اعلیٰ قسم کا نہیں تھا لیکن وہ کسی ایک آدمی کو ہلاک کرنے کے کام آسکتا تھا اندرانی میرے بارے میں پریشان سی تھی۔ یہ پریشانی اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھی۔ کہنے لگی " کیپٹن ملہوترہ اکیلا نہیں ہوگا۔ تم نہتے ہو کر ان دونوں پر کس طرح قابو پاؤ گے ؟"

میں نے کہا۔ " سب ٹھیک ہو جائے گا تم اسی جگہ پر رہنا۔ ہاں ' ایک بات اپنے ذہن سے نکال دو کہ اگر میں پکڑا گیا تو تمہارا نام بتا دوں گا۔ نہیں۔ ایسا وقت آنے سے پہلے میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا۔ "

اندرانی نے شرما کر چہرہ نیچے کر لیا۔ اب مجھے بھی احساس ہوا کہ میں نے ایک صحیح بات ایسے انداز میں کہہ دی ہے جس سے وہ شرما گئی ہے۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندرانی نے مجھے عجیب پُر کشش نگاہوں سے دیکھا اور اٹھتے ہی بولی۔ " اپنا خیال رکھنا کیپٹن۔ "

وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے اٹھ کر اندر سے دوبارہ کنڈی چڑھادی۔

وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔ وقت قریب سے قریب تر چلا آرہا تھا۔ میں نے اپنے لئے جو لباس اس موقع کے لئے چنا تھا' وہ کھدر کا کرتا پاجامہ اور اوپر گرم کوٹ اور سر پر اونی ٹوپی تھی جو جموں کے لوگ سردیوں میں اکثر پہنتے ہیں۔ بوٹ میں نے اپنے ہی رہنے دیئے تھے جب گھڑی نے پانچ بجائے تو میں نے یہ لباس پہن کر سر پر اونی ٹوپی جمائی کہ میرے کان ٹوپی کے اندر چھپ گئے۔ کوٹ کی باہر والی جیب میں' میں نے شکاری چاقو رکھ لیا۔ پہاڑی لوگ ایسا چاقو عموماً اپنے پاس رکھا کرتے ہیں۔ سگریٹ کا پیکٹ میں نے وہیں کمرے کی میز پر ہی رہنے دیا۔ بورڈنگ ہاؤس سے پہاڑی پگڈنڈی والے پاپولر کے درختوں کی قطار زیادہ دور نہیں تھی چھ بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے کہ میں نے کمرے کے دروازے پر تالا ڈالا۔ چابی اندرانی کو آفس میں جا کر دی۔۔۔ اندرانی نے میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور چابی لے کر دراز میں رکھ لی۔ میں خاموشی سے بورڈنگ ہاؤس سے نکل کر نیم کے درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ سورج کی باقی ماندہ گلابی روشنی کا رنگ نسواری پڑنے لگا تھا۔۔

اودھم پور کے مکانوں میں کہیں کہیں بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود میدان میں دن

کی روشنی باقی تھی اور اندھیرا ابھی نہیں چھایا تھا۔ میرے سامنے جو سب سے اہم مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ میں کیپٹن ملہوترہ کو پہچانتا نہیں تھا۔ یہ پتا کرنے کے لئے کہ یہی ملٹری انٹیلی جینس کا کیپٹن ملہوترہ ہے۔ میں نے ایک ترکیب سوچ رکھی تھی مجھے انتہائی اعتماد اور تیزی سے کام کرنا تھا۔ اسی میں میرے مشن کی پہلی اور نہایت اہم کامیابی کا راز تھا۔ میدان عبور کرنے کے بعد' میں اس پہلے سے طے شدہ مقام پر جا کر سفیدے کے درختوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے کچی سڑک نکل کر میدان میں داخل ہو رہی تھی۔ اپنے ایکشن کے لئے میں نے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ میں نے گھڑی باندھ رکھی تھی۔ لودھم پور سے آنے والی سڑک پر کسی وقت کوئی ٹرک یا گاڑی گزر جاتی تھی۔ میری گھڑی نے جب چھ بج کر بیس منٹ بجائے تو میری نگاہیں قدرتی طور پر بڑی سڑک پر جم گئیں۔ دو گاڑیاں جن کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں آگے نکل گئیں چھ بج کر پچیس منٹ پر میں نے ایک جیپ کو لودھم پور روڈ سے نکل کر پہاڑی سڑک پر مڑتے دیکھا میں چوکس ہو گیا۔ یہ کیپٹن ملہوترہ ہی کی جیپ ہو سکتی تھی۔ میں جیسے گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس کچی سڑک پر آتے ہی بجھا دی گئی تھیں۔ جیپ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر آئی تو یہ دیکھ کر مجھے پہلی ناامیدی ہوئی۔ جیپ میں دو آدمی بیٹھے تھے دونوں سویلین کپڑوں میں تھے۔ فوجی وردی کسی نے بھی نہیں پہن رکھی تھی۔ بہر حال مجھے اندھیرے میں تیر چلانا ہی تھا۔ جونہی جیپ درختوں کے قریب پہنچی' میں اچانک نکل کر کچی سڑک پر آگیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے۔

اسٹاپ! اسٹاپ! اسٹاپ میں بار بار چلا رہا تھا جیپ میرے بالکل پاس آکر رک گئی۔ میں نے چلا کر کہا۔ "سر! کنچن چنگا پر برف گرنے سے راستہ خراب ہے۔"

ایک درمیانے قد کا سانولا نوجوان جس نے پوری آستینوں کا سویٹر اور گرم پتلون پہن رکھی تھی تیزی سے جیپ سے نکل کر میری طرف آیا اور بولا "کیوں چلا رہے ہو؟ کیا بات ہے؟"

کنچن چنگا کے اشارے سے یہ آدمی جو یقیناً کیپٹن ملہوترہ ہی تھا سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات ہو گئی ہے جس کی پیشگی اطلاع کے لئے تھنڈر بیس والوں نے مجھے راستے میں بٹھا رکھا ہے میں نے کہا" سر ٹرپل زیرو کے آگے کیا ہے؟"

اس آدمی نے میرا بازو پکڑا اور مجھے کھینچتا ہوا درختوں کے پیچھے لے گیا تھا جہاں میں اسے لے جانا چاہتا تھا۔ درختوں کے عقب میں اب ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا اور جسم سایوں کی طرح نظر آنے لگے تھے۔ وہ بولا " تم نے میرے ڈرائیور کے سامنے ٹرپل زیرو کا نام کیوں لیا؟"

میں نے کہا۔ " سر! ٹرپل زیرو کے آگے کیا ہے؟ جب تک آپ نہیں بتائیں گے میں آپ کو اسکواڈرن لیڈر صاحب کا ضروری پیغام نہیں بتا سکتا۔"

یہ آدمی کیپٹن ملہوترہ ہی تھا۔ کہنے لگا۔ "ٹرپل زیرو کے آگے بھی ٹرپل زیرو ہی ہے۔ اب

جلدی سے بتاؤ کیا پیغام ہے ؟"

میں شروع رات کے نیم اندھیرے میں کیپٹن ملہوترہ کے جسم کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سلیوٹ مارتے ہوئے کہا۔ " سر! پاکستانی کمس ، بیسٹیلوں نے آگے بارودی سرنگیں بچھا دی ہیں آپ دوسری طرف سے آیئے گا۔ میں آپ کو راستہ بتاؤں گا۔ "

کیپٹن ملہوترہ نے اندھیرے میں مجھے گھور کر دیکھا لیکن میں نے کنچن چنگا اور پھر اس کے انتہائی خفیہ کوڈ نمبر ٹرپل زیرو کو ظاہر کر دیا تھا وہ مجھ پر شک کر ہی نہیں سکتا تھا۔

میں نے کہا " سر! جلدی چلئے میں آپ کو دوسری سڑک سے لئے چلتا ہوں۔ "

میں اس کے واپس گھومنے کا انتظار کر رہا تھا، مگر آخر وہ بھی انٹیلی جینس کا تجربہ کار آدمی تھا۔ کہنے لگا۔ " تم آگے چلو۔ " میں بغیر کسی عذر کے آگے چل پڑا۔ میرے سامنے چار قدم کے فاصلے پر زمین میں سے باہر نکلی ہوئی چٹان کی اوٹ تھی۔ یہ چٹان زیادہ بڑی نہیں تھی اور زیادہ اونچی بھی نہیں تھی۔ کیپٹن ملہوترہ ایک ہوشیار انٹیلی جینس آفیسر ضرور ہو گا مگر وہ کمانڈو نہیں تھا اور کمانڈو کے حملے کو برداشت بھی نہیں کر سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا جب میں نے چٹان کے قریب پہنچ کر ایک دم سے پلٹ کر پوری طاقت سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے حلق کی ہڈی پر اپنا دوہتڑ مارا تو وہ کوئی آواز نکالے بغیر پیچھے کی طرف گر پڑا۔ میں اچھل کر اس کے اوپر آ گیا اور اس کی حلق کی ہڈی کو دونوں ہاتھوں سے اتنی شدت سے دبایا کہ وہ یقینی طور پر گردن کی دوسری طرف سے باہر نکلی گئی ہو گی کیپٹن ملہوترہ نے تڑپ کر مجھے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر اس کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ میں نے اس کی گردن کو اس طریقے سے دبوچ رکھا تھا کہ وہ نہ تو ہاتھ پاؤں ہلا سکتا تھا اور نہ ہی آواز نکال سکتا تھا۔ میں اسے چاقو سے ہلاک نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے اس کے کپڑے درکار تھے۔ کیپٹن ملہوترہ کا ہاتھ میرے بازو کو کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے بے جان ہو کر نیچے گر پڑا۔ کیپٹن ملہوترہ ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کام کو بمشکل پندرہ سیکنڈ لگے ہوں گے۔ میں نے کیپٹن ملہوترہ کی گرم لاش کو ایک طرف اندھیرے میں ڈالا اور بھاگ کر چٹان کے عقب سے نکل کر کچی سڑک پر آ گیا۔ جیپ میں کیپٹن ملہوترہ کا ڈرائیور بیٹھا گہرے ہوتے ہوئے اندھیرے میں ان درختوں کی طرف دیکھ رہا تھا جدھر میں اسے لے گیا تھا میں نے جاتے ہی کہا۔ " ادھر چلو۔ تم کو کیپٹن صاحب بلاتا ہے۔ جلدی میرے ساتھ آؤ۔ "

ڈرائیور منحنی سا آدمی تھا۔ اس کی عمر چالیس سے اوپر ہو گی۔ فوراً جیپ سے اتر کر میرے ساتھ درختوں کی طرف بڑھا۔ ۔ یہ ڈرائیور میرا بہت ہی آسان شکار ثابت ہوا میرے فولادی بازو کی گرفت میں آتے ہی اس کی گردن پہلے ہی جھٹکے میں ڈھلک گئی میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کیپٹن ملہوترہ کے کپڑے اتار کر خود پہن لئے اس کے بعد دونوں لاشوں کو وہیں اندھیرے میں ایک طرف پڑا!

رہنے دیا۔ میں تھوڑی دیر بعد انہیں ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ جیپ میں آکر بیٹھ گیا اور کیپٹن ملہوترہ کی جیبوں کی تلاشی لی۔ رومال' ایک بھرا ہوا پستول' بٹوہ جس میں کچھ کرنسی نوٹ تھے اور ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکلا۔ میں نے ماچس جلا کر اسے پڑھا یہ سرکاری طور پر کیپٹن ملہوترہ کو دیا گیا اجازت نامہ تھا جس کے تحت اسے تھنڈر ہاک بیس کی سکیورٹی چیک کرنے کا خصوصی اختیار دیا گیا تھا۔ سیکرٹ ڈاکومینٹ ہونے کی وجہ سے اس پر کیپٹن ملہوترہ کی تصویر چسپاں نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ ملہوترہ کا خصوصی کوڈ نمبر ٹرپل زیرو ٹرپل زیرو لکھا ہوا تھا نیچے انبالہ چھاؤنی کے چیف ملٹری انٹیلی جینس کے دستخط اور مہر لگی تھی۔ کیپٹن ملہوترہ کی تصویر چسپاں نہ ہونے سے میرے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ اپنے آپ دور ہو گئی تھی۔ میں نے اس سکریٹ اجازت نامے کو تہ کر کے بٹوے میں ڈالا۔ بٹوے کو جیب میں رکھا اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔ میرا رخ۔۔۔ تھنڈر ہاک بیس کی پہاڑی کی طرف تھا۔ میں نے جیپ کی ہیڈ لائیٹس روشن نہیں کی تھیں۔ کچی نیم پتھریلی پگڈنڈی پر میں جیپ کو چلاتا پہاڑی کے قریب پہنچ گیا۔ یہ پگڈنڈی پہاڑی کے مغرب کی طرف چلی گئی تھی۔ آگے دو پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا درہ آگیا۔ اچانک ایک طرف سے چار کمانڈو قسم کے فوجی اسٹین گنیں تانے چھلانگیں لگا کر میری جیپ کے سامنے آگئے۔ "ہالٹ!"

میں نے جیپ کو بریک لگا دی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس درے میں میرا راستہ روکا جائے گا چار میں سے دو بھارتی کمانڈو سپاہی لپک کر میرے دائیں بائیں آگئے۔ ان کی اسٹین گنوں کا رخ میری جانب تھا۔ ایک کمانڈو نے اندھیرے میں مجھے گھورتے ہوئے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔ "ادھر کیا لینے آئے ہو؟ کون ہو تم؟"

میں نے فوراً کہا۔ "تم مجھے آج رات کا پاس ورڈ بتاؤ۔ مجھے معلوم ہے۔ تم کو معلوم نہیں۔ بھارتی سپاہی نے اسٹین گن کی نالی میری گردن کے ساتھ لگا دی اور بولا" بتاؤ آج کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"کنچن چنگا۔" میں نے بغیر کسی گھبراہٹ کے نہایت اطمینان سے پاس ورڈ بول دیا۔ اسٹین گن کی نالی پیچھے ہٹ گئی دوسرے سپاہی نے کہا۔ "تمہارے پیپرز کہاں ہیں؟"

میں نے جیب سے بٹوہ نکال کر خصوصی اجازت نامہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں اسے پڑھا پھر سلیوٹ مار کر بولا۔ "اوکے سر! ادھر بائیں بازو کو گیٹ ہے "میں نے مسکراتے ہوئے سلیوٹ کا جواب دیا اور جیپ بائیں جانب بڑھا دی۔ بائیں جانب پہاڑی بھول بھلیاں سی بنی ہوئی تھیں۔ آگے ایک خاردار تار والی دیوار آگئی۔ اس دیوار میں ہائی وولٹیج کی برقی رو دوڑ رہی تھی۔ گیٹ کی دوسری جانب مجھے دو سائے حرکت کرتے نظر آئے۔ ایک بھارتی سپاہی میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اس نے وہیں سے آواز دی "کنچن چنگا کا افسر ہے۔"

خار دار تار والا گیٹ جس کا چوکھٹا لکڑی کا تھا کھول دیا گیا یہاں پر متعین گورکھے محافظ نے میرے کاغذات کو دیکھنے کے بعد سلیوٹ کیا اور کچھ فاصلے پر پہاڑی دیوار میں بنے ہوئے لوہے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ جیپ میں نے باہر ایک طرف کھڑی کر دی تھی۔ لوہے کے گیٹ پر آتے ہی دوسری طرف اپنے آپ گھنٹی بول پڑی۔ گیٹ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ... کھل گئی۔ دوسری طرف سے ہلکی روشنی باہر آنے لگی۔ ایک چہرہ کھڑکی کے چھوٹے سے چوکھٹے میں نمودار ہوا۔ اس نے مجھ سے میرا کوڈ نمبر پوچھا۔

" ٹرپل زیرو ٹرپل زیرو " میں نے اطمینان سے کہا فولادی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھل گیا۔ میں جھک کر دروازے میں سے گزرا اور دوسری طرف آگیا۔ دوسری جانب دو اونچے لمبے بھارتی فوجی کھڑے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے " ادھر آجاؤ سر۔ "

میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ ایک اونچی چھت والا لمبوترا ہال کمرا تھا جس کی چھت سے بجلی کے بلب لٹک رہے تھے۔ وہ مجھے ہال کمرے سے گزار کر پہلو میں بنے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے جہاں سے مجھے دو آدمیوں کے انگریزی میں باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک مختصر سا پتھریلی دیواروں والا کمرا ہے۔۔ دیوار پر پاکستان کا بہت بڑا نقشہ لگا ہے۔ ایک بھاری مونچھوں اور چوڑے شانوں والا پختہ عمر کا آدمی اسکواڈرن لیڈر کی فل وردی پہنے میز پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کا ایک پاؤں کرسی پر تھا دوسرا پائلٹ افسر کی وردی میں تھا اور میز سے ذرا ہٹ کر کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ دونوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے جاتے ہی اسکواڈرن لیڈر کو سلیوٹ کیا اور جیب سے خصوصی اجازت نامہ نکال کر اسے دکھایا۔ اسکواڈران لیڈر نے مسکراتے ہوئے کہا" کیپٹن ملہوترہ! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تمہارے آنے کی اطلاع دوپہر کو ہی مل گئی تھی۔ ہم تو تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں تمہارے لئے کوک منگواتا ہوں " میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ " تھینک یو سر! مگر میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں اور اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ " میں نے میز پر رکھا ہوا لکڑی کا ایک ٹکڑا دیکھ لیا تھا جس پر اسکواڈرن لیڈر ایم کے کول لکھا ہوا تھا۔ اسکواڈرن لیڈر نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ " کیپٹن ملہوترہ! کیا آپ ہمارے سینئر پائلٹ آفیسر ایس ایم چڈھو سے نہیں ملیں گے؟ "

میں نے کچی عمر والے پائلٹ افسر ایس ایم چڈھو سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ " آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مسٹر چڈھو۔ "

ہم انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ اسکواڈرن لیڈر کول نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔ " کیپٹن ملہوترہ! تم تھکے ہوئے ہو۔ کیا کچھ پینا پسند نہیں کرو گے؟ میرا مطلب ہے کوک نہ سہی کچھ اور سہی۔ "

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو سر! لیکن میں کچھ اور نہیں پیتا ویسے بھی میں اس وقت آن ڈیوٹی ہوں برائے مہربانی مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے تھنڈر ہاک بیس کے باہر سکیورٹی کو چیک کر سکوں۔"

اسکواڈران لیڈر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن! تم ملٹری انٹیلی جینس کے آفیسر ہو۔ میں اجازت دینے والا کون ہوں۔" پھر اس نے پائلٹ آفیسر چڈھ سے کہا کہ وہ مجھے دوسرے خفیہ گیٹ سے باہر لے جائے۔

ہم ایک تنگ راہ داری میں سے گزر کر ایک اونچی چھت والے کوریڈور میں آ گئے۔ یہاں میں نے پہلی بار ایک گورے کو دیکھا کہ ہاتھ میں ٹرے پکڑے سامنے سے چلا آرہا ہے۔ یہ یقیناً اسرائیلی پائلٹ تھا۔ جب وہ ہمارے قریب سے گزر گیا تو میں نے پائلٹ آفیسر چڈھ سے پوچھا۔ "یہ ہمارے اسرائیلی دوستوں میں سے ہے؟"

"ہاں کیپٹن! اس کا نام فلائیٹ کیپٹن ساول ہے۔ یہ حیفہ سے آیا ہے۔"

میں نے بظاہر بڑی بے نیازی سے پوچھا۔ "ہمارے اس بیس میں اور کتنے اسرائیلی دوست ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں؟"

فلائنگ آفیسر چڈھ نے بتایا کہ اس وقت صرف دو تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کے کریو کے چھ اسرائیلی موجود ہیں۔ مارگریٹ کی اطلاع درست نہیں تھی۔ چڈھ مجھے ایک خفیہ دروازے سے نکال کر پہاڑی کے باہر جنوب کی طرف لے آیا باہر اب رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے چڈھ سے کہا کہ مجھے میری جیپ کے پاس لے چلو۔ میں جیپ میں بیٹھ کر اس علاقے میں سکیورٹی کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا "کیپٹن تمہاری جیپ گیراج میں رکھ دی گئی ہے ہم تمہیں اپنی جیپ دیتے ہیں۔ اس جیپ میں سے ہر پندرہ سیکنڈ کے بعد خاص سگنل نشر ہوتے ہیں جو ہماری سکیورٹی والوں کو اس امر سے آگاہ کر دیتے ہیں کہ یہ جیپ اپنی ہے یوں آپ کو جگہ جگہ چیک نہیں کیا جائے گا۔"

یہ میرے لئے بڑی اچھی بات تھی۔ فلائنگ آفیسر چڈھ نے ایک پہاڑی گیراج میں سے چھوٹی جیپ نکال کر مجھے دی۔ میں اس کو لے کر پہاڑی کے ساتھ جاتی ہوئی کچی سڑک پر اندھیرے میں چل دیا۔ میرا اصل مقصد اصلی کیپٹن ملہوترہ اور اس کے ڈرائیور کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا تھا۔ ورنہ صبح کو ان لاشوں کا مل جانا ضروری تھا اور میرے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں پہاڑی کے عقب میں آ گیا۔ میں نے دیکھا ہر پندرہ سیکنڈ کے بعد جیپ کے ڈائل پر ایک سرخ نقطہ روشن ہو جاتا ہے۔ یہ وہ سگنل تھا جو میری جیپ میں سے پندرہ سیکنڈ کے بعد نشر ہو رہا تھا اور جس کی وجہ سے خفیہ مورچوں میں چھپے ہوئے فوجی مجھے چیک نہیں کر رہے تھے میں نے دیکھا کہ تھنڈر ہاک بیس کی پہاڑی کافی بڑی تھی اور اس کے اردگرد خار دار تار لگا دی گئی تھی میں پہاڑی سے ہٹ کر کچی پگ ڈنڈی

پر آگیا پہاڑی کے جنوب میں مجھے کوئی دو فرلانگ آگے جا کر نشیب میں ایک جگہ دو کھمبے تکون کی شکل میں نظر آئے۔ میں نے جیپ کا رخ ادھر موڑ دیا ستارے آسمان پر چمک رہے تھے ان کی دھیمی دھیمی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ یہ ایک چھوٹے سے کنویں پر لگے ہوئے دو لکڑی کے کھمبے تھے جن کے درمیان چرخی غائب تھی۔ جس سے یہ ظاہر تھا کہ اس کنویں سے کوئی پانی نہیں بھرتا۔ میں نے جیپ سے اتر کر کنویں میں جھانک کر دیکھا۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر میں نے کنویں میں پھینکا۔ پتھر نیچے تہ سے ٹکرایا تو ایسی آواز آئی جیسے پتھروں پر جا لگا ہوں کنویں میں پانی نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ کنواں کافی گہرا ہے پہاڑی علاقوں کے کنویں بہت گہرے ہوتے ہیں۔ لاشیں ٹھکانے لگانے کے لئے یہ جگہ بڑی موزوں تھی۔

میں جیپ میں سوار ہو کر کچے راستے پر ادوھم پور والی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے رفتار تیز کر دی تھی سفیدے کے درختوں میں جیپ کھڑی کر دی کیپٹن ملہوترہ اور اس کے ڈرائیور کی لاشیں اندھیرے میں ویسی ہی پڑی تھیں میں نے انہیں گھسیٹ کر جیپ میں ڈالا اور واپس ویران کنویں کے پاس آگیا۔ جیپ سے اتر کر میں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے سکیورٹی کا جائزہ لے رہا ہوں۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا۔۔ کہ آس پاس کوئی انسان نہیں ہے تو میں نے سب سے پہلے کیپٹن ملہوترہ کی لاش کو جیپ سے نکالا اور اندھے کنویں میں لڑھکا دیا۔ تھپ کی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد، میں نے دوسری لاش بھی کنویں میں پھینک دی میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ خطرہ صرف یہی تھا کہ دن کی روشنی میں کوئی ادھر آکر لاشوں کو نہ دیکھ لے مگر چونکہ کنواں ویران تھا اس لئے اس بات کا امکان کم ہی تھا کہ کوئی ادھر آکر کنویں میں جھانکنے کی کوشش کرے گا۔ ویسے بھی ادھر کسی سویلین کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب تک لاشیں گلنے سڑنے لگتیں تب تک مجھے اپنے مشن کو مکمل کر چکنا تھا۔۔ میں جیپ کو تیزی سے نکال کر پہاڑی کے جنوب کی طرف لے گیا۔ وہاں پہاڑی گیراج میں اسے ایک طرف لگا دیا اور خود باہر نکل کر اس خفیہ دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے فلائنگ آفیسر چڈھہ مجھے گیراج کی طرف لے گیا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے کی دوسری طرف سے کسی نے بلند آواز میں پوچھا "پاس ورڈ؟"

میں نے کنچن چنگا بول دیا۔

دروازہ کھل گیا۔ اندر کی جانب ایک گورکھا مسلح فوجی اسٹین گن لئے موجود تھا وہ مجھے فلائنگ آفیسر چڈھہ کے کمرے میں لے گیا مسٹر چڈھہ کیمپ کارٹ پر بیٹھا سامنے چھوٹی تپائی پر ایک فائل رکھے اس پر کچھ لکھ رہا تھا مجھے دیکھتے ہی انگریزی میں بولا "کیپٹن ملہوترہ! اچھا ہوا تم آگئے انبالے سے تمہاری فون کال آئی تھی۔"

میں چونک سا گیا مگر فوراً سنبھل گیا۔ "انٹیلی جینس چیف کی کال ہو گی۔" میں نے بے

نیازی سے کہا۔

چڈھہ مسکراتے ہوئے بولا " کسی لڑکی کی آواز تھی وہ پھر فون کرے گی تم میرے پاس ہی بیٹھو۔"

تپائی پر سیاہ رنگ کا ٹیلی فون پڑا تھا۔ میں قریب ہی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگالی فلائنگ آفیسر چڈھہ نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ " کیپٹن! سکیورٹی چیک کرلی ہماری سکیورٹی انتہائی سخت ہے یہاں۔ باہر کا کوئی آدمی تو کیا کوئی چڑیا بھی ادھر اڑ کر نہیں آسکتی۔"

میں نے کہا " تم ٹھیک کہتے ہو کل مجھے اپنے بیس کے اندر سکیورٹی چیک کرنی ہوگی۔ میں چاہوں گا کہ میری شناخت یہاں کسی پر ظاہر نہ کی جائے یہ تحفظات کی چھان بین کے لئے بہت ضروری ہے۔"

مسٹر چڈھہ نے کہا۔ " ایسا ہی ہوگا کیپٹن! ہم خود چاہتے ہیں کہ یہاں جتنے لوگ کام کر رہے ہیں ان کے بارے میں ہمیں فل رپورٹ ملے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی چڈھہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ " تمہارا فون ہے کیپٹن"

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ دوسری طرف سے جو لڑکی بولے گی اس کا کیپٹن ملہوترہ سے کیا تعلق ہے اور وہ کون ہے میں نے رسیور اٹھایا دوسری طرف سے ایک لڑکی کی آواز آئی۔ " مجھے کیپٹن ترہ سے بات کرنی ہے۔"

میں نے کہا " میں کیپٹن ملہوترہ ہی بول رہا ہوں۔" لڑکی کی پل کے لئے خاموش ہوگئی، پھر آواز آئی تمہاری آواز کو کیا ہوگیا ہے ڈارلنگ؟ میں اوشا بول رہی ہوں۔"

میں نے کھانستے ہوئے کہا " گلا خراب ہوگیا ہے یہاں آکر مگر تمہیں میرا نمبر کس نے دیا تمہیں یہاں فون نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

دوسری طرف سے آواز آئی " ڈارلنگ تم خود ہی تو مجھے یہ نمبر دے گئے تھے اور کہا تھا کہ تم نے اس کے لئے خاص اجازت لے رکھی ہے۔"

میں ذرا بوکھلا سا گیا لیکن جلدی ہی اپنے حواس کو مجتمع کرتے ہوئے گلا صاف کرتے ہوئے کہا " ٹھیک ہے ٹھیک ہے مگر تمہیں اس وقت فون نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

میں بار بار کھانس رہا تھا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میرا گلا خراب ہے اوشا شاید کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ تھی اس کی آواز آئی " میں نے یہ بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے کہ میں کل جموں اپنی کالج کی لڑکیوں کے ساتھ آرہی ہوں میں تمہیں کہاں ملوں؟ تم کون سے ہوٹل میں ہو؟"

میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ مجھے دوبارہ فون مت کرنا۔

فلائنگ آفیسر چڈھہ میری طرف دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی میں نے فون بند کیا تو سگریٹ کا کش لگا کر بولا " کیپٹن! پہلے تو تمہارا گلا خراب نہیں تھا"

میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور اٹھتے ہوئے کہا " مجھے رات کہاں بسر کرنی ہوگی
مسٹر چڈھہ کہنے لگا " کیا تم ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاؤ گے ؟ آؤ ڈائننگ روم میں چلتے ہیں وہاں
تمہیں دوسرے اسرائیلی آفیسرز سے ملاتے ہیں پھر اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔"
میں خاموشی سے مسٹر چڈھہ کے ساتھ باہر راہ داری میں آگیا۔ میں انڈین فلائنگ آفیسر مسٹر
ایس ایم چڈھہ کے ساتھ راہداری میں آگیا

یہ ساری تنصیبات قلعے والی پہاڑی کے نیچے زیر زمین تھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں یہاں باہر کے کسی آدمی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی اس قلعے کے ایک ایک قریبا دو سو فٹ قطر کے چوڑے کنویں نما ہیلی پیڈ میں نیچے جا کر آٹھ اسرائیلی تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر ایسی حالت میں ڈیپلائے کر کے رکھے گئے تھے کہ ایک سیکنڈ کے نوٹس پر وہ اپنے ہیلی پیڈ سے اوپر اٹھ کر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے کسی بھی ٹھکانے پر جا کر راکٹوں کی بارش کر کے اسے تباہ کر سکتے تھے اس وقت انہیں پاکستان کی پُر امن ایٹمی بجلی گھر پر حملے کے لئے وہاں تیار رکھا گیا تھا ان میں سے صرف تین ہیلی کاپٹروں کا عملہ اسرائیلی ہوابازوں اور انجینئروں پر مشتمل تھا ۔۔ ابھی تک میں تھنڈر ہاک پیڈ پر سکیورٹی چیکنگ کے لئے نہیں گیا تھا چیکنگ کے لئے فلائنگ آفیسر مسٹر چڈھہ اور اسکواڈران لیڈر مسٹر کول سے اگلے روز کا معاملہ طے ہوا تھا دوسرے روز انبالے سے اصل کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ اوشا بھی جموں اور وہاں سے مجھے ملنے اودھم پور پہنچ رہی تھی ' مجھے اس کی جانب سے بھی تشویش لگی تھی اوشا میرے لئے یہاں خطرناک مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

یہی کچھ سوچتا ہوا میں فلائنگ آفیسر چڈھہ کے ساتھ نیم روشن راہداری میں گزرتا ہوا ایک کمرے میں آگیا جہاں کچھ انڈین اور کچھ اسرائیلی ائر فورس کے آفیسر بیٹھے ناؤنوش میں مشغول تھے چڈھہ نے ان سے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ " کیپٹن ملہوترہ سے ملئے آرمی انٹیلی جینس کے کیپٹن ہیں اور یہاں آپ کی سکیورٹی چیکنگ کرنے آئے ہیں۔"

سب نے باری باری مجھ سے ہاتھ ملایا یہیں پر اسرائیلی اسکواڈرن لیڈر ساول بھی تھا گولڈن رنگ کے سر کے بال کرنجی آنکھیں ' تیکھی ناک ' بات کرتے ہوئے آنکھیں سکیڑ لیتا تھا اس نے مجھے غور سے دیکھا ' پھر اپنے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی میں اس کے قریب بیٹھ گیا مجھے ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ وہاں جو تین چار انڈین آفیسرز بیٹھے تھے ۔۔۔ ان میں سے کوئی اصلی ۔۔۔ کیپٹن ملہوترہ کا دوست یا واقف کار نہ ہو میں نے ایک سیکنڈ میں ان کے چہروں کا مشاہدہ کرتے ہوئے اندازہ لگا لیا کہ ایسی کوئی خطرے والی بات نہیں تھی ان کے لئے کیپٹن ملہوترہ ایک اجنبی آفیسر تھا۔
میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جیب سے اصل کیپٹن ملہوترہ کا سگریٹوں کا پیکٹ نکال کر سگریٹ پیش کئے مشروب کا ایک گلاس میرے سامنے بھی بھر کر رکھ دیا گیا ' جیسے میں نے یہ کہہ

کر واپس کر دیا کہ جب ہیڈ کوارٹر سے باہر ڈیوٹی پر جاتا ہوں تو ان چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں انڈین آفیسر مجھ سے انبالہ چھاؤنی کے سینما ہاؤس میں چل رہی فلموں کے بارے میں گفتگو کرتے رہے' پھر ایک سکھ آفیسر نے پوچھا کہ اودھم پور میں میرا قیام کتنے روز کا ہے میں نے کہا کہ دو تین دن رہوں گا پھر انبالہ چھاؤنی واپس چلا جاؤں گا میں نے تو اسے نہ بتایا' مگر مسٹر چٹھو نے بتا دیا کہ میں اندرانی بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہوں سکھ فلائنگ آفیسر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا "اس اندرانی سے ہوشیار رہنا ملہوترہ جی! جادوگرنی ہے' جادوگرنی"

اور پھر باقی کے انڈین آفیسرز بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیئے لگتا تھا کہ یہ سب لوگ اندرانی کے پاس آتے جاتے ہیں یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کیونکہ اندرانی ایجنٹ تھی اور اس کو ان آفیسرز سے تعلقات بنا کر رکھنے کی ضرورت تھی میں نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے جان بوجھ کر شرماتے ہوئے کہا "ہم ملٹری انٹیلی جینس کے کرم چاری ہیں ہم پر کسی کا کیا جادو چلے گا۔"

ایک ہندو آفیسر نے گلاس خالی کرتے ہوئے کہا "ان کے تریا چرتر سے بھگوان بچائے انہوں نے تو بڑے بڑے رشیوں کی تپسیا بھنگ کر دی۔"

کمرے کی فضا مشروبات کی بو اور سگریٹ کے دھوئیں سے بوجھل ہونے لگی تھی میرا وہاں اب کوئی کام نہیں تھا مسٹر چٹھو نے مجھے اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی' مگر میں نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں ایک فون کال کا انتظار کرنا ہے۔

اس نے ہنس کر کہا "وہ فون کال تو یہاں بھی آسکتی ہے۔" اس کا اشارہ اوشا کی طرف تھا میں نے مسکرا کر اس کی بات ٹال دی اور مسٹر چٹھو کے ساتھ ہی کمرے سے نکل کر راہداری سے گزرتا ہوا واپس مین ہال کمرے میں آگیا یہاں سے دو گارڈ میرے ساتھ کر دیئے گئے فلائنگ آفیسر ایم کے کول ہال کمرے میں موجود تھا وہ ڈائری پر کچھ لکھتے ہوئے کرسی سے اٹھا اور مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"کیپٹن! تم کل دن کے آٹھ بجے آجانا اس وقت تم تھنڈر ہاک کی سیکورٹی آسانی سے کر سکو گے کیونکہ اسٹاف ڈائننگ روم میں ہوتا ہے۔"

سیکورٹی گارڈز مجھے میری جیپ تک پہنچا کر واپس چلے گئے میں نے جیپ گیراج میں سے نکالی اور قلعے کے بڑے آہنی گیٹ میں سے نکل کر قلعے کے سامنے والے بڑے میدان کی پگڈنڈی پر سے ہوتا ہوا اودھم پور کے مضافات والے اندرانی بورڈنگ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا میں خاص طور پر اس اندھے کنوئیں کے قریب سے گزرا جس میں میں نے اصلی کیپٹن ملہوترہ اور اس کے ایک ساتھی کی لاشیں گرائی تھیں دل میں یہ شبہ تھا کہ کہیں کنوئیں میں سے لاشوں کی بدبو تو نہیں آرہی ابھی ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ دو ایک روز میں لاشیں گل سڑ کر بدبو دینا شروع کر دیں گی مجھے دو ایک روز کے اندر اندر اپنے مشن کو مکمل کر کے وہاں سے فرار ہو جانا تھا میرا پروگرام یہی تھا

لیکن مجھے اپنے مشن کی راہ میں کئی رکاوٹیں نظر آنے لگی تھیں سب سے بڑا مسئلہ تھنڈر ہاک بیس میں آٹھ جدید ترین اسرائیلی ہیلی کاپٹروں کو اس طرح تباہ کرنے کا تھا کہ ان میں سے ایک بھی پرواز کے قابل نہ رہے اس آپریشن کے لئے مجھے طاقت ور ٹائم بموں کی ضرورت تھی، جو میرے پاس نہیں تھے میرے لئے لازمی تھا کہ میں نہ صرف زیر زمین بیس میں موجود ہیلی کاپٹروں کو تباہ کروں بلکہ اس انڈر گراؤنڈ بیس میں جو اسٹاف متعین ہے، ان میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچے کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی زندہ رہ جاتا تو وہ بعد میں، میرے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا اس بات کا امکان تھا کہ ان میں سے کوئی آفیسر دلی ہمارے ۔۔ ہیڈ کوارٹر میں بھی آجائے کیونکہ تھنڈر ہاک بیس کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوگا میں انٹیلی جینس ہیڈ کوارٹر کا ایک ذمے دار بھارتی آفیسر تھا اور اگر اس تباہی کے بعد یہاں کے اسٹاف کا کوئی آدمی نئی دلی ہمارے ہیڈ کوارٹر میں آجاتا ہے اور مجھے وہاں دیکھ لیتا ہے تو میرا راز فاش ہونا یقینی بات تھی اس ممکنہ اتفاق سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا ۔۔ کہ ہیلی کاپٹروں کے ساتھ وہاں کے اسرائیلی اور انڈین اسٹاف کو بھی ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے، جو ایک مشکل ترین کام تھا بہر حال میں نے یہی عہد کیا ہوا تھا کہ ہیلی کاپٹروں کے علاوہ اسٹاف کے انڈین اور اسرائیلی آفیسرز کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا اس مشن کی تکمیل کے لئے وقت بہت کم تھا اور اندرانی کا تعاون ناگزیر تھا۔

بورڈنگ ہاؤس میں آکر میں نے اپنی ایجنٹ اندرانی کو ایک خاص اشارہ دیا اور اپنے کمرے میں آگیا میرے اشارے کا مطلب تھا کہ میں اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں اور ضروری باتوں کے لئے ہم نے آدھی رات کے بعد کا وقت طے کر رکھا تھا میں نے کھانا اپنے کمرے ہی میں کھایا اور تیز کافی کے دو پیالے چڑھا لئے تاکہ مجھے نیند نہ آئے میں کچھ دیر رسالے وغیرہ پڑھتا رہا کوئی ساڑھے گیارہ بجے رات " میں نے کمرے کی بتیاں بجھا دیں دروازے کی چٹخنی اندر سے کھول دی اور پلنگ کے پاس بچھی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ گیا اب مجھے اندرانی کا انتظار کرنا تھا بتیاں اس لئے بجھا دی تھیں کہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ میں سو گیا ہوں مجھے اندرانی نے ایک چھوٹا سا ٹرانسسٹر ریڈیو دے رکھا تھا میں اسے کان کے قریب لگا کر ۔۔۔ جالندھر ریڈیو اسٹیشن سے فلمی گانے اور تقریریں وغیرہ سنتا رہا پھر جالندھر ریڈیو اسٹیشن کی ٹرانسمشن بھی بند ہو گئی میں نے دلی لگا دیا کچھ دیر بعد دلی ریڈیو کی سروس بھی ختم ہو گئی میں نے ریڈیو بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلتا ہوا کھڑکی کے پاس آگیا کھڑکی کو کھول کر باہر دیکھا ۔۔۔ ادھم پور کی پہاڑی رات خاموش اور پر سکون تھی دور شہر کی بتیاں نظر آرہی تھیں ایک ٹرک کی آواز دور سے کچھ دیر آتی رہی، پھر رات کے سناٹے میں گم ہو گئی میں نے گھڑی دیکھی رات کے سوا بارہ بجنے والے تھے اندرانی کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔

میں نے کھڑکی بند کر دی اور اندھیرے ہی میں آرام کرسی پر آکر بیٹھ گیا اگرچہ کمرے میں اندھیرا تھا، مگر روشندان اور کھڑکی کے شیشوں میں سے ستاروں کی بہت ہی پھیکی پھیکی سی روشنی نے

اس اندھیرے کو تھوڑا سا کم کر دیا تھا دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھلا میری آنکھیں دروازے پر جم گئیں اور ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے پستول پر چلا گیا' جو بھرا ہوا تھا یہ اندرانی تھی وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک نظر مجھ پر ڈالی ' اور پھر دروازے کا پٹ بند کر کے آہستہ سے چٹخنی لگا دی وہ میرے پاس آ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی "کیا سب ٹھیک ہے ؟"

اندرانی کی آواز سرگوشی کی شکل میں میرے کانوں تک آئی تھی میں نے اسے دھیمی آواز میں جب اپنے کمانڈو آپریشن کی مختصر کہانی سنائی تو اندھیرے میں اس کی آنکھیں کھل سی گئیں اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں کیپٹن ملہوترہ کے روپ میں تھنڈر ہاک بیس کا سارا جائزہ لے آیا ہوں میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی طرف جھک کر کہا " میرا اصلی مشن کل شروع ہوگا یہ مشن تمہارے تعاون کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا مجھے کم از کم چھ ٹائم بموں کی ضرورت ہے کیا تم کہیں سے ان کا انتظام کر سکتی ہو ؟"

اندرانی سرگوشی میں بولی " میرے لئے ایسا بندوبست کرنا تقریباً ناممکن ہے میں یہاں ایک سویلین کے طور پر کام کر رہی ہوں یہ کام تو مارگریٹ بھی نہیں کر سکتی ٹائم بم تو تمہیں وہیں تھنڈر بیس سے مل سکتے ہیں وہاں تو راکٹ میزائل اور دوسرا گولہ بارود بھی ہوگا۔"

اندرانی ٹھیک کہہ رہی تھی اس کے لئے ٹائم بموں ایسی خطرناک دھماکا خیز اشیاء کا مہیا کرنا واقعی مشکل تھا یہ کام اس کی دسترس سے باہر تھا میں نے اس سے صرف اس لئے پوچھ لیا تھا کہ ہو سکتا ہے اس کے تعلقات کسی ایسے انڈین فوجی سے ہوں جس کا اس قسم کے اسلحہ سے کوئی رابطہ ہو میں سوچ میں پڑ گیا تھنڈر بیس میں راکٹ ' میزائل ' بم اور دوسرا گولہ بارود ضرور موجود ہوگا ' مگر میں ان پر کیسے قبضہ کر سکتا تھا ؟ یا تو ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ زیر زمین بیس کا سارا اسٹاف کہیں چلا جائے اور مجھے وہاں بارود بچھانے کا موقع مل جائے جو قرین قیاس نہیں تھا اچانک مجھے ایک خیال سوجھا میں نے اندرانی سے کہا " کیا تم کہیں سے مجھے کوئی ایسی چیز لا کر دے سکتی ہو جو انتہائی مہلک زہر بھی ہو اور بے ذائقہ بھی ہو ؟"

اس پر اندرانی نے سرگوشی کے انداز میں کہا " تم سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا کہ ہم ایجنٹ لوگ مشکل کے وقت دشمن کی اذیتوں سے بچنے کے لئے اپنے پاس سائی نائیٹ کی تھوڑی مقدار ضرور رکھتے ہیں ' تاکہ اگر کسی وقت ہمارا راز طشت ازبام ہو جائے اور دشمن ہمیں گرفتار کر لے تو ہم اس زہر سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیں "

میری آنکھیں چمک اٹھیں میں نے جلدی سے پوچھا " کیا تمہارے پاس سائی نائیٹ ہے ؟"

اندرانی نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر میرے سامنے میز پر رکھ دی اور بولی " اس کے نگینے کو نکالو نیچے سائی نائیٹ زہر ایک چھوٹے سے کیپسول کی شکل میں --- موجود ہے۔

اندرانی کی یہ چاندی کی انگوٹھی کافی بڑی تھی جیسا کہ اس زمانے کا فیشن تھا میں نے یہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہلے بھی دیکھ رکھی تھی میں نے سرہانے کے نیچے سے موم بتی نکال کر روشن کی اسے میز پر لگایا اور اس کی روشنی میں انگوٹھی کے نگینے کو ذرا سا ٹھوکا دیا نگینہ میرے ہاتھ میں آگیا اس کے نیچے چھوٹا سا خلا تھا' جس میں سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا کیپسول پڑا تھا۔

اندرانی نے پوچھا مگر تمہیں یہ زہر کس لئے چاہئے؟ میں کیپسول کو ہتھیلی پر رکھ کر اسے غور سے دیکھ رہا تھا میرے اندازے کے مطابق اس میں اتنا زہر تھا کہ جو دشمن کی پوری ایک پلاٹون کو ٹھکانے لگانے کے لئے کافی تھا جیسا کہ آپ سب جانتے ہوں گے کہ سائی نائیٹ ایک ایسا زہر ہے' جو انتہائی سریع الاثر' انتہائی ہلاکت خیز اور بے ذائقہ ہوتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مہلک زہر آج تک ایجاد نہیں ہو سکا اگرچہ آج تک کوئی بھی اس کا ذائقہ نہیں بتا سکا لیکن سائنس دانوں کے تجربات کے مطابق یہ ایک بے ذائقہ زہر ہے اور زبان پر لگتے ہی اپنا اثر دکھاتا ہے اور آدمی کو سانس پورا کرنے کا بھی موقع نہیں دیتا میں نے کیپسول کو اچھی طرح سے ایک کاغذ میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھا نگینے کو دوبارہ انگوٹھی میں جڑ دیا اور اندرانی کی انگلی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

تم نے میرا مسئلہ حل کر دیا ہے دوست! اب تم اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا بھول جاؤ کہ تمہاری انگوٹھی میں زہر والا کیپسول بھی تھا ہاں' اپنے لئے تم یہ زہر کسی ذریعے سے بعد میں حاصل کر لینا یہ نیشنل سیکیورٹی کا معاملہ ہے۔"

اندرانی نے اس کے بعد مجھ سے سائی نائیٹ کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔

میرے ذہن میں پوری کی پوری اسکیم آچکی تھی اور میرا سب سے بڑا مسئلہ زہر کے اس ننھے سے کیپسول نے حل کر دیا تھا میں نے موم بتی بجھا دی اندرانی کا گول خوب صورت چہرہ ایک پل کے لئے اندھیرے میں ڈوب گیا اس نے آہستہ سے سانس بھر کر کہا" اگر تم مجھے اپنے مشن کے بارے میں نہیں بتانا چاہتے تو میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی لیکن یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا" لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اپنا خیال رکھنا کیا میں اب جاؤں؟"

میں نے اندرانی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا" میں موت کے مشن پر ہوں' مجھے اگر کسی کا خیال ہے تو صرف اپنے پیارے وطن پاکستان کی بقا کا خیال ہے اگر پاکستان کی بقا کی خاطر میری جان بھی چلی جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

اندرانی نے سر کو ذرا سا جھکا کر میرا ہاتھ چوم لیا' پھر ایک دم سے اٹھی اور دروازے کے پاس جا کر رک گئی' جیسے باہر خاموشی کا جائزہ لے رہی ہو اس نے آہستہ سے چٹخنی اتاری دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھول کر باہر برآمدے میں دیکھا اس کے ساتھ ہی باہر نکل گئی میں ابھی تک آرام کرسی پر بیٹھا تھا اس کے جاتے ہی میں نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی جیب میں سے سائی نائیٹ زہر کے کیپسول کو

نکال کر سرہانے کے نیچے رکھا اور بستر پر لیٹ کر کمبل اوپر کر لیا میرا ذہن تیزی سے اس اسکیم کی جزئیات مرتب کرنے لگا، جس پر مجھے کل شام کو عمل کرنا تھا دوسرے دن آٹھ بجے سرکاری طور پر تھنڈر بیس میں موجود ہیلی کاپٹروں کی سکیورٹی چیکنگ کرنی تھی اسکواڈرن لیڈر کول نے مجھے یہ ٹائم دیا تھا۔

صبح میں سات بجے تک سویا رہا الارم لگانا ہی بھول گیا تھا اندرانی سے بھی کہنا یاد نہ رہا کہ مجھے صبح چھ بجے اٹھا دے گھڑی دیکھی تو سات بج کر کچھ منٹ اوپر ہو گئے تھے جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا کپڑے پہنے اور کاؤنٹر پر اندرانی کے پاس آگیا۔

وہ کاؤنٹر پر بیٹھی اکاؤنٹ رجسٹر میں کچھ اندراج کر رہی تھی وہ اس وقت اکیلی تھی میں اس کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گیا چاندی کی انگوٹھی اس کی انگلی میں چمک رہی تھی، جس کا کیپسول اس وقت میرے کمرے میں ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیا گیا تھا میں نے اس کی طرف جھک کر کہا "مارگریٹ کو فون کر کے پوچھو انبالہ چھاؤنی سے کیپٹن ملہوترہ کے بارے میں کوئی تشویش ناک سگنل تھنڈر بیس میں تو نہیں آیا؟"

اندرانی نے مارگریٹ کے گھر کا نمبر ملا کر اسے فون کیا اور کوڈ زبان میں پوچھا کہ انبالہ چھاؤنی سے فردٹ کا جو کریٹ آنے والا تھا وہ پہنچا کہ نہیں؟ میری آنکھیں اندرانی کے بھرے بھرے خوب صورت چہرے پر جمی تھی وہ سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ ہوں ہوں کر رہی تھی، پھر اس نے رسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھنے سے پہلے دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی اور رجسٹر میں اندراج کرتے ہوئے کاروباری انداز میں بولی "نہیں مسٹر! انبالہ چھاؤنی سے آپ کے نام کوئی پیغام ابھی تک نہیں پہنچا۔ پھر دبی زبان میں مجھے متنبہ کیا" آئندہ سے کیپٹن ملہوترہ کا نام یہاں نہ لینا"

میں نے شکریہ ادا کیا اور اٹھ کر سامنے والی میز پر آبیٹھا چائے کی ایک پیالی پی اور ناشتا کیے بغیر گاڑی نکال کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا میں ٹھیک وقت پر تھنڈر بیس پہنچ گیا اسکوارڈن لیڈر مسٹر ایم کے کول میرا انتظار کر رہا تھا ۔۔۔ مجھے دیکھتے ہی کرسی چھوڑ کر اٹھا اور بولا "گڈ مارننگ کیپٹن! آؤ میرے ساتھ ۔ تمہیں کسی ڈی ٹیکٹر کی ضرورت تو نہیں؟"

میں نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا "ارے نہیں کول صاحب ڈی ٹیکٹر کی یہاں کیا ضرورت ہے؟ ہماری آنکھیں ڈی ٹیکٹر سے کم نہیں ہوتیں"

مسٹر کول مجھے لے کر تھنڈر بیس کی طرف چلے میں نے راہداری میں ایک جگہ سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا "بائی دی وے مسٹر کول! آج میرا برتھ ڈے ہے"

اسکواڈرن لیڈر کول نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خوش ہو کر کہا "ہیپی برتھ ڈے کیپٹن ملہوترہ! تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا ہم تمہارے لئے شہر میں کیک کا آرڈر دے دیتے نو پرابلم ۔ ۔ ہم اس کا بندوبست کر لیں گے" ہم سیڑھیاں اتر کر ایک نیم روشن برآمدے سے گزر رہے تھے وہ

اچانک رک گیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا لیکن کیپٹن! آج ہم تمہیں پارٹی نہیں دے سکیں گے آج ہمارا آدھا اسٹاف جموں کینٹ میں ہو گا اوکے کل کا دن ٹھیک رہے گا۔"

میں اپنی اسکیم پر جلدی سے جلدی عمل کرنا چاہتا تھا' لیکن مجھے ان لوگوں کی زندگی کی آخری پارٹی کے لئے پورے اسٹاف کی ضرورت تھی میں نے کہا " سر! یہ پارٹی تو میں آپ کو دوں گا چلیے کل ہی سہی "

" اوہ ۔۔۔ نو کیپٹن! پارٹی ہماری طرف سے ہو گی ۔۔۔" کول نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

اب مجھے اپنی خطرناک اسکیم کے پہلے اور اہم ترین مرحلے سے گزرنے کا موقع مل گیا میں نے کہا" اوکے سر! لیکن وائین کی بوتل میری طرف سے ہو گی "

اسکواڈرن لیڈر کول نے ہنس کر میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور کہا" ٹھیک ہے کیپٹن ۔۔۔ سب ٹھیک ہے "

ہم تھنڈر ہاک بیس کے آخری آہنی دروازے کے سامنے کھڑے تھے ائر فورس کی وردی میں ملبوس چاق و چوبند گارڈ نے سیلوٹ مارنے کے بعد دیوار میں لگے ہوئے ڈائل کا بٹن دبایا آہنی دروازہ ایک طرف کو کھسکتا چلا گیا ۔۔۔ اور اسکواڈرن لیڈر کول مجھے ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا میرے سامنے ایک کشادہ گول ہیلی پیڈ تھا جہاں آٹھ کے آٹھ اسرائیلی ساختہ بلکہ امریکہ ساختہ جدید ٹیکنالوجی کے حامل ۔۔۔ ہیلی کاپٹر کھڑے تھے' جن کا ٹیکنیکل نام تھنڈر ہاک تھا ان کا رنگ آسمان کے رنگ ایسا ہلکا نیلا تھا اور انہوں نے اپنے پر کسی عفریت کی طرح پھیلا رکھے تھے' جو جھپٹنے کے لئے بے چین ہو یہی وہ ہیلی کاپٹر تھے جنہیں پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے مقصد سے یہاں لا کر رکھا گیا تھا مسٹر کول کے ساتھ میں بھی ہیلی کاپٹروں کے اندر گیا اور سکیورٹی چیکنگ کی سکیورٹی چیکنگ کے بہانے میں نے ہیلی کاپٹر کے ایک ایک ڈائل اور دوسرے کل پرزوں کو بڑے غور سے دیکھا ان میں کمپیوٹر کا جدید ترین نظام نصب تھا اسکواڈران لیڈر کول نے مجھے بتایا کہ اس ہیلی کاپٹر پر سوائے پنکھوں کے اور کسی جگہ گولی یا راکٹ کا اثر نہیں ہوتا اس میں ایسا کمپیوٹرائزڈ نظام لگا ہوا ہے کہ یہ کئی میل کی دوری اور کئی ہزار فٹ کی بلندی سے اپنے ٹارگٹ پر ٹھیک راکٹ پھینک سکتا ہے اور جب یہ ایک خاص بلندی پر اڑتا ہے تو دشمن کا جدید ترین راڈار بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکتا جہاں یہ ہیلی کاپٹر کھڑے تھے وہاں ساتھ ہی دوسرے کمرے میں راکٹوں اور میزائلوں کی ایک بڑی تعداد لوہے کے شیلفوں میں لگی تھی ایک طرف لوہے کے لوڈر بھی رکھے تھے اس کمرے میں رکھا ہوا ایک ہی دستی بم کافی تھا یا پھر ایک ایسی صورت میں آگ لگا دی جائے کہ تھنڈر بیس کے ہیلی پیڈ کا آہنی دروازہ کھلا ہو یہ تمام امکانات میرے ذہن میں ساتھ ساتھ پیدا ہوتے اور ابھرتے چلے آ رہے تھے اس کمرے سے ملحق ایک چھوٹا سا کیبن تھا' جہاں کمپیوٹر اور دوسرے آلات میز پر پڑے تھے یہاں ہیلی کاپٹروں کے ساتھ پرواز کے

دوران رابطہ قائم رکھا جاتا تھا۔

جب میں اس زیر زمین ہیلی پیڈ کے آہنی گیٹ سے نکل کر بڑے کمرے کی طرف چلا تو میرے ذہن میں کمانڈو آپریشن کی مکمل تفصیلات تیار ہو چکی تھیں، مگر سب سے پہلے مجھے یہاں کے اسرائیلی اور انڈین اسٹاف سے نمٹنا تھا میں نے ایک بار پھر اسکواڈرن لیڈر مسٹر کول سے اپنی سالگرہ کی باتیں شروع کر دیں ہم فلائنگ آفیسر چڈھہ کے کمرے میں آگئے اسے میری سالگرہ کا پتا چلا تو اس نے مجھے مبارک باد دی اور کہا کیپٹن! آپ ہمیں اپنے ہوٹل میں کب دعوت دے رہیں ہیں؟ میں نے دل میں کہا وہاں آنے کا تمہیں کبھی موقع نہیں دوں گا۔ میں نے چڈھہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "شریمان چڈھہ جی! میں تو آپ سے پارٹی لینے کی سوچ رہا ہوں اور الٹا مجھے پھنسا رہے ہیں۔"

مسٹر کول نے سگار سلگانے کے بعد کہا "مسٹر چڈھہ! فیصلہ ہو چکا ہے کیپٹن ملہوترہ ہمارے گیسٹ ہیں ان کے برتھ ڈے کی پارٹی ہم انہیں دیں گے۔"

چڈھہ بولا "لیکن سر! آج اور شاید کل بھی ہمیں جموں کینٹ جانا ہو گا پرسوں کا دن رکھ لیں" اس نے میری طرف دیکھا "کیپٹن ملہوترہ! آپ پرسوں تک تو یہیں پر ہوں گے نا؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں ابھی تو مجھے کئی جگہوں کی۔۔۔ سکیورٹی چیکنگ کرنی ہے" میں نے جلدی سے کہا بھلا مجھے کہاں جانا تھا ان پاکستان دشمنوں کو ٹھکانے لگائے بغیر میں وہاں سے کیسے جا سکتا تھا۔

فلائنگ آفیسر چڈھہ اب اسکواڈرن لیڈر کول کی طرف متوجہ ہو کر بولا "مسٹر! تو پھر پرسوں پارٹی رکھ لیں پرسوں تک ہم جموں کینٹ سے فارغ ہو جائیں گے۔"

"او کے کیپٹن!" مسٹر کول نے سگار کا ہلکا سا کش لگا کر کہا "پرسوں شام کو ہم تمہاری برتھ ڈے پارٹی دے گا۔" میں نے فوراً کہا لیکن وائین کی بوتل میں لاؤں گا بس اتنی مجھے اجازت دے دیں یہ میری خوشی ہے"

اس وقت میں نے جو اندازہ لگایا تھا تو تھنڈر بیس میں اسٹاف کے کوئی سترہ آدمی رہائش پذیر تھے یہ سب کے سب مجھے مل چکے تھے اور ان کے بارے میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ تھنڈر بیس کی تباہی کے بعد اگر یہ زندہ بچ جاتے ہیں تو دلی ہیڈ کوارٹر میں ان سے کبھی نہ کبھی سامنا ہو سکتا تھا اور پھر میری زندگی اور زندگی کا مشن خطرے میں پڑ سکتا تھا میرے دلی ہیڈ کوارٹر کے آفیسرز کو جب یہ پتا چلتا کہ میں اودھم پور کے تھنڈر بیس کی سکیورٹی چیک کرنے گیا تھا اور میرا نام کیپٹن ملہوترہ تھا اور میرے وہاں ہوتے ہوئے بھارتی ہیلی کاپٹروں کا پورے کا پورا اسکواڈرن تباہ و برباد ہو گیا تھا تو وہ مجھ پر شک کرنے میں حق بجانب ہوتے بلکہ ممکن ہے کہ مجھے فوراً حراست میں لے لیا جاتا یہی وجہ تھی کہ میں نے سارے کے سارے دشمن اسٹاف کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا میں نے اسکواڈرن لیڈر کول سے خاص طور پر اصرار کیا کہ میں چاہتا ہوں، میری برتھ ڈے پارٹی میں اسٹاف کے سارے ممبر شرکت

کریں جس پر اس نے مجھے یقین دلایا کہ سارا اسٹاف پارٹی میں شرکت کرے گا اور سب کو خوشی ہو گی۔
میں انہیں نمسکار کہہ کر واپس چل پڑا راستے میں 'میں نے تہ خانے میں جہاں اسلحہ پڑا تھا اس شیلف کو خاص طور پر ذہن میں نشان لگا لیا جہاں لائٹ سب مشین گنیں پڑی تھیں ان میں سے کسی ایک مشین گن کو میرے بہت کام آنا تھا یہ سب مشین گن میرے ہاتھوں میں آکر شعلے اگلنے کے لئے یقیناً بے چین ہو گی۔

میں جیپ میں بیٹھا میدان سے گزر کر بورڈنگ ہاؤس کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر آگیا دن روشن اور سرد تھا کہیں کہیں درختوں کے پتوں زرد ہونا شروع ہو گئے تھے گاڑی ایک طرف کھڑی کرنے کے بعد میں بورڈنگ ہاؤس کی لکڑی کی سیڑھی چڑھ کر برآمدے سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کی چابی لینے اندرانی کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو مجھے وہاں ایک ریشمی پھول دار شلوار قمیص اور کٹے ہوئے بالوں والی فیشن ایبل لڑکی کھڑی نظر آئی جس کی پشت میری طرف تھی یہ لڑکی اندرانی اور میرے درمیان میں تھی اور مجھے اندرانی دکھائی نہیں دے رہی تھی میں اپنے خیال میں اس لڑکی کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے اس کے قریب سے گزرنے ہی والا تھا کہ مجھے اس کا جملہ سنائی دیا میرے قدموں کو جیسے وہیں زمین نے پکڑ لیا وہ اندرانی سے کہہ رہی تھی "مگر مجھے کیپٹن ملہوترہ کے ایک کولیگ نے بتایا ہے کہ وہ اسی بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"
یقیناً یہی لڑکی کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ اوشا تھی جو انبالہ چھاؤنی سے اپنی کالج کی سہیلیوں کے ساتھ جموں آئی تھی اور اب اپنے محبوب کیپٹن کو ملنے اودھم پور آئی تھی۔
میں وہیں سے ایک طرف گھوم گیا اور قریب ہی الماری میں لگی ہوئی کتابوں اور باہر لٹکے رسالوں اور اخبارات کو دیکھنے لگا اندرانی نے کوڈ الفاظ میں مجھے وہاں سے چلے جانے کو کہا میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ اوپر راہداری میں آکر اپنے مقفل کمرے کے آگے ٹہلنے لگا۔۔۔ اوشا کی شکل میں ایک نئی مصیبت آگئی تھی اندرانی نے اسے کہہ دیا تھا کہ کیپٹن ملہوترہ نام کا کوئی شخص اس کے بورڈنگ ہاؤس میں نہیں ٹھہرا ہے اس کے باوجود یہ لڑکی میرے لئے مشکل پیدا کر سکتی تھی میں اپنے کمانڈو آپریشن کے نقطہ عروج پر تھا میں سردھڑ کی بازی لگا چکا تھا ایسے وقت میں مجھے کسی کی مداخلت کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔
اپنے کمرے کے آگے ٹہلنا بھی مناسب نہیں تھا میں قدم قدم چلتا ہوا سیڑھیوں کے پاس آکر رک گیا مجھے نیچے سے اوشا یا اندرانی کی آواز نہیں آرہی تھی میں سیڑھیاں اترنے لگا سامنے کاؤنٹر کی طرف نگاہ اٹھائی 'اوشا وہاں پر نہیں تھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کاؤنٹر پر پہنچا اندرانی نے بورڈ پر سے چابی اتار کر میری طرف بڑھائی اور دبی زبان میں کہا "یہ کوئی اوشا تھی 'کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ گرین ہوٹل اودھم پور میں ایک سہیلی کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے اس سے ہوشیار رہنا یہ ملہوترہ کی تلاش

میں ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کمرے میں آگیا کمرے میں آتے ہی میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی اور خفیہ جگہ پر سے سائی نائیٹ زہر کا کیپسول نکالا کاپی میں سے ایک سفید ورق پھاڑ کر میز پر بچھایا اور بڑی احتیاط سے کیپسول کا چھوٹا سا ڈھکنا کھول کر زہر کو کاغذ پر گرا دیا یہ زردی مائل باریک سفوف تھا کچھ دیر میں اس قاتل زہر کو دیکھتا رہا جس میں کم از کم ایک سو آدمیوں کو ہلاک کر دینے کی طاقت موجود تھی اور جس سے مجھے سولہ سترہ آدمیوں کو اگلی دنیا میں پہنچانے کا کام لینا تھا زہر کے سفوف کو میں نے دوبارہ کیپسول میں بند کر کے خفیہ جگہ پر چھپا دیا' پھر غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔

اصلی کیپٹن ملہوترہ کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور کمرے میں ہی ناشتا منگوا لیا ناشتے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر پلنگ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو کر اپنے منصوبے کی بکھری ہوئی کڑیوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے لگا ابھی برتھ ڈے پارٹی میں دو دن باقی تھے اس دوران میں اگر کنویں میں سے اصلی کیپٹن ملہوترہ اور اس کے باڈی گارڈز کی لاشوں نے بدبو دینا شروع کر دی تو معاملہ خراب ہو سکتا تھا کبھی خیال آتا کہ کنواں بہت گہرا ہے شاید وہاں سے تعفن باہر نہ آئے گا' پھر سوچتا کہ اگر ایسا ہو گیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی لیکن لاشوں کے چہرے مسخ ہو چکے ہوں گے اور پھر تھنڈر بیس کے اسٹاف میں سے کسی نے کیپٹن ملہوترہ کو نہیں دیکھا وہ یہی سمجھیں گے کہ کسی نے دشمنی کی بنا پر انہیں قتل کر کے کنویں میں پھینک دیا ہے کیونکہ کیپٹن ملہوترہ اور اسکا باڈی گارڈ فوجی وردی میں نہیں تھے اور کیپٹن ملہوترہ نے تو میرے سویلین کپڑے پہنے ہوئے تھے اس ادھیڑبن میں کافی وقت گزر گیا میں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ شہر سے وائین کی بڑی بوتل لاؤں گا تاکہ گلاسوں میں اگر وہ تھوڑی تھوڑی بھی ڈالی جائے تو سولہ سترہ آدمیوں کے لئے کافی ہو جائے ایک ریوالور میرے پاس ضرور تھا جس کے میگزین میں بارہ گولیاں بھری ہوئی تھیں برتھ ڈے پارٹی والے دن میں اسے ساتھ لے کر جا سکتا تھا لیکن وہاں ریوالور مجھے دور کے نشانے میں دھوکا دے سکتا تھا اس لئے میری نظر میگزین والے کمرے میں موجود لائٹ سب مشین گن پر تھی جو مجھے اپنے منصوبے کے پہلے مرحلے پر عمل کرنے کے بعد فوراً حاصل کر لینی تھی اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے جلدی سے لپک کر میز کی دراز میں سے ریوالور نکالا اور دروازے کے قریب جا کر پوچھا کہ کون ہے؟ دوسری طرف سے بورڈنگ ہاؤس کے بوڑھے بیرے رامو کی آواز آئی " سر! کپڑے استری کروانے ہوں تو دے دیجئے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا کہ میرے کپڑے استری ہو چکے ہیں رامو نے اچھا صاحب! کہا اور چلا گیا میں نے ریوالور کو میز کی نچلی دراز میں رکھ کر چابی لگا دی دن کے پونے گیارہ کا ٹائم ہو رہا تھا سوچا کہ کیوں نہ شہر میں چل کر وائین کی بوتلوں کا جائزہ لیا جائے اگر ہو سکے تو مجھے آج ہی

ایک بوتل خرید کر رکھ لینی چاہیئے یہ سوچ کر میں نے بالوں میں کنگھی پھیری تولئے سے چہرہ پونچھا اور کمرے کو تالا لگا کر چابی اندرانی کے حوالے کی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اودھم پور کے شہر کی طرف چل پڑا شہر کی گنجان آبادی کے ایک بڑے بازار کے آخری کونے پر ام الخبائث کا ٹھیکہ تھا میں ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آیا ہی تھا کہ سامنے سے انڈین ائر فورس کی ایک جیپ آتی دکھائی دی میں نے اپنی جیپ ایک طرف کر لی تاکہ وہ گزر جائے کیونکہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔

جیپ ذرا قریب آئی تو میرا دل دھک سے رہ گیا اس میں فلائنگ آفیسر مسٹر چڈھہ سوار تھا اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر وہی لڑکی اوشا بیٹھی تھی چڈھہ نے مجھے ہاتھ کا اشارہ کیا اور جیپ میرے پاس لا کر روک دی میں نے بھی بریک لگا دی۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں میں نے سوچ لیا کہ اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔

مسٹر چڈھہ نے لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیپٹن ملہوترہ! کیا بات ہے تم نے مس اوشا کو نہیں پہچانا؟"

مسٹر چڈھہ مسکرا رہا تھا۔ اوشا میری طرف حیرت بھری نظروں سے تک رہی تھی۔ اس نے فلائنگ آفیسر چڈھہ کی طرف دیکھ کر کہا "لیکن سر! یہ ۔۔۔ یہ میرا مطلب ہے کہ ۔۔" عین اسی وقت میں اچھل کر سیٹ پر سے باہر نکلا اور اوشا کی طرف بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا "ہیلو ڈارلنگ اوشا تم کب آئیں؟"

اوشا بوکھلا سی گئی وہ سست سی گئی مگر میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جیپ کی طرف لے جاتے ہوئے اس کے کان میں کہا "یہ ٹاپ سیکرٹ ہے مس اوشا کیپٹن ملہوترہ ایک دوسری جگہ پر ہیں پھر مسٹر چڈھہ کی طرف دیکھ کر میں نے مسکرا کر کہا "تھینک یو مسٹر چڈھہ ۔۔۔ سو لانگ۔"

"سو لانگ"

فلائنگ آفیسر چڈھہ جیپ کو لے کر آگے بڑھ گیا ۔۔ اوشا گھبرائی ہوئی سی تھی میں نے اسے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا وہ بیٹھ گئی اور مجھ سے پریشانی کے انداز میں پوچھا کہ کیپٹن ملہوترہ کہاں ہیں؟ تم کون ہو؟

میں نے جیپ اسٹارٹ کرنی چاہی تو اوشا نے ۔۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ دیا میں نے بھارت کی لڑکیوں میں اعتماد کا جذبہ کچھ زیادہ ہی دیکھا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ متوسط اور اوپر والے طبقے کی لڑکیوں کی پرورش آزادانہ ماحول میں ہوتی ہے اوشا ایک خوش شکل نوجوان لڑکی تھی گال پر بائیں جانب ایک چھوٹا سا تل تھا رنگ ہلکا گندمی تھا اور وہ انگریزی بڑی روانی سے بولتی تھی میری طرف وہ غور سے دیکھتے ہوئے بولی "کیپٹن ملہوترہ کہاں ہیں؟"

انڈین فلائنگ آفیسر چڈھہ جا چکا تھا اب میں پوری آزادی اور اعتماد سے بات کر سکتا تھا میں نے

کہا" میڈم! یہ نیشنل سیکورٹی کا معاملہ ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو کیپٹن مسکرا کر دیکھا اور بولی"
اس طرف آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ آپ قلعے والے فوجی علاقے کی طرف گئی تھیں ہر گرین ہوٹل میں
اوشا نے سانس بھر کر کہا" ہاں مجھے کیپٹن ملہوترہ نے فون کیا تھا کہ وہ اسی رانی وہاں ایک
کے ایک کولیگ نے بتایا کہ وہ اندرانی بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہے وہاں گئی تو معلوم ہو کو بہت
کوئی فوجی افسر وہاں نہیں ہے تنگ آکر میں واپس قلعے کی طرف جا رہی تھی کہ فلائنگ آفیسر مسکرا ا
مل گئے میں نے ان سے بات کی تو وہ مجھے اسی بورڈنگ ہاؤس کی طرف لے کر آ رہے تھے کہ تم سامنے
سے مل گئے پہلے یہ بتاؤ کہ فلائنگ آفیسر نے تمہیں کیپٹن ملہوترہ کیوں کہا؟" کیا تم کیپٹن ملہوترہ کا
روپ بدل کر آئے ہوئے ہو؟"

میں نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا" میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ نیشنل سیکورٹی کا مسئلہ ہے ۔۔ کیپٹن ملہوترہ انبالہ چھاؤنی سے ضروری سیکورٹی چیکنگ کے لئے چلے تھے مگر ایک خاص پلاننگ کے تحت ہم نے انہیں چندی گڑھ ہی میں ایک جگہ روک لیا اور ان کی جگہ مجھے کیپٹن ملہوترہ کے کاغذات دے کر یہاں بھیج دیا گیا اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کیونکہ یہ ہماری ملٹری انٹیلی جینس کا ٹاپ سیکرٹ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں پوچھنا بھی نہیں چاہئے"

اوشا مجھے کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا" کیا میں چندی گڑھ میں کیپٹن ملہوترہ سے فون پر بات کر سکتی ہوں؟"

میں نے کہا" میڈم! ہم آپ کو کیپٹن صاحب کا فون نمبر کیسے بتا سکتے ہیں؟ یہ ہمارا ٹاپ سیکرٹ ہے۔"

اسی وقت مجھے خیال آیا کہ لڑکی کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہئے ورنہ یہ میرے لئے تباہ کن بھی ثابت ہو سکتی ہے میں نے اپنا چہرہ سنجیدہ بنا لیا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر کہا" میڈم! اگر آپ وعدہ کریں کہ اپنی کسی سہیلی وغیرہ سے بات نہیں کریں گی تو میں کیپٹن ملہوترہ سے آپ کی بات کرا سکتا ہوں۔

لڑکی کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا" پلیز۔۔۔ میری بات کرا دیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ کسی سے اس کا ذکر نہیں کروں گی۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ گرین ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے اس سے پوچھا" آپ کہاں ٹھہری ہیں؟"

اس نے گرین ہوٹل کا نام لیا اور بتایا کہ وہ صرف دو دن کے لئے اپنی سہیلیوں کے ساتھ اودھم پور آئی ہوئی ہے پرسوں واپس جموں چلی جائے گی۔

میں نے اس سے کہا" میڈم! میں آج اور کل تو آپ کی بات نہیں کروا سکتا ہاں دو دن کے بعد

ایک بوتل خرید کر رکھ لینی ہے ۔"
کمرے کو تالا لگا کر چابی لیں پڑ گئی پھر چونک کر بولی " ٹھیک ہے میں ایک روز اور ٹھہر جاؤں گی میرا فون نمبر لکھ
پڑا شہر کی گنجان آبادی تم کیا ہے ؟"
نکل کر سڑک پر نے کہا " میں اپنا نام ظاہر نہیں کر سکتا میڈم ! ۔۔۔ آئی ایم سوری مگر میں پرسوں شام فون
ایک روز ں گا "

اوشا نے مجھے گرین ہوٹل کا فون نمبر اور اپنے کمرے کا نمبر لکھوا دیا اور جیپ سے اتر کر پہاڑی بل کھاتی ہوئی سڑک پر شہر کی طرف چلنے لگی میں نے سارے معاملے کو اتنا پر اسرار بنا دیا تھا کہ اب اسے گرین ہوٹل تک لفٹ نہیں دے سکتا تھا میں نے وہیں سے جیپ واپس موڑی اور بورڈنگ ہاؤس میں آگیا اندرانی کاؤنٹر پر نہیں تھی میں اس کے کمرے میں بیٹھ گیا جہاں لوگ بیٹھ کر چائے وغیرہ پیتے تھے میں نے سگریٹ سلگا لیا اور اوشا کے بارے میں غور کرنے لگا اگرچہ میں نے اسے پوری طرح سے اپنی گرفت میں کر لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ کسی سے کیپٹن ملہوترہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرے گی ، پھر بھی اس کی طرف سے میرے دل میں ایک دبدھا سی لگ گئی تھی کہ کہیں یہ لڑکی کسی سے کوئی بات نہ کر بیٹھے یہی کہ یہاں ایک شخص کیپٹن ملہوترہ بن کر سکیورٹی چیکنگ کے لئے آیا ہوا ہے میں نے اندرانی کو دیکھا کہ ۔۔۔ وہ برامدے سے گزر کر کاؤنٹر پر آکر بیٹھ گئی اس نے گوشہ چشم سے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا میں اوشا کے بارے میں اس سے مشورہ کرنا چاہتا تھا دن کے وقت میں اوشا کو اپنے کمرے میں نہیں بلا سکتا تھا یہ بات کاؤنٹر پر ہی ہو سکتی تھی اس وقت موقع بھی تھا لوگ ناشتا وغیرہ کر کے جا چکے تھے کاؤنٹر خالی تھا میں آہستہ سے اٹھ کر اندرانی کے پاس آگیا۔ میں نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور اس پر کچھ درج کرتے ہوئے بولا " اوشا کو ایک فلائنگ آفیسر یہاں لے آیا تھا "

اندرانی ذرا چونکی یونہی میز کی دراز کھول کر کچھ تلاش کرتے ہوئے بولی " مجھے مختصر بتاؤ کیا بات ہوئی ہے پھر اس دراز سے ایک ٹورسٹ رسالہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور ایک تصویر پر انگلی رکھ کر بولی " کوئی آئے تو اس پہاڑ کے بارے میں باتیں شروع کر دینا اب بتاؤ ! اوشا کو تم نے کیا کہا ؟" میں نے مختصر الفاظ میں اندرانی کو سارا واقعہ بیان کر دیا وہ متفکرانہ انداز میں رسالے کے ورق الٹنے لگی اور بولی " اس لڑکی کو راستے سے ہٹا دو "

میں نے رسالے کی ایک رنگین تصویر پر انگلی رکھ دی اور کہا " یہ اسپاٹ کشمیر میں کس جگہ پر ہے ؟" اس کے ساتھ ہی دھیمی آواز میں کہا " کیا تم سمجھتی ہو کہ کیپٹن ملہوترہ سے فون کروانے کا لالچ اس کی زبان کو بند نہیں رکھے گا ؟"

اندرانی کی نظریں رسالے پر جمی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ اس کے ورق الٹ رہی تھی کہنے لگی " میں کچھ نہیں کہہ سکتی تمہارا مشن ایک عام لڑکی کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے " میں نے جواب دیا

"کیا تم اوشا کی نگرانی نہیں کروا سکتیں ؟"

اندرانی نے رسالے کو بند کر کے دراز میں رکھتے ہوئے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی " میرے لئے یہ ناممکن ہے " وہ ٹھیک کہہ رہی تھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ گرین ہوٹل میں رہنے والی کسی لڑکی کے پیچھے کوئی آدمی یا عورت لگا دے جو اس کی نگرانی کرتی رہے اندرانی وہاں ایک ایسے سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہی تھی جس نے بظاہر اپنی زندگی کی مصروفیات کو بہت محدود ظاہر کر رکھا تھا اس کی صرف ایک ایجنٹ تھی مارگریٹ ۔۔ اور مارگریٹ کا دائرہ کار صرف ٹیلی گراف آفس تک ہی محدود تھا میں کاؤنٹر سے ہٹ کر باہر آگیا۔

جیپ پکڑی اور اودھم پور شہر کی طرف ایک بار پھر روانہ ہو گیا ٹھیکے کی دکان میں نے دیکھی ہوئی تھی دوپہر کے وقت بھی ٹھیکے پر گاہک چلے آ رہے تھے چونکہ وہاں شراب وغیرہ پر پابندی نہیں تھی اس لئے ٹھیکے پر گاہکی رہتی تھی میں نے اس وقت ٹھیکے پر جانا مناسب نہ خیال کیا اور جیپ کے نکال کر لے گیا گرین ہوٹل میں نے دیکھا نہیں تھا بڑے بازار سے نکلتے ہی میں نے جیپ روک کر ایک آدمی سے گرین ہوٹل کا پتا پوچھا اور اس طرف چل پڑا یہ ہوٹل شہر کے مغربی کنارے پر ایک پر فضا باغ کے کنارے پر تھا تین منزلہ ڈھلانی چھت والا ہوٹل تھا میں نے دور ہی سے اس کو غور سے دیکھا اور اس کے پیچھے سے ہوتا ہوا اپنے بورڈنگ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔

دوپہر کا کھانا کمرے میں ہی کھانے کے بعد ' میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا جب آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو رہا تھا یونہی خیال آیا کہ تھنڈر بیس والے قلعے کی طرف چلنا چاہئے اندھے کنویں میں دو لاشیں پڑی تھیں اس وقت تک ضرور قلعے کے سپاہیوں کو اس کا علم ہو چکا ہو گا۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور جیپ لے کر تھنڈر بیس کی طرف چل دیا۔

میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا قلعے کے اردگرد لاشوں کی بدبو پھیلی ہوئی تھی کچھ سپاہی اسکواڈرن لیڈر مسٹر کول اور فلائنگ آفیسر چڈھ وہاں موجود تھے ان سب نے منہ پر رومال باندھ رکھے تھے دونوں لاشیں جو مسخ ہو چکی تھیں ' انہوں نے اپنی نگرانی میں کنویں سے نکلوا کر سامنے زمین پر ڈال رکھی تھیں میں وہاں پہنچا تو چہرے پر حیرت کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے پوچھا " سر! یہ کیا ہے ؟ یہ لاشیں کہاں سے آگئیں ؟"

میں نے جلدی سے رومال نکال کر منہ پر رکھ لیا اسکواڈرن لیڈر کول نے کہا " کوئی ان کو قتل کر کے لاشیں کنویں میں پھینک گیا تھا یہ سارا علاقہ آؤٹ آف باؤنڈ ہے یہاں تک کوئی سویلین آیا کیسے ؟"

کول نے سپاہیوں کو لاشیں جلانے کا حکم دیا اور مجھے لے کر قلعے کے اندر آگیا میں ' اسکواڈرن لیڈر کول اور فلائنگ آفیسر چڈھ بڑے کمرے میں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

کول کہنے لگا " لاشیں بالکل مسخ ہو چکی تھیں پھر بھی میں نے ان کی تصویریں اتروالی ہیں یہ

کیس میں ابھی پولیس کو نہیں دوں گا مجھے تو ٹیو تاثر لگتا ہے کسی سویلین کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ لاشیں یہاں لائے اور انہیں کنویں میں پھینک کر چلا جائے میں نے سکیورٹی گارڈ کو معطل کر دیا ہے "

چیڈہ کہنے لگا " سر! ادھر لوگوں میں زمینوں کی ۔۔۔ دشمنیاں چلتی رہتی ہیں قتل بھی ہوتے رہتے ہیں "

کول بولا " مگر ہمارا سکیورٹی کا علاقہ ہے ادھر کوئی لاشوں کو لے کر کیسے آگیا؟ "

میں نے دونوں لاشوں کو کنویں میں پھینکنے سے پہلے ان کی جیبوں سے سارے کاغذات نکال کر جلا ڈالے تھے اسکواڈرن لیڈر کول نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا " کیپٹن! مجھے امید ہے کہ تم اس بارے میں ملٹری انٹیلی جینس کو رپورٹ نہیں کرو گے کیونکہ یہ سویلین مرڈر کا کیس ہے "

میں مسٹر کول کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا مسکراتے ہوئے کہا " سر! میں سمجھتا ہوں آپ بے فکر رہیں اگرچہ یہ سکیورٹی کا معاملہ ہے اس کے باوجود میں ہیڈ کوارٹر کو دی جانے والی اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر نہیں کروں گا ۔ "

میں نے دیکھا کہ مسٹر کول نے اطمینان کا سانس لیا اس کے سر سے جیسے بھاری بوجھ اتر گیا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر میں رپورٹ کر دیتا ہوں تو اس کے خلاف انکوائری ہو سکتی تھی اسکواڈرن لیڈر نے میرا شکریہ ادا کیا اور میرے لئے چائے منگوائی وہاں اسرائیلی گروپ کیپٹن مسٹر ساول بھی آگیا اس نے کنویں سے نکلنے والی لاشوں کے بارے میں صرف اتنا کہا کہ اب ان کی بدبو ختم ہو گئی ہے گارڈز نے دونوں لاشوں کو جلا ڈالا تھا۔

فلائنگ آفیسر چیڈہ چہک کر بولا " فارگیٹ اٹ سر! بائی دی وے میرے پاس شمپیئن تھوڑی سی ہے کیپٹن! تم پینا پسند کرو گے؟ "

میں نے ایک ضروری کام کا بہانہ بنا کر معذرت پیش کر دی پھر مسٹر کول کو ساتھ لیا اور قلعے کے اسلحہ ڈپو میں سکیورٹی چیک کے لئے آگیا یہاں بھی اسلحہ سے بھری ہوئی پیٹیاں پڑی تھیں مسٹر کول نے بتایا کہ ان میں مائنز کی بھی بھاری تعداد موجود ہے میں دل میں اندازہ لگا رہا تھا کہ جب یہ سارے کا سارا اسلحہ ایک دھماکے سے پھٹا تو ایک بار تو سارا شہر ہل جائے گا اس جگہ کسی ٹائم بم کا رکھا جانا بہت ضروری تھا ٹائم بم یا دستی بم کے بغیر یہ اسلحہ نہیں پھٹ سکتا تھا یا پھر کسی طریقے سے یہاں آگ لگا دی جائے میری توجہ آگ پر ہی تھی کیونکہ نہ تو میں یہاں ٹائم بم لگانے کی پوزیشن میں تھا اور نہ میں وہاں سے کوئی ہینڈ گرنیڈ حاصل کر سکتا تھا انہیں خیالات میں غلطاں میں انڈین اسکواڈرن لیڈر کے ساتھ اسلحہ ڈپو سے باہر آگیا۔

اسٹاف کی اکثر نفری جموں چھاؤنی گئی ہوئی تھی میں نے جان بوجھ کر اسکواڈرن لیڈر سے اپنی کل والی برتھ ڈے پارٹی کا ذکر چھیڑ دیا " سر! میں چاہتا ہوں کہ برتھ ڈے پارٹی بڑی شاندار ہو اگر میں

انبالے میں ہوتا تو آپ کو گھر کا بنا ہوا لذیذ ترین کیک کھلاتا میری پتنی کا کیک بنانے میں جواب نہیں ۔"

اسکواڈرن لیڈر نے مسکرا کر کہا " کبھی آپ کے ہاں انبالے بھی ضرور آئیں گے کیپٹن ملھوترہ! لیکن کل کی پارٹی کے لئے ہم نے خاص طور پر کیک کا آرڈر دے رکھا ہے جموں کی ایک بیکری میں بڑے شاندار کیک تیار ہوتے ہیں چھاؤنی میں وہی بیکری کیک وغیرہ سپلائی کرتی ہے مجھے امید ہے کہ تم اسے پسند کرو گے ۔"

باتوں ہی باتوں میں ' میں نے یہ تسلی کرلی کہ کل شام کو اسٹاف کے سارے ممبر تھنڈر بیس کے ہال کمرے میں موجود ہوں گے یہ لوگ مجھے رات کے کھانے تک روکنا چاہتے تھے لیکن میں نے معذرت پیش کر دی جب میں جیپ میں بیٹھ کر جانے لگا تو ۔۔ فلائنگ آفیسر چڈھو کہنے لگا " کیپٹن! تمہاری گرل فرینڈ ہمارے کمانڈ ہیڈ کوارٹر کی طرف آرہی تھی وہ تو اچھا ہوا کہ میں اسے راستے ہی میں مل گیا تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہاں کس قدر سیکورٹی ہے " پھر شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا " مجھے امید ہے تم نے اچھا وقت گزارا ہوگا ۔"

میں بھی مسکرا دیا " او کے مسٹر چڈھو! کل ملیں گے میں شام تک پہنچ جاؤں گا "

وہ کہنے لگا " تمہیں جلدی آجانا چاہئے کیپٹن! ہم چار بجے پارٹی اوپن کر دینا چاہتے ہیں سبھی پینے پلانے والے ہیں بڑی دیر بعد کہیں ایسی پارٹی کا موقع ملا ہے ۔"

" میں کوشش کروں گا کہ جلدی آجاؤں ۔"

میں جیپ نکال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا ۔ بورڈنگ ہاؤس میں آیا تو رات ہو چکی تھی روشنیاں ہو رہی تھیں میں چابی لینے کاؤنٹر پر آیا تو اندرانی شیلف میں لگی ہوئی چابی اتار کر میری طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے بولی " وہ لڑکی تمہارا انتظار کر رہی ہے اسے یہاں آنے سے روک دو ۔" پھر مسکرا کر اونچی آواز میں بولی " سر! کھانا آپ کمرے میں کھائیں گے یا ڈائننگ روم میں آکر؟"

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عام گاہک کی طرح کہا " میں کمرے ہی میں کھانا پسند کروں گا ۔"

دل میں اوشا کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ یہ بد بخت ۔۔۔ اب یہاں کیا لینے آگئی ہے میں کاؤنٹر سے مڑا ہی تھا کہ اوشا کرسی سے اٹھ کر میری طرف بڑھی میں نے اسے برآمدے میں آنے کا اشارہ کیا برآمدے میں ذرا اندھیرا تھا میں اسے ایک طرف لے گیا اور قدرے ترش روئی سے کہا " مس اوشا! میں نے آپ کو ادھر آنے سے منع کیا تھا کیا آپ کو اپنے بھارت دیش کی سکیورٹی کا بھی کوئی خیال نہیں ہے؟"

اوشا معذرت کرنے لگی " سر! مجھے افسوس ہے ' مگر میں نے آج صبح کیپٹن ملھوترہ کے گھر اس کی چھوٹی بہن کو فون کیا تھا تو وہ بڑے پریشان تھے کیونکہ کیپٹن ملھوترہ ' جب بھی کسی دورے پر جاتے ہیں تو گھر ہر روز فون کرتے ہیں ماتا جی بھی کہہ رہی تھیں کہ ان کے بیٹے کا دو تین دن سے کوئی

فون نہیں آیا۔"

یہ بات میرے لئے بڑی پریشانی کی تھی کیپٹن ملہوترہ کی ماتا نے اگر اس کے انبالے چھاؤنی والے آفس میں فون کر کے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو دفتر والے تھنڈر بیس میں فون کریں گے اور خواہ مخواہ ایک الجھن کھڑی ہو سکتی تھی۔

میں نے اوشا سے کہا "تم نے انہیں بتایا نہیں کہ یہ ٹاپ سیکرٹ ٹور ہے کیپٹن ملہوترہ کا اور وہ جہاں بھی ہے، خیریت سے ہے؟"

اوشا جھٹ بولی "سر! میں نے ان کی تسلی کر دی تھی کہ کیپٹن بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور معاملہ ایسا ہے کہ وہ گھر پر فون نہیں کر سکتا اور آپ پریشان نہ ہوں۔"

میں نے اوشا سے پوچھا "اب تم یہاں کیا کرنے۔۔ آئی ہو؟"

اوشا نے بڑی عاجزی سے کہا "سر! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ آج کیپٹن سے میری فون پر بات کرا دیں۔"

میں نے اوشا کو ڈانٹ دیا "مس اوشا! مجھے افسوس ہے کہ تم ایک پڑھی لکھی عورت ہوتے ہوئے بھی اس قسم کی غیر ذمے دارانہ باتیں کر رہی ہو میں نے صرف تمہارے جذبات کا خیال کرتے ہوئے تم سے حامی بھری تھی کہ۔۔۔ کیپٹن ملہوترہ سے تمہاری فون پر بات کرادوں گا ورنہ مجھے کسی حالت میں بھی ایسا نہیں کرنا چاہئے میں اپنی نوکری کا خطرہ مول لے کر ایسا کر رہا ہوں کیا تم چاہتی ہو کہ میرا کورٹ مارشل ہو جائے اور کیپٹن ملہوترہ کو بھی نوکری سے ڈس مس کر دیا جائے؟"

اوشا نے فوراً مجھ سے معافی مانگی اور بولی "نہیں، نہیں سر! میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔۔ ہرگز نہیں چاہتی"

میں نے کہا "تو پھر ایک دن مزید انتظار کرو پرسوں دوپہر کے دو بجے میں تمہیں گرین ہوٹل سے آ کر لے جاؤں گا۔ تم اپنے کمرے ہی میں رہنا، پھر ہم ٹیلی فون آفس جا کر کیپٹن ملہوترہ سے بات کریں گے اوکے، اب تم جاؤ اور دوبارہ اس بورڈنگ ہاؤس میں قدم نہ رکھنا۔"

"اوکے سر! میں جا رہی ہوں آئی ایم سوری! میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے نمسکار کیا اور برآمدے میں سے گزر کر سیڑھیاں اتر کر بورڈنگ ہاؤس کے لان سے گزر گئی۔ میں برآمدے کے نیم روشن کونے میں کھڑا اسے سڑک پر جاتے دیکھتا رہا ویسے مجھے یقین تھا کہ یہ لڑکی کم از کم کل شام تک خاموش رہے گی مجھے اس پر یقین کرنا ہی پڑ رہا تھا ابھی میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ۔۔۔ براہ راست میرے مشن میں حائل نہیں ہو رہی تھی اگر ایسی بات ہوتی تو اب تک اس نوجوان لڑکی کی لاش بھی ادھم پور کی پہاڑیوں کی کسی کھڈ میں پڑی گلی سڑی ہوتی اندرانی سے میں نے کوئی بات نہ کی اور اپنے کمرے میں آ گیا رات کو کھانا کھا کر

سو گیا دوسرے دن شام کو میری برتھ ڈے پارٹی تھی' جو شاید تھنڈر ہیس والے قلعے کے انڈین فضائیہ کے اسٹاف ممبران کی زندگیوں کی آخری پارٹی تھی وائین کی بوتل لانے کا کام میں صبح صبح ہی انجام دے دینا چاہتا تھا کیونکہ پھر ٹھیکے پر لوگوں کی آمدو رفت کا تانتا بندھ جاتا تھا۔ ٹھیک دس بجے کھلتا تھا۔

ناشتا کرنے کے بعد' میں اپنے کمرے ہی میں بیٹھا رہا ٹھیک دس بجے میں بورڈنگ ہاؤس سے اپنی جیب میں نکل کھڑا ہوا ٹھیکے کا سکھ مالک اپنی گدی پر بیٹھا تھا میں نے دکان میں داخل ہو کر ایک ایسی وائین کی بوتل کو پسند کیا جس کا سائز بڑا تھا اور جو گتے کے خوب صورت ڈبے میں بند تھی قیمت ادا کر کے میں واپس چل پڑا کمرے میں آکر دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھائی اور وائین کی بوتل کو اپنے سامنے میز پر رکھ کر اس کی پیکنگ کو چاروں طرف سے دیکھا۔ گتے کے ڈبے پر کوئی ٹیپ نہیں لگی تھی میں نے ڈبا کھول کر بوتل کو باہر نکال لیا یہ ایک ایسی بوتل تھی' جس کا پیندا چوڑا تھا اس پر خوب صورت لیبل لگا تھا ڈھکنا ایسا تھا کہ جو مشین سے بند کیا گیا تھا اور تھوڑا سا گھما کر کھل جاتا تھا۔ مجھے بہر حال اسے کھولنا ہی تھا انتہائی احتیاط کے ساتھ میں نے سنہرے ڈھکنے کو ہتھیلی میں جما کر آہستہ سے بائیں جانب گھمایا کلک کی آواز کے ساتھ ڈھکنا کھل گیا اب میں نے خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھا ہوا سائی نائیٹ زہر کا کیپسول نکالا اسے کھولا اور پھر سارے کا سارا سفوف وائین کی بوتل میں گرا دیا۔۔۔ وائین کا کلر سرخ تھا مجھے ڈر تھا کہ زہر کے ملانے سے وائین کا رنگ بدل نہ جائے مگر ایسا نہیں ہوا وائین کا رنگ سرخ ہی رہا میں نے بوتل کو آہستہ سے تھوڑی دیر ہلایا پھر ڈھکنا بند کر کے بوتل کو گتے کے ڈبے میں بڑی احتیاط سے دوبارہ پیک کیا اور اسے میز کی نچلی دراز میں بند کر کے تالا لگا دیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے کسی طریقے سے یہ اطمینان بھی کر لینا چاہئے کہ کیا یہ زہر ہی ہے ؟ کہیں اندرانی کو ملاوٹی زہر دیا گیا ہے ان کے پیٹ میں درد شروع ہو جائے معاملہ گڑ بڑ ہو سکتا تھا مجھ پر نہ صرف شبہ کیا جاتا بلکہ مجھے اسی وقت حراست میں بھی لیا جا سکتا تھا اس زہر سے کام لینے کے لئے میں اس لئے تیار ہو گیا تھا بلکہ اس زہر کو بنیاد بنا کر میں نے ساری اسکیم اس لئے تیار کی تھی کہ میں جانتا تھا کہ یہی ایک ایسا زہر ہے جو آدمی کو زبان سے ایک لفظ بھی ادا کرنے' بلکہ درد کا اظہار کرنے کی بھی مہلت نہیں دیتا اور آناً فاناً آدمی کا خاتمہ ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ اس زہر کا آج تک کوئی ذائقہ تک نہیں بتا سکا تھا سوال یہ تھا کہ میں زہر کو چیک کیسے کروں ؟ یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ زہر سائی نائیٹ ہی ہے۔

سوچتے سوچتے میں نے دو تین سگریٹ پھونک ڈالے آخر ایک ترکیب میرے ذہن میں آگئی میں نے اپنے سوٹ کیس کی تلاشی لی مجھے کوئی چھوٹی شیشی نہ ملی چھوٹی شیشی میں زہریلی وائن ڈالنے کا بھی ایک مسئلہ تھا سوچ سوچ کر ایک طریقہ مجھے سوجھ گیا میں کمرے سے نکل کر راہداری میں آگیا بورڈنگ ہاؤس کا ایک بیرا وہاں سے گزر رہا تھا میں نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اسے دیا اور کہا کہ مجھے آنکھ میں دوائی ڈالنی ہے مجھے بازار سے ایک ڈراپر لا دو۔ وہ نوٹ لے کر چلا گیا میں کمرے

میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا میں نے ریڈیو لگا دیا اور آل انڈیا ریڈیو جموں سے پنجابی گیت سننے لگا کوئی آدھے گھنٹے بعد بیرے نے مجھے ڈراپر لا کر دیا۔

جب وہ چلا گیا تو میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا وائین کی بوتل نکال کر اسے کھولا پھر انتہائی احتیاط سے ڈراپر کا منہ بوتل میں ڈال کر اس میں زہری وائین کے چند قطرے بھر لئے ڈراپر کو آرام سے میز پر رکھا بوتل کا ڈھکنا بند کیا اسے ڈبے میں پیک کر کے دراز میں رکھا۔۔۔ اور تالا لگایا زہریلی وائین سے بھرے ہوئے ڈراپر کو بڑے اہتمام سے ایک کاغذ میں لپیٹ کر سگریٹ کی خالی ڈبی میں اس طریقے سے ڈال کر بند کر دیا کہ اس پر دباؤ نہ پڑے ڈبی کو جیب میں ڈالا اور کمرے کو تالا لگا کر جیپ میں بیٹھ کر ادھم پور شہر کے اس بازار میں آگیا' جہاں مرغیاں وغیرہ بکتی تھیں جیپ ایک طرف کھڑی کر کے میں ایک دکان پر گیا ایک موٹی تازی مرغی خرید کر اسکے پاؤں بندھوائے اور جیپ میں اپنی دوسری سیٹ پر ڈالی وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میرا رخ شہر کے ویران علاقے کی طرف تھا جب شہر کے کھیت کھلیان پیچھے رہ گئے اور میں ایک سنسان نشیبی علاقے میں آگیا تو جیپ کچی سڑک کی ایک جانب کھڑی کر دی باہر نکل کر جیپ کا بونٹ اٹھایا اور یہ ظاہر کیا کہ جیسے جیپ کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے میں نے ایک نظر ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا دور دور تک کسی انسان کا نشان نہیں تھا اب میں اپنی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا مرغی کو پکڑ کر اپنے گھٹنوں میں دبا لیا مرغی شور مچانے لگی یہ اس کی زندگی کی آخری کڑکڑاہٹ تھی میں نے جیب سے سگرٹ کی ڈبی نکال کر اسے کھولا اندر سے زہریلی وائین والا ڈراپر نکالا ایک ہاتھ سے مرغی کا منہ کھول دیا مرغی شور مچا رہی تھی اس کی تیکھی سرخ زبان حرکت کر رہی تھی میں نے ڈراپر کا منہ مرغی کے منہ کے عین اوپر لے جا کر دبا دیا سائنائیٹ زہر کے دو تین قطرے مرغی کے حلق میں ٹپک پڑے مرغی کو میں نے گھٹنوں میں دبا رکھا تھا میرے گھٹنوں کو محسوس ہوا کہ مرغی کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا ہے میں نے مرغی کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لیا اور مرغی نے گردن نیچے ڈال دی مرغی آناً فاناً۔۔۔ مر چکی تھی۔۔۔ خوشی سے میرا چہرہ کھل اٹھا مجھے ایسے ہی زہر کی ضرورت تھی میں جلدی سے مردہ مرغی کو لے کر جیپ سے نکلا اور اسے دور ایک گڑھے میں پھینک دیا جیپ کے انجن کو جھک کر یونہی دو ایک بار دیکھا' جیسے انجن چیک کر رہا ہوں اور پھر بونٹ بند کر کے اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔۔

ڈراپر میں زہریلی وائین کے ابھی چند قطرے باقی تھے میں نے اسے زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسل دیا تھا تجربہ کامیاب رہا تھا زہر اصلی اور بہت جلد اثر کرنے والا تھا واقعی یہ سائی نائیٹ ہی تھا یہی ہے جو دنیا کے نامور جاسوس کیپسول میں بند کر کے اپنے پاس رکھا کرتے ہیں تاکہ اگر وہ ائیں تو دشمن کی دی جانے والی اذیت سے بچنے کے لئے اسے منہ میں ڈال کر توڑیں اور مر ری جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد کئی جرمن جرنیلوں نے اسی زہر کے

کیپسول کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

دن غروب ہو رہا تھا میری برتھ ڈے پارٹی کا وقت قریب آ رہا تھا میں اپنا خطرناک خونی مشن اندھیرا ہو جانے کے بعد شروع کرنا چاہتا تھا اس لئے جان بوجھ کر تھنڈر بیس میں اس وقت جانا چاہتا تھا جب سورج غروب ہوئے کم از کم آدھا گھنٹہ گزر چکا ہو میں اپنے کمرے میں سگریٹ سلگائے ہوئے بیٹھا تھا اور ان دھماکا خیز واقعات کی ۔۔۔ جزئیات پر غور کر رہا تھا' جو کچھ دیر بعد تھنڈر بیس کمانڈ پوسٹ میں پیش آنے والے تھے میں نے عہد کر رکھا تھا کہ وہاں سے کسی ایک حوالدار اور سپاہی کو بھی زندہ نکلنے نہیں دوں گا' چاہے میری اپنی جان چلی جائے حقیقت یہ تھی کہ میں اپنی موت کے بلیک وارنٹ پر دستخط کر کے موت کے منہ میں جا رہا تھا مجھے اندرانی کا انتظار تھا اس سے بہت سی باتیں طے ہو چکی تھیں اور کچھ آخری باتیں اسے بتانی تھیں وہ تھوڑی دیر بعد ہی آنے والی تھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر آہستہ سے ٹک ٹک ہوئی یہ اندرانی کی خاص دستک تھی میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا وہ لائٹ وہائٹ کلر کی ساڑی میں ملبوس بالوں میں سفید گلاب کی ایک کلی سجائے ہاتھ میں رجسٹر لئے راہداری میں کھڑی تھی۔ دوسرے کمرے سے ایک آدمی باہر نکل کر قریب سے گزرا تو اندرانی نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا " سر! آپ اپنے کمرے میں سو واٹ کا بلب جلاتے ہیں اس کا بل زیادہ ہو گا کیا میں آپ کے بلب کا معائنہ کر سکتی ہوں؟"

اتنی دیر میں وہ آدمی سیڑھیاں اتر چکا تھا میں نے دروازے کے آگے سے ہٹتے ہوئے کہا " ضرور دیکھئے میڈم!"

اندرانی اندر آ گئی میں نے دروازہ بند کر دیا وہ کونے والی کرسی پر بیٹھ گئی رجسٹر اس نے گھٹنوں پر رکھ لیا تھا کہنے لگی " تمہارے مشن کا جو بھی نتیجہ نکلے تمہیں وہاں سے واپس اسی بورڈنگ ہاؤس میں نہیں آنا ہو گا تمہارے جانے کے بعد میں تمہاری چیزوں کو ضائع کر دوں گی یہاں تمہاری ایک بھی نشانی نہیں رہے گی اگر فوج کے کسی افسر نے یہاں آ کر تمہارے بارے میں پوچھا بھی تو میں اسے سنبھال لوں گی ۔۔۔ تم اس کی فکر نہ کرنا میں ان فوجیوں سے نمٹنا جانتی ہوں میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں لیکن ایک بار پھر بتائے دیتی ہوں کہ اگر تم وہاں سے زندہ بچ کر نکل آئے تو کسی نہ کسی طرح یہاں سے جنوب کی طرف دریائے توی کے دیوی کے بت والے پل کے پار پہنچ جانا' وہاں تمہیں پل سے ایک فرلانگ دور سڑک کی بائیں جانب چھوٹی پلیا کے نیچے تمہارے نئے کپڑے اور کچھ روپے ایک گٹھری میں بندھے ہوئے ملیں گے اس کے بعد تم جانو تمہارا کام ۔۔۔ تمہیں اس علاقے سے پھر جتنی جلدی ممکن ہو نکل جانا ہو گا۔"

میں نے اوشا کے بارے میں پوچھا ۔۔۔ تو اندرانی کہنے لگی " میں جانتی ہوں وہ کل دن میں اپنے دوست کیپٹن ملھوترہ سے فون پر بات کرنے آئے گی تم اس کی طرف سے بے فکر رہو جس

وقت وہ میرے پاس آئے گی اس کے ایک گھنٹے کے بعد اس کی لاش دریائے توی میں بہہ رہی ہو گی کیا تم نے اپنے ریوالور کو چیک کر لیا ہے؟ تمہارے پاس ریوالور کا سائیلنسر نہیں ہے تمہیں وہاں سائیلنسر کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

میں نے کہا "مجبوری ہے سائیلنسر مجھے کہیں سے نہیں مل سکتا میں صورت حال کو کنٹرول کر لوں گا تم فکر مت کرو" اندرانی نے عجیب دل فگار نظروں سے میری طرف دیکھا' جیسے کہہ رہی ہو میں فکر کیسے نہ کروں مجھے تو ہر گھڑی تمہاری فکر لگی رہے گی۔

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی ۔۔۔ اس کے لباس سے بڑی طلسمی خوشبو آ رہی تھی وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "تمہارے لئے چائے بھجوائے دیتی ہوں" میں نے کہا "اندرانی! میں چاہتا تھا کہ اس وقت ہم دونوں مل کر چائے پئیں۔ کیا خبر یہ میری زندگی کی آخری چائے کی پیالی ہو۔"

اندرانی نے تڑپ کر میری طرف دیکھا اور بولی "میری زندگی کی بھی یہ آخری چائے ہو سکتی ہے میں اس وقت مصروف ہوں" اپنی کلائی پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"تمہیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہئے۔ چائے وہیں جا کر پی لینا" اور دروازہ کھول کر نکل گئی۔

میں بھی فوراً ہی اندرانی کو ذہن سے نکال کر اٹھا اور اپنے اٹیچی کیس کی چیزوں کو دیکھا اس میں کوئی شے نہیں تھی کہ جس کی مجھے ضرورت ہو میں نے وائین کی بوتل والے ڈبے کو اخبار کے کاغذ میں لپیٹ لیا ریوالور کو جیب سے نکال کر دوبارہ چیک کیا میرا لباس اس وقت ایک گرم پتلون قمیص' گرم جیکٹ اور فلیٹ شوز پر مشتمل تھا ریوالور میں نے پتلون کی جیب میں رکھا ہوا تھا یہ میرا باقاعدہ سرکاری ریوالور تھا' جو ہمیشہ میرے پاس رہتا تھا میں نے گرم جیکٹ کا زپ گردن تک بند کیا کمرے میں ایک آخری نگاہ ڈالی زہریلی وائین کے ڈبے کو اٹھایا اور خاموشی سے باہر راہداری میں آ گیا ۔۔ دروازے کو لاک کیا اور اندرانی کی ہدایت کے مطابق چابی راہداری میں بچھے ہوئے قالین کے نیچے چھپا دی نیم روشن راہداری خالی تھی اندرانی چاہتی تھی کہ میں چابی واپس کرنے اس کے پاس کاؤنٹر پر نہ جاؤں۔

میں سیڑھیاں اتر کر نیچے چھوٹی سی لابی میں آیا سامنے کونے میں اندرانی خوبصورت ساڑی میں ملبوس سر جھکائے کچھ لکھ رہی تھی سردی کی وجہ سے بورڈنگ ہاؤس کے برآمدے کا دروازہ بند تھا میں دروازے کی طرف بڑھا تو اندرانی نے سر اٹھا کر بظاہر بے نیازی سے میری طرف دیکھا اور پھر کام میں مصروف ہو گئی میں اس کے دل کی ہیجانی کیفیت سے واقف تھا' مگر جذباتی ہیجان ہم لوگوں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے محبت کی میٹھی سرگوشی پر ہمارا دل بھی دھڑک اٹھتا ہے' مگر جب وطن عزیز اور اپنے کروڑوں ہم وطنوں کی سالمیت اور بقا کا مشن سامنے ہو تو محبت کی ایسی لاکھوں میٹھی سرگوشیاں اس پر قربان کر دی جاتی ہیں مجھے بھی اندرانی کے ریشمی ملبوس کی طلسمی خوشبو پیاری لگتی تھی مجھے بھی

اس کی میٹھی ۔۔۔ سرگوشیاں پسند تھیں ہم بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے میں کھو جانا چاہتے تھے لیکن خواہش کے باوجود ہم ایسا نہیں کر سکتے تھے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دروازہ کھول کر بورڈنگ ہاؤس سے باہر آگیا بہت ممکن تھا کہ اس کے بعد زندگی بھر مجھے اندرانی کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہو میں جس مشن پر جا رہا تھا موت اس مشن کے دروازے پر میرے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔

میں جیپ میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کر کے ہیڈ لائیٹس آن کیں اور جیپ کو تیزی سے نکال کر باہر سڑک پر لے آیا میرا رخ تھنڈر بیس کی زیر زمین کمانڈ پوسٹ کی طرف تھا' جہاں میری برتھ ڈے پارٹی پر میرے خیال کے مطابق سارے کا سارا اسٹاف میری راہ دیکھ رہا تھا یہ میری برتھ ڈے پارٹی اور تھنڈر بیس کے انڈین اور اسرائیلی اسٹاف کی ڈیتھ پارٹی تھی جیپ پاپولر درختوں والی سڑک پر تیزی رفتاری سے اڑی جا رہی تھی ایک خاص مقام پر پہنچ کر میں نے جیپ کو کچی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ وہی کچی سڑک تھی' جس پر آگے جا کر میں نے کیپٹن ملہوترہ کی جیپ کو روکا تھا تھنڈر بیس والا ٹیلہ اب سامنے تھا۔ اس کی دو تین زرد' زرد بتیاں جھلملاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ راستہ میرا دیکھا ہوا تھا جیپ ایک خاص رفتار پر چلی جا رہی تھی زہریلی وائین کا ڈبا میں نے اپنی گود میں رکھا ہوا تھا اس ڈبے میں موت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا تھنڈر بیس کے آہنی دروازے پر آ کر میں نے جیپ روک دی۔ گارڈ نے مجھ سے اس روز کا پاس ورڈ پوچھا۔

اسکواڈرن لیڈر کول نے مجھے ایک روز پہلے اس روز کا پاس ورڈ بتا دیا تھا میں نے پاس ورڈ بتایا گارڈ نے فوراً گیٹ کھول دیا میں جیپ کو قلعہ نما ٹیلے کے اندر لے گیا مجھے معلوم تھا جیپ کہاں کھڑی کرنی ہے اور وہاں سے مجھے کس طرف جانا ہے جیپ کو کھڑی کرنے کے بعد میں نے وائین کا ڈبا اٹھا لیا میں اس کے لئے اس قدر احتیاط برت رہا تھا جیسے وہ کوئی ایٹم بم ہو حقیقت یہ تھی کہ اس تھنڈر بیس کمانڈ پوسٹ کے لئے وہ ایٹم بم ہی تھا۔

میں سیڑھیاں اتر کر نیچے زیر زمین راہداری میں آیا تو یہاں بھی ایک سپاہی نے مجھ سے اس رات کا پاس ورڈ پوچھا' جو میں نے بتا دیا سپاہی نے مجھے سیلوٹ کیا اور میں بڑے کمرے کی طرف بڑھا' جہاں پارٹی کی جا رہی تھی اور بند کمرے میں سے ہاؤ ہو اور قہقہے لگانے اور زور زور سے بولنے کے ساتھ ساتھ فلمی موسیقی کی آوازیں بھی آ رہی تھیں میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک ایسی فضا نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا' جو سگریٹ' سگاروں اور مختلف قسم کے مشروبات کی خوشبوؤں سے بوجھل ہو رہی تھی کمرا روشنیوں میں جگمگا رہا تھا' مجھے دیکھتے ہی سب نے ایک نعرہ لگا کر میرا خیر مقدم کیا

اور بھک بھک کر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو گانا شروع کر دیا فضا میرے لئے بڑی ساز گار تھی ان لوگوں کو پہلے ہی سے چڑھی ہوئی تھی میرے اندازے کے مطابق یہ لوگ شروع شام ہی سے ناؤ نوش میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس ہاؤ ہو کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے جلدی سے زہریلی وائین کا ڈبا اپنے پاس ہی میز کے نیچے رکھ دیا اور تالی بجاتے ہوئے ان کے گانے میں شریک ہو گیا۔ میں نے بھی ایسی اداکاری شروع کر دی، جیسے میں بھی پیئے ہوئے ہوں ان لوگوں نے پھولوں کے ہار بھی منگوا رکھے تھے اور ایک کافی بڑا کیک میز کے درمیان میں پڑا تھا۔

میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کمرے میں جمع اسٹاف کا بغور جائزہ لیا نفری کافی تھی میرے اندازے کے مطابق تقریباً اسٹاف کے سارے ممبر وہاں موجود تھے۔ ان میں اسرائیلی ہوا باز اور انجینئر بھی تھے تین سکھ فلائٹ لیفٹیننٹ بھی تھے فلائنگ آفیسر چڈہ اور اسکواڈرن لیڈر کول بھی موجود تھا ان سب کے چہرے ستے ہوئے تھے اور ان کی زبانیں لڑکھڑا رہی تھیں اس سے بڑھ کر سنہری موقع بھلا مجھے کب مل سکتا تھا بھری ہوئی اور خالی بوتلیں میز پر اور میز کے نیچے ادھر ادھر لڑھک رہی تھیں دو اردلی ان کی خدمت کر رہے تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ وہاں پر رہیں۔ اسکواڈرن لیڈر کول نے مجھے گلے لگا کر مبارک باد دی مسٹر چڈہ بار بار مجھ سے میری گرل فرینڈ یعنی اوشا کے بارے میں پوچھنے لگا۔۔ اور پھر خود ہی قہقہہ لگا کہ ہنس پڑا "کیک کاٹا جائے کیپٹن ملہوترہ کو کیک کاٹنے، نہیں تو ہم اس کی گردن کاٹ دیں گے۔"

ہر طرف سے اسی قسم کی آوازیں آنے لگیں۔ کول نے میرے ہاتھ میں چھری تھما دی سکھ آفیسر چلایا۔ "اوئے موم بتیاں کون بالو گا؟"

اسکواڈرن لیڈر کول نے ہاتھ کو جھٹک کر کہا "نو کینڈلز پلیز۔۔۔ کیک کاٹا جائے۔"

میں نے فوراً کیک کاٹ ڈالا ایک بار پھر سب نے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کا شور مچایا۔ اس کے بعد، کیک کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر تھالیوں میں رکھے جانے لگے۔ اسرائیلی گروپ کیپٹن ساؤل کو بھی کافی چڑھی ہوئی تھی وہ اپنی زبان میں مجھے بار بار کچھ کہہ رہا تھا شاید برتھ ڈے کی مبارک باد دے رہا تھا سب کے ہاتھوں میں گلاس تھے۔

میں نے اسکواڈرن لیڈر کول کے کان میں جھک کر کہا۔ "سر! یہ اردلی یہاں نہیں ہونے چاہئیں یہ ہماری بے تکلف پارٹی ہے انہیں یہاں سے بھیج ہی دیں تو اچھا ہے۔"

کول نے اسی وقت دونوں اردلیوں کو وہاں سے چلے جانے کا آرڈر دے دیا دونوں ڈوگرہ اردلی وہاں سے فوراً چلے گئے اب میرے لئے میدان صاف تھا اور فضا انتہائی ساز گار تھی تب میں نے میز کے نیچے سے وائین والا ڈبا نکال کر میز پر رکھ دیا اور انگریزی میں کہا "یہ کیلیفورنیا کی خوب صورت وائین میری طرف سے آپ سب دوستوں کو تحفہ ہے اس کا ایک ایک جام حلق میں انڈیل کر میری عزت

افزائی کریں"

میں نے ڈبا کھول کر زہریلی وائین کی بوتل ہاتھ میں پکڑ کر لہرائی سب کے چہروں پر ایک نئی رونق آگئی وہ خوشی سے نعرہ لگا کر اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں نے کہا" میرے دوستو! میں چاہتا ہوں کہ ہم اس برتھ ڈے پارٹی وائین کے ساتھ ٹریڈیشنل سلوک کریں اپنے اپنے گلاس میرے سامنے رکھ دیں۔"

فلائنگ آفیسر چڈھو نے بلند آواز میں کہا" دیٹ از فائن۔۔۔ دیٹ از فائن۔"

سب نے اپنے اپنے گلاس خالی کر کے میرے سامنے رکھ دیئے میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وائین کا ڈھکنا کھول دیا میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس وقت میرا دل ایک بار بڑے زور سے دھڑکا تھا شاید مجھے غیر ارادی طور پر ان ہلاک ہونے والوں کی بیویوں بچوں اور بہنوں کا خیال آگیا تھا یہ ایک قدرتی بات تھی لیکن دوسرے ہی لمحے یہ احساس غائب ہو چکا تھا۔

میں نے تھوڑی تھوڑی وائین سب گلاسوں میں ڈال دی ایک گلاس میں اپنے لئے بھی ڈال لی مگر میں جانتا تھا کہ میرے گلاس والی وائین میرے حلق میں نہیں جائے گی' پھر میں نے اپنا گلاس ہاتھ میں لے کر اٹھایا اور کہا" ہیپی برتھ ڈے ٹو ی۔"

سب نے اپنے اپنے گلاس ہاتھوں میں تھام لئے ہاتھ اوپر اٹھائے اور ایک آواز ہو کر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کہا اور اتنی تیزی سے انہوں نے گلاس ہونٹوں تک لے جا کر زہر کو اپنے حلق میں انڈیل لیا کہ میں بھونچکا سا ہو کر رہ گیا میرا گلاس میرے ہاتھ میں ہی پکڑا ہوا رہ گیا میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں گلاس کو ہونٹوں تک لا کر نیچے پھینک دوں گا' یا دیسے ہی ہاتھ سے لڑھکا دوں گا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ان میں سے کسی کو مجھ سے یہ پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملے گا کہ میں نے اپنا گلاس کیوں نیچے گرا دیا گلاس میرے ہاتھ ہی میں تھا اور کمرے میں لاشیں ادھر ادھر لڑھکی پڑی تھیں کمرے میں انسانی آوازیں' ان کی ہاؤ ہو اور قہقہے ایک دم بند ہو گئے تھے اس سے مجھے تشویش ہوئی کیونکہ میرے خیال میں دونوں ڈوگرے اردلی باہر راہداری میں موجود تھے کمرے میں صرف ٹیپ ریکارڈر سے لتا منگیشکر کے گانے کی آواز آرہی تھی پہلے گانے کی آواز انسانی شور میں دبی ہوئی تھی جب کہ اب وہ صاف سنائی دے رہی تھی میں نے جلدی سے ریکارڈر کی آواز بلند کر دی اور زہریلی وائین کی بوتل اور دو گلاس لے کر دروازہ کھول کر اپنے آپ کو عالم مدہوشی میں ظاہر کرتا ہوا راہداری میں آگیا اور ہلکا سا قہقہہ لگا کر کچھ فاصلے پر مودب کھڑے ڈوگرہ اردلیوں کی طرف دیکھا میرا اندازہ غلط نہیں تھا کم بخت دونوں کی راہداری میں موجود تھے میں نے تھوڑی تھوڑی وائین گلاسوں میں ڈالی اور ان کی طرف بڑھا" جوان! تم بھی میری برتھ ڈے پارٹی کا جشن مناؤ۔"

اردلی کچھ جھجکے مگر میں نے زبردستی گلاس ان کے ہاتھوں میں تھما دیئے اور دانستہ طور پر

لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔ " ابھی اور بھی ہے آج سب جشن منا رہے ہیں' تم بھی مزے اڑاؤ۔ "
دونوں اردلیوں نے مشروب حلق میں انڈیل لیا اس کے بعد' ان کے ساتھ جو گزری تھی اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں وہ وہیں ڈھیر ہو گئے راہداری کے فرش پر دونوں گلاسوں کے ٹوٹنے سے چھناکے کی آواز آئی۔
راہداری اب خالی تھی میں واپس کمرے میں آگیا۔۔۔ سب لاشیں اسی طرح پڑی تھیں میں نے اسکواڈرن لیڈر سٹرکول کی تلاشی لی اس کی جیب سے مجھے جو پستول ملا اس پر بھی سائیلنسر چڑھا ہوا نہیں تھا اب میرے پاس وقت بہت کم تھا مجھے اس گارڈ کو بھی ٹھکانے لگانا تھا۔۔ جو تھنڈر ہاک ہیلی پیڈ کے باہر پہرہ دے رہا تھا زہریلی وائین سے مجھے جتنا کام لینا تھا میں لے چکا تھا میں نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دوسرے ہاتھ میں مشروب والا گلاس تھامے ہوئے قدرے لڑکھڑاتا اور ہیپی برتھ ڈے ٹو یو گاتا ہوا بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے اردگرد کی فضا کو سونگھتا ہوا اس کاریڈور کی طرف بڑھا' جو تھنڈر ہاک ہیلی پیڈ کے گول کنویں نما چکر کو جاتی تھی۔
تھنڈر ہیں کا آہنی گیٹ چند قدموں کے فاصلے پر تھا وہاں دو گورکھے سپاہی انڈین ائر فورس کی وردیوں میں ملبوس سنگینیں لئے پہرہ دے رہے تھے وہ جانتے تھے کہ میں ملٹری انٹیلی جینس کا افسر ہوں اور دلی ہیڈ کوارٹر سے سکیورٹی چیک کے لئے وہاں آیا ہوا ہوں لیکن جب میں نے ان کے قریب جا کر انہیں گیٹ کھولنے کے لئے کہا تو وہ کچھ ہچکچائے ایک گورکھے سپاہی نے کہا " سر! اسکواڈرن لیڈر صاحب کے بغیر ہمیں دروازہ کھولنے کا حکم نہیں ہے "
ان سے تکرار کرنے میں وقت ضائع ہونے کے سوا مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور وقت بے حد قیمتی تھا' جو پر لگا کر اڑا جا رہا تھا میں نے مشروب کا گلاس اس کی طرف بڑھایا اس میں زہریلی وائین تھی لیکن گورکھے نے ڈیوٹی پر پینے سے انکار کر دیا میں نے ہنس کر کہا " ویل! تم اچھا جوان ہے ہم صاحب سے تمہاری سفارش کرے گا۔ "
یہ کہہ کر میں واپس مڑا واپس مڑتے ہی میں نے ریوالور والا ہاتھ باہر نکالا اور اس سے پہلے کہ دونوں سنبھل سکتے میں نے یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے میرا نشانہ سات آٹھ فٹ کے فاصلے سے کیسے خطا جا سکتا تھا۔۔ دونوں گورکھے وہیں ڈھیر ہو گئے یہ جگہ زمین کے نیچے تھی اور دونوں سپاہیوں کی گارڈ اوپر والی منزل کی بیرک میں تھی فائر کی آواز اوپر تک نہیں جا سکتی تھی' پھر بھی میں بھاگ کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف گیا اور سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کے ساتھ کان لگا کر سنا باہر قلعے کی پہلی منزل پر سناٹا طاری تھا گارڈ یا پہرے دار سپاہیوں تک جو وہاں سے دور قلعے کے بڑے پھاٹک پر پہرہ دے رہے تھے فائر کی آواز نہیں پہنچی تھی ورنہ ابھی تک وہ لوگ بھاگ کر ادھر ضرور آتے۔
میں نے واپس آکر دیوار میں لگے ڈائل کا بٹن دبایا تھنڈر ہاک ہیلی پیڈ کا آہنی دروازہ ایک طرف

ہٹ گیا میں اندر داخل ہو گیا آٹھوں ہیلی کاپٹر کھڑے تھے سائیڈ روم میں اسلحہ بھرا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی جو چھوٹا کمرا تھا اس میں بھی راکٹ اور میزائیلوں کے علاوہ بموں کی کافی تعداد فرش پر ایک طرف لگی تھی یہ ساری جگہ وہاں کی دیواریں فرش وغیرہ فائر پروف تھا میں اس جگہ آگیا جہاں تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر کھڑے تھے یہاں دیوار پر ایک شیلف لگا ہوا تھا جس کا عقبی تختہ پلاسٹک کا تھا دیوار کے ساتھ آگ بجھانے والا سلنڈر اور ایک کلہاڑی لگی تھی میں نے کلہاڑی اتار کر شیلف کو توڑ ڈالا اس کے تختے کے ٹکڑے کیئے انہیں اسلحہ والے کمرے میں لے جا کر بموں کے ڈھیر کے ساتھ لگا کر آگ لگا دی پلاسٹک کے ٹکڑوں نے بہت جلد آگ پکڑ لی میں نے اپنا ریوالور جیب میں رکھ لیا تھا وہاں شیلف میں سے ایک لائٹ سب مشین گن اٹھا کر اس کا میگزین چیک کیا میگزین بھرا ہوا تھا مشین گن کو کاندھے پر ڈالا اور باہر کو دوڑ پڑا میں بموں کے دھماکے سے پہلے وہاں سے دور نکل جانا چاہتا تھا مجھے معلوم تھا کہ بم اس وقت تک نہیں پھٹتا جب تک کہ آگ اس کی نوزل تک نہ پہنچے میں نے پلاسٹک کے ٹکڑوں کو بموں کے ساتھ اس طریقے سے جوڑا تھا کہ جب تک آگ بموں کی نوزل تک پہنچے میں اس جگہ سے کافی دور نکل جاؤں۔

اب مجھے اوپر والی گارڈ سے نمٹنا تھا آپ ضرور حیران ہو رہے ہوں گے کہ یہ سارا کام میں نے اتنی جلدی اور آسانی سے کیسے کر لیا لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ایک تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔۔ اور مجھے اس قسم کے آپریشن کا تجربہ تھا دوسری بات یہ تھی کہ میں یہ سب کچھ اپنی جان کی پروا کیئے بغیر کر رہا تھا جب اپنے وطن کی سالمیت اور کروڑوں ماؤں' بہنوں کی عزت و آبرو کو بچانے کا خیال اور اسلام کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو پھر انسان بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو تا ہے اور راستے میں آئی ہوئی کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتا میرے دل میں بھی یہی جذبہ کار فرما تھا میں نے دوڑ کر سیڑھیاں طے کیں اور آہنی دروازے پر دستک دی مجھے معلوم تھا کہ باہر دو سپاہی رات کی ڈیوٹی پر ہوں گے میں نے اس رات کا اس رات کا پاس ورڈ بھی بول دیا دروازہ کھول دیا گیا باہر لکڑی کے ایک کھمبے کے ساتھ بجلی کا بلب روشن تھا میں نے مشین گن اپنے پیچھے کر لی اور دونوں سپاہیوں سے رعب آواز میں کہا "نیچے آؤ ادھر ایک جگہ سے گیس لیک کر رہا ہے ایک دم ڈبل سے نیچے آؤ۔"

یہ گڑھوالی سپاہی بھی میری شکل سے آشنا تھے انہوں نے مجھے وہاں کے آفیسرز کے ساتھ اکثر آتے جاتے دیکھا تھا وہ کچھ بوکھلا کر نیچے سیڑھیاں اترنے لگے یہاں میں گن فائر نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی آواز بیس کے بڑے گیٹ پر متعین گارڈ تک پہنچ سکتی تھی میں نے نیچے سے سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک سپاہی کے سر پر مشین گن کا بٹ پوری طاقت سے دے مارا وہ منہ کے بل دور سے سپاہی پر گرا اتنی دیر میں دوسرے سپاہی کو بھی مشین گن کی ضرب سے شدید زخمی کر چکا تھا پہلا سپاہی وہیں مر گیا تھا دوسرا سانس لے رہا تھا مگر کھوپڑی پر پیچھے کی طرف ضرب لگنے سے بے ہوش ہو چکا تھا

باقی سپاہی جن کی نفری زیادہ تھی بیرک میں گہری نیند سو رہے تھے یہ بیرک اس تہ خانے کے عین اوپر تھی جس میں اسلحہ بھرا ہوا تھا اور جسے کچھ دیر بعد دھماکے سے پھٹنا تھا ظاہر ہے ان سپاہیوں میں سے کسی کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اب صرف اس کمانڈ کے بڑے گیٹ پر گارڈ کے چار سپاہی باقی رہ گئے تھے میری جیپ ایک طرف گیراج میں چھپر کے نیچے دوسری گاڑیوں کے ساتھ کھڑی تھی میں اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر چلتا ہوا اپنی جیپ تک آگیا لائٹ مشین گن کو جیپ میں اگلی سیٹ پر رکھا جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا اور آہستہ آہستہ چلاتا بڑے گیٹ کی طرف آگیا گیٹ بند تھا اس کے آگے دو گڑھوالی سپاہی پہرہ دے رہے تھے جیپ کی آواز سنتے ہی وہ رک گئے اور میری طرف دیکھنے لگے میں نے ان کے قریب جا کر جیپ روک دی اور لائٹ مشن گن ان کی طرف پھینک کر تحکمانہ انداز میں کہا "یہ سب مشین گن سیڑھیوں میں کس نے پھینکی تھی؟ تم ادھر ڈیوٹی دیتا ہے کہ سویا رہتا ہے؟ صبح میں اسکواڈرن لیڈر صاحب سے کہہ کر تمہارا کورٹ مارشل کراؤں گا۔"

دونوں سپاہی پریشان ہو گئے وہ میری شکل اور رینک سے واقف تھے میں جیپ سے اتر کر گارڈ روم کی طرف بڑھا اور رعب سے بولا "اس گن کو گارڈ روم میں میرے سامنے رکھ دو چلو۔"

ایک سپاہی نے سب مشین گن اٹھائی دوسرے نے ڈبل مارچ کرتے ہوئے گارڈ روم کا دروازہ کھول دیا جب دونوں گارڈ روم میں آچکے تو میرا ہاتھ جیب میں گیا ریوالور باہر نکلا ریوالور کی نالی نے پہلے ایک اور پھر دوسرا شعلہ اگلا اور دونوں سپاہی وہیں ڈھیر ہو گئے فائر کی آواز بیرک تک پہنچ گئی تھی، مگر اب مجھے اس کی پروا نہیں تھی کیونکہ کوئی دم میں وہاں ۔۔۔ قیامت کا دھماکا ہونے والا تھا میں نے اوندھے منہ پڑے ہوئے دونوں سپاہیوں کے سر مشین گن کے بٹ مار مار کر کچل ڈالے تاکہ یہ بعد میں میرے خلاف کوئی بیان نہ دے سکیں، مجھے شبہ تھا کہ ممکن ہے دھماکے میں گارڈ روم بچ جائے اب میرا راستہ صاف تھا گارڈ روم سے نکلتے ہوئے میں نے بیرک کی طرف نگاہ ڈالی بیرک میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اگر کوئی سویا ہوا سپاہی فائر کی آواز پر جاگ پڑتا تو بیرک میں ضرور روشنی ہو جاتی میں جیپ برق رفتاری سے تھنڈر بیس کے قلعے نما ٹیلے سے باہر نکال کر لے آیا اندھیری رات تھی کچا راستہ سنسان پڑا تھا۔

دور ادھم پور بستی کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں اب مجھے اندرانی کی ہدایت کے مطابق وہاں سے نکل کر دریائے توی کے دیوی کے بت والے اور نسبتاً ویران علاقے کے پل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر ایک فرلانگ کا راستہ طے کر کے چھوٹی پلیا کے پاس پہنچ کر اس کے نیچے چھپا کر رکھی ۔۔۔ ہوئی کپڑوں کی گٹھری تک پہنچنا تھا وہاں اپنا لباس تبدیل کرنا تھا۔ اور پھر جموں سے ہوشیار پور جالندھر جانے والی سڑک پر رک کر کسی بس میں سوار ہو کر جموں کے علاقے سے نکل جانا تھا اب کسی بھی وقت پیچھے دھماکا ہو سکتا تھا۔

میں جیپ کو تیزی سے بھگائے لئے جا رہا تھا بڑی سڑک پر آکر میں نے جیپ کو ایک طرف کر

کے روک لیا میرے دل میں اچانک اس خدشے نے سر اٹھائیا تھا اگر دھماکا نہ ہوا' اگر پلاسٹک کی آگ سے بموں کی نوزل کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو کیا ہوگا؟ میرا سارے کا سارا مشن ناکام ہو جائے گا اور پھر دو ایک روز میں یہاں سے تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹر ہزاروں فٹ کی بلندی پر اڑ کر میرے وطن عزیز کے ایک شہر کی طرف پرواز شروع کریں گے اور وہاں ناقابل تلافی نقصان کرنے کے بعد واپس آجائیں گے۔

میری آنکھیں اندھیرے میں نظر آنے والے ٹیلے کے سیاہ ہیولے پر جمی ہوئی تھیں' جس کے پس منظر میں آسمان پر ستارے چمک رہ تھے ہیجانی کیفیت سے میرے ہونٹ بار بار خشک ہو رہے تھے میں نے جیپ سڑک سے اُتار کر ایک طرف درختوں کے نیچے اندھیرے میں کھڑی کر رکھی تھیں میں بے چینی سے اپنی انگلیوں کو مروڑنے لگا۔۔ کبھی ہونٹوں کو کاٹتا کبھی اٹھ کر جیپ کے پیچھے آجاتا اور کبھی درخت کی آڑ لے کر تھنڈر بیس کے ٹیلے کو تکنے لگتا۔

اچانک مجھے کسی نے زور سے دھکا دیا میں منہ کے بل آگے کو زمین پر گر پڑا جلدی سے اٹھا مگر پھر گر پڑا زمین ڈول رہی تھی مگر زلزلہ نہیں تھا ٹیلے کے اندر دو بھیانک دھماکے ہوئے تھے' جو اتنی شدت کے تھے کہ زمین اوپر نیچے ہو گئی تھی اور میں اچھل کر دوبارہ گر پڑا تھا۔ میں نے درخت کے تنے کے گرد بازو ڈالکر اسے زور سے پکڑ لیا میری نگاہیں دور ٹیلے پر لگی ہوئی تھیں دھماکے ابھی تک ہو رہے تھے' پھر ایک ایسا دھماکا ہوا کہ درخت نے مجھے جھٹک کر پرے پھینک دیا اب جو میں نے ٹیلے کی طرف دیکھا تو وہ ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ کر آگ اور انگارے اگل رہا تھا آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے دیکھتے دیکھتے ارد گرد کا میدان سیاہ دھویں اور آگ کے اڑتے ہوئے شراروں سے بھر گیا میں جلدی سے جیپ اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکل گیا میرا رخ دریائے توی کے بت والے پل کی طرف تھا یہ پل وہاں سے جنوب کی جانب ڈیڑھ ایک میل کے فاصلے پر تھا میں پکی سڑک سے اتر کر کچی سڑک پر جا رہا تھا میں نے پیچھے نگاہ ڈالی آسمان آگ کے شعلوں سے سرخ انگارے کی طرح دہک رہا تھا مجھے اس عظیم کامیابی پر بے حد خوشی ہو رہی تھی میرا مشن کامیاب ہو گیا تھا تہ خانے کا سارا اسلحہ دھماکوں سے پھٹ چکا تھا اور تھنڈر ہاک ہیلی کاپٹروں کے بچ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا سارے کا سارا ٹیلہ آتش فشاں پہاڑی کی طرح آگ کی لپیٹ میں تھا۔

میری جیپ دریائے توی کے کنارے پہنچ گئی میں نے انجن کو چلتے رہنے دیا اور خود نیچے اتر آیا سب مشن گن جیپ کی اگلی سیٹ پر ہی پڑی تھی میں نے بریک ہٹا کر گیئر لگایا اور جیپ کو چھوڑ دیا دیکھتے دیکھتے رات کے اندھیرے میں جیپ دریا میں گر کر غائب ہو گئی دیوی کے بت والا پل خالی تھا میں نے بھاگ کر پل عبور کیا دوسرے کنارے پر آکر کچے کنارے سے ہٹ کر درختوں میں اتر گیا اور سوکھی گھاس میں سے گزرتا ہوا آگے بڑھنے لگا مجھے چھوٹی پلیا تک جانا تھا ابھی تک مجھے کوئی انسان راستے میں نظر نہیں آیا تھا ٹیلے کی جانب آسمان سرخ تھا آگ ابھی بھڑک رہی تھی ٹیلہ ابھی تک آگ اگل رہا تھا

کسی وقت کسی ہلکے سے دھماکے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔۔۔ میں اندھیرے میں غور سے دیکھتا ہوا سوکھی جھاڑیوں میں آگے بڑھ رہا تھا اندرانی کے کہنے کے مطابق مجھے ایک جگہ چھوٹی پلیا نظر آئی یہاں اوپر دریا کی طرف سے زیر زمین ایک نالہ نکالا گیا تھا' جس کے اوپر نیچے آکر ایک پلیا بنا دی گئی تھی یہ نالہ ' لگتا تھا کہ مدتوں سے خشک پڑا ہے کیونکہ اس میں اونچی اونچی سوکھی گھاس اگ آئی تھی میں نے پلیا کے نیچے جھانک کر دیکھا یہاں گھپ اندھیرا تھا غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے مجھے پلیا کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک گٹھڑی نظر آئی گٹھڑی کو باہر نکال کر کھولا اس میں میل خورے رنگ کا ایک پرانا کھدر کا کرتا ایک پاجامہ اور کھدر کا صافہ نکلا ایک پرانی چپل بھی تھی میں نے اپنے کپڑے اتار کر یہ کپڑے پہن لئے ریوالور کو پاجامے کے ازار بند میں اڑس لیا بٹوے میں سو' سو کے تین نوٹ او ر چار پانچ پانچ کے نوٹ تھے یہ میری ملکیت تھی بٹوے کو میں نے اپنے اترے ہوئے کپڑوں کے ساتھ گٹھڑی میں باندھا' روپے اپنی جیب میں رکھے گٹھڑی میں پرانے کپڑوں کے علاوہ اپنے بوٹ رکھ دیئے گٹھڑی میں کچھ پتھر ڈال کر اسے باندھا اور اوپر دریا کے کنارے پر آگیا کنارا دور تک اندھیرے میں ویران تھا میں نے گٹھڑی دریا میں ڈال دی پتھروں کے بوجھ کی وجہ سے گٹھڑی جلد ہی پانی میں ڈوب گئی اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ٹیلے کی طرف آسمان کو دیکھا آگ اگرچہ مدھم پڑ چکی تھی مگر آسمان پر سرخی بدستور قائم تھی ادھر سے دھواں کافی مقدار میں بلند ہونے لگا تھا فضا میں بارود کی ہلکی ہلکی بو رچ گئی تھی اب دور سے فوجی گاڑیوں کی آوازیں اور ساتھ ہی آگ بجھانے والی گاڑیوں کی ٹن ٹن بھی سنائی دینے لگی تھی میں نے اللہ کا نام لیا اور دریا کے کنارے سے اتر کر جموں سے ہوشیار پور جالندھر جانے والی سڑک کا رخ پکڑ لیا۔

ہماری ساتھی اندرانی نے مجھے بتایا تھا کہ اس مقام سے جنوب مشرق کی طرف چلتے ہوئے جموں کی ہائی وے زیادہ دور نہیں ہو گی یہ شارٹ کٹ تھا میں تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ مجھے ایک ٹرک کی آواز سنائی دی ٹرک کی روشنی مجھے دریا کے کنارے اگے ہوئے اونچے اونچے۔۔۔ سرکنڈوں سے صاف نظر آنے لگی اس کا مطلب تھا کہ سڑک یہاں سے بہت قریب تھی میں وہیں رک گیا ٹرک بڑی تیزی سے گزر گیا اس کے بعد دوسرا ٹرک اور پھر تیسرا ٹرک گزر گیا یہ یقیناً فوجی ٹرک تھے' پھر ایک جیپ بار بار ہارن دیتی ہوئی گزر گئی یہ بھی فوجی جیپ ہی ہو سکتی تھی قدرتی بات تھی کہ تھنڈر بیس کمانڈ کی تباہی کے سگنل جموں چھاؤنی اور دوسری فوجی چوکیوں میں پہنچ گئے تھے اور علاقے میں فوج چوکس ہو گئی تھی اب میرا وہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا ظاہر ہے کہ ملٹری انٹیلی جینس بھی حرکت میں آگئی ہو گی اور جموں ' جالندھر سڑک پر تو خاص طور پر چیک پوسٹیں قائم ہو گئی ہوں گی اور زبردست چیکنگ شروع ہو چکی ہو گی میری کمر کے ساتھ جو ریوالور لگا تھا وہ مجھے مروا سکتا تھا میں وہیں سے تیز تیز قدموں سے دریا کی طرف چلنے لگا ٹیلے کی طرف آسمان پر آگ کی سرخی اب غائب ہو گئی تھی اور ادھر سے فوجی

گاڑیوں اور ملٹری پولیس کی سیٹیوں کی دھیمی دھیمی آوازیں بلند ہو رہی تھیں دریا پر پہنچ کر میں نے ریوالور نکالا اور اسے زور سے اچھال دیا ریوالور ہلکی سی آواز کے ساتھ دریا میں ڈوب گیا یہ میرا سرکاری ریوالور تھا دلی جا کر میں کچھ دنوں کے بعد اس کی گمشدگی یا چوری ہونے کی رپورٹ لکھوا سکتا تھا میں دریا کے کنارے سے اتر کر سرکنڈوں میں آگیا اور بڑی سڑک کی طرف چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد سرکنڈوں کے پیچھے مجھے بڑی سڑک دکھائی دی جس پر سے ایک فوجی ٹرک روشنی ڈالتا ہوا تیزی سے گزر گیا میں اس الجھن میں پڑ گیا کہ کیا میرا سڑک پر جانا مناسب رہے گا؟

علاقے میں ہنگامی حالات پیدا ہو گئے تھے انڈین ائر فورس کا ایک بہت بڑا اڈا تباہ کر دیا گیا تھا یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی ائر فورس کے ساتھ ہی ساتھ آرمی بھی حرکت میں آگئی ہو گی ابھی تک مجھے کوئی سویلین بس وہاں سے گزرتی نظر نہیں آئی تھی رات گہری تھی میرے حساب کے مطابق رات کے کوئی گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا عمل ہو گا یہ ہم نے پہلے سے معلوم کر لیا تھا کہ جموں سے جالندھر اور ہوشیار پور کی جانب ساری رات لاریاں چلتی رہتی ہیں صرف رات بارہ بجے کے بعد دو ایک گھنٹے کا وقفہ پڑتا ہے اور ابھی رات کے بارہ نہیں بجے تھے لیکن جس قسم کے خطرناک حالات پیدا ہو گئے تھے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی لاری کا جموں شہر کے اڈے سے نکلنا اب مجھے مشکل نظر آتا تھا گڑگڑاہٹ کی زور دار آواز سنائی دی میں سرکنڈوں کے پاس ہی بیٹھ گیا میری نظریں آسمان پر تھیں ستاروں بھرے آسمان پر سے شور مچاتا ہوا ایک ہیلی کاپٹر گزر گیا اس کا رخ تھنڈر بیس والے ٹیلے کی جانب تھا۔

جموں شہر میں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا خطرہ صرف یہ تھا کہ اگر ملٹری پولیس والے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مجھے بھی حراست میں لے لیتے ہیں تو کام خراب ہو سکتا تھا کیونکہ اب میں انٹیلی جینس ہیڈ کوارٹر دلی میں بھارت سرکار کا ایک ذمے دار افسر تھا اور اگر میں اپنی شناخت ظاہر نہیں بھی کرتا تو اس بات کا امکان موجود تھا کہ کسی مرحلے پر انہیں میری حیثیت کا علم ہو جائے اور ہیڈ کوارٹر مجھ سے پوچھ سکتا تھا کہ جموں کس مقصد کے لئے گیا تھا؟ جب کہ میرے سابق چیف پرشوتم داس ٹنڈن کو میرے خیال کے مطابق پہلے ہی میری سرگرمیوں پر شک تھا اسے یہ شک نہیں تھا کہ میں پاکستان سے اپنے طور پر رضاکارانہ حیثیت سے آیا ہوا جاسوس ہوں بلکہ یہ شک تھا کہ میں ایک ذمے دار بھارتی افسر ہونے کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک کے لئے جاسوسی کر رہا ہوں اب اگر میرے محکمے والوں کو پتا چل جاتا ہے کہ میں جموں تھا اور اسی رات تھنڈر بیس تباہ ہوا تو مجھ پر کسی غیر ملک کے لئے جاسوسی کرنے کا الزام لگ سکتا تھا کیونکہ میں دفتر سے چھٹی لے کر آرام کرنے کے لئے شملہ گیا ہوا تھا شملہ کے ہوٹل میں اب بھی میرا اٹیچی کیس وغیرہ پڑا تھا ہوٹل والوں کو میں نے یہ کہا تھا کہ ایک ضروری کام سے مجھے انبالے جانا پڑ گیا ہے ایک آدھ ہفتے میں واپس آجاؤں گا ان دنوں کے میں انہیں ایڈوانس پیسے بھی دے آیا تھا میں انہیں خیالات میں الجھا ہوا تھا۔۔۔ اور سڑک پر اس دوران میں دو اور فوجی جیپیں

گزر گئی تھیں۔

ہیلی کاپٹر دور فضا میں کچھ دیر چکر لگانے کے بعد زمین پر اتر گیا تھا یہاں سے میں واپس اودھم پور کی بستی میں بھی نہیں جا سکتا تھا وہاں میرے لئے قدم قدم پر موت منہ کھولے ہوئے کھڑی تھی مجھے اندرانی کا خیال آرہا تھا اگر تھنڈر بیس سے کوئی سپاہی زندہ بچ گیا تو وہ ملٹری پولیس کو پوچھ گچھ کے دوران یہ بھی بتادے گا کہ انبالہ چھاؤنی سے ایک کیپٹن ملہوترہ وہاں سکیورٹی چیک کے لئے آئے تھے دوسری طرف انبالہ چھاؤنی کی انٹیلی جینس بھی اب کیپٹن ملہوترہ کی تلاش میں چل پڑی ہو گی۔

اوشا کو جب پتا چلا ہو گا کہ جس تھنڈر بیس میں اس کا بوائے فرینڈ کیپٹن ملہوترہ سکیورٹی چیکنگ کے لئے آیا تھا وہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے تو اپنے محبوب کا پتا کرنے ضرور ی ملٹری پولیس والوں کے پاس جائے گی اور پھر انہیں یہ بتانے سے بھی گریز نہیں کرے گی کہ ایک آدمی نے جو اندرانی بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا مجھے کیپٹن ملہوترہ سے فون پر بات کروانے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔ اور فلائنگ آفیسر چٹھہ نے اس آدمی ' یعنی مجھ سے اوشا کا تعارف۔۔۔ کیپٹن ملہوترہ کہہ کر کرایا تھا ایسی صورت میں ملٹری پولیس ضرور اندرانی بورڈنگ ہاؤس پر چھاپہ مارے گی اور اندرانی نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دوسرے روز اوشا کی لاش دریائے توی میں تیر رہی ہو گی لیکن اگر اوشا ' اندرانی کے ہاتھ نہ آسکی تو اندرانی کے پاس زہر کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہو گا اور وہ ضرور خودکشی کرلے گی۔۔۔ ان حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں اودھم پور اور جموں شہر سے جتنی جلدی ہو سکے دور نکل جاؤں۔

میں سرکنڈوں میں چھپ کر سڑک سے تھوڑی ہی دور بیٹھا ہوا تھا مجھے جموں کی طرف سے لاری کے انجن کی آواز سنائی دی ' پھر سڑک پر روشنی کی لکیر سی پھیل گئی انجن کی آواز سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ فوجی ٹرک نہیں ہے ' بلکہ لاری ہے میں نے خدا کا نام لیا اور سرکنڈوں سے نکل کر سڑک کے کنارے پر آکر کھڑا ہو گیا صافہ میں نے دیہاتیوں کی طرح اپنے سر پر لپیٹ لیا تھا سڑک پر آنے والی گاڑی کی روشنی پھیلتی جا رہی تھی میرے دل میں یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں یہ فوجی ٹرک نہ ہو اگر یہ لاری تھی تو اسے روکنے کے لئے ضروری تھا کہ میں سڑک کے کنارے پر کھڑے ہو کر اسے ہاتھ کا اشارہ کروں میں نے خدا پر بھروسا کرتے ہوئے سڑک کنارے پر آکر ہاتھ سے اشارہ کرنا شروع کر دیا میری خوش نصیبی کہ یہ فوجی ٹرک نہیں بلکہ لاری تھی خدا جانے سکھ ڈرائیور کے دل میں کیا آیا کہ اس نے لاری سڑک کی ایک طرف روک دی ورنہ آدھی رات کو ڈرائیور کم ہی گاڑی ویران جگہوں پر روکتے ہیں کلینر کی تند بھری آواز آئی "کودر کی جانا آخی۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور لاری میں گھس گیا لاری زیادہ بھری ہوئی نہیں تھی '' مگر جتنے مسافر تھے جاگ رہے تھے اس کی وجہ اودھم پور کی انڈین فضائیہ کی چوکی کی تباہی تھی وہ سب ٹیلے والی فوجی چوکی کی تباہی کی باتیں کر رہے تھے ان میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس ٹیلے کے نیچے آٹھ

جدید ترین ٹیکنالوجی کے حامل ہیلی کاپٹر اور اسرائیلی ہوا باز بھی تھے وہ ٹیلے والی چوکی کو اسلحے کا ڈپو سمجھ رہے تھے 'جو کسی کشمیری مجاہد یا پاکستانی کمانڈو نے اڑا دیا تھا میں بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔ ایک ہندو لالہ کہہ رہا تھا " مہاراج! یہ سارا کام پاکستانی جاسوسوں کا ہے اب تو وہ جموں تک گھس آتے ہیں۔ "

دوسرا ڈوگرہ ہندو بولا " ہماری سرکار بھنگ پی کر سو رہی ہے کہتے ہیں ٹیلے میں ایک ایٹم بم بھی تھا جو پھٹ گیا۔ "

ایک سکھ نے اسے جھاڑتے ہوئے کہا " اوئے ایٹم بم تیرے باپ نے وہاں رکھا ہوا تھا ایٹم بم پھٹتا تو تم کیسے جموں سے زندہ بچ کر نکلتے ؟؟ "

میں نے کہا " مہاراج! ہماری سرکار کو چاہئے کہ ان پاکستان جاسوسوں کو پکڑ کر دریائے توی کے پل پر پھانسی دے۔ "

ایک اور مسافر نے نیند میں جماہی لیتے ہوئے کہا " مہاراج! وہ قابو آئیں تو پھانسی بھی دے سرکار۔۔۔ وہ تو جنگلوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ "

اس پر سکھ ڈرائیور نے ایک گالی ہوا میں اچھالی اور کہا " بس کرو اوے! آگے فوج کی چوکی آ رہی ہے مجھے فوجی بھی نظر آ رہے ہیں۔ "

میں اپنی جگہ پر بیٹھا بیٹھا چونک پڑا جس کا ڈر تھا وہی کچھ ہونے والا تھا لاری سڑک پر بھاگی جا رہی تھی اب اس کی اسپیڈ کم ہونے لگی تھی میں نے ڈرائیور کے سامنے والے شیشے میں سے گردن اٹھا کر دیکھا لاری کی روشنی میں کوئی سو ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر دو انڈین فوجی۔۔۔ کندھوں سے اسٹین گنیں لٹکائے ہاتھ کے اشارے سے لاری کو روکنے کے لئے کہہ رہے تھے میں نے سوچا کہ لاری کے رکتے ہی اتر کر بھاگ جاؤں گا۔ یہ اضطرابی فیصلہ تھا میں نے خود کو سنبھالا 'سمیٹا اور بڑے اعتماد سے پچھلی سیٹ پر بیٹھا رہا میرے پاس سگریٹ نہیں تھا لاری فوجیوں کے قریب جا کر سڑک کے کنارے رک گئی کلینر نیچے اتر گیا اس نے فوجیوں کو سلام کیا اور بولا " سر! یہ لاری امرتسر جا رہی ہے۔ "

فوجیوں نے ہاتھ کے اشارے سے کلینر کو ایک طرف ہٹ جانے کو کہا اور خود لاری کے قریب آ گئے سکھ ڈرائیور کھڑکی سے گردن باہر نکال کر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ سڑک کے کنارے چھولداری لگی تھی جس کے باہر چار فوجی بھی چوکس کھڑے تھے چھولداری میں سے ایک نوجوان فوجی نکل کر لاری کے پاس آیا یہ کیپٹن یا لیفٹیننٹ تھا مجھے اس کے کاندھے کے پھول نظر نہیں آ رہے تھے میں اپنے حواس اور جذبات کو پوری طرح سمیٹے اپنی سیٹ پر ایک مسافر کی طرح بیٹھا فوجیوں کو تک رہا تھا فوجیوں نے تمام مسافروں کو باہر قطار میں کھڑا ہونے کو کہا سارے مسافر لاری سے نکل کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے ڈرائیور اور کلینر بھی ایک طرف بغلوں میں ہاتھ دیئے کھڑے تھے نوجوان ہندو فوجی افسر نے ایک ایک سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟

فوجی ٹینٹ کے باہر ایک بلب روشن تھا کلینر نے یہ کہہ کر کہ لاری امرتسر جا رہی ہے میری مشکل حل کر دی تھی پنجاب میں صرف امرتسر ایک ایسا شہر تھا' جس کی گلیوں' بازاروں سے میں پوری طرح واقف تھا جب میری باری آئی تو میں نے ایک غریب مسکین ہندو کی طرح ہاتھ جوڑ کر نوجوان ہندو فوجی افسر کو نمسکار کیا اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ سکڑی ہوئی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا "کیا نام ہے تمہارا؟"

میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "دھنی رام مہاراج۔"

یہ فوجی کیپٹن تھا اس کے کاندھے پر تین پھول تھے اس نے اپنے حوالدار کو اشارہ کیا حوالدار نے دونوں ہاتھوں سے میرے سارے جسم کو ٹٹولا' جیسے یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ میں نے کوئی اسلحہ تو نہیں چھپا رکھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "امرتسر مہاراج! جموں میں ماتا شیراں والی کے درشن کو آیا تھا۔

" امرتسر میں کیا کرتے ہو؟ ہندو کیپٹن نے پوچھا۔ میں نے اسی مسکین لہجے میں کہا۔ " مہاراج جی! گورو بازار میں اسکول کی کاپیوں سلیٹوں کی دکان کرتا ہوں غریب ہوں جی بھگوان کی کرپا سے دو بچے ہیں پتنی سورگ باسی ہو گی جی۔"

ہندو کیپٹن نے پوچھا کہ میں جموں سے کاپیاں سلیٹیں بھی خرید کرلے جا رہا ہوں کیا؟ میں نے جھٹ کانوں پر ہاتھ لگائے اور کہا۔

" مہاراج! میں ماتا شیراں والی کی یاترا کو آیا تھا جی' بیوپار دہار کرنے نہیں مہاراج"

ہندو کیپٹن آگے بڑھ گیا اب وہ دوسرے سکھ مسافر سے پوچھ گچھ کرنے لگا میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا پیچھے واقعہ ہی ایسا بھیانک ہو گیا تھا کہ فوج کسی بھی شخص کو پوچھ گچھ کے بغیر آگے جانے نہیں دیتی تھی بعد میں پتا چلا کہ صرف اودھم پور بستی میں کوئی ایک سو کے قریب لوگ فوج نے حراست میں لے لئے تھے اور ان میں حکومت کی اپوزیشن جماعت اور کمیونسٹ پارٹی کے مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔

خدا خدا کر کے لاری وہاں سے روانہ ہوئی سکھ ڈرائیور نے خدا جانے کسے گالی دیتے ہوئے کہا "امبرسر میں پھر چیکنگ ہو گی میں تو کل سے رات کو لاری لے کر نہیں آؤں گا۔"

ایک سوکھے ہوئے آم کی شکل کا ادھیڑ عمر ہندو تھیس۔۔ کاندھے پر رکھے میرے قریب ہی بیٹھا تھا میری طرف دیکھ کر بولا "مہاراج! میری دکان بھی گورو بازار میں ہے' مگر میں نے آپ کو وہاں بھی نہیں دیکھا۔"

میں نے فوراً اس ہندو لالے کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! اصل میں میری دکان رام باغ میں ہے پر آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ رام باغ میں طوائفیں بھی رہتی ہیں اور یہ بڑا بدنام بازار ہے میں

نے سوچا، فوجیوں کے آگے رام باغ کا نام لیا تو کہیں مجھے بدمعاش سمجھ کر نہ پکڑ لیں۔"

وہ ہندو مسکرانے لگا۔ اس کے سامنے والے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے وہ بظاہر مسکرا رہا تھا مگر اس کا چہرہ مجھے صاف صاف بتا رہا تھا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آیا۔ میں اس کی طرف سے محتاط ہو گیا فوجی چیک پوسٹ سے نکلتے ہی کلینرز نے ان مسافروں کو ٹکٹ دینے شروع کر دیئے جنہوں نے جموں لاری اڈے پر ٹکٹ نہیں لیا تھا یہ لاری صرف امرتسر تک جا رہی تھی وہاں اسے کل صبح واپس جموں آنا تھا میں نے امرتسر تک کا ٹکٹ لے لیا سگریٹ کی بڑی طلب محسوس ہو رہی تھی میرے پاس سگریٹ نہیں تھے لاری میں دو ایک مسافر سگریٹ پی رہے تھے مگر ان سے سگریٹ مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے صافہ سر سے اتار کر اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا کیونکہ رات کو ٹھنڈ ہو گئی تھی جب امرتسر قریب آیا تو اس ٹھنڈ میں کمی ہو گئی میں نے صافہ دوبارہ سر کے گرد لپیٹ لیا میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ہندو کی طرف دو ایک بار غور سے دیکھا، مگر وہ اونگھ رہا تھا لاری اب ویرگاؤں سے گزر کر مجیٹھ روڈ پر سے گزر رہی تھی امرتسر شہر پر خاموشی طاری تھی لوگ گہری نیند سو رہے تھے سڑک پر دونوں جانب بتیاں روشن تھیں کبھی کبھی کوئی ٹرک گزر جاتا تھا۔

ریلوے پل پر سے گزر کر لاری سیڑھیوں والے ریلوے پل کے سامنے پرانی سرائے والے لاری اڈے میں آ کر رک گئی میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ لاری سے باہر نکل آیا۔ سگریٹوں والا کھوکھا کھلا تھا ایک بوڑھا ہندو لالٹین جلائے بیٹھا تھا میں نے اس سے کیپسٹن کے سگریٹوں کا ایک پیکٹ خریدا، ایک سگریٹ سلگا کر لمبا کش لگایا اتنے میں وہی ہندو لالہ جو میری سیٹ کے ساتھ بیٹھا تھا قریب آ کر بولا "مہاراج! گورو بازار جائیں گے یا رام باغ؟"

وہ ٹوٹے ہوئے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہنس رہا تھا میں نے کہا رام باغ اپنے گھر جاؤں گا مہاراج! پھر آنکھ مار کر اسے کہا "مہاراج! وہ تو میں نے گورو بازار کا نام لے کر اپنی جان بچائی تھی کیا کرتا مہاراج! اچھا رام رام۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر اس مکار ہندو سے اجازت لی اور سگریٹ کے کش لگاتا ہوا رام باغ کی طرف چل پڑا لاری اڈے پر کوئی فوجی نظر نہیں آیا مگر دو ایک آدمی ادھر ادھر ضرور منڈلا رہے تھے ظاہر ہے یہ خفیہ پولیس کے آدمی ہی ہو سکتے تھے رام باغ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا اور میں رام باغ کے علاقے کی ایک ایک گلی سے واقف تھا میرے قارئین کو معلوم ہو گا کہ میں نے اپنی کمانڈو زندگی کا آغاز رام باغ کے علاقے سے ہی کیا تھا جہاں میں ایک اسمگلر ساتھی کے پاس آ کر ٹھہرا تھا۔ رات کے دو بجے کا عمل ہو گا امرتسر شہر کی سڑکیں سنسان پڑی تھیں کبھی کبھی دور سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آ جاتی تھی میں ہال بازار والے فوارے کے قریب آیا تو یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا، ایک بار تو میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی وہی ہندو لالہ جس کو میری بات کا یقین نہیں آیا تھا ایک کھدر پوش صدری والے

آدمی کی طرف جھک کر اسے کچھ کہہ رہا تھا وہ صدری والا آدمی' مجھے جاتے ہوئے تک رہا تھا یہ آدمی خفیہ پولیس کے سوا اور کوئی نہیں تھا اس کا ثبوت مجھے اس وقت مل گیا جب میں نے پرل سینما کے قریب سے گزرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ صدری والا۔ میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا میں اس حقیقت سے واقف تھا کہ خفیہ پولیس کو جو آدمی رات کے وقت لاری اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر ڈیوٹی پر ہوتے ہیں ان کے پاس پستول ضرور ہوتے ہیں میں نپٹا تھا لیکن کمانڈو نپٹا بھی ہو تو اتنی آسانی سے قابو میں نہیں آجاتا ہاں کوئی ان جانے میں یا پیچھے سے فائر نہ کردے چنانچہ میں نے دیکھا کہ ہندو لالے نے میری مخبری کر دی ہے اور امرتسر خفیہ پولیس کا آدمی میرے پیچھے لگ گیا ہے تو میں محتاط ہو گیا خفیہ پولیس کا آدمی ایک بار پیچھے لگ جائے تو اس سے پیچھا چھڑانا ایک عام آدمی کے لئے تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں سے ایک کمانڈو ہی نمٹ سکتا ہے اس ہندو خفیہ پولیس والے نے اب یہ کیا کہ بازار میں روشنی کا کوئی کھمبا آتا تو وہ اندھیرے میں کہیں غائب ہو جاتا وہ مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرے تعاقب میں نہیں آرہا ہے لیکن میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں بلکہ پکی گولیوں کھیل کھیل کر میں اس فن میں طاق ہو گیا تھا۔

یہ بات مجھ پر واضح نہیں ہوئی تھی کہ یہ آدمی پنجاب پولیس کی خفیہ کا ہے یا ملٹری انٹیلی جینس کا ہے ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی دست بدست لڑائی میں بھی کسی کمانڈو سے کم نہیں ہوتے' بلکہ انہیں اس کی تھوڑی سی تربیت بھی دی جاتی ہے میں پرل ٹاکیز سے دائیں جانب گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا کیونکہ دوسری طرف آگے رام باغ کا تھانہ آتا تھا جس سے میں ہر حالت میں بچنا چاہتا تھا گندا نالہ جسے امرتسر لوگ ڈنڈے شاہ کہتے تھے پرل ٹاکیز کے پیچھے سے ہو کر گزرتا تھا اور شریف پورے کی طرف جانے والی سڑک پر جا نکلتا تھا۔

گندے نالے کے کنارے کنارے چلتے ہوئے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا خفیہ پولیس کا آدمی مجھے کہیں نظر نہ آیا وہ اگرچہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ۔۔۔ تعاقب ہی میں ہو گا ڈنڈے شاہ کا تکیہ جب مسلمان یہاں ہوتے تھے تو بڑا آباد تھا مگر اب وہ ویران ہو گیا تھا میری بائیں جانب ڈنڈے شاہ کی آبادی........ کے مکانوں کے پچھواڑے شروع ہو گئے گندے نالے کی وجہ سے لوگوں نے اس طرف مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے وغیرہ نہیں رکھے تھے ۔۔۔ صرف دو چار مکانوں کے بعد ایک چھوٹی سی گلی آجاتی تھی پہلے میرے دل میں خیال آیا کہ میں ان گلیوں میں کسی اندھیری گلی میں گھس کر نور مسجد کی طرف سے ہوتا ہوا حسین پورے کی طرف نکل جاؤں پھر کچھ سوچ کر نالے کے کنارے کنارے ہی چلتا گیا اب میرے سامنے وہ سڑک تھی' جس کے نیچے سے نالہ گزر کر برج پھولا سنگھ کی طرف چلا جاتا تھا اس سڑک پر بجلی کے کھمبے روشن تھے مگر بلبوں کی روشنی بڑی کمزور تھی۔ اس سڑک کے بائیں جانب کمپنی باغ والا ریلوے پھاٹک تھا اور دائیں جانب تھوڑی دور

رام باغ کا تھانہ تھا سڑک پر آتے ہی قدرتی طور پر میں نے ریلوے پھاٹک کی طرف منہ کر لیا رات کے دو بجے سڑک بھائیں بھائیں کر رہی تھی میں نے صافہ سر پر سے اتار کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا' مجھے برابر یہ اندیشہ لگا تھا کہ خفیہ پولیس کا آدمی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ جونہی میں ایک بند دکان کے قریب پہنچا تو ایک جانب سے وہی صدری پوش سی آئی ڈی والا اچانک نکل کر میرے سامنے آ گیا اس نے مجھے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اور پوچھا "مہاراج! اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو؟

میں نے سوچا کہ یہاں اب ایک روایتی ڈرپوک ہندو لالے کی اداکاری ہی میری جان بچا سکتی ہے فوراً ہاتھ جوڑے اور عاجزی سے کہا "مہاراج! جموں والی لاری سے اترا ہوں سنگھ پورے اپنے گھر جا رہا ہوں"

مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد سکھوں نے شریف پورے کی حسین پورے والی آبادی کا نام سنگھ پورہ رکھ دیا تھا اور یہ آبادی ریلوے پھاٹک کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی تھی موقع محل کے اعتبار سے میں نے بالکل صحیح جگہ بتائی تھی 'مگر لاری والے ہندو نے مخبری کر دی تھی کہ میں نے فوجیوں کے آگے جھوٹ بولا تھا کہ میں گورو بازار میں رہتا ہوں ایسی صورتحال میں جبکہ جموں میں فوجی اسلحہ کے ڈپو میں تباہی مچی ہو کوئی بھی سی آئی ڈی والا 'مجھے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا تھا ظاہر تھا کہ امرتسر پولیس کو جموں فوجی ڈپو کی تباہی کی اطلاع مل چکی تھی اسی لئے آدھی رات کو امرتسر کے ویران لاری اڈے پر خفیہ کا آدمی موجود تھا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر زور سے ہلایا اور گالی دے کر بولا "سچ سچ بتاؤ تم جموں کس سے ملنے گئے تھے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

میں اور زیادہ عاجزی سے گڑگڑانے لگا "مہاراج میں تو جموں شیراں والی ماتا کے درشن کرنے گیا تھا اور دو دن وہیں دیوی کے استھان پر گزارے تھے مہاراج میں تو وہاں کسی کو جانتا بھی نہیں مہاراج۔"

اب اس نے لپک کر میرے صافے کو دونوں ہاتھوں سے بل دینے شروع کر دیئے صافے سے میری گردن کو گھونٹنا شروع کر دیا میں نے گردن پر سے صافے کو پکڑ لیا اور تقریباً روتے ہوئے کہا۔

"مہاراج 'مجھے کچھ معلوم نہیں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں مہاراج مجھ پر دیا کریں میرے پاس دو سو روپے ہیں وہ لے لیں مہاراج مجھے چھوڑ دیں میں نردوش ہوں مہاراج"

اس نے صافے کو اور زور سے مروڑا میری رگیں پھولنے لگیں چل تھانے چل میرے ساتھ وہاں جا کر تیرا باپ بھی سب کچھ بتا دے گا۔"

اب میں نے کمانڈوز ایکشن کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ اس خفیہ آدمی کی حرکات سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی نہیں ہے میں اس کے آگے ہاتھ جوڑے گڑگڑا بھی رہا تھا۔ اس سے رحم کی بھیک بھی مانگ رہا تھا اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پیچھے بھی ہٹتا جا رہا تھا کیونکہ وہاں سے چند قدم پیچھے اندھیرا تھا اور میں نے واردات کے لئے اسی جگہ کو منتخب کیا تھا میں اس کی نسبت

زیادہ چاق و چوبند اور جوان تھا صافہ میری گردن میں تھا وہ دونوں ہاتھوں سے صافے کو بل دیتے ہوئے مجھے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے گالیاں بھی دیتا جا رہا تھا صرف چند قدم پیچھے ہٹنے کی بات تھی جو نہی وہ اندھیرے میں آیا میں نے اچھل کر پوری طاقت سے اپنی سیدھی لات اس کی ناف کے نیچے ماری میرا یہ حربہ اتنا کارگر ثابت ہوا کہ اسکے ہاتھ سے صافہ چھوٹ گیا اور وہ اپنے پیٹ کو پکڑ کر دہرا ہو گیا۔ اسے اس قدر شدید درد ہونے لگا تھا کہ اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی میں نے اوپر سے اپنا ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ وہ زمین پر گر گیا۔ اب وہ میرے رحم و کرم پر تھا بہت جلد ہی میں نے اس سے نجات حاصل کر لی۔ اس کا کوئی کوئی سانس باقی تھا لیکن راؤنڈ پر اگر کوئی پولیس کا آدمی ادھر آجاتا تو اسی وقت پولیس میری تلاش میں امرتسر کے گلی کوچوں میں نکل آتی اور مجھے ہر حالت میں اس شہر کے قرب و جوار میں رات گزارنی تھی گندے نالے کا پل دو قدم کے فاصلے پر تھا میں نیم مردہ لاش کو گھسیٹ کر نالے کے پل کے کنارے پر لے آیا اور پھر اسے گندے نالے میں لڑھکا دیا۔ وہ گندے نالے میں اوندھا ہو کر تیرنے لگا، پھر میں نے اسے کھمبے کی روشنی میں نیچے ہی نیچے ڈوبتے دیکھا تو وہاں سے بھاگ کر گرجا گھر کی طرف ہو گیا گرجا گھر کے پیچھے سے نکلا اور شریف پورے والی سڑک پر آگیا۔ سامنے ہاتھی گراؤنڈ تھی جہاں اب پاکستان سے آئے ہوئے شرنارتھیوں نے مکان بنا لئے تھے یہاں کئی مکانوں کے باہر گائیں بندھی ہوئی تھیں ایک مکان میں بندھا ہوا کتا میری بو سونگھ کر زور سے بھونکا میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور سڑک کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل کر شریف پورے کے سامنے سے گزرتی جی ٹی روڈ پر آگیا۔

اب مشرقی آسمان پر پو پھٹنے کے آثار نمودار ہونے لگے تھے جی ٹی روڈ پر آکر میں نے جالندھر کی طرف چلنا شروع کر دیا جالندھر، امرتسر سے چالیس میل دور ہے اور امرتسر سے منہ اندھیرے جالندھر سے لاریاں چلنے لگتی تھیں مگر میں کسی اور لاری پر سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا میں کسی ایسے ٹرک کے انتظار میں تھا جو امرتسر سے مال لے کر جالندھر یا اس سے آگے انبالہ، لدھیانہ کی طرف جا رہا ہو امرتسر کے بیوپاری اپنا مال اکثر ٹرکوں پر ہی جالندھر، لدھیانہ انبالہ اور دلی تک بھیجتے ہیں اور یہ ٹرک عام طور پر رات بھر چلتے رہتے ہیں جو مال جالندھر جانا ہوتا ہے وہ عام طور پر منہ اندھیرے لے جایا جاتا ہے یہ چھوٹی چھوٹی، مگر ایک کمانڈوز کے لئے بڑی ضروری معلومات میں نے شروع ہی سے حاصل کر رکھی تھیں میں سڑک کے بائیں جانب چل رہا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیچھے دیکھ لیتا تھا کہ کوئی مال سے لدا ہوا ٹرک تو نہیں آرہا۔

میں چلتے چلتے شریف پورے کی آبادی سے آگے نکل آیا تقسیم کے بعد امرتسر کے اس علاقے میں آبادی بڑی تیزی سے بڑھی تھی یہاں زیادہ تر سکھوں نے مکان بنائے تھے آگے مقبول پورہ آگیا جہاں ہندوؤں کی آبادی بھی تھی اس کے آگے بجلی گھر والی نہر... تھی میں ابھی مقبول پورہ سے

دور ہی تھا کہ پیچھے سے سڑک پر کسی گاڑی کی تیز روشنی پڑی میں رک گیا دور سے ایک ٹرک کی گھوں گھوں کرتی آواز آرہی تھی آواز سے ظاہر تھا کہ ٹرک میں کافی مال لدا ہوا ہے مشکل یہ تھی کہ ڈرائیور امرتسر سے نکلتے ہو ٹرک کھڑا کرنے کے موڈ میں نہیں ہوتے' پھر بھی میں نے اللہ کے آسرے پر ہاتھ دے دیا ٹرک شور مچاتا 'گرد اڑاتا میرے سامنے سے گزر گیا وہ رکا نہیں تھا خطرہ سا مجھے اپنے آس پاس منڈلاتا محسوس ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ میں اس علاقے سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جانا چاہتا تھا' لیکن پیچھے سے کوئی ٹرک نہیں آرہا تھا رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی جھلکنے لگی تھی دور کسی مندر سے گھنٹیاں بجنے اور بھجن گانے کی مدھم آواز آرہی تھی سڑک پر اکا دکا لوگ بھی نظر آنے شروع ہو گئے تھے آخر ستمبر کا موسم صبح کے وقت فضا میں خنکی تھی میں مقبول پورے سے بھی آگے نکل گیا۔ یہاں سکھوں کے ایک گردوارے میں گوربانی کا پاٹھ ہو رہا تھا سکھ شردھالو اور عورتیں گردوارے کی طرف چلی جا رہی تھیں میں سڑک کے کنارے ٹاہلیوں کے درخت کے نیچے خاموشی سے چلا جا رہا تھا سڑک پر سے اس خیال سے نیچے اتر کر کچے میں آ گیا تھا کہ مجھے چھتے ہوئے کنویں کے پاس دو پولیس والے ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے نظر آ گئے تھے وہ سڑک کی دوسری جانب تھے رام باغ تھانے والوں کو ابھی خفیہ پولیس والے ہندو کی گندے نالے سے لاش نہیں ملی تھی' ورنہ یہ سکھ کانسٹیبل آرام سے بینچ پر نہ بیٹھے ہوتے لاش کے ملنے سے پہلے پہلے میں چاہتا تھا کہ کم از کم جالندھر پہنچ جاؤں۔

جالندھر کی طرف سے دو تین ٹرک اور ایک مسافروں سے بھری ہوئی لاری امرتسر کی طرف گزر گئی تھی امرتسر کی طرف سے بھی ایک لاری میرے قریب ہارن دیتی گزر گئی اس کو میں نے ہاتھ نہ دیا بلکہ منہ دوسری طرف کر لیا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ وہی لاری تھی جو مجھے جموں سے امرتسر لائی تھی میں نے سکھ ڈرائیور کو پہچان لیا تھا بجلی گھر والی نہر کا پل آ گیا یہاں ایک طرف دکان پر ہندو لالہ پوریاں تل رہا تھا کچھ ایسے ہندو گاہک جو صبح سیر کی غرض سے نہر پر آئے تھے یہاں پوریاں کھا رہے تھے پل عبور کرنے کے بعد کھیت شروع ہو گئے میرا زیادہ دیر تک پیدل چلتے رہنا بھی ٹھیک نہیں تھا میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

دو فوجی ٹرک تیزی سے سڑک پر سے گزر گئے۔ وہ جالندھر کی طرف جا رہے تھے فوج کیوں چوکس ہو گئی تھی' میں جانتا تھا مجھے خطرہ صرف پولیس سے تھا کہ اگر ذرا سے شبہے میں بھی پکڑ لیا گیا تو کسی وقت سارا بھید کھل سکتا تھا میں نے ایک ٹرک کو دیکھا جس میں سامان لدا ہوا تھا۔ ٹرک ریں ریں کرتا تیس پینتیس کی اسپیڈ پر چلا آرہا تھا میں نے بنا کچھ سوچے سمجھے اٹھ کر اسے ہاتھ دے دیا ٹرک سڑک کے کنارے تھوڑی دور جا کر رک گیا۔ میں بھاگ کر ڈرائیور کے پاس گیا۔ یہ ایک سوجے ہوئے چہرے اور بھرپور داڑھی والا سکھ ڈرائیور تھا کھڑکی سے اپنا پگڑی والا سر نکال کر بولا او لالہ کتھے جانا ایں تیں میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کہا " سردار جی' جانا تو جالندھر ہے مہاراج۔ لاری میں جگہ

نہیں ملی گاڑی آنے میں دیر تھی۔"

سکھ ڈرائیور نے اپنی ساتھ والی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا" آجا چاچا اندر میں جالندھر لادوں گا۔ مجھے انبالے جانا ہے۔"

سکھ ڈرائیور کی باتوں سے صاف عیاں تھا کہ وہ رات بھر ناؤ نوش میں مشغول رہا ہے یہ ٹرک میری منزل تک جا رہا تھا لیکن میں ابھی اس کے سامنے انبالے کا نام نہیں لینا چاہتا تھا میں دوسری طرف سے دروازہ کھول کر ٹرک میں بیٹھ گیا یہاں پہلی بار مجھے مشروب کی تیز بو آئی سکھ ڈرائیور نے گیئر بدلا اور ٹرک سڑک پر چلنے لگا اب اس نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں وہ ٹھیٹھ پنجابی میں باتیں کر رہا تھا میں بھی پنجابی زبان ہی بول رہا تھا کسی وقت یہ دلچسپ سکھ ڈرائیور اچانک اردو بولنی شروع کر دیتا۔ اس کی اردو انبالے کی تھی شاید یہ انبالے کا اثر تھا پنجاب میں سکھوں کی خالصتان کی تحریک شروع ہو چکی تھی اور سکھوں میں کافی جوش و خروش پایا جاتا تھا یہ تحریک اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور سکھ لیڈروں کے صرف بیانات تک ہی محدود تھی۔

مجھے یہ پریشانی لگی ہوئی تھی کہ سکھ ڈرائیور نشے میں ہے کہیں کسی سامنے سے آتی لاری سے ٹکر نہ مار دے لیکن میں نے دیکھا کہ وہ ڈرائیونگ بڑی مہارت سے کر رہا تھا میں باتیں تو ڈرائیور سے کر رہا تھا' لیکن میرا دھیان پیچھے سے آنے والی ہر گاڑی پر لگا تھا ہم امرتسر سے کافی دور نکل آئے تھے اس دوران ایک فوجی جیپ اور دو لاریاں ہمیں پیچھے چھوڑ کر نکل چکی تھیں فوجی جیپ میں ملٹری پولیس دیکھ کر میں نے اپنا چہرہ کھڑکی سے اندر کر لیا تھا راستے میں ٹرک ایک جگہ روک کر سکھ ڈرائیور نے چائے پی اور مجھے بھی زبردستی پلائی میں ٹرک سے نیچے نہیں اترنا چاہتا تھا مگر سکھ ڈرائیور مجھے زبردستی اتار کر اپنے ساتھ چائے کی دکان پر لے گیا اور ہم نے لکڑی کے بینچ پر بیٹھ کر چائے پی وہ مسلسل باتیں کیئے جا رہا تھا۔

میری تیز نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں پولیس کا کوئی سنتری نہیں تھا امرتسر سے جالندھر لاری میں جائیں تو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگتا ہے مگر اس ٹرک نے پورے سوا دو گھنٹے میں مجھے جالندھر پہنچایا میں یہ سوچ رہا تھا کہ انبالے تک اسی سکھ کے ٹرک میں جاؤں یا یہاں سے کوئی لاری یا ٹرین پکڑلوں لاری اور ٹرین میں بھی چیکنگ کا خطرہ تھا ٹرک میں بھی یہ خطرہ موجود تھا آخر میں نے سکھ ڈرائیور کو صاف صاف بتا دیا کہ میں انبالے جانا چاہتا ہوں پہلے تو وہ مجھے گھور کر دیکھتا رہا پھر زور سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا" لالہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا بیٹھ جا ٹرک میں بس میں چلنے ہی والا ہوں۔"

جالندھر سے چلے تو اب لدھیانہ آنے والا تھا راستے میں پولیس کے دو سپاہی سڑک کے کنارے ٹرکوں اور لاریوں کی چیکنگ کر رہے تھے میں نے دیکھا کہ سکھ ڈرائیور کچھ بے چین سا ہو گیا۔

اس نے پولیس والوں کو گالی دی اور ٹرک کھڑا کر دیا پولیس کے سپاہی بڑی کاہلی سے ٹرکوں اور لاریوں میں جھانک کر دیکھتے اور پھر جانے کی اجازت دے دیتے ہمارا ٹرک لدھیانہ کی طرف چلا جا رہا تھا اور سکھ ڈرائیور پولیس کو بے نقط سنا رہا تھا۔ لدھیانہ میں اس نے ٹرک کو نہ روکا اور جی ٹی روڈ پر آگے انبالے کی طرف نکل گیا میں بھی یہی چاہتا تھا کہ انبالہ جلدی آجائے اور میں وہاں سے شملہ روانہ ہو جاؤں پہلے تو میں نے سکھ ڈرائیور کا خیال کرتے ہوئے سگریٹ نہیں سلگایا تھا مگر جب ڈرائیور کو علم ہوا کہ میں سگریٹ پیتا ہوں تو اس نے گالی بکتے ہوئے کہا" لالہ بے شک تمباکو پیو ٹرک میں میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

پھر بھی میں نے ٹرک میں سگریٹ نوشی سے پرہیز ہی کیا جہاں کہیں ٹرک رکتا' میں نیچے اتر کر ایک سگریٹ پی لیتا تھا دوپہر کا کھانا ہم نے انبالے سے ادھر سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک ڈھابے میں کھایا جہاں سبزیوں اور ترکاریوں کا سالن ملتا تھا۔ یہاں سے چلے تو ایک گھنٹے بعد انبالے کی مضافاتی بستیاں اور کارخانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا شہر قریب آرہا تھا سڑک پر ٹریفک میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

انبالے کے ریلوے اسٹیشن سے کوئی دو فرلانگ دور سڑکوں پر ایک جگہ ہمارے ٹرک کی جانب سامنے سے پولیس کی دو جیپیں بڑھیں انہوں نے تیزی سے ہمارے ٹرک کو گھیر لیا سکھ سپاہیوں نے رائفلوں کا رخ ہماری طرف کر دیا سکھ تھانے دار چھلانگ لگا کر اگلی جیپ سے نیچے اترا پستول اس کے ہاتھ میں تھا سکھ ڈرائیور نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے گالی دے کر کہا" کسی نے مخبری کر دی ہے"

میں اس سے زیادہ پریشان تھا کہ یہ اچانک سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا ہے مخبری سے سکھ ڈرائیور کی کیا مراد تھی بہر حال اتنا سوچنے کی پولیس نے مہلت ہی نہ دی ان کی نفری زیادہ تھی ان کے پاس اسلحہ بھی تھا انہوں نے ٹرک کو گھیرے میں لے لیا تھا ہمیں نیچے اتار کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ ابھی میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی' کہ یہ چھاپہ پولیس نے کس سلسلے میں مارا ہے اور مخبری کیسی ہوئی تھی لیکن میرے لئے یہ بات انتہائی پریشان کن تھی کہ میں بھی سکھ ڈرائیور کے ساتھ پولیس کے ہتھے چڑھنے والا تھا

بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مخبری ہوئی ہے پولیس سیدھی ٹرک کی اگلی سیٹوں پر ٹوٹ پڑی دیکھتے دیکھتے دونوں سیٹوں کی گدیاں ادھیڑ ڈالیں ان کے نیچے چرس کی تھیلیاں چھپائی گئی تھیں جسے پولیس نے برآمد کر لیا میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ گڑھے سے اپنے آپ کو بچاتا ہوا میں کنویں میں گر گیا تھا میں بھاگ ہی نہیں سکتا تھا مسلح پولیس نے ہمیں گھیرے میں لے رکھا تھا جونہی چرس ٹرک سے برآمد ہوئی سکھ تھانے دار نے ہمیں ہتھکڑیاں لگوادیں سکھ ڈرائیور بار بار سر کو جھٹک کر یہی کہے جا رہا تھا" مجھے کیا معلوم نیچے چرس بھری ہوئی ہے یہ کسی نے میرے ساتھ دشمنی کی ہے میرا اس میں کوئی دوش

نہیں میرے مالکوں کو بلایا جائے۔"

میں خاموش تھا۔ سکھ تھانے دار میرے قریب آکر کہنے لگا "کیا نام ہے تیرا اوئے؟"

میں نے یہاں اپنا نام دھنی رام کی بجائے مکند رام بتایا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا میں تو امرتسر میں گوروبازار میں منیاری کی دکان کرتا ہوں منیاری کا سامان خریدنے انبالے جا رہا تھا کہ لاری نکل گئی ٹرین بھی نہ ملی شام کو مجھے امرتسر واپس آنا تھا اس لئے سردار جی کے ٹرک میں بیٹھ گیا۔

سکھ تھانے دار نے میرے کان کو پکڑ کر زور سے مروڑا اور ایک تھپڑ مار کر کہا "تھانے چل سب پتا چل جائے گا لے چلو انہیں تھانے۔"

میں مصیبت میں پھنس چکا تھا۔ ان لوگوں کے چنگل سے نکلنا اس وقت تقریباً ناممکن دکھائی دے رہا تھا' لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جونہی مجھے ذرا سا بھی موقع ملا میں فرار ہو جاؤں گا مجھے اندازہ تھا کہ تھانے جا کر ہمارے خلاف منشیات کی اسمگلنگ کے جرم میں پرچہ کاٹا جائے گا جب تک کہ ٹرک کا مالک امرتسر سے آکر ہماری ضمانتیں نہیں کرواتا ہمیں ہتھکڑیاں لگی تھیں سکھ ڈرائیور میرے ساتھ ساتھ چلتا پولیس کی گاڑی کی طرف جا رہا تھا میری طرف جھک کر کہنے لگا "پران نہ چھوڑ دینا لالہ ایسا ہوتا ہی رہتا ہے ہمارا مالک کلسی رام رات کو ہی آکر ہماری ضمانتیں کرا دے گا۔"

پولیس ہمیں جیپ میں بٹھا کر تھانے لے گئی۔ تھانے میں ہمیں ایک بوسیدہ سے بنچ پر بٹھا دیا گیا تھانے کا عجب حال تھا یہاں سکھ سپاہی بھی تھے اور ہندو بھی پہلے تو کسی نے ہماری طرف دھیان نہ دیا۔ دوسری جیپ میں سکھ تھانیدار آیا تو ہمارے خلاف پرچہ لکھا جانے لگا۔ ہمارے نام اور پتے لکھے گئے میں نے امرتسر کے گرد بازار کا جھوٹ موٹ پتا لکھوا دیا ہماری تلاشی بھی لی گئی میری جیب میں جتنے روپے اور سگریٹ تھے پولیس نے اپنے قبضے میں کر لئے اس کے بعد ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا جو تھانے کے احاطے میں ہی کنویں کے پاس بڑ کے ایک درخت کے نیچے بنی ہوئی تھی صرف ایک کمرا تھا جس کے دروازے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں آگے ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا جہاں ایک ہندو سپاہی سنگین کاندھے پر رکھے کھڑا تھا سامنے کنواں اور چار چھوٹے چھوٹے نہانے کے واسطے غسل خانے یا سقاوے بنے ہوئے تھے حوالات میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ فرش پر گندے مندے نسواری رنگ کا ایک ٹاٹ بچھا تھا اور بوسیدہ سے کمبل پڑے تھے ہم دونوں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

میرا ذہن وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور کر رہا تھا۔

سکھ ڈرائیور پولیس اور مخبر کو گالیاں بک رہا تھا' پھر وہ ٹاٹ پر ہی لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد اس کے خراٹے گونجنے لگے۔

تھوڑی دیر پہلے میں بڑے مزے سے انبالے کی طرف چلا جا رہا تھا اور وہاں سے شملہ جانے کا

پروگرام بنا رہا تھا اور اب انبالہ شہر کے ایک تھانے کی حوالات میں پڑا تھا میرے لئے یہاں دو ایک دن سے زائد رہنا کسی حالت میں بھی ٹھیک نہیں تھا ابھی تک یہاں تھانے میں کسی کو میری اصلی حیثیت کا علم نہیں تھا وہ مجھے اسمگلروں کا ساتھی ہی سمجھ رہے تھے ہو سکتا ہے کہ سکھ تھانے دار کو میری بے گناہی کا بھی احساس ہو مگر جب تک امرتسر شہر سے ٹرک کا مالک نہیں آجاتا' ہمیں اس حوالات سے کوئی باہر نہیں نکلوا سکتا تھا سکھ ڈرائیور نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ٹرک کا مالک بڑا اثر رسوخ والا ہے اور وہ رشوت دے کر بھی ہماری ضمانتیں کروا دے گا۔ اسمگلنگ تو ہوتی ہی رہتی ہے مگر نشہ آور چیزوں کی اسمگلنگ کے بارے میں بھارتی حکومت بھی بے حد حساس تھی اور اس بارے میں خصوصی احکامات جاری کئے گئے تھے کہ چرس اور ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والوں کے خلاف سخت اقدامات کئے جائیں اس کے باوجود مجھے یہ احساس بھی تھا کہ پولیس سے مل کر ٹرک مالک معاملہ رفع دفعہ یا کم کروانے گا۔ تاہم میں وہاں زیادہ دیر رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا تھا۔ اگر بالفرض محال پولیس نے ہماری ضمانتیں نہ ہونے دیں اور ہمارا ریمانڈ لے لیا گیا تو میرا راز کا طشت از بام ہو جانا یقینی تھا ریمانڈ کے دوران اگر پولیس نے تشدد کرتے ہوئے میرے کپڑے اتروا دیئے تو میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہ بات میری تباہی کا باعث بن جائے گی۔ پولیس کو مجھ پر پہلا شبہ یہی ہو گا کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں اور میرا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

جوں جوں میں اس لائن پر سوچ رہا تھا میری پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ ہو جائے خواہ مجھے سارے کے سارے تھانے کے عملے کو قتل کرنا پڑے مجھے راتوں رات یہاں سے فرار ہو جانا ہو گا فیصلہ کرتے ہی میں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا۔

بظاہر وہاں سے فرار ہونا ناممکن لگ رہا تھا۔ فرار ہر جگہ سے ناممکن ہوتا ہے۔ صرف سوچ اور جرأت مندانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر کوئی رکاوٹ راستے میں حائل نہیں ہوتی۔ یہ بات میرے تجربوں نے ثابت کر دی تھی۔ جرأت اور حوصلہ میرے اندر موجود تھا۔ مجھے صرف کسی چھوٹے سے موقع کی تلاش تھی۔ موقع کسی خاص سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہی مل سکتا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس حوالات کی سلاخوں والے دروازے کے درمیان میں تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ بلکہ پہلو میں دو ہاتھ کے فاصلے پر دیوار کے اندر جا کر لگایا گیا تھا۔ اگر کسی طریقے سے حوالات کی چابی میرے ہاتھ میں آ بھی جاتی ہے تو میرا ہاتھ سلاخوں کے باہر دروازے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ میرے فرار کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی جسے دور کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ پہرے پر کھڑے ہندو سپاہی اور اس کی سنگین والی بندوق سے کسی بھی وقت نجات حاصل کر سکتا تھا۔ میں اس رات کے وقت چابی بھی چھین سکتا تھا' مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ میں حوالات کا دروازہ پھر بھی نہیں کھول سکتا تھا۔ کوئی متبادل ترکیب میرے ذہن میں اس وقت نہیں آ رہی تھی۔ اتنے میں سکھ ڈرائیور کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے پگڑی کھول کر سر پر دوبارہ باندھتے ہوئے باہر کھڑے سنتری سے کہا۔ "مہاراج کوئی چائے کی ایک آدھ پیالی ہی منگوا دو۔ میرے پاس مل ہے۔"

سکھ ڈرائیور نے کپڑوں کی ایک خفیہ جگہ سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر باہر کھڑے سنتری کو دکھایا۔ سنتری قریب آگیا۔ ڈرائیور نے نوٹ سلاخوں سے باہر کھسکا دیا' جسے سنتری نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور کہا۔ "آ جاتی ہے چائے' مرے کیوں جاتے ہو۔"

تھوڑی دیر کے بعد اس نے چائے کی ایک چینک منگوالی۔ ساتھ ایک ہی پیالی آئی تھی۔ پہلے اس نے خود چائے پی اور پھر پیالی بھر کر اندر کھسکا دی۔ سکھ ڈرائیور نے میری طرف دیکھا اور دبی زبان میں ذرا مسکرا کر بولا۔ "یہاں ہر شے مل جاتی ہے' بس مال ہونا چاہئے۔ اگر واہگورو نے چاہا اور ہم اکٹھے ہی جیل میں گئے تو لالہ تم دیکھنا' وہاں بوتل بھی آ جایا کرے گی۔"

چائے پی کر اس نے پیالی خالی کی اور سنتری سے کہا۔ "میرے لالہ یار کے لئے بھی چائے دو۔ یہ تو بے چارہ خواہ مخواہ پھنس گیا ہے میرے ساتھ۔"

میں نے فوراً کہا۔ "نہیں نہیں۔ میں چائے نہیں پیتا۔ مجھے چائے پینے سے گرمی ہو جاتی ہے۔"

اصل میں میں ان لوگوں کی جھوٹی پیالیوں میں چائے نہیں پینا چاہتا تھا۔ سکھ ڈرائیور نے مجھے ہلکی سی پیار بھری گالی دی اور کہا لالہ چائے سالی کیا گرمی خشکی کرے گی۔ ہم تو پوری بوتل منہ لگا کر ختم کر دیتے ہیں اور کوئی گرمی خشکی نہیں ہوتی۔"

سکھ ڈرائیور نے امرتسر کے ٹرک کے مالک کا نام اور پورا پتا لکھ کر دے دیا تھا۔ شام ہو گئی اور ابھی تک ٹرک کا مالک امرتسر سے نہیں آیا تھا۔ سکھ ڈرائیور نے سنتری سے پوچھا کہ مالک کب آئے گا۔ اسے اطلاع کر دی گئی ہے کہ نہیں تو سنتری نے اسے ڈانٹ دیا "خاموش بیٹھا رہ سردار۔ یہاں ہمیں صرف تیری بک بک ہی نہیں سننی ہے اور بھی کام کرنے ہوتے ہیں۔"

سکھ ڈرائیور نے میری پسلی میں کہنی مار کر کہا۔ "ہم تو لالہ ان کے جوائی بن کر یہاں رہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ وہ چرس' افیون وغیرہ کی اسمگلنگ کرنے میں اکثر جیل کی ہوا کھاتا رہتا تھا جہاں سے اس کا اسمگلر مالک چھڑا کر لے آتا تھا اور اگر اسے چھ سات ماہ کی قید ہو بھی جاتی تھی تو مالک اس کے بال بچوں کو باقاعدہ مہینہ دیتا تھا۔ مجھے یہ صورت حال کسی صورت میں بھی گوارا نہیں تھی۔

رات کو ہمیں بہت ہی گندا سا کھانا دیا گیا۔ کھانا کیا تھا بس مٹی کا ڈونگا بدذائقہ دال سے بھرا ہوا تھا۔ دو جلی ہوئی روٹیاں ساتھ تھیں۔ میں نے بہرحال ایک روٹی زہر مار کی' پیٹ کی آگ بجھائی تھی۔ رات کو حوالات میں مچھروں نے یلغار کر دی۔ جسم کھجا کھجا کر برا حال ہو گیا۔ میں اٹھ کر حوالات میں ٹہلنے لگا۔ اس پر سنتری نے ڈانٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نے سکھ ڈرائیور سے کہا۔ "یہاں جیل توڑ کر

بھاگنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے مہاراج ؟"

سکھ ڈرائیور نے چونک کر میری طرف دیکھا" لالہ تم دال کھانے والے کیراڑ ہو۔ کیا تم میں اتنی جرأت ہے کہ جیل توڑ کر بھاگ جاؤ۔ ویسے دیکھنے میں تم باڈی بلڈر لگتے ہو۔"

میں نے آہستہ سے کہا" مہاراج! بات یہ ہے کہ میں ایک عزت دار آدمی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر سزا ہو گئی تو سارے جیون کے لئے مجھ پر داغ لگ جائے گا۔ بڑی بدنامی ہو گی۔"

سکھ ڈرائیور بولا اوئے لالے! تو کیا جیل توڑ کر بھاگنے سے تیری بدنامی نہیں ہو گی۔ کیا پھر پولیس تیرے بال بچوں کو پریشان نہیں کرے گی۔ اب تو پھر بھی ہم تیری ضمانت کروا لیں گے لیکن اگر تو نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو تجھ پر ایک اور مقدمہ بن جائے گا جس کی ضمانت میرا مالک نہیں کرائے گا۔ یہ بات سوچ رکھنا۔"

سکھ ڈرائیور نے اپنی طرف سے بالکل ٹھیک بات کی تھی، مگر اسے کیا معلوم کہ میں کون تھا اور میرا وہاں سے فرار ہونا کس قدر ضروری تھا۔ میں نے سوچ لیا کہ اس کے ساتھ وہاں سے بھاگنے کی بات کرنا بے معنی ہے اب میں اپنے طور پر کوئی اسکیم سوچنے لگا۔ کوئی طریقہ کوئی ترکیب نہیں سوجھ رہی تھی۔ رات کو نو بجے کے بعد دوسرا سنتری ڈیوٹی پر آ گیا۔ یہ ایک سکھ سنتری تھا، مگر بے حد خشک اکھڑ اور بد مزاج تھا لیکن سکھ ڈرائیور نے اسے بھی اپنی باتوں سے موم کر لیا اور جب اسے دس روپے رشوت کے طور پر دیئے تو وہ سکھ ڈرائیور کو رات کے وقت بھی چائے پلانے پر تیار ہو گیا۔ دس بجے رات کو چائے کی ایک اور چینک آ گئی۔ میں نے تب بھی چائے کو ہاتھ نہ لگایا میں اسی کی جھوٹی پیالی میں چائے نہیں پی سکتا تھا۔ ابھی تک میں وہاں سے فرار کے بارے میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا، پھر یہی سوچ بیٹھا رہا کہ دیکھتے ہیں کہ شاید صبح کو سکھ ڈرائیور کا مالک آ جائے اور واقعی وہ ہماری ضمانت کروا دے ایسی صورت میں مجھے حوالات سے رہائی مل سکتی تھی۔ اس کا امکان بھی تھا۔ کیونکہ یہ اسمگلر لوگ بڑے اثر رسوخ والے ہوتے ہیں اور اپنے آدمیوں کی ضمانتیں کروا لیا کرتے ہیں۔

رات بڑی مشکل سے حوالات میں گزری۔ مچھروں اور کمبلوں کی بدبو کی وجہ سے پلک نہ جھپک سکا جب کہ سکھ ڈرائیور ساری رات خراٹے لیتا اور نیند میں ہی مچھر مارتا رہا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی کسی نے چائے تک نہ پوچھی۔ سکھ ڈرائیور کا ایک اور نوٹ کام آ گیا اور تب میں نے ایک سوکھی ڈبل روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ جی کڑا کر کے چائے کی ایک پیالی پی لی۔ صبح دس بجے ہمیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ ابھی تک سکھ ڈرائیور کا مالک ابنانے نہیں پہنچا تھا۔ اب سکھ ڈرائیور بھی پریشان دکھائی دینے لگا تھا اس نے مجھے بتایا کہ پولیس ریمانڈ کے بعد ایسی اذیتیں دیتی ہے کہ آدمی کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

کوئی نو بجے کے قریب ٹرک کا مالک آ گیا۔ اس نے آتے ہی حوالات میں اس نے سکھ ڈرائیور سے ملاقات کی۔ وہ اس کے لئے پوری حلوہ لایا تھا۔ میری طرف تو اسنے کوئی دھیان نہ دیا۔ وہ مجھے کوئی دوسرا حوالاتی سمجھ رہا تھا۔ جب سکھ ڈرائیور نے میری طرف اشارہ کر کے اسے بتایا کہ یہ بے چارہ لالہ خوامخواہ ساتھ میں پھنس گیا ہے تو ٹرک کے ہندو مالک نے میری طرف گھور کر دیکھا اور پوچھا۔ "کہاں کے ہو

میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ڈرائیور بولا۔ "امرتسر کا ہے۔ گورو بازار میں پنساری کی دکان کرتا ہے اس کی بھی ضمانت کروا دینا۔ کیا یاد کرے گا یہ لالہ۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "مہاراج! مجھ پر دیا کریں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ساری زندگی آپ کو آشیس دوں گا۔"

ٹرک مالک نے سکھ ڈرائیور سے کہا۔ "وکیل میں نے کروا لیا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ تم دونوں کی عدالت میں جاتے ہی ضمانتیں ہو جائیں گی۔ اب میں جاتا ہوں۔ عدالت کے باہر ملوں گا۔

وہ چلا گیا۔ سکھ ڈرائیور نے مجھے بھی ایک پوری پر تھوڑا سا حلوہ ڈال کر دیا اور خوش ہو کر بولا۔" لالہ! لو کھاؤ۔ من پر سن کرو۔ اب چنتا کی کوئی بات ہی نہیں' بس جاتے ہی ضمانت ہو جائے گی۔"

نو بجے کے بعد ہمیں ایک حوالاتی گاڑی میں بٹھا کر کچہری لے جایا گیا۔ ٹرک کا مالک اپنے وکیل کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ ہندو وکیل نے ہمیں کچھ ضروری باتیں از بر کروائیں اور عدالت میں لے گیا۔ مجسٹریٹ سکھ تھا۔ ہمارے ساتھ تھانیدار بھی تھا جو سکھ تھا۔ ہماری باری آئی تو مجسٹریٹ نے فائل کھول کر دیکھی۔ وکیل نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ٹرک کے مالک سے دشمنی کی بنا پر مخالف گروپ والوں نے ٹرک کی سیٹوں میں چرس ڈال دی تھی۔ تھانیدار نے اپنے دلائل دیتے ہوئے اس معاملے کو قومی سطح پر ایک سنگین جرم ثابت کرنے کی کوشش کی جس کے لئے ریمانڈ بہت ضروری تھا تاکہ اس پورے گروہ کا سراغ لگایا جا سکے جو بھارت میں منشیات کو فروغ دے رہا ہے۔ مجسٹریٹ نے ہماری ضمانتیں نہ لیں اور پولیس کو دس روز کا ریمانڈ دے دیا۔

میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ سکھ ڈرائیور بھی ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ مجسٹریٹ اپنا فیصلہ دے چکا تھا۔ اسی وقت ہمیں ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ ٹرک کا مالک قریب آیا اس نے سکھ ڈرائیور کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں چھڑا لوں گا گھبرانا نہیں۔"

پولیس ہمیں لاری میں بٹھا کر تھانے کی طرف روانہ ہو گئی۔ تھانے پہنچ کر ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ مجھے دو سپاہی تھانے کی دوسری منزل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آئے۔ یہاں صرف ایک کرسی رکھی۔۔۔ ہوئی تھی۔ مجھے انہوں نے فرش پر بیٹھنے کو کہا اور چلے گئے۔ میری ہتھکڑیاں اتار دی گئیں۔ ان کے جاتے ہی میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا جو بند تھی۔ میں

اسے کھولنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ دو آدمی کمرے میں آ گئے۔ ایک سکھ اور ایک ہندو تھا۔ دونوں ہٹے کٹے تھے۔ سکھ نے مجھے گالی دے کر کہا۔ "ادھر کس ماں کو دیکھ رہے ہو
میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! گرمی لگ رہی تھی۔"
اس نے مجھے گردن سے پکڑ کر کھینچ کر فرش پر بٹھا دیا۔ دوسرے نے جیب سے چاقو نکال لیا۔
"اب سچ سچ اپنے ساتھیوں کے نام بتا دے کہ وہ کہاں کہاں چرس لے کر جاتے ہیں۔ امرتسر میں چرس کون دیتا ہے؟"

میں نے پھر وہی موقف دہرایا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سکھ نے میری پسلیوں میں ایک ایسا گھونسا مارا کہ میں دہرا ہو گیا۔ دوسرے نے کہا۔ "تم نے کیا نام بتایا تھا لالہ
میں نے درد کی شدت پر قابو پاتے ہی کہا۔ "مکند رام مہاراج۔"
سکھ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ یہ اس طرح کچھ نہیں بتائے گا ملکھی رام۔ اس کے کپڑے اترواؤ۔ ابھی اپنے سارے ساتھیوں کے نام بتا دے گا۔

کپڑے اتروانے کا سنتے ہی میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان پر میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا اور کیس کی نوعیت بھی بدل جائے گی۔ پھر ان کے نزدیک میں ایک خطرناک پاکستانی جاسوس ہوں گا۔ میں نے ان کے بہت ہاتھ پاؤں جوڑے کہ میرے کپڑے نہ اتروائیں مگر انہوں نے زبردستی میرے کپڑے اتروا دیئے۔ وہ میرے ننگے جسم کو دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ سکھ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "ملکھی رام۔ یہ تو مسلمان ہے۔ یہ پاکستانی ایجنٹ ہے۔"
انہوں نے فوراً مجھے دبوچ کر زمین پر گرا دیا۔ میں نے ایک پل کے لئے سوچا کہ ان دونوں کی گردنیں توڑ کر یہاں سے نکل جاؤں، مگر تھانے سے بچ کر نکلنا ناممکن تھا۔ دوسرے انہوں نے بہت جلد مجھے ہتھکڑی ڈال دی اور کرسی ۔۔۔ کے ساتھ باندھ دیا۔ سکھ تیزی سے باہر نکل گیا، ہندو پولیس والا چاقو تانے میرے سر پر کھڑا رہا۔ ایک منٹ بعد وہاں تھانے دار اور تین سپاہی آ گئے۔ تھانے دار کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے آتے ہی ملکھی رام سے کہا۔ "اسے کپڑے پہنا دو۔ مجھے یقین ہے کہ اودھم پوری والی تباہی میں اس کا ہاتھ ہے اور یہ وہاں سے فرار ہو کر بھاگا ہوا ہے۔

اسی وقت مجھے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور سیڑھیوں سے اتار کر ایک گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی نامعلوم مقام کی طرف دوڑنے لگی۔ دس پندرہ منٹ کے بعد گاڑی ایک طرف گھوم کر رک گئی۔ یہاں مجھے کسی ہوائی جہاز کے پنکھوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز پھر دور ہوتے ہوئے غائب ہو گئی۔ مجھے گاڑی سے اتار کر ایک طرف چلایا جانے لگا، پھر ایک سیڑھی کے ذریعے ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جہاں میرا سر چھت سے چھو رہا تھا۔ مجھے ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوا، اور جب میرے سر کے اوپر بھاری پروں کی گردش

کی آواز سنائی دی تو میں سمجھ گیا کہ مجھے ہیلی کاپٹر میں سوار کرا دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہیلی کاپٹر اٹھ کر فضا میں بلند ہو تا گیا۔ اب میری آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی۔ میں واقعی ایک نیلے رنگ کے ہیلی کاپٹر کی پائلٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پائلٹ سکھ تھا جس نے انڈین ائر فورس کی وردی پہن رکھی تھی۔ کھیل ختم ہو گیا تھا۔ میں انڈین ائر فورس کی حراست میں تھا اور ان کے ہیڈ کوارٹر میں پوچھ گچھ کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ بہت جلد میرا بھید کھلنے والا تھا اور پھر میری قسمت کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ فائرنگ اسکواڈ کی رائفلوں سے نکلی ہوئی گولیوں کی بوچھار اور قصہ ختم۔

میں نے اپنی کھڑکی کو گوشہ چشم سے دیکھا۔ کھڑکی پر پلاسٹک کا شیشہ لگا ہوا تھا۔ یہ کھڑکی میرے جسم کے ایک بھرپور دھکے سے کھل سکتی تھی ان لوگوں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے کی اس لئے ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ مجھے زمین سے سینکڑوں فٹ کی بلندی پر لے جایا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا نیچے انبالے شہر کی عمارتیں ماچس کی ڈبی کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ سکھ پائلٹ نے مجھے ترش لہجے میں کہا۔ "ادھر ادھر مت دیکھو۔"

میں نے اپنی نظریں سیدھی کر لیں۔ ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر جا رہا ہے یہ شہر انڈین ائر فورس کا مشہور ہوائی اڈہ اور سینٹر ہلواڑہ ہی ہو سکتا تھا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد مجھے دور سے ایک دریا دکھائی دیا۔ دریا کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں ایک خیال شعلے کی طرح لپکا یہ بڑا ہولناک خیال تھا۔ مگر میں نے اس خیال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں ہیلی کاپٹر کی کھڑکی توڑ کر نیچے دریا میں چھلانگ لگانے والا تھا۔

۲۔

انڈین ایئر فورس کا ہیلی کاپٹر دریا کے اوپر آ گیا تھا۔

میری یہ چھلانگ کسی صورت میں بھی موت کی چھلانگ سے کم نہیں تھی۔ مگر آگے میں جس نوعیت کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی اذیتوں کا تصور کر رہا تھا' وہ ایک ہزار ایک موت سے بھی بڑھ کر تھیں۔ علاوہ ازیں مجھے اس بات کا بھی احتمال تھا کہ ملٹری انٹیلی جینس میرا برین واش کرنے کی بھی کوشش کرے گی جو موت سے بدتر حالت ہو گی۔ ابھی تک میری چہرہ نمائی صرف جالندھر کے چند ایک سنتریوں اور انڈین ائرفورس کے ہلواڑہ سیکٹر والے لوگوں کے سامنے ہوئی تھی۔ اس کے بعد کے حالات اس سے بھی سنگین نوعیت کی صورت اختیار کر سکتے تھے۔ ہیلی کاپٹر دریا کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ مجھے یہ سوچنے کی فرصت نہیں تھی کہ یہ دریا کون سا ہے۔

ہیلی کاپٹر اگرچہ کافی بلندی پر تھا مگر اس کی بلندی ہوائی جہاز جتنی نہیں تھی۔ اگر میں دریا میں گرتا ہوں تو مجھے چوٹ لگنے کا احتمال نہیں تھا کیونکہ پنجاب کے دریا کافی گہرے ہوتے ہیں۔ ان کی تہ مرتفع نہیں ہوتی۔ ایک جگہ پہنچ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اگر یہاں سے کود جاؤں تو دریا کے عین وسط میں گروں گا۔ میں نے گوشہ چشم سے دائیں جانب سکھ پائلٹ کو دیکھا۔ وہ سر پر ہیلمٹ چڑھائے بالکل سامنے دیکھ رہا تھا۔ جان پر کھیل جانے کا وقت آن پہنچا تھا۔ اگر میں پائلٹ کو دبوچنے کی کوشش کرتا ہوں تو ہیلی کاپٹر کے گرنے کا خطرہ تھا۔ توازن کھو جانے کی صورت میں ہیلی کاپٹر میں آگ بھی لگ سکتی تھی۔

میں نے ایک نگاہ نیچے ڈالی۔ دریا کا چوڑا پاٹ گزرتا جا رہا تھا اس لمحے' میں نے پوری طاقت سے اپنے جسم کو کھڑکی کے ساتھ دے مارا۔ ہیلی کاپٹر نے ایک جھکولا سا کھایا۔ کھڑکی کا تالا اکھڑ گیا اور کھڑکی کے کھلتے ہی میں فضا میں گر پڑا اور لڑھکنیاں کھاتا نیچے دریا کی طرف گرنے لگا۔ یقینی طور پر پائلٹ کو مجھے زندہ کسی جگہ پہنچانے کے آرڈر تھے ورنہ وہ مجھے اوپر سے مشین گن کا فائر کر کے ہلاک کر سکتا تھا۔ ہوا کے تیز تھپیڑوں نے میری قمیص کو پرزے پرزے کر دیا۔ میں نے اپنے آپ کو گول سا بنا لیا اور پھر دھڑام سے دریا کے پانی میں گر پڑا۔ میں نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا اور میرا جسم دریا کی تہ سے جا ٹکرایا۔ تہ

میں کیچڑ اور دلدل ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی چوٹ نہ لگی۔ میں نے فوراً اپنے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور اچھل کر بازوؤں کو گدھ کے پروں کی طرح چلاتا اوپر اٹھنے لگا۔ کوئی دس سیکنڈ کے بعد میری گردن پانی سے باہر نکل آئی۔ سب سے پہلے جو آواز مجھے سنائی دی وہ ہیلی کاپٹر کے پروں کی آواز تھی۔ میں نے دریا کے بہاؤ کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ ہیلی کاپٹر دریا کی سطح سے تھوڑا اوپر آ کر میرے ارد گرد پرواز کر رہا تھا۔ اس کے پروں سے پیدا ہونے والے ہوا کے تھپیڑوں سے پانی کی لہروں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ میں ایک اچھا تیراک ہی نہیں بلکہ ایک تجربہ کار غوطہ خور بھی تھا اور کافی دیر تک غوطہ لگا سکتا تھا۔ میں نے دریا میں غوطہ لگایا اور پانی کے اندر ہی اندر اپنا رخ دائیں جانب والے کنارے کی طرف کر لیا۔ میرا ارادہ اس جگہ سے دریا کے کنارے پر نکل کر کسی قریبی شہر میں اپنے آپ کو گم کر دینے اور وہاں سے کسی دوسری طرف بھاگ جانے کا تھا۔ مجھے اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ نے وائرلیس پر کسی قریبی ائر سینٹر کو میرے چھلانگ لگانے کا پیغام دے دیا ہو گا اور ملٹری پولیس تھوڑی دیر میں دریا کے کسی نہ کسی کنارے پر پہنچ جائے گی۔ اس بات سے مجھے تھوڑی تسلی بھی تھی کہ دریا کے کنارے عام طور پر شہر سے باہر نکل جانے کے بعد کوئی باقاعدہ سڑک نہیں ہوتی اور اگر میں دریا کے کسی جنگل والے علاقے کی طرف نکل جاؤں تو ملٹری پولیس سے بچ سکتا ہوں۔

میں پانی کے اندر ہی اندر مینڈک کی طرح بڑی تیزی سے ہاتھ پاؤں چلاتا کنارے کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب میرا سانس ختم ہونے لگا تو میں نے اوپر کی سمت آ کر سر پانی سے باہر نکالا۔ یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ہیلی کاپٹر مجھ سے کافی دور دریا کے پاٹ میں ہی ایک جگہ چکر لگا رہا تھا' پھر اس نے غوطہ لگایا' اوپر کو اٹھا اور دریا کے بہاؤ کی جانب آگے کو نکل گیا۔ میں نے ایک بار پھر غوطہ لگایا اور کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ کنارہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تیسرے غوطے کے بعد میں کنارے پر تھا۔

یہاں کوئی کھیت وغیرہ نہیں تھا۔ درخت ہی درخت تھے۔ ان کا شاید کوئی ذخیرہ یہاں پر تھا۔ کوئی سڑک یا پگڈنڈی بھی نہیں تھی۔ میری قمیص جانے کہاں پرزے پرزے ہو کر میرا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اس وقت میں نے صرف پاجامہ پہن رکھا تھا اور پاؤں سے بھی ننگا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی دن روشن تھا۔ فضا میں خنکی زیادہ نہیں تھی۔ میں درختوں میں تیز تیز چلنے لگا۔ خدا کا شکر تھا کہ مجھے کوئی چوٹ وغیرہ نہیں آئی تھی۔ اب مجھے سب سے زیادہ ضرورت کسی قمیص کی تھی جو مجھے وہاں نہیں مل سکتی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ علاقہ کون سا ہے اور آگے کون سا گاؤں یا شہر آئے گا۔ میرا رخ ضرور پچھم کی طرف تھا اور میرے حساب سے ادھر دلی یا ہریانے کا علاقہ ہی ہو سکتا تھا۔ ابھی تک میں ویسے پنجاب میں ہی تھا۔ مجھے اس دریا کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔ اب اس کا نام معلوم کرنے کی مجھے ضرورت ہی نہیں تھی۔ چلتے چلتے میں درختوں سے نکلا تو سامنے ایک کھلی جگہ آ گئی۔ آگے ایک پگڈنڈی بھی تھی۔ یہاں دھوپ میں ٹاٹ بچھا کر اس پر شلجموں کے چھلکے سکھانے کے لئے

کسی نے ڈال رکھے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہاں کوئی بستی قریب ہی تھی۔ میں ذرا آگے گیا تو بائیں جانب درختوں میں ایک کچی کوٹھری دکھائی دی۔ باہر چارپائی بچھی تھی۔ آدمی وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں کوٹھری کے قریب گیا۔ کوٹھری کا دروازہ بند تھا اور تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے اینٹ اٹھائی اور اسے زور سے تالے پر دے مارا۔ تالا ٹوٹ گیا۔ میں کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ اندر بھی ایک چارپائی بچھی تھی۔ کونے میں ٹین کا ایک صندوق پڑا تھا۔ میں نے صندوق الٹ دیا۔ اس میں کیسری رنگ کی ایک پگڑی، قمیص، چادر اور کھدر کے کرتے اور ایک پوٹلی میں تمباکو بندھا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے کھدر کا کرتا پہن لیا، پھر چادر دھوتی کی جگہ باندھی۔ سر پر کیسری رنگ کی پگڑی باندھی اور اب کوئی جوتی تلاش کرنے لگا۔ دروازہ کھلنے سے باہر کی روشنی کوٹھری میں آ رہی تھی۔ چارپائی کے نیچے مجھے ایک جوتی بھی مل گئی جو لال چمڑے کی پنجابی دیہاتی طرز کی جوتی تھی۔ میں نے اسے پہنا۔ وہ مجھے ذرا سی کھلی تھی لیکن اس سے گزارا ہو سکتا تھا۔ مجھے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا بھی نہیں تھا۔ تیزی سے باہر نکلا تو پچھم کی طرف پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ اس وقت میں نے پاجامے کی جگہ دھوتی باندھ رکھی تھی اور سر پر کیسری رنگ کی پگڑی تھی۔ اب میں ایک نظر دیکھنے سے پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ درختوں کا ذخیرہ ختم ہوا تو سبزیوں کے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دور ایک بستی کے مکان نظر آئے، مگر میں ان سے بچتا ہوا آگے نکل گیا۔ میری منزل اب شملہ نہیں تھی جس کے ایک ہوٹل کے کمرے میں میرا سامان پڑا تھا۔ بلکہ اب عافیت اسی میں تھی کہ جیسے بھی ہو میں کسی طرح دلی اپنے ہیڈ کوارٹرز یعنی اپنے گھر پہنچ جاؤں۔ اگرچہ میں اس حلیئے میں اور بغیر پیسوں کے دلی نہیں جا سکتا تھا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے مجھے کہیں ڈاکہ مارنا پڑے میں دلی پہنچ کر ہی دم لوں گا۔ پنجاب میں میرے لئے ہر طرف جال بچھا تھا۔

میں یہ جاننے کے لئے بے تاب تھا کہ یہ علاقہ کون سا ہے مگر میں کسی دیہاتی کسان وغیرہ سے راستے، شہر یا گاؤں وغیرہ کا پوچھ کر اسے گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ میں گاؤں اور بستیوں سے بچتا بچاتا چلتا رہا۔ اب میرا رخ قدرتی طور پر جنوب کی طرف ہو گیا تھا۔ دریا کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ ہو سکتا تھا اوھر ملٹری پولیس کے سپاہی پہنچ گئے ہوں اور مجھے دریا کے کنارے تلاش کرتے پھر رہے ہوں۔ دور سے مجھے ریلوے کا سگنل دکھائی دیا۔ یہ ریلوے لائن تھی اور ضرور کوئی دیہاتی اسٹیشن قریب ہی تھا۔ چمڑے کا جوتا اب مجھے تنگ کرنے لگا تھا، پھر بھی میں رکا نہیں۔ میرا رخ ریلوے کے سگنل کی طرف تھا۔ کچھ میدان اور کھیت عبور کرنے کے بعد آخر میں ریلوے لائن پر آ گیا۔ میری بائیں جانب کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کی عمارت نظر آ رہی تھی۔ میں ادھر ہی چلنے لگا۔ یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا اور ہندی میں اس کا نام لکھا تھا جو میں کسی وجہ سے یہاں ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے بھوک اور پیاس تنگ کر رہی تھی۔ نلکے پر پانی پی کر میں نے اپنی پیاس بجھائی۔ بھوک میں برداشت کر سکتا تھا۔ خطرہ ضرور تھا کہ کہیں یہاں بھی پولیس میرے تعاقب میں نہ پہنچ جائے لیکن

یہاں سے مجھے کوروکیشتر اور پھر وہاں سے پانی پت اور دلی کے لئے گاڑی پکڑنی تھی۔ میری منزل اب میرے سامنے تھی۔ یہاں سے واپس شملے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دلی جا کر میں شملے ہوٹل والوں کو فون کر سکتا تھا کہ میرا سامان دلی بھجوا دیا جائے مجھے ایک ضروری کام کی وجہ سے اچانک دلی واپس آنا پڑ گیا ہے۔ پلیٹ فارم ویران ویران سا تھا۔ کچھ دیہاتی مسافر شریہنہ کے ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھے بیڑی پی رہے تھے میں بھی ریلوے اسٹیشن کی ڈیوڑھی سے دور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا حلیہ بالکل دیہاتیوں والا تھا۔ اس طرف دیہاتیوں میں کیسری رنگ کی پگڑیاں باندھنے کا بہت رواج ہے۔ میرے پاس ایک دھیلا تک نہیں تھا۔ سوچ لیا تھا کہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ ہی بیٹھ جاؤں گا' لیکن اس میں پکڑے جانے کا احتمال تھا۔ غور کرنے لگا کہ کچھ روپے کیسے اور کہاں سے پیدا کیئے جا سکتے ہیں۔

ٹرین کے آنے میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پڑا تھا۔ ریلوے اسٹیشن کے عقب میں ایک بستی تھی۔ بستی میں جانے کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ میں کسی سے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ کہیں محنت مزدوری کر کے سات آٹھ روپے کما لوں۔ وہاں سے کوروکیشتر کا کرایہ سوا تین روپے تھا۔ آگے پانی پت اور دلی بھی جانا تھا جو وہاں سے کافی دور تھے۔ ایک خیال آیا کہ یہ دیہاتی علاقہ ہے اور پسنجر ٹرینیں چلتی ہیں یہاں گاڑیوں کی چیکنگ کہاں ہوتی ہو گی' لیکن اگر کسی نے ٹکٹ کا پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا؟ خواہ مخواہ اپنے آپ کو پھنسانے والی تھی۔ دل اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ طرح طرح کے خدشات نے مجھے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ دوپہر ہو رہی تھی۔ کل رات انبالہ تھانے کی حوالات میں دال کے ساتھ ایک جلی ہوئی چپاتی کھائی تھی۔ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔ اٹھ کر اسٹیشن کے جنگلے کے ساتھ ساتھ ٹہلنے لگا۔ یہ سوچ کر کہ اس طرح چلنے پھرنے سے میں لوگوں کی نظروں میں آ جاؤں گا پھر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

خیریت اسی میں تھی کہ میں بغیر ٹکٹ ٹرین میں سفر نہ کروں۔ سوچا بستی قریب ہی ہے۔ گاڑی آنے میں ابھی دیر ہے۔ چل کر کچھ پیسوں کا بندوبست کرتا ہوں' ممکن ہے کوئی دیالو لالہ مل جائے جس سے تھوڑی سی رقم دلی جا کر واپس کرنے کے وعدے پر اُدھار لے لوں۔ میں پلیٹ فارم کے جنگلے سے گزر کر ڈھلان اترتا ہوا بستی کی طرف چل پڑا۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی مگر یہاں پکے مکان بھی تھے۔ باہر درخت کے نیچے ڈھور ڈنگر چر رہے تھے۔ میں بستی کی ایک کچی گلی میں داخل ہو گیا۔ مجھے کسی ہندو ساہوکار کی دکان کی تلاش تھی۔ میں ایک نیم پختہ مکان کے آگے سے گزر رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک بوڑھے پر پڑی جو مکان کی ڈیوڑھی میں تخت پر نماز پڑھ رہا تھا۔ میرے قدم اپنے آپ رک گئے۔ یہ شخص مسلمان تھا یہ ضروری میری مدد کرے گا۔ میں ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا کہ وہ نماز پڑھ چکے تو اس سے بات کروں۔۔

اس بزرگ نے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ دعا مانگنے کے بعد اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرے اور مصلّی تہ کر کے تخت سے اٹھ کر اندر جانے لگا تو میں نے اسے سلام کیا۔ وہ وہیں رک گیا۔ میری طرف چہرہ اٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ مجھے کافی حوصلہ ہوا۔ میں ڈیوڑھی میں آ گیا۔ بزرگ نے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور پوچھا۔ "بیٹے تم مجھے مسافر لگتے ہو۔ بستی میں پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا"۔

میں نے ایک کہانی گھڑ کر سنادی کہ انبالے سے دلی جا رہا تھا کہ راستے میں کسی اٹھائی گیرے نے جیب سے رقم کی پوٹلی نکال لی۔ اب آگے جانے کا کرایہ نہیں۔ اگر آپ مجھے کچھ روپے بطور قرض دے دیں تو دلی پہنچتے ہی منی آرڈر کر دوں گا۔ اس بزرگ کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ مجھے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود کوٹھری میں چلے گئے۔ واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں دس دس روپے کے چار نوٹ تھے۔ "چالیس روپے اگر کم ہوں تو اور لا دوں بیٹا؟"

میرا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ چالیس زیادہ تھے لیکن میں نے احتیاط کے طور پر شکریے کے ساتھ قبول کر لئے اور وعدہ کیا کہ دلی پہنچتے ہی لوٹا دوں گا۔ اب میں نے ان سے ان کا ایڈریس مانگا۔

وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔ "تم مسلمان ہو اور مسلمان جب دوسرے مسلمان کے ساتھ کوئی سلوک کرتا ہے تو اس کا معاوضہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ میں نے تمہیں اپنا بچہ سمجھ کر یہ رقم دی ہے اور اپنے بچے کو کچھ دے کر واپس نہیں لیا کرتے"۔

اس بزرگ کا اردو بولنے کا لہجہ روہتک احصار اور پانی پت کرنال کی طرف کا تھا۔ اس علاقے سے مجھے شروع ہی سے بڑی عقیدت رہی ہے اس لئے کہ یہ خطہ بزرگانِ دین کا ابتدا ہی سے مسکن رہا ہے اور اس کی خاک سے کئی نامور شخصیات نے جنم لیا۔ فرطِ عقیدت سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اصل میں ایک عرصے کے بعد مجھے اپنے والد صاحب کی یاد آ گئی، جن کو میں نے بچپن میں ہی دیکھا تھا۔ گاڑی کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نے بزرگ کے دونوں ہاتھ تھام کر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور سلام کر کے مکان کی ڈیوڑھی سے نکل کر گلی میں آ گیا۔ گلی میں کچھ بچے بھاگتے ہوئے میرے سامنے سے گزر گئے۔ بستی کی دوسری جانب سے آٹا پیسنے والی چکی کی آواز آنے لگی تھی۔ میں بڑا خوش تھا۔ میرا کام بن گیا تھا۔ اب میں دلی تک سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر سفر کر سکتا تھا۔ سیکنڈ کلاس زیادہ محفوظ تھا۔ میں تیز تیز چلتا ہوا گلی سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ میرے پاؤں زمین نے جکڑ لئے۔ میں نے ریلوے اسٹیشن کے برآمدے کے آگے دو جیپوں میں سے پولیس کے سپاہیوں کو نکل کر بستی کا رخ کرتے دیکھا۔ ان میں سول پولیس کے سپاہی بھی تھے۔ اور ملٹری پولیس کے جوان بھی تھے یقیناً یہ لوگ میری کھوج میں آئے تھے۔ جہاں میں نے ہیلی کاپٹر سے دریا میں چھلانگ لگائی تھی اس کے آس پاس کا ہی علاقہ تھا اور میں کچھ حیران بھی تھا کہ ابھی تک مجھے وہاں کوئی پولیس کی گاڑی دکھائی کیوں نہیں دی؟ پولیس کی نفری دس بارہ آدمیوں پر مشتمل تھی اور ان کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔

بستی سے بھاگنا ممکن نہ تھا۔ میں پکڑا جا سکتا تھا۔ اگر میں گلی میں بھاگ کر دوسری طرف نکلتا ہوں تو ظاہر ہے بستی کے لوگ مجھے دیکھ لیں گے اور جب پولیس وہاں پہنچے گی اور انہیں بتائے گی کہ وہ ایک پاکستانی جاسوس کی تلاش میں ہیں تو بستی کی غالب آبادی جو ہندو ہے پولیس کا ساتھ دے گی اور میری نشان دہی کر دے گی۔ میرے دل میں سوائے دردمند مسلمان بزرگ کے اور کسی کا خیال نہ آیا۔ میں الٹے پاؤں مڑا اور لپک کر اسی مسلمان بزرگ کے مکان میں داخل ہو گیا۔ وہ صاحب تخت پر بیٹھے تسبیح پھیر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بولے۔ "کیا اور پیسے چاہئیں بیٹا؟ ٹھہرو میں تمہیں لا کر دیتا ہوں"۔

میں کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ میری شکل سے انہوں نے گھبراہٹ کا اندازہ لگا لیا اور بولے۔ "کیا بات ہے بیٹے۔ تم پریشان دکھائی دیتے ہو؟"

سول اور ملٹری پولیس میری تلاش میں بستی میں داخل ہونے ہی والی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر بزرگ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ "محترم! اس وقت مجھے کہیں چھپا لیجئے۔ پولیس میری تلاش میں بستی میں پہنچ رہی ہے۔ میں بعد میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ اس وقت میری مدد کیجئے"۔

بزرگ اسی وقت تخت پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور مجھے ایک ایسی کوٹھری میں لے گئے جہاں کونے میں گندم کی کٹی ہوئی چھال یعنی توڑی کا بہت اونچا ڈھیر لگا تھا۔ بزرگ نے توڑی کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس ڈھیر کے اندر جتنی دور تک گھس کر چھپ سکتے ہو چھپ جاؤ"۔

میں دیوار کی طرف سے توڑی کے ڈھیر میں گھس گیا اور کافی آگے جا کر اپنے آپ کو اچھی طرح سے چھپا لیا۔ مجھے سانس لینے کو ہوا برابر مل رہی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا تاکہ توڑی میری آنکھوں میں نہ پڑے۔ مجھے باہر کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے کوٹھری کا دروازہ بند کرنے کی آواز نہ آئی۔ بزرگ دروازہ کھلا ہی چھوڑ گئے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنیں قدرے تیز ہو گئی تھیں اور میں بہت آہستہ آہستہ سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ باہر ایک پل کے لئے جیسے سناٹا چھا گیا تھا۔ اس سناٹے میں صرف چکی کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ یہ نیم پختہ مکان زیادہ لمبا چوڑا نہیں تھا۔ اس کوٹھری کے آگے ڈیوڑھی تھی جہاں مسلمان بزرگ تخت پر بیٹھے تھے اور آگے گلی تھی۔ گلی میں بھاری بوٹوں کی آوازیں بلند ہوئی۔ پولیس بستی میں داخل ہو گئی تھی۔ کچھ قدم دوڑتے ہوئے گلی میں آگے نکل گئے۔ کسی کی بھاری رعب دار آواز آئی۔ "دوسری طرف سے بستی کو گھیرے میں لے لو"۔

اس کے بعد فوجی بوٹوں کی آوازیں مکان کی ڈیوڑھی میں آگئیں۔ میں نے ایک پل کے لئے اپنا سانس روک لیا۔ ایک فوجی یا پولیس افسر کی آواز بلند ہوئی۔ "ایک خطرناک جاسوس جیل سے فرار ہو گیا ہے۔ ہم اس کی تلاش میں یہاں آئے ہیں کیا آپ نے کسی ایسے نوجوان کو دیکھا ہے جو اس بستی

میں اجنبی ہو ؟"

مسلمان بزرگ کی آواز آئی ۔ " میرے بچو ! میں نے ابھی تک کسی اجنبی کو بستی میں نہیں دیکھا۔ ویسے بھی میں صبح سے مکان میں ہی بیٹھا ہوں ۔ گلی میں سے بھی کوئی اجنبی نہیں گزرا "۔

دوسرے فوجی کی تحکمانہ لہجے والی آواز سنائی دی ۔ " ہمیں آپ کے مکان کی تلاشی لینی ہو گی"

مسلمان بزرگ نے کہا۔ " ضرور لیجئے تلاشی ' مگر یہاں سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے "۔

بھاری جوتوں کی آوازیں ادھر ادھر پھیل گئیں ۔ اب مجھے چارپائیوں کے الٹنے اور صندوقوں کے کھسکانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں ۔ میں توڑی کے بہت بڑے ڈھیر کے نیچے کافی آگے جا کر دم سادھے چھپا ہوا تھا اور بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ اب فوجی بوٹ اس کوٹھری میں بھی آ گئے ۔

" یہ توڑی کا ڈھیر کب سے یہاں پڑا ہے "۔

مسلمان بزرگ کی آواز آئی ۔ " پچھلی فصل سے یہاں یہ ڈھیر لگا ہے ۔ باہر رکھیں تو بارش آندھی میں توڑی ضائع ہو جاتی ہے اس لئے کوٹھری میں ڈھیر لگا کر رکھتے ہیں "۔

کسی فوجی افسر کی کرخت آواز بلند ہوئی ۔ " حوالدار ! توڑی کو بیونٹ مار کر دیکھو "۔

میرا رنگ اڑ گیا ! اگر حوالدار سنگین چلاتا آگے آ گیا تو یہ سنگین میری کمر سے ہوتی ہوئی پیٹ میں سے باہر نکل جائے گی اور میں بول بھی نہیں سکوں گا ۔ میں دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا کہ اے خدا مجھے ان کافروں کی سنگینوں سے بچا لینا۔ مجھے بھوسے میں سنگینوں کے مارنے کی عجیب سی خشک آواز صاف سنائی دے رہی تھی ۔ ایک بار تو یوں لگا جیسے سنگین اب میری پیٹھ میں اتر جائے گی لیکن پھر یہ آواز مجھ سے دور ہوتی چلی گئی ۔ اس فوجی نے حکم دیا ۔ " ادھر کچھ نہیں ۔ چلو دوسری کوٹھری میں دیکھو "۔

اور بھاری بوٹوں کی آوازیں کوٹھری سے باہر چلی گئی ۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کی رحمت نے مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا تھا میں وہیں توڑی یا بھوسے میں اپنی جگہ پر سکڑ کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ کچھ دیر تک ان فوجیوں اور پولیس والوں کی آوازیں اور ان کے بوٹوں کی بھاری چاپ مجھے سنائی دیتی رہی پھر یہ ساری آوازیں دور ہوتے ہوتے بند ہو گئیں ۔ اب یہ آوازیں گلی میں بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں ۔ میں اسی طرح ساکت بھوسے کے اندر پڑا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جب خطرہ ٹل جائے گا تو مسلمان بزرگ اپنے آپ میرے پاس آ جائیں گے ۔ بھوسے میں اب مجھے گرمی لگنے لگی تھی ۔ اگر میں دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر نہ رکھ لیتا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ بھوسے کے کسی تنکے کے میری ناک میں گھسنے سے مجھے چھینک آ جاتی ۔ مجھے بھوسے میں گھسے ہوئے آدھا گھنٹہ ضرور گزر گیا ہو گا کہ قدموں کی چاپ کوٹھری میں داخل ہوئی ' پھر اسی مسلمان بزرگ کی آواز سنائی دی ۔ " باہر نکل آؤ "۔ میں کسی ریچھ کی طرح بھوسے کو ادھر ادھر ہٹاتا باہر نکل آیا۔ میری پگڑی

میں اور قمیص کے اندر تک بھوسے کے تنکے گھس گئے تھے۔ میں باہر نکل کر کپڑے جھاڑنے لگا۔ پگڑی اتار کر جھاڑی ' بزرگ ایک طرف کھڑے مجھے خاموش نظروں سے تک رہے تھے۔ تسبیح ان کے ہاتھ میں چل رہی تھی اگرچہ اس مسلمان بزرگ نے میرے ساتھ انتہائی مروت کا سلوک کیا تھا اور میری جان بچائی تھی مگر میں ان پر اپنا آپ ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کوئی سوال کرتے۔ میں نے خود ہی کہہ دیا۔ "محترم! آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جاسوس نہیں ہوں۔ اب میں آپ کو اصل بات بتاتا ہوں۔ پہلے یہ بتایئے کہ پولیس چلی گئی ہے؟"

"ہاں ' مگر وہ ابھی تک اسٹیشن پر ہی ہے۔" بزرگ نے بے حد سنجیدہ آواز میں کہا ' پھر مجھے ساتھ لے کر ڈیوڑھی کی بجائے دوسری کوٹھری میں آگئے جہاں چارپائی پر بچھونا بچھا تھا اور کونے میں دو صندوق رکھے تھے۔ ایک طرف پانی کا مٹکا پڑا تھا۔ دیوار کے ساتھ لالٹین لٹک رہی تھی۔ مسلمان بزرگ نے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ خود ایک موڑھے پر بیٹھ گئے اور بولے۔ "اگر تم پاکستانی جاسوس نہیں ہو تو پھر فوج اور شہری پولیس تمہارے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے؟"

میں نے انہیں ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنا دی کہ میں دلی سے انبالے ایک رشتے دار سے ملنے گیا تھا کہ ایک پولیس والے سے جھگڑا ہو گیا میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ اس نے شور مچا دیا اور میں وہاں سے بھاگا اور خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ میرے پاس جو رقم تھی وہ بھی راستے میں کہیں گر گئی۔ بس یہ ہے میری کہانی۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے بھارت کی پولیس اگر کسی مسلمان شہری کے خلاف ہو جائے تو اس پر فوراً پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام لگا دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کوئی جاسوس وغیرہ نہیں ہو۔ پولیس انتقامی طور پر مجھے اس الزام میں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔

مسلمان بزرگ بڑے سکون سے میری جھوٹی کہانی سن رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ اس مسکراہٹ میں ایک ہلکے سے طنز کی جھلک بھی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ "تمہاری لڑائی شہری پولیس کے سپاہی سے ہوئی تھی پھر ملٹری پولیس تمہارے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے؟"

میں نے جلدی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے شہری پولیس والوں نے ملٹری پولیس کو بھی جھوٹی اطلاع دے دی ہو کہ ایک پاکستانی جاسوس جیل سے فرار ہو گیا ہے اور اس علاقے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

مسلمان بزرگ نے دم کرنے کے انداز میں اپنے سینے پر پھونک ماری۔ سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور تسبیح کو صدری کی جیب میں ڈالتے ہوئے بولے۔ "تم جو کوئی بھی ہو مسلمان ہو۔ میرے مہمان ہو۔ میں نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ اس وقت تک تمہاری حفاظت کروں جب تک کہ تم میرے مکان میں ہو۔ تم اس جگہ بیٹھے رہو۔ پولیس اس وقت تک اسٹیشن پر ہی رہے گی جب تک کہ ٹرین نہیں آجاتی۔ اس وقت تمہارا باہر نکلنا ٹھیک نہیں۔ میں

تمہارے لئے روٹی لاتا ہوں"۔

میں نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور سانس بھر کر سر جھکا لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر یہ مسلمان بزرگ اس وقت میری مدد نہ کرتے تو میرا گرفتار ہو جانا یقینی بات تھی۔ میں کوٹھری میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ چھت کے پاس جو چھوٹا سا روشندان تھا اس میں سے دن کی روشنی کوٹھڑی کے اندھیرے کو اجالنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میری بھوک ایک بار پھر چمک اٹھی۔ مسلمان بزرگ ایک چنگیر میں دو روٹیاں اور اوپر ساگ ڈال کر لے آئے۔

"اس وقت میں تمہیں ساگ روٹی ہی پیش کر سکتا ہوں میری بہو اور بچے کرنال گئے ہوئے ہیں۔ نورانی ان میں آ کر روٹی پکا کر رکھ جاتی ہے اسے قبول کرو"۔

میں دونوں روٹیاں چٹ کر گیا۔ گھڑے سے پانی نکال کر پیا۔ روٹی کھانے سے میرے اعصاب میں جیسے جان پڑ گئی۔ مسلمان بزرگ مجھے آرام کرنے کا کہہ کر کوٹھری سے چلے گئے۔ انہوں نے باہر سے کنڈی لگا دی۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ کہیں یہ بزرگ پولیس کو خبر تو نہیں کر دیں گے؟ فوراً ہی مجھے اپنے اس غلط خیال پر شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ مجھے اس نیک دل بزرگ کے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہئے تھا۔ اگر انہیں پولیس کو خبر کرنی ہوتی تو مجھے بھوسے کے ڈھیر میں کیوں چھپاتے؟ وہ اسی وقت مجھے پولیس کے حوالے کر سکتے تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی مگر میں سو نہیں سکتا تھا۔ مجھے سونا چاہئے بھی نہیں تھا۔ میں نے اٹھ کر بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ مجھے الجھن سی ہونے لگی۔ میں اپنے محسن مسلمان بزرگ کی آواز سننا چاہتا تھا تاکہ مجھے یقین ہو جاتا کہ وہ اسی مکان میں ہیں۔ میں کچھ پریشان سا ہو کر چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دور ریلوے انجن کی چیخ سنائی دی۔ ٹرین آ رہی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا، پھر انجن کی چھک چھک کی آواز سنائی دی جو آہستہ آہستہ قریب آ کر رک گئی۔ ریلوے اسٹیشن یہاں سے بہت ہی قریب تھا۔ انجن کے سسکارنے کی باقاعدہ آواز مجھے کوٹھری میں سنائی دے رہی تھی۔ ٹرین اسٹیشن پر رکی ہوئی تھی۔ مجھے اس ٹرین سے آگے پانی پت کرنال کی طرف جانا تھا، مگر اب نہیں جا سکتا تھا۔ پولیس ضرور مسافروں کی نگرانی کر رہی ہو گی۔ گاڑی اس چھوٹے اسٹیشن پر زیادہ دیر نہیں رکتی تھی۔ کوئی تین منٹ کے بعد انجن نے سیٹی دی۔ گارڈ کی سیٹی کی آواز بلند ہوئی اور پھر ٹرین چھک چھک کرتی اسٹیشن سے روانہ ہو گئی۔ کچھ دیر تک ٹرین کی آواز آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جیپوں کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ ملٹری اور دوسری پولیس وہاں سے جا رہی تھی۔ میں نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔ جیپوں کی آواز بھی کچھ دور جانے کے بعد گم ہو گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ خطرہ کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔ لیکن اب یہ سارا علاقہ میرے

لئے خطرے کا نشان بن گیا تھا۔ پولیس سارے علاقے میں چوکس ہو گئی تھی اور ظاہر ہے میں کسی مقام پر کسی اسٹیشن پر گرفتار کیا جا سکتا تھا یا مجھ سے پوچھ گچھ ہو سکتی تھی۔ میرا حلیہ پولیس والوں کو انبالے کی پولیس نے بتا دیا ہو گا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ دروازے کی کنڈی کھلی اور مسلمان بزرگ اندر آ گئے ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ آتے ہی مونڈھے پر بیٹھے اور بولے۔

" پولیس چلی گئی ہے اب مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے۔ میری بہو اور بیٹا پرسوں صبح واپس آ جائیں گے۔ ان کے آنے کے بعد میں تمہاری حفاظت کی ذمہ واری نہیں لے سکتا کیونکہ میرا بیٹا یہاں کا پٹواری ہے اور اس کا رجحان بھارتی سرکار کی طرف زیادہ ہے "۔

میں نے کہا۔ " میرے محترم! میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے میں آپ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کر سکوں، لیکن میں دوسری ٹرین میں یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ بتا دیجئے کہ دوسری ٹرین یہاں سے آگے کس طرف اور کس وقت جاتی ہے؟ "

انہوں نے بتایا کہ دوسری ٹرین شام کو آتی ہے۔ وہ بھی پسنجر ٹرین ہے اور کرنال، پانی پت، سہارن پور اور میرٹھ چھاؤنی سے ہوتی ہوئی دوسرے دن صبح کو دلی پہنچتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہی ٹرین میرے لئے ٹھیک رہے گی۔ آپ مجھے شام تک اپنے ہاں رہنے کی اجازت دے دیجئے۔ شام کی ٹرین سے چلا جاؤں گا۔

بزرگ نے فرمایا۔ " جب تمہیں مسلمان سمجھ کر اپنے ہاں پناہ دی ہے بیٹا تو پھر اجازت مانگنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں؟ تم شام تک بڑے اطمینان سے یہاں رہو۔ میں تمہارے لئے دلی تک کا ٹکٹ بھی منگوا دوں گا "۔

میں نے فوراً کہا۔ " نہیں نہیں میرے محترم۔ آپ نہ تو خود اسٹیشن پر ٹکٹ خریدنے جائیں گے نہ کسی دوسرے آدمی کو بھیجیں گے۔ ٹکٹ میں شام کو خود ہی لے لوں گا "۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سادہ دل مسلمان بزرگ کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا کہ پولیس نے اپنا کوئی نہ کوئی خفیہ آدمی دیہاتی لباس میں بستی کے باہر یا ریلوے اسٹیشن پر ضرور چھوڑ دیا ہو گا۔ اگر یہ بزرگ میرے لئے ٹکٹ لینے جاتے ہیں تو سی آئی ڈی والے کو شک پڑ سکتا ہے کہ آخر یہ کس کے لئے ٹکٹ خرید کر لے جا رہے ہیں؟ مجھے سگریٹ کی سخت طلب محسوس ہو رہی تھی مگر میں نے انہیں اب تک یہ نہیں کہا تھا کہ کسی آدمی سے دو چار سگریٹ منگوا دیجئے۔ میں نے انہیں کہا۔ " میری آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ آپ شام ہونے تک اپنے مکان سے باہر نہ نکلیں اور ڈیوڑھی میں ہی بیٹھے رہیں "۔

انہوں نے فرمایا۔ " بیٹا میرا زیادہ وقت ڈیوڑھی میں ہی تسبیح پر اللہ کے نام کا ورد کرتے گزرتا ہے۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو دروازے پر ٹھک ٹھک کر دینا میں سمجھ جاؤں گا "۔

وہ جانے لگے میں نے پوچھا۔ "ٹرین کے آنے کا صحیح وقت کیا ہے؟"

انہوں نے جواب میں کہا۔ "صحیح وقت تو شام کے چھ بجے کا ہے مگر یہ پسنجر ٹرین روز لیٹ ہوتی ہے اور سات ساڑھے سات سے پہلے کبھی نہیں آتی۔ تم شام کا کھانا کھا کر جانا"۔

میں نے کہا۔ "شکریہ! اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی میں نے دیر سے کھانا کھایا ہے۔ شام کو بھوک نہیں لگے گی"۔

بزرگ نے کوٹھری سے نکلنے کے بعد باہر سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی اور پھر مجھے ان کے تخت پر بیٹھنے اور کلمہ شریف پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ دور سے آٹے کی چکی کے ساتھ ساتھ کسی کوے کے اچانک بولنے کی بھی آواز آ جاتی تھی۔ ایک دیہاتی گلی میں سے بھینس کو ہنکاتا ہوا گزر گیا۔ کسی قریبی مکان میں ایک بچہ رویا۔ شاید اس کی ماں نے کسی کو آواز دے کر کہا کہ بچے کو پلنگڑی پر ڈال دے۔ میں چارپائی پر چپ چاپ لیٹ گیا۔ مجھ پر غنودی طاری ہونے لگی۔ میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ میری مشکل ایک مچھر نے آسان کر دی جو نیم اندھیرے میں بار بار میری ناک کے پاس آکر بھنبھنانے لگتا تھا۔ میں نے اسے مارنے کی بہت کوشش کی مگر وہ میرے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ اسی کشمکش میں میری غنودگی غائب ہو گئی۔ روشندان میں سے دن کی جو روشنی کوٹھری میں آ رہی تھی وہ اب پھیکی پڑنے لگی تھی اس کا مطلب تھا کہ باہر سورج غروب ہونے لگا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شام کے سایوں نے اس روشنی کو نگل لیا اور کوٹھری میں اندھیرا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد باہر تخت چرچرایا' پھر قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ دروازے کے قریب آئی۔ کنڈی کھلی اور میرے محسن بزرگ اندر تشریف لے آئے' انہوں نے ماچس جلائی۔ روشنی میں آگے بڑھ کر دیوار سے لٹکتی لالٹین جلائی اور بولے۔ "ساڑھے چھ بج گئے ہیں شام کے اندھیرے میں بیٹھنا اچھا نہیں ہوتا۔ شام کو دیا بتی ضرور جلنی چاہیئے۔ ٹرین کا وقت تو ہو گیا ہے مگر وہ سات ساڑھے سات سے پہلے نہیں آئے گی۔ تم کو بھوک تو نہیں لگی بیٹا؟"

میں چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے کہا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ انہوں نے لالٹین کی بتی نیچی کر دی اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ "تم آرام کرو۔ میں نماز پڑھ لوں"۔

انہوں نے باہر سے دوبارہ کنڈی چڑھا دی تھی۔ کوٹھری میں لالٹین کی ہلکی ہلکی روشنی ہو جانے سے مجھے اچھا لگا تھا۔ میں اب اپنے اگلے پروگرام پر غور کرنے لگا۔ مجھے رہ رہ کر اسی خفیہ آدمی کا خیال آ رہا تھا جو یقینی طور پر اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر کسی نہ کسی بھیس میں ضرور موجود تھا لیکن میں اس سے نمٹ سکتا تھا۔ میں انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ اچانک گلی میں کسی کی بھاری آواز بلند ہوئی۔ "شاہ جی پانی پلا دو۔ پیاس لگی ہے"۔

میں ایک دم ہوشیار ہو گیا۔ میں تیزی سے چارپائی سے اٹھا اور پہلا کام یہ کیا کہ لالٹین بجھا دی۔

اس کے ساتھ ہی میں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور باہر سے آنے والی آوازوں پر کان لگا دیئے۔
بزرگ کی آواز آئی۔ "بیٹھو بھائی۔ اندر سے پانی لاتا ہوں "۔
میں نے دروازے کی درز کے ساتھ آنکھ لگا کر ڈیوڑھی میں دیکھا۔ ڈیوڑھی میں بھی لالٹین جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک گھنی مونچھوں والا گول مٹول آدمی دکھائی دیا جس نے دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا۔ سر پر ایک صافہ بندھا تھا۔ شکل و صورت سے وہ کوئی دیہاتی آدمی لگ رہا تھا۔ ڈیوڑھی میں بھی ایک جانب پانی کا گھڑا رکھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ شاہ صاحب تخت سے اٹھے اور گھڑے میں سے پانی نکال کر مٹی کے پیالے میں ڈالا اور اجنبی کو پیش کیا۔ "تمہیں پہلے بستی میں کبھی نہیں دیکھا۔ کیا کسی دوسرے گاؤں سے آئے ہو۔ بیٹا؟"
شاہ جی نے بڑے اخلاق سے پوچھا۔ اسی دوران میں نے نوٹ کیا تھا کہ اجنبی دیہاتی اپنی چمکیلی آنکھوں سے ڈیوڑھی اور کوٹھری کے دروازے کا بڑے غور سے جائزہ لے رہا ہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ آدمی پولیس کے خفیہ آدمی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس اجنبی نے شاہ جی کے ہاتھ سے پیالہ لے کر تھوڑا پانی پیا۔ باقی پانی گلی میں پھینکا اور بولا۔ "شاہ جی! آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں کیا؟"
شاہ صاحب یعنی میرے محسن مسلمان بزرگ اب تخت پر بیٹھ گئے تھے۔ تخت پر مصلےٰ بچھا تھا شاید وہ نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔ "نہیں بھائی۔ میرے بہو بیٹا بھی ہے۔ وہ دوسرے شہر گیا ہوا ہے لڑکا تو بستی کا پٹواری ہے"۔
اجنبی ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ اپنی مونچھوں کو صافے سے پونچھتے ہوئے بولا۔ "پھر تو آپ سرکاری درباری آدمی ہیں"۔
شاہ جی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اجنبی دیہاتی اپنے آپ ہی بولا۔ "میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا بستی کی سیر کرتا چلوں پھر مجھے پیاس لگی۔ آپ کو دیکھا تو سوچا کہ پیاس بھی بجھالوں گا اور آپ کے درشن بھی ہو جائیں گے"۔
شاہ جی بولے۔ "کوئی بات نہیں بھائی۔ اچھا تم بیٹھو۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ میری نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے"۔
اجنبی دیہاتی ٹکٹکی باندھے اس کوٹھری کے بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے اندر میں موجود تھا۔ خفیہ پولیس والوں کی بھی ایک چھٹی حس ہوتی ہے جو انہیں عین وقت پر بتا دیتی ہے کہ مفرور ملزم کس جگہ چھپا ہوا ہے۔ اس نے مسلمان بزرگ یعنی شاہ صاحب کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس کوٹھری میں کیا ہے شاہ جی؟"
اب شاہ جی کچھ پریشان سے ہو گئے۔ خفیہ پولیس والے نے شاہ جی کا چہرہ فوراً پڑھ لیا اور جیب سے اچانک پستول نکال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "شاہ صاحب جہاں بیٹھے ہو۔ وہیں بیٹھے رہو۔ کوٹھری میں کیا

ہے یہ میں خود معلوم کر لیتا ہوں"۔

میں پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ معاملہ مکمل کر سامنے آ گیا تھا۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ یہی وہ خفیہ پولیس والا تھا جس کو پولیس میرے پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ پولیس کو شاہ جی پر شک ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے یہ آدمی اندھیرا ہونے کے بعد شاہ جی کے مکان پر میری تلاش میں آن پہنچا تھا۔ مجھے خفیہ پولیس والے کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"کوٹھری سے نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دو۔ میرے ریوالور میں بارہ گولیاں بھری ہوئی ہیں اور باہر پولیس کی گارڈ بھی موجود ہے اور ملٹری پولیس نے سارے گاؤں کو بھی گھیرے میں لے رکھا ہے"۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاہ جی بھی چپ تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے خوف زدہ کرنے کے لئے دروازے کی کنڈی پر فائر کر دے گا مگر خفیہ پولیس کے آدمی عام طور پر ٹھنڈے دل کے ہوتے ہیں۔ ان میں سپاہیوں والا جوش اور خروش نہیں ہوتا۔ ویسے یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ اگر وہ فائر کر دیتا تو بستی کے لوگ فائر کی آواز سن کر وہاں ضرور جمع ہو جاتے، لیکن اسے فائر ضرور کرنا چاہئے تھا۔ میں آج تک حیران ہوں کہ اس ہندو خفیہ پولیس والے نے فائر کیوں نہ کیا۔ اگر وہ فائر کر دیتا تو اس کی مشکل آسان ہو جاتی اور میرے ہاتھوں مرنے سے بھی شاید بچ جاتا کیونکہ بستی کے سارے ہندو وہاں جمع ہو جاتے اور میرے لئے فرار ہونے کے راستے مسدود ہو جاتے۔ باقی یہ جو اس نے دھمکی دی تھی کہ پولیس کی گارڈ باہر موجود ہے اور پولیس نے ساری بستی کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یہ اس کی بلف چال تھی جس پر میں نے اس وقت بھی اعتبار نہیں کیا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر کنڈی کھولی اور دروازے کو زور سے لات ماری دروازہ کھل گیا۔ میں اتنی دیر میں پوری طرح سے تیار ہو چکا تھا اور اپنے حملے کی تمام تفصیلات طے کر چکا تھا۔ وہ مجھے باہر آنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ میں ایک خاص پوزیشن میں گھات لگائے ہوئے تھا۔ اس نے یہ حماقت کی کہ کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ اگر وہ کوئی کپڑا جلا کر اندر پھینک دیتا تو میں دھوئیں میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا، مگر وہ کمانڈو نہیں تھا۔ خفیہ پولیس کا آدمی تھا۔ جو رشوت بھی لے لیتے تھے۔ جونہی وہ اندھیری کوٹھری میں داخل ہوا۔ میں ایک خونخوار چیتے کی طرح بائیں جانب سے اس پر لپکا۔ وہ مجھے ڈیوڑھی کی لالٹین کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ میرے پاؤں کی ایک ٹھوکر نے اس کے ہاتھ سے ریوالور اڑا دیا۔ اس کے بعد وہ نہتا تھا اور نہتا دشمن میرے ہاتھ سے بچ کر نکل جائے؟ یہ ناممکن تھا۔ دوسرے سیکنڈ میں اس کی گردن میری بغل میں تھی۔ ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر اور دوسرا اس کی کھوپڑی کی پچھلی جانب پر جماتے ہوئے میں نے بائیں جانب اتنی زور کا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کی ہڈی گھوم کر کڑک کر آواز سے ٹوٹ گئی اس نے اپنے جسم کا سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا اور وہ میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔ میں نے

اسے فرش پر پھینکا اور تیزی سے ڈیوڑھی میں آ گیا۔ بزرگ مسلمان شاہ جی نے یہ سارا منظر دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے مکان پر خفیہ پولیس کے ایک آدمی کے قتل ہونے کے باعث گھبرا رہے تھے۔ میرے قریب آ کر بولے۔ "تم نے اسے مار ڈالا؟"

میں نے کہا۔ "شاہ صاحب۔ اگر میں اسے ہلاک نہ کرتا تو یہ مجھے قتل کر دیتا اور پھر پولیس آپ کو بھی پکڑ کر لے جاتی کیونکہ پولیس کے مطابق آپ نے پاکستان کے ایک خطرناک ایجنٹ کو پناہ دی تھی"۔

شاہ جی نے ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور کوٹھری میں آ گئے۔ کہنے لگے۔ "بیٹا پولیس تو اب بھی مجھے اور میرے اکلوتے بیٹے کو پکڑ کر لے جائے گی اور پھر ہمارے خاندان پر جو تباہی نازل ہو گی اس کا اندازہ تم شاید نہیں کر سکتے ہو"۔

میں نے کہا۔ "میرے بزرگوار! میں نے جو کچھ کیا مجھے یہی کچھ کرنا چاہئے تھا"۔

شاہ جی اور میں اندھیری کوٹھری میں کھڑے تھے۔ خفیہ پولیس والے ہندو کی لاش فرش پر ٹیڑھی میڑھی پڑی تھی۔ شاہ جی بولے۔ "کیا تم سچ مچ پاکستان کے ایجنٹ ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن آپ فکر نہ کریں۔ یہ لاش یہاں آپ کے مکان پر نہیں رہے گی"۔

شاہ جی کی آواز میں گھبراہٹ غالب تھی کہنے لگے۔ "اس آدمی کے کہنے کے مطابق پولیس نے بستی کو گھیرے میں لے رکھا ہے اگر وہ یہاں آ گئے تو....."

میں نے شاہ جی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس نے جھوٹ بولا تھا شاہ جی! پولیس والے اس اپنے خفیہ ایجنٹ کو یہاں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ مجھے یہ بتایئے کہ اب یہاں سے دلی یا پانی پت کی طرف ٹرین کب جائے گی؟"

شاہ جی ڈیوڑھی میں آ کر تخت پر بیٹھ گئے۔ وہ بار بار اپنی سفید داڑھی پر اضطراری کیفیت میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔ "آخری گاڑی۔ ہاں، اب ایک گاڑی رات کے پچھلے پہر ساڑھے تین بجے آئے گی۔ انبالہ کینٹ سے آئے گی مگر، مگر یہ لاش۔ خدا کے لئے اس کو یہاں سے ہٹا دو"۔

میں نے شاہ جی کو حوصلہ دیا اور ان سے ایک بوری لانے کے لئے کہا۔ میں کوٹھری میں آ گیا۔ میں نے لالٹین روشن کی اور لاش کو دیکھا۔ لاش کی گردن ٹیڑھی ہو چکی تھی اور آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں میں دوڑ کر ڈیوڑھی میں گیا۔ دروازہ کھول کر گلی میں جھانکا۔ گلی تاریک اور سنسان پڑی تھی۔ شروع رات میں ہی بستی پر اندھیرا اور خاموشی مسلط ہو گئی تھی۔ میرا خیال درست تھا۔ اس خفیہ پولیس والے نے مجھے جھانسہ دینے کی کوشش کی تھی۔ باہر کوئی ملٹری پولیس یا سول پولیس والا نہیں تھا۔ میں نے ڈیوڑھی کو اندر سے بند کر دیا۔ شاہ جی نے مجھے ایک بڑی خالی بوری لا دی۔ میں نے لاش

کے گھٹنے اس کی چھاتی سے لگا کر رسی سے کس کر باندھ دیئے' پھر شاہ جی کی مدد سے لاش بوری میں بند کر کے اوپر سے بوری کو سی ڈالا۔ شاہ جی کی گھبراہٹ اپنی جگہ پر غلط نہیں تھی۔ وہ بستی کے ایک امن پسند شریف مسلمان بزرگ تھے اور اپنے اکلوتے بیٹے' اس کی بیوی اور بچوں کے ساتھ پُرامن زندگی بسر کر رہے تھے۔ بھارتی حکومت ویسے بھی بھارتی مسلمانوں کی دشمن تھی اور انہیں کسی نہ کسی جرم میں خواہ مخواہ ملوث کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔ اگر بستی کے کسی ہندو کو ذرا سی بھنک بھی پڑ جاتی کہ شاہ جی کے گھر میں خفیہ پولیس کے... ایک اہلکار کو قتل کر دیا گیا ہے تو شاہ جی کے گھرانے پر جو قیامت ٹوٹتی اس کا اندازہ میں بخوبی لگا سکتا تھا۔

شاہ جی کہہ رہے تھے۔ "بیٹا! پاکستان کو ہم دلوں سے یاد کرتے ہیں۔ ہم پاکستان سے محبت کرتے ہیں۔ پاکستان کے لئے میری جان بھی حاضر ہے' مگر مجھے اپنے اکلوتے بچے سے بھی بہت محبت ہے۔ اس دنیا میں وہی ایک میرا نام روشن کرنے والا ہے۔ میرا نام زندہ رکھنے والا ہے۔ اگر اس قتل کا کسی کو پتہ چل گیا تو بھارتی پولیس ہمارے خاندان کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ ہمیں قانون کے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ ہمیں یہاں کے متعصب ہندوؤں کے حوالے کر دیں گے جو مجھے اور میرے اکلوتے بیٹے اور اس کے بچوں کو قتل کر کے میری بہو کو اغوا کر کے لے جائیں گے۔ مسلمانوں کا ایسا قتل عام اس علاقے میں تقسیم کے وقت بہت ہو چکا ہے۔ میں اپنی بیوی کو لے کر مالیر کوٹلے چلا گیا تھا۔ وہاں سے اس بستی میں آ کر بس گیا۔ اس وقت میرے اکلوتے بیٹے کی عمر دو برس تھی"۔

میں نے شاہ جی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عقیدت سے بوسہ دیا اور کہا۔ "میرے محترم! آپ یقین کریں آپ کے خاندان کا امن تباہ نہیں ہو گا۔ آپ کا گھر آباد رہے گا۔ میں لاش کو لے کر ابھی یہاں سے جا رہا ہوں۔ آپ مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ اس بستی سے باہر نکلنے کا سب سے محفوظ راستہ کون سا ہے؟"

شاہ جی نے مجھے ایک محفوظ راستہ سمجھا دیا۔ میں نے لاش کی بوری کو کاندھے پر ڈالا۔ شاہ جی کو آخری بار عقیدت و احترام بھری نگاہوں سے دیکھا اور ڈیوڑھی سے نکل کر اندھیری گلی میں آ گیا۔ انہوں نے مجھے جو راستہ بتایا تھا وہ گلی کی دوسری طرف سے ریلوے اسٹیشن سے آگے ایک گندے کھال کے قریب جا نکلتا تھا۔ یہ راستہ زیادہ لمبا نہیں تھا اور مجھے ساری بستی کی گلیوں میں سے نہیں گزرنا پڑا تھا بلکہ دس پندرہ قدم چلنے کے بعد بائیں جانب ایک گرے ہوئے بوسیدہ مکان کے صحن سے نکلنے کے بعد ہی میں کھلے کھیتوں میں آ گیا تھا۔ کھال کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک کتا بھونکا۔ میں نہ رکا۔ لاش بوری میں بند میرے کاندھے پر تھی۔ میں نے اسے اپنے سر پر اس طرح اٹھا لیا جیسے گیہوں وغیرہ لے کر دوسرے گاؤں جا رہا ہوں۔ ریلوے اسٹیشن کی بتیاں میری بائیں جانب رہ گئی تھیں میں لاش کو کھال یا کسی کنوئیں میں نہیں پھینکنا چاہتا تھا۔ ایسی صورت میں بدبو کی وجہ سے لاش باہر نکال لی جاتی اور

جب علاقے کی پولیس کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کا خفیہ آدمی تھا جو گاؤں میں قتل ہو گیا تو اس بستی کے ہندوؤں کو تو پولیس کچھ نہ کہتی مگر شاہ جی پر ضرور آفت ٹوٹ پڑتی۔ چنانچہ میں سب سے پہلے اس لاش کو کسی ایسے طریقے سے ٹھکانے لگانا چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی ہڈیاں بھی نہ مل سکیں۔ شاہ صاحب کے گھر سے نکلتے وقت میں نے ان سے ایک ترکاری کاٹنے والی چھری لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ یہ چھوٹے چاقو کے سائز کی چھری تھی۔ بوری سر پر اٹھائے میں بستی کے کھیتوں سے نکل کر ریلوے لائن پر آ گیا۔

میری ایک جانب کچھ فاصلے پر چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے سگنل کی لال بتی جل رہی تھی اور دوسری جانب ریلوے لائین اندھیرے میں دور جا کر ڈوب گئی تھی۔ میں ریلوے لائن پار کر کے اس کی دوسری طرف چلا گیا۔ ادھر ڈھلان تھی آگے گڑھوں میں سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ یہاں سرکنڈوں کے پیچھے بیٹھ کر میں نے بوری کو کھول ڈالا۔ پہلا کام یہ کیا کہ لاش کا سر کاٹ کر الگ کر ڈالا پھر لاش کے نازک اعضا کاٹ کر وہیں زمین میں گڑھا کھود کر اچھی طرح سے دبا دیئے۔ اب لاش کی شناخت مشکل تھی کہ یہ ہندو کی لاش ہے یا کسی مسلمان کی لاش ہے۔ کٹی ہوئی گردن والی لاش کو میں نے آگے جا کر ریلوے لائن کے درمیان میں ڈال دیا اور اس کا سر بوری میں لپیٹ کر بغل میں دبایا اور ریلوے لائن سے ہٹ کر کھیتوں میں چلنے لگا۔ رات تاریک تھی۔ کھیت بھی اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے ایک کھیت میں دیکھا کہ پانی دینے کے بعد وہاں زمین نرم اور گیلی ہو گئی تھی۔ پانی بالکل خشک ہو گیا تھا۔ میں کھیت کے درمیان میں جا کر بیٹھ گیا۔ لاش کے سر والی بوری پاس ہی رکھ لی اور چھری سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ زمین گیلی اور نرم تھی دس پندرہ منٹ میں ہی کوئی دو فٹ گہرا گڑھا میں نے کھود لیا۔ جب گڑھا تیار ہو گیا تو میں نے خفیہ پولیس والے ہندو کا سر بوری سمیت گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی بھرنی شروع کر دی۔ مٹی کو میں نے خوب اچھی طرح سے دبا دیا۔ زمین کی سطح ہموار ہو گئی تو اس طرح الٹے پاؤں کھیت سے باہر نکلا کہ پیچھے ہٹتے ہوئے میں ہاتھوں کی مدد سے اپنے پاؤں کے نشان مٹاتا چلا گیا۔ ریلوے لائن پر آ کر پٹریوں کے درمیان میں اکڑی پڑی سر کٹی لاش کو چھو کر دیکھا۔ میری تسلی ہو گئی کہ پچھلی رات کو جب ٹرین اس کے اوپر سے گزرے گی تو اس سر کٹی لاش کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

لائن پر میں نے لاش کو اس لئے نہیں ڈالا تھا کہ انجن کی روشنی میں ڈرائیور کو لائن پر پڑی ہوئی لاش دکھائی دے سکتی تھی اور چونکہ ابھی ٹرین --- اسٹیشن سے نکل ہی رہی ہو گی۔ وہ اسے کھڑی کر سکتا تھا لیکن لائن کے درمیان میں پڑی ہوئی لاش دور سے ڈرائیور کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں اتنا وقت کہاں گزاروں ٹرین رات کے ساڑھے تین بجے آ رہی تھی۔ اگر کھیتوں میں جاتا ہوں تو وہاں یہ ڈر تھا کہ مجھے نیند آ گئی تو ٹرین نکل جائے گی اور دن کے وقت خفیہ پولیس کے

آدمی اپنے خفیہ آدمی کی خبر لینے یا اس سے کوئی اطلاع حاصل کرنے وہاں آ سکتے تھے ۔ مجھے ہر حالت میں راتوں رات اس جگہ سے آگے نکل جانا چاہئے تھا ۔ اگر ریل کی پٹڑی کے ساتھ پیدل چلنا شروع کرتا ہوں تو کچھ معلوم نہیں تھا کہ گاڑی اگلے اسٹیشن پر کھڑی بھی ہوتی ہے کہ نہیں ۔ اگرچہ یہ پسنجر ٹرین تھی لیکن میں نے اکثر یہ دیکھا تھا کہ رات کے وقت جو پسنجر ٹرینیں بھارت میں چلتی تھیں وہ کئی چھوٹے دیہاتی اسٹیشن چھوڑ ہی جاتی تھیں میرے لئے یہی بہتر تھا کہ میں وہیں کسی جگہ چھپ کر پڑا رہوں اور اسی اسٹیشن سے ٹرین پکڑ کر آگے نکل جاؤں ۔

میں کھیتوں میں چلتا اسٹیشن کے قریب آ کر ایک جگہ رک گیا ۔ پلیٹ فارم خالی تھا ۔ کھمبوں پر کہیں کہیں بتیاں جل رہی تھیں مگر ان کی روشنی زیادہ نہیں تھی ۔ پلیٹ فارم کی ایک ہی چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی ۔ گیٹ پر کوئی چیکر نہیں تھا ۔ ڈیوڑھی میں کھڑکی تھی جہاں سے مجھے دلی کا ٹکٹ لینا تھا ۔ اس کھڑکی میں اندھیرا چھایا تھا ۔ ٹکٹ بابو کو ٹرین کے آنے سے ایک آدھ گھنٹہ پہلے وہاں آنا تھا ۔ ڈیوڑھی میں مجھے ایک آدمی دیوار کے ساتھ لیٹا ہوا دور سے نظر آ رہا تھا ۔ اگر میں بھی اسٹیشن کی ڈیوڑھی میں جا کر بیٹھ جاتا ہوں یا خالی پلیٹ فارم کے بینچ پر لیٹ جاتا ہوں تو یقینی بات تھی کہ میں وہاں کسی کی نظروں میں آ سکتا تھا ۔ ہو سکتا تھا ایسا نہ ہو لیکن میرے خدشے بہت شدید تھے اور نفسیاتی طور پر ان کا مجھ پر اثر تھا ۔

خفیہ پولیس والے کے سر کی مجھے فکر نہیں تھی وہ اگر فصل بونے کے وقت برآمد ہو بھی جائے تو اس وقت تک چہرہ مسخ ہو چکا ہو گا اور وہ پہچانا نہیں جا سکے گا ۔ مجھے اس کی لاش کی طرف سے تھوڑی سی بے چینی ضرور تھی ۔ یہ لاش ریلوے لائن کے درمیان میں اسٹیشن سے ڈیڑھ ایک فرلانگ دور پڑی تھی ۔ کہیں اسے کتے بھنبھوڑتے ہوئے کھینچ کر باہر نہ لے جائیں ۔ لاش کو اگرچہ میں نے اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ اس کے بارے میں یہ طے کیا جا سکے کہ یہ مسلمان کی ہے یا کسی ہندو کی اس کے باوجود بستی کے قریب کسی سر کٹی لاس کا ملنا اور خفیہ پولیس والے کا اس بستی میں گم ہونا' یہ دونوں کڑیاں آپس میں مل کر بستی کے واحد مسلمان بزرگ شاہ جی پر کوئی آفت ڈھا سکتی تھیں ۔ تو کیا میں لاش کو ایک میل آگے جا کر ڈال دوں ؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ۔ یہی سوچتا ہوا میں ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے کھیتوں میں ایک طرف فصل کی اوٹ میں بیٹھ گیا ۔ یہ شاید جوار کی فصل تھی اور اس نے ایک دیوار سی کھڑی کر دی تھی ۔ تھوڑی دیر بعد ' میں نے ریلوے کے ایک چوکیدار کو دیکھا جو نیکر پہنے ڈنڈا ہاتھ میں لئے ایسے چل رہا تھا جیسے نیند میں ہو ' پھر وہ ڈیوڑھی میں جا کر غائب ہو گیا ۔ دور انبالہ کو جانے والی ریلوے لائن پر ایک سگنل کی سرخ بتی دیر سے جیسے مجھے گھور گھور کر تک رہی تھی ۔ ادھر سے دلی یا پانی پت جانے والی گاڑی کو آنا تھا ۔ شاہ جی نے کہا تھا کہ پسنجر ٹرین کبھی کبھی صرف پانی پت تک جاتی ہے اور آگے دلی کے لئے دوسری گاڑی پکڑنی پڑتی ہے ۔ میرے پاس

گھڑی نہیں تھی۔ صرف اندازہ تھا کہ رات کے نو بجنے والے ہوں گے۔ ابھی گاڑی آنے میں ساڑھے چھ گھنٹے باقی تھے۔

یہ سارا وقت مجھے کھیت کے کنارے بیٹھ کر گزارنا تھا۔ میں اٹھ کر ادھر ادھر چل پھر بھی سکتا تھا لیکن ایسا کرنے میں خطرہ تھا۔ مجھے میری مشکوک حالت میں چلتے پھرتے دیکھ کر کسی چوکیدار وغیرہ کو شک پڑ سکتا تھا۔ اگر میں پلیٹ فارم پر جا کر بیٹھ جاؤں تو مجھے کوئی نہیں پوچھے گا کہ میں کون ہوں اور کہاں جا رہا ہوں چنانچہ میں اٹھ کر پلیٹ فارم کی طرف چل پڑا۔ پلیٹ فارم سامنے ہی تھا۔ ریلوے لائن پار کر کے میں پلیٹ فارم پر چڑھ گیا اور اسٹیشن کی ڈیوڑھی کے سامنے بیٹھنے کی بجائے دور ایک خالی بینچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ پگڑی کو میں نے دیہاتیوں کی طرح ویسے ہی سر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ بھوک مجھے بالکل نہیں تھی۔ صرف سگریٹ کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی لیکن ہمیں تربیت ایسی دی جاتی ہے کہ ہر قسم کی طلب کو ہم جتنے دن تک چاہیں دبا سکتے ہیں۔ میں نے غیر سرکاری طور پر ایک رضاکار کی حیثیت سے کمانڈو کی ٹریننگ لی تھی۔۔۔۔ یہ ٹریننگ اس قدر سخت اور جانکش تھی کہ ایک بار تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کمانڈو نہیں بنوں گا لیکن میرا دل اسلام اور وطن عزیز کی محبت سے سرشار تھا اور میں اسلام اور وطن پاک کے لئے ایسی خدمات انجام دینا چاہتا تھا جو عام ڈگر سے ہٹ کر ہوں اور ایک عام آدمی کے بس میں بھی نہ ہو۔

میں بینچ پر لیٹ گیا۔ میں نے اپنا ایک بازو سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ نیند غائب تھی۔ میں دور تک خالی پلیٹ فارم کو دیکھ رہا تھا۔ وہی ریلوے کا چوکیدار نیکر اوپر چڑھاتا' ڈنڈا ہاتھ میں لئے ڈیوڑھی سے ایک بار پھر نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ ٹہلتا میری طرف بڑھنے لگا۔ وہ پلیٹ فارم کے لائن والے سنارے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میرے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے چہرہ گھما کر میری طرف دیکھا۔ میں اندھیرے میں تھا اور اسے دیکھ رہا تھا چوکیدار وہاں رک گیا۔ شاہ جی سے لی ہوئی پیاز چھیلنے والی چھری میری جیب میں تھی۔ چوکیدار نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور آگے چل دیا۔ میں نے اس طریقے سے بینچ پر لیٹے لیٹے پہلو بدلا کہ میری نظریں اب چوکیدار کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔ دیہاتی اسٹیشن کا یہ مخنی سا بے معنی چوکیدار ڈنڈا بغل میں دبائے بیڑی کے کش لگاتا جیسے نیند میں چل رہا تھا۔ پلیٹ فارم کے آخری کنارے پر جا کر وہ واپس مڑا اور بے ربط قدم اٹھاتا ایک بار پھر میرے سامنے سے گزر گیا۔ اگر مجھے نیند آ جاتی تو میں بینچ پر لیٹا ہی رہتا لیکن نیند کوسوں دور تھی۔ لیٹے لیٹے میں تھک گیا تو اٹھ بیٹھا۔ کم بخت چوکیدار تمباکو کی خوشبو فضا میں چھوڑ گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے سگریٹ کی طلب ستانے لگی۔ اس وقت وہاں سگریٹ والے کھوکھے کھلے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یونہی بڑی مشکل سے رات گزرتی چلی جا رہی تھی۔ ایک بار میں نے بھی تھوڑی سی چہل قدمی کی۔ خدا جانے رات کتنی گزر چکی تھی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ لاش کو چل کر ایک نظر دیکھنا

چاہئے۔ میں پلیٹ فارم سے اتر کر سامنے والے کھیتوں کی طرف چلا گیا' پھر کھیتوں کے پیچھے پیچھے فصلوں کی اوٹ میں ہو کر ریلوے لائن کے متوازی چلنے لگا۔ ڈیڑھ فرلانگ چلنے کے بعد' میں کھیتوں سے نکل کر ریلوے لائن پر آ گیا۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔ ان کی پھیکی پھیکی روشنی میں مجھے دور سے لائن کے درمیان پڑی لاش نظر آ گئی۔ لاش کو جیسے میں رکھ کر گیا تھا ویسے ہی پڑی تھی۔ میں اب اس کے قریب نہیں جانا چاہتا تھا۔ لاش کو دور ہی سے دیکھ کر میری تسلی ہو گئی اور میں جس راستے سے آیا تھا۔ اسی راستے سے واپس روانہ ہو گیا۔ میں کھیت کی پگڈنڈی پر سے گزر رہا تھا کہ معاً کسی نے آواز دی۔ "کون ہو بھئی تم؟"

میرا دل زور سے دھڑک کر معمول پر آ گیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ ایک دیہاتی کندھے پر پھاوڑا رکھے قریب ہی سامنے والے کھیت کے کنارے کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے جھٹ اسے نمسکار کیا اور کہا۔ "مہاراج مسافر ہوں۔ پچھلے گاؤں سے آیا ہوں۔ کرنال والی گاڑی پکڑنی ہے"۔

دیہاتی شاید کھیتوں میں پانی لگا رہا تھا۔ پھاوڑا چلانے لگا اور بولا۔ "گاڑی تو ابھی دیر سے آئے گی"۔

میں نے کہا۔ "ہاں جی۔ سٹیشن پر جا کر بیٹھوں گا۔ رام رام"۔

میں نے اپنا رخ اس پگڈنڈی کی طرف کر لیا جو سیدھی لائن کی طرف جاتی تھی۔ لائن پار کر کے میں واپس پلیٹ فارم پر آ گیا اور اس بار دوسرے بینچ پر بیٹھ گیا۔ یہ انتظار میرے اعصاب کو جیسے اپنے شکنجے میں لئے ہوئے تھا۔ ایک ایک سیکنڈ بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ میں بار بار آسمان کی مشرقی جانب دیکھتا کہ صبح کاذب کب نمودار ہوتی ہے آخر خدا خدا کر کے وہ وقت بھی آ گیا کہ ریلوے اسٹیشن میں جو ٹکٹ والی کھڑکی تھی اس کے پیچھے کسی نے بٹن دبا کر بتی روشن کی۔ ایک قلی ٹرالی پر کچھ سامان رکھے پلیٹ فارم پر نمودار ہوا۔ اس نے ٹرالی اسی طرح پلیٹ فارم پر ایک طرف کھڑی کر دی اور صافہ اتار کر سر پر ہاتھ پھیرتا اور جماہیاں لیتا ڈیوڑھی کی طرف چلا گیا۔ کھڑکی ابھی تک بند تھی۔ صرف اس کے شیشوں میں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کب کھڑکی کھلے اور میں جا کر ٹکٹ خریدوں۔ مشرق کی جانب آسمان پر جو رات کی تاریکی تھی وہ کافور ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ڈیوڑھی میں کچھ دیہاتی مسافر باہر سے آ کر بیٹھ گئے ادھر پھر کھڑکی کھل گئی۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا' پھر جیب سے دس دس کے تین نوٹ نکال کر اپنی مٹھی میں پکڑ لئے اور آہستہ آہستہ ڈیوڑھی کی طرف چلنے لگا۔ ٹکٹ والی کھڑکی تک پہنچتے پہنچتے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ نہیں لوں گا۔ میرا حلیہ عام دیہاتیوں جیسا تھا اور سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینے سے خواہ مخواہ مجھ پر شک پڑ سکتا تھا۔ کرسی کے پیچھے مجھے ایک دبلے پتلے منحنی سے ادھیڑ عمر لالے کی شکل نظر آئی جو کرسی کی پشت سے سر لگائے شاید سو رہا تھا۔ مجھ سے پہلے ایک دیہاتی نے ٹکٹ کے لئے بابو کو بلایا تو وہ جاگ پڑا۔ بڑی بے دلی سے اس نے دیہاتی کو ٹکٹ دیا۔ پیسے نیچے ڈالے اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "پیسے لاؤ۔ کہاں جانا ہے؟"

میں نے گنواروں جیسا لہجہ بنا کر کہا کہ دلی کا ایک ٹکٹ دے دو جی ' یہ گاڑی دلی جائے گی ناں۔
ٹکٹ بابو نے کہا۔ "یہ گاڑی پانی پت تک جائے گی۔ وہاں جا کر دلی والی گاڑی پکڑ لینا"۔
میں نے پیسے بڑھا دیئے۔ اس نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ دے دیا۔ باقی پیسے لے کر میں نے جیب میں رکھے اور آنکھوں کے کناروں سے آس پاس دیکھتا ڈیوڑھی کے گیٹ پر آ گیا۔ وہاں کوئی ٹکٹ چیکر نہیں تھا۔ میں پلیٹ فارم پر آ کر ایک خالی بینچ پر بیٹھ گیا۔ ٹکٹ والی کھڑکی میں سے میں نے اندر کمرے میں لگے کلاک پر وقت دیکھ لیا تھا۔ اس وقت رات کے پونے تین بج رہے تھے۔ اس چھوٹے سے دیہاتی ریلوے اسٹیشن کے عذاب سے نجات حاصل کرنے میں اب زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا تھا۔
کسی نہ کسی طرح یہ وقت بھی گزر گیا اور پھر پلیٹ فارم پر کسی نے گھنٹی بجائی۔ اس کا مطلب تھا کہ ٹرین آنے والی ہے۔ مسافر زیادہ نہیں تھے۔ چار پانچ دیہاتی لوگ تھے جو اپنی گٹھڑیوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میری نظریں سگنل پر لگی تھیں۔ اس کی سرخ بتی بجھ گئی۔ سگنل گر چکا تھا اور جس طرف سے ٹرین آنے والی تھی ادھر اس کی بتی سبز ہو گئی تھی۔ دور سے ریلوے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ میری جان میں جان آ گئی ' پھر دیو پیکر سیاہ فام انجن دھواں اور بھاپ چھوڑتا چھک چھک کرتا پلیٹ فارم کی زمین کو ہلاتا پلیٹ فارم میں داخل ہو گیا۔ ٹرین رکی تو کچھ مسافر اترے۔ میں ایک ڈبے میں گھس گیا۔ اس ڈبے کے مسافر زیادہ تر سو رہے تھے۔ رش زیادہ نہیں تھا۔ میں بائیں جانب کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔
ٹرین تھوڑی دیر رک کر آگے چل پڑی۔ میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال رکھا تھا۔ ٹرین ابھی دھیمی رفتار سے کھٹا کھٹ کا شور مچاتی چل رہی تھی۔ مجھے یہ دھڑکا لگا تھا کہ کہیں انجن ڈرائیور لائنوں میں پڑی لاش کو دیکھ کر گاڑی کھڑی نہ کر دے۔ میری ساری توجہ گاڑی کی رفتار پر مرکوز تھی۔ میرے حساب کے مطابق لاش والی جگہ آنے ہی والی تھی۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے کی بجائے تھوڑی سی تیز ہو گئی تھی۔ اس سے مجھے بڑا حوصلہ ہوا۔ گاڑی نے اسپیڈ پکڑ لی۔ ٹرین لاش کے اوپر سے اس کے پرخچے اڑاتے گزر گئی تھی اور کسی کو پتہ نہ چل سکا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنا سر دیوار کے ساتھ لگا لیا۔
ٹرین اب ایک خاص رفتار سے بھاگی جا رہی تھی۔ میرا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ پہلی بار مجھے شدید تھکن کا احساس ہوا اور مجھے نیند آنے لگی۔ ڈبے میں صرف ایک بتی جل رہی تھی۔ تقریباً سبھی مسافر سو رہے تھے۔ میں نے بھی آنکھیں بند کر لیں اور ٹرین کے جھکولوں میں مجھے بھی نیند آ گئی۔
جب آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا۔ ڈبے میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ٹرین ایک بھورے رنگ کے خشک میدان میں سے گزر رہی تھی۔ گاری راتوں رات کورو کیشتر پر تھوڑی دیر رک کر آگے نکل چکی تھی ' پھر کرنال کا ریلوے اسٹیشن آ گیا۔ یہاں سی آئی ڈی والوں کا خطرہ تھا۔ میں ٹائلٹ میں گھس گیا۔ گاڑی چلی تو باہر نکل آیا۔ اس کے بعد پانی پت کا اسٹیشن آیا تو گاڑی کھڑی ہو گئی۔ یہاں سے مجھے دوسری گاڑی پکڑنی تھی۔ ٹکٹ میں نے دلی ہی کا لے رکھا تھا۔

پانی پت کا ریلوے اسٹیشن کافی بڑا تھا۔ یہاں کافی رش تھا۔ میں نے ایک قلی سے دلی جانے والی گاڑی کے بارے میں پوچھا اور پل عبور کر کے دوسرے پلیٹ فارم پر آگیا۔ میری آنکھیں ہر مسافر کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ یہاں پولیس کے سپاہی بھی نظر آئے لیکن انہوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں سے دلی والی گاڑی تیار ہو کر جاتی تھی۔ گاڑی کے کچھ ڈبے یارڈ میں لگے تھے۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ میں بھی یارڈ میں جا کر ایک ڈبے میں بیٹھ گیا۔ پانی پت میں ہی میں نے پھیری والے سے روٹی اور پکوڑے لے کر کھائے۔ یہاں سے گھٹیا سگریٹوں کا ایک پیکٹ بھی خریدا۔ قیمتی سگریٹ خریدنے سے مجھ پر خواہ مخواہ شک کیا جا سکتا تھا۔ میں ڈبے کے برتھ پر لیٹ کر سگریٹ پینے لگا۔ ایک گھنٹے بعد گاڑی دلی کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ بھی پسنجر ٹرین تھی اور راستے میں ہر جگہ رک جاتی تھی۔ شام ہو رہی تھی کہ ٹرین سہارن پور پہنچ گئی۔ میں ڈبے میں ہی برتھ پر لیٹا رہا۔ یہاں ڈبے میں مسافروں کا کافی رش ہو گیا۔ ایک مسافر نے میری برتھ پر بھی اپنا سامان ٹھونس دیا۔ میں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہاں سے گاڑی چلی تو ہر اسٹیشن پر رکتی مظفر نگر پہنچی۔ رات کے نو بج رہے تھے کہ میرٹھ شہر کا اسٹیشن آگیا۔ یہ جگہ میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ٹرین یہاں کافی دیر رکتی تھی اس لئے ٹائلٹ میں گھسنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں برتھ پر ہی اکڑوں بیٹھا کھڑکی میں سے باہر آتے جاتے لوگوں کو تکتا رہا۔ کچھ سپاہی بھی ڈبے کے آگے سے گزر گئے۔ میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ خدا خدا کر کے انجن نے وسل دیا۔ گارڈ نے سیٹی بجائی اور ٹرین کھسکنے لگی۔ اب آگے دلی کے درمیان غازی آباد کا ہی ایک بڑا اسٹیشن تھا لیکن چھوٹے چھوٹے کئی ایک اسٹیشن تھے جہاں اس پسنجر ٹرین کو ضرور رکنا تھا۔ چونکہ رات ہو گئی تھی۔ اس لئے میرے تفکرات کچھ کم ہو گئے تھے رات کے پورے ایک بجے ٹرین دلی کے عظیم الشان اسٹیشن کے ایک خاموش سے پلیٹ فارم پر آکر کھڑی ہو گئی۔

اب میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ لباس تبدیل کرنے کا تھا۔ میں کسی دیہاتی لباس میں اپنے موتی نگر والے بنگلے میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اگرچہ میرے بنگلے میں سوائے چوکیدار کے اور کوئی بھی نہیں تھا' پھر بھی میں اس ہندو چوکیدار پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں بھیس بدل کر شملے سے واپس دلی آیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ رات کے ایک بجے مجھے قمیص پتلون کہاں سے مل سکتی تھی؟ میرے پاس صرف اتنے ہی پیسے تھے کہ میں ٹیکسی لے کر اپنے موتی نگر والے بنگلے تک جا سکتا تھا۔ کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا کہ جس کے گھر جا کر کپڑے تبدیل کر لوں۔ یہ خیال بھی پریشان کر رہا تھا کہ اسٹیشن پر کوئی مجھے پہچان نہ لے۔ آخر میں بھارتی سرکار کا ایک اہم افسر تھا اس شہر میں کافی لوگ تھے جو مجھے جانتے تھے۔ اگرچہ انبالہ شہر کے عذاب سے خیریت سے نکل آنے کی مجھے خوشی بھی تھی تاہم اب اپنے بنگلے پر جانے کی پریشانی بھی لاحق تھی۔ مسافر گٹھریاں اور ٹرنک اٹھائے پلیٹ فارم سے جا چکے تھے۔ میں اکیلا وہاں پولیس یا سی آئی ڈی والوں کی نگاہوں میں آ سکتا تھا۔ چنانچہ میں بھی سیڑھیوں

والے پل کی طرف چل پڑا۔ ویسے میرا حلیہ ایسا تھا کہ پہلی نظر میں کوئی مجھے مشکل ہی سے پہچان سکتا تھا۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہی فیصلہ کیا کہ جیسے بھی ہو مجھے اسٹیشن کی فضا سے نکل کر اپنے بنگلے کی طرف چل دینا چاہئے۔ کیونکہ یہاں بہرحال خطرہ تھا۔ میں نے تھرڈ کلاس کے گیٹ پر لونگھتے ہوئے چیکر کو ٹکٹ تھمایا اور اسٹیشن سے باہر نکل آیا۔ اس شہر کے بازاروں میں سے اچھی طرح واقف تھا۔ میں اس طرف چل پڑا جدھر ٹیکسیاں کھڑی ہوتی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ٹیکسی والا مجھ سے کوئی سوال کرتا میں دروازہ کھول کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور اسے کہا۔ "موتی نگر کی طرف چلو بھائی"۔

ٹیکسی تھوڑی دیر بعد دلی کی کشادہ سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد شہر کی سڑکیں تقریباً خالی تھیں۔ کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی۔ عمارتوں میں ضرور روشنیاں ہو رہی تھیں۔ چوراہوں کی سگنل لائٹس بھی جگمگا رہی تھیں۔ میں نے جان بوجھ کر ٹیکسی موتی نگر میں ایک پارک کے پاس رکوائی۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دیا اور پارک کے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ان دنوں میں نے اپنے بنگلے پر ایک گورکھے کو چوکیدار رکھا ہوا تھا۔ یہ چوکیدار میرے بعد میرے بنگلے کی رکھوالی کرتا تھا۔ اس کا کوارٹر الگ تھا جو بنگلے کے عقب میں واقع تھا۔

میرے قارئین میرے موتی نگر والے بنگلے سے بھی اچھی طرح واقف ہوں گے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں یہاں کیپٹن رام کشن مہتہ کی حیثیت سے رہ رہا ہوں اور میرا عہدہ اب پرائم منسٹر کے سیکرٹریٹ کی انٹیلی جینس برانچ میں اسسٹنٹ سیکرٹری کا ہے اور پرشوتم داس ٹنڈن کی موت کے بعد اب سیکرٹری نمبر دو مسٹر تیواڑی انٹیلی جینس کے محکمے کا انچارج ہے اور میری شادی کی بات ہماری ایک رشتے دار اور خوبصورت خاتون سجاتا کے ساتھ چل رہی ہے۔ وہ بھی پچھلی قسطوں میں پڑھ چکے ہیں گے میرے ماتا پتا سورگباش ہو چکے ہیں اور اب میں اکیلا اپنے بنگلے میں رہتا ہوں۔ میری ایک بڑی بہن کرشنا کماری دلی ہی میں ایک جوہری کے بیٹے رام پرشاد سے بیاہی ہوئی ہے۔ بمبئی میں میرا ایک چچا درگا پرشاد بھنڈی بازار میں کپڑے کی دکان کرتا ہے۔ سجاتا انڈین ایئر لائنز کے چاندنی چوک والے آفس میں نوکری کر رہی ہے اور میرے قارئین یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میں یہاں کیپٹن رام کشن مہتہ کا ہم شکل بن کر رہ رہا ہوں اور اس کے لئے میرے چہرے کی خاص طور پر پلاسٹک سرجری کروائی گئی تھی۔ شروع شروع میں میری آواز پر یہاں کیپٹن رام کشن مہتہ کے رشتے داروں ماتاجی اور سجاتا کو حیرانی ضرور ہوئی تھی لیکن کچھ عرصے تک میں نے اپنے گلے کو خراب کیئے رکھا اور ایسے بولتا رہا جیسے میرے گلے میں خراش پڑ گئی ہے، پھر جب وہ لوگ اصلی رام کشن مہتہ کی آواز کو بھول گئے تو میں نے بھی اپنے انداز میں بولنا شروع کر دیا۔ یہ آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ آج کل پلاسٹک سرجری کا فن اتنی ترقی کر گیا ہے کہ ایک آدمی کی شکل کو ہو بہو دوسرے کی شکل کا بنایا جا سکتا ہے میرے چہرے کی پلاسٹک سرجری پیرس میں ہوئی تھی۔ کچھ تو میری شکل پہلے ہی مرنے والے کیپٹن رام کشن مہتہ سے ملتی

جلتی تھی۔ اس پر جب یورپ کے تجربے کار سرجن نے میری پلاسٹک سرجری کی تو مجھ میں اور دلی کے کیپٹن رام کشن مہتہ میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

اب میں واپس دلی موتی نگر کے پارک میں آتا ہوں جس کے فٹ پاتھ پر جنگلے کے ساتھ ساتھ میں اپنے بنگلے کی طرف چلا جا رہا تھا۔

رات کافی بیت گئی تھی۔ میں نے دور سے اپنے بنگلے کو دیکھا۔ میرے بنگلے کے تمام کمروں میں اندھیرا تھا۔ صرف لان والی بتی جل رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا گورکھا چوکیدار مجھے ایک دیہاتی آدمی کے بھیس میں مجھے بنگلے میں داخل ہوتا دیکھے بنگلے کے بڑے کمرے کی چابی میں نے لان میں برآمدے کے پاس ہی پام کے گملے کے نیچے چھپا کر رکھ دی تھی۔ میں گارڈینیا کی باڑھ کے ساتھ ہوتا ہوا اپنے بنگلے کے مین گیٹ کی طرف آ گیا۔ یہ بات قرین قیاس تھی کہ میری عدم موجودگی میں چوکیدار آدھی رات کو مین گیٹ پر پہرہ نہیں دے رہا ہو گا بلکہ وہ یقینی طور پر اپنے کوارٹر میں گہری نیند سو رہا ہو گا۔ اس بات کا ڈر بھی تھا کہ کہیں رات کی راؤنڈ پر پھرتا ہوا کوئی پولیس والا سامنے سے نہ آ جائے۔ میں اپنے چھوٹے سے بنگلے کی باڑھ کے کونے میں رک گیا اور گردن ذرا سی نکال کر دیکھا۔ بنگلے کا چھوٹا سا لان بالکل خالی تھا۔ لکڑی کا چھوٹا سا جنگلہ بند تھا۔ سامنے برآمدے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ چوکیدار غائب تھا۔ حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے میں باڑھ پھلانگ کر لان اور پھر برآمدے میں آ گیا۔ پام کے گملے کے نیچے سے چابی نکال کر دروازے کا تالا کھولا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اندھیرے میں دروازہ پیچھے بند کر کے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا۔ میں خدا جانے کتنی مصیبتوں سے بچ کر اپنے بنگلے کے پُرسکون ماحول میں واپس آ گیا تھا۔ بند اندھیرے ڈرائنگ روم کی نیم گرم فضا میں میرے اعصاب کو بے حد سکون ملا۔ میں نے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔ ڈرائنگ روم کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر بھی پردے کھنچے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہاں گھپ اندھیرا تھا، مگر یہ میرا بنگلہ تھا۔ میں اس کے کمروں سے خوب واقف تھا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی میں نے بتی جلا دی کمرہ ایک دم روشن ہو گیا۔ میرا پلنگ اسی طرح لگا تھا۔ میز پر گرد کی ہلکی سی تہہ جمی ہوئی تھی۔ شیلف میں کتابیں بھی ویسے ہی لگی تھیں۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ فوراً اپنے دیہاتیوں والے کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہنا۔ غسل خانے کی بتی جلا کر اپنا چہرہ دیکھا۔ میری داڑھی بڑھ آئی تھی۔ چہرے کا رنگ ذرا ذرا سانولا ہو گیا تھا۔ چہرہ کچھ اتر بھی گیا تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ بالوں میں کنگھی پھیری۔ اتنے میں باہر سے چوکیدار کی آواز بلند ہوئی۔ "کون ہے اندر؟ باہر آ جاؤ نہیں تو گولی چلا دوں گا"۔

میں جلدی سے ڈرائنگ روم میں سے گزر کر باہر لان میں آ گیا۔ سامنے میرا گورکھا چوکیدار ہاتھ میں بندوق تانے پوزیشن لئے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بندوق نیچے کر لی اور مجھے سلام کیا۔ "سر! آپ کب آیا سر؟"

میں نے اسے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ وہ کہاں مر گیا تھا۔ اگر میری جگہ کوئی چور بنگلے میں آ جاتا تو کون ذمہ دار ہوتا۔ چوکیدار نے کہا کہ وہ ٹہلتے ٹہلتے دوسرے بنگلے کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ مجھ سے معافیاں مانگنے لگا۔ اس کا ٹہلتے ٹہلتے دوسرے بنگلے کی طرف جانا میرے حق میں بے حد سود مند ثابت ہوا تھا۔ میں نے اسے وارننگ دی کہ اگر آئندہ اس نے ایسی حرکت کی تو اسے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ میں رات کو دس بجے کے بعد کسی بھی وقت پاکستان میں اپنے باس سے وائرلیس سیٹ پر کوڈ ورڈز میں بات کر سکتا تھا۔ سوچا کیوں نہ اپنے باس کو ادھم پور کے تھنڈر بیس کی تباہی کا حال بتا دوں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جیبی سائز کا وائرلیس ٹرانسمیٹر بنگلے کے سامنے والے برآمدے کے کونے میں ایک پرانے درخت کے نیچے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ گورکھا چوکیدار باہر گیٹ پر موجود تھا، لیکن اسے میں کسی کام سے بھیج سکتا تھا۔ میں نے الماری میں جو روپے رکھے ہوئے تھے ان میں سے دس روپے کا ایک نوٹ نکالا اور برآمدے میں آ کر چوکیدار کو آواز دی۔ وہ گیٹ کی طرف سے صاحب کہتا ہوا بھاگ کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے دس روپے کا نوٹ دے کر کہا۔ "میرے پاس سگریٹ ختم ہو گئے ہیں۔ ادھر چوک میں جاؤ اگر کوئی دکان کھلی ہو تو سگریٹوں کا ایک پیکٹ لے آؤ"۔

[چوکی]دار کو میری خوشنودی حاصل کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ اس نے مجھ سے بالکل نہ کہا کہ جناب اس وقت سگریٹوں کی دکان کہاں کھلی ہو گی۔ ابھی لاتا ہوں صاحب! کہہ کر اس نے دس کا نوٹ لیا۔ بندوق میرے حوالے کی اور ڈبل مارچ کرتا ہوا بازار کی طرف چل دیا۔ جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے درخت کے پاس جا کر اینٹوں کو ایک طرف ہٹایا۔ گڑھے میں سے ٹین کی ڈبی میں رکھا ہوا چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا۔ اینٹوں کو اسی طرح جوڑا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے اس کی خاص فریکوئنسی ملائی اور جب دوسری طرف سے ایک خاص قسم کی ٹون بار بار بلند ہونے لگی تو میں نے اپنا کوڈ ورڈ بول دیا۔ دوسرے لمحے، میں کوڈ الفاظ میں اپنے باس سے بات کر رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ان کی انٹیلی جینس نے تھنڈر بیس کی مکمل تباہی کی رپورٹ اسے کل ہی دے دی تھی۔ باس نے مجھے مبارک باد دی اور کہا کہ میں نے اپنے ملک اور ملت کی خاطر ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، پھر اس نے کہا کہ بیس اکتوبر کو وہ مجھے گیارہ بجے رات کے بعد ایک خاص پیغام دے گا۔ میں نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ کمرے سے نکل کر اندھیرے ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا برآمدے میں آیا۔ ماحول کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ چلتا ہوا درخت کے پاس گیا اور ٹرانسمیٹر کو خفیہ جگہ پر چھپا کر اوپر اینٹیں اور گھاس پھوس ڈال دیا، پھر برآمدے میں آ گیا اور یوں ٹہلنے لگا، جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ اتنے میں مجھے دور سے اپنا

چوکیدار تیز تیز قدموں کے ساتھ آتا ہوا نظر آیا۔ خدا جانے یہ شخص کہاں سے میری برانڈ کے سگریٹوں کا پیکٹ لے آیا تھا۔ میں نے پیکٹ اس سے لیا اور اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر لیٹ گیا۔ میں اس قدر تھکا ہوا تھا کہ نرم نرم گدیلے پر گرتے ہی جیسے میرا انگ انگ درد کرنے لگا۔ میں نے بتی بجھادی اور فوراً ہی گہری نیند سو گیا۔

کئی راتوں کی بے خوابی تھی۔ ایسا سویا کہ دوسرے دن دوپہر کے وقت آنکھ کھلی۔ چوکیدار برآمدے میں آگیا۔ مجھے معلوم تھا چوکیدار وہاں موجود ہو گا۔ میں نے اسے ناشتے کے لئے دودھ، انڈے اور ڈبل روٹی لانے کے لئے کہا اور ہدایت کی کہ نوکرانی کو جاکر اطلاع کردے کہ صاحب شملے سے واپس آگئے ہیں۔ واپس کمرے میں آکر میں نے گرم گرم پانی سے غسل کیا، شیو بنائی، کھدر کا پاجامہ اور سفید کھدر ہی کا کرتہ پہنا۔ چوکیدار دودھ روٹی وغیرہ لے آیا تھا۔ میں نے خود ہی ناشتہ تیار کیا۔ ناشتے کے بعد چائے کی دوسری پیالی بنا کر میں برآمدے ہی میں بید کی آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر انگریزی کا اخبار پڑھنے لگا میں نے کچھ روز پہلے کے اخبار بھی دیکھے مگر ان میں سے کسی اخبار میں اودھم پور والے کھنڈر ہیں کی تباہی کی خبر نہیں چھپی تھی۔ قدرتی بات تھی کہ حکومت اس خبر کو کبھی نہیں چھپوا سکتی تھی۔ میری ابھی دو دن کی چھٹی باقی تھی۔ ابھی میں اپنے دفتر میں کسی کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سجاتا کو بھی میں نے ٹیلی فون پر اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

چائے ختم کرکے میں نے اخبار تہ کرکے تپائی پر رکھا اور اپنے کمرے میں آکر [illegible] میں رکھا اور پلنگ پر بیٹھ کر شملے والے ہوٹل کی کال بک کرادی۔ اس کے بعد سجاتا کو فون کیا۔ اس کی ماتا جی نے فون اٹھایا۔ میرے واپس آنے کا سن کر وہ بے حد خوش ہوئیں۔ انہوں نے بتایا کہ سجاتا آفس گئی ہوئی ہے۔ مجھے معلوم تھا مگر میں اس کی ماتا کو اپنی آمد کی خبر پہلے کرنا چاہتا تھا۔

سجاتا میری آواز سنتے ہی بولی۔ "کشن! تم کب آئے؟ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی۔ پہلے میں تمہیں لینے ائرپورٹ پر آتی۔ تم بڑے برے ہو، مجھے کبھی کوئی خوشی حاصل کرتے نہیں دیکھ سکتا؟"

میں نے یونہی بہانہ بنایا کہ ایک خاص وجہ سے مجھے شملے سے اچانک آنا پڑ گیا۔ ویسے میں تمہیں روز یاد کیا کرتا تھا۔

سجاتا آفس میں زیادہ جذباتی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے کولیگ اس کے قریب ہی بیٹھے تھے، مگر اس کی آواز میں جذبات کے وفور کو میں پوری طرح محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ آفس سے نکل کر سیدھی میرے پاس آرہی ہے۔ فون بند کرکے میں نے ٹرنک کال کی ایک بار پھر یاددہانی کرائی۔ اتنے میں نوکرانی بھی آگئی۔ نمسکار کرکے کچن میں چلی گئی۔ میں نے کچن میں جاکر کچھ روپے دیئے اور کہا کہ سبزی ترکاری تیار کرلے شام کے لئے۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ میں بھاگ کر اپنے کمرے میں آیا۔ شملے والے ہوٹل کا مینیجر بول رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اچانک چنڈی گڑھ سے دلی

واپس آنا پڑ گیا ہے ۔ لہٰذا میرا اٹیچی کیس اور بستر وغیرہ پیک کر کے مجھے بائی ائر بک کر دیا جائے ۔ میرا پتہ ہوٹل والوں کے پاس تھا اس سے فارغ ہونے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے انٹیلی جینس کے چیف سیکرٹری نمبر دو کو دفتر فون کر دیا ۔

"کیپٹن! کہو تمہاری صحت اب کیسی ہے ؟"

"بھگوان کی کرپا سے اب پہلے سے بہت بہتر ہوں ۔ اس بار وہاں موسم خراب تھا ۔ کل دفتر آ رہا ہوں "۔

"ضرور آؤ ۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے ۔"

سیکرٹری نمبر دو کا لہجہ اور بات کرنے کا انداز ایسا تھا' جیسے اسے میرے آنے کا پہلے سے پتہ چل گیا ہو' جیسے اسے پہلے سے یقین ہو کہ میں دلی پہنچنے والا ہوں ۔ یہ بات میرے لئے کسی خطرے کے سگنل سے کم نہیں تھی ۔

میں نے اپنے آپ کو مزید چوکس رکھنے اور محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا ۔ ساڑھے چار بجے سجاتا آ گئی ۔ وہاں کے رواج کے مطابق آتے ہی اپنا خوشبوؤں بھرا سر میرے سینے کے ساتھ لگا دیا ۔ اس نے جامنی رنگ کی پھول دار ساڑھی پہن رکھی تھی ۔ بالوں میں پنک کلر کی کلیاں سجی ہوئی تھیں اور اس کے ملبوس سے بڑی رومانٹک خوشبو اٹھ رہی تھی ' پھر میرا چہرہ اپنے نازک ہاتھوں میں لے کر بولی ۔ " کشن ڈارلنگ ! تم پہلے سے کمزور کیوں ہو گئے ہو ؟ تمہارا رنگ بھی سنولا گیا ہے ۔ پہاڑ پر جا کر تو لوگ گورے ہو جاتے ہیں "۔

میں نے اس کے ماتھے کی بندیا پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ۔ " میں تمہارے بغیر بہت اداس رہا ہوں سجاتا ۔ تین دن بخار چڑھا رہا ۔ چھوڑو ان باتوں کو ۔ چلو کہیں باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں "۔

چوکیدار سے میں نے اپنی گاڑی صاف کروالی تھی ۔ سجاتا کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ہم نئی دلی کے ایک خوب صورت ریستوران میں آ گئے ۔ اس ریستوران کی دھیمی دھیمی روشنیوں والی فضا مجھے ہمیشہ پسند رہی تھی ۔ میں اور سجاتا ہفتے میں ایک بار یہاں کھانا کھانے یا کافی پینے ضرور آتے تھے ۔ ہم نے کھانا کھایا ! پھر کافی آ گئی ۔

سجاتا کافی بناتے ہوئے کہنے لگی ۔ " کشن ! تمہاری مہلت ختم ہونے میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں ڈارلنگ ! اب اگر تم نے پتاجی سے اور مہلت مانگی تو وہ سمجھ جائیں گے کہ تم مجھ سے بیاہ نہیں کرنا چاہتے اور سنو ! میں تمہیں سچ کہتی ہوں' پھر مجھے بھی یقین ہو جائے گا کہ تم مجھ سے نہیں' کسی اور سے پریم کرتے ہو "۔'

میں نے سجاتا کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا ۔ ابھی مجھے اس ہندو لڑکی کی ضرورت تھی ۔ محبت مجھے اس سے کبھی بھی نہیں تھی ۔ ویسے بھی ایک کمانڈو اپنے مقصد کے سوا اور کسی شے سے

محبت نہیں کرتا، مگر سجاتا کی وجہ سے وہاں کی ہندو اونچی سوسائٹی میں، میں ایک فیملی ممبر کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا اور میری کشن مہتہ کی ایک شناخت بن چکی تھی۔ میں نے اسے کہا۔ "سجاتا! تم سپنے میں بھی کبھی خیال نہ کرنا کہ میں کسی اور سے پریم کرتا ہوں"۔

"تو پھر تمہیں شادی میں کیا اعتراض ہے؟" وہ جھنجلا کر بولی۔

میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اسے تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ "شانتی سجاتا شانتی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمہیں بیاہ کر اپنے پاس لے آؤں گا"۔

سجاتا کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔ اس نے نظریں نیچی کر لیں اور کافی کے پیالے میں چمچ ہلانے لگی۔ ہم جس میز پر بیٹھے تھے، وہ ریستوران کے دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ والی تھی۔ ہماری میز پر بھی دوسری میزوں کی طرح ایک دھیمی روشنی والا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی میں ہمارے چہرے صاف نظر آ رہے تھے۔ ریستوران کی باقی فضا نیم روشن تھی۔ میں سجاتا سے پیار بھری باتیں بھی کر رہا تھا اور مزے سے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اعلیٰ سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش بھی لگا رہا تھا کہ ریستوران کا دروازہ کھلا اور دو ساڑھی پوش لڑکیاں اندر داخل ہوئی۔ وہ کسی بات پر پہلے ہی سے ہنس رہی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کا چہرہ مجھے کچھ شناسا محسوس ہوا۔ میں نے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ اپنی سہیلی کے ساتھ وہیں رک گئی۔ اب وہ بھی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں میرے ذہن کے البم نے کئی ورق الٹ ڈالے۔ کئی لڑکیوں کی تصویریں مجھے دکھائیں۔ اتنے میں وہ لڑکی ہماری میز کے قریب آ کر بولی۔ "ہیلو سر! شما کیجئے، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

اب سجاتا بھی چونکی کہ یہ لڑکی کون ہے؟ بڑی فیشن ایبل گلیمرز قسم کی لڑکی تھی۔ سانولی رنگت چمکیلی آنکھیں اور گلے میں موتیوں کا ہار۔ میں نے سجاتا سے تھوڑی دیر کے لئے معذرت چاہی اور لڑکی کے ساتھ ایک طرف آ گیا۔ وہ بھی اپنی سہیلی سے الگ ہو گئی۔ وہ کہنے لگی۔ "سر! آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید مگر میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ میں اوشا کی سہیلی ہوں... آپ اودھم پور اوشا کو چھوڑنے ہمارے ہوٹل میں آئے تھے"۔

اب ساری بات کھل کر میرے سامنے آ گئی، جس روز میں اوشا کو جو اصلی کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ تھی اور انبالہ سے اس سے ملنے جموں آئی تھی... اس کے ہوٹل چھوڑنے گیا تھا تو یہ لڑکی وہاں پہلے سے برآمدے میں کھڑی تھی اور پھر اوشا کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اوپر چلی گئی تھی۔ میں محتاط ہو گیا۔ میں اسے ایک خالی میز پر لے آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "اوشا کہاں ہے اب؟"

اس لڑکی نے غمگین لہجے میں کہا۔ "سر! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میری سہیلی اوشا اودھم پور

اپنے بوائے فرینڈ کیپٹن ملہوترہ سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اسے فون بھی کیا تھا لیکن کیا تو اڑی پہلے تو معلوم کہ وہاں کتنا بڑا حادثہ ہو گیا تھا؟ سر آپ کو تو ضرور معلوم ہو گا"۔

میں نے جلدی سے کہا۔ " ہاں' ہاں ... مجھے معلوم ہے تو کیا...؟"

"ہاں۔" اوشا کی سہیلی نے دکھی لہجے میں کہا۔ "اوشا کا بوائے فرینڈ وہیں مارا گیا' جہاں بھیانک دھماکہ ہوا تھا۔ اس رات دھماکوں سے سارا اودھم پور اور جموں شہر ہل گیا تھا... مائی گاڈ! اب بھی وہ رات یاد آتی ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔ اوشا تو بے ہوش ہو گئی تھی۔ دوسرے روز وہ قلعے کی طرف جانا چاہتی تھی مگر ملٹری پولیس نے اسے جانے نہیں دیا۔ سر! اوشا کو اب بھی یقین ہے کہ کیپٹن ملہوترہ زندہ ہے اور اسے ملٹری انٹیلی جینس نے کسی خاص مصلحت کی وجہ سے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "وہ کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے اوشا انبالہ ہی میں ہے؟"

اس کی سہیلی نے اس کے جواب میں ایک گہری سانس بھر کر کہا۔ "وہ انبالہ ہی میں ہے مگر اپنے بوائے فرینڈ کے غم میں بیمار ہو گئی ہے۔ سر! کل کی فلائٹ سے دلی اپنی پھوپھی کے پاس آئی ہوں۔ اوشا کل صبح مجھے کہہ رہی تھی کہ کیپٹن ملہوترہ مرا نہیں' زندہ ہے۔ سر! آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ بھی تو اسی محکمے میں تھے"۔

میں نے فوراً تردید کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں' میں اس محکمے میں نہیں تھا۔ میرا کیپٹن ملہوترہ سے کوئی سمبندھ نہیں تھا۔ وہ تو ایسا ہوا کہ ایک شخص نے اوشا کو یہ کہہ دیا تھا کہ میں کیپٹن ملہوترہ ہوں"۔

اس کی سہیلی بولی۔ "لیکن سر! آپ نے تو اگلے دن ٹیلی فون پر بات کروانے کا وعدہ کیا تھا"۔
میں نے اوشا کی سہیلی کو آہستہ بولنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔ " آئی ایم سوری مس...!"
اوشا کی سہیلی نے جلدی سے کہا۔ " سوشیلا"۔

"ہاں۔" میں نے سگریٹ بجھا دیا۔ "مس سوشیلا! آئی ایم سوری۔ میں تمہاری یا اوشا کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا"۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس اپنی ٹیبل پر آ گیا۔ سجاتا کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اسے ایک اجنبی لڑکی سے میرا باتیں کرنا پسند نہیں آیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے سجاتا کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے سجاتا ڈیئر! دراصل یہ ہمارے محکمے کے ایک آفیسر کی بھانجی ہے۔ اس کو ایک جذباتی پرابلم کا سامنا ہے۔ اصل میں یہ لڑکی' جس کا نام سوشیلا ہے' مجھ سے ایک پرائیویٹ جاسوس کا کام لینا چاہتی ہے"۔

"وہ کیوں؟" سجاتا نے ناراضگی سے پوچھا۔

میں اب بھی مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے کنارے سے دیکھ لیا تھا کہ سوشیلا اپنی سہیلی کے ساتھ

محبت نہیں کرتا" ۔ بھی بیرے کو کھانے یا کافی کا آرڈر دے رہی تھی ۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ جانا پہچانا بتایا نا کہ یہ ایک رومانٹک پرابلم میں پھنسی ہوئی ہے ۔ اس کا پریمی کسی دوسری لڑکی کے جھانسے میں آکر اس کا دیوانہ ہو رہا ہے ۔ اب یہ چاہتی ہے کہ میں یہ سراغ لگاؤں کہ کہیں وہ لڑکی خفیہ طور پر اس کے پریمی سے بیاہ تو نہیں کر چکی ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ چونکہ میرا تعلق انٹیلی جینس سے ہے اس لئے یہ کام بڑی آسانی سے کر سکوں گا ۔ بھولی لڑکی ہے "۔

سجاتا نے کوئی جواب نہ دیا ۔ اٹھتے ہوئے اپنا پرس اٹھایا اور بولی ۔ "چلو چلتے ہیں ۔ یہاں دم گھٹنے لگا ہے "۔

اس سے پہلے سجاتا نے کبھی اس ریستوران میں ایسی شکایت نہیں کی تھی ۔ ظاہر ہے ' وہ ایک عورت تھی ۔ مجھ سے محبت کرتی تھی اور مجھے کسی دوسری خوب صورت لڑکی سے الگ میز پر جا کر باتیں کرتے دیکھ کر اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا ۔ سجاتا اپنے جذباتی مسائل میں الجھی ہوئی تھی اور مجھے ایک نئی پریشانی کا سامنا تھا ۔ اوشا میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتی تھی ۔ ظاہر ہے انبالہ ملٹری انٹیلی جینس والوں کو کیپٹن ملہوترہ کی لاش نہیں ملی تھی اور قدرتی طور پر وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ کیپٹن ملہوترہ بھی اودھم پور کے تھنڈر بیس کے دھماکے میں مر گیا ہو گا ... کیپٹن ملہوترہ کے گھر گھکمے کی طرف سے اطلاع کر دی گئی ہو گی ' مگر اوشا کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا ۔ یہ اس کی کیپٹن ملہوترہ سے محبت تھی لیکن یہ محبت میرے لئے مصیبت بن سکتی تھی اگر وہ اپنی محبت کے جنون میں انبالہ ملٹری انٹیلی جینس کو جا کر یہ بتا دیتی ہے کہ ایک فلائنگ آفیسر نے ایک ایسے شخص کو کیپٹن ملہوترہ کہہ کر اس سے ملوایا تھا جو اصل میں کیپٹن ملہوترہ نہیں تھا اور پھر اس شخص نے (یعنی میں نے) اوشا سے وعدہ کیا تھا کہ میں دوسرے روز ٹیلی فون پر کیپٹن ملہوترہ سے اس کی بات کرا دوں گا اور اسی رات تھنڈر بیس ایک قیامت خیز دھماکے سے تباہ ہو گیا تھا ۔ یہ میری قیاس آرائیاں تھیں اور ایک جاسوس کمانڈو کی حیثیت سے یہ مجھے قیاس آرائیاں ضرور کرنی چاہئے تھیں ۔ سوشیلا سے دوبارہ ملنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ میں نے اسے اپنا کوئی ایڈریس وغیرہ نہیں دیا تھا ۔ ظاہر ہے ' وہ انبالہ سے دلی آئی ہوئی تھی اور دو ایک روز بعد اسے دلی سے چلے جانا تھا اوشا سے بھی دلی میں ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا اگر وہ انبالہ میں کسی پولیس والے کو میرے بارے میں کچھ کہہ بھی دے تو پولیس کو کیا پتہ کہ میں کون ہوں اور پھر پولیس کو بے مقصد سرکار کے لئے سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے ۔ سجاتا میرے پہلو میں بیٹھی تھی ۔ گاڑی نئی دلی کی جگمگاتی ہوئی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی ۔ میں نے سجاتا کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا ۔ "سجاتا! میں تم سے پریم کرتا ہوں ... تم سے ... اور صرف تم سے پریم کرتا ہوں "۔

سجاتا نے اپنا بازو میرے بازو کے ساتھ لگا دیا ۔ اس کے دل سے سوشیلا کے بارے میں شک دور ہو گیا تھا ۔ میں بھی یہی چاہتا تھا ۔

دوسرے دن میں اپنے آفس گیا تو تمام لوگ بڑی گرم جوشی سے ملے۔۔۔۔ مسٹر تیواڑی پہلے تو مجھے اپنی سنہرے فریم والی عینک کے پیچھے سے غور سے تکتے رہے پھر مسکرائے ہاتھ ملایا اور بولے۔" مسٹر مہتہ! تم پہلے سے کچھ کمزور ہو گئے ہو۔ کیا شملے کا پانی راس نہیں آیا اس بار؟"

میں نے اپنے دوسرے دوستوں کی طرح یہاں بھی وہی بہانہ پیش کیا کہ اس دفعہ شملے میں زیادہ دیر بیمار ہی رہا تھا۔ انہوں نے مجھے کچھ ضروری فائلیں دیں اور کہا کہ انہیں آج ہی نمٹا دینا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے ادھم پور والے سانحے کا ذکر کرے گا مگر اس نے مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی میں فائلیں اٹھائے اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہ فائلیں دفتر کے کلرکوں وغیرہ کی ترقیوں اور ان کے چھوٹے چھوٹے دفتری مسائل کے بارے میں تھیں۔ شملے سے واپس آ کر اپنے دفتر میں کام کرتے ہوئے مجھے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس دوران میں وہاں کسی نے ادھم پور والے سانحے کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ میں خود تو اس موضوع کو چھیڑنا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ بھارتی حکومت خود اس واقعے کو دبا دینا چاہتی تھی لیکن ہمارا محکمہ انٹیلی جینس کا تھا اور اس کا تعلق خاص پرائم منسٹر اندرا گاندھی کی سکیورٹی اور ملک کے اندرونی دفاع کی سکیورٹی سے تھا۔ ان حالات میں یہ ناممکن بات تھی کہ مسٹر تیواڑی کو ادھم پور سانحے کا علم نہ ہو۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ مجھے ایک دو اہم خفیہ اجلاسوں میں نہیں بلایا گیا۔ ان تمام کوائف کا ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ مسٹر تیواڑی کو مجھ پر شک ہو چکا ہے۔ اس نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ میرے خلاف کسی ثبوت کے انتظار میں ہے۔ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ مسٹر تیواڑی کو مجھ پر ' آیا یہ شک ہے کہ میں بھارت سرکار کا ایک اعلیٰ افسر ہوتے ہوئے پاکستان یا کسی دوسرے ملک کے لئے وہاں جاسوسی کر رہا ہوں یا انہیں اس پر شبہ ہے کہ میں اصل میں رام کشن مہتہ نہیں ہوں اور پاکستانی جاسوس ہوں۔ اس معمے کو میں ہر حالت میں اور بہت جلد حل کرنا چاہتا تھا تاکہ میں ایک طرف اور یکسو ہو کر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکوں۔ اس راز کو معلوم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مجھے اس گفتگو کا علم ہو جائے جو مسٹر تیواڑی اور مسٹر وشرام سے تنہائی میں کرتے ہیں۔ اس کا حل میں نے نکال لیا۔ مسٹر تیواڑی کے خوب صورت کمرے کے کونے میں ایک بڑا گل دان ہمیشہ پڑا رہتا تھا' جس میں پلاسٹک کے پھول سجائے گئے تھے۔ ان پھولوں کو پانی دینے کی ضرورت نہیں تھی اور گلدان ہمیشہ اسی میز پر پڑا رہتا تھا۔ ایک روز میں چھٹی کے بعد اکیلا ہی نئی دلی کے ریستوران میں چائے پینے نکل گیا۔ میرا اصل مقصد کچھ اور تھا۔

ریستوران میں' میں دیر تک بیٹھا چائے پیتا اور اخبارات کا مطالعہ کرتا رہا۔ میں احتیاط کے طور پر اپنے ساتھ چھوٹا ٹرانسسٹر ریڈیو لیتا گیا تھا۔ ریستوران سے نکل کر میں کناٹ پیلس میں ریڈیو کی ایک دکان میں چلا گیا۔ ٹرانسسٹر ریڈیو کو میں نے جان بوجھ کر خراب کر دیا۔ تھا۔ کاؤنٹر پر کھڑے

آدمی کو میں نے ٹرانسسٹر ریڈیو دیکھا کر کہا کہ اس میں شور بہت ہوتا ہے' اسے ٹھیک کر دیجئے گا۔ یہاں میں نے اپنا اصل نام ظاہر نہ کیا۔ شوکیسوں میں ٹیپ ریکارڈر' ٹرانسسٹر ریڈیو اور کیسٹ پلیئر سجے ہوئے تھے۔ میں نے اکائی کا ایک بہت ہی چھوٹا ٹیپ ریکارڈر نکال کر اسے غور سے دیکھا۔ اس کا سائز ماچس کی ڈبی جتنا تھا اور یہ بیڑی سے کام کرتا تھا۔ میں نے دکاندار سے کہا کہ مجھے اپنے بچے کے لئے یہ ... ٹیپ ریکارڈر چاہیئے۔ وہ اسکول میں کوئی کھیل کھیلتے ہیں' جس میں ایسے چھوٹے ٹیپ ریکارڈر کا استعمال ضروری ہے۔ میں نے وہ ٹیپ ریکارڈ خرید لیا۔ بنگلے پر آکر میں نے اس کے بٹن کو آن کر کے میز پر ایک گلاس کے اندر رکھا اور خود پانچ قدموں کے فاصلے سے کرسی پر بیٹھ گیا اور عام آواز میں' جیسے کسی سے باتیں شروع کر دیں۔ کوئی دس سیکنڈ تک میں نارمل آواز میں باتیں کرتا رہا' پھر اٹھ کر ٹیپ ریکارڈر کو گلاس میں سے نکالا۔ ریکارڈنگ بٹن بند کر کے آواز والا بٹن دبا دیا۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میری آواز مجھ سے دگنی بلند ہو کر مجھے سنائی دینے لگی۔ یہ واقعی کافی طاقت ور ٹیپ ریکارڈر تھا اور میرے کام آسکتا تھا۔ ایک بار پھر میں نے اس کے سائز کا جائزہ لیا۔ اس سے چھوٹا ریکارڈر شاید مجھے مارکیٹ میں نہیں مل سکتا تھا۔ اس ٹیپ ریکارڈر کو میں نے الماری میں بند کر کے رکھ دیا۔

دوسرے روز دفتر گیا تو یہ چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر میرے سرکوٹ کی اندرونی جیب میں موجود تھا۔ میں نے اسے اپنے آفس والی میز کی دراز میں رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اسے جیب ہی میں رکھے مسٹر تیواڑی کے کمرے میں چلا آیا۔

اپنے سرکاری ریوالور کی چوری کی رپورٹ میں نے آتے ہی مسٹر تیواڑی کو کر دی تھی' جس پر اس نے کسی بھی حیرانی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ سرکاری ریوالور کی چوری بہت بڑا واقعہ ہوتا ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ مجھے شاید اب دوسرا ریوالور نہ ملے لیکن میں کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہو۔ اب میں اس کے کمرے میں اسی رپورٹ کو بہانہ بنا کر جا رہا تھا۔ حقیقت میں میرا مقصد یہ تھا کہ کونے میں رکھے ہوئے گلدان کا ایک بار بھرپور نظر سے جائزہ لوں۔ مسٹر تیواڑی اپنے کمرے میں بیٹھے کسی فائل کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ میں نے ریوالور کے بارے میں بات شروع کی تو وہ مسکرائے۔ فائل پر سے نظریں ہٹا کر مجھے دیکھا اور بولے۔ "کیپٹن مہتہ! میں نے اوپر بڑا بھرپور نوٹ لکھ کر بھیجا ہے۔ ویسے مجھے زیادہ امید نہیں ہے... پر بھگوان کرے کہ پرائم منسٹر اسے منظور کرے"۔

میں کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ میں نے کہا۔ "سر! اگر اجازت دیں تو میں مارکیٹ سے نیا ریوالور خرید کر اس کا لائسنس بنوا لوں کیونکہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمیں اس کی کسی وقت بھی ضرور پڑ سکتی ہے"۔

مسٹر تیواڑی نے دراز کھول کر سگار نکالا۔ اسے سلگایا اور ہلکا سا کش لگا کر دھواں چھوڑا اور بولا۔

"ٹھیک ہے تم نیا ریوالور خرید لو۔ میں تمہارے لائسنس کی درخواست فارورڈ کر دوں گا"۔

میں نے مسٹر تیواڑی کا شکریہ ادا کیا اور کمرے میں سے باہر نکل آیا۔ یہ لوگ میرے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے تھے یہ جاننے کے لئے میں مسٹر تیواڑی کے کمرے والے گلدان میں چھوٹا ٹیپ ریکارڈر رکھنا چاہتا تھا۔ کمرے سے نکلتے وقت میں نے نظر اٹھا کر کونے والے گلدان کو دیکھا پلاسٹک کے پھول اس میں ویسے ہی سجے ہوئے تھے۔ اب میں اس لمحے کا انتظار کرنے لگا' جب میں فائل لے کر۔۔۔ کسی بہانے مسٹری تیواری کے کمرے میں جاؤں اور اس کا کمرہ خالی ہو۔

بہت جلد مجھے اس کا موقع مل گیا۔ اسی روز دوپہر کے بعد مسٹری تیوڑی کسی کام سے پرائم منسٹر مسز اندرا گاندھی کے پرسنل سیکرٹری سے ملنے گیا۔ میں اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس کا کمرہ کھلا تھا اور میرے کمرے کے بالکل سامنے ہی تھا۔ میں فائل ہاتھ میں لئے اس کی ورق گردانی کرتا ہوا مسٹر تیواری کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرا خالی تھا۔ میں نے ایک سیکنڈ ضائع کیئے بغیر جیب سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا' اسے کونے والے گلدان کے اندر نیچے اس کی تہ میں آن کر کے رکھ دیا اور اسی طرح فائل ہاتھ میں لئے باہر آگیا۔ اس کام میں مجھے زیادہ سے زیادہ پندرہ سیکنڈ لگے ہوں گے۔ باہر تیواڑی کا چپڑاسی فائلوں کا پلندہ بغل میں دبائے ہوئے چلا آ رہا تھا۔ اس نے مجھے تیواڑی کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "صاحب کہاں گئے ہیں؟"

چپڑاسی نے بتایا کہ صاحب' پرائم منسٹر ہاؤس سیکرٹری صاحب سے ملنے گئے ہیں۔

وہ جاتے ہوئے اپنے چپڑاسی کو کہہ گئے تھے۔ میں نے آگے کوئی بات نہ کی اور اپنے کمرے میں آکر کام کرنے لگا۔ میرا خیال ٹیپ ریکارڈر کی طرف لگا ہوا تھا۔ اس کی ٹیپ آن تھی۔ یہ ایک ایسا ٹیپ ریکارڈر تھا کہ جس کی ٹیپ صرف اس وقت چلتی تھی' جب کوئی شخص کمرے میں بات کرے۔ میں جانتا تھا کہ دو بجے کے بعد مسٹر تیواڑی دن میں ایک بار ضرور مسٹر وشرام کے پاس جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ جاتے ہیں۔ اس میٹنگ کے بارے میں مجھے کبھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مسٹر تیواڑی کو میں نے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا۔ انہوں نے چپڑاسی کو آواز دی۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگا لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ مسٹر تیواڑی کی اس آواز پر گلدان میں رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کی ٹیپ چل پڑی ہو گی۔ ٹیپ کا دورانیہ دو گھنٹے کا تھا۔ اس ٹیپ میں یہ خوبی تھی کہ بہت ہی مدھم اسپیڈ سے چلتی تھی اور کمرے میں ہونے والی گفتگو کو پورے کا پورا اور نارمل اسپیڈ کے ساتھ ریکارڈ کرتی جاتی تھی۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔

کوئی سوا تین بجے کے قریب میں نے مسٹر وشرام کو ایک فائل اٹھائے ہوئے تیواڑی کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ اپنے کمرے کی چق میں سے مجھے باہر راہداری کا سارا منظر نظر آ رہا تھا۔ وشرام' مسٹر تیواڑی کے کمرے میں آدھے گھنٹے تک بیٹھا رہا۔ اس کے بعد باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف

چل دیا۔ پہلے ہی روز میں اپنی اس کامیابی پر بہت خوش تھا۔ گلدان سے ٹیپ ریکارڈر کو نکالنے کا مسئلہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اسی روز دفتر بند ہونے سے پہلے جب مسٹر تیواڑی کسی کام سے باہر گیا تو میں گلدان میں سے اپنا ٹیپ ریکارڈر نکال لایا۔ شام کو اپنے بنگلے پر آکر میں بیڈ روم میں چائے کی پیالی لے کر گھس گیا۔ نوکرانی کو چھٹی دے دی۔ اندر سے کنڈی لگالی اور ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔

سب سے پہلے مجھے تیواڑی کی ' چپڑاسی کو بلانے کی آواز سنائی دی ۔ اس نے چپڑاسی کو اکاؤنٹنٹ کے پاس جانے اور کوئی فائل لانے کی ہدایت کی ۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی ۔ بیچ بیچ میں مسٹر تیواڑی کے کسی وقت ذرا سا کھانسنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی ۔ دیر تک ٹیپ خالی چلتی رہی ۔ میں نے اسے فارورڈ کیا ۔ کافی آگے جا کر مسٹر دشرام کی آواز سنائی دی ۔ " سر! میں نے پی ایم کے پی اے کو فون کر دیا تھا " ۔

مسٹر تیواڑی کی آواز سنائی دی ۔ " اچھا کیا " ۔

پھر کرسی کے چرچرانے کی آواز سنائی دی ۔ مسٹر دشرام کی آواز آئی ۔ " سر! مہتہ کی لائسنس کی فائل کا کیا کرنا ہے ؟ "

مسٹر تیواڑی نے کہا ۔ " دشرام ! تم جانتے ہو کہ ہم اسے ریوالور کا لائسنس نہیں دینا چاہتے لیکن قانونی طور پر ہم اسے روک بھی نہیں سکتے " ۔

دشرام بولا ۔ " سر! آپ اس کیس کو اوپر پی ایم تک کیوں نہیں لے جاتے ؟ "

تیواڑی کی آواز آئی ۔ " ابھی اس کا وقت نہیں آیا ۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ ہم نے اس کی نگرانی کر کے بھی دیکھ لیا ہے ۔ یہ شخص یا تو بالکل بے گناہ ہے اور یا پھر اس قدر چالاک ہے کہ ہمیں اس کے دل کا راز معلوم کرنے کے لئے کوئی دوسرا جال بچھانا پڑے گا " ۔

دو سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی ۔ پھر دشرام کی آواز سنائی دی ۔ " ایک بات واضح ہے سر کہ ہمیں کبھی ایسی رپورٹ نہیں ملی کہ مسٹر مہتہ نے کبھی چینی یا پاکستانی سفارت خانے کا رخ کیا ہو " ۔

تیواڑی بولا ۔ " اگر یہ شخص واقعی ان دو ممالک کے ہاتھوں بک چکا ہے اور ان کے لئے کام کرتا ہے تو پھر وہ ایسا اناڑی پن کبھی نہیں کرے گا کہ ان دو سفارت خانوں کا رخ کرے ۔ وہ لوگ خود کسی نہ کسی طور ... اس سے رابطہ رکھتے ہوں گے " ۔

دشرام نے کہا ۔ " سر! میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اس کی نگرانی پھر سے شروع کرا دینی چاہئے " ۔

تیواڑی گہرا سانس لے کر بولا ۔ " اس سے پہلے جو آدمی ہم نے اس کی نگرانی پر لگائے تھے 'ان

کی لاشیں ہی ہمیں ملی ہیں اور یہ حادثہ نہیں ہو سکتا"۔
دشرام نے کہا۔ "تو پھر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہو گا ہمیں سرا یہ بات کھل کر سامنے آجانی چاہئے کہ کیپٹن کشن مہتہ کس ملک کے لئے کام کر رہا ہے اور کام کر رہا ہے کہ نہیں؟ اس کے بعد ہی ہم اس کے خلاف کوئی براہ راست ایکشن لے سکیں گے"۔
مسٹر تیواڑی کی آواز آئی۔ "میں اسی لائن پر کام کر رہا ہوں۔ بہت جلد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر سامنے آجائے گا"۔
اس کے بعد' وہ دفتری امور پر کچھ دیر باتیں کرتے رہے' پھر وشرام کے قدموں کی آواز دروازے تک گئی اور معدوم ہو گئی۔ آگے ٹیپ پر کبھی ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دیتی۔ تیواڑی فون پر کسی سے دفتری معاملات میں بات کرتا' پھر خاموشی چھا جاتی۔ یہاں تک کہ ٹیپ ختم ہو گئی۔
یہ ٹیپ میرے لئے بڑی قیمتی تھی اس نے مجھے وہ سب کچھ بتا دیا تھا جس کو جاننے کے لئے میں بے تاب تھا۔ ایک بات کی مجھے خوشی ہوئی تھی کہ ان لوگوں کو مجھ پر یہ شک نہیں تھا کہ میں پاکستانی ہوں اور یہاں ایک ہندو کے روپ میں نوکری کر رہا ہوں اور اپنے وطن کے مفادات کے لئے کام کر رہا ہوں۔ انہوں نے اودھم پور والے سانحے کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ٹیپ ریکارڈر کو دوبارہ گلدان میں رکھنا ضروری ہو گیا تھا کیونکہ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مسٹر تیواڑی مجھے پھنسانے کے لئے اب کون سا جال پھیلانے والا ہے۔
دوسرے دن مجھے موقع نہ مل سکا۔ تیسرے روز میں نے ٹیپ ریکارڈر ایک بار پھر گلدان میں چھپا دیا لیکن اسی روز دوپہر کے بعد ایک ایسا واقعہ ہو گیا۔ جس نے میرے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں گزر رہا تھا کہ میں ڈی ٹیکشن یونٹ کے ایک مسٹر ورما کو ڈی ٹیکٹر ہاتھ میں لئے تیواری کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ میں دھک سے رہ گیا۔ اب مجھے یاد آ گیا کہ مسٹر تیواڑی کی عادت تھی کہ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے کمرے کے کونوں کھدروں کی ڈی کے ذریعے جانچ پڑتال ضرور کرواتا ہے۔ اب گلدان میں سے میرے رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا برآمد ہو جانا یقینی بات تھی۔ ڈی ٹیکٹر بھلا ایک ٹیپ ریکارڈر کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔
میں بوجھل اور مایوس دل کے ساتھ راہداری سے نکل کر کنٹین کی طرف آگیا۔ وہاں سے سگریٹوں کا پیکٹ لیا اور واپس اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ میری نظریں چق میں سے مسٹر تیواڑی کے کمرے کی چق پر لگی ہوئی تھیں۔ دس بارہ منٹ گزرے ہوں گے کہ کمرے کی چق اٹھی' تیواڑی اور ورما دونوں کمرے سے باہر نکلے۔ ڈی ٹیکشن سکیورٹی محکمے کے مسٹر ورما کے ہاتھ میں گلدان تھا۔ ظاہر ہے یہاں ٹیپ ریکارڈر برآمد کر لیا گیا تھا جو اس وقت مسٹر تیواڑی کی جیب میں تھا۔ وہ مسٹر وشرام کے کمرے میں گھس گئے۔ یقینی بات تھی کہ ان کو سوائے میرے اور کسی پر شک نہیں ہو سکتا تھا لیکن

ان کے پاس چونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس لئے وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ میں سگریٹ سلگا کر معمول کے مطابق فائلوں پر کام کرنے لگ گیا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مسٹر تیواڑی کی ذہنی کیفیت کیا ہے اور اس کے رویئے میں کس قسم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے میں آدھے گھنٹے بعد ایک فائل لے کر اس کے کمرے میں چلا گیا۔

مسٹر تیواڑی نے حسب معمول مجھ سے مسکرا کر بات کی۔ اس کے رویئے سے مجھ پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ گلدان میں سے ایک ٹیپ ریکارڈر برآمد ہوا ہے۔ میں نے آنکھ کے کونے سے دیکھ لیا تھا کہ کونے میں میز خالی ہے۔ وہاں پلاسٹک کے پھولوں والا گلدان موجود نہیں تھا۔ میں نے گلدان کے بارے میں کچھ نہ پوچھا اور فائل پر اس کے دستخط کروا کر واپس چلا آیا۔ وہاں سوائے مسٹر تیواڑی اور مسٹر ورما کے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ گلدان میں سے ٹیپ ریکارڈر نکلا ہے۔ مسٹر تیواڑی نے اس بات کو وہیں دبا دیا تھا۔ ضرور اس نے نیشنل سکیورٹی کے حوالے سے مسٹر ورما کو بھی منع کر دیا تھا کہ وہ کسی سے گلدان کے ٹیپ ریکارڈر کی بات نہ کرے۔

میں پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ یہ بات صاف طور پر واضح ہو گئی تھی کہ مسٹر تیواڑی کو مجھ پر پاکستانی ایجنٹ ہونے کا شک ہے اور وہ اس کے لئے کسی ثبوت کی تلاش میں ہے۔ اب میرا فرض منصبی یہ تھا کہ میں اسے ایسا کوئی ثبوت کسی طور بھی فراہم نہ کروں۔ اپنے آپ کو محب وطن بھارتی ثابت کرنے کی کوشش بیکار تھی۔ میں نے اپنی تمام سرگرمیاں ملتوی کر دیں۔ بیس اکتوبر کا دن قریب آ رہا تھا۔ اس دن، رات کو مجھے سرحد پار اپنے باس سے کوئی خاص پیغام وصول کرنا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ تیواڑی نے میرے بنگلے کے اردگرد کسی خفیہ مقام پر ایسا ٹرانسمیٹر ضرور لگا دیا ہو گا جو میرے پیغام اور باہر سے آنے والے سگنلز کو ریکارڈ کر لے گا۔ چنانچہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بیس اکتوبر کی رات کو میں شہر سے باہر کسی ویران مقام پر جا کر وائرلیس پر اپنے باس سے بات کروں گا۔ اگرچہ تیواڑی نے وشرام کو یہی کہا کہ اس نے میری نگرانی پر کوئی خفیہ آدمی مامور نہیں کر رکھا مگر مجھے اس کے بیان پر یقین نہیں تھا۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ میری ہر وقت نگرانی ہو رہی ہے۔

بیس اکتوبر کا دن بھی آ گیا۔ اس دوران میں، میں مسٹر تیواڑی کے نئے بچھائے جانے والے دام کا سراغ بھی لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ سجاتا سے تقریباً روز ہی ملاقات ہوتی تھی۔ کبھی ہم شام کو قلعے کی دیوار کی خندق میں جو نئی جھیل بنائی گئی تھی، وہاں جا کر کشتی کی سیر کرتے، کبھی سینما دیکھنے چلے جاتے اور کبھی کسی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پیتے، کھانا کھاتے اور دیر تک اپنے رومانٹک راز و نیاز میں مشغول رہتے۔

بیس اکتوبر کو میں نے دفتر سے بالکل چھٹی نہ لی۔ معمول کے مطابق دفتر میں کام کرتا رہا۔ چار بجے واپس اپنے بنگلے میں آ گیا۔ سرحد پار سے باس کا وائرلیس پیغام مجھے رات گیارہ بجے کے بعد

موصول ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے مجھے کسی ویران جگہ پر رات کے گیارہ بجے پہنچ کر سگنل کا انتظار کرنا تھا۔ میں فلم کا آخری شو دیکھنے چلا گیا۔ میں نے ایک ایسا سینما ہاؤس چنا جو دلی شہر کی گنجان آبادی سے کافی فاصلے پر ایک مضافاتی بستی میں تھا اور اس بستی کے شمال میں مغلیہ عہد کا ایک پرانا کھنڈر تھا' جس کی حالت بے حد خستہ ہو چکی تھی۔ میں اس کھنڈر کے قریب سے گاڑی میں کئی بار گزر چکا تھا۔ پونے گیارہ بجے تک میں سینما ہاؤس میں بیٹھا فلم دیکھتا رہا۔ اس کے بعد سینما ہال سے نکل کر رات کے اندھیرے میں چلتا ہوا بوسیدہ کھنڈر میں آگیا۔ اپنے طور پر میں نے اس امر کا اطمینان کر لیا تھا کہ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔ کم از کم بوسیدہ کھنڈر کے آس پاس سوائے میرے دوسرا کوئی نہیں تھا۔ میں کھنڈر کے اندر جانے کی بجائے اس کے ٹوٹے پھوٹے محرابی دروازے کی اوٹ میں اندھیرے میں بیٹھ گیا اور ٹھیک گیارہ بجے میں نے ٹرانسمیٹر اپنے کان کے ساتھ لگا لیا۔ اس جیبی سائز کے ٹرانسمیٹر کی کوئی ننھی سی بتی بھی نہیں جلتی تھی۔ دوسری طرف سے سگنل کے آتے ہی اس میں سے ٹون کی دھیمی سی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ میں ٹرانسمیٹر کان سے لگائے ہوئے کھنڈر میں اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ کھنڈر کے آس پاس میدان تھا جو اندھیرے میں خالی پڑا تھا۔

ٹھیک گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر میرے ٹرانسمیٹر نے ٹون دی۔ میں نے اب بٹن دبا کر اپنا کوڈ ورڈ دہرایا۔ دوسری طرف سے باس نے بھی اپنا کوڈ ورڈ بولا اور پھر مرموز زبان میں کہا۔ " انڈین گورنمنٹ ایک غیر ملکی طاقت کے اشتراک سے جنوبی ہند کے کسی مقام سے یورینیم کے حصول کے لئے اگلے سال تیل کی تلاش کے بہانے کھدائی شروع کرنے والی ہے۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ جنوبی ہند کے اس مقام پر یورینیم کا بھاری ذخیرہ موجود ہے اگر بھارت وہاں سے یورینیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ کسی نہ کسی روپ میں ہمارے خلاف استعمال ہو گا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس پلان کو چانکیہ پلان کا نام دیا گیا ہے۔ چانکیہ پلان کا بلیو پرنٹ سری لنکا میں اس غیر ملکی طاقت کے سفارت خانے کی کسی مقفل الماری میں پڑا ہوا ہے۔ ہمیں اس بلیو پرنٹ کی ایک کاپی چاہئے۔ یہ ہمارے ملک کی سلامتی اور بقاء کا مسئلہ ہے۔ کولمبو شہر میں بوریلا جنکشن کے علاقے میں ٹھیلی روڈ کے بدھ مندر کے سامنے انگلش بک ہاؤس ہے۔ اس کے مالک کے ماتھے پر داہنی جانب زخم کا نشان ہے۔ اس کے پاس تمہاری تصویر پہنچا دی گئی ہے۔ تمہیں اسے اپنا خاص کوڈ ورڈ بتانا ہو گا۔ وہ بھی تمہیں اپنا کوڈ ورڈ بتا دے گا جو سورج مکھی یہاں نہیں ہوتے ... باقی باتیں وہ تمہیں خود بتائے گا۔ مجھ سے بات کرنے کی اب ضرورت نہیں ہے"۔

اور اس کے ساتھ ہی سگنل بند ہو گئے۔ میں نے اپنے باس کی بتائی ہوئی باتوں کو فوری طور پر دو تین بار اپنے ذہن میں دہرایا اور تمام تفصیلات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ یہاں مجھے اپنی بقاء کا مسئلہ درپیش تھا اور باس نے مجھے ایک نیا مشن بتا دیا تھا مگر میری بقاء میرے وطن پاک کی بقاء پر ہر لحاظ

سے مقدم تھی ۔ میں نے اسی وقت کسی بہانے کولمبو جانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ۔ ٹرانسمیٹر کو میں نے چھپا کر رکھ لیا اور کھنڈر سے نکل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سینما ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ سینما ہال میں فلم کی آخری ریل چل رہی تھی ۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ آنکھیں سینما ہاؤس کے پردے پر تھیں مگر ذہن کولمبو کی طرف کوچ کرنے کے بارے سوچ رہا تھا۔ دفتر سے چھٹی لینے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ میں ایک بار پھر بیمار پڑ جاؤں اور تبدیلی آب و ہوا کے لئے کولمبو جانے کی خواہش کا اظہار کروں ۔۔۔ میرے آفس چیف کو تو پہلے ہی مجھ پر شک تھا۔ اب مزید شک پڑتا ہے تو پڑتا رہے ۔ میری کوشش صرف اسی نقطے پر مرکوز تھی کہ میں اپنی طرف سے کوئی ثبوت فراہم نہ کروں اور رنگے ہاتھوں نہ پکڑا جاؤں کیونکہ جب تک میں رنگے ہاتھوں نہیں پکڑا جاتا۔ مسٹر تیواڑی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس کا اعتراف وہ وشرام کے آگے اپنی زبان سے کر بھی چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک انہیں یقین تھا کہ میں کیپٹن رام کشن مہتہ ہوں وہ بغیر کسی ثبوت کے مجھے گرفتار نہیں کر سکتے تھے ۔ میں انہیں عدالت میں چیلنج کر سکتا تھا اور مسٹر تیواڑی کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ایک تجربے کار اور قانونی طور پر باخبر آفیسر ہونے کی حیثیت سے وہ میرے اردگرد کوئی جال بچھا کر مجھے ثبوت کے ساتھ پکڑنا چاہتا تھا۔

اس دوران میں کبھی کبھی مجھے ادھم پور والی اوشا کا خیال بھی پریشان کر جاتا تھا جو اصلی اور آنجہانی کیپٹن ملہوترہ کی گرل فرینڈ تھی اور اپنی سہیلی سوشیلا کے بیان کے مطابق اس نے کیپٹن ملہوترہ کی تلاش جاری رکھی ہوئی تھی کیونکہ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا بوائے فرینڈ مرچکا ہے اگر وہ اسی سلسلے میں دلی آکر یہاں ملٹری انٹیلی جینس سے رابطہ پیدا کرتی ہے اور میرا اس کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے تو وہ مجھے گرفتار کروا سکتی تھی ۔ محکمہ مجھ سے پوچھ سکتا تھا کہ میں ادھم پور کس لئے گیا تھا اور اوشا نام کی لڑکی کو میں نے کیپٹن ملہوترہ سے فون پر بات کروانے کے لئے کیوں کہا تھا؟ اور فلائنگ آفیسر چڈھ نے اوشا کے ساتھ میرا تعارف یہ کہہ کر کیوں کروایا تھا کہ میں ہی کیپٹن ملہوترہ ہوں ؟

بہرحال میری انکوائری شروع ہو سکتی تھی اور ایک بار اگر اوشا کے بیان کی روشنی میں انکوائری شروع ہو گئی تو مسٹر تیواڑی مجھے چھوڑنے والی جنس نہیں تھے ۔ چنانچہ میں دفتر آتے جاتے وقت اردگرد سے ہوشیار رہتا تھا کہ کہیں اوشا کا سامنا نہ ہو جائے ۔

اب ایک نیا اور بہت بڑا مشن میرے سامنے تھا۔ کولمبو میں جس غیر ملکی سفارت خانے میں چانکیہ پلان کا بلیو پرنٹ موجود تھا ۔ اس سفارت خانے کا نام میں یہاں مصلحت کی وجہ سے نہیں لکھ رہا مجھے ۔ اپنے مشن کو جلد شروع کرنے کی ہدایت دی گئی تھی ۔ سرحد پار سے چانکیہ پلان کا سگنل وصول ہوئے دو دن گزر گئے تھے اور میں ابھی تک یہ طے نہ کر سکا تھا کہ دلی سے کولمبو کیا بہانہ بنا کر جاؤں۔ ایک بات کا میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مسٹر تیواڑی ٹیپ ریکارڈر کی برآمدگی کے بعد اس بات پر تل گیا ہے

کہ وہ مجھے جتنی جلدی ہو سکے پکڑ کر میرے خلاف انکوائری شروع کروا دے۔ اب اگر میں کوئی بھی بہانہ بنا کر کولمبو جانے کے لئے کسی بھی پہاڑی مقام یا کسی دوسرے شہر کا رخ کرتا ہوں تو یہ شخص مسٹر تیواڑی خفیہ جاسوسوں کی ایک پوری پلاٹون میرے پیچھے روانہ کر دے گا۔ پس ضروری تھا کہ میں کسی ایسے طریقے سے یہاں سے بھاگوں کہ میرے پیچھے کوئی جاسوس بھی نہ لگ سکے اور میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر اپنے مشن کو بھی تکمیل تک پہنچا سکوں۔ یہ طریقہ واردات کوئی ڈرامہ ہی ہو سکتا تھا۔ مجھے ایک ڈرامہ کرنے کی ضرورت تھی۔ ڈرامہ کیا ہو سکتا تھا۔

میں نے اس پر غور و فکر شروع کر دیا۔ میں ہر وقت اسی سوچ میں رہنے لگا۔ آخر ایک ڈرامہ مجھے سوجھ گیا' مجھے کولمبو جلد پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس لئے کوئی لمحہ ضائع کیئے بغیر میں نے ڈرامہ رچانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز دفتر سے واپس آکر میں نے غسل کر کے لباس تبدیل کیا اور سجاتا کو فون کر کے بنگلے پر بلوا لیا۔ میں نے اسے بتایا کہ ایک ضروری بات کرنی ہے' چلو ریستوران میں چلتے ہیں۔ میں نے اپنا چہرہ متفکر بنا رکھا تھا۔ سجاتا پریشان ہو گئی۔ راستے میں بھی میں جان بوجھ کر خاموش رہا۔ سجاتا کی پریشانی بڑھ گئی۔ جب ریستوران میں داخل ہوئے تو سجاتا نے کہا۔ "بھگوان کے لئے کچھ تو بتاؤ کشن ؟ کیا تم مجھے اپنی نہیں سمجھتے ؟ آخر ایسی کون سی بات ہو گئی ہے ؟ تم اس سے پہلے کبھی اس طرح چپ نہیں ہوئے ؟"

میں نے بیرے کو کافی لانے کا آرڈر دیا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا سجاتا کہ یہ لوگ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرنا چاہتے ہیں ؟ آخر یہ کون لوگ ہیں ؟"

سجاتا گھبرا گئی۔ "اگر تم نے صاف صاف نہ بتایا تو میں رو دوں گی"۔

جب میں نے اسے پوری طرح متجسس کر دیا تو کہا۔ "آج تیسرا روز ہے' دفتر سے واپس آتا ہوں تو ایک آدمی کا فون آتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ بینک سے نکلوا کر جگت سینما کے پیچھے جو کھائی ہے' وہاں ہمارے آدمی کے حوالے کر دو' نہیں تو تمہیں جان سے مار دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس بینک میں بہت دولت جمع ہے"۔

سجاتا کا رنگ اڑ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ فون کرنے والا اپنا نام نہیں بتاتا۔ کل کسی دوسرے آدمی نے جو اس کا ساتھی ہی ہے فون کیا۔ آج پھر ان کا فون آیا تھا کہ اگر کل تک میں نے ان کی مطلوبہ رقم جگت سینما کے پیچھے رات کے بارہ بجے ان کے آدمی کے حوالے نہ کی تو وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

سجاتا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "کشن ! تم تو انٹیلی جینس میں ہو۔ تم اس کی رپورٹ کیوں نہیں کر دیتے ؟ تمہارے آدمی تو ان غنڈوں کو فوراً پکڑ لیں گے"۔

میں نے کہا۔ "انہیں یہ بات معلوم ہے۔ اس لئے انہوں نے مجھے یہ دھمکی بھی دے رکھی ہے کہ اگر میں نے اس کی رپورٹ پولیس یا انٹیلی جینس کو کر دی تو ہم میں سے صرف ایک آدمی پکڑا

جائے گا مگر وہ کہتے ہیں کہ پھر وہ میرے ساتھ تمہیں یعنی سجاتا کو بھی قتل کر ڈالیں گے "۔

سجاتا نے دہشت زدہ ہو کر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہے بھگوان... یہ... یہ دھشٹ پاپی کون لوگ ہیں۔ تمہاری تو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے"۔

"اسی لئے میں بھی حیران ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ اگر میں اس کی رپورٹ کرتا ہوں یا پولیس کو بتاتا ہوں تو ظاہر ہے کہ جب میں ان لوگوں کے لئے جعلی رقم لے کر جاؤں گا تو ان کا ایک آدمی تو ضرور پکڑ لیا جائے گا لیکن یہ کوئی پورا گروہ ہے اور پھر تمہاری جان بھی میرے ساتھ خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتا ہوں"۔

سجاتا کی پریشانی اب خوف میں بدل گئی تھی۔ اس نے گھبراہٹ میں کہا۔ "میرے پاس تھوڑا بہت زیور ہے۔ تم اسے بیچ دو۔ میں کچھ ہزار روپے دفتر والوں سے ایڈوانس لے لوں گی۔ چار ہزار کے میرے پاس بونڈز ہیں میں انہیں بھی کیش کروا کر تمہیں دے دوں گی۔ تم یہ رقم پوری کر کے ان کے حوالے کر دو اور پولیس کو ہرگز خبر نہ کروں۔ میرا زیور اور پیسے تمہاری زندگی سے قیمتی نہیں ہیں"۔

میں نے سجاتا کے ہاتھ کو چوم لیا اور آنکھوں میں بڑی مشکل سے زبردستی آنسو لاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتا سجاتا"۔

سجاتا نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا۔ "تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے محبوب کو..."

اور اس نے اپنا رومال آنکھوں پر رکھ لیا۔ وہ آنسو بہا رہی تھی۔ میرے ڈرامے کا پہلا سین بڑی کامیابی سے مکمل ہو گیا تھا۔ میں نے سجاتا کو حوصلہ دیا کہ میں صبح اپنے چیف تیواڑی صاحب سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ دفتر میں صرف وہی ایک ایسے آدمی ہیں جن کو میں اعتماد میں لے سکتا ہوں۔ (یہ بات، میں نے خاص طور پر اس لئے سجاتا سے کہی تھی کہ مجھے معلوم تھا، مسٹر تیواڑی، سجاتا سے مل کر اس کا بیان ضرور لیں گے) سجاتا کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ اسی طرح پریشان اور غمگین رہی۔ وہ مجھ سے الگ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں بنگلہ چھوڑ کر ان کے ماتا پتا کے گھر آ جاؤں۔ آخر میں ان کا رشتے دار بھی تھا۔

میں نے کہا۔ "تمہارا شکریہ سجاتا، مگر میں اتنا بزدل بھی نہیں ہوں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں صبح اپنے چیف تیواڑی صاحب سے دفتر جاتے ہی بات کروں گا۔ اب میں نے یہی فیصلہ کیا ہے"۔

سجاتا بولی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم تیواڑی صاحب سے بات کرو۔ وہ ضرور ان غنڈوں کو گرفتار کروا دیں گے"۔

میں نے سجاتا کو اس کے بنگلے پر چھوڑا اور سیدھا گاڑی لے کر اپنے بنگلے پر آ گیا۔ میرے ڈرامے کا کلائمکس سین آج ہی رات کھیلا جانا تھا۔ بنگلے پر آ کر میں نے اپنے گورکھے چوکیدار کو بلا کر کہا۔ "تم بنگلے کے سامنے رہ کر رات کو پہرہ دیا کرو... کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ یہاں کوئی چور وغیرہ نہ آ

آئیں۔ آج کل شہر میں بڑی چوریاں ہو رہی ہیں"۔
یہ بھی میں نے جان بوجھ کر کہا کیونکہ بعد میں میرے گورکھے چوکیدار کا بیان بھی تیواڑی صاحب کو لینا تھا۔
چوکیدار بولا۔ ٹھیک ہے صاحب! ہم اودھر برآمدے ہی میں رہے گا رات کو"۔
اپنے بیڈ روم میں جا کر میں نے اپنی ساری چیزوں کا جائزہ لیا' پھر میں نے نیلی جینز' نیلی بش شرٹ اور براؤن جوتے نکال کر ایک طرف رکھ دیئے۔ الماری میں ایک ہزار کے قریب رقم تھی۔ اس رقم کو میں نے اپنے بٹوے میں سنبھال کر رکھ لیا۔ اپنا آئی ڈی کارڈ اور دوسرے کاغذات روز کی طرح الماری میں رکھ دیئے۔ میں روز اپنا کارڈ اور دوسرے کاغذات اسی جگہ تہ کر کے رکھا کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے ریلوے ٹائم ٹیبل نکالا اور دلی سے آگے ناگ پور' مدراس جانے والی گاڑیوں کے وقت دیکھنے لگا۔ آدھی رات کے بعد دلی سے کوئی میل گاڑی ناگ پور یا مدراس کو نہیں جاتی تھی۔ صرف ایک ٹرین ڈیڑھ بجے رات کو نئی دلی سے صرف آگرہ تک جاتی تھی۔ شاید یہ کوئی پارسل ٹرین تھی۔ میں نے یہی سوچا کہ یہاں سے نکل کر آگرہ تک تو جاؤں۔ وہاں سے دن کے وقت ناگ پور کی کوئی ٹرین پکڑ لوں گا۔ میں نے ٹائم ٹیبل میز پر رکھ دیا اور ریلوے اسٹیشن فون کر کے معلوم کیا کہ نئی دلی سے جو ٹرین آگرہ کو چلی ہے۔ وہ رات کس وقت روانہ ہو گی۔ انکوائری نے وہی ٹائم بتایا جو ٹائم ٹیبل میں لکھا تھا۔ اب میں ڈرامے کے کلائمکس سین کے لئے تیار تھا۔ میں نے الماری سے کپڑوں اور دوسری چیزوں کو نکال کر کمرے میں ادھر ادھر بکھیرنا شروع کر دیا۔ شیلف میں سے کتابیں اس طرح نیچے گرائیں' جیسے کسی نے گھبراہٹ میں تلاشی لی ہو۔ جو کھدر کا کرتہ پاجامہ میں نے پہن رکھا تھا۔ اسے چپل سمیت میں نے اپنے پرانے چمڑے کے بریف کیس میں صابن ٹوتھ پیسٹ اور دوسری سفری چیزوں کے ساتھ ٹھونس دیا۔ اس کے بعد نیلی جینز اور بش شرٹ پہن کر بوٹ پہنے۔ میرے پاس ایک چاقو الماری میں ہر وقت رہتا تھا۔ یہ کمانڈو چاقو نہیں تھا لیکن اس سے میں کمانڈو چاقو کا ضرورت پڑنے پر کام لے سکتا تھا۔ چاقو میں نے اپنی پتلون کی عقبی جیب میں رکھ لیا پھر بیڈ روم کی بتی بجھا کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ بڑے آرام سے ڈرائنگ روم کی دونوں کرسیوں کو قالین پر یوں الٹا کر ڈال دیا جیسے کسی نے پاؤں کی ٹھوکروں سے انہیں دور گرا دیا ہو۔ ڈرائنگ روم کی بتی پہلے ہی بجھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد جہاں جہاں میرے ہاتھ کی انگلیاں لگی تھیں۔ وہ جگہ میں نے رومال سے رگڑ کر صاف کر دی۔ الماری میں سے میں نے پاجامے کا ازار بند لے لیا تھا۔ اس ازار بند کو میں نے دہرا کے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ میں نے بند دروازے کی درز میں سے باہر برآمدے میں جھانک کر دیکھا۔ گورکھا چوکیدار بندوق لئے برآمدے کے آگے ٹہل رہا تھا۔ برآمدے میں لگا ہوا بلب روشن تھا۔ میں نے اپنے تمام اقدامات کو پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا' مجھے اپنے چوکیدار کو بنگلے کے عقب کی طرف لانا تھا۔ اس مقصد کے لئے میں نے کچن کی

کھڑکی کو کھولا اور دوسری طرف جہاں اندھیرا تھا۔ ٹوکری میں سے ایک پیاز نکال کر زور سے درختوں میں پھینکا۔ اس کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے کھڑکی کھلی ہی رہنے دی اور بھاگ کر ڈرائنگ روم کے بند دروازے کی طرف آگیا۔ درز میں سے جھانکا تو چوکیدار وہاں تھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا اور دیوار سے لگ کر اس طرف بڑھا جدھر چوکیدار گیا تھا۔ میرے لئے یہ بے حد نازک لمحات تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ چوکیدار مجھے دیکھ لے اگر وہ دیکھ لیتا ہے تو مجھے اسے قتل کرنا لازمی بن جاتا تھا جو میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں کچن کی دیوار کی طرف آگیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا' چوکیدار بندوق ہاتھ میں لئے جھک کر سامنے والے درخت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ازار بند میرے ہاتھ میں تھا۔ میں بھی جھک کر کچھوے کی طرح چلتا ہوا چوکیدار کے پیچھے پیچھے چلا۔ اسے شاید میرے قدموں کی آہٹ محسوس ہو گئی تھی۔ وہ پیچھے مڑنے ہی لگا تھا کہ میں نے اس کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ گورکھے بڑے دلیر ہوتے ہیں مگر ایک کمانڈو کا مقابلہ بہرحال نہیں کر سکتے۔ میں نے اس کے اوپر صرف چھلانگ ہی نہیں لگائی تھی بلکہ اس کی گردن پر پیچھے سے اپنی کلائی کی ہڈی سے ضرب بھی لگائی تھی۔ میرا خیال پیچھے سے اس کی گردن میں اوزار بند ڈال کر اسے صرف بے ہوش کرنے کا تھا' لیکن اس نے عین وقت پر پلٹ کر مجھے دیکھنے کی کوشش کی تو میرے لئے سوائے اس پر چھلانگ لگانے کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میری کلائی کی ضرب میں پوری طاقت موجود تھی۔

چوکیدار آگے کو گرا۔ میری ضرب ہی بے ہوش کرنے کے لئے کافی تھی۔ میں نے اس کے باوجود جلدی سے ازار بند اس کی گردن میں ڈال کر اسے زور سے کسا اور پھر چھوڑ دیا۔ ازار بند اس کی گردن ہی میں رہنے دیا۔ چوکیدار بے ہوش ہو چکا تھا میں نے جیب سے رومال نکال کر چوکیدار کو گردن کی اچھی طرح سے پونچھ دیا کہ کہیں وہاں میری انگلیوں کا کوئی نشان نہ رہ جائے۔ میں فوراً وہاں سے اٹھ کر برآمدے میں آیا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے کو بند کیا۔ باہر سے چٹخنی نہیں لگائی۔ بریف کیس جو میں نے دروازے کے اندر کی جانب پہلے سے رکھ دیا تھا ہاتھ میں لیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے بنگلے سے نکل کر باہر اندھیری سڑک پر آگیا۔ اس وقت رات کے سوا بارہ بج رہے تھے۔ بڑی سڑک پر آتے ہی میں نے نئی دلی کے علاقے کا رخ کر لیا۔ سینماؤں کے آخری شو ختم ہوئے تھے اور سڑک پر سے اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں' مجھے ٹیکسی کی ضرورت تھی' پیدل چلنا میرے لئے نقصان کا باعث بن سکتا تھا۔ کوئی بھی شناسا آدمی مل سکتا تھا یا دیکھ سکتا تھا۔ میں سڑک کے کنارے نیم کے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر پیچھے سے آتی کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔

ایک دو ٹیکسیاں گزریں مگر ان میں سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں' مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ یہ میرے محلے کا علاقہ تھا۔ وہاں میرا رکنا مناسب نہ تھا۔ میں آگے چل پڑا بجلی کا کھمبا آیا تو میں اس کی

روشنی میں سے تیزی سے نکل گیا۔ پندرہ بیس قدم ہی چلا ہوں گا کہ پیچھے سے گاڑی کے انجن کی آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ ٹیکسی بھی بھری ہوئی تھی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ مجھے اپنے علاقے سے ٹیکسی نہیں لینی چاہئے۔ بہت ممکن ہے کہ بعد میں جب میرے اغوا کی تفتیش شروع ہو تو پولیس ٹیکسی ڈرائیوروں سے بھی پوچھ گچھ کرے کہ انہوں نے فلاں رات کو بارہ بجے کے بعد اس علاقے سے کس کس سواری کو لیا تھا۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں موتی نگر کے علاقے سے نکل گیا۔

چوک میں مجھے خالی ٹیکسی مل گئی۔ میں پچھلی سیٹ میں اس طرح دھنس گیا کہ باہر سے کوئی مجھے دیکھ نہ لے۔ اگرچہ رات کے ساڑھے بارہ کا عمل ہو گا مگر دلی شہر کے بڑے بازاروں میں رات گئے تک ٹریفک رہتی ہے۔ نئی دلی ریلوے اسٹیشن بالکل سنسان نہیں تھا۔ آگرہ جانے والے مسافر سامان اندر رکھوا رہے تھے۔ ان میں سکھ اور ہندو کنبے اور ان کے بچے بھی تھے۔ میں نے ٹیکسی دور ہی رکوا لی۔ لوگ ٹکٹ خرید رہے تھے۔ میں قطار میں کھڑا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ جب قطار ختم ہو گئی تو میں نے آگرہ تک کا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور اپنے چہرے کو رومال سے پونچھنے کے بہانے چھپانے کی کوشش کرتا ہوا اس پلیٹ فارم پر آیا، جہاں آگرہ کی گاڑی ابھی نہیں لگی تھی۔ انتظار میرے لئے کافی اعصاب شکن تھا۔ میرے بریف کیس میں میرا کرتہ پاجامہ اور چپل موجود تھی۔ پہلے میرا خیال تھا کہ راستے میں کسی جگہ انہیں پھینک دوں گا کیونکہ میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ مجھے میرے شب خوابی کے لباس میں غنڈوں نے اغوا کیا ہے، لیکن اب سوچا کہ یہ اگر کپڑے میرے ساتھ ہی رہیں تو کیا حرج ہے۔ پلیٹ فارم پر ٹہلنے کی بجائے میں ایک تنہا جگہ دیکھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مسافروں نے پلیٹ فارم پر اپنا سامان رکھوا دیا تھا۔ قلی ٹرین کے ڈبوں کے لگنے کا انتظار کر رہے تھے۔

کوئی بیس منٹ کے بعد ایک انجن شنٹ کرتا ہوا آیا اور پلیٹ فارم پر آگرہ جانے والی گاڑی کے ڈبے لگا کر آگے نکل گیا۔ دور سے میں نے سیکنڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ کو دیکھ لیا تھا۔ تیز تیز چلتا ہوا کمپارٹمنٹ میں گھس گیا۔ ڈبے کی بتیاں روشن ہو گئیں۔ میں کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور پلیٹ فارم کی دوسری طرف منہ نکال کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ گاڑی کی روانگی ڈیڑھ بجے تھی مگر وہ پونے دو بجے نئی دلی کے ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ رات کے پچھلے پہر ٹرین حضرت نظام الدین، فرید آباد، متھرا اور راجا کی منڈی ایسے بڑے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی آگرہ چھاؤنی پہنچ گئی۔ راجا کی منڈی بھی دراصل آگرہ ہی میں ہے مگر مجھے ناگ پور کے لئے گاڑی آگرہ ہی سے پکڑنی تھی اسٹیشن پر اترنے کے بعد میں نے باہر جا کر ناگ پور تک کا سیکنڈ کلاس کا ایک ٹکٹ لے لیا۔ ناگ پور ایکسپریس آگرہ کینٹ سے صبح آٹھ بج کر چالیس منٹ پر روانہ ہوتی تھی۔ اسے دھول پور، گوالیار، جھانسی، بنیا، بھوپال، اٹارسی اور آملا سے ہوتے ہوئے دوسرے روز دن کے وقت ناگ پور پہنچنا تھا۔ وسطی بھارت

میں یہ ایک کافی لمبا سفر تھا۔ میں نے آگرہ اسٹیشن پر ہی منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا۔ گاڑی میں تھوڑی سی نیند کر لی تھی۔ میں آگرہ سے مدراس تک کا ٹکٹ بھی لے سکتا تھا لیکن احتیاط کے طور پر میں نے ایسا نہیں کیا تھا کیونکہ مجھے شام تک وہاں بیٹھ کر مدراس میل کا انتظار کرنا پڑتا جو دلی سے آتی تھی۔

کسی نہ کسی طرح میں نے آگرہ کینٹ کے پلیٹ فارم پر دن کے آٹھ بجائے۔ اس کے بعد ناگ پور ایکسپریس پلیٹ فارم سے آ کر لگ گئی۔ ایک گھنٹے بعد' ٹرین ناگ پور کی طرف رواں دواں تھی۔ میں سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں کھڑکی کے پاس بیٹھا اکتوبر کی دھوپ میں ہرے بھرے کھیتوں کو پیچھے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب تک میرے اغوا کی خبر سب کو معلوم ہو گئی ہو گی۔ چوکیدار بھی ہوش میں آ گیا ہو گا اور اس نے فون کر کے سجاتا کو بلا لیا ہو گا۔ سجاتا نے میرے چیف مسٹر تیواڑی کو فون کیا ہو گا' جس نے بنگلے پر پہنچتے ہی تفتیش شروع کر دی ہو گی۔ بنگلے میں اپنے بیڈ روم کی میں جو حالت بنا آیا تھا اس سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ مجھے غنڈوں نے اغوا کیا ہے اور میں نے اغوا ہونے سے پہلے مزاحمت بھی کی تھی۔ سجاتا نے مسٹر تیواڑی کو یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میں نے اس سے ان غنڈوں کا ذکر کیا تھا جو مجھ سے ایک لاکھ روپیہ مانگ رہے تھے اور میں نے بھی کہا تھا کہ میں مسٹر تیواڑی سے صبح بات کروں گا کیونکہ اس سلسلے میں صرف انہی پر میں بھروسہ کر سکتا ہوں۔ اس کا اثر مسٹر تیواڑی پر ضرور ہوا ہو گا اور انہیں یہ یقین کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہو گا کہ میں سچ مچ جرائم پیشہ اور بلیک میلر قسم کے غنڈوں کے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔ ایسی صورت میں یہ قدرتی امر تھا کہ مسٹر تیواڑی نے پولیس کو رپورٹ کر دی ہو گی اور ان کی وجہ سے پولیس کچھ زیادہ ہی تیزی سے حرکت میں آ گئی ہو گی اور ممکن ہے بھوپال اور جھانسی کی پولیس کو بھی خبردار کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ میرے لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ بھوپال' جھانسی اور ناگ پور تک کی پولیس سے خبردار رہوں۔

ناگ پور سے نکلنے کے بعد میں اپنے آپ کو پولیس سے کسی حد تک محفوظ سمجھ سکتا تھا۔

ناگ پور ایکسپریس چھوٹے چھوٹے اسٹیشن چھوڑے جا رہی تھی۔ دھول پور آیا' پھر گوالیار ٹرین رکی تو میں پولیس کی نظروں سے بچنے کے لئے اوپر والی برتھ پر جا کر لیٹ گیا تھا۔ اس طرح آنکھ مچولی کھیلتا ہوا جھانسی سے بھی آگے نکل گیا۔ بھوپال آیا تو رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ اب میں کافی حد تک بے فکر ہو گیا تھا۔ یہاں تک پولیس کو میری تصویر کہاں مہیا کی گئی ہو گی۔

رات کو بھوپال اسٹیشن پر سیکنڈ کلاس کے مسافروں کو کھانا دیا گیا۔ کھانا کھا کر میں سو گیا۔ بیچ بیچ میں آنکھ کھلتی تو ٹرین تیز رفتاری سے اڑی جا رہی تھی۔ دوسرے دن بھی ٹرین رواں دواں رہی۔ سہ پہر کے وقت اٹارسی کا اسٹیشن آ گیا۔ ایک بڑا جنکشن تھا۔ یہاں سے مشرق کی طرف جبل پور' کٹنی اور مغرب میں کھنڈوہ' بھوساول' جلگاؤں اور بمبئی کو گاڑیاں جاتی تھیں۔ ابھی سورج پوری طرح سے غروب نہیں ہوا تھا کہ گاڑی ناگ پور کے عظیم الشان اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ قصہ مختصر میں نے ناگ

پورے مدھیہ پردیش سے گزر کر یہ ٹرین مدراس میل کہلاتی تھی۔ میں بڑودہ، جبل پور سے مدراس میل پکڑی اور واردھا، چندرا پور، راما گندم، ورنگل سے ہوتا ہوا بیجواڑہ پہنچا۔ ان سارے علاقوں سے میں پہلے بھی گزر چکا تھا۔ یہاں ٹرین آدھے گھنٹے تک رکی رہی۔ یہاں سے روانہ ہو کر گنٹور، نیلور اور اراکونام ایسے بڑے بڑے شہروں کو پار کرتی ہوئی آخر مدراس کے دوسرے بڑے اسٹیشن ایگمور پہنچ کر رک گئی۔

اب میں بہت حد تک آزادی سے چل پھر سکتا تھا کیونکہ یہ صوبہ ہی دوسرا تھا۔ یعنی تامل ناڈو کا صوبہ تھا۔ آگے پھر بھارت کی نچلی تکون تک ایک رات، ایک دن کا سفر در پیش تھا... مدراس اسٹیشن کے سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں، میں نے غسل کیا۔ کھانا کھایا اور پتہ کیا کہ دھنش کوڈی کو جانے والی گاڑی کب چھوٹتی ہے۔ رات ہو گئی تھی۔ دھنش کوڈی بھارت کی تکون کا جنوب مشرق کی جانب آخری ریلوے اسٹیشن ہے، اس کے آگے پچیس میل کی ایک سمندری کھاڑی ہے، جس کے دوسرے کنارے پر سری لنکا کا ملک شروع ہو جاتا ہے۔ میں اس سفر کو مزید لمبا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مدراس سے میں نے جو ٹرین پکڑی۔ اس نے مجھے ساری رات اور دوسرے دن کے سفر کے بعد شام کے وقت دھنش کوڈی پہنچا دیا۔ آج کل یہ علاقہ تامل گوریلوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس زمانے میں یہ تحریک اپنے ابتدائی دور میں تھی اور صرف تامل اور سنہالی ایجنٹوں کی خفیہ سرگرمیوں تک ہی محدود تھی۔ اس وجہ سے سری لنکا میں حالات پُرسکون تھے اور جافنا کا شمالی علاقہ بھی ابھی تامل گوریلوں اور سرکاری فوجوں کی تباہی کا مرکز نہیں بنا تھا۔ دھنش کوڈی سے میں نے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر کھاڑی کو پار کیا اور سری لنکا کی چھوٹی سی بندرگاہ ٹالی منار پر اتر پڑا۔ یہاں سے ایک ٹرین ملی جو کولمبو شہر کو جاتی تھی۔ گویا میں اپنی منزل پر پہنچنے ہی والا تھا۔ کولمبو تک کا سفر بھی بڑا طویل تھا۔ بہرحال یہ سفر بھی کٹ گیا اور میں کولمبو دارالحکومت کے دو بڑے ریلوے اسٹیشنوں سے ایک بڑے ریلوے اسٹیشن مرادانہ پہنچ گیا۔

یہاں اکتوبر کے اواخر میں بھی موسم حبس آلود تھا اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ میرے پاس ابھی تک کافی رقم موجود تھی۔ کولمبو میرا دیکھا بھالا شہر تھا۔ اس سے پہلے بھی میں یہاں کی سیاحت کر چکا تھا۔ میں ایک ہوٹل میں آ گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ کولمبو شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ میں اپنے ایجنٹ سے صبح ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ رات میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں جی بھر کر سویا۔ صبح اٹھا تو دن چڑھ آیا تھا۔ میری تھکان دور ہو چکی تھی۔ میں اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ نیلی پتلون اور بش شرٹ میں نے شام ہی کو ہوٹل کے بیرے کو لانڈری کے لئے دے دی تھی۔ صبح وہ دونوں کپڑے دھلوا کر اور استری کروا کر لے آیا۔ میں رات کو اپنے کرتے پاجامے میں سویا تھا۔ نہانے کے بعد میں نے ناشتہ کیا، کپڑے تبدیل کیئے۔ بریف کیس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹوتھ برش اور شیونگ کا سامان نکال کر میں نے پتلون کی جیب میں رکھ لئے۔ کمرے کو مقفل کیا۔ لابی میں آ کر چابی

کاؤنٹر پر دی اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ یہاں سے ٹیکسی پکڑی اور اسے بوریلا جنکشن کی طرف جانے کو کہا۔ بوریلا جنکشن ایک چوک ہے' جہاں سے ایک سڑک ٹمپل روڈ کے نام سے بدھ مندر کی طرف جاتی ہے۔

میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ سگریٹ سلگایا اور بڑے اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا ٹمپل روڈ کے فٹ پاتھ پر چل پڑا۔ میں جس طرف چل رہا تھا بدھ مندر اسی طرف آتا تھا۔ اس مندر کے سامنے کوئی انگلش بک ہاؤس تھا جو میرا ٹارگٹ تھا۔ اپنا کوڈ ورڈ مجھے یاد تھا۔ باس نے مجھے اپنے ایجنٹ کا جو کوڈ ورڈ بتایا تھا اسے میں نے ازبر کر لیا تھا۔ یہ تھا یہاں سورج مکھی کے پھول نہیں ہوتے'۔ ویسے بھی مجھے اپنے ایجنٹ کے بارے میں نشانی بتا دی گئی تھی کہ اس کے ماتھے پر زخم کا ایک نشان ہے۔ میری تصویر اسے پہنچا دی گئی تھی۔ یہاں میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ چونکہ میری شکل پہلے ہی مرنے والے کیپٹن رام کشن مہتہ سے کافی حد تک ملتی تھی۔ اس لئے میرے چہرے کی زیادہ پلاسٹک سرجری نہیں کرنی پڑی تھی اور صرف ناک کے بانسے کو اوپر سے ذرا اونچا کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ میری پرانی تصویر اور مجھ میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ لازمی بات تھی کہ میرے باس نے اپنے کولمبو والے ایجنٹ کو یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میری ناک کی تھوڑی سی پلاسٹک سرجری ہو چکی ہے۔ یہ تدابیر محض احتیاط کے طور پر اختیار کی گئی تھیں۔ ورنہ میرا کوڈ ورڈ ہی میری شناخت کے لئے کافی تھا۔

چلتے چلتے میں بدھ مندر کے قریب آ گیا۔ یہاں آ کر دکانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مندر کا جنگلہ شروع ہو گیا تھا۔ جنگلے کے اوپر مندر کو جانے والی سیڑھیوں کے پاس املی کا ایک گھنا درخت تھا۔ میں یوں درخت اور مندر کو تکنے لگا' جیسے کوئی سیاح ہوں۔ اس وقت خیال آیا کہ مجھے ایک کیمرہ ضرور اپنے گلے میں لٹکا لینا چاہئے تھا۔ بہرحال میں نے ایک نگاہ غلط انداز سامنے والے بک ہاؤس پر ڈالی۔ یہ ایک چھوٹی سی دکان تھی' جس کی پیشانی پر بورڈ لگا تھا۔ بورڈ پر سنہالی اور انگریزی زبانوں میں انگلش بک ہاؤس لکھا تھا۔ سنہالی زبان میں نہ تو پڑھ سکتا تھا نہ بول سکتا تھا۔ قیاس یہی تھا کہ سنہالی میں بھی انگلش بک ہاؤس ہی لکھا ہوا ہو گا۔ دکان کے اندر دو سیڑھیاں چڑھ کر راستہ جاتا تھا۔ دائیں جانب چھوٹا سا کاؤنٹر تھا اور اندر شیلفوں میں کتابیں لگی تھیں۔ میں نے سانولے رنگ کے ایک دبلے سے آدمی کو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ کسی رجسٹر پر جھک کر کچھ لکھ رہا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی' پھر بھی دور سے مجھے اس کے ماتھے پر زخم کا نشان نہیں نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس کے پاس جانا تھا۔ دن کے دس بجے کا وقت ہو گا۔ بازار میں ٹریفک چل رہی تھی۔ کولمبو کی ٹمپل روڈ پر سے ٹرام بھی گزرتی ہے۔ سنہالی عورتیں اور مرد اپنے مخصوص لباس یعنی دھوتی اور کرتے میں آ جا رہے تھے۔ آسمان اس وقت بھی ابر آلود تھا۔ فضا میں حبس تھا۔ میں سڑک پار کرنے ہی والا تھا کہ میں نے دیکھا کچھ لڑکیاں کتابوں کی دکان میں داخل ہوئی ہیں۔ میں وہیں رک گیا۔

وہاں کھڑے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ میں بدھ مندر کے آگے سے گزر کر لکڑی کے کھوکھا نما ایک چائے خانے کے باہر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ مزدور قسم کے سنہالی لوگ پہلے ہی سے وہاں بیٹھے چائے پی رہے تھے اور تیز آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے بھی چائے منگوائی اور چائے کا گلاس ہاتھ میں لے کر چسکیاں بھرنے لگا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں کتابوں کی دکان کو دیکھ لیتا تھا۔ لڑکیاں ابھی تک دکان ہی میں تھیں اور دکان دار انہیں کتابیں اور کاپیاں وغیرہ دکھا رہا تھا۔ میں ابھی تک یہ نہیں جان سکا تھا کہ یہ جو اپنا ایجنٹ ہے یہ کس صوبے کا رہنے والا ہے۔ اس کی سانولی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ جنوب کا ہے لیکن قد لمبا تھا جس سے یہ ثبوت مل رہا تھا کہ وہ شمال یعنی پنجاب کا ہے۔ میں چائے آہستہ آہستہ پی رہا تھا تاکہ زیادہ دیر تک وہاں بیٹھا رہوں۔ میں نے ناٹے قد کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ چائے والے کھوکھے کے سامنے مجھ سے کوئی دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر لکڑی کی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دکاندار سے سنہالی میں ہنس کر کوئی بات کی پھر چائے کا گلاس منگوا کر چائے پینے لگا۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ یہ آدمی شکل صورت سے بھی سنہالی یعنی کولمبو کا رہنے والا ہی لگتا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے قریب ہو گی۔ سر کے گھنگریالے بالوں میں کہیں کہیں سفیدی جھلک رہی تھی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سامنے والی دکان پر ایک بار پھر نگاہ ڈالی۔

وہ کم بخت لڑکیاں ابھی تک دکان کے اندر ہی تھیں۔ میں بازار میں آتے جاتے لوگوں اور گاڑیوں کو تکنے لگا۔ ایک ٹرام ٹن ٹن کا شور مچاتی ہوئی گزر گئی۔ غیر ارادی طور پر میری نگاہ سنہالی آدمی پر گئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے مجھے تک رہا تھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنی نظریں دوسری طرف کر لیں۔ میں چوکنا ہو گیا' پھر سوچا کہ چونکہ میں شکل صورت سے سنہالی نہیں لگ رہا تھا۔ جسم بھی طاقتور ہے۔ قد بھی لمبا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر یہ شخص مجھے محض تجسس کی خاطر دیکھ رہا ہو گا لیکن تھوڑی دیر بعد' میں نے اچانک اس کی طرف دیکھا تو اس بار بھی اس کی نظریں اپنے چہرے پر جمی ہوئی پائیں۔ اب میں محتاط ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے یقین سا ہونے لگا کہ یہ شخص کولمبو کے انٹیلی جینس کے محکمے سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ میں ایک نیا آدمی ہوں۔ اس لئے ممکن ہے میری نگرانی کر رہا ہو' جو کچھ بھی تھا میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی میری نگرانی کرے۔ میرے سامنے تو ایک انتہائی اہم مشن تھا جسے ہر حالت میں مجھے کامیابی سے ہمکنار کرنا تھا۔ میں نے اس وقت اپنے ایجنٹ سے ملاقات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سگریٹ سڑک پر پھینک کر اٹھا۔ دکان دار کو چائے کے پیسے دیئے اور ٹمپل روڈ پر آگے کی جانب چل پڑا ٹمپل روڈ آگے جا کر بملا پٹی کے علاقے کی طرف گھوم جاتی ہے۔ مجھے ان سارے راستوں اور سڑکوں کا علم تھا۔ اگر میں بملا پٹی کے چوک سے دائیں سڑک پر چلا جاؤں تو کولمبو کے سب سے گنجان علاقے پٹیہ میں پہنچ جاتا' جہاں غلہ منڈی ہونے کی وجہ سے

ہر وقت رش رہتا تھا۔

میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ ابھی تک میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ جب میں ٹمپل روڈ کو چھوڑ کر بملا پٹی والی سڑک پر مڑنے لگا تھا تو سامنے سے آتی کسی گاڑی کو دیکھنے کے بہانے میں نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ میرے ہونٹ اپنے آپ بھنچ گئے۔

مشتبہ سنہالی اجنبی میرے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔

میرا پیچھا کیا جا رہا تھا۔

جو اجنبی سنہالی میرا تعاقب کر رہا تھا انتہائی عیار شخص تھا۔ وہ مجھے سڑک کے کنارے رکتا دیکھ کر بالکل نہیں رکا بلکہ اپنی نپی تلی رفتار میں چلتا ہوا فٹ پاتھ پر میرے پیچھے سے گزر گیا میں سڑک کراس کر کے بملا پٹی والی سڑک پر آگیا۔ یہاں مجھے ایک خالی سائیکل رکشا نظر آیا میں نے ہاتھ دے کر اسے روکا اس میں بیٹھنے کے بعد رکشا والے کو لائٹ ہاؤس کی طرف جانے کو کہا۔

رکشا کولمبو کی کشادہ سڑک پر آکر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے پٹیہ کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا لائٹ ہاؤس کی جانب کارگل نام کا ایک بہت بڑا تین منزل ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا اگر یہ سنہالی واقعی میرا تعاقب کر رہا تھا تو میں اسے کارگل اسٹور میں جل دینے میں کامیاب ہو سکتا تھا مجھے معلوم تھا کہ اس اسٹور کے عقب میں بھی تین دروازے ہیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر بالکل نہ دیکھا سائیکل رکشا مختلف سڑکوں پر سے ہوتا ہوا اس بڑی سڑک پر آگیا جو آگے جا کر لائٹ ہاؤس والی سڑک سے مل جاتی تھی اس سڑک پر داہنی جانب کارگل اسٹور تھا یہ سڑک کافی بڑی تھی اور اس پر گاڑیاں آجا رہی تھیں دور سے مجھے لائٹ ہاؤس کا مینار نظر آنے لگا تھا اس کے قریب جا کر میں نے رکشا والے کو کارگل اسٹور کی طرف مڑنے کے لئے کہا کارگل اسٹور کے باہر گاڑیاں قطاروں میں پارک کی ہوئی تھیں میں رکشے سے اتر کر اسٹور میں داخل ہو گیا اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوں تو ایک طرف سفید رنگ کے گھوڑے کا مجسمہ ملتا ہے جو لکڑی کا بنا ہوا ہے۔

اسٹور میں کافی لوگ تھے ان میں عورتیں بھی تھیں جنہوں نے ساڑیاں پہن رکھی تھیں میں مختلف ڈیپارٹمنٹس میں گھوم پھر کر چیزوں کو دیکھتا رہا ایک جگہ سے میں نے یونہی شیونگ کریم اٹھالی اس کی قیمت، میں اسٹور کے پچھلے تین دروازوں میں سے کسی بھی دروازے پر لگے کاؤنٹر پر ادا کر سکتا تھا ابھی میں نے جان بوجھ کر اسٹور کے عقبی دروازے کا رخ نہیں کیا تھا میں یہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ وہ پراسرار سنہالی اس اسٹور میں موجود ہے کہ نہیں میں نے شیلف میں لگی چیزوں کو دیکھنے کے بہانے اسٹور کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی مجھے وہ سنہالی جو میرا پیچھا کر رہا تھا کہیں نظر نہ آیا مجھے کچھ اطمینان سا ہوا میں سوچنے لگا کہ یہ میرا وہم تھا وہ آدمی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا اب میں نے فیصلہ کیا کہ اسٹور کے عقبی دروازے سے نکل کر ٹیکسی پکڑوں گا اور شہر کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر کچھ وقت گزارنے

کے بعد واپس ٹمپل روڈ پر آجاؤں گا۔ کیونکہ بہر حال مجھے اپنے ایجنٹ سے ملنا انتہائی ضروری تھا۔

شیونگ کریم میرے ہاتھ میں تھی میں اسٹور کے مختلف شعبوں میں سے گھومتا ہوا اسٹور کے تیسرے عقبی دروازے پر آگیا یہاں کاؤنٹر پر شیونگ کریم کی قیمت ادا کی اور اسٹور سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر کسی خالی ٹیکسی کو دیکھنے لگا ٹیکسی میں سوار ہونے سے پہلے میں نے ایک بار پھر اردگرد نگاہ دوڑائی۔ وہ مشتبہ سنہالی یہاں بھی کہیں نظر نہ آیا میں نے اطمینان کا سانس لیا اور مسکراتے ہوئے ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے گال روڈ پر چلنے کو کہا گال روڈ کولمبو کی سب سے کشادہ اور بڑی سڑک ہے میں نے سوچا کہ ادھر ادھر گھومنے پھرنے کی بجائے بہتر ہے کہ میں ساحل سمندر پر چل کر کچھ وقت گزار لیتا ہوں ٹیکسی لائٹ ہاؤس والے علاقے سے نکل کر گال روڈ پر آئی تو سمندر کی نمی فضا میں محسوس ہوئی گال روڈ کی ایک جانب بنگلے بنے ہوئے ہیں ہر چار بنگلوں کے بعد درمیان سے ایک چھوٹی سی سڑک سیدھی سمندر کی طرف جاتی ہے جو گال روڈ کی ایک جانب دور ماؤنٹ لیونیا کلب کے بیچ تک چلا گیا ہے ماؤنٹ لیونیا کلب ساحل سمندر کا بڑا مشہور کلب ہے اور اس کے قریب ہی گال فیس ہوٹل بھی ہے جو کولمبو کا سب سے بڑا فائیو اسٹار ہوٹل ہے اور جہاں غیر ملکی مہمانوں کو بھی ٹھہرایا جاتا ہے ماؤنٹ لیونیا والے ساحل پر آکر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔

میرے سامنے نیلا سمندر دور تک پھیلا ہوا تھا کولمبو کا بیچ بڑا خوبصورت اور دیدہ زیب ہے سمندر کی لہریں دور دور سے آکر ساحل کی ریت کو چوم کر واپس چلی جاتی ہیں ساحل پر ناریل کے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں ان درختوں کے نیچے سنہالی مزدور عورتیں اور مرد کہیں کہیں ناریل کی چھال کے رسے بنتے بھی نظر آجاتے ہیں سنہالی عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ جفاکش ہوتی ہیں عام طور پر ان کا رنگ کالا یا گہرا براؤن ہوتا ہے وہ کام کرتے ہوئے کبھی کبھی سنہالی لوک گیت بھی گانے لگتی ہیں۔

میں ساحل سمندر پر ناریل کے ایک درخت کے نیچے اس طرح بیٹھ گیا کہ میرا چہرہ سڑک کی جانب تھا ساحل سمندر پر عام طور پر شام کو رش ہوتا ہے اس وقت بیچ تقریباً خالی تھا۔ صرف چند ایک غیر ملکی جوڑے پتلونوں کے پائنچے اٹھائے سمندر کی لہروں میں دوڑ لگا رہے تھے میری نگاہیں سڑک پر مشتبہ سنہالی کو دیکھنے کی کوشش میں تھیں جو یہاں بھی نہیں تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ شخص میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا میں نے خوامخواہ اس پر شک کیا تھا میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ پھونکا اور اٹھ کر ناریل کے درختوں میں چلنے لگا میں چاہتا تھا کہ کم از کم ایک آدھ گھنٹہ میں اسی طرح گزار دوں میں پوری طرح اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہتا تھا تاکہ جب میں اپنے ایجنٹ سے ملنے واپس ٹمپل روڈ پر جاؤں تو میرے دل میں ذرا سا بھی یہ شک نہ ہو کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا تھا۔

ناریل کے درختوں میں سمندر سے کافی ہٹ کر ایک چھوٹا سا ریستوران بنا ہوا تھا یہ بڑی پُر

سکون اور رومانٹک جگہ تھی میرا جی چاہا کہ یہاں بیٹھ کر چائے پی جائے کچھ وقت بھی گزر جائے گا یہ ریستوران زمین سے دو فٹ اونچی مچان پر بنا ہوا تھا باہر بانس کی کچھ کرسیاں رکھی تھیں میں نے چائے کا گلاس منگوایا اور بانس کی کرسی پر بیٹھ کر چائے سے لطف اندوز ہونے لگا ناریل کے درختوں میں سے سامنے بیکراں سمندر حد نظر تک پھیلا ہوا تھا خنک ہوا چل رہی تھی یہاں زیادہ حبس نہیں تھا، مگر فضا میں نمی اور رطوبت بہت زیادہ تھی ریستوران کے عقب میں وہی چھوٹی سی سڑک تھی جو بنگلوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی اوپر گال روڈ کی طرف چلی جاتی تھی۔

چائے پینے کے بعد اٹھ کر اسی سڑک پر چلنے لگا سوچا گال روڈ سے کوئی ٹیکسی پکڑ کر ٹمپل روڈ کی طرف چل دوں گا بنگلوں کے درمیان سے گزرنے والی سڑک بالکل سنسان تھی بنگلوں کے باغیچوں میں اُگے ہوئے ناریل اور املی کے درخت سڑک پر جھکے ہوئے تھے گال روڈ پر آیا تو ٹریفک کا ہلکا ہلکا شور بیدار ہو گیا گاڑیاں ایک دوسرے کے آگے پیچھے گزر رہی تھیں مجھے بھی ٹیکسی کی تلاش ہوئی میں ٹیکسی کے لئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک میرا دل دھک سے رہ گیا وہی سنہالی جس کے بارے میں' میں سمجھ رہا تھا کہ اب وہ میرا تعاقب نہیں کر رہا مجھ سے تھوڑی دور بجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑا سگریٹ پیتے ہوئے آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا ایک پل کے لئے تو جیسے زمین نے میرے پاؤں جکڑ لئے میں اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔

اب اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ یہ شخص کولمبو کی سی آئی ڈی کا آدمی ہے اور قصداً میرا پیچھا کر رہا ہے یا میری نگرانی کر رہا ہے خدا جانے کارگل ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے گم ہو کر وہ یہاں کیسے اچانک نمودار ہو گیا تھا بہر حال یہ شخص میرے لیے، مشن کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بن گیا تھا اور اس شخص سے ہر حالت میں چھٹکارا پانا میرے لئے ضروری ہو گیا تھا میں نے ٹمپل روڈ پر اپنے ایجنٹ سے ملاقات کرنے کے ارادے کو ایک بار پھر ملتوی کر دیا اب میں سب سے پہلے اپنے راستے کی بڑی رکاوٹ یعنی اس سنہالی جاسوس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا چاقو اس وقت بھی میری جیب میں تھا لیکن میں چاقو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا پہلی وجہ تو یہ تھی کہ یہ کمانڈو چاقو نہیں تھا' دوسرے میں کسی ایسی واردات سے گریز کر رہا تھا جس میں خون بہنے کا امکان ہو' ایک خالی ٹیکسی میرے قریب سے گزر گئی میں نے اسے ہاتھ دیا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے اب ایک نئے مشن کی تفصیلات طے کر رہا تھا یہ خونی مشن تھا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا میرے پیش نظر جو مشن تھا اس میں میرے وطن عزیز کے کروڑوں انسانوں کی زندگیاں ملوث تھیں اس مشن کی راہ میں خود میری جان کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور میں اس سنہالی جاسوس کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس شخص سے کچھ گفتگو کر کے اندازہ لگایا جائے کہ اصل میں یہ شخص کون ہے؟ میرے رنگ روپ اور قد کاٹھ سے تو وہ سمجھ گیا ہو گا کہ میرا تعلق بھارت کے شمالی صوبے سے ہے اس سے گفتگو کر

کے میں کئی ایک اندازے لگانا چاہتا تھا اس سے بات کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

یہ سوچنے کے بعد میں قدم قدم چلتا' سڑک پر بھی دیکھتا اس کے قریب آگیا میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے قریب آنے سے بالکل نہیں چونکا تھا یہ اس کے تجربے کار جاسوس ہونے کی بہت بڑی دلیل تھی میں نے ہندوستانی میں کہا کہ ادھر خالی ٹیکسی ملنا بڑا مشکل لگتا ہے۔

اس شخص نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا "میں بھی دیر سے ٹیکسی کھوج رہا ہوں"

اس کی زبان اور لہجے سے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص سنہالی قوم کا نہیں بلکہ ہندوستان کے کسی جنوبی صوبے سے تعلق رکھتا ہے اس نے مجھ سے کوئی سوال نہ کیا میں نے خود ہی اسے بتایا کہ میرا نام موہن ہے میں حیدر آباد دکن سے کولمبو شہر کی سیرو سیاحت کرنے آیا ہوں۔

وہ خاموشی سے مسکراتا رہا اور سڑک پر سے گزرتی گاڑیوں کو تکتا رہا اتنے میں ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آکر کھڑی ہو گئی اس آدمی نے اشارہ کر کے کہا "تم یہ لے لو میں دوسری ٹیکسی لے لوں گا"

میں نے تھوڑا اصرار کیا تو وہ انگریزی میں بولا تم ہمارے مہمان ہو مسٹر "اور سگریٹ کا کش لگا کر پُراسرار انداز میں مسکرانے لگا اس کا انگریزی بولنے کا لہجہ بھی جنوبی ہند کا تھا میں جس نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا پہنچ گیا تھا یہ شخص سنہالی نہیں ہندوستانی تھا اور ہندوستانی خفیہ پولیس والے ہی اتنے شاطر اور عیار ہو سکتے تھے کہ اچانک نمودار ہو جاتے تھے اور اچانک زمین انہیں نگل لیتی تھی مجھے ان بھارتی خفیہ والوں کا بہت تجربہ تھا میں نے اس کا انگریزی میں ہی شکریہ ادا کیا اور ٹیکسی میں سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لنکا کی انٹیلی جینس سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا مگر بھارت کی سول اور ملٹری انٹیلی جینس کی فطرت کو میں اچھی طرح جانتا تھا جب مجھ پر یہ بھید کھلا کہ یہ شخص بھارتی نژاد ہے تو میں نہ صرف زیادہ محتاط ہو گیا بلکہ میں نے اپنے ذہن کی تمام صلاحیتوں اور حسیات کو بیدار کر لیا اب وہ میرے پیچھے کیا لگتا میں خود اسے اپنے پیچھے لگا کر زمین پر بچھے ہوئے اس جال تک لے جانا چاہتا تھا جس کے نیچے اس کی موت کا کنواں چھپا ہوا تھا۔

میری ٹیکسی شہر کی طرف جا رہی تھی مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے کیونکہ جب وہ کھمبے کے نیچے بظاہر ٹیکسی رکشا کے انتظار میں کھڑا تھا تو اس کی ایک خالی ٹیکسی سڑک کی دوسری طرف کسی خفیہ جگہ پر موجود تھی میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو جان بوجھ کر گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایت کی تھی میں اس بھارت نژاد جاسوس کو اتنی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ میرا تعاقب چھوڑ کر اپنے ہیڈ کوارٹر جا کر میری بابت کسی قسم کی بھی کوئی اطلاع دے سکے میں نے گاڑی کے سامنے والے شیشے میں سے دیکھ لیا تھا کہ کچھ فاصلے پر عقب میں ایک ٹیکسی ہمارا پیچھا کر رہی ہے میں نے ٹیکسی لائٹ ہاؤس کے پاس لے جا کر چھوڑ دی اور خود لائٹ ہاؤس کے پہلو میں جہاں سمندر کے کنارے چھوٹی بڑی چٹانوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا آگیا۔

میں اپنی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے میں ادھر سمندر اور چٹانوں کی سیر کو آیا ہوں میں ایک ایک چٹان کو جھک کر دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا اسی دوران میں نے اپنے عقب میں نگاہ ڈالی کر دیکھ لیا تھا کہ وہ جاسوس درختوں کے پیچھے سے نکل کر چٹانوں کی طرف قدم قدم بڑھ رہا تھا کسی وقت وہ رک جاتا تھا اور جب میں نظریں اٹھاتا تو وہ کسی چٹان کے پیچھے ہو جاتا تھا میں بے نیازی سے قدم اٹھاتا گیلی ریت پر چلتے ہوئے ایک چٹان کی اوٹ میں آکر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ چٹان کی دیوار کے ساتھ لگ گیا بھارتی جاسوس کے قدموں کی آواز مجھ تک نہیں آسکتی تھی کیونکہ وہاں زمین ریتلی تھی اس نے مجھے چٹان کے پیچھے جاتے ضرور دیکھ لیا تھا شاید وہ میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا میں جلدی سے ریت پر لیٹ کر دوسری چٹانوں کے درمیان سے ہوتا ہوا وہاں سے ہٹ کر ایک ایسے بڑے پتھر کی اوٹ میں جا کر چھپ گیا جس کے قریب سے اسے میری تلاش میں ہر حال میں گزرنا تھا کیونکہ اس چٹان کو جس کے پیچھے میں پہلے سے چھپا تھا یہیں سے راستہ جاتا تھا۔

یہ علاقہ ویران تھا دور دور تک کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا فضا میں سمندری بگلے اڑ رہے تھے لائٹ ہاؤس داہنی جانب درختوں کے جھنڈوں کے پیچھے چھپ گیا تھا میں دم سادھے کسی چیتے کی طرح گھات لگائے بیٹھا تھا میں نے چاقو نہیں نکالا تھا لیکن میرے مضبوط بازوؤں کی مچھلیاں تنی ہوئی تھیں مجھے بجری پر کسی کے دبے دبے پاؤں رکھنے کی آواز سنائی دی میں ایک دم چوکس ہو گیا قدموں کی آواز قریب آتی گئی پھر وہی بھارتی جاسوس میرے قریب سے گزرا میں یہ دیکھ کر بھونچکا سا ہو کر رہ گیا کہ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول تھا اب میری ذرا سی غلط حرکت میری موت کا باعث بن سکتی تھی میں حیران تھا کہ اس جاسوس نے پستول کیوں نکال رکھا ہے۔ کیا وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا؟ کیا وہ پستول دکھا کر مجھے گرفتار کر کے اپنے ساتھ پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتا تھا؟ طرح طرح کے سوالات میرے دل میں اٹھ رہے تھے مگر ان سوالوں پر غور کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا دشمن مسلح ہو کر مقابلے پر اتر آیا تھا اب اگر میں اسے نہیں پچھاڑتا ہوں تو وہ مجھے ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا۔

میں اپنی جگہ پر اسی طرح ساکت ہو کر بیٹھا رہا وہ پستول تانے جھک کر چلتے ہوئے ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا آسمان پر بادلوں کے گھنے ہو جانے کے باعث دن کی روشنی کم ہو گئی تھی سوائے سمندری لہروں کے چھوٹی بڑی چٹانوں سے ٹکرانے کے علاوہ وہاں کوئی آواز نہیں تھی میں نے ایک چٹان کے پیچھے بھارتی جاسوس کا ابھرا ہوا سر دیکھا اس کو ٹارگٹ بنا کر میں ایک ماہر کمانڈو کی طرح کہنیوں کے بل رینگتا ہوا اس کے عقب میں آگیا اس قسم کی گھات لگانے میں وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس کا سر اب بھی مجھے صاف نظر آرہا تھا یہ اس کے سر کا عقبی حصہ تھا شاید وہ بھی میرے انتظار میں گھات لگا کر بیٹھا ہوا تھا میں سخت متعجب تھا کہ اس شخص نے اچانک پستول نکال کر مجھ پر حملہ کرنے کا پروگرام کس لئے بنا لیا تھا؟

اس کا گھنگریالے بالوں والا سر ایک جگہ پر ساکت ہو گیا تھا وہ میری گھات میں بیٹھا تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ پیچھے سے دیکھا جا رہا ہے اور پیچھے اس کی موت اس کی طرف آہستہ آہستہ رینگ رہی ہے اب میں کہنیوں کے بل اس طرح رینگ رہا تھا کہ دونوں کہنیوں ریت پر ٹکا کر بہت ہی آہستگی سے اپنے باقی جسم کو اس طرح آگے کی طرف کھینچ لیتا جیسے میرا آدھا دھڑ مفلوج ہو گیا ہو اس کے ساتھ ہی اپنا سر نیچے کر لیتا میں اس چٹان کے عقب میں آگیا جس کی دوسری جانب میرا دشمن بھارتی جاسوس پستول لئے چھپا بیٹھا تھا میں نے اپنا سانس قریب قریب روک لیا تھا اب میں سانپ کی طرح رینگ کر ایسے زاویئے پر آگیا کہ جہاں بھارتی جاسوس کی پشت ہی دکھائی دے سکتی تھی اگر وہ میری آہٹ بھی پالیتا ہے تو ایک دم پلٹ کر مجھ پر فائر کر سکتا تھا میں اب اس کی کمر اور گردن کو صاف دیکھ رہا تھا اس نے پستول والا ہاتھ آگے کر رکھا تھا اور اپنے خیال میں ایک ایسی چٹان کے عقب سے میرے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جہاں میں اس کی آنکھوں کے سامنے چھپا تھا لیکن وہاں سے رینگتا ہوا نکل کر اب میں اس کے عقب میں آگیا تھا یہ خالص کمانڈو حکمت عملی تھی جس کی مجھے باقاعدہ ٹریننگ دی گئی تھی ایک کمانڈو اور خفیہ پولیس والے میں یہی بنیادی فرق تھا کہ وہ اس قسم کی نقل و حرکت نہیں کر سکتا تھا وہ اس سے بے بہرہ تھا۔

اچانک وہ اٹھا وہ جھکا ہوا تھا ابھی اس نے ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ میں شیر کی طرح ایک جست لگا کر اس پر ایک ٹوٹے ہوئے درخت کی طرح گرا۔ اس کے اوپر میں نے اپنے آپ کو اس زاویئے سے گرایا تھا کہ میرا سیدھا ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ایک بھرپور ضرب کے ساتھ پڑا تھا اس کا نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ریت پر چار فٹ کے فاصلے پر گر پڑا اگرچہ وہ جوانی کی حدود سے نکل چکا تھا مگر اس میں بڑی طاقت تھی وہ ایک زخمی ریچھ کی طرح میرے نیچے سے اچھلا لیکن اس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں آچکی تھی اس کی گردن کا میرے شکنجے میں آنا ہی کافی تھا مجھے اس کے علاوہ اور کسی شے کی ضرورت نہیں تھی نہ اس کے پستول کی' نہ اپنے چاقو کی' میرے بازو کا شکنجہ اپنا کام کر چکا تھا اور اس کی گردن میرے بازو میں لٹک گئی تھی میں اسے زندہ رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا میں نے اسے وہیں زمین پر اوندھا ڈال دیا اس کی گردن ایک طرف کو کافی مڑ گئی تھی اس کا جسم گرم تھا مگر دل نے دھڑکنا بند کر دیا تھا اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ضرورت اگر تھی تو یہ تھی کہ میں وہاں سے رفو چکر ہو جاؤں میں نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی سارا ساحل سمندر ویران تھا لہریں چٹانوں سے ٹکرا کر اسی طرح دھیما دھیما شور مچا رہی تھیں ایک بگلا چیختا ہوا ہمارے اوپر سے گزر گیا میں ریت پر رینگتے ہوئے ان چٹانوں میں سے باہر نکل کر ناریل کے درختوں کی طرف چلا آیا یہاں آتے ہی میں اٹھا پتلون اور بش شرٹ پر سے ریت کو جھاڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا دوسری طرف چل دیا۔

میں اب بھی حیران تھا کہ یہ بد قسمت خفیہ پولیس والا بھارتی نژاد جاسوس آتے ہی میرے پیچھے کیوں چمٹ گیا تھا؟ کیا یہاں کی انٹیلی جینس کو میرے بارے میں پہلے سے اطلاع مل گئی تھی؟
لیکن ایسا قرین قیاس نہیں تھا جنوبی بھارت میں تو انٹیلی جینس والے مجھے پہچان سکتے تھے لیکن سری لنکا میں یہ میرا پہلا آپریشن تھا اور یہاں میں انٹیلی جینس والوں کے لئے بالکل اجنبی تھا میرے قدم جلدی جلدی اٹھ رہے تھے میں لائٹ ہاؤس سے دور ایک ذیلی سڑک پر نکل آیا۔
بڑی سڑک پر آتے ہی میں نے ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور ٹمپل روڈ والے بوریلا جنکشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

بوریلا جنکشن کے چوک میں ایک جانب ٹیکسی سے اترا تو ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی میں اب ٹمپل روڈ کے اس فٹ پاتھ پر چل رہا تھا جدھر اپنے ایجنٹ کی دکان تھی اب میں سیدھا ایک گاہک کی حیثیت سے اس کی دکان میں داخل ہو جانا چاہتا تھا اپنے ایجنٹ کی دکان تک پہنچتے پہنچتے بارش تیز ہو گئی جونہی وہ دوکان آئی میں اس کے اندر داخل ہو گیا اور جیب سے رومال نکال کر اپنے بالوں پر پڑے ہوئے بارش کے قطروں کو آہستہ آہستہ جذب کرتا شیلف میں لگی کتابوں کو دیکھنے لگا دکان میں ایک بلب روشن تھا ایک گاہک پہلے سے خریدی ہوئی کتابوں کی ادائیگی کر رہا تھا اپنے ایجنٹ کو ابھی میں نے نہیں دیکھا تھا میری اس طرف پشت تھی کتابیں انگریزی، سنہالی، ہندی اور تامل زبان میں بھی تھیں یہاں ناول بھی تھے اور ہسٹری، فزکس اور سائنس کی کتابیں بھی تھیں کسی نے پیچھے سے مجھے شاید سنہالی زبان میں کچھ کہا میں نے آہستہ سے پلٹ کر کاؤنٹر کے پیچھے پرانی کرسی پر بیٹھے دبلے پتلے سانولے سے آدمی کی طرف دیکھا اس کے ماتھے پر زخم کا دو انچ لمبا نشان تھا اس وقت دکان میں میرے سوا اور کوئی گاہک نہیں تھا دکاندار سمجھ گیا کہ میں سنہالی زبان نہیں جانتا مگر اب اس کی آنکھوں میں مجھے ایک تجسس سا نظر آیا شاید اس نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن اس کا چہرہ اب بھی سپاٹ تھا ہندی میں بولا کون سی پستک چاہئے؟"

میں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اپنا کوڈ ورڈ لکھا اور اس کی طرف بڑھ کر پوچھا "کیا اس نام کی کتاب آپ کے پاس ہو گی؟"

میں نے انگریزی میں اس سے یہ سوال کیا تھا کیونکہ آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ جنوبی ہند اور لنکا وغیرہ میں انگریزی زبان عام بولی جاتی ہے دکاندار نے اسی کاغذ کے ٹکڑے کے نیچے اپنا کوڈ ورڈ لکھ کر کاغذ میری طرف بڑھا دیا اور کہا "اس وقت صرف یہی کتاب مل سکتی ہے"

وہ بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا میں بھی اپنی جگہ پر رک گیا تھا وہ سورج مکھی والے کوڈ ورڈ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ میری طرف سے بے نیاز ہو کر نوٹ بک پر کچھ حسابات درج کرنے لگا تھا میں نے اب اصلی پاس ورڈ یا مرموز ورڈ اس سے پوچھنے کے لئے کہا "پھولوں کے بارے میں کوئی کتاب مل جائے گی؟"

اس نے آہستہ سے کہا "سورج مکھی کے پھول یہاں نہیں ہوتے"
اس کے ساتھ ہی وہ نوٹ بک بند کر کے اسے دراز میں رکھنے کے لئے جھکا اور وہیں سے اردو زبان میں آہستہ سے بولا "میری دکان کے کونے میں تمہیں اوپر جاتا ایک زینہ ملے گا اوپر میری رہائش ہے جب تک میں نہ آؤں نیچے مت اترنا"

دکان کے کونے میں ایک تنگ زینہ تھا جو اوپر ایک کمرے میں جاتا تھا کمرے میں چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں کونے میں ایک اسٹو اور پیالیاں 'چینک ' دو چار پلیٹیں تپائی پر پڑی تھیں دو کھڑکیاں بازار کی طرف کھلتی تھیں جو بند تھیں میں نے چھت سے لگا پنکھا چلا دیا اور پرانے کپڑے ایک طرف کر کے پلنگ پر بیٹھ گیا کوئی آدھے گھنٹے بعد اپنا ایجنٹ اوپر آیا اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا جس میں کھانا تھا بھوک کے مارے میرا برا حال ہو رہا تھا میں نے چاول اور ترکاری بڑے شوق سے کھائی وہ مجھے کھانا دے کر نیچے چلا گیا تھا اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں بازار والی کھڑکیاں نہ کھولوں۔
میں پلنگ پر نیم دراز ہو گیا اور اس بھارتی جاسوس کے بارے میں سوچنے لگا جس کی لاش میرے اندازے کے مطابق ابھی تک ساحل سمندر کی چٹانوں میں پڑی ہو گی پولیس اسے حادثہ قرار دیتی ہے یا قتل؟ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اس کا عینی گواہ کوئی نہیں تھا اپنا ایجنٹ نیچے جاتے ہوئے باہر سے دروازے پر تالا لگا گیا تھا جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا اور وہ دکان سے اوپر نہ آیا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں نیند جیسے بالکل تیار کھڑی تھی اس نے میری آنکھیں بند ہوتے دیکھ کر فوراً مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میں شام تک سویا رہا۔
آنکھ کھلی تو اپنا ایجنٹ مجھے کندھے سے پکڑ کر ہلا رہا تھا اس نے کوئی بات نہ کی اسٹو پر وہ چائے بنا چکا تھا ایک گلاس میں چائے ڈال کر اس نے مجھے دی دوسرا گلاس وہ خود لے کر بیٹھ گیا کمرے میں بڑا مدھم بلب روشن تھا اس نے چائے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد میری طرف دیکھا اور کہنے لگا "تم یہاں نہیں رہ سکتے آج رات 'میں تمہیں ایک جگہ لے چلوں گا تم وہاں رہو گے اور اس علاقے سے اس وقت تک باہر نہیں نکلو گے جب تک میں نہ کہوں اب تم سو جاؤ میں نیچے دکان میں سوؤں گا؟"
میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے اپنا مشن کب اور کہاں سے شروع کرنا ہو گا؟ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اس آدمی کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا "مشن کا لفظ دوبارہ اپنی زبان پر مت لانا اب سو جاؤ باتھ روم کا دروازہ وہ سامنے ہے"
اتنا کہہ کر وہ باہر چلا گیا زینے میں جا کر اس نے دروازہ بند کیا باہر سے تالا لگانے کی آواز آئی 'پھر خاموشی چھا گئی اس خاموشی میں کبھی کبھی ٹمپل روڈ پر سے گزرتی کسی گاڑی کا ہلکا سا شور مخل ہو جاتا تھا ایک لمحے کے لئے مجھے یوں لگا جیسے اس شخص نے مجھے اپنی قید میں ڈال دیا ہے لیکن مشن کی سنگین نوعیت کے پیش نظر شاید اس قسم کی احتیاطی تدابیر ناگزیر تھیں میں تھوڑی دیر تک سگریٹ پیتا رہا پھر

سو گیا جس وقت اپنے ایجنٹ نے مجھے آکر جگایا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا اس وقت رات کے دو بج رہے تھے وہ اپنے ساتھ میرا وہ بریف کیس بھی لایا تھا جو میں اپنے ہوٹل میں چھوڑ آیا تھا خدا جانے اس شخص نے کیسے وہ بریف کیس وہاں سے حاصل کر لیا تھا اب مجھے پتہ چلا کہ اس کی دکان کا ایک عقبی دروازہ بھی ہے جو ٹمپل روڈ کے پچھواڑے کی ایک تنگ و تاریک گلی میں کھلتا ہے اس گلی میں کوئی روشنی نہیں تھی یہاں مکانوں کے پچھواڑے تھے ہم اس گلی میں سے نکل کر ایک بازار میں آگئے بازار رات کے وقت خالی اور ویران تھا یہاں ڈھلوان چھتوں والے دو منزلہ ایک منزلہ مکان تھے جن میں کہیں بھی روشنی نہیں ہو رہی تھی یہاں سے ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی ٹیکسی والے کو اس نے کسی ایسی جگہ چلنے کو کہا جس کا نام میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا ٹیکسی کولمبو کے سنسان چھوٹے بڑے بازاروں سے گزرتی ایک کشادہ سڑک پر آگئی اس سڑک پر دس پندرہ منٹ چلنے کے بعد اپنے ایجنٹ نے سہالی زبان میں ڈرائیور کو کچھ کہا اس نے ٹیکسی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

اب ہم سڑک سے نیچے اتر کر ایک ریتلے چھوٹے سے راستے پر آگئے جو ناریل کے درختوں کے ایک ذخیرے میں سے گزرتا تھا یہ ذخیرہ ختم ہوا تو سامنے ایک تالاب آگیا جس کی سیڑھیاں تالاب کے پانی میں اتر گئی تھیں یہاں ایک طرف چبوترہ بنا تھا چبوترے کے قریب سے ہم نیم اندھیرے میں چلتے گئے اپنا ایجنٹ آگے آگے تھا یہاں کچے راستے کی دونوں جانب جنگلی گھاس تھی اور ناریل تاڑ کے علاوہ کچھ گھنے درخت بھی اُگے ہوئے تھے۔

اپنے ایجنٹ نے ابھی تک مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی ذرا کھلی جگہ آئی تو سامنے ایک چھوٹا سا کوارٹر اندھیرے میں ساکت و جامد دکھائی دیا اس کوارٹر کی چھت کھپریل کی ڈھلواں تھی وہاں ایک لالٹین جل رہی تھی اپنے ایجنٹ نے کوارٹر کے بانس کے دروازے پر جا کر آہستہ سے کسی کو آواز دی لالٹین کی روشنی دھیمی ہو گئی پھر ایک گنجے بوڑھے سیاہ فام آدمی نے دروازہ کھولا اور میری طرف غور سے دیکھا اندھیرے میں اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں اپنا ایجنٹ شاید پہلے ہی سب کچھ طے کر چکا تھا بوڑھے آدمی نے لالٹین اندر لے لی اور ہمیں ایک کوارٹر کا کمرہ کھول کر اندر لے گیا یہاں ایک چارپائی پر مچھردانی لگی ہوئی تھی پاس ہی ایک تپائی پر پانی کی صراحی رکھی تھی جس کے شیشے کا چھوٹا گلاس اوندھا پڑا تھا بوڑھا ہمیں اندر چھوڑ کر لالٹین سمیت واپس چلا گیا کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا یہاں حبس تھا اور ناریل کی چھال کی بو پھیلی ہوئی تھی میرے ساتھی نے جیب سے موم بتی نکال کر روشن کی اسے تپائی پر ٹکایا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھ گیا میری طرف دیکھ کر بولا "پہلے یہ بتاؤ میری دکان کے سامنے والے چائے خانے سے جو آدمی تمہارے پیچھے لگا تھا اس کو تم نے کہاں چھوڑا؟ کیا تم اسے جل دینے میں کامیاب ہو گئے تھے؟"

جب میں نے اسے بتایا کہ اس آدمی کی لاش ساحل سمندر کی چٹانوں پر پڑی ہے تو اس نے

اُکوم

کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا بس اتنا کہا۔
"یہ تم نے اچھا کیا یہاں تمہیں کھانا چائے وغیرہ مل جایا کرے گی یہ بوڑھا تامل مسلمان ہے یہ ہمارے لئے کام کرتا ہے یہ ناریل کے درخت اور آگے سبزی کے کچھ کھیت اسی کی ملکیت ہیں" یہ بڑا کم گو اور مضبوط کردار والا آدمی ہے یہ تم سے زیادہ بات نہیں کرے گا تم بھی خاموش رہنا۔ میں نے پوچھا "مجھے کب تک یہاں بیٹھ کر اپنے مشن کے آغاز کا انتظار کرنا ہوگا؟ میرا خیال ہے سرحد پار سے باس نے تمہیں ہمارے مشن کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا ہوگا"
ایجنٹ اٹھ کھڑا ہوا "اس بارے میں' میں کل شام کو آکر تم سے بات کروں گا تم کوشش کرنا کہ اس کوارٹر سے باہر نہ نکلو چھوٹا سا باتھ روم اس کے ساتھ ہی برآمدے میں ہے"
وہ خدا حافظ کے بغیر چلا گیا میں نے دروازہ بند کر دیا اور پلنگ پر لیٹ کر مچھروانی گرادی اس سے حبس میں اضافہ ہو گیا یہاں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے پنکھا بھی نہیں تھا میں نے پتلون وغیرہ اتار کر کرتا پاجامہ پہن لیا تھا میں نے کرتا اتار دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا خدا جانے کس وقت مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا آنکھ کھلی تو روشندان میں سے دن کی روشنی اندر آرہی تھی۔
میں نے ٹوتھ برش اور شیونگ کریم وغیرہ بریف کیس میں سے نکالی تولیہ کاندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگیا بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے درختوں میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جس سے حبس میں کافی حد تک کمی واقع ہو گئی تھی رات والا سیاہ فام بوڑھا مجھے آتا نظر آیا اس نے قریب آکر سلام کیا اور ٹوٹی پھوٹی ہندی زبان میں کہا کہ وہ تھوڑی دیر میں ناشتا لا رہا ہے باتھ روم تنگ اور گندا تھا جلدی جلدی' میں نے غسل وغیرہ کیا اور اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر بیٹھ گیا بوڑھا ناشتا لے آیا چائے کا ایک گلاس اور ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے یہی ناشتا تھا وہ ناشتا رکھ کر چلا گیا۔
دوپہر کو اس نے مجھے ابلے ہوئے چاول اور پانی جیسا شوربہ لا کر دیا جس میں کدو کے ٹکڑے ڈوبے ہوئے تھے میں نے بڑی مشکل سے اس کمرے میں دن گزارا چونکہ جسم سختیاں سہنے کا عادی تھا اور اپنے عظیم مشن کا خیال بھی تھا اس لئے صبر اور ہمت سے پڑا رہا شام کو پھر وہی چاول اور شوربہ ملا میرے کمرے میں لالٹین روشن کر دی گئی تھی بوڑھے نے مجھ سے زیادہ بات نہیں کی تھیں اب مجھے اپنے ایجنٹ کا انتظار تھا رات ہو چکی تھی کہ وہ آگیا ہم دونوں کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر بیٹھ گئے یہ دروازہ اس نے اس لئے کھولا تھا کہ برآمدے میں کوئی شخص موجود ہو تو ہمیں معلوم ہو جائے بند دروازے کے ساتھ لگ کر کوئی ہماری باتیں سن سکتا تھا ایجنٹ نے آہستہ آہستہ گفتگو شروع کر دی "سرحد پار والے اپنے ہیڈ کوارٹر سے مجھے جو بریفنگ کی گئی ہے اس کے مطابق اس اہم ترین مشن میں تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہوگی"
"لڑکی؟" میں نے تعجب سے پوچھا "لڑکی کیا کرے گی؟" ایجنٹ بولا میں چاہتا ہوں کہ تم یہ

میں نہ بولو اور مجھے پہلے پوری بات کر لینے دو وہ کہنے کو تو ایک لڑکی ہے لیکن وہ ایک دلیر اور ماہر کمانڈو بھی ہے تم خود ایک کمانڈو ہو تم اس کی مہارت کا بہت جلد اندازہ لگا لو گے وہ تاجکستان کی رہنے والی ایک مسلمان لڑکی ہے سمرقند میں اس نے عربی انگریزی اور اردو کی تعلیم حاصل کی فارسی اس کی مادری زبان ہے اور روسی زبان وہ روانی سے بول لیتی ہے دین اسلام کے خلاف جب روسیوں نے ترکمانستان میں جبر و استبداد کی مہم شروع کی تو اس میں اس تاجیک مسلمان لڑکی کے ماں باپ کو شہید کر دیا گیا یہ لڑکی کسی نہ کسی طرح جان بچا کر افغانستان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی وہاں سے یہ مغربی جرمنی چلی گئی جہاں اس نے کمانڈو کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی اس کا ارادہ واپس سمرقند جا کر جہاد میں حصہ لینے کا تھا لیکن اس وقت اسرائیلی لبنان میں مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھا رہے تھے چنانچہ وہ فلسطینی کمانڈوز میں شامل ہو گئی اس نے کئی معرکے سر انجام دیئے ان دنوں اس تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی کا منگیتر سعد الکردی لنکا کے مشرقی شہر ٹرنکو مالی میں جواہرات کا کاروبار کرتا تھا یہ کمانڈو لڑکی اس سے ملنے لنکا آئی تو شمالی لنکا کے تامل ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا ٹرنکو مالی میں تامل مسلمانوں کی تعداد آباد ہے وہاں بھی ہندو تاملوں نے اپنی مسلم کش سرگرمیاں شروع کر دیں اور ایک روز ایسا ہوا کہ سعد الکردی کو ایک بازار میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا اس کی منگیتر اس تاجیک لڑکی نے کئی ہندو تامل غنڈوں کو ہلاک کر ڈالا اور وہیں روپوش ہو گئی اس نے یہاں کے مسلمانوں کی حفاظت میں اپنی زیر زمین سرگرمیاں شروع کر دیں وہ یہاں کے تامل ہندوؤں سے اپنے منگیتر کی موت کا انتقام بھی لینا چاہتی تھی ہمارا اس سے رابطہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس تاجیک مسلم لڑکی کو پاکستان سے دلی محبت ہے ان ہی دنوں مجھے ہیڈ کوارٹر سے چانکیہ پلان' کے بارے میں بریف کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ میں تاجیک لڑکی پوشالی سے رابطہ پیدا کر کے اسے اس مشن پر آمادہ کروں اس تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی کا اسلامی نام کچھ اور ہے جو ہمیں معلوم ہے مگر ہم نے اسے کسی ایجنٹ پر ظاہر نہیں کیا ہے۔ پوشالی خود بھی اپنا اسلامی نام خفیہ رکھتی ہے وہ اسی نام یعنی پوشالی سے جانی جاتی ہے ہیڈ کوارٹر سے بریفنگ ملتے ہی میں خود ٹرنکو مالی کے اس جنگل میں گیا جہاں وہ اپنے چند مسلمان تامل ساتھیوں کے ہمراہ ایک خفیہ جگہ پر چھپی ہوئی تھی میں نے اسے چانکیہ پلان کے بارے میں بتایا تو وہ اسلامی مملکت پاکستان کی سلامتی اور بقا کی خاطر اس مشن پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی پوشالی کو اس مشن کے لئے منتخب کرنے کی دو وجوہات تھیں پہلی اہم ترین وجہ تو یہ تھی کہ پوشالی روسی زبان روانی سے بول سکتی ہے اب اس نے سنہالی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا ہے وہ تامل زبان بھی بولنے لگی ہے دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمارا مشن اسی ملک سری لنکا میں واقع ایک غیر ملکی سفارت خانے سے متعلق ہے تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے میں تین چار بار پوشالی سے مل کر چانکیہ پلان' کے بارے میں کافی تفصیلات جمع کر چکا تھا کہ اچانک معلوم ہوا کہ پوشالی کی کمین گاہ پر علیحدگی پسند ہندو تاملوں نے چھاپہ مار کر پوشالی کے کچھ ساتھیوں کو

ہلاک کر کے اسے گرفتار کر لیا ہے میری تازہ ترین اطلاع کے مطابق پوشالی ابھی تک ہندو تاملوں کی قید میں زندہ ہے شاید انہوں نے پوشالی کو ابھی تک اس لئے ہلاک نہیں کیا کہ وہ اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مسلمان تاملوں کی قید میں اپنے کچھ آدمیوں کو رہا کروانا چاہتے ہوں بہر حال چانکیہ پلان پر اپنے کام کا آغاز کرنے سے پہلے تمہیں پوشالی کو ہندو تاملوں کی قید سے آزاد کرانا ہوگا تاکہ تم دونوں مل کر چانکیہ پلان' کے اہم ترین مشن کا آغاز کر سکو

اپنا ایجنٹ خاموش ہو گیا میں اس کی ہدایت کے مطابق بیچ میں کچھ نہیں بولا تھا کوئی سوال نہیں کیا تھا ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔

اس نے کہا" اب تم اگر چاہو تو سوال کر سکتے ہو؟"

میں نے سگریٹ سلگا لیا اور بولا" سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کیا روسی بیورو کریسی اس تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کے نام اور اس کی شکل سے آشنا ہے؟"

ایجنٹ نے جواب دیا" نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ پوشالی کا تعلق تاجکستان سے ہے اور اس نے زندگی کا زیادہ عرصہ سمرقند میں گزارا ہے وہ ماسکو اور کریملن ضرور آتی جاتی رہی ہے مگر اس کا روسی بیورو کریسی سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا جب وہ روسی مسلمانوں کی حمایت میں خفیہ جہاد شروع کرنے والی تھی تو اس کی خدمات تنظیم آزادی فلسطین نے حاصل کر لیں اور یوں اسے روس میں اسلام دشمن کارروائیوں کے خلاف جہاد کا موقع نہیں مل سکا"

میں نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے کہا" اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے روسی سفارت خانے میں اس کی شکل و صورت سب کے لئے اجنبی ہو گی بالکل اجنبی ہو گی۔" ایجنٹ نے میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے کہا" اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ پوشالی کو یہاں کے ہندو تاملوں نے کس جگہ قید کر رکھا ہے؟"

ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ شمالی لنکا میں جافنا شہر کے جنوب مغرب میں جہاں علیحدگی پسند ہندو تاملوں کا بڑا زور ہے اور جو ان کی تخریبی سرگرمیوں کا گڑھ ہے ایک جنگل ہے' جہاں ناریل کے علاوہ بانس کے بے شمار خود رو درخت اُگے ہوئے ہیں یہ نیم پہاڑی علاقہ ہے اور ٹیلوں میں قدرتی غاریں بنی ہوئی ہیں یہاں قدیم زمانے کے ایسے مندر بھی ہیں جو ایک کھنڈر بن چکے ہیں"

ایجنٹ کہہ رہا تھا" میری اطلاع کے مطابق بانس کے اس جنگل میں ایک 'راون کے زمانے کے مندر کا کھنڈر ہے اس کھنڈر کا یہاں کی زبان میں سنہالی میں کوئی نام نہیں ہے لیکن یہاں کے تامل ہندوؤں نے اس کا نام راون پلی رکھا ہوا ہے ان تامل ہندوؤں کی ہمدردیاں بھارت کے تاملوں کے ساتھ ہیں یہ لوگ صدیوں سے سری لنکا کی سرزمین پر رہتے ہوئے کھا اور کما رہے ہیں لیکن اب یہ تامل

ہندوؤں کے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کرنے والے ہیں یہ شمالی لنکا کو تامل لینڈ میں بدل کر بھارت سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہتے ہیں مجھے جو اطلاعات میرے مخبر نے دی ہیں ان کے مطابق تاجیک مسلمان لڑکی پوشالی کو جافنا کے تامل ہندوؤں نے اسی پرانے مندر راون پلی کے پاس ہی کہیں زیر زمین قید میں ڈال رکھا ہے تم چونکہ تامل تلیگو اور ملیالم زبانیں بول اور سمجھ لیتے ہو اس لئے تمہیں زیادہ آسانی ہو گی"

میں نے پوچھا" وہاں جو تامل ہندوؤں کا گروہ زیر زمین کام کر رہا ہے اس کے لیڈر کا نام کیا ہے ؟"

ایجنٹ نے مجھے لیڈر کا نام بتایا جو ایلم تھا یہ صفت تھی نام نہیں تھا کیونکہ ایلام یا ایلم تامل اور ملیالم زبان میں شیر کو کہتے ہیں ایجنٹ نے بتایا کہ وہ اسی نام سے جانا جاتا ہے اور انہوں نے اپنی علیحدگی کی تحریک کا نام بھی اسی نام پر رکھا ہوا ہے ایجنٹ کہہ رہا تھا" ابھی اس تامل ہندو گروہ کی سرگرمیاں وہاں کے مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں تک ہی محدود ہیں مگر یہ لوگ عنقریب حکومت لنکا کے خلاف بھی تخریبی کارروائیاں شروع کرنے والے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمیں صرف پوشالی کو ان لوگوں سے رہا کروا کر یہاں لانا ہے اب یہ بتاؤ کہ تم پوشالی کی رہائی کا مشن کس انداز سے شروع کرنا چاہتے ہو ؟

میں نے کہا" یہ میں سوچ بچار کے بعد ہی بتا سکوں گا لیکن سب سے پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ لوگ میری کیا مدد کر سکتے ہیں ؟ کیا مجھے اس مشن کے لئے میری پسند کا اسلحہ مل سکے گا ؟ کیا آپ کا کوئی آدمی راون پلی کے بانس کے جنگل تک میری راہ نمائی کرے گا ؟ کیونکہ میں یہاں کے جنگلوں سے واقف نہیں ہوں " ایجنٹ نے کہا" اس کا انتظام ہو جائے گا تمہیں جس قسم کا اسلحہ درکار ہو گا تمہیں مہیا کر دیا جائے گا لیکن یقینی طور پر تمہیں ریوالور پستول وغیرہ کی ہی ضرورت ہو گی"

میں نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا" مجھے صرف ایک بارہ بور کا ریوالور چاہئے جس کے ساتھ سائی لینسر بھی ہو اس کے علاوہ ایک کمانڈو چاقو کی بھی ضرورت ہو گی"

ایجنٹ نے کہا" یہ دونوں چیزیں تمہیں کل صبح مل جائیں گی یہ بتاؤ کہ تم اپنے مشن پر کب روانہ ہونا چاہتے ہو ؟"

میں ایک پل کے لئے کچھ سوچنے لگا ، پھر بولا" یہ میں کل ہی بتا سکوں گا مجھے اس مشن کی جزئیات پر غور کرنے کی مہلت چاہئے ایجنٹ اٹھ کھڑا ہوا بہتر ہے میں کل شام کو آؤں گا میں نے اپنی طرف سے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہوں گے صرف تمہاری طرف سے ایک اشارے کی ہی ضرورت ہو گی"

جب وہ چلا گیا تو میں نے غور کرنا شروع کر دیا یہ چانکیہ پلان کا ایک طرح سے پیش لفظ یا پیش خیمہ تھا مگر اپنے طور پر یہ بھی بڑا دشوار اور جان جوکھوں کا مشن تھا اگرچہ اپنے ایجنٹ نے مسلمان

تاجیک لڑکی پوشالی کو ایک بہترین مشاق اور دلیر کمانڈو لڑکی کے روپ میں میرے سامنے پیش کیا تھا لیکن مجھے شبہ تھا کہ ایک لڑکی اتنی دلیر ہو سکتی ہے کہ وہ اس مشن میں میری کوئی خاص مدد کر سکے میں اس سے صرف اتنا چاہتا تھا کہ وہ میری راہ میں رکاوٹ نہ بنے اور کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے کہ میرے کیئے کرائے پر پانی پھر جائے یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ جتنا کچھ اپنے ایجنٹ نے مجھے پوشالی کے بارے میں بتایا تھا اصل میں وہ اس سے چار ہاتھ آگے تھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایسی دلیر اور بے جگر مسلمان کمانڈو لڑکی میری نظر سے ابھی تک نہیں گزری۔ رات گئے تک میں یہی سوچتا رہا کہ راون پلی کے قدیم مندر والے جنگل تک مجھے کس بھیس میں جانا چاہئے صرف ایک کمانڈو بن کر جانے سے وہاں کام نہیں بن سکتا تھا بلکہ الٹا مشن کے ناکام ہونے کا خطرہ تھا اور وہ لوگ ذرا سے شک پر پوشالی کو موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے اور یہ بات 'میں بھی ذہنی طور پر تسلیم کر چکا تھا کہ ہمارے 'چا پلاٹن' مشن میں پوشالی کی شرکت ناگزیر تھی کیونکہ پوشالی روسی زبان روانی سے بول لیتی تھی۔

میں کافی دیر تک غور و فکر کرتا رہا آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے ان علیٰحدگی پسند تامل ہندوؤں کے پاس شیوجی کے بیٹے گنیش جی مہاراج کے پجاری ایک تامل رشی منی سادھو کے بھیس میں ہی جانا چاہئے میری رنگت بھی اب پہلے جیسی گوری نہیں رہی تھی میں سانولا ہو گیا تھا دوسرے مجھے تامل زبان پر عبور حاصل تھا اور گیتا کے علاوہ مجھے تامل زبان کی رامائن کے بھی سینکڑوں اشلوک اور شعر زبانی یاد تھے میرے قارئین کو یاد ہو گا کہ میں نے ایک مدت آندھرا پردیش اور تامل ناڈو میں گزاری تھی۔

دوسرے دن شام کو اپنا ایجنٹ میرے پاس آیا۔ وہ ایک بارہ بور کا ریوالور اور ایک کمانڈو چاقو بھی اپنے ساتھ لایا تھا ریوالور پر سائی لینسر چڑھا ہوا تھا اس نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے کہا "ہمارا ایک آدمی جو مسلمان تامل ہے تمہیں اپنے ساتھ جافنا کے اس علاقے تک لے جائے گا جہاں سے علیٰحدگی پسند ہندو تامل لیڈر ایلم کا خفیہ مسکن قریب ہی ہو گا وہ تمہیں راستہ بتا دے گا کیا تم آج رات روانہ ہونا چاہتے ہو؟ میں نے اپنے ایجنٹ کو اپنی سوچی ہوئی اسکیم بیان کر دی وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا' پھر بولا "کیا تم اس بھیس میں وہاں محفوظ ہو گے؟"

جب میں نے اس کو بتایا کہ تامل زبان اور ان کی دیو مالا پر مجھے عبور حاصل ہے اور میں اس قسم کا بھیس کئی بار کامیابی سے بدل چکا ہوں تو اس نے پھر کوئی اعتراض نہ کیا میں نے اس سے جن چیزوں کا مطالبہ کیا ان میں ایک سفید دھوتی کرتا' جیئو چپل' ماتھے پر لگانے کے لئے سیندور' سر پر ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سفید چادر اور منکوں کی ایک سادھوؤں والی مالا تھی اگلے روز یہ ساری چیزیں اس نے مجھے لا کر دے دیں وہ اپنے ساتھ کھدر کا ایک جھولا نما تھیلا بھی لے آیا تھا سب سے پہلے میں نے سیفٹی ریزر سے اپنا سر مونڈ ڈالا پھر پتلون بش شرٹ اتار کر اس کی جگہ جنوبی ہند کے سادھو رشی منیوں والا سفید لباس پہن کر کے گرد جیو پہن لیا گلے میں بھورے منکوں کی مالا ڈالی ماتھے پر شیوجی کے نام کی سیندور

کی تین لکیریں کھینچ لیں ریوالور اور چاقو میں نے اپنی کمر کے گرد دھوتی کے ساتھ چھپا کر رکھ لیا تھیلے میں تھوڑے سے کچے چاول ڈال لئے اب میں ایک تامل سادھو بن چکا تھا اور اپنے مشن پر روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار تھا ایجنٹ نے لالٹین کی دھیمی روشنی میں میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور بولا "کیا تم چلنے کو تیار ہو؟"

"کیوں نہیں؟" میں نے گردن سیدھی کرتے ہوئے کہا "وہ آدمی کہاں ہے جو مجھے جافنا لے جائے گا؟"

ایجنٹ بولا "کولمبو کے فورٹ اسٹیشن سے صبح سات بجے جافنا ایکسپریس روانہ ہوتی ہے تمہیں منہ اندھیرے یہاں سے نکل کر فورٹ اسٹیشن پر پہنچ جانا ہوگا تمہارا حلیہ میں اپنے آدمی کو بتا دوں گا تم پلیٹ فارم کے آخری بینچ پر یا اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھے ہوگے وہ تمہارے پاس آئے گا اس کا حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک ناٹے قد اور درمیانی عمر کا تامل مسلمان ہے اس کا سر درمیان سے گنجا ہے وہ دھوتی کرتے میں ملبوس ہوگا اس کا رنگ کالا ہے ناک چپٹی ہے اور سامنے والا ایک دانت غائب ہے وہ تمہارے پاس آکر عقیدت سے تمہارے پاؤں چھوئے گا اور تمہیں ایک ناریل پیش کرے گا جو درمیان سے کٹا ہوا ہوگا تامل زبان میں تمہیں کہے گا مہاراج! لنکا میں آدم خور مچھلیاں نہیں ہوتی ہیں یہ اس کا کوڈ ورڈ ہوگا تم اس کے جواب میں کہو گے راون دہشت تھا' یہ تمہارا جوابی کوڈ ورڈ ہوگا اس کے بعد یہ آدمی تمہارا چیلا بن کر جافنا کے خاص جنگل تک تمہارے ساتھ سفر کرے گا اور تمہیں ایک اہم مقام پر پہنچانے کے بعد واپس آجائے گا آگے تمہیں سب کچھ خود ہی کرنا ہے تم اس کا اور اپنا پاس ورڈ اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو"

میں نے اسی وقت دونوں کوڈ جملوں کو اپنے ذہن میں کئی بار دہرا کر انہیں اچھی طرح سے یاد کر لیا ہم دونوں نے مل کر چاول کھائے کھانے کے بعد وہ کہنے لگا "تم ایک تجربے کار کمانڈو ہی نہیں بلکہ ایک سمجھ دار جاسوس بھی ہو تمہیں یہ بتانے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا کہ اگر تم پکڑے جاؤ تو کسی حالت میں بھی میرا ذکر نہیں کرنا اور نہ یہ بتانا کہ تم کس مشن پر وہاں آئے تھے"

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں فرائض اور قواعد کو بخوبی جانتا ہوں لیکن اب مجھے ایک آخری بات بتا دیجئے کہ مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کا حلیہ کیا ہے؟"

ایجنٹ نے قدرے چونک کر کہا "یہ تو میں بھول ہی گیا تھا اگرچہ وہاں اس نام کی ایک ہی لڑکی قید ہوگی پھر بھی میں تمہیں پوشالی کا حلیہ بتائے دیتا ہوں اس کے نقش سمرقندی لڑکیوں جیسے نہیں ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کا باپ کابل کا رہنے والا تھا پوشالی کا رنگ گورا ہے آنکھیں ضرور چھوٹی ہیں مگر ناک اوپر کو اٹھی ہوئی ہے بال سیاہ اور کٹے ہوئے ہیں ہم نے اس کا کوڈ نام زیر دون رکھا ہوا ہے

جب تم یہ ہندسہ اس کے سامنے دہراؤ گے تو وہ فوراً سمجھ جائے گی کہ تم اپنے آدمی ہو اگر تم پوشالی کو اپنے ساتھ وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں جاننا ہے یہاں تک اپنی ذمے داری پر سفر کرنا ہو گا تم اسے لے کر اسی کوارٹر میں آؤ گے اور مجھے شام کے وقت دکان پر گاہک کی حیثیت سے آکر اطلاع کرو گے تمہارے یہ کپڑے کوارٹر کے بوڑھے کے پاس محفوظ رہیں گے تم یہاں آکر اپنا لباس تبدیل کر سکو گے تمہاری رقم میرے پاس بطور امانت محفوظ رہے گی یہاں سادھو لوگ عام طور پر ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ٹکٹ نہیں خریدتے مگر تم ٹکٹ لے کر سفر کرو گے ہمارا آدمی جب تمہارے پاس آئے گا تو اس کے پاس کولمبو سے جافنا تک تھرڈ کلاس کے دو ٹکٹ موجود ہوں گے تمہارا تھرڈ کلاس میں سفر کرنا ہی مناسب رہے گا میں تمہارے لئے کچھ فالتو پیسے اپنے آدمی کو دوں گا وہ تم اپنے پاس محفوظ رکھنا ریوالور کی حفاظت کرنا اگر راستے میں کوئی نازک صورت حال پیدا ہو جائے تو ریوالور کو ضائع کر دینا تم آرام کرو اب تمہاری میری ملاقات اس وقت ہو گی جب تم پوشالی کو یہاں لا چکے ہو گے ایک بات کا دھیان رکھنا ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور اصل مشن تمہیں پوشالی کی بازیافت کے بعد شروع کرنا ہے"

ایجنٹ چلا گیا میں نے دل میں خدا سے دعا مانگی کہ اے میرے خدا مجھے صبح پانچ بجے جگا دینا اور سو گیا صبح منہ اندھیرے میری آنکھ کھل گئی میرے پاس کوئی گھڑی نہیں تھی میں انہی سادھوؤں والے کپڑوں میں سویا تھا جلدی سے غسل کیا ماتھے پر سیندور سے ایک بار پھر لکیریں ڈالیں اپنی تمام چیزوں کو چیک کیا تھیلا بغل میں ڈالا اور کوارٹر سے نکل کر بڑی سڑک کی طرف چل پڑا یہاں سے ایک مختصر راستہ آم کے جنگلی درختوں میں سے ہو کر سڑک پر جا نکلتا تھا اپنے ایجنٹ نے مجھے یہ راستہ اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا میں جنوبی ہند کے گنیش بھگت کے بھیس میں تھا اس بھیس میں مجھے چیلنج کرنا بہت مشکل تھا اس لئے کہ میں نہ صرف ہندو دیومالا اور ان کی دیوی دیوتاؤں کے احوال سے باخبر تھا بلکہ تامل، تیلگو اور ملیالم زبانیں بھی اچھی طرح سے بول اور سمجھ سکتا تھا مجھے ویدوں، اپنشدوں اور برہم سوتر میں سے سنسکرت کے کتنے ہی اشلوک یاد تھے اس بھیس میں کولمبو شہر کی سڑکوں پر میں بڑی آزادی سے چل رہا تھا معلوم نہیں آج کل کولمبو کا کیا حال ہے مگر جس زمانے کی میں بات کر رہا ہوں اس زمانے میں کولمبو میں ٹیکسیاں عام اور بڑی سستی ہوا کرتی تھیں۔

کولمبو کے فورٹ اسٹیشن پر پہنچا تو پو پھٹ چکی تھی مجھے معلوم تھا کہ ہمارا آدمی یعنی میرا ان دیکھا چیلا میرا ٹکٹ ساتھ لے کر آئے گا میں پلیٹ فارم پر آکر کونے والے آخری بینچ پر آکر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا مالا میں نے گلے میں سے اتار کر ہاتھ میں تھام لی تھی اور اسے آہستہ آہستہ پھیرنے لگا تھا مجھے چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی دن کی روشنی اسٹیشن میں پھیل رہی تھی اسٹال پر کچھ مسافر چائے پی رہے تھے میں بھی وہاں چلا گیا جاتے ہی مالا والا ہاتھ اوپر اٹھا کر "اوم تمشوا" کا نعرہ بلند کیا اور

چائے کے ساتھ کچھ کھانے کا آرڈر دیا یہ سارا علاقہ جس میں ہمارا بھارت بھی شامل ہے بے حد ضعیف الاعتقاد لوگوں کا علاقہ ہے سارے کے سارے وہم کے مارے ہوئے لوگ بستے ہیں جو چند ایک ترقی پسند لوگ ہیں ان پر بھی ہرے کرشنا ہرے راما کے نعرے کا اثر ہو جاتا ہے اور جھٹ بھیگی بلی بن جاتے ہیں اسٹال والے نے جلدی سے پیالہ صاف کر کے اس میں چائے ڈال کر پیسٹریوں اور کیک کے ساتھ مجھے پیش کی میں نے مزے سے چائے کے ساتھ کیک اڑایا پیسے دینے کے لئے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اسٹال والے سنہالی نے ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا " مہاراج میں یہ پاپ نہیں کر سکتا "

اس نے میرے اصرار کرنے پر بھی چائے اور کیک کے پیسے نہ لئے ایک بات شاید آپ بھی جانتے ہوں گے کہ اس زمانے میں اور آج کے زمانے میں بھی کولمبو کی کرنسی ہمارے ہاں کی طرح روپوں اور آنے پیسوں میں ہے میں واپس کونے والے بینچ پر آکر بیٹھ گیا میں نے مالا اپنے گلے میں پہن لی اور تھیلے میں سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور مزے سے کش لینے لگا دن کافی چڑھ آیا تھا میرے سامنے سے سنہالی ۔۔ عورتیں اور مرد اور بدھ بھکشو گزر رہے تھے بھکشو' سادھو اور رشی ہندوستان اور لنکا میں قدم قدم پر مل جاتے ہیں چنانچہ کسی نے میری طرف خصوصی توجہ نہیں دی تھی بس ایک نگاہ ڈالتے اور آگے چل دیتے سادھو اور سنیاسی لوگ تمباکو وغیرہ تو عام پیا کرتے تھے بلکہ یہ لوگ تو اب بھی گانجے وغیرہ کا نشہ کرتے ہیں قدیم زمانے کے سادھو اور بھگت تو مراقبے کو زیادہ پُر اثر بنانے کے لئے سوم رس یعنی شراب اور دوسری نشی جڑی بوٹیاں استعمال کیا کرتے تھے میرے آدمی کے آنے میں آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا تھا اس کا انکشاف پلیٹ فارم کی گھڑی نے کیا تھا گاڑی سات بجے چلتی تھی اور ایک گھنٹہ پہلے میرے آدمی کو یہاں آجانا چاہئے تھا۔

میری نگاہیں بار بار پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف جاتی تھیں ٹرین کا وقت چونکہ قریب آگیا تھا اس لئے اب مسافروں کی ریل پیل شروع ہو گئی تھی تقریباً سبھی لوگ گہری سانولی رنگت کے ناٹے اور دبلے پتلے تھے اس لئے میں اپنے آدمی کو خاص طور پر ان میں سے پہچان نہیں سکتا تھا یعنی مجھے شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ فلاں آدمی اپنا آدمی ہو سکتا ہے پھر ایسا ہوا کہ مسافروں کے ہجوم میں سے ایک دبلا پتلا ناٹے قد کا سیاہ فام آدمی میرے قریب آکر بیٹھ گیا میں نے دیکھا اس کا سر بیچ سے گنجا تھا میں سمجھ گیا کہ یہی میرا راہ نما اور گائیڈ ہے لیکن اس کی تصدیق بہت ضروری تھی اس کے ہاتھ میں ناریل تھا ناریل اس نے مجھے پیش کیا میں نے ناریل لے لیا ناریل بیچ میں سے کٹا ہوا تھا اس نے ہندی میں ہاتھ باندھ کر کہا" مہاراج! لنکا میں آدم خور مچھلیاں نہیں ہوتی ہیں "

یہ اس کا کوڈ ورڈ تھا اب مجھے اپنا کوڈ ورڈ اسے بتانا تھا میں نے ناریل بینچ پر ایک طرف رکھ دیا اور کہا " راون دہشت تھا "

میں نے اپنا کوڈ ورڈ بول دیا تھا اس آدمی کو یقین ہو گیا کہ میں ہی وہ آدمی ہوں جس کے ساتھ

اسے جافنا تک جانا ہے وہ فرش پر بیٹھا تھا میں بینچ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اس نے نیم آستین والے کرتے کی جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور دھیمے لہجے میں بولا " ٹکٹ میرے پاس موجود ہیں گاڑی اسی پلیٹ فارم پر سے چلے گی "

میں نے اپنے منڈے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا " ہمیں جگہ مل جانی چاہئے "

اس شخص میں ایک بات ' میں نے خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ اپنے طور پر کوئی بات نہ کرتا تھا میں کچھ کہتا تو اس کا جواب دیتا اور خاموشی سے ادھر ادھر تکنے لگتا تھا شاید اسے ایسی ہدایت دے کر بھیجا گیا تھا مجھے بھی اس سے زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت ۔۔۔ نہیں تھی ہو سکتا تھا کہ یہ مرحلہ اس وقت آئے جب وہ مجھ سے جافنا کے جنگلوں میں جدا ہونے لگے کیونکہ پھر مجھے علیحدگی پسند ہندو تامل لیڈر کی کیمین گاہ والے جنگل کی پوری تفصیل درکار ہو گی جافنا ایکسپریس پلیٹ فارم پر آکر لگ گئی رش بہت تھا ' مگر ہمیں بھی تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں جگہ مل گئی ایک سادھو سنیاسی کا ویسے بھی لوگ بہت لحاظ کرتے ۔۔ ہیں مجھے کھڑکی کے پاس کونے میں جگہ ملی میرا گائیڈ میرے چیلے کی حیثیت سے میرے پاس ہی بیٹھ گیا اور میرے پاؤں دابنے لگا یہ بڑا لمبا سفر تھا یعنی سری لنکا کے ایک سرے سے چل کر اس کے آخری شمالی سرے تک سفر کرنا تھا جافنا سری لنکا کے بالکل شمال میں تالی مینار سے بھی اوپر ہے یہاں چھوٹے چھوٹے بے شمار ٹاپو ہیں اور خاص جافنا شہر کے ارد گرد تو بڑے ہی گھنے جنگل ہیں ۔

ٹرین چل پڑی سارا دن اور اس سے اگلے روز بھی ٹرین کا سفر جاری رہا شام ہو چکی تھی کہ ہم تالی مینار کے قرب و جوار میں آگئے یہاں ایک پل پہاڑ سے کوئی پتھر گرنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اس کی مرمت ہو رہی تھی چنانچہ گاڑی یہاں ڈیڑھ گھنٹے تک کھڑی رہی اور وہیں ہمیں رات کے اندھیرے نے آلیا ۔ دوپہر کے بعد بادل چھٹ گئے تھے اور اب آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے جس وقت ٹرین جافنا پہنچی تو رات گہری ہو چکی تھی ۔

میرے گائیڈ نے کہا " گرو دیو ! اس وقت جنگل میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے رات ہمیں یہیں اسٹیشن پر ہی گزارنی ہو گی "

چنانچہ وہ رات ہم نے جافنا کے اسٹیشن پر ہی گزاری منہ اندھیرے ہی میرے گائیڈ نے مجھے اٹھا دیا اسٹیشن کے ویٹنگ روم والے غسل خانے میں ' میں نے غسل کیا ماتھے پر سندور لگایا کمر کے گرد جنیؤ لپیٹا ۔ چاقو اور ریوالور کو دھوتی کے اندر کمر کے ساتھ اڑس لیا گلے میں مالا ڈال ہاتھ میں بانس کی چھڑی تھامی اور پلیٹ فارم پر ناشتا کیا پھر اپنے گائیڈ کے ساتھ اسٹیشن سے نکل کر سائیکل رکشا پر بیٹھے ایک طرف چل پڑے اب میرا ساتھی مجھے گائیڈ کر رہا تھا جافنا شہر میں پہلی بار آیا تھا یہ ایک نیم پہاڑی شہر لگ رہا تھا جہاں گرمی کم تھی اور حبس بھی کولمبو جتنا نہیں تھا شاید یہ موسم کا اثر تھا سائیکل رکشا شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر آگیا جس کے دونوں جانب گھنے درخت تھے آگے چل کر ایک بہت بڑا

پارک تھا یہاں ایک قدرتی جھیل بھی نظر آئی جس کی سطح پر کنول کے سفید گلابی پھول کھلے ہوئے تھے یہاں سے تین میل آگے جا کر میرے گائیڈ نے رکشے والے کو واپس کر دیا اب ہم ایک جنگلی پگ ڈنڈی پر پیدل چلنے لگے۔

جنگل میں درخت اتنے گھنے تھے کہ درختوں کے نیچے دھوپ نہیں پہنچ رہی تھی کئی قسم کی خود رو جنگلی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں بعض درختوں سے سرسبز بیلیں اس طرح لپٹ گئی تھیں کہ درختوں کی شاخیں غائب ہو گئی تھیں میرا مسلمان تامل گائیڈ آگے آگے چل رہا تھا وہ بے حد چاق و چوبند ہو گیا تھا کچھ دور چلنے کے بعد وہ پیچھے گھوم کر میری طرف دیکھ لیتا تھا ایک جگہ وہ رک گیا اور کان لگا کر کسی خاص آواز کو سننے لگا' پھر میری طرف منہ کر کے بولا۔

"گرد یہ سانپ کی سیٹی کی آواز ہے یہاں سبز رنگ کا ایک زہریلا سانپ ہوتا ہے یہ اس کی سیٹی کی آواز ہے تم بھی غور سے سن لو"

اس قسم کے سانپوں کی سیٹیوں کی آوازیں میں نے بہت سن رکھی تھیں پھر بھی اس کا دل رکھنے کے لئے میں نے کان لگا کر باریک سی سیٹی کی آواز سنی اور آگے چل پڑے اب کہیں کہیں گھاٹیاں شروع ہو گئی تھیں یہ گھاٹیاں زیادہ گہری نہ تھیں ان کی تہ میں جنگلی جھاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں راستے میں ایک چھوٹی سی جھیل آگئی یہاں میرا گائیڈ ایک بار پھر رک گیا اس نے کچھ درختوں کو غور سے دیکھا اور جھیل کے شمال کی طرف چلنے لگا میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا یہاں درخت دور دور اُگے ہوئے تھے اور دھوپ چمک رہی تھیں اس دھوپ میں شدت تھی اور مجھے پسینہ آ رہا تھا ایک نشیبی میدان میں سے گزرنے کے بعد سامنے ایک اونچا ٹیلا دکھائی دیا جس کی ڈھلوان دیوار پر سرخ پتھروں کی سلیٹیں باہر کو ابھری ہوئی تھیں میرا گائیڈ یہاں سے بھی گزر گیا یہاں کوئی باقاعدہ پگ ڈنڈی نہیں تھی کیونکہ یہ جنگلی علاقہ تھا اور آبادی کا کوئی نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا کھیت اور آبادیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں ایک بار پھر گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا میں نے قریب سے دیکھا تو یہ بانس کے درختوں کا سلسلہ تھا بانس کا جنگل اس لئے زیادہ گھنا ہوتا ہے کہ بانس کے درخت چھوٹے بڑے کئی تنوں کی شکل میں اُگتے ہیں اور ایک ساتھ جھاڑ کی صورت میں اوپر جا کر چاروں طرف پھیل جاتے ہیں بانس کے جنگل میں تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ بائیں جانب کو ایک چھوٹا سا نالہ بہتا دکھائی دیا میرا گائیڈ یہاں آ کر رک گیا اس نے نالے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" یہ نالہ جنگل کے اندر دور تک چلا گیا ہے اسی نالے کے ساتھ ساتھ تم ایک میل تک چلو گے تو راون پلی کے پرانے مندر کا کھنڈر آجائے گا مجھے تمہیں یہاں تک پہنچانے کے لئے کہا گیا تھا اب میں جاتا ہوں"

یہ کہہ کر میرے جواب یا کسی سوال کا انتظار کیئے بغیر میرا گائیڈ واپس مڑا اور میرے دیکھتے دیکھتے جنگل کے درختوں میں غائب ہو گیا میں بانس کے اس سنسان جنگل میں اکیلا رہ گیا اب مجھے اپنے

منصوبے کو اکیلے ہی تکمیل تک پہنچانا تھا میں نے اپنی تمام قوتوں کو یکجا کیا اور خدا کا نام لے کر نالے کے ساتھ ساتھ چل پڑا نالہ چھوٹا سا تھا یہ کوئی جنگلی نالہ تھا اور کسی پہاڑی سے نکل کر بہہ رہا تھا میں ہر طرف نگاہ رکھے چلا جا رہا تھا درختوں پر کہیں کہیں کوئی پرندہ تھوڑی دیر بول کر چپ ہو جاتا تھا جوں جوں میری منزل قریب آ رہی تھیں میں زیادہ چوکس اور محتاط ہو رہا تھا کیونکہ مجھے راون پلی کے مندر کے قریب ہی اپنے ریوالور اور چاقو کو کسی محفوظ جگہ پر چھپا دینا تھا مجھے ٹھیک طور پر علم نہیں تھا کہ راون پلی کا مندر، جہاں میں جانا چاہتا تھا کتنی دور رہ گیا ہے اپنے خیال میں میں پونے ایک میل کا فاصلہ طے کر چکا تھا تھوڑی دور مزید چلا ہوں گا کہ ایسی زمین شروع ہو گئی جہاں زمین سے بڑے بڑے پتھر باہر نکلے ہوئے تھے نالہ بائیں جانب گھوم گیا تھا اسی موڑ پر پہنچتے ہی مجھے ایک جانب ساگوان ناریل اور بانس کے درختوں میں گھرا ہوا مندر کا کھنڈر نظر آیا یہ راون پلی کا پراچین مندر ہی ہو سکتا تھا۔

میں نالے کے موڑ پر ایک طرف کنارے بیٹھ گیا اور منہ ہاتھ دھونا شروع کر دیا میں نے اسی دوران میں ایک زمین سے ابھرتے ہوئے تکونے پتھر کو منتخب کر لیا تھا میں خاموشی سے چلتا اس تکونے پتھر کے پاس آ کر بیٹھ گیا میں آلتی پالتی مار کر سادھوؤں کی طرح بیٹھا تھا تاکہ اگر کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ میں سادھو ہوں اور گیان دھیان میں مشغول ہوں دو تین منٹ گزر گئے تو میں نے کرتے کے اندر سے کمانڈو چاقو نکال کر پتھر کے نیچے زمین کھودنی شروع کر دی پندرہ بیس سیکنڈ میں وہاں میں نے ایک فٹ گہرا گڑھا کھود لیا، پھر اپنا ریوالور اور چاقو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر پتے رکھے اور گڑھے کو مٹی سے بھر کر سطح ہموار کر کے گھاس پھوس بکھیر دیا اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں اٹھا ندی پر آ کر ہاتھ دھوئے، پانی کے دو گھونٹ پیئے اور مندر کے کھنڈر کی طرف چل پڑا۔

میں بڑی آزادی اور بے نیازی سے چل رہا تھا مالا میں نے گلے سے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی تھی اور ہولے ہولے شیو نام کا جاپ شروع کر دیا تھا مندر کا کھنڈر بے حد خستہ حالت میں تھا چبوترہ تقریباً گھاس میں چھپ گیا تھا میں اب یہ سمجھ کر چل رہا تھا کہ بہت ممکن ہے کسی درخت میں سے میری نگرانی ہو رہی ہو کیونکہ میں علیٰحدگی پسند ہندو تامل گروہ کے خاص علاقے میں چل رہا تھا اسی جگہ ہماری اطلاعات کے مطابق ان کی کمین گاہ تھی مندر کے چبوترے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے ہاتھ جوڑ کر مندر کو پرنام کیا، پھر ہلکی بلند آواز میں "اوم نمشوا، اوم نمشوا" کا جاپ کرتے ہوئے مندر کے کھنڈر کے چکر لگانے لگا تیسرے چکر پر کسی نے پیچھے سے میری گردن کے ساتھ بندوق کی نالی لگا دی میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا عقب سے کسی نے ہندی زبان میں ترش لہجے میں پوچھا کہ میں کون ہوں اور وہاں کیا کر رہا ہوں؟

میں نے پیچھے مڑ کر بالکل نہ دیکھا، مگر مندر کا طواف کرتے کرتے رک گیا میرے ہاتھ ایک عقیدت مند گیانی دھیانی سادھو کی طرح بندھے ہوئے تھے اور میں "اوم نمشوا" کا جاپ کر رہا تھا۔

پیچھے سے پھر وہی کرخت آواز آئی "یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

میں نے جان بوجھ کر تامل زبان میں جواب دیا شیو جی مہاراج کا بھگت ہوں راون پلی کے پراچین مندر کی یاترا کرنے آیا ہوں، مگر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

اس کے ساتھ ہی میں نے پلٹ کر دیکھا تو میرے پیچھے ایک سیاہ فام سرخ آنکھوں اور گھنگریالے بالوں والا آدمی کمر میں اسلحہ کی پیٹی لگائے ہاتھ میں اسٹین گن تھامے کھڑا مجھے گھور کر دیکھ رہا تھا اس کے پیچھے بھی تین اسی وضع قطع کے آدمی ہاتھوں میں اسٹین گنیں میری طرف تانے خاموش کھڑے مجھے گھور رہے تھے ظاہر ہے یہ علیحٰدگی پسند ہندو تاملوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے میں نے ان پر فوری اثر ڈالنے کے لئے مالا والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور اوپر تلے رامائن میں سے تامل کے چھ سات اشلوک یکے بعد دیگرے رکے بغیر پڑھ دیئے میرا اشلوک پڑھنے کا لہجہ پرانے پیشہ ور پجاریوں ایسا تھا ان اشلوکوں اور تامل زبان کا ان پر اثر ہو گیا ان کی اسٹین گنوں کی نالیوں کے رخ زمین کی طرف ہو گئے جو آدمی سب سے آگے تھا وہ میرے قریب آگیا کہنے لگا "گرو جی' آپ نے پراچین مندر کی یاترا کر لی ہے اب واپس چلے جائیں اسی میں آپ کی بھلائی ہے"

میں مسلمان تاجیک لڑکی کمانڈو پوشالی کو اپنے ساتھ لئے بغیر وہاں سے کیسے جا سکتا تھا میں نے ایک بار پھر فضا میں مالا والا ہاتھ بلند کر کے تامل زبان میں کہا" ہم شیو جی مہاراج کے بالک ہیں ہمیں پاربتی ماتا نے اس مندر میں گنیش مہاراج کا چلہ کاٹنے کے لئے بھیجا ہے کالی دیوی ہمارے ساتھ آئی ہے وہ دیکھیں میں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا" وہ دیکھو وہ ترشول تیر تلوار لئے آکاش سے دھرتی پر آرہی ہے ہمیں پاربتی ماتا کے چلہ کاٹنے سے کسی نے روکا تو کالی ماتا شیو جی کے نام پر ایک سیکنڈ میں اس کی گردن اتار کر جنگل میں پھینک دے گی"

میرے ان الفاظ کا ان ہندو تاملوں پر خاطر خواہ اثر ہوا ہندو خواہ ملحد ہو جائے مگر وہ ضعیف الاعتقاد ہی رہتا ہے ہندو ہی رہتا ہے اور ہندو لوگ خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کالی ماتا سے بہت ڈرتے ہیں میں نے کیمونسٹ اور ملحد ہندو نوجوانوں کو کالی ماتا کے نام سے خوف زدہ ہوتے دیکھا ہے کالی ماتا غیظ و غضب کی علامت ہے اور وہ اپنے دشمنوں کو اپنے زانوؤں پر لٹا کر ان کا پیٹ پھاڑ ڈالتی ہے اس کے کئی مجسموں کو مندروں میں اسی حالت میں نصب کیا گیا ہے چنانچہ میں نے جان بوجھ کر کالی ماتا کا نام لیا تھا اس کا بڑا صحیح رد عمل ہوا تامل ہندو چپ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

میں مندر کے چبوترے پر چڑھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور بلند آواز میں " جے کالی ماتا کی جے " کا نعرہ لگایا تامل ہندو وہاں سے جنگل کے اندر چلے گئے میں چبوترے پر بیٹھا اشلوک پڑھنے لگا کوئی دو تین منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی ہندو ایک بار پھر درختوں میں نمودار ہوئے میں نے دیکھا اس مرتبہ ان کے آگے آگے ایک نسبتاً اونچے قد کا گٹھے ہوئے سیاہ جسم والا نوجوان آدمی بھی تھا جس کے ہاتھ میں بھ

اسٹین گن نما گولیوں کی پیٹی کندھے سے لٹک رہی تھی ماتھے پر اس نے ایک رومال پٹی کی طرح باندھ رکھا تھا میں سمجھ گیا یہ ان علیحدگی پسند تخریب کار تامل ہندوؤں کا لیڈر ایلم ہی ہو سکتا تھا میں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور مسکرا کر تامل زبان میں کہا " تم وریر ہو تمہارے ماتھے پر میں کامیابیوں کی تحریر پڑھ رہا مگر ہم شیو جی مہاراج کے بھگت ہیں ہم بھارت کے پرانت تامل ناڈو سے یہاں راون پلی کے مندر میں تپسیا کرنے آئے ہیں ہمیں پاربتی جی نے اس کی آگیا دی ہے

ہندو تامل لیڈر ایلم نے اسٹین گن کی نالی نیچے کر رکھی تھی میں نے ایک سیکنڈ میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اس پر میری باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے اس نے جیکٹ کی جیب سے بجھا ہوا سگار نکال کر سلگایا اور دھواں چھوڑتے ہوئے بولا " لیکن مہاراج یہاں آپ کا بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے یہاں رات کو شیروں کا جوڑا آتا ہے آپ یہاں سے دور سامنے والے ٹیلے پر جا کر تپسیا کریں تو زیادہ بہتر ہو گا "

میں نے اپنے چہرے پر ایک روحانی قسم کی بے نیازانہ مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے تامل زبان میں گیتا کا ایک اشلوک پڑھا اور کہا " پاربتی دیوی نے ہمیں جس استھان پر تپسیا کرنے کو کہا ہے ہم اسی جگہ تپسیا کریں گے تم لوگوں نے ہم پر جبر کیا تو کالی ماتا تم سے انتقام لے گی ۔"

میں بڑی روانی سے تامل زبان بول رہا تھا جب ان کو میری تامل زبان میں روانی اور تامل کے اشلوکوں سے یقین ہو گیا کہ میں تامل ناڈو کا رہنے والا اور شیو جی کا بھگت ہوں تو ان کا لہجہ نرم ہو گیا کچھ کالی ماتا کے غضب سے ہی وہ ڈر گئے تھے ان کے لیڈر نے سگار کا کش لگا کر اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور تامل میں بولا " ٹھیک ہے بھگت جی تم اس جگہ پر بیٹھ کر تپسیا کرو لیکن رات کو شیروں کے جوڑے نے تمہیں کھا لیا تو کالی ماتا کو کہہ دینا کہ وہ ہمیں کچھ نہ کہے ہم نے تمہیں وارننگ دے دی تھی "

شیر کے جوڑے کا سن کر میں دل میں تھوڑا خوفزدہ ضرور ہوا تھا لیکن مجھے اس خیال نے کچھ مطمئن بھی کیا تھا کہ بہت ممکن ہے یہ لوگ مجھے وہاں سے بھگانے کے لئے شیروں کے جوڑے کا بہانہ بنا رہے ہوں میں نے کہا " اوم نمشوا جے کالی ماتا جے پاربتی ماتا باگھ ہمیں کچھ نہیں کہے گا تم جاؤ ہمیں گیان دھیان کرنے دو ہماری تپسیا بھنگ نہ کرو ۔"

میں نے ایک اور جے شیو پاربتی کا نعرہ بلند کیا اور آنکھیں بند کر لیں جیسے مراقبے میں چلا گیا ہوں لیکن میں بند پلکوں کی چلمن میں سے ان تاملوں کو برابر دیکھ رہا تھا ان کے لیڈر ایلم نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر دھیمی آواز میں کوئی بات کی اور پھر وہ جدھر سے آئے تھے ادھر کو چلے گئے میں ویسے ہی سادھی لگائے بیٹھا رہا گیان دھیان مجھے کیا کرنا تھا میں یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں واردات کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے مجھے پہلی کامیابی یہ ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو مجھ پر شک نہیں ہوا تھا کہ میں سنہالی حکومت کی سیکرٹ سروس کا کوئی آدمی ہوں کم از کم میں یہی سمجھتا تھا کیونکہ اگر انہیں شک پڑ جاتا تو وہ سب سے پہلے میرے کپڑے اتروا کر دیکھتے کہ کہیں میں مسلمان تامل تو نہیں ہوں یہ کام ان کے لئے بڑا آسان تھا

لیکن میرے اشلوکوں اور کالی ماتا کی دھمکیوں اور گھن گرج نے ان پر فوری طور پر اثر ڈال دیا تھا اب مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ ان تخریب کار ہندو تالوں کی نفری کتنی ہے اور مسلمان تاجیک لڑکی پوشالی کو انہوں نے کہاں چھپا رکھا ہے یہ حقیقت بھی میرے پیش نظر تھی کہ انہیں کسی وقت بھی مجھ پر سیکرٹ سروس کے آدمی ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور وہ میرا معائنہ کر سکتے ہیں اس لئے مجھے ایک تو اپنے مشن کو تیزی سے آگے بڑھانا تھا دوسرے بے حد چوکس رہنا تھا۔

مجھے یہ بھی یقین تھا کہ کسی نہ کسی درخت پر سے میری نگرانی ہو رہی ہے چنانچہ میں ایک سچے شیو بھگت کی اداکاری کر رہا تھا میں بار بار دونوں ہاتھ جوڑ کر بازو آسمان کی طرف اٹھاتا "اوم نمشوا" کا نعرہ بلند کرتا جب اس گردان سے تھک گیا تو اٹھ کر ندی کے کنارے گیا وہاں سے کچھ جنگلی پھول اور گھاس کے خوشے توڑ کر ان کا ایک گلدستہ بنا کر لایا اور مندر کے کھنڈر کی بوسیدہ ڈیوڑھی کی دہلیز پر جھک کر گلدستہ رکھ دیا ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا اور اشلوک پڑھنے لگا میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیوڑھی کے اندر زمین کے اندر سے باہر کو ابھرا ہوا ایک شکستہ پتھر کا شیولنگ موجود تھا جس کے آس پاس روڑے اور کنکر بکھرے ہوئے تھے صاف لگ رہا تھا یہاں عرصے سے کبھی کسی نے پوجا پاٹھ نہیں کی تھی تھوڑی دیر تک اشلوک پڑھتے رہنے کے بعد میں واپس چبوترے پر آکر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

میرا چہرہ جنگل کے اس حصے کی طرف تھا جدھر وہ لوگ گئے تھے مجھے کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کی ضرورت تھی میں آدھے گھنٹے تک ایک ہی پوز میں ساکت و جامد بیٹھا رہا دن گزرتا چلا جا رہا تھا تھوڑی دیر بعد درختوں میں سے مجھے ایک تال آتا نظر آیا اس کے ہاتھ میں ایک ناریل اور کیلے کا ایک گچھا تھا اسٹین گن اس کے کاندھے سے لٹک رہی تھی۔ چبوترے سے کچھ دور اس نے رک کر پیچھے دیکھا میں بھی اسے نیم وا آنکھوں سے برابر تک رہا تھا وہ چبوترے پر میرے پاس آگیا اس نے ناریل اور زرد کیلوں کا گچھا میرے سامنے رکھ دیا اور ادب سے ہاتھ جوڑ کر ایک طرف بیٹھ گیا میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ایک منٹ کے لئے میں نے آنکھیں بند کیئے رکھیں، پھر آنکھیں کھول کر اس تال تخریب کار کو دیکھا اور ہاتھ اوپر اٹھا کر تامل زبان میں کہا "شیوجی مہاراج نے تیری بھینٹ سویکار کر لی ہے"

اس تامل تخریب کار کی عمر بیس بائیس برس کی ہو گی اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے میں نے اسے شبیے اور قیاس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر تامل میں کہا "میرے بچے! تیرے من کی دبدھا پاربتی دیوی کو معلوم ہے بھگوان شیوجی کی اچھا سے تیرے من کی پریشانی دور ہو جائے گی جو عورت تیرے گھر میں تیری راہ دیکھ رہی ہے اس کے من کو بھی جلد سکھ مل جائے گا"

یہ میں نے اندھیرے میں ایک تیر چلا دیا تھا ظاہر تھا کہ ایک بیس بائیس برس کا جوان لڑکا شہر چھوڑ کر اس جنگل میں آگیا تھا تو اس کے گھر میں اس کی ماں، بہن کوئی عورت ضرور ہو گی جو اس کے

لئے پریشان ہو گی ماں یا بہن کا نام میں نے اس لئے نہیں لیا تھا کہ کیا معلوم اس کی ماں زندہ نہ ہو اور اگر ماں زندہ ہو تو بہن نہ ہو اس وجہ سے میں نے عورت کا لفظ استعمال کیا تھا میرا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تامل نوجوان نے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے تامل زبان میں کہا "مہاراج! میری ماں کی حالت میرے بغیر بہت خراب ہو گی وہ میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی مہاراج"

اب میں نے اسے کریدنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تو بچہ تم اپنی ماتا کے پاس چلے کیوں نہیں جاتے؟ کیونکہ مجھے ابھی ابھی کالی ماتا نے بتایا ہے کہ تمہاری ماں بہت بیمار ہے"

تامل نوجوان بے چین ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے پاؤں پر سر رکھ دیا اور روتے ہوئے بولا "مہاراج! میری ماتا کو بچالیں کالی ماتا سے کہیں کہ وہ میری ماتا کو مرنے نہ دیں"

یہ تامل نوجوان میرے کام آسکتا تھا مگر اس کے لئے بے حد احتیاط کی ضرورت تھی پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ تامل نوجوان جاسوس بھی ہو سکتا تھا جسے ان کے لیڈر ایلم نے میری جاسوسی کے لئے بھیجا ہو میں نے تامل نوجوان کو سختی سے پیچھے دھکیل دیا اور غصیلی آواز میں کہا "جاؤ خود جا کر کالی ماتا سے ارداس کرو میں کون ہوں تمہاری سفارش کرنے والا"

تامل نوجوان سہم کر رہ گیا میں نے گرج کر کہا "یہ ناریل اور کیلے اٹھا کر لے جاؤ میں کسی کے لئے شیو جی بھگوان کے پراتھنا نہیں کر سکتا میں سادھو سنیاسی ہوں تم تو توپیں بندوقیں چلاتے ہو جانوروں کو مارتے ہو میں تمہارے لئے پراتھنا نہیں کر سکتا"

تامل نوجوان نے ہاتھ باندھ کر کہا "مہاراج! میں نے آج تک کسی جانور تک کو نہیں مارا' وہ تو یہ لوگ دشمنوں کو مارتے ہیں۔ یہ سنہالی تامل ہیں میں بھارتی تامل ہوں ہم یہاں اپنے ہندو تامل بھائیوں کے لئے لڑ رہے ہیں مہاراج۔ پرنتو میری ماتا ضرور بیمار ہو گی یہ مجھے واپس بھارت نہیں جانے دیتے میں اپنی ماتا کے درشن کرنے جانا چاہتا ہوں"

اس نے چند جملوں میں مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا اگر واقعی اس نوجوان کو بھارت کے تامل ناڈو سے لایا گیا ہے تو یہ میرے لئے بے حد مفید ثابت ہو سکتا تھا' مگر ابھی مجھے اس کی مکمل اسکریننگ کی ضرورت تھی میں اتنی جلدی اس کے بیان پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا میں نے آنکھیں نکال کر کہا "دفع ہو جاؤ یہاں سے نہیں تو بھسم کر دوں گا۔"

وہ ڈر گیا جلدی سے اٹھ کر چبوترے سے اتر گیا دور کھڑے کھڑے اس نے ہاتھ باندھ کر مجھے نمسکار کیا اور واپس جنگل میں چلا گیا دوپہر ہو گئی تھیں مجھے بھوک لگنے لگی تھی اس خیال سے کیلوں کو ہاتھ نہیں لگا رہا تھا کہ ممکن ہے درخت پر کوئی تامل تخریب کار بیٹھا میری نگرانی کر رہا ہو۔ پھر خیال آیا کہ اگر کوئی تامل تخریب کار میری نگرانی کر رہا ہوتا تو یہ تامل نوجوان میرے پاس کبھی نہ آتا اس کی باتوں سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے چھپ کر میرے پاس آیا ہے وہ اسی تخریب کار بندد

تاملوں کے گروہ کا آدمی تھا اگر ان کے لیڈر نے کسی کو میری نگرانی پر مامور کر رکھا ہوتا تو اس تامل نوجوان کو ضرور خبر ہوتی اور پھر یہ کبھی میرے پاس نہ آتا۔

بہر حال میں وقت کا انتظار کر رہا تھا یہ تامل نوجوان میرا ٹارگٹ ضرور تھا اور اس کی ایک کمزوری یعنی اس کی بیمار ماتا اور اس کی بھارت میں اپنی ماتا کے پاس جانے کی خواہش میرے ہاتھ ضرور آگئی تھی لیکن اس کے باوجود مجھے اس کے دل کو مزید کریدنا تھا مزید اس کی اسکریننگ کرنی تھی۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہو جاتا کہ یہ تامل نوجوان حقیقتاً یہاں سے بھاگ کر مغربی بھارت میں اپنی ماتا سے ملنے جانا چاہتا ہے' میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا تامل علیحدگی پسندوں کی تحریک اس وقت اپنے ابتدائی دور میں تھی اور ہمیں اس قسم کی خبریں بھی ملی تھیں کہ بھارت کے تامل ناڈو سے بھی بعض ہندو تامل نوجوان رضاکارانا طور پر اسمگل ہو کر سری لنکا میں وہاں کے سنہالی تامل ہندوؤں سے جا کر مل گئے ہیں اور لنکا کے سنہالی مسلمانوں کے خلاف تشدد آمیز کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ ابھی اس ایلم گروہ کی سرگرمیاں مسلمانوں کے خلاف کاروائیوں تک محدود تھیں لیکن ان کے عزائم بہت جلد لنکا میں ہندو تاملوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی مانگ کرنے والے تھے۔ لنکا کے بعض سنہالی اخباروں میں اس قسم کے خدشات کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ یہ علیحدگی کی تحریک اندر ہی اندر کھول رہی تھی کبھی کبھی کہیں سے لاوا پھوٹ کر باہر نکل آتا تھا اور ہندو تامل سنہالی تامل مسلمانوں کے علاوہ سنہالی ہندو لوگوں کا بھی خون کو ڈالتے تھے میں اس تحریک کے سارے پس منظر سے اچھی طرح واقف تھا بھارتی حکومت در پردہ ان علیحدگی پسند تامل ہندوؤں کی حمایت کر رہی تھی اور ان کو اسلحہ وغیرہ بھی پہنچا رہی تھی۔ اس سے بھارتی حکومت کا مقصد سری لنکا میں افراتفری پھیلانا اور غیر یقینی حالات پیدا کرنا تھا۔

جب سورج بانس کے گنجان درختوں کے پیچھے غروب ہونے لگا تو بھوک میری برداشت سے باہر ہو گئی کیلے کا گچھا میرے سامنے پڑا تھا مگر میں اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہتا تھا میں اٹھ کر چبوترے سے نیچے اتر آیا اور ندی کے کنارے پچھم کی طرف چلنے لگا ایک جگہ جنگلی کیلوں کے درختوں کا جھنڈ ملا میں نے ان درختوں پر سے کچھ کیلے توڑے اور ندی کے کنارے بیٹھ کر پیٹ بھر کر کھائے' پھر ندی کا پانی پیا اور واپس اپنے چبوترے پر آکر بیٹھ گیا میرے پاس کوئی موم بتی وغیرہ بھی نہیں تھی کہ جسے جلا کر میں رات کو روشنی کر لیتا صرف ایک ماچس جھولے میں موجود تھی شام ہوئی تو مجھے بے اختیار شیروں کا

خیال آگیا اگر وہ سچ مچ رات کو ادھر نکل آئے تو میں ان سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا اس کا ایک ہی طریقہ تھا جو جنگل میں سادھو لوگ عام طور پر استعمال کیا کرتے ہیں۔

میں نے ادھر ادھر سے لکڑیاں، درختوں کی شاخیں۔ اور پتے وغیرہ اکٹھے کیئے اور چبوترے پر ہی ان کی دھونی رمائی آگ کے شعلے فضا میں بلند ہوئے اور میں سمادھی لگا کر بیٹھ گیا آہستہ آہستہ شام کا جھٹپٹا رات کے اندھیرے میں جذب ہوتا چلا گیا پھر جنگل میں چاروں طرف ہُو کا عالم طاری ہو گیا شام کے وقت درختوں پر جو پرندے بول رہے تھے انہوں نے بھی چپ سادھ لی تھی الاؤ کی آگ بھی مدھم ہو گئی تھی میں اس آگ کو مدھم نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا کیونکہ یہ آگ ہی شیروں کو اگر وہ اس جنگل میں تھے تو مجھ سے دور رکھ سکتی تھی میں اٹھ کر درختوں کے نیچے گیا وہاں مجھے ایک درخت کا سوکھا ہوا تنا مل گیا جو ایک طرف پڑا تھا میں اسے اٹھا کر چبوترے پر لے آیا اور الاؤ میں ڈال دیا تنا کھوکھلا اور سوکھا تھا بہت جلد اس نے آگ پکڑ لی میرے ارد گرد کی فضا اس آگ سے روشن ہو گئی اس روشنی میں مجھے وہی تامل نوجوان درختوں میں سے نکل کر اپنی طرف آتا دکھائی دیا اس کے ایک ہاتھ میں پیتل کی گڑوی اور دوسری ہاتھ میں کوئی لپٹی ہوئی شے تھی۔

چبوترے کے قریب آکر وہ رکا اور ادب سے بولا "مہاراج! ہمارے نیتا نے آپ کے لئے بھوجن بھیجا ہے" یہ بھوجن اس گروہ کے لیڈر ایلم نے میرے لئے بھیجا تھا اس خیال سے کہ سادھو سنیاسی ہے اسے بھوجن بھیج دینا چاہئے مجھے اس وقت بھوجن کی ضرورت بھی تھی پہلے تو میں نے اسے ڈانٹ کر کہا" لے جاؤ اس بھوجن کو اپنے نیتا کے پاس سادھو سنت بھوجن سے دور رہتے ہیں ہم جنگلی پھل کھا کر گزارا کر لیتے ہیں ہمیں سنسار کے بھوجن سے کیا؟"

تامل نوجوان نے پوٹلی اور پیتل کی گڑوی جس میں شاید پانی تھا نیچے زمین پر رکھ دی اور ہاتھ باندھ کر بولا مہاراج آپ نے بھوجن سویکار نہ کیا تو کالی ماتا ہمارا ناش کر دے گی میں نے بظاہر بے تعلقی سے کہا" اسے یہاں لا کر رکھ دو"

وہ بڑا خوش ہو گیا بڑے شوق سے پوٹلی اور پیتل کی گڑوی اٹھائی اور میرے قریب رکھ کر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا رہا اسٹین گن اب بھی اس کے کاندھے سے لٹک رہی تھی میں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور سخت لہجے میں کہا" یہاں سے واپس چلا جا تو ہماری تپسیا بھنگ کر رہا ہے مورکھ۔ وہ سر جھکا کر نمسکار کہہ کر وہاں سے واپس چلا گیا الاؤ میں آگ اسی طرح جل رہی تھی اس کی تپش مجھے پریشان کرنے لگی تو میں پیچھے ہو کر بیٹھ گیا آہستہ آہستہ رات گزرنے لگی۔ الاؤ کی آگ کے شعلے دھیمے پڑ گئے مگر درخت کا تنا ابھی تک دھواں دے رہا تھا اور جلی ہوئی لکڑی کے کوئلے دہک رہے تھے میں نے پوٹلی کو کھولا اس میں کیلے کے پتوں میں ابلے ہوئے چاول اور بھاجی تھی میں نے اسے کھا کر دل میں خدا کا شکر ادا کیا گڑوی سے پانی پیا اور دوبارہ سمادھی لگالی میں ساری رات اسی طرح سمادھی لگا کر

نہیں بیٹھ سکتا تھا اس لئے کہ میں اصلی سادھو نہیں تھا بہت جلد مجھے نیند آنا شروع ہو گئی ۔ فضا میں خنکی آگئی تھی چاروں طرف جنگل میں گہری تاریکی اور خاموشی چھائی تھی ۔ میں نے ایک ہلکی سی جمائی لی ۔ ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھ کر کسی ان دیکھی طاقت کو پرنام کیا اور وہیں چبوترے کی گھاس پر لیٹ گیا۔

الاؤ کی وجہ سے دہاں مچھر غائب ہو گئے تھے مجھے ابھی تک درندوں یعنی شیر کا دھڑکا لگا تھا۔ میرے پاس کوئی ایسا ہتھیار نہیں تھا کہ جس سے میں کسی درندے کا مقابلہ کر سکتا الاؤ میں سے پہلے لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی اب یہ آواز بھی غائب ہو گئی تھی میں زمین پر لیٹا تھا سر کے نیچے بازو دے رکھا تھا رات کی اس موت ایسی خاموشی میں مجھے کچھ آدمیوں کے باتیں کرنے کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں میرے کان کھڑے ہوئے گئے میں ہمہ تن گوش ہو گیا یہ آوازیں دائیں جانب مندر کے کھنڈر کے عقب سے آرہی تھیں ۔

پہلے تو میں یہ سمجھا کہ کوئی اندھیرے میں میری طرف بڑھ رہا ہے لیکن یہ آوازیں ایک جگہ رکی ہوئی تھیں سمجھ میں کوئی لفظ نہیں آرہا تھا میں نے بہت کوشش کی مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آسکا آوازیں مزید مدھم ہو گئیں میرے کان اسی طرف لگے تھے پھر معاً ایک نسوانی آواز ابھری اور اس طرح ایک دم سے بند ہو گئی جیسے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبا دیا ہو صاف لگ رہا تھا کہ کوئی کسی عورت کو کھینچے لئے جا رہا ہے میں نے اٹھ کر جدھر سے آوازیں آرہی تھیں ادھر دیکھا جنگل میں اس طرف عمیق تاریکی چھا رہی تھی روشنی کی کوئی ایک لکیر تک نظر نہ آتی تھی ۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ ایلم کے حکم سے میرے وہاں آجانے کے بعد مسلمان تاجیک لڑکی کمانڈو پوشالی کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا اس وقت میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ اصل قصہ کیا ہے تھوڑی دیر بعد آوازیں جیسے کہیں روپوش ہو گئیں اور جنگل میں پھر وہی المناک خاموشی چھا گئی ۔ اس کے بعد مجھے کوئی آواز نہیں آئی خدا جانے رات کتنی گزر چکی تھی الاؤ کی آگ بہت دھیمی ہو گئی تھی اور اس میں سے اب صرف دھواں ہی اٹھ رہا تھا۔

تب مجھے شیروں کے خوف نے گھیر لیا ۔ دل میں خیال آیا تکونے پتھر کے نیچے چھپایا ہوا اپنا ریوالور نکال لاؤں پھر یہ سوچ کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا کہ اگر میں نے فائر کر دیا تو شیر تو شاید نہیں مرے گا لیکن میرا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور انتہائی اہم مشن دھرے کا دھرا رہ جائے گا ستارے آسمان پر چمک رہے تھے مشرق کی طرف صبح کاذب کی نیلی جھلکیوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ ابھی پوری رات پڑی تھی میں لیٹ گیا یہ سوچ کر کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا مجھ پہ نیند کا شدید غلبہ طاری ہونے لگا اور پھر میں خواب خرگوش میں ڈوب گیا۔

آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کی تیز دھوپ میرے اردگرد پھیلی ہوئی تھیں میں جلدی

سے اٹھ کر بیٹھ گیا اس خیال سے کہ کوئی نہ کوئی تامل تخریب کار میری نگرانی کر رہا ہو گا میں نے ہندو سادھوؤں کے انداز میں ہاتھ جوڑ کر سورج کو پرنام کیا دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ رات شیروں کے جوڑے نے سوتے میں مجھے چیر پھاڑ کر نہیں رکھ دیا ندی کی طرف جا کر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر درختوں پر سے کچھ کیلے توڑ کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ جھولے میں سے سیندور کی ڈبی نکال کر ماتھے پر تین متوازی لکیریں کھینچیں اور چبوترے پر آ کر آلتی پالتی مار کر جیسے سادھی لگا کر بیٹھ گیا میرا خیال تھا کہ وہی تامل نوجوان میرے لئے کچھ نہ کچھ کھانے کو لے کر ضرور آئے گا اسے مجھ سے غرض بھی تھی۔ وہ ماتا جی کے لئے مجھ سے پراتھنا کروانا چاہتا تھا کافی دن چڑھ آیا تھا مگر وہ تامل نوجوان نہ آیا تھا درختوں پر پرندے بھی کچھ دیر چہچہانے کے بعد اڑ گئے تھے میں نے محسوس کیا کہ جنگل میں کچھ زیادہ ہی سکوت طاری ہو گیا ہے میں چبوترے پر بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا تو اٹھ کر مندر کے آگے ٹہلنے لگا پیتل کی گڑوی جو مجھے تامل نوجوان دے گیا تھا اس میں پانی ڈال کر میں نے چبوترے پر رکھ لی تھی۔ میں جنگل کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا یوں خواہ مخواہ مجھ پر جاسوس ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا کچھ دیر مندر کے سامنے ٹہلنے کے بعد' میں چبوترے پر آ کر دوبارہ سادھی لگا کر بیٹھ گیا اسی طرح دوپہر ہو گئی مجھے پھر بھوک لگنے لگی کوئی بھی میرے لئے بھوجن لے کر نہیں آیا تھا دل میں ایک الجھن سی ہونے لگی تھی کہ کہیں تامل نوجوان ان کا جاسوس تو نہیں تھا۔

بھوک سے تنگ آ کر ایک بار پھر چبوترے سے اٹھ کر کیلے کے درختوں کی طرف نکل گیا۔ صبح سے کیلے کھا کھا کر تنگ آ گیا تھا ذرا آگے گیا تو شریفے اور جنگلی پپیتے کے کچھ درخت نظر آئے ان پر ترو تازہ پکا ہوا پھل لگا تھا ایک پپیتا اور کچھ شریفے توڑ کر کھائے کچھ پھل ساتھ رکھ لئے اور چبوترے پر آ گیا دن گزر گیا اور شام آ گئی۔ میں نے الاؤ روشن کر لیا تامل تخریب کاروں کے لیڈر ایلم کو تو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس تامل نوجوان کو کیا ہو گیا تھا؟ اسے تو میرے پاس آنا چاہئے تھا میرے مشن کا عمل ایک جگہ رک گیا تھا جس طرح چلتے چلتے گھڑی کی سوئیاں ایک جگہ اچانک رک جائیں۔

رات' میں نے کسی نہ کسی طرح کاٹی۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو میں ایک ہوشیار شکاری کی طرح جنگل میں چاروں طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کسی جگہ اپنے شکار کی موجودگی کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں آخر میں اٹھ کر مندر کے عقب میں اس طرف چلنے لگا' جدھر سے ایک رات پہلے مجھے دبی دبی انسانی آوازیں آئی تھیں ان میں مجھے ایسا لگا تھا کہ کسی عورت کی آواز بھی تھی عورت کی اس آواز کو جیسے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبا دیا تھا اور جسے میں تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کی آواز سمجھا تھا۔

مندر کے عقب میں بھی بانس کے جھاڑ اگے ہوئے تھے ان کے بیچ میں سے چھوٹا سا راستہ

آگے ایک قد آدم گھاس کے قطعے کی طرف نکل جاتا تھا میں دبے پاؤں گھاس میں سے گزر تا گیا گھاس کا یہ قطعہ ختم ہوا تو سامنے بانس کے گھنے درختوں کے درمیان جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے مچان سے بنے ہوئے دیکھے یہ بانس کے مچان تھے جو درختوں کے درمیان زمین سے چار پانچ فٹ کی بلندی پر بنائے گئے تھے پہلے تو میں جلدی سے ایک طرف ہٹ کر چھپ گیا اور کان لگا دیئے کہ کہیں سے کسی کی آواز تو نہیں آرہی ؟ مگر ہر طرف موت ایسی خاموشی تھی کسی جانور کی ادھر ادھر دوڑنے کی آواز بھی نہیں آرہی تھی مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میں دبے پاؤں چل کر ان مچانوں کے درمیان آگیا۔

یہ کل سات مچانیں تھیں ان کے اوپر گھاس پھوس بچھا ہوا تھا ایک دو مٹی کے برتن ادھر ادھر اوندھے پڑے تھے میں نے زمین پر جھک کر دیکھا مجھے گھاس میں اشٹین گن کی گولیوں کے پیتل کے خالی خول بکھرے ہوئے ملے اب سارا معاملہ میری سمجھ میں آگیا تھا ہندو تامل تخریب کاروں کا گروہ وہاں سے نقل مکانی کر گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اپنے ساتھ مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کو بھی لیتا گیا تھا تامل لیڈر ایلم مجھے وہاں سے نہیں اٹھوا سکا تھا لیکن اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں میرا تعلق لنکا کی سیکرٹ پولیس سے نہ ہو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خود ہی وہاں سے کسی دوسرے جنگل میں چلا گیا تھا میں واپس مندر کے چبوترے پر آکر بیٹھ گیا میرے ذہن نے تیزی سے سوچنا شروع کر دیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے میرا اب وہاں بیٹھے رہنا بیکار تھا مجھے ان لوگوں کے تعاقب میں جانا چاہئے تھا' لیکن اب اگر میں ان کے درمیان جاتا ہوں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ مجھے لنکا سیکرٹ پولیس کا ایجنٹ نہ سمجھیں اور حملہ کر کے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں۔ میں کوئی دوسرا بھیس بدلنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

میں بے چینی کے عالم میں مندر کے چبوترے پر ٹہل رہا تھا کہ مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جھاڑیوں میں چلا آرہا ہو میں جلدی سے بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی مالا چلانی شروع کر دی میری آنکھیں جنگل سے مندر کی طرف آنے والے راستے پر لگی ہوئی تھیں پھر مجھے وہاں اسی تامل نوجوان کی شکل نظر آئی۔ اشٹین گن اب بھی اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی ہاتھوں میں بانس کی چھوٹی ٹوکری تھی اس نوجوان کو دیکھ کر میری بجھی ہوئی امید کی شمع پھر سے روشن ہو گئی تامل نوجوان نے قریب آکر جھک کر مجھے نمسکار کیا اور چبوترے پر آکر ٹوکری میرے آگے رکھ دی اور ہاتھ باندھ کر ادب سے بیٹھ گیا میں نے چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مصنوعی ترش روئی سے کہا " تم پھر آگئے ہو؟ میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع نہیں کیا تھا؟

وہ ہاتھ باندھے عاجزانہ لہجے میں بولا " مہاراج! میری ماتاجی کے لئے پراتھنا کر دیں میں اس کے پاس جاؤں تو وہ زندہ ہو میں نے سنا تھا کہ وہ سخت بیمار ہیں اگر مر گئیں تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا مہاراج پراتھنا کیجئے اور مجھے آگیا دیجئے کہ میں اپنی ماتاجی کے درشن کو جاؤں "

پہلی بات تو یہ کہ یہ تامل نوجوان پوری طرح میرے قابو میں تھا دوسری یہ کہ مجھے ننانوے فی صد یقین ہو گیا تھا کہ یہ تامل لیڈر ایلم کا بھیجا ہوا آدمی نہیں ہے بلکہ اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہے اور تامل تخریب کاروں کے گروہ سے بھاگ کر بھارت میں اپنی ماتا کے پاس جانا چاہتا ہے میں نے ایک فیصد شک جو باقی رہ گیا تھا اسے دور کرنے کے لئے اس سے کہا" بالک! مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو فرار ہو کر جائے گا اور تیرے ساتھی تجھے پکڑلیں گے اور تو مارا جائے گا"

تامل نوجوان کا چہرا اتر گیا اسے مجھ سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ میری بات کو پتھر کی لکیر جانتا تھا وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور بولا" مہاراج کوئی اپائے کیجئے۔ میں اپنی ماتا جی کے درشن کو ضرور... جانا چاہتا ہوں یہ لوگ میرے دشمن ہیں یہ لوگ میرے دشمن ہیں"

اب میں نے اسے کریدا" مجھے تو تیرا کوئی دشمن یہاں نظر نہیں آتا پھر تو ان سے کس لئے ڈرتا ہے؟"

وہ بولا" مہاراج، وہ لوگ آپ کی وجہ سے راتوں رات یہاں سے چلے گئے اور یہاں سے تھوڑی دور ایک دوسرے جنگل میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہے صبح وہ مجھے پہرے پر چھوڑ کر ایک گاؤں کو آگ لگانے گئے تو میں آپ کی طرف بھاگ آیا ہوں مہاراج کوئی ایسا منتر پھونکئے کہ میں یہاں سے بھاگوں تو ان کو نظر نہ آؤں جافنا پہنچ کر میں اسٹیمر میں کسی نہ کسی طرح سوار ہو جاؤں گا"

میں نے اب تاجیک لڑکی پوشالی کا کھوج لگانے کی خاطر اسے کہا" لا اپنا ہاتھ دکھا۔ تو نے میری اتنی سیوا کی ہے کہ تیری مدد کرنے کو جی چاہتا ہے تیری بات کو ٹال نہیں سکتا"

تامل نوجوان بے حد خوش ہوا اپنے ہاتھ کو قمیص سے صاف کرنے کے بعد اس نے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی اسٹین گن کو دیکھا۔ فرنچ اسٹین گن تھی جس کے اوپر ٹیلی لینز بھی لگا ہوا تھا میں نے تامل نوجوان کے ہاتھ کی لکیروں پر نظریں جما کر کہا" تیرا نام کیا ہے؟" "کرشنن مہاراج۔ مدھو کرشنن"

میں نے اپنے چہرے پر فکر و تردد کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا" کرشنن! مجھے جس بات کا ڈر تھا وہی میں تیرے ہاتھ کی لکیروں میں بھی دیکھ رہا ہوں"

تامل نوجوان کرشنن نے پریشان ہو کر پوچھا" مہاراج! کیا بات دیکھ رہے ہیں آپ؟"

میں نے کہا" وہی بات جو میں نے ابھی ابھی تجھے کہی تھی تو جب بھی یہاں سے بھاگے گا تو یہ لوگ تیرے پیچھے پیچھے جائیں گے اور تجھے سمندر تک پہنچتے پہنچتے ہلاک کر کے تیری لاش سمندر میں پھینک دیں گے"

کرشنن کا ہاتھ ٹھنڈا ہو گیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے روتے ہوئے کہا" مہاراج! تو کیا میں کبھی اپنی ماتا جی کے درشن نہ کر سکوں گا؟ مہاراج! بھگوان کے لئے کوئی اپائے کیجئے

مجھے ان راکھششوں سے مکت کر دیجئے۔ انہوں نے بہت سے خون کیئے ہیں یہ میرا بھی خون کر دیں گے"

میں نے جھک کر یونہی اس کی ہتھیلی کی ایک لکیر کو غور سے دیکھا اور پھر سر اٹھا کر تامل نوجوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا "کرشنن! تیرے ہاتھ کی ایک ریکھا بتا رہی ہے کہ جس جنگل میں تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رہتا ہے وہاں ایک مسلمان لڑکی بھی ہے"

اس پر وہ چونک پڑا اسے میرے سادھو سنت اور غیب دان ہونے کا اب پکا یقین ہو گیا تھا اس نے اپنا سر میرے پاؤں پر رکھ دیا اور گڑگڑا کر بولا "آپ انتریامی ہیں مہاراج! آپ تو انتریامی ہیں پرنتو میں نے اس مسلمان لڑکی کو اغوا نہیں کیا یہ سارا کام ہمارے لیڈر ایلم کا ہے مہاراج! وہی اس پر ظلم کرتا ہے اسی نے اس لڑکی کو رسیوں سے باندھ کر سرنگ میں پھینک رکھا ہے"

تاجیک لڑکی پوشالی کے بارے میں، میں جو معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اس کا نصف سے زیادہ مجھے معلوم ہو گیا تھا میں نے کرشنن کا سر اوپر اٹھایا اور اس کے کاندھے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا "کرشنن! بے شک تیرا کوئی قصور نہیں تو اس لڑکی کو اغوا کر کے نہیں لایا پر جہاں تو رہا ہیں اس کنیا کے ساتھ ظلم ہوا شیو بھگوان کے آگے تجھے اس کا ڈنڈ دینا ہو گا اور اس کے بدلے تیری ماتا زندہ نہیں رہے گی"

تامل نوجوان تو میری قدموں پر لوٹنے لگا وہ رو رو کر کہہ رہا تھا بھگوان کے لئے میری ماتا جی کو مرنے سے بچالیں۔ وہ مر گئی تو میں بھی مر جاؤں گا میری ماتا جی کو بچالیں۔

میں نے اسے گرج دار آواز میں اٹھ کر بیٹھنے کا حکم دیا اور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑ کر سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف تکنے لگا اس کی اسٹین گن اس کے ساتھ ہی زمین پر پڑی تھی میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہا "ایک اپائے ہے"

وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا "جو آگیا مہاراج" میں نے تامل میں ایک اشلوک پڑھا اور کہا "کرشنن! شنکر پاربتی نے تیری ارداس سویکار کر لی ہے اب تو ایسا کر مٹی کا ایک کوزہ لے اس میں تیرے ڈیرے پر گروہ کے جتنے آدمی ہیں اتنے ہی شریفے کے درخت کے پتے توڑ کر ڈال اس کے بعد جو لڑکی تیرے ڈیرے پر قید ہے اس کی سرنگ کا مجھے راستہ بتا تاکہ میں وہاں آدھی رات کو جا کر تیری خاطر منتر پڑھ کر پھونکوں، پھر تو شام کو میرے پاس آنا میں تجھے ایک سوتر دوں گا جس میں، میں اشلوک پڑھ کر پانچ گرہیں لگا دوں گا اس کو تو اپنی کلائی میں باندھ لینا، پھر تو یہاں سے فرار ہو گا تو جو کوئی تیرا پیچھا کرے گا وہ پتھر بن جائے گا اور تیری ماتا جی بھی تندرست ہو جائیں گی"

تامل نوجوان بہت خوش ہوا۔ اس نے اسی وقت مجھے اس سرنگ کا راستہ بتا دیا جہاں تاجیک کمانڈ لڑکی قید تھی یہ سرنگ وہاں سے ڈیڑھ ایک میل دور جنگل میں ایک گھاٹی میں تھی جس کی سب

سے بڑی نشانی کرشنن نے مجھے یہ بتائی کہ گھانی کے سرے پر ہاتھی کا ایک چھوٹا بت لگا ہے یہ بڑی واضح نشانی تھی شریفے کے پتوں سے میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تامل تخریب کاروں کی تعداد کتنی ہے یہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ تامل نوجوان تاجیک مسلمان لڑکی کو وہاں سے نکال کر میرے پاس نہیں لا سکتا اسی لئے میں نے اس سے سرنگ کا راستہ پوچھا تھا۔

وہ شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا میرے لئے جو وہ ابلے ہوئے چاول اور مچھلی کیلے کے پتوں میں لپیٹ کر لایا تھا وہ میں نے دوپہر کو بڑے شوق سے کھائے اور ندی کے کنارے گھاس پر لیٹ گیا ادھر ادھر گھوم پھر کر میں نے کسی نہ کسی طرح دن گزارا۔ جب شام کا اندھیرا چھانے لگا تو میں نے مندر کے سامنے دوبارہ الاؤ روشن کر لیا اب میں بے فکری سے سگریٹ وغیرہ بھی پی لیتا تھا کرشنن کے بقول وہاں آس پاس اب کوئی تخریب کار ہندو تامل موجود نہ تھا۔

شام کو تامل نوجوان کرشنن آ گیا میں نے کمر کے گرد جینو کا سوتر لپیٹ رکھا تھا اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس میں پانچ گرہیں ڈال کر پہلے ہی سے اپنے پاس رکھ لیا تھا کرشنن فرار ہونے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا اس کے ہاتھوں میں میرے لئے بھوجن بھی تھا اور مٹی کا ایک چھوٹا کوزہ بھی کوزہ اور بھوجن اس نے میرے سامنے رکھ کر ادب سے جھک کر نمسکار کیا اور الاؤ کے قریب بیٹھ گیا میں نے کوزے کو کھول کر دیکھا۔

کرشنن بولا " مہاراج اس میں شریفے کے بارہ پتے ہیں کیونکہ ہمارے گروہ میں کل بارہ آدمی ہیں اس میں ہمارا لیڈر ایلم بھی شامل ہے مہاراج "

میں نے پتوں کو گنا پورے بارہ تھے میں نے کوزہ ایک طرف رکھ دیا اور گرہوں والا سوتر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا " میں نے اس میں پانچ گرہیں ڈال دی ہیں تو اب بے فکر ہو کر یہاں سے بھاگ جا جو کوئی تیرے پیچھے آئے گا وہ پتھر بن جائے گا اور جب تو گھر جائے گا تو ماتا کو بالکل تندرست حالت میں دیکھے گا کیا تو ابھی فرار ہو رہا ہے ؟"

ہاں مہاراج کرشنن نے یہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھا میں نے مسکرا کر کہا " گھبرا نہیں بالک ہم نے جب یہ سوتر دیا ہے اس کا اثر شروع ہو چکا ہے اب تیرے پیچھے کوئی نہیں آئے گا اگر آئے گا تو پتھر بن جائے گا اب تو ایسا کر کہ یہ جو اسٹین گن اور گولیوں کی پیٹی تیرے پاس ہے اسے یہیں کسی گڑھے میں چھپا دے کیونکہ پاربتی شنکر کو کسی کا خون بہانا بالکل پسند نہیں اگر یہ گولی بندوق تیرے ساتھ ہو گی تو شنکر پاربتی تیری حفاظت نہیں کریں گے "

کرشنن نے فوراً اسٹین گن اور میگزین کی پیٹی اتار کر میرے قدموں میں ڈال دی اور بولا " مہاراج ! اسے آپ ہی کہیں پھینک دیجئے گا میں اب یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں "

میں نے اس سے پوچھا " یہ بتا کہ تیرے ساتھی رات کو کہاں سوتے ہیں کیونکہ میں سرنگ

کے باہر اشلوک اور منتر پڑھنے آج رات وہاں جاؤں گا"

کرشنن ہاتھ جوڑ کر بولا "مہاراج! کرپا کر کے منتر پڑھنے ضرور جایئے گا اگر آپ نہ گئے تو کہیں راستے میں مجھ پر کوئی مصیبت نہ ٹوٹ پڑے ہمارے ساتھی رات کو کھائی میں سرنگ کے قریب ہی گھاس کے ایک تختے پر سوتے ہیں دو آدمی سرنگ کے باہر پہرہ دیتے ہیں مگر مہاراج آپ تو رشی منی ہیں آپ کو تو وہاں کوئی بھی نہیں دیکھ سکے گا"

میں نے جلدی سے کہا "ہاں ہاں پھر بھی احتیاط کے طور پر ہر چیز سے باخبر رہنا چاہئے تیری خاطر میں وہاں جاؤں گا تاکہ تو خیریت سے اپنی ماتا جی کے پاس پہنچ جائے اپنی ماتا جی کو میرا پرنام کہنا"

"جو حکم مہاراج! اچھا اب میں چلتا ہوں"

میں نے ہاتھ بلند کر کے کہا "جا بالک! بھگوان تیری رکھشا کرے گا۔"

تامل نوجوان نے میرے دونوں پاؤں کو چھو کر ہاتھ اپنے ماتھے سے لگایا اور نمسکار کر کے شام کے اندھیرے میں تیز تیز چلتا جنگل کی قد آدم گھاس میں گم گیا اس کے جاتے ہیں میں نے اسٹین گن اور گولیوں والی پیٹی اٹھائی اور اسے اپنے پیچھے رکھ دیا کچھ دیر میں اپنی جگہ پر جیسے مراقبے میں بیٹھا رہا میں اپنے ایکشن پلان کی تفصیلات پر غور کر رہا تھا آگے میرا مشن شروع ہونے والا تھا اب تاجیک لڑکی پوشالی تک مجھے اکیلے جانا اور اسے وہاں سے نکال کر فرار ہونا تھا اس میں میری اور پوشالی دونوں کی جان جا سکتی تھی کیونکہ بارہ خونخوار درندوں کے بیچ میں سے ان کا شکار اڑا کر لے جانا کوئی معمولی کام نہیں تھا لیکن یہ میرا مقصد تھا میرا مشن تھا اور اس مشن کے لئے میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وہاں آیا تھا مجھے صرف مسلمان تاجیک لڑکی پوشالی تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہونا چاہئے تھا اور تامل تخریب کاروں کی تعداد اور ان کی کمین گاہ کے بارے میں ابتدائی رپورٹ چاہئے تھی جو مجھے تامل نوجوان نے دے دی تھی۔ اس مشن پر مجھے آج ہی رات نکل پڑنا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ رات کے کسی وقت تامل تخریب کاروں کو کرشنن کی گمشدگی کا علم ہو جائے اور وہ بیدار ہو کر کمین گاہ کی کڑی نگرانی شروع کر دیں اگر وہ مفرور تامل نوجوان کے پیچھے جاتے ہیں تو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ سارے کا سارا گروہ چوکس ہو جائے گا اور پھر ممکن ہے وہ وہاں سے بھی اپنی کمین گاہ کسی دوسری جگہ منتقل کر لیں یہ گوریلا قسم کی تنظیم تھی اور ان کے ٹھکانے بدلتے رہتے تھے۔

میں نے اسٹین گن اور میگزین کی پیٹی اٹھائی اور مندر کی ڈیوڑھی میں آگیا یہاں موم بتی کی روشنی میں چیک کیا اس کا میگزین پوچ نکال کر دیکھا میگزین بھرا ہوا تھا پیٹی میں بھی کافی میگزین لگا ہوا تھا میں نے میگزین کی پیٹی کو اپنے لمبے کرتے کے اندر کمر کے ساتھ باندھ لیا آگ کے الاؤ پر مٹی ڈال کر اسے بجھا دیا اور رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا میں آدھی رات کے بعد ایکشن شروع کرنا چاہتا تھا جس وقت پہرے دار بھی اونگھ رہے ہوتے ہیں۔ تامل نوجوان سے میں نے بڑی تفصیل سے سرنگ

تک کا راستہ معلوم کر لیا تھا چاندنی رات نہیں تھی آسمان پر صرف ستارے ہی چمک رہے تھے ان کی بہت پھیکی پھیکی مدھم روشنی اندھیرے میں جذب ہوتی محسوس ہو رہی تھی مگر میں ایسے اندھیروں کا عادی تھا جنگل پر ہُو کا عالم طاری تھا مجھے ایک بار پھر شیروں کا خیال آگیا لیکن اس وقت میرے پاس اسٹین گن تھی میں شیروں کا مقابلہ کر سکتا تھا چاہے گولیوں کی آواز سے جنگل ہی کیوں نہ گونج اٹھے میرا پستول اور چاقو ندی کے کنارے پتھر کے نیچے دبا ہوا تھا مجھے خیال آیا کہ چاقو کا میرے پاس ہونا بہت ضروری ہے وہ کمانڈو چاقو تھا اور اس کا وار جب وہ میرے ہاتھ میں ہو کبھی خالی نہیں جاتا تھا میں اٹھ کر ندی کے کنارے آگیا پتھر کے پاس سے مٹی ہٹا کر چاقو نکال لیا ریوالور وہیں رہنے دیا چاقو کو اچھی طرح سے صاف کر کے اپنے کپڑوں میں چھپا لیا اور بجھے ہوئے الاؤ کے پاس آکر بیٹھ گیا میرے اندازے کے مطابق رات جب آدھی سے بھی زیادہ گزر گئی ہو گی تو میں خدا کا نام لے کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا میں نے اپنا جھولا اتار کر وہیں پھینک دیا تھا میرے داہنے ہاتھ میں اسٹین گن تھی میں مندر کے عقب سے اتر کر جنگل میں اس راستے پر چل پڑا جو مجھے تامل نوجوان نے بتایا تھا۔

جنگل کا یہ علاقہ بھی دوسرے جنگلی علاقوں ایسا ہی تھا سنسان 'خاموش' آسیب زدہ اور تاریک ۔۔۔ میں تاروں کی پھیکی روشنی کی راہبری میں جھاڑیوں اور خشک اونچی گھاس میں سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ میں ٹھیک اسی راستے پر جا رہا تھا جو مجھے بتایا گیا تھا چلتے چلتے مجھے پسینہ آگیا تھا جنگل میں حبس زیادہ تھا کسی جانب ذرا سی آہٹ بھی ہوتی تو میں چوکنا ہو جاتا اور وہیں رک کر کسی درخت کی آڑ لے لیتا سادھوؤں ایسا دھوتی کرتا چلنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا زمین غیر ہموار ہونے لگی تھی ایک ڈیڑھ میل چلنے کے بعد مجھے اپنے بائیں جانب ذرا بلندی پر ایک بت دکھائی دیا اندھیرے میں اس بت کا ہیولا سا ہی نظر آرہا تھا میں قدم قدم چلتا اس کے قریب گیا تو یہ وہی ہاتھی کا مجسمہ تھا یہی سب سے بڑی نشانی تھی آگے نشیب اور گھاٹی تھی ۔ اسی گھاٹی میں ہندو تامل تخریب کاروں کی کمین گاہ تھی اس گھاٹی میں داہنی جانب وہ سرنگ تھی جس کے اندر تاجیک کمانڈو لڑکی پوشالی قید تھی تامل نوجوان سے میں نے سرنگ تک جانے والا راستہ خاص طور پر معلوم کیا تھا چنانچہ نشیب میں اترنے کے بعد میں بائیں جانب والے ٹیلے کی طرف ہو گیا۔

اب میں بہت محتاط تھا اور اندھیرے میں رہ کر چل رہا تھا یہ تامل گوریلوں کا مسکن تھا اور یہاں کسی پہرے دار کا موجود ہونا لازمی بات تھی درخت یہاں زیادہ گھنے نہیں تھے گھاس ضرور میری کمر تک آتی تھی ۔ میں گھاس میں جھک کر اس ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں سرنگ تھی ۔ ڈھلان ختم ہو گئی ۔ زمین ہموار ہو گئی یہاں جھاڑیاں بے شمار تھیں ۔ یہ جنگلی جھاڑیاں قد آدم تھیں اور کہیں کہیں ناریل کے جھنڈ بھی اندھیرے میں عفریتوں کی طرح جھکے ہوئے تھے ۔ میں ٹیلے سے کوئی ساٹھ ستر قدم کے فاصلے پر آکر ایک جھاڑی کے پاس جھک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا ٹیلے میں جہاں مجھے

سرنگ کا دہانہ بتایا گیا تھا وہاں مجھے سوائے جھاڑیوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا قدرے کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے یہاں اندھیرا ایسا نہیں تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا... ستاروں کی دھیمی روشنی میں بھی میری کمانڈو آنکھیں ہر شے کو بخوبی دیکھ رہی تھیں میں دبا دبا کر قدم اٹھاتا جھاڑی میں سے نکل کر ٹیلے کے پول کی طرف بڑھا میں پاؤں جما جما کر بہت آہستہ چل رہا تھا معاً مجھے ایک آہٹ سنائی دی۔

میں وہیں بت بن گیا' پھر گھاس میں اپنے آپ کو چھپا لیا یہ آہٹ کیسی تھی ؟ میں دم سادھے گھاس میں بے حس و حرکت بیٹھا ہمہ تن گوش تھا وہی آہٹ پھر سنائی دی میں نے اندازہ لگایا کہ کوئی گھاس پر آہستہ آہستہ قدم رکھ کر چل رہا ہے ایک قدم چلتا اور پھر رک جاتا ہے میں نے بیٹھے بیٹھے صرف اپنے ایک ہاتھ کی حرکت سے چاقو نکال کر اپنے سیدھے ہاتھ میں تھام لیا اس چاقو کی ایک طرف پھل کی تیز دھار تھی اور دوسری طرف آری کی طرح کے دندانے تھے۔

قدموں کی آہٹ پھر سنائی دی کوئی میرے عقب سے چلتا ہوا آرہا تھا یہ نائٹ واچ مین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ چلتے چلتے مجھ سے ٹھوکر نہ کھائے ایسی صورت میں وہ مجھ سے بچ تو نہیں سکتا تھا مگر اس بات کا امکان تھا کہ ۔۔ وہ شور مچا دے یا فائر کر دے یہ میرے مشن کے لئے بے حد خطرناک بات ثابت ہو سکتی تھی۔ میرا جسم پسینے میں شرابور تھا دل کی دھڑکن کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی میں رک رک کر سانس لے رہا تھا پاؤں کی چاپ اب واضح ہو گئی تھی' پھر مجھے گھاس کے ادھر ادھر ہٹنے کی سرسراہٹ بھی سنائی دینے لگی یہ سرسراہٹ میرے بالکل قریب سے ہو کر آگے نکل گئی میں اپنی جگہ پر پتھر بنا رہا لیکن میں ہوشیار ہو گیا میرا خیال تھا کہ وہ آگے جا کر کسی دوسری طرف مڑ جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا پاؤں کی چاپ دور جا کر پھر قریب آتی سنائی دینے لگی آواز قریب آئی تو میں نے سانس روک لیا آواز اس بار مجھ سے کچھ فاصلے پر ہو کر پیچھے کی طرف نکل گئی میں نے ٹیلے کی مشرقی دیوار کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ میرے رینگنے سے گھاس میں سرسراہٹ پیدا ہوئی میں وہیں رک گیا سرسراہٹ گارڈ کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی میں عجیب عذاب میں پھنس گیا تھا مجھے اس سوکھی گھاس میں داخل ہی نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اب وہیں رہتے ہوئے مجھے کچھ کرنا تھا تاکہ اس نائٹ گارڈ سے نجات حاصل کر سکوں وہ کم بخت دوبارہ اسی طرف آرہا تھا اس دفعہ میرا اس سے کوئی تیس قدم کا فاصلہ تھا یعنی وہ مجھ سے کوئی چند قدم کے فاصلہ پر میری داہنی جانب سے ہو کر آگے گزر گیا تھا میں نے ہمت کر کے بیٹھے بیٹھے اپنا سر گھاس میں سے نکال کر دیکھا۔ ایک انسانی سایہ جس کے سر پر درخت کی شاخیں لگی تھیں اسٹین گن کاندھے پر رکھے سست قدموں سے چلا جا رہا تھا جب وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر چلا گیا تو میں لونچی گھاس کے اندر ہی اندر سانپ کی طرح رینگ کر کنارے پر آگیا یہاں جھاڑیاں تھیں۔ میں ایک جھاڑی کے پیچھے سمٹ کر بیٹھ گیا میری نظریں اس طرف جمی تھیں جس طرف وہ نائٹ گارڈ گیا تھا وہ مجھے ستاروں کی پھیکی دھند میں نظر نہیں آرہا تھا میں پریشان ہوا کہ

کہیں وہ میرے پیچھے سے نہ نکل آئے میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا میرے سامنے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر روشنی چمک کر بجھ گئی پھر مجھے سگریٹ کے دھوئیں کی خوشبو محسوس ہوئی اس تامل گوریلے نے لائٹر سے سگریٹ سلگایا تھا اور اب وہ یقیناً کسی جگہ بیٹھ کر سگریٹ پی رہا تھا میرے لئے یہی ایک موقع تھا خواہ یہ سنہری تھا یا نہیں لیکن اگر میں اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو مجھے یہاں سے ناکام ہو کر واپس جانا پڑتا کیونکہ میں نے حساب لگا لیا تھا کہ یہ جو تامل گوریلا رات کی ڈیوٹی پر گشت لگا رہا ہے اس کے ہوتے ہوئے میں سرنگ کی طرف نہیں جا سکتا۔

میں نے اشٹین گن کی ڈوری اپنے گلے میں ڈالی۔ چاقو میرے سیدھے ہاتھ میں تھا۔ میں زمین پر مگرمچھ کی طرح رینگتے ہوئے اندھیرے میں ان درختوں کی طرف چل پڑا جدھر سے مجھے سگریٹ جلاتے وقت لائٹر کی روشنی نظر آئی تھی۔ میں جوں کی چال رینگ رہا تھا تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ یہاں خشک پتے گرے ہوئے تھے مگر وہ شبنم میں بھیگ چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔

میں رینگتے رینگتے جب درختوں کے جھنڈ کے قریب پہنچا تو مجھے تمباکو کے دھوئیں کی بو صاف محسوس ہونے لگی تھی۔ میں وہیں زمین پر لیٹا رہا۔ اس تامل گوریلے نے سگریٹ کا کش لگایا تو درختوں کے نیچے ہلکی سی روشنی ہوئی۔ یہ سگریٹ کے گل کی دمک تھی۔ سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اندھیرے میں جو دھیمی سی چمک پیدا ہوئی اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ گوریلے کا رخ سامنے کی طرف ہے۔ کیونکہ مجھے دھیمی چمک میں سگریٹ کا دہکتا ہوا سرا دکھائی نہیں دیا تھا۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر دوبارہ درختوں کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں اب مجھے ناریل کے اوپر کو جاتے ٹیڑھے میڑھے تنے صاف نظر آ رہے تھے اچانک میں رک گیا۔

مجھے اس گوریلے کے کپڑوں کی ضرورت بھی تھی۔ میں نے اشٹین گن پیچھے ہی دو قدموں کے فاصلے پر زمین پر رکھ دی تھی۔ چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے چاقو بھی وہیں زمین پر ڈال دیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ ہندو تامل تخریب کار کوئی ٹرینڈ گوریلے نہیں ہیں بلکہ متعصب اور مسلمانوں کے دشمن ہندو تامل جوانوں کا ایک گروہ ہے جو اس وقت صرف مسلمانوں کا خون بہا رہا ہے اور سری لنکا کی امن پسند حکومت کو پریشان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر میرا داؤ ٹھیک پڑ جاتا ہے تو پھر اس ہندو تامل کا میرے ہاتھ سے بچنا ناممکن تھا۔ مجھے خدا پر اور اپنے داؤ پر بھروسا تھا۔ دل میں یہ جذبہ بھی تھا کہ اس تامل نے نہ جانے کتنے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا ہو گا اور مجھے ان بے گناہ مسلمانوں کے خون کا حساب چکانا ہے۔

ایک بار اس نے اندھیرے میں سگریٹ کا کش لگایا تو مجھے اس کی گردن نظر آ گئی۔ اس کی پیٹھ میری جانب تھی۔ وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا مزے سے سگریٹ پی رہا تھا اب اگر ذرا سی

بھی آہٹ پیدا ہوتی ہے تو وہ مجھے اشین گن کے فائر سے ایک سیکنڈ میں بھون سکتا تھا۔ میری اب یہی کوشش تھی کہ اس طرح سے رینگ کر اس کے عقب میں جا پہنچوں کہ کسی قسم کی آہٹ پیدا نہ ہو۔ وقت کا بھی کوئی اعتبار نہیں تھا۔ وہ کسی بھی وقت سگریٹ پھینک کر اٹھ سکتا تھا۔ خدا جانے وہ کون سی غیبی طاقت تھی جو مجھے بغیر کسی آہٹ کے اس کے عقب تک لے گئی۔ میں اب اس کے بالکل عقب میں تھا۔ اس کی گردن ناریل کے تنے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ یہ تنا زیادہ موٹا نہیں تھا۔ ناریل کے تنے زیادہ موٹے نہیں ہوتے ہیں اگر اس کی گردن کو اپنے آہنی بازو اور تنے کے بیچ میں لے لوں تو ایک ہی جھٹکے سے اس کا کام تمام ہو سکتا تھا مگر اس کے لئے مجھے چھلانگ لگا کر اس پر جھپٹنا تھا۔

میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس کی اشین گن اس کے گھٹنوں پر پڑی تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا اور دایاں ہاتھ اشین گن کے اوپر تھا اس کے ٹریگر پر نہیں تھا۔ یہ دیکھتے ہی میں زمین پر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے پٹھے اس بھوکے شیر کی طرح پھڑکنے لگے جو اپنے شکار پر جھپٹنے ہی والا ہو۔ میں نے اپنا بایاں بازو کھول دیا اور دشمن پر ایسا لپکا جیسے بغیر آواز کے بجلی کوند گئی ہو۔ دوسرے لمحے اس کی گردن...... میرے بازوؤں کے آہنی شکنجے میں تھی... اور گردن کا پچھلا حصہ درخت کے تنے سے چپک گیا تھا۔ میں نے اسے اتنی مہلت بھی نہیں دی کہ وہ گھٹنوں پر پڑی اشین گن کو اٹھا سکتا۔ میں درخت کے تنے سے لپٹا ہوا تھا اور بیچ میں تامل تخریب کار کی گردن تھی اور میں زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔ اس کا کام تو پہلے ہی جھٹکے میں ہو گیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنی گرفت کو ڈھیلا کیا تو اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔

میں... اسے گھسیٹ کر پیچھے جھاڑیوں کی طرف لے گیا اس نے فوجیوں جیسی خاکی وردی پہن رکھی تھی۔ سر پر رومال بندھا تھا جس میں درخت کی شاخیں توڑ کر لگا دی گئی تھیں۔ میں نے جلدی جلدی اس کی خاکی پتلون اور خاکی بش شرٹ اتار کر پہنی۔ سر پر رومال باندھ کر اس میں درخت کی ٹہنیاں پھنسائیں اس کے بوٹ اتار کر پہنے۔ اپنے کپڑے وہیں جھاڑیوں میں چھپائے۔ اشین گن اور کمانڈو چاقو اٹھایا۔ اس مردہ ہندو تامل کی اشین گن میں نے وہیں اس کی ننگی لاش کے پاس ہی رہنے دی۔ اب میں بھی حلیئے سے ایک تامل تخریب کار لگتا تھا۔ میں نے گھور کر ٹیلے کی طرف دیکھا۔

کرشنن نے مجھے بتایا تھا کہ ٹیلے کی سرنگ کے باہر بھی رات کو دو گوریلے پہرہ دیتے ہیں یہاں کل گوریلوں کی تعداد بارہ ہی تھی جس میں سے ایک کو میں نے ہلاک کر دیا تھا اب پیچھے گیارہ رہ گئے تھے میں جھک کر ٹیلے کی طرف بڑھا اگرچہ میں نے تامل تخریب کاروں ہی کی وردی پہن رکھی تھی پھر بھی میں کسی قسم کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا نہ ہی کوئی ایسی حرکت کرنا چاہتا تھا کہ کسی کو مجھ پر شک پڑے میں ٹیلے کی طرف چلا جا رہا تھا سادھوؤں والے سفید کپڑوں میں مجھے اندھیرے میں بھی دیکھا جا سکتا تھا لیکن خاکی وردی نے مجھے کافی حد تک اندھیرے میں جذب کر لیا تھا۔

نیلے کی دیوار کے ساتھ ایک سگریٹ کی روشنی چمکی ۔ میں وہیں رک گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔
اب دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دینے لگی الفاظ مجھ تک نہیں پہنچ رہے تھے میں سمجھ گیا کہ یہ وہ دو گوریلے ہیں جو سرنگ کے باہر پہرہ دے رہے ہیں مجھے ان سے بھی نمٹنا تھا میرے پاس وقت زیادہ نہیں تھا کیونکہ رات گزرتی چلی جا رہی تھی میں کسی حد تک اپنی تامل گوریلوں والی وردی کا فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر مجھے ہر حالت میں ان سے دور رہنا تھا اس میں ایک قباحت بھی تھی اگر وہ مجھے دیکھ لیتے ہیں تو مجھے نہ بھی پہچانیں لیکن انہیں یہ ضروری معلوم ہو جائے گا کہ میں ان میں سے نہیں ہوں ۔ ہو سکتا تھا کہ ان کا لیڈر ایلم بھی یہیں کہیں سو رہا ہوں ۔

میں جھکا جھکا نیلے کی پچھلی ۔ ۔ دیوار کی طرف آگیا مجھے سرنگ کا غار نما دروازہ اندھیرے میں نظر آیا جس کے آگے لکڑی کا کھوکھا ڈالے دو گوریلے بیٹھے سگریٹ پیتے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے ان کی اسٹین گنیں ان کے پاس ہی زمین پر پڑی تھیں ۔ میں سوچنے لگا کہ ان پر قابو پانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے فائر میں نہیں کر سکتا تھا دونوں کو بیک وقت ہلاک نہیں کر سکتا تھا اور میرا غار کے اندر جانا بھی بہت ضروری تھا میں ان دونوں گوریلوں کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا میرا ذہن برق رفتاری سے کسی مناسب ترکیب کی تلاش میں تھا کہ قدرت نے خود ہی مجھے ایک سنہری موقع فراہم کر دیا ۔

ان دونوں میں سے ایک تامل گوریلا سگریٹ پھینک کر اٹھا اور اپنے ساتھی کو کچھ کہہ کر اس ۔ ۔ طرف آنے لگا جدھر میں جھاڑیوں میں موجود تھا میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ ادھر کس مقصد کے لئے آرہا ہے میں جلدی سے ایک درخت کے پیچھے ہو گیا ۔ میں نے سانس روک لیا ۔ وہ میرے قریب ہی ایک جھاڑی کی اوٹ میں آکر کھڑا ہو گیا ۔ اس کا منہ دوسری طرف تھا وہ اپنی جو حاجت رفع کرنے کے لئے آیا تھا' اس میں اسے ایک ڈیڑھ منٹ سے زیادہ وقت درکار نہیں تھا ۔ میں دبے پاؤں اس کے عقب کی طرف سے آگے بڑھا پھر اس کے قریب پہنچا تو اس نے قدموں کی چاپ سن کر پلٹ کر دیکھا ۔ اس نے مجھے اپنا ساتھی ہی سمجھا اور تامل زبان میں بولا" تم اپنی پوسٹ سے ادھر کیوں آگئے ہو ؟"

میں نے تامل زبان میں ہی کہا" پیاس لگی تھی "

اس نے منہ دوسری طرف کر کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا" وہیں واپس جاؤ "

یہ اس کی زندگی کا آخری جملہ تھا اس کے بعد اس کی گردن میرے بازو میں ایک لمحے کے لئے آئی اور دوسرے ہاتھ میں میرا پکڑا ہوا چاقو اس کی شہ رگ کاٹ چکا تھا میں نے اسے وہیں پھینک دیا کیونکہ اس کی گردن سے خون کا فوارہ ابلنے لگا تھا اس کی گردن آدھی سے زیادہ کٹ چکی تھی وہ لڑھکتا ہوا نشیب میں جا کر ایک گڑھے میں جا پڑا چاقو ابھی تک میرے ہاتھ تھا مجھے یقین تھا کہ اب اس کی آواز بلند نہیں ہو سکے گی اور ایسا ہی ہوا گڑھے میں وہ تڑپ رہا ہو گا مگر جس حلق سے اس کی آواز نکلنی تھی وہ کٹ

چکا تھا چاقو کو میں نے گھاس پر رگڑ کر پونچھا اور تیزی سے ایک طرف چھپ گیا اب مجھے اس کے ساتھی گوریلے کا انتظار تھا۔ اس نے نیچے ہی سے آواز دی کہ اوپر کس سے باتیں کر رہے ہو؟ میں خاموش رہا میری نگاہیں اس دوسرے گوریلے پر جمی ہوئی تھیں وہ بھی سگریٹ پی رہا تھا اس نے ایک دو بار جمائی لی سگریٹ زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسلا اور کھوکھے پر سے اٹھتے ہوئے آہستہ سے بولا "تم کیا کر رہے ہو اوپر؟"

میں پھر بھی نہ بولا اب دوسرے گوریلے کو کچھ تشویش ہوئی کہ کہیں اس کا ساتھی بے ہوش نہ ہو گیا ہو یا اسے سانپ وغیرہ نے نہ کاٹ لیا ہو۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپر کی جانب بڑھا۔ میں نے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ایک خاص پوزیشن بنائی تھی۔ اسی جگہ سے مجھے اس پر حملہ آور ہونا تھا اس نے اسٹین گن ابھی تک کاندھے پر ہی لٹکائی ہوئی تھی۔ جونہی وہ اندھیرے میں میرے قریب سے گزرا میں نے پوری طاقت سے اپنا بازو اس کی ٹھوڑی کے نیچے مارا۔ یہ ضرب نیچے سے اوپر کی جانب تھی اور اتنی شدید تھی کہ دبلا پتلا تامل تخریب کار پچھاڑ کھا کر پیچھے کی طرف گرا۔ اس کے گرنے سے پہلے میں اس کا گلا دبوچ چکا تھا ان ہندو تامل تخریب کاروں کے جسم دبلے پتلے تھے اور میرے ایسے مضبوط جسم والے ٹرینڈ کمانڈو کے ہاتھ کی ضرب سہنا ان کے بس میں نہیں تھا۔

میں نے فوراً اس کی اسٹین گن اور میگزین بیلٹ اپنے قبضے میں کر لی اور تامل تخریب کار کو ایک بار پھر چیک کیا اس میں ابھی کچھ سانس باقی تھے میں اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے اگلی دنیا میں پہنچانے کے لئے مجھے مزید دو منٹ لگے اب کم از کم سرنگ تک کے لئے میرا راستہ صاف تھا میں ڈھلان اتر کر سرنگ کے باہر کھوکھے پر آ کر بیٹھ گیا تھا کم از کم پندرہ بیس سیکنڈ کے لئے وہاں بیٹھنا بہت ضروری تھا۔ اس کے بعد میں اٹھا اور سرنگ میں داخل ہو گیا۔

سرنگ میں اندھیرا تھا ذرا آگے گیا تو لالٹین کی روشنی میں مجھے ایک عورت اس حالت میں دیوار کے ساتھ دکھائی دی کہ اس کا سر نیچے جھکا ہوا تھا بال ماتھے پر لہرا رہے تھے دونوں ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ ایک بانس کے ساتھ بندھی زمین پر جیسے نیم بے ہوشی کی حالت میں بیٹھی تھی۔ میں لپک کر اس کے پاس گیا اس کا سر اوپر اٹھایا یہ پوشالی کے سوا دوسری کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی تھی زردی مائل گوری رنگت ناک اوپر کو اٹھی ہوئی' آنکھیں ذرا چھوٹی چھوٹی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ میں نے اسے ہلاتے ہوئے کہا "پوشالی میں تمہیں لینے آیا ہوں میرا نام ۔ ۔ ۔ ہے۔"

میں نے اسے اپنا کوڈ ورڈ بتایا پوشالی نے آنکھیں کھول کر جیسے عالم خواب میں میری طرف دیکھا میں نے اس کی رسیاں کھول دیں اور اسے کہا "چانکیہ پلان' کو لے کر میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔"

میں نے جلدی جلدی اسے تھوڑے بہت حقائق سے آگاہ کیا آخر وہ ایک ٹرینڈ کمانڈو لڑکی

تھی۔ اگر چہ اس پر بڑا تشدد ہو چکا تھا مگر آزاد ہوتے اور میری باتیں سنتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس نے اردو میں مجھے آہستہ سے کہا "کیا تم نے لیڈر کو قتل کر دیا ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ لیڈر سے میرا سامنا نہیں ہوا۔ اس نے میگزین بیلٹ اپنی کمر کے گرد لپیٹی "اسٹین گن کا میگزین کھول کر چیک کیا اور اسے سیدھے ہاتھ میں اٹھا کر بولی "میں ان میں سے کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی"

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارا مشن وہاں سے فرار ہونا ہے ان لوگوں کو قتل کرنے میں وقت ضائع کرنا نہیں۔

پوشالی نے تیز لہجے میں کہا "کوئی وقت ضائع نہیں ہو گا میں جانتی ہوں یہ لوگ کہاں ہوں گے تین تم نے ہلاک کیئے ہیں باقیوں کو میں جہنم میں پہنچاؤں گی تم میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

پوشالی واقعی ایک ماہر اور جرأت مند کمانڈو لڑکی تھی۔ اس کا جسم مضبوط اور سڈول تھا۔ اسلحہ ہاتھ آتے ہی وہ شیرنی بن گئی تھی وہ گن لئے جھکی جھکی سرنگ کے دروازے پر آ گئی۔ اس نے دائیں جانب دیکھا پھر ہاتھ سے مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اسٹین گن اب اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑلی تھی پوشالی کمانڈو اس قطعے کی طرف بڑھی جس کے بارے میں مجھے تامل نوجوان نے بتایا تھا کہ رات کو ایلم اور اس کے ساتھی وہاں سوتے ہیں۔ وہاں ناریل کے ایک اونچے چھپر کے نیچے گھاس پر تقریباً باقی سارے کے سارے تامل تخریب کار پڑے گہری نیند سو رہے تھے بانس کے ساتھ لٹکی ہوئی لالٹین کی بتی اتنی نیچی تھی کہ روشنی بمشکل باہر نکل رہی تھی۔

پوشالی کمانڈو نے جاتے ہی اسٹین گن کا دستہ اپنے کولہے کی ہڈی کے ساتھ لگایا اور ٹریگر دبا دیا۔ اس کی گن کی نالی سے شعلے اور شرارے نکلنے لگے فائرنگ کے دھماکوں سے سناٹے کی سیج پر سویا ہوا جنگل لرز اٹھا میں نے بھی اسٹین گن سے فائرنگ شروع کر دی سوئے ہوئے تامل تخریب کاروں میں سے صرف ایک دبلا پتلا ناٹے قد کا تامل اٹھ کر ایک طرف کو دوڑا لیکن پوشالی کمانڈو کی ایک باڑھ اس کی کمر کو کاٹتی ہوئی درانتی کی طرح پھر گئی اور وہ یوں گرا جیسے کسی نے کھیرے کو درمیان سے کاٹ دیا ہو۔

دس سیکنڈ کے اندر اندر چھپر کے نیچے گھاس پر تامل تخریب کاروں کی لاشیں الٹی سیدھی اوندھی سمٹی ہوئی پڑی تھیں پوشالی نے گن کاندھے سے لٹکائی اور مجھے ساتھ لے کر وہاں سے باہر نکلی میں نے اسے بتایا کہ راون پلی کے مندر کے پاس میں نے ایک جگہ ریوالور اور تھیلے میں اپنے کچھ روپے دفن کیے ہوئے ہیں روپوں کی ہمیں ضرورت تھی ہم چڑھائی چڑھ کر ہاتھی والے بت کے قریب سے گزر کر راون پلی والے مندر کی طرف چلنے لگے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اس تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی کو درندہ صفت تامل تخریب کاروں کی قید سے نکال کر لے آیا ہوں۔ پوشالی واقعی ایک دلیر کمانڈو لڑکی تھی۔ اس کے رویئے میں مجھے سنگ دلی کا ایک پہلو بھی دکھائی دیا تھا شاید یہ

سنگ دلی اس تشدد اور بربریت کا نتیجہ تھا جو کبھی روسیوں نے اور بعد میں ان تامل درندوں نے اس پر روا رکھی تھی ہم درختوں کے نیچے سے ہو کر رات کے اندھیرے میں کھنڈر کی طرف چلے جا رہے تھے پوشالی کمانڈو ایک میلی سی پتلون اور نیم آستینوں کی شرٹ میں تھی جس کے بٹن اس نے اوپر تک بند کر رکھے تھے اس نے میرے سر کی طرف دیکھ کر کہا" یہ اپنے سر پر تم نے جو تامل گوریلوں والا رومال باندھ رکھا ہے اسے پھینک دو ہمیں یہ کپڑے بھی کہیں بدلنے ہوں گے "

راستے میں ' میں نے اسے ساری بریفنگ کر دی بہت کچھ اسے پہلے ہی معلوم تھا چانکیہ پلان ' کے بارے میں اسے ہمارے ایجنٹ کے ذریعے پوری طرح آگاہ کر دیا گیا تھا اس اعتبار سے پوشالی ہمارے مشن سے پوری طرح باخبر تھی۔ راون بلی کے مندر کے پاس پہنچ کر میں نے مٹی ہٹا کر ریوالور اور روپوں والی تھیلی نکالی اس میں پانچ سو کے قریب نوٹ تھے

اب ہم واپس جافنا کے مضافات والے جنگل کی طرف چل پڑے رات نے ڈھلنا شروع کر دیا تھا آسمان پر صبح صادق کی روشنی کا غبار سا اڑنے لگا تھا ہم اس علاقے کے آخری جنگل یعنی بانسوں کے جنگل میں آئے تو خدا جانے کہاں سے ایک بھورے رنگ کا ریچھ ہمارے سامنے آکر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اس سے پہلے کہ میں کوئی حرکت کرتا پوشالی نے اسٹین گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا جنگل ایک بار پھر فائرنگ کے دھماکوں سے گونج اٹھا اور ریچھ چھلنی ہو کر نیچے گر پڑا پوشالی کمانڈو کے بروقت فیصلہ کرنے کے جذبے نے مجھے بہت متاثر کیا یہ لڑکی ہمارے مشن کے لئے موزوں ترین لڑکی تھی۔

جب میں نے تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کو بتایا کہ اب ہم جنگل سے نکل کر جافنا کے مضافات میں داخل ہونے والے ہیں تو وہ رک گئی۔ اس نے اسٹین گن میگزین کی پٹی اتار کر زمین پر رکھ دی اور بولی " تم بھی اسلحہ اتار دو ہمیں یہ سب کچھ اسی جگہ پھینک دینا ہو گا یہ اسلحہ ان تامل تخریب کاروں نے سری لنکا کے فوجی گیریزنوں سے چرایا ہوا ہے۔"

میں نے بھی اسٹین گن اور میگزین کی پٹی زمین پر رکھ دی ہم نے سارا اسلحہ ایک جگہ گڑھے میں پھینک دیا۔

وہ کہنے لگی " ہمیں شہر پہنچ کر اپنا لباس بھی بدلنا ہو گا۔ تمہاری خاکی پتلون اور شرٹ پر کسی کو اعتراض تو نہیں ہو سکتا مگر شک پڑ سکتا ہے کیونکہ تامل تخریب کار عام طور پر ایسی ہی خاکی وردی میں ہوتے ہیں۔ یہ یہاں کی پولیس کو بھی معلوم ہے "

پوشالی کا نکتہ بڑا غور طلب تھا۔ جافنا کے مضافات میں پہنچتے پہنچتے دن نکل آیا۔ چاروں طرف دن کی سفید چمکیلی روشنی پھیل گئی اس روشنی میں ' میں نے اس سمرقند کی مسلمان دلیر کمانڈو لڑکی پوشالی کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر ایک بے باکانہ پختگی تھی اور آنکھوں میں عزم کی چنگاریاں نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس نے مجھے اپنی گردن اور بازوؤں کے زخم دکھائے جو ہندو تامل

تخریب کاروں نے اسے لگائے تھے۔

وہ کہنے لگی "یہ لوگ اگرچہ لنکا کے رہنے والے تامل ہیں مگر ان کی ہمدردیاں بھارت کے تاملوں کے ساتھ ہیں اور یہ یہاں کے مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں میرے سامنے انہوں نے ٹرانکو مالی کے کئی تامل مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔"

جافنا شہر کی سڑک پر آکر ہم نے ایک خالی ٹیکسی پکڑی اور درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں آگئے ہم نے وہاں اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا اور کمرے میں آکر باری باری غسل کیا پیٹ بھر کر ناشتا کیا ہم ساری رات کے جاگے ہوئے تھے، مگر دونوں کمانڈو تھے اور کمانڈو کئی کئی رات جاگ کر بھی چاق و چوبند رہنا جانتا ہے دس بجے ہم نے جافنا کی ایک مارکیٹ میں آکر اپنے لئے ایک ایک نیا جوڑا کپڑوں کا اور بوٹ خریدے۔ پوشالی نے سادی سی پتلون اور شرٹ خریدی۔ میں نے بھی قمیص اور پتلون ہی خریدی۔ ہوٹل واپس آکر ہم نے نیا لباس پہن لیا اور میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ کچھ دیر آرام کر لے۔ میں اسے کمرے میں چھوڑ کر ہوٹل کی پہلی منزل والے کمرے میں آکر چائے منگوا کر پینے لگا بیرے سے میں نے معلوم کر لیا کہ کولمبو جانے والی گاڑی شام کو جاتی ہے۔

گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد، میں کمرے میں گیا تو پوشالی ابھی تک گہری نیند سو رہی تھی۔ خدا جانے بے چاری کب کی جاگی ہوئی تھی کمانڈو چاقو اور بھرا ہوا ریوالور اور فالتو گولیاں اس کے سرہانے کے نیچے رکھی ہوئی تھیں میں کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ دروازے کو میں نے بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی تھی کرسی پر بیٹھے بیٹھے مجھے بھی نیند آگئی۔ میں نے سگریٹ کھڑکی سے باہر پھینکا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں بھی سو گیا۔ آنکھ کھلی تو دھوپ کھڑکی سے جا چکی تھیں میں نے گھڑی دیکھی۔ دو بج رہے تھے میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ باہر کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے پوچھا کون ہے تو ایک لڑکے کی آواز آئی۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ کھانا کس وقت لاؤں؟ میں نے کہا کہ کھانا لے آئے' پھر میں۔۔۔ نے پوشالی کو جگا دیا۔ پوشالی آنکھیں کھول کر مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو، پھر مسکرائی اور بولی میں کتنی دیر سوئی ہوں؟"

اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ اتنے میں لڑکا کھانا لے آیا ہم نے مل کر کھانا کھایا میں نے پوشالی کو بتایا کہ ٹرین شام کے سوا سات بجے چلے گی پوشالی کے بال سیاہ تھے جن کو گردن کے ذرا نیچے تک تراشا گیا تھا ہم چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے پوشالی نے مجھے ہندو تامل تخریب کاروں کی قید میں گزارے ہوئے ہولناک دنوں کے واقعات سنائے تو اس کا چہرہ غصے سے لال بھبھو کا ہو گیا۔ وہ کہہ رہی تھی "یہ ہندو تامل تخریب کار انتہائی متعصب اور درندہ صفت لوگ تھے انہوں نے مجھے ایسی ایسی اذیتیں دیں کہ میں انہیں قیامت تک نہیں بھلا سکتی۔ میں نے ان سب کو ہلاک کر دیا ہے لیکن میرے دل میں ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے"

وہ چائے کی پیالی ہاتھ میں لئے کھڑکی سے باہر ناریل کے درختوں کی لہراتی ہوئی شاخوں کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی ان کے لیڈر نے مجھ سے ٹرانکو مالی اور کولمبو کے سنہالی مسلمان تاجروں کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا چاہا ۔ ۔ مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا میں اب ناامید ہو گئی تھی اور موت کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک تم آگئے اللہ تعالی نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔"

اس کے بعد ہم نے اپنے اہم ترین مشن چانکییہ پلان' کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔

پوشالی نے کہا" چانکییہ پلان کا بلیو پرنٹ جس غیر ملکی سفارت خانے کے تہ خانے میں محفوظ پڑا ہے' وہ اپنی خفیہ سرگرمیوں اور سکیورٹی میں ساری دنیا میں مشہور ہے اس کی سیکرٹ سروس کے آدمی اپنے دشمن کو دنیا کے کسی بھی کونے میں جا کر قتل کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایسا ایک مدت سے کیا جا رہا ہے۔"

میں نے کہا" انہیں حقائق کے پیش نظر چانکییہ پلان' کے لئے تم سے مدد اور تعاون کی درخواست کی گئی تھی کیونکہ ایک تو تم ان ہی کے ملک کی رہنے والی ہو دوسرے ایک ٹرینڈ کمانڈو بھی ہو۔

پوشالی نے مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور بولی۔" کمانڈو تو تم بھی بڑے زبردست ہو۔ مجھے تمہارے بارے میں بھی بریف کر دیا گیا تھا۔"

میں نے فوراً کہا" اگر تم کہتی ہو تو میں مان لیتا ہوں کیونکہ تم واقعی ایک مثالی کمانڈو لڑکی ہو تمہاری مہارت کا ثبوت تو تامل تخریب کاروں کے جنگل میں ہی مل گیا تھا بہرحال اب ہم دونوں کو ایک ساتھ چانکییہ پلان ایسے نازک اور بے حد ضروری مشن کا آغاز کرنا ہے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہم اپنے مشن کا آغاز کہاں سے اور کس انداز سے کریں گے؟؟"

پوشالی اپنی پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ کچھ نہ بولی پھر بغیر چینی کے چائے کا ایک ہلکا سا گھونٹ بھر کر بولی" یہ تفصیلات کولمبو جا کر ہی طے ہو سکتی ہیں ابھی میرے ذہن میں ایسا کوئی منصوبہ نہیں ہے کیا تمہارے پاس کوئی اسکیم ہے" میں نے کاندھے اچکا کر کہا" اسکیم سوچی جا سکتی ہے۔"

"کیا تم روسی زبان بول لیتے ہو۔" پوشالی نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا میں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ خاموشی سے چائے پینے لگی اس کے بعد پوشالی نے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی۔ میں بھی خاموش رہا۔ گاڑی کے ٹائم سے ہم تھوڑی دیر پہلے ہوٹل سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے میرے پاس صرف ایک بریف کیس ہی تھا جس میں میری کچھ سفری ضروریات کی چیزیں تھیں پوشالی نے مارکیٹ سے ایک تھیلا نما پرس خرید لیا تھا یہ اس لئے کہ وہ ایک نارمل خاتون نظر آئے۔ ریوالور اس وقت بھی میری جیب میں تھا اور چاقو میں نے بریف کیس میں رکھا ہوا تھا۔ اس علاقے میں ہماری نگرانی کا زیادہ امکان نہیں تھا۔ شام کا اندھیرا شہر پر اتر رہا تھا اور کئی عمارتوں

میں بتیاں روشن ہو گئی تھیں میں نے کولمبو تک سیکنڈ کلاس کے دو ٹکٹ خریدے ۔ ٹرین پلیٹ فارم پر تیار کھڑی تھیں ۔ ہم سیکنڈ کلاس کے ایک ایسے کوپے میں جا کر بیٹھ گئے جس میں کل چار نشستیں تھیں باقی دونوں نشستیں خالی تھیں ٹرین ٹھیک وقت پر کولمبو کی طرف روانہ ہو گئی ۔ ساری رات ٹرین جنگلوں میں سفر کرتی رہی ۔ دوسرے دن شام کو ہمیں کولمبو پہنچنا تھا ۔ دوپہر کے وقت ٹرین ایک اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تو ہمارے کوپے میں سیکنڈ کلاس کا ایک مسافر سوار ہو گیا یہ ناٹے قد کا مگر گٹھے ہوئے مضبوط بند کا آدمی تھا بنیان اور پتلون میں ملبوس تھا ۔ سوائے چمڑے کے بریف کیس کے' اس کے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس نے ہماری طرف مسکرا کر دیکھا اور سنہالی میں کچھ کہا ۔ میں نے تامل میں کہا کہ میں بھارت کے صوبے تامل ناڈو کا رہنے والا ہوں ۔ یہ میری بیوی رتنا ہے ہم سنہالی نہیں جانتے ۔ اس نے پوشالی کو نسکار کیا اور میری طرف دیکھ کر بولا " آپ کی پتنی تامل ناڈو کی نہیں لگتیں ان کا رنگ گورا ہے "

میں نے اسے بتایا کہ رتنا تامل ناڈو کی ہے مگر اس کی ماں نے شمالی ہند کے ایک اینگلو انڈین سے بیاہ کر لیا تھا وہ مطمئن ہو گیا اس نے بریف کیس میں سے سگرٹوں کا پیکٹ نکال کر مجھے سگریٹ پیش کیا مگر میں نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ میں سگریٹ نہیں پیتا ۔ سگریٹ کا پیکٹ میری پتلون کی جیب میں بھی تھا لیکن چونکہ کسی اجنبی سے سگریٹ لے کر پینا خطرناک ہو سکتا تھا اس لئے اب میں کولمبو تک اپنا سگریٹ بھی نہیں پی سکتا تھا ۔ اس مسافر کو کولمبو جانا تھا ۔ وہ سنہالی تھا اور اس نے اپنے آپ کو کولمبو کی ایک فرم کا ایجنٹ ظاہر کیا تھا پوشالی تامل زبان جانتی تھی وہ مجھ سے کوئی بات کرتی تو تامل زبان میں' اس اجنبی سنہالی مسافر کے بارے میں ہمیں اس قسم کا کوئی شک شبہ نہیں تھا کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے مگر پھر بھی ہمیں بے حد احتیاط کی ضرورت تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ اگر کوئی ہم سے کچھ پوچھے تو ہم اسے مکمل جواب دیں اور اس کی تسلی کر دیں سفر میں ہمیں ایسا ضرور کرنا پڑتا تھا ۔ شکل و صورت سے یہ اجنبی مسافر بڑا شریف اور پڑھا لکھا مہذب آدمی لگتا تھا ۔ ٹرین اپنے سفر پر رواں دواں تھی ۔

یہ ٹرین ایسی تھی کہ اس میں ہر کمپارٹمنٹ کے آگے ایک لمبی راہداری یعنی کوریڈور تھا چار بجے سہ پہر اس سنہالی نے چائے منگوائی اور ہمیں بھی دعوت دی ہم انکار نہ کر سکے اس نے اپنا نام پنڈاری بتایا تھا ۔ اپنے بارے میں' میں نے اسے یہی بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی کولمبو میں چائے کی ایک کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں ۔

پھر شام ہو گئی ۔ کمپارٹمنٹ کی بتیاں روشن ہو گئیں ٹرین دو گھنٹے بعد کولمبو پہنچنے والی تھی میں اور پوشالی بڑے مطمئن تھے ہمارا سفر خیریت سے کٹ گیا تھا ٹرین ایک جنگل میں سے گزر رہی تھی ۔ باہر رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا کوریڈور والا دروازہ بند تھا ہمارا ساتھی پنڈاری اپنی سیٹ پر ٹیک لگائے اخبار پڑھ رہا تھا ۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کئی بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھ چکا تھا میں نے

سوچا کہ ٹرین چونکہ کولمبو پہنچنے والی تھی، اس لئے وقت دیکھ رہا ہوگا پوشالی اپنی سیٹ پر نیم دراز تھی۔ میں اس کے سامنے والی سیٹ پر دیوار سے لگ کر بیٹھا کھڑکی میں سے باہر اندھیرے کو دیکھ رہا تھا۔ ہمارا ساتھی مسافر پنڈاری اٹھ کر باتھ روم میں گیا، پھر باہر نکل کر کوریڈور کا دروازہ کھول کر اس نے راہداری میں ادھر ادھر دیکھا اور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا مجھے اس کی حرکت کچھ مشتبہ لگیں مگر میں نے زیادہ اہمیت نہ دی ٹرین بڑی تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی۔ پوشالی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا اس کی آنکھیں مجھے ہوشیار بنے کا سگنل دے رہی تھیں میں نے جماہی لے کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال لیا۔ اس جیب میں بھرا ہوا ریوالور تھا۔ اتنے میں کمپارٹمنٹ کا کوریڈور والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور بجلی ایسی تیزی سے پستول نکال کر ہماری طرف تان دیا اور تامل زبان میں بولا۔ "اگر ذرا بھی حرکت کی تو گولی سے اڑا دوں گا۔"

میں نے اپنے ساتھی مسافر کی طرف دیکھا تو اس دوران میں اس نے بھی اپنے بریف کیس میں سے پستول نکال کر ہماری طرف تان دیا تھا اور تامل زبان میں کہنے لگا "جس طرح ہم کہیں ویسے ہی کرنا"

اس نے اپنے بریف کیس میں سے نائلون کے دو رومال نکال کر اپنے نووارد ساتھی کی طرف اچھالے وہ رومال لے کر ہماری طرف بڑھا دونوں پستولوں کا رخ ہماری طرف تھا۔ میں نے کہا کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں ہم پر امن شہری ہیں۔ ہمارے پاس جو تھوڑے بہت پیسے ہیں وہ لے لیں۔

خدا جانے ان لوگوں کا مقصد ہمیں لوٹنا تھا یا کچھ اور مقصد لے کر آئے تھے۔ یہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کیونکہ اس کے فوراً بعد وہ ہمارے کمانڈو ایکشن کی زد میں تھے پوشالی پہلے سے ہوشیار ہو چکی تھی۔ ریوالور میری جیب والے ہاتھ میں تھا۔ جونہی دوسرا آدمی رومال لے کر شاید ہمارے منہ میں ٹھونسنے یا پوشالی کے ہاتھ باندھنے کے لئے آگے بڑھا میں نے تیزی سے جیب میں سے ریوالور نکال کر پہلے والے مسافر پنڈاری کی چھاتی میں فائر کر دیا ریوالور پر سائیلینسر پہلے ہی سے لگا ہوا تھا۔ وہ وہیں دہرا ہو گیا۔ اتنی دیر میں پوشالی نے اچھل کر ایک ایسی لات دوسرے آدمی کی تھوڑی پر ماری کہ وہ پیچھے کی طرف گرا۔ میں نے اس پر بھی فائر کر دیا۔ گولی اس کی گردن میں لگی اور وہ وہیں پڑا رہا۔ پوشالی نے دوسرے مسافر کو کھڑکی کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا "انہیں زندہ نہ چھوڑنا۔"

میری پہلی گولی پنڈاری کے سینے میں عین دل پر لگی تھی جس نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ دوسری گولی دوسرے مسافر کی گردن پر لگی تھی۔ اس میں ابھی تھوڑی سانس باقی تھی۔ پوشالی نے ریوالور میرے ہاتھ سے لے کر اس دوسرے ڈاکو یا سیکرٹ سروس کے آدمی کے دل کے عین اوپر رکھ کر فائر کر دیا۔ وہ بھی اگلی دنیا میں پہنچ گیا۔ ہم نے یکے بعد دیگرے دونوں کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ ٹرین اس وقت پوری رفتار کے ساتھ اندھیرے جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ فرش پر جو تھوڑا بہت خون

گرا تھا اسے ہم نے نائلون کے رومالوں سے صاف کر کے رومال بھی کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ اب ہم نے پہلے والے مسافر پنڈاری کے بریف کیس کی تلاشی لی۔ اس میں ہمیں سوائے ضروری استعمال کی چیزوں کے اور کچھ نہ ملا۔ ہم نے بریف کیس اور ان دونوں کے پستول بھی کھڑکی سے باہر اچھال دیئے۔ اسکے بعد ہم اپنی اپنی نشستوں پر اس طرح سکون کے ساتھ بیٹھ گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ٹرین اب بھی پوری رفتار کے ساتھ کولمبو کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

پوشالی نے کہا۔ "تمہارے خیال میں یہ لوگ کون تھے؟ میں انہیں صرف ڈاکو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

میں نے کہا۔ "اگر یہ سیکرٹ سروس کے آدمی تھے تو انہیں ہمیں باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

پوشالی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے وہ ہمیں اغوا کر کے لے جانا چاہتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا تامل تخریب کاروں کے گروہ سے کوئی تعلق ہو۔

"بہرحال ہم نے انہیں جہنم میں بھیج دیا ہے، اگر واقعی یہ سیکرٹ سروس کے آدمی تھے تو ہمیں آگے بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیکرٹ سروس تمہاری سرگرمیوں سے باخبر ہے۔"

میں نے اٹھ کر کاریڈور میں دائیں بائیں دیکھا۔ کاریڈور خالی تھا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور پوشالی سے کہا۔ "یہاں میری نگرانی کا زیادہ امکان نہیں ہے۔ کیونکہ لنکا کی حکومت میرے خیال کے مطابق مجھ سے باخبر نہیں ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ ہندو تامل تخریب کاروں کی تنظیم کے آدمی ہوں۔ انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہو اور اب یہ تمہارے ساتھ مجھے بھی اغوا کر کے لے جانا چاہتے ہوں۔"

ٹرین کی رفتار دھیمی ہو گئی تھی۔ کولمبو شہر قریب آ رہا تھا۔ یہ اس کے مضافات کا کوئی اسٹیشن تھا۔ ٹرین تھوڑی دیر بعد رک گئی۔ ہمیں خدشہ تھا کہ کہیں ہمارے کمپارٹمنٹ میں کوئی مسافر نہ آ جائے، اگرچہ وہاں فرش پر خون بظاہر نظر نہیں آتا تھا مگر غور سے دیکھنے پر وہاں خون کے تین دھبے دکھائی دے سکتے تھے۔ چونکہ کولمبو قریب ہی تھا۔ اس لئے مضافات کے کوئی سیکنڈ کلاس کا مسافر ہمارے ڈبے میں نہ آیا۔ ٹرین ایک منٹ رک کر پھر آگے روانہ ہو گئی۔ پوشالی بڑے اطمینان سے کھڑکی کے قریب بیٹھی پنڈاری کا خریدا ہوا اخبار پڑھ رہی تھی۔ جس تیزی اور سفاکانہ انداز میں پوشالی نے مجھ سے سائیلنسر والا ریوالور لے کر دوسرے ڈاکو مسافر کے دل میں فائر کیا تھا اس نے مجھے کافی متاثر کیا تھا۔ یہ عورت یا بڑی سفاک اور بے درد تھی یا پھر انتہائی مکمل اور جرأت مند کمانڈو تھی۔ وقت اور مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ دوسرے مسافر کو بھی موت کی نیند سلا دیا جائے۔ یہ کام مجھے کرنا چاہئے تھے مگر پوشالی

کمانڈو مجھ پر سبقت لے گئی تھی۔

ٹرین کولمبو سے ایک اسٹیشن پہلے رکی تو پوشالی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ہمیں اسی اسٹیشن پر اتر جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ان دونوں کے ساتھی ٹرمینل پر موجود ہوں۔"

پوشالی کا خیال قابل قبول تھا۔ بہت ممکن تھا کہ ان لوگوں کا کوئی آدمی کولمبو کے فورٹ اسٹیشن پر موجود ہو۔ ہم اسی اسٹیشن پر اتر گئے۔ یہ اسٹیشن کولمبو شہر کا حصہ ہی تھا۔ اسے ہم ایک لوکل اسٹیشن کہہ سکتے تھے۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ ہم تیز تیز چلتے بھیڑ میں گم ہو گئے اور ہجوم کے ساتھ ہی اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ باہر آتے ہی ہم نے ٹیکسی لی اور میں نے ڈرائیور کو اس خاص مقام کی طرف چلنے کو کہا "جہاں سے مجھے اپنے ایجنٹ کے جنگل والے کوارٹر میں پوشالی کو ساتھ لے جانا تھا۔ ٹیکسی روانہ ہو گئی۔ کولمبو کی اونچی اونچی عمارتوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سڑکیں بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد ٹیکسی شہر کے پچھلے علاقے میں داخل ہو گئی۔ یہاں آبادی دور دور تھی۔ بیچ میں باغ اور کھیت تھے۔ ایک جگہ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پوشالی کو لے کر ایک پارک میں داخل ہو گیا۔

پوشالی نے پوچھا "کیا یہ جگہ محفوظ ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ اپنے ایجنٹ نے سوچ سمجھ کر ہی یہ جگہ چنی ہو گی۔ وہ بولی۔ "میں ایجنٹ کو جانتی ہوں۔ وہ بڑا تجربے کار آدمی ہے۔ میں اس سے دو بار ملی ہوں اور اسکی ذہانت کی قائل ہو گئی ہوں اگر یہ جگہ اسکا انتخاب ہے تو یقیناً محفوظ ہو گی۔"

پارک سے نکل کر ہم ایک اجاڑ میدان میں آ گئے۔ یہاں سے میں اسے آسان اور غیر آباد علاقے میں سے گزار کے اس پگڈنڈی پر لے آیا جو اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اپنے محفوظ ٹھکانے کی طرف جاتی تھی۔ پوشالی میرے پیچھے چل رہی تھی۔ ہم جھونپڑا نما کوارٹر کے قریب آئے تو میں نے بوڑھے سنہالی کو دیکھا۔ وہ باہر برآمدے میں بیٹھا ناریل پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "میں ابھی چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

پوشالی نے اپنی جھونپڑی کی طرف جاتے بوڑھے کو گھور کر دیکھا اور بولی "یہ بوڑھا کون ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ یہ بھی اپنے ہی ایجنٹ کا انتخاب ہے۔ پوشالی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ اس وقت شام کے سات سوا سات کا وقت ہو گا۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ کوارٹر میں بیٹھ کر چائے پیئے۔ میں اپنے ایجنٹ کو جا کر خبر کرتا ہوں کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں پوشالی کو دشمنوں سے نکال کر لے آؤں تو اسی وقت اطلاع کروں۔

پوشالی نے کہا۔ "اپنا ریوالور مجھے دیتے جاؤ۔"

میں نے ریوالور جیب سے نکال کر اسے دے دیا۔ بریف کیس بانس کی ٹیبل پر رکھا اور اپنے ایجنٹ کی طرف چل پڑا۔ پوشالی کے بارے میں مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ایک تو وہ محفوظ جگہ پر تھی

دوسرے وہ اپنی حفاظت کر سکتی تھی۔ میں نے بڑی سڑک پر آتے ہی ٹیکسی پکڑی اور ٹمبل روڈ پر اپنے ایجنٹ کی کتابوں کی دکان پر کی طرف چلنے لگا۔ اس کی دکان کھلی تھی مگر گاہک کوئی نہیں تھا۔ وہ کاؤنٹر پر پڑی ہوئی کتابوں کو شیلف میں رکھ رہا تھا۔ میں دکان میں داخل ہوا تو اس نے ایک نگاہ غلط انداز سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "کیا پوشالی کو لے آئے ہو؟"

میں نے شیلف میں سے ایک کتاب نکال کر اسکی ورق گردانی کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "ہاں"

ایجنٹ نے کاؤنٹر کی طرف گھومتے ہوئے کہا "جو کتاب تمہارے ہاتھ میں ہے اسے اپنے ساتھ لے کر اسپاٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں دس بجے رات کو آؤں گا۔"

میں نے کتاب بغل میں دبائی اور خاموشی سے دکان سے باہر نکل کر جدھر سے آیا تھا ادھر کو چل پڑا۔ سڑک پر ٹریفک چل رہا تھا۔ بلڈنگوں کے فلیٹ روشن تھے۔ بوریلا جنکشن سے میں نے ٹیکسی پکڑی اور اسے گال روڈ پر جا کر چھوڑ دیا۔ یہاں سے میں نے دوسری ٹیکسی لی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک ریستوران سے میں نے چاول اور مچھلی کا پارسل بندھوا کر ساتھ لیا۔ خفیہ ٹھکانے پر آیا تو پوشالی مچھر دانی کے اندر پلنگ پر نیم دراز تھی۔ کونے والے طاق میں اس نے ایک موم بتی جلا رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر مچھر دانی سے باہر نکل آئی۔ میں نے اسے بتایا کہ اپنا ساتھی دس بجے رات کو آ رہا ہے۔ پوشالی نے صرف اتنا پوچھا کہ کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا تھا؟

میں نے پارسل بانس کی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں ایسا نہیں تھا۔ تمہیں ضرور بھوک لگ رہی ہو گی۔ مجھے بھی لگ رہی ہے۔ ٹھہرو میں پانی لے کر آتا ہوں۔"

" ہم نے بڑے شوق سے کھانا کھایا۔ بھوک بھی خوب لگ رہی تھی۔ ہم کولمبو کے موسم کی باتیں کرنے لگے۔ پوشالی نے ایک ذمے دار کمانڈو جاسوسہ کا ثبوت دیتے ہوئے ابھی تک مجھ سے نہ تو میرا نام پوچھا تھا اور نہ ہی اس بارے میں کوئی استفسار کیا تھا کہ میں دلی میں کہاں متعین ہوں۔ یہ باتیں پوچھنے والی نہیں تھیں۔ ٹھیک دس بجے اپنا ایجنٹ بھی آ گیا۔ وہ پوشالی سے مل کر بہت خوش ہوا مگر اس خوشی کا اظہار اس نے صرف لفظوں سے ہی کیا۔ اس کے چہرے پر خوشی نام کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ اسی طرح انتہائی سنجیدہ اور سرد تھا۔ پوشالی نے وہاں پر جو بوڑھا رہتا تھا' اس کے بارے میں کچھ اندیشوں کا ذکر کیا تو ایجنٹ کہنے لگا۔

"کل صبح میں اسے یہاں سے کسی اور جگہ پہنچا رہا ہوں۔ تم لوگ اسکی فکر نہ کرو اور تمہیں یہاں زیادہ رہنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

اس نے پوشالی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ صرف جذبہ اسلام کے تحت اتنے خطرناک مشن پر کام کرنے کو راضی ہو گئی ہے۔ پوشالی نے صرف اتنا جواب دیا "اسلام کی خاطر میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو

کافروں نے شہید کر دیا۔ اسلام کی خاطر میں بھی شہید ہونے کو تیار ہوں۔"

بند کمرے کی فضا میں ایک مقدس خاموشی طاری ہو گئی۔ ایجنٹ نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر بچھا دیا اور موم بتی لا کر وہاں رکھ دی اور بولا۔" یہ اس غیر ملکی سفارت خانے کی عمارت کا نقشہ ہے جس کے تہہ خانے کی سیف میں 'چانکیہ پلان' کا بلیو پرنٹ رکھا گیا ہے۔"

میں اور پوشالی نقشے کو غور سے دیکھنے لگے۔ اس میں سفارت خانے کی دو منزلہ عمارت کے سبھی کمروں اور تہہ خانے کو دکھایا گیا تھا۔ وہ راہداریاں اور راستے بھی درج تھے جو مختلف کمروں اور تہہ خانے کو جاتے تھے۔ نقشے میں اس کمرے کی پوری تفصیلات لکیروں اور اشاروں کی صورت میں لکھی گئی ہے' جہاں سے ہمیں 'چانکیہ پلان' کے بلیو پرنٹ کو اڑا کے لانا یا اس فلم کی بنا کرلانی تھی۔ ہماری پہلی ترجیح بلیو پرنٹ کو وہاں سے اٹھانا تھا اگر اس سلسلے میں کوئی ٹیکنیکل قباحت ہو تو اس کی فلم بنا کرلانی تھی۔

ایجنٹ کہہ رہا تھا" اس نقشے کی ایک ایک لائن' ایک ایک راستے کو تمہیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہو گا کیونکہ یہی وہ راستے ہیں جہاں سے گزر کر تمہیں اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا ہو گا۔ تم اس نقشے کو اپنے پاس رکھو۔ کل دن میں بھی اس کا اچھی طرح جائزہ لینا اور اسے اپنے ذہن میں نقش کرنے کی کوشش کرنا۔ میں کل شام ہوتے ہی آ جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اپنا ایجنٹ کرسی سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے ہماری طرف پلٹ کر بولا" تمہیں کسی شے کی ضرورت تو نہیں؟"

ہم نے بیک وقت نفی میں سر ہلایا۔ وہ خاموشی سے چلا گیا۔ اسکے جانے کے بعد' میں نے دروازے بند کر دیا اور ہم موم بتی کی روشنی میں ایک بار پھر نقشے پر غور کرنے لگے۔ نقشے میں بجلی کے سرکٹ اور سوکٹ بھی دکھائے گئے جو تین کمروں اور تہہ خانے میں اترنے والے زینے کے اوپر لگے تھے۔

پوشالی نقشے کو گھورتے ہوئے بولی۔" ابھی تک ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمیں کس بھیس میں سفارت داخل ہونا ہو گا۔"

میں نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔" یہ اپنا ایجنٹ ہمیں کل بتائے گا شاید ویسے تمہارا کیا خیال ہے پوشالی! کیا راتوں رات' منہ سر پر کالک مل کر نقاب پہن کر سیندھ لگا کر عمارت میں داخل ہونا ہو گا؟"

پوشالی نے کہا" اگر ایسی بات ہوتی تو میرا کس لئے انتظار کیا جاتا؟ مجھے تو اس مشن میں زیادہ تر اس خیال سے شامل کیا گیا ہے کہ میں اس ملک کی رہنے والی ہوں اور اس ملک کی زبان مادری زبان کی طرح بول لیتی ہوں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا کہ مجھے اس غیر ملکی سفارے خانے میں اپنی زبان بولنی پڑے گی

اور اسکے لئے مجھے سفارت خانے میں دن کی روشنی میں بھی جانا پڑیگا۔"

میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا۔"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے ایجنٹ کے پاس اس سفارت خانے میں داخل ہونے کا بھی ایک پورا پلان موجود ہے۔ بہتر ہو تا کہ وہ آج ہی ہمیں بتا دیتا کیونکہ وقت بہت قیمتی ہے۔"

پوشالی نے کہا"اس نے کچھ سوچ کر ہی ہمیں آج کچھ نہیں بتایا۔ میرا خیال ہے وہ چاہتا ہے اس نقشے کی ساری تفصیلات ہمارے ذہن میں نقش ہو جائیں"

میں نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے پوشالی سے پوچھا۔"یہ کراس کا نشان یہاں کس لئے لگایا گیا ہے ؟"

پوشالی طنزیہ انداز میں مسکرائی۔"اس سفارت خانے کا وہ کمرہ ہے جہاں سفارت خانے کے عملے کا کوئی رکن اگر دل میں عیسائیت کا قائل ہو تو وہاں اندھیرے میں جا کسی بھی وقت عبادت کر سکے۔

میرے لئے یہ انکشاف تھا۔ مگر چونکہ پوشالی ایک غیر ملکی مسلمان خاتون تھی اور مغربی جرمنی میں اسکا رابطہ اور سلسلہ سفارت خانوں سے بھی رہا تھا۔۔ اس لئے مجھے اسکی بات کا یقین کرنا پڑا۔ میں نے پوچھا"مگر کیا یہاں لوگ صرف رات کے وقت اندھیرے میں جا کر عبادت کرتے ہیں؟"

پوشالی نے جواب میں کہا۔"اس میں دن اور رات کی کوئی قید نہیں۔ اس کمرے میں دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ یہاں جان بوجھ کر اندھیرا رکھا جاتا ہے تاکہ سفارت خانے کا جو رکن خدا کی عبادت کرنے وہاں جائے۔ اسے اس بات کا اطمینان ہو کہ اسے سوائے خدا کے دوسرا کوئی نہیں دیکھ رہا۔"

میں نے کہا"لیکن تم کیا سمجھتی ہو سفارت خانے کے ناظم اعلیٰ یعنی سفیر کو اس کا علم نہیں ہو گا کہ کون کون لوگ یا کون آدمی وہاں عبادت کرنے جاتا ہے۔"

پوشالی نے اپنے سرخ ہونٹوں کو ذرا سا سکیڑتے ہوئے کہا۔"بس یہی ان لوگوں کی منافقت ہے جو ' انکی عالمی پالیسیوں میں بھی نمایاں رہتی ہے۔"

میں نے پوشالی لے کہا"اگر ہمیں رات کے اندھیرے میں سینده لگا کر سفارت خانے کی عمارت میں گھسنا ہے تو یہ کراس والی جگہ ہمارے چھپنے کے لئے کیمو فلاج کا کام دے سکتی ہے۔"

پوشالی نے ایک گہری سانس کھینچی اور جماہی لے کر بولی"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ باقی کل دیکھا جائے گا۔"

وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اسے اندر سے کنڈی لگانے کی ہدایت دے کر دوسرے چھوٹے کمرے میں آگیا۔ نقشہ میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔ نیند مجھے بھی آ رہی تھی۔ میں نے نقشے کو تہہ کر کے اپنے سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور نیند کے خیر مقدم کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

میری آنکھ جلد ہی کھل گئی۔ سورج نکلنے میں ابھی تھوڑی دیر تھی۔ میں برآمدے کی سیڑھیوں میں آکر بیٹھ گیا۔ صبح سے پہلے کا منظر بڑا پرکشش تھا۔ ٹھنڈی شبنم آلود ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ میں کچن کی طرف چلا گیا۔ کچن خالی پڑا تھا۔ بوڑھا سنہالی مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اپنے ایجنٹ نے شاید اسے صبح صبح وہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیا تھا اور بوڑھا سنہالی وہاں سے جا چکا تھا۔ کچن میں برتن وغیرہ اسی طرح پڑے تھے۔ میں نے آگ جلا کر کیتلی میں چائے کے لئے پانی رکھ دیا پھر نلکے پر جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ برش سے دانت صاف کئے۔ چائے تیار ہو گئی تو اسے گلاس میں ڈال کر برآمدے میں آگیا اور سیڑھیوں میں بیٹھ کر پینے لگا۔ جنگل کے درختوں کے پاس بیٹھ کر منہ اندھیرے چائے پینے کا ایک اپنا مزہ ہے لیکن ہم کمانڈو لوگ موسموں سے زیادہ لطف اندوز نہیں ہوا کرتے۔ چائے پیتے پیتے خیال آیا کہ کہیں بوڑھا سنہالی دشمن کا آدمی تو نہیں تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے چائے کا گلاس برآمدے کے لکڑی سے بنے فرش پر رکھا اور لپک کر اپنے کمرے میں آگیا۔ جلدی سے تکیہ اٹھا کر دیکھا۔ موی کاغذ میں لپٹا ہوا نقشہ وہاں موجود تھا۔ کھول کر دیکھا۔ یہ اپنا ہی نقشہ تھا۔ واپس آکر سیڑھیوں میں بیٹھ گیا اور چائے پینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سورج طلوع ہوا۔ درختوں کے پتوں میں سورج کی ترچھی کرنوں نے ایک جال سا پھیلا دیا۔ درختوں پر پرندے زور و شور سے چہچہانے لگے۔ پوشالی بھی اٹھ کر باہر آگئی۔ میں نے اسے بھی چائے بنا کر دی۔ نو بجے تک ہم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کے ایک بار پھر نقشے کا جائزہ لے رہے تھے۔ ٹھیک دس بجے اپنا ایجنٹ بھی آگیا۔ آتے ہی وہ سیدھا پوشالی کے کمرے میں گھس گیا۔ ہمارے لئے وہ دودھ اور ڈبل روٹی بھی ساتھ لایا تھا۔ میں نے کمرے میں آتے ہی بوڑھے سنہالی کے بارے میں پوچھا تو اپنے ایجنٹ نے بتایا کہ اس نے اسے منہ اندھیرے کسی دوسری جگہ پہنچنے کو کہہ دیا تھا۔

"کیا وہ نہیں گیا تھا؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

میں نے کہا" وہ جا چکا ہے۔"

ہم بانس کی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ اپنے ایجنٹ نے جیب سے ایک کاپی نکال کر کھولی۔ اس میں دو پاسپورٹ تھے۔ ایک پاسپورٹ میرا تھا۔ اس پاسپورٹ میں مجھے سری لنکا کا عیسائی تامل باشندہ ظاہر کیا گیا تھا اور میرا نام ڈیوڈ پلے ولد آئزک پلے لکھا گیا تھا۔ میرا پیشہ مزدوری لکھا ہوا تھا۔ یعنی ورک مین۔ ساتھ ہی میرا شناختی کارڈ بھی تھا۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ نقلی تھے اور لنکا کی حکومت کی طرف سے جاری کئے تھے۔ ان پر میری تصویر لگی ہوئی تھی جو سرحد سے میرے باس نے اپنے ایجنٹ کو بھیجی تھی۔ اس نے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں ڈیوڈ پلے ہو۔ تم بوریلا جنکشن کے ایک محلے میں پیدا ہوئے اور تمہارے ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے۔ تم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ یہاں تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں۔ تم معمولی

پڑھے لکھے ہو۔ دو برس تک تم جافنا کے ایک انگریز کے بنگلے پر صفائی وغیرہ کا کام کرتے رہے ہو۔ جب انگریز انگلستان چلا گیا تو تم کولمبو واپس آ گئے ۔ یہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ اپنے پاس ہی رکھو۔ اس پاسپورٹ کو جاری ہوئے تین سال ہو گئے ہیں شناختی کارڈ' چار برس پہلے جاری کیا گیا تھا۔ تمہیں کیا کرنا ہو گا میں ابھی بتاتا ہوں۔"

اسکے بعد وہ تاجیک مسلمان کمانڈو لڑکی پوشالی کی طرف متوجہ ہوا۔ کاپی میں سے اس کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ نکال کر اس کے سامنے میز رکھ دیا اور بولا "تم سری لنکا کی ایک ڈچ نژاد سنہالی لڑکی ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد ہالینڈ سے لنکا میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ تمہارا نام ڈی گارشیا ہے۔ تمہارے ماں باپ اپنی جائداد بیچ کر ہالینڈ جا کر دوبارہ آباد ہو گئے تھے۔ تمہیں لنکا سے محبت تھی' جو اب تمہارا وطن ہے تم انکے ساتھ نہیں گئیں اور گال روڈ کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں اکیلی رہ رہی ہو۔ تمہارے ماں باپ تمہارے نام بینک میں کچھ رقم جمع کروا گئے تھے۔ جس سے تمہارا گزارا ہوتا ہے۔ تم کبھی کبھی نوکری بھی کر لیتی ہو۔ یہ ہرگز کسی کو نہ بتانا کہ تم روسی' عربی یا اردو زبان بھی جانتی ہو تم صرف سنہالی ہندوستانی انگریزی زبانیں ہی جانتی ہو۔ تمہارا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بھی لنکا گورنمنٹ کی جانب سے ایشو ہوا ہے۔ ایک بات' میں تم دونوں پر واضح کر دوں۔ یہ دونوں دستاویزات جعلی ہیں مگر اس قدر صحیح اور مکمل ہیں.... کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لیبارٹری بھی اسے جعلی ثابت نہیں کر سکتی۔"

میں خاموش تھا۔ پوشالی نے پوچھا "ہمیں کیا کرنا ہو گا؟

ایجنٹ نے ہم دونوں کی طرف باری باری غور سے دیکھا اور کہا۔ "جس غیر ملکی سفارت خانے میں' جانکیہ پلان' کا بلیو پرنٹ موجود ہے وہاں کا چھوٹا اور معمولی اسٹاف مقامی سنہالی لوگوں پر مشتمل ہے۔ سفارت خانے والے اس معمولی سٹاف کو چار چھ مہینوں کے بعد کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر بدلتے رہتے ہیں تاکہ کوئی مقامی آدمی ان کے سفارت خانے میں جم کر کام نہ کر سکے۔ ہمارا آدمی تم دونوں کو ایک ایک ہفتے کے وقفے سے اس غیر ملکی سفارت خانے میں مختلف کام دلوا دے گا۔ ہمیں تو یہ اطلاع ہے کہ' جانکیہ پلان' کا بلیو پرنٹ سفارت خانے کے ایک سیف میں بند ہے مگر اس سیف کو جو نمبروں والا تالا لگا ہے اس کا کومبی نیشن ہمیں کسی طریقے سے بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ کام پوشالی کو کرنا ہو گا کہ وہ سیف کے نمبروں کا سیکرٹ کومبی نیشن معلوم کرے۔ اتنا میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ کومبی نیشن جس آفیسر کے پاس ہے اس کا نام سمرنوف ہے۔ نوجوان ہے۔ ڈیوٹی کے بعد جا کر مشروبات سے بھی جی بہلاتا ہے۔ سنہالی یا دوسری غیر ملکی عورتوں کی طرف وہ کبھی توجہ نہیں دیتا۔ اسے تاش کا کھیل برج کھیلنے کا شوق ہے اور گال فیس ہوٹل کے برج روم میں اپنے سفارت خانے کے دوستوں کے ساتھ ہی برج کھیلتا ہے اور وہیں سے واپس اپنے بنگلے پر آ جاتا ہے۔"

پھر اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا "تمہیں سفارت خانے کی پہلی منزل کے میزوں' راکھ

واتوں اور کاریڈور کے فرش کو کیمیکلز سے صاف کرنے کی ڈیوٹی دلانے کی کوشش کی جائے گی۔ اپنا آدمی اس سلسلے میں سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ تمہیں کسی طرح تہ خانے تک پہنچ کر یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہاں سیکورٹی کا کیا انتظام ہے؟ کوئی خفیہ الارم تو نہیں لگایا گیا؟"۔

میں بڑے غور سے اپنے ایجنٹ کی بریفنگ سن رہا تھا۔ ہمیں بڑا مشکل اور خطرے سے بھرپور کام تفویض کیا جا رہا تھا۔ گویا ہمیں ایک ایسے میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے چلنا تھا جہاں قدم قدم پر بارودی سرنگیں بچھی تھیں۔ اپنے ایجنٹ نے پوشالی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"گال روڈ کی ایک سنسان سڑک پر ایک فلیٹ تمہارے نام پر کرائے پر لیا گیا ہے اور بینک آف سری لنکا میں کل تمہارے نام کا ایک اکاؤنٹ بھی کھل جائے گا۔ اس کے تمام کاغذات بھی کل تمہارے حوالے کر دیئے جائیں گے تم دونوں کل شام کو یہاں سے دوسری جگہ پر منتقل ہو جاؤ گے۔"

میں نے پوچھا "مجھے کہاں رہنا ہو گا؟"

ایجنٹ نے کہا۔ "تمہارا نام آج سے ڈیوڈ پلے ہے تمہارے جو کوائف تمہیں بتائے گئے ہیں اور جو کچھ تمہارے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں درج ہیں۔ وہ تمہیں ازبر کر لینے ہوں گے۔ یہی ہدایت پوشالی تمہارے لئے بھی ہے۔"

پوشالی نے سوال کیا کہ اسے خاص طور پر سیکرٹ آفیسر سرنوف کے بارے میں بریف کیوں کیا گیا ہے؟

اپنے ایجنٹ نے پوشالی کی طرف تعجب سے دیکھا اور بولا "میرا خیال ہے تمہیں ضرور معلوم ہو گا کہ اس شخص سے تمہیں سیف کا کومبی نیشن کس طریقے سے معلوم کرنا ہے۔"

اپنے ایجنٹ نے مجھے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے اپنا سوال دہرایا تو وہ بولا "تمہاری رہائش کے لئے بوریلا جنکشن کی ایک اسٹریٹ میں ایک بیوہ عورت کے کوارٹر کا ایک کمرہ کرائے پر لے لیا گیا ہے تم وہاں ڈیوڈ پلے کے نام سے رہو گے اور یہ ظاہر کرو گے کہ تم نوکری کی تلاش میں ہو اور جلد تمہیں کسی فرم میں نوکری ملنے والی ہے۔ اسکے علاوہ تم اس بیوہ سنہالی سے کبھی کوئی فالتو بات نہیں کرو گے۔"

میں نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ جافنا کے ہندو تامل تخریب کاروں کے گروہ کا کوئی آدمی یہاں آ گیا تو وہ مجھے پہچان سکتا ہے اس پر ایجنٹ کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تامل تخریب کاروں کی سرگرمیاں صرف شمالی لنکا تک ہی محدود ہیں۔ وہ جنوب کی طرف نہیں آتے دوسری بات یہ ہے کہ جن جن لوگوں نے تمہاری چہرہ شناسی کی تھی۔ انہیں تم دونوں نے موت کی نیند سلا دیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آج سے تم چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھو گے۔"

پوشالی نے سوال کیا کہ ہماری حفاظت کے لئے کوئی اسلحہ یا زہریلا مواد دیا جائے گا؟

ایجنٹ نے کہا "ابھی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وقت آیا تو اس کا بھی فوری انتظام ہو جائے گا۔ میرے ساتھ تمہارا رابطہ ایک خاص ٹرانسمیٹر کی خاص فریکوئنسی پر کوڈ لفظوں میں برابر رہے گا۔ جس روز تم دونوں غیر ملکی سفارت خانے میں اپنی ڈیوٹی سنبھالو گے۔ اس وقت تمہیں ایک بال پوائنٹ دے دیا جائے گا۔ یہ ٹرانسمیٹر ہو گا۔ اس وقت تمہیں کوڈ ورڈ اور سگنل کی فریکوئنسی بھی بتا دی جائے گی۔ اب میں جاتا ہوں کل شام کو آؤں گا۔ تمہیں اس وقت میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ تم تیار رہنا۔ اس تھیلے میں تمہارے لئے کل دوپہر تک کا دودھ اور ڈبل روٹی وغیرہ موجود ہے۔ کچن میں سبزیاں بھی پڑی ہیں۔ اوکے۔"

یہ کہہ کر ہمارا ایجنٹ اٹھا اور کمرے سے نکل کر برآمدے سے ہوتا ہوا درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد، میں اور پوشالی دیر تک اپنے نئے اور خطرناک مشن پر باتیں کرتے رہے، پھر اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ دوسرا دن بھی وہیں کوارٹر کے آس پاس ہی گزر گیا۔ پوشالی نے دوپہر کے کھانے کے لئے آلو اور سبزیاں ابال کر تیار کر لی۔ شام کو اپنا ایجنٹ آ گیا۔ ہم بالکل تیار تھے۔ وہ ٹیکسی لے کے آیا تھا۔ ٹیکسی وہاں سے دور سڑک کے کنارے کھڑی تھی یہاں سے وہ سب سے پہلے مجھے بوریلا جنکشن والے علاقے میں لے گیا۔ پوشالی کو ٹیکسی میں ٹھہرنے کو کہا اور ہم ایک کشادہ سی گلی میں کنارے کے کوارٹر میں آئے۔ اس نے میرا تعارف کوارٹر کی مالکہ سنہالی بیوہ سے کرایا اور کہا۔ "آنٹی! ڈیوڈ اپنا سامان کل لے آئے گا۔ بس ایک بستر ہی ہے اس بیچارے کے پاس بڑا غریب جوان ہے محنت مزدوری کر کے روزی کمانا چاہتا ہے۔"

سنہالی بیوہ کی عمر ستر کے قریب ہو گی۔ بال سفید ہو چکے تھے پرانی ساڑھی میں ملبوس تھی اور سگار پی رہی تھی اس نے میرا کمرہ کھول دیا اور بولی "غسل خانہ اس کے پیچھے ہے۔"

ایجنٹ نے بیوہ سنہالی کو بتا دیا تھا کہ میں سنہالی زبان زیادہ نہیں جانتا تھا کیونکہ میری پرورش زیادہ تر تامل لوگوں میں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے بیوہ سنہالی عورت نے مجھ سے تامل میں بات کی تھی۔ ویسے اب میں سنہالی زبان سمجھنے اور اس کے کچھ لفظ کہنے لگا تھا۔ میں کوارٹر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ یہ ایک کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا بوسیدہ کمرا تھا۔ جس کی چھت سے پنکھا لٹک رہا تھا۔ مچھروں نے مجھ پر یلغار کی تو میں نے پنکھا فل اسپیڈ پر چلا دیا۔ بانس کی ایک میز، ایک کرسی اور ایک پلنگ بچھا تھا۔ اپنا ایجنٹ پوشالی کو لے کر اسکی نئی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے جاتے وہ مجھ سے کہہ گیا تھا کہ میں کل دن کے دس بجے گال روڈ والی ماؤنٹ لیونیا کلب کے پاس ساحل سمندر پر اسے ملوں۔ رات میں نے کسی نہ کسی طرح کاٹی۔ صبح ناشتا میں نے بازار کے ایک ریستوران میں جا کر کیا۔ کچھ دیر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا اخبار وغیرہ پڑھتا رہا۔ سنہالی بیوہ کے کمرے سے کھانسی کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اتنی کمزور تھی کہ

زیادہ تر اپنے پلنگ پر ہی رہتی تھی۔ میرا چاقو اور ریوالور اپنے ایجنٹ کے پاس ہی تھا۔ ساڑھے نو بجے میں گال روڈ والے ساحل سمندر پر پہنچ گیا۔ ٹھیک دس بجے مجھے اپنے ایجنٹ کی صورت نظر آئی وہ مجھ سے دور ناریل کے درختوں کے نیچے ٹہل رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں اوپر سے ایک چکر کاٹ کر اس کے پاس چلا آیا اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا" میرے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ رکھ کر چلتے آؤ۔ میں تمہیں پوشالی کا فلیٹ دکھانا چاہتا ہوں۔"

ایجنٹ درختوں میں چلنے لگا۔ میں کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

پوشالی کو جو فلیٹ لے کر دیا تھا۔ اسکی حالت بے حد خستہ تھی۔ وہ سمندر سے گال روڈ کی طرف جاتی تنگ اور سنسان چھوٹی سڑک پر تھا۔ لکڑی کا گیٹ ٹوٹا ہوا تھا۔ برآمدے کی ڈھلانی چھت کی کئی سلیٹیں اکھڑ چکی تھیں۔ یہ دو کمروں کا فلیٹ تھا۔ پہلے کمرے میں فرش پر کچھ نہیں بچھا ہوا تھا۔ تین کرسیاں اور ایک لکڑی کی بوسیدہ میز پڑی تھی۔ بیڈ روم میں پلنگ بچھا تھا۔ پوشالی وہاں موجود تھی اور بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور اردو میں کہا۔" یہ میرا غریب خانہ ہے"

اپنے ایجنٹ نے میری طرف دیکھ کر کہا" تمہیں صرف یہ فلیٹ دکھانا مقصود تھا۔ از حد ضرورت سے پہلے اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ الگ الگ رہ کر اپنا کام کرو گے۔ سفارت خانے میں بھی تم ایک دوسرے سے زیادہ بے تکلف نہیں ہو گے۔ زیادہ بات چیت نہیں کرو گے۔ اب میں خود بخود سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اپنے ایجنٹ کے ساتھ پوشالی کے فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ راستے میں اس نے مجھے بوریلا جنکشن اتار دیا اور خود آگے چل دیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران میں میری ملاقات نہ پوشالی سے ہوئی اور نہ ہی اپنا ایجنٹ میرے پاس آیا۔ اس دوران میں نے اپنی ضروریات کے لئے چھوٹی موٹی چیزیں خرید لی تھیں۔ دسویں روز شام کے وقت جبکہ بارش ہو رہی تھی اپنا ایک ایجنٹ چھتری تانے میرے کوارٹر میں آیا اور یہ کہہ کر واپس چل دیا کہ مجھے ایک گھنٹے کے بعد جنگل والے ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہیئے۔ بارش موسلا دھار نہیں تھی۔ میں ایجنٹ کے جانے کے بعد چھتری لے کر کوارٹر سے نکلا۔ ٹیکسی لی اور جنگل والے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو پوشالی بھی وہاں موجود تھی اسی اثناء میں اپنا ایجنٹ بھی وہاں آگیا۔ ہم دروازہ بند کر کے موم بتی جلا کر کمرے میں بیٹھ گئے۔ باہر سے بارش کی ہلکی ہلکی آواز اندر آ رہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے جیب سے ہمیں دو سیاہ رنگ کے چھوٹے سائز کے بال پوائنٹ نکال کر دیئے اور بتایا کہ یہ انتہائی طاقتور ٹرانسمیٹر ہیں جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی اسے کھولے گا تو اس کے اندر خفیہ ٹیوب میں زہر رکھا گیا ہے۔ وہ اسکی تہہ میں موجود ننھے سے ٹرانسمیٹر کو جلا کر بھسم کر دے گا اور یوں کسی کو کوئی ثبوت نہ مل سکے گا کہ

اس بال پوائنٹ میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا۔ اس کے بعد اس نے ہمیں خفیہ کوڈ لفظ اور فریکوئنسی بتائی۔ ہم نے بال پوائنٹ لے لئے پھر وہ پوشالی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"تم کل صبح نو بجے بملا پٹی ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں جاؤ گی۔ وہاں تم عورتوں کی قطار میں کھڑی ہو جاؤ گی۔ جب تمہاری باری آئے گی، تم اپنا نام ڈی گارشیا بتاؤ گی۔ کلرک تمہیں نوکری کی چٹ دے کر تمہارے دستخط کروائے گا اور تمہیں اس غیر ملکی سفارت خانے میں جانے کو کہے گا جو ہمارا ٹارگٹ ہے۔ وہاں جا کر تمہیں کیا کہنا ہے اور انٹرویو میں کیا کچھ بولنا ہے۔ تم خود اچھی طرح جانتی ہو۔"

پھر میری طرف متوجہ ہوا "مسٹر ڈیوڈ چلے! دو دن بعد، صبح نو بجے تمہیں بھی اسی ایمپلا ایکسچینج کے آفس میں جا کر قطار میں کھڑے ہو جانا ہو گا۔ تمہاری باری آنے پر تمہیں بھی نوکری کی چٹ دے کر غیر ملکی سفارت خانے جانے کی ہدایت کی جائے گی۔ انٹرویو میں تمہیں یہی کہنا ہو گا کہ تم معمولی پڑھے لکھے ہو اور دو برس تک بھارت میں ایک انگریز کے ہاں فراش کے طور پر ملازمت کرتے رہے ہو۔ باقی تمہیں صورت حال کو خود سنبھالنا ہو گا۔ تم دونوں کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ یہ نوکریاں انتہائی جوڑ توڑ اور رشوتیں دینے کے بعد تمہارے لئے حاصل کی گئی ہیں اس لئے تمہیں ہر حالت میں انٹرویو میں کامیاب ہونا ہو گا۔ یہ ٹرانسمیٹر بال پوائنٹ تم اپنی اپنی رہائش گاہ کے کسی خفیہ مقام پر چھوڑ جاؤ گے۔ اب تم مجھ سے یا تو انتہائی خطرناک صورت حال میں اور یا اس وقت رابطہ قائم کرو گے جب تم میں سے ایک نے خفیہ سیف کا کومبی نیشن حاصل کر لیا ہو گا۔ اسکے علاوہ مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔ کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی ہمارے مشن کی ساری کارکردگی پر پانی پھیر سکتی ہے۔"

بارش کی آواز کمرے میں آ رہی تھی۔ ہمارے لئے زبردست آزمائش کا دور شروع ہونے والا تھا۔ یہ کوئی معمولی مشن نہیں تھا۔ ہمارے وطن پاک کی سلامتی کا مسئلہ بھی تھا اور ہم اس حقیقت سے بھی پوری طرح باخبر تھے کہ جس سفارتخانے میں ہمیں جاسوسی کے لیے بھیجا جا رہا ہے وہاں اناڑی لوگ نہیں بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ سیکورٹی اور سیکرٹ سروس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، لیکن ہم نے بھی اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنے کا عہد کر رکھا تھا، چاہے اس میں ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اپنا ایجنٹ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اور پوشالی بھی تھوڑا تھوڑا وقفہ دے کر اپنی اپنی رہائش گاہوں کی طرف چل دیئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دوسرے روز پوشالی کے انٹرویو کا کیا نتیجہ نکلا۔ میں دو دن تک اپنے کوارٹر میں ہی رہا۔ میں نے چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھ لی تھیں۔ تیسرے روز میں بھی معمولی سے کپڑے پہن کر اپنا شناختی کارڈ جیب میں رکھ کر ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

سفارت خانے کا جو آدمی انٹرویو لینے پر مامور تھا، اس نے مجھ سے ہندوستانی میں ہی بات کی۔

سکی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ خود سنہالی یا تامل زبان نہیں جانتا تھا۔ کوئی جملہ وہ انگریزی میں بھی مجھ سے پوچھ لیتا تھا کیونکہ جیسا کہ آپ کو پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جنوبی بھارت اور لنکا میں مزدور بھی انگریزی میں اپنا مافی الضمیر ادا کر لیتے ہیں۔ یہاں انگریزی کا معیار بہت اونچا ہے اور پہلی جماعت ہی سے انگریزی زبان سکھائی جاتی ہے۔

میرا شناختی کارڈ دیکھا گیا۔ میری انگلیوں کے نشان لئے گئے۔ میرا عہدہ کسی کلرک کا نہیں بلکہ کسی معمولی فراش کا تھا۔ اس کے لئے سفارت خانے والوں کو زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی یہ لوگ معمولی عہدوں پر مقامی لوگوں کو صرف دو تین ماہ کے لئے ہی نوکر رکھتے تھے اور پھر انہیں کسی نہ کسی بہانے نکال باہر کرتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں انٹرویو میں کامیاب ہو گیا اور اسی وقت مجھے ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔

میری ڈیوٹی پہلی منزل کے ان کمروں میں لگی جہاں سفارت کا آفس تھا۔ یہاں میری آنکھیں پوشالی کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ ایک بانس کا ڈنڈا جس کے آگے سوتر کی جھالریں لگی تھیں۔ ایک پہیوں والا ڈرم اور سوتی کپڑے کے ٹکڑے اور فرش اور میز صاف کرنے والے کیمیکلز کی دو تین بوتلیں میری تحویل میں دے دی گئیں۔ پہلی منزل میں ہی راہداری کے پیچھے ایک تنگ اور بالکل چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں میں نے یہ ساری چیزیں جا کر رکھ دیں۔ ایک داڑھی والے گورے چٹے آدمی نے مجھے سمجھا دیا کہ میں دن میں دو مرتبہ یعنی صبح اور شام کو راہداریوں کے فرش پر پالش کروں گا۔ درمیان میں دوپہر اور سہ پہر کے وقت میزوں اور راکھ دانوں یعنی ایش ٹریز کو صاف کروں گا۔ اس کے علاوہ دن میں دو بار کوٹھی کے پورچ اور اسکی سیڑھیوں پر بھی گیلا برش پھیروں گا۔ میں نے اسی وقت برش اور بالٹی پکڑی اور پورچ میں آ کر فرش کی صفائی پر لگ گیا۔

ابھی تک میں نے سفارت خانے کے سارے کمرے نہیں دیکھے تھے۔ اور مجھے پوشالی وہاں نظر نہیں آ رہی تھی۔ دوپہر تک میں یونہی پورچ، سیڑھیوں اور راہداری کی صفائی میں لگا رہا۔ کھانے کا وقت ہوا تو میں نے اپنی صفائی کا سامان تنگ سی کوٹھری میں رکھا اور باہر پورچ کے ایک طرف بیٹھ کر بیڑی پینے لگا۔ سامنے والے باغیچے میں ایک سیاہ فام سنہالی 'باڑ کے فالتو پتوں کو کاٹ رہا تھا۔ سفارت خانے کے گیٹ پر سنہالی گارڈ پہرے پر موجود تھا۔ گیٹ کا دروازہ بند تھا۔ جب کوئی گاڑی آتی یا کوئی گاڑی باہر جاتی تو گیٹ کھول دیا جاتا۔ کوٹھی کے اوپر اس سفارت خانے کے ملک کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ میں اٹھ کر مالی کے پاس چلا گیا اور تامل زبان میں اس سے پوچھا کہ یہاں کھانے کو کچھ مل جائے گا۔ مالی نے میری طرف دیکھ کر کہنی سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا اور بولا۔ "تم فراش ہو؟ آج ہی نوکری پر لگے ہو"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا "بھگوان کی دیا سے کام مل گیا ہے بے کار تھا۔"

مالی نے بتایا کہ پیچھے سفارت خانے کی ایک کنٹین ہے۔ وہاں جا کر کچھ کھا پی لو۔ کیونکہ جب

تک تمہارے پاس یہاں کا کارڈ نہیں ہو گا' پہرے دار تمہیں باہر جانے یا اندر نہیں آنے دے گا۔

مجھے آئی ڈی کارڈ نہیں ملا تھا۔ چنانچہ سفارت خانے کی کنٹین کی طرف چل گیا۔ یہ کنٹین ایک گیراج میں بنی ہوئی تھی اور یہاں صرف عملے کے مقامی لوگ ہی آ کر چائے وغیرہ پیتے تھے۔ کھانے کا یہاں کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے چائے کے ساتھ کھائے اور کنٹین والے کو اپنا نام بتایا۔ اسے کہا کہ میں یہاں فراش لگا ہوں۔ اس نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور چائے بنانے میں مصروف رہا۔ لنچ کا وقت ختم ہوا تو میں واپس اپنے تنگ کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ یہ کمرہ نہیں تھا بلکہ دیوار میں اندر کی جانب ایک شگاف ڈال کر صرف اتنی جگہ بنا دی گئی تھی کہ وہاں میں صفائی کا سامان رکھ کر خود دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ سکتا۔ یہاں میں اپنے پاؤں نہیں پھیلا سکتا تھا۔ مجھے سفارت خانے کے اندر بیڑی وغیرہ پینے کی اجازت نہیں تھی۔ دوپہر کے وقت' میں نے کیمیکل کی پلاسٹک کی بوتل اور سوتی کپڑا لیا اور میزوں اور ایش ٹریز کی صفائی شروع کر دی۔ میرے کاندھے کے ساتھ پلاسٹک کا ایک جھولا لٹک رہا تھا جس میں' میں راکھ دانوں کی خاک' سگرٹوں کے ٹکڑے اور ادھر ادھر بکھرے ہوئے کاغذوں وغیرہ کو اٹھا کر ڈال دیتا تھا۔ میز پر غیر ملکی لوگ ہی کام کرتے تھے مجھے دیکھ کر وہ ذرا سے مسکراتے' میں سلام کر کے راکھ دان صاف کرتا' پھر میز کی سطح پر تھوڑا سا کیمیکل ڈال کر تیزی سے پونچھ کر اسے چمکاتا اور دوسری میز کی طرف چل دیتا۔

ابھی تک مجھے پوشالی کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے اسے یہاں نوکری نہیں مل سکی ہو لیکن پوشالی ایسی خوش شکل نوجوان لڑکی ہے' پھر یہ نوکری عارضی ہے دو تین مہینوں کے بعد اسے بھی یہاں سے نکال دیا جانا تھا' پھر اس کو ملازم رکھنے میں یہاں کسی کو قباحت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ دفاتر کے کمرے زیادہ نہیں تھے۔ ایک زینہ راہداری میں سے اوپر والی منزل کو جاتا تھا۔ اوپر صفائی کرنے والا فراش الگ تھا جو سیڑھیاں اور اوپر والی منزل کی صفائی کرتا تھا۔ میں نے وہ زینہ بھی دیکھ لیا تھا جو نیچے تہ خانے والی منزل کو جاتا تھا۔ وہاں ایک سنہالی عورت صفائی پر مامور تھی۔ میں نے دفتر کے تمام کمروں کی صفائی کر دی اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہاں میں بیڑی نہیں پی سکتا تھا۔ دل بیڑی پینے کو چاہا تو اٹھ کے باغیچے میں آ گیا اور باڑ کے پاس زمین پر خاکروبوں کی طرح بیٹھ کر بیڑی پینے لگا۔ ابھی میں نے دو تین کش ہی لگائے ہوں گے کہ ایک مائیکرو ویگن گیٹ سے گزر کر پورچ میں آ کر رک گئی۔ اس میں سے ایک اسکرٹ میں ملبوس غیر ملکی چٹی عورت اور ایک دیسی ہی رنگت والا جوان آدمی باہر نکلا۔ ان دونوں کے پیچھے پوشالی ویگن سے اتری اس نے ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ میں بیڑی پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پوشالی نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ دونوں سفارت خانے کے اہل کاروں کے پیچھے پیچھے لابی میں سے گزرتی ہوئی راہداری میں داخل ہو گئی میں بھی راہداری میں آ گیا۔

راہداری کے آخر میں جو زینہ نیچے کی تہ خانے والی منزل میں جاتا تھا' پوشالی اس غیر ملکی جوڑے کے ساتھ اس زینے سے نیچے اتر گئی۔ پوشالی کو بھی اس سفارت خانے میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی حوصلہ اور تسلی بھی ہوئی۔ یہ مجھے علم ہو گیا تھا کہ پوشالی کو نچلی زمین دوز منزل میں کام ملا ہے۔ کیونکہ وہ اسکے بعد اوپر نہیں آئی تھی اور میں نے سہ پہر کے وقت کاریڈور اور لابی کے فرش کو صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ چھٹی ہونے میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے آدھ گھنٹے میں کاریڈور اور لابی کے فرش کو چمکا کر رکھ دیا۔ میں کاریڈور میں اپنے ٹھکانے کے اندر سکڑ کے بیٹھا تھا کہ سنہالی چپڑاسی نے آکر حقارت آمیز لہجے میں کہا مجھے اندر ہیڈ کلرک صاحب بلا رہے ہیں۔

میں جلدی سے اٹھ کر اندر گیا۔ ہیڈ کلرک اسی ملک سے تعلق رکھتا تھا۔ جس ملک کا یہ سفارت خانہ تھا۔ ہیڈ کلرک نے مجھے ایک تاش کے پتے سے آدھے سائز کا آئی ڈی کارڈ دیا جس پر میری تصویر اور سفارتخانے کی مہر لگی تھی۔ اس نے مجھے ہندوستانی میں سمجھایا کہ اگر یہ آئی ڈی کارڈ مجھ سے گم ہو گیا تو مجھے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کے بھارتی یا سنہالی نالوں کی طرح کہا کہ میں اسے گم نہیں ہونے دوں گا صاب!

چھٹی ہوئی تو میں سفارت خانے کے احاطے سے نکل کر اپنے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ چوک میں سے میں نے بس پکڑی۔ کوارٹر میں آکر منہ ہاتھ دھویا۔ بالوں کی کنگھی کی۔ باہر ریستوران میں جا کر چائے کا ایک گلاس اور سگریٹ پیا اور پھر بس میں سوار ہو کر شہر سے باہر ایک پارک میں آکر درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

اس غیر ملکی سفارت خانے میں کام کرتے ہوئے مجھے اور پوشالی کو پندرہ دن گزر گئے تھے اور ابھی تک ہمیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی ابھی تک میں زمین کے نیچے والی منزل میں بھی نہیں جا سکا تھا۔ میں دفتر میں پوشالی سے کوئی بات چیت نہیں کر سکا تھا اور پوشالی کے گھر پر جانے کی بھی مجھے اجازت نہیں تھی۔ اسی دوران' میں نے پوشالی کو دوسری یعنی اپنی والی منزل پر ایک دبلے پتلے غیر ملکی سے مسکرا کر بات کرتے اور زینے سے نیچے زینے میں اترتے دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہی وہ زمین دوز سیکرٹ آفیسر ہے جس کے پاس فولادی سیف کے تالے کی کومبی نیشن ہے کومبی نیشن سے مطلب یہ تھا کہ وہ لفظ جس کو ملانے سے سیف کا تالا کھل جاتا تھا۔ بعد میں اسکی تصدیق ہو گئی کہ یہی وہ آفیسر تھا اور اس کا ہی نام سرنوف تھا۔ گویا پوشالی نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا لیکن میرے حساب سے ہم بڑی سست رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ پندرہ دن گزر گئے تھے۔ اور اگر اسی طرح پندرہ دن مزید گزر جاتے ہیں تو ہمارے پاس اپنے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے بہت ہی تھوڑا وقت رہ جائے گا اور اسکے بعد تو ہمیں سفارت خانے سے چھٹی ملنے والی تھی۔ اپنے ایجنٹ نے سفارت خانے سے باہر ایک دوسرے سے رابطہ پیدا کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ اسی دوران

میں مجھے بھی نچلی منزل میں جہاں آہنی سیف تھی جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میری کمانڈو طبیعت ایکشن لینے کو بے چین ہو رہی تھی۔ ویسے وقت بھی گزرتا چلا جا رہا تھا۔ میں اسی ادھیڑبن میں ایک روز دوپہر لنچ کے وقت خالی راہداری صاف کر رہا تھا کہ پوشالی کو میں نے تہ خانے کے زینے پر سے نکل کر راہداری سے آتے دیکھا۔ اس نے جان بوجھ کر اسٹیشنری فرش پر گرا دی۔ میں جلدی سے جھک کر رجسٹر اور کاغذات اٹھانے لگا۔ وہ بھی انگریزی میں شکریہ کہہ کر کاغذوں کے دستے اور فائل کور اٹھانے لگی۔ یہ سب کچھ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ نیچے جھکتے ہی اس نے دبی زبان میں کہا۔ "آج رات میرے فلیٹ پر اندھیرا ہو جانے کے بعد آنا۔"

وہ اسٹیشنری اکٹھی کرنے کے بعد ایک بار پھر مسکرا کے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے آفس کی طرف چل دی۔ پوشالی کے اس پیغام سے مجھے بڑا حوصلہ ہوا اور اپنی منزل روشن روشن سی نظر آنے لگی۔

چھٹی کے بعد، میں معمول کے مطابق سیدھا اپنے کوارٹر میں آ گیا۔ شام تک اپنے کوارٹر میں ہی بیٹھا اخبارات وغیرہ پڑھتا رہا۔ جب رات ہوئی تو چوک والے ریستوران میں جا کر کھانا کھایا اور پھر بس پکڑ کر پوشالی کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادلوں سے گھری ہوئی رات سڑکوں اور شہر میں روشن تھی، مگر پوشالی کے سمندری ساحل کے علاقے میں کافی اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں کھمبے پر بجلی کے بلب روشن تھے۔ مجھے پوشالی کا فلیٹ یاد تھا۔ میں ساحل سمندر کی جانب سے اس چھوٹی سی اندھیری ویران سڑک پر آ گیا۔ جو پوشالی کے بوسیدہ آسیب زدہ فلیٹ کے سامنے سے گزر کر آگے گال روڈ سے جا کر مل جاتی تھی۔ پوشالی کے فلیٹ کے باہر گھپ اندھیرا تھا۔ صرف کونے والے کمرے کی کھڑکی پر دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ میں چپکے چپکے درختوں کے قریب سے گزرتا ہوا فلیٹ کے مین دروازے پر آ کر رک گیا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

یہ ایک مخصوص دستک تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پوشالی نے دروازہ کھول دیا۔ وہ میرا انتظار کر ہی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں دھیمی روشنی کا بلب دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بریکٹ میں روشن تھا۔ پلنگ پر پرانے کپڑے اور چادریں بکھری پڑی تھیں۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ پوشالی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پوشالی نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانک کر دیکھا دوسری طرف فلیٹ کا عقبی حصہ تھا۔ ادھر سے سمندر کی ہوا آ رہی تھی۔ پوشالی نے کھڑکی بند کر دی اور میرے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جس آدمی کے پاس 'چانکیہ پلان' کے سیف کے تالے کی کومبی نیشن ہے مجھے اسے اپنے قابو میں کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میں نے بہت جلد یہ معلوم کر لیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ یہ شخص جس کا نام سمر نوف ہے پتھر کا بنا ہوا ایک چلتا پھرتا پتھر ہے۔ اس پر کسی چیز کا اثر نہیں

ہوتا۔ میں سمجھتی ہوں کہ سفارت کاروں نے اس مقصد کے لئے ایک بہترین آدمی چن کر رکھا ہے۔
میں نے اسے کہا کہ تم اپنی کوشش جاری رکھو۔ وہ جھنجلا کر بولی۔

"تم شاید نہیں جانتے کہ میں آدمی کے دل کو چیر کر اسکی تہ تک پہنچ جاتی ہوں۔ سمرنوف جس مٹی کا بنا ہوا اس کو ماتا ہری ایسی شہرہ آفاق جاسوسہ بھی اگر آ جائے تو اپنے زیر اثر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی اور ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ ہمیں بہت جلد 'چانکیہ پلان' کے بلیو پرنٹ کو چرا کر یہاں سے سرحد پار بھجوانا ہے۔ ہم جتنی دیر کریں گے 'خطرہ تمہارے وطن پاک کی فضاؤں کے اور قریب تر ہوتا جائے گا۔ پاکستان تمہارا وطن ہے لیکن مجھے اس سے اپنے وطن کی طرح محبت ہے۔ اس لئے کہ یہ ملک اسلام کے نام بنا ہے اور یہاں اسلام کا پرچم لہراتا ہے اور اسکی فضاؤں میں صبح و شام اذانوں کی صدائیں گونجتی ہیں۔ تم ہی بتاؤ کیا تم مزید انتظار کر سکتے ہو؟ جہاں تک میرا خیال ہے اگر میں اس پتھر کے آدمی سمرنوف میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتی ہوں تو ایک برس بعد شاید اس سطح پر ہلکا سا نشان ڈالنے میں کامیاب ہو سکوں۔ میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ تم بھی بنیادی طور پر کمانڈو ہو اور میں بھی بنیادی طور پر کمانڈو ہوں۔ ہم صرف اور صرف کمانڈو ایکشن ہی سے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں بڑھ کر حملہ کرنا ہو گا۔ ہلہ بولنا ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے بہترین پلاننگ کے ساتھ حملہ کیا تو کامیابی ہمارے قدموں میں ہو گی۔"

پوشالی کے دلائل نے مجھے قائل کر لیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بنیادی طور پر کمانڈوز تھے۔ دلیر' جری اور اپنی جان پر کھیل جانے والے کمانڈوز۔ موت جن کے سامنے سرنگوں ہوتی ہے۔ موت کو جو کبھی خاطر میں نہیں لاتے اور جن کی ضرب انتہائی کاری ہوتی ہے۔ یہ سو سنار کی نہیں بلکہ ایک لوہار کی ضرب ہوتی ہے۔

میں نے کہا "میں تمہارے خیالات کی تائید کرتا ہوں پوشالی' مگر کیا تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے؟ میرا مطلب ہے تم نے آہنی سیف کا جائزہ لیا ہے اور یہ معلوم بھی کیا کہ وہاں کے حالات کیا ہیں اور وہاں رات کو گارڈز کا پہرہ کہاں کہاں ہوتا ہے؟"

پوشالی کہنے لگی "جس تہ خانے میں یہ آہنی سیف دیوار میں لگا ہے وہاں رات کو کسی کا پہرہ نہیں ہوتا۔ پہرہ صرف باہر سفارت خانے کے پورچ میں ہوتا ہے۔ جہاں میری معلومات کے مطابق دو غیر ملکی پہرہ دیتے ہیں لیکن سیف کی ہتھی کو ایک الارم سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ کومبی نیشن ملا کر سیف کو کھولنا دور کی بات ہے' اگر کوئی باہر کا آدمی سیف کے ہینڈل کو ہاتھ بھی لگا دے تو سفارت خانے کے سارے کمروں کے الارم چیخ اٹھیں گے۔ ہمیں کومبی نیشن معلوم کرنے کے بجائے سب سے زیادہ اس الارم کو بے کار کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ یہ آفیسر سمرنوف دنیا کی حسین سے حسین تر عورت کے دام میں الجھ کر اسے کومبی نیشن کے حروف بتا دے گا اگر ہم اس کومبی

نیشن کے پیچھے لگے رہے تھے تو ہم یہاں اپنا وقت ضائع کریں گے اور بہت جلد وہ دن آئے گا جب سفارت خانے والے اپنے رواج کے مطابق ہم کو نوکری سے جواب دے دیں گے۔ اس وقت ہمیں باہر سے کمانڈو ایکشن کرنا پڑے گا۔ تو کیوں نہ اس وقت ہی ہم کمانڈو ایکشن پر عمل کریں جبکہ ہمیں سفارت خانے کے اندر ہونے کا موقع حاصل ہے"

میں نے اسکی ہاں میں پرزور ہاں ملاتے ہوئے کہا " میں تیار ہوں پوشالی تم مجھے بتاؤ کہ ہمیں سیف تک پہنچنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہو گا؟"

پوشالی اٹھ کر مختصر سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بے چین اور پرجوش تھی میں نے اس عورت کو بے دردی اور سنگدلی سے انسانوں کو ہلاک کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وقت آنے پر وہ اپنی جان پر بھی کھیل جائے گی۔ میں خاموش تھا۔ پوشالی ٹہلتے ہوئے کسی اہم نکتے پر غور کر رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر پلنگ پر بیٹھ گئی اور میری طرف دیکھ کر بولی۔

" ہمیں آدھی رات کو حملہ کرنا ہو گا ہم باہر سے سفارت خانے میں داخل ہوں گے۔ میں نے سیف کے خطرے کا الارم کا راز معلوم کر لیا ہے۔ تہہ خانے کے زینے میں ایک سوکٹ لگا ہے۔ اس کے اندر الارم کا تار کمرے کے تاروں سے جڑ جاتا ہے اگر ہم اس تار کو کاٹ کر الگ کر دیں تو چاہے ہم سیف پر ہتھوڑے چلانا شروع کر دیں تو بھی الارم نہیں بجے گا۔"

میں نے پوشالی سے پوچھا" لیکن سیف کھلے گا کیسے ؟ سوال تو یہ ہے۔"

پوشالی نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا " سیف کو وہی آفیسر کھولے گا جس کے پاس سیف کے تالے کا کومبی نیشن ہے "

میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا" تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ سمرنوف خود وہاں آکر سیف کو ہمارے لئے کھول دے گا؟"

" ہاں۔" پوشالی نے دانت پیستے ہوئے کہا" یہ سیف صرف وہی کھول سکتا ہے اگر اس پر صبح تک ہتھوڑے چلاتے رہیں تب بھی سیف پر کوئی اثر نہیں ہو گا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ وہ کسی ایسی دھات سے تیار کیا گیا ہے کہ جس پر کسی تیز ترین تیزاب کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ یہ ساری باتیں میں نے وہاں بڑی چالاکی سے معلوم کی ہیں۔ آخر میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ سیف کو سمرنوف ہی کھولے گا۔"

" مگر کیسے ؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

پوشالی نے کہا۔" سمرنوف وہیں سفارت خانے میں رہتا ہے دوسری منزل میں کونے والے کمرے کو اس نے اپنی رہائش گاہ میں تبدیل کر رکھا ہے وہ وہاں فیملی کے بغیر رہتا ہے۔ گال فیس ہوٹل سے واپس آکر وہ خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیتا ہے اور وہیں تھوڑی دیر مطالعہ کرنے کے بعد سو جاتا

ہے۔ ہمیں اسی جگہ رات کے اندھیرے میں اٹیک کرنا ہو گا۔"
میں ایک کمانڈو کی حیثیت سے پوشالی کے آپریشن کو سمجھ گیا تھا۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔
"لیکن اس کے لئے ہمیں اسلحے کی ضرورت ہے اور اسلحہ ہمیں اپنا ایجنٹ شاید فراہم نہ کرے' کیونکہ وہ ہمیں اس کمانڈو مشن کی کبھی اجازت نہیں دے گا۔ وہ نہیں جانتا کہ کمانڈو کون ہوتا ہے اور وہ کس طریقے سے کسی آپریشن پر عمل کرتا ہے اور اس کا حملہ کس قدر اچانک اور کاری ہوتا ہے۔"
میرے اندر کا کمانڈو بھی انگڑائیاں لیتا ہو بیدار ہو گیا تھا۔ میرے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکنے لگی تھیں۔ میں نے کہا" ریوالور ہمارے پاس موجود ہے۔ ایک کمانڈو چاقو ہے۔ اگر اس کے علاوہ اسلحے کی ضرورت پڑی تو ہم اسی سفارت خانے کے گارڈز سے حاصل کرلیں گے۔ کمانڈو ہمیشہ دشمن سے اسلحہ حاصل کرتا ہے۔"
پوشالی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ مجھے اسکی آنکھوں میں اور چہرے پر وہی سنگ دلی اور بے دردی نظر آئی جو اس سے پہلے میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے میرا بازو زور سے پکڑ لیا اور پُرجوش آواز میں بولی۔"ہم کل رات اٹیک کریں گے۔"
میں نے فوراً ہامی بھرلی اور پوشالی کے بازو کو زور سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا" خدا ہمارے ساتھ ہے"
اس کے بعد ہم نے اپنے کمانڈو اٹیک کی تفصیلات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ دو باتیں ہم نے طے کرلی تھیں۔ پہلی یہ کہ اس آپریشن کا ذکر ہم اپنے ایجنٹ سے نہیں کریں گے۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ ہمیں اس قسم کے جارحانہ اٹیک کی اجازت نہیں دے گا بلکہ سراغ رسانی کے تمام اصولوں پر عمل کرتے ہوئے سرنوف سے تعلقات استوار کر کے اس سے آہنی سیف کی کومبی نیشن حاصل کرنے کی تلقین کرے گا۔ ہم اپنے مشن کی کامیابی کے بارے میں اتنے پُرامید تھے کہ جیسے کل رات کو' چانکیہ پلان' کا بلیو پرنٹ ہماری جیب میں ہو گا اور جب ہم وہ اپنے ایجنٹ کو دکھائیں گے تو وہ بھی دنگ ہو کر رہ جائے گا۔ دوسری بات ہم نے یہ طے کی تھی کہ ہم بلیو پرنٹ کی اوریجنل کاپی یعنی ماسٹر کاپی اڑائیں گے۔ اس کی فوٹو نہیں لیں گے کیونکہ مجھے گمان تھا کہ یہی اوریجنل ماسٹر کاپی ہے اور اگر ہمارے ہاتھ آجاتی تو پاکستان کے خلاف بھارت کی جارحانہ نیوکلیائی سرگرمیوں کا ایک پلان،کافی عرصے تک ملتوی ہو جائے گا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں ابھی تک سفارت خانے کی نچلی زمین دوز منزل میں نہیں گیا تھا۔ مجھے وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی،مگر پوشالی کام نچلی منزل پر کرتی تھی اور اس کے چپے چپے سے واقف تھی۔
پوشالی نے نقشہ کھول کر سامنے رکھ لیا اور جو زینہ گراؤنڈ فلور کے کاریڈور سے نچلی منزل کو جاتا تھا اس پر انگلی رکھ کر بولی۔" ان سیڑھیوں کے آخر میں دیوار پر وہ ساکٹ لگا ہے جس میں الارم کے تار

سفارت خانے کے باقی کمروں میں لگے ہوئے الارموں سے منسلک ہیں ' زینے میں پہنچنے کے بعد ہمارا پہلا کام اس ساکٹ کے تاروں کو کاٹنا ہو گا۔ اس کے بعد ہم نچلی منزل میں آ جائیں گے۔ اس وقت سفارت خانے کا سیکرٹ آفیسر مسٹر سمر نوف ہمارے ساتھ ہو گا۔ کومبی نیشن وہی بتائے گا۔ بلکہ سیف وہی کھولے گا۔"

پوشالی کی یہ ترکیب میری سمجھ سے باہر تھی۔ ایک ترقی یافتہ ملک کے آزمودہ کار سیکرٹ آفیسر کو اغوا کر کے بطور یرغمالی اپنے ساتھ رکھنا کم از کم مجھے ناممکن لگتا تھا۔ میں نے کہا" پوشالی! فرض کر لیا' ہم سمر نوف کو اسکے کمرے سے اغوا کر کے اپنے ساتھ نچلی منزل میں لے جاتے ہیں ہم نے منہ بند کر رکھا ہے۔ ہم نے اسے جکڑ رکھا ہے۔ لیکن وہ کومبی نیشن ہمیں کیوں بتائے گا؟ وہ تو جہاں تک میرا خیال ہے جان پر کھیل جائے گا لیکن سیف کا کومبی نیشن ہرگز نہیں بتائے گا اور پھر یہ خطرہ ہمارے سر پر منڈلاتا رہے گا کہ وہ کسی بھی وقت ہمارے قابو سے نکل کر ہمارے لئے بلائے ناگہانی بن سکتا ہے' پھر وہ کوئی چال بھی چل سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آہنی سیف کے اندر بھی کوئی ایسا خفیہ بٹن لگا ہو جس کو دبا کر وہ سفارت خانے کے گارڈز کو ہوشیار کر دے اور اور ہم وہیں رنگے ہاتھ پکڑ لئے جائیں گے۔"

پوشالی نے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ رومال سے جذب کرتے ہوئے کہا۔ "تم عیار جاسوسوں کی طرح سوچتے ہو۔ کمانڈو بن کر سوچو' اگر ہم ان تفصیلات میں پڑے رہے تو یاد رکھو۔ ہم اپنے مشن پر کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ خواہ ہم وہاں دو مہینے تک پڑے رہیں۔ سیکرٹ آفیسر سمر نوف سے آہنی سیف کے تالے کا راز کس طرح اگلوانا ہے؟ یہ میں جانتی ہوں۔ میں روسی نژاد ہوں۔ میں روسیوں کے خمیر سے واقف ہوں مجھے معلوم ہے کہ روسی اس وقت تک بہادر ہوتا ہے جب تک موت اسکے سامنے نہیں آن کھڑی ہوتی۔ موت کو سامنے دیکھ کر روسی پسپا ہو جاتا ہے۔ جب نپولین نے روس پر حملہ کیا تو روسیوں نے اپنے اسی کردار کا مظاہرہ کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی جرمنوں کے خلاف انہوں نے ایسا ہی کیا۔ موت دشمن کے ہمرکاب تھی روسیوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا تھا اور پھر جب روس کے سب سے مہلک ہتھیار سردی نے ادھ موا کر دیا اور وہ پیچھے ہٹنے لگا تو روسیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔"

میں خاموشی سے پوشالی کی باتیں سن رہا تھا۔ صرف دس فیصد وہ مجھے قائل کر سکی تھی۔ روسیوں کے بارے میں اس کے اندازے یا تجربے محل نظر تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"سمر نوف کو اغوا ہو جانے کے بعد ہر حالت میں مرنا ہو گا۔ وہ زندہ نہیں رہے گا لیکن مرنے سے پہلے وہ کومبی نیشن بتا دے گا۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ تم دوسری تفصیلات کو ذہن نشین کرنا شروع کر دو۔ دوسری تفصیلات پہلے ہی سے میرے ذہن نشین ہو چکی تھیں۔ میں ابھی تک اپنے مشن کے بارے میں زیادہ پُرامید نہیں تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ سمر نوف ایسا ذمہ دار آفیسر پوشالی کے آگے ہتھیار ڈال

دے گا لیکن ہمارا پلان اس مقام تک پہنچ گیا تھا کہ اب ہمارا واپس آنا محال تھا۔ ایک خیال دل میں یہ بھی تھا۔۔۔۔ کہ ہو سکتا ہے اندھیرے میں چلایا ہوا تیر نشانے پر جا لگے کیونکہ دوسری صورت میں ہمیں دیر لگ جاتی اور اس اثناء میں ہماری سفارت خانے میں ملازمت کی معینہ مدت پوری ہو جاتی کہ جس کے بعد سفارت خانے۔۔۔۔ کے مقامی لوگوں کو ملازمت سے جواب دے کر دوسروں امیدواروں کو بھرتی کیا جاتا تھا۔

پوشالی نے اب نقشے کے کونے میں ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ سرنوف کا کوارٹر ہے جہاں وہ اکیلا رہتا ہے۔ اس کو ایک راستہ سفارت خانے کے عقبی کاریڈور سے جاتا ہے اور دوسرا راستہ باغیچے کی دیوار کے قریب سے کوارٹر کے کچن کے پچھلے دروازے کی طرف جاتا ہے۔ ہمیں اسی کچن والے دروازے سے اندر داخل ہونا ہو گا۔"

میں نے قدرے تشویش کے ساتھ کہا۔ "اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہم سرنوف کو اغوا کریں گے اور اس کے بعد زینے کے باہر پہرہ دینے والے گارڈز کو قابو کریں گے۔"

"بالکل ایسا ہی ہو گا۔ پوشالی نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "کیا نہیں کوئی شک ہے؟ کیا تم کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو؟"

میں نے دبی زبان میں کہا۔ "خطرہ مجھے اپنی زندگی کے لئے نہیں بلکہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے محسوس ہو رہا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کاریڈور میں جو گارڈز نائٹ واچ پر موجود ہوں گے وہ کوئی اناڑی نہیں ہوں گے یقینی طور وہ بھی کمانڈو ہی ہوں گے یا کم از کم انہیں کمانڈو کی تھوڑی بہت ٹریننگ ضرور ملی ہو گی، اگر ہم اچانک ان کو دبوچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری صورت میں ناکامی ہمارا مقدر ہو گی اور تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس وقت سیکرٹ آفیسر سرنوف بھی ہمارے ساتھ ہو گا خواہ ہم نے اسکی مشکیں کس کر ٹیپ سے منہ بند کر رکھا ہو گا لیکن وہ ہمارے لئے عین وقت پر مصیبت بن سکتا ہے۔"

پوشالی نے نقشے پر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلا کر رکھا اور میری طرف ذرا سا جھک کر بولی۔ "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم ایک عیار جاسوس سے کمانڈو بنے ہو۔ تم اگر میرے ساتھ اس مہم پر جانا پسند نہیں کرتے تو نہ سہی۔ میں اسلام اور پاکستان کے لئے اکیلی بھی یہ مہم سر کر سکتی ہوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "یہی میں تمہیں کہنا چاہتا تھا کہ پوشالی کہ کسی صورت میں ہماری جان نہیں جانی چاہیئے۔ ہمیں اس قسم کا پلان تیار کرنا چاہئے کہ دشمن ہر حالت میں ہمارے قابو میں ہو اور

تم زندہ بھی رہیں تم سے اس پلان کی تفصیلات اور جزئیات کے بارے میں ہی سوال جواب کر رہا تھا جسے تم غلط سمجھیں۔"

پوشالی نے سانس کھینچ کر اپنا سر پیچھے ڈال دیا' پھر سر کو جھٹک کے بولی۔" میرے دوست! اگر تم نے یہ طے کرلیا ہے کہ اس مشن میں میرے ساتھ ہو گے تو باقی سارا کام مجھ پر چھوڑ دو۔ جیسے میں کہوں تم ویسے ہی کرنا۔ کیا تم تیار ہو؟"

میں اسے کیا جواب دیتا! اگر نہیں کہتا تو وہ مجھے بزدل سمجھتی کہ میں تو اسکے ملک اور اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہی ہوں اور یہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ میں نے سوچا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے پوشالی کے ہاتھ پر ہاتھ باندھ رکھ دیا اور کہا۔" میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو تم کہو گی۔ وہی کروں گا۔"

پوشالی نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور ایک بار پھر نقشے پر نظریں جما دیں۔" ہم سرنوف کے کوارٹر والے عقبی باغیچے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے ہم سرنوف کو قابو کریں گے۔ یہ کام میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ رات کو دس گیارہ بجے کے بعد ماؤنٹ لیونیا کلب سے برج کھیل کر واپس آجاتا ہے۔ تھوڑی دیر مطالعہ کرتا ہے اور میوزک سنتا ہے' پھر سو جاتا ہے۔ بس اسی وقت ہمیں حملہ کرنا ہو گا۔"

طے یہ ہوا کہ ہم سیاہ رنگ کی تنگ پتلون قمیص میں ملبوس ہونگے۔ ہمارے پاؤں میں نیلے رنگ کے ربر کے جوتے ہوں گے۔ سائیلنسر والا ریوالر پوشالی کے پاس رہے گا۔ میں چاقو اپنے پاس رکھوں گا۔ رات ساڑھے دس بجے تک ہم پوشالی کے فلیٹ میں ہی بتی بجھا کر بیٹھے رہیں گے۔ وہاں سے ٹھیک ساڑھے دس بجے سفارت خانے کی طرف روانہ ہونگے۔ سفارت خانہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسلئے ہم کوئی ٹیکسی وغیرہ نہیں لیں گے' بلکہ الگ الگ چلتے ہوئے بنگلے کی عقبی دیوار کے پاس آکر ملیں گے۔ احتیاط کے طور پر یہ بھی طے ہوا کہ دن کے وقت ہم کسی نہ کسی بہانے بنگلے کے عقبی حصے میں واقع سرنوف کے کوارٹر کی دیوار کا جائزہ لیں گے۔ پوشالی اس دیوار کو ایک بار جاکر دیکھ آئی تھی۔ میں رات کے گیارہ بجے پوشالی کے فلیٹ سے اٹھ کر اپنے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ بڑی سڑک پر آکر ٹیکسی لی اور اپنے کوارٹر میں آکر پلنگ پر لیٹ کر دیر تک کل کے کمانڈو آپریشن کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا۔ کسی وقت یہ مشن آسان لگتا' کسی وقت محسوس ہوتا کہ ہم موت کے منہ میں جانے والے ہیں۔ اپنے ایجنٹ نے ابھی تک ہم میں سے کسی کے ساتھ خفیہ فریکوئنسی پر کوئی بات نہیں کی تھی۔

دوسرے دن حسب معمول سفارت خانے میں آکر اپنے معمول کے مطابق مصروف ہو گیا۔ پوشالی سے دوپہر تک میرا آمنا سامنا نہ ہو سکا۔ اس دوران ٹریش پھینکنے کے بہانے' میں سفارت خانے کے پچھواڑے گیا۔ یہاں سرنوف کے کوارٹر کی دیوار کو دیکھا۔ یہ قدم آدم دیوار تھی۔ اس کی دوسری

جانب دوسرے سفارتی افسروں کے بنگلہ نما کوارٹر تھے۔ سفیر اور فرسٹ سیکرٹری وغیرہ سفارت خانے کی اوپر والی منزل کے فلیٹوں میں رہتے تھے۔

دیوار کے قریب قریب کوئی درخت نہیں تھا۔ شاید درخت سیکورٹی کی خاطر کٹوا دیئے گئے تھے۔ اس دیوار کو پھاندا جا سکتا تھا۔ حیرانی کی بات تھی کہ دیوار کے اوپر خاردار تار نہیں لگا تھا۔ اصل میں سری لنکا میں اس سفارت خانے والوں کے حالات سازگار اور پُرسکون تھے۔ کبھی ان کے کسی سفارت کار پر حملہ نہیں ہوا تھا۔

میں نے ٹریش خالی ڈرم میں پھینکا اور واپس آ کر سفارت خانے کے باغ میں ایک جانب بیٹھ کر بیڑی پینے لگا۔ لنچ کے بعد سہ پہر میں کاریڈور کا فرش صاف کر رہا تھا کہ پوشالی سامنے سے نمودار ہوئی۔ وہ ہاتھ میں ایک کاغذ لئے تیز قدموں سے چلی آ رہی تھی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا اور کوئی بات کئے بغیر نیچے تہ خانے کو جانے والی سیڑھیاں اترنے لگی۔

آج رات ہمیں حملہ کرنا تھا۔ یہ حملہ ہماری موت کی صورت میں ہی ختم ہو سکتا تھا اور ہم جانکیہ پلان' اڑا کے لے جانے میں کامیاب بھی ہو سکتے تھے۔ چار بجے چھٹی کر کے میں اپنے کوارٹر میں آ کر لیٹ گیا اور بظاہر انگریزی کی ایک کتاب کھول کر اپنی آنکھوں کے سامنے کر لی۔ اصل میں' میں کتاب نہیں پڑھ رہا تھا۔ میرا ذہن رات کے مشن میں الجھا ہوا تھا۔ پوشالی پر میرا یقین بھی تھا اور کسی وقت یہ یقین متزلزل بھی ہو جاتا تھا۔ رات کو میں نے چوک کے ریستوران میں آ کر کھانا کھایا۔ جب رات کے پونے نو بجے تو میں بس میں سوار ہو کر پوشالی کے سمندر والے فلیٹ کی طرف چل دیا۔

پوشالی کے فلیٹ کی ساری بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ میری خاص دستک پر پوشالی دروازہ کھول کر مجھے اپنے بیڈ روم میں لے گئی۔ یہاں میز پر صرف ایک موم بتی جل رہی تھی' جس کی روشنی بڑی مشکل سے کمرے کو روشن کئے ہوئے تھی۔ پوشالی نے الماری میں سے سیاہ رنگ کی دو جینز اور اسی رنگ کی دو شرٹیں نکال کر میز پر رکھ دیں اور بولی۔ "یہ ہم دونوں کے سائز کی ہیں۔"

پھر اس نے نائلون کی دو رسیاں اور کپڑے کی ٹیپ کا رنگ نکال کر مجھے دکھایا۔ یہ ٹیپ اسپتالوں میں زخمیوں کی پٹی کے اوپر اسے اپنی جگہ پر جما رہنے کے لئے لگایا جاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر زبردست چپکنے والی کپڑے کی ٹیپ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ پوشالی اپنی پتلون' ٹی شرٹ اور جاگر بوٹ لے کر باتھ روم کی طرف چلی اور بولی۔ "اتنی دیر میں تم کپڑے تبدیل کر لو۔"

میں نے اس کے جاتے ہی کالی جینز اور ٹی شرٹ پہن لی۔ دونوں کپڑے میرے جسم کے ساتھ چپک گئے تھے مگر میں آسانی سے حرکت کر سکتا تھا۔ بوٹ بھی فٹ تھے۔ تھوڑی دیر میں پوشالی باتھ روم سے باہر نکلی تو وہ بھی پوری کمانڈو بن چکی تھی۔ اس نے نائیلون کی رسی اپنی پتلون کی جیب میں سنبھال کر رکھ لی۔ ریوالور کا میگزین چیک کیا۔ اس میں پوری بارہ گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

سائیلنسر کو کھول کر بلی پر دوبارہ فٹ کیا۔ اپنے ماتھے پر اس نے کالے رنگ کا ربر بینڈ اس طرح لگالیا کہ اس کے بال اس میں جکڑ گئے۔ مجھے اسکی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ میرے سر کے بال ابھی اُگنا شروع ہوئے تھے۔ پوشالی نے ایک بار پھر سفارت خانے کے کمروں کا نقشہ نکال کر سامنے رکھ لیا اور ہم اسے غور سے دیکھنے لگے، پھر اس نے نقشہ لپیٹ کر الماری میں لاک کر کے رکھ دیا اور بولی۔

"تم اگر پہلے پہنچ جاؤ تو سرنوف کے کوارٹر کی عقبی دیوار کے پیچھے میرا انتظار کرنا۔ رات کو گیٹ پر صرف ایک ہی منہالی سپاہی پہرہ دیتا ہے۔ کوئی دوسری گارڈ راؤنڈ پر نہیں ہوتی اور اگر کوئی سپاہی ادھر آ نکلا تو تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہو گا۔ چاقو میں نے اسی مقصد کے لئے تمہارے پاس رہنے دیا ہے۔"

پھر اس نے کارنس پر رکھی ہوئی گھڑی کو دیکھا۔ ابھی گیارہ بھی نہیں بجے تھے۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا۔ پوشالی کچن میں چلی گئی اور چائے بنا کر لے آئی۔ چائے بغیر دودھ کے تھی۔ یہ اس لئے کہ ہمارے اعصاب ہوشیار رہیں۔ اونگھ آجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویسے گرم گرم تلخ چائے نے مجھے چاق و چوبند کر دیا۔ ہم اپنے ہی مشن کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے تین چار سگریٹ پھونک ڈالے۔ دراصل اندر سے مجھے اس مشن کی کامیابی میں کچھ شک سا تھا جس کی وجہ سے میں کچھ مضطرب تھا، مگر دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو پوشالی کو ہر حالت میں وہاں سے نکال کر لے آؤں گا۔ سفارت خانے کا بنگلہ وہاں سے دس منٹ کا راستہ تھا۔ پوشالی نے مجھے ایک آسان راستہ بتا دیا تھا۔ وہ دوسری سڑک پر سے ہو کر وہاں جا رہی تھی۔ ٹھیک سوا گیارہ بجے پوشالی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ریوالور نکال کر آخری بار چیک کیا اور بولی "تم پہلے نکلو گے۔"

میں نے چاقو پتلون کی سیدھی جیب میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے سگریٹ بجھایا اور پوشالی کو خدا حافظ کہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ موم بتی کی روشنی میں اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت لگ رہا تھا۔ اس نے مجھے ہاتھ سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میں ابھی دروازے میں ہی تھا۔ کہ میرے پیچھے موم بتی بجھادی گئی۔ دروازے سے نکلتے ہی میں نے سڑک پر آنے کے بجائے اپنا رخ ساحل سمندر کے ناریل کے درختوں کی طرف کر لیا۔ اس راستے سے میں پہلے بھی دو ایک بار گزر چکا تھا۔ یہ علاقہ سنسان تھا۔ دور سڑک پر سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ یہاں درختوں کے نیچے زمین ریتلی تھی۔ میرے کپڑے سیاہ رنگ کے تھے، جس کی وجہ سے میں اندھیرے میں گھل مل گیا تھا۔ آگے ایک چھوٹی سڑک کو کراس کرنے کے بعد پھر ایک غیر آباد چھوٹے سے میدان میں داخل ہو گیا۔ اب کچھ فاصلے پر بنگلوں کی ایک قطار کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ان ہی بنگلوں میں ایک بنگلے میں وہ سفارت خانہ تھا جو ہمارا ٹارگٹ تھا۔ میں دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ یہ مشن کامیابی سے ہمکنار ہو۔ جس سڑک پر تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر بنگلے بنے ہوئے تھے، وہ سڑک بالکل خالی تھی۔ میں سڑک کے نشیب میں پل بھر کے لئے رک کر سڑک کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً سبھی بنگلوں کے برآمدوں میں بلب جل رہے

تھے۔ بائیں ہاتھ دو منزلہ بنگلہ تھا۔ اس کے بند گیٹ کے باہر ایک چھوٹے قد کا سنہالی پہرے پر موجود تھا۔ اس سنہالی سپاہی سے ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی مجھے پہلے والے دونوں بنگلوں کے پہلو سے گزر کر سفارت خانے کے عقب میں جانا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا' کیونکہ پوشالی کسی بھی لمحے پہنچنے والی تھی۔ آخری بار میں نے سڑک کے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور موقع دیکھ کر تیزی سے سڑک کراس کر گیا۔ جس بنگلے کے قریب سے گزر کر میں اسکی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اس میں سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز بلند ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ آواز غائب ہو گئی۔ بنگلوں کے پیچھے زمین پر گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ یہاں سے مٹی نکالی گئی تھی۔ ان گڑھوں کے کناروں پر لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ رات اندھیری تھی۔ آسمان پر کبھی بادلوں کے ٹکڑے تیرنے لگتے اور کبھی ستارے جھلملانے لگتے تھے۔

میں اب پوری طرح ہوشیار اور چوکس تھا۔ میں نے چاقو جیب سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا' کیونکہ یہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ کوئی بھی چوکیدار اچانک سامنے آ کر مجھے للکار سکتا تھا۔ میں جھک کر بنگلے کی دیوار کے قریب آ کر رک گیا۔ یہاں خود رو جھاڑیوں کی کثرت تھی۔ یہ جھاڑیاں چار پانچ فٹ تک اونچی تھی۔ میں نے جھاڑیوں کے پیچھے سے سفارت خانے کے عقبی لان میں نگاہ ڈالی۔ یہ سیکرٹ آفیسر سمرنوف کے کمرے کا پچھواڑہ تھا۔ عقبی برآمدے میں ایک بلب جل رہا تھا۔ کوارٹر کے صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ پوشالی کو ان کمروں کا حدود اربعہ معلوم تھا۔ وہ اس کوارٹر میں دو ایک بار جا چکی تھی۔ میں دیوار کے سامنے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور پوشالی کا انتظار کرنے لگا۔

چاقو ابھی تک میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ میری آنکھیں اندھیرے میں بڑی ہوشیاری سے اس طرف دیکھ رہی تھیں جدھر سے پوشالی کو آنا تھا۔ بمشکل دو منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک ہیولا جھاڑیوں سے نکل کر میری جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔

میری گرفت چاقو پر مضبوط ہو گئی۔ میں نے سانس روک لیا' مگر وہ پوشالی تھی۔ وہ جھکی جھکی ایک ماہر گوریلے کی طرح قدم قدم آگے بڑھتی میرے پاس آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گئی اور سرگوشی میں بولی۔" سمرنوف کے کمرے کی بتی جل رہی ہے۔

میں نے پوچھا۔" وہ کب تک سوجائے گا؟"

پوشالی نے سانس کھینچ کر اسے آہستہ سے چھوڑتے ہوئے۔" ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔"

ہم چپ چاپ جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھے رہے۔ ہم آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ پوشالی بالکل میرے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی تھی' پھر اس نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور اٹھ کر بنگلے کے پچھواڑے نظر ڈالی' پھر جلدی سے بیٹھ گئی اور سرگوشی میں کہا۔

بتی ابھی تک جل رہی ہے۔"

وقت گزرتا جارہا تھا۔ ہمیں وہاں بیٹھے بیٹھے جب تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا تو پوشالی.... بے چین ہو کر اٹھی اور بولی۔" اس سے زیادہ ٹھیک ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ اگر وہ جاگ رہا ہے تب بھی ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

ہم اندھیرے میں جھاڑیوں سے نکل کر بنگلے کی دیوار کے پاس آگئے۔ پوشالی نے دیوار کے ساتھ گھوڑی بننے کا اشارہ کیا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر گھوڑے کی طرح جھک گیا۔ پوشالی نے میرے کان کے قریب اپنا منہ لا کر کہا۔" میرے دیوار پر چڑھنے کے بعد تم بھی اندر آجانا۔ تم دیوار پر چڑھ جاؤ گے۔"

اس نے میری کمر پر پاؤں رکھا اور پھر دیوار کی منڈیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دوسری طرف ایک نگاہ ڈالی اور اس کے اوپر چڑھ کر دوسری جانب کیاریوں میں کود گئی۔ وہ ایسی مہارت سے کودی تھی کہ مجھے اسکی ذرا سی دھمک بھی سنائی نہیں دی تھی۔ اس کے بعد' میں نے اچھل کر دیوار کی منڈیر کو پکڑا اور دونوں ٹانگیں دیوار کی منڈیر پر لے آیا۔ میں نے دیوار پر ہی بالکل سیدھے لیٹے لیٹے نیچے باغ میں دیکھا۔ پوشالی ایک جگہ اندھیرے میں سمٹ کر بیٹھی مجھے ہاتھ سے نیچے آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ میں بھی آہستہ سے دوسری طرف باغیچے میں کود گیا۔ روشنی صرف برآمدے تک ہی محدود تھی۔ باغیچے کی دیوار کے ساتھ ساتھ گہرا اندھیرا چھایا تھا پوشالی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اب اسکے ہاتھ میں ریوالور مجھے نظر آیا۔ میرے ہاتھ میں کمانڈو چاقو تھا۔

اسے معلوم تھا کہ کہاں جا کر رکنا اور کہاں سے تیزی سے گزر جانا ہے۔ میں اسکے پیچھے پیچھے تھا اور اس کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ وہ عقبی برآمدے کو چھوڑ کر سامنے والے برآمدے میں اس جگہ کر رک گئی۔ جہاں سفارت خانے کی راہداری آکر ختم ہوتی تھی۔ میں بھی جہاں تھا وہیں رک گیا اور اندھیرے میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس طرف برآمدے میں کوئی بتی روشن نہیں تھی صرف راہداری کے شروع میں جو ٹیوب لائٹ لگی تھی اسکی دھیمی روشنی وہاں تک آرہی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے تقریباً سات قدموں کے فاصلے پر اندھیرے میں جھکے ہوئے کھڑے تھے۔ پوشالی سرنوف کے برآمدے کے ستون سے لپٹی ہوئی چوڑے پتوں والی استوائی بیل کے پیچھے تھی اور میں چھوٹے سے لان میں کیلے کے درخت کے پیچھے چھپا ہوا اسے تک رہا تھا۔ پہلے ہمارا ارادہ کچن کی طرف سے سرنوف کے کمرے میں داخل ہونے کا تھا' مگر سرنوف کے کمرے کی بتی بجھی نہیں تھی۔ اس لئے اب یہ طے کیا کہ ہم سامنے والے دروازے کے پاس جا کر اسے باہر نکالنے کی کوشش کریں گے پوشالی نے آگے بڑھنے سے پہلے مجھے سرگوشی میں بتا دیا تھا کہ وہ سب سے پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کرے گی کہ کمرے میں سرنوف کے علاوہ کوئی اور شخص تو نہیں ہے۔

اس کیلئے پوشالی برآمدے میں رینگتی ہوئی ماہر کمانڈو کی طرح دروازے کے ساتھ والی کھڑکی کے قریب گئی۔ میں اسے برابر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ذرا سا سر اٹھا کر کھڑکی کے شیشے میں سے اندر دیکھا اور جلدی سے سر نیچے کر لیا۔ وہ اسی طرح تیزی سے رینگتی ہوئی میرے پاس آئی اور سرگوشی میں کہا۔ "وہ اکیلا ہے۔ میں اسے باہر نکالوں گی۔ تم دروازے کی دوسری جانب آ جانا۔ جونہی وہ باہر نکلے اسے ایک ہی ضرب سے گرا دینا۔ اسکے بعد ہم اسے دبوچ لیں گے۔"

اس سے پہلے کہ میں اسے اس حملے کی کمزوریوں سے آگاہ کرتا۔ پوشالی تیزی سے رینگتی ہوئی واپس برآمدے میں چلی گئی۔ ریوالور اسکے ہاتھ میں تھا۔ وہ برآمدے میں دروازے سے کوئی سات فٹ کے فاصلے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ دروازے پر پھینکنے کے لئے کوئی کنکر ڈھونڈ رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور اندر کی روشنی سرچ لائٹ کی طرح پوشالی کے چہرے پر پڑی۔ پوشالی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ سرنوف تھا۔ اس نے پوشالی کو دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ "تم.... تم اس وقت یہاں؟"

ٹھک کی آواز کے ساتھ پوشالی کے ریوالور سے گولی نکل کر سرنوف کے سینے میں پیوست ہو گئی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر دہرا ہو گیا۔ پوشالی چھلانگ لگا کر اسکے اوپر آ گئی اور ٹھک ٹھک سے دو مزید گولیاں اس کے سر پر فائر کر دیں۔ سرنوف وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پوشالی نے لپک کر دروازہ بند کر دیا۔ برآمدے میں ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا۔ میں بھی رینگتا ہوا اسکے پاس آ گیا۔ پوشالی نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں اندر جا کر بتی بجھاتی ہوں۔ اسے اندر کھینچ لاؤ۔"

وہ تھوڑا سا دروازہ کھول کر سرنوف کے کمرے میں گھس گئی۔ کمرے کی بتی گل ہو گئی۔ پوشالی نے دروازہ کھول دیا اور ہم سرنوف کی لاش کو گھسیٹ کر اسکے کمرے میں لے گئے دروازہ بند کر کے پوشالی نے اپنا سر پکڑ لیا۔ میں نے کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا پوشالی؟"

وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی بولی۔ "اس حرامی نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ شور مچا سکتا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں لپک کر اس کی گردن دبوچ سکتی۔ میں اس کو آدھے سیکنڈ کا مزید وقفہ دیتی تو وہ شور مچا دیتا۔ خدا جانے کم بخت اچانک باہر کیوں نکل آیا تھا۔"

میں نے جھک کر سرنوف کی لاش کو دیکھا۔ وہ خون میں لت پت تھی۔ فرش پر خون بکھرا ہوا تھا۔ وہ مر چکا تھا مگر سینے میں جو گولی لگی تھی اس کے زخم سے خون ابھی تک ابل رہا تھا۔ پوشالی نے بے چینی سے اندھیرے میں ذرا سا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ پلٹ کر دھیمی سرگوشی میں کہنے لگی۔ "میں اگر فائر نہ کرتی تو سیکورٹی گارڈ اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے اور ہمارا یہاں سے زندہ بچ نکل جانا ناممکن تھا۔"

میں نے پوچھا۔ ہمیں اب کیا کرنا ہو گا؟ سرنوف تو مر گیا۔ اب ہم آہنی سیف کا کومبی نیشن کہاں سے حاصل کریں گے؟

پوشالی نے ریوالور اپنی پتلون کے ساتھ رگڑتے ہوئے کہا۔ "اگر یہاں سے واپس چلے جاتے

ہیں تو کل ہم سب سے پوچھ گچھ ہوگی۔ ہو سکتا ہے سفارت خانے کے سراغ رسانوں کو یہاں کہیں سے ہماری انگلیوں کے نشان مل جائیں۔ اب اگر ہم سفارت خانے میں جاتے ہیں تو بچ نہیں سکیں گے۔ ہمیں یقیناً گرفتار کر لیا جائے گا۔ دیوار پر بھی ہماری انگلیوں کے نشان پڑے ہیں۔ ہم کہاں کہاں انھیں صاف کریں گے؟

"پھر تم کیا سوچتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مجھے پوشالی کے سانس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اندھیرے میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے میرے بازوؤں کو زور سے پکڑا اور بولی۔ "ہم اسی وقت حملہ کریں گے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ راہ داری کی دھیمی روشنی میں نکلتے ہی وہ فرش پر اوندھے منہ لیٹ گئی اور اس نے کہنیوں کے بل راہ داری میں رینگنا شروع کر دیا۔ پوشالی ایک فیصلہ کر چکی تھی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ اب میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں بھی تیزی سے رینگتا ہوا اس کے پیچھے چلا آیا۔ راہ داری خالی تھی۔ سفارت خانے کے سامنے والے گیٹ کی جانب سے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں ساکت ہو گیا۔ پوشالی بھی رینگتے ہوئے رک گئی، پھر تیزی سے پیچھے ہٹ کر میرے قریب آئی اور اپنا منہ میرے کان کے ساتھ لگا کر بولی۔ "یہ سنہالی گارڈ کی آواز تھی۔ وہ پہرہ دیتے ہوئے کبھی کبھی 'ہوشیار ہوشیار' کا سنہالی میں نعرہ لگاتا ہے۔ میرے پیچھے آؤ۔"

ہم راہ داری کی دیوار کے ساتھ لگ کر رینگ رہے تھے۔ میں اس سارے علاقے سے واقف تھا۔ آگے جا کر راہ داری اس طرف گھوم جاتی تھی جدھر نچلی منزل کو جانے والی سیڑھیاں تھیں اور جہاں پوشالی کی اطلاع کے مطابق رات کو دو سیکورٹی آفیسر پہرے پر ہوتے تھے۔ جہاں راہ داری بائیں طرف گھوم گئی تھی وہاں چھت کے ساتھ بلب جل رہا تھا۔ اب یہ خطرہ سامنے تھا کہ کسی بھی وقت کوئی سیکورٹی آفیسر ادھر آ سکتا ہے۔ پوشالی رینگتی ہوئی دیوار کے ساتھ لگ کر وہاں جا کر رک گئی۔ جہاں راہ داری گھوم جاتی تھی۔ اس نے سر ذرا آگے نکال کر دیکھا اور پھر پیچھے گھسٹتی ہوئی میرے قریب آ کر انگلی سے اشارہ کیا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہاں صرف ایک سیکورٹی گارڈ ہے۔ ہم موت کے پیٹ میں آ گئے تھے۔ پیچھے ایک لاش بھی چھوڑ آئے تھے۔ میں پوشالی کے پاؤں کے قریب رینگ کر آ گیا تھا۔ کھلا چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ پوشالی کہنیوں کے بل آگے بڑھی۔ اس نے سر باہر نکال کر دوسری جانب دیکھا، پھر خدا جانے کہاں سے جیسے ایک بجلی سی لپکی۔ وہ تڑپ کر راہ داری کے درمیان میں آ کر دونوں ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہوئی۔ ریوالور دونوں ہاتھوں میں لیا اور ٹھک ٹھک اوپر تلے تین فائر کر دیئے۔ ساتھ ہی وہ تیزی سے بیٹھ گئی اور جدھر فائر کیا تھا ادھر کو لپکی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سیکورٹی گارڈ کی لاش فرش پر دہری پڑی ہے۔ نیچے دروازہ بند تھا اور تالا لگا تھا۔ سائی لینسر لگے ریوالور

کی ایک ہی گولی نے تالا کھول دیا۔ ہم لاش کو ساتھ ہی لے کر تہ خانے میں آ گئے۔ آگے ایک ڈیوڑھی تھی۔ اس کے آگے دیواروں کے ساتھ شیلف لگے تھے جو چھت تک چلے گئے تھے۔ یہاں ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ پوشالی یہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ ہم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ پوشالی مجھے لے کر سمرنوف کی میز پر آ گئی۔ ہم نے اسکی درازوں کے قفل توڑ ڈالے اور فائلوں اور خفیہ کاغذوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ دوسرا سیکورٹی گارڈ وہاں نہیں تھا۔ اس کے آنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتا تھا۔ اچانک پوشالی تڑپ کر تہ خانے کے دروازے کی طرف لپکی۔ اس نے دیوار والے ساکٹ کے ڈبے کو کھول کر بڑی احتیاط سے الارم کے تاروں کو الگ کر دیا۔ میں نے کہا۔" دوسرا سیکورٹی گارڈ کہاں ہے ؟"

پوشالی ' .... سمرنوف کے کاغذات کو دیکھ دیکھ کر پھینکتے ہوئے بولی "کچھ معلوم نہیں۔"

اس کا مطلب تھا کہ کسی بھی وقت ہمارا پاؤں کسی بارودی سرنگ پر پڑ سکتا تھا۔ اب مجھے شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ پوشالی میں ایک دلیر کمانڈو ایسی ذہانت اور دور اندیشی نہیں ہے۔ وہ جذبات کی رو میں بہتی ہوئی مجھے بھی اپنے ساتھ ایک ایسی جگہ لے آئی تھی۔ جہاں قدم قدم پر زمین کے اندر بارودی سرنگیں بچھی تھیں۔ ہم کسی بھی وقت پکڑے جا سکتے تھے اور اسکے بعد شاید ہماری لاشیں بھی غائب کر دی جاتیں اور سفارت خانے والوں سے کوئی نہیں پوچھ سکتا تھا۔ پوشالی فائلوں اور کاغذات میں سے آہنی سیف کے تالے کا کومبی نیشن تلاش کر رہی تھی ' اور سیڑھیوں میں سیکورٹی آفیسر کا خون بکھرا ہوا تھا۔ دوسرا سیکورٹی گارڈ اگر آ جاتا ہے تو پھر ہماری خیر نہیں تھی۔ اگر الارم نہیں بولتا تو وہ ایک فائر کر کے سفارت خانے کے سب لوگوں اور دوسرے گارڈز کو بیدار کر سکتا ہے۔

میں نے پوشالی کے قریب جا کر کہا۔" خدا کے لئے وقت ضائع نہ کرو۔ یہاں کومبی نیشن نہیں ملے گا۔ سیف کے تالے پر فائر کرو۔ شاید کھل جائے۔

آہنی سیف دیوار کے ساتھ کونے میں لگا تھا۔ پوشالی جلدی سے سیف کے پاس آئی۔ ریوالور کی نالی کو سیف کے گول ہینڈل نما تالے کے ساتھ لگایا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی فولادی تالے سے ٹکرائی تو زیادہ آواز بلند ہوئی۔ اس آواز نے ہمارے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ خطرے کے الارم کی آواز تھی جس سے ساری عمارت گونج اٹھی تھی۔ پوشالی نے قریب آتے خطرے سے بے نیاز ہو کر سیف کے آہنی دروازے کو کھولنے کے لئے جھٹکا دیا مگر سیف بند تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔" یہاں سے نکلو۔"

ہم دروازے کی طرف دوڑے مگر اب اوپر لوگوں کے بھاگنے اور ایک دوسرے کو آوازیں دینے کا شور بلند ہو رہا تھا پھر سیڑھیوں پر تیزی سے اترتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک فائر ہوا۔ میں اور پوشالی چھلانگ لگا کر سیڑھیوں کے پیچھے ہو گئے۔ جونہی پہلا آدمی دروازے میں نمودار ہوا پوشالی

کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست ہو گئی اور وہ لڑکھڑا کر گرا۔ اس کے ہاتھ میں سب مشین گن تھی ۔ اس کے بعد دروازے میں سے ہم پر فائر آنے لگا۔ دونوں طرف سے گولیاں چل رہی تھیں مگر افسوس پوشالی کے ریوالور میں زیادہ گولیاں نہیں تھیں ۔ جب ہماری طرف سے کوئی فائر نہ ہوا تو ڈیوڑھی والے دروازے کی اوٹ سے دو سیکورٹی گارڈز چھلانگیں لگا کر کمرے میں کودے اور ایک دم سے فرش پر لیٹ کر انہوں نے دھڑا دھڑ فائر کھول دیا ۔ گولیاں میز کے پرخچے اڑانے لگیں۔ دو اور سیکورٹی گارڈز چھلانگ لگا کر اندر گھس آئے اور انہوں نے ہمیں ہاتھ کھڑے کرنے کا حکم دیا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے ۔ میں نے پوشالی کی طرف اور پوشالی نے میری طرف دیکھا اسکی آنکھوں میں پُر عزم چمک تھی ۔ اسکا ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ اسے آخری دم تک یقین تھا کہ وہ وہاں سے نکل جائے گی۔ ورنہ وہ خودکشی کے لئے ایک گولی ریوالور میں ضرور بچا کر رکھتی گارڈز نے ہمیں نہتا دیکھا تو ہمارے ہاتھ کھڑے کرنے کا بھی انتظار نہ کیا اور ہم پر پل پڑے ۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر انہوں نے ہمیں اپنے قابو میں کر لیا ۔ اس وقت تک مزید سیکورٹی گارڈز اور غیر ملکی سفیر اور اس کے عملے کے اعلیٰ افسر بھی شب خوابی کے لباس میں نیچے آ چکے تھے ۔ سفیر کا سر بیچ میں سے گنجا تھا اور وہ کافی معمر تھا۔ اس نے ہم دونوں کو گھور کر دیکھا اور پھر آہنی سیف کے پاس جا کر اس کا جائزہ لیا۔ اپنی زبان میں اس نے سیکورٹی گارڈز کے کمانڈر کو کچھ کہا اور اپنے اہل کاروں کے ساتھ تیزی سے اوپر چل دیا ۔

ہمارے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی تھی ۔ جن حالات میں ہم پکڑے گئے تھے وہ ناقابل یقین اور بے بس کر دینے والے حالات تھے ۔ ایسے حالات میں کوئی جادوگر ہی دشمن کے نرغے سے نکل سکتا ہے ۔ سیکورٹی کمانڈر نے میرا چاقو اور پوشالی کا ریوالور اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ انہوں نے ہماری تلاشی لی ۔ پوشالی کی جیب سے نائلون کی رسی برآمد ہوئی ۔ یہ بات بڑی غنیمت تھی کہ بال پوائنٹ ٹرانسمیٹر اپنے ساتھ نہیں لائے تھے ۔ دونوں ٹرانسمیٹر بال پوائنٹ ہم نے پوشالی کے فلیٹ میں اس کے پلنگ کے گدے کے نیچے رکھ دیئے تھے ۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ہم نے اپنے ایجنٹ کی ہدایت کے خلاف یہ آپریشن کیا تھا اور ظاہر ہے ہمیں اس سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ پوشالی کا فیصلہ جذباتی تھا اور ہم نے اس آپریشن پر زیادہ سوچ بچار نہیں کیا تھا۔ پوشالی کو اور مجھے پہچان لیا گیا تھا ۔ ہم دونوں اسی سفارت خانے میں ملازم تھے ۔ ہمیں اس تہہ خانے سے بھی نیچے ایک تاریک کوٹھری میں دھکیل کر دروازہ مقفل کر دیا گیا ۔ اندھیرے میں ہم ایک دوسرے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگے مگر یہاں بہت تاریکی تھی ۔ پوشالی نے جیسے دانت پیستے ہوئے کہا۔ سیف میں دو الارم لگے ہوئے تھے ۔ میں نے پوری ریسرچ نہیں کی تھی ۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہاں خفیہ مائیکروفون نصب ہوں ۔"

پوشالی خاموش رہی ۔ اس نے اندھیرے میں میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔ "کچھ بھی ہو

جائے ہمیں زبان نہیں کھولنی ہوگی۔ ہم ان لوگوں کو کچھ نہیں بتائیں گے۔"

میں چپ رہا میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ مختلف قسم کے خیالات نے جیسے یلغار کر رکھی تھی۔

پوشالی... ایک بار پھر اپنے ہونٹ میرے کان کے قریب لے آئی۔"یہ ہمیں کسی کورٹ میں پیش نہیں کریں گے۔ ہماری خبر کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔"

ہم ایک غیر ملکی سفارت خانے میں قید تھے۔ سفارت خانہ اس ملک کا چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے اور وہاں مقامی پولیس داخل نہیں ہو سکتی۔ وہاں اس ملک کا اپنا قانون چلتا ہے جس کا سفارت خانہ ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ ہمیں قتل بھی کر دیں تو باہر کی دنیا کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس اعتبار سے ہم بہت بری طرح پھنس چکے تھے۔ اب تک ان لوگوں کو سرنوف کے قتل کا بھی علم ہو گیا ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ لوگ ہم سے پوچھ گچھ ضرور کریں گے۔ ابھی ہلاک نہیں کریں گے۔ وہ ہمیں اذیت دیتے ہوئے ہلاک کریں گے۔ میں نے پوشالی کے کان کے قریب منہ لے جا کر سرگوشی میں کہا۔" ہم ہرگز ہرگز یہ نہیں بتائیں گے کہ چانکیہ پلان 'کا بلیو پرنٹ چرانے آئے تھے۔"

مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس بات سے تھا کہ اگر پوشالی نے یا میں نے کہہ دیا کہ ہم سفارت خانے کے آہنی سیف سے یورینیم کی کھدائی والے پراجیکٹ کے سلسلے میں بلیو پرنٹ اڑانے آئے تھے تو قدرتی بات تھی کہ یہ لوگ ہمیں بھارتی حکومت کے حوالے کر دیتے اور پھر میرا سارا بھید کھل جاتا اور میرا مستقل مشن تہس نہس ہو کر رہ جاتا بلکہ میرے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔ یہ بات بھی میں نے سرگوشی میں پوشالی کو سمجھا دی آخر ہم نے انکے اتنے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ وہ یہ کبھی تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے کہ ہم چوری کی نیت سے سفارت خانے میں آئے تھے۔ اگر ہم چوری کرنے آئے تھے تو ہمیں سرنوف کے کوارٹر میں جا کر اسے موت کی نیند سلانے کی کیا ضرورت تھی۔ جاسوسی کے الزام سے ہم بچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اب انہیں یہ تاثر دینا تھا کہ ہمیں ایک امریکی نے بہت سے ڈالر دے کر سیف میں سے سارے کاغذات نکال کر اس کے حوالے کرنے کے لئے کہا تھا۔

میں نے پوشالی کے کان میں سرگوشی کی۔" ہم کہیں گے کہ امریکی کا نام ہم نہیں جانتے۔ وہ ہمیں ساحل سمندر پر ملا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر تھا۔ سر کے بال بھورے تھے اور کاندھے چوڑے تھے۔ اس نے ہمیں پانچ ہزار ڈالر ایڈوانس دیئے تھے جو ہم نے خرچ کر ڈالے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس سے آگے ہم ایک لفظ نہیں کہیں گے۔"

"او کے۔" پوشالی نے آہستہ سے کہا۔"یاد رکھنا اگر انہوں نے ہمیں الگ الگ جگہوں پر رکھا تو فرار ہونے کی کوشش ضرور کریں گے اور اپنے ایجنٹ سے رابطہ پیدا کریں گے۔"

بھاری قدموں کی آواز آئی پھر دروازہ زور سے کھل گیا۔ باہر سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ دروازے میں سے ایک گارڈ نے رائفل سیدھی کی اور پہلے پوشالی کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ میں بوکھلا سا

گیا۔ کیا وہ ہمیں شوٹ کر رہے ہیں۔ رائفل میں سے بارود کے دھماکے کی بجائے ٹھک کی آواز نکلی۔ اور اسکے ساتھ ہی پوشالی دہری ہو گئی۔ وہ میرے ساتھ ہی لگ کر بیٹھی تھی۔ کوئی شے اسکی ران پر لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی رائفل سے پھر ویسی آواز نکلی اور اس دفعہ میری ران پر کوئی شے زور سے ٹکرائی۔ میں فوراً سمجھ گیا۔ یہ ٹرانکولائزر تھا۔ بے ہوشی کا انجکشن جو رائفل کی نالی سے نکل کر میری ران میں گھس گیا تھا۔ بے ہوشی کی یہ دوا اس قدر زود اثر تھی کہ میری زبان بھاری ہو گئی اور پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ پوشالی مجھ سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر میرے اوپر گر چکی تھی۔

اسکے بعد کیا ہوا؟ ہمیں کچھ خبر نہیں۔ جب ہوش آیا تو میں نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میں لکڑی کے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ میری آنکھوں کے پپوٹے ابھی تک بوجھل تھے۔ پہلا احساس مجھے یہ ہوا کہ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہیں تھی۔ میرے اوپر بانس کی ڈھلوان چھت تھی جس کے اندر سے ناریل کی شاخیں نیچے نکلی ہوئی تھیں۔ میرا جسم شل ہو رہا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ پوشالی میرے قریب ہی فرش پر سیدھی پڑی تھی۔ اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ میں کوشش کر کے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے اپنے ایک پاؤں میں پڑی ہوئی لوہے کی زنجیر نظر آئی۔ یہ زنجیر کنکریٹ کے ایک کھمبے سے بندھی ہوئی تھی جو اس چھوٹے سے لکڑی کے دیواروں والے کمرے کے وسط میں چھت کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ ایسی ہی ایک زنجیر پوشالی کے پاؤں کے ساتھ بھی بندھی ہوئی تھی۔ ہمارا لباس وہی تھا جس لباس میں ہم گرفتار ہوئے تھے۔ میرا سر چکرا رہا تھا میں نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کمرے کی صرف ایک کھڑکی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ دروازہ بند تھا۔ کھڑکی میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی اور باہر کچھ درختوں کی شاخیں ہوا میں لہراتی نظر آ رہی تھیں۔ دن کی روشنی پھیکی پھیکی سی تھی جیسے باہر آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔ کمرے میں لوہے کی ایک کرسی کے سوا اور کوئی شے نہیں تھی۔ میں نے آہستہ سے پوشالی کو ہلایا۔ دو تین بار ہلانے سے پوشالی نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مگر اسے چکر آ گیا اور اس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ "میرے خدا۔" اس نے اردو میں کہا۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

میں نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ان لوگوں کا سفارت خانہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ ہمیں کسی ویران جگہ پر لے آئے ہیں۔ یہاں ہم سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔"

میں نے ایک بار پھر پوشالی کو تاکید کی کہ وہ کسی حالت میں بھی 'چانکیہ پلان' کا نام نہ لے کیونکہ پھر یہ لوگ ہمیں بھارتی پولیس کے حوالے کر دیں گے اور اس طرح پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ پوشالی نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں ناقابل شکست عزم کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ "میں مر جاؤں گی۔ 'چانکیہ پلان' کا نام

نہیں لوں گی۔"

برآمدے کے لکڑی کے فرش پر فوجی جوتوں کی آواز بلند ہوئی، پھر دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر خل ہوئے۔ دونوں خاکی وردی تھے۔ دونوں رنگ سیاہ تھے۔ وہ مجھے حبشی لگے مگر ان کے نتھنے اور بنٹ چوڑے نہیں تھے۔ جسم گٹھے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک اونچا لمبا تھا۔ دونوں نے سروں پر جی کیپ پہن رکھی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اونچا لمبا سیاہ فام آدمی ہم سے پانچ قدم کے صلے پر آکر رک گیا۔ اس کی کمر سے پستول لٹک رہا تھا۔ کاندھے سے اسٹین گن ٹنگی تھی۔ پیٹی کے یک طرف لمبا شکاری چاقو چمڑے کی نیام میں بند تھا۔ دوسرا اسٹین گن تان کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

نچے لمبے سیاہ فام آدمی نے انگریزی میں کہا۔" میرا نام بوچر ہے کھڑے ہو جاؤ۔"

اسکی بھاری اور سپاٹ آواز میں سرد مہری اور تحکم تھا۔ پوشالی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹ ہی تھی۔ میں گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بوچر نے گرج کر کہا۔" میں جانتا ہوں کہ تم انگریزی جانتے ہو۔ مڑے ہو جاؤ۔"

اس نے ہولسٹر سے پستول نکال کر نال کا رخ ہماری طرف کر دیا۔ میں اور پوشالی کھڑے ہو گئے۔ مارے جسم پر ابھی تک بے ہوشی کا اثر تھا اور پاؤں پر ٹھیک طرح سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ سیاہ فام چر واقعی کوئی بوچر ہی لگتا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے پیچھے اشارہ کیا۔ اس کے پیچھے جو حبشی شین گن تانے کھڑا تھا، اس نے پیچھے گھوم کر دیکھا اب ایک اور وردی پوش سیاہ فام اندر داخل ہوا۔ س کے ایک ہاتھ میں آگ بجھانے والا سلنڈر تھا اور دوسرے ہاتھ میں نیلے رنگ کے کپڑے تھے۔ وہ وچر کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ بوچر نے دوسرا حکم دیا۔" اپنے کپڑے اتار دو۔"

میں دم بخود سا ہو کر اسکا منہ تکنے لگا۔ اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔ پستول کا دھماکا ہوا اور گولی میرے پاؤں کے بالکل قریب فرش پر دھنس گئی۔ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

بوچر نے کڑک کر کہا۔" تم نے سنا نہیں؟ کپڑے اتارو۔"

میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔" میرے ساتھ ایک خاتون بھی ہے تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

ابھی یہ جملہ میرے منہ سے پورا نہیں نکلا تھا کہ بوچر نے آگے بڑھ کر میرے جبڑے پر اتنی زور سے مکا مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ میرے ہونٹوں کے کنارے سے خون رسنے لگا۔ میرا جبڑا سن ہو گیا۔ دو آدمیوں نے پکڑ کر مجھے کھڑا کیا۔ جس آدمی کے پاس آگ بجھانے والا سلنڈر تھا اس نے اس کی نوزل کا رخ میری طرف کر دیا اور اسکے ساتھ ہی میرے جسم پر کسی جراثیم کش دوائیوں کی پھوار پڑنے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرا سارا جسم شرابور ہو گیا۔ اسی طرح پوشالی کے جسم پر پھوار ڈالی گئی۔ بوچر نے اشارہ کیا۔ دوسرے آدمی نے نیلے کپڑے ہماری طرف پھینک دیئے۔ بوچر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔" انہیں پہن لو۔"

یہ کھدر کی قسم کے موٹے کپڑے کے دو لبادے تھے جس میں کوئی بٹن وغیرہ نہیں تھا۔ میں اور پوشالی نے جلدی جلدی لبادے پہن لئے۔ وہ لوگ فوراً باہر نکل گئے اور دروازہ بند ہوگیا۔ ہم فرش پر بیٹھ گئے۔ میں نے پوشالی کی طرف کچھ جھجکتے ہوئے دیکھا۔ پوشالی کا چہرہ پتھر کی طرح خاموش اور سنگین تھا۔ وہ بند دروازے پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔ میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔" معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ہم سے پوچھ گچھ کا پروگرام طویل ہے۔"

پوشالی نے سلاخ دار کھڑکی کی جانب اٹھائیں اور بولی۔" یہ کون سی جگہ ہے؟"

میں نے کہا۔" ناریل کے درخت نظر آرہے ہیں۔ لگتا ہے ہم لنکا میں ہی ہیں۔"

پوشالی نے چھت کی طرف دیکھا۔" جنہوں نے ہمیں پکڑا ہے یہ ان لوگوں کا ملک نہیں ہے۔ ضرور ہم کسی دوسرے ملک کے کسی جنگل میں ہیں۔"

میں نے کہا۔" ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یہاں کی حکومت سے جنگل میں کوئی فارم ہے لے رکھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی سیاسی دباؤ کے تحت یہاں کی حکومت نے ان لوگوں کو یہ رعایت دے رکھی ہو کہ وہ اس قسم کی سرگرمیاں یہاں جاری رکھ سکتے ہیں۔ آخر یہ ایک بڑی طاقت کا سفارت خانہ ہے۔"

مجھے خطرہ تھا کہ کہیں ہمیں ہندوستان نہ پہنچا دیا ہو لیکن جب تک ان لوگوں کو یہ یقین نہیں ہو جاتا کہ ہم جانکیہ پلان 'چرانے وہاں آئے تھے' وہ ہمیں بھارتی حکومت کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔ ابھی تک تو انہیں یہی یقین تھا کہ ہم ان ملک کے خفیہ راز چرانے سفارت خانے میں آئے تھے کہ ہم نے کسی کے کہنے پر سفارت خانے میں نوکری کی تھی اور سفارت خانے سے ہم کون سے راز چرانا چاہتے تھے۔ ابھی تک تو ان کے ملک کی نیشنل سیکورٹی کا معاملہ تھا۔ ہمیں بھارتی حکومت کے حوالے کرنے کا ابھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ باہر خاموشی تھی۔ کسی وقت کسی پرندے کے بولنے آواز آجاتی تھی۔

پوشالی کہنے لگی۔" یہ سیاہ فام لوگ کہاں سے آگئے ہیں؟ ان کی شکلیں یہاں کے سنہالی لوگوں جیسی نہیں ہیں۔ یہ حبشی بھی نہیں ہیں۔"

میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔" ہو سکتا ہے یہ کرائے کے سپاہی ہوں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ لاطینی امریکہ کے کسی ملک کے رہنے والے ہیں۔ ان کا انگریزی بولنے کا لہجہ لاطینی امریکہ کے لوگوں جیسا ہے۔"

پوشالی نے کہا۔" معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے یہاں کوئی بہت زبردست اور خفیہ انٹیروگیشن سنٹر قائم کر رکھا ہے۔" پھر وہ میری طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

" ابھی تک ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ میرا تعلق ترکستان سے ہے۔ میں انہیں بتانا بھی نہیں چاہوں گی۔ ان کے پاس ہمارے شناختی کارڈوں کی جو فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ہیں ان پر ہمیں سری لنکا

کے باشندے ظاہر کیا گیا ہے۔ میرا نام ڈی گارشیا ہے۔ میرا آباؤ اجداد ہالینڈ سے آکر لنکا میں آباد ہوئے تھے۔ تم تامل عیسائی ہو۔ تمہارا نام ڈیوڈ پلے ہے، مگر تم سنہالی زبان نہیں بول سکتے۔ یہ بات تمہارے حق میں نہیں جاتی۔"

میں نے جلدی سے کہا۔" میں نے انہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ میری پرورش تامل ناڈو میں ہوئی ہے اور میں جوان ہو کر یہاں آیا تھا اور اب میں سنہالی کے الفاظ سمجھ لیتا ہوں۔"

پوشالی نے کہا۔" اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جن لوگوں نے ہم سے پوچھ گچھ کرنی ہے وہ دنیا کے عیار ترین جاسوس مانے جاتے ہیں اور ان کے پاس جدید ترین آلات ہیں۔"

میں نے پوشالی سے کہا کہ ان لوگوں کی اذیتوں اور ٹارچر سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں۔ پوشالی نے اپنے اور میرے پاؤں میں بندھی ہوئی لوہے کی زنجیر کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔" فرار ہونا آسان نہیں ہے پھر ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں لیکن ہم بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے۔"

اس نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔" میرا خیال ہے ہمیں راتوں رات بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا ہے۔ نہ جانے وقت کیا ہو گا۔؟

میں نے کہا۔" میرے خیال میں دن کے دس بجے کا وقت ہو گا۔"

باہر بادلوں میں ہلکی ہلکی گرج پیدا ہوئی۔ پوشالی نے سر جھکا لیا۔ میں بھر سر جھکا کر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ میرا اس طرح پکڑ لیا جانا میرے حق میں زہر قاتل تھا۔ مجھے اپنے اغوا کا ڈھونگ رچا کر دلی سے بھاگے ہوئے تین ہفتے ہو گئے تھے۔ جو ڈراما میں نے کھیلا تھا وہ اپنی جگہ پر ایک مکمل ڈرامہ تھا اور اسکی رو سے میں دو تین ماہ بھی ہندوستان سے، دلی سے دور رہ سکتا تھا۔ میں جب بھی واپس جاؤں کہہ سکتا ہوں کہ اب اپنے اغواء کرنے کی قید سے بھاگ کر نکل سکا ہوں۔ سب سے زیادہ جو بات مجھے پریشان کر رہی تھی یہ تھی کہ 'چانکیہ پلان' کا مشن ادھورا رہ گیا تھا جس کی خاطر میں نے یہ سارا ڈرامہ کھیلا تھا۔ آہنی سیف ہم سے نہیں کھل سکی تھی۔ ہم 'چانکیہ پلان' کا پرنٹ نہیں نکال سکے تھے جس کی میرے ملک کی سلامتی اور بقا کے لئے بے حد ضرورت تھی۔

میں نے پوشالی سے کہا۔" ہمارے بال پوائنٹ ٹرانسمیٹر تمہارے فلیٹ کے بیڈ روم میں ہیں۔ اگرچہ تم نے سفارت خانے والوں کو غلط ایڈریس بتایا تھا لیکن اگر وہ کسی طرح تمہارے فلیٹ میں پہنچ گئے تو دونوں ٹرانسمیٹر انہیں مل جائیں گے اور سفارت خانے کے نقشے بھی۔"

پوشالی نے کہ۔" اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو اب بھی ہمیں ایجنٹ ہی سمجھ رہے ہیں جو کسی دوسرے ملک کے لئے ان کے خفیہ راز چرانے ان کے سفارت خانے میں آئے تھے۔"

میں نے کہا۔" کاش اپنا کوئی ایجنٹ ہماری کوئی مدد کر سکتا، مگر وہ ایک ایجنٹ ہے۔ اس کے پاس

کمانڈو فورس نہیں ہے۔"

پوشالی نے پرعزم لہجے میں کہا۔ "ہمیں اپنے ایجنٹ سے کوئی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔ اس کا دائرہ کار محدود ہے۔ جب کوئی ایجنٹ پکڑا جاتا ہے تو لیڈر ایجنٹ اسے اسکی تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ ہمیں خود یہاں سے زندہ بچ نکلنے کی کوشش کرنی ہو گی۔"

میں اپنے منتشر خیالات میں گم ہو گیا۔ پوشالی کہنے لگی "میرا خیال ہے کہ اب یہ ہمیں الگ الگ رکھیں گے اور علیحدہ علیحدہ ہم سے پوچھ گچھ کریں گے۔ مجھے روسیوں کے تشدد کا تجربہ ہے۔ کیا تم گھبرا تو نہیں جاؤ گے؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم پاکستان کے سچے مجاہد اور سرفروش ہو۔ تم مر جاؤ گے مگر اپنے ملک کے تحفظ پر آنچ نہ آنے دو گے۔"

میں نے گردن بلند کی اور پوشالی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "پاکستان کے لئے میں نے اپنی جان بیچ رکھی ہے۔"

پوشالی کی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میں پاکستانی نہیں ہوں مگر اسلام نے مجھے پاکستان سے وابستہ کر رکھا ہے۔ میں پاکستان کے لئے، اسلام کے لئے جینا اور مرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "کوئی آ رہا ہے۔"

برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔ دروازہ زور سے کھلا تین سیاہ فام فوجی اندر داخل ہوئے۔ دو کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور ایک کے ہاتھ میں نائلون کی رسی کا گچھا تھا۔ اس نے آتے ہی ہمارے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیئے پھر ہمارے پاؤں سے زنجیریں الگ کر دیں گئیں۔ انہوں نے اسٹین گنوں کی نوک سے ہمیں باہر نکلنے کا حکم دیا۔ میں سمجھ گیا کہ پوچھ گچھ یا تشدد کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔ پہلی بار وہاں سے باہر نکل کر ہم نے دیکھا کہ وہ جگہ ناریل، تاڑ اور ساگوان کے اونچے اونچے درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ گھاس میں سے ایک پگڈنڈی قریب ہی ایک کھپریل کی ڈھلواں چھت والی بیرک کی طرف چلی گئی تھی۔ ہمیں اسی پگڈنڈی پر چلایا جا رہا تھا۔ بیرک کے آگے ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ یہ بیرک بھی زمین سے تین فٹ اونچی مچان پر بنی ہوئی تھی جس طرح کہ جنوب مشرقی ایشیا میں کاٹیج اور بیرکیں بنا کرتی ہیں۔ بیرک کے دروازے پر چق گری ہوئی تھی، اور باہر ایک کالا فوجی اسٹین گن لئے پہرہ دے رہا تھا۔ چق اٹھا کر ہمیں کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ یہ لکڑی کے فرش والا کشادہ کمرہ تھا، جس میں سامنے ایک بڑی میز کے پیچھے اونچی کرسی پر ایک سفید فام چہرے والا آدمی بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ وہ بھی کسی گمنام ملک کی فوجی وردی میں تھا۔ وہ بھینسے کی طرح ہٹا کٹا تھا اور گردن شانوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ ہمیں اس کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے اشارے سے اپنے آدمیوں کو باہر جانے کو کہا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہاں ہم تینوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میرے

اور پوشالی کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔

وہ آہستہ سے کرسی سے اٹھ کر قدم قدم چلتا ہمارے قریب آکر میز کے کنارے پر بیٹھ گیا اور ہماری طرف قہرناک اور سفاک آنکھوں سے گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سرد مہر مقناطیسی کشش سی تھی۔ اس نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر کھولا اور میری طرف بڑھا کر انگریزی میں کہا۔ تم سگریٹ پیتے ہو' میں جانتا ہوں۔"

اس کا انگریزی بولنے کا لہجہ بھی لاطینی تھا۔ رنگ زردی مائل گورا تھا۔ مجھے وہ پرتگالی لگا۔ میں نے شکریے کے ساتھ سگریٹ پینے سے معذرت کی۔ اس نے پوشالی کی طرف دیکھا اور سگریٹ کیس بند کر کے جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم سگریٹ نہیں پیتیں۔"

شاید اس طرح وہ ہم پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہمارے پرانے ریکارڈ سے واقف ہے اور ہمارے ماضی سے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ یہ حقیقت بھی ہو سکتی تھی کہ 'اور اسکی بلف چال بھی ہو سکتی تھی۔ اس کی پیٹی کے ساتھ ہی ہولسٹر میں پستول اس طرح لگا تھا کہ اس کا دستہ باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ میز کے کونے سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ سگار ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ میز پر کہنیاں ٹکا کر ہماری طرف جھک کر دیکھا اور بولا۔" تم کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔ تم میرے مہمان ہو۔"

وہ جو اداکاری کر رہا تھا مجھے سب معلوم تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا کہ چلو جتنی دیر کا آرام مل جائے غنیمت ہے۔ پوشالی بھی شاید یہی سوچ کر بیٹھ گئی۔ اس نے میز کی دراز میں سے بسکٹوں کا ڈبا نکال کر بسکٹ گتے کی ایک پلیٹ میں رکھ کر ہمیں پیش کئے۔ "تم یہ بسکٹ پسند کرو گے؟"

ایک فوجی وردی والا آدمی چائے لے کر آگیا۔ چائے کی اس وقت شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے چائے کے دو گھونٹ بھرے اور ایک بسکٹ بھی اٹھا کر کھا لیا کہ اب جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ کم از کم جسم میں کچھ توانائی تو جانی چاہیئے۔ پوشالی نے بھی ایک بسکٹ کھایا اور آہستہ آہستہ چائے پینے لگی۔ ویسے بھی دن کے سوا دس بج رہے تھے۔ اگرچہ جن حالات میں ہم پھنس گئے تھے وہاں اپنی مرضی سے کچھ کھانے پینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ زرد رو فوجی ہماری طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے کرسی پر وہ ذرا پیچھے ہوا۔ دراز میں ایک سیاہ کور والی فائل نکال کر کھولی اور اس پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔" میں جانتا ہوں کہ تم دونوں بے گناہ ہو۔ ناتجربے کار ہو۔ تمہیں اس کام میں پھنسایا گیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں سفارت خانے میں کس نے بھیجا تھا؟ تم جب ہمیں اسکے بارے میں سچ سچ بتا دو گے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ ہم تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع بھی فراہم کر دیں گے۔ تم دونوں پر ہمارے تین آدمیوں کا خون ہے لیکن ہم تمہارا یہ خون بھی معاف کر دیں گے۔"

وہ فائل بند کر کے ہماری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "تم مجھ پر بھروسا کر سکتے ہو۔ میرا نام جیک ہے۔ میں اپنے وعدے کا پورا پورا خیال رکھتا ہوں۔"

وہ اس طرح ہماری طرف دیکھنے لگا کہ جیسے اپنے سوال کے جواب کا انتظار ہے۔ ہم چائے پی چکے تھے اور اب خاموش ہو گئے تھے جیسے ہم بولنا نہیں جانتے۔ زرد رو جیک نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کسی کے بہکاوے میں آکر سفارت خانے میں گھسے تھے۔ تمہیں کسی نے اس خاص مقصد کے لئے بھرتی کروایا تھا اور پھر تم دونوں نے انتہائی بے دردی سے ہمارے آفیسرز کو قتل کر دیا۔ ہم یہ سب کچھ بھول جائیں گے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں کس نے بھیجا تھا؟ اس آدمی یا گروہ کا تعلق کس ملک سے ہے اور وہ لنکا میں کہاں چھپا ہوا ہے؟"

اب میں نے زبان کھولی اور انگریزی میں کہا۔ "مسٹر جیک! ہم سے جو کچھ بھی ہوا اس کے لئے ہمیں بہت افسوس ہے۔ دراصل ہم دولت کے لالچ میں آ گئے تھے۔ کچھ روز ہوئے ہمیں ساحل سمندر کے کنارے پر ایک امریکی ملا جس نے ہمیں کہا کہ اگر ہم سفارت خانے میں رکھے ہوئے سارے کاغذات لا کر اسے دے دیں تو وہ ہمیں پانچ ہزار ڈالر معاوضے میں دے گا۔ اس نے کچھ رقم ہمیں پیشگی دی تھی جو ہم نے خرچ کر لی۔ چاقو اور ریوالور بھی اسی نے ہمیں لا کر دیا تھا۔ کاش ہم اس کے بہکاوے میں نہ آتے۔"

زرد رو جیک کی کی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔ اس کے چہرے سے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ جب میں نے اپنی بات ختم کی تو اس نے دراز میں سے نیا سگار نکال کر سلگایا اور اس کے دو تین کش لے کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چھوٹی سی گھنٹی پڑی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر گھنٹی بجائی۔

دو سیاہ فام فوجی اسٹین گن لگائے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ زرد رو جیک نے انہیں اشارہ کیا۔ اندر آنے والے نیم فوجیوں کی طرف ہماری پیٹھ تھی۔ اچانک میری گردن پر ایک پھندا سا پڑا اور پھر مجھے پیچھے کی طرف گھسیٹا جانے لگا۔ میں نے دیکھا پوشالی کو بھی اسی طرح گردن میں پھندا ڈال کر گھسیٹا جا رہا تھا۔ ہمیں اسی طرح کمرے سے باہر لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہاں چار اسٹین گن والے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ میں نے دیکھا تین تین چار چار قدم کے فاصلے پر بانس کے دو صندوق سے کھڑے تھے۔ ان کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔ یہ دونوں صندوق تین فٹ مربع کے ہوں گے۔ ایک سیاہ فام نے آگے بڑھ کر رسیاں کھول کر صندوق کا ڈھکن اوپر اٹھا دیا۔ پھر پوشالی کو اٹھا کر اس صندوق میں گرا کر اوپر سے ڈھکنا بند کر کے رسیوں سے باندھ دیا۔ اسی طرح دوسرے صندوق میں مجھے بند کر دیا گیا۔ صندوق کی دیواریں بانس کی باریک تیلیوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ میرے ہاتھ

بندھے ہوئے تھے۔ اور میں تنگ و تاریک بانس کے صندوق میں بڑی مشکل سے پھنس کر اکڑ بیٹھا تھا۔ میں نے درز میں سے باہر دیکھا۔ دو سیاہ فام وردی والے اسٹین گن لئے کچھ فاصلے پر پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے سب سے پہلے صندوق کو ہلانے کی کوشش کی مگر صندوق لوہے سے زیادہ سخت تھا۔ جگہ اتنی تنگ تھی کہ بہت جلد میرا دم گھٹنے لگا۔ بانس کی کھلی ہوئی تیلیوں میں سے ہوا بہت معمولی مقدار میں اندر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا اور سانس تیز تیز چلنے لگی۔ میں ایک طرح سے بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا۔ میرے گھٹنے چھاتی کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور ہاتھ بندھے درد کرنے لگے تھے۔

میں نے سوچا کہ پوشالی کا کیا حال ہو رہا ہو گا؟ وہ کمانڈو ہی سہی لیکن تھی تو عورت' اور عورت چاہے پہلوان بن جائے مگر وہ نازک اندام ہی رہتی ہے۔ وہ میری طرح سخت نہیں ہو سکتی۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میں ایک طرف جم کر ٹک گیا تو اس عذاب کو سہ جاؤں گا جو میرے خیال میں شام تک ضرور جاری رہتا لیکن میں یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ آدھ گھنٹے بعد ہی میرا سارا جسم سن ہو گیا اور میرے دماغ میں جیسے کھوپڑی کی ہڈیاں چبھنے لگیں۔

شدید درد کی ایک ٹیس میرے دماغ کے عین درمیان سے اٹھتی اور میری ہڈیوں کے گودے کو چیرتی ہوئی میرے پاؤں کے ناخن تک جاتی پھر واپس چل پڑتی۔ کئی بار میرے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ فوراً میں نے درد کے اس شدید دورے کے ساتھ جنگ شروع کر دی اور آہستہ آہستہ اس پر حاوی ہو گیا۔ اس خیال نے بھی مجھے طاقت دی کہ پوشالی بھی مجھ سے چار قدم کے فاصلے پر ایسے ہی ایک بانس کے صندوق میں بند تھی مگر اسکی آواز تک نہیں آ رہی تھی۔ میرے ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سکیڑ کر کسی جانور کی طرح گول کر لیا تھا لیکن سب سے زیادہ تکلیف مجھے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ صندوق کے اندر دن کی بہت دھیمی دھیمی روشنی آ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وقت رک گیا تھا۔ وقت بالکل نہیں گزر رہا تھا۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ وقت تھم سکتا ہے۔ میں جیسے درد و عذاب کے خلا میں معلق ہو گیا تھا' پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ شاید میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب ہوش میں آیا تو میرے اوپر پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور صندوق کے باہر سے بارش کی آواز آ رہی تھی۔ باہر اندھیرا چھا رہا تھا۔ شاید رات ہو گئی تھی۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے میری زبان سوکھ گئی تھی۔ بانس کی باریک تیلیوں کی چلمن میں سے بارش کے پانی کی بوندیں میرے حلق میں ٹپکنے لگیں اور میری رگوں میں جیسے زندگی کی حرارت واپس آ گئی۔ میری پیاس بجھ گئی تھی۔ بھوک سے میں مقابلہ کر سکتا تھا مگر پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ پانی پینے کے بعد مجھ میں کچھ جان سی آ گئی۔ پانی پینے کے بعد میں نے پوشالی کو آواز دی۔ میں نے اس کا اصلی نام نہیں لیا تھا بلکہ اسی ڈی گارشیا کے نام سے پکارا تھا۔ بارش کی آواز میں جیسے میری آواز دب کر رہ گئی تھی۔

میں نے اسے ایک بار پھر آواز دی۔ تڑاخ کی آواز آئی اور جس صندوق میں، میں بند تھا وہ جھنجھنا اٹھا۔ کسی نے باہر سے شاید میرے صندوق پر زور سے اسٹین گن کا دستہ مارا تھا۔ ساتھ ہی گارڈ کی کرخت آواز بلند ہوئی۔ اس نے انگریزی میں مجھے چپ رہنے کو کہا تھا۔ بارش تیز ہو گئی۔ میرا موٹے کپڑے کا لبادہ بارش میں بھیگ گیا تھا۔ میں پانی میں شرابور تھا۔ جسم لکڑی کی طرح اکڑ گیا تھا اور دل میرے حلق کے قریب آکر دھڑک رہا تھا۔

بادل گرج رہے تھے۔ بجلی رہ رہ کر چمکنے لگی تھی۔ بارش موسلا دھار شروع ہو گئی تھی۔ جانے کس وقت رات کو بارش تھم گئی۔ بادل گرجنا اور بجلی چمکنا بند ہو گئی۔ چاروں طرف ایک قہر آلود سناٹا چھا گیا۔ میں نے اپنا پتھر کی طرح سخت چہرہ دیکھنے کی کوشش کی کہ شاید صبح کا اجالا پھیل رہا تھا لیکن باہر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ جو آدمی پہرہ دے رہے تھے ان کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر پوشالی کا خیال آ رہا تھا۔ اسکی کیا حالت ہو گی؟ وہ تو شاید بے ہوش ہو چکی ہو گی۔ خدا خدا کر کے رات گزر گئی۔

آدھا دن نیم بے ہوشی کی حالت میں اور دن اور رات درد و کرب کے عالم میں گزر گئی تھی۔ سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میں نے ٹانگوں کو ذرا سا کھولنے کی کوشش کی تو ہڈیوں میں سے ایسی ٹیس اٹھی کہ میں بلبلا کر رہ گیا۔ ایسے عذاب سے پہلے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ حیرانی کی بات تھی کہ پوشالی کے صندوق سے اسکی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ دن کا اجالا پھیلا تو میں نے درزوں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ درختوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ پرندوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ میں نے گارڈز کو دیکھا۔ وہ اسٹین گن اٹھائے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے یہ وہ لوگ نہیں تھے جو دوپہر کو ہمیں لے کر آئے تھے۔ گارڈ شاید رات کے وقت ہی بدل دی گئی تھی۔ مجھے پوشالی کا صندوق بھی دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ بھی میرے صندوق کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس عذاب سے کب چھٹکارا ملتا ہے۔ یہ ابتدا تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ اس سے بھی زیادہ تشدد کرنے والے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا پوشالی انکے اس بہیمانہ تشدد کو برداشت کر لے گی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ وہ تشدد اور اذیت سے بوکھلا کر ان لوگوں کو بتا دے کہ میرا تعلق دلی کے پرائم منسٹر سیکرٹریٹ سے ہے اور میں پاکستان سے آیا ہوں۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے۔ پوشالی کی دلیری اور جرأت میں نے دیکھ رکھی تھی لیکن اس قسم کے عذاب کو وہ کب تک برداشت کر سکے گی؟ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ عذاب کی گھڑیاں دوبارہ رینگ رینگ کر گزرنے لگیں۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ پرندوں نے چہچہانا بند کر دیا تھا۔ چاروں طرف ایک بار پھر سنگین سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ دن گزرتا جا رہا تھا۔ اب بھوک اور پیاس نے بھی نڈھال کر دیا تھا۔

ٹھیک اس وقت مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کچھ قدم میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب مجھ میں باہر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ یہ قدم میرے قریب آ کر رک گئے، پھر کسی نے صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ اوپر سے دن کی روشنی کا چھپاکا سا ہوا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ صندوق کی سامنے والی دیوار بھی کھول دی گئی۔ انسانی ہاتھوں نے مجھے باہر کھینچ لیا۔ میں گیلی گھاس پر ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا جیسے بند صندوق میں پڑا تھا۔ میری پسلیوں میں زور سے ٹھوکر ماری گئی۔ میں نے درد کو دانتوں میں ہی دبا لیا اور آنکھیں کھول دیں۔ چار سیاہ فام میرے اوپر کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے اٹھایا تو میری ٹانگوں نے کھڑے ہونے سے انکار کر دیا۔ میں گر پڑا۔ میں ویسے پڑا رہا۔ میرے سر پر ایک اسٹین گن والا نیم فوجی کھڑا رہا۔ سامنے پوشالی کا صندوق بھی کھولا جا رہا تھا۔ صندوق کی دیوار ہٹا کر پوشالی کو باہر گھسیٹ کر لایا گیا تو میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ اگرچہ اسکی ٹانگیں دو ایک بار ڈگمگائیں مگر وہ سیدھی کھڑی رہی۔ پوشالی کا یہ عزم اور استقلال دیکھ کر مجھے شرمندگی محسوس ہوئی اور میں بھی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹانگیں ڈگمگاتیں رہی مگر میں کھڑا رہا۔ ہماری گردنوں میں رسی ڈال کر ہمیں ایک طرف کھینچا جانے لگا۔ ہم سے چلا نہیں جا رہا تھا مگر ہم چلے رہے تھے۔ پوشالی جیسے سینہ تانے چل رہی تھی۔ مجھے اس سے ایک طرح کی طاقت اور حوصلہ مل رہا تھا۔ ہمیں درختوں سے ہٹ کر ایک ایسی جگہ لایا گیا۔ جہاں ناریل کی ڈھلواں چھت والے دو جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ ان کے باہر چولھے پر ایک دیگچہ رکھا تھا۔ دو اسی طرح کے وردی پوش سیاہ فام آدمی وہاں چاق و چوبند کھڑے تھے۔

چولہے کے سامنے ہمیں کھڑا کر دیا گیا پھر ایک آدمی نے ہمارے ہاتھ کھول دیئے اور حکم دیا۔ "ہاتھ پھیلاؤ۔"

میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ہمیں ہاتھ پھیلانے کے لئے کیوں کہہ رہا ہے۔ ذہن، درد اور بھوک پیاس کی شدت سے پہلے ہی ماؤف ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ پوشالی بھی ساکت و جامد کھڑی ہوئی سامنے گھورتی رہی۔ وردی پوش نے پستول نکال لیا اور دوبارہ حکم دیا۔ "ہاتھ آگے کرو۔"

ہم نے ہاتھ آگے کر دیئے۔ دوسرے آدمی نے دیگچے میں چمچہ ڈال کر ابلے ہوئے چاول نکالے اور جلدی سے ہمارے ہاتھوں میں ڈال دیئے۔

"اسے کھاؤ۔"

میں نے پوشالی کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ ابلے ہوئے نیم گرم چاول ہمارے ہاتھوں میں تھے۔ پوشالی نے ہاتھ منہ کے قریب لا کر چاول کھانے شروع کر دیئے۔ میں نے بھی ایسے ہی کیا۔ بہت جلد ہم نے چاول کھا لئے۔ ہمیں ایک بار پھر ہاتھوں میں چاول ڈال کر دیئے گئے۔ ہم وہ بھی کھا گئے۔ ایک آدمی پانی سے بھرا ہوا پلاسٹک کا لوٹا لے آیا۔ ہمیں منہ کھولنے کا حکم دیا گیا۔ میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ ہمارے منہ میں لوٹے سے پانی گرایا جانے لگا۔ میں غٹا غٹ پانی پینے لگا۔ پوشالی نے

بھی ایسا ہی کیا۔ اسے کھانسی آ گئی۔ مجھے بھی اچھو آ گیا۔ لوٹا پرے ہٹا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے ہاتھ ایک بار پھر باندھ دیئے گئے اور گردن میں پڑی ہوئی رسیاں کھینچ کر ہمیں الگ الگ بیرکوں میں بند کر دیا گیا۔ جس بیرک میں مجھے بند کیا گیا وہ صاف ستھری تھی۔ فرش ننگا تھا اور کونے میں ایک کرسی رکھی تھی۔ وردی پوش نے میرے ہاتھوں کی رسی کھول کر میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دیا اور انگریزی میں کہا۔ باتھ روم سامنے ہے۔"

اور دروازے کو باہر سے تالا لگا کر چل دیا۔ باتھ روم تنگ و تاریک تھا۔ بالٹی میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میرا بدن دکھ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے ہاتھ منہ دھویا۔ آنکھوں پر بار بار پانی کے چھینٹے مارے اور باہر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ لوہے کی زنجیر میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس زنجیر کو پہلے کی طرح کمرے کے وسطی کھمبے سے باندھ دیا گیا تھا۔ زنجیر اتنی لمبی تھی کہ میں کرسی تک جا سکتا تھا مگر دیوار کو چھو نہیں سکتا تھا۔ کرسی پر بیٹھنے سے مجھے بے حد سکون محسوس ہوا۔ بھوک اور پیاس کی آگ بجھی تو ذہن نے وہاں سے فرار کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ یہ طے شدہ امر تھا کہ یہ بھارتی علاقہ نہیں تھا۔ یہ لنکا ہی کے قرب و جوار کا خطہ تھا یا .... پھر لنکا ہی کا کوئی قریبی جزیرہ تھا جو کسی طرح سے سفارت خانے کے ملک والوں کے تصرف میں تھا۔ ابھی تک مجھے وہاں کوئی بھی مقامی باشندہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہاں کوئی مقامی آبادی نہ ہو یا پھر ان لوگوں نے مقامی باشندوں کو وہاں سے نکال باہر کر دیا ہو۔ ان لوگوں کی صاف ستھری وردیوں اور اسلحہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس جزیرے یا علاقے میں ان کے پاس اسلحہ جدید ترین ہے اور ایسے نوکر چاکر بھی ضرور ہوں گے جو' ان کے لئے کھانا پکاتے اور وردیوں کو استری کرتے ہوں گے۔ ابھی تک مجھے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں پر ان نیم فوجی آدمیوں کی تعداد کتنی ہے؟ یہاں سے جنگل میں کدھر کو کون سا راستہ جاتا ہے اور کیا آگے کہیں سمندر تو نہیں آ جائے گا؟

مجھے نیند آنے لگی۔ میں نے فرش پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرا بند بند دکھ رہا تھا اور آنکھوں میں نیند سلگ رہی تھی۔ بہت جلد' میں دنیا جہاں سے بے خبر ہو کر سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو گیا تھا۔ سلاخوں والی کھڑکی کے باہر اندھیرے کا غبار پھیلنے لگا۔ چھت والا کمزور سا بلب روشن تھا۔ لکڑی کے فرش پر لال بیگ رینگ رہے تھے۔ میں نے بالٹی کے پانی سے منہ پر چھینٹے مارے اور فرش پر واپس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک نیم فوجی گارڈ ناریل کے پیالے میں ابلے ہوئے چاول رکھ کر باہر چلا گیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ فوراً چاول ہڑپ کر گیا۔ جسم میں تھوڑی بہت طاقت ضرور آ گئی تھی۔ میں فرار کے منصوبوں پر غور کرنے لگا۔ پوشالی قریب ہی کسی ایسی ہی جھونپڑی میں رکھی گئی تھی۔ مجھے اسے بھی اپنے ساتھ لینا تھا لیکن فرار کا کوئی منصوبہ میری سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

رات گزرتی چلی گئی۔ دوپہر کے بعد سے کوئی مجھے لینے یا پوچھ گچھ کرنے نہیں آیا تھا۔ شاید وہ

مجھے ایک دن کا آرام دینا چاہتے تھے تاکہ میں نیا تشدد سہنے کے لئے پھر سے تیار کر سکوں۔ باہر خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ کسی جانب سے روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کسی وقت باہر سے پہرہ دیتے ہوئے گارڈ کے قدموں کی چاپ ضرور سنائی دے جاتی تھی۔ مجھے کئی بار کولبو والے اپنے ایجنٹ کا خیال آیا۔ شاید وہ ہمیں یہاں سے نکالنے کے لئے کوئی جتن کرے لیکن مجھے اس سے زیادہ امید نہیں تھی۔ میں آنکھیں بند کئے فرش پر پڑا تھا۔ ٹانگ یا بازو پر کسی لال چیونٹے کے رینگنے کا احساس ہوتا تو اسے زور سے ہاتھ مار کر جہنم رسید کر دیتا۔ معاً جھونپڑے یا کمرے کے باہر کسی آدمی کے کراہنے کی ایسی آواز بلند ہوئی جیسے کسی نے اسے چھرا گھونپ دیا ہو' پھر دھپ کی آواز آئی۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور بلب کمزور روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سارا علاقہ گولیوں کی زد آوازوں اور ہینڈ گرینڈ کے دھماکوں سے گونج اٹھا۔ لوگوں کا شور سنائی دینے لگا۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا۔ زنجیر کی وجہ سے میں کھڑکی سے پانچ فٹ پیچھے ہی رہ گیا۔ باہر جنگل میں مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔

کیا یہاں بغاوت ہو گئی ہے؟ کیا کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے؟ میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ دروازہ دھڑاک سے کھلا اور تین آدمی ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھامے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی تامل زبان میں کہا۔ "جلدی سے نکل چلو۔ ہم تمہیں یہاں سے نکالنے آئے ہیں۔ جلدی کرو۔"

میں نے انہیں پاؤں میں زنجیر کا بتایا تو ایک آدمی نے گن کی نال میرے ٹخنے کے پاس ہی زنجیر کے اوپر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ دھماکے ہوئے اور زنجیر ٹوٹ گئی۔ ان لوگوں نے سروں پر تامل گوریلوں کی طرح کے رومال باندھ رکھے تھے۔ ان کے رنگ بھی تاملوں کی طرح نسواری تھے۔ میں ان کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کے جھونپڑی کے باہر اس گارڈ کی لاش پڑی ہے جو پہرہ دے رہا تھا۔ ایک طرف ویسے ہی دو تامل آدمی سٹین گنیں لئے کھڑے ہیں اور کبھی کبھی پیچھے کی طرف فائرنگ کرنے لگتے تھے۔ پوشالی بھی انکے پاس ہی کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی فائرنگ کرتے ہوئے تاملوں نے تامل زبان میں کہا۔ تم لوگ ہمارا منہ کیا دیکھ رہے ہو' جلدی سے سمندر کی طرف بھاگو۔ کیا تم ہمیں مروانا چاہتے ہو۔؟"

میں پوشالی اور چاروں تامل جنگل میں ایک طرف دوڑنے لگے۔ بہت جلد ہم اندھیرے میں آ گئے۔ بیرکوں اور جھونپڑوں کی طرف سے فائر تیز ہو گیا تھا۔ لوگوں کی گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں مجھے بوچر کی آواز بھی سنائی دی۔ میں بڑا خوش تھا کہ اپنے ایجنٹ نے آخر ہمیں نکالنے کے لئے آدمی بھیج ہی دیئے۔ ہمیں بچا کر لے جانے والے تامل کمانڈو آگے آگے جا رہے تھے۔ میں اور پوشالی ان کے بیچ میں تھے۔ آگے والے ایک تامل نے جھنجھلا کر کہا۔ "کیا وہ حرامی کشتی لئے آئے ہوں گے؟"

ہمارے پیچھے پیچھے آنے والے تامل نے جواب میں کہا۔ "کیوں نہیں آئے ہوں گے ابراہام۔

کیا انہیں پانچ ہزار کی رقم نہیں چاہیئے؟"
میں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے روپیہ دے کر یہاں کے مقامی ماہی گیروں کا بندوبست کیا ہے۔ ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی حیران کن بات نہیں تھی۔ ہم جنگل کے اندھیرے میں بھاگے جا رہے تھے۔ دور درختوں کی تاریکی میں روشنی سی ہو کر بجھ گئی۔ ہمارے ساتھی رک گئے۔
"وہ لوگ آئے ہوئے ہیں۔" ہمارے آگے جو تامل کمانڈو تھا اس نے کہا۔ پیچھے سے فائرنگ کی آواز اب دوسری جانب سے آنے لگی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے تعاقب میں آنے والے دوسری طرف نکل گئے ہیں۔ اب اس کمانڈو پارٹی کے لیڈر نے تامل زبان میں مجھ سے کہا۔ "کیا تم دونوں کو تیرنا آتا ہے؟"
میں نے کچھ حیران سا ہو کر تامل ہی میں جواب دیا۔ "ہاں۔"
اس نے ویسی ہی کرخت آواز میں پوشالی سے پوچھا۔ اس نے بھی ہاں میں جواب دیا۔ کمانڈو لیڈر نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور ہم ایک بار پھر جنگل میں اس طرف دوڑ پڑے ' جدھر سے تھوڑی دیر پہلے روشنی کا سگنل ہوا تھا۔ ہم تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ اچانک ہمارے پہلوؤں سے گولیاں چلنے لگیں۔ کمانڈو لیڈر نے چلا کر کہا۔ "لیٹ جاؤ 'لیٹ جاؤ۔"
میں اور پوشالی جلدی سے زمین پر لیٹ گئے۔ ہمارے ساتھیوں نے فائر کھول دیا۔ دونوں جانب سے دھڑا دھڑ گولیاں چلنے لگیں۔ کم بخت ہمارے تعاقب میں نکلے ہوئے نیم فوجی ادھر آ نکلے تھے۔ ایک منٹ تک دونوں جانب سے فائرنگ ہوتی رہی ' پھر ہمارے کمانڈو لیڈر نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "پیچھے سے جا کر ان لوگوں کو ختم کر دو۔ ہمیں صبح سے پہلے یہاں سے نکل جانا ہے۔"
اس نے سخت غصے میں یہ آرڈر دیا تھا۔ ہمارے ساتھیوں میں سے دو جھکے جھکے اٹھ کر اندھیرے میں جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ کمانڈو لیڈر اور اس کے دو ساتھی برابر اسٹین گن سے فائرنگ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کسی آدمی کی چیخ بلند ہوئی اور پھر فائرنگ رک گئی۔ تامل لیڈر نے تامل زبان میں اپنے ساتھیوں کو فائرنگ روکنے کا حکم دیا اور پھر بولا۔ "حرامی ختم ہو گیا۔"
اس نے ہمیں اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں ہمارے جو دو آدمی بھاگ گئے تھے واپس آ گئے۔ ہمارے لیڈر ساتھی نے کہا۔ "بھاگو کشتی کی طرف"
اور ہم نے پھر جدھر سے روشنی کا سگنل ہوا تھا اس طرف بھاگنا شروع کر دیا۔
تھوڑی ہی دیر بعد ہم درختوں سے باہر نکل آئے۔ ہمارے سامنے کھلا آسمان تھا جس پر ستارے چمک رہے تھے۔ اور ان کی پھیکی روشنی میں سیاہ کالا سمندر دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں دو آدمی جن کے لباس ماہی گیروں ایسے تھے اور جو مقامی باشندے معلوم ہو رہے تھے۔ لالٹین کے گرد کپڑا لپیٹے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی لالٹین بجھا دی۔ ہم سمندر کی طرف دوڑے۔

سمندر کے کنارے پر ایک کشتی کھڑی تھی۔ کشتی کے پاس گئے تو دونوں ماہی گیروں نے اپنا معاوضہ طلب کیا۔ ہمیں بچانے والی پارٹی کے لیڈر نے جیب سے ایک لفافہ سا نکال کر انہیں دیا اور بولا۔ "پورے پانچ ہزار ہیں۔ ہم نے ایڈوانس نہیں کاٹا۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

دونوں ماہی گیر لفافہ لے کر واپس جزیرے کے درختوں کی طرف غائب ہو گئے۔ کشتی زیادہ بڑی نہیں تھی مگر اس میں کسی نہ کسی طرح ہم ساتوں آدمی بیٹھ گئے۔ لیڈر کمانڈو نے اپنے ساتھیوں میں سے دو کو حکم دیا کہ گنوں کا رخ درختوں کی طرف رکھنا۔ کہیں دشمن یہاں پہنچ کر فائرنگ نہ شروع کر دے۔۔۔

کشتی کو سمندر کی لہروں پر گھسیٹ کر پہلے ہی ڈال دیا تھا۔ چار آدمیوں نے چپو چلانے شروع کر دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہماری کشتی ساحل سے دور نکل چکی تھی۔ اب میں نے تامل لیڈر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید تھی کہ کوئی نہ کوئی ہمیں یہاں سے نکالنے ضرور آئے گا۔"

تامل لیڈر کی اسٹین گن کا رخ ابھی تک جزیرے کے درختوں کی طرف تھا جہاں اندھیرا چھایا تھا۔ جزیرے کے وسط میں سے کسی وقت فائر کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ پوشالی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میرے شکریے کے جواب میں تامل لیڈر بولا۔ "یہ ہمارا فرض تھا تم لوگوں نے بڑی حماقت کی جو ہمیں بتائے بغیر سفارت خانے پر اٹیک کر دیا۔"

میں نے کہا۔ "ہمارے خیال میں یہ اٹیک بہت ضروری تھا کیونکہ دوسرا کوئی طریقہ ہمارے پاس نہیں تھا اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔"

اب پوشالی نے تامل زبان میں اس بچاؤ پارٹی کے لیڈر سے پوچھا۔ "تم لوگوں کو کس نے بھیجا ہے۔"

اس پر تامل لیڈر نے گھور کر پوشالی کو دیکھا اور تلخ لہجے میں کہنے لگا۔ "سوائے اپنے ایجنٹ کے اور کون ہمیں اس جہنم میں بھیج سکتا تھا؟" پھر اس نے زور سے سمندر میں تھوک دیا۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "تم لوگوں نے انہیں کچھ بتایا تو نہیں؟"

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ایک دن اور ایک رات میں انہوں نے ہم پر بہت بھیانک تشدد کیا۔ لیکن ہم نے کچھ نہیں بتایا۔"

تامل لیڈر نے کہا۔ "شاباش! ہمیں تم سے یہی امید تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے۔ کولمبو سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تم ہمیں یہ بتا دو کہ اپنے ایجنٹ کا خفیہ ٹھکانہ کس جگہ پر ہے تاکہ ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں۔"

یک دم سے میرا ماتھا ٹھنکا۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اگر یہ شخص ہمارا ہے تو اسے اسکے خفیہ ٹھکانے کا علم ہونا چاہیئے۔ کہیں ہمیں کسی جال میں تو الجھایا نہیں جا رہا؟

پوشالی میرے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ دبایا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ فرار کا یہ سارا منصوبہ ایک ڈھونگ اور سوچا سمجھا ڈراما ہے اور یہ لوگ ہم سے ہمارے ایجنٹ کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

گہرے سیاہ سمندر میں کشتی ہچکولے کھاتی جا رہی تھی۔ تامل لیڈر نے مجھ سے اپنے ایجنٹ کا پتہ پوچھا تھا۔ جہاں وہ بظاہر ہمیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن میں نے بھانپ لیا کہ یہ شخص ہمارا آدمی نہیں ہے اور ہمیں جزیرے کی قید سے فرار کرانے کا ڈراما رچایا گیا تھا تاکہ ہماری ہمدردیاں حاصل کر کے اور خود کو اپنے گروہ کا آدمی ظاہر کر کے ہم سے کولمبو میں مقیم خفیہ ایجنٹوں کی کمین گاہوں کا پتا چلایا جا سکے۔ بے پناہ تشدد اور ناقابل برداشت اذیتوں سے جب ہم نے انہیں اپنے ایجنٹ کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا اور اپنے آدمیوں کو ہمیں قید سے آزاد کرانے کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے ہوائی فائرنگ کی اور جزیرے میں مقیم نیم فوجی دستوں کی طرف سے بھی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق جوابی ہوائی فائرنگ کی گئی تاکہ ہمیں پوری طرح یقین ہو جائے کہ یہ ہمارے اپنے ہی آدمی ہیں اور ہمیں یہاں سے فرار کرانے لئے آئے ہیں لیکن اس تامل لیڈر سے ایک بھول یہ ہو گئی کہ اس نے بہت جلدی مجھ سے ہمارے ایجنٹ کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔ جس نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا اور میں سازش کی تہ تک پہنچ گیا۔ جب تشدد سے کوئی جاسوس کچھ نہ بتائے تو دشمن اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیا کرتا ہے۔ میں نے بھی اپنے رویئے سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مجھ پر ان کا ڈھونگ کھل چکا ہے۔ جب تامل لیڈر نے مجھ سے اپنے ایجنٹ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس جگہ مقیم ہے تاکہ ہمیں اس کی حفاظت میں پہنچا دیا جائے تو میں نے کہا۔

"میرے دوست! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایجنٹ کبھی اپنی خفیہ کمین گاہوں کے بارے میں نہیں بتایا کرتے۔" میں نے مزید محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔" دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اچانک اور ہماری مرضی کے خلاف اس مہم میں الجھایا گیا ہے۔ ہم تو روسی سفارت خانے میں معمولی نوکری کرتے تھے اور یہ سرنوف کے قتل کا ہم پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ بھی ہم نے نہیں کیا۔" جب میں اپنی صفائی پیش کرنے لگا تو تامل لیڈر نے فوراً اپنا لہجہ تبدیل کر لیا۔" یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہم تمہارے اپنے آدمی ہیں۔ ہم نے تو تمہیں روسی سفارت خانے میں ایک خاص مشن دے کر نوکر کروایا تھا۔ کولمبو والے اپنے ایجنٹ کا ایڈریس مجھے بھی معلوم نہیں۔ میں بھول گیا تھا کہ وہ ماسٹر اسپائی ہے اور ماسٹر اسپائی، خود کسی ایجنٹ کے سامنے نہیں جاتا۔ بہرحال ہم تمہیں کولمبو پہنچا دیں گے۔ ہماری ڈیوٹی صرف اتنی ہی ہے۔ آگے تم خود جہاں جی چاہے چلے جانا۔"

اب میں اس تامل لیڈر کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ یہ بات مجھ پر کھل چکی تھی کہ یہ تامل اور اسکے ساتھی دشمن کے آدمی ہیں اور ہم سے معلومات حاصل کرنے کا یہ ایک دوسرا ڈرامائی انداز ہے۔

پوشالی میرے ساتھ ہی کشتی میں بیٹھی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ دبا کر اس بات کا اشارہ دیا تھا کہ وہ بھی ان لوگوں کی چال سمجھ گئی ہے۔ ہم نے ایک بار اندھیرے میں ایک دوسرے کی طرف خاموش نظروں سے دیکھا اور اس خیال کو ایک دوسرے تک پہنچا دیا کہ اب ہمیں کس قسم کا رویہ اختیار کرنا ہے کشتی ستاروں کی دھندلی پھیکی روشنی میں سائے کی طرح بحر ہند کے گہرے سیاہ پانیوں میں مشرق کی طرف چلی جا رہی تھی۔ چپوؤں کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ سمندر پُر سکون تھا۔ خلیج بنگال کا پانی تارکول کی طرح سیاہ ہے۔ جنوبی لنکا کے شمال میں جب یہ سمندر میں شامل ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی سمندر کی سیاہی بہت حد تک برقرار رہتی ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو سمندر تاریک دلدل کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ لنکا کے شمال میں جافنا کے اردگرد کتنے ہی چھوٹے بڑے ٹاپو نما جزیرے ہیں۔ ہماری کشتی ان ہی ٹاپوؤں میں سے ایک پر آ کر رک گئی۔ تامل لیڈر نے اداکاری کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔" آگے جا کر دیکھو دشمن نے کوئی جال تو نہیں بچھا رکھا؟" دو آدمی اشین گنیں سنبھالے کشتی سے چھلانگ لگا کر درختوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ تامل لیڈر نے ہمیں کشتی میں ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ خود بھی ادھر ادھر اندھیرے میں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنی عمدہ اداکاری کر رہا تھا کہ ایک بار تو مجھے بھی یہ خیال آ گیا کہ یہ حقیقت میں ہمارا ہی آدمی ہے اور ہمیں دشمن کی قید سے نکال کر لے جا رہا ہے مگر میری چھٹی حس بار بار خبردار کر رہی تھی کہ یہ سب فراڈ ہے اور ہم سے ایجنٹوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے جال پھینکا گیا ہے۔

چند سیکنڈ کے بعد دونوں آدمی واپس آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ راستہ صاف ہے۔ تامل لیڈر نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔ ہم مرطوب فضا والے اندھیرے جنگل سے گزرتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں تاریکی میں ایک بت کا ہیولا سا ابھرا تھا۔ یہ بت کافی اونچا تھا جبکہ اسکی ٹانگیں پنڈلیوں تک جنگلی گھاس میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کے عقب میں ناریل اور بانس کی بنی ہوئی .... تین چار جھگیاں نظر آئیں۔ تامل لیڈر نے آہستہ سے کہا۔" یہ جگہ محفوظ ہے۔ یہاں تم دونوں کو کل کا دن گزارنا ہو گا۔ کل شام کو وہ اسٹیمر یہاں آئے گا جو بھارت سے پٹ سن اور مٹی کا تیل لاتا ہے۔ ہم نے اس کے مالک سے بات طے کر رکھی ہے۔ وہ تمہیں اپنے اسٹیمر میں چھپا کر کولمبو پہنچا دے گا۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ بھی اشین گن کو کندھے سے اتارتے ہوئے بولا۔" ہمیں تمہاری سیکورٹی کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔ کولمبو پہنچ کر اگر تم پھر پکڑے گئے تو مجھ سے پوچھ گچھ ہو سکتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم مجھے اپنے ایجنٹ کی جگہ بتا دو تا کہ میں خود تمہیں اپنی حفاظت میں اسکے پاس پہنچا دوں۔"

اس شخص نے دوسری بار اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ لیکن میں اسکے دل کا راز پا چکا تھا۔ میں نے کہا۔" اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں تمہیں ضرور بتا دیتا لیکن یقین کرو میرے دوست! کہ اس ایجنٹ کو میں نے آج تک دیکھا بھی نہیں۔ اس کے ایک ساتھی نے ہمیں جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر

روسی سفارت خانے سے کاغذات چوری کرانے پر مجبور کیا تھا۔ مجھے تو اسکی شکل بھی یاد نہیں رہی۔ اس نے اپنے چہرے کو نقاب میں چھپا رکھا تھا۔"

تامل لیڈر نے اس کے بعد اس موضوع پر کوئی بات نہ کی اٹھتے ہوئے بولا ۔" تم دونوں سامنے والی جھونپڑی میں چلے جاؤ میرے آدمی تمہاری حفاظت کریں گے ۔ میں صبح آؤں گا۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ اس کے دونوں آدمی ذرا دور کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک تامل ہمارے قریب آ کر تامل زبان میں بولا۔" تم بے فکر ہو کر آرام کرو۔ ہم باہر پہرہ دے رہے ہیں۔"

میں اور پوشالی ' جھونپڑی میں آ گئے ۔ اس کے اندر سوائے زمین پر بچھی ہوئی ناریل کی چھال کے ' اندھیرے میں ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ہم دونوں چھال پر بیٹھ گئے اور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے ۔ سب سے پہلی بات جو میں نے پوشالی سے کی وہ یہ تھی کہ ہمیں سنا جا رہا ہے اس لئے ذو معنی باتیں کرنی ہوں گی ۔ ہماری کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے کہ ہم واقعی جاسوس ہیں ۔ ہم بے گناہ اور لاتعلق ہیں ۔ اس حکمت عملی سے میں پہلے والا موقف اختیار کرنا چاہتا تھا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ۔ کیونکہ یہ حقیقت ثابت ہو چکی تھی کہ یہ لوگ ہمارے گروپ کے آدمی نہیں ہیں ۔ میں اور تاجک مسلمان لڑکی پوشالی ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیوں میں بات کر لیتے تھے ۔ رات کافی گزر گئی تھی ۔ ہمیں نیند آنے لگی ۔ مچھر بہت تنگ کر رہے تھے ۔ ہمیں لالٹین یا موم بتی روشن کرنے کی اجازت نہیں تھی ۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے سو جائے ۔ اس نے اندھیرے میں اپنا سر نفی میں ہلایا۔ میرا ذہن اس وقت ایک دوسری اسکیم پر غور کر رہا تھا۔ ہم جلاد صفت سیاہ فام بوچر کی قید سے وقتی طور پر نکل آئے تھے ۔ جس ٹاپو پر ہمیں رکھا گیا تھا وہاں سے اگر ہم فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں زیادہ آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ اس وقت صرف دو تامل پہرے دار ہی تھے ۔ جن پر میں بڑی آسانی سے قابو پا سکتا تھا۔ میں نے پوشالی کو سرگوشی میں اپنا ارادہ بتایا تو اس نے میرا ہاتھ دبا دیا لیکن منہ سے کچھ نہ بولی جیسے کہہ رہی ہو کہ ابھی صبر کرنا چاہئے ۔ میں نے اٹھ کر جھونپڑی کے دروازے پر درز سے باہر دیکھا۔

پہلے تو اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا پھر اچانک تاریکی میں دو سائے ابھرے ۔ وہ جھونپڑی سے چند قدم کے فاصلے سے گزر گئے ۔ انہوں نے اسٹین گنیں اٹھا رکھی تھیں ۔ اس کے بعد پھر تین آدمیوں کے سائے نمودار ہوئے ۔ وہ بھی ٹہلتے ہوئے جھونپڑی کے عقب میں چلے گئے ان لوگوں کی تعداد دو نہیں تھی ۔ جو ہمارے ساتھ آئے تھے ۔ انکی نفری زیادہ تھی ۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہماری حفاظت نہیں بلکہ نگرانی کر رہے ہیں تاکہ ہم فرار ہونے کی کوشش نہ کریں ۔ یہ بات میں نے پوشالی کو بتائی تو وہ سرگوشی ہی میں بولی ۔" ہمیں کل شام تک انتظار کرنا چاہیئے ۔ میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ

ایسا کیوں سوچ رہی ہے ۔ اچانک جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور اندھیرے میں ایک انسانی سائے نے آگے جھک کر تامل زبان میں پوچھا کہ ہمیں کسی شے کی ضرورت تو نہیں ۔ وہ اصل میں یہ تسلی کرنے آیا تھا کہ ہم جھونپڑی میں ہیں یا نہیں ؟ میں نے اسے کہا کہ ہم آرام کر رہے ہیں ۔ ہمیں پریشان نہ کیا جائے ۔ وہ آدمی چلا گیا ۔ جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا ۔

میں نے پانچ آدمی ہی دیکھے تھے ۔ ان پر باآسانی قابو پایا جا سکتا تھا ۔ لیکن پوشالی یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھی ۔ اس نے دبی زبان میں اس خوش فہمی کا اظہار بھی کیا کہ ہو سکتا ہے یہ اپنے آدمی ہوں اور ہمیں یہاں سے نکالنے آئے ہوں ۔ ہمیں صبح اسٹیمر کے آنے تک خاموش رہنا چاہیئے ۔ میں زمین پر لیٹ گیا اور بہت جلد مجھے نیند آ گئی ۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب جھونپڑی میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ پوشالی جھونپڑی میں نہیں تھی ۔ میں جلدی سے جھونپڑی سے نکل آیا ۔ ...... سامنے پوشالی اپنے گیلے بالوں کو جھٹکتی چلی آ رہی تھی اس کے ساتھ ایک کالا تامل تھا جس کے کندھے سے اسٹین گن لٹک رہی تھی ۔ اس نے قریب آ کر کہا ۔" وہاں ایک ندی ہے ۔ تم بھی جا کر نہالو ۔"

تامل اپنی حفاظت میں پوشالی کو نہلانے لے گیا تھا ۔ اس نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا ۔ جب میں نے اکیلے جانے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بیڑی زمین پر پھینکتے ہوئے بولا ۔" میں تمہارے ساتھ جاؤں گا ۔ ہمیں تمہاری حفاظت پر لگایا گیا ہے ۔ یہ سارا علاقہ دشمن کے زیر اثر ہے ۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اسکے ساتھ چل پڑا ۔ غسل کرنے کے بعد میں واپس آیا تو کیلے کے پتوں میں ابلے ہوئے چاول اور مچھلی رکھی ہوئی تھی ۔ ساتھ مٹی کے گلاسوں میں چائے بھی تھی ۔ خدا جانے یہ چیزیں یہاں کیسے دستیاب ہو گئیں تھیں ؟ اس تازہ ناشتے سے میرے اس خیال کو مزید تقویت ملی کہ یہ لوگ اصل میں دشمن کے آدمی ہی ہیں ۔ ہم نے ناشتہ کیا ۔ دو تامل جھونپڑی کے کھلے دروازے کے باہر پوزیشن لے کر بیٹھے تھے ۔ ہم آپس میں کوئی بات نہیں کر سکتے تھے ۔ خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے اور پھر باہر ناریل اور کیلے کے درختوں کی طرف تکنے لگے جہاں صبح کی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔

ہمارا جعلی تامل لیڈر دوپہر کو بھی نہ آیا ۔ دوپہر کو ہمیں چاول اور مچھلی دی گئی ۔ جھونپڑی کے آگے پیچھے پہرہ لگا تھا ۔ ہمیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی ۔ ضرورت کے وقت دو مسلح آدمی ہمارے آگے پیچھے چلتے تھے ۔ ہمیں یہ کہا گیا تھا کہ ہم دشمن کے علاقے سے واقف نہیں ہیں اس لئے ہماری حفاظت کے لئے پہرہ ضروری ہے ۔ جب کہ درحقیقت ایسا نہیں تھا ۔ تیسرے پہر آسمان پر اچانک بادل چھا گئے ۔ روشنی پھیکی پڑ گئی شام سے ذرا پہلے ہمارا تامل لیڈر آ گیا ۔ شاید وہ نیم فوجی جزیرے پر گیا تھا اور وہاں سے ہمارے بارے میں تازہ احکامات لے کر واپس آیا تھا ۔ اس نے جھونپڑی میں آتے ہی کہا ۔

ہمارے جس ایجنٹ نے ہمیں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لئے بھیجا تھا ۔ میں نے وائرلیس پر اس سے رابطہ قائم کیا ہے وہ تم دونوں کی سلامتی کے بارے میں بہت پریشان تھا ۔ اس نے کہا ہے کہ وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ کہ تم دونوں کولمبو 'اس کے ہاں پناہ لے سکو ۔ وہ تمہیں کولمبو میں اکیلے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا ۔ اس نے مجھے زور دے کر کہا ہے کہ تم دونوں کو ہر حالت میں تمہارے ماسٹر اسپائی کے خفیہ ٹھکانے پر ہی پہنچایا جائے ۔ چنانچہ اب تمہارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مجھے ماسٹر اسپائی کے خفیہ ٹھکانے کے بارے میں بتادو کہ میں تمہیں اس کے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں ۔"

یہی وہ نئے احکامات تھے جو تامل لیڈر جزیرے کے جلاد صفت بوچر اور زرد گھیک سے لے کر آیا تھا ۔ یہ گویا ہم سے راز اگلوانے کا آخری حربہ تھا ۔ میں نے اپنے چہرے پر لاعلمی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے ۔" ہم اپنے ایجنٹ کے شکر گزار ہیں کہ اسے ہماری سلامتی کی اتنی فکر ہے لیکن ہم تو کسی ماسٹر اسپائی کو نہیں جانتے ۔ ہم نے اسے دیکھا تک نہیں پھر اسکے خفیہ ٹھکانے کا ہمیں کیسے علم ہو سکتا ہے ۔"

تامل لیڈر کے چہرے پر درشتگی کے تاثرات ایک پل کے لئے ابھر کر غائب ہو گئے ۔ کہنے لگا " پھر میں مجبور ہوں ۔ تمہیں اس وقت تک اسی جگہ رہنا ہو گا جب تک ہمیں ماسٹر اسپائی کے ٹھکانے کا علم نہیں ہو جاتا اور تم لوگ یہاں دو تین دن سے زیادہ رہ بھی نہیں سکتے ۔ کیونکہ میری اطلاع کے مطابق دشمن تمہیں شمال کے سارے ٹاپوؤں میں تلاش کر رہا ہے دو ایک دن میں مسلح کمپنی اس ٹاپو پر بھی پہنچ جائے گی ۔ اس طرح تم اپنے ساتھ ہمیں بھی مروا دو گے ۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے ذہن پر زور دے کر سوچو شاید تمہیں ماسٹر اسپائی کا نام اور اس کا خفیہ ٹھکانا یاد آ جائے ۔"

اس شخص کا لہجہ آہستہ آہستہ دھمکی آمیز ہوتا جا رہا تھا ۔ میں نے کہا ۔ " مجھے جب کسی ماسٹر اسپائی کا ٹھکانہ معلوم ہی نہیں ہے تو میں اپنے ذہن پر کیا زور دوں ؟"

اب تامل لیڈر پوشالی کی طرف متوجہ ہوا ۔" کیا تمہیں بھی کچھ یاد نہیں ہے ؟ آخر تم نے اس شخص کو ضرور دیکھا ہو گا اور تم اسے جانتی بھی ہو گی ۔ جس نے تمہیں کولمبو کے روسی سفارت خانے میں نوکر کرایا تھا ؟"

پوشالی نے پُرسکون لہجے میں کہا ۔" میں کسی کو نہیں جانتی ۔ ایک آدمی ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں مجھے ملا تھا اور اس نے مجھے سفارت خانے کی نوکری کی پیش کش کی تھی ۔ میں چونکہ بے کار تھی اس لئے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا ۔"

تامل لیڈر نے گہری سانس لی ' پھر اس نے اسٹین گن پر زور سے ہاتھ مارا اٹھا اور سگریٹ کو پاؤں سے مسلتا ہوا جھونپڑی سے باہر نکل گیا ۔ جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا ۔ آسمان پر چونکہ بادل چھائے ہوئے تھے اس لئے دروازہ بند ہو جانے سے جھونپڑی میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھا گیا تھا ۔ پوشالی نے میری

طرف دیکھا۔ میں پہلے ہی اس کی طرف متوجہ تھا۔ ہم نے کوئی بات نہ کی مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو تسلی دی کہ ہم نے مناسب مؤقف اختیار کیا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ باہر سخت پہرہ ہے اور ہماری آواز سنی جا سکتی ہے۔ ایک دو منٹ ہم خاموش بیٹھے رہے پھر میں نے سرگوشی میں کہا۔ وہ اسٹیمر نہیں آئے گا۔ جس پر یہ لوگ ہمیں یہاں سے لے جانے والے تھے۔"

پوشالی نے بھی سرگوشی میں ہی جواب دیا۔ "اب ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا ہے۔" پوشالی کے اس فیصلے نے میرے اندر ایک نئی طاقت پیدا کردی۔ حقیقت یہ تھی کہ نفسیاتی طور پر میں اس فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔ جزیرے میں سیاہ فام بوجہ کے پورے بریگیڈ نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہاں سے فرار اتنا آسان نہیں تھا۔ لیکن اس ٹاپو میں تال لیڈر کے کچھ مسلح آدمی ہی اس کے ساتھ تھے، جن پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ پوشالی کوئی عام عورت نہیں تھی۔ وہ مارشل آرٹ کی ماہر ایک تجربہ کار اور منجھی ہوئی دلیر کمانڈو تھی۔ میں نے اٹھ کر بانس کی دیوار کی درزوں سے باہر دیکھا۔ تال لیڈر.....وہاں نہیں تھا مگر اس کے آدمی جھونپڑی کے چاروں طرف ٹہلتے ہوئے برابر پہرہ دے رہے تھے۔ میں واپس آکر پوشالی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اسکی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "ہماری نگرانی کی جا رہی ہے۔"

پوشالی نے جھونپڑی کے دروازے کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا اور گہری سانس لے کر بولی "کوئی آ رہا ہے۔"

اس نے آنے والے کے قدموں کی چاپ سن لی تھی۔ میں اس سے پرے ہٹ گیا۔ دروازہ کھلا یہ وہی تال لیڈر تھا۔ اسٹین گن اس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔ اس نے آتے ہی پوشالی کو مخاطب کیا۔ "تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ اپنا ایک ایجنٹ یہاں آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تمہیں جانتا ہے۔ چل کر اسکی شناخت کر لو۔"

پوشالی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں اسے اکیلے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ میں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو تال لیڈر نے درشت لہجے میں کہا۔ "تم اسی جھونپڑی میں بیٹھو گے۔"

اور وہ پوشالی کو بازو سے پکڑ کر باہر لے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کھل کر سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بند دروازے کے ساتھ لگ گیا۔ شام کا پھیکا پھیکا اندھیرا زمین پر اترنے لگا تھا۔ باہر تال لیڈر کے ساتھ مزید دو آدمی شامل ہو گئے۔ میری نظروں کے سامنے وہ پوشالی کو لے کر دائیں جانب درختوں میں غائب ہو گئے۔ میرے دل میں خیال آیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہی کوئی ایجنٹ آگیا ہو؟ ہو سکتا ان لوگوں نے ہمارے کسی ایجنٹ کو پکڑ لیا ہو؟ اور اب اسکی شناخت اور تصدیق کرنا چاہتے ہوں۔ میں پریشانی کے عالم میں جھونپڑی میں کچھ دیر ٹہلتا رہا پھر بیٹھ گیا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کہیں یہ لوگ پوشالی پر تشدد کرنے کے لئے تو اسے نہیں لے گئے؟ اس خیال نے مجھے مضطرب کر دیا۔ میں اٹھ کر دروازے پر آیا۔ دروازے کو باہر سے بند کر دیا جاتا تھا۔ میں

نے دور پہرے پر کھڑے ہوئے مسلح آدمی کو آواز دے کر بلایا۔ وہ بھاگ کر دروازے کے پاس آیا تو اشٹین گن کی نالی بانس کی درز میں سے اندر ڈال کر بولا۔ "اگر پھر آواز نکالی تو میں فائر کر دوں گا۔"

میں پیچھے ہٹ گیا۔ دیوار کی درز میں سے باہر دیکھا۔ شام کے جھٹپٹے میں پہرے دار اشٹین گن بانس کی درز میں سے کھینچ کر چند قدم کے فاصلے پر جا کر جھونپڑی کے آگے ٹہلنے لگا۔ سامنے کی طرف سے دوسرے پہرے دار نے اسے آواز سے کر پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے جواب میں کہا۔ سب ٹھیک ہے۔ اب اس حقیقت میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ ہم پر تشدد کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ کچھ دیر عالم اضطراب میں ٹہلتا رہا پھر ناریل کی چھال والی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ میرا دماغ قسم قسم کے ہیجان خیز خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ خدا جانے یہ لوگ پوشالی کے ساتھ کس قسم کا بہیمانہ سلوک کر رہے ہوں گے۔ کچھ دیر بعد رات کا اندھیرا چھا گیا۔ جھونپڑی میں کوئی موم بتی نہ تھی۔ میں اندھیرے کے سمندر میں جیسے ڈوب گیا تھا۔ باہر بھی کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں جھونپڑی کے دروازے سے لگ کر کھڑا درزوں میں سے باہر دیکھ رہا تھا کہ دور درختوں میں روشنی نظر آئی۔ کوئی شخص لالٹین لئے چلا آ رہا تھا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ یہ تین آدمی تھے۔ جنہوں نے اشٹین گنیں اٹھا رکھی تھیں۔ وہ جھونپڑی کی طرف ہی چلے آ رہے تھے۔

میں چٹائی پر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھلا اور لالٹین کی روشنی جھونپڑی میں پھیل گئی۔ ان تینوں آدمیوں کو میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "اٹھو ہمارے ساتھ چلو۔"

ایک آدمی لالٹین لے کر میرے آگے اور دو آدمی اشٹین گن تانے میرے پیچھے ہو گئے۔ درختوں میں دائیں جانب گھومے تو سامنے ریل کے ایک چھوٹے ڈبے کی طرح کی ایک لکڑی کی بیرک دکھائی دی۔ اس کا لکڑی کا دروازہ بند تھا اور اندر سے کسی کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ میرے ایک گارڈ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر گیس کے لیمپ کی تیز روشنی نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا۔ پیچھے سے مجھے دھکا دے کر اندر گرا دیا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا اٹھا تو سامنے میں نے جو منظر دیکھا اس کی مجھے پہلے ہی سے توقع تھی مگر میں یہ منظر کبھی نہیں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ پوشالی کے کپڑے لکڑی کے فرش پر پڑے تھے۔ کپڑوں کے پاس ہی وہ اس طرح پڑی تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں فرش پر ٹھکی ہوئی لوہے کی بڑی بڑی میخوں کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے اور وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں کراہ رہی تھی۔ تامل لیڈر پاس ہی اسٹول پر بیٹھا ہوا خونخوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اشٹین گن اس کے زانوؤں پر تھی اس نے اشٹین گن اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر نالی کا رخ میری طرف کر دیا اور بولا۔ "تھوڑی دیر میں تم دونوں کی خون آلود لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی۔ یہ تمہارا آخری موقع ہے ہمیں کولمبو والے ایجنٹ کا نام اور پتا دو گے تمہیں اور تمہاری دوست کو بہ حفاظت کولمبو پہنچا دیا جائے گا۔"

مجھ سے پوشالی کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ میں چہرہ دوسری طرف کر کے فرش پر بیٹھ گیا۔ تال لیڈر اٹھ کر میرے عقب میں آگیا۔ اس نے گن کی نال میری گردن سے لگا دی اور گرج کر بولا۔ "بتاؤ وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے تم دونوں کو سفارت خانے میں کاغذات اڑانے کے لئے بھیجا تھا؟ یہ مت بھولنا کہ تم سفارتخانے کے ایک اعلیٰ افسر کو قتل کر چکے ہو۔ جواب دو۔"

میں نے وہی جواب دہرایا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہمیں اس جال میں الجھایا گیا ہے۔ ہم دونوں بے گناہ ہیں۔ تال لیڈر نے پوری طاقت سے میری کمر پر لات ماری۔ میں منہ کے بل آگے کو جا گرا۔ وہ غرایا۔ "اور سرنوف کو قتل تمہارے باپ نے کیا تھا؟"

اب اس نے مجھ پر لاتوں کی بوچھاڑ کر دی۔ خدا جانے میرے اندر کہاں سے اتنی طاقت آگئی۔ اصل میں طاقت تو میرے اندر پہلے ہی سے موجود تھی بس ایک شعلہ سا میرے جسم میں بھڑکا جس نے میرے سارے بدن میں آگ لگا دی اور میں آتش فشاں پہاڑ بن گیا۔ میرے اندر جیسے ایک دھماکہ سا ہوا۔ میں نے اچھل کر تال لیڈر کے داہنے جبڑے پر پوری طاقت سے اپنی کلائی ماری۔ میری کلائی اس وقت فولاد بن چکی تھی۔ تال لیڈر کو اس حملے کی ہرگز امید نہیں تھی۔ وہ اسکے لئے تیار بھی نہیں تھا۔ میرے وار سے تال لیڈر لڑکھڑایا اور اس کے ہاتھ سے گن نیچے گر پڑی۔ میں نے گن کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں، میں نے اچھل کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں لے لی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسکی آواز بھی نکلے اور ایسا ہی ہوا۔ میرے ناخن اس کی گردن میں پیوست ہو گئے تھے۔ گیس لائٹ میں اسکی ابلی ہوئی آنکھیں مجھے صاف نظر آ رہی تھیں۔ شروع میں اس نے کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور میری گرفت سے نکلنے کی کوشش بھی کی مگر میرا حملہ اس قدر اچانک اور بھرپور تھا کہ وہ بہت جلد بے بس ہو گیا۔ اسے ہلاک کرنے میں بمشکل پندرہ سے بیس سیکنڈ لگے ہوں گے۔ پوشالی فرش پر پڑی مجھے تک رہی تھی۔

جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ تال لیڈر میں اب جان باقی نہیں رہی تو میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ پھر میں نے تیزی سے پوشالی کے ہاتھ پاؤں کھول کر اس پر کپڑے ڈال دیئے۔ پوشالی جلدی جلدی کپڑے پہننے لگی۔ میں دبے پاؤں چلتا دروازے تک گیا۔ دروازے میں تھوڑا سا سوراخ تھا۔ میں نے باہر دیکھا سامنے کچھ فاصلے پر لالٹین زمین پر رکھے تینوں تال بیٹھے تھے جو مجھے یہاں تک لائے تھے۔ گنیں انہوں نے اپنے کندھوں پر لٹکا رکھی تھیں۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے تال زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ میں جلدی سے پلٹ کر پوشالی کے پاس آیا اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر لپک کر تال لیڈر کی اسٹین گن اٹھالی۔

میں نے پوشالی کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "دو ایک بار حلق سے کراہنے کی آوازیں نکالو۔"

پوشالی نے ایسا ہی کیا۔ میں اس وقت دروازے پر سوراخ کے باہر دیکھ رہا تھا۔ تینوں تالوں نے کراہنے کی

آواز سن لی تھی مگر انہوں نے ایک پل کے لئے بھی اس بیرک نما کمرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ اندر سے اسی قسم کی آوازیں آنی چاہیئے تھیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں سے کیسے نکلا جائے؟ پوشالی جو ایک لمحہ پہلے نڈھال پڑی ہوئی تھی اب اس کے اندر بھی جیسے نئی طاقت آ گئی تھی۔ اس نے تال لیڈر کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے لاش کو گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ ایک طرف ڈال دیا تاکہ اگر کوئی دروازے سے اندر داخل ہو تو اسے لاش نظر نہ آئے۔ سب سے بڑا مسئلہ ان تین آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کا تھا۔ جو باہر درخت کے نیچے لالٹین پاس رکھے بیٹھے تھے۔ میرے لئے یہی بہتر تھا کہ وہ ایک دم سے اندر نہ آ جائیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں مجھے مجبوراً اسٹین گن چلانی پڑ جاتی جو میں نہیں چاہتا تھا۔ فائرنگ کی آواز سے ٹاپو میں موجود تال لیڈر کے دوسرے ساتھی بھی ہوشیار ہو جاتے مجھے یقین تھا کہ ان تینوں آدمیوں کے علاوہ بھی کچھ نیم مسلح فوجی تال اس ٹاپو میں موجود ہیں۔ اس ڈبا نما بیرک میں صرف ایک کھڑکی تھی جو بند تھی اور اندر سے چٹخنی لگی تھی۔۔ ورنہ باہر سے اسے کھول کر کوئی بھی اندر جھانک سکتا تھا۔ ایک بات کی مجھے تسلی تھی کہ جب تک تال لیڈر نہ بلائے کوئی اندر نہیں آئے گا لیکن زیادہ وقت گزر جانے پر کوئی نہ کوئی وہاں آ سکتا تھا۔ انہیں کچھ دیر بعد شک بھی ہو سکتا تھا کہ اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے پوشالی سے کہا تھا کہ وہ بلند آواز میں کراہے تاکہ باہر ان لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ اندر ان کا لیڈر تشدد کر رہا ہے۔

مصیبت یہ تھی کہ بند کھڑکی بھی ان کے دروازے کے آخر پر ہی تھی۔ اگر اس کا رخ جنگل کی دوسری جانب ہوتا تو ہم اسے کھول کر نکل سکتے تھے۔ لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ کھڑکی اور دروازہ ایک ہی رخ پر تھے۔ گیس کا لیمپ کونے کے اسٹول پر رکھا اسی طرح جل رہا تھا۔ جب پانچ سات منٹ خاموشی سے گزر گئے تو میں نے حلق سے ایک اذیت ناک دبی دبی چیخ کی آواز نکالی اور پھر لپک کر دروازے کی طرف کی درز میں سے باہر دیکھا۔ تینوں مسلح آدمی باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر بیرک کی جانب دیکھا اور دوبارہ سگریٹ پینے اور باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے لیکن میں یہ ڈراما زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ جلد یا بدیر میرا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ میرے پاس سوچنے اور کسی اسکیم پر عمل کرنے کے لئے بہت تھوڑا وقت تھا۔ اس تھوڑے وقت میں مجھے کوئی اسکیم منصوبہ بھی سوچنا تھا اور اس پر فوری طور پر عمل کر کے ان تینوں دشمنوں سے نجات حاصل کرنی تھی۔ میں پوشالی کو لے کر کونے میں آ گیا اور سرگوشیوں میں اس سے مشورے کرنے لگا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ پوشالی کے چہرے پر ابھی تک تشدد کے اثرات نمایاں تھے مگر وہ پوری طرح چوکس تھی۔ اپنا منہ میرے کانوں کے قریب لا کر کہنے لگی۔" صرف ایک ہی ترکیب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ دروازے پر ٹھک ٹھک کر کے باہر والوں میں سے کسی کو اندر بلاؤ۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔" اور اگر تینوں اٹھ کر آ گئے تو مجھے فائر کرنا پڑے گا جو ہمارے حق میں نقصان دہ ہو گا۔"

پوشالی غور کرنے لگی پھر سر اٹھا کر بولی۔ "دوسرا کوئی طریقہ نہیں اگر تم نے آواز دی تو وہ تمہاری آواز پہچان لیں گے۔ اس صورت میں وہ تینوں ہی اندر کو لپکیں گے۔ میں باہر نہیں جا سکتی۔ وہ مجھے اندر بندھا ہو دیکھ کر گئے ہیں۔"

میں نے اشین گن کا میگزین کھول کر دیکھا۔ میگزین بھرا ہوا تھا۔ ایک ترکیب میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ دروازے کے سامنے والے کونے میں سر جھکا کر فرش پر بیٹھ جائے۔ اس طرح وہ باہر سے آنے والے کو دکھائی دے سکتی تھی۔ پوشالی نے سرگوشی میں پوچھا " تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا۔" جو میں کہتا ہوں ویسے ہی کرو۔"

پوشالی سامنے والے کونے میں دیوار کے ساتھ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ میں تامل لیڈر کی لاش کو گھسیٹ کر کونے میں گیس لیمپ والے اسٹول کے پاس لے گیا پھر دوسرا خالی اسٹول لا کر وہاں رکھا۔ لیڈر کی لاش کو اس پر بٹھا کر کر اس کی ٹیک پیچھے دیوار سے لگا دی۔ لاش ایک طرف لڑھک جاتی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اس طرح ٹکایا کہ اگر کوئی دروازے سے داخل ہو تو اسے ایسے لگے کہ تامل لیڈر گیس لیمپ کے پاس اسٹول پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا ہے پھر میں بند دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے گن کو نیچے فرش پر رکھ دیا اور دروازے کے قریب منہ لے جا کر انگریزی میں کہا" کم ان "

جنوبی ہند اور سری لنکا میں ان دنوں بھی انگریزی زبان کا بڑا چرچا تھا۔ تامل لوگ تو خاص طور پر انگریزی جانتے تھے۔ ان کے مزدور بھی انگریزی میں بات کرتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں نے تامل لیڈر کو بھی کشتی میں اپنے ان ساتھیوں سے انگریزی میں بات کرتے دیکھا تھا۔" کم ان " پکارتے ہی میں نے درز میں سے باہر دیکھا۔ لالٹین کے پاس بیٹھے ہوئے تینوں آدمیوں میں سے ایک آدمی اشین گن سنبھالتا ہوا تیزی سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بیرک کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کی اندر سے کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی۔ میں اس رخ پر کھڑا تھا کہ جب دروازہ کھلے تو آنے والے کی پیٹھ میری طرف ہو اور منہ تامل لیڈر کی اسٹول پر " بیٹھی " لاش کی جانب ہو۔ دروازہ کھلا۔ نیم فوجی تامل نے اندر آتے ہی کونے میں دیکھا اور تامل زبان میں بولا کہ کیا حکم ہے؟ میں نے بجلی کی سی تیزی سے کاساتھ اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈالا اور اسے قیامت خیز جھٹکا دے کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا اور پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دبلا پتلا نیم فوجی تامل تھا۔ جنوب میں رہنے والے تقریباً سبھی دبلے پتلے ہوتے ہیں۔ ایک ہی جھٹکے میں اسکی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں اسے دوسرے کونے میں

فرش پر ڈال دیا۔

پوشالی جلدی سے اٹھی اور نیم فوجی تامل کی اسٹین گن کو اس نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ میگزین کو چیک کیا اور غصے میں اپنی آواز کو دباتے ہوئے بولی۔ "میں باقی دو آدمیوں سے بھی اپنی بے حرمتی کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ انہیں بھی اندر بلاؤ۔"

میں نے اپنے ہونٹ بھینچ کر چپ ہو گیا۔ پوشالی میرے وطن کی خاطر بہت بڑی قربانی دے رہی تھی۔ میرا دل چاہا ان چاروں کے پرزے اڑا دوں۔ میں دوبارہ "کم ان" کہہ کر دوسرے آدمی کو اندر نہیں بلا سکتا تھا۔ میرے اس طرح بلانے پر ان کو شک ہو سکتا تھا مجھے کسی نہ کسی ترکیب پر فوری عمل کرنے کی ضرورت تھی۔

میں نے دروازے کے سوراخ سے باہر دیکھا۔ اب دونوں تامل اٹھ کر درختوں کے پاس ٹہلنے لگے تھے۔ ان میں ایک نے بیرک کے بند دروازے کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ لالٹین کی روشنی میں ان کے چہرے مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ دوسرے تامل نے کندھے اچکا کر تحیر اور لاعلمی کا اظہار کیا اور پھر اس طرح سے ٹہلنے لگے جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ اچانک میرے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس وقت وہی ترکیب سب سے موزوں اور مناسب تھی۔ میں پوشالی کو کونے میں لے گیا اور اسے ساری ترکیب سمجھائی۔ اس نے ایک پل کے لئے میری طرف دیکھ کر کچھ سوچا۔ تھوڑا بہت غور کیا پھر اسٹین گن مجھے پکڑا دی۔ اور دروازے کی طرف بڑھی۔ میں ایک بار پھر دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں اسٹین گنیں میں نے اپنے پاس ہی فرش پر رکھ دی تھیں۔ دروازے کے پاس جا کر پوشالی نے اپنے بالوں کو بکھیر دیا۔ حلق سے ایسی آواز نکالی جیسے سخت تکلیف میں ہو اور دروازہ کھول کر باہر اپنے آپ کو یوں گھاس پر گرا دیا جیسے کسی نے اندر سے اسے دھکا دے دیا ہو۔ اس کے باہر گرتے ہی میں نے دروازے کو اندر کی طرف کھینچ لیا اور آنکھ سوراخ کے ساتھ لگا دی۔

پوشالی کو باہر گرتے دیکھ کر دونوں لپک کر اس کی طرف آئے۔ پوشالی نے اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کیا۔ دونوں تامل پوشالی کو جھک کر دیکھ رہے تھے۔ یہاں قدرے اندھیرا تھا۔ لالٹین کچھ فاصلے پر درخت کے نیچے روشن تھی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان تاملوں کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں دونوں ساتھ ہی بیرک کی طرف نہ بڑھیں۔ اس صورت میں فائرنگ کرنا ضروری ہو جاتا مگر میری خوش قسمتی کہ ان میں سے ایک تامل تو "بے ہوش" پوشالی کے پاس ہی بیٹھا رہا اور دوسرا تامل شکوک و شبہات میں گم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دروازے کے پاس آ گیا۔ میں پیچھے ہٹ گیا اس نے تامل زبان میں اپنے لیڈر سے پوچھا۔ سر! میں اندر آ جاؤں؟" میں نے دوسری طرف منہ کر کے ذرا کھانس کر کہا۔ "کم ان۔"

وہ تامل اندر آ گیا۔ میرے پاس ایک ایسا محفوظ وار تھا جس سے اسکی آواز بھی نہ نکلے اور وہ جہنم

رسید بھی ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ دو سیکنڈ میں اسکی لاش میرے بازوؤں میں جھول گئی۔ میں نے اس کا گلا نہیں دبایا تھا۔ بلکہ اسکی گردن کی ہڈی توڑی تھی۔ لاش کو میں پیچھے گھسیٹ کر لے گیا۔ اب باہر صرف ایک تامل نیم فوجی باقی رہ گیا تھا۔ جب اس کا دوسرا ساتھی بھی اندر جا کر واپس نہ آیا تو اسے شک سا ہوا۔ میری نظریں دروازے کے سوراخ میں سے برابر اس پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ تامل اندر آنے یا اپنے لیڈر کو وہاں سے آواز دینے کے بجائے وہاں سے کھسک گیا۔ شاید وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں صورت حال سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ اس خطرے کا احساس پوشالی کو بھی ہو گیا۔ تامل دو قدم چلا ہو گا کہ پوشالی شیرنی کی طرح اٹھی اور اس نے پیچھے سے تامل کی دبلی پتلی گردن پر اتنے زور سے کلائی ماری کہ وہ گر پڑا۔ میں چھلانگ لگا کر بیرک سے باہر نکلا اور دوسرے لمحے تامل کی گردن میرے بازوؤں کے شکنجے میں تھی۔

ہم نے اسکی لاش کو بھی بیرک کے فرش پر ڈال دیا۔ ہم نے ان لاشوں کی جلدی جلدی تلاشی لی۔ ہمیں کچھ نقدی ملی جسے ہم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ تامل لیڈر کی لاش ابھی تک اسٹول پر بیٹھی تھی۔ اسکی بیلٹ میں ایک شکاری خنجر لگا ہوا تھا۔ پوشالی نے خنجر کھینچ لیا اور میری طرف دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں انتقام کے شرارے نکل رہے تھے۔ کہنے لگی "تم ایک منٹ کے لئے باہر جاؤ۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے؟ یہ اس کا حق تھا۔ اسے اسکی اجازت دے دینی چاہیئے تھی۔ میں نے اسے صرف اتنا کہا کہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرے۔ کیونکہ ہمارا وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ میں باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی میں نے درخت کے نیچے جلنے والی لالٹین کو بجھا دیا۔ چاروں طرف گھنی جھاڑیوں اور درختوں میں تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ آسمان ضرور ابر آلود تھا کیونکہ ایک بھی تارا چمکتا نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ہوا میں خنکی تھی اور کسی جھاڑی میں سے جھینگر کے بولنے کی مسلسل آواز آ رہی تھی جو سناٹے کو مزید بھیانک بنا رہی تھی۔ دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ میں نے بیرک کے دروازے کے پاس جا کر پوشالی کو آہستہ سے باہر بلایا۔ پوشالی نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر کہا۔ "اندر آ جاؤ۔"

اندر جا کر میں نے گیس لیمپ کی روشنی میں یہ منظر دیکھا کہ تین تاملوں اور ان کے لیڈر کی لاشیں فرش پر اس حالت میں پڑی تھیں کہ ان کے کٹے ہوئے سر انکے سینوں پر رکھے ہوئے تھے۔ پوشالی نے اپنی بے حرمتی کا انتقام لے لیا تھا۔ میں نے پوشالی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ میں اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ خنجر پوشالی نے وہیں پھینک دیا۔ "یہاں سے شمال مشرق کی طرف نکلو۔ ادھر ضرور کوئی گھاٹ ہو گا۔"

درختوں کے درمیان اندھیرے میں ایک پگڈنڈی بنی ہوئی تھی۔ ہم تیز تیز قدموں سے چلنے لگے۔ ٹہنیاں ہمارے کندھوں سے لگ رہی تھیں۔ آگے درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ تھی

لیکن یہاں کوئی جنگلی وغیرہ نہیں تھی۔ ہوا میں سمندر کی نمی اور سمندر کی خاص خوشبو رچی ہوئی تھی۔
پوشالی میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ اس نے رک کے آسمان کی طرف دیکھا اور بولی۔"
بادلوں نے تاروں کو چھپا دیا ہے۔ ورنہ تاروں سے ہم راستے کا حساب لگا سکتے تھے۔"
میں نے دور درختوں کی ایک قطار کی طرف اشارہ کیا اور کہا" ان درختوں کے پیچھے سمندر ہو گا۔
ممکن ہے وہاں ہمیں سمپان ٹائپ کی کوئی کشتی مل جائے۔"
پوشالی بولی۔" لیکن کشتی میں بیٹھ کر ہم جائیں گے کس طرف؟
اوپر کی جانب تو بھارت ہے اور دائیں بائیں جانب آسٹریلیا' نیوزی لینڈ تک وسیع و عریض خطرناک سمندر پھیلا ہوا ہے۔ اگر ہماری کشتی کہیں اس طرف بھٹک گئی تو ہمارا انجام ایک المناک موت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟
باتیں کرتے ہوئے ہم چلتے بھی جا رہے تھے۔ میں نے کہا۔" ہم بائیں جانب جزیرہ نما جافنا کے ٹاپوؤں کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف ٹالی منار تک سفر کریں گے۔ ٹالی منار سے ہمیں کولمبو ایکسپریس مل جائے گی۔"
پوشالی خاموشی سے چلتی رہی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ صبح ہوتے ہی ہمارے فرار کا سب کو علم ہو جاتا اور ہماری تلاش میں جزیرہ نما کے ٹاپوؤں میں جگہ جگہ چھاپے مارے جاتے۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے پہلے ٹالی منار پہنچنا تھا۔ یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں تھی۔ کیونکہ یہ بات یقینی نہیں تھی کہ ہمیں سمندر کے کنارے کوئی کشتی مل جائے گی۔
ٹالی منار کا آج کل اخباروں میں بڑا ذکر آ رہا ہے۔ میں اسکے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب جنوبی بھارت کی تکون ختم ہو جاتی ہے آگے پچیس تیس میل چوڑا سمندر آ جاتا ہے۔ یہاں بھارت کی آخری بندر گاہ کنیا کماری ہے جب کہ مشرق کی طرف ہٹ کر ایک چھوٹی سے بندر گاہ دھنش کوڑی ہے۔ یہاں اسی نام کا ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ یہاں سے لنکا جانے کے لئے بحری جہاز چلتے ہیں۔ جو مسافروں کو سمندر پار کرا کر سری لنکا کی شمالی بندرگاہ ٹالی منار پہنچا دیتے ہیں۔
ٹالی منار جس کو اخبار والے عام طور پر منار لکھتے ہیں جافنا شہر کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جافنا شہر ٹالی منار کی بندر گاہ کے مشرق میں ہے ٹالی منار میں اسی نام کا ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن موجود ہے جہاں سے کولمبو ایکسپریس نام کی ایک ٹرین تیار ہو کر چار بجے سہ پہر کولمبو روانہ ہوتی ہے۔ میں یہ ٹرین پکڑنا چاہتا تھا۔
ہم چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں ہماری توقع کے خلاف نہ کوئی گھاٹ تھا اور نہ کہیں کوئی چھوٹی بڑی کشتی ہی نظر آئی۔ میں نے پوشالی کو ساتھ لے کر سمندر کے کنارے کنارے مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ ٹاپو زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ایک طرف

سے آواز آئی جیسے کوئی جھاڑیوں کو ہٹاتے ہوئے چل رہا ہو۔ میں نے پوشالی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے وہیں روک لیا۔ میری انگلی خود بخود اسٹین گن کے ٹریگر پر آگئی۔ اب دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز بھی آنے لگی۔ ایک آدمی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر سگریٹ یا بیڑی کا سرخ سرا جگنو کی طرح چمک کر بجھ گیا۔ ہم اونچی گھاس پر لیٹ گئے۔ یہ دو آدمی تھے جو تامل زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ ہمارے قریب سے گزر گئے۔ انکی باتوں سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ کوئی مال لینے جا رہے ہیں۔ یہ اسمگلنگ کا مال ہی ہو سکتا تھا۔ جب انکی آوازیں دور چلی گئیں تو میں نے پوشالی سے کہا۔" ہمیں سمندر کی طرف چلنا چاہیئے۔ یہ ضرور کسی کشتی پر بیٹھ کر یہاں آئے ہیں اور اسی کشتی پر مال لے کر واپس جانے والے ہیں۔"

ہم نے اپنا رخ سمندر کی طرف کر لیا۔ تھوڑی دور جا کر مجھے ریت پر ایک کشتی نظر آئی۔ رات کے اندھیرے میں وہ ایک سیاہ دھبے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پوشالی سے کہا۔" تم کشتی دیکھ رہی ہو؟"

پوشالی نے کشتی دیکھ لی تھی کہنے لگی۔" اگر یہ عام چپوؤں والی کشتی ہے؟ تو ہم زیادہ سے زیادہ اس جزیرے ہی سے نکل سکیں گے۔ اس کے بعد ہم کہاں پہنچیں یہ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پوشالی کا اندیشہ بے جا نہیں تھا لیکن اس وقت کشتی کا دم بھی غنیمت تھا کیونکہ موت ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ عقب سے کسی وقت بھی گولیوں کی بوچھاڑ ہو سکتی تھی۔

پوشالی نے آہستہ سے کہا۔" کہیں اس کشتی میں کوئی آدمی نہ بیٹھا ہو۔" اس وقت ہمارے اور کشتی کے درمیان بمشکل پچاس قدم کا فاصلہ ہو گیا۔ ہم درختوں کی اوٹ میں تھے۔ ہماری آنکھیں اندھیرے میں کشتی پر جمی ہوئی تھی۔ کشتی میں کوئی حرکت نہیں ہو رہی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان اسمگلروں کا ساتھی اپنے ساتھیوں کے جانے کے بعد کشتی میں ہی سو گیا ہو۔ میں نے پوشالی کے کان میں کہا کہ وہ وہیں ٹھہرے۔ میں نے اسٹین گن سنبھالی اور جھک کر کشتی کی طرف بڑھا۔ میں کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ مگر کشتی میں کوئی نہیں تھا۔ اس کے اندر لمبے لمبے چپو ایک طرف پڑے تھے ڈیزل کا ایک ڈرم بھی موجود تھا۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں کہ کشتی کے پیچھے موٹر بھی لگی ہوئی تھی۔ خدا جانے یہ اسمگلر کب کے یہاں آئے ہوئے تھے ہمیں کشتی کی موٹر کی آواز بالکل سنائی نہیں دی تھی۔

میں نے خاص انداز میں ایک پرندے کی آواز نکالی۔ یہ پوشالی کو سب ٹھیک ہے کا اشارہ تھا۔ درختوں میں سے پوشالی دوڑتے ہوئے میری طرف بڑھی۔ اس کے آتے ہی میں نے خوشی سے کہا۔

"کشتی میں موٹر بھی لگی ہے۔ اب ہم راتوں رات جافنا کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے۔"

ہم نے اسٹین گنیں پھینکیں۔ کشتی آدھی پانی میں اور آدھی ریت پر کھڑی تھی۔ میں نے

پوشالی سے کہا ہمیں اسے دھکیل کر پانی میں لے جانا ہو گا۔ کشتی بہت بھاری تھی مگر وہ ریت اور پانی پر کھڑی تھی ۔ ہماری تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ پانی میں پھسل گئی ۔ میں نے موٹر کا جائزہ لیا۔ یہ چمڑے کے تسمے کو کھینچ کر چلنے والی موٹر تھی ۔ میں نے خدا کا نام لے کر تسمے کو زور سے کھینچا۔ پہلی ہی کوشش میں انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ اس کا شور دونوں اسمگلروں کو چوکنا کر سکتا تھا لیکن ہمیں اب ان سے کوئی غرض نہیں تھی ۔ میں نے بٹن دبا دیا ۔ کشتی تیزی سے سمندر میں داخل ہو گئی ۔ میں نے اس کا رخ مغرب کی طرف موڑ دیا اور کشتی کو ساحل سے کافی دور لے گیا پھر اس کا رخ جافنا کی طرف موڑ دیا۔ پوشالی بھی کشتی میں بیٹھ گئی ۔ سمندر کی تیز ہوا میں اس کے بال اڑ رہے تھے ۔ انجن کے شور میں اس نے چلا کر کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم جافنا کی طرف جا رہے ہو؟

میں نے بھی اونچی آواز میں ہی جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے ۔ تم فکر مت کرو۔"

موٹر کی رفتار کافی تیز تھی کوئی دس منٹ بعد ہم ایک ٹاپو کے قریب سے گزر گئے پھر ایک اور ٹاپو آ گیا۔ مجھے بڑا حوصلہ ہوا۔ کیونکہ ان ٹاپوؤں کی وجہ سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ جزیرہ نما جافنا کے علاقے سے گزر رہا ہوں ' جہاں سمندر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بے شمار ٹاپو پھیلے ہوئے تھے ۔ مجھے صرف ایک پریشانی تھی کہ کہیں جافنا کوسٹل گارڈ کی کوئی موٹر بوٹ گشت نہ کر رہی ہو۔ وہ ہمیں چیک کر سکتی تھی لیکن میرے پاس اس پریشانی سے بچنے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں اللہ توکل کشتی کو سمندر میں بھگائے لئے جا رہا تھا۔ اندھیرے میں چھوٹے چھوٹے سیاہ ٹاپو ٹیلوں کی طرح سمندر میں ہمارے آس پاس سے گزرتے جا رہے تھے ۔ ہمیں پندرہ بیس منٹ ہو گئے تھے ۔ اچانک دور سے سمندر میں روشنیاں منعکس ہوتی نظر آئیں ۔ میں نے پوشالی کو روشنیاں دکھا کر کہا یقیناً یہ جافنا گھاٹ کی روشنیاں ہیں ۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں سیدھے رخ پر چلنے کے بجائے پہلو کی طرف سے ہو کر جافنا گھاٹ یا پورٹ کی طرف جاؤں کیونکہ کشتی کا رخ سیدھا روشنیوں کی طرف تھا اور وہاں کوسٹل گارڈ کی گشتی موٹر بوٹ سے مڈبھیڑ ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔ میں نے کشتی کا رخ بائیں طرف کر لیا۔ اب روشنیاں دوسری طرف رہ گئی تھیں۔

ساحل کی سیاہ لکیر قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔ پوشالی نے انجن بند کرنے کا مشورہ دیا تو میں نے رفتار تیز کر دی۔ جب میرے اندازے کے مطابق ساحل ایک دو فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا تو میں نے انجن بند کر دیا۔ ہم نے چپو نکال کر سمندر میں ڈالے اور کشتی کو ساحل کی طرف لے جانے لگے۔ انجن بند ہونے کے بعد سے ایک دم خاموشی چھا گئی۔ صرف پانی میں چپوؤں کے چلنے کی آواز ہی آ رہی تھی۔ سمندر پُر سکون تھا۔ آسمان بدستور بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ بارش ابھی تک نہیں ہوئی تھی ورنہ اس علاقے میں بڑی موسلا دھار بارشیں ہوتی تھیں۔ آہستہ آہستہ کشتی ساحل کے قریب ہوتی جا رہی تھی پھر ساحل کی لکیر اونچے درختوں میں بدل گئی۔ روشنیاں اب دائیں جانب کافی فاصلے پر رہ گئی تھیں۔ جب ہماری کشتی اتھلے پانی پر آ گئی اور چپو ساحل کی ریت کو چھونے لگے تو ہم نے چپو کھینچ کر کشتی میں ڈال دیئے۔ کشتی خود بخود رک گئی تھی۔ ہم نے اپنی اسٹین گنیں سنبھالیں اور کشتی سے کود کر درختوں کی طرف بڑھ گئے۔

اب ہم نے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ہماری منزل جافنا کی روشنیاں تھیں۔ ہم تاڑ اور ناریل کے درختوں کے نیچے کافی دیر تک اندھیرے میں چلتے رہے۔ اب ہمیں ادھر ادھر ماہی گیروں کی جھونپڑیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔ ایک طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز بھی آئی۔ ہم ماہی گیروں کی ایک بستی کے قریب سے گزرے۔ ساحل سمندر پر بلیاں لگی تھیں جن پر جال لٹک رہے تھے۔ جھونپڑوں پر گہری خاموشی طاری تھی۔ ماہی گیر دن بھر کی محنت کے بعد گہری نیند سو رہے تھے۔ ہماری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں اور ہمیں ہر شے نظر آ رہی تھی خواہ دھندلی ہی سہی۔

ہم درختوں کے بیچ سے گزر کر ایک کچے راستے پر آ گئے۔ ہم چوکس ہو گئے تھے۔ لیکن ہمیں بخوبی علم تھا کہ یہاں گرفتاری کا زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں سری لنکا کی انٹیلی جینس نے نہیں پکڑا تھا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے نے اپنے کرائے کے گوریلوں سے پکڑوا کر راز اگلوانے کے لئے ہمیں ایک نیم فوجی جزیرے میں منتقل کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سری لنکا کی انٹیلی جینس ہمیں

گرفتار کر سکتی تھی۔ کیونکہ ہم نے ان کے دارالحکومت میں واقع غیر ملکی سفارت خانے کے ایک اہم رکن کو قتل کر دیا تھا۔ سفارتخانے نے ہمارے خلاف رپورٹ ضرور درج کرائی ہوگی اور ہماری تصویریں بھی لنکا انٹیلی جینس اور پولیس کو دے دی ہونگی۔ یہ بات ہمارے لئے بے حد خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔ میرا حلیہ ان دنوں کافی بدل چکا تھا۔ میری داڑھی مونچھیں بڑھ گئی تھی مگر پوشالی پہچانی جا سکتی تھی۔ جب میں نے ان تمام خدشات کا اظہار پوشالی سے کیا تو وہ چلتے چلتے کہنے لگی۔" میرے بال چھوٹے ہیں مگر میں انہیں ترشوا کر مزید چھوٹا کر لوں گی۔ میں مردانہ لباس پہن لوں گی۔ مگر سب سے پہلے ہمیں کولمبو اپنے ایجنٹ کی پناہ میں جانا ہو گا اور یہ ایک لمبا سفر ہے۔"

پوشالی کے اندیشے درست تھے۔ جافنا سے کولمبو تک کا سفر ایک طویل سفر تھا۔ ہمیں جافنا سے ریل پکڑ کر ٹالی منار پہنچنا تھا پھر وہاں سے کولمبو ایکسپریس کے ذریعے کولمبو روانہ ہونا تھا۔ اسی مقصد کے لئے میں نے تامل لیڈر کی جیب سے ساری رقم نکال کر اپنے پاس محفوظ کر لی تھی اب رات بھی ڈھلنے لگی تھی۔ ابر آلود آسمان پر صبح کا دھندلکا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

کچے راستے نے ہمیں کسی گاؤں کی بجائے ایک پکی سڑک پر پہنچا دیا۔ اس سڑک پر بجلی کا کوئی کھمبا نہیں تھا۔ سڑک کی دونوں جانب تاڑ کے درخت تھے۔ میں نے پوشالی سے کہا یہ سڑک ضرور جافنا کو جاتی ہے۔ وہ بولی" یہاں سے اگر ہمیں کوئی لاری یا ٹرک مل جائے تو ہمارے لئے بہتر ہو گا۔ دن نکلنے والا ہے۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جانے چاہیئے۔"

مگر چھوٹی سی پکی سڑک پر سناٹا چھایا تھا۔ وہاں کسی ٹرک یا لاری کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ ہم سڑک کے کنارے کنارے ذرا نیچے اتر کر جھاڑیوں کے قریب سے ہو کر شمال کی طرف چل رہے تھے۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ ہمیں اسٹین گنیں کہیں پھینک دینی چاہئیں۔ اب انکی ضرورت نہیں رہی تھی پوشالی نے جواب میں کہا۔ گنیں پھینک دینے سے ہم نہتے ہو جائیں گے اور اگر کوئی مشکل آن پڑی تو کیا کریں گے؟ مگر اسٹین گنوں کا ہمارے پاس رہنا اب خطرناک تھا کیوں ہم شہری آبادی میں داخل ہونے والے تھے۔ کہیں کہیں کھیتوں میں بکھری ہوئی اکا دکا روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ آخر میں نے پوشالی کو قائل کر لیا اور ہم نے اسٹین گنوں کو ایک جگہ جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ہمیں شدید تھکن اور پیاس محسوس ہونے لگی تھی۔ سڑک پر کافی دیر تک چلنے کے بعد ہمیں دور کسی آبادی کی روشنیاں نظر آئیں۔ خدا جانے یہ کون سی بستی تھی؟ ابھی تک اس امر کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ ہم جافنا کے مضافات میں ہیں۔ گمان غالب یہی تھا کہ آگے جافنا کا بڑا شہر ہی ہو گا کیونکہ سری لنکا کے شمال میں ٹالی منار کے بعد اتنی آبادی اور میدان صرف جافنا شہر ہی کے ہو سکتے تھے۔ ورنہ باقی سب چھوٹے چھوٹے جزیرہ نما ٹاپو ہی بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم آبادی کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ پکی سڑک سے ایک کچا راستہ آبادی کی طرف جاتا تھا۔ پوشالی نے کہا کہ ہمیں آبادی میں داخل نہیں ہونا

چاہئے ۔ اس سے ہٹ کر آگے نکل جانا چاہیئے ۔ پیاس سے میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ پوشالی میرے مقابلے میں سخت جان واقع ہوئی تھی ۔ اس نے اپنی سخت جانی اور صبرو استقامت کا جگہ جگہ ثبوت بہم پہنچایا تھا۔ میں اس کے کردار کے اس پہلو سے بے حد متاثر تھا۔ ہم نے اس راستے کو چھوڑ دیا اور کھیتوں میں سے گزرتے آبادی کے عقب میں آ گئے ۔ یہاں ہمیں ایک جگہ ہینڈ پمپ نظر آیا تو ہم اسکی طرف لپکے ۔ ہم دونوں نے پیاس بجھائی ۔ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے اور آگے چل پڑے ۔ اب دن کا اجالا رات کی سیاہ چادر آہستہ آہستہ اتار رہا تھا۔ آسمان کا رنگ سلیٹی ہو گیا تھا۔

دوسری آبادی کی روشنیاں دکھائی دیں ۔ اسکے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور جب ہم ایک بڑی پکی سڑک پر آئے تو دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی ۔ اس روشنی میں دور کارخانے کی چمنی اور اس کے پیچھے کچھ اونچی عمارتیں نظر آئیں ۔ میں نے یقین کے ساتھ پوشالی سے کہا اب ہم جافنا پہنچ چکے ہیں ۔ جس سڑک پر ہم چلے جا رہے تھے یہ کافی چوڑی پکی سڑک تھی ۔ میرا خیال تھا کہ سنگ میل کا نشان کہیں نہ کہیں نظر آئے گا ۔ میں سنہالی پڑھ نہیں سکتا تھا مگر پوشالی اس زبان میں بات بھی کر سکتی تھی ۔ میں تھوڑی تھوڑی یعنی اپنے مطلب کے مطابق سنہالی زبان اب سمجھنے لگا تھا مگر اسے پڑھ نہیں سکتا تھا۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ کوئی سنگ میل کا نشان آئے تو اسے پڑھ کر بتائے کہ ہم جافنا سے کتنی دور ہیں ؟ چلتے چلتے سڑک کی ایک جانب پتھر کا نشان نظر آیا ۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے اس کے پاس گئے ۔ میں نے پوشالی سے پوچھا کہ اس پر کس شہر کا نام لکھا ہے ؟ پوشالی نے سنگ میل پڑھ کر بتایا کہ یہاں مرواکلی پندرہ میل لکھا ہے خدا جانے یہ مرواکلی کس شہر کا نام تھا اور یہ جافنا کا ہی کوئی مضافاتی شہر تھا یا نہیں ۔ میں الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ کہیں ہم سری لنکا کے کسی دوسرے ساحل پر تو نہیں نکل آئے ۔ جہاں سے ہمیں کسی ٹرین کے ملنے کا امکان ہی نہ ہو ۔ پوشالی بھی اس مضافاتی شہر سے واقف نہیں تھی ۔ ہم سنگ میل کے پاس قدرے مایوسی کے عالم میں کھڑے تھے کہ پیچھے لاری کے انجن کی آواز سنائی دی ۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ دن کی روشنی میں ہمیں لال رنگ کی ایک بس نما شے نظر آئی ۔ میں نے ہاتھ ہلانا شروع کر دیا ۔ پوشالی نے تیز لہجے میں کہا۔ ”کیا کرتے ہو ؟ یہ پولیس کی گاڑی بھی ہو سکتی ہے ۔“

میں نے ہاتھ نیچے کر لیا ۔ پوشالی ٹھیک کہہ رہی تھی ۔ اس کا مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا مگر وہ ایک خالی بس تھی جو شاید اپنے ڈپو سے نکل کر شہر مرواکلی جا رہی تھی ۔ ڈرائیور نے شاید میرے ساتھ ایک عورت کو دیکھ کر بس روک دی تھی ۔ پوشالی نے آگے بڑھ کر سنہالی میں اسے کچھ کہا۔ اس نے مسکرا کر کوئی جواب دیا ۔ پوشالی نے مجھے بس میں سوار ہونے کا اشارہ کیا ۔ بس بالکل خالی تھی ۔ ہم بس میں سوار ہو گئے ۔ بس شہر کی طرف روانہ ہو گئی ۔ پوشالی کہنے لگی ۔ ”یہ بس مرواکلی جا رہی ہے وہاں سے ہم کوئی دوسری بس پکڑ لیں گے ۔ میں نے ڈرائیور سے یہ نہیں پوچھا کہ یہاں سے جافنا شہر کتنی دور ہے ۔

میرے اندر ایک بے چینی سے لگی تھی ۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم کہاں آ چکے ہیں ۔ میں نے پوشالی سے کہا وہ ڈرائیور سے جا کر جافنا کے بارے میں دریافت کرے ۔ پوشالی نے میری طرف دیکھا اور ذرا سا مسکرا کر بولی ۔ "اس وقت تم مجھے کمانڈو کم اور دنیا دار زیادہ لگ رہے ہو ۔"

میں چپ ہو گیا ۔ تھوڑی ہی دیر بعد بس مروا کلی شہر کے ایک اڈے پر جا کر رک گئی ۔ پوشالی نے باہر نکل کر ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور ہم جلدی جلدی وہاں سے نکل کر ایک بازار میں آ گئے ' جہاں اکثر دکانیں بند تھیں ۔ ایک جگہ چائے کی دکان کے باہر کچھ لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے ۔ اس دکان کی پیشانی پر وہاں کے رواج کے مطابق زرد کیلوں کے بڑے بڑے گچھے بھی لٹک رہے تھے ۔ چائے کی دکان کے اندر بھی بیٹھنے کی جگہ تھی ۔ ہم خاموشی سے اندر گھس گئے ۔ ناشتا کرنے کے بعد میں نے بیرے کو قریب بلا کر اسے سگریٹ لانے کو پیسے دیئے اور انگریزی میں کہا کہ سگریٹ لا دو ۔ بیرا باہر چلا گیا ۔ میں نے پوشالی سے کہا ۔ کم از کم اب تو اس بیرے سے معلوم کرو کہ ہم لنکا کے کس علاقے میں ہیں ۔ پوشالی چائے پیتے ہوئے مسکرا دی ۔ بیرا سگریٹ لے آیا تو پوشالی اس سے سنہالی میں باتیں کرنے لگی ۔ تھوڑی دیر بعد بیرا چلا گیا تو میں نے بازار کی طرف دیکھتے ہوئے بے تابی سے پوچھا کہ جافنا کے بارے میں کیا پتا چلا؟

پوشالی نے چائے کا ہلکا سا گھونٹ لیتے ہوئے ہونٹوں کو سکیڑ کر بولی ۔ "جافنا یہاں سے بیس میل دور ہے ۔"

خوشی سے میرا چہرہ کھل اٹھا ۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا ۔ ناشتا کرنے کے بعد ہم چائے کی دکان سے نکل کر ایک طرف چلنے لگے ۔ اب پوشالی کہنے لگی ۔ "لڑکے نے بتایا ہے کہ جافنا سے ایک ریل گاڑی سیدھی کولمبو شہر بھی جاتی ہے مگر وہ ٹرین رات کے گیارہ بجے چلتی ہے ۔"

میں نے کہا ۔ "وہ خواہ رات کے پندرہ بجے چلے ' ہم اسی پر جائیں گے ۔ خدا کا شکر ہے پوشالی ۔ اب سمجھو کہ کولمبو پہنچنا بے حد آسان ہو گیا ہے ۔"

پوشالی بازار میں چلتے ہوئے بڑی محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی جا رہی تھی ۔ اب بازار کی اکثر دکانیں کھل چکی تھیں اور رونق زیادہ ہو گئی تھی ۔ اس نے آہستہ سے کہا ۔ "ابھی ٹرین کے چلنے میں بڑا وقت پڑا ہے ہمیں یہ وقت کسی ایسی محفوظ جگہ پر گزارنا ہو گا ' جہاں ہم پر کسی کی مشکوک نظریں نہ پڑ سکیں ۔"

میں نے کہا ۔ "ایسی جگہ کوئی قبرستان یا شمشان بھومی ہی ہو سکتی ہے ۔"

جافنا شہر کا سن کر میری طبیعت کچھ چہکنے لگی تھی ۔ پوشالی بازار میں ایک طرف گھوم گئی ۔ یہ بازار زیادہ چوڑا نہیں تھا اور یہاں دکانیں بھی بہت کم تھیں ۔ جس کی وجہ سے اکا دکا لوگ ہی آ جا رہے تھے ۔ کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے ۔ پوشالی کہہ رہی تھی ۔ "بیرے نے بتایا ہے کہ بس اسٹینڈ سے ہمیں جافنا کے لئے ہر ایک گھنٹے کے بعد بس مل سکتی ہے ۔"

میں مذاق کے موڈ میں تھا میں نے مسکرا کر کہا۔" لیکن ہم ہر ایک گھنٹے کے بعد تو جافنا نہیں جا سکتے۔ ہم تو ایک ہی بار بس میں سوار ہو کر جائیں گے۔"

پوشالی میرے اس جملے سے زیادہ لطف اندوز نہ ہوئی۔ بے زاری سے سانس بھر کر بولی۔" ہمیں اسی وقت بس پکڑ کر جافنا کی طرف نکل جانا چاہئے۔"

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ایک بوڑھی سنہالی عورت اپنے مکان کے آگے فٹ پاتھ پر جھاڑو دے رہی تھی۔ پوشالی نے اس سے بس اڈے کا دریافت کیا اور ہم دو تین چھوٹے چھوٹے بازاروں سے گزر کر لاری اڈے پہنچ گئے۔ یہاں دو تین پرانی لاریاں کھڑی تھیں۔ ایک لاری پر پانوں اور کیلوں کے ٹوکرے لادے جا رہے تھے۔ کچھ مسافر اندر بیٹھے تھے۔ ہم بھی ٹکٹ لے کر چپکے سے لاری میں بیٹھ گئے۔ مسافروں نے ایک بار نظر اٹھا کر ہمیں دیکھا پھر چبا چبا کر پان کھانے' بیڑیوں کے کش لگانے اور باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔ مروا کلی سے یہ لاری ٹھیک سات بجے چلی۔ جافنا یہاں سے کل بیس میل تھا مگر لاری راستے میں جگہ جگہ ٹھہر کر مسافروں کو لیتی۔ مزید سامان لاری کی چھت پر رکھا جاتا۔ ساڑھے آٹھ بجے لاری جافنا شہر میں داخل ہو گئی۔

جافنا سری لنکا کے شمال میں ایک بارونق شہر ہے۔ یہاں سربفلک عمارتیں تو نہیں ہیں مگر کشادہ سڑکیں ہیں۔ لیکن شہر کے سول ایریا میں خوبصورت دیدہ زیب کوٹھیاں بھی ہیں جو پام اور کیلے کے درختوں سے گھری ہوئی ہیں۔ لاری شہر کی سیر کراتی ہوئی اپنے اڈے پر آ گئی تھی۔ یہ ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں سی۔ آئی۔ ڈی والوں کا خطرہ موجود تھا۔ چنانچہ ہم دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی لاری سے اتر کر یونہی ایک طرف چل پڑے۔ ہم ایسے چل رہے تھے جیسے ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ ہم ایک کشادہ سڑک پر آ گئے جس کی دونوں جانب دو منزلہ فلیٹ تھے۔ ان فلیٹوں کے آگے صحن تھے جہاں گاڑیاں اور رکشے وغیرہ کھڑے تھے۔ سڑک پر بھی کافی آمد و رفت تھی۔ یہاں ٹریفک کے سپاہی بھی نظر آ رہے تھے لیکن ابھی تک ہمارے خیال کے مطابق کوئی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی ہمیں نظر نہیں آیا تھا۔

پوشالی میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔" کیا خیال ہے ہم سیدھے اسٹیشن پر ہی نہ چلے جائیں؟"

پوشالی بازار کی جانب غور سے عمارتوں پر لگے ہوئے سائن بورڈ پڑھنے میں مصروف تھی پھر وہ ایک دم سے ایک تین منزلہ عمارت کی طرف بڑھی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس عمارت کے باہر سنہالی اور انگریزی میں کرشنا ہوٹل لکھا ہوا تھا۔ اندر پہنچ کر پوشالی ہوٹل کے کاؤنٹر پر کھڑے بوڑھے سنہالی سے باتیں کرنے لگی پھر اس نے میری طرف گردن موڑ کر انگریزی میں کہا۔" بیس روپے دینا۔"

میں نے جلدی سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر اسے دے دیئے۔

پوشالی نے رجسٹر پر دونوں کا نام اور پتا لکھوایا پھر بوڑھے سے چابی لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ دوسری منزل پر آ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور بولی۔" میرے خیال میں یہ ہوٹل ہمارے لئے ایک محفوظ جگہ ہے۔"

میں نے پوشالی سے پوچھا کہ اس نے رجسٹر میں کیا لکھوایا ہے؟ اس نے کہا۔" میاں بیوی لکھوایا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم ٹورسٹ ہیں۔ مدراس سے سیاحت کرنے یہاں آئے تھے۔ اب واپس جا رہے ہیں اور کیا لکھواتی۔"

واقعی اس سے زیادہ اور وہ کیا لکھوا سکتی تھی۔ کمرے کی کھڑکی نیچے بازار کی طرف کھلتی تھی جو بند تھی۔ میں نے اسے ذرا سا کھول کر نیچے دیکھا۔ مجھے وہاں کوئی شخص نظر نہیں آیا جس پر مجھے سی آئی ڈی والے کا شبہ ہوتا کھڑکی بند کر کے میں کرسی پر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔" پھر بھی پوشالی! ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہم خطرناک زون میں داخل ہو چکے ہیں۔ لنکا پولیس اور انٹیلی جینس بہرحال ہماری تلاش میں ہوگی اور جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ ہماری تصویریں بھی پولیس تھانوں میں تقسیم ہو گئی ہوں گی۔"

پوشالی سنگھار میز پر سے کنگھی اٹھا کر اپنے سنہرے بالوں میں پھیر رہی تھی کہنے لگی" اپنی طرف سے ہم محتاط ہی رہیں گے لیکن بہرحال شہر میں آوارہ گردی کر کے پولیس کی نظروں آنے سے بہتر ہے کہ ہم اس ہوٹل میں اپنے آپ کو بند کرلیں۔"

یہاں ہم نے جانے کتنی دیر بعد غسل کیا۔ نیچے سے چائے منگوائی اور چائے پیتے ہوئے اپنا آئندہ پروگرام مرتب کرنے لگے۔ پوشالی کا خیال تھا کہ مجھے شام کے وقت ریلوے اسٹیشن پر جا کر کولمبو تک کے دو فرسٹ کلاس ٹکٹ لے آنے چاہئیں۔" ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں کہ فرسٹ کلاس میں سفر کر سکیں۔ اعلیٰ کمپارٹمنٹ میں پولیس والا بھی داخل نہیں ہو سکتا۔"

میں ایک بار پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا۔ ذرا سا پٹ کھول کر نیچے بازار میں دیکھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ ٹریفک جاری تھا لیکن کسی کھمبے کے ساتھ کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا جو انٹیلی جینس کا آدمی ہو اور ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی۔ میں نے پوشالی سے کہا۔" میرا خیال ہے تم کچھ دیر کے لئے آرام کرو۔ میں کسی پارک میں نکل جاتا ہوں۔"

نیند ہم دونوں کو آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے پوشالی کو سلا دیا اور خود کمرے کو تالا لگا کر ہوٹل سے باہر نکلا اور ایک قریب پارک میں جا کر بینچ پر نیم دراز ہو گیا۔ پارک میں کچھ لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ نیند مجھے بھی آ رہی تھی۔ ساری رات جاگ کر تکلیف دہ سفر میں گزری تھی۔ میں نے درختوں کو دیکھنے کے بہانے اپنے آس پاس کا جائزہ لیا۔ پارک تقریباً خالی تھا۔ میں نے ٹانگیں پھیلا دیں اور آنکھیں بند کرلیں پھر مجھے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو دھوپ میرے سارے جسم پر پھیلی ہوئی تھی۔ میں

جلدی سے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اب مجھے خیال آیا کہ اگر شام تک سویا ہی رہتا تو پوشالی کس قدر پریشان ہوتی مجھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسکی خبر رکھنی چاہیئے تھی۔ نیند کر لینے سے میری طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی تھی اور میں خود کو تازہ دم اور طاقت ور محسوس کر رہا تھا۔ میں پارک سے نکل کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ آس پاس نگاہ ڈالی۔ کوئی مشتبہ آدمی مجھے دکھائی نہ دیا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہوٹل میں آ گیا۔ کاؤنٹر پر اب بوڑھے سنہالی کی جگہ ایک دبلا پتلا نوجوان لڑکا بیٹھا پان چباتے ہوئے بل کاٹ رہا تھا۔ میں سر جھکائے اپنے موڈ میں ہی سیڑھیاں چڑھ گیا۔

کمرے میں اسی طرح تالا لگا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ تالا کھولا۔ یااللہ خیر! پوشالی اندر ہی ہو۔ پوشالی اندر ہی تھی اور پلنگ پر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں سنگھار میز کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ جب سے نوٹ نکال کر سنگھار میز پر رکھے اور انہیں گننا شروع کر دیا۔ اتنے میں پوشالی کی آنکھ کھل گئی۔ نیچے ہوٹل کی ڈیوڑھی والی گھڑی میں میں نے ٹائم دیکھ لیا تھا۔ اس وقت دن کے بارے بجنے میں پندرہ بیس منٹ باقی تھے۔ میں نے بھی کافی نیند کر لی تھی۔ پوشالی بھی بھرپور نیند کے بعد تر و تازہ لگ رہی تھی۔ وہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔" تمہاری داڑھی تو کافی بڑھ گئی ہے۔ تم پہلی نظر میں پہچانے نہیں جا سکتے۔ کیونکہ سفارت خانے والوں کے پاس تمہاری جو تصویر تھی اس میں تم نے شیو کر رکھی ہے۔ کیا خیال ہے کہ میں اپنے بال اور زیادہ چھوٹے نہ کروالوں ؟"

میں نے اس کے بالوں کی طرف دیکھ کہا۔" میں سمجھتا ہوں کہ اب اسکی خاص ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے ہم ٹرین کے ڈبے میں بند ہو جائیں گے اور کولمبو جا کر ڈبے سے نکلیں گے وہاں سے ہم سیدھے اپنے ایجنٹ کی لائٹ ہاؤس کے علاقے والی خفیہ کمیں گاہ میں چلے جائیں گے پھر خواہ مخواہ بال ترشوانے کی کیا ضرورت ہے ؟ اس طرح لوگوں کی نظروں میں آنے کا ڈر ہے۔"

دوپہر کا کھانا ہم نے کمرے میں ہی کھایا۔ شام تک ہم کمرے کے اندر ہی بیٹھے رہے۔ شام کو میں ٹکٹ لینے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ جو گاڑی رات گیارہ بجے کولمبو روانہ ہوتی ہے اس کے ٹکٹ نو بجے رات کو ملیں گے۔ میں فوراً ہی ہوٹل واپس آ گیا۔ اب یہی فیصلہ ہوا کہ نو بجے رات ہم اکٹھے ہی ... ہوٹل سے نکلیں گے۔ ہم نے چائے منگوا کر پی۔ رات کا کھانا کھایا۔ ان مصروفیات میں رات کے نو بج گئے۔ تب ہم ہوٹل کے کمرے کو بند کر کے نیچے ڈیوڑھی میں آ گئے۔ کاؤنٹر پر صبح والا بوڑھا سنہالی ہی بیٹھا تھا۔ اسے دی چابی تو اس نے رجسٹر کھول کر ہمارے نام دیکھے وہاں ایک بار پھر پوشالی کے دستخط کروائے۔ پوشالی نے الٹ پلٹ دستخط کیے۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوشالی سے کچھ پوچھا۔ پھر بڑی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ پوشالی نے سنہالی میں اسے مختصر جواب دیا اور مجھے ساتھ لے کر ڈیوڑھی سے نیچے اتر آئی۔

سڑک پر رات کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ "کیا پوچھا تھا اس بڈھے نے ؟" میں نے فٹ پاتھ پر آکر پوشالی سے پوچھا۔ جواب دینے سے پہلے اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ میں بھی پیچھے دیکھنے لگا۔

"تم کیوں پیچھے دیکھنے لگے ؟

پوشالی نے دبی زبان میں مجھے سرزنش کی۔ ہمارے پیچھے ایک عورت سر پر پلاسٹک کی بالٹی رکھے چلی آرہی تھی۔ میں نے جلدی سے منہ آگے کر لیا اور پوچھا "کیا بات ہے۔؟"

پوشالی کے چہرے پر اضطراب کے اثرات تھے۔ میں چوکس ہو گیا۔ آگے ہمارے دائیں جانب ایک تنگ گلی آئی۔ پوشالی تیزی سے گلی میں مڑ گئی، میں بھی اس کے ساتھ ہی گلی میں آگیا۔ پوشالی ایک طرف بھاگ پڑی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ آگے جا کر گلی دوسرے بازار میں نکل جاتی تھی۔ یہاں ایک خالی رکشا جا رہا تھا۔ پوشالی نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ وہ تیزی سے رکشے میں گھس گئی اور مجھے بھی اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے رکشا والے سے اسٹیشن چلنے کو کہا۔

میں نے پوشالی سے پوچھا آخر بات کیا؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ اس نے اپنا سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ ہوٹل کے سامنے دوسرے فٹ پاتھ پر کھمبے کے پاس کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔"

مجھے پوشالی سے اسی جواب کی توقع تھی۔ لیکن پوشالی کوئی اناڑی اور سیدھی سادھی عورت نہیں تھی۔ وہ عقاب کی آنکھیں رکھتی تھی، اور اپنے شکار اور دشمن کو دور سے پہچان سکتی تھی۔ میں نے کہا۔

"تو اس میں بھاگنے کی کیا ضرورت تھی پوشالی اس طرح تو اسے اور زیادہ ہم پر شک پڑ گیا ہو گا؟"

پوشالی رکشا ڈرائیور کی وجہ سے مجھ سے انگریزی میں آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔ کہنے لگی

"اگر صرف اتنی بات ہوتی تو میں نہ بھاگتی لیکن معاملہ ایسا تھا کہ ہمیں بھاگ کر اس شخص کی نظروں سے اوجھل ہونا تھا۔ اس ہوٹل والے کے پاس جب میں کاؤنٹر پر رجسٹر میں دستخط کر رہی تھی تو اس نے کہا تھا کہ ایک آدمی نے ہوٹل کے رجسٹر سے ہم دونوں کے نام دیکھ کر اسے کہا تھا کہ ان کی نگرانی کرتا ہے اور ہوٹل والے بوڑھے نے شاید مجھ سے ہمدردی کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی ہے اور اس وقت بھی سامنے والے فٹ پاتھ پر کھڑا ہے۔ میں نے اسی وقت کنکھیوں سے اس شخص کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ہم دونوں کی طرف ہی متوجہ تھا اور جب میں نے فٹ پاتھ پر چلتے وقت پیچھے مڑ کر دیکھا تھا تو وہ تیز تیز قدموں سے ہمارے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اب تم ہی بتاؤ ہمیں وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے تھے ؟"

میں نے رکشے کی عقبی کھڑکی میں سے پیچھے سڑک پر نگاہ ڈالی۔ دو تین کاریں آگے پیچھے چلی آرہی تھیں۔

پوشالی بولی۔" ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی ہمارا تعاقب کر رہا ہو۔ وہ ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی ہے۔ اتنی جلدی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔" میں نے کہا

" ہو سکتا ہے کہ اسے ہم دونوں کی تصویر نہ دکھائی گئی ہو اگر ایسی بات ہوتی تو وہ ہمیں وہیں گرفتار کرنے کی کوشش کرتا۔" پوشالی کہنے لگی۔

" یہ کیسے ممکن ہے کہ سول پولیس نے یہ کیس ملٹری پولیس کے حوالے کیا ہو اور ہماری تصویر اس محکمے کو نہ دی ہو؟"

میں نے ایک بار پھر پیچھے دیکھا اور کہا۔

" یہ یورپ نہیں ہے۔ ان کے وسائل بہرحال محدود ہیں اگر اس نے ہماری تصویر دیکھی ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ہمیں وہاں سے نکلنے دیتا؟ وہ پولیس کی مدد سے وہیں ہمیں ہینڈز اپ کرا دیتا۔ اب یہ بتاؤ کہ ہوٹل کے مالک کو تم نے کیا کہا تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

ہوا کی وجہ سے پوشالی کے بال اس کے چہرے پر پڑ رہے تھے۔ اس نے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

" میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ ہوٹل والے سے یہ سن کر بھی کہ ملٹری انٹیلی جینس ہمارے پیچھے لگی ہے اسے یہ بتاتی کہ ہم ریلوے اسٹیشن جا رہے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم دیوی کے درشن کے لئے رام رتناولی کے مندر جا رہے ہیں۔"

میں بے چین ہو گیا تھا۔ منزل کے قریب آکر ایک بار پھر موت کا گھیرا ہمارے گرد تنگ ہونے لگا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ہم سے جتنے قتل ہوئے تھے ان کے نتیجے میں ہمیں موت کی سزا ملنی ایک قدرتی امر تھا۔ پوشالی نے بھی پیچھے ایک دو بار دیکھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ شخص ہمارا پیچھا نہ کر رہا ہو۔ یہ کوئی گاؤں یا قصبہ نہیں تھا۔ اچھا خاصا شہر تھا اور وہاں ٹیلی فون کی سہولت بھی جگہ جگہ موجود ہو گی۔ انٹیلی جینس کا آدمی کہیں سے بھی پولیس کو فون کر کے اپنی مدد کے لئے کسی کو بلوا سکتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں تھا کہ اس وقت تک خفیہ اور باوردی مسلح پولیس کے سپاہی لاری اڈوں اور ریلوے اسٹیشن کا محاصرہ کر چکے ہوں۔ میں نے پوشالی کو مشورہ دیا کہ ہمیں اس وقت ریلوے اسٹیشن نہیں جانا چاہئے۔

رکشا بارونق سڑک سے نکل کر ایک غیر آباد سی سڑک پر آگیا تھا۔ یہاں سڑک کے بائیں جانب ذرا نیچے اتر کر دو تین گودام بنے ہوئے تھے۔ یہاں اندھیرا تھا۔ پوشالی نے رکشا رکوایا اور اسے پیسے دے کر مجھے کھینچتی ہوئی ان گوداموں کے عقب میں لے گئی۔ وہ گودام کی دیوار میں سے ذرا سا سر باہر نکال کر دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔" کیا تم اس آدمی کو پہچان لو گی؟"

"کیوں نہیں پہچانوں گی؟" پوشالی آہستہ سے بڑبڑائی۔ "مگر وہ مجھے سڑک پر کہیں نظر نہیں آرہا۔ شاید ہم اسے جل دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

میں نے اسے خبردار کیا کہ وہ ایسا کبھی بھول کر بھی ذہن میں نہ لائے۔" میں ان لوگوں کی ذہنیت سے پوری طرح واقف ہوں یہ سانپ کی طرح اپنے شکار کی بو سونگھ لیتے ہیں اور پھر وہ جہاں بھی ہو اس کے پاس جا پہنچتے ہیں۔ اب میری بات دھیان سے سنو۔ ہم اسٹیشن نہیں جائیں گے اگر وہ یہاں بھی ہمارا پیچھا کرتا ہوا نہیں آتا تو تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گا اگر وہ یہاں نہ پہنچا تو ریلوے اسٹیشن پر پولیس کے ساتھ موجود ہو گا۔"

پوشالی نے میری طرف دیکھا اور بولی۔" تو پھر ہم یہاں سے کدھر جائیں گے؟"

میں نے کہا" میں ابھی بتاتا ہوں۔"

میں نے پوشالی کو ساتھ لیا اور کھیتوں میں اتر کر مخالف سمت چلنے لگا۔ کچھ دور جاکر میں سڑک پر آ گیا۔ ایک رکشا چلا آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ دے کر اسے روکا۔ پوشالی کو اس میں اپنے ساتھ بٹھایا اور پوشالی سے انگریزی میں کہا کہ رکشے والے سے کہو کہ جافنا سے آگے کولمبو کی طرف جو پہلا اسٹیشن ہے اس طرف چلے۔ پوشالی نے سنہالی زبان میں رکشے والے کو یہ جملہ کہا تو وہ حیران سا ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔ پوشالی اس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر اس نے جیب سے پچاس روپے نکال کر رکشے والے کو دیئے۔ رکشے والا خوش ہو کر سیدھا ہو گیا۔ اس نے رکشا اسٹارٹ کیا۔ اسے گھمایا اور کھیتوں کے درمیان کچے راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دور جاکر رکشا کھیتوں سے نکل کر ایک اور کچی سڑک پر آگیا جس کی ایک جانب پام کے چھتری دار درختوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ رکشا اسی قسم کے غیر آباد ویران کچے اور نیم پہاڑی راستوں پر رواں دواں رہا۔ پھر کہیں وہ ایک پختہ سڑک پر چڑھا۔ یہاں ریلوے لائن سڑک کے ساتھ جا رہی تھی ایک جگہ سگنل کی سرخ بتی بھی نظر آئی۔ پھر یہ ریلوے لائن ہم سے بچھڑ گئی۔ رکشا ایک خشک نالے کے پل پر سے دوسری طرف مڑ گیا۔ لائن دوسری طرف جا رہی تھی۔ چھ سات میل کے بعد ریلوے لائن ایک بار پھر ہمارے قریب آگئی۔ لائن کو دیکھ کر میری جان میں جان آگئی کہ ہم اپنی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔

اسٹیشن سے کچھ اس طرف ہی پوشالی نے رکشے والے رکوایا اسے سنہالی میں کچھ کہا۔ رکشا والے نے مسکرا کر سلام کیا۔ پوشالی نے جیب سے مزید دس روپے نکال کر اسے دیئے اور رکشا والا دوسری بار سلام کر کے رکشا میں بیٹھا۔ اسے اسٹارٹ کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن ایسا ہی تھا جیسے کہ مضافاتی اسٹیشن ہوا کرتے ہیں۔ مگر یہاں سے دور کسی بہت بڑے کارخانے کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کارخانے کی وجہ سے یہاں اسٹیشن بنایا گیا تھا اور ٹرینیں تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتی تھیں۔ اس اسٹیشن کا نام اوٹ پٹانگ سا تھا جو مجھے آج بھی یاد نہیں آ رہا۔ میں نے

پوشالی کو اسٹیشن سے دور ہی ایک بند کھوکھے کے پاس ٹھہرنے کو کہا اور خود ریلوے اسٹیشن کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ رات کے سوا دس کا وقت ہو رہا تھا۔ جافنا سے گیارہ بجے والی گاڑی کو روانہ ہو کر یہاں سوا گیارہ بجے تک پہنچ جانا تھا اس لئے ٹکٹ والی کھڑکی کھلی تھی۔ میں نے کولمبو تک کے لئے فرسٹ کلاس کے دو ٹکٹ لئے اور ٹرین کی آمد کا وقت پوچھ کر پوشالی کی طرف بڑھا۔ وہ اندھیرے میں بند کھوکھے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔

پوشالی نے پوچھا۔ "پلیٹ فارم پر تمہیں کوئی مشتبہ شخص تو نظر نہیں آیا؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے تو اس وقت تم ہی مشتبہ لگ رہی ہو۔ مائی ڈیئر! ہم ہنگامی حالت میں ہیں۔ کوئی بھی شخص مشتبہ ہو سکتا ہے۔"

پوشالی نے دائیں بائیں نظر ڈالی اور قریب ہی بنے ہوئے ایک چبوترے پر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ پوشالی نے برہمی سے کہا مجھے سگریٹ نہیں سلگانا چاہئے تھا۔ ماچس کی روشنی نے ضرور کسی نہ کسی کو ہماری طرف متوجہ کیا ہو گا۔ پوشالی میں پہلی بار ضرورت سے زیادہ محتاط رویہ اختیار کرتے دیکھ رہا تھا۔ شاید اسکی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک روز پہلے ہی انتہائی گھناؤنی اور ذلت آمیز اذیتیں اٹھائی تھیں۔ اگرچہ اس نے اپنی عزت پر حملہ کرنے والوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں لیکن وہ آخر عورت تھی۔ عورت جون آف آرک ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اپنی عزت کے تحفظ کے لئے خوف زدہ ضرور رہتی ہے۔ میں نے سگریٹ فوراً بجھا دی۔

"تم کہتی ہو تو سگریٹ بجھائے دیتا ہوں ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جافنا انٹیلی جینس والا بہت ہی پیچھے رہ گیا ہے۔"

پورا ایک گھنٹہ ہم نے اس کھوکھے کے پاس نیم اندھیرے میں مچھروں سے جنگ کرتے اور کولمبو تک سفر میں پکڑے جانے کے امکانات پر غور کرتے گزار دیا۔ پھر دور سے ٹرین کی سیٹی سنائی دی۔ ہم دونوں اٹھے اور اسٹیشن کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر پلیٹ فارم پر آ گئے۔ جافنا ایکسپریس چھک چھک کرتی پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی۔ اس میں فرسٹ کلاس کے تین کمپارٹمنٹ تھے۔ یہ بات مجھے ٹکٹ کلرک نے بتائی تھی ہم ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گئے۔ یہ دو سیٹوں والا کمپارٹمنٹ کوپا تھا۔ ٹرین میں ایک راہداری بھی تھی جو فرسٹ کلاس کے ساتھ جڑے ہوئے تینوں ڈبوں کے آگے سے ہو کر گزرتی تھی۔ ہم نے دروازہ بند کر کے کھڑکیوں کے شٹر چڑھا دیئے اور اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ میں نے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ پوشالی نے اپنی طرف والی کھڑکی کا شٹر تھوڑا سا اوپر اٹھا کر باہر دیکھا۔ دوسری طرف پلیٹ فارم نہیں تھا۔ ڈبل لائن تھی اور اسکے آگے کھیتوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کمپارٹمنٹ میں بتی روشن تھی۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ شٹر گرا دے کیونکہ باہر سے ہمیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے شٹر گرا دیا اور بولی۔

"مجھے ابھی تک اینٹی جینس والے کا دھڑکا لگا ہوا ہے تم دیکھ لینا وہ خبیث کہیں نہ کہیں سر ضرور نکالے گا۔ اگر ایسی بات ہو گئی یاد رکھنا ہم اسے زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔ یہ ہماری اور ہمارے مشن کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"

اگرچہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں تھا لیکن ہم دونوں ایک پر کار اور جان پر کھیل جانے والے کمانڈو تھے۔ پوشالی تو مارشل آرٹ کی بھی ماہر تھی۔ اگر خفیہ پولیس والا اکیلا ہوا تو وہ زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ تین منٹ کے بعد ٹرین کولمبو کی طرف روانہ ہو گئی۔ پوشالی لمبی سیٹ پر اطمینان سے لیٹ گئی اور میری طرف گردن پھیر کر بولی۔" تمہارا کیا خیال ہے کہ؟ چانکیہ پلان والا بلیو پرنٹ اگر روسی سفارت خانے کی تجوری میں نہیں تھا تو پھر وہ کہاں چھپایا گیا ہو گا؟" میں نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

" کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلے میں ہمارا ایجنٹ ہی ہمیں گائیڈ کرے گا۔ ویسے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بھارتی انٹیلی جینس کو کس طرح ہمارے مشن کا علم ہو گیا تھا کہ وہ چانکیہ پلان کے بلیو پرنٹ کو وہاں سے نکال کر لے گئے؟

پوشالی نے اپنا سر سیٹ پر لگا دیا اور بولی۔" وہ لوگ احمق نہیں ہیں۔ انکی انٹیلی جینس بھی ان کو ایک ایک پل کی خبر دیتی ہے۔ لیکن ہم اس بلیو پرنٹ کو حاصل کر کے رہیں گے۔ یہ ہمارے وطن عزیز کے کروڑوں لوگوں کی سلامتی کا معاملہ ہے۔"

گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی۔ پوشالی نے میری طرف متوجہ ہو کہا۔

" ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں کہ راستے میں ہمارے ساتھ کیا حادثہ پیش آ جائے؟ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو یاد رکھو کہ ہم کولمبو کے لائٹ ہاؤس والی پناہ گاہ میں چھپ کر ایک دوسرے کا انتظار کریں گے۔"

پوشالی دیوار کی طرف منہ کر کے سو گئی۔ نیند مجھے بھی آ رہی تھی۔ کوئی خبر نہیں تھی کہ آگے کونسا بڑا شہر آئے گا.... ٹرین کو ٹلی منار دائیں جانب چھوڑ کر اس سے کافی فاصلے پر سے آگے گزر جانا تھا۔ ابھی ایک اور رات کا سفر باقی تھا۔ میری بھی آنکھ لگ گئی۔ کافی دیر تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پوشالی اسی طرح دیوار کی طرف منہ کئے سو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر اٹھا دیا۔ ٹھنڈی ہوا کمپارٹمنٹ میں گھس آئی۔ باہر ابھی رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ لیکن مشرق کی جانب دور آسمان کا آخری کنارا نیلا ہونے لگا تھا۔ ہمارے پاس گھڑی بھی نہیں تھی لیکن آسمان کا رنگ بتا رہا تھا کہ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ میں نے ٹوائیلٹ میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ اپنی شکل کو غور سے دیکھا۔ داڑھی بڑھ آنے سے میری شکل پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ سر کے بال بھی بڑے ہو گئے تھے۔ چہرے کا رنگ مزید سانولا ہو گیا تھا۔ یہ بات میرے لئے بہت بہتر تھی۔ ٹوائیلٹ میں تولیہ صابن موجود تھا۔ میں نے اچھی

طرح منہ اور گردن کو صاف کیا۔ بالوں اور داڑھی میں کنگھی پھیری اور اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کھڑکی کا شٹر دوبارہ بند کر دیا تھا۔

کمپارٹمنٹ کی صرف ایک بتی روشن تھی جس کی روشنی بہت مدہم تھی۔ موسم خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا میں اچھی لگی تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر ٹرین کی راہ داری میں آ گیا۔ یہاں ٹرین کا شور زیادہ تھا۔ راہداری خالی تھی۔ دوسرے کمپارٹمنٹوں کے دروازے بند تھے۔ مسافر گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ میں یہ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ کر اپنے ڈبے کے بند دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور سگریٹ سلگالی۔ ٹرین کا شور پچھلے پہر کا نیلا نیلا اندھیرا اور تیز ہوا کے جھونکے۔ سگریٹ میرے ہاتھ میں سلگ رہی تھی کہ مجھے تیسرے کمپارٹمنٹ کی طرف سے ایک آدمی راہداری میں آتا نظر آیا۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ آدمی میرے قریب آ کر رک گیا ہے۔ پھر انگریزی میں آواز آئی۔ "آپ کے پاس لائٹر ہو گا؟" میں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ ایک پکی عمر کا سانولا آدمی تھا۔ جس نے انگریزی۔۔۔ سمر سوٹ پہن رکھا تھا۔ میں حیران ہوا کہ اس وقت اس نے سوٹ کس خوشی میں پہن رکھا ہے ؟ اسکی چھوٹی چھوٹی مونچھیں تھیں اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ میں نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ماچس نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے سگریٹ سلگا کر ماچس میری طرف بڑھائی اور انگریزی میں ہی بولا۔۔

"لگتا ہے اس بار بارشیں دیر سے ہوں گی۔ ورنہ اس علاقے میں آج کل شدید بارشیں شروع ہو چکی ہوتی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ شخص باتیں کرتے ہوئے مجھے خاص انداز میں گھور بھی رہا ہے۔ میں نے جواب میں کہا۔

جی ہاں۔ میں نے بھی یہی سنا ہے۔"

وہ فوراً بولا۔ "کیا آپ بھارت سے آئے ہیں ؟ کیا آپ تامل ہیں ؟"

میں نے مسکرا کہا۔ "جی ہاں۔" اب میں تامل بول رہا تھا۔ "میں تامل ہوں اور مدراس کا رہنے والا ہوں۔ جافنا کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔"

"کیا آپ اکیلے سفر کر رہے ہیں ؟" اس نے پوچھا

میں پوشالی کے بارے میں اسے نہیں بتانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہی کہا کہ میں اکیلا ہی سفر کر رہا ہوں۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر زبردستی مجھ سے مصافحہ کر کیا۔ "میں اکیلا ہوں۔ سخت بور ہو رہا تھا۔ میرا کمپارٹمنٹ ساتھ ہی ہے آئیے تاش سے جی بہلاتے ہیں۔"

میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے تاش کھیلنی نہیں آتی۔"

وہ زور سے ہنسا اور اپنے تھری پیس سمر سوٹ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آپ ضرور حیران

ہوں گے کہ رات کے پچھلے پہر میں نے یہ سوٹ کس لئے پہن رکھا ہے؟ میں تنجور کا رہنے والا ہوں اور ریلوے میں گارڈ ہوا کرتا تھا۔ پچیس برس تک میں نے دن کی ڈیوٹی دی ہے۔ میں صبح صبح وردی پہن کر اسٹیشن پہنچ جاتا تھا۔ اب ریٹائر ہو چکا ہوں۔ مگر صبح صبح آنکھ کھل جاتی ہے۔ وردی تو میرے پاس نہیں رہی لیکن سوٹ پہن کر گھر کے برامدے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ میرے بیٹی وہیں میرے لئے چائے لے آتی ہے۔ ارے ہاں میری بیٹی سنتھا بھی میرے ساتھ ہی سفر کر رہی ہے۔ مگر وہ گملا جنکشن پر میرے ساتھ آن ملے گی۔ ہم سری لنکا کے ٹور پر ہیں۔ میرا نام وندرا کٹی ہے۔ سنتھا پینٹنگ بھی بہت اچھی کر لیتی ہے۔"

یہ شخص بہت باتونی تھا اور میں اس سے زیادہ باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے "ایکسکیوزمی" کہا اور اپنے کمپارٹمنٹ میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ پوشالی جاگ چکی تھی اور سیٹ پر بیٹھی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ میری طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ تم باہر کس سے باتیں کر رہے تھے؟"

میں نے اسے وندراکٹی کے بارے میں بتایا تو اس نے مجھ سے اس کا حلیہ دریافت کیا۔ "حلیہ وہ نہیں ہے۔ لیکن تمہیں محتاط رہنا چاہیئے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ انٹیلی جینس کا آدمی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔"

میں نے پوشالی سے کہا۔ "چونکہ اس بوڑھے مدراسی وندراکٹی کو کہہ چکا ہوں کہ میں اکیلا سفر کر رہا ہوں۔ اس لئے تم اپنے آپ کو یہی ظاہر کرنا کہ تم بھی سیاح ہو اور صرف ٹرین میں میری ساتھی بنی ہو۔"

پوشالی نے سر نیچے کر لیا۔ پھر اپنے بالوں کو پیچھے جھٹک کر کہنے لگی۔ "تمہیں اس سے زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہیئے تھیں۔"

میں سیٹ پر نیم دراز ہو گیا۔ "وہ تو بولے ہی جا رہا تھا۔ میں کیا کرتا۔ خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم ایک دوسرے کو ٹرین کے ساتھی ہی ظاہر کریں گے اور پھر ایک دن ایک رات ہی کا تو سفر ہے۔"

ٹرین ایک اسٹیشن میں داخل ہو کر رک گئی۔ پلیٹ فارم دوسری طرف تھا۔ ٹرین کے رکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد راہداری والے بند دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ پوشالی جلدی سے باتھ روم چلی گئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سفید وردی والے بیرے نے سلام کر کے کہا۔ ناشتہ تیار ہے صاحب۔ میں نے اسے کہا کہ دو آدمیوں کا ناشتا لے آئے۔ پوشالی باتھ روم سے نکلی تو میں نے اسے بتایا کہ یہ ضرور کوئی جنکشن ہے۔ جہاں مسافر ناشتا بھی کرتے ہیں کیونکہ اس ٹرین کے ساتھ کوئی ڈائننگ کار نہیں تھی۔ میں جان بوجھ کر باہر نہیں نکل رہا تھا کہ کہیں اس باتونی مدراسی وندراکٹی سے نہ بھیڑ نہ ہو جائے۔ میں نے اور پوشالی نے کمپارٹمنٹ میں ہی ناشتا کیا۔ بیرے نے بتایا کہ یہ گملا جنکشن

ہے۔ اس اسٹیشن سے مدراسی وندراکنی کی بیٹی سنتھا کو ٹرین میں سوار ہونا تھا۔

ٹرین یہاں بیس منٹ تک رکی رہی۔ یہاں سے چلی تو اس کی رفتار زیادہ تیز ہوگئی شاید اس لئے کہ یہ ڈھلانی علاقہ تھا۔ دن کی روشنی جنگلوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نیلا آسمان شفاف تھا۔ دوپہر کا کھانا ایک اور جنکشن پر دیا گیا۔ ابھی تک وندراکنی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہمارے ڈبے میں بھی نہیں آیا تھا میں اسے تقریباً بھول گیا تھا اور پوشالی کے ساتھ کولمبو پہنچ کر اپنے خفیہ ایجنٹ ٹھکانے پر جانے کی حکمت عملی پر گفتگو کرتا رہا تھا۔

میں یہ چاہتا تھا کہ ہم دونوں کولمبو کے بڑے اسٹیشن پر ایک ساتھ نہ اتریں بلکہ پوشالی ایک اسٹیشن پہلے اتر جائے اور پھر ہم دونوں کولمبو کے لائٹ ہاؤس کے پاس آکر مل جائیں، پوشالی کولمبو کے مضافات سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں بھی اب کافی حد تک ان علاقوں سے شناسا ہو گیا تھا۔ یہ ہم نے پتا کر لیا تھا کہ جافنا ایکسپریس کولمبو رات کے پچھلے پہر کوئی ساڑھے تین بجے کے قریب پہنچے گی۔ ہمارے لئے یہ بڑی مناسب بات تھی کہ ہم پچھلے پہر کے اندھیرے میں کولمبو پہنچیں گے۔ یقینی طور پر جزیرے سے ہمارے فرار کی اطلاع کولمبو میں روسی سفارت خانے اور وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گئی ہوگی اور روس اور بھارتی سفارت خانوں کے کرائے کے جاسوس اور لنکا پولیس کے خفیہ آدمی کولمبو ریلوے اسٹیشن پر ضرور موجود ہوں گے۔ ہم آنے والی نازک اور پرُ خطر صورت حال سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس امر کا ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پوشالی ایک اسٹیشن پہلے ٹرین سے اتر جائے گی جبکہ میں اسی اسٹیشن سے فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں سے اتر کر کسی ڈبے میں گھس جاؤں گا تاکہ کولمبو پہنچنے پر مجھے دوسرے مسافروں کا کیموفلاج مل سکے اور میں مسافروں کے ہجوم کے ساتھ ہی باہر نکل جاؤں۔

شام کے وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوشالی کی طرف اور پوشالی نے میری طرف دیکھا وہ جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا کہ کون ہے؟ دوسری جانب راہداری ٹرین کے شور میں ایک عورت کی نقرئی آواز آئی۔ "پلیز دروازہ کھولیں ڈیڈی نے آپ کے لئے پیڑے بھیجے ہیں۔"

میں نے دروازہ کھولا تو سامنے نیچے تک کھلے ہوئے گریبان والی نیلی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس ایک دبلی پتلی تیکھے نقش والی لڑکی ہاتھ میں چھوٹی سی ٹوکری لئے کھڑی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میرا نام سنتھا ہے۔ ڈیڈی نے آپ سے میرا تعارف کرا دیا ہوگا۔ یہ پیڑے ہم نے گھر میں بنائے ہیں۔ پلیز اسے لے لیجئے"

میں نے ٹوکری اس کے ہاتھ سے لے کر شکریہ ادا کیا اور دروازہ بند کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ کم بخت مدراسی وندراکنی کیا چاہتا ہے؟ میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی تھی۔ پھر باتھ روم کے بند

دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ پوشالی باہر نکل آئی۔ "کون تھا؟"
میں نے اسے ٹوکری دکھاتے ہوئے بتایا کہ کہ مدراسی وندراکٹی نے اپنی بیٹی سنتھا کے ہاتھ یہ گھر کے بنے ہوئے پیڑے بھیجے ہیں۔ پوشالی نے ٹوکری میرے ہاتھ سے لے لی اور دوسری طرف والی کھڑکی کا شیشہ اٹھا کر باہر پھینک دی۔ اور غصے سے بولی۔ "میں اس مدارسی کو بھی اسی طرح کھڑکی سے باہر پھینک دینا چاہتی ہوں۔ یہ کیوں تمہارے پیچھے لگ گیا ہے؟ آخر اس نے اپنی لڑکی کو کیوں یہاں بھیجا؟ میں تمہیں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ یہ انٹیلی جینس کا آدمی ہے۔"
میں نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شک تو مجھے بھی ہے لیکن ہم اسے ابھی اٹھا کر ٹرین سے باہر نہیں پھینک سکتے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں پوشالی۔ شام ہو گئی ہے۔ تھوڑا سفر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں اس سے پیچھا چھڑانا جانتا ہوں۔"
پوشالی کا رویہ حق بجانب تھا۔ اس نے اپنے پیچھے لگے ہوئے انٹیلی جینس کے آدمی کو جاننا میں ہی دیکھ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تک ٹرین کی راہداری میں بھی نہیں نکلی تھی۔ خدا جانے کون سا اسٹیشن تھا کہ بیرا کھانا لے آیا۔ رات ہو چکی تھی ہم نے کھانا کھایا۔ بیرا برتن واپس لے گیا تھا۔ سنتھا اپنے ڈیڈی کی جانب سے کوئی اور سوغات لے کر دوبارہ نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ سی آئی ڈی سے ان دونوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے ہی یہ اس قسم کے لوگ ہیں جو مسافروں میں جلدی گھل مل جاتے ہیں۔ میں نے اپنے اس خیال کا اظہار پوشالی سے نہ کیا۔
کھانا کھانے کے بعد پوشالی سو گئی۔ میں اکیلا سیٹ پر نیم دراز ہو کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ ٹرین رات ساڑھے تین بجے کولمبو پہنچنے والی تھی۔ اگرچہ ابھی بہت وقت پڑا تھا لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اس نکتے پر غور کر رہا تھا کہ آیا پوشالی ایک اسٹیشن پیچھے... اترنے کے بعد لائٹ ہاؤس والے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ جائے گی؟ وہ اکیلی ہو گی۔ کہیں کسی مشکل میں گرفتار تو نہیں ہو جائے گی؟ اگرچہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتی تھی لیکن عورت آخر عورت ہوتی ہے وہ کتنی طاقتور کیوں نہ بن جائے۔ صنفِ نازک ہی رہتی ہے۔
ٹرین کھٹا کھٹ کے شور کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رات کے اندھیرے میں اڑی جا رہی تھی۔ جوں جوں منزل قریب آ رہی تھی مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ میں خطرے کے نشان کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ میں سیٹ پر سے اٹھا۔ آہستہ سے چٹخنی اتار کر دروازہ کھولا۔ باہر راہداری میں آیا۔ دروازے کو پیچھے سے بند کیا اور دائیں بائیں دیکھا۔ راہداری میں دور ایک مدھم سا بلب روشن تھا۔ جس کی روشنی وہاں تک محدود تھی۔ راہداری کی تقریباً کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں بھی ٹرین کا شور قدرے کم تھا۔ وہاں کا شیشہ نیچے کیا اور کہنیاں ٹکا کر باہر دیکھنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے میرے چہرے سے ٹکرائے تو میری رگوں میں ایک تر و تازگی کا احساس دوڑ گیا۔ باہر گھنے ' درخت

شائیں شائیں کرتے پیچھے کو بھاگے جا رہے تھے۔

اچانک مجھے اپنے عقب میں ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی عورت نے ہیلو کہا ہو۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مدراسی وندرا کٹی کی خوبصورت تیسری سنتھا میرے پہلو میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں نے جلدی سے کھڑکی شیشہ چڑھا دیا۔ سنتھا نے انگریزی میں کہا۔" ڈیڈی بہت جلد سو جاتے ہیں۔ ڈبے میں اکیلی میں گھبرا رہی تھی۔ آج موسم ۔۔ لی آلود ہے۔ ہے نا؟

میں " ہاں " کہہ کر اپنے ڈبے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ سنتھا نے میرا بازو پکڑ لیا۔" پلیز! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ کیا تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

سنتھا کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا مجھے اس کی آنکھوں میں پہلی بار خوف و ہراس کی جھلک نظر آئی۔ مجھے اس سے پوچھنا پڑا کہ کیا بات ہے؟ اب وہ تامل زبان میں بولی۔" ڈیڈی دولت کے لالچ میں آ کر میرا بیاہ ایک ادھیڑ عمر سنہالی سیٹھ سے کرنے والے ہیں۔ وہ اسی لئے مجھے کولمبو لے جا رہے ہیں۔ میرا کوئی بھائی بہن نہیں ہے۔ ماں بھی مر چکی ہے۔ میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

میں نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔" تو میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ وہ تمہارا ڈیڈی ہے۔ یہ تمہارا گھریلو معاملہ ہے۔ میں اس میں دخل دینے والا کون ہوتا ہوں؟"

سنتھا نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔۔ کہنے لگی پلیز! مجھے کولمبو اپنے گھر کا پتا دو۔ میں بھاگ کر تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ میں اپنی زندگی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔"

میں نے کہا۔" میں ... تو ایک ٹورسٹ ہوں۔ کولمبو میں میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ جانے مجھے کس ہوٹل میں ٹھہرنا پڑے۔ آئی ایم سوری سنتھا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

سنتھا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔ میں اپنے کمپارٹمنٹ میں داخل ہونے لگا تو اس نے ایک بار پھر میرا بازو تھام لیا اور روتے ہوئے بولی۔" تو پھر میرے ڈیڈی کو سمجھاؤ کہ وہ میری شادی اس بوڑھے سے نہ کرے تم مجھے اچھے نوجوان لگتے ہو۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے اسے نفی میں جواب دیا۔ معذرت طلب کی اور جلدی سے اپنے ڈبے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ پوشالی ابھی تک گہری نیند میں تھی۔ میں نے چٹخنی چڑھا دی اور سوچنے لگا کہ کہیں یہ کوئی چال تو نہیں جس میں ہمیں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ میرا اس طرح سوچنا قدرتی امر تھا۔ صورت حال ہی کچھ ایسی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ سنتھا دوبارہ دروازہ نہ کھٹکھٹا دے۔ ٹرین بھاگی جا رہی تھی۔ میرے کان اس شور میں بھی دروازے پر لگے تھے۔ مگر کسی نے باہر دستک نہ دی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سنتھا کی بلا ٹل گئی تھی۔ اگر یہ لڑکی سچی بھی تھی تو میں اسکی

کیا مدد کر سکتا تھا۔ احمق لڑکی!۔

میں نے سگریٹ سلگائی اور سیٹ پر لیٹ کر ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔ نیند اب بھی کوسوں دور تھی۔ میں سونا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی۔ یہ میرا اندازہ تھا جو میں نے ستاروں کی پوزیشن کو دیکھ کر لگایا تھا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اسکی رفتار کم ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے کھڑکی کے شیشے سے ہتھیلیوں کی آڑ بنا کر جھانکا۔ دور روشنیوں کی ایک قطار پیچھے کو جا رہی تھی۔ کوئی بڑا شہر آ رہا تھا۔ ٹرین تھوڑی دیر بعد ریل کی پٹڑیوں کے جال پر سے دھڑدھڑاتی ہوئی گزرنے لگی۔

پوشالی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کولمبو آگیا؟"

میں نے کہا "ابھی نہیں۔ میرا خیال ہے یہ کوئی بڑا شہر جنکشن ہے۔"

پوشالی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "ٹائم کیا ہو گا؟ کم بخت ہمارے پاس کوئی گھڑی بھی نہیں ہے۔"

میں نے کہا اس جنکشن پر وقت دیکھوں گا۔ چونکہ میں کسی اسٹیشن پر بھی باہر نہیں نکلا تھا اس لئے وقت کا پتا نہ کر سکتا تھا۔ ٹرین ایک روشن پلیٹ فارم میں داخل ہو کر رک گئی۔ یہ پلیٹ فارم ہماری سیٹ والی کھڑکی کی طرف تھا۔ پوشالی کے کہنے پر ہیں نے کھڑکی کے شٹر بھی چڑھا دیئے تھے۔ میں نے کہا۔ "جب تک ہم میں سے کوئی باہر نہیں نکلے گا ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ اس وقت رات کا کیا بجا ہے؟"

پوشالی بولی۔ "کسی چھوٹے اسٹیشن پر ٹائم پوچھ لینا۔ یہ کوئی بڑا اسٹیشن ہے۔ یہاں ہم انٹیلی جینس والوں کی نظروں میں آ جائیں گے۔"

ہم بند ڈبے میں ہی بیٹھے رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سنیتھا اور اس کے ڈیڈی میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ شاید یہ لوگ سو رہے تھے۔ ٹرین اس اسٹیشن پر میرے اندازے کے مطابق کم از کم بیس منٹ تک کھڑی رہی۔ پھر انجن نے وسل دیا۔ گارڈ نے سیٹی بجائی اور ٹرین نے کھسکنا شروع کر دیا۔ اب میں نے پوشالی کو بتا دیا کہ جب میں راہداری میں تھوڑی دیر کے لئے گیا تھا تو سنیتھا کے ساتھ میری کیا باتیں ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں کھولے مجھے تکنے لگی۔ "یہ سب ڈراما ہے۔ ہمیں سب سے پہلے ان لوگوں سے خبردار رہنا ہو گا۔ یقین کرو یہ انٹیلی جینس کے آدمی ہیں۔ ہم کولمبو سے دو اسٹیشن پیچھے اتر جائیں گے۔ اسے میرا تو پتا نہیں چلا۔"

میں نے کہا۔ "کیسے پتا چلتا۔ میں نے اسے ڈبے میں آنے ہی نہیں دیا تھا۔"

سنیتھا اور اس کا مداری ڈیڈی پوشالی کے سر پر سوار ہو گئے تھے۔ وہ اگلے جنکشن پر ہی ٹرین چھوڑنے کو تیار ہو گئی تھی "ہم کولمبو جانے والی دوسری ٹرین پکڑ لیں گے۔" میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔ ہمیں یہ ٹرین جتنی جلدی ممکن ہو سکے چھوڑ دینی چاہیئے۔" میں نے پوشالی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا اصرار بڑھتا ہی چلا گیا۔ مجبوراً مجھے اس کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اگلا اسٹیشن کب آئے گا؟ اور وہ کوئی جنکشن ہو گا

یا نہیں؟ ٹرین چھوٹے اسٹیشن چھوڑے جا رہی تھی۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ٹرین کی رفتار ایک بار پھر دھیمی ہونے لگی۔ پوشالی نے شیشہ اتار کر باہر دیکھا۔ پھر پلٹ کر بولی۔"یہ بھی کوئی بڑا اسٹیشن ہے کارخانوں کی روشنیاں نظر آ رہی ہیں۔ ہم اسی جگہ اتریں گے۔"

میں نے دبی زبان میں کہا کہ دوسری ٹرین یہاں سے نہ جانے کب چلے؟ اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں کل رات اسی ٹرین کو پکڑنا پڑے۔ ہم سارا دن کہاں گزاریں گے؟ پوشالی اپنی ضد پر اڑی رہی۔ کہنے لگی۔"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم اترنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم ٹرین کے رکنے سے پہلے ہی ڈبے سے نکل کر راہداری کے دروازے پر چلے جائیں گے۔"

ٹرین پلیٹ فارم پر ابھی رکی ہی تھی کہ پوشالی نے دروازہ کھولا اور ہم تیزی سے پلیٹ فارم پر اترے اور پیچھے کی طرف چلنے لگے۔ میں نے کنکھیوں سے دیکھا۔ یہ کوئی زیادہ بڑا اسٹیشن نہیں تھا۔ صرف دو اسٹال تھے جو بند تھے۔ چند ایک مسافر ٹرین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم تیز تیز چلتے ہوئے پلیٹ فارم کے پچھلے حصے میں اس جگہ آ گئے جہاں سے پلیٹ فارم ڈھلان کی شکل میں نیچے چلا جاتا تھا۔ یہاں کچھ اندھیرا تھا۔ ہم دیوار کے پاس جا کر ایک خالی بینچ پر بیٹھ گئے۔ ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی اور اس کا آخری ڈبہ ہم سے کافی دور تھا جس کے پیچھے سرخ بتی جل رہی تھی۔

جو تھوڑے سے مسافر تھے وہ ٹرین میں سوار ہو گئے تھے۔ پلیٹ فارم ویران ویران سا لگ رہا تھا۔ کوئی اسٹال بھی کھلا ہوا نہیں تھا۔ صرف ایک ریڑھی والا ایک طرف کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گارڈ نے سیٹی دے کر لالٹین ہلائی۔ انجن نے وسل دیا اور ٹرین آہستہ آہستہ آگے کو رینگنے لگی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا اور پوشالی سے کہا۔"سنیتھا اور اس کے ڈیڈی سے تو ہم نے نجات حاصل کر لی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اب یہاں سارا دن کہاں گزاریں گے؟

پوشالی نے کہا۔"صبح ہو لینے دو۔ سوچ لیں گے لیکن ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا بھی بہت ضروری تھا۔"

ابھی صبح ہونے میں شاید تین ساڑھے تین گھنٹے باقی تھے۔ اس پلیٹ فارم پر زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہیں تھا کیونکہ ٹرین کے چلے جانے کے بعد پلیٹ فارم پر مزید ویران ہو گیا تھا۔ اس کے گیٹ کے اوپر والی بتی بجھا دی گئی تھی۔ اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر پولیس کی کوئی پارٹی رات کے گشت پر ہو تو ہم سے پوچھ گچھ نہ شروع کر دے۔ میں نے اس ضمن میں پوشالی سے مشورہ کیا کہ تو وہ کہنے لگی۔"یہاں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹورسٹ ہیں۔ کولمبو جا رہے تھے کہ ٹرین چھوٹ گئی اور ہم رہ گئے۔"

رات گزرتی چلی جا رہی تھی۔ پہلے تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ ریلوے اسٹیشن سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں لیکن پوشالی کی دلیل میں کافی جان تھی۔ اتنی رات گئے کسی دوسری جگہ ہم پر شک کیا جا سکتا تھا۔ ہم سنسان پلیٹ فارم کے کونے والے بینچ پر اندھیرے میں بیٹھے آہستہ آہستہ باتیں کرتے

رہے اور رات ڈھلتی چلی جا رہی تھی۔ خدا خدا کر کے رات کی تاریکی تمام ہوئی اور مشرق سے صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ ہم نے دیکھا کہ اسٹیشن سے دور، ایک دو منزلہ مکانوں کے جھرمٹ اندھیرے میں سے ابھر رہے تھے۔ یہی اس شہر کی آبادی تھی۔ باہر کھیت تھے جن میں کہیں کہیں تاڑ اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔ ایک طرف مندر کا کلس درختوں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ایک جگہ سنہالی کسان کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔

میں نے پوشالی سے کہا۔ "تم یہاں بیٹھو میں کہیں سے چائے کا انتظام کرتا ہوں۔"

میں بینچ پر سے اٹھ کر پلیٹ فارم پر اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ یہاں دو ہی اسٹال تھے جو ابھی تک بند تھے۔ گیٹ پر ریلوے کا کوئی چیکر موجود نہیں تھا۔ میں گیٹ سے گزر کر باہر نکل آیا۔ ایک طرف نیم کا بہت بڑا درخت کھڑا تھا اس درخت کے نیچے ایک جھونپڑی نما کھوکھا بنا ہوا تھا جہاں ایک سنہالی بھٹی میں آگ جلا رہا تھا۔ دوسرا کوئی آدمی وہاں نہیں تھا۔ میں نے اس سنہالی کے پاس جا کر تامل میں کہا۔ "کیا چائے مل جائے گی؟" لنکا میں سنہالی کے ساتھ ساتھ تامل زبان بھی عام بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس چائے والے کی عمر پچاس سے اوپر ہوگی۔ چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ دھوتی کے اوپر پتلے جسم پر سوائے ایک پھٹی ہوئی بنیان کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے میری طرف ایک نظر دیکھا اور تامل ہی میں بولا۔ "بیٹھو ابھی بن جاتی ہے چائے۔"

"کیا کھانے کو کچھ مل جائے گا؟" میں نے باہر رکھے ہوئے بینچ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

دکاندار نے فوراً کوئی جواب نہ دیا۔ ذرا سی خاموشی کے بعد بولا۔ "میرے پاس کل کے بچے ہوئے کچھ کیلے ہیں۔ ڈبل روٹی ابھی کچھ دیر میں آئے گی شہر سے۔"

میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ دکاندار نے آگ جلالی تھی۔ اس پر پانی کی کیتلی رکھتے ہوئے بولا۔ "تم اس قصبے کے نہیں لگتے۔ کہاں سے آئے ہو؟"

میں نے وہی بات دہرادی جو سوچ رکھی تھی۔

"میں اور میری پتنی ٹورسٹ ہیں۔ جافنا گئے تھے۔ پرانے مندر دیکھنے۔ واپس کولمبو جا رہے تھے کہ گاڑی نکل گئی۔ میری پتنی پلیٹ فارم پر ہی بیٹھی ہے۔"

دکاندار نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔ "کیا تم مدراس کے ہو؟

میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مسکرایا۔ "میں بھی کبھی مدراس ہی سے یہاں مزدوری کرنے آیا کرتا تھا۔ بس پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔"

پھر اس نے کھوکھے میں رکھے ہوئے ایک ٹوکرے سے زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے کیلے نکال کر میرے سامنے بھٹی کے پاس رکھے اور بولا۔

"یہاں سے صرف ایک گاڑی سیدھی کولمبو جاتی ہے اور وہی گاڑی ہے جو رات کو یہاں پہنچتی

ہے۔ شاید تم اسی گاڑی میں آئے تھے؟"

میں نے کہا" ہاں ہاں۔ ہم اسی گاڑی میں آئے تھے۔ بدقسمتی سے ہم چائے پینے کے لئے پلیٹ فارم اتر آئے اور گاڑی چلی تو اس میں سوار نہ ہو سکے۔ گاڑی بڑی جلدی تیز ہو گئی تھی۔"۔

سنہالی بولا۔" ایک گاڑی تو ابھی تھوڑی دیر میں آئے گی مگر وہ کولمبو نہیں جائے گی۔ تمہیں آگے دو جگہ سے بدلنی پڑے گی۔ باقی گاڑیاں بھی تمہیں دو دو جگہ سے بدلنی پڑیں گی۔"

اس نے شیشے کے دو گلاس دھو کر کیلوں کے پاس رکھ دیئے اور بولا۔

"کیا تم رات والی گاڑی ہی پکڑنا چاہتے ہو؟"

میں نے جواب میں کہا۔" ہو سکتا ہے کوئی دوسری پکڑ لیں۔ آگے جا کر گاڑی تبدیل کر لیں گے۔

وہ انگیٹھی میں زور زور سے ناریل کے پنکھے سے ہوا دے رہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے سوچنے لگا کہ کیا ہمارے لئے جگہ جگہ گاڑی بدلنا ٹھیک رہے گا۔ اس کم بخت مدراسی وندرا کئی نے ہمیں عجیب مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ سنہالی دکاندار نے چائے گلاسوں میں ڈال دی تھی۔ میں نے اس کے پاس دس روپے رکھوائے اور چائے اور کیلے لے کر پلیٹ فارم پر پوشالی کے پاس آ گیا۔ اسے وہ ساری باتیں بتائیں جو سنہالی دکاندار نے ٹرینوں کے بارے میں کہی تھیں۔ پوشالی چائے کا گلاس ہونٹوں کے پاس لے جا کر بولی۔" ہم دن میں کوئی بھی گاڑی پکڑتے ہیں تو قدرتی بات ہے کہ دن کی روشنی میں ہی کولمبو پہنچیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی۔ ہمیں رات کے وقت کولمبو پہنچنا چاہیئے۔

میں نے کیلا چھیلتے ہوئے کہا۔" جب تو رات والی گاڑی ہی ہمارے لئے مناسب رہے گی۔ وہی جس میں ہم سفر کر رہے تھے۔ اس کے ٹکٹ بھی ہمارے پاس ہیں۔"

پوشالی نے اچانک میری طرف دیکھ کر پوچھا۔" اس دکاندار نے اور کوئی بات تو نہیں پوچھی تھی؟"

میں نے ذرا سا ہنس کر کہا۔" پوشالی تم بہت زیادہ حساس ہو رہی ہو۔ اسے کیا ضرورت تھی مجھ سے کچھ اور پوچھنے کی۔ جب میں نے اسے کہا کہ میں تامل ہوں اور بیوی کے ساتھ سیر و سیاحت کو یہاں آیا ہوں اور گاڑی چھوٹ گئی تو وہ مطمئن ہو گیا۔"

ہم نے سارے کیلے کھا لئے۔ چھوٹے چھوٹے سات آٹھ کیلے تھے۔ خوشبو تو ان میں اتنی نہیں تھی مگر جیسا کہ جنوب مشرقی ایشیا کے کیلے ہوتے ہیں۔ یہ بھی بڑے میٹھے۔۔۔ تھے۔ چائے نے بھی اس وقت بڑا مزا دیا۔ میں سگریٹ پینے لگا۔ پلیٹ فارم پر کچھ مسافر نظر آنے لگے تھے۔ شاید گاڑی آنے والی تھی۔ پوشالی نے مسافروں کو ایک نظر دیکھا اور بولی۔" گاڑی آنے والی ہے۔ ہمیں کسی دوسری جگہ چلے جانے چاہیئے۔"

میں اسکے خیال سے متفق تھا۔ میں نے کہا۔" میں یہ گلاس واپس کر آؤں۔ واپس آ کر یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے۔"

سنہالی دکاندار کو خالی گلاس دیئے اور چائے اور کیلوں کی قیمت ادا کر کے باقی پیسے واپس لئے او
میں نے اسے کہا۔ "یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں اور میری بیوی کچھ وقت گزار سکیں۔
کیونکہ ہم رات کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔ اب مجھے خیال آیا کہ ہمارے پاس رات والی گاڑی
کے ٹکٹ ہیں۔ یہ فرسٹ کلاس کے ٹکٹ ہیں اور باقی ٹرینوں میں شاید فرسٹ کلاس نہیں ہوتی۔"

سنہالی دکاندار سر کھجاتے ہوئے بولا۔" اس شہر میں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی۔ کوئی ہوٹل بھی نہیں ہے۔ لوگ تو یہیں اسٹیشن پر ہی رات گزار لیتے ہیں مگر تمہارے ساتھ تو تمہاری پتنی ہے۔ ایک ہی جگہ تمہارے لائق ہے۔ یہاں سے بائیں جانب ایک تالاب ہے۔ اس کے کنارے شونا تھن جی کا مندر ہے۔ اس مندر میں پرانی سرائے بھی ہے جہاں باہر سے آئے ہوئے یاتری آکر ٹھہرتے ہیں۔ وہاں کا پجاری بڑا اچھا آدمی ہے۔ وہ بھی تامل ہے۔ تم لوگ وہاں بڑے آرام سے دن گزار سکو گے۔

واپس آکر میں نے یہ تجویز پوشالی کے سامنے رکھی تو وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بولی "ٹھیک ہے ہم اس مندر میں چلتے ہیں۔"

پلیٹ فارم سے نکل کر ہم مندر کی طرف چل پڑے۔ یہ مندر کھیتوں سے دور ایک سنگلاخ میدان میں پرانی سیڑھیوں والے تالاب کے کنارے واقع تھا۔ مندر چھوٹا سا تھا۔ ایک چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ سامنے کافی وسیع صحن تھا۔ صحن میں ایک طرف گائے بندھی تھی چبوترے پر ایک سیاہ فام پجاری صرف دھوتی باندھے ناریل کی صف پر بیٹھا تھا۔ میں نے جاتے ہی اسے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور جیب سے دس دس روپے کے تین نوٹ نکال کر اسے پیش کئے اور تامل زبان میں کہا۔" یہ ہماری طرف سے شری ناتھن سوامی کی دکھشنا سویکار کریں۔ پجاری جی۔ ہم مدراس سے لنکا کے مندروں کی یاترا کو نکلے ہیں۔ آج آپ کے مندر کی یاترا کرنے آئے ہیں۔"

تیس روپے اس زمانے میں اچھی خاصی رقم ہوتی تھی۔ پجاری بہت خوش ہوا۔ نوٹ اس نے اپنی دھوتی میں اڑس لئے اور بولا۔" مہاراج! ہمارے دھن بھاگ کہ آپ یہاں آئے... شری ناتھن سوامی آپ کے آنے پر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ پدھاریئے۔ پدھاریئے۔"

میں نے فوراً حرف مطلب زبان پر لاتے ہوئے کہا۔" مہاراج میں اور میری پتنی بہت تھک گئے ہیں۔ میری پتنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں کوئی جگہ بتایئے جہاں میری پتنی تھوڑی دیر آرام کر سکے۔"

پجاری جھک کر بولا، کیوں نہیں کیوں نہیں مہاراج! میرے ساتھ آئیں۔ یہ جگہ آپ کے لائق تو نہیں ہے پر اس سے اچھی جگہ آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔"

پجاری نے آواز دے کر ایک لڑکی کو بلایا۔ سامنے والی کوٹھری سے ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی نمودار ہوئی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا لہنگا پہن رکھا تھا۔ اوپر نیم آستین کی کرتی تھی جو صرف اس کی

کمر تک ہی آتی تھی ۔ سری لنکا کے شمال میں عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں ۔ پجاری نے اسے سنہالی میں کچھ کہا ۔ وہ برآمدے والی کوٹھڑیوں کی طرف بھاگ گئی ۔ پجاری بولا ۔ " مہاراج یہ میری پتری رامی ہے ۔ میں نے اس کا نام تامل ہی رکھا ہوا ہے ۔ اس کی ماں تو سورگباش ہو گئی ہے ۔ میرے ساتھ پدھاریئے ۔ "

رامی نے برآمدے میں جو خستہ حال چار چھ کوٹھڑیاں بنی تھیں ان میں سے ایک کوٹھری کھول دی تھی ۔ اور اب اندر پڑی کھاٹ کو جھاڑ کر آئی تھی ۔ کوٹھری میں ایک اور کھاٹ ڈال دی گئی ۔ اوپر ناریل کی صفیں بچھا دی گئیں ۔ میں نے اور پوشالی نے ہاتھ جوڑ کر پجاری کا شکریہ ادا کیا اور کوٹھری میں آ کر چارپائیوں پر بیٹھ گئے ۔ پجاری یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ ہمارے لئے چائے بنوا کر بھیجتا ہے ۔ کوٹھری بے حد خستہ اور بوسیدہ تھی ۔ مگر اس سے اچھا گوشہ عافیت ہمیں وہاں اور کہیں نہیں مل سکتا تھا ۔ رامی ہمارے لئے چائے کے گلاس لے آئی ۔ وہ مسکرا رہی تھی ۔ بڑی شرمیلی اور بھولی بھالی سی لڑکی تھی ۔ تامل بھی روانی سے بول لیتی تھی ۔ پوشالی نے اسے پاس بٹھا کر پیار کیا ۔ اور رامی پوشالی کی طرف دیکھ کر شرماتے ہوئے بولی ۔ " آپا تمہارے رنگ اتنا گورا کیسے ہے ؟

تامل عورتوں کے رنگ گورے نہیں ہوتے ۔ رامی نے ٹھیک پوچھا تھا ۔ میں نے فوراً جواب دیا ۔ میری پتنی اتر پردیش کی رہنے والی ہے ۔ میں اسے اتر پردیش سے بیاہ کر لایا ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ابھی تامل پوری نہیں آتی ۔ "

رامی بڑی خوش ہوئی ۔ جلدی سے اٹھ کر بولی ۔ " میں تمہارے لئے تکیہ لاتی ہوں ۔ "

دوپہر کا کھانا بھی ہم نے وہیں کھایا ۔ قریب ہی مندر کے احاطے میں ایک چھوٹا سا غسل خانہ تھا ۔ جہاں ہم نہا دھو کر تازہ دم بھی ہو لئے ۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم سو گئے تیسرے پہر آنکھ کھلی ۔ میں کوٹھری سے نکل کر باہر نکل آیا تو سورج مغرب میں ناریل کے درختوں کے پیچھے جھکتا چلا جا رہا تھا ۔ مجھے دیکھ کر پجاری جلدی سے میرے پاس آ گیا ۔ میں نے جیب سے دس روپے کے مزید دو نوٹ نکال کر اسے دیئے اور کہا ۔ " شام کو ہمارے لئے کچھ ترکاری پکا لینا ۔ "

وہ روپے نہیں لے رہا تھا ۔ لیکن میرا مقصد ہی اسے روپے دینا تھا ۔ ترکاری سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ۔ میں نے تھوڑا سا اصرار کیا تو اس نے روپے رکھ لئے اور بولا ۔ " میں رامی کو ابھی بازار بھیجتا ہوں ترکاری لانے ۔ رامی بینگن کا بھرتہ بڑا اچھا بناتی ہے ۔ آپ کو پسند ہے نا ؟

" کیوں نہیں کیوں نہیں ۔ " میں نے خوش ہو کر کہا ۔

پجاری رامی کو آواز دیتا کوٹھری کی طرف چلا گیا ۔ تھوڑی دیر میں رامی ہمارے لئے گلاسوں میں چائے لے کر آئی ۔ شرماتے ہوئے بولی ۔ " میں نے یہ چائے خود بنائی ہے آپا ۔ "

چائے مزے دار تھی ۔ سیلون کی چائے ویسے ہی بڑی اچھی ہوتی ہے ۔ اس وقت ہمیں چائے

کی ضرورت بھی بہت تھی ۔ ابھی تک ہم دونوں بہت مطمئن تھے ۔ دن گزارنے کے لئے ہمیں ایسی ہی کسی محفوظ اور گمنام جگہ ضرورت تھی ۔ پورا دن بغیر کسی حادثے کے گزر گیا تھا۔ لیکن ابھی ہمیں تقریباً آدھی سے زیادہ رات گزارنی تھی ۔ ہمیں وہی گاڑی پکڑنی تھی جو رات کے ایک بجے کے قریب اسٹیشن پر پہنچتی تھی ۔ پجاری نے ہماری کوٹھری میں لالٹین جلا کر رکھ دی تھی ۔ رات کے وقت جب وہ کھانا لے کر ہمارے پاس آیا تو میں نے احتیاطاً اسے یہ نہیں بتایا کہ ہم رات کے ایک بجے والی گاڑی پکڑیں گے ۔ ہم خاموشی سے اسے بتائے بغیر آدھی رات کے وقت وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے ۔ پجاری سے یہی کہا کہ چونکہ میری پتنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے ہم رات مندر میں ہی گزاریں گے اور دوسرے دن دوپہر والی گاڑی پکڑیں گے ۔ کھانا کھانے کے بعد ہم بیٹھ کر باتیں کرتے رہے ۔ ہم نے لالٹین بجھادی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھ کر دروازہ ذرا سا کھول کر باہر دیکھ لیتے تھے ۔ گھڑی وہاں پجاری کے ہاں بھی نہیں تھی ۔ ورنہ ہم اس سے گھڑی لے کر اپنے پاس رکھ لیتے ۔ بس اندازے سے وقت کا حساب رکھ رہے تھے ۔ ایک بار میں نے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا ۔ سات ستاروں کا جھرمٹ آسمان کے وسط میں آگیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ رات آدھی ہونے والی ہے ۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ اب ہمیں نکل جانا چاہئے ۔ وہ پہلے ہی تیار تھی ۔ ہم کوٹھری سے نکل کر اس کے عقب میں آ گئے ۔ صرف مندر کی ڈیوڑھی میں ایک کمزور سا بلب جل رہا تھا ۔ ہر طرف خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا ۔ اسٹیشن کو جانے والا راستہ ہمیں معلوم تھا ۔ ہم سنگلاخ میدان کو عبور کر کے ترکاریوں کے کھیت میں آ گئے ۔ یہاں سبز کھیتوں کی وجہ سے اندھیرا بہت گہرا تھا ۔ لیکن سامنے کچھ فاصلے پر ریلوے اسٹیشن کے سگنل کی بتی ہمیں صاف دکھائی دے رہی تھی ۔ یہی ہماری منزل تھی ۔

ریلوے اسٹیشن پر جا کر ہمیں علم ہوا ۔ اس وقت رات کے سوا بارہ بج رہے تھے اور ٹرین کے آنے میں پندرہ بیس منٹ ہی باقی تھے ۔ ٹکٹ ہمارے پاس ہی موجود تھے ۔ ہم اسی کونے والے بینچ پر جا کر بیٹھ گئے ۔ ہماری نظریں اندھیرے میں گم ہوتی ریلوے لائن پر لگی تھیں ۔ آخر دور سے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی ۔ اور ہماری جان میں جان آئی ۔ پھر انجن کی جھلملاتی روشنی بھی نظر آنے لگی ۔ ہم بینچ سے اٹھے اور پلیٹ فارم کے جنگلے کے ساتھ اُگے ہوئے املی کے درختوں کی اوٹ میں ہو گئے تاکہ انجن کی روشنی ہم پر نہ پڑے ۔ ٹرین شور مچاتی پلیٹ فارم میں داخل ہوئی تو زمین ہلنے لگی ۔ انجن کے گزرتے ہی ہم درختوں کی اوٹ سے نکل کر آگے چلنے لگے ۔

پلیٹ فارم پر مسافر نہ ہونے کے برابر تھے ۔ دو تین مسافر اترے اور دو ایک سوار ہو گئے ۔ یہاں ٹرین ڈیڑھ دو منٹ ہی رکتی تھی ۔ مصیبت یہ ہوئی کہ جاننا ایکسپریس کے فرسٹ کلاس کے تینوں ڈبوں کے دروازے بند تھے ۔ پوشالی نے میرا بازو کھینچتے ہوئے کہا ۔" سامنے جو ڈبہ آئے اس میں بیٹھ جاتے ہیں ۔"

اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں گھس گئے۔ اکثر مسافر سو رہے تھے۔ ڈبے کے صرف ایک مدھم سی بتی جل رہی تھی۔ کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ ہم دوسری طرف جانے والے بند دروازے کے قریب سامان کے درمیان بیٹھ گئے۔ گارڈ کی سیٹی کی آواز آئی اور ٹرین کھسکنے لگی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ یہ مرحلہ بخیرو خوبی طے ہو گیا تھا۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے اسٹیشن ہی آئے۔ کوئی اتنا بڑا جنکشن نہ آیا کہ ٹرین وہاں دیر تک رکتی اور ہم تھرڈ کلاس کے ڈبے سے اتر کر فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں چلے جاتے ایک مسافر سے ہم نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ٹرین تھوڑی لیٹ ہے اور کولمبو چار بجے پہنچے گی۔ ہم تھرڈ کلاس کے ڈبے میں ہی بیٹھے رہے۔

کسی نہ کسی طرح وقت گزر گیا۔ آسمان پر صبح کاذب کی نیلی روشنی پھوٹنے لگیں اور کولمبو شہر کے مضافات شروع ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری بے چینی میں اضافہ ہو گیا کیونکہ ٹرین ہر چھوٹے لوکل اسٹیشن کو چھوڑتی جا رہی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں کولمبو کے فورٹ یا مراوانہ اسٹیشن پر ہی اترنا پڑے گا۔ یہ بات ہمارے لئے تشویش ناک تھی کیونکہ بڑے اسٹیشن پر سول اور ملٹری انٹیلی جینس کے آدمیوں کی موجودگی یقینی تھی اور انکی عقابی نظروں سے بچنا مشکل تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ وہ ہماری شکلوں سے واقف تھے۔ ہم دروازے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ اسٹیشن کی روشنیاں تیزی سے پیچھے گزریں تو پوشالی نے گھبرا کر کہا۔ "یہ آخری لوکل اسٹیشن تھا۔ آگے کولمبو کا مراوانہ اسٹیشن ہے۔"

اور تھوڑی ہی دیر بعد ٹرین جھنجھناتی دھڑدھڑاتی کولمبو کے دوسرے عظیم الشان اسٹیشن مراوانہ کے اونچی چھت والے روشنیوں کے شہر میں جگمگاتے پلیٹ فارم میں داخل ہو گئی۔ ہم بند دروازے کے بالکل ساتھ لگے اپنے چہرے بازوؤں میں چھپائے یوں بیٹھے تھے جیسے سو رہے ہوں۔ ٹرین کے رکتے ہی ہمارے ڈبے میں بھی مسافروں میں شور سا مچ گیا۔ قلی اندر گھس آئے۔ سامان اٹھایا جانے لگا۔ لوگ ایک دوسرے سے دھکم پیل کرتے باہر نکلنے لگے۔ ہم بھی ان میں شامل ہو گئے۔ یہ بڑا کشادہ پلیٹ فارم تھا۔ مسافر تھرڈ کلاس کے گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ہم بھی تھرڈ کلاس کے گیٹ پر سے نکلنا چاہتے تھے۔ وہاں خطرہ زیادہ نہیں تھا۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ گیٹ پر سوائے ٹکٹ چیکر کے کوئی سپاہی وغیرہ نہیں تھا۔ مشکل یہ آن پڑی تھی کہ کولمبو کے فورٹ اسٹیشن سے لائٹ ہاؤس والی خفیہ پناہ گاہ زیادہ قریب تھی جبکہ مراوانہ اسٹیشن سے اس کا فاصلہ زیادہ تھا۔ یہاں سے ہمیں ٹیکسی وغیرہ لے کر ہی جانا پڑتا۔ اس حقیقت کا ہم دونوں کو احساس تھا۔ گیٹ قریب آ رہا تھا۔ ہم نے اپنے آپ کو دوسرے مسافروں میں چھپا رکھا تھا۔ ہمارے پاس فرسٹ کلاس کے ٹکٹ تھے۔ جب ہم نے ٹکٹ چیکر کو ٹکٹ دیئے تو اس نے ایک نظر اٹھا کر ہمیں دیکھا۔ میں نے مسکرا کر دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "ہم ٹورسٹ ہیں۔"

اور ہم دوسرے مسافروں کے ساتھ تیزی سے باہر نکلے اور سڑک کے کنارے کنارے فٹ پاتھ پر ایک چوک کی طرف چلنے لگے۔ یہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ پوشالی نے کہا۔" ٹیکسی مل جانی چاہیئے یہاں سے۔" ہم سڑک پر دائیں ... بائیں دیکھتے بھی جا رہے تھے۔ ایک بس سڑک پر سے گزر گئی۔ اتفاق سے سامنے سے ایک خالی ٹیکسی آتی دکھائی دی میں نے اسے ہاتھ دیا۔ ٹیکسی رک گئی۔ ہم جلدی سے اس میں بیٹھ گئے۔ میں نے ڈرائیور کو لائٹ ہاؤس چلنے کو کہا۔ ٹیکسی کولمبو کی خوبصورت کشادہ سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ اونچے اونچے فلیٹوں میں روشنیاں ابھی تک جل رہی تھیں۔ ٹیکسی کئی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی آخر اس بڑی سڑک پر آگئی جو لائٹ ہاؤس جاتی تھی۔ میں اور پوشالی پچھلی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم پیچھے سڑک پر دیکھ لیتے کہ کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں تو نہیں آرہی۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

دور سے لائٹ ہاؤس کی روشنی نظر آنے لگی۔ یہ گول روشنی گھوم کر ہمارے اوپر سے گزر جاتی تھی۔ لائٹ ہاؤس کی روشنی دائرے کی شکل میں گھوما کرتی ہے۔ لائٹ ہاؤس کچھ بلاک دور رہ گیا تھا۔ ٹیکسی سڑک کا موڑ کاٹ کر چوراہے پر آئی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پوشالی نے بے اختیار میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ چوک میں رکاوٹ کھڑی کی ہوئی تھی۔ اور پولیس کے تین چار سپاہی ایک گاڑی کی چیکنگ کر رہے تھے۔ ہماری ٹیکسی کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں۔ اس روشنی میں دو سپاہیوں نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دونوں سپاہیوں نے کندھوں سے سٹین گنیں لٹکا رکھی تھیں۔ ہم اچانک موت کے منہ میں پہنچ گئے تھے۔ پوشالی نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بریک لگا دیئے۔ میں نے اسے تامل میں کہا۔" گاڑی پیچھے موڑ دو۔" مگر اتنی دیر میں دونوں سپاہی ہم تک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے جھک کر دیکھا اور ڈرائیور سے سنہالی میں کچھ کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی نیچے اتار لی۔ میری نظریں سپاہیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اتنی دیر میں اندازہ لگا لیا تھا سپاہیوں نے ہمیں پہچانا نہیں اور معمول کے مطابق چیکنگ کر رہے ہیں۔ مگر وہ ہمارے سر پر کھڑے تھے۔ آگے والی گاڑی کی چیکنگ ہو چکی تھی۔ وہ گاڑی آگے چل دی تو انہوں نے ہماری ٹیکسی کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔

اب سوچنے اور کوئی منصوبہ بنانے کا وقت نہیں تھا۔ یہ فوری ایکشن کا وقت تھا نہیں تو موت ہمیں گلے لگانے کے صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے انجن بند نہیں کیا تھا۔ اس نے گاڑی کو پہلے گیئر میں ڈالا ہی تھا کہ میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اچھل کر اگلی سیٹ پر آگیا۔ ڈرائیور کو دھکیل کر دروازے سے باہر پھینکا اور ایکسی لیٹر دے کر ٹیکسی کو دائیں طرف گھمایا۔ پہیوں سے نکلنے والی چیخوں کی آواز کے ساتھ ہی مجھے پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دیں لیکن میں نے رکنے کی بجائے ٹیکسی کو دائیں جانب والی سڑک پر ڈال کر رفتار اور بڑھا دی۔ صبح کے وقت سڑک تقریباً

خالی ہی تھی۔ پوشالی بھی کود کر پسنجر سیٹ پر آ گئی تھی۔ بہت جلد ہمیں تعاقب کرتی گاڑی کی روشنی نظر آ گئی۔ پوشالی نے کہا "پولیس ہمارے پیچھے لگ گئی ہے۔" میری نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں۔ گاڑی ستر میل پر جا رہی تھی اور یوں لڑکھڑا رہی تھی جیسے ابھی اس کا انجر پنجر الگ ہو جائے گا۔ خوش قسمتی سے بائیں جانب ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ سڑک آگے کہاں جاتی ہے؟ پوشالی بھی اس علاقے سے ناواقف تھی۔ لائٹ ہاؤس کی گھومتی ہوئی روشنی پیچھے کہیں رہ گئی تھی۔ دن کا ہلکا ہلکا اجالا اب پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے شیشے میں سے دیکھا۔ ہمارے پیچھے کوئی گاڑی نہیں آ رہی تھی۔ سڑک آگے جا کر دائیں جانب گھوم گئی۔ میں نے گاڑی اس سڑک پر ڈال دی۔ یہاں ایک جانب تاڑ کے درخت اور دوسری جانب رہائشی بنگلے بنے ہوئے تھے۔ سڑک سے سنگ ریزے...... اڑ اڑ کر گولیوں کی طرح گاڑی کے نیچے ٹکرا رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں گاڑی کا انجن پھٹ نہ جائے۔ یہ پرانی گاڑی تھی۔ انجن سے عجیب قسم کی آوازیں آنی شروع ہو گئی تھی۔ میں نے رفتار کم کر دی اور گاڑی بنگلوں کے درمیان والی ایک چھوٹی سڑک پر ڈال دی۔ پوشالی نے چیخ کر کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ آگے سڑک بند ہے۔"

گاڑی بنگلوں کے درمیان والی سڑک پر پچیس تیس میل کی رفتار پر جا رہی تھی۔ اچانک سامنے ایک دیوار آ گئی جس پر جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ میں نے فوراً بریک لگائے۔ گاڑی دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور ایک دھچکے سے رک گئی۔ ہم تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ پیچھے دیکھا تو پولیس کی ایک جیپ ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ ہمیں اور تو کچھ نہ سوجھا سامنے ایک کوٹھی کا گیٹ کھلا تھا۔ ہم اس میں گھس گئے۔ ہمیں پولیس کی جیپ کے ایک دم رکنے اور سپاہیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میرا خیال تھا کہ ہم اس کوٹھی کے عقبی صحن کی دیوار پھاند کر دوسری کوٹھی میں کود جائیں گے اور پھر وہاں سے کسی دوسری سڑک پر نکل جائیں گے۔ مگر بدقسمتی دیکھئے کہ کوٹھی میں جس طرف ہم دوڑے وہاں آگے گیراج آ گیا۔ جس کا دروازہ بند تھا۔ پولیس کی آوازیں ہمارے قریب آ رہی تھیں۔ ہم نے ایک چھوٹا سا عقبی دروازہ دیکھا جو کوٹھی کے اندر جاتا تھا۔ وہ کھلا تھا۔ میں اور پوشالی لپک کر اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ سامنے ایک تنگ راہداری تھی۔ جس کے فرش پر قالین بچھا تھا۔

اس طرف سے کسی مرد کی بھاری بھرکم آواز آئی۔ "کون ہے؟" اس نے اردو میں پوچھا تھا۔ میں نے پوشالی سے سرگوشی میں کہا۔ "اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میرے ساتھ آؤ۔" اور میں اسے لے کر راہداری میں آگے بڑھا۔ سامنے ایک کمرے کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے پردہ ہٹایا۔ سامنے ایک سرخ و سفید رنگت والا پکی عمر کا بھاری بھرکم بزرگ سر پر رومال ڈالے دھوتی اور بنیان میں ملبوس جائے نماز پر قرآن شریف کھولے بیٹھا تھا۔ اس کا رخ پردے کی طرف ہی تھا۔

میں نے جاتے ہی کہا۔" ہم مسلمان ہیں ۔ پولیس ہمارے پیچھے لگی ہے۔ بعد میں ہم سب کچھ بتا دیں گے۔ اس وقت ہمیں بچا لیجئے۔"

یہ کوئی بات نہیں تھی کہ وہ شخص ہم پر اعتبار کر کے ہمیں پناہ دے دیتا۔ مگر جانے اس بزرگ کے دل میں کیا آئی کہ جلدی سے اٹھا ہمیں سامنے والے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود چپل پہن کر جس دروازے سے ہم آئے تھے اس طرف چل دیا۔ ہم کمرے میں گھس گئے یہ چھوٹا سا اسٹور تھا جس کا روشندان اس طرف کھلتا تھا جس طرف سے ہم بھاگ کر یہاں داخل ہوئے تھے۔ باہر پولیس کے سپاہی دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ یہ وہی گیراج کے ساتھ والا دروازہ تھا جس میں داخل ہونے کے بعد میں نے کنڈی لگا دی تھی۔ اب ہمیں پولیس کے کسی سپاہی یا انسپکٹر کی اس بزرگ سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سنہالی میں باتیں کر رہے تھے۔ بعد میں پوشالی نے مجھے بتایا کہ وہ پولیس انسپکٹر تھا اور اس نے مسلمان بزرگ سے پولیس انسپکٹر ہی کہہ کر اپنا تعارف کرایا تھا اور پوچھا تھا کہ ابھی ابھی ایک آدمی اور عورت بھاگ کر آئے ہیں۔ وہ پولیس کو مطلوب ہیں۔ اس کے جواب میں بزرگ نے کہا تھا کہ۔ اندر تو کوئی نہیں آیا لیکن میں نے اوپر سے ایک آدمی عورت کو گیراج کی چھت سے دوسری کوٹھی میں کودتے ضرور دیکھا ہے۔ انہوں نے پتلونیں اور بش شرٹ پہن رکھی تھیں۔ اس پر پولیس انسپکٹر نے اپنے سپاہیوں کو چلا کر کہا تھا کہ " دوسری کوٹھیوں کا محاصرہ کر لو۔ وہ یہاں سے بھاگ کر نہیں جا سکتے۔"

جب ہمیں پولیس کے سپاہیوں کے باہر کی طرف بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی تو کسی قدر اطمینان سا ہو گیا۔ مگر ایک بات یقینی تھی کہ ہمیں محاصرے میں لے لیا گیا تھا۔ ہم اس کوٹھی میں بھی محفوظ نہیں تھے۔ یہاں سے ہم اس بزرگ کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟ اس کی ہمیں کچھ خبر نہیں تھی۔ چند لمحوں میں وہ بزرگ آ گئے۔ انہوں نے اسٹور کر دروازہ کھول کر مجھے اور پوشالی کو گہری نظروں سے دیکھا اور بھاری آواز میں پوچھا۔" تم لوگ کون ہو؟"

سرخ و سپید چہرے والے بزرگ ٹکٹکی باندھے ہمیں تک رہے تھے۔ باہر کولمبو پولیس اردگرد کی ساری کوٹھیوں کو اپنے محاصرے میں لے چکی تھی۔ کوٹھیوں کی لین میں وہ ٹیکسی بھی یقیناً کھڑی ہو گی جس میں فرار ہو کر ہم اس مسلمان بزرگ کی کوٹھی میں گھس آئے تھے اور انہوں نے ہماری خاطر جھوٹ بول کر اسے کوٹھی سے باہر بھیج دیا تھا۔ اب وہ اسٹور کا دروازہ کھولے ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے ایک فرضی کہانی ذہن میں گھڑ لی۔ اپنے مشن میں نہ جانے کتنی بار مجھے اس قسم کی فرضی کہانیاں گھڑنی پڑی تھیں۔

میں نے پوشالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" یہ میری بیوی سلمیٰ ہے۔ میرا نام شمشیر علی ہے اور میں بدراس شہر کا رہنے والا ہوں۔ ہم دونوں وہاں ایک اسلامی درسگاہ میں بچوں کو پڑھاتے

ہیں۔ ہماری شادی کو دو مہینے ہوئے ہیں۔ ہم چھٹی لے کر سیلون کی سیرو سیاحت کرنے یہاں آئے تھے۔ اسٹیشن کے پاس ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آج صبح صبح سمندر میں سورج طلوع ہونے کا منظر دیکھنے ہوٹل سے نکل کر پیدل ہی سڑک پر جا رہے تھے کہ پولیس نے ہمیں یہ کہہ کر پکڑ لیا کہ تم دونوں بدمعاش ہو اور حشیش اسمگل کرتے ہو۔ انہوں نے ہمارے پاسپورٹ بھی چھین لئے اور زبردستی تھانے لے چلے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ اسلامی اسکول میں پڑھانے والے شریف میاں بیوی کے لئے یہ کس قدر بدنامی کی بات ہے۔ ہم نے انہیں بہت کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور سیرو سیاحت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں مگر پولیس نے ہماری ایک نہ سنی۔ بس یہاں چوک میں آکر ہمیں موقع مل گیا ایک ٹیکسی خالی کھڑی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ کر بھاگ نکلے لیکن آگے گلی بند تھی' کیا کرتے؟ آپ کی کوٹھی میں گھس آئے۔ خدا نے ہماری مدد کی اور آپ نے ہمیں پولیس سے بچا لیا پس یہ ہماری درد بھری کہانی ہے"۔

یہ ساری فرضی کہانی میں نے تامل زبان میں بیان کی تھی چونکہ بیچ میں مسلمان بزرگ آہستہ آہستہ سرہلاتے جا رہے تھے اس لئے مجھے ثبوت مل گیا کہ وہ تامل زبان سمجھتے ہیں۔ میری کہانی سُننے کے بعد وہیں ہمیں کوٹھی کے ایک کمرے میں لے آئے جہاں دو پلنگ بچھے تھے۔ ایک صوفہ سیٹ بھی پڑا تھا۔

انہوں نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور باہر نکلتے ہوئے تامل زبان میں کہا۔ "تم لوگ یہاں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

جب وہ بزرگ چلے گئے تو پوشالی مضطرب لہجے میں بولی۔ "کہیں یہ شخص پولیس کو خبر کرنے تو نہیں گیا"۔

میں نے کہا۔ "اگر اسے پولیس ہی کو اطلاع دینی ہوتی تو ہمیں پولیس سے کیوں بچاتا؟ میرا دل کہتا ہے کہ اس نے ہماری فرضی کہانی کو سچ سمجھا ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ہم یہاں سے نکل بھی تو نہیں سکتے۔ باہر چپے چپے پر پولیس ہے۔ پولیس نے اپنی مدد کے لئے تازہ نفری بھی منگوالی ہوگی"۔
پوشالی نے مایوسی سے سرجھکا لیا۔ "تم جانو' مجھے تو لگتا ہے کہ یہ شخص ہمیں پولیس کے حوالے کرنے والا ہے"۔

تھوڑی دیر بعد مسلمان بزرگ واپس آگئے۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی گول ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں ڈبل روٹی کی سلائس اناس کے قتلے اور چائے تھی۔ ٹرے گول تپائی پر رکھتے ہوئے بزرگ نے کہا۔ "میں یہاں اپنے بڑے لڑکے کے پاس رہتا ہوں۔ وہ اپنے بچوں کو لے کر چھٹی پر کینڈی گیا ہوا ہے۔ تم ناشتہ کرو نور ہاں..." اس بزرگ نے پوشالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری بیوی ابھی تک خاموش کیوں ہے؟ اس کا رنگ تامل عورتوں ایسا نہیں ہے"۔

میں نے فوراً کہا۔ "یہ سری نگر کی رہنے والی ہیں۔ صرف کشمیری اور تھوڑی اردو زبان ہی بول سکتی ہیں"۔

پوشالی نے بزرگ کی طرف دیکھ کر خالص مشرقی انداز میں آداب کیا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولی۔ "میں نے تھوڑی اردو سیکھ لی ہے"۔

وہ اب میری طرف متوجہ ہوئے، کہنے لگے۔ "تمہارا بیان سچا ہے یا جھوٹا۔ میں اس میں نہیں پڑنا چاہتا۔ تم مسلمان ہو میں بھی مسلمان ہوں۔ تم نے مجھ سے پناہ مانگی، اس وقت میں اللہ کی کتاب کے سامنے بیٹھا تھا۔ میرا فرض ہے کہ تمہیں پناہ دوں لیکن تم زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکو گے۔ میرا بیٹا ایک ذمے دار سرکاری افسر ہے۔ اس کی یہاں بڑی عزت ہے۔ اگر پولیس کو پتہ چل گیا کہ ہم نے ایک جوڑے کو اپنے ہاں پناہ دی تھی جو ان کی نظر میں مجرم ہے تو میرے بیٹے کی نوکری خطرے میں پڑ جائے گی"۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "ہم بھی آپ کو کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ آپ نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ پولیس کے ہٹتے ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے"۔

بزرگ نے چائے کی پیالی میں چمچہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "پولیس ابھی یہاں سے نہیں ہٹے گی۔ آپ لوگ یہاں نئے نئے آئے ہیں۔ آپ کو خبر نہیں کہ پولیس نے یہاں منشیات کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے۔ جس پر اسے منشیات کی اسمگلنگ کا ذرا سا بھی شک ہو جاتا ہے، پولیس اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی"۔

میں نے چائے کا کڑوا گھونٹ لیا اور بولا۔ "کیا آپ ہمیں اتنی اجازت نہیں دیں گے کہ ہم رات ہونے تک یہاں چھپے رہیں۔ رات کے اندھیرے میں ہم خود ہی یہاں سے کسی طرف نکل جائیں گے"۔

وہ بولے۔ "یہ بات ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ پولیس نے تم لوگوں کو ہماری کوٹھی سے نکلتے دیکھ لیا تو میرے بیٹے کا نام مشتبہ لوگوں کی فہرست میں آ جائے گا۔

میں چپ ہو گیا۔ بزرگ بھی خاموش ہو گئے۔ لگتا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہے ہوں۔ ذرا خاموشی کے بعد وہ بولے۔

"کوٹھی میں دو نوکر کام کرتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی کوٹھی ہی میں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ انہیں تمہاری بھنک بھی پڑے"۔

پھر انہوں نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ "تم دونوں اسی کمرے میں رہنا۔ باہر بالکل مت نکلنا۔ میں باہر سے تالا لگا دوں گا۔ اونچی آواز میں بھی بات مت کرنا۔ باتھ روم یہ سامنے کونے میں ہے۔ اس عرصے میں میں کچھ سوچتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے کیسے نکالا جا سکتا ہے"۔

وہ چلے گئے تو پوشالی نے میری طرف دیکھا۔ "میں نے آہستہ سے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ شخص دیانتدار اور سچا مسلمان ہے"۔

چند لمحوں کے بعد دروازے پر تالا لگانے کی آواز آئی۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ اوپر دیوار کے ساتھ دو روشندان ہی تھے جن سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ ہم نے مزے سے ناشتہ کیا اور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ پھر ہم باری باری غسل کر کے تازہ دم ہو گئے۔

دوپہر میں باہر دروازے کا تالا کھلنے کی آواز آئی۔ وہی بزرگ اندر آئے تھے۔ کہنے لگے۔ "میں نے دونوں نوکروں کو مارکیٹ سے کچھ چیزیں خریدنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گے۔ آؤ دوسرے کمرے میں چل کر کھانا کھا لو"۔

دوسرے کمرے میں میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ بڑا پُرتکلف کھانا تھا۔ چاول، مچھلی کا سالن اور مچھلی ہی کے کباب بھی تھے۔ ہم نے مزے سے کھایا۔ کھانے پر اس بزرگ نے بتایا کہ وہ بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بیٹے نے کولمبو میں ایک سنہالی عورت سے شادی کر لی تھی اور پھر یہیں آباد ہو گیا۔ اب وہ سال میں چھ ماہ بدایوں سے اپنے بیٹے کے پاس آ کر گزارتے تھے۔

میں نے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا اور مجھے وہ نہیں سمجھا جو پولیس سمجھ رہی تھی"۔

وہ بولے۔ "دلوں کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے تم دونوں کو صرف مسلمان سمجھ کر پناہ دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر میں اس وقت قرآن شریف نہ پڑھ رہا ہوتا تو تمہارے بارے میں کوئی دوسرا فیصلہ کرتا لیکن اب تم میری پناہ میں ہو اور میں تمہیں کسی ایسے طریقے سے یہاں سے نکالوں گا کہ کم از کم اس علاقے میں پولیس تمہیں نہیں پکڑ سکے گی لیکن اس کے عوض میں تم سے صرف ایک بات چاہوں گا اور وہ یہ کہ اگر خدا نخواستہ تم پولیس کے ہتھے چڑھ جاؤ تو کسی صورت میں بھی اس کوٹھی کا نام نہ لینا"۔

میں نے انہیں یقین دلایا کہ اگر ایسی بات ہو گئی تو میں ہر قسم کا پولیس تشدد برداشت کر لوں گا مگر ان کا ذکر ہرگز نہیں کروں گا۔ کھانے کے بعد انہوں نے ایک بار پھر ہمیں بیڈ روم میں پہنچا دیا۔ واپس جاتے ہوئے کہنے لگے۔ "دونوں نوکر رات کو چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں یہاں سے نکالنے کے لئے کوشش کروں گا۔ میں ایک بار پھر باہر سے تالا لگا رہا ہوں کیونکہ نوکر آنے والے ہیں۔ رات کو نو بجے نوکر چلے جائیں گے۔ اس کے بعد میں تمہارے پاس آؤں گا"۔

یہ کہہ کر بزرگ چلے گئے اور انہوں نے دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تھا اس لئے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیوار پر لگی ہوئی گھڑی شام کے پانچ بجا رہی تھی۔ ہم نے اٹھ کر منہ

ہاتھ دھویا اور وقت گزارنے کے لئے چانکیہ پلان کی بازیابی کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا وقت ہوا ہے؟ دو ایک بار ہمیں باہر سے اپنے محسن بزرگ اور نوکر کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ تھوڑی دیر بعد گانے کی دھیمی دھیمی آواز آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد یہ آواز بند ہو گئی۔ ہم دونوں تاریک کمرے میں چپ چاپ بیٹھے نو بجنے کا انتظار کرتے رہے۔ ساری کوٹھی میں خاموشی چھا گئی۔ دروازہ کھلا، راہداری میں جلتے بلب کی دھیمی روشنی ایک غبار کی طرح کمرے میں داخل ہو گئی۔ مسلمان بزرگ کمرے میں کھڑے تھے۔ انہوں نے اندر آتے ہی دیوار پر بٹن دبا کر کمرے کی بتی روشن کر دی۔

"دوسرے کمرے میں آکر کھانا کھالو۔" وہ ہمیں اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئے۔ میز پر کھانا سجا دیا گیا تھا۔ ہم کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ وہ کہنے لگے۔

"پولیس نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے کر ایک ایک کوٹھی کی تلاشی لی۔ مجھ سے محلے کے کچھ لوگ ملنے بھی آئے تھے کہ پولیس کس سلسلے میں تلاشیاں لے رہی ہے۔ میں نے کہا۔ "بھئی مجھے کچھ نہیں معلوم۔ کہتے ہیں کہ کوئی اسمگلر فرار ہو گیا ہے۔ تمہاری ٹیکسی وہ پولیس اسٹیشن لے گئے ہیں، لیکن مجھ سے پوچھنے پھر کوئی نہیں آیا"۔

میں نے ممنونیت کا اظہار کیا تو وہ بولے۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں نکالنے کا یہاں سے ایک ہی طریقہ سوچا ہے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تم کہاں جاؤ گے۔ اگر ہوٹل میں گئے تو پولیس ممکن ہے پہلے سے وہاں موجود ہو۔ یہاں سے باوردی پولیس تو جا چکی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ سی آئی ڈی کے دو ایک آدمی چوک میں علاقے کی ضرور نگرانی کر رہے ہوں گے"۔

میں نے کہا۔ "محترم آپ ہمیں کسی طریقے یہاں سے نکال دیں۔ آگے ہم خود سنبھال لیں گے"۔

وہ ذرا ترش لہجے میں بولے۔ "مگر بندہ خدا تم جاؤ گے کہاں؟"

میں نے کہا۔ "کیا آپ ہمیں لائٹ ہاؤس کے قریب کسی جگہ پہنچا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔" انہوں نے کہا۔ "لیکن وہاں تم کس کے پاس جاؤ گے"۔

میں نے یونہی کہہ دیا۔ "وہاں ہمارے شہر کا ایک جاننے والا رہتا ہے۔ ہم اس کے پاس چلے جائیں گے۔ وہ رات کو ہمیں کسی گاڑی میں بٹھا کر جالنا کی طرف روانہ کر دے گا"۔

"ٹھیک ہے۔" مسلمان بزرگ نے کھانا کھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ بعد میں انہوں نے ہمیں طریقہ کار بتایا۔ "میں نے اس معاملے پر بڑا غور کیا لیکن ایک ہی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے خود ہی تمہیں یہاں سے لے جانا ہوگا۔ تم میری گاڑی کی پچھلی نشستوں پر کمبلوں کے نیچے چھپ جانا۔ پیدل جانے کی صورت میں مجھے ڈر ہے کہ پولیس تمہیں پکڑ لے گی"۔

اس وقت ہم وہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ہم بہرحال خطرے کے

علاقے میں تھے۔ اگر پولیس کو شک ہو جاتا تو ہمارا گرفتار ہو جانا یقینی تھا۔ میں نے فوراً اس تجویز کو منظور کر لیا۔ مسلمان بزرگ نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم پورے گیارہ بجے یہاں سے نکلیں گے"۔

جب گیارہ بجے تو ہمارے محسن بزرگ نے ہمیں ساتھ لیا اور باہر گیراج میں لے آئے جہاں ایک چھوٹی گاڑی کھڑی تھی، جس کی پچھلی نشستوں پر کمبلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

بزرگ نے آہستہ سے کہا۔ "ان کمبلوں کے نیچے گھس کر اپنے آپ کو اچھی طرح سے چھپا لو۔ یہ علاقہ گزر جائے تو پھر باہر منہ نکال لینا"۔

ہم نے ایسا ہی کیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور پھر وہ آہستہ آہستہ کھسکتی گیراج سے نکل گئی۔ ہم کمبلوں کے نیچے اس طرح گٹھریاں بن کر پڑے تھے کہ پوشالی کا منہ میرے ایک کان کے بالکل ساتھ لگا ہوا تھا۔

ہمارا سفر خاصا طویل ثابت ہوا لیکن راستے میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔ گاڑی رک گئی۔

مسلمان بزرگ کی آواز آئی۔ "اب تم باہر نکل سکتے ہو"۔

ہم کمبل ہٹا کر باہر نکل آئے۔ جس جگہ گاڑی کھڑی تھی وہ ساحل سمندر کا علاقہ تھا۔

"یہ لوینیا بیچ کا آخری کنارہ ہے۔ میں یہاں تک ہی تمہیں لا سکتا تھا۔ اس سے زیادہ میں تمہاری مدد کرنے سے معذور ہوں"۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ صرف اتنا ہی بتا دیجئے کہ لائٹ ہاؤس والی سڑک یہاں سے کس طرف ہے کیوں کہ وہاں سے ہمیں اپنا ہوٹل نزدیک پڑے گا"۔

مسلمان بزرگ نے دور ناریل کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔ ہم گاڑی سے باہر نکل آئے۔ ہم نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا۔ مسلمان بزرگ ذرا سا مسکرائے اور بولے۔ "اگر تم مجھے نہ بتا بھی دیتے کہ تمہارا تعلق پاکستان سے ہے، تب بھی پولیس کو کبھی اطلاع نہ کرتا۔ تمہیں دیکھتے اور تمہاری بول چال سنتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم پاکستانی ہو اور پاکستان سے یہاں کے مسلمان کس درجہ پیار کرتے ہیں، اس کا اندازہ تمہیں میرے رویئے سے ہو گیا ہو گا۔ اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے"۔

مسلمان بزرگ نے گاڑی موڑی اور واپس روانہ ہو گئے۔ وہ مجھے اور پوشالی کو حیرت میں گم چھوڑ گئے تھے۔ پوشالی نے تڑپ کر کہا۔ "دیکھا تم نے۔ میں نہ کہتی تھی کہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ ہم غیر ملکی جاسوس ہیں"۔

میں نے پوشالی کی طرف چہرہ اٹھا کر کہا۔ "پوشالی تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ یہ سب کچھ

معلوم ہونے کے باوجود اس بزرگ نے ہمیں اپنے پاس رکھنے اور پھر آدھی رات کے اندھیرے میں یہاں تک پہنچانے کا خطرہ مول لیا۔ آخر کیوں؟ محض اس لئے کہ یہاں کے مسلمان بھی پاکستان سے بے لوث پیار کرتے ہیں۔ پاکستان کو یہ لوگ بھی ہماری اور دوسرے مسلمان ملکوں کی طرح اسلام کا ناقابلِ شکست قلعہ سمجھے ہیں۔ اس لئے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور یہیں سے اسلام کی نشاۃ الثانیہ کا آغاز ہو گا"۔

ہم درختوں کے ساتھ ساتھ لائٹ ہاؤس کی روشنی کی طرف چل دیئے۔ اس وقت میرا دل بھی اسلام اور پاکستان کے پُرجوش جذبات سے لبریز ہو گیا تھا۔

پوشالی میری باتوں سے کافی متاثر ہوئی تھی۔ پاکستان سے اسے بھی بہت محبت تھی۔ اس لئے کہ جس ملک یعنی سمرقند و بخارا سے وہ آئی تھی۔ وہاں لوگ گھروں میں اونچی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے کہا۔ "پاکستان سے ہمارا بھی دینی رشتہ ہے۔ پاکستان سے یہی لگاؤ اور محبت تھی جس نے مجھے تمہارے ساتھ اس مشن میں شریک ہونے پر آمادہ کیا تھا۔ ہمارے لئے بھی پاکستان ہماری آرزوؤں کی منزل مراد ہے"۔

پوشالی کی گفتگو نے میرے دل میں موجزن وطن پاک اور دین اسلام کی سربلندی کے احساسات و عزائم کو مزید طاقت عطا کر دی تھی۔ ہم باتیں کرتے کرتے ناریل کے جھنڈ کے آخری کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ اب ہمیں لائٹ ہاؤس کی گھومتی ہوئی روشنی صاف نظر آنے لگی تھی۔ ہمیں اس روشنی سے بچ کر لائٹ ہاؤس کے عقب میں جانا تھا۔ میرے لئے یہ علاقہ اجنبی تھا مگر پوشالی اس سے خوب واقف تھی۔ ہم اونچی چٹانوں کی آڑ لیتے لائٹ ہاؤس کی روشنی سے اپنے آپ کو بچاتے لائٹ ہاؤس کے عقب کی جانب چل رہے تھے۔ لائٹ ہاؤس کی روشنی گھوم کر ہماری طرف آتی اور ہم جلدی سے کسی پتھر کے پیچھے چھپ جاتے۔ اسی طرح آنکھ مچولی کرتے ہوئے ہم لائیٹ ہاؤس کے عقب میں آگئے۔ ابھی تک میں نے اس علاقے کو نہیں پہچانا تھا۔ پوشالی ایک جگہ بیٹھ گئی۔ لائٹ ہاؤس کی روشنی ہمارے سروں کے اوپر سے گردش کرتی گزر جاتی تھی۔ اس نے انگلی سے کچھ فاصلے پر درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ان درختوں میں جانا ہے۔ وہاں سے ہمیں وہ پگڈنڈی ملے گی جو اپنے ایجنٹ کی خفیہ کمیں گاہ کی طرف لے جاتی ہے"۔

درختوں تک کا فاصلہ نصف فرلانگ سے زیادہ نہیں تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ہر سات سیکنڈ کے بعد لائٹ ہاؤس کی گھومتی ہوئی روشنی اس جگہ پڑتی جہاں کسی درخت یا چٹان کی آڑ بھی نہیں تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہمیں یہ فاصلہ بھاگ کر طے کرنا ہو گا"۔

پوشالی نے ایک نظر لائٹ ہاؤس کی طرف ڈالی، جو دور ساحل سمندر کی ایک بلند چٹان پر روشنی کے مینار کی طرح کھڑا تھا۔ "میرے اندازے کے مطابق اگر ہم نے یہاں سے بھاگنا شروع کیا تو

لائٹ ہاؤس کی روشنی ان درختوں تک پہنچتے پہنچتے ہم پر دس پندرہ مرتبہ ضرور پڑے گی"۔

میں نے کہا۔ "کیا ہم کسی دوسری طرف سے ان درختوں میں نہیں پہنچ سکتے؟"

"نہیں۔" وہ بولی۔ "دوسرا راستہ سڑک کا راستہ ہے اور وہاں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ پولیس وہاں ضرور موجود ہوگی"۔

میں نے کہا۔ "تو پھر اللہ کا نام لے کر چل پڑتے ہیں"۔

میں آگے بڑھنے لگا تو پوشالی نے مجھے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ اس کی نیلی آنکھیں رات کے اندھیرے میں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے گرد و پیش کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور بولی۔ "ہم دس پندرہ قدم کا فاصلہ رکھ کر اور جھک کر بھاگیں گے۔ ایک۔ دو۔ تین"۔

جب لائٹ ہاؤس کی روشنی ہمارے اوپر سے گزر گئی تو میں نے جھکے جھکے سامنے والے درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ گیلی ریت پر زیادہ تیز نہیں دوڑا جا رہا تھا۔ سات سیکنڈ بعد میں نے دائیں جانب روشنی کی ایک طویل اور روشن لہر کو آتے دیکھا تو وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ روشنی میرے اوپر سے نکل گئی تو میں اٹھ کر دوبارہ بھاگنے لگا۔ پوشالی بھی جھکی جھکی میرے پیچھے بھاگی چلی آ رہی تھی۔ روشنی ہمارے اوپر آتی تو ہم زمین پر لیٹ جاتے۔ روشنی نکل جاتی تو دوبارہ اٹھ کر دوڑنے لگتے۔ ایسا کرنے سے ہم بہت جلد تھک گئے۔ آخر ہم نے مشکل ترین مرحلہ طے کر لیا۔ درختوں میں پہنچتے ہی ہم زمین پر لیٹ گئے۔

"اب یہاں سے نکل چلو۔" سانس درست ہوئی' تو پوشالی نے سرگوشی کی۔ پوشالی اٹھ کر چلنے لگی تو میں نے اس کی تقلید کی۔ کوئی ایک فرلانگ تک ہم کیلے کے درختوں میں گھری ہوئی سڑک پر چلتے رہے' پھر ایک پگڈنڈی پر اتر گئے۔ یہ پگڈنڈی ایک ٹوٹے پھوٹے قدیم مندر کے قریب سے ہو کر تالاب کے پاس آئی تو میں نے راستے کو پہچان لیا۔ آگے ناریل اور جنگلی کیلوں کے بے شمار درخت تھے۔ ان درختوں سے نکلے تو اندھیرے میں ہمیں اپنے ایجنٹ کے بوسیدہ کوارٹرز کا ہیولا دکھائی دیا۔

پوشالی رک گئی۔ مجھے ایک طرف درختوں میں لے گئی اور سرگوشی میں بولی۔ "تم یہیں ٹھہرو' میں آگے جا کر دیکھتی ہوں کہ وہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے"۔

میں کیلے کے چوڑے چوڑے پتوں والے درختوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ پوشالی ڈھلانی اور ایک طرف کو جھکی ہوئی چھت والے خستہ حال ویران کوارٹر کی طرف بڑھی۔ بہت جلد وہ اندھیرے میں میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ چند سیکنڈ بعد اس کا سایہ نمودار ہو کر میری طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ اس نے قریب آ کر بتایا کہ کوارٹر خالی پڑا ہے اور سامنے والی جھگی بھی خالی ہے جہاں کبھی اپنے ایجنٹ کا ملازم بوڑھا سنہالی رہا کرتا تھا۔ ہم بے دھڑک کوارٹر میں داخل ہو گئے بانس کی چارپائی ابھی تک ویسے ہی بچھی ہوئی تھی۔ اندھیرا اتنا تھا کہ کوارٹر کے اندر آنے کے بعد ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنا محال ہو گیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ گیلی ریت اور سمندری چٹانوں میں چل چل کر ہم تھک گئے تھے۔

پوشالی نے کہا۔ "یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں' باہر آجاؤ"۔

ہم کوارٹر کے سامنے درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ میں نے ادھر ادھر سے سوکھے پتوں کو جمع کر کے انہیں سلگا دیا تھا تاکہ مچھر بھاگ جائیں جنھوں نے فوراً ہی ہم پر حملہ بول دیا تھا۔

پوشالی کہنے لگی۔ "اب صبح ہونے سے پہلے پہلے ہم میں سے کسی ایک کو اپنے ایجنٹ کے پاس ٹمپل روڈ والی دکان پر جانا ہوگا تاکہ اسے صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے"۔

"ہمارے مشن کی ناکامی کا تو اسے علم ہو گیا ہوگا البتہ ہمارے فرار کا اسے ابھی پتہ نہیں چلا ہوگا۔ میں اس سے ملنے جاؤں گا۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہے"۔

پوشالی ایک لمحہ کے لئے چپ ہو گئی۔ پتوں کے ڈھیر سے اگرچہ شعلے نہیں نکل رہے تھے مگر آگ کی لالی دور سے نظر آ سکتی تھی۔ میں نے الاؤ پر مٹی ڈال دی اور دوبارہ کوارٹر میں آ گئے۔ یہاں اندھیرا ضرور تھا مگر مچھر کم تھے۔ میں لکڑی کے فرش پر بیٹھ گیا اور پوشالی بانس کی چارپائی پر نیم دراز ہو گئی۔ مجھے وہ چارپائی پر لیٹی سائے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی نیلی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تم اپنے ایجنٹ کی دکان پر کیسے جاؤ گے؟ راستے میں اگر پولیس نے چیکنگ کی تو پکڑ لئے جاؤ گے"۔

"پوشالی! یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔ آخر یہاں کب تک یونہی پڑے رہ سکتے ہیں۔ چانکیہ پلان کا مشن ابھی تک نامکمل ہے۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے اسی وقت اپنے ایجنٹ کی طرف چل پڑنا چاہئے۔ ہمارا وقت بڑا قیمتی ہے۔ ایجنٹ دکان ہی میں سوتا ہے"۔

پوشالی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میری طرف اپنی نیلی آنکھوں سے دیکھ کر کہنے لگی۔ "میرا خیال ہے۔ تم نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ تم ابھی جاؤ۔ میں یہاں رہ کر انتظار کروں گی"۔

میری جیب میں دو اڑھائی سو کے قریب روپے اور ایک چاقو موجود تھا۔ پستول وغیرہ نہیں تھا۔ اگرچہ اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی لیکن پستول کی عدم موجودگی میں بھی میں اپنی حفاظت کر سکتا تھا۔ میں نے پوشالی کو کمرے کے اندر ہی رہنے کی ہدایت کی اور خود دروازہ کھول کر باہر نکلا اور دوسرے راستے پر درختوں کے نیچے اندھیرے میں چل پڑا۔ یہ جنگلی راستہ آگے جا کر ایک چھوٹی سڑک پر نکلتا تھا جہاں سے میں نے اپنا رخ بڑی سڑک کی طرف کر لیا۔ میں چاہتا تھا کہ جلدی سے کوئی ٹیکسی مل جائے اور میں بوریلا جنکشن پہنچ جاؤں کیونکہ راستے میں پولیس کی چیکنگ کا خطرہ برابر میرے اعصاب پر سوار تھا۔ میں خالی سڑک کے فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا۔ کھمبے کی روشنی آتی تو ایک طرف اندھیرے میں ہو کر آگے نکل جاتا۔ ابھی تک مجھے کہیں کوئی پولیس والا دکھائی نہیں دیا تھا۔ یہاں سے بوریلا جنکشن والا

چوک کافی دور تھا اور وہاں تک پیدل جانا خطرے والی بات تھی۔ میں سڑک کے ایک موڑ پر پہنچا تو پہلو والی سڑک سے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ اس کی سرخ بتی جل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ ٹیکسی خالی ہے۔ میں نے اسے ہاتھ دے کر روک لیا۔ ٹیکسی ایک سنہالی چلا رہا تھا۔ میں ٹیکسی میں گھس گیا اور بوریلا جنکشن چلنے کو کہا۔

بیس پچیس منٹ کے بعد کولمبو کی خاموش مگر روشنی میں ڈوبی ہوئی سڑکوں پر سے گزرتی ٹیکسی بوریلا جنکشن کے چوراہے میں داخل ہوئی تو میں نے اسے ایک طرف رکوالیا اور کرایہ ادا کر کے ٹمپل روڈ کے فٹ پاتھ پر رہائشی فلیٹوں کے ساتھ ساتھ بودھ مندر کی طرف چلنے لگا۔ اپنے ایجنٹ کی اسٹیشنری کی دکان کے پاس آکر میں رک گیا۔ دکان بند تھی۔ اوپر کے فلیٹ میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے خاص انداز میں تین بار گھنٹی کا بٹن دبایا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میری آنکھیں سڑک کے دونوں کناروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ اپنے ایجنٹ کے فلیٹ میں روشنی نہیں ہوئی تھی۔ گھنٹی کی آواز یقیناً اس نے سن لی ہو گی۔ کہیں وہ گہری نیند نہ سو رہا ہو؟ پھر خیال آیا کہ جو لوگ اپنے پیارے وطن کی سلامتی اور بقا کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کے پیٹ میں آکر بیٹھ جاتے ہیں انہیں کبھی گہری نیند نہیں آتی۔ میرا یہ تجزیہ درست ثابت ہوا اور اندر سے دکان کے دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی۔ "اندر آجاؤ"۔ اس نے مجھے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

میں تیزی سے دکان میں داخل ہو گیا۔ ایجنٹ نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور مجھے اپنے پیچھے اوپر آنے کو کہا۔ اوپر والے تنگ کمرے میں جاتے ہی اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم اور پوشالی دونوں محفوظ ہو گیا؟"

"جی ہاں۔ ہمیں اللہ جانے کس جزیرے میں قید کر دیا گیا تھا۔ بڑی مشکل سے وہاں سے فرار کا موقع ملا۔ پوشالی لائٹ ہاؤس والی خفیہ کمیں گاہ میں ہے۔ میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں کہ چانکیہ پلان ....."

میری بات کاٹتے ہوئے وہ بستر پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "میں سب جانتا ہوں۔ پہلی بات یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں یہاں آتے کسی نے نہیں دیکھا؟"

میں نے کہا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے، میرا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا۔

ایجنٹ ترش روئی سے بولا۔ "خیال کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مجھے یقین کے ساتھ ہاں یا نہ میں جواب دو"۔

میں نے یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ میرے پیچھے کوئی آدمی نہیں تھا اور یہاں داخل ہوتے ہوئے بھی مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ بازار والی کھڑکی کا پٹ ذرا سا کھول کر نیچے جھانکا

اور پھر کھڑکی بند کر کے چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"میری بات غور سے سنو۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "چانکیہ پلان کی نوعیت اب تبدیل ہو گئی ہے۔ بھارتی حکومت نے پانڈی چری کے ساحل کے قریب اپنے زیر زمین ایٹمی بجلی گھر میں چانکیہ پلان پر کام شروع کر دیا ہے۔ یہ کام پانڈی چری کے علاوہ احمد آباد کے قریب "بھابھا" ایٹمی مرکز میں بھی جاری ہے۔ مجھے جو ہدایات ملی ہیں ان کے تحت اب ہماری حکومت کو چانکیہ پلان کے بلو پرنٹ کی فلم درکار ہے۔ بھارتی ایٹمی کمیشن نے چا پلان کے فارمولے کی ایک ماسٹر کاپی تیار کر رکھی ہے۔ یہ انگوٹھی کے سائز کی مائیکرو فلم کی صورت میں ہے جس میں پانڈی چری والے زیر زمین ایٹمی بجلی گھر کے تعمیراتی نقشے بھی شامل ہیں۔ اس انگوٹھی کو المونیم کی ایک چھوٹی ڈبیہ میں بند کر کے دلی کے لال قلعے میں غدر کی تصاویر اور نوادرات کے قدیم عجائب گھر کے تہ خانے میں لاکر رکھ دیا گیا ہے۔ تمہیں کسی نہ کسی طرح اس مائیکرو فلم کی المونیم کی ڈبیہ کو وہاں سے چرا کر دلی ہی میں اپنے ایجنٹ کے حوالے کرنا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم بھارتی حکومت کو یورینیم کی افزودگی سے کسی طرح نہیں روک سکتے۔ چنانچہ ہماری حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر اس زیر زمین ایٹمی بجلی گھر اور یورینیم افزودہ کرنے والے فارمولے کی مائیکرو فلم حاصل کر لیتے ہیں تو ہماری حکومت اسے ڈی ویلپ کرنے کے بعد اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر کے دنیا کو بھارت کے ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کے خطرناک عزائم سے باقاعدہ ثبوت کے ساتھ خبردار کر سکتی ہے۔ یوں حکومت پاکستان بین الاقوامی ایٹمی کمیشن برائے امن کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ پانڈی چری کے ایٹمی مرکز کا معائنہ کرے۔ اس سیاسی دباؤ سے بھارتی حکومت کو پاکستان کے خلاف مہلک جنگجویانہ عزائم سے کسی حد تک روکا جا سکتا ہے۔ اگر بھارت پر اس کا اثر نہیں ہوتا تو پھر اس مائیکرو فلم کے ایٹمی فارمولے کی روشنی میں ہم اپنے وطن عزیز کے تحفظ اور پاکستان کے کروڑوں افراد کی زندگیاں بچانے کی خاطر اس کا کوئی نہ کوئی توڑ دریافت کر سکتے ہیں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ معاملے کی نوعیت تبدیل ہو کر کتنی اہم اور سنگین ہو گئی ہے"۔

میں نے اپنے ایجنٹ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بڑے غور سے سنا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ چانکیہ پلان کی جو مائیکرو فلم لال قلعہ دہلی کے عجائب گھر میں تہ خانے کے لاکر میں بند ہے اس کی نشانی کیا ہے؟"

"جو اطلاعات مجھے بہم پہنچائی گئی ہیں ان کے مطابق یہ مائیکرو فلم المونیم کی جس چھوٹی ڈبیہ میں بند ہے اس کے باہر ایک چھوٹا سا اشوک چکر کھدا ہوا ہے جو بھارت کا سرکاری نشان ہے"۔ ایجنٹ نے مجھے بتایا۔ "المونیم کی چھوٹی ڈبیہ پاکستان کے خلاف ایک طرح سے ایٹم بم کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔ تمہیں آج ہی کسی وقت واپس دلی روانہ ہونا ہو گا۔ تم وہاں وزیر اعظم کے انٹیلی جینس بیورو میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہو اور اس پوزیشن میں ہو کہ اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کر سکو۔

اس کے باوجود تمہیں انتہائی ہوشیاری اور دور اندیشی سے کام لینا ہو گا۔ مگر اتنا یاد رکھنا کہ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے اور تمہیں جلد از جلد مائیکرو فلم وہاں سے نکال کر اپنے دلی والے ایجنٹ کو پہنچانی ہے۔ مادر وطن بھی تم سے یہی تقاضا کرتی ہے"۔

میں نے تو پہلے ہی سے اپنے وطن پاک کی سلامتی کی خاطر جان کی بازی لگا رکھی تھی اور دشمنوں کے منہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں ہر وقت پاکستان پر جان قربان کرنے کو تیار تھا۔ اگرچہ یہ مشن بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا مگر مجھے اپنے عزم بلا خیز اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ تھا۔

" دلی پہنچنے کے بعد تم شام کو ہمایوں کے مقبرے میں جاؤ گے۔ مقبرے کے عقبی دالان کی سیڑھیوں پر مجذوب کے روپ میں ہمارا خاص آدمی ملے گا۔ اس مشن میں جن چیزوں کی تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ وہ چیزیں تمہیں وہ آدمی مہیا کر دے گا۔ تمہیں اس مجذوب کے پاس جا کر مٹھائی پیش کرنی ہے اور کہنا ہے۔" بابا جی! یہ مٹھائی آپ کے لئے چانکیہ نے بھیجی ہے"۔ مجذوب تم سے پوچھے گا۔" وہ حرامی خود کیوں نہیں آیا؟" اس کے جواب میں تم کہو گے۔" وہ حرامی جہنم میں پہنچ چکا ہے"۔ بس یہی تمہارا کوڈ ہو گا۔ اس کے بعد وہ آدمی خود تمہاری رہنمائی کرے گا"۔

میں نے ان الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا پھر پوشالی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں جائے گی؟ کیا اسے کولمبو میں ہی چھوڑ دوں؟

اس کے جواب میں اپنے ایجنٹ نے دھیمی آواز میں کہا۔" پوشالی کو دلی میں کوئی نہیں جانتا۔ اس مشن میں تمہیں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ وہاں ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ یہ سارا مشن تمہیں خود ہی مکمل کرنا ہو گا۔ پوشالی کو ہم تمہارے جانے کے بعد دلی پہنچا دیں گے۔ اس کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔ وہ تمہیں دلی کی ہارڈنگ لائبریری میں ملے گی۔ اس نے اپنے سر کے بال مردانہ انداز میں ترشوا رکھے ہوں گے اور نیلی آنکھوں کو چھپانے کے لئے سیاہ کانٹیکٹ لینس لگا رکھے ہوں گے۔ ہارڈنگ لائبریری میں وہ اسسٹنٹ کیئرٹیکر کا کام کر رہی ہو گی۔ ہمارا ایک خاص آدمی اسے یہ نوکری دلوائے گا۔ تم دلی پہنچنے کے ایک ہفتے بعد ہارڈنگ لائبریری میں پوشالی سے ملاقات کر سکتے ہو۔ وہاں اس کا نام نازی ہو گا جس کی قومیت اسرائیلی ہو گی۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں پیسوں کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

میں نے اپنے ایجنٹ کو بتایا کہ میرے پاس کل ملا کر تین سو کے قریب روپے ہیں۔ اس نے بٹوہ نکال کر مجھے سو سو کے پانچ نوٹ دیئے اور کہا۔

یہ اپنے پاس رکھو۔ اس کی تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اب تم یہاں سے نکل کر سیدھے کولمبو فورٹ اسٹیشن جاؤ گے۔ رات تین بج کر دس منٹ پر تمہیں ٹالی منار ایکسپریس مل جائے گی۔ وہاں سے تم اسٹیمر پکڑ کر بحر ہند چینل پار کر کے بھارت کی ساحلی بندرگاہ دھنش کوڈی پہنچو گے۔ اس

کے آگے دلی پہنچنا تمہارے لئے کوئی مشکل نہیں ہو گا۔ پوشالی کو میں صبح وہاں سے نکال کر کسی دوسرے محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا"۔

میں نے اسے خدا حافظ کہا اور باہر نکل آیا۔ اب میری منزل دلی تھی۔ دلی جہاں سے میں غنڈوں کے ہاتھوں اغوا ہونے کا ڈرامہ رچا کر روپوش ہوا تھا۔ میں نے اپنے اغوا میں اصلیت کا رنگ بھرنے کے لئے دلی سے دور کسی شہر سے اپنی منگیتر اور محبوبہ سجاتا کو اپنے پھٹے پرانے کاغذ پر خط بھی لکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ خط سجاتا کو مل گیا ہو گا اور اس نے یہ خط پولیس اور میرے انٹیلی جینس چیف تیواڑی کو بھی دکھا دیا ہو گا۔ میں نے خط میں لکھا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جو میں انہیں نہیں دے سکتا۔ اس ڈرامے کا مقصد محض اتنا تھا کہ مجھے سری لنکا پہنچ کر چانکیہ پلان والے مشن کو تکمیل تک پہنچانے کا موقع مل سکے۔ اب ایک بار پھر میں چانکیہ پلان کے ادھورے مشن کو ساتھ لے کر دلی ان لوگوں کے درمیان جا رہا تھا جنہیں اگر پتہ چل جائے کہ میں اصل میں کیپٹن رام کشن مہتہ نہیں بلکہ غیر ملکی جاسوس ہوں اور وزیر اعظم کے خاص انٹیلی جینس بیورو میں فرسٹ سیکرٹری کے عہدے پر مامور ہوں تو وہ ایک ہزار ایک مرتبہ پھانسی چڑھا کر میری لاش کتوں کے آگے پھینک دیتے۔ کچھ دور جانے پر ایک ٹیکسی مل گئی جس نے مجھے کولمبو کے بڑے اسٹیشن فورٹ پہنچا دیا۔ اسٹیشن پر کافی رونق تھی۔ یہ چہل پہل اور لوگوں کی رونق میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف آ گیا۔ میرے کپڑے بوسیدہ اور عام ورکروں ایسے تھے۔ اس لئے میں تھرڈ کلاس کی قطار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ باری آئی تو میں نے تلی منار تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔ اسٹیشن کی گھڑی رات کے سوا دو بجا رہی تھی۔ تلی منار ایکسپریس اپنے ایجنٹ کے مطابق تین بج کر دس منٹ پر روانہ ہوتی تھی۔ جبکہ مجھ سے سکون کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ میں ٹہلتا ٹہلتا سیکنڈ کلاس کے ایک ویٹنگ روم میں داخل ہو گیا۔ یہاں کچھ لوگ بید کی آرام دہ کرسیوں پر ٹانگیں پسارے آرام کر رہے تھے۔ ایک بوڑھا سنہالی اپنی چگی داڑھی میں چھوٹی سی کنگھی پھیر رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر وہ مسکرایا۔ میں سیدھا باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ کچھ وقت باتھ روم میں گزارا۔ تھرڈ کلاس ویٹنگ روم کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ یہ ویٹنگ روم کھلی چھت کے نیچے تھا اور وہاں مجھے پولیس کے کچھ سپاہی بھی کینٹین پر کھڑے چائے وغیرہ پیتے دکھائی دیئے تھے میں پلیٹ فارم پر واپس آ کر بینچ پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

ٹرین کے ڈبے پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئے۔ یہ تلی منار ایکسپریس کے ڈبے تھے۔ مسافروں نے ہلہ بول دیا۔ میں بھی تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں آ کر کونے میں بیٹھ گیا۔ تین بج کر دس منٹ پر ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔ اسے دوسرے دن شام گئے بعد لنکا کے شمالی شہر تلی منار پہنچنا تھا۔ یہ کولمبو سے تلی منار تک سب سے تیز رفتار ٹرین تھی۔ وہ اسٹیشن پر اسٹیشن چھوڑے جا رہی تھی۔ مجھے

نیند آگئی۔ آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے مسافروں کا جائزہ لیا۔ ان میں سنہالی تامل اور بودھ بھکشو بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں۔ ٹرین ایک سرسبز ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی تو میں نے اتر کر ناشتہ کیا۔ یہاں ٹرین کو پندرہ بیس منٹ رکنا تھا۔ کینٹین کے کاؤنٹر پر گیروے کپڑوں والے ایک بودھ بھکشو نے قریب آ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے تامل زبان میں پوچھا "انو رادھا پور ٹرین کس وقت پہنچتی ہے؟"

میں تامل زبان جانتا تھا پھر بھی میں نے انگریزی میں اسے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم۔ بودھ بھکشو نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔ "ویسے میں مدراس جا رہا ہوں۔ انو رادھا پور میرا ایک ساتھی بھکشو مجھ سے ملنے آنے والا ہے"۔

میں نے اسے مشورہ دیا کہ بہتر ہو گا وہ اسٹیشن کے کسی آدمی سے دریافت کرے۔ اس بھکشو کا سر منڈا ہوا تھا اور رنگ گہرا سانولا تھا۔ عمر چالیس کے قریب ہو گی۔ چہرہ گول اور آنکھیں بڑی گہری گہری تھیں۔ اس نے ہاتھ باندھ کر میرا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔

گارڈ نے سیٹی دی۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ اپنے ڈبے میں آ کر سوار ہو گیا۔ ٹرین نے دوبارہ اپنی منزل کی طرف سفر شروع کر دیا۔

انو رادھا پور آیا تو میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ غیر شعوری طور پر مجھے بودھ بھکشو کا خیال آگیا۔ جو یہاں اپنے دوست سے ملنے والا تھا۔ پلیٹ فارم پر دوسرے مسافر تو موجود تھے مگر مجھے بودھ بھکشو کہیں نہیں دکھائی دیا۔ پیچھے سے مجھے کسی نے کاندھے سے پکڑ کر کہا۔ "ٹکٹ" میں تیزی سے پلٹا۔ ایک دبلا پتلا ٹکٹ چیکر میرے پیچھے کھڑا مجھے تک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے جیب سے ٹکٹ نکال کر اسے دکھایا۔ اس نے ٹکٹ پر پنسل سے نشان لگایا اور دوسرے مسافروں کی طرف بڑھ گیا۔
تالی منار تک کا باقی سفر پُر سکون رہا۔ ٹرین رات کے وقت پہنچی لیکن زیادہ بڑا اسٹیشن نہ ہونے کے باوجود یہاں کافی رونق تھی۔ ہندوستان جانے والے مسافر بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے جو قریب ہی تھی۔
میں بھی ان کے درمیان چلنے لگا۔ مجھے خواہ مخواہ بودھ بھکشو کا بار بار خیال آ رہا تھا۔ حالانکہ اس کے بعد میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ جیٹی پر ایک چھوٹا بحری جہاز کھڑا تھا۔ ہندوستان سے لنکا آنے جانے کے لئے بھارتی باشندوں کو عارضی پرمٹ جاری کئے جاتے تھے۔ یہ پرمٹ صرف ہندوستان اور لنکا کے تامل باشندوں کے لئے ہوتے تھے۔ جیٹی کے گیٹ پر ایک کسٹمز آفیسر یہ پرمٹ جاری کرتا تھا۔ میری باری آئی تو کسٹم آفیسر نے میری طرف دیکھے بغیر مجھ سے میرا نام پوچھا۔ میں نے ایک فرضی تامل نام بتا دیا۔ جب تک مجھے پرمٹ نہیں ملا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکتا رہا۔ پرمٹ لے کر میں جیٹی میں داخل ہو گیا۔ جہاز کے عرشے پر آ کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت رات کے نو بجنے والے تھے۔ کوئی ایک گھنٹے بعد جہاز کی سیڑھی اٹھا دی گئی۔

جیٹی کے لوہے کی بڑی بڑی میخوں پر سے رسے کھول کر جہاز کے اوپر اچھال دیئے گئے تھے۔ پھر جہاز کے انجن اسٹارٹ ہو گئے اور تین وسل دے کر جہاز نے جیٹی سے ہٹنا شروع کر دیا۔ تالی منار سے ہندوستان کے ساحل کی روشنیوں کی لکیر دکھائی دینے لگی۔ کچھ دیر بعد جہاز دھنش کوڈی کی جیٹی کے ساتھ آ کر لگ گیا۔ یہاں بھی تھوڑی بہت چیکنگ ہوتی تھی۔ میں پوری طرح تیار تھا۔ سبھی کسٹم والے تامل تھے۔ میرے پرمٹ کو دیکھ کر کسٹم آفیسر نے معمول کے مطابق پھاڑ کر ٹوکری میں پھینکا۔ مجھ سے میرا نام اور مدراس کا ایڈریس پوچھ کر لکھا۔ میں نے یونہی ایک فرضی نام اور ایڈریس اسے بتا دیا تھا۔ مجھے جانے کی اجازت مل گئی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی گزر گیا۔

دھنش کوڈی ریلوے اسٹیشن پر مدراس جانے والی تامل ناڈو ایکسپریس تیار کھڑی تھی ۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا۔ ڈبہ مسافروں سے بھرا ہوا تھا لیکن برتھ مل گئی تھی ۔ آدھے گھنٹے بعد ٹرین چلی ۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ جب میں دلی اپنے موتی نگر والے بنگلے پر پہنچوں گا اور سجاتا سے ملوں گا تو ان کا کیا ردعمل ہو گا۔ میرا حلیہ پہلے ہی کافی الجھا ہوا تھا۔ انہیں سنانے والی کہانی میں نے پہلے ہی سے ذہن میں تیار کر رکھی تھی ۔ بس اب یہی فکر تھی کہ کسی طرح محفوظ رہتے ہوئے دلی پہنچ جاؤں ۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی ۔ وہاں تو میں وزیر اعظم کے انٹیلی جینس بیورو میں سیکرٹری کے اہم عہدے پر فائز تھا۔

دھنش کوڈی کے مدراس اور پھر مدراس سے دلی تک کا سفر بڑا لمبا سفر تھا مگر اب مجھے کوئی تشویش نہیں تھی ۔ میں انڈیا کی مرکزی حکومت کے ایک اہم محکمے کا افسر تھا اور ڈاکوؤں کے نرغے سے فرار ہو کر واپس اپنے گھر جا رہا تھا۔ مدراس سے میں دلی کی ٹرین میں سوار ہو گیا۔ اب میں آزادی سے پلیٹ فارم پر اتر کر چہل قدمی کرتا چائے وغیرہ پیتا۔ اس طرح سفر طے ہوتا چلا گیا اور آخر کار میری منزل آ گئی اور ٹرین صبح کے وقت جبکہ سورج طلوع ہو رہا تھا' دلی کے جنکشن میں داخل ہو گئی ۔ میں نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا اپنے موتی نگر والے بنگلے پر آ گیا۔ بنگلہ ویران تھا۔ اس کا چھوٹا گیٹ بند تھا۔ میں گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا تو میرا گورکھا چوکیدار مجھے دیکھ کر وہیں ٹھٹک گیا۔ پھر اس نے مجھے پہچان لیا اور دوڑ کر میرے قدموں کو چھوا۔

" بھگوان نے بڑی کرپا کی ۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی ۔ آپ آ گئے سر' آپ آ گئے سر ۔ اوہ میرے بھگوان ' میں سجاتا بی بی کو فون کرتا ہوں ۔ ان کی بہت بری حالت تھی ۔ "

میں نے ورانڈے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ " میں خود فون کرتا ہوں سجاتا کو ۔ تم چائے تیار کرو ۔ اف ۔ بڑی مشکل سے ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل بھاگا ہوں ۔ وہ لوگ میرے علاوہ کوئی سامان بھی چرا کر تو نہیں لے گئے تھے "۔

چوکیدار نے جلدی سے کہا۔ " نہیں سر' سب چیزیں ویسی کی ویسی ہیں ۔ مجھے بے ہوش کر

کے آپ کو اٹھا لے گئے تھے سر۔ مجھے شما کر دیں۔ میں ہوش میں نہیں تھا ورنہ اپنی جان قربان کر دیتا"۔
میں نے نیپالی چوکیدار کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "میں جانتا ہوں' تم بڑے بہادر ہو۔ مگر وہ ڈاکو پکے غنڈے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی بے ہوش کر دیا تھا۔ جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ"۔
میرے چھوٹے سے بنگلے کے تینوں کمرے چوکیدار نے جھاڑ پونچھ کر صاف ستھرے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دیوار پر لگی اپنی "ماتا جی" کی تصویر کو ایک نظر دیکھا۔ ان پر چوکیدار نے گیندے کے تازہ پھولوں کا ہار ڈال رکھا تھا۔ میں نے فون اٹھا کر سجاتا کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اس کی ماتا نے فون اٹھایا۔ جب میں نے بتایا کہ میں کیپٹن رام کشن مہتہ بول رہا ہوں تو خوشی کے مارے سجاتا کی ماں سے بولا نہ گیا۔ "تم کشن ہو؟ ہے بھگوان تم کشن ہو؟ میں کہیں سپنا تو نہیں دیکھ رہی۔ ہے بھگوان تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے"۔ پھر ماتا جی نے سجاتا کو آواز دے کر کہا۔ "سجاتا ادھر آؤ۔ دیکھو کشن بول رہا ہے۔ کشن واپس آ گیا ہے"۔
سجاتا کی آواز بھی خوشی سے کانپ رہی تھی۔ مجھے دفور مسرت سے سجاتا کے سسکیاں بھرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اری پگلی' یہ تو خوشیاں منانے کا وقت ہے۔ یہ تمہاری محبت ہی تھی جو مجھے ان خونخوار قاتل ڈاکوؤں سے بچا کر لے آئی ہے۔ تم آؤ گی تو تمہیں ساری کہانی سناؤں گا۔ بس بھگوان کی بڑی کرپا ہوئی ہے"۔
سجاتا نے کہا کہ وہ ابھی میرے بنگلے پر آ رہی ہے اور وہ آج اپنے آفس نہیں جائے گی۔ میں نے اپنی بڑھی ہوئی داڑھی' مونچھیں صاف کرنے کی بجائے بس گرم پانی سے غسل کر کے دھوتی کرتہ پہن لیا۔ ماتھے پر تلک بھی لگا لیا۔ چائے پی اور اپنے باس تیواڑی۔۔۔ کو فون کیا۔ تیواڑی جی ابھی سو کر ہی اٹھے تھے۔ میری آواز سن کر پہلے تو وہ بھونچکا رہ گئے۔ پھر بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔
"کیپٹن مہتہ! میں تمہاری واپس پر بدھائی دیتا ہوں۔ اس میں کوئی سندھے نہیں ہے کہ ہم تمہاری زندگی سے نراش ہو چکے تھے۔ پولیس اور میرے انٹیلی جینس کے آدمیوں نے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی کہ جہاں تمہیں تلاش نہ کیا گیا ہو"۔
میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "سر دفتر آ کر ساری رام کہانی سناؤں گا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ بھگوان نے مجھے بچانا تھا سو بچا لیا۔ میں تو قاتلوں کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ اب آپ ہی سوچیں کہ میں پر تمال کی رقم کہاں سے ادا کر سکتا تھا؟ پیچھے میرا کون تھا اور کس کے پاس اتنی رقم تھی۔ وہ لوگ تو مجھے دو ایک روز میں قتل کرنے والے تھے۔ کہ ایک بوڑھے ڈاکو کے دل میں رحم آ گیا اور اس نے مجھے غار سے نکال کر جنگل میں بھگا دیا۔ دفتر آ کر ساری بات سنا دوں گا۔ وشرام بابو کو میرا پرنام کہیئے گا"۔

" وشرام کو تم گھر پر فون کر کے یہ خوشخبری سنا دو "۔
تیواڑی نے مجھے اس کا فون نمبر بتایا۔ میں نے لکھ لیا۔ یہ اس کے نئے مکان کا فون نمبر تھا۔ تیواڑی نے بتایا کہ میرے دفتر کے دوسرے ساتھی بھی میرے بارے میں بڑے پریشان رہے تھے اور اب وہ میری واپسی کا سن کر بڑے خوش ہوں گے۔ میں نے ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

فون کر کے ورانڈے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ سجاتا اپنے ماتا' پتا اور بھائی کے ساتھ گاڑی میں وہاں پہنچ گئی۔ وہ میرے غم میں واقعی دبلی ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ بھی پیلا پڑ چکا تھا۔ سب میرے حلیئے کو یعنی میری بڑھی ہوئی داڑھی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے باری باری مجھے گلے لگایا۔ سجاتا تو بس مجھے دیکھے ہی جا رہی تھی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ پھولوں کے ہار' گنگا جل اور مٹھائی لائے تھے۔ سجاتا کی ماتا جی نے میرے چہرے پر گنگا جل کے چھینٹے مارے' گلے میں پھولوں کی مالا ڈالی اور مٹھائی نیپالی چوکیدار کے حوالے کر کے کہا کہ فوراً سارے محلے میں بانٹ دو۔ یہ سب لوگ میرے اردگرد کمرے میں بیٹھ گئے اور اب میں نے انہیں غنڈوں کے چنگل میں پھنسنے' ان کی طرف سے دی گئی اذیتوں اور پھر وہاں سے بھاگ نکلنے کی فرضی کہانی سنائی۔ اس کہانی کی ایک ایک تفصیل کو میں نے اپنے ذہن کے اندر پکا لیا تھا کیوں کہ یہی کہانی مجھے سب کے آگے اور خاص طور پر اپنے باس انٹیلی جنس چیف تیواڑی کو بھی سنانی تھی۔ جسے میرے قیاس کے مطابق پہلے سے کچھ شک ہو گیا تھا کہ میں کسی ہمسایہ ملک کے لئے وہاں بیٹھ کر جاسوسی کرتا ہوں۔

سجاتا میرے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ اس کے پتا جی نے کہا۔ "بیٹا! اب یہ داڑھی مونچھ منڈوا ڈالو۔ تمہارا تو حلیہ ہی بدل گیا ہے "۔

میں نے کہا۔ " پتا جی! میں بڑے خونی غنڈوں میں پھنس گیا تھا۔ بس بھگوان نے بڑی دیا کی کہ بچ کر نکل آیا ہوں "۔

سجاتا کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی ماتا اور بھائی نے بتایا کہ انہیں میرا خط مل گیا تھا۔ ماتا جی بولیں۔ " پر اس کے بعد تیری طرف سے کوئی خبر نہ آئی۔ ہم تو غم سے نڈھال ہو گئے تھے۔ تیری بہن کرشنا بھی بڑی پریشان تھی۔ اس کو تم نے بتایا کہ تم آ گئے ہو؟"

اب مجھے خیال آیا کہ میں نے دلی والی اپنی بہن کرشنا کو تو فون ہی نہیں کیا۔ تب مجھے بمبئی والے " چچا " درگا پرشاد کا بھی خیال آیا کہ میں نے اسے بھی اطلاع نہیں کی تھی۔ اصل میں یہ میرے سگے رشتے دار ہوتے تو مجھے خیال بھی آتا۔ میں نے انتہائی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے فوراً کرشنا بہن کو دلی اس کے گھر فون کیا۔ خوشی کے مارے اس سے بھی بولا نہ گیا۔ میں پونے دو ماہ بعد جیسے دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا تھا۔ بمبئی والے چچا کو بھی میں نے فون پر اپنے آنے کی خبر کر دی۔

سجاتا کے پتاجی نے کہا۔ "ڈاکوؤں کی طرف سے صرف ایک بار تمہاری رہائی کے عوض شاید ایک لاکھ روپے کی رقم طلب کی گئی تھی۔ بیٹا ہمارے پاس اتنی رقم ہوتی تو ہم اسی وقت تمہیں رہا کروا لیتے"۔

"میں نے کہا۔ "پتاجی آپ نے میرے بارے میں اتنا خیال تو کیا۔ ویسے ان ڈاکوؤں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میرے کسی رشتے دار کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اسی لئے انہوں نے مجھ پر زیادہ تشدد کرنا شروع کر دیا تھا اور مجھ سے کسی دولت مند رشتے دار کا ایڈریس پوچھتے تھے مگر میں نے چچا درگا داس اور اپنے بہنوئی کا ایڈریس انہیں بالکل نہیں دیا۔

اتنے میں کرشنا کماری یعنی میری "بہن" بھی اپنے خاوند کے ساتھ آ گئی اور مجھ سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگی۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اری تمہیں تو خوش ہونا چاہئے۔ دیکھو میں بھگوان کی کرپا سے زندہ واپس آ گیا ہوں"۔

وہ بار بار میری بڑھی ہوئی داڑھی کو دیکھتی اور کہتی۔ "ان کٹھوروں نے میرے بھیا کا کیا حلیہ بنا دیا"۔ اور پھر رونا شروع کر دیتی۔ میں نے اسے بھی وہی فرضی کہانی سنا دی۔

کوئی نصف گھنٹے بعد باہر ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس میں میرے باس انٹیلی جنس چیف مسٹر تیواڑی سوار تھے۔ وہ اپنے ساتھ مٹھائی کی ٹوکری اور پھولوں کا ہار لائے تھے۔ میں نے باہر نکل کر ان کا سواگت کیا۔ انہوں نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن مہتہ! تم نے تو رشی منیوں والی داڑھی بڑھا لی ہے"۔

میں نے کہا۔ "سر پچھلے جنم میں کوئی اچھا کرم کیا تھا جس کے بدلے ان غنڈوں سے جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔ پونے دو مہینے مدھیہ پردیش کے جنگلوں کے غاروں میں بند رہا۔ ہر وقت جان کے لالے پڑے رہتے تھے۔ شیو کرنے کی کہاں فرصت تھی!"

چندن جی نے مجھے ہار پہنایا۔ سجاتا کی ماتا پتا کو پرنام کیا اور میرے خیریت سے واپس آ جانے پر مبارک باد دی۔ میں نے انہیں اپنی فرضی رام کہانی مختصراً سنا دی۔ وہ بڑے غور سے میری باتوں کو سنتے رہے۔ عینک کے پیچھے مجھے ان کی آنکھیں پہلے سے زیادہ بڑی معلوم ہو رہی تھیں۔ کہنے لگے۔ "مدھیہ پردیش پولیس کو بھی ہم نے چوکس کر دیا تھا۔ مگر یہ کسی نئے ڈاکوؤں کا گروہ لگتا ہے۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کیپٹن مہتہ انہوں نے دلی آ کر خاص طور پر تمہیں کیوں اغوا کیا؟"

یہ بڑی ذومعنی بات تھی۔ میں نے اپنے حواس کو قابو میں رکھا اور جلدی سے کہا۔ "سر! یہ بات میں نے ان ڈاکوؤں سے بھی پوچھی تھی۔ سردار نے دانت پیس کر جواب دیا تھا کہ ہم نے راجدھانی کے بڑے بڑے افسروں کو اغوا کر کے ان کے عوض بھاری رقم حاصل کرنے کا پروگرام بنایا تھا مگر تمہارے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ افسروں کے پاس رشوت کی بھی رقم نہیں ہوتی۔ وہ لوگ تو

سر! رقم نہ ملنے کی وجہ سے اب مجھے قتل کرنے کا سوچ رہے تھے کہ ان کے ایک بوڑھے ساتھی کے دل میں بھگوان نے دیا ڈال دی اور اس نے مجھے موقع پا کر جنگل میں بھگا دیا"۔

میرے باس انٹیلی جینس چیف تیواڑی جی نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اب تم شیو وغیرہ کر لو کیپٹن اور گھبراؤ نہیں۔ ہم ان ڈاکوؤں کو پکڑنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں تم بے شک آج آفس نہ آنا۔ اگر تم آ جاؤ گے تو تمہارے ساتھی تم سے مل کر بے حد خوش ہوں گے"۔

میرے باس نے سب کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور چلا گیا۔ دوپہر کا کھانا سجاتا کی ماں تیار کر رہی تھیں۔ سجاتا کے پتا جی اور بھائی مجھ سے گلے مل کر چلے گئے۔ سجاتا اور میں اپنے کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے۔ ہمارے راز و نیاز کی باتیں شروع ہو گئیں۔ سجاتا اب بے حد خوش تھی۔ وہ مجھے پکڑ کر باتھ روم میں لے گئی اور بولی۔ "سب سے پہلے شیو بناؤ اور اپنے اصلی حلیئے میں آ جاؤ۔ میں تمہارے لئے چائے تیار کراتی ہوں"۔

میں نے پہلے قینچی سے داڑھی مونچھوں کے بال کاٹے پھر صابن لگا کر اچھی طرح سے شیو کر ڈالی۔ شیو کرنے کے بعد میں اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ سجاتا چائے لے کر آئی تو میں ڈرائنگ روم میں کھانے کی میز پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ سجاتا مجھے دیکھتے ہی دفور مسرت سے چلائی۔

"ماتا جی! آ کر دیکھیں کشن پھر سے خوبصورت ہو گیا ہے"۔

سجاتا کی ماں کچن سے دوڑی دوڑی آ گئی۔ مجھے شیو کے بعد اصلی حلیئے میں دیکھ کر انہوں نے میری بلائیں لیں۔ دیوار پر ٹنگی کرشن بھگوان کی تصویر کو جا کر پرنام کیا اور نوکرانی سے کہا۔ "جلدی سے بازار جا کر ناریل لے آ۔ میں بھگوان کرشن کی آرتی اتاروں گی"۔

دوپہر کی فلائیٹ سے میرے بمبئی والے چاچا درگا پرشاد بھی اپنی پتنی کے ہمراہ آ گئے۔ انہوں نے مجھے گلے لگا کر آشیرباد دی۔ پھولوں کے ہار ڈالے۔ مٹھائی تقسیم کی۔ انہیں بھی اپنے اغوا اور فرار کی فرضی کہانی سنانی پڑی۔ کھانا کھانے کے بعد میں خانہ پُری کرنے کی خاطر اپنے دفتر گیا۔ دفتر کے ساتھی بے حد خوش تھے۔ باری باری سب سے گلے ملنے اور مٹھائی وغیرہ کھانے کے بعد انٹیلی جنس چیف مسٹر تیواڑی کے کمرے میں محفل لگی میں نے سب کو اپنے اغوا اور فرار کی سنسنی خیز کہانی سنائی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دفتر میں گزارنے کے بعد میں واپس آ گیا۔ سجاتا اور اس کی ماتا جی میرے بنگلے پر ہی تھے۔ میری بڑی بہن کرشنا مجھے ایک طرف لے جا کر سمجھانے لگی کہ اب مجھے سجاتا سے بیاہ کر لینا چاہئے۔ میں نے اسے بتایا کہ اگلے برس ترقی کے بعد میں سجاتا سے بیاہ کر لوں گا۔ دس بجے رات سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ صرف میرے بمبئی والے "چاچا" درگا پرشاد اپنی پتنی کے ساتھ میرے بنگلے پر رہ گئے تھے۔ ان کی سیٹ اگلے روز دوپہر کی فلائٹ میں بک تھی۔

دوسرے روز میں دفتر پہنچ گیا۔ اب مجھے اپنا مشن شروع کرنا تھا اور سب سے پہلے ہمایوں کے

مقبرے میں جا کر اپنے مجذوب ایجنٹ سے ملاقات کرنی تھی ۔ مجھے صرف اپنے انٹیلی جینس بیورو کی طرف سے شبہ تھا کہ انہیں میرے اغوا کی فرضی کہانی پر یقین نہیں آیا اس سے پہلے شک کی بنا پر میرے پیچھے دو آدمی بھی لگائے گئے تھے جنہیں میں خفیہ طور پر ٹھکانے ... لگا چکا تھا ۔ ایک بات واضح ہو چکی تھی کہ مسٹر تیواڑی کو ابھی تک مجھ پر یہ شک نہیں ہوا تھا کہ میں پاکستانی ہوں اور کیپٹن رام کشن مہتہ کا روپ دھار کر وہاں دفتری فرائض انجام دے رہا ہوں ۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ ایک سیکنڈ کی تاخیر کے بغیر مجھے فوراً حراست میں لے کر میرا میڈیکل چیک اپ کراتے اور میں گرفتار کر لیا جاتا ۔ انہیں صرف یہ شبہ تھا کہ میں اصلی رام کشن مہتہ ہوتے ہوئے کسی دوسرے ملک کے لئے جاسوسی کر رہا ہوں اور وہ مجھے ہاتھ ڈالنے سے پہلے کسی پکے ثبوت کی تلاش میں تھے ۔

دفتر میں میں آتے ہی ان کے کمرے میں چلا گیا ۔ انہوں نے مجھ سے کچھ پرانے فائلوں کے بارے میں گفتگو کی ۔ میری عدم موجودگی میں بعض کیسز کے بارے میں انہوں نے جو کارروائی کی تھی اس سے آگاہ کیا ۔ مزید بریفنگ کی اور کافی منگوا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے ۔ ان سے کچھ بریفنگ لے کر اپنے کمرے میں آ گیا ۔ میں فائلوں میں گھرا کام میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی بجی ۔ دوسری جانب سے سجاتا بول رہی تھی ۔ اس کا اصرار تھا کہ میں آفس سے نکلنے کے بعد اس کے ساتھ سنگیتا میں بیٹھ کر چائے پیوں ۔ آفس سے فارغ ہونے کے بعد میرے پاس کوئی کام نہیں تھا ۔ ویسے بھی دوپہر کے بعد چاچا درگا داس اپنی پتنی کے ساتھ جا چکے تھے اور میرے بنگلے پر سوائے نوکرانی کے اور کوئی نہیں تھا لیکن میں سجاتا سے دور دور رہنے ہی میں بہتری سمجھتا تھا اس لئے کہ اب میرے پاس ایک ایسا نازک اور اہم ترین مشن تھا جس کا مرکز دلی شہر ہی تھا اور میری ذرا سی بھول صرف مجھے پھانسی کے تختے پر نہ لے جاتی بلکہ میرے اہم ترین قومی مشن کو بھی خاک میں ملا سکتی تھی ۔ میں نے تھکن اور ناسازی طبع کا بہانہ بنایا ۔

"اچھا تو پھر میں اپنے آفس سے نکل کر تمہارے ہاں آ جاؤں گی ۔" سجاتا نے تجویز پیش کی ۔ آج موسم بہت اچھا ہے ۔ ہم تمہارے بیڈ روم میں بیٹھ کر چائے پئیں گے ۔ او کے ڈیئر ۔ بائی بائی !"

اس سے پہلے کہ میں کوئی اور بہانہ بناتا سجاتا نے فون بند کر دیا ۔ خاموشی سے دوبارہ فائلوں میں جت گیا ۔ پونے دو مہینوں کی فائلوں کا ڈھیر اکٹھا ہو گیا تھا ۔ انہیں نکالتے نکالتے مجھے پانچ بج گئے ۔ سجاتا کا فون پھر آ گیا ۔ اب وہ میرے گھر سے فون کر رہی تھی ۔

"ڈیئر ! یہ تم اب تک آفس میں کیا کر رہے ہو ؟"

میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا ۔ "کئی دنوں کے بعد دفتر آیا ہوں ۔ فائلوں کے ڈھیر میں گم ہوں"۔

سجاتا نے کہا ۔ "اور میں یہاں بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں پریتم جی ! اب گھر کی طرف چل

پنیئے میں آپکے کے بیڈ روم سے فون کر رہی ہوں "۔

میرے بیڈ روم میں ایسی کوئی مشتبہ شے نہیں تھی ۔ میرے پاس صرف ایک ہی چھوٹا سا ریڈیو وائرلیس سیٹ تھا' جسے میں نے اپنے بنگلے کے عقبی باغ میں ایک درخت کے چبوترے میں چھپا رکھا تھا۔ چونکہ لنکا کے ایجنٹ کی طرف سے مجھے مقبرہ ہمایوں میں موجود مجذوب ایجنٹ سے ملنے کی ہدایت ملی تھی ۔ اس لئے پاکستان میں اپنے باس سے وائرلیس پر بات کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی ۔ میں نے آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی درخت کے نیچے جا کر چبوترے کی اینٹ اٹھا کر ریڈیو وائرلیس سیٹ کو دیکھ کر اپنی تسلی کر لی تھی۔

میں نے سجاتا سے کہا کہ میں آ رہا ہوں ۔ فون بند کیا۔ فائلوں کے ڈھیر کو ایک طرف کیا۔ موتی نگر تک پہنچتے پہنچتے شام کا جھٹ پٹا رات کے ابتدائی اندھیرے میں بدل گیا۔ گاڑی اپنے بنگلے کے چھوٹے سے گیراج کے چھپر کے نیچے کھڑی کرنے کے بعد ' میں چابی گھماتا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ سجاتا بیڈ روم میں میرے بستر پر نیم دراز ایک فلمی رسالہ پڑھ رہی تھی ' مجھے دیکھتے ہی اس نے رسالے کو ایک طرف پھینکا اور بانہیں پھیلا کر میری طرف بڑھی ۔ اس نے بھڑکیلے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی ۔ اس کا نازک وجود کسی مہنگے پرفیوم سے مہک رہا تھا۔ یہ خوشبو مجھے بھی بے حد پسند تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ان خوشبوؤں کی طلسمی لہروں میں ڈوب کر زندگی کی لذتوں سے ہم آغوش ہو جاؤں لیکن میں ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ سو میں جھکائی دے گیا۔ میرے سامنے ایک مقصد تھا' ایک مشن تھا۔ یہ مشن ' یہ مقصد ' مادی لذتوں سے ماورا اور بلند ترین تھا۔ میں نے زندگی کی تمام آسائشوں اور تمام لذتوں کو اپنے اوپر اس لئے حرام کر رکھا تھا کہ میرے وطن پاک کے رہنے والے اور ان کی آنے والی نسلیں ان آسائشوں اور جائز لذتوں سے لطف اندوز ہو سکیں ۔ میں نے اپنا حال اپنے وطن کے مستقبل پر قربان کر دیا تھا اور مجھے اس پر فخر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عظیم مشن کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

سجاتا نے رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھایا پھر ہم کچھ دیر تک میٹنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے ۔ سجاتا میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی ۔ کسی وقت وہ آزردہ سی ہو کر کہتی ۔ "کشن ! مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ تم مجھ سے بیاہ نہیں کرو گے "۔

میں اسے تسلی دیتا۔ " یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ بس اگلے سال ترقی ہوتے ہی میں تم سے شادی کر لوں گا"۔

اس نے اپنا نازک سر میرے شانے پر رکھ دیا۔

"کشن ! اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو ایک بات یاد رکھنا۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم سے بھی گلہ نہیں کروں گی لیکن تم بہت جلد مجھے چتا کی آگ میں جلتا دیکھ لوگے "۔

وہ اسی قسم کی باتیں کرتی رہی جو میرے لئے بے معنی اور اس کے لئے انتہائی اہم تھیں ۔

جب گھڑی نے نو بجائے اور ہندی میں خبریں شروع ہو گئیں تو وہ گھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں خود اسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔ واپسی پر میں اسے بالکل بھول چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کل شام مجھے مقبرہ ہمایوں کے عقبی دروازے کی سیڑھیوں پر اپنے مجذوب ایجنٹ سے ملاقات کرنی ہو گی۔ لال قلعے کے اس دیوان کو میں نے کئی بار دیکھا' جہاں غدر کی کتنی ہی بڑی بڑی ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں لگی تھیں۔ غدر کے زمانے کے کچھ نوادرات بھی رکھے۔ اس دیوان خاص یا دربار ہال کو بھارتی حکومت نے جنگ آزادی کی تاریخ کے حوالے سے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسی عجائب گھر کے نیچے وہ خفیہ تہ خانہ تھا' جس کے اندر ایک لاکر میں چانکیہ پلان کا فارمولا اور بھارتی ایٹمی سینٹر کے نقشے کی مائیکرو فلم محفوظ تھی لیکن یہ فلم نکالنا اتنا آسان نہیں تھا۔ لال قلعے میں باقاعدہ فوجی چھاؤنی بنی ہوئی تھی۔ ملٹری انٹیلی جینس کے افراد چپے چپے پر موجود تھے۔

ابھی تک مجھے اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلے میں کوئی واضح حکمت عملی نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے لال قلعے کے عجائب گھر کا... بھرپور اور تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہی کسی حکمت عملی پر غور کرنا تھا لیکن دلی کے ماحول اور حالات سے میں اچھی طرح واقف تھا' مجھے اس امر میں شبہ تھا کہ اس مشن میں پوشالی میری کوئی نمایاں مدد کر سکے گی؟ اس کے باوجود میں اس سے بے نیاز نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مشکل وقت میں وہ جس طرح میری مدد کر سکتی تھی' دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

اگلے دن جب میں دفتر پہنچا تو تھانہ موتی نگر کا ایس ایچ او پہلے سے موجود تھا۔ وہ میرے باس مسٹر تیواڑی کے کمرے میں تھا۔ باس نے مجھے بلوا کر اس سے ملوایا۔ ایس ایچ او ہندو تھا اور اس کا نام لکھی رام تھا۔ اس نے مجھ سے میرے اغوا کی تفصیل پوچھی۔ میں نے سارا واقعہ ایک بار بھرپوری یادداشت کے ساتھ سنا دیا۔

ایس ایچ او بولا۔ "سر! آپ کو تھانے چل کر اپنا بیان درج کرانا ہو گا۔ یہ ضابطے کی کارروائی ہے۔ ویسے تو ہم اسی روز سے تفتیش کر رہے ہیں' جس دن آپ کو ڈاکو اغوا کر کے لے... گئے تھے"۔

میرے باس نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا۔ میں ایس ایچ او کے ساتھ موتی نگر کے تھانے پہنچ گیا۔ وہاں تحریری طور پر اپنا بیان لکھوایا۔ اس پر دستخط کئے اور واپس آ گیا۔ تھانے میں ایک پولیس انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی بھی موجود تھا۔ چونکہ میں بھارتی وزیر اعظم کے اسپیشل انٹیلی جینس بیورو کا ایک ذمے دار آفیسر تھا۔ اس لئے پولیس پوچھ گچھ کرتے ہوئے بڑی محتاط تھی۔ انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے صرف مجھ سے ڈاکوؤں کا حلیہ پوچھا اور جنگل کا وہ مقام' جہاں سے میں بھاگا تھا۔ میں نے یونہی حلیہ اور جنگل کی ایک گمنام سی جگہ بتا دی۔

چار بجے میں دفتر سے نکل کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج شام میں نے مقبرہ ہمایوں میں اپنے ایجنٹ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں بھارتی پہناوے یعنی کھدر کے کرتے پاجامے اور گرم

سوٹ ویسٹ کٹ پہن کر جانا چاہتا تھا۔ موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا اس لئے میں نے پشمینے کی شال اوڑھ لی۔ شام ساڑھے پانچ بجے میں مقبرہ ہمایوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے سیدھے مقبرے کی طرف جانے کی بجائے شہر کے ایک پُرہجوم علاقے میں ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا رخ کیا۔ گاڑی میں نے اسٹور کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اندر گھس گیا۔ ذرا دیر بعد' اس کے عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور اسے مقبرے کے قریبی پارک کی طرف چلنے کو کہا۔ یہ پارک نیا نیا تعمیر ہوا تھا اور ابھی اس کی آرائش کا کام ہو رہا تھا۔ پارک تک پہنچتے پہنچتے شام گہری ہو گئی۔ پارک کے گیٹ سے کچھ دور میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور درختوں میں سے گزرتا ہوا ہمایوں کے مقبرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں مقبرے کی ڈیوڑی میں گیس کا بڑا ہنڈا روشن تھا۔ مقبرے کے چبوترے کے چاروں طرف کھمبوں پر ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ کچھ لوگ اس وقت بھی ... وہاں سیر و تفریح کر رہے تھے۔ چند ایک غیر ملکی جوڑے تصویریں اتارنے میں مشغول تھے۔ میں بھی چہل قدمی کرتا ہوا مقبرے کی عقبی سیڑھیوں کی طرف نکل آیا۔ مجذوب فقیر مجھے فوراً ہی نظر آ گیا' جس کے پاس ایک عورت بیٹھی اسے اپنے ہاتھ سے لڈو پیڑے کھلا رہی تھی۔ میں قریب جا کر ہاتھ باندھ کر نمسکار بابا جی' کہہ کر بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجذوب نے لال لال آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے چیخ کر گالی دی۔

"بھاگ جا یہاں سے سالے! نہیں تو زمین میں گاڑ دوں گا۔"

میں جلدی سے سامنے والی جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ اب مجھے عورت کے وہاں سے چلے جانے کا انتظار تھا۔ یہ ادھیڑ عمر کی ساڑھی پوش عورت ہندو لگ رہی تھی۔ مجذوب بڑے مزے سے عورت کے ہاتھ سے لڈو پیڑے اڑا رہا تھا... پھر اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا عورت نے مجذوب کے سامنے ماتھا ٹیکا اور پرنام کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں جھاڑیوں سے نکل کر مجذوب کی طرف بڑھا اور نمسکار کرتے ہوئے بیٹھنے لگا تو مجذوب نے ایک بار پھر مجھے جھڑک کر وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "بابا جی! یہ مٹھائی آپ کے لئے جانکیہ نے بھیجی ہے"۔

مجذوب نے ایک لمحے کے لئے ٹھٹک کر مجھے گھور کر دیکھا... اور کڑک کر کہا۔ "وہ حرامی خود کیوں نہیں آیا؟"

میں نے فوراً جواب دیا۔ "وہ حرامی جہنم میں پہنچ چکا ہے"۔

مجذوب نے سر جھکا دیا اور آہستہ سے بولا۔ "جھاڑیوں میں' جہاں تم ابھی گئے تھے' وہاں سے چند قدم پیچھے املی کے بڑے درخت تلے میرا جھونپڑا ہے۔ وہاں جا کر میرا انتظار کرو"۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنا مجذوب 'ایجنٹ جھگی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ آتے ہی وہ جھگی کے اندر چلا گیا۔ میں اپنی جگہ دم سادھے بیٹھا جھگی کی طرف تکتا رہا۔ کچھ توقف کے بعد وہ

جھگی سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔

" تمہارے ساتھ جو لڑکی تھی اس کا نام کیا ہے؟" مجذوب نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

" پوشالی۔" میں نے جواب دیا۔

" تمہیں کل شام میرے پاس پہنچ جانا چاہئے تھا۔" اس نے خفگی سے کہا۔" بہرحال آج سے تین دن بعد 'پوشالی' تم سے وہیں ملے گی' جہاں اس سے ملنے کے لئے تمہیں کہا گیا ہے"۔

پھر اس مجذوب نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی شے نکال کر میری طرف پھینکی اور کہا۔ " اس میں تمہارے لئے چھ زہریلے سگار ہیں۔ تم ان کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہر سگار میں سات افراد کو ہلاک کرنے کے لئے زہر موجود ہے۔ ایک سگار کے استعمال کے فوراً بعد اگر بجھا دو گے تو اسے دوسری بار بھی استعمال میں لایا جا سکے گا۔ یوں تم ایک سگار سے سات دشمنوں کو اپنے راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ اب تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ ہمایوں کے مقبرے کی طرف مت آنا' کیونکہ میں تمہیں یہاں نہیں ملوں گا"۔

میں نے رومال میں لپٹے ہوئے زہریلے سگاروں کو اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھا اور اٹھ کر تیزی سے مقبرے کی عقبی دیوار کی طرف چل پڑا۔ زہریلے سگار حاصل کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ میرے اردگرد دشمن اپنا گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔ اور ان سگاروں کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مجھ پر کسی جانب سے بھی اچانک حملہ ہو سکتا تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے اپنے عیار باس مسٹر تیواڑی کی طرف سے تھا۔ اسے مجھ پر پاکستانی جاسوس ہونے کا شک ہو گیا تھا اور اب وہ کسی معمولی سے ثبوت کا انتظار کر رہا تھا۔

میں براہ راست باہر نکلنے کی بجائے ہمایوں کے مقبرے کے اندر آ گیا۔ چند ایک غیر ملکی سیاح وہاں پہلے سے کھڑے تصویریں لے رہے تھے۔ مقبرے کے وسیع و عریض دالان کا ایک چکر لگانے کے بعد میں چبوترے کی سیڑھیاں اتر کر پارکنگ لاٹ میں آ گیا۔ رکشا لے کر اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور پہنچا' جس کے پارکنگ لاٹ میں میری اپنی گاڑی کھڑی تھی۔

ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہو کر میں نے ایک جگہ سے ٹوتھ پیسٹ اور صابن کی دو ٹکیاں اور چائے کا ایک پیکٹ اٹھایا' کاؤنٹر پر آیا۔ اس کی ادائیگی کی اور مرکزی دروازے سے باہر آ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اسٹور سے کچھ ضروری چیزیں خرید کر آ رہا ہوں۔ میں گھر پر نیپالی نوکر سے بھی یہی کہہ کر گیا تھا کہ کچھ چیزیں خریدنے جا رہا ہوں۔

بنگلے میں پہنچ کر میں نے سگار گاڑی کے ڈیش بورڈ کے اندر ہی رکھ دیئے۔ گاڑی کے دروازے لاک کئے اور چابی گھماتا ہوا چیزیں ہاتھ میں تھامے برآمدے میں آ گیا۔ میرا نیپالی چوکیدار

گیٹ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ میں نے نوکرانی کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ کھانا تیار کر کے چلی گئی ہے۔ میں نے سگار ڈیش بورڈ میں اس لئے رہنے دیئے تھے کہ گھر میں پہلے سے کوئی مہمان نہ بیٹھا ہو مجھے ہر وقت عقابی آنکھوں والے اپنے چیف مسٹر تیواڑی کا ہی خطرہ لگا رہتا تھا۔ وہ کسی بھی وقت کوئی بہانہ بنا کر میرے مکان پر آ سکتا تھا۔ اس میں شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ خود میری سراغ رسانی کر رہا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس نے میرے اغوا کے ڈرامے پر یقین نہیں کیا تھا۔ میں بھی اس کی طرف سے بے حد محتاط تھا۔ اسی احتیاط کی وجہ سے میں سگار اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں نہیں لایا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ بنگلے میں کوئی نہیں ہے تو میں نے لفافہ میز پر رکھا اور واپس برآمدے سے ہوتا ہوا گاڑی کے پاس گیا۔ دروازہ کھول کر اندر سیٹ پر جھک کر ڈیش بورڈ میں سے سگار نکال کر انہیں اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھا اور سیدھا بیڈ روم میں چلا آیا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے سگاروں کا جائزہ لیا۔ ان کا رنگ نسواری تھا۔ سائز عام سگریٹ سے تھوڑا سا بڑا تھا۔ ہر سگار میں سریع الاثر زہر پوٹاشیم سائنائیڈ محلول کی شکل میں بھرا ہوا تھا۔ سگار سلگا کر صرف تین کش لگنے کے بعد اس کا رخ دشمن کی طرف کر کے سگار کو درمیان سے ذرا سا دبانا پڑتا تھا۔ سگار کے اندر سے سائنائیڈ کی نظر نہ آنے والی ہلکی مگر تیز پھوار نکل کر دشمن کے جسم پر گرتی تھی اور وہ آناً فاناً یوں گر کر مر جاتا' جیسے اس پر اچانک دل کا دورہ پڑا ہو۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے یہ کسی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا تھا کہ اس شخص کو کسی زہر کی مدد سے ہلاک کیا گیا ہے۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد' سگار میں نے صوفے کے اندرونی خلا میں چھپا دیئے۔ جہاں سے میں انہیں فوری طور پر حاصل بھی کر سکتا تھا اور کسی کو اس خفیہ جگہ کے بارے میں شبہ بھی نہ ہوتا۔

اگلے روز دفتر جاتے ہوئے میں نے راستے سے سگاروں کا ایک پیکٹ خرید لیا۔ میں اپنے دفتر والوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اب میں نے سگریٹ چھوڑ کر سگار پینے شروع کر دیئے ہیں میں نے قصداً ایسے سگار خریدے تھے' جن کا سائز بھی زہریلے سگاروں اتنا تھا اور ان کے پیچھے فلٹر بھی لگا تھا۔ دفتر میں اجلاس کے وقت انٹیلی جینس چیف مسٹر تیواڑی کے کمرے میں سیکرٹری نمبر دو وشرام' سپرنٹنڈنٹ اور دفتر کے کچھ دوسرے ذمے دار افسران بھی موجود تھے۔ میں نے جیب سے سگاروں کا پیکٹ نکال کر میز پر رکھا تو تیواڑی نے تعجب سے میری طرف دیکھا۔

"کیا تم نے سگار پینے شروع کر دیئے کیپٹن مھتہ ؟"

مسٹر تیواڑی بھی سگار پیا کرتا تھا۔ میں نے اس کی طرف سگار کا پیکٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سر! میں نے ایک مضمون پڑھا ہے' جس میں لکھا ہے کہ سگار اچھا ہوتا ہے اور سگریٹ کی نسبت بہت کم نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ شوق کیجئے"۔

مسٹر تیواڑی نے اپنا موٹا سگار لکڑی کے بکس سے نکالتے ہوئے کہا۔ "تھینکنگ یو میں اپنا برانڈ ہی پیوں گا"۔

سیکرٹری وشرام بولا۔ "سگار کا ویسے ایک فائدہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ کاغذ کا دھواں پھیپھڑوں میں نہیں جاتا۔

مسٹر تیواڑی سگار کا کش لگا کر بولے۔ "وشرام صاحب! زہر' زہر ہی ہوتا ہے۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ تمباکو ہر حالت میں نقصان پہنچاتا ہے۔ بس ایک عادت سی پڑ گئی ہے"۔

پھر اس نے فائل کھولتے ہوئے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی شروع کر دی۔

یہ میٹنگ ہفتے میں ایک بار ہمارے انٹیلی جینس چیف مسٹر تیواڑی کے کمرے میں ہوتی تھی' جس میں گذشتہ ہفتے کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا اور آئندہ کے اہم مسائل کے بارے میں بریفنگ دی جاتی تھی۔ میں سگار کے ہلکے ہلکے کش لگا رہا تھا۔ سگار کی مجھے عادت نہیں تھی۔ کئی بار میں کھانسا تو مسٹر تیواڑی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"کیپٹن مہتہ! اسے کم ہی پیا کرو"۔

میں نے سگار بجھا کر ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ اجلاس کے بعد میں اپنے کمرے میں بیٹھا فائلوں سے نمٹ رہا تھا کہ سجاتا کا ٹیلی فون آ گیا۔ جب سے میں ڈاکوؤں کے چنگل سے فرار ہو کر واپس آیا تھا' سجاتا مجھے صبح کے وقت دفتر فون کر کے میری خیریت ضرور دریافت کر لیا کرتی تھی۔

"ڈیئر! آج شام کا تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

میں نے ایک فائل پر دستخط کر کے اسے بند کرتے ہوئے کہا۔ "آج شام شاید میں دیر سے گھر پہنچوں' کیونکہ دفتر میں ایک ضروری سرکاری اجلاس ہے"۔

آج شام تو مجھے لال قلعے کے عجائب گھر جانا تھا۔ میں سجاتا کو کیسے وقت دے سکتا تھا۔ سجاتا کچھ ناامید سی ہو کر بولی۔

"کب تک واپس آ جاؤ گے؟ آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم کوئی فلم دیکھیں۔ امیتابھ بچن کی نئی فلم کل ہی ریلیز ہوئی ہے۔ میرا باس' اس کی بہت تعریف کر رہا تھا"۔

میں نے پورا حساب لگاتے ہوئے کہا۔ "میٹنگ شاید رات دس بجے تک جاری رہے۔ ایسا کرو کل کا پروگرام بنا لو"۔

سجاتا نے بادل نخواستہ او۔ کے کہا اور فون بند کر دیا۔ یہ اچھی بات ہوئی تھی کہ سجاتا میری شام کی مصروفیات سے آگاہ ہو گئی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ وہ تیسرے پہر دفتر سے نکل کر سیدھی میرے بنگلے پر آ جاتی۔ جب کہ میں لال قلعے میں جانے کی تیاری کر رہا ہوتا۔

دفتر سے میں ٹھیک وقت پر چھٹی کر کے بنگلے پر واپس آ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر ایک پیالی چائے پی' کھدر کا جوڑا پہنا' کاندھے پر شال رکھی' ماتھے پر تلک لگایا اور گاڑی میں بیٹھ کر لال قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ لال قلعے کے باہر سیر و سیاحت کرنے والوں کی بڑی رونق تھی۔

میں نے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی اور ٹکٹ خرید کر لال قلعے کی بلند محرابی ڈیوڑھی میں سے گزر کر اس بازار میں آگیا جو قلعے کے اندر بنا ہوا ہے۔ یہاں دکانوں پر بھی عورتوں کی کافی بھیڑ تھی اور لوگ مختلف اشیاء خرید رہے تھے۔ میں لال قلعے میں کئی بار آچکا تھا اور اس کے چپے چپے سے واقف تھا' جو لوگ اس قلعے سے واقف ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ جب بازار ختم ہوتا ہے تو سامنے سرسبز تختے آ جاتے ہیں' جہاں جگہ جگہ سرو اور آم کے درختوں کے جھنڈ ہیں اسی جھنڈ میں بائیں جانب موتی مسجد ہے۔ سنگِ مرمر کی یہ خوبصورت چھوٹی سی مسجد بیگمات کے نماز پڑھنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک جانب اونچے تختے پر دیوان عام ہے' جہاں اکبر بادشاہ کا تخت رکھا ہوا ہے۔ سنگِ مرمر کا یہ تخت اب بالکل خالی اور بغیر ہیرے جواہرات کے ہے' یہاں مغل بادشاہ دربار لگایا کرتے تھے۔ اس کی دوسری جانب دائیں رخ ایک تختہ نیچے اتریں تو دیوان خاص آ جاتا ہے۔ اس دیوان عام کے پہلو میں ایک کشادہ کمرہ ہے' جسے انگریزوں نے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس عجائب گھر میں مغل بادشاہوں کے ملبوسات کے علاوہ جو خاص چیز دیکھنے سے تعلق رکھی ہے' وہ جنگ آزادی کی ہاتھ سے بنی ہوئی تصویریں ہیں۔ یہ بڑی بڑی تصویریں سیاہ قلم کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ ان میں مجاہدین آزادی کو انگریزوں کے خلاف جنگ کرتے دکھایا گیا ہے۔ ہر تصویر کے نیچے اس کی پوری تفصیل درج ہوئی ہے۔ مجھے انگریزوں کی اپنی مرضی سے بنائی ہوئی ان تصویروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر اس کے باوجود میں ایک ایک تصویر کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ میں یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں ان نادر اشیاء کو دیکھنے کے لئے ہی لال قلعے میں آیا ہوں لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں عجائب گھر والے اس کشادہ کمرے میں گھوم پھر کر اس زینے کی تلاش میں تھا جو تہ خانے کی طرف جاتا تھا لیکن مجھے وہ زینہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ ظاہر ہے وہ خفیہ تہ خانہ تھا اور اس کا دروازہ بھی خفیہ ہی ہو گا۔ عجائب گھر کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازے سے لوگ آتے تھے اور تصویریں' نوادرات اور دوسری چیزیں دیکھنے کے بعد' دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے تھے۔ دونوں دروازوں پر عجائب گھر کے محافظ اپنی مخصوص سرخ پٹکے والی وردیوں میں ملبوس موجود تھے۔ یہاں کوئی بھی مسلم سپاہی نہیں تھا۔ تصویریں وغیرہ دیکھنے کے بہانے میری عقابی نگاہوں نے عجائب گھر کے ہال کمرے کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا۔ وہاں میرے اندازے کے مطابق کسی خفیہ دروازے کا امکان کم تھا۔ دیواروں کے ساتھ شیشے کے فریم والی اونچی اونچی الماریاں لگی تھیں۔ ان الماریوں کے پیچھے خفیہ تہ خانے کے دروازے کا ہونا عجیب سی بات تھی۔ اتنی بھاری بھرکم الماریوں کو بار بار ہٹا کر نیچے جانا تکلیف دہ عمل تھا۔

یقینی طور پر یہ خفیہ دروازہ ہال کے باہر کسی پوشیدہ جگہ پر ہو گا۔ یہ سوچ کر میں عجائب گھر کے ہال کمرے سے نکل کر باغ میں آگیا۔ سبزے پر کچھ عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ میں نے بھی ایک چھابڑی والے سے چنے خریدے اور انہیں مزے سے تفریح کے موڈ میں کھانے لگا۔

حقیقت میں، میں عجائب گھر کی عقبی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا، جس کے کونے میں دو مسلح فوجی لکڑی کے کھوکھے پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ ان کی برین گنیں ان کے گھٹنوں پر پڑی تھیں۔ وہ مجھ سے بمشکل سو قدم کے فاصلے پر ہوں گے۔ اسی لئے مجھے ان کی گفتگو صحیح سنائی دے رہی تھی جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہاں مجھے ایک تنگ سا محرابی دروازہ نظر آ رہا تھا، جو غالباً بند تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید یہی وہ دروازہ ہے جو نیچے تہ خانے کو جاتا ہے۔ میں چنے کھاتا ہوا اٹھا اور دیوان خاص کی طرف نکل گیا۔ دیوان کے اندر جانے کی بجائے میں فواروں والی روش پر سے ہوتا ہوا عجائب گھر کے عقب میں درختوں کے جھنڈ کی طرف آ گیا۔ یہاں پہلی بار مجھے ایک فوجی ٹینٹ لگا ہوا دکھائی دیا، جس کے باہر کچھ فوجی الومنیم کے گلاس میں چائے پی رہے تھے۔ میں ان کے قریب سے گزرا تو ایک فوجی جو شکل و صورت سے ڈوگرا لگ رہا تھا، میری طرف دیکھ کر بولا۔ کدھر جا رہے ہو لالہ جی؟"

میں نے ہاتھ جوڑ کر انہیں نمسکار کیا۔ "مہاراج قلعے کی سیر کر رہا ہوں۔ جانا تو کہیں نہیں"۔ ان میں ایک سکھ فوجی بھی تھا۔ اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "دوسری طرف جاؤ، اوئے دوسری طرف"۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر بڑی مسکینی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "اچھا مہاراج!"

میں تیزی سے دوسری طرف یعنی دیوان خاص کی طرف چل دیا۔ اسی دوران میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا محرابی دروازہ واقع تھا، جس کے باہر دو مسلح فوجی بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ دروازے کے دونوں لکڑی کے مضبوط پٹ بند تھے۔ اس پر تالا پڑا تھا۔ یہ دروازہ قلعے کے دوسرے دروازوں سے چھوٹا تھا۔ اس لئے اس امر میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ یہی وہ خفیہ دروازہ تھا جہاں سے نیچے تہ خانے کو راستہ جاتا تھا لیکن اس کی تصدیق بہت ضروری تھی۔ میں اوپر سے ہوتا ہوا اس طرف آ گیا۔ جدھر شاہی حمام واقع تھے۔ یہ جگہ ایک اونچے تختے پر تھی۔ تختے کے برآمدے کے ایک کونے میں دیواروں پر پچی کاری کے کام کو دیکھنے لگا لیکن اصل میں میں عجائب گھر کی عقبی دیوار کے اس کونے کا جائزہ لے رہا تھا، جس کے سامنے کے رخ پر بند چھوٹے دروازے پر مسلح محافظ بیٹھے تھے۔ غور سے دیکھنے پر وہاں مجھے دیوار میں زمین کے ساتھ ملا ہوا ایک روشندان نظر آیا، جس پر لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اگر واقعی نیچے تہ خانہ تھا تو یہ اس تہ خانے کا روشندان تھا، جہاں سے روشنی اور تازہ ہوا تہ خانے میں جاتی تھی۔ میں نے سارے نقشے کو ذہن میں اچھی طرح سے نقش کر لیا اور ٹہلتا ٹہلتا شاہی حماموں کے چھوٹے چھوٹے سنگِ مرمر کے ستونوں والے دالان میں آ گیا۔

سورج قلعے کی محرابی فصیل کے پیچھے ڈوب کر سرخ ہو گیا تھا اور شام کے ملگجے سائے درختوں

میں اترنا شروع ہو گئے تھے۔ دالان سے اتر کر کچھ فاصلے پر سے گزرتے ہوئے میں نے ایک بار پھر درختوں کے جھنڈ کے پاس لگے فوجی خیمے کی طرف دیکھا' مجھے یقین تھا کہ عجائب گھر والے خفیہ تہ خانے کا دروازہ اسی کے آس پاس واقع ہے۔ اس کے باوجود ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کی پہلے تصدیق کر لی جائے۔ تصدیق کا مرحلہ بھی اتنا سہل نہیں تھا۔ میں خود کسی فوجی یا انٹیلی جینس کے کسی افسر سے خفیہ تہ خانے کے بارے میں نہیں پوچھ سکتا تھا۔ سب لوگ میرے مرتبے اور میری شکل سے واقف تھے۔ اگر میں کسی سے دریافت کرتا تو بات مسٹر تیواڑی تک پہنچ سکتی تھی اور ہمارے مشن کے راستے میں ناقابل یقین دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ ہمارے انٹیلی جینس بیورو کا تعلق خصوصیت کے ساتھ وزیر اعظم کی سکیورٹی اور مرکزی حکومت کی بعض اہم دستاویزوں سے ہے۔ اس لئے لال قلعے کے تہ خانے میں رکھے ہوئے چانکیہ پلان سے متعلق ہمارے آفس ریکارڈ میں کوئی نہ کوئی فائل ضرور موجود ہو گی۔

دفتر کے خفیہ ریکارڈ روم میں بعض ایسے اور اس سے متعلقہ فائل رکھے گئے تھے' جن کا تعلق بھارت کی دفاعی پالیسی سے تھا۔ ریکارڈ روم کی ایک چابی مسٹر تیواڑی کے پاس اور دوسری چابی وزارت دفاع کے سیکرٹری مسٹر آہوجہ کے پاس ہوتی تھی۔ میں ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی ریکارڈ روم کی چابی حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' مجھے ان دونوں کے نوٹس میں لائے بغیر ریکارڈ روم میں گھس کر یہ تصدیق کرنی تھی کہ چانکیہ پلان جس خفیہ تہ خانے میں رکھا گیا ہے' اس کا دروازہ عجائب گھر کی عقبی دیوار ہی میں واقع ہے۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ اس قسم کی خفیہ فائلوں میں پوری تفصیل درج ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کوڈ میں ہوتی ہے لیکن میں اپنے محکمے کے کوڈ سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر ریکارڈ روم جا کر چانکیہ پلان کی فائل چیک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اگر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر ہر قسم کی رکاوٹوں کو پار کرتا ہوا کسی طرح تہ خانے میں پہنچ جاتا ہوں تو مجھے ناامیدی نہ ہو۔ میں چاہتا تھا یہ پہلے ہی سے معلوم ہو جائے کہ چانکیہ پلان تہ خانے کی کس الماری میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے تہ خانے میں اترنے کے بعد' میرے پاس اتنا وقت نہیں ہو گا کہ میں تہ خانے کی ساری الماریوں کے تالے کھول کر ان کی ایک ایک فائل کی پڑتال کروں۔ ہمارے دفتر کا سیکرٹ ریکارڈ روم نچلی منزل میں واقع تھا۔ میرے اور میرے باس تیواڑی کے کمرے کے درمیان برآمدے میں ایک سیڑھی بل کھاتی ہوئی تہ خانے میں اترتی تھی۔ یہاں ایک طرف اعلیٰ اسٹاف کے باتھ روم تھے اور دوسری جانب ریکارڈ روم کا دروازہ تھا' جس پر تالا لگا رہتا تھا۔ میں نے اس ریکارڈ روم کے مقفل دروازے کو کئی بار دیکھا تھا مگر اس کے اندر جانے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا تھا۔

دوسرے روز میں نے اپنے دفتر سے اٹھ کر باتھ روم میں داخل ہوتے ہوئے ریکارڈ روم کے تالے کو غور سے دیکھا۔ یہ چھوٹا مگر بڑا مضبوط تالا تھا۔ اگرچہ میرا باتھ روم میرے کمرے کے ساتھ ہی

ملحق تھا پھر بھی کبھی کبھی آفیسرز بھی نیچے والے باتھ روم میں چلے جایا کرتے تھے۔ سیکرٹ ریکارڈ روم کو کھولنے کے لئے چابی کی اشد ضرورت تھی۔ میں اسے توڑ کر دفتر میں شک کی فضا پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں نے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی۔

اس سے اگلے روز جب میں گھر سے دفتر کی طرف چلا تو میری جیب میں کاغذ میں لپٹا ہوا گندھے ہوئے آٹے کا ایک چھوٹا سا گولا بھی تھا۔ دفتر میں دیر تک میں اپنے کام کاج میں مصروف رہا۔ دوپہر کے بعد، جب تقریباً سارا اسٹاف لنچ میں مصروف تھا۔ میں موقع پا کر نیچے باتھ روم والے تہ خانے میں اتر گیا۔ میں نے باتھ روم میں ہاتھ دھوتے ہوئے دیکھ لیا کہ وہاں میرے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ برآمدے میں بھی کسی کے قدموں کی چاپ تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں لپک کر سیکرٹ ریکارڈ روم کے دروازے پر آیا۔ جیب سے گندھا ہوا آٹا نکال کر تالے کے اوپر رکھ کر آہستہ سے دبایا تالے کی کنجی والی جگہ کا نشان آٹے پر پورے کا پورا آ گیا۔ میں نے بڑی احتیاط سے آٹے کے چپکے ہوئے گولے کو واپس اپنی جیب میں رکھا اور باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگا پھر تولیے سے منہ پونچھا اور سگار سلگا کر گنگناتا ہوا اوپر آ گیا۔

سیڑھیوں پر مجھے وشرام آتا دکھائی دیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ "میں بھی نیچے والے باتھ روم میں جا رہا ہوں۔ میرے باتھ روم میں پانی گدلا آ رہا ہے"۔

میں نے بالوں میں چھوٹی سی کنگھی پھیرتے ہوئے کہا۔ "میرے باتھ روم میں تو پانی بالکل صاف آ رہا ہے مسٹر وشرام لیکن میں جلدی میں تھا۔ اس لئے نیچے والے باتھ روم میں چلا گیا"۔

میں یہ کہہ کر وشرام کے شک کو پختہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میرے باتھ روم میں بھی گدلا پانی آ رہا ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ایسی بات نہیں ہے اور وشرام نے محض بہانہ بنایا ہے۔ میں بالوں کو سنوارتا منہ میں سگار دبائے اپنے کمرے میں آ گیا مجھے صرف یہی ایک خطرہ تھا کہ تالے کا نشان لیتے وقت کہیں چابی والی جگہ سے گیلا آٹا چمٹا ہوا نہ رہ گیا ہو۔

اسی روز پوشالی سے بھی دلی کی ہارڈنگ لائبریری میں مجھے ملنا تھا۔ وہ وہاں پہنچ چکی تھی۔ واپس بنگلے پر آ کر میں نے گیلے آٹے کے چھوٹے سے سانچے کو آگ کے سامنے رکھ کر سخت کیا اور پھر اس میں تھوڑا سا پلاسٹر آف پیرس بھر دیا۔ جب آٹا اکھڑا تو نیچے پلاسٹر آف پیرس تالے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس میں چابی کا سوراخ پوری طرح نمایاں تھا۔ میں نے اس چھوٹے سے سانچے کو رات کے وقت کچن کی دو چھتی پر کارن فلیک کے خالی ڈبوں کے پیچھے چھپا کر رکھ دیا۔ میں خود اس تالے کی چابی بنوانے نہیں جانا چاہتا تھا۔ یہ کام میں پوشالی سے لینا چاہتا تھا۔ صبح میں نے دفتر فون کر دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں لنچ کے بعد دفتر آؤں گا۔ فون میں نے نو بجے کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں گاڑی نکال کر ہارڈنگ لائبریری کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہارڈنگ لائبریری، دلی اسٹیشن کے سامنے ایک پُر فضا باغ میں واقع ہے۔ اس کی عمارت قدیم انگریزوں کے وقت کی ہے۔ ایک بلند چھت والے کھلے ہال کمرے میں ستونوں کے درمیان جگہ جگہ چکیلے میز رکھے ہیں، جہاں بیٹھ کر لوگ ریسرچ وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ میں اس لائبریری کے ہال میں آ گیا، جہاں ہلکا ہلکا خنک اندھیرا اور گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لائبریری کے کاؤنٹر پر چھوٹی سی سفید داڑھی والا ایک ادھیڑ عمر آدمی کتابوں کے اندراج میں مصروف تھا۔ میں اس کے قریب سے گزر کر دوسرے حصے کی طرف آ گیا۔

یہاں میری نظر ایک لڑکی پر پڑی، جس کے سنہرے بال لڑکوں کی طرح تراشے ہوئے تھے۔ اس نے ہلکے کلر کا اسکرٹ اور سفید کلر کی قمیص پہن رکھی تھی۔ میں پوشالی کو پہچاننے میں کیسے غلطی کر سکتا تھا۔ اگرچہ اس کی پشت میری طرف تھی اور وہ ایک الماری کھولے اس میں کتابیں لگا رہی تھی مگر میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ کولمبو والے ایجنٹ نے مجھے کہا تھا کہ پوشالی کے بال... بوائے کٹ ہوں گے۔ میں نے اس کے قریب جا کر آہستہ سے کہا۔ "پوشالی"۔

پوشالی نے چونک کر گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور ذرا سا مسکرا کر دھیمی آواز میں کہا۔ "یہاں میرا نام ناڈی ہے"۔

اس کی آنکھیں اب نیلی نہیں رہی تھیں۔ ان میں سیاہ کانٹیکٹ لینز لگنے سے وہ سیاہی مائل ہو گئی تھیں۔ اس نے الماری بند کر کے تالا لگایا اور میرے قریب سے گزرتے ہوئے بولی۔ "ادھر تشریف لائیے۔ آپ کی کتاب غالباً اس الماری میں ہو گی"۔

وہ مجھے کونے والی الماری کے پاس لے گئی۔ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ پوشالی نے الماری کھولی اور کتابوں کو نکال نکال کر رکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

"میں یہاں شیواجی بلڈنگ کے فلیٹ نمبر ۱۴ میں رہتی ہوں۔ ویسے تم مجھے وہاں ملنے مت آنا۔ مجھے تین بجے چھٹی ہو جائے گی۔ میں کل یہاں سے سیدھا میٹنی شو دیکھنے کیلاش سینما میں جاؤں گی۔ تم مجھے کیلاش سینما کی گیلری میں ملنا"۔

پھر ایک کتاب میری طرف بڑھا کر بولی۔

"سر! بس یہ ایک ہی کاپی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ افسوس کہ ہم اسے جاری نہیں کر سکتے۔ آپ یہاں بیٹھ کر اس کے نوٹس لے سکتے ہیں"۔

ایک آدمی الماریوں میں لگی کتابوں کو دیکھتا ہوا ہمارے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ یہ جملہ پوشالی نے اس کی وجہ سے مجھے کہا تھا۔ میں نے کتاب واپس کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میڈم! میں کل کسی وقت آ کر اس کے نوٹس لے لوں گا شکریہ!"

اور میں لائبریری کی الماری کے قریب سے گزرتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔ پوشالی کے

دلی پہنچنے کی مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اگرچہ ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ میرے مشن میں میری کس طرح سے مدد کر سکے گی۔ اس کے باوجود اس کے آنے سے مجھے کافی حوصلہ ہو گیا تھا۔

شام کو سجاتا فون کیئے بغیر آ گئی۔ وہ رات کھانے تک میرے پاس ہی رہی۔ اس نے میرے ساتھ اپنی شادی کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔ نئے شیڈول کے مطابق میں اگلے برس یعنی کوئی سات مہینوں کے بعد اس سے شادی کرنے والا تھا۔ یہ شادی میں کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب شادی کا دن قریب آئے گا تو ہارٹ اٹیک کا بہانہ بنا کر شادی مزید کچھ ماہ کے لئے ملتوی کر لوں گا۔ اگلے روز میٹنی شو پر مجھے کیلاش سینما میں پوشالی سے ملاقات کرنی تھی۔ کیلاش سینما میں کوئی پرانی انگریزی فلم چل رہی تھی' جہاں بالکل رش نہیں تھا۔ شاید اسی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے پوشالی نے مجھے اس سینما میں ملنے کے لئے وقت دیا تھا۔

دفتر سے اس روز میں ایک گھنٹہ پہلے ہی نکل آیا اور سیدھا کیلاش سینما کی طرف چل پڑا۔ یہ سینما دلی کی ایک نئی آبادی میں واقع ہے اور اس کا شمار شہر کے خوب صورت اور جدید سینما گھروں میں ہوتا ہے۔ فلم شروع ہونے والی تھی۔ میں نے گیلری کا ایک ٹکٹ خریدا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا گیلری میں داخل ہو گیا۔ سینما ہال میں بڑا خوش گوار سا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور دھیمے سروں میں انگریزی میوزک بج رہا تھا۔ گیلری میں چند ایک لوگ ہی بیٹھے تھے۔ میری آنکھوں نے پوشالی کو فوراً دیکھ لیا۔ وہ گیلری کی دوسری دیوار کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی لفافے میں سے آلو کے چپس نکال نکال کر کھا رہی تھی۔ اس کے آس پاس کی کتنی ہی سیٹیں خالی تھیں۔ میں چپکے سے اس کے ساتھ والی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔

پوشالی نے میرے بیٹھتے ہی لفافہ میرے آگے کر دیا۔ "جس روز تم کولمبو سے چلے تھے' مجھے اس کے اگلے روز ہی کولمبو سے نکال کر مدراس اور پھر دلی پہنچا دیا گیا تھا۔ ایک پُراسرار آدمی جس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ میری رہنمائی کر رہا تھا۔ میں نے رات ایک ہوٹل میں بسر کی اور اگلے روز سیدھی ہارڈنگ لائبریری آ گئی۔ یہاں پہلے ہی سے بات ہو چکی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں نوکری دلوانے کے لئے بھاری رشوت دی گئی تھی۔ میرا شناختی کارڈ بھی تیار تھا جو اس وقت بھی میری جیب میں ہے۔ یہاں مجھے اسرائیلی لڑکی مس نادی ظاہر کیا گیا ہے جو اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد حیفہ سے دلی آ گئی تھی اور یہاں ہی رہنا چاہتی ہے۔ ہارڈنگ لائبریری ہی میں کتابوں کو الماریوں میں رکھنے اور نکالنے کا کام کرتی ہوں"۔

پھر پوشالی نے مجھے بتایا کہ کولمبو والے ایجنٹ نے اسے بھی چانکیہ پلان کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا تھا' جو اس نے مجھے بتایا تھا۔ پوشالی کہہ رہی تھی۔ "کیا تم نے عجائب گھر والے تہہ خانے

کو پہلے کبھی دیکھا ہے؟ میں نے بھی کچھ سال اس شہر میں گزارے ہیں مگر لال قلعے جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا"۔

میں نے ساری کہانی بیان کر دی کہ اس وقت مجھے اپنے آفس کے سیکرٹ ریکارڈ روم کے تالے کی چابی بنوانے کا مرحلہ درپیش ہے' جو اس کی مدد کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔

پوشالی نے چپس کھاتے ہوئے اردگرد کی نشستوں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔ "تم مجھے سانچہ دو۔ میں اسی طرح کی چابی بنوا لوں گی۔ اندرون شہر ایسی دکانیں ہیں جو کچھ روپے لے کر ہر قسم کے تالے کی چابی تیار کر دیتے ہیں"۔

میں نے کہا۔ "میں کل تمہیں اس جگہ پلاسٹر آف پیرس کا سانچہ لا کر دوں؟"

پوشالی نے کہا کہ میں لائبریری بالکل نہ آؤں۔ اس نے اگلی شام مجھے دلی ریلوے اسٹیشن کے فرسٹ کلاس ریفرشمنٹ روم میں آنے کا وقت دیا اور بولی۔ "آج سے دس برس پہلے میں نے اپنے ایک انکل کے ساتھ اس شہر دلی میں ایک سال گزارا تھا۔ وہ یہاں سمرقند سے مذہبی کتابیں بیچنے کا کاروبار کرنے آئے تھے۔ میں اس شہر میں کافی گھومی پھری ہوں"۔

فلم شروع ہوئی تو ہال میں اندھیرا چھا گیا۔ چونکہ ہمارے اردگرد دور تک سیٹیں خالی پڑی تھیں۔ اس لئے ہم بے فکری سے گفتگو کر رہے تھے۔ پوشالی کو میں نے اپنے موتی نگر والے بنگلے پر سجاتا اور آفس میں چیف مسٹر تیواڑی کو مشکوک شخصیت کے بارے میں کولمبو ہی میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ میں نے اسے اپنی واپسی پر تمام دفتری ساتھیوں 'مسٹر تیواڑی' سجاتا اور اپنے ... رشتے داروں کے ردِ عمل سے آگاہ کیا۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں لال قلعے والے عجائب گھر کا جائزہ لے چکا ہوں۔

وہ کہنے لگی۔ "چابی میں پرسوں تمہیں دوں گی۔ یہ لوگ پیسے کے عوض جلدی کام کر دیتے ہیں اور بالکل نہیں پوچھتے کہ میں چابی کی نقل کس لئے بنوا رہی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ سمرقند اور روس کے دوسرے علاقوں میں چابی کی نقل بغیر سرکاری اجازت نامے کے کوئی نہیں بنوا سکتا"۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ اگر اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ چانکیہ پلان کے فارمولے کی مائیکرو فلم تہ خانے کے لاکر میں ہی ہے تو میں نے اس کے اندر جانے کی ترکیب کیا سوچ رکھی ہے؟ ابھی تک میں نے کسی قسم کی ترکیب کو آخری شکل نہیں دی تھی۔ لال قلعے میں میں نے جو کچھ دیکھا' اس کی ایک ایک تفصیل سے میں نے اسے آگاہ کر دیا تھا۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ میرا ارادہ اکیلے ہی اس مشن پر جانے کا ہے تو وہ ایک پل کے لئے چپ ہو گئی۔

"میں تمہاری حکمت عملی میں دخل دینا نہیں چاہتی۔" اس نے لمحے بھر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اکیلے اس مشن کو مکمل کر سکتے ہو تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ کیونکہ یہ مشن اتنا نازک ہے کہ اس کے لئے صرف ایک شخص ہی کافی ہونا چاہئے لیکن اگر تمہیں میری

ضرورت پڑے تو مجھے اشارہ کر دینا۔ میں تمہاری مدد کو پہنچ جاؤں گی"۔

اس نے جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر مجھے تھما دیا۔ "اس کاغذ پر میرا نام ناؤ ی اور ٹیلی فون نمبر ٹائپ کیا ہوا ہے۔ میں صبح نو بجے سے تین بجے تک ہارڈنگ لائبریری میں رہتی ہوں... اس کے بعد اپنے شیواجی بلڈنگ والے فلیٹ میں آ جاتی ہوں"۔

میں نے پوشالی کو دلی والے مجذوب ' ایجنٹ سے حاصل کئے ہوئے زہریلے سگاروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی اور جب کسی بات کی ضرورت نہ ہو تو ہم وہ بات کبھی دوسرے سے نہیں کرتے۔ خواہ ایسا کرنے میں بظاہر کوئی قباحت نہ ہو۔ رازداری اور ضرورت کے مطابق بات کرنا جاسوسوں کا اولین اور زریں اصول ہوتا ہے۔

پوشالی نے کہا۔ " بے شک تم اپنے کام میں تجربہ کار اور ماہر ہو۔ اس کے باوجود تمہارا مشن اس نوعیت کا ہے کہ تمہارا مقابلہ بھارتی فوج کے کمانڈوز سے ہو گا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ لال قلعے والے عجائب گھر کے باہر جو بھارتی کمپنی خیمہ لگائے بیٹھی ہے' اس میں زیادہ تعداد فوجی کمانڈوز کی ہو گی۔ اس لئے تمہارے پاس پستول یا ایک آدھ برین گن کا ہونا لازمی ہے"۔

میں خود یہی سوچ رہا تھا۔ برین گن تو میں حاصل نہیں کر سکتا تھا لیکن ریوالور میں کہیں نہ کہیں سے پیدا کر سکتا تھا۔ تاہم میں زیادہ تر اپنی چابکدستی اور مہارت پر بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ اگر ایسا موقع آ ہی گیا تو میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ بھارتی فوجیوں کا اسلحہ انہی پر استعمال کروں گا۔ زہریلے سگار وہاں ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اتنا وقت نہیں ملنا... کہ سگار سلگانے اور اس میں سے زہریلی پھوار کے نکلنے کا انتظار کیا جاتا۔

میں نے پوشالی سے کہا۔ " میرا سرکاری ریوارلور مجھ سے گم ہو گیا تھا۔ میں نے دوسرے کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار روز میں مجھے نیا ریوالور مل جائے"۔

ابھی فلم کا انٹرول نہیں ہوا تھا۔ پوشالی نے کہا۔ " اب ہمیں ایک دوسرے سے الگ ہو جانا چاہئے۔ تم اٹھ کر چلے جاؤ۔ میں تمہارے جانے کے کچھ دیر بعد خود ہی واپس چلی جاؤں گی۔ کل شام سات بجے تم چابی کا سانچہ لے کر ریلوے اسٹیشن کے فرسٹ کلاس ریفرشمنٹ روم میں آ جانا۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گی"۔

میں اٹھ کر سینما ہال سے باہر نکل آیا۔ گاڑی نکالی اور اپنے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ بنگلے پہنچا تو میرے نیپالی چوکیدار اور باڈی گارڈ نے بتایا کہ سجاتا بی بی کا تین بار فون آ چکا ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ میں نے کمرے میں آ کر سجاتا کو فون کیا۔ وہ میری آواز سنتے ہی بولی۔

" کشن تم کہاں تھے؟ دفتر سے بھی تم جلدی نکل آئے تھے"۔

مجھے بڑا غصہ آیا کہ یہ لڑکی تو اب میری جاسوسی کرنے لگی ہے مگر میں غصے کو پی گیا۔ " ایسی کون

سی بات تھی ڈرالنگ ؟ میرے کان میں درد تھا۔ اس لئے ڈاکٹر کے پاس چلا گیا۔ وہاں کچھ... دوست مل گئے۔ ہم بارہ کھمبے چائے پینے چلے گئے "۔

سجاتا نے ذرا سا کھانس کر کہا۔ " میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ آج تیسرے پہر میرے دفتر میں ایک نوجوان لڑکی مجھ سے ملنے آئی کہنے لگی ' میرٹھ سے آئے ہوئے مجھے تین روز ہو گئے ہیں۔ میں وزیر اعظم انٹیلی جینس بیورو کے چیف سے ملنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر کوئی مجھے سیکرٹریٹ کے قرب بھی جانے نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی انٹیلی جینس چیف کے گھر کا پتہ بتاتا ہے "۔

میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ کون لڑکی ہو سکتی ہے ؟... پھر سوچا کہ ہو گی کوئی ضرورت مند' میرا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؟ میں نے سخت بوریت کے ساتھ سجاتا سے پوچھا کہ میرا اس معاملے میں کیا کام ہے "؟

" تم سنو تو سہی۔ اس لڑکی نے مجھ سے کہا کہ بہن میں نے سنا ہے کہ تمہارا ایک کزن پرائم منسٹر کے انٹیلی جینس بیورو میں افسر لگا ہے۔ مجھ پر دیا کرو اور مجھے اپنے کزن سے ملوا دو۔" سجاتا کا جواب میرے لئے غیر متوقع تھا۔

" آخر وہ کس لئے ملنا چاہتی ہے ؟"

اب جو بات سجاتا نے مجھے بتائی ' اسے سن کر ایک بار تو میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

" اس لڑکی نے اپنا نام اوشا بتایا ہے ' کہہ رہی تھی کہ میرا ایک منگیتر جو میرٹھ کی ملٹری انٹیلی میں تھا اور جس کا نام کیپٹن ملہوترہ تھا۔ جموں کے کسی فوجی ڈپو میں آگ لگ جانے سے ہلاک ہو گیا تھا۔ میں اس کی تلاش میں دلی آئی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ جب کیپٹن ملہوترہ مر چکا ہے تو تم کسے تلاش کرنے آئی ہو ؟ اس کے جواب میں اوشا نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میرا منگیتر کیپٹن ملہوترہ زندہ ہے۔ انڈیا حکومت نے کسی وجہ سے اسے کسی زیر زمین تہ خانے میں قید کر رکھا ہے۔ میں انٹیلی جینس بیورو چیف سے اسی کے لئے ملنے آئی ہوں "۔

ساری بات میرے ذہن میں واضح ہو گئی تھی۔ یہ وہی اوشا تھی جو جموں میں مجھے ملی تھی ' جہاں میں کیپٹن ملہوترہ کو ہلاک کرنے کے بعد ' اس کا روپ دھارے تھنڈر ہاک بیس میں معائنہ کرنے گیا تھا اور پھر اس زیر زمین اڈے کو دھماکے سے اڑا دیا تھا۔ یہ لڑکی اوشا میرٹھ کے انٹیلی جینس آفیسر کیپٹن ملہوترہ کی منگیتر تھی اور میں نے اسے کیپٹن ملہوترہ سے فون پر بات کروانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

بہرحال یہ لڑکی اوشا میرا بھانڈا پھوڑ سکتی تھی۔ اس کا دلی آنا اور پھر میرے انٹیلی جینس باس مسٹر تیواڑی سے ملنا ' میرے لئے تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔ میں نے اسی وقت اوشا سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سجاتا سے پوچھا کہ لڑکی کہاں ٹھہری ہوئی ہے ؟ بے چاری دکھی لڑکی لگتی ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں "۔

"وہ نہرو نگر کے کوارٹر نمبر سولہ اے میں اپنے کسی رشتے دار کے پاس ٹھہری ہے۔ کشن! اگر تم اس کی مدد کر سکتے ہو تو ایسا ضرور کرو۔ وہ بے چاری بار بار رونے لگی تھی"۔

میں نے سجاتا کو تسلی دی کہ میں لوشا کو اپنے باس سے ملوا دوں گا۔ فون بند کرتے ہی میں بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ میرا اوشا سے اسی وقت ملنا بے حد ضروری تھا۔ اگر وہ اچانک دفتر آ جاتی ہے اور مجھے وہاں دیکھ لیتی تو وہ ضرور کیپٹن ملہوترہ کہتی ہوئی میری طرف بڑھتی۔ کیونکہ جموں میں اسکواڈرن لیڈر ایم کول نے اس سے میرا تعارف کیپٹن ملہوترہ کے نام ہی سے کروایا تھا۔ اس لئے کہ میں اصلی کیپٹن ملہوترہ کو ہلاک کرنے کے بعد اسی کا روپ دھار کر وہاں آیا ہوا تھا۔ یہ بات میرے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ میں نے اسی وقت لوشا سے ملنے کا فیصلہ کیا اور گاڑی نکال کر نہرو نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھنٹی کے جواب میں دروازہ ادھیڑ عمر عورت نے کھولا لیکن لوشا نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ جلدی سے دروازے پر آ گئی۔

"کیپٹن ملہوترہ! بھگوان کی کرپا ہوئی کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ اندر آ جاؤ"۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور اس نے وہی کہانی دہرائی کہ اس کا منگیتر کیپٹن ملہوترہ زندہ ہے اور حکومت نے اسے کسی جرم میں قید کر رکھا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس کا پتہ کہاں سے ملا ہے؟

"مجھے تمہارا پتہ کسی نے نہیں بتایا۔ میں نے تمہیں آج دوپہر کو اس کوارٹر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "میں نے تمہیں پہچان لیا تھا کہ تم وہی لڑکی اوشا ہو جو جموں میں مجھے ملی تھی۔ بس ایسے ہی ملنے چلا آیا۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ تم ابھی تک اپنے منگیتر کو کھوج رہی ہو"۔

وہ پورے یقین کے ساتھ کہنے لگی۔ "کیپٹن! مجھے یقین ہے کہ میرا منگیتر زندہ ہے۔ وہ فوجی ڈپو کے دھماکے میں ہلاک نہیں ہوا"۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی سے کیسے پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے؟ یہ لڑکی میرے مشن کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا اور دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے اس معاملے میں سوچنے کے لئے تھوڑا سا وقت چاہئے تھا۔ چنانچہ میں نے اسے کہا۔

"لوشا! تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں چیف سے ملوانے کی پوری کوشش کروں گا لیکن تم ابھی اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ میں کل اپنے ایک دوست سے بات کروں گا پھر شام کو سات بجے تمہیں بتاؤں گا کہ اس نے کون سا وقت لیا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ میں کل شام سات بجے آؤں گا"۔

اوشا کے کوارٹر سے نکلنے کے بعد میں سیدھا اپنے بنگلے پر آیا اور پوشالی کو اس کے فلیٹ پر فون کر کے کہا کہ مجھے ایک انتہائی اہم مسئلے پر تم سے ابھی کچھ باتیں کرنی ہیں۔

پوشالی نے کہا۔ "میں آدھ گھنٹے بعد تمہیں ریلوے اسٹیشن کے فرسٹ کلاس ریفر روم میں ملوں گی"۔

آدھ گھنٹے بعد' میں دلی ریلوے اسٹیشن کے ریفرشمنٹ روم میں بیٹھا پوشالی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے آنے پر میں نے ساری داستان اسے کہہ سنائی۔

پوشالی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "میں اس مسئلے کو حل کرلوں گی۔ تم اب اس کے کوارٹر میں مت جانا"۔

اس نے مجھ سے اوشا کے کوارٹر کا ایڈریس لے لیا۔ پوشالی نے مجھے بالکل نہ بتایا کہ وہ اوشا کو ہمارے مشن کے راستے سے ہٹانے کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کرے گی۔ ایڈریس لے کر ایک دم وہ کھڑی ہو گئی اور پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

وہ میری مددگار بن کر آئی تھی لیکن جاتے ہوئے مجھے ایک نئی الجھن میں گرفتار کر گئی تھی۔ اس نے اوشا کے مسئلے کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس مسئلے کو کیسے حل کرے گی؟ رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔

دوسرے دن دفتر میں بھی میں اس خیال سے پریشان رہا کہ کہیں اچانک اوشا یہاں نمودار نہ ہو جائے۔ اگرچہ میں نے اوشا کو کسی سے ملنے کے لئے منع کر دیا تھا پھر بھی میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ اوشا کے آنے سے جموں تھنڈر بیس کی تباہی کا معاملہ پھر سے زندہ ہو سکتا تھا اور اگر میرے عیار باس تیواڑی کو یہ علم ہو جاتا کہ میں جموں میں کیپٹن ملہوترہ کے روپ میں موجود تھا تو میری گرفتاری یقینی تھی لیکن دن سکون سے گزرا۔ چار بجے میں دفتر سے واپس اپنے بنگلے پر آ گیا۔ تہ خانے والے مشن کو میں تھوڑی دیر کے لئے بالکل بھول چکا تھا۔ میرے سر پر اوشا سوار تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ شام سات بجے اوشا اپنے کوارٹر میں میرا انتظار کرے گی لیکن پوشالی نے مجھے وہاں جانے سے منع کر دیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟

ٹھیک پونے چھ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے پوشالی کی آواز تھی۔

"بے فکر ہو جاؤ۔ سب ٹھیک ہو گیا ہے' مجھے اب فون مت کرنا"۔

حالات کے بارے میں سوچتا ہوا نہ جانے کب میں سو گیا۔ دوسرے دن صبح معمول کے مطابق میں چائے کی پیالی لے کر میز پر بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ دوسرے صفحے پر میری نظر ایک تصویر پر ٹھٹک کر رہ گئی۔ یہ اوشا کی تصویر تھی مگر اس تصویر میں وہ دریا کے کنارے مردہ حالت میں پڑی تھی اور خبر میں لکھا تھا کہ ایک لڑکی نے حالات سے دل برداشتہ ہو کر دریائے جمنا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ لوگوں نے اسے پل پر سے دریا میں چھلانگ لگاتے دیکھا۔ اسے بچانے کی کوشش کی گئی تھی' مگر وہ زندہ

نہ بچ سکی۔

ایک پل کے لئے میرا دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ اخبار میں نے میز پر ڈال دیا۔ پوشالی نے ایک فرض شناس ایجنٹ کا کام کیا تھا۔ وطن پاک کے کروڑوں عوام کی زندگیوں کے آگے کسی ایک انسان کی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود مجھے اس کی موت کا افسوس ہوا' کیونکہ وہ محبت کی راہ میں ہلاک ہوئی تھی۔ چند لمحے اوشا کی موت کا افسوس کرنے کے بعد' میں نے اس کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

شام کو پوشالی جب مجھے ریلوے اسٹیشن کے ریفرشمنٹ روم میں ملی تو اس پر اوشا کی موت کا ذرا سا بھی اثر نہیں تھا۔

"جو عورت ہمارے مشن کی راہ میں زبردست رکاوٹ ڈال سکتی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہمارے راستے سے ہٹ گئی ہے۔" اس نے نہایت اطمینان سے مجھے بتایا۔ "اب ہمیں اپنے مشن کی طرف توجہ دینی ہو گی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ہو سکے کوئی پلان تیار کر کے اس پر عمل شروع کر دو۔ اگر تمہیں میری ضرورت پڑے تو مجھے فون کر دینا۔ میں آندھی اور طوفان میں بھی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی"۔

پلان تیار کرنے سے پہلے موقع کا تفصیلی معائنہ بے حد ضروری تھا اور میں اپنی اصل شکل کے ساتھ بھارتی فوجی کیمپ کے قریب بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ ایک مدت کے بعد' مجھے پھر بھیس بدلنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ میرے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں تھا۔ میں نے ہفتے کی شام کو بازار سے کچھ ضروری چیزیں خرید کر ایک چھوٹے بریف کیس میں بند کیں۔ اسے گاڑی کی سیٹ کے نیچے چھپایا اور اتوار کی صبح کو اپنے بنگلے سے نکل کر لال قلعے والی گراؤنڈ کے جنوب کی طرف درختوں میں آ گیا۔ یہاں گاڑی کھڑی کر کے میں نے گاڑی کے اندر ہی بیٹھ کر اپنا حلیہ بدلنا شروع کر دیا۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ میں نے ایک ہندو جوگی کا بھیس بدلا۔ اپنے کپڑے بریف کیس میں بند کر کے گاڑی کی سیٹ کے نیچے چھپا دیئے۔ گاڑی کو لاک کیا اور جوگی کے بھیس میں الکھ نرنجن کا نعرہ بلند کرتا ہوا لال قلعے کی ڈیوڑھی کی طرف چل پڑا۔

ہندوستان میں جوگی کا بھیس بدلنا آسان مگر اس بھیس کے تمام لوازمات کو نبھانا ایک ایسے آدمی کے لئے بہت مشکل ہے جو ہندی' سنسکرت اور ہندی دیو مالا کا علم نہ رکھتا ہو۔ اناڑی آدمی جوگی کا بھیس بدل کر نکلے تو کسی بھی وقت پکڑا جا سکتا ہے کیونکہ ہندوستان میں عام جوگی بھی ویدوں اور اپنشدوں کے سنسکرت اشلوک فر فر بولتے ہیں۔ ایسے آدمی کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کس دھرم کا جوگی بنا ہے۔ آیا وہ بودھ بھکشو ہے' شیو دیوتا کا جوگی ہے' جین جوگی ہے یا ویشنو بھگت ہے لیکن میں سنسکرت کے علاوہ تامل' گجراتی اور مرہٹی زبانیں بھی بولتا تھا۔ ویدوں کے اشلوک بھی مجھے زبانی یاد تھے۔ ماتھے پر تین

سفید لکیریں ڈال کر میں نے ویشنو بھگت کا روپ دھارا تھا۔

لال قلعے کی ڈیوڑھی کھلی تھی مگر سیاحوں کو ابھی اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں سامنے والی رام لیلا گراؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مالا کا جاپ کرتے ہوئے نیم وا آنکھوں سے برابر قلعے کی ڈیوڑھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے میں نے کچھ شہریوں کو ڈیوڑھی میں داخل ہوتے دیکھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اولکھ نرنجن کے نعرے لگاتے قلعے کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ قلعے کے بازار کی دکانیں کھلنا شروع ہو گئیں تھیں۔ میں بازار سے ہوتا ہوا سبزہ زار کے تختے پر آگیا۔ میرا رخ ایوان عام کی طرف تھا۔ ایوان عام کی عقبی دیوار کے سامنے ایک طرف خفیہ تہ خانے کا مقفل دروازہ تھا جس کے باہر دو انڈین فوجی برین گنیں اٹھائے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ ایک جانب درختوں کے پاس لگے ہوئے فوجی خیمے کے باہر لکڑی کے کھوکھوں پر چار پانچ انڈین فوجی چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

میں نے فوجیوں کے قریب آکر بلند آواز میں "اولکھ نرنجن" کا نعرہ لگایا۔ "بچہ ہمیں بھی چائے پلاؤ۔"

ہندو کتنا بھی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو وہ انتہائی ضعیف الاعتقاد ہوتا ہے اور وہ کسی جوگی یا سادھو کے سوال کو کبھی نہیں ٹالتا۔ اگر اسکے پاس دینے کو کچھ نہ ہو تو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ اس کے حق میں بد دعا نہ کی جائے۔ انڈین فوجیوں نے میری طرف دیکھا۔ ایک سکھ فوجی نے کہا۔" بیٹھ جاؤ مہاراج چائے آجاتی ہے۔"

میں ان کے قریب ہی گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور آنکھ بند کر کے سنسکرت میں اشلوک پڑھنے لگا۔ ایک فوجی مگ میں گرما گرم چائے لے آیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر چائے کا مگ تھاما اور مسکرا کر کہا۔" تیرا کلیان ہو گا بچہ۔"

پھر میں نے انتہائی اعتماد کے ساتھ ان فوجیوں کے چہروں کو باری باری دیکھا اور اندھیرے میں ایک ایسا تیر پھینکا جو کسی نہ کسی نشانے پر لگ سکتا تھا۔

" ویشنو بھگوان سری کرشن مہاراج کے روپ میں اس سنسار میں آئے۔ وہ انتریامی تھے۔ ہم ویشنو بھگوان کے بھگت ہیں اور کیلاش پربت نے ہمیں پرانیوں کے دلوں میں جھانکنے کی شکتی دی ہے۔ پرنتو ہم سب کچھ دیکھ کر بھی چپ رہتے ہیں۔ تم نے ہمیں چائے پلا کر ہماری سیوا کی ہے۔ ہم تمہیں اتنا ضرور بتا دیں گے کہ تم میں سے ایک ایسا پرانی بھی ہے جس کی پتنی اس سے ناراض ہو گئی ہے اور ایسا جوان بھی ہے جس کو بہت جلد لکشمی دیوی دولت سے مالا مال کرنے والی ہے۔"

کوئی ایسا گھر ہو گا جہاں میاں بیوی ' پتی پتنی کی لڑائی نہیں ہوتی؟ اور فوجی چونکہ ذرا اکھڑ مزاج ہوتے ہیں ان کے ہاں لڑائی جھگڑا تو ہوتا ہی رہتا ہے اس کے علاوہ ہر آدمی کو دولت کی تمنا ہوتی ہے۔ یہ

دونوں باتیں میں نے یہی سوچ کر کہی تھیں۔

ایک فوجی میرے قریب آ کر ادب سے بیٹھ گیا اور بولا۔ "مہاراج! میری پتنی نے کئی روز سے مجھے خط نہیں لکھا وہ ضرور مجھ سے ناراض ہے۔ ہمارے بیاہ کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا کوئی ایسا ٹونا بتایئے کہ میری پتنی کا خط آ جائے۔"

اس پر دوسرے فوجی ہنسنے لگے۔ میں نے انکی طرف دیکھ کر غضبناک آواز میں کہا۔ "ٹھٹھا مت کرو۔ یم دوت تمہیں بہت جلد اپنے پنجوں میں جکڑنے والا ہے۔"

سب چپ ہو گئے۔ موت کے خوف سے ان کے چہرے ایک لمحے کے لئے اتر گئے۔

میرے سامنے بیٹھے ہوئے فوجی نے میرے پاؤں کو چھو کر ہاتھ اپنے ماتھے سے لگا لئے۔ "مہاراج ان جوانوں کا خیال نہ کریں۔ یہ مورکھ ہیں۔ مجھے بتائیں میری پتنی مجھ سے کیسے خوش ہو گی؟ اور میرا ہاتھ دیکھو مجھے لکشمی دیوی کب دولت سے نہال کرے گی۔"

میں اس کا ہاتھ غصے سے جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوجی نے بھی میری تقلید کی۔ "مہاراج کوئی غلطی ہو گئی ہے تو شما کر دیں۔" میں اسے ایک طرف لے گیا۔ "بچہ تو نے ہمیں سمان دیا ہے۔ ہم تجھ سے پرسن ہوئے ہیں۔ وہ جوان تم ہی ہو جسے لکشمی دیوی بہت جلد دولت سے مالا مال کرنے والی ہے۔

اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ "مہاراج کب ملے گی مجھے دولت؟ میں آپکی ساری عمر سیوا کروں گا مہاراج!"

"بچہ! ہمارا دل تم پر مہربان ہو گیا ہے۔ ہم تمہیں سب کچھ بتا دیں گے لیکن یہاں نہیں۔ یہ جگہ ویشنو بھگتوں کے قابل نہیں ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد ہمیں قلعے کے گراؤنڈ میں نیم کے نیچے ملو۔ تیرے دن پھرنے والے ہیں مگر خبردار اپنے ساتھیوں کو مت بتانا کہ تم ہم سے ملنے آ رہے ہو۔ نہیں تو لکشمی دیوی تم سے ناراض ہو جائے گی۔"

فوجی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مہاراج میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اور ایک گھنٹے بعد آپکے چرنوں میں پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے ہاتھ اوپر اٹھا کر الکھ نرنجن کا نعرہ لگایا اور قلعے سے باہر نکل کر اس پارک کے قریب و جوار میں آ گیا' جہاں میں نے اپنی گاڑی پارک کر رکھی تھی۔ سامنے ہی وہ نیم کا درخت تھا جہاں میں نے ہندو سپاہی کو بلایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آئے گا اور چند لمحوں بعد وہ آ گیا۔

"لکشمی دیوی تم پر مہربان ضرور ہے پر تم نے پچھلے جنم میں کچھ ایسے پاپ کئے ہیں جن کا تمہیں پرائشچت کرنا ہو گا۔" میں نے اسے ڈرایا

"مہاراج مجھے بتایئے۔ میں پرائشچت کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

میں نے اسے دن میں روزانہ چار گھنٹے دلی کے بھیروں جی کے مندر میں جا کر اشلوک پڑھنے کو کہا

تو وہ ہاتھ باندھ کر بولا۔ "مہاراج! دن کو ڈیوٹی ہوتی ہے۔ مجھے روز چھٹی نہیں مل سکے گی رات کو چلا جایا کروں؟"

"تم یہاں ایسی کونسی ضروری ڈیوٹی دے رہے ہو؟ کیا تمہیں دولت نہیں چاہیئے۔ کیا تم اپنی پتنی سے پیار نہیں چاہتے۔" میں نے جلتی پر تیل ڈالا۔

"وہ گڑگڑا کے بولا۔ "مہاراج! قلعے کے نیچے سرکار نے کوئی خفیہ شے رکھی ہوئی ہے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں کوئی ایک پل کے لئے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ آپ حکم کریں۔ میں ساری رات بھیروں جی کے مندر میں بیٹھا رہوں گا۔"

"میں نے ادھر ادھر کی باتوں سے ہندو ڈوگرہ فوجی کو بہت کریدا۔ لیکن وہ مجھے سوائے اسکے اور کچھ نہ بتا سکا کہ عجائب گھر والے ہال کے نیچے حکومت کی کوئی اہم دستاویزات موجود ہے جس کی حفاظت کے لئے وہاں سات فوجی دن کے وقت اور سات فوجی رات کے وقت ڈیوٹی دیتے ہیں۔ سات میں سے چار خیمے میں ریزرو کے طور پر موجود ہوتے ہیں۔ دو فوجی تہ خانے کے دروازے پر اور ایک فوجی روشندان والی دیوار کے ساتھ چل پھر کر پہرہ دیتا تھا۔ میں نے اس سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ فوجی خیموں میں سوائے برین گنوں اور میگزین کے اور کوئی اسلحہ نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے تم روزانہ رات کے دس بجے بھیروں جی کے مندر میں جاکر ایک گھنٹہ اشلوک پڑھ آیا کرو۔" مطلب نکل آنے پر میں نے اسکی مرضی کے مطابق اسے اجازت دے دی۔" میں پندرہ دن کے بعد تمہیں رات کو بھیروں جی کے مندر میں ہی ملوں گا۔ اب دفع دور ہو جاؤ اور اگر تم نے مجھ سے ملاقات کرنے کا کسی سے ذکر کیا تو یاد رکھو تمہاری پتنی مرجائے گی اور جو دولت تمہیں لکشمی دیوی سے ملنے والی ہے اس سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

فوجی نے میرے پاؤں کو ہاتھ لگا کر قسم کھائی کہ وہ کسی سے کچھ بھی بات نہیں کرے گا اور اٹھ کر مجھے پرنام کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ اگرچہ میں نے اپنا حلیہ کافی بدلا ہوا تھا پھر بھی میں اٹھ کے پارکنگ پارک کی طرف چل دیا اور گاڑی کو وہاں سے نکال کر ایک ویران علاقے کی طرف لے گیا' جہاں میں نے جوگیوں والا لباس اتار کر رومال سے چہرے پر لگی ہوئی تلک کی لکیریں صاف کیں۔ اپنا دھوتی کرتا اور واسکٹ پہنی۔ جوگیوں والے لباس کو بریف کیس میں بند کیا اور اپنے بنگلے کی طرف چل دیا۔

اسی شام میں پوشالی سے ملا اور اسے ڈوگرہ سے ہونے والی ملاقات کی تفصیل بتا کر رائے دینے کو کہا۔ وہ ذرا سی میری طرف جھکی اور دھیمی آواز میں بولی۔ "ہم اس ہندو ڈوگرے کو استعمال کر سکتے ہیں جو اس وقت تمہارے قابو میں ہے۔"

میں سگار کا کش لگاتے لگاتے رک گیا۔ "کس طرح؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

پوشالی نے مجھے ایک ایسی اسکیم بتائی جس پر عمل کرنے سے کم از کم تھوڑی دیر کے لئے دشمن

کا جوابی حملے کا خطرہ ٹل سکتا تھا لیکن یہ اسکیم اس اعتبار سے بے حد خطرناک تھی کہ اگر ہندو فوجی کو ہم پر ذرا سا بھی شک ہو گیا تو میری گرفتاری یقینی تھی۔

میں نے چند لمحے غور کیا اور پوشالی کی اس اسکیم پر عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے پوشالی نے ساری تفصیلات طے کر لیں اور مجھے شہر سے باہر جمنا کنارے اس کھنڈر کا پتا بھی بتا دیا' جہاں اسے آدھی رات کو لکشمی دیوی کے روپ میں ظاہر ہونا تھا۔

رات سوا گیارہ بجے میں نے جوگیوں کے لباس والا بریف کیس اٹھایا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر کے گیراج کی طرف بڑھا۔ نیپالی چوکیدار کچھ فاصلے پر برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ میں ایک سرکاری کام سے ائرپورٹ جا رہا ہوں' وہاں مجھے کچھ دیر ہو سکتی ہے۔ میرا رخ بھیروں جی کے مندر کی طرف تھا۔ گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی کر کے میں نے جوگیوں والا لباس پہنا۔ ماتھے پر وشنو بھگوان کی تین سفید لکیریں ڈالیں اور ہاتھ میں تواری منکوں کی مالا لئے بھیروں جی کے مندر کی طرف چلا جو خالی خالی لگ رہا تھا۔ صرف دو نوکر مندر کی ڈیوڑھی کے اندر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ میری نظریں فوجی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر وہ نظر آ گیا۔ مندر کے دالان میں وہ وہ ایک ستون کے پاس گھٹنے ٹیکے ہاتھ جوڑے' آنکھیں بند کئے بیٹھا رام نام کر رہا تھا۔

میں نے قریب جا کر اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔" تم بڑے سوبھاگی ہو۔ لکشمی دیوی نے تمہاری پرارتھنا سویکار کر لی ہے اور تمہیں اپنے پاس بلایا ہے۔"

ڈوگرہ فوجی مجھے دیکھتے ہی پاؤں چھو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسے جلدی سے مندر کے اندھیرے کونے میں لے گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ گیان دھیان کے دوران ... لکشمی دیوی میرے سامنے آ گئی .... اور کہا کہ جس بالک کو تم نے بھیروں جی کے مندر میں راج بھجن کے لئے بھیجا ہے میں نے اس کی پرارتھنا قبول کر لی ہے اور اب میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اسے لے کر جمنا پار والے کھنڈر میں آ جاؤ۔ میں خود اپنے پجاری کو درشن دوں گی اور اسے بتاؤں گی کہ اس پر میری دولت کی بارش کس طرح سے ہو گی۔

ہندو ڈوگرہ فوجی تو مارے خوشی کے میرے آگے بچھا جا رہا تھا۔ اسی وقت میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ میں نے سخت تاکید کی کہ وہ خاموش رہے۔ لکشمی دیوی درشن کے بعد جو کچھ کہے اسے غور سے سنے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ دولت سے مالا مال ہو سکے۔ جمنا پار کا کھنڈر زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ سارا علاقہ سنسان اور کھنڈر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا میں اسے کھنڈر کے تاریک دروازے پر لے آیا۔ ڈیوڑھی کے اندر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پوشالی کو لکشمی دیوی کے روپ میں اس ڈیوڑھی سے نمودار ہونا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ پوشالی نے یہاں آنے اور لکشمی دیوی کا روپ بدلنے کا کیا انتظام کیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ ہر مرحلے میں کامیابی سے طے کرے گی۔ ہندو فوجی میرے ساتھ لگ کر

ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ فرط عقیدت سے اس کا دبلا پتلا جسم جیسے کانپ رہا تھا۔
میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔" اپنے من میں ہرے راما ہرے کرشن کا سات بار جاپ کرو۔ لکشمی دیوی تمہیں درشن دینے کے لئے پرکاشت ہو گی۔" ضعیف الاعتقاد ہندو ڈوگرے نے آنکھیں بند کر لیں۔
میں نے ڈیوڑھی کے اندر دیکھا۔ وہاں ایسے روشنی ہوئی جیسے کسی نے چھوٹی ٹارچ روشن کر کے بجھا دی ہو۔ میں سمجھ گیا کہ پوشالی " درشن " دینے کے لئے تیار تھی۔ میں نے ہندو ڈوگرے کے کاندھے پر ہاتھ کر آہستہ سے کہا۔" مورکھ آنکھیں کھول سامنے دیکھ لکشمی دیوی تجھ پر مہربان ہو کر درشن دینے والی ہے۔"
ہندو کے جوڑے ہوئے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے منصوبے کے مطابق ذرا اونچی آواز میں ایک اشلوک پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی ہو گئی۔ یہ ایسی روشنی تھی جیسے پوشالی نے چھوٹی ٹارچ روشن کر کے کسی اینٹ کے ساتھ اوپر کے رخ کو رکھ دی اس ہلکی روشنی میں کھنڈر کے سامنے والی دیوار کی شکستہ اینٹیں نظر آنے لگیں تھیں پھر گھنگروؤں کے چھن چھن کی آواز سنائی دی اور پھر روشنی میں ایک ایسی خوبصورت عورت نمودار ہوئی جس نے سر پر سنہری تاج پہن رکھا تھا۔ کاندھے پر سیاہ بال لٹک رہے تھے اور چہرے پر لگی ہوئی مقیش کہکشاں کی طرح چمک رہی تھی۔ میں جلدی سے سجدے میں گر گیا۔ فوجی نے ہماری تقلید کی۔
میں نے سنسکرت کے اشلوک بلند آواز میں پڑھے۔" ہے لکشمی دیوی! ہے ماتا! تیرا بالک تیرے چرنوں میں آگیا ہے۔ اب اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دے۔"
میں نے ہندو ڈوگرے کا سر سجدے سے اٹھا دیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لکشمی دیوی کی چمکیلی صورت کو تک رہا تھا۔
تب پوشالی لکشمی دیوی کی آواز آئی۔" میں اپنے پجاری کے بلانے پر اس پر اپنی دولت نچھاور کرنے آئی ہوں۔ بالک! تیری تپسیا میں نے سویکار کی۔ میں تجھ پر مہاراجہ اشوک کے خزانوں کے بھنڈار کا منہ کھول رہی ہوں پرنتو اس کے لئے میری ایک شرط پوری کرنی ہو گی۔"
ہندو ڈوگرے کی تو دہشت کے مارے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف سے کہا۔
" لکشمی دیوی! ہے ماتا! تو حکم کر۔ تیرا بالک تیری شرط ضرور پوری کرے گا۔"
تب پوشالی نے اپنی بیٹھی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔ بالک سن! سات دہشت تیرے دشمن ہیں۔ جہاں تو رہتا ہے وہاں رات کو پہرہ دیتے ہیں میں گگن منڈل سے ان کے لئے دیوتاؤں کا سوم رس لائی ہوں۔ کل رات یہ سوم رس ان کو پلا دے۔ تیرے ساتوں دشمن سو جائیں گے، تب میں مہاراجہ اشلوک کے ہیرے جواہرات کا بھنڈار لے کر تیرے پاس قلعے میں آ جاؤں گی۔ یہ

لے سوم رس۔

پوشالی نے آہستہ سے ہاتھ اٹھا کر چاندی کی ایک سرے دانی ہماری طرف لڑھکادی۔ میں جانتا تھا کہ اس میں بے ہوشی کا کیمیکل ہے۔ میں نے جلدی سے سرے دانی اٹھالی۔

"ہے ماتا! تیری جے ہو۔ تو اپنے بالک کو دولت سے مالا مال کرنے والی ہے۔ پرنتو اسے نشانی کے طور پر اپنے بھنڈار میں سے کچھ ارپن کردے۔"

پوشالی نے دوسرا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا اور آلو بخارے جتنے دو نقلی ہیرے ہماری طرف لڑھکا دیئے۔

مہاراجہ اشوک کے بھنڈار میں سے یہ دو جواہرات میرے بالک کو دے دے اسے کہہ دے کہ ان پر ابھی کسی کی نظر نہ پڑے اگر پڑ گئی تو یہ انگارے بن کر جل جائیں گے۔ اب میں جاتی ہوں۔ دولت کا بھنڈار لے کر کل آدھی رات کے بعد قلعے میں اپنے بالک کو ارپن کرنے آؤں گی۔ جے ہو وشنو بھگوان کی۔ ہرے کرشن ہرے راما۔"

پوشالی نے ٹارچ کی روشنی بجھادی تو دیوار پر اندھیرا چھا گیا۔ ڈوگرہ فوجی کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اسے ساتھ لیا اور کھنڈر سے باہر آگیا تاکہ پوشالی کو وہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے۔

"بالک! تیری قسمت کھل گئی ہے۔" میں نے دھیرے سے اسے مخاطب کیا۔ "کل آدھی رات کے بعد تو اس قسم کے انمول ہیروں کے اتنے بڑے بھنڈار کا مالک ہو گا کہ دلی میں ایک شاندار محل بنوا سکے گا۔ پرنتو لکشمی دیوی نے جس سات دشٹوں کے بارے میں کہا ہے انہیں سوم رس پلا کر مدہوش کرنا ضروری ہے اس کے بعد ہی لکشمی دیوی تیرے لئے دولت کا بھنڈار لے کر درشن دے گی۔"

ہندو ڈوگرے نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے سوم رس یعنی بے ہوشی کے کیمیکل والی سرے دانی تھام دلی۔ میں نے ہیرے بھی اسے تھما دیئے۔

"گورو دیو!" آپ نے مجھے نہال کر دیا۔ جیسا لکشمی ماتا نے کہا ہے ویسے ہی کروں گا۔" اس نے روتے ہوئے میرے پاؤں پکڑ لئے۔" میں ابھاگی ہوں۔ آپ نے مجھے نہال کر دیا ہے گورو دیو! میں نے اسے اوپر اٹھایا اور کہا۔" اب میری بات غور سے سن! کل رات لکشمی دیوی کے درشن دینے سے پہلے میں کسی جگہ موجود ہوں گا۔ قلعے میں جہاں تو دن کو پہرہ دیتا ہے وہاں رات کو پہرہ دینے والے تیرے سات ساتھی ہی تیری دشمن ہیں جب تک وہ ہوش میں رہیں گے لکشمی دیوی تیری دولت لے کر نہیں آئے گی۔ تو انہیں چائے میں یہ سوم رس ملا کر پلا دینا۔ اس کے پینے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے سو جائیں گے تب لکشمی دیوی درشن دے کر تجھے مہاراج اشوک کا انمول خزانہ ارپن کردے گی۔

کیا تو اس کام کے لئے تیار ہے؟ اگر نہیں تو ابھی بتادے تاکہ میں یہ ہیرے اور سوم رس تجھ سے واپس لے لوں۔"

ہندو ڈوگرہ فوجی دوبارہ میرے پاؤں پر گر پڑا۔ "میں لکشمی ماتا کی شرط پوری کروں گا گوردو دیو! میں سات دشٹوں کو سوم رس پلا کر سلا دوں گا۔" میں اسے بھیروں جی کے مندر تک چھوڑنے آیا۔ راستے میں نے اسے مزید پکا کر دیا اسے روانہ کر کے میں نے کپڑے بدلے اور گاڑی اسٹارٹ کر کے موتی نگر کی طرف روانہ کردیا۔

دوسرے روز میں نے صبح صبح پوشالی کو فون کیا۔ وہ بولی "میں تمہیں خود فون کرنے والی تھی۔ آج شام تمہاری میری ملاقات بہت ضروری ہے۔ میں ٹھیک اسی جگہ پر تمہارا انتظار کروں گی جہاں ہم ایک روز پہلے ملے تھے۔" میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے فون بند کر دیا۔

شام چھ بجے میں دلی ریلوے اسٹیشن کے ریفرشمنٹ روم میں پہنچ گیا۔ پوشالی میرے سامنے تھی۔ چائے آنے تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر ہم نے کل رات کا واقعہ چھیڑ دیا۔

"میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔" پوشالی چائے بناتے ہوئے بولی۔ "اب آگے تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اور یہ کام تمہیں انتہائی ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔ تم اپنے ساتھ اسلحہ نہیں لے جاسکتے۔ لیکن تہ خانوں کی سلاخوں کو اکھاڑنے کے لئے تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہونا ضروری ہے تم نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟

میں بھی کل سے اس پر غور کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔ "قلعے میں گولی بھی نہیں چلائی جاسکتی۔ وہاں اوپر والی منزل میں پورے بریگیڈیر نے چھاؤنی ڈال رکھی ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا ریوالور یا پستول نہیں ہے جس پر سائیلنسر لگا ہو مجھے اپنے بازوؤں پر ہی بھروسا کرنا ہو گا۔"

"لیکن تمہیں اپنے ساتھ کوئی ایسا ہتھیار ضرور لے جانا ہو گا۔ جس کی مدد سے تم تہ خانے کے روشندان کی سلاخیں اکھاڑ سکو۔" پوشالی نے مشورہ دیا۔

یہ انتظام میں نے پہلے ہی کر رکھا تھا۔ یہ لوہے کا ایک تقریباً دو فٹ لمبا ٹکڑا تھا۔ جس سے لکڑی کی پیٹیوں کی پتریاں اکھاڑی جاتی تھیں۔ یہ آنکڑا مجھے اپنے گیراج میں پڑا ہوا مل گیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پوشالی کو بتایا تو کہنے لگی۔

"ہمیں ابھی تک تو یہی امید ہے کہ ڈوگرا فوجی ویسے ہی کرے گا جیسے میں نے اسے کہا ہے لیکن تمہیں کسی گڑبڑ کے لئے تیار رہنا ہو گا۔"

میں نے چائے کی خالی پیالی میز پر رکھتے ہوئے سگار سلگا لیا۔ میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر جاؤں گا۔"

"ڈوگرے کا کیا کرو گے؟ وہ تو ہوش میں ہو گا۔" پوشالی نے پوچھا۔

"اسکی زندگی کا چراغ تو سب سے پہلے گل کرنا ہو گا۔"

"نجانے کیوں مجھے یہ ہندو فوجی بالکل اناڑی لگتا ہے۔ کہیں اپنے ساتھیوں کو چائے میں بے ہوشی کا کیمیکل پلاتے وقت گھبرا کر بھانڈا نہ پھوڑ دے۔"۔

"ہماری قسمت ہے۔ ہم نے داؤ لگا دیا ہے اب پاؤ بارہ یا تین کانے۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ ویسے میں اس پر نظر رکھوں گا۔" میں نے پوشالی کو اطمینان دلا کر کہا۔

"اس کیمیکل کی بے ہوشی کا وقت کتنا ہے؟"

جب اس نے مجھے بتایا کہ اس کا ایک قطرہ اگر سات آدمیوں کو پلا دیا جائے تو وہ کم از کم چار گھنٹے تک بے ہوش رہیں گے۔ سرے دانی میں کم از کم نصف گرام کیمیکل موجود ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ اگلے روز رات گئے تک ہوش میں نہیں آئیں گے۔

"تم نے روشندان کا قریب سے جائزہ لیا ہے کیا؟" پوشالی نے اگلا سوال کیا۔ "کیا تمہارے آہنی آنکڑے سے اسکا چوکھٹا اکھڑ جائے گا؟"

میں نے اس کی طرف ذرا جھکتے ہوئے کہا۔

"روشندان قدیم وقتوں کا ہے۔ اس لئے اسے اکھاڑنے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ جس سیف میں چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم رکھی ہے۔ اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ دیا گیا ہو۔" پوشالی نے نیا نکتہ اٹھایا۔

"بجلی کے کرنٹ سے محفوظ رہنے کے لئے میرے پاس ربڑ کے دستانے ہوں گے۔ جب کہ آہنی سیف کو کھولنے کے لئے لوہے کا آنکڑا میری مدد کرے گا۔" میں نے اسے اطمینان دلایا۔

"تم بعض احمقانہ باتوں پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کر رہے ہو۔" خلاف توقع پوشالی مجھ پر برس پڑی۔ "آنکڑے کا خیال دل سے نکال دو۔ اول تو تمہیں سیف کے کمپیوٹر تالے کو توڑنے کے لئے پستول ساتھ لے جانا چاہیئے۔ اگر کہیں سے پستول حاصل نہیں کر سکتے تو پھر وہیں سے کسی بے ہوش فوجی کی برین گن اپنے ساتھ لے کر تہ خانے میں اترنا ہو گا۔ برین گن کا ایک ہی برسٹ آہنی سیف کے تالے کو اڑا کر رکھ دے گا اور تہ خانہ ہونے کی وجہ سے برسٹ کی آواز بہت کم باہر نکل سکے گی۔"

پوشالی نے بڑا اچھا نکتہ سمجھایا تھا۔ میں نے اسی طریقہ کار پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد کچھ دیر ہم نے اپنے مشن کے بارے میں مزید باتیں کیں اور پھر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ دوسرے روز صبح پوشالی نے مجھے چابی پہنچا دی اس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ کیونکہ اسی کی مدد سے مجھے اپنے آفس کے خفیہ ریکارڈ روم کا تالہ کھول کر چانکیہ پلان فائل دیکھنی تھی۔ اس کام کے لئے آفس ٹائم کے بعد کا وقت موزوں تھا۔ چنانچہ میں نے صبح ہی سے کہنا شروع کر دیا کہ میرے

پاس فائلوں کا انبار جمع ہو گیا ہے آج چھٹی کے بعد شام تک آفس میں بیٹھ کر ان سب کو ڈسپوز کروں گا۔ لیکن اپنے عیار باس تیواڑی سے میں نے اس کا ذکر نہ کیا۔ چار بجے مسٹر تیواڑی اور وشرام کام ختم کر کے چلے گئے۔ میں نے اپنے ماتحتوں کو بھی رخصت کر دیا اور خود میز پر فائلیں رکھ کر بظاہر بڑے انہماک سے کام میں مصروف ہو گیا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ آفس کے برآمدوں میں گہری خاموشی چھا گئی ہے تو میں اٹھ کر باہر آیا۔ پانچ بج رہے تھے اور صرف چوکیدار ہی دفتر میں رہ گیا تھا۔ وہ چابیوں کا گچھا کمر سے ... لٹکائے کمروں کو تالے لگاتا ادھر ادھر منڈلا رہا تھا میں نے اسے دس روپے کا نوٹ نکال کر دیا اور چاندنی چوک والی ایک خاص دکان سے سگار منگوانے کے لئے بھیج دیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد میں خفیہ تہ خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکا تھا۔ کمرے میں دیواروں کے ساتھ الماریاں لگی تھیں جو فائلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ یہ تمام کی تمام محکمہ دفاع' فضائیہ' بحریہ' فری افواج اور بھارت کے خلائی پروگرام کے منصوبوں کی خفیہ فائلیں تھیں۔ میں تمام الماریوں کے تالوں کے ڈیجیٹیل کوڈ جانتا تھا۔

میرا رخ اس الماری کی طرف تھا' جس کے اندر چانکیہ پلان کی فائل رکھی تھی۔ سات بار مختلف ہندسوں کے بٹن دبائے تو الماری کا تالا کھل گیا۔ میں نے فائل نکالی۔ یہ سات آٹھ کاغذات پر مشتمل ایک پتلی سی فائل تھی۔ میری نظریں کمزور سے بلب کی روشنی میں اس امر کی تصدیق کی تلاش میں تھیں کہ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم اور بلیو پرنٹ لال قلعے والے عجائب گھر کے تہ خانے میں ہی ہیں۔ فائل کے ایک نیلے رنگ کے کاغذ پر کوڈ الفاظ درج تھے کہ مائیکرو فلم لال قلعے میں ہی تھے۔ تہ خانے کا نام یہاں نہیں لیا گیا تھا۔ میں نے جلدی سے فائل بند کر کے الماری میں رکھی اور تالا بند کر کے باہر نکل آیا۔ کاریڈور بالکل خالی تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور یوں سیٹی بجاتا رومال سے منہ صاف کرتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ جیسے میں باتھ روم سے منہ ہاتھ دھو کر۔ ساڑھے تین بجے سجاتا میرے دفتر میں آگئی۔ مجھے اس وقت وہ زہر لگی۔ کم بخت فون کئے بغیر چلی آئی تھی' میں اس سے خندہ پیشانی سے ملا اور اچانک یوں آنے کی وجہ پوچھی۔

"میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔ کل اخبار میں جس عورت کی خودکشی کی تصویر چھپی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ عورت اوشا ہی تھی۔ جس نے تم سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ تم نے اخبار میں اسکی تصویر ضرور دیکھی ہو گی۔" سجاتا نے جواب دیا۔

"اخباروں میں روز کسی نہ کسی کی خودکشی کی خبر چھپتی ہی رہتی ہے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔" میرے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے سجاتا ڈیئر! اور سناؤ کیا تم صرف یہی اطلاع کرنے میرے پاس آئی ہو۔"

ہم کمرے میں اکیلے تھے۔ سجاتا نے بڑی محبت سے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا۔

"کشن ڈیئر! سچ جانو۔ میں تو تم سے ملنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا کہ کسی دن مجھے لے نہ ڈوبے۔ لیکن منہ سے آواز کچھ اور نکلی تھی۔

میرا بھی یہی حال ہے سجاتا۔" میں نے اپنے ہونٹ اس کے ہاتھ سے مس کئے۔ "اور پھر چند مہینوں کی بات ہے۔ ترقی ہوتے ہی ہم ایک دوسرے سے بیاہ کے بندھن میں بندھ جائیں گے۔"

سجاتا نے ناراض ہو کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"مجھے تمہاری ترقی نہیں چاہیئے۔ مجھے صرف کشن چاہئے اور بس۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ بیاہ شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ اس میں بہت سی باتیں پہلے سے سوچنی پڑتی ہیں۔ شادی کے بعد بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"چلو اٹھو! ہم اشوکا میں فلم دیکھنے جائیں گے۔ میں گھر میں کہہ کر آئی ہوں کہ کشن کے ساتھ میٹنی شو دیکھنے جا رہی ہوں۔"

اس روز سجاتا کے ساتھ فلم پر یا کسی بھی جگہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو میرے منصوبے پر عمل کی رات تھی۔ اور ابھی مجھے بازار سے نائیلون کی باریک رسی اور چہرے پر لکیریں ڈالنے کے لئے سیاہ پینٹ بھی خریدنا تھا۔ میں نے سجاتا سے پہلے تو بے پناہ عملی محبت کا مظاہرہ کیا اور پھر اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ ہم کل میٹنی شو دیکھنے جائیں گے۔ وہ راضی ہو گئی۔

چار بجے میں اسے ساتھ لے کر آفس سے باہر نکلا۔ اسے اسکی کوٹھی پر چھوڑا اور خود بنگلے پر جانے کی بجائے اندرون شہر روانہ ہو گیا۔ جہاں سے مجھے اپنے کام کی اشیاء خریدنی تھیں۔ گھر آ کر میں نے تیاری کی اور ٹیکسی لے کر لال قلعے پہنچ گیا۔ آج گاڑی میں ساتھ نہیں لایا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور قلعے کی برجیوں پر شفق کی لال سرخی چمک رہی تھی۔ میں نے ٹکٹ لیا اور قلعے میں داخل ہو کر موتی مسجد کی طرف آ گیا۔ اس دوران میں نے درختوں کے پاس فوجی کیمپ کو دیکھا۔ مجھے اپنا مطلوبہ ڈوگرا فوجی تو دکھائی نہ دیا مگر دوسرے فوجی خیمے کے باہر بیٹھے چائے پیتے ضرور نظر آئے۔ وہ فوجی تہ خانے کے ایک چھوٹے دروازے کے باہر پہرے پر کھڑے تھے اور ایک فوجی میوزیم کی دیوار کے پہلو میں روشندان کے سامنے برین گن لئے ٹہل رہا تھا اسی روشندان سے مجھے تہ خانے میں داخل ہونا تھا۔ سات بجے شام لوگوں نے قلعے سے باہر جانا شروع کر دیا۔ قلعے کے گارڈ لوگوں کو دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ لال قلعہ کافی بڑا ہے۔ وہاں میں کسی جگہ بھی چھپ سکتا تھا۔ چنانچہ میں ایک اندھیرے شاہی حمام میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ میری کلائی پر گھڑی کی سوئیاں چمک رہی تھیں۔ کچھ دیر تک باہر سے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ میں نے دو فٹ لمبا آنکڑا نکال کر اپنے پاس ہی سنگ مرمر کے فرش پر رکھ لیا۔ یہ انتظار بڑا صبر طلب تھا۔ مگر مجھے اس قسم کے اعصاب شکن

انتظار کی مشق تھی۔ میں سگریٹ اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔ کیونکہ سگریٹ پینے سے کھانسی آسکتی تھی۔

تہ خانے کے باہر والی فوج پکٹ پر شام تک خاموشی اور آل کلیئر کی جو فضا طاری تھی۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ ہندو ڈوگرہ نے ابھی تک میرے بارے میں نہیں بتایا تھا اگر وہ اپنے کیمپ کمانڈر یا کسی دوسرے فوجی کو بتا دیتا اب تک ملٹری پولیس قلعے میں میری تلاشی شروع کر چکی ہوتی۔ لیکن اس بات کا امکان بھی تھا کہ مخبری کی صورت میں ملٹری پولیس رات بارہ بجے موقع واردات پر میرے آنے کا انتظار کرتی اور مجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا جاتا۔

اس ذہنی تناؤ کی حالت میں' اندھیرے شاہی حمام کے ٹھنڈے اور خالی کمرے کے کونے میں بیٹھا طرح طرح کے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔ کسی وقت خیال آتا کہ میں نے اور پوشالی نے ایک ہندو فوجی پر بھروسا کر کے حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ کسی لمحے خیال آتا کہ نہیں ہندو فوجی کے ذہن پر لکشمی دیوی کا اثر بالکل محیط ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے لکشمی دیوی کے درشن کر چکا ہے۔ اور اب جبکہ لکشمی دیوی نے اسے دو ہیرے بھی عطا کر دیئے ہیں تو وہ اپنے عہد اور عقیدے پر قائم رہے گا اور ادھر ادھر نہیں ہو گا۔ بہرحال کچھ بھی ہو ہم نے اناڑی پن کا ثبوت ضرور دیا تھا

رات کے نو بجے میں نے جیب سے اسپرے گن نکالی اور اپنے چہرے کو کیمو فلاج کرنے کے لئے آڑھی ترچھی لکیریں بنا کر اسپرے گن وہیں پھینک دی۔ باریک دستانوں کی وجہ سے اسپرے گن پر میری انگلیوں کے نشان پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب میری کلائی کی گھڑی نے رات کے گیارہ بجائے تو میں شاہی حمام سے باہر نکل آیا۔ قلعے کے سارے تختوں پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھمبوں پر... ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ مگر درخت کے نیچے اندھیرا تھا۔ وہاں سے تہ خانے والی فوجی پلٹ کا خیمہ زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ایک باڑھ کی اوٹ سے سر نکال کر ماحول کا جائزہ لیا۔ اس وقت ادھر کوئی چوکیدار نظر نہیں آ رہا تھا۔ سارا علاقہ سنسان تھا۔ میں جھک کر اس درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ جس کے اوپر بیٹھ کر مجھے ہندو فوجی کی کاروائی کا مشاہدہ کرنا تھا۔ درخت کے قریب پہنچ کر مجھے فوجیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس وقت خیمے کے باہر ایک فوجی تو برین گن لئے پہرے پر کھڑا تھا۔ باقی تین فوجی لکڑی کے کھوکھوں پر بیٹھے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ذرا دیر بعد ان میں سے ایک انگڑائی لے کر اٹھا اور خیمے کے اندر چلا گیا۔ تہ خانے کے دروازے پر دو سپاہی متعین تھے۔ پہلو والی دیوار کے روشندان کے آگے بھی ایک سپاہی برین گن لئے ٹہل رہا تھا۔ میرا ارادہ درخت پر چڑھنے کا تھا لیکن پتوں کی کھڑکھڑ سے ہندو فوجیوں کی توجہ درخت کی طرف مبذول ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے اسی جگہ چھپے رہنے کا فیصلہ کر لیا اور گارڈینیا کی باڑھ کے پیچھے سمٹ کر شاخوں سے فوجیوں کی نگرانی کرنے لگا مجھے اپنا ہندو ڈوگرہ فوجی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

لسے لکشمی دیوی کے ہدایت کے مطابق ٹھیک آدھی رات کو " سوم رس " والی چائے کی چینک لے آنا تھا اور ابھی بارہ بجنے میں پون گھنٹہ تھا۔ خدا خدا کر کے رات کے بارہ بجے تو میری بے چین نظریں.... ملگجے اندھیرے میں خیمے کے باہر بیٹھے دو ہندو فوجیوں پر جم گئیں۔ ایک سپاہی پہرے پر تھا۔ جو فوجی خیمے کے اندر گیا تھا ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔ اب کھوکھوں پر بیٹھے ہوئے فوجی بھی اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے ان کے کاندھوں سے بریں گنیں لٹک رہی تھیں۔ میری بے چین نظریں ... ہندو فوجی ڈوگرے کی آمد کی منتظر تھیں مگر وہ کم بخت ابھی تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پھر وہ مجھے خیمے کے پیچھے سے آتا دکھائی دیا۔ میرا دل زور سے دھڑکا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی چینک تھی۔ اس چائے میں اس نے یقیناً " سوم رس " ملایا ہو گا۔ اب چند لمحوں میں فیصلہ ہونے والا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ چند سیکنڈ بعد میں ڈوگرہ فوجی کو ہلاک کرنے کے بعد روشندان کا آہنی جنگلا اکھاڑ رہا ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ چند سیکنڈ بعد وہاں گولیاں چلنے لگتیں اور میں اندھیرے میں اندھا دھند قلعے کی فصیل کی طرف ... بھاگتا دکھائی دیتا۔ ہندو ڈوگرہ فوجی کے ہاتھ میں چینک دیکھ کر ایک فوجی نے اسکی طرف متوجہ ہو کر مذاق سے کہا۔ " ارے پانڈے تو یہ چائے کہاں سے لے آیا جانگلی ۔"

اس ہندو فوجی ڈوگرے کا نام ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہوا تھا۔ بس یہ پتا تھا کہ اس کی ذات پانڈے ہے۔ اسکی حرکات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ گھبرایا ہوا ہے۔ یہ بات بڑی خطرناک تھی۔ اس کی ذرا سی لغزش مجھے موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔

" صوبیدار جی! مجھے نیند نہیں آ رہی تھی' اپنے لئے چائے بنانے لگا۔ سوچا آپ لوگوں کے لئے بھی بنا دوں۔ آپ کو تو ساری رات ڈیوٹی دینی ہے۔" پانڈے نے چینک کھوکھے پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

کھوکھے پر پڑے ہوئے ٹین کے ڈبوں میں ہندو ڈوگرے نے چائے ڈالنی شروع کر دی۔ وہ کوئی تجربہ کار جاسوس نہیں بلکہ اناڑی فوجی تھا اور محض عقیدے کے بندھن میں بندھا دولت کے لالچ میں ایسا کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ کسی وقت بھی غلط پڑ سکتا تھا۔ میرا دل پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا۔ ہندو فوجی نے مگوں میں چائے ڈال کر تہ خانے کے پاس پہرہ دینے والوں کو بھی چائے پینے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک فوجی نے وہیں سے آواز لگائی۔" پانڈے آج کیا بات ہے چائے ادھر لے آ۔"

ہندو ڈوگرہ فوجی چائے کے تین مگ لے کر تہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ کیونکہ وہاں تین فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ اس کم بخت سے یہ غلطی ہو گئی کہ پہلے خیمے والے فوجیوں کو چائے پینے اور بے ہوش ہو کر گرنے کا موقع نہ دیا۔ میرے اعصاب اس وقت شدید تناؤ کی حالت میں تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر ہندو فوجی نے واقعی چائے میں بے ذائقہ مگر سریع الاثر محلول ملا دیا ہے تو پھر اس کا ایک

گھونٹ پینے سے ہی فوجی بے ہوش ہو جائے گا اور ایسا ہوا۔ اس بدبخت ہندو ڈوگرے نے یہ عمل کسی خاص منصوبے کے تحت نہیں کیا تھا۔ وہ ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کا مجھے پہلے سے سدباب کر لینا چاہیئے تھا۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا۔۔

ہندو ڈوگرہ چائے کے تین مگ لے کر توشہ خانے کے دروازے پر موجود سپاہیوں کی طرف گیا تو اتنی دیر میں پیچھے ایک فوجی نے مگ میں چائے کا گھونٹ بھرا۔ چائے کے حلق میں جاتے ہی اس کے ہاتھ سے مگ گر پڑا اور وہ بے ہوش ہو کر کھوکھے کے اوپر لڑھک گیا۔ اسے گرتے دیکھتے ہی دوسرا فوجی وہیں سے چلایا۔

"چائے مت پینا جوانو! اس میں کوئی زہریلی شے ہے۔"

خوش قسمتی سے اس فوجی نے ابھی چائے نہیں پی تھی۔ پانسہ پلٹ چکا تھا۔ دوسری طرف اپنا فوجی ڈوگرہ گھبرا گیا۔ اس نے چائے کے تینوں مگ زمین پر پھینک دیئے۔

"صوبیدار جی! میں نے اس میں زہر نہیں ڈالا۔ سوم رس ڈالا ہے، لکشمی دیوی کا سوم رس ڈالا ہے۔"

کھیل ختم ہو گیا تھا۔ اب خطرہ میرے اوپر منڈلانے لگا تھا۔ میں وہاں سے بھاگنے کے لئے گارڈینیا کی باڑھ کے عقب میں لیٹ گیا اور کہنیوں کے بل جتنی تیزی سے رینگ سکتا تھا رینگتا ہوا قلعے کی فصیل والے تخت کی طرف بڑھا۔ عقب سے مجھے فوجیوں کی پوچھ گچھ کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"کہاں سے لایا تھا یہ سوم رس؟ کہاں ملی تھی لکشمی دیوی؟ اسے کوارٹر گارڈ میں بریگیڈیر کمانڈر کے پاس لے چلو۔"

مجھے گویا موت کا سامنا تھا۔ اگر ہندو ڈوگرہ فوجی نے یہ بتا دیا کہ ایک جوگی نے اسے یہ سب کچھ ورغلایا تھا اور وہ آدھی رات کو اس جگہ پہنچنے والا ہے تو فوجی یقیناً میری تلاش میں بھاگ کھڑے ہوں گے۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ آگے جھاڑ جھنکار سے بھرا ہوا گڑھا آ گیا۔ میں اس میں گر گیا۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو پتوں بھری شاخوں سے الگ کیا اور گڑھے میں سے نکل کر دوبارہ قلعے کی عقبی فصیل کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ میرے گھٹنوں اور کہنیوں پر خراشوں کے نشان پڑ گئے تھے۔ آہنی آنکڑا میری کمر سے بندھا میرے ساتھ ساتھ لڑھکتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے میں قلعے کی فصیل پر پہنچ گیا۔ اس جگہ خوش قسمتی سے اندھیرا تھا۔ میں نے اسی اندھیرے کی وجہ سے فرار کی شکل میں اس مقام کا انتخاب کیا تھا۔ جلدی جلدی کمر کے گرد بندھی ہوئی نائیلون کی رسی کھولی۔ اس کا سرا آنکڑے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا اور آنکڑے کو فصیل کے رخنے میں پھنسا کر رسی دوسری طرف پھینک دی۔

مگر تب تک کا سفر تکلیف دہ خیالی گزرا۔ نہ کسی نے مجھے جاتے دیکھا تھا اور نہ کوئی محافظوں سے بھرے زینے مجھے میری واپسی کا علم تھا۔ دروازے کی بجائے کھڑکی کے راستے بیڈ روم میں داخل ہو کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کپڑے اتار کر دھوتی کرتا پہنا۔ میرا پاجامہ سیرے کمرے کے پھیل جانے کی وجہ سے ساف ہو رہا تھا۔ صابن سے مسل مسل کر اسے صاف کیا پانی میں بھگو کر نچوڑ کر انہیں کچن کی الماری میں رکھ کے لٹکا دیا۔ ہونٹوں پر سے ہلکی ہلکی گرد صاف کی اور پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ تو بے کار ہی خالی ناکام ہو گئی۔ اب مجھے کیا کرنا ہو گا؟ یا کیسے چابی کی ماتحت قلم میں حاصل نہ کر سکا مگر اسے آپ کو وہاں سے بچا کر نکال لانے میں ضرور کامیاب ہو گیا تھا۔

سیل فون میرے قریب ہی تپائی پر پڑا تھا۔ یہ شاید کو فون کرنا ضروری تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا۔ بیل گھنٹی بجی ہی فون اٹھا لیا گیا۔ آواز پہچانتے ہی وہ بے قراری سے بولی۔ "کیا ہوا؟"

"ناکام رہیں۔"

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی کے بعد پریشانی کی آواز آئی۔ "کل ویک اینڈ ہے پر اسی سینما ہاؤس کی گیلری میں بات ہو گی۔"

فون بند ہونے کے بعد میں دیر تک پریشان خیالوں میں الجھا پہلو بدلتا اور سگریٹ پھونکتا رہا پھر مجھے نیند آ گئی۔ صبح خلاف معمول جلدی آنکھ کھل گئی۔ میں نے ڈرائنگ روم آ کر حقیقی و دوبارہ کمرہ اور برآمدے سے اخبار اٹھا کر چوکیدار کو آواز دی۔ وہ دوسری طرف کہیں تھا۔ میری آواز پر بھاگتا ہوا میری طرف آیا۔

"صاحب! آپ کب آیا؟ میں تو ساری رات پریشان رہا۔" اس نے قریب پہنچتے ہی کہا۔

"بس پارٹی میں دیر ہو گئی گھر میں ایک بجے تک واپس آ گیا تھا۔ نوکرانی ابھی تک کیوں نہیں آئی؟" میں نے فوراً بات بدلی۔

"صاحب وہ تو آ کر ادھر میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ میں اسے بھیجتا ہوں۔" وہ پلٹ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ نیپالی چوکیدار میری جوان نوکرانی سے عشق لڑا رہا ہے۔ اچھا ہوا اسے کافی وقت مل گیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں ٹھیک وقت پر اپنے آفس پہنچ گیا۔ میں جب اسٹیل چیف سیکرٹری کے کمرے میں اسے سلام کرنے گیا تو وہ فون کر رہا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا اور فون پر انگریزی میں کسی کو ریمارک رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فون بند کر دیا پھر میری طرف دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ عینک اتاری۔ رومال سے اس کے شیشے صاف کیے اور دوبارہ آنکھوں پر چڑھا لی۔

"اچھا ہوا تم آ گئے۔ میں تمہیں فون کرنے والا تھا۔" اس نے میری ں لگا کر میری طرف

جھکتے ہوئے کہا۔

"سر! میں تو ہمیشہ ان ٹائم آتا ہوں"۔ میں نے مسکرا

"تمہیں میرے ساتھ فورٹ تک چلنا ہو گا"۔

مسٹر تیواڑی کے اگلے جملے نے میرے جسم میں سنسناہٹ دو

کوئی سراغ تو نہیں مل گیا؟ مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں سارے دفعہ انگلیوں کے نشان کسی جگہ پر نہیں تھے۔ میں سمجھ گیا کہ چونکہ رات کے واقعہ پانڈے نے معمولی سی سختی پر سب کچھ اگل دیا ہو گا۔ چنانچہ ملٹری انٹیلی جینس حالات سے مطلع کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر تیواڑی اس قسم کے امور کی رکھتا تھا اور واردات چونکہ شاہی قلعے میں ہوئی تھی اور ایک فوجی اس میں ملوث تھا' اس انٹیلی جینس بیورو کو خبر کرنی ضروری تھی۔

"او کے سر!" میں نے بھی کرسی چھوڑ دی۔

گاڑی مسٹر تیواڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اس کے پہلو میں تھا۔ گاڑی جب پارا سٹریٹ سے نکل کر لال قلعے کو جانے والی سڑک پر آئی تو میں نے تجسس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ کیا فورٹ میں آج کوئی خاص تقریب ہے؟

"کسی نے فورٹ کی رجمنٹ کے ایک فوجی پانڈے کو بے وقوف بنا کر میوزیم سے نوادرات چرانے کی کوشش کی ہے"۔ مسٹر تیواڑی کا جواب حسب توقع تھا۔

میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔ "یہ کب کی بات ہے سر؟"

"کل رات کا واقعہ ہے۔ یہ مجھے کسی غیر ملکی ایجنٹ کا کام لگتا ہے"۔ تیواڑی نے فورٹ میوزیم کے نیچے تہ خانے کا نام نہیں لیا تھا۔

"سر! غیر ملکی ایجنٹ کو میوزیم کی تصویریں چرانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟"۔

تیواڑی نے ایک پل کے لئے میری طرف دیکھا۔ "تو پھر تمہارے خیال میں وہ وہاں کیوں آیا تھا؟" اس نے حوالدار پانڈے کو "سوم رس" کے نام پر بے ہوشی کی دوائی کیوں دی تھی؟"

میں نے اپنے چہرے میں ذرا سی بھی تبدیلی نہ ہونے دی۔ تیواڑی شاید میرے چہرے کو ہی پڑھنا چاہتا تھا۔ میں نے انجان بنتے ہوئے۔ "سر! اصل قصہ کیا ہے؟"

مسٹر تیواڑی نے ذرا سا توقف کر کے وہ ساری کہانی بیان کر دی جو اسے ملٹری انٹیلی جینس کے چیف نے بتائی تھی۔

"سر! مجھے تو یہ صاف ڈاکے کی واردات کا پلان لگتا ہے"۔ میرا ایک ایک لفظ حیرت و استعجاب سے بھرپور تھا۔ "یہ نوادرات چوروں کی کارستانی ہے۔ وہی لوگ جو گی سادھوؤں کا بھیس بدلنے میں مہارت

ہینڈز اَپ

کمانڈو





ایک محب وطن پاکستانی کمانڈو کی سچی داستان۔
دشمن نے وطن پاک میں تخریب کاری کی ایک خطرناک سازش تیار کی تھی۔ سرفروش پاکستانی کمانڈو نے دشمن کے ناپاک عزائم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ وطن کے ایک جیالے جانباز کی جرات و شجاعت کی انفرادی مہم تھی۔ رات کی تاریکی میں سرحد پار کر کے وہ انڈیا میں داخل ہوا تو ناگہانی آفتوں اور اذیتوں کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ مگر یہ جانباز وطن پاک کی سلامتی کا عزم لئے دل میں ایمان کی شمع روشن کئے ہر آفت کا بے جگری سے مقابلہ کرتا آخر اپنے مقدس مشن میں کامیاب واپس لوٹا۔ قدم قدم پر موت کا سامنا تجسّس تحیر رونگٹے کھڑے کر دینے والے ایڈونچر حب الوطنی۔ سرفروشی اور جذبہ ایمانی سے سرشار سچی کہانی۔ سچے واقعات۔

2297

کمانڈو
(۷)

ایک محبِّ وطن پاکستانی کمانڈو کی سچّی کہانی

ہینڈز اَپ

اے حمید

مقبول اکیڈمی شاہراہ قائدِ اعظم لاہور

"شٹ اپ ـ" کرنل بھلہ نے اسے ڈانٹا ـ "ایک دم سے بلی کیوں بن گئے ہو ـ تمہاری انکوائری ہوگی ـ اگر تم بے گناہ نکلے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا ـ"

"جوگی تمہیں جمنا پار جس کھنڈر میں لے گیا تھا کیا وہاں تم نے اپنی آنکھوں سے لکشمی دیوی کو دیکھا تھا؟" تیواڑی نے پھر پوچھا ـ

"ہاں سر! میں نے دیکھا تھا ـ" پانڈے نے سہمی ہوئی آواز میں کہا ـ "وہ پوری لکشمی دیوی تھی سر! اس نے مجھے دو ہیرے دیئے تھے اور کہا تھا کہ میں سوم رس اپنے نائٹ ڈیوٹی والے جوانوں کو پلا دوں گا تو وہ مہاراجہ اشوک کی دولت کا سارا بھنڈار لے کر آئے گی ـ"

کرنل بھلہ نے اپنی جیب سے وہ دو نقلی ہیرے نکال کر مسٹر تیواڑی کو دکھائے جو پوشالی نے ہندو فوجی کو دیئے تھے ـ یہ شیشے کے تراشے ہوئے معمولی ٹکڑے تھے ـ تیواڑی انہیں دیر تک غور سے دیکھتا رہا ـ اس کے کرنل بھلہ نے تیواڑی کو کاغذ میں لپٹی ہوئی وہ حرتے زانی نکال کر دی جس میں بے ہوشی کا محلول اس وقت بھی تھوڑا سا موجود تھا ـ یہ محلول بلال نے اپنے آفس کی لیبارٹری سے چرا کر پوشالی کو دیا تھا اور پوشالی نے اسے ایک خالی سرے دانی میں ڈال کر حوالدار کو دیا تھا کہ اس میں گنگن منڈل کا "سوم رس" ہے ـ

مسٹر تیواڑی نے سرے دانی کے دہانے کو ذرا سا سونگھا اور ناک سکیڑ کر بولا ـ "یہ بڑا خاص کیمیکل ہے اور اسے تجربے کار جاسوس ہی اپنے استعمال میں لاتے ہیں ـ"

کرنل بھلہ کی بھویں چڑھ گئیں ـ اپنا ڈنڈا گھٹنے پر بجاتے ہوئے بولا ـ

"مجھے پہلے ہی شک تھا مسٹر تیواڑی کہ یہ محض واردات چوری کرنے کا پراجیکٹ نہیں تھا ـ یہ کسی غیر ملکی اور خاص طور پر پاکستانی جاسوس کا کام لگتا ہے ـ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میوزیم کے نیچے ہماری بعض بڑی اہم دستاویزات پڑی ہیں ـ"

مسٹر تیواڑی شاید نہیں چاہتا تھا کہ میرے ساتھ تہہ خانے والے خفیہ لاکرز اور دستاویزات کا ذکر ہو ـ وہ کھنکارتے ہوئے بولا ـ

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کرنل! اچھا میں چلتا ہوں۔ باقی باتیں شام کو ملاقات کے وقت کروں گا۔ اس حوالدار کی حفاظت کیجئے گا۔ شاید اسکی ہمیں ضرورت پڑے۔"

کرنل بھلہ نے فوراً کہا۔" یہ کہیں نہیں جائے گا......" واپس آتے ہوئے مسٹر تیواڑی نے مجھے پوچھا۔"کیپٹن منتر! اس واردات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ میرے جواب سے میرے ذہن کی کیفیات کا اندازہ لگانا چاہتا تھا لیکن میں اتنا اناڑی بھی نہیں تھا۔ میں نے جیب سے سگار کا چھوٹا سا لیدر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

" سر! میں تو اب بھی اسی مؤقف پر قائم ہوں کہ یہ کام پیشہ ور چور کا ہے۔ نوادرات چرانے والے گروہ اسی قسم کی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔"

مسٹر تیواڑی نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سگار سلگایا تو وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔" سگریٹ تم نے بالکل چھوڑ دیئے ہیں کیا؟"

" سگار کا تمباکو مجھے زیادہ پسند آیا ہے سر۔" میں نے ہلکا سا کش لگا کر کہا۔ میں نے مسٹر تیواڑی کو بھی سگار پیش کیا، مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وہ گاڑی چلاتے وقت سگار نہیں پیا کرتا۔ میں خاموشی سے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک پر نظریں جمائیں سوچتا رہا کہ یہ عیار شخص اس کیس کے بارے میں کس انداز سے سوچ رہا ہو گا۔

میں اس لئے مطمئن تھا کہ فوجی نے مجھے بالکل نہیں پہچانا تھا۔ دوسری بات یہ تھی میں نے رات کی ناکام واردات کے وقت وہاں کوئی نشانی نہیں چھوڑی تھی، البتہ میرے بیڈ روم میں جوگیوں والا لباس ابھی تک موجود تھا جو میں نے رات کی واردات کے وقت پہنا ہوا تھا۔ میں کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اگر مسٹر تیواڑی نے اسی وقت میری عدم موجودگی میں میرے بنگلے کی تلاشی لی تو اسے میرے جرم کا ثبوت مل سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے رات کو واپس آتے ہی جوگیوں والے کپڑوں کو کہیں دبا کیوں نہ دیا۔ دفتر پہنچنے کے بعد مسٹر تیواڑی کسی گہری سوچ میں گم اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ مجھے اب یہ الجھن سی لگ گئی تھی کہ یہ شخص میرے مکان کی تلاشی لینے نہ چلا جائے۔ میں نے ایک فائل کھول کر کام کرنے کی کوشش کی مگر پریشان خیالی نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا پھر میں نے ایک فائل نکالی جس پر مسٹر وشرام کے دستخط ہونے والے تھے۔ فائل کی ورق گردانی کرتا میں اپنے کمرے سے نکلا اور کوریڈور میں سے ہوتا ہوا مسٹر وشرام کے کمرے میں آ گیا۔ اس کا کمرہ خالی تھا۔ وشرام اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ میں واپس جانے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے کوریڈور میں مسٹر تیواڑی اور وشرام کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خدا جانے یہ میرے دل کا چور تھا یا کیا بات تھی کہ میں وہیں کھڑے رہنے یا باہر جانے کے بجائے مسٹر وشرام کے باتھ روم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

مسٹر تیواڑی اور وشرام باتیں کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے تھے ۔ مجھے کمرے کا دروازہ بند کرنے کی آواز سنائی دی ' پھر مسٹر تیواڑی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ۔

" میں چاہتا ہوں کہ اس کیس کی انکوائری تم خود کرو ۔"

" لیکن سر ! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سرے دانی میں جو بے ہوشی کا کیمیکل تھا وہ ہماری لیبارٹری سے چرایا گیا تھا ۔ وشرام کی آواز آئی ۔

" مسٹر وشرام ! میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ سراغرسانی میں گزارا ہے ۔ میں پانی کو سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ یہ کس شہر کا ہے اور پھر اپنی لیبارٹری کے کیمیکلز سے تو میں اچھی طرح واقف ہوں ۔ کرنل بھلہ نے جب مجھے قلعے میں سرے دانی دکھائی جس میں بے ہوشی کی دوائی موجود تھی تو میں اسے سونگھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ کیمیکل ہماری لیبارٹری کا ہے ۔"

میں باتھ روم میں دم سادھے ان کی باتیں سن رہا تھا ۔ ایک طرح سے میں خود ہی ان کے جال میں پھنس گیا تھا ۔ اگر ان میں سے کوئی ایک اٹھ کر باتھ میں آ جاتا ہے تو میں ایک ایسی مشکل میں پھنس سکتا تھا کہ جس سے نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا ۔ مجھے مسٹر تیواڑی کی آواز سنائی دی ۔

" مسٹر وشرام ! یہ ہم دونوں جانتے ہیں کہ ہمارے آفس میں سے کون شخص یہ کام کر سکتا ہے جس پر ہمیں شک ہے ۔ بہرحال بھارت ورش کی سیکورٹی کا معاملہ ہے ۔ صبح دفتر آتے ہی مجھے وزارت دفاع کے چیف سیکرٹری کا فون آیا تھا کہ اس کیس کی مکمل انکوائری کی جانی چاہیئے ۔ مجھے یقین ہے کہ جوگی کے بھیس میں حوالدار پانڈے کو بے ہوشی کا کیمیکل دینے والے کا مقصد قلعے کے نوادرات چرانا نہیں بلکہ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم یا دوسری اہم سرکاری خفیہ دستاویزات چرانا تھا ۔"

ایک بات کا مجھے ناقابل تردید ثبوت مل گیا تھا کہ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم قلعے کے میوزیم کے نیچے تہ خانے میں ہی ہے ۔ مجھے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی کم بخت اٹھ کر باتھ روم میں نہ آ جائے ۔ میں دبے پاؤں باتھ روم کے عقبی دروازے کی طرف گیا اور چٹخنی کو بڑی احتیاط سے کھولنے کی کوشش کرنے لگا ۔ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ چٹخنی کھل گئی ۔ میں دبے پاؤں مگر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا واپس دروازے کے پاس آیا اور کان لگا دیئے ۔ تیواڑی اور وشرام باتیں کر رہے تھے ان تک چٹخنی کی آواز نہیں پہنچی تھی ۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا ۔ پھر مجھے تیواڑی کی آواز سنائی دی ۔

" تم ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھنا اور آج ہی کرنل بھلہ کے پاس قلعے میں جا کر کیمیکل والی سرے دانی لے آنا ۔ میں کیپٹن مہتہ کے سامنے وہ کیمیکل اپنے ساتھ نہیں لانا چاہتا تھا ۔"

اپنی گفتگو کے دوران انہوں نے پہلی بار میرا نام لیا تھا ۔ میں نے اپنا سانس روک لیا لیکن اس کے بعد تیواڑی نے کچھ نہ کہا ۔ وشرام بھی خاموش رہا پھر وشرام کے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی ۔ اب میرا وہاں رہنا فضول تھا ' خطرناک تھا ۔ وشرام کسی بھی وقت غسل خانے میں آ

تھا۔ میں دبے قدموں باتھ روم کے عقبی دروازے کے قریب آیا۔ دروازے کے ایک پٹ کو بڑی احتیاط سے دونوں ہاتھ تھام کر آہستہ سے کھولا اور باہر نکل آیا۔

جس انداز میں مسٹر تیواڑی نے میرا نام لیا تھا اس سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ اسے مجھ پر ہی شبہ ہے۔ شبہ تو اسے پہلے بھی تھا کہ لیکن اب شاید اسے ایک طرح سے ثبوت مل گیا تھا کیونکہ آفس کی لیبارٹری سے دوسرا کوئی شخص اتنی دلیری سے بے ہوشی کا کیمیکل اڑا کر نہیں لے جاسکتا تھا کیونکہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے اس کے پاس واضح ثبوت نہیں تھا کہ جسے وہ عدالت کے سامنے پیش کر سکے۔ اسے خوب معلوم تھا کہ بغیر کسی بین ثبوت کے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی صورت میں عدالت میں اس کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کر کے اسے معطل کرا سکتا ہوں لیکن اگر اسے ایک لمحے کے لے یہ بھی شبہ ہو جاتا کہ میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں اور ایک ہندو افسر کا روپ دھارے وہاں اپنے وطن کے مفادات کی حفاظت کر رہا ہوں تو وہ مجھے ایک سیکنڈ میں اس طرح دبوچ لیتا جیسے بھوکی بلی چوہے کو دبوچتی ہے۔ اگرچہ میں بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا تاہم میری ذرا سی لغزش ان پر یہ راز فاش کر سکتی تھی کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے رات کے فلم والے شو میں پوشالی سے ملاقات کرنی تھی۔ ادھر مسٹر تیواڑی نے مسٹر وشرام کو حکم دے دیا تھا کہ میرے بنگلے کے باہر نگرانی شروع کر دی جائے۔ لازمی بات تھی کہ خفیہ پولیس کا آدمی میرے بنگلے کے آس پاس دوپہر کے بعد منڈلانا شروع کر دے گا۔ یہ بڑی اچھی بات ہوئی کہ میں نے باتھ روم میں چھپ کر اتفاق سے ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں ورنہ ایک بہت بڑی تباہی سے دو چار ہو سکتا تھا۔ اب مجھے اپنے بنگلے کے باہر منڈلانے والے سی آئی ڈی کے آدمی سے نمٹنا تھا یا اسے جل دے کر پوشالی سے ملنے سینما ہاؤس جانا تھا۔ میرے لئے سی آئی ڈی کے آدمی کو۔۔۔ پہچاننا کوئی مشکل نہیں تھا۔

دفتر کا وقت ختم ہونے پر میں نے گاڑی نکالی اور اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔ مکان کے چاروں اطراف سے جائزہ لینے پر بظاہر مجھے کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ وہ اتنا اناڑی نہیں ہو گا کہ میرے مکان کے سامنے آلو چھولے لگا کر بیٹھ جائے گا۔ وہ کہیں دور کسی آڑ میں چھوٹی سی دور بین لئے کسی سیاح یا کسی فقیر کے بھیس میں بیٹھا میری نگرانی کر رہا ہو گا۔ اب میرے لئے یہ بھی ضروری ہو گیا تھا کہ میں اپنے گھر سے پوشالی کو کبھی ٹیلی فون نہ کروں اور اسے بھی منع کر دوں کہ وہ کوڈ ورڈز میں بھی مجھ سے فون پر کوئی بات نہ کرے کیونکہ حالات جس قسم کا رخ اختیار کر چکے تھے اسکی روشنی میں میری ٹیلی فون کالز کا چیک کیا جانا قدرتی بات تھی۔ میں بیڈ روم میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔ میرا دل زور سے دھڑکا۔ کہیں یہ پوشالی کا ٹیلی فون نہ ہو لیکن ریسیور اٹھاتے ہی اطمینان کی ایک سانس میرے حلق سے خارج ہو گئی۔ دوسری طرف سے میری منگیتر اور محبوبہ سجاتا بول رہی تھی۔

"کشن ڈیئر! کیا بات ہے آج سارا دن تم نے مجھے فون نہیں کیا۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں۔
اس کے ساتھ ہی ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمک اٹھا۔ میں نے اس سے تھوڑا سا اظہار الفت کیا اور پھر کہا۔ "کیلاش سینما میں بڑی اچھی انگریزی فلم لگی ہے۔ اگر تمہارے پاس وقت ہو تو چلو آج سیکنڈ شو دیکھتے ہیں۔ اگرچہ میں سخت تھکا ہوا ہوں لیکن تمہاری خاطر میں...."
سجاتا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "بس بس زیادہ پریم نہ جتایا کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم میری خاطر کیا کر سکتے ہو؟"

میں نے ایک بار پھر سجاتا سے دو چار محبت بھری باتیں کیں اور اسے یقین دلایا کہ ترقی ملتے ہی اس سے شادی کر لوں گا اور اب تھوڑے ہی دن باقی رہ گئے ہیں میری سالانہ ترقی کو اور دل پر جبر کر یہ جملہ کہہ دیا کہ اگر تم میرے ساتھ فلم دیکھنے جانا نہیں چاہتیں تو نہ سہی۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ انکار نہ کر دے مگر اس نے انکار نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندو لڑکی واقعی مجھ سے بے حد پیار کرتی تھی۔ آج بھی جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو دل میں میٹھی میٹھی یادیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ سجاتا کی آواز فون پر سنائی دی۔

"ہاں ہاں تم تو یہی چاہو گے کہ میں انکار کر دوں مگر میں فلم دیکھنے ضرور جاؤں گی۔ میں ماتا جی سے اجازت لے لوں۔ تم میرے ہاں آ جانا۔ میں تو کہتی ہوں کہ ابھی آ جاؤ۔ کھانا بھی ہمارے ساتھ کھالینا۔
اس میں میرے منصوبے کی بہتری کا پہلو یہی تھا۔ جو آدمی میری نگرانی کر رہا تھا اس کے لئے میرا سجاتا کے گھر جانا کوئی انوکھی بات نہیں ہو گی۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ میں سجاتا کو ساتھ لے کر کیلاش سینما جاؤں گا جہاں گیلری میں پوشالی میرا انتظار کر رہی ہو گی میں سجاتا کے ساتھ بکس میں بیٹھوں گا اور کسی بہانے تھوڑی دیر کے لئے بکس سے نکل کر پوشالی سے ضروری باتیں کرنے کے بعد واپس سجاتا کے پاس آ جاؤں گا۔ یوں میرے جاسوس کو جو سینما ہال کے باہر ٹہل رہا ہو گا پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ میں کس مقصد کے لئے سینما ہاؤس آیا تھا۔ وہ اپنی رپورٹ میں یہی لکھے گا کہ میں رات کو سجاتا کے ساتھ کیلاش سینما سیکنڈ شو دیکھنے گیا تھا اور میرے محکمے والوں کو علم تھا کہ سجاتا نہ صرف میری کزن ہے بلکہ س سے میری شادی بھی ہونے والی ہے۔
"ڈارلنگ! میں آ رہا ہوں۔ میرے لئے سلاد اپنے ہاتھوں سے بنا کر رکھنا 'بائی!" میں نے فوراً سکی تجویز سے اتفاق کر لیا۔

فون بند کر کے میں نے نوکرانی کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا اور گاڑی نکال کر سجاتا کے گھر کی لرف روانہ ہو گیا۔ میری نظریں بڑی ہوشیاری سے گرد و نواح کا برابر جائزہ لے رہی تھیں۔ ابھی تک لوئی مشتبہ شخص دکھائی نہیں دیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ کسی ٹیکسی گاڑی یا رکشے میں کوئی شخص ضرور برا تعاقب کر رہا ہو گا مگر میں مطمئن تھا۔ اپنی منگیتر کے ساتھ فلم دیکھنے میں کسی کے لئے شک کرنے

والی کوئی بات نہیں تھی۔

سجاتا، اسکی ماتا جی اور پتا جی میرا انتظار کر رہے تھے۔ سجاتا مجھے دیکھ کر کھسک اٹھی۔ اس نے فوراً میرے لئے چائے بنائی۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ رات کے کھانے پر سجاتا کا بھائی بھی آ گیا۔ ہندو گھرانوں میں ویسے بھی بڑی آزادی ہوتی ہے اور پھر اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی کا رشتے دار بھی ہو اور منگیتر بھی ہو تو کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ ٹھیک سوا نو بجے میں نے سجاتا کو ساتھ لیا اور کیلاش سینما کی طرف روانہ ہو گیا۔ دس منٹ میں ہم سینما پہنچ گئے۔ منیجر سے ملاقات کی تو وہ ہمیں خود باکس میں اوپر تک لے گیا۔ ٹکٹ بھی نہ خریدنے دیئے اور چائے بھی بھجوا دی۔

"تم انٹیلی جینس والوں کا بھی لوگوں پر بڑا رعب ہوتا ہے۔ بے چارا آگے پیچھے پھر رہا تھا۔" سجاتا نے فخریہ انداز میں کہا۔

میں نے سجاتا کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے تمہاری شادی ہو گئی تو تم سے بھی لوگ اسی طرح ڈرا کریں گے۔"

سجاتا نے کندھے کو ہلکے سے جھٹکا۔ "جب ہو گی تو دیکھا جائے گا۔"

فلم شروع ہوئی تو میں نے جیبوں کو ٹٹولتے ہوئے سجاتا سے کہا۔ "ارے! میں اپنے سگار لانا تو بھول ہی گیا۔ تم بیٹھو، میں باہر دکان سے سگار لے کر ابھی آتا ہوں۔"

سجاتا کی نظریں سامنے پردہ سیمیں پر لگی تھیں۔ کہنے لگی۔ "جلدی آنا ڈیئر۔"

"بس ابھی آیا ایک منٹ میں۔" اور میں بکس سے نکل کر سیڑھیاں اترنے کے بعد گیلری والے دروازے کی طرف بڑھا۔ گیٹ کیپر مجھے منیجر کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو وہ مؤدب ہو گیا۔

"گیلری میں میرا ایک دوست بیٹھا ہے۔ میں ذرا اسے دیکھ آؤں۔" میں نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

گیٹ کیپر نے انتہائی خندہ پیشانی نے کہا۔ "ضرور مہاراج، ضرور دیکھئے۔"

گیلری میں اندھیرا تھا۔ میں اندر جاتے ہی ایک سیکنڈ کے لئے آنکھیں بند کر کے رک گیا۔ دوبارہ آنکھیں کھولیں تو مجھے پردہ سیمیں کی روشنی میں گیلری میں بیٹھے ہوئے اکا دکا لوگ دکھائی دینے لگے۔ میں گیلری کی عقبی دیوار کی طرف بڑھا۔ میری نظریں کونے والی سیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں پوشالی بیٹھی تھی۔ اسے پہچان کر میں خاموشی سے اس کے برابر جا بیٹھا۔

"جو کچھ ہوا اسکا مجھے افسوس ہے۔" پوشالی نے میری موجودگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے وہاں کوئی ثبوت تو نہیں چھوڑا؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا پھر مختصر ترین الفاظ میں اسے بتایا کہ کس طرح ہندو فوجی عین

موقع پر گھبرا گیا اور سارا پلان دھرے کا دھرا رہ گیا۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ کہ میرے باس اور مسٹر وشرام کو مجھ پر شک ہے کہ لیبارٹری سے بے ہوشی کا کیمیکل میں نے چرایا ہو گا۔ اس نے ایک آدمی میری نگرانی پر لگا دیا ہے اور اب میں اپنی منگیتر کو ساتھ لے کے سینما آیا ہوں۔ پوشالی نے گردن پھیر کر دائیں بائیں دیکھا۔ وہ ایسی جگہ بیٹھی تھی جہاں آس پاس کوئی آدمی نہیں تھا۔

"تم نے جوگیوں والا لباس کہاں پھینکا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ تو میرے بیڈ روم میں ہی پڑا ہے۔"

پوشالی نے تلخ لہجے میں کہا۔" مجھے تم جیسے تجربہ کار شخص سے اس حماقت کی امید نہیں تھی۔ وہ لباس تمہیں جلا ڈالنا چاہئے تھا اب جب کہ تمہارے باس کو تم پر شک ہو گیا ہے تو تمہارے بیڈ روم کی تلاشی بھی لے سکتا ہے۔"

میرا دل انجانے خطرات میں گھر گیا۔ میں نے سخت حماقت کی تھی کہ اس لباس سے ابھی تک چھٹکارا حاصل نہیں کیا تھا۔ پوشالی دوبارہ مجھ سے مخاطب تھی۔"کہیں مسٹر میواڑی کو یہ شک تو نہیں ہو گیا کہ تم پاکستانی ہو اور اسکے آفس میں ایک ہندو کیپٹن کا روپ بدل کر سراغ رسانی کر رہے ہو؟"۔

میں نے جواب دیا۔" خدا کا شکر ہے کہ اسے یہ شک نہیں پڑا ورنہ میں اس وقت لال قلعے کے نیچے ٹارچ چیمبر میں بھیانک تشدد کا نشانہ بنا ہوتا۔"

" تمہارا فون اب ضرور ٹیپ ہوتا ہو گا۔" پوشالی نے خیال ظاہر کیا۔" تم مجھے فون نہ کرنا۔ میں بھی تمہیں فون نہیں کروں گی۔ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم ہمارا ٹارگٹ ہے۔ وہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس ٹارگٹ کو ہمیں ہر حالت میں حاصل کرنا ہے اب یہ کام میں کروں گی۔ کل شام پانچ بجے میری لائبریری میں آنا۔ سجاتا کو ضرور ساتھ لانا کیونکہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔ سجاتا تمہارے لئے ڈھال کا کام کرے گی۔ میں کل تک نیا منصوبہ تیار کر لوں گی۔ لائبریری میں تم کوئی کتاب واپس کرنے کے بہانے آنا میں تمہیں اس کے بدلے دوسری کتاب دے دوں گی۔ اس میں تمہارے نام ایک پرچہ ہو گا جس میں ایک منصوبے کے اشارے کوڈ ورڈز میں لکھے ہوں گے۔ بس اب جاؤ۔ تمہارا زیادہ دیر یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ کل شام پانچ بجے... او کے۔

میں اٹھ کر گیلری کی خالی سیٹوں کے درمیان سے ہوتا ہوا گیٹ کا پردہ اٹھا کر باہر آ گیا۔ گیٹ کیپر کا شکریہ ادا کیا۔ لابی میں دیکھا۔ وہاں تو کوئی مشتبہ آدمی نظر نہ آیا۔ آتا بھی تو فکر کرنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ میں گیلری میں کس سے مل کر آیا ہوں۔ میں جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر باکس میں چلا گیا۔ سجاتا نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تم نے بڑی دیر کر دی۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔"

سگار میری جیب میں پہلے ہی موجود تھے۔ میں نے چمڑے کا سگار کیس جیب سے نکالتے ہوئے

کہا۔ "ڈارلنگ یہاں سینما کے باہر میری برانڈ کے سگار کہیں نہیں تھے۔ سامنے والی مارکیٹ میں جانا پڑا۔"

میں سگار سلگا کر سجاتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فلم دیکھنے لگا۔ میری آنکھیں پردہ سیمیں پر لگی تھی اور ذہن اس ادھیڑبن میں لگا تھا کہ پوشالی اپنے طور پر اکیلی کیا منصوبہ بنائے گی؟ کہیں جذبات میں آ کر کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ اسی ادھیڑبن میں فلم ختم ہو گئی۔

سجاتا کو گھر چھوڑ کر جب میں اپنے مکان کی طرف روانہ ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ ایک گاڑی کی روشنیاں مسلسل میرے پیچھے چلی آ رہی ہیں۔ یہ سوائے خفیہ سراغ رساں کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں مطمئن تھا۔ سب کام ٹھیک ہو گیا تھا۔ میں نے پوشالی سے ملاقات بھی کر لی تھی اور کسی کو اس کا علم بھی نہیں ہوا تھا۔ نیپالی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ مجھے نمسکار کرنے کے بعد بولا۔

"صاحب! کملا آپ کے لئے چائے تھرمس میں ڈال گئی ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ تپائی پر میری تھرمس اور ایک خالی کپ پڑا تھا۔ میں نے جلدی سے بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر اپنے جوگیوں والا چولا اور دھوتی باہر نکالی اور اس کا چھوٹا سا گولہ بنایا۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ کسی نے میرے کمرے کی تلاشی نہیں لی تھی ہر شے ویسے ہی پڑی تھی جیسی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں جوگیوں والے چولہ اور دھوتی کو جلا دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے دھواں بہت اٹھتا۔ بنگلے میں کوئی آتشدان بھی نہیں تھا۔ آخر یہ فیصلہ کیا کہ ان کپڑوں کو کاٹ کر پرزے پرزے کر دیا جائے اور صبح دفتر جاتے وقت کسی ویران گھڑے یا گندے نالے میں پھینک دیا جائے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ سراغ رساں میرا تعاقب کر رہا ہو گا تو مجھے پلاسٹک کا لفافہ گراتے ہوئے دیکھ لے گا اور پانسہ الٹا پڑ جائے گا۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آ گئی۔ میں نے قینچی نکالی اور گیروے رنگ کے چولے کو کترنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے چولے اور دھوتی کو چھوٹی چھوتی کترنوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پھر ان کترنوں کو جھولی میں ڈال کر باتھ روم لے گیا۔ اب انہیں تھوڑ تھوڑا کر کے فلش میں بہانے لگا۔ پندرہ منٹ میں بعد میں اس کام سے فارغ ہو چکا تھا۔

جب اس ثبوت کو میں گٹر میں بہا چکا تو میں نے مالاؤں کو توڑ کر پیس لیا اور ان کے برادے کو کوڑے کرکٹ والے ڈرم میں ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں بستر پر لیٹ گیا اور انگریزی کا ایک ناول کھول کر پڑھنے لگا۔ آنکھیں کتاب پر تھیں اور ذہن ان خیالوں کے ساتھ اڑ رہا تھا کہ پوشالی اتنی بڑی اور خطرناک مہم اکیلی سر نہ کر سکے گی۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے یہ کام نہیں کرنے دوں گا۔

دوسرے روز مجھے سجاتا کو پھر اپنے ساتھ لے جانا تھا۔ اس دفعہ مجھے اسے میرے ساتھ دلی کی ہارڈنگ لائبریری جانا تھا۔ میں نے دفتر پہنچنے کے بعد کوئی گیارہ بجے اسے فون کیا اور کہا کہ آج شام کی چائے اکٹھی پئیں گے۔ وہ فوراً راضی ہو گئی۔ میں نے کہا وہ اپنے دفتر میں ہی میرا انتظار کرے۔ میں دفتر سے سیدھا اسی کی طرف آؤں گا۔ میرے دفتر کی الماریوں میں میری چند ایک انگریزی کتابیں پڑی

تھیں۔ جو میں نے فرصت میں اپنے مطالعے کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ یہ زیادہ تر جاسوسی قسم کے ناول تھے۔ ان میں سے کسی پر ہارڈنگ لائبریری کی مہر نہیں تھی لیکن مہر کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ میں دفتر سے ٹھیک ساڑھے چار بجے نکلا اور سجاتا کو لینے انڈین ائرلائنز کے چاندنی چوک والے دفتر کی طرف چل پڑا۔ وہ میرے انتظار میں بالکل تیار کھڑی تھی۔ اس نے آج آسمانی رنگ کی ساڑی کے ساتھ گلے میں نیلم کا ہار پہن رکھا تھا جو اس پر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ دفتر کی سیڑھیاں اتر کر وہ میری کار کی طرف بڑھی۔

"کشن ڈیئر! ہم ائرپورٹ والے ریستوران میں چائے پئیں گے۔ جہاز کو لینڈ اور آف ٹیک کرتے بھی دیکھیں گے۔" اس نے اٹھلا کر تجویز پیش کی۔

"تم جہاں کہو گی وہیں چلے گے لیکن ایک منٹ کے لئے مجھے ہارڈنگ لائبیری میں یہ کتاب واپس کرنی ہے اور ابھی ہمارے کافی وقت بھی ہے۔" میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔

سجاتا نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ میں نے ہارڈنگ لائبریری کے سامنے والے پارکنگ اسٹینڈ پر گاڑی پارک کی تو سجاتا نے بیزار سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "تم جلدی سے کتاب اندر واپس کر کے آجاؤ' میں گاڑی میں ہی بیٹھتی ہوں۔"

اصرار کرنا خواہ مخواہ شک میں ڈالنے والی بات تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ میں سے کتاب نکالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا لائبریری میں داخل ہوگیا۔ کاؤنٹر پر اس وقت پوشالی ہی تھی۔ میں نے جاتے ہی آہستہ سے کتاب اس کے سامنے رکھ دی۔

"یہ کتاب واپس کرنی ہے۔"

پوشالی نے مجھے آتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے جلدی سے کتاب اٹھا کر نیچے دراز میں رکھ لی اور وہیں سے دوسری کتاب نکال کر رجسٹر میں خدا جانے کس حساب میں اس کا اندراج کرنے لگی۔

"تمہیں اکیلے نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "جب تک میں رجسٹر میں لکھ رہی ہوں کھڑے رہو۔ جب لکھ لوں تو فوراً یہاں سے چلا جانا' اس کتاب میں میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔"

میں نے رجسٹر پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں تمہیں اس مہم سے منع کرنے آیا ہوں۔ اس میں تمہاری جان کو خطرہ تھا ہے... اور ... اور میں کوئی دوسرا پلان تیار کر رہا ہوں۔"

پوشالی نے اپنا ہاتھ رجسٹر پر رکھ کر بڑی سختی سے میری انگلی کو پیچھے ہٹا دیا اور دانت پیس کر دھیمی آواز میں بولی۔ "اب تم چلے جاؤ۔ جیسا میں نے پرچے میں لکھا ہے ویسے ہی کرنا' جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی پوشالی نے رجسٹر بند کیا اور کاؤنٹر کی کتابوں کی الماریوں کی طرف چلی گئی۔ میں نے کتاب اٹھائی اور لائبریری کے دروازے کی طرف بڑھا۔ پوشالی نے قصداً پاکٹ سائز کتاب دی تھی۔

وہ میرے کوٹ کی جیب میں پوری آ گئی۔ گاڑی میں بیٹھا تو سجاتا بور ہو رہی تھی۔

"میں نے زیادہ دیر تو نہیں لگائی نا؟"

"اب ائرپورٹ چلو بھگوان کے لئے تم ہر وقت کسی نہ کسی کام میں الجھے رہتے ہو۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ ابھی رات میں تمہارے ساتھ فلم دیکھ رہا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے بھی ہم نے اکٹھے چائے پی تھی۔ اب تو میں زیادہ سے زیادہ تمہارے ساتھ ہوتا ہوں۔ سوچتا ہوں۔ بیاہ سے پہلے ہم ایک دوسرے کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔"

میں نے سجاتا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ شرما کر کھڑکی سے باہر تکنے لگی۔ اس نے مجھ سے بالکل نہیں پوچھا تھا کہ میں کون سی کتاب لایا ہوں۔ اصل میں سجاتا کو کتابوں سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اسے اگر شوق تھا تو اچھی اچھی ساڑیاں پہننے اور مجھ سے جلد از جلد شادی کرنے کا۔ کتاب میرے کوٹ کی جیب میں تھی۔ ظاہر ہے اس میں پوشالی کا پرچہ بھی تھا۔ اب میں اسے ائرپورٹ سے واپسی پر گھر آ کر ہی پڑھ سکتا تھا۔ ائرپورٹ پہنچتے پہنچتے شام کا اندھیرا چھا گیا۔ ائرپورٹ کا ریستوران دوسری منزل والی گیلری میں تھا۔ فضا میں خنکی تھی۔ ہم گیلری میں جانے کی بجائے ریستوران کے اندر ہی شیشے کی دیوار کے پاس ایک میز کے پاس بیٹھ گئے۔ یہاں ائرپورٹ کا منظر بڑا دلکش لگ رہا تھا۔ رنگ برنگی روشنیاں چمک رہی تھیں۔ متعدد جہاز ایپرن پر کھڑے یا ٹیکسی کرتے نظر آ رہے تھے۔

ہم دیر تک ریستوران میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شام کے وقت ریستوران میں کافی رونق تھی۔ یہاں اگر کوئی سی آئی ڈی والا میری نگرانی کر بھی رہا تھا تو مجھے اسکی پرواہ نہیں تھی۔ میں اپنی منگیتر سجاتا کے ساتھ تھا۔ البتہ میرے کوٹ کی جیب میں پرچا ضرور تھا اور جس پر کوڈ ورڈز میں پوشالی کا پیغام لکھا تھا لیکن وہاں میری تلاشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر بھی مجھے اس کوڈ ورڈز والے پرچے کا خیال آیا تو مجھ سے آرام سے نہ بیٹھا گیا۔ سجاتا کی خوشبودار باتوں میں کھو کر میں اسے تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا تھا۔ اب پھر وہ میرے سر پر سوار ہو گیا۔ میں نے ویٹر سے چیک لانے کو کہا۔

"ابھی تو سات بھی نہیں بجے۔ تمہیں گھر جا کر کیا کرنا ہے؟" سجاتا گھڑی دیکھ کر بولی۔

میں نے ماتھے کو انگلیوں سے دباتے ہوئے کہا۔ "آج دفتر میں بڑا کام تھا جان! بُری طرح تھک گیا ہوں۔ سوچتا ہوں جاتے ہی گرم شالو لے کر بستر میں گھس جاؤں گا۔"

سجاتا کو میں نے اس کے مکان پر چھوڑا اور واپس چل دیا۔ چوکیدار ابھی بیدار نہیں ہوا تھا۔ کملا کچن میں حسبِ معمول رات کے کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ مجھے آتا دیکھ کر کچن سے نکل کر مسکار کیا اور پھر میرے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے چائے کے دو گھونٹ لئے اور بیڈ روم میں آ گیا۔ کپڑے بدلے۔ کتاب کو کوٹ کی جیب سے نکال کر کھولنے بغیر

بستر کے گدیلے کے نیچے چھپا دیا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ میں نوکرانی کے چلے جانے کے بعد اطمینان سے پوشالی کا پرچا پڑھنا چاہتا تھا۔

ہم نے آپس میں جو تحریری کوڈ بنایا تھا اس میں صرف ایک ہلکا سا پھیر تھا اور وہ یہ کہ ہر لفظ کا پہلا حرف چھوڑ دیتے اور آخری حرف کو اٹھا کر درمیان میں لے آتے۔ یہ ایک ایسا کوڈ تھا کہ حروف انگریزی زبان میں ہی ہوتے تھے مگر عبارت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ نو بجے رات مجھے کھانا وغیرہ دے کر نوکرانی چلی گئی۔ میں نے کھانا کھا کر سگار سلگایا اور بیڈ روم میں آ گیا۔ دیوار والی بتی گل کر کے ٹیبل لیمپ روشن کیا اور دروازے کی چٹخنی چڑھا کر پوشالی کی دی ہوئی کتاب نکال لی۔ نیلے رنگ کا ایک تہ شدہ کاغذ جس پر انگریزی کی بیس سطریں ٹائپ کی ہوئی تھیں۔ میں نے کاپی پنسل لی اور ان الفاظ میں ڈی کوڈ کرنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد پوری عبارت میرے سامنے تھی۔

"میں نے قلعے میں تہ خانے والی جگہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس مشن کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو میں مائیکرو فلم لے کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ پکڑی جانے کی صورت میں میں سر توڑ کوشش کروں کہ مائیکرو فلم تہ خانے کے مغربی کونے میں نیم کے درخت کے پاس والے گڑھے میں پھینک دوں۔ تم یہ جگہ یاد رکھنا اور میرے پکڑے جانے کی صورت میں یہ فلم وہاں سے اٹھا لینا۔ اگر میں فلم لے کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تو میں خود تم سے رابطہ کر لوں گی۔ پلان کے بارے میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں وہ حربہ استعمال کرنے والی ہوں جو صرف ایک عورت استعمال کر سکتی ہے۔ میں کل رات اٹیک کر رہی ہوں۔"

خط کو میں نے دو تین بار پڑھا اور پھر پرزے پرزے کر کے گٹر میں بہا دیا۔ نیم کے درخت والے گڑھے کو میں دیکھ چکا تھا لیکن مجھے پوشالی کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ پوشالی کو اب کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اسی لئے اس نے مجھے لائبریری میں آنے سے منع کر دیا تھا۔ میں اب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اسکی کامیابی کے لئے اللہ کے حضور دعا کروں۔ اگر پوشالی اس آپریشن میں کامیاب ہو جاتی ہے تو میں اسے معجزہ ہی کہہ سکتا ہوں۔

وہ رات میں نے اسی الجھن میں گزاری۔ دوسرے دن بھی میں بے چین رہا۔ اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ اب مجھے فکر پڑ گئی تھی کہ میں ایک انتہائی اہم مشن کی تکمیل میں مصروف تھا۔ میں نے بہت تانا بانا پھیلا رکھا تھا۔ اگر خدانخواستہ پوشالی پکڑی جاتی ہے تو یقیناً اس پر بہت تشدد کیا جائے گا۔ اپنے ہوش و حواس میں رہتے ہوئے تو شاید پوشالی زبان نہ کھولے اور ہر قسم کا تشدد برداشت کر لے لیکن بھارتی انٹیلی جینس کے پاس ایسے طریقے بھی تھے کہ وہ پوشالی کو نیم بے ہوشی کی حالت میں لا کر اس کے دل کا حال معلوم کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں میرا ذکر لازمی تھا اور پھر میرا جو انجام ہوتا وہ صاف ظاہر تھا۔ میں نے اپنے فرار کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ رات کو میں نے کھانا بے دلی سے کھایا۔ اپنے بیڈ روم

میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا اور ایک فلمی رسالہ پڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن نگاہیں الفاظ سے اچٹ رہی تھیں۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے سوا دس بج رہے تھے۔ اچانک دل میں خیال آیا کہ پاکستان میں اپنے باس سے بات کی جائے۔ رات دس بجے کے بعد کسی بھی وقت اپنے باس سے بات کر سکتا تھا۔ ایک مدت سے میں نے اپنے باس سے بات نہیں کی تھی۔ اس نازک مرحلے پر اس سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ کافی وقت گزر چکا تھا اور میرے اندازے کے مطابق پوشالی اس وقت لال قلعے کی جانب روانہ ہو چکی ہو گی پھر بھی میں نے باس سے بات کرنے فیصلہ کر لیا۔ رسالے کو ایک طرف پھینک کر میں اٹھا اور انتہائی احتیاط کے ساتھ نیم کے اس درخت کی طرف بڑھا جس کے نیچے ٹرانسمیٹر دفن تھا۔ مجھے وہاں سے ٹرانسمیٹر نکال کر واپس بیڈ روم میں آتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ مقفل کر کے میں نے ٹرانسمیٹر آن کیا۔ اپنا کوڈ نیم بتانے کے تھوڑی دیر بعد ہی مجھے اپنے باس کی شناسا آواز سنائی دی۔

"ہمیں تمہاری پوری رپورٹ مل جاتی ہے۔" باس نے تمہیدی جملوں کے بعد مجھے بتایا۔ "جانکیہ پلان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ یہ ہمارے کروڑوں بھائی بہنوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"

میں نے اسے بتایا کہ میری ساتھی لڑکی پوشالی آج رات اٹیک کر رہی ہے مگر مجھے اس کے بارے میں پریشانی ہے۔

"صرف اپنا بچاؤ سوچ رکھو۔" باس نے خشک لہجے میں ہدایت کی۔ "خطرناک صورت حال میں غائب ہو جانا۔ ہمارا آدمی مجذوب کی شکل میں اب وہاں نہیں ہے۔ اگر تم پرانے قلعے کے باہر تفریح گاہ میں جاؤ گے تو وہ تم سے خود رابطہ قائم کرے گا۔ وہ تمہاری شکل سے واقف ہے' اور کوئی بات؟

اور کوئی بات نہیں تھی۔ باس نے پوشالی کے بارے میں کسی قسم کی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ الٹا مجھے کہا تھا کہ اپنے بچاؤ کا منصوبہ تیار رکھوں۔ میں نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اسے جس طرح درخت کے چبوترے سے نکال کر لایا تھا ویسے ہی واپس چھپا دیا اور اینٹیں لگا کر درزوں میں گھاس پھونس پھنسا کر آگے جھاڑ جھنکار ڈال دیا۔

اس رات واقعی مجھے نیند نہیں آئی۔ سر بھاری تھا۔ آنکھیں نیند سے جل رہی تھیں مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ خیال پوشالی کی طرف لگا تھا۔ بڑی نازک گھڑی تھی۔ یقیناً لال قلعے میں اس وقت پوشالی یا تو اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہو گی یا گرفتار ہو گئی ہو گی یا کسی فوجی کی گولی نے اسے موت کی نیند سلا دیا ہو گا سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو گیا تھا۔ میں غیر شعوری طور پر اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ کپڑے اتار کر شاور کھولی اور نیچے بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

بعد میں جب میری اور پوشالی کی ملاقات ہوئی تو پوشالی نے مجھے اس پُر خطر مشن کی جو تفصیلات

بتائیں ان سے ظاہر ہو گیا کہ پوشالی نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اناڑی پن کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے بڑا ہی کچا ہاتھ ڈالا تھا اور اس کا نتیجہ بھی اسے بھگتنا پڑا۔ پوشالی نے مجھے جو کچھ بتایا وہ میں آپکو اپنی زبانی سناتا ہوں۔

پوشالی سرِ شام ہی لال قلعے میں ایک خفیہ جگہ پر چھپ گئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ صرف نائیلون کی باریک رسی کا گچھا کمر کے گرد لپیٹ کرلے گئی تھی۔ لباس اس نے غیر ملکیوں والا پہن رکھا تھا۔ رات تک وہ قلعے کی ایک خفیہ جگہ پر چھپی رہی۔ جب رات مزید گہری ہو گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا تو وہ خفیہ کمیں گاہ سے نکلی اور درختوں، جھاڑیوں اور بارہ دریوں کے ستونوں کے پیچھے چلتے ہوئی عجائب گھر والی اس دیوار کے قریب آ گئی جہاں تہ خانے کے روشن دان کے باہر ایک بھارتی فوجی اسٹول پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا سگریٹ سگریٹ پی رہا تھا۔ باقی فوجی شاید خیمہ میں سو رہے تھے۔ تہ خانے کے محرابی دروازے کی جانب باقی کے دو فوجی بھی پہرے پر تھے مگر وہ پوشالی کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اس نے نائیلون کی رسی کو عجائب گھر کے بالکل سامنے قلعے کی فصیل کے ایک کنگرے سے باندھ کر رسی نیچے لٹکا دی تھی۔ یہاں سے وہ فرار ہونا چاہتی تھی۔ وہ اندھیرے میں ایک جھاڑی کے پاس آ کر رک گئی۔ اندھیرے میں اسے بھارتی فوجی تہ خانے کے روشن دان والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اسٹول پر بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ پوشالی نے اپنی جیکٹ کے اگلے بٹن کھول دیئے۔ بالوں کو جھٹک کر پریشان کیا اور ایسی کیفیت میں آگے بڑھی جیسے وہ ہلکے ہلکے سرور میں ہو۔ جھاڑی سے نکلتے ہی وہ ایک دم سے غیر متوازن قدم اٹھاتی فوجی کے سامنے جا کر مسکرانے لگی۔ بھارتی فوجی نے اندھیرے میں ایک عورت کو مسکرا کر اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ پہلے تو ہکا بکا رہ گیا پھر اس نے برین گن اسکی طرف تان دی۔
پوشالی نے اپنے بازو پھیلا کر ذرا جھومتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "مجھے تھام لو، میرا سر چکرا رہا ہے۔"

اور پھر وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ بھارتی فوجی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔ برین گن کا رخ اب بھی اسی طرف تھا۔

پوشالی نے اپنا سر ادھر ادھر مارتے ہوئے لکنت کے ساتھ آہستہ سے کہا۔ "میں سیاح ہوں۔ انہوں نے مجھے پلا..... دی تھی۔ وہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے.. بھاگ گئے.."
اندھیری خاموش رات اور اکیلی جوان عورت۔ بھارتی فوجی نے دائیں بائیں دیکھا۔ ابھی تک اسکے ساتھیوں میں کسی کو اس عورت کا پتہ نہیں چلا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے ڈیوٹی سے غافل ہو گیا۔ اس نے برین گن کاندھے سے لٹکائی اور پوشالی پر جھک گیا۔ وہ اسی لمحے کا انتظار کر رہی تھی لیکن اس نے ایک ناساز گار ماحول کا انتخاب کیا تھا۔ جونہی بھارتی فوجی نے جھک کر پوشالی کو اپنی آغوش میں لینے کی کوشش کی، اس نے نیچے سے اپنی کلائی پوری طاقت کے ساتھ فوجی کے حلق پر دے ماری۔

اس کا یہ وار بھی اوچھا پڑا۔ بھارتی فوجی کو پیچھے ضرور گرا مگر فوراً ہی اٹھا اور برین گن کا رخ پوشالی کی طرف کے اس کے پاؤں کے درمیان ایک باڑھ ماری۔

گولیوں کی آواز قلعے کی اندھیری رات کی خاموشی میں گونج اٹھی۔ ساتھ والے عقبی دروازے کے پہرے دار بھاگ کر ادھر آ گئے۔ پوشالی کی حالت یہ تھی کہ فوجی نے برین گن کی نالی اس کے سینے سے لگا رکھی تھی اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔" پاکستانی جاسوسہ ہے۔ یہ پاکستانی جاسوسہ ہے۔" بھارت میں اگر کوئی فوجی چوکی کے آس پاس کوئی چور پکڑا جائے تو اسے فوراً پاکستانی جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ پوشالی نے دوسرے فوجیوں کو اپنی طرف سے آتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ وہ بازی ہار چکی ہے۔ اب اس نے فارسی زبان میں بولنا شروع کر دیا۔ وہاں کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ خیمے سے بھی فوجی برین گنیں لئے باہر نکل آئے۔ پوشالی کو حراست میں لے لیا گیا۔ فوراً اسکے ہاتھ باندھ کر دیئے گئے۔ اسے خیمے کے اندر دھکیل کر ایک بھارتی صوبیدار میجر نے پوشالی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غراتے ہوئے پوچھا۔" کون ہو تم" یہاں کس نے بھیجا تھا؟"

" میرا نام لیلیٰ ہے تمہارا فوجی میری عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔" پوشالی نے فارسی میں جواب دیا۔

" ہندی میں بات کرو میں جانتا ہوں کہ تمہیں ساری زبانیں آتی ہیں۔ اس وقت ہندی میں بات کرو۔ اگر سچ بولو گی تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ صوبیدار میجر نے گرج کر کہا۔

پوشالی نے اپنے بالوں کو چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔" میرا نام لیلیٰ ہے۔ میں ایرانی سیاح ہوں۔ میرا باپ ہندی اور ماں ایرانی تھی۔ میں تہران میں پیدا ہوئی۔ وہیں میں نے تعلیم حاصل کی۔ بھارت کی سیر کرنے آئی ہوں کہ کچھ لوگوں نے زبردستی مجھے کچھ پلا دیا جس سے میں بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو رات ہو گئی تھی اور میں یہاں قلعے میں جھاڑیوں کے پاس پڑی تھی۔ وہ لوگ میرا پرس بھی اٹھا کر لے گئے جس میں میرا شناختی کارڈ پاسپورٹ اور نقدی تھی۔ میں تمہارے فوجی سے مدد مانگنے اس کے پاس آئی تو اس نے میری عزت لوٹنے کی کوشش کی۔ میں نے مزاحمت کی تو اس نے گولی چلا دی۔

پوشالی اس سے بھی زیادہ برے حالات سے کئی بار گزر چکی تھی۔ اس نے اپنے حواس میں پوری طرح اپنے قابو میں رکھے اور اپنے بیان کو دل میں ازبر کر لیا۔ یہی بیان اسے آگے چل کر بھی فوج افسروں کے سامنے دینا تھا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ ڈوگرہ صوبیدار میجر نے اپنے لانس نائیک کی طرف دیکھ کر کہا۔" اسے کیمپ کمانڈر صاحب کے پاس لے چلو۔"

دو ڈوگرہ فوجیوں نے پوشالی کو بازوؤں سے پکڑا اور کیمپ سے نکل کر قلعے کی دوسری منزل والے تختے کی طرف بڑھا۔ صوبیدار میجر برین گن تانے پوشالی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ کیمپ کمانڈر ایک سکھ بریگیڈئر تھا۔ وہ سو رہا تھا۔ اسے یہ کہہ کر فوراً جگا دیا گیا کہ ایک پاکستانی جاسوسہ کو پکڑا ہے جو توشہ خانے کے کاغذات چرانے آئی تھی۔ سکھ بریگیڈئر اپنے بالوں کو سنبھالتا ہوا فوراً اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔ باہر

بجلی کا بلب روشن تھا۔ اس نے پوشالی کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔ پھر اپنے جوانوں کو اشارہ کیا کہ اسے اندر لے چلو۔ پوشالی کو سکھ بریگیڈیر کے خیمے میں دھکیل دیا گیا۔ فوجی باہر چلے گئے۔ پوشالی کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سکھ بریگیڈیر نے پوشالی کو لوہے کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور خود دوسری کرسی کھینچ کر اس کے بالمقابل بیٹھ گیا۔

" تمہارا نام کیا ہے ؟"

پوشالی ایک ایسی بدقسمت عورت کا رول ادا کر رہی تھی جسے کچھ جوانوں نے لوٹ کر وہاں پھینک دیا ہو۔ اس نے رونی صورت بنا کر کہا۔

میرا نام لیلیٰ ہے۔ میں ایرانی سیاح ہوں۔ میرا باپ ہندی تھا ماں ایرانی تھی میں ..."

پوشالی نے سکھ بریگیڈیر کے آگے بھی وہی بیان دہرایا جو اس نے کیمپ کے صوبیدار میجر کو دیا تھا۔

سکھ بریگیڈیر نے پوشالی کی تلاشی لی۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

" وہ لوگ میرا پاسپورٹ ' نقدی سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں۔ پوشالی نے روتے ہوئے بتایا۔

" انہوں نے مجھ پر تشدد بھی کیا ہے۔ پلیز مجھے ایرانی سفارت خانے پہنچا دیا جائے۔"

سکھ بریگیڈیر نے اپنی داڑھی کے بالوں کو مروڑ کر تھوڑی کے نیچے گرہ دی اور اونچی کرخت آواز میں باہر کھڑے ہوئے صوبیدار میجر کو بلایا۔" اسے کوارٹر گارڈ میں بند کر دو۔ خبردار یہ ادھر سے ادھر نہ ہونے پائے۔"

پوشالی چیختی چلاتی اور واویلا کرتی رہی اور بھارتی فوجی اسے گھسیٹتے ہوئے کوارٹر گارڈ میں لے گئے اور موٹی موٹی سلاخوں والا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ باہر ایک سنتری رائفل اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ پوشالی کونے میں پڑے کمبل پر بیٹھ گئی۔ اب اسے خیال آ رہا تھا کہ اس نے جس منصوبے پر عمل در آمد کیا تھا اس کی بنیاد بے حد کچی تھی لیکن اگر اس کا ہاتھ فوجی کے حلق پر ٹھیک پڑتا تو وہ ضرور بے ہوش ہو جاتا اور پوشالی اسکی برین گن لے کر باقی دونوں پہرے داروں کو قابو میں کر کے تہ خانے میں لے جا سکتی تھی لیکن اس کا دار .... اوچھا پڑا تھا۔ اور اب وہ بھارتی فوج کی قید میں تھی۔ اسکے ساتھ اذیت اور تشدد کا جو سلسلہ شروع ہونے والا تھا پوشالی اس سے باخبر تھی اور اسے کئی بار بھگت چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ چاہے مر جائے لیکن زبان سے یہ اعتراف نہ کرے گی کہ وہاں کس مقصد کے لئے آئی تھی اور دلی میں اس کا ایک ساتھی بھی ہے۔ وہ اپنے اسی بیان پر قائم رہے گی جو اس نے صوبیدار جر اور سکھ بریگیڈیر کے سامنے دیا ہے۔ پوشالی تہران کے گلی کوچوں سے واقف تھی۔ سمرقند کی رہنے الی ہونے کی وجہ سے وہ فارسی بڑی روانی سے بول لیتی تھی اور لڑکپن میں کئی بار اپنی ماں کے ساتھ ہران جا چکی تھی۔ وہ ایرانی سفارت خانے کو قائل کر سکتی تھی کہ وہ ایرانی سیاح ہے اور ہندی اس لئے انتی ہے کہ اس کا باپ بھارتی تھا۔ جس کا کاروبار ایران میں تھا اور جس نے اس کی ایرانی ماں سے شادی

کی تھی۔ کہ اس نے کوارٹر گارڈ میں داخل ہونے سے پہلے بھی چیخ چیخ کر کہا تھا کہ مجھے ایرانی سفارت خانے والوں سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں ایرانی سیاح ہوں مگر کسی نے اسکی بات نہیں سنی تھی۔

اس کے بعد پوشالی نے مجھے ... اپنے ساتھ گزرے ہوئے بھیانک واقعات کی جو تفصیل بتائی وہ میں آگے چل کر بتاؤں گا۔ اس وقت میں پھر واپس اپنے موتی نگر والے بنگلے کے بیڈ روم میں آتا ہوں۔ یہ وہی رات تھی جس رات پوشالی نے قلعے میں اپنا آپریشن شروع کرنا تھا۔ رات سوتے جاگتے کسی نہ کسی طرح گزر گئی پچھلے پہر جا کر کہیں مجھے نیند آئی ہے۔ میری آنکھ صبح آٹھ بجے کھل گئی۔ جلدی سے تیار ہو کر ناشتا کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا دل وسوسوں اور تشویش میں گھرا ہوا تھا۔ اگر پوشالی پکڑی نہیں گئی تو مجھے آج ہی شام قلعے میں جا کر میوزیم کے سامنے والے نیم کے گنجان درخت والے گڑھے میں مائیکرو فلم تلاش کرنی ہو گی۔ میں سجاتا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اگر پوشالی پکڑی گئی ہے تو پھر میرا مستقبل اور خود میری زندگی خطرے میں تھی۔ اب تک مسٹر تیواڑی کو قلعے میں ایک پاکستانی جاسوسہ کے گرفتار ہونے کی خبر ضرور پہنچ گئی ہو گی۔ کرنل بھلہ نے اسے فوراً اطلاع کر دی ہو گی۔ انہیں خیالات میں الجھا میں دفتر آ گیا۔ اپنے کمرے میں آنے سے پہلے میں اپنا شک دور کرنے کے لئے مسٹر تیواڑی کے کمرے کی طرف بڑھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ مسٹر وشرام بھی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ میں انکا ردِ عمل دیکھنا چاہتا تھا۔ میرا دل بار بار زور سے دھڑک کر معمول پر آ جاتا تھا۔ مجھے ٹھیک صورت حال کا ابھی تک کچھ علم نہیں تھا اور میں اسے معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا۔ میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

کمرے کا ماحول مجھے اجنبی سا لگ رہا تھا۔ میرے ساتھ کسی بھی وقت، کچھ ہو سکتا تھا۔ میری نظریں بار بار ٹیلی فون کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے سوچا مجھے پوشالی کو فون کر دینا چاہیے تاکہ صحیح صورت حال کا علم ہو سکے۔ میں نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔

میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور بڑی خوش اخلاقی سے آواز کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن مہتہ!"

دوسری طرف سے میرا باس مسٹر تیواڑی بول رہا تھا۔ "کیپٹن اسی وقت میرے کمرے میں آ جاؤ۔" میں نے یس سر کہا ریسیور رکھنے کر سوچنے لگا کہ مسٹر تیواڑی کے کمرے میں میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے؟

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے باس کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں ایک فائل کھولے اس کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ میں نے جاتے ہی ہندوؤں کے انداز میں نمسکار کیا اور

کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مسٹر تیواڑی ذرا دیر فائل کے مطالعے میں مصروف رہے پھر اچانک فائل بند کر کے میری طرف گہری تیز نگاہوں سے دیکھا ۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی میں نے اپنے چہرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کے تاثرات کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ میں نے شگفتگی سے اسے مخاطب کیا۔

" سر آپ نے مجھے بلایا تھا"۔

مسٹر تیواڑی نے اپنی عقابی آنکھیں میرے چہرے سے ہٹا کر میز پر پڑے لکڑی کے سگار بکس میں سے ایک سگار نکال کر سلگایا اور فائل دوبارہ کھول لی ۔ " اس فائل میں سنڈری کے کچھ آنکڑے غلط لکھے گئے ہیں ۔ دفتر میں ضرور کہیں گھپلا ہو رہا ہے اسے لے جا کر دیکھو کہ کس سے کہاں غلطی سرزد ہوئی ہے"۔

اس نے فائل بند کر کے میری طرف بڑھا دی۔ میں نے فائل لیتے ہوئے بڑے ادب سے کہا۔

" سر! اس بار اسٹیشنری بڑی ناقص آئی ہے"۔

مسٹر تیواڑی نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ " پلیز اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ اور پھر مجھے رپورٹ کرو کہ کہاں گھپلا ہوا ہے"۔

اس کی نظریں اب بھی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھنا چاہتا ہے مگر میں اسے ایک پل کے لئے بھی موقع نہیں دے رہا تھا کہ وہ میرے جذبات کا عکس میرے چہرے پر دیکھ سکے۔ میں نے یس سر! کہا اور فائل لے کر کمرے سے نکل گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے فائل کو غور سے دیکھا دس منٹ کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کہیں کوئی گھپلا نہیں ہوا تھا۔ فائل میں تمام ڈیمانڈ آرڈرز اور خریدے گئے مال کی رسیدیں باقاعدہ موجود تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ پاکستانی جاسوسہ کی گرفتاری کے بعد میرا ردعمل جاننا چاہتا تھا۔ اسے پوشالی کی گرفتاری کی خبر مل چکی تھی ۔ اس کے بلانے اور گھور کر دیکھنے سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ پوشالی مائیکرو فلم تہ خانے سے اڑانے میں کامیاب ہو گئی ہے ایک لمحے کے لئے مجھے خوشی بھی ہوئی لیکن دوسرے لمحے میں فکر مند ہو گیا کیونکہ باس کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی یا اضطراب کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ معمول کے مطابق مطمئن تھا۔

اس کے تاثرات سے میں ایک بار پھر اس الجھن میں مبتلا ہو گیا کہ پوشالی کے ساتھ کیا گزری ہے؟ کیا وہ کامیابی سے قلعے سے نکل آئی ہے یا گرفتار کر لی گئی ہے؟ مسٹر تیواڑی کے دفتر آ جانے کے بعد میں نے پوشالی کو لائبریری فون کرنے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تیواڑی کو یہ معلوم ہو کہ میں نے ہارڈنگ لائبریری فون کر کے نازی نام کی کسی کیئر ٹیکر کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ یہ تو ایک کھلی حقیقت تھی کہ میرا ٹیلی فون دفتر میں بھی ٹیپ ہو رہا تھا۔ مسٹر تیواڑی نے اگر ایک

انٹیلی جینس آفیسر کو میرے گھر کی نگرانی پر لگا دیا تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے ٹیلی فون ٹیپ نہ ہوتے ہوں۔

سنڈری اور اخراجات وغیرہ کی فائل کو میں نے ایک بار پھر بڑے غور سے پڑھا لیکن کہیں کوئی گڑبڑ نہ نکلی۔ میں نے فائل اپنے سامنے میز پر کھلی ہی رہنے دی اور سگار سلگا کر کرسی کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ دل میں صرف ایک ہی خیال بار بار گردش کر رہا تھا کہ کسی طرح لائبریری ٹیلی فون کر کے یہ معلوم کروں کہ پوشالی وہاں موجود ہے یا نہیں لیکن میرا اس وقت لائبریری فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ اپنے آپکو پھنسانے والی بات تھی۔ اگر پوشالی مائیکرو فلم اڑا لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی تو اس نے وہاں دو چار فوجیوں کو بھی موت کی نیند سلا دیا ہو گا اور تیواڑی کو ملٹری انٹیلی جینس نے مائیکرو فلم کی چوری کی اطلاع کر دی ہو گی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے قلعے سے کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور مل چکی ہے۔ اس صورت میں میں اگر لائبریری فون کر کے پوشالی سے خواہ کسی کتاب کے بارے میں ہی بات کرتا تو یہ یقینی بات تھی کہ باس اسی وقت ملٹری پولیس کو مشورہ دے کہ ہارڈنگ لائبریری میں نازی نام کی عورت کو فوراً حراست میں لے لیا جائے اور اگر پوشالی گرفتار ہو چکی ہے تو میں فون اٹھانے والے سے پوشالی کے بارے میں نہیں پوچھوں گا مگر پھر بھی ہارڈنگ لائبریری مسٹر تیواڑی کی نظروں میں آ جائے گی اور بعد میں پوشالی کے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی۔

میں نے کافی سوچ بچار کے بعد دفتر سے باہر جا کر پوشالی کو فون کرنے کا فیصلہ کیا میں نے فائل بند کی اور اسے لے کر باس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ابھی میں نے دستک دینے کے لئے ہاتھ بند دروازے کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ مجھے تیواڑی کی آواز سنائی دی۔

"وشرام! ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ یہ عورت قلعے کے سیکرٹ والٹ سے کوئی دستاویز لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی"۔

میرا ہاتھ وہیں رک گیا۔ میں فائل کھول کر اس کے ورق الٹنے لگا تاکہ اگر کوئی کوریڈور میں سے گزرے تو یہی سمجھے کہ میں باس کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے فائل کے مندرجات کا اچھی طرح مطالعہ کر رہا ہوں۔

میرے کان بند دروازے پر لگے تھے۔ باس کے جملے نے یہ راز فاش کر دیا تھا کہ پوشالی گرفتار ہو گئی ہے۔ قلعہ، عورت اور سیکرٹ والٹ کی دستاویزات۔ پوشالی کی گرفتاری کے یہ واضح اشارے تھے۔

"سر میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ بات ہمت سے چھپانی ہو گئی"۔ ذرا دیر بعد وشرام کی آواز سنائی دی۔

"ہم زیادہ دیر نہیں چھپا سکیں گے مگر میرے دماغ میں ایک اور منصوبہ ہے۔ تمہیں پھر بتاؤں

گا۔ اس وقت میں قلعے میں جا کر اس عورت کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اپنے آپ کو ایرانی ٹورسٹ ظاہر کر رہی ہے۔ جانتا ہوں۔ اس کا لنک بڑی دور تک جاتا ہے "۔

" سر! کوئی بڑی تجربہ کار پاکستانی جاسوسہ لگتی ہے ہمیں اس سے بہت سی معلومات مل سکتی ہیں"۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" تیواڑی کی آواز آئی۔

کرسی چرچرائی۔ جیسے کوئی اٹھا ہو۔ میں فائل کو غور سے دیکھتے اور اس کے ورق الٹتے ہوئے واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ میرا چپڑاسی مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ مجھے فائل کے بارے میں کوئی خاص بات یاد آگئی ہے یا کوئی بھولا ہوا کاغذ یاد آگیا ہے جسے لینے اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔

کمرے میں آتے ہی میں دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا اور ہونٹوں کو بھینچ کر گہرے تفکرات میں گم ہو گیا۔ پوشالی گرفتار ہو گئی تھی پھر بھی میں تصدیق چاہتا تھا۔ اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ میں دفتر سے باہر جا کر پوشالی کی لائبریری فون کروں۔ میں نے فائل میز پر رہنے دی اور چپڑاسی کو بتا کر باہر نکل آیا۔

ذرا دیر بعد میں گاڑی سنسد مارگ (پارلیمنٹ اسٹریٹ) سے ہوتا ہوا لودھی روڈ والی چھوٹی سپر مارکیٹ میں آگیا۔ یہاں لالہ جیجال ٹوبیکونیسٹ کی دکان سے میں نے اپنی برانڈ کے سگاروں کا ڈبا خریدا اور پھر ہارڈنگ لائبریری کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی جس کے ساتھ میرا دل بھی دھڑک رہا تھا کسی مرد نے ریسیور اٹھایا تھا۔

" ہیلو! ہارڈنگ لائبریری۔"

" جناب آپ کے ہاں جو لیڈی کیٹر لیکر ہے میں نے اس سے کتاب کے بارے میں پوچھنا تھا کیا آپ انہیں بلا سکتے ہیں؟"

" وہ آج لائبریری نہیں آئیں۔ آپ دوپہر کے بعد فون کر لیجئے گا۔" مرد نے جواب دیا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ پوشالی گرفتار ہو گئی ہے۔ میں نے فون کی ادائیگی کی اور سیلز مین کا شکریہ ادا کر کے دکان سے باہر نکل آیا۔

واپسی پر میں سوچ رہا تھا کہ اگر پوشالی نے تشدد کے نتیجے میں میرا نام بتا دیا تو کیا ہو گا؟ میری بچھائی ہوئی ساری بساط الٹ کر رہ جائے گی پھر خیال آیا کہ پوشالی ایسا نہیں کرے گی۔ وہ مر جائے گی مگر زبان نہیں کھولے گی لیکن انڈین انٹیلی جینس والے غیر انسانی تشدد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اگر پوشالی ان کے سامنے ہار گئی تو مجھے اچانک کسی بھی وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے ذہن یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

میں نے وہاں سے فوری اور ہنگامی فرار کے طریقوں پر بھی غور کرنا شروع کر دیا۔ باس نے مجھے

پرانے قلعے والی تفریح گاہ میں اپنے کسی ایجنٹ سے ملنے کے لئے کہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا مگر وہ میری شکل سے واقف تھا۔ سوچا اگر اس سے ملنے جاتا ہوں تو میرے پیچھے لگا ہوا خفیہ آدمی بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ مگر اس سے ملنا بھی ضروری تھا۔ اگر مجھے فوراً بھاگنا پڑ جاتا تو وہ میری مدد کر سکتا تھا۔ مگر اس سے پہلے اپنے پیچھے لگے ہوئے آدمی سے چھٹکارا پانا ضروری تھا۔

اسی ادھیڑ بن میں میں دفتر واپس آ کر کام میں مصروف ہو گیا۔ دو بجے مسٹر تیواڑی قلعے سے واپس آیا۔ یقیناً اس نے پوشالی سے پوچھ گچھ کی ہو گی خدا جانے اس بے چاری پر کیا بیت رہی تھی کہیں اس نے میرا نام تو نہیں لے لیا؟ عجیب عجیب وسوسے میرے دل میں پیدا ہونے لگے تھے۔ میں باس کے چہرے کو پڑھنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے فائل اٹھائی اور اس کے کمرے میں آ گیا اس وقت وہ میز کی دراز میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دراز بند کر دی۔

"تم نے فائل چیک کر لی کشن مہتر؟"

میں نے فائل اس کے آگے رکھ دی۔

"سر! مجھے تو حساب کتاب میں کہیں کوئی گڑبڑ دکھائی نہیں دیتی"۔

مسٹر تیواڑی نے فائل ایک طرف رکھ دی۔ "کوئی بات نہیں ٹھیک ہے"۔

میں نے پوشالی سے ملنے کے بعد اس کے رد عمل کو تلاش کرنے کے لئے اس کے چہرے پر پھر ایک گہری نظر ڈالی۔ اس کا چہرہ زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"سر! آپ کچھ تھکے تھکے سے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟" میں نے عام سے انداز میں پوچھا۔

مسٹر تیواڑی نے ایک دم میرے چہرے پر اپنی آنکھیں جما دیں پھر مسکراتے ہوئے اپنے گرم کوٹ کے کالر کو انگلی سے جھاڑتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ ذرا ہیڈ کوارٹر تک گیا تھا۔ کیوں کوئی خاص بات ہے کیا؟"

میں نے جلدی سے کندھے اچکائے۔

"او نو سر۔ کوئی بات نہیں۔ آپ نے لنچ تو کر لیا تھا نا؟ آپ نہیں تھے تو میں نے اپنے کمرے میں ہی لنچ منگوا لیا تھا۔ مسٹر وشرام بھی اپنی سیٹ پر نہیں تھے"۔

وشرام نے سگار نکال کر اس کے سرے کو ناخن سے کریدتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاس لائٹر تو ہو گا کیپٹن! میں اپنا لائٹر رکھ کر کہیں بھول گیا ہوں"۔

"کیوں نہیں سر!" میں نے جلدی سے واسکٹ کی جیب سے لائٹر نکال کر جلایا اور اپنا ہاتھ جھک کر مسٹر تیواڑی کے منہ کے قریب لے گیا۔ تیواڑی سگار سلگاتے ہوئے میرے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی نگاہیں لائٹر کی طرف کر لیں اور پھر اسے جھاڑ کر جیب میں رکھ لیا۔

"او کے سر! میں اپنے کمرے میں ہی ہوں۔"

تیواڑی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے کمرے میں آکر میں نے بھی سگار سلگا لیا اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب میرا قلعے میں جانا بے کار ہی ہو گا کیونکہ تیواڑی نے دشرام کو کہا تھا کہ بھگوان کا بڑا اپکار ہوا کہ یہ عورت اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکی اور خفیہ خانے کی ساری دستاویزات اپنی جگہ موجود ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ان لوگوں نے لال قلعے والے خانے کی ایک ایک چیز فوراً چیک کی ہو گی۔

پوشالی گرفتار ہو گئی تھی اس لئے اس کے کچھ ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر بھی میرا فرض بنتا تھا کہ میں قلعے میں جا کر نیم کے پیڑ والے گڑھے کی تلاشی لوں جہاں پروگرام کے مطابق پوشالی نے مائیکرو فلم پھینکی تھی لیکن اگر میں سجاتا کے ساتھ قلعے میں جاتا ہوں تو جاسوس میرا پیچھا کرے گا اور مجھے گڑھے میں جھاڑ جھنکار کی تلاشی لیتے ہوئے دیکھ لے گا چونکہ وہ گڑھا خفیہ خانے کے قریب ہی تھا۔ اس لئے میرے باس کو یقین ہو جائے گا کہ میں پاکستانی جاسوسہ کی واردات میں ملوث ہوں اور گڑھے میں اس شے کو تلاش کر رہا ہوں جو پاکستانی جاسوسہ وہاں میرے خیال کے مطابق پھینک گئی ہو گی۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سب سے پہلے اپنے پیچھے لگے ہوئے اس خفیہ جاسوس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے یہ کام مجھے ایک ہی دن میں صبح صبح کرنا تھا تاکہ اس سے پہلے کہ خفیہ آدمی کی گمشدگی یا ہلاکت کی خبر آفس میں پہنچے میں پرانے قلعے میں اپنے ایجنٹ سے بھی جا کر مل لوں میں ایک تیر سے دو نشانے کرنا چاہتا تھا اور وقت کا تقاضا بھی یہی تھا۔

دوسرے روز اتوار تھا چنانچہ گھر واپس آکر میں نے چائے پی اور گاڑی نکال کر سجاتا کی طرف چل دیا۔ سجاتا کو بہرحال قلعے میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اکیلا اگر گڑھے میں اتر کر کوئی چیز تلاش کرتا تو مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا سجاتا اگر ساتھ ہوتی تو میں گڑھے میں اس کی آنکھ بچا کر لائٹر پھینک دیتا اور لائٹر تلاش کرنے کے بہانے گڑھے میں اتر کر مائیکرو فلم کا سراغ لگانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ سجاتا تھوڑی دیر پہلے دفتر سے آئی تھی اور اس وقت غسل خانے میں تھی۔ میں اس کی ماتا پتا کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سجاتا بالوں کے گرد تولیہ لپیٹے لمبا ریشمی گاؤن پہنے ہوئے مسکراتی ہوئی میری طرف بڑھی۔

"ماتا جی نے چائے تو نہیں پلائی ہو گی تمہیں؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "بھئی میں تو تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے زیادہ پسند کرتا ہوں"۔

سجاتا کے پتا جی اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے ماتا جی بھی اٹھتے ہوئے بولیں۔ "تم دونوں بیٹھو۔ میں خود چائے بنا کر لاتی ہوں"۔

اب میں ماتا جی کو چائے بنانے سے کیسے روک سکتا تھا۔ سجاتا اسی طرح میرے پاس تخت پر

بیٹھ گئی۔ ریشمی گاؤن میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ بڑی ادا سے میری طرف دیکھ رہی تھی، کہنے لگی۔ "آج دفتر سے آتے ہی کیسے تکلیف کی مہاشہ جی نے؟"

میں نے کہا۔ "کیوں! کیا میں تم سے پریم نہیں کرتا سجاتا؟"

سجاتا نے تنک کر کہا۔ "پلیز کشن! پریم کی بات نہ کرو۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے کتنا پریم کرتے ہو۔ پریم ہوتا تو اب تک تم مجھ سے شادی کر چکے ہوتے"۔

میں نے سجاتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "بیاہ بھی ہو جائے گا سجاتا۔ بس تھوڑی سی دیر رہ گئی ہے۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑو، کل اتوار ہے۔ میں چاہتا ہوں کل ہم قلعے میں جا کر پکنک منائیں۔ کیا خیال ہے چلو گی؟"

سجاتا نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "پتاجی آ جائیں گے۔ ہاں، تو کل پکنک میرے ساتھ منانے کا خیال کیسے آ گیا تمہیں ڈیئر؟"

میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور جیب سے سگار کیس نکال کر بولا۔ "کیوں۔ کیا میں تمہارے ساتھ پکنک نہیں منا سکتا؟ ارے بھئی تم ایک ہی سجاتا تو ہو جس سے میں پریم کرتا ہوں"۔

سجاتا نے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے مدہوش نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ "ضرور چلوں گی ڈیئر۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ کل کس وقت جائیں گے؟ میرا خیال ہے تین بجے کے بعد چلیں تو اچھا ہو گا"۔

تین بجے کے بعد میں پرانے قلعے والی تفریح گاہ میں اپنے ایجنٹ سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً کہا۔ "نہیں سجاتا۔ سہ پہر تک مجھ سے انتظار نہیں ہو گا۔ ہم کل دوپہر سے پہلے میرا مطلب ہے کوئی دس گیارہ بجے قلعے میں جائیں گے۔ کھانا وہیں کسی پلاٹ میں بیٹھ کر کھائیں گے۔ تم کچھ بنوا لینا"

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی ڈیئر۔ اچھا میں ذرا کپڑے پہن لوں" سجاتا یہ کہہ کر اٹھنے لگی تو میں نے آہستہ سے جھک کر پوچھا۔

"تو کیا تم نے کپڑے نہیں پہن رکھے؟"

وہ مجھے پیار سے ڈانٹتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ میں رات کا کھانا کھا کر سجاتا کے گھر سے واپس آیا۔ اب مجھے سب سے پہلے اپنے پیچھے لگے ہوئے خفیہ آدمی کا سراغ لگا کر اسے کل دن کے دس بجے سے پہلے ٹھکانے لگانا تھا۔ رات کو میں خفیہ آدمی کو ٹھکانے لگانے کی ترکیبوں پر غور کرتا رہا آخر ایک ترکیب میرے ذہن میں آ گئی اور میں رات تین بجے کا الارم لگا کر سو گیا۔

اندھیرے میں آنکھ کھلی تو تپائی پر رکھی ہوئی چھوٹی گھڑی کی چمکیلی سوئیاں رات کے تین بجا رہی تھیں۔ میں جلدی سے کچن میں آ گیا۔ برآمدے میں لگے ہوئے بلب کی روشنی میں مجھے اپنا نیپالی

چوکیدار اسٹول پر گہری نیند میں سویا نظر آیا یہ میرے لئے بڑی اچھی بات تھی ۔ میں کچن کا عقبی دروازہ آہستگی سے کھول کر لان میں آگیا ۔ یہاں روشنی بالکل نہیں تھی ۔ خفیہ آدمی ظاہر ہے میرے بنگلے کے باہر یعنی چھوٹے پھاٹک کے سامنے کسی جگہ چھپ کر بیٹھا ہو گا ۔ یا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ آدمی رات کے بعد کہیں جا کر سو گیا ہو ۔ آخر وہ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی تو نہیں دے سکتا تھا ۔ میں جھک کر چلتا نیم کے درخت والے چبوترے کے پاس جا کر بیٹھ گیا ۔ گھاس پھونس ہٹا کر میں نے زہریلے سگاروں والے پلاسٹک کے لفافے میں سے ایک سگار نکال کر جیب میں رکھا اور لفافے کو لپیٹ کر اسی طرح چبوترے کے نیچے رکھ دیا بیڈ روم میں آکر میں نے سگار کو اخبار کے ایک چھوٹے سے کاغذ میں لپیٹ کر اپنے تکیئے کے نیچے رکھا اور کمبل اوڑھ کر سو گیا ۔

دوسرے دن اتوار تھا ۔ مگر میں ٹھیک سات بجے اٹھا ۔ نو بجے تک ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں باہر نکل آیا ۔ سگار میں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا ۔ میں اس روز قصداً گاڑی اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا ' چوکیدار اپنی کھولی میں سو رہا تھا چنانچہ میں نے ملازمہ کملا سے کہا ۔

" میں سجاتا بی بی کے ہاں جا رہا ہوں ۔ بھوجن وہیں کروں گا ۔ رات تک آجاؤں گا ۔ تم میرے آنے تک گھر پر ہی رہنا " ۔

میں نے گیراج میں جا کر گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی " ناکام " کوشش کی ۔ میں چابی کو گھما کر فوراً سوئچ آف کر دیتا تھا گاڑی کیسے اسٹارٹ ہو سکتی تھی ۔ یہ ڈرامہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر خفیہ آدمی مجھے دیکھ رہا ہے تو اسے یقین ہو جائے کہ گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے میں اسے چھوڑ کر جا رہا ہوں میں گاڑی سے نکل کر باہر آیا چند قدم چلنے کے بعد میں ایک دم رک کر پیچھے دیکھنے لگا جیسے کسی ٹیکسی کی تلاش میں ہوں ۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا ۔ مجھے اپنے بنگلے والی سڑک کی جانب ایک آدمی اپنا چہرہ جلدی سے پیچھے کرتا نظر آیا ۔ اسی قدر اندازہ ہو سکا کہ اس کا رنگ سانولا ہے اور سر کے بال کالے ہیں ۔ اس وقت اگر کوئی ٹیکسی یا رکشا آتا بھی تو میں اسے کبھی نہ روکتا کیونکہ میں پیدل چل کر اپنے " سراغ رساں " کی شناخت کرنا چاہتا تھا ۔ میں ٹیکسی رکشا دیکھنے کے بہانے دائیں جانب اور کسی وقت پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا ۔ سڑک خاصی لمبی تھی اور اس کا اگلا موڑ چھ بلاک چھوڑ کر آتا تھا ۔ موڑ پر پہنچ کر میں نے دوبارہ مڑ کر دیکھا ۔ فٹ پاتھ پر ایک عورت اپنے بچے کی انگلی تھامے آرہی تھی جس کے پیچھے ایک سکھ تھا ۔ مگر میں نے ایک آدمی کو ایک دم رکتے اور ایک کوٹھی کی طرف منہ کرتے دیکھ لیا تھا جیسے وہ کسی کوٹھی کے نمبر کی تلاش میں ہو ۔ یہ وہی سیاہ بالوں اور سانولی رنگت والا آدمی تھا جس نے بھورا گرم کوٹ اور ڈھیلی ڈھالی پتلون پہن رکھی تھی ۔

میں سڑک کی دوسری طرف گھوم گیا ۔ اب میری منزل ایک بلند عمارت تھی جس میں دو لفٹیں لگی ہوئی تھیں ۔ میں اس خفیہ آدمی کو گھیر کر اسی بلڈنگ میں لے جانا چاہتا تھا ۔ بلڈنگ وہاں

سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر تھی۔ مجھے ضرورت تھی کہ وہ میرا پیچھا کرتا رہے۔ اسی لئے میں ٹیکسی وغیرہ نہیں لے رہا تھا۔ میں پیدل ہی چلتا چلا گیا۔ کوئی موڑ گھومنے سے پہلے میں پیچھے مڑکر دیکھ لیتا تھا۔ میں رکتا تو میرا تعاقب کرنے والا بھی رک جاتا اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ اسی شخص کو میری نگرانی پر لگایا گیا ہے۔

راستہ کافی لمبا تھا مگر بارونق سڑکوں کی وجہ سے مجھے زیادہ تھکاوٹ اور بوریت محسوس نہ ہوئی۔ اس بات سے بھی مجھے حوصلہ مل رہا تھا کہ ایک خفیہ آدمی برابر میرا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ مختلف سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد میں نئی دلی کی کشادہ اور بلند عمارتوں والی سڑک پر نکل آیا۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے دکانیں بند تھیں مگر لوگ آ جا رہے تھے اور کئی بلند عمارتوں کے سامنے پلاٹوں میں بچے فٹ بال کرکٹ وغیرہ کھیل رہے تھے۔ میں نے اپنا سگار سلگانے کے بہانے ایک مرتبہ پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو بھورے کوٹ والا بھی رک کر یوں پیچھے کی جانب دیکھنے لگا جیسے بس یا ٹیکسی کے انتظار میں ہو۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ بیٹا تو ان سڑکوں کی آخری بار سیر کر رہا ہے۔ جی بھر کر ان کی رونق دیکھ لے۔ تھوڑی دیر بعد تو ان سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو چکا ہو گا۔ میں بائیں طرف گھوم کر اس بلڈنگ کی طرف چل پڑا جو میں نے اس خفیہ آدمی کے قتل کے لئے چنی تھی۔ میں بلڈنگ کی توسی سیڑھیاں چڑھ کر چمکتی ہوئی لابی میں آ گیا۔ میں نے باتھ روم کے گول شیشے سے باہر دیکھا خفیہ آدمی ابھی تک لابی میں نہیں پہنچا تھا۔ ذرا دیر بعد میں باہر نکلا تو وہ مجھے منہ بازار کی طرف رخ کئے یوں کھڑا نظر آیا جیسے کسی کا منتظر ہو۔ شکار میرے بچھائے ہوئے جال کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ میں لفٹ کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا بٹن دبا دیا جو کسی اوپر منزل پر کھڑی تھی۔

لفٹ نیچے آئی تو میں نے اندر جاتے ہی گراؤنڈ فلور کے بٹن پر دباؤ ڈال دیا۔ لفٹ رکی ہوئی تھی۔ مجھے خفیہ آدمی کا انتظار تھا۔ جسے میرے پیچھے وہاں آنا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ لفٹ کے سامنے نمودار ہوا۔ میں تین چار بار انگلی مارتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"لفٹ میں کچھ خرابی لگتی ہے۔" وہ کچھ کہے بغیر اندر آ گیا جو اب پنجرے میں داخل ہو چکا تھا۔ میں اپنا بے ضرر سگار بجھا چکا تھا۔ اور اس وقت زہریلا سگار میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ میں نے بٹن پر سے انگلی ہٹالی۔

"کون سے فلور پر جائیں گے؟" بھورے کوٹ والے نے پوچھا۔

"نمبر دس پلیز۔" اس نے دس کا ہندسہ دبا دیا اور لفٹ فوراً اٹھنے لگی۔ انٹیلی جینس آفیسر اپنی پشت سامنے کی دیوار سے ٹکا کر مجھے اپنی کرنجی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ میرے پاس صرف اتنا ہی وقت تھا جتنے وقت میں لفٹ دسویں منزل پر پہنچتی میں نے سگار منہ میں دبا کر لائٹر سے سلگایا اور آہستہ سے کش لگاتے ہوئے کہا۔

"موسم ابھی سرد نہیں ہوا دلی میں۔"

انٹیلی جینس والے نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ برابر مجھے گھورے جا رہا تھا میں سگار کے تین کش لگانے کے بعد اسے دباتا تو اس میں سے سائی نائیڈ زہر کے محلول کی باریک پھوار نکل کر سامنے کھڑے آدمی کے چہرے پر پڑتی۔ اس خفیہ آدمی کی زندگی کا وقفہ میرے تین کش کے برابر رہ گیا تھا۔ چنانچہ تیسرا کش لگاتے ہی میں نے سگار کا رخ اس آدمی کی طرف کر دیا۔

"آپ سگار سے شوق کریں گے؟"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا میں سگار کو درمیان سے دبا چکا تھا۔ سائی نائیڈ زہر کی پھوار نکل کر اس کے چہرے پر پڑی تھی۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ چند سیکنڈ سکتے میں کھڑا رہا اور پھر دھڑام کے ساتھ لفٹ کے فرش پر گر پڑا۔ میں نے جھک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ حرکت قلب بند ہو چکی تھی۔ میں نے اسے لفٹ کے کونے میں اس طرح بٹھا دیا جیسے وہ آرام کر رہا ہو۔

لفٹ دسویں منزل پر پہنچ کر رک گئی۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں اوپر کوئی آدمی نیچے جانے کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میں لفٹ کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی آدمی باہر موجود بھی ہو تو اسے پہلی نظر میں لفٹ کے فرش پر دیوار کے ساتھ پڑا مردہ دکھائی نہ دے۔ دروازہ کھلا تو یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں تیزی سے باہر نکل گیا۔ پیچھے لفٹ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی لیکن میں تیز تیز قدم اٹھاتا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

پانچویں منزل پر آنے کے بعد میں عقبی لفٹ کی طرف چل دیا۔ عمارت سے باہر آنے تک مجھے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سڑک پر آ کر میں نے خالی ٹیکسی روکی اور اسے موتی نگر چلنے کو کہہ کر سیٹ پر نیم دراز ہو گیا۔

میں سجاتا کی کوٹھی سے کچھ دور اتر کر پیدل ہی اس کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ سجاتا کی ماتا جی برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی چاول صاف کر رہی تھیں۔ میں نے جھک کر نمسکار کیا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ سجاتا کے پتا جی بھی اخبار ہاتھ میں لئے وہیں آ گئے۔ میں نے اٹھ کر ان کے پاؤں چھوئے تھے۔

"آج پکنک کا پروگرام بنایا ہے تم لوگوں نے؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا

"ہاں پتا جی۔ سوچا آج ذرا تفریح کر لیں۔ آپ تو جانتے ہیں مجھے اتوار کو بھی وقت کم ہی ملتا ہے۔

سجاتا کے پتا جی لان میں بچھی آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے۔

"سجاتا اندر ہو گی۔ جاؤ اس سے مل لو۔" ماتا جی نے مجھے کہا تو میں اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

یہاں سجاتا کا بھائی اپنے جوتے پالش کر رہا تھا۔ "آج ڈی اے وی کالج والوں کے ساتھ ہمارا میچ ہے بھائیا جی"۔ اس نے نمسکار کے بعد مجھے بتایا۔ "میں آج کے میچ میں سینٹر ہاف کی پوزیشن پر کھیلوں گا"۔

"دھنے واد تم نے ہاکی میں بڑی اُنتی کی ہے کمار۔" میں اسے شاباش دیتے ہوئے سجاتا کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا وہ دروازے پر ہی مل گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے نمسکار کیا۔

"تو شریمتی جی ابھی تک نیند کے مزے لوٹ رہی تھیں۔"

"اتوار کا دن ہی تو ملتا ہے دیر تک آرام کرنے کو تم آؤ۔ بیٹھو' میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ایک رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سجاتا میرے اور اپنے لئے چائے لے آئی۔ میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے میں سجاتا کو ساتھ لے کر قلعے میں جاؤں اور وہاں اپنا کام ختم کرنے کے بعد ایک بجے تک اسے واپس اس کے گھر چھوڑ کر ایجنٹ سے ملنے چلا جاؤں لیکن سجاتا نے تیار ہونے میں دیر لگا دی پھر بھی ہم بارہ بجے لال قلعے میں پہنچ گئے۔ میں نے عجائب گھر والے دیوان عام کے قریبی پلاٹ کو بیٹھنے کے لئے چنا کھانا اور کچھ پھل ہم ساتھ لے گئے تھے۔ یہاں سے مجھے نیم کا وہ درخت صاف نظر آ رہا تھا۔ جس کے قریبی گڑھے میں مجھے مائیکرو فلم تلاش کرنی تھی اگرچہ مجھے یقین تھا کہ پوشالی تہ خانے سے مائیکرو فلم نہیں چرا سکی لیکن میں اپنا شک دور کرنا چاہتا تھا۔ ایک بجے تک ہم قلعے کے مختلف تختوں کی سیر کرتے رہے۔ میں سجاتا کو نیم کے درخت کے قریب لے آیا۔ میں نے لائٹر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور قصداً اسے ہاتھ میں اچھال رہا تھا۔ گڑھے کے قریب پہنچ کر میں نے لائٹر کو ذرا زور سے ایک طرف اچھال دیا۔ میں آگے کو جھکا بھی مگر جان بوجھ کر لائٹر کو نہ دبوچا اور وہ گڑھے کے جھاڑ جھنکار میں گر کر غائب ہو گیا۔

"یہ لو۔ اب یہ نہیں ملے گا۔ تم اسے اچھال کیوں رہے تھے کشن؟" سجاتا نے پریشان ہو کر کہا۔

"کہاں جائے گا سالا۔ ابھی اسے نکال کر لاتا ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی گڑھے میں کود پڑا۔

لائٹر تو مجھے ایک جگہ پڑا مل گیا لیکن مائیکرو فلم تلاشی کے باوجود نہ مل سکی۔

"کشن ڈیئر! چھوڑو اگر نہیں مل رہا۔ میں تمہیں نیا لے دوں گی۔"

"بس تھوڑا سا اور دیکھ لوں۔"

میں نے اس دوران دوبارہ گڑھے کی ساری جھاڑیوں اور سوکھے پتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا مگر مائیکرو فلم کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مسٹر تیواطی کا وشرام کا یہ کہنا درست تھا کہ پاکستانی جاسوسہ تہ خانے سے کوئی شے چرا کر لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ میں گڑھے سے باہر نکل آیا۔ اس دوران تہ خانے والی دیوار کے ساتھ پہرہ دینے والا فوجی گڑھے کے کنارے پہنچ گیا تھا۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہیں بہن جی؟" اس نے سجاتا سے پوچھا۔

"کچھ نہیں جوان۔ میرا لائٹر گر گیا تھا۔" میں نے باہر نکل کر جواب دیا اور سجاتا کو ساتھ لے کر اپنے پارکنگ اسپاٹ کی طرف آ گیا۔

ڈھائی بجے میں سجاتا کو اس کی کوٹھی پر چھوڑ کر پرانے قلعے چلا گیا۔ دلی کا یہ قلعہ پانچ ہزار سال پرانا ہے جو کورو پانڈو کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف گاندھی اسٹیڈیم ہے اندر ایک خوب صورت پارک بنا ہوا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات میں دلی سے بھاگے ہوئے لٹے پٹے مسلمانوں کے قافلے اسی قلعے میں آ کر پناہ حاصل کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہاں لکڑی کے بے شمار سلیپر پڑے تھے۔ دلی کے شرفاء کی بیبیاں جنہوں نے شاید ہی کبھی کسی غیر مرد کی شکل دیکھی تھی انہیں سلیپروں کے پاس بے یارو مددگار پڑی رہتی تھیں۔ وہ بڑے الم انگیز دن تھے۔ دلی میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا اور پرانے قلعے میں لٹے ہوئے مسلمان اپنی جانیں بچا کر سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ اب اس قلعے کو تفریح گاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ قلعے کے باہر کی خندق میں پانی چھوڑ کر نہر بنا دی گئی ہے جس میں لوگ کشتی رانی کرتے ہیں کبھی یہ قلعہ شہر سے کافی دور فاصلے پر ہوا کرتا تھا مگر اب آبادی بڑھتے بڑھتے قلعے تک پھیل چکی ہے۔ قطب الدین ایبک نے اس قلعے کی تھوڑی بہت تزئین و آرائش کروائی تھی مگر لال قلعے کی تعمیر کے بعد یہ ایک بار پھر ویران ہو گیا۔

میں قلعے کے اندر جانے کی بجائے پل کی طرف آ گیا اور گردن گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس سے میرا مطلب ایجنٹ کو چہرہ دکھانا تھا۔ جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ وہاں کسی جگہ موجود ہے پھر میں نے ایک اسٹال سے نمکین چنے خریدے اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر چنے کھانے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک پختہ عمر کا دبلا پتلا آدمی جس نے فاختائی رنگ کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ میرے قریب آ گیا اس کے ہاتھ میں بید کی مڑی ہوئی چھڑی تھی۔ اس کی ناک اوپر کو اٹھی ہوئی تھی رنگ گندمی اور بالوں میں سفیدی کی ہلکی ہلکی جھلک تھی۔ میرے نزدیک آ کر وہ جھک کر زمین میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

"قلعے کے پیچھے املی کا ایک درخت ہے۔ وہاں آ جاؤ۔" اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا اور چھڑی آہستہ آہستہ گھماتا آگے نکل گیا۔ یہ اپنا ایجنٹ تھا اور اس نے مجھے پہچاننے کے بعد ہی یہ ہدایت کی تھی۔

میں نے اطمینان سے چنے کھا کر خالی لفافہ ایک طرف پھینکا اور رومال سے منہ پونچھتے ہوئے نہر کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نہر قلعے کے چاروں طرف گھوم گئی تھی۔ قلعے کے عقبی دروازے کے سامنے آ کر میں نے لکڑی کا پل عبور کیا۔ سامنے ہی املی کا درخت تھا۔ میں اس کے نیچے پڑی بنچ کے کونے پر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر بعد وہی خوش لباس شخص ہاتھ میں لفافہ پکڑے اس سے گنڈیریاں نکال کر چوستا ہوا نمودار ہوا اور مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ میں ایک خاص

زاویئے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لفافے کو آہستہ سے مروڑا اور درخت کے ساتھ لگے ہوئے کوڑا کرکٹ کے ڈبے میں پھینک دیا۔ جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی مجھ پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور چھڑی لہراتا دوسری طرف چلا دیا۔ وہ میرے لئے کوئی خاص چیز ڈبے میں ڈال گیا تھا۔ کچھ دیر میں اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ درخت والے ڈبے کے پاس آگیا چاروں طرف نہیں تھا۔ میں نے ڈبے سے لفافہ نکال کر کوٹ کی جیب میں ڈالا اور لکڑی کا پل عبور کر کے دوسرے دروازے کی طرف چل پڑا۔

بنگلے پر پہنچ کر میں سیدھا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا اور دروازے کی چٹخنی لگا کر لفافہ کھول ڈالا۔ اس میں ایک چھوٹا سا ریوالور تھا جس کے آگے سائیلینسر بھی لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کوڈ ورڈ میں ٹائپ کیا ہوا ایک خط تھا۔ تحریر ڈی کوڈ کر کے اصلی خط میں نے لفافے سمیت جلا کر اس کی راکھ فلش میں بہا دی۔

"چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم بہت ضروری چاہئے۔ پوشالی کو آئندہ اس قسم کے آپریشن میں مت ڈالو۔ ہماری اطلاع کے مطابق یہ فلم اب عجائب گھر کے خفیہ تہ خانے میں نہیں بلکہ بھارتی پارلیمنٹ ہاؤس لائبریری کے آخری کمرے میں موجود ہے زیادہ انتظار خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لئے جتنی جلدی ہو سکے اُسے لائبریری کے خفیہ چیمبر سے نکال کر مجھے پہنچاؤ۔ میرے بارے میں تم باس کو سگنل کر کے معلوم کر سکتے ہو کہ میں کہاں تمہیں مل سکوں گا"۔

خط کے مندرجات کو دو تین بار پڑھ کر میں نے اسے بھی جلا کر راکھ فلش میں بہا دی۔ مائیکرو فلم کی جگہ بدلنا ایک قدرتی امر تھا۔ جہاں دو بار فلم اڑانے کی کوشش کی گئی ہو وہاں یہ خصوصی دستاویز کبھی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس وقت ایجنٹ رہنمائی نہ کرتا تو میں اکیلا نہ جانے کب تک اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا۔

پارلیمنٹ ہاؤس میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہمارا دفتر شمال مغرب سے ذرا فاصلے پر لیکن اسی کمپلیکس کی حدود میں تھا۔ پارلیمنٹ ہاؤس کی لائبریری میں بھی دو چار مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا تھا جو زیادہ بڑی نہیں تھی بس اونچی چھت کے نیچے کتابوں کی الماریاں چھ سات قطاروں میں لگی تھیں۔ دروازے کی بائیں جانب لائبریرین کا آفس تھا۔ ساتھ ہی ایک کاؤنٹر تھا جہاں کلرک کتابیں جاری کرتا اور وصول کرتا تھا۔

اسی اثنا میں کملا چائے لے آئی۔ چائے پینے کے دوران میں نے ٹی وی سے خبریں سنیں لیکن ان میں انٹیلی جینس آفیسر کی ہلاکت کی کوئی خبر نہیں تھی البتہ اگلے روز "ہندوستان ٹائمز" میں ایک چار سطری خبر چھپی تھی کہ دلی کی ایک بلڈنگ کی لفٹ میں ایک ادھیڑ عمر آدمی مردہ پایا گیا جس کے بارے میں خیال ہے کہ اسے دل کا دورہ پڑا تھا۔

میرا قیاس تھا کہ مسٹر تیواڑی اب سوچ سمجھ کر میرے پیچھے کسی دوسرے آدمی کو لگائے گا۔ کیونکہ میں اب تک اپنے پیچھے لگے ہوئے تین آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا جنہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق دل کا دورہ پڑا تھا لیکن اب مجھے زیادہ چوکس رہنے کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں لائبریری کا جو منصوبہ ترتیب دیا تھا اس کے لئے بھی سجاتا کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اگر اس لائبریری کی ممبر بن جاتی تو میں اس کے ساتھ کبھی کبھی وہاں جا سکتا تھا اور کسی کو مجھ پر شک بھی نہیں ہوتا۔

دوسرے دن تیواڑی کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے ایک فائل لے کر اس کے کمرے میں گیا تو وہ کسی کو فون کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے فون بند کر دیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "کہو کیپٹن کیسی رہی کل کی پکنک"۔

میں ایک لمحے کے لئے اپنی جگہ سے ہل سا گیا مگر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ "سر اچھی رہی۔ اتوار کو میں عام طور پر گھر آرام کرتا ہوں مگر میری منگیتر مجھے زبردستی ساتھ لے گئی"۔

میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے ہماری پکنک کا علم ہوا کہ وہ خود ہی بولا۔ "میں بھی بچوں کے ساتھ گیا ہوا تھا قلعے میں"۔

"سر! آپ نے ہمیں بچوں سے کیوں نہیں ملوایا۔ مجھے بڑی خوشی ہوتی۔ ہم تو اکیلے وہاں بور ہو گئے تھے۔" جلدی سے میں نے بات بنائی۔

مسٹر تیواڑی نے کوئی جواب دینے کی بجائے ذرا سے کندھے اچکائے اور فائل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون سی فائل ہے؟ ہر فائل پر میں اس کا مشورہ لے سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ان تاثرات کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے جن کا اس کے چہرے سے ظاہر ہونا قدرتی امر تھا لیکن چونکہ آدمی بڑا تجربے کار اور کائیاں تھا اس لئے سو فیصد کامیاب رہا۔ اس نے مجھ سے سینٹرل بیورو کے کسی آدمی کی ہلاکت کی بات نہ کی اور فائل پر اپنا مشورہ دینے کے بعد ٹیلی فون کا نمبر گھمانے لگا۔

میں فائل اٹھائے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ دوپہر کو وشرام سے ملاقات ہوئی اس کا رویہ بھی معمول کے مطابق تھا۔ میں نے بھی مزید کریدنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اپنی ساری توجہ لائبریری کے خفیہ خانے کی طرف مبذول کر دی۔

اسی روز میں نے سجاتا سے پارلیمنٹ ہاؤس لائبریری کی رکنیت کی بات کی اور اسے بتایا کہ وہاں انگریزی کی بعض بڑی نایاب کتابیں موجود ہیں۔ سجاتا نے انگریزی میں ایم۔ اے کیا ہوا تھا اور سے لٹریچر کا شوق بھی بہت تھا۔ چنانچہ وہ ممبر بننے پر راضی ہو گئی۔

اگلے روز جب شام کو میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرے کہنے کے مطابق پارلیمنٹ ہاؤس لائبریری کی ممبر بن گئی ہے۔ ہفتے کے روز میں اس کے ساتھ پارلیمنٹ

لائبریری میں بڑی بڑی الماریوں کے پاس کھڑا کتابیں دیکھ رہا تھا جو کمرے کے وسط میں رکھی تھیں۔ دیواروں کے آگے جگہ بالکل خالی تھی۔ میں نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ایک دیوار کے ساتھ لکڑی کا خالی کاؤنٹر لگا ہوا ہے جس پر گل دان پڑا تھا۔ باقی کی دونوں دیواریں خالی تھیں۔ مجھے شک ہوا کہ یقیناً خفیہ خانے کا دروازہ اسی کاؤنٹر کے پیچھے ہو گا۔ میں نے ایک رسالہ میز پر سے اٹھایا اور خالی کاؤنٹر پر رکھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بظاہر میں رسالے کے ورق الٹ رہا تھا لیکن درحقیقت میں کاؤنٹر کے پیچھے نظریں جمائے لکڑی کی دیوار کو دیکھ رہا تھا جہاں مجھے ایک چھوٹی سی دیمک زدہ جھری نظر آ رہی تھی۔

"سر! آپ وہاں بیٹھ کر رسالہ پڑھیئے اس طرح دوسرے لوگ ڈسٹرب ہوتے ہیں۔" لائبریری کے ملازم نے آ کر مجھے ٹوکا تو میں رسالہ اٹھا کر سجاتا کے پاس آ گیا جو الماری میں سے ایک کتاب نکلوا رہی تھی۔

"میں نے چارلس ڈکنز کی سوانح عمری نکلوائی ہے بڑے عرصے سے یہ کتاب مجھے نہیں مل رہی تھی۔"

ہم کچھ دیر لائبریری میں رکے اور پھر لودھی روڈ کے ایک اسنیک بار میں ہم نے کافی پی۔ سجاتا بڑے موڈ میں تھی۔ میں بھی برابر اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن دماغ لائبریری میں اٹکا ہوا تھا جہاں جگہ جگہ پہرہ تھا۔ گارڈز کی موجودگی میں لائبریری میں داخل ہو کر خفیہ خانے کا دروازہ توڑنے یا اسے کسی طریقے سے کھول کر اندر جانا سہل کام نہیں تھا۔ اس کے لئے پوری منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

دو دن چھوڑ کر میں پھر سجاتا کے ساتھ لائبریری آیا اور کاؤنٹر کی عقبی درز کا جائزہ لیتا رہا۔

دوسری طرف مجھے پوشالی کے بارے میں بھی سخت تشویش تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس پر کیا قیامت بیت رہی ہے۔ وہ کہاں ہے۔ یقیناً اسے سخت جسمانی اذیت دی جا رہی ہو گی تاکہ اس کی زبان کھلوائی جا سکے۔ بعد میں اس نے مجھے جو واقعات سنائے ان کے مطابق پہلے روز قلعے کی رجمنٹل کوارٹر گارڈ میں کرنل بھلہ اور سکھ بریگیڈیئر نے اس سے تھوڑی بہت پوچھ گچھ کی۔ مسٹر تیواڑی سے اس کی ملاقات بھی یہیں ہوئی تھی اس کے سوالوں کے جواب میں پوشالی وہی بیان دہراتی رہی جو وہ پہلے دے چکی تھی۔ وہ مطالبہ کرتی رہی کہ مجھے ایرانی سفیر سے ملایا جائے لیکن اس کے بیان پر کسی نے اعتبار نہ کیا۔ اسی رات پوشالی کو ایک بند گاڑی میں بٹھا کر پرانے قلعے کے زیر زمین فوجی عقوبت خانے پہنچا دیا گیا۔ دو دن تک تو کوئی آفیسر اس سے پوچھ گچھ کے لئے نہ آیا۔ صبح و شام آہنی سلاخوں میں سے پوشالی کو دو باسی روٹیاں اور دال دے دی جاتی۔ البتہ تیسرے دن ایک بھارتی کیپٹن ہاتھ میں بید کی چھوٹی سی چھڑی لئے تہ خانے میں آیا اور اپنی ہتھیلی پر آہستہ آہستہ بید مارتے ہوئے پوشالی کو غور سے دیکھنے لگا جو کمبل لئے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کیپٹن نے بڑے خوشگوار اور ہمدردی بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "میرا نام کیپٹن کرشن کانت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم۔

گناہ ہو۔ مگر تمہارے بھولے پن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ لوگوں نے تمہیں ورغلا کر قلعے میں بھیجا تھا۔ اگر تم ہمیں ان لوگوں کے بارے میں بتا دو کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اسی وقت آزاد کر دیا جائے گا"۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے کسی نے قلعے میں نہیں بھیجا تھا۔ میں خود ہی وہاں آئی تھی لیکن وہاں کچھ غنڈے میرے پیچھے لگ گئے تھے جنہوں نے مجھے زبردستی کچھ پلا دیا اور میں بے ہوش ہو گئی..."

کیپٹن کرشن کانت نے پوشالی کے قریب بیٹھ کر بید کی چھڑی سے اس کی ٹھوڑی پر ہلکا سا ٹھوکا دیا۔ "میں اس لئے اکیلا آیا ہوں کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے جب تم بے گناہ ہو تو غلط بیانی سے کیوں کام لے رہی ہو؟ تم ان لوگوں کے نام کیوں نہیں بتا دیتیں ' انہوں نے تمہارے بھولپن کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تھا"۔

"یہ غلط ہے کیپٹن۔ مجھے کسی نے وہاں نہیں بھیجا تھا۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے ایرانی سفیر سے ملایا جائے نہیں تو میں یہاں سے باہر نکل کر بھارتی حکومت کے خلاف پریس کے ذریعے شدید احتجاج کروں گی"۔

کیپٹن کرشن کانت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر پوشالی کو بھی اٹھا لیا تھا۔ "اب میں تمہیں نہیں بچا سکتا۔ تم نے اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ کر دیا ہے۔" وہ واپسی کے لئے مڑا لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے پھر اسے مخاطب کیا۔ " اس کے باوجود میں تمہیں آج کے دن کی مہلت دیتا ہوں۔ شام کو پھر آؤں گا تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو اور یہ مت بھولنا کہ یہ تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ ہو گا"۔

کیپٹن کرشن کانت چلا گیا۔ پوشالی نے مجھے بتایا کہ اس کے جانے کے بعد مجھے یقین ہو گیا۔ آج کا دن ختم ہونے کے بعد مجھ پر جسمانی اذیت کا ایک ہولناک باب کھل جائے گا۔ وہ لوگ پوشالی کو بخشنے والے نہیں تھے۔ اگرچہ ان کے پاس پوشالی کے پاکستانی جاسوسہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کو یقین تھا کہ تشدد کے ذریعے پوشالی سے اقرار جرم کرایا جا سکتا ہے اور وہ اپنے ساتھی ایجنٹوں کا نام بھی بتا دے گی۔ پوشالی نے وہ وقت بڑی شدید ذہنی پریشانی میں گزارا۔ اس نے بڑی مشکل سے محض جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے باسی ~~روٹی اور [illegible]~~ دال کے چند نوالے کھائے اور اپنے جلادوں کا انتظار کرنے لگی۔ شام کے بعد وہی کیپٹن دوبارہ آ گیا۔

"میں تمہارے لئے ایک خوش خبری لایا ہوں۔ ہائی کمانڈ سے میں نے اپنی ذاتی کوششوں سے تمہاری رہائی کی منظوری لے لی ہے۔ بس صرف تم مجھے ان لوگوں میں سے کسی ایک کا نام بتا دو جنہوں نے تمہیں قلعے میں خفیہ دستاویزات اڑانے کے لئے بھیجا تھا۔"

لیکن کیپٹن کے بے حد اصرار اور رہائی کی خوش خبری کے باوجود پوشالی اپنے موقف پر ڈٹی رہی تو وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ ابھی اسے گئے بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ دو فوجی نمودار ہوئے اور پوشالی کو ایک ایسے تہ خانے میں لے گئے جہاں فرش پر بچھے بستر کے پاس لکڑی کے دو اسٹول بھی پڑے تھے۔ پوشالی کو اس تہ خانے میں چھوڑ کر دونوں واپس چلے گئے۔

دو منٹ بعد تہ خانے کا دروازہ کھلا اور لنگوٹ باندھے دو بھاری بھرکم آدمی اندر داخل ہوئے انہوں نے اپنے سیاہ جسموں پر تیل کی مالش کر رکھی تھی۔ ایک کے ہاتھ میں رسی بھی تھی۔ اندر آتے ہی ایک نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور دوسرے نے پوشالی کو دبوچ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور ہاتھ رسی سے پشت پر باندھ دیئے پھر دونوں درندے اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس پر اس قدر ہولناک اور شدید تشدد کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو دونوں جلاد اس کے سامنے اسٹولوں پر بیٹھے بیڑیاں پی رہے تھے۔ اب انہوں نے پوشالی کے جسم کو بیڑی سے داغنا شروع کر دیا۔ پوشالی کی چیخیں نکل گئیں مگر تشدد کا سلسلہ جاری رہا۔ جب ان کی بیڑیاں اپنے آپ بجھ گئی تو ایک بار پھر وہ پوشالی پر ٹوٹ پڑے۔ تشدد درندگی اور بربریت کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ پوشالی بے ہوش ہو چکی تھی مگر اس پر تشدد جاری تھا۔

طویل بے ہوشی کے بعد جب پوشالی کی آنکھ کھلی تو اس کا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا پھر ایک فوجی نے آکر اسے پانی پلایا اور زخموں پر مرہم لگا کر چلتا بنا' پوشالی کو تھوڑا سکون تو ملا لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کی جا رہی بلکہ اس کے جسم کو تشدد اور اذیت کے دوسرے مرحلے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے اور یہی ہوا۔ بارہ گھنٹے گزرنے کے بعد پوشالی پر تشدد کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا گیا۔ اس بار دو نئے آدمی اسے اپنی بربریت اور درندگی کا نشانہ بنانے کے لئے آئے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ پوشالی کا جسم بے حس نہیں ہو گیا۔

جب پوشالی کا جسم اذیتوں سے چھلنی ہو گیا تو وہی کیپٹن ایک بار پھر اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی پوشالی اتنی اذیت اٹھا چکی تھی کہ اب ہر قسم کا تشدد اسے بخوشی قبول تھا مگر وہ اپنی زبان نہیں کھول سکتی تھی کیپٹن نے بھی اسے زدوکوب کیا۔ پوشالی درد سے چیختی اور بلبلاتی رہی مگر اپنے موقف پر قائم رہی کہ میں ایرانی سیاح ہوں اور مجھے ایرانی سفیر سے ملایا جائے۔

چار دن کے بعد پوشالی کو اسی قید خانے میں واپس لے جایا گیا جہاں وہ پہلے قید تھی۔ اس بار اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ آہستہ آہستہ پوشالی کے زخم بھر گئے اب وہ تشدد کے تیسرے مرحلے کی منتظر تھی جو بقول اس کے کسی قدر انوکھی نوعیت کا تھا۔ ایک روز دو فوجی تہ خانے میں آئے ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ میں چھوٹی ٹرے تھام رکھی تھی جس میں ایک سرنج پڑی تھی۔

"ہم نے تمہارے کچھ آدمیوں کو پکڑ لیا ہے۔" آگے والے فوجی نے ہنس کر اسے مخاطب کیا۔

"اب جلد ہی تم بھی ان کے پاس پہنچا دی جاؤ گی - یہ طاقت کا انجکشن ہے اس سے تمہیں فائدہ ہو گا"۔
انجکشن لگتے ہی اسے نیند آ گئی اور جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک اسٹریچر پر لیٹی تھی - اس کے بازو اور ٹانگیں چمڑے کے تسموں سے جکڑ دی گئی تھیں - سر کے عین اوپر ایک بجھی ہوئی سرچ لائٹ لگی تھی - پوشالی کا سر چکرا رہا تھا اور کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں' بینائی بھی تھوڑی دیر بعد دھندلا سی جاتی تھیں - اس نے بڑی مشکل سے اپنا بوجھل سر گھما کر دائیں بائیں دیکھا - یہ کسی اسپتال کا کمرہ لگتا تھا - چند لمحوں کے بعد اسے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی پھر دروازہ کھلا اور دو فوجی اندر داخل ہوئے انہوں نے ڈاکٹروں والے لمبے سفید کوٹ پہن رکھے تھے - وہ پوشالی کے سرہانے کی جانب دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے - اس کے ساتھ ہی سرچ لائٹ کو روشن کر دیا گیا- پوشالی نے آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر بھی سرچ لائٹ کی روشنی اور گرمی برابر محسوس ہوتی رہی - پھر اس کے دائیں بازو سے کپڑا ہٹایا گیا- وہ اپنے بازو کو حرکت نہیں دے سکتی تھی - اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر بلب کی تیز روشنی میں اسے کچھ نظر نہ آیا- دوسرے ہی لمحے اسے ایک اور انجکشن لگا دیا گیا- پوشالی کے جسم میں جیسے پگھلی ہوئی آگ سرایت کر گئی - وہ تکلیف سے تڑپی اور پھر اسے کوئی ہوش نہ رہا-

نہ جانے کب اسے ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی اسے یہ پہلا احساس ہوا کہ وہ ہوا میں اڑ رہی ہے۔ اس کا جسم ہلکا ہو گیا تھا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن اب اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگی تھیں۔

دونوں فوجی ، پوشالی پر جھک گئے اور پھر پوشالی کے کانوں میں باری باری آوازیں آنے لگیں۔ "تم لیلیٰ نہیں ہو۔ تم ایرانی نہیں ہو۔ تم پاکستانی ہو۔ تمہیں بھارت میں تخریب کاری کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تم لاہور سے آئی ہو۔ تم لیلیٰ نہیں ہو۔ تم ایرانی نہیں ہو۔ تم لاہور سے آئی ہو"۔

پوشالی کو یوں لگا جیسے وہ ان آوازوں کی لہروں پر تیرنے لگی ہے۔ اسے لاہور یاد آگیا۔ وہ کہتی ہے کہ اس وقت مجھے تمہارا یعنی میرا خیال بھی آیا۔ میری شکل اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ پوشالی کا کہنا ہے کہ میرا نام اس کے ہونٹوں پر آنے ہی لگا تھا کہ اس نے کوشش کر کے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ اس نے اپنی قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے چلا کر کہا۔ "میں ایرانی ہوں۔ میرا نام لیلیٰ ہے۔ میرا نام لیلیٰ ہے"۔

پوشالی کا حلق خشک ہو گیا۔ سر بھاری ہونے لگا۔ پوشالی کہتی ہے کہ اس کے فوراً بعد میں نے آواز سنی۔ "آئی ول شوٹ یو"۔ لیکن مجھے یہ اپنی آواز محسوس نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر قوت ارادی یکجا کر کے اپنے حواس کو قابو میں کیا اور دوبارہ چیخی۔ "میں لیلیٰ ہوں۔ میں ایرانی ہوں مجھے ایرانی سفیر سے ملاؤ"۔

دائیں بائیں بیٹھے فوجی اس کی چیخ و پکار سے بے نیاز مسلسل سرگوشیاں کر رہے تھے۔ "تم لیلیٰ نہیں ہو۔ تم پاکستانی جاسوسہ ہو۔ تم لاہور کی رہنے والی ہو۔ تمہارے ساتھی دلی میں تھے۔ ہم نے انہیں گرفتار کر لیا ہے"۔

یہ محض پوشالی کی زبردست قوت ارادی تھی جس کی وجہ سے وہ اس خطرناک انجکشن کے اثر سے محفوظ رہی۔ اسے ایک اور انجکشن لگایا گیا لیکن وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں بڑبڑاتی رہی۔ "میں پاکستانی نہیں ہوں ، میں ایرانی ہوں۔ میں لیلیٰ ہوں ، میں بے گناہ ہوں"۔

پوشالی کے بقول اس وقت بھی وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکل رہی جو اس کے یا میرے لئے سنگین ہو سکتی تھی۔ پوشالی پر یہ عمل مسلسل چار گھنٹے جاری رہا۔ اس کے بعد جب اسے تیسرا انجکشن دیا گیا تو وہ بے ہوش ہو گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ اسی اسٹریچر پر جکڑی ہوئی پڑی تھی۔ اس کے سر پر لگی سرچ لائٹ بجھ چکی تھی اور فوجی بھی وہاں موجود نہیں تھے۔ اس کا جسم لکڑی کی طرح سخت ہو رہا تھا اور گردن میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں... بھاری جوتوں کی آواز کے ساتھ ہی دروازے سے دو آدمیوں نے آتے ہی پوشالی کی آنکھوں پر ٹیپ چپکائی اور اسٹریچر کو کمرے سے نکال لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ٹیپ ہٹانے پر پوشالی نے دیکھا کہ وہ واپس اپنے قید خانے میں آ گئی تھی۔ آہنی دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا۔ کچھ دیر وہ ہوش و حواس میں رہنے کی جنگ لڑتی رہی لیکن پھر اس کی آنکھیں شدید کمزوری اور نقاہت کے باعث اپنے آپ بند ہو گئیں۔ اسے سردی محسوس ہونے لگی تو اس نے بہ مشکل تمام کمبل کھینچ کر اوپر لیا اور بے دم سی ہو کر پیچھے گر پڑی۔ اسے بخار ہو رہا تھا۔ ساری رات وہ بخار میں پھنکتی رہی اسے اپنی ہی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہذیان بک رہی تھی اور بار بار سمرقند کے کسی محلے کا نام لے رہی تھی۔ یہ وہ محلہ تھا جہاں وہ پیدا ہوئی اور کھیل کود کر جوان ہوئی تھی اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گئی۔

اگلے روز ایک فوجی نے اسے بے ہوشی میں ٹیکہ لگایا اور چلا گیا۔ دو گھنٹے بعد پوشالی کو ہوش آ گیا لیکن وہ ہلنے جلنے کے قابل نہیں تھی۔ شام کو کیپٹن... کرشن کانت نے آ کر اس کے حلق میں ایک بوتل سے کوئی دوائی ٹپکائی وہ شاید برانڈی تھی جس کی وجہ سے پوشالی کی طبیعت کسی حد تک بحال ہو گئی لیکن وہ اپنی جگہ سے پھر بھی نہ اٹھ سکی۔ کیپٹن بھی فوراً ہی واپس چلا گیا تھا۔

اگلے دن اسے کھانے کو دال روٹی دی گئی۔ پوشالی کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس کا بخار بھی اتر گیا تھا۔ دال اور روٹی دیکھ کر اس نے کھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن جب بھوک نے بہت تنگ کیا تو آدھی روٹی کھالی۔ روٹی کھانے سے اس کے جسم کی کچھ توانائی بحال ہو گئی وہ آہستہ سے اٹھی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔۔

دوپہر اور رات کو بھی اسے دال اور روٹی کھانے کو دی گئی جو وہ زہر مار کرتی رہی اب اس کی حالت پہلے سے بہتر ہونے لگی تھی مگر جسم ابھی تک یوں دکھ رہا تھا۔ جیسے اسے کسی نے روئی کی طرح دھنک دیا ہو۔ وہ سونے کے لئے لیٹی مگر نیند اس سے کوسوں دور تھی تھوڑی دیر بعد اس نے راہداری میں سے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ اب وہ ان آوازوں کی عادی ہو گئی تھی۔ فوجی آتے اور اسے اپنے تشدد کا نشانہ بنا کر چلے جاتے اور وہ لکڑی کے لٹھ کی طرح پڑی رہتی تھی۔ اس وقت بھی پوشالی نے آنکھیں کھول کر یہ دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ کون آ رہا ہے سلاخوں والے دروازے کا تالا کھلا۔ دروازے کی ہلکی سی چرچراہٹ سنائی دی اور کوئی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے قریب آ کر رک گیا۔ پھر کسی نے جیسے

سرگوشی میں کہا۔ "السلام علیکم"۔

پوشالی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے پاس ہی کھلتی ہوئی رنگت اور چھوٹی چھوٹی باریک مونچھوں والا ایک نوجوان فوجی بیٹھا تھا۔ جس کے ہاتھ میں سبز جزدان میں کوئی کتاب لپٹی ہوئی تھی۔ پوشالی کو یاد آنے لگا کہ اس نے اس فوجی نوجوان کو پہلے بھی دیکھا ہے۔ پھر اسے یاد آگیا کہ یہ وہی فوجی نوجوان ہے جو بھارتی ڈاکٹر کے ساتھ انجکشن والی ٹرے ہاتھ میں لئے اس کی کوٹھری میں آیا تھا۔ جب پوشالی پر تشدد کیا جا رہا تھا تو اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے دکھ پہنچ رہا ہو۔ اس نوجوان نے جزدان والی کتاب پوشالی کی طرف بڑھا دی "میرے ہاتھوں میں قرآن مجید ہے۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان اللہ کے کلام پاک کے آگے کبھی جھوٹ نہیں بولتا"۔

پوشالی نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ اور دھیمی آواز میں بول رہا ہے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ دروازے پر موجود پہرے دار اس کی آواز سنے۔ مگر پوشالی سمجھ گئی تھی کہ اب بھارتیوں نے یہ نیا حربہ استعمال کیا ہے۔ قرآن پاک کا سن کر پوشالی احتراماً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کلام پاک لے کر اسے چوما اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نوجوان نے قرآن اس سے واپس لے لیا تھا۔

"میری بہن! میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے میرے افسروں نے اللہ کا کلام پاک دے کر تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں وہ راز معلوم کر سکوں جنہیں ان کا گھناؤنا تشدد بھی تمہاری زبان سے نہیں نکلوا سکا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تم ایران کی رہنے والی ہو یا پاکستانی جاسوسہ ہو۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم مسلمان خاتون ہو اور اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو۔ میں نے بے ہوشی میں بھی تمہاری زبان سے کلمہ شریف کا ورد سنا ہے میری بات غور سے سنو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ مسلمان کسی مصلحت کے تحت جھوٹ بول سکتا ہے مگر اللہ کے کلام کے حضور وہ جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا"۔

اس نے جزدان کو کھول کر قرآن شریف نکالا اور پوشالی کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے کوئی فریب کر رہا ہوں۔ یہ دیکھو۔ یہ اللہ کا کلام پاک ہے"۔

پوشالی نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ "مجھے کسی پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ میں اب بھی یہی سمجھتی ہوں کہ یہ تم لوگوں کی کوئی چال ہے۔ مگر میں پاکستانی جاسوسہ نہیں ہوں۔ میں ایرانی ہوں اور میرا نام لیلیٰ ہے"۔

مسلمان فوجی نے خاموشی سے گردن گھما کر دروازے پر موجود پہرے دار کو دیکھا جو راہ داری میں چہل قدمی کر رہا تھا۔

"میری بہن! میں تم سے یہ بات کر کے بہت بڑے خطرے کو دعوت دے رہا ہوں۔ میں

بھارتی فوج کا کیپٹن ہوں۔ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا تو میری ' میری بیوی ' اکلوتے بچے اور ماں باپ کی زندگیاں تباہ و برباد ہو سکتی ہیں۔ مجھے ایک ایسی کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے گا جہاں اذیت ناک موت ہی مجھے نجات دلا سکے گی۔ اس کے باوجود میں یہ خطرہ مول لے رہا ہوں۔

پہرے دار ٹہلتا ہوا سلاخوں والے دروازے کے پاس آ کر اندر جھانکنے لگا تو مسلمان کیپٹن نے لہجہ بدل دیا " تم مسلمان ہو اور مسلمان قرآن شریف کے سامنے کبھی جھوٹ نہیں بولتا اگر تم مجھے بتا دو کہ تمہارے دوسرے جاسوس ساتھی دلی میں کہاں پر ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں حفاظت سے پاکستان پہنچا دیا جائے گا "۔

پہرے دار مطمئن ہو کر آگے بڑھا تو اس نے سابقہ جملہ پھر شروع کر دیا۔ " میں جانتا ہوں تمہیں میری باتیں جھوٹی اور مکر و فریب کی باتیں لگ رہی ہیں لیکن وقت آنے پر بہت جلد تمہیں پتا چل جائے گا کہ میں نے اپنی ایک آفت زدہ مسلمان بہن کی مدد کے لئے کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ میں جا رہا ہوں لیکن تم سے ایک وعدہ ضرور لینا چاہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ میری اسکیم ناکام ہو گئی تو تم میرے افسروں کے سامنے کسی حالت میں بھی میرا ذکر نہیں کرو گی "۔

بھارتی فوجی نے اس کے بعد پوشالی کو اپنا نام بتایا اور قرآن کی قسم کھا کر بولا کہ میں تمہیں یہاں سے نکال کر رہوں گا۔ اس نے قرآن پاک کو دوبارہ جزدان میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

" میں کل رات کسی وقت آؤں گا۔ تم تیار رہنا۔ " اس نے سرگوشی کی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

" بڑی چالاک عورت ہے لیکن ہم اس کی زبان کھلوا کر چھوڑیں گے۔ " مسلمان فوجی نے پہرے دار کو بتایا اور راہداری میں غائب ہو گیا۔

پوشالی کافی دیر تک الٹے سیدھے خیالات میں غلطاں رہی۔ پھر نہ جانے کب اسے نیند آ گئی۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو اس کی جسمانی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی تھی۔ جسم پر لگے ہوئے بیڑی کے زخم اب درد نہیں کر رہے تھے۔ آنکھیں بھی نہیں دکھ رہی تھیں۔ مگر اسے نقاہت ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ اسے روزمرہ کی طرح دال روٹی کھانے کو دی گئی جو اس نے کسی نہ کسی طرح زہر مار کر لی۔ رات ہوئی تو لمہ فوجی کی جگہ ڈوگرہ فوجی کوٹھری کے باہر پہرہ دینے کے لئے آ گیا۔ دن گزر گیا تھا مگر ابھی تک پوشالی سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

رات ہوئی تو اسے پھر مسلمان فوجی کا خیال آنے لگا۔ کیا واقعی وہ اسے یہاں سے نکالنے کے لئے آ جائے گا؟ مگر یہاں تو سخت پہرہ ہے۔ وہ اسے کیسے نکال سکے گا؟ پھر اسے خیال آیا کہ وہ اس پرانے قلعے کی تمام راہداریوں اور خفیہ راستوں کو جانتا ہو گا۔ وہ اس الجھن میں بھی مبتلا تھی کہ کیا وہ اس کے ساتھ چلی جائے؟ آخر جانے میں کیا حرج ہے مگر یہ کیا ضروری تھا کہ وہ واقعی آ بھی جائے۔

وہ خاموشی سے لیٹی عجیب و غریب تانے بانے بنتی رہی رات کے سناٹے میں صرف ڈوگرہ گارڈ کے بھاری جوتوں کی آواز گونج رہی تھی اور پھر فوجی کے جوتوں کی آواز ایک پل کے لئے رک گئی۔ لاشعوری طور پر پوشالی نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ڈوگرہ فوجی جھکا ہوا سا تھا۔ پوشالی کچھ نہ سمجھ سکی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے فوجی دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ پوشالی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فوراً ہی اسے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی اور فوجی کوٹھری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پوشالی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ دروازے پر وہی فوجی نمودار ہوا جو کل رات قرآن پاک لے کر اس کے پاس آیا تھا۔ پوشالی اپنی جگہ پر سمٹ سی گئی۔

فوجی اپنی وردی میں تھا مگر اس نے خلاف معمول ہاتھوں پر سفید رنگ کے دستانے پہن رکھے تھے۔ اس نے پہرے دار کی پیٹی سے چابیوں کا گچھا نکالا اور سلاخوں میں لگا ہوا تالا کھولتے ہوئے پوشالی کی طرف دیکھا۔ "لیلیٰ بہن! باہر آجاؤ"۔ پوشالی جلدی سے اٹھی اور کھلے دروازے سے باہر نکل آئی۔ کیپٹن نے دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور چابیوں کا گچھا بے ہوش فوجی کی پیٹی میں لگا دیا۔ کیپٹن تیز تیز آگے چل دیا۔ پوشالی اس کے پیچھے تھی۔ اب راہداری تنگ اور اندھیری ہونے لگی تھی اور وہاں کوئی کوٹھریاں وغیرہ نہیں تھیں۔ کیپٹن، پوشالی کے بازو کو ایک ہاتھ سے تھام کر اسے تیز تیز چلا رہا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد راہداری میں ایک چھوٹا سا بند دروازہ نظر آیا۔ کیپٹن نے دروازے پر خاص انداز میں تین بار دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ کیپٹن نے پوشالی کو باہر نکالا اور پھر خود بھی باہر آگیا۔ وہاں اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں بھی اس نے ایک آدمی کی چمکیلی آنکھیں دیکھ لی تھیں اس کا باقی چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

نقاب پوش وہیں کھڑا رہ گیا اور پوشالی کیپٹن کے ساتھ راہداری میں آگے چل دی۔ پندرہ قدم چلنے کے بعد ایک اور دروازہ آگیا۔ یہاں پہنچ کر کیپٹن رک گیا۔ اس نے اندھیرے میں پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسرا آدمی ان کے پیچھے پیچھے چلتا قریب آگیا تھا۔ اس نے سرگوشی میں کیپٹن سے کہا۔

"سب ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ!"

کیپٹن نے دروازے پر لگی سلاخ کھینچ کر ایک طرف رکھی اور دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ پوشالی کو تازہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اپنے جسم سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ کیپٹن نے جھک کر پوشالی کو مخاطب کیا۔

"سامنے لکڑی کا پل ہے جو قلعے کی خندق والی نہر پر بنا ہوا ہے۔ پل کے پار درختوں کے نیچے ایک موٹر رکشا کھڑا ہو گا۔ وہ اپنا ہی رکشا ہے۔ رکشے والا تمہیں جہاں لے جائے گا وہاں تم محفوظ رہو گی۔ میں کل شام تمہیں اس مسلمان رکشا ڈرائیور کے گھر پر ملنے آؤں گا۔ اب دیر نہ کرو جاؤ"۔

پوشالی جلدی سے باہر آگئی۔ اس نے سوچا کہ وہاں سے کسی دوسری طرف بھاگ جائے مگر اس کا دل نہ مانا۔ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ مسلمان کیپٹن جھوٹا نہیں ہے درختوں کے پاس

اسے رکشا دکھائی دیا جس کا ڈرائیور چادر سے سر لپیٹے رکشا کے پاس ہی زمین پر بیٹھا تھا۔ پوشالی کو دیکھتے ہی وہ اٹھا اور رکشے کا دروازہ کھول کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ " جلدی سے اندر بیٹھ جاؤ "۔
پوشالی کے بیٹھتے ہی رکشا اسٹارٹ ہو کر تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا اور نہ جانے کن کن سڑکوں پر سے ہوتا ہوا وہ ایک مضافاتی آبادی میں داخل ہو گیا۔ یہاں داخل ہوتے ہی رکشے کی رفتار ہلکی ہو گئی اور پھر وہ ایک جگہ رک گیا۔ ڈرائیور نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹاتے ہوئے پوشالی سے کہا۔ " تم بائیں جانب کونے والے کوارٹر کے اندر چلی جاؤ۔ دروازے کی چٹخنی مت لگانا۔ میں رکشا چھوڑ کر آتا ہوں "۔

سامنے کوارٹروں کی لمبی قطار تھی۔ پوشالی کونے والے کوارٹر کی طرف چل دی جس کے آگے پتھر کی بھاری سل پڑی تھی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ دروازے کے سامنے چھوٹا سا دالان تھا جس کے ایک جانب کچن اور باتھ روم بنا ہوا تھا۔ پوشالی نے سامنے والے کمرے کا دروازہ کھولا اور دیوار کے ساتھ پڑے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد رکشے والا بھی آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوشالی کو مخاطب کیا۔ " میرا نام خلیل میاں ہے بہتر ہے کہ تم اس بارے میں کوئی گفتگو نہ کرو اور سو جاؤ اندر سے کنڈی لگا لینا۔ میں دوسری کوٹھری میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح بات کریں گے "۔

وہ باہر گیا تو پوشالی نے اٹھ کر کنڈی لگالی۔ اسے دوسری کوٹھری کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ پوشالی کا جسم شکستگی اور تکان سے چور ہو رہا تھا۔ پہلی بار قلعے سے نکلنے کے بعد اسے اطمینان ... کا سانس نصیب ہوا تو نیند آنی شروع ہو گئی۔ اس نے پلنگ پر لیٹ کر لحاف اوپر کر لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی۔
جب آنکھ کھلی تو کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی دور سڑک پر سے گاڑیوں کے گزرنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ پوشالی خود کو پہلے سے زیادہ ہشاش بشاش محسوس کر رہی تھی۔ وہ لحاف اٹھا کر بیٹھ گئی اور اپنے بوائے کٹ سنہری بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں ذرا سا سنوار کر کمرے کا جائزہ لیا۔ دو ٹین صندوق ایک تپائی ' کونے میں پڑی ہوئی ایک بوری ' چوکور میز اور پلنگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر بند دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا۔ صحن میں پڑی چوکی پر ایک پتلا دبلا سانولے رنگ کا آدمی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی عمر چھبیس ستائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ بال گھنگریالے تھے اور کندھے پر ایک نسواری چادر پڑی تھی۔ پوشالی سمجھ نہ سکی کہ یہ رات والا رکشا ڈرائیور ہی ہے یا کوئی دوسرا آدمی ہے۔ وہ اسے آواز بھی نہیں دے سکتی تھی۔ پوشالی کچھ دیر اسے دروازے کی درز میں سے دیکھتی رہی پھر دبے پاؤں واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔
چند لمحے گزر گئے پھر دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ پوشالی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب

باہر سے آواز آئی۔ "بہن! میں تمہارا رشتے والا بھائی ہوں۔ دروازہ کھولو"۔ پوشالی نے آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

"میں انتظار کر رہا تھا کہ تم اٹھو تو تمہارے لئے چائے لاؤں۔ میں نے پہلے بھی دو بار دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی تھی۔ میں چائے لاتا ہوں تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو"۔

پوشالی غسل خانے سے منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آ گئی۔ خلیل میاں نے چوکور میز پر چائے کی کیتلی پیالی اور مکھن پہلے سے رکھ دیا تھا۔ وہ بھی وہیں موجود تھا۔ "بہن جی! تم ناشتہ کرو۔ میں باہر سے تالا لگا کر جا رہا ہوں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تم اندر سے کوئی کھڑاک وغیرہ نہ کرنا دوپہر کو کھانا لے کر آ جاؤں گا"۔

ناشتے کے بعد پوشالی نے دروازہ بند کیا اور پھر سو گئی۔ دوبارہ اس کی آنکھ دستک سن کر کھلی تھی۔ پوشالی نے درز میں سے دیکھا۔ باہر خلیل تھا۔ پوشالی نے دروازہ کھول دیا۔ خلیل اپنے ساتھ کھانا بھی لایا تھا۔

"بہن جی یہ چاندنی چوک کی زعفرانی بریانی ہے۔" اس نے چاول کی تھیلی اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

بریانی بے حد مزے دار تھی۔ اسے کھا کر پوشالی کے جسم میں جیسے نئی توانائی آ گئی تھی۔ پوشالی نے بطور خاص اس کا شکریہ ادا کیا۔

"بہن جی! یہ تو ہمارا اسلامی فرض ہے۔ کافروں نے مسلمانوں پر بڑا ظلم کیا ہے اور ابھی تک ظلم کر رہے ہیں مگر ہم ان سے ڈرتے نہیں ہیں۔ اللہ کے حکم سے اسلام کا بول بالا ہو گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ شام کو آؤں گا۔ تب شاہ جی بھی آ جائیں گے"۔

پوشالی نے پوچھا کہ یہ شاہ جی کون ہیں؟ اس پر خلیل کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے کان پر لگا کر چھت کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شاہ جی اس زمانے کے غازی ہیں۔ انہوں نے ہی تمہیں کافروں کی قید سے نکالا ہے۔" خلیل نے اٹھ کر پوشالی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور جذبات سے کپکپاتی آواز میں بولا۔ "بہن جی! تم فکر نہ کرنا۔ شاہ جی اور میں اپنی جان بھی قربان کر دیں گے مگر تمہیں تمہارے ملک میں پہنچا کر دم لیں گے"۔

خلیل یہ کہہ کر کوٹھری سے باہر نکل گیا۔ پوشالی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بھائی کا اتنا شدید پیار اسے اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ وہ ان لوگوں کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ مگر... انہوں نے اس کی خاطر اپنی زندگیاں اور خاندان کا مستقبل تک خطرے میں ڈال دیا تھا۔ پوشالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں دنیا کے تمام مسلمان بھائی بہنوں

اور اسلام کی سربلندی کے لئے دعا مانگی اور پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔
سہ پہر کے قریب خلیل دوبارہ آیا۔ وہ اپنے ساتھ زنانہ کپڑے اور گرم چادر لایا تھا "یہ کپڑے شاہ جی نے بھجوائے ہیں۔ تم انہیں پہن لو۔ یہاں مسلمان عورتیں اسی قسم کے کپڑے پہنتی ہیں۔ میں اب شام کو ہی آؤں گا۔ تم پریشان مت ہونا بہن۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا"۔
خلیل کے جانے کے بعد پوشالی نے منہ ہاتھ دھو کر شلوار قمیض پہن لی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر گرم چادر جسم کے گرد لپیٹ لی اور پلنگ پر چپ چاپ بیٹھ کر سوچنے لگی کہ ان لوگوں کو شاید ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ وہ ایرانی نہیں ہے اور وہ عجائب گھر میں چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم اڑانے گئی تھی۔ کیا وہ انہیں بتا دے کہ اصل میں وہ کون ہے اور یہ کہ اس شہر میں اس کا ایک ساتھی کیپٹن کشن معتمد کے بھیس میں ایک ذمے دار سرکاری عہدے پر فائز ہے؟ نہیں، نہیں۔ پوشالی نے سوچا۔ مجھے انہیں یہ نہیں بتانا چاہئے لیکن وہ تو مجھے پاکستان کی سرحد پار کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ مجھے ابھی پاکستان نہیں جانا۔ مجھے تو یہاں رہ کر پاکستان کے خلاف کافروں کے منصوبوں کو خاک میں ملانا ہے۔ پوشالی اس سلسلے میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی کہ اگر شاہ جی نے اسے پاکستان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ کیا مؤقف اختیار کرے گی؟

کوٹھری میں سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی اندھیرا چھانے لگا۔ پھر اسے باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور چادریں لپیٹے ہوئے دو آدمی آگے پیچھے داخل ہوئے۔ پوشالی نے فوراً انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک خلیل اور دوسرا وہی نوجوان مسلمان فوجی تھا جس نے اسے رہائی دلائی تھی۔
"شاہ جی! میں باہر ہی بیٹھتا ہوں۔ مجھے باہر سے بلا لینا۔ میں رکشا لے آؤں گا۔" خلیل نے کہا اور باہر نکل گیا۔

نوجوان فوجی اسٹول کھینچ کر پوشالی کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کرتہ پاجامہ اور کوٹ کے اوپر گرم چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ پوشالی نے بڑے حیرت زدہ انداز میں اس سے پوچھا کہ وہ اسے فرار کرانے میں کس طرح کامیاب ہوئے تھے۔

"میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی رضا اور اس کے پسندیدہ دین اسلام کے لئے کیا ہے۔ میں کم از کم اپنی آنکھوں کے سامنے ..."
"اب اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔" نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے قلعے میں متعین ایک اور مسلمان فوجی کے تعاون سے یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ ہم نے راہداری کے تینوں ہندو فوجیوں کو بڑے خفیہ طریقے سے بے ہوشی کا ایک ایسا مشروب پلوا دیا تھا جس کا اثر آدھے گھنٹے بعد ہوتا تھا اور ہمارا منصوبہ کامیاب رہا۔ بہرحال میں تمہیں یہاں سے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ یہاں تمہارا مزید رہنا مناسب نہیں کیونکہ ملٹری پولیس اور انٹیلی جینس نے قلعے کے

اردگرد کے سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہے اور یہ آبادی اسی علاقے میں آتی ہے۔ میں تمہارے لئے برقع لایا ہوں۔ یہ برقع اوڑھ کر تم میرے دوست اور رازدار ساتھی خلیل کے ساتھ رکشے میں جاؤ گی۔ وہ تمہیں شہر سے کچھ فاصلے پر ایک قبرستان میں واقع مکان میں لے جاکر چھپادے گا جب تک حالات ذرا نارمل نہیں ہوتے تم وہیں رہو گی۔ میں تمہیں وہیں ملتا رہوں گا"۔

نوجوان نے کوٹ کے اندر چھپایا ہوا سیاہ برقع نکال کر پوشالی کو دے دیا۔ "تم برقع پہن لو۔ میں خلیل کو بلاتا ہوں۔ میری بہن گھبرانا بالکل نہیں' اللہ نے چاہاتو میں کسی نہ کسی طرح بارڈر کراس کرا کر پاکستان بھی پہنچا دوں گا"۔

"لیلیٰ بہن! ہم پانچ منٹ بعد یہاں سے چلیں گے۔ تم برقع پہن لو۔"

پوشالی نے آج تک برقع نہیں پہنا تھا۔ مگر اب پہننا ضروری تھا۔ یہ شٹل کاک کی طرح کا بالکل سیدھا کالا برقع تھا۔ پوشالی نے اسے پہن کر نقاب اٹھالیا۔ خلیل نے کوارٹر کو تالا لگایا۔ پوشالی جا کر رکشے میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد رکشا' دلی شہر کی سڑکوں پر دوڑ رہا تھا۔ سفر کافی دیر جاری رہا میں دہلی کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی اس لئے مجھے علم نہیں تھا کہ رکشا کن سڑکوں پر سے گزرا تھا۔ البتہ کچھ دیر بعد رکشا شہر کی... بارونق سڑکوں کو پیچھے چھوڑ کر... ایک غیر آباد علاقے میں پہنچ گیا۔ ایک ٹیلے کے پاس خلیل نے رکشا روک دی اور پھر مجھے ساتھ لے کر چل پڑا۔ مجھے اندھیرے میں درختوں کی قطار نظر آئی جو ایک اونچے محرابی دروازے تک چلی گئی تھی۔ یہ کوئی پرانا قبرستان تھا جس کا دروازہ ایک طرف سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ خلیل مجھے ساتھ لے کر قبرستان کی ڈیوڑھی میں سے گزر گیا۔ وہ خاموش تھا۔ ہم قبروں کے درمیان سے گزر کر قبرستان کی بائیں شکستہ دیوار کے قریب آ گئے۔ یہاں ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی۔ خلیل نے آگے بڑھ کر کوٹھری کا دروازہ کھولا اور جیب سے موم بتی نکال کر جلا دی۔ کوٹھری میں ایک چارپائی تھی جس پر ایک بھاری بستر پڑا ہوا تھا۔ لکڑی کے دو چھوٹے کھوکھے پڑے تھے میں چارپائی پر بیٹھ گئی تو خلیل نے موم بتی کھوکھے پر لگا کر دروازہ بند کر دیا۔

"لیلیٰ بہن تم ضرور سوچ رہی ہو گی کہ شاید یہ کسی گورکن کی کوٹھری ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ کوٹھری میرے والد صاحب نے کبھی بنوائی تھی۔ وہ یہاں بیٹھ کر مہینے میں ایک دو بار کوئی چلہ کیا کرتے تھے۔ مجھے کبھی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ چلہ کس کے لئے کیا کرتے تھے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد یہ کوٹھری میرے قبضے میں آ گئی۔ بس میں یہاں کبھی کبھی آ جایا کرتا ہوں۔ کئی روز سے کوٹھری خالی پڑی تھی۔ اس قبرستان کے گورکن کا مکان قبرستان سے باہر کچھ فاصلے پر ہے۔ وہ قبر کھودنے کے لئے ہی کسی وقت قبرستان میں آتا ہے اور پھر واپس چلا جاتا ہے۔ ویسے تم فکر نہ کرنا۔ میں تمہاری حفاظت کے لئے اس قبرستان کے آس پاس ہر وقت موجود رہوں گا"۔

میں نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا کہ یہاں منہ ہاتھ دھونے کا کہاں بندوبست ہے تو خلیل نے اٹھ

کر دروازہ تھوڑا سا کھولا اور مجھے قریب بلا کر کوٹھری کے ایک جانب درختوں کے نیچے اشارہ کیا۔

"وہ سامنے غسل خانہ ہے۔ وہاں نلکا بھی لگا ہوا ہے تم کوشش کرنا کہ منہ اندھیرے اور پھر شام ہونے کے بعد ہی غسل خانے میں جاؤ۔

"مجھے یہاں کب تک رہنا ہو گا؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ یہ سب شاہ جی زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہی کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کرنا ہے یہ لوگ راجستھان کی سرحد پر اسمگلنگ کرتے ہیں۔ میرا اندازہ یہی ہے کہ چھ سات دنوں میں تمہیں پاکستان پہنچا دیا جائے گا"۔

میں نے اسے بتایا کہ میں تو ایران کی رہنے والی ہوں تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "پھر کیا ہوا۔ پاکستان سے تم ایران بڑی آسانی سے جا سکتی ہو"۔

رات میں نے اس قبرستان کی تاریک اور ڈراؤنی فضا میں گزار دی۔ منہ اندھیرے میں نے بوسیدہ سے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور واپس کوٹھری میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد صبح ہو گئی۔ دیوار میں چھت کے قریب دو اینٹیں اکھاڑ کر سوراخ کر دیا گیا تھا جہاں سے روشنی اندر آ رہی تھی واقعی یہ کوٹھری چلہ کرنے کے لئے بڑی آئیڈیل تھی۔ اس کے باوجود مجھے وہ بہشت سے کسی طرح کم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد خلیل میرے لئے کھانا لے کر آ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں پھر سو گئی۔ جب اٹھی تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور قبرستان میں گہرا سناٹا طاری تھا۔ میں نے کوٹھری بند کر کے موم بتی روشن کر لی۔ کچھ دیر گزری ہو گی کہ مجھے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں چارپائی سے جلدی سے اتر کر دروازے کے ساتھ کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر کسی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔ "بہن لیلیٰ میں شاہ جی ہوں"۔

میں نے اپنے محسن فوجی کی آواز پہچانتے ہی دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ گیا۔ اس نے [redacted] سے پوچھا کہ مجھے کھانے پینے کی تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی؟ میں نے اسے بتایا کہ خلیل نے بہت کچھ لا کر رکھ دیا تھا۔ موم بتی کی روشنی میں اس کا چہرہ مجھے کچھ پریشان سا لگ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہو گئی؟

"میری بہن! راجستھان اور پنجاب سے بھارتی سرحد پار کرنا آج کل تقریباً ناممکن ہے۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بے حد کشیدہ ہیں۔ دونوں فوجیں سرحدوں پر موجود ہیں۔ کوئی پتہ نہیں کب جنگ شروع ہو جائے۔ بارڈر سیکیورٹی فورس کی جگہ باقاعدہ فوج تعینات کر دی گئی ہے"۔

مجھے سرحد پار کرنی ہی نہیں تھی میں خاموش رہی۔ مسلمان فوجی دوبارہ گویا ہوا۔ "تم کہتی ہو کہ تم ایران کی رہنے والی ہو۔ تو تمہارے لئے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم یہاں دلی میں ایرانی سفارت خانے چلی جاؤ۔ وہ لوگ تمہیں اپنی حفاظت میں ایران پہنچا دیں گے۔ خلیل تمہیں خود ایران کے سفارت

خانے چھوڑ آئے گا"۔

میں لاجواب ہو گئی۔ میں اسے کیا جواب دیتی؟ ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اگر میں اسے کہتی ہوں کہ میرا تعلق ایران سے نہیں بلکہ پاکستان سے ہے تو وہ یقینی طور پر مجھے پاکستانی سفارت خانے پہنچا دینے کی پیش کش کرتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے کیا جواب دوں۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیلیٰ بہن کیا بات ہے؟ تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔"

کچھ دیر سوچتی رہی اور ذہن میں مختلف منصوبے ترتیب دیتی رہی۔ میں ایک فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔ "آپ مجھے دلی ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ آئیں۔ میں خود کسی دوسرے شہر میں چلی جاؤں گی"۔

"شاید تمہیں حالات کی سنگینی کا علم نہیں ہے۔" میرے محسن نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"ہر راستے پر پولیس اور فوج موجود ہے۔ ائرپورٹ' ریلوے اسٹیشن اور لاری اڈوں پر تو خصوصی چیکنگ کی جا رہی ہے۔ کسی شخص کو شناختی کارڈ دیکھے بغیر گزرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ تم ملٹری انٹیلی جینس کی قید سے بھاگی ہو اور تم پر پاکستانی جاسوسہ ہونے کا الزام ہے۔ تمہیں گرفتار کرنے کے لئے تو پوری پولیس اور ملٹری کے خصوصی دستے حرکت میں آ چکے ہیں"۔

جانے کیوں میرا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ یہ آدمی جھوٹ نہیں بول رہا۔ اس کے باوجود میں اپنے ذہن کو اس بات پر آمادہ نہیں کر سکی تھی کہ میں اسے اپنی زندگی کے مشن کا وہ راز بتا دوں جس کے لئے نہ صرف میں نے اپنی عزت تک قربان کر دی تھی۔ چنانچہ میں خاموش رہی تھی۔

"اگر تم ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہو تو کل کا دن اور سوچ لو۔ میں کل رات تمہارے پاس آؤں گا۔

وہ چلا گیا ساری رات میں سو نہ سکی۔ اگلے دن بھی میں پریشان رہی۔ اندھیرا ہوا تو میرا محسن اپنے وعدے کے مطابق وہاں آ گیا۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "کیا تم ہارڈنگ لائبریری میں نازی کے نام سے بھی ملازم تھیں میری بہن؟"

میرا دل دھڑک اٹھا۔ میں نے آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ہماری ملٹری انٹیلی جینس نے تمہاری تصویر اخباروں میں تو نہیں دی لیکن دلی شہر میں کوئی پبلک آفس ایسا نہیں جہاں ہمارے خفیہ آدمی تمہاری تصویر لے کر تمہارا کھوج لگانے نہ گئے ہوں۔ چنانچہ جب وہ ہارڈنگ لائبریری میں پہنچے تو اس کے لائبریرین نے تمہاری تصویر دیکھ کر بتایا کہ تمہارا نام نازی ہے۔ تم اسرائیلی خاتون ہو اور کچھ روز پہلے وہاں لیڈی کیئر ٹیکر کے طور پر نوکر ہوئی تھیں۔ وہاں سے تمہارے فلیٹ پر بھی چھاپہ مارا لیکن وہاں سے سوائے تمہارے کپڑوں اور کچھ کتابوں کے اور کوئی خاص چیز نہیں مل سکی

وہ بات کرتے کرتے کچھ دیر کے لئے رک گیا اور میری طرف ذرا جھک کر بولا۔" میری بہن

تمہیں یہ بات مجھ سے نہیں چھپانی چاہئے تھی۔ لیکن خیر کوئی بات نہیں۔ میں تم سے پوچھ گچھ نہیں کر رہا۔ میں تمہیں صرف اتنا بتانے آیا ہوں کہ سکیورٹی اور زیادہ سخت ہو گئی ہے۔ شہر کا کوئی ناکہ ایسا نہیں جہاں ملٹری انٹیلی جینس اور پولیس کے سپاہی تمہاری گرفتاری کے لئے موجود نہ ہوں۔ اس قبرستان میں بھی تم زیادہ محفوظ نہیں ہو۔ تمہیں یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ہو گا۔ خیر میں اپنی جان دے کر بھی تمہاری حفاظت کروں گا لیکن میں چاہوں گا کہ تم کوئی فیصلہ کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا تم ایرانی یا پاکستانی سفارت خانے جانا چاہتی ہو۔ یا یہ انتظار کرنا چاہتی ہو کہ سرحدوں پر فوجی تناؤ کم ہو اور تمہیں سرحد پار کرا دی جائے لیکن اس میں ایک دو سال بھی لگ سکتے ہیں"۔

اس شخص نے مجھے فیصلے کی دہلیز پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اب مجھے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی تھا۔ میرے دل نے کہا یہ آدمی سچا ہے۔ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر اپنے محسن کی طرف دیکھا اور اپنی زبان کھولنے ہی والی تھی کہ اچانک کوٹھری کا دروازہ زور سے کھلا اور خلیل گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔

"شاہ جی! سب انسپکٹر کشن چند ادھر آ رہا ہے۔"

وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چاقو نکال لیا اور موم بتی بجھا کر میرے اوپر کمبل ڈال دیا۔

"تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟"

"وہ۔ وہ کونے والے کھوکھے کے پاس کھڑا قبرستان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ قبرستان میں داخل ہو گیا۔ وہ سفید کپڑوں میں ہے۔ میں اسے پہچانتا ہوں شاہ جی"۔

خلیل نے ابھی اپنا جملہ پورا ہی کیا تھا کہ کوارٹر کے دالان میں ایک مردانہ آواز گونجی۔ "کیپٹن... باہر آ جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تم اندر ہو اور تمہارے ساتھ وہ عورت بھی ہے جو پولیس کو مطلوب ہے۔ میں پوری گارڈ لے کر آیا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو"۔

مسلمان فوجی نے سرگوشی میں مجھے کہا۔ "بہن! چارپائی کے نیچے لیٹ جاؤ"۔

میں جلدی سے چارپائی کے نیچے گھس گئی۔ میرے چھپتے ہی کیپٹن نے موم بتی روشن کر کے دروازہ کھول دیا۔

"کشن چند جی اندر آ جایئے۔ یہاں کوئی پاکستانی جاسوسہ نہیں ہے۔ یہ میرے دوست خلیل کی کوٹھری ہے اور میں یہاں چلہ کرنے آیا تھا"۔

میں جس چارپائی کے نیچے لیٹی ہوئی تھی اس پر بچھی چادر نیچے تک لٹک رہی تھی۔ میں نے ذرا سی چادر ہٹا کر دیکھا۔ کھدر کی واسکٹ پہنے ہوئے ایک موٹا تازہ آدمی ہاتھ میں پستول لئے کوٹھری میں داخل ہو گیا اس نے پستول کا رخ خلیل اور کیپٹن کی طرف کر رکھا تھا۔

"شاہ جی! آپ بھی جانتے ہیں کہ میری ساری زندگی انٹیلی جینس میں گزری ہے۔ میں کوئی اناڑی نہیں ہوں۔ آپ بھی انڈین ملٹری انٹیلی جینس میں ہیں لیکن آپ نے اناڑی پن کا ثبوت دیا ہے۔ ذرا چارپائی کی چادر ایک طرف ہٹائیے۔ میرا ثبوت اس چارپائی کے نیچے چھپا ہوا ہے"۔

کیپٹن کی آواز میں گھبراہٹ آگئی تھی۔ "آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ یہاں ہمارے سوا کوئی نہیں ہے"۔

"کیپٹن! چارپائی کو اٹھا دو۔ نہیں تو ایک سیکنڈ میں پولیس کی پوری گارڈ اندر آ جائے گی"۔

خلیل کونے میں سہا ہوا کھڑا تھا۔ کیپٹن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا حکم ہے تو یہ لیجئے چارپائی ہٹائے دیتا ہوں"۔

کیپٹن ذرا سا آگے کو جھکا اور پھر اس نے نیچے سے ایک ایسا بھرپور ہاتھ سب انسپکٹر کشن چند کے ہاتھ پر مارا کہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کونے میں جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی کیپٹن نے لپک کر ہندو سب انسپکٹر کی گردن دبوچ کر نیچے گرا دیا اور آناً فاناً چاقو اس کے سینے میں پوری طاقت سے گھونپ دیا۔

"تم بہن جی کو لے کر دوسری کوٹھری میں چلے جاؤ میں دیکھتا ہوں باقی سپاہی تو ادھر نہیں آ رہے۔ کیپٹن نے خلیل کو ہدایت کی۔

سب انسپکٹر کے سینے سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ چاقو نے اس کے دل کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ وہ دو ایک بار گردن ادھر ادھر ہلانے کے بعد ساکت ہو گیا تھا۔ خلیل مجھے ساتھ لے کر تیزی سے دوسری کوٹھری میں آگیا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ ہمیں شاہ جی کے دالان سے نکل کر کوارٹر کے باہر جانے کی آواز سنائی دی۔ خلیل نے بھی اپنا چاقو جیب سے نکال لیا تھا۔

چند سیکنڈ بعد کیپٹن بھی ہماری کوٹھری میں آگیا۔ وہ رومال سے ہاتھ پر لگا خون صاف کر رہا تھا۔ "جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کے ساتھ پولیس کی گارڈ نہیں تھی۔ یہ اکیلا مجھے گرفتار کرنے آیا تھا۔ خلیل ہمیں سب سے پہلے کشن چند کی لاش کو قبرستان کی کسی پرانی قبر میں دفن کر دینا ہے۔ اس گھر کی مخبری ضرور ہوئی ہے۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے اسے یہاں سے کسی دوسری جگہ پہنچانا ہو گا"۔

خلیل فوراً باہر نکل گیا۔ کیپٹن نے اطمینان کی گہری سانس لی اور میری طرف ہاتھ ذرا سا ہلا کر کہنے لگا۔ "گھبراؤ نہیں میری بہن۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ نے خیر کر دی ہے۔ ہم اس کافر کو کسی پرانی قبر میں دفن کر دیں گے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی"۔

وہ کھوکھے پر بیٹھ گیا میں چارپائی پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسلمان اور میرے ساتھ مخلص ہونے کا اس سے بڑا ثبوت مجھے اور کیا مل سکتا تھا؟

خلیل نے تھوڑی دیر بعد کوٹھری میں آکر بتایا کہ قبرستان میں اندھیرے اور سناٹے کے سوا اور

کچھ نہیں ہے۔ ہمیں اس ہندو سب انسپکٹر کی لاش کسی پرانی قبر میں دبا دینی چاہیے کیپٹن نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "لیلیٰ بہن! تم دوسری کوٹھری میں بیٹھو۔ ہم اس کو زمین میں دبا کر آتے ہیں"۔

وہ لاش کو گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ میں پھر دوسری کوٹھری میں آگئی۔ یہاں بھی ایک چھوٹی سی موم بتی جل رہی تھی اور سوائے ایک چارپائی اور لوہے کی پرانی کرسی کے مزید کچھ نہیں تھا۔ میں چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس مسلمان کیپٹن کو اپنے دل کا راز بتا دوں گی ایک تو مجھے یقین ہو چکا تھا کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہے اور اس نے صرف اسلام اور پاکستان سے محبت کی وجہ سے مجھے پرانے قلعے کے عقوبت خانے سے اپنا مستقبل اور اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر نکالا ہے۔ دوسرے اگر میں اسے حقیقت نہ بتاتی ہوں تو وہ مجھے ایرانی یا پاکستانی سفارت خانے میں چھوڑ آتا۔ کیونکہ وہ زیادہ دیر تک مجھے چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔

انہوں نے سب انسپکٹر کشن چند کی لاش اس کے پستول کے ساتھ ہی قبرستان میں کسی جگہ دبا دی۔ خلیل ابھی کوٹھری کے باہر تھا لیکن کیپٹن اندر آکر میرے پاس بیٹھ گیا۔

" اگر میں اس ہندو پولیس آفیسر کو ہلاک نہ کرتا تو صبح تک میرا سارا خاندان مجھ سمیت جیل میں ہوتا اور پھر تمہارے ساتھ جو گزرتی تم اس کا اندازہ اچھی طرح لگا سکتی ہو۔ بہرحال اب تمہارا اس قبرستان میں رہنا ٹھیک نہیں۔ تم برقع پہن کر خلیل کے ساتھ چلی جاؤ۔ وہ تمہیں ایک دوسری جگہ لے جا کر چھپا دے گا۔ میں کل رات تم سے ملنے آؤں گا۔ اس وقت تک تمہیں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ تم ایرانی سفارت خانے میں جانا چاہتی ہو یا پاکستانی سفارت خانے..."

اتنا کہہ کر وہ صاحب ایمان اور پاکستان کی محبت میں سرشار مسلمان کیپٹن کوٹھری سے نکل گیا۔ دوسرے ہی لمحے خلیل نے مجھے ساتھ لیا اور قبرستان کی ایک ٹوٹی دیوار سے گزار کر درختوں کے پاس لے آیا جہاں اس کا رکشا بھی موجود تھا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ہمارا رکشا ایک بار پھر دلی شہر کی سنسان سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ میں نے برقع پہن رکھا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اندھیری رات میں رکشا کدھر جا رہا ہے کبھی سڑک کی بتیاں گزرنے لگتیں اور کبھی اندھیرا چھا جاتا۔ رکشا کئی سڑکوں کے موڑ گھوما تھا۔ آخر اس کی رفتار ہلکی ہونے لگی اور وہ ایک جگہ رک گیا۔

خلیل نے رکشے سے اتر کر دروازہ کھولا۔ میں لمبا برقع سنبھالتی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ پھر میں نے اپنے سامنے رات کے اندھیرے میں دو ایک رکشوں کو کھڑے دیکھا۔ خلیل نے مجھے ایک رکشے کے پاس بیٹھنے کو کہا اور خود آگے بڑھ گیا میں نے نقاب الٹ دیا۔ جس رکشے کے پاس میں زمین پر بیٹھی تھی اس کی چھت غائب تھی۔ سامنے ایک گیراج سا تھا جس کا خلیل تالا کھول رہا تھا۔ تالا کھول کر اس نے دائیں بائیں دیکھا اور مجھے گیراج میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک کوٹھری تھی جس کے ایک کونے میں رکشے کے پرانے ٹائر اور دوسرا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ دیوار کے ساتھ تخت پوش پر بستر تہ کر

کے رکھا ہوا تھا۔

خلیل نے جلدی سے بستر کھول دیا اور بولا۔ "یہاں آرام کرو۔ یہ میرا مال گودام ہے۔ میں کبھی کبھی یہاں آتا ہوں۔ مکان یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ ادھر کوئی نہیں آتا۔ غسل خانے کا دروازہ سامنے ہے۔ اندر پانی اور تولیہ صابن موجود ہے میں باہر سے تالا لگا کر جارہا ہوں۔ تم اندر کوئی روشنی کرنا نہ آواز نکالنا۔ میں کل آؤں گا"۔

خلیل نے کونے میں رکھا ایک چھوٹا ٹائر اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ رات میں نے تخت پوش پر بوسیدہ سے لحاف میں گھسے کچھ سوتے کچھ جاگتے میں گزار دی۔ دن کا اس وقت پتہ چلا جب بند دروازے کی درزوں میں سے روشنی اندر داخل ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد مجھے باہر رکشے کی آواز آئی جو گیراج نما کوٹھری کے بالکل سامنے آکر ختم ہو گئی تھی اس کے بعد تالا کھلا اور خلیل نے رکشا میں سے دو ٹائر نکال کر اندر پھینک دیئے۔ شاید وہ یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ پرانے ٹائر اپنے گودام میں رکھنے آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اگلی سیٹ پر رکھی ہوئی چھوٹی سی گٹھری اٹھا کر اندر لے آیا۔

"اس میں تمہارے لئے کھانے کا سامان ہے۔ میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔"

گٹھری لوہے کی کرسی پر رکھ کر اس نے جلدی سے باہر نکل کر دروازہ بند کیا اور تالا لگا کر چلا گیا۔ گٹھری میں ایک پلاسٹک کی تھیلی میں حلیم اور رومال میں کچھ نان لپٹے تھے دوپہر کو بھی میں نے اسی حلیم اور نان سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔

رات ہوئی تو میں اپنے محسن کیپٹن کا انتظار کرنے لگی خلیل صبح کے بعد پھر نہیں آیا تھا۔ جب باہر سناٹا طاری ہو گیا تو میں بستر میں دبک کر بیٹھ گئی۔ نہ جانے رات کتنی گزر گئی تھی کہ میں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی' اس کے ساتھ ہی گیراج کا تالا کھلنے کی آواز سنائی دی اور کیپٹن اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنا منہ اور سر گرم چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ میں اس کے قدو قامت سے اسے پہچان گئی تھی۔ دروازے کی کنڈی لگا کر وہ میرے قریب آگیا۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی میری بہن؟"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ "تکلیف تو میں نے تمہیں دی ہے میرے بھائی۔ تم نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے میں شاید اس کا احسان کبھی نہ چکا سکوں"۔

وہ لوہے کی کرسی کھینچ کر میرے پاس بیٹھ گیا۔ "میں نے وہی کچھ کیا ہے جو ایک بھائی کو اپنی مسلمان بہن کے لئے کرنا چاہیئے تھا۔ اب تم مجھے اپنا فیصلہ بتاؤ کہ تم کون سے سفارت خانے جانا چاہتی ہو کیونکہ اس کے سوا تمہارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ تمہاری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے ہیں۔ سب انسپکٹر کشن چند کی گمشدگی کے بعد قبرستان کا علاقہ بھی پولیس کی نگرانی میں

آگیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم یہاں بھی زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتیں"۔

تب میں نے اپنے محسن کے آگے اپنے دل کا راز کھول کر رکھ دیا۔ اس کا ردعمل دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کیونکہ اس نے کسی قسم کی حیرانی یا استعجاب کا اظہار کیا نہ اس نے کوئی جواب دیا۔ اس نے جیب سے چھوٹی سی موم نکال کر روشن کی اور زمین پر لگادی۔ اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز دھیمی سی مسکراہٹ نمودار ہو چکی تھی۔

"میری بہن! جو کچھ تم نے بتایا ہے اس کا مجھے پہلے ہی سے شک تھا لیکن میں یہ سب کچھ تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا"۔

"میں نے تمہیں اپنا دینی بھائی اور محسن سمجھ کر تم پر اپنے دل کا راز کھولا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ چاہے تو مجھے بھارتی فوج کے حوالے کر دو چاہے میرے مدد کرو"۔

اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری بہن! اگر مجھے تمہیں بھارتی فوج کے حوالے کرنا ہوتا تو تمہیں ان درندوں کے چنگل سے نکال کر یہاں نہ لاتا اور ایک کافر کو قتل کرنے کا خطرہ مول نہ لیتا"۔

میں چپ چاپ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا پھر اس نے سر اٹھایا اور مجھ سے گویا ہوا۔ "میری بہن! اس وقت تم آرام کرو۔ میں کل اسی وقت ... تمہارے پاس آؤں گا"۔

وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلا اور گیراج کے دروازے پر تالا لگا کر چلا گیا۔ میں نے باقی ساری رات اس پریشانی میں گزار دی کہ ابھی فوجی گاڑیاں دندناتی ہوئی وہاں آئیں گی اور مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گی۔ اسی گوموگو اور پریشانی کے عالم میں صبح ہو گئی۔ خلیل میرے لئے ناشتہ لے کر آگیا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ وہ جلدی میں آیا تھا اور ناشتہ دے کر چلا گیا۔ اب سارا دن میرے سامنے تھا۔ کسی وقت مجھے لگتا کہ میں ابھی گرفتار کر لی جاؤں گی۔ کسی وقت لگتا کہ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اپنے محسن کو اپنے پتے لکھا دیئے تھے۔ اب میری زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں تھی۔ کبھی سوچتی کہ اسے اپنے دل کا راز بتا کر کہیں میں نے غلطی تو نہیں کی؟ پھر دل کہتا کہ نہیں پوشالی تم نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے اللہ پر بھروسہ رکھو۔

دوسری رات کیپٹن اپنے وعدے کے مطابق آگیا۔ اس نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے اپنی وفاداری کی قسم کھائی پھر اس نے کہا۔ "پوشالی بہن! اب مجھے اپنے ساتھی کا نام اور پتہ بتاؤ۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ تم باہر نہیں نکل سکتیں اور مجھے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو میری بتائی ہوئی اسکیم پر عمل کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مائیکرو فلم کی تمہیں تلاش ہے وہ اس وقت قلعے کے تہ خانے میں نہیں ہے بلکہ اسے ایک ایسے خفیہ مقام پر رکھا گیا ہے جہاں کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار

سکتی"۔ پوشالی اب بھی میرا نام اور پتہ اپنے محسن کو بتاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی...

میں سجاتا سے ملنے تقریباً ہر روز اس کے گھر جانے لگا تھا۔ اس خیال سے کہ اگر کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھے اس کی شکل نظر آ جائے۔ مگر ابھی تک میں اسے شناخت نہیں کر سکا تھا۔ دوسری طرف مجھے پوشالی کی طرف سے بے حد تشویش تھی۔ جب سے وہ غائب ہوئی تھی مجھے اس کے بارے میں کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اب میں پاکستان میں اپنے باس سے وائرلیس پر بات کرنے کے معاملے میں بھی بے حد محتاط ہو گیا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ میرے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے سگنل چیک کر لئے جائیں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ تیواڑی نے میری نگرانی کا گھیرا میرے اردگرد تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جو مجھے تیواڑی کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسا دے۔ کچھ وقت کے لئے میں نے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو معطل کر دیا تھا۔ میں نے پوشالی کو بھی کچھ وقت کے لئے اپنے ذہن سے نکال دیا تھا۔ اتنا میں ضرور جانتا تھا کہ پوشالی بھارتی فوجی انٹیلی جینس والوں کی قید میں ہے اور اس پر بے پناہ تشدد کیا جا رہا ہو گا لیکن مجھے یقین تھا کہ پوشالی مر جائے گی مگر میرا نام زبان پر نہیں لائے گی۔ اس ناقابل شکست عزم کا ثبوت وہ پہلے بھی کئی بار دے چکی تھی۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ پوشالی کو گرفتار ہوئے کئی روز گزر گئے تھے۔ میں نے اس دوران ایک بار بھی بارڈنگ لائبریری کا رخ نہ کیا تھا۔ اگرچہ مجھے باس کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مائیکرو فلم پارلیمنٹ ہاؤس لائبریری کے تہ خانے میں موجود ہے اور میں جتنی جلدی ہو سکے اسے وہاں سے نکال کر پرانے قلعے والے ایجنٹ کے حوالے کر دوں۔ میں نے اس مقصد کے لئے سجاتا کو پارلیمنٹ لائبریری کا ممبر بھی بنا دیا تھا لیکن اس کے باوجود اپنے عظیم تر منصوبے کے پیش نظر میں نے کچھ وقت کے لئے خاموشی اختیار کر لی تھی کیونکہ میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ میرے اردگرد ایک جال پھیلا دیا گیا ہے اور میری ذرا سی بے احتیاطی مجھے اس جال میں پھنسا کر سارے منصوبے پر پانی پھیر سکتی ہے۔

ایک شام میں سجاتا کو لے کر نئی دلی کے بارہ کھمبے والے اسنیک بار میں بیٹھا کافی پیتے ہوئے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ روشنی بڑی دھیمی تھی۔ میزوں پر بہت کم جوڑے نظر آ رہے تھے۔ اتوار کے دن یہاں زیادہ رونق ہوا کرتی تھی۔ سجاتا کے مخصوص عطر کی رومانوی خوشبو مجھے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ کسی وقت میں اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے پریشان خیالوں سے کچھ لمحوں کے لئے دور ہو جاتا۔ ہماری میز جس کونے میں لگی تھی وہاں سے ریستوران کا دروازہ مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔ دروازہ شیشے کا تھا اور اس پر گنیش مہاراج کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا اور ایک اسمارٹ نوجوان بھورے رنگ کا تھری پیس سوٹ پہنے اندر داخل ہوا۔ اس نے سر پر بھورے رنگ کی ہی کیپ پہن رکھی تھی۔ وہ ہم سے دو میزیں چھوڑ کر دیوار کے ساتھ والی میز پر بیٹھ کر مینو کارڈ دیکھنے لگا۔ میں نے کوئی

خیال نہ کی اور سجاتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو کہہ رہی تھی۔

" دو ماہ بعد نیا سال شروع ہو جائے گا۔ ماتا جی نے میری شادی کی سب تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ کشن ڈیئر! اب تاریخ آگے مت ڈالنا ورنہ میرے پتا جی کسی دوسری جگہ میری شادی کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔ پھر میں نے سجاتا کے ہاتھ کو آہستہ سے تھپتھپایا۔

" تم ایسی باتیں دل میں کیوں لاتی ہو؟ شانت رہو۔ اس بار تاریخ آگے نہیں ہو گی۔"

" تمہارے لئے کافی اور بناؤں۔" سجاتا نے ایک ادا سے کہا۔

میرے لئے مزید کافی بنانے لگی۔ میں نے سگار کا کش لگاتے ہوئے نگاہیں اٹھائیں تو میری نظریں بے اختیار اس اسمارٹ نوجوان سے ٹکرا گئیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ریستوران میں داخل ہوا تھا وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں چار ہوئی تو اس نے اپنی آنکھیں نہ ہٹائیں اور مجھے یوں لگا جیسے وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ میں نے جلدی سے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ ضرور یہ وہی کم بخت ہے جسے میری نگرانی کے لئے میرے پیچھے لگایا گیا ہے تو مجھے اس سے بھی پیچھا چھڑانا ہو گا۔ میں نے دوسری بار اس کی طرف دیکھا کہ اس چہرہ ذہن میں اتار لوں۔ اس وقت وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر تیس برس کے قریب تھی۔ رنگ کھلتا ہوا تھا۔ وہ پڑھا لکھا لگتا تھا۔ میں دل میں ہنسا۔ میں نے سگار ایش ٹرے میں مسلا اور بلاوجہ ہی ہاتھ منہ دھونے کے لئے اٹھ کر ریستوران کے باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم کی چکیلی دیوار پر تین آئینے لگے تھے جن کے آگے بیسن تھے۔ میں نلکا کھول کر ہاتھ دھونے لگا۔ اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ میں نے لاشعوری طور پر گردن گھما کر دیکھا۔ وہی اسمارٹ آدمی باتھ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ میرا دل اپنے آپ سے زور سے دھڑکا۔ یہ آدمی میرے پیچھے کیوں آیا؟ سی آئی ڈی والے اس قسم کی حرکت کبھی نہیں کرتے۔ میں نے اپنے حواس کو قابو میں رکھا اور خاموشی سے ہاتھ دھوتا رہا۔ وہ آدمی میرے ساتھ والے بیسن کے سامنے آ کر جھکا اور نلکے کی ٹونٹی کھولتے ہوئے بولا۔

" مجھے پوشالی نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

اس کی زبان سے پوشالی کا نام سن کر میرا جسم ایک بار تو جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ وہیں رک گئے۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ میں گردن گھما کر اس آدمی کی طرف دیکھتا جس نے ایک ایسی عورت کا نام لے لیا تھا جس کے نام کو سارے ہندوستان میں سوائے میرے اور پوشالی کے تیسرا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس اسمارٹ شخص نے مجھے مزید کچھ سوچنے کا موقع نہ دیتے ہوئے دھیمی اور رازدارانہ آواز میں جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

" پوشالی نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے اس لئے میں تمہارے مکان پر نہیں آیا۔ کیونکہ میں بھی اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میری بات غور سے سنو۔ میرے بارے میں

یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے پیچھے لگا ہوا سی آئی اے کا آدمی ہوں۔ ایسی بات ہوتی تو میں تمہیں پوشالی کے پاس لے جانے کی بجائے اسی جگہ گرفتار کروا دیتا کیونکہ تمہارے بارے میں پوشالی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے اور اس نے مجھے یہ اس لئے بتایا ہے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اچھا ہوا تم باتھ روم میں آگئے ورنہ مجھے تم سے بات کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈنا پڑتا۔ سنو علی پور روڈ جہاں شمال کی جانب ختم ہو جاتی ہے وہاں تنار پور کی نیم بنگالی بستی ہے۔ جمنا دریا وہاں قریب سے گزرتا ہے۔ تنار پور بستی کے پہلے چوراہے کے سامنے ایک اونچے ٹیلے پر ایک چھتی ہوئی باؤلی ہے اس باؤلی کی دوسری طرف ڈھلان میں کیکر کا ایک گھنا درخت ہے میں آج رات پورے ایک بجے اس درخت کے نیچے تمہارا انتظار کروں گا۔ تم وہاں ضرور پہنچ جانا پوشالی وہیں پر ہے۔ مجھے مائیکرو فلم کے بارے میں تم سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں "۔

یہ کہہ کر وہ نوجوان تولیئے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر نکل گیا۔ وہ مجھے ہکا بکا چھوڑ گیا تھا۔ ایک منٹ تک میں سمجھ نہ سکا کہ یہ آناً فاناً کیسا واقعہ ہو گیا ہے۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو سمیٹا اور باتھ روم سے باہر نکلا۔ وہ اب اپنی میز پر نہیں تھا۔ سجاتا پرس میں سے وینٹی کیس کا آئینہ سامنے رکھے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔

" کیا بات تھی؟ تم نے بڑی دیر کر دی کشن "۔

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ " بس آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا "۔ اور میں ایک آنکھ کو یونہی ہاتھ سے ملتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اب میں بالکل غیر حاضر تھا۔ میں نے بل منگوا کر ادا کیا اور سجاتا کو ساتھ لے کر اس کے مکان کی طرف چل پڑا۔ اسے چھوڑ کر اپنے بنگلے میں آ کر بیڈ روم میں آگیا اور پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ آدمی کون تھا؟ اسے پوشالی کہاں ملی تھی؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا لیکن میں نے رات کے ایک بجے جمنا کنارے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بات کی مجھے تسلی ہو گئی تھی کہ یہ ملٹری انٹیلی جینس کا چکر نہیں ہے۔ ورنہ میں اب تک گرفتار ہو چکا ہوتا۔ اب میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ رات کے ایک بجے میں بنگلے سے کیسے نکلوں گا۔ کیونکہ یقینی امر تھا کہ میری نگرانی پر کوئی نہ کوئی سراغ رساں میرے بنگلے کے آس پاس موجود ہے اور اس نے مجھے آدھی رات کو گھر سے نکل کر جاتے دیکھا تو ضرور میرا پیچھا کرے گا۔ کافی دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد جب مجھے کوئی انوکھی ترکیب سمجھ میں نہ آئی تو آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں بنگلے سے فلم دیکھنے کے بہانے سینما ہاؤس کا رخ کروں گا اور رات بارہ بجے جب فلم ختم ہونے میں تھوڑی دیر رہ جائے گی تو سینما ہاؤس کے عقبی راستے سے نکل کر کسی ٹیکسی میں تنار پور کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ دہلی میں صرف ایک ہی سینما ہاؤس کو میں جانتا تھا جہاں میں پوشالی کے ساتھ دو بار جا چکا تھا۔ اس سینما ہاؤس کا عقبی دروازہ ایک ٹائیلٹ سے باہر نکلتا تھا۔ گاڑی

ساری رات پارکنگ لاٹ پر ہی کھڑی رہے گی۔ میں اسے دوسرے روز اٹھالوں گا اور اگر کسی نے گاڑی کے بارے میں سوال کیا تو اسے یہ کہہ دوں گا کہ گاڑی سینما ہاؤس پہنچ کر خراب ہو گئی تھی۔ ننانوے فیصد یہی امید تھی کہ میرے پیچھے لگا ہوا خفیہ ایجنٹ فلم ختم ہونے تک سینما ہاؤس کے باہر ہی میرا انتظار کرے گا۔ جب میں سینما ہاؤس سے شو ختم ہونے کے بعد نہ نکلا تو وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے گا اگر اس نے مجھے آدھی رات کے بعد کسی ٹیکسی پر واپس اپنے بنگلے پر آتے دیکھ بھی لیا تو جہنم میں جائے۔ کم از کم اسے یہ تو علم نہ ہو سکے گا کہ میں تمار پور پوشالی سے ملنے گیا تھا اور وہاں مجھے ایک پُراسرار شخص نے بلایا تھا۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی میں نے سینما جانے کی تیاری شروع کر دی۔

سینما ہاؤس کے راستے میں میں نے سڑکوں پر کئی بار گاڑی کے شیشے میں سے پیچھے دیکھا۔ پیچھے بھی گاڑیاں چلی آ رہی تھیں۔ میں اندازہ نہ لگا سکا تھا کہ کوئی میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سینما ہاؤس پہنچ کر میں نے گاڑی پارکنگ کی جگہ کھڑی کر کے ٹوکن لے لیا اور ٹکٹ خرید کر گیلری میں آ بیٹھا۔ مار دھاڑ کی کوئی امریکی فلم تھی جس کی وجہ سے وہاں کافی رش تھا۔ میں گیلری کے اس دروازے کے قریب والی سیٹ پر بیٹھا جہاں سے نیچے سیڑھیاں اتر کر ٹائیلٹ کو راستہ جاتا تھا۔ فلم شروع ہو گئی انٹرول میں میں سیڑھیاں اتر کر ٹائیلٹ میں گیا۔ اس ٹائلٹ کے بالکل ساتھ والا دروازہ کھلا تھا۔ اس سے مجھے باہر نکلنا تھا۔ اس دروازے سے سیکنڈ اور تھرڈ کلاس والے آتے تھے۔

انٹرول کے بعد فلم شروع ہو گئی۔ فلم سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تھوڑے وقفے کے بعد میں وقت دیکھ لیتا تھا۔ جب ٹھیک رات کے پونے بارہ بجے اور فلم ختم ہونے میں قریباً دس پندرہ منٹ رہ گئے تو میں نے جیکٹ کے بٹن بند کئے۔ آہستہ سے اٹھا اور سر جھکائے نیم اندھیرے میں تیزی کے ساتھ دروازے میں سے نکل کر کوریڈور میں آ گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہال کے اندر سے گھوڑوں کے دوڑنے اور تیز میوزک کی آواز آ رہی تھی۔ میں ٹائیلٹ سے نکل کر دروازے کے پاس آیا۔ اس کا پٹ کھولا اور باہر کھلی فضا میں نکل گیا۔

عقبی سڑک میں نے بھاگ کر پار کی اور کوٹھیوں کی عقبی گلی میں سے گزرتا ہوا۔ دوسری طرف والی بڑی سڑک پر آ گیا اب مجھے کسی سواری کی اشد ضرورت تھی مگر میں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ سڑک خالی خالی تھی کوٹھیوں میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک گاڑی تیزی سے گزر گئی پھر مجھے ایک موٹر رکشا کی آواز سنائی دی۔ میں فٹ پاتھ پر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ رکشا تیزی سے میرے قریب سے نکلا تو میں نے اسے آواز دے دی۔ رکشا ڈرائیور نے تھوڑی دور جا کر رکشا روک لیا۔ رکشا خالی تھا۔ میں لپک کر رکشے میں بیٹھ گیا اور اسے کشمیری گیٹ چلنے کو کہا۔ کشمیری گیٹ وہاں سے کافی دور تھا۔ بیس منٹ بعد کشمیری گیٹ کے سینما ہاؤس کے قریب میں نے رکشا چھوڑ دیا۔ شو ختم ہونے والا تھا۔ ایک طرف بہت سی ٹیکسیاں، موٹر رکشے اور تانگے وغیرہ

کھڑے تھے۔ میں ایک خالی رکشا میں گھس گیا اور اسے لکھنوٴ روڈ چلنے کو کہا۔ میں تیمار پور کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ لکھنوٴ روڈ تیمار پور میں تھی۔ رکشا کشمیری گیٹ سے نکل کر علی پور روڈ پر... دوڑنے لگا۔ سب سے پہلے میرے دائیں جانب قدسیہ گارڈن کا پرانا محرابی دروازہ آیا۔ علی پور روڈ کی دونوں جانب نیم کے اونچے اونچے درخت کھڑے تھے۔ رکشا روشن سڑک پر بھاگا جا رہا تھا۔ دائیں جانب ہی میڈن ہوٹل آ کر گزر گیا۔ اس کی بائیں طرف دلی کی وہ پرانی عمارت تھی جہاں کلی میں آل انڈیا ریڈیو کا پرانا اسٹیشن ہوا کرتا تھا۔ اس کے آگے دائیں طرف اولڈ سیکرٹریٹ کی عمارت بھی گزر گئی۔ پھر دور چھوٹے سے اونچے ٹیلے کے پیچھے تیمار پور کی بستی کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ آبادی اب کافی پھیل گئی تھی۔ لکھنوٴ روڈ بھی پہلے سے کشادہ ہو گئی تھی۔ میں نے ایک کوٹھی کے پاس رکشا چھوڑ دیا اور یونہی آگے چل پڑا۔ یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ میں اس کی ایک ایک گلی اور ایک ایک بازار سے واقف تھا۔ مجھے دریا کنارے والی چھتی ہوئی ویران باؤلی کا بھی پتہ تھا۔ دریا میری دائیں جانب ایک اونچے بند کی دوسری طرف ڈھلان میں بہہ رہا تھا۔ میں لکھنوٴ روڈ کے اوپر سے ہوتا ہوا تیمار پور کے پہلے چوراہے کو عبور کر کے چھتی ہوئی باؤلی کے پاس آ کر رک گیا۔ رات کے اندھیرے میں دریا کا چوڑا پاٹ دھندلا نظر آ رہا تھا۔ اس اندھیرے میں میں نے باؤلی کے پاس والے کیکر کے درخت کو پہچان لیا اور اس کے نیچے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ ایک بجنے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔ انتظار کا وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ ٹھنڈ بھی ہو گئی تھی۔ میں نے ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں دے لئے اور ایک بجنے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر ایک بج ہی گیا۔ اب میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر مجھے ایک سایہ' بند کی جھاڑیوں میں سے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غیر شعوری طور پر میرا ہاتھ پتلون کی اس جیب میں چلا گیا جس میں چاقو تھا۔ قریب آنے پر میں نے انسانی سائے کو پہچان لیا۔ وہ وہی نوجوان تھا جو مجھے ریستوران میں ملا تھا۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ شاید وہ مجھے پہچاننا چاہتا تھا جب اس نے مجھے پہچان لیا تو بولا۔

"مجھ سے دس قدم کا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

اس کے ساتھ ہی وہ مڑا اور بند کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ بند کی دوسری طرف آنے کے بعد اس نوجوان نے تیمار پور کی بستی میں داخل ہونے والی سڑک چھوڑ کر بند کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ پھر وہ ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں آ کر تیمار پور کی آبادی تقریباً ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا تالاب تھی۔ یہاں کچھ درخت ادھر ادھر اگے ہوئے تھے۔ ایک درخت کے نیچے وہ رک گیا۔

"وہ سامنے ایک پرانا گیراج ہے۔ پوشالی اس کے اندر ہے۔ یہ گیراج میرے ایک رکشا

ڈرائیور دوست کا ہے وہ بھی میری طرح مسلمان ہے مگر اس وقت یہاں نہیں ہے۔ پہلے میں گیراج میں جاؤں گا۔ میرے بعد تم گیراج میں آ جانا۔"

اس سے پہلے کہ میں اس سے سوال کرتا۔ وہ تیزی سے درختوں میں سے ہوتا ہوا گیراج کی طرف چل دیا۔ پھر میں نے اسے گیراج کے پاس اندھیرے میں پہنچ کر غائب ہوتے دیکھا تو آہستہ سے اپنے قدم آگے بڑھائے۔ گیراج کے باہر صحن میں ایک طرف پرانے رکشے کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ گیراج کی حالت شکستہ تھی۔ اس کی ڈھلانی چھت ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی اس کا دروازہ بند تھا۔ کوئی روشندان بھی مجھے نظر نہیں آ رہا تھا چاروں طرف خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ میں نے دروازے کے ایک پٹ کو ذرا سے اندر دھکیلا تو مجھے موم بتی کی دھیمی سی روشنی نظر آئی۔

"اندر آ جاؤ۔" یہ پوشالی کی آواز تھی۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر بے اختیار میری طرف بڑھی۔ مجھ سے ملتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اجنبی نوجوان چارپائی کے پاس ہی لکڑی کے کھوکھے پر بیٹھا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور بولا۔" میں باہر جا کر ذرا تسلی کر لوں۔ پوشالی بہن اتنی دیر میں تم اپنے ساتھی کو وہ ساری بات سمجھا دو جو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہے"۔ وہ گیراج سے باہر نکل گیا۔

پوشالی نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور سارے واقعات تفصیل سے سنا ڈالے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ نوجوان اصل میں بھارتی ملٹری انٹیلی جینس میں کیپٹن ہے اور مسلمان ہونے اور پاکستان سے محبت کرنے کے ناطے ہمارے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لے چکا ہے تو اس پر شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن اندر آ گیا۔ اس نے آتے ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا اور کھوکھے پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے اور میرے درمیان اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے قلعے پاکستان کا رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔" اس نے دھیمی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ "ہم یہاں کے مسلمان پاکستان سے اس قدر محبت کرتے ہیں۔ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میں نے تم دونوں کی مدد کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کی وجہ صرف اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پاکستان کے مسلمانوں سے میری میرے بھائی خلیل اور میرے ایک مسلمان فوجی ساتھی کی محبت ہے اس کے عوض میں پوشالی کی طرح تم سے بھی صرف ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ اگر اللہ نہ کرے تم پکڑے جاؤ تو کسی حالت میں بھی میرا نام مت لینا۔ کیونکہ وہ لوگ تمہیں تو زندہ نہیں چھوڑیں گے مگر نہ صرف مجھے اور میرے بیوی بچوں کو بے دردی سے ہلاک کر دیا جائے گا بلکہ میرے پورے خاندان اور نسل کو در در کی بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا جائے گا"۔

میں نے اس کے ہاتھوں کو چوما اور جذبات سے لبریز آواز میں کہا۔ "ایک بار تو کیا اگر بھارتی ہزار بار بھی مجھے قتل کریں تو بھی میں تمہارا نام کبھی زبان پر نہ لاؤں گا۔ اگر میں نے پکڑے جانے

کی صورت میں پولیس کو تمہارا نام بتا دیا تو میں مرنے کے بعد اللہ کے حضور کیا منہ لے کر جاؤں گا"۔

اس نے بے اختیار مجھے سینے سے لگا لیا۔ "پوشالی بہن کی طرح اب مجھے تم پر بھی یقین ہو گیا ہے۔ میرے پاس بیٹھو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جانکیہ پلان مائیکرو فلم کہاں پر رکھی ہوئی ہے اور وہاں تک پہنچنے کے لئے ہمیں کیا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔

وہ میرے اور پوشالی کے سامنے کھوکھے پر بیٹھ گیا اور گہری سانس لے کر کہنے لگا۔ "بھارتی حکومت کو چونکہ علم ہو گیا ہے کہ غیر ملکی ایجنٹ جانکیہ پلان مائیکرو فلم کے پیچھے لگے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی ہر ممکن حفاظت کر رہی ہے۔ میں صورت حال کی نزاکت سے بھی پوری طرح واقف ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں پاکستان کے مسلمان بھائیوں کو کافروں کی لائی ہوئی تباہی سے بچانا چاہتا ہوں"۔

پوشالی نے پوچھا۔ "کیا مائیکرو فلم ملک سے باہر کسی جگہ پہنچا دی گئی ہے؟"۔

کیپٹن نے باہر کچھ کھٹکا محسوس کیا۔ یہ کسی کے قدموں کی چاپ تھی۔ کیپٹن کچھ بولتے بولتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں ہم پر لیکن کان باہر کی خاموشی پر لگے تھے۔ پھر اس نے اپنی سیاہ چمڑے کی جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے موم بتی بجھا کر جیب سے چاقو نکال لیا ور اچھل کر ادھ کھلے دروازے کی ایک طرف حملہ کرنے کی پوزیشن لے لی پوشالی بھی دیوار کے ساتھ لگ گئی تھی۔ باہر ایک لمحے کے لئے بالکل سناٹا چھا گیا پھر ہمیں دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے بعد آوازیں گم ہو گئیں اور ایک بار پھر رات کا سناٹا طاری ہو گیا۔ کوئی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں حملے کے لئے تیار ہو گیا۔ کھلے چاقو پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔

باہر سے ہمارے ساتھی مسلمان انڈین کیپٹن کی دھیمی آواز آئی۔ "اپنا آدمی تھا"۔ وہ اندر آ گیا۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ اس کا رازدار جانثار ساتھی خلیل تھا۔ جو اسے خبردار کرنے آیا تھا کہ یہ گیراج محفوظ نہیں ہے اور ہمیں جتنی جلدی ہو یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔

میں نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھا اور پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ پوشالی نے بھی یہی سوال کیا۔ کیپٹن نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں سے کچھ فاصلے پر دریا کے دوسرے کنارے ایک ویران کھنڈر ہے جو کنیزکی بارہ دری کے نام سے مشہور ہے یہ بارہ دری دریا برد ہو رہی ہے۔ اس لئے ادھر کوئی نہیں جاتا خلیل تم دونوں کو اسی وقت وہاں پہنچا دے گا۔ وہاں ایک خفیہ تہ خانہ ہے۔ میں تمہیں کل رات وہاں ملوں گا۔" پھر اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میرے جانباز دوست! پوشالی کے ساتھ تمہارا ابھی اس وقت وہاں جانا ضروری ہے تاکہ تم وہ جگہ دیکھ سکو اور کل رات از خود وہاں پہنچ جاؤ۔ اب میں جاتا ہوں۔ تم میرے جانے کے دس منٹ بعد باہر نکلنا۔ خلیل تالاب کے کنارے درختوں میں تمہیں خود آن ملے گا۔ پوشالی اس کو جانتی ہے۔ میں کل رات بارہ بجے آؤں گا پھر تمہیں

بتاؤں گا کہ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم کہاں ہے اور اسے ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں"۔

کیپٹن باہر نکل گیا میں اور پوشالی گیراج کے اندھیرے میں خاموش کھڑے رہے۔ دس منٹ بعد ہم بھی باہر آ گئے اندھیری رات میں دور تیار پور بستی کے بعض فلیٹس کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ہم ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے تالاب کے کنارے والے درختوں میں آئے تو وہاں خلیل ایک درخت کے پیچھے سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنا منہ سرگرم چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ پوشالی نے اسے پہچانتے ہوئے مجھ سے تعارف کروایا۔ خلیل نے ہمیں رکشے میں بیٹھنے کو کہا جو ذرا دیر بعد بند کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔

کافی دیر چلنے کے بعد رکشا ایک جگہ رک گیا۔ خلیل انجن بند کر کے اتر آیا۔" میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ ادھر ادھر مت ہونا یہاں آگے زمین دلدلی ہے"۔

اندھیرے میں ہمیں آس پاس اونچے درخت اور ان کے درمیان ستاروں کی روشنی میں دھندلا دھندلا دریا نظر آ رہا تھا۔ جہاں سے ہم گزر رہے تھے وہ اونچی گھاس کا ناہموار راستہ تھا۔ یہ راستہ آگے جا کر اونچے ٹیوں میں تنگ ہو گیا۔ ٹیلے ختم ہوئے تو ہمیں آس پاس کیچڑ سا چمکتا نظر آیا۔ خلیل آگے آگے بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ اس نے سرگوشی میں بتایا کہ یہ دلدل ہے جو اتنی گہری تو نہیں لیکن اگر انسان اس میں گر جائے تو اپنے آپ باہر نہیں نکل سکتا۔ سامنے ایک کھنڈر کی چھتری نما برجی دکھائی دی جو اندھیرے میں ایک طرف جھکی ہوئی سی تھی۔ اس کے اردگرد خستہ نانک شاہی اینٹوں کا فرش بنا ہوا تھا جس کی ڈھلان ایک طرف دلدل میں جاتی تھی۔ یہی کنیز کی بارہ دری کا کھنڈر تھا جو ایک گول چبوترے پر کھڑا تھا۔ خلیل نیم اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہوا کھنڈر کے عقب میں آ گیا۔ یہاں ایک جگہ بہت سی جھاڑیاں تھیں۔ وہ جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولا۔" میرے ساتھ آ جاؤ تہ خانہ اس کے اندر ہے"۔

جھاڑیوں کے اندر کنیز کی بارہ دری کے گول چبوترے کی دیوار آ گئی۔ اس دیوار میں ایک جگہ زمین سے دو فٹ اونچا چوڑا سا شگاف بنا ہوا تھا۔ اس شگاف میں اتنا اندھیرا تھا کہ ہمیں ایک دوسرے کا چہرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں سیل اور نمی تھی۔ خلیل نے جیب سے موم بتی نکال کر روشن کر دی۔ موم بتی کی روشنی میں ہمیں ایک گول سرنگ کا رستہ دکھائی دیا چند قدم چلنے کے بعد خلیل بائیں جانب گھوم گیا۔ یہاں پہلی بار ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا۔ اس جانب ایک محرابی دروازہ تھا جس کے پٹ غائب تھے۔ اس کے اندر ایک چوکور تہ خانہ بنا ہوا تھا۔ یہاں زمین پر دیوار کے ساتھ بھاری پایوں والا ایک تخت بچھا تھا۔ خلیل نے موم بتی ایک طرف دیوار کے پرانے طاق میں لگا دی اور چادر اتارتے ہوئے بولا۔" میں یہاں کل ضرورت کی کچھ چیزیں لا دوں گا۔ پوشالی بہن تم کسی طرح آج کی رات یہاں گزار لو"۔ اس نے تخت کو صاف کر کے اپنی چادر اوپر بچھا دی پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔" مجھے شاہ جی نے کہا تھا

کہ تمہیں موتی نگر چھوڑنا ہے"۔
میں نے اثبات میں سرہلایا اور پوشالی سے کہا۔"میں کل رات آجاؤں گا۔ تم فکر مت کرنا"۔
پوشالی ایک بہادر لڑکی تھی۔ وہ اس سے بھی زیادہ دلدلی تہ خانوں میں زندگی کی اذیت ناک راتیں بسر کرچکی تھی میری بات سن کر مسکرانے لگی۔"تم میری فکر نہ کرو۔ میرے دوست اپنا خیال رکھنا۔ اگر تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا تو ہمارا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا"۔
خلیل معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔"شاہ جی نے مجھے آپ کو رات کے وقت۔ یہاں لانے سے منع کیا ہے ورنہ میں آپ کو موتی نگر آکر لے آتا"۔ کیپٹن بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اسی لئے اس نے خلیل کو منع کیا تھا کہ وہ مجھے اگلی رات موتی نگر سے نہ اٹھائے اور مجھے تاکید کی تھی کہ میں ازخود کنیز کے کھنڈر میں پہنچوں۔
تہ خانے میں ٹھنڈ تھی چنانچہ میں نے اپنی چمڑے کی جیکٹ پوشالی کو پہنا دی اور اسے اللہ حافظ کہہ کر خلیل کے ساتھ تہ خانے سے باہر نکل آیا۔ میں نے احتیاط کے طور پر چاقو بھی اسے دے دیا تھا۔ میں واپس سینما ہاؤس جاکر اپنی گاڑی وہاں سے نہیں لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ رات کافی گزر چکی تھی۔ چنانچہ خلیل مجھے رکشے میں لے کر موتی نگر کے علاقے میں داخل ہوا تو میں وہاں ان سے جدا ہوگیا اور اکیلا ہی موتی نگر کے بنگلہ نما کوارٹروں کی درمیانی چھوٹی سڑکوں پر سے گزرتا ہوا اپنے بنگلے کے گیٹ پر آگیا۔ چوکیدار وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ میں نے اس خیال سے شاید کہ خفیہ ایجنٹ سن رہا ہو اسے قدرے بلند آواز میں کہا۔
"پارٹی میں دیر ہوگئی اور گاڑی بھی خراب ہوگئی تھی۔ ٹیکسی بھی نہ ملی۔ اس لئے پیدل ہی آنا پڑا۔" چوکیدار خاموش رہا تھا۔ بیڈ روم میں جاتے ہی میں نے کپڑے بدلے اور بستر پر پڑ گیا تھوڑی دیر بعد میں گہری نیند سو رہا تھا۔
دوسرے دن اٹھا تو سورج کافی نکل آیا تھا۔ میں نے کپڑے بدلے۔ ناشتہ کیا اور ٹیکسی منگوا کر سینما ہاؤس روانہ ہوگیا وہاں سے اپنی گاڑی لی اور دفتر کی طرف چل دیا۔ آفس کا ماحول ویسے ہی تھا جیسا ایک روز پہلے تھے۔ ٹنڈن کی موت کے بعد اب مسٹر تیواڑی انٹلی جینس ونگ کا انچارج تھا اور اس کی جگہ اب وہ ہفتے میں دو بار صبح کے وقت میٹنگ لیتا تھا وہ میٹنگ کا دن تھا۔ میٹنگ میں وشرام بھی شامل تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ عرصہ سے میٹنگ میں ٹاپ سیکرٹ قسم کے مسائل پر بات نہیں ہوتی تھی۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ یہ لوگ میرے سامنے ایسے مسائل پر بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ صرف دفتری امور پر یا زیادہ سے پنجاب میں سکھوں کا خالصتان کے مطالبے کے بارے میں تھوڑی بہت بات ہو جاتی تھی لیکن ان لوگوں کا رویہ میرے ساتھ بالکل نارمل تھا اور کسی طرح بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ انہیں میری خفیہ اور بھارت دشمن سرگرمیوں پر شک ہے۔

لنچ کے بعد میں دفتر میں بیٹھا ایک فائل پر نوٹ لکھ رہا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ آج شام میں اپنے بنگلے پر جانے کی بجائے کسی گمنام سی جگہ پر جا کر چھپ جاؤ اور وہیں سے آدھی رات کو کنیز کی بارہ دری پر پہنچ جاؤں ۔ خیال اچھا تھا ۔ اس طرح سے میں بنگلے پر جا کر وہاں سے نکلنے کے جھنجھٹ سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا ۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ میرے پیچھے لگا ہوا پراسرار آدمی دفتر سے نکلتے ہی میرا تعاقب شروع کر دے گا لیکن میں اسے یوں جل دے سکتا تھا کہ دفتر سے سرکاری گاڑی میں نکلوں۔

فائل پر کام کرتے کرتے سارا منصوبہ میرے ذہن میں واضح ہو گیا ۔ ابھی دفتر بند ہونے میں پون گھنٹہ باقی تھا ۔ مجھے چوکیدار کو فون پر بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ میں آج رات بھی دیر سے آؤں گا ۔ اس دوران سجاتا کا فون بھی نہیں آیا تھا ۔ ورنہ مجھے اسے فون پر بتانا پڑتا کہ میں آج شام دفتر سے لیٹ آؤں گا ۔

ایک مصیبت سجاتا کے بیاہ کی بھی میرے سر پر لٹک رہی تھی ۔ اس مصیبت سے بھی نجات حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا تھا ۔ سجاتا کے فون کے ڈر سے میں پہلے ہی دفتر سے نکل کر پارکنگ گیراج میں آگیا ۔ میں نے جھوٹ موٹ گاڑی کو دو تین بار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی ۔ چوکیدار کونے میں ایک طرف کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا ۔ میں نے انجن کا بونٹ اٹھایا اور اس کی اوٹ میں ہو کر انجن میں سے ایک ایسا پرزہ نکال کر جیب میں ڈال لیا جس کے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی تھی گاڑی میں بیٹھ کر میں نے محض دکھانے کے لئے دو تین بار پھر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی ۔ پھر باہر نکل کر گاڑی کی کھڑکی ' دروازہ لاک کیا اور چابیاں گھماتا ہوا چوکیدار کے پاس آگیا ۔ " ایسا کرو پرشاد کو کہو دفتر کی گاڑی لے کر آئے "۔

چوکیدار فوراً اس طرف چلا گیا جہاں سرکاری گاڑیاں کھڑی ہوتی تھیں ۔ تھوڑی دیر بعد پرشاد سرکاری ویگن لے کر آگیا ۔ میں ویگن میں بیٹھ گیا ۔

" انجن میں کچھ خرابی ہو گئی ہے تم ایسا کرو مجھے دریا گنج میری بہن کے گھر چھوڑ آؤ ۔ " اسے میری بہن کرشنا کماری کے گھر کا پتہ تھا ۔ جب دریا گنج کا گنجان علاقہ شروع ہوتا تو میں کرشنا کماری کے مکان والی گلی کی نکڑ پر اتر گیا اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ گاڑی واپس لے جائے ۔

کرشنا کماری کا مکان چند قدموں کے فاصلے پر تھا ۔ وہ مجھے دیکھ کر نہال ہو گئی ۔ اس کے دونوں بچے بھی موجود تھے لیکن جی دیو ابھی کام سے واپس نہیں آئے تھے ۔ میں نے کرشنا کماری کو بتایا کہ آج مجھے اپنی پیاری بہن کی بہت یاد آئی تھی اس لئے رات کا کھانا بھی اسی کے ہاں کھاؤں گا اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے ۔ وہ میرے لئے چائے بنا کر لے آئی اور رات کے بھوجن کے انتظامات میں لگ گئی ۔ اس کا صراف خاوند ہری پرشاد بھی آگیا ۔ مجھے دیکھ کر بڑا خوش ہوا ۔ اس پر میرے افسر ہونے کا بڑا رعب تھا ۔ مجھے گلے لگاتے ہوئے بولا ۔ " چیونٹی کے گھر آج نارائن کیسے آگئے ؟ " میں نے اس کے قدم چھو کر پرنام کیا اور بتایا کہ آج آپ لوگوں کی بہت یاد آئی ۔ ماتا جی بھی یاد آگئیں ۔ سوچا بہن جی کے پاس چلو بھوجن بھی وہیں کرو ۔ ہری پرشاد اسی وقت بازار سے بھوجن کے لئے کچھ مٹھائی لینے چل دیا ۔

رات کے کھانے پر کرشنا کماری نے اپنے ہاتھ سے کچوریاں بنائی تھیں۔
کھانے کے بعد بہن کرشنا کماری نے کرشن جی کی مورتی کے آگے جا کر ماتھا ٹیکا۔ سامگری سے تھوڑا سا صندل انگلی کے ساتھ لگا کر میرے ماتھے پر لگایا۔ پھر میں اور ہری پرشاد تاش کھیلنے لگ گئے۔ وہ رات وہیں رہ جانے پر اصرار کر رہے تھے لیکن یہ غلطی میں کیسے کر سکتا تھا۔
گیارہ بجے ان کے مکان سے نکل کر رکشے کے لئے مجھے خاصی دور تک چلنا پڑا تھا لیکن پھر ایک خالی رکشا مل ہی گیا میں نے اسے کشمیری دروازے کی طرف چلنے کو کہا۔ یہاں سے میں نے دوسرا رکشا لیا اور اسے بھی تمار پور والی بستی کے قریب پہنچ کر چھوڑ دیا۔ راستہ مجھے معلوم تھا۔ میں نے وہیں سے ایک شارٹ کٹ اختیار کیا اور تمار پور کی طرف جانے کی بجائے سڑک چھوڑ کر اس کچے راستے پر آ گیا جو دریا کے بند کی طرف جاتا تھا۔ بارہ بجنے والے تھے میرے ارد گرد اندھیرا تھا۔ آبادی کی روشنیاں دور دور تھیں۔ میں دریا کے بند کی اوٹ میں چل رہا تھا۔ ابھی منزل دور تھی۔ تمار پور کی آبادی کافی پیچھے رہ گئی تو میں اس مقام پر آ گیا۔ جہاں سے مجھے دائیں جانب والے دلدلی راستے پر مڑنا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے چلتا رہا۔ پندرہ منٹ دلدل کے درمیانی راستے پر چلنے کے بعد مجھے اندھیرے میں کچھ فاصلے پر کنیز کی بارہ دری کا ہیولا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی میں تہ خانے میں موجود تھا۔ پوشالی نے موم بتی روشن کر رکھی تھی اس کا چہرہ سخت بور لگ رہا تھا مگر مجھے دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی۔ ہم تخت پر بیٹھ کر اپنے محسن کی بے پناہ محبت کی باتیں کرنے لگے۔
"یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے پوشالی کہ ہمیں یہاں ایک ایسے مرد مجاہد کا تعاون حاصل ہو گیا ہے جو بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی ہے اور اسے یہ علم ہے کہ مائیکرو فلم کس جگہ پر رکھی گئی ہے"۔
"لیکن میرا خیال ہے کہ وہ شاید اس کے آگے ہماری مدد نہ کر سکے۔ مائیکرو فلم جہاں بھی ہو گی وہاں سے ہمیں خود ہی چرانی ہو گی۔"
"ایک بار پتہ چل جائے تو ہم مائیکرو فلم لانے کے لئے اپنی جان بھی لڑا دیں گے پوشالی۔ یہ ہمارے وطن عزیز کی سلامتی اور بقاء کا مسئلہ ہے۔"
ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ ہمیں باہر سرنگ میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پوشالی چاقو نکال کر تہ خانے کے محرابی دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ میں اچھل کر دوسری جانب ہو گیا مگر یہ ہمارا اپنا ساتھی بھارتی کیپٹن تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی پتلون پر اسی رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سر پر اونی ٹوپی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے یہاں تک آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟ یا کوئی میرے پیچھے تو نہیں لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے وہ سارا منصوبہ بتایا جس پر عمل کرتے ہوئے میں وہاں تک پہنچا تھا۔ پھر اس نے پوشالی سے پوچھا کہ خلیل اسے کھانے پینے کی چیزیں دے گیا تھا؟ پوشالی نے اس کا شکریہ ادا

کرتے ہوئے بتایا کہ خلیل اسے بہت کچھ دے گیا تھا۔

" اب میری بات پوری توجہ سے سنو کیپٹن نے رازدارانہ انداز میں ہم دونوں کو مخاطب کیا۔" جو راز میں تمہیں بتانے والا ہوں اس کا علم ملٹری انٹیلی جینس کے چند افسران کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ ان افسروں میں ایک میں بھی ہوں۔ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم حکومت نے ملٹری انٹیلی جینس کے تعاون سے ایک ایسی جگہ پر رکھی ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ جب میں تمہیں بتاؤں گا تو تم بھی حیرت کا اظہار کرو گے دلی کی لیلا گراؤنڈ کے پیچھے ایک نیا ملٹری اسپتال بنا ہے۔ یہ ایک منزلہ اسپتال ہے اور زیادہ تر یہاں اونچے رینک کے انڈین فوجی ہی داخل کئے جاتے ہیں۔ اسپتال کی چاردیواری بہت اونچی ہے اور اس پر خاردار تار لگادی گئی ہے۔ اس اسپتال کا ایک ہی گیٹ ہے جس پر چوبیں گھنٹے دو فوجی اسٹین گنیں لئے پہرے پر موجود رہتے ہیں۔ اصل میں یہ فوجی اسپتال اس مقصد کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر یہاں اہم سرکاری اور فوجی دستاویزات کو چھپایا جا سکے۔ ویسے بھی یہ بات کسی غیر ملکی ایجنٹ کے دماغ میں مشکل سے آسکتی ہے کہ اہم ترین خفیہ دستاویزات اس اسپتال کے مردہ خانے کے والٹ میں مقفل ہوں گی "۔

مردہ خانے کا سن کر میں اور پوشالی بھی چونک پڑے کیپٹن ایک سیکنڈ کے وقفے کے بعد کہنے لگا۔ " یہاں۔ چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم چند دوسری اہم فوجی دستاویزات کے ساتھ اسی فوجی اسپتال کے مردہ خانے کے نیچے خفیہ والٹ میں رکھی ہوئی ہے۔ مردہ خانہ دن رات مقفل رہتا ہے۔ صرف اسی وقت کھلتا ہے۔ جب وہاں پوسٹ مارٹم کے لئے کوئی لاش لائی جاتی ہے۔ لاش کا مردہ خانے کے تہ خانے میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے۔ اسی تہ خانے میں سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک الماری ہے جس میں انسانی اعضاء مرتبانوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس الماری کے پیچھے دیوار میں لوہے کی سیف گڑی ہے صرف سیف کا آہنی پٹ ہی دیوار کے باہر نظر آتا ہے۔ باقی سیف دیوار کے اندر ہے۔ اس سیف پر کمپیوٹر تالا لگا ہے۔ جس کی کومبی نیشن کا صرف رکھشا منتری یعنی وزیر دفاع اور ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جینس کو ہی علم ہے۔ یہ کومبی نیشن مجھے بھی معلوم نہیں ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کے بعد تم ریوالور کی گولی سے اسے کھول سکتے ہو۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس آہنی سیف میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے برقی رو نہیں دوڑ رہی "۔

" ہم اسپتال کے اندر کس وقت آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں ؟ میں نے دریافت کیا۔

" تم کسی بھی وقت آسانی سے یا مشکل سے داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس کے گیٹ پر ہر وقت دو فوجی اسٹین گنیں لئے پہرے پر موجود ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسپتال کے گیٹ پر دو کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن کیمرے نصب ہیں جو ہر لمحے گیٹ کے اندر باہر اور خاردار تار والی دیوار کی تصویریں مانیٹر روم میں بھیجتے رہتے ہیں جو اسپتال کے گیٹ کے اندر بالکل ساتھ ہی بنا ہوا

ہے۔"

پوشالی کہنے لگی۔ "لیکن ہمیں ہر حالت میں سب سے پہلے فوجی اسپتال کی چاردیواری کے اندر داخل ہونا ہو گا"۔

میں نے پوچھا۔ "اسپتال کا مردہ خانہ کس جانب ہے"۔

کیپٹن نے اپنے سر کو اثبات کے انداز میں آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں یہی سب کچھ بتانے تمہارے پاس آیا ہوں اور تمہیں بھی اسی لئے دوبارہ یہاں آنے کے لئے کہا تھا۔ میں آج ایک بریگیڈیئر مسٹر یار ساتھی کی عیادت کے بہانے اسپتال میں گیا اور اسپتال کے باہر اور اندر والے مین ہول کو بڑے غور سے دیکھا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ کون سا گٹر کس ... مین ہول سے شروع ہو کر کس مین ہول کے نیچے سے گزرتا ہے۔ اسپتال کے گیٹ سے کچھ دور پیچھے اسپتال کی دیوار کے آگے سے جو سڑک گزرتی ہے وہاں چھوٹے سے فٹ پاتھ کے ساتھ ہی گٹر کا مین ہول ہے۔ اس گٹر کا گندا پانی اسپتال کے اندر سے آ کر مین سیوریج ڈیپارٹ کی طرف نکل جاتا ہے اسے بعض مصلحتوں کے پیش نظر چوڑا بنایا گیا ہے اور دونوں جانب چھوٹے فٹ پاتھ بنائے گئے ہیں۔ چھت اونچی ہے۔ گٹر کی دیوار پر بجلی کے موٹے موٹے تار اور سوئچ بھی لگے ہوئے ہیں"۔

کیپٹن کی اسکیم کے مطابق ہمیں ایک ویگن پر ریڈ کراس کا سرخ نشان بنا کر اسے کسی پرائیویٹ کلینک کی ایمبولینس کی شکل دینی تھی۔ اس ویگن میں سوار ہو کر ہمیں آدھی رات کے بعد وہاں آ کر ویگن کو سڑک پر عین گٹر کے مین ہول کے اوپر لا کر کھڑا کرنا تھا پھر گاڑی کے نیچے لگے سائیلنسر کی مرمت کے بہانے ہمیں ویگن کے نیچے گھس کر باری باری مین ہول کا ڈھکن اٹھا کر نیچے گٹر میں اتر جانا تھا۔ اس مرد مجاہد نے بتایا کہ یہ گٹر اسپتال کی دیوار کے نیچے سے گزرتا ہوا ہمیں کم از کم ڈیڑھ سو قدموں کے فاصلے پر پہلے مین ہول کی بنی ہوئی سیڑھی تک پہنچا دے گا۔ اس پہلے مین ہول سے جب ہم باہر نکلیں گے تو اسپتال کی چاردیواری کے اندر مردہ خانے والے کمرے کے عین عقب میں ہوں گے۔ جب یہ مرد مجاہد ہمیں اپنی اسکیم کی تمام جزئیات اور تفصیلات سے آگاہ کر چکا تو بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس مشن پر میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ مشن تمہیں خود ہی مکمل کرنا ہو گا لیکن میں تمہیں کچھ ایسا اسلحہ ضرور لا دوں گا جو اس آپریشن میں تمہارے کام آ سکتا ہے جہاں تک ویگن کا تعلق ہے اس کا بندوبست خلیل کرے گا۔ یہ ایک پرانی ویگن ہو گی اور تمہیں خلیل کے تمار پور والے گیراج کے باہر کھڑی ملے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کل یا پرسوں آدھی رات کے بعد اپنے مشن پر عمل شروع کر دو۔ کل رات کے وقت گیراج کے باہر ویگن تمہیں تیار ملے گی۔ اللہ کے حکم سے جب تم مائیکرو فلم نکال لانے میں ... کامیاب ہو جاؤ تو تم اسے پوشالی کے پاس رہنے دو گے۔ وہ اسی تہ خانے میں واپس آ جائے گی اور تم اپنے موتی نگر والے بنگلے میں چلے جاؤ گے۔

اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ سکتے ہو"۔

"اب پوچھنے والی کوئی بات نہیں رہی۔ کیوں پوشالی؟" اس نے بھی نفی میں سرہلا دیا۔

کیپٹن نے سوال کیا۔ "کیا تم دونوں اس مشن پر جاؤ گے؟"

پوشالی بولی۔ "ہم دونوں کا ساتھ جانا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کا کور اور تحفظ حاصل ہوگا"۔

کیپٹن سر کو ذرا سا ہلا کر بولا۔ "جیسے تمہاری مرضی لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ تم کسی آسان مشن پر نہیں جارہے ہو۔ جب تم گیٹ میں سے اسپتال کے احاطے میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں انتہائی محتاط رہنا ہوگا۔ کیونکہ مردہ خانے کے اردگرد ہمہ وقت انڈین فوجی موجود ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں نظر نہیں آئیں گے، لیکن تم انہیں نظر آسکتے ہو اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ان میں سے ہر فوجی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رات کے وقت اگر کسی انسان کو مردہ خانے کی طرف بڑھتے دیکھیں تو اسی وقت اسے گولی مار دیں۔ ڈائریکٹر جنرل ملٹری انٹیلی جینس کی طرف سے فوجی اسپتال کے سارے عملے کو باقاعدہ ہدایت کی دی گئی ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی رات کے وقت مردہ خانے کی طرف نہ جائیں۔

میں نے کہا۔ "ہم کل رات اس مہم پر نکل کھڑے ہوں گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ ایمبولینس ویگن تمہیں کل رات خلیل کے گیراج کے باہر کھڑی ملے گی۔ خلیل کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا بھجوا دوں گا۔ جس میں تم دونوں کے لئے ضروری اسلحہ ہوگا۔ اللہ تمہارا محافظ ہو"۔ یہ کہہ کر وہ مرد مجاہد اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اب پھر ایک رات میرے سامنے تھی۔ جب مجھے اپنے بنگلے سے اس طرح نکلنا تھا کہ میرے پیچھے لگے ہوئے ایجنٹ کو میری خبر نہ ہو۔ اسے میں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ ممکن تھا کہ میرے انٹیلی جینس باس مسٹر تیواڑی نے کسی بھی آدمی کو میرے بنگلے کی نگرانی کے لئے نہ لگایا ہو لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ ایسا ہو کیونکہ اس سے پہلے میں اپنے پیچھے لگے ہوئے دو آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنے بنگلے سے نکلتے وقت بڑا محتاط رہتا تھا۔ اس رات بھی میں نہایت خاموشی سے بیڈ روم میں جا کر سو گیا تھا۔

دوسرے دن ابھی اٹھا ہی تھا کہ سجاتا کا فون آگیا۔ وہ پریشان ہو کر کہنے لگی تم رات کہاں تھے۔ میں نے کئی بار فون کیا۔ کسی نے نہیں اٹھایا۔ میں نے اسے بتایا کہ رات کرشنا بھن کے ہاں تھا۔ سجاتا نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا کہ وہ آج شام میرے ساتھ چائے پئے گی۔ میں اسے کیسے انکار کر سکتا تھا۔ سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا کہ میں دفتر سے سیدھا اس کی طرف جاؤں گا۔

دفتر میں غیر حاضر دماغی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ دفتر ٹیکسی میں گیا تھا۔ باس نے پوچھا کہ کل تم

گاڑی گیراج میں ہی چھوڑ گئے تھے' کیا بات تھی میں نے اسے بتایا کہ اس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ آج ورکشاپ پہنچا دوں گا۔

چار بجے دفتر سے چھٹی کر کے ٹیکسی پکڑی اور سجاتا کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ تیار تھی۔ اس کا موڈ کسی ریستوران میں چائے پینے کا تھا۔ کوٹھی سے باہر نکلے تو حیرانی سے بولی۔ "تمہاری گاڑی کہاں ہے کشن ؟"

"خراب ہو گئی۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر نئی دلی کے بارہ کھمبے والے ریستوران میں آگئے۔ میرا ذہن اس وقت صرف ایک ہی مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ آج رات میں اپنے بنگلے سے کس طریقے سے نکلوں۔ باتیں سجاتا سے کر رہا تھا اور ذہن نئی نئی ترکیبیں سوچنے میں مصروف تھا۔ ایک بار جب میں نے سجاتا کے کسی سوال کا الٹ جواب دیا تو وہ تعجب سے کہنے لگی۔

"کشن ڈیئر! تم کیا سوچ رہے ہو

میں نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "سجاتا! میں سوچ رہا تھا کہ جب تم دلہن بن کر میرے گھر آؤ گی تو کتنی سندر لگ رہی ہو گی۔"

وہ شرما گئی۔ بے چاری عورتیں!

ایک گھنٹے تک ہم ریستوران میں بیٹھے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران مجھے ریستوران میں کوئی ایسا مشکوک آدمی دکھائی نہ دیا جس کے بارے میں مجھے گمان ہوتا کہ یہ سی' ائی ڈی کا آدمی ہے۔ سجاتا کا ارادہ فلم دیکھنے کا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے سر درد کا بہانہ بنا کر ٹالا۔ میں سجاتا کو اپنے ساتھ ٹیکسی میں لئے اس کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں سجاتا کے گھر سے ہی رات کے وقت کینٹنر کی بارہ دری کی طرف نکل جاؤں۔ اس طرح سے میں اپنے بنگلے سے نکلنے کے جھنجٹ سے بچ جاؤں گا۔ میں نے فوراً اپنے لباس کا جائزہ لیا جو مجھے بے حد موزوں لگا تھا۔ میں نے سجاتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"سجاتا ڈارلنگ! آج من چاہتا ہے کہ رات کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں ' کیا خیال ہے ؟"

وہ بہت خوش ہوئی۔ وہ تو ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہنا چاہتی تھی کہنے لگی۔ "میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلاؤں گی۔"

ہم سجاتا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ رات کا کھانا میں نے سجاتا کے خاندان کے ساتھ کھایا۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی گپیں ہانکتے رہے۔ گھڑی نے رات کے ساڑھے دس بجائے تو میں نے ایک نقلی جماہی لی اور جیکٹ کا زپ بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب آگیا دیں ماتا جی!" میں نے سجاتا کی ماتا سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ مجھے چھوڑنے کوٹھی کے

گیٹ تک آئی۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اکیلا کوٹھیوں کی طرف سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ اب مجھ پر ایک بار پھر اپنے تعاقب میں لگے ہوئے آدمی کا بھوت سوار ہو گیا۔ بڑی سڑک پر ایک دو منزلہ نائٹ اسٹور تھا جو رات کے دس بجے کھلتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کا ایک عقبی دروازہ بھی ہے۔ میں پتلون کی جیبوں میں ہاتھ دیئے اسٹور میں داخل ہو گیا۔ اندر کافی گہما گہمی تھی۔ میں نے فوراً ہی لوگوں میں گم ہو جانے کی کوشش شروع کر دی تاکہ اگر کوئی میرے پیچھے لگا ہوا ہے تو اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں۔ میں بہت جلد اسٹور کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ سامنے دو تین رکشا' ٹیکسیاں کھڑی نظر آئیں میں نے فوراً ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ کر اسے اسٹیشن پر چلنے کو کہا۔ پچھلی سیٹ پر اس طرح دھنس گیا کہ باہر سے میرا سر بمشکل نظر آتا تھا۔ ٹیکسی اسٹیشن کی طرف بھاگنے لگی۔ دلی ریلوے اسٹیشن پر ٹیکسی چھوڑی اور دوسرے اسٹینڈ سے لکھنؤ روڈ کے لئے رکشا لے لیا۔ لکھنؤ روڈ شروع ہوتے ہی میں رکشے سے اتر پڑا اور سر نیہوڑائے دریا جمنا کے بند کی اوٹ میں واقع کچی سڑک پر چلنے لگا۔ چلتے چلتے کسی وقت رک کر پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ پیچھے سوائے اندھیرے اور بائیں جانب دور ہوتی تیا پور کی دھندلی روشنیوں کے اور کچھ نظر نہ آتا۔ اسی طرح میں بند والے دلدلی علاقے میں پہنچ گیا۔ دلدلوں کے بیچ والی پگڈنڈی پر سے گزرا پھر کینسر کی بارہ دری والے چبوترے کے پیچھے جھاڑیوں میں اتر گیا۔ ان جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتا چبوترے کے شگاف میں داخل ہو یا۔ سرنگ میں جاتے ہی ۔۔۔۔ قدرے بلند آواز میں کوڈ نمبر بولا۔ دوسری طرف سے پوشالی نکل کر میرے سامنے آگئی۔ اندھیرے میں اس نے مجھے بازو سے تھام لیا اور گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"تم لیٹ ہو گئے۔" تہ خانے میں موم بتی روشن تھی۔

"تم تیار ہو

اس نے چمکیلی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔ "کیوں نہیں"

میں نے کیپٹن کے بارے میں پوچھا۔ "کیا کیپٹن چمڑے کا تھیلا دے گیا ہے"۔

پوشالی نے تخت کے نیچے سے چمڑے کا کالا تھیلا نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ "اس میں سب کچھ ہے جس کی ہمیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

پھر پوشالی نے تھیلے میں سے ساری چیزیں نکال کر تخت پر رکھ دیں۔ میں ان چیزوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان میں دو سائیلنسر لگے پستول' چھ دستی بم اور ایک فٹ لمبی لوہے کی دو سلاخیں تھیں جو آگے سے ذرا ذرا مڑی ہوئی تھیں۔ یہ آہنی ہکیں مین ہول کا ڈھکن اٹھانے اور مردہ خانے کا تالا توڑنے کے لئے تھیں۔ ہینڈ گرنیڈ ہنگامی حالات میں استعمال کرنے کے لئے تھے۔ سائیلنسر لگے پستول سے مردہ خانے کے باہر سیف کا کمپیوٹرائزڈ تالا توڑنا تھا اور مردہ خانے کے باہر کسی انڈین سپاہی سے مڈبھیڑ کی صورت میں اسے اگلی دنیا میں پہنچانا تھا۔ پوشالی کے لئے ایک سیاہ تنگ پتلون سیاہ جیکٹ اور

سیاہ کینوس شوز بھی تھے ۔ پوشالی نے فوراً لباس پہن لیا ۔ میں پہلے ہی نیلی جیکٹ پتلون میں تھا ۔ سروں پر باندھنے کے لئے اس تھیلے میں دو سیاہ رومال بھی تھے ۔ ہم نے وہ رومال اپنے سروں پر باندھ لئے ۔ ایک پستول پوشالی نے اور ایک میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ تین دستی بم پوشالی نے اور تین میں نے جیکٹ کی جیبوں میں ڈال لئے ۔ فٹ فٹ لمبی آہنی سلاخیں ہم نے اپنے سامنے رکھ لیں ۔ اب ہم اپنا اٹیک شروع کرنے کے لئے بالکل تیار تھے ۔ خلیل بھائی پوشالی کو جو کھانا دے گیا تھا اُس کے ساتھ کافی سے بھرا ہوا ایک تھرماس بھی تھا ۔ ہم اپنے مشن کی تفصیلات پر گفتگو کرنے لگے۔ بارہ بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا ۔ ہم ٹھیک بارہ بجے وہاں سے نکلنا چاہتے تھے ۔

جب گھڑی نے رات کے بارہ بجائے ۔ پوشالی کو چلنے کا اشارہ کیا ۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی ۔ ہم شگاف سے نکل کر جھاڑیوں میں سے گزر کر کنیز کی بارہ دری کے کھنڈر کے پاس آ گئے ۔ ہمارا رخ تالاب کے قریب خلیل کے پرانے گیراج کی طرف تھا ۔

گیراج کے قریب آتے ہی اندھیرے میں ایک طرف ایک ویگن کھڑی نظر آئی ۔ اس کی دونوں جانب ریڈ کراس کا سرخ نشان بنا ہوا تھا ۔ ہم عقبی سمت سے اندر داخل ہوئے تھے ۔ فوراً ہی خلیل اندھیرے سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ اس نے بھی کالے رنگ کا گرم کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر اسی رنگ کی اونی ٹوپی تھی ۔ اس نے کلمہ شریف پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک ماری اور دروازہ کھول کر ویگن کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا ۔ میں اور پوشالی ویگن کے پیچھے اس کے لکڑی کے فرش پر بیٹھ گئے تھے ۔ تھوڑی دیر بعد ہی ویگن دلی کی سردی میں ٹھٹھرتی سنسان سڑکوں پر بھاگتی فوجی اسپتال کی طرف چلی جا رہی تھی جو وہاں سے دس بارہ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا ۔

ویگن نے کئی موڑ کاٹے ، کئی چوراہے عبور کئے ۔ حتیٰ کہ ایک سڑک پر پہنچ کر ویگن کی رفتار دھیمی پڑ گئی ۔ خلیل نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ " اسپتال آ رہا ہے ۔ "

ہم نے باہر دیکھا ۔ ہم رام لیلا گراؤنڈ کے پاس سے گزر رہے تھے ۔ سامنے ملٹری اسپتال کی دو منزلہ عمارت میں کہیں کہیں مدھم روشنی دکھائی دے رہی تھی ۔ ہماری دوسری جانب عالیشان بنگلوں کی قطار پیچھے جا رہی تھی ۔ ان بنگلوں میں صرف گیٹ اور پورچ کی بتیاں جل رہی تھی ۔ سڑک سنسان تھی ۔ ویگن رام لیلا گراؤنڈ کا ایک موڑ کاٹ کر ملٹری اسپتال کی اونچی بلڈنگ کے پہلو والی سڑک پر آ گئی ۔ اب اس کی رفتار مزید کم ہو گئی تھی ۔

میں نے پوشالی کے کاندھے کو ذرا سا دباتے ہوئے کہا۔ " پہلے میں اتروں گا۔ تم میرے پیچھے آؤ گی " ۔

پوشالی کی آنکھیں چمک رہی تھی ۔ اس نے جواب دینے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا ۔

ویگن خاص جگہ پر پہنچ کر ساکت ہو گئی۔

خلیل نے سرگوشی میں کہا۔ "مین ہول کا ڈھکنا ویگن کے نیچے ہے۔ تم لوگ اتر کر جلدی سے ویگن کے نیچے چلے جاؤ۔ میں ویگن کا بونٹ اٹھا کر یہ ظاہر کروں گا کہ جیسے ویگن کا انجن فیل ہو گیا ہے۔"

میں نے پوشالی کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "او کے"۔

اس کے ساتھ ہی میں نے بڑی احتیاط سے ویگن کا عقبی دروازہ کھولا اور سڑک پر رینگ گیا۔ پوشالی نے میری تقلید کی تھی۔ لوہے کا ہک میں نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ ہمیں باہر سڑک پر خلیل بھائی کے اگلی کھڑکی کھول کر نیچے اترنے اور پھر ویگن کا بونٹ اٹھانے کی آواز آئی۔ ہم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ مین ہول کے آہنی ڈھکن کی دونوں جانب کنڈے بنے ہوئے تھے۔ ایک کنڈے میں پوشالی نے اور دوسرے کنڈے میں میں نے لوہے کا ہک پھنسا کر اوپر کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد ہم مین ہول کے ڈھکن کو ایک طرف سے اٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ گٹر میں سے ناگوار بو کا ایک جھونکا ہمارے چہروں کو چھو کر گزر گیا لیکن دوسرے ہی لمحے تازہ ہوا کا جھونکا بھی محسوس ہوا۔ تازہ ہوا کا شاید ہنگامی حالات [illegible]وبست کیا گیا تھا۔

ڈھکن کو اوپر اٹھا کر لوہے کی سلاخ کے سہارے کھڑا کر دیا گیا۔ دوسری آہنی سلاخ میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مین ہول میں اب اتنی جگہ بن گئی تھی کہ ہم نیچے اتر سکتے تھے۔ نیچے اندھیرا تھا مگر لوہے کی سیڑھی ٹٹولنے سے مل گئی۔ سب سے پہلے میں مین ہول میں اترا۔ پوشالی نے نیچے اترنے سے پہلے مین ہول کے ڈھکن کو نیچے گراتے وقت اس میں آہنی سلاخ اس طرح سے پھنسا دی تھی کہ باہر سے مین ہول کا ڈھکن، رات کے وقت ڈھکا ہوا لگتا لیکن واپسی پر ہم آہنی سلاخ کو ہٹا کر اسے آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔ گٹر اندر سے کافی کشادہ تھا۔ بیچ میں گندے پانی کی ایک چھوٹی سی نالی بہ رہی تھی اور دونوں جانب فٹ پاتھ بنے تھے۔ آگے کہیں کوئی ساٹھ وولٹ کا بلب روشن تھا جس کی دھندلی روشنی میں ہمیں گٹر کی دیوار پر لگے ہوئے بجلی کے موٹے موٹے تار صاف نظر آ رہے تھے۔

ہم نے دیوار کے ساتھ لگ کر آگے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ گٹر تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک طرف گھوم گیا۔ یہاں موڑ پر چھت کے ساتھ کمزور سا بلب روشن تھا۔ کیپٹن نے مجھے چھ قدم گٹر کے اندر چلنے کو کہا تھا جب میں اتنے قدم چل چکا تو رک گیا۔ میں نے پوشالی کی طرف دیکھا۔ اس نے چھت کی طرف اشارہ کیا۔

جہاں چند قدم کے فاصلے پر مجھے لوہے کا زینہ اوپر کو جاتا نظر آیا۔ یہ زینہ دیوار میں [illegible] تھا۔ یہی وہ مین ہول تھا جو مردہ خانے کے عقب میں جا کر نکلتا تھا۔ اوپر اندھیرا تھا۔ میں نے لوہے کی سلاخ پتلون سے نکال کر ہاتھ میں لے لی اور پوشالی کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"میں پہلے باہر نکلوں گا۔ جب آہستہ سے تین بار ٹھک ٹھک کروں تو تم بھی اوپر آ جانا۔"
یہ کہہ کر میں لوہے کا چھوٹا سا زینہ چڑھ کر مین ہول کے بند ڈھکنے کے نیچے آ گیا اور لوہے کی سلاخ سے ڈھکن کو ایک طرف سے اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے دقت تو بہت ہوئی لیکن بالآخر میں مین ہول کے ڈھکن کو ایک طرف اٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کام میں مجھے پورے دس منٹ لگ گئے تھے لیکن میں ایک آدمی کے گزرنے کا راستہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ گردن باہر نکالی۔ سامنے کوئی پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر اندھیرے میں ایک دیوار کا ہیولا نظر آیا۔ اس کی سامنے کی جانب کچھ فاصلے پر کوئی بلب جل رہا تھا جس کی روشنی وہاں تک پہنچتے پہنچتے کافی پھیکی ہو گئی تھی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ میرے دونوں جانب دور ملٹری اسپتال کی اونچی دیوار تھی۔ بائیں طرف کچھ درخت تھے جن کے درمیان گھپ اندھیرا تھا جن میں فوجیوں کے ہونے کا امکان تھا۔ میں احتیاط کے ساتھ مین ہول سے نکل کر گھاس کی گھاس پر لیٹ گیا اور آہنی سلاخ مین ہول کے اندر ڈال کر لوہے کے زینے پر آہستگی سے تین بار ٹھک ٹھک کیا۔ دوسرے ہی لمحے پوشالی بھی مین ہول سے نکل کر میرے ساتھ گراؤنڈ کی گھاس پر اوندھی لیٹی تھی۔

ہم زمین سے سر ذرا اونچا کئے متجسس نظروں سے اندھیرے اور نیم اندھیرے میں کسی فوجی یا گارڈ کی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مین ہول کے ڈھکن کو ہم نے ویسے ہی پڑے رہنے دیا تھا کیونکہ اسی کے ذریعے ہمیں واپس بھی جانا تھا۔

"مردہ خانے کا دروازہ میری طرف ہے۔ تم بائیں طرف سے اور میں دائیں طرف سے۔"
میں نے پوشالی کے کان میں سرگوشی کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔

پانچ منٹ کے بعد میں گارڈینیا کی باڑھ کی اوٹ میں بالکل ساکت لیٹا تھا۔ میری آنکھیں سامنے کی طرف لگی تھیں۔ جدھر سے پوشالی کو آنا تھا۔ مردہ خانے کا بند دروازہ مجھے دکھائی دے رہا تھا اس کے آگے چھوٹا سا اونچا تھڑا بنا ہوا تھا پھر میں نے اس تھڑے کی اوٹ میں ایک انسانی سائے کو سانپ کی طرح رینگ کر آتے اور ایک جگہ رکتے دیکھا۔ یہ پوشالی تھی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ میرے کانوں میں بھاری جوتوں کی چاپ کی آواز سنائی دی۔ میں اپنا پستول والا ہاتھ جیکٹ کے نیچے کر لیا تھا کہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں اسے باہر نکال سکتا تھا۔ میں نے دم سادھ کر نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔ دو فوجی کندھوں پر اسٹین گنیں لٹکائے باتیں کرتے میری طرف ہی آ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل زور سے دھڑکا۔ مگر فوراً ہی میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اندھیرے میں سانس روکے پڑا رہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے قریب سے گزر جائیں گے اور میں انہیں نظر نہیں آؤں گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ میرا سینے کا سانس اوپر رہ گیا۔ کیونکہ انہوں نے مجھے

اندھیرے میں پڑے دیکھ لیا تھا۔ پستول پر میری انگلیوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ دونوں میرے پاس آ کر رک گئے۔ ایک نے جھک کر مجھے دیکھا۔

"کوئی لاش پڑی ہے"۔

ابھی اس نے یہ جملہ پورا کیا ہی تھا کہ میرا ہاتھ برق رفتاری کے ساتھ جیکٹ سے باہر آیا اور پستول سے ٹھک کی آواز کے ساتھ گولی نکل کر سیدھی اس کے سینے میں گھس گئی۔ وہ میرے اوپر ہی گر پڑا۔ دوسرے فوجی نے پلک جھپکتے میں کاندھے پر سے اسٹین گن اتار کر نالی کا رخ میری طرف کر لیا مگر میں نے اس مہلت نہیں دی۔ دوسری ٹھک کی آواز سنائی دی اور دوسرا فوجی بھی لڑکھڑا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے اوپر گرے ہوئے انڈین فوجی کو پرے کیا۔

پوشالی پستول ہاتھ میں لئے زمین سے لگ کر بیٹھی اس طرف دیکھ رہی تھی۔ جدھر سے دونوں فوجی آئے تھے۔ [illegible] نے اشارے سے قریب [illegible] کہ اس کی مدد سے میں نے لاشوں کو گھسیٹ کر جھاڑیوں کی باڑھ کی اوٹ میں لڑھکا دیا۔

ہم دوبارہ مردہ خانے کے دروازے [illegible] لیکن اب ہمیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ دروازے کی سامنے میں نے آہنی سلاخ کو کنڈے میں ڈال کر جھٹکا دیا تو کھٹ کی آواز سے تالا ٹوٹ گیا۔ ہم دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ مردہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا۔ فضا میں اسپرٹ اور عجیب تیز قسم کی دواؤں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

"اب نیچے چلو۔ وقت کم ہے۔" پوشالی نے مجھے آگے کی طرف دھکیلا۔ اندھیرے میں ہمیں دیوار کے ساتھ کچھ اسٹریچر پڑے نظر آنے لگے۔ ہمارے جسموں میں تیزی آ گئی تھی۔ اندھیرے میں کچھ کچھ دکھائی بھی دینے لگا تھا۔ ایک جانب تنگ سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ ہم جلدی سے سیڑھیاں اتر کر تہ خانے میں آ گئے۔ پین ٹارچ کی روشنی میں مجھے دیوار کے ساتھ اونچی اونچی الماریاں نظر آئیں، جن میں مرتبان پڑے تھے۔

"مائیکرو فلم سیٹ اسی الماری کے پیچھے ہو گا"۔ پوشالی نے سرگوشی کی۔

ابھی ہم دیوار کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اوپر دھڑاک سے دروازہ کھلنے اور ساتھ ہی کسی کے [illegible] سے ہینڈز اپ پکارنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے فوراً ٹارچ بجھائی اور پوشالی کو لے کر تہ خانے کی سیڑھیوں کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر بھاری بوٹوں کی آوازیں تیزی سے آنے لگیں۔ ساتھ ہی اوپر کسی نے ٹارچ جلا دی پھر ایک کرخت آواز آئی۔

"ابے مکھی رام جانکی نیچے جا کر تہ خانے میں دیکھو! تالا ٹوٹا پڑا ہے۔ ضرور کوئی اندر آیا ہے۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں کی باڑھ کے پاس پڑی ہوئی لاشیں نہیں دیکھیں۔ اوپر جو ٹارچ جلائی گئی تھی اس کی روشنی اب سیڑھیوں میں آنے لگی۔ پوشالی اور میں پستول

لئے مرنے مارنے کے لئے بالکل تیار کھڑے تھے۔ ایک فوجی دھپ دھپ نیچے اترنے لگا۔ جونہی اس نے تہ خانے کے فرش پر پاؤں رکھا۔ میں بھوکے شیر کی طرح اس پر جھپٹا اور اپنا لوہے کی لٹھ ایسا بازو اس کی گردن میں ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور پستول اس کے سر سے لگا دیا۔

"اسٹین گن نیچے گرا دو۔ نہیں تو تیرا سر پاش پاش کر دوں گا" ۔ میں نے سخت لہجے میں سرگوشی کی۔

وہ اگرچہ فوجی تھا مگر اس وقت میرے شکنجے میں آ چکا تھا۔ اس کی ٹھوڑی اوپر کو اٹھ گئی تھی اور حلق سے خر خر کی آواز نکلنے لگی تھی۔ میں نے گھٹنا اس کی پیٹھ پر مارا۔ فوجی نے اسٹین گن نیچے پھینک دی۔ پوشالی نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

ٹارچ کی روشنی میں سیڑھیوں میں پڑی اور وہی کرخت فوجی کی آواز اوپر سے دوبارہ آئی۔

" ملکھی رام جانگلی نیچے کہاں جا کر مر گیا ہے۔"

میں نے شکنجے میں لئے ہوئے ہندو فوجی کے کان میں کہا۔ "اسے بول کے نیچے آ جاؤ۔ نہیں تو تیرا بھیجہ پرزے پرزے کر دوں گا۔"

ملکھی رام کی گردن کے گرد کسا ہوا شکنجہ میں نے ذرا سا ڈھیلا کر دیا لیکن پستول کی نالی اس کے سر میں اور زیادہ دبا دی۔

سپاہی ملکھی رام نے عجیب سی آواز میں کہا۔ "نیچے آ جاؤ سر۔"

فوجی افسر ملکھی رام کی آواز سن کر ٹارچ روشن کئے دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا۔ پوشالی نے اسٹین گن نیچے رکھ کر پستول سنبھال لیا تھا۔ جونہی ہندو فوجی افسر تہ خانے میں آیا۔ پوشالی نے اس کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی اس کے سر کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ فوجی افسر منہ کے بل لڑکھڑا کر آگے گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی میں نے دوسرا فائر کر دیا۔ مگر یہ فائر ملکھی رام کے سر پر کیا گیا تھا کیونکہ اس کا زندہ رہنا کسی طرح سے بھی ہمارے مشن کے مفاد میں نہیں تھا۔ وہ بھی کٹے ہوئے درخت کی طرح اپنے افسر کے اوپر گر پڑا۔ ٹارچ زمین پر گرنے کے بعد اپنے آپ بجھ گئی تھی۔

میں نے پوشالی سے کہا۔ "تم یہاں ٹھہرو میں اوپر دیکھ کر آتا ہوں۔"

میں بے آواز قدموں سے مردہ خانے کے اوپر والے کمرے میں آ گیا وہاں اور کوئی فوجی نہیں تھا مردہ خانے کا دروازہ کھلا تھا میں نے لپک کر اسے بند کر دیا لگتا تھا کہ یہ دو فوجی ادھر راؤنڈ لگاتے آ گئے تھے۔

واپس آ کر میں نے اور پوشالی نے قد آدم سے بھی کچھ اونچی الماری کو دیوار سے پیچھے کھسکانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ بڑی جدوجہد کے بعد الماری کو ہم تھوڑا سا پیچھے کھسکانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے پیچھے دیوار میں لگا ہوا ہمیں ایک سیف نظر آ گیا پوشالی نے میرے اشارے پر جلدی

سے ٹارچ روشن کر دی سیف کا دروازہ اسٹیل کا تھا جس کے درمیان میں کمپیوٹرائزڈ گول تالے کے اندر تین دائروں میں انگریزی کے الفاظ اور ہندسے لکھے ہوئے تھے مگر ہمیں ان ہندسوں اور حروف کے ساتھ سر کھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے پستول کی نالی کا رخ سیف کے تالے کی طرف کیا اور لبلبی دبا دی ٹھک کی آواز کے ساتھ نالی میں سے گولی نکل کر تالے سے ٹکرائی اور وہ ٹوٹ گیا میں نے ہینڈل پکڑ کر سیف کا دروازہ کھول دیا۔ اندر ایک ہی خانہ تھا جس میں کچھ لپٹی ہوئی دستاویزات تھیں اور ایک طرف ایک گول اسٹیل کی ڈبیا پڑی تھی میں نے اسے باہر نکال کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھا اس میں مائیکرو فلم کا چھوٹا سا رول لپٹا ہوا تھا فلم کی ایک جانب چٹ لگی تھی۔ جس پر ہندی میں " چانکیہ " لکھا ہوا تھا۔ میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

میں نے پوشالی سے کہا " یہی چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم ہے اب یہاں سے نکل چلو۔"

فلم کی گول ڈبیا میں نے اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں ڈال لی اور پستول ہاتھوں میں لئے جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر مردہ خانے کے اوپر والے کمرے میں آگئے۔

یہاں آتے ہی ہمیں دور سے کہیں الارم بجنے کی آواز سنائی دی ساتھ ہی ایک طرف سے آدمیوں کے دوڑنے کی آواز آنے لگی۔ ہوا اصل میں یہ تھا کہ سیف کے تالے پر گولی لگتے ہی ملٹری اسپتال کے مانیٹر روم میں خطرے کا الارم بج اٹھا تھا لیکن مانیٹر روم چونکہ مردہ خانے سے دور تھا اس لئے ہمیں اتنا موقع مل گیا کہ ہم سیف میں سے مائیکرو فلم نکال کر اوپر آ جاتے۔

ہم مردہ خانے کے دروازے میں سے نکل کر عقبی گراؤنڈ کی طرف بھاگے ہی تھے کہ ہم پر برین گن کی گولیوں کی بوچھار ہونے لگی مگر خوش قسمتی سے کوئی گولی ہمیں نہیں لگی۔ پوشالی نے جیب سے گرینیڈ نکال کر اس کی پن کھینچی اور جدھر سے فائر آیا تھا ادھر اچھال دیا۔ ساتھ ہی ہم گٹر والے مین ہول کی طرف بھاگے۔ دستی بم کا دھماکا ہوا اور تڑ تڑ گولیاں چلنے لگیں۔ فائرنگ کے شور میں فوجیوں کے ایک دوسرے کے پکارنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ہم نے اوپر تلے مزید دو گرینیڈ اور پھینک دیئے کچھ لمحے کے لئے فائرنگ رک گئی۔ اب ملٹری اسپتال کے گیٹ کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔

پوشالی نے مردہ خانے کے دروازے کے اندر دو ہینڈ گرینیڈ پھینک دیئے۔ دو دھماکے ہوئے اور ظاہر ہے کہ اندر اسپرٹ کے مرتبان پڑے ہوئے تھے وہاں آگ لگ گئی۔ اتنی دیر میں پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیوں کی روشن لکیریں رات کے اندھیرے مردہ خانے کی طرف جا رہی تھیں۔ اب ہم مردہ خانے کے عقب میں مین ہول پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے پہلے پوشالی کو نیچے اتارا۔ اس کے بعد میں اتر گیا اور ڈھکنے کو آہنی سلاخ کی مدد سے گھسیٹ کر اوپر کر کے مین ہول پر فٹ کر دیا۔ ہم گٹر میں اس طرف دوڑنے لگے جدھر ہماری ویگن سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ گٹر کی دیوار کے ساتھ دوڑتے دوڑتے

ہم موڑ گھوم کر اس مین ہول کے نیچے آ گئے جس کے اوپر باہر اسپتال کی عقبی دیوار کے قریب سڑک پر خلیل بھائی ایمبولینس گاڑی لئے کھڑا تھا۔ ہمیں ڈر تھا کہ فائرنگ کی آوازوں سے گھبرا کر کہیں وہ وہاں سے چلا نہ گیا ہو۔ میں نے لوہے کی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر اوپر مین ہول کے ڈھکن پر ایک نگاہ ڈالی۔ ہم آتی دفعہ مین ہول کے ڈھکن کے نیچے ایک طرف آہنی سلاخ پھنسا آئے تھے تاکہ باہر نکلتے وقت ڈھکن اٹھانے میں آسانی ہو۔ اس ڈھکن میں آہنی سلاخ پھنسانے سے جو باریک درز پیدا ہو گئی تھی اس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ پہلے یہ روشنی نہیں تھی کیونکہ خلیل کی ویگن اس کے اوپر کھڑی تھی۔

میں نے پوشالی کو ڈھکن کی جانب سے اندر آتی روشنی دکھائی اور کہا۔ "میرا خیال ہے خلیل اس افراتفری میں ویگن لے کر چلا گیا ہے۔"

پوشالی نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جا کر باہر جھانکنے کی کوشش کرو۔"

میں مین ہول کی دیوار کے ساتھ چپٹی ہوئی چھوٹی سی آہنی سیڑھی پر چڑھ کر ڈھکن کے پاس آ گیا اور سر کو ایک طرف کر کے درز میں سے باہر جھانکا۔ مجھے سڑک پر فٹ پاتھ کے ساتھ ایک فوجی ٹرک کھڑا نظر آیا۔

میں نے نیچے اتر کر پوشالی کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ گٹر کی سرنگ میں پیچھے دیکھنے لگی۔ "اگر سپاہی ہماری تلاش میں نیچے آ گئے تو یہاں سے ہم فرار نہ ہو سکیں گے۔ ٹھہرو! میں اوپر جا کر دیکھتی ہوں۔ ہمیں ہر حال میں اس مین ہول سے بھاگنا ہو گا۔"

پوشالی اوپر چڑھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد نیچے اتر آئی اور کہنے لگی۔ "خلیل یقیناً صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر ویگن لے کر فرار ہو گیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس نے بہت اچھا کیا کیونکہ اگر وہ فوجیوں کے ہتھے چڑھ جاتا تو ہمارا محسن بھی ضرور پکڑا جاتا اور اس کا سارا خاندان تباہ ہو جاتا کیونکہ میں نہیں سمجھتی کہ خلیل ملٹری پولیس کا تشدد زیادہ دیر تک برداشت کر سکتا۔"

میں نے پوشالی کو مشورہ دیا کہ ہمیں کسی دوسرے مین ہول سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر وہ مصر تھی کہ اسی مین ہول سے نکلنا چاہئے کیونکہ کوئی پتا نہیں کہ فوجی کب ہماری تلاش میں اس گٹر کے اندر آ جائیں۔ میں ایک بار پھر آہنی زینہ چڑھ کر مین ہول کے ڈھکن کے پاس آ گیا اور دوبارہ بڑے غور سے درز میں سے باہر سڑک کا جائزہ لیا۔ فوجی ٹرک مین ہول سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے اس ٹرک کے پہلو سے نکل کر ایک فوجی جیپ تیزی سے آگے آئی اور اس کے دونوں پہیے میری طرف بڑھے۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا سر نیچے کر لیا۔ جیپ کا پہیہ عین مین ہول کے ڈھکن کے اوپر آ کر رک گیا۔ ڈھکن میں سے ہلکی سی کڑک کی آواز آئی اور آہنی سلاخ مزید دب گئی۔ اب اس مین ہول کا ڈھکن اٹھا کر باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں جلدی سے نیچے اترا

اور پوشالی کو بتایا کہ ڈھکن کے اوپر فوجی جیپ کا پہیہ آگیا ہے۔ وہ پریشان سی ہو کر گٹر کی سرنگ کے پیچھے کی جانب دیکھنے لگی۔

"چلو اس طرف بھاگتے ہیں۔ اس گٹر کا آگے ضرور کوئی مین ہول ہو گا۔"

ہم گٹر کی سرنگ میں مخالف سمت کو تیز تیز چلنے لگے۔ آگے کچھ دور تک اندھیرا چھایا رہا۔ ہم دیوار پر ہاتھ رکھے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ گٹر کی سرنگ آگے جا کر بائیں جانب گھوم گئی۔ کچھ فاصلے پر ایک کمزور سا بلب روشن تھا۔ ہم بھاگ کر اس بلب کے نیچے پہنچے۔ خیال تھا کہ شاید وہاں اوپر کوئی مین ہول ہو گا، مگر ایسا نہیں تھا۔ ہم بلب کی کمزور روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بلب کی روشنی نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہم ایک بار پھر اندھیرے میں گھر گئے۔ گٹر کی فضا ناگوار بو سے بے حد بوجھل ہو رہی تھی۔ ہم گٹر کے اندر دیوار کا سہارا لئے چھوٹے سے فٹ پاتھ پر کافی دور تک چلتے چلے گئے۔ خدا جانے یہ گٹر آگے کہاں جا نکلتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک جگہ ہمارے سروں کے اوپر گاڑی کے تیزی سے نکل جانے کی آواز آئی۔

پوشالی نے کہا۔ "ہم کسی سڑک کے نیچے چل رہے ہیں۔ یہاں ضرور کوئی مین ہول ہو گا۔"

میں نے پنسل ٹارچ جلائی لیکن وہاں کوئی ایسی سیڑھی نہیں تھی جو اوپر کسی مین ہول کو جاتی ہو۔ گٹر کی سرنگ اسی طرح آگے چلی جا رہی تھی۔ ہم دوبارہ آگے بڑھنے لگے۔ میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ اچانک تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوا۔ ٹھنڈی ہوا کا یہ جھونکا سامنے کی طرف سے آیا تھا۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ آگے ضرور کوئی مین ہول کھلا ہوا ہے۔ یہ ہوا اسی میں سے آ رہی ہے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ہمیں پانی گرنے کی آواز سنائی دی پھر اندھیرے میں ہمیں سامنے ڈھلان میں ایک شگاف میں سے رات کی پھیکی دھندلی روشنی کا عکس سا نظر آیا۔

پوشالی نے تشویش کے ساتھ کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آگے کوئی بڑا گٹر ہے۔"

مگر ایسا نہیں تھا۔ جب ہم شگاف کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پانی لوہے کے ایک جنگلے میں سے لڑ کر باہر کھلی فضا میں ایک نالے میں گر رہا تھا۔

ہم وہاں رک کر شگاف کا جائزہ لینے لگے ستاروں کی بہت پھیکی سی روشنی تازہ ٹھنڈی ہوا کے تھ اندر آ رہی تھی۔ باہر کوئی آواز وغیرہ سنائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے پوشالی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ وہی گندہ نالہ ہے جو اسپتال کے عقب میں کچھ یلے پر سے گزرتا ہے۔"

"لیکن شگاف پر لوہے کا جنگلہ لگا ہے۔ ہم اس میں سے کیسے گزریں گے؟ اس کو توڑنا ہو گا۔

لیکن ہمارے پاس جنگلے کو توڑنے کے لئے آہنی سلاخ نہیں تھی۔ وہ تو ہم گٹر ہی میں پھینک آئے

پوشالی نے پستول سے فائروں سے جنگلے کی ایک جانب کی سلاخوں کو توڑنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے یہ کہہ کر اس مشورہ پر عمل کرنا مناسب نہ سمجھا کہ ہم ابھی تک اسپتال کی حدود میں تھے اور آواز سنے جانے کا خطرہ موجود تھا۔

میں نے جنگلے کی سلاخوں کو جھٹکا دیا۔ جنگلا مضبوط تھا۔ پوشالی نے ادھر ادھر ٹٹول کر ایک جگہ سے اینٹ اکھیڑ کر مجھے دی۔ "اس سے جنگلا توڑنے کی کوشش کرو۔"

"اینٹ کی ضرب کی آواز پستول کی آواز سے کم نہیں ہوگی۔ ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے آس پاس بھارتی فوجی ہماری تلاش میں ہوں۔" میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر جھک کر ہاتھوں سے جنگلے کی سلاخوں کا جائزہ لیا ایک جگہ سے مجھے ایک سلاخ کچھ ڈھیلی محسوس ہوئی۔ میں نے اس پر زور آزمائی شروع کر دی۔ میرا ہاتھ درد کرنے لگا لیکن میں سلاخ کو دیوار سے اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب پوشالی میں میری مدد کرنے آ گئی تھی۔

نصف گھنٹے کی جدوجہد کے بعد ہم نے پانچ سلاخیں اکھاڑ ڈالیں۔ اب اتنی جگہ بن گئی تھی کہ ہم اس میں سے سمٹ سمٹا کر گزر سکتے تھے۔ پہلے میں اس میں سے نکلا اور پھر پوشالی کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ بھی باہر نکل آئی۔ ہم نے اردگرد اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ یہاں اتنا اندھیرا نہیں تھا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی چمک میں [illegible]کے دوسرے کنارے پر اگی ہوئی جھاڑیاں ہمیں بڑے بڑے سیاہ دھبوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم [illegible] ایک طرف ڈھلان میں اتر گئے۔ یہاں گندے نالے کا پانی بہہ رہا تھا۔ ہم مغرب کی طرف [illegible]۔ ایک جگہ گندے نالے کے اوپر سے لوہے کے دو بڑے بڑے پائپ ایک ساتھ جڑے ہوئے گزرتے تھے۔ شاید یہ واٹر سپلائی کے پائپ تھے۔ ہم نے ان پائپوں پر لیٹ کر رینگتے ہوئے گندے نالے کو عبور کر لیا۔ اب ہم کشمیری دروازے کو جانے والی سڑک پر موجود [illegible]۔ میرا پروگرام اسی سڑک پر جانے کا تھا۔

وہاں زیادہ دیر رُکنا مناسب نہ تھا اس لئے ہم -- حتیٰ المقدور کپڑوں کو ٹھیک ٹھاک کر کے اٹھے اور نالے کے اونچے کنارے سے اتر کر کچی سڑک پر آ گئے یہاں جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے تھے کافی فاصلے پر دلی شہر کی پھیلی ہوئی آبادیوں کی اکا دکا روشنیاں جھلملا رہی تھیں ۔ رات نے ڈھلنا شروع کر دیا تھا اس وقت ہمیں شدت سے کسی ایسے رکشے یا ٹیکسی کی ضرورت تھی جو ہمیں تمار پور پہنچا دے ۔ مائیکرو فلم میں نے پوشالی کو دے دی تھی ۔ کیونکہ ممکن تھا کہ ہمیں فوری طور پر الگ ہو جانا پڑتا ۔ ابھی ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ سامنے سے ایک گاڑی کی روشنیاں ہمیں دکھائی دیں ۔ ہم جلدی سے سڑک کے ایک جانب کھیت میں اتر گئے ۔ یہاں فصل اونچی تھی ۔ ہم اس کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے ۔ یہاں سے ہمیں گاڑی کی روشنی نظر آ رہی تھی ۔ وہ کوئی فوجی جیپ تھی ۔ جیپ تھوڑی دور جا کر یکدم رک گئی پھر ہمیں کسی کی کرخت آواز سنائی دی ۔

"وہ ادھر ہی تھے پکڑو ۔" یہ سننا تھا کہ میں نے پوشالی کے بازو کو زور سے ٹھوکا دیا اور سامنے والے کھیتوں کی طرف دوڑ پڑا ۔ پوشالی بھی میرے پیچھے تھی ۔ یہ علاقہ کھیتوں کا نہیں تھا لیکن مضافاتی بستیوں کے درمیان کہیں کہیں زمین کے ٹکڑوں پر ہل چلا کر فصل بو دی گئی تھی ۔ ہمیں اپنے پیچھے سڑک پر مردوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو ایک دوسرے کو پکار رہے تھے ۔ ہم اندھا دھند بھاگے جا رہے تھے ۔ یہ اطمینان تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے ہمیں دور سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا ۔ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کھیت میں سے نکلتے ہوئے ہم مضافاتی بستی کے شروع کے مکانوں کی ایک گلی میں گھس گئے ۔

گلی سنسان تھی ۔ ہم دوڑتے ہوئے ایک مکان کی آڑ میں کھڑے ہو کر ہم اپنی سانسیں درست کرنے لگے جو بھاگنے کی وجہ سے بے ترتیب ہو گئی تھیں ۔

" میرا خیال ہے کہ وہ اب ہمارے پیچھے نہیں ہیں ۔ "

پوشالی کی سانس بھی بری طرح پھولی ہوئی تھی ۔ اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ۔ " اگر وہ فوجی تھے تو ہم اب بھی محفوظ نہیں ہیں ۔ وہ ادھر بھی آ سکتے ہیں ۔ "

میں نے اسے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اسی لمحے ایک کار گلی میں داخل ہوئی تھی۔ ہم دونوں کچھ اور دبک گئے تھے۔ کار تیزی سے آئی اور پھر ایک عمارت کے سامنے اس کے بریک چرچرائے۔ فوراً ہی اس کی ڈرائیور سیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے نکل کر عمارت کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔ وہ خدا جانے کس جلدی میں تھا۔ کہ اس نے انجن بھی بند نہ کیا۔

"خدا نے ہمارے لئے موقع فراہم کر دیا ہے۔ جلدی سے اٹھو۔" میں نے پوشالی کو مخاطب کیا۔

اس نے اٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔

ہم نے لپک کر گلی پار کی۔ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر اور پوشالی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک سیکنڈ کے اندر میں گاڑی کو فرسٹ گیئر میں ڈال کر سڑک پر لے آیا اور پھر اسے کشمیری دروازے کی دوسری طرف قدسیہ گارڈن کے عقب میں نکل آیا۔ اب میرا رخ تیار پور کی طرف تھا۔ علی پور کے قریب پولیس چیکنگ کا خطرہ تھا لیکن مقدر ہم پر بڑا مہربان تھا۔ ہم کسی رکاوٹ کے بغیر اس گیراج تک جا پہنچے تھے جو خلیل کی ملکیت تھا۔ گیراج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ خلیل وہاں بھی نہیں تھا۔ بات تو ظاہر ہے تشویش والی تھی لیکن ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کی تلاش میں وقت ضائع کرتے۔ پوشالی کو میں نے وہاں چھوڑا اور کچھ ضروری باتیں اسے سمجھا کر وہاں سے نکل آیا۔ مائیکرو فلم بھی اسی کے پاس ہی رہنے دی تھی۔

واپسی کا سفر بھی کچھ خاص مشکل نہیں تھا۔ میں کشمیری دروازے پہنچا۔ رات کے اس پہر بھی وہاں دن کا سماں تھا۔ چھینی ہوئی گاڑی میں نے ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کر دی اور اتر آیا لیکن اس سے پہلے میں اپنی اور پوشالی کی انگلیوں کے نشانات مٹانا نہیں بھولا تھا۔ ذرا فاصلے پر متعدد خالی رکشے اور ٹیکسیاں موجود تھیں۔ میں نے ایک ٹیکسی لی اور اسے اپنے بنگلے سے قریبی سڑک کا پتا بتا کر عقبی سیٹ میں دھنس گیا۔

صبح میں دفتر سے چھٹی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ میں اس قدر تھک گیا تھا کہ بڑی آسانی سے بیماری کا بہانہ بنا کر چھٹی لے سکتا تھا مگر اس روز باس کے قریب ہی رہنے میں بہتری تھی کیونکہ اسے اب تک یقیناً خبر مل چکی ہو گی کہ ملٹری اسپتال سے خفیہ دستاویزات چوری ہو گئی ہیں اور غیر ملکی ایجنٹ مقابلے کے بعد فرار ہو گئے ہیں۔

اخبار آیا تو میں نے اسے اٹھا کر غور سے دیکھا۔ میری آنکھیں ملٹری اسپتال والی خبر کو تلاش کر رہی تھیں۔ "ہندوستان ٹائمز" کے آخری صفحے پر صرف اتنی سی خبر دی گئی تھی کہ رات ملٹری اسپتال کے مردہ خانے میں کسی کیمیاوی مادے کے پھٹنے سے آگ لگ گئی مگر اسے فوراً ہی بجھا لیا گیا۔ کسی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ میں نے اخبار ایک طرف پھینکا اور غسل خانے میں گھس گیا۔

دفتر میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچا۔ سب کچھ معمول تھا۔ چیف نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔

وہاں وشرام اور سینٹرل انٹیلی جینس بیورو کے اے جی مسٹر راما سوامی پہلے ہی بیٹھے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب لوگ یہاں کس لئے جمع ہوئے ہیں۔ میں نے نمسکار کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ چیف کسی ٹاپ سیکرٹ مسئلے پر مجھ سے کبھی بات نہیں کرے گا لیکن خلاف توقع اس نے ملٹری اسپتال سے خفیہ دستاویزات چوری ہو جانے کی بات شروع کر دی شاید سینٹرل انٹیلی جینس بیورو کے اے جی مسٹر راما سوامی کے سامنے ایسا کرنا پڑا تھا کیونکہ بہرحال میں پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کے خصوصی انٹیلی جینس بیورو کا فرسٹ سیکرٹری تھا۔ اس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ مردہ خانے میں جو آگ لگی تھی اس سے صرف اوپر والا کمرہ ہی جلا تھا۔ تہ خانے تک آگ ضرور پہنچی تھی مگر خفیہ سیف کو بچالیا گیا تھا۔ دوسری خفیہ دستاویزات بھی محفوظ رہی تھیں مجھے معلوم ہوا کہ آگ کے ابتدائی شعلوں نے سیف کے ہینڈل اور دروازہ پر سے انسانی انگلیوں کے نشانات مٹا دیئے تھے۔ یہ بات شاید تیواڑی مجھے نہ بتاتا مگر اے جی راما سوامی نے مجھے ایک ذمے دار افسر سمجھتے ہوئے میری موجودگی میں ہی بیان کر دی تھی۔ میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا کیونکہ جلدی میں ہم وہاں سے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹانا بھول گئے تھے۔

"جو خفیہ فلم ایجنٹ چرا لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے "۔تیواڑی نے بتایا۔" حکومت بھارت کے پاس اس کی ایک کاپی موجود ہے مگر اس سے ہماری بڑی بدنامی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ غیر ملکی ایجنٹ جب اور جہاں چاہیں گھس کر ہماری خفیہ دستاویزات پر ہاتھ صاف کر سکتے ہیں۔"

مسٹر راما سوامی نے کہا۔" اگرچہ اس کا براہ راست آپ کے محکمے سے زیادہ تعلق نہیں ہے مگر اس کی زد آپ پر بھی پڑتی ہے۔ رکھشا منتری نے مجھے رات ہی فون پر چتاؤنی دے دی تھی کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر غیر ملکی ایجنٹ پکڑے نہ گئے تو مجھے اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" اس نے تیواڑی وشرام اور میری طرف باری باری دیکھا اور گہری سانس لے کر کہا۔" یہ مت سمجھیں کہ آپ محفوظ ہیں۔ چارج شیٹ آپ کو بھی مل سکتی ہے۔"

قصہ مختصر ایک گھنٹے تک یہ خفیہ اجلاس جاری رہا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ شہر میں غیر ملکی اور خاص طور پر پاکستانی جاسوسوں کی تلاش کا کام ہنگامی سطح پر شروع کر دیا جائے۔ تمام مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا جائے اور جو پاکستانی یہاں جاسوسی کے الزام میں قید ہیں ان پر شدید تشدد کیا جائے تاکہ وہ دلی میں موجود اپنے ساتھی ایجنٹوں کے نام اور پتے بتا دیں۔

اے جی مسٹر راما سوامی چلے گئے تو مسٹر تیواڑی نے ہمیں ایک لمبا چوڑا لیکچر دیتے ہوئے حکم دیا کہ فوری طور پر مشکوک افراد کی نگرانی کے لئے خاص آدمی تعینات کئے جائیں ہماری خفیہ فہرست پر دلی کے مشکوک افراد وہ لوگ تھے جو بھارت میں مسلمانوں کے جائز اور مذہبی حقوق کی بات کرتے تھے۔

ان میں انڈین مسلم لیگ کے عہدیداروں کے نام خاص طور پر نمایاں تھے۔ ان کے پیچھے تو سی آئی ڈی کے آدمی ہر وقت لگے رہتے تھے۔ میں نے زیادہ محتاط ہونے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ میں اب مسٹر تیواڑی کی کڑی نگرانی کی زد میں ہوں گا۔ اگر مجھے کوئی ڈر تھا تو صرف یہ کہ کہیں ان لوگوں پر میرے مسلمان ہونے کا راز فاش نہ ہو جائے لیکن اللہ کا شکر تھا کہ ابھی تک یہ راز صرف مجھ تک ہی محدود تھا۔

راما سوامی کے جانے کے نصف گھنٹے بعد تک بھی تیواڑی ہمارے کانوں میں زہر گھولتا رہا اور بالآخر اس نے اجلاس برخواست کرنے کا اعلان کر دیا۔ میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

دوپہر کو لنچ کے بعد میں اپنے کمرے میں کام کر رہا تھا کہ مسٹر تیواڑی مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ میں حیران رہ گیا۔

"کیپٹن مہتہ!" وہ آتے ہی خوش دلی سے بولے۔ "آج لنچ کے بعد تمہارا سگار پینے کو جی چاہ رہا تھا۔"

میں نے جلدی سے سگار نکال کر پیش کیا۔ سگار سلگاتے ہوئے مسٹر تیواڑی نے بھویں اوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر سگار کا کش لگایا اور بولے۔

"یہ تم نے اچھا کیا جو سگریٹ چھوڑ کر سگار شروع کر دیئے۔ میڈیکل بورڈ کا بھی خیال ہے کہ سگار زیادہ نقصان نہیں دیتے۔"

میں نے اسے کرسی پیش کی مگر وہ بولا۔ "بس میں تو سگار پینے آیا تھا اور ہاں تمہاری گاڑی ابھی تک گیراج میں ہی پڑی ہے۔ کیا خرابی ہے اس میں کیپٹن؟"

"اس کا کلچ خراب ہے سر۔"

وہ میری طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ "کیپٹن! تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا تم رات سوئے نہیں؟"

میں نے جیب سے رومال نکال کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا "نہیں سر! ایسی بات نہیں ہے = آنکھوں میں کل سے کچھ سوزش سی محسوس ہو رہی تھی =۔"

وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ اسے مجھ پر شک تھا۔ اس سے پہلے مسٹر ٹنڈن کا جو انجام ہوا۔ وہی انجام اس کا بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے دل میں ایک خطرناک مگر انتہائی اہم فیصلہ کیا اور کرسی پر بیٹھ کر کام میں مصروف ہو گیا۔

گاڑی آج بھی میں نے دفتر میں ہی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ چھٹی ہونے کے بعد میں باہر نکل کر پنے تلے افسرانہ انداز سے سڑک پر چل دیا = ارادہ یہی تھا کہ آج دفتر کی گاڑی کی بجائے ٹیکسی سے گھر جاؤں گا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک رکشا اچانک میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پلٹ

کر دیکھا ڈرائیونگ سیٹ پر خلیل تھا۔

"صاحب رکشا خالی ہے۔" اس نے خالص ڈرائیوروں کے انداز میں کہا اور میں کوئی حجت کیے بغیر اس میں بیٹھ گیا۔

اگلے چوک تک وہ خاموش ہی رہا لیکن جونہی موڑ مڑا اس نے بولنا شروع کر دیا۔ "آپ کی ایک امانت میرے پاس موجود ہے۔ شاہ جی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہ امانت آپ تک پہنچا دوں۔"

میں نے اس سے پوچھا کہ رات وہ ویگن لے کر کہاں چلا گیا تھا؟

"فوجی اسپتال کے اندر گولیاں چلنے لگیں تو وہاں پولیس اور فوج کی گاڑیاں آ گئی تھیں۔ چنانچہ میں نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔" خلیل نے جواب دیا۔ "شاہ جی نے مجھے سب بتا دیا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ لوگ کامیابی کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔ شاہ جی نے مجھے رکشا دے کر آپ کی طرف بھیجا ہے۔ انہوں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ میں آپ کو رکشا میں اٹھاتے وقت کوئی بات نہ کروں۔"

خلیل نے رکشے میں بیٹھے بیٹھے کوٹ کی اندرونی جیب سے رومال میں لپٹی ہوئی مائیکرو فلم نکال کر پیچھے کھسکا دی جسے میں نے اسی وقت قابو میں کر لیا۔ میں نے پوشالی کے بارے میں پوچھا تو خلیل نے کہا۔

"ہماری بہن بالکل ٹھیک ہیں۔ شاہ جی نے آپ کے نام ایک اور پیغام بھیجا ہے۔" اور پھر خلیل نے جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف پیچھے بڑھا دیا۔ میں نے اسے بھی احتیاط سے رکھ لیا۔ خلیل ایک عام رکشا ڈرائیور کی طرح مجھے میرے بنگلے کے پاس اتار کر اور رکشا کا کرایہ لے کر چل دیا۔

اپنے بیڈ روم میں آ کر میں نے سب سے پہلے جیب سے رومال میں سے مائیکرو فلم کی ڈبیا نکالی۔ سب سے اہم مسئلہ اسے کسی محفوظ جگہ پر چھپانے کا تھا۔۔۔ فوری طور پر اسے باتھ روم میں ایک جگہ چھپا کر رکھ دیا اور دوسری جیب میں سے بھارتی کیپٹن کا خط نکال کر کھول لیا۔ خط انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا اور نیچے کسی کا نام نہیں تھا۔ صرف اتنا لکھا تھا۔

"آج رات ایک بجے گیراج میں پہنچو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ بہن کی طبیعت خراب ہے۔ اس کا وہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ شاہ جی، پوشالی کو وہاں سے کسی دوسری جگہ پہنچانا چاہتے تھے۔ اب مسئلہ رات کے ایک بجے دوبارہ میرے گھر سے نکلنے کا تھا۔ میں نے خط کے پرزے پرزے کر کے گٹر میں بہا دیا شام کے پانچ بج رہے تھے۔ کملا نے چائے میز پر رکھ دی تھی۔ میں نے چائے کا پہلا گھونٹ لیا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ دروازہ کھلا تو چار پولیس والے، ایک تھانیدار اور ان کے ساتھ سیکرٹ

سروس کا شانتی کمار ایک دم اندر آ گئے۔

اس نے آتے ہی پرنام کیا اور کسی قدر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

" سر ہمیں کسی نے فون پر اطلاع دی ہے کہ اس علاقے میں کسی تخریب کار نے کوئی انتہائی خطرناک بم پلانٹ کیا ہوا ہے۔ آپ پلیز باہر آ جائیں۔ ہم کوٹھی کی تلاشی لیں گے۔ ہمارے پاس تلاشی کا اجازت نامہ بھی ہے۔ ویسے بھی سر یہ علاقے کا معاملہ ہے۔ "

ایک سپاہی کے پاس بم ڈی ٹیکٹر بھی تھا۔ اس سے پہلے کہ میں انہیں کچھ کہتا' وہ ڈرائنگ روم میں گھس آئے۔ ایک آدمی ڈی ٹیکٹر لے کر میرے بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔ میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ باتھ روم میں مائیکرو فلم کی ایلومینیم کی ڈبیا ٹینکی کے نیچے ویسے ہی پڑی تھی۔ علاقے میں کسی نے خطرناک بم پلانٹ نہیں کیا تھا اور نہ کسی نے پولیس کو فون پر بم کی اطلاع دی تھی۔ یہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا تھا اور اس کا مقصد محض میرے بنگلے کی تلاشی لینا تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تھانیدار اور شانتی کمار نے مجھے سنبھلنے کا بھی موقع نہیں دیا تھا اور علاقے کی سیفٹی کی بات کر کے گھر کی تلاشی کا کام شروع کر دیا تھا۔ تلاشی لینے سے شاید انہیں میرے ہاں سے کچھ نہ ملتا لیکن ڈی ٹیکٹر باتھ روم میں چھپائی گئی ایلومینیم کی ڈبیا کو ایک سیکنڈ میں پکڑ سکتا تھا اور اس ڈبیا میں چانکیہ پلان کی مائیکرو فلم تھی جس کے پکڑے جانے کا مطلب میری موت اور میرے مشن کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

ایک پل کے ساتھ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ میں مائیکرو فلم کو کیسے بچاؤں۔ پھر فوراً ہی میں بیڈ روم کی طرف دوڑا۔ یہ دیکھ کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ ایک آدمی ڈی ٹیکٹر لئے باتھ روم میں گھسا اس کی دیواروں کو چیک کر رہا تھا۔ میں لپک کر یہ کہتا ہوا۔۔ باتھ روم میں آ گیا کہ اگر کسی نے بم رکھا بھی ہو گا تو وہ میرے باتھ روم میں آ کر دیوار کے اندر کیسے لگا سکتا ہے۔ شانتی کمار بھی باتھ روم کے دروازے پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔

" سر! آپ ان تخریب کاروں کے ہتھکنڈوں سے شاید واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر خالصتان کی تحریک سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے مطالبے کے حق میں دلی میں توڑ پھوڑ کرنے والے ہیں ان کے آدمی خاکروبوں اور گھر کے ملازموں کی مدد سے بم رکھوا سکتے ہیں۔ ہمیں ایسی اطلاعات ملی ہیں سر۔ "

وہ یہ باتیں کر رہا تھا اور میں کموڈ کی سیٹ کے پاس آ گیا۔ پانی کی ٹینکی کے پیچھے مجھے کاغذ میں لپٹی مائیکرو فلم کی چھوٹی گول ڈبیا صاف نظر آ رہی تھی۔ اگر میں اسے اٹھا کر جیب میں رکھتا تو دیکھا جا سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ چیکنگ کے بہانے شانتی کمار مجھ سے ڈبیا نکلوا لیتا۔ علاقے کے تحفظ کے پیش نظر وہ ایسا کر سکتا تھا۔ میرے پاس سوچنے کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ دیوار اور ٹینکی کے درمیان تھوڑی سی

جگہ تھی مائیکرو فلم میں نے وہیں رکھی ہوئی تھی ۔ اس کے بالکل نیچے پلاسٹک کی ایک ٹوکری پڑی تھی جس میں ٹوتھ پیسٹ کے خالی ڈبے صابن کے کور اور دوسرے ردی کاغذ وغیرہ ڈالے جاتے تھے ۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا بس غیر محسوس طریقے پر میری انگلی چلی اور مائیکرو فلم کی کاغذ میں لپٹی ڈبیا کو پلاسٹک کی ٹوکری میں گرا دیا ۔ شانتی کمار اور تھانیدار کو میں نے باتوں میں الجھا لیا تھا ۔

" مجھے خیال آگیا ہے کل ایک سادھو میرے بنگلے میں آکر برآمدے میں دھرنا مار کر بیٹھ گیا تھا کہ میں دکھشنا لئے بنا نہیں جاؤں گا ۔ میں نے اسے باہر لان میں گلاب کی جھاڑیوں پر جھکے ہوئے بھی دیکھا تھا میرا خیال ہے جھاڑیوں کو چیک کریں ۔ "

اس سے میرا مطلب ان لوگوں کو بیڈ روم سے باہر نکالنا تھا ۔ مجھے یہ خطرہ بھی تھا کہ کچن کے عقبی چھوٹے سے باغ کے درخت کے چبوترے کے نیچے میرا وائرلیس سیٹ اور زہریلے سگار بھی چھپائے ہوئے ہیں ۔ یہ لوگ اگر اس طرف چلے گئے تو وائرلیس سیٹ ڈی ٹیکٹ ہو سکتا تھا ۔ کیونکہ وہ دھات کا بنا ہوا تھا لیکن وہ لوگ تو خاص طور پر میرے بیڈ روم کی تلاشی لینے آئے تھے ۔ وہ میری سرکاری حیثیت سے بھی واقف تھے ۔ چنانچہ میری سادھو والی بات پر وہ بیڈ روم سے باہر نکل آئے ۔ میری جان میں جان آئی ۔ شانتی کمار اور تھانیدار لان میں جانے کی بجائے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گئے اور اپنے آدمی کو انہوں نے لان میں گلاب کی جھاڑیاں چیک کرنے کے لئے بھیج دیا ۔ بہرحال اتنا ہی بہت تھا ۔ کم از کم وہ ــــــ بیڈ روم سے نکل کر آئے تھے اور مائیکرو فلم باتھ روم کی ٹوکری میں پڑی بالکل محفوظ تھی ۔ اگرچہ خطرات ابھی تک میرے سر پر منڈلا رہے تھے ۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ پھر اٹھ کر باتھ روم کی طرف نہ چلے جائیں میں نے کملا سے کہا کہ وہ چائے لے آئے اور پھر شانتی کمار اور انسپکٹر سے خالصتان کی تحریک اور تخریب کاروں کے بارے میں باتیں کرنے لگا ۔

" سکھوں کا اگر کوئی سیاسی مطالبہ ہے تو انہیں اندرا جی سے مذاکرات کرنے چاہئیں ۔ بات چیت سے سیاسی حل تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ تخریب کاری اور ہنسا سے سوائے بھارت ورش کی تباہی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا ۔

انسپکٹر اور شانتی کمار میری ہاں میں ہاں ملاتے رہے میں دیکھ رہا تھا کہ ان کی مکار نگاہیں ڈرائنگ روم کا برابر جائزہ لے رہی تھی ۔

میری نوکرانی کملا کی شروع دن سے یہ عادت تھی کہ جب میں دفتر سے واپس آکر باتھ روم میں منہ ہاتھ دھونے کے بعد نکل کر ڈرائنگ روم میں چائے پینے بیٹھتا تو وہ جا کر باتھ روم صاف کرتی اور کوڑے کرکٹ والی پلاسٹک کی ٹوکری اٹھا کر باہر لے جاتی جہاں گیٹ کے پاس ہی میں نے پلاسٹک کا ایک ڈرم رکھوا چھوڑا تھا ۔ وہ ٹوکری کا کوڑا کرکٹ اس ڈرم میں جا کر ڈال دیتی ۔ ٹھیک پانچ بجے کوڑا کرکٹ اٹھانے والا دہلی کارپوریشن کا ٹرک آتا تھا جو ڈرم میں سے کوڑا ٹرک میں ڈال کر لے جاتا تھا ۔

چنانچہ کملا چائے ہمارے سامنے رکھ کر اپنی عادت کے مطابق بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کس لئے بیڈ روم میں گئی ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ دس پندرہ سیکنڈ بعد کملا نوکرانی باتھ روم والی پلاسٹک کی ٹوکری اٹھائے میرے بیڈ روم سے نکلی اور ڈرائنگ روم سے گزرتی گیٹ کے ڈرم میں کوڑا ڈالنے باہر نکل گئی۔ میں اسے کوڑا پھینکنے سے روک بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے روکنے سے کوڑے کی ٹوکری کو چیک کرنے کا بھی ان لوگوں کو خیال آ سکتا تھا کہ میں نوکرانی کو کوڑا باہر لے جانے سے کیوں روک رہا ہوں۔ میں نے باتیں کرتے اور چائے پیتے ہوئے کن انکھیوں سے کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ کم بخت کملا نے پلاسٹک کی ٹوکری کا کوڑا کرکٹ گیٹ کے باہر رکھے ہوئے ڈرم میں الٹ دیا تھا۔ مائیکرو فلم کوڑے کے ڈرم میں جا چکی تھی۔ کملا نے ٹوکری الٹا کر کپڑے سے پونچھی اور میرے سامنے سے گزرتے ہوئے باتھ روم میں جا کر رکھ دی۔ اب مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں یہ لوگ کوڑے کی ٹوکری کی ہی چیکنگ نہ شروع کر دیں۔

میں نے کارنس پر رکھے کلاک کی طرف دیکھا۔ کارپوریشن کا ٹرک کے آنے میں ابھی بیس پچیس منٹ باقی تھے۔ اس سے پہلے کہ ٹرک آ کر ڈرم کا کوڑا ڈال کر لے جائے مجھے ڈرم میں سے مائیکرو فلم کو نکالنا تھا لیکن میں انسپکٹر پولیس اور شانتی کمار کی موجودگی میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اب وہ میرے ڈرائنگ روم سے اٹھ کر چلے جائیں مگر وہ تو جیسے جم کر بیٹھے تھے۔ میں نے اپنے حقوق کا استعمال کرتے ہوئے کہا کہ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی چیکنگ ختم ہو چکی ہے۔ شانتی کمار اس دوران میری بعض چیزوں کو دیکھنے کے بہانے اٹھ کر کارنس پر رکھے بھگوان بدھ اور بھگوان شیو کی مورتیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ میری طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"سر! آئی ایم سوری۔ آپ کو بڑی تکلیف دی۔"

پھر اس نے باہر سے اپنے آدمی کو آواز دے کر پوچھا کہ کیا پوزیشن ہے؟

سپاہی ڈی ٹیکٹر لے کر اندر آ گیا اور بولا۔ "سر! وہاں جھاڑیوں کو میں نے شروع سے آخر تک دیکھ لیا ہے۔ وہاں کچھ بھی نہیں۔"

آخر وہ لوگ ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ شانتی کمار نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور ایک بار پھر کہا۔

"سر! سوری! آپ کو بڑا کشٹ دیا مگر علاقے کے تحفظ اور سکیورٹی کے لئے یہ بھی بہت ضروری تھا۔ نمسکار۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کا جواب دیا اور خدا خدا کر کے یہ بلا ٹلی۔ شانتی کمار اور انسپکٹر اپنے آدمیوں کو لے کر اگلی کوٹھی کی طرف چل دیئے۔ میری آنکھیں ان کا برابر پیچھا کر رہی تھیں۔ وہ ساتھ والی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو گئے۔

صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ میں فوری طور پر ڈرم سے مائیکرو فلم نہیں نکال سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ دوسری کوٹھی میں سے شانتی کمار میری حرکات کی نگرانی کر رہا ہو۔ میں اخبار لے کر برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ چہرہ اخبار پر جھکا ہوا تھا مگر نظریں کوڑے کے ڈرم پر لگی تھیں جو میرے لئے ایک ایسا ٹائم بم بن چکا تھا جو کسی بھی وقت پھٹ کر میرے سارے کیئے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔

اچانک دور سے مجھے کارپوریشن کے ٹرک کی آواز سنائی دی۔ وہ کوٹھیوں کی درمیانی گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ اور کوٹھیوں کے آگے رک رک کر کوڑے کے ڈرم اٹھائے جا رہے تھے۔ میں بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ مجھے ہر حالت میں ڈرم میں سے مائیکرو فلم کی ڈبیا کو نکالنا تھا۔ میں نے سگار سلگا رکھا تھا۔ میں اخبار کو کرسی پر پھینک کر اٹھا اور سگار کے کش لگاتا بظاہر جیسے پھولوں بھری جھاڑیوں کو دیکھتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ڈرم کے قریب آگیا۔ میں نے کارپوریشن کے ٹرک کو دیکھا۔ وہ میری ساتھ والی پہلی کوٹھی کے باہر آکر رک گیا تھا اور اس کے آدمی ڈرم اٹھا کر ٹرک میں الٹا رہے تھے۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا بس گیٹ کے پاس گیا اور یوں ظاہر کیا جیسے میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرا کر پٹ گیا ہے اور میں اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ میں ایک طرف کو جھک کر کچرے کے ڈرم کے ساتھ اس طرح ٹکرایا کہ میرے ساتھ ہی ڈرم بھی نیچے گر پڑا۔ کچن کی کھڑکی میں سے کملا نوکرانی مجھے دیکھ رہی تھی۔ وہ وہیں سے چلائی۔

"صاحب جی کیا ہو گیا۔ میں آ رہی ہوں۔"

میں غصے میں آکر اٹھا اور ڈرم کو لات مار کر بولا۔ "تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ ڈرم کو دیوار کے ساتھ لگا کر رکھا کرو۔ مگر تمہاری بدھی میں یہ بات کبھی نہیں آتی۔"

اس عرصے میں میں نے مائیکرو فلم والی ڈبیا اٹھالی تھی جو ڈرم کے گرتے ہی لڑھک کر رتن جو کے پودوں کے بیچ میں چلی گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی شانتی کمار کی آواز آئی۔ "سر چوٹ تو نہیں لگی۔" وہ بدبخت یقیناً ساتھی والی کوٹھی کی دیوار سے لگا میری نقل و حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ اللہ کا شکر تھا کہ زمین سے اٹھتے ہوئے میں نے مائیکرو فلم اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لی تھی لیکن شانتی کمار میرے سر پر کھڑا تھا۔ اگرچہ اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ میری تلاشی لیتا۔ اس کے باوجود میں محفوظ نہیں تھا۔

میں نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ہماری نوکرانی بڑی احمق ہے۔ ہمیشہ کچرے کا ڈرم راستے میں رکھ دیتی ہے۔"

شانتی کمار نے شاید مجھے کوڑے کرکٹ میں سے کوئی چیز اٹھا کر رکھتے دیکھ لیا تھا۔ کہنے لگا۔ "کوئی بات نہیں سر۔ نوکرانی کو شما کر دیں۔ آپ اندر چل کر کپڑے بدل لیں آپ کی پتلون پر مٹی لگ گئی ہے۔"

اس دوران کارپوریشن کا ٹرک میرے بنگلے کے باہر آ کر رک گیا تھا دو آدمی لئے اندر آ کر ڈرم میں کوڑا ڈالنے لگے تھے۔ میں نے شانتی کمار کا شکریہ ادا کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے پیچھے آئے گا مگر جب میں نے دروازہ بند کیا تو وہ وہیں باغ میں گیٹ کے پاس کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی شکل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس تذبذب میں ہے کہ میری تلاشی لینے کی جرأت کرے یا نہ کرے۔

کملا کچن کے دروازے سے نکل کر کوڑے کے ڈرم کو دیوار کے ساتھ لگا رہی تھی۔ میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی پر گرے ہوئے پردے کے پیچھے سے شانتی کو تک رہا تھا۔ اس وقت اگر وہ جرأت سے کام لے کر انسپکٹر کے ذریعے میری تلاشی لے لیتا تو میں رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔ مائیکرو فلم میری جیب سے برآمد ہو جاتی اور شانتی کمار کو نہ صرف انعام ملتا بلکہ ایک پاکستانی جاسوس پکڑوانے اور انتہائی قیمتی خفیہ دستاویز برآمد کروانے کے صلے میں اس کی ترقی بھی ہو جاتی مگر وہ ہچکچاتا ہی رہ گیا اور عین وقت پر جرأت رندانہ سے کام نہ لے سکا۔ مجھے اس عرصے میں موقع مل گیا اور میں نے مائیکرو فلم ڈرائنگ روم کے قالین کا کونا ایک طرف سے اٹھا کر اس کے نیچے چھپا دی۔ اب میں صورت حال کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر اب شانتی کمار تلاشی کے لئے میرے کمرے میں آیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خواہ اس ایک آدمی کو ہلاک کرنے کے لئے مجھے انسپکٹر اس کے سپاہیوں اور اپنی نوکرانی کو بھی کیوں نہ موت کے گھاٹ اتارنا پڑے لیکن میں نے دیکھا کہ شانتی کمار کوٹھی کے چھوٹے سے گیٹ میں سے باہر نکل گیا۔ ٹرک وہاں سے جا چکا تھا۔

مائیکرو فلم ڈرائنگ روم کے قالین کے نیچے بھی محفوظ نہیں تھی۔ دوسری کوٹھی سے شانتی کمار ہیڈ کوارٹر فون کر کے بتا سکتا تھا کہ انہیں جس چیز کی تلاش ہے وہ اس وقت کیپٹن رام کشن مہتہ یعنی میری کوٹھی میں موجود ہے۔ کملا واپس کچن میں جا چکی تھی۔ ڈرائنگ روم میں سوائے میرے اور کوئی نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مائیکرو فلم کو کون سی جگہ چھپاؤں کہ جہاں سے وہ پولیس کی تلاشی کے باوجود بھی برآمد نہ ہو سکے۔ اتنا میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اگر ایک بار میرے باس کو یہ بتا دیا گیا کہ مطلوبہ شے میرے بنگلے میں موجود ہے تو اس کے آدمی فرش تک اکھاڑ ڈالیں گے۔

میں خالی الذہن سا ہو کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ یکبارگی میرا دل اچھل سا گیا۔ میں نے اپنی سانس درست کی اور فون اٹھا کر آہستہ سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے سجاتا کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ! تمہاری آواز بجھی بجھی سی کیوں ہے؟ تم نے آج دن بھر مجھے فون نہیں کیا۔ میں بہت اداس ہوں۔ بس ٹیکسی لے کر تمہاری طرف آ رہی ہوں۔ تم تیار رہنا۔ لو کے۔ اس سے پہلے کہ میں سجاتا کو کوئی جواب دیتا اس نے فون بند کر دیا۔ دل نے کہا۔ سجاتا اس

وقت رحمت کا فرشتہ بن کر آ رہی ہے۔ تم مائیکرو فلم لے کر اس کے ساتھ یہاں سے نکل سکتے ہو پھر ہو گا دیکھا جائے گا۔ ریسیور ٹیلی فون پر رکھ کر میں تیزی سے بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ اور سگار سلگا کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے با دیکھ لیتا تھا کہ کہیں انٹیلی جینس والے تو نہیں آ گئے۔ کچھ دیر بعد گلی میں ٹیکسی کے داخل ہونے کی آواز آئی۔ میں نے کملا کو آواز دے کر کہا کہ میں سجاتا کے ساتھ باہر چائے پینے جا رہا ہوں۔ دروازہ بند کر اور اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے اور باغ کے پتلے سے راستے سے ہوتا ہوا لکڑی کے چھوٹے گیٹ پر آ گیا جو میری کمر تک آتا تھا۔ ٹیکسی گیٹ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی پچھلی سیٹ پر سجاتا بیٹھی تھی۔ میں دروازہ کھول کر ٹیکسی میں گھس گیا۔ سجاتا کے کپڑوں سے اس کے مخصوص سینٹ کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے شلوار قمیص کے اوپر بلیو کلر کی کھلی جرسی پہن رکھی تھی۔ میں۔ نے ٹیکسی ڈرائیور سے بارہ کھمبے چلنے کو کہا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

سجاتا میرے ساتھ لگ گئی۔ "تم نے آج مجھے فون نہیں کیا ڈارلنگ؟"

میں اگلی کوٹھی میں سے شانتی کمار کو انسپکٹر اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ باہر نکلتے دیکھ رہا تھا۔ شانتی کمار نے انسپکٹر پولیس سے باتیں کرتے ہوئے نگاہیں اٹھا کر ہماری ٹیکسی کی طرف دیکھا۔ ٹیکسی نے ٹرن کیا اور گلی میں سے گزر کر سڑک پر آ گئی۔۔

میں نے مسکراتے ہوئے سجاتا کو اپنے قریب کر لیا اور آہستہ سے کہا۔ "دفتر میں اتنا مصروف تھا کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ ویسے تم کئی بار یاد آئی۔"

کھلی سڑک پر آنے کے بعد ٹیکسی کی رفتار تیز ہو گئی۔ مگر میں ابھی تک خطرے سے باہر نہیں تھا۔ اس لئے کہ مائیکرو فلم میری جیب میں تھی اور شانتی کمار نے مجھے سجاتا کے ساتھ ٹیکسی میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ راستے میں کسی بھی جگہ چھاپہ ڈلوا کر مجھے پکڑ سکتا تھا۔ یہ سب خدشات میرے پیش نظر تھے۔ ہو سکتا تھا کہ شانتی کمار ایسا نہ کرتا لیکن میں خدشات کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

ٹیکسی جب اس چوک میں سے گزری جہاں سے ایک سڑک سجاتا کی کوٹھی کو جاتی تھی تو اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوند گیا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے دائیں جانب مڑنے کو کہا۔ سجاتا نے میری طرف تعجب سے دیکھا۔ میں نے اس کے کان میں کہا۔

"میرے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔"

وہ پریشان سی ہو گئی۔ "تم نے کیا کھایا تھا دوپہر کو؟"

میں نے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔ ذرا سی تکلیف ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔" ٹیکسی میں نے سجاتا کی کوٹھی کے سامنے رکوائی اور اسے ساتھ لئے اتر پڑا۔ برآمدے میں ماتا جی مل گئیں۔ میں نے پرنام کیا اور راہداری سے ہوتا ہوا سجاتا کے بیڈ روم میں آ گیا۔ مجھے اس کوٹھی میں کوئی روک ٹوک

نہیں تھی۔ میں سجاتا کے کمرے میں گھنٹوں اس کے بستر پر لیٹا رہتا تھا۔

سجاتا نے کہا۔ "میں ڈرائنگ روم میں ہوں۔ تمہارے لئے نوکر بھیج کر گولیاں منگواتی ہوں۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور سجاتا کے بیڈ روم میں آتے ہی دروازہ اندر سے بند کر کے کمرے کا جائزہ لیا۔ پلنگ پر گرم کمبل اور لحاف ایک طرف پڑا تھا۔ سنگار میز پر کاسمیٹکس کے سامان کی بھرمار تھی۔ میں نے اس کے کپڑوں کی الماری کھولی۔ لمبے ہینگر کے ساتھ سجاتا کی ساڑیاں، کوٹ، جرسیاں لٹکی ہوئی تھیں نیچے کونے میں اس کی رنگ برنگی سینڈلیں اور گرگابیاں پڑی تھیں۔ یہ جگہ بالکل محفوظ تھی۔ میں یہاں کسی بھی جگہ مائیکرو فلم چھپا کر رکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کی بات تھی واپس آ کر نکال سکتا تھا یا پھر دوسرے روز سجاتا سے ملنے آؤں گا تو فلم نکال کر لے جاؤں گا........ تب تک میں اس کے تحفظ کے لئے کوئی موزوں جگہ تلاش کر چکا ہوں گا۔ سجاتا کا ایک بھورے رنگ کا لمبا برین کوٹ لٹکا ہوا مجھے نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی سجاتا کا ٹوئیڈ کا ایک لیڈی ہاف کوٹ لٹک رہا تھا۔ سجاتا یہ کوٹ سردیوں میں ساڑی کے اوپر پہنا کرتی تھی۔ میں نے جیب سے مائیکرو فلم نکالی اور لیڈیز کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپا کر رکھ دی۔ ایک بوجھ میرے سینے سے اتر گیا تھا پھر میں نے باتھ روم میں جا کر کنگھی سے بال سنوارے۔ رومال نکال کر منہ صاف کیا اور یونہی فلش چلا دیا تاکہ پانی کے گرنے کی آواز چلی جائے۔ میں رومال جیب میں رکھ کر بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

سجاتا ڈرائنگ روم میں سے اٹھ کر میری طرف بڑھی۔ "کیا حال ہے ڈارلنگ اب تو درد نہیں ہو رہا۔ میں نے دوائی کے لئے نندو کو بھیجا ہے۔ بس ایک ٹیبلٹ کھا لینا۔ درد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"چنتا کیوں کرتی ہو سجاتا۔ بس میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ دوائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ چلو چل کر گرما گرم چائے پیتے ہیں۔"

سجاتا خوش ہو گئی۔ اس کی ماتا جی نے کہا وہ چورن لا کر دیتی ہیں۔ میں سجاتا کا بازو تھام کر یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر لے گیا۔ "ماتا جی! یہ یونہی پریشان ہو جاتی ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔"

میں واقعی پہلے سے سو فی صد ٹھیک اور مطمئن ہو گیا تھا۔ مائیکرو فلم کو میں نے محفوظ جگہ پر چھپا دیا تھا۔ میں سجاتا کے ساتھ ٹیکسی میں کھل کر بیٹھ گیا اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ ٹیکسی ایک بار پھر بارہ کھمبے کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

ریستوران کا ماحول اتنا رومان پرور تھا کہ سجاتا کو سوائے رومان کے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ پیار محبت کی باتوں میں مصروف تھی اور میں اپنی آئندہ ـــ حکمت عملی ترتیب دے رہا تھا چنانچہ میں نے باتوں باتوں میں اسے بتایا کہ میں آج رات پتلی کھچڑی کھانا چاہتا ہوں کیونکہ میرا پیٹ پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہے اندھے کو کیا چاہئے تھا سجاتا نے فوراً کہا۔ "میں خود تمہیں اپنے ہاتھ سے کھچڑی بنا کر دوں گی۔"

میں یہی چاہتا تھا۔ رات کو سجاتا نے تائید کی۔ " آپ نے خفیہ رہائش کا کہاں انتظام کیا ہے۔ "
خاوند کے ساتھ آ گئی جو انڈین نیوی میں کمانڈر، اور گویا ہوا۔ " ملٹری انٹیلی جینس کے ذرائع سے یہ خبر
رشتے داروں سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ میرا ابھی کار ہندو بنگالیوں کو بھیج کر وہاں افراتفری اور پاکستان کے
پیالی پی کر چلے گئے مگر میں پونے بارہ بجے تک وہاں بر شرقی پاکستان کے مسلمان بنگالی اپنے دین سے بے پناہ
کی۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی' اس کے وہی تقاضے بھی ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ
معمول اسے سبز باغ دکھائے اور دہلی کی سردی میں باہر نکل آیا۔ اب اپنا بنگالیوں کو بھارت کے زہریلے
جال میں بآسانی کسی ٹیکسی وغیرہ کے ذریعے پہنچ سکتا تھا۔ کہ جارحانہ امن دشمنی

☆ پوشالی نے میری دستک پہچانتے ہی دروازہ کھول دیا۔ ہم ذرا دیر تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر میں نے اسے آج دن بھر میں ہونے والے واقعات کی روداد کہہ سنائی۔ میری کہانی سن کر اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا گئے۔

" میں نہیں سمجھتی کہ تم اب زیادہ دیر تک اپنے آفس اور عہدے پر محفوظ رہ سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ پکڑے جانے سے پہلے ہی میرے ساتھ کہیں نکل چلو۔ "

میں نے فوری طور پر اس سے اتفاق نہیں کیا۔ " میں اس عہدے پر رہ کر اپنے مذہب اور ملک کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنا چاہتا ہوں اور جب تک مجھے یقین نہیں ہو جاتا کہ اب میرا وہاں رہنا میری موت کے مترادف ہو گیا تب تک میں اس دفتر سے راہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔ "

" یہ تو ٹھیک ہے لیکن مائیکرو فلم سجاتا کے کوٹ میں رکھنے کی بجائے یہاں لے آتے۔ میں نے تو یہ فلم تمہیں اس لئے دی تھی کہ تم اسے اپنے آدمی کے حوالے کر دو گے تاکہ وہ جلدی سے جلدی وطن بھیج دے اور اس کی روشنی میں دشمن کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کا کام شروع کر دیا جائے۔ اگر تمہیں آج باس کو وائرلیس پر کوئی پیغام نہیں دینا تھا تو فلم اپنے ساتھ ہی لے آتے۔ "

" ایسی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سجاتا کے کتنے ہی کوٹ ہیں اور وہ خاص لیڈی کوٹ صرف بارش کے دنوں میں ہی پہنا کرتی ہے۔ ویسے میں کل اس کے گھر جا کر مائیکرو فلم اپنے قبضے میں کر لوں گا۔ "

پوشالی نے مجھے بتایا۔ " ملٹری اسپتال سے جاتکیہ پلان کی مائیکرو فلم غائب ہو جانے کے بعد سیکیورٹی سخت کر دی گئی ہے اور شاہ جی کے نزدیک اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ "

" شاہ جی نے تمہارے رہنے کا کون سا متبادل انتظام کیا ہے؟ "

" ابھی اس بارے میں انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ وہ آ رہے ہوں گے۔ شاید تمہارے سامنے ہی بتائیں گے۔ "

ہم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے کہ ہمیں باہر خاموشی میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ یہ شاہ جی ہی تھے۔ یعنی بھارتی کیپٹن جس کا میں نام یہاں نہیں لکھ سکتا۔ اس نے آتے ہی

نہیں تھی۔ میں سجاتا کے کمرے میں گھسنوں اس کے بستر پر لیٹی ہائی کمان میں ایک تہلکہ سا مچ گیا ہے ملٹری
سجاتا نے کہا۔ "میں ڈرائنگ روم میں ہوں۔ تبہ۔ اس کے ساتھ ساتھ شہر میں جتنے بھی ایسے
میں نے کوئی جواب نہ دیا اور سجاتا کے بیڈ روم ور دینی حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں انہیں
جائزہ لیا۔ پلنگ پر گرم کمبل اور لحاف ایک طرف
تھی۔ میں نے اس کے کپڑوں کی الماری کھول لیا تو وہ بولا۔ "ایسی فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں کا
لٹکی ہوئی تھیں نیچے کونے میں ا باقاعدہ آواز بلند کر رہا ہے اور یہ لوگ کچھ دنوں میں رہا کر دیئے جائیں گے
محفوظ تھی۔ بچ پاکستانی قیدیوں پر ضرور مصیبت ٹوٹ پڑی ہے جنہیں پاکستانی جاسوس ہونے کے شبے میں
پکڑا گیا تھا لیکن خیر اتنی قربانیاں تو زندہ قوم کے افراد کو اپنی قوم و ملت کی بقا اور سلامتی کے لئے دینی ہی
پڑتی ہیں۔"

پھر اس نے مجھ سے مائیکرو فلم کے بارے میں سوال کیا تو میں نے اسے بھی سارا قصہ سنا دیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اینٹ پر جلتی چھوٹی سے موم بتی کی روشنی میں اس کا چہرہ فکر مند ہو گیا تھا۔ ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور بولا۔

"تمہیں یہ امانت جتنی جلدی ہو سکے وطن پاک پہنچا دینی چاہیئے تھی۔ اس فلم کا اب بھارت میں رکھا جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں دو ایک دنوں میں اسے پاکستان پہنچا دوں گا۔"

"اس رات اگر خلیل عقلمندی سے کام لے کر ملٹری اسپتال کے باہر سے ویگن لے کر بھاگ نہ جاتا تو ہم سب بہت بڑی مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ دراصل خلیل کے دینی جذبے اور اسلام سے جو اس کو محبت ہے اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ پکڑا جاتا تو انڈین ملٹری انٹیلی جینس کے تشدد کی پہلی لہر کے سامنے شاید۔۔۔ ہتھیار ڈال دیتا۔"

میں نے پوچھا۔ "پوشالی کے بارے میں آپ مجھے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"حالات سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔ "یہ جگہ بھی اب پوشالی بہن کے لئے محفوظ نہیں رہی۔ میں نے ایک دوسری جگہ کا انتظام کر لیا ہے لیکن میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کا اگلا پروگرام کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہم نے ایک مشن مکمل کیا ہے۔ دوسرے مشن کے بارے میں ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ ویسے میرا مشن اس دشمن ملک میں رہ کر اپنے وطن پاک کے مفادات کی حفاظت کرنا اور دشمن کے پاک دشمن جارحانہ عزائم سے نہ صرف باخبر رہنا بلکہ انہیں ناکام بنانے کی کوشش کرنا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ پوشالی کا میرے قریب رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ کسی بھی نئے مشن کے لئے مجھے اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

پوشالی نے بھی میرے خیال کی تائید کی۔ "آپ نے خفیہ رہائش کا کہاں انتظام کیا ہے۔"

کیپٹن نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے اور گویا ہوا۔ "ملٹری انٹیلی جینس کے ذرائع سے یہ خبر بھی ملی ہے کہ بھارت مشرقی پاکستان میں تخریب کار ہندو بنگالیوں کو بھیج کر وہاں افراتفری اور پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کا منصوبہ تیار کر چکا ہے۔ مشرقی پاکستان کے مسلمان بنگالی اپنے دین سے بے پناہ محبت کرتے ہیں لیکن زہریلے پروپیگنڈے کا اثر ان پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگ مشرقی پاکستان جا کر وہاں کے محب وطن اور سچے مسلمان بنگالیوں کو بھارت کے زہریلے پروپیگنڈے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ ان کے سامنے بھارت کے جارحانہ امن دشمنی عزائم کو بے نقاب کریں۔"

پوشالی کہنے لگی۔ "بھائی! پاکستان اسلام اور اپنے مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لئے میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا سکتی ہوں لیکن یہ کام میں اکیلی نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے ایک منصوبے پر باقاعدگی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔"

"اور میں پوشالی کے ساتھ مشرقی پاکستان نہیں جا سکتا۔ کیونکہ یہاں میرا مشن بڑا اہم ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا مگر میرا خیال ہے کہ ہمارے محب وطن آدمی وہاں ضرور تعمیری کام میں مصروف ہوں گے۔"

کیپٹن جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا پھر چہرہ اوپر اٹھا کر بولا۔ "پوشالی بہن! اگر تمہارا دلی میں رہنا ہی ضروری ہے تو پھر تمہیں میرے ساتھ اس جگہ چلنا ہو گا جہاں میں نے تمہاری رہائش کا انتظام کیا ہے۔ وہاں تم محفوظ ہو گی۔"

پوشالی کو خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار کے قبرستان کی کوٹھری میں درویش عورت کے روپ میں رہنا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ "اس قبرستان کے باہر ایک کوارٹر میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس کا نام یوسف شاہ ہے۔ اس کی عمر چالیس برس کے قریب ہے۔ اس نے شادی نہیں کی اور درگاہ شریف میں رہ کر زائرین کی خدمت کرتا ہے۔ جھاڑو دیتا ہے۔ عقیدت مندوں کو ہر طرح کی سہولت پہنچاتا ہے۔ میری طرح وہ بھی پاکستان سے بے حد محبت کرتا ہے۔ جب میں نے اسے پوشالی کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً اسے قبرستان والی کوٹھری میں رکھنے اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کرنے پر تیار ہو گیا۔ وہ میرا پرانا اور گہرا دوست ہے اور انتہائی اعتماد والا آدمی ہے۔ تم لوگ اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتے ہو۔ خلیل کی طرح یوسف شاہ بھی اپنی جان دے گا مگر تمہارا راز کسی کو نہیں بتائے گا۔ میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ پوشالی کو درگاہ شریف کی کوٹھری میں ایک خاموش پسند درویش عورت کے بھیس میں رہنا ہو گا۔ وہاں اپنا حلیہ بھی تھوڑا سا بدل دینا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے بھیس میں اسے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

ہم دونوں کو ظاہر ہے اس انتظام پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا ہم نے فوراً حامی بھری۔ باتیں کرتے کرتے رات کے دو بج گئے۔ کیپٹن نے اٹھتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ تم پوشالی کو لے کر خواجہ صاحب کی درگاہ شریف پر جاؤ گے۔ یوسف شاہ کو میں نے تم دونوں کا حلیہ بتا دیا ہے۔ جب درگاہ کے عقبی قبرستان کے دروازے پر پہنچو گے تو ایک کمبل پوش اونچا لمبا آدمی سر پر سبز پٹکا باندھے تمہاری طرف بڑھے گا۔ پوشالی سیاہ برقعے میں ہو گی جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ یہ کمبل پوش آدمی یوسف شاہ ہو گا۔ وہ تمہارے پاس آکر پوچھے گا۔ " بھائی! رحمت تمہارے ساتھ نہیں آیا ؟ " تم اس کے جواب میں کہو گے۔ " رحمت بیمار ہے۔ " یہ تمہارے درمیان کوڈ الفاظ کا تبادلہ ہو گا۔ اس کے بعد یوسف شاہ سب انتظام کر دے گا۔ میری اگر تمہیں ضرورت پڑے تو تم یوسف شاہ سے مل کر مجھے خفیہ پیغام بھجوا سکتے ہو۔ تمہارے بارے میں میں نے یوسف شاہ کو صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ تم بھی پاکستان کی سلامتی کے لئے یہاں کام کر رہے ہو۔ تم کہاں ملازم ہو؟ یہ میں نے اسے نہیں بتایا۔ اب تم لوگ تیار ہو جاؤ۔ خلیل رکشا لئے بند روڈ کے موڑ پر تمہارے انتظار میں موجود ہے۔"

ہم دونوں کو کیپٹن نے اپنے سامنے رخصت کیا وہ وہیں رک گیا تھا۔ اس نے گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا اور میں پوشالی کو لے کر گیراج سے باہر نکل آیا۔ رات خاموش ' سرد اور چپ چاپ تھی۔ تالاب کے قریب ہی خلیل رکشے سمیت ہمارا منتظر تھا۔ بیس منٹ بعد ہم خواجہ صاحب کی درگاہ پر موجود تھے۔ راستے میں ہمارے ساتھ کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

درگاہ شریف میں روشنیاں تھیں۔ مزار شریف کی فضا بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف قوالی ہو رہی تھی۔ بزرگان دین کے مزارات پر تو دن رات رونقیں ہوتی ہیں۔ درود و سلام کی مقدس صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ فضا میں اگر بتیوں اور پھولوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ خلیل نے مزار شریف کے گلی کے کونے پر رکشا روک دیا۔ میں اور پوشالی اتر کر درگاہ کی طرف چلنے لگے۔ عقیدت مند رات کے وقت بھی سلام و دعا کے لئے چلے آ رہے تھے۔ میں نے اور پوشالی نے بھی مزار شریف کے ایک جانب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی اور مزار کے اندر سے ہوتے ہوئے عقبی دروازے سے قبرستان کی طرف نکل آئے۔ میں ان راستوں سے واقف تھا۔ قبرستان کا چھوٹا سا دروازہ اب میرے سامنے تھا۔ دروازے کی ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ دو آدمی کلمہ شریف کا ورد کرتے ہمارے نزدیک سے گزر گئے۔ اتنے میں قبرستان کے دروازے پر ایک اونچا لمبا آدمی نمودار ہوا۔ اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ سر پر سبز پٹکا بندھا تھا۔ یہ یوسف شاہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے بھی ہمیں دیوار کے پاس کھڑے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ پاس آکر اس نے پوچھا۔

"بھائی رحمت تمہارے ساتھ نہیں آیا؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔ "رحمت بیمار ہے۔"

اس پر یوسف شاہ مسکرایا۔ قبرستان کے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "میرے ساتھ آجاؤ۔"

قبرستان میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک ویران سا راستہ جاتا تھا۔ اس پر تھوڑا آگے گئے تو سامنے ایک کوٹھری تھی۔ یوسف شاہ نے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا۔ اندر مٹی کا دیا پہلے ہی جل رہا تھا۔ ہم کوٹھری میں داخل ہو گئے۔ یوسف شاہ نے دروازہ بند کر دیا اور بولا۔

"شاہ جی نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔ تم مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ اسلام اور پاکستان پر میری جان بھی قربان۔ مجھ میں اور شاہ جی میں کوئی فرق مت سمجھنا۔ ہماری بہن کو صرف اتنی دقت ضرور ہو گی کہ اسے یہاں ایک درویش عورت بن کر رہنا ہو گا۔"

یوسف شاہ نے پوشالی کو لکڑی کے ٹرنک میں سے سبز شلوار قمیص، چادر، کمبل اور سر پر باندھنے کے لئے سبز پٹکا دیا اور بولا۔ "میری بہن! تم اس کوٹھری میں رہو گی۔ دن کے وقت تم قبرستان میں دھوپ میں بیٹھ سکتی ہو۔ کوشش کرنا کہ مزار شریف کی طرف نہ آؤ۔ اگر آنا ضروری ہو تو وہاں زیادہ مت رکنا۔ میں نے یہاں آج ہی اپنے متعلقہ آدمیوں کو کہہ دیا ہے کہ بدایوں سے میری ایک رشتے دار خاتون درگاہ شریف پر چلہ کرنے آرہی ہے جو درویش ہے اور کسی سے بات نہیں کرتی۔ تم بھی کسی سے بات مت کرنا اور اگر بات کرنی پڑ جائے تو ہوں ہاں کے سوا کچھ نہ کہنا۔" اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ "بھائی جان! تم اطمینان رکھو۔ ہماری بہن یہاں میری حفاظت میں رہے گی۔"

میں مطمئن ہو کر یوسف شاہ کے ساتھ باہر نکل آیا وہ مجھے ایک طرف اندھیرے میں لے جا کر راز داری سے کہنے لگا۔

"بھائی! تم کبھی کبھی رات کے وقت ادھر چکر لگا جایا کرنا۔ شاہ جی کو اگر کوئی پیغام دینا ہو تو مجھے بتا جانا۔ میں تمہارا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔"

میں نے یوسف شاہ سے ہاتھ ملانا چاہا تو اس نے مجھے اپنے گلے لگا لیا۔ "اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔"

میں تیز تیز قدم اٹھاتا درگاہ شریف سے باہر آگیا۔ خلیل رکشے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ مجھے موتی نگر کی سڑک پر چھوڑ کر چلا گیا تو اس وقت رات کے سوا تین بج چکے تھے۔ میں اندھیرے میں اپنے بنگلے کی عقبی دیوار پھلانگ کر باتھ روم کے دروازے سے اپنے بیڈ روم میں آکر فوراً ہی سو گیا۔

اگلی صبح آٹھ بجے اٹھا اور ناشتا کرنے کے بعد دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاڑی کا پلگ میں ساتھ لیتا گیا تھا۔ میں سیدھا دفتر کے گیراج میں گیا اور گاڑی کا بونٹ اٹھا کر اس کا جائزہ لینے کے بہانے پلگ لگا

دیا۔

پوشالی کی طرف سے میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ اس کی تصویر پولیس اور ملٹری انٹیلی جینس کے پاس موجود تھی اور وہ کھل کر سامنے نہیں آ سکتی تھی اور نہ کسی جگہ ملازمت کر کے ایک فلیٹ میں رہ سکتی تھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ درگاہ شریف کے قبرستان میں تھوڑا سا حلیہ بدلنے کے بعد۔۔۔ محفوظ ہو گی۔ اب مجھے مائیکرو فلم پاکستان پہنچانی تھی۔ اس کے لئے مجھے آج رات دس بجے کے بعد اپنے باس کو پاکستان میں خفیہ کوڈ پیغام پہنچا کر مائیکرو فلم کے بارے میں بتانا تھا کہ میں اسے کہاں پہنچاؤں؟ دفتر میں روز مرہ کی طرح کام ہو تا رہا۔ باس کا رویہ بھی معمول کے مطابق تھا۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ اندر سے وہ میرے ارد گرد حصار کو مزید تنگ کرنے اور مجھے رنگے ہاتھوں پکڑنے کی فکر میں ہے۔

گیارہ بجے سجاتا کا فون آ گیا۔ وہ پوچھنے لگی کہ میرا کیا حال ہے؟ اب پیٹ میں درد تو نہیں ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بھگوان کی کرپا ہو گئی ہے۔ میں دفتر کے بعد اس کے ہاں آ کر کافی پیوں گا۔ سجاتا بڑی خوش ہوئی۔ مجھے اس کے ساتھ کافی پینے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اس کی کپڑوں کی الماری سے مائیکرو فلم نکالنا چاہتا تھا۔

دفتر سے سوا چار بجے نکلا۔ سرکاری ڈرائیور نے گاڑی جھاڑ پونچھ کر بالکل صاف کر دی تھی۔ میں نے اسے اسٹارٹ کیا اور سجاتا کے بنگلے پر آ گیا۔ وہ بھی گھر پہنچ چکی تھی۔ ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ ماتا جی اور پتا جی بھی موجود تھے۔ وہ بھی میرا حال پوچھنے لگے۔ میں سجاتا کے بیڈ روم میں جانے کے لئے بے تاب تھا۔ کوئی موقع تلاش کر رہا تھا۔ سجاتا دفتر کے کپڑوں میں ہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کپڑے بدلنے اپنے بیڈ روم میں جائے گی لیکن میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اخبار پڑھ رہی تھی۔ اخبار میری طرف کر کے بولی۔۔

"کشن دیکھو! البرٹہ نیلر کی فلم کل سے جگت سینما میں لگ رہی ہے۔ یہ میں ضرور دیکھوں گی۔"

میں نے اخبار میں چھپے ہوئے انگریزی فلم کے اشتہار پر ایک نظر ڈالی اور سگار ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔ "ضرور چلیں گے۔" سجاتا کی ماتا جی نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "سجاتا جا کر کپڑے تو بدلو۔ میں کشن کے لئے چائے بناتی ہوں۔"

سجاتا اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "نہیں ماتا جی! کشن آج کافی پینا چاہتا ہے۔ میں ابھی آ کر کافی بناتی ہوں۔"

سجاتا کپڑے بدلنے اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تنگ پتلون پر جرسی پہنے واپس آ گئی۔ وہ کچن کی طرف جانے لگی تو میں نے کہا۔

"سجاتا میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ اسپرو کی ایک گولی دو میں تمہارے کمرے میں جا کر ذرا آرام کرتا ہوں۔"

سجاتا نے پلٹ کر میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ "تم میرے کمرے میں آرام کرو۔ میں اسپرو لاتی ہوں۔" سجاتا کے بیڈ روم میں آ کر میں اس کے پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ دونوں تکیئے میں نے اپنی گردن کے پیچھے دبا لئے تھے۔ سجاتا اسپرو کی گولی اور شیشے کے گلاس میں پانی لے کر آ گئی۔ میں نے گولی نگلی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ سجاتا اپنا منہ میرے قریب لا کر مسکرائی۔

"شکریہ کس بات کا؟" اور پھر خود ہی شرما کر پیچھے ہٹی اور بولی۔ "میں یہیں کافی لاتی ہوں۔ تم آرام کرو۔"

اس کے جاتے ہی میں الماری کی طرف بڑھا لیکن یہ دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکن رکتے رکتے رہ گئی کہ نسواری کوٹ وہاں نہیں تھا۔ جس کی جیب میں میں نے فلم ڈال تھی۔ پاگلوں کی طرح میں نے پوری الماری کے کپڑوں کی تلاشی لے ڈالی لیکن مجھے وہ کوٹ ملا نہ فلم۔ میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ مائیکرو فلم کا غائب ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ باہر فرش پر سجاتا کے جوتوں کی ٹک ٹک سنائی دی۔ میں نے جلدی سے الماری بند کی اور پلنگ پر آ کر نیم دراز ہو کر ہاتھ سے ماتھے کو دبانے لگا۔ دروازہ کھلا اور سجاتا ہاتھ میں خشک میووں سے بھری ہوئی طشتری لئے اندر داخل ہوئی۔ مجھے ماتھا دباتے ہوئے دیکھا تو فکر مند ہو کر بولی۔

"ابھی سر درد ٹھیک نہیں ہوا ڈیئر؟ لاؤ میں دبائے دیتی ہوں۔"

طشتری میز پر رکھ کر وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور اپنے نازک ہاتھوں۔ سے میرا سر دبانے لگی۔ میرے سر میں اس وقت درد کی بجائے صرف ایک ہی سوالیہ نشان بار بار خطرے کا الارم بجا رہا تھا کہ مائیکرو فلم والا کوٹ کہاں چلا گیا؟ میں نے سجاتا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اٹ او کے سجاتا ڈارلنگ کافی کہاں ہے؟" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

سجاتا بولی۔ "ابھی کافی لا رہی ہوں۔۔"

وہ باہر جانے لگی تو میں نے بازو پکڑ کر اسے کھینچ لیا۔ "سجاتا! کئی دنوں سے تم نے ساڑی کے ساتھ کوئی ہاف کوٹ نہیں پہنا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں۔ ہاف کوٹ میں تم مجھے بہت ہی حسین لگتی ہو۔"

سجاتا نے شرماتے ہوئے اپنا بازو کھینچ لیا۔ "تم بڑے نائی ہوئے جا رہے ہو۔ اچھا کل ہاف کوٹ پہن کر تمہارے ساتھ چائے پینے جاؤں گی۔ ارے ہاں۔ کل ہمیں الزبتھ ٹیلر کی فلم بھی تو دیکھنی ہے۔"

وہ جانے لگی تو میں الماری کی طرف بڑھا۔ "میں خود تمہارے لئے ہاف کوٹ منتخب کروں گا۔"

میں نے الماری کھول دی اور ہاتھ سے ہینگروں کو ادھر ادھر ہٹاتے ہوئے بولا۔ "سجاتا! تم نسواری رنگ کا ایک ہاف کوٹ پہنا کرتی ہو کبھی کبھی۔ مجھے یاد ہے میں نے وہ کوٹ ایک بار الماری میں ٹنگا دیکھا تھا۔ اب نظر نہیں آ رہا۔ تم کل وہی ہاف کوٹ پہن کر میرے ساتھ چلنا۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔" میں کپڑوں کو ادھر ادھر ہٹا رہا تھا۔

سجاتا نے آگے بڑھ کر الماری کو بند کر دیا اور میری طرف ایک تبسم کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر نیلا کوٹ پہن لوں تو کیسا لگے گا؟ نیلا کوٹ بھی بہت خوبصورت ہے۔"

"نہیں نہیں۔ میں تمہیں نسواری کوٹ میں دیکھنا پسند کروں گا۔ آخر تمہیں کیا اعتراض ہے وہ کوٹ پہننے میں؟"

سجاتا نے اپنے بالوں کو ایک جھٹکے سے کندھوں کے پیچھے کیا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "وہ کندھے سے ذرا ادھڑ گیا تھا۔ میں نے آج صبح ہی رفو کے لئے دیا ہے۔ پرسوں ملے گا۔ میں کافی لا رہی ہوں ڈیئر۔" اور وہ کمرے سے نکل گئی۔

ایک بار تو میرے پاؤں تلے سے واقعی کمرے کا فرش کھسک گیا۔ میں کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا۔ نسواری کوٹ رفو کرنے کے لئے سجاتا نے کسی رفوگر کو دے دیا تھا۔ ظاہر ہے مائیکرو فلم بھی کوٹ کے ساتھ ہی چلی گئی ہو گی۔ میں اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایک بار پھر میں نے سجاتا کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ الماری کے نیچے جھک کر دیکھا۔ مائیکرو فلم کہیں نہیں تھی۔ یقیناً کوٹ کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ سجاتا نے رفوگر کو کوٹ دیتے ہوئے اس کی جیبوں کی تلاشی نہیں لی تھی؟ اس سوال کا جواب مجھے سجاتا سے پوچھنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سجاتا کے قدموں کی آواز آئی تو میں جلدی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

"سجاتا! جینز اور جرسی میں تم بڑی پیاری لگتی ہو بائی گاڈ!"

دل میں سوچ رہا تھا کہ اس سے کیسے پوچھوں کہ اس نے کوٹ میں سے کوئی ایلومینیم کی گول ڈبیا تو نہیں نکالی تھی۔ مگر اس سے کیسے پوچھوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سجاتا کپ میں کافی ڈال رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے حواس کو معمول کے مطابق کیا۔ مجھے اب فوری عمل اور انتہائی دانشمندی کی ضرورت تھی۔ میں نے سجاتا کو تھینک یو کہتے ہوئے کپ اٹھا کر منہ کے ساتھ لگایا۔ ایک گھونٹ کافی کا پیا۔

"ارے سجاتا! مجھے تمہیں بتانا یاد ہی نہیں رہا۔ پچھلے دنوں میں نے اپنا سوٹ ڈرائی کلیننگ کے لئے دیا تو میرا بٹوہ بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا۔"

سجاتا کا ہاتھ اپنے کپ میں چمچ ہلاتے ہوئے رک گیا۔ "کیا مل گیا بٹوہ پھر؟"

میں نے سگار نکال کر منہ میں لے لیا۔ "بھگوان نے کرپا کر دی سجاتا۔ ڈرائی کلینرز نے سنبھال کر الگ رکھ لیا تھا۔ پیسے تو اس میں زیادہ نہیں تھے مگر میرے دفتر کا آئی ڈی کارڈ اس میں ضرور تھا اور تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہم انٹیلی جینس والوں کا آئی کارڈ گم جائے تو کیا مصیبت پڑ جاتی۔ میں تمہیں کیا مصیبت پڑ جاتی ہے۔ کیسی کیسی انکوائری شروع نہیں ہو جاتی۔ میں تمہیں بھی یہی کہوں گا کہ ڈرائی کلینرز کو جب بھی کپڑے دو ایک ایک جیب دیکھ لیا کرو۔ تم نے رفوگر کو جو کوٹ دیا تھا اس کی تلاشی لے لی تھی نا؟"

سجاتا نے ہونٹوں کو ذرا سا سکیڑا اور شرارت سے مسکرا کر بولی۔ "میں نے تو کوٹ کو ویسے ہی اٹھا کر رفو کرنے والے کو دے دیا تھا۔ بھگوان کے لئے ماتا جی کو نہ بتانا۔ وہ بڑی ناراض ہوں گی۔ تمہاری طرح وہ بھی مجھے یہی کہا کرتی ہیں کہ دھوبی کو کپڑے دیتے ہوئے جیبیں دیکھ لیا کرو۔ اچھا۔ اب تم تو مجھے نہیں ڈانٹو گے نا؟"

اب وہ رفوگر میرا ٹارگٹ تھا جسے سجاتا نے اپنا ہاف کوٹ رفو کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کمینے نے کوٹ کی ضرور تلاشی لی ہو گی۔ مائیکرو فلم کا اس نے کیا کیا ہو گیا؟ میں دل میں سوچنے لگا۔ ڈبیا بند تھی اور ایسے طریقے سے کھلتی تھی جو ہر آدمی کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے سجاتا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں ڈانٹ سکتا ڈیئر۔ تم تو میری ۔ ۔ ۔ دیو داسی ہو۔ اپسرا ہو۔"

باتیں میں سجاتا کی طرف دیکھ کر اس سے کر رہا تھا لیکن ذہن میں ایک طوفان برپا تھا۔ وہ رفوگر کون ہے؟ سجاتا نے صبح دفتر جاتے ہوئے رفوگر کو کوٹ دیا تھا۔ اس وقت تک خدا جانے مائیکرو فلم کے ساتھ کیا گزری ہو گی؟ وہ کہاں ہو گی؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ رفوگر نے مائیکرو فلم سنبھال کر سجاتا کے لئے رکھ لی ہو۔ وہ اس کے کسی کام کی نہیں تھی۔ آخر میں نے سجاتا سے کہا۔

"تم کون سے رفوگر کو کپڑے دیتی ہو؟ میں نے اپنا سوٹ جس رفوگر کو دیا تھا اس نے اچھا رفو نہیں کیا تھا۔"

سجاتا نے بتایا کہ جامع مسجد کے پیچھے ایک گلی میں عبدالرحمٰن رفوگر کی دکان ہے۔ ہمیشہ وہیں سے کپڑوں کو رفو کرواتی ہے۔ وہ عبدالرحمٰن کے خوبصورت کام کی تعریفیں کرنے لگی۔ "اتنا اچھا رفو کرتا ہے کہ کپڑا پھر سے نیا ہو جاتا ہے۔" میرے ذہن میں جامع مسجد کے عقب والی گلی اور عبدالرحمٰن کا نام جیسے نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ میں وہاں شام ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ تاکہ عبدالرحمٰن کی دکان نہ بند ہو جائے۔

میں نے کافی کا گھونٹ بھر کر پیالی میز پر رکھی۔ سگار ایش ٹرے میں بجھایا اور ایک دم سے اٹھتے

ہوئے کہا۔ " ارے مجھے تو آفس ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے ۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ مدراس سے ایک سینئر آفیسر آیا ہوا ہے ۔ مائی گاڈ۔ اچھا ہوا مجھے یاد آ گیا۔ "

سجاتا میری طرف دیکھتی ہی رہ گئی ۔ میں نے گاڑی سجاتا کی کوٹھی سے باہر نکالی اور اپنے آپ کو شدید عجلت میں ظاہر کرتے ہوئے سڑک پر آ گیا۔ میرا رخ دلی کی جامع مسجد کی طرف تھا۔

جامع مسجد کے عقب میں پہنچ کر میں نے ایک جگہ گاڑی پارک کی اور سامنے والی گلیوں کی طرف بڑھا۔ ایک پنواڑی سے میں نے عبدالرحمٰن رفوگر کے بارے میں پوچھا۔ تیسری دکان کے باہر عبدالرحمٰن رفوگر کا بورڈ لگا تھا۔ دکان کے تختے پر ایک لڑکا گھٹنے پر شال رکھے اسے رفو کر رہا تھا۔ میں نے دکان میں جھانک کر دیکھا ۔ اس لڑکے کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا۔ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ عبدالرحمٰن صاحب کہاں ہوں گے ؟ لڑکے نے میری طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا اور بولا۔

" وہ تو تھوڑی دیر ہوئی علی گڑھ ایک شادی پر گئے ہیں ۔ "

میں سر کھجاتے ہوئے لڑکے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے بڑی عاجزانہ سی شکل بنا کر اسے کہا۔ " بھائی ہمارے گھر سے صبح میری پتنی نسواری رنگ کا ایک لیڈیز ہاف کوٹ رفو کے لئے دے گئی تھی۔ اس کی جیب میں میرے بچے کا ایک کھلونا رہ گیا ہے ۔ چھوٹی سے ایلومینیم کی ایک گول سی ڈبیا ہے میرا بیٹا اس سے کھیلا کرتا تھا۔ وہ اسکول سے آیا تو رونے لگا کہ میرا کھلونا کہاں ہے ۔ پہلے تو ہمیں خیال ہی نہ آیا پھر میری پتنی نے کہا کہ اس نے اسے اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا تھا اور کوٹ عبدالرحمٰن صاحب کے ہاں چلا گیا ہے ۔ بھائی مجھے وہ ذرا کوٹ دکھا دو۔ نہیں تو میرا بیٹا رو رو کر برا حال کرے گا۔ " اس کے ساتھ ہی میں نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کے آگے رکھ دیا۔ " یہ تم مٹھائی کھا لینا۔ "

لڑکا بڑا خوش ہوا۔ نوٹ اٹھا کر اس نے اپنی گدی کے نیچے رکھ لیا اور اٹھتے ہوئے بولا۔ " کوٹ صبح ۔ ۔ ۔ والی گٹھڑی میں ہو گا۔ آپ خود دیکھ کر پہچان لیں ۔ "

دکان کے اندر سے وہ ایک ی اٹھا کر لے آیا۔ میں نے جلدی جلدی گٹھڑی کو کھولا۔ اس میں سوئیٹر اور گرم کوٹ بھرے ہوئے تھے ۔ میں نے انہیں ادھر ادھر کرتے ہوئے ٹٹولا تو مجھے سجاتا کا ہاف کوٹ نظر آ گیا۔ لرزتی ہوئی انگلیاں اس کی اندر والی جیب میں ہی ڈالی تھی میری انگلیاں ڈبیا کی ٹھنڈی سطح سے ٹکرائیں تو جیسے میرے تن مردہ میں جان پڑ گئی تھی یہ مائیکرو فلم ہی کی ڈبیا تھی۔ میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا

بھائی ! تمہارا شکریہ ۔ میرا بیٹا اسے پا کر بہت ہی خوش ہو گا۔ تمہیں نہیں معلوم۔ وہ اسے اپنا پیارا کھلونا سمجھتا ہے ۔ "

میں نے وہاں ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی سے نکل آیا۔

گھر پہنچا تو کملا ڈرائنگ روم کی ٹیبل پر سے چائے کا خالی کپ اٹھا رہی تھی ۔ مجھے دیکھتے ہی

نمسکار کرتے ہوئے بولی۔ "ایک بابو جی آپ سے ملنے آئے تھے۔ کہنے لگے میں ان کا دوست ہوں۔ میں نے چائے لا کر دی۔ ابھی ابھی گئے ہیں۔ کہہ گئے ہیں کہ ایک گھنٹے بعد آئیں گے۔"

میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ میں نے کبھی اپنے کسی دوست کو بغیر فون کئے گھر آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ کملا سے حلیہ پوچھا تو حلیہ شانتی کمار سے ملتا جلتا تھا۔ یہ کم بخت یہاں کیا لینے آیا تھا؟ میں نے دل میں سوچا اور کملا کو کہہ کر کہ میں باہر سے چائے پی آیا ہوں اپنے بیڈ روم میں گھس گیا۔ سب سے پہلے میں نے کپڑے تبدیل کئے اور قلم کو اپنی کھدر کی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب شانتی کمار کو میں زندہ واپس نہیں جانے دوں گا۔ عقبی کھڑکی سے ہو کر میں باہر لان میں پہنچا اور وہاں خفیہ جگہ سے ایک زہریلا سگار نکال لایا۔ باقی سگار میں نے وہیں چھوڑ دیئے تھے اب مسئلہ مائیکرو فلم چھپانے کا تھا۔ اچانک مجھے بیڈ روم کے باہر والے دروازے کے ساتھ مٹی کے اس پیالے کا خیال آگیا جہاں دن کے وقت ماتا جی بلیوں کے لئے دودھ ڈالا کرتی تھیں ان کی موت کے بعد یہ کام میری نوکرانی کملا نے جاری رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسی وقت میز کی دراز سے پلاسٹک کی خالی تھیلی نکال کر مائیکرو فلم کی ڈبیا کو اس میں لپٹا اور باہر نکل آیا۔ خوش قسمتی سے دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ میں نے اطمینان سے پیالہ ہٹا کر اس کے نیچے بھر بھری زمین کھودی اور مائیکرو فلم والی پلاسٹک کی تھیلی رکھ کر دوبارہ مٹی ڈال کر پیالے کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

ڈرائنگ روم میں واپس آکر کملا کو آواز دی۔ "آئی صاحب۔" کی آواز کے ساتھ کملا کچن سے ہاتھ صاف کرتی نکلی۔ میں ڈرائنگ روم کے کونے میں کھانے کی گول میز کی کرسی پر بیٹھ گیا اور کملا سے کہا۔ "چائے کا ایک کپ بنا کر لا دو کملا۔ مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ وہ اس بات سے بڑی خوش ہوتی تھی کہ میں اس کی چائے کو پسند کرتا ہوں۔

میرے کان برابر باہر لگے ہوئے تھے۔ شانتی کمار کسی بھی وقت آ سکتا تھا۔ میں اس انداز سے سوچنے لگا کہ اگر اس کے ساتھ پولیس ہوئی تو میرا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ مجھے فروختگی کے ساتھ اپنے باس کو فون کرنا ہوگا۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پھر خیال آیا کہ تیواڑی یقیناً ایسے وقت میری کال کبھی نہیں سنے گا۔ نوکر یا بیوی سے کہلوا دے گا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ میں اسی کش مکش میں تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی فون ڈرائنگ روم میں کونے والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا میں کیپٹن مہتہ سے بات کر سکتا ہوں؟"

آواز میں نے فوراً پہچان لی۔ شانتی کمار بول رہا تھا۔ اس نے یونہی فون نہیں کیا تھا۔ مجھے جال میں پھنسانے کا یہ کوئی خطرناک منصوبہ تھا۔

"میں کیپٹن مہتہ ہی بول رہا ہوں۔"

شانتی کمار نے خوش ہو کر کہا۔ "کیپٹن صاحب نمسکار۔ میں شانتی کمار بول رہا ہوں۔"

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

کہنے لگا۔ "ارے شریمان جی خدمت کے لئے ہم جو بیٹھے ہیں۔ آپ تو بڑے افسر ہیں۔ ہمیں سیوا بتا یئے کوئی۔ وہ بات یہ ہے کہ اس وقت میں سیوائے ہوٹل کے روم نمبر ۱۵ میں ہوں۔ کچھ غیر ملکی دوست آئے ہوئے تھے یہاں۔ وہ چلے گئے ہیں۔ آپ کی دلچسپی کا تمام سامان موجود ہے اگر تھوڑی دیر کے لئے آجائیں تو آپ سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی تھیں۔ کیا خیال ہے؟"

اس عیار شخص نے مجھ سے جو باتیں کرنی تھیں وہ میں سمجھ گیا تھا ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں میرے ذہن میں ایک خیال لہرا گیا۔ میں نے بروقت ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ فیصلہ ایک باقاعدہ پلان کے تحت کیا گیا تھا۔ اس پلان پر عمل کرتے ہوئے میں نے کہا۔ "سوری مسٹر شانتی کمار! اس وقت تو میرے بھی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ کل کا کوئی وقت رکھ لیں۔"

دوسری طرف ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ میں نے ہیلو کہا تو شانتی کمار کی آواز آئی۔ "کوئی بات نہیں کل شام سات بجے اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۵ میں آجایئے گا۔ میں نے دو دنوں کے لئے کمرہ بک کروایا تھا۔ غیر ملکی مہمان آج ہی واپس چلے گئے ہیں۔ بڑی پر سکون جگہ ہے یہاں بڑے آرام سے بیٹھ کر مشروبات کا لطف اٹھائیں گے اور کچھ باتیں بھی کر لیں گے۔"

میں نے جواب میں کہا۔ "او کے۔ میں کل شام سات بجے سیوائے ہوٹل پہنچ جاؤں گا۔"

دوسری طرف سے نمسکار کہنے کے بعد شانتی کمار نے فون بند کر دیا۔

میں نے ریسیور رکھا اور ڈرائنگ روم میں آگیا۔ کملا نے چائے میز پر لگا دی تھی۔ میں نے جلدی جلدی ایک کپ چائے حلق میں انڈیلا اور سر درد کا بہانہ کرتے ہوئے بیڈ روم میں گھس کر دروازے کی چٹخنی اندر سے لگا دی۔ کھدر کا کرتہ پاجامہ اتار کر نیلی تنگ پتلون کے اوپر کالے رنگ کی گرم جرسی پہنی۔ سر پر مفلر لپیٹا۔ زہریلے سگار کو پاکٹ میں رکھا اور بیڈ روم کی عقبی کھڑکی آہستہ سے کھول کر باہر نکل آیا۔ دیوار پھاند کر میں تیز تیز عقبی گلی سے گزر کر بازار میں نکل آیا اور فٹ پاتھ پر ریلوے برج کی طرف چلنے لگا۔ شروع رات کا وقت تھا۔ خالی اور بھری ہوئی ٹیکسیاں رکشے تھوڑی تھوڑی دیر بعد گزر جاتے تھے۔ میں نے ایک خالی رکشے کو ہاتھ دے کر روکا۔ اس میں بیٹھا اور اسے شیواجی پارک کی طرف چلنے کو کہا۔ سیوائے ہوٹل شیواجی پارک کی دوسری جانب نئی دلی سے چاندنی چوک جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ یہ چار منزلہ نو تعمیر فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔

سیوائے ہوٹل سے تھوڑے فاصلے پر میں نے رکشا چھوڑ دیا۔ مفلر سر پر سے اتار کر اسے گلے کے گرد اس طرح لپیٹا کہ میرا آدھا چہرہ اس میں چھپ گیا۔ ہوٹل کی لابی کے آگے پورچ میں ایک گاڑی آکر کھڑی ہوئی جس میں سے کچھ عورتیں اور مرد باہر نکلے۔ ان میں دلہن اور دلہا بھی تھے۔ وہ شادی کرنے یا شادی کرنے کے بعد ہوٹل آئے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ ہی ہوٹل کی لابی سے گزر

کر کاریڈور میں آ گیا۔ وہاں ایک سے پچاس تک کمرے شروع ہوتے تھے۔ کاریڈور میں نیم روشنی تھی۔ پندرہ نمبر کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے امید و بیم کے عالم میں دروازے پر آہستہ سے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ بند کمرے سے مجھے گھنٹی کی دھیمی مترنم آواز سنائی دی۔ پھر کلک سے دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے شانتی کمار کھڑا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔

"نمسکار مسٹر کمار۔ مجھے خیال آیا کہ آپ سے مل ہی لوں تو اچھا ہے۔ مہمان بھی جلدی چلے گئے۔"

شانتی کمار بھی خوش ہوا۔ اس کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے بلی چوہے کو اپنے جال میں آتے دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ اب میں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ وہاں دوسرا کوئی آدمی نہ ہو۔ لیکن کمرہ خالی تھا۔ بیڈ پر شانتی کمار کا بریف کیس کھلا پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے بریف کیس بند کر دیا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

بڑی کرپا کی کیپٹن مہتہ جو آ گئے۔ ویسے مجھے اب آشا نہیں تھی کہ آپ آئیں گے۔ میں بس جانے ہی والا تھا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر سروس والوں کو چائے کے لئے کہنے ہی لگا تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "پلیز مسٹر کمار میں تین پیالے کافی کے پی کر آ رہا ہوں اس وقت چائے یا کافی کو بالکل جی نہیں چاہ رہا۔ بس آپ سے صرف باتیں کرنے آیا ہوں۔"

شانتی کمار نے ریسیور نیچے رکھ دیا۔ میں اس کے بیڈ کے سامنے صوفے میں بیٹھا موسم کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے کوٹ اتار کر بیڈ پر ڈالا اور میرے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

میں نے صوفے پر آگے کو جھک کر مسٹر کمار سے پوچھا۔ "فرمایئے آپ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتے تھے۔ میں اس لئے بھی مہمانوں کے جاتے ہی آ گیا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی اہم دفتری معاملے پر کوئی بات کرنی ہو۔"

شانتی کمار بڑی تیز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔ وہ بھی میری طرف جھک آیا۔ مجھے اس کی آنکھوں کی چمک میں انتہائی خطرناک عزائم کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے دھیمی مگر پُر اعتماد آواز میں بولا۔

"کیپٹن! دلی میں تمہارے خاندان کی بڑی عزت ہے۔ تمہارے سمدھیوں کی بھی فائل صاف ہے۔ سجاتا سے تمہارا بیاہ ہونے والا ہے۔ تمہارا سارا مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ تم ابھی جوان ہو۔ اعلیٰ سرکاری عہدے پر لگے ہوئے ہو۔ تمہیں آگے بھی ترقی کرنی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے یہ اچھی بات ہے کہ تم اپنے لئے سجاتا کے لئے اور اپنے خاندان کے لئے گڑھا کھود دو؟"

وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا مجھے معلوم تھا۔ ایک بات کی مجھے بے حد تسلی ہو گئی تھی کہ اسے میرے

مسلمان ہونے کا علم نہیں تھا۔ اب میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ میری خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں وہ کس حد تک واقف ہے۔ کہیں اس کی واقفیت خطرناک حدوں کو تو نہیں چھو رہی؟ میں نے اپنے چہرے پر تھوڑا سا تجسس طاری کرتے ہوئے پوچھا۔

" مسٹر کمار! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ پلیز صاف صاف کہیئے ۔ آپ نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

اس نے پیچھے ہٹ کر اپنی پشت صوفے کے ساتھ لگا دی اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا لیکن پھر اس کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ آنکھیں مزید چمک اٹھی پھر اس نے ایک سیدھی اور صاف بات کہہ دی کہ میں غیر شعوری طور پر اپنی جگہ پر سمٹ گیا۔

وہ بولا۔ " کیپٹن! اگر تم مجھے اعتماد میں لیتے ہوئے مائیکرو فلم میرے حوالے کر دو تو میں تمہارے مستقبل اور تمہارے خاندان کی عزت کو بچا سکتا ہوں۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

' معاملہ خطرناک حد تک پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ ان لوگوں کے پاس میرے خلاف کوئی تحریری یا واضح ثبوت نہیں تھا اس کے باوجود شانتی کمار کے عزائم خطرناک تھے۔ میرے باس کو بھی مجھ پر شک تھا۔ اس نے باقاعدہ میرے پیچھے سی آئی ڈی کے آدمی لگا رکھے تھے مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھا تھا اور بڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس مجھے ہتھکڑی لگانے کے لئے کوئی ثبوت نہیں تھا۔ میں اس کے کسی بھی ایسے اقدام ۔۔۔ کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر کے اس کے لئے مصیبت پیدا کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خاموش تھا لیکن اس نے شانتی کمار کو آگے کر دیا تھا جس کے ارادے جارحانہ اور خطرناک تھے ۔ نہ مجھے اپنے طور پر زیر حراست لے کر میرے خلاف انکوائری شروع کروا سکتا تھا۔ میں اس کے خلاف اگر ہائی کورٹ میں رٹ بھی کرتا ہوں تو اس کی حیثیت پر زیادہ اثر نہیں پڑ سکتا تھا لیکن میں بلیک لسٹ ہو کر معطل کر دیا جاتا اور میرے خلاف خفیہ انکوائری بھی شروع ہو سکتی تھی۔ میرے تمام اندازے اور خدشے درست نکلے تھے۔

میں نے تعجب سے پوچھا۔ " مسٹر کمار! میں سمجھا نہیں کہ آپ کس مائیکرو فلم کی بات کر رہے ہیں۔"

شانتی کمار صوفے سے اٹھ کر قالین پر ٹہلنے لگا۔ پھر ٹیبل لیمپ کے پاس جا کر رک گیا۔ میری طرف گہری نگاہ ڈالی اور بولا۔ " کیپٹن مہتہ! ہمارے پاس اس سلسلے میں پورے ثبوت موجود ہیں کہ تمہارا تعلق پاکستان کے ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو خطرناک ایجنٹ ہیں۔ ہم نے ایسے دو آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا ہے جنہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تم ان کے لیڈر ہو اور انہوں نے ملٹری اسپتال میں سے مائیکرو فلم اٹھا کر تمہارے حوالے کی تھی۔"

شانتی کمار نے اندھی چال چلی تھی۔ اس سے زیادہ مجھے معلوم تھا کہ انٹیلی جینس نے ابھی

تک ہمارے کسی آدمی کو گرفتار نہیں کیا۔ میں نے حملہ کرنے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ شانتی کمار نے اپنے موت کے پروانے پر خود ہی دستخط کر دیئے تھے۔ مجھ پر جو بظاہر سنگین الزام لگایا گیا تھا اس کے جواب میں میرا فرض بنتا تھا کہ میں شدید رد عمل کا اظہار کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک دم سے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر غیظ و غضب کے تاثرات پیدا کئے اور قدرے گونج دار آواز میں بولا۔

"مسٹر کمار! شاید آپ نہیں جانتے کہ آپ کس پر کیا الزام لگا رہے ہیں۔ میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھ پر لگایا ہوا الزام واپس لیں اور مجھ سے معذرت طلب کریں۔ ورنہ میں آپ کو عدالت میں طلب کروں گا۔

وہ ایک منجھا ہوا انٹیلی جینس آفیسر تھا اور ہر قسم کے حالات میں اپنے حواس کو مجتمع رکھنے میں مہارت رکھتا تھا۔ میں نے اس کے چہرے سے پڑھ لیا تھا کہ اس کے پاس ثبوت کوئی نہیں ہے اور وہ اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے۔ شانتی کمار ٹیبل لیمپ اسٹینڈ سے ہٹ کر اپنے والے صوفے کے عقب میں آ گیا اور اس کی پشت پر دونوں ہتھیلیاں ٹکا کر قدرے جھک کر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"کیپٹن! میں ایک بار پھر تمہیں مکمل تحفظ کا یقین دلاتا ہوں۔ اگر تم مائیکرو فلم میرے حوالے کر دو یا یہ بتا دو کہ وہ تمہارے کس ساتھی کے پاس ہے تو یہ معاملہ یہیں دبا دیا جائے گا اور تمہارے قصور کو حماقت سمجھ کر معاف بھی کر دیا جائے گا۔"

حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنا سر جھکا دیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ میں اس کی پیش کش پر غور کر رہا ہوں۔ میں صوفے پر بے دلی سے بیٹھ گیا۔ مجھے اس معذرت خواہانہ حالت میں دیکھ کر شانتی کمار کو شہ ملی۔ وہ بھی میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"کیپٹن مہتہ! پیسہ انسان کی کمزوری ہوتا ہے اور پھر آج کے زمانے میں اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ تمہیں بیاہ بھی کرنا ہے۔ اپنی حیثیت کو بھی برقرار رکھنا ہے۔ میں جانتا ہوں تم رشوت بھی نہیں لیتے۔ تم دولت کے لالچ میں پاکستانی ایجنٹوں کے جھانسے میں آ گئے تھے۔ میں تمہاری حمایت میں ایسا نوٹ لکھوں گا کہ محکمہ تمہیں معاف کر دے گا۔ یہ بات بھی تمہارے حق میں جائے گی کہ تم مائیکرو فلم محکمے کے حوالے کرتے ہوئے ہمیں ان پاکستانی جاسوسوں کے نام پتے بھی بتا دو گے جو بھارت میں رہ کر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔"

شانتی کمار کی خوش فہمیوں پر میں دل میں ہنس دیا۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور شانتی کمار کی طرف دیکھا۔ میں زبان سے اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ عین ممکن تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ مائیکروفون لگا ہو میرے اعتراف کا بیان ریکارڈ ہو سکتا تھا اور وہ میرے خلاف سب

سے بڑا ثبوت ہوتا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "مسٹر کمار! مجھ پر ایک ایسا الزام لگایا گیا ہے کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

شانتی کمار نے ایک بار پھر اپنی باتوں سے مجھے "راہ راست" پر لانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے دوسری بار گہری سانس لی اور جیب سے سگاروں کا پیکٹ نکالا اور اضطراب کی اداکاری کرتے ہوئے زہریلا سگار نکال کر سلگا لیا۔ وہ اپنے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان کے ساتھ مجھے سمجھا رہا تھا کہ میری بہتری اسی میں ہے کہ میں اعتراف کر لوں اور مائیکرو فلم جہاں کہیں بھی ہے اسے بتا دوں۔ میں نے سگار کا دوسرا کش لگایا اور دانتوں سے اپنی انگلی کے ناخن کاٹنے لگا پھر تیسرا کش لگایا اور شانتی کمار کی طرف جھک گیا تاکہ فاصلہ کم رہے۔

میں نے کہا۔ "مسٹر کمار! آپ کے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ میں بھارت ورش کا سیوک ہوں ۔۔۔" اور اس کے ساتھ ہی سگار اپنی انگلیوں میں لے کر اس کا رخ ۔۔۔ شانتی کمار کی طرف کرتے ہوئے اسے درمیان میں سے دبا دیا۔ سگار میں سے زہریلی پھوار ضرور نکلی مگر وہ شانتی کمار کے چہرے تک پہنچنے کی بجائے اس کی واسکٹ پر جا کر پڑی۔

بجلی کی چمک ایسی تیزی سے وہ سمجھ گیا کہ میں نے اس پر وار کیا ہے۔ اس نے ایک جھٹکے میں اپنی واسکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں ضرور اس کا پستول تھا۔ اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر میں نے اسی آن سے درمیان والی چھوٹی کافی ٹیبل اس پر الٹا دی اور اس کے ساتھ ہی چھلانگ لگا کر شانتی کمار کی گردن کو اپنے آہنی پنجوں میں جکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ صوفہ پیچھے کو گر پڑا۔ اسے وہیں دبوچے ہوئے میں نے اوپر تلے چھ سات زبردست جھٹکے دیئے۔ شانتی کمار کی گردن ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ منکا خدا جانے کتنی جگہوں سے ٹوٹا تھا۔ میں نے جیب سے رومال نکالا کر اس کی گردن اور دوسری جگہوں پر سے اپنے ہاتھوں کے نشانوں کو رگڑ کر صاف کیا اور باہر نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں اپنی جگہ پر ایک پل کے لئے ساکت ہو گیا۔ ریسیور اٹھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کھڑکی کے پاس جا کر بھاری پردے کو ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ پیچھے ہوٹل ہی کا لان تھا جس کے آخر میں گاڑیوں کی قطاریں کھڑی تھیں اس امر کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ اس سیکرٹ آفیسر کے دو ایک خفیہ محافظ ضرور باہر کھڑے ہوں گے۔ وہ اس کھڑکی کی طرف بھی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے پردے کو چھوڑ دیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی تھوڑی دیر بجنے کے بعد بند ہو گئی تھی۔ جیب سے رومال نکال کر میں نے دروازے کے گول ہینڈل کو آہستہ سے ایک طرف گھمایا اور دروازہ کھول کر کاریڈور میں آ گیا۔ خوش قسمتی سے وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ہوٹل سے باہر کھڑا تھا۔ مینگ راستے میں سی

نے روکا نہیں تھا۔

میرے بنگلے پر خاموشی تھی۔ میں دوڑ کر اپنے بیڈ روم والی کھڑکی کے پاس آیا اور دوسرے لمحے میں بیڈ روم میں تھا۔ کھڑکی کو بند کر کے چٹخنی لگائی اور کپڑے تبدیل کرنے لگا تو مجھے زہریلے سگار کو میں نے کپڑوں کی الماری کے کونے میں پھینک دیا۔ بھوک لگ رہی تھی کچن میں آکر میں نے تھالی میں ڈبے سے چاول اور دال نکال کر ڈالی۔ وہیں کھڑے کھڑے اسے پیٹ میں ڈالا اور ہاتھ صاف کر کے بیڈ روم میں آگیا۔ رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ میں نے سگار سلگا کر پلنگ پر نیم دراز ہو کر ہندی کا فلمی رسالہ پڑھنے لگا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں آکر فون اٹھا لیا۔ ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہا تو دوسری طرف سے مسز تیواڑی کی آواز آئی۔

"کیپٹن مہتہ! میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

میں جانتا تھا اس نے کس لئے فون کیا ہے شانتی کمار کی لاش مل چکی تھی۔ میں نے انہیں نمسکار کرنے کے بعد کہا۔ "نہیں سر! بالکل ڈسٹرب نہیں کیا۔ میں تو ابھی جاگ رہا ہوں۔ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں ان سے باتیں کر رہا تھا۔" مہمانوں کا ذکر میں نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ اس سے پہلے جب شانتی کمار کا فون آیا تھا تو میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں اس لئے نہیں آسکتا۔ اگر میرا فون ٹیپ ہو رہا تھا تو بات کو اب یقین ہو جانا چاہئے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا اور میں دفتر سے آنے کے بعد سے اب تک اپنے گھر پر ہی ہوں۔

مسز تیواڑی کہنے لگا۔ "میں نے تمہیں اس لئے فون کیا تھا کہ مجھے راجا رام گائکواڑ کا گھر کا نمبر نہیں مل رہا۔ سوچا شاید تمہیں معلوم ہو۔"

راجا رام گائیکواڑ ہمارے آفس کا ہیڈ کلرک تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تیواڑی کو اس کے گھر کا نمبر معلوم نہ ہو۔ مجھے یاد تھا۔ میں نے فوراً بتا دیا۔ باس نے شکریہ ادا کیا اور فون بند کر دیا۔ اس نے صرف یہ دیکھنے کے لئے فون کیا تھا کہ وہ یہ جان سکے کہ میں شانتی کمار کی موت کے وقت گھر پر ہوں یا نہیں، شانتی کمار کی موت اگر زہریلے سگار سے ہوتی تو یہی سمجھا جاتا کہ اسے دل کا دورہ پڑا ہے مگر اس کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ یہ قتل تھا اور کسی نے سیوائے ہوٹل کے کمرے میں آکر اسے قتل کیا تھا۔

دوسرے روز اخباروں میں بھی یہی خبر چھپی کہ سیوائے ہوٹل میں انٹیلی جینس کے ایک آفیسر کو کسی نامعلوم قاتل نے ہلاک کر دیا۔ اس قتل پر میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ دفتر آتے ہی سیدھا باس کے کمرے میں گیا۔ نمسکار کرنے کے بعد شانتی کمار کے قتل پر اخبار کی خبر کے حوالے سے بات کی اور افسوس کا اظہار کیا۔ شانتی کمار کو ہم دونوں جانتے تھے۔ باس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت تھا۔ بظاہر وہ ان امکانات کا اظہار کرنے لگا کہ یہ قتل کسی پرانی دشمنی کی بنا پر کیا گیا ہے۔ میں بالکل انجان بن گیا جیسے میں شانتی کمار کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔

"سر! مسٹر کمار بڑے اچھے آدمی تھے۔ دو ایک بار آپ کے کمرے میں ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی مگر میں ان کے سبھاؤ سے بڑا پربھاوت ہوا تھا۔"

دو ایک منٹ ان کے ساتھ افسوس کرنے کے بعد میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ تیواڑی کے بشرے سے میں یہی اندازہ لگا سکا کہ وہ قتل کی وجہ اور قاتل کو جان گیا ہے مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ باس کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ اس سے پہلے بھی ملٹری انٹیلی جنس کے کچھ آدمی مسٹر نندن سمیت پراسرار حالات میں اگلی دنیا میں پہنچا دیئے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ تیواڑی کو اب اپنی فکر پڑ گئی ہو۔

گزشتہ رات میں نے احتیاط کے طور پر پاکستان اپنے باس سے رابطہ قائم نہ کیا لیکن آج میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ رات وائرلیس پر اپنے باس سے بات ضرور کروں گا لیکن میں اپنے بنگلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شام کو حسب معمول گھر پہنچا۔ کملا نے مجھے چائے پلائی اور پھر رات کا کھانا کھلانے کے بعد وہ معمول کے مطابق چلی گئی میں نے اندھیرا مزید گہرا ہونے کا انتظار کیا اور پھر خفیہ جگہ سے ٹرانسمیٹر نکال لایا۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنی گاڑی میں بیٹھا قطب صاحب کی لاٹھ کی طرف جا رہا تھا۔ رات کے سوا نو بجے تھے۔ میں دس بجے کے بعد کسی بھی وقت پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ قطب صاحب کی لاٹھ وہاں سے کافی دور تھی۔ میں گاڑی بھی بڑے اطمینان سے چلا رہا تھا۔ ریڈیو ٹرانسمیٹر میری گاڑی کے ڈیش بورڈ میں پڑا تھا۔ ہنگامی حالات میں میں اسے ایک سیکنڈ میں گاڑی سے باہر کسی بھی طرف اندھیرے میں پھینک سکتا تھا۔ قطب صاحب تک پہنچتے پہنچتے پونے دس بج گئے۔ قطب صاحب اب ایک پک نک سینٹر ہے۔ وہاں چاروں طرف خوشنما باغ ہیں۔ اسنیک بار ہیں جہاں لوگ اپنی گاڑیوں میں ہی بیٹھ کر چائے' کافی اور پوری کچوریوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ یہاں دلی کے مسلمانوں کے کباب پراٹھوں کے اسٹال سے کچوریاں اور کافی منگوائی اور گاڑی میں بیٹھ کر کھانے لگا۔ گاڑی میں نے ایک الگ جگہ پر کھڑی کی تھی تاکہ کوئی اور میری طرف متوجہ نہ ہو۔

ٹھیک سوا دس بجے میں نے ڈیش بورڈ میں سے ریڈیو ٹرانسمیٹر نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ایک بار پھر باہر نگاہ ڈالی۔ جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے خاص فریکوئنسی ملائی۔ چند ثانیوں بعد ہی دوسری طرف سے باس کی آواز سنائی دی۔ میں نے آہستہ سے اپنا کوڈ ورڈ دہرایا باس نے مرموز الفاظ میں مختصراً پوچھا۔ کیا بنا؟ میں نے بھی کوڈ ورڈز میں کہا کہ مائیکرو فلم میرے پاس موجود ہے۔ باس نے فوراً کہا۔ کل چار بجے کے بعد ایک آدمی ٹیلی فون والوں کی وردی میں تمہارے بنگلے میں ٹیلی فون ٹھیک کرنے آئے گا۔ اسے مائیکرو فلم دے دینا۔ باس نے مجھے اس کا کوڈ ورڈ بھی بتا دیا۔ "اگلے مشن کے لئے تیار ہو جاؤ۔" میں نے اس نئے مشن کے بارے میں کچھ پوچھنا

چاہا تو باس نے یہ کہہ کر سگنل بند کر دیئے کہ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں نے بھی ریڈیو ٹرانسمیٹر بند کر کے ڈیش بورڈ میں رکھ دیا۔"

باس نے مجھے ٹیلی فون مکینک کی شکل بالکل نہیں بتائی تھی۔ اس کا کوڈ ورڈ ایک جملہ تھا جو اس نے میرے بنگلے میں آکر مجھے کہنا تھا۔ جملہ یہ تھا۔ "شیواجی مرہٹہ کا فون نمبر کیا ہے؟" اور اس کے جواب میں مجھے کہنا تھا۔ "شیواجی مرہٹہ کا فون کٹ گیا ہے۔" میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

بنگلے میں آکر گاڑی گیراج میں کھڑی کی اور کمرے کی طرف بڑھا۔ نیپالی چوکیدار گیٹ کے سامنے ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔ اس نے مجھے آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر نمسکار کیا۔ میں نے پوچھا کوئی آیا تو نہیں تھا۔ کہنے لگا "جی! سجا تا جی کا دوبار فون آیا تھا۔" میں دل میں جہنم میں جائے سجا تا جی کہتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اندر سے دروازہ بولٹ کیا اور ڈرائنگ روم کی بتی بجھا کر بیڈ روم میں آکر کپڑے بدلنے لگا۔ ٹرانسمیٹر کو میں نے اس کی مخصوص جگہ پر پہنچا دیا اور پھر آکر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اس رات مجھے سکون کی نیند آئی تھی۔

دوسرے روز صبح صبح سجاتا کا فون آ گیا۔ کہنے لگی کل شام تم کہاں تھے؟ میں نے دوبار فون کیا تمہیں۔ میں جانتا تھا کہ میرا فون ٹیپ کیا جا رہا ہے۔ میرا یہ جملہ ٹیپ پر ریکارڈ نہیں ہونا چاہئے تھا کہ میں کل شام گھر پر نہیں تھا میں نے فوراً کہا۔

"آئی ایم سوری سجاتا! کچھ مہمان آ گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میرا سر درد کرنے لگا تھا میں سلیپنگ پلز کھا کر ایسا سویا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آنکھ کھلی ہے۔"

سجاتا نے میری صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا اور شام کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ مجھے شام کو کہیں باہر جانا تو نہیں تھا۔ ایجنٹ کو چار بجے خود ہی مائیکرو فلم لینے میرے ہاں آنا تھا۔ میں نے سجاتا سے کہہ دیا کہ چھ بجے کے بعد آؤں گا۔ دفتر معمول کے مطابق گیا لیکن سر درد کا بہانہ بنا کر تین بجے ہی بنگلے پر واپس آ گیا۔ چار بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ گیٹ کے باہر ایک آدمی سائیکل لئے کھڑا تھا۔ اس نے ٹیلی فون کے محکمے والوں کی خاکی وردی پہن رکھی تھی۔ ایک ریسیور تار کے ساتھ کندھے پر لٹک رہا تھا۔ میں نے خود جا کر دروازہ کھولا۔ ٹیلی فون

نے جیب سے کاغذ نکال کر کہا۔

"سر! آپ نے ٹیلی فون خراب ہونے کی شکایت درج کرائی تھی؟"

"ہاں ہاں اندر آجاؤ۔ یہ کہہ کر میں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔

ٹیلی فون مکینک نے سائیکل برآمدے میں کھڑی کی اور ڈرائنگ روم میں آتے ہی بولا۔" سر فون کہاں ہے آپ کا سر؟"

میں نے اسے پہچاننے میں دیر نہیں لگائی وہ وہی شخص تھا جس نے مجذوب کے بھیس میں مجھے جامع مسجد کے سامنے والی گراؤنڈ میں... پستول اور ریڈیو ٹرانسمیٹر دیا تھا۔ وہ کونے میں پڑے ہوئے ٹیلی فون کی طرف گیا۔ ٹیلی فون کے تار پیچھے سے کھینچ کھینچ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"شیواجی مرہٹہ کا فون نمبر کیا ہے؟"

میں اس کوڈ جملے کا منتظر تھا۔ میں نے فوراً جواب دیا" شیواجی مرہٹہ کا فون کٹ ہو گیا ہے۔"

اس پر ٹیلی فون مکینک نے آہستہ سے کہا۔" تمہارے مکان کے سے باہر ایک مشکوک آدمی کو میں نے چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا۔ مائیکرو فلم کہاں؟"

میں نے جلدی سے جا کر دودھ والا پیالہ اٹھایا اور مائیکروفلم لا کر اس کے حوالے کر دی۔

"جس آدمی کو تم نے باہر دیکھا ہے اس کا حلیہ کیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

" حلیئے بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت جوگی کے بھیس میں ہے۔" اس نے مائیکرو فلم اس ریسیور کے ماؤتھ پیس کے اندر چھپالی جو اس نے تار کے ذریعے اپنے کاندھے پر لٹکایا ہوا تھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

اگلا سارا دن فلم کے بارے میں سوچتے گزرا' اللہ جانے وہ پاکستان پہنچی بھی تھی یا نہیں رات کو بے قرار ہو کر میں نے ٹرانسمیٹر نکالا اور چوکیدار کو کہا کہ میں سجاتا کے ہاں جا رہا ہوں۔ اسے بتانا ضروری نہیں لیکن میں اپنا ایک گواہ چھوڑنا چاہتا تھا لیکن سجاتا کے گھر جانے کی بجائے گاندھی پارک میں آگیا۔ ایک اندھیرے کونے میں' میں نے گاڑی کھڑی کی اور ٹرانسمیٹر نکال کر باس سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

باس نے مجھے مبارک باد دیتے ہوئے جب بتایا کہ مائیکرو فلم اس کے پاس پہنچ گئی ہے تو میری جان میں جان آئی۔ یہ مائیکرو فلم کیسے اور کس کے ذریعے پاکستان پہنچی تھی اس کے بارے میں مجھے معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

باس نے مجھے کچھ زیادہ دیر سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ کہہ رہا تھا" نئے مشن کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتوار کے دن صبح نو بجے تمہیں نہرو گارڈن کے عقبی دروازے کے پاس نیم کے پیڑ تلے ایک سادھو مینا کا پنجرہ لئے اپنے سامنے قسمت کے لفافے پھیلائے لوگوں کو فال بتاتے ملے گا۔ وہ اپنا آدمی ہو گا۔ تم اس

سے پوچھو گے کہ آج گھاس کیوں نہیں پکائی ؟ وہ جواب میں کہے گا۔ گھاس چور لے گئے ہیں۔ اس کے بعد مشن کی تفصیلات تمہیں وہی بتائے گا۔ اب تمہیں بتانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

باس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ریڈیو ٹرانسمیٹر سیٹ کے نیچے چھپانے کے بعد میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور واپس اپنے بنگلے پر آگیا۔

اتوار میں ابھی ایک روز باقی تھا۔ دوسرے دن ہفتہ تھا۔ ہفتے کی شام میں نے سجاتا کے ساتھ الزبتھ ٹیلر کی فلم دیکھ کر گزاری۔ کھانا بھی اس کے ساتھ کھایا۔ گیارہ بجے رات' میں اس کے ہاں سے آیا۔

دوسرے دن اتوار کی چھٹی تھی۔ مجھے نو بجے صبح نہرو گارڈن اپنے ایجنٹ سے ملنے جانا تھا۔ آٹھ بجے تک میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو گیا۔ ساڑھے آٹھ بجے گاڑی میں بیٹھا اور نہرو گارڈن کی طرف رخ کیا۔ میں نے احتیاط کے طور پر اپنے ساتھ بجھا ہوا زہریلا سگار رکھ لیا تھا۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے نہرو گارڈن میں صبح ہی سے کافی رونق تھی۔ بچوں کا کافی رش تھا۔ گاڑی مین گیٹ کے پاس کھڑی کر کے میں ٹہلتا ہوا اس نیم کے پیڑ کی طرف بڑھ گیا جس کے نیچے فال نکالنے والا مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سامنے قسمت کے لفافے پڑے تھے۔ بانس کے پنجرے میں ایک مینا بند تھی۔ سادھو چلم پی رہا تھا ایک عورت اس کے پاس بیٹھی تھی وہ اٹھی تو میں نے سادھو کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے غور سے دیکھا یہ ٹیلی فون مکینک ہی تھا اس وقت اس نے چہرے پر سیندور مل رکھا تھا اور گیروے کپڑوں کے اوپر کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا مگر کیا مجال ہے کہ اس کے چہرے سے ذرا ظاہر ہو کہ وہ مجھے جانتا ہے مشینی انداز میں بولا۔

" بچہ! بھاگ کی ریکھا میں کیا لکھا ہے میری مینا بتائے گی۔ ایک روپے کی دکھشنا یہاں رکھ دے۔

میں نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر دیا۔ ساتھ ہی کہا۔" آج گھاس کیوں نہیں پکائی ؟" سادھو نے مینا کو پنجرے سے نکالتے ہوئے کہا۔" گھاس چور لے گئے ہیں۔"

میں خاموش رہا۔ سادھو نے مینا کو چھوڑ دیا۔ مینا نے ایک لفافے کو چونچ سے اٹھایا اور سادھو کے زانو پر رکھ دیا۔ سادھو نے لفافہ کھول کر خستہ قسم کا کاغذ نکالا جس پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ سادھو نے اس کاغذ کو سامنے رکھ کر اس پر آنکھیں جماتے ہوئے بولا۔

" میں تمہارے بنگلے کا پورا جائزہ لے چکا ہوں۔ تمہارے ایک کمرے کی کھڑکی پچھواڑے کے صحن میں کھلتی ہے۔ آج رات اس کھڑکی کو اندر چٹخنی مت لگانا۔ میں ایک بجے کے بعد اس کھڑکی سے تمہارے پاس آؤں گا۔ باقی ساری باتیں وہیں ہوں گی۔ اب تم واپس چلے جاؤ۔" اتنا کہہ کر سادھو نے بازو بلند کیا اور بولا۔" تو قسمت کا دھنی ہے جا تیرا کلیان ہو گا۔ اوم نمشوائے۔ اوم نمشوائے۔" میں نے سادھو کو پرنام کیا اور سگار کے کش لگاتا باغ کے اندر چلا آیا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر

سیر کرتا پھرا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر سجاتا کی طرف چل دیا وہ مجھے دیکھ کے بہت خوش ہوئی۔ ہم سب یعنی میں، سجاتا اور اسکے دونوں بھائی تاش وغیرہ کھیلنے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد میں وہیں بیٹھا ٹی وی پروگرام دیکھتا رہا۔ شام کی چائے پی کر واپس اپنے بنگلے پر آ گیا۔ کھانا دے کر کملا حسب معمول چلی گئی تو میں بنگلے میں اکیلا رہ گیا۔ گیارہ بجے تک میں دوردرشن کے ٹی وی پروگرام دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ڈرائنگ روم بند کر کے اس کی بتی بجھائی اور بیڈ روم میں آ گیا۔ ساڑھے بارہ بجے تک پلنگ پر لیٹا کتاب وغیرہ پڑھتا رہا۔ پونے ایک بجے میں نے تیز روشنی بجھا کر زیرو کا بلب جلا دیا اور کھڑکی کو ذرا سا کھول کر باہر دیکھنے لگا۔ مجھے ایک انسانی سایہ اپنے بنگلے کی باڑھ کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ میں اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا۔ انسانی سایہ دیوار کے پاس آ کر رک گیا پھر وہ باڑھ پھلانگ کر بنگلے کے لان میں آیا اور تیز تیز قدموں سے میرے بیڈ روم کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ میں کھڑکی سے پیچھے ہٹ گیا۔ آنے والا کود کر اندر آ گیا۔ اس نے کھڑکی بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ جب وہ میری طرف متوجہ ہوا تو مدھم روشنی میں میں نے اسکو پہچان لیا یہ وہی فال نکالنے والا سادھو تھا وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے تھرماس سے چائے کے دو پیالے نکال کر اسے تھما دیا۔

"تھینک یو! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم ملٹری انٹیلی جینس کی مسلسل نگرانی میں ہو؟" وہ چند ثانیے رک کر دوبارہ گویا ہوا۔

بھارتی حکومت ہماچل پردیش کی چمبا وادی کی پہاڑیوں میں ایک بہت بڑا ڈیم بنا رہی ہے جس کے آبی ذخیرے میں پہلے یہ طے ہوا تھا کہ دریائے جہلم کا پانی ڈالا جائے گا۔ اس بارے میں بھارت اور پاکستان کے درمیان بین الاقوامی سطح پر ایک معاہدہ بھی طے پایا تھا لیکن اب مصدقہ خفیہ رپورٹ کے مطابق بھارتی حکومت دریائے چناب کا پانی بھی اس زبردست ڈیم کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ پاکستان کے احتجاج کے باوجود بھارت نے دریائے چناب کا رخ ڈیم کی طرف موڑنے کے لئے ایک بہت بڑی نہر کھود لی ہے۔ یہ ڈیم کئی سالوں سے زیر تعمیر ہے اور اسکی تین سرنگیں تیار ہو چکی ہیں۔ اگر یہ ڈیم بن گیا اور اس میں دریائے چناب کا پانی ڈال دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ پاکستان میں بہنے والا دریائے چناب خشک ہو جائے گا۔ بلکہ دریائے راوی بھی سوکھ جائے گا اس کے نتیجے میں پاکستان کی لاکھوں ایکڑ اراضی بنجر ہو جائے گی اور پاکستان ایک بھیانک مسئلے سے دو چار ہو جائے گا جس کا اس کے پاس کوئی حل نہیں ہو گا۔ بھارت ہمارے وطن عزیز کے کروڑوں عوام کو بھوکوں مارنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ وہ سپر پاور بننے کے نشے میں من مانی کرنے پر اتر آیا ہے لیکن ہم خاموش تماشائی بن کر اپنے ملک کو تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ ہمیں ہر حالت میں اس ڈیم کو تباہ کرنا ہے اور قومی سلامتی کا یہ اہم ترین مشن تمہیں پورا کرنا ہے۔"

میں غور سے اپنے ایجنٹ کی باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا تو میں نے

کہا۔" فرض کر لیا ہم اس ڈیم کو اڑا بھی دیتے ہیں تب بھی بھارت اسکی تعمیر شروع کر دے گا۔"
ایجنٹ نے آہستہ سے ایک ایک لفظ زور دیتے ہوئے کہا"۔ تو ہم اسے پھر تباہ کر دیں گے۔ بھارت اس ڈیم کو جب بھی بنائے گا، یقین کرو ہم اسے برباد کر دیں گے کیونکہ یہ ہمارے وطن پاک کی سالمیت اور بقا کا سوال ہے، ہم نہ ہوں تو ہماری جگہ کوئی دوسرا مرد مجاہد آگے بڑھ کر پاکستان کی شہ رگ کاٹنے والے ہاتھوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ زندہ قوموں کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ وہ آزادی اور امن کے لئے جنگ کرتے ہیں اور اس جنگ میں کبھی نہیں ہارتے۔

میں نے اپنے ایجنٹ سے پوچھا کہ یہ ڈیم چمبا وادی میں کس مقام پر واقع ہے۔ اس نے کاغذ پر جو نقشہ بنایا ہوا تھا مجھے دکھایا۔ کاغذ پر ایک جگہ آڑی ترچھی لکیروں کے درمیان لال پنسل سے نشان بنایا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ڈیم کا مقام اور حدود اربعہ پوری تفصیل سے بتایا۔ میں ان قصبوں اور شہروں کے نام بعض مصلحتوں کی بنا پر یہاں نہیں لکھ سکتا۔ ایجنٹ نے نقشہ میری طرف کرتے ہوئے کہا۔

" یہ تم اپنے پاس رکھو گے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے زبانی یاد کر لو تاکہ کاغذ تم ضائع کر سکو۔"

میں نے اس سے پوچھا کہ اس آپریشن میں میرے ساتھ کون ہو گا؟ ایجنٹ نے میری طرف دیکھا اور کہا۔۔

" تم پوشالی کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ تمہارے ساتھ اپنے آدمی کر سکیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ انڈین ملٹری انٹیلی جینس کے ایک کیپٹن کا تمہیں تعاون حاصل ہے۔ ایمونیشن کے سلسلے میں تم اس کیپٹن سے تعاون لے سکتے ہو۔ اگر وہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے معذرت کا اظہار کرے تو تمہیں ایمونیشن بھی چمبا ڈیم کے گیریژن سے اڑانا ہو گا۔ یہ فوجی گیریژن ڈیم کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ ایک طرح سے یہ خود کشی کی مہم ہو گی لیکن پوری پاکستانی قوم کو زندہ سلامت رکھنے کی خاطر اگر ہمیں ایک ایک کر کے شہید بھی ہونا پڑے تو میرے خیال میں یہ ہماری خوش قسمتی ... ہو گی۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"

میں نے فوراً کہا۔" کیوں نہیں پاکستان اور پاکستان کے بہن بھائیوں کے لئے میں ایک ہزار بار اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔"

اس کے بعد ایجنٹ نے مجھے انڈین ملٹری گیریژن کے بارے میں مزید تفصیلات بتائیں میں نے تمام جزئیات کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا وہ کچھ دیر خاموشی سے شاید صورت حال کا جائزہ لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

" تم یہاں جس سرکاری عہدے پر تعینات ہو ہمیں اس کی نزاکت کا بھی احساس ہے لیکن اس سلسلے ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ چمبا ڈیم کا مشن پندرہ بیس دنوں کے اندر اندر مکمل ہو جانا چاہئے۔ تم دفتر سے سیر و تفریح کے لئے ایک ماہ کی چھٹی لے کے شملہ جاؤ گے۔ وہاں سے بھیس بدل

کر خفیہ طور پر اپنے اہم مشن پر چپا روانہ ہو جانا۔ اگر تمہیں میرا مشورہ قبول ہو تو اپنے ساتھ اپنی منگیتر سجاتا کو بھی ساتھ لے جا سکتے ہو۔ سجاتا کو ساتھ لے جانے سے ایک فائدہ ضرور ہو گا کہ تم پر کوئی شک نہیں کیا جائے گا۔"

میں نے کہا۔" شملے پہنچ کر سجاتا میرے لئے مسئلہ نہیں بن جائے گی؟ اس سے چھٹکارہ کیسے حاصل کروں گا؟"

اس پر اس نے کہا۔" اس کا حل بھی ہمارے پاس موجود ہے.... شملے میں سجاتا کو اغوا کر کے خفیہ مقام پر چھپا دیا گیا جائے گا۔ یوں تمہیں اسکی تلاش میں نکلنے کا بہانہ بھی مل جائے گا۔"

اس کی یہ تجویز میرے دل کو لگی۔ اچھا ٹپ تھا اس پر عمل کرتے ہوئے میں انڈین انٹیلی جینس کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا اور اپنے آپ کو ممکنہ شبہے سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ میں نے اس تجویز پر فوراً رضامندی کا اظہار کر دیا پھر ہم نے اس ٹرپ کی ساری تفصیلات آپس میں طے کر لیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ایجنٹ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

" تمہیں سجاتا کے ہمراہ شملے کے امپریل ہوٹل میں ٹھہرنا ہو گا۔ شملے میں ان دنوں برف باری کا موسم ہے وہاں سجاتا کو اغوا کرنے ہمارے جو آدمی تمہارے کمرے میں رات کے وقت آئیں گے وہ تمہیں ایک ریوالور اور کچھ گولیاں دیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم تمہاری اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتے۔ اب میں جاتا ہوں۔ تمہیں ایک ہفتے کے اندر شملہ پہنچ جانا ہو گا وقت اور ضرورت کا تقاضا ہے۔ ہمارے آدمی تمہیں پہچانتے ہیں۔ انہیں تمہاری تصویر دکھا دی گئی ہے۔ وہ تمہیں امپریل ہوٹل میں آتا دیکھ لیں گے۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو اس وقت پوچھ سکتے ہو۔"

مجھے کیا پوچھنا تھا؟ چنانچہ میں نے کہا۔" مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔"

ایجنٹ نے مجھے بے اختیار گلے لگا لیا اور جذبات سے لبریز آواز میں بولا۔" پاکستان کو تم پر ناز ہے۔ قوم تمہاری خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھا اور باہر باغ کے اندھیرے میں کود گیا۔

میں نے کھڑکی بند کر کے چٹخنی لگا دی اور روشنی بجھا کر سوچنے لگا کہ مجھے اب پوشالی سے مل کر اسے نئے مشن کے لئے تیار کرنا ہو گا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ نیا مشن بے حد اہم اور خطرناک تھا۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر پوشالی اور سجاتا کو الگ الگ ساتھ لے کر روانہ ہو جانا تھا۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ پلنگ پر لیٹ کر میں نے کمبل اوپر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد میں گہری نیند سو چکا تھا۔ صبح آنکھ کھلی تو بیڈ روم میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دفتر جانے سے پہلے میں نے گھر سے سجاتا کو فون کر دیا۔ میں چاہتا تھا کہ میری گفتگو ٹیپ پر ریکارڈ... ہو جائے اور کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہو کہ میں کسی خفیہ مہم پر شملے جا رہا ہوں۔ میں نے سجاتا سے کچھ پیار محبت کی باتیں کیں اور پھر ٹھنڈا سانس

بھر کر کہا۔
سجاتا ڈیئر! میں کام کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ کچھ دیر آرام کروں۔"
سجاتا بولی۔"تم چھٹی کیوں نہیں لے لیتے دفتر سے ڈیئر۔"
میں نے کہا۔"چھٹی تو میری موجود ہے میرا خیال ہے کہ ڈیڑھ مہینے کی چھٹی لے سکتا ہوں مگر گھر پر بیٹھ کر کیا کروں گا۔ دل چاہتا ہے کسی خاموش مقام پر جاکر ایک مہینہ بھرپور آرام کروں اور پھر سے تازہ دم ہو کر دفتر کا کام شروع کروں۔"
سجاتا نے کہا۔"چھٹی لے کر بمبئی بہن جی کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے۔ وہاں بچوں میں تمہارا جی بہل جائے گا۔"
میں نے کسی قدر اکتاہٹ سے کہا۔"نہیں سجاتا! میں بالکل اکیلا کسی پُر فضا جگہ پر خاموشی سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو تو میری خوشیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔" پھر میں نے ایسے لہجے میں جیسے ابھی ابھی خیال آیا ہو کہا۔"ڈارلنگ کیوں نہ ہم شملے چلیں۔ برف باری بھی دیکھیں گے۔ ان دنوں شملہ بڑا پُرسکون ہوتا ہے۔ سچ مجھے ایک طرح سے نئی زندگی مل جائے گی کیا خیال ہے تمہارا؟"
سجاتا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔"میں تمہارے ساتھ اکیلی کیسے جاسکتی ہوں؟"
میں نے کہا"کیوں؟ تم میری منگیتر ہو۔ اس سے پہلے بھی ہم اکیلے بمبئی گئے تھے۔ میں خود ماتا اور پتا جی سے بات کرلوں گا۔ تم میرے ساتھ ہوگی تو مزا آجائے گا۔"
سجاتا بھی خوش ہوگئی۔ کہنے لگی"تو پھر تم پتا جی سے آکر بات کرو۔ اگر وہ مان گئے تو اس سے زیادہ میرے لئے خوشی کی بات اور کیا ہوگی۔"
میں نے دفتر کے بعد اس کے گھر آنے کا وعدہ کیا اور فون بند کر کے دفتر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ دفتر میں جاتے ہی میں نے ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دی۔ وجہ یہ بتائی کہ کچھ دنوں سے مجھے شدید تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے اور میں کچھ وقت راجدھانی سے دور کسی پہاڑی مقام پر جاکر سکون سے گزارنا چاہتا ہوں۔ میری چھٹی موجود تھی۔ باس نے مجھے بلا کر میری خیریت دریافت کی اور چھٹی منظور کرتے ہوئے پوچھا کہ میں کہاں جانا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ شملے جانے کا پروگرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ سجاتا کی فیملی بھی میرے ساتھ جائے۔
تیواڑی مسکراتے ہوئے بولا"یہ تو بڑی اچھی بات ہے کیپٹن۔ آئی وش یو گڈ ہیلتھ۔"
میں نے مسٹر تیواڑی کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آتے ہی سجاتا کو فون پر خوشخبری سنائی کہ میری چھٹی منظور ہو گئی ہے۔ اسے بھی بڑی خوشی ہوئی کہنے لگی۔
"اب پتا جی مان جائیں تو میں بھی تمہارے ساتھ شملے کی برف باری دیکھ لوں گی۔"
دفتر میں، میں نے اپنی ساری چیزیں سنبھال کر الماری میں رکھ دیں پھر مسٹر تیواڑی اور مسٹر

وشرام سے ملنے کے بعد سیدھا سجاتا کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ وہ دفتر سے آچکی تھی۔ میں نے سجاتا کے پتا جی کے پاس بیٹھ کر موسم اور سیاست کی باتیں شروع کر دیں۔

بھارت کے اپر کلاس ہندو گھرانوں کا ماحول بہت ایڈوانس ہو چکا ہے۔ لڑکیاں اپنی پسند کے لڑکے نہ صرف خود تلاش کرتی ہیں بلکہ ان کے ساتھ کورٹ شپ بھی کر لیتی ہیں۔ ماں باپ انہیں اسکی اجازت دے دیتے ہیں تاکہ وہ محبت کی شادی کریں اور یوں انہیں زیادہ جہیز دینے کی مصیبت سے نجات مل جائے کیونکہ محبت کی شادیوں میں جہیز کالالچ زیادہ کام نہیں کرتا۔ چنانچہ جب میں نے سجاتا کے ماتا پتا جی سے سجاتا کے ساتھ شملہ چھٹیاں گزارنے کی بات کی تو وہ فوراً راضی ہو گئے۔ اس حقیقت سے وہ اچھی طرح واقف تھے کہ انہیں اپنی لڑکی کے لئے ایسا لڑکا مل رہا ہے جو مرکزی حکومت کے ایک اہم ترین ادارے میں اعلیٰ عہدے پر تعینات ہے اور جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ تنہا رہنے کے موقع دینا چاہتے تھے۔

سجاتا خوشی سے جھوم گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ایک دن چھوڑ کر جہاز میں شملے کے لئے دو سیٹیں مخصوص کروا لے۔ وہ خود انڈین ائر لائینز کے آفس میں کام کرتی تھی۔ اس کے لئے نشستیں حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

سجاتا کی کوٹھی سے میں رات کا کھانا کھا کر نکلا اور گاڑی کا رخ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف پھیر دیا۔ مجھے پوشالی سے مل کر اسے نئے مشن کے لئے تیار کرنا تھا۔ درگاہ شریف پر حسب معمول انوار الٰہی کی بارش ہو رہی تھی۔ درگاہ کا کونہ کونہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ مجھے بھارتی کیپٹن کو بھی قبرستان میں مل کر اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں اور اس امکان کا جائزہ لینا تھا کہ اس نئے مشن میں وہ میری کہاں تک مدد کر سکتا تھا۔ گاڑی ایک طرف کھڑی۔۔ کر کے میں نے مزار شریف پھول چڑھائے فاتحہ پڑھی اور عقبی دروازے سے نکل کر قبرستان کی طرف آگیا۔

میں پوشالی کی کوٹھری کی طرف بڑھا تو یوسف شاہ ایک طرف سے نکل کر میرے پاس آگیا۔ ہم دونوں جھونپڑی کی طرف بڑھے تھے۔ پوشالی کوٹھری میں چارپائی پر کمبل اوڑھے بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔

یوسف شاہ کہنے لگا۔۔ تم بیٹھ کر باتیں کرو میں باہر نگرانی کرتا ہوں۔" وہ چلا گیا تو پوشالی کہنے لگی۔

"میں تمہیں زیادہ دیر تک اس بے عملی کی حالت میں نہیں رہ سکتی۔ اس سے تو بہتر ہے کہ میں پہاڑوں یا جنگلوں میں نکل جاؤں اور وہاں جفاکشی کی زندگی بسر کروں۔"

میں نے پوشالی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کوٹھری میں مٹی کا دیا طاق میں جل رہا تھا۔ پوشالی کا رو مجھے کچھ اترا سا لگا۔ میں نے کہا۔" پوشالی! تمہاری بوریت ختم ہونے والی ہے۔ ہم ایک نئے مشن پر روانہ ہو رہے ہیں۔"

اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔" پلیز! مجھے اس مشن کے بارے میں جلدی بتاؤ لگتا ہے اللہ نے میری سن لی ہے۔"

میں نے پوشالی کو چھبا ڈیم مشن کے بارے میں ساری تفصیلات بیان کر دیں۔ وہ بڑے انہماک سے سنتی رہی۔ جب میں اپنی بات ختم کر چکا تو بولی۔

" شملے میں سجاتا کے اغوا کے بارے میں تمہیں اس کے ماتا پتا کو لکھنا پڑے گا۔"

میں نے کہا۔" وہ میں نے سب سوچ رکھا ہے۔ ہم دونوں پرسوں دلی سے دن کی فلائیٹ کے ذریعے شملہ جا رہے ہیں۔ وہاں امپیریل ہوٹل میں ٹھہریں گے جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم کسی دوسری فلائیٹ کے ذریعے شملہ پہنچو گی۔ اس سلسلے میں خلیل تمہاری مدد کریں گے۔ میں کل شاہ جی سے ملاقات کر رہا ہوں۔ انہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ وہ تمہاری خفیہ روانگی کا بندوبست کر دیں گے۔ بہرحال تمہیں ایک دن چھوڑ کر شملے پہنچ کر مجھ سے رابطہ کرنا ہوگا۔ تم کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھہرو گی۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں نے یوسف شاہ کو اندر بلالیا اور ان سے کہا کہ میں کل رات دس بجے اسی جگہ شاہ جی سے ملنا چاہتا ہوں انہیں اطلاع کر دیجئے گا۔

یوسف شاہ نے حامی بھر لی اور میں وہاں سے چلا آیا۔ دوسرے دن سے میری چھٹی شروع ہو گئی۔ سارا دن میں نے سجاتا کے ساتھ گزارا۔ چھبا ڈیم کا نقشہ میں نے جرابوں میں چھپا کر رکھ لیا تھا۔ رات کو میں نے کیپٹن سے ملاقات کرنے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے عقبی قبرستان میں آگیا۔ وہ پہلے سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ پوشالی بھی موجود تھی۔ میں نے اسے چھبا ڈیم مشن کے بارے میں آگاہ کیا اور اس سے تعاون کی درخواست کی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

" میں شاید تمہارے اس مشن کے ضمن میں کوئی مدد نہ کر سکوں میرے دوست ملٹری اسپتال کے واقعے کے بعد سیکورٹی بہت سخت کر دی گئی ہے اور اب میں ایک پستول بھی نہیں لا سکتا۔ اسکا مجھے افسوس ہے لیکن میں تمہارے اس مشن کی کامیابی کے لئے ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پوشالی کو ایک دن بعد شملے پہنچانے کے بارے میں کہا تو وہ بولا۔

" یہ کام خلیل کے ذریعے بڑی آسانی سے ہو جائے گا۔ پوشالی کی ہوائی جہاز کی سیٹ بھی بک ہو جائے گی اور اسے خلیل اپنی حفاظت میں ائرپورٹ تک بھی لے جائیں گے۔" طے یہ ہوا کہ پوشالی ایک یورپین لڑکی کے حلیئے میں سفر کرے گی۔ پوشالی کا رنگ یورپی عورتوں کی طرح گورا چٹا تھا اور وہ انگریزی زبان بھی روانی سے بول لیتی تھی۔ اپنے ایجنٹ کے ذریعے مجھے کچھ رقم بھی مل گئی تھی۔ میں نے دو ہزار روپے پوشالی کے حوالے کئے اور شاہ جی سے گلے مل کر واپس بنگلے میں آگیا۔

دوسرے دن صبح دس بجے فلائیٹ سے مجھے سجاتا کو شملے روانہ ہونا تھا۔ میں نے اندھیرے میں پچن کے عقبی درخت کے چبوترے میں رکھے ریڈیو ٹرانسمیٹر کو چیک کیا۔ یہ میں ساتھ نہیں لے جارہا تھا۔ اسکے گرد مزید جھاڑیاں اور گھاس پھونس ڈال کر اسے اچھی طرح سے چھپادیا۔ باتھ روم کے باہر بلی کے کٹورے کے نیچے رکھے ہوئے پانچ زہریلے سگار میں نے نکال کر ایک الگ پیکٹ میں ڈال کر رکھ لئے۔ یہ میں ساتھ لے جانے والا تھا۔ رات گزر گئی۔ دوسرے دن میں نے اپنا اٹیچی کیس گاڑی میں رکھوایا۔ چوکیدار اور کملا کو ضروری ہدایات دیں اور سجاتا کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سجاتا نے بڑا اٹیچی کیس برآمدے میں ہی رکھا ہوا تھا۔ ائر پورٹ پر اس کے ماتا پتا اور بھائی بھی ہمیں چھوڑنے آئے۔ ٹھیک وقت پر انڈین ائیر لائینز کا طیارہ پرواز کر گیا۔

شملے میں رات برف پڑی تھی۔ پورا شہر برف سے سفید ہو رہا تھا۔ سڑکیں وہاں ویران تھیں صرف وہاں کے مقامی لوگ ہی کہیں کہیں دکھائی دیتے تھے۔ امپریل ہوٹل میں ہمارے دو کمرے بک تھے۔ امپیریل ہوٹل گرجا گھر کی عقبی ڈھلان پر پرانے طرز کا کاٹیج نما ہوٹل تھا۔ ہمارے دونوں کمرے دوسری منزل پر تھے۔ ہم نے اپنے اپنے کمروں میں سامان لگا دیا۔ سجاتا میرے کمرے میں آگئی کھانا کمرے میں ہی کھایا پھر گرم کوٹ اور اونی ٹوپیاں پہن کر سیر کرنے کو نکل گئے۔ کافی دیر تک برفانی سڑکوں پر گھومتے رہے۔ شام کو چائے پی اور آتشدان کے پاس بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرنے لگے۔ مجھے معلوم تھا کہ اپنے ایجنٹوں نے ہمیں دیکھ لیا ہو گا اور وہ سجاتا کو اغوا کرنے آج یا کل رات ہوٹل میں آئیں گے۔ رات کو دیر تک سجاتا میرے کمرے میں بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ کھانا بھی اس نے میرے کمرے میں ہی کھایا۔ کوئی گیارہ بجے وہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کمرے کی بتی بجھا دی اور بند کھڑکی کا پردہ ایک طرف ہٹا کر بستر پر لیٹ گیا۔ لحاف اوپر کر کے سوچنے لگا کہ ممکن ہے وہ لوگ کل رات آئیں۔ اتنے میں مجھے باہر کاریڈور میں کسی کے قدموں کی مدھم چاپ سنائی دی۔ میں اٹھ بیٹھا۔ دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ میں نے دبے پاؤں اٹھ کر دروازہ آہستہ سے کھولا تو دو آدمی جنہوں نے چہروں پر... اونی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں کمرے میں گھس آئے ان میں ایک نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسرے نے میرا خاص کوڈ نمبر بولا۔ یہ خاص نمبر صرف اپنے کسی ایجنٹ کو ہی معلوم ہو سکتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ وہ آتشدان کے پاس قالین پر بیٹھ گئے۔ دوسرے آدمی کے پاس ایک تھیلا بھی تھا۔ پہلے آدمی نے تھیلا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس میں تمہارے لئے کچھ ضروری چیزیں ہیں۔ ہم سجاتا کو اغوا کر کے لے جارہے ہیں۔ وہ ہماری خفیہ کمیں گاہ میں اس وقت تک چھپی رہے گی جب تک تم اور پوشالی اپنے مشن کو مکمل نہیں

ہے۔ اس کے بعد ہم خود تم سے رابطہ قائم کریں گے اور ایک ہلکی سی فرضی جھڑپ کے بعد بھاگ جائیں گے اور سجاتا تمہارے پاس آ جائے گی۔ تم اپنے کمرے میں ہی رہو۔ ہم سجاتا کو بے ہوش کر کے لے جا رہے ہیں۔ اس کے دروازے کی چابی ہمارے پاس موجود ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ میں نے تھیلا کھولا۔ اس میں دو ریوالور تھے جن کے آگے سائی لینسر لگے تھے۔ ایک ڈبا گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ دو سیاہ جینز اور گرم جیکٹیں اور اونی ٹوپیاں تھیں۔ دو پلاسٹک کے پانی ڈالنے والے چھوٹے سے فلاسک تھے۔ میں نے ان چیزوں کو الماری میں رکھ دیا اور تھیلے کو آتشدان کی آگ میں ڈال کر جلا ڈالا۔

میرے کان ساتھ والے کمرے کی طرف لگے تھے۔ اپنے آدمی اتنے تجربہ کار تھے کہ مجھے سجاتا کے کمرے سے ہلکی سی آواز بھی سنائی نہ دی اور تھوڑی دیر بعد جب میں اس کے کمرے میں گیا تو وہ غائب تھی اس کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ میں نے باہر نکلتے ہی شور مچا دیا کہ ڈاکو میری منگیتر کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ ہوٹل میں صرف دو چار سیاح ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو شب خوابی کے لباس میں باہر نکل آئے۔ ہوٹل کا مینجر بھی آنکھیں ملتا ہوا آ گیا۔ میں نے پوری اداکاری کی اور انہیں بتایا کہ مجھے صرف اپنی منگیتر کی چیخ کی آواز سنائی دی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ باہر نکلا تو اس کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ اندر گیا تو وہ غائب تھی اور سامان بکھرا ہوا تھا۔ یقیناً اسے غنڈے اغوا کر کے لئے گئے ہیں۔

اسی وقت پولیس کو اطلاع کر دی گئی۔ انسپکٹر ایک سکھ تھا۔ اسے میرے انٹیلی جینس افسر ہونے کا پتہ چلا تو فوراً ہوٹل میں پہنچ گیا۔ میں نے اسکے سامنے بھی وہی بیان دہرایا۔ اسی وقت تھانے جا کر رپورٹ درج کرائی۔ میں نے پیچھے سجاتا کے ماتا پتا کو فون نہ کیا۔ انسپکٹر نے یقین دلایا کہ دن چڑھتے ہی ڈاکوؤں کی تلاش شروع کر دی جائے گی اور سجاتا کو ہر حالت میں برآمد کیا جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ سجاتا جہاں پہنچ چکی ہے وہاں اس انسپکٹر صاحب کے والد بھی اسے برآمد نہیں کر سکیں گے۔

دوسرے روز بھی میں تھانے میں دیر تک اداس بیٹھا رہا۔ میں ان لوگوں کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اپنی منگیتر کے اغوا پر بے حد پریشان ہوں مجھ سے جس قسم کی اداکاری بھی ہو سکتی تھی میں کر رہا تھا۔

دوسرے ہی روز شام کو میں نے پوشالی کو دیکھا۔ وہ ہوٹل کی لابی میں کاؤنٹر پر کھڑی دستانے پہن رہی تھی۔ اس نے یورپی لباس پہن رکھا تھا اور سر پر سرخ بالوں والی وگ چڑھائی ہوئی تھی۔ آنکھیں چار ہوئیں اور وہ اپنے سر کو ذرا سا ہلا کر ہوٹل سے باہر نکل گئی۔

شام کو انسپکٹر مجھ سے ملنے آیا اور اس نے بتایا کہ سجاتا کی تلاش پوری سرگرمی سے جاری ہے اور ہم بہت جلد اسے برآمد کر کے ڈاکوؤں کو بھی گرفتار کر لیں گے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ اس کیس میں سرگرمی دکھا رہا تھا۔ میں نے اسے اعتماد میں لیتے ہوئے ہدایت کی کہ اغوا کی خبر کسی حالت میں بھی پریس کو نہیں ہونی چاہئے۔ اس سے ہماری بدنامی ہو گی۔ انسپکٹر نے یقین دلایا کہ جس طرح میں چاہتا

ہوں ویسے ہی ہو گا۔ میں نے پولیس انسپکٹر سے کہا۔

"میں نے اسی لئے ابھی تک سجاتا کے ماتا اور پتا جی کو بھی خط نہیں لکھا۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جتنی جلدی ہو سکے سجاتا کو برآمد کر لیں۔"

انسپکٹر بہت پُر اعتماد تھا۔ کہنے لگا۔ "کیپٹن صاحب واہگورو کی کرپا سے میں دو ایک دن میں بہن جی کو یہاں لے آؤں گا۔ بس آپ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں۔"

میں سجاتا کا سامان اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ اسی رات پوشالی بھی اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں آکر ٹھہر گئی۔ رات دو بجے وہ میرے کمرے میں آگئی۔ میں نے اسے تمام واقعات بتائے اور جینز جیکٹ اونی ٹوپی اور ریوالور دکھایا۔ وہ آتشدان کے پاس بیٹھی قالین پر بیٹھی تھی۔ کہنے لگی۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو؟ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم آج ہی منہ اندھیرے یہاں سے نکل چلیں۔ میں نے ہوٹل والوں کو بتا دیا ہے کہ میں صبح منالی اور دوسرے پہاڑی علاقوں کی سیاحت کو جاؤں گی۔"

میرے ذہن میں ایک چھوٹا سا پروگرام تھا۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ وہ صرف کل کا دن مزید انتظار کرے۔ پوشالی میرے کمرے سے چلی گئی۔ جاتے ہوئے کہہ گئی کہ وہ کل رات کو پھر آئے گی۔

دوسرے روز میں پھر تھانے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اب میرا لہجہ کچھ تلخ تھا۔ میں پولیس والوں پر برس پڑا کہ وہ لوگ اس کیس کے سلسلے میں کچھ نہیں کر رہے۔ سکھ پولیس انسپکٹر مجھے یقین دلانے لگا کہ پوری دیانت داری اور فرض شناسی سے تفتیش کر رہا ہے میں نے میز پر ہاتھ مار کر دونوں ہتھیلیاں ٹکا کر سکھ پولیس انسپکٹر کی طرف گھور کر دیکھا اور پروگرام کے مطابق کہا۔

"مسٹر انسپکٹر! میں جانتا ہوں تم روٹین کی کاروائی کر رہے ہو اور میری منگیتر پر جو بیت رہی ہے اس کا سوائے میرے اور کسی کو احساس نہیں ہے۔ اب میں خود اسکی تلاش میں نکلتا ہوں اور یقین کرو میں سجاتا کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑا کر رہوں گا اور ان ڈاکوؤں کو بھی قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں تیزی سے تھانے سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل آتے ہی میں نے سجاتا کے پتا جی کو دہلی میں خط لکھا جس میں انہیں بتایا کہ بد قسمتی سے سجاتا کو ڈاکوؤں نے اغوا کر لیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ وہی ڈاکو ہیں جنہوں نے ایک بار مجھے بھی میرے بنگلے سے اغوا کیا تھا۔ پولیس کی تفتیش پر مجھے بھروسہ نہیں ہے اور میں خود شملے کے علاقے میں سجاتا کی تلاش میں نکل رہا ہوں۔ آپ کی کرپا ہے میرے دفتر میں اس واقعے کی اطلاع نہ کریں۔ اس سے میری بدنامی ہو گی۔ میں نے اخبار میں بھی خبر نہیں چھپنے دی۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ کاش میں سجاتا کو اپنے ساتھ نہ لاتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپکے دل پر یہ خبر سن کر کیا گزرے گی۔ لیکن پوجیہ پتا جی آپ وشواس رکھیں۔ میں سجاتا کو ڈھونڈ کر کے رہوں گا۔

خط لفافے میں ڈال کر میں نے پوسٹ کر دیا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نیچے جا کر ہوٹل کے ہندو مینجر سے ملا اور اسے بتایا کہ میں اپنی منگیتر کی تفتیش کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ میرا سامان کمرے میں بند ہے۔ جب تک میں اپنی منگیتر کو واپس نہ لے آؤں یہ کمرہ اسی طرح بند رہنا چاہئے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں صبح صبح چلا جاؤں گا اور کمرے کی اپنی چابی ساتھ لے جاؤں گا۔ مینجر نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

آدھی رات کے بعد پوشالی میرے کمرے میں آگئی۔ اب ہم اپنے مشن پر روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار تھے۔ میں نے دو روز سے شیو نہیں کی تھی۔ تاکہ تھوڑا بہت حلیہ بدل لیا جائے۔ طے یہ ہوا کہ ہم دونوں شملے سے صبح صبح چلنے والی سرکاری بس میں سوار ہوں گے۔ اس بس کا روٹ ہم نے معلوم کر لیا تھا۔ یہ بس شملے سے چمبا اور کانگڑہ ویلی سے گزر کر پٹھان کوٹ کی طرف جاتی تھی۔ چمبا ڈیم کے نقشے کے مطابق ہمیں رتی جھالا کے قصبے میں اتر جانا تھا۔ یہاں سے ہمیں سیاحوں کی حیثیت سے وادی کے پُر فضا پہاڑی علاقوں میں گھوم پھر کر چمبا ڈیم سے دو میل پیچھے ایک گاؤں میں جا کر وہاں کسی مقامی آدمی کے ہاں سیاح کی حیثیت سے ٹھہرنے کی کوشش کرنی ..... تھی۔ ہمارے پاس اتنا روپیہ تھا کہ ہم کسی بھی مقامی آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرانے پر راضی کر سکتے تھے۔

اگلی صبح ہوٹل سے نکل کر سیدھا لاری اڈے پر آگیا۔ لاری ساڑھے پانچ بجے روانہ ہوتی تھی۔ چند ایک مسافر ہی بیٹھے تھے۔ میں نے پوشالی کو دیکھا۔ وہ اگلی سیٹ پر گرم کوٹ کے کالر اٹھائے سر پر اونی ٹوپی پہنے خاموش بیٹھی تھی۔ میں نے ٹکٹ لی اور لاری میں سوار ہو گیا۔ پونے چھ بجے لاری پٹھان کوٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ ایک لمبا سفر تھا۔ لاری شملے کی برف پوش وادیوں میں آگئی۔ یہاں برف کہیں نہیں تھی۔ سردی ضرور پڑ رہی تھی مگر سرسبز علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ دوپہر کو ایک پہاڑی قصبے کے اڈے پر پہنچ کر لاری رک گئی۔ یہاں کئی ایک مندر ٹیلوں کے اوپر بنے ہوئے تھے۔ ایک چشمہ بھی بہ رہا تھا۔ یہاں دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ اب پوشالی میرے پاس آگئی تھی ہم یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ہم سیاح ہیں اور چمبا کانگڑہ ویلی کی سیاحت کے لئے آئے ہیں۔ تیسرے پہر ہم ہماچل پردیش کے وسطی پہاڑی علاقے میں سے گزر رہے تھے۔

ابھی سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا کہ وادی میں رتی جھالا کا قصبہ آگیا۔ لاری یہاں تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ میں اور پوشالی نیچے اتر گئے۔ یہ بڑا ہی سرسبز شاداب اور خوبصورت علاقہ تھا۔ اسے سیاحوں کی جنت کہا جاتا تھا اور کشمیر کے بعد اسی کا نام آتا تھا مگر سردیوں میں بہت کم سیاح دیکھنے میں آتے تھے۔ رتی جھالا پہاڑی قصبہ تھا۔ یہاں وہاں ٹیلوں کے دامن میں دیہاتی مکان دکھائی دے رہے تھے ہمیں یہاں رات گزارنی تھی اور دوسرے دن چمبا ڈیم کے علاقے کی طرف روانہ ہو جانا تھا۔ رتی جھالا میں کسی ہوٹل کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دو چار دوکانیں لاری اڈے میں تھیں جن

میں ایک ڈھابہ یعنی ویشنو ہوٹل تھا۔ ہم دکان نما ہوٹل میں آ کر بیٹھ گئے۔
لوگ یہاں سیاحوں کو دیکھنے کے عادی تھے اس لئے کسی نے ہماری طرف خاص توجہ نہ دی۔ ہم نے چائے منگوائی جو گلاسوں میں آئی۔ ہم چائے پیتے ہوئے گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ ایک فوجی جیپ جس میں کچھ سکھ فوجی سوار تھے ہوٹل کے آگے سے گزر کر سامنے چشمے کی دیوار کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ سکھ فوجی اسلحہ جیپ میں رکھ کر انگڑائیاں لیتے اتر کر اس ہوٹل کی طرف بڑھے جہاں میں اور پوشالی بیٹھے چائے پی رہے تھے یہ کل چار سکھ فوجی تھے ان میں ایک صوبیدار میجر تھا ایک سپاہی جیپ کے پاس ہی پہرے پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پوشالی کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چائے پینے لگا۔

چاروں سکھ فوجی اس پہاڑی ڈھابے یعنی ویشنو ہوٹل میں آ کر بیٹھ گئے پھر انہوں نے چائے کے گلاس منگوائے میں اور پوشالی سیاحوں کے بھیس میں دروازے کے پاس والی میز پر بیٹھے خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ ہم ان سکھ فوجیوں کو اپنے چہروں سے شناسا نہیں کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے پوشالی کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ ہم اٹھے اور چائے کے پیسے دے کر پہاڑی سڑک پر وادی کی طرف چل پڑے۔

پوشالی نے کہا۔ "رات ہونے سے کچھ پہلے ہمیں کچھ انتظام کر لینا چاہئے۔"
وادی میں برف تو نہیں تھی مگر سردی بہت زیادہ تھی۔ ہم باہر رات نہیں گزار سکتے تھے۔ میں کسی مستقل ٹھکانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ایک اہم مشن ہمارے سامنے تھا اور ہمیں اس وادی میں پندرہ بیس روز تو ضرور رہنا تھا۔ چسبہ ڈیم وہاں سے تھوڑی دور ہی تھا۔ میں نے پوشالی سے کہا کہ اس کا بندوبست تو ڈیم کے قریب کسی گاؤں میں جا کر ہی کرنا ہو گا۔ پوشالی خاموشی سے میرے ساتھ چلتی رہی آگے ایک ٹیلے کی چڑھائی تھی۔ چھوٹی پہاڑی سڑک بل کھاتی ٹیلے کے پہلو سے گزرتی تھی۔ ہم سڑک پر ٹیلے کی دوسری جانب پہنچے تو غروب ہوتے سورج کی ملگجی روشنی میں ہمیں نیچے وادی میں چسبہ ڈیم نظر آیا۔

ڈیم زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اسکی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ دو پہاڑیوں کے درمیان ڈیم کی لمبائی میرے حساب سے نصف فرلانگ سے بھی تھوڑی کم ہو گی۔ اس کے آگے کی جانب لمبی ڈھلان تھی۔ جس پر بڑے بڑے پائپ نیچے بجلی گھر کی طرف جا رہے تھے۔ پیچھے پہاڑیوں کے درمیان ایک پیالے کی شکل میں ایک بہت بڑی جگہ تھی۔ ڈیم زیر تعمیر تھا اور جھیل میں ابھی چناب کا پانی نہیں ڈالا گیا تھا۔ اضافی پائپ مکمل ہو چکے تھے۔ جھیل والی جگہ پر بڑے بڑے کرین دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔

ہم دوبارہ وادی میں آئے تو ڈیم درختوں اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریوں کے عقب میں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا مگر ہم نے اس کی سمت اور مقام کا تعین کر لیا تھا۔ اسی حساب سے ہم ڈیم کے مغربی

پہلو کی جانب چل رہا تھے ۔ ساری جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں ' چیڑ کے درختوں اور جنگلی جھاڑیوں سے پُر تھی ۔ زمین کی مٹی کا رنگ سرخی مائل تھا۔ ہم پکی سڑک چھوڑ کر ایک پہاڑی پگڈنڈی پر چڑھ کر درختوں کے نیچے چل رہے تھے ۔۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ دور پہاڑیوں کی ترائی میں سبز اندھیرا چھا گیا تھا۔ وادی میں ابھی شام کی روشنی باقی تھی ہمیں ایک کھلی جگہ مکانوں کی چھتوں دکھائی دیں ۔ یہ دس بارہ کچے پہاڑی مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔

ہم گاؤں کے قریب آ کر رک گئے ۔ ایک کچی پگڈنڈی گاؤں کو جا رہی تھی ۔ رات کے سائے آہستہ آہستہ درختوں کے درمیان اترنے لگے تھے ۔ گاؤں میں جو دس بارہ مکان تھے ۔ ان میں لالٹین روشن ہو گئی تھی ۔ یہ مکان ہم سے زیادہ دور نہیں تھے ۔ اور ہمیں ان کی چھتیں اور کچے صحن نظر آ رہے تھے ۔

پوشالی کہنے لگی ۔" ہمیں فی الحال کسی مکان میں رات گزارنے کے لئے جگہ حاصل کرنی چاہئے ۔ اس کے بعد سوچ لیں گے ۔"

ہم پگڈنڈی پر گاؤں کی طرف چل پڑے ۔ ایک مکان کے آنگن میں ہم نے لکڑی کے تخت پر ایک دیہاتی کو نماز پڑھتے دیکھا۔ تو وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے ۔ میں نے پوشالی سے کہا ۔

" یہ مسلمان ہے اور ہمارے لئے اسکا گھر ہی موزوں رہے گا۔"

جب دیہاتی نماز پڑھ چکا تو ہم اسکی طرف بڑھے ۔ اس کا مکان باقی مکانوں سے ذرا الگ ہٹ کر کونے میں تھا۔ وہ دیہاتی دعا مانگنے کے بعد اپنی چھوٹی سی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رک گیا۔ میں نے اسے جاتے ہی سلام کیا۔

" ہم میاں بیوی ہیں ۔ اس علاقے کی سیر کرنے کو شملہ سے نکلے ہیں ۔ کیا ہمیں رات گزارنے کو جگہ مل جائے گی ؟"

" تم ہمارے دینی بھائی ہو ۔ ہم غریب لوگ ضرور ہیں لیکن مہمانوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔" اس نے اپنی بیوی کو آواز دے کہا کہ مہمان آئے ہیں ۔ اسکی بیوی دیہاتی لباس میں دوسری کوٹھری سے باہر نکل آئی۔ پوشالی نے اسے سلام کیا۔ ان کا ایک نوجوان لڑکا بھی وہاں آ گیا۔ ہمارے لئے کونے والی کوٹھری کھول دی گئی ۔ ساگ کے ساتھ جوار کی روٹی ہم نے مل کر کھائی ۔ کھانے کے بعد یہ دیہاتی جس کا نام راجو تھا۔ ہمارے پاس حقہ لے کر بیٹھ گیا۔ دالان میں آگ کا چھوٹا سا الاؤ روشن تھا۔ اسکی بیوی چولہے پر پتیلی رکھے ہمارے لئے چائے بنانے لگی ۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے علاقے کے بارے میں پوچھا کہ یہاں دریا کس طرف بہتا ہے ۔ راجو نے حقے کا کش لگا کر بولا ۔

"دریا یہاں سے پیچھے پہاڑوں میں بہتا ہے۔ مگر اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے بیٹا۔"
"وہ کیوں؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ وہاں ڈیم بن رہا ہے اور فوج بیٹھی ہے۔

"سرکار نے وہاں ڈیم بنایا ہے۔ ابھی دریا کا پانی نہیں چھوڑا گیا۔ اجنبی لوگوں کو ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف گاؤں کے لوگ انڈے' دودھ اور گوشت لے کر ہی وہاں جا سکتے ہیں۔"
میں خاموش ہو گیا۔ میں اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھا کہ فوج کے نزدیک اس ڈیم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اور اسکی حفاظت پوری سختی سے کی جا رہی ہے۔ سیکورٹی یقیناً اتنی سخت ہوگی کہ ہمارا سیاح کے روپ میں وہاں جانا ناممکن ہے۔ راجو کی بیوی چائے لے آئی۔ ہم چائے پینے لگے۔ سردی رات کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وادی تاریک ہو گئی تھی۔
میں نے کہا "اس ڈیم کے بن جانے سے گاؤں میں بجلی تو ضرور آئے گی راجو چچا۔"
راجو نے حقے کا کش لگایا اور کھانستے ہوئے بولا۔ "بیٹا بجلی جب آئے تب کی بات ہے۔ ابھی تو ہماری کافی زمین بیکار ہو گئی ہے۔ وہاں پھلوں کے بڑے باغ تھے۔ ایک باغ میں میں اور میرا بیٹا بھی مزدوری کیا کرتے تھے۔ اب یہ باغ بھی نہیں رہا۔ بس تھوڑی سی زمین پر کاشت کر کے بال بچوں کا پیٹ پال رہا ہوں۔"

میں نے مزید کریدتے ہوئے۔ "راجو چچا! تم کو ڈیم پر بھی کام مل سکتا ہے۔"
"چاری صاحب بڑا سخت آدمی ہے۔ کسی نئے آدمی کو بند کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتا۔"
میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ چاری صاحب کون ہے؟"
راجو الاؤ میں آگے کریدتے ہوئے۔ "میجر صاحب ہے۔ یہاں بند پر جتنی فوج پڑی ہے وہ ان سب کا بڑا افسر ہے مدراسی ہے مگر بڑا سخت آدمی ہے۔"
میرے ذہن میں ایک بجلی سے چمک گئی۔ یہ یقیناً گیریزن کمانڈر تھا۔ اور چاری نہیں بلکہ اچاری تھا جو تاملوں کی ایک گوت ہے۔ میں تامل نہ صرف بول سکتا تھا بلکہ پڑھ بھی سکتا تھا۔ میں اس کا قرب حاصل کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبے کی تہیں اپنے آپ کھلتی چلی گئیں اور چند لمحوں کے اندر اندر پوری اسکیم واضح ہو کر میرے سامنے آ گئی۔ پہلے میرا خیال اس مسلمان دیہاتی کے پاس رہ کر اپنے مشن کو شروع کرنے کا تھا لیکن اب حالات کی نوعیت بدل گئی تھی۔
میں نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اس نیک دل مسلمان دیہاتی کو کریدنا شروع کر دیا۔ میں آس پاس کے دوسرے دیہات کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ دیہاتی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے تین میل دور ڈیم کے شمال مغرب میں ترائی میں ہندوؤں کا ایک مندر اور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مندر شیراں والی ماتا کا ہے اور گاؤں چند قدم کے فاصلے پر چیڑ کے درختوں میں واقع ہے۔ رات

گہری ہونے لگی تو میں اور پوشالی اپنی کوٹھری میں آ گئے۔

اپنی چارپائیوں پر لحاف اوڑھ کر لیٹنے کے بعد میں نے پوشالی کو اپنی ساری اسکیم بتائی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چراغ کی دھیمی روشنی میں اس کے چہرے پر مجھے کچھ فکر و تردد کے اثرات نظر آئے۔ میں نے کہا۔

" اسکے سوا یہاں کوئی اور اسکیم کارگر نہیں ہو سکتی.... پوشالی! ڈیم کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم کسی طرح بھی اسے اڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ڈیم کافی وسیع ہے اور سیکورٹی اتنی سخت ہے کہ ہمارے پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔"

پوشالی نے اس شک کا اظہار کیا کہ میں مدراسی گیریزن کمانڈر اچاری کو قائل کر سکوں گا۔ اس پر میں نے کہا۔

" اسکی تم فکر نہ کرو۔ میں اس مدراسی کو قائل کر لوں گا۔ اب ہمیں یہاں سے صبح ہی صبح مندر والے گاؤں کی طرف چل دینا ہو گا۔ مگر ہمیں اپنے لباس بدلنے ہوں گے۔ راجو چچا سے میں اپنے اور تمہارے لئے کپڑے حاصل کر لوں گا۔ اب سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

پوشالی تھکی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ میں اپنے منصوبے پر غور کرتا رہا پھر مجھے بھی نیند آ گئی۔ صبح مرغ کی اذان نے مجھے جگا دیا۔ پوشالی ابھی تک سو رہی تھی۔ میں کوٹھری سے باہر نکلا تو راجو تخت پر بیٹھا نماز پڑھ رہا تھا۔ اسکی بیوی چولہا جلائے چائے اور روٹی پکا رہی تھی۔ میں خاموشی سے وادی میں نکل گیا۔ دس پندرہ منٹ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ یہاں سے چمبہ ڈیم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جنوب کی طرف ایک ٹیلا نظر آ گیا۔ ڈیم اس ٹیلے کے پیچھے تھا۔ واپس آیا تو راجو تخت پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ دالان میں آگ۔۔ کا چھوٹا سا الاؤ روشن تھا۔ میں سلام کر کے راجو کے پاس بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں نے اسے کہا۔

" چچا! میں نے دیکھا ہے کہ جو انگریزی لباس ہم دونوں میاں بیوی نے پہن رکھا ہے اسے دیکھ کر دیہاتی ہمارے زیادہ قریب نہیں آتے۔ وہ ہمیں اجنبی سمجھتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اس علاقے کے دیہاتی لوگوں میں گھل مل جائیں تاکہ ہمیں یہاں کے رہن سہن کے بارے میں زیادہ علم ہو سکے۔"

راجو مسکرایا اور کہنے لگا۔" تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا۔ تمہیں یہاں ہمارے ایسے کپڑے پہن کر آنا چاہئے تھا اور نہیں تو کھدر کا پاجامہ کرتا ہی پہن لیتے۔"

میں نے مطلب کی بات زبان پر لاتے ہوئے کہا۔" چچا! ابھی ہمیں چمبہ اور کانگڑہ کی ساری وادی کی سیر کرنا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہمیں دیہاتی کپڑے دے دو۔ میں تمہیں اسکی قیمت دے دوں گا۔"

اس پر نیک دل دیہاتی نے میری طرف دیکھا اور بولا۔" بیٹا ہم اپنے کپڑے نہیں بیچا کرتے

تمہیں اگر دیہاتی کپڑوں کی ضرورت ہے تو میں تمہیں دے دوں گا۔ اس کی فکر نہ کرو۔"

ایک گھنٹے کے بعد جب میں اور پوشالی اس نیک دل مسلمان دیہاتی کے مکان سے رخصت ہونے لگے تو ہم دونوں نے وہاں کے دیہاتی لباس میں تھے۔ کندھوں پر سیاہ دھاریوں والے موٹے کمبل تھے۔ اپنے کپڑے ہم نے چمڑے کے بیگ میں بند کر لئے تھے۔ اسی بیگ میں کپڑوں کے ساتھ ہی سائیلنسر والے ریوالور اور زہریلے سگار بھی میں نے سنبھال کر رکھ لئے تھے۔ گاؤں سے نکلتے ہی ہم درختوں کی اوٹ میں ہو کر اسی گاؤں کی طرف چل پڑے۔ جہاں ویشنو ماتا کا مندر تھا۔

ویشنو کا مندر نسبتاً چھوٹا تھا۔ جو چٹان کے سائے میں ایک بڑے چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ مندر کی ایک جانب کچی چھت والی چار پانچ کوٹھریاں تھیں۔ جن کے آگے درخت تلے ایک سفید گائے بندھی ہوئی تھی۔ مندر سے بھجن کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پوشالی کو مندر کے باہر چبوترے کے پاس بٹھایا اور خود سیڑھیاں چڑھ کر مندر کی دہلیز پر آ کر ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر ویشنو ماتا کی مورتی کو پرنام کیا۔ ساتھ ہی یہ دیکھ لیا کہ ایک منڈے ہوئے سر اور موٹی توند والا مہنت 'دیوی کے چرنوں میں ایک جانب تھال میں پڑے سکے اور روپے گن رہا تھا۔ میری طرف اس نے ترش روئی سے دیکھا اور بولا۔

"تم اس گاؤں کے نہیں لگتے ہو؟"

میں نے صدری کی جیب سے رومال نکال کر کھولا۔ اس میں سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر مہنت کے چرنوں میں جھک کر پیش کئے اور ہاتھ باندھ کر کہا۔ "مہاراج! میں دکھن کا رہنے والا ہوں۔ میری پتنی میرے ساتھ ہے۔ ویشنو ماتا کی یاترا کو آیا ہوں۔ سر چھپانے کو یہاں آسرا مل جائے تو آپ کی اور بھی سیوا کروں گا۔"

مہنت نے مجھے مشکوک انداز میں دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا میں نے صدری کی پوٹلی میں سے مزید دس دس کے دو نوٹ نکال کر اس کے قدموں میں رکھ دیئے۔ مہنت کے چہرے مسکراہٹ آ گئی۔

"کوئی بات نہیں بچہ! وہ کونے والے کوٹھری میں چلا جا۔ بھوجن کے پیسے الگ ہوں، بیٹھ گئے۔ میں نے وہیں دس کے دو نوٹ مزید پیش کر دیئے۔ مہنت کی باچھیں کھل گئی۔ ،، گورا ہے۔ چھوٹے سے گمنام مندر کے لئے مجھ جیسا مخیر یاتری اور کون مل سکتا تھا۔ میں پوشالی کو ساتھ میں کوٹھری میں گھس گیا۔ دوپہر کو پوشالی کے ساتھ مندر میں ویشنو ماتا کے دوبارہ درشن کئے۔ مہنت چھپلے چھپلے ہونٹوں سے پوشالی کو دیکھا اور میرے ساتھ اس کے ماتھے پر بھی تلک لگا دیا پھر میں نے پوشالو کو ساتھ لیا اور ڈیم کی طرف پڑا۔

ڈیم کا فوجی گیریزن ہماری جانب چیڑ کے درختوں میں واقع تھا۔ یہ چار پانچ چھوٹی بیرکوں پر

مشتمل تھا۔ ارد گرد خاردار تار کی باڑھ لگی تھی۔ پھاٹک پر سکھ سنتری رائفل اٹھائے پہرہ دے رہا تھا اور ایک دو منزلہ بیرک کے آگے گول دائرے میں رجمنٹ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ کچھ فوجی ٹرک اور جیپیں ایک طرف کھڑی تھیں۔ میں نے پوشالی کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ بالکل بات نہ کرے۔ بس غریبانہ اور عاجزانہ سی شکل بنائے ' میرے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑی رہے۔ جب میں نے پھاٹک پر کھڑے سکھ سنتری سے کہا کہ میں دکھن سے آیا ہوں ' اور میں اچاری صاحب سے ملنا چاہتا ہوں تو اس نے غصہ بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور پنجابی میں موٹی سی گالی دے کر کہا

"تھے جا اوئے ایتھوں۔"

میں نے اس سے تکرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے ہٹ کر گیریزن کے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک دھوبی گھاٹ بنا ہوا تھا۔ کچھ جھونپڑیاں بھی تھیں۔ دو آدمی فوجی وردیاں پتھروں پر پٹخ رہے تھے۔ دو گدھے درخت کے نیچے بندھے چارا کھا رہے تھے۔ ایک بوڑھا دھوبی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر ویشنو ماتا کا تلک لگا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور کہا۔

"مہاراج! ہم پردیسی ہیں پینے کو پانی مل جائے گا۔"

بوڑھے نے پاس ہی رکھے گھڑے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے مٹی کے ڈونگے میں پانی نکال کر اسے اوک سے پیا اور پوشالی کو بھی پلایا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہندو ڈونگے کو منہ نہیں لگاتے۔ میں جیسے ستانے کے لئے وہاں بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ ہم کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے اسے بھی یہی بتایا کہ ہم دکھن سے ویشنو ماتا کے مندروں کی یاترا کو آئے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں ' میں نے اس بوڑھے سے معلوم کر لیا کہ گریزن کمانڈر مدراسی میجر اچاری گیریزن کے مغربی کنارے والے بنگلے میں رہتا ہے۔ میرے لئے یہ اطلاع کافی تھی۔ کیونکہ میں سمجھ گیا مجھے گیریزن کے اندر کوئی نہیں ر
نے دے گا۔ میں نے شام کو میجر اچاری سے ملنے کا فیصلہ کیا اور بوڑھے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس
پاس

ام کو دوبارہ میں نے پوشالی کو ساتھ لیا اور میجر اچاری کے بنگلے پر آ گیا۔ وہاں بھی کوٹھی کے
دیہاتی ہمارے پہرہ لگا تھا۔ مگر یہاں سکھ کی بجائے ایک کالا کلوٹا دبلا پتلا سنتری کھڑا تھا۔ جو شکل و صورت ہی
دیہاتی لوگوں پے رہا تھا۔ قدرت میری راہنمائی کر رہی تھی۔ میں نے جاتے ہی ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور تامل
راتی
یا کہا۔
آنا چاہت

"میں تامل ناڈو سے آیا ہوں۔ میری پتنی میرے ساتھ ہے میں میجر اچاری صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

مجھے تامل زبان میں بات کرتے سن کر مدراسی سنتری بڑا خوش ہوا۔ مسکراتے ہوئے تامل زبان میں پوچھا۔ "میں اتنی دور سے یہاں کہاں اور کیسے آ گیا؟"

میں نے کہا۔" ویشنو ماتا کی یاترا کا ارادہ تھا۔ اب یہاں ماتا کے چرنوں میں ہی رہ کر باقی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ میجر صاحب بھی مدراس کے رہنے والے تامل ہیں۔ کیا وہ مجھے کوئی چھوٹی موٹی نوکری دے دیں گے؟ میرا نام کرشنم چاری۔ یہ میری پتنی بھاگیہ ہے۔ یہ اتر پردیش کی ہے۔
مدراسی سنتری کو ایک دم مجھ سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ اسکی وجہ محض یہ تھی کہ ہم دونوں تامل تھے۔

" اس وقت میجر صاحب آرام کر رہے ہیں۔ تم ایک گھنٹہ تک آنا میں ان سے بات کروں گا"
ہم دونوں نے ہاتھ باندھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے واپس آ گئے۔ ایک گھنٹے بعد ہم پھر میجر اچاری کے بنگلے کے پھاٹک پر مدراسی سنتری کے پاس کھڑے تھے۔ مدراسی سنتری نے ہمیں ایک طرف بٹھا دیا اور بتایا کہ میجر صاحب ابھی ابھی اٹھے ہیں اور وہ ان سے ڈیوٹی ختم ہونے پر بات کرے گا۔
میں اور پوشالی قریب ہی چیڑ کر درخت کے نیچے بیٹھ گئے میں علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ ایک ڈوگرہ سنتری آتا نظر آیا۔ وہ مدراسی کی جگہ ڈیوٹی دینے آ رہا تھا۔ مدراسی سنتری نے ڈیوٹی کا چارج ڈوگرہ سنتری کو دے دیا اور ہمارے پاس آ کر بولا۔
" میں صاحب سے جا کر بات کرتا ہوں۔ تم یہیں بیٹھو۔"

رات کا اندھیرا اب وادی کو اپنی آغوش میں لے رہا تھا۔ بنگلے کے باہر کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔
کوئی بیس منٹ کے بعد مدراسی سنتری واپس آیا اور ہمیں اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہا۔ میجر اچاری ڈرائنگ روم میں آرام کرسی پر آتشدان کے پاس بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ میز پر چائے کی پیالی پڑی تھی۔
میں نے اور پوشالی نے جاتے ہی ہاتھ جوڑ کر میجر اچاری کو پرنام کیا اور دروازے کے پاس قالین پر بیٹھ گئے۔
میجر اچاری کی عمر چالیس برس کے قریب ہو گی۔ رنگ مدراسیوں کی طرح کالا تھا۔ سنتری کو اس نے اشارے سے واپس جانے کو کہا اور پھر تامل زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔
" تم تامل ہو؟"

" ہاں صاحب! میں تامل ہوں۔ میرا نام کرشنم چاری ہے۔ یہ میری پتنی بھاگیہ ہے۔"
میجر اچاری نے ہمیں اپنے قریب آنے کو کہا۔ ہم قریب جا کر قالین پر بڑے ادب سے بیٹھ گئے۔
میجر اچاری، پوشالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔" تمہاری پتنی تامل نہیں لگتی۔ اس کا رنگ گورا ہے۔
میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔" صاحب جی! میری پتنی اتر پردیش کی ہے۔ میں نے ڈیرہ دون میں اس سے شادی کی تھی سر۔"
میجر اچاری کی آنکھوں میں پوشالی کے لئے جو ہلچل نظر آ رہی تھی۔ میں اسے اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کہنے لگا۔" تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ کیا مدراس میں تمہیں نوکری نہیں ملی؟"
میں نے جھٹ کہا۔" سر! رامیشورم میں میری چھوٹی سی کھیتی تھی جس پر میرے ماتا پتا کے

دیہانت کے بعد ... دشمنوں نے قبضہ کر لیا اور مجھے نکال دیا۔ میں چنی کو لے کر بیجو واڑہ آ گیا۔ وہاں بھی دشمنوں نے مجھے ٹکنے نہ دیا اور میں ڈیڑھ دو دن اپنی چنی کے گھر آ گیا لیکن میں خود کما کر اپنی چنی کو کھلانا چاہتا تھا۔ وہاں سے نوکری کی تلاش میں چمبہ آیا۔ تو پتہ چلا کہ کوئی ادھر بند بن رہا ہے۔ جہاں کام مل سکتا ہے۔ یہاں آ کر آپ کے بارے میں معلوم ہوا تو حاضر ہو گیا کہ شاید آپ تامل ہونے کے ناطے میری مدد کریں۔"

میجر اچاری شاید میری باتیں نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نظریں برابر پوشالی پر جمی ہوئی تھی۔ جب میں نے اپنا بیان ختم کیا تو وہ سگار کا کش لگا کر بولا۔

"ٹھیک ہے تم پتی' چنی' میرے ہاں کام پر لگ جاؤ! بنگلے میں' میں اکیلا رہتا ہوں۔ تم پھلواری کی دیکھ بھال کرنا اور تمہاری چنی بھاگیہ گھر کی صفائی وغیرہ کر دیا کرے گی۔ پیچھے ایک کوارٹر تمہیں مل جائے گا۔ دو سو روپے تنخواہ ملے گی۔ کھانا' پینا مفت ہو گا۔"

اس نے نوکر کو آواز دے کر بلایا اور کہا۔ "انہیں کونے والے کوارٹر میں پہنچا دو۔"

جب ہم شکریہ ادا کر کے جانے لگے تو مدراسی میجر نے پوشالی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بھاگیہ! تم میرے پلنگ کی چادریں بدل دو۔"

"اچھا صاب!" یہ کہہ کر پوشالی وہیں بیٹھ گئی اور میں نوکر کے ساتھ کونے والے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

ایک گھنٹے بعد جب پوشالی کوارٹر میں آئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ مدراسی میجر نے کوئی ایسی ویسی حرکت تو نہیں کی؟

پوشالی مسکرانے لگی۔ "نہیں' مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی حرکت ضرور کرے گا۔ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں نے کہا۔" اسے اپنے پیچھے لگائے رکھو ہم اسے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے استعمال کریں گے۔"

پوشالی بھی چارپائی پر لحاف اوڑھ کر بیٹھ گئی۔ "پاکستان کی سلامتی اور بقا کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ اپنے بھائی بہنوں کے لئے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کروں گی۔"

ہم نے مدراسی گیریزن کمانڈر میجر اچاری کے بنگلے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ مدراسی میجر عیاش طبع تھا۔ پوشالی پر اسکی خاص نظر عنایت ہو گئی تھی۔ اسکی وجہ سے وہ میرے ساتھ بھی دوسرے نوکروں کی نسبت امتیازی سلوک کرتا تھا۔ میرا کام بنگلے کے چھوٹے سے باغیچے ... کی دیکھ بھال تھا۔ پوشالی بنگلے کے کمروں کی صفائی کرواتی۔ اپنی نگرانی میں میجر کا کھانا وغیرہ تیار کرواتی اور اسکے بیڈ روم کی دیکھ بھال کرتی۔ میں شام کے وقت اپنے کوارٹر میں آ جاتا۔ جب کہ پوشالی دیر تک بنگلے پر ٹھہرتی۔ یونہی ایک ہفتہ گزر

گیا۔ اب ہم نے اپنے منصوبے کو آگے بڑھانا کا فیصلہ کیا۔

پوشالی نے مدراسی میجر کو خوابوں کی ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیا تھا کہ وہ اس کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ وہ مدراسی میجر کو خود شراب بنا کر پیش کرتی اور جب مدراسی میجر سرور کی دنیا میں پہنچ جاتا تو پوشالی اس سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیتی۔ یہ کام وہ اتنی ہوشیاری اور عقلمندی سے کرتی کہ مدراسی میجر کو نشے میں کسی قسم کا شک نہ ہو۔

پندرہ بیس دنوں کے اندر اندر ہم نے مدراسی میجر سے وہ تمام معلومات حاصل کر لیں جن کی ہمیں ضرورت تھی۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ گیریزن کا ایمونیشن ڈپو گیریزن کے باہر ایک زمین دوز ڈمپ ہے اور وہاں بھاری مقدار میں بارود اور ایسے انتہائی طاقتور پنسل بم موجود ہیں۔ جن کی مدد سے پہاڑیوں کو اڑایا جا رہا ہے۔ ہمیں ان ٹائم بموں ہی کی ضرورت تھی۔

دوسری طرف میں نے مدراسی میجر کی عنایت خاص کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈیم میں گھوم پھر کر اس کا پوری تفصیل سے جائزہ لے لیا تھا۔ ڈیم کے بجلی گھر میں لگے ہوئے جنریٹروں اور سرنگوں کے ٹربائن کو تباہ کرنا بے کار تھا۔ اگر ہم ڈیم کو تین جگہوں سے اڑا دیتے ہیں تو سارے کا سارا ڈیم مسمار ہو جاتا اور اسے دوبارہ تعمیر کرنے میں ایک لمبی مدت درکار ہوتی۔ یہی ہمارا مقصد تھا۔

ڈیم کا جائزہ لینے کے دوران میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ہم کسی طریقے سے ڈیم کی نمبر ایک نمبر تین اور نمبر پانچ سرنگوں کے اندر چھت کے ساتھ طاقتور ٹائم بم لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔ تو یہ ڈیم مسمار ہو سکتا ہے۔ اسکے سوا دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہم دونوں ایک رات دیر تک بیٹھے اسی نکتے پر غور کرتے رہے کہ تینوں سرنگوں کے اندر ٹائم بم لگانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ ایمونیشن ڈمپ سے بم نکال کر لانا ہمارے لئے اب زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ رات کو ایمونیشن ڈمپ کے باہر صرف ایک سنتری پہرہ دیتا ہے اور اسے قابو کرنا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ سب سے مشکل مرحلہ سرنگوں میں ایک ساتھ ٹائم بم کو لگانا تھا۔

ایک روز میں نے مدراسی میجر سے کہا کہ ڈیم کی کھدائی کرانے کے بعد سرنگوں میں سے جو مٹی نکلی ہے وہ باغیچے کے گلابوں کے لئے بہت مفید ہے۔ میجر کو پھول پودوں کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ مجھے اپنے ساتھ آفس میں لے گیا اور اسکی خاص اجازت سے سرنگوں میں جا پہنچا۔ وہاں سے مٹی پلاسٹک کے تھیلے میں بھری اور دیکھا کہ ان سرنگوں میں بھی کچھ کام ہو رہا ہے۔ ہر سرنگ میں ایسے مچان بنے ہوئے تھے جن پر کھڑے ہو کر کاریگر چھت کی فنشنگ اور ویلڈنگ کا کام کرتے تھے۔

یہ بات طے تھی کہ مجھے اور پوشالی کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر رات کے وقت سرنگ نمبر ایک تین اور سرنگ نمبر پانچ میں بم لگانے ہیں۔ دوسری کوئی ترکیب وہاں قابل عمل نہیں تھی۔ چنانچہ

اس رات جب پوشالی مدراسی میجر کو سلا کر واپس کوارٹر میں آئی تو میں نے اس سے مشورہ کیا اور اگلی رات میں نے ایمونیشن ڈپو میں جا کر مطلوبہ ٹائم بم حاصل کرنے کے فیصلہ کر لیا تھا۔ اگلے روز دن کے وقت جنگلی گلاب کی قلمیں تراشنے کے بہانے میں 'ایمونیشن ڈمپ کی طرف گیا اور ارد گرد کا جائزہ لے کر واپس آ گیا اور پھر رات تک وہ اپنے کاموں میں مصروف رہا۔

رات کے گیارہ بجے تو چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ پوشالی ابھی تک مدراسی میجر کے بنگلے سے واپس نہیں آئی تھی۔ اس نے مجھے کہہ دیا تھا کہ اگر اسے دیر ہو جائے تو میں اپنے مشن پر چلا جاؤں۔

جب رات کے بارہ بجے تو میں نے زہریلا سگار اور ماچس جیب میں رکھی اور کوارٹر کا دروازہ کھول کر دوسری جانب سے نکل کر ایمونیشن ڈمپ کی طرف چل پڑا۔ درختوں میں اندھیرا اور وادی سنسان تھی۔میں نے ایک ہاتھ میں لکڑی کا چھوٹا سا ڈنڈا پکڑ لیا تھا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا یوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے کسی جانور کی تلاش میں ہوں۔ ایمونیشن ڈمپ کے باہر بتی جل رہی تھی۔ ڈوگرا سنتری پہرے پر کھڑا تھا۔ اس نے درختوں میں میرے پاؤں کی آہٹ سنی تو رائفل تان کر چوکس ہو گیا۔ میں جلدی سے اس کے سامنے آ گیا اور ایک جگہ سے جھاڑیوں میں ڈنڈے کو مارتے ہوئے کہا۔

" ایک کالی بلی روز آ کر ہمارا دودھ پی جاتی ہے۔ آج میں اسے پکڑ کر ہی رہوں گا۔ ابھی میرے کوارٹر گارڈ سے نکل کر ادھر بھاگی تھی۔"

ڈوگرا سنتری بولا۔ " رات کے اندھیرے میں بلی تمہیں نہیں ملے گی۔ جا کر سو جاؤ صبح دیکھ لینا اسے۔"

میں جھاڑیوں اور اونچی گھاس والے گڑھوں میں فرضی بلی کو تلاش کرتا۔ ڈوگرا سنتری کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اور ظاہر کیا کہ سخت تھک گیا ہوں۔ میں نے کمبل کندھے پر لپیٹ رکھا تھا۔ گہری سانس لے کر کہا۔ " اس حرامزادی بلی نے مجھے تھکا دیا ہے۔ اب آئی تو میجر صاحب سے پستول لے کر اسے گولی مار دوں گا۔"

سنتری جانتا تھا کہ میں گیریزن کمانڈر کے بہت قریب ہوں کھڑے کھڑے بولا ۔" یار! میجر صاحب سے کہہ کر میری دن کی ڈیوٹی لگوا دو۔ راتوں کو جاگ جاگ کر تنگ آ گیا ہوں۔"

میں نے کہا۔" یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں صبح ہی میجر صاحب سے بات کروں گا۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں کہا۔"

اس دوران میں میری تیز نگاہوں نے آس پاس کا بھرپور جائزہ لے لیا تھا۔ وہاں ہمارے سوا کوئی نہیں تھا۔ دور میجر کے ڈرائنگ روم میں بتی جل رہی تھی۔ میں نے جیب سے زہریلا سگار نکال کر سلگا

لیا تھا اور سنتری کا آخری وقت آگیا تھا مجھے سگار پیتے ہوئے دیکھ کر وہ بولا۔
"تم سگار بھی پیتے ہو؟"

میں نے ماچس پھینکتے ہوئے کہا۔"ہم مدراسی بڑے شوق سے سگار پیتے ہیں مدراس میں سگار بڑے سستے مل جاتے ہیں۔ میں سگاروں کا پورا ڈبہ بھر کر ساتھ لایا تھا۔ بس تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ کبھی کبھی پی لیتا ہوں۔ تم پیو گے؟"

ڈوگرا سنتری بولا۔"نہیں بھائی! میں ڈیوٹی پر تمباکو نہیں پی سکتا۔"

میں نے سگار کے دو کش لگائے۔ تیسرے کش پر آنچ زہریلے محلول تک پہنچنے والی تھی۔ میں نے تیسرا کش لگایا اور اٹھ کر ڈوگرا سنتری کے سامنے آگیا۔

"دیکھو اسکی کتنی اچھی خوشبو ہے۔"

"میں نے سگار کا ایک کش اور لگایا اور دھواں اس کی طرف چھوڑتے ہوئے سگار کا رخ سنتری کے منہ کی طرف کر کے سگار کو درمیان میں سے دبا دیا۔ سگار کے آنچ والے کنارے کے اوپر سے مہلک ترین زہر کی ایک پھوار نکل کر سنتری کے چہرے پر پڑی۔ میں نے اسے سنبھال لیا۔ کیونکہ پھوار منہ پر لگتے ہی وہ بے حس ہو کر گرنے لگا تھا۔ میں نے اسے لٹا دیا۔ گردن گھما کر گیریژن کی طرف دیکھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا تھا۔ میں نے سنتری کے دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کے دل کی حرکت بند ہو چکی تھی۔

میں نے اسکی جیب سے چابی نکالی اور بیٹھے بیٹھے ایمونیشن ڈمپ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ تالہ کھولا۔ کواڑ ذرا سا ایک طرف کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ کپڑے کا ایک تھیلا میں نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ اندر سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ آگے ایک کھلا ہال کمرہ تھا۔ جس کی چھت پر بلب روشن تھا۔ ہر قسم کا اسلحہ بڑے بڑے ریکوں میں قرینے سے لگا تھا۔ میں اس ریک کے پاس آگیا جس پر طاقتور پنسل بموں کے بکس پڑے تھے۔ جلدی سے تھیلا کھولا۔ اٹھارہ پنسل بم بکس میں سے نکال کر تھیلے میں ڈالے۔ تھیلے کو دوبارہ اپنی کمر کے ساتھ باندھا۔ بکس کو ویسے ہی بند کر کے رکھ دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر باہر آگیا۔ سنتری کی لاش اسی طرح زمین پر پڑی ہوئی تھی۔

میں نے دروازہ بند کر کے تالا لگایا۔ دھوتی کے پلو سے تالے پر اپنی انگلیوں کے نشانوں کو رگڑا اور چابی صاف کر کے مردہ سنتری کے پاؤچ میں ڈال دیا اور درختوں کی طرف بھاگ گیا۔

اپنی کوٹھری میں آتے ہی میں نے بموں والا تھیلا کمر سے کھولا اور اسے چارپائی کے نیچے چھپا کر رکھ دیا۔ اس بات کا بہت کم امکان تھا کہ سیکورٹی گارڈ کو یہ شبہ ہوتا کہ کسی نے ڈیوٹی پر موجود سنتری کو ہلاک کر کے اندر سے ایمونیشن چرایا ہے۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ تھی کہ مردہ سنتری کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا دوسرے ایمونیشن ڈپو کے دروازے پر تالا بدستور لگا تھا اور چابی سنتری کے پاؤچ میں

تھی ۔ گیریزن کا ڈاکٹر بھی معائنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا کہ سنتری کی موت ہارٹ فیل ہو جانے سے وقوع پزیر ہوئی ہے ۔ ان حالات کی روشنی میں نوکروں کے کوارٹروں کی تلاشی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ہے ۔ اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا کہ صبح ہونے سے پہلے پنسل بموں کے تھیلے کو کوارٹر کی دیوار کی دوسری طرف جھاڑیوں میں چھپا دوں گا ۔

پوشالی ابھی تک نہیں آئی تھی مجھے اسکی ضرورت بھی نہیں تھی ۔ وہ جو کام کر رہی تھی وہ بھی انتہائی ضروری تھا ۔ میرے کوارٹر کی بتی بجھی ہوئی تھی ۔ میں چارپائی پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا ۔ بموں کا تھیلا میری چارپائی کے نیچے پڑا تھا ۔ مجھے نیند نہیں آرہی تھی ۔ دوسرے سنتری نے صبح چار بجے آکر ڈوگرا سنتری کی جگہ سنبھالنی تھی ۔ چار بجے سنتری کی موت کا علم سب کو ہو جائے گا ۔ میجر کو اسی وقت جگا کر اطلاع کر دی جائے گی ۔ یہ معاملہ سنگین نوعیت کا تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ میجر نشے کی ترنگ میں آکر یہ آرڈر دے دے کہ یہ کسی تخریب کار کا کام ہے ۔ فوراً علاقے کو گھیرے میں لے کر تلاشی لی جائے ۔

اس خیال نے میرے اندر طرح طرح کے وسوسے پیدا کر دئے ۔ میں لحاف ہٹا کر اٹھ بیٹھا مجھے تھیلا اسی وقت جھاڑیوں میں چھپا دینا چاہئے تھا ۔ میں نے کوٹھری کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا ۔ باہر ستاروں کی دھیمی دھیمی سرد پہاڑی روشنی کی دھندسی پھیلی ہوئی تھی ۔ ہر طرف خاموشی تھی ۔

میں نے اسٹول پر چڑھ کر دیوار کی پچھلی جانب دیکھا ۔ یہاں ایک گڑھا تھا جس میں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا ۔ اس گڑھے کے کنارے پر بھی گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں ۔ میں واپس کوٹھری میں گیا ۔ تھیلا چارپائی کے نیچے سے نکال کر اپنی کمر کے گرد باندھا اور دیوار پر سے دوسری طرف اتر گیا ۔ گھاس شبنم سے گیلی ہو رہی تھی ۔ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی ۔ میں آہستہ آہستہ سرکتا ہوا گڑھے میں آگیا ۔ کنارے کی جھاڑیوں میں ایک جگہ پتھروں کو ہٹا کر تھوڑی سی زمین ہاتھوں سے کھودی تھیلے کو اس میں رکھا اور اوپر مٹی اور پتھر ڈال کر جھاڑیوں کی شاخیں توڑ کر اس طریقے سے ڈال دیں کہ کسی کو پتا ہی نہ چلے کہ یہاں خطرناک بموں کا تھیلا دفن ہے ۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں پھرتی سے اٹھا اور دیوار پھلانگ کر اپنے کوارٹر میں پہنچ گیا ۔

رات کے تین بجے کے قریب پوشالی آگئی تھی میں سو رہا تھا ۔ اس نے مجھے شانے سے ہلا کر جگایا ۔ میں آنکھیں کھول دیں ۔ پوشالی کا چہرہ مجھ پر جھکا ہوا تھا ۔ اس کے کپڑوں سے اعلیٰ قسم کے عطر کی خوشبو آرہی تھی ۔

"کیا ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا ۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا جب میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے مشن میں کامیاب لوٹا ہوں ۔ تو ..... وہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنی چارپائی پر لحاف میں گھس گئی اور بولی ۔" بموں والا تھیلا ہمیں وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ یہاں سے سے کچھ فاصلے پر چھپا دینا چاہیئے ۔ میں نے کہا کہ یہ کام تو کل رات بھی ہو سکتا ہے پوشالی جاگی ہوئی تھی ۔ اس نے میری بات کا

کوئی جواب نہ دیا اور سو گئی۔

بتی بجھی ہوئی تھی۔ میں نے ماچس جلا کر ٹائم دیکھا چار بجنے میں پون گھنٹہ باقی تھا۔ چار بجے سنتری کی موت کا شور مچنے والا تھا۔ میں جاگتا رہا۔ جب گھڑی کی سوئیوں نے چار بجائے تو میں نے اپنے کان باہر کی خاموشی پر لگا دیئے۔ ایمونیشن کا ڈمپ میرے کوارٹر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ابھی باہر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پھر اچانک باہر سے مجھے سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے بلند آواز میں کسی کو آواز دی۔ پھر بھاری فوجی جوتوں کے دوڑنے کی آوازیں آئیں۔ اسکے بعد خاموشی چھا گئی۔ سنتری کی لاش کا پتہ چل گیا تھا اور شاید اسکی لاش کو اٹھا کر لے جایا جا رہا تھا۔ میں لحاف میں دبکا بیٹھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گیریژن کی جانب سے آدمیوں کی آوازیں بلند ہوئیں پھر خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد کوئی بلند آواز نہیں آئی۔

صبح ہو گئی۔ پوشالی ابھی تک گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر پانی گرم کر کے منہ ہاتھ دھویا۔ ماتھے پر تلک لگایا اور کھرپا لے کر باغیچے میں آ گیا۔ بنگلے کے گیٹ پر ایک کی بجائے دو مسلح سنتری کھڑے تھے۔ میں انہیں پرنام کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا مجھ سے کسی نے کوئی بات نہ کی۔

اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ سنتری کی موت کو اتفاقی موت سمجھا گیا ہے اور میجر کو بھی تخریب کاری کا شبہ نہیں ہوا ورنہ ابھی تک پوری بٹالین لائن حاضر ہو چکی ہوتی اور میجر برآمدے میں کھڑا حکم جاری کر رہا ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد میں چائے پینے کچن کی طرف چل دیا میرا اصل مقصد سنتری کی موت کا رد عمل معلوم کرنا تھا۔ لانگری بہار کا رہنے والا حوالدار گوپال تھا۔ میں نے اسے پرنام کیا اور کچن کے باہر دھوپ میں بیٹھ گیا۔ گوپال، میجر صاحب کے لئے ناشتا تیار کر رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر بولا

"کرشنم! تمہیں پتا چلا کہ رات کیا ہوا؟ نائیک رام داس ڈیوٹی پر کھڑے کھڑے مر گیا۔"

میں نے حیرت کے اظہار میں اپنا منہ کھلے کا کھلا رہنے دیا۔

"یہ .... یہ تم کیا کہہ رہے ہو گوپال! رام داس تو کل بالکل ٹھیک تھا۔"

لانگری نے چائے کا کپ میرے آگے رکھتے ہوئے کہا۔" رام داس کو سردی لگ گئی۔ ٹھنڈ سے ہارٹ فیل ہو گیا۔ بٹالین کے ڈاکٹر نے تو یہی کہا ہے کہ۔ پرسوں ہی کہہ رہا تھا۔ یار! مجھے رات کی ڈیوٹی سے بچاؤ۔ مر گیا ہوں راتوں کو جاگ جاگ کر۔"

میں بار بار حیرانی اور افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔" بڑے صاحب کو معلوم ہوا کیا؟"

"کیوں نہیں۔" لانگری نے ٹرے میں چینی دان رکھتے ہوئے کہا۔" صاحب کو تو صبح جگا کر اسی وقت رپورٹ کر دی گئی تھی۔ وہ خود ہی رام داس کی لاش لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ تم بیٹھو میں صاحب کو ناشتا دے کر آتا ہوں۔"

وہ ناشتے کی ٹرے اٹھا کر میجر صاحب کے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ میں دل میں مطمئن تھا۔ سنتری کی موت کے بعد پیدا ہونے والے امکانی اور خطرناک حالات کا بوجھ میرے ذہن سے اتر گیا۔ اب مجھے یہ بھی اندیشہ نہیں تھا کہ کوارٹروں کی یا جنگل کی تلاشی لی جائے گی۔ اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ نائیک رام داس کی موت ہارٹ فیل ہونے سے ہوئی ہے۔ میں خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ مزید معلومات پوشالی ہی حاصل کر سکتی تھی۔ چائے پینے کے بعد میں نے مگ دھو کر وہیں رکھا۔ اور باغیچے میں آ کر پھولوں کے پودوں کی یونہی کاٹ تراش کرنے لگا۔

نصف گھنٹے بعد میجر صاحب کی جیپ بنگلے میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ باوردی ڈرائیور اتر کر کچن کی طرف گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں میجر بھی ڈرائنگ روم سے نکل آیا۔ ڈرائیور نے زور سے سلیوٹ مارا۔ میں بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دور ہی سے میجر کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور دل میں کہا۔ "جانے سے پہلے تجھے اگلی دنیا میں ضرور پہنچادوں گا۔ میرا ارادہ ایسا ہی تھا مگر یہ حالات پر منحصر تھا۔ میجر جیپ میں بیٹھ کر چلا گیا۔ میں باغیچے میں ہی دھوپ میں بیٹھ کر بیڑی پینے لگا۔

دو بجے میجر واپس آ گیا۔ اس کے پندرہ منٹ بعد میں نے پوشالی کو دیکھا۔ وہ کندھوں پر شال ڈالے کوارٹر کی طرف سے چلی آ رہی تھی۔ میرے قریب سے گزری تو ایک نظر مجھ پر ڈال کر ذرا سا مسکرائی اور میجر صاحب کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔

سب کو معلوم تھا کہ پوشالی یعنی بھاگیہ میری پتنی ہے۔ اور میجر صاحب کے ہاں زیادہ وقت گزارتی ہے اور اسکی منظور نظر ہے اس وجہ سے گیریزن کے نوکر چاکر مجھے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ صرف لانگری گوپال ہی مجھ سے کھل کر بات چیت کر لیتا تھا اور وہ بھی کچن میں ترکاری صاف کر رہا تھا۔ جس چٹان کے کھوہ میں میں نے چمڑے کا تھیلا چھپایا ہوا تھا وہاں سے میں دونوں ریوالور اور گولیاں نکال کر لے آیا اور یہ چیزیں بھی ٹائم بموں کے ساتھ تھیلے میں پڑی تھیں۔ اس رات پوشالی رات کو جلدی کوارٹر میں واپس آ گئی۔ اب میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے پوشالی سے مشورہ کیا کہ یہی طے ہوا کہ اگلی رات میں ڈیم کی سرنگوں میں بم لگانے نکل پڑوں۔

دوسرے دن میں نے بیشتر وقت میجر اچاری کے بنگلے میں گزارا۔ پوشالی کو اس رات ایک بجے تک واپس کوارٹر میں آ جانا تھا۔ دن کے وقت میں ایک بار پھر ڈیم کی سرنگوں کی طرف جا کر ان کا جائزہ لے آیا اور ذہن میں وہ جگہیں اچھی طرح بٹھالیں۔ جہاں مجھے بم لگانے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ ڈیم کے دونوں جانب کڑا پہرہ ہوتا تھا۔ میں نے نیچے کی طرف سے سرنگوں میں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی کہاں سے سیمنٹ کے دیو پیکر پائپ گزرتے تھے۔ یہاں ایک جانب سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ ابھی یہ جگہ نامکمل تھی اور سیڑھیوں کے ساتھ والی دیوار اوپر تک نہیں اٹھائی گئی تھی۔ اس جانب بے شمار جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ڈیم کے اوپر رات کو روشنیاں جگمگاتی تھیں مگر نیچے

سیڑھیاں تھیں وہیں اندھیرا چھایا ہوتا تھا۔ اس کا جائزہ میں لے چکا تھا۔ میرے لئے یہ جگہ موزوں تھی۔

پروگرام کے مطابق میں نو بجے رات اپنے کوارٹر میں آگیا۔ جب رات زیادہ گہری ہو گئی اور گیریزن کی جانب سے فوجیوں کی کبھی کبھی بلند ہونے والی آوازیں بھی خاموش ہو گئیں تو میں نے کوارٹر کی بتی بجھا کر موم بتی جلا لی اور کوارٹر کی عقبی دیوار پھاند کر جھاڑیوں میں آگیا۔ تھیلا وہاں پتھروں کے نیچے مٹی کے اندر محفوظ پڑا تھا۔ تھیلے کو لے کر کوارٹر میں واپس آگیا۔ ہر سرنگ میں مجھے ... چھ چھ بم لگانے تھے۔ یہ پنسل کی طرح کے چھوٹے مگر انتہائی طاقت ور بم تھے اور بڑی بڑی چٹانوں کو ایک سیکنڈ کے اندر اندر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔ میں نے انہیں رومال میں باندھ کر الگ رکھ لیا اور پوشالی کا انتظار کرنے لگا۔

پونے ایک بجے پوشالی آگئی۔ اس نے بتایا کہ آج میجر اچاری بے سدھ پڑا ہے اور شاید کل دوپہر تک وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں آئے گا۔ میں نے ایک ریوالور پوشالی کو دے دیا کہ وہ اپنے پاس رکھے۔ اس مشن پر میں اکیلا ہی جا رہا تھا۔ پوشالی کے میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ دس منٹ بعد میں نے اٹھارہ بموں کو سویٹر کے اندر والی صدری کی جیبوں میں ڈالا۔ سائیلنسر والے پستول کو پاجامے میں چھپایا۔ سر پر رومال باندھا اور اللہ کا نام لے کر کوارٹر سے نکل کر دالان میں آگیا۔ پوشالی کو میں نے ہدایت کر دی کہ اگر میں سرنگوں میں پکڑا جاؤں تو وہ فرار ہو جائے اور دلی میں خلیل کے گیراج میں پہنچنے کی کوشش کرے۔

میں نے کوارٹر کی دیوار پھاندی اور رات کی تاریکی میں اس پگڈنڈی پر چل پڑا جو ڈھلان پر سے ہوتی ہوئی نیچے ڈیم کے طاس کی طرف سے نکل گئی تھی۔ اندھیرے میں میرے پیچھے فوجی گیریزن کی روشنیاں اب مجھ سے دور ہو رہی تھیں۔ دو فرلانگ چلنے کے بعد میں ڈھلان کی طرف گیا اور کچھ فاصلے پر ڈیم کی قطار میں لگی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ میں جھاڑیوں سے گزر رہا تھا۔ ستاروں کی دھیمی روشنی میں مجھے اپنا راستہ تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہو رہی تھی۔ سیمنٹ کی بنی ہوئی وہ تنگ سیڑھی آگئی جو اوپر سرنگوں تک جاتی تھی۔

سیڑھیوں پر چڑھنے کے بجائے میں پہلو کی جانب سے جنگلی جھاڑیوں میں ہو کر اوپر چڑھنے لگا۔ یہاں گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور اندھیرا بھی تھا۔ چڑھائی چڑھتے ہوئے میرا سانس پھول گیا۔ مگر میں رکے بغیر آہستہ آہستہ چڑھتا جا رہا تھا۔ ڈیم کی روشنیاں قریب آگئی تھیں۔ میں ان سے بچنے کے لئے جھاڑیوں کی دوسری طرف ہٹ کر چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد مجھے بڑی بڑی سرنگوں کے کھلے ہوئے تاریک دہانے نظر آنے لگا مجھے پہلے تیسری اور پانچویں سرنگ میں بم لگانے تھے سب سے پہلے میرا ٹارگٹ سرنگ نمبر ایک تھا۔ مجھے ڈیم کے اوپر سڑک پر جنگلے کے ساتھ ساتھ دو سنتری چلتے نظر آئے۔ نیچے سرنگوں میں کہیں بھی پہرہ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی

ورنہ یہ مشن مزید مشکل ہو جاتا۔ میں سرنگ نمبر ایک کی داہنی جانب ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس دہانے کو تکنے لگا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ سرنگ کے آس پاس کوئی سنتری نہیں ہے اور اوپر جو سنتری پہرہ دے رہا تھا۔ وہ سرنگ کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا ہے تو میں جھاڑیوں میں سے رینگتا ہوا نکلا اور سرنگ کے دہانے کی طرف چل پڑا۔ جو وہاں سے بمشکل پچاس قدم کے فاصلے پر تھا۔ میں کہنیوں کے بل رینگتا ہوا سرنگ کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ پہلے تو مجھے کچھ نظر نہ آیا پھر اندھیرے میں مچان نظر آئی جو سرنگ کی چھت تک گئی ہوئی تھی۔ اب مجھے بڑی تیزی سے اپنے منصوبے پر عمل کرنا تھا۔ میں مچان پر چڑھنے لگا اوپر کے تختے پر پہنچا تو میرا سر سرنگ کی چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ وہاں خدا جانے کس مقصد کے لئے ساتھ ساتھ چار گہرے سوراخ کئے گئے تھے۔ میں نے تھیلا اپنے سامنے مچان کے تختے پر رکھا اور چھ کے چھ بم نکال کر سوراخ کے اندر آگے کر کے چھت کے پتھروں سے اس طرح چپکا دیئے کہ وہ دن کے وقت بھی باہر سے نہیں دیکھے جا سکتے تھے۔ ان اٹھارہ کے اٹھارہ بموں کی چھوٹی سوئیاں میں نے ایک ساتھ بارہ گھنٹے آگے کر دی تھیں۔ اس حساب سے ان بموں کو دوسرے دن دوپہر ایک بجے کے قریب پھٹنا تھا۔

پہلی سرنگ میں بم لگانے کے بعد میں ایک سرنگ چھوڑ کر تیسری سرنگ میں رینگتا ہوا گھس گیا۔ یہاں بھی تعمیراتی کام کے سلسلے میں ایک مچان لگی ہوئی تھی۔ اس مچان لگی ہوئی تھی۔ اس مچان پر چڑھ کر چھت کے سوراخوں میں مزید چھ بم اندر لگا دیئے۔ پانچویں سرنگ میں کوئی مچان نہیں تھی۔ میں نے اندھیرے میں جائزہ لیا۔ سرنگ کے دوسرے دہانے کی طرف سے مجھے ایک ستون سا نظر آیا۔ میں محرابی دیوار کے ساتھ لگ کر کھسکتا ہوا اس ستون کے پاس پہنچا۔ یہ ستون نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی مچان تھی جو چھت سے بہت نیچے تک گئی ہوئی تھی۔ میرے لئے بے کار تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ مجھے واپس جانے کی پڑی تھی۔ آدھے سے زیادہ کام مکمل کر چکا تھا۔ لیکن پانچویں سرنگ میں بم لگانے بھی ضروری تھے چھت تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔

میں سرنگ کی دیواروں کو آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے لگا۔ ایک جگہ مجھے سیمنٹ کے تھیلوں کا ڈھیر دیوار کے ساتھ لگا ہوا دکھائی دیا۔ یہاں بم لگایا جا سکتا تھا۔ مگر خطرہ تھا کہ سیمنٹ کی وجہ سے بم زیادہ تباہی نہیں مچا سکے گا۔ میں دیوار ٹٹولتا آگے بڑھا تو میرا ہاتھ ایک جگہ دیوار کے ایک شگاف کے اندر چلا گیا۔ میں نے غور سے دیکھا یہاں سے دیوار کی دو تین اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں اس کے اندر کافی جگہ تھی۔ میں نے خدا کا نام لے کر اس شگاف کے اندر تیسرا بم بھی پہلو میں ایک جانب لگا دیا اور احتیاط کے طور پر اس کے اوپر زمین پر سے ایک چھوٹی سی اینٹ اٹھا کر رکھ دی۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں واپس مڑا۔ سرنگ کے دہانے پر آ کر لیٹ گیا اور کہنیوں کے بل رینگتا ہوا سرنگ سے

نکل کر جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے درختوں میں آ گیا اور اونچی سوکھی گھاس میں سے رینگ رینگ کر گزرتا شمال مشرق کی جانب جو درختوں کی چھوٹی سی تلہٹی تھی۔ وہاں پہنچ کر رک گیا اور گھاس میں لیٹا رہا۔

میں نے اپنے مشن کے خیریت کے مکمل ہو جانے پر خداوند کا شکر ادا کیا اور تھوڑا سا دم لے کر اوپر سے ہوتا ہوا اپنے کوارٹر کی دیوار کے پیچھے آ گیا۔ پھر میں نے دیوار پھاندی اور اپنے کوارٹر کے آنگن میں جا گرا۔

یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اسپل وے کی تین سرنگوں میں اٹھارہ تباہ کن بم لگا دیئے ہیں۔ کوارٹر میں آتے ہی مجھ پر تھکن طاری ہو گئی۔ چھلی ہوئی کہنیوں کا درد بھی جاگ اٹھا اور جہاں جہاں گردن اور بازوؤں پر مچھروں نے کاٹا تھا۔ وہاں بھی خارش شروع ہو گئی لیکن میں اپنی کامیابی پر اس قدر خوش تھا کہ ان باتوں کی طرف میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔

پوشالی جاگ رہی تھی۔ اس نے مجھے کوارٹر کے صحن میں کودتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے فوراً کوٹھری کا دروازہ کھول دیا۔ میں اندر آتے ہی بے دم سا ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں سارے کے سارے بم محفوظ مقامات پر لگا آیا ہوں تو اسے یقین نہیں آیا۔ یقین مجھے بھی نہیں آ رہا تھا۔

کوٹھری میں موم بتی جل رہی تھی۔ پوشالی نے تھرموس میں چائے نکال کر مجھے دی۔ گرم گرم چائے پی کر میرا جسم گرم ہو گیا۔ پھر میں نے پوشالی سے کہا۔

"کل دن میں ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان اگر میرے لگائے ہوئے بم پھٹ گئے تو یہاں تباہی مچ جائے گی۔"

پوشالی نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ تاکہ ہم بموں کے پھٹنے تک اس وادی سے دور جا چکے ہوں۔"

میں نے پوشالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں مدراسی میجر سے تمہاری بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا ہوں پوشالی۔"

پوشالی نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا اور آہستہ سے سانس بھر کر بولی۔ "ان باتوں کو بھول جاؤ۔ سمجھ لو کہ یہ ہمارے مشن کا ایک حصہ تھا۔"

باہر اندھیرے اور خاموشی میں ایک جیپ تیزی سے گزر گئی۔ ہم ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پوشالی نے جلدی سے موم بتی گل کر دی۔ "یہ کون ہو سکتا ہے؟"

"یہ سارا علاقہ فوجی ہے۔ کوئی سپاہی کسی کام سے گزرا ہو گا۔"

ہمارے کان باہر لگے تھے۔ اس کے بعد گہری خاموشی چھا گئی۔ پوشالی نے آہستہ سے کہا۔"

کہیں میجر مر تو نہیں گیا۔ آج میں نے پوری بوتل اسے پلا دی تھی۔"

"اگر وہ مر بھی گیا ہے تو آدھی رات کو اسکے بیڈ روم میں کوئی نہیں جا سکتا۔ کسی کو کیا پتہ کہ وہ مر گیا ہے۔"

پوشالی نے سرہانے کے نیچے سے ریوالور نکال کر اپنی قمیص کے اندر چھپا لیا اور بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ایک پل بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ ہمارا مشن ویسے بھی مکمل ہو چکا ہے۔"

ضروری تیاری کر لینے کے بعد ہم کمرے کا دروازہ کھول کر صحن میں آ گئے۔ یہاں سے دیوار کی طرف گئے۔ پہلے پوشالی نے دیوار پھاندی۔ اس کے پیچھے میں بھی دیوار پھاند کر جھاڑیوں میں بیٹھ گیا۔ ہم نے بیٹھے بیٹھے اردگرد کے ماحول جائزہ لیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا اور خاموشی تھی۔ ہم نے دیہاتیوں والے کپڑے پہن رکھے تھے۔ میں نے پوشالی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور تھوڑی دیر بعد ہم گیریزن کے علاقے سے نکل کر اپنے محسن مسلمان دیہاتی کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارا محسن دیہاتی اس وقت سو رہا تھا۔ ہم نے اسے اٹھایا اور اپنے کپڑے مانگے۔

وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا اور بولا۔ "کیا تم لوگ جا رہے ہو؟"

"نہیں میاں جی! جائیں گے کہاں۔ ہمیں تو اب اسی گاؤں میں رہنا ہے۔ میجر صاحب نے ہمیں اوپر شہر ایک ضروری کام سے بھیجا ہے۔ ہم نے سوچا کہ اوپر سردی ہو گی اور دوسرے گرم کپڑے پہن لیتے ہیں۔"

مسلمان دیہاتی نے کوئی اعتراض نہ کیا اور ہمیں ہمارے سیاحوں والے کپڑے کی گٹھری لا کر دے دی۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے نکل کر رتو جھالا قصبے کو جانے والی سڑک پر آ گئے۔ اندھیرے میں ہم نے دیہاتی لباس اتار کر سیاحوں والا لباس پہنا۔ دیہاتی لباس کی گٹھری بنا کر اسے نیچے ایک کھڈ میں گرا دیا اور اس پہاڑی کھوہ میں آ گئے جہاں ہم نے اپنا بریف کیس پتھروں کے پیچھے شگاف میں وہیں پڑا تھا۔ میں نے بریف کیس میں متعلقہ کاغذات اور نقشہ نکال کر اسے وہیں آگ لگا کر جلا دیا۔ اب ہمارے پاس سوائے دو پستولوں کچھ گولیوں اور زہریلے سگاروں کے سوائے اور کوئی قابل اعتراض چیز نہیں تھی۔ سگاروں پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ پستول ہم جہاں چاہتے پھینک سکتے تھے۔

اب پو پھٹ رہی تھی۔ پوشالی نے کہا۔ "رتو جھالا قصبے کے آگے جا کر ہمیں منڈی جانے والی لاری ملے گی۔ منڈی سے ہم سندر نگر اور پھر بلاس پور سے ہوتے ہوئے شملے پہنچ جائیں گے۔"

میں محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے اسے کیا کہتا؟

دوپہر تین بجے جب ہماری لاری بلاس پور اور شملے کے درمیان ایک جگہ رکی تو ایک ادھیڑ عمر دیہاتی لاری میں سوار ہوا۔ اس نے دوسرے مسافروں کو بتایا کہ رتو جھالا کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ کئی فوجی مارے گئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں یہ سن کر سکون کی گہری.... لہر اتر گئی۔ میں نے پوشالی کا ہاتھ آہستہ

سے دبایا۔ گویا میں اسے مبارک باد دے رہا تھا۔ ایک بہت بڑے ذہنی تناؤ سے ہمیں نجات مل گئی تھی۔
اب یقینی بات تھی کہ شملے کی چیک پوسٹ پر لاری کے مسافروں سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ میں کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔ شملے کے مضافات شروع ہو گئے تھے۔ میں اس لاری کے ساتھ شملے میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک چوک کا انتخاب کر لیا اور لاری رکوا کر پوشالی کے ساتھ اتر گیا۔

لاری آگے بڑھ گئی ہم ڈھلوانی پگڈنڈی پر ہو لئے جو پہاڑی۔۔۔ کے پیچھے سے ہوتی ہوئی شملہ شہر کی فروٹ مارکیٹ میں جا نکلتی تھی۔ ہم بظاہر اس طرح چل رہے تھے جیسے سیاحوں کی طرح سیر کر رہے ہوں اور مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ پوشالی نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا مشن کامیاب رہا۔"

میں اوپر شملے کی عمارتوں، گرجا گھر کے مینار اور ڈاک خانے کی اونچی دیواروں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "اب ہمیں فوراً اپنے ہوٹل پہنچنا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم شملے میں داخل ہوتے ہی مجھ سے الگ ہو کر اپنے ہوٹل چلی جاؤ۔ تم اب مجھ سے شملے میں نہیں ملو گی۔ ہماری ملاقات اب دلی میں کہیں ہو سکتی ہے۔"

"سجاتا کا کیا بنے گا؟"

"وہ ہمارے ساتھی ایجنٹوں کی حراست میں ہے۔ آج رات میں اسے ایک سوچے سمجھے ڈرامے کے ذریعے ایجنٹوں سے چھڑا کر لے آؤں گا اور پھر کل کسی وقت اسے ساتھ لے کر دلی روانہ ہو جاؤں گا۔"

پوشالی میرے پیچھے پہاڑی پگڈنڈی پر چل رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں دلی پہنچ کر کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کر لوں گی۔ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے ہم ایک چڑھائی چڑھتے ہوئے شملہ کی فروٹ مارکیٹ میں پہنچ گئے۔ ایک آدمی دکاندار کو رتو جھلا ڈیم کی تباہی کا حال بتا رہا تھا۔ میں نے سامنے دیکھتے ہوئے دبی زبان میں پوشالی سے کہا۔

"الگ ہو جاؤ۔"

پوشالی نے اپنی چال سست کر لی اور مجھ سے الگ ہو کر ایک پھل والے کی دکان پر جا کر پھل دیکھنے لگی۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور شملے کی مال روڈ پر ہوتا ہوا اپنے ہوٹل آ گیا۔

ہوٹل کا ہندو مینجر اس وقت وہاں نہیں تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے چابی لی اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ کپڑے اتارے۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ دوسرے کپڑے پہنے۔ کھانا منگوا کر کھایا اور دروازہ اندر سے بند کر کے ایسی گہری نیند سویا کہ جب آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جلدی سے اٹھ کر بتی روشن کی۔ گھڑی دیکھی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے

آدمیوں کو بھی ڈیم کی تباہی کا علم ہو گیا ہو گا اور وہ مجھ سے رابطہ کرنے والے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا اور کافی منگوا کر پیتا رہا۔ پھر ریڈیو کھول کر خبریں سنیں۔ خبروں میں یہی بتایا گیا کہ ہمسایہ ملک کے کسی تخریب کار نے رتو جھالا ڈیم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر اسے موقع پر ہی فوج نے پکڑ لیا۔ ڈیم کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ کچھ سپاہی زخمی ہو گئے ہیں اور انہیں اسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس خبر نے ثابت کر دیا کہ ڈیم مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے۔ اس دیہاتی کی خبر سچی تھی جس نے راستے میں لاری میں سوار ہونے کے بعد مسافروں کو بتایا تھا کہ رتو جھالا ڈیم پھٹ گیا ہے اور سینکڑوں فوجی مارے گئے ہیں۔

رات کے سوا گیارہ بجے تو وادی کی طرف کھلنے والی کھڑکی پر کسی نے مخصوص انداز میں تین بار ٹک ٹک کی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ ایک آدمی اندر آ گیا اس نے کھڑکی بند کر کے مجھے سینے سے لگا لیا۔

"مبارک ہو تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"نقصان کتنا ہوا ہے میں یہ معلوم کرنے کو بے تاب ہوں۔" میں نے دریافت کیا۔

"ڈیم کے چھ کے چھ اسپل وے تباہ ہو گئے ہیں کافی سپاہی بھی مارے گئے ہیں۔ ہمارے مخبر نے ہمیں بتایا ہے کہ اب اس ڈیم کی مرمت میں کم از کم چھ سات ماہ لگ جائیں گے۔ ہمیں اتنی ہی مہلت چاہیئے تھی۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور پوچھا کہ سجاتا کس حال میں ہے۔ اس نے کہا "ہم نے اسے قید میں ڈال رکھا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی میرے ساتھ چلو اور ہمارے آدمیوں کے ساتھ ایک ذرا سی جھڑپ کے بعد اسے رہا کر کے لے جاؤ کیونکہ ہمیں اب آگے جانا ہے۔ ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔

میں نے کہا۔ "میں بالکل تیار ہوں۔"

کمرے سے نکلنے کے لئے کھڑکی کا راستہ استعمال کیا گیا۔ وہ مجھے اندھیروں، گھاٹیوں اور کھائیوں میں سے گزار کر ایک ایسی جگہ لے آیا جہاں چیڑ کے درختوں میں ایک لکڑی کا چھوٹا سا کوارٹر بنا ہوا تھا۔ یہاں اس نے سیٹی کی ایک مخصوص آواز نکالی جسے سن کر اندھیرے میں تین آدمی وہاں آ گئے۔ ان میں سے دو کے پاس اسٹین گنیں تھیں۔ اس نے ہمیں سمجھانا شروع کر دیا کہ سجاتا کو کس طرح "چھڑانا" ہو گا۔ جب ساری باتیں طے ہو گئیں تو وہ اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں کوارٹر کی طرف بڑھا۔ ایک طرف سے کسی نے بلند آواز میں للکار کر کہا۔

"کون ہو تم؟"

میں نے بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق چلا کر کہا۔ "خبردار! پولیس ہمارے ساتھ ہے جہاں

کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو اور ہتھیار پھینک دو۔"

اپنے ایجنٹ نے بتا دیا تھا کہ کوارٹر کے اندر میری ہونے والی بیوی سجاتا جاگ رہی ہے اور وہ بھی میری آواز سن لے گی اور ہمارا آدمی وہاں اسے اندر بھی بتا دے گا کہ تمہارا منگیتر تمہیں چھڑانے کے لئے آیا ہے مگر ہم اس کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں کوارٹر کی طرف دوڑا۔

دو آدمی مجھ سے گتھم گتھا ہو گئے۔ فائر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم اسی طرح مصنوعی لڑائی لڑتے کوارٹر کے دروازے کی طرف آ گئے۔ اندر سے کسی نے دروازہ کھول دیا اور مجھ پر پستول تان لیا۔ اس دوران میں ایک آدمی اپنے آپ میرے قابو میں آ گیا۔ میں نے اس کی کمر کے ساتھ اپنی انگلی لگا کر کہا۔

"میرے پاس بھرا ہوا پستول ہے۔ اگر تم نے ہتھیار نہ پھینکا تو میں تمہارے آدمی کو گولی مار دوں گا۔ وہ میری زد میں ہے۔"

یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا۔ کوارٹر کے دروازے میں کھڑے ہوئے اپنے آدمی نے اسٹین گن نیچے پھینک دی۔ میں نے چلا کر کہا۔

"سجاتا! باہر نکل آؤ' جلدی کرو۔"

سجاتا گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ اس کے بال کھلے تھے۔ اندھیرے میں اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور روتے ہوئے بولی

"کرشن! مجھے ان ظالموں سے بچا لو۔"

میں نے "دشمن کی پیٹھ پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔ سجاتا سے کہا۔ "میرے پیچھے آ جاؤ سجاتا۔ گھبراؤ نہیں پولیس آ رہی ہے۔"

میں نے سجاتا کو جونہی ایک ہاتھ سے تھاما۔ منصوبے کے مطابق سارے "غنڈے" یعنی اپنے آدمی ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ میں ان کی طرف لپکا تو سجاتا نے مجھے پکڑ لیا۔

"بھگوان کے لئے ان کا پیچھا نہ کرو۔ یہاں سے بھاگ چلو یہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔"

میں بھی یہی کرنے والا تھا۔ میں نے سجاتا کو ساتھ لیا اور ہم بھاگتے ہوئے اس علاقے سے نکل کر امپیریل ہوٹل کی طرف چلے۔ سجاتا کی سانس پھول گئی تو وہ وہیں بیٹھ گئی۔ اور ہانپتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے اب نہیں بھاگا جاتا۔"

میں نے اسے اپنے ساتھ لیا اور اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کی بڑی کرپا ہوئی ہے سجاتا۔ مجھے ایک مخبر نے خبر کر دی تھی کہ غنڈوں نے تمہیں اس جنگل میں چھپا رکھا ہے۔ تمہارے بغیر میں نے بڑی پریشانی میں دن گزارے ہیں۔"

سجاتا نے سانس درست کرتے ہوئے۔" میرا دل کہتا تھا کہ تم آکر مجھے ضرور ان لوگوں سے چھڑالو گے۔"

وہ اٹھی اور میرے ساتھ تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ اپنے کمرے کی چابی میری جیکٹ میں تھی۔ میں اسے کھڑکی میں سے اندر جانے کی بجائے ہوٹل کی لابی کی طرف سے کاؤنٹر پر لے آیا۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ اتفاق سے ہوٹل کا ہندو مینجر کاؤنٹر پر رجسٹر کھولے اس پر کچھ لکھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر حیران سا ہو گیا پھر بولا۔

" مہاراج جی! شریمتی جی مل گئیں؟ بھگوان نے بڑی دیا کی۔"

میں نے کہا" بس کسی پچھلے جنم کا نیک کرم ہمارے کام آگیا ہے بھائی جی!"

میں سجاتا کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کا سامان میں نے اپنے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ سجاتا کمرے میں آتے ہی میرے ساتھ لگ کر رونے لگی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔ میرے دشمن میرے پیچھے لگے تھے۔ مگر میں نے آخر تمہیں ان کے چنگل سے چھڑا لیا۔ میں نے تھانے سکھ ایس ایچ او کو فون کر بتا دیا کہ سجاتا مل گئی ہے۔ سکھ ایس ایچ او حیرانی سے بولا۔

" مہاراج! آپ نے تو کمال کر دیا۔ اب تھانے آکر رپورٹ لکھوا نامت بھولئے گا۔ ہم کیس داخل دفتر کر دیں گے۔"

سجاتا نے پوچھا۔" تم نے وہاں کہا تھا کہ پولیس میرے ساتھ ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔" وہ تو میں نے غنڈوں پر رعب ڈالنے کے لئے کہا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو وہ بھی ہتھیار نہ پھینکتے۔"

سجاتا نے ماتا جی کے بارے میں پوچھا کہ انکی حالت کیسی ہے؟"

میں نے کہا۔" وہ پریشان تھیں۔ باقی گھر والے بھی یہاں آنا چاہتے تھے مگر میں نے انہیں روک دیا اور کہا کہ میں اکیلا ہی سجاتا کو برآمد کر لوں گا۔"

سجاتا نے اسی وقت اپنے ماتا پتا کو گھر فون کر کے بتا دیا کہ یعنی میں نے اسے غنڈوں سے چھڑا لیا ہے اور بالکل خیریت سے ہوں۔ ماتا پتا کی جان میں جان آگئی۔ میں نے بھی انسے بات کی اور کہا کہ میں سجاتا کو لے کر کل شملے سے روانہ ہو رہا ہوں۔

دوسرے دن میں نے تھانے جا کر سجاتا کی برآمدگی کی رپورٹ درج کرائی۔ غنڈوں کے بارے میں بتایا کہ جنگل میں ایک کوارٹر میں انہوں نے سجاتا کو قید کر رکھا تھا۔ یہ بھی پروگرام کے مطابق تھا۔ کیونکہ اپنے ایجنٹوں نے کہا تھا کہ وہ ..... ہمارے جانے کے بعد وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ پولیس انہیں کبھی تلاش نہیں کر سکے گی۔ ہوٹل واپس آکر میں نے اپنے آفس فون کر کے اپنے باس تیواڑی کو بتایا کہ میں نے پولیس کی مدد سے سجاتا کو غنڈوں سے چھڑا لیا ہے اور اب میں دلی پہنچ رہا ہوں۔

شملے جو دن کے وقت اخبار پہنچے ان میں تو رتو جھالا ڈیم کی تباہی کے بارے میں اتنی ہی خبر چھپی تھی کہ جو آل انڈیا ریڈیو نے رات براڈ کاسٹ کی تھی مگر شملے میں ہر جگہ ڈیم کی تباہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ڈیم مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے اور بھاری جانی نقصان ہوا ہے۔

دوپہر کا کھانا میں اور سجاتا نے ایک ہوٹل میں کھایا۔ وہ بھی ڈیم کی تباہی کی باتیں کرنے لگی۔ میں نے کہا "یہ تخریب کاری ہے سجاتا۔ بھگوان نے چاہا تو ہم تخریب کاروں کو بہت جلد گرفتار کرلیں گے۔"

"میں نے تین بجے سہ پہر کی فلائٹ سے دلی کے لئے دو نشستیں مخصوص کروانی چاہیں مگر اسی فلائٹ میں مجھے جگہ نہ مل سکی۔ آخر سات بجے شام کی فلائٹ میں ہمیں دو سیٹیں مل گئیں اور ہم شملے سے دلی کی طرف پرواز کر گئے۔

دلی پہنچتے ہی میں سجاتا کو لے کر سیدھا اس کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے ماتا پتا بہن بھائی تو اسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئے۔ کوئی چوم رہا تھا۔ کوئی گلے لگا رہا تھا۔ سجاتا کی ماتا نے فوراً ہم دونوں کی آرتی اتاری۔ ماتھوں پر تل لگائے اور بھگوان کی مورتی کے آگے ماتھا ٹیکا۔ میں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ سجاتا کو غنڈوں سے برآمد کرنے کی ڈرامائی کہانی سنائی۔ میری بہادری پر ہر کوئی عش عش کر رہا تھا۔

رات گئے میں سجاتا کے گھر سے اپنے مکان میں آگیا۔ میرے مکان پر سوائے گورکھالی چوکیدار کے اور کوئی خیر مقدم کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور سو گیا۔ اگلے روز دفتر پہنچا تو وہاں کی فضا میں ایک خاص قسم کی پُراسراریت سی محسوس کی۔

باس اور دوسرے آفیسروں نے مجھے سجاتا کی برآمدگی پر مبارک باد دی۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ ان کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ بہت جلد یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اسکی وجہ رتو جھالا ڈیم کی تباہی اور بھارتی فوج کا جانی نقصان تھا۔

مسٹر تیواڑی نے دوپہر کے کھانے کے بعد مجھے اپنے کمرے میں بلوایا۔ خندہ پیشانی کے ساتھ مجھے تھرموس میں سے کافی نکال کر پیش کی اور ادھر ادھر کی دفتری باتیں شروع کر دیں پھر اچانک میری طرف گھورتے ہوئے بولا

کیپٹن مہتہ! ۳ اکتوبر کی رات کو تم کہاں تھے ؟"

یہ سوال اتنا اچانک تھا کہ میرا تجربہ اور خود اعتمادی میرے ساتھ نہ ہوتی تو میرے قدم اکھڑ گئے تھے۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں سمجھ گیا کہ یہی وہی رات تھی۔ جس رات چسبہ وادی کا رتو جھالا ڈیم بم کے دھماکے سے اڑا دیا گیا تھا۔ میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے تاریخ یاد کر رہا ہوں پھر تیواڑی کی طرف دیکھ کر بڑے نارمل انداز میں کہا۔

"تین اکتوبر کی رات کو میں کالکا شہر سے سات میل نیچے کرگالی گاؤں میں غنڈوں کے ٹھکانے کے سراغ لگانے کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مجھے اطلاع ملی تھی کہ سجاتا کو اغواء کر کے

رکھا ہوا ہے۔"

یہ میں بڑے اعتماد کے ساتھ ایک ہی جملے میں بول گیا کرگالی گاؤں کا نام بھی میں نے یونہی بول دیا تھا۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ کم بخت تیواڑی شملے کے اردگرد کے سارے علاقے کی چپہ چپہ زمین سے واقف تھا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے بڑے اطمینان سے اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بولا۔

"کالکا کے نیچے کرگالی نام کا کوئی گاؤں نہیں ہے۔ کہو تو میں تمہیں کالکا کے آس پاس کے سارے گاؤں کے نام گنوا دوں؟"

یہ شخص مجھ سے کیا اگلوانا چاہتا تھا؟ ایک لمحے کے لئے تشویش کی ایک ہلکی سی لہر میرے چہرے کے اوپر سے ہو کر گزر گئی۔ لیکن میں نے اس لمحے سے پہلے اپنے آپکو سنبھال لیا تھا۔

"سر مجھے اس گاؤں کا نام ٹھیک سے یاد نہیں رہا... شردھالی... یا کرشالی کچھ اسی قسم کا نام تھا اس گاؤں کا۔"

تیواڑی نے مسکراتے ہوئے کہا۔" چلو ہو گا کوئی گاؤں۔ کافی اور ڈالوں کیپٹن مہتہ ؟" اس نے تھرموس کا ڈاٹ کھولتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" میں نے کہا

تیواڑی نے تھرموس میں سے اپنے پیالے میں کافی انڈیلی اور تھرموس کو بند کر کے پیچھے تپائی پر رکھ دیا۔ "کیپٹن مہتہ! شاید تمہیں علم ہو گا۔ میرا مطلب ہے تم نے اخباروں میں رتو جھالا ڈیم کی تباہی کی خبر ضرور پڑھی ہو گی۔؟"

میں نے تشویش کے تاثرات چہرے پر پیدا کرتے ہوئے کہا۔" ہاں سر! میں شملے میں سنجا تا کو لے کر آ گیا تھا کہ وہاں میں نے ریڈیو پر خبر سنی۔ سر! ہمارا کتنا نقصان ہوا ہے؟"

تیواڑی، اب بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے مجھے گھور رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے سربستہ رازوں تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کہیں اسے شک تو نہیں پڑ گیا؟ میں نے اس خیال کو فوراً ذہن سے نکال دیا اور اس سے پہلے کہ وہ میرے سوال کا جواب دے۔ خود ہی بول اٹھا۔

"ہمارے ریڈیو نے تو زیادہ نقصان نہیں بتایا۔"

تیواڑی نے آنکھیں میرے چہرے سے ہٹا لیں اور ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے ایک لمبی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ کرسی کی چرچراہٹ مجھے اپنے دماغ میں سلاخوں کی طرح گھستی محسوس ہوئی۔ تیواڑی آہستہ آہستہ کرسی پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں! زیادہ نقصان نہیں ہوا بس پورا ڈیم تباہ ہو گیا ہے اور پچاس فوجی ہلاک ہو گئے ہیں۔"

میں دل میں حیران ہوا کہ وہاں تو چار پانچ سپاہی ہی پہرہ دے رہے تھے۔ یہ پچاس فوجی کہاں سے ہلاک ہو گئے۔ میں نے اس طرح سے چہرہ بنا لیا جیسے مجھے ڈیم کی بربادی کا سب سے زیادہ افسوس ہوا ہو۔

سر! یہ ضرور تخریب کاری کا کیس ہے۔ ہمسایہ ملک کے آدمیوں نے ہمارے ڈیم کو تباہ کیا ہے۔ ان کی وزارت نے تو شروع دن سے واویلا مچانا شروع کر دیا تھا کہ اس ڈیم کی تعمیر سے ہماری زمینیں بنجر ہو جائیں گی۔"

تیواڑی کی تیز نگاہیں میرے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ پھیلے کہنے لگا۔" ہمسایہ ملک کے تخریب کاروں کو کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے کیپٹن مہتہ؟"

یہ ایک عجیب سا سوال تھا۔ تیواڑی بڑا سینئر انٹیلی جینس آفیسر تھا۔ وہ مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہا تھا؟ بات بگڑتی دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے اپنے ارد گرد دباؤ سا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کہا۔

" سر! یہ تخریب کار جموں کشمیر کی وادی میں سرحد پار کر کے آتے ہیں۔ ہمیں وہاں سیکورٹی سخت کر دینی چاہیئے۔ سر! کیا یہ کیس ہمیں ریفر کیا گیا ہے؟"

تیواڑی کا چہرہ پتھر کی طرح سنجیدہ ہو گیا کہنے لگا۔

" مسٹر مہتہ! یہ کیس ہمیں ریفر نہیں ہو گا تو کیا پاکستان کو ریفر ہو گا؟"

تیواڑی کی زبان سے اچانک پاکستان کا نام سن کر میں سر سے پاؤں تک ایک لمحے کے لئے سن ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ آخر میں بھی ہندوستان کی سنٹرل گورنمنٹ کا آفیسر ہوں۔ یہ مجھے اس طرح اپنے دام میں گرفتار نہیں کر سکتا۔ میرے خلاف وہاں کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا میں نے بھی لہجہ ذرا سخت کرتے ہوئے کہا۔

" سر! کیا آپ مجھ پر طنز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ میں نے ایک دفتری ضابطے کی بات کی تھی۔"

تیواڑی نے فوراً اپنا لہجہ بدل لیا۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔" کیپٹن مہتہ! تم تو برا مان گئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تم ایک تجربہ کار آفیسر ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ ہمارا محکمہ سنٹرل خفیہ پولیس کا ہے۔ دیش کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ دیش کی ساکھ کو اتنا زبردست دھچکا لگا ہے تو لازمی طور پر اسکی انوسٹی گیشن بھی ہمارا محکمہ ہی کرے گا۔" میں نے انتہائی ذمہ دار افسر کے کردار کی عکاسی کرتے ہوئے کہا۔

" سر! یہ کیس میں اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابھی سے اسکی تحقیقات شروع کر دوں۔"

تیواڑی نے عینک اتار کر ٹشو پیپر سے اسکے شیشے صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔" ہم اس کا فیصلہ آج ہی کریں گے کہ یہ کیس کس کو سونپا جانا چاہیئے۔ بہرحال تم رتو جھال ڈیم کی فائلیں

منگوا کر اسکی اسٹڈی کرو۔ تم جا سکتے ہو کیپٹن ؟"
میں نے نمستے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ اپنے کمرے میں آیا تو میری کنپٹیاں بج رہی تھیں۔ دماغ بڑی تیزی سے ایک ہی خیال چکر لگا رہا تھا۔ تیواڑی کو شاید مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ آنجہانی ٹنڈن نے بھی مجھ پر ایسا ہی شک کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے تیواڑی کو میرے بارے میں اپنے شکوک ضرور بتا دئے ہوں گے۔ آخر تیواڑی بھی اس کا ساتھی تھا۔ تو کیا اس سے بھی نمٹنا ہو گا ؟ ہاں ! یہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔ وگرنہ میں اپنے وطن کی خاطر آگے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ یہ شخص نہ صرف میرا راستہ روکنے والا تھا بلکہ اسکی باتوں سے مجھے یہ بھی شک پڑا کہ یہ شاید وہ میری نگرانی شروع کروا رہا ہے۔
زہریلے سگار میرے پاس موجود تھے۔ میں انکی مدد سے تیواڑی کو بھی اپنے راستے سے ہٹا سکتا تھا۔
سارا دن میرے دل میں عجیب سی کھد بد سی لگی رہی مجھے اپنے گرد ایک جال سا پھیلا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ دفتر میں میں ساڑھے چار بجے تک رہا۔ اسکے بعد تیواڑی نے مجھے اپنے کمرے میں نہ بلوایا۔
میں دفتر سے نکلا تو میرا ذہن پریشان تھا۔ محض تفریح کی خاطر میں نے گاڑی کا رخ قطب صاحب کی طرف موڑ دیا۔ شام تک وہاں پارک میں پھرتا رہا۔ وہاں ایک جگہ چائے پی۔ جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو میں چاندنی چوک میں آ گیا۔ سامنے سینما ہاؤس کے باہر امیتابھ بچن کی نئی فلم کا بورڈ لگا تھا۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے گیلری کا ٹکٹ خرید ا اور سینما ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں پردۂ سیمیں پر لگی تھیں۔ لیکن ذہن میں ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا کہ تیواڑی سے کہاں نمٹا جا سکتا تھا۔ وہ سگریٹ پیتا ہے۔ اسے سگار پیش کرنے پڑیں گے۔ یہ سگار اسے کسی ایسی جگہ پیش کرنے چاہئیں۔ جہاں بعد میں اسکی لاش کم از کم ایک آدھ گھنٹے تک اکیلی پڑی رہے تاکہ میں جائے واردات سے کافی دور جا سکوں۔
میں سینما ہال میں بیٹھا یہی کچھ سوچ رہا تھا اور حالات کس قدر سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ مجھے علم ہی نہیں تھا انٹرول ہو گیا۔ انٹرول کے دوران بھی میں سینما ہال میں بیٹھا رہا۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ میں انٹرول میں اٹھ کر واپس اپنے موتی نگر والے مکان پر نہیں آ گیا تھا۔ تقدیر بھی کیا چیز ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقدیر انسان کو ادھر ادھر سے گھیر گھار کر موت کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ تقدیر انسان کو ایسے طریقوں سے موت کے منہ سے بچاتی ہے کہ آدمی ہکا بکا ہو کر رہ جاتا ہے۔
انٹرول کے بعد فلم شروع ہو گئی۔ میں پھر اپنے منصوبوں کی دنیا میں کھو گیا۔ بیچ بیچ میں ایک آدھ منٹ کے لئے فلم پر توجہ دے دیتا اور پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا۔
ساڑھے نو بجے فلم ختم ہوئی تو میں گاڑی نکال کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اکتوبر کی خنک رات میں دلی کی سڑکیں روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ بڑے پل سے اتر کر اپنے موتی نگر والے مکان کی طرف گاڑی موڑنے ہی والا تھا کہ تقدیر نے مجھے ایک ریستوران کی طرف موڑ دیا۔ دا

میں خیال آیا کہ کھانا کسی ریستوران میں کھانا چاہیے۔ نوکرانی نے وہی دال پکائی ہو گی۔

تقدیر میری حفاظت کر رہی تھی۔ ریستوران میں بیٹھ کر میں نے کھانا کھایا۔ پھر کافی منگوائی۔ اچانک مجھے سجاتا کا خیال آ گیا۔ سوچا کیوں نہ فون کر کے اس سے محبت کی دو چار باتیں کی جائیں۔ میں نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی۔ کسی نے ریسیور اٹھایا۔ میں نے کہا۔

"ہیلو سجاتا!"

دوسری طرف سے سجاتا کی آواز آئی۔" سوری! رانگ نمبر۔"

میں نے جلدی سے کہا۔" سجاتا! میں کشن کیپٹن مہتہ بول..."

سجاتا نے جھنجھلا کر میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔" کہہ جو دیا رانگ نمبر ہے۔"

دوسری طرف سے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ سجاتا کو آج کیا ہو گیا ہے۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ سجاتا نے مجھے ایک بار ہدایت کی تھی کہ اگر تم گھر پر بھی فون کرو اور گھر پر کسی قسم کے رشتے دار یا مہمان بیٹھے ہوں. اور تم سے ان کے سامنے راز و نیاز کی باتیں نہ کر سکوں تو میں تمہیں جھنجھلا کر سوری رانگ نمبر کہوں گی۔ پھر تم مجھے دو منٹ بعد کملا کے گھر فون کر دیا کرنا۔

کملا کا مکان سجاتا کے مکان کے ساتھ ہی تھا۔ سجاتا نے مجھے کملا کا فون نمبر بھی لکھوا دیا تھا۔ ایک دو بار ایسا ہو چکا تھا۔ اور میں نے کملا کے فون پر سجاتا سے باتیں کی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ سجاتا کے ہاں کچھ لوگ آئے بیٹھے ہیں۔ جن کے سامنے وہ مجھ سے کھل کر باتیں نہیں کر سکتی۔ میں نے جلدی سے اپنی نوٹ بک نکال کر دیکھی۔ اس میں کملا کے مکان کا ٹیلیفون نمبر موجود تھا۔ اب مجھے دو تین منٹ تک انتظار کرنا تھا۔ تاکہ سجاتا اپنے مکان سے نکل کر کملا کے مکان پر پہنچ جائے۔

میں سگریٹ سلگا کر کاؤنٹر کے پاس کھڑا رہا۔ جان بوجھ کر میں پورے پانچ منٹ بعد کملا کے گھر فون کیا تو سجاتا نے فون اٹھایا۔ میں نے ہنس کر پوچھا۔

"کون مہمان آ گئے آج تمہارے ہاں سجاتا کہ جن کے سامنے تم مجھ سے بات نہیں کر سکتی تھیں؟"

سجاتا کی آواز کچھ پریشان سی تھی۔ وہ دھیمی آواز میں بولی۔" کشن! اپنی کوٹھی ابھی نہ جانا۔ کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔ کوٹھی میں پولیس آئی ہوئی ہے وہ تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہے۔"

یک بارگی تو میرا دل جیسے ڈوب سا گیا لیکن میں نے جلدی ہی سنبھل کر کہا۔ " ایسی کون سی بات ہے سجاتا! پولیس کو ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ "

سجاتا کی آواز آئی۔ " پلیز کشن! مسٹر تیواڑی اور آئی جی پولیس بھی ہماری کوٹھی پر موجود ہیں۔ تم کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم ایسے نہیں ہو سکتے۔ پلیز! کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔ اپنے مکان پر مت جانا۔ میں بڑی مشکل سے کملا کے گھر تک آئی ہوں۔ "

اور سجاتا نے فون بند کر دیا۔ اچانک سارا دلی مجھے اپنا دشمن نظر لگا۔ ہر آدمی مجھے اپنی طرف سے مشکوک نگاہوں سے گھورتا ہوا معلوم ہوا۔ میں اس بات کا۔ اعتراف کرتا ہوں کہ میرے ہونٹ اس وقت خشک ہو گئے تھے ذہن سنسنا رہا تھا۔ یہ کیفیت چند سیکنڈ تک طاری رہی۔ میں سگریٹ کا کش لگانا بھی بھول گیا تھا۔ کاؤنٹر سے ہٹ کر اپنی ٹیبل پر گیا تو سگریٹ ایش ٹرے میں مسل ڈالا اور بظاہر بڑی بے نیازی کے ساتھ ریستوران کے ماحول کا جائزہ لیا۔ جس بات کا مجھے کل سے خدشہ اور دھڑکا لگا ہوا تھا آخر وہ سچ نکلی تھی۔ انہوں نے میرے گھر پر چھاپا مارا ہو گا۔ میں وہاں نہیں ملا تو وہ سجاتا کے گھر آ گئے۔ انہوں نے سجاتا کے گھر کی ناکہ بندی کر رکھی ہو گی۔ اب خیال آیا کہ اگر میں سینما ہاؤس سے نکل کر سیدھا سجاتا کے مکان کی طرف چلا جاتا تو اس وقت پولیس مجھے گرفتار کر چکی ہوتی۔

میں نے بل ادا کیا اور گاڑی لے کر دلی کی سڑکوں پر نکل کھڑا ہوا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے میں کناٹ پیلس کے پہلو سے ہوتا ہوا قطب روڈ پر آ گیا۔ میرے پاس دلی میں مقیم اپنے ایک خاص الخاص ایجنٹ کا خفیہ ٹیلی فون نمبر تھا۔ یہ نمبر مجھے اس لئے دیا گیا تھا کہ اگر کبھی حالات انتہائی سنگین شکل اختیار کر جائیں تو میں مدد کے لئے اسے فون کروں۔ قطب روڈ پر ایک جگہ مجھے پارک کے قریب کیمسٹ کی دکان نظر آئی جو کھلی تھی۔ میں نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور دکان میں جا کر کاؤنٹر پر کھڑے دکاندار سے کہا کہ مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ اس نے فون میرے آگے کر دیا۔

میں نے اپنا منہ ریسیور کی طرف کر لیا اور ریسیور اٹھا کر خفیہ نمبر ملایا۔ میں یہ فون پہلی بار کر رہا تھا۔ میرا حلق تناؤ کی وجہ سے خشک ہو رہا تھا۔ میں نے ہیلو کہہ کر اپنا کوڈ نمبر بتایا تو دوسری طرف سے کسی

آدمی کی بھاری آواز آئی۔

" تم ابھی تک یہاں کیوں ہو؟ فوراً غائب ہو جاؤ دوبارہ فون نہ کرنا۔ "

فون بند کر دیا گیا۔ میں نے ریسیور خاموشی سے رکھ دیا۔ دکان دار کو دو روپے دیئے گاڑی میں بیٹھا اور شہر کی مشرقی سمت روانہ ہو گیا۔ میری منزل خلیل کا گھر تھا اس سارے شہر میں مجھے خلیل رکشا ڈرائیور کا گھر ہی ایک جائے پناہ نظر آ رہی تھی۔

میرا راز طشت از بام ہو چکا تھا۔ سارے شہر کی پولیس کو چوکس کر دیا گیا ہو گا۔ میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہوں گے۔ میں دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے مجھے اپنے موتی نگر والے مکان کی طرف نہیں جانے دیا۔ میں سجاتا کا بھی شکر گزار تھا کہ اس نے مجھے اپنے گھر آنے سے روک دیا ورنہ میں اس وقت دلی قلعے کے تنگ و تاریک تہ خانے میں بند ہوتا اور مجھ پر طرح طرح کا تشدد کیا جا رہا ہوتا۔ میرے پاس سوائے ان کپڑوں کے جو میں نے پہن رکھے تھے اور کوئی لباس نہیں تھا۔ جیب میں تین چار سو روپے تھے دفتر کا آئی ڈی کارڈ تھا۔ گاڑی کے ڈیش بورڈ میں کیپٹن مہتہ کے نام کے کاغذات پڑے تھے۔ میں اس گاڑی سے بھی جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ ریلوے اسٹیشن 'لاری اڈے یا ایئر پورٹ پر جانا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ پولیس نے ان تمام جگہوں کی لازمی طور پر ناکہ بندی کر رکھی ہو گی۔ مجھے دور سے تمار پور کی بستی کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ میں نے لکھنؤ روڈ کے ناکے پر جا کر گاڑی کو دریا جمنا کے بند والی سڑک پر ڈال دیا۔

کافی آگے جا کر میں نے گاڑی اندھیرے میں ایک جگہ کھڑی کی اور باہر نکل کر سر جھکائے خلیل کے کونے والے کوارٹر کی طرف چل پڑا' صحن کی بتی جل رہی تھی۔ گلی خالی پڑی تھی۔ میں نے دستک دی تو اندر سے کسی کی آواز آئی۔ " کون ہے بھئی؟ "

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے خوشی ہوئی۔ یہ آواز خلیل کی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا۔ خلیل نے جھانک کر باہر دیکھا۔ " کون ہے یہاں اس وقت؟ "

میں روشنی میں آ گیا تو خلیل مجھے دیکھتا رہ گیا پھر اس نے گلی میں دائیں بائیں نگاہ دوڑائی اور مجھے اشارے سے اندر بلایا۔ " خیریت تو ہے نا؟ "

اس نے گرم چادر سے منہ سر پر اوڑھی اور مجھے ساتھ لے کر گلی سے نکلا اور ویران تالاب کے کنارے اپنے گیراج میں لے آیا آس پاس اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی گاڑی کے بارے میں بتایا تو کہنے لگا۔

" میں اسے بالکل توڑ پھوڑ دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ صبح تک وہ پہچانی نہیں جائے گی تم یہاں آرام سے بیٹھو۔ اندر سے کنڈی لگا لینا۔ میں باہر سے تالا لگا دوں گا۔ "

میں نے مسلمان کیپٹن شاہ جی کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا۔ " ان کا تبادلہ بمبئی ہو گیا ہے۔

وہ دلی میں نہیں ہیں۔ صبح صبح آؤں گا۔"

خلیل باہر نکل گیا۔ اور میں نے اندر سے کنڈی لگالی۔ چارپائی پر لیٹ کر میں جانے کیا کیا سوچتا رہا اور کیسے کیسے منصوبے بناتا رہا۔ اسی عالم میں کسی وقت نیند آگئی اور جب آنکھ کھلی تو گیراج کے بند دروازوں میں سے صبح کا پھیکا پھیکا اجالا اندر آرہا تھا پھر تالا کھلا اور خلیل اندر آگیا۔ وہ میرے لئے ناشتا لایا تھا۔ اب میں نے اسے ساری بات بتائی کہ میرا راز فاش ہو چکا ہے۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ میں کس طرف روپوش ہو جاؤں یہاں میں زیادہ سے زیادہ ایک دو دن ہی رہ سکتا ہوں" خلیل ناشتے کا ڈبہ میرے سامنے کھول کر بولا۔ "شاہ جی یہاں ہوتے تو تمہیں کوئی مشورہ دے سکتے تھے۔ مجھے ان باتوں کا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ ویسے اگر تم پسند کرو تو یہاں ایک ہفتے تک تو رہ سکتے ہو۔"

"وہ میں اس لئے بھی یہاں رہنا چاہوں گا کہ میری داڑھی بڑھ جائے میں داڑھی چھوڑ رہا ہوں تاکہ حلیہ کسی حد تک بدل جائے۔ تم آج اخبار نہیں لائے۔"

خلیل بولا۔ "اخبار ابھی کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ میں تھوڑی دیر میں تمہیں لا دوں گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

خلیل چلا گیا اور برتن بھی ساتھ لے گیا۔ جب وہ دوبارہ آیا تو دن کافی نکل آیا تھا میں نے جلدی سے اخبار لے کر کھولا۔ دوسرے ہی صفحے پر میری تصویر کے ساتھ ایک دو کالمی خبر چھپی ہوئی تھی۔

لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ کیپٹن مہتہ نام کا ایک پاکستانی جاسوس جو اصل میں مسلمان ہے، بھارتی حکومت کے قیمتی راز لے کر فرار ہو گیا ہے۔ جس کسی کو جہاں کہیں نظر آئے اسے پکڑ کر قریب تھانے پہنچا دیا جائے۔ اگر کسی کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو وہ مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر اطلاع کر دے۔ اسے دس ہزار روپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔ میری تصویر بڑی نمایاں چھپی تھی۔ اس حالت میں اگر میں باہر نکلتا تو کسی بھی جگہ پکڑا جا سکتا تھا۔

میں نے اخبار تہ کر کے خلیل کو دیا۔ "اب تو مجھے اپنا حلیہ بدلنے کی سخت ضرورت ہے۔"

خلیل کچھ سوچ کر بولا۔ "تم داڑھی بڑھالو۔ سر منڈوا ڈالو اور کھدر کا کرتا پاجامہ پہن لو تو تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا" داڑھی بڑھتے ہوئے تو ایک مہینہ لگ جائے گا میں ایک مہینہ یہاں رہ کر تمہارے لئے کوئی مصیبت کھڑی نہیں کرنا چاہتا۔"

خلیل بولا۔ "تم میری پروا نہ کرو۔"

لیکن اس گیراج میں زیادہ دیر رہنا ویسے بھی خطرات کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آگئی میں نے خلیل سے کہا۔ "خلیل بھائی! مجھے جوگیوں والا لباس لا دو میرا مطلب ہے۔ گیروے رنگ کی دو چادریں۔ گلے میں ڈالنے کے لئے کچھ مالائیں ایک چپل اور اوپر اوڑھنے کے

لئے ایک کالا کمبل ۔"

"یہ چیزیں تو میں کسی نہ کسی طرح سے پیدا کر دوں گا مگر تم جاؤ گے کہاں؟" خلیل نے جواب دیا۔
"ہندوستان کافی بڑا ملک ہے ۔ میرے لئے زیادہ خطرہ شمال کی طرف ہے ۔ میں جنوبی ہند کی طرف نکل جاؤں گا ۔ کچھ عرصہ کسی گھنیا جنگل کے گمنام مندر میں روپوش رہوں گا ۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے ۔"۔

"جیسے تمہاری مرضی ۔" خلیل نے شانے جھٹکے ۔ میں نے اسے کہا کہ وہ کسی طریقے سے میرے مکان کی طرف جائے اور دیکھے کہ وہاں کیسی صورت حال ہے اس نے جانے کا وعدہ کیا اور گیراج کو باہر سے تالا لگا کر چلا گیا ۔

دوپہر کو میرے لئے نان کباب لے کر واپس آیا تو کہنے لگا ۔ "تمہارے مکان پر پولیس کی پوری گارڈ بیٹھی ہوئی ہے ۔ تھانیدار نے وائرلیس سیٹ کھول رکھا تھا اور کسی سے انگریزی میں باتیں کر رہا تھا ۔ میں رکشا سڑک پر کھڑا کر کے ادھر سے گزرا تھا ۔"

مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی ۔ پولیس کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا ۔ میں نے خلیل سے کہا کہ وہ جس طرح سے ہو سکے میرے لئے جوگیوں والا لباس لے آئے ۔

دوسرے دن وہ آیا تو ایک گٹھڑی اس کے ساتھ تھی ۔ اس گٹھڑی میں وہ سب کچھ موجود تھا جس کی مجھے جوگیوں والا حلیہ بدلنے کے لئے ضرورت تھی ۔ وہ دن بھی میں نے گیراج میں ہی گزار دیا اور اگلے پروگرام کے بارے میں سوچتا رہا ۔ جنوبی ہند کا علاقہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا میں اس کے چپے چپے سے واقف تھا ۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں کس طرف جاؤں کہ پولیس اور خاص طور پر خفیہ پولیس کی نظروں سے محفوظ رہوں ۔ ہندوستان میں جوگی سادھو جگہ جگہ پھرتے مل جائیں گے لیکن مندروں میں مندروں کے علاقے میں جب کوئی نیا جوگی یا سادھو جاتا ہے تو لوگ ایک نظر اسے ضرور غور سے دیکھتے ہیں ۔

کافی سوچ بچار کے بعد آخر فیصلہ کیا کہ مجھے جنوبی ہند میں رامیشورم کے قدیم مندروں کی طرف چلے جانا چاہئے ۔ میں تامل زبان بڑی روانی سے بول لیتا تھا اور ان کے شاستروں اور ویدوں پر بھی عبور حاصل تھا اب مسئلہ دلی سے نکلنے کا تھا ۔ پولیس شہر سے باہر جاتی گاڑیوں کی ضرور چیکنگ کر رہی ہو گی ۔ اس لئے بذریعہ سڑک دلی سے باہر نکلنا زیادہ خطرناک بات تھی ۔ ٹرین کا معاملہ یہ تھا کہ اگر ایک بار میں اس میں سوار ہو جاتا تو پھر کم از کم کسی دوسرے بڑے اسٹیشن تک محفوظ ہو جاتا ۔ دوسرے روز خلیل نے مجھے آ کر بتایا کہ تامل ناڈو پسنجر ٹرین دلی سے رات کے دو بجے چلتی ہے یہ گاڑی میرے لئے موزوں تھی ۔ میں نے اسی پر سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔ ہندوستان میں سادھو اور جوگی لوگ ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ٹکٹ نہیں خریدتے لیکن میں نے خلیل کو پیسے دے کر کہا کہ وہ میرے لئے دلی سے

مدارس تک کا تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ لے آئے۔

میں نے خلیل کی مدد سے اپنے سر کے سارے بال مونڈ ڈالے۔ داڑھی بھی مونڈ ڈالی اور جوگیوں والے کپڑے پہن لئے تھے ماتھے پر کیسر کا تلک لگایا اور گلے میں منکوں کی مالائیں ڈالیں۔ رات کے ایک بجے تک میں خلیل بھائی کے گیراج میں ہی رہا۔ اس کے بعد اللہ کا نام لے کر جوگی کے بھیس میں وہاں سے نکل پڑا دریا جمنا بندر روڈ کے پاس خلیل نے رکشا کھڑا کر رکھا تھا۔ رکشا اسٹارٹ ہوا اور ہم ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

خلیل نے ریلوے یارڈ کی جنوبی دیوار کے پاس رکشا روک دیا۔ میں نے نیچے اتر کر اسے گلے لگا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور خاموشی سے دیوار کے ٹوٹے ہوئے شگاف میں سے ہو کر ریلوے یارڈ میں آ گیا سامنے اسٹیشن کے پیٹ فارموں کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ چلتے چلتے میں پلیٹ فارم نمبر 4 پر پہنچا تو ایک قلی سے معلوم کیا کہ مدراس جانے والی تامل ناڈو پسنجر ٹرین پلیٹ فارم نمبر سات پر کھڑی ہے۔ میں پلیٹ فارم نمبر سات پر آ گیا۔۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی پھر بھی اسٹیشن پر کافی رونق تھی۔ میری عقابی نگاہیں وہیں پولیس کے ان دو سپاہوں کو دیکھ رہی تھیں جو ٹی اسٹال پر کھڑے سگریٹ پی رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ میں اسٹال کے پیچھے ہو کر آگے نکل گیا۔ انجن کے قریب تین ڈبے چھوڑ کر ایک ڈبے میں گھس گیا۔ مسافروں نے مجھے بڑی عزت سے جگہ دے دی اور میں دھنے واد کہتے ہوئے بڑی شان سے براجمان ہو گیا

پلیٹ فارم کی گھڑی کے مطابق ٹرین چلنے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔ یہ بیس منٹ قیامت کے بیس منٹ ثابت ہو رہے تھے۔ خدا خدا کر کے گاڑی چلی میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پسنجر ٹرین تھی۔ فرید آباد رکی۔ وہاں سے چلی تو بیچ کے چند اسٹیشن اس نے چھوڑ دیئے اور بلند شہر پر آ کر ٹھہر گئی۔ مسافروں نے مجھے بتایا کہ یہ ٹرین گوالیار سے آگے ایکسپریس بن جاتی ہے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ میں جتنی جلدی ہو سکے شمالی ہند کے علاقے سے نکل کر جنوبی ہند کے دور افتادہ صوبوں میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

دوران سفر کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ اگلے روز صبح نو بجے ناگ پور کا جنکشن آ گیا۔ اس اسٹیشن پر پولیس کی نفری زیادہ ہی تھی۔ شاید وہاں کوئی واقعہ یا حادثہ ہو گیا تھا۔ سپاہی ایک ایک ڈبے میں جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ میں آنکھ بچا کر انجن کی طرف چلا آیا۔ یہاں انجن بدلا جانا تھا اور ٹرین کو کافی دیر رکھنا تھا۔ میں نے ٹی اسٹال سے چائے پی اور واپس آ کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

بڑی مشکل سے ٹرین ناگ پور سے چلی ~~ٹرین~~ ٹرین آندھرا پردیش میں داخل ہو گئی۔ پہلے نظام آباد آیا پھر حیدر آباد اور پھر کرنول۔ دلی سے مدراس تک کا سفر بڑا طویل اور تھکا دینے والا تھا۔ مدراس

پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ گیارہ بج رہے تھے جب تامل ناڈو ایکسپریس مدراس کے بہت بڑے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ یہاں سے مجھے مدورا کی گاڑی پکڑنی تھی کیونکہ رامیشورم کو مدورا سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔

دوسرے مسافروں کے ساتھ میں بھی ٹرین سے باہر نکل آیا۔ ڈبے میں ہی ایک مدراسی نے مجھے بتایا تھا کہ مدورا یا مجورا جانے والی گاڑی مجھے صبح سات بجے ملے گی۔ یہ وقت ظاہر ہے مجھے ریلوے اسٹیشن پر ہی گزارنا تھا اور ویٹنگ روم سے بہتر کوئی دوسری جگہ نسبتاً محفوظ نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ میں پلیٹ فارم پر اترتے ہی سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم کی طرف چل دیا۔ کچھ مسافر بید کی آرام کرسیوں اور دیوان پر گہری نیند سو رہے تھے۔ غسل خانے میں جا کر تازہ دم ہوا اور ویٹنگ روم کے کونے میں رکھی گدے دار کرسی پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سپاہی اندر داخل ہوا اسے میں نے ناگ پور اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ سپاہی نے بھی دو ایک بار میرا جائزہ لیا تھا اور مجھے اس کی نگاہوں میں اپنے لئے شک سا محسوس ہوا تھا۔ میں ہوشیار ہو گیا مگر بے نیازی سے بیٹھا رہا۔ سپاہی میرے قریب آکر اردو ہی میں بولا۔

"تم کدھر جا رہا ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں برہم چاری ہو' رامیشورم کی یاترا کو جا رہا ہوں۔

"میرے ساتھ ایک منٹ کے لئے باہر آؤ۔" اس نے آرام سے کہا۔

"باہر لے کر کیا کرو گے مہاراج جو بات ہے یہیں بتا دو۔ ہم تو جوگی برہم چاری لوگ ہیں۔" میں کرسی سے اٹھا۔

سپاہی مدراس کا نہیں اتر پردیش کا تھا اور شاید ناگ پور سے ہی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ "باہر تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

میں دروازے کی طرف بڑھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ آگے آگے جائے گا مگر وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے مجھے راستہ دے رہا ہے میں تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے تک گیا اور باہر جھانک کر دیکھا چھ سات پولیس کانسٹیبل نصف دائرے میں کھڑے تھے۔ گویا مجھے گرفتار کرنے کی پوری تیاری ہو چکی تھی۔ میں نے ایک دم سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور چھلانگ لگا کر اندر والے سپاہی کے اوپر گرا۔ وہ میرے بوجھ کے نیچے آ رہا۔ کچھ مسافر شور سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ میں نے سپاہی کی گردن پر پوری قوت سے اپنا سیدھا ہاتھ مارا وہ پیچھے کو لڑھک گیا' میں نے غسل خانے کی طرف دوڑ لگا دی جس کی واحد کھڑکی سفید دھندلے شیشے سے بند کر دی گئی تھی۔ میں نے کہنی مار کر شیشہ چکنا چور کیا اور دوسری طرف کود گیا۔

دوسری طرف ایک تنگ سی کچرا گلی تھی۔ میں ایک طرف دوڑنے لگا۔ گلی پار کی تو آگے ایک

کھلی جگہ آگئی جہاں رات کے اندھیرے میں ایک کوارٹر کے باہر بلب روشن تھا۔ میں چھلانگ لگا کر کوارٹر کی دیوار پھاند کر دوسری طرف ایک اور احاطے میں آگیا۔ یہاں مجھے ریلوے لائن اور سگنل کی لال سبز بتیاں نظر آئیں میں نے احاطے کو دوڑ کر پار کیا اور ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جتنی تیزی سے چل سکتا تھا سامنے کی جانب چلنے لگا

میرا جوگیانہ لباس میرے راستے میں بری طرح حائل ہو رہا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں جدھر جا رہا ہوں کہاں پہنچ جاؤں گا۔ دائیں جانب ریلوے گودام کی ڈھلوان چھتیں نظر آ رہی تھیں۔ سامنے سے ایک انجن شنٹ کرتا چلا آ رہا تھا جس کے پیچھے دو تین ڈبے لگے تھے۔ انجن کی رفتار سست تھی۔ جونہی وہ میرے قریب سے گزرا میں لپک کر ایک ڈبے میں چڑھ گیا۔ انجن ریلوے یارڈ میں جا کر ایک مال گودام کے پیچھے جا کر رک گیا۔ یہاں سے شاید اس نے لائن تبدیل کرنی تھی۔ وہ واپس الٹا چلنے لگا تو میں دوسری طرف اتر گیا۔ یہاں کانٹے دار باڑ لگی تھی اس کے پیچھے مدراس کی کوئی آبادی تھی جس کی روشنیاں اندھیرے میں جھلملا رہی تھی۔ کانٹے دار تاروں میں سے انتہائی احتیاط سے گزر کر میں بستی کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ مجھے ڈر تھا کہ ابھی پیچھے سے پولیس کی گاڑی آ کر مجھے گرفتار کر لے گی لیکن میں اسٹیشن سے کچھ ایسی الٹی سمت کو دوڑا تھا کہ سپاہی شاید اسٹیشن کی شمالی جانب ابھی مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

مدراس اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ یہاں بھی میں دو ایک سنگین وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اگرچہ پولیس کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن اب تو ہندوستان کے سارے صوبوں کی خفیہ پولیس کو میری تصویر اور کارناموں سے آگاہ کر دیا گیا ہو گیا۔ سادھوؤں والا بھیس میری شکل اور انگلیوں کے نشان نہیں بدل سکتا تھا یہ بڑا کچا کام تھا۔ دن نکلنے پر اگر کسی جگہ کسی پولیس والے یا خفیہ والے کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے تو وہ مجھے پہچان سکتا ہے۔

ان حالات میں میں ۔۔۔۔ کوئی بھی بھیس بدل کر کیوں نہ پھروں مجھے یقیناً پہچان لیا جائے گا۔ میرے لئے روپوش ہونے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ میں رامیشورم کے مندروں کا رخ کرنے کی بجائے تامل ناڈو کے جنگلوں کو اپنا ٹھکانہ بنا کر کچھ عرصہ وہاں گزاروں۔ جب حالات معمول پر آ جائیں تو میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ پیدا کر کے کسی نئے روپ اور نئی شکل میں دشمن کے خلاف اپنی سرگرمیوں کا آغاز کروں۔

انہی خیالات میں سرگرداں میں کافی دور نکل گیا یہاں ایک جانب دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے اور دوسری جانب اندھیرے میں اونچی جگہ پر کارخانوں کی عمارتیں تھیں۔ سڑک چھوٹی تھی۔ اس پر اندھیرا تھا۔ یہ سڑک آگے جا کر دو شاخوں میں بٹ گئی۔ ایک راستہ کارخانوں کی طرف جاتا تھا اور دوسرا

کھیتوں کی طرف کارخانوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں ۔ لگتا تھا کہ نائٹ شفٹ چل رہی ہے ۔ سب سے پہلے میں اپنے سادھوؤں والے لباس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ مجھے اس لباس میں مدراس پولیس نے دیکھ لیا تھا ۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں اپنا حلیہ تبدیل کر لوں ۔

میں سڑک سے اتر کر کھیتوں اور درختوں کے پیچھے پیچھے ہو کر چلنے لگا ۔ میرے پاس سوائے دو تین سو روپوں کے اور کچھ نہ تھا ۔ جب چلتے چلتے تھک گیا تو ایک جگہ بیٹھ گیا ۔ کچھ دیر ستانے کے بعد پھر چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ دور مجھے کسی ریلوے اسٹیشن کے سگنل دکھائی دینے لگے ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہاں سے مجھے آگے جانے والی کوئی گاڑی مل جائے تو میں مدراس سے دور ہو جاؤں گا ۔ میں اسی جانب چل دیا اتفاق ایسا ہوا کہ میں جس وقت اس چھوٹے سے اسٹیشن پر پہنچا ایک پسنجر ٹرین وہاں کھڑی تھی ۔ میں نے ایک مدراسی دیہاتی سے پوچھا کہ یہ ٹرین کدھر جا رہی ہے ۔ اس نے مجھے ہاتھ جوڑ کر بڑے احترام سے بتایا کہ گاڑی راما کلم جا رہی ہے ۔ میں نے اس سے بھی معلوم کر لیا کہ یہ گاڑی برانچ لائن پر سفر کر رہی ہے اور مین لائن یعنی مجورا والی لائن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ میں بھی یہی جانتا چاہتا تھا ۔ کہ مین لائن کے شہروں کو چھوڑ کر برانچ لائن کے علاقوں کی طرف نکل جاؤں ۔ میں ٹرین میں سوار ہو گیا اور ٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو گئی ۔

ساری رات ٹرین نیم پہاڑی علاقے میں سفر کرتی رہی ۔ صبح ہوئی تو کانچی پورم کا اسٹیشن آ گیا یہ بڑا اہم جنکشن تھا اور یہاں سے بنگلور اور میسور کی طرف گاڑیاں جاتی تھیں جتنی دیر ٹرین یہاں کھڑی رہی میں اوپر والی برتھ پر دیوار کی طرف منہ کر کے پڑا رہا ۔ انجن نے وسل دیا تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا ۔ یہاں سے ٹرین بنگلور جانے والی لائن سے ہٹ کر جنوبی ہند کے مرکزی گھنے جنگلوں والے علاقے دھرم پوری کی طرف ہو گئی ۔ میں بڑا خوش ہوا ۔ میں انہی گھنے اور دور افتادہ جنگلوں میں نکل جانا چاہتا تھا ۔ دھرم پوری کا اسٹیشن بنگلور اور ترچناپلی کے اہم شہروں کے درمیان مین لائن پر واقع ہے ۔ مگر میں دھرم پوری نہیں جا رہا تھا ۔ شام کے وقت مجھے مسافروں کی زبانی معلوم ہوا کہ دھرم پوری رات کے گیارہ بجے آئے گا ۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا ٹرین سے اترنے کا وقت آ گیا تھا ۔ ابھی دن کی روشنی میں رات گزارنے کا کوئی ٹھکانہ تلاش کر سکتا تھا ۔ میں ٹرین رکنے کا انتظار کرنے لگا ۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی تو میں اتر پڑا ۔

یہ ایک بہت ہی چھوٹا دیہاتی اسٹیشن تھا ۔ میرے سوائے کوئی بھی مسافر یہاں نہیں اترا تھا ۔ ریلوے کا ایک کالا کلوٹا دبلا پتلا ملازم پاؤں سے ننگا ہاتھ میں سبز جھنڈی لئے اسٹیشن کی اکلوتی کوٹھری سے نکل کر باہر آ گیا ۔ ٹرین آگے چل دی تو وہ جھنڈی لپیٹتا کوٹھری کی طرف بڑھا ۔ پھر میری طرف دیکھ کر رک گیا ۔ ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور تامل میں پوچھا کہ میں کہاں جانا چاہتا ہوں میں نے کہا ۔

" میرے گورو نے مجھے شوناکتم کے پرانے مندر کی یاترا کے لئے بھیجا ہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ

مندر یہاں سے کتنی دور ہو گا؟"

وہ گردن کھجانے لگا۔ "مہاراج! یہاں سے تو پٹاپلی کا صرف ایک ہی گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں وشنوجی کا ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ شوناتھم مندر تو یہاں کوئی نہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاید دوسرے گاؤں میں ہو۔ میں تلاش کر لوں گا۔ رام رام!"

اور میں اسٹیشن سے نکل کر پٹاپلی جانے والے کچے راستے پر ہو لیا۔ اندھیرا لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا میں گاؤں کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔ تاکہ یہاں کوئی میرا گواہ نہ بن سکے۔ اسٹیشن پر جو آدمی مجھے ملا تھا وہ ناگزیر تھا۔ میں اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اس سے شوناتھم کے مندر کا پوچھا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ مندر شمال مغرب کی طرف کرناٹک میں میسور کے قریب واقع ہے۔ یوں اگر پولیس میری تلاش میں وہاں آتی بھی ہے تو وہ غلط راستے پر پڑ سکتی تھی۔ کیونکہ میں نے اپنا رخ گاؤں کے قریب سے جنوب مشرق کی طرف پھیر لیا تھا۔ میں نے گاؤں والی کچی سڑک چھوڑ دی تھی اور کھیتوں میں سے گزر رہا تھا پھر کھیت بھی ختم ہو گئے اور ویران پتھریلا علاقہ شروع ہو گیا جہاں درختوں کی بہتات تھی۔ میں بہت دیر تک چلتا رہا حتیٰ کہ رات کافی گہری ہو گئی۔ اب ضرورت تھی کہ میں رات بسر کرنے کے لئے کوئی محفوظ ٹھکانہ بنا لوں۔ ایسی کوئی جگہ جنگل میں نظر نہ آ رہی تھی۔ درختوں سے نکل کر ایک تھوڑی سی کھلی جگہ پر آیا تو اندھیرے میں چھوٹے سے چبوترے پر ایک سادھی دکھائی دی۔ یہاں رات گزاری جا سکتی تھی۔ سادھی کی برجی سے ٹیک لگا کر میں نیم دراز ہو گیا۔ مچھروں نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ماچس میرے پاس موجود تھی۔ گھاس پھونس ادھر ادھر سے اکٹھی کر کے وہاں دھونی لگا دی۔ دھوئیں کی وجہ سے مچھروں سے کافی حد تک نجات مل گئی پیدل چل چل کر تھک گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی مجھے نیند آ گئی۔ خدا جانے رات کتنی گزر چکی تھی کہ انسانی آوازوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے اندھیرے میں تین انسانی سائے اپنے قریب نظر آئے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کوئی سادھو جوگی ہے۔ سویا رہنے دو۔"

دوسرا کہنے لگا۔ "یہاں کیسے آ گیا؟"

تیسرے کی آواز آئی۔ "جوگی لوگ جنگلوں میں ہی پھرا کرتے ہیں اسے چھوڑو اور اس عورت کو تلاش کرو جس کا سر اتارنے کے لئے ہم یہاں آئے ہیں۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ لوگ کسی عورت کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ مجھے ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چھرے نظر آئے انہوں نے رات کے اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر جنوبی درختوں والے ٹیلے کی طرف چل دیئے۔ میری جان میں جان آئی یہ کم بخت مجھے سوتے میں قتل کر سکتے تھے۔ جوگیانہ بھیس نے میری جان بچائی تھی۔ میں وہیں سادھی کے پاس لیٹا رہا مگر اس کے بعد مجھے نیند نہ آئی۔

باقی رات میں نے جاگ کر گزار دی۔ جب دن کا اجالا ہوا تو اٹھا اور جنوبی ٹیلے سے ہٹ کر مشرق کی طرف چلنے لگا۔ آگے ایک چھوٹا سا پہاڑی نالہ بہ رہا تھا یہاں میں نے منہ ہاتھ دھویا اور پھر نالے کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگا۔ خوش قسمتی سے ایک جگہ ناریل کا پیڑ مل گیا۔ اس کے نیچے دو چار ناریل گرے پڑے تھے انہیں توڑ کر پیاس اور بھوک مٹائی۔ یہاں درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلتا رہا بستی تو نہ آئی البتہ جنگل زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ ایک جھگی دکھائی دی جو بائیں جانب درختوں کے درمیان بنی ہوئی تھی۔

میں جھگی کی طرف بڑھا۔ یہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جس کی چھت درختوں کی شاخیں ڈال کر بنائی گئی تھی۔ اس کا دروازہ چھاپے کی طرح تھا جو آدھا کھلا تھا۔ وہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا تو میں جھونپڑی کے عقب میں آگیا۔ ایک جانب ــــــ۔ ذرا فاصلے پر پرانے تالاب کی منڈیر نظر آ رہی تھی۔ تالاب خشک تھا۔ جھانک کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ تالاب کے پتھروں میں تین آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان کی حالت خراب ہو رہی تھی اور ان کا رنگ سبز اور سیاہ ہو رہا تھا تالاب کے اندر سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ ان آدمیوں کو سانپ نے کاٹا ہے۔ کہیں یہ وہی آدمی تو نہیں جو آدھی رات کو یہاں کسی عورت کو قتل کرنے آئے تھے؟ تالاب کے پاس کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور تیز تیز قدموں سے جھونپڑی کے قریب سے نکل کر درختوں کی طرف چلنے لگا۔ ایسے لگتا تھا کہ انہیں سانپوں نے کاٹا اور پھر کسی نے ان لاشوں کو گھسیٹ کر اس تالاب میں پھینک دیا ہے۔ میں وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ درختوں کا گھنا پن ختم ہوا تو ذرا کھلی جگہ آئی۔

ایک طرف سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ گرمی لگ رہی تھی میں نے سوچا کہ یہاں نہا لینا چاہیئے۔ نہانے سے تازہ دم ہو جاؤں گا۔ یہ ندی درختوں کے پیچھے ذرا نشیب میں تھی۔ میں گھاس کے منڈیر پر سے ہو کر نیچے اترنے ہی لگا تھا کہ میرے قدم اپنے آپ رک گئے۔

ندی میں ایک عورت نہا رہی تھی۔ وہ کمر تک پانی میں تھی۔ شاید ندی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سر نیچے کیے بال دھو رہی تھی میں پیچھے ہٹ گیا سوچا یہ عورت جب نہا کر واپس چلی جائے تو میں نہا لوں گا۔ ندی سے ہٹ کر میں ایک تناور درخت کے پیچھے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ وہاں بیٹھے بمشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ مجھے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ میں جلدی سے اٹھ کر درخت کے پیچھے ہو گیا اور جدھر سے پھنکار کی آواز آئی تھی ادھر دیکھنے لگا۔ ایک کالا سانپ زمین پر رینگتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے اپنا پھن اٹھا رکھا تھا وہ تیزی سے پھنکارتا ہوا ندی کی طرف چلا گیا۔ میں ڈر گیا کہ اب عورت کی خیر نہیں۔ مجھے اسے خبردار کر دینا چاہیئے لیکن جانے کیوں میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ شاید یہ سانپ کی دہشت کی وجہ سے تھا۔ سانپ مجھے بھی ڈس سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی ندی کی طرف سے عورت

کی چیخ کی آواز آئے گی۔ میرے کان چیخ کی آواز پر لگے تھے مگر ایسی کوئی آواز نہ آئی۔ میں نے یہی نتیجہ نکالا کہ سانپ دوسری طرف سے ندی پار کر کے آگے جنگل میں چلا گیا ہے۔

مزید پانچ منٹ گزر گئے۔ جنگل میں گہری خاموشی تھی۔ کسی وقت کوئی پرندہ کسی درخت پر بول کر اڑ جاتا تو اس خاموشی میں ہلکا سا تموج پیدا ہوتا اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ جب پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو میں نے سوچا کہ عورت تو جا چکی ہو گی۔ میں درخت کے پیچھے سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا گھاس کی منڈیر پر آگیا۔ جھانک کر نشیب میں دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق کے قریب آگیا وہی جامنی رنگ والی عورت ندی کنارے گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ ایک کالا سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور وہ اسے دودھ پلا رہی تھی۔ میرا ذہن یکدم سدھا رتنگی کی طرف چلا گیا۔ عورت کی پیٹھ میری طرف تھی اس کے گیلے بال جوڑے کی طرح پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ میرا دل اپنے آپ دھڑکنے لگا کیا یہ سدھا رتنگی ہے؟ مگر اس کا سانپ تو مر گیا تھا؟ اور وہ بھی۔۔۔ شاید وہ بھی مر چکی تھی؟ نہیں۔ یہ سدھا رتنگی نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی اور عورت ہے جس نے کوئی سانپ پال رکھا ہو گا۔ میں واپس درخت کے پاس آکر بیٹھ گیا دس منٹ مزید گزر گئے اب جو میں درخت کے پیچھے سے نکل کر ندی کی طرف بڑھا تو مجھے ایک دراز قد عورت اس حالت میں درختوں میں سے نکل کر آتی نظر آئی کہ کالا سانپ اس سے لپٹا ہوا تھا اس کے جوڑے میں سرخ پھول لگا ہوا تھا اور وہ سانپ کو پیار کرتی ایک آزاد ناگن کی طرح جنگل میں چلی آرہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ رک گئی۔ میں بھی وہیں ٹھٹک گیا۔۔۔ اچانک وہ دونوں بازو پھیلا کر میری طرف بڑھی۔

"میرے پتی دیو رگھو! میں جانتی تھی۔ تم مجھے اس جنم میں ضرور ملو گے۔"

یہ سدھا رتنگی ہی تھی۔

سدھا رتنگی بازو کھولے بے اختیار میری طرف بڑھ رہی تھی۔ سانپ نے بھی پھنکار کر پھن اٹھا لیا تھا۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور چیخ کر کہا۔ "سدھا! سانپ کو پیچھے ہٹاؤ۔"

مجھے معلوم تھا کہ یہ اس کا پہلے والا سانپ نہیں ہے۔ وہ سانپ مجھے پہچانتا تھا۔ میرے جسم کی بو سے شناسا تھا لیکن وہ میرے سامنے مر گیا تھا۔ یہ کوئی نیا سانپ تھا جسے سدھا رتنگی پال رہی تھی۔ اس نے سانپ کو گردن سے اتار کر پرے پھینک دیا اور میری طرف بڑھ گئی۔ کالا سانپ تیزی سے گھاس میں رینگتا ہوا واپس آکر سدھا رتنگی کے جسم پر چڑھ گیا۔ سدھا نے سانپ کو اپنی گردن میں ڈال لیا وہ دیوانہ وار مجھ تک آرہی تھی۔

"رگھو! تم مجھے پھر مل جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"بھگوان کی مرضی تھی۔ بس ہم ایک دوسرے سے دوبارہ آن ملے

سدھا رتنگی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ "تم اپنے بھگوان کا نام کیوں نہیں لیتے؟

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں جانتی ہوں تم ہندو نہیں ہو، مسلمان ہو۔ کیا میں تم سے واقف نہیں ہو؟ مجھ سے زیادہ یہاں کون جانتا ہو گا کہ تم کون ہو اور بھارت میں کس لئے آئے ہو۔ مگر مجھے تو کبھی تمہاری ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں تو صرف تم سے پیار کرتی ہوں اور تمہیں اپنا پتی دیو مان چکی ہوں۔ اگر میرے خون میں سانپوں کا زہر شامل نہ ہوتا تو آج ہم دونوں کے کئی بچے ہوتے لیکن میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہمیشہ زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ اتنی دیر کہاں رہے؟ تمہیں کبھی میرا خیال نہ آیا؟"

اب مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ سدھارنگنی کے ساتھ جنگلوں میں گزارے ہوئے شب و روز اور اس کے وہ معرکے یاد آگئے جن میں اس نے کئی بار دشمنوں سے میری جان بچائی تھی۔ سدھارنگنی کو سب معلوم تھا مگر اس نے کبھی میری سرگرمیوں پر اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ ہمیشہ میری مدد کی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مجھ سے سچا پریم کرتی تھی۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار وہ مجھ سے کہہ چکی تھی کہ میں پچھلے جنم میں بھی اس کا خاوند رہ چکا ہوں۔ وہ مجھے اپنی جھونپڑی میں لے آئی۔ اس نے مجھے چاول اور زرد جنگلی کیلے کھانے کو دیئے۔ وہ میرے سادھوؤں ایسے بھیس پر بالکل حیران نہ ہوئی۔ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے رگھو؟ فکر نہ کرو یہاں پولیس نہیں پہنچ سکتی۔ میرے سانپ راستے ہی میں اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔"

میں نے اسے بتایا کہ پولیس مدراس میں مجھے گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ میں بڑی مشکل سے ان کے چنگل سے نکل کر ادھر بھاگ آیا ہوں۔ میری باتوں پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے میرا پتی دیو مل گیا۔ رگھو! میں جانتی ہوں اس جنم میں تم نے ایک مسلمان گھرانے میں جنم لیا ہے۔ پھر کیا ہوا۔ اگلے جنم میں تم پھر ہمارے مذہب میں آجاؤ گے۔ نہ بھی آؤ تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم تو ایک دوسرے سے اسی طرح محبت کرتے رہیں گے۔ ایک دوسرے کو اس سنسار میں تلاش کر لیا کریں گے۔ پتی پتنی کا ناتہ جنم جنم کا ناتہ ہوتا ہے۔ یہ بھگوان کا سب سے پسندیدہ ناتہ ہے۔ تم چور ڈاکو بھی ہوتے تو میں تمہاری پوجا کرتی۔ ٹھہرو۔ میں تمہاری آرتی اتارتی ہوں۔ اتنی دیر بعد میرا پتی دیو میرے گھر آیا ہے میں اس کی پوجا کروں گی۔"

میں جھونپڑی میں گھاس کے بستر پر بیٹھا کیلے کھا رہا تھا۔ وہ اٹھی باہر گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو کیلے کے چوڑے پتے پر گل مہر کے دو سرخ پھول رکھے ہوئے تھے۔ اس نے پھولوں والا پتا میرے قدموں کے پاس رکھ دیا۔ پھر لوبان سلگا کر اسے میرے چہرے کے آگے سات بار پھرایا میرے ماتھے کو اپنی زبان کی نوک سے چوما پھول میرے پاؤں پر رکھ کر مجھے سجدہ کیا اور بولی۔

"پتی تو بھگوان سمان ہوتا ہے رگھو۔"

مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس کی گردن میں پڑے سانپ سے تھا۔ چنانچہ جب وہ میرے ماتھے کو چومنے لگی تو سانپ نے پھن اٹھالیا۔ سدھا نے سانپ کو فوراً اپنی کمر کے پیچھے ڈال دیا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا۔۔

"سدھا! خدا کے لئے اس سانپ کو کہیں بھگا دو۔ یہ تمہارا پہلے والا سانپ نہیں ہے جو میرے جسم کی بو سے واقف ہو۔"

سدھا رنگنی مسکرانے لگی۔ "تم گھبرا رہے ہو؟ یہ دوسرا سانپ ضرور ہے مگر اب جان گیا ہے کہ تم میرے پتی ہو یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ یہ لو۔ اسے اپنے ہاتھ میں لے لو۔۔ یہ لو اٹھا لو اسے۔
اور اس نے کالے سانپ کو میری جھولی میں پھینک دیا۔ میری چیخ نکل گئی، سانپ میری کلائی سے لپٹ گیا اور اپنی گردن اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا۔

سدھا قہقہہ لگا کر بولی۔ "دیکھو یہ میرے پتی دیو کے پاس جا کر کتنا خوش ہو رہا ہے۔"
اس نے منہ سے تین چار بار ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز نکالی۔ سانپ میری کلائی سے اتر کر اس کے پاس چلا گیا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ یہ میرا خاوند میرا پتی دیو رگھو ہے۔ یہ تیرا باپ ہے۔ لو اب تم اسے خود اپنے ہاتھ میں اٹھاؤ۔"

اس نے سانپ میرے آگے کر دیا۔ چونکہ مجھے جانے کب تک وہاں رہنا تھا۔ اس لئے اس کالے سانپ سے دوستی کرنا ناگزیر تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سانپ میرے پاس آتے ہی جیسے بھیگی بلی بن گیا۔ میرے ہاتھ کے گرد لپٹ کر میری کلائی کے گرد رینگ رینگ کر اپنی محبت کا اظہار کرنے لگا۔ میں نے بھی اس کے سر پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا۔ سدھا رنگنی بڑی خوش ہوئی۔

"یہ تیرا بیٹا ہے رگھو۔ اسے پیار کرو۔ یہ تیری خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے۔"
سانپ میری کلائی کے گرد لپٹا ہوا تھا، سدھا مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ "رگھو! اسے پیار کرو۔ یہ تیری خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے۔"
اچانک مجھے تالاب والی لاشوں کا خیال آ گیا۔ میں نے ان لاشوں کا ذکر کیا اور پوچھا کہ کیا وہ لاشوں کو جانتی ہے؟ سدھا رنگنی کا چہرہ ایک دم گہری رنگت اختیار کر گیا۔ اس کی کیسری آنکھیں سرخ ہو گئیں چوڑے نتھنوں سے سانس پھنکار کی طرح نکلی۔
"وہ مجھے ہلاک کرنے آئے تھے لیکن نہیں جانتے تھے کہ یہاں میرے سانپ میری حفاظت کرتے ہیں۔ یاد رکھو اگر تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی دشمنی کے خیالات ہوتے تو میرے سانپ نکل کر تم پر ضرور حملہ کرتے۔"
میں نے پوچھا کہ یہ کون تھے اور ہلاک کرنے کیوں آئے تھے؟ میں معلوم کرنا چاہتا کہ کہیں

ان کے بھائی بند تو وہاں نہیں آ جائیں گے کیونکہ وہاں کسی بھی انسان کا آنا میرے لئے ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا تھا۔ سدھا رنگنی کہنے لگی۔

"ان کو دریا پار کے سپیرے ناتھن نے بھیجا تھا۔ وہ میرا دشمن ہے۔ چاہتا ہے کہ میں یہ علاقے خالی کر کے بنگلور کے جنگلوں میں نکل جاؤں وہ اس علاقے کا راجہ بن کر یہاں راج کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی تو اس نے یہ تین آدمی میرے قتل کرنے کو بھیج دیئے۔"

اس کا مطلب تھا کہ ناتھن سپیرے کے مزید آدمی بھی آ سکتے تھے اور انہیں میری خبر ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنے دل کی بات سدھا رنگنی پر واضح کر دی۔ میں نے اس سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہنس دی۔ کہنے لگی۔

"رگھو! میرے پتی دیو۔ تم کیوں گھبراتے ہو؟ یہاں میرا جو بھی دشمن آیا وہ زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔ جب وہ زندہ بچ کر جائے گا ہی نہیں تو کسی کو جا کر کیسے بتائے گا کہ سدھا کے پاس ایک اجنبی آدمی بھی آیا ہوا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو کیا معلوم کہ تم کون ہو؟ اور پھر میں تو سب کو بتا دوں گی کہ تم میرے پتی دیو رگھو ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ادھر کوئی نہیں آتا۔ میں اپنے سانپ بیٹے اور دوسرے سانپوں کے ساتھ بالکل اکیلی رہتی ہوں۔ یہ دوسرے سانپ میری حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اب تمہاری بھی حفاظت کر رہے ہیں۔"

ہم جھونپڑی سے نکل کر کھلی ہوا میں بیٹھ گئے رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ سدھا رنگنی نے جھونپڑی کے اندر ناریل کے تیل کا چراغ جلا دیا تھا کھلی جگہ میں رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سدھا رنگنی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔

"وعدہ کرو کہ اب تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

میں اسے کسی وقت بھی چھوڑ کر جا سکتا تھا لیکن مجھے ابھی جانے کی جلدی نہیں تھی۔ میں وہاں رہنے کے لئے ہی آیا تھا تاکہ اطمینان سے سوچ سکوں کہ مجھے آئندہ کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہو گا۔ میں نے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں سدھا کہ اب تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

وہ میرے اتنا کہنے پر اس قدر خوش ہوئی کہ میرے پاؤں پکڑ کر ہاتھ اپنے سر پر لگایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

"رگھو، پتی دیو! تم مرد ہو۔ مرد ایک عورت کے دل کو ٹٹول کر نہیں دیکھ سکتا۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ایک عورت جب کسی مرد کو اپنا پتی مان لیتی ہے تو پھر اس کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ایک معمولی بات ہوتی ہے۔"

ہم جھونپڑی کے باہر بیٹھے تھے۔ کالا سانپ سدھا کی گردن سے لپٹا جیسے سو گیا تھا۔ مجھے نیند آ

رہی تھی ۔ میں نے ہلکی سی جمائی لی تو سدھا جلدی سے اٹھ کر جھونپڑی میں گئی ۔ اس نے سوکھے پتوں کے اوپر میرے لئے دری بچھا دی اور بولی ۔

" اندر آ جاؤ رگھو! میں نے تمہارے لئے بستر لگا دیا ہے اب تم آرام کرو ۔"

میں جھونپڑی میں جا کر زمین پر بچھی ہوئی دری پر لیٹ گیا ۔ سارے دن کے سفر کا تھکا ہوا تھا ۔ سدھا کہنے لگی ۔ " میں باہر رہوں گی ۔ بے فکر ہو کر تم سو جاؤ ۔ میرے سانپ تمہاری حفاظت کریں گے ۔"

تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی ۔ آنکھ کھلی تو دن کافی نکل آیا تھا ۔ سدھا باہر نہیں تھی ۔ میں منہ ہاتھ دھونے ندی کی طرف گیا تو وہیں ٹھٹک گیا ۔ سدھا رنگنی ندی میں نہا رہی تھی ۔ اس کا سانپ ندی کے کنارے پھن اٹھائے شاید پہرہ دے رہا تھا میری بو پا کر اس نے گردن میری طرف موڑ کر پھنکار ماری تو سدھا نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا ۔ میں وہاں سے ہٹ گیا ۔ تھوڑی دیر بعد سدھا بالوں کو جھٹکتی میرے پاس آئی اور کہنے لگی ۔

" جاؤ اب تم اشنان کر لو ۔"

میں نہا دھو کر واپس جھونپڑی میں آیا ۔ میرا دل چائے پینے کے لئے بے تاب تھا مگر وہاں چائے نہیں مل سکتی تھی ۔ سدھا بھی مجھے اچھی طرح جانتی تھی ۔ اس نے فوراً ہی آگ جلائی اور اس پر دھویں سے کالی ایک کیتلی رکھتی ہوئی بولی ۔

" میرے پاس چائے موجود ہے ۔" میں خوش ہو گیا ۔ کہنے لگی ۔ " مگر دودھ نہیں ہے ۔ تم تو بغیر دودھ کے چائے پی لیا کرتے ہو رگھو ۔"

" کیوں نہیں تم چائے تو بناؤ ۔"

چائے آگ پر رکھ کر سدھا جھونپڑی سے میرے لئے ایک اناس اور کچھ کیلے لے آئی ۔ ہم دونوں کیلوں اور اناس کا ناشتا کرنے لگے پھر وہ مٹی کے ڈونگوں میں چائے ڈال کر لے آئی ۔ چائے کڑوی مگر ذائقے دار تھی ۔ چائے نے میرے ذہن کو روشن کر دیا ۔

باتوں ہی باتوں میں میں نے سدھا رنگنی سے پوچھا کہ کیا کسی طریقے سے کوئی ٹرانسمیٹر پیدا کیا جا سکتا ہے؟ وہ میری طرف دیکھنے لگی ۔ اس کی کالی آنکھیں چمکنے لگیں ۔

" کیا تم مدراس ریڈیو کے گانے سننا چاہتے ہو رگھو ۔"

میں نے کہا ۔ " یہی سمجھ لو لیکن تم سے میری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے سدھا ۔ میں پیچھے اپنے باس سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں اگر ریڈیو ٹرانسمیٹر مل جائے تو میں اسے وائرلیس سیٹ سے تبدیل کر سکتا ہوں ۔"

سدھا کچھ سوچنے لگی ۔ چائے کا ڈونگا اس نے اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا ۔ " یہاں سے چھ سات

کوس نیچے کی طرف کھیتیاں ہیں۔ وہاں ایک چھوٹا ہوائی جہاز ان پر دوائیاں چھڑکا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس ہوائی جہاز میں ضرور چھوٹا ریڈیو لگا ہوا ہو گا۔"

چھوٹے جہاز کا سن کر میرے دل میں امید کی کرن روشن ہو گئی۔ یقیناً سیسنا قسم کا ہوائی جہاز ہو گا اور اس کے اندر چھوٹا وائرلیس سیٹ بھی ہو گا۔ میں نے جلدی سے سدھا سے پوچھا کہ یہ طیارہ کب اور کس وقت وہاں آتا ہے۔ اور اسے رات کو کہاں رکھا جاتا ہے۔ سدھا کہنے لگی۔

"وہیں کھیتوں کے کنارے ایک بہت بڑا کمرہ سا بنا ہوا ہے۔ یہ جہاز وہیں پر رکھا جاتا ہے۔"

میرا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ "سدھا! کیا تم مجھے اس طیارے تک لے جا سکتی ہو؟ مجھے یقین ہے کہ اس طیارے کے اندر چھوٹا وائرلیس سیٹ ضرور لگا ہوا ہو گا۔ میں اس سیٹ کے ذریعے پیچھے اپنے باس سے بات کر سکوں گا۔"

سدھا میرے ساتھ بے انتہا اور بڑی سچی تھی۔ کہنے لگی "میں تمہیں وہاں لئے چلتی ہوں لیکن ہوائی جہاز بڑے کمرے کے اندر بند ہوتا ہے۔ باہر پہرہ بھی ہوتا ہے۔" پھر خود ہی کچھ سوچنے کے بعد بولی۔ "تم فکر نہ کرو۔ ہم اندھیرا ہونے کے بعد وہاں جائیں گے۔ پہرے دار کو میرا سانپ سنبھال لے گا۔ تم اندر جا کر ہوائی جہاز میں سے اپنی پسند کی چیز نکال لانا۔"

جنگل میں شام کا اندھیرا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ تب سدھا نے مجھے ساتھ لیا اور جنگل میں ایک طرف چل پڑی۔ اس کا کالا سانپ بیٹا اس کی گردن میں پڑا تھا۔ رات گہری ہوتے ہی ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ سامنے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے کنارے ایک طرف اونچا شیڈ بنا ہوا تھا جس کے روشن دان روشن تھے۔ سدھا میرے بالکل قریب کھڑی تھی۔ شیڈ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"اس بڑے کمرے میں ہوائی جہاز رکھا جاتا ہے دروازہ دوسری طرف ہے۔ وہاں ضرور پہرہ لگا ہوا ہو گا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

یہاں پر اونچی باڑھ بنا دی گئی تھی۔ ہم باڑھ کے ساتھ چل رہے تھے۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ سدھا میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ اس نے سانپ کو گردن سے اتار کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ شیڈ کے قریب آ کر اس نے ہاتھ سے مجھے اشارہ کیا۔ خاموشی اتنی تھی کہ ہمیں ایک دوسرے کے سانس لینے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ یہاں کچھ جنگلی جھاڑیاں تھیں۔ ان کے آگے ایک کھلا گیراج تھا جس پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی اس گیراج میں کوئی گاڑی یا جیپ مجھے نظر نہیں آئی۔ ہم جھک کر قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ شیڈ کی دیوار ختم ہوئی تو اس کی پیشانی پر روشن بلب دکھائی دیا۔ سدھا نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہاں ایک چوکیدار کاندھے پر بندوق رکھے اسٹول پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا سدھا نے سرگوشی میں کہا۔

"میرا خیال ہے یہ ایک ہی چوکیدار یہاں ہوتا ہے میں اسے ابھی ٹھکانے لگائے دیتی ہوں۔"

اور اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سانپ چوکیدار کے رخ کی طرف چھوڑ دیا۔ سانپ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ہم دونوں جھاڑی کے پیچھے جھکے پوری کھلی آنکھوں سے چوکیدار کو دیکھ رہے تھے۔ شیڈ کے دروازے کے اوپر روشن بلب کی وجہ سے وہ ہمیں صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا بیڑی کے کش لگا رہا تھا پھر اس نے تامل زبان کا کوئی گیت گانا شروع کر دیا۔ اچانک چوکیدار اسٹول سے اچھل پڑا۔ اس نے بندوق نیچے کی مگر اسے فائر کرنے کی مہلت نہ مل سکی۔ سانپ نے اس کے جسم میں اپنا قاتل زہر سارے کا سارا انڈیل دیا تھا۔ چوکیدار لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔

میں نے چوکیدار کی بندوق اٹھا کر اس کی نالی تالے کے کنڈے میں ڈال کر زور سے جھٹکا دیا تو کنڈا ٹوٹ گیا۔ ہم دروازہ کھول کر شیڈ میں داخل ہو گئے۔ اندر چھت کے ساتھ بلب جل رہا تھا۔ ایک چھوٹا سینا طیارہ شیڈ میں موجود تھا۔ سدھا رتنگی نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک طرف دیوار میں بنے ہوئے شیلف میں مختلف قسم کے اوزار پڑے تھے۔ میں نے پلاس اور پیچ کس اٹھائے اور طیارے کا دروازہ کھول کر کاک پٹ میں بیٹھ گیا اور دس منٹ کی کوشش کے بعد میں نے وائرلیس سیٹ کو باہر نکال لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا سیٹ تھا مگر میرے لئے کافی تھا۔

ہم جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس جھونپڑی میں پہنچ گئے۔ میں رات دس بجے کے بعد کسی بھی وقت صبح ہونے تک اپنے باس سے وائرلیس پر بات کر سکتا تھا۔ میں وائرلیس سیٹ لے کر جھونپڑی میں بیٹھ گیا۔ میں نے اسے ہر طرح سے چیک کیا۔ اس کی بیٹری باقاعدہ کام کر رہی تھی۔ سدھا میرے پاس بیٹھی بڑی دلچسپی سے مجھے وائرلیس سیٹ کی جانچ پڑتال کرتے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے فری کوئنسی سیٹ کر کے وائرلیس آن کیا۔ اور فری کوئنسی پر سوئی گھمائی تو دوسری طرف سے کسی نے خفیہ کوڈ بولا۔ میرے بدن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ ہمارا خفیہ کوڈ نمبر تھا اور آواز بھی میرے باس ہی کی تھی۔ میں نے اپنا کوڈ نمبر بتایا۔

"تم کس مقام پر ہو؟" باس نے دریافت کیا۔

میں نے جواب دیا کہ میں جنوبی ہند کے ایک جنگل میں ہوں۔ باس کی آواز آئی۔

"فوراً کولمبو اپنے ٹمپل روڈ والے آدمی کے پاس پہنچو۔ آگے کی ہدایات تمہیں وہاں ملیں گی۔ سگنل بند کر دو۔"

میں نے وائرلیس سیٹ بند کر دیا۔ سدھا میرے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ جب میں نے سیٹ آف کیا تو بڑی دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"یہ تم کس زبان میں بات کر رہے تھے؟ یہ تامل نہیں تھی۔ ہندوستانی بھی نہیں تھی۔"

میں نے سدھا رنگنی سے کہا۔ " یہ ایک خاص زبان ہوتی ہے سدھا۔ اب میری بات غور سے سنو۔"

اس نے اپنا بازو میری کمر کے گرد ڈال دیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ " کورگھو! میں سن رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ " مجھے ہر حالت میں بہت جلد لنکا کے شہر کولمبو پہنچنا ہے۔ تم میری کیا مدد کر سکتی ہو۔ کیونکہ بندرگاہوں پر میری کڑی نگرانی کی جا رہی ہو گی۔"
سدھا ایک لمحے کو اداس ہو گئی۔ پھر بولی۔ " اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تو میں تمہیں کولمبو پہنچا سکتی ہوں۔"

سدھا کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن مجھے کولمبو بھی ہر حالت میں پہنچنا تھا اور وہ میری مدد کر سکتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مجھے کیسے وہاں سے نکال کر کولمبو لے جائے گی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے کندھے کے ساتھ لگا دیا اور بولی۔

" پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے مجھے یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

میں نے دل میں سوچا کہ یہاں سے اس کو ساتھ لے جانے میں کیا حرج ہے۔ لنکا کے جزیرے میں پہنچ کر میں کسی بھی طرح اس سے الگ ہو سکتا ہوں۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے سدھا! میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تیار ہوں لیکن ہم لنکا اور انڈیا کے درمیان والا سمندر کیسے عبور کریں؟"

سدھا رنگنی مسکراتے ہوئے بولی۔ " یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اب سو جاؤ۔ صبح اٹھ کر بات کریں گے۔"

ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ پچھلے پہر کہیں آنکھ لگی اور دوپہر تک سویا رہا۔ سدھا نے بھی مجھے نہ جگایا۔ جب جاگا تو سورج سر کے اوپر آ چکا تھا۔ اٹھتے ہی میں نے سدھا رنگنی سے کہا۔ " اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں تو ابھی میرے ساتھ اس جنگل سے نکل چلو۔ نہیں تو میں اکیلا چل دوں گا۔"

سدھا آگ پر کیتلی رکھے کچھ پکا رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ سنگھاڑے ابال رہی ہے۔ اس نے میری طرف گہری مگر محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ساڑی کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ہوئی آئی اور میرے پاس گھاس پر بیٹھ گئی۔ کالا سانپ اس وقت اس کے پاس نہیں تھا۔ سدھا نے میرا ہاتھ اپنے کھردرے ہاتھوں میں لے لیا۔

" تم میرے پتی دیو ہو۔ جنم جنم کے ساتھی ہو تم جو حکم کرو اس کا پالن کرنا میرا فرض ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جھونپڑی کے اندر گئی۔ جب

باہر آئی تو اس نے سپیروں والا جھولا اپنے کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی۔ "چلو! میں تیار ہوں۔"

میں گڑ بڑا گیا۔ مجھے خیال نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی تیار ہو جائے گی۔ میں بھی اس جنگل سے فوراً نجات حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ وائرلیس سیٹ کی چوری کے بعد میرے لئے وہاں خطرہ ہی خطرہ تھا۔

" میں چاہتا ہوں اس وائرلیس سیٹ کو اسی تالاب میں پھینک دیا جائے جہاں پہلے سے تین آدمیوں کی لاشیں گل سڑ رہی ہیں۔"

سدھا نے بغیر کچھ کہے وائرلیس سیٹ مجھ سے لیا اور خشک تالاب کی طرف چل دی۔ میں وہیں بیٹھ کر سدھا کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آ گئی پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور ایک طرف چل پڑی۔ میں نے اس سے اس کے سانپ بیٹے کے بارے میں پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" میرا پتر میرے جھولے میں بند ہے۔" ہم جنگل میں چلتے رہے جنگل ختم ہوا تو نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد پھر ایک گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ ایک گھنٹے تک مزید سفر کرنے کے بعد مجھے دور دیہاتی ریلوے اسٹیشن کے سگنل کی سرخ بتی نظر آئی۔ یہ ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن تھا جو شروع رات کے اندھیرے میں ویران ویران لگ رہا تھا۔ وہاں کوئی مسافر بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہم دونوں ایک طرف بیٹھ گئے۔ میں نے سدھا سے پوچھا کہ ریل گاڑی کب آئے گی۔ وہ بولی۔

"کبھی نہ کبھی تو آ ہی جائے گی۔ ویسے رات کو یہاں ایک ریل آ کر ٹھہرا کرتی ہے۔ وہ ریل گاڑی دھنیا کوڈی کی طرف جاتی ہے۔ اتنا مجھے معلوم ہے۔"

میں خاموش رہا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران سدھا ناگنی نے مجھے بتایا کہ مچھیروں کی بستی میں ایک مچھیرا اس کا جاننے والا ہے۔ شاید کبھی وہ دونوں آپس میں محبت بھی کرتے رہے تھے۔ اس کا نام سدھا نے گپتا بتایا۔ کہنے لگی۔

گپتا مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن پھر اس کے ماں باپ نے اس کی شادی ایک دوسری لڑکی سے کر دی۔ گپتا اپنی بڑی کشتی لے کر مچھلیاں پکڑنے رات کو نکلتا ہے اور لنکا کے ساحل تک جاتا ہے۔ وہ ہمیں لنکا پہنچا دے گا۔ وہ مجھ سے اب بھی محبت کرتا ہے۔ وہ مجھے کبھی انکار نہیں کرے گا۔"

خدا جانے گپتا کون تھا؟ مجھے طرح طرح کے وسوسوں نے گھیر گیا لیکن میرے سامنے کوئی متبادل راستہ بھی نہیں تھا۔ مجھے ہر حالت میں سدھا پر انحصار کرنا تھا۔

رات کے شاید بارہ بج رہے تھے کہ دور سے ~~چھکیلے~~ کے انجن کی روشنی نظر آئی۔ ٹرین مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ پسنجر ٹرین تھی۔ تقریباً سبھی مسافر ڈبوں میں سو رہے تھے۔ ہم بھی ایک ڈبے

میں گھس گئے۔ ٹرین ساری رات چلتی رہی اور میں سوتا جاگتا رہا۔ کوئی دس بجے دن کے وقت دھنیا کوڈی کا اسٹیشن آیا۔ ہم وہاں اتر گئے۔ یہ بھی ایک معمولی اسٹیشن تھا۔ گیٹ پر ٹکٹ بابو کھڑا تھا سدھا رنگنی نے مسکرا کر اسے پرنام کیا۔ اس نے ہم سے ٹکٹ طلب نہ کیا اب ہمارا سفر سمندر کی طرف شروع ہو گیا۔ دوپہر کے بعد مجھے دور سمندر نظر آنے لگا۔ کوئی ایک گھنٹے کے سفر کے بعد آخر ہم سدھا رنگنی کے پرانے مچھیرے عاشق گپتا کی بستی میں پہنچ گئے۔ یہ عام بستی تھی۔ ناریل کے درختوں کے نیچے جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ بستی کے باہر املی کا ایک گھنا درخت تھا۔ سدھا رنگنی نے مجھے اس درخت کے نیچے بٹھا دیا اور خود بستی کی طرف چل دی۔ کچھ دور تک میں اسے دیکھتا رہا پھر وہ جھونپڑیوں میں غائب ہو گئی۔

کوئی پندرہ بیس منٹ بعد واپس آئی تو اکیلی ہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ آتے ہی میرے پاس بیٹھ گئی اور بولی۔ گپتا ابھی تک مجھ سے پریم کرتا ہے وہ آج رات اپنی کشتی پر ہمیں لنکا پہنچا دے گا۔"

میں یہی سننا چاہتا تھا۔ ایک بوجھ میرے سر سے اتر گیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سدھا رنگنی کہنے لگی۔ میں نے اسے جب بتایا کہ میرا پتی دیو رگھو بھی میرے ساتھ ہے تو وہ چپ سا ہو گیا۔

"وہ اپنی بیوی سے ڈرتا ہے۔ اسی لئے اس نے ہمیں اپنے ہاں نہیں بلایا۔ میں نے بھی اصرار نہیں کیا۔ اسے کہا کہ ہم بستی کے باہر بیٹھے ہیں وہ شام کو کھانا لے کر آئے گا۔ میں تمہیں اس سے ملواؤں گی۔"

میں خاموش بیٹھا رہا۔ وہ کچھ دیر باتیں کرتی رہی پھر اپنے سانپ بیٹے کے ساتھ مصروف ہو گئی جب شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو میں نے ایک انسانی سائے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ سدھا رنگنی نے کہا۔ "گپتا آ رہا ہے شاید وہ تمہیں دیکھ کر خوش نہ ہو۔ مگر تم کوئی خیال نہ کرنا۔"

گپتا ایک ناٹے قد کا مضبوط جسم والا تامل تھا۔ عمر زیادہ نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں گٹھڑی تھی۔ وہ ہمارے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"رگھو! یہ گپتا ہے۔ ہمارے قبیلے کا ہے۔ یہ ہمیں لنکا پہنچا دے گا۔" سدھا نے میرا تعارف کرایا۔

میں نے گپتا کو پرنام کیا۔ گپتا نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس کا چہرہ شام کے اندھیرے میں زیادہ سنجیدہ اور گہرا لگ رہا تھا۔ سدھا رنگنی اس سے کوئی بات کرتی تو وہ اس کا سرسری سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ مجھے وہ بڑا پُراسرار لگا۔

کھانا کھانے کے بعد گپتا نے پتیلی اور گلاس رومال میں باندھتے ہوئے سدھا سے کہا۔ "تم دونوں اسی جگہ رہنا میں رات کو آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سدھا رتگنی کی طرف دیکھے بغیر واپس بستی کی طرف چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد سدھا بولی۔ "تم نے دیکھا۔ یہ اب بھی مجھ سے کس قدر پریم کرتا ہے۔ اس نے حسد کے مارے تم سے بات تک نہیں کی۔ ہماری محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ انکار اس نے خود کیا تھا۔ یہ اپنے ماتا پتا کی مرضی کے خلاف بیاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

ہوا کی تیزی میں بھی کمی آ گئی تھی۔ کچھ پتا نہیں رات کتنی گزر چکی تھی کہ دور اندھیرے میں کوئی ہمیں اپنی طرف بڑھتا معلوم ہوا۔ سدھا رتگنی نے اسے اندھیرے میں بھی دیکھ لیا کہنے لگی۔ "گپتا آ گیا ہے۔"

یہ گپتا ہی تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ "چلو سدھا۔" اور گھوم کر واپس سمندر کی طرف چل دیا۔ میں اور سدھا جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہو گئے۔

اس کی کشتی ساحل سمندر پر بستی سے کافی دور کھڑی تھی۔ اس کشتی میں پندرہ بیس آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ گپتا اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ چار مچھیرے بھی تھے۔ ہم کشتی میں بیٹھ گئے تو مچھیروں نے کشتی سے اتر کر اسے پانی میں دھکیل دیا۔ پانی میں آتے ہی کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ مچھیروں نے فوراً چپو چلانے شروع کر دیئے۔ گپتا جہاز کے کپتان کی طرح کشتی کے سرے پر کھڑا سمندر کو تک رہا تھا اور بار بار اپنے آدمیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

سمندر پُر سکون تھا پھر بھی کشتی کافی ڈول رہی تھی۔ جب بھارتی ساحل کی بتیاں نظروں سے اوجھل ہوئیں تو لنکا کی روشنیاں ابھرنا شروع ہو گئیں۔ گپتا کشتی کو ان روشنیوں کی بائیں جانب لے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ لنکا کی روشنیاں بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ اب ہم لنکا کے شمال مغربی ٹاپوؤں کی طرف جا رہے تھے جہاں گھپ اندھیرا چھایا تھا۔ گپتا واقعی ایک ماہر ملاح ثابت ہوا تھا۔ وہ کشتی کو کمال مہارت سے لنکا کے ساحل تک لے آیا تھا۔ ساحل پر کشتی کے لگتے ہی مچھیروں کے ساتھ ساتھ میں اور سدھا بھی کشتی سے اتر آئے۔

گپتا سدھا کے پاس آیا۔ رات کے اندھیرے میں وہ کالا کلوٹا کوئی بھوت پریت لگ رہا تھا۔ اس نے سدھا سے کہا۔ "میں جاتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ سدھا یا میں اس کا شکریہ ادا کرتے وہ کشتی میں سوار ہو گیا۔ دوسرے مچھیرے کشتی کو سمندر میں دھکیلنے لگے۔ کشتی لہروں میں گئی تو وہ بھی اچھل کر اس میں سوار ہو گئے، تھوڑی دیر بعد گپتا کی کشتی کو موجوں نے ہم سے دور کر دیا۔

میں نے پیچھے درختوں کی لمبی قطار کی طرف دیکھا جو اندھیرے میں ایک اونچی دیوار کی طرف شمالاً جنوباً چلی گئی تھی۔ ہم نے اس طرف چلنا شروع کیا۔ یہ جافنا کا شمالی علاقہ تھا۔ میں اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اس علاقے کی سدھا رتگنی بھی بھیدی تھی۔ وہ مجھے جنگل سے نکال کر ایک

چھوٹی مگر کچی سڑک پر لے آئی۔ سڑک کے کنارے بانس کے درختوں میں مہاتما بدھ کی قدیم خانقاہ تھی جو ویران پڑی تھی۔ باقی رات ہم نے اسی خانقاہ کے فرش پر سو کر گزار دی۔

صبح جنگل کی چڑیوں کی چہکار نے مجھے بیدار کر دیا۔ سدھا وہاں نہیں تھی۔ میں اٹھ کر خانقاہ کے پیچھے چلا گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں خانقاہ میں واپس آیا تو سدھا اپنے کالے سانپ کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "میں اپنے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھی۔ جافنا یہاں سے کافی دور ہے۔ ہمیں رنگاپٹی قصبے سے لاری مل جائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہم رنگاپٹی کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے جافنا میں سدھا رنگنی سے الگ ہونے کا پروگرام دل میں طے کر لیا۔

رنگاپٹی سے ہمیں لاری مل گئی جس نے دوپہر کے بعد ہمیں جافنا پہنچا دیا۔ ہمارے حلیئے سپیروں ایسے تھے۔ اس لئے سدھا مجھے ایک مندر میں لے آئی۔ تیسرے پہر میں اکیلا ہی بہانہ بنا کر مندر سے نکل کر ریلوے اسٹیشن پر آ گیا۔ میں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ کولمبو ٹرین کب روانہ ہوتی ہے۔ میں نے ایک قلی سے پوچھا تو اس نے کہا کولمبو جانے والی ٹرین تو تیار کھڑی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ اسی وقت ٹکٹ گھر کی طرف دوڑا۔ کولمبو کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور ایک ڈبے میں گھس گیا۔ پانچ منٹ بعد ٹرین کولمبو کی طرف رواں دواں تھی اتنی جلدی میں سدھا رنگنی سے الگ ہو جاؤں گا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے خیال آیا کہ جب میں واپس نہیں پہنچوں گا تو سدھا رنگنی کیا سوچے گی؟ دوسرے لمحے میں نے اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال کر ٹرین کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد میں کولمبو پہنچ گیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ میں سپیرے کے بھیس میں تھا۔ کسی نے میری طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اسٹیشن سے نکلتے ہی میں نے ٹیکسی پکڑی اور ٹمپل روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے ایجنٹ کی دکان کھلی تھی۔ میں اندر جا کر شیلف میں لگی ہوئی کتابیں دیکھنے لگا۔ ایجنٹ سامنے کھڑا کچھ لڑکیوں کو کتابیں دے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور جلدی جلدی گاہکوں کو نمٹا کر میری طرف آ گیا۔

"کیا چاہئے سوامی جی آپ کو؟"

چاہے اس نے مجھے اور میں نے اسے پہچان لیا تھا اس کے باوجود ہمارا ایک دوسرے کے کوڈ نمبروں کو جاننا بہت ضروری تھا۔ میں نے اپنا کوڈ نمبر بولتے ہوئے کہا۔ "اس نمبر کی کتاب ہو گی مہاراج؟"

اس نے جواب میں اپنا کوڈ نمبر بول کر کہا۔ "اس نمبر کی کتاب تو نہیں ہے۔"

میں کاؤنٹر پر اس کے قریب آ گیا۔ اس نے الماری میں سے ایک کتاب نکال کر جھاڑتے ہوئے میرے آگے رکھی اور بولا۔ "دن کسی مندر میں گزارو۔ رات دس بجے کے بعد آنا دکان کا دروازہ اندر سے کھلا ہو گا۔"

میں نے کتاب لی اور سے پرنام کر کے دکان سے باہر نکل آیا۔ سارا دن میں نے بودھ مندر میں گزار دیا اور رات کو دس بجے میں دکان پر پہنچ گیا۔ میں نے دروازے کو ذرا سا دھکیلا۔ دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ اوپر سے مجھے ایجنٹ کی آواز سنائی دی۔

"اوپر آ جاؤ اور دروازے کو کنڈی لگا دو۔"

میرے اوپر پہنچتے ہی وہ شروع ہو گیا وہ کسی تمہید کے چکر میں نہیں پڑا تھا۔ "سب سے پہلے اپنا حلیہ تبدیل کرو۔ اب تمہیں اس لباس کی نہیں بلکہ کوٹ پتلون کی ضرورت ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ میرا اگلا مشن اس علاقے میں نہیں ہے۔ میں کچھ پوچھنے والا ہی تھا کہ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"جب میں اپنی بات ختم کر لوں تب کوئی سوال کرنا۔"

میں چپ ہو گیا۔ وہ سگریٹ پینے لگا' ایک پل کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اپنی انگلی دری پر لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ لندن ہے۔ یہاں سے شمال کی جانب فرانس کا دار الحکومت پیرس ہے۔ یہ تم پیرس سمجھ لو۔" میں اب دری کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر اس کی انگلی ایک جگہ ٹک گئی تھی۔ "یہاں سے تم پیرس کے مرکزی علاقے کو چھوڑ کر دریائے سین کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بڑے پل تک جاؤ گے۔ پل پر چڑھنے کی بجائے تم اگر دریا کی ڈھلان پر سے اتر کر پل کے نیچے آ جاؤ تو تمہیں یہاں دریائی دلدل کے پیچھے پتھروں کی ایک محراب ملے گی جو آدھی سے زیادہ زمین میں دھنسی ہوئی ہے۔ اب محراب کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا سرنگ نما راستہ نیچے کو جاتا ہے۔ اس راستے کے منہ کو خار دار تاروں کے گچھوں سے بند کر دیا گیا ہے۔ اس جگہ زمین کے نیچے سرنگ میں اسرائیل کی ایک خفیہ تنظیم کا دفتر ہے۔ اس پاکستان دشمن خفیہ تنظیم کے اغراض و مقاصد کے بارے میں تمہیں پیرس میں موجود ہمارا آدمی سب کچھ بتا دے گا۔ وہ تمہیں یہ بھی بتائے گا کہ تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا ہو گا۔ تمہارا پاسپورٹ کولمبو سے پیرس تک ٹکٹ' فرانسیسی کرنسی اور دوسرے تمام کاغذات میرے پاس تیار پڑے ہیں۔ کولمبو سے تجارتی فلائیٹ کل رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر لندن کے لئے روانہ ہو گی۔ لندن کے ہیتھرو ایئر پورٹ پر اپنا ایجنٹ ملے گا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ دوسری فلائیٹ میں پیرس لے جائے گا۔"

وہ اٹھ کر الماری میں سے ایک لفافہ نکال لایا جس میں میرا پاسپورٹ' فرانسیسی کرنسی شناختی کارڈ اور دوسرے کاروباری کاغذات تھے۔ میں وہاں پلاسٹک کی مصنوعات کی ایک فرضی فرم کے نمائندے کی حیثیت سے مارکیٹ کا جائزہ لینے جا رہا تھا۔ پاسپورٹ پر میرا نام راج کمار ننده ولد رام کمار ننده درج تھا۔ پاسپورٹ پر میری ایک برس پہلے کی تصویر تھی۔ مجھے امرتسر کا رہنے والا ظاہر کیا گیا تھا۔

"تم انڈین ہندو بن کر فرانس میں داخل ہو گے امرتسر کا شہری تمہیں اس لئے ظاہر کیا گیا ہے

کہ تم امرتسر ہی کے رہنے والے مسلمان ہو اور پاکستان بننے کے بعد لاہور چلے گئے تھے تم امرتسر کے تمام گلی کوچوں سے واقف ہو۔ تمہارا امرتسر کا ایڈریس ہال بازار چوک بجلی لکھا گیا ہے۔"۔

میں موم بتی کی روشنی میں کاغذات کو دیکھنے لگا۔ اپنا ایجنٹ بولا۔ "اس بٹوے میں پانچ سو فرانک ہیں۔ یہ تمہارے لئے پیرس کے ابتدائی اخراجات کے لئے کافی ہیں' باقی تمہیں جتنی رقم کی ضرورت پڑے گی وہاں تمہیں مل جائے گی۔ کچھ اور پوچھنا ہو تو اس وقت پوچھ سکتے ہو۔"۔

"کیا اس مشن میں کسی قسم کے اسلحے کی ضرورت نہیں ہو گی؟"

ایجنٹ نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ "ایک جاسوس کا کوئی بھی مشن ایسا نہیں ہوتا جس میں جدید ترین اسلحے اور دوسرے مہلک آلات کی ضرورت نہ پڑے اور جب اس مشن کا مرکز یورپ کا کوئی شہر ہو تو اسلحے اور مہلک آلات کی ضرورت زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ اس کا اہتمام ہمارا پیرس کا ایجنٹ کرے گا۔

شناخت اور تصدیق اسی کوڈ نمبر سے ہو گی جو تمہارا اور میرا کوڈ نمبر ہے۔ تم اس کے سامنے اپنا کوڈ نمبر بولو گے اور وہ اس کے جواب میں اپنا کوڈ نمبر بولے گا جو تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ باقی رہ گئی اس کی شکل تو میں تمہیں اس کی تصویر دکھائے دیتا ہوں۔" اس نے ایک اور لفافہ نکالا جس میں پیرس کے ایجنٹ کی تصویر تھی' جس طرح پولیس والے مجرموں کی تصویریں لے کر اپنے رجسٹر میں محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ باریک سیاہ مونچھوں' بڑی بڑی گول سیاہ آنکھوں اور چوڑے نتھنوں والا جوان تھا۔ عمر تیس پینتیس برس کے قریب ہو گی۔ نیچے اس کے نام کی جگہ ایک نمبر لکھا تھا جو میرے لئے نیا تھا۔

"اس شکل کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ یہ آدمی تمہیں کوٹ پتلون اور فیلٹ ہیٹ میں ملے گا۔ تمہاری تصویر بھی اس کو پہنچا دی گئی ہے۔ وہ تمہیں نہ تو اپنا نام بتائے گا' اور نہ یہ بتائے گا کہ وہ کہاں رہائش پذیر ہے۔ تم اس سے پوچھنا بھی نہیں تمہارے بارے میں وہ ضرور باخبر رہے گا کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو اور کیا کر رہے ہو۔ وہ پیرس میں تمہیں اپنے رابطے کے لئے ایک خفیہ فون نمبر بھی دے گا تم لندن سے واقف ہو۔ لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ کے باہر وہ خود تمہیں آ کر مل لے گا۔ ایر پورٹ کے سامنے ایک اونچے ستونوں والا شیڈ بنا ہوا ہے' تم اس شیڈ میں کسی ستون کے پاس جا کر کھڑے ہو جانا۔ دو تین بار اپنی کلائی کی گھڑی بھی دیکھنا۔ اب تم جاؤ۔ کل رات دس بجے اسی طرح یہاں آ جانا۔ یہاں تمہارا سوٹ' جوتے کلائی کی گھڑی وغیرہ موجود ہو گی۔"

یہ کہہ کر اپنے ایجنٹ نے کمرے کی بازار والی کھڑکی ذرا سی کھول کر بازار میں دیکھا۔ کھڑکی بند کی در میری طرف منہ کر کے بولا "بازار خالی ہے۔ کل دس بجے رات میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔"

اس نے اپنے تنگ اور نیم روشن کمرے کا دروازہ میرے جانے کے لئے کھول دیا۔ میں لکڑی کا زینہ اتر کر بازار میں نکل آیا اور پھر بڑے سکون کے ساتھ بودھی مندر میں آ کر برآمدے میں ستون

سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اگلا سارا دن میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے گزار دیا۔ رات کا کھانا بھی میں نے لنگر میں ہی جا کر کھایا اور پھر مقررہ وقت پر ٹمپل روڈ چل دیا۔ ایجنٹ میری راہ دیکھ رہا تھا۔ جاتے ہی شیو کی۔ سادھوؤں والے

جس میں سِل کے دونوں رُخ دکھائے گئے تھے۔

کپڑے اتار کر حلیہ بدلا اور ایئرپورٹ روانہ ہو گیا۔ سب مسافر جہاز میں سوار ہو چکے تھے میں بھی تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا جہاز میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز سے سیڑھی ہٹا دی گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا اور جہاز نے ٹیک آف کے لئے رن وے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چند ہی لمحوں بعد ہم فضاؤں میں محو پرواز تھے۔

ہیتھرو ائرپورٹ سے نکلتے ہی میں اس اونچے ستونوں والے شیڈ میں آ گیا جہاں مجھے رکنے کے لئے کہا گیا تھا۔ لندن کا موسم سرد تھا۔ دن میں بارش بھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے زمین گیلی تھی۔ ایجنٹ کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ ٹھیک اس وقت ایک چھوٹی ٹویوٹا گاڑی میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا جس نے رین کوٹ پہن رکھا تھا میرے قریب آ کر اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"معاف کیجئے گا۔ اس نمبر کی بلڈنگ کہاں ہو گی؟"

میں نے کاغذ لے کر روشنی میں دیکھا۔ اس پر خفیہ کوڈ نمبر لکھا تھا۔ میں نے جیب سے بال پوائنٹ نکالا اور کاغذ کی دوسری طرف اپنا خفیہ کوڈ نمبر لکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے آپ یہاں اسے تلاش کریں۔"

ایجنٹ نے میرا لکھا ہوا نمبر غور سے دیکھا پھر گاڑی کی طرف بڑھا اور بولا۔ "میرے ساتھ آ جایئے پلیز!"

میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ گاڑی کو شہر کی ایک نسبتاً ویران سڑک پر لے آیا پھر ڈیش بورڈ میں سے ائر فرانس کی داخلی پرواز کا ایک ٹکٹ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پروگرام کسی خاص وجہ سے تھوڑا تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب تم لنکا ائر لائنز کی بجائے فرانس کے ذریعے پیرس پہنچو گے۔ میں بھی اسی جہاز میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ یہ فلائیٹ ڈیڑھ گھنٹے بعد جائے گی۔ میں تمہیں اگلے پارک کے دروازے پر اتار رہا ہوں یہاں سے تم ٹیکسی لے کر ائرپورٹ واپس چلے جانا تمہارا گیٹ نمبر 14 ہے۔ میں تمہیں ٹرانزٹ لاؤنج میں ملوں گا۔ تم مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ پیرس پہنچ کر تم میرے پیچھے پیچھے آؤ گے لیکن ہر حالت میں ہمارے درمیان پچاس ساٹھ قدم کا فاصلہ رہے گا۔"

میں نے ائر فرانس کا ٹکٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے مجھے پارک کے دوسرے گیٹ کے پاس درختوں کے اندھیرے میں اتار دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں کچھ دور تک پیدل گیا۔ پھر ایک

ٹیکسی پکڑی اور ہیتھرو ائرپورٹ آ گیا۔ ائر فرانس کے کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈ لیا اور لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ایجنٹ کو بھی دیکھ لیا۔ وہ کونے والی نشست پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

جہاز میں بھی وہ مجھ سے کافی فاصلے پر بیٹھا۔ کچھ دیر بعد ائر فرانس کا جہاز پیرس کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ میں نے ایجنٹ کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ رات ہو گئی تھی۔ یورپ کی دلہن پیرس جگمگا رہی تھی۔ روشنیوں کا ایک سیلاب تھا جو شہر پر اُمڈ آیا تھا۔ اس شہر میں پہلے بھی دو چار مرتبہ آ چکا تھا۔ کام چلانے کی حد تک فرانسیسی زبان سمجھ اور بول بھی لیتا تھا۔ ایجنٹ نے ٹیکسی لی اور اس میں سوار ہو گیا۔ جب تک میں دوسری ٹیکسی میں بیٹھ نہیں گیا اس نے اپنی ٹیکسی وہیں ٹھہرائے رکھی۔ جب اس کی ٹیکسی آگے بڑھی تو میں نے بھی ٹیکسی والے کو چلنے کے لئے کہا۔ ائرپورٹ کے علاقے سے نکل کر ہماری ٹیکسیاں شہر میں داخل ہوئیں تو گاڑیوں کے ہجوم کے باعث اس نے ایک طرف درختوں میں ٹیکسی رکوائی اور اتر کر فٹ پاتھ پر پیدل ہی چل پڑا۔ میں نے بھی ٹیکسی چھوڑ دی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

ذرا دیر بعد وہ ایک کافی ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ مجھے اپنی میز پر لے گیا اور ویٹر کو دو کافی کا آڈر دیا۔ اس نے اپنی جیب سے براؤن رنگ کا ایک کارڈ میرے سامنے رکھ دیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "اس پر تمہارے فلیٹ کا نمبر اور گارڈن ہاؤس کا ایڈریس لکھا ہے۔"

دوسری جیب سے اس نے ایک چھوٹا سا لفافہ نکال کر میری طرف سرکایا۔ "اس میں تمہارے فلیٹ کی چابیاں ہیں۔"

میں نے دونوں چیزیں اپنی جیب میں رکھ لی۔ کافی آ گئی تھی۔ وہ کافی بنانے لگا۔ "تم اس فلیٹ میں راج کمار سندھ ایجنٹ مورتی پلاسٹک انڈسٹری انڈیا لمیٹڈ کی حیثیت سے رہو گے۔ ٹیکسی والے کو یہ کارڈ دکھا دینا۔ وہ تمہیں اس گارڈن ہاؤس بلڈنگ تک پہنچا دے گا۔ میں آدھی رات کے بعد تمہیں ملنے آؤں گا۔ کافی کے دو گھونٹ لینے کے بعد تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں یہاں ابھی بیٹھوں گا۔"

میں نے کافی کے دو گھونٹ بھرے اور کافی ہاؤس سے باہر نکل آیا۔ چوک میں ایک ٹیکسی مل گئی۔ ڈرائیور کو لکھا ہوا پتا دکھایا اس نے اشارے سے مجھے بیٹھنے کو کہا اور تھوڑی ہی دیر میں ٹیکسی پیرس شہر کے جگمگاتے بازاروں میں رواں دواں تھی۔

گارڈن ہاؤس نیم شکستہ سی جگہ ثابت ہوئی۔ تنگ راستہ اوپر جاتا تھا۔ لفٹ نہیں تھی۔ اوپر ایک کوریڈور تھا۔ بائیں طرف میرے نمبر والا کمرہ تھا جس میں تالا لگا تھا۔ میں نے نمبر کو ایک بار پھر غور سے پڑھا اور تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ آمنے سامنے صوفہ پڑا تھا۔ آتشدان ٹھنڈا تھا۔ ایک طرف کچن تھا۔ پیچھے بیڈ روم تھا۔ لوہے کے ایک پلنگ پر بستر لگا ہوا تھا۔ کمبل اور پتلا لحاف تہ کئے ہوئے تھے۔ کمرے میں ٹھنڈ تھی۔ کلوزٹ میں سلیپنگ سوپ گرم سلیپنگ گاؤن اور چپل کا ایک جوڑا

موجود تھا۔ سٹنگ روم کے کونے کی تپائی پر ٹیلی فون پڑا تھا۔ یہ معمولی درجے کا گارڈن ہاؤس تھا جہاں میری حیثیت کے لوگ ہی آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ یعنی کمپنیوں کے معمولی ایجنٹ وغیرہ۔

میں نے جلدی سے کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہنا آتشدان میں گیس کا انتظام موجود تھا۔ میں نے گیس کا ہیٹر آن کر دیا۔ دو تین منٹ کے بعد کمرے کی سرد فضا میں خوشگوار تبدیلی آگئی۔ کچن میں جا کر چائے بنائی اور بستر میں دبک کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔

کوئی ڈیڑھ بجے باہر کوریڈور میں کسی کے قدموں کی دھیمی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اپنا ہی ایجنٹ تھا۔ وہ اپنا رین کوٹ اتارتا ہوا اندر آیا تو میں نے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔ ہم آرام کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا جو اس نے اپنے قدموں کے پاس سیدھا فرش پر رکھ دیا۔

"لنکا والے اپنے ایجنٹ نے ہمیں دریائے سین کے پل کے نیچے سرنگ میں اسرائیلی خفیہ تنظیم کے بارے میں مختصر طور پر بتا دیا ہے۔" اس نے ذرا توقف کے بعد بات شروع کی۔ "میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ خفیہ اسرائیلی تنظیم ہمارے ایک دشمن ہمسایہ ملک کے ساتھ مل کر پاکستان میں تخریب کاری، توڑ پھوڑ اور دہشت گردی کے ایک خطرناک ترین منصوبے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ پیرس کے جنوب میں ایک جنگل میں اس تنظیم کے دہشت گردوں کو پاکستان میں تخریب کاری، پل کو اڑانے، بجلی گھروں کو تباہ کرنے اور ممتاز سیاسی شخصیتوں کو نقصان پہنچانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس تنظیم میں بھارت کے دہشت گرد شامل ہیں جنہیں تنظیم کا ایک پچاس سالہ یہودی کرنل ڈیوڈ۔۔ ۔ ٹریننگ دیتا ہے۔ یہ لوگ ایک مہینے سے یہاں ٹریننگ لے رہے ہیں۔ فرانس کی حکومت ان لوگوں کے عزائم سے بے خبر ہے۔ کرنل ڈیوڈ نے یہ ظاہر کر رکھا ہے کہ وہ ایک ہیلتھ کلب چلاتا ہے جہاں نوجوانوں کو ورزش وغیرہ کروائی جاتی ہے۔ فرانس ایک آزاد۔۔۔ ملک ہے۔ ایک دو اخباروں میں ہماری طرف سے اس تنظیم کے ناپاک عزائم کے بارے میں خطوط بھی شائع کروائے گئے تھے لیکن پولیس کے پاس چونکہ اس تنظیم کو پاکستان دشمن ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے اس لئے وہ اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔

میں نے پوچھا۔ "دریا کی سرنگ کے اڈے پر پولیس نے چھاپہ نہیں مارا؟"

ایجنٹ نے کہا۔ "کرنل ڈیوڈ کو بھارتی حکومت کی مکمل امداد اور تعاون حاصل ہے۔ اس کے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سرنگ والے اڈے میں کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔ دوسرے کرنل ڈیوڈ متعلقہ افراد کو بھاری رشوت بھی دیتا ہے۔ ہمارے دشمن ہمسایہ ملک کی حکومت نے اسے کروڑوں روپے کا فنڈ دے رکھا ہے۔ اس تنظیم کے ممبروں کو جدید ترین تخریب کاری کی تربیت دی جاتی ہے جس میں طیاروں کو میزائل مارے بغیر زمین سے ساؤنڈ ویوز کے ذریعے اس کے

الیکٹرانک نظام کو معطل کر کے تباہ کرنا بھی شامل ہے۔ یہ تخریب کار پاکستان کے عام سواریوں والے، جہازوں کو بھی تباہ کرنے کی ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

"اگر یہ شخص کرنل ڈیوڈ ہمارے ملک کی سلامتی کے لئے اس قدر خطرناک ہے تو آپ لوگ کسی اجرتی قاتل کی مدد سے اسے قتل کیوں نہیں کروا دیتے؟ اس ملک میں اجرتی قاتل آسانی سے مل جاتے ہیں۔"

ایجنٹ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ "میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ہمیں ابھی تک اس مشن کی سنگینی اور اس کی دھماکہ خیز نزاکت کے بارے میں بریف نہیں کیا گیا۔ معاملہ اگر صرف ایک آدمی کے قتل کرنے سے ختم ہو سکتا تو ہم اس تنظیم کے سربراہ یہودی کرنل کو ایک ہزار بار قتل کر چکے ہوتے۔ کرنل ڈیوڈ کے پیچھے تجربہ کار ماہر اور تربیت یافتہ کمانڈوز کی پوری قطار موجود ہے۔ کرنل ڈیوڈ کے قتل کے فوراً بعد اس کی جگہ دوسرا یہودی آ جائے گا جو شاید اس سے زیادہ خطرناک ثابت ہو۔ بھارت اور اسرائیل پاکستان کے وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان سے خائف ہیں۔ یہی ان دونوں کے گٹھ جوڑ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اس اسلام دشمن بھارتی اسرائیلی تنظیم کے تربیت یافتہ تخریب کاروں کا ایک دستہ ہندوستان کی سرحد پار کر کے پاکستان پہنچ چکا ہے اور وہاں اپنی تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہے۔ ہماری انٹیلی جینس انہیں گرفتار بھی کر لیتی ہے لیکن ان تخریب کاروں کی جگہ لینے کے لئے یہاں سے دوسرے تخریب کار پہنچ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے سوال اس تخریب کاری کے سلسلہ کو کرنل ڈیوڈ کو قتل کئے بغیر ایسے طریقے سے ختم کرنے کا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔"

میں پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے سگار سلگایا اور پھر بولا۔ "اب میری بات غور سے سنو۔ تمہیں خاص طور پر اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ یہ کام سوائے تمہارے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ تم اب تک رضاکارانہ طور پر کام کرتے رہے ہو۔ تمہیں پاکستان سے سچی محبت ہے اور تم اس کی خاطر اپنی جان ہی قربان نہیں کر سکتے بلکہ دشمن کے ناپاک ارادوں کو ناپاک ارادوں کو ناکام بھی بنا سکتے ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تم ایک دلیر اور تجربہ کار شخص ہی نہیں تامل زبان بولنے پر بھی عبور رکھتے ہو۔"

"لیکن یہاں تامل زبان کی ضرورت کہاں پڑے گی؟"

اس نے سگار کی راکھ آہستہ سے جھاڑی اور دھیمی مگر پُر اعتماد آواز میں بولا۔ "اس لئے کہ کرنل ڈیوڈ کا ایک وفادار ساتھی تامل ناڈو کا رہنے والا ہے۔"

بیڈ روم میں خاموشی چھا گئی۔ مجھے الجھن سی ہونے لگی کہ تامل ناڈو کے ہندو ساتھی کا ذکر کس ضمن میں آ گیا ہے۔ بہت جلد یہ معمہ بھی حل ہو گیا۔

موجو "ہمیں اس تنظیم کے خفیہ کوڈ کی ضرورت ہے۔ ہم سرتوڑ کوشش کر چکے ہیں مگر ان کو کوڈ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔" ایجنٹ نے مجھے بتایا۔

"کوڈ کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم اس پاکستان اور اسلام دشمن اسرائیلی بھارتی تنظیم کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ یہ سن کر تمہیں ضرور حیرانی ہو گی۔"

مجھے واقعی حیرانی ہوئی تھی۔ اگر یہ لوگ اس تنظیم کو ختم نہیں کرنا چاہتے تو پھر مجھے یہاں کس لئے بلایا گیا ہے۔ میں نے کوئی سوال نہ کیا۔ اس نے اپنی بات کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ ہم اس تنظیم کو ختم نہیں کر سکتے۔ اگر ہم ان سب لوگوں کو قتل بھی کر دیتے ہیں تو جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں ان کی جگہ دوسرے لوگ آ جائیں گے اور ممکن ہے وہ اپنا اڈا یہاں سے اٹھا کر اسرائیل لے جائیں جہاں داخل ہونے کے لئے ہمیں بہت سی مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔"

"تو پھر ہم کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم اس تنظیم کو ہمیشہ کے لئے بے اثر کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ تخریب کاروں کی تربیت کرتے رہیں۔ انہیں تخریب کاری کی ٹریننگ دیتے رہیں۔ انہیں یہاں سے ہوائی جہازوں میں بٹھا کر ہندوستان میں پاکستانی سرحد کے پاس اتارتے بھی رہیں اور پاکستان میں تخریب کاری کی ایک بھی واردات نہ ہونے پائے۔ اگر ہو بھی تو محض نام رکھنے اور دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے وہ تخریبی کارروائی ہم خود کریں۔ لیں کارروائی سے ہمارا حقیقت میں کوئی نقصان نہ ہو لیکن دشمن یہی سمجھے کہ اس نے ہمارے بارود کے ذخیرے یا کسی ریل گاڑی کو بم سے اڑا دیا ہے۔ یہ تفصیل ہمیں بعد میں خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ بہرحال اس وقت ہمیں اس تنظیم کے خفیہ کوڈ کی ضرورت ہے جو تم اپنی کوشش سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ اس کے لئے تمہیں یہودی کرنل ڈیوڈ کے وفادار ساتھی اور تجربہ کار ملٹری انٹیلی جینس کے تخریب کار نیام پلی سے تعلقات استوار کرنے ہوں گے۔ وہ تامل ناڈو کا ریٹائرڈ انٹیلی جینس کیپٹن ہے اور تم بھی اپنے آپ کو تامل ناڈو کا باشندہ ظاہر کرو گے۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟"

میں کیا کہہ سکتا تھا۔ معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جب واضح ہو کر ایک مشن میرے سامنے آ گیا ہے کہ مجھے اس خفیہ تنظیم کا کوڈ معلوم کرنا ہے اور اس کے لئے تامل ناڈو کے ایک ریٹائرڈ کیپٹن نیام پلی سے دوستی استوار کرنی ہو گی تو مطمئن ہو گیا۔ میں نے مزید تفصیلات پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اپنے ایجنٹ سے پوچھا کہ کیپٹن نیام پلی کہاں رہتا ہے۔

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا۔ "تم سے زیادہ اور کون جانتا ہو گا کہ ایسے لوگ کسی ایک جگہ پر نہیں رہا کرتے۔ نیام پلی بھی کسی ایک جگہ نہیں رہتا۔ ہفتے میں دو دن وہ مونت مارترے

والے پرانے فلیٹ میں رہتا ہے۔ ایک دن جنگل والی تربیت گاہ میں ہوتا اور باقی دن دریائے سین والی سرنگ کے اسٹور روم میں ہوتا ہے جسے انہوں نے اپنے ہیلتھ کلب کا اسٹور روم ہی ظاہر کیا ہوا ہے۔ وہ کسی سے ملتا جلتا بھی نہیں۔ زیادہ تر وہ یہودی کرنل کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ یہ دونوں مخصوص تخریب کاروں کے ایک دستے کو تربیت دیتے ہیں جو چھ آدمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں جالندھر اور اتر پردیش کے ماہر تخریب کار آدمی ہوتے ہیں جو اردو اور پنجابی بڑی روانی سے بول لیتے ہیں اور انہیں لاہوری پنجابی اور پنڈی کی پوٹھوہاری پر پورا عبور حاصل ہوتا ہے۔ مدراسی نیام پلی اور کرنل ڈیوڈ یہیں پیرس میں ہی رہتے ہیں اور اپنے تیار کردہ تربیت یافتہ ہندو تخریب کاروں کو بذریعہ طیارہ جموں روانہ کرتے ہیں جہاں سے ان تخریب کاروں کو ایک چھوٹے فوجی طیارے میں بٹھا کر مقبوضہ کشمیر اور پاکستان کی سرحدی پہاڑیوں میں پیرا شوٹوں کے ذریعے اتار دیا جاتا ہے۔ یہ تخریب کار پاکستان میں داخل ہو کر اپنی تخریبی کارروائیوں کے سلسلے میں مختلف شہروں میں پھیل جاتے ہیں۔"

میں نے مزید سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ اپنی توجہ یہودی کرنل کے دست راست نیام پلی کی طرف مرکوز کر دی یہی وہ شخص تھا جو فی الحال میرا ٹارگٹ تھا۔

ایجنٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب تم آرام کرو۔ کل کا سارا دن بھی تم آرام کرو گے۔ تمہیں اپنے فلیٹ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں کل رات بارہ بجے آؤں گا۔ میں تمہیں اس گفتگو پر جو ہمارے درمیان ہوئی ہے غور و فکر کرنے کے لئے کافی وقت دے رہا ہوں۔"

وہ چلا گیا اور میں بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی مجھ پر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ میں سو گیا اور دوسرے دن گیارہ بجے تک سویا رہا۔ فریج میں کھانے پینے کو سب کچھ تھا۔ ایک بجے تھوڑی سی مچھلیاں بنا کر کھائیں اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں چونک اٹھا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے اپنا ایجنٹ نہیں تھا۔ ممکن ہے کوئی غلطی سے ادھر آ گیا ہو۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ دروازہ نہ کھولوں لیکن جب بار بار گھنٹی بجنے لگی تو دوسرے فلیٹ والوں کی نگاہوں میں نہ آنے کے خیال سے اٹھ کر دروازے تک گیا اور دروازے کا سوراخ کھول کر دیکھا۔ باہر کوریڈور میں سرخ بالوں، سیاہ آنکھوں والی ایک خوبصورت دوشیزہ کھڑی بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر انگریزی میں پوچھا کہ وہ کس کی تلاش میں ہے۔ حسین دوشیزہ نے بھی انگریزی میں کہا۔

"مسٹر گڈ وارڈ فرنیک! کیا وہ یہاں نہیں رہتا؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مسکرا کر معذرت کرنے لگی۔ اس کے دانت موتیوں کی طرح سفید اور چمکیلے تھے، آنکھیں سیاہ تھیں۔ ہسپانیہ اور فرانس کا امتزاج اس کے سراپا میں صاف نمایاں تھا۔ میں نے جلدی سے درواہ بند کر دیا اور واپس بستر پر آ کر رسالہ پڑھنے لگا۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔ چھ بجے آنکھ

کھلی۔ میں نے کافی وغیرہ پی اور وہاں موجود مختلف رسالوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔

رات بارہ بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازے کے سوراخ میں سے دیکھا۔ اپنا ایجنٹ تھا۔ وہ سیدھا میرے بیڈ روم میں چلا گیا۔ میں نے دروازے کو لاک کیا اور اس سے کافی کے متعلق پوچھا۔

"میں پی کر آ رہا ہوں۔ تم میرے پاس آ جاؤ۔ ایک ضروری بات کرنی ہے۔" میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "میں آج پھر تمہاری خفیہ فائل کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ تم تامل اشلوک روانی سے بول لیتے ہو۔ کیا یہ درست ہے؟"

میں نے اسے جواب دیا کہ نہ صرف یہ درست ہے بلکہ میں ہندو فلسفے سانکھیا اور ویدانت پر بے تکان گفتگو کر سکتا ہوں۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ جب میں اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے بڑے پُرجوش انداز میں میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور بولا۔

"میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تم ماؤنٹ ایورسٹ کی آدھی چوٹی تک پہنچ گئے ہو۔" میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میرے چہرے پر تجسس کے اثرات دیکھ کر وہ بولا۔ "یہ بات طے ہے کہ ہندو اگر کمیونسٹ اور شدید مادہ پرست بھی ہو جائے تو بھی وہ ہندو ہی رہتا ہے آواگون گیت اور اپنی پراچین دیو مالا سے کبھی روگردانی نہیں کرتا۔ اس دیو مالا اور عقیدے کے جراثیم اس کے خون میں حل ہو چکے ہیں اور وہ اس عقیدے پر یقین رکھتا ہے کہ اس کا دوسرا جنم اس کے اعمال اور کرموں کے مطابق ہو گا۔ یہودی کرنل کے دست راست نیام پلی تک تم نے نصف راستہ طے کر لیا ہے۔ نیام پلی ایک عیار اور انتہائی چوکس آدمی ہے۔ کسی بھی عام طریقے سے تمہیں اس تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت درکار ہو گا اور اس کے بعد اس سے خفیہ کوڈ معلوم کرنے کا دشوار ترین مرحلہ شروع ہو گا مجھے یقین ہے کہ اگر تم اس کے دیو مالائی ہندوانہ جذبات کو ایکسپلائٹ کرو تو تم بہت جلد اس کا اعتماد حاصل کر سکتے ہو۔"

"اس کے لئے بھی مجھے اس کے قریب پہنچنے کی ضرورت ہو گی۔" میں نے جواب دیا۔

"ہندو دیو مالا اپنشد' ویدوں کے اشلوک اور گیان دھیان کی باتیں اسے خود بخود تمہارے پاس لے آئیں گی۔"

"تو کیا مجھے سوامی اور رشی منی بن کر اس کے پاس جانا ہو گا۔ یہ بھی تو ممکن نہیں۔ اس طرح سے بھی اسے شک پڑ سکتا ہے۔"

"نہیں تم اس کے پاس نہیں جاؤ گے۔" اپنا ایجنٹ بولا۔ "وہ خود تمہارے پاس آئے گا۔ اس کا پورا پورا اور سوچ سمجھ کر اہتمام کیا جائے گا۔ یورپ میں ہرے کرشنا ہرے راما کی کئی ایک سبھائیں کام کر رہی ہیں۔ ان سبھاؤں میں آواگون اور ویدوں کے فلسفے پر یورپی گورے سوال پوچھتے ہیں اور گروان کے جواب دیتا ہے۔ امریکہ سے یہ مرض اب یورپ کے شہروں میں بھی پھیل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ یورپ کے لوگ مادی پرستی سے نجات حاصل کر کے روح کا گیان چاہتے ہیں۔ تمہاری سبھا کا نام ہرے راما ہرے کرشنا سبھا ہو گا۔ پیرس کی ایک بلڈنگ کے فلیٹ میں تمہارا دفتر ہو گا۔ تمہاری سبھا کا ایک اشتہار پیرس کے ایک اخبار میں شائع کرا دیا جائے گا جس میں لکھا ہو گا کہ ہندوستان کے صوبے تامل ناڈو کا گرو کرشم چاری مغرب کی بے چین روحوں کو شانتی کا درس دینے پیرس میں آیا ہے۔ اخبار اسرائیلی خفیہ تنظیم تک پہنچانا ہمارا کام ہو گا۔ کل صبح نو بجے میں آ کر تمہاری پاسپورٹ سائز کی ایک نئی تصویر لے جاؤں گا یہ تصویر سوامی کرشم چاری کے روپ میں اتاری جائے گی۔۔۔ اور تمہارے نئے پاسپورٹ پر لگے گی اس پاسپورٹ پر تمہارا ویزا بھی نیا ہو گا۔"

ایجنٹ چلا گیا۔ میں دیر تک اس منصوبے پر غور کرتا رہا منصوبہ مشکل نہیں تھا مگر اس کی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ میرے خیال میں ایک تجربہ کار جاسوس اور ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی کو آواگون اور اپنشدوں کے چکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے روز ٹھیک وقت پر اپنا ایجنٹ آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک بریف کیس بھی تھا۔ باتھ روم میں میرا سر مونڈا گیا۔ ماتھے پر تلک لگایا گیا۔ زعفرانی لبادے کے ساتھ گلے میں منکوں کی مالا ڈالی گئی اور اس حلیئے میں میری پاسپورٹ سائز کی تصویریں اتاری گئیں۔

"تم آج بھی فلیٹ سے باہر نہیں جاؤ گے اور فکر نہ کرو۔ یورپ کے شہروں میں اگر کوئی آدمی ساری زندگی بھی اپنے فلیٹ سے باہر نہ نکلے تو کوئی پوچھنے نہیں آتا کہ بھائی صاحب خیریت ہے آپ اندر کیوں بیٹھے ہیں۔"

دوسرے روز اپنا ایجنٹ آیا تو میرے نئے پاسپورٹ کے ساتھ پیرس کا ایک مشہور روزنامہ بھی تھا۔ اس اخبار میں ہرے راما ہرے کرشنا کی روحانی تنظیم کا ایک اشتہار چھپا ہوا تھا۔ نیچے میرے فلیٹ کا نمبر اور سبھا کا وقت دیا ہوا تھا۔ میرے نئے پاسپورٹ پر میری نئی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ نیچے میرا نام گورو کرشنم چاری لکھا تھا۔ پتا مدراس کا تھا اور ظاہر ہے جعلی تھا۔

اسی رات مجھے پیرس کی ایک خوبصورت بلڈنگ کے نئے فلیٹ میں پہنچا دیا گیا۔ میرا فلیٹ خاص طور پر پہلی منزل پر لیا گیا تھا تاکہ اگر مجھے ہنگامی حالات سے فرار ہونا پڑے تو عمارت کی بلندی میرے راستے میں حائل نہ ہو۔ فلیٹ میں فرنیچر اور ضرورت کی ہر شے پہلے سے موجود تھی۔ اشتہار میں میرا فون نمبر بھی دیا گیا تھا۔

اگلے ہی روز مجھے فون آنا شروع ہو گئے۔ مغرب کی مادہ پرستی سے اکتائے ہوئے لوگ روحانی تسکین حاصل کرنے کے لئے مجھ سے ملاقات کا وقت مانگ رہے تھے۔ میں صبح کے وقت صرف تین چار آدمیوں سے ہی ملتا۔ ہندو فلسفہ ویدانت پر اپنی سمجھ اور علم کے مطابق باتیں کرتا۔ ان لوگوں کے لئے میں بہت بڑا گیانی دھیانی تھا۔ مجھے کرنل ڈیوڈ اور نیام یلی کی تصویریں دکھا دی گئی تھیں۔۔۔

میں اس انتظار میں تھا کہ میرے تامل ناڈو کا باشندہ ہونے کا پڑھ کر یا سن کر شاید نیام پلی میرے پاس آئے۔
دو ہفتے مجھے فرانسیسی عورتوں اور مردوں کو انگریزی میں اوٹ پٹانگ اپدیش دیتے گزر گئے اور نیام پلی کی صورت دکھائی نہ دی۔ اس دوران ایجنٹ میرے پاس بالکل نہیں آیا تھا۔ صرف دوسری تیسری رات کے وقت فون کر کے مجھ سے حالات دریافت کر لیتا تھا۔ جب دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا تو میں نے ایجنٹ کو فون پر کہا کہ ہمیں کوئی دوسرا طریقہ اپنانا چاہیے۔ ایجنٹ ایک لمحے کے لئے چپ رہا پھر اس کی آواز آئی۔ "تم اپنا کام کرتے رہو۔ وہ ضرور آئے گا۔"

دو دن کے بعد پیرس کے اخبار میں میری جانب سے ایک اشتہار چھپا جس کا متن یہ تھا۔

پیرس میں مقیم تامل باشندے ہوشیار! سری بھگوان کرشن نے رات مجھے خواب میں پیرس شہر میں رہنے والے تامل ناڈو کے ایک تامل کی شکل دکھا کر کہا ہے کہ اس تامل کو ایک ہفتے کے بعد ایک بہت بڑا حادثہ پیش آنے والا ہے جس میں وہ مر جائے گا لیکن میں اسے بچانا چاہتا ہوں کیونکہ یہ تامل آدمی بھارت ماتا کی خدمت کر رہا ہے۔ اس سے مل کر میرا خاص اشلوک اسے یاد کرا دو۔ میرے اشلوک کی مدد سے وہ بچ جائے گا۔ میں پیرس میں مقیم تمام تامل بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اشتہار پڑھتے ہی اپنی ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر اور فون نمبر لکھ کر مجھے بھیج دیں تاکہ میں اپنے تامل بھائی کی شکل پہچان کر اسے سری کرشن بھگوان کا اشلوک بتا دوں اور وہ موت کے منہ سے بچ جائے۔

یہ اشتہار ایجنٹ نے چھپوایا تھا اور اس کے چھپتے ہی پیرس میں مقیم تامل باشندوں کی تصویریں اور فون آنا شروع ہو گئے۔ میں ہر روز غور سے ڈاک دیکھتا ان تصویروں میں ابھی تک نیام پلی کی تصویر نہیں آئی تھی۔

چار دن گزر گئے تو شام کو فون کی گھنٹی بجی۔ میں سمجھ گیا کہ جس شخص کی خاطر یہ سارا ڈراما رچایا گیا ہے یہ اسی کی آواز ہے۔ میں نے بڑی نرم اور شفیق آواز میں کہا۔

"میں ہی کرشنم چاری گورو ہوں۔ آپ کون ہے؟ کیا آپ نے تصویر بھیج دی ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم فراڈ ہو۔ تم ایسے جھوٹے گورو یورپ میں ہم تامل ناڈو کے رہنے والوں اور بھارت ماتا کو بدنام کرتے پھر رہے ہیں۔ میں تمہیں وارننگ دینا چاہتا ہوں کہ یہاں سے اپنا بوریا بستر باندھ کر واپس بھارت چلے جاؤ۔"

جس گوہر نایاب کی مجھے تلاش تھی یہ وہی شخص تھا۔ میں نے اپنی آواز میں مزید شفقت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بچے! پیرس میں رہنے والے سارے تامل لوگوں نے اپنی تصویریں مجھے بھیج دی ہیں۔ ان میں اس آدمی کی تصویر نہیں ہے جس کی شکل مجھے سری بھگوان نے سپنے میں دکھائی تھی اور جس کے ساتھ دو دن بعد کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔ ظاہر ہے وہ آدمی تم ہی ہو۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بے شک نہ ملو لیکن میں تمہیں جو اشلوک بتا رہا ہوں اسے یاد کر لو۔

یہ سری کرشن بھگوان کا خاص اشلوک ہے۔"

میں نے رگ وید کے ایک اشلوک کا تامل ترجمہ فون پر بول دیا۔ جان بوجھ کر بہت ہی مختصر اشلوک بتایا تھا تاکہ اسے فوراً یاد ہو جائے۔ دوسری طرف سے اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہارے کسی اشلوک کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے فوراً اشلوک کو تین بار دہرا دیا تاکہ غیر شعوری طور پر اسے اشلوک یاد ہو جائے۔ "صرف تم ایک ایسے تامل ہو جس نے مجھے اپنی تصویر نہیں بھیجی اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھ بھگوان کرشن کے قول کے مطابق کوئی خونی حادثہ پیش آنے والا ہے مگر بھگوان تمہاری رکھشا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا اشلوک گھر سے نکلتے وقت پڑھ لیا کرو۔ بس اس سے زیادہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور بھارت ماتا کی کس قسم کی خدمت کر رہے ہو مگر سری کرشن بھگوان تمہاری زندگی بچانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھگوان کی طرف سے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب تم جانو تمہارا کام۔"

میں نے خود ہی فون بند کر دیا۔ میں پیچھے ہٹا ہی تھا کہ گھنٹی ایک بار پھر بول اٹھی۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف ایجنٹ تھا۔ اس نے کہا کہ وہ میرے پاس آ رہا ہے اور میرا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

بیس منٹ کے بعد وہ میرے پاس بیٹھا سگار سلگا رہا تھا۔ "میں نے فون پر تمہاری اور نیام پلی کی گفتگو سن لی ہے۔"

"تو کیا یہ نیام پلی ہی تھا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔ "ہم نے فوراً ٹریس آؤٹ کروالیا تھا وہ اپنی مونٹ ماترے والی رہائش گاہ سے تمہیں فون کر رہا تھا۔ تم نے اچھا کیا کہ اسے اشلوک بتا دیا اب باقی کام ہم کر لیں گے۔ تم یہاں اطمینان سے اپنا مشن جاری رکھو۔ لوگوں کو اپدیش دیتے رہو تمہیں ابھی زیادہ باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تو میں نے کہا۔ "کیا ہمیں انتظار کرنا ہو گا؟" اس نے دروازہ کھولتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "اب وہ خود تمہیں فون کرے گا۔"

دو راتیں گزر گئیں تیسری صبح حسب معمول دو فرانسیسی عورتیں اور کچھ مرد مجھ سے روحانی تسکین حاصل کرنے آ گئے میں نے بھی حسب عادت اپنا اپدیش شروع کر دیا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے ہاتھ جوڑ کر "ہری اوم" کا نعرہ بلند کیا اور اپنے مریدوں کو واپس بھیج دیا۔ دروازہ بند کر کے میں اپنے لئے کھانا تیار کرنے لگا۔ اس وقت سوا گیارہ بج رہے تھے اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے سوچا کہ ایجنٹ یا کوئی روحانی تسکین کا متلاشی فرانسیسی ہو گا۔ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے وہی بھاری اور پُر اعتماد آواز آئی۔ اس نے تامل زبان میں کہا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

آواز میں پہلے روز والی رعونت کرختگی اور گھمنڈ نہیں تھا۔ میں نے اسی شفقت بھری آواز میں پوچھا "تم کون ہو بیٹا؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں وہی تامل ہوں جس نے تمہیں اپنی تصویر نہیں بھیجی تھی۔" اب شک وشبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے باوجود میں نے بے نیازی سے پوچھا۔ "تم صبح کو اشلوک پڑھ کر گھر سے نکلتے ہو نا؟ آواز آئی۔ "گورو دیو! میں آپ کو کس وقت مل سکتا ہوں؟ مجھے شام کے بعد کا کوئی وقت دیں کیونکہ دن کے وقت میں جاب کرتا ہوں۔

میں نے اسی شان بے نیازی سے کہا۔ "بچہ! تم آٹھ بجے کے بعد میرے پاس آسکتے ہو مگر میں تمہیں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا کیونکہ رات کو مجھے گیان دھیان بھی کرنا ہوتا ہے۔

فون بند کر دیا گیا۔ اب میں بے چینی سے رات کے آٹھ بجے کا انتظار کرنے لگا۔ دن گزر گیا۔ شام ہو گئی پیرس شہر روشنیوں سے جگمگانے لگا۔ ٹھیک آٹھ بجے' دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے اٹھ کر درازہ کھولا۔

باہر نیام پلی تھا۔ میں نے ایک نظر میں ہی اسے پہچان لیا۔ اس کا قد عام تامل باشندوں سے کچھ زیادہ تھا۔ شانے گول۔ رنگ گہرا سانولا اور چھوٹی چھوٹی مونچھیں تھیں سر کے ساتھ چپکے ہوئے گھنگھریالے بالوں میں سفیدی آگئی تھی۔ اس کے چہرے پر سب سے نمایاں اس کی آنکھیں تھیں۔ یہ آنکھیں مجھے اپنے چہرے کے اندر جھانکتی محسوس ہوئیں۔ اب میرے ادارکاری کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں اور ایک ہاتھ بلند کر کے گیتا کا اشلوک پڑھا اور کہا

"سری کرشن بھگوان جے ہو۔ یہی وہ شکل ہے جو مجھے بھگوان نے سپنے میں دکھائی تھی۔ تم ضرور وہی تامل ہو' جسے میں نے فون پر بھگوان کا خاص اشلوک بتایا تھا۔ ہے بھگوان! تیری لیلا نیاری ہے۔"

میں دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔ "اندر آ جاؤ بیٹا اندر آ جاؤ۔ تمہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟ بھگوان نے تیری رکشا کا بیڑا اٹھایا تھا۔ تو نے بھگوان کا اشلوک آج گھر سے نکلتے سمے پڑھا تھا؟"

نیام پلی نے فلیٹ میں آ کر چاروں طرف ایک گہری نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ "مہاراج! میں روز صبح گھر سے اشلوک پڑھ کر ہی نکلتا تھا۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا لیکن جانے کیوں آپ کا بتایا ہوا اشلوک مجھے فوراً ہی زبانی یاد ہو گیا۔۔ اور میں جب گھر سے نکلنے لگتا تو وہ اشلوک اپنے آپ میری زبان پر آ جاتا تھا۔"

میں اپنی مسند پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور چہرے پر ہلکا سا تبسم طاری کئے نیام پلی کی طرف بڑی ملائم اور شفیق نظروں سے دیکھا وہ کہہ رہا تھا۔

"مہاراج! عجیب بات ہوئی۔ آج صبح میں آپ کا بتایا ہوا اشلوک پڑھ کر جب گھر سے اپنے کام پر جانے کے لئے نکلا تو روز کی طرح اپنی چھوٹی کار خود ہی' چلا رہا تھا۔ میں شہر سے باہر ایک کارخانے میں

کام کرتا ہوں۔ جب میں شہر سے چار پانچ کلو میٹر باہر پہنچا تو اچانک ایک طرف سے ٹرک نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ میں نے جلدی سے بریک لگائی لیکن ٹرک نے گاڑی کو ٹکر مار دی۔ گاڑی کا اگلا حصہ بالکل پچک گیا مگر مجھے خراش تک نہیں آئی میں بچ گیا۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ کارستانی اپنے ایجنٹ کی ہی ہو سکتی ہے۔ میں نے گیتا کے ایک اشلوک کا پاٹھ کرتے ہوئے کہا۔ "بچہ! سری کرشن بھگوان نے مجھے پہلے ہی تمہاری شکل سپنے میں دکھا کر خبردار کر دیا تھا کہ تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ اس ہفتے تم مر سکتے ہو لیکن بھگوان نے ساتھ ہی مجھے اشلوک بتا کر ہدایت کی تھی کہ چونکہ یہ شخص پیرس میں بیٹھا بھارت ماتا کی خدمت کر رہا ہے اس لئے میں اس کی جان کی رکھشا کروں گا۔ اچھا کیا کہ تم مجھے فون نہ کرتے تو یقین کرو، اس وقت تمہاری لاش پیرس کے کسی اسپتال کے مردہ خانے میں پڑی ہوتی۔ سری کرشن بھگوان انتریامی ہیں۔ ان کی بات کبھی نہیں ٹل سکتی۔"

نیام پلی پر حادثے کا کافی اثر تھا۔ اپنی باتوں سے وہ ناستک لگتا تھا لیکن صبح کے حادثے نے رونما ہو کر اسے میرا معتقد بنا دیا تھا۔ میں نے اس پر اپنا اعتماد جمانے کے لئے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تم یہاں رہ کر بھارت ماتا کی کیا خدمت کر رہے ہو۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو بھگوان کرشن کو معلوم ہے۔ وہ تم سے خوش ہیں تم اپنا کام کرتے جاؤ۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو بھگوان کرشن سپنے میں آ کر مجھے خود ہی سب کچھ بتا دیں گے اگر انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں۔ کچھ مزید بتایا تو میں تمہیں فون پر خبر کر دوں گا۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دے جاؤ۔

نیام پلی خاموش بیٹھا میری طرف گہری نظروں سے تک رہا تھا۔ اگر اپنا ایجنٹ یہ ڈرامہ رچاتا تو اس شخص کا میرے قریب آنا اور میرے لئے اس کا اعتماد حاصل کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس نے کہا۔

"گورو دیو! میں دو جگہوں پر کام کرتا ہوں۔ میرا اپنے فلیٹ پر آنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے۔ اس لئے فون نمبر دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہیں خود ہی آپ کو فون کر لیا کروں گا۔" میں نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چیتل کی تھالی میں سے دو پھول اٹھا کر اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ سری کرشن بھگوان کی خاص نظر ہے۔" "یہ سری کرشن بھگوان کے پھول ہیں انہیں رات کو اپنے سرہانے کے نیچے رکھ کر سونا۔ تم پر سری کرشن بھگوان کی خاص نظر ہے۔ تم بڑے بھاگیہ وان ہو۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا بیٹے؟" اس سے پہلے کہ وہ مجھے اپنا نام بتاتا میں نے خود ہی کہہ دیا۔ "کوئی بات نہیں سری کرشن بھگوان مجھے خود ہی تمہارا نام بتا دیں گے۔ اب تم جاؤ۔ میرے گیان دھیان کا سمے ہو گیا ہے۔"

میں نے قدرے اونچی آواز میں تامل اشلوک پڑھنا شروع کر دیئے۔ نیام پلی پھول لے کر اٹھا۔ ہچکچاتے ہوئے اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور خاموشی سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی سادھو سنت کو یوں ہاتھ جوڑ کر پرنام نہیں کرنا چاہتا لیکن میرے معاملے میں وہ پھنس گیا تھا۔

میری پیش گوئی کے مطابق اس کے ساتھ مہلک حادثہ ہو گزرا تھا۔ بھارت ماتا کی سیوا کے معاملے میں بھی میں نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے اس کا نام بتانے پر بھی اصرار نہیں کیا تھا۔ یہ تمام عوامل مل کر اس کے ذہن پر اثر انداز ہو چکے تھے اور میں یہی چاہتا تھا۔ دوسری رات کو اپنا ایجنٹ آیا تو میں نے اسے بتایا کہ نیام پلی خود آگیا تھا۔ اس نے ساری رودلو غور سے سنی مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس کی گاڑی کو ٹکر ہمارے آدمی نے ماری تھی جو ٹرک لے کر سڑک کے کنارے پہلے سے موجود تھا۔ اگر اس کی گاڑی کو یہ حادثہ نہ ہوتا تو نیام پلی جیسے شخص کو تم پر کبھی اعتماد پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اب بھی ممکن ہے اس کے دل میں شبہ ہو اور وہ تمہیں کوئی شعبدہ بازہی سمجھتا ہو لیکن اب یہ کام تمہارا ہے کہ تم اس کے ساتھ کس طرح تعلقات استوار کرتے ہو۔ میں نے اسے تمہاری سڑک پر ڈال دیا ہے۔ اب میرا کام ختم ہے۔ نیام پلی کو شیشے میں اتارنا اور اس کے خفیہ کوڈ معلوم کرنا اب تمہارا کام ہے لیکن یہ کام دیر طلب نہیں ہے ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تخریب کاروں کا ایک دستہ پہلے ہی پاکستان پہنچا دیا گیا ہے۔ اب دوسرا دستہ تیار ہو رہا ہے۔ اس کو تربیت دی جارہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس دستے کے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں ان کا خفیہ کوڈ معلوم ہو جائے۔"

میں پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ "کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمارا کوئی آدمی نیام پلی کی گاڑی پر فائرنگ کرے یہ فائرنگ اس طرح ہونی چاہئے کہ نیام پلی کو کوئی چوٹ نہ آئے۔"

اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "اگر تم یہ ضروری سمجھتے ہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آدمی نے اس کی گاڑی پر اپنا ٹرک چڑھا دیا تھا وہ اس پر اسٹین گن سے فائرنگ بھی کر سکتا ہے۔ تم کب چاہتے ہو کہ اس پر حملہ ہو؟"

میں نے کہا۔ "یہ کام جلدی ہو جانا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے لیکن میں جو وقت اور تاریخ بتاؤں حملہ اس کے مطابق ہونا چاہئے۔"

ایجنٹ نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔ "تم کب چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "نیام پلی نے مجھے اپنا فون نمبر نہیں دیا۔ ظاہر ہے اس کے لئے مجھے اس کی فون کال کا انتظار کرنا ہو گا۔ وہ کہہ گیا ہے کہ مجھے خود ہی فون کرے گا۔"

ایجنٹ بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمیں ہوا میں لٹکا گیا ہے۔"

میں نے جواب میں کہا۔ "میں اپنی طرف سے اصرار کر کے اسے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت عیار شخص ہے اور ہمارا مشن بے حد حساس ہے۔"

ایجنٹ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم اس کے فون کا انتظار کریں گے لیکن تمہیں اسی فون کال پر اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دینا ہو گا اور مجھے اطلاع کر دو گے۔ باقی کام میں سنبھال لوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ اب نیام پلی کی ٹیلی فون کال کا صبر آزما انتظار شروع ہو گیا۔ دن پر دن گزرتے گئے مگر

اس کا فون نہ آیا۔ مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اصرار کر کے فون نمبر کیوں نہ معلوم کر لیا۔ کیا عجیب ہے کہ وہ اب فون ہی نہ کرے لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ میرا تیر نیام پلی کے دل میں وہاں جا کر لگ چکا تھا جہاں قدرتی طور پر انسان کا اندھا عقیدہ موجزن ہوتا ہے اور ہندوؤں میں اس عقیدے کا تموج کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ٹھیک چھ دن بعد ایک روز رات کے وقت نیام پلی کا ٹیلی فون آگیا۔ وہ کسی کام کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے کافی ضبط سے کام لیتے ہوئے اس سے کہا کہ فی الحال میرے پاس وقت نہیں ہے وہ اگلے ہفتے فون کرے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ٹھیک ہے کہہ کر فون بند نہ کر دے لیکن ایک زندہ مثال اس کے سامنے تھی۔ وہ میرا معتقد بن چکا تھا۔ کہنے لگا۔ "میں آپ کے صرف دس منٹ لوں گا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے ابھی آ جاؤ۔"

پندرہ منٹ بعد پاکستان دشمن تنظیم کا معتقد اور ماہر تخریب کار نیام پلی میرے سامنے بیٹھا تھا۔ اس دوران میں اپنے ایجنٹ کی مدد سے پیرس کے ایک انڈین بک ہاؤس سے سنسکرت کے کچھ تراجم اور ستاروں کی تقدیم کی کتابیں منگوا کر اپنے پاس رکھ لی تھیں۔ نیام پلی آیا تو میں لوبان سلگائے سنسکرت کی ایک جنتری کا مطالعہ کر رہا تھا۔ نیام پلی پرنام کر کے بڑے ادب سے میرے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ مدراس میں اس کی بیوی بیمار ہو گئی تھی اور وہ مجھ سے پوچھنے آیا تھا کہ کوئی ایسا اشلوک بتاؤں جس کے ورد کرنے سے ٹھیک ہو جائے۔

"گورو جی! آپ سے کوئی پردہ نہیں کر سکتا۔ پہلے میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن جب سے میرے ساتھ یہ حادثہ گزرا ہے مجھے ان اشلوکوں کی طاقت پر یقین آ گیا ہے۔"

میں نے اسے یونہی گیتا میں سے ایک اشلوک لکھ کر دے دیا پھر اس انداز میں جیسے میں اس سے بڑا خوش ہوں کہا۔ "لاؤ بچہ آج جوتش کے حساب سے تمہارا زائچہ بتائیں۔"

زائچہ ایک ایسی چیز ہے کہ بڑے بڑے ملحدوں کا جی ایک بار للچا جاتا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ سے اپنے مستقبل کا حال معلوم ہو۔ نیام پلی نے بھی اشتیاق کا اظہار کیا۔ میں نے ایک کاپی پر چار نے بنا کر انہیں مزید خانوں میں تقسیم کیا ہر خانے میں سنسکرت کی گنتی کے حساب سے ایک ایک رسہ لکھا۔ پھر سنسکرت کی جنتری کو دیکھ کر نیام پلی کا زائچہ بنا ڈالا۔ اچانک میں نے پنسل اپنے ہاتھ ے رکھ دی اور اپنا سر تھام لیا۔ نیام پلی قدرتی طور پر کچھ پریشان ہو گیا۔

"مہاراج کیا بات ہے؟" میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ "میرے بچے! تمہارا چہ بتا رہا ہے کہ تین گھنٹے تین دن یا تین مہینوں میں تجھ پر ایک ایسی منحوس گھڑی گزرے گی جس تمہاری موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔"

نیام پلی کو ایک تجربہ ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً یقین کر لیا۔ "مہاراج اس کا کوئی اپائے بتایئے۔"

میں نے دوبارہ زائچے پر نظریں گاڑ دیں۔ زائچہ تو خاک بھی نہیں بتا رہا تھا یہ تو میں سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس سے بات کر رہا تھا۔ میں نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "کوئی اپائے نظر نہیں آ رہا بچہ۔ راہو کیتو کے پیچھے ترشول لئے آ رہا ہے۔ ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا لیکن میں تمہیں ایک خفیہ اشلوک بتاتا ہوں۔ یہ وشنو دیو جی کے چتر سری گنیش جی کا منتر ہے۔ تم رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھتے وقت اسے ضرور پڑھ لیا کرو۔ مجھے پوری آشا ہے کہ وشنو بھگوان تیری رکھشا کریں گے۔"

نیام پلی فکر مند سا ہو کر چلا گیا۔ میرا اشلوک اس نے زبانی یاد کر لیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نے اپنے ایجنٹ کو خفیہ نمبر پر کوڈ الفاظ میں خبر کر دی کہ اس کو واردات کرنے میں تین گھنٹے اور تین دن کی مہلت ملی ہے۔ ایجنٹ نے کہا۔ "تین دن ٹھیک رہیں گے۔" اور فون بند کر دیا۔

تیسرے دن رات کو نیام پلی میرے پاس آیا تو اس کے چہرے پر کچھ کچھ گھبراہٹ کے آثار تھے۔ معلوم ہوا کہ شام کے وقت اس کی کار پر کسی دشمن نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گاڑی کے شیشے چکنا چور ہو گئے مگر بھگوان نے اس کی جان بچالی۔

نیام پلی اب میرا پوری طرح معتقد ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے اپنا نام بھی بتا دیا اور فون نمبر بھی دے دیا۔ اتنا اس نے ضرور کہہ دیا کہ اس نمبر پر اسے صرف رات کو دس بجے کے بعد ہی فون کیا جائے۔ اب اسے فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسے اس طرح پھانس لیا تھا کہ وہ ہر دوسرے تیسرے روز رات کو کوئی نہ کوئی مسئلہ لے کر آ جاتا تھا۔ زیادہ وہ مدراس میں مقیم اپنی بیوی کے بارے میں پوچھتا تھا جو وہاں بیمار تھی۔ وہ مدراس جا کر اپنی بیوی کی عیادت کرنا چاہتا تھا لیکن میں اسے کیسے جانے کا مشورہ دے سکتا تھا۔ اتنے جتن سے شکار ہاتھ لگا تھا اب میں اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اسے کہا کہ زائچے کے اعتبار سے اس کی بیوی پندرہ دنوں میں صحت مند ہونے والی ہے اس لئے اسے مدراس جانے کی ضرورت نہیں۔ نیام پلی نے میری بات مان لی۔ وہ مدراس نہ گیا۔ اتفاق دیکھئے کہ اس کی بیوی پندرہ دنوں کے اندر ٹھیک ہو گئی۔ نیام پلی میرا مزید عقیدت مند ہو گیا۔ ابھی تک میں نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ بھارت ماتا کی خدمت کس شکل میں کر رہا ہے میں جان بوجھ کر ایسا کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نیام پلی میرے نزدیک ہوتا گیا۔ بلکہ میں اسے مختلف طریقوں سے اپنے قریب لاتا گیا۔ ایک مہینے کے اندر اندر ایسا وقت آ گیا کہ وہ نیا کام کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھتا کہ شبھ گھڑی بتایئے۔

دوسری طرف میری ایجنٹ کے ساتھ بھی میرا مسلسل رابطہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ تخریب کاروں کا چھ افراد پر مشتمل دستہ ۱۵ اکتوبر کو پیرس سے ہندوستان اور وہاں سے پاکستان بھیجا جانے والا ہے۔

میں نے اس رات نیام پلی کو فون کیا کہ میرے پاس آؤ۔ تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ وہ تھوڑی دیر بعد میرے پاس موجود تھا۔ میں پہلے ہی سے لوبان سلگائے تلک لگائے آسن جمائے پورا ماحول بنائے بیٹھا تھا۔ اس کا پرانا زائچہ کاپی پر بنا ہوا میرے سامنے پڑا تھا۔ میں نے اسے کہا۔

"نیام پلی بیٹا! میں تھوڑی دیر پہلے تمہارا زائچہ کھول کر اس کا مطالعہ کر رہا تھا تو اچانک میری نظر چندرما کے لگن پر پڑ گئی۔ یہ دیکھو۔ یہ لگن میرے سامنے ہے۔ یہ لگن مجھے بتا رہا ہے کہ تم چند دنوں میں کوئی نیا قدم اٹھانے والے ہو۔ یہ کام زائچے کے اعتبار سے دیش بھگتی کا لگتا ہے۔ زائچہ مجھے بتاتا ہے کہ تم یہ کام اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو شروع کرنے والے ہو کیا یہ ٹھیک ہے؟ کیونکہ اگر یہ ٹھیک ہے تو زائچہ آگے چلے گا۔"

نیام پلی کے چہرے پر کچھ حیرت اور کچھ فکر مندی کے اثرات تھے۔ "ہاں مہاراج یہ ٹھیک ہے۔ میں پندرہ اکتوبر کو ایک کام شروع کرنے والا ہوں اور یہ بھارت کی سیوا کا ہی کام ہے۔"

میں نے فوراً کہا تو بچہ! پندرہ اکتوبر کی تاریخ تمہارے لئے منحوس ہے۔ تم اس کام کو ۱۶ اکتوبر کے روز رات کے بارہ بجے تک کرو تو زیادہ اچھا ہے۔ ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔" وہ چپ سا ہو گیا پھر بولا۔

"مہاراج! ایسا ہونا مشکل ہے مگر آپ نے کہا ہے تو میں پوری کوشش کروں گا کہ اس کام شبھ کام کے لئے وہی تاریخ مقرر کی جائے جو آپ نے کہی ہے۔" میں نے اب پُر جلال انداز میں سنسکرت کا ایک اشلوک پڑھا۔ "بچہ! تم ہمارے پیارے چیلے ہو اور کرشن بھگوان بھی تمہیں پسند کرتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں نقصان پہنچتا دیکھ کر تمہیں خبردار نہ کریں۔ تم جن لوگوں کو یہاں سے باہر بھارت ماتا کی سیوا کرنے اپنے ملک بھارت ورش کے لئے جائیں قربان کرنے کے لئے بھیجتے ہو ان کے بارے میں سری کرشن جی نے مجھے سپنے میں آ کر سب کچھ بتا دیا ہے۔ کرشن مہاراج کا رتھ تمہارے آدمیوں کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے تم سب سری کرشن جی کے ترشول کی حفاظت میں ہوتے ہو۔ بس ان لوگوں کو ۱۶ اکتوبر کو روانہ کرو۔

میں نے ساری بات کھول دی تھی۔ اس وقت لوہا گرم تھا اور ضرورت اس بات کی تھی کہ میں ضرب لگا دوں ایک نہ ایک روز تو مجھے ایسا کرنا ہی تھا۔ اب میں زیادہ دیر تک نیام پلی کا منہ نہیں تک سکتا تھا۔ نیام پلی نے یہ سن کر کوئی حیرت ظاہر نہ کی البتہ وہ کچھ گھبرا سا گیا فوراً ہاتھ باندھ کر بولا۔

"مہاراج! میں آپ سے ایک بنتی کروں گا کہ یہ بات کسی دوسرے شخص کے آگے نہ کرنا۔ اسی میں ہمارے بھارت دیش کی بہتری ہے۔"

میں نے اسی پُر جلال لہجے میں کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک تم ہی دیش بھگت ہو؟ سری کرشن جی سے بڑھ کر کون دیش بھگت ہو گا اور میں ان کا چیلا ہوں۔ میری ساری زندگی بھارت ماتا کی سیوا میں گزری ہے۔ میں کسی سے اس کا ذکر کیوں کرنے لگا؟ مجھے بتاؤ تمہارا دشمن کون ہے۔ میں اسے اپنے

منتروں سے بھسم کر کے رکھ دوں گا جاؤ تم اپنے کام کی شروعات ۱۶ اکتوبر سے کرو۔ پندرہ اکتوبر کی تاریخ کو بدل دو۔ یہ تاریخ بھارت ماتا کے لئے شبھ نہیں ہے۔"

وہ میرے پاؤں چھو کر چلا گیا۔ اگلے روز میرے ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ پاکستان دشمن تنظیم نے اپنے تخریب کاروں کو پاکستان بھیجنے کی تاریخ پندرہ سے بدل کر سولہ اکتوبر کر دی ہے۔

میں تخریب کاروں کے اس دستے کو نہیں روک سکتا تھا لیکن دل میں عہد کر لیا کہ تخریب کاروں کا اگلا دستہ پاکستان نہیں پہنچے گا۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ نیام پلی نے اگرچہ اپنی خفیہ تنظیم کے بارے میں کھل کر بات نہیں کی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ وہ کرے گا بھی نہیں۔ میں نے بھی بات کھولنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن در پردہ ہم ایک دوسرے کے راز دار بن چکے تھے۔ نیام پلی نے مجھ سے مشورہ لئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ ابھی تک اس کی زبان سے میں نے کرنل ڈیوڈ کا نام بھی نہیں سنا تھا

سولہ اکتوبر کا دن گزر گیا۔ تخریب کاروں کا دستہ بحفاظت اپنے ٹارگٹ پر پہنچ گیا تھا۔ نیام پلی بڑا خوش تھا کہ وہ پندرہ اکتوبر کے دن کی ہونے والی تباہی سے بچ گیا حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی اگر وہ پندرہ اکتوبر کو اپنے آدمی روانہ کرتا تب بھی وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتے لیکن اس پر میرا اعتماد اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا۔

جب ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ یہودی کرنل اور نیام پلی کی نگرانی میں انڈین تخریب کاروں کے دوسرے گروپ کی تربیت شروع ہو گئی ہے تو میں نے اپنی گن کا رخ خفیہ کوڈ کی طرف پھیر دیا۔ اب حملے کا وقت آگیا تھا۔ تخریب کاروں کے اس گروپ کی قسمت میں پاکستان پہنچنا نہیں لکھا تھا۔

میں گھنٹوں فلیٹ میں بیٹھا گہری سوچ میں گم رہتا۔ کبھی بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ کافی پر کافی چڑھا جاتا مگر نیام پلی کو اپنے دام میں لانے کی کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ کوڈ معلوم کرنے کے لئے نیام پلی کے ساتھ اس مقام تک جانا ضروری تھا جہاں انہوں نے خفیہ کوڈ کی کاپی چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ کوڈ نمبر تو زبانی یاد ہو جاتا ہے مگر بات چیت کے لئے کوڈ کے الفاظ کسی پاکٹ بک یا کاپی پر علیحدہ لکھ کر رکھ لئے جاتے ہیں اور کسی لمبے پیغام کو ان الفاظ کی مدد سے ڈی کوڈ کیا جاتا ہے۔ ایک دن اسی سوچ بچار میں گزر گیا۔ دوسرے دن دوپہر کو میں نے تھوڑا بہت کھانا بنا کر کھایا اور ایک فرانسیسی فیشن میگزین لے کر بستر پر لیٹ کر پڑھنے لگا۔ میں کچھ دیر کے لئے ذہن کو بالکل خالی کر دینا چاہتا تھا تاکہ ذہن کو سکون پہنچا سکوں۔

میں نے ایک تصویر میں ایک لڑکی کو دیکھا کہ گلے میں ہندو سادھوؤں ایسی مالا پہنے ساحل سمندر پر ایک چٹان کے پاس کھڑی ہے۔ اس کے ایک بازو پر چاندی کا تعویز بندھا ہے۔ یہ تعویز فیشن کے طور پر باندھا گیا تھا ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمک گیا۔ میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

رسالے کو بستر پر رکھ کر تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک خیال اب پوری تفصیل کے ساتھ میرے سامنے آگیا تھا۔ رات کو میں نے اپنے ایجنٹ کو کہا کہ فوراً میرے پاس آئے۔ میں نے جب اسے اپنے خیال سے آگاہ کیا تو وہ میری طرف دیکھتا رہ گیا۔ کہنے لگا "اس میں پچاس فیصد چانس ہے"۔

میں نے کہا۔ "ہمیں اسی ترکیب پر انحصار کرنا ہوگا۔ آخر یہ شخص اپنے پہلے گروپ والوں سے کوڈ میں کبھی نہ کبھی تو بات ضرور کرے گا"۔

ایجنٹ سے سگار کا کش لیتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں پھر بولا۔ "ٹھیک ہے کل تمہیں اسی وقت تمہارا مطلوبہ تعویذ مل جائے گا"۔

دوسرے دن رات کو وعدے کے مطابق اپنا ایجنٹ ایک چھوٹے سائز کا چوکور تعویذ لے کر آگیا۔ اس تعویذ کے ساتھ ڈوری بندھی تھی۔ اس پر کالے پتلے چمڑے کا غلاف چڑھا ہوا تھا اور اوپر سنسکرت میں لفظ "اوم" کندہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "اس کے اندر ٹیپ موجود ہے؟" ایجنٹ نے تعویذ کی پشت پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"بے حد حساس اور چھوٹا مائیکرو ویو ٹیپ ریکارڈر یہاں تعویذ کے اندر بند کر دیا گیا ہے۔ یہ ریڈیو ویوز کے ذریعے آواز کو ریکارڈ کرے گا اس میں کوئی ٹیپ نہیں کہ جو ایک بار شروع ہو کر ختم ہو جائے۔ اس میں جدید ترین الیکٹرانک سسٹم کی نصف انچ سے بھی چھوٹی مائیکرو پلیٹ لگی ہے جو ایک برس تک ایک ہزار آوازوں کو فی سیکنڈ مسلسل ریکارڈ کر سکتی ہے۔ اسے چلانے کے لئے ہمیں صرف تعویذ کے اس کونے کو ذرا سا دبا دینا ہوگا"۔

ایجنٹ میرے اس طریق کار سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے وائرلیس پر کوڈ زبان میں نیام پلی لگی جائے کرنل خود بات کرتا ہو۔ میں نے کہا یہ رسک تو ہمیں لینا ہی ہوگا۔ میں نے مائیکرو ویو تعویذ کو سنبھال کر رکھ لیا۔

جب اپنا ایجنٹ چلا گیا تو میں نے ڈائیل پر نیام پلی کا دیا ہوا خاص نمبر گھما کر ریسیور کان کے ساتھ لگا لیا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی پھر مجھے نیام پلی کی آواز سنائی دی۔ اس نے فرانسیسی زبان میں کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ میں نے تامل زبان میں کہا کہ میں گورو کرشنم چاری بول رہا ہوں۔ تمہیں ایک ضروری بات سنانی ہے جلدی آجاؤ"۔

نیام پلی آدھے گھنٹے بعد میرے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ میں نے پہلے ہی سے زائچہ اپنے سامنے کھول رکھا تھا۔ دھان سلگ رہا تھا۔ سری کرشن بھگوان کی چھوٹی سی مورتی پیتل کی تھالی میں پڑی تھی۔ میں بیٹھا اشلوک پڑھ رہا تھا۔ نیام پلی بڑے ادب سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ مسکرایا۔ اسے آشیرباد دی اور کہا۔

"میرے بچے! بھگوان کرشن نے تیری حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور مجھے تیری رکھشا پر

مقرر کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ تم ایک سچے دیش بھگت ہو اور بھارت ماتا کی وہ خدمت کر رہے ہو جو تمہارے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر زائچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں آج سارا دن تمہارے زائچے پر غور کرتا رہا ہوں چونکہ تمہاری حفاظت مجھ پر سری بھگوان کی طرف سے فرض کر دی گئی ہے اس لئے میں تمہیں ہر آنے والی آفت سے بچانا چاہتا ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا ستارہ کئی منحوس ستاروں میں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم پر پچھلے دنوں دو قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔"

نیام پلی نے کہا۔ "گورو جی! کوئی ایسا اپائے کریں کہ میں ان منحوس سیاروں سے بچا رہوں۔"

یہی بات میں اس کے منہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔ میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "میرے بچے! ستاروں کو اپنی جگہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا منحوس ستاروں کے اثرات کو بھی کوئی نہیں روک سکتا لیکن تمہارے لئے میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ ان منحوس اثرات کی طاقت کو کسی دوسری طرف موڑ دوں یا ان کا اثر بہت ہی کم ہو جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے تمہارے لئے ایک تعویز تیار کیا ہے جس پر میں نے بھگوان وشنو کے خفیہ منتر ایک ہزار ایک بار پڑھ کر پھونکے ہیں۔"

میں نے اپنے ریشمی تھیلے میں سے مائیکرو ویو خفیہ پلیٹ والا تعویز نکال کر نیام پلی کی طرف بڑھایا۔ اس نے بڑی عقیدت سے تعویز لے لیا۔ میں نے کہا۔

"یہ سری کرشن بھگوان کے نام کا تعویز ہے جس پر وشنو بھگوان کے نام کے منتر پڑھے گئے ہیں۔ اسے تم اپنے بازو پر باندھ لو اور کبھی اسے اپنے سے الگ نہ کرنا اور کسی سے اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ تعویز تمہیں ہر آنے والی آفت سے بچائے گا۔ جب تک یہ تعویز تمہارے بازو پر بندھا ہوا ہے تم پر کسی منحوس سیارے کے کرنوں کا اثر نہیں ہو گا۔"

میں نے خود نیام پلی کے بازو پر تعویز باندھا اور قمیص نیچے کھینچتے ہوئے کہا۔ "میرے بچے! بھگوان اس تعویز کے ذریعے تمہیں اپنی پناہ میں لئے رکھے گا۔ دشمن کی گولی تمہارے قریب ہو کر نکل جائے گی۔ تمہیں نہیں لگے گی۔"

نیام پلی نے ہاتھ جوڑ کر میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بچہ! تیری رکھشا ہر دیش بھگت کا فرض ہے۔ اب تم جاؤ۔ بھگوان تیری رکھشا کریں گے۔"

نیام پلی میرے پاؤں چھو کر اٹھا اور ادب سے پرنام کر کے چلا گیا۔ میں اسے گوشۂ چشم سے جاتے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں خود اس کے ساتھ ساتھ جا رہا ہوں۔

ایک ہفتے بعد نیام پلی تعویز بدلوانے آ گیا۔ وہ ضعیف الاعتقاد ہونے کی وجہ سے مدراس کی ایک رجمنٹ کا ریٹائرڈ کمانڈو اور بھارت کی انتہائی خفیہ اور پاکستان دشمن تنظیم کا سربراہ ہونے کے باوجود وہ میری دیو مالائی گفتگو اور ویدوں اپنشدوں کے اشلوکوں کے ورد کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اگرچہ اس حالت میں بھی اس نے کھل کر کبھی مجھ سے اپنی عقیدت کا اظہار نہیں کیا تھا اور ہمیشہ سنجیدہ رہتا تھا۔ بلکہ اس کے چہرے پر کرختگی ہر وقت طاری رہتی تھی۔

میں اس روز صبح ہی سے اپنے فلیٹ میں موجود تھا۔ ایجنٹ نے مجھے رات کو ہی فون پر مطلع کر دیا تھا کہ وہ کل رات آئے گا۔ جب دن ڈوب گیا اور پیرس کی روشنیاں جگمگانے لگیں تو میں نے پوجا کی سامگری تیار کی ' لوبان سلگائی پھول پھل تھالی میں سجائے ' ماتھے پر تلک لگایا اور گیروے کپڑوں میں سامگری کی تھالی کے سامنے بیٹھ کر نیام پلی کا انتظار کرنے لگا۔

سات بج رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ "اندر آ جاؤ بیٹا"۔ یہ نیام پلی ہی تھا۔ اس نے جیکٹ اور پتلون پہن رکھی تھی۔ فلیٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے مجھے پرنام کیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے بڑی شفقت سے ہاتھ اٹھا کر اسے دعائیں دیں۔

"آ جاؤ بیٹا! مجھے میرے گیان نے بتا دیا تھا کہ تم آ رہے ہو۔ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ یہ لو سری کرشن بھگوان کا پرشاد چکھو"۔

اور میں نے سامگری کی تھالی میں سے دو چار انگور اٹھا کر نیام پلی کو دیئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک منٹ تک تامل زبان میں گیتا کے بڑے صحیح اشلوک پڑھتا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر نیام پلی پر نگاہ ڈالی اور اپنی صندوقچی میں سے دوسرا تعویز نکال کر اسے تھما دیا۔

"یہ لو بیٹا! پہلے والا تعویز اتار کر یہ پہن لو بھگوان تیری رکھشا کریں گے اور منگل سیارے کے بد اثرات تم پر نہیں پڑنے دیں گے۔"

نیام پلی نے آستین چڑھا کر اپنے بازو پر سے میرا دیا ہوا پہلے والا تعویز اتار کر میرے پاس رکھ دیا

اور میں نے دوسرا تعویذ اس کے بازو پر باندھ دیا۔ ''ایک ہفتے بعد اسے بھی بدل دوں گا۔ اس سے بعد منگل کے بد اثرات دیکھ کر تمہیں بتاؤں گا کہ اب تمہیں ان اپاؤں کی ضرورت ہے یا نہیں''۔

نیام پلی کہنے لگا۔ ''مہاراج! لگتا ہے سری کرشن بھگوان میری رکھشا کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں میرے ساتھ کوئی گھٹنا نہیں گھٹی''۔

میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔ ''میرے بچے! ہرے کرشنا ہرے رام کے اشلوکوں میں تیر کا اثر ہے۔ اب تم جاؤ۔ اگلے ہفتے آنا۔ میری پوجا کا وقت ہو رہا ہے''۔

نیام پلی بڑے ادب سے پرنام کر کے چلا گیا۔ میں نے دوسرا تعویذ اس خیال سے اس کے بازو پر باندھا تھا کہ اگر پہلے والے تعویذ پر اس کی کوئی بھی گفتگو ریکارڈ نہ ہوئی ہو تو دوسرا تعویذ یہ فریضہ انجام دے دے۔ نیام پلی کے جانے کے بعد میں جان بوجھ کر کچھ دیر تک یونہی بیٹھا اشلوک پڑھتا رہا۔ پھر اٹھا اپنے بیڈ روم میں جا کر اپنے ایجنٹ کو فون کیا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ میری طرف چل پڑا ہے۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور نشست گاہ میں آکر سامگری کے آگے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

نیام پلی کے بازو سے اتارا ہوا تعویذ میں نے صندوقچی میں رکھ لیا تھا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ جب رات کے آٹھ بج گئے تو میں اٹھ کر کچن میں گیا۔ کافی اور سینڈوچ بنانے لگا۔ اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے کچن سے نکل کر دروازہ کھولا تو وہ ہیٹ کو آگے کرتا ہوا کمرے میں گھس گیا۔ ''دروازہ لاک کر دو''۔ اس نے میرے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''کیا وہ آیا؟'' بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے پوچھا۔

''ہاں'' میں نے کہا۔

''تعویذ لاؤ''۔

میں صندوقچی میں سے تعویذ نکال کر اس کے پاس لے آیا۔ اس نے تعویذ کھول کر چھوٹے سے کیپسول جتنا مائیکرو ٹیپ ریکارڈر نکالا اور سفید کاغذ میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ تعویذ کو اس طرح دوبارہ بند کر کے میرے حوالے کر دیا۔

''اسے اسی جگہ صندوقچی میں ڈال دو اور میرے جانے کے آدھ گھنٹے بعد ٹھکانے پر آجاؤ''۔

وہ چلا گیا۔ آدھ گھنٹے بعد میں نے بھی کپڑے بدلے۔ جیکٹ کے اوپر رین کوٹ پہنا۔ سر پر جھکے ہوئے چھجے والا ہیٹ اور جیب میں بھرا ہوا پستول رکھا اور خفیہ ٹھکانے کی طرف چل دیا جو پیرس کے مضافات میں ایک تہ خانے کی شکل میں تھا یہ ایسے گڑھے کے پاس بنایا گیا تھا جہاں شہر کا سارا کوڑا کرکٹ لا کر ڈمپ کیا جاتا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو ایجنٹ پہلے سے میرا منتظر تھا۔ اس کی مسکراہٹ سے مجھے یقین ہو گیا کہ ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

میز پر ایک ٹرانسسٹر رکھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں وہ چھوٹا ٹرانسسٹر ریڈیو لگتا تھا لیکن حقیقت وہ انتہائی پیچیدہ ٹیپ ریکارڈ تھا۔ ایجنٹ نے نیام پلی کے تعویذ میں سے نکالا ہوا کیسٹ ریکارڈ ٹیپ میں لگا رکھا تھا جب میں اس کے قریب ایک خالی کھوکھے پر بیٹھ گیا تو اس کی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدل گئی۔ اس نے ٹرانسسٹر کا ایک بٹن دبا دیا۔ ٹیپ ریکارڈر میں سے ایک نا قابل فہم زبان میں سگنل سنائی دینے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ یہی اس پاکستان دشمن خفیہ انڈین تنظیم کا کوڈ ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا مگر میں بڑے غور سے ان سگنلوں کو سن رہا تھا۔ یہ سگنل ایک مکالمے کی شکل میں دونوں طرف سے دیئے جارہے تھے۔ اس کا دورانیہ ایک منٹ پینتیس سیکنڈ کا تھا۔ ایجنٹ نے ریکارڈ بند کر دیا اور جیب سے سگار نکال کر سلگا لیا۔

''یہ اس تنظیم کا خفیہ کوڈ ہے۔ ان سگنلز کا تبادلہ پیرس اور جموں کے درمیان ہو رہا تھا''۔

''کیا تم انہیں سمجھ گئے ہو؟''

وہ اپنی چھوٹی مونچھوں پر انگلی پھیرنے لگا۔ ''اس کا سمجھنا اتنا آسان نہیں۔ یہ بڑا پیچیدہ کوڈ ہے۔ اس کے لئے مجھے وقت درکار ہے۔ ویسے اپنے منصوبے میں ہمیں ننانوے فیصد کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اب صرف اس کوڈ کو ڈی کوڈ کرنا ہی باقی رہ گیا ہے جو ایک دن میں کر لوں گا''۔

اس نے باریک ٹیپ ری وائینڈ کرنے کے بعد دوبارہ بٹن دبا دیا۔ وہی سگنل پھر سنائی دینے لگا۔ اس نے ایک جگہ ٹیپ بند کر دیا۔

''کیا تم اس آواز کو پہچانتے ہو جو آواز پیرس سے سگنل دے رہی ہے؟''

اس نے ٹیپ کو ذرا پیچھے کر کے دوبارہ چلایا۔ میں زبان تو نہیں سمجھ رہا تھا مگر آواز میں نے پہچان لی۔ یہ نیام پلی کی آواز تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ یہ نیام پلی کی آواز ہے تو اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی نمودار ہو گئی۔ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''میرے دوست! اب کوئی تخریب کار پاکستان میں داخل ہو کر تخریب کاری نہیں کر سکے گا۔ ہم ان وطن دشمنوں کو انہی کی سر زمین میں دفن کر دیں گے''۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر کو بند کر کے برساتی کی جیب میں ڈالا اور کہنے لگا۔ ''تم چلے جاؤ۔ جس طرف سے آئے ہو اس طرف سے شہر میں داخل نہ ہونا۔ میں کل رات تمہیں خوش خبری سنانے آؤں گا''۔

میں تہ خانے سے باہر نکل کر نرلیش کے گڑھوں کے قریب سے ہوتا ہوا دوسری طرف سے شہر کی طرف چل پڑا۔ اب میں بے چینی سے دوسری رات کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اپنا ایجنٹ دشمن کے کوڈ کو ڈی کوڈ کرلے گا اور ہم دشمن کے کوڈ سے واقف ہو جائیں گے کیونکہ اتنا مجھے بتا دیا گیا تھا کہ یہ ایجنٹ سگنلز کی خصوصی ڈی سائفرنگ ٹریننگ حاصل کر چکا ہے اور اپنے کام کا بڑا ماہر ہے۔

وہ دوسری رات گیارہ بجے کے قریب آیا۔ اس کا چہرہ ہی بتا رہا تھا کہ اس نے دشمن کے کوڈ کو ڈی کوڈ کر لیا ہے۔ ہم بیڈ روم میں بیٹھ گئے۔ اس نے جیب سے ایک سیاہ رنگ کی نوٹ بک نکال کر کھولی۔ جس کے چھ صفحوں پر ان سگنلز کی اردو میں عبارت لکھی ہوئی تھی جن کا تبادلہ دشمن تنظیم کے درمیان ہوا تھا۔ ان میں جموں سگنلز ہیڈ کوارٹر کو پیغام دیا گیا تھا کہ چھ تخریب کاروں کی ٹریننگ مکمل ہو چکی ہے اور انہیں فلاں تاریخ کو فرانس سے دلی روانہ کر دیا جائے گا۔ دوسری طرف سے کہا گیا تھا کہ ہم فلاں تاریخ کو تخریب کاروں کو دلی سے وصول کر کے وہیں سے انہیں ایک خصوصی طیارے میں سوار کروا کر جموں کی پہاڑیوں کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اس دوران چار انڈین کمانڈوز کے نام اور ان کے کوڈ ورڈ بتائے گئے تھے جنہیں جموں بارڈر کی پہاڑیوں میں خفیہ جگہ پر ان چھ کے چھ انڈین تخریب کاروں کو وصول کرنا اور انہیں اپنی رہنمائی میں پاکستان کا بارڈر کراس کرانا تھا۔ ان سگنلز میں وہ کوڈ بھی بتایا گیا تھا جو یہ تخریب کار استعمال کریں گے۔

میں نے اس کامیاب اور بے مثال معرکے پر اپنے ایجنٹ کو مبارک باد دی۔ اس نے کاپی بند کر کے برساتی کی اندرونی جیب میں رکھ لی اور بولا۔ "ہمیں ان تخریب کاروں کو بارڈر کراس کرنے سے پہلے پہلے ختم کرنا ہو گا"۔

تخریب کاروں کی ٹیم کی روانگی کی تاریخ دس روز بعد کی تھی۔ یہ بڑی اچھی بات تھی۔ کیونکہ مجھے بہرحال نیام پلی کے تعویز کو دوسری بار بدلنے کے لئے پیرس میں مقیم رہنا تھا۔ یہ بات بہت ضروری تھا۔ میرے اچانک فلیٹ چھوڑ جانے سے نیام پلی کو شک پڑ سکتا تھا اور بہت ممکن تھا کہ وہ تخریب کاروں کی ٹیم کی تاریخ اور ان کے ڈراپ کی جگہ تبدیل کر دیتے۔

ایجنٹ نے اس دوران مختلف ناموں سے انڈین ائرلائنز کی ایک فلائٹ میں پیرس سے دلی تک کی دو نشستیں مخصوص کروا لیں۔ ہفتے کے بعد نیام پلی دوسری بار تعویز بدلوانے میرے فلیٹ پر آیا۔ میں نے اسی طرح اس کی آؤ بھگت کی اور تعویز کھول کر اس کی جگہ ایک ایسا تعویز باندھ دیا جس میں مائیکرو ٹیپ کیپسول نہیں تھا۔ میں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر کہا کہ اب اسے مزید تعویز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ منحوس ستارے منگل کا اثر اس پر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے اور وہ سری کرشن بھگوان کے شرن میں آگیا ہے۔ نیام پلی مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ میں نے اپنا ایک مشن کامیابی سے مکمل کر لیا تھا۔ اب مجھے اپنے ایجنٹ کے ساتھ دو روز بعد اس مشن کے سب سے اہم مرحلے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پیرس سے دلی روانہ ہونا تھا۔

چنانچہ ایک روز میں اپنے ایجنٹ کے ساتھ پیرس کو خیرباد کہہ کر انڈین ائرلائنز کے جمبو جیٹ میں دلی کی طرف پرواز کر گیا۔ اگرچہ دلی میں میرا داخلہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں نے اپنا حلیہ کافی تبدیل کر لیا تھا ناک اور بھنوؤں کی تھوڑی سی پلاسٹک سرجری کے بعد اب مجھے اتنی آسانی سے

پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔

دلی میں ہم نے الگ الگ ہوٹلوں میں ایک رات قیام کیا اور دوسرے روز صبح سویرے بذریعہ طیارہ جموں پرواز کر گئے۔ وہاں بھی ہم الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہرے۔ لیکن ہمیں معلوم تھا کہ وہاں سے کدھر جانا ہے اور کہاں جا کر ایک دوسرے سے ملنا ہے۔

خفیہ سگنلز کے مطابق تخریب کاروں کو جموں کی سرحدی پہاڑیوں کے خاص علاقے میں ایک دن بعد رات کے ایک بجے ڈراپ کیا جانا تھا۔ ہم دونوں اسی دن سہ پہر کے وقت پہاڑی علاقے میں پہنچ کر ایک دوسرے سے مل گئے۔ ہم نے جموں کے دیہاتیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایجنٹ کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان بھی ڈوگروں کے دیہاتی کپڑوں میں ملبوس چلا آ رہا ہے۔ اس نے اپنے سر پر سوکھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا تھا۔ میں جلدی سے ایک ٹیلے کے پیچھے ہو گیا۔

ٹیلے کے قریب آ کر اپنے ایجنٹ نے خفیہ الفاظ میں مجھے آواز دی۔ میں اوٹ میں سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے اجنبی نوجوان سے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

" اس نوجوان کو تم علیا کہہ کر بلا سکتے ہو۔ یہ ایک کشمیری مجاہد کمانڈو ہے جو کشمیر پر قابض بھارتی آمریت کے خلاف اپنے لاکھوں کشمیری مجاہدوں کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ یہ اپنا ہی آدمی ہے اور ہماری مدد کرے گا۔"

علیا ایک گورا چٹا مضبوط جسم کا کشمیری مجاہد تھا وہ ہمیں ٹیلے کی ایک جانب ایک قدرتی غار کے اندر لے گیا۔ یہاں اس نے لکڑیوں کا گٹھا کھولا تو اس میں سے تین شاٹ گنیں اور میگزین نکلا۔ ایک پوٹلی میں تین سائی لینسر بھی تھے جنہیں ہم نے شاٹ گنوں کی نالیوں پر لگا دیا۔ شاٹ گنوں میں میگزین چڑھا دیا گیا۔ وہاں سے وہ مقام قریب ہی تھا جہاں اس رات ایک بجے چھ تخریب کاروں کو جہاز سے ڈراپ کیا جا رہا تھا۔

ایجنٹ دیہاتی بن کر کلہاڑی ہاتھ میں لئے سوکھے درختوں کی لکڑیاں کاٹنے کے بہانے وہ جگہ جا کر دیکھ آیا تھا۔ وہاں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ چاروں کمانڈوز کو رات کے وقت وہاں آنا تھا جنہوں نے چھ تخریب کاروں کو پیراشوٹوں کی مدد سے اترنے کے بعد آگے لے جا کر پاکستان کا بارڈر کراس کرانا تھا۔ ایجنٹ نے ہمیں اچھی طرح سمجھایا کہ ہمیں وہاں رات کا اندھیرا ہوتے ہی کہاں کہاں مورچہ سنبھالنا ہو گا اور ہمیں کیا کچھ کرنا ہو گا۔

جونہی شام کا سرمئی جھٹ پٹا پن رات کی تاریکی میں بدلا ہم غار سے نکل کر خفیہ جگہ کی طرف چل پڑے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔ اب ہمیں ان کمانڈوز کا انتظار تھا جنہیں وہاں آ کر تخریب کاروں کو وصول کرنا تھا۔ اندھیرا ارد گرد کی پہاڑیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا۔ جھاڑیوں میں سے کہیں کہیں کسی جھینگر کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی رات کے دس بج

رہے تھے۔

بارہ بجے تو مجھے ایجنٹ نے پرندے کی ایک خاص آواز نکال کر خبردار کیا۔ اس نے بھارتیوں کو آتے دیکھ لیا تھا۔ میں اپنی جگہ پر چوکس ہو گیا اور شاٹ گن نکال کر مضبوطی سے پکڑ لی۔

تھوڑی دیر بعد اندھیرے میں مجھے کچھ انسانی سائے جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر میدان میں داخل ہوتے نظر آئے۔ یہ بھارتی فوجی ہی تھے۔ جو بڑی بے فکری سے چلے آ رہے تھے۔ ایک آدمی نے کاندھے پر کچھ اٹھا رکھا تھا۔ یقیناً یہ وائرلیس سیٹ تھا جس سے انہیں اوپر جہاز کے پائلٹ کو سب ٹھیک ہے کا سگنل دینا تھا۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ کس وقت ان انڈین کمانڈوز پر اچانک فائر کرنا ہے۔ بھارتی فوجی اب کھلی جگہ پر آ کر رک گئے۔ وہ آپس میں بے فکری سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ ان کا اپنا علاقہ تھا اور انہیں یہاں آل کلیئر کا اشارہ مل چکا تھا۔

ٹھیک اسی وقت سامنے والے ٹیلے کی طرف سے ایک پرندے کی آواز آئی۔ یہ ایجنٹ کا اشارہ تھا کہ آپریشن شروع کر دیا جائے۔ آواز سنتے ہی میں نے خفیہ جگہ کی طرف رینگنا شروع کر دیا اور خالی میدان کے کنارے پر پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے مجھے چاروں فوجیوں کے سروں کی ٹوپیاں تک نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے شاٹ گن سیدھی کر کے ایک بھارتی کا نشانہ لے لیا۔ اب مجھے دوسرے سگنل کا انتظار تھا۔

دوسرے ٹیلے سے پرندے کے بولنے کی مخصوص آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی تین شاٹ گنوں کی آواز ایک ساتھ رات کے اندھیرے میں بلند ہوئی۔ تینوں فوجی اپنی اپنی جگہ پر سے اچھلے اور نیچے گر گئے۔ چوتھا فوجی ایک دم نیچے ہو گیا۔ مجھے اس کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دوسری طرف سے ایک اور فائر ہوا۔ مگر فوجی کے بھاگتے قدموں کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ یہ آواز میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر لیٹے لیٹے دو تین لڑھکنیاں کھاتا ہوا اپنی بائیں جانب جھاڑیوں میں ہو گیا اور دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ فوجی تیز تیز قدموں سے دوڑتا جب میرے قریب سے نکلا تو میں نے اس کی پیٹھ پر یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے۔ وہ منہ کے بل گرا۔

ایجنٹ اور علیا بھی دوڑ کر میرے پاس آ گئے۔ ہم نے چاروں لاشوں کو گھسیٹ کر ایک قریبی گڑھے میں ڈال کر اوپر پتھر اور سوکھے پتے ڈال دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم کھلی جگہ پر آ گئے۔ وہاں ان انڈین فوجیوں نے ایک ٹرانسمیٹر سیٹ رکھا ہوا تھا جس کا انٹینا باہر نکلا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک تھیلا پڑا تھا۔ اس کو کھول کر دیکھا۔ اس میں چار ریوالور، ایک ٹارچ اور گولیاں تھیں۔

ایجنٹ نے علیا سے کہا۔ ''یہ ریوالوروں کا تھیلا بھی وہیں گڑھے میں لاشوں کے پاس زمین میں دبا دو اور لاشوں کو ایک بار پھر چیک کر لینا''۔

علیا تھیلا لے کر گڑھے کی طرف چل دیا۔ ایجنٹ خاموش تھا البتہ اس کی انگلیاں بڑی پھرتی سے وائرلیس سیٹ کے مختلف بٹن دبا رہی تھیں۔ سیٹ میں سے شاں شاں کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے سیٹ کو ایک خاص فریکوئنسی پر لگا کر بند کر دیا۔ علیا واپس آ گیا۔ وہ جھک کر ہمارے پاس اندھیرے میں بیٹھ گیا۔

''ان میں کوئی زندہ نہیں تھا۔ لیکن احتیاط کے طور پر میں نے چاروں کی گردنیں خنجر سے کاٹ دی ہیں'' علیا نے ہمیں آگاہ کیا۔

ایجنٹ نے ٹارچ کو اندھیرے میں گھماتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''اس ٹارچ سے ہوائی جہاز کو اسپاٹ دکھانا ہوگا''۔

ہم نے وقت دیکھا ایک بجنے میں ابھی پندرہ منٹ رہتے تھے۔ ایجنٹ کہنے لگا۔ ''جہاز کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔ تم دونوں ٹیلے والے غار میں جا کر چھپ جاؤ میں تخریب کاروں کو ساتھ لے کر پاکستانی بارڈر کی طرف جاؤں گا۔ میں نے ان کو ٹھکانے لگانے کا سارا بندوبست کر رکھا ہے جب تک میں واپس نہ آؤں تم غار میں ہی رہنا''۔

پانچ منٹ بعد آسمان پر ہوائی جہاز کی دھیمی سی گونج سنائی دی۔ اپنے ایجنٹ نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''جہاز آ گیا ہے''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے وائرلیس سیٹ آن کر دیا اور تخریب کار تنظیم کے کوڈ میں جہاز کے پائلٹ کو پکارا۔ جواب بھی کوڈ میں ہی آیا۔ دونوں طرف سے دس سیکنڈ تک سگنلز کا تبادلہ ہوا۔ پھر ایجنٹ نے وائرلیس سیٹ بند کر دیا۔

''یہ دشمن ہی کا جہاز ہے۔ چھ کے چھ تخریب کار تھوڑی دیر میں نیچے اترنے والے ہیں۔ تم فوراً غار میں چلے جاؤ اور پوزیشن سنبھالے رکھنا۔ اگر ایسی ویسی بات ہوگئی تو فائر کھول دینا۔ لیکن اس کے لئے میری طرف سے پرندے کی مخصوص ہنگامی آواز کا انتظار کرنا۔ اب جاؤ''۔

ہم دونوں وہاں سے ہٹ کر غار کی طرف آئے۔ ایجنٹ پیچھے رہ گیا۔ اب آسمان پر جہاز ایک خاص دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ ایجنٹ نے نیچے سے ٹارچ روشن کر کے جہاز کو سیکرٹ اسپاٹ کی نشان دہی کی۔ ہم غار کے باہر پتھروں کی اوٹ میں شاٹ گنوں سے پوزیشنیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

پھر جہاز میں سے یکے بعد دیگرے چھ آدمی نیچے لڑھک گئے۔ کچھ دور تک نیچے آنے کے بعد ان کے پیراشوٹ کھل گئے اور وہ اندھیری فضا میں ادھر ادھر تیرنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ اس جگہ کی طرف آرہے تھے جہاں ایجنٹ انہیں ٹارچ کی روشنی دکھا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ کے چھ تخریب کار کھلی جگہ پر اتر آئے۔

تخریب کار پیراشوٹوں کے ذریعے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اترے۔ انہوں نے فوراً اپنے

پیراشوٹ لپیٹ کر وہیں گھاس میں چھپائے اور ایجنٹ کی طرف بڑھے جو پاکستان کے ہر صوبے کی مقامی زبان بولنے میں ماہر تھا۔ ان میں سے ایک پستول ہاتھ میں لئے اپنے ایجنٹ کی طرف بڑھا اور اس نے للکار کر کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو نہیں تو گولی چلا دوں گا۔"

ایجنٹ جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں انہیں ایسا ہی کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ ایجنٹ نے دونوں ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ ساتھ ہی کوڈ لفظ بول دیا۔ تخریب کار نے جواب میں بھی ایک خاص کوڈ لفظ پکارا۔ دوسری بار اپنے ایجنٹ نے کوڈ لفظ بولا تو تخریب کار نے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر بلا لیا۔ تخریب کار ٹیم کے چیف نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ نیچے چار کمانڈو ہمیں ملیں گے۔ باقی تین کہاں ہیں؟ ایجنٹ اناڑی نہیں تھا کہ وہ گھبرا جاتا۔ اس نے اپنی شاٹ گن کو سلنگ کے ساتھ کاندھے پر ڈالتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

"وہ لوگ آگے انتظام کرنے گئے ہیں تم لوگ یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ یہاں ہر ایک گھنٹے بعد صورت حال تبدیل ہو جاتی ہے میرے پیچھے چلے آؤ۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"۔

ایجنٹ نے وائرلیس سیٹ کو وہیں جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ تخریب کاروں کے پاس تھیلے تھے جن میں نہایت طاقت ور پلاسٹک کے چھوٹے بم اور اسلحہ وغیرہ تھا۔ تھیلے انہوں نے اپنے پیچھے لٹکا رکھے تھے۔ ایجنٹ انہیں لے کر ان پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا جن کے پیچھے پاکستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ یہ ٹولی دو گھنٹے تک چلنے کے بعد خفیہ پہاڑی راستوں میں سے گزرتی ایک ایسی جگہ پر آ کر رک گئی جہاں آگے ویران علاقہ تھا۔

"یہاں سے پاکستان کی سرحد ایک فرلانگ پر ہے۔" ایجنٹ نے انہیں آگاہ کیا۔ "میں نے دوسری طرف کے اسمگلروں کو اطلاع کر رکھی ہے وہ ہمارے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور مجھے سب ٹھیک ہے کا سگنل دیں گے۔ ان کے سگنل آنے پر ہی ہم آگے بڑھیں گے"۔

تخریب کاروں کے چیف نے پوچھا۔ "تمہارے پاس کوئی وائرلیس نہیں۔ پھر تم ان کے سگنل کیسے وصول کرو گے"۔

ایجنٹ طنزیہ انداز میں کہنے لگا۔ "تم بم رکھ کر پل اڑا سکتے ہو۔ مگر تم سرحد پار کرنے کے فن سے ناواقف ہو۔ یہ ایک دوسری دنیا ہے۔ جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب دوسری طرف سے اپنے آدمیوں کا سگنل آئے گا تو تمہیں اپنے آپ پتہ چل جائے گا"۔

ایجنٹ ٹارچ ہاتھ میں لے کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ تخریب کار بھی شہریوں کے لباس میں اس کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ سب کی نظریں سرحد کی دوسری طرف لگی ہوئی تھیں۔

ایجنٹ کو ایک خاص سگنل کا انتظار تھا۔ اس نے پہلے ہی سے پاکستان بارڈر سکیورٹی فورس کو اطلاع کر رکھی تھی کہ رات کے اتنے بجے وہ دشمن کے چھ تخریب کاروں کو لے کر سرحد پر آئے گا۔

جونہی گھڑی کی سوئی ایک خاص ہندسے پر پہنچی پاکستانی بارڈر فورس کے کیپٹن نے ٹارچ کی روشنی دو بار جلائی بجھائی۔ ایجنٹ نے اس روشنی کو دیکھا تو تخریب کاروں کے چیف سے مخاطب ہوا۔ "تیار ہو جاؤ۔ ہمارے آدمی آ گئے ہیں۔ سرحد کا یہ علاقہ اس وقت بالکل خالی ہے۔ جتنی تیز بھاگ سکتے ہو میرے پیچھے پیچھے بھاگو"۔

ہماری خفیہ پولیس اور ملٹری انٹیلی جینس پاکستان میں دشمن کے بھیجے ہوئے مسلح تخریب کاروں کا مکمل خاتمہ کرنے کا تہیہ کیئے ہوئے تھی اور یہ سب کچھ اسی منصوبے کے تحت ہو رہا تھا۔ جوانوں کو حکم دے دیا گیا تھا کہ رات کو بھارتی سرحد کی طرف سے آنے والوں پر گولی نہ چلائے جائے کیونکہ پاکستان بارڈر فورس انہیں زندہ گرفتار کرنا چاہتی ہے۔

ساتوں آدمی بھاگتے بھاگتے دونوں سرحدوں کا درمیانی علاقہ پار کر گئے۔ ایجنٹ آگے آگے تھا۔ پاکستانی سرحد میں داخل ہوتے ہی ایجنٹ نے سب کو رک جانے کا اشارہ کیا۔ سب زمین پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ ایجنٹ نے ٹارچ کو ایک بار پھر روشن کر کے بجھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طوفان کی طرح پاکستانی بارڈر فورس کے مسلح جوان چاروں طرف سے نکلے اور انہوں نے ساتوں کو اپنی اسٹین گنوں کی زد میں لے لیا۔

"تم پاکستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو۔ خبردار! کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو اسے بھون کر رکھ دیا جائے گا۔" فورس کیپٹن کی دہاڑ سنائی دی۔

پاکستانی جوانوں نے سب کو زمین پر اوندھے منہ لٹا کر تلاشی لی اور تھیلوں سے پلاسٹک بم پستول اور دوسرا اسلحہ برآمد کر لیا' سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں جیپ کے ذریعے پیچھے لے جایا گیا۔ جب کہ ایجنٹ کو واپس سرحد کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ہم اس کی واپسی تک غار میں ہی دبکے رہے۔ اس کی آمد پر ہم نے ایک جگہ گڑھا کھود کر چاروں فوجیوں کی لاشوں کو دفن کر کے اوپر پتھر اور درختوں کی سوکھی ٹہنیاں بکھیر دیں۔ اور واپس غار میں آ گئے۔ ایجنٹ نے دشمنوں کے وائرلیس کے ذریعے دلی سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کو تخریب کاروں کے چیف کی حیثیت سے اطلاع کر دی کہ ہم اپنے آدمیوں کی مدد سے سرحد پار کر کے پاکستان پہنچ گئے ہیں اور بہت جلد اپنی تخریب کاریوں کا آغاز کر دیں گے۔ وائرلیس سیٹ کو بند کر کے خاکی تھیلے میں ڈال دیا گیا۔ علیا نے وائرلیس سیٹ اٹھا لیا۔ میں نے اپنے ایجنٹ سے پوچھا کہ ہم اب کہاں جائیں گے؟

"فکر نہ کروں۔ ہمارے رہنے کا پورا انتظام علیا نے یہاں کر دیا ہے۔ ہم یہاں اس کے مہمان بن کر رہیں گے مگر گمنام ہوں گے۔ میرا مطلب ہے کہ ہم دن کے وقت اپنے ٹھکانے سے باہر نہیں

نکلیں گے۔ صرف رات کو پہاڑیوں میں نکل کر چہل قدمی کر سکیں گے''۔

صبح ہونے ہی والی تھی۔ مشرق کی طرف اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر دن کی اولین نیلی روشنی کی لکیر ابھر رہی تھی۔ علیا ہمیں وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی غار میں لے گیا جس کے باہر ایک چھوٹا سا پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا۔ غار کے منہ تک جانے کے لئے چشمے کے پتھروں پر پاؤں رکھ کر جانا پڑتا تھا۔ غار کا منہ تو تنگ تھا مگر اندر سے کافی کشادہ تھا۔ دیواروں میں اندر کی طرف سے کئی کھوہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں اندھیرا تھا غار کے منہ سے آنے والی دن کی روشنی بہت کم اندر تک پہنچ رہی تھی۔ غار تک آتے آتے دن نکل آیا تھا۔

علیا نے مجھے کہا۔ ''تمہیں یہاں سوائے اس کے کہ تم دن کے وقت چشمے سے آگے نہ جاؤ گے اور کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میں سمجھتا ہوں کہ تم پاکستان کی سلامتی اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لو گے''۔

میں نے کہا۔ ''علیا بھائی! پاکستان اور اسلام کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے''۔

ایجنٹ نے وائرلیس سیٹ کو دیوار کے ایک شگاف میں اندر کی طرف دھکیل کر اس کے اوپر سوکھی گھاس ڈالتے ہوئے کہا۔ ''علیا! اس نوجوان سے تمہارا پورا تعارف ابھی نہیں ہوا۔ یہ ایک طوفانی کمانڈو ہے۔ جب میں تمہیں اس کے کارناموں کی داستانیں سناؤں گا تو تم دنگ رہ جاؤ گے''۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میں علیا کے ساتھ جا رہا ہوں۔ مجھے یہاں کے حالات کا بھی جائزہ لینا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھارتی حکومت نے یہاں سے مقامی تخریب کاروں کو پاکستان میں داخل ہونے کا بھی کوئی ناپاک منصوبہ بنا رکھا ہو۔ ہمیں اسے بھی جان کی بازی لگا کر ناکام بنانا ہوگا۔ علیا تمہارے لئے کچھ کھانے کو لے کر آجائے گا۔ تمہارے پاس شاٹ گن اور پستول رکھے جا رہا ہوں''۔ میں غار میں بیٹھ گیا۔ اس قسم کی مشقتوں کا میں عادی تھا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ مجھے نیند آگئی۔ کافی دیر تک سوتا رہا۔ دوپہر کے وقت علیا نے آکر مجھے جگایا۔ وہ اپنے ساتھ میرے لئے کیتلی میں چائے اور پتیلی میں کھچڑی لایا تھا۔

''ابھی تمہیں دو چار روز اسی جگہ رہنا ہوگا''۔ اس نے مجھے بتایا۔ ''آس پاس اگرچہ کوئی آبادی نہیں ہے۔ دور ایک ٹبے کے پیچھے گوجروں کا چھوٹا سا گاؤں ہے مگر وہ لوگ اپنی گائیں اور بھیڑ بکریاں چرانے ادھر نہیں آتے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس غار کے بارے میں آسیبی باتیں مشہور ہیں' پھر بھی تمہیں یہاں ہوشیار ہو کر رہنا ہوگا۔ میں بھی غار کے منہ پر خشک ٹہنیاں ڈال دوں گا''۔

میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتے ہوئے کھچڑی کھانے میں مگن تھا جو بڑی مزے دار تھی۔ جانے سے پہلے اس نے کار کا منہ ٹہنیوں سے چھپا دیا۔

شام تک میں غار کے اندر ہی رہا۔ مجھے علیا کی وہ بات یاد آرہی تھی کہ یہ غار آسیبی ہے۔ کیا یہاں

کوئی جن بھوت رہتا ہے؟ میں جن بھوتوں کا قائل نہیں ہوں۔ کوئی بھی باعمل بیدار آدمی جن بھوتوں پر اعتقاد نہیں رکھ سکتا۔ لیکن یہ بات ضرور میرے ذہن میں تھی کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی روح اپنے اعمال کی وجہ سے دنیا میں ہی بھٹکتی پھرتی ہے۔ یہ بات مجھے میری تامل ناڈو کی دوست اور ساتھی سدھار تگنی نے ایک بار بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''ہم ہندو آداگون کو مانتے ہیں۔ اس لئے ہم پر اس کا اثر ہے۔ مرنے کے بعد ہماری روح اپنے اعمال کے مطابق کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ جسم انسان کا بھی ہو سکتا ہے اور کسی جانور یا کیڑے مکوڑے کا بھی۔ لیکن کسی ہندو عورت یا مرد کی روح گناہ گار ہو اور اس نے زندگی میں کسی کو بے گناہ قتل کیا ہو تو اس کی روح ایک خاص مدت تک دنیا میں ہی بھٹکتی رہتی ہے''

میں سدھار تگنی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس سانپوں والی جنگلی وحشی لڑکی سے مجھے محبت ہو گئی تھی۔ سوچتے سوچتے نیند آ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو رات کا اندھیرا غار میں چھا چکا تھا۔ میں اٹھ کر غار کے منہ تک گیا۔ ٹہنی کو ایک طرف کر کے غار سے نکلا۔ پتھروں پر بیٹھ کر چشمے کے بہتے پانی سے منہ ہاتھ دھویا۔ پانی پیا اور واپس غار میں آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد علیا میرے لئے کھانا اور چائے لے کر آگیا۔

''ایجنٹ نے پیغام دیا ہے کہ وہ کل دوپہر کے بعد آئے گا۔ میں اس کے ساتھ نہیں ہوں گا مجھے کچھ اور انتظام کرنا ہے''۔

تھوڑی دیر بعد وہ برتن لے کر واپس چلا گیا۔ میں دیوار کے اس شگاف کے سامنے زمین پر نیم دراز تھا۔ رات گہری ہوتی گئی۔ غار کے باہر درختوں پر بولتے پرندوں کی آوازیں ایک ایک کر کے خاموشی میں ڈوبتی چلی گئیں، مجھ پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی۔ اچانک مجھے غار کے باہر آہٹ سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ انسانی قدموں کی چاپ تھی۔ میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ کوئی ٹہنیوں کو ہٹا رہا تھا۔ مجھے دو انسانی سائے غار میں داخل ہوتے نظر آئے۔ پستول پر میرے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ میں کسی بھی وقت بڑی آسانی سے ان دونوں کو بھون سکتا تھا۔

اچانک مجھے چوڑیوں کی کھنکناہٹ سنائی دی۔ میں کچھ چونکا۔ ان میں ایک عورت تھی۔ اب مجھے عورت کی سرگوشی کی آواز آئی۔ وہ سہمی ہوئی تھی۔ شاید مرد کو بتا رہی تھی کہ یہ جگہ بھاری ہے۔ مرد نے سرگوشی میں عورت کو کچھ کہا۔ مجھے ان کے الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ دونوں مجھ سے بمشکل چھ سات قدموں کے فاصلے پر غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کم اور پیار محبت زیادہ کر رہے تھے۔ میں نے پستول والا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور ان کے غار سے واپس جانے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ بات مجھے معلوم تھی کہ اگر میری طرف سے کوئی حرکت کی آواز پیدا ہوئی تو دونوں

اسے غار کا آسیب سمجھ کر بھاگ جائیں گے اور میں ان کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انہیں گاؤں میں یا جہاں بھی وہ رہتے تھے ایک دوسرے سے محبت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا اسی لئے وہ رات کو چھپ کر اس آسیبی غار میں آ گئے تھے۔

میرے حساب سے وہ کوئی آدھا گھنٹہ غار میں رہے پھر وہ اٹھے اور غار کے منہ کی طرف بڑھے۔ میں اندھیرے میں ان کے سائے دیکھ رہا تھا۔ وہ غار میں جس جگہ سے اندر داخل ہوئے تھے وہیں سے باہر نکل گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنے خفیہ ٹھکانے میں پاؤں پھیلا دیئے۔ پھر میں سو گیا۔

دوسرے دن علیا میرے لئے چائے وغیرہ لے کر آیا تو میں نے اسے رات والا واقعہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ اس کا ہمارے مشن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ میں تمہیں اپنی جگہ دکھاؤں گا خطرے کے وقت تم وہاں جا کر چھپ سکتے ہو۔" علیا نے مجھے بتایا۔

میں نے اپنے ایجنٹ کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا۔ "اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی لیکن اس نے بھی ہدایت کی تھی کہ میں تمہیں اپنا دوسرا ٹھکانہ دکھا دوں۔ تم چائے پی کر باہر آ جانا۔ میں باہر کھڑا ہوں"۔

علیا غار سے نکل گیا۔ میں چائے ختم کرنے کے بعد باہر جانے کے لئے اٹھا تو مجھے زمین پر کوئی شے چمکتی ہوئی نظر آئی۔ جھک کر دیکھا تو وہ نیلے نگینوں والا کانوں کا بندا تھا۔ جنوں میں چاندی کا ایسا بندہ لڑکیاں عام طور پر پہنتی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اسی لڑکی کا بندہ ہے جو رات کو وہاں اپنے محبوب کے ساتھ آئی تھی۔ میں نے بندہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور غار سے نکل آیا۔ علیا نے غار کے سوراخ کو سرکنڈوں سے بند کر دیا اور مجھے ساتھ لے کر پہاڑی راستے سے اپنے ٹھکانے کی طرف چل پڑا۔ علیا بھی میری طرح دیہاتی کسانوں کے لباس میں تھا۔ ایک خنجر اور پستول اس نے بھی اپنے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔

گھاٹیوں کے درمیان چلتے ہوئے ہم ایک کھلی جگہ پر نکل آئے۔ چند قدم چلنے کے بعد ایک پہاڑی نالہ آ گیا۔ شفاف پانی پتھروں سے ٹکرا کر اچھل رہا تھا۔ وہ مجھے محفوظ راستے سے لئے جا رہا تھا۔ میں راستے کو ذہن میں بٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ دوپہر تک ہم ان دشوار گزار پہاڑی راستوں پر چلتے رہے۔ ایک جگہ بیٹھ کر ہم نے جوار کی روٹی کھائی جو علیا پوٹلی میں باندھ کر اپنے ساتھ لایا تھا۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر آگے چل پڑے۔

اب ہم ایک پہاڑی کی ڈھلان اتر کر چھوٹی سی وادی میں داخل ہو گئے تھے جہاں پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر سیڑھیوں کی طرح جوار اور باجرے کے کھیت ہوا میں لہرا رہے تھے۔ یہاں سیب اور خوبانیوں کے باغ بھی تھے۔ علیا ان باغوں سے بچ کر چل رہا تھا۔ اب کہیں کہیں پہاڑی مکان نظر آنے

لگے تھے۔ یہ سیدھی چھتوں والے مکان تھے۔ علیا ایک گھاٹی میں اتر گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا۔ مجھے ایک لکڑی کے مکان کا پچھلا حصہ دکھائی دیا۔ علیا نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میری بیوہ بہن کا گھر ہے۔ وہ اپنی بیٹی زین کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔ ہم اسے اپنی زمین میں سے کچھ حصے کا اناج چاول وغیرہ دے دیتے ہیں۔ میری بھانجی کل سے اپنی پھوپھی کے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ آج یا کل وہ آ جائے گی۔ دونوں ماں بیٹی میری طرح کشمیر کی خفیہ جنگ آزادی کی مجاہد خواتین ہیں۔ تمہارے بارے میں میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ لیکن ہم نے انہیں اپنے مشن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

لکڑی کے دیہاتی مکان کے عقب کی چڑھائی چڑھ کر ہم مکان کے چھوٹے سے صحن میں آ گئے۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا۔ اور اندر سے کسی عورت کی مضبوط آواز آئی۔ "کون ہے باہر؟"
"میں ہوں زینت بہن۔"

زینت کوٹھری سے باہر نکل آئی۔ وہ چالیس پینتالیس برس کی ایک مضبوط کاٹھی والی کشمیری عورت تھی جس نے لمبا فرن پہن رکھا تھا۔ کانوں میں چاندی کی گول بالیاں تھیں۔ رنگ سرخ و سپید تھا اور سر پر نیلا رومال اس طرح بندھا تھا کہ بال چھپ گئے تھے۔ زینت نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور اپنے چھوٹے بھائی علیا کی طرف دیکھا۔ علیا نے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔
"ہاں زینت آپا۔ یہی وہ پردیسی ہے۔"

زینت میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور مجھے کوٹھری میں بلا لیا۔ اس نے فوراً ہمارے لئے چائے تیار کی۔ علیا نے کہا۔ "زینت آپا! اس نوجوان کمانڈو کے بارے میں مجھے جو کچھ بتانا تھا تمہیں بتا چکا ہوں۔ ابھی یہ ایک دوسری جگہ اپنے مشن کے لئے کام کر رہا ہے اگر اپنے مشن کے دوران یہ خطرے میں گھر گیا اور وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب بھی ہو گیا تو یہ سیدھا تمہارے پاس آئے گا تم اسے فوراً چھپا دینا۔

زینت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اللہ نگہبان ہے علیا! سب ٹھیک کر دوں گی تم بالکل بے فکر رہو۔"

علیا نے پوچھا کہ زین کب واپس آ رہی ہے۔ زینت نے بتایا کہ وہ کل شام تک واپس آ جائے گی۔ علیا کہنے لگا۔ "آپا! اب زین کی شادی کر ڈالو۔ وہ کافی جوان ہو گئی ہے۔ پھوپھا کے بیٹے سے ہی بیاہ دو۔"

زینت سنجیدہ ہو گئی۔ سماوار میں سے چائے پیالی میں ڈالتے ہوئے بولی۔ "میں تو تیار ہوں مگر پھوپھا جہیز میں میرا یہ مکان بھی لکھوانا چاہتا ہے۔ میں یہ مکان دے کر بے گھر نہیں ہونا چاہتی۔"

دونوں بہن بھائی کچھ دیر گھریلو مسائل پر باتیں کرتے رہے۔ شام تک میں نے وہاں آرام کیا۔ جب شام کا اندھیرا وادی میں چاروں طرف پھیل گیا تو علیا مجھے لے کر واپس غار کی طرف چل پڑا۔ کہنے لگا۔ ''میں اندھیرے میں تمہیں اس لئے لے کر چلا ہوں کہ تم اندھیرے میں بھی اس راستے سے واقفیت حاصل کر لو۔ ممکن ہے کبھی تمہیں رات کے وقت بھاگ کر یہاں آنا پڑ جائے''۔

میں نے اس سارے پہاڑی راستے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ شام کے وقت ہم زینت کے گھر سے چلے تھے۔ رات آدھی گزر چکی تھی کہ ہم واپس غار میں پہنچے۔ علیا تھوڑی دیر بعد یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ صبح آؤں گا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہاری بہن کا گھر تو یہاں سے کافی دور ہے پھر تم میرے لئے گرم گرم چائے اور روٹی وغیرہ کہاں سے لاتے ہو؟''

علیا بولا۔ ''تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہم اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس قسم کے انتظام کرنے ہی پڑتے ہیں۔ لیکن ہم ان کے بارے میں بتا نہیں سکتے۔ اب تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں''۔

علیا چلا گیا۔ میں دیوار کے شگاف میں خشک ٹہنیوں کے پیچھے گھس کر نیم دراز ہو گیا۔ رات گزر گئی اور پھر اگلا دن بھی گزر گیا۔ شام کے بعد جب وادی پر رات اتری تو مجھے تشویش ہونے لگی کیونکہ ابھی تک علیا آیا تھا نہ ایجنٹ آج رات ان دونوں کو آنا تھا۔ کچھ اور رات گزر گئی پھر باہر سے پرندے کی مخصوص بولی سنائی دی۔ ایجنٹ آ گیا تھا۔ میں اٹھ کر غار کے سرکنڈوں تک گیا۔ میں نے بھی جواب میں پرندے کی بولی بول کر جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرکنڈے ایک طرف ہٹ گئے۔ علیا اور ایجنٹ اندر آ گئے۔ ایجنٹ تیزی میں تھا۔ سیدھا وائرلیس سیٹ کی طرف گیا۔ ٹہنیوں کی اوٹ سے باہر نکال کر اسے آپریٹ کرتے ہوئے بولا۔ ''بھارتی تخریب کاروں کی ایک چھ رکنی ٹیم میرے کہنے پر آج رات ڈراپ ہونے والی ہے۔ ہمیں ان کو ٹھکانے لگانے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے''۔

فریکوئنسی سیٹ کر کے ایجنٹ نے کوڈ زبان میں دلی انٹیلی جینس کے کسی آفیسر سے باتیں شروع کر دیں۔ پندرہ بیس سیکنڈ تک ان کے درمیان سگنلز کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر اس نے وائرلیس سیٹ بند کر دیا اور جیب سے ریوالور نکال کر اس پر سائی لینسر چڑھاتے ہوئے بولا۔

''ہم ایک ایک کر کے ان تمام تربیت یافتہ بھارتی تخریب کاروں کو زمین میں دفن کر دیں گے''

علیا نے بھی اپنے پستول پر سائی لینسر چڑھا لیا تھا۔ تھیلے میں سے شاٹ گنیں نکال کر چیک لی گئیں۔ ایجنٹ کہنے لگا۔ ''وقت وہی رات کے ایک بجے کا ہے۔ ٹھیک ایک بجے انڈین ایئر فورس کا ایک طیارہ آ کر چھ تخریب کاروں کو ڈراپ کر جائے گا''۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم پہلے کی طرح گھات لگا کر بیٹھو گے اور ہمیں کور دو گے۔ خطرے کے وقت تم فائرنگ شروع کر دو گے۔ علیا اس

میرے ساتھ ہو گا"۔

اس نے ہمیں بتایا کہ ان لوگوں کا ارادہ پندرہ روز بعد تخریب کار ڈراپ کرنے کا تھا لیکن ایجنٹ نے انہیں بتایا کہ ہنگامی حالات کے تحت کچھ مزید تخریب کاروں کا آج رات ڈراپ کیا جانا بہت ضروری ہے۔

ہم باتوں کے ساتھ ساتھ ٹارچ جلا کر گھڑی بھی دیکھ لیتے تھے۔ جب رات کے ٹھیک بارہ بجے تو اپنا ایجنٹ ہمیں ساتھ لے کر غار سے نکل آیا۔ ہم رات کے اندھیرے میں پہاڑی راستوں سے گزرتے پرانے خفیہ مقام پر پہنچ گئے۔ علیا نے وائرلیس سیٹ کاندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ پہلی رات کی طرح ایک خاص جگہ پر وائرلیس سیٹ رکھ دیا گیا۔ ٹارچ ایجنٹ نے اپنی جیب میں ڈال لی اور مجھے ہدایت کی کہ میں غار کی جانب پتھروں میں مورچہ سنبھال لوں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ سٹاٹ گن اٹھائی اور تھوڑی دور میدان کے کنارے پتھروں کے پیچھے مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔ علیا اور ایجنٹ ڈراپ اسپاٹ پر ہی بیٹھے رہے۔ ٹھیک پونے ایک بجے آسمان پر ہوائی جہاز کی آواز سنائی دی۔ میں نے ٹریگر پر انگلی جمادی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ستاروں بھرے آسمان پر مجھے جہاز کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔

مجھے ڈراپ اسپاٹ کی طرف سے اپنے ایجنٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ وائرلیس پر جہاز کے پائلٹ سے باتیں کر رہا تھا۔ میری نگاہیں آسمان پر لگی تھیں اب مجھے جہاز کا سایہ سا چکر لگاتا نظر آنے لگا۔ جہاز نے ہمارے اوپر دو تین چکر لگائے اور ایک طرف کو واپس چلا گیا۔ میں انتظار کرنے لگا کہ اب انڈین تخریب کار پیراشوٹوں کے ذریعے چھلانگیں لگاتے ہیں۔ اب لگاتے ہیں۔ مگر کوئی پیراشوٹ کے ذریعے نیچے نہ گرا۔ مجھے فکر لگی۔

اچانک فضا مشین گنوں کی گولیوں سے گونج اٹھی۔ مشین گنیں علیا اور ایجنٹ کے پاس نہیں تھیں۔ مجھے اندھیرے میں ایک طرف سے کتنے ہی انسانی سائے دوڑتے ہوئے ڈراپ اسپاٹ پر حملہ کرتے نظر آئے۔ ساتھ ہی فضا میں روشنی کا گولہ زمین سے فائر کیا گیا اور سارا علاقہ روشن ہو گیا۔ میں نے علیا اور اپنے ایجنٹ کو دیکھا انہیں انڈین فوجیوں نے اسٹین گنوں کی زد میں لے رکھا تھا۔ دونوں کے ہاتھ سروں سے بلند تھے ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور میرے فائر کرتے ہی وہ بڑی آسانی سے مجھے بھی ہلاک کر سکتے تھے۔ میں پریشانی کے عالم میں پتھروں کے پیچھے سے سر نکالے اپنے ایجنٹ کو کچھ کہتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے الفاظ مجھ تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے علیا اور ایجنٹ کو بھارتی فوج نے گرفتار کر لیا۔ ان کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور انہیں دھکیلتے ہوئے پیچھے ٹیلے کی طرف لے جانے لگے۔

ایک بھارتی افسر چلایا۔ "پیچھے دیکھو۔ ان کا کوئی ساتھی بھی ہو گا"۔

یہ سنا تھا کہ میں نے پیچھے ڈھلان پر چھلانگ لگا دی۔ اور لڑھکتا ہوا نشیب کی جھاڑیوں میں جا گرا۔ وہاں سے اٹھا اور تیزی سے اندھیرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میرے پیچھے

کوئی بھارتی فوجی آ رہا ہے یا نہیں۔ راستے سے میں واقف تھا۔ میرا رخ غار والے خفیہ ٹھکانے کی طرف تھا جو وہاں سے دو فرلانگ پر ہی واقع تھا۔ مگر میں غار میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ جب میں غار کے سامنے اس جگہ پہنچا جہاں پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا تو غار میں داخل ہونے کی بجائے میں چشمے کے پتھروں پر پاؤں رکھتا غار والے ٹیلے کے عقب میں آ گیا۔ یہاں سے ایک چھوٹا سا پہاڑی راستہ ٹیلوں کے بیچ میں سے ہوتا ہوا شمال میں پیر پنجال کی پہاڑیوں کی طرف نکل گیا تھا۔ میں اس پہاڑی راستے پر آ گیا اور جتنی تیز بھاگ سکتا تھا بھاگنے لگا۔

پہاڑی راستے بہت جلد تھکا دیتے ہیں۔ ان پر بھاگنا اتنا آسان نہیں۔ پھر بھی جوانی کا خون تھا اور جسم مضبوط تھا۔ میں نے رات کے اندھیرے میں کافی راستہ طے کر لیا۔ جب مجھے احساس ہوا کہ میں خطرے کی حد سے دور نکل آیا ہوں تو ایک جگہ درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ میں ہانپ رہا تھا۔ دو منٹ بیٹھ کر سانس کو ذرا درست کیا اور اللہ کا نام لے کر دوبارہ آگے روانہ ہو گیا۔

میں باقی ساری رات پہاڑی راستوں پر چلتا رہا۔ اپنی یادداشت اور اندازے سے میں پو پھٹنے سے پہلے اس علاقے میں نکل آیا تھا جہاں سے دشوار گزار راستہ علیا کی بہن کے گھر کو جاتا تھا۔ میرے لئے چھپنے کی وہی ایک جگہ تھی۔ اس علاقے کو بھارتی فوج نے ضرور اپنے گھیرے میں لے لیا ہو گا اور دن نکلنے کے بعد میں پکڑا جا سکتا تھا۔ کیونکہ سوائے علیا کی بہن کے میں وہاں کسی کو نہیں جانتا تھا اور ایسی حالت میں کسی گاؤں کا رخ کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔

میں بھٹکتا ہوا زینت کے گاؤں تک پہنچ گیا ایک موڑ گھوما تو سامنے ہی مجھے اس کے مکان کا عقبی حصہ نظر آنے لگا۔ میں چڑھائی چڑھ گیا۔ وہ مجھ سے پچاس قدم دور تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا میں مکان تک پہنچ گیا اور صحن میں سے گزر کر کوٹھری کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے زینت نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں پیتل کی گڑوی تھی۔ مجھے دیکھ کر ایک پل کے لئے ٹھٹکی۔ پیچھے دیکھا۔ پھر مجھے کوٹھری میں جانے کا اشارہ کیا اور خود اونچی آواز میں بکری کو آوازیں دینے لگی۔ کوٹھری میں گھستے ہی میں نے دروازہ بند کر دیا اور چارپائی پر گر گیا۔ شاٹ گن قمیص کے اندر سے نکال کر میں نے چارپائی کے نیچے رکھ دی۔ باہر کچھ دیر تک زینت کی آواز آتی رہی پھر دروازہ کھلا اور وہ اندر آ گئی سب سے پہلا سوال اس نے علیا کے بارے میں کیا۔

"اسے انڈین فوج نے پکڑ لیا ہے۔ اپنا ایک اور آدمی بھی پکڑا گیا ہے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر فرار ہوا ہوں۔"

زینت نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے آہستہ بات کرنے کا اشارہ کیا اور دودھ سے بھری ہوئی گڑوی میری طرف بڑھا کر بولی۔ "دودھ پیو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ باہر مت نکلنا"۔

گڑوی میں بکری کا جھاگ بھرا دودھ تھا۔ اس میں سے تازہ دودھ کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میں

نے آدھی گٹھڑی خالی کر دی۔ زینت دوبارہ اندر آئی تو میں نے اس سے کہا۔ " تمہیں یہاں نہیں رہنا چاہئے بہن۔ علیا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ بھارتی فوج کے آدمی یہاں ضرور چھاپہ ماریں گے "۔
زینت بڑے پُر اعتماد لہجے میں بولی۔ " میرے بھائی سے وہ لوگ کچھ معلوم نہ کر سکیں گے وہ مر جائے گا مگر میرے اور اپنے گھر کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔ میں اسے جانتی ہوں لیکن تمہیں یہاں نہیں رہنا ہو گا۔ تم جلدی سے میرے ساتھ آؤ۔ یہ بندوق کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے لو"۔

زینت مجھے مکان کے پیچھے سے نکال کر نیچے نشیب میں لے آئی جہاں نالہ بہہ رہا تھا۔ نالے کے کنارے کنارے چلتے ہم کچھ دور گئے تو وہاں ایک جگہ پہاڑی دیوار میں کافی بڑا قدرتی شگاف تھا۔ یہاں زینت نے اناج وغیرہ رکھنے کے لئے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ شگاف کے منہ پر لکڑی کا پرانا تختہ قبضوں سے جڑ دیا گیا تھا۔ یہ دروازہ بڑے بڑے پتھروں کی اوٹ میں کچھ اس طرح چھپ گیا تھا کہ باہر سے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دروازہ کھول کر زینت نے مجھے اناج کی بوریوں اور لکڑیوں کے ڈھیر کے پیچھے دری بچھا کر جگہ بنا دی اور بولی۔
" یہاں تم جب تک چاہے رہ سکتے ہو۔ صرف تمہیں دن کے وقت باہر نہیں نکلنا ہو گا۔ تمہیں کھانا رات کے وقت اور منہ اندھیرے مل جایا کرے گا۔ پانی کا گھڑا میں یہاں رکھ دوں گی "۔
میں خاموشی سے دری پر بیٹھ گیا۔ شاٹ گن میں نے ایک طرف لکڑیوں کے ڈھیر کے نیچے چھپا دی۔ زینت واپس آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ میرے لئے کسی جگہ پناہ حاصل کرنا بڑا ضروری تھا۔ اپنا ایجنٹ گرفتار ہو چکا تھا۔ چونکہ علیا بھی اس کے ساتھ تھا اس لئے ممکن تھا کہ علیا کسی طریقے سے فرار ہو کر وہاں آ جائے اور اپنے ساتھ ایجنٹ کو بھی لے آئے۔ دوسری طرف یہ خطرہ بھی تھا کہ ملٹری انٹیلی جینس اس سے اس کا اتہ پتہ معلوم کر کے یہاں چھاپہ نہ مارے۔ میں عجیب ادھیڑ بن میں تھا۔ کبھی سوچتا کہ یہاں سے نکل جاؤں۔ پھر خیال آتا کہ یہاں سے نکل کر کدھر جاؤں گا۔ اگرچہ میرا حلیہ معمولی پلاسٹک سرجری کے بعد کافی حد تک بدل دیا گیا تھا تاہم یہ سارا علاقہ میرا دشمن تھا اور پولیس دلی سے لے کر کشمیر تک اور کشمیر سے لے کر مدراس تک میری تلاش میں تھی۔ میں کسی وقت کہیں بھی پھرتے ہوئے پکڑا جا سکتا تھا۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ جب تک علیا اور ایجنٹ کی کوئی اطلاع نہیں ملتی میں اسی جگہ چھپا رہوں گا۔ یہ جگہ کافی حد تک محفوظ تھی۔ اگر بھارتی فوجی زینت کے مکان پر چھاپہ بھی مارتے تو انہیں یہ جگہ نظر نہیں آ سکتی تھی۔
زینت کمر پر پانی کا گھڑا اور سر پر میرے لئے گرم کمبل ڈالے واپس آ گئی۔ اس نے پانی کا گھڑا بوریوں کے پاس رکھ دیا۔ دو کمبل میرے پاس رکھ دیئے اور میرے پاس بیٹھ کر دم لینے لگی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"میرا بھائی سچا مجاہد ہے ۔ میں جانتی ہوں ۔ وہ مرجائے گا مگر زبان نہیں کھولے گا ۔ اور فرض کر لو کہ فوجی کسی طریقے سے اس سے میرے گھر کے بارے میں معلوم کر بھی لیتے ہیں تو یہاں آ کر کیا برآمد کریں گے ۔ میرے پاس تو سوائے ایک بکری اور دو مرغیوں کے اور ٹوٹے پھوٹے سامان کے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔

میں نے کہا۔ "مگر اس بار علیا کے ساتھ اپنا ایک ایجنٹ بھی ہے ۔ ملٹری انٹیلی جینس والے اس کے ساتھیوں کی تلاش میں یہاں چھاپہ ماریں گے اور ممکن ہے وہ تمہیں بھی پکڑ کر لے جائیں"۔

زینت کے چہرے پر ایک عجیب سی روشنی نمودار ہوئی ۔ کہنے لگی ۔ "وہ مجھے جان ہی سے مار دیں گے ناں ؟ اس سے زیادہ تو وہ کچھ نہیں کر سکتے ۔ میں تو مرنے کے لئے تیار ہوں"۔

میں خاموش ہو گیا ۔ زینت اٹھتے ہوئے بولی ۔ "تم خاموشی سے یہاں چھپے رہو ۔ ہاں اگر تم یہاں سے چلے جانے کے فیصلہ کرو تو مجھے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ۔ میں اس کھولی کو خالی دیکھ کر سمجھ جاؤں گی کہ تم جا چکے ہو ۔ تم سے پہلے بھی میں نے یہاں کئی نوجوان مجاہدوں کو پناہ دی ہے ۔ تم پہلے آدمی نہیں ہو"۔

اور وہ چلی گئی ۔ دروازے کو اس نے بند کر کے آگے پتھر اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ ذرا سا دھکا دینے سے پتھر ہٹ سکتا تھا ۔ اس کا حوصلہ دیکھ کر میرا بھی حوصلہ بلند ہو گیا ۔ کھولی میں اندھیرا تھا ۔ میں کمبل اوڑھ کر دری پر لیٹ گیا ۔ باہر نالے کے پانی کے پتھروں سے ٹکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی دن گزر گیا ۔ شام کے بعد رات کا اندھیرا اور رات کی خاموشی چھا گئی کچھ دیر بعد زینت میرے لئے چاول لے کر آ گئی ۔ میں نے اس سے حالات کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولی ۔ "میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ کچھ نہیں ہو گا ۔ میرا بھائی انہیں کچھ نہیں بتائے گا ۔ وہ بڑی خوشی سے موت کو سینے سے لگا لے گا مگر تمہارا یا میرا یا اپنے گھر والوں کا نام تک نہیں لے گا"۔

مجھے زینت کے بیان پر شک تھا ۔ اگر فوجیوں میں سے کسی نے علیا کو پہچان بھی لیا تو فوج اس کے گھر اور پھر اس کی بہن کے گھر پر چھاپہ مار سکتی تھی ۔ لیکن ایک بات سے مجھے کچھ تسلی بھی ہو رہی تھی کہ ایک دن گزر گیا تھا ۔ ابھی تک فوج یا پولیس وہاں نہیں آئی تھی ۔

زینت کے جانے کے بعد میں نے یہی طے کیا کہ مزید ایک دن دیکھوں گا اگر علیا اور ایجنٹ میں سے کوئی واپس نہ آیا تو میں بھی یہاں سے چل دوں گا ۔ میرے پاس کچھ روپے ابھی باقی تھے ۔ یہی سوچا کہ جموں شہر کی بجائے آگے سری نگر شہر کی طرف نکلنے کی کوشش کروں گا ۔ وہاں لباس تبدیل کر کے خود کو سیاح ظاہر کرنے کے بعد گلمرگ یا پہلگام کے مقام پر کسی ریسٹ ہاؤس میں پناہ لوں گا اور وہاں سے کسی طریقے سے وائرلیس پر پیچھے پاکستان میں اپنے باس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا ۔ میں کسی بھی چھوٹے ٹرانسسٹر سیٹ کو تھوڑی سی محنت اور ردوبدل کے بعد وائرلیس میں

تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ میں بوریوں اور لکڑیوں کے انبار کے پیچھے دری پر دونوں کمبل اوپر اوڑھ کر لیٹ گیا اور اپنے آئندہ لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔

باہر گہری خاموشی تھی۔ اس خاموشی کو نالے کے پانی کی ہلکی ہلکی آواز ہی متزلزل کر رہی تھی۔ نیند میری آنکھوں کو بند کر رہی تھی۔ مجھے باہر پتھروں پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پہلے تو میں اسے خواب میں آنے والی آواز سمجھا۔ لیکن آواز قریب آ رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور شاٹ گن کو لکڑیوں کے نیچے سے نکال کر مضبوطی سے تھاما اور بستر سے اچھل کر کھولی کے دروازے کی ایک جانب دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سانس روک لیا تھا۔ کان باہر سے آنے والی آواز پر لگے تھے۔ قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آ کر رک گئی۔ یہ زینت نہیں تھی۔ قدموں کی آواز بھاری اور مردانہ تھی۔ میں نے شاٹ گن کی نالی کا رخ دروازے کی طرف کر دیا۔ اندر آنے والا اب پوری طرح سے میری گن کی زد میں تھا۔ دروازہ کھولنے کی بجائے آنے والے نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور پھر سرگوشی ایسی آواز میں کہا " تم اندر ہو ؟"

اس شخص نے میرا نام لیا تھا۔ سرگوشی کی وجہ سے میں آواز نہ پہچان سکا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ شاٹ گن کے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ میرے ذہن نے مجھ سے سوال کیا۔ باہر سے پھر آواز آئی۔ "کیا تم اندر ہو؟ میں علیا ہوں فائر نہ کرنا"۔

علیا کو معلوم تھا کہ میرے پاس شاٹ گن ہے اور میں دشمن سے بچ کر چھپا ہوا ہوں۔ قدرتی طور پر میں اچانک دروازہ کھول کر اندر آنے والے پر فائر کر سکتا ہوں۔ علیا کا نام سنا تھا کہ میرے تن مردہ میں جیسے نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور علیا اندر گھس آیا۔ میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

" اپنے ایجنٹ کی کیا خبر ہے ؟"

اس نے میرے پاس بیٹھ کر چادر سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا۔ "کچھ خبر نہیں۔ میں تو اسی وقت وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا"۔

" لیکن تمہارے تو ہاتھ پیچھے باندھے گئے تھے میں نے اندھیرے میں دیکھا تھا"۔

" میرے ساتھ ہی ایجنٹ کے ہاتھ بھی باندھے گئے تھے۔ یہ بتاؤ تمہارا ساتھی تمہاری طرح کمانڈو نہیں ہے ؟"

میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ " وہ کمانڈو تو نہیں ہے مگر انتہائی تجربہ کار اور کہنہ مشق مجاہد ہے"۔

علیا اپنے ہاتھوں کو دباتے ہوئے کہنے لگا۔ " تب ہی وہ پھنس گیا اور میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب انہوں نے میرے ہاتھ پیچھے باندھے تو میں اسی وقت اپنے خاص فن سے کام لیتے ہوئے رسی کو ڈھیلا کرنے لگا تھا۔ جب انہوں نے مجھے جیپ میں دھکیلا تو میں رسی میں سے اپنا ایک ہاتھ نکال

چکا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ ویسے ہی پیچھے رکا ہوا تھا۔ حیرانی کی بات ہے کہ تمہارا ایجنٹ اس بات سے بے بہرہ تھا چنانچہ جب جیپ گھاٹی والی سڑک پر پہنچی تو میں نے جیپ میں سے نیچے گھاٹی میں چھلانگ لگا دی۔ فوجیوں نے گولیاں چلائیں مگر میں اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔ میں قصداً وہاں سے دوسری طرف نکل گیا اور سارا دن ایک کھنڈر میں دریا کنارے چھپ کر گزار دیا۔ آج رات کو اندھیرا ہوتے کے بعد وہاں سے نکلا اور یہاں پہنچا ہوں۔ یہاں آکر زینت نے تمہارے بارے میں بتایا"۔

"کیا بھارتی فوجیوں نے تمہیں پہچانا نہیں کہ تم اس گاؤں کے گوجر علیا ہو؟"

علیا مسکرایا۔ "اول تو وہاں اندھیرا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں علاقے کی پولیس تو پہچان سکتی ہے مگر فوجیوں کو کیا پتہ کہ ہم کون ہیں؟"

میں نے اس سے ایجنٹ کے بارے میں پوچھا کہ فوجی اسے کہاں لے گئے ہوں گے۔

علیا کہنے لگا۔ "وہیں لے گئی ہوگی جہاں انہیں ایک پاکستانی جاسوس کو لے جانا چاہئے۔ یعنی پیچھے اپنے ہیڈ کوارٹر میں وہاں اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی"۔ پھر وہ کچھ فکر مند سا ہو کر بولا۔ "تمہارا یہ ایجنٹ کہیں انہیں ہمارے بارے میں تو نہیں بتا دے گا؟ میرا مطلب ہے کیا اس میں ہندو فوج کا تشدد برداشت کرنے کی طاقت ہے؟"

میں نے علیا کو بتایا کہ وہ ایک ذمے دار اور جانباز مجاہد ہے۔ وہ مر جائے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔

علیا کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ "اس بارے میں یقین سے تم نہیں کہہ سکتے لیکن یہ اچھا ہوا کہ میں نے اسے اپنا گاؤں اور یہ ٹھکانا نہیں دکھایا۔ اسے صرف میرا نام ہی معلوم ہے اور میرے نام کے یہاں ہر گاؤں میں آدمی رہتے ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچتے ہو؟"

"علیا! ہم دونوں ایک ہی مشن کے لئے کام کر رہے ہیں۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایجنٹ کو دشمن کی قید سے آزاد کرانا کس قدر ضروری ہے۔ جب تک میں اسے آزاد نہیں کرا لیتا ایک قدم آگے نہیں اٹھا سکتا۔"

علیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ٹھیک ہے اگر میری یہاں موجودگی سے تمہیں خطرہ ہے اور تم اپنے ایجنٹ کے لئے کچھ نہیں کرنا چاہتے تو میں صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤں گا"۔ میں نے اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے طور پر اسے دشمنوں کی قید سے آزاد کراؤں گا"۔

علیا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "میرے دوست! تم نے یہ کیا کہہ دیا؟ کیا تم سمجھے ہو کہ میں تمہارا دوست تمہارا بھائی تمہارا ہم خیال مجاہد نہیں ہوں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ایک سرفروش کو کافروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود خاموشی سے بیٹھ جائیں۔ نہیں میرے دوست! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اسے دشمن کے چنگل سے ضرور چھڑا لیں گے"۔

میرا حوصلہ دو چند ہو گیا اور مجھے خوشی بھی ہوئی۔ کیونکہ علیا اس سارے علاقے سے واقف تھا اور ایسے مجاہدوں کو بھی جانتا تھا جو محکموں کے اندر ملازم رہ کر کام کر رہے تھے۔

"ابھی تم اسی جگہ رہو"۔ علیا نے کہا۔ "میں دن کے وقت باہر جا کر حالات کا جائزہ بھی لوں گا اور ایجنٹ کا سراغ بھی لگاؤں گا کہ اسے کہاں اور کس مقام پر ملٹری پولیس نے رکھا ہوا ہے۔ تمہیں صبح شام یہاں کھانا پہنچ جایا کرے گا۔ میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد صبح نکل جاؤں گا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

علیا چلا گیا۔ میں بہت کچھ سوچنے لگا۔ ایک بات کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ایجنٹ کا سراغ لگانے میں علیا بے حد کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بار یہ معلوم ہو جائے کہ ملٹری پولیس نے اپنے ایجنٹ کو کس جگہ قید کیا ہے۔ اس کے بعد اسے وہاں سے نکالنے کا کام ہم دونوں مل کر سرانجام دے سکتے تھے۔ مگر میں اکیلا اس کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ منہ اندھیرے علیا کی بہن زینت میرے لئے چائے اور روٹی لے کر آ گئی علیا کے آنے سے وہ بڑی خوش تھی۔

میں نے سارا دن کھولی میں ہی گزار دیا۔ رات کو زینت کھانا لے کر آئی تو اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی زین اپنے پھوپھا کے گھر سے واپس آ گئی ہے۔ صبح وہ اس کے لئے چائے لے کر آئے گی۔

"اس کے سامنے گھبرانا نہیں۔ زین ہماری رازدار ہے اس سے پہلے وہ اس جگہ کئی مجاہدوں کو چائے کھانا لا کر دیتی رہی ہے۔ ہماری تو جان بھی پاکستان پر قربان ہے"۔

میں زینت کے اس جذبے سے بڑا متاثر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے ہر مسلمان کے سینے میں یہی جذبہ موجزن ہے۔ زینت چلی گئی تو میں بھی سو گیا۔ صبح اس وقت آنکھ کھلی جب کھولی کے بوسیدہ دروازے کی درزوں میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

دروازے پر مخصوص دستک ہوئی۔ یہ دستک زینت کا سگنل تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے کشمیر کے حسن کی زندہ مثال ایک لڑکی کی شکل میں موجود تھی۔ میں اس کے ملکوتی اور معصوم حسن سے مبہوت سا ہو کر وہیں کھڑا رہا۔

لڑکی مجھے محو حیرت دیکھ کر مسکرا دی۔ "میرا نام زین ہے۔ میں تمہارے لئے چائے روٹی لائی ہوں۔ کیا تم پیچھے نہیں ہٹو گے؟"

میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ دروازے کی اندر سے کنڈی لگا دی۔ زین چاولوں کی بوریوں کے پاس زمین پر بیٹھ گئی اور ٹوکری سے ناشتہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔

"اماں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم مجھ سے بالکل نہ ڈرو۔" زین نے کہا اور پھر خود ہی ہنسنے لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے ہنسی کی یہ آواز میں نے پہلے بھی کہیں سنی ہے۔ لیکن یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ زین پیالی میں نمکین چائے انڈیل رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے اسے اپنا فرضی نام بتایا تو وہ بولی۔ "میں جانتی ہوں یہ تمہارا اصلی نام نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو مجاہد آتا ہے وہ کبھی ہمیں اپنا اصلی نام نہیں بتاتا۔ اسے بتانا بھی نہیں چاہیئے۔ تم لوگوں کو یہی تربیت دی جاتی ہے۔ آخر تم لوگ اپنے وطن کی خاطر جان ہتھیلی پر لے کر دشمن کے اندر گھس آتے ہو۔ یہ تو موت کے منہ میں آنے والی بات ہے"۔

میں چائے پی رہا تھا اور زین کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں پھوپھی کے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ پھوپھی کا گاؤں یہاں سے پیدل کافی دور ہے۔ تین چار گھنٹے گھوڑے پر بھی لگ جاتے ہیں"۔

میں نے یونہی اس کی دلچسپی کی خاطر پوچھا۔ "تمہیں اپنی پھوپھی کا گاؤں اچھا لگتا ہے زین؟"

اس نے کسی قدر چونک کر میری طرف دیکھا۔ "یہ تم نے کیسے اندازہ لگا لیا۔ گاؤں تو سبھی اچھے ہوتے ہیں اور پھر وہ گاؤں تو بڑے اچھے لگتے ہیں جہاں پیارے رشتے دار ہوں۔ میں کوئی روز روز تھوڑے جاتی ہوں۔ مہینے میں ایک دو بار تو پھیرا لگ ہی جاتا ہے"۔

میں نے ہنس کر کہا۔ "جب تو تمہیں اپنی پھوپھی سے بڑا پیار ہو گا زین؟"

زین کے کانوں میں چاندی کے کانٹے تھے۔ ایک کانٹے پر انگلی چلاتے ہوئے بولی۔ "میری پھوپھی جان بھی تو مجھ سے بڑا پیار کرتی ہے۔ اچھا اب تم زیادہ باتیں نہ کرو باہر کوئی سن لے گا۔ اگرچہ یہاں نالے پر سے سال میں ایک آدھ بار ہی کوئی گزرتا ہے"۔

چائے ختم کر کے میں نے پیالی زمین پر رکھ دی۔ نمکین چائے بالائی والی تھی۔ پیتے ہوئے تھوڑی سی بالائی میرے ہونٹ کے نیچے تک چپک گئی تھی۔ میں نے رومال نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا جلدی میں رومال باہر نکالا تو اس میں لپٹا ہوا نیلے نگینے والا چاندی کا وہ بندہ باہر گر پڑا جو میں نے چشمے والے غار سے اٹھایا تھا جہاں اس رات دو محبت کرنے والے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے اور پیار و محبت کی باتیں کرنے آئے تھے۔ دروازے میں سے دھوپ کی کرنیں اندر آ رہی تھیں جن کی وجہ سے کھولی کے اندر روشنی تھی۔ زین نے نیلے نگینے والے بندے کو دیکھا تو یوں پیچھے ہٹ گئی جیسے میری جیب سے بچھو باہر نکل کر گرا ہو۔

"کیا بات ہے زین؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

زین نے بندہ اٹھا لیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

میں فوراً ساری بات سمجھ گیا۔ یہ بندہ زین کا ہی تھا اور وہی اس رات اپنے محبوب کے ساتھ غار میں ملاقات کرنے آئی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بندہ تمہارا ہے تو تم لے لو"۔

زین نے جلدی سے اسے زمین پر پھینک دیا۔ "میں نے کب کہا کہ یہ میرا بندہ ہے۔ میں

نے تو اس لئے اٹھا لیا تھا کہ مجھے اچھا لگا تھا"۔

میں شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ "اگر یہ بندہ تمہارا نہیں تو پھر تم نے یہ کیوں پوچھا کہ یہ بندہ تمہیں کہاں سے ملا؟ اس کا صاف مطلب ہے کہ تم اس بندے کو پہچانتی ہو؟"

زین نے ہنس کر کہا۔ "اصل میں اس قسم کا بندہ میری ایک سہیلی کے پاس بھی تھا۔ کچھ روز ہوئے اس کا ایک بندہ گم ہو گیا۔ لاؤ میں اسے اپنی سہیلی کو دے دوں گی"۔

میں نے بندہ زین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ویسے تمہاری سہیلی نے یہ بندہ جس غار میں گرایا تھا میں بھی وہاں موجود تھا اور تمہاری سہیلی کے ساتھ محبوب کو بھی دیکھ لیا تھا"۔

اب تو زین کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے چاندی کا بندہ لے لیا۔ سر جھکائے ایک پل کے لئے کچھ سوچتی رہی۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولی۔ "میں پھوپھی کے گاؤں کے ایک نوجوان سے محبت کرتی ہوں۔ اس کا نام تاج ہے۔ ہم ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میری ماں وہاں میری شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کیونکہ تاج کے خاندان سے ہمارے خاندان کا زمین کے معاملے میں جھگڑا چل رہا ہے میں نے تمہارے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میری ماں کو کچھ نہیں بتاؤ گے"۔

میں نے زین سے کہا۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں کب تک یہاں ہوں۔ آج زندہ ہوں تو کل زندہ رہوں گا یا نہیں۔ لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہاری ماں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ویسے میں تم سے بھی ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گی جس سے تمہاری ماں کو صدمہ پہنچے"۔

زین نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے برتن ٹوکری میں رکھے اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ سارا دن اور ساری رات گزر گئی۔ علیا واپس نہیں آیا۔ دوسرا دن اور دوسری رات بھی گزر گئی۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ آخر تیسرے روز شام ہو رہی تھی کہ علیا آ گیا۔ اپنی بہن سے کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ میری کھولی میں آیا۔ دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھائی اور میرے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے میں کچھ اندازہ نہ لگا سکا۔

میں نے پوچھا۔ "اپنے ایجنٹ کا کچھ پتا چلا؟"

"یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس کا پتہ نہ چلتا۔ وادی کشمیر میں ہمارے ساتھی جگہ جگہ موجود ہیں"

"وہ زندہ ہے نا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ زندہ ہے۔" علیا بولا پھر میرا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگا۔ "اس نے تشدد برداشت کرنے میں بڑے بڑوں کو مات کر دیا ہے۔ وہ بڑا دلیر آدمی ہے۔ ہر مسلمان مجاہد کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ جب ہی ہم برہمن کی غلامی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں"۔

علیا کو یہ ساری روداد اس کے ایک اپنے آدمی نے بتائی تھی جس نے اپنی آنکھوں سے ایجنٹ پر شدید اذیت ناک تشدد ہوتے دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اسے کس جگہ پر رکھا گیا ہے اور کیا ہم وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔

"اسے بھارتی فوج کی ایک کمپنی نے اپنی حفاظت مین دریائے جہلم کے کنارے ست لڑی کی پہاڑی کے ایک ریسٹ ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ریسٹ ہاؤس نہیں بلکہ ٹارچر کیمپ ہے اور یہاں ایسے لوگوں کو لا کر ان سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے جن پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام ہوتا ہے۔ ان پر وحشیانہ ظلم کیا جاتا ہے کئی آدمی تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو چکے ہیں۔ فوجی ان کی لاشیں ویرانے میں پھینک دیتے ہیں۔ ایجنٹ کو بھی شدید اذیتیں دی گئی ہیں۔ وہ بے ہوش پڑا ہے۔ مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور اس کے ساتھی مقبوضہ کشمیر میں کہاں کہاں ہیں؟"

مجھے ایجنٹ پر کیئے گئے مظالم کا افسوس ہوا لیکن میرا سر فخر سے بلند بھی ہو گیا کہ اس نے ہماری لاج رکھ لی تھی اور دشمن کے بہیمانہ تشدد کے باوجود اپنی زبان نہیں کھولی تھی۔ میں نے علیا سے پوچھا کہ ہم اسے وہاں سے کیسے نکال سکتے ہیں؟

علیا نے ایک لمحے کے لئے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ "اس کے لئے پوری منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔ ست لڑی کے ٹارچر کیمپ پر انڈین ملٹری کا قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کی پوری طرح سے نگرانی کی جا رہی ہے ایک فرلانگ کے فاصلے تک باہر کا کوئی آدمی جنگل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فوجیوں نے ریسٹ ہاؤس تک آنے والے جنگل کے خاص خاص راستوں پر بارودی سرنگیں بھی لگا رکھی ہیں۔ ایسا معمول کے مطابق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس ٹارچر کیمپ میں بڑے خطرناک قسم کے لوگوں کو بھی تفتیش اور پوچھ گچھ کے لئے لایا جاتا ہے"۔

میں نے کہا۔ "علیا! میں اس سے پہلے بھی کئی خطرناک مہمیں طے کر چکا ہوں کیا تم مجھے ست لڑی کے جنگل تک لے جاؤ گے؟"

علیا مسکرایا۔ "میرے دوست! مجھے تمہاری تربیت اور تمہارے جذبے پر بالکل شبہ نہیں ہے۔ لیکن حقیقت کی دنیا ہوتی ہے۔ جب تک تمہیں یہ نہیں پتہ چل جاتا کہ بارودی سرنگیں کہاں کہاں اور کن راستوں میں دفن ہیں تمہارے لئے ایک قدم بڑھانا بھی اپنی موت کی طرف جانا ہو گا اور پھر تم یہ شاٹ گن لے کر وہاں اکیلے نہیں جا سکتے۔ وہاں بھارتی فوج کی ایک پوری کمپنی تعینات ہے جس کے پاس جدید ترین اسلحہ اور راکٹ ہیں"۔

میں خاموش ہو گیا۔ علیا بولا۔ "اس کے لئے مجھے بہت کچھ کرنا ہو گا۔ اپنے تمام وسائل سے کام لینا پڑے گا۔ ریسٹ ہاؤس میں اپنا ایک آدمی موجود ہے۔ وہ کچن میں کام کرتا ہے لیکن وہ ہماری زیادہ مدد نہیں کر سکتا۔ بہر حال تم مجھے دو دن کی مہلت دے دو۔ میں پورا انتظام کرنے کی کوشش کروں گا"

علیا چلا گیا۔ اب اس کے انتظار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دن کے وقت زین میرے لئے چائے روٹی لے کر آتی اور رات کو زینت کھانا لے کر آتی۔ ابھی تک کسی کو میری خفیہ کیں گاہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

علیا کو گئے دوسرا روز تھا میں معمول کے مطابق منہ ہاتھ دھونے نالے پر جانے لگا تو مجھے فاصلے پر نیچے نالے کے کنارے ایک سر منڈا سادھو دکھائی دیا جس نے کاندھوں پر کمبل ڈال رکھا تھا اور جھک کر نالے کے برساتی پانی میں اپنی چادر دھو رہا تھا۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ ابھی تک اس طرف کوئی انسان نہیں آیا پھر یہ سادھو کہاں سے آگیا؟ پھر میں نے یہی سوچا کہ یہ کوئی سادھو ہے۔ کشمیر کے علاقے میں اس قسم کے سادھو اکثر دیکھے جاتے تھے جو غاروں میں بیٹھ کر ریاضت کا کاروبار کرتے تھے۔ ضعیف الاعتقاد ہندو عورتیں ان کے چرنوں میں روپے دودھ مٹھائیاں اور پھول ارپن کرتی تھیں۔ ہو سکتا ہے ان میں کچھ سچے لوگ بھی ہوں لیکن زیادہ تعداد ایسے سادھوؤں کی تھی جنہوں نے یہ کاروبار بنا رکھا تھا۔

اتنے میں مجھے پیچھے سے زین ہاتھ میں ٹوکری پکڑے آتی نظر آئی۔ میرا دل ایک دم سے دھڑک اٹھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ زین اس اجنبی سادھو کے ہوتے ہوئے میری کھولی میں آئے۔ زین بھی بڑی ہوشیار لڑکی تھی۔ اس نے جب ایک سادھو کو نالے کے پاس بیٹھے کپڑے دھوتے دیکھا تو وہیں سے واپس مڑ گئی۔ میری جان میں جان آئی۔

چند منٹ کے بعد سادھو نے چادر نچوڑ کر ہوا میں جھٹکی اور رام رام کرتا نالے کے اوپر والے کنارے درختوں میں گم ہو گیا۔ ایک منٹ تک زین نے انتظار کیا جب اسے یقین ہو گیا کہ سادھو اب نہیں آئے گا تو وہ نیچے اتر آئی۔ میں اسے برابر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے اور اردگرد فضا بالکل خالی تھی۔ جب وہ میری کھولی میں آگئی تو میں نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

" زین! تم خدا کے لئے منہ اندھیرے آیا کرو۔ اگر وہ سادھو تمہیں دیکھ لیتا تو خواہ مخواہ میرے دل میں شبہ سا پڑ جاتا۔ کیونکہ یہاں کوئی بھی آدمی میرا دشمن ہو سکتا ہے "۔

زین مسکرا رہی تھی۔ ٹوکری سے برتن نکالنے لگی۔ " تم خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ ایسے سادھو تو یہاں آتے ہی رہتے ہیں۔ پھر بھی میں اسے دیکھتے ہی واپس مڑ گئی تھی۔ فکر نہ کرو۔ اس نے مجھے یہاں آتے نہیں دیکھا "۔

میں نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ " پھر بھی ہمیں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے زین وعدہ کرو کہ کل سے تم صبح صبح اندھیرے میں آیا کرو گی "۔

زین میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ " اچھا بابا وعدہ! "

جب وہ جانے لگی تو میں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ میری آنکھیں دروازے کی درز میں سے باہر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ زین میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لیکن میں اپنی جگہ پر کھڑا

دیکھتا رہا۔ مجھے وہ سادھو پھر نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے بھی یہی سوچا کہ وہ کوئی عام سادھو ہی تھا۔ میں بوریوں کے پیچھے بچھے ہوئے بستر پر آکر کمبل اوڑھ کر بیٹھ گیا۔

باہر آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اس لئے دروازے کی درزوں میں سے دن کی پھیکی روشنی ہی اندر آرہی تھی جس کی وجہ سے کھولی کے اندر اندھیرا تھا۔ وقت گزرتا چلا جارہا تھا۔ آج علیا کی واپسی کا دن تھا۔ اسے رات کو واپس آنا تھا۔ میں دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ پورا انتظام کر کے آئے تاکہ ہم اپنے ایجنٹ کو دشمن کی قید اور اس کے وحشیانہ تشدد سے جتنی جلدی ہو سکے نجات دلا سکیں۔ مجھے بادلوں کی دھیمی گرج سنائی دی۔ پھر بونداباندی کی ٹپ ٹپ سنائی دینے لگی۔ میں نے کمبل اچھی طرح سے اپنے کاندھوں پر کرلیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

جانے کیوں مجھے سجاتا کا خیال آگیا۔ اس کی سانولی سلونی صورت آنکھوں میں پھر گئی۔ وہ تو مجھے کیپٹن کشن سمجھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے پریم کرتی تھی۔ مجھ سے شادی کرنے والی تھی۔ جب اسے پتہ چلا ہوگا کہ میں اصل میں کیپٹن کشن نہیں تھا بلکہ دشمن کا جاسوس تھا اور مسلمان تھا تو اس پر کیا گزری ہوگی۔ یہ انسانی جذبوں کے بڑے کمزور مگر بڑے اہم ترین لمحات تھے۔ میں ان کی حقیقت سے باخبر تھا لیکن اس وقت مجھے ان کمزور جذبوں کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سجاتا کا خیال ذہن سے جھٹک دیا اور اپنے ایجنٹ کو بھارتی فوج کی قید سے آزاد کرانے کے منصوبوں پر غور کرنے لگا۔

ایک آہٹ سی ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازے کی درز میں سے جھانک کر باہر دیکھا اور میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ وہی سر منڈا سادھو جھاڑیوں کی اوٹ میں سے میری کھولی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہ شخص بھارتی ملٹری انٹیلی جینس کا آدمی تھا۔ میرے پاس شاٹ گن ہی تھی جس کے آگے سائی لینسر لگا تھا۔ میں تیزی سے لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس آیا۔ اس کے نیچے سے شاٹ گن نکالی اور دروازے کی کنڈی آہستہ سے اتار کر کونے میں لگ کر کھڑا ہو گیا شاٹ گن کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ سادھو دروازے کے پاس آکر رک گیا۔ باہر سے اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھل گیا اور سادھو ایک تربیت یافتہ فوجی کی طرح چھلانگ لگا کر اندر آگیا۔ میری شاٹ گن کی نالی فوراً ہی اس کی گردن کے ساتھ لگ گئی۔ میں نے اسے ہاتھ اوپر اٹھانے کے لئے کہا۔ اس نے ہاتھ میں ریوالور ہونے کے باوجود حکم کی تعمیل کی میں نہیں جانتا وہ علیا کی تلاش میں وہاں آیا تھا یا میری تلاش میں۔ لیکن اس نے ہماری خفیہ جائے پناہ دیکھ لی تھی۔ اب اس کا وہاں سے زندہ واپس جانا ہمارے مشن کی تباہی کا باعث تھا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میں نے فیصلہ کیا اور شاٹ گن کو نیچے پھینک کر اس کی گردن کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ کر پوری طاقت سے اسے بائیں جانب ایک زور دار جھٹکا دیا۔ سادھو میری بانہوں میں لٹک گ

میں نے سادھو کا ریوالور اٹھا کر دیکھا۔ وہ بھرا ہوا تھا۔ ریوالور اور شاٹ گن کو میں نے لکڑیوں کے ڈھیر کے نیچے چھپا دیا اور سادھو کی لاش کھینچ کر چاولوں کی بوریوں کے پیچھے ڈال دی شام کو زینت میرے لئے روٹی لے کر آئی تو مجھے چوکنا دیکھ کر حیرانی سے بولی۔

"کیا بات ہے؟"

میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی اور موم بتی روشن کر کے زینت کو سادھو کی لاش کے پاس لے آیا۔ وہ لاش دیکھ کر دہشت زدہ سی ہو کر رہ گئی۔ میں نے سادھو کا ریوالور اور گولیاں اس کے سامنے رکھ دیں اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ زینت نے کہا۔

"تم نے بڑی ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیا۔ یہ ملٹری کی خفیہ پولیس کا آدمی ہی تھا۔ ورنہ ایک سادھو کو اپنے پاس ریوالور رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب اس کی لاش یہاں سے دور کسی جگہ زمین میں دفن کر دینی چاہیئے"۔

میں نے کہا۔ "علیا آج رات آ رہا ہے۔ ہم لاش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ بہرحال تم ہوشیار رہنا اور صبح زین کو چائے دے کر مت بھیجنا۔ ہو سکے تو تم خود آ جانا مگر منہ اندھیرے آنا"۔

زینت چلی گئی۔ سادھو کی ٹھنڈی لاش میرے قریب ہی بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میں نے اٹھ کر دروازے کو کنڈی لگائی اور اپنی جگہ پر کمبل اور لوئی لوڑھ کر بیٹھ گیا۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ دروازے پر مخصوص دستک ہوئی۔ یہ علیا کی دستک تھی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ تیزی سے اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پھاوڑا تھا۔ اس نے پہلے سادھو کی لاش اور اس کے ریوالور کا معائنہ کیا پھر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر اس نے پھاوڑا چلانا شروع کر دیا۔ بارش کے باعث زمین خاصی نرم ہو چکی تھی چنانچہ سادھو کا آخری مسکن تیار کرنے میں اسے کوئی خاص وقت نہ ہوئی تھی۔ میں اندر سے سادھو کی لاش اٹھا لایا۔ غنیمت یہ تھی کہ بارش کے باعث سارے گاؤں والے اندر دبکے ہوئے تھے اس لئے کسی نے ہمیں یہ کارروائی کرتے نہ دیکھا تھا۔ نصف گھنٹے کے اندر اندر ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔

ہم دوبارہ کوٹھری میں آ گئے۔ علیا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مڑا تڑا کاغذ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔

"یہ میں جموں سے لے کر آیا ہوں۔" علیا نے مجھے آگاہ کیا۔ "وہاں کی انٹیلی جینس میں ہمارا ایک آدمی موجود ہے جس کا پاکستان سے بھی رابطہ ہے"۔

"مگر یہ ہے کیا؟" میں نے کاغذ کھولتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس ریسٹ ہاؤس کا نقشہ جہاں ایجنٹ کو قید کیا گیا ہے۔" علیا نے جواب دیا۔

"زندہ باد۔" میں نے اس کے شانے تھپتھپائے۔ "میرا کام آسان ہو گیا"۔

"ابھی تمہارے لئے دو خوشخبریاں اور بھی ہیں۔" علیا مونچھوں تلے مسکرایا۔ "پہلی یہ کہ اس مشن میں تمہاری مدد کے لئے دہلی سے بھی ایک تربیت یافتہ شخص پہنچ رہا ہے"۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

اسی آدمی نے' اس کا کہنا ہے کہ پاکستان میں جن لوگوں سے اس کا رابطہ ہے انہوں نے اسے ہدایت کی تھی کہ تمہاری بھرپور مدد کی جائے تاکہ تم ایجنٹ کو رہائی دلوانے میں کامیاب ہو سکو۔ چنانچہ بڑوں کی ہدایت کے مطابق جموں والے ایجنٹ نے دلی رابطہ قائم کر کے اس شخص سے فوری طور پر یہاں پہنچنے کے لئے کہا ہے"۔

"آنے والا کون ہے؟"

"اس بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا گیا۔"

"آنے والا اپنے ساتھ ایک ٹرانسمیٹر بھی لا رہا ہے۔"

"ونڈر فل۔" اس خبر سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔ "میں فوراً باس سے رابطہ قائم کروں گا"۔

"ٹرانسمیٹر کا مصرف یہی ہے۔" علیا نے مجھے بتایا۔ "لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی ہے کہ رابطہ مشن کی تکمیل کے بعد کیا جائے"۔

خیر' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رابطہ ضروری تھا خواہ مشن سے پہلے ہوتا یا بعد میں۔ میں نقشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

علیا نے جیب سے ایک موم بتی نکالی اور اسے بوریوں کی آڑ میں رکھ کر اس طرح جلایا کہ روشنی باہر نہ جا سکے۔ ذرا دیر بعد ہی ہم دونوں سر جوڑے نقشے پر جھکے ہوئے تھے جو رنگ دار پنسل سے بنایا گیا تھا۔ بارودی سرنگوں کی نشاندہی کے طور پر جگہ جگہ سرخ نشانات لگے ہوئے تھے۔

"کل تمہیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" علیا نے نقشہ تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اسلحے کا کیا ہو گا؟"

"صرف یہی نہیں۔ تمہیں اور بھی بہت کچھ ملے گا۔" علیا نے ذو معنی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں"۔

کچھ دیر رک کر علیا چلا گیا اور میں کٹیا میں تنہا بارش کی آواز سننے کو رہ گیا۔ کچھ لمحے یونہی گزرے پھر حسب معمول نیند کی دیوی مہربان ہو گئی اور میں سب چیزوں سے بے نیاز اس کی آغوش میں جا سویا۔

آنکھ دروازے پر دھیمی دستک سے کھلی۔ میں نے آنکھیں ملیں اور درزوں میں سے باہر جھانکا۔ زین ناشتہ لے کر آئی تھی۔ میری ہدایت کے مطابق وہ منہ اندھیرے ہی آ گئی تھی۔ میں نے ناشتہ وغیرہ کیا اور زین کے جانے کے بعد قریبی چشمے پر منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

دن حسب معمول گزرا۔ شام ڈھلے علیا آ گیا اور میں شاٹ گن کپڑوں میں چھپا کر اس کے ساتھ نکل پڑا۔ پہلے سفر نالے کے کنارے کنارے ہوتا رہا پھر نالہ پار کر کے ہم دوسری سمت آ گئے۔ بارش کے باعث زمین اب تک گیلی تھی لیکن چلنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہو رہی تھی۔

کوئی دو گھنٹے ہم چلتے رہے۔ ایک جھونپڑی پر ہمارے سفر کا اختتام ہو گیا جہاں دو خچر بھی موجود تھے جھونپڑی میں کوئی اور مجھے نظر نہ آیا تھا۔ علیا نے اطمینان سے دونوں خچر کھولے اور پھر ان کی پیٹھ پر ہماری نئی مسافتوں کا آغاز ہو گیا۔

میرے اندازے کے مطابق یہ سفر تین ساڑھے تین گھنٹوں کا رہا۔ ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب چھدرے درخت شروع ہو گئے تھے۔ ذرا فاصلے پر گھنے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا علیا نے اپنا خچر اسی سمت بڑھا دیا۔ ظاہر ہے میں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

درختوں کے بیچوں بیچ مجھے ایک خستہ حال مکان نظر آیا۔ علیا کی منزل شاید وہی تھی۔ ذرا دیر بعد میرے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ علیا نے خچر مکان کے دروازے پر روکا وہ اترا تو میں نے بھی قدم زمین پر ٹکا دیئے۔ دونوں خچر ہم نے درختوں کے تنوں کے ساتھ باندھ دیئے اور آگے پیچھے دروازے کی جانب بڑھے جس پر ایک سالخوردہ تالا لٹک رہا تھا۔

علیا نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ علیا نے ماچس جلائی اور کسی کونے سے ایک موم بتی نکال کر روشن کر دی۔

کمرے میں ایک چارپائی اور لکڑی کے دو کھوکھے پڑے تھے میں نے چارپائی پر اور علیا نے کھوکھے پر قبضہ جما لیا۔

"یہاں کون رہتا ہے؟"

"مستقل کوئی نہیں۔" علیا نے جواب دیا۔ "بس کبھی کبھی ہمارا کوئی مجاہد یہاں پناہ لینے آ جاتا ہے"۔

ہم کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر علیا جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ارد گرد مجھے کوئی آبادی نظر نہ آئی تھی لیکن میں نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

"میں صبح آؤں گا۔" چلتے چلتے اس نے مجھے آگاہ کیا۔ "اور ہاں، خچروں کی فکر نہ کرنا، میں ساتھ لئے جا رہا ہوں"۔

میں محض سر ہلا کر رہ گیا اور وہ مجھے سونے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

سفر نے بری طرح تھکا دیا تھا چنانچہ جب لحاف اوڑھ کو چارپائی پر لیٹا تو اگلے دن سورج چڑھے ہی آنکھ کھلی۔ غنیمت تھا کہ علیا ابھی نہیں آیا تھا۔ مگر مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ہی وہ آ گیا۔

اس نے ہاتھ میں دو تھیلے پکڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر جوش اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیا بات ہے علیا؟" میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"دہلی سے ہمارا ساتھی آ پہنچا ہے۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے بتایا۔ "جموں والے دوست نے بہت سی چیزیں بھی بھجوائی ہیں اس کے ہاتھ"۔

"کہاں ہے وہ؟" میں نے اس کے کندھوں کے اوپر سے باہر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"میں ابھی لاتا ہوں۔" تھیلے ایک کونے میں رکھ کر وہ پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر وہ جاتے ہوئے دروازہ بھیڑ گیا تھا۔

میں دوبارہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ دیوار پر نگاہیں لگا کر جانے میں کن سوچوں میں کھو گیا کہ دروازہ کھلنے کی آواز بھی نہ سن سکا۔ چونکا اس وقت جب کسی نے کمرے میں قدم رکھا۔ میں زخمی سانپ کی طرح پلٹا لیکن یہ دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک گیا کہ آنے والا علیا نہیں تھا۔

وہ کوئی عورت تھی۔ سر کے بالوں سے پیروں کے ناخنوں تک اس کا پورا جسم سیاہ رنگ کے برقعے میں چھپا ہوا تھا۔ صرف اس کے گورے گورے ہاتھ' برقع پوش کے حسین ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔

میں گنگ کھڑا اسے تکتا رہا۔ شاٹ گن کچھ ہی فاصلے پر پڑی تھی۔ سوچا اسے اٹھاؤں لیکن پھر خیال آیا کہ ایک دبلی پتلی لڑکی کے خلاف؟ لیکن وہ تھی کون؟ اس کے آنے کا انداز بتاتا تھا کہ اسے یہاں میری یا کسی اور کی موجودگی کا سو فیصد یقین تھا۔

چند لمحے یونہی گزر گئے۔ میں نے کچھ کہا نہ وہ بولی۔ خاموشی کی فضا جب کچھ زیادہ طویل ہو گئی تو آخر کار آنے والی نے ہی لب کشائی کی۔

"جان سے پیارے لوگ بچھڑ کر ملیں تو وہ لمحے کس قدر بھاری ہوتے ہیں' اس کا اندازہ آج ہوا۔" نقرئی آواز کی مالکن نے نقاب الٹ دی۔

میرے حواس پر جیسے بجلی گر پڑی میں پلکیں جھپکائے بغیر اسے یوں تکنے لگا جیسے وہ کوئی عجوبہ رہی ہو۔۔۔

وہ پوشالی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ دوبارہ بولی۔ "میرا آنا اچھا نہیں لگا؟ کیا قدم قدم ساتھ چلنے والوں سے

یوں منہ موڑ لیا جاتا ہے ؟ کیا میں اسی قابل تھی کہ تم مجھے پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے ؟"

ایک ہی سانس میں وہ بہت کچھ کہہ گئی ۔ شاید میں صحیح جواب بھی نہ دے پاتا ۔

" نہیں پوشالی ' ایسی تو کوئی بات نہ تھی ۔" میرے حلق سے سرسراہٹیں سی خارج ہوئی ۔ " وہ لوگ جنہوں نے مجھے ایک سانس لینے میں مدد دی ہمیشہ کے لئے میری سانسوں میں بس گئے ہیں تمہیں تو میں اپنا سرمایہ سمجھتا رہا ہوں "۔

" اسی لئے مجھے وحشیوں میں چھوڑ کر چلے آئے تھے ۔" پوشالی نے کہا اور مجھ پر آ پڑی ۔ اس نے سسکیاں لینی شروع کر دیں جو جلد ہی ہچکیوں میں بدل گئیں ۔ میرے شانے پر سر رکھے وہ بے تحاشہ رو رہی تھی اور میں ہونق بنا اس کے بالوں کو سہلا کر اور گالوں کو تھپتھپا کر تسلیاں دے رہا تھا ۔

اس کا یہ روپ میرے لئے نیا تھا ۔ آج سے پہلے میں اسے ایک ایسی مجاہدہ کی حیثیت سے جانتا تھا جس نے پاکستانی نہ ہوتے ہوئے بھی اپنا سب کچھ حتیٰ کہ عزت و آبرو بھی میرے وطن پر قربان کر دی تھی ۔ اسی لئے میں اس کی بے انتہا عزت کرتا تھا ۔ لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ پگلی اپنے دل میں میرے لئے کیا کیا دیپ جلائے بیٹھی تھی ۔

" میں تھک گئی ہوں عامر ۔" پوشالی میرے چہرے پر سسکی ۔ " مجھے اپنی پناہ میں لے لو عامر ! میں نے تو تمہارے لئے گلی گلی کی خاک چھانی ہے ' پتہ نہیں کہاں کہاں ڈھونڈا ہے تمہیں ... اب مجھے مت چھوڑنا عامر ! نہیں تو میں زندہ نہ رہ سکوں گی ۔"

اور زندگی میں پہلی بار میرا پتھر دل پسیج گیا ۔ میں نے اس کی بکھری پتیوں کو سمیٹ لیا ۔ وہ بے خاک پڑا پھول تھی لیکن اس میں پھول کا کیا قصور ؟ آپ چاہیں تو اسے زمین پر پھینک کر پیروں تلے روند دیں اور چاہیں تو کالر میں سجالیں ... جانے کب تک میں اس پھول کو اپنے دامن کی زینت بنائے کھڑا رہا ... پھول چٹختا رہا اور میں اس کی خوشبوؤں کو خود میں سموتا رہا ۔

اچانک مجھے حلیا کا خیال آگیا ۔ میں نے فوراً اسے الگ کر دیا ۔ وہ اب سنبھل گئی تھی ۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا اور میرے اس یقین کو مزید تقویت مل گئی تھی کہ عورت خواہ کوہ ہمالیہ جیسی بلند کیوں نہ ہو جائے ' مرد کا سہارا ضرور تلاش کرتی ہے ۔

" تم یہاں تک پہنچیں کیسے ؟" ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو میں نے پوشالی سے پوچھا ۔

وہ برقع اتار کر اب اطمینان سے چارپائی پر براجمان تھی میں نے اٹھ کر دروازہ دوبارہ بھیڑ دیا تھا ۔

۔ میں تو تمہیں دہلی میں ہی تلاش کرتی رہی تھی ۔" پوشالی نے جواب دیا ۔ " مجھے پتہ چلا کہ تمہارے ڈیپارٹمنٹ کو تمہارے خلاف کچھ ناقابل تردید ثبوت مل گئے تھے ۔ انہوں نے چھاپہ مارا لیکن تم بچ نکلے ۔ انہوں نے تمہیں اشتہاری مجرم قرار دے کر ایک لاکھ روپے کے انعام کا اعلان بھی کیا لیکن کہیں سے تمہاری کوئی خبر نہ ملی ۔ البتہ میں نے یہ تصدیق کر لی کہ تم زندہ ہو مگر یہ پتہ نہ چلا سکی کہ

کہاں ہو؟... میں دن رات تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی تھی..." وہ پھر بہکنے لگی تھی... "سوچتی تھی کہ ایک بار مل جاؤ تو تمہیں آنکھوں میں سمو کر پلکیں بند کر لوں گی تاکہ کہیں جا نہ سکو... مگر تمہاری کوئی خبر نہ ملی۔ پھر ایک روز اچانک ہی مجھے اوپر جموں پہنچنے کی ہدایت کی گئی کہ وہاں کوئی مشن درپیش ہے۔ تمہارے بغیر کسی معرکے میں حصہ لینے کو جی تو نہیں چاہتا تھا لیکن فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلی آئی۔ جب یہاں آ کر پتہ چلا کہ تم بھی موجود ہو تو یقین کرو دل کی دھڑکن تھمتے تھمتے بچی جی چاہتا تھا پنکھ لگا کر تم تک پہنچ جاؤں، جموں میں ایجنٹ سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھے علیا کے حوالے کر دیا سو وہ مجھے یہاں تک لے آیا"۔

میرا جی چاہا کہ سجاتا کے بارے میں اس سے پوچھوں لیکن یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ عورت کتنی بھی فراخ دل کیوں نہ ہو دوسری عورت سے حسد ضرور کرتی ہے اور جس عورت نے تازہ تازہ اظہار محبت کیا ہو اس سے یہ سوال کسی طور بھی مناسب نہ تھا سو خاموش رہا۔

"یہ علیا کہاں گیا ہے؟" سجاتہ کی بجائے میں نے علیا کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"میں حاضر ہوں باس!" علیا دروازہ کھول کر فوراً ہی اندر آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی یقیناً وہ ہمارے جذباتی لمحوں کا راز دار بن گیا تھا لیکن جان بوجھ کر اندر نہیں آیا تھا کہ وہ بچھڑے دل اپنی بھڑاس نکال لیں۔

اس کی مسکراہٹ دیکھ کر پوشالی سرخ ہو گئی جبکہ میں بھی جھینپ کر نظریں چرانے لگا۔

"میرا خیال ہے اب ذرا ریسٹ ہاؤس کے بارے میں بات ہو جائے۔" علیا نے ہم دونوں کو خفت سے بچانے کے لئے کہا اور ہم تو جیسے اسی کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ ہم دونوں کے منہ سے بیک وقت "ہاں" نکلی تھی۔ علیا کے ہونٹوں پر پھر مسکراہٹ تیر گئی لیکن اس نے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے جیب سے نقشہ نکال کر ہمارے سامنے بچھا دیا۔

"ہمیں اس طرف سے جنگل میں داخل ہونا ہے۔" علیا نے فوراً ہی نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ دی جس کے دونوں جانب سرخ نشان لگے ہوئے تھے۔ "بارودی سرنگیں ایک قطار میں نصب ہیں لیکن یہ چھوٹی سی پٹی خالی ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ تم کسی سرنگ سے ٹکرائے بغیر بہ حفاظت ریسٹ ہاؤس تک جا پہنچو گے"۔

ہم مزید کچھ دیر منصوبے کا جائزہ لیتے رہے میں نے نقشہ تہہ کر کے علیا کو واپس کر دیا۔

"روانگی کا کیا پروگرام ہے؟" پوشالی نے پوچھا۔

"تم دونوں آج رات روانہ ہو گے۔" علیا نے جواب دیا۔ "میں ساتھ نہیں جاؤں گا"۔

"لیکن اسلحے کا کیا ہو گا؟" میں نے دریافت کیا۔

علیا نے ان تھیلوں کی طرف اشارہ کیا جسے ہم اپنے جذباتی لمحوں میں بھولے بیٹھے تھے۔

" ایک میں تو تم دونوں کے لئے ناشتہ ہے۔" علیا پھر مسکرا دیا' ظالم خاصا شریر تھا۔ " میرے خیال میں پہلے ناشتہ کر لو کیونکہ خالی پیٹ تو محبت بھی جبر لگتی ہے "۔

پوشالی پھر قندھاری انار بن گئی۔

" ناشتہ بعد میں' پہلے کام کی بات کرو۔" میں فوراً پوشالی کی مدد کو پہنچا۔

" دوسرے تھیلے میں تم دونوں کے لئے دو اسٹین گنیں' دو خاموش پستول' تیز دھار خنجر' خاردار تار کاٹنے کے لئے کٹر اور دو فاؤنٹین پسٹل موجود ہیں۔"

" فاؤنٹین پسٹل ؟" پوشالی پوچھ بیٹھی۔

" اس میں کوئی گیس بھری ہوئی ہے جی!" علیا نے اسے بتایا۔ " جموں والا دوست کہہ رہا تھا کہ ٹریگر دبانے سے اس میں سے ایک پھوار نکل کر سامنے والے کے چہرے پر پڑے گی اور وہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اتنا غفیل ہو جائے گا "۔

" اوہ۔" میں دل ہی دل میں خوش ہو گیا۔ " یہ ہمارا سب سے قابل اعتماد ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے ذرا اُسارک کر پوچھا۔ " اور وہ ٹرانسمیٹر ؟"

" وہ بھی اسی تھیلے میں موجود ہے۔" علیا نے جواب دیا۔ " مشن کی تکمیل کے بعد تم لوگ آسمان کا جائزہ لینا جس رخ پر دب اکبر ہو اسی سمت چل دینا۔ چلنے سے پہلے گھڑی دیکھ لینا۔ ٹھیک ایک گھنٹے دس منٹ بعد تم درختوں کے ایک اسی قسم کے جھنڈ میں پہنچ جاؤ گے۔ وہاں ایک غیر آباد جھونپڑی ہے جہاں بیٹھ کر تم اطمینان سے اپنے باس سے بات کر سکو گے "۔

" ہم یہاں سے روانہ کب ہوں گے ؟"

" ریسٹ ہاؤس کا سفر تین گھنٹے کا ہے۔" علیا نے بتایا۔ " آٹھ بجے بھی نکلو گے تو گیارہ بجے تک وہاں پہنچ جاؤ گے "۔

" ریسٹ ہاؤس میں بھی ہمارا کوئی آدمی موجود ہو گا کہ نہیں ؟ اور کیا وہ ہماری کوئی مدد کرے گا؟"

" ایک آدمی ہے تو سہی لیکن وہ تمہارے کسی کام نہ آ سکے گا جو کچھ کرنا ہے تمہیں دونوں کو کرنا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد علیا چلا گیا۔ وہ دونوں خچر ہمارے لئے چھوڑ گیا تھا۔ ہم نے انھی پر سفر کرنا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دونوں تھیلوں کا جائزہ لیا اور اندر سے کنڈی چڑھا کر سامان دیکھنے لگا۔ اسٹین گنوں' پستولوں اور خنجروں کے علاوہ بھی ان میں بہت کچھ تھا جن کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سیاہ رنگ کے دو چست لباس بھی موجود تھے۔

جب تک میں سامان دیکھتا رہا پوشالی نے ناشتہ نکال لیا۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ جو رات کے مشن اور دہلی میں پوشالی کی مصروفیات سے شروع ہو کر پیار کی کہانیوں پر ختم

ہوئیں۔ محبت میں وقت یوں پر لگا کر اڑا جیسے کبھی آیا ہی نہ تھا۔

سرِ شام بارش شروع ہو گئی جو ہمارے لئے نیک شگون تھا۔ پہاڑی علاقوں کی بارشیں ایسی خوف ناک ہوتی ہیں کہ کوئی باہر نکلنے کی حماقت نہیں کرتا لیکن ہمیں یہ حماقت کرنی تھی سو ہم نے پولی ایسٹر کے چست لباس پہنے اور بھرپور تیاریوں کے ساتھ باہر نکل پڑے۔

خچر ایک درخت کے نیچے بندھے ہوئے تھے ہم باری باری سوار ہوئے اور پھر سفر شروع ہو گیا۔ اللہ نے مجھے حافظہ بڑا بہترین عطا کیا تھا۔ میں نے نہ صرف راستہ یاد کر لیا تھا بلکہ ریسٹ ہاؤس کے اردگرد بچھی ہوئی بارودی سرنگوں کے مقامات بھی یوں حفظ کر لئے تھے کہ آنکھیں بند کر کے بھی گزرنا پڑتا تو گزر جاتا۔

تین گھنٹوں کا سفر تین صدیوں کا سفر ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ راستہ بے حد خطرناک اور دشوار گزار تھا۔ کبھی ہمیں کسی ندی کے کنارے کنارے سرکرنا پڑتا تو کبھی ٹھنڈے یخ پانی میں سے گزر کر اسے پار کرنا پڑتا۔ ایک جگہ تو اتنی گہری کھائی نظر آئی کہ روح فنا ہو گئی۔ کھائی کے کنارے کنارے چلتے ہوئے میرے خچر نے ٹھوکر بھی کھائی لیکن اس سے پہلے کہ ہم سینکڑوں فٹ کی اندھی گہرائی میں غرق ہو جاتے کسی غیر مرئی طاقت نے خچر کے قدم سنبھال لئے۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور وطن عزیز سے ہماری محبتوں کا جذبہ ہی تھا جس کے طفیل میری ہڈیاں سرمہ ہونے سے بال بال بچ گئیں۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا عمل ہو گا کہ ہم ایسے علاقے میں جا پہنچے جہاں دور دور تک چھوٹے چھوٹے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ دائیں جانب کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر کسی چھوٹے سے گاؤں کی روشنیاں ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں۔ یہی ست لڑی کا قصبہ تھا۔ ریسٹ ہاؤس گاؤں سے قدرے ہٹ کر بائیں سمت تھا لیکن اس وقت ٹیلوں کے عقب میں ہونے کے باعث ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہم نے خچر وہیں چھوڑ دیئے۔ دونوں کی باگیں بھاری پتھروں سے باندھ دی گئی تھیں تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

میں اور پوشالی سارا راستہ تقریباً خاموش ہی رہے تھے۔ یہ خاموشی کچھ تو مشن کی وجہ سے بھی اور کچھ اس میں اس نئے رشتے کا دخل بھی تھا جو ہمارے درمیان صبح ہی پیدا ہوا تھا۔

ہم نے اپنے اپنے ہتھیار چیک کیئے۔ انہیں لوڈ کیا اور آگے پیچھے ٹیلوں کی سمت بڑھے۔ اسٹین گنیں ہم نے کندھوں پر لٹکالی تھیں پستول بیلٹ ہولسٹروں میں تھے۔ فاؤنٹین پسٹل اور خنجر بھی ایسی جگہوں پر رکھے گئے تھے کہ پلک جھپکنے میں ہاتھ میں آ سکتے تھے۔

تقریباً دس منٹ ہم چلتے رہے۔ گو اس علاقے میں بارودی سرنگیں نہیں تھیں لیکن پھونک پھونک کر قدم رکھنا ضروری تھا۔ ہم جیسے ہی ایک ٹیلے کی آڑ سے سامنے آئے ہمیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

کوئی ایک ہزار گز کے فاصلے پر ریسٹ ہاؤس کی عمارت ہمیں نظر آنے لگ گئی تھی ۔ میں نے پوشالی کو فوراً آڑ میں ہو جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی پوشیدہ ہو کر عمارت کا جائزہ لینے لگا۔

ست لڑی ریسٹ ہاؤس کی عمارت بہت بڑی نہیں تھی میرے اندازے کے مطابق آٹھ دس کمرے تھے ۔ ہم ریسٹ ہاؤس کی عقبی سمت تھے ۔ سامنے کی طرف ایک کھلا لان تھا جس میں کم روشنی کے بلب بھی جل رہے تھے لیکن ہماری خوش قسمتی تھی کہ عقبی طرف روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔

ہلکی ہلکی بارش اب بھی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے پہرے دار یقیناً کہیں کسی چھت کے نیچے دبکے ہوئے تھے ۔ یوں تو اندھیرا پھیلا ہوا تھا لیکن مجھے ملگجی روشنی میں خاردار تار کی باڑھ بھی نظر آ گئی جو عمارت کے اردگرد پھیلی ہوئی تھی ۔ باڑھ سے عمارت کا فاصلہ کوئی پانچ سو گز تھا بارودی سرنگیں دو ڈھائی سو گز کے علاقے میں نصب کی گئی تھیں جن میں کچھ باڑھ کے اندر اور باقی باہر لگائی گئی تھیں ۔ ہمیں عقبی سمت سے باڑھ کاٹ کر اندر داخل ہونا تھا۔

پولی ایسٹر لباسوں کی وجہ سے ہم بارش سے محفوظ تھے ورنہ اگر کپڑے سوتی یا ریشمی ہوتے تو اب تک ہم ڈبل نمونیئے کا شکار ہو چکے ہوتے ۔

" یہاں سے ہمیں گھسٹ کر آگے بڑھنا ہے ۔" میں نے پوشالی کے کان میں سرگوشی کی ۔ " لیکن اتنی آہستگی کے ساتھ کہ سرسراہٹ بھی پیدا نہ ہو"۔

پوشالی نے اثبات میں سر ہلا کر میری بات کی تصدیق کی ۔

" حتی المقدور کوشش یہ کرنا کہ گولی نہ چلانی پڑے ۔" میں نے اگلی ہدایت دی ۔ " زیادہ سے زیادہ فاؤنٹین پسٹل اور خنجر سے ہی کام چلانا اور وہ بھی اس طرح کہ مرنے یا بے ہوش ہونے والے کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکے "۔

پوشالی نے اس بار بھی سر ہلایا ۔

" بس اب اللہ کا نام لے کر روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ ۔"

" لیکن بارودی سرنگیں ؟" پوشالی دھیرے سے بولی ۔

" کیا تم خوف زدہ ہو ؟"

" نہیں ۔" پوشالی نے ایک عزم سے کہا ۔ " لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے "۔

" فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے ' اگر ہمارے مقدر میں فتح ہے تو ہم سو فیصد یہاں سے کامیاب لوٹیں گے لیکن اگر میری موت ..."

پوشالی نے فوراً میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولی۔ "تمہارے حصے کی موت تو میں نے اپنے لئے مانگ لی ہے"۔

"پگلی۔" میں نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔ "یہی تو ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے کسی کا استحصال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ واحد حق ہے جو اس کے اصل حقدار کو ہی ملتا ہے۔ تم میرے عقب میں رہو گی... دس قدم دور... وہ بایاں کونا دیکھ رہی ہو نا؟" میں نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا' باڑھ لوہے کے مضبوط سریوں کے سہارے لگائی گئی تھی۔ "کونے والا سریا پہلا ہے۔ وہاں سے گنو... دسویں اور گیارہویں سریئے کے درمیانی جگہ کوئی بارودی سرنگ نہیں' ہمیں وہیں سے باڑھ کے قریب پہنچنا ہے۔ میں کٹر سے تار کاٹوں گا۔ تم مجھے کور دو گی۔ عقبی حصے تک ہماری رسائی ہو جائے گی"۔

پوشالی خاموش لیکن نہایت توجہ سے میری باتیں سن رہی تھی۔

"تم مجھے پیچھے نہ پاؤ گے' عامر جان۔" اس نے میرے کانوں میں امرت انڈیلا۔ "آگے چلو' تمہارا سایہ تمہارے ساتھ ہے"۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ کو یاد کیا اور کچھوے کا سفر شروع کر دیا۔

اس کے باوجود کہ دونوں پلڑوں کے درمیان بارودی سرنگوں کے ہونے کے امکانات صفر تھے۔ پھر بھی ہم انتہائی محتاط تھے۔ ذرا سی لغزش ایک خوف ناک دھماکے کی صورت سامنے آ سکتی تھی اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہمارے چیتھڑے ڈھونڈنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں رک کر عقب میں پوشالی کا جائزہ بھی لے لیتا۔ وہ دھان پان سے مستقل مزاج لڑکی میرے پیچھے پیچھے تھی۔ ہر بار وہ اپنی روشن آنکھوں سے مجھے سب ٹھیک ہے کا اشارہ دیتی اور میں پھر آگے بڑھنے لگتا۔

خدا خدا کر کے جان جوکھوں کا یہ سفر ختم ہوا۔ بارودی سرنگوں کا نصف علاقہ ہم پار کر آئے تھے۔ اب سو ڈیڑھ سو گز اور تھے۔ یہاں محافظوں کے ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ عمارت کے ساتھ ساتھ ان کے گشت کے وسیع امکانات تھے۔

میں نے ہاتھ سے پوشالی کو ہوشیار ہونے کا اشارہ کیا اور بیلٹ میں اڑسا ہوا کٹر نکال کر تار کاٹنے میں مصروف ہو گیا جو اس انداز میں لگائے گئے تھے کہ انسان تو کجا چڑیا کا بچہ بھی اندر داخل نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی بلندی بھی اتنی تھی کہ پھلانگا نہیں جا سکتا تھا لہٰذا یہ ہماری مجبوری تھی۔

میں نے نیچے کے صرف پانچ جوائنٹ کاٹے۔ اب اتنی جگہ ہو گئی تھی کہ دونوں باری باری نیچے سے گزر سکتے۔ کٹر میں نے واپس بیلٹ میں اڑسا اور پوشالی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دو منٹ بعد ہی ہم باڑھ کے اندرونی علاقے میں رینگ رہے تھے۔

یہ بھی غنیمت تھا کہ بھارتیوں نے سرچ ٹاور نہیں بنائے تھے ورنہ شاید اتنی آسانی سے ہمارا

اندر داخلہ ممکن نہ ہوتا۔ اللہ ہر ہر قدم پر ہماری مدد کر رہا تھا۔ کچھ بھارتیوں کی بے وقوفی بھی کام آ رہی تھی۔ ریسٹ ہاؤس کی سکیورٹی اتنی سخت نہیں تھی جتنی کہ مجھے بتائی گئی تھی۔

عمارت تک پہنچنے کے دوران ہمیں کوئی فوجی تو کیا چڑیا کا بچہ بھی نظر نہیں آیا۔ ہمارا رخ کچن کی طرف تھا جس کی کھڑکی منصوبے کے مطابق ہمیں کھلی ملنی تھی۔ میں نے پوشالی کو چوکس رہنے کا اشارہ کیا اور خود زمین سے ذرا سا اٹھ کر پیٹ دھکیلنے لگا۔

جونہی میں نے اپنے جسم کو زمین سے اٹھایا۔ فضا گولی کی کریہہ آواز سے گونج اٹھی۔ میں فوراً زمین پر گر گیا۔ گولی میرے سر کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزری تھی۔

پہرے داروں کو ہماری موجودگی کی خبر ہو گئی تھی۔

جب تک وہ اسٹین گنیں کندھوں سے اتارتے پورا ریسٹ ہاؤس بھاری جوتوں کی آوازوں سے گونجنے لگا' بہت سے لوگ دوڑتے ہوئے ہماری جانب آ رہے تھے۔

"پوشالی!" میں نے فوراً اس بہادر لڑکی کو مخاطب کیا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلا کرتی تھی۔

وہ فوراً گھسٹ کر میرے قریب ہو گئی۔

"ہم میں سے کسی ایک کو اندر داخل ہونا ہے۔" میں نے جلدی جلدی دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ گولیاں اب تواتر کے ساتھ چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ غنیمت تھا کہ ہم کچن کی نکاسی آب کی نالی کی آڑ میں تھے جو زمین سے کچھ بلندی پر تھی ورنہ کب کے چھلنی ہو گئے ہوتے۔ ہماری جانب سے ابھی تک فائرنگ کا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ "تم یوں کرو کہ کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو جاؤ۔ کچن کے ساتھ دائیں جانب والے پہلے کمرے کو کیمونیکیشن روم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں مواصلاتی آلات نصب ہیں میرا اندازہ ہے کہ یہاں سے پندرہ سے بیس فوجی موجود ہیں لیکن وہ مزید مدد طلب کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے کیمونیکیشن روم پر قبضہ کر کے مواصلاتی آلات کو تباہ کرنا تاکہ وہ کہیں اور رابطہ قائم نہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ والے کمرے میں ایجنٹ کو قید کیا گیا ہے۔ تم اسے باہر لے آؤ میں باہر والوں کو روکتا ہوں۔ انہیں یہ شک بھی نہیں ہو گا کہ کوئی اندر بھی داخل ہوا ہے۔ وہ یہیں الجھے رہیں گے"۔

"لیکن تم تنہا..."

"مجھے کچھ نہیں ہو گا' بس تم جاؤ' اندر کی کارروائیوں کے سلسلے میں تم خود مختار ہو جو چاہے کرنا لیکن محتاط ہو کر میں نہیں چاہتا کہ میری زندگی ادھوری رہ جائے"۔

پوشالی گھسٹ کر آگے آ گئی۔

میں نے اسٹین گن سے پہلا برسٹ فائر کیا۔ جواب میں دو کریہہ چیخیں ابھریں جس سے

اندازہ ہوا کہ دو دشمن کم ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی میں تیزی سے کھڑکی سے دور ہوتا چلا گیا تاکہ ان کی فائرنگ کا رخ بدلا جا سکے اور پوشالی بہ حفاظت اندر داخل ہو سکے۔

دائیں جانب مجھے ایک بھارتی فوجی کی جھلک نظر آئی جو ہاتھوں پیروں کے بل جھک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے تین گولیوں کا ایک برسٹ اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ موت کے تینوں پیغامبر اس کے چہرے تک پہنچے وہ چیخا لیکن چیخ فوراً ہی معدوم ہو گئی کیونکہ اگلے ہی لمحے اس کا جسم، چہرے سے محروم ہو چکا تھا۔ میں نے اسے وہیں ڈھیر ہوتے دیکھا۔

اب میں کھڑکی سے کوئی تیس گز دور ہٹ آیا تھا۔ ساتھ ساتھ میں فائر بھی کرتا جا رہا تھا تاکہ انہیں میری پسپائی کا اندازہ ہوتا رہے۔ میرے سامنے ایک موٹا سا درخت آ گیا میں نے اسی کے تنے کو آڑ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور جم کر فائرنگ کا جواب دینے لگا۔ میری پشت بارودی سرنگوں کے علاقے کی جانب تھی اس طرح میں دائیں بائیں نظر رکھ سکتا تھا۔ دشمن دونوں طرف سے فائرنگ کر رہا تھا اور مجھے صورت حال پر کڑی نگاہ رکھنی پڑ رہی تھی ورنہ کوئی بھی گولی مجھے مرحوم کر سکتی تھی۔

میں نے فائرنگ کے دوران کچن کی کھڑکی کی طرف دیکھا پوشالی کھڑکی کی چوکھٹ پر مجھے نظر آئی۔ فوراً ہی اس کی سمت فائرنگ ہوئی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا لیکن گولیاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ اندر کود چکی تھی۔ میں نے سکون کی سانس لی اور دشمنوں کو تاکنے میں مصروف ہو گیا۔

اب میری توجہ بٹ گئی تھی۔ آنکھیں باہر نگراں تھیں اور دل اندر اٹکا ہوا تھا۔ شاید اسی لئے گرد و پیش سے ذرا سا بے خبر ہوا اور مارا گیا۔ کسی نے عقب سے میرے اوپر چھلانگ لگائی اور مجھے ساتھ لئے زمین پر گرتا چلا گیا۔ میں زخمی ہو جانے والے شیر کی طرح پلٹا۔ وہ کوئی ہندو فوجی تھا جو میری بے خبری میں گھوم کر میرے عقب میں جا پہنچا تھا۔ چاہتا تو مجھے گولی سے اڑا سکتا تھا لیکن شاید وہ زندہ گرفتار کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔

میں نے لوٹ لگا کر سیدھا ہونے کی کوشش کی لیکن فوجی نے مجھے بری طرح بے بس کیا تھا۔ میرے ہاتھ اس کی گردن پر پہنچنے کے لئے اٹھے لیکن اس نے تین گھونسے تابڑ توڑ میرے چہرے پر برسا دیئے۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ کہاوتاً نہیں بلکہ حقیقتاً نانی امی یاد آ گئی تھی۔

چہرے پر لگنے والی ضربیں اتنی شدید تھیں کہ میرے ہاتھ اوپر اٹھنے کی بجائے پہلوؤں میں گر پڑے۔ دایاں ہاتھ بیلٹ سے ٹکرایا تو مجھے خنجر کا خیال آیا۔ میں نے اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو کھولا اور رہی سہی قوت ارادی کو مجتمع کر کے خنجر بیلٹ سے نکالا اور اس کی بائیں پسلیوں میں گھونپ دیا۔ فوجی کے منہ سے بھیانک چیخ آزاد ہو گئی۔ خنجر دستے تک اس کے پہلو میں پیوست ہو گیا تھا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ فوراً ہی ایک جانب لڑھک گیا۔

میں نے زمین سے پڑی اشٹین گن اٹھالی جو اس دھینگا مشتی میں گر گئی تھی۔ خنجر بھی اس کے

جسم سے نکال کر صاف کیا اور دوبارہ بیلٹ میں اڑس لیا۔

سامنے کی طرف سے تین فوجی مجھے پیش قدمی کرتے نظر آئے ۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں جن سے نکلنے والے شعلے میری طرف بھاگتے دکھائی دے رہے تھے ۔ میں نے اسٹین گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا کر اسے نیم دائرے میں گھما دیا جانے کتنی گولیاں ان کے جسموں میں پیوست ہو گئیں ۔ تینوں چند لمحوں کے لئے یوں اچھلے جیسے افریقہ کا کوئی جنگلی رقص کر رہے ہوں ۔ آخر کار وہ زمین پر گرتے چلے گئے ۔۔

اسی وقت مجھے عمارت کے اندر اسٹین گن چلنے کی آواز سنائی دی ۔ پھر رائفل کی گولیاں چلیں ۔ یقیناً پوشالی کا سامنا دشمن سے ہو گیا تھا ۔ میں فکر مند تو ہوا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ کامیاب لوٹے گی ۔ میں اسے اللہ کے حوالے کر کے دوبارہ باہر کی طرف متوجہ ہو گیا ۔

فوجی اب آڑ لے کر فائرنگ کر رہے تھے میں بھی محفوظ تھا ۔ وقفے وقفے سے میں اسٹین گن میں نئی بیلٹ لگاتا اور انگلی ٹریگر پر رکھ دیتا ۔ موت فوراً ہی قہقہے لگانے شروع کر دیتی ۔ ایمونیشن وافر مقدار میں تھا ۔ مجھ سے بھڑنے والے بھارتی فوجی کی آٹومیٹک رائفل بھی قریب ہی پڑی تھی ۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر وہ ہوش میں ہوا تو یہ اس کے کام آ جائے گی ۔

عمارت کے اندر سے وقفے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی ۔ بعض اوقات چیخیں بھی ابھرتیں لیکن ان میں کوئی نسوانی چیخ نہیں تھی جس کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ پوشالی محفوظ ہے ۔ میں کھڑکی کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا تاکہ جب پوشالی واپسی کے لئے آئے تو میں فائرنگ میں تیزی کر دوں ۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں ۔ پوشالی کا سیاہ سایہ مجھے چوکھٹ پر نظر آیا ۔ میں نے فائرنگ تیز کر دی تاکہ وہ بہ حفاظت نیچے کود سکے ۔ پہلے پوشالی نے نیچے چھلانگ لگائی اور چند ثانیوں بعد ایک دوسرا سایا کودا ۔ میرے بدن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ ایجنٹ نہ صرف زندہ بلکہ ہوش و حواس میں تھا ۔ لگتا تھا بھارتیوں نے اس پر تشدد موقوف کر دیا تھا ۔ یا پھر وہ اتنا سخت جان تھا وہ کہ تشدد کے باوجود اپنے پیروں پر کھڑا تھا ۔

میں نے حلق سے فوراً پرندے کی مخصوص آواز نکالی تاکہ آنے والوں کو میری پوزیشن کا علم ہو سکتا ۔ جواب بھی مجھے پرندے کی آواز میں ہی ملا ۔ پھر انہوں نے میری سمت رینگنا شروع کر دیا ۔ چند ہی منٹوں میں وہ میرے قریب آ گئے اور ہم نے باڑھ کی طرف کھسکنا شروع کر دیا ۔

پوشالی اور ایجنٹ کو میں نے آگے رکھا تھا ۔ ایجنٹ کی حالت بڑی ابتر تھی لیکن قوت ارادی کے بل بوتے پر ہمارا ساتھ دے رہا تھا ۔ اس کے چہرے پر جابجا خراشوں کے نشانات تھے اور لباس بھی جگہ جگہ سے مسکا ہوا تھا ۔ اس نے انتہائی تشکر آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے مسکرا کر اس کے حوصلوں کی داد دی ۔

"خیال سے آگے بڑھنا پوشالی، بارودی سرنگوں سے بچ کر..." میں نے عادتاً اسے نصیحت کی۔
"فکر نہ کرو، مجھے یاد ہے۔" پوشالی نے میری بات کاٹ دی اور آگے کی طرف گھسٹنے لگی۔
ایجنٹ درمیان میں تھا جبکہ میں پیچھے تھے۔ چند فٹ گھسٹ کر میں پلٹتا اور فوجیوں پر فائر جھونک دیتا جنھوں نے اب ہمارا تعاقب شروع کر دیا تھا۔
میں جلد از جلد بارودی سرنگوں سے پار نکل جانا چاہتا تھا تاکہ تعاقب کرنے والوں پر کاری ضرب لگا سکوں۔
باڑھ تک پہنچنے میں ہمیں دس منٹ لگے۔ اس وقت تک بھارتی فوجی بھی بارودی سرنگوں کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ اب فائنل ایکشن کا وقت آ گیا تھا۔
"پوشالی ہوشیار!" میں نے اسے ہوشیار کرنے کے لئے بلند آواز میں کہا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اپنی کمر پر بندھے تھیلے سے وہ تین دستی بم ٹٹولے جو شاید اسی قسم کے کام کے لئے علیا نے میرے حوالے کیئے تھے میں نے ایک دستی بم نکالا اس کی حفاظتی پن کھینچی اور پوری قوت سے آنے والوں کی طرف اچھال دیا...
"بھاگو!" میں دوبارہ چیخا اور اٹھ کر دوڑ پڑا۔
دستی بم کے پھٹنے کا دھماکہ کان پھاڑ دینے والا تھا۔ کئی چیخیں ابھریں۔ جسم اچھل کر بارودی سرنگوں والے علاقے میں گرے اور پھر پے در پے دھماکوں سے پوری وادی گونج اٹھی۔ ایک کے بعد ایک بارودی سرنگ پھٹ رہی تھی۔ ان کا آپس میں فاصلہ اس قدر کم تھا کہ ایک سرنگ پھٹتی تو چند ہی ثانیوں میں دوسری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔
بھارتی فوجی اب آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے بھاگ رہے تھے لیکن دونوں طرف موت ناچ رہی تھی۔ شاید ہی ان میں سے کوئی بچ کر واپس عمارت تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہو۔ میں نے بھاگتے ہوئے باقی دونوں بم بھی نکالے اور دائیں بائیں اچھال دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بھی قیامت اتر آئی۔
لیکن ہم اس قیامت کی پہنچ سے محفوظ تھے۔
ٹیلے کے دامن میں خچر بدستور بندھے ہوئے تھے۔ وہ دھماکوں سے بد حواس ضرور ہوئے اور شاید بدک کر انھوں نے رسیاں تڑوانے کی کوشش بھی کی ہو لیکن بھاری پتھروں کی وجہ سے وہ وہیں مقید ہو کر رہ گئے تھے۔
میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس محفوظ ٹھکانے کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ کیا جس کے بارے میں علیا نے مجھے بتایا تھا۔ زخمی ایجنٹ کو ایک خچر پر سوار کرا دیا جبکہ پوشالی میرے ساتھ بیٹھ گئی۔
یوں سفر میں کچھ سست روی آ گئی لیکن یہ بھی غنیمت تھا۔
علیا کے بتائے ہوئے ٹھکانے پر پہنچ کر میں نے دونوں کی روداد سنی۔ ایجنٹ پر بے تحاشہ تشدد

ہوا تھا لیکن اس مرد مجاہد نے تمام تر اذیتوں کے باوجود زبان نہیں کھولی تھی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ کل صبح اسے دہلی منتقل کیا جانا تھا اگر میں آج رات نہ پہنچتا تو اس کا جسم کسی تنگ و تاریک تہ خانے میں بتدریج ہڈیوں کے سرے میں تبدیل ہو جاتا۔

پوشالی نے ریسٹ ہاؤس کے اندر جا کر میری ہدایت کے مطابق سب سے پہلے کیمونیکیشن روم پر قبضہ کیا۔ دو افراد وہاں موجود تھے۔ وہ ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام نشر کر رہے تھے لیکن پوشالی کی اسٹین گن نے انہیں پیغام مکمل کرنے کی مہلت نہ دی تھی۔ تین آدمی راہداری میں اس کا نشانہ بنے جبکہ دو اس کمرے کے دروازے پر مارے گئے جس میں ایجنٹ کو قید کیا گیا تھا۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ وقت انتہائی نامناسب تھا لیکن چونکہ مشن کی تکمیل کے بعد فوری طور پر مجھے پاکستان میں باس سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لئے مجھے یقین تھا کہ باس میری کال کا منتظر ہو گا۔

میں نے ٹرانسمیٹر نکال کر آن کیا۔ اس کی فریکوئنسی سیٹ کی اور مخصوص کوڈ ورڈز دہرانے لگا۔ چند ہی ثانیوں بعد مجھے باس کی آواز سنائی دی۔

"رپورٹ؟" لہذا سوالیہ تھا۔

اور میں نے حتی المقدور الفاظ میں اپنی کارکردگی دہرا دی۔

"ویل ڈن۔" باس کو ایجنٹ کی رہائی کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی تھی کیونکہ ایجنٹ بہرحال انسان تھا اور کسی بھی مرحلے پر وہ ایسی باتیں اگل سکتا تھا جس سے پورے بھارت میں پاکستان کی جاسوسی کے جال کو سخت دھچکا پہنچ سکتا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے سر؟" میں نے دھیرے سے دریافت کیا۔

"تم تینوں کا کام اب ختم ہو گیا ہے، لہذا فوری طور پر واپس آ جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" یہ حکم میرے لئے انتہائی غیر متوقع تھا۔

"تم، پوشالی اور ایجنٹ کسی نہ کسی طور بھارتی خفیہ اداروں پر منکشف ہو چکے ہو اس لئے اب وہاں رہنا انتہائی خطرناک ہے وہ کسی بھی وقت تم لوگوں پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ کسی تاخیر کے بغیر سرحد پر پہنچو، فوج کی خصوصی گاڑی وہاں تمہاری منتظر ہو گی جو تمہیں راولپنڈی پہنچا دے گی۔"

"جی سر!" میں نے دھیرے سے کہا اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

میں دلی طور پر خاصا مایوس ہوا تھا۔ ملک کے لئے میری خدمات کا ایک روشن باب ختم ہو گیا تھا لیکن مجھے اس بات کا زیادہ دکھ نہیں تھا کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ اب شاید میرا حوصلہ اتنا جوان نہیں رہ گیا تھا کہ صعوبتیں برداشت کرتا۔ پوشالی کی طرح میں بھی تھک گیا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا۔ اپنے وطن کی مٹی سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ وہاں کے باغوں کی سوندھی سوندھی

خوشبوؤں کو خود میں سمونا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے ایک انسان کب تک خود کو سرگرم عمل رکھ سکتا ہے
زندگی تو ایک دائرہ ہے کہ چلنے والا ایک روز لوٹ کر واپس اسی مقام پر آجاتا ہے جہاں سے چلا تھا لیکن خالی
ہاتھ اور میں بھی آج اسی مقام پر کھڑا تھا۔ شاید میرا دائرہ بھی پورا ہو گیا تھا۔ کل میری جگہ لینے والے اور
بہت سے آنے والے تھے۔ خود سے پہلے آنے والے کی طرح میں بھی بھارت سے بہت سی خوف
ناک یادیں اپنے ساتھ لے جا رہا تھا لیکن ایک حسین یاد بھی تھی جو میرے ہم رکاب تھی۔ میں نے دل
ہی دل میں اس کے ساتھ کو مستقل بنانے کا فیصلہ کیا اور ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔
دونوں ساتھی میری بات سن چکے تھے۔ فوری طور پر روانگی کی تیاری کی گئی۔ ٹرانسمیٹر
وغیرہ تلف کر دیا گیا لیکن اسلحہ ہم نے بدستور اپنے پاس ہی رہنے دیا۔
سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔
جب ہم سرحد پر پہنچے تو مشرق سے اجالوں کا دیوتا اپنی روشن روشن کرنوں سمیت ہمارے
استقبال کو ابھر رہا تھا جس نے پوری دنیا کو اپنی تابناکیوں سے منور کرنا تھا۔
میں نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور رخ پھیر کر پوشالی کو دیکھا جو میرے ہاتھ میں ہاتھ
دیئے قدم بہ قدم میرے ساتھ تھی۔
وہ بھی تو ایک سورج تھی جس نے میرے دل کی دنیا کو روشن کرنا تھا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن **اردو بکس** آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

1۔ گروپ میں یا گروپ ایڈمن سے کوئی بھی بات / درخواست / فرمائش کرتے وقت **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** کو فروغ دیں۔

2۔ ایڈمنز یا دیگر ممبرز جو بھی اچھی پوسٹ کریں اس پر کمنٹس / سٹکرز / ایموجیز / رائے لازمی کریں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دیگر ممبران کو بھی اس کتاب / پوسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

3۔ گروپ ایڈمنز سے پرسنل سوالات یا بحث مت کیجئے۔ صرف کتب کے متعلق دریافت کریں یا درخواست کریں۔

4۔ ایڈمنز اور ممبرز سے اخلاق سے پیش آئیں۔ اگر ہم ادبی گروپ میں موجود ہیں لیکن ہماری اخلاقیات معیاری نہیں تو ہمیں ادبی گروپ کا ممبر کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں۔ کوئی ممبر کسی دیگر ممبر کے انباکس میں میسج نہیں کرے گا ورنہ ریموو کر دیا جائے گا۔

5 گروپ میں یا ایڈمن کے انباکس میں وائس میسیج، ویڈیوز بھیجنے کی حرکت مت کریں ورنہ ریموو اور بلاک کر دیئے جائیں گے۔

6۔ گروپ میں کسی بھی قسم کی مذہبی فرقہ پرستی / سیاسی / انتشار پھیلانے والی گفتگو سختی سے منع ہے

سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخ صحابہ و اہلبیت، دہشت گرد / کالعدم / پاکستان مخالف تنظیموں کے افراد یا ایسے غیر مسلم جو پاکستان اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے فزیکلی / روحانی / ذہنی سپورٹرز ہوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص سے گزارش ہے کہ گوپ جوائن کرنے کی بالکل بھی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

7۔ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے وٹس ایپ گروپس میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

8۔ یاد رہے کہ ہمارا کوئی کتب خانہ / دوکان / شاپ / سٹور نہیں ہے نہ ہم کوئی کتاب پبلش کرتے ہیں نہ ہی اسکین کرتے ہیں۔ نہ ہی ہمیں کسی پبلشر کی خدمات ہی حاصل ہیں کہ ہم کسی کی کتاب چھاپیں۔ جو کتاب انٹرنیٹ سے نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔

0312-0060411
محمد سلمان سلیم

0343-7008883
پاکستان زندہ باد (ہاشو)

سپر ایڈمن
راؤ ایاز

(گروپس میں صرف ناولز، لطائف، تاریخ، اسلام اور تدریسی کتب ہی شیئر کی جاتی ہیں کسی بھی متنازعہ / بین شدہ / پاکستان وادارہ مخالف یا ممنوعہ کتاب سے ایڈوانس معذرت)

جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

7۔ ہمارا گروپ جوائن کرنے کے لئے درج ذیل لنکس پر کلک کریں اور وٹس ایپ سلیکٹ کر کے جوائن کرلیں۔ صرف ضروری گروپ ہی جوائن کریں۔

8۔ گروپ رولز سخت ہیں لیکن ممبرز کی سہولت کے لئے ہیں

گروپ فل ہونے یا لنک ریووک ہونے کی صورت میں ایڈمن سے صرف وٹس ایپ پر لکھ / ٹائپ کر کے میسج کریں۔ وائس نوٹ سے گریز کریں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل سم پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔

9. ڈیمانڈ صرف صبح 9 سے 2 بجے تک کریں (جمعہ اور اتوار کو چھٹی) اپنی ڈیمانڈ کے بعد 48 گھنٹے تک پوسٹنگ کا انتظار فرمائیں نہ ہونے پر دوبارہ یاد کروادیں (ایڈمنز کی مصروفیت کی بناء پر اپنی ڈیمانڈ یاد کروانا ممبرز کی ذمہ داری ہے)۔ پوسٹنگ گروپ میں ہی ہوگی انباکس میں نہیں کی جائے گی۔ شکریہ

فیمیل کے لئے الگ گروپ موجود ہے جو صرف فیمیلز کو ہی مہیا کیا جائے گا

اللہ کریم ہم سب کا حامی وناصر ہو

0312-0060411　　0343-7008883　　سپر ایڈمن
محمد سلمان سلیم　　پاکستان زندہ باد (ہاشو)　　راؤ ایاز